خیر الفتاویٰ

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے

علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

مرتبہ

مولانا مفتی محمد انور زید مجدہم

مکتبہ امدادیہ

ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان پاکستان

جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خیر الفتاوی

جلد اوّل

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نوّر اللہ مرقدہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاوی کا منتخب مجموعہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

نام کتاب : خیر الفتاوی (جلد اوّل)

باہتمام : حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مرتب : مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ

کل صفحات : ٦١٦ صفحات

ناشر : مکتبہ امدادیہ ملتان ٧٢٨
(Phone No. 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ .... غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ .... آرام باغ کراچی

ضروری گزارش

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اگر اس کے باوجود کہیں کتابتی اغلاط نظر آئیں تو
نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جاسکے۔
فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین (ادارہ)

فہرستِ مضامین "خیرالفتاویٰ" جلدِ اوّل

مَایَتَعَلَّقُ بِالْحَدِیْثِ

ما یتعلق بالانبیاء والصلحاء

ذکر و اوراد ، دعاء اور تعویذات

مَایتعلق بالسُلوک

نمبر شمار	مَا یتعلقُ بالفِرَقِ المختلفۃ	صفحہ نمبر

مَایتعلّق بالتّاریخ

مایتعلق بالسُّنّۃ والبدعۃ

عرضِ مُرتّب

بندۂ عاجز نے صرف یہ سوچ کر اس علمی مجموعہ کو بزعمِ خویش ترتیب دینے کی کوشش کی ہے کہ اللہ علیم وخبیر کے ہاں حسنِ نیت اور حسبِ ہمت سعی و کوشش کی بھی بڑی قدر ہوتی ہے ورنہ میں اپنے علم و فہم کی بنا پر ہرگز ہرگز اس ذمہ داری کا اہل نہ تھا۔

لعل وجواہر جہاں بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں اہلِ نظر کے لئے متاعِ دل و جان ہوتے ہیں اس عاجز نے بھی اہلِ علم وفضل کے لئے علم وتحقیق کے یہ جواہر خیر المدارس کے قدیم رجسٹرِ فتاویٰ سے منتخب کئے اور جیسے کیسے ہوسکا ہدیۂ ناظرین کر دیئے۔ اس ساری کد و کاوش میں نہ تو کسی صلہ کی تمنا پیشِ نظر تھی اور نہ ہی کوئی ستائش مقصود تھی، اور ہوتی بھی تو کس بنا پر؟ بلکہ صرف اور صرف یہ نیت تھی کہ حضراتِ اساتذۂ کرام کا یہ علمی وتحقیقی ورثہ اور علوم ومعارف کا یہ گنجینہ رجسٹروں ہی تک محدود نہ رہے۔

ترتیب سے متعلق حتی الوسع ہر امر میں تصحیح کا پورا خیال رکھا گیا ہے تاہم ناظرینِ کرام سے گزارش ہے کہ کسی غلطی پر مطلع ہوں تو متنبہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

راقم السطور

خاکپائے درویشاں ومحبِ ایشاں

فقیر ابو تراب

محمد انور عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء والحدیث بجامعہ خیر المدارس ملتان

کلمۂ تشکر

از: حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری مدظلہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

جامعہ خیر المدارس (ملتان) کے دارالافتاء کو اندرون و بیرون ملک ایک مرکزی مقام حاصل ہے اس سے جاری ہونے والے فتاویٰ کو علمی تحقیقی وقعت کے پیش نظر تمام دینی حلقوں میں سندِ اعتماد حاصل ہے۔ جامعہ کی نشاۃ ثانیہ سے تادمِ تحریر تمام جاری کردہ فتاویٰ رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ حضرت جدِ امجد مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہٗ نے بڑے التزام و اہتمام کے ساتھ "نقلِ فتاویٰ" کا کام اپنی نگرانی میں کرایا جس سے آپ کے حسنِ انتظام کے ساتھ اس منشاء پر بھی دلالت ہوتی ہے کہ آپ اس علمی ذخیرہ کو افادۂ عام کے لئے محفوظ کرا رہے تھے۔

میرے والد حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی دلی خواہش و تمنا تھی کہ یہ علمی خزینہ رجسٹروں کی زینت نہ رہے بلکہ منظرِ عام پر آ کر اہلِ علم اور عامۃ الناس کے استفادہ کا باعث بنے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حضرت مفتی محمد انور صاحب مدظلہ کو متوجہ فرمایا۔ اس سلسلہ میں پیشرفت آپ کے دورِ اہتمام ہی میں ہوئی لیکن آپ کی زندگی میں اس تمنا کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اب ان کی وفات کے بعد بہ نیتِ ایصالِ ثواب ان کی اس نیک تمنا کی تکمیل کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

"خیر الفتاویٰ" کی اہمیت اور اس میں شامل فتاویٰ کے علمی و تحقیقی ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رح حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہٗ، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ، حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہٗ جیسے مفتیانِ عظام کے فتاویٰ اس کی زینت ہیں۔

اس عظیم علمی خدمت کی تکمیل پر حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہٗ کا صمیم قلب سے ممنون ہوں کہ جنہوں نے شبانہ روز محنت کر کے اس کٹھن و مشکل ترین کام کو تن تنہا سر انجام دیا ہے۔ فجزاہم اللہ عنا و عن سائر المسلمین۔

علاوہ ازیں حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہٗ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی سرپرستی و راہنمائی سے جامعہ کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ ناسپاسی ہوگی اگر مولانا محمد ازہر صاحب مدیر "الخیر" و دیگر رفقاء کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے تعاون کی وجہ سے "خیر الفتاویٰ" منصۂ شہود پر آیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بقیہ جلدوں کی جلد اشاعت کی توفیق عطاء فرمائیں اور اسے مقبولیتِ عامہ عطاء فرمائیں۔ آمین

○

پیش لفظ

از
محمد ازہر۔ مدیر "الخیر" خیر المدارس
(ملتان)

نحمدہٗ و نصلّی علی رسولہ الکریم

فقہ عربی زبان میں کھولنے اور پھاڑنے، تحقیق وجستجو، غور وتأمّل، ذہانت وفطانت اور فہم وادراک وغیرہا معانی میں استعمال ہوتا ہے، اصطلاحِ شریعت میں اپنے دینی فرائض ومناصب کا علم، رسوخ فی العلم، رسوخ فی الدین، حدود و مقاصدِ شریعت سے آگہی، اصولِ اربعہ پر فروعی مسائل وحوادث کے انطباق وغیرہا کو فقہ کہا جاتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے معرفۃ النفس مالہا و ما علیہا کے جامع الفاظ سے "فقہ" کی تعریف فرمائی ہے علمِ فقہ کی حیثیت واہمیت اور عظمت و وقعت اس کی تعریف و معانی سے عیاں ہے۔

یہ علم جتنا وقیع، عظیم اور عمیق ہے اتنا ہی نازک پیچیدہ اور حزم واحتیاط کا متقاضی ہے علماء راسخین فی العلم و فقہاء کرام نے اس کے ذریعے شریعت کے رموز وغوامض کی نقاب کشائی کے ساتھ کتاب وسنّت کی بنیاد پر متنوّع مسائل وحوادث، مختلف جزئیات اور حالات وطبائع کے تغیّرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے احکام صادر فرمائے۔

الحمدُ للہ جو مسلمان اپنے دل میں احساسِ مسئولیت اور دین پر عمل کی کچھ تڑپ رکھتے ہیں وہ پیش آمدہ مسائل وجزئیاتِ متفرّقہ کے احکام معلوم کرنے کے لئے عصرِ حاضر کے "دانشوروں" دین ودنیا کے علوم سے "آشناؤں" "علومِ اسلامیہ میں ---------- ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہولڈروں" اور ملکی وبیرونی یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے "وسیع النظروں" کی "تحقیقات واجتہادات" پر اعتماد کرنے کی بجائے مساجد ومدارس کے ان بوریا نشین علماء کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں جن کے وجود سے اس مایوس کن مادّی ماحول میں بھی دین کی کچھ آبرو قائم ہے۔ مدارسِ عربیہ کے دار الافتاء اس کے شاہد ہیں جن سے اب تک لاکھوں افراد مسائل ونوازل میں تحقیق وتفتیش کرکے عمل کی دنیا سنوار چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ روزِ اوّل کی طرح جاری ہے۔

لیکن اس سلسلہ سوال وجواب میں یہ بات شدّت سے محسوس ہوتی ہے کہ اس کا نفع انفرادی لازم

اور سائل و مُفتی تک محدود رہتا ہے۔ اگر یہ تمام علمی ذخیرہ منصّۂ شہود پر آئے تو ایک ایک استفتاء سے سینکڑوں افراد مستفید ہو سکتے ہیں۔ متعدّد اہل علم حضرات نے اس کا احساس فرمایا اور اُن نوادرات و مخطوطات کو جو رجسٹروں اور فائلوں کی زینت تھے افادۂ عام کے لئے شائع فرمادیا، امداد الاحکام، امداد الفتاویٰ فتاویٰ خلیلیہ، کفایت المفتی، فتاویٰ دار العلوم دیوبند اور احسن الفتاویٰ اس سلسلہ کی روشن مثالیں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ متفرّق و منتشر اوراق میں بکھرے ہوئے ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا مہارت و حذاقت، دیدہ ریزی، محنت و سلیقہ اور حوصلے کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک اُن متعدّد اہم عربی مدارس جو دینی، علمی، ملّی خدمات میں مصروف و معروف ہیں کی جانب سے اس قسم کی علمی دستاویزات سامنے نہیں آئیں، (جو بہر حال ایک تسامح اور کسی قدر غفلت ہے) اوّل الذکر تمام فتاویٰ کا تعلّق بھی ہندوستان کے تعلیمی اداروں یا شخصیات سے ہے۔

الحمدللہ پاکستان میں اس سلسلہ کی اوّلین سعادت ملک کے ممتاز دینی ادارہ جامعہ خیر المدارس کو حاصل ہوئی ہے جس کا دار الافتاء افراط و تفریط میں مسلکِ اعتدال، علمی تحقیق و تدقیق میں مثال اور مسلک اہل سنّت والجماعت دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے ملک گیر شہرت کا حامل ہے۔

دار الافتاء مذکور میں قیام پاکستان سے اب تک تقریباً ۴۰ سال کے فتاویٰ جو عارف باللہ فقیہ عصر حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، فاضل محقق حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب اور دیگر مفتیان خیر المدارس کی نادر علمی تحقیقات کا ماحصل ہیں محفوظ تھے متعدد اہل علم حضرات نے انکی اشاعت و طباعت کی خواہش کی لیکن اس گرانقدر علمی خزانہ کو منظر عام پر لانے کے لئے کئی ہفت خواں سر کرنے پڑتے ہیں، فتاویٰ سے انتخاب، اصل سے مراجعت، حوالوں کی تصحیح، صفحات کی درستگی، عبارت کی نوک پلک، جوابات پر نظر ثانی، مکرّرات کا حذف، ناگزیر اضافے، مآخذ سے مطابقت ان خالص علمی کاموں کے علاوہ، کاغذ، کتابت تصحیح، طباعت، اشاعت وغیرھا متعدّد مراحل کی وجہ سے یہ کام اپنی اہمیت کے باوجود نہ ہو سکا۔

کل امر مرھون باوقاتہا کے تحت بتوفیقِ ایزدی مخدومی حضرت مولانا محمد شریف صاحب قدس سرہٗ کے دورِ اہتمام میں اس کی تحریک اور مخدوم زادہ مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری کے دور میں تکمیل ہوئی اس سلسلہ میں مذکورہ بالا تمام امور برادرِ محترم مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدہم نائب مفتی جامعہ ھذا کے سپرد ہوئے یہ ایک حقیقت ہے کہ موصوف محترم نے اپنی تعلیمی و تدریسی مصروفیات کے باوجود یہ فریضہ باحسن طریق انجام دیا ہے اور ہزاروں صفحات پر مشتمل اس علمی خزینہ سے خیر الفتاویٰ کا حسین انتخاب فرما کر علمی جواہر و فقہی نوادر کو طعمۂ کرمان بننے سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ علمی کاوش مفتی صاحب کی محنتِ شاقہ کے بعد ہدیۂ ناظرین بن

رہی ہے، جس میں ایمان و عقائد، القرآن وما یتعلّق بہ، الحدیث وما یتعلّق بہ، بدعات، تاریخ، مختلف جماعتیں اور کتاب السلوک کے ابواب کے تحت سینکڑوں مسائل اور ان کے حل آ گئے ہیں۔

کتاب کی افادیت اور علمی مقام کے اندازہ کے لئے چند سُرخیاں ملاحظہ ہوں۔

(۱) "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نور کو نورِ خداوندی کا جزء کہنا صحیح نہیں"
(۲) "ائمہ مذہب سے نفی سماع موتیٰ صراحۃً منقول نہیں"
(۳) سُنّت کی توہین کفر ہے،
(۴) حیاتِ انبیاء پر خرور سلیمان علیہ السلام کی وجہ سے وارد ہونے والے شُبہ کا شافی جواب۔
(۵) "ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر کے عموم میں ہر ممکن داخل ہے۔
(۶) یزید کے بارے میں عادلانہ رائے،
(۷) تفسیر بُلغۃ الحیران کے متعلّق معتدل رائے،
(۸) تفسیر بالرائے کا حکم۔
(۹) بذریعہ فلم تبلیغ قرآن، توہینِ قرآن ہے۔
(۱۰) ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ حدیث ہے،
(۱۱) تعظیمِ اہلِ بیت سے متعلق چند موضوع احادیث،
(۱۲) سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی گئی ؟
(۱۳) زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا یا نہیں،
(۱۴) حضرت عمرؓ کا بنتِ فاطمہؓ سے نکاح کا ثبوت۔
(۱۵) حضرت معاویہؓ کاتبِ وحی اور امین تھے۔
(۱۶) حلیمہ سعدیہؓ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کس سواری پر لے گئی تھیں۔؟
(۱۷) روافض کو سُنّیوں کی مساجد میں نہ آنے دیا جائے۔
(۱۸) مودودی صاحب کے ساتھ علماء کرام کے اختلاف کی وجہ،
(۱۹) بریلویوں سے مراسم رکھنے کا حکم۔
(۲۰) وُجوب تقلید ائمہ اور ترکِ تقلید کے نتائج
(۲۱) سوا الاکھ آیت کریمہ کا شرعی حکم

بطور نمونہ مُشتے از خروارے، چند عنوان ذکر کئے گئے ہیں۔ اسی طرح باقی تمام فتاویٰ بھی وقیع علمی

مضامین پر مشتمل ہیں۔ حسبِ ضرورت بعض مواقع پر مفصّل کلام کیا گیا ہے۔ اہل بدعت اور منکرین تقلید کے اختلافی مسائل کافی لبسط سے لکھے گئے ہیں جو ان شاء اللہ اہل علم کے لئے موجبِ انبساط واطمینان ہوں گے فتاویٰ کا یہ مجموعہ علمی دنیا میں گرانقدر اضافہ اور طلباء وفضلاء بالخصوص شعبہ افتاء سے متعلّق حضرات کے لئے بیش بہا نعمت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فاضل مرتّب نے اس علمی خزینہ کو عام استفادہ کے لائق بنانے کے لئے انتھک محنت اور صبر وہمّت سے کام لیا ہے اور جو کام ایک معتد بہ جماعت کے کرنے کا تھا اُسے بعونہٖ تعالیٰ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔

فاضل مرتّب کو اس سلسلہ میں ایک مشکل یہ پیش آئی کہ ان فتاویٰ کے نقل کے وقت یہ بات کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھی کہ ایک وقت یہ دفاتر فتاویٰ کے مستند اور وقیع علمی مجموعہ کی بنیاد بنیں گے، اس لئے ناقلین سے متعدّد فروگذاشتیں ہوئیں۔ کہیں سائل کی عبارت میں کمی بیشی، کہیں عربی عبارتوں میں غلطیاں، کسی جگہ حوالے میں نقص، بعض مقامات پر صفحے غلط۔ غرضیکہ "غلطی ہائے مضامین نہ پوچھ" والا معاملہ تھا۔ چنانچہ تمام ایسے مقلات پر خصوصی احتیاط کی گئی ہے۔

سوالات کی عبارات حتی الامکان واضح کی گئیں، عبارتوں کو اصل کتابوں سے درست کیا گیا، حوالوں کے لئے اصل مصادر و مآخذ سے مراجعت کی گئی، صفحات کے نمبر درست کئے گئے۔ بہر حال اب یہ مجموعہ مسمّٰی بہ۔ خیر الفتاویٰ۔ اس قابل ہے کہ اصحابِ علم وفضل اور اربابِ افتاء کی نظر میں ایک مقام حاصل کرسکے۔ خیر الفتاویٰ سے جہاں قدیم وجدید انفرادی واجتماعی مسائل کے سمجھنے میں مدد ملے گی وہاں اس حسین علمی مرقع سے فقہ حنفی کی عظمت، گہرائی اور گیرائی کا بھی اندازہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اِسے جملہ مسلمانوں کے لئے نافع اور ذریعۂ عمل بنا دیں۔ آمین۔

خیرالمدارس کے اربابِ افتاء

محمد ازہر مدیر ماہنامہ "الخیر" جامعہ خیرالمدارس ملتان

بیتُ اللہ زادھا اللہ شرفا وعزًا کے انوار و برکات اور رُوحانی جذب و کشش اور کیفیات کی کسی صاحبِ نظر اہلِ دل نے بڑی حسین توجیہ و تعبیر کی ہے کہ ؎

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود
زانکہ از اخلاصاتِ ابراھیمؑ بود

جس طرح بیتُ اللہ کے انوار و تجلیاّت کی پیہم زیادتی میں ابراھیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صدق و صفا اور اخلاص و وفا کا حِصّہ ہے، اسی طرح ہر وہ نیک عمل جس کی آبیاری خلوص وللھیت تعلق مع اللہ اور خشیت و تقویٰ کے پاکیزہ پانی سے کی جائے، روز افزوں ترقی پذیر رہتا ہے۔

ع چراغِ مقبلاں ھرگز نہ میرد

آج سے نصف صدی قبل ایک عارف کامل، عالمِ ربّانی درویشِ خدامست حضرۃ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہٗ نے جالندھر میں خدمتِ دین کا جو بیج بویا تھا آج وہ تناور درخت بن چکا ہے جس نے الحاد و زندقہ اور کفر و فسق کی چلچلاتی دھوپ، بادِ صرصر کے تھپیڑوں اور آگ برساتی فضا میں ہزاروں انسانوں کو اپنی ٹھنڈی اور میٹھی چھاؤں میں پناہ دی۔ آج بھی سینکڑوں افراد اس کے شیریں ثمرات سے مستفید ہو رہے ہیں۔

مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ جامعہ کے بانی، مہتمم، شیخ الحدیث صدر مدرّس، اور دارالافتاء خیرالمدارس کے صدر مجلس تھے۔

(۱) عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمّد صاحب جالندہری قدس سرہٗ

؎ ہرگز نہ میرد آنکہ دِلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالَم دوامِ ما

مُفتیٔ اوّل

آپؒ ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۸۹۵ء بمقام عمروالہ تحصیل نکودر (ضلع جالندھر) میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام الٰہی بخش تھا، ددھیال کا پیشہ زراعت تھا، ننھیال میں آپؒ کے ماموں میاں شاہ محمد ولد میاں شیر محمد ذاکر شاغل اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت تھے، بچپن کے دس سال حضرت والاؒ نے انہی کی تربیت و نگرانی میں گزارے اور قرآن پاک بھی انہی سے پڑھا، بعدازاں بالترتیب مدرسہ رشیدیہ نکودر، مدرسہ رشیدیہ رائے پور گجراں، مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی، اور مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں تعلیم پائی، اساتذہ میں حضرۃ مولانا مفتی فقیر اللہؒ، حضرۃ مولانا فضل احمد صاحبؒ حضرۃ مولانا محمد یٰسین صاحب سرھندیؒ اور حضرۃ مولانا سلطان احمد صاحب پشاوریؒ کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں۔

۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۱ء تک متحدہ ہندوستان میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۳۱ء میں حکیم الاُمّت مجدد الملّت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے مشورہ و اجازت سے اپنے ادارہ "خیر المدارس" کا آغاز فرمایا ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد یہ مدرسہ قدیمی شہر ملتان میں منتقل ہوا، ۸ر اکتوبر ۱۹۴۷ء سے باقاعدہ تعلیم کا اجراء کیا گیا، اُس سال پورے پاکستان میں صرف یہی واحد ادارہ تھا جس میں دورۂ حدیث پڑھایا گیا۔ باقی مدارس ابتدائی مراحل میں تھے یا ابھی وجود ہی میں نہ آئے تھے۔

دارُالافتاء کا قیام

حضرۃ والاؒ نے جامعہ کی نشأۃ ثانیہ کے متصل بعد ہی عامۃ النّاس کی دینی مسائل سے واقفیّت و آگاہی کے لئے "دارالافتاء" قائم فرمایا۔ مگر یہ "دارالافتاء" آپ ہی کی ذات کا نام تھا، نہ مستقل عمارت تھی، نہ نائب، نہ معین، نہ ناقل، اپنی تمام تر تعلیمی، انتظامی، اصلاحی و تبلیغی مصروفیات کے ساتھ یہ کام، جو کئی افراد کا مقتضی ہے حضرتؒ تن تنہا انجام دیتے تھے، خود ہی جوابات تحریر فرماتے، خود ہی انہیں رجسٹر میں نقل فرماتے اور اپنی ذاتی مُہر سے مزیّن فرما کر سپردِ ڈاک کرتے۔

حضرت والاؒ علومِ نبُوّت کے وارث و امین اور اخلاقِ نبُوّت کا آئینہ تھے، ارشاد و ہدایت، خلوص و للّٰھیّت، تقویٰ و طہارت، تدبّر و فراست، اعتدال و استقامت، زہد و قناعت جیسے ان گنت محاسن و محامد کی تصویر تھے۔

حُسنِ تعلیم و تقریر

آپؒ انتہائی شفیق استاذ اور مربّی تھے، سبق کی تقریر دریا بکوزہ

کی مثال ہوتی اسلوب بیان سلیس اور دلنشین ہوتا تھا، لمبی لمبی تقاریر و مباحث کو نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ طلبہ کو ذھن نشین کرا دینا حضرت والاؒ کا خصوصی کمال تھا۔ بسا اوقات منطق و فلسفہ کی بعض ادق مباحث پڑھانے سے ایک دن قبل طلبہ سے فرماتے کہ "کل کا سبق کچھ مشکل ہے اس کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آئیں"۔ لیکن دوسرے دن ایسی ترتیب و تسہیل سے بیان فرماتے کہ طلبا اُسے نہایت سہل پاتے اور ایک دن قبل کی تنبیہ پر متعجب ہوتے۔ حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ تفہیم و تعلیم کے سلسلہ میں استاد خود مشقت برداشت کرے، طلبہ پر بوجھ نہ ڈالے، حدیث پاک کی تدریس میں حضرت والاؒ، ائمہ مجتہدینؒ کے مستدلات کا ایسا محمل بیان فرماتے یا ایسا معنی خیز ترجمہ بیان فرماتے کہ وہ حدیث حنفیہؒ کی دلیل معلوم ہوتی۔

مشہور حدیث " البیعان بالخیار مالم یتفرقا " معرکۃ الآراء حدیث ہے اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام شافعیؒ احناف سے "خیار مجلس" کے مسئلہ پر اختلاف فرماتے ہیں، اساتذۂ حدیث احناف کی طرف سے اس حدیث کی متعدد توجیہات بیان فرماتے ہیں۔ " تفرق بالابدان" اور " تفرق بالاقوال" کی تقسیم اور " تفرق بالاقوال" کے نظائر اور قرائن وغیرہ وغیرہ۔

حضرت والاؒ اتنی تطویل کی بجائے ایسا جچا تُلا ترجمہ فرماتے کہ توجیہات کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ آپؒ فرماتے "البیعان بالخیار مالم یتفرقا" کا مطلب یہ ہے کہ سودا کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک سودا چکا کر الگ الگ نہیں ہو جاتے، ظاہر ہے اس ترجمہ کے بعد یہ حدیث "خیار مجلس" کی دلیل نہیں بن سکتی اور غور کیا جائے تو یہ اُسی "تفرق بالاقوال" کی موجز و حسین تعبیر ہے۔ فللّٰہ درہٗ!

علمی تبحر اور فقہی ژرف نگاہی

سنہ ۱۹۴۹ء میں خیر المدارس میں افتاء کا شعبہ مستقل کر دیا گیا اور اس کے مسئول عنہٗ عارف کامل حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ مقرر ہوئے تاہم حضرت مفتی صاحبؒ تمام فتاویٰ بعد از عصر حضرت والاؒ کی خدمت میں پڑھ کر سناتے، آپ کمال توجہ سے سنتے، حسب ضرورت آپؒ کی ترمیم و تصحیح یا تصدیق کے بعد سپرد ڈاک کئے جاتے، بعض جوابات پر حضرت والاؒ مرتبت کچھ اضافہ بھی فرماتے، جو آپؒ کی دقت نظر، تبحر علم، تعمق فکر اور فقہ میں نگاہِ دور رس کا شاہکار ہوتے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ ہزارہ سے ایک عالم دین نے اس مضمون کا استفتاء بھیجا کہ "تفسیر بلغۃ الحیران" کے مختلف مقامات پر آیات کی ایسی تفاسیر کی گئی ہیں جو سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کے عقائد و نظریات کے خلاف ہیں۔ اس کے ثبوت میں مستفتی نے ۶ مقامات باحوالہ بقید صفحہ نقل کر کے پوچھا

کہ کیا یہ اہل سُنّت والجماعت کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا اظہار تو نہیں ؟

حضرۃ مولانا مفتی محمد عبداللہ رحمہ اللہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا جس کے شروع میں آپؒ نے تمہیداً لکھا۔ " ہمارا مسلک علماء دیوبندؒ کے اصول کے مطابق احتیاط پر مبنی ہے ، ہم عباراتِ مشکوکہ و مشتبہ کی بناء پر تکفیر و تفسیق میں جلدی نہیں کرتے ، افراط و تفریط ... یہی دو ایسے امر ہیں جن کی بناء پر اُمّت میں فساد پیدا ہوتا ہے ، اگر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور اُن کی جماعت آپ کی نظر میں اکثر مسلمانوں کی تکفیر کرتی ہے (جس کا ہمیں پورا یقین نہیں) تو یہ ایسا ہے جیسا بریلوی حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں لیکن ہمارے اکابر نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے اس لئے ہم بھی تکفیر کے بارے میں ہمیشہ احتیاط کرتے ہیں ۔ اور اپنے بھائیوں کو بھی احتیاط کرنے اور عباراتِ مشکوکہ کی جب تک اصل عباراتِ کفر کے معنی کی تصریح نہ کریں ، تاویل ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں ۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا کہ ہم نے آپ کی محولہ عبارات کے بارے میں مولانا غلام اللہ خانصاحب سے تحقیق کی ہے وہ ان تمام عبارات کی ایسی توجیہ یا تاویل کرتے ہیں جو تکفیر و تفسیق سے مانع ہے لہٰذا ہمیں قول مالا یرضیٰ بہ القائل لے کر کُفر یہ احتمال کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں اگر یہ لوگ تشدد کرتے ہیں تو ہمیں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے ۔"

بظاہر یہ جواب مکمل تھا مگر حضرت والاؒ نے اپنی خداداد بصیرت و فراست یہ محسوس فرما لیا کہ اس فتویٰ سے بعض اہلِ غرض یہ تأثر بھی دے سکیں گے کہ خیر المدارس نے تفسیر بلغۃ الحیران کی من وجہ تائید و توثیق کردی ہے ۔ آپؒ نے اس تأثر کے ازالہ کے لئے درج ذیل عبارت کا اضافہ فرمایا جو آپ کی فقہی ژرف نگاہی اور حالات و عواقب پر گہری نظر کا واضح ثبوت ہے ۔

" حضرت العلاّم حضرت مفتی صاحب دام فیضہ نے مصنّف بلغۃ الحیران اور جامع کے متعلق جو پہلو احتیاط اور عدمِ تکفیر کا اختیار فرمایا ہے وہی راجح اور صواب اور احوط ہے مگر جس کتاب کی عبارات جمہور اہلِ سنّت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہوں یا عوام کو ان سے ایہام و مغالطہ ہوتا ہو ایسی کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کرنا جائز نہیں ، اور اس کے جامع و ناشر تاویل یا اعترافِ غلطی کر کے تکفیر و تفسیق سے تو بری ہو سکتے ہیں مگر اس کے ضرر اور اثم سے برأت کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کی اشاعت کو بند کیا جائے ۔ جب تک اس کی اصلاح نہ کی جائے یا غلط مقامات کا اظہار بالتصریح نہ کیا جائے ۔ واللہ الموفق ۔

از احقر خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۹/۶/۱۳۷۰ھ

مندرجۂ بالا اضافہ سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت والاؒ فتاویٰ کا محض سرسری سماع نہیں فرماتے تھے بلکہ پوری ذمہ داری اور احساسِ مسئولیت کے تحت تصدیقی دستخط ثبت فرماتے تھے۔

باکمال منتظم اللہ جلّ شانہٗ نے حضرتِ اقدسؒ کو بے مثال اور قابلِ رشک علم و عمل کے ساتھ انتظامی صلاحیتوں سے بھی مالامال فرمایا تھا۔ مردم شناسی اور کمالِ فراست کے مالک تھے۔ ایک نظر میں آدمی کی حقیقت و حیثیت کا جائزہ اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ فرما لیتے تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد "اتّقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللّٰہ" کے مصداقِ کامل تھے۔

کمالِ تواضع حضرتؒ میں غایت درجہ تواضع و بے نفسی پائی جاتی تھی جو اہل اللہ کی علامت اور اصحابِ معرفت کا امتیازِ خاص ہے۔ ایک دفعہ علّامہ مولانا سیّد سلمان ندویؒ جامعہ کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے، برآمدہ میں چارپائی پر آرام فرما تھے، حضرت قدس سرہٗ سب کے سامنے سیّد صاحبؒ کے پاؤں دباتے رہے۔ یہ خدّام کو ادب و تواضع اور اکرامِ ضیف کا عملی درس تھا۔

بانیٔ وفاق المدارس قیامِ پاکستان کے بعد عامۃ المسلمین کی رشد و اصلاح اور دینی رہنمائی کے لئے بلاد و قصبات میں متعدد دینی جامعات اور مکاتب و مدارس وجود میں آئے لیکن یہ سینکڑوں ادارے بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند تھے۔ جو اپنی اپنی جگہ آبدار و تابناک تو ضرور تھے لیکن مجموعی حیثیت سے انہیں قابلِ ذکر حیثیت و مقام حاصل نہ تھا۔ عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ نے اس کمزوری کو محسوس فرمایا اور خیر المدارس کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲۰ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ تمام مدارسِ عربیہ میں انضباط و ارتباط اور معیارِ تعلیم اور امتحانات میں یکسانیت کے لئے عملی قدم اُٹھایا جائے، اس تجویز کی افادیت و اہمیت اور تقاضائے وقت کے پیشِ نظر اکابر علمائے نے اس کی توثیق فرمائی۔ شمسُ العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تجویز کو خصوصیت سے سراہا، چنانچہ اجلاس میں موجود حضرات، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہم اللہ پر مشتمل ایک مجلس (کمیٹی) تشکیل دی گئی۔ جس کے ذمہ ابتدائی مراحل کی تیاری اور اسے عملی جامہ پہنانے کا کام تھا آج "وفاق المدارس العربیۃ" کی لڑی میں ایک ہزار سے زائد مدارس منسلک ہیں۔ جن کا نصاب، طریق امتحان سندات وغیرہا یکساں ہیں، حکومت پاکستان نے "وفاق" کی تیس سالہ وقیع علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر شہادۃ العالمیۃ کو ایم اے عربی و اسلامیات کے برابر تسلیم کیا۔[۱]

---

[۱] اگرچہ بانیانِ "وفاق" کا اخلاص و مقام اس قسم کے رسمی اعزازات سے کوسوں بلند ہے اور ایسے بیانوں سے اُن کے علم و فضل کو ناپنا بے قدری اور ناشناسی میں داخل ہے (از مرتب)

یہاں اس بات کا تذکرہ ناگزیر ہے کہ بعدازاں مختلف مذہبی طبقات کی طرف سے اپنے اپنے حلقۂ اثر کے مدارس کی شیرازہ بندی میں وفاق ہی کی پیروی میں تنظیمیں بنائی گئیں، جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ اور علمائے دیوبند کی اصابتِ رائے، ندرتِ فکر اور حقیقت شناسی کا عملی اعتراف ہے والفضل للمتقدم

سفرِ آخرت آپؒ کی پوری زندگی اصلاح وارشاد اور خدمتِ دین میں صرف ہوئی، ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ کو مختصر علالت کے بعد رحلت فرمائی، آج وہ ہستی دار الحدیث (خیرالمدارس) کے عقب میں محوِ آرام ہے جس کے احسانِ تعلیم وتربیّت سے ہزاروں کی گردنیں خم ہیں۔

خیر الباری — خیر الاصول — خیر التنقید فی اثبات التقلید — خیر الوسیلہ — خیر الارشاد فی اثبات التقلید والاجتہاد — خیر المصابیح — جیسی علمی یادگاروں کے ساتھ — اب — خیر الفتاویٰ بھی آپؒ کی باقیاتِ حسنات سے ہے۔

سطور بالا میں حضرت والاؒ کی کتابِ زندگی کے بعض جلی ابواب کا کچھ مختصر وناتمام سا تذکرہ ہوا ہے اس کی فصول وعناوین، متن اور بین السطور میں ہزاروں علمی دُرر وفقہی جواہر مستور ہیں۔ صفحات کی تنگ دامانی

"ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے"

کا اعتراف کررہی ہے۔

(۲) فاضل محقق حضرت مولانا مفتی محمّد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ

تھی وہ اِک شخص کے تصوّر سے — اب وہ رعنائی خیال کہاں

۱۹۴۹ء میں خیرالمدارس میں دار الافتاء کا شعبہ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کی نگرانی میں مستقل کردیا گیا، حضرت مولانا محمّد صدیق صاحب مدظلہٗ معین مفتی مقرّر ہوئے۔

حضرت مفتی صاحب کا آبائی وطن ڈیرہ غازی خاں تھا۔ دار العلوم دیوبند کے جیّد فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے شریعت وطریقت میں شاگرد تھے، قیام پاکستان سے قبل مراد آباد (بھارت) اور بعد میں خیرالمدارس اور قاسم العلوم ملتان میں حسبۃً للہ بلا معاوضہ دینی تعلیم کا آغاز فرمایا، جو آپ کی وفات سے چند سال پیشتر تک حالات کے تغیّر وتبدّل، گردشِ لیل ونہار اور عوارض وموانع کے باوصف کسی انقطاع یا تعطّل کے بغیر جاری رہا، حدیث شریف کی تدریس کے ساتھ فقہ کی جزئیات پر کامل دسترس تھی۔ فتاویٰ کے جوابات حضرت مفتی صاحبؒ کے تبحّر علمی، تعمّق نظر اور وفورِ علم وذکاوت کا شاہکار ہوتے۔ آپ نے خیرالمدارس میں تقریباً ۲۲ برس اس خدمت کو انجام دیا، بانی جامعہ حضرت مولانا خیر محمّد صاحب قدس سرہٗ مفتی صاحبؒ کے کمالِ علم وعمل، نفسی

وللھیّت، ذاتی اخلاق، تواضع وانکسار دینی وعلمی مناقب اور دین کی راہ میں اُنکے مجاھدانہ اخلاص کی بنا پر اُن کا امتیازی احترام واکرام فرماتے۔

حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ "مفتی صاحبؒ کی زندگی، صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ زندگیوں کی طرح ہے۔ بعض دفعہ فرماتے، جس نے جنّتی کو دیکھنا ہو وہ مفتی صاحبؒ کو دیکھ لے،

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت والاؒ کا معمول رہا کہ جامعہ میں عیدین کی نماز حضرت مفتی صاحبؒ ہی کی اقتدار میں ادا فرماتے، اور حضرت مفتی صاحبؒ کو "امام الدعاء" فرمایا کرتے۔

جس سال افتار کی خدمت آپؒ کے سپرد ہوئی اُنہی دنوں حکومت کی طرف سے ۲۶ سوالوں پر مشتمل ایک استفتار آیا، جس کا نہایت وقیع علمی تحقیقی تفصیلی جواب حضرت مفتی صاحبؒ نے رقم فرمایا۔ حسبِ معمول حضرت والاؒ نے سُنا تو فرمایا، ماشاء اللہ اب ہمارے مفتی صاحب، مفتی ہو گئے ہیں۔

مفتی صاحبؒ کا استثنار

حضرت مولانا خیر محمدؒ صاحب قدس سرہٗ زمانۂ تعلیم میں اساتذہ اور طلبہ کی غیر تعلیمی مصروفیات کے قائل نہ تھے، اہلِ مدرسہ کو عملی سیاست سے الگ رکھتے تھے تقسیمِ کار کے قائل اور اُس پر کاربند تھے، آپؒ فرماتے تھے کہ تعلیم وسیاست کے اجتماع سے ایک شعبہ لازمی طور پر ناقص رہ جائے گا مگر حضرت مفتی صاحبؒ خیر المدارس کے اہم مدرّس اور مفتی ہونے کے باوصف عملی سیاست میں حصّہ لیتے رہتے تھے۔ یہ حضرت مفتیؒ صاحب کی خصوصیت تھی جس میں حضرت والاؒ کے نزدیک کوئی اور شخص اُن کا شریک نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ ایک جامع کمالات شخصیّت تھے، علم وعمل، زہد واتقار، فضل وکمال اور طریقت وشریعت کے مجمع البحرین ـــ حلم ومتانت اور صورت وسیرت میں نمونۂ سلف، بیک وقت جامعہ خیر المدارس ملتان اور قاسم العلوم کے شیخ الحدیث، تبلیغی جماعت کے کارکن، دینی مجلّہ "الصدیق" کے مدیر، ادارہ نشر واشاعت اسلامیات کے بانی، جمعیت علمار اسلام کی مجلس شوریٰ کے رُکن رکین، وفاق المدارس العربیۃ کے خازن، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے دین کے تمام شعبوں کی صلاحیتیں اور خوبیاں حضرت مفتی صاحبؒ میں جمع فرمادی تھیں۔

ے لیس علی اللہ بمستنکرٍ ان یجمع العالم فی واحدٍ

سانحۂ وفات

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے مرضِ وفات میں کئی ماہ صاحبِ فراش رہے، پاؤں پر ایک پھوڑا اٹھا جو ذیابیطس کی وجہ سے شدّت اختیار کر گیا، شدّتِ تکلیف کے ان ایّام میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے بےصبری کی کوئی آہ اور رضا بالقضار کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا۔ کوئی نماز

ترک نہیں ہوئی، ایک لمحہ کے لئے بھی صبر و شکر کا دامن نہیں چھوٹا۔ آخری دنوں میں تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی اور پھوڑے کے اثرات پوری ٹانگ پر غالب آگئے، حضرت مفتی صاحبؒ کی تکلیف سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے، مگر اس مجسمۂ صبر و رضا کی زبان آخر تک شکوہ و شکایت اور آہ و فغاں سے ناآشنا رہی تا آنکہ ۷۳ برس کی عمر میں ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ شب جمعہ کو تہجّد کے وقت خدا کے حضور پہنچ گئے۔

ع عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

۳۔ فاضلِ اجل حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ،

ہر کسے را بہر کارے ساختند،
میلِ او در دلش انداختند

استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ ۱۳۷۰ھ سے جامعہ خیر المدارس کے دارالافتاء سے منسلک ہیں، ۱۳۹۵ھ سے صدارتِ افتاء کا منصب آپ کے پاس ہے۔

قرآنِ پاک کے حفظ کے بعد ۱۹۴۷ء میں مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد فیصل آباد میں ایک سال میں ابتدائی کتابیں کافیہ، کنز اور اصول الشاشی تک پڑھیں، دوسرے سال ہدایہ مختصر المعانی، دیوان حماسہ اور متنبی وغیرہ کتب ختم کیں، تیسرے سال جامعہ خیر المدارس ملتان میں درجۂ مشکوٰۃ شریف میں داخلہ لیا، چوتھے سال مدرسہ اشرف العلوم ٹنڈوالہیار سندھ سے دورۂ حدیث شریف کیا۔ ۴ سالہ قلیل مدّت میں درسِ نظامی کی تمام کتب بالاستیعاب پڑھ لینا آپ کی ذکاوت وجودتِ طبع اور خداداد حفظ و صلاحیّت کی دلیل ہے۔

۱۳۷۰ھ میں واپس آکر تکمیل خیر المدارس میں کی، آپ کے اساتذہ میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ ابتداءً حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ کے ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات میں کام کیا۔ بعد ازاں خیر المدارس کے جز وقتی اور پھر مستقل مدرّس مقرّر ہوئے،

خیر المدارس میں ابتدائی اسباق سے بخاری شریف تک بتدریج تعلیمی ترقی نصیب ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا اندازِ تعلیم و تفہیم نہایت دلنشین، عمدہ اور قابلِ تقلید ہے، تقریرِ درس میں روانی سلاست اور متانت نمایاں ہوتی ہے۔

خدمتِ افتاء حضرت مفتی صاحب مدظلہ تقریباً ۲۷ برس سے خدمتِ افتاء سے وابستہ ہیں۔ اس دوران سینکڑوں فتاویٰ آپ کے قلم سے نکل چکے ہیں۔ آپ کے فتاویٰ علم و تحقیق میں پورے پاکستان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ علم و عمل، صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت میں سلف کا نمونہ ہیں۔ تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ پاکستان کے معروف دینی مجلہ "الخیر" میں آپ کے دقیع، علمی و تحقیقی مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان تمام صفات کے ساتھ تواضع اور کسرِ نفسی آپ کی نمایاں خصوصیت ہے اپنے چھوٹوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ساتھ بھی فروتنی اور انکسار کا معاملہ فرماتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں نمود و شہرت اور خودنمائی کے مروّج حیلوں اور طریقوں سے ناآشنا ہیں۔

سلسلۂ بیعت آپ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ، حضرت شیخ الحدیث نوّر اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی رح اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ (رائے پوری) سے رہا۔ حضرت مخدومی صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب مدظلہٗ اور مولانا علی مرتضیٰ صاحب مدظلہٗ (ڈیرہ غازی خان) کی طرف سے مجازِ بیعت بھی ہیں۔ آپ کے اصلاحی مواعظ و نصائح طلبہ کے لئے نہایت مفید اور نافع ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر اہلِ علم پر قائم رکھیں۔

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدھم (مرتب خیر الفتاویٰ)

آپ جامعہ خیر المدارس کے دارالافتاء میں بارہ سال سے افتاء کا کام کر رہے ہیں آبائی قصبہ پیر اسکندر (مضافات بہاولنگر) ہے۔ ابتدائی دینی کتابیں والدِ محترم حضرت مولانا علی احمد صاحب اسکندری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو مظاہر العلوم سہارنپور کے فاضل اور مخزن العلوم خانپور کے شیخ الحدیث تھے، وسطانی کتابیں جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں پڑھیں۔ دورہ حدیث جامعہ خیر المدارس میں استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر ۱۳۹۰ھ میں کیا، فراغت کے بعد چیچہ وطنی اور بہاولنگر میں افتاء اور تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۹۵ھ میں مہتمم ثانی حضرت مولانا محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ نے نیابتِ افتاء اور تدریس کے لیے

طلب فرمایا۔ تاحال جامعہ کی خدمات انجام دے رہے ہیں مشکوٰۃ شریف اور دورہ حدیث شریف کی کتابیں زیر درس ہیں، خیر الفتاویٰ کی ترتیب کے علاوہ مشکوٰۃ شریف کی ایک بیش قیمت علمی شرح "انوار المصابیح" اُردو زبان میں تالیف فرمائی ہے۔

خیر الفتاویٰ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ استاذِ محترم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ، حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہٗ، مولانا اصغر علی صاحب مدظلہٗ اور بعض دیگر اساتذہ خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاویٰ سے مزیّن ہے، مؤخر الذکر تینوں حضرات نے دار الافتاء میں بحیثیت نائب مفتی کئی کئی برس کام کیا ہے۔
اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی علمی کاوشوں کو مقبولیت سے نوازیں۔ اور ذریعہ ہدایت بنائیں۔ امین۔

از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب زید مجدکم

مُقدّمہ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ○

نحمدہ ونصلے علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین :

اِسلام

فلاحِ انسانیت کا ضامن ہے، انسانی زندگی کے متعدد شُعبے ہیں، افکار ونظریاتُ اخلاق و عادات ومعاملات، معاشرت ومناکحات حدود وتعزیرات، میراث وترکات، نجی اُمورُ اجتماعیات، ملکی وبین الاقوامی سیاسیات، اسلام ان تمام شعبوں میں بھرپور رہنمائی مہیا کرتے ہوئے زندگی کا رِشتہ مکمل طور پر وحیِ الٰہی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔

اِتباعِ شریعت کیوں ؟

یہ وابستگی کیوں ضروری ہے ؟ اور اس کا فائدہ کیا ہے ؛ نوعی اعتبار سے انسان، نباتات، اور حیوانات سے برتر ومکرم مخلوق ہے۔ مذکورہ انواع اپنے نشو ونما اور کمالِ نوعی کی تحصیل میں مادی غذا کی محتاج ہیں لیکن انسان کی تکمیلِ نوعی کے لئے مادی غذا کافی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر روحانی ومعنوی غذا وحی خداوندی کی بھی حاجت ہے۔ جیسے پانی کے بغیر نباتاتی و حیوانی زندگی کا تصوّر نہیں اسی طرح وحی خداوندی کے بغیر" انسانی" زندگی کا امکان نہیں اسی لئے قرآن و حدیث میں وحی الٰہی کو پانی، بارش اور روح سے تعبیر کیا گیا ہے تو انسانیت کے لئے وحی الٰہی ایسے ہی حقیقی ضرورت ہے جیسے حیات کے لئے پانی، جیسے پانی کے بغیر درخت پھل لانے کی بجائے سُوکھ کر ایندھن کی جگہ کام آتا ہے اسی طرح اتباعِ وحی کے بغیر کمالِ نوعی سے محروم ہو کر اِنسان دوزخ کا ایندھن بن جاتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہا ــــــــ

نیستند آدم

جو لوگ وحی الٰہی سے محرومی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مردم شماری کے اعتبار سے گو یہ انسان ہیں لیکن درحقیقت انسان نہیں انسانی ڈھانچے ہیں، عارف رومی فرماتے ہیں : نیستند آدم غلاف آدم اند

لامحدود ترقی

کمالِ نوعی کی تحصیل کی ضرورت میں انسانیت کی ترقی ایسی غیر محدود ہو جاتی ہے کہ عام انسانی ترقی اِسکی گرد کو بھی نہیں پا سکتی۔

موجودہ اور متوقع مادی ترقیات وتنعمات کا مجموعہ، انسان کی حقیقی ترقی سے حاصل ہونے والے

انعامات کے مقابلے میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو قطرے کو سمندر کے ساتھ ہے اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مادی ترقیات کا مجموعہ ایک قطرہ ہے جبکہ اخروی انعامات سمندر ہیں۔ انسانی ضمیر کی اجتماعی اور فطری خواہش اور آرزو ہے۔ دوامِ صحت، دوامِ راحت اور دوامِ حیات اپنی تمامتر ترقیات کے باوجود انسان ان میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا لیکن اسلام کی اتباع کے نتیجہ میں یہ سب کچھ حاصل ہوگا۔ جس سے محرومی دوزخ کا ایندھن بننے کا سبب ہے اور اس کا حصول ہمیشہ ہمیشہ کی سلطنت اور بادشاہی کا ذریعہ ہو اسکی ضرورت میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

اسلام شریعت، دین، حاکمیتِ اعلیٰ، احکامِ خداوندی اور انکی اتباع کا نام ہے

کائنات کی خالق و مالک اللہ رب العالمین کی ذاتِ پاک ہے۔ اس لئے اصولی طور پر تکوینی و تشریعی حاکمیت اعلیٰ کا استحقاق بھی صرف اسی ذاتِ عالی کے لئے ہے۔

۱۔ الا لہ الخلق والامر۔	یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔
۲۔ ان الحکم الا للہ	حکم خدا ہی کا ہے۔
۳۔ الا لہ الحکم وھو اسرع الحاسبین۔	خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا۔ اور وہ بہت جلد حساب لے گا۔

خلافتِ ارضی زمین میں حق جل شانہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو اپنا خلیفہ و نائب مقرر فرمایا:

واذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفة ــــــ البقرہ۔	جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔
یداؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوٰی فیضلک عن سبیل اللہ۔	اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ خدا کے رستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔

آئینِ خداوندی اور اپنے دستورِ اساسی کے طور پر حضرات انبیاء علیہم السلام پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں ــ جن میں نور، ہدایت حق و باطل کا مکمل امتیاز، انسانی فلاح کی مکمل ضمانت ہے۔

انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی و نور ۔	ہم نے توراۃ نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور نور تھا۔
و قفینا بعیسی بن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ ۔ و آتیناہ الانجیل فیہ ھدی و نور ۔	اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے قبل کی کتاب یعنی توراۃ کی تصدیق فرماتے ہیں اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا۔
.. ..	
تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ ۔	بڑی عالی شان وہ ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی۔
.. ..	

حکمرانی کے اختیارات

حضرات انبیاء علیہم السلام کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لئے حکمرانی کے اختیارات بھی تفویض کئے گئے۔

یحکم بہا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شہداء	انبیاء علیہم السلام، جوکہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اسکے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اسکے اقراری گواہ ہوگئے تھے۔
انا انزلنا علیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ ۔	بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اسکے موافق فیصلہ کریں جوکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا۔

ختم نبوت

سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جنہیں قرآن مقدس سے سرفراز فرمایا گیا۔ جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انکی تعلیمات کا محافظ ہے۔

و انزلنا علیک الکتاب بالحق مصدقا لما	ہم نے یہ کتاب آپکے پاس بھیجی جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے

بین یدیه من الکتاب ومھیمنا علیه فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔	پہلے جو کتابیں ہیں انکی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے۔ تو ان کے باہمی معاملات اپنی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے۔

طاعت رسُول قرآن کریم کے دستور اساسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق مفترض الطاعت قرار دیا گیا۔

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون۔	اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول کا اُمید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔
وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا۔	رسُول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رُک جایا کرو۔

بلکہ اس سے بڑھ کر اطاعت خداوندی کا معیار اطاعت رسُول کو مقرر فرما دیا گیا۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔	جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

قرآن کریم کے مطالعہ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر احکامات خداوندی کا نزول وحی جلی اور وحی خفی دونوں طرح پر ہوتا تھا، اور اگر کوئی حکم اپنے اجتہاد سے ارشاد فرما دیں۔ وہ بھی وحی کے تابع تصور کیا جاتا ہے، ورنہ حق جل شانہ کی طرف سے اس میں مناسب ترمیم کر دی جاتی تھی ارشاد بما اراک اللہ میں ارادت خداوندی کے تحت فیصلہ کرنے کا حکم مصرح ہے۔ اور آپ کے علی الاطلاق مفترض الطاعۃ ہونے کا بھی یہی مقتضا تھا کہ حق تعالیٰ آپ کے اقوال و اعمال کو اپنی خصوصی نگرانی میں لے کر آپ کے مطاع مطلق ہونے کا اعلان فرما دیتے۔

سُنت خلفائے راشدین آیت استخلاف کے تحت، حضرات خلفائے راشدین کی سُنت بھی دین و شریعت کا حصّہ ہے۔

امام سرخسی فرماتے ہیں:

قال تعالیٰ (ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم) وفیه تنصیص	اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ضرور جما دے گا ان کے لئے انکا دین جسے اللہ تعالیٰ نے

علیٰ ان الدین المرتضیٰ عند اللہ ما ھم علیہ حقیقۃ" ۱؎	ان خلفائے راشدین اور صحابہ کے لئے پسند کر لیا ہے ۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین وہی ہے جس پر خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ ہیں ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی نسبت خلفائے راشدین کی طرف کرتے ہوئے اسے "اپنا پسندیدہ دین" قرار دیا ہے و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ، معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کے فیصلے اور سنت ، دینِ خداوندی ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے پسند کیا ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں ،

"دوم آنکہ از باب عقائد و عبادات و معاملات و مناکحات و احکام آنچہ در عصر مستخلفین ظاہر شود و ایشاں باہتمام تمام سعی در اقامت آں کنند دین مرتضیٰ است ۲؎

حدیثِ پاک میں بھی سنت خلفاء راشدین کو لازم العمل اور واجب التمسک قرار دیا گیا ہے ،

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین وعضوا علیھا بالنواجذ ۳؎	میری سُنّت اور سُنّتِ خلفائے راشدین مھدیین کو لازم پکڑو اور خوب مضبوطی سے اسے تھام لو ،

جب خلافتِ رُشد و ہدایت کے اوصاف کو لزومی اور دوامی طور پر ان حضرات کے لئے ثابت کر دیا گیا ہے تو ان کے جاری کردہ احکامات ، رشد و ہدایت قرار پائیں گے کیونکہ یہ اوصاف ترتب حکم کے لئے بمنزلہ علت کے ہیں چنانچہ اُمت نے سُنّتِ خلفائے راشدین کی اس شرعی حیثیت سُنّیت کو واضح طور پر تسلیم کیا ہے شامیہ میں ہے :

السنۃ ما واظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او الخلفاء الراشدون ۴؎	سُنّت نام ہے اس چیز کا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدین نے ہمیشگی کی ہو ۔

اصول سرخسی میں ہے :

والسنۃ فھی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین ۔ والمراد بہ شرعاً ما سنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ بعدہ ۔	سُنّت نام ہے دین میں چلے ہوئے طریقے کا اور شرعاً اس سے مراد وہی طریقہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے اختیار کیا ہو ۔

تسہیل الوصول میں ہے :

والسنۃ قد تقع عند الاطلاق علی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ	لفظِ سنت جب مطلق ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور صحابہ کرامؓ

۱؎ اصول سرخسی ص۲۹۷ ج۱ ۲؎ ازالۃ الخفاء ص۱۹ ۳؎ ترمذی ص۹۲ ابوداؤد ص۲۷۹ ج۲ مشکوٰۃ ص۳۰
۴؎ شامیہ ص۹۷ ج۱ ۵؎ ص۱۱۳ ج۱

وسلم وغیرہ من الصحابة [1] — کے طریقہ پر محمول ہوتا ہے۔

موافقات میں ہے:

ویطلق ایضاً لفظ السنة علی ما عمل علیه الصحابة وجد ذلك فی الکتاب او السنة او لم یوجد لکونه اتباعا للسنة تثبت عندهم لم تنقل الینا[2]

لفظِ سُنّت کا اطلاق ایسے عمل پر بھی ہوتا ہے جو صحابہ کا معمول ہو خواہ وہ عمل کتاب و سُنّت میں بھی موجود ہو یا نہ۔ اس لئے کہ وہ عمل نبوی سُنّت کی پیروی ہی ثابت ہوا ہے (البتہ) وہ ہم تک نقل نہیں کیا گیا۔

سُنّتِ شیخین | حدیث پاک کی روشنی میں شیخین کے فیصلے خصوصیت سے جزءِ شریعت اور واجب الامتثال ہیں۔

اقتدوا بالذین من بعدی[3]

تم ان دو کی پیروی کرتے رہنا جو میرے بعد ہوں گے۔

کل ما ثبت فیه اتفاق الشیخین یجب الاقتداء به[4]

ہر وہ حکم جس میں شیخین (ابوبکرؓ عمرؓ) کا اتفاق ثابت ہو چکا ہو اس کی پیروی واجب ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں خُلفائے راشدین کا مقام تشریع سے نیچے اور اجتہاد سے اُوپر ہے۔

حضراتِ صحابہ کا اجماع | حضرات صحابہ کا اجماع ناطق، کتاب اللہ کی ایک آیت کی طرح قطعی اور ان کا سکوتی اجماع حدیث متواتر کی طرح واجب العمل اور شریعت کا حصہ ہے

اجماع الصحابة نصاً فانه مثل الآیة والخبر المتواتر حتی یکفر جاحده[5]

صحابہ کا صریح اجماع یہ آیت قرآنی کی اور خبر متواتر کی مانند ہے یہاں تک کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔

ائمہ اصولیین کے سرتاج امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

ان ما اجمع الصحابة فهو بمنزلة الثابت بالکتاب والسنة

جس بات پر صحابہ کا اجماع ہو جائے وہ قطعی ہونے میں کتاب اللہ اور سُنّت سے

---

[1] ص ۲۴۶ [2] ص ۲۵ ج ۴ [3] ترمذی ص ۲۰۷ [4] توضیح ص ۴۴۷ ج ۲ [5] نور الانوار ص ۲۲۲

فی کونہ مقطوعاً بہ حتی یکفر جاحدہ کما یکفر جاحد ما ثبت بالکتاب ۔ [1]	ثابت شدہ چیز کی طرح ہے جس کے منکر کو ایسے ہی کافر قرار دیا جائے گا جیسے کتاب اللہ سے ثابت شدہ چیز کے منکر کو ۔

آثار موقوفہ بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں خصوصاً جبکہ وہ غیر مدرک بالرائ ہوں۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی کتاب الانصاف میں تحریر فرماتے ہیں :

ویستدل باقوال الصحابۃ والتابعین علما منھم انھا احادیث منقولۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختصروھا فجعلوھا موقوفۃ (الی ان قال) او یکون استنباطا منھم من المنصوص (الی ان قال) فتعین العمل بھا	اقوال صحابہ وتابعین سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ درحقیقت یہ بھی احادیث مرفوعہ ہی ہیں بوجہ اختصار انہیں موقوف بیان کیا ہے یا اس لئے کہ انہوں نے منصوص سے استنباط کیا ہے ...... تو ان پر عمل واجب ہے ۔

وراثتِ نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصی فرامین کے ذریعہ علماء کرام کو انبیاء علیہم السلام کا علمی وارث مقرر فرمایا۔ ارشاد ہے ۔ العلماء ورثۃ الانبیاء جبکہ قرآن پاک میں اولو الامر کی طاعت کو واجب کیا گیا ایک تفسیر کے مطابق اولوا الامر سے مراد حضراتِ علماء اور فقہاء ہیں ۔

اور اسی طرح بعض دوسری آیات میں علماء کی طرف مراجعت اور انکی اتباع کو واجب قرار دیا گیا ۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝	اگر تم لوگوں کو علم نہیں ہے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو ۔
واتبع سبیل من اناب الیّ	ارشاد ہے : اے مخاطب پیروی کر اس شخص کے طریقہ کی جس نے میری طرف توجہ کی ۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں :

وفی الآیۃ دلالۃ علیٰ وجوب المراجعۃ الی العلماء فیما لا یعلم ۔ [2]	آیت کریمہ میں اس بات پر دلالت ہے کہ جو مسئلہ معلوم نہ ہو علماء کی طرف اسمیں رجوع کرنا واجب ہے ۔

---

[1] اصول سرخسی ص ۳۱۹ ج ۱ [2] بیضاوی

قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں -!

یہ وراثت کئی طرح پر ہے، تعلیم کتاب و سُنت تربیت و تزکیہ، حفاظت دین اور استنباط و اجتہاد وغیرہ۔ جب معاشرے میں کسی حادثہ کے متعلق دینی رہنمائی مطلوب ہو تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم کرنے کے لئے حضرات علماء کی طرف مراجعت کرے، جیسے کہ حضرات صحابہ اپنے مسائل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مفتی نے اگر بعینہٖ حکم منصوص بتایا ہے تو یہ تبلیغ ہے، اور اگر نص سے استنباط کر کے بتلایا ہے، تو یہ خلافت ہے، کیونکہ قیاس و اجتہاد کے ذریعہ مجتہد نصوص کی تہ میں پہلے سے موجود احکام خداوندی کو ظاہر کر دیتا ہے۔ خود حکم وضع نہیں کرتا۔ اصول فقہ کا مُسلمہ ضابطہ ہے کہ قیاس مظہر احکام ہے مثبت احکام نہیں جیسے زمین کی تہ میں موجود پانی کو جِدّ وجہد سے نلکے وغیرہ کے ذریعہ حاصل کر لیا جاتا ہے یہ پانی نکالنے والا پانی کا موجد اور خالق نہیں بلکہ صرف سطح زمین پر اسے ظاہر کرنے والا ہے۔ دریا اور نل دونوں پانی خدائے تعالیٰ کے ہیں مستری کے پیدا کردہ نہیں۔ اسی طرح نصوص کے احکام "ظاہرہ اور مستنبط" دونوں اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں مجتہد کے نہیں۔

اس لئے اہل سنت والجماعت کے نزدیک قیاس و اجتہاد بھی احکام خداوندی کے لئے ماخذ ہے۔

شریعت کا حصہ

اور قیاس صحیح سے ثابت شدہ احکام، شریعت کا حصہ ہیں، بالکل اسی طرح جیسے پھل، درخت کا حصہ اور خُلاصہ ہوتا ہے۔

امام بخاریؒ سے منقول ہے کہ فقہ، حدیث کا ثمرہ ہے (مقدمہ اوجز ص ۸۵) درخت میں موجود صلاحیتی اجزاء ہی پھل کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں، درخت ہی کے ذریعہ پھل کا نشوونما مکمل ہوتا ہے، اگرچہ یہ پھل پہلے ظاہر نہ تھا بلکہ درخت میں پوشیدہ تھا، کوئی عقلمند صرف اس بنا پر کہ اس کا ظہور بعد میں ہوا پھل کی جزئیت سے انکار نہیں کر سکتا، احکام قیاسیہ کا قرآن و سنت سے استخراج و استنباط عمل میں لایا گیا ہے، قرآن و سُنت کے پانی سے ان کا نشوونما مکمل ہوا، اور قرآن و سنت کے چاند و سورج کی روشنی نے ہی انہیں رنگ و پختگی کا حُسن بخشا ہے۔

اس لئے استنباطی احکام کی حجیت و شرعی حیثیت سے انکار ممکن نہیں، حضرات صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین سب کا یہی مذہب ہے۔

روافض نے اجماع و قیاس کی حجیت اور انکی شرعی حیثیت کا انکار کیا ہے، رفض کی بُنیاد ہی اجماع سے انکار پر ہے، اگر وہ اجماعِ صحابہ کو حجت تسلیم کر لیتے ہیں تو ان کا مذہب ہی منہدم ہو جاتا ہے۔ اجماع کی حجیت سے گریز انکی مذہبی ضرورت ہے اور قیاس کا انکار انکے باطل عقیدۂ امامت پر مبنی ہے۔ جب روافض

امام حاضر کے لئے تحلیل وتحریم کے اختیارات اور ائمہ پر وحی کا آنا اور انکا انبیاء علیہم السلام کے برابر مفترض الطاعۃ ہونا تسلیم کرتے ہیں، تو "وحی" کی موجودگی میں قیاس کی حاجت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعت جو اس باطل عقیدہ امامت کے قائل نہیں ہیں، ان کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں کہ وہ پیش آمدہ حوادث وواقع کے بارے میں متعلقہ احکام خداوندی کا نصوص سے استنباط کر کے اپنے اعمال کو قرآن وسنت کے تابع بنانے کی امکانی جدوجہد کریں۔

الغرض کتاب[1] وسنت[2] احکام شرعیہ کے لئے اوّلین ماخذ ہیں، علاوہ ازیں سنت خلفائے[3] راشدین، تعامل[4] صحابہ، اجماع[5] اُمت اور مسلّمہ[6] ائمہ متبوعین کے استنباطی مسائل بھی شریعت کی تعریف میں داخل ہیں اور اپنے اپنے درجے میں سب ہی احکام خداوندی تصور کئے جاتے ہیں۔ منکرین حدیث نے کتاب اللہ کو شریعت قرار دیتے ہوئے باقی تمام اصول شرعیہ کا انکار کیا اور حدیث کو محض "تاریخ" کی حیثیت دیتے ہوئے یہ کہا کہ احادیث حجت نہیں ان سے بوقت ضرورت صرف رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اب بعض منکرین فقہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں، کہ اصول ۳ تا ۶ شریعت میں داخل نہیں ان سے صرف رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

پس موخر الذکر ۳ تا ۶ تمام مسائل کو صرف تاریخی اور ممکنہ "رہنمائی" کی حیثیت دیتے ہوئے شریعت کی تعریف سے خارج کر دینا لامذہبیت، غفلت اور لاعلمی کے علاوہ آدھی شریعت سے دستبرداری کا اعلان ہے۔ شرعی اصولوں پر سودا بازی کی قیمت پر اتحاد، نفاذ شریعت کے لئے کوئی مثبت اقدام نہیں ہے جس سے اچھے نتائج کی توقع کی جاسکے۔

اگر کوئی بددین جماعت یہ کہے کہ قرآن کی فلاں فلاں آیت کو ناقابل عمل اور معطل قرار دیدیا جائے تو ہم نفاذ شریعت کی جدوجہد میں اہل حق کے ساتھ شریک ہوسکتے ہیں، تو کیا ہم اس سودا بازی کے لئے تیار ہونگے؟ ہرگز نہیں ——— ! نفاذ شریعت کی جدوجہد بہت ہی مبارک ایک انقلابی اقدام ہے۔ جس سے "کفر اور فرنگیت" کے استیصال میں بڑی مدد ملے گی۔ لیکن اہل حل وعقد پر یہ احتیاط لازم ہے کہ یہ مہم کہیں شریعت ہی میں "تحریف وانقلاب" کا ذریعہ ثابت نہ ہوجائے۔

س:۔ اگر سب فقہی مسالک احکام خداوندی کے حکم میں ہیں، تو ان میں باہمی اختلاف کیوں ہے؟

ج:۔ بعینہٖ یہ سوال تو ملاحدہ اور منکرین حدیث، قرآن وسنت کے بارے میں بھی کرتے ہیں۔ مگر اس اعتراض سے قرآن وسنت کی آئینی وشرعی حیثیت قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح فقہی مسالک کے بارے میں بھی سمجھ لیا جائے ——— تحقیقی جواب دوسرا ہے جو تفصیل طلب ہے۔

مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں | ائمہ اربعہ کے فقہی مسالک مندرجہ بالا اُصول شرعیہ سے ماخوذ مستنبط ہیں۔ اور سب اپنے اپنے مقام پر دُرست و حق ہیں۔ جن پر قدیم سے امت کا مُسلسل عمل رہا ہے۔ دُوسرے مجتہدین کے اقوال منتشرہ باقاعدہ کہیں مدون نہیں اور قیود و شرائط کے اعتبار سے بھی منقح نہیں اس لئے علمائے اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں

وماخالف الائمة الاربعة	جو مسئلہ ائمہ اربعہ کے مسلک کے خِلاف
فهو مخالف للاجماع وقد	ہو وہ خِلاف اجماع ہے تحریر میں یہ مصرح
صرح فی التحریر ان الاجماع	ہے کہ ائمہ اربعہ کے مسلک کے خِلاف عمل کرنا
انعقد علی عدم العمل بمذهب	بالاجماع ناجائز ہے، کیونکہ ائمہ اربعہ کے
مخالف للاربعة لانضباط	مسالک منضبط ہیں اوران کے متبعین بھی
مذاهبهم وکثرة اتباعهم [1]	بکثرت موجود ہیں۔

خارج ناری ہے | علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

من کان خارجاً عن هذه	جو شخص اس دَور میں ائمہ اربعہ کے
الاربعة فی هذا الزمان فهو	مسلک سے خروج اختیار کرے گا، وہ
من اهل البدعة والنار [2]	بدعتی وجہنّمی ہے۔

ایک مسلک کا تعین ضروری ہے | فقہی مسالک اربعہ حق ہیں، لیکن اصولی طور پر سہولت و احتیاط و اطمینان کی صُورت یہی ہے کہ عمل کے لئے ایک ہی مسلک کی تعیین کی جائے، خواہ یہ عمل انفرادی ہو یا اجتماعی۔

یجب علی العامی وغیرہ ممن لم	عوام پر لازم ہے کہ وہ مذاہب اربعہ میں سے
یبلغ درجة الاجتهاد التزم مذهب	کسی ایک کا بالالتزام اتباع کریں۔
معین من مذاهب المجتهدین [3]	

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان اور ماوراءالنہر کے شہروں میں عامۃ الناس کے لئے حنفی مذہب کی تقلید واجب ہے۔ اور حنفیت سے نِکلنا حرام ہے۔ ورنہ وہ شریعت ہی سے نکل جائے۔

فاذا کان الانسان جاهلاً فی بلاد	جب ہندوستان کا کوئی باشندہ یا ماوراءالنہر
الهند وبلاد ماوراء النهر ولیس	کا کوئی رہنے والا خود جاہل ہے۔ اور

---

[1] الاشباہ والنظائر [2] بحوالہ خیر التنقید [3] شرح جمع الجوامع

هناک عالم شافعی و لا مالکی و لاحنبلی و لا کتاب من کتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد بمذهب ابی حنیفة و یحرم علیه ان یخرج من مذهبه لانه حیئذ یخلع من عنقه ربقة الشریعة ویبقی سدی مهملا [1]	کوئی شافعی یا مالکی یا حنبلی عالم بھی موجود نہیں۔ اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہے تو اس پر حرام ہے کہ اپنے مذہب سے نکلے ورنہ وہ شریعت ہی کو چھوڑ بیٹھے گا۔

مجبوری کے وقت معتمد علماء کے اتفاق سے دوسرے امام کے قول کو لینے کی اجازت ہے

ہاں بعض مواقع میں بوقتِ ضرورت معتمد علماء کے اتفاق سے دوسرے امام کے قول پر بھی فتویٰ دیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے متعلقہ مذہب کی وسیع معلومات کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ نہ اس پر عمل ہوگا نہ اُس پر ہوگا۔

فقہی آمیزہ لیکن علی الاطلاق فقہ مشترک مدون کرنے کا نظریہ غلط ہے کیونکہ اس فقہی آمیزہ سے کوئی مثبت نتائج وفوائد حاصل نہیں کئے جاسکتے بلکہ مشکلات میں اضافہ ہوگا نہ اسکی تدوین کے ضروری بنیادی آلات و ذرائع مہیا ہیں نہ اس کے بقاء و تعمیر اور تنقیح و تفریع کے۔

ایک مسلک کے ماہرین وفقہاء کا وجود خال خال ہے۔ تو مسالک اربعہ کے ماہرین کی درآمد اور اس کا تسلسل کتنی پیچیدگیاں اور مشکلات کو پیدا کرسکتا ہے۔ اور ماہرین کے بغیر نہ کوئی قانون مرتب ہوسکتا ہے اور نہ باقی رہ سکتا ہے۔ مصارف میں اضافے کے علاوہ ملک ایک فکری ذھنی، عملی انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں ہر مذہب کی آسان آسان باتیں تلاش کرتے رہنا اتباع ہوئی اور بے دینی ہے

من تتبع الرخص فقد تزندق	جس نے آسانیوں اور رخصتوں کو تلاش کیا وہ بے دین ہوگیا۔

لاہور پہنچنے کیلئے ریل، بس، ویگن، کار اور ہوائی جہاز متعدد ذرائع مواصلات موجود ہیں، لیکن سفر طے کرنے کے لئے تو ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ ہر دس بیس میل پر بلا وجہ سواری تبدیل کرتے رہنا دیوانگی ہے اور غیر ضروری مشقت کا برداشت کرنا ہے۔

پاک و ہند میں نفاذِ اسلام کی آسان قابلِ عمل معقول صورت یہی ہے۔ کہ ایک مسلک یعنی مسلکِ احناف کے مطابق قانون سازی کی جائے کیونکہ ملک کی اکثریت اسی مسلک سے وابستہ ہے۔ امام المحدثین حضرت شاہ

[1] الانصاف ص۶۹

ولی اللہ کا فرمان ابھی مذکور ہوا۔

دلکش مگر خطرناک مغالطہ ملک کی بعض اعلیٰ ترین اسلامی یونیورسٹیوں میں اجنبی پروفیسرز اور سکالرز اس خیال کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ فقہی مسالک کی کوئی اہمیت نہیں۔ اوفق بالقرآن والسنۃ کی تلاش وتحقیق کرنا چاہیئے۔ اس خیال سے عوام وخواص کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں اور دین کے خلاف لامذہبیت کی تشکیکی مہم کو تقویت مل رہی ہے معلوم رہے فقہ حنفی کی تدوین بلاشُبہ "اوفق بالقرآن والسنۃ کی تلاش" کے نظریہ کے تحت ہی عمل میں آئی ہے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے ظاہر ہوگا، اور پھر ہر دَور میں کتاب وسُنت کی روشنی میں اسکی صحت کو جانچا پرکھا جاتا رہا ہے۔ امام محمد سرخسی، امام ابوالحسن مرغینانی ابوبکر کاسانی محقق ابن ہمام رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ حضرات نے فقہ حنفی کے مسائل کو کتاب وسُنت پر پیش کر کے انکی ترجیح اور ان کا اوفق بالکتاب والسنۃ ہونا بارہا ثابت کیا ہے۔

پس غیر ملکی ڈگریوں کے حامل افراد کا اپنی آراء کو اوفقیت کے حسین و دلکش عنوان کے ذریعے ملک پر مسلط کرنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور تحقیق کے نام سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ یا ان غیر ملکی ماہرین کی تقلید کی بنسبت امام ابوحنیفہ رح کا اتباع عقل ونقل انصاف و دیانت کی روشنی میں بدرجہا بہتر ہے۔ کیونکہ عصری ماہرین کے علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور نور فراست کو ائمہ سلف کے ساتھ کوئی نسبت نہیں غرضیکہ اوفق بالقرآن والسنۃ مسائل کا جو مجموعہ عصری دانشور پیش کریں گے اس کے مقابلہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا پیش کردہ اوفق بالقرآن والسنۃ مسائل کا مجموعہ یقیناً زیادہ قابلِ اعتماد ہوگا۔

فقہ حنفی قرآن وسُنت کے مقابلے میں متوازی قانون نہیں

فقہ حنفی کے مسائل چار قسم پر ہیں۔ (۱، ۲) کتاب وسُنت کے احکام صریحہ (۳) مسائل اجماعیہ (۴) اجتہادی مسائل —— یہ چوتھی قسم بھی دراصل کتاب وسنت کے ہی مسائل ہیں جنہیں قیاس و اجتہاد کے ذریعے ظاہر کر دیا گیا ہے پس فقہ حنفی درحقیقت قرآن وسنت ہی کے احکام صریحہ اور غیر صریحہ کا مجموعہ ہے قرآن وسُنت کے متقابل یا متوازی کوئی دوسرا قانون نہیں۔ امت مسلمہ زائد از ہزار سال تک فقہ حنفی کو کتاب وسنت ہی کا اسلامی قانون تسلیم کرتی چلی آئی ہے۔ پس فقہ حنفی کا انکار، قرآن وسنت کے مسائل کا انکار ہے نیز قرآن وسنت اور فقہ حنفی میں تقابل کا تاثر دینا اور ایسا زہریلا پروپیگنڈہ کرنا نادانی دھوکہ دہی تعصب اور سخت بے دینی ہے۔ فقہ حنفی پر عمل کرنے سے قرآن و سنت اور اجماع پر بھی یقیناً عمل ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ قرآن وسنت متروک ہو جاتے ہیں، لاہور، پشاور

کراچی کا ہرباشندہ پاکستانی ہے۔ پشاوری یا لاہوری کہنے سے پاکستانی ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

اجتہاد حضرات ائمہ کی تصریحات کے مطابق چوتھی صدی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے ایسے اجتہاد کا دروازہ بالکل بند ہوگیا ان القیاس بعد ۱۰۰ ربعمائۃ منقطع

حالانکہ امت میں ایسے ایسے جبال علم اور کمالاتِ علمیہ کے شمس وقمر گذرے ہیں جنکی عظمت وجلالتِ علمی کے سامنے زبان توصیف بھی گنگ ہے لیکن کسی نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا۔ گنتی کے چند افراد میں یہ خیال پیدا ہوا تھا لیکن امت نے اسے قبول نہیں کیا۔ اب تک ایسے مجتہد مطلق کا وجود معدوم ہے تو اس دورِ جہالت میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود حضرات علماء مسائل جدیدہ کا حکم ہر زمانے میں بیان کرتے رہے ہیں۔ اسطرح شرعی احکام میں کبھی جمود پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

محلِ اجتہاد ایسے حوادث و واقعات میں جن میں نص وارد نہ ہو یہ کام تو مجتہدین کا ہے اور ایسے علماء جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچے ائمہ مجتہدین کے مسائل کو نقل کر سکتے ہیں۔ ان میں خود اجتہاد نہیں کر سکتے کیونکہ اہلیتِ اجتہاد مفقود ہے۔

غیر المجتهد المطلق یلزمه التقلید	غیر مجتہد مطلق پر تقلید لازم ہے۔
اذا لم یجد تلك الحادثة فی	جب عالم کو کسی حادثہ کا حکم کتاب میں نہ
کتاب لیس له ان یفتی	ملے تو اسے اپنی اجتہاد سے فتویٰ دینے کی
فیها برأیه بل علیه ان یقول	اجازت نہیں بلکہ اسپر لازم ہے اپنے لاعلمی
لا ادری	کا اظہار کردے۔

عصرِ حاضر کا اجتہاد عصرِ حاضر کے دانشور جس اجتہاد کے خواہش مند ہیں وہ درحقیقت اباحیت کے قریب قریب ہے اسے اجتہاد قرار دینا لفظ اجتہاد کی توہین ہے۔ ان کے چند اجتہادی نمونے یہ ہیں۔

قمار اور سود حلال ہے، شراب خوری کی بھی گنجائش ہے، شرعی حدود ظلم ہیں۔ تعدد ازواج منع ہے۔ عورت کی گواہی اور دیت مرد کے برابر ہے۔ بے پردگی اور عورتوں مردوں کا بے محابا اختلاط جائز ہے۔ پردہ ظلم ہے، وضو سے مقصود صفائی ہے، صاف ستھرے انسان کے لئے وضو ضروری نہیں، نماز سے مطلوب تہذیب اخلاق ہے، مہذب کے لئے نماز کی حاجت نہیں، روزہ سے قوت بہیمیہ کو مغلوب کیا جاتا ہے۔ جس کی قوت بہیمیہ پہلے سے مغلوب ہو اس سے روزہ ساقط ہے مصارف زکوٰۃ کی کوئی تعیین وتحدید نہیں حکومت جہاں چاہے خرچ کرسکتی ہے۔ وغیر ذلك من الخرافات

یہ اجتہادات نہیں بلکہ کفریات ہیں ۔خلاف نص ایسے اجتہاد کی اجازت تو حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں چہ جائیکہ کسی دوسرے کو حاصل ہو ۔ نیز ان خرافات پر نظر کرنے پر کوئی شخص یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ؎

عصرِ نو میں آوازۂ تجدید ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

واضح رہے کہ نص صریح کے خلاف اجتہاد جائز نہیں ۔

۲۔ منصوص فی المذہب مسائل میں بحث و اجتہاد کی اجازت نہیں ۔غیر مجتہد کا وظیفہ شروط معتبرہ کے ساتھ صرف نقلِ مسائل ہے نہ کہ اجتہاد علامہ شامی لکھتے ہیں :

والبحث فی المنقول غیر مقبول — منقول مسائل میں بحث ناقابلِ قبول ہے

محقق ابن الہمام جیسی علمی شخصیت کی خلاف مذہب ابحاث مقام پذیرائی حاصل نہیں کر سکیں بلکہ انہی کے شاگرد رشید فقہ و حدیث کے امام ، علامہ قاسم بن قطلوبغا نے ان ابحاث کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے فرماتے ہیں :

لاعبرۃ بابحاث شیخنا التی خالفت المنقول ؎ — ہمارے شیخ کی وہ بحثیں غیر معتبر ہیں جو منقول کے خلاف واقع ہوئی ہیں ۔

(۳) عام حالات میں انفرادی اجتہاد کے ذریعہ دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں ،بلکہ یہ ایک قسم کا دھوکہ ہوگا کیونکہ سائل مذہب حنفی کے مطابق مسئلہ معلوم کرنے کے لئے آیا ہے ،مفتی کے ذاتی اجتہاد سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں ۔اسی لئے یہ بتلانا ضروری ہوگا کہ ابوحنیفہ یوں فرماتے ہیں ۔اور میں یوں کہتا ہوں ۔حافظ ابوعمرو ابن الصلاح نقل کرتے ہیں ۔

امام ابوبکر قفال شافعی فرماتے تھے کہ اگر میں اجتہاد کروں اور میرا اجتہاد امام ابوحنیفہ کے مذہب کے ساتھ موافق ہو جائے ۔تو میں مستفتی کو یوں جواب دوں گا کہ اس مسئلہ میں مذہب شافعی یہ ہے لیکن میں مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ دے رہا ہوں تاکہ مستفتی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے

اپنی آراء کو مذہب حنفی کے نام سے رائج کرنا انصاف و دیانت کے خلاف ہے ،اور مستفتی سے دھوکہ ہے خصوصاً جبکہ وہ ذاتی رائے مذہب حنفی کے خلاف بھی ہو ۔

اس دور میں یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ کسی حالت میں بھی مذاہب اربعہ سے باہر نہ نکلے ۔ اس میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ امت اسوقت بے عملی بلکہ اباحیت کا شکار ہے ،صحیح یا غلط کچھ نئی راہیں نکال دینا مرض کا علاج نہیں ۔بلکہ اصل علاج ذہنی انتشار و افتراق کے دروازے بند کرتے ہوئے

صراطِ مستقیم پر اُمت کو گامزن کر دینا ہے، چاروں فقہی مسالک کی حقانیت امت کے نزدیک مسلمہ امر ہے اور پاکستان میں اکثریتی فقہی مسلک کا تعین بلاشبہ معقول بلکہ نفاذ شریعت کی اپنی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر نفاذ شریعت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

پس جدید عصری اجتہاد کے ذریعہ اختلاف در اختلاف کی صُورتیں پیدا کر دینا کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں۔

اسلامی معاشرے کے لئے تعلیماتِ نبوت اور شریعت مقدسہ سرچشمۂ ہدایت ہے بلاتخصیص مرد وزن تمام اہلِ اسلام کو اس امر کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں مرضیاتِ خداوندی سے تجاوز نہ کریں۔

احکامِ خداوندی کا احاطہ اور علوم دینیہ میں تبحّر معاشرہ کے ہر ہر فرد کے لئے ممکن نہیں، ورنہ باقی سب نظامِ معاش وحیات معطل ہو کر رہ جائے گا۔ آیت کریمہ فلولا نفر من کُلِ فرقۃٍ منھم طائفۃ، میں اسی طرف اشارہ ہے۔

پس ضابطۂ تقسیم کار اور آیت بالا کے تحت لازم ہوا کہ اُمتِ مسلمہ کی ایک بڑی جماعت علوم قرآنؔ سُنت اور تفقہ فی الدین میں مہارتِ کاملہ اور تبحر حاصل کر کے باقی طبقاتِ اُمت کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دے تاکہ امت کا ہر فرد اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں بسہولت ہدایات حاصل کر کے وظیفۂ عبودیت اور طاعتِ خداوندی کے فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اسلامی معاشرے کی فلاح و سعادت، تعلیماتِ نبویہ اور حاملینِ دینِ متین حضرات علماء کرام کے ساتھ مکمل وابستگی میں ہے۔ اور اس کی بدبختی حضراتِ علماء کرام سے کٹ جانے میں ہے۔

اُمت کی اسی رہنمائی کا نام "افتاء" ہے۔ یہ انتہائی اہم نازک اور عظیم الشان ذمہ داری ہے۔ کیونکہ افتاء کی حقیقت دراصل بندوں اور خدائے تعالیٰ کے درمیان سفارت اور واسطہ بننے کی ہے۔ مستفتی حق جل شانہٗ کا حکم معلوم کرنے کی غرض سے مفتی و عالمِ دین کے پاس آتا ہے اور مفتی اپنی مرضی و منشاء یا اپنی ذاتی رائے سے حکم بتلانے کی بجائے اس حادثہ میں حق جلّ شانہ کے حکم کیطرف رہنمائی کرتا ہے کہ اس حادثہ میں حکمِ خداوندی یہ ہے جس مفتی میں اپنی اس ذمہ داری کا احساس و شعور جتنا زیادہ ہوگا۔ اسی اعتبار سے افتاء میں اس کا مقام بُلند و برتر ہوگا۔

نیابتِ نبوّت امام شاطبی نے موافقات میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ امام موصوف نے یہاں تک صراحت فرما دی ہے۔ کہ مفتی، امت میں افتاء اور تعلیم و تبلیغ کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

المفتی قائم فی الامۃ مقام النبی — مفتی امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

صلی اللہ علیہ وسلم والدلیل علی ذلک
امور (احدھا) النقل الشرعی
فی الحدیث ان العلماء ورثۃ الانبیاء
وبُعِث النبی صلی اللہ علیہ وسلم نذیراً
لقولہ تعالیٰ فلولا نفر من کل فرقۃ
والثانی انہ نائب عنہ فی تبلیغ
الاحکام ...... والثالث ان المفتی
شارع من وجہ لانّ ما یبلغہ من
الشریعۃ اما منقول عن صاحبھا
واما مستنبط من المنقول فالاول یکون
فیہ مُبَلِّغا والثانی یکون فیہ شارعاً
من وجہ .... فھو من ھذا الوجہ
واجب اتباعہ والعمل علی وفق
ما قالہ وھذہ ھی الخلافۃ علی التحقیق
..... وقد جاء فی الحدیث ان من
قرأ القرآن فقد استدرجت النبوۃ
بین جنبیہ

وعلی الجملۃ فالمفتی مخبر عن اللہ تعالیٰ
کالنبی ونافذ امرہ فی الامۃ بمنشور
الخلافۃ کالنبی ولذا سُمّوا اولی
الامر وقرنت طاعتھم طاعۃ اللہ
وطاعۃ الرسول فی قولہ تعالیٰ
یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا
الرسول واولی الامر منکم

قائم مقام ہوتا ہے۔ اس پر کئی دلیلیں ہیں۔
ان میں سے پہلی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا فرمان ہے، العلماء ورثۃ الانبیاء
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نذیر بنا کر مبعوث کیے گئے
ہیں ایسے ہی اللہ پاک نے یہ وصف علماء کی
جماعت کا ذکر فرمایا جو تفقہ فی الدین حاصل
کرنے کے بعد اپنی قوم کو احکامات خداوندی
کی مخالفت سے ڈرائیں گے۔ ولینذروا قومھم اذا
رجعوا الیھم الآیۃ۔ دلیل ثانی:۔ مفتی بھی احکامات
خداوندی کو لوگوں تک پہنچاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کا بھی یہ فریضہ تھا۔ دلیل ثالث:۔
مفتی مجتہد احکام خداوندی میں ناقل اور
شارع کی طرح ہے۔ کیونکہ احکام دو طرح
پر ہیں۔ ۱۔ جو صراحتاً صاحب شریعت سے منقول ہیں۔ ۲۔ نصوص
سے اجتہاد واستنباط کے ذریعہ حاصل شدہ ہوں۔ اوّل
میں مفتی مبلغ ہے، اور ثانی میں بمنزلہ شارع کے ہے۔
اس اعتبار سے مفتی کی اتباع اور اسکے قول پر عمل کرنا
واجب ہوا، یہی درحقیقت خلافت نبوت ہے۔ ایک حدیث
پاک میں وارد ہے جس شخص نے قرآن سیکھ لیا نبوت گویا
اسکے دونوں پہلوؤں کے درمیان داخل ہو گئی ہے۔
الحاصل مفتی احکامات خداوندی کی لوگوں کو خبر دیتا ہے
اور ارشادات ربانیہ کو لوگوں پر نافذ وجاری کرتا ہے
یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے فقہاء وعلماء کو اولی الامر کا لقب
عنایت فرمایا اور ان کی اطاعت کو اپنی اور اپنے رسول پاک
صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ذکر کیا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول
واولی الامر منکم۔

اولی الامر کی تفسیر

اختلف فی تاویل اولی الامر فروی عن جابرؓ بن عبد اللہ و ابن عباسؓ روایۃ والحسنؒ وعطاءؒ و مجاہدؒ فہم اولوا الفقہ والعلم[۱]

یہی وجہ ہے، کہ اعلم و اتقی مفتی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، سائلین کے دل میں اگر یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ فلاں عالم و مفتی بے لاگ اللہ و رسول کا حکم بتلانے کی بجائے اپنی ذاتی خواہش کے مطابق فتویٰ دیتا ہے یا اسے خریدا جا سکتا ہے تو عوام الناس کا اعتماد اس سے اٹھ جاتا ہے۔

شریعت کی بالادستی

بہر حال افتاء کی حقیقت احکام خداوندی کی تبلیغ و ترجمانی ہے۔ افتاء کی یہ حیثیت سمجھ لینے کے بعد یہ تسلیم کر لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، کہ شرعی فتویٰ کو کسی عدالت یا اسمبلی میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا —— ملکی و قومی ادارے احکام شرعیہ کے پابند ہیں، اور فتویٰ صرف مطابقتِ حکمِ خداوندی کا محتاج ہے، اسمبلی کا فیصلہ انسانوں کا فیصلہ ہے۔ اور شرعی فتویٰ حکمِ خداوندی کے قائم مقام ہے۔

حافظ ابو عمرو ابن الصلاح فرماتے ہیں:

ولہذا قیل فی الفتیا انہا توقیع عن اللہ تعالیٰ (ادب المفتی ص۲)

امام سفیان بن عیینہ محمد بن المنکدر سے نقل فرماتے ہیں:

ان العالم بین اللہ و بین خلقہ فلینظر کیف یدخل (ادب المفتی ص۲)

مفتی مجتہد

درحقیقت مفتی وہ ہے جو درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو اس کے حق میں دلائل کی ترتیب وہی ہے جو قاضی مجتہد کے بارے میں ہے۔ یعنی کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع (۴) پھر قیاس و اجتہاد۔

ینبغی للقاضی ان یقضی بکتاب اللہ … فان لم یجد فی کتاب اللہ تعالیٰ یقضی بما جاء عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فان لم یجد یقضی بما اجتمع علیہ الصحابۃ رضی اللہ عنہم لان العمل باجماع الصحابۃ واجب …. وان لم یجیٔ شیٔ من ذلک فان کان من اہل الاجتہاد قاسہ …. واجتہد وان لم یکن من اہل الاجتہاد یستفتی

قاضی کو چاہیئے سب سے پہلے کتاب اللہ سے فیصلہ کرے اگر کتاب اللہ میں اسے حکم نہ ملے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے اگر اس میں بھی اسے حکم نہ ملے تو حضرات صحابہ کے اجماعی فیصلوں کو دیکھے اسلیے کہ حضرات صحابہ کے اجماعی فیصلے واجب العمل ہیں اور اگر اجماعی فیصلوں میں بھی حادثہ کا حکم نہ ملے تو پھر اگر مفتی و قاضی مجتہد ہے تو اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ کرے ورنہ دوسرے مفتی حضرات سے فتویٰ لے کر اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

---

[۱] موافقات ج ۴ ص ۲۴۴ تا ۲۴۵، [۲] احکام القرآن للجصاص ص ۲۱۰ ج ۲

فی ذلک فیاخذ بفتوی المفتی
(صـ۱۴۳/۱۴۴ ہندیہ ج ۳)

فقہ حنفی اور دیگر ائمہ ثلاثہ کے فقہی مسالک انہی اصولوں پر مبنی ہیں اور قرآن وسنت ہی کا خلاصہ و نچوڑ ہیں خود امام ابوحنیفہؒ سے ایسے ہی منقول ہے کہ اولاً کتاب اللہ ثانیاً سنت اور ثالثاً اجماع سے شرعی احکامات کو اخذ و استنباط کرتا ہوں (عقود الجمان ص صـ۱۷۲)

غیر مجتہد اگر مفتی درجہ اجتہاد کا حامل نہیں تو اس پر لازم ہے کہ ائمہ مجتہدین کی کتب مشہورہ ومتواترہ سے شروط معتبرہ کے ساتھ مسئلہ نقل کرکے بتلائے۔ اجتہاد نہ کرے، جیسا کہ "رسم المفتی" کے عنوان کے تحت حضرات فقہاء نے اسکی تفصیلات اور ضوابط تحریر فرمائے ہیں۔ ملاحظہ ہو :

مقدمہ درمختار للحصکفی "وعقود رسم المفتی" للعلامۃ ابن عابدین الشامی۔	ایسا عالم درحقیقت مفتی نہیں بلکہ ناقل فتویٰ ہے۔

ما یصدر عن غیر الاھل لیس بافتاء حقیقۃ انما ھو حکایۃ عن المجتہد (عقود رسم المفتی صـ۲۲)

ملازمہ اس مقام پر ضروری تنبیہ بھی لازم ہے۔ وہ یہ کہ مفتی کے لئے صرف علمی استعداد ہی کافی نہیں کہ کتاب دیکھ کر جزئیہ تلاش کر سکتا ہو بلکہ اس کے لئے معتمد ارباب فتویٰ ومشائخ کا ملازمہ طویلہ بھی ضروری ہے کہ انکی خدمت میں رہ کر فقہ کے ساتھ مناسبت بھی پیدا کرلی ہو۔ ورنہ جزئیہ لکھنے کے باوجود مسائل میں اغلاط کا شکار رہے گا۔

اٹھارہ سال امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں بزعم خویش تکمیل علم کے بعد بصرہ گیا میرا خیال تھا کہ مجھ سے جو مسئلہ بھی دریافت کیا جائے گا میں اس کا جواب دے سکوں گا مگر جب اہل بصرہ نے کچھ سوالات کئے تو میرے پاس ان کا جواب نہیں تھا۔

فجعلت علی نفسی ان لا افارق حماداً حتی یموت فصحبتہ ثمانی عشرۃ سنۃ ثم مات ثم ما صلیت من صلوٰۃ منذ مات الا استغفرت لہ قبل ابویّ	امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا کہ اپنے استاد حضرت حمادؒ سے انکی حیات میں جدا نہ ہونگا پس اٹھارہ سال تک آپکی خدمت میں رہا پھر آپکی وفات کے بعد میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں اپنے والدین سے پہلے ان کیلئے دعاءِ مغفرت نہ کی ہو۔

(تاریخ بغداد صـ۳۳۳/۱۳ج)

امام ابویوسفؒ نے بھی اپنی الگ مجلس تدریس وافتاء قائم فرمائی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ نے ایک سائل کو بھیج کر پانچ مسائل میں ان کی غلطیوں پر مطلع کرتے ہوئے عملی طور پر متنبہ فرمایا کہ ابھی ملازمہ شیخ کی ضرورت باقی ہے۔
(نفع السائل والمفتی ص ۲۵)

خود مفتی نہ بن بیٹھے

ستر بڑے ائمہ کرام کے فرمانے پر امام مالکؒ مسندِ افتاء پر بیٹھے۔

ما افتی مالک حتی شھد لہ سبعون اماما انہ اھل لذلک
(مقدمہ اوجز ص ۱۳)

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی ایسے ہی منقول ہے کہ فقہائے اہل کوفہ نے انہیں مسندِ افتاء پر بٹھایا تھا

(عقود ص ۱۲۹)

اپنی اس نازک اور عظیم ترین ذمہ داری کا احساس و شعور بھی ضروری ہے کہ وہ بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بن رہا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے جائز و ناجائز حلال و حرام کا فیصلہ ظاہر کر رہا ہے۔ اوّل یہ کہ انتہائی غور و فکر حزم و احتیاط سے فتویٰ دے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں:

ربما وردتْ علیّ المسالۃُ تمنعنی من الطعام والشراب والنوم (ص ۲۸۶ ج ۴ موافقات)

فوری جواب ضروری نہیں صحت جواب لازم ہے۔ آخرت کی جواب دہی کا استحضار رکھے۔

وکان مالک اذا سئل عن المسئلۃ قال للسائل انصرف حتی انظر فیھا فینصرف ویردد فیھا فقیل لہ فی ذلک فبکی وقال لی من المسائل یوم وایّ یوم (موافقات ص ۲۸۶ ج ۴)

جنت و دوزخ کے درمیان

وکان مالک یقول من احب ان یجیب عن مسألۃ فلیعرض نفسہ قبل ان یجیبہ علی الجنۃ والنار وکیف یکون خلاصہ فی الآخرۃ ثم یجیب (موافقات ص ۲۸۶ ج ۴)

امام مالکؒ فرماتے ہیں جو مفتی مسئلہ کا جواب دینا چاہے اُسے چاہیئے کہ جواب سے قبل اپنے آپ کو جنت اور دوزخ پر پیش کر لے اور یہ سوچ لے کہ آخرت میں اسکی نجات کیسے ہوگی؟ پھر جواب لکھے خود امام مالکؒ کا یہی حال تھا کہ جب مجلس افتاء میں بیٹھتے تو ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے اور جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپکا رنگ متغیر ہو جاتا۔ وقال بعضھم لکأنما مالک واللہ اذا سئل عن مسألۃ واللہ واقف بین الجنۃ والنار [1]

وقال ما من شیئٍ اشد علیّ من ان اسأل عن مسألۃ من الحلال والحرام لان ھذا ھو القطع فی حکم اللہ و لقد ادرکت اھل العلم والفقہ ان احدھم اذا سئل عن المسئلۃ کأن الموت اشرف علیہ [2]

امام مالکؒ نے ایک سائل کو جواب نہ دیا تو اس کے شدید اصرار پر فرمایا:

ویحک ترید ان تجعلنی حجۃ بینک وبین اللہ فاحتاج انا اولاً ان انظر کیف خلاصی ثم اخلصک [3]

---

[1] (موافقات ص ۲۸۶ ج ۴) [2] (موافقات ص ۲۸۷ ج ۴) [3] موافقات ص ۲۸۸ ج ۴

لاادری | ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں ۔شرح صدر نہ ہو تو صاف کہہ دے کہ مجھے جواب معلوم نہیں ——— قال ابن عجلان اذا اخطأ العالم لا ادری اصیبت مقاتله وقال ابن عباس ینبغی ان یورث العالم جلساءہ قول لا ادری " [1]

امام مالکؒ سے پچاس مسئلے پوچھے گئے صرف پانچ سوالوں کا جواب دیا باقی میں لاادری فرمایا۔

حافظ مسعر بن کدامؒ فرماتے ہیں:

من جعل اباحنیفة بینه وبین الله تعالیٰ رجوت ان لا یخاف ولا یکون فرط فی الاحتیاط لنفسه [2]

امام ابویوسفؒ جب کسی مسئلے کا جواب دیتے تو فرماتے

هذا قول ابی حنیفة ومن جعله بینه وبین الله تعالیٰ فقد استبرأ لدینه [3]

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے یہ ارشادات ان کے فضائل کے سلسلے میں بیان نہیں کئے جا رہے۔ بلکہ ان سے مقامِ افتاء کی حیثیت واضح کرنا مقصود ہے کہ فتویٰ درحقیقت حکم خداوندی کا اظہار رہے اور مفتی خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے مابین واسطے کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ یہ امر امام مالک امام ابویوسف، حافظ مسعر بن کدام رحمہم اللہ کے کلام میں مصرح ہے۔

فتویٰ اگر اپنی ذاتی رائے کا اظہار ہوتا، تو استفتاء وسوال کے وقت میں رنگ متغیر ہو جانے اور جواب سے قبل اپنی خلاصی کے فکر اور جنت و دوزخ کے استحضار کا کوئی محل نہ تھا اور اسی طرح استفتاء کے وقت سلف کی یہ حالت کیوں ہو جاتی تھی۔گویا کہ موت آ رہی ہے۔ان آثار سے ہم آدابِ افتاء کے سلسلہ میں بھی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

چونکہ مقامِ افتاء نہایت اہم ہے اس لئے نااہل "مفتی" واجب التعزیر ہے۔

واما غیرہ فیلزمه اذا تسور هذا المنصب الشریف التعزیر البلیغ والزجر الشدید الزاجر لامثاله عن هذا الامر [4]

مقامِ مفتی کی اس عظمت شان مفتی کا قول وعمل کی روشنی میں علامہ شاطبیؒ نے ایک نہایت وقیع بحث یہ کی ہے کہ مفتی کا صرف قول اور فتویٰ ہی واجب الاتباع نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ خلافت نبوت کے حوالے اور ناطے سے مفتی کا عمل بلکہ اُسکی "تقریر" بھی قابل تاسی ہے فرماتے ہیں:

---

[1] موافقات ج ۴ ص ۲۸۸ [2] عقود الجمان ص ۱۹۶ [3] عقود الجمان ص ۱۹۸ [4] عقود رسم المفتی ص۴

ان الفتویٰ من المفتی تحصل من جہۃ القول والفعل والاقرار [۱]

آگے چل کر علامہ شاطبی مزید لکھتے ہیں :

فحق علی المفتی ان ینتصب للفتویٰ بفعلہ وقولہ بمعنی انہ لابد من المحافظۃ علی افعالہ حتی تجری علی قانون الشرع لیتخذ فیہا اسوۃ [۲]	پس مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے فعل وقول دونوں کو فتویٰ بنائے یعنی خود بھی احکام شریعت کا پابند ہوتاکہ اس کی اقتدار کی جاسکے۔

کوئی شبہ نہیں کہ مفتی کا "عمل" اور "تقریر" حجت شرعیہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن معاشرہ مقتدا حضرات کے "عمل" اور "تقریر" سے تمسک کرتا ہے اور یہ ایک جبلی وفطری امر ہے عموماً لوگ کہا کرتے ہیں فلاں مفتی صاحب یوں کرتے ہیں اور فلاں شیخ الحدیث صاحب کے سامنے یہ کام کیا گیا انہوں نے تو منع نہیں کیا۔

الغرض قول وفتویٰ کی طرح مفتی کا عمل بھی قرآن وسنت اور شریعت مطہرہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ورنہ اس کا فتویٰ قبول نہیں ۔

ان الفتیا لا تصح من مخالف لمقتضی العلم

احناف کے نزدیک بھی مختار یہی ہے کہ فاسق کا فتویٰ معتبر نہیں (ہندیہ) گناہ کی ظلمت سمت جواب سے مانع ہے جبکہ تقویٰ اور انابت الی اللہ کی نورانیت منجانب اللہ صحیح جواب القاء ہونے کا سبب ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رح کا معمول تھا کہ جب کسی مسئلے میں جواب منکشف نہ ہوتا تو فرماتے کہ یہ میرے گناہ کی وجہ سے ہے توبہ استغفار کرتے ۔

وربما قام فتوضاء وصلّی رکعتین ویستغفر فتفرج لہ المسأئلۃ فیقول استبشرت لانی رجوت انہ قد تیب علیّ حتی ادرکت المسأئلۃ۔ قال فلما بلغ ذلک الفضیل بن عیاض بکی بکاءً شدیداً ثم قال، رحم اللہ اباحنیفۃ انما کان ذلک لقلۃ ذنوبہ فاما غیرہ فلا یتنبہ لذلک لان ذنوبہ قد استغرقتہ۔ [۳]

---

[۱] موافقات ص۲۴۶ ج-۴ - [۲] موافقات ص۲۵۱ ج-۴ [۳] عقود الجمان ص۲۲۹

انصاف فی العلم ایک اہم ترین امر یہ ہے کہ اگر اپنے جواب کی غلطی ظاہر ہوجائے تو رجوع کرنے سے استنکاف نہ کرے حق کی طرف مراجعت باطل پر اصرار سے ہزار درجہ بہتر ہے اِس سلسلہ میں سلف کی احتیاط کا یہ عالم تھا۔ ایک مرتبہ امام حسن بن زیاد لؤلوی (جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں) سے جواب میں غلطی ہوگئی۔ بعد میں تنبہ ہوا، تو بہت پریشان ہوئے لیکن مستفتی کو اطلاع کی کوئی صورت نہ تھی، کوشش کے باوجود جب مستفتی کا پتہ نہ چل سکا تو آپ نے ڈھنڈورچی کو کرایہ پر لے کر پورے شہر میں اس کا اعلان کرُایا کہ فلاں تاریخ فلاں وقت اس مضمون کا کوئی شخص فتویٰ لے گیا تھا وہ فتویٰ صحیح نہیں، اور اسوقت تک افتاء کے لئے نہیں بیٹھے جبتک وہ مستفتی نہیں مل گیا اور جواب کی تصیحح نہیں کرلی[۱]

ذکرِ دلیل اصولی طور پر فتویٰ میں دلائل کا ذکر کرنا ضروری نہیں تصنیف و افتاء میں فرق ہے۔ تطویل اور دلائل کا تذکرہ تصنیف میں ہوتا ہے (ادب المفتی) اور مستفتی کے لئے مطالبہ دلائل کا استحقاق بھی نہیں۔ عامی کے حق میں علماء فقہاء کا جواب ہی حجت ہے کما مرّ لیکن قلتِ علم اور عدم ممارست کی وجہ سے آجکل ضروری ہے کہ صریح جزئیہ کے حوالہ سے فتویٰ تحریر کیا جائے، مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے یہ امر موجب اطمینان ہوگا (اعلام الموقعین) قواعد سے فتویٰ نہ دے بلکہ صریح جزئیہ تلاش کیا جائے۔ صحتِ فتویٰ کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ قول راجح پر فتویٰ دیا جائے قول مرجوح یا محض اپنے "قول" پر فتویٰ نہ دے[۲]، بلکہ کسی اثر صحابی کی بُنیاد پر منصوص فی المذہب کے خلاف فتویٰ دینا بھی جائز نہیں، کیونکہ شروط وقیود کے لحاظ سے آثارِ صحابہ منقح نہیں[۳]

تاریخِ افتاء حضرات صحابہ نے بہت سے سوالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے جن کے جوابات کی تفصیل قرآن وسُنت میں مذکور رہے۔ یہ بھی تعلیم وافتاء ہی ہیں، ان کے علاوہ قرآن پاک میں دو مقام پر حضراتِ صحابہ کی طرف استفتاء، اور حق جل شانہٗ کی طرف صراحۃً "افتاء" کی نسبت کی گئی ہے۔

ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن	لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھتے ہیں۔ اللہ پاک ان عورتوں کے بارے میں تمھیں فتویٰ دیتے ہیں۔
ویستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ الایۃ	یہ لوگ آپ سے کلالہ کے بارے میں مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرماویں کہ اللہ پاک کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں

---

[۱] ادب المفتی ص۸۸ ۔

تو اوّلین افتاء حق جل شانہ کی طرف سے اور ثانیاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ظہور میں آیا کیونکہ آپ علیہ السلام کے واسطہ ہی سے صحابہ کے استفتاء کا جواب ارشاد فرمایا گیا۔

دورِ صحابہؓ عہد رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں مندرجہ ذیل حضرات صحابہ فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیرؓ، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، انس، ابوہریرۃ رضی اللہ عنہم، باقی حضراتِ صحابہ عموماً ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے فتویٰ لیتے تھے [۱]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فقیہ ہیں۔ جیساکہ مسئلہ وتر میں ایک سائل کے جواب میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا: اصاب انہ فقیہ [۲]

ابن الہمامؒ نے ایسے حضرات صحابہ کی تعداد بیس بتلائی ہے۔ جبکہ علامہ ابن القیم کے نزدیک انکی تعداد ایک سو بیس ہے۔ بکثرت فتویٰ دینے والے معروف مفتیوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔ معلوم ہوا کہ عورت مقامِ افتاء پر فائز ہوسکتی ہے۔

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے امام ابوبکر کاسانی کے شیخ جو انکے سسر بھی ہیں بہت بڑے فقیہ تھے، اور انکی صاحبزادی بھی کامل فقیہہ تھیں۔ جو امام کاسانی کی اہلیہ بنیں، تو انکے گھر سے جو فتویٰ دیا جاتا تھا تو اس فتویٰ پر امام ابوبکر کاسانی، انکی اہلیہ اور انکے سسر تینوں کے دستخط ہوتے تھے۔

علیہا خطہا وخط ابیہا وخط زوجہا:

اجلہ تابعین جنہوں نے حضراتِ صحابہ کے دور ہی میں مقام افتاء میں امتیازی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ یہاںتک کہ حضراتِ صحابہ بھی انکی طرف رجوع فرماتے تھے۔ امام حسن بصری، سعید بن مسیب ابراہیم نخعی، شعبی، قاضی شریح، مسروق، علقمہ رضی اللہ عنہم اجمعین (حاشیہ توضیح تلویح ج ۲ ص ۲ اصح المطابع)

قابوس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

لقد ادرکت ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئلون علقمۃ ویستفتونہ [۳]	میں نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ بھی علقمہؓ سے مسائل پوچھتے تھے

اجلہ تابعین کے دور میں جن اصاغر تابعین نے فتویٰ میں شہرت اور وقیع مقام حاصل کیا، ان میں سے

---

[۱] فتح القدیر مصری ج ۱ ص ۱۴۱ [۲] مشکوٰۃ ص ۔ ج ا ۔ [۳] مقدمہ اوجز ص

سرِفہرست حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ہیں متقدمین و متاخرین نے تفقہ فی الدین کے سلسلہ میں آپ کی جلالت قدر عظمت شان کا اعتراف کیا ہے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عظیم ترین کارنامہ قرآن وسنت اور تعامل اُمت کی روشنی میں شورائی طریق پر اسلامی قانون فقہ حنفی کی تدوین ہے۔

فقہ حنفی کی صحت و عظمت کے سلسلہ میں اسکے مندرجہ بنیادی عناصر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ قراءت اور علوم قرآن کریم علم حدیث و آثار اور علم لغت و عربیت نیز تفقہ و اجتہاد کے اعتبار سے کوفہ کی مرکزیت۔

۲۔ پندرہ سو حضرات صحابہ خصوصاً حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ان کے بے شمار شاگردوں کا کوفہ میں اقامت گزین ہونا۔ قالہ العجلی

۳۔ حضرات صحابہ میں سے حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا علمی مقام ملاحظہ ہو

قال مسروق لقد شاهدت اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجدت علمهم ينتهي الى ستة عمرؓ وعليؓ وابن مسعودؓ وابي وزيد بن ثابت وابي الدرداءؓ ثم وجدت علم هؤلاء الستة الى علي وعبد الله رضي الله عنهم (عقود الجمان في اخبار ابي حنيفة والخيرات الحسان)

۴۔ کوفہ ایک مرکزی فوجی چھاؤنی کی حیثیت بھی رکھتا تھا تو مشرقی محاذ پر جانیوالے تقریباً تمام لشکر یہاں سے ہوکر جاتے تھے تو اس سلسلہ میں واردین اور صادرین حضرات صحابہ کی تعداد غیر محصور ہے۔

امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین کی جلالۃ شان کا اندازہ آپ امام وکیع کے مندرجہ ذیل بیان سے لگا سکتے ہیں جو انہوں نے اس وقت ارشاد فرمایا جب کسی شخص نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہا کہ وہ مسائل میں غلطی کرتے ہیں۔

فقال وكيع كيف يقدر ابو حنيفة ان يخطئ ومعه مثل ابي يوسف وزفر ومحمد في قياسهم واجتهادهم ومثل يحيى بن زكريا بن ابي زائدة وحفص ابن غياث وحبان ومندل ابني علي في حفظهم الحديث ومعرفتهم ومثل قاسم بن معن بن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعودؓ في معرفته باللغة والعربية وداؤد بن نصير الطائي والفضيل بن عياض في زهدهما وورعهما من كان اصحابه هؤلاء وجلساؤه لم يكن يخطئ لانه ان اخطأ ردوه الى الحق. ثم قال وكيع والذي يقول مثل هذا كالانعام

بل هم اضل سبیلا [1]

ہر اہم مسئلے پر باقاعدہ بحث کی جاتی تھی اور ارکینِ مجلس کو پوری آزادی سے اپنی رائے پیش کرنے اور بحث کی اجازت حاصل تھی کبھی مہینہ بھر بھی ایک مسئلے پر بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہتا جب ہر طرح سے اطمینان ہو جاتا تب مسئلہ ضبطِ تحریر میں لایا جاتا۔

مسائل کی تعداد امام صاحبؒ نے قرآن و حدیث سے جو مسائل اخذ کئے ہیں، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، سب سے قلیل ترین تعداد تراسی ہزار ہے۔

اقل ما یقال فی مسائلہ انہا تبلغ ثلاثۃ وثمانین الفاً [2]

ناقلین کی تعداد حضرت امام صاحبؒ کو اللہ پاک نے ایسے تلامذہ عنایت فرمائے، جو آپ کے علم کے صحیح جانشین ہوئے۔ آپ کے علوم کو ایسے پھیلایا کہ اکثر ممالک میں کسی دوسرے امام کے مسلک سے لوگ واقف ہی نہیں تھے۔ شامیہ میں ہے:

بل فی کثیر من الاقالیم والبلاد لا یعرف الا مذہبہ کبلاد الروم والہند والسند وما وراء النہر وسمرقند [3]

علوم ابی حنیفہ کو نقل کر کے اُمت تک پہنچانے والے حضرات کی تعداد علامہ شامیؒ نے چار ہزار نقل کی ہے (ص۳۹ ج۱) حافظ ابن حجر مکیؒ نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ احادیث کی تشریح اور مسائل مستنبط اور قضایا والاحکام میں جتنا فائدہ عوام و خواص کو علوم ابی حنیفہؒ اور انکے شاگردوں سے حاصل ہوا۔ ائمہ مشہورین میں سے کسی کے علم سے اتنا نفع نہیں پہنچا [4]

ہزار سال خلفائے عباسیہ کے زمانے سے لے کر گزشتہ صدی کے شروع تک قانونِ اسلامی کے طور پر اکثر ممالکِ اسلامیہ میں فقہ حنفی نافذ رہی ہے دوسری صدی میں عباسی خلفاء کی حکمرانی ممالکِ اسلامیہ میں شروع ہو چکی تھی۔ اس لحاظ سے ہزار سال سے بھی زائد عرصہ فقہ حنفی قانونِ اسلامی کے طور پر نافذ رہی ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

فالدولۃ العباسیۃ وان کان مذہبہم مذہب جدہم فاکثر قضاتہا و مشائخ اسلامہا حنفیۃ۔ یظہر ذلک لمن تفصح کتب التواریخ وکان

---

[1] عقود الجمان ص۱۸۳ [2] مقدمہ نصب الرایہ ص۴۰ [3] ص۳۸ ج۱ [4] شامی ص۳۹ ج۱

مدة ملكهم خمس مائة سنة تقريباً، واما الملوك السلجوقيون وبعدهم الخوارزميون فكلهم حنفيون وقضاة ممالكهم غالبها حنفية واما ملوك زماننا سلاطين آل عثمان ايد الله تعالیٰ دولتهم ما كن الجديد ان فمن تاريخ تسعمائة الى يومنا هذا لا يولون القضاء وسائر مناصبهم الا للحنفية الخ

(ص ۳۹ / ج ۱)

برِصغیر میں تو اسلام کا تعارف ہی فقہِ حنفی کی صُورت میں ہوا ہے کیونکہ برِصغیر میں اسلام کی دعوت لانے والے اور سلاطین سب حنفی المذہب تھے۔ اسلیئے قضاء و افتا مذہب حنفی کے مطابق تھا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزی حکومت کے تسلّط کے بعد افتاء کی مرکزیت مدارس دینیہ کو مکمل طور پر منتقل ہو گئی۔ کیونکہ اب یہ مدارس ہی دین اور تعلیمات نبویہ کی آماجگاہ اور سرچشمہ ہدایت و رشد کی حیثیت حاصل کر چکے تھے جو تسلسل کے ساتھ اب تک جاری رہے۔

جنگ آزادی کے بعد اسلام کے تحفّظ کا کام حضرت شاہ ولی اللہ کے جانشین علماء نے سنبھالا ان اکابر علمائے دیو بند میں سید الطائفہ حضرت گنگوہی حضرت سہارنپوری حضرت تھانوی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب حضرت مفتی کفایت اللہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ اسرارھم حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن کے فتاویٰ مطبوعہ شکل میں اُمت کے سامنے موجود ہیں۔

انھیں مدارس و اکابر کا خوشہ چین اور اسی سلسلہ ذہب کی ایک کڑی جامعہ خیر المدارس بھی ہے۔ جسکی بنیاد ۱۹ر شوال ۱۳۴۹ھ کو جالندھر میں رکھی گئی اور نشاۃ ثانیہ ۲۲ر ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ کو ملتان میں ہوئی۔

فتویٰ کے مراکز کا مثالی کردار

از مرتب

ہمارے ملک کی عدالتوں کا طریقِ کار کسی سے مخفی نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ انصاف کے متلاشیوں سے کتنی بے انصافیاں ہوتی ہیں۔ خالی جیب تو عدالتوں کا تصور بھی ناممکن ہے۔ مالی ضیاع کے ساتھ ساتھ قیمتی وقت الگ ضائع ہوتا ہے۔ قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے فرضی گواہوں کے علاوہ بیان میں حسبِ ضرورت اور خلافِ واقعہ تبدیلی بھی ناگزیر ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ان سب باتوں کے باوجود مقدمہ کا فیصلہ سننے کی حسرت لئے پیوندِ خاک ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس مدارس دینیہ میں مفتی حضرات نہ کوئی فیس لیتے ہیں نہ تاریخیں اور پیشیاں دیتے ہیں۔ عامۃ المسلمین کے لئے یہ "دارالافتاء" بسا غنیمت ہیں اگر فریقین شرعی حکم پر متفق ہو جائیں اور ان مراکز کی طرف رجوع کریں تو وہ ہزاروں پریشانیوں سے بچ سکتے ہیں۔ بیجا نہ ہوگا اگر یہاں ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کر دیا جائے۔

غالباً ۱۴۰۲ھ کا واقعہ ہے کہ ہمارے پاس "دارالافتاء" میں میانوالی اور سندھ کی دو پارٹیاں آئیں جن کے مابین ایک باز کی قیمت پر جھگڑا تھا۔ باز کی مالیت چار لاکھ روپیہ تھی ہم نے پہلی ہی پیشی پر مسلسل طویل کارروائی میں گواہوں کے بیانات بمع جرح مکمل کر لئے۔

ان کے بیانات مکمل ہو جانے پر غور و خوض کے لیے کچھ وقت متعین کر کے ان کو تاریخ دیدی گئی کہ فلاں تاریخ کو آپ لوگ حاضر ہو کر اپنا فیصلہ سُن لیں۔ چنانچہ متعینہ تاریخ پر وہ لوگ آئے اور شرعی حکم کے تحت فیصلہ سُنا دیا گیا۔ اس ساری کارروائی میں فریقین کے صرف بارہ روپے خرچ ہوئے وہ بھی

ہر فریق کو فیصلہ کی کارروائی مہیا کرنے کے لئے جو کاغذات فوٹوسٹیٹ کرائے گئے ان کا معاوضہ تھا۔ اگر یہی معاملہ ہماری کسی ملکی عدالت میں جاتا تو منشی کے مختانے سے لے کر فیصلے کے دن تک جو کچھ فریقین کا خرچ ہوتا، اس کا کچھ وہی لوگ اندازہ کر سکتے ہیں جن کو عدالتوں کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔ ہماری عدالتوں کا طریقِ کار اتنا پیچیدہ اور غیر مناسب ہے کہ لوگ مقدمے کے تصور سے بھی گھبراتے ہیں۔ کاش! کہ سادہ لوح عامۃ المسلمین ان مراکزِ افتاء کی اہمیت و افادیت کو سمجھتے اور ان کی طرف رجوع کرتے کہ اس سے کافی حد تک ان کا مال اور وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا۔

دارالافتاء خیرالمدارس کی خصوصیت

افتاء و قضاء انتہائی نازک ذمہ داری ہے۔ اس کے لیے رسوخ فی العلم، رسوخ فی الدین، فقہ اور اصول فقہ میں خصوصی مہارت کے ساتھ ساتھ طبع سلیم اور فہم مستقیم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مع ہذا اہل زمانہ کی طبائع اور ان کے عرف سے واقفیت بھی لازمی ہے۔ اللہ تعالٰی نے حضرت اقدس مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کو ان اوصاف عالیہ کا بہت کچھ حصہ عطا فرمایا تھا۔ اور حضرت رح فتاوٰی میں جن امور کا التزام فرماتے تھے ان کا اب بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

ا، جب تک سوال پوری طرح منقح نہ ہو جواب نہیں دیا جاتا۔ سوال دستی ہو یا بذریعہ ڈاک جب تک واقعہ کی صحیح حقیقت بمع مضمرات صاف نہیں ہو جاتی جواب سے گریز کیا جاتا ہے۔

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۰ھ کا واقعہ ہے کہ کراچی سے ملک امیر عبداللہ صاحب کا ایک استفتاء موصول ہوا جس میں یہ تحریر تھا کہ۔

"زید کا دعوٰے ہے کہ خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے بعض لوگوں کو ریاضت و مجاہدہ سے اتنی ترقی نہیں ہوتی جتنی خواب سے۔ کیونکہ انہیں خواب میں علوم صحیحہ القاء ہوتے ہیں۔ تم کوشش کیا کرو مجھے نیند زیادہ آیا کرے کیونکہ آج کل مجھے خواب میں علوم صحیحہ القاء ہوتے ہیں۔ نیند سے بیدار ہو کر زید نے کہا کہ کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر کی تفسیر مجھے خواب میں یہ القاء ہوئی ہے کہ تم مثل انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہو لوگوں کے واسطے"

زید کے متعلق حکم دریافت کیا گیا، نیز ساتھ ملک کے کئی مرکزی مدارس کے فتاوٰی کی نقول بھی شامل تھیں جن میں زید کے بارے میں بڑے سخت الفاظ میں حکم لگایا گیا تھا بلکہ یہ بھی تحریر تھا کہ

"اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر زید مرزا قادیانی کی طرح نبوت کا دعوٰے نہ کر دے"

مکرر سہ کرر تنقیح کی گئی مستفتی نے ہر دفعہ اخفاء سے کام لیا۔ بالآخر یہ جواب لکھا گیا۔

"زید مذکور کے جو حالات آپ نے لکھے ہیں اتنے سے کسی کے بارے میں مکمل آگاہی نہیں ہو سکتی اور بغیر تحقیق کے شخصی فتوٰے دینا درست نہیں۔ فقط"

بعد میں پتہ چلا کہ ہر دو عبارتیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ بانی تبلیغی جماعت کی تھیں۔ اس طریقہ سے اللہ تعالٰی نے لاعلمی میں بھی ان کے خلاف کوئی نازیبا کلمہ لکھنے سے محفوظ رکھا۔

ایسے ہی ایک دفعہ ایک صاحب نے مرثیہ گنگوہی رح کا ایک شعر بغیر سیاق و سباق کے لکھ بھیجا۔

اور اس پر فتوائے چاہا مگر یہاں سے حسب معمول تنقیح کی گئی۔ جب کہ وہ سائل اسی شعر پر دارالعلوم دیوبند سے بڑا سخت فتویٰ حاصل کر چکا تھا

۲ : جس فتوائے کا تعلق کسی متعین شخص کی ذات سے ہو خواہ وہ فتویٰ تکفیر کا ہو یا تفسیق کا، حتیٰ الوسع ایسے فتوے کا جواب دینے میں بہت احتیاط کی جاتی ہے۔

۳ : استفتاء میں اگر کسی کتاب کا یا کسی کی تقریر کا صرف اقتباس درج ہو، تو تا وقتیکہ اس کا سیاق و سباق اچھی طرح معلوم نہ ہو اس کا جواب نہیں دیا جاتا۔

۴ : فتوائے کے جواب میں تعجیل نہیں کی جاتی بلکہ متعدد کتب سے مراجعت کے بعد مکمل شرح صدر ہو جانے کے بعد جواب دیا جاتا ہے۔

۵ : اہم استفسارات کے سلسلہ میں معمول یہ ہے کہ دیگر بڑے اساتذہ کرام سے بھی مشورہ کر لیا جاتا ہے اس کے بعد جو طے ہو جاتے اس کے مطابق جواب لکھا جاتا ہے۔ اور پھر ان حضرات کے دستخطوں کا بھی التزام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ متعدد فتاوی میں ناظرین کرام یہ بات ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت الاستاذ مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم جو دارالافتاء کی روح رواں ہیں ان کے فتاوی اس بات پر شاہد ہیں کہ تمام فتاوی میں متذکرہ بالا امور کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا ہے انہی امتیازی اوصاف نے "دارالافتاء" کو ملک میں ایک وقیع مقام عطاء کیا ہے۔ چنانچہ پورے ملک میں بالعموم اور اپنے علاقہ میں بالخصوص "خیرالمدارس" کے فتوائے کو لوگ آخری سند سمجھتے ہیں۔ عدالتوں میں فیصلہ کے وقت جج حضرات خیرالمدارس کے فتوی ہی کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ اہل علاقہ کی ایک بہت بڑی دینی خدمت ہے اللہ تعالیٰ بانی ادارہ حضرت اقدس رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

○

ما يتعلق بالإيمان والعقائد

وحی، کشف و الہام کی تعریف، مجدد اور مہدی کی علامات

اِستفتاء مندرجہ ذیل چند سوالات بطور اضافۂ علمی سمجھنا چاہتا ہوں۔ براہِ کرم مطالعہ و فرصت پر سمجھا دیئے جائیں۔

۱ : کشف۔ الہام۔ اور وحی میں کوئی فرق ہے یا نہ۔ اگر ہے تو کون سا اور کس قسم کا۔ اور وہ صوری ہے یا معنوی۔ استدلالی ہے یا یقینی۔ ان واردات کی تشریح فرمائی جائے۔

۲ : مہدی اور مجدد کے منصب میں کیا تفاوت ہے اور ان مناصب کے عاملین کو نبوت میں سے کون سا درجہ اور وصف حاصل ہوتا ہے؟

۳ : جیسا کہ نبی کے لئے دعویٰ نبوت ضروری ہے اسی طرح مجدد اور مہدی کے لئے بھی دعویٰ مجددیت و مہدیت ضروری ہے یا نہ۔

۴ : کیا نبی اور پیغمبر کی طرح مہدی اور مجدد بھی معصوم، یا مردِ کامل، خطاء سے مبرّہ ہوتا ہے۔

۵ : مجدد اور مہدی کو نہ ماننے والے مسلمان کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے۔ اور ان کی بعض تعریفوں یا اوصاف کو نہ ماننے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب وحی وہ علم ہے جو پیغمبر اور رسول کو بوقت انسلاخ عن البشریۃ الی الملکیۃ حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔

۱ : کسی وقت آواز مثل صلصلۃ الجرس (گھنٹہ کی سی آواز) سنائی دیتی ہے۔

۲ : کسی وقت فرشتہ اپنی اصلی صورت میں یا انسانی صورت میں آتا ہے۔

۳ : کسی وقت مکالمہ الٰہی بلا واسطہ ہوتا ہے۔

۴ : کسی وقت مکالمہ الٰہی من وراء الحجاب ہوتا ہے۔

۵ : کسی وقت رؤیا کے ذریعہ سے علم دیا جاتا ہے۔ اس لئے رؤیا (انبیاء علیہم السلام) وحی ہیں۔ نہ رؤیا غیر۔

۶ : تفہیم غیبی من جانب اللہ انبیاء علیہم السلام پر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ ان کی قوت نظریہ کو کھینچ کر رشد و صواب کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

۷ : الہام وہ علم ہے جو قلب مبارک میں بغیر اکتساب اور استدلال کے القاء ہو۔ اگر نبی کو ہو تو وحی کہلاتا ہے۔ یعنی وہ وحی کا قسم ہوتا ہے اور وہ قطعی اور حجت ہوتا ہے۔ اور غیر انبیاء کا الہام وحی کی قسم نہیں ہوتا۔ اور وہ ظنی ہوتا ہے۔ یہی فرق نبی اور غیر نبی کے رؤیا میں ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا الہام امر و نہی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اولیاء کا الہام کسی بشارت یا تفہیم پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء پر اپنے الہام کی تبلیغ واجب ہے۔ اور اولیاء پر نہیں۔ بلکہ اخفاء اولیٰ ہے۔ جب تک کوئی ضرورت شرعیہ دینیہ داعی نہ ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا ہوگا کہ وحی اور الہام میں کیا فرق ہے۔ الہام وحی کی قسم ہے۔ بنا بر ایں وحی اور الہام میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت بن جاتی ہے۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "علم الکلام" مولانا محمد ادریس صاحب ص۱۵۲ تا ص۱۶۴۔

اسی طرح "کشف" لغۃً کھولنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی علم کو نبی یا ولی پر کھول دینا۔ نبی کے علم کشفی اور ولی کے علم کشفی میں وہی فرق ہے جو الہام نبی اور غیر نبی میں بیان ہوا۔ کشف اور الہام مفہوم کے لحاظ سے متفاوت ہیں اور مصداق کے لحاظ سے قریب قریب ہیں۔ اور نسبت کشف اور وحی میں وہی ہے جو الہام اور وحی میں بیان ہوئی۔

یہ تفصیل اور نسبت اس کشف کے متعلق ہے جو کہ نبی پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات کشف فساق پر بھی ہوتا ہے جیساکہ ابن صیاد نے کہا تھا أری عرشا علی الماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ترى عرش ابليس على البحر۔ اور بعض اوقات بہائم پر بھی ہوتا ہے جیساکہ عذاب قبر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ثقلین کے ماسوی تمام بہائم وطیور سن لیتے ہیں۔ کشف کے اس معنی اعم کے درمیان اور وحی کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔

۱ : مادہ اجتماعی۔ وہ کشف جو نبی کو ہو۔ وہ وحی بھی ہے اور کشف بھی۔

۲ : مادہ افتراقی۔ جہاں کشف ہو اور وحی صادق نہ آئے۔ کشف اولیاء۔ کشف بہائم وغیرہ

۳ : جہاں وحی صادق آسکے اور کشف نہ ہو۔ وحی کی وہ چھ قسمیں جو الہام سے پہلے نمبر ۱ میں بیان ہوئیں۔

تنبیہہ ! عموم و خصوص مطلق کی نسبت جو بیان ہوئی۔ وہ کشف نبی اور الہام نبی۔ اور وحی انبیاء کے درمیان تھی۔ ورنہ مطلق الہام اور مطلق کشف اور وحی کے درمیان بھی نسبت عموم و خصوص من وجہ بنتی ہے۔ کما لا یخفی علی المتأمل۔

۲ : مہدی ایک شخص معین ہے کوئی عہدہ نہیں ہے کہ ہر شخص کو حاصل ہو سکے۔ مہدی کے متعلق علامات حدیث نبوی میں وارد ہوئی ہیں۔ جو کہ یہ ہیں۔

۱ : اس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوگا۔

۲ : اس کے والد کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے ہمنام ہوگا۔

۳ : اہل بیت سے ہوگا یعنی اولاد فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہوگا۔
۴ : سات سال زمین میں خلافت کرے گا۔ اور زمین کو عدل سے پُر کر دے گا۔
۵ : بیعت کی صورت یہ ہوگی کہ کسی خلیفہ کے فوت ہونے کے بعد اختلاف واقع ہوگا۔ تو اس وقت مہدی صاحب مدینہ طیبہ میں ہوں گے۔ اس ڈر سے مدینہ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہونگے کہ ایسا نہ ہو کہ مجھے خلافت کے لئے مجبور کیا جائے۔ کیونکہ اہل مدینہ اس کے فضل وکمال سے واقف ہوں گے۔ لیکن جب مکہ معظمہ پہنچیں گے تو اہل مکہ بھی انہیں پہچان لیں گے۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ درانحالیکہ مہدی صاحب اس امر خلافت کے قبول کرنے کو مکروہ سمجھنے والے ہوں گے۔ یہ بیعت رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ہوگی۔
۶ : اس کے بعد ایک لشکر شام سے بمقابلہ حضرت مہدی صاحب روانہ ہوگا۔ مقام بیدار میں پہنچ کر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔
۷ : مہدی کی اس کرامت کو دیکھ کر ابدالِ ملک شام اور اہلِ عراق آئیں گے اور بیعت کریں گے۔
۸ : اس کے بعد ایک اور صاحب قریش میں سے مہدی کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوں گے اور وہ اپنے اخوال کلب سے آدمیوں کو جمع کرکے مہدی کے ساتھ لڑائی کریں گے۔ لشکرِ مہدی کو فتح ہو گی۔ یہ سب علامات ابو داؤد باب فی ذکر المہدی سے لی گئی ہیں۔

اب مُجَدِّد کے متعلق تحقیق درج کی جاتی ہے۔ جو کہ ابو داؤد اور اس کی شرح بذل المجہود صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴ سے اخذ کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر سو سال کے اوپر " من یجدد لہا دینہا " کو بھیجا کریں گے۔

اس لفظ " من یجدد " کے اوپر غور فرمایا جاوے۔ لفظ " من " معنی میں جمع کے ہے اور لفظ مفرد کا ہے۔ تو اب اس سے ایک قرن میں ایک فرد معین مراد لینا اور تیرہ قرن جو گزر چکے ہیں ان میں سے تیرہ آدمیوں کا انتخاب کرنا اور یہ کہنا کہ اس صدی کا مجدد فلاں تھا اور اس کا فلاں تکلف سے خالی نہیں۔ اس لئے معنی حدیث کی بنا پر اظہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی میں اللہ تعالیٰ ایک جماعت ایسی قائم فرماتے ہیں جن کا ہر فرد ہر بلد میں تقریر وتحریر کے ذریعہ سے دین کو قائم رکھتا ہے۔ اور تحریف غالین و مبطلین سے حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رح فرماتے ہیں۔

والاظہر عندی ان المراد بمن یجدد لیس شخصا واحدا بل المراد به

جماعة يجدد كل واحد فى بلد فى فن او فنون من العلوم الشرعية
ما تيسر له من الامور التقريرية او التحريرية - ويكون
سببا لبقائه وعدم اندراسه وانقضائه الى ان يأتى امرالله
ولاشك ان هذا التجديد امر اضافى لان العلم كل سنة
فى التنزل كما ان الجهل كل عام فى الترقى -

مجدد اور مہدی کے مفہوم اور مراتب کو واضح کرنے کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں -

۱ : ان مناصب کے حاملین کو وحیِ نبوت اور وحیِ رسالت میں سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہو سکتا البتہ الہام اور کشف وغیرہ سے اولیاء کو ظنی علم حاصل ہوتا ہے - وہ ان کو بھی حاصل ہونا ممکن ہے - مگر وہ قطعی علم جو انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے جو کہ لوگوں پر حجت ہوتا ہے ، ان کو ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوتا -

۲ : نبی اور پیغمبر کو اپنی نبوت کا اعلان کرنا اور لوگوں کو اپنی نبوت کی طرف بلانا لازم ہوتا ہے لیکن مجدد کو مجددیت کا دعوے کرنا - اور اپنی مجددیت پر لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کرنا - اور پھر اپنے علوم کو مجددیت کی سند کے ساتھ مستند قرار دیتے ہوئے قطعی قرار دینا جائز نہیں - البتہ بطور تحدیث بالنعمت کے اگر کوئی عالم ربانی اظہار کر دے ، بطور ظن کے کہ اللہ تعالےٰ نے میرے ذریعہ سے دین کی یہ اہم خدمت لی ہے - اس لئے مجددین کے زمرہ میں داخل ہونے کی امید کرتا ہوں - تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا - لیکن یہ ادّعا کرنا کہ میں فلاں صدی کا مجدد ہوں اور لوگوں کو میری مجددیت پر ایمان لانا چاہئے - یا میرے ہاتھ پر بیعت ہو جانا چاہئے - بالکل جائز نہیں ہے -

۳ : نبی اور پیغمبر معصوم ہوتے ہیں - ان کے علاوہ امت کا کوئی فرد حتیٰ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں قرار دیئے جا سکتے - كما هو مذهب أهل السنة والجماعة -

۴ : مہدی اور مجدد کو نہ ماننے سے کفر نہیں لازم آتا - مجدّد کے متعلق تو واضح ہو چکا ہے کہ کسی شخص معین کا نام نہیں ہے بلکہ کسی کا مجدد ہونا امر ظنی ہے - اس لئے اس کے نہ ماننے میں کوئی خاص نکیر نہیں ہو سکتی - البتہ مہدی کا ذکر ان صفات کے ساتھ جو احادیث میں آیا ہے اور یہ حدیثیں

ابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہیں۔ حدیثیں صحیح اور حسن ہیں اس لئے ان صفات کا جو منکر ہوگا اس کے لئے وہ حکم ہوگا جو احادیثِ احاد کے منکر کا ہوتا ہے۔ یعنی کفر لازم نہ آئے گا۔ لیکن فسق سے خالی نہ ہوگا۔

فقط واللہ اعلم | الجواب صواب
بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ ، خادم دارالافتاء | خیر محمد عفا اللہ عنہ
خیر المدارس ملتان ، مورخہ ۲۰ شعبان ۱۳۷۰ھ | مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

رفع عیسیٰ وظہورِ مہدی علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے دلائل

۱ : ثابت کرو کہ عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور وہ واپس آئیں گے۔

۲ : ثابت کرو کہ امام مہدی علیہ السلام اہل بیت سے ہوں گے اور مدینہ منورہ یا کسی اور ملک میں پیدا ہوں گے۔

۳ : وہ کہتے ہیں کہ خر دجال آچکا اگر نہیں آیا تو ثابت کرو کہ پندرہویں صدی میں آئے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ چودھویں صدی آخری ہے اس کے بعد قیامت ہے۔ اسی صدی میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

اب آپ برائے مہربانی ہمیں تو ان سوالات کا جواب مع ثبوت یعنی مکمل صفحہ، جلد، نام، حدیث وغیرہ لکھیں جس پر وہ اعتراض نہ کرسکیں۔ اور ہمیں بھی تسلی ہو اور ان کو بھی جواب دینے کے قابل رہ جائیں ہم نے بہت سے علماء صاحبان کے پاس خطوط لکھے بلکہ دیوبند تک لکھے مگر کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا کسی نے مرزا صاحب کا حوالہ دے کر۔ کسی نے کچھ، کسی نے گالیاں دے کر ٹال دیا۔ جس کی وجہ سے ہمارا دل بہت گھبرایا ہوا ہے کیونکہ کسی طرف سے تسلی بخش جواب نہیں پایا۔ اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے کہ کسی عالم کے پاس جائیں۔ آپ خدا کے واسطے مکمل جواب لکھ کر ہمارے دل کو یقین دلائیں کہ ہمارا مذہب سچا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

الجواب ۱ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھایا جانا آسمان پر، قرآن مجید اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ دلائل تو بہت ہیں مگر یہاں بوجہ تنگیٔ وقت کے صرف ایک دو تحریر کئے جاتے ہیں۔

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك

منهم مالهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه یقینا بل رفعه اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیماً۔

اس آیت میں یہود کا قول نقل فرما کر اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے ۔ یہود کہتے تھے کہ ہم نے عیسٰی بن مریم کو قتل کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں ۔ انہوں نے نہ تو عیسٰی بن مریم کو قتل کیا اور نہ اس کو سولی پر چڑھایا ۔ حقیقت میں ان پر شبہہ پڑ گیا اور جو لوگ بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں سب شک وشبہہ میں مبتلا ہیں ۔ یقینا عیسٰی علیہ السلام کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا ۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے ۔ (اس کے لئے عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالینا کیا مشکل ہے) ۔ اور حکمت والا ہے (اس کے کاموں میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں اگرچہ کوتاہ نظر نہ سمجھ سکیں) ۔

اس سے مرزائیوں کے تمام شبہات زائل ہو گئے ۔ مرزائی کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان پر کیوں گیا کیا کرتا ہے ۔ کیا کھاتا ہے وغیرہ وغیرہ شبہات پیش کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جواب دیا ۔ وکان اللہ عزیزاً حکیماً ۔ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ۔ اس کی حکمت نے یہی چاہا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالے ۔ پھر قیامت کے قریب زمین پر اتار دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا تو آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا ۔ کیا اس پر بھی کوئی جاہل اعتراض کر سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں ہوتے تو اچھا تھا کیوں ان کو زمین کی طرف بھیج دیا ۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اسے قبول کر لے ۔ منافق کا کام ہے حجت بازی کرنا ۔ لہذا یہ شبہات فضول ہیں ۔ جب بھی کوئی مرزائی عیسٰی علیہ السلام کے متعلق شبہہ پیش کرے تو فوراً یہی آیت پڑھیں وکان اللہ عزیزاً حکیماً ۔ کہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔ اس کی مرضی وہ مختار ہے ۔ عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا کوئی اس پر کیا اعتراض کر سکتا ہے ۔

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے ماتحت لکھا ہے ۔ وھو حی فی السماء ۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں ۔ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں ۔ صرف مرزا غلام احمد قادیانی نے آکر فتنہ برپا کیا ۔ اور یہ صرف اس لئے کہ " میں عیسٰی بنوں " برائے حلوا خوردن رودے باید

۲ : ابوداؤد حدیث کی کتاب ہے ۔ اور صحاح ستہ میں داخل ہے ۔ انہوں نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا نام ہے " باب ذکر المھدی " اس میں مندرجہ ذیل حدیثیں درج ہیں ۔

۱ : حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا

کا ایک دن بھی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دیں گے یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو کھڑا کریں گے جس کا نام میرے نام کے، اور اس کے والد کا نام، میرے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ وہ شخص دنیا کو انصاف و عدل سے بھر دے گا۔ جیسا کہ اس کے آنے سے پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی۔ (اب دیکھئے کہ مرزا اور اس کے باپ کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے مخالف ہے اور مرزا کے آنے سے دنیا میں ظلم وستم زیادہ ہوگیا)۔

۲ : دوسری روایت ابو داؤد میں ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مہدی میری اولاد سے ہوگا اور فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی نسل سے ہوگا۔ (مرزا تو مغل تھا یا پٹھان یا کوئی اور قوم ہوگی سید اور فاطمہ رض کی اولاد سے ہرگز نہیں) اور بھی بہت سی روایتیں اور حدیثیں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے مقامی علماء سے مدد حاصل کریں ورنہ ہماری طرف لکھیں۔ انشاء اللہ ان کے سب سوالوں کا جواب تسلی بخش دیا جائے گا۔

مرزائی جھوٹ بولتے ہیں کہ چودہویں صدی کے بعد قیامت ہے۔ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ نہ معلوم کہ دنیا کی عمر کتنی باقی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

اور حضرت مہدی علیہ السلام مدینہ شریف سے روانہ ہوں گے اور مکہ شریف تشریف لائیں گے تو سب لوگ مکہ والے اور دوسرے مسلمان حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرینگے یہ بیعت بیت اللہ شریف کے میدان میں مقام ابراہیم کے قریب ہوگی۔ (ابو داؤد شریف)

مرزا کو تو ساری عمر حج نصیب نہیں ہوا۔ نہ مدینہ دیکھا نہ مکہ دیکھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس مقامات میں اسے گھسنے ہی نہیں دیا۔

بہر حال آپ کو جو شبہ ہو ہماری طرف تحریر فرمائیں ہم وہ جواب دیں گے جو مرزائیوں کے لئے منہ توڑ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ۔ ۲۷ ۔ ۱۱ ۔ ۱۳۶۹ھ

جن پر ایمان لانا ضروری ہے انہیں جاننا بھی ضروری ہے

جو لڑکا یا لڑکی مسلمانوں کے گھر پیدا ہو، تو اس پر بالغ ہونے کے بعد سب سے پہلے ضروریاتِ دین کا سیکھنا کہ جس سے انسان مسلمان کہلانے کا حق دار ہو ضروری تھا۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت پر ایمان لانا۔ جو شخص باوجود عاقل، اور بالغ ہونے کے ان چیزوں کو نہ سیکھے اور نہ ہی ان چیزوں کے سیکھنے کو ضروری سمجھے اور نہ ہی شرم کی وجہ سے کسی کے پاس سیکھنے کے لئے جائے۔ اگر کوئی اس سے پوچھ لے کہ میاں تم کس دین پر ہو؟ تمہارے دین کا کیا نام ہے؟ اور تم کس پیغمبر کی امت ہو اور ان کا کیا نام ہے؟

تو جواب میں یوں کہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرا دین کیا ہے اور میں کس پیغمبر کی امت ہوں، اور نہ ہی ان کا نام جانتا ہوں۔ پہلے نابالغی کی حالت میں مُلّاں کے پاس نہیں گئے کہ ان باتوں کو سیکھوں۔ اور اب جوان ہیں ان باتوں کو سیکھنے اور پوچھنے میں شرم آتی ہے۔ اب بتائیے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اب بھی ضروریاتِ دین سیکھنے کو شرم و عار سمجھے، کیا وہ مسلمان کہلانے کا حق دار ہے یا نہ؟ اگر خدانخواستہ اس حالت میں مرجائے تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہ؟

الجواب

ایک عامی شخص سے ضروریاتِ دین کا سوال اس طرح سے کرنا غلط ہے۔ خواہ مخواہ اسے کافر بنانے کی کوشش کرنا درست نہیں۔ سوال کی یہ صورت ہونی چاہیئے کہ کیا تمہارا دین اسلام ہے؟ کیا تمہارے پیغمبر کا نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے؟ الخ اگر وہ ان سوالات کا جواب ہاں کے ساتھ دیدے تو وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔ لوگوں میں دین سے بے انتہاء لاپروائی ظاہر ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں علماءِ کرام کا فرض ہے کہ وہ حُسنِ تدبیر سے لوگوں تک دین پہنچاتے رہیں۔ اور ضروریاتِ دین سے انہیں روشناس کراتے رہیں۔ جن لوگوں کا دین سے لگاؤ اس حد تک ختم ہو چکا ہو تو ان کے بارے میں فتویٰ حاصل کرنے کی بجائے ضروریاتِ دین سے انہیں آگاہ فرمائیں۔

بندہ عبدالستار نائب مفتی ۸ ر ۱ ر ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح : عبداللہ عفرلہٗ

حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں عقیدہ

زید کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس جسمِ عنصری کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کی آواز سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اور اپنی اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔

اور عمرو کا یہ عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام کے جسم قبروں میں دھڑ اور پتھر ہیں نہ صلوٰۃ وسلام اپنی قبروں میں سنتے ہیں اور نہ ان میں زندگی ہے۔ اسی طرح عمرو کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اس مٹی والی قبر میں نہ سوال ہوتا ہے نہ راحت و آرام اور نہ عذاب۔ اصلی قبر علیین یا سجین میں ہے جہاں سوال و جواب، راحت و عذاب ہوتا

ہے۔ مذکورہ عقائد میں سے کون ساصحیح ہے۔

الجواب زید کا عقیدہ صحیح اور موافق حدیث ہے۔ عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی علیّ نائیا ابلغته الحدیث (مشکوٰۃ : ص۸۶)۔

عمرو کے ہر دو عقیدے درست نہیں کیوں کہ عذاب روح اور جسد دونوں کو ہوتا ہے۔ مردہ کا قبر میں جاکر زندہ ہونا تفسیر قرآن حکیم سے ثابت ہے۔

قال الله تعالیٰ حکایة عن قولهم ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین الآیة فان الله تعالیٰ ذکر الموتة مرتین وهما لا تتحققان الا ان یکون فی القبر موت وحیاة اھ (عمدۃ القاری : ج۴ : ص ۱۹۱) ۔ اور حضرت علامہ سید انور شاہ کاشمیری رح سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔ (فیض الباری : ج ۲ : ص ۴۹۲)۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹/۵/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

علم نجوم کے بارے میں کیا اعتقاد ہونا چاہیئے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ چند ایک نجومی مرد وزن ایک خطیب وعالم پر بے بنیاد الزام لگادیں تو کیا ان کو اس طرح کرنا درست ہے۔ نیز علم نجوم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے اور اس کی حقیقت شرعاً کیا ہے ؟ اور کاہن کی بتلائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا اور سچا جاننا کیسا ہے ؟

الجواب علم نجوم کوئی یقینی علم نہیں ہے بلکہ محض تخمین پر مبنی ہے۔ کما فی الشامیة عن الاحیاء ان احکام النجوم تخمین محض (ج ۱ - ص۴۱)۔ اور کہانت بھی اسی طرح ہے۔ پس ان علوم سے حاصل شدہ توہمات پر یقین کرنا ہرگز جائز نہیں۔ خصوصاً کسی شخص کو مجرم قرار دینے کے لئے قطعاً حجت نہیں حدیث شریف میں کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت آئی ہے۔

فلا تأتوا الکهان فی حدیث طویل اخرجه مسلم۔ نیز ارشاد فرمایا من اتی عرافا فسئله عن شئ لم یقبل له صلوٰۃ اربعین لیلة ۔ (مشکوٰۃ : ج ۲ : ص ۳۹۳)۔

اور علم نجوم کی ممانعت بھی حدیث میں ہے۔

من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر رواه احمد وابو داؤد۔

نیز حضرات فقہاء نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ چنانچہ شامی فرماتے ہیں ثم تعلم مقدار

مایعرف بہ مواقیت الصلوٰۃ والقبلۃ لا بأس بہ الخ وافاد ان تعلم الزائد علیٰ هذا المقدار فیہ باس بل صرح فی المفصول بحرمتہ ۔ (ج ۱ ص ۱۸) فقط ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۲۷/۱۲/۱۳۸۵ھ

بسم اللہ سے استمداد بغیر اللہ کے جواز پر استدلال جہالت ہے

ہمارے محلہ کی مسجد کے خطیب درس قرآن کریم دیتے ہوئے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی تشریح کرتے وقت فرماتے ہیں کہ "اسم" اور "اللہ" علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں "اللہ" تو اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے ۔ اور "اسم" غیر اللہ ہے ۔ کیونکہ قرآن میں شروع کرتے وقت "اسم" یعنی غیر اللہ کا ذکر آیا ہے اس سے مسئلہ استنباط کیا جاتا ہے کہ غیر اللہ یعنی اولیاء سے استمداد کرنا یعنی مدد مانگنا شرعاً جائز ہے ۔ اور یہ تفسیروں سے ثابت ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو نیک انسان سمجھ کر مدد طلب کی جاتی ہے ۔ نہ اللہ سمجھتے ہوئے" ان کے فرمان کے مطابق یہ اہل سنت والجماعت کا صحیح مسلک ہے یا نہیں ۔ فقط ۔

الجواب خطیب کا استدلال غلط ہے ۔ اسم الٰہی سے استعانت پر غیر اللہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ۔ خصوصاً جب کہ صریح آیت سورۃ فاتحہ میں موجود ہے ۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین "خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں" یہ ترجمہ تمام تفاسیر و تراجم میں موجود ہے ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیئے ۔ اور اللہ ہی سے مدد لی جائے ۔ حدیث میں وارد ہے ۔ اذا استعنت فاستعن باللہ ۔ جب تو مدد چاہے تو اللہ سے چاہ ۔ باقی رہے بزرگان دین اور اولیاء عظام ۔ تو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ضروری ہے ۔ اور ان کے طریق پر چلنے میں کامیابی ہے ۔ اور اس میں ان کے لئے بھی اجر و ثواب ہے ۔ اور ان کی عبادت و پرستش کرنا اور ان کو خدائی درجہ دینا سراسر ظلم و جہالت ہے ۔ اس میں بزرگوں کو بجائے خوشنودی ، ناراضگی ہوتی ہے ۔ زندہ پیروں اور بزرگوں سے دعائیں منگوانی چاہئیں ۔ اور جو وفات پا چکے ہیں ان کے توسل سے دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ۔ مثلاً یوں کہے کہ اے اللہ بطفیل فلاں ولی کے مجھے اولاد دے ، یا میرا کام بنادے ۔ خود بزرگ کو خطاب کرکے کہنا کہ تو میرا کام کردے ، شرکیہ فعل ہے ۔ بسم اللہ میں جو لفظ اسم ہے اس سے مراد اللہ ہی ہے غیر اللہ نہیں ۔ کیونکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں بھی آیا ہے ۔ جیسے سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلٰی ۔ کتب عقائد اہل السنۃ والجماعۃ میں صاف لکھا ہے ۔ ولیس الاسم غیر المسمی الخ (بدء الامالی) ۔ جو شخص اس کو غیر اللہ کہتا ہے وہ علم دین سے بالکل جاہل

معلوم ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ ایسا آدمی جب تک تائب نہ ہو امامت کے قابل نہیں۔
فقط واللہ اعلم   بندہ محمد عبداللہ عفرلہ خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان
الجواب صحیح : خیرمحمد مہتمم خیرالمدارس ملتان ۲۴/۶/۵/۱۳۷۵ھ

معراج میں رؤیت باری کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں صرف قرآن و حدیث کا مقلد ہوں اور کسی مفتی کا فتویٰ میرے لئے حجت نہیں ہے، اس شخص کا کیا حکم ہے؟

۲ : معراج میں رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق علماء احناف رح کا کیا مسلک ہے۔ کیا حضور علیہ السلام نے رؤیت باری تعالیٰ کا شرف حاصل کیا یا صرف حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا۔ جو شخص مطلق رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کا کیا حکم ہے؟ احناف کا تو یہی مسلک ہے لیکن میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مسلم والی روایت کافی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جو رؤیت کا قائل ہو وہ اعظم الفریۃ کا مصداق ہے۔

۳ : مولانا نانوتوی رح، مولانا تھانوی رح، مولانا شیخ الہند رح، مولانا حسین احمد مدنی رح، مولانا انور شاہ کشمیری رح، مولانا احمد علی لاہوری رح ودیگر علماء حاضرہ رؤیت باری تعالیٰ کے قائل ہیں یا منکر؟

الجواب اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رؤیت کا انکار کرتے ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت ثبوت رؤیت کی قائل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

قال أتعجبون ان تكون الخلة لابراهيم والكلام لموسى والرؤية لمحمد
أخرجه النسائي وابن خزيمة -

اختلاف صحابہ رض کی بناء پر بعض محققین جمع کے قائل ہوئے ہیں کہ رؤیت سے مراد رؤیت قلبی ہے۔ اور نفی سے مراد رؤیت بصری کی نفی ہے، گویا رؤیت قلبی ہوئی ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔

وقد رجح القرطبي في المفهم قول الوقف في هذه المسئلة وعزاه الى جماعة من المحققين - (فتح الملهم : ج ۱ : ص ۳۳۸) -

اور امام احمد وغیرہ ترجیح اثبات کے قائل ہیں۔ کما فی الفتح الملهم۔ تفصیل بالا کے پیش نظر مناسب ہے کہ اس میں نزاع نہ کیا جائے۔

علامہ سید انور شاہ کشمیری رح بظاہر رؤیت کے قائل ہیں ولقد راٰہ نزلة اخرى کے بارے

میں رقمطراز ہیں۔

ھذہ ایضا شاملۃ للرؤیتین اما رؤیۃ جبرائیل فظاھر واما رؤیۃ اللہ تعالیٰ فلانہا لاتکون الا بدنو منہ تعالیٰ اھ وایضا نقل المروزی اخرجہ احمد واسنادہ قوی۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دیگر مشائخ کا بھی یہی مسلک ہوگا۔ تلاش کرنے پر تصریحات بھی مل سکتی ہیں۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۲/۹/۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ خیرالمدارس ملتان

من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے خلافتِ بلافصل کے استدلال کا جواب

بعض اہلِ تشیع آنحضرت علیہ السلام کے اس ارشاد من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت پر استدلال کرتے ہیں۔ اس بارے میں وضاحت فرمادیں کہ یہ استدلال کس حد تک درست ہے؟

الجواب اس حدیث کے سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس کا مفصل واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو راستہ میں حضرت بریدہ اسلمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کچھ شکایت کی۔ تو آپؐ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان غدیرِ خم کے مقام پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ

میں بشر ہوں ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد مجھے بلانے کے لئے آجائے (مراد قربِ زمانہ وفات ہے) بعدازاں اہلِ بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علی رضؓ کی نسبت فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں دوست ہوں علی رضؓ بھی اس کا دوست ہے۔

خطبہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مبارکباد دی اور حضرت بریدہ اسلمیؓ کا قلب بھی صاف ہوگیا۔

اس خطبہ سے حضور علیہ السلام کا مقصود یہ بتلانا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندہ ہیں ان سے اور میرے اہلِ بیت سے محبت رکھنا مقتضاءِ ایمان ہے۔ اور ان سے بغض وعداوت نفرت وکدورت، سراسر مقتضاءِ ایمان کے خلاف ہے۔ حدیث کا مقصد صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے محبت کا وجوب بتلانا ہے۔ امامت اور خلافت سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات اہل علم حضرات سے ڈھکی چھپی نہیں کہ محبت اور چیز ہے اور خلافت اور چیز۔ محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلافصل بھی ہو۔

محبت تو والدین، اولاد، سب دوستوں سے ہوتی ہے تو کیا سب خلیفہ ہو جائیں گے؟ حضرت عباس رضؓ حضرت فاطمہ رضؓ حضرت حسین رضؓ اور حضرت حسن رضؓ سب آپ کے نورِ بصر اور محبوب نظر تھے۔ اگر محبت دلیل خلافت ہے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خلیفہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ اگر قرب قرابت پر نظر کی جائے اور قرب قرابت پر دار و مدار رکھا جائے تو اس لحاظ سے تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقدم ہیں۔ پھر حضرت حسن رضؓ پھر حضرت حسین رضؓ پھر حضرت علی رضؓ اس لحاظ سے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ چہارم ہی بنتے ہیں۔ اگر اہلِ سنت نے آپ کو خلیفہ چہارم بنایا ہے تو شکوہ کیوں ہے؟

نیز جب آپؐ نے غدیر خم میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا، اس وقت اہلِ بیت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی موجود تھے۔ کسی نے بھی اس جملے کا مطلب یہ نہیں لیا کہ آپؐ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بلافصل ہوں گے؟ اس واقعہ کے دو ماہ بعد آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات حسرت آیات ہوئی اور سقیفہ بنی ساعدہؓ کے مقام پر مسئلہ خلافت زیرِ بحث آیا۔ جس میں وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی موجود تھے جو غدیر خم کے اس خطبہ مبارک میں موجود تھے کسی نے بھی اس حدیث کو خلافت علی بلافصل پر مستدل نہیں بنایا۔ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی حضرت عباس رضؓ اور بنی ہاشم میں سے کسی نے اس حدیث کو حضرت علی رضؓ کی خلافت بلافصل پر پیش کیا۔

الحمدللہ تمام اہلِ سنت بہزار دل و جان اہلِ بیت رضؓ کی محبت کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔ مگر شیعوں کی طرح ایسے بے عقل بھی نہیں کہ محبت کو دلیلِ خلافت بلافصل سمجھنے لگیں۔ محبت تو اہل بیت رضؓ کے ہر فرد سے لازم ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قریبی رشتہ داروں کو خلیفہ بلافصل بنالیں گے فافہم۔ فقط واللہ اعلم۔

عبدالمصطفیٰ نام رکھنا جائز نہیں

زید کہتا ہے کہ عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ نام رکھنا کفر و شرک ہے اور اس کے ثبوت میں بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ پیش کرتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ نام رکھنا جائز ہے۔ کس کی بات صحیح ہے؟

الجواب مذکورہ نام رکھنے جائز نہیں۔ ویؤخذ من قولہ ولا عبد فلان منع التسمیۃ بعبد النبی الی قولہ والاکثر علی المنع خشیۃ اعتقاد

حقیقۃ العبودیۃ کما لا یجوز عبد الدار۔ اھ (شامیہ ج ۵ ص ۲۷۷)۔

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۷/۱/۱۳۹۹ھ

۱۳ر صفر کو سفر کرنا شرع محمدی کے مطابق صفر المظفر کی تیرہ (۱۳) تاریخ کو گھر سے باہر جانا منع ہے یا نہیں ؟

الجواب ماہِ صفر کی تیرہ تاریخ کو سفر جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ بندہ محمد صدیق غفرلہٗ

قرآن وحدیث وفقہ کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں کہ تیرہ صفر کو سفر نا جائز ہے۔ ومن ادعیٰ فعلیہ البیان۔ والجواب صحیح :

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان۔ ۱۲ر محرم ۱۴۰۲ھ

ارتداد کی وجہ سے مال ملک سے نکل جاتا ہے کیا فرماتے ہیں علماءِ دین دریں مسئلہ کہ میرا بیٹا اور اس کی بیوی دونوں قادیانی (مرتد) ہو گئے ہیں اور اپنے قادیانی ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ کیا وہ اپنے ورثاء کے مال کے وارث ہو سکتے ہیں ؟ اس کی بیوی کا جہیز اور سامان میرے پاس ہے۔ اس کا وارث کون ہے۔ میں اپنے لڑکے سے اس حالت میں تعلق رکھ سکتا ہوں یا نہیں ؟

الجواب ۱ مرتد رہتے ہوئے جائداد کے وارث نہیں ہو سکتے ۲ تنبیہاً ان سے رشتہ نہ رکھیں۔ ۳ ہر دو کی ملکیت اپنے مملوکہ اموال سے زائل ہو چکی ہے۔ اگر وہ اسلام لے آئیں تو دوبارہ لے سکتے ہیں۔ اور اگر معاذ اللہ ان کا اس میں انتقال ہو جائے تو ان کا مال ہر دو کے ورثاء کو منتقل ہو جائے گا۔

ویزول ملک للمرتد عن ملکہ زوالا موقوفا فان اسلم عاد ملکہ و ان مات اوقتل علی ردتہ ورث کسب اسلامہ وارثہ المسلم (شامیہ ج ۳ ص ۳۰)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۵/۹/۱۴۰۶ھ

مرزائیت سے توبہ کیلئے مرزا غلام احمد کو جھوٹا کہنا ضروری ہے مسمی مشتاق احمد جو مرزائی جماعت سے تعلق رکھتا ہے وہ پچاس مسلمانوں کی موجودگی میں میرے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اور اس نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ لعنتی ہے۔ اس نے مرزا قادیانی کا نام لے کر کافر یا لعنتی نہیں کہا۔ اب شہر میں کچھ لوگ ہیں جن کا موقف یہ ہے کہ یہ آدمی مسلمان نہیں ہوا۔ کیونکہ اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر نہیں کہا۔ صرف مدعی نبوت کو لعنتی کہا ہے۔ جب کہ لاہوری مرزائیوں کے نزدیک مرزا قادیانی مدعی نبوت ہی نہیں تھا جب تک یہ مرزا غلام احمد کا

نام لے کر اس کو کافر، مرتد لعنتی نہ کہے اور اس کے پیروکار دونوں جماعتوں لاہوری اور قادیانی کو کافر نہ کہے تو یہ مسلمان نہیں۔ اس نے دھوکا دیا ہے۔ اب آپ فرمائیں کہ یہ آدمی مسلمان ہوا ہے یا کہ نہیں ؟

سائل محمد اللہ دتہ جامع مسجد شاہی نورانی، خان گڑھ۔

الجواب صورت مسئولہ میں اس شخص سے صراحۃً مرزا غلام احمد کے بارے میں پوچھا جائے۔ اگر وہ مرزا غلام احمد اور مرزائیوں کی ہر دو جماعت کو برملا کافر اور ان کے مرتد ہونے کا اعلان کر دے، اور مرزائیت اور ہر دینِ باطل سے توبہ کرے تو مسلمان سمجھا جائے ورنہ اس کا صرف اتنا کہہ دینا "کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں" اس پر مسلمان کا حکم لگانے کے لیے کافی نہیں۔

وفی الخامس بهما مع التبری عن کل دین یخالف دین الاسلام بدائع واخر کراهیة الدرر وحینئذ یستفسر من جهل حاله بل عم فی الدرر اشتراط التبری من یهودی ونصرانی ومثله فی فتاوی المصنف ـ

(درمختار ا ج ۳ ، ص۲۸۴) ـ

اگر یہ شخص مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اسلام قبول کرلے تو بھی اسے ایک عرصہ تک کوئی دینی، اجتماعی یا انفرادی ذمہ داری نہ سونپی جائے اور اس کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۴ر۴ر۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

تَقْوِیَّۃُ الْاِیْمَان کیسی کتاب ہے اور اُس کے مصنّف سُنّی مسلمان تھے یا وہابی ؟

"تقویۃ الایمان" کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے ؟ اور صاحب تقویۃ الایمان کو کافر اور بے دین کہنا درست ہے یا نہیں ؟ اور صاحب مذکور سنی مسلمان تھے یا وہابی ؟

الجواب "تقویۃ الایمان" کے مضامین کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں۔ کتاب کا اکثر حصہ آیات واحادیث کے تراجم اور ان کی تشریحات پر مشتمل ہے۔ لہذا اس کا مطالعہ کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت مفید ہے۔ صاحب تقویۃ الایمان پکے اور سچے مسلمان تھے ان کے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق اور صحیح تھے۔ چنانچہ علامہ قاری عبد الرحمٰن پانی پتی "کشف الحجاب" میں لکھتے ہیں کہ

"مولانا اسمٰعیل شہید رح امام ابوحنیفہ رح کے مقلد اور حنفی سنی تھے"

لہذا مولانا موصوف رح کو وہابی یا بددین کہنا غلط اور کہنے والے کے لئے موجب خسران ہے۔ فقط

واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۵ : ۱۰ : ۱ ، ۱ /۷ /۱۳ ھ
الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔

"شیخ احمد کا وصیّت نامہ" فرضی ہے اور اسے نفع و ضرر میں کوئی دخل نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ زید نے عمرو کو ایک تحریر دی جو ہو بہو نقل کی جاتی ہے۔
" بشارت " ۔ مدینہ منورہ میں ایک شخص کو بشارت ہوئی کہ قیامت آنے والی ہے نماز قائم کرو ، عورتیں پردہ کریں جس شخص کو یہ خط ملے وہ بیس خط ملا کر تقسیم کرے اسے بارہ دن کے اندر اندر خوشی ہوگی ۔ ایک شخص نے انکار کیا ۔ اس کا لڑکا فوت ہو گیا ۔ اس شخص نے بیس خط ملا کر تقسیم کئے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے خوشی عطا فرمائی ۔ اسے ہزار روپے ملے ۔ خط چار دن کے اندر اندر تقسیم کر دے ۔" عمرو اس تحریر کی حقیقت جاننا چاہتا ہے۔

الجواب اس قسم کی تحریریں وقتاً فوقتاً معمولی رد و بدل کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں مگر یہ غلطِ محض ہیں ۔ ان پر یقین کرنا جہالت ہے ۔ انہیں صحیح سمجھنا بے وقوفی ہے ۔ اور ایسی باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا شدید ترین گناہ ہے ۔ اس کی اشاعت کرنا سخت گناہ ہے ۔ قیامت کا صحیح علم صرف اللہ کو معلوم ہے ۔ اس کی اشاعت یا عدمِ اشاعت کو نفع و نقصان میں دخل انداز سمجھنا محض ضلالت ہے ۔ دنیا میں خوشی و غم ، تقدیر کے تحت پہنچتے ہیں ۔ یہی ایمان رکھنا چاہئے ۔ رہا نماز قائم کرنا یا پردہ کرنا تو یہ حکم شریعت میں پہلے سے موجود ہے ۔ اس پر ضرور عمل کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲ /۲ /۱۴۰۰ھ
الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

نئے مکان کی بنیاد میں جانور کا خون ڈالنا ہندوانہ رسم ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نیا مکان تعمیر کراتا ہے تو بنیاد رکھتے وقت بکرا ذبح کر کے اس کا خون بنیاد میں ڈالتا ہے اس کی کیا حیثیت ہے ؟

الجواب شریعتِ مطہرہ میں اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے ۔ ایسا کرنا اور اسے مکان کی حفاظت میں مؤثر سمجھنا گناہ اور بد اعتقادی ہے ۔ ایسا فعل ہندوانہ نظریات سے ماخوذ ہے ۔
فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

بخدمت جناب حضرت علامہ مفتئ اعظم صاحب مدرسہ خیر المدارس

خلفائے راشدینؓ کا مؤمن ہونا قطعیات سے ہے

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ بعض لوگ حضرات علماءِ عظام دیوبند کو مثلاً حضرت علامہ اسماعیل شہیدؒ حضرت گنگوہی رح ، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رح ، مولانا شبیر احمد عثمانی رح اور دیگر تمام ان حضرات کے متعلقین و معتقدین سب کو بدعقیدہ و بد مذہب حتی کہ کافر بھی کہتے اور لکھتے ہیں۔

کیا ان لوگوں مثلاً بریلوی مسلک کے اور ان کے معتقدین کے ساتھ تعلق مناکحت وغیرہ کرنا درکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ کئی جگہ سنا ہے کہ علماء حقہ کو بدعقیدہ و بد مذہب یا کافر کہنے یا لکھنے والوں کیساتھ تعلق مناکحت وغیرہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

اب طلب مسئلہ یہ ہے کہ بریلوی مسلک والے علماء حضرات اور ان کے معتقدین کے ساتھ تعلق مناکحت وغیرہ رکھنا و کرنا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں ؟ بالدلیل جواب عنایت فرماویں۔

۲ : خلفائے راشدین رح کا ایمان قطعی ہے یا ظنی ؟ - جو قطعی نہ مانے اس پر شرعی حکم کیا ہے ؟ مدلل جواب سے مستفید فرمادیں۔

الجواب

۱ : حضرات علماء دیوبند اکابر سے اصاغر تک اپنی تصانیف و تقاریر میں ہمیشہ یہ اعلان کرتے رہے ہیں کہ ہمارے عقائد وہی ہیں جو کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان، اور تابعین اور ائمہ دین کے رہے ہیں۔ تمام علماء حقہ کے عقائد ہیں کوئی عقیدہ ان کے مخالف نہیں۔ اور یہی سبق دارالعلوم دیوبند میں تمام طلبہ کو دیا جاتا ہے اور وہی کتب عقائد اہل السنۃ والجماعۃ والی پڑھائی جاتی ہیں۔ جس کسی نے اس کے خلاف ان کی طرف منسوب کیا ہے یا ان کی عبارتوں کو تحریف کرکے ان پر الزام لگایا ہے وہ سب افتراء محض ہے ہم اور ہمارے اکابر اس سے بری ہیں۔

رسالہ " المہند علی المفند" وغیرہ میں ان تمام حضرات کے عقائد درباره مسائل مختلف فیہا خود انہی حضرات کے ذکر کئے گئے ہیں۔ جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضرات تمام اعتقادات میں جمہور امت و سلف الصالحین کے مطابق ہیں۔ ان کی تکفیر کرنا درحقیقت تمام امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ، فاسق سے فاسق مسلمان کو بھی ایسے اتہامات کی بناء پر کافر کہنا حرام ہے جن اتہامات کو ان حضرات مکفرین نے اس جماعت صلحاء و فرشتہ صفت انسانوں پر عائد کیا ہے اور پھر یہ حضرات تو علم و عمل ، حب خدا اور حب رسولؐ میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ بڑا ظالم ہے جو کہ ان حضرات پر ایسے الفاظ

استعمال کرتا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ج ۵، ص ۱۳۱، امداد المفتیین)

ایسے معاند و متعصب و متعنت حضرات سے قطع تعلق اور ترکِ مناکحت میں ہی احتیاط ہے۔

۲: خلفائے راشدین کا ایمان قطعی ہے۔ احادیثِ صحیحہ کثیرہ اور اجماعِ امت سلفاً و خلفاً ان کے ایمان کی واضح دلیل ہے۔ ان کے ایمان کا منکر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ فقہائے کرام نے حضراتِ شیخین کو گالی دینے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے۔

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ بالله فهو کافر... من انکر امامة ابی بکرؓ فهو کافر..... وکذالك من انکر خلافة عمرؓ فی الاصح کذا فی الظهیریة و یجب اکفارهم باکفار عثمانؓ و علیؓ الخ

(عالمگیری: ج ۲، ص ۲۸۳) واللہ اعلم۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی ایک عبارت سے علمِ غیب پر استدلال کا جواب

ایک شخص آنحضرت علیہ السلام کے علمِ محیط کلی کا مدعی ہے اور دلیل میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔

"شد رسولِ شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بہر رتبہ متدین بدین خود کہ کدام درجہ رسیدہ۔ پس او شناسد گناہان شمارا و نفاق شمارا و ایمان شمارا و من علومك علم اللوح والقلم، لوحِ محفوظ کا علم آپ کے علم کا بعض حصہ ہے۔"

نیز وہ کہتا ہے کہ

"رطب و یابس پتہ پتہ ہر چیز کا ما کان وما یکون کا علم باعطائے رب تعالیٰ آپ کو حاصل ہے ہر گل و ہر شجر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ اور جو شخص حاضر و ناظر نہ سمجھے وہ مردود ہے خارج از اسلام اور گمراہ ہے۔"

کیا یہ درست ہے؟ براہِ کرم آپ حضور علیہ السلام کے علمِ غیب اور مسئلہ حاضر و ناظر پر تفصیل سے روشنی ڈالیں؟

الجواب زید کے یہ خیالات وعقائد اہل السنۃ کے خلاف ہیں۔ سلف صالحین، ائمہ اربعہ (امام اعظم و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ) ومن بعدہم کسی امام مجتہد و بزرگ و عالم ربانی کے یہ عقائد نہیں ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ خیر اور ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ عقائد سلف صالحین کا اتباع کرے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کی فقہ اکبر۔ اور امام طحاوی رح کی کتاب عقیدۂ طحاوی اس باب میں بے نظیر ہیں۔ ان کتابوں میں ایسے عقائد کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ عقائد شریعت کے خلاف ہیں۔

باقی جو عبارتیں سائل نے پیش کی ہیں ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلی عبارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزِ قیامت امت کے اوپر شاہد اور گواہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام قیامت کے روز نورِ نبوت سے ہر مومن کے درجۂ ایمانی کو پہچان کر اس کے حق میں گواہی دیں گے۔ کلام دہلوی رح سے تمام ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ اور پتہ پتہ پر محیط ہونا اور حاضر ہونا کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟

اور من علومك علم اللوح والقلم میں علوم احکام شرائع مراد ہیں نہ کہ ریت کے ذرات اور سمندر کے قطرات اور درختوں کے پتہ جات۔ اور قرینہ اس پر وہ نصوص قرآنیہ صریحہ ہیں جن میں علم غیب کلی کو اللہ تعالیٰ کا خاصہ فرمایا گیا ہے۔ اس لئے ایسے اشعار کی تاویل کرنا اور ان کو قرآن مجید کے موافق بنانا زیادہ اسہل ہے بہ نسبت اس امر کے کہ آیات قرآنیہ میں تاویل کی جائے۔

حدیث جبریل علیہ السلام جو مشکوٰۃ شریف کے ابتداء میں مذکور ہے۔ اس میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے قیامت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے صاف اور صریح جواب دیا ما المسئول عنها باعلم من السائل کہ قیامت کا علم کہ وہ کس سن اور تاریخ میں قائم کی جائے گی، نہ تجھے معلوم ہے اور نہ مجھے۔ پھر فرمایا۔ فی خمس لا یعلمهن الا الله، کہ قیامت کا علم ان علوم خمسہ میں داخل ہے جنہیں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ان الله عنده علم الساعة الخ

غور فرمایئے کہ ایسی صریح آیات و حدیث کے ہوتے ہوئے ایک ایسی بات پر اصرار کرنا کہاں جائز ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی رفعت شان بھی نہیں ہے۔ یعنی درختوں کے پتوں کی تعداد اور ریت کے ذرات کی تعداد یا سمندر اور دریاؤں کے قطرات کا علم اگر آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ علمی سے باہر ہو تو اس میں آپ کی کوئی کسرِ شان بھی نہیں ہے۔ بلکہ بعض علوم ایسے ہیں جن سے پاک ہونا اور آپ

کو بری اور منزہ ماننا ضروری ہے۔

مثلاً جادوگری، شعبدہ بازی، طلسمات، مسمریزم کے غلط قسم کے علوم، اور دھوکہ اور فریب دہی کے ڈھنگ اور چالیں، اور آج کل جو موسیقی اور ناچ، گانے کے علوم یورپ میں باقاعدگی سے سکھائے جاتے ہیں۔ کیا ایسے علوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اعلیٰ وارفع کے لائق ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف فرمادیا ہے وما علّمناه الشعر وما ینبغی له ہم نے آنحضرت کو علم شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی وہ آپ کے لائق ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسے علوم بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور بلندئ مقام کے موافق نہیں ہیں۔ ان علوم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پاک کہنا ضروری و لازم ہے۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم کلی وجزئی کا عالم مانتا ہے وہ ان علوم باطلہ محرمہ قبیحہ کی نسبت آپ کی طرف کس طرح کرے گا، کیا ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہ ہوگی؟

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۲۹/۱۱/۱۳۷۲ھ

قبر میں سوال وجواب اسی امت کے ساتھ خاص ہے

پہلی امتوں سے بھی قبروں میں سوال وجواب ہوتا تھا یا نہیں؟

الجواب اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ نے کہا ہے کہ یہ سوال وجواب عام ہے اس امت کے ساتھ خاص نہیں۔

وقال ابن القیم رح السوال عام للامت وغیرها ولیس فی الاحادیث ما یدل علی الاختصاص۔ (نیل الاوطار: ج۴، ص۷۷)

علامہ شامی رحمہ نے راجح قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ سوال وجواب اس امت کے ساتھ خاص ہیں۔

" ونقل العلقمی فی شرحه علی الجامع الصغیر ان الراجح ایضا اختصاص السوال بهذه الامة خلافا لما استظهره ونقل ایضا عن الحافظ ابن حجر العسقلانی رح ان الذی یظهر اختصاص السوال بالمکلف وقال وتبعه علیه شیخنا الحافظ السیوطی۔ (شامی ج ۱ ص ۵۷۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔۔۔۔ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

انبیاء کرام علیہم السلام اور مسلمان نابالغ بچوں سے قبر میں سوال و جواب نہیں ہوتا

انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور مسلمانوں کے چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال و جواب ہوگا یا نہیں؟ اور کفار کے بچوں کے بارہ میں بھی وضاحت فرمائیں۔ صوفی محرم خان اٹک

الجواب نابالغ مسلم بچوں اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے قبر میں سوال و جواب نہیں ہوتا اور کفار کے بچوں کے بارہ میں علمائے کرام نے توقف کیا ہے۔ کذا فی الشامیۃ۔

والاصح ان الانبیاء لا یسئلون ولا اطفال المؤمنین وتوقف الامام فی اطفال المشرکین اھ (ج ۱، ص ۵۹۸) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰ / ۳ / ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

موہم شرک اشعار کا مٹانا ضروری ہے

ہمارے چک نمبر ۱۰۵ ایف کی مسجد پر یہ شعر لکھا ہوا ہے؟

کرم کی، مہربانی کی آس ہے، ہم سب کو
خدا سے، مصطفےٰ سے، غوث سے، احمد رضا خان سے

جناب عالی یہ شعر ٹھیک ہے یا نہیں؟ — قاری محمد ابراہیم جامع مسجد چشتیاں

الجواب یہ شعر موہم شرک ہے اس کو مٹانا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۸ / ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

عملیات سے معلوم کر کے کسی کو مجرم سمجھنا

چوری دریافت کرنے کے سلسلہ میں بعض لوگ عملیات کرتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ فلاں چور ہے۔ کیا شرعاً اس آدمی پر چوری کا حکم لگا سکتے ہیں؟ اور ان عملیات کی حقیقت بھی واضح فرمائیں؟

الجواب ان عملیات کے ذریعہ کسی کو واقعۃً چور سمجھنا جائز نہیں۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک بالکل ناجائز ہیں۔ اس لئے کہ عوام حدّ احتیاط سے آگے بڑھ جاتے ہیں

امداد الفتاوی، ج ۴، ص ۸۷

ان عملیات کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ جس کا نام معلوم ہو اس کی دوسرے ذرائع شرعیہ سے تحقیق و تفتیش

کی جائے ۔لیکن چونکہ عوام اسی کو واقعۃً چور سمجھ لیتے ہیں لہذا ایسے عمل کرنا درست نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۷/۵/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

استہزاءِ مجلسِ علم کی نقل اتارنا کفر ہے

زید نے اپنے لڑکے کی شادی کی ۔بہت سا سامان اکٹھا کیا ۔ڈوم مراثی ، نٹ وغیرہ بلائے ۔نیز بے ریش لڑکوں کو بلا کر انہیں زنانہ کپڑے پہنائے اور ڈانس کروایا ۔ پھر ایک غنڈہ بلا کر اس کو نقلی داڑھی لگائی گئی ۔اور داڑھی کو بار بار نوچا گیا ۔ پھر اسے اونچی جگہ بٹھا کر اس سے مسائل پوچھے گئے اور مذاق اڑایا گیا ۔ایسا کرنے والے اور دیکھنے والے مسلمان رہے یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ فعل کرنے والے اور اسے پسندیدگی و رضا سے دیکھنے والے سخت ترین مجرم ہیں ۔انہیں چاہیئے کہ مجمع عام کے سامنے کلمہ پڑھ کر توبہ کریں اور تجدید نکاح کریں اور اگر ایسا نہ کریں تو ان سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھے جائیں ۔

قال فی الاشباہ الاستہزاء بالعلم والعلماء کفر وعن منیۃ المفتی تخفیف العلم والعلماء کفر وعن الخزانۃ من اذل العلماء ینفی من البلد بعد تجدید الایمان وعن مجموع النوازل اہانۃ علماء الدین کفر ۔ اھ (بریقہ محمودیہ ، ج ۳)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : محمد شریف عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

کفر و الحاد کا داعی واجب القتل ہے

زید یہ کہتا ہے کہ

۱ : خدا کا کوئی وجود نہیں ۔خدا کا وجود ایک بکواس ہے ۔

۲ : محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شہوت پرست انسان تھا جس نے ایک نہیں نو عورتوں سے شادی کی تھی ۔

۳ : قرآن صرف دو ہڑوں اور گانوں کی کتاب ہے ۔

۴ : قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا گھڑا ہوا ہے ۔یہ کوئی الہامی کتاب نہیں ۔

۵ : امام حسین (رضی اللہ عنہ) صرف اقتدار کا بھوکا تھا ۔یزید نے اس کے ساتھ بالکل ٹھیک سلوک کیا تھا ۔

وگرنہ وہ بھی اپنے نانا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح دنیا میں فساد پھیلاتا۔

۶ : نماز وقت کا ضیاع ہے۔ روزہ انسان کو بھوکا مارنے والا ایک عمل ہے، زکوٰۃ سرمایہ داروں کو تحفظ دینے والا ایک نظام ہے۔ حج کو ممنوع قرار دے کر اس پر خرچ ہونے والی رقم کو غریبوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔

۷ : سیّدنا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہن کی گالی دے کر کہا کہ وہ ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرتا رہا، اس سے تو اس کا بیٹا بھی مسلمان نہ ہو سکا کیوں کہ اس کا بیٹا ایک پختہ کامریڈ تھا۔

۸ : اسلام ایک چودہ سو سال پرانا اور فرسودہ مذہب ہے اس سے نجات حاصل کرنی چاہیئے۔

۹ : سگی بہن سے نکاح جائز ہے۔ کیوں کہ وہ بھی تو ایک عورت ہے۔

۱۰ : ہم سب انسان بشمول انبیاء بندروں کی اولاد ہیں۔

◎

۱ : قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی رُو سے مسلمان معاشرہ میں زید مذکور کی کیا حیثیت ہے مرتد یا کافر؟

۲ : کافر یا مرتد ہو جانے کی شکل میں اس کی شرعی سزا کیا ہے؟

۳ : اگر وہ اعتراف جرم کر کے توبہ کر لے اور از سر نو کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کر لے اور اپنے مذکورہ بالا خیالات کا بطلان کرے تو کیا یہ بات قابلِ قبول ہوگی؟

۴ : کیا مدعی اور گواہان جن کی درخواست پر اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا ہے وہ اسے معاف کر دینے کے مجاز ہیں؟

۵ : جب کہ مدعی اور گواہانِ واقعہ نے اپنے خدا سے یہ عہد کیا ہو کہ وہ زید مذکور کو اس کی گستاخی اور دریدہ دہنی کی قانونِ رائج الوقت کے مطابق سزا دلوانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور اپنے بیانات میں اخفائے واقعات کی غرض سے کسی قسم کی سفارش، تحریص یا دھمکی میں آکر کتمانِ حق کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ تو کیا اب جذبۂ ترحم کے تحت مدعی اور گواہان غلط بیانی کرنے کے شرعاً مجاز ہیں؟

۶ : الیف، آئی، آر۔ کے اندراج سے قبل زید مذکور نے اعتراف جرم کرنے، معافی مانگنے اور توبہ کرنے کے ارادے سے کچھ مہلت طلب کی تھی۔ لیکن اس نے اس مہلت سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔ بالآخر وہ گرفتار ہو کر جیل پہنچ گیا۔ کیا اس صورت میں وہ کسی مزید مہلت کا شرعاً حقدار ہے؟

۷ : اس قسم کے ستمرد مجرم سے ہم چوں قسم کی دریدہ دہنی سے باز رہنے کے لئے کون سی قابل اعتماد ضمانت لی جا سکتی ہے؟ نیز ہم چوں قسم کی ضمانت پیش کرنے کے باوجود بھی وہ اس شنیع جرم

کا اعادہ کرے تو اس کے ساتھ شرعاً کیا برتاؤ ہوگا؟

۸ : زید مذکور برسرِ عام ہوٹلوں پر اس کی شل باتیں کرتا ہے۔ نیز خلافِ اسلام ملحدین کی کتابیں نوجوانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اور نجی محفلوں میں مباحثے کرتا ہے

نوٹ :۔ اپنے فتوے کے مختصر حوالہ جات کتاب کا نام، باب صفحہ اور یہ کہ کتاب کہاں کی مطبوعہ ہے تحریر کرکے ممنون فرمائیں۔

المستفتی : محمد عبداللہ حنیف مہتمم مدرسہ تفہیم القرآن حاجی پور راجن پور

الجواب ۱ : قرآن وسنت، اجماعِ امت اور اسلامی فقہ کی رو سے زید اپنے مذکورہ اقوال مثلاً انکارِ خدا، سبِّ رسول، تکذیبِ قرآن، استخفاف بالدین، اور انکارِ ضروریاتِ دین وغیرہ کی وجہ سے کافر و مرتد ہے۔ مذکورہ امور کا موجبِ کفر ہونا محتاجِ دلیل نہیں۔

مرتد کی سزا از روئے قرآن وحدیث، تعامل صحابہؓ و اجماع امت قتل ہے

مرتد کی سزا قرآن حکیم سے قال اللہ تعالیٰ :
ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعدلھم عذابا مھینا الآیۃ
قال اللہ تعالیٰ : والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم۔
وقال اللہ تعالیٰ : ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا الآیۃ
فھذہ الآیات تدل علی کفرہ وقتلہ۔ اھ (تنبیہ الولاۃ : ص ۳۱۷)

مرتد کا حکم از روئے حدیث عن عکرمۃ قال اتی علی بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذالک ابن عباس فقال لوکنت انا لما احرقھم لنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ اھ (صحیح بخاری)۔

اخرج الطبرانی من وجہ اٰخر عن ابن عباس رض رفعہ من خالف دینہ دین الاسلام فاضربوا عنقہ۔ اھ (نیل الاوطار : ج ۷ : ص ۱۶۱)

واخرج سعید بن منصور عن ابراھیم قال اذا ارتد الرجل اوالمرءة عن الاسلام استتیبا فان تابا ترکا وان ابیا قتلا۔ اھ

(فتح الباری: ج ۱۲، ص ۲۲۵)

مرتد کے بارے میں تعامل صحابہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حضور علیہ السلام نے یمن کا علاقہ تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں اپنے اپنے حلقہ میں کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بغرض ملاقات تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس بندھا کھڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے۔ یعنی پہلے یہودیت سے اسلام لایا، پھر یہودی بن گیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رض نے حضرت معاذ رض سے کہا کہ تشریف رکھئے۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک یہ قتل نہ کر دیا جائے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قضاء اللہ ورسولہ یعنی یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔

مرتد کے بارے میں اجماع امت کا فیصلہ ا: وقد اتفق الائمة علی ان من ارتد عن الاسلام وجب قتله وعلی ان قتل الزندیق واجب۔ اھ (میزان شعرانی ج ۳، ص ۱۹۵)

ب: فاما القتل فجعله عقوبة اعظم الجنایات کالجنایة علی الانفس فکانت عقوبة من جنسه وکالجنایة علی الدین بالطعن فیه والارتداد عنه وھذه الجنایة اولی بالقتل۔ (اعلام الموقعین ج ۲، ص ۲۱۸)۔

ج: اعلموان المرتد یقتل بالاجماع کما فی تنبیه الولاة: ص ۳۱۸)۔

د: قال القاضی عیاض اجمعت الامة علی قتل منتقصه من المسلمین و سابه وقال ابوبکر بن المنذر اجمع عوام اھل العلم علی ان من سب النبی صلی اللہ علیه وسلم علیه القتل وممن قال ذلک مالک بن انس واللیث واحمد واسحاق وھو مذھب الشافعی قال عیاض وبمثله قال ابوحنیفة واصحابه والثوری واھل الکوفة و الاوزاعی فی المسلم وقال محمد بن سحنون اجمع العلماء علی ان

شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمنتقص له کافر والوعید جار علیه بعذاب الله تعالی له ومن شك فی کفره وعذابه کفر وقال ابوسلیمان الخطابی لا أعلم احدا من المسلمین اختلف فی وجوب قتله۔

(تنبیه الولاة، ص۳۱۹)

۳ ، سوال کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ زید مذکور نہ صرف کافر و مرتد بلکہ کفر و الحاد کی علانیہ دعوت دے کر سادہ لوح عوام کے دین وایمان کو برباد کرتا رہتا ہے۔ اور ایسے مرتد، زندیق، گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور کفر و الحاد کے معروف داعی کی توبہ سزائے موت سے نجات کا سبب نہیں بن سکتی۔

الزندیق من ینفی الباری تعالی اھ (شامیه ج۳، ص۳۰۵)

ثم بین حکم الزندیق فقال أعلم انه لا یخلوا اما ان یکون معروفا داعیا الی الضلال الخ والاول ای المعروف الداعی لا یخلوا من ان یتوب بالاختیار ویرجع عمافیه قبل ان یؤخذ اولا۔ والثانی یقتل اھ (شامی ج۳، ص۳۰۵)۔

والکافر بسبب اعتقاد السحر لا توبة له (الی قوله) وکذا الکافر بسبب الزندقة لا توبة له وجعله فی الفتح ظاهر المذهب لکن فی حظر الخانیة الفتوی علی انه اذا اخذ الساحر أو الزندیق المعروف الداعی قبل توبته ثم تاب لم تقبل توبته ویقتل اھ

(درمختار ج۳، ص۲۹۶)

والزنادقة من الفلاسفة لا یقبل توبتهم بحال من الاحوال و یقتل بعد التوبة وقبلها لانهم لم یعتقدوا بالصانع تعالی اھ (شامی ج۳ ص۲۹۶)

والحاصل انه یصدق علیهم اسم الزندیق والملحد الی قوله ولعد الظفر بهم لا تقبل توبتهم اصلاً الی قوله لان من ظهر منه ذلك ودعی الناس لا یصدق فیما یدعی بعد من التوبة ولو قبل منه ذلك لهدموا الاسلام وأضلوا المسلمین۔ اھ (شامیة: ج۳، ص۲۹۸)۔

وقال صاحب الخلاصة وفی النوازل الخناق والساحر یقتلان لانهما ساعیان فی الارض بالفساد فان تابا قبل الظفر بهما قبلت توبتهما وبعد ما اخذا

لا تقبل ويقتلان كما فى قطاع الطريق وكذا الزنديق المعروف الداعى اليها اى الى مذهب الالحاد اھ (تنبيه الولاة ص۴۳)۔

وضرر الزنديق الداعى الى الالحاد اشد لان ضرره فى الدين فانه يضل ضعفة اليقين بالحاده واظهاره لهم سمة المسلمين فلهذا قتلوا كقطاع الطريق بل هؤلاء أضر۔ (تنبيه الولاة ص۴۴)۔

ان الزنديق الذى يقتل ولا يقبل توبته هو المعروف بالزندقة الداعى اليها (تنبيه الولاة ص۴۴)

نعم لو كان معروفا بهذا الفعل الفظيع (اى السب) داعيا الى اعتقاده الشنيع فلا شك حينئذ ولا ارتياب فى زندقته وقتله وان تاب۔اھ (تنبيه الولاة ، ۴۴)۔

قال الفقيه ابو الليث اذا تاب الساحر قبل ان يؤخذ تقبل توبته ولا يقتل وان اخذ ثم تاب لم تقبل توبته ويقتل وكذا الزنديق المعروف الداعى والفتوى على هذا القول۔اھ (بحر الرائق ، ج ۵ ، ص ۱۳۶)۔

۴ : وہ گواہان اسے معاف نہیں کرسکتے۔ بلکہ کوئی بھی اسے معاف کرنے کا مجاز نہیں۔

۵ : ایسا کرنے پر وہ شرعًا وقانونًا مجرم ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۹/۶/۱۴۰۷ھ

تصدیقات

۱ : الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲ : الجواب صحیح ، بندہ محمد صدیق غفرلہٗ ناظم جامعہ خیر المدارس ملتان

۳ : الجواب صحیح ، محمد حنیف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان

۴ : المجیب مصیب ، بندہ محمد یٰسین صابر غفرلہٗ۔ ۵ : الجواب صحیح ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۶ : اصاب من اجاب ، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان

۷ بالجملہ زندیق داعی الی الزندقہ کی توبہ قبول نہیں۔ جب فحاشی سے باز نہیں آیا تو اب قابل معافی نہیں۔ والجواب صحیح۔
شمس الحق عفی عنہ ، مہر دار الحدیث رحمانیہ ملتان ۔ ۱۴۰۷ھ

۸ : صح الجواب ، عبد القادر غفرلہٗ دار العلوم عبیدیہ رحمانیہ ، محلہ قدیر آباد ملتان۔

۹ : ۷۸۶۔ الجواب صحیح ، مفتی غلام مصطفیٰ رضوی ، مہر مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم

کے بارے میں عالم اسلام کی مرکزی اسلامی درسگاہ "دار العلوم دیوبند" کا مکمل مدلل اور جامع فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں۔
کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ سردارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ شریف میں دنیا کی سی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں؟

◎

الجواب

پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ مسئلہ مستفسرہ میں بزرگانِ دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ نیز علمائے دیوبند کی مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں عام و خاص میں مشہور ہیں مثلاً۔

۱: آبِ حیات۔ ۲: جمالِ قاسمی۔ ۳: نشر الطیب۔ ۴: الشہاب الثاقب۔
۵: المصالح العقلیہ۔ ۶: فیض الباری۔ ۷: المہند علی المفند۔ ۸: تسکین الصدور۔
۹: متفقہ اعلان۔ ۱۰: اور مقامِ حیات وغیر ذلک۔

پھر مسئلہ کے آخری حل اور تصفیہ کے لئے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ بمطابق ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارت پر بھی دستخط فرمائے ہیں۔

"وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بتعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پہ حاضر ہونے والوں کا آپ

صلوۃ وسلام سنتے ہیں "

اس صاف اور صریح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت فزا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی ہے افیا للعجب و یا حسرتاہ۔
پھر یہ المیہ اس وقت مزید دوچند ہو جاتا ہے۔ جب باہمی اتحاد و اتفاق، عزت و احترام کے بجائے تشتت و افتراق، نزاع و جدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت نفس اور شرافت ضمیر کے قطعاً قطعاً منافی ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔ خدا اصلاح اعمال کی توفیق بخشے۔

این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

اس تمہید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں۔

ا: جی ہاں عام اہل السنۃ والجماعۃ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام قبروں میں اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں۔ اور یہ حیات برزخی حیات دنیوی سے کم نہیں ہے۔ اور تلذذاً نماز و دیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۃ مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصول شریعت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ چنانچہ ادلۂ ثلاثہ پیش ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

عقیدۂ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃً، دلالۃً، اقتضاءً) ملتا ہے۔ ان سب کا احصار مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی۔ اس لئے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

ا: واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن الهة يعبدون (زخرف ۲۵)
آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

يستدل به على حياة الانبياء

(مشکلات القرآن، ص ۲۳۴۔ وهكذا فى الدر المنثور ج ۶ ص ۱۶۔ روح المعانى ج ۲۵ ص ۸۔ جمل ج ۴ ص ۸۵۔ شيخ زاده ج ۳ ص ۲۹۵۔ خفاجى ج ۷ ص ۴۴۴)۔

۲ : ولقد اتینا موسٰی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (الم سجدہ پ۲۱)۔
حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے "معراج کی رات ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار" (موضح القرآن)۔
اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں لہذا اقتضاء النص سے حیاتِ انبیاءؑ کا ثبوت ہوتا ہے۔ یہاں اصولِ فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد قوت واستدلال میں عبارۃ النص کے مثل ہوتا ہے۔

۳ : ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (البقرۃ)۔

۴ : بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ (اٰل عمران)۔

ان دونوں آیتوں کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے فرمایا ہے کہ۔
واذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر کون الشھداء احیاء بنص القران و الانبیاء افضل من الشھداء۔
(فتح الباری : ج ۶ ، ص ۳۷۹)

" جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقل کے اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو شہداء سے بہرحال افضل ہیں "

غور فرمائیے ! حافظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیتِ کریمہ سے دلالۃ النص یعنی درجۂ اولویّت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

۵ : فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض تأکل منسأتہ ۔ (سبا : پ ۲۲)۔

اس آیت سے بھی دلالۃ النص سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصاء سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھا لینا اس سے کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث شریفہ کی روشنی میں

۱: حضرت انس بن مالک رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ (شفاء السقام: ص ۱۳۴) حیات الانبیاء للبیہقی)

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں "

علامہ سُبکی رحمہ اللہ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ روایت بدوں سند خصائص الکبریٰ ص ۲۸۱ میں، اور مسند ابو یعلی کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری ج ۶، ص ۳۵۲ اور فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۶ میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اسماء رجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں کہ وصححه البیہقی

(فتح الباری: ج ۶: ص ۳۵۲) محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ووافقه الحافظ فی المجلد السادس۔ (فیض الباری: ج ۲: ص ۶۴)۔

نیز علامہ عثمانی رح بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱: ص ۳۲۹)

علامہ ہیثمی رح فرماتے ہیں کہ " رجال ابی یعلی ثقات " (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱) ابو یعلی کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ عزیزی لکھتے ہیں " وھو حدیث صحیح۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۳۴)۔

ملا علی قاری رح لکھتے ہیں۔ صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم (مرقاۃ ج ۲: ص ۲۱۲)۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم کی حدیث صحیح ہے۔

علامہ عبد الرؤف مناوی لکھتے ہیں کہ۔ ھذا حدیث صحیح۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۳ ص ۱۸۴)۔

یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں۔

ابو یعلی بہ نقل ثقات از روایت انس بن مالک رض آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون۔ (مدارج النبوت: ج ۲ ص ۴۴۰)

امام ابو یعلی ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں۔

" انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و روحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین، ص۲۵)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں "

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

" وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیھقی (نیل الاوطار: ج ۳: ص۲۱۴)۔

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذری نے یہ روایت بیان کی ہے اور امام بیہقی رح نے اس کی تصحیح کی ہے

علامہ سید سمہودی رح لکھتے ہیں۔ رواہ ابویعلی برجال ثقات ورواہ البیھقی وصححہ (وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۴۰۵)

ابویعلی نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی رح نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ " اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔ (فضائل درود ص۳۷)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابویعلی کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

۲ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے

مامن احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام۔

(ابوداؤد: ج ۱: ص۲۷۹ واللفظ لہ۔ مسند احمد: ج ۲: ص۵۲۷)

کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں "

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آراء امام سبکی رح فرماتے ہیں کہ وھو اعتماد صحیح ۔ (شفاء السقام : ص ۱۵۱)۔ (امام ابوداؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے) اور یہ اعتماد صحیح ہے ۔

— حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ " رواته ثقات " ۔ (فتح الباری : پ ۳ ، ص ۲۷۹)۔

— علامہ عزیزی رح لکھتے ہیں کہ " اسناده حسن " ۔ (السراج المنیر: ج ۳ ، ص ۲۷۹)۔

— حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں " صححه النووی فی الاذکار " (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ، ص ۵۱۴)۔

— امام نووی رح فرماتے ہیں " بالاسناد الصحیح " ۔ (کتاب الاذکار ص ۱۰۶)۔

— حافظ ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں " وھو حدیث جید " ۔ (فتاوٰی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۳۱۶)۔

— علامہ زرقانی رح فرماتے ہیں " باسناد صحیح " ۔ (زرقانی شرح مواھب ج ۸ ص ۳۰۵)۔

— اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں " قال النووی فی الاذکار اسناده صحیح وقال ابن حجر رواته ثقاة " ۔ (دلیل الطالب : ص ۸۴۲)۔

— علامہ سمہودی رح فرماتے ہیں " رواه ابوداؤد بسند صحیح " ۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۲

— علامہ انور شاہ صاحب رح اور علامہ عثمانی رح فرماتے ہیں کہ " رواته ثقاة " ۔

(عقیدۃ الاسلام ص ۵۲ ، وفتح الملہم : ج ۱ : ص ۳۳)۔

— امام سخاوی رح فرماتے ہیں ۔ روی احمد وابوداؤد والطبرانی والبیھقی باسناد حسن بل صححه النووی فی کتاب الاذکار وغیره ۔ (القول البدیع ص ۱۱)

— اور علامہ محمد بن الناجی الیوسنوی رح فرماتے ہیں ۔

قال النووی فی الاذکار و ریاض الصالحین اسناده صحیح وصححه ایضًا ابن القیم ۔ (ھامش حیاۃ الانبیاء للبیھقی ص ۷)۔

اصولِ حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا ۔ اور محدثینِ کرام کی خاصی جماعت اس کی تحسین و تصحیح کرتی ہے ۔

۳ : حضرت اوس بن اوس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

" ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق اٰدم وفیه قبض وفیه النفخة وفیه الصعقة فاکثروا علی من الصلوٰة فیه فان صلوٰتکم معروضة علی قال قالوا وکیف تعرض صلوٰتنا علیك وقد أرمت قال

يقولون بليت فقال ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء ۔

(ابوداؤد: ج ۱، ص۱۵۰، واللفظ له والدارمی، ص۱۹۵، والنسائی، ج ۱، ص۱۵۴، والمستدرک، ج ۱، ص۲۷۸، ج ۴، ص۵۶۰، موارد الظمآن، ص۱۴۶، وابن ماجہ ص۷۷، سنن کبریٰ، ج ۳، ص۲۴۹، ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص۵۱۶)۔

بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخۂ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخۂ ثانیہ ہوگا۔ پس تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)۔

اس حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں۔ وصححه ابن خزيمة وغيره ۔ (فتح الباری: پ۱۳: ص ۲۷۹)۔

____ حافظ ابن القیم رح فرماتے ہیں۔ ومن تأمل فی هذا الاسناد لم يشك فی صحته لثقة رواته وشهرتهم وقبول الائمة حديثهم ۔ (جلاء الافهام ص۳۴)

____ اور یہی الفاظ اس موقعہ پر علامہ ابن الہادی کے ہیں۔ (الصارم المنکی، ص۱۴۵)

____ علامہ عینی رح لکھتے ہیں۔ صح عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد الانبياء: (عمدة القاری ج ۶: ص ۲۹)

____ حافظ ابن القیم رح ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

قد صح عن النبی صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد الانبياء (کتاب الروح)

____ علامہ منذری رح فرماتے ہیں۔ " أنه حسن "۔ (القول البدیع ص۱۱۹)

____ اور علامہ عبدالغنی النابلسی لکھتے ہیں۔ " انه حسن صحيح " (ترجمان السنة، ج ۳، ص۲۹۷)۔

____ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں۔ حديث صحيح (مدارج النبوت ج ۲ ص۴۹۳)

____ علامہ انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں۔ فانه صح عنه صلى الله عليه وسلم انه قال

ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء۔ (خزائن الاسرار ص۱۹)

اصولِ حدیث کے اعتبار سے یہ روایت بھی بالکل صحیح بلکہ امام حاکم رح اور علامہ ذہبی رح دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔ (مستدرک حاکم، ص ۵۶۰)۔

۴ : حضرت ابوالدرداء رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک طویل حدیث میں) ارشاد فرمایا ہے۔" فنبی اللہ حی یرزق "۔ (ابن ماجہ، ص۱۱۹)

" پس اللہ تعالیٰ کا نبی ؑ زندہ ہے اور اس کو رزق ملتا ہے "

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اسناده جید" (ترجمان السنۃ: ج ۳، ص ۲۹۷)۔

۶ علامہ عزیزی رح فرماتے ہیں۔ " ورجاله ثقات "۔ (السراج المنیر ج ۱: ص ۲۹)۔

۶ علامہ مناوی رح کا ارشاد ہے۔ قال الدمیری۔ رجاله ثقات " (فیض القدیر: ج ۲ ص۸۷)۔

۶ علامہ زرقانی رح فرماتے ہیں۔ رواه ابن ماجة برجال ثقات۔ (زرقانی شارح مواہب ج ۵ ص۳۳۶)

۶ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں۔ قلت رجاله ثقات۔ (تہذیب التہذیب: ج ۳، ص۳۹۸)۔

۶ علامہ سمہودی رح فرماتے ہیں۔ رواه ابن ماجه باسناد جید۔ (خلاصۃ الوفاء، ص۴۸)۔

۶ ملا علی قاری رح کا ارشاد ہے۔ باسناد جید نقله میرك عن المنذری وله طرق کثیرة (مرقاۃ ج ۲ ص۱۱۲)

۶ قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں۔ باسناد جید۔ (نیل الاوطار: ج ۵، ص۲۶۴)۔

۶ اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں باسناد جید۔ (عون المعبود: ج ۱، ص۴۰۵)۔

۵ : حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

" ان لله ملائكة سياحين فی الارض يبلغونی من امتی السلام "

(نسائی شریف ج ۱: ص۱۴۳، مسند احمد ج ۱: ص۴۴۱، ابن ابی شیبہ، ج ۲: ص۵۱۷، موارد الظمآن ص۵۹۴، مشکوۃ، ص۸۶، البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، ص۱۵۴، الجامع الصغیر، ج ۱: ص۹۳، خصائص الکبریٰ، ج ۲، ص۲۸۰، تحریرات حدیث: ص۲۱۱، دارمی: ص۳۷۲)۔

بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

۔۔۔ حدیث شریف کی صحت کے متعلق علامہ عزیزی رح لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح (السراج المنیر ص ۵۱۸)۔
۔۔۔ علامہ ہیثمی رح فرماتے ہیں۔ رواه البزار، ورجاله رجال الصحيح۔ (مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۲۴)۔
۔۔۔ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔ صحیح۔ (مستدرک حاکم ؛ ج ۲ : ص ۴۲۱)۔
۔۔۔ امام سخاوی رح فرماتے ہیں۔ رواه احمد والنسائي والدارمي وابو نعيم والبيهقي والخلعي وابن حبان والحاكم في صحيحها وقال صحيح الاسناد۔ (القول البديع : ص ۱۱۵)۔

ائمہ حدیث کے ان صاف بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ بلکہ علامہ سمہودی رح اور علامہ ابن الہادی رح کے بیان کے مطابق امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضی نے مختلف طرق سے اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (وفاء الوفاء، ج ۲ ؛ ص ۴۰۴، الصارم المنکی ص ۱۶۸)۔

۔۔۔ یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔
وبتواتر رسیدہ ایں معنی۔ (فتاویٰ عزیزی ؛ ج ۲ ؛ ص ۶۹)

---

۶ ؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔
من صلى عند قبري سمعته ومن صلى علي من بعيد اعلمته۔
(جلاء الافہام للحافظ ابن القیم رح : ص ۱۹)

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں کے) بتلایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں

حافظ ابن حجر رح حدیث کی سند بطریق ابوالشیخ کے متعلق فرماتے ہیں۔ " بسندٍ جیدٍ " (فتح الباری ؛ ج ۶ : ص ۳۵۲)۔
۔۔۔ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں۔ وسنده جيد " (القول البدیع ، ص ۱۱۶)۔
۔۔۔ حضرت ملا علی قاری رح فرماتے ہیں۔ بسند جيد (مرقاۃ ، ج ۲ ، ص ۱۰)۔
۔۔۔ نواب صدیق حسن خان صاحب بھی لکھتے ہیں " اسناده جيد "۔ (دلیل الطالب ، ص ۸۴۴)۔
۔۔۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رح بھی اس کو بسند جیّد فرماتے ہیں۔ (فتح الملہم ؛ ج ۱ ؛ ص ۳۳۰)۔

ان اکابرین محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجر رح خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔ ان دونوں لفظوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

چنانچہ امام سیوطی رح فرماتے ہیں ان ابن الصلاح یری التسویۃ بین الجید والصحیح۔

(تدریب الراوی : ص۱۰۴)

چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور ان احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثبوت موجود ہے۔ (یہاں اختصار کی غرض سے چند احادیث صحیحہ کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور امت کے ہر طبقہ میں ان کو تسلیم کیا گیا ہے) اس لئے امام سیوطی رح نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلک۔ (انباء الاذکیاء : ص۲ ؛ فتاوی امام سیوطی رح : ج ۲ ص۱۴۹)

ایک دوسرے مقام پر تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

ان من جملۃ ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ الانبیاء فی قبورھم۔ (النظم المتناثر عن الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوسنوی : ص۵)

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

○

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا ایک حد تک ضروری ہے۔ تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعیین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے۔ جیساکہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں۔

اور اہل السنۃ والجماعۃ کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ ۱: مفسرین۔ ۲: محدثین۔ ۳: متکلمین۔ ۴: فقہاء۔ اس لئے آنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب ما بقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں۔

ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (فتح الباری : ج ۱، ص۲۲)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت پھر وارد نہیں ہوگی۔ بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر پھر موت طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی فرماتے ہیں۔

غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یموتون فی قبورہم بل ہم احیاء۔

(عمدۃ القاری: ج ۷، ص ۱۹، وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۴۰۴، زرقانی: ج ۲، ص ۳۳۲)۔

ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقی رح فرماتے ہیں۔

ان اللہ جل ثناءہ رد الی الانبیاء ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء

(حیاۃ الانبیاء: ص ۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح کو ان کی طرف لوٹا دیتے ہیں پس وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رح ارقام فرماتے ہیں۔

"المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورہم وہم احیاء عند ربہم وان لارواحہم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون" (شرح شفاء: ج ۲، ص ۱۴۲)

قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں، اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور اُن کی ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا۔ سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔

اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ سمہودی رح لکھتے ہیں۔

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورہم حیاتہم اکمل من حیاۃ الشہداء التی

اخبر الله بها فی کتابه العزیز ۔ (وفاء الوفاء : ج ۲ ، ص۴۰۵)

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں ۔ اور اسی طرح باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے (جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے) بڑھ کر ہے ۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ۔

واما ادلة حیاة الانبیاء فمقتضاها حیاة الابدان کحالة الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء ۔ (وفاء الوفاء : ج ۲ : ص۴۰۷) ۔

بہرکیف ! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو ۔ جیساکہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں ۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہاں محض برزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے ۔ مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں ۔ بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں ۔ یہی بات شیخ الاسلام دہلوی رح فرماتے ہیں ۔

" ازیں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حسی ، واجساد ایشاں نیز ثابت باشند و بوسیدہ نگردند ۔ و آں حیات ہمچو حیات دنیا باشد باوجود استغناء از غذا " (تیسیر القاری : ج ۶ ، ص۱۴۷) ۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ۔

وقول مختار و مقرر جمہور ہم ایں است کہ انبیاء بعد از وقت موت زندہ اند بحیات دنیوی ۔ (تیسیر القاری : ج ۳ ، ص۲۶۳)

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہاں حیات کی کیفیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات ، دنیوی حیات کی طرح ہے ۔ یعنی جس طرح دنیوی حیات میں ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اسی طرح اس حیات برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں ۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

علامہ تاج الدین السبکی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فالحی لا بد اما ان یکون عالمًا او جاھلا ولا نجوز ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاھلا (معاذ اللہ) (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ، ج ۲ : ص۲۸۱)

۶ — اور دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں ۔

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ولیعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام ۔ (طبقات الشافعیہ ، ج ۲ ، ص۲۸۲)

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں حس و علم سے موصوف ہیں ۔ اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں ۔

غور کیجئے ! حس اور علم سے متصف ہونا حیات کے لئے کس قدر واضح دلیل ہے ۔

۶ — علامہ ابوالوفاء علی بن محمد بن عقیل الحنبلی کا ارشاد ہے ۔ وھو حی فی قبرہ یصلی (الروضۃ البہیہ ، ص۱۴) ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں ۔

۶ — امام بدرالدین البعلی الحنبلی رح جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

" والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون " ۔ (مختصر الفتاویٰ ، ص۱۷)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں ۔ یعنی تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تلذذ کے طور پر پڑھتے ہیں اس لئے پابندی لازم نہیں اور وقد یصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا گیا ہے ۔ کیونکہ قد مضارع پر داخل ہو کر اکثر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے ۔ (رضی ، ج ۲ ، ص۳۸۸ ، متن متین ، ص۳۸)

علامہ عزیزی رح حدیث ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ الا رد اللہ علی روحی ، ای رد علی نطقی لانہ روحی دائما وروحہ لاتفارقہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم ۔ (السراج المنیر : ج ۳ ، ص۲۷۵) ۔

اور روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آپ دوامی طور پہ زندہ ہیں ۔ آپ کی روح مبارکہ آپ سے الگ نہیں ہوتی کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ۔

حضرت ملا علی قاری رح فرماتے ہیں

فمحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم ۔ (مرقاۃ : ج ۲ : ص۲۰۹) ۔

پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں ۔
اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ حدیث شریف سے مسئلۂ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ وفیہ دلیل علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی حیاۃ مستمرۃ ۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۹۹)
" اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دوامی طور پر زندہ ہیں "
مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بنیک زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حسی جسمانی ، دائمی کے قائل ہیں ۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

۱۔ علامہ تاج الدین سبکیؒ متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ۔
" ومن عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم ۔ (طبقات ج ۶ ص ۲۶۶)
ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں "
۲۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔
" وعندھم محمد صلوٰۃ اللہ علیہ حی فی قبرہ ۔ (الرسائل القشیریہ ، ص ۱)
اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں "
ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل السنت والجماعت کے امام ابوالحسن الاشعری رح کے نزدیک مسلم عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں ۔ ہاں یہ اصل بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو کلام کے دونوں مکتبۂ فکر اشعری اور ماتریدی مراد ہوتے ہیں اب مطلب صاف ہے کہ اہل السنت والجماعت کے دونوں طبقے اشعری اور ماتریدی کا مجموعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں ۔
چنانچہ امام ابو منصور طاہر الشافعی البغدادی رح فرماتے ہیں ۔
قال المتکلمون المحققون من أصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم
حی بعد وفاتہ یسر بطاعات امتہ ۔ (وفاء الوفاء ، ج ۲ : ص ۴۰۵)
ہمارے اصحاب کے متکلمین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کے طاعات سے خوش ہوتے ہیں "

اَصْحَابُنَا سے متکلمین کی جماعت مراد ہو یا شوافع کی ، بہرصورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں

فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقیہہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی رح لکھتے ہیں ۔

ولما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حي يرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات ۔ (نور الایضاح ، ص۱۷۷)

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا مسلک یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق و عبادات سے متمتع ہیں۔ لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہان کا ہے ۔

علامہ ابن عابدین الشامی رح فرماتے ہیں

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث ۔ (رسائل ابن عابدین : ج ۲ ص۲۰۳)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آرہا ہے ۔

علامہ ابن عابدین شامی رح جو متاخرین حنفیہ میں معتمد الکل ہیں ، کس طرح صراحت کے ساتھ حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں ۔

علمائے دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء ع

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل السنت والجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں ۔

علمائے دیوبند جو خالص اہل السنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہل سنت کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر اس بات میں بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے ۔ ذیل میں

علمائے دیوبند کے ایسے حوالے نقل کئے جارہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ تمام علمار دیوبند متفقہ طور پر حیات الانبیار کے قائل ہیں۔ دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے تھی یعنی سب سے پہلے محدثین، پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کئے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو۔

محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیار

حضرت مولانا احمد علی صاحب رح سہارنپوری محشی بخاری فرماتے ہیں۔

والاحسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یتعقبہا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (حاشیہ بخاری ، ج ۱ : ص۵۱۷)

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے۔ اور باقی تمام انبیار کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح لکھتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (بذل المجہود شرح ابوداؤد، ج ۲ ، ص۱۱۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیار کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیار کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے۔

حضرت علامہ عثمانی رح فرماتے ہیں۔

و دلت النصوص الصحیحۃ علیٰ حیاۃ الانبیاء۔ (فتح الملہم ، ج ۱ ، ص۳۲۵)

نصوص صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات انبیار علیہم السلام زندہ ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی علامہ عثمانی رح فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ۔ (فتح الملہم ، ج ۳ ، ص۴۱۹)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے۔ اور آپ اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہاں یہ بات بھی ثابت کی

گئی ہے کہ آپ اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھنا حیات صریح کی دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رح فرماتے ہیں۔

أن كثيرا من الاعمال قد تثبت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمي وقرأة القرآن عند الترمذي۔ (فیض الباری، ج ۱ ص ۱۸۳)۔

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان واقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرأت قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت میں "

غور کیجیے! قبر میں اذان واقامت کا ثبوت اسی طرح قرأت قرآن کا ثبوت حیات نبوی کی کس قدر صریح دلیل ہے۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں کہ آپ بنص حدیث زندہ ہیں۔

(التکشف ص ۶۶۴)

حضرت اقدس مولانا ابو العتیق عبد الہادی محمد صدیق صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

انهم اتفقوا على حياته صلى الله عليه وسلم بل حياة الانبياء عليهم السلام متفق عليها لا خلاف لاحد فيه۔ (انوار المحمود شرح ابوداؤد: ج ۱ ص ۶۱۱)

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے "

یہ عبارت بھی اپنے مدلول ومفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ غور فرمایئے۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہم العالی حدیث ما من احد يسلم على الا رد الله على روحي کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" کہ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلّم حقیقت ہے "

آگے فرماتے ہیں

" اتنی بات سب کے نزدیک مسلّم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے "

(معارف الحدیث: ج ۶ ص ۲۷۸)

حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح حدیث شریف ونبي الله

حی یرزق سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، ونبی اللہ حی یرزق" (ہدایۃ الشیعہ، ص ۱۳)

مولانا تھانوی رح فرماتے ہیں۔

"پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے"

(نشر الطیب، ص ۲۱۰)

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہم العالی حدیث ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من أمتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

"کہ اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے۔ لیکن اللہ تعالےٰ جس کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں" (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰)

متکلمین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح متفقہ طور پر علماء دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں۔

"عندنا وعند مشائخنا حیاۃ حضرۃ الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف وھی مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم وبجمیع الانبیاء صلوات اللہ علیہم والشہداء لابرزخیۃ کما ھی لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیہ العلامۃ السیوطی فی رسالۃ انباء الاذکیاء لحیوۃ الانبیاء حیث قال: قال الشیخ تقی الدین سبکی رح حیوۃ الانبیاء والشہداء فی القبر کحیوتہم فی الدنیا ویشہد لہ صلوۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوۃ تستدعی جسدا حیا (الی آخرھا قال) فثبت بہذا ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونہا فی عالم البرزخ"

(المہند علی المفند: ص ۱۳،۱۲)

" ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپؐ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب انسانوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطی رح نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رح نے فرمایا ہے کہ انبیا علیہم السلام اور شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیوں کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ الخ

پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے۔ اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے "

یہ عبارت رسالہ " المہند علی المفند " سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ کے ان چھبیس اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے کہلاتے ہیں۔ جسے سرخیل علماء محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح نے مرتب کیا۔ اور جس پر اپنی جماعت دیوبند کے تئیس بزرگوں (جن میں خصوصیت سے

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔

حضرت مولانا میر احمد حسن صاحبؒ امروہی۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رح

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی رح

حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی رح

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رح

وغیرہم قابل ذکر ہیں)۔ کی تصدیقات لکھوا کر علماء حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کے علما کو بھیجیں۔ وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اس طرح یہ رسالہ اور یہ جواب علماء دیوبند کا اجماعی جواب ہے۔ اس اجماعی اور مرکزی جواب کے بعد مزید کچھ لکھنے یا کہنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم مزید چند حوالے اطمینان خاطر کے لئے ملاحظہ ہوں۔

○ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب النانوتوی رح فرماتے ہیں ۔

" حضراتِ انبیاء ۔ زندہ ہیں ان کی موت ان کی حیات کے لیے ساتر ہے ۔ رافع حیات اور دافع حیات نہیں " (آبِ حیات ؛ ص ۲۲ ، ۳۴ ۔ بحوالہ سیرت المصطفیٰ)

واضح رہے کہ حضرت نانوتوی رح نفس موت کو اعتقاد لازم اور ضروری سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ فرماتے ہیں ۔

" کہ میں انبیاءِ کرام کو انہیں اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں ، پر حسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانھم میتون تمام انبیاءِ کرام ع کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے ۔ اور اس ظاہری صورت کی وجہ سے حضراتِ انبیاءِ کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا ۔ لیکن انبیاءِ کرام کی زندگی زیر پردہ موت ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے ہمثل امت کے ان کی موت میں زوال نہیں ہے " (لطائف قاسمی ؛ ص ۳ ، ۴)

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

۱ : اور دلیل یہ ہے کہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح وسالم رہنا اور تغیرِ ارضی سے بالکل محفوظ رہنا ۔

۲ : اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ازواجِ مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا ۔

۳ : اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا ۔

امورِ ثلاثہ میں سے ہر امر حیاتِ انبیاءِ کرام پر شاہدِ عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواحِ طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاءِ کرام ع کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا ۔ (آبِ حیات ؛ ص ۲۲ ، ۳۴)

○ شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی رح فرماتے ہیں کہ

" آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیاتِ دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر " (مکتوباتِ شیخ الاسلام : ج ۱ ، ص ۱۳۰)

حضرت مدنی رح کی مراد بظاہر حیاتِ جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسدِ مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیاءِ کرام کا نظریہ ہے ۔

" بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے "

چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب رح نانوتوی نے ایک مقام پر صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے

" انبیاء کرام علیہم السلام کو ابدانِ دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے " (لطائف قاسمیہ : ص۳)

۶ـ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح فرماتے ہیں۔

" آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ونبی اللہ حی یرزق " (ہدایۃ الشیعہ : ص۳۶)

۶ـ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں۔

" پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا۔ اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے " (نشر الطیب ص۲۰۱)

۶ـ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں۔

" اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے " (فتاویٰ دارالعلوم کمل و مدلل ، ج ۵ ، ص۱۴۸)

۶ـ حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتار کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں " (فتاوی دارالعلوم غیر مطبوعہ)

حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحاب ظواہر

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کئے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے۔ کوئی حنفی تھا، کوئی مالکی، کوئی شافعی تھا تو کوئی حنبلی۔ بجز قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خان صاحب، کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتمام حجت کے لئے ہم اس مقام پر اصحاب ظواہر کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں۔ تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بالکل روشن ہو جائے۔ اور اجماع امت کا دعوے بھی صاف ہو جائے۔

○ قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں۔

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته وان الانبياء لا يبلون مع ان مطلق الادراك كالعلم والسماع ثابت لسائر الموتى (الى ان قال) وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان الحيوة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم رواه المنذرى وصححه البيهقي وفي صحيح مسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال مررت بموسى ليلة اسرى بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي۔ (نیل الاوطار، ج ۳، ص۲۶۴)۔

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے لئے ثابت ہے (پھر آگے لکھتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء و مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری رح نے اس کو روایت کیا۔ اور امام بیہقی رح نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی شب سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"

قاضی شوکانی رح کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے۔ اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

انه صلی الله علیه وسلم حی فی قبره بعد موته کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورهم۔ (نیل الاوطار، ج ۵ : ص۱۰۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

○ استاد ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں۔

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی الله علیه وسلم حی بعد وفاته ویؤید ذلك ماثبت ان الشهداء احیاء یرزقون فی قبورهم والنبی صلی الله علیه وسلم منهم۔

(نیل الاوطار، ج ۵ : ص۱۰۱)

ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہدا زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں۔"

○ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی رح اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں ۔

والذی نعتقد ان رتبة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوة مستقرة ابلغ من حیات الشہداء المنصوص علیہا فی التنزیل لانہ افضل منہم بلا ریب وانہ یسمع من یسلم علیہ ۔ (اتحاف النبلاء ، ص ۴۱۵)

" جس چیز کا اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے ۔ اور آپ اپنی قبر میں حیاتِ دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں ۔ اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں "

اس عبارت سے آفتابِ نیم روز کی طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ علماء نجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ وارفع ہے ۔

اما الکلام علی حیوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذالک اعتقاد سلف الامة وائمتنا وہم الاسوة۔

(الدرر السنیہ فی الاجوبة النجدیہ : ج ۱ ، ص ۲۶)

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلفِ امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے ۔ اور وہی اس میں ہمارے مقتدا ہیں "

متاخرین اصحابِ ظواہر کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی رح لکھتے ہیں ۔

" کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے "

(ضمیمہ فتاویٰ نذیریہ ، ج ۲ ، ص ۵۵)

○ اور مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی رح لکھتے ہیں ۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورہم ۔ (عون المعبود : ج ۱ : ص ۴۰۶)

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں ۔

ذمہ دار اصحاب ظواہر بھی جملہ اہل الرائے حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں ۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ۔ اور امام بیہقی وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ و سیر میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں۔ جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر اغماض و اعراض نہیں کیا جاسکتا ۔

اجماع امت اور حیات الانبیاء

" علماء امت اور حیات الانبیاء " کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے ۔ بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے ۔ تاہم مزید اطمینانِ قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند صریح حوالے نقل کیے جارہے ہیں ۔

○ امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی رح لکھتے ہیں کہ ۔

نحن نؤمن و نصدق بانه صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ و ان جسدہ الشریف لا تأکله الارض والاجماع علی هذا۔

(القول البدیع ص ۱۲۵)

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے ۔"

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسدِ اطہر کا محفوظ رہنا اجماعِ امت سے ثابت ہے ۔ اگر بالفرض قرآن و حدیث سے اس کا ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امتِ مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں سے ایک وزنی دلیل ہے ۔

○ علامہ محمد عابد سندھی رح لکھتے ہیں ۔

اما هم فحیا تهم لا شك فیها ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذلك (الی ان قال) فهو صلی اللہ علیه وسلم حی علی الدوام ۔ (رسالہ مدنیہ ص ۱۲)

بہر حال حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علمائے سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے ۔ (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں ۔"

کسی کا اختلاف نہ ہونا یہی اجماعِ سکوتی ہے ۔

○ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں۔

"حیاتِ انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱: ص ۶۱۳)

شیخ محدث دہلوی رح ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں ملاحظہ ہو۔

○ نواب قطب الدین خانصاحب تحریر فرماتے ہیں۔

" زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے" (مظاہر حق: ج ۱، ص ۴۴۵)

نواب صاحب " دنیا کی سی " کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو۔ بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے مثلاً ادراک، علم اور شعور وغیرہ۔

○ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی لکھتے ہیں۔

" والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع " (المنحۃ الوہبیہ ص ۶)۔

حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگانِ دیوبند اور اجماعِ حیات الانبیاء

مولانا ابو العتیق عبد الہادی صاحب رح نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

" انہم اتفقوا علی حیوتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیہم السلام متفق علیہا لاخلاف لاحد فیہ " (انوار المحمود شرح ابوداؤد: ج ص ۱۱۶)

محدثینِ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

○ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح فرماتے ہیں۔

" تمام اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز وعبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مومنین بلکہ ارواحِ کفار کو بھی حاصل ہے "

(سیرت المصطفیٰ: ج ۳: ص ۳۵۸)

اصحاب ظواہر حضرات اور اجماع حیات الانبیاء علیہم السلام

مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفیؒ لکھتے ہیں۔

"اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں۔ (آگے فرماتے ہیں کہ) انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں صحیح احادیث میں انبیاء کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ (حیات النبی ص۳۰)

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء

حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں

"واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القرآن والانبياء افضل من الشهداء" (فتح الباری ج ۶ : ص۳۷۹)

غور فرمایئے! جب شہداء کی زندگی نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث انس رض کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہی ہے۔ عقلی اور نظری طور پر دلالۃ النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ اس لئے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں۔ تو لامحالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ جو اس مسلک کے خلاف رائے رکھے تو اتنی بات یقینی ہے کہ اس کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

○

سوال ۲

جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپؐ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں، یہ کس فرقے کا عقیدہ ہے نام متعین فرمائیں؟

○

الجواب ۲

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے چنانچہ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیری رح فرماتے ہیں کہ۔

ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتویٰ دیا تھا، ایک بڑا جرم یہ ہے حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضۂ اطہر کے اِرد گرد جمع ہو رہے ہے تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو، اس پر علمائے

اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ (بحوالہ رحمتِ کائنات، ص ۵)

اسی طرح فرقہ ——— کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیائے کرام کو بشمول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے (نعوذ باللہ) یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدمِ حیات کا ہے۔

○

سوال ۳ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکرِ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب ۳ بلا تاویل حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ علامہ حصکفی رح فرماتے ہیں۔

ویکرہ امامۃ مبتدع ای صاحب بدعۃ۔ (الدر المختار، ج ۱، ص ۸۳)

قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح فرماتے ہیں۔

" بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے " (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۳، ص ۱۱۸)

○

سوال ۴ صحابۂ کرام رض کا سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ شریف کی زیارت کے لئے نہ جانا اس عقیدہ کی بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے، کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب ۴ پہلے سوال کے جواب میں دلائل کثیرہ سے آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اس لئے سلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے۔ کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی۔ تاکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کر سکے۔ مسلمانوں کا یہ عمل احادیثِ کثیرہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

○

زیارت روضۂ اطہر

اَحادیث شریفہ کی روشنی میں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

" من زار قبری وجبت له شفاعتی (صحیح ابن خزیمہ، دارقطنی، بیہقی باسناد حسن بحوالہ آثار السنن ، ج ۲ ص ۲۲۶)

جس نے میری قبر کی زیارت کی تو بلاشبہ اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو گئی۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

من زار بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی ۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ، ص ۴۰۵)

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی میں زیارت کر لی۔

غور فرمایئے ! کس قدر مبالغہ کے ساتھ زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

وعدہ کے بعد وعید کی روائتیں بھی ملاحظہ فرمائیں ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

" من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی ۔ (طحطاوی ص ۴۰۵)

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلاشبہ میرے ساتھ زیادتی کی۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

من وجد سعة ولم یزرنی فقد جفانی ۔ (فصل فی زیارة النبی صلی الله علیه وسلم ابن عدی بسند حسن ۔ طحطاوی ، ص ۴۰۵)۔

انہیں وعدو وعید کی روایات کی بناء پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضۂ اقدس کی زیارت گو اعتقادی اعتبار سے سنت سہی تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے۔ چنانچہ محقق علی الاطلاق شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں۔

ان زیارة قبر النبی صلی الله علیه وسلم مستحبة وقریبة من الواجب ،
نظروا الی هذا النزاع وهو الحق عندی فان الآف الالوف من السلف
کانوا یشدون رحالهم لزیارة النبی صلی الله علیه وسلم ویزعمونها

من اعظم القربات ۔ (فیض الباری ج۲ ص ۴۳۳)۔

○ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

"انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ" (شامی ج۱ ص ۲۷۹)۔

○ مخدوم محمد ہاشم سندھی رح فرماتے ہیں۔

"تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آں بدلیل قوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید حسن ونیز مروی است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود من زار قبری وجبت لہ شفاعتی رواہ الدارقطنی و الطبرانی والبزار وصححہ عبد الحق ونیز فرمود صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی حیاتی رواہ ابوسعید بن منصور والدارقطنی ووارد شدہ اند در فضل زیارت احادیث وآثار بسیار کہ اکتفاء کردہ مے شود از آنہا بریں مقدار طلباً للاختصار" (حیات القلوب ۲۹۸)

اجماع امت اور زیارتِ روضۂ اقدس

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارتِ نبوی جہاں احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماع امت سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ مخدوم ہاشم سندھی رح فرماتے ہیں۔

"بدانکہ اجماع کردہ اند مسلمانان برآنکہ زیارتِ پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات وافضل طاعات و آکد سنن ومندوبات است" (حیات القلوب ص ۲۹۸)۔

○ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح فرماتے ہیں۔

"اعلم ... ان زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع المسلمین من غیر عبرۃ بما ذکرہ بعض المخالفین من اعظم القربات و افضل الطاعات وانجح المساعی لنیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات بل قیل انہا من الواجبات لمن لہ سعۃ وترکہا غفلۃ عظیمۃ وجفوۃ کبیرۃ وفیہ اشارۃ الی حدیث استدل بہ علی وجوب الزیارۃ ھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند حسن وجزم بعض المالکیۃ بان المشی الی المدینۃ

افضل من الكعبة و بيت المقدس ۔ (بذل المجهود ، ج ۳ ، ص ۲۰۳)

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ زیارتِ نبوی اجماعِ امت سے ثابت ہے ۔ وہیں یہ بھی ذکر ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا ۔ نیز درجہ کی تعیین کے ساتھ ترکِ زیارت کو..... عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اعاذنا اللہ منہ ۔ یہ بھی بتلایا گیا کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ جانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بہتر ہے ۔ ہمارے فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لئے گیا ہے تو پہلے حج کرے ، (بعد میں زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور پھر حج کرے ، یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے ۔ قالوا ۔ ان كان الحج فرضا قدمه عليها والا تخيير ۔ (طحطاوی ص ۴۰۵) پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کرے ۔ والاولى فى الزيارة تجريد النية لزيارة قبره صلى الله عليه وسلم ۔ (طحطاوی ، ص ۴۰۵)

الحاصل مسلمانوں کا یہ عمل امتِ محمدیہ کا عظیم اجماع ہے جس پر دورِ صحابہ رض سے لے کر آج تک عمل ہو رہا ہے ۔

اتفق مالك والشافعي وابوحنيفة واحمد على ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم من أفضل المندوبات ۔ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ، ج ۱ ، ص ۱۲۹)

لہٰذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے ، روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے نہ جانا ، جہاں ان احادیثِ صحیحہ کا (جن میں سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر اور زیارتِ نبوی کی تصریح ہے) انکار ہے وہاں اجماعِ امت سے انحراف بھی ، جس کی امانت دیانت کی دنیا میں قطعاً قطعاً گنجائش نہیں ہے ۔ اعاذنا اللہ منہ ۔ وہیں سخت محرومی اور حرماں نصیبی بھی ہے ۔ چنانچہ " بذل المجہود " کی عبارت گزر چکی ہے ۔ کہ وتركها غفلة عظيمة وجفوة كبيرة......

○ نیز علامہ سندھی رح فرماتے ہیں ۔

" وترک کردن زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع الامکان غفلتے است عظیمہ وشناعتے قبیحہ ۔"

(حیات القلوب ، ص ۲۹۸)

اس لئے گنجائش کے باوجود زیارت کے لئے نہ جانا موجب وعیدِ شدید ہے ۔

سوال ۵

منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور ۔ قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال ، کذاب ومشرک کہتے ہیں ۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں ؟

الجواب ۵ منکرین حیات الانبیاء، دیوبندی تو کجا بعض اکابر نے تو ان کو اہل السنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، ایسے شخص کو اہل السنت والجماعت سے خارج قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

" اس باب (حیاۃ الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور جو انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہل السنت والجماعت سے خارج ہے۔ (فتاوی دارالعلوم غیر مطبوعہ)۔

اس فتوے پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ، مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا محمد ضیاء الحق صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور۔ استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب ہزاروی کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیات الانبیاء) دوسرے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً علماءؔ کو کافر، مشرک اور دجال کہیں۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔ ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے ؟

ان کو غالباً اس کی خبر نہیں جو اوپر نقل کیا گیا ہے۔

سوال ۶

منکرین ثواب و عذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے ؟

الجواب ۶ جملہ اہل السنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر (برزخ) میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین کو نیز گنہگاروں کو عذاب و تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام کا ذمہ دار طبقہ بلا تاویل عذاب قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا ہی محتاط ہے۔ اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً "سو" معانی کا احتمال بھی پیدا ہو سکتا ہو جن میں ننانوے ۹۹ پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو۔ ہاں ! اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتوای سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی۔ مسئلہ کی وضاحت کے لئے مسلم حضرات فقہاء کرام میں سے چند بزرگوں کی شہادتیں نقل کی جا رہی ہیں۔

عذاب و راحت قبر کا منکر اور فقہائے اسلام

علامہ طاہر احمد الحنفی رح لکھتے ہیں کہ

ولا یجوز الصلوۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وینکر الکرام

الکاتبین وعذاب القبر وکذا من ینکر الرؤیۃ لانہ کافر "

خلاصۃ الفتاوی : ج ۱ : ص ۱۴۹)۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اورکرام کاتبین اور عذاب قبر اور رؤیت باری کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔کیونکہ وہ کافر ہے"۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

○ محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبدالواحد الحنفی السیواسی فرماتے ہیں ۔

" ولا تجوز الصلوۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ھذہ الامور عن الشارع صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (فتح القدیر مصری ، ج ۱ ، ص ۲۴۷)۔

شفاعت اور اللہ کے دیدار اور عذاب قبر اور کرام کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتدا میں نماز درست نہیں ہے کیوں کہ وہ کافر ہے۔اس لئے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے۔ "فتاوی عالمگیری" میں بھی " انکار عذاب قبر" کو کفر لکھا ہے۔ (فتاوی عالمگیری) ج ۲ :ص ۱۳۰ ،مصری)۔

○ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن بکر الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں۔

" فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالی یاخذ بابصار الخلائق و اسماعھم من الجن والانس عن رؤیۃ عذاب القبر ونعیمہ لحکمۃ الہیۃ ومن شک فی ذلک فھو ملحد "

(مختصر تذکرۃ القرطبی لعبدالوہاب الشعرانی ، ص ۳۶ مصری)

اے بھائیو ! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے ۔جیساکہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں۔لیکن اللہ تعالی اپنی (مکلف) مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں، اور کانوں سے قبر کے عذاب وراحت کو اوجھل رکھتا ہے۔کیوں کہ حکمت الہی کا تقاضا یہی ہے ۔اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ ملحد ہے ۔

علامہ ابوالشکور السالمی فرماتے ہیں۔

فاما عذاب القبر للمؤمنين من الجائزات وللكافرين من الواجبات والله تعالى يقول النار يعرضون عليها غدوا وعشيا يعني فرعون وقومه دل انه كان صحيحا في اي موضع وعلى اي حال ومن انكر هذا يصير كافرا والله اعلم ۔

(تمہید : ص۱۲۵، طبع مصری)

عذاب قبر مومنین کے لئے جائز اور کافروں کے لئے واجب ہے ۔ اللہ کا فرمان ہے کہ " فرعون اور اس کی قوم صبح وشام آگ پر پیش کی جاتی ہے " یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو ، جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے ۔ (واللہ اعلم) ۔

○ مولانا عبدالعلی بحر العلوم الحنفی رح لکھتے ہیں ۔

منکر الشفاعة لاهل الكبائر والرؤية وعذاب القبر ومنكر الكرام الكاتبين كافر ۔ (رسائل بحر العلوم : ص۹۹)

اہل کبائر کے لئے شفاعت ، رؤیت باری تعالےٰ ، عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے ۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح صاف ہوجاتی ہے کہ بلا تاویل ثواب و عذاب قبر کا منکر کافر ہے ۔ خدا تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے ۔ واللہ یہدی السبیل ۔ فقط

واللہ اعلم

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ مفتی دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح کفیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۳ ر شعبان ۱۴۰۵ھ

(مہر: دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

○

نحن متفقون به كلمة بكلمة حرفاً بحرف

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

محمد حنیف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان

۲۰ ر شوال ۱۴۰۵ھ

منکرین سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر سے مولانا غلام اللہ خان صاحب کا اظہار برأت

الاستفتاء :

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہٗ السلام علیکم۔

ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب احمد سعید خان ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف پر پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں وہ شخص کافر ہے۔ وہ مولوی صاحب اپنے آپ کو آپ کی جماعت کا بتاتے ہیں۔ دیوبندی لوگوں میں بہت اختلاف ہو گیا ہے۔ لہذا آپ اپنا عقیدہ اور اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ظاہر فرما کر ہم پر کرم نوازی فرمائیں تاکہ عام مسلمانوں کی رہبری ہو سکے۔

نیاز مند علماء.....

احقر عبدالقادر خان عباسی

احمد پور شرقیہ : سابق ریاست بہاول پور :

الجواب وھو الموفق للصواب

کتب فقہ حنفیہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام سنتے ہیں۔ سلف اہل السنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسے عقیدے والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے العیاذ باللہ تعالےٰ۔ اللہ تعالےٰ ایسی جہالت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے۔ ہذا واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔

عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن

راجہ بازار راولپنڈی

۲۲ صفر : ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح : لاشیٔ غلام اللہ

جواب درست ہے : ناکارہ خلائق : غلام ربانی۔

سماعِ صلوٰۃ وسلام عند القبر کے بارے میں

حضرت العلامہ مولانا محمد شریف صاحب کشمیری مدظلہٗ کا ارشادِ گرامی

حضرت العلامہ مدظلہٗ نے ایک کتاب مسمٰی بہ "تنبیہ الغافلین علی اقوال الخادعین" پر تقریظ لکھتے ہوئے یہ لکھا کہ " سماعِ صلوٰۃ وسلام عند القبر کے بارے میں میرا بھی وہی عقیدہ ہے جو اکابر دیو بند کا ہے وغیر ذالک" اس کے بعد ڈیرہ اسماعیل خان کے کسی صاحب نے حضرت والا مدظلہٗ سے اس مسئلہ پہ گفتگو کی۔ تو دورانِ بحث " حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ " کی سند پر بھی تبصرہ ہوا۔ جس کو بعد میں ان صاحب نے بعنوان " اعلان برأت " شائع کر دیا۔ جس سے بظاہر یہ تائثر ہوتا تھا کہ حضرتِ والا کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور حضرت والا اس عقیدے سے برأت ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت والا کو جب یہ معلوم ہوا، تو آپ نے نزاکت کو محسوس فرماتے ہوئے ایک تحریر عنایت فرمائی۔ جس میں حضرت نے وضاحت و تصریح کے ساتھ اظہارِ خیال فرمایا ہے اور اس پر جامعہ خیر المدارس اور جامعہ قاسم العلوم ملتان کے مفتیانِ عظام کے تائیدی دستخط بھی ثبت ہیں۔ فقط

محمد انور مرتب خیر الفتاوٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ "تنبیہ الغافلین علی اقوال الخادعین" پر جو تقریظ ہے اور جسے بعنوان فتوٰی من جانب خطباءِ اہل السنۃ والجماعۃ ڈیرہ اسماعیل خان، شائع کیا گیا۔ وہ عبارت میری ہے میں اب بھی اس کا قائل ہوں کہ

" اگر روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو آپ خود سنتے ہیں۔ بلکہ جمیع اہل السنۃ والجماعۃ اس کے قائل ہیں اور سب اکابر دیو بند کا یہی عقیدہ ہے۔ جو شخص اس عقیدے کو عقائدِ شرکیہ یا بدعیہ میں شمار کرتا ہے وہ بالکل جاہل اور پرلے درجے کا احمق اور ملحد ہے۔ وہ حقیقت شرک سے قطعاً ناآشنا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے شخص سے دور رہنا چاہیئے۔"

اب میں علیٰ وجہ البصیرت بتائید مفتیانِ خیر المدارس و قاسم العلوم ملتان مذکورہ بالا عقیدے کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں۔ جو اس کے خلاف میری طرف منسوب کر کے شائع کیا جائے، اسے

غلط سمجھیں۔ میری طرف منسوب کرکے " اعلانِ برائت " کے عنوان سے جو تحریر من جانب
" اشاعۃ التوحید والسنۃ " شائع کی گئی ہے وہ ایک حدیث " من صلی علی عند قبری
سمعتہ) کی ایک سند کے بارے میں فنی بحث تھی۔ لیکن کسی حدیث کی سند کا متکلم فیہ ہونا اس کے مضمون
کے بطلان کی دلیل نہیں۔ خود ابن عبد الہادی نے اس حدیث کے مضمون و معنی کو صحیح قرار دیا ہے۔
(الصارم المنکی ص ۱۱۳)

اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس سے سلام خود سنتے ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۲۵۲)
علامہ شوکانی رح اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحتہ لتلقی العلماء لہ بالقبول۔ اھ

(نیل الاوطار ، ج ۱ ، ص ۲۴)

پھر ابن عبد البر نے اس بحث کے باوجود یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس لئے کہ تمام علماء نے اسے
قبول کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد شریف کشمیری

شیخ الحدیث وصدر مدرس خیر المدارس ملتان

۲۶ جمادی الاخریٰ ، ۱۴۰۱ھ

التحریر صحیح ، محمد شریف عفا اللہ عنہ جالندھری ، مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جو شخص صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے آپؐ اس کا
صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہیں۔ سب اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔ فقط

واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان : ۲۶ : ۶ : ۱۴۰۱ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ، ۲۶ / ۶ / ۱۴۰۱ھ

محمد اسحاق عفا اللہ عنہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان

"یا بابا فرید" کو حفاظت میں مؤثر سمجھنا کفر و شرک ہے

شدید باد و باران کے دوران بجلی کے چمکنے اور بادل گرجنے کے وقت

بعض لوگ "یا بابا فرید" پکارتے ہیں کہ اس طرح بجلی کچھ نہیں کہتی۔ اور کہاوت یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ وضو کر رہے تھے کہ شدید بارش شروع ہوگئی اسی اثناء میں بجلی گری اور آپ کے وضو والے لوٹے میں آگئی۔ آپ نے فوراً ہاتھ سے لوٹے کو اوپر سے اور ٹونٹی سے بند کر لیا۔ اب بجلی کو نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہ ملا تو منت سماجت کرنے لگی۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ بتا۔ اب پھر آئے گی ؛ تو عرض کرنے لگی ، نہ آپ کے پاس آؤں گی اور نہ اس کے پاس جو ایسے وقت میں آپ کا نام پکارے گا۔ اس لئے ایسے وقت میں "یا بابا فرید ، یا بابا فرید" پکارنا چاہئے۔

یہ کہاں تک درست ہے اور اس کا شرعی حکم کیا ہے نیز ایسے وقت میں خود شریعت مطہرہ میں کیا کہنے کا حکم ہے ؟

المستفتی صاحبزادہ محمد لطف اللہ خالد : ۲۵۳ ، بی شاہ جمال ٹاؤن لاہور

الجواب آنحضرت علیہ السلام کا اپنا معمول یہ تھا کہ اس وقت یہ دعا مانگتے تھے۔

اللهم لا تقتلنا بغضبك ولا تهلكنا بعذابك وعافنا قبل ذالك۔ اھ (مشکوٰۃ : ج : ص۱۳۳)

نیز اس وقت یہ دعا بھی حدیث سے ثابت ہے۔

سبحان الذی یسبح الرعد بحمده والملئكة من خيفته۔ اھ (مشکوٰۃ ج ص۱۳۳)

ایسے وقت میں اس عقیدہ کے ساتھ " یا بابا فرید " کہنا کہ یہ کلمہ ہم کو بجلی سے بچائے گا سخت ترین گناہ ہے اور قرآن و حدیث کے خلاف ہے موت و حیات صرف اور صرف اللہ کے قبضے میں ہے اس کے سوا کسی اور کو ان چیزوں کا مالک سمجھنا کفر و شرک ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ : ۱۵ / ۷ / ۱۴۰۷ھ

فضائل درود شریف کی ایک حکایت پر اعتراض کا جواب

ہمارے ایک ساتھی نے فضائل درود شریف کی حکایت ۴۶ پر ایک اشکال ظاہر کیا ہے وہ یہ کہ اس حکایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد از وفات چلنا، پھرنا اور ان کو غیب کی خبر ہونا اور مشکل کشائی کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ تمام باتیں جماعت تبلیغی اور دیگر تمام علمائے دیوبند وغیرہ کے عقائد کے خلاف ہیں۔ اس واقعہ کا صحیح مفہوم اور مطلب واضح الفاظ میں بیان فرمایا جائے۔ اور اس قسم کے واقعات کے بارے میں یہ بھی بیان فرمایا جائے کہ وہ ذات بنفس نفیس خود آن موجود ہوتی ہے یا کہ اس ذات کی کوئی شکل مثالی جیتے جاگتے پیش کی جاتی ہے۔ اس واقعہ کی اس ذات کو خبر بھی ضروری ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعض اوقات حق جل شانہٗ اپنے کسی بندے کی فریادرسی کسی لطیفۂ غیبی کے ذریعہ فرماتے ہیں۔ وہ لطیفۂ غیبی اس کی مانوس شکل میں ظاہر ہو کر بندے کی تکلیف کو باذن اللہ دور کر دیتا ہے۔ اس حکایت ۴۶ میں بھی ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ تو سب اعتراضات ساقط ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ رُوح پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو متجسد کر کے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا ہو۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کی مختلف مقامات پر زیارت کی۔ اس کی ایسی ہی توجیہہ کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۱۱/۱۳۹۹ھ

مسئلہ تقدیر میں بحث کرنا منع ہے

انسان نیک و بد کا خود خالق ہے یا سب کچھ تقدیر کراتی ہے؟ ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کرنا چاہا تو غلطی سے کسی تیسرے شخص کو گولی لگی اور وہ مر گیا۔ اس صورت میں قاتل بری الذمہ ہے یا گنہگار۔ گناہگار ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ جب کہ ازل سے مقتول کا قتل ہونا اس قاتل کے ہاتھ سے مقدر تھا۔ تیسرے آدمی کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ اسے خدا کی طرف سے یہ تکلیف کیوں دی گئی۔ جب کہ ظاہری صورت میں اس کے ہاتھ سے اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔

الجواب مسئلہ تقدیر میں بحث کرنا اور جھگڑنا احادیث نبویہ میں ممنوع آیا ہے۔ انسان خیر وشر کا خالق نہیں بلکہ کاسب ہے۔ اسی کسب پر جزاء وسزا کا مدار ہے۔ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے لقولہ تعالیٰ واللّٰہ خلقکم وما تعملون الآیۃ بندہ تقدیر کی بنا پر مجبور نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم جہنمی ہو جو کچھ بھی کرو۔ اور نہ یہ کہا کہ تم جنتی ہو جو کچھ بھی کرو۔

اس لئے بندہ تقدیر کو عذر اور بہانہ کے طور پر پیش نہیں کر سکتا۔ جیساکہ دنیا دی معاملات میں کوئی شخص تقدیر کو بہانہ نہیں بناتا بلکہ خوب دوڑ دھوپ کی جاتی ہے۔ اسی طرح دینی معاملہ میں بھی تقدیر کو بہانہ نہ بنائے۔ بلکہ دنیا میں اگر نقصان ہو جائے تو تقدیر پہ قناعت کرے۔ کما قال العارف الرومی

اختیار در کارِ دنیا جبری اند

اشقیاء در کارِ عقبیٰ جبری اند

قاتل نے غلطی سے نشانہ کے خطا ہونے سے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ قاتل کو بے پروائی، غفلت اور بے احتیاطی کا گناہ ہوگا۔ اسی بنا پر کفارۂ قتل لازم ہوتا ہے۔ قتل عمد کا گناہ نہ ہوگا۔ اور مقتول کی موت اللہ تعالیٰ کے علم میں اسی طرح واقع ہوئی تھی۔ اس میں مقتول کو کیا تکلیف ہوئی۔ مقتول کے حق میں یہ موت اور طبعی موت برابر ہیں۔ بلکہ اس طرح مظلومیت کی موت رفع درجات اور تکفیرِ سیئات کی موجب ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۷ شعبان ۱۳۷۰ھ

جادو میں کیا چیز مؤثر ہوتی ہے

۱: جادو کیا چیز ہے؟ ۲: کیا جادو کے ذریعے کسی چیز کو حرکت دی جا سکتی ہے؟ ۳: نیز جادو کے پیچھے کون سی طاقت کارفرما ہوتی ہے؟

الجواب

۱: جادو کی تعریف کتابوں میں یہ لکھی ہے۔ ھو علم یستفاد منہ حصول ملکۃ نفسانیۃ یقتدر بھا علی افعال غریبۃ لاسباب خفیۃ اھ (شامی)

۲: حرکت دی جا سکتی ہے۔ خواہ حرکت واقعی ہو یا تخییلِ محض ہو۔

۳: اسبابِ خفیہ۔ جیساکہ تعریف سے ظاہر ہے۔ دوسری چیزوں میں حرکت اسبابِ ظاہری سے ہوتی ہے۔ اور جادو میں اسبابِ خفیہ سے جو ہمیں نظر نہیں آتے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۷/۳/۱۴۰۰ھ

شش کلمات کے مفہوم پر اعتقاد کافی ہے یاد کرنا ضروری نہیں

شش کلموں کے الفاظ میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ نیز ان کلموں کو یاد کرنا ضروری ہے یا صرف اعتقاد رکھنا کافی ہے۔ محمد علی حیدرآباد

الجواب

کلماتِ اسلام مثلاً کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت، کلمہ تمجید و توحید وغیرہ پر اعتقاد رکھنا بہرحال ضروری ہے۔ اور ان کو پڑھتے رہنا موجب برکت و ثواب ہے ایک دفعہ پڑھنا علی سبیل الاقرار فرض ہے آپ نے جو الفاظ یاد کئے ہیں اور جو موجودہ کمانہ دل میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ پائے جاتے ہیں یہ

اختلاف کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے کہ جس سے معانی یا مفہومات بدل جائیں یا الٹ ہو جائیں۔ لہٰذا جو الفاظ آپ کو یاد ہیں وہی پڑھتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

رقمہٗ محمد عبداللہ غفرلہٗ ۱۵ ر شعبان ۱۳۶۸ھ

الجواب صحیح : خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان۔

جمہور امت کے نزدیک مہدی شخص معین ہیں

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تجدید و احیاء دین کتاب جو کہ مولانا مودودی صاحب کی تصنیف ہے اس میں جو امام مہدی رضؓ کا باب ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام اور علماء عظام کے دونوں گروہ مہدی کے بارے میں غلطی پر ہیں۔ مہدی کو اپنے مہدی ہونے کی خبر بھی نہ ہوگی۔ حضرت مہدی کی وفات کے بعد ان کے کارناموں کو دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہی مہدی تھا جس کا ذکر حدیثوں میں آتا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ نعروں اور پھونکوں سے فتح نہیں ہوگی بلکہ تلوار سے فتح ہوگی۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ابھی تک مجدد کامل کا مقام خالی ہے۔ یہ تین باتیں امام مہدی کے باب میں ہیں۔ کیا یہ شریعت کے موافق ہیں یا مخالف۔ ان کے مناسب جو حدیثیں ہیں صحیح حدیثیں بمعہ راوی تحریر فرمائیں۔ اور ان کے مخالف جو حدیثیں ہیں وہ صحیح حدیثیں بھی بمعہ راوی تحریر فرمائیں۔

الجواب: امام مہدی کے متعلق مودودی صاحب کا یہ خیال ہے کہ مہدی شخص معین نہیں ہے بلکہ ایک وصفی لقب ہے جو کہ عادل خلفاء اور ائمہ کے متعلق حدیث میں مذکور ہے۔ اور اسی پر یہ بناء قائم کی گئی ہے کہ جب وہ معین شخص نہ ہوئے تو اس کا علم ہونا بھی مسلمانوں کو ضروری نہیں ہے کہ یہ وہی مہدی ہیں جن کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ اب قابل غور بحث یہ ہوئی کہ امام مہدی شخص معین ہیں جن کے متعلق پیش گوئی کی گئی ہے یا لقب وصفی ہے؟

جمہور اہلسنت جو فرماتے ہیں کہ امام مہدی شخص معین ہیں، وہ ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔

۱ : عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المهدی منی اجلی الجبهة اقنی الانف یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا ویملك سبع سنین۔ (رواه ابوداؤد : ج ۲ : ص ۲۴۰)۔

۲ : عن ام سلمة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربًا الی مكة فیأتیه ناس من اهل مكة فیخرجونه وهو كاره فیبایعونه بین الركن والمقام الخ

(رواه ابوداؤد : ج ۲ : ص ۲۴۰)

اس مضمون کی اور حدیثیں بھی کثرت سے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی معین شخص کا نام ہے ، لقب وصفی " نہیں ۔ اور ان کے امام ہونے کا علم ان کی زندگی میں ہو جائے گا ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳ ر شعبان ۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ۲۴ ر شعبان ۱۳۶۹ھ

ہر طرح کا عمل لکھے جانے پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے

ملائکہ کو انسان کی آنکھوں کے عمل کا اندازہ کس طرح ہوتا ہے کہ یہ گناہ کی نظر سے دیکھ رہا ہے ؟ نیز اس ناچیز کے اندر مرض ہے کہ کسی حسین پر اچانک نظر پڑ جائے تو دل پر شدید اثر ہو جاتا ہے ۔ اور تقاضائے نفس دوبارہ دیکھا جائے تو سخت نقصان محسوس ہوتا ہے ؟

الجواب روح المعانی ، ج ۲۶ ، ص ۱۸۰ ۔ میں ہے ۔

وفی شرح الجوهرة للقانی مما یجب اعتقاده ان الله تعالی ملئكة یكتبون افعال العباد خیراً او شراً قولاً كانت او عملاً او اعتقاداً همّا كانت او عزما او تقریرا اختارهم سبحانه لذلك فهم لا یهملون من شأنهم شیئًا فعلوه قصدا او تعمدا او ذهولا او نسیا نا صدر منهم فی الصحة او فی المرض كما رواه علماء النقل والروایة انتهی۔

حاصل یہ کہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے کراماً کاتبین بندوں کے تمام اعمال کو لکھتے ہیں ، خواہ وہ اعمال دل کے ہوں یا اعضاء وجوارح کے ہوں ۔ اور اعضاء وجوارح کے اعمال تو خود کراماً کاتبین جان لیتے ہیں ۔ کما فی التفسیر الكبير والجواب عن الثالث ان غاية ما فی الباب تخصیص هذا العموم بافعال الجوارح وذلك غیر ممتنع ، ج ۸ : ص ۳۴۔

البتہ اعتقادِ قلبی پر علم کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے ان کیلئے علامت مقرر ہے جس سے ان کو پتہ چلتا ہے کہ اس بندہ کے دل میں یہ ہے ۔

كما فی تفسیر روح المعانی ویكتبان كل شیء فی الاعتقاد والعزم والتقریر حتی الانین فی المرض الی قوله ویجعل الله لهما امارة علی الاعتقاد القلبی ونحوه ۔ ج ۲۶ : ص ۶۵ ۔ فقط والله اعلم ۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۱۲ ر ۲ ر ۱۳۸۹ھ

جو نظر غیر اختیاری ہو وہ معاف ہے ۔ اور جو اختیاری ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ہمت کر کے

بچا جائے۔ والجواب صحیح۔ خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان

یزید کے بارے میں عادلانہ رائے کیا مندرجہ ذیل حوالہ جات صحیح ہیں؟

۱: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم۔ (بخاری ج ۱ ص۴۱۰)

شارح بخاری علامہ قسطلانی رح نے فرمایا ہے۔ فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانہ اوّل من غزا البحر ومنقبۃ لولدہ لانہ اوّل من غزا مدینۃ قیصر حاشیہ بخاری ص۴۱۰

علامہ ابن کثیر رح لکھتے ہیں۔ کان الحسن یفد الی معاویۃ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ وکان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیۃ مع ابن معاویۃ یزید۔ (البدایہ ج۸ ص۱۵۱)

اور یہی علامہ رح اور جگہ یوں لکھتے ہیں۔ وکان ابو ایوب انصاری فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصی وھو الذی صلی علیہ اھ (البدایۃ ، ج ۸ ، ص۵۹)۔

علامہ طبری نے لکھا ہے۔ وتوفی ابو ایوب الانصاری عام غزا یزید بن معاویۃ القسطنطنیۃ فی خلافۃ ابیہ وقبرہ باصل حصن القسطنطنیۃ۔ (طبری ، ج ۱۱ ، ص۱۶)

امام غزالی حجۃ الاسلام ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں۔

ویزید صح اسلامہ وماصح قتل الحسین ولا رضاہ بہ واما الترحم فجائز بل یستحب بل ھو داخل فی قولنا اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات فانہ کان مؤمنا (وفیات الاعیان لابن خلکان ، ص۴۶۵)۔

علامہ ابن تیمیہ رح مطاعن یزید کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فان الرجل کان ملکا من ملوک المسلمین وخلیفۃ من خلفاء الملوک۔ (منہاج السنۃ ، ج ۲ ، ص۲۴۷)۔

الجواب طبری اور وفیات الاعیان کی عبارت کے علاوہ باقی تمام عبارات ہمیں مل گئی ہیں ان عبارتوں سے واقعی یزید کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ اور جو غلطیاں یزید سے صادر ہوئی ہیں انہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا چنانچہ بخاری ص۴۱۰ کے حاشیہ پر جہاں یہ لکھا ہے کہ فی ہذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ الی ومنقبۃ لولدہ اسکے آگے یہ بھی لکھا ہے مغفرت مشروط ہے اس شرط کیساتھ کہ وہ اہل مغفرت میں سے بھی ہوں۔ اسلئے اہلسنت کا طریق راہ اعتدال کو اختیار کرنا ہے۔ نہ تو یزید پر لعنت کیجائے نہ ہی برا بھلا کہا جائے اور نہ سب وشتم کیا جائے۔ نہ ہی یہ کوشش کیجائے کہ اسے اپنے رتبہ سے بڑھا کر خلیفہ راشد قرار دیا جائے اور نہ ہی حضرت حسین رض کو باغی کہا جائے اور نہ انکی تنقیص کیجائے جیسا کہ بعض لوگ شیعہ کیخلاف ضد میں آکر کہہ جاتے ہیں۔ سلامتی کی بات یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں جو اختلافات ہوئے انکو موضوع بحث نہ بنایا جائے اور نہ ہی انمیں کوئی رائے زنی کیجائے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد عبد اللہ عفر لہ ۱۶ شعبان ۱۳۹۰ھ

درود شریف پہنچائے جانے کے بارے میں ایک سوال کا جواب

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس میں کہ دیوبندی حضرات کے اس عقیدہ کے تحت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور عام آدمیوں میں کوئی فرق نہیں ۔ وہ عقیدہ یہ ہے کہ دیوبندی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام روضۂ اقدس سے کسی قدر فاصلہ سے پڑھا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے ۔ بلکہ فرشتوں کے ذریعے پہنچتا ہے ۔ گویا دیوبندیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ سماعت کو محدود کر دیا ہے ۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے واقعات ایسے ہیں کہ ان کی قوتِ سماعت محدود نہیں ہے ۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضؓ کی آواز "یا ساریۃ الجبل" حضرت ساریہ رضؓ نے اتنی دور سے سنی، بہت دور کا فاصلہ تھا ۔ اسی طرح بزرگوں کے ہزاروں واقعات ہیں ۔ ایک جگہ بیٹھے ہزاروں میل دور سے بات سن لیتے ہیں ۔ تو پھر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ قائم کرنا کیسے درست ہے کہ دور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن نہیں سکتے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب واللہ الموفق وہو الہادی

احکام شرع کی مختلف قسمیں ہیں ۔

۱ ۔ بعض وہ ہیں جن میں غور و فکر کی فی الجملہ گنجائش ہے اور مخصوص حالات میں بعض قیود کے ساتھ انسان کو اپنی رائے کے مطابق عمل کی بھی اجازت ہوتی ہے ۔

۲ ۔ اور بعض احکام وہ ہیں کہ جن کے بارے میں کسی کی رائے و فکر کو قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا بلکہ صاحب شرع سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ہی واجب العمل تصور کیا جاتا ہے ۔ خواہ اس کو ذہن قبول کرے یا نہ ۔ یہ آخری جملہ میں نے بطور مبالغہ کہہ دیا ہے ۔ ورنہ ایک مسلمان کے لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فرمان نبوی سامنے آئے اور مسلمان کا فکر و ذہن اس کو قبول نہ کرے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب بھی یہ ہے کہ آپؐ کے ارشادات کو واجب الاذعان سمجھتے ہوئے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے اور اس پر کوئی چون و چرا نہ کی جائے ۔

دوسری قسم کے احکامِ شرع وہ ہیں جن کے بارے میں قرآن و حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ ان کی حقیقت یہ ہے ۔

یہ مسئلہ جس کے بارے میں آپ نے شبہات ظاہر کئے ہیں اس قسم میں داخل ہے ۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پاک پڑھے گا اس کو میں سنتا ہوں اور جس نے کسی دور دراز جگہ سے درود بھیجا تو مجھے پہنچایا جاتا ہے ۔ دوسری حدیث میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے زمین میں کچھ فرشتے گشت کرنے والے مقرر فرما رکھے ہیں جو میرے امتی کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔
پس اس مسئلہ کا فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما چکے ہیں۔ اس لئے ایک سچے مسلمان کو چاہیئے
کہ وہ اسی پر ایمان لائے، اسی کو حق سمجھے اور کسی شک وشبہہ کو اپنے سینہ میں جگہ نہ دے۔ خواہ اس کا فہم
نارسا اس کو قبول کرتا ہو یا نہ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر نبی کی بات ماننا بھی اپنے قبولِ فہم پر موقوف رکھا جائے
تو فرمانِ نبوی اور ایک عامی کی بات میں فرق ہی کیا ہوگا۔ کیونکہ جب کوئی بات سمجھ میں آجاتی ہے اور فہم
اسے قبول کر لیتا ہے۔ تو اسے تو بہرحال ماننا ہی پڑے گا۔ خواہ اس کے کہنے والا کوئی ہو، نبی ہو یا غیر
نبی۔ اگر پیغمبر علیہ السلام کے فرمان کو بھی ویسے ہی مانا جائے گا تو ایک عام آدمی کی بات اور نبی کی بات
میں کیا فرق ہوگا۔ اور پھر پیغمبر پر ایمان لانے کا کیا معنی؟

القصہ جس مسئلہ پر آپ کو شبہات ہیں وہ کسی کا من گھڑت نہیں بلکہ وہ حدیث میں مصرح ہے
جب کہ حدیث کا ترجمہ اوپر نقل کیا گیا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔ پس اسے تسلیم کر لینا
چاہیئے۔ اور اپنے فہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک اور عالی فہم مبارک کو برتر سمجھتے ہوئے آپ کے
ارشاد پر ایمان لانا چاہیئے۔ یہ تو اصل مسئلہ تھا اس کی تفہیم کے سلسلہ میں ہم فرض سے سبکدوش ہو گئے
ماننا نہ ماننا آپ کے ذمہ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفی عنہ

الجواب صحیح

عبد اللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۶ / ۸ / ۱۳۸۰ھ

آنحضرت علیہ السلام کے نور کو نورِ خداوندی کا جزء کہنا صحیح نہیں

الاستفتاء۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید نے
اپنی تقریر میں کہا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نور سے جدا کئے گئے ہیں چنانچہ
بائبل اور تواریخ کلیسا میں اس طرح مذکور ہے۔ اور اہلِ تشیع کا عقیدہ ہے کہ پنجتن پاک اللہ تعالیٰ
کے نور سے جدا کئے گئے ہیں اور بریلوی حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور
سے جدا کئے گئے ہیں۔ تو گویا کہ یہ تینوں حضرات نور کے عقیدے میں برابر ہیں۔ جبکہ زید کا یہ عقیدہ ہے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے جدا نہیں کئے گئے یعنی نور مجسم نہیں بلکہ نور ہدایت ہیں تو اس
عقیدے کے پیش نظر زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جو لوگ محض پارٹی بندی
اور تعصب کی وجہ سے تارکِ جماعت ہو رہے ہیں ان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو
جو لوگ جماعت میں شریک ہوتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو سب اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا یہ نور مخلوق تھا۔ اس نور کو اللہ تعالیٰ کے نور سے جزئیت حاصل نہیں۔ یعنی نور محمدی اللہ تعالیٰ کا جزء نہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نور محمدی اللہ تعالیٰ کا جزء ہے تو اس کا یہ عقیدہ واقعی مشرکانہ ہے اور عیسائیوں کے مشابہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت بھی ہیں یعنی آپ کے ذریعہ سے خلق خدا کو ہدایت حاصل ہوئی۔ اور جسمانی طور پر بھی آپ کے وجود اطہر میں کافی نور شامل ہے جیسا کہ احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ اور یہ نورانیت آپ کی بشریت کے بھی منافی نہیں۔ نور محمدی کو نور خداوندی کا جزء کہنے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم

عبداللہ غفرلہ — ۱۱ / ۲ / ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

ثناء پیغمبر علیہ السلام میں حد سے تجاوز کرنے کا حکم

ایک صوفیانہ محفل وجود میں آئی۔ اس میں ایک نعت پڑھی گئی اس کے دو اشعار درج ذیل ہیں۔

اے گل کوئی یار خطا دی نہیں خدا تو نہیں پر جدا بھی نہیں
آپ ہیں احمد بن کے حمد کرے محمد نام دھرایا ہے
بن صورت دے رب نہیں لبھدا شکل نورانی مکھ رب دا
اوجے نہ ہوندا نہ رب ہوندا لولاک خدا فرمایا ہے

زید کہتا ہے کہ آخری مصرع میں جملہ "اوجے نہ ہوندا" یہ جملہ کفریہ ہے اس میں خدا تعالیٰ کو مخلوق سمجھا گیا ہے۔ لیکن بکر کہتا ہے کہ اس جملہ میں مجاز مرسل ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات مراد نہیں بلکہ اس کی ربوبیت کا اظہار مراد ہے۔ تو کیا یہ اشعار شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب اشعار مذکورہ انتہائی غالیانہ اور خلاف شریعت مضمون پر مشتمل ہیں تاویل نہ کی جائے تو موجب کفر ہیں۔ مگر فتوے اکفار میں چونکہ احتیاط کی جاتی ہے لہذا قائل اور معتقد کو کافر نہ کہا جائے گا۔ زید اس بارے میں صادق ہے۔ ان اشعار کا خلاف شریعت مطہرہ ہونا ظاہر ہے دلائل کی حاجت نہیں۔ بطور تنبیہ چند الفاظ اس بارے میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

شعر اول مصرع ۲ موہم حلول و اتحاد ہے حالانکہ خداوند قدوس کا کسی مخلوق کے ساتھ متحد ہونا یا اس میں حلول کر جانا ہندوؤں اور عیسائیوں کا بدنام زمانہ مشرکانہ عقیدہ ہے اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں۔ قرآن پاک نے اس عقیدہ کو کفر قرار دیا ہے۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو

المسیح ابن مریم (مائدہ پ۶) نام نہاد مسلمانوں کے ساتھ حق تعالیٰ سبحانہ کا نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک کوئی نسبی رشتہ نہیں کہ جس کی بدولت ایک امر نصاریٰ کے حق میں کفر ہو اور جاہل بے باک مسلمانوں کے حق میں موجب کفر نہ ہو۔ ایسے اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث ناراضگی ہیں۔

آخری مصرع کا " ادسجے نہ ہوندا " کا خلاف شریعت ہونا اظہر من الشمس ہے۔ فقط

الجواب صحیح — واللہ اعلم

محمد عبداللہ غفرلہٗ — بندہ عبدالستار نائب مفتی

داڑھی کی توہین سے سلب ایمان کا اندیشہ ہے

احقر نے اپنی بھتیجی جو کہ بیوہ ہے اس کا نکاح حضرت کے حکم پر ایک صالح پابند صوم وصلوٰۃ شخص کے ساتھ کردیا۔ اور نکاح میاں صاحب نے پڑھایا۔ اس دوران نکاح کے روز ایک شخص نے میاں صاحب کے حق میں گستاخانہ الفاظ کہے بلکہ داڑھی پر خصوصاً طنز یہ فقرہ کہا " یہ مونچھاں پانچسے اڑ جانے گی " یہ بات اس نے حجام سے مخاطب ہو کر میاں صاحب کو دیکھ کر کہی پھر تھوڑی دور جاکر ایک اور شخص جو کہ اس کا ماموں ہے سے مخاطب ہو کر کہا کہ " داڑھی ہیجبر آگیا ہے آپ ان کو نکاح کرانے دیں "۔

الجواب یہ کلمات سخت گستاخانہ ہیں۔ قائل کے سلب ایمان کا اندیشہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار نائب مفتی۔

محمد عبداللہ عفرلہٗ

دانستہ کربلا کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا کفر ہے

جو کربلا کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے۔ کلمہ علی رضہ کا پڑھتا ہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللّٰہ علی رسول اللّٰہ، جب کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک اکابر قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے تم بھی ایسا کرو۔ جواب دیتا ہے کہ میرا دل یوں ہی چاہتا ہے۔ یہ مسلمان ہے یا نہ، اس سے کیا برتاؤ کیا جائے؟

الجواب بر تقدیر صحت واقعہ مذکور سب کلمہ توحید میں " محمد رسول اللہ " کی بجائے " علی رسول اللہ " پڑھتا ہے اور نماز بھی قبلہ کی طرف نہیں پڑھتا ہے۔ تو پھر یہ شخص کافر ہے۔ اس کے ساتھ برتاؤ مسلمانوں والا نہیں کرنا چاہئے جب تک وہ تجدید ایمان نہ کرے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ وفی الفتاوی رجل صلی الی غیر القبلۃ متعمدا نوافق ذلک الکعبۃ قال ابوحنیفۃ رح ھو کافر باللّٰہ۔ فقط۔ واللّٰہ اعلم۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس

بندہ محمد اسحاق
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

ائمہ مذہب سے نفیِ سماعِ موتیٰ صراحۃً منقول نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ امام صاحب وصاحبین تینوں امام اپنی تحقیق میں عند القبر سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ ائمہ ثلاثہ رح سے صراحۃً نفیِ سماعِ نقلِ صحیح سے باوجود کثرت تتبع کے نظر سے نہیں گزری حضرت العلامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی قریب قریب ایسے ہی منقول ہے ۔ سیما اذا لم ینقل عن احد من ائمتنا رحمہ اللہ تعالیٰ ۔ اھ

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ناموں کے ساتھ امام کا استعمال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے نام کے ساتھ لفظِ امام کا استعمال کرنا کیسا ہے ؟ آیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب امام کا معنی ہے " پیشوا ، ومقتدا ۔ " اور اہل السنۃ والجماعت بایں معنی سب صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بلکہ بعض تابعین کو بھی امام سمجھتے اور کہتے ہیں ۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ اہلِ تشیع کی اصطلاح میں " امام " عالم الغیب اور معصوم عن الخطاء کو کہتے ہیں[۱] ۔ بایں معنی کسی بھی صحابی کو امام کہنا درست نہیں ۔ جہاں حضرات حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے اسماء گرامی کیساتھ لفظ امام کو استعمال کرنے سے اس عقیدہ کی طرف ایہام ہوتا ہو وہاں استعمال سے احتراز کریں ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۱
۳ / ۲ / ۹۴ ھ

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

---

[۱] حوالہ کے لئے دیکھئے کتاب " شیعہ " مؤلفہ علامہ سید محمد حسین طباطبائی ، ص ۸۳ ۔
محمد انور

"اللہ رسولؐ تمہاری خیر کرے" کہنے کے بارے میں

ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے حال احوال پوچھتا ہے تو احوال بتانے والا آخر میں کہتا ہے کہ اور خیر ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ اللہ رسولؐ تمہاری خیر کرے۔ کیا یہ جملہ کہنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب یہ جملہ موہم شرک ہے لہٰذا نہ کہا جاوے۔ قادر علی الخیر علی الاطلاق اللہ رب العزت ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور نائب مفتی

الجواب صحیح ، محمد صدیق عفرلہٗ ۲۴/۱۰/۱۳۹۸ھ

آنحضرت علیہ السلام کے تعدد ازواج پر اعتراض کا حکم

زید کا بکر کے سامنے یہ کہنا کہ یہ کہاں کا اصول ہے کہ بادشاہ چاہے جتنی شادیاں کرلے اور قوم کے لئے صرف چار کی پابندی ہو۔ یہ قول زید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں کہا ہے۔ ۱ : زید مذکور اسلام سے خارج ہے یا کہ نہیں ؟ - ۲ : نکاح باقی ہے یا کہ نہیں ؟ اگر نکاح باقی نہیں تو اس کی بیوی کے لئے عدت ہے یا نہیں ؟ - ۳ : اس کی اقتداء جائز ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب چند ضروری حکمتوں اور مصلحتوں[۱] کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج کی اجازت دی گئی جو کہ تعدد ازواج ہی سے پوری ہوسکتی تھیں کسی امتی سے نہ وہ حکمتیں مطلوب ہیں اور نہ ہی وہ پوری ہوسکتی ہیں۔ زید کو چاہئے کہ توبہ و استغفار کرے اور اپنے ایمان و نکاح کی تجدید کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور : ۲۷ شعبان ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

یا اللہ یا محمدؐ لکھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی دیواروں پر شرعًا یا اللہ یا محمدؐ لکھنا جائز ہے یا لازمًا اللہ محمدؐ لکھنا ضروری ہے۔ اگر صرف اللہ محمدؐ لکھ دیا جائے تو کیا یہ شرعًا ناجائز اور گناہ ہے کہ نہیں ؟ اور کیا صرف اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھانے والے کے متعلق گستاخ رسولؐ اور وہابی اور اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کا فتوےٰ لگاسکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب شریعت میں نہ تو اللہ ، محمدؐ ، اور نہ ہی یا اللہ ، یا محمدؐ لکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی شریعت میں ایسا کہیں نہیں ملتا کہ یہ الفاظ مساجد میں ضرور لکھے جائیں۔ لیکن چونکہ ایسا کرنا ممنوع بھی نہیں لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے کہ جن الفاظ کے لکھنے میں کوئی اور مفسدہ لازم نہ آئے وہ جائز ہوں گے۔ اور یا اللہ

---

[۱] ان مصالح کی تفصیل کے لئے دیکھئے ، معارف القرآن ، ج ۲ ، ص ۱۹۳ تا ۱۹۵ - مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ -

یا محمدؐ چونکہ عام طور پر اہل بدعت اپنی مساجد میں لکھا کرتے ہیں۔ اور لفظ " یا " سے اس عقیدے کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی بھی ہر جگہ موجود ہے اور یہ عقیدہ غلط محض ہے اور باطل ہے۔ لہذا ان الفاظ کا لکھنا جائز نہیں۔ اگر کسی کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو مگر جیسے شرک سے بچنا ضروری ہے شائبہ شرک سے بچنا بھی ضروری ہے۔ لہذا جو الفاظ موہم شرک ہوں ان سے بھی اجتناب واجب ہے۔

ب: ناجائز نہیں۔ ج: ایسا کرنے والے پر کفر کا فتویٰ لگانا تعصب، کم عقلی، اور جہالت کی علامت ہے

الجواب صحیح | فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲ رمضان المبارک، ۱۳۹۷ھ۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں تشریف لانا ثابت نہیں اور ماتقول فی ہذا الرجل کا جواب

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں؟ اگر تشریف لاتے ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب الذی بعث فیکم اور اگر نہیں لاتے تو اس کا کیا مطلب ہے ماتقول فی ھذا الرجل پوری تحقیق و تدقیق سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں تشریف لانا روایاتِ صحیحہ سے ثابت نہیں۔ بعض لوگ ماتقول فی ھذا الرجل جیسے الفاظ کی بنا پر اس کے قائل ہو گئے ہیں حالانکہ ان الفاظ سے یہی مراد ہونا محل کلام ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ "ہذا" کا مشار الیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مبارک تصور ہو جو ہر مسلمان کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ ولہ نظائر کثیرۃ۔ یا روضۂ اطہر اور میت کے درمیان حجاب اٹھا دیئے جاتے ہوں اور مردہ زیارت سے مشرف ہو جاتا ہو۔ (پس سوال میں مذکورہ شق ثانی کی بنا پر اسم اشارہ کی توجیہ اس سے خوب ظاہر ہے)۔

والدلیل علیہ ما فی حاشیۃ المشکوٰۃ عن القسطلانی قیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشری عظیمۃ للمؤمن ان صح ذلک ولا نعلم حدیثا صحیحا مرویا فی ذلک والقائل بہ انما استند لمجرد ان الاشارۃ لا تکون الا للحاضر لکن یحتمل ان تکون الاشارۃ لما فی الذہن فیکون مجازا الخ

کشف کے بارے میں بھی علامہ قسطلانی رح کے نزدیک کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری قبر میں یہ تو بعد کی بات ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیرالمدارس ملتان
الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفرلہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۔
۸ شوال ۱۴۰۳ھ

کسی میت کا کفن چبانا اور اس سے کسی کی موت واقع ہونا بے اصل ہے

ہمارے علاقہ میں ایک بات مشہور ہے کہ جب کسی گھر میں اموات بکثرت ہوں تو کہتے ہیں کہ اس گھر کا اوّل میت قبر میں کفن چبا رہا ہے ۔ چنانچہ اس میت کو نکال کر اس کے منہ میں پتھر بھر دیئے جاتے ہیں اور سر میں کیلیں لگائی جاتی ہیں ۔ کیا یہ خیال درست ہے ؟ نیز اس عمل کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب یہ عقیدہ مشرکانہ توہم ہے موت وحیات صرف اللہ تعالے کے قبضہ میں ہے ھو یحی ویمیت میت کے کفن چبانے کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس سے کسی کی موت واقع ہوسکتی ہے ۔ اور بلا عذر شرعی قبر کو اکھیڑنا بھی حرام ہے ۔ بحر الرائق میں ہے ۔

ولا یخرج من القبر الا ان تکون فی الارض المغصوبۃ ۔ اھ
قولہ ولا یخرج الخ ای بعد ما اھیل التراب علیہ لا یجوز اخراجہ لغیر ضرورۃ للنھی الوارد عن نبشہ ۔ قال فی البدائع لان النبش حرام حقا للہ تعالی ۔ (بحر الرائق : ج ۲ : ص ۲۱۰)

لاش نکالنے کے بعد اس میں کیل گاڑنا بھی کسی صورت جائز نہیں ۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیا رواہ مالک وابو داؤد وابن ماجہ مشکوۃ ج ۱ ص ۱۴۹ ۔
قولہ ککسرہ حیا یعنی فی الاثم کما فی الروایۃ قال الطیبی اشارۃ الی انہ لا یھان المیت کما لا یھان الحی وقال ابن الملک والی ان المیت یتألم ۔ قال ابن حجر ومن لازمہ ان یستلذ بما یستلذ بہ الحی انتھی وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ ۔ حاشیہ مشکوۃ ج ۱ ۔ ص ۱۴۹) ۔

اہل علاقہ کو چاہیئے کہ عامۃ المسلمین کو اس مشرکانہ عقیدے سے بچاویں اور شدت سے اس نظریہ

باطل کی تردید کریں اور لوگوں کو مُردوں کے ستانے سے باز رکھیں۔ حدیث میں مرے ہوؤں کو برائی کے ساتھ ذکر کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔ چہ جائیکہ ان کے جسم کو تکلیف دی جائے اور اس میں نبش قبر جیسے فعل حرام کا ارتکاب کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ۲/۱۱ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۹۶ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

میرا مرشد بمنزلہ خدا و رسول ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سے میرے مرشد کے بارے میں بحث ہوگئی۔ کسی بات پر بندہ نے غصہ میں آکر یہ الفاظ کہے کہ میرا مرشد نعوذ باللہ خدا اور رسولؐ کے بمنزلہ ہے۔ فوراً توبہ بھی کرلی۔ مخالفین نے جنہوں نے میری بیوی کو ایک سال سے روک رکھا ہے انہوں نے شور مچایا کہ اللہ دتہ کی بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہیں ؟

تنقیح : "میرا مرشد میرے نزدیک بمنزلہ خدا و رسولؐ کے ہے" اس سے مراد کیا ہے؟ یعنی کس معاملہ میں " میرا مرشد میرے نزدیک خدا اور اس کے رسولؐ کے مانند ہے، جو بھی اس کی مراد ہو لکھ کر بھیج دیں۔

الجواب : شرائع کے اوامر اور نواہی کے بعد مرشد کا امر میرے نزدیک خدا اور رسولؐ کی طرح ہے۔

الجواب: یہ کلمہ بظاہر سخت متوحش ہے لیکن اس تاویل کے بعد موجب کفر نہیں۔ لہذا سائل کی بیوی پر شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور بیوی حرام بھی نہیں ہوئی۔ لازم ہے کہ سائل آئندہ ایسے کلمات سے احتراز کرے۔ فقط۔

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۷ / ۱ / ۱۳۸۰ھ

ڈاکٹر عثمانی ضال و مضل ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مولوی صاحب کے بارے میں کہ جس کا نام کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کیماڑی کراچی ہے۔ جس کے نظریات سے ہم آگاہ نہیں ہیں۔ اہل علم جن میں اہل حدیث، بریلوی حضرات اور علمائے دیوبند بھی شامل ہیں۔ ان کو گم کردہ راہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی تحریر میں حیات النبیؐ کو شرک کہا گیا ہے۔ عذاب قبر اور سوال و جواب کو بھی قبر میں تسلیم نہیں کرتے۔ انہوں نے بہت اختلافی مسائل کے پمفلٹ شائع کر رکھے ہیں۔ زبانی

طور پر علمائے دیو بند کو بھی بے دین اور گمراہ تصور کرتے ہیں۔ اور شرک میں مبتلا تصور کرتے ہیں۔ ممکن ہے آپ نے بھی ان کے کتابچے دیکھے ہوں گے۔ مزید تحریر کی ضرورت نہیں۔ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا فتوے ہے؟ جب کہ پچھلے سال چنیوٹ شہر میں "حزب اللہ" نامی جماعت نے اشتہار بھی شائع کیا تھا جس میں ان کو ملحد اور منکر حدیث اور غلام احمد کے پیروکار تصور کیا گیا تھا۔ نیز ان کے دعوے کے خلاف علماء اہلحدیث نے انہیں منکر حدیث خیال کیا ہے۔ اور زبان سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔

الجواب ڈاکٹر عثمانی گمراہ، گمراہ کنندہ اور قریب بکفر ہے۔ منکرینِ حدیث و ملحدین کی طرح وہ بھی کتب اسلاف کی عبارات کو توڑ مروڑ کر اس سے غلط نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر ان کتب کا حوالہ دے کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ایسے شخص کی محبت سمِ قاتل ہے۔ اور اس کی تصنیفات اور اس کے متبعین سے دور کا رابطہ بھی نہ رکھیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۶/۱۲/۱۴۰۶ھ

مرتد کی توبہ کے شرائط زید عرصہ دراز سے اسلام چھوڑ کر مرزائیت کی طرف ارتداد اختیار کر چکا تھا اب دوست و احباب کے افہام و تفہیم سے مرزائیت سے علیحدگی کا اعلان و اظہار کرتا ہے اور اعلان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرتا ہے۔ مگر مرزا غلام احمد کے متعلق کوئی اظہار نفرت یا اس سے اعلانِ براءت نہیں کرتا۔ اور باوجود اصرار کے یہ کہتا ہے کہ میں کسی کو برا کہنے کیلئے تیار نہیں۔ اب زید کو مسلمان سمجھا جائے یا نہ؟

المستفتی — فاضل حبیب اللہ جالندھری

ناظم جمعیۃ علماء اسلام و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ منٹگمری

الجواب مرزائی کا اسلام میں آنا صرف کلمہ شہادت کے پڑھنے سے اور حضور علیہ السلام کو آخری نبی ماننے سے مکمل نہیں ہوتا اور نہ اس طرح اسے مسلمان سمجھا جائے گا بلکہ اس کی توبہ کے صحیح ہونے اور اسلام لانے کے لئے لازم ہے کہ مرزا قادیانی کی نبوت و مجددیت کا کھلے لفظوں میں انکار کرے اور اس کے کذاب و دجال ہونے کی تصریح کرے تب مسلمان سمجھا جائے گا۔ ورنہ منافقت اور دھوکہ بازی ہے۔ واسلامه ای المرتد ان یأتی بکلمة الشهادة ویتبرأ عن الادیان کلها سوی الاسلام وان یتبرأ عما انتقل الیه اھ۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۱/۷/۱۳۷۱ھ — فقط واللہ اعلم — بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ خداوندی کا جُزء کہنے کا صحیح مفہوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو اللہ تعالیٰ کے نور کا حصہ یا جزء کہنا جائز ہے یا کہ نہیں۔ اور ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کے نور کو اللہ تعالیٰ کے نور کا حصہ یا جزء کہنا جائز نہیں کیونکہ خدا کے نور کی تقسیم نہیں ہو سکتی ۔ کیا یہ قول صحیح ہے ؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ خداوندی کا حصہ یا جزء کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے بالکل منزّہ اور برتر ہیں اور تجزی اجسام کی صفات میں سے ہے نیز جزئیت کا قول ولدیت کے عقیدہ کے مشابہ بن جاتا ہے۔ جس کی تردید قرآن کریم میں بڑی شدومد کے ساتھ کی گئی ہے۔

کما قال تعالیٰ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدًّا ان دعوا للرحمٰن ولدا وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا۔ (مریم)

پس شخص مذکور کا قول صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو "نور من نور اللّٰہ" کہا جاتا ہے یا نور اللّٰہ کہا جاتا ہے یہ اضافت محض تشریفی ہے یہ مطلب نہیں کہ ذات خداوندی سے ایک جزء لے کر اسے ذات نبوی کے لئے مادہ قرار دیا گیا ہو ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

او اضافۃ البیت الی اللّٰہ للتشریف ولھذا المعنی یقال للمسجد بیت اللّٰہ ولنور نبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ خلق من نور اللّٰہ او انہ نور من نور اللّٰہ ولیس معناہ ما تتسارع الیہ افہام العوام من ان اللّٰہ تعالیٰ اخذ قبضۃ من ذاتہ التی ھی نور وجعلہ نور حبیبہ وتکون الذات الالٰھیۃ مادۃ للذات المحمدیۃ تعالی اللّٰہ عن ذالک علوا کبیرًا۔

ذاتِ خداوندی کو مادہ تسلیم کرنے کی صورت میں قدم الحادث لازم آتا ہے۔ کسی حادث کیلئے ذات قدیم مادہ نہیں بن سکتی۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "ذاتِ الٰہی ذاتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مادہ نہیں ہے کیونکہ حادث کا مادہ قدیم نہیں ہو سکتا۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ، ج ۲ ، ص ۲۴۴)۔

واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نورانیت آپ کی بشریتِ مطہرہ کے منافی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر و سیّد البشر ہونے کے باوجود اس نورانیت سے موصوف ہیں۔ پس اس نورانیت کی بناء پر انکارِ بشریت جائز نہیں ہے۔ ورنہ نص قرآنی قل انما انا بشر مثلکم کا انکار لازم آئے گا۔ اور حضرات فقہاء کرام نے اس عقیدہ بشریت کو شرائط صحتِ ایمان قرار دیا ہے جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آپ کی بشریتِ مطہرہ کا اقرار و اعتراف کئے بغیر آپؐ پر ایمان لانا ہی معتبر و صحیح نہ ہو۔ علامہ طحطاوی رح شرح مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں۔

ویشترط لصحة الایمان به صلی الله علیه وسلم معرفة اسمه اذ لا تتم الابه وكونه بشرا من العرب وكونه خاتم النبيين اتفاقا لورود ذلك بالقواطع المتواترة۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ — ۲۹/۶/۱۳۸۶ھ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

"علیہم السلام" انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے

۱: بعض کتابوں میں حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ، اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اور علی اصغر شہید کے ناموں کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا ہوتا ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

۲: کیا پیغمبروں کے علاوہ اور کسی بزرگ کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ۱-۲: انبیاءؑ کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ "صلوٰۃ و سلام" کے الفاظ لکھنا اور پڑھنا مستقلاً درست نہیں۔ البتہ انبیاءؑ کی تبعیت میں پڑھنا جائز ہے۔ کما فی الشامیۃ ج ۵ - ص ۲۶۳۔

قوله وكذا لا يصلى احد على احد استقلالا اما تبعا۔ كقوله اللهم صلى على محمد وعلى اله واصحابه" جاز اى قوله وفى خطبة شرح الجبير فمن صلى على غيرهم اثم ويكره وهو الصحيح۔ "ولا يقال على عليه السلام" ـــــــ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

اہل بدعت کی تکفیر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء اہل السنۃ والجماعت دریں امر کہ مسائل متنازعہ فیہا مابین الدیوبندیہ والبریلویہ میں علمائے بریلوی اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو کافر کہنا صحیح ہے یا نہیں ؟ اگر صحیح نہیں تو پھر ایک جماعت کثیرہ علماء کی جو کہ اپنے آپ کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرتی ہے اور اپنی تحریر و تقریر میں اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ ایسے عقیدہ والے لوگ پکے کافر ہیں ان کا کوئی نکاح نہیں۔ اور جو ایسے عقیدہ والوں کو ان کے عقیدہ پر مطلع ہونے کے باوجود کافر نہ کہے انہیں بھی ویسا ہی کافر کہتی ہے۔ کیا علماء دیوبند اس امر میں متفق ہیں یا نہیں ؟ مذکورہ بالا حضرات سماع موتیٰ خصوصاً حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی منکر ہیں۔

ب : حدیث فتجلی لی کل شیٔ کو بجائے کسی محمل صحیح پر محمول کرنے کے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ج : ندائے غیب کو مطلقاً شرکِ حقیقی تصور کرتے ہیں اگرچہ بایں خیال ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں کسی ذریعہ سے سنا دے خواہ بذریعہ کشف یا بطریق آخر۔

د : نذر غیر اللہ کو اگرچہ ناذر کا مقصد ایصالِ ثواب ہو اور بوجہ جہالت الفاظ میں غلطی کرے، اس کو صریح شرک اور ناذر کو مشرک اور مرتد کہتے ہیں۔

الجواب جو لوگ اہل بدعت کو کافر کہتے ہیں یہ ان کا ذاتی مسلک ہے تکفیرِ مبتدعہ کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرنا بہتانِ صریح ہے۔ حضرات علماء دیوبند کا مسلک ان کی تصنیفات اور رسائل سے واضح ہے۔ انہوں نے ہمیشہ مسائل تکفیرِ مسلم کے بارہ میں کافی احتیاط سے کام لیا ہے۔ مرزائیہ اور غلاۃ روافض کے علاوہ اہل بدعت کو انہوں نے کافر نہیں کہا۔ یہ جو مسائل سوال میں مذکور ہیں ان کے اندر تاویلات کی گنجائش ہے جن کی وجہ سے تکفیرِ مسلم کے بارے میں احتیاط لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

۱۴ : ۲ : ۱۳۷۱ھ

مؤمن کی عزت کعبہ سے زیادہ ہے

کیا اللہ جل شانہٗ کے نزدیک مومن کی شان و عزت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے ؟ کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شامل ہیں ؟

الجواب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً[له] منقول ہے کہ مؤمن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ معظمہ سے زیادہ ہے۔ وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ نظر یوماً الی الکعبۃ فقال ما اعظمک وما اعظم حرمتک والمؤمن اعظم حرمۃ عند اللہ منک رواہ الترمذی وابن حبان فی صحیحہ۔ (الترغیب والترہیب ج۳ ص۱۶۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔
۲۸ ــــ ۱۱ ــــ ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

صبی عاقل کا ارتداد معتبر ہے نابالغ لڑکا جو کہ عاقل ہے اور شرح جامی وغیرہ پڑھتا ہے اگر کلمہ کفر کہے تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو بالغ کا ہے یا کچھ فرق ہے۔

الجواب عاقل لڑکے کا ارتداد معتبر ہے۔ اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا لیکن انکار کی صورت میں بالغ کی طرح اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ واذا ارتد الصبی فارتدادہ ارتداد عند ابی حنیفۃ ومحمد ویجبر علی الاسلام ولا یقتل اھ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

ایمان و اسلام میں فرق کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ مسلم اور مومن میں ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کوئی فرق ہے یا نہیں۔ قرآن پاک کی اس آیت وقالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا الآیۃ سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومن اور مسلم میں فرق ہے۔ اگر نہیں تو یوں لکھنا کہ امیر المسلمین صدیق اکبرؓ اور امیر المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب اسلام اور ایمان میں باعتبار حقیقت کے فرق ہے۔ اگرچہ درجۂ کمال میں پہنچنے کے بعد یہ باہم متساوی و متلازم بھی ہیں۔ کما علیہ المحققون لیکن چونکہ امیر المومنین

[له] واخرجہ ابن ماجہ فی سننہ عن ابن عمر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبۃ ویقول ما اطیبک واطیب ریحک ما اعظمک واعظم حرمتک والذی نفس محمد بیدہ لحرمۃ المؤمن اعظم عند اللہ حرمۃ منک (ص ۲۹۰: مطبوعہ اصح المطابع)۔

ایک خالص مذہبی اور شرعی منصب پر فائز ہونے والے شخص کا نام اور لقب ہے لہذا اس میں کسی قسم کے تصرف کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اسے امیر المسلمین سے بدل دیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیث "لانبی بعدی" کے منافی نہیں

کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں آپ کے بعد نبوت کا دعوےٰ کرنے والا اور اس دعوے کو تسلیم کرنے والا مؤمن ہے یا کافر؟

۲ : کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں ۔ اور آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے تو بحیثیت نبی کے یا امتی کے ۔

الجواب ۱ : حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں ان کے بعد نبوت کا دعوےٰ کرنیوالا خواہ کسی قسم کا ہو کافر ہے ۔ اسی طرح وہ شخص جو اس دعوئے نبوت پر ایمان لائے وہ بھی کافر ہے ۔

۲ : حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں ۔ اور قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے ۔ ان کی تشریف آوری یقینی ہے ۔ مرزائی جو دھوکہ دیتے ہیں کہ ان کی تشریف آوری حدیث " لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ " کے مخالف ہے ۔ غالباً اس کے ماتحت آپ نے یہ سوال تحریر فرمایا ہے کہ وہ نازل ہوں گے تو بحیثیت نبی کے ہونگے یا امتی کے ؟

جناب والا ! اس سوال کو مرزائی یوں رنگ دے کے بیان کرتے ہیں کہ اگر نبی ہوکر آئیں گے تو ختم نبوت باطل ہوتی ہے اور اگر معزول ہوکر آئیں گے تو ایک پیغمبر کا نبوت سے معزول ہونا لازم آتا ہے ۔ یہ ایک اغلوطہ، اور دھوکہ ہے اس کو ہم اس مثال سے واضح کرتے ہیں کہ ایک صوبہ کا وزیر اعلیٰ دوسرے صوبہ کے اندر جاتا ہے جہاں دوسرے وزیر اعلیٰ کی حکومت ہے ۔ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ وزیر اعلیٰ جو دوسرے صوبہ میں گئے ہوئے ہیں اپنی وزارت سے معطل ہوکر اپنے عہدہ سے گر گئے ہیں ۔ یا یہ کہنا درست ہے کہ یہ وزیر اعلیٰ اپنے علاقہ کے حاکم اور افسر اعلیٰ ہیں ایک مقصد اور کام کے سلسلہ میں دوسرے صوبہ میں گئے ہیں ۔ جتنے دن دوسرے صوبہ میں رہیں گے وہاں کی حکومت اور قوانین کا احترام ان پر لازم ہوگا ۔ باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے عہدہ اور اعزاز کو بھی اپنے اندر باقی رکھے ہوئے ہیں اور اس سے کسی صورت میں معزول نہیں ۔

محترم ! اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سابقہ انبیاء میں سے ہیں اپنے عہدہ اور اعزاز پر قائم ہیں ان کا اپنے عہدہ سے معطل ہونا لازم نہیں آتا ۔ اور نہ ان کے آنے سے ختم نبوت پر اثر پڑتا ہے ۔ کیونکہ وہ تو پہلے کے نبی ہیں ۔ مکانِ نبوت میں ان کا پہلے سے مقرر شدہ درجہ و منصب ہے ان کا آنا اس امت میں ایک سبب اور مقصد کے لئے ہوگا اور وہ ہے قتل دجال ۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے ۔ وہ تشریف لانے کے بعد نبی ہوتے ہوئے قانونِ محمدیہ کا اتباع کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے ان کا آنا " لانبی بعدی " کے منافی نہیں ۔ کیونکہ " لانبی بعدی " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ملنے کی نفی کرتا ہے ۔ ان کو تو پہلے سے نبوت ملی ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو نبوت نہیں دی جارہی ۔ اور دجال قادیانی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے اوپر نبوت کے نزول کا مدعی ہے جو تمام اسلامی اجماعی عقیدہ کے منافی ہے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے ماتحت کہ

" لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون کلھم یزعم انہ نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی ۔

کا استعمال ان لوگوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ رواہ ابوداؤد والترمذی ۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوئے نبوت کرتے ہیں ان کو دجال بھی کہا گیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی سابقہ نبی کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں ۔ یہ جو وزیر اعلیٰ کی مثال دی ہے بطور توضیح مثال دی ہے کہیں کوئی شخص اس تشبیہ کو حقیقت نہ سمجھ لے اور اعتراض شروع کر دے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۶/۶/۱۳۷۱ھ	خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان ۵/۶/۱۳۷۱ھ

رفعِ عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن سے ثبوت

زید اذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک الآیۃ کی تفسیر کا بیان ان الفاظ سے کرتا ہے کہ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے حیاتِ مسیح اور رفع الی السماء قطعی طور پر ثابت نہیں ہے ۔ قرآن مجید کی مختلف آیات سے یقین نہیں البتہ ظن کے درجہ میں یہ امر ثابت ہے ۔ کیونکہ صریح نص قطعی اس امر میں واقع نہیں ہے ۔

عمرو کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود زید اپنے خیال پر جما رہتا ہے ۔ آخر میں تنگ آ کر کہتا ہے کہ عقیدہ تو میرا بھی وہی ہے لیکن قرآن مجید سے یہ چیز قطعی الثبوت نہیں بلکہ ظنی ہے ۔ اس کی صراحت احادیث میں موجود ہے ۔ عمرو کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک ہو کر زید کو اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں لیکن زید اپنے خیال پر بضد قائم ہے مسئلہ کی صورت مسئولہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے زید کے متعلق شریعت بیضاً

کیا فیصلہ صادر فرماتی ہے ؟

الجواب رفع الی السماء قرآن سے قطعاً ثابت ہے "ورافعك إلیّ" - "بل رفعه الله الیه" ثبوتِ قطعی ہے اور ہر دو آیت کی دلالت "رفع الی السماء" پر اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ امتِ محمدیہ کا اجماع باطل امر پر نہیں ہو سکتا۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ "رفع الی السماء" قرآن سے ثابت نہیں وہ سخت غلطی پر ہے۔ اس کو قرآن و حدیث کے علم سے ذرا بھی مس نہیں ہے اور نہ اسے اجماع کا علم ہے لیکن اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرا عقیدہ بھی تمام مسلمانوں کے ساتھ متفق ہے یعنی حیات عیسیٰ علیہ السلام اور رفع الی السماء کا قائل ہے گو احادیث کی بناء پر ہی سہی تو اس کو کافر نہ کہا جاوے گا۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات ملحوظ ہوں۔

۱ : حافظ ابن کثیر رح نے سورۂ نساء کی تفسیر میں اجماعِ امت نقل کیا ہے کہ احادیثِ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام متواتر ہیں۔

۲ : امام ترمذی رح نے عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنے کے سلسلہ میں پندرہ صحابہ رض کی روایات کا حوالہ دیا ہے۔

۳ : حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا تواتر نقل کیا ہے ابی الحسین آسیری سے۔

۴ : تلخیص الحبیر کتاب الطلاق میں لکھا ہے اما رفع عیسی علیه السلام فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی أنه رفع ببدنه حیًا۔

۵ : حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور رفع الی السماء بالجسد لازم و ملزوم ہیں۔

یہ اشارات ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ "عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام" فقط والسلام۔

الجواب صواب	۱۵/۵/۱۳۷۱ھ	بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ
خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان		خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

قطعیات کا منکر کافر ہے جو شخص سیدنا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرتا ہے حالانکہ ان کی صحابیت نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ یا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی ہوئی تہمت کو حق سمجھتا ہے حالانکہ ان کی براءت بھی نصِ قطعی سے ثابت ہے یا تحریفِ قرآن کو حق جانتا ہے۔ حالانکہ قرآن میں آتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون ایسا شخص کافر ہے یا فاسق۔ بینوا و توجروا عند اللہ۔

الجواب منکر صحبت صدیق رض۔ مصدق قذف بر عائشہ رض اعاذنا اللہ منہا۔ اور قائل تحریف قرآن کافر ہے ومن شك فی کفره فهو کافر ایضًا بهذا ظهر ان الرافضی ان کان ینکر

صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة ۔ (شامیہ ج ۲ ص ۲۹۸) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷ / ۶ / ۶ / ۱۴۰۱ھ

علی اللہ رزقہا میں ذمہ تفضلی ہے

قرآن مجید کی آیت وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا میں باری تعالیٰ پر ذمہ تفضلی ہے یا غیر تفضلی؟ تصریح فرماکر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب جمہور اہل السنۃ کے مسلک کے مطابق اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ یہ حق تعالیٰ کا احسان وکرم ہے۔ تفسیر مظہری ج ۵ ص ۵۵۔ میں مذکورہ آیت کے تحت مرقوم ہے۔ لتکفلہ ایاھا تفضلا ورحمۃ وانما اتی بلفظ الوجوب تحقیقا لوصولہ وحملا علی التوکل فیہ اھ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹ / ۱۲ / ۱۳۸۷ھ

حالت اضطرار میں کلمۂ کفر کہنا جائز ہے

ایک امام مسجد نے جمعہ میں تقریر کرتے ہوئے اپنے اعتقاد کا اظہار کیا کہ بوقت اضطرار کلمۂ کفر کہنا جائز ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ شیخ سعدی رح نے ہندوستان کے سفر میں سومنات کے سامنے کفر کیا اور بتوں کو سجدے کئے؟

الجواب یہ مسئلہ صحیح ہے بوقت اضطرار کلمۂ کفر کہنا بشرطیکہ دل میں ایمان موجود ہو جائز ہے۔ اس سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔ یہ مسئلہ قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ اصغر علی غفرلہ

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۳ / ۱۱ / ۱۳۷۸ھ

استحلال معصیت کفر ہے

دینی کتب میں آتا ہے "استحلال المعصیۃ کفر" اس کا کیا مطلب ہے اور اس سے مراد کون سی معصیت ہے؟

الجواب وہ حرام کام جس کی حرمت قطعی ہو اور نص قطعی سے ثابت ہو اس کو حلال سمجھنا۔ جیسے کوئی شراب اور سود خوری کو حلال سمجھے ایسا استحلال معصیت کفر ہے۔

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ ۱۱ / ۵ / ۱۳۷۷ھ

ایسی سرخی قائم کرنا جس سے توہین خدا کا شبہ ہو جائز نہیں ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۶۱ء

اخبار کوہستان ملتان میں صفحہ ۸ پر ایک خبر کی سرخی یوں درج ہے کہ " خدا و رسول و ولی جیل میں " اس کے نیچے خبر درج ہے۔ پھر پارو ڈیم جنوری (نامہ نگار) معلوم رہے کہ سوہن گاؤں میں تین اشخاص نے خدا و رسول و ولی ہونے کا دعوے کیا ہے۔ پولیس نے تینوں کو گرفتار کر لیا ہے اور جیل میں ڈال دیا ہے۔ اب عاشق حسین حسینی کہتا ہے کہ جو سرخی اس خبر کی بنائی گئی ہے وہ توہین آمیز ہے سرخی میں لفظ بوگس یا نام نہاد یا بناوٹی ضرور درج کرنا چاہیئے تھا۔ اس طرح کھلے طور پر خدا اور رسول و ولی جیل میں، لکھنے سے توہین واقع ہے مگر اخبار والے کہتے ہیں کہ کوئی توہین نہیں ہوئی۔ دونوں میں سے کون سچا ہے؟ - نوٹ! صیغۂ تکفیر کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

الجواب ایسی سرخی قائم کرنا موجب توہین ہے۔ اگر قائل یہ ظاہر کرے کہ میری نیت میں خدا اور رسول الخ سے مراد یہ جعلی خدا و رسول تھے اور نیت میں قطعاً خدا وند قدوس کے بارے میں ارادہ یا وہم و گمان نہیں تھا تو اس پر تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ایسے شخص پر لازم ہے کہ استغفار کرے۔ نیز مستحق تادیب بھی ہے۔

بندہ محمد عبد اللہ عفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔ : سید مسعود علی انوار العلوم ملتان

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

آغاخانی کافر ہیں ہمارے علاقے چترال کے علاوہ گلگت اور کراچی اور دیگر علاقوں میں اسمٰعیلی (آغاخانی) فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی کافی تعداد آباد ہے۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہیں۔ مگر ان کے عقائد اور نظریات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ : کلمہ : اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله واشهد ان امير المؤمنين على الله۔

۲ : امام : یہ لوگ آغاخان کو اپنا امام مانتے ہیں اور اس کو جملہ اشیاء۔ اور ہر نیک و بد کا مالک جانتے ہیں۔ اور اس کے اقوال اور احکامات کو فرمان کا نام دیتے ہیں اور اس کے فرمان ماننے کو سب سے بڑا فرض سمجھتے ہیں۔

۳ : شریعت : ظاہری شرع کی پابندی نہیں کرتے۔ بلکہ آغاخان کو قرآن ناطق، کعبہ، بیت المعمور اور سب کچھ مانتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں ہے کہ اس ظاہری قرآن میں جہاں کہیں اللّٰہ کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد امام زمان (آغاخان) ہے۔

۴ : نماز پنجگانہ کے منکر ہیں ان کی بجائے تین وقت کی دعاؤں کے قائل ہیں۔

۵ : مسجد : مسجد کی بجائے جماعت خانہ کے نام سے اپنے لئے مخصوص عبادت خانہ بناتے ہیں۔

۶ : زکوٰۃ : شرعی زکوٰۃ کو نہیں مانتے۔ اس کی بجائے اپنے ہر قسم کے مال کا دسواں حصہ مال واجبات اور (دسوند) کے نام سے (آغا خان) کے نام پر دیتے ہیں۔

۷ : روزہ : رمضان المبارک کے روزوں کے منکر ہیں۔

۸ : حج : حج بیت اللہ کے منکر ہیں۔ اس کے بجائے (آغا خان) کے دیدار کو حج کہتے ہیں۔

۹ : سلام : السلام علیکم کی بجائے ان کا مخصوص سلام۔ (یا علی مدد ہے)۔

۱۰ : جواب سلام : وعلیکم السلام کی بجائے یا علی مدد کے جواب میں وہ "مولیٰ علی مدد" کہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ سوالات والے عقائد و نظریات کے باوجود مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں یا کہ نہیں؟

الجواب مشہور آغا خانی فرقہ کافر اور خارج از اسلام ہے ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ ہرگز نہ کیا جائے نہ ان سے مناکحت صحیح ہے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن کیا جائے۔ ان کی بعض کفریات کی سوال میں بھی تصریح ہے۔ مثلاً لفظِ "اللہ" سے مراد امام لینا۔ اور صلوٰۃ خمسہ، زکوٰۃ، روزہ، حج کا انکار کرنا یہ امور بلاشبہ کفر ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں حضرت اقدس حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا رسالہ "الحکم الحقانی فی الحزب الآغاخانی" (جواہر الفقہ : ج ۱ ص ۶۴)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسئلہ سماع موتیٰ۔ وسماع درود وسلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں کچھ لوگ احمد سعید ملتانی کے معتقد ہیں

ہم انکو چھیڑتے تو نہیں مگر وہ بحث چلا کر دلائل مانگتے ہیں۔ مسئلہ سماع موتیٰ اور سماع صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث سے دلائل مطلوب ہیں۔ احادیث ضعیف اور مجروح اسناد والی نہ ہوں۔ ایک حدیث جو پیش کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری قبر پر درود پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں۔ اس کی سند میں ایک کذاب رافضی ہے۔ اور یہ حدیث موضوع ہے۔

الجواب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ اھ (مشکوٰۃ : ج ۱ ص ۸۷) اس حدیث کی سند پر کوئی جرح نہیں۔ قال ابو الشیخ

حدثنا عبدالرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسین بن الصباح حدثنا ابومعاویة حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة رضؓ (جلاء الافهام ص ۲۵)

مندرجہ ذیل ائمہ حدیث واعیانِ امت نے اس حدیث کے مضمون کو صحیح تسلیم فرمایا ہے۔

۱: خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی رح۔ ۲: حافظ سخاوی رح۔ ۳: حافظ ابن تیمیہ رح۔ ۴: ملا علی قاری رح۔ ۵: قاضی ثناء اللہ رح۔ ۶: علامہ طحطاوی رح۔ ۷: نواب صدیق حسن خان اہلِ حدیث۔ ۸: علامہ شبیر احمد عثمانی رح۔ ۹: مولانا رشید احمد گنگوہی رح۔ ۱۰: مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح۔ ۱۱: حکیم الامت حضرت تھانوی رح۔

ان میں سے چند حضرات کے اس سند کے بارے میں تعریفی اور تائیدی کلمات۔

— حافظ ابن حجر عسقلانی رح :- اخرج ابوالشیخ فی کتاب الثواب بسند جید اھ (فتح الباری ۶/۴۸۹)

— محدث سخاوی رح :- رواہ ابوالشیخ وسندہ جید۔

— ملا علی قاری رح :- رواہ ابوالشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید اھ (مرقاۃ ۲/۳)

— نواب صدیق حسن خانؒ :- اسنادہ جید۔ (دلیل الطالب ص ۸۴۸)

— علامہ شبیر احمد عثمانی رح :- اخرج ابوالشیخ فی کتاب الثواب بسند جید اھ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۰۷)

اس سند میں کوئی راوی وضاع اور کذاب نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان — ۷ / ۸ / ۱۴۰۱ھ

روضۂ اطہر پر استغفار کے بارے میں

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ آیت ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ (سورۂ نساء : پ ۵) کی تفسیر کے بارے میں کہ کیا اب بھی روضۂ پاک کے پاس جاکر آدمی اپنے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرا سکتا ہے کہ یا نبی میری فلاں حاجت ہے آپؐ چونکہ خدا تعالیٰ کے پیارے بندے ہیں لہٰذا آپ میری درخواست خدا کے سامنے پیش فرمادیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں۔ آج کل عرفِ عام کے مطابق کہ میری دعا آپ کے آگے اور آپ کی دعا اللہ تعالیٰ کے آگے۔ بعض حضرات اس آیت سے مندرجہ بالا مقصود ثابت کرتے ہیں۔ چونکہ یہ شبہ حضرت مفتی محمد شفیع رح کی تفسیر معارف القرآن کی اس عبارت سے ہوا کہ یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام

ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاوے اور آپ اس کے لئے دعاء مغفرت فرمادیں تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری جیساکہ آپ کی حیاتِ دنیویہ کے زمانہ میں ہوسکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے ۔ اور اس سے آگے ایک واقعہ بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کی تائید میں تحریر ہے ۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا ۔ اگر ہوسکتی جاتی تو لازم ہے کہ جو اصحاب مزارات پر جاکر مُردوں سے دعائیں کرواتے ہیں درست ہو۔ کیونکہ وہ بھی تو خدا کے پیارے بندے ہیں۔ مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانی رح ، علی ہجویری رح ، اور دوسرے اولیائے کرام کی قبروں پر۔ ان حضرات کو تفسیر جواہر القرآن (از شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی) سے شبہہ ہوتا ہے کہ تفسیر کی عبارت یوں ہے ۔ کہ اس آیت کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اسی واقعہ سے ہے ۔ اور آپ کی قبر سے استمداد اور استشفاع جائز نہیں ہے ۔ جیساکہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح کی ایک عبارت سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

" حق آنست کہ انکار فقہاء عام است از آنکہ استمداد از قبور انبیاء کنند یا از قبور غیر ایشاں ہمہ جائز نیست چنانچہ از عبارت دیگر کتب فقہاء کہ دریں جواب ایراد کردہ می شود واضح خواہد گردید ۔

(مسائل اربعین مسئلہ اص ۳۴)

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ آیا اس آیت کے تحت اپنی حاجت روضۂ اقدس پر جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کرنا ۔ کہ آپ میری اس حاجت کیلئے خدا کے دربار میں شفیع ہو جائیں جیساکہ عرف عام میں لوگ مزاروں پر جاکر کرتے ہیں درست ہے یا نہیں ۔ یا کہ یہ صرف اس واقعہ کے ساتھ ہی خاص تھا جیساکہ جواہر القرآن کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے ۔ جواہر القرآن کے شروع مقدمہ کے صفحہ ۴۰ پر یہ بھی تحریر ہے ۔

ارشاد الطالبین میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں ۔

" ستاں دعاء از اولیاء مُردگان و زندگان جائز نیست ۔ رسول خدا فرمود الدعاء ھو العبادۃ وقرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین ۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر یہ عرض کرنا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعاء مغفرت فرمادیں اور میری شفاعت فرمادیں اب بھی جائز اور مستحب ہے ۔ اس کا انکار جمہور اہلسنت کا خلاف ہے ۔ اور اس کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ خیر القرون سے اس کا ثبوت ہے کسی سے نکیر منقول نہیں ہے ۔ بلکہ بعض خوش نصیبوں کو تو دنیا ہی میں بشارت دے دی

گئی کہ تمہاری مغفرت کر دی گئی حضرت مولانا حسین علی رح تحریرات حدیث میں فرماتے ہیں۔

" جاء رجل اعرابی فقال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جئتك لتستغفرلی الی ربی فنودی من القبر الشریف قد غفر لك ۔ (ص ۴۹۲)۔

یہ واقعہ ، تفسیر مدارک ، وفار الوفا ، قرطبی ، اور ابن کثیر میں بھی مروی ہے۔ واقعات کا انکار تو کسی طرح بھی معقول نہیں۔ اگر اس نظریہ کا انکار عدم حیات یا عدم سماع کی بنا پر کیا جاوے تو یہ بنا۔ فاسد علی الفاسد ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو لازم ہے کہ جو احباب مزاروں پر جا کر مردوں سے دعا۔ کراتے ہیں درست ہو۔ یہ دعوائے لزوم بلا دلیل ہے بلکہ بالکل غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ، آپ کا قبر شریف میں سماع منصوص و متفق علیہ ہے البتہ بزرگان دین کے سماع میں اختلاف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا۔ مغفرت کر دینے پر مغفرت کا وعدہ ہے۔ بزرگوں کی دعا۔ پر قبولیت کا وعدہ نہیں۔ لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا غلط ہے۔ مؤلف جواہر القرآن کا خلاف نص ، خلاف جمہور عقیدہ کے لئے شاہ اسحاق رح کی عبارت سے استدلال کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ شاہ اسحاق رح جس استمداد پہ انکار فقہا۔ نقل کر رہے ہیں اس سے مراد صاحب قبر سے یہ کہنا ہے کہ تم میرا یہ کام کر دو۔ اور بے شک یہ غلط ہے بلکہ شرک ہے۔ نبی سے کہا جائے یا غیر نبی سے۔ خود شاہ اسحاق رح فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کتب فقہا۔ کی دوسری عبارت سے بات واضح ہو جائے گی۔ اور جو دوسری عبارات نقل کی ہیں ان میں تصریح ہے کہ صاحب قبر سے حاجت طلب کرنا ممنوع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ اسحاق صاحب استمداد بمعنی صاحب قبر سے حاجت طلب کرنے کو ممنوع قرار دے رہے ہیں۔ ورنہ ان کے اپنے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مطابقت نہیں رہتی۔

" ارشاد الطالبین " کی عبارت سے استدلال بھی ایک واضح مغالطہ ہے۔ قاضی صاحب کی مراد اس جگہ دعا۔ سے یہ ہے کہ صاحب قبر سے یہ کہنا کہ تم میرا یہ کام کر دو۔ جیسے اللہ رب العزت سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ اے اللہ میرا یہ کام کر دے۔ کیونکہ دلیل اس کی یہ پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدعاء ھو العبادۃ لہذا جس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے کہا جاتا ہے اگر اسی معنی کے اعتبار سے بندوں سے کہا جاوے تو یہ شرک و ممنوع ہو گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی یوں نہیں کہتا کہ اے اللہ میرے لئے دعا کر دیجئے۔ یا میرے لئے سفارش کر دیجئے۔ لہذا اس کا مسئلہ مختلف فیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو آپ کے سوال کا جواب تھا۔ رہا یہ مسئلہ کہ پیغمبر خدا کی طرح بزرگوں کے مزارات پر جا کر دعا کرنا جائز ہے یا نہیں ، تو ظاہر ہے کہ جو سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک ممنوعیت کی کوئی وجہ نہیں۔ اور جو قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک ایسے کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ اگر لوگ اس میں غلو

کرنے لگ جائیں اور اعتدال سے ہٹ جائیں تو علی الاطلاق ممنوع بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲ / ۱۱ / ۱۴۰۰ھ

مسئلہ خلق قرآن

قرآن پاک کو مخلوق کہنے کا کیا مطلب ہے۔ کلام تو بے شک صفت ہے اللہ تعالیٰ کی۔ لیکن کیا اس طرح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ تو اپنے احکام کلام کے ذریعہ نبی کی وساطت سے بندوں تک پہنچائے اور کچھ گزشتہ واقعات، عبرت کے لئے بیان فرمائے۔ اور کچھ ارشادات خاص خاص موقعوں پر (جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت اور اس پر انقباض کو دور کرنے کے لئے بصورت وحی) ارسال فرمائے۔ تو کلام کی یہ تینوں صورتیں جدید ہوئیں۔ کیا اس اعتبار سے کلام کو مخلوق کہا جاسکتا ہے اور جدید ہونے کی صورت میں مخلوق نہ کہا جائے تو کیا کہنا چاہئے۔ جب کہ صفت کلام کے قدیم ہونے پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ یعنی یہ عقیدہ اپنی جگہ بدستور قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اور صفتوں کے ساتھ یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ حسب موقع کلام فرماتا ہے اور یہ صفت ازل سے ابد تک اس میں موجود ہے اس عقیدہ کی تفہیم اور اصلاح مطلوب ہے۔

الجواب قرآن کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ تو اس وقت اس کی صفت جدید یا حادث لانا درست نہیں جس کو آپ لکھ رہے ہیں کہ کلام کی یہ تینوں صورتیں جدید ہوئیں۔ اس کو اصطلاح میں کلام لفظی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی قدیم ہے جیسے کہ کلام نفسی اللہ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔ مجدد الف ثانی رحؒ فرماتے ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمایا ہے۔ اور بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا مخاطب بنایا ہے۔ جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو کام اور زبان کے ساتھ حرف اور آواز کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر کام و زبان کے وسیلے کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حرف اور آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف و آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی کلام نفسی اور کلام لفظی حقیقۃً حق تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلام خدا نہ کہنا بلاشبہ کفر ہے۔ (مکتوب ۵۵، دفتر دوم)

عقائد الاسلام میں ہے کہ کلام الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔

۱: اوّل یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کلام بسیط ہے جو کہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس

کے قدیم ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔

۲ : دوسرے معنی یہ ہیں کہ کلام سے وہ کلماتِ الٰہیہ مراد لئے جائیں جن کا حق سبحانہٗ نے تکلم فرمایا۔ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام اسی معنی پر کہا جاتا ہے۔ یہی قرآن اللہ کا کلام ہے جو نبی پہ اتارا گیا۔ یہ قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ مگر قرآن کی قرأت اور اس کی سماعت اور اس کی کتابت حادث اور مخلوق ہے۔ اس لئے کہ قرأت، سماعت اور کتابت بندے کے افعال ہیں۔ اور بندے کے افعال حادث اور مخلوق ہیں امام بخاریؒ اور دیگر علمائے محققین کا یہی مسلک ہے اھ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح　　　　　　　　　　　　　　　　　　　محمد انور

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　　　۲۶ / ۸ / ۱۳۸۱ھ　　نائب مفتی خیر المدارس ملتان

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ سے حاضر ناظر مراد لینا تحریف ہے

ایک مولوی صاحب نے بدعتی امام مسجد سے کہا کہ آیت لقد جاء کم رسول من انفسکم سے حضور کا انسان ہونا ثابت ہوتا ہے تو حافظ نے کہا کہ آیت کا یہ مقصد نہیں اور "کُمْ" کے معنی حاضر ناظر کے ہیں۔

الجواب آیت ہذا کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ یہ مطلب بیان کرنا قرآن کریم کی صریح تحریف ہے۔ گزشتہ تیرہ صدیوں میں آیت مذکور کا یہ معنی کسی مفسر نے نہیں کیا ہے "کُمْ" ضمیر کے در اصل مخاطب حضرات صحابہ رضؓ ہیں۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ ماضی کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول آچکا ہے یعنی مبعوث کیا جاچکا ہے۔ یہاں آنے سے مراد چل کر آنا نہیں۔ بلکہ بعثتِ نبوی مراد ہے۔ ورنہ اہل مکہ کے پاس آپ کہاں سے چل کر تشریف لائے تھے، یہ لوگ شانِ نبوت میں گستاخی کرنے والے ہیں۔ گویا حضراتِ صحابہ رضؓ کے ہم رتبہ بننے کے مدعی ہیں۔ اگر آپؐ ہم میں موجود ہوتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم زیارتِ مقدسہ سے محروم ہیں ذاتِ خداوندی کا مشاہدہ تو اس عالم میں متعذر ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تقریباً پون صدی تک سب حاضرین دیکھتے اور جمالِ جہاں آرا سے محظوظ ہوتے رہے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح　　　　　　　　　　　　　　　　　　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان　　۱۴ / ۸ / ۱۳۸۱ھ　　نائب مفتی خیر المدارس ملتان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر و تصرفات کا مالک ماننے کی تفصیل

ایک شخص مندرجہ ذیل عقائد رکھتا ہے۔

۱ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ ہر آن میں حاضر و ناظر ہیں ۔

۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب کلی جمیع ماکان و مایکون کا ، اس نہج پر رکھتے ہیں کہ درخت کے ہر ہر پتہ کا علم ، اور پانی کے ہر قطرہ ، اور ہر جانور ، اور جنگل کے ہر ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں ۔

۳ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہیں ۔ اس طریق پر کہ جس کو چاہیں جنت میں داخل کریں ۔ اور جس کو چاہیں جہنم میں بند رکھیں ۔

۴ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصرفاتِ کُن کے مالک ہیں بنا بریں جسے چاہیں بیٹا دیں جسے چاہیں بیٹی دیں کبھی لفظ کُن کہہ کر بندہ بھی پیدا کر سکتے ہیں ۔

۵ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں بلکہ آپ اللہ کے نور میں سے ہیں ۔ اور انہی عقائد کو ہی معیار ایمان سمجھتا ہے ۔

اور وہ آدمی شریعت سے بھی واقف ہے ۔ ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے نہیں کہتا ۔ بلکہ ایک قوم کو بھی اس کا سبق دیتا ہے اور امامت بھی کراتا ہے تو کیا اس شخص کو امامت کا حق حاصل ہے ۔ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

ہر پانچ جواب سے نوازیں ۔ نیز یہ بھی فرمائیں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اور مذہب اہلسنت وجماعت کے اعتبار سے اس شخص کا کیا حکم ہے ؟ دونوں سوالوں کا جواب مفصل مطلوب ہے اور صریح دلائل درکار ہیں ۔

الجواب یہ عقیدہ بالبداہت باطل ہے محتاج دلیل نہیں ہے ۔ البتہ بطور تنبیہ چند باتیں ملاحظہ ہوں ۔

۱ : ہمارا مشاہدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس موجود نہیں ۔ کیونکہ اگر فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو ہم آپ کے جمال جہاں آرا ، سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے اور زیارت کرتے مگر پورا عالم انسانیت اس سے محروم ہے ۔ حتیٰ کہ اگر کسی انسانی فرد کہہ دم ہر سے بھی آپ یہ سوال کریں گے کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے ؟ وہ یقیناً اس کا جواب نفی میں دے گا اگر آپ اسے کہیں کہ اب کر لو ۔ کیونکہ آپ یہاں موجود ہیں تو وہ سائل کے بارے میں اس کشمکش میں مبتلا ہو جائے گا کہ آیا اس کا دماغی توازن بھی درست ہے یا نہیں ۔ جب آپ موجود ہیں اور اس مخلوق میں سے ہیں جو مُبصر و مرئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بحالت موجودگی آنکھوں سے اوجھل رہیں جب اوجھل ہیں اور نظر نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ آپ کی ذاتِ گرامی حاضر نہیں ۔ اور اس پورے عالم سلام و عالم انسانی

کے مشاہدہ کی تکذیب ہے ۔ اور بلا دلیل قطعی کے ہے جو باطل ہے اور مستلزم باطل کو باطل ہوتا ہے۔
لہذا یہ عقیدہ بھی باطل ہے ۔ نیز بلا دلیل قطعی پورے عالم انسانی کے مشاہدہ کی تکذیب لاادریہ کا مذہب
اور محض سوفسطائیت ہے جو اہل سنت وجماعت کے نزدیک تو کیا کسی بھی معقول اور منصف
انسان کے نزدیک بھی درست اور حق نہیں ہوسکتا ۔

حق تعالےٰ سبحانہ کی ذات پاک کی موجودگی سے اعتراض کرنا حماقت ہے ۔ کیونکہ حق جل وعلا
شانہ مبصر اور مرئی فی الدنیا ہی نہیں مشاہدۂ انسانی کے علی الرغم جو ہم فرشتوں وغیرہ کی معیت یا
موجودگی کے قائل ہیں تو وہ بوجہ نص قطعی کے ہے ۔

ب : عملی طور پر فریق مخالف بھی اسی کا قائل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس، مجالس،
اور اجتماعات میں موجود نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ مناصب جلیلہ اور مقام اعزاز کے لئے جب کبھی
یہ لوگ انتخاب کرتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس منصب رفیع یا مقام عزت کو صرف آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا جائے ، اس منصب کے لئے اپنے میں سے کسی کا انتخاب
کیا جاتا ہے ۔ مثلاً امامت وغیرہ کے لئے ۔ پس معلوم ہوا کہ عملی طور پر یہ لوگ بھی اس عقیدہ
کے قائل نہیں ۔ ورنہ آپ کی موجودگی میں ایسا نہ کیا جاتا ۔ جیسا کہ آپ کی زندگی میں حضور واقعی
کی صورت میں ۔

ج : اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور علم کلی آپ کو حاصل تھا تو نزول قرآن
کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ قرآن بھی علم کلی کا ایک فرد ہے ۔ جب علم کلی حاصل ہے
تو قرآن کا علم بھی نزول سے پہلے حاصل ہوگا ۔ پس نعوذ باللہ انزال قرآن عبث ٹھہرا اور تحصیل
حاصل ہوئی اور یہ ہر دو باطل ہیں مستلزم باطل خود باطل ہوتا ہے ۔ پس دعوئے ہذا باطل
ہے ۔ اگر کہا جائے کہ نزول قرآن لوگوں کے لئے ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے سے
اس کا علم تھا ۔ تو جواب یہ ہے کہ اس نے انزال کی کوئی حاجت نہ تھی بلکہ صرف اتنا بتا دینا کافی
تھا کہ آپ اپنے علم کا اتنا حصہ یعنی مقدار قرآن ، مخلوق تک پہنچا دیں ۔ تیئیس ۲۳ سال تک جبریل امین
کی آمد و رفت کی کیا ضرورت تھی ؛ بلکہ اس امر کی بھی حاجت نہ تھی کیونکہ یہ بھی معلومات میں سے
ہے اور اس کا جاننا بھی علم کلی کا ایک فرد ہے ۔ نیز یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن
کا علم پہلے سے تھا نص قرآنی اور اجماع امت کے خلاف ہے ۔ قرآن میں تصریح ہے کہ قرآن
کا نزول بتوسط جبریل ؑ ہوا خود بخود نہیں ہوا ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

۱ ۔ وانہ لتنزیل رب العالمین ؛ نزل بہ الروح الامین علی قلبک الخ (پ۱۹)

۲ ۔ ماکنت تدری ماالکتاب ولا الایمان (پ۲۵، س شوری)۔

ان تنبیہات کے علاوہ اگر آپ کی حیات مقدسہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم وجداناً اس بات پر مجبور ہیں کہ آپ کے لئے علم کلی اور حضورِ کامل نہ تسلیم کیا جائے کیونکہ پوری سوانح اس کے خلاف ہے۔ چند واقعات بطور نمونہ پیش ہیں۔

۱ ، واقعہ افک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ بھر تک مغموم و پریشان رہے۔ اگر حقیقتِ حال پر مطلع ہوتے تو پریشانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل الفاظ سے استفسار فرمانا حقیقتِ واقعہ پر مطلع نہ ہونے کی دلیل قاطع ہے۔ جیساکہ تردید و تشکیک سے ظاہر ہے۔

ثم قال اما بعد یاعائشۃ رض فانہ قد بلغنی عنك كذا وكذا فان كنت بریئۃ فسیبرئك اللہ وان كنت الممت بذنب فاستغفری اللہ الخ

(بخاری ج ۲ ، ص ۶۹۸۔ مطبع اصح المطابع)

نیز اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے جو کچھ کہا گیا وہ بھی ہمارے مدعا پر نص ہے ارشاد فرماتی ہیں۔

قالت فقلت انی واللہ لقد علمت لقد سمعتم هذا الحديث حتى استقر فی انفسكم وصدقتم به۔ (بخاری ایضاً)

نیز جواب مذکور سے علم غیب کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقیدہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رض بھی اس کی قائل نہیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر واقعہ پر آپ مطلع ہوتے ہیں ورنہ جواب مذکور عرض نہ کرتیں۔ کہ واقعہ سن کر آپ نے اسے سچا سمجھ لیا۔

۲ ، مسجد ضرار ایک یہودی ابو عامر منافق کی سازش سے تیار کی گئی تھی۔ (یہ وہی منافق ہے جو مشرکین کو جنگِ احد میں اکساکر مسلمانوں پر چڑھا لایا تھا۔ جس گڑھے میں گر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے نیز دانت مبارک شہید ہوئے یہ گڑھا اس بدبخت نے کھدوایا تھا۔ جنگِ احد میں ناکامی کے بعد یہی بدباطن قیصرِ روم کی طرف پہنچا تھا۔ اور اسلام کے استیصال کے لئے وہاں سے لشکر کا طالب ہوا تھا) حقیقت میں یہ مسجد نہ تھی بلکہ اس بدباطن کی اسلام کے خلاف تخریبی سرگرمیوں کا اڈا تھا۔ مگر مسلمانوں کی حمایت سے انقطاع اور علیحدگی میں راز فاش ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بدباطن کے حوالیوں نے عرض کیا کہ آپ

ہماری مسجد میں نماز پڑھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوۂ تبوک کے لئے پا بہ رکاب تھے۔
ارشاد فرمایا۔ انا علی سفر ولکن اذا رجعنا ان شاء اللہ اور بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں۔
ولو قد منا ان شاء اللہ تعالی لا تیناکم فصلینا لکم فیہ یعنی اس وقت نہیں، غزوہ کے بعد
کا وعدہ فرمالیا۔ مگر واپسی میں سفر کے اندر ہی وحی نازل ہوئی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر
دی گئی۔ لا تقم فیہ ابداً نزولِ وحی سے قبل آپ اس سازش سے قطعاً بے خبر تھے ورنہ
نماز کا وعدہ فرمانے کی کیا حاجت تھی؟

۳: حدیث جبریل ؑ جس کا واقعہ حجۃ الوداع کے بعد پیش آیا۔ اس میں آپ نے ایک سوال کے
جواب میں ارشاد فرمایا۔ ما المسئول عنہا باعلم من السائل یعنی مجھے بھی اس کا علم نہیں جیسا
کہ سائل کو اس کا علم نہیں ہے۔ پس اس حدیث میں نفی علم غیب کلی کی تصریح ہے۔

۴: ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا دیا تھا۔ آپ کے اور حضرات صحابہ رضؓ کے سامنے پیش کیا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابتداءً اسے تناول فرمایا اور ایک صحابی کی اس گوشت کھانے سے موت واقع
ہوئی۔ (کما فی حاشیہ بخاری عن القسطلانی ، ج ۲ ، ص ۶۱۰)

جب زہر ملایا گیا تھا تو اس عقیدہ حاضر و ناظر کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے
اور علم غیب تو تھا ہی پھر آپ کا تناول فرمانا اور ایک صحابی کا اس وجہ سے وفات پا جانا کیسے ہوا؟
اگر آپ پہلے سے مطلع تھے تو کیا طعام مسموم کا دانستہ کھانا جائز ہے؟ جو کہ خودکشی کا مترادف ہے۔

۵: حجۃ الوداع میں عمرہ سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو انی استقبلت
من امری ما استدبرت لم اسق الھدی الخ اخرجہ مسلم و مشکوٰۃ ص۲۲۲
اس میں تصریح ہے کہ جس بات کا مجھے بعد میں علم ہوا اگر پہلے علم ہو جاتا تو میں ھدی کا جانور نہ لاتا۔
پس علم غیب کلی کا دعوے باطل ٹھہرا۔

۶: ایک مقبرہ میں تشریف لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
وددت انا قد راینا اخواننا (قالوا) اولسنا اخوانک یارسول اللہ قال
انتم اصحابی و اخواننا الذین لم یأتوا بعد فقالوا کیف تعرف من لم
یات بعد من امتک یارسول اللہ فقال ارأیت لو ان رجلاً لہ خیل غر
محجلۃ بین ظہری خیل دھم بھم الا یعرف خیلہ۔ (مشکوٰۃ ص۴)
خط کشیدہ عبارت قابل غور ہے۔ اگر صحابہ رضؓ بھی اسی عقیدہ علم غیب پر اعتقاد رکھتے تھے تو

کیف تعرف الخ سے استفسار کا کیا محل ہے ؟ عالم الغیب کے لئے اول، آخر، ظاہر، باطن سب یکساں ہیں۔ تو آخر صحابہ رض کے ذہن میں یہ اشکال کیوں پیدا ہونے ؟ پس حدیث مذکور سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ رض اس باطل عقیدے کے قائل نہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حق تعالے سبحانہ کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر انسان کے ساتھ موجود ہیں۔ کیا حق جل وعلا کے بارے میں بھی کسی کو ایسا اشکال پیدا ہوا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے استفسار بالا کا جو جواب ارشاد فرمایا گیا وہ بھی قابل لحاظ ہے۔ آپ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میں عالم الغیب ہوں، ہر زمانہ میں ہر انسان کو میری معیت حاصل ہے، اور میری نگاہ میں تمام مخلوق ہے تو مجھ سے بعد والے لوگ کیسے مخفی رہ سکتے ہیں، نہیں بلکہ آپ نے ان لوگوں کو پہچاننے کا ایک عام طریقہ بتلا دیا جس کے ذریعہ ہر شخص شناخت کر سکتا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ میدان حشر کی بات ہے

۷ : حدیث حوض کوثر میں میدان حشر کے اندر تصریحاً آپ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ فیقال انك لا تدری ما احدثوا بعدك فاقول سحقا الخ (مشکوٰۃ : ج ۲ ص ۴۸۸)

۸ : حدیث شفاعت میں ہے کہ میں شفاعت کے لئے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اجازت طلب کروں گا۔ فیؤذن لی و یلہمنی محامد احمدہ بہا لا تحضرنی الآن الخ

(مشکوٰۃ شریف : ج ۲ ص ۴۸۸)۔

کہ محامد بالا کا علم اسی وقت ہوگا۔ نفی علم غیب کے لئے یہ بھی کافی ہے۔ یہ بھی میدان محشر کا واقعہ ہوگا۔ بطور نمونہ کے چند احادیث جمع و نقل کی گئی ہیں جب کہ پورا ذخیرۂ حدیث اس قسم کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ مگر چونکہ استیعاب مقصود نہیں ہے لہذا اسی پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی آیات بھی اس سلسلہ میں کثیر ہیں۔ بوجہ خوف طوالت سب کو حذف کرتے ہوئے صرف چند آیات ہی لکھی جاتی ہیں۔

۱ : قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب الخ (سورۂ نساء ع ۵)

ای لا اقول لکم انی اعلم الغیب انما ذلك من علم اللہ عز وجل الخ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۴)

۲ : ولو کنت اعلم الغیب لا استکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔

(سورہ اعراف : پ ۹)

أمره اللہ تعالی ان یفوض الامور الیہ و ان یخبر عن نفسه انه لا یعلم الغیب المستقبل الخ آیت ہذا میں بھی مدعا کے بارے میں کوئی اخفا نہیں ہے۔

۳ : ان الساعۃ اتیۃ اکاد اخفیھا الخ (سورۃ طٰہٰ : ع ۱) عن ابن عباس رض اکاد اخفیھا یقول لا اطلع علیھا احدا غیری وقال السدی لیس احد من اھل السموٰت والارض الا قد اخفی اللّٰہ عنہ علم الساعۃ وقال قتادۃ و لعمری لقد اخفاھا اللّٰہ من الملائکۃ المقربین ومن الانبیاء والمرسلین۔

(ابن کثیر ، ج ۳ ، ص ۱۴۴)

آیات اور مندرجہ بالا اقوالِ مفسرین سے علمِ غیب کی نفی کسی تقریرِ استدلال کی محتاج نہیں ہے۔

۴ : قل انما العلم عند اللّٰہ وانما انا نذیر مبین الخ ای لا یعلم وقت ذلک علی التعیین الا اللّٰہ عزوجل (ابن کثیر ، ج ۴ ، ص ۳۹۹ : پ ۲۹)۔

۵ : ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ الخ (سورۃ لقمان) قال مجاھد وھی مفاتیح الغیب التی قال اللّٰہ تعالیٰ (و عندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو) رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا انھا قالت من حدثک انہ یعلم ما فی غد فقد کذب قال قتادۃ اشیاء استاثر اللّٰہ بھن فلم یطلع علیھن ملکا مقربا ولا نبیا مرسلا الخ (ابن کثیر : ج ۳ ، ص ۴۵۵)

آیتِ مذکورہ میں اشیاءِ خمسہ کا علم غیر اللہ سے منفی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ جیساکہ مفسرین کے بیانات بلکہ خود حدیث مرفوع سے ثابت ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منفی ہونا ظاہر ہے۔ حدیث مرفوع یہ ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مفاتیح الغیب خمس لا یعلمھن الا اللّٰہ وان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ الخ اخرجہ احمد وبخاری فی کتاب الاستسقاء آء الخ

اسی سلسلہ میں حدیث رجل من بنی عامر بھی مفید مدعا ہے ملاحظہ ہو اس حدیث کے آخر میں ہے کہ۔

قال فھل بقی من العلم شیٔ لا تعلمہ ؟ قال قد علمنی اللّٰہ عزوجل خیرا وان من العلم ما لا یعلمہ الا اللّٰہ عزوجل الخمس ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ

اخرجہ احمد وھذا اسناد صحیح۔ (ابن کثیر ، ج ۳ : ص ۴۵۵)

اس سے زیادہ صریح اور کیا ہو سکتا ہے۔

۶ : قل لا یعلم من السموٰت والارض الغیب الا اللّٰہ الخ (پ ۲۰)

غیر اللہ سے علمِ غیب کا منفی ہونا ظاہر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں پس

مدعا ثابت ہے۔

اس کے بعد فقہاء کرام کے فیصلہ پر ہم اس نمبر کو ختم کر دیتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا اعتقاد رکھے وہ مسلمان بھی باقی رہتا ہے یا نہ۔

وفی الخانیۃ والخلاصۃ لو تزوج بشہادۃ اللّٰہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔ کما فی البحر، ج ۱، ص ۹۴۔ خط کشیدہ الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ معتقد علم غیب کافر ہے۔

سوال ۳۳ کا جواب مختار کل کے اگر یہ معنی ہوں کہ آپ تمام مخلوق سے پسندیدہ اور چنے ہوئے ہیں جو ادنیٰ بالفقہ ہے تو اس اعتبار سے آپ کی ذات مختار کل ہے۔ اور اگر اس کے معنی قادر مطلق کے ہیں جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو یہ عقیدہ باطل ہے قادر مطلق صرف ذات خداوندی ہے کسی مخلوق کو یہ مقام حاصل نہیں۔ بندگی اور قدرت کاملہ علی الاطلاق باہم منافاۃ ہے۔ ایک وقت میں ایک محل میں ان کا اجتماع ناممکن اور محال ہے۔ آپ کی عبدیت متحقق ہے۔ پس قدرت کاملہ علی الاطلاق منتفی ہوگی۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں بھی واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ قدرت مطلقہ تو کیا آپ اپنی ذات مقدس کے بارے میں بھی نفع و ضرر کا کلی اختیار نہیں رکھتے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

۱ : قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الخ (اواخر اعراف: پ ۹)

۲ : قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا۔ (سورہ جن۔ رکوع ۲)

۳ : قرآنی آیات واحادیث کا وہ سارا ذخیرہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جلب منفعت، یا دفع مضرت کی دعا مانگی ہے۔ کیونکہ قادر مطلق کو کسی سے مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ مثلاً

اللّٰھم انی اسئلک الجنۃ۔ اعوذ بک من النار۔ اللّٰھم واقیۃ کواقیۃ الولید وغیر ذالک مما لا یعد ولا یحصی الخ۔

۴ : نیز وہ ذخیرہ احادیث جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بدنی یا روحانی تکلیف کے پہنچنے کا تذکرہ موجود ہو۔ کیونکہ قدرت کاملہ اور مطلقہ کے ساتھ یہ اذیتیں جمع نہیں ہو سکتی ہیں خصوصاً جب کہ علم غیب کلی بھی موجود ہو۔

اگر کہا جائے کہ باوجود دفع مضرت پر قادر ہونے کے آپ نے دفع مضرت نہیں کیا بلکہ برداشت

کیا تاکہ رفعِ درجات کا موجب بنے اور مدارج عالیہ کے حصول کا سبب بنے۔ تو جواب یہ ہے کہ قادرِ مطلق کو اس طرح سے یہ تحمل کلفت وحصول درجات کی ضرورت ہی کیا ہے جو اور سب کچھ اختیار میں ہے تو یہ درجات بھی تو تحت القدرت ہی ہوں گے ورنہ خلاف دعویٰ لازم آئے گا۔

۵ : حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے مسلمان ہوجانے کی بہت خواہش کی۔ مگر ارشادِ خداوندی ہوا کہ انك لا تهدی من احببت الخ پ۲۰

۶ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت کوشش فرماتے تھے کہ مشرکین مکہ ایمان لے آئیں۔ مگر مشرکین ایمان نہ لاتے تھے آپ ان کے غم میں گھلے جاتے تھے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔ لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین۔ (سورت شعراء پ۱۹)۔ قدرتِ مطلقہ کے باوجود اس کی کیا حاجت ہے۔

سوال ۵ کا جواب یہ عقیدہ بھی باطل ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بشر تھے۔ تمام دلائل کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے لہذا ہر دو نوع کی صرف ایک ایک یا دو دو دلیلیں بیان کی جاتی ہیں۔ بغور ملاحظہ ہوں۔ کہیں دلائل بڑھ جائیں تو معذور سمجھیں۔

۱ : قرآن کریم میں پوری وضاحت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی بشریت کا اعلان کرا دیا گیا ہے۔ تاکہ تا قیامت کسی کے لئے اس میں جائے سخن باقی نہ رہے۔ ارشاد باری عزّ اسمہٗ ہے۔

قل انما انا بشر مثلکم۔ (آخر کہف پ۱۶)

۲ : یہی اعلان پارہ چوبیس میں دوبارہ کرایا گیا۔ اس کے علاوہ سورۂ بنی اسرائیل میں هل کنت الا بشرًا رسولاً فرماکر اعتراف بشریتِ نبویہ کرایا گیا۔ ان قرآنی تصریحات کے باوجود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت سے انکار قرآن مجید سے انکار ہے۔ ہر سہ آیات میں ترکیب مفیدِ حصر ہے جس سے غیرِ بشر ہونے کے تمام اوہام کا بطلان ہو جاتا ہے کما لایخفیٰ۔

۳ : احادیث میں سے حدیثِ ذوالیدین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ولکن انما انا بشر انسی کما تنسون صفحہ ۱۴۹ ابو داؤد۔ بخاری۔ مسلم نسائی۔ ابن ماجہ کذا فی عمدۃ القاری ج ۳، ص ۱۴۷) نیز طحاوی ج ۲، ص ۲۸۷ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

۴ وعن عائشۃ (حکایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) قلت اللّٰھم انما

انا بشر فایت المسلمین لعنتہ أو سبتہ فاجعلہ لہ زکوۃ واجرًا۔

(مسلم ج ۲ ص ۳۲۳ ۔ بالاختصار)

۳/۵ : یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نقل فرماتے ہیں ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں ۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم انما محمد بشر

یغضب کما یغضب البشر الخ ۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۲۴)

۴/۵ : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت فرماتے ہیں ۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یقول انما انا بشر الخ (مسلم ج ۲ ص ۳۲۴)

۵/۵ : حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالےٰ عنہا ایک قصہ کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتی ہیں ۔ انی اشترطت علی ربی فقلت انما انا بشر ارضی کما یرضی

البشر واغضب کما یغضب البشر الخ (مسلم ج ۲ ص ۳۲۴)

دو دلائل قرآنی اور پانچ شواہد حدیث کے بعد اقوال مفسرین بھی ملاحظہ ہوں کس صفائی سے ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مطہرہ پر نص فرما رہے ہیں ۔

۱ : لقد جاءکم رسول من أنفسکم (آخر توبہ پ ۱۱) ای من جنسکم بشر مثلکم

(خازن ص ۲۳۹)

۲ : اسی آیت کے تحت صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں ۔

وقولہ من انفسکم فی تفسیرہ وجوہ الاول انہ یرید انہ بشر مثلکم

کقولہ تعالیٰ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم ۔ (تفسیر کبیر ج ۴)

۳ : وعجبوا ان جاءھم منذر منھم ای بشر مثلھم ۔ (ابن کثیر ص ۲۷ ص ۳۸)۔

۴ : بل عجبوا ان جاءھم منذر منھم (سورۃ ق ۲) أی تعجبوا من ارسال الرسول

الیھم من البشر ۔ (ابن کثیر ج ۴ ص ۲۲۳)

۵ : وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ (پ بقرہ)

ای فأتوا بسورۃ کائنۃ ممن ھو علی حالہ علیہ الصلوۃ والسلام من کونہ بشرا

أمیا ۔ (بیضاوی ج ۱ ص ۱۱۳)۔

۶-۷-۸ ۔ تفسیر کشاف ج ۱ ص ۳۹ ، روح المعانی ج ۱ ص ۱۹۴ ، تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲ ۔

میں بھی آیت بالا کی تفسیر مذکورہ بالا الفاظ میں ہی کی گئی ہے ۔ قرآن وحدیث وحضرات مفسرین

کے اقوال بطور نمونہ پیش کئے گئے۔

فائدہ اسکے بعد بطور نمونۂ "علم الکلام" سے بھی چند عبارتیں اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں۔ عقائد کی تحقیق و تنقیح کے بارے میں علمِ کلام چونکہ قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں تاویل کی زیادہ گنجائش نہیں ہے لہذا اس بنا پر بلاشبہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔

۱ : تمام اہلِ اسلام متفق اللفظ ہیں کہ نبی وہ انسان ہے جس پر وحی آئے۔ اس تعریف کی بناء پر لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان ہیں۔ کیونکہ آپ نبی ہیں پس کسی ایسے شخص کے لئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق تسلیم کرتا ہے اس سے چارہ نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان بھی مانے ورنہ نعوذ باللہ انکارِ نبوت کرنا ہوگا۔

چنانچہ متکلمِ اسلام محقق ابن الہمام اپنی بے نظیر تصنیف مسامرہ میں نبی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان النبی انسان بعثہ اللہ تعالیٰ۔ (مسامرہ مصری ص۱۸۳)

۲ : سائرہ کے شارح صاحبِ مسامرہ فرماتے ہیں فالنبی علی ھذا انسان اوحی اللہ تعالیٰ الیہ۔ (مسامرہ ص۸۳)۔

۳ : علامہ بیجوری فرماتے ہیں۔ واعلم ان الرسول اصطلاحاً انسان اوحی الیہ۔ (بیجوری علی السنوسیہ)

۴ : علامہ دوانی تحریر فرماتے ہیں۔ ھو انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق (دوانی علی العضدیہ)

۵-۶-۷-۸ : ومثل (الدوانی) فی شرح العقائد وھکذا نقل محشی النبراس عن شرح العقائد (نبراس ص۹۹) ونحوہ فی حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد (خیالی مصری ص۱۳۰) ومثلہ فی عقیدۃ الطحاویہ (ص۲) وھکذا قیل۔

۹ : جوہرہ میں ہے۔ ومن ای افراد الجائز العقلی ارسال اللہ تعالیٰ جمیع الرسل ای رسل البشر من آدم الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (جوہرہ ص۱۱۷)

۱۰ : نیز صاحبِ جوہرہ فرماتے ہیں۔

والفرق بینھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر الخ۔ (ص۱۱۸)۔

فائدہ تلک عشرۃ کاملۃ ، سب سے آخر میں فقہاء کرام کی چند تصریحات پیش کر کے اس مسئلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام نے تمام انبیاء علیہم السلام کو بلا استثناء انسان اور بشر قرار دیا ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ فقہاء کرام کے منصب سے زیادہ تعلق نہیں رکھتا لہذا اس کے

بحث ضمنی طور پر ان کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ بشر افضل ہے یا فرشتے؟ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں

۱ : صاحب کفایۃ شارح ھدایہ فرماتے ہیں۔ والمختار ان خواص بنی آدم وھم الانبیاء افضل من کل الملائکۃ۔ (کفایۃ ۱ ج ۱ : ص ۲۷۹ بوفتح القدیر)۔

۲ : ۳ : علامہ شامی رح منحۃ الخالق حاشیہ بحر اور اپنی کتاب "ردالمحتار" میں فرماتے ہیں۔
قسم البشر الی قسمین۔ خواص۔ وھم الانبیاء علیہم السلام وعوام، وھم من سواھم وفی الرّد حاصلہ ان قسم البشر الی ثلاثۃ اقسام خواص کالانبیاء۔
(شامی ج ۱ ص ۳۷۰۔ حاشیہ بحر ج ۱ : ص ۳۵۳ مصری)

قرآن وحدیث، اقوال مفسرین نیز تصریحات متکلمین وفقہاء کرام کے علاوہ محققین اہل السنۃ والجماعت نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے آپ کی بشریت کا اعتقاد رکھنا شرط ہے۔ گویا کہ اعتقادِ بشریت کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا معتبر اور صحیح ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ بلا اعتقاد ختم نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا غیر معتبر ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے مشہور فقہاء میں سے فقیہہ علامہ طحطاوی رح مراقی الفلاح کی شرح میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

"ویشترط لصحۃ الایمان بہ صلی اللہ علیہ وسلم معرفۃ اسمہ وکونہ بشرًا من العرب وکونہ خاتم النبیین اتفاقا لورود ذالک بالقواطع المتواترۃ الخ (طحطاوی، ص ۵، ۶ مصری)۔

مندرجہ بالا دلائل کی موجودگی میں استفتاء میں ذکر کردہ عقائد کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔ پس ایسا شخص گمراہ ہے جو یہ عقائد رکھتا ہے اور گمراہ کنندہ ہے۔ اور ہرگز امامت کے لائق نہیں۔

فقط واللہ اعلم۔
بندہ عبدالستار عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۴ ــــ ۱۲ ــــ ۱۳۸۰ ھ

الجواب صحیح
عبداللہ غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

مسلمانوں کا مسلّمہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں ان سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیاء علیہم السلام کی ایسی لغزشوں کا ذکر کیا ہے جن پر گرفت اور تنبیہ کی گئی ہے۔ غلطی، لغزش، خطاءِ اجتہادی

اور گناہ کی مختصر تعریف کر کے انبیاء علیہم السلام کی عصمت قرآن و سنت کی روشنی میں مختصر تحریر فرمائیں کیا حضرات انبیاء علیہم السلام بتقاضائے بشریت غلطی یا لغزش کے مرتکب ہو سکتے ہیں ؟

الجواب "عصمت انبیاء علیہم السلام" اجماعی مسئلہ ہے اور محققین اس کے قائل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں ۔

نقله الشوكاني في الارشاد عن كتاب الملل والنحل وقال اختاره ابن برهان وحكاه النووي في زوائد الروضة عن المحققين قال القاضي حسين هو الصحيح من مذهب أصحابنا وما روى ذلك فيحمل على ترك الاولى ا صـ ۳۲ ۔

اور بعض ایسے امور جن کے بارے میں انبیاء علیہم السلام پر کچھ عتاب فرمایا گیا یا حق تعالیٰ سبحانہ کی جانب سے ان کی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا۔ ایسے امور کو اصطلاحی الفاظ میں " زَلّۃ " یا خطاء اجتہادی سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ ان امور کا صدور حضرات انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہے بلکہ واقع ہے ۔

" زَلّۃ " کی تعریف یہ ہے کہ وہ فی حد ذاتہ گناہ نہیں ہوتا ۔ بلکہ فی نفسہ امر جائز ہوتا ہے اور اس کا مقابل فعل بھی جائز ہوتا ہے ۔ دونوں میں فرق افضل و مفضول یعنی "خوب" اور "بہت خوب" کا ہوتا ہے ۔ نبی اگر ثانی الذکر کو چھوڑ کر "خوب" پر عمل کر لیتا ہے تو اس کے مقام رفیع کے اعتبار سے اس طرز عمل کو لغزش یا زلّہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تنبیہ خداوندی متوجہ ہو جاتی ہے ۔ حالانکہ عوام کے اعتبار سے یہ کوئی قابل تنبیہ عمل نہیں بلکہ یہ نیکی ہوتی ہے کما قیل حسنات الابرار سیئات المقربین اور ہمارے باہمی تعلقات میں بھی اس کی بہت نظیریں مل سکتی ہیں اور خطاء اجتہادی کی حقیقت یہ ہے کہ نبی نے ایک عمل کو عین منشاء خداوندی سمجھتے ہوئے کیا ۔ بعد میں آپ کو متنبہ فرما دیا گیا کہ ہمارا وہ منشاء نہیں بلکہ یہ تھا ۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رض کے بارے میں جو طرز عمل اختیار فرمایا تھا آپ کے خیال مبارک میں وہ عین اپنی مصلحت کے مطابق تھا ۔ لیکن حق جل شانہٗ کی جانب سے واضح فرما دیا گیا کہ اس ملنے ہمارا منشاء یہ تھا ۔

مگر چونکہ فعل انبیاء علیہم السلام بھی حجت ہے لہذا انبیاء علیہم السلام سے اگر کبھی ایسی خطاء اجتہادی کا صدور ہوتا ہے تو فوراً اس کی اصلاح فرما دی جاتی ہے ۔ ایسی خطا پر باقی نہیں رہنے دیا جاتا

اور خطاء اجتہادی میں غیر نبی یعنی مجتہد پر بھی مواخذہ نہیں۔ اور اسے مجتہد کا گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اسے ثواب ملتا ہے۔ ان الحاکم اذا اجتہد فاصاب فلہ اجران وأن اجتہد فاخطأ فلہ أجرہ۔

اور گناہ و معصیت یہ ہے کہ بدون نسیان قبل از تأمل کے صریح حکم خداوندی کی مخالفت کیجائے۔

فقط واللہ اعلم — الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — خیر محمد عفا اللہ عنہ

درج ذیل عقائد والے اہل بدعت اہلسنّت سے خارج ہیں

جو لوگ مندرجہ ذیل عقائد رکھتے ہوں ان کے متعلق از روئے کلام الٰہی و حدیث شریف و فقہ حنفی کیا حکم ہے۔

۱: تم سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو۔ اور میرا دین و مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ (وصیت نامہ ص۵: مولوی احمد رضا خان)

۲: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شئی کا علم دیا گیا ہے۔ (مختصر عقائد اہل السنۃ الجماعۃ بریلوی مطبوعہ کلکتہ)

۳: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعیین وقت قیامت کا بھی علم ہے۔ (خالص الاعتقاد ص۵ احمد رضا)

۴: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت روح کا علم بھی ہے۔ (خالص الاعتقاد ص۵ احمد رضا خان)

۵: حضور علیہ السلام اس کام کے مالک ہیں جس کے لئے چاہیں حلال فرما دیں جس کو چاہیں حرام کر دیں جس کے لئے چاہیں قرآن مجید کے احکام کو بدل دیں۔ (سلطنت مصطفےٰ ص۳۱ احمد یار گجراتی)

۶: حضور علیہ السلام کلھم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں دنیا و آخرت کی سب دارین حضور علیہ السلام کے اختیار میں ہیں۔ (برکات الابرار ص۸ احمد رضا خان)

۷: انبیاء علیہم السلام کو قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں۔ وہ ان کے ساتھ شب باشی کرتے ہیں۔ (ملفوظات حصہ سوم ص۲۷ احمد رضا خان)

۸: اس طرح ہر وہ کام جس کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے نیک نیتی کے ساتھ جائز اور کار ثواب ہے۔ (اربعین حنفیہ، مولوی محمد شریف کوٹلی)

۹: لا تستقر نطفۃ فی فرج انثیٰ الا ینظر ذلک الرجل الیھا۔ (کم الرحمٰن

مؤلفہ مولوی غلام محمد بریلوی)

۱۰ ؛ دنیا و آخرت کی ہر چیز کے مالک ہیں سب کچھ اسی سے مانگو۔ عزت مانگو ، ایمان مانگو ، اولاد مانگو ، جنت مانگو ، اللہ کی رحمت مانگو۔ (سلطنت مصطفیٰ ، احمد یار گجراتی)

۱۱ ؛ آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کرے ۔

(الامن والعلی ، مولوی احمد رضا خان)

۱۲ ؛ کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ مجھے علم غیب ہے اس لئے کہ اے کافرو تم ان باتوں کے اہل نہیں ہو۔ ورنہ واقع میں مجھے ما کان وما یکون کا علم ملا ہے ۔ (خالص الاعتقاد ص۳۵ احمد رضا بریلوی)

خلاصہ از سائل ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا اور اب بھی آپ مخلوق کے ہر ایک حال ظاہر و باطن ، خیر و شر سے بخوبی واقف ہیں ۔ اور ہر ایک آدمی کی آواز خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں بذات خود سن لیتے ہیں ۔ اس طرح دیگر اولیاء کرام بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں ۔ اور ما کان وما یکون کا علم رکھتے ہیں ۔ اس وقت یہ عقیدہ احمد رضا خان کے معتقدین کا ہے اور بریلوی جماعت کا ہے ۔

اب مذہب احناف اور کتب معتبرہ حنفیہ کی رو سے ایسے عقیدے رکھنے والے لوگوں کو مشرک کہہ سکتے ہیں ؟

الجواب بریلوی فرقہ جس کے عقائد مندرجہ بالا بیان کئے گئے ہیں اہل السنۃ والجماعت سے خارج ہیں ۔ ان کے اہل بدعت و اہل ہویٰ ہونے میں کلام نہیں ۔ لیکن اس فرقے کے تمام افراد پر عمومی طور پر کافر اور مشرک ہونے کا فتوےٰ علماء اہل السنۃ والجماعت نے نہیں لگایا۔ البتہ خصوصی افراد جن سے صراحۃً کلمات کفر سرزد ہوں اور ان کی کوئی صحیح تاویل نہ ہو سکتی ہو ۔ اور وہ کفریہ معانی پر جمے ہوئے ہوں ایسے لوگ کافر ہو جائیں گے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفی عنہ	۹ ربیع الاوّل ۷۵ھ ۱۳

سنت کی توہین کفر ہے کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل سوالات کے بارے میں ۔

۱ ؛ اگر کوئی پاکستانی مسلمان جج ، مجسٹریٹ یا افسر محکمہ آبکاری ۔ اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر اپنے روبرو پیش ہونے والے ایک ایسے گواہ کو جو کہ اپنے چہرہ پر شرعی داڑھی رکھتا ہو اسکی

گواہی اس مقدمے میں قلم بند کرنے سے پہلے جس میں اس کو طلب کیا گیا ہو کسی اور موضوع کی گفتگو میں گواہ کی تحقیر کرنے کے لئے یہ فقرے کہے۔ " یہ مولوی بڑے بددیانت ہوتے ہیں "

۲ : دوران گفتگو اس گواہ کی موجودگی میں حاضرین مقدمہ و وکلاء کو مخاطب کرکے کہے۔

" میں خوب جانتا ہوں یہ داڑھی والے مولوی یوں ہی ہوتے ہیں "

۳ : گواہ کی موجودگی میں حاضرین کو کہے " داڑھی منہ پر لگا کر گواہی دینے آجاتے ہیں " ان سوالات کے جوابات شرعی بخدمت جناب گورنر پنجاب ارسال کئے جائیں گے۔ ان کو درج رجسٹر فرمایا جاوے اور علماء کرام کے دستخط و مہر سے سائل کو عنایت فرمائے جائیں مشکور ہوں گا۔ یہ مسئلے کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے دریافت نہیں کئے جارہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ان سے سنت رسول ؐ اور توہین اسلام ثابت ہوتی ہے تو خادم اس کا تدارک ضرور کرے گا۔

الجواب جج یا مجسٹریٹ جو بھی ان الفاظ کو منہ سے خارج کرے۔ اگر یہ کلمات اس بناء پر کہتا ہے کہ اس کو سنت نبوی سے چڑ ہے اور تحقیراً و استخفافاً للسنۃ کہتا ہے تب تو یہ کلمہ سخت ہے اور کلمات کفر سے بن جائے گا اور اس کا قائل کفر کے قریب پہنچ جائے گا۔ اور اگر وہ ان کلمات کو اس لئے منہ سے خارج کرتا ہے کہ اس کو گواہ سے عداوت اور ذاتی رنجش ہے تو ان کلمات کے کہنے سے گو کافر نہ ہوگا لیکن فاسق ضرور ہوگا۔

لقولہ علیہ السلام سباب المسلم فسوق الحدیث۔ ولقولہ علیہ السلام

کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ الحدیث

ان کلمات میں چونکہ ایک مسلمان کی توہین ہے جو گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق قرار پاتا ہے علاوہ ازیں قاضی یا حاکم کے لئے کسی فریق مقدمہ کے اوپر رعب ڈالنا یا اس پر حملہ کرنا یا اس کے متعلق کوئی ایسی بات کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو، جائز ہی نہیں۔

حاصل کلام اینکہ حاکم مذکور پر کفر کا فتوےٰ تو دیا نہیں جاسکتا۔ کیوں کہ نیات کا علم اللہ تعالےٰ کو ہے البتہ اس کا یہ فعل موجب فسق ضرور ہے جس پر زجر و توبیخ کرنا اور حکومت کو اس کا انسداد کرنا ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان ؛ مورخہ ۱۵ صفر سنہ ۱۳..ھ

الجواب حق والحق احق ان یتبع
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس ملتان۔ ۱۶ صفر سنہ ۱۳..ھ

ؒ

حیاتِ انبیاء پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی وجہ سے وارد ہونیوالے شبہہ کا شافی جواب

سوال:۔ اگر جسدِ عنصری کو حیات حاصل ہوتی ہے اور اس سے نماز پڑھتے ہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے جسم کو کیوں نہ سنبھال سکے جب کہ حضرت ثابت بنانی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد پر اس کے برعکس اثر کیوں ظاہر ہوا ؟

الجواب: وقوعِ موت حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء کے بارے میں متفق علیہ ہے جس کے نتیجہ میں اعضاءِ ظاہرہ اور حرکت کا تعطل بھی امر اجماعی ہے۔ ورودِ موت سے قبل آنکھ دیکھتی تھی، زبان بولتی تھی، پاؤں چلتے تھے اور دیگر اعضاء بھی حرکت کرتے تھے لیکن ورودِ موت کے بعد ہمارے مشاہدے کے اعتبار سے یہ سب آثارِ حیات معطل ہوتے ہیں اور قبر میں بھی یہ ظاہری تعطل حسًّا مستمر معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت اور واقعہ گو اس کے خلاف ہے لیکن ہمارا مشاہدہ یہی ہے۔ مردہ نہ آنکھیں کھولتا ہے، نہ زبان ہلاتا ہے نہ کروٹ لیتا ہے۔ نہ قبر میں جنت کا باغیچہ نظر آتا ہے نہ سانپ دکھائی دیتے ہیں لیکن مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ یہ سب کچھ ہوتا ہے تو بمقتضائے ایمان ہم صمیمِ قلب سے یقین کرتے ہیں کہ بےشک یہ سب کچھ ہوتا ہے گو ہمارا مشاہدہ اس کی نفی کرے۔ تو اصل حقائقِ برزخیہ کے بارے میں یہی ہے کہ وہ ہمارے حواس و مشاہدہ سے بالا ہوں، خواہ یہ حقائق انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہوں خواہ عام اموات کے متعلق ہوں۔ ضابطہ اور عادت یہی ہے لیکن کبھی بطورِ خرقِ عادت بعض مصالح کی بناء پر ان کا مشاہدہ بھی کرا دیا جاتا ہے مگر ہر وقت نہیں، ہر ایک کے لئے نہیں، اور ہر ایک کے حالات کا نہیں۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہیں اور جس کے لئے چاہیں۔ پس اگر ثابت بنانی کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مشاہدہ کرا دیا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں اثرِ حیات کا مشاہدہ نہیں کرایا گیا تو یہ کوئی قابلِ تعجب بات نہیں۔ اصولاً ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ ضابطہ اور اصل اخفاء و ستر ہی ہے نہ کہ اظہار و مشاہدہ۔ اور اعتراض خلافِ ضابطہ پر ہوتا ہے نہ کہ حسبِ ضابطہ پر۔ اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اگر ورودِ موت کے بعد بھی عودِ حیات اور اس کے آثار کا عام مشاہدہ ہونے لگے تو احکامِ غسل و کفن و دفن سب معطل ہو کر رہ جائیں۔ آخر ایک چلتے پھرتے، دیکھتے سنتے انسان کو کون دفن کر سکتا ہے ؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

فلولا ان لا تد افنوا لدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه اھ (مشکوٰۃ ص ۲۵ ج ۱) یعنی احوالِ برزخ کا مشاہدہ ترکِ تدفین کا باعث بن جائے گا۔

اگر یہ خلجان ہو کہ باوجود سنبھل نہ سکنے کے جسدِ عنصری میں خلافِ مشاہدہ حیات کیسے مان لیں ؟ جواب یہ ہے کہ ضرور (گرنا) حیاتِ جسدِ عنصری کے خلاف و منافی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حیات بھی ہو اور خرور بھی متحقق ہو جائے۔ بچے، بے ہوش اور مریض میں دونوں امر مجتمع ہیں۔ جسدِ عنصری سے من کل الوجوہ زندہ بھی ہے لیکن کھڑا نہیں ہو سکتا لیکن بعض اوقات بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ اور کبھی صحت مند جوان آدمی بھی سنبھلنے کا قصد

نہ کرے تو گر جانا مستبعد نہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ تکمیل بیت المقدس کے بعد ضرور اس طرح ظہور پذیر ہوا ہو۔ (واضح رہے کہ یہ نظیر ہے مثال نہیں) پھر خصوصاً جب ہمارے مشاہدے کے اعتبار سے آثارِ حیات کا تعطل اصل ہے تو گرنے میں کیا استبعاد ہے۔ گرنا ہی چاہئے تھا تاکہ احکام دفن وغیرہ کی تکمیل و تعمیل ہو سکے۔

علاوہ ازیں نہ دیکھنے کے باوجود سانپوں کے قبر میں ہونے کا یقین کرتے ہیں۔ مردہ قبر میں بے حس و حرکت پڑا ہے کوئی جنبش نہیں مگر اس کے چیخنے کا یقین کرتے ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ سنبھل نہ سکنے کے باوجود حیات کا یقین نہ کر سکیں

الغرض اعمال برزخیہ و حیات برزخیہ فی الجسد کا وجود ہمارے مشاہدے کو مستلزم نہیں۔ اور احیاناً مشاہدہ ہو جانا عموم و دوام کو مستلزم نہیں۔ عذاب قبر اور حیات شہداء کے بارے میں شارح نے لکھا ہے۔

نحن نراهم على صفة الاموات وهم احياء قال الله تعالى وترى الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب اه الى ان قال ولذلك قال تعالى بل احياء ولكن لا تشعرون فنبه بقوله ذالك خطابا للمؤمنين على انهم لا يدركون هذه الحياة بالمشاهدة والحس۔ (شرح الصدور ، ص ۸۵)

شہداء میں آثار حیات کا مشاہدہ نہ کرنے کے باوجود ہم انہیں حی الجسد کہتے ہیں۔ بغیر سہارا اس کا کھڑا ہونا بھی متعذر ہے مگر یہ اتصاف بالحیٰوۃ سے مانع نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنص حدیث زائر کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور نماز جنازہ کے وقت جب آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جا رہا تھا تو لب مبارک کا حرکت کرنا ثابت نہیں۔

الحاصل بعد الوفات انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارک کو حیات حاصل ہوتی ہے لیکن آثارِ حیات کا مشاہدہ ضروری نہیں۔ بلکہ عام حالات میں اس کا عدم ضروری ہے الّا یہ کہ خلاف عادت کبھی اس کا مشاہدہ کرا دیا جائے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسد عنصری میں آثارِ حیات کا ظہور بعد الدفن ہوتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا خرور دفن سے پہلے کا واقعہ ہے۔ قبل از دفن اور بعد از دفن میں فرق وہی ہے جو پہلے ذکر ہوا یعنی یہ کہ قبل از دفن اس کا ظہور ہو جائے تو تکفین و تدفین متعذر ہو جائے گی۔ گو بعض سلف میں قبل از دفن بھی بعض آثارِ حیات کا فی الجملہ ظہور ہوا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک محدث عمر بھر نہیں ہنسے جب غسل دیا جا رہا تھا تو ہنس پڑے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے بھی بعض ایسے واقعات نقل کئے ہیں۔ (شرح الصدور ، ص ۸۶)

۳ : اس آیت سے وجود حیات ثابت ہوتا ہے۔ سال بھر تک جسم کا حسب سابق رہنا متعفن نہ ہونا دال بر حیات ہے اور تمام آثار کا ظہور ضروری نہیں۔ بلکہ بظاہر اس کا عدم ضروری ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

۴ : حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی ایک دوسری غریب تفسیر بھی منقول ہے جس کی بنا پر بہت سے اشکالات ختم ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بستر پر ہوئی ہے دروازہ اندر سے بند تھا کسی کو موت کا علم نہ ہوا۔ کیڑے نے دہلیز کو کھا لیا جب دروازہ

را نب موت کا علم ہوا ۔ خذ ای الباب اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تعمیر بیت المقدس ایک روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی میں مکمل ہو چکی تھی۔ تو تعمیر بیت المقدس کے لئے یہ تدبیر کرنے کی کیا حاجت تھی۔ تفصیل روح المعانی میں ملاحظہ کی جائے۔

سوال ۲ سماع موتیٰ عادت ہے یا کرامت؟

الجواب اکابر کی بعض عبارات سے ایہام ہوتا ہے کہ جن مواضع میں سماع موتیٰ ثابت ہے یہ بطور خرق عادت ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ نفس سماع موتیٰ گو خرق عادت ہے (کیونکہ مردے میں حیات بظاہر معدوم ہے۔ ثانیاً قبر میں بقاء حیات غیر معقول۔ ثالثاً مشاہدے کے خلاف ہے۔ رابعاً بوجہ حجابات کثیفہ کے آواز کا پہنچنا متعذر ہے) لیکن ان مواضع مخصوصہ میں حق جل شانہ نے اسے عادت بنا دیا ہے۔ جعل خداوندی کے بعد اب یہ عادت ہے بطور معجزہ یا کرامت نہیں کہ مردہ ولی اللہ کا کلام سنے اور عوام کا نہ سنے سماع ان مواضع میں مطرد ہے۔

لقوله عليه السلام ما من احد يمر بقبر أخيه المؤمن يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا عرفه ورد عليه السلام اخرجه البيهقي في الشعب۔

(کذا فی فتح الملہم ۱ ص ۵۰۸)

(۲) وروى الحافظ ابونعيم فاذا حمل على النعش فانه يسمع كلام من تكلم بخير او تكلم بشر اه (کذا فی التذکرۃ: ص ۱۹)

اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جن مواضع میں سماع ثابت ہے اگر اس سماع کو بطور عادت نہ مانا جائے تو ان مواضع کی تخصیص لغو ٹھہرے گی۔ کیونکہ بطور خرق عادت و کرامت تو ان مواضع کے علاوہ بھی حق جل شانہ سنوانے پر قادر ہیں۔ وجہ تخصیص اگر ہے تو یہی ہے کہ ایک قسم میں سماع کو مطرد بنا دیا گیا ہے اور دوسرے میں نہیں۔ شمول قدرت کے لحاظ سے دونوں قسمیں برابر ہیں۔

قال ابن القيم الاحاديث والآثار تدل على ان الزائر متى جاء علم به المزار وسمع كلامه وانس به ورد سلامه عليه وهذا عام في حق الشهداء وغيرهم وانه لا توقيت في ذالك اه (شرح الصدور ص ۹۴)

سوال ۳

قبر میں دوبارہ روح جسم میں آتی ہے یا نہیں؟

الجواب سلف کا ایک مسلک عود روح کا ہے۔ بلکہ ظاہر حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ حدیث براء میں ہے:

ویعاد روحہ فی جسدہ (مشکوٰۃ، ص ۲۵) وفی آخرہ ثم یعاد فیہ الروح (ص ۲۶) النص الصریح الصحیح وھو قولہ علیہ السلام فتعاد روحہ فی جسدہ کتاب الروح۔ وعندی فی ھذا الجواب بحث وھو ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال اھ (نبراس، ص ۲۲۲) قال السبکی عود الروح فی الجسد فی القبر ثابت علی الصحیح وانما الخلاف فی استمرارھا فی البدن۔ (بشریٰ، ص ۹۸)

فاذا دخل قبرہ رد الروح الی جسدہ مرفوعا (کشف الصدور، ص ۴۰) واختلفوا فی ذالک فقال بعضھم یکون باعادۃ الروح اھ (مرقاۃ، ص ۱۶۴) رد اللہ علیہ روحہ لاجل سلام من یسلم علیہ واستمرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم لا انھا تعاد ثم تنزع ثم تعاد اھ (القول البدیع، ص ۱۶۴)

یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ حجۃ الاسلام ص ۶۳ صاحب الھدایۃ فی الایمان اھ (فیض الباری، ص ۱۸۵، ج ۱)

قال البیہقی فی کتاب الاعتقاد ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء اھ (شرح الصدور، ص ۸۵)

واما الادراکات فلا شک ان ذالک ثابت لھم۔ ص ۸۵)

قال ابن القیم ان الاحادیث مصرحۃ باعادۃ الروح الی البدن عند السوال۔ کذالک حیاۃ المیت عند الاعادۃ غیر الحیاۃ للحی۔ وھی حیاۃ لا تنفی عنہ اطلاق اسم الموت بل امر متوسط بین الموت والحیاۃ۔ (ص ۶۰)

روضۂ اطہر پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے کا حکم

سوال ۷۲:- روضۂ اطہر پر جا کر الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر بصیغۂ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ سلام پیش کرنا جائز ہے جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں شاید اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے نداء لغیر اللہ لازم آتی ہے۔ سو واضح رہے کہ یہ نداء لغیر اللہ ممنوع نہیں۔ بلکہ وہ نداء لغیر اللہ ممنوع ہے جو غائب کے لئے ہو اور اسے مالک نفع وضرر سمجھتے ہوئے پکارا جائے، یہ نداء شرک ہے۔ حاضر کو بلفظ یا خطاب کرنا جائز ہے نہ یہ شرک ہے نہ منع ہے، مسلم وکافر کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ باہمی گفتگو میں ہر شخص دوسرے کو بصیغۂ خطاب مخاطب کرتا ہے۔ اور قریبی شخص کو بلانے کے لئے یا اور اے کا صیغہ تمام زبانوں میں مستعمل ہے۔

حق جل شانہ نے انبیاء علیہم السلام کو بلفظ یا خطاب فرمایا ہے۔ یا زکریا، یا موسیٰ، یا ابراہیم وغیرہ۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرات صحابۂ کرام علیہم الرضوان حاضر ہوتے اور بصیغۂ یا رسول اللہ خطاب فرماتے۔

حدیث جبرئیل میں ہے یا محمد اخبرنی عن الاسلام اس کے نظائر کا احصار متعذر ہے۔

الحاصل حاضر کے لئے بلفظِ یا خطاب ممنوع نہیں۔ پس جب یہ محقق ہے کہ روضۂ اقدس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسدِ اطہر کو حیات حاصل ہے اور زائر کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو زائر کا یا رسول اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مجلس اقدس میں حاضر ہو کر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا یا رسول اللہ کہنا۔ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یا کہنا شرک نہیں تو زائر کا یا کہنا کیوں شرک ہے، خصوصاً جب کہ وفات شریفہ کے بعد حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اسی طرح سلام پڑھنا ثابت ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں

وقد كان الصحابة كابن عمر وانس وغيرهما يسلمون عليه صلى الله عليه وسلم وعلى صاحبيه كما في الموطا ان ابن عمر كان اذا دخل المسجد يقول السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا ابت۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۴ ؛ ج ۱)

ہم نہیں سمجھتے ہماری توحید اتنی ذکی الحس کیوں ہے جس صیغہ سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شرک کی بو نہیں آئی ہمیں کیوں آتی ہے؟ دراصل یہ توحید پرستی نہیں غلو ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا خوب حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔ " وقد قصر قوم دونهم فجفوا وطمح عنهم اقوام فغلوا وانهم بين ذالك لعلى هدى " (ابوداؤد ص ۶۳۳، ج ۲)

الحاصل زائر کے لئے بلفظِ یا رسول اللہ سلام پیش کرنا جائز ہے۔ ایک خاص واقعہ کی توجیہ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جاوے (تفصیل کے لئے دیکھئے نشر الطیب ص ۲۳۱) اسی طرح شفاعت کی درخواست کرنا بھی جائز ہے۔ غائبانہ طور پر بعقیدۂ حاضر وناظر نداء بصیغۂ یا ممنوع اور حرام ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عذابِ قبر روح (۱) اور بدن (۲) دونوں کو ہوتا ہے، اور مسئلہ حیاتِ انبیاءؑ

ہر ایک کے دس دس دلائل

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص عام موتی کا ثواب و عذاب قبر میں جسد پر نہیں مانتا بلکہ صرف روح پر تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کو روضۂ اطہر میں بے حس و شعور خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک پر صلوٰۃ و سلام کو پڑھا جائے تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے۔ کیا ایسے عقیدے والا شخص اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب (۱) اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ راحت و عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ معتزلہ اور روافض کا عقیدہ ہے کہ راحت و عذاب قبر فقط روح پر ہے۔ فتح الباری ص ۱۸۵، ج ۳ میں ہے

ذهب ابن حزم و ابن بصيرة الى ان السوال يقع على الروح فقط وخالفهم الجمهور فقالوا تعاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت فى الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذالك اختصاص اھ۔

امام نووی شرح صحیح مسلم ص ۳۸۶، ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه۔

ملا علی قاری مرقات ص ۲۵، ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

فتعاد روحه فى جسده ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء بدنه فلا التفات الى قول البعض بان العود انما يكون الى البعض۔

ابن تیمیہ حرانی حنبلی شرح حدیث النزول ص ۸۸ پر فرماتے ہیں۔

سائر الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح الى البدن۔

ابن قیم جوزی حنبلی کتاب الروح ص ۵۱ پر فرماتے ہیں۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة۔

تفسیر روح المعانی ص ۱۵ ج ۲۱ میں ہے۔

والجمهور على عود الروح الى الجسد او بعضه وقت السوال لا يحس به اهل الدنيا الى ان قال اجرى الله سبحانه عادته بتمكنها من السمع وخلقه لها عند زيارة القبر الى ان قال وهذا الوجه هو الذى يترجح عندى۔

شرح فقہ اکبر ص ۱۲۲ میں ہے۔

اعادة الروح الى العبد فى قبره حق اعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق فى الميت نوع حياة فى القبر قدر ما يتالم او يتلذذ۔

نبراس ص ۳۲۲ میں ہے۔

ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح يعاد الى الجسد عند السوال۔

ابوبکر جصاص رازی حنفی رح احکام القرآن ص ۱۰۸ ج المصری میں فرماتے ہیں۔

فاذا جاز ان يكون المؤمنون قد احيوا فى قبورهم قبل يوم القيامة وهم منعمون فيها جاز ان يحى الكفار فى قبورهم فيعذبوا۔

علامہ صدر الدین علی بن محمد ازدی حنفی رح شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۳۳۰ طبع مکہ مکرمہ میں رقمطراز ہیں۔

وكذالك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا۔ باتفاق اهل السنة والجماعة۔

شامی ص ۲۰۱ ج ۳ میں ہے۔

ولا يرد تعذيب الميت فى قبره لانه توضع فيه الحياة عند العامة بقدر الحس بالالم۔

تلک عشرۃ کاملۃ

○

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی پر جمیع صحابہ کبار رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین، ائمہ اربعہ، جمیع حضرات محدثین ومفسرین وجمیع علماء امت کا اتفاق ہے۔ یہ بھی اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

فتح الباری ص ۳۵۲ میں ہے:

وقد جمع البيهقى كتابا لطيفا فى حياة الانبياء فى قبورهم واورد فيه حديث انس رض الانبياء احياء فى قبورهم يصلون۔ اخرجه من طريق

عیسٰی بن کثیر وھو من رجال الصحیح عن المسلم بن سعید و قد وثقہ احمد
و ابن حبان عن الحجاج الاسود وھو ابی زیاد البصری۔ وقد وثقہ احمد
و ابن معین عن ثابت عنہ آگے بہت سے شواہد نقل فرمائے ہیں۔

عینی۔ ص ۱۸۵ ، ج ۱۲ میں لکھتے ہیں۔

فان الانبیاء لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء وان سائر الخلق
فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامۃ ومذھب اھل السنۃ و
الجماعۃ فی القبر حیاتاً و موتاً لا بد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء۔

ملا علی قاری رہ مرقاۃ ص ۲۶۳ ، ج ۵ میں فرماتے ہیں۔

فدل علی ان الانبیاء احیاء حقیقۃ و یریدون ان یتقربوا الی اللہ فی عالم
البرزخ من غیر تکلیفھم کما انھم یتقربون الی اللہ بالصلوۃ فی قبورھم۔

تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۷ ، ج ۴ میں علامہ ابن کثیر رہ فرماتے ہیں۔

قال العلماء یکرہ رفع الصوت عند قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم کما کان یکرہ
فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ موجود حیا فی قبرہ دائماً۔

روح المعانی ص ۲۳۲ ، ج ۲۲ میں ہے۔

تحصل من مجموع ھذا الکلام و الاحادیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
حی بجسدہ و روحہ و انہ یتصرف ویسیر حیث یشاء فی اقطار الارض
وھو بھیأتہ التی کان علیھا قبل وفاتہ لم یتبدل منہ شیء۔

جلال الدین سیوطی رہ انباہ الاذکیاء ص ۲ میں لکھتے ہیں۔ --

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا
علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک و تواترت بہ الاخبار الدالۃ
علی ذلک۔

اوجز المسالک ص ۴۸۲ ، ج ۲ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔

قلت او لانھم احیاء فی قبورھم فالاموال باق علی ملکھم۔ آگے علامہ مناوی رہ کا قول
بھی یہی نقل فرمایا ہے پھر یہ لکھا ہے۔

فقال ابن عابدین فی رسائلہ و اما عدم موت المورث بناء علی ان الانبیاء احیاء

فی قبورھم ۔ پھر آگے حضرت گنگوہی رح کا عقیدہ بھی یہی نقل فرمایا ہے۔ بحوالہ الکوکب الدری ۔

علامہ سخاوی رح القول البدیع ص ۱۲۵ میں رقمطراز ہیں

نحن نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ و ان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض والاجماع علی ھذا ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اشعۃ اللمعات ص ۶۱۳ ج ۱ ، اور مدارج النبوت ص ۴۴۴ ، ج ۲ میں فرماتے ہیں ۔

حیات جسمانی انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین متفق است میان علماء امت وہیچ کس را درآں اختلاف نیست ۔

تلک عشرۃ کاملۃ

یہ دس دس حوالہ جات نقل کر دیئے ہیں ویسے بہت سا ذخیرہ احادیث وتفاسیر میں موجود ہے ۔ ان دلائل کی رو سے جو شخص بھی عذاب و راحت فقط روح پر مانتا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی کا قائل نہ ہو وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہے ۔ بدعتی اور گمراہ ہے ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ۔

فقط واللہ اعلم
محمد منظور الحق عفی عنہ
۵ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح
علی محمد عفی عنہ
مہتمم دارالعلوم عیدگاہ کبیروالا

روح مبارک کا جسد اطہر کے ساتھ تعلق اہل سنت میں متفق علیہ ہے اس تعلق کی کیفیت میں اہل سنت کے اقوال مختلف ہیں لہذا کیفیت کی تعیین میں اختلاف کی گنجائش ہے ۔ فقط ۔

عبدالقادر عفی عنہ
مدرس دارالعلوم کبیروالا
۹۸/۱۱/۵ھ

الجواب صحیح
محمد شریف کشمیری
شیخ الحدیث خیرالمدارس ملتان

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف میں زندگی جسد مبارک کے ساتھ ثابت ہے اور اس کا منکر اہل السنۃ والجماعۃ سے نہیں ہے ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ، ۹۸/۱۱/۵ھ

جواب درست ہے اللہ تعالے اس احقاق حق کی سعی کو منظور فرمادیں ۔

العبدالفقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ، ۱۳۹۸/۱۱/۵ھ

بسلسلۂ حیاتُ النبیؐ مفتیٔ دار العلوم دیوبند کے فتویٰ کی مہتمم دار العلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی طرف سے وضاحت

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قاری صاحب زید مجدہم کی طرف ایک خط لکھا۔ جس میں مفتیٔ دار العلوم حضرت مفتی مہدی حسن صاحب کے فتویٰ کی ایک عبارت کی طرف متوجہ کیا گیا جس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ دنیوی کی بجائے حیاتِ اُخروی حاصل ہے۔ جواب میں حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے اس والا نامہ سے سرفراز فرمایا۔

گرامی نامہ موصول ہوا جس میں حضرت مفتیٔ دار العلوم کا فتویٰ دربارۂ حیاتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تحریر فرمایا گیا ہے۔

میں جہاں تک سمجھتا ہوں عبارت کا تسامح ہے مراد کا نہیں۔ محققین کا مسلک اور بالخصوص حضرت اقدس نانوتوی رحمہ اللہ کا مسلک اس بارہ میں یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برزخ میں بھی حیاتِ دنیوی حاصل ہے۔ جس کی طرف آیت کریمہ انک میت و انھم میتون میں اشارہ موجود ہے۔ اس میں دو موتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں جن کے درمیان عطف ہے جو تغائر پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے حضورؐ کی موت اور ہوگی اور دوسروں کی موت اور۔ ورنہ ایک جملہ لاکر سب کی موت کو ذکر کیا جاسکتا تھا۔ پس عنوان کا تغیر اور دونوں موتوں کا یہ عطفی تغائر اس پر صاف روشنی ڈال رہا ہے کہ حضورؐ کی موت اور نوع کی ہے دوسروں کی اور نوع کی ہے۔

اس تغائر کو محققین نے اس عنوان سے ادا کیا ہے کہ عامۂ خلائق کی موت ذاتی ہے اور حضورؐ کی عرضی۔ ذاتی کے معنی یہ ہیں کہ عام لوگوں کی روح کا تعلق اس بدن سے منقطع کر دیا جاتا ہے۔ اور عرضی کے معنی یہ ہیں کہ روح کا تعلق اس جسدِ عنصری سے منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور باقی رہتا ہے صرف آثارِ روح جو بدن کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے تھے وہ روک لئے جاتے ہیں۔ خواہ فیضانِ روحی بلاواسطہ بدن پہلے سے بھی زائد ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ جب آپ کی موت عرضی ہے اور بدن مبارک میں روح پر فتوح پوری طرح باقی اور بدستور قائم ہے تو یہ صرف حیاتِ برزخی نہیں دنیوی بھی ہے اس کو حیاتِ برزخی کہنے کے معنی صرف حیات فی البرزخ ہیں۔

اور حاصل یہ ہوگا کہ آپ دنیوی زندگی کے ساتھ برزخ میں حیات ہیں اس لئے نہ آپ کی ازواج مطہرات بیوائیں ہیں جو

قابلِ نکاح ہیں اور نہ آپ کا مال قابلِ میراث ہے۔ پس حضرت مفتی صاحب نے جو محققین کا قول نقل کیا ہے کہ حضور کو حیاتِ برزخی حاصل ہے اس کا مطلب یہ ہے حیات فی البرزخ حاصل ہے۔ یعنی برزخ ظرفِ حیات ہے صفتِ حیات نہیں۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کا یہ دعویٰ بھی صحیح ہے کہ یہ حیات فی البرزخ دنیوی حیات سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہے یعنی عام دنیوی زندگی سے یہ برزخ کی دنیوی زندگی بھی اس ظرفِ برزخ میں پہنچ کر اقویٰ تر ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے حیاتِ دنیوی کی نفی نہیں ہو رہی ہے بلکہ اس کی مضبوطی اور استحکام ثابت ہو رہا ہے آگے آپ حیات کے مطالعہ کی ہدایت کی گئی ہے —— —— سو اس کی تحقیق کا حاصل بھی یہی ہے جو محققین کی تحقیق ہے کہ آپ کو حیات فی البرزخ حاصل ہے اور وہ حیاتِ دنیوی ہے، ورنہ مفتی صاحب نے فرمایا ہے "کہ مگر بحالتِ موجودہ اقوی اور قوی تر ہے" جس کا حاصل یہی ہے کہ برزخ میں پہنچ کر یہ حیاتِ دنیوی اور زیادہ قوی اور مستحکم ہو گئی ہے نہ یہ کہ وہ دنیوی حیات ختم ہو گئی ہے۔ پھر ممدوح نے قولِ اوّل کو راجح بتلایا ہے۔ اور وہ قول اول محققین کا قول حیات فی البرزخ ہے جسے انہوں نے حیاتِ برزخی سے تعبیر کیا ہے۔ پھر ساتھ ہی حیاتِ دنیوی کو ممدوح ثابت شدہ ہی بتلا رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خود اس کے خلاف کریں۔ اس لئے حضرت مفتی صاحب کی عبارت اور محققین کے مسلک میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔ البتہ عبارت میں کچھ تسامح ضرور ہے سو علماءؒ کے لئے یہ مسئلہ کوئی پیچیدگی نہیں رکھتا۔ اس سے مطلب اخذ کر سکتے ہیں۔ جو رات دن متعارض روایات میں تطبیق و توفیق کے فرائض ادا کرتے رہتے ہیں اس معمولی سے تسامح کا وہ بہتر سے بہتر مداوا کر سکتے ہیں۔ امید ہے کہ جناب کو اس تحریر سے سکون ہو جائے گا اور مفتی دار العلوم کی جانب سے کسی قسم کا کوئی خلجان باقی نہ رہے گا۔

محمد طیب
مہتمم دار العلوم دیوبند
۲۹ / ۲ / ۱۳۷۷ھ

حیاتُ النبیؐ کے بارے میں حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی طرف سے مسلکِ دیوبند کی ترجمانی

حضرت المحترم (مولانا خیر محمد صاحب) زید مجدکم، سلام مسنون۔ نیاز مقرون۔

گرامی نامہ مؤرخہ ۲۶ صفر ۱۳۷۷ھ کو شرف صدور لایا۔ میں اس درمیان میں ہمہ وقت اسفار میں رہا۔ اس لئے ارسال جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ گرامی نامہ سے اندازہ ہوا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہمیت اختیار کرگیا ہے جس سے اندیشہ ہے کہ منتسبین دیوبند ہی میں خود گروہ بندی نہ ہو جائے۔ اس لئے نیازمندانہ طریق پر گزارشات پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

مسئلہ زیر بحث (حیات النبیؐ) میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور متوارث ذوق کا تعلق ہے دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے۔

کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دارالعلوم دیوبند سے شروع ہوئی ہے جس کی ابتدا حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں بزرگوں کا مسلک بھی حیاتِ دنیوی ہے۔ پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامیذ حضرت شیخ الہندؒ وحضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ مفتیٔ اعظم دارالعلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے جو ان کے مطبوعہ فتاویٰ اور مقالات میں موجود ہے۔ پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے اساتذۂ دارالعلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں۔ اس لئے دیوبندیت تو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حیاتِ دنیوی ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔

فقط والسلام

محمد طیب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

الاستفتاء

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہ

السلام علیکم ہمارے گاؤں ایک مولوی صاحب احمد سعید خان ہیں وہ کہتے ہیں - جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف پر پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں وہ شخص کافر ہے وہ مولوی صاحب اپنے آپکو آپکی جماعت کا بتاتے ہیں - دیوبندی لوگوں میں بہت اختلاف ہوگیا ہے - لہذا آپ اپنا عقیدہ اور اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ظاہر فرما کر ہم پر کرم نوازی فرما دیں تاکہ عام مسلمانوں کی رہبری ہو سکے !

نیاز مند مسلمان ... احقر عبد الستار خان عباسی
احمد پور شرقیہ [illegible] ریاست
بہاولپور

الجواب وہو الموفق للصواب:

کتب معتبرہ حنفیہ اور اہلسنت سے یہ ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام سنتے ہیں سلف اہل السنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے ایسے عقیدہ والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ ایسی جرأت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے بجاہ المرسلین واللہ اعلم بالصواب

عبد الرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی ۱۳ صفر ۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح
غلام اللہ

جواب درست ہے
ناکارہ خلائق
غلام ربانی

حضرت نانوتویؒ بھی وصالِ انبیاءؑ کے قائل تھے

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ "موتِ انبیاء کا معنی انقباض الروح فی الجسد ہے نہ کہ انفکاکِ روح من الجسد"

کیا یہ معنی کرکے مولانا موصوف قرآن و حدیث، صحابہ رضی اللہ عنہم و اجماع امت اور تمام اہلسنت والجماعت کے خلاف ہیں یا نہیں؟ اگر خلاف ہیں تو پھر مولانا موصوف کو مسلمان کہنا کیسا ہے؟

جب کہ لطائفِ قاسمی میں مولانا فرماتے ہیں۔

"اپنا تو یہی عقیدہ ہے اور میں کہتا ہوں مرتے دم تک رہے گا"

اور اگر مولانا موصوف مسلمان ہیں تو کیا اہلسنت والجماعت سے ہیں یا نہیں۔؟

خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ

الجواب قرآن و حدیث میں موتِ انبیاء علیہم السلام منصوص ہے اور حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بھی موتِ انبیاء علیہم السلام کے قائل ہیں۔

چنانچہ لطائفِ قاسمی (ص ۳) میں مرقوم ہے۔

"حسب آیت كل نفس ذائقة الموت ۔ انك ميت وانهم ميتون

تمام انبیاء علیہم السلام خاص کر حضرت سرورِ انام ﷺ کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے" الخ

پس نفسِ موت کے بارے میں حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو تمام امتِ مسلمہ کا ہے اور قرآن و حدیث میں منصوص ہے۔ تو حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دائرہ اسلام اور اہلسنت والجماعت سے اخراج و عدم اخراج کی بحث چھیڑنا بے محل اور گستاخی ہے جس سے رکنا لازم ہے۔ رہی موتِ انبیاء علیہم السلام کی کیفیت مخصوصہ کہ انفکاک الروح من البدن ہے یا انقباض۔ سو یہ کسی نص میں متعین نہیں کی گئی جس کا انکار موجبِ کفر بن سکے۔ واضح رہے کہ موت کی بھی مختلف انواع ہیں۔

مفرداتِ راغب میں ہے انواع الموت بحسب انواع الحياة، ص ۴۹۴۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۷ / ۱ / ۱۳۸۰ھ

ایصالِ ثواب سے ثواب پہنچنا اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے

سوال سورۂ کہف میں لکھا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمالنامے کا دفتر بند کر دیا جاتا ہے۔ جب دفتر بند ہوگیا تو ہم جو بعد میں ثواب پہنچاتے ہیں وہ کہاں درج ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآنی آیات و احادیث نبوی کا حوالہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب اہلسنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق ایصالِ ثواب درست ہے۔ اگر انسان اپنی کسی نیکی کا ثواب دوسرے شخص کو بخشتا ہے تو یہ ثواب اسے پہنچتا ہے اہلسنت والجماعت کا یہ مسلک بہت سی احادیث و آیات سے ثابت ہے۔ صاحب ہدایہ ص ۲۹۶، ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

الاصل في هذا الباب ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة او صوماً او صدقة او غيرها عند اهل السنة والجماعة لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه ضحى بكبشين املحين احدهما عن نفسه والآخر عن امته ممن اقر بوحدانيته تعالى وشهد له بالبلاغ جعل تضحية احد الشاتين لامته۔ الخ

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ ورنہ نعوذ باللہ اس ایصال کو لغو تسلیم کرنا پڑے گا۔

۲ : حدیث خثعمیہ میں ارشاد نبوی منقول ہے۔ فانه عليه السلام قال فيه حجي عن ابيك الحديث اخرجه ائمة السنن

۳ : ایک صحابی رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لئے کنواں کھدوایا وقال هذه لام سعد۔

اس کے علاوہ پوری امت کا سلفاً و خلفاً یہ معمول ہے کہ اپنے اقربا کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ نیز صاحب بحر نے اس سلسلہ میں مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی تائید میں دو آیات سے بھی استدلال کیا ہے وهذا نصه والاصل فيه ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره عند اصحابنا بالكتاب والسنة اما الكتاب فلقوله تعالى وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا۔ واخباره تعالى عن ملئكته ويستغفرون للذين امنوا۔ الاية۔

پس ایصالِ ثواب درست ہے کوئی شبہ نہ کیا جائے۔ میت کا اعمالنامہ لپیٹ دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اپنا کوئی عمل اب اس میں درج نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا عمل موت سے منقطع ہوگیا۔ اور دوسرے کے عمل کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں یہ الگ بات ہے۔ فلا اشکال۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مورخہ ۱۲، ۵، ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

توسّل بالانبیاء والاولیاء کے بارے میں مفصّل و مدلّل فتویٰ

سوال ۱ :- مسائل ذیل میں توسل بالانبیاء والاولیاء کی حقیقت کیا ہے ۔
۲ : انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام اور صلحاء کرام کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا کیسا ہے ۔ خواہ وہ اس عالم دنیا میں زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں ۔ خواہ ان کی ذات سے توسّل کیا جائے یا ان کے اعمال سے ۔ ایسا توسّل جائز ہے یا حرام یا شرک ۔
۳ : علماء حنفیہ خصوصاً اکابر علماء دیوبند کا مسلک توسّل کے متعلق کیا ہے ۔
۴ : پنجاب کے بعض مدعیان علم دیوبندی کہلا کر اس قسم کے توسّل کا سرے سے انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو شرک کہتے ہیں وہ صحیح معنی کو دیوبندی ہیں یا نہیں ؟

المستفتی قاضی احسان احمد شجاع آبادی

الجواب : وباللہ التوفیق

توسّل کی حقیقت

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی چشتی حنفی قدس سرہ العزیز جائز توسل کی حقیقت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ۔

(الف) کسی شخص کا جو جاہ ہوتا ہے اللہ کے نزدیک اس جاہ کی قدر اس پر رحمت متوجہ ہوتی ہے ۔ توسل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ جتنی رحمت اس پر متوجہ ہے اور جتنا قرب اس کا آپ کے نزدیک ہے اس کی برکت سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما ۔ کیوں کہ اس شخص سے تعلق ہے ، اسی طرح اعمال صالحہ کا توسل آیا ہے ، حدیث میں ، اس کے بھی یہی معنی ہیں ۔ کہ اس عمل کی جو قدر حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اور ہم نے وہ عمل کیا ہے ۔ اے اللہ ببرکت اس عمل کے ہم پر رحمت ہو ۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۸)

(ب) اور حاصل توسل فی الدعاء کا یہ ہے ، کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت ہے ۔ اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجب جلب رحمت ہے ۔ اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں پس ہم پر رحمت فرما ۔

(نشر الطیب ص ۳۴۸)

۲ : حضرات انبیاء علیہم السلام ، اور اولیاء اللہ العظام ، اور صلحاء کرام ، کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا شرعاً جائز بلکہ قبولیت دعا کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مستحسن اور افضل ہے ۔ قرآن و حدیث کے اشارات و تصریحات سے اس قسم کا توسل بلاشبہ ثابت ہے ۔

(الف) قرآن مجید سے توسّل کا ثبوت

ولما جاءهم كتاب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا اھ (پ ۱، سورۃ بقرہ) اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر۔ اھ یستفتحون کا مصدر "استفتاح" ہے اس کے ایک معنی ہیں۔ "مدد طلب کرنا"۔

علامہ شوکانی رح تفسیر فتح القدیر، ص ۹۵، ج ۱ میں لکھتے ہیں۔ والاستفتاح الاستنصار اھ۔

علامہ آلوسی رح فرماتے ہیں:

نزلت فی بنی قریظة والنضير كانوا يستفتحون على الاوس والخزرج برسول الله صلى الله عليه وسلم قبل بعثه قاله ابن عباس وقتادة اھ

(تفسیر روح المعانی، ص ۳۲۰، ج ۱)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رض اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب میں بنی قریظہ اور بنی نضیر اپنے فریق قبائل اوس وخزرج پر فتح طلب کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ تعالےٰ سے دعا کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے۔

اللهم انا نسئلك بحق نبيك الذي وعدتنا ان تبعثه فى اخر الزمان ان تنصرنا اليوم على عدونا فينصرون اھ (حوالہ بالا)

یعنی اے اللہ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں اس آخر الزمان نبی ؐ کے طفیل جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے یہ کہ ہمارے دشمن پر آج ہمیں مدد عطا فرما، وہ مدد دیئے جاتے۔ (یعنی ان کی دعا قبول ہوتی اور غالب آجاتے)۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے، تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان ؐ اور ان پر جو کتاب نازل ہوگی، ان کے طفیل کافروں پر غلبہ عطا فرما۔ اھ

دیکھئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں تشریف فرما نہ ہوئے تھے، اس وقت بھی اہل کتاب آپ کے وسیلہ سے دعا کرکے فتح یاب ہوتے تھے۔ حق تعالےٰ نے اس واقعہ کو بیان کرکے قرآن مجید میں اس قسم کے توسل کی کہیں تردید نہیں فرمائی۔ پھر اس کے جواز میں کیا شبہ کی گنجائش کسی کو ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

(ب) حدیث شریف سے توسّل کا ثبوت

۱ عن عثمان بن حنيف رضى الله عنه ان رجلا ضرير البصر اتى النبى صلى الله

علیہ وسلم قال ادع لی ان یعافینی (الی قولہ) اللّٰھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ۔ اھ قال ابو اسحٰق ھذا حدیث صحیح۔ (ابن ماجہ ص ۱۰۰)

ترجمہ اور فوائد" نشر الطیب مصنفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں باب صلوٰۃ الحاجۃ میں عثمان بن حنیف رض سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نابینا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، کہ دعاء کیجئے اللہ تعالےٰ مجھکو عافیت دے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہے تو اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے، اور اگر تو چاہے تو دعا کردوں۔ اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کر دیجئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے۔ اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعاء کرے کہ اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ بوسیلۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رحمت کے۔ اے محمدؐ میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ تاکہ وہ پوری ہو جائے، اے اللہ آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔

(ف) اس سے توسل صراحۃً ثابت ہوا۔ اور چونکہ آپ کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعاء کا جائز ہے اسی طرح دعاء میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔ اھ

(نشر الطیب، ص ۲۴۸)

انجاح الحاجۃ (حاشیہ ابن ماجہ) میں ہے کہ اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے۔ اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ اور بیہقی نے تصحیح کی ہے اور اتنا زیادہ کہا ہے کہ وہ کھڑا ہوگیا اور بینا ہوگیا۔ اھ (حوالہ بالا)

۲: دوسری روایت۔ انجاح الحاجۃ میں بعد تصحیح حدیث مذکور کے کہا ہے کہ طبرانی نے کبیر میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سابق الذکر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام کو جایا کرتا۔ اور وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ اس نے عثمان بن حنیف رض سے کہا۔ انہوں نے فرمایا کہ تو وضو کرکے مسجد میں جا، اور وہی دعاء اوپر والی سکھلا کر کہا کہ یہ دعاء پڑھ۔ چنانچہ اس نے یہی کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جو پھر گیا، تو انہوں نے بڑی تعظیم و تکریم کی اور کام پورا کر دیا۔

(ف) اس سے توسل ذات سے بعد الوفات بھی ثابت ہوا۔ اھ (نشر الطیب، ص ۲۴۸)

۳: عن امیۃ بن خالد بن عبد اللّٰہ بن اسید عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ کان یستفتح بصعالیک المھاجرین رواہ فی شرح السنۃ (مشکوٰۃ ص ۴۴۷)

ترجمہ: امیہ رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی دعا کیا کرتے تھے بتوسل فقراء مہاجرین کے۔ روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں۔

(ف) عادت توسل اہل طریق میں مقبولان الٰہی کے توسل سے دعاء کرنا بکثرت شائع ہے اور حدیث سے اس کا اثبات

ہوتا ہے۔ اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی وہی حقیقت اور غرض ہے۔ (التکشف، ص ۴۴۴)

۴: عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون و تنصرون بضعفائکم رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ، ص ۴۴۹)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ مجھ کو (قیامت میں) غرباء میں ڈھونڈنا۔ کیونکہ (غرباء کی ایسی فضیلت ہے کہ) تم کو روزی اور دشمنوں پر غلبہ غرباء ہی کے طفیل سے میسر ہوتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔ اھ (التکشف، ص ۴۴۴)

(ف) نمبر ۳ اور نمبر ۴ والی حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مقبولانِ الٰہی کی ذوات سے بھی توسل جائز ہے۔

۵: عن مصعب بن سعد عن ابیہ انہ ظن ان لہ فضلا علی من دونہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما نصر اللہ ھذہ الامۃ بضعفائہا و دعوتہم و اخلاصہم رواہ النسائی وھو عند البخاری بلفظ ھل تنصرون و ترزقون الا بضعفائکم۔ اھ

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ مجھے خیال آیا کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مجھے فضیلت ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالٰے اس امت کی مدد فرماتے ہیں۔ اس کے کمزور بندوں اور ان کی دعاؤں و اخلاص کے طفیل۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔ تم کو نصرت اور رزق دیا جاتا ہے کمزوروں کے طفیل۔

(ف) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالٰے کے مقبول بندوں کی ذات اور اعمال و اخلاص کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔

جمہور اہلسنّت والجماعت حنفیہ شافعیہ وغیرہما کے نزدیک بزرگوں کی ذوات و اعمال سے توسل کرنا جائز ہے

امام شافعیؒ سے توسل کا ثبوت ابوبکر بن خطیب بن علی میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا کہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہوں اور اس کے قریب اللہ تعالٰے سے حاجت روائی کی دعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد جلد میری مراد پوری ہو جاتی ہے۔ (تاریخ خطیب، ص ۱۲۳، ج ۱)

علامہ شامی حنفی رح نے بھی امام شافعی رح کا یہ قول ردالمحتار ص ۳۹ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ سمہودی اور علامہ سبکی رح سے توسل کا ثبوت

قلت کیف لا یستشفع ولا یتوسل بمن له هذا المقام والجاه عند مولاه بل یجوز التوسل بسائر الصالحین کما قاله السبکی۔ اھ (وفاء الوفاء، ص ۴۱۹، ج ۲)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنداللہ جاہ وعظیم مقام پر نظر کرتے ہوئے آپ کو شفیع بنانا اور آپ کو وسیلہ بنانا توبھلا کیسے جائز نہ ہوگا، بلکہ آپ تو آپ ہی ہیں، تمام صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اھ

شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے توسل کا ثبوت

دعا بایں طور" کہ الٰہی بحرمت نبی و ولی حاجت مرا رواکن" جائز است۔ (مائۃ مسائل، ص ۲۱)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح سے توسل کا ثبوت

الجواب

چونکہ اب بندہ سے سوال کیا گیا ہے تو مختصر لکھنا ضرور ہوا۔ استغاثہ (توسل) کے تین معنی ہیں۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کردے۔ یہ باتفاق جائز ہے۔ خواہ عندالقبر ہو خواہ دوسری جگہ، اس میں کسی کو کلام نہیں۔

دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے (خدا کا نام چھوڑ کر) تم میرا کام کردو، یہ شرک ہے۔ خواہ قبر کے پاس کہے خواہ دور کہے۔ اھ۔

تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جاکر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیویں۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوزین سماع موتیٰ اس کے جواز کے مقر ہیں۔ اور مانعین سماع موتیٰ منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ اسی واسطے ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۹۳، ج ۱)

حکیم الامت مولانا تھانوی رح سے توسل کا ثبوت

والتفصیل فی المسئلۃ ان التوسل بالمخلوق له ثلاثة تفاسیر، الاول دعائه واستغاثته کدیدن المشرکین و هو حرام اجماعا۔ اھ الثانی طلب الدعا منه (الی)

ولم يثبت في الميت بدليل فيختص هذا المعنى بالحي - اھ
والثالث دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول وهذا قد جوزه الجمهور۔ اھ

(بوادر النوادر ص ۷۰۹ ج ۲)

ترجمہ : اور اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ توسل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجا کرنا، جیسا مشرکین کا طریقہ ہے۔ اور یہ بالاجماع حرام ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ کہ مخلوق سے دعا کی درخواست کرنا۔ اور یہ میت میں کسی دلیل سے ثابت نہیں پس یہ صورت زندہ کے ساتھ خاص ہوگی۔ اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالے سے دعا کرنا اس مقبول مخلوق کی برکت سے۔ اور اس کو جمہور نے جائز رکھا ہے۔

اکابر علماء دیوبند کے متفقہ فتویٰ سے توسل کا ثبوت

السوال الثالث والرابع هل للرجل ان يتوسل في دعواته بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد الوفات ام لا ؟ ايجوز التوسل عندكم بالسلف الصالحين من الانبياء والصديقين والشهداء واولياء رب العلمين ام لا ؟

الجواب : عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل في الدعوات بالانبياء والصلحين من الاولياء والشهداء والصديقين في حياتهم وبعد وفاتهم بان يقول في دعائه اللهم اني اتوسل اليك بفلان ان تجيب دعوتي وتقضي حاجتي الى غير ذالك كما صرح به شيخنا ومولانا محمد اسحق الدهلوي ثم المهاجر المكي ثم بينه في فتاواه شيخنا ومولانا رشيد احمد گنگوهي رحمة الله عليهما وفي هذا الزمان شائعة مستفيضة بايدي الناس وهذه المسئلة مذكورة على صفحة ۹۳ من الجلد الاول منها فليراجع اليها من شاء -

(المهند على المفند ، ص ۱۲ و ۱۳)

یہ فتویٰ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری ثم المہاجر المدنی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی تصدیق میں اکابر علماء دیوبند کے (۲۳) دستخط ہیں۔ بعد ازاں علماء مکہ معظمہ، علماء مدینہ طیبہ، علماء جامعہ ازہر مصر، علماء دمشق شام کے (۴۶) تصدیقی دستخط ہیں۔ الغرض جواز توسل کا مسئلہ تمام علماء دیوبند کے نزدیک متفق علیہ ہے،

کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں ۔

۴ :۔ مذکورہ بالا تحریرات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پنجاب کے مدعیانِ علم جو توسل بالذوات یا توسل بالاموات کا مطلقاً انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو حرام یا شرک کہتے ہیں وہ ہرگز ہرگز دیوبندی المسلک نہیں ۔ بلکہ دیوبندی مسلک کے لئے بدنام کنندہ ہیں ۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

تنبیہ علامہ شوکانی رح کی ایک عبارت مولوی عبدالعزیز صاحب شجاعبادی نے اپنے رسالہ "فاتحۃ الالطاف" ص ۸۲ ، ۸۳ میں نقل کرکے انکار توسل کی تائید میں جو نتیجہ نکالا ہے کہ

"ہاں البتہ مردہ انسان خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اس سے ان چار امور (توسل وغیرہ) سے کوئی ایک بھی ٹھیک نہیں ہے ۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رض سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباس رض سے توسل دعا کررہے ہیں ۔ اھ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ توسل بالدعاء آنحضرت ص کی وفات کے بعد اصحابِ کبار رض کے نزدیک تصور نہ ہوسکتا تھا ۔ اس لئے حضرت عباس رض سے توسل کرلیا ہے ۔"

(فاتحۃ الالطاف ، ص ۸۳ و ۸۴)

یہ بالکل مغالطہ ہے ۔ حدیث کا مفہوم سمجھنے سے فہم کے افلاس کا ثمرہ ہے ۔ حدیث یہ ہے ۔

عن انس رض ان عمرؓ بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقی بالعباسؓ بن عبد المطلب فقال اللھم اناکنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقوا ۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے دعاء باراں کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ہم اپنے پیغمبر ص کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کیا کرتے تھے اور اب اپنے نبی کے چچا کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں ۔ سو ہم کو بارش عنایت کیجئے ، سو بارش ہو جاتی تھی ۔ روایت کیا اس کو بخاری نے ۔ اھ ۔

اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود اس توسل سے اول تو اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ بلا واسطہ آپ سے توسل کیا جائے ۔ دوسرے یہ کہ آپ کے قرابتِ حسیہ یا قرابتِ معنویہ سے تعلق دار کیواسطے سے توسل کیا جائے ۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رح فرماتے ہیں ۔ اس حدیث سے غیر نبی کیساتھ بھی توسل جائز نکلا جب کہ اس کو نبی سے کوئی تعلق ہو ۔ قرابتِ حسیہ کا یا قرابتِ معنویہ کا ۔ تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی ۔ اور اہل فہم نے کہا ہے کہ اس پر متنبہ کرنے کے لئے حضرت عمر رض نے حضرت عباس رض سے توسل کیا ۔ نہ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا ۔ جب کہ دوسری روایت سے اس کا جواز ثابت ہے ۔ اھ

(نشر الطیب ص ۲۵۰)

دوسرے یہ شبہ ہو سکتا تھا۔ کہ شاید توسل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ کے سوا اور کسی اور شخص کے ساتھ توسل جائز نہیں۔ اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لئے حضرت عمر رضہ نے حضرت عباس رضہ سے توسل کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دوسرے صلحاء کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(ف) مثل حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جواز توسل ظاہر تھا، حضرت عمر رضہ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے۔ تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے، بلا دلیل ہے۔ اول تو آپ بنص حدیث قبر شریف میں زندہ ہیں۔ دوسرے جو علت جواز کی ہے، جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا۔ اھ

علامہ شوکانی رہ کا بھی یہی مطلب ہے۔ نہ وہ جو شجاع آبادی صاحب نے ظاہر کیا حق تعالے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب اور محبت کی توفیق عطا فرمائے اور فہم سلیم نصیب فرمائے۔

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان
۱۱ / ۱۲ / ۱۳۷۷ھ

○

(" خدا تعالے جھوٹ بول سکتے ہیں ") بریلویوں کا جھوٹ ہے

دیوبندی عقیدہ ہے۔ کہ خدا تعالے جھوٹ بول سکتا ہے۔ مسئلہ امکان کذب، فتاوی رشیدیہ، جلد اول: صفحہ ۲۰، پر۔ عبارت یہ ہے کہ " کذب داخل تحت قدرت باری تعالے ہے " مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی۔

الجواب یہ قول (کہ خدا تعالے جھوٹ بول سکتا ہے) فتاوی رشیدیہ میں کہیں بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ الفاظ بریلویوں کے خود بنائے ہوئے اور اختراعی ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ کہیں بھی استعمال نہیں کئے ہیں۔ بلکہ حضرت موصوف ایسا کہنے والے کو کافر و ملعون کہتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں حضرت موصوف کا وہ فتویٰ جو کہ انہوں نے (مذکور فی السوال بات کے قائل کے متعلق دیا تھا) بالفاظہ نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

در ذاتِ پاک حق تعالےٰ جل جلالہٗ کی پاک و منزہ ہے اس سے کہ متصف بصفتِ کذب کیا جائے۔ معاذ اللہ تعالےٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلا ۔ جو شخص حق تعالےٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعًا کافر ہے، ملعون ہے۔ اور مخالف قرآن و حدیث کا اور اجماع امت کا ہے وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں۔ قال اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرًا ۔ البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان، سب کا ہے کہ خدا تعالےٰ کا مثلاً فرعون و ہامان و ابی لہب کے قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد ہے وہ قطعی ہے اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا۔ مگر وہ تعالےٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دے دیوے۔ عاجز نہیں ہو گیا قادر ہے۔ اگرچہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کریگا۔ قال اللہ تعالیٰ ولوشئنا لاٰتینا کل نفس ھدٰھا ولکن حق القول منی لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین اس آیت سے واضح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو مومن کر دیتا مگر جو فرما چکا اس کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔ اور سب اختیار سے ہے اضطرار نہیں، فاعل مختار ہے" فعال لما یرید" ہے۔ یہ عقیدہ تمام علماء امت کا ہے۔ چنانچہ بیضاوی رحؒ تحت تفسیر قولہ تعالیٰ ان تغفرلھم الآیۃ لکھتا ہے۔ کہ عدم غفران شرک مقتضی وعید کا ہے۔ ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں۔ اور یہ ہے عبارت۔ وعدم غفران الشرک مقتضی الوعید فلا امتناع فیہ لذاتہ ص ۱۱۸، ج ۱ ــــــــــ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

تو اس صریح اور چھپے ہوئے فتوٰی کے ہوتے ہوئے حضرت ممدوح پر یہ افترا کرنا، کہ معاذ اللہ وہ خدا کو کاذب بالفعل مانتے ہیں یا ایسا بکنے والے کو مسلمان کہتے ہیں کس قدر شرمناک کارروائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مفتریوں کو ان کے کئے کا بدلہ دے ۔

بندہ محمد اسحاق عفر اللہ لہ	الجواب صحیح
۱۸ / ۲ / ۸۷ ۱۳ھ	بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ

روئے زمین کے علماء کو کافر و مرتد کہنے والا کافر ہے

ایک شخص محمد ادریس نے ایک مولوی صاحب سے تیز تیز باتیں کرتے ہوئے کہا کہ یہ مولوی کافر و مرتد ہو گیا ہے اور یہ روئے زمین کے علماء (نعوذ باللہ) کافر و مرتد ہو گئے ہیں۔ آیا یہ شخص مسلمان رہ گیا، اور اس سے میل جول رکھنا چاہیے یا نہیں ؟

الجواب شخص مذکور کو فوراً توبہ اور تجدید ایمان کا اعلان کرنا چاہیئے۔ جب تک ایسا نہ کرے اس سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔ اور ساتھ ہی مولوی صاحب سے بھی معافی مانگے ۔

عن ابن عمر رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدھما (متفق علیہ) عن ابی ذر رضؓ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک ۔ اھ (رواہ البخاری) فقط ۔

الجواب صحیح
محمد شریف جالندھری
مہتمم خیر المدارس ، ملتان

محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ،
۱۸ ، ۹ ، ۱۳۹۸ ھ

بہشتی زیور کے دو مسائل کے بارے میں ایک سوال

۱ : بہشتی زیور میں ہے کہ جب کفر کا کلمہ زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا ۔ اگر ہنسی دل لگی میں کفر کی بات کہے اور دل میں نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے ۔ جیسے کسی نے کہا (العیاذ باللہ) کیا خدا کو اتنی قدرت نہیں جو فلانا کام کر دے اس کا جواب دیا ہاں یا نہیں ہے ۔ تو اس کہنے سے کافر ہو گئی ۔

۲ : کسی نے کہا کہ اٹھو نماز پڑھو ، جواب دیا کون اٹھک بیٹھک کرے ۔ یا کسی نے روزہ رکھنے کو کہا تو جواب دیا کون بھوکا رہے ، یا روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانا نہ ہو یہ سب کفر ہے ۔ ان مسائل کے بارے میں ارشاد فرمائیں ؟

الجواب ۱ : ہر دو مسائل درست ہیں ۔ پہلا مسئلہ واضح ہے ۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پہ قادر ہے ۔ لہذا یہ کہنا کہ اللہ تعالےٰ فلانے کام پر قادر نہیں قرآن کا انکار ہے ۔

۲ : دوسرے مسئلہ میں شریعت کا استہزاء اور تمسخر ہے اور یہ بھی کفر ہے ۔ فقط

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہٗ
مدرس خیر المدارس ، ملتان

محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۳ ، ۱۰ ، ۱۳۹۸ ھ

"شریعت کی ایسی تیسی" کہنا کفر ہے

سوال : ایک شخص مسلمان ہو کر شریعت کو ہلکا اور ناچیز سمجھتا ہے اور کہتا ہے " شریعت کی ایسی تیسی میں شریعت کو کچھ نہیں سمجھتا " کیا اس شخص کے ایمان پر کچھ فرق پڑا یا نہیں ؟

الجواب بظاہر یہ الفاظ کفریہ ہیں۔ لہذا تجدید ایمان و تجدید نکاح کی جاوے۔ ولو قال من شریعت چہ دانم یکفر۔ (خلاصہ ، ص ۳۸۸ : ج ۴)
ولو نظر الی فتوی وقال باز نامہ فتوی آوردی یکفر ان اراد بہ الاستخفاف بالشریعۃ۔ (سراجیہ ، ص ۶۸) فقط۔

الجواب صحیح
العبد الفقیر محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ، ملتان

عبد المنان
خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان
۸ ، ۴ ، ۱۳۹۹ ھ

نماز کے ساتھ مذاق کے بارے میں

ایک مڈل سکول میں ایک مزاحیہ ڈرامہ ترتیب دیا گیا اس میں شہر کے چند معززین کو بھی دعوت دی گئی۔ اور مجمع کثیر میں یہ ڈرامہ کھیلا گیا۔ وہ ڈرامہ یہ تھا کہ ایک لڑکے کو امام بنایا گیا اور دوسرے مقتدی بن گئے۔ امام نے نماز کی نیت اس طرح کی "یہ حلوہ ، گوشت ، چاول ، سویاں اللہ اکبر" قیام بغیر قرأت کرکے رکوع کرکے سجدہ کیا بغیر اللہ اکبر کہے۔ سجدہ سے امام اکیلے سر اٹھا کر مصنوعی حلوہ کھانے میں یوں مشغول ہوا کہ بار بار مقتدیوں کو بھی سجدہ میں پڑا ہوا دیکھ لیتا تھا۔ اور بیٹھ کر حلوہ کھاتا تھا۔ اور تماشائیوں کو بھی ہنساتا تھا۔

پھر دوسری رکعت کو سب کھڑے ہو گئے۔ اور دوبارہ سجدے میں ویسے ہی بناوٹی حلوہ کی پلیٹیں سامنے رکھ کر جلدی جلدی سر اٹھا کر کھاتا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد التحیات میں بیٹھ کر سلام پھیرا۔ اور امام نے دعا مانگی کہ یا اللہ حلوہ دے گوشت چاول دے ، دال کی فیکٹریاں بند کر۔

ڈرامہ کے ذمہ دار افسر نے چند معززین کے جواب میں اسی وقت کہا کہ ہماری نیت مزاحیہ پروگرام پیش کرنا ہے کوئی نماز کا انکار یا مولوی پر طعنہ وغیرہ مطلوب نہیں۔ جس کو یہ ناپسند لگے وہ چلا جائے۔

اس ڈرامہ پر ایک دیوبندی مولوی صاحب نے پرزور تردیدی بیان دیتے ہوئے ڈرامہ میں شمولیت کرنے والے چند افراد کو کہا کہ یہ لوگ

أ باللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستہزءون ، لا تعتذروا قد کفرتم الآیۃ اذا سمعتم ایات اللہ یکفر بہا ویستہزء بہا فلا تقعدوا معہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلہم۔

کے مصداق ہیں ڈرامہ میں خوش ہونے والے اور دلچسپی لینے والے مسلمان توبہ کریں۔ اور تعزیراً تجدید ایمان بھی کریں۔
اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس صورت میں واقعی شعائر اسلام کا مذاق ہوا ؟ مولوی صاحب کا بیان درست ہے یا نہیں ؟ ۔

الجواب نماز شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ اس کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرنے والوں کے لئے ایمان و نکاح کی تجدید ضروری ہے۔ مذکورہ ڈرامہ میں شرکت کرنے والے، ترتیب دینے والے، کردار ادا کرنے والے، انتظام کرنے والے، دیکھ کر خوش ہونے والے، سب سخت مجرم اور گناہ گار ہیں۔ بالخصوص اس قبیح ترین حرکت کو سوچنے والے اور اسے عملی جامہ پہنانے والے۔ علاقہ کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے افراد کے خلاف سخت غم و غصہ و بیزاری کا اظہار کریں تاکہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ توبہ کریں اور آئندہ کسی بدباطن خبیث الفطرت کو دین و مذہب کے ساتھ علانیہ ایسا استہزاء کرنے کی جرأت نہ ہو۔

جس مولوی صاحب نے ان کی تردید کی ہے انہوں نے بالکل درست کیا ہے۔ ان کی تائید کرنی چاہیئے اور تجدید ایمان کا حکم درست ہے۔ واقعۃً تجدید ضروری ہے اور توبہ بھی علانیہ مجمع عام کے سامنے کرائی جائے۔

لما فی الھدایۃ التوبۃ علی حسب الجنایۃ فالسر بالسر والاعلان بالاعلان"

(ہدایہ ص ۴۴، ۱، ج ۳)

محمد انور	الجواب صحیح محمد انور شاہ عفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

باری تعالیٰ عزوجل کی شان میں گستاخی کفر ہے

سوال زید جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا ہے اور سنتِ نبوی کے پیرو کاروں کی بھی خدمت کرتا ہے۔ اس کے باوجود مالکِ حقیقی اللہ جل شانہ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو نعیاذ باللہ ماں، بہن کی گالیاں دیتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے۔ نیز زید کے ایک مستند عالم دین بکر کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات ہیں حتیٰ کہ بکر زید کے گھر بھی آتا جاتا ہے اور اس کے گھر کا کھانا بھی کھاتا ہے۔ کیا زید اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا حق دار ہے؟ زید کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بکر مذکور کے پیچھے فریضۂ نماز وغیرہ ادا کرنا درست ہے؟

الجواب وفی العالمگیریہ ص ۲۸۱ ج ۲۔ یکفر اذا وصف اللہ بما لا یلیق بہ او سخر باسم من اسمائہ او بامر من اوامرہ الخ

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر زید مذکور نے واقعی اللہ جل شانہ کی شانِ اقدس میں وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں تو پھر ایسا شخص (زید) مسلمان نہیں بلکہ مرتد ہے۔ اہل اسلام کو اس سے قطع تعلق کرنا لازم ہے اور اس کے گھر کا کھانا کھانا درست نہیں ہے۔ بکر مذکور پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ اگر وہ اپنے فعل پر ندامت ظاہر نہ

کرے بلکہ بدستور اس کے گھر آتا جاتا رہے تو اس کو امامت سے علیحدہ کر دیا جائے۔

بندہ محمد اسحٰق غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر کے عموم میں ہر ممکن داخل ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ علی کل شیٔ قدیر ہر شیٔ پر قادر ہیں۔ اگر چاہیں کروڑوں نبی، کروڑوں جبرئیل وغیرہ ایک آن میں پیدا کر سکتے ہیں اور اپنی تائید میں "تقویۃ الایمان" مولوی اسمٰعیل دہلوی کی سند لاتا ہے اور کتاب کھول کر دعویٰ کرتا ہے کہ کتاب مذکور میں بھی عبارت موجود ہے۔

اور عمر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام نہیں بدلتا، اور قرآن میں نص موجود ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ ومن اصدق من اللہ قیلا۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر نہیں۔ اگر باری تعالیٰ کو ایسا کرنے پر قادر تسلیم کیا جائے تو نصوص بالا کے خلاف ہوگا۔ اور ذات باری خلاف وعدہ کرنیوالی سمجھی جائے گی۔ خلف وعدہ یا وعید یا امکانِ کذب ذاتِ باری میں نقص ہے اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔ اور مرزائیوں اور مرزا کو برحق سمجھا جائے گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ کروڑوں نبی پیدا کر سکتے ہیں تو مرزا کو نبوت مل گئی ہو تو کیا بڑی بات ہے۔ ؟

الجواب زید کا قول درست ہے لیکن ناقص ہے کیونکہ اس میں ایک ضروری جز تحریر سے رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ "لیکن اب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو پیدا نہیں فرمائیں گے"۔ پس زید کا پورا قول یہ ہوا۔ "اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو کروڑوں نبی ایک آن میں پیدا کر سکتے ہیں لیکن اب چونکہ ختم نبوت کا اعلان فرما چکے ہیں لہٰذا باوجود قدرت کے کسی نبی کو پیدا نہیں فرمائیں گے"۔

پس اس زمانہ میں نبی کا آنا زید کے نزدیک بھی ممتنع ہے جیسے کہ عمر کے نزدیک۔ لیکن امتناع مذکور کی علت زید کے نزدیک حق سبحانہٗ کا باوجود بقائے قدرت کے کسی نبی کو پیدا نہ کرنا ہے۔ کیونکہ خود اس کا اعلان فرما چکے ہیں۔ اور مسلوبیت دفنائے قدرت سابقہ نہیں ہے کہ پہلے خداوند قدوس خلق انبیاء پر قادر تھے اور انبیاء کو پیدا فرماتے رہے لیکن اعلانِ ختم نبوت سے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یہ قدرت ہی سلب ہو گئی۔ جیسا کہ ایک بوڑھا بڑھاپے میں بہت سے کاموں پر قادر نہیں رہتا۔

اور عمر کے نزدیک سلب قدرتِ خداوندی ہے۔ کیونکہ سابق میں وجود قدرتِ مذکورہ متفق علیہ ہے۔ حالانکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات وصفات میں اس قسم کے تغیرات وانقلابات سے بالکل پاک ہیں۔ کہ کل کسی کام پر قدرت تھی اور آج مسلوب ہوگئی۔ وہ ذاتِ خدا ہی کیا ہوگی جس کی صفات میں اس قسم کے اضمحلال اور فنا کو راہ ہو۔ اگر یوں ہی تسلیم کیجئے اور خداوند قدوس کو باعتبار وجود اور صفات کے واجب اور ناقابل تغیر نہ کہئے تو کل کو خدائی ہی کا کیا اعتبار ہے؟ بلکہ خود وجود ہی کا کیا بھروسہ؟ ممکن ہے ایک صفت آج ہے کل نہ رہے۔ یہ شان تو ممکن کی ہے واجب میں ایسے انقلابات کو راہ نہیں۔

رہا یہ شبہہ کہ تسلیم قدرت سے خلافِ نصوص لازم آتا ہے۔ سو یہ محض لغو ہے۔ کیونکہ نفسِ قدرت سے یہ محظور ہرگز لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ نص میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کو پیدا نہیں کریں گے۔ اس کے خلاف تب لازم آئے گا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حق تعالےٰ کسی نبی کو پیدا کردیں۔ اور اگر تا قیامت اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی نبی نہ بھیجا جاوے، باوجود قدرت کے تو اس سے نص کے خلاف کیسے لازم آگیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ مقتضائے نص تو ہے عدم مخلوقیتِ نبی بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ اور یہ عدم خلق سے حاصل ہے۔ پس نعوذ باللہ سلب قدرتِ محققہ متفقہ کی کون سی ضرورت ہے؟ اور کیا داعی ہے اور ملجی ہے کہ قدرتِ خداوندی میں دست اندازی کی جائے۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ قدرت ثابتہ کو ثابت تسلیم کیا جائے اور عدم خلق کا بھی اقرار کیا جائے۔ ہماری اس تقریر سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ زید کا قول صحیح ہے اور عمر کا قول درست نہیں۔ باقی دلائل کا سلسلہ طویل ہے بطور نمونہ چند آیاتِ قرآنی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱: ان اللہ علی کل شئ قدیر ۔ ۲: ان ربک فعال لما یرید ۔
بے شک تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر نبی کو پیدا فرمانے کا ارادہ فرمادیں تو پیدا کردیں گے، اگرچہ ایسا کریں گے نہیں۔

۳: وربک یخلق ما یشاء ویختار ۔ (پ ۲۰)

وغیر ذلک من الآیات والاحادیث الدالۃ علی عموم القدرۃ ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۸ / ۴ / ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

تکفیر میں احتیاط لازم ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دیوبند اس مسئلہ کے بارے میں کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولانا مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کی تالیف و تصنیف کردہ کتابوں میں کچھ ایسی عبارتیں درج ہیں جنھیں توہین رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ میں آتی ہے۔ بریلوی علماء ان عبارتوں کو کفریہ سمجھتے ہیں اور ان عبارتوں کے قائل پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جیسے تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، حفظ الایمان، تحذیر الناس وغیرہ میں لکھی ہوئی ہیں۔ جن سے آپ حضرات اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ان عبارتوں کو آپ حضرات یعنی علماء دیوبند صحیح سمجھتے ہیں یا نہیں؟ یا ان کی کوئی تاویل کرتے ہیں۔ یا ان عبارتوں کے لکھنے والے حضرات کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

محمد ایوب الرحمٰن خطیب جامع مسجد خانیوال

الجواب: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال معانی کفر کے نکلتے ہوں اور ایک احتمال معنی صحیح کا ہو تو قائل کو جب تک وہ معنی کفر کے مراد لینے پر اصرار نہ کرے، کافر نہ کہا جائے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۹۹ میں فرماتے ہیں۔

وقد ذکر ان المسئلۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لھا تسع وتسعون احتمالا للکفر و احتمال واحد فی نفیہ فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لان الخطاء فی ابقاء الف کافر اھون من الخطاء فی افناء مسلم واحد الخ

اس عبارت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی مسئلہ میں جبکہ ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال نفی کفر کا ہو تو قاضی اور مفتی کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ نفی کفر کے احتمال کو ترجیح دے اس لئے کہ ہزار کافروں کو کفریہ باقی رکھنے میں غلطی کر جانا بہتر ہے اس بات سے کہ ایک مسلمان کو کافر بنانے میں غلطی ہو جائے۔

اس ضابطہ کو تسلیم کرنے کے بعد اب جن محمل عبارتوں کا آپ نے تذکرہ فرمایا ہے ان عبارتوں کے اصحاب نے بارہا تصریح کی ہے کہ ہماری مراد وہ نہیں جو ہماری طرف نسبت کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص خواہ مخواہ ان کی عبارتوں کا ایک غلط مطلب نکال کر ان کو زبردستی کافر بنانا چاہے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ و انابت کرے ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو کافر بنانے کے شوق میں اپنے انجام سے غافل ہو جائے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۱ / ۱۳۷۷ھ

ضروریات دین جن کا انکار کفر ہے

آج کل کفر سازی کا بازار خوب گرم ہے۔ مسلمان فرقے ایک دوسرے کی تکفیر میں نہایت بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تکفیر کو اظہار حق قرار دیتے ہیں، اپنے آپ کو بہادر اور حق گو گردانتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے

کیونکہ بالخصوص سے کالج اور یونیورسٹی کے طلباء اور دیگر جدید تہذیب سے آراستہ مسلمان ان سے متنفر ہو کر الحاد و زندقہ مرزائیت و پرویزیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس بارے میں کچھ پریشان ہیں۔ اس لئے خیال آیا کہ اپنے ان اکابر کی طرف رجوع کیا جائے جن کے علم و اخلاص پر ہمیں اعتماد ہے۔ لہٰذا ہم آپ کے سامنے " ضروریاتِ دین " کی فہرست پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی تصدیق اور قابلِ اصلاح چیزوں کی اصلاح کے متمنی ہیں۔ اور ثانیاً بعض چیزوں کے بارے میں استفسار کرتے ہیں کہ آیا یہ بھی ضروریاتِ دین میں سے ہیں اور انہیں بھی مدارِ ایمان و کفر قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

ضروریاتِ دین توحیدِ باری تعالےٰ، انبیاء علیہم السلام کا بشر ہونا، کتبِ الٰہیہ منزل من اللہ ہیں، حیاتِ مسیحؑ، نزولِ مسیحؑ، جنت و دوزخ وغیرہ۔

اب ہم ان چیزوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جن کے متعلق ہمیں دریافت کرنا ہے کہ آیا یہ بھی ایسی چیزیں ہیں جن کا انکار باعثِ کفر ہے ؟

۱، عصمتِ انبیاء علیہم السلام۔ ۲، عدالتِ صحابہؓ (ان کی عدالت فی الروایات تو مسلّم ہے لیکن زید ان کے ذاتی افعال پر تنقید کرتا ہے اور ان کو ان کے افعال و معاملات میں عادل قرار نہیں دیتا) تو آیا ایسا عقیدہ باعثِ کفر ہے یا نہیں؟ ۳، حرمتِ متعہ۔ ۴، سنتِ لحیہ۔

ثانی الذکر امور کے بارے میں باحوالہ تحریر فرمائیں کہ آیا یہ بھی ضروریاتِ دین ہیں یا نہیں ؟ نیز آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صدر کے حلف اٹھانے وقت اقرار کے الفاظ درج ذیل ہیں، اس بارے میں فرمائیں کہ اتنے اقرار سے اسے مسلمان کہہ سکتے ہیں یا بقیہ ضروریاتِ دین کی وضاحت بھی ضروری ہے ؟

" میں قسم کھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور خدا پر میرا یقین کامل ہے اور اس کی کتاب قرآن پاک آخری کتاب ہے۔ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔ قیامت کے دن پر، رسول کی سنت حدیث پر، قرآن پاک کے احکامات پر " (آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان ص ۱۴۴)

مستفتی (مولانا) عبدالحمید (صاحب)
شیخ الحدیث و صدر مدرس باب العلوم کہروڑ پکا : ملتان

الجواب ضروریاتِ دین کا انکار کفر ہے اور منکر کا تاویل کرنا معتبر نہیں۔ یہ دونوں امر مسلّمہ ہیں۔ اسی بنا پر پوری امتِ مسلمہ کا اجماع ہو چکا ہے کہ مرزائی کافر ہیں۔ اسی طرح پرویزیوں کا کفر و ارتداد بھی مسلّم ہے۔

مودودی اور اس کے اتباع کے بارے میں ابھی تک ہمارے اکابر نے تکفیر نہیں کی ہے۔ البتہ مودودی صاحب کے اجتہادات (جن میں سے حل متعہ بھی ہے اور صحابہ کرام رض کی تنقیص اور ان پر تنقید کرنا) اور اسی طرح مودودی صاحب کے دیگر تفردات (جن کی بنا پر امتِ مسلمہ میں تفرقہ واقع ہو چکا ہے) کی بنا پر یقیناً کہنا پڑتا ہے کہ مودودی صاحب اتباعِ سلف

سے ہٹ چکے ہیں بلکہ انہوں نے ایک الگ راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اسی خطرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم نے ایک پمفلٹ بعنوان "جماعتِ اسلامی کا موقف" ادارہ "الصدیق" کی طرف سے شائع کیا تھا جس پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم کی تقریظ بھی تھی۔ معتدل خیال کے مودودیوں نے بھی اسے پسند کیا تھا۔ اس کا مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔

ضروریاتِ دین کی جو فہرست آپ نے پیش فرمائی ہے باستثناء چند باقی صحیح ہے۔ ان ضروریاتِ دین کی تفصیل جن کا انکار کفر ہے ان کے لئے معیار کیا ہے؟ بندہ اس سلسلہ میں دو کتابوں کے نام پیش کرتا ہے۔ ایک عربی ہے۔ "اکفار الملحدین فی شیئ من ضروریات الدین" دوسری اردو میں ہے۔ "ایمان و کفر" مصنفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ اس کا مطالعہ فرمایا جائے۔

بہرحال علماءِ کرام کا بل کر فیصلہ کرنا مناسب ہے اور خود ہم اس کی جرأت مناسب خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ تکفیر مسلمین کے مسئلہ میں ہمارے اکابر نے احتیاط برتی ہے۔

باقی صدر کے حلف اٹھانے کے لئے جو الفاظ ذکر کئے گئے ہیں وہ جامع مانع ہونے کی وجہ سے اجمالی ایمان کے لئے کافی ہیں۔ کھود کرید کے بعد تو بہت کم لوگ مومن نکلیں گے۔ ایمان کے لئے اجمالی ایمان بھی کافی ہے۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان: ۸، ۲، ۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی

الجواب حق: بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ، نائب مفتی۔

قائلینِ علمِ غیب کے بارے میں ایک فتویٰ

ماہنامہ "الصدیق" کا حجاج نمبر نظر سے گزرا اور اس میں قائلین علم غیب کلی کو کافر کہنے کے بارے میں احتیاط کرنے کے سلسلہ میں ایک فتویٰ پر نظر پڑی۔ مستفتی نے مدرسہ امینیہ دہلی کا جو جواب نقل کیا ہے اور اس کے قریب دارالعلوم دیوبند کا جواب بتلایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اہل بدعت عطائی علم غیب کی تاویل کرتے ہیں اور مؤول کافر نہیں۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ نص قطعی کے معنی بھی اگر تواتر سے قطعی طور پر ثابت ہوں تو اس معنی کا انکار کرنا اور کوئی دوسری تاویل کرنا کفر ہے۔ لانہ انکار ما ثبت من الدین ضرورۃً "لہٰذا مؤول کافر نہیں" کا قاعدہ مخصوص ہوا ایسی نص کے ساتھ کہ اس کے الفاظ تو قطعی ہیں مگر معانی قطعی نہیں۔ سو ان کا انکار اور دوسری تاویل واقعی موجب کفر نہیں۔ قادیانی خاتم النبیین کے لفظ کے منکر نہیں بلکہ معنی کے منکر ہیں یعنی تاویل کرتے ہیں مگر اس کے باوجود کافر ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کا معنی جس کا انہوں نے انکار کیا ہے قطعی ہے۔

پھر اب صورتِ زیر بحث میں دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا نصوص نافیہ علم غیب کلی کا عطائی کو شامل ہونا قطعی نہیں اگر ان نصوص کا عموم تواتر سے ثابت نہ ہو اور معنی عام قطعی نہ ہوں تو واقعی ایسے کو کافر کہنا صحیح نہ ہوگا۔ غرضیکہ علم غیب کلی عطائی کا غیر اللہ سے منفی ہونا قطعی اور ثابت بالتواتر ہے یا نہیں؟ اور خیر المدارس کی طرف سے اس استفتاء کے جواب کا خلاصہ یہ ہے جو شرح فقہ اکبر سے نقل کیا ہے کہ جب تک کسی قول میں کوئی بعید سے بعید تاویل ہو سکے جو موجب کفر نہیں اس وقت تک اس کے قائل کو کافر نہ کہنا چاہئے۔ اگرچہ قول کا ظاہر موجب کفر ہو۔ اس قاعدہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ قائل خود اس احتمالِ بعید کا انکار نہ کرے۔ اگر قائل خود ظاہر پر رکھنے کی تصریح کرتا ہو تو اس کے قول کو احتمالِ بعید پر محمول کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

پھر دریافت طلب امر یہ ہے کہ قول علم غیب عطائی میں وہ کون سا محمل بعید ہے کہ قائل اس محمل بعید کا بھی قائل ہو یا کم از کم اس سے ساکت ہو اور انکار نہ کرتا ہو۔ ایسے کسی محمل کی تعیین مطلوب ہے جس کی بناء پر تکفیر سے احتراز کیا جاوے؟۔

(مولانا مفتی) رشید احمد (صاحب)

جامعہ دینیہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی۔ سندھ۔

الجواب

اہل بدعت کے عقائد دربارۂ علم غیب جو ہمیں معلوم ہوئے ہیں کہ وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم ماکان ومایکون تسلیم کرتے ہیں اور مایکون کی تفسیر الی وقت النفخۃ الاولیٰ یا الی دخول الجنۃ کرتے ہیں اور اس علم کو عطاء باری تعالیٰ تسلیم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ علم جس کا اثبات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کیا جاتا ہے محدود ہے اور حادث ہے اور وہ علم جو صفت باری تعالیٰ ہے وہ قدیم اور لامحدود ہے۔ اور حادث غیر خدا کے لئے ثابت کرنا چاہے وہ کتنا ہی عظیم اور کثیر ہو شرک اور کفر نہیں ہو سکتا۔ علم غیب کلی غیر اللہ کے لئے ثابت کرنے کے لئے ماننا پڑے گا کہ ایک لامحدود اور غیر متناہی علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا جائے۔ حضرات بریلویہ اس کے قائل نہیں۔ اس لئے علماء دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔

البتہ اگر کوئی بریلوی بالکل نصوص صریحہ کے خلاف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قسم کا علم غیر متناہی جو صفت خداوندی ہے، ثابت کرے تو وہ کافر اور شرک ہوگا۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت بریلویہ کے مقتدر علماء سے پہلے ان کے عقائد کی تحقیق کر لی جائے پھر نہایت ہی غور و فکر کے بعد ان کے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ تکفیر میں جلد بازی مناسب نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲۴ محرم ۱۳۷۶ھ

"میں یہ نہیں کروں گا خواہ مجھے جبرئیل امین آکر کہیں" کہنے کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے جو کہ ایک عالم دین ہے اپنے گھریلو تنازعہ میں تعلیق بالمحال کے طور پر یہ کہا کہ میں اپنی والدہ محترمہ کے اس فیصلہ کو جو کہ وہ اپنی حیات میں فرما گئی ہیں اب کسی ثالث مجلس کے سپرد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ خواہ مجھے کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کہے۔ خواہ جبرئیل امین ؑ بھی آکر کہے۔ اب کیا ایسے الفاظ کا ناطق کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے؟ خصوصاً اس وقت جب کہ وہ اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ میرا یہ کہنا حضرت جبرئیل ؑ کے استخفاف یا توہین کیلئے نہیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں کوئی بات کفریہ نہیں ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ متکلم اپنے منشاء اور مراد کی خود صراحت کر رہا ہے کہ میری مراد نہ استخفاف ہے اور نہ توہین۔ اور یہ الفاظ کہ مجھے جبرئیل ؑ بھی آکے کہے، ذو معانی کثیرہ ہیں۔ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ سفارش یا تعلیق بالمحال کی ہے۔ اور تعلیق بالمحال خود مستلزم محال ہے لہٰذا متکلم کافر نہیں ہوا ہے۔ اب متکلم کو خواہ مخواہ استخفاف اور توہین کا مرتکب قرار دیکر کافر کہنا فاما الذين فى قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منهم ابتغاء الفتنة کا مصداق بننا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ؛ عبدالمجید عفا اللہ عنہ جامعہ مدنیہ

الجواب صحیح ؛ کیوں کہ جبرئیل امین ؑ کی تشریف آوری بغیر نبی کے بتلائے صحیح معلوم ہونی ممکن نہیں۔ اور اس وقت کوئی نبی نہیں نہ نبی کریم اور نہ عیسیٰ علیہ السلام اس لئے یہ تعلیق بالمحال ہی ہوگی۔

المجیب مصیب ؛ اس لئے کہ فقہ اکبر میں ہے۔ وعن الذخيرة ان فى المسئلة اذا كان وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير فعلى المفتى يميل الى الذى يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم لہٰذا متکلم مذکور کافر نہیں ہوگا۔

خلیل احمد خطیب جامع مسجد صدیقیہ لائلپور

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمود عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد اسحٰق	محمد انور شاہ غفر اللہ لہ
مفتی قاسم العلوم ملتان	نائب مفتی خیر المدارس ملتان	نائب مفتی خیر المدارس ملتان	نائب مفتی قاسم العلوم ملتان
۲ شعبان ۱۳۹۱ھ	۱۰ شعبان ۱۳۹۱ھ	۸ شعبان ۱۳۹۱ھ	۷ شعبان ۱۳۹۱ھ

میں خود پیدا ہوا ہوں مجھے کسی نے پیدا نہیں کیا کلمۂ کفر ہے

سوال زید نے کسی سے پوچھا کہ پیر نہ ہوں تو کیا ہوگا ؟ جواب دیا کوئی ڈر نہیں ۔ سائل نے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں تو کیا ہوگا ؟ جواب دیا کوئی ڈر نہیں ۔ سائل نے پوچھا کہ خدا نہ ہو تو کیا ہوگا ؟ جواب دیا کوئی ڈر نہیں ۔ حتیٰ کہ مسئول نے کہا کہ میں خود پیدا ہوا مجھے کسی نے پیدا نہیں کیا ۔ اگرچہ یہ الفاظ اس نے مذاقاً کہے تھے تو کیا اس کے ایمان میں خلل واقع ہوا اور اس کا نکاح برقرار ہے یا باطل ہو گیا ؟

الجواب یہ کلمات بہرحال کفر ہیں مسئول کو تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرنی چاہیے اور آئندہ ایسے مسائل میں محتاط ہو کر گفتگو کی جائے ۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۳ ، ۶ ، ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

"جملہ داڑھی والے بے ایمان ہوتے ہیں" یہ جملہ کہنا کفر ہے

ایک شادی شدہ شخص نے کہا کہ تمام داڑھیوں والے بے ایمان ہیں ۔ کیا یہ کہنے کے بعد اس کا اپنی بیوی کے ساتھ نکاح باقی رہا یا نہیں ؟ اور مہر و عدت کا حکم بھی بیان فرمادیں ۔

رب نواز خان معرفت اللہ بندہ : جھنگ صدر

الجواب اگر یہ جملہ کہنے والے کی نیت بھی یہی تھی کہ جملہ داڑھی والے بے ایمان ہوتے ہیں تو بلاشبہ وہ خود بے ایمان و کافر ہے ۔ یہ جملہ کہتے ہی بیوی سے نکاح ختم ہو گیا ۔ اگر یہ جملہ خلوت صحیحہ کے بعد کہا ہے تو مرد پر پورا مہر اور عورت پر عدت لازم ہے ۔ اور اگر خلوت صحیحہ سے پہلے کہا ہے تو خاوند پر نصف مہر لازم ہے اور عورت پر عدت واجب نہیں ۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۴ ، ۱ ، ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

مَا يَتَعَلَّقُ بِالقُرآنِ

بوسیدہ قرآن بے ادبی کی جگہ دفن نہ کئے جائیں

سوال ہمارے محلہ کی جامع مسجد کے ہال کمرہ کے وسط میں چند جگہ پر چھوٹے چھوٹے گڑھے کھود کر قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق دبا دیئے گئے ہیں۔ اور اوپر چپس کا فرش بچھا دیا گیا ہے۔ بعض نمازی اسے بے ادبی تصور کرتے ہیں۔ مگر مسجد کی انتظامیہ کے خیال میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان بوسیدہ اوراق کو دفن کرنے کے لئے مسجد سے زیادہ پاکیزہ اور کوئی جگہ نہیں۔

۲ ؛ آداب القرآن ، مؤلفہ حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب کے صفحات ۵۹ ، ۶۰ پر بوسیدہ اوراق کو پانی سے دھو ڈالنے یا زمین میں گڑھا کھود کر دفن کرنے کا لکھا ہے۔ اور یہاں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دفن کرنے کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ اس پر بغیر کسی حائل کے مٹی نہ ڈالی جائے بلکہ جس طرح مسلمان میت کی قبر میں تختے وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جاتی ہے قرآن مجید کی تدفین میں بھی یہی طریق اختیار کیا جاوے۔ مگر دفن کرنے کی جگہ کے بارے میں صراحت نہیں کی گئی۔

۳ ؛ کیا تدفین کی جگہ ایسی ہونی چاہیئے کہ جہاں پر کسی کا پاؤں پڑنے کا احتمال نہ ہو یا بیشک لوگ دفن شدہ قرآن کی جگہ کے اوپر بے دھڑک چلتے پھرتے ہیں ؟ اور یہاں مسجد کے دالان میں دفن کرنے سے یہ صورت پیدا ہوگئی ہے کہ دفن والی جگہ ہمیشہ نمازیوں کے پاؤں تلے رہے گی۔ اور لوگ اوپر چلیں گے اور نماز پڑھیں گے۔ نیز بوسیدہ اوراق بغیر کسی حائل کے دفن کئے گئے ہیں۔

۴ ؛ ضروری حوالہ جات کیساتھ وضاحت فرمائیں کہ ان بوسیدہ اوراق کے اس طرح مسجد کے دالان میں دفن کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں۔ اور کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے ؟ جواب نفی میں ہونے کی صورت میں کیا اقدام کیا جاوے ؟

الجواب مذکورہ تدفین صحیح نہیں یہ خود بے ادبی ہے انہیں نکال کر قبرستان میں احترام و ادب کیساتھ دفن کیا جاوے۔ شامی میں صراحۃً تحریر ہے کہ ایسی جگہ دفن نہ کیا جاوے جہاں پاؤں پڑتے ہوں۔

المصحف اذا صار بحال لا یقرأ فیہ یدفن کالمسلم اھ (درمختار) قولہ یدفن ای یجعل فی خرقۃ طاھرۃ ویدفن فی محل غیر ممتھن لا یوطاء اھ (شامی ص۱۶۴ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰ ، ۱ ، ۱۴۰۰ھ

نیکر (KNICKER.) پہنے ہوئے فوجیوں کے سامنے قرآن پڑھنے کا حکم

سوال فوجی حضرات صبح سویرے فوجی قانون کے مطابق نیکر پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی رانیں ننگی ہوتی ہیں انہیں قرآن کریم سنایا جاتا ہے اس حالت میں ان کے سامنے درس دیا جا سکتا ہے ؟

الجواب ران عورت ہے۔ لقولہ علیہ السلام اما علمت ان الفخذ عورة۔ رواہ الترمذی والبوداؤد۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے کھولنے یا دیکھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

عن علی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال له یا علی لا تبرز فخذك ولا تنظر فخذ حی ومیت رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ ص ۲۶۹)

ایک حدیث میں ہے۔ لعن الله الناظر والمنظور الیه، رواہ البیہقی مشکوٰۃ ص ۲۷۰۔

معلوم ہوا کہ رانوں کا کھولنا یا دوسرے کی رانوں کو دیکھنا گناہ ہے اور حدیث پاک کی مخالفت ہے۔ اور جس مجمع میں سب کی رانیں کھلی ہوں وہ پورا مجمع گناہ میں مشغول ہے ایسے مجمع میں قرآن سنانا جائز نہیں۔ حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جس کے ران کھلے ہوئے ہوں اسے سلام کرنا بھی مکروہ ہے۔

سلامك مكروه علی من ستسمع - ومن بعد ما ابدی یسن ویشرع
(الی ان قال) ع ودع کافرا ایضا ومکشوف عورة -

(کذا فی الشامیۃ، ص ۵۷۶ ج ۱)

تلاوت و درس قرآن کا کوئی ایسا وقت ہونا چاہئے جس میں یہ بے ادبی نہ ہوتی ہو۔ یا پھر نیکر کو ایسا بنا دیا جائے جس میں ناف اور رانیں چھپی رہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان،
۵ / ۱ / ۱۴۰۰ھ

نجس کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو تلاوت کا حکم

سوال ۱۔ جسم پر ناپاک کپڑے پہنے ہوں تو اس حالت میں ذکر اذکار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
۲۔ نیز ناپاک لحاف سے سر سے پیر تک منہ ڈھانپ کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(از مدرسہ عربی رائے ونڈ)

الجواب نجاست کے قریب قرأت مکروہ ہے۔
الحاصل ان الموت ان کان حدثا فلا کراھة فی القرأة عنده

وان كان نجسا كرهت الخ و ذكر ان محل الكراهة اذا كان قريبا منه اھ (شامیہ ص ج ۱)
نجس کپڑے پہن کر تلاوت جائز نہیں ہونی چاہئے البتہ تسبیح وتہلیل مکروہ نہیں ۔

۲ : لحاف پاک بھی ہو تو بھی منہ ڈھانک کر تلاوت نہ کرے ۔

كما في الهندية لا بأس بالقرأة مضطجعا اذا اخرج رأسه من اللحاف والا لا۔
پس بصورت ناپاکی لحاف تو بطریق اولیٰ منہ ڈھانپ کر تلاوت درست نہ ہوگی ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کرنا

سوال :۔ ترجمہ قرآن مجید بلا متن شائع کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب قرآن مجید کا صرف ترجمہ بغیر عربی الفاظ کے لکھنا اور شائع کرنا باجماع امت حرام اور باتفاق آئمہ اربعہ ممنوع ہے ۔ علامہ حسن شرنبلالی نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے "النفحة القدسية فی احكام قراة القرآن وكتابته بالفارسية" ، جس کا نام ہے ۔ اس میں آئمہ اربعہ سے اس کی مخالفت نقل کی گئی ہے اسمیں صاحب ہدایہ کی کتاب التجنیس والمزید سے منقول ہے ويمنع من كتابة القرآن بالفارسية بالاجماع اھ مزید تفصیل کے لئے (جواہر الفقہ ص ۹۸ ج ۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی) کی طرف رجوع کریں ۔ فقط

محمد انور عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان : ۳ : ۱۲ : ۱۳۹۸ھ

قرآن مجید کو جلانے کا حکم

سوال ایک مسلمان تین عدد قرآن جلاتا ہے ۔ ان تینوں میں ایک قرآن مجید ایسا ہے جس کے پہلے سپارے کے کچھ اوراق ضعیف ہیں باقی اٹھائیس پارے بالکل درست ہیں ۔ کیا شریعت میں ایسے قرآن مجید جلانا جرم ہے یا کوئی صدقہ کفارہ ہے ۔ ضعیف قرآن مجید کو جلایا جائے یا دفن کیا جائے یا دریا میں بہایا جائے ؟

الجواب وفی الذخيرة المصحف اذا صار خلقا وتعذر القرأة منه لا يحرق بالنار اشار محمد وبه نأخذ ۔ (كذا فی الشامیہ ، كذا فی العالمگیری ، ص ۹۵ ج ۴)

المصحف اذا صار بحال لا يقرأ فيه يدفن كالمسلم ۔ (كذا فی الدر المختار)

ان جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن کریم ایسی حالت میں ہو جائے کہ اس میں تلاوت نہیں ہو سکتی تو اسے لحد نکال کر کپڑے میں لپیٹ کر پورے ادب و احترام سے دفن کر دینا چاہیئے۔ دفن میں کوئی تحقیر نہیں ہے۔ کیوں کہ انبیاء علیہم السلام بھی زمین میں مدفون ہیں۔ اور جلانا درست نہیں کیونکہ یہ تعظیم کلام اللہ کے خلاف ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے جواز احراق کے لئے استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔ کیوں کہ وہ قرآآت شاذہ تھیں یا ان میں تفسیر کا اس طرح خلط ہو گیا تھا کہ تمیز ممکن نہ تھی۔ ان کے ابقاء میں اندیشۂ افتتان امت تھا۔ کہ باقی رکھنا امت کے لئے فتنہ کا باعث نہ بن جائے۔ قال الکرمانی فان قلت جاز احراق القرآن قلت المحروق ھو القرآن المنسوخ او المختلط بغیرہ من التفسیر او بلغۃ غیر قریش او القرآآت الشاذۃ۔ (عینی ؛ ص ؛ ج ۹)

علاوہ ازیں قاضی عیاض ؒ فرماتے ہیں۔ ان مصاحف کو پانی کے ساتھ دھو لیا گیا تھا پھر جلایا گیا تھا کہ باقی رکھنا امت کے لئے فتنہ کا باعث نہ بن جائے ـــــــ اس صورت میں احراق مصحف گویا لازم ہی نہیں۔ (عمدۃ القاری ؛ ج ۹)

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال غلط ہے۔ خصوصاً حادثہ مندرجہ سوال تو بالکل الگ نوعیت کا ہے۔ جلانے کے جواز و عدم جواز میں اگر کچھ اختلاف ہے تو صرف اس صورت میں ہے جبکہ اس میں تلاوت نہ ہو سکتی ہو۔ اور جس میں تلاوت ہو سکتی ہو تو اسے جلانے کے جواز کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الغرض شخص مذکور کی یہ انتہائی جرأت اور حماقت ہے کہ قرآن کریم کو جلانے بیٹھ گیا۔ اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ حسب توفیق ہو سکے تو کچھ صدقہ بھی کر دے۔

فقط واللہ اعلم
عبد الستار عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

○

محض اردو ترجمہ چھاپنا جائز نہیں، اس سلسلہ میں مفصل بحث

سوال آج کل اردو قرآن کی تلاوت، اشاعت اور تجارت کا بہت رواج ہو رہا ہے۔ اس نسخہ میں قرآن کریم کے عربی متن کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ مذکورہ بالا اردو قرآن کے متعلق دریافت طلب امور یہ ہیں۔

۱ ؛ کیا اس نسخہ کو جس میں قرآن کریم کا عربی متن نہ ہو بلکہ متن کے علاوہ صرف اردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر کے اسے کتابی شکل دے دی گئی ہو قرآن کے مبارک نام سے موسوم کر سکتے ہیں ؟

۲ ؛ کیا مذکورہ بالا ترجمہ قرآن سے تحریف فی القرآن کا اندیشہ نہیں ؟

۳ ؛ اسلام میں محرف فی القرآن کی سزا کیا ہے ؟

۴ ؛ اصل عربی متن کو چھوڑ کر صرف ترجمہ ہی پر اکتفاء کیا جائے، اس کی اشاعت کی جائے اور اسی ترجمہ کو پڑھا جائے تو اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں ؟

۵: معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالامترجم قرآن کو رواج دینے میں درپردہ یہود ونصاریٰ اور دوسری غیرمسلم اقوام کا ہاتھ ہے جن کی اپنی کتابیں تو تحریف کا شکار ہوچکی ہیں، اور الحمدللہ قرآن کریم تقریباً چودہ سوسال گزرنے کے بعد بھی پوری طرح محفوظ ہے اور انشاء اللہ تاقیامت محفوظ رہے گا۔ اب یہ اقوام کیسے برداشت کرسکتی ہیں کہ ان کی کتابیں تو مسخ شدہ ہوں اور قرآن پاک کا ایک ایک لفظ اپنی جگہ قائم اور محفوظ ہو، اس حسد کا نتیجہ ہے کہ دشمنان اسلام وقتاً فوقتاً اس قسم کی حرکتیں کرتے رہتے ہیں جس سے قرآن کی اصلی حالت میں تغیر و تبدل ہوجائے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۶: مذکورہ بالامترجم قرآن کی کتابت وطباعت، جلدبندی، خرید و فروخت وغیرہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

۷: اسے قرآن سمجھنا، قرآن سمجھ کر تلاوت کرنا، قرآن کی طرح ادب کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

۸: اس مسلمان کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے جو یہ معلوم ہونے کے باوجود بھی کہ "اس قسم کے مترجم قرآن کا لکھنا، پڑھنا، چھاپنا، خرید و فروخت یا کوئی ایسا فعل کرنا جس سے اس مذکورہ بالامترجم قرآن کی اشاعت کو تقویت پہنچے شریعت اسلامی کے خلاف ہے" لیکن پھر بھی وہ اس سے باز نہ آئے کیا یہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہے؟

۹: کیا ایسے شخص سے سلام وکلام، شادی و غمی کے موقعوں پر اس کے یہاں شرکت کرنا یا اسے شرکت کیلئے بلانا جائز ہے؟

۱۰: اگر کسی کے پاس مذکورہ بالاقسم کا کوئی نسخہ ہو تو وہ اسے کیسے ضائع کرے؟ عام کتاب کی طرح؟

۱۱: اگر کسی مسلمان تاجر کے پاس مذکورہ بالابہت سے نسخے ہوں اور وہ اس نیت سے کہ ان کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے، ان نسخوں کو ضائع کردے تو وہ عنداللہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

قاری اشفاق احمد
تجوید القرآن، سرگودھا

الجواب آ۔ و۔ ۷: محض اردو ترجمہ جو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہو اسے "القرآن" کے نام سے موسوم کرنا جائز نہیں۔ یہ درحقیقت قرآن نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم عربی زبان کے ساتھ مختص ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں

(أ) لان المامور به قرأة القرآن وهو اسم للمنزل باللفظ العربي المنظوم هذا النظم الخاص المكتوب في المصاحف المنقول الينا نقلاً متواتراً والاعجمي انما يسمى قرآناً مجازاً ولذا يصح نفي اسم القرآن عنه فلقوة دليلها رجع اليه۔ اھ (ص ۴۵۲، ج ۱)

(ب) مراقی الفلاح میں ہے۔ لان القرآن اسم للنظم والمعنى جميعا۔ اھ (ص ۱۵۲)

(ج) بحرالرائق میں ہے۔ لان القرآن باللام انما هو العربی فی عرف الشرع۔ (ص ۳۲۴ ج ۱)۔

(د) نہرالفائق میں ہے۔

كما فی الشامية ص۴۵۳ ج ۱۔ لكن فی النهر حيث عندی بينهما (ای القرأة الشاذة والقرأة الفارسية) فرق وذلك ان الفارسی ليس قرآناً اصلاً لانصرافه فی الشرع الی العربی اھ

فتاویٰ دارالعلوم جدید مبوّب میں خاتم المحققین حضرت مولانا عزیزالرحمٰن صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن نام اس کلام اور عبارتِ خاص کا ہے جو مکتوب فی المصاحف ہے اور عربی زبان میں ہے۔

قال الله تعالىٰ انا انزلناه قرآناً عربيا لعلكم تعقلون ۔ الآية (یوسف)

پس جو نظمِ عربی نہیں وہ قرآن نہیں۔ الی ان قال۔ اور قرآن نام نظمِ عربی کا ہے ترجمہ کو قرآن نہیں کہا جاتا مگر مجازاً۔

(ص ۲۳۲ ج ۲)

عبارات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کا ترجمۂ محضہ حقیقۃً قرآن نہیں۔ اب تمام امت کا اسی پر اتفاق ہے۔ امام صاحب سے بھی رجوع ثابت ہے۔

كما فی النهر نقله الشامی فی منحة الخالق ونصه قال فی النهر شرط العجز دلالة على انها مع القدرة لا تجوز وهو الذی رجع اليه الامام كما رواه نوح ابن ابی مريم والرازی وهو الاصح وهو الحق"

(بحرالرائق، ج ۱ ص ۳۲۴)

وفی الهداية وشرح المجمع لمصنفه وعليه الاعتماد اھ (شامیہ ص ۴۵۱ ج ۱)

لیکن اس کے باوجود اس کا ادب کیا جائے گا اور بے حرمتی جائز نہیں ہوگی۔

۲ و ۳ و ۵ : صرف ترجمہ قرآن مجید شائع کرنا جس میں متن قرآن مجید نہ ہو جائز نہیں۔ اور اس کے متعدد وجوہ ہیں۔ ان میں سے چند وجوہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱ : معانیٔ قرآن کریم کی طرح اس کے الفاظ کی بھی حفاظت فرض و واجب ہے كما هو المقرر عند كافة الناس وجماهير العلماء ۔ اور موجودہ زمانے میں طبائع دین متین سے بے التفاتی اور سہل انگاری کا شکار ہیں۔ اگر اس قسم کے تراجم شائع ہو گئے تو الفاظِ قرآن کی اہمیت قلوب سے قطعاً ختم ہو جائے گی اور اس کے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہیں سمجھی جائے گی۔ پس ہر کہ ومہ ترجمہ ہی کو کافی سمجھنے لگے گا۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلے گا کہ العیاذ باللہ تلاوتِ قرآن مجید کرنے والا کوئی شخص مشکل ہی سے ملے گا۔ پس اس تسبب کی بنا پر ایسے تراجم شائع کرنا ممنوع ہوگا۔

۲ : طبائع میں خود رائی وخود نمائی کا غلبہ ہے جس نے بھی الٹے سیدھے چار حرف پڑھ لئے ہیں مدعی اجتہاد اور محقق بن رہا ہے۔ اجازت کی صورت میں نہ معلوم کن کن لوگوں کے تراجم شائع ہونگے اور ان میں بھی وہ کیا کیا گل کھلا ئیں گے

گے ۔ اور افہام وتفہیم مستبعد اور احقاق حق قریب قریب محال ہوجائیگا تو اس طرح تحریف مرادِ خداوندی کا ایک ایسا دروازہ کھل جائے گا جس کا بند کرنا بس سے باہر ہوگا ۔ اگر ترجمہ حائل للمتن ہو تو اس میں یہ مفسدہ نہیں ۔ کیونکہ مشتری ترجمہ کے لئے قرآن مجید نہیں خریدتا بلکہ محض تلاوت کے لئے خریدتا ہے ۔ تلاوت کرنے سے اس کا مقصد حاصل رہے گا اور ترجمہ پڑھنے کی نوبت بہت کم آئے گی ۔ اور غلط ترجمہ کا مفسدہ ایسے خریدار پر بہت کم اثر انداز ہوگا ۔

۳ : ایسے تراجم پرانے ہوجانے کی صورت میں ردی میں اس طرح سے فروخت ہونگے جیسا کہ عام اردو کی کتابیں ۔ کیونکہ عربی خط کا جو ایک بڑا بھاری فرق تھا اور ہر شخص دیکھتے ہی بادی النظر میں قرآن کریم اور اردو کی کتب میں فرق کرلیتا ہے یہ فرق وامتیاز ختم ہوجائے گا ۔ تو اس طرح سے یہ ترجمہ قرآن کی بے حرمتی کا سبب بنے گا ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سبب معصیت بھی معصیت ہوتا ہے ۔

۴ : بہت سے لوگ اسے بلا وضو چھوئیں گے حالانکہ احتراماً اس کا بلا وضو چھونا درست نہیں ۔ تو لاعلمی کی بناء پر اس گناہ میں مبتلا ہوں گے اس طرح سے بھی اس کا سبب معصیت ہونا ظاہر ہے ۔

۵ : حضرات فقہاء کرامؒ نے ایسے تراجم ومصاحف کی صراحۃً ممانعت فرمائی ہے اور ایسی حرکت کو قانون اسلام کی خلاف ورزی قرار دیا ہے ۔

كما في الشامية عن الفتح عن الكافي ان اعتاد القرأة بالفارسية او اراد ان يكتب مصحفها بها يمنع اھ (ص۳۵۲ ج۱)

واضح رہے کہ ایسے تراجم کی اشاعت نیچریت اور فتنۂ کمالی کا شاخسانہ ہے ۔ مصطفیٰ کمال نے یہودیت سے متاثر ہوکر دین کے بارے میں جو گل کھلائے تھے وہ کسی اہل البصیرت سے مخفی نہیں ۔ افسوس ہے کہ اسلام کے یہ نادان دوست اپنی اس حرکت سے اسلام کی بےنظیر خصوصیت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں کہ جیسے دیگر مذاہب اپنی الہامی کتب کے الفاظ سے محروم ہوگئے اسی طرح اسلام کو بھی اس سے تہی دست کردیا جائے ۔

۶ : ایسے تراجم کی طباعت واشاعت وغیرہ جائز نہیں ۔ کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے ۔

قال الله تعالى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان ۔

۸ : ایسا شخص سخت گناہگار ہے ۔

۹ : تفہیم وتبلیغ کے باوجود بھی اگر شخص مذکور اس حرکت سے باز نہ آئے تو بغرض اصلاح اس سے ترک سلام وکلام جائز ہے ۔

۱۰ : احترام کے ساتھ اسے دفن کردیا جائے جیسا کہ دیگر ناقابل قرأت بوسیدہ قرآن مجید کو دفن کیا جاتا ہے ۔

۱۱ : انشاء اللہ تاجر مذکور مستحق اجر ہوگا ۔ والله لا يضيع اجر المحسنين ۔

فقط والسلام
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ
نائب مفتی مدرسہ ہذا

تختۂ سیاہ پر آیات قرآنی لکھتے وقت باوضو ہونا چاہیئے

سوال پنجاب کے اسکولوں میں کلاس نہم اور دہم میں ایک اسلامیات کی کتاب لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے جس میں سورۃ عادیات سے ناس تک سورتیں لکھی ہوئی ہیں علاوہ ازیں چالیس احادیث بھی لکھی ہیں۔ استاد صاحب پڑھاتے ہوئے تختہ سیاہ پر سورتیں لکھتے ہیں اور لڑکے کاپیوں پر لکھتے ہیں۔ اس کتاب کو استاد اور لڑکے پڑھتے بھی ہیں چھوتے بھی ہیں یہ سب کام بے وضو کئے جاتے ہیں۔ یہ کام جائز ہیں یا نہیں ؟ اگر ناجائز ہیں تو طلباء کا وضو کرنا بڑی تکلیف دہ بات ہے اور اس میں کئی ایک پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہذا مناسب رہنمائی فرمادیں ؟

الجواب بہتر صورت تو یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھاتے وقت اور لکھاتے وقت استاذ اور طلبہ دونوں باوضو ہوں۔ طلبہ کو وضو کرانے میں کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس کتاب کا سبق پہلے گھنٹے میں رکھ لیا جائے یا تفریح کے متصل بعد والے گھنٹے میں رکھ لیا جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہوسکے تو بدرجۂ مجبوری اس کی اجازت ہوگی کہ استاد صاحب تختۂ سیاہ پر آیت لکھے تو اس کا ہاتھ تختۂ سیاہ سے مس نہ کرے۔ بلکہ تختۂ سیاہ اور ہاتھ کے درمیان کپڑا حائل رہے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو وضو کرنا لازم ہوگا۔ اور اسی طرح بچے بھی جس کاپی پر لکھ رہے ہوں وہ کاپی ڈیسک وغیرہ پر رکھی ہوئی ہو۔ اور ان کے ہاتھ وغیرہ بھی کاپی کو نہ چھو رہے ہوں۔ یہ حکم بالغوں کے لئے ہے نابالغ بچے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

لا یکرہ مس صبی لمصحف ولوح الی ان قال ولا تکرہ کتابۃ قرآن والصحیفۃ او اللوح علی الارض، عند الثانی خلافا لمحمد وینبغی ان یقال ان وضع علی الصحیفۃ ما یحول بینہا وبین یدہ یؤخذ بقول الثانی والا فبقول الثالث قالہ الحلبی اھ درمختار قال فی الشامیۃ قولہ علی الصحیفۃ قید بہا لان نحو اللوح لا یعطی حکم الصحیفۃ لانہ لا یحرم الا مس المکتوب منہ اھ (ص ۱۶۲ : ج ۱)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۲ : ۱۲ : ۱۳۸۶ھ

تلاوت محض کا بھی ثواب ملتا ہے

سوال کیا قرآن شریف کے محض الفاظ پڑھنے کا بھی ثواب ہوتا ہے۔ اگر ہوتا ہے اور قرآن سے سند ہے تو تحریر فرمادیں۔ ورنہ احادیث مع حوالہ واسناد ؟

الجواب قرأت محض کا بھی ثواب ملتا ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ کی جاوے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فاقرؤوا ما تیسر من القرآن (مزمل ع۲) فاقرؤوا امر ہے اور امر مفید وجوب ہوتا ہے۔ اور امتثال ارشاد ربانی یقیناً موجب ثواب ہے اور مخفی نہیں کہ مامور مطلق قرأت ہے جو اپنے عموم کی وجہ سے قرأۃ بامعنی۔ اور قرأۃ بلامعنی دونوں کو شامل ہے۔ پس دونوں قسم کی قرأت پر ثواب ملے گا۔ اور جو شخص مدعی تخصیص ہو وہ اس تخصیص پر قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرے۔

نیز سورۂ فاطر رکوع ۴ میں ہے۔ ان الذین یتلون کتاب اللّٰہ و اقاموا الصلوٰۃ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس آیت شریفہ میں اپنے نیک بندوں کے قابل مدح اور پسندیدہ افعال کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جن میں سے ایک تلاوت کتاب بھی بتایا گیا ہے۔ پس حق تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک تلاوت ایک پسندیدہ عمل ہوا اور اس پر ثواب ملے گا۔ اس آیت میں بھی تلاوت مطلق ہے پس ہر دو قسم کی تلاوت کو شامل ہوگی۔ ومن ادعی التخصیص فعلیہ البیان۔

دو آیتوں کے بعد اسی سلسلہ میں دو حدیثیں ملاحظہ فرماویں۔

۱: عن ابن مسعود رضؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قرأ حرفاً من کتاب اللّٰہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا الخ (مشکوٰۃ ص۱۸۶ ج ۱)

اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے ایک حرف کی قرأت پر دس نیکیوں کا حاصل ہونا ارشاد فرمایا ہے۔ یہاں پر بھی قرأت مطلق ہے۔

۲: عن جابر رضؓ قال خرج علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرؤا فکل حسن الخ (مشکوٰۃ ص۱۹۱، ج ۱)

آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدوی اور عجمیوں کی قرأت کو بھی "حَسَنٌ" فرمایا۔ جن میں مطالب قرآنی اور حدود الٰہی سے جہل غالب ہوتا ہے۔ اور خصوصاً عجمی کہ اسے اس قرأت کا سرسری ترجمہ معلوم ہونا بھی محل کلام ہے۔ بلکہ قرآن کریم کے صحیح تلفظ پر بھی بظاہر قادر نہ تھے۔ پس جب اس کے باوجود ان کی قرأت اللّٰہ کے نزدیک پسندیدہ ہے تو اس پر ثواب کیوں نہ ہوگا۔ حَسَنٌ کا یہی تو معنی ہے کہ حسن عند اللّٰہ ہے۔

الحاصل بے شمار نصوص قرآنی و حدیثی سے مطلق قرأت پر اجر و ثواب ثابت ہے جن میں سے بطور نمونہ مذکورہ آیات و احادیث لکھ دی گئیں اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔

تصریحات شرعیہ کے علاوہ بہت سے مصالح عقلیہ بھی اس کے مقتضی ہیں کہ قرآن کی تلاوت کو صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رکھا جائے جو فہم مطالب عالیہ کی استعداد رکھتے ہوں اور ایسی استعداد نہ رکھنے والوں پر پابندی لگا دی جائے۔ ایسا کہنے والے لوگ اسلام کے نادان دوست ہیں۔

فقط واللّٰہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللّٰہ عنہ
۲۶ / ۳ / ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح
محمد عبد اللّٰہ عفرلہٗ

اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ کی تفسیر بینظیر

وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۚ وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ۚ آل عمران

ترجمہ: اور حکم مانو اللہ کا اور رسولؐ کا تاکہ تم پر رحم ہو۔ اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین۔ تیار ہوئی واسطے پرہیز گاروں کے۔"

تشریح: آیت مذکورہ میں دو مسئلے زیادہ اہم ہیں۔ اَوَّل: پہلی آیت کا مضمون جس میں اللہ تعالےٰ کی اطاعت کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر رسولؐ کی اطاعت بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب قرآن کریم کی اطاعت کا نام ہے تو پھر اس کے علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہے تو کیا؟

اطاعت رسولؐ اور اطاعت اللہ کو علیحدہ بیان کرنے کی حکمت۔ اس میں رحمتِ خداوندی کے لئے جس طرح اللہ تعالےٰ کی اطاعت کو ضروری اور لازم قرار دیا ہے اور یہ پھر اسی آیت میں نہیں پورے قرآن مجید میں بار بار اس کا تکرار اسی طرح ہے۔ کہ جہاں اللہ تعالےٰ کی اطاعت کا حکم ہوتا ہے وہیں اطاعتِ رسول کا بھی ذکر مستقلاً ہے۔ قرآن حکیم کے یہ متواتر اور مسلسل ارشادات ایک انسان کو اسلام اور ایمان کے بنیادی اصول کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ کہ ایمان کا پہلا جزء خدائے تعالےٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے۔ تو دوسرا جزء رسولؐ کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے۔

اب یہاں غور طلب یہ ہے۔ قرآن کریم کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب باذن خداوندی ہوتا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بولتے ہیں وہ کسی اپنی خواہش سے نہیں کہتے بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ رسول کی اطاعت بعینہٖ خدا تعالےٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس سے الگ کوئی چیز نہیں۔ سورہ نساء میں واضح طور پر فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر دونوں اطاعتوں کو الگ الگ بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے۔ خصوصاً اس اہتمام اور التزام کے ساتھ حکم دیا جاتا ہے۔

راز اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے ایک کتاب بھیجی اور ایک رسول۔ رسول کے ذمہ یہ کام لگائے۔

۱: اول یہ کہ وہ قرآن کریم کی آیات ٹھیک اسی صورت اور لب ولہجہ کے ساتھ لوگوں کو پہنچا دیں جس صورت

سے نازل ہوئیں۔

۲ : دوسرے یہ کہ وہ لوگوں کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک کریں۔

۳ : تیسرے یہ کہ اس کتاب کے مضامین کی امت کو تعلیم دیں اور اس کے مقاصد کو بیان فرمائیں۔ نیز یہ کہ وہ کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دیں۔ یہ مضمون قرآن کریم کے متعدد آیات میں آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول کے فرائض منصبی میں صرف اتنا ہی داخل نہیں کہ وہ قرآن لوگوں تک پہنچائیں بلکہ اس کی تعلیم و تبیین بھی رسول کے ذمہ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب عرب کے فصحاء بلغاء تھے۔ ان کے لئے قرآن کریم کی تعلیم کے یہ معنی تو نہیں ہوسکتے کہ محض الفاظ قرآنی کے لغوی معنی ان کو سمجھائیں کیونکہ وہ سب ان کو بخوبی سمجھتے تھے۔ بلکہ اس تعلیم و تبیین کا مقصد صرف یہی تھا۔ اور یہی ہوسکتا ہے۔ کہ قرآن کریم نے ایک حکم مجمل یا مبہم الفاظ میں بیان فرمایا اور اس کی تشریح و تفصیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی کے مطابق لوگوں تک پہنچائی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کے قلب مبارک میں ڈالی جس کی طرف آیت اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن نے بے شمار مواقع پر صرف اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ فرمانے پر اکتفاء کیا ہے کہیں نماز کے معاملہ میں قیام، رکوع، اور سجدہ کا ذکر بھی آیا تو وہ بھی بالکل مبہم ہے۔ ان کی کیفیت کا ذکر نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل امین علیہ السلام نے خود آکر اللہ تعالےٰ کے حکم سے ان تمام اعمال اور ارکان کی تفصیلی صورت عمل کرکے بتلائی۔ اور آپ نے اسی طرح قول و عمل کے ذریعہ امت کو پہنچا دیا۔

زکوٰۃ کے مختلف نصاب اور ہر نصاب پر زکوٰۃ کی مقدار کا تعین۔ پھر یہ بات کہ کس مال پر زکوٰۃ ہے اور کس مال پر نہیں۔ اور مقادیر نصاب میں کتنا حصہ معاف ہے۔ یہ سب تفصیلات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں اور لکھوا کر متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سپرد فرمائیں۔

یا مثلاً قرآن کریم نے حکم دیا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے پر نہ کھاؤ۔ اب ان کی تفصیل کو رائج الوقت معاملات، بیع شراء اور اجارہ میں کیا کیا صورتیں ناحق اور بے انصافی یا ضرر عوام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باطل ہیں۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن خداوندی امت کو بتلائیں۔ اسی طرح تمام شرعی احکام کا بھی یہی حال ہے۔ تو یہ تمام تفصیلات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کیلئے بذریعہ وحی خفی امت کو پہنچائیں۔

چونکہ یہ تفصیلات قرآن کریم میں موجود نہیں، اس لئے یہ احتمال تھا کہ کسی وقت کسی ناواقف کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ یہ تفصیلی احکام خدا تعالےٰ کے دیئے ہوئے تو نہیں۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے سارے قرآن میں بار بار

تاکید کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازم قرار دیا جو حقیقت میں خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مگر ظاہری صورت اور تفصیل کے اعتبار سے اس سے کچھ مختلف بھی ہے۔ اس لئے بار بار تاکید سے بتلایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں اس کو بھی خدا تعالیٰ کی اطاعت سمجھو۔ خواہ وہ قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہو یا نہ ہو۔ یہ مسئلہ چونکہ اہم تھا اور کسی ناواقف کو دھوکہ لگ جانے کے علاوہ دشمنانِ اسلام کے لئے اسلامی اصول میں گڑبڑ پھیلانے اور مسلمانوں کو اسلام کے صحیح راستہ سے بہکانے کا بھی ایک موقع تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے اس مضمون کو لفظِ اطاعت کے ساتھ نہیں بلکہ مختلف عنوانات سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بتلایا ہے۔

مثلاً آپ کے فرائض میں تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اضافہ کرکے اس طرف اشارہ کر دیا کہ علاوہ کتاب کے کچھ اور بھی آپ کی تعلیمات میں داخل ہے۔ اور وہ بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہیں۔ جس کو لفظِ حکمت سے تعبیر کیا۔ کہیں ارشاد فرمایا کہ " لتبین للناس ما نزل الیھم " یعنی رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے لئے آپ نازل شدہ آیت کے مطالب و مقاصد اور تشریحات کو بیان فرمائیں۔ اور کہیں یہ ارشاد ہوا۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ یعنی رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے باز آجاؤ۔

یہ سب انتظامات اس لئے کئے گئے کہ کل کوئی شخص یہ نہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف ان احکامات کے مکلف ہیں جو قرآن میں آ گئے۔ جو احکام ہمیں قرآن مجید میں نہ ملیں ان کے ہم مکلف نہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غالباً یہ منکشف ہو گیا تھا کہ کسی زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور تشریحات سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے یہی دعویٰ کریں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ اس لئے ایک حدیث میں صراحۃً بھی اس کا ذکر فرمایا۔ جس کو ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، بیہقی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما
أمرت بہ او نھیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔

یعنی ایسا نہ ہو کہ میں تم سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر و نہی کے متعلق یہ کہہ دے کہ ہم اس کو نہیں جانتے۔ ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے، جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کا اتباع کر لیتے ہیں۔

دوسری آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا گیا۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے بعد یہ دوسرا حکم دیا گیا۔ یہاں مغفرت سے مراد اسبابِ مغفرتِ الٰہی ہیں۔ یعنی وہ اعمال صالحہ جو باعثِ مغفرتِ الٰہی ہیں۔ صحابہؓ و تابعینؒ سے اس کی تفسیر مختلف عنوانات سے منقول ہے مگر معانی اور مضمون سب کا ایک ہی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تفسیر "ادائیگی فرائض" سے فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے "اسلام" سے۔ ابوالعالیہؒ نے "ہجرت" سے۔ انس بن مالکؓ نے تکبیرِ اولیٰ" سے۔ سعید بن جبیرؓ نے "ادائے اطاعت" سے۔ ضحاکؒ نے "جہاد" سے۔ عکرمہؓ نے "توبہ" سے۔

ان تمام اقوال کا حاصل یہی ہے۔ کہ مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالحہ ہیں جو مغفرتِ الٰہی کا باعث وسبب ہوتے ہیں۔

اس مقام پر دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ دوسری آیت میں " لا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علیٰ بعض " فرما کر دوسرے کے فضائل حاصل کرنے کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ فضائل جن کا حاصل کرنا انسان کے اختیار وبس سے باہر ہو جن کو فضائلِ غیر اختیاریہ کہتے ہیں۔ جیسے کسی کا سفید رنگ یا حسین ہونا۔ یا کسی کا بزرگ ہونا۔ وغیر ذالک۔

۲ : دوسرے وہ فضائل جن کو انسان اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کر سکتا ہے۔ ان کو فضائلِ اختیاریہ کہتے ہیں۔ اور آیتِ مسارعت کا تعلق انہی فضائل سے ہے۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا کا صحیح ترجمہ ومطلب

آیت کریمہ یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا ۔ کا صحیح ترجمہ تحریر فرمائیں۔ کل ایک شخص سے علمی گفتگو ہوئی، اس نے کتاب "اظہارِ حق" دکھلائی جس میں کچھ اور ہی ترجمہ کیا ہوا تھا۔ بلکہ بہت ہی مختلف تھا۔ آپ صحیح ترجمہ تحریر فرمائیں۔

الجواب آیت مذکورہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ " اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتلانے والا اور خوشخبری سنانے والا، اور ڈرانے والا، اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے، اور چمکتا ہوا چراغ " پس حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا راستہ بتاتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے

اس پر گواہ ہیں۔ محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا تعالیٰ کا پیغام کس نے کس قدر قبول کیا۔

تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۴۹۷ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فانہ قد انزل علی یا ایہا النبی انا ارسلناک شاھدا علی امتک و مبشرا بالجنۃ ونذیرا و داعیا الی شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وسراجا منیرا بالقران فقولہ تعالیٰ شاھدا احب للہ بالوحدانیۃ وانہ لا الٰہ غیرہ وعلی الناس باعمالھم یوم القیامۃ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

تلاوت افضل ہے یا درود پاک بھیجنا

عبادت کے وقت میں قرآن حکیم کی تلاوت افضل ہے یا آنحضرت علیہ السلام پر درود بھیجنا؟ محمد یحییٰ فرید ٹاؤن ساہیوال۔

الجواب تمام اذکار میں قرآن حکیم کی تلاوت افضل ہے البتہ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے جیسے صبح کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک ایسے اوقات میں تسبیح، دعا، اور درود پاک بھیجنا تلاوت سے افضل ہے۔ القران افضل الاذکار لانہ کلام اللہ تعالیٰ کما فی الحصن الحصین لکن فی الاوقات التی یکرہ الصلوٰۃ فیہا کما بعد صلوٰۃ الصبح الی طلوع الشمس فالتسبیح والدعاء والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہا افضل من قرأۃ القرآن وکان السلف یسبحون فی ذلک الوقت ولا یقرءون (نفع المفتی، ص ۵۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

قرآن کے رسم الخط میں مصاحف عثمانیہ کا اتباع واجب ہے

قرآن مجید کا رسم الخط وہی ضروری ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تھا یا اس میں تبدیلی کر سکتے ہیں؟

محمد ایوب صابر اٹک۔

الجواب کتابت قرآن میں مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کی اتباع ضروری ہے اسے بدلنا جائز نہیں۔ وقد نبّہ علی وجوب العلامۃ ملا علی القاری فی المنح الفکریۃ ص ۸۵۔

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۵/۱۴۰۷

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

مسجد میں جمع شدہ قرآن مجید فروخت کرنا

لوگ قرآن کریم مسجدوں میں لاکر جمع کراتے ہیں۔ لوگ کم پڑھتے ہیں ویسے پڑے رہتے ہیں کیا ان کو فروخت کر کے اُن کے پیسوں کو مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں؟ یا کسی اور مسجد میں قرآن دے سکتے ہیں؟

الجواب ان قرآنوں کو دوسری کسی مسجد میں دینا جائز نہیں اور نہ ہی ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت کو مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔ اسلئے موجود جمع شدہ قرآن پاک کو تو مسجد میں رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا لازمی ہے۔ اور آئندہ کے لئے دہندگان کو سمجھایا جائے کہ وہ قرآنِ پاک مسجد میں نہ رکھیں اور یہ اعلان کر دیا جائے کہ جو آدمی مسجد میں قرآن پاک دے گا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں استعمال کی جائے گی۔ پھر اس کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا درست ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

قرآنِ حکیم کے پرانے گتوں کا حکم

مجلد قرآن مجید کے گتوں کے بارہ میں کیا حکم ہے جبکہ جلد ٹوٹ جانے پر گتے جدا ہو جاتے ہیں؟

الجواب اگر مملوکہ ہیں تو دوسری جگہ ان کا استعمال جائز ہے۔ لان الدفتین لا یعطی لہ حکم المصحف۔ فقط واللہ اعلم۔

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۲ر۱۱ر۱۳۹۷ھ

تفسیر کبیر میں چاند و سورج کو ذی رُوح کہا گیا ہے؟

ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تفسیر کبیر میں آیا ہے کہ بعض صوفیائے کرام کے نزدیک سورج اور چاند ذی روح ہیں۔ اگر واقعی تفسیر کبیر میں لکھا ہے تو وہ عبارت لکھ کر ساتھ ہی ترجمہ بھی ارسال فرمائیں۔

الجواب تفسیر کبیر میں آیت کریمہ والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم الآیۃ کی تفسیر میں تحریر ہے کہ بعض منجمین نے کہا ہے کہ کواکب زندہ ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے متعلق " یسبحون " فرمایا ہے۔ اور تسبیح کرنے کا اطلاق عاقل پر ہوتا ہے۔ اس پر امام رازی رح فرماتے ہیں۔ اگر تو حیات سے مراد حیوٰۃ کی اتنی مقدار ہے جس کے ذریعہ سے تسبیح ہو سکے تو ہم بھی اس کے قائل ہیں۔ کیونکہ یہ تمام اشیاء تسبیح کرتی ہیں۔ اور اگر حیوٰۃ سے مراد کچھ اور ہے تو وہ ثابت نہیں۔ تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہے۔

قال المنجمون . الکواکب أحیاء بدلیل انه قال یسبحون وذلك لا

يطلق الاعلى العاقل۔ نقول ان اردتم القدر الذى يصح به التسبيح فنقول به لانه مامن شئ من هذه الاشياء الا وهو يسبح بحمد الله وان اردتم شيأ آخر فلم يثبت ذلك اهـ (ج ۷، ص ۸۸)۔

اس مقام پر اور کوئی عبارت نہیں ملی جس سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہو۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱ / ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ترجمہ و تفسیر پڑھنے کیلئے والدین کی خدمت کو چھوڑنے کا حکم

زید دورۂ حدیث سے فارغ ہو چکا ہے اب اس کا ارادہ دورۂ تفسیر پڑھنے کا ہے مگر والدین مجبور کرتے ہیں کہ تم یہیں ہماری خدمت میں رہو۔ اب زید کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب اطاعت والدین ضروری اور فرض کے درجہ میں ہے۔ دورۂ حدیث کے پڑھ لینے سے علم کے درجۂ فرض عین سے تو یقیناً آدمی فارغ ہو جاتا ہے۔ اب باقی علم تفسیر اور ترجمہ وغیرہ۔ تو یہ اس کے لئے مستحب کا درجہ ہے۔ لہٰذا اگر والدین کی رضا کسی طرح سے حاصل ہو سکے تو ہر ممکن صورت قلیل سے قلیل مدت پر ان کو راضی کر کے دورۂ تفسیر شروع کرے۔ ورنہ اگر والدین محتاج ہوں اور ذریعۂ معاش اختیار کرا کے اپنی خدمت چاہتے ہوں تو ان کی اطاعت اور خدمت کو مقدم سمجھے۔ اور تراجم اکابرین مثلاً ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح و شاہ عبد القادر رح و شاہ رفیع الدین رح اور تفسیر بیان القرآن، اور ترجمہ حضرت شیخ الہند رح مع فوائد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح کا مطالعہ کرے۔ اور اس طرح سے اپنی تشنگیٔ علم کو رفع کرے۔ مشکل مقامات میں حضرات علماء محققین سے مراجعت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ غفر لہٗ ۵ / ۸ / ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الرحمٰن[1] عفی عنہ مدرسہ خیر المدارس ملتان

بذریعۂ فلم تبلیغ قرآن توہینِ قرآن ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین، حامیانِ شرع متین اس بارے میں کہ قصصِ قرآنیہ کے بارے میں فلم بنانا جائز ہے یا نہیں؟

۲ : اور اس کی ٹی وی وغیرہ پر نمائش جائز ہے یا نہیں ؟

۳ : یہ کہ اس کو تبلیغ قرآن کہا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

---

[1] حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمبل پوری، سابق صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور۔ محمد انور مرتب

الجواب ۱: فلمسازی کے مراکز عموماً فحاشی کے اڈے ہیں۔ اور اس صنعت میں کام کرنے والے جس کردار کے مالک ہوتے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ملک میں بداخلاقی یہیں سے درآمد کی جاتی ہے۔ اور یہ مراکز ہر قسم کے باجے گاجوں کا گھر ہیں جن کے مٹانے اور نیست و نابود کرنے کے لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ارشادِ نبوی ہے۔ بعثت لکسر المزامیر ترجمہ: مجھے بانسریاں (آلاتِ موسیقی) توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے[۱]"

وفی روایۃ ان اللہ ۔۔۔۔ امرنی لمحق المزامیر والاوتار والصلیب و امر الجاھلیۃ۔[۲]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری، طنبور، صلیب اور امورِ جاہلیت کو مٹا دوں"

فلم سازی کے لئے قرآن کریم کو ایسے مقامات میں اور اس کردار کے حاملین کے حوالہ کر دینا قرآنی عظمت و تقدس کے بالکل خلاف ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے لا یمسہ الا المطھرون۔ ترجمہ "اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں" دوسری جگہ ارشاد ہے۔ بایدی سفرۃ کرام بررۃ۔ (یہ قرآن مجید) نیک بخت لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے"

تبلیغِ قرآن کریم کے اہل پاکباز، فرشتہ سیرت، معزز، اور نیکوکار انسان ہیں نہ کہ فساق و فجار۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن نے قرآن پاک کے اوراق اس وقت تک اپنے بھائی کے حوالے نہیں کئے جب تک انہوں نے غسل نہیں کر لیا۔ اور قبولِ اسلام کی رغبت ظاہر نہیں کر دی۔

(سیرت ابن ہشام بر حاشیہ زاد المعاد: ج ۱ ص ۱۸۷)

۲: قصص قرآنیہ کی فلم سازی ایک فتنہ ہے اور ایسے فتنے یہود و نصاریٰ کی نقالی میں یورپ سے درآمد کئے جاتے ہیں۔ اسلام و قرآن کے نام سے مسلم معاشرہ میں انہیں پھیلا دیا جاتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں پر فلمیں بنائیں۔ انہی کی اتباع میں اسلام کے کچھ نادان دوست بھی قصص القرآن کو فلما کر ان کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گمراہ اور مغضوب علیہم کی اتباع سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (الآیۃ)

آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی طرف صرف میلانِ قلبی پر بھی نارِ جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے۔

لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ: ج ۲ ص ۴۵۸)

---

[۱] نیل الاوطار: ج ۸ ص ۱۰۰۔ [۲] مسند ابو داؤد طیالسی ص ۱۵۵۔ و مسند احمد وغیرہ۔ ۱۲

البتہ ضرور تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے ۔ بالشت ، بالشت ، ہاتھ، ہاتھ حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں تو اس میں بھی تم ان کی پیروی کرو گے ۔

قرآن و حدیث کی واضح ممانعت اور اس تحذیر کے باوجود پھر ہم لوگ یہود و نصاریٰ کی بنائی ہوئی ان مہلک بلوں میں گھسنا چاہتے ہیں ۔ اور فتنوں کا شکار ہو رہے ہیں ۔

۳ : ایسے فتنوں کی ابتدا کتنی ہی حسین و پاکیزہ کیوں نہ ہو ، انجام گمراہی کے سوا کچھ نہیں ۔ غور کیجئے قصہ خوانی قرآن کریم کے اصل مقاصد میں سے نہیں ۔ قرآن کریم موقع و مقام کی مناسبت سے حسب ضرورت قصص و واقعات سے مختصراً تعرض کرتا ہے ۔

ان واقعات کو باقاعدہ کہانی کی شکل دینے کے لئے تفسیری مآخذ و اسرائیلیات کی طرف رجوع کرنا ہو گا ۔ پھر ان مآخذ سے ایسے مواد کا انتخاب کیا جائے گا جو عوام کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ اپیل کرنے والا ہو ۔ اور ان کے لئے ذہنی عیاشی کے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کرتا ہو ۔ گو دلائل کے اعتبار سے یہ مواد کتنا ہی غیر مستند کیوں نہ ہو ۔ ہم بعض قصہ گو مصنفین کی کتابوں میں یہی صورت حال پاتے ہیں ۔ گو یہ اتنا مضر نہیں ۔ کیوں کہ ان کے مخاطب اور قارئین عوام نہیں خواص ہیں ۔

فلم جس کا موضوع ہی لہو و لعب ہے ۔ اس قسم کی بے احتیاطیوں سے کیسے مبرا ہو سکتی ہے ۔ اور پھر کہانی بیان کرنے والے کی ذہنیت پوری طرح کہانی پر اثر انداز ہوتی ہے ۔ وہ جس رنگ میں چاہے اسے ڈھال سکتا ہے ۔ کسی واقعہ کے اوّل و آخر میں چند زہر آلود فقرے کہے جا سکتے ہیں جس سے اس واقعہ کا قرآنی مقصد ہی ختم ہو کر رہ جائے ۔ عیسائی و یہودی مستشرقین نے ریسرچ کے نام سے پہلے اسلامی تاریخ کو مسخ کیا ، اب قرآنی حقائق و تعلیمات پر فلمسازی کے پردے میں ہاتھ صاف کیا جائے گا ۔ اگر سراغ لگانے کی کوشش کی جائے تو اس فتنے کے پیچھے بھی کسی نہ کسی صورت میں صیہونیت کی سازش کارفرما ہو گی ۔

ہم نے سطور بالا میں جن خدشات کا اظہار کیا ہے یہ محض خدشات اور اندیشے ہی نہیں بلکہ یورپ میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے ۔ حضرات انبیاء علیہم السلام پر فلمیں بنائی گئیں ۔ ان مقدس ہستیوں کو رومانی قصوں کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا گیا ۔ بائبل کے قصوں میں عشقیہ مضامین اور رومانی رنگ مکمل طور پر بھر دیا گیا ۔ دیکھنے والا یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہ کوئی مقدس کہانی ہے یا سینماؤں میں دکھائی جانیوالی ایک عام فلم ہے ۔

ایسی فلموں کے ذریعہ دیکھنے والوں کو ہدایت نصیب ہو جائے یہ محض ایک خام خیال ہے ۔ ہدایت کھیل تماشوں کے راستوں سے نہیں آتی ۔ بلکہ ہدایت اللہ والوں کے فیض صحبت اور ان کی تعلیم و تبلیغ

کے ذریعہ تقسیم ہوتی ہے۔ مخلوقِ خدا طلب لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔ تو ہدایت پاتی ہے۔ عہدِ نبوی سے لے کر آج تک ہدایت پھیلنے کا یہی طریق چلا آ رہا ہے۔ تاریخِ اسلام میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں کہ کوئی قوم یا قبیلہ گناہ میں لپٹی ہوئی تبلیغ سے مسلمان ہوا ہو۔ یا فسق و فجور سے تائب ہوا ہو۔ بالکل مبنی بر حقیقت ہے جو حضرت امام مالک رح نے ارشاد فرمایا۔

" لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا "

پھر کوئی فلم عورتوں اور مردوں کی تصویریات سے خالی نہیں ہو سکتی۔ ساز و آواز بھی اس کے لئے لازم ہے جنہیں شریعتِ مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔

احکامِ خداوندی توڑ کر محرماتِ شرعیہ کا ارتکاب کرتے ہوئے تبلیغ کا دعویٰ غضب خداوندی کو دعوت دینا ہے۔ ٹی، وی اور سینما دیکھنے والوں کی اکثریت بلاشبہ ان کے پروگراموں کو تفریح اور کھیل تماشے کی غرض سے دیکھتی ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ قصص قرآنیہ کی فلم سازی اور پردہ سکرین پر ان کی نمائش قرآن کریم کو کھیل و تماشہ بنانے کے مترادف ہے۔ تو اس میں کچھ بُعد نہیں۔ اور ـــــ قرآن کریم کو لہو و لعب و کھیل تماشہ بنانے والوں کا انجام کسی سے مخفی نہیں۔

بعض نام نہاد دانشوروں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ ٹی، وی پر اس قسم کی فلموں کی نمائش قرآن کی تبلیغ ہے۔ اور قرآن پاک کی تبلیغ و دینی مسائل پر علماء کی اجارہ داری ختم ہونی چاہئے۔ پہلے بھی اس قسم کی باتیں اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ ان " دانش وروں کی دانش " اور چھاپنے والوں کی بے حسی سے تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسی بے تکی ہانک رہے ہیں۔ کہ تبلیغ و دینی مسائل پر علماء کی اجارہ داری ختم ہونی چاہئے

علماء کے بارے میں ان کی دانش کا یہی فیصلہ ہے تو سائنس پر، سائنس دانوں کی اجارہ داری، اور قانون سے متعلقہ امور میں وکلاء، اور ماہرین قانون کی اجارہ داری، علاج معالجہ پر ڈاکٹروں کی اجارہ داری، تعلیم پر اساتذہ، لیکچراروں اور پروفیسروں کی اجارہ داری کے بارے میں ان کی " دانش " کا کیا فیصلہ ہے؟ اگر ان اجارہ داریوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا تو امورِ دینیہ کے بارے میں ماہرین علوم شرعیہ کی یہ حیثیت ان کے لئے کیوں سوہانِ رُوح بن رہی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ سائنس دان، ڈاکٹر، پروفیسر، وکلاء کسی خاص قوم یا خاندان کا نام نہیں بلکہ متعلقہ فن کے پڑھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے لئے برس ہا برس تک اپنی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کو کھپانے کے بعد سندِ مہارت پانے والوں کے القاب ہیں۔ لہٰذا اس میں اجارہ داری کی بحث عقل و دانش کے سراسر خلاف ہے۔ اصل مسئلہ اس فن میں مہارت کا ہے۔ جو شخص یہ مہارت و استعداد بہم پہنچائے اسے

اس فن میں یہ مقام حاصل ہو جائے گا۔ اور متعلقہ فن میں اس کی رائے مستند اور قابل قبول تصور کی جائے گی دوسرے کی نہیں۔

ٹھیک اسی طرح پر سمجھئے کہ علماء کا معزز لقب کسی خاندان یا قبیلے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ علوم شرعیہ (قرآن وحدیث وغیرہ) کی تحصیل میں ایک عمر کھپا کر یہ معزز مقام حاصل کیا جاتا ہے۔ تو امور شرعیہ کے بارے میں حضرات علماء کا فیصلہ مستند اور حجت ہوگا نہ کہ ہر کہ ومہ کا۔ گو وہ کسی دوسرے فن میں ڈگری یافتہ ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ کسی تشخیص وعلاج ومعالجہ اور فوجداری مقدمات میں زخموں کے متعلق ڈاکٹری رپورٹ ہی قابل قبول اتھارٹی ہے کسی انجینئر یا سائنسدان کی رائے کا اس میں کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی اُنکی رائے سے ڈاکٹری رپورٹ کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔

الغرض اصل بحث ماہر فن ہونے کی ہے جو اقوام کے عرف وآئین میں مسلم ہے ماسے اجارہ داری قرار دینا سراسر بے دانشی ہے۔

الحاصل وجوہ بالا کی بناء پر ایسی فلمیں تیار کرنا اور ٹی وی پہ ان کی نمائش کرنا شرعًا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۳ / ۱۰ / ۱۴۰۴ھ

معوذتین کا شانِ نزول

معوذتین جو آخری دو سورتیں قرآن پاک میں ہیں ان کا شانِ نزول کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک لے کر ان میں بارہ گرہیں دیں۔ اور وہ بال کنوئیں کے نیچے رکھ دیئے۔ اور پھر جبریل علیہ السلام پیغام لے کر آئے کہ آپ پہ جادو کا اثر ہے اور فلاں جگہ بال مبارک ہیں اس جگہ سے بال نکال لئے گئے تو آپ کو آرام ہو گیا۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب صحیح واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حدیبیہ سے واپس ہوئے تو کفار اور یہود نے لبید بن اعصم کو کہا کہ تم ہم میں سب سے زیادہ ساحر ہو اس لئے تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرو۔ ہم تم کو بہت کچھ انعام دیں گے۔ چنانچہ اس نے اور اس کی بیٹیوں نے کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک لے کر ان پہ دم کیا۔ گیارہ گرہیں دیکر کنوئیں میں دبا دیئے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف ظاہر ہوئی۔ پھر اس کے بعد سورۃ فلق، اور سورۃ الناس نازل ہوئیں اور آپ کو وہ مقام بتلایا گیا جہاں وہ بال مدفون تھے۔ آپ نے ان بالوں کو نکال کر یہ دونوں سورتیں پڑھیں جس سے وہ گرہیں کھل گئیں اور آپ کو آرام ہو گیا۔ اس سحر کا اتنا اثر نہیں تھا کہ آپ بالکل بے ہوش ہو جاتے ہوں یا آپ کے وظائف وعبادات میں فرق آیا ہو۔ (کل ذالک من التفسیر الکبیر و روح المعانی) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰ / ۱ / ۱۳۷۰ھ

سورۂ نمل میں "کتابِ مبین" سے کیا مراد ہے

سورۃ النمل پارہ ۲۰ ، ایت ۷۵ ، کی تشریح مختصر مگر جامع مطلوب ہے ۔ مجھے جو تشویش ہے وہ یہ ہے کہ "کتابِ مبین" قرآنِ پاک کے لئے آیا ہے اور میرے ناقص ذہن کے مطابق اللہ تعالےٰ نے قرآنِ پاک کا سارا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا پھر جب قرآنِ مجید آسمانوں اور زمینوں کے مغیبات کو اپنے اندر سما سکتا ہے تو جسے قرآن کا علم دیا جائے اسے ان چیزوں کے جاننے میں کیا مانع ہے ۔ نتیجہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علوم غائبہ سے روشناس تھے ۔

الجواب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ آسمان وزمین میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں مگر اس کا ذکر "کتابِ مبین" میں موجود ہے کتابِ مبین سے کیا مراد ہے ؟ اس کے بارے میں مفسر محقق علامہ ابن کثیر الدمشقی رہ اپنی مشہور تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ۔ وھذہ کقولہ الم تعلم ان اللہ یعلم ما فی السماء والارض ان ذلک فی کتاب الخ اور پارہ نمبر ۱۷ سورۂ حج کی اس مؤخر الذکر آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں وکتب ذلک فی کتابہ اللوح المحفوظ اھ ج ۳ ، ص ۲۳۴ ۔

پس معلوم ہوا کہ " امن خلق " آیت میں جو لفظ "کتابِ مبین" مذکور ہے اس سے مراد قرآن مجید نہیں بلکہ لوحِ محفوظ ہے اور اس قسم کی آیات سورۂ یونس رکوع نمبر ۷ اور سورۂ سبا رکوع نمبر ۱ میں بھی "کتابِ مبین" سے مراد لوحِ محفوظ ہے ۔ لہذا آپ کو جو شبہہ لاحق ہوا ہے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ

بیدہ الملک میں ضمیر کا مرجع حضورؐ کو قرار دینا تحریف ہے

ایک صاحب ، سورۂ ملک کی ابتدائی آیات تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شئ قدیر کا ترجمہ یوں کرتے ہیں ۔ بہت برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں تمام ملک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ان کے قبضے میں تمام ملک ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ کا کوئی ہاتھ نہیں ۔ وہ بازوؤں سے پاک ہے لہذا بیدہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یدِ مبارک ہی ہو سکتا ہے ۔ کیا یہ صحیح ہے یا غلط ؟

الجواب یہ تفسیر بالکل غلط اور محض تحریف ہے بلکہ کفر و شرک ہے کیونکہ تفسیر مذکور کی بنا پر لازم آتا ہے کہ خالق موت وحیات اور خالق سمٰوٰت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کیا جاوے۔ نیز آپ کو قادرِ مطلق بھی اعتقاد کیا جاوے۔ حالانکہ اہل اسلام تو ایک طرف، زمانۂ جاہلیت کے کفار و مشرک بھی اس کے قائل نہ تھے۔ وہ بھی خالق ارض وسماء صرف حق سبحانہٗ وتعالےٰ کو مانتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

ولئن سألتهم من خلق السموت والارض ليقولن الله ۔ الآیۃ (العنکبوت پ۲۱)

پس اس طرح تفسیر کرنا کھلی گمراہی ہے الذی بیده الملك سے مراد یہ ہے کہ جس کے قبضہ میں ملک ہے۔ "ید" سے مراد قبضہ و اختیار ہے نہ کہ یہ عضو۔ چنانچہ اردو میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے ہاتھ میں بڑے بڑے آدمی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے بڑے بڑے آدمیوں کو ایسے پکڑ رکھا ہے جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے آدمی اس کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ پس آیت میں بھی "ید" سے مراد قبضہ و اختیار ہے۔ معمولی لیاقت کا آدمی بھی اردو ترجمہ سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ جس ذات کے بارے میں "بیده الملک" کہا گیا ہے۔ اسی ذات کو اگلی آیات میں "خالق موت وحیات وخالق سمٰوٰت" فرمایا گیا ہے۔ پس جو ذات مؤخر الذکر صفات کی مالک ہے یعنی حق سبحانہ وتعالےٰ وہی پہلی وصف سے بھی متصف ہے۔ چنانچہ تیسری آیت میں مذکور ہے ماترى فى خلق الرحمن من تفاوت اس آیت میں حق سبحانہ وتعالےٰ کے اسم مبارک کی تصریح فرما دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح　　　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفی عنہ　　　　۱۰ : ۱۰ : ۱۳۸۴ھ

مَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى کی تفسیر

آیت مَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فهو فى الاخرة اعمى اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یعنی (دنیا میں جو شخص جیسے) ہدایت کی راہ سے اندھا رہا ویسے ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔　　　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح　خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

ومن الناس من یعجبک الآیۃ

ومن الناس من یعجبک الآیۃ کا شانِ نزول کیا ہے؟

الجواب یہ آیات "اخنس بن شریق" کے بارے میں نازل ہوئیں جو کہ بڑا فصیح و بلیغ تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کر اسلام کا جھوٹا دعوےٰ کیا کرتا تھا۔ اور مجلس سے اٹھ جاتا تو فساد و ایذاء رسانئ خلق میں لگ جاتا۔ اھ۔ (بیان القرآن ص ۱۱۱)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷ : ۳ : ۱۳۹۶ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بسم اللہ میں رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجہ

بیضاوی شریف میں لفظِ رحمٰن و رحیم کی تفسیر میں مندرجہ ذیل عبارت مرقوم ہے اس کی تشریح میں زید و عمر میں اختلاف ہے آپ اس عبارت کا مطلب و مقصد مع ترجمۂ لفظی تحریر فرماویں۔

ولانه صار كالعلم من حيث انه لا يوصف به غيره لان معناه المنعم الحقيقي البالغ في الرحمة غايتها وذلك لا يصدق على غيره لان من عداه مستعيض بلطفه والعامه يريد به جزيل ثواب اوجميل ثناء اھ

الجواب علامہ بیضاوی رحمٰن کو رحیم پر مقدم لانے کی وجوہ بیان فرما رہے ہیں۔ ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ "رحمٰن" بمنزلۂ علَم ہے اور اس کے اندر معنیٰ وصفی آگیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ رحمٰن اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کی صفت واقع نہیں ہوتا۔ بخلاف رحیم کے کہ وہ رسول کی صفت واقع ہوا ہے بالمؤمنین رؤف رحیم اسی طرح رحمدل آدمی کو بھی رحیم کہہ سکتے ہیں لیکن رحمان نہیں کہہ سکتے۔ لہذا رحمٰن جب بمنزلۂ علم ہوا تو اس کی تقدیم رحیم پر مناسب ہے۔ کیونکہ اعلام صفات پر مقدم ہوتے ہیں اور رحمٰن کے بمنزلۂ علَم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رحمٰن کا معنی ہے "منعم حقیقی" جو رحمت میں انتہاء کو پہنچ چکا ہو۔ اور یہ صفت سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ منعم حقیقی جس کا انعام بلا عوض ہو، صرف اللہ کی ذات ہے۔ اللہ کے علاوہ جو لوگ کسی پر انعام و احسان کرتے ہیں تو عوض کے طالب ہیں۔ (مستعیض کا معنی عوض طلب کرنے والا) اور یہ معاوضہ چار قسم کا ہوتا ہے۔

۱: کبھی انعام و احسان سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں ثواب حاصل ہو۔

۲ : دنیا میں ثناء جمیل ذکر خیر لوگوں کے ذریعہ حاصل ہو۔
۳ : کسی ہم جنس کو محتاج و مصیبت زدہ دیکھ کر طبیعت میں رقت اور درد و سوز پیدا ہوتا ہے تو اس پر انعام و اکرام کر کے انسان اپنے جذبۂ ہمدردی اور رقتِ قلبی کی تسکین کرتا ہے۔
کما قال مولانا عبد الحکیم فی حاشیتہ علی البیضاوی ؛ ص۲
قولہ رقۃ الجنسیۃ ای مزیل بانعامہ الرقۃ الحاصلۃ لہ باعتبار المشارکۃ الجنسیۃ بالمنعم علیہ کمن رأی فقیرا وحصل لہ رقۃ القلب یتصدق علیہ لازالۃ الم الرقۃ وھذا ھوالموافق لمافی التفسیر الکبیر =
۴ : یا انعام و احسان سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مال خرچ کرنے سے اس کی محبت دل سے زائل ہو جائے۔ بہرحال ان کے سامنے اس قسم کے مقاصد ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ منعم حقیقی ہیں بلا کسی عوض اور مقصدِ ذاتی کے محض انسان کو نفع رسانی کی خاطر احسان فرماتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔
بندہ محمد عبد اللہ عفر لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

۲۸ : ۳ : ۱۳۷۲ھ

حجاب کا حکم اور اِلّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا کی تفسیر

کبیری شروط الصلوۃ ص ۲۴۸ - پر ہے۔
الا وجھہا وکفیہا فانہما لیسا بعورۃ بالاجماع لا فی حق الصلوۃ ولا فی حق نظر الاجنبی حتی ان یباح نظرہ الی وجہ المرأۃ الاجنبیۃ وکفیہا اذا کان بغیر شہوۃ۔ آگے پوری تفصیل ہے جو حضور خود ملاحظہ فرمالیں۔ کچھ سطور کے بعد لکھتے ہیں۔
وھذا معنی قولہ تعالیٰ " الا ما ظھر منہا " ای الا ما جرت العادۃ والجبلۃ علی ظہورہ۔
اور درمختار ج ۱ ص ۲۸۴ - میں ہے۔ وتمنع المرأۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین الرجال لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ۔
امید ہے کہ حضور خود بھی سب تفصیلات ملاحظہ فرمالیں گے۔ یہ معروض بحوالہ ہے اب جو امر محقق ہو اس سے بندہ کی اصلاح فرمائی جائے۔ مولوی محمد یوسف بہاولنگر۔

الجواب قبل از جواب ایک مقدمہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ استدلال اور استنباط کے مقام میں صرف ایک آیت یا ایک حدیث کو ملحوظ قرار دے کر کسی حکم یا مسئلہ شرعیہ کا استنباط کرنا سخت

نادانی اور جہالت ہے اور عمداً ایسا کرنا کہ تمام نصوص میں سے کسی ایک کو لے کر باقی کو نظر انداز کر دیا جائے الحاد و زندقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات علمائے اجتہاد اور استنباط کے کام کو موجودہ زمانے میں متعذر قرار دیا ہے۔ کیونکہ قرونِ اولیٰ کے بعد ایسے وسیع النظر حضرات جو احادیث و آثار کے حافظ ہوں مفقود ہو چکے ہیں۔

بعد ازیں عرض ہے کہ مجموعہ آیات و احادیثِ حجاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پردۂ شرعی کے تین درجے ہیں۔

۱: چہرے اور ہتھیلیوں اور بعض کے نزدیک پیروں کے بغیر باقی تمام حصہ کو چھپایا جائے۔ یہ ادنیٰ درجے کا پردہ ہے۔

۲: چہرے اور ہتھیلیوں کو بھی برقعہ سے چھپایا جائے اور اس حالت میں بوجہ حاجت و ضرورت شوہر کی اجازت سے عورت باہر جا سکے یہ درمیانے درجے کا پردہ ہے۔

۳: عورت دیوار کے پیچھے رہے۔ برقعہ کے باوجود بھی باہر نہ نکلے یہ اعلیٰ درجے کا پردہ ہے۔

یہ تینوں درجات آیات و احادیث سے ثابت ہیں۔ بطور اختصار کچھ ذکر کی جاتی ہیں۔

۱: قال اللہ تعالیٰ - وقرن فی بیوتکن۔ (درجہ ثالثہ)

۲: واذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من ورآء حجاب اھ (درجہ ثالثہ)

۳: ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا اھ (علی قول البعض درجۂ اولیٰ وعلی قول البعض درجۂ ثانیہ)۔

۴: ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن اھ (درجہ ثالثہ)

۵: والقواعد من النساء اللّٰتی لا یرجون نکاحاً فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینۃ (درجہ اولیٰ)

۶: ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن اھ (درجہ ثانیہ)

۷: یدنین علیھن من جلابیبھن اھ (درجہ ثانیہ)

۸: ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن الآیۃ (درجہ ثانیہ)

احادیث ۹: عن قیس بن شماس قال جآءت امرأۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لھا ام خلاد وھی متنقبۃ تسئل عن ابنھا وھو مقتول فقال لھا بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جئت تسألین عن

أبنك وانت متنقبة فقالت ان أرزأ ابني فلن أرزأ حيائي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لابنك أجر شهيدين فقالت لم ذلك يارسول الله. قال لانه قتله اهل الكتاب ابو داؤد كتاب الجهاد باب فضل قتال الروم (درجه ثانيه)

۱۰ ؛ المرأة عورة مستورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان رواه الترمذي (درجهٔ ثالثة)

۱۱ ؛ عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت خرجت سودة بعد ما ضرب الحجاب لحاجتها الى قومها فقالت يارسول الله صلى الله عليه وسلم انی خرجت لبعض حاجتی فقال لی عمر كذا وكذا يعنى اما والله لا تخفين علينا قالت فاوحى الله اليه فقال انه قد اذن لكن ان تخرجن لحاجتكن۔ تفسیر سورة احزاب (درجه ثانيه)۔ بخاری شریف ثم قال لسودة بنت زمعة احتجبی لما رأى من شبهه لعتبة (درجه ثانيه) رواه البخاری۔

۱۲ ؛ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (لام سلمة وميمونة) احتجبا منه رای من ابن ام مكتوم) فقلت يارسول الله صلى الله عليه وسلم اليس هو اعمى لا يبصرنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم افعمياوان انتما الستما تبصرانه رواه احمد والترمذی وابو داؤد (درجه ثانيه)۔

مذکورہ احادیث وآیات سے جو تین درجے حاصل ہوتے ہیں ان کو مختلف صورتوں پر مرتب کرنا حضرات فقہاء کا کام ہے۔

چنانچہ بوڑھی عورتوں پر پہلا درجہ واجب ہے۔ یعنی چہرہ اور ہتھیلیوں کے ماسوا باقی حصّہ بدن کو ظاہر کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور درجہ ثانیہ۔ کہ برقعہ کے ساتھ باہر جائے بالکل اپنے قد و قامت کو بھی ظاہر نہ کرے مستحب ہے۔

شواب وکھول ؛ یعنی نوجوان اور متوسط العمر عورتوں کے لئے تینوں درجے واجب ہیں۔ یعنی چہرہ اور کفین کے سوا باقی بدن کا ستر کرنا بھی واجب ہے۔ اور برقعہ کرکے چہرہ کو چھپانا بھی واجب ہے۔ اور اپنے آپ کو گھر میں محبوس رکھنا بھی ضروری ہے۔ البتہ اشد ضرورت کے وقت درجہ اولیٰ میں کچھ وسعت بھی ثابت ہے۔ مثلاً علاج معالجہ کے لئے ماسوائے وجہ اور کفین کا کھولنا بھی جائز

ہے۔ اور درجہ ثانیہ وثالثہ میں بھی اگر متوسط درجہ کی ضرورت ہو تو گھر سے نکلنا جائز ہے مگر برقعہ کے ساتھ۔ بشرطیکہ اظہار تزین نہ ہو۔

چند فوائد متعلقہ ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها

۱ : اس سے مراد ظہور فی نفسہ ہے نہ کہ کشف للغیر قصداً۔ کیونکہ اس آیت میں غیر سے اصلاً تعرض نہیں کیا گیا۔ اور نہ کوئی قرینہ ہے۔

۲ : الا ما ظهر منہا سے جو یہ ثابت کرتے ہیں — کہ عورتوں کے لئے عام طور پر چہرہ کھولے رکھنے کی اجازت ہے یہ ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ " الا ما ظهر منہا " میں صرف عورتوں کو فی نفسہ چہرہ اور ہاتھ کھولے رکھنے کی اجازت ہے۔ تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح ان کو چھپانے کی تکلیف نہ ہو اور اس میں دوسروں کے لئے چھپانے اور ظاہر کرنے مقصود نہیں۔

۳ : قال ابن جریر حدثنی علی قال حدثنا عبد الله قال حدثنی معاویة عن علی عن ابن عباس قوله ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها قال والزینة ظاهرة الوجه ککحل العینین وخضاب الکف والخاتم فهذا تظهر فی بیتها لمن دخل من الناس علیها۔

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) زینت سے مراد مواضع زینت نہیں بلکہ ما یتزین به النساء مراد ہے۔ اور فی بیتہا کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ ابداء سے مراد ابداء فی نفسہ ہے نہ کشف للغیر۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں رسالہ " القاء السکینة فی ابداء الزینة " اور " اثبات الستور لذوات الخدور " یہ دونوں رسالے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے تصنیف فرمودہ ہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ
الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ ۷/ ۱۳۶۸ھ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

تفسیر بُلغۃ الحیران کے متعلق معتدل رائے اور اس کے چند مقامات پر اعتراضات کا جواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین تفسیر بلغۃ الحیران کے مندرجہ ذیل مقامات میں آیا کہ جو کچھ اس تفسیر میں لکھا گیا ہے یہ سلف صالحین اور اہل السنۃ والجماعۃ علماء دین کے نظریات کے موافق ہے یا مخالف ؟

۱ : " کل فی کتاب مبین " کے تحت " بلغۃ الحیران " ص ۱۵۷۔ پر لکھا ہے۔ یہ علیحدہ جملہ ہے

ماقبل کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ تاکہ یہ لازم آئے کہ تمام باتیں اوّلاً کتاب میں لکھی ہوئی ہیں جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے۔ یا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے تمام افعال لکھ رہے ہیں فرشتے۔ انتہی بلفظہ۔

کیا یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا اظہار نہیں ؟ حالانکہ جملہ مفسرین اس سے مراد لوح محفوظ لے رہے ہیں۔ علماء دیوبند کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے موضح القرآن میں اس آیت کے فائدے میں لکھا ہے۔ تو کیا یہ علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف نہیں ؟ اور کیا اس خودساختہ تفسیر پر قد جف القلم بما ھو کائن اور اس قسم کی دوسری احادیث کی تکذیب نہیں ہوتی اور تمام کتب عقائد کی تغلیط نہیں ہوتی ؟

۲ : یاجوج ماجوج کے متعلق ص ۲۰۵ پر لکھا ہے۔ "یاجوج ماجوج سے مراد انگریز ہیں یا کوئی اور"۔ کیا یہ یاجوج ماجوج کے متعلق وارد روایات کے خلاف نہیں۔ اور کیا یہ مرزائیوں کی موافقت نہیں ؟

۳ : بلغۃ الحیران کے ص ۱۵ پر" ادخلوا الباب سجدا " کی تفسیر میں لکھا ہے باب سے مراد مسجد کا دروازہ ہے جو کہ نزدیک تھا۔ اور باقی تفسیروں کا کذب ہے۔ انتہی۔ مفسرین کو کاذب کہنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو قائل کا کیا حکم ہے ؟

۴ : اسی تفسیر کے صفحہ ۲۴۴ پر مندرج ہے۔ " رسولوں کا کمال بس عذاب الٰہی سے نجات پا لینا ہے"۔ انتہی۔ کیا یہ مرسلین کی تنقیص نہیں ؟ عذاب سے نجات رسول کا کمال ہے تو کیا غیر رسول کی نجات نہ ہوگی ؟

۵ : ص ۵ پر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو کہا ہے کہ " یہ بھی کمال نہیں " کیا یہ غلط اور جمہور کے مخالف نہیں ؟

۶ : ص ۱۵۸ پر معتزلہ کا مذہب نقل کر کے لکھا ہے کہ " انسان خود مختار ہے۔ اچھے کام کریں یا نہ کریں اور اللہ کو پہلے کوئی علم نہیں کہ کیا کریں گے۔ بلکہ اللہ کو کرنے کے بعد علم ہوگا۔ الی ان قال مگر بعض مقام قرآن جو ان کے مطابق نہیں بنتے تاویل کرتے ہیں معنی صحیح کرتے ہیں۔ کیا یہ اعتزال کی صریح تائید و تصحیح نہیں ؟ کیا یہ قدامت علم الٰہی کا انکار نہیں ؟

حبیب الرحمٰن مدرس دارالعلوم رحمانیہ ہری پور ہزارہ صوبہ سرحد۔

الجواب محترم جناب مولانا حبیب الرحمٰن مدظلہٗ کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہمارا مسلک علماء دیوبند کے اصول کے مطابق احتیاط پر مبنی ہے۔ ہم عبارات مشکوکہ و مشتبہ کی بنا ر

پر تکفیر و تفسیق میں جلدی نہیں کرتے ۔ افراط و تفریط ہی دو ایسے امر ہیں جن کی بنا پر امت میں فساد پیدا ہوتا ہے ۔ اگر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ان کی جماعت آپ کی نظر میں اکثر مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں (جس کا ہمیں پورا یقین نہیں) تو یہ ایسا ہے جیسا بریلوی حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں لیکن ہمارے اکابر نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے اس لئے ہم بھی تکفیر کے بارے میں ہمیشہ احتیاط کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو بھی احتیاط کرنے اور عبارات مشکوکہ کی جب تک اصل عبارات کفر کے معنی کی تصریح نہ کریں ، تاویل ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں ۔ ہمارے لئے سابقہ فتنوں میں رفض اور قادیانیت بھی کیا کچھ کم ہیں جن کو چھوڑ کر ہم نئے فتنے پیدا کریں ۔

اس لئے اس بارہ میں جس طرح ہم آپ سے احتیاط کرنے اور تکفیر و تفسیق میں جلد بازی نہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اسی طرح ہمارا لکھنا مدمقابل فریق مولانا غلام اللہ خان صاحب وَجَمَاعَتُهُ سے بھی یہی اختلاف قائم ہے ہم اس تشدد آمیز اور خلاف حکمت طریق کار کو پسند نہیں کرتے ۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد بلغۃ الحیران کی جو عبارتیں آپ نے تحریر کی ہیں ان کے بارے میں رائے تحریر کی جاتی ہے ۔

۱ : عبارت کی تصحیح کردی گئی ہے ۔ ہم نے مولانا غلام اللہ خان صاحب سے تحقیق کی ہے انہوں نے یہ تسلیم فرمالیا ہے کہ یہ عبارت کاتب اور ناسخ کی غلطی سے شبہ انگیز ہوگئی ہے ۔ آپ کی تحریر شدہ عبارت کے لحاظ سے جب " کل فی کتاب مبین " مستقل جملہ تھا اور کل سے مراد ، کل ما تعملون لیا تھا اور یہ معنی یہ لیا تھا کہ تمہارے اعمال فرشتے لکھ رہے ہیں ۔ تو اس صورت میں معتزلہ کی تائید تھی ۔

جب جملہ " کل فی کتاب مبین " ماقبل کے ساتھ متعلق کر کے یہ مراد ہو " کہ پچھلی تمام باتیں کتاب میں لکھی ہوئی ہیں " تو یہ اہل السنۃ کے مسلک کے موافق ہو جائے گا ۔ جب مصنف خود تصریح کر رہے ہیں کہ کتابت کی غلطی ہے اور اصل عبارت یوں تھی اور ہم اہل السنۃ کے موافق ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ غلط عبارت لے کر اعتراض پر جمے رہیں ۔

۲ : اسی طرح مذہب اعتزال کو نقل کرنے کے بعد ان کی تاویل کو نقل کیا ہے کہ جہاں معنیٔ آیت ان کے موافق نہیں ہوتے وہاں وہ لوگ تاویل کر کے معنی صحیح بناتے ہیں ۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تاویل جائز ہے یا ہم ان کی تاویل کے ساتھ متفق ہیں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جو یہ دلالت کرتا ہو کہ مصنف کتاب ان کی تاویل کو صحیح سمجھ رہا ہے ۔ بلکہ ان حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ اگر ہم معتزلہ کے ہم نوا ہوتے تو آیت لِیَعْلَمَ لِنَعْلَمَ میں مفسرین اہل السنۃ کے مطابق

علم ظہور کی تاویل نہ کرتے، بلکہ معتزلہ مفسرین کے مطابق علم سے علم حقیقی مراد لیتے۔

۳ ؛ مصنف اور جامع بلغۃ الحیران فرماتے ہیں۔ کہ کذب سے ہماری مراد خلافِ واقعہ ہے چونکہ مولانا مرحوم کو اپنی تحقیقات کے لحاظ سے یہی مسلک صحیح معلوم ہوا لہذا اسی کو ترجیح دی۔ اور دوسرے اقوال کو کہنا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ مرجوح یا خلافِ واقعہ ہیں۔ لیکن چونکہ تقریرات کے الفاظ مولانا مرحوم کے اپنے نہیں، جامع نے کذب لکھ دیا۔ کذب سے مراد وہ گناہِ کبیرہ نہیں لیتے۔ بلکہ اس سے مراد خلافِ واقعہ اور غلط لیتے ہیں۔

۴ ؛ "مصنف اور جامع" نے " رسولوں کا کام بس عذابِ الٰہی سے نجات پا لینی ہے " کے متعلق "معاذ اللہ" کہتے ہوئے معنیٔ تنقیص سے برأت ظاہر کی۔ اور یہ کہا کہ ہمارا مطلب جو سیاق و سباق کے ملانے سے واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت صالح اور حضرت لوط علیٰ نبینا و علیہم السلام کی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد " فدمرناھم وقومھم فرمایا اور اہلِ ایمان کے متعلق " وانجینا الذین امنوا " فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہلاکِ کفار اور انجاءِ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے وقت میں عذابِ الٰہی سے بچ جائیں اور ان کے اتباع کی وجہ سے باقی بھی بچ جائیں۔ (قال) معاذ اللہ مصنف کے دل میں کسی قسم کی تنقیص انبیاء۔ کے متعلق نہیں بلکہ اس کو کفرِ صریح بتلاتے ہیں۔

۵ ؛ مصنف کا مقصد یہ ہے کہ صرف فصاحت و بلاغت پر انحصار نہیں۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ اس میں کمال نہیں۔ چنانچہ یہ مراد اور تفصیل سورۂ یونس میں مصنف کی تحریر سے واضح ہو رہی ہے

ع دانایان درپئے نقطہ نے روند

لفظِ کمال سے بلاشبہ دھوکہ لگتا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت جو سورۂ یونس میں موجود ہے اس سے مصنف کا ارادہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے اعجاز کو صرف فصاحت و بلاغت میں ہی بند نہ کیا جائے بلکہ عام رکھا جائے۔

بہرحال یہ معانی اور احتمالات خود صاحبِ کتاب مراد لے رہے ہیں جو صحیح ہیں اور بن سکتے ہیں اس لئے ہمیں قول مالا یرضیٰ بہ القائل لے کر کفریہ احتمال کو ترجیح دینے کی کیا ضرورت ہے اگر یہ لوگ تشدد کرتے ہیں تو ہمیں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

۶ ؛ یاجوج ماجوج کے متعلق حضرت العلامہ سیدنا و مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہٗ نے کچھ تحقیق فرمائی ہے۔ جو کہ فیض الباری جلد ۴ ص ۲۳ میں موجود ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

یاجوج وماجوج سے مراد انگریزوں اور روسیوں کا ہونا بہت سے مؤرخین کا قول ہے۔ اور
لعین قادیانی نے جو بات کہی ہے وہ درحقیقت مؤرخین سے چرا کر کہی ہے۔
قال رحمہ اللہ الفائدۃ الثالثۃ فی تحقیق یاجوج وماجوج۔ اما الکلام فی
یاجوج وماجوج فاعلم انہم من ذریۃ یافث باتفاق المؤرخین ویقال لہم
فی لسان أروبا (کاگ میگاگ) وفی مقدمۃ ابن خلدون (غوغ ماغوغ)
وللبرطانیۃ اقرارھم بانہم من ذریۃ ماجوج وکذا المانیا ایضاً منہم
واما الروس فہم من ذریۃ یاجوج ولیسوا ھؤلاء الاقوام من الانس والمراد
من الخروج حملتہم وفسادھم وذلک کائن لا محالۃ فی زمان
الموعود وکل شیء عند ربک الی اجل مسمی۔ ولیس السد منعہم عن
الفساد۔ فہم یخرجون علی سائر الناس فی وقت ثم یہلکون بدعاء
عیسٰی علیہ السلام ھکذا فی مکاشفات یوحنا۔ وفیہ انہم یہلکون
بدعاء المسیح علیہ الصلوۃ والسلام وانما ذکرنا نبذۃ من ھذہ الامور
لتعلم انہا لیست بشیء یفتخر بہا عند العوام ولکنہا کلہا
معروفۃ عند أصحاب التاریخ اما من لم یطالع کتبہم فالاثم
علیہ۔ وھذا الجاھل لعین القادیان یزعم انہ الحق بعلم جدید
کان اوجدہ من عند نفسہ وکان الناس غافلون عنہ قبل ذلک
وقد بسطناھا فی رسالتنا عقیدۃ الاسلام وحاشیتہ بما لا مزید علیہ
فراجعہا انتہی۔
پوری تفصیل اور وضاحت مکمل مضمون دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس بناء پر یاجوج ماجوج
سے انگریز مراد لینا موجب کفر نہیں ہو سکتا۔ نیز مصنف کتاب نے انگریز کے مراد ہونے پر جزم نہیں
کیا بلکہ یوں کہا کہ "یاجوج ماجوج سے مراد انگریز ہیں یا کوئی اور"۔ لہٰذا اس قسم کے جملہ سے
قائل کسی حد اور تعزیر کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸ ؍ ۹ ؍ ۱۳۷۰ھ

حضرت العلام حضرت مفتی صاحب دام فیضہ نے مصنف بلغۃ الحیران اور جامع کے متعلق جو پہلو

احتیاط اور عدمِ تکفیر کا اختیار فرمایا ہے وہی راجح اور صواب اور احوط ہے۔ مگر جس کتاب کی عبارات جمہور اہل السنۃ والجماعت کے مسلک کے خلاف ہوں یا عوام کو ان سے ایہام و مغالطہ ہوتا ہو ایسی کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کرنا جائز نہیں۔ اور اس کے جامع و ناشر تاویل یا اعتراف غلطی کر کے تکفیر و تفسیق سے تو بری ہو سکتے ہیں مگر اس کے ضرر اور اثم سے برأت کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کی اشاعت کو بند کیا جائے جب تک کہ اس کی اصلاح نہ کی جائے یا غلط مقامات کا اظہار بالتصریح نہ کیا جائے۔ واللہ الموفق۔ از احقر خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۱۹ : ۹ : ۱۳۷۰ھ

لقد اجاد من اجاب۔ ھذا ھو الحق والصواب فللّٰہ در المفتی النحریر لا زال فیضہ الکثیر الاٰن حصحص الحق فلا یتعنت السائل فی تکفیر المسلمین سیما العلماء الوارثین بل لیھتد بھدایتہ المذکورۃ و یستدن ویستغفر عما صدر منہ الکبیرۃ لان التکفیر نسبۃ ان لم تجد صلاحا فی المنتسب الیہ فترجع الی المنتسب کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولکن ما قال استاذنا القمقام فی تصحیح البلغۃ وتغییرہ التام ھذا ھو الحق والحق احق ان یتبع فقط

الاحقر محمد عزیز الرحمن المتوطن بھزارۃ المقیم فی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح ؛ عبدالشکور عفرلہٗ ؛ خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح والمزید علیہ من حضرت المہتمم صحیح ونصح لفصیح ؛ جمال الدین الہزاروی غفرلہٗ۔

الجواب صحیح

بندہ محمد صدیق عفرلہٗ ؛ معین مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹ : ۹ : ۱۳۷۰ھ

تفسیر بالرائے جو اصول وقواعد عربیہ کے خلاف ہو

قرآن کی تفسیر بالرائے کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں ؟ جب کہ ایسی تفسیر اپنی ہی رائے سے کی گئی ہو جبکہ ایسی تفسیر پر وہ مفسر بضد ہو۔ تو اس کا شرعًا کیا حکم ہے ؟ قرآن و سنت کے مطابق جواب سے نوازیں۔

الجواب ائمہ تفسیر نے صحت تفسیر کے واسطے جن امور کو لازم قرار دیا ہے ان کا انحصار اصول ذیل میں ہے۔ ۱: ہر آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی کی تفسیر کے

مطابق ہو۔ یا وہ کسی حدیث مرفوع یا اقوالِ صحابہ سے ماخوذ و مستنبط ہو۔
۲ : سیاق وسباق کے مطابق ہو۔
۳ : قواعدِ عربیہ اور اہلِ لسان کے استعمال کے موافق ہو۔
۴ : اصولِ شریعت اور دین کے ان تمام قواعد و ضوابط کے مطابق ہو جو دین کے اصولِ موضوعہ اور بنیادی امور کے درجہ میں طے اور ثابت ہیں اور ان پر اعتقاد و ایمان لازم ہے مثلاً آخرت یا جنت وجہنم جزاء وسزا وغیرہ
۵ : مقاصد قرآن کے ماتحت ہوں۔ ان اصولوں کی پابندی اور رعایت کرتے ہوئے کلام اللہ کی تشریح کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ اور ان اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مضامین کی تشریح کو اصطلاح علماء میں تفسیر بالرائے اور تحریفِ قرآن کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ من قال فی القرآن برأیہ او مالا یعلم فلیتبوأ مقعدہ من النار اھ۔ ترمذی وابو داؤد ونسائی۔ تفصیل واشلہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ مناہل العرفان ص ۲۶۷۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲۳ : ۱ : ۱۴۰۳ھ

وقفِ لازم پر وقف لازم نہیں

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم میں جن آیات کے ساتھ وقف لازم لکھا ہے وہاں ٹھہرنا ضروری ہے یا نہیں ؟ اگر نہ ٹھہرا جائے اور اگلی آیت سے ملا دیا جائے تو جائز ہوگا یا گناہ ؟
۲ : کیا قرأت اور تجوید کے قاعدے پر قاری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس آیت پر چاہے ٹھہرے اور جہاں چاہے نہ ٹھہرے خواہ مکمل آیت اور وقف لازم ہی کیوں نہ ہو ؟

الجواب جہاں پر وقف لازم لکھا ہوتا ہے وہ لازم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں بلکہ بمعنی استحسان مراد ہے لہذا وقف نہ کرنے میں گناہ نہیں ہوگا۔ اور وصل سے معنی مشتبہ ہوتا ہو تو وقف کو لازم سمجھا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح　　　　بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۷ : ۴ : ۱۳۸۸ھ۔

جس گھر میں قرآن مجید موجود ہو اس کی چھت پر چڑھنا

جس گھر میں قرآن مجید رکھے ہوں اس کی چھت پر چڑھنا کیسا ہے ؟
۲ : مسجد کی چھت پر چڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب جس مکان کے اندر قرآن مجید ہو اس کی چھت پر چڑھنا جائز ہے ۔ فھذا کما لو بال علی سطح بیت فیہ مصحف و ذلک لا یکرہ ۔اھ ، (شامی ج ۱ : ۲۱۵)

۲ : مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے ۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ اھ

(عالمگیری : ج ۴ ، ص ۹۴)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۱۷ : ۲ : ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیرالمدارس ملتان ۔

ڈاک کی ٹکٹوں پر قرآنی آیات لکھنا ٹھیک نہیں

محکمہ ڈاک پاکستان نے گیارہویں اسلامی کانفرنس اسلام آباد کے موقعہ پر ایک یادگار ٹکٹ جاری کیا ہے جس پر یہ آیت لکھی ہوئی ہے ۔ واعتصمو بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقو ۔" اس طرح اس آیت میں مو ، اور قو ، کے بعد الف رہ گیا ہے ۔ محکمہ ڈاک کی توجہ اس طرف دلائی گئی مگر کوئی رد عمل نہیں ہوا بلکہ ٹکٹوں کی فروخت جاری ہے ۔

الجواب ٹکٹوں پر قرآنی آیات لکھنا سوء ادبی ہے محکمہ کو یہ ٹکٹ ختم کر دینے چاہئیں ۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳۰ : ۱۰ : ۱۴۰۰ھ

قرآن پڑھنے کے بعد دعوت کھانا

اگر کوئی کسی کے گھر قرآن پڑھنے جائے تو اسے اپنی خوشی سے کچھ دیدیں ۔ یا کھانا کھلائیں یا خود مقرر کرے تو کیسا ہے ؟

الجواب ایصال ثواب یا اس جیسے مقاصد کے لئے قرآن مجید پڑھنے پر کچھ بھی لینا جائز نہیں ۔ خواہ پہلے سے مقرر کر لیا جائے یا دینا معروف ہو اور پڑھانے اور پڑھنے والے یہ سمجھتے ہوں کہ ضرور دیں گے ۔ ایسے ہی پڑھنے کے بعد کھانا کھانے سے بھی احتراز مناسب ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۔ ۳ : ۳ : ۱۴۰۱ھ

آیاتِ قرآنیہ کو جلا کر دھواں لینا درست نہیں

زید اپنے مریدوں کو ایسے تعویذ دیتا ہے جن میں بسم اللہ شریف اور دیگر آیات قرآنیہ ہوتی ہیں اور انہیں حکم دیتا ہے کہ ان کی دھونیاں بنا کر جلا دیں ۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ قرآنی آیات کو لکھ کر ان کی دھونیاں بنا کر جلانا شرعًا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب بسم اللہ شریف اور آیاتِ قرآنیہ کو لکھ کر بطورِ تعویذ گلے میں یا بازو پہ پاک کپڑے، یا چمڑے میں لپیٹ کر باندھنا، لٹکانا جائز ہے حتیٰ کہ جنب اور حائض کے لئے بھی۔ ولا بأس بان یشد الجنب والحائض التعاوید علی العضد اذ کانت ملفوفۃ۔

(شامی ج ۵ ص ۲۴۰)

لیکن ان تعاویذ کو جن میں اسماء الٰہیہ اور آیاتِ قرآنیہ ہوں دھونیاں بنا کر جلانا ناجائز ہے کیونکہ یہ توہین ہے وفیہا یکرہ کتابۃ الرقاع فی ایام النیروز والزاقہا بالابواب لان فیہ اہانۃ اسم اللہ تعالیٰ (ج ۵ ص ۲۴۰) فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

جن کاغذات پر اللہ و رسول کا نام لکھا ہو ان کو کیا کیا جائے آج کل خطوط، کتابوں، رسالوں اور اخباروں میں اللہ، رسول کے نام لکھے ہوتے ہیں کیا ان کی بے ادبی سے بچنے کے لئے یہ جائز ہے کہ ایسے ناموں کو قلم زد کر کے مٹا دیا جائے جس سے وہ اصل نام یا الفاظ نہ رہیں اور پھر عام ردی میں استعمال کر لیا جائے۔

۲ ؛ کیا ہمارے زمانے کے کتابی محرف توریت اور انجیل کو ماننے والے حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا ماننے والے اور تین خدا ماننے والے کا ذبیحہ حلال ہے۔ اور ان کی عورتوں سے بغیر مسلمان کئے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳ ؛ قبر تیار ہو جانے پر بہشتی زیور میں شامی اور ردالمحتار کے حوالے سے اس پر شاخ رکھنا لکھا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معذب قبروں پر شاخ گاڑی تھی تو قبر پر سبز شاخ رکھنا مستحب ہے یا گاڑنا۔

۴ ؛ جب کہ حدیث میں معذب قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سبز شاخ گاڑنا لکھا ہے اور قبر کی تیاری پر سبز شاخ رکھنے یا گاڑنے کا حکم نہیں دیا۔ نہ عام قبروں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخ گاڑی نہ یہ صحابہ رضہ کا تعامل رہا بلکہ بطور معجزہ ایک واقعہ ہے تو حنفیہ کے نزدیک اس کو مستحب کیوں قرار دیا گیا ہے۔

الجواب ۱ ؛ اسمائے محترمہ کے مٹانے کے بعد اس کاغذ کا ردی میں استعمال کرنا درست ہے۔ مگر بے ادبی نہ کی جائے۔ پاؤں وغیرہ میں نہ روندا جائے۔ ولا یجوز لف شیٔ فی کاغذ فیہ مکتوب من الفقہ وفی الکلام اولی ان لا یفعل وفی کتب الطب یجوز ولو کان فیہ اسم اللہ تعالیٰ او اسم النبی علیہ السلام یجوز محوہ لیلف فیہ شیٔ اھ۔ (شامیہ : ج ۵ ؛ صـ۲۵۱)۔

۲ : قرآن حکیم میں ان کے مشرکیہ عقائد ذکر کرنے کے باوجود ان کو اہلِ کتاب کہا گیا ہے لہذا جو لوگ واقعۃً یہودیت یا عیسائیت کے پیروکار ہیں ۔ وہ اہلِ کتاب ہیں اور ان پر اہلِ کتاب کے احکام نافذ ہوں گے البتہ جو لوگ "حقیقۃً" دہریہ ہیں اور صرف مردم شماری میں اپنے آپ کو عیسائی یا یہودی لکھواتے ہیں وہ ہرگز اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہیں ۔ ایسے ہی جو اسلام لانے کے بعد معاذ اللہ یہودی یا نصرانی بنے وہ بھی اہلِ کتاب سے نہیں ۔ اور جن پر اہل کتاب کا لفظ صادق آتا ہے ان کا ذبیحہ جائز ہے ۔ کیونکہ ذبیحہ کے احکام اہل کتاب کے ہاں بھی وہی ہیں جو مسلمانوں میں ہیں ۔
البتہ کوئی اہلِ کتاب دانستہ اللہ کا نام ذبیحہ پر ذکر نہ کرے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں جیسا کہ مسلمان کا ایسا ذبیحہ حلال نہیں ۔ باقی رہا نکاح کا مسئلہ تو گو ان عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں مگر بہت سے دینی و دنیاوی مفاسد کی بنا ۔ پر فقہاء نے اس سے منع کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں بعض صحابہ رضؓ نے ان کی عورتوں سے نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سختی سے منع فرمایا ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہاں تک لکھا
اعزم علیك ان لا تضع کتابی حتی تخلی سبیلھا یعنی میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو ۔ (کتاب الآثار لمحمد ص۴۵)
مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ، معارف القرآن ، ج ۳ ، ص ۴۴ ۔ میں لکھتے ہیں کہ

"الغرض قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ رضؓ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں ۔ اھ ۔

۴ : ان سے عذاب میں تخفیف ہونے کے بارے میں علماء کے مختلف قول ہیں ۔ بعض نے اس کو آنحضرت علیہ السلام کی خصوصیت کہا ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ نے دعاء فرمائی تھی کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں عذاب میں تخفیف رہے ۔ ان اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس شاخ کے سبز ہونے اور اس کی تسبیح کرنے کی بناء پر عذاب میں تخفیف ہوئی ۔ مگر راجح پہلا قول ہے ۔ کیونکہ اگر یہ شاخ کی خاصیت ہوتی تو بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا کرتے ۔ صحابہ رضؓ کا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تشریح ہوتا ہے ۔ غالباً شامی اور بہشتی زیور میں آخری قول کی بناء پر استحباب لکھا ہے ۔ ورنہ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے ۔ ج ۵ ، ص ۴۱۵

"علماءِ حنفیہ نیز محققین نے اس کو آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے ۔

اور رفع عذاب کو آپ کی برکت کی وجہ سے مخصوص کیا ہے لہٰذا احوط اس کا ترک کرنا ہے"۔

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — ۲۵/۳ — محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان — ۱۴۰۱ھ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

قرآن کو بوسہ دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ بعض لوگ قرآن مجید کو کھولنے سے قبل اس کو بوسہ دیتے ہیں آیا یہ صحیح ہے یا نہیں ؟

محمد اسماعیل ونجارہ۔

الجواب قرآن مجید کو بوسہ دینا جائز ہے۔ روی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یأخذ المصحف کل غداۃ و یقبّلہ و یقول عہد ربی ومنشور ربی عزوجل وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف و یمسحہ علی وجہہ۔

در مختار علی الشامیہ : ج ۵ ،ص ۲۴۶)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو قرآن آہستہ پڑھنا چاہیئے

عشاء کی اذان کے بعد فرض کی نماز جماعت ہونے سے پہلے دو حافظ قرآن ، ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہوں ۔ اور دوسرے نمازی حضرات اسی دوران مسجد میں آکر سنت غیر مؤکدہ پڑھنا شروع کر دیں تو اس صورت میں حافظ صاحبان قرآن پڑھنا بند کر دیں یا نمازی سنت پڑھنا۔ یا قرآن آہستہ پڑھا جائے ۔لیکن آہستہ پڑھنا ناممکن ہے کیونکہ ایک دوسرے کو سُنانا پڑھتا ہے۔

۲ : سورۃ اقراءمیں آیت نمبر ۱۴ فلیدع نادیۃ جب ایک طالب علم اس آیت کو پڑھ رہا تھا تو وہ یہاں وقف کر رہا تھا ، تو دوسرے سننے والے نے اعتراض کیا کہ یہاں پر وصلاً پڑھنا ہے آیا معترض صحیح کہتا ہے ؟

الجواب اذان کے بعد قرآن مجید یا کوئی اور ذکر اتنی آواز سے پڑھنا جس سے لوگوں کی نماز میں خلل آئے درست نہیں ہے۔ پڑھنے والوں کو چاہیئے کہ آہستہ پڑھیں۔

۲ : فلیدع نادیۃ ۵ؐ پر گول آیت ہے۔ اور ہر گول آیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف کیا ہے ۔ اور آپ کے وقف کرنے ہی سے اور بتانے سے آیات کا پتہ چلا ہے۔ لہٰذا تمام گول آیات پر ٹھہرنا جائز ہے اس پر اعتراض کرنا بہت ہی بری بات ہے ۔البتہ اگر کوئی شخص

سانس لمبا ہونے کی وجہ سے کئی آیات ایک سانس میں پڑھے تو بھی جائز ہے ۔ غرض یہ کہ ٹھہرنا نہ ٹھہرنا دونوں جائز ہیں ۔ اور ٹھہرنے پر اعتراض سنت پر اعتراض ہے ۔ والسلام ۔

الجواب صحیح — رحیم بخش

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴۲۶/۳/۱۲ھ خیرالمدارس ملتان

بسم اللہ قرآن پاک کی ایک مستقل آیت ہے کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عندالاحناف فرض نماز کی ایک رکعت میں یٰسٓ ۔ والقرآن الحکیم ۔ انک لمن المرسلین ۔ تین آیات پڑھ لی جائیں ۔ تو کیا نماز بالکل درست ہو جائے گی ۔ (یہ اشکال اس وجہ سے ہوا کیونکہ یٰسٓ پر اختلافی آیت ہے) ۔

۲ : الحمد للہ رب العالمین ۔ ایک قرآنی آیت ہے ۔ اس کے قرآنی آیت ہونے کا منکر شریعت کی رو سے کیا کہلائے گا ؟

۳ : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ایک مستقل قرآنی آیت ہے ۔ یا کسی قرآنی آیت کا جزو ہے ۔ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو قرآن پاک کی ایک پوری آیت تسلیم نہ کرے وہ کیسا ہے ۔

۴ : ولا الضالین کے بعد آمین صرف نماز کے اندر کہنا چاہیئے یا نماز سے باہر دوران تلاوت بھی ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب ۱ : اگر بعد از فاتحہ صرف مرسلین تک پڑھا ہے تو عند البعض نماز ہو جائے گی ۔

فمع عدم وجوده يعمل باطلاق عبارة الحلبي من الاكتفاء بالآية التي بلغت ثمانية عشر حرفا لاقامة واجب القراءة

اھ (رافعی ج ۱، ص ۵۷) ۔

لیکن نماز کے معاملے میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی پر اکتفاء نہ کیا جاوے ۔

۲ : الحمد للہ رب العالمین کا قرآنی آیت ہونا تواتر سے ثابت ہے ۔ اس کا منکر کافر ہے ۔

۳ : اس پر تمام اہل سنت و اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ " بسم اللہ " سورۂ نمل میں قرآن کا جزو ہے ۔ اس میں اختلاف ہے ائمہ کا کہ " بسم اللہ " سورۃ فاتحہ کا یا تمام سورتوں کا جزو ہے یا نہیں ہے ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ " بسم اللہ بجز سورۂ نمل کے اور کسی سورت کا جزو نہیں بلکہ ہر سورت کے شروع میں فصل اور امتیاز ظاہر کرنے کے لئے

نازل ہونی مع ہذا تواتر عمل کے علاوہ کو آیت تسلیم نہ کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔
ولم تجز الصلوٰۃ بہا احتیاطا ولم یکفر جاحدہا لشبہۃ اختلاف
مالک فیہا اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۴۸۵)۔
۴ : خارج صلوٰۃ میں بھی آمین کہی جاوے۔ (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۹۴۷)۔

الجواب صحیح ۵ فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۵ محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۲ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اختلاف اُمتی رحمۃ اور نہی عن التفریق میں تطبیق

اِستفتاء : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث شریف کے اندر آتا ہے
" اختلاف امتی رحمۃ " اور قرآن مجید اس کی تکذیب کرتا ہے۔" ولا تکونوا کالذین
تفرقوا الخ اور " من الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا الخ ؟

الجواب سائل کو معلوم ہونا چاہئے کہ اختلاف دو قسم کا ہے ایک وہ جو نیک نیتی پر مبنی ہو۔ جسے اختلاف رائے کہتے ہیں۔ جیسا کہ دو شخص لاہور جانا چاہتے ہیں۔ اور ان دونوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ موٹر اور لاری کے ذریعہ سے خرچ کم واقع ہو گا۔ اور سواریاں بھی اندازے کی ہوں گی میں تو موٹر سے جاؤں گا۔ کچھ آدمی اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ دوسرا شخص یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ میں ریل گاڑی سے جاؤں گا۔ کیونکہ ریل گاڑی کا سفر بہ نسبت موٹر کے زیادہ محفوظ ہے اور اس پہ وقت بھی کم صرف ہوتا ہے کچھ آدمی اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ اب اس اختلاف میں یہ فائدہ ہے کہ یہ لوگ سہولت سے لاہور پہنچ جائیں گے۔ جو جلدی پہنچنا چاہتے ہیں وہ گاڑی سے اور جو کم پیسے والے ہیں وہ موٹر سے پہنچ جائیں گے۔ اب دیکھئے یہ اختلاف موجب رحمت ہو گیا۔ ہر شخص کو اپنے مزاج کے ماتحت طریق کار اختیار کرنے کا موقع مل گیا۔ ایسا اختلاف مذموم نہیں موجب رحمت ہے۔ یہی مثال اختلاف ائمہ کی ہے کہ اصول میں اور بنیادی مقاصد میں اتفاق ہوتا ہے۔ البتہ طریق کار میں اختلاف ہو جاتا ہے جو مضر نہیں ہے۔ جیسا کہ یونانی اور ڈاکٹری طب مقصد دونوں کا صحت ہے لیکن طریق کار کا اختلاف ہے تو کیا یہ اختلاف مضر ہے ؟ ہرگز نہیں بلکہ مفید ہے۔ کیونکہ بعض طبائع کو یونانی علاج موافق آتا ہے اور بعض کو ڈاکٹری۔ سخت نادان اور جاہل ہیں جو بلا سوچے سمجھے اس حدیث کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اس کو قرآن مجید کے مخالف

سمجھ لیتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیساکہ آریہ سماج اور عیسائی لوگ بلا سوچے سمجھے قرآن مجید کی بعض آیات کو دوسری آیات کے معارض بنا دیتے ہیں۔

دوسرا اختلاف وہ ہے جو کہ خود غرضی اور نفسانیت پر مبنی ہو جیساکہ یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا۔ بعض لوگ جو تھوڑے سے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور اکثر یہود و نصاریٰ نے ان سے اختلاف کیا۔ اور اختلاف کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان پر حق مخفی تھا بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ جیساکہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

۱ : الذین اتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم (الآیۃ)

۲ : فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ ۔ (الآیۃ)

وجہ اختلاف یہ تھی کہ ان کو یہ ڈر تھا اگر ہم مسلمان ہو گئے تو لوگوں کی طرف سے جو آمدنی نذرانے وغیرہ کی حاصل ہو رہی ہے، بند ہو جائے گی۔ اس وجہ سے انہوں نے اختلاف کیا اور کئی فرقے بن گئے۔ یہ سب فرقے نفسانیت پر مبنی تھے۔ اب اس اختلاف میں ایک فرقہ ایسا بھی تھا جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا تھا۔ یہ حق پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی ومن أھل الکتاب امۃ قائمۃ۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ آج بھی جو اختلاف نفسانیت پر مبنی ہو وہ حرام ہے اور ناجائز ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ سب فرقے غلط ہو جائیں۔ جیساکہ اہل کتاب میں اختلاف پڑ گیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک فرقہ کی تعریف کی۔ کہ وہ حق پر قائم ہے۔ ایسا ہی مسلمانوں میں جو اختلاف نظر آتا ہے ضروری ہے کہ اس میں بھی ایک فرقہ ایسا ہو جو حق پر قائم ہو۔ اور وہ ہے اہل السنۃ والجماعت۔ اور اہلسنت میں جو حنفی، شافعی وغیرہ کا اختلاف نظر آتا ہے۔ وہ پہلی قسم کا اختلاف ہے جو موجب رحمت ہے اس کی وجہ سے فقہی صورتوں میں توسیع ہو کر اُمت کے لئے آسانی ہو گئی ہے وہ مذموم نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفر لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

ہاروت ماروت کی طرف منسوب قصہ غلط ہے

۱: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ہاروت ماروت کے بارے میں روایت ہے کہ ایک عورت پر عاشق ہوتے تھے اور اس کو اسم اعظم سکھایا اور وہ بارج میں ہبرکت اسم اعظم آسمان پر چلی گئی اور اب وہ زہرہ ستارہ کہلاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب یہ ہاروت ماروت والا قصہ بالکل غلط ہے ۔ اس کی کوئی سند نہیں ۔ اگرچہ یہ بعض تفاسیر میں بھی ملتا ہے لیکن ان حضرات کو اس کے نقل کرنے میں دھوکا ہوا ہے ۔ چنانچہ دوسری تفاسیر صحیحہ نے اسکی رد کی ہے ۔ جیسے تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۱۹۱ میں ہے ۔

وما روی فی قصتهما من انهما شربا الخمر وسفكا الدم وزنيا وقتلا وسجدا للصنم فمما لا تعويل عليه لان مداره رواية اليهود الخ وهكذا فی تفسير الجمل ۔

اور تفسیر خازن میں اس قصہ کو کئی سندوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن ان کا میلان بھی اسی طرف ہے ۔ کہ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ تفسیر بیان القرآن میں اس کو ذکر نہیں کیا گیا ۔ کیونکہ اس میں اس اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے ۔ کہ جس بات کی پوری تحقیق نہ ہو ، یا کوئی بات غلط مشہور ہو اس کو اس میں ذکر نہیں کیا جائے گا ۔ لہذا اس قصہ کو بھی اس میں نہیں ذکر کیا گیا ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفراللہ خادم دارالافتا خیرالمدارس ملتان ۔ اصغر علی عفراللہ معین مفتی خیرالمدارس ملتان ۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۷۳ ھ

نسخ کے بارے میں محقق رائے

باسمہ تعالیٰ : قابل صد احترام حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

کے بعد عرض ہے کہ جب سے حضرت بہلوی رح کی اصطلاحات القرآن میں نسخ کی بحث پڑھی ہے ناکارہ کے ذہن کے لئے معمہ بن گئی ہے ۔ وہ نسخ کی بحث میں فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطی رح نے "اتقان" میں اور " ابن عربیؒ " نے بیس آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے ۔ ان کے بعد علامۂ زمان حضرت محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان پانچ آیات میں نسخ کا انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن میں کوئی آیت بھی منسوخ نہیں ۔ نہ احکام میں نسخ ہوا ہے اور نہ آیات کے الفاظ میں ۔ اور جن الفاظ کو منسوخ کہا جاتا ہے وہاں دراصل تعمیم وتخصیص ہے ۔ یا یہ کہ وہ احکام اصل میں واجب و فرض نہ تھے ۔ لوگ ان کو عملاً واجب سمجھتے تھے ۔ دوسری آیت کے نزول کے بعد واضح ہوگیا کہ یہ عمل واجب نہ تھا جس کو علما نے نسخ سمجھ لیا ۔

جن آیات کو منسوخ التلاوت کہا جاتا ہے دراصل وہ قرآن نہ تھا ۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تھی جن کو صحابہ رضنے تبرک سمجھ کر ان آیات سے ملا کر مصاحف میں لکھ دیا تھا ۔ قرآن کریم جب جمع کیا گیا تو ان تفسیری جملوں کو ترک کر دیا گیا ۔ جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ منسوخ التلاوت ہوگئے

اور بے احتیاط محدثین نے اس کی بابت روایت کردی جو بیشتر غلط ہے۔

لیکن اس کے بالمقابل مولانا تقی عثمانی صاحب ظلہ اپنی کتاب علوم القرآن میں نسخ کی بحث کرتے ہوئے صفحہ ۱۶۷ میں فرماتے ہیں کہ۔

"جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات موجود ہیں جن کا حکم منسوخ ہوچکا ہے لیکن معتزلہ میں سے ابو مسلم اصفہانی کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی۔ بلکہ تمام آیات اب بھی واجب العمل ہیں۔ ابو مسلم اصفہانی کی اتباع میں بعض دوسرے حضرات نے بھی یہی رائے ظاہر کردی۔ اور ہمارے زمانے میں اکثر تجدد پسند حضرات اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ جن آیتوں میں نسخ معلوم ہوتا ہے یہ حضرات ان کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ جس سے نسخ تسلیم کرنا نہ پڑے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ موقف دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے اور اسے اختیار کرنے کے بعد بعض قرآنی آیات کی تفسیر میں ایسی کھینچا تانی کرنی پڑتی ہے جو اصول تفسیر کے بالکل خلاف ہے۔"

اب آپ ہی بتلائیں کہ ہم کس کے موقف کو لیں۔ اگر بالفرض ہم نسخ کو تسلیم نہیں کرتے تو قرآن کریم کی آیت " ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا " کا کیا مطلب ہوگا۔ معاذ اللہ میرا مقصود حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ پر اعتراض کرنا نہیں۔ وہ تو علم کے بحر عمیق تھے۔ لیکن میرا ذہن مشوش ہوگیا۔ دو متضاد باتوں کو دیکھ کر۔ آپ برائے مہربانی ان کا مفصل و مدلل جواب دیں۔ صرف ہاں یا نہیں میں جواب نہ ہو۔ کیونکہ طالبات کو پڑھانا ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رح کے موقف کی وضاحت کردیجئے جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

علماء ربانیین اکابر کا فریضہ ہے کہ وہ سائلین کے سوالوں کی تشفی کریں۔ امید ہے آپ اپنے فریضے سے بطریق احسن سبکدوش ہوں گے۔ والسلام

فقط جواب کی منتظر

دختر غلام قادر سیال

الجواب نسخ کا مسئلہ اجماعی ہے۔ پوری امت مسلمہ میں سے کسی نے نسخ کا انکار نہیں کیا بجز معتزلہ کے اور ان پر بھی علماء نے ہمیشہ رد کیا ہے روح المعانی ج ۱ ص ۳۵۲ میں ہے " واتفقت اھل الشرائع علی جواز النسخ و وقوعہ و خالفت الیھود غیر العیسویۃ فی جوازہ و قالوا یمتنع عقلا و ابو مسلم الاصفہانی فی وقوعہ فقال انہ وان جاز عقلا لکنہ لم یقع "

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ در معارف القرآن " جلد ا ، ص ۲۸۶ - میں لکھتے ہیں
" امت کے متقدمین و متأخرین میں سے کسی نے بھی وقوع نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تطبیق کر کے تعداد تو کم بتلائی ہے مگر مطلقاً وقوع نسخ کا انکار نہیں فرمایا - ان کے بعد بھی اکابر علماء دیوبند بلا استثناء سبھی وقوع نسخ کے قائل چلے آئے ہیں کسی نے بھی وقوع نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا - واللہ اعلم "

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی مطلقاً نسخ کا انکار نہیں کیا - بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ بایں معنی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی کہ اسکے تحت مندرجہ جزئیات اور صورتوں میں سے کسی صورت یا جزئی پر عمل نہ ہو رہا ہو - مثلاً آیت کریمہ " وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين الآية " کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں کہ غنی کے حق میں یہ آیت منسوخ ہوگئی - اسے روزہ ہی رکھنا فرض ہے - البتہ شیخ کبیر وغیرہ کے حق میں اب بھی باقی ہے - یعنی اس کے تحت کئی صورتیں تھیں کچھ منسوخ ہوگئیں اور کچھ باقی ہیں - خلاصہ یہ کہ حضرت شاہ صاحب رح کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ کوئی آیت یا کوئی حکم کسی صورت میں بھی منسوخ نہیں ہوا - بالفاظ دیگر مطلق نسخ کا حضرت شاہ صاحب رح بھی انکار نہیں کرتے -

فیض الباری شرح بخاری ؛ ج ۳ ، ص ۱۷۴ - میں حضرت کے الفاظ ہیں -

انكرت النسخ رأسا وادعيت ان النسخ لم يرد في القرآن رأسا اعني بالنسخ كون الآية منسوخة في جميع ما حوته بحيث لا تبقى معمولة في جزئي من جزئياتها فذالك عندي غير واقع وما من آية منسوخة الا وهي معمولة بوجه من الوجوه وجهة من الجهات اه

حضرت مهلوی قدس سرہ کی عبارت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے - جو سوال میں درج ہے - اس کے بعد بھی کوئی الجھن باقی رہے تو دوبارہ استفسار کرلیں -

فقط واللہ اعلم -

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

حج سے واپسی کے بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے جواب لکھا -

الجواب نسخ کے سلسلے میں جمہور اہلسنت والجماعت کا مذہب حق ہے حضرت علامہ انور شاہ رح کی جو رائے فیض الباری وغیرہ سے معلوم ہوتی ہے - وہ جمہور کے خلاف نہیں - بلکہ یہ اختلاف لفظی کے قریب ہے - جمہور کسی آیت کو جس معنی کے اعتبار سے منسوخ کہتے ہیں حضرت شاہ صاحب بھی آیت کے اس حقیقی و واقعی حکم کو ظاہری صورت میں باقی نہیں مانتے بلکہ وہ بھی منسوخ ہی کہتے ہیں

لیکن اس کے باوجود اسی آیت کا ایسا محمل تجویز کرنے کی گنجائش سمجھتے ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں یا کسی نہ کسی زمانے کے اعتبار سے قابل عمل ہو۔ گویا اس وجہ بعید کی بنا پر آیت معمول بہا رہ گئی۔ من کل الوجوہ منسوخ نہ ٹھہری۔ اور آیت شریفہ ماننسخ الخ اور اس کی روشنی میں جمہور کا مذہب آیت کے ظاہری، اصلی، اور عمومی حکم کے بارے میں ہے۔ پس نفی و اثبات کا محل واحد نہیں اس لئے حضرت شاہ صاحب رح اور جمہور کے مسلک میں کوئی خاص تعارض نہیں۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالے نقل فرماتے ہیں۔

والشیخ یقول لایکاد یوجد شئی من القرآن المتلو منسوخا بحیث لا یبقی حکمہ فی وجہ من الوجوہ أو محمل من المحامل بل لاجرم یوجد حکمہ مشروعا فی مرتبۃ من المراتب و حال من الاحوال وزمن من الازمان اھ یتیمۃ البیان : ص ۷۹۔

فیض الباری کی عبارت میں بھی یہ تھا۔ ومامن آیۃ منسوخۃ الا وھی معمولۃ بوجہ من الوجوہ وجھۃ من الجہات اھ

آیت کے منسوخ ہونے کی تصریح کرنے کے باوجود پھر کسی جہت سے معمول بہا ہونے کا دعوٰے فرما رہے ہیں۔ اصطلاحات القرآن سے جو تفصیل نقل کی گئی ہے یہ تفصیل نہیں ملی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ایک آیت کی غلط تفسیر کی نشاندھی

الشیار مؤرخہ ۳ ذی الحجہ ۹۵ ۱۳ھ جلد ۲۴۔ میں اَحَسِبَ الناس الآیہ سورۂ عنکبوت۔ کی تفسیر میں ہے " اور کچھ لوگ ایمان لانے کے بعد جب دردناک اذیتوں سے دوچار ہوئے تو پست ہمت ہو کر کفار کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے "۔ کیا یہ تفسیر صحیح ہے ؟ محمد صدیق سکھر سندھ

الجواب یہ جملہ واقعی وحشتناک اور سوء ادبی ہے۔ ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی جماعت کا علم نہیں جنہوں نے علانیہ اظہار اسلام کیا ہو اور پھر اذیتوں کے سبب سے برگشتہ ہوئے ہوں۔ العیاذ باللہ تعالے۔ سیر و تاریخ کی کتب میں اس کے برعکس صحابہ رض کی استقامت کے واقعات ملتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۱ ، ۱۰ ، ۱۳۹۶ھ

مذکورۃ آیت کی تفصیل و ترجمہ۔

ترجمہ : کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے میں چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا ؟

آیت کا شانِ نزول و تفصیل ۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے سایہ میں بیٹھے تھے تو بعض صحابہؓ نے مشرکین کی شکایت کی کہ وہ ہمیں طرح طرح سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں ۔ آپ ہمارے لئے دعاء کریں کہ کافروں کا ظلم وستم ہم سے ٹل جائے ۔ یہ سن کر آپؐ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے گزشتہ دین داروں کے سر آروں سے چیرے گئے اور ان کے دو ٹکڑے کئے گئے ۔ مگر وہ اپنے دین سے نہیں ہٹے اور بعض کے سروں میں لوہے کے کنگھے کئے گئے کہ گوشت چیر کر ہڈیوں تک پہنچ گئے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرے ۔ اور قسم ہے خدا کی کہ یہ دینِ اسلام مکمل ہو کر پورا ہو کر رہے گا یہاں سوار صنعاء سے لے کر حضر موت تک امن و امان کے ساتھ چلا جائے گا ۔ اور اسے کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہوگا ۔ لیکن تم جلدی کرتے ہو ۔

مطلب یہ ہے کہ تم عجلت نہ کرو ۔ صبر اور استقامت سے کام لو ۔ اور اللہ تعالےٰ کے وعدہ کا انتظار کرو ۔ اور کافروں کی طرف سے تم کو ایذائیں پہنچ رہی ہیں وہ من جانب اللہ ہیں ۔ اور یہ آزمائش و امتحان ہیں ۔ تاکہ مخلص اور منافق کا فرق ظاہر ہو جائے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شعبی سے روایت ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ میں گھرے ہوئے تھے اور بخوفِ کفار ہجرت نہیں کر سکتے تھے ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے انہیں لکھا کہ تمہارا اسلام مقبول نہیں ہو سکتا جب تک تم ہجرت نہ کرو ۔ چنانچہ انہوں نے ہجرت کی مگر کفار ان کو واپس لے گئے ۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی ۔ الٓمٓ ۔ احسب الناس ان یترکوا الخ

(معارف القرآن : مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ، ج ۵ ص ۳۵۲ تا ۳۵۴)

فرضوں کے فوراً بعد درسِ قرآن و حدیث کا حکم

ایک امام فرائض عشاء سے فارغ ہوتے ہی بلند آواز سے حدیث شریف کی تلاوت شروع کر دیتا ہے جب کہ جماعت میں شامل اکثریت امام کے ساتھ فارغ ہو جاتی ہے لیکن دو تین افراد مسبوق ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ امام ہماری نماز کے اختتام کا انتظار کرے ۔ کیونکہ ہماری نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے ۔ امام کا مؤقف یہ ہے کہ اکثریت کا اعتبار ہوگا ۔ اور دو تین افراد کے لئے اجتماعی امر کو مؤخر نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لئے کہ اگر ان دو تین کی رعایت کی جائے تو ان کے فارغ ہونے تک دو تین اور آ

جائیں گے اور مساجد میں اوقاتِ نماز میں یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہتا ہے جس کی وجہ سے درس و وعظ کا سلسلہ پھر کسی وقت بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مساجد میں لوگ نماز ہی کے اوقات میں آتے ہیں۔ فرمائیے! امام کا موقف شرعاً صحیح ہے یا دو تین افراد کی رعایت ضروری ہے؟ براہِ کرم جواب باحوالہ تحریر فرمائیں۔

۲ : ایک امام عشاء کے فرائض کے بعد ادائیگی سنن و نوافل سے پہلے پانچ سات منٹ ایک حدیث اور اس کا ترجمہ روزانہ سناتا ہے اور یہ سلسلہ سب نمازیوں کے اتفاق و رغبت سے شروع ہوا۔ کیونکہ اگر سب نمازیوں کا لحاظ رکھا جائے تو انتظار کی وجہ سے بہت تاخیر ہو جاتی ہے امام سے کہا گیا کہ فرائض کے بعد سنن مؤکدہ میں تاخیر ممنوع ہے۔ اس لیے یہ درس حدیث جائز نہیں۔ لیکن امام کا موقف یہ ہے کہ پانچ سات منٹ کی تاخیر اور فصل معمولی تاخیر ہے اس کا مضائقہ نہیں۔ البتہ فصل کثیر یعنی پندرہ بیس منٹ سنت کی تاخیر خلافِ سنت ہے۔ اور فقہ کی کتب میں وصل کو مستحب قرار دیا ہے نہ کہ ضروری جیسا کہ کبیری ص ۳۲۴ سے معلوم ہوتا ہے۔

فالحاصل ان المستحب فی حق الکل وصل السنة بالمکتوبة من غیر تاخیر۔

اس لئے عدم جواز کا قول صحیح نہیں خلافِ استحباب کہا جا سکتا ہے۔ اور فی زمانہ جبکہ فتنۂ انکارِ حدیث شدت پر ہے درس حدیث بہت ضروری ہے اور حدیث کا سنانا بھی ضروریاتِ شرعیہ سے ہے۔

فرمائیے! امام کا موقف صحیح ہے یا عدم جواز کا قول صحیح ہے؟

۳ : جن فرائض کے بعد سنن مؤکدہ ہیں ان فرائض کے بعد سنن کی تاخیر علی الاطلاق ممنوع ہے یا امورِ دنیا کی بنا پر تاخیر ناجائز ہے۔ اگر علی الاطلاق تاخیر ممنوع ہے، تو فتاویٰ دارالعلوم : ج ۱ : ۲ - ص ۲۲۲ ، سوال ۲۳۹ کی اس عبارت کی کیا توجیہ ہوگی۔

جن نمازوں کے بعد سنتِ مؤکدہ ہیں ان میں فرضوں کے بعد زیادہ تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ کچھ حرج نہیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ امام جتنی دیر دعا مانگے اس کے ساتھ دعا مانگے۔ (از مفتی عزیز الرحمٰن)

سید محمد عبد الحنان

صدر منبع العلوم الاسلامیہ : ۲۱۳ ، بی پیپلز کالونی ، لائل پور۔

الجواب اصل تو یہی ہے کہ درسِ قرآن یا حدیث سنتوں اور وتروں کے بعد ہو۔ کیونکہ اس میں نہ تو فرائض اور سنن و نوافل کے مابین فصل لازم آئے گا اور نہ مقتدیوں کو اعتراض کا موقعہ ملے گا۔ رہی یہ بات کہ ان اوقات میں نئے نمازیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ انہیں پہلے سے مطلع کیا جاسکتا ہے کہ اگر وہ درس میں شامل نہیں ہونا چاہتے تو وہ اپنی نمازیں مسجد کے کسی دوسرے حصے میں اندر یا باہر پڑھتے رہیں اور اگر نمازیوں کے آگے پیچھے فارغ ہونے کا خلجان ہو تو امام کی فراغت کو معیار قرار دیا جائے۔

اور اگر متنازع فیہ درس ایسی نماز کے بعد شروع ہوجایا کرے جس کے بعد سنتیں نہیں، تو یہ سب سے بہتر ہے۔ اور اگر نمازیوں کا اصرار اس پر ہو کہ درس سنتوں سے قبل ہی ہونا چاہیئے تو اس صورت میں جو لوگ نمازیں شریک ہیں اور مسبوق ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ انکی فراغت کے بعد درس شروع کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۵ / ۷ / ۱۳۸۸ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

ایک موضوع روایت سے قرآن مجید کو غیر محفوظ ثابت کرنے کا جواب

ابن ماجہ ص۱۴۱ پر حدیث موجود ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ رجم کے متعلق اور رضاعت کبیر کے متعلق ایک صحیفہ لکھا ہوا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا تو ہم آپ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوگئے ایک بکری داخل ہوئی اور وہ اس صحیفہ کو کھا گئی۔

۲ : ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ وہ آیت لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم میں فی مواسم الحج کا اضافہ کرکے پڑھتے تھے۔

مذکورہ بالا دونوں روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کریم محفوظ نہیں ہے۔ اس میں جمع کے وقت کمی واقع ہوئی ہے۔

الجواب یہ حدیث کسی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی سند میں محمد بن اسحاق نامی ایک راوی ہے۔ اس کے متعلق امام سلیمان التیمی رح فرماتے ہیں۔ کذّاب اور حضرت سیدنا امام مالک رح فرماتے ہیں " دجّال من الدجاجلۃ "، کہ وہ دجالوں میں ایک دجّال تھا۔

(میزان الاعتدال : ج ۳ ؛ ص ۲۱)

اگر بالفرض اسے صحیح تسلیم بھی کرلیں تب بھی اس سے قرآن مجید پر ناممکل ہونے کا اعتراض غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی حفاظت ایسے طریقے سے کی ہے۔ جہاں نہ بکری کا پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی اسے پانی دھو سکتا ہے وہ حضرات صحابہ اور اہل ایمان کے منور سینے ہیں۔ دس ہزار سے زائد حضرات صحابہ رض اور صحابیات رض آپؐ کی زندگی میں حافظ ہو چکے تھے۔ (مناہل العرفان : ص ۱۵)

جب کلام پاک ایک جم غفیر کے سینوں میں محفوظ تھا تو ایک آیت کیا سارے اوراق بھی بکری کھا جاتی تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ بالفرض اگر ایک آیت ہی کم رہ جاتی تو مدینہ منورہ کے گلی کوچہ سے صحابہ قطار در قطار مسجد نبوی کے سامنے آکر لوگوں کو بتاتے کہ اے مسلمانو! دیکھو کہ یہ آیت قرآن میں نہیں لکھی گئی۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے حضرات صحابہ اور اہل بیت ازواج مطہرات رض اور خود حضرت علی رض موجود ہیں۔ لیکن کسی نے ایسی بات نہ کی۔ کیا حضرت عائشہ رض اس وقت موجود نہ تھیں یہ آیت اس وقت کیوں نہ لکھوائی۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت ہی نہ تھی اس کی نسبت حضرت عائشہ رض کی طرف کسی نے خواہ مخواہ کردی۔ اور حضرت علی رض نے اعتراض تو درکنار بلکہ خود جمع صدیقی رض اور جمع عثمانی رض کو خراج تحسین پیش کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اعظم الناس اجرا فی المصاحف ابو بکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر ھو اوّل من جمع کتاب اللہ۔

جمع عثمانیؓ کے متعلق فرمایا۔

لو کنت الوالی وقت عثمان لفعلت فی المصاحف مثل الذی فعل (مناہل العرفان ص۱۷۱)

۲ : لیس علیکم جناح الآیۃ

بخاری شریف میں اس آیت کا شان نزول یہ لکھا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ بازار تھے۔ حجاج، حج میں کچھ تجارت بھی کر لیتے تھے۔ حضرات صحابہ رض نے اسلام لانے کے بعد اس مبارک سفر میں دنیا کے داخل ہونے کے باعث گناہ کا اندیشہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تجارت کر لینے میں کچھ حرج نہیں تو حضرت ابن عباس رض اس آیت کو پڑھتے وقت آگے فی مواسم الحج کا لفظ بطور تشریح وتفسیر پڑھا کرتے تھے کہ اس کا تعلق حج کے ساتھ ہے۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ لفظ جزو آیت ہے۔

(کذا فی العسقلانی ، ج ، ص)

گو بعض نے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہ بھی سمجھا ہے کہ وہ بطور قرأت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ایسی صورت میں ائمہ تفسیر نے کہا ہے کہ اس قسم کی قرائیں درحقیقت تفسیر ہوتی ہیں۔ ان کی حیثیت عام آیت کی سی نہیں ہوتی۔ اور اس کی نظائر قرآن مجید میں اور بھی ہیں۔

فقط واللہ اعلم — بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

خارجِ نماز "تلاوت" سننا واجب نہیں

مشہور ہے کہ قرآن مجید پڑھنا سنت ہے اور سننا فرض ہے یہ سمجھ سے بالا تر ہے۔ کہ کسی خاص وقت میں یہ حکم ہے یا عام حالات میں بھی؟ اگر نماز میں دیکھیں تو اقتداء کی صورت میں سننا فرض ہے اور انفرادی حالت میں پڑھنا فرض ہے۔ پس صورت حال یہ ہے کہ نماز کے باہر تردد ہے۔ لہذا صحیح صورت واضح فرمائیں

بیّنوا توجروا۔

الجواب: خارج نماز میں سماع قرآن میں دو قول ہیں۔ ایک تو وہی جو مشہور ہے کہ سننا واجب ہے۔ لیکن حضرت تھانوی قدس سرہ امداد الفتاویٰ، ج ۴، ص ۵۹۔ میں لکھتے ہیں کہ میں آسانی کے لئے اسی کو اختیار کرتا ہوں کہ خارج صلوٰۃ سننا مستحب ہے۔ لہذا کوئی اشکال نہ رہا۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲۴ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے

سورۂ توبہ کے شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ یا درمیان میں پڑھنی چاہئے یا کہ نہیں؟

الجواب: جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کی تلاوت کرتا ہوا آئے وہ بسم اللہ نہ پڑھے لیکن جو شخص سورت توبہ کے شروع یا درمیان میں سے اپنی تلاوت شروع کر رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ

حمد باری تعالیٰ سے ابتداء کی حکمت

قرآنِ حکیم کی ابتداء سورۃ فاتحہ سے ہوتی ہے اور اس میں خود اللہ تعالیٰ اپنی بڑائی بیان فرماتے ہیں۔ مخلوق کو بڑائی کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ — محمد یعقوب: شامی کلاتھ ہاؤس راولپنڈی

الجواب: تمام دین کی بنیاد معرفت خداوندی پر ہے۔ یہ معرفت جتنی کامل ہوگی دین میں اتنا ہی رسوخ اور استقامت نصیب ہوگی۔ صحیح معرفت خداوندی کا صرف ایک ہی طریق ہے وہ یہ کہ خود حق جل شانہ اپنی ذات وصفات کا تعارف کرائیں۔ اس لئے صفات وعظمت خداوندی کا بیان ضروری ہوا۔

فقط واللہ اعلم؛ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ؛ ۸/۱۱/۱۳۹۹ھ

کتب تفسیر کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے

قرآن پاک کی تفسیر و کتب حدیث و فقہ کو بغیر وضو ہاتھ لگانا شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب مذکورہ کتب کو بھی باوضو ہاتھ لگانا چاہیئے ۔

ومشى فى الفتح على الكراهة فقال وقالوا يكره مس كتب التفسير والفقه والسنن لانها لا تخلوا عن آيات القرآن ۔ اھ (شامی ج ۱ ص ۱۴۳)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷/۲/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

قرآن حکیم کی طرف پشت کرنا

تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے طلباء کو کمروں میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے بٹھانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے قرآن پاک کو پیٹھ ہوتی ہے ۔ نیز طلباء کو پڑھائی کے دوران حدث لاحق ہو جاتا ہے ۔ اگر طلباء کو بار بار وضو کروایا جائے تو پڑھائی کا نقصان ہوتا ہے ۔ شرعاً ان دونوں مسائل کی وضاحت فرمائیں ۔

الجواب اگر طلبہ کی تعداد زیادہ ہو تو تپائی کی اگلی جانب تختیاں لگائی جائیں جو آڑ بن جائیں اور براہ راست قرآن مجید کو پیٹھ نہ ہو ۔ نابالغ طلبہ کو ایک دفعہ وضو کرا دینا کافی ہے ۔ بالغ طلبہ بے وضو ہاتھ نہ لگائیں البتہ پڑھ سکتے ہیں ۔

ويكره مس صبى لمصحف ولوح ولا بأس بدفعه اليه وطلبه منه للضرورة۔ (شامی ج ۱ ص ۱۹۳) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۷/۲/۱۳۹۹ھ

میت کے قریب قرآن مجید پڑھنے کا حکم

میت کے پاس بیٹھ کر قرآن پاک پڑھنا کیسا ہے ؟
استفتی محمد احمد کھر وڑ پکا

الجواب غسل سے پہلے میت مکمل ڈھکی ہوئی نہ ہو تو پاس بیٹھ کر جہراً پڑھنا مکروہ ہے

تكره القراءة عنده حتى يغسل وعلله الشرنبلالى فى امداد الفتاح تنزيها للقرآن عن نجاسة الميت لتنجسه بالموت قيل نجاسة خبث و قيل حدث وعليه فينبغى جوازها كقراءة المحدث ۔ وفى الشامى ان

محل الكراهة اذا كان قريبا منه اما اذا بعد عنه بالقرأة فلا كراهة اھ
قلت والظاهر أن هذا ايضا اذا لم يكن الميت مسجىً بثوب يستر جميع
بدنه لانه لوصلى فوق نجاسة على حائل من ثوب او حصير لا يكره فيما
يظهر فكذا اذا قرأ عند نجاسة مستورة وكذا ينبغي تقييد الكراهة
بما اذا قرأ جهراً اھ ۔ (شامی ، ج ۱ ، ص ۵۷۳)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جس گھر میں قرآن ہو اس میں مجامعت کرنا

ہمارے علاقہ میں یہ مشہور ہے کہ قرآن شریف اپنے گھر رکھنا فرض عین ہے۔ جس کمرہ میں قرآن شریف رکھا ہوا ہو تو اس کمرہ میں ہمبستری کرنا درست ہے یا نہیں ؟

محمد حسین بلوچستان

الجواب

اگر قرآن مجید کپڑے میں لپٹا ہوا ہو اور اونچا رکھا ہو تو کوئی حرج نہیں۔
یجوز قربان المرأة فی بیت فیہ مصحف مستور اھ (عالمگیری ، ج ۴ ، ص ۹۴)

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲ ، ۳ ، ۰۷ ۱۴ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔

قرآن مجید میں مور کا پر رکھنے کا حکم

قرآن شریف میں مور کا پر رکھنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

امداد الفتاوی : ج ۴ ، ص ۸۵ میں ہے کہ " کوئی امر مانع نہیں لہذا جائز ہے "

فقط واللہ اعلم ؛ محمد انور عفا اللہ عنہ ؛ ۷ ، ۴ ، ۰۷ ۱۴ھ

قرآن کریم میں تکرار کی حکمت

قرآن حکیم کی آیات ومضامین میں تکرار بہت ہے۔ ایک بات بار بار کی گئی ہے اس میں کیا حکمت وفائدہ ہے ؟ وضاحت سے ارشاد فرمائیں ۔

بشیر احمد قادری : مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر ۔

الجواب

نزول قرآن سے ایک بڑا مقصد تذکیر بھی ہے چنانچہ قرآن حکیم کا ایک نام " الذکر " بھی ہے
ارشاد خداوندی ہے انا نحن نزلنا الذکر الخ (پ ۱۴)۔

نیز ارشاد ہے ان ھذہ تذکرۃ۔
اس کے علاوہ تذکیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض سے قرار دیا گیا۔

۱ : فذکر ان نفعت الذکری۔

۲ : فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ (پ ۲۶)

مضامین ترغیب و ترہیب کا بار بار ذکر کیا جانا، نیز خداوند قدوس کی بے نہایت قدرت اور اس کی صفاتِ جلالیہ وجمالیہ کا مناسب مقامات میں بہ کرات اعادہ تذکیر کے لئے نہایت ضروری اور بالبداہت مفید ہے۔ پس قرآن کریم میں معجزانہ انداز پر اہم مضامین کا اعادہ خلاف حسن و بلاغت نہیں بلکہ عین مقصود ہے۔
قرآن کریم کی مثال فنون کے کسی متن متین کی سی نہیں جس سے مقصود طالبین کے لئے انحصر ترین الفاظ میں محض انضباطِ مسائل ہوتا ہے نہ کہ طلب کا پیدا کرنا جو مقصود قرآنی ہے۔ متون کی وضع تسہیل طالبین کے لئے ہے بخلاف قرآن کے کہ اس کا موضوع طالبینِ حق کو پیدا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی دعوت سے پورے عالم میں ہل چل پڑ گئی اور مدتوں سے نشۂ غفلت میں مدہوش اور صدیوں کی خوابیدہ قومیں بیک بانگ اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور فنی متون کی پوری تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی شاید ایک ایسی مثال نہ مل سکے کہ ان کے اختصار نے کسی ایک غیر طالب کے دل میں شوق و طلب کا کوئی درجہ پیدا کر دیا ہو۔ پس قرآن کریم کے تکرار کو کسی دوسری کتاب پر قیاس کرنا غلط ہے۔ فنی کتب میں تکرار مذموم ہے اور قرآن کریم میں اس تکرار کا نہ ہونا۔ کیوں کہ دونوں کی وضع الگ، الگ مقاصد کے لئے ہے۔

۲ : خداوند تعالےٰ نے انسانی طبائع میں اختلاف و تنوع رکھا ہے۔ بعض طبائع اپنی سلامتی کے سبب معمولی تحریک بلکہ محض اشارہ سے متاثر اور منفعل ہو جاتی ہیں۔ اور بعض کے لئے شدید تقاضے اور بار بار مطالبے کی حاجت ہوتی ہے۔

اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ کسی قسم کا تقاضا بھی انہیں متاثر نہیں کرتا۔ تو چونکہ قرآن بھی ایک دعوت اور مطالبہ ہے جس کے مخاطبین میں تینوں قسم کے انسان ہیں۔ اس میں دوسری قسم کے لوگوں کی رعایت کی بنا پر قرآنی دعوت کا بار بار اعادہ اور اس پر لبیک کہنے کا مطالبہ ضروری ہوا۔

۳ : قرآن کریم میں وحی کے بنیادی مسائل (توحید، رسالت، معاد وغیرہ) کو مختلف تعبیرات و عنوانات سے جگہ جگہ دہرایا گیا ہے۔ اور ان کے اثبات کے لئے متعدد طرق سے استدلال کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جیسے دیگر انسانی صفات باہم متفاوت ہیں اسی طرح فہم و ادراک قبول و تاثر کی قوت بھی اپنے اندر تنوع اور اختلاف کو لئے ہوئے ہے۔ بعض کے فہم سے ایک تعبیر زیادہ قریب ہوتی ہے۔ دوسرے بعض کے فہم میں دوسرا عنوان اور دوسری تعبیر ایک شخص ایک طرح سے حق کہنے کو قبول کرتا ہے، دوسرا شخص دوسرے طریقے پر کہنے سے۔

جیساکہ دنیاوی امور و معاملات میں روزمرّہ کا مشاہدہ ہے ۔ اور اس کے لئے تکرار و اعادۂ مقاصد لازم ہے ۔ اور یہ عین حسن و مطلوب ہے ۔ کما قال اللہ تعالےٰ ۔

ولقد صرفنا فی ھذا القرآن لیذکروا الآیۃ

۴ : تکرار سے مضمون خوب قلب میں جم جاتا ہے ۔ جب کہ مناسب طریق سے اعادہ ہو ۔ کما قیل اذا تکرر تقرر ۔

۵ : تکرار مفید تاکید ہے ۔ اور تاکید ایک صحیح مقصد ہے تو اہم مضامین کو مکرر لاکر مؤکد کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں بلکہ محاورات میں روزمرہ کا معمول ہے ۔

سرسری طور پر غور کرنے سے تکرار کے یہ چند فوائد معلوم ہوئے ہیں جو معرضِ تحریر میں آگئے ۔ ان میں حصر نہیں سمجھنا چاہئے ۔

تنبیہ سورۂ رحمٰن میں فبای آلاء ربکما تکذبان الآیۃ بظاہر مکرر ہے لیکن حقیقت میں تکرار بے محل نہیں ۔ کیوں کہ ہر آیت کا تعلق الگ ہے اصطلاح میں اسے تکرار نہیں کہا جاتا ۔ فصحاء کے کلام نظم و نثر عربی اردو فارسی میں اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں ۔ تفصیل کے لئے اس مقام پر بیان القرآن ملاحظہ ہو ۔ وجوہِ بالا تکرار مقاصد سے متعلق تھے تکرارِ قصص و واقعات کی ایک مزید غرض یہ بھی ہے کہ ایک قصہ سے مختلف نتائج نکالے جاتے ہیں تو ہر ایک موقعہ پر ایک مناسب نتیجہ نکالنے کی غرض سے اس کا اعادہ کیا جاتا ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ ۱۱ ر ۵ ر ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

دورانِ تلاوت آنحضرت علیہ السلام کے نامِ نامی پر درود پاک کا حکم

دورانِ تلاوت اگر آنحضرت علیہ السلام کا اسم گرامی آجائے تو درود شریف پڑھ کر آگے گزرے یا نہ پڑھیں ۔ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں ۔ —— حبیب احمد قاسم پور کالونی ملتان

الجواب افضل یہی ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت اسی کی ترتیب کے مطابق جاری رکھیں ۔ البتہ تلاوت سے فراغت کے بعد درود شریف پڑھ لیں ۔

ولو قرأ القرآن فمرّ علی اسم النبی فقرأۃ القرآن علی تالیفہ ونظمہ افضل من الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک الوقت فان فرغ

فقعل فهو افضل والا فلا شئ عليه اھ (شامی : ج ۱ : ص ۳۴۸)۔

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ ۔

کیا شیطان قرآن پڑھ سکتا ہے

لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن پاک کو کھلا نہیں رکھنا چاہیے، ورنہ شیطان قرآن پاک پڑھتا ہے ۔ کیا یہ درست ہے ؟

حافظ سعید احمد : خیر المدارس ملتان

الجواب نصوص سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان قرآن نہیں پڑھ سکتا ۔ البتہ مومن جن پڑھتے ہیں۔

سئل ابن الصلاح عن رجل يقول ان الشيطان يقدر ان يقرأ القرآن ويصلي هو وجنوده فاجاب ظاهر المنقول ينفي قرأتهم القرآن وقوعا ويلزم منه انتفاء الصلوٰة منهم اذ فيها قرأة القرآن وقد ورد أن الملائكة لم يعطوا فضيلة قرأة القرآن وهي حريصة على ذلك وعلى استماعه من الارض فاذن قرأة القرآن كرامة اكرمه الله بها الانس على ان المؤمنين من الجن بلغنا انهم يقرؤنه اھ

(لقط المرجان فی اخبار الجان : للامام جلال الدین سیوطی رح)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ : ۲۱ / ۳ / ۱۴۰۷ھ

تلاوت کے دوران اذان شروع ہو جائے

اگر کوئی تلاوت کر رہا ہو اور درمیان میں اذان شروع ہو جائے تو تلاوت جاری رکھنا بہتر ہے یا تلاوت بند کر کے اذان کا جواب دیا جائے ؟

حافظ کرم دین : ممتاز آباد ملتان ۔

الجواب بہتر یہ ہے کہ تلاوت بند کر دی جائے اور اذان کا جواب دیا جائے ۔

(کذافی الشامیہ : ج ۱ ص ۲۷۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/۱/ ۱۴۰۷ھ

○

مَا يَتَعَلَّقُ بِالْحَدِيثِ

لولاک لما خلقت الافلاک حدیث ہے یا نہیں

ایک مولوی صاحب نے مسجد میں درس قرآن دیا جس میں ایک نعت خواں کے منکہ ذیل جملوں کی تردید کی "نہ زمین ہوتی نہ آسمان ہوتا، نہ عرش ہوتا نہ کرسی ہوتی، نہ لوح محفوظ ہوتی، نہ خدا کی خدائی ہوتی، مولوی صاحب نے کہا ایسا کہنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور حدیث لولاك لما خلقت الافلاك موضوع ہے۔ اس پر مسجد میں ہنگامہ ہوگیا۔ واضح فرمائیں کہ مولوی صاحب کا ارشاد درست ہے؟

الجواب اس وقت مسلمانان پاکستان کی اکثریت افراط و تفریط میں مبتلا ہے۔ نعت خوان بھی غلو کرتے ہیں اس کے جواب میں کچھ مولوی صاحبان بھی غلو کرتے ہیں اعتدال سے کام لینا ضروری ہے لولاك لما خلقت الافلاك کے الفاظ موضوع ہیں لیکن مفہوم صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ ۹ / ۲ / ۷۶ھ

ایک حدیث کی تحقیق

ماہنامہ ترجمان القرآن میں تفہیم القرآن قسط وار شائع ہوتی ہے شوال ۱۳۹۲ھ کے شمارہ میں ایک حدیث ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے کیا یہ حدیث ابن ماجہ میں موجود ہے؟ الا وانی فرطکم علی الحوض واکاثر بکم الامم فلا تسودوا وجھی الی آخر الحدیث۔

الجواب یہ حدیث ابن ماجہ ص ۲۲۶ مطبع نظامی میں موجود ہے۔ لیکن مصنف نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔ قال ابو عبد اللہ ھذا الحدیث غریب اھ

شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں وھذا الحدیث فیہ غرائب من جھة الالفاظ (حاشیہ ابن ماجہ) اور اسی طرح اس کی سند میں ایک راوی زافر بن سلیمان ہے جسے بعض ائمہ نے ثقہ قرار دیا ہے اور بعض نے اس کے بارے میں جرح کی ہے۔ قال البخاری عندہ وھم قال ابن عدی عامة مایرویہ لا یتابع علیہ (التہذیب: ص ۱۳۰) ویکتب حدیثہ مع ضعفہ اھ حاشیۃ التہذیب) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

حدیث نجد اور محمد بن عبدالوہابؒ

مشکوۃ شریف میں ہے کہ آپ نے ملک شام اور یمن کے متعلق دعاء خیر فرمائی۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہمارے نجد کے متعلق بھی دعاء فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہاں سے فتنے اور زلزلے اٹھیں گے اور وہاں شیطان کا سینگ پیدا ہوگا۔ تو کیا نجد یمن میں واقع ہے؟

اس پیشن گوئی کا مصداق محمد بن عبدالوہاب ہے یا اسود عنسی؟ کیا جماعت اہل حدیث محمد بن عبدالوہاب کا گروہ ہے؟

الجواب مشکوٰۃ شریف والی حدیث تو صحیح ہے مگر اس سے محمد بن عبدالوہاب مراد لینا صحیح نہیں۔ نیز نجد یمن میں بھی نہیں۔ اور غیر مقلدوں کو محمد بن عبدالوہاب کا گروہ کہنا بھی بلا تحقیق بات ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ اصغر علی غفرلہٗ

بندہ عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔

واللہِ لَا اَدرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ حدیث ہے یا نہیں

زید کہتا ہے واللہ لا ادری مایفعل بی ولا بکم حدیث ہے۔ عمرو کہتا ہے یہ کوئی حدیث نہیں۔ اسے حدیث کہنا صحیح نہیں۔ آپ صحیح صورت بیان فرمائیں۔

الجواب ان کے قریب قریب الفاظ کا اعلان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن پاک میں کرایا گیا ہے سورۃ احقاف میں ہے۔ قل ماکنت بدعامن الرسل وما ادری مایفعل بی ولابکم الآیۃ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں واللہ لا ادری وانا رسول اللہ مایفعل بی الحدیث اخرجہ احمد (ابن کثیر، ج ۴، ص ۱۵۵) وفی روایۃ ما ادری وانا رسول اللہ مایفعل بہٖ[1] اھ الحدیث۔ پس ان الفاظ سے انکار کرنا غلط ہے۔ حدیث تو خیر قرآن حکیم میں ان الفاظ کا اعلان کرایا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ تو بلا شبہ ثابت ہیں۔ پس انکار غلط ہے۔ ہاں صحیح معنی معلوم کرلیں۔ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ حضرات سے منقول ہے کہ اس سے مراد دنیوی انجام سے لاعلمی کا اظہار ہے، کہ نامعلوم مجھے بھی مکہ سے نکالا جائے گا یا نہیں۔ طبعی موت آئے گی یا شہادت وغیر ذالک ان امور میں علم نہ ہونے کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اخروی انجام تو حق جل شانہٗ نے بتادیا تھا لہٰذا معلوم تھا۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۷/۵/۹۵ھ

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

"علیؓ شہر علم کا دروازہ ہیں" یہ حدیث موضوع ہے

مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں ابوبکرؓ اس کے بازار ہیں، عمرؓ اس کی عمارت ہیں اور عثمانؓ اس کی زینت ہیں اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ حدیث غلط ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث صرف یہ ہے کہ میں علم کا شہر ہوں علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ باقی کچھ نہیں۔

[1] الضمیر راجع الی عثمان بن مظعون ۱۲

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں الفاظ کوئی صحیح یا ضعیف حدیث ثابت نہیں۔ دمشق کے ایک واعظ نے ممبر پر بیٹھے بیٹھے اس کو تیار کیا تھا۔ گو الفاظ میں تھوڑا تغیر ہے۔ لوگوں نے جب اس سے کوئی سند کا مطالبہ کیا تو وہ کوئی سند پیش نہ کر سکا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کوئی حدیث نہیں قصہ گویوں کی مبالغہ آرائیاں ہیں۔ اللآلی المصنوعۃ : ج ا : ص ۲۳۶) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۴۰۳/۸/۹ھ

ایک آیت و حدیث میں تطبیق

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں۔ رب تعالیٰ جل شانہ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتے ہیں فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا الخ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا الخ۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص باوجود طاقت مالی، بدنی کے سعادت حج مبارک سے مستفیض نہ ہوا تو اس کا خاتمہ یہودیت ونصرانیت پر ہوگا۔ اوکما قال تو حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی مذکور حج ادا نہ کرنے والے، کے اعمال باقیہ فرائض باطل ہو جائیں گے۔ اور آیت کریمہ کا مضمون اس کے برعکس ہے اس تعارض کی تطبیق کیا ہوگی؟

الجواب آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی معاف نہ ہوئی اس کی سزا ضرور ملے گی اور جو نیکی ضائع نہ ہوئی اس کی جزا ضرور ملے گی جیسا کہ دیگر آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ قبول اسلام سے پہلے بہت سے گناہ ہوتے ہیں لیکن اسلام انہیں منہدم کر دیتا ہے۔ قال تعالیٰ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاسلام یہدم ماکان قبلہ۔ اور اسی طرح فرمانِ باری تعالیٰ ہے ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ۔

معلوم ہوا کہ ارتداد سے حبط اعمال ہو جاتا ہے۔ الغرض آیت میں دیگر نصوص کی روشنی میں قیدِ مذکور لازم ہے۔

اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ باوجود استطاعت کے حج نہ کرنا یہ ناشکری، ارتداد، یہودیت ونصرانیت اختیار کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اور ارتداد سے حبط اعمال ہوتا ہے۔ گویا کہ اس کی نیکیاں ضائع ہو چکی ہیں اور آیت میں ایسی نیکیوں پر جزاء کا ذکر ہے جو ضائع نہ ہوئی ہوں۔ پس آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مبالغہ اور تشدید پر محمول ہے۔ وھو من باب المبالغۃ

والتشدید والایذان بعظمة شان الحج کذا فی بعض الحواشی۔

اور امام ترمذی رح نے اس حدیث کو متکلم فیہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ وفی اسنادہ مقال وھلال بن عبداللہ مجھول۔ والحارث یضعف فی الحدیث۔

واضح رہے کہ ترکِ حج ارتداد نہیں اور نہ ہی اس سے سابقہ اعمال ضائع ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ناشکری اللہ تعالیٰ کی حفاظتِ خاصہ سے نکل جانے اور ارتداد کا سبب بن سکتی ہے جس سے ضیاع ہوتا ہے۔ گویا کہ ترکِ حج سے حبطِ اعمال ہوا تو نہیں لیکن اس کا اندیشہ ضرور لاحق ہو گیا ہے۔

نوٹ :۔ اس آیت کو ظاہر پر رکھتے ہوئے صرف حدیث سے ہی معارضہ قائم نہیں ہوگا بلکہ بہت سی آیات بھی معارض ہو جائیں گی۔ مثلاً فسوف یلقون غیًّا ۔ الا من تاب وآمن وعمل صالحا فاولئك یدخلون الجنة ولا یظلمون شیئًا۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ، ۲ رجب ۱۳۹۴ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کنواری لڑکیوں کے دودھ پلانے کی روایت بلا سند ہے

ایک امام مسجد نے دورانِ خطبہ یہ کہا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو جناب بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ مزید تین کنواری لڑکیوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا اور ان کا قدرتی دودھ نمودار ہوا یہ دودھ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ کیا یہ واقعہ درست ہے ؟

الجواب سیرتِ حلبیہ ، ص ۴۵ ، میں بلا سند عیون المعارف للقضاعی سے نقل کیا ہے کہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کنواری لڑکیوں نے دودھ پلایا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان تینوں نے آپ کو اٹھایا ہو اور چھاتی پر لگایا ہو مگر آپ نے دودھ نہ پیا ہو۔ جب تک صحیح سند سے ثابت نہ ہو ایسا کہنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ میں علم سے مراد علمِ دین ہے

حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ

فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ سے کیا مراد ہے؟ اس حدیث میں جو علم کا لفظ ہے اس سے کونسا علم مراد ہے؟ علمِ دین یا موجودہ سائنسی علم۔ نیز اس حدیث کا شانِ ورود کیا ہے؟ جو اس سے مراد انگریزی اور سائنس وغیرہ لے وہ محرّف فی الحدیث ہوگا یا نہیں؟

الجواب اس حدیث میں "العلم" سے مراد علمِ دین ہے۔ ابن عبدالبر نے اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے۔ ان معناه انه يلزمه طلب العلم مايحتاج اليه من وضوئه وصلوته وزكوته ان كان له مال وكذالك الحج وغيره (جامع بيان العلم: ص ۹)۔

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ میں علم کا اطلاق عام طور پر علمِ دین پر ہی ہوتا تھا۔ مقام سرغ میں پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ کیا کہ شام میں طاعون ہے کیا ہمیں واپس لوٹ جانا چاہیئے یا نہیں؟ مشورہ میں اختلاف ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان عندی علماً سمعت رسول الله عليه السلام (الحدیث مؤطا: ص ۳۶۲)

الحاصل مذکورہ حدیث میں "العلم" سے مراد علمِ دین ہے۔ اور یہ امر آخر ہے کہ شریعت نے درجۂ ضرورت میں دیگر علوم دنیویہ کا سیکھنا بھی ضروری قرار دیا ہے۔ تاکہ امتِ مسلمہ دوسروں کی محتاج اور زیر دست نہ رہے۔ اس حدیث میں "مسلمۃ" کا لفظ ثابت نہیں۔ قالہ السخاوی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان: ۲۰/۱۰/۱۳۹۵ھ

کھانے کے بعد ہاتھ صاف کرنے کی دو مختلف روایتوں کا جواب

سیرتِ انور صفحہ ۱۰۱ پر

حکیم الامت حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ہم بہت سی سنتیں ان کے عمل کو دیکھ کر معلوم کیا کرتے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد تولیہ یا رومال سے ہاتھ پونچھنے کی بجائے ہمیشہ حسبِ معمولِ نبوی پاؤں کے تلووں سے ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔ اور شمائل نبوی، مصنفہ سعد حسن خان ٹونکی۔ میں مسئلہ نمبر ۱۴ کے تحت درج ہے کہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے اور ہاتھوں پر جو تری ہوتی اس کو اپنے ہاتھوں اور چہرے اور سر پر مل کر خشک کر لیا کرتے تھے۔ ان دونوں میں سے کون سی روایت راجح اور صحیح ہے؟

الجواب ترجیح کی حاجت نہیں، ہوسکتا ہے دونوں طرح معمول نبوی ہو۔
فقط واللہ اعلم ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ؛ ۱۵/۱۱/۱۳۹۵ھ

سراج اُمتی ابوحنیفہ موضوع

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "سراج امتی" فرمایا ہے۔ اور اپنا تھوک کسی صحابی کے منہ میں ڈالا اور کہا کہ امام صاحب کے منہ میں ڈال دینا۔ یعنی کہا کہ اس آدمی کے منہ میں ڈالنا جو "سراج اُمتی" ہوں گے۔ پھر وہ تھوک سلسلہ بسلسلہ امام صاحب تک پہنچ گیا۔ کیا یہ دونوں باتیں ثبوت رکھتی ہیں یا نہیں؟

الجواب تذکرۃ الموضوعات، ملا علی قاری رح، ص ۱۱۱ میں ہے "سراج امتی ابوحنیفہ موضوع" کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امام صاحب کے متعلق مندرجہ بالا کلمات ثابت نہیں بلکہ یہ حدیث موضوع ہے اور تھوک والا قصہ بھی ایسا ہی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ؛ ۱۷/۴/۱۳۸۱ھ۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ؛ ۱۷/۴/۱۳۸۱ھ

انا نبی و اٰدم بین الماء والطین کی تحقیق

حدیث انا نبی و اٰدم بین الماء والطین کا مطلب کیا ہے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کس طرح نبی تھے جب کہ آپ کا ظہور بعد میں ہوا؟

الجواب انا نبی و اٰدم بین الماء والطین۔ یہ الفاظ کسی حدیث میں نہیں آتے اس باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ یہ ہیں۔

۱: وعن ابی هريرة قال قالوا يارسول الله متى وجبت لك النبوة قال و آدم بين الروح والجسد رواه الترمذی۔

۲: وعن العرباض بن سارية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال انی عند الله مكتوب خاتم النبيين وان اٰدم لمنجدل فی طينه الخ رواه فی شرح السنة كذا فی المشكوة باب فضائل سيد المرسلين۔

۳: وروی عن ابن عباس مرفوعا كنت نبيا و اٰدم بين الروح والجسد۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر (مرقاۃ : ج ۵ : ۲۶۷)۔

۴ : در روایتے "کُنتُ نبیًا" از کتابت یعنی نوشتہ شدہ ام من پیغمبر وحال آنکہ آدم میان آب وگل بود۔ (لمعات : ص ۴۹۹ : ج ۴) ——— ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اظہار کر دیا گیا تھا۔

کما فی اشعۃ اللمعات : ج ۴ : ص ۴۹۹ : اینجا میگویند از سبق نبوت آنحضرت علیہ السلام چہ مراد است اگر علم وتقدیر الٰہی مراد است این نبوت ہمہ انبیاء را شامل است واگر بالفعل است آن خود در دنیا خواہد بود جوابش این است کہ مراد اظہار نبوت اوست صلی اللہ علیہ وسلم پیش از وجود عنصری در ملائکہ وارواح الخ۔

واضح رہے کہ تمام ارواح آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل پیدا کی جا چکی تھیں۔ اور عالم ارواح میں موجود تھیں۔ پس آنحضرت علیہ السلام کی روحِ پاک بھی عالم ارواح میں تھی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اُمّتِ مُحمّدیہ پر عذابِ آخرت نہ ہونے کا مطلب

مشکوٰۃ شریف : ج ۲ : ص ۴۶۰ : "کتاب الرقاق باب الانذار والتحذیر" کی فصل ثانی کی پہلی حدیث بروایت ابو داؤد ہے کہ امتی ھذہ امۃ مرحومۃ لیس علیھا عذاب الآخرۃ عذابھا فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل۔

شیخ محدث دہلوی رحمہ لکھتے ہیں۔ " این ہمہ دلیل ونشان آنست کہ در آخرت بروے عذابے نہ باشد " اشعۃ اللمعات : ج ۴ : ص ۲۷۶۔

تو اب قابل استفسار یہ امر ہے کہ احادیث وعید میں تطبیق کیا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر محدث دہلوی رحمہ شفاعت کے بیان میں ایک رسالہ میں لکھتے ہیں۔

"مشکل تا آنجا است کہ این نسبت صحیح نہ باشد ورنہ صد ہزار گنہ در پس ایمان بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہ پرِ پشہ نیرزدم" اس عبارت میں بھی وہی اشکال ہے۔

الجواب اشعۃ اللمعات ہمارے پاس موجود نہیں۔ برتقدیر صحت حدیث اس میں کوئی اشکال نہیں۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ۔ امتی ھذہ امۃ مرحومۃ لیس

[1] کتاب مذکور میں بعد میں تلاش کیا گیا لیکن مستفتی کا لمعات ج ۴ : ص ۲۷۶ کا حوالہ تتبع بسیار کے باوجود نہیں

علیہا عذاب الاٰخرۃ (ای عذاب مخلد فی الاٰخرۃ) یعنی دائمی عذاب جو کفار کے لئے ہوتا ہے وہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ میں یہی مراد ہے۔ دخولاً اخرویاً او فی آخر الامر یعنی داخل فی الجنۃ آخر الامر۔ ایسے ہی یہاں بھی تاویل کی جائے گی تاکہ یہ روایت دوسری روایاتِ واردہ در عذاب عصاۃ و گناہگاروں کے مخالف نہ ہو۔ اور اس قسم کے نظائر بہت ہیں کما لا یخفی علی من طالع کتب الحدیث۔

اور عبارت شیخ صاحب خط کشیدہ کا بھی یہی مطلب ہے یعنی ایمان باللہ والرسول اگر کسی شخص میں پایا جاتا ہے تو ہزار گناہ بھی اس ایمان کے مقابلہ میں ہیچ اور پشہ کے برابر بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ہزار تو بجائے خود، لاکھ اور کروڑ گناہ بھی اس کو مخلد فی النار نہیں بنا سکتے بلکہ اس کا ایمان آخر کار اسے دوزخ سے نکال کر باہر کر ہی دے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم الافتاء۔
خیر محمد عفی عنہ ۱۲/۱۱/۱۳۷۰ھ	خیر المدارس ملتان۔ ۱۰/۱۱/۱۳۷۰ھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۳

نہیں مل سکا۔ لیکن حدیث مذکور اور حدیثِ وعید میں خود شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لمعات ج ۲ ص ۲۹۴، میں یوں تطبیق بیان فرمائی ہے:

" اما ورود احادیث در وعید مرتکب کبیرہ و تعذیب وے منافات باین ندارد زیرا کہ مغفرت غیر شرک در مشیت حق ست عموماً و خصوصاً لازم نیست کہ البتہ واقع گردد لازم نہ کہ بر ہر فرد وقوع باید شاید کہ بعضے معذب باشند و بعضے مغفور (یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید) و بالجملہ این امت مخصوص است بمزید رحمت و عنایت باری تعالیٰ کہ اقتضائے نجات و عفو و مغفرت ایشان بسے مے کند و ہمہ در مشیت اوست تعالیٰ و واجب نیست بروے چیزے لیکن وفائے وعدہ مخبر صادق مرجوست "

یعنی جن احادیث میں مرتکب کبیرہ کے لئے وعید اور عذاب دینے کا ذکر ہے وہ اس حدیث کے منافی نہیں۔ اس لئے کہ شرک کے علاوہ گناہوں کی مغفرت حق تعالیٰ کے منشاء میں ہے عموماً و خصوصاً اور لازم نہیں کہ واقع ہو یہ بھی لازم نہیں کہ ہر فرد پر مغفرت کا وقوع ہو شاید کہ کچھ عذاب دیئے جائیں اور کچھ بخشے جائیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ امت اللہ تعالیٰ کی مزید رحمت و عنایت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو نجات، عفو اور ان کی مغفرت کی مقتضی ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر منحصر ہے۔ کچھ اس پر واجب نہیں لیکن مخبر صادق سے امید یہی ہے کہ وعدہ پورا کریں گے۔

حدیث انا مدینۃ العلم... حدیث امر بسد الابواب الا باب علیؓ کی تحقیق

زید نے مشکوٰۃ شریف باب مناقب علی رضؓ بن ابی طالب فصل ثالث کی حدیث عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بسد الابواب الا باب علی۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب۔ درس دیتے ہوئے پڑھی۔ بکر نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور زید علی الاعلان اپنے سنی ہونے کا بلکہ دیوبندی حنفی ہونے کا دعویدار ہے۔ اس واقعہ کے پیش نظر آپ فیصلہ صادر فرمائیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح و موضوع ہے۔ اہل سنت یا اہل تشیع کی۔ اور اس حدیث کے قائل پر شیعیت کا تاثر ماننا درست ہے یا تعصب ہے۔ اور قائل کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب وفی تذکرۃ الموضوعات ص۹۵۔ قلت قال ابن حجر ھذا اقدام علی رد الاحادیث الصحیحۃ بمجرد التوھم وفی اللآلی ھو حدیث مشھور لہ طرق متعددۃ کل طریق لا یقصر عن رتبۃ الحسن ولمجموعھا یقطع بصحتہ۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ متعدد طرق سے مروی ہے ہر طریق درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے بیان کرنے والے پر شیعیت کا حکم لگانا درست نہیں ہے اور اس کے قائل کے پیچھے نماز بغیر شک وشبہ کے درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق نائب مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
۹/ ۷/ ۱۳۸۶ھ

حدیث مَن صَلّٰی عَلَیَّ عِندَ قَبرِی سَمِعتُہٗ کا ترجمہ "اللہ سنا دیتا ہے" سے کرنا غلط ہے

زید کہتا ہے کہ حدیث شریف من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیاً اُبلغتہٗ جید الاسناد ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر رحؒ نے "فتح الباری" اور علامہ عثمانی رحؒ نے "فتح الملہم" میں لکھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روضۂ اقدس پہ حاضر ہو کر درود شریف پڑھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اور "ترجمان السنۃ" ج ۳ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ اور دوسری جانب بکر کہتا ہے کہ جو شخص روضۂ اقدس پر پہنچ کر درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ سنا دیتا ہے۔

آپ بتلائیں کہ زید و بکر میں سے کس کی بات ٹھیک ہے ؟ اور کیا حیاتِ انبیاء کا مسئلہ فروعیات میں سے ہے ؟ اور کیا حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قبر مبارک میں حقیقی طور پر زندہ ہیں یا روحانی طور پر۔ اور یہ حیات اتصالِ روح سے ہے یا دخولِ روح سے ؟ اور جو شخص روحانی حیات کا قائل ہو اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر یہ دعا کرنے کو شرک جانتا ہو کہ یا رسول اللہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالے میرے گناہ معاف فرمادیں۔ تو یہ شخص کیا اکابرین علماء دیوبند کا مخالف ہوگا ؟

الجواب حدیث مذکورہ کا جو ترجمہ زید نے کیا ہے وہی صحیح ہے دوسرا غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر قبر شریفہ میں بے حس و بے شعور نہیں بلکہ جیسا کہ حدیث مذکور اور اسی طرح دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود شریف کو خود سنتے ہیں جب کہ روضۂ اطہر پر جاکر خود پڑھا جائے۔ اور اسی طرح روضۂ اقدس پر جاکر شفاعت طلب کرنا جائز ہے۔ معتبر کتب فقہ میں مسطور ہے۔ انکار اس کا جہل ہے۔ جسدِ اطہر کی حیات دخولِ روح سے ہے یا اتصالِ روح سے یہ دونوں امر محتمل ہیں ایک کی قطعی تعیین واجب نہیں جب کہ آثارِ حیات کا ثبوت تسلیم کیا جائے۔ حضراتِ اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے اور یہی محقق ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۵ : ۸ : ۱۳۸۷ھ

قطب ستارہ والی روایت صحیح نہیں

زید کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل امین آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوٹے بھائی کے لفظ سے پکارا۔ اس پر جبرئیل امین نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو عمر میں آپ سے بڑا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ جبریل جب تم پیدا ہوئے تو تم نے کیا دیکھا ؟ جواب دیا کہ اس وقت زمین و آسمان حجر و شجر دریا و سمندر کچھ بھی نہ تھا مگر فقط ایک چمک دار ستارہ قطب کی جانب دیکھا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس وہ میرا ہی نور تھا، کیا یہ روایت صحیح ہے ؟

الجواب زید کے بیان میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے کسی معتبر کتاب میں صحیح سند کے ساتھ نہیں پائی گئی۔ زید پر لازم ہے اگر وہ اس کی صحت کا مدعی ہے تو اس کی سند پیش کرے ورنہ اپنے دعوے میں کاذب قرار پائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اَنَا مِنْ نُوْرِ اللہ والی روایت موضوع ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومنوں کی خلقت میرے نور سے ہے اور وہ روایت یہ ہے اَنَا مِنْ نور اللّٰہ والمؤمنون منی کیا یہ روایت درست ہے ؟

الجواب اس روایت کے الفاظ یہ ہیں انا من نور اللّٰہ والمؤمنون منی الخیر فیَّ وفی امتی الی یوم القیامۃ اھ تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر گجراتی ایک دوسری موضوع حدیث کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں
قال ابن تیمیۃ موضوع وھو کما قال وکذا حدیث انا من نور اللّٰہ ۔
معلوم ہوا کہ صاحب تذکرۃ الموضوعات کے نزدیک یہ حدیث بے اصل ہے۔ حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں لا اعرفہ (تذکرۃ الموضوعات ، ص۸۶)

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفی اللہ عنہ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

◎

منکرین حدیث کے دو اعتراضوں کا جواب

بکر نے زید سے کہا کہ آپ کے الفاظ انکارِ حدیث پر مبنی ہیں ۔ زید نے کہا کہ کوئی شخص حدیث کے انکار سے کافر نہیں ہوتا ۔کیونکہ حدیث کی صحت معتبر نہیں ۔ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں اور حدیثیں جمع کرنے والے خطار و نسیان کے پتلے انسان ہی تھے ۔ اس لئے حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا ۔ من ترک الصلوۃ فقد کفر یہ حدیث خود ضعیف ہے ۔ زید کے اس دعوے کی تصدیق ایک عالم دین نے بھی کی ہے ۔

۲ : زید نے انکارِ حدیث کے ثبوت میں یہ بھی کہا کہ بعض احادیث کو پڑھ کر عقل سلیم رکھنے والا انسان حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کرسکتا ۔ مثلاً ایسی حدیثیں بھی ملتی ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور حضورؐ سے عرض کیا یا نبی اللہ مجھ سے زنا ہوگیا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم جماعت سے نماز ادا نہیں کرتے ؟ سائل نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھتا ہوں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ نے تیرے گناہ کو معاف کردیا ۔ زید کا مذکورہ حدیث کو رسول اللہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے یا زید نے حدیث کی تحقیر کے لئے اس کو گھڑ لیا ہے ؟

الجواب احادیث کے انکار میں یہ کہنا کہ حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں بالکل غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ احادیث کی ایک معتد بہ تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھی جا چکی تھی۔ ایک صحابی (حضرت ابوشاہ) کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے کا حکم دیا تھا۔ احادیث کا ایک تحریر شدہ مجموعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس موجود تھا۔ روایات میں ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات لکھ لیا کرتے تھے۔ زکوٰۃ کی تفصیلات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرا کر اپنے بعض عاملوں کے پاس روانہ فرمائیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس بعض احادیث تحریر شدہ موجود تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے احادیث کا ایک مجموعہ جمع کیا ہوا تھا۔ ان روایات صحیحہ کے پیش نظر علی الاطلاق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں۔ کتابت حدیث کے بارے میں اہل حق کی طرف سے کچھ رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو ان کی طرف مراجعت کریں۔

۲ : کوئی صحیح قطعی الدلالت حدیث عقل سلیم کے خلاف نہیں۔ بایں معنی کہ جس امر کے لئے حدیث مذکور مثبت ہو دلیل عقل اس کی نفی کر دے یا برعکس۔ ہاں استبعاد علیحدہ چیز ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جو امر حدیث کا مدلول ہے کسی کی عقل اس امر کو مستبعد سمجھے۔ لیکن اس استبعاد سے امر مدلول النص کا خلاف عقل ہونا لازم نہیں آتا۔ اس قسم کے لوگ جن احادیث کو خلاف عقل کہتے ہیں ان میں بھی یہی استبعاد ہوتا ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے خبث باطن کی وجہ سے حدیث کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ جہلاء اس کو خلاف عقل سمجھیں۔ کبھی خود واقعہ حدیث میں تحریف و غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے عوام کو حدیث سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی زنا کا واقعہ جو سوال میں درج ہے محض کذب بیانی پر مبنی ہے۔ واقعیت صرف اتنی ہے کہ ایک صحابی سے بتقاضائے بشریت کسی اجنبیہ کے ساتھ مس بالشہوت یا بوسہ لینے کی حرکت سرزد ہو گئی۔ فوراً ندامت ہوئی بہت پچھتائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس گناہ سے پاک ہونے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پشیمانی اور ندامت کے آثار دیکھتے ہوئے جو حقیقت میں توبہ ہے چند تسلی آمیز کلمات ارشاد فرمائے۔ نیز حسنات کا مکفر سیئات ہونا خود قرآن پاک سے ثابت ہے۔ تو اس میں خلاف عقل کون سی بات ہے؟ عقل سلیم اس جگہ کس حد کے اجراء کی مقتضی ہے؟ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
معین مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۱/۲/۱۳۷۹ھ

زیارت روضۂ اطہر سے متعلق چار حدیثوں کی تحقیق مندرجۂ ذیل چار حدیثیں سند کے لحاظ سے کس درجہ کی ہیں؟ قوی ہیں یا ضعیف۔

۱ : من حج فلم یزرنی فقد جفانی۔

۲ : من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی۔

۳ : من زارنی و زار ابی ابراھیم فی عام واحد ضمنت له الجنة۔

۴ : من زار قبری وجبت له شفاعتی۔

الجواب ۱ : نمبر ایک کے بارے میں تذکرۃ الموضوعات ص ۷۰ ۔ میں ۔لابن عور وجماعته بلفظ من حج ولم یزرنی فقد جفانی۔ ولا یصح قال الصغانی موضوع وفی اللآلی قال الزرکشی ھو ضعیف وبالغ ابن الجوزی فذکر فی الموضوعات۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ضعیف ہے۔

۲ : نمبر ۲ کے بارے میں بیہقی نے تضعیف کی ہے۔ وضعفه البیھقی وکذا قال البیھقی طرقه کلھا لینة ولکن یتقوی بعضھم ببعضھا۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۷۵)

۳ : نمبر ۳ کے بارے میں ابن تیمیہ رح اور نووی رح نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ قال ابن تیمیة والنووی انه موضوع لا اصل لها کذا نقل السیوطی فی الزیلعی عنھما۔

۴ : کو ابن خزیمہ نے ضعیف کہا ہے۔ اشار ابن خزیمة الی تضعیفه ۔(تذکرۃ الموضوعات ص۷۵)

نوٹ : فضائل کے باب میں ضعیف حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ

الجواب صحیح

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

لولم تذنبوا لذھب اللہ بکم کی صحیح تشریح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم والذی نفسی بیدہ لولم تذنبوا لذھب اللہ بکم۔ اس حدیث کی تشریح ایک مولوی صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔ یعنی تذنبوا ولم تستغفروا فاراد به المعنی اللازم فان من لم یذنب ما علیه ان یستغفر والقرینة علی ھذا المعنی ذکر الذنب مع الاستغفار فیما بعد کیا یہ تشریح درست ہے؟

الجواب حدیث شریف کی یہ تشریح صحیح نہیں ہے۔ امام نووی رح، ملا علی قاری رح، علامہ طیبی رح وغیرہ شراح کے کلام میں اس کا کوئی نشان موجود نہیں۔ اور ظاہر حدیث بھی اس کے خلاف ہے۔ البتہ اگر عوام کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے دفع الوقتی کے طور پر کسی نے یہ کہہ دیا ہو تو شاید ملام نہ ہو۔

فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نمازِ حنفی میں مندرج پانچویں کلمہ کا حدیث سے ثبوت

آپ کی مطبوعہ نماز حنفی مرتبہ مولانا خیر محمد صاحب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یقیناً قابل قدر مساعی ہیں لیکن ایک بات نے پوچھنے پر مجبور کیا کہ عموماً پانچواں کلمہ ان الفاظ کے ساتھ مشہور ہے۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب الخ اور آپ کی نمازِ حنفی میں ان الفاظ میں ہے۔ اللّٰھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی۔ اس کے متعلق وضاحت فرمائیں کہ کون سا زیادہ مستند ہے ؟

الجواب نماز حنفی میں مذکور پانچواں کلمہ بخاری شریف میں مروی ہے۔ وعن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الاستغفار ان تقول اللّٰھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی الخ رواہ البخاری مشکوۃ ج ۱ ص ۲۰۴۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

۷/۹/ ۱۴۰۰ھ

گالی گلوچ کی مذمت میں چند احادیث

چھوٹے بڑے افراد میں گالی دینے کا رواج عام ہو چکا ہے جس کو برائی بھی تصور نہیں کرتے۔ اور میں نے تو یہ جائزہ لیا ہے کہ ہمارے ملک میں خدا تعالیٰ کا نام گالیوں کی نسبت از حد کم لیا جاتا ہے۔ ہر بات پر لوگ گالیاں دیتے ہیں حالانکہ پہلی جماعت کے بچے بڑوں کو دیکھ کر اور ان سے گالیاں سن کر خوب بکتے ہیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں کو بھی گالیاں دینے سے باز نہیں آتے۔ حتیٰ کہ اس گالی وغیرہ سے لڑائی تک نوبت آجاتی ہے۔ لہٰذا گالی کی مذمت میں برائے اشاعت چند احادیث لکھیں۔

الجواب ۱: عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر۔ (بخاری شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا سخت گناہ ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔

۲ : عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لاینبغی لصدیق ان یکون لعّانا۔ (مسلم شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو کسی پر لعنت کرنے والا نہیں ہونا چاہیئے۔

۳ : عن انس رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المستبّان ما قالا فعلی البادی مالم یعتد المظلوم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ آپس میں کہتے ہیں، اس کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔

۴ : عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی (ترمذی شریف)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دوسروں پر طعنہ زنی کرے، لعنت کرے، بیہودہ گوئی کرے وہ مومن نہیں۔

۵ : عن ابی ذر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۱۱)

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی کسی کو بدکار کہتا ہے یا کافر کہتا ہے، اور وہ ایسا نہ ہو، تو خود کہنے والا ویسا بن جاتا ہے۔

۶ : عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ان العبد اذا لعن شیئًا صعدت اللعنۃ الی السماء فتغلق ابواب السماء دونہا ثم تھبط فتغلق ابوابھا دونھا ثم تاخذ یمینا وشمالا فاذا لم تجد مساغا رجعت الی الذی لعن فان کان ذالک أھلا والا رجعت الی قائلھا۔ (ابوداؤد مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۱۳)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت پہلے آسمان پر جاتی ہے تو وہاں دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر زمین پر آتی ہے، تو اس کے بھی دروازے بند ہو جاتے

ہیں پھر دائیں بائیں جاتی ہے۔ جب کوئی راستہ نہیں ملتا تو پھر جس پر لعنت کی گئی ہے اس پر جاتی ہے اگر وہ اس کے لائق ہو تو ٹھیک ورنہ کہنے والے پر لوٹ آتی ہے ؎

بھول کر بھی دیتی نہیں گالی شریفوں کی زبان
یہ کمینوں کی علامت ہے رذیلوں کا نشان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۲ / ۳ / ۱۳۹۸ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونیکا مطلب

ایک عالم نے حدیث کنت نبیا و آدم بین الماء والطین بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپؐ آدم علیہ السلام کے پانی اور مٹی میں خمیر ہونے کے وقت نبی تھے باعتبار چرچا کے ملائکہ میں۔ کیا آپ کا محض چرچا تھا یا آپ کی شہرت تھی؟ یا خود بھی موجود تھے؟ اور ایک دوسرے آدمی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اب آپ واضح فرمائیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، صحیح ہے یا ضعیف ہے؟

الجواب کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد رواہ البخاری فی تاریخہ و الحاکم وصححہ (تذکرۃ الموضوعات: ص ۸۶) عن ابی ھریرۃ رضی قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال و آدم بین الروح والجسد رواہ الترمذی مشکوۃ ص ۵۱۳۔

الفاظ بالا کے ساتھ یہ روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہے۔ لیکن جو الفاظ سوال میں لکھے گئے ہیں یہ الفاظ ثابت نہیں بلکہ موضوع ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اما ما یدور علی الالسنۃ کنت نبیا و ادم بین الماء والطین۔ فقال السخاوی لم اقف علیہ بھذا اللفظ فضلا عن زیادۃ وکنت نبیا ولا ماء ولا طین۔ قال الحافظ ابن حجر ان الزیادۃ ضعیفۃ وما قبلھا قوی وقال الزرکشی لا اصل لہ بھذا اللفظ۔ (مرقاۃ ، ج ۵ ، ص ۳۶۷)

تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر پٹنی رح تحریر فرماتے ہیں۔

وفی الزیلعی وکنت نبیا و آدم بین الماء والطین وکنت نبیا ولا آدم

ولا ماء ولا طين قال ابن تیمیۃ موضوع ص ۸۶ -

خلق آدم علیہ السلام سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا باعتبار شہرت کے تھا دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی گو علم الٰہی میں موجود تھیں مگر فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی اور آپ کے عہدۂ رسالت کا اظہار و اعلان کر دیا گیا تھا۔ صاحب لمعات لکھتے ہیں۔ جوابش آنست کہ مراد اظہار نبوت اوست صلی اللہ علیہ وسلم پیش از وجود عنصری وے در ملائکہ و ارواح چنانکہ وارد شدہ کتابت اسم شریف او بر عرش وغیرہ ج ۴، ص ۴۹۹۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ

زنا کے بارے میں ایک حدیث کا حوالہ

ایک شخص نے زنا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم گوارا کرتے ہو کہ تمہاری ماں، بہن یا بیٹی کے ساتھ کوئی زنا کرے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ تو فرمایا وہ زانیہ بھی تو کسی کی ماں، بہن، بیٹی ہوگی۔ یہ جواب ایسا ہے کہ زنا کے رد میں اس سے بہتر کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیا یہ حدیث ہے؟ تصدیق مطلوب ہے۔

الجواب یہ حدیث بروایت ابو امامہ رضی اللہ عنہ امام احمد رح نے بیان فرمائی ہے۔
(ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۸)

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۲۳/۱/۱۳۹۹ھ

خلق آدم علی صورتہ کا مطلب؟

خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب خَلَقَ ادم علی صورتہ کا مطلب ہے آدم علیہ السلام کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا کیا۔ یعنی ایسی صورت عطا فرمائی جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھی۔ مثلاً سیدھا قد، بارونق چہرہ، وغیرہ۔ مطابق آیت قرآن ما غرك بربك الكريم الذى خلقك فسوٰك فعدلك فى اى صورة ماشاء ركبك الآية

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۳۹۹ھ

قبر میں عند السّوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالی پیش کیے جانے یا پردے ہٹا دیئے جانے کی تحقیق

قبر میں جب میت سے فرشتے سوال کرتے ہیں "ماھذا الرجل" تو ھذا کا اشارہ قریب کے لئے ہے یا بعید کے لئے؟ کیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل دکھائی جاتی ہے، یا درمیان سے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ اور آپ اپنے روضۂ مبارک سے میت کو نظر آنے لگتے ہیں؟

الجواب "ھذا" اشارۂ قریب ہے اس سے مراد معہود ذہنی ہے۔ میت کے سامنے آپ کی صورتِ مثالی پیش کئے جانے یا درمیان کے پردے ہٹا دیئے جانے کا بقول صاحب مرعاۃ المفاتیح "کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے ثبوت نہیں ملتا۔ پوری عبارت یہ ہے (ماھذا الرجل الذی بعث فیکم) ای ارسل الیکم یعنون محمدا صلی اللہ علیہ وسلم وعبر بذالك امتحانا لئلا یتلقن تعظیمه من عبارة القائل والاشارة لما فی الذهن فانه لم یرد حدیث صحیح ولا ضعیف فی انه یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا التفات الی قول القبوریین ومن شاکلهم بان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشهد بذاته فی الخارج فی قبر کل میت عند سوال الملکین اھ (مرعاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲ ، ۱۵۵)

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۹/۱۴۰۰ھ — محمد انور عفا اللہ عنہ

فضیلتِ عقل کے بارے میں ایک حدیث کی تحقیق

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور عمرہ اور دوسری تمام نیکیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان یہ سب کچھ کرتا ہے لیکن قیامت کے دن اسے عقل و فہم کے مطابق ہی بدلہ ملے گا۔ (او کما قال علیہ السلام) یہ حدیث صحیح ہے اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب وانما یجزی علی قدر عقله۔ "ضعیف" (الی ان قال) وکل حدیث ورد فیه ذکر العقل لا یثبت۔ "تذکرۃ الموضوعات" للفتنی۔ ص ۲۹۔ باب العقل۔ یہ حدیث پوری تو نہیں ملی البتہ نشان زدہ عبارت ضعیف ہے۔ اس عبارت میں سے

ایک قاعدہ بیان کیا کہ جس حدیث میں عقل کا ذکر ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

دودھ۔ خوشبو۔ اور تکیہ رد نہ کرنے والی حدیث ضعیف ہے

زید کا یہ خیال ہے کہ تکیہ، خوشبو، اور دودھ یہ تین چیزیں ان میں سے اگر کوئی چیز کوئی آدمی پیش کرے تو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ دین میں اس کی کیا اصل ہے؟

۱ : کیا حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ انکار نہ کیا جاوے ان اشیاء کو قبول کر لیا جاوے۔

۲ : تو پھر مقدار کیا ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص پانچ سیر، دس سیر دودھ پیش کر دیوے، اسی طرح کوئی زیادہ مقدار میں خوشبو پیش کر دیوے تو کیا کرے؟

الجواب عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث لا ترد الوسائد والدھن والطیب واللبن (شمائل ترمذی)۔

حدیث شریف میں ان تینوں چیزوں سے انکار نہ کرنا ثابت ہے۔

۲ : حدیث شریف میں مقدار کی تصریح نہیں ہے۔ بظاہر تھوڑی مقدار معلوم ہوتی ہے جس سے لینے والے کو بار محسوس نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

نوٹ : مگر اس حدیث میں بعض محدثین نے کلام کیا ہے۔ لان فیہ عبد اللہ بن مسلم ھرمز المکی کما فی الموضوعات الکبیر ص ۵۰۔ حدیث میں دہن اور طیب سے مراد ایک ہی چیز ہے یعنی خوشبودار تیل وغیرہ چنانچہ بعض صحیح نسخوں میں صرف "الطیب" ہے۔ حاشیہ شمائل ص ۱۴۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تہجد کی مختلف روایات میں بہترین تطبیق

سوال : زید فریق اوّل، بکر فریق ثانی کے درمیان حضرت آقائے نامدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی تعداد میں عرصہ سے اختلاف ہے۔ زید فریق اوّل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر تحیۃ الوضوء و وتر بارہ رکعت نماز تہجد ثابت کرتا ہے کہ کبھی کبھی بارہ رکعت نماز تہجد کا بھی معمول تھا۔ اور بکر فریق ثانی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر تحیۃ الوضوء و وتر آٹھ رکعت نماز تہجد ثابت کرتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حین حیات تک آٹھ رکعت تہجد پر مستقیم رہے۔ اس سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور ہر دو فریقین اپنے اپنے دلائل حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔ آپ براہ نوازش ان کے درمیان محاکمہ فرما کر احقر کو مرہون

منت فرمائیں کہ حق بات کس جانب ہے اور دلائل قوی کس صاحب کے ہیں ؟

زید فریقِ اوّل کے دلائل یہ ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ نمازِ تہجد بارہ رکعت ہیں۔ بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ ۳۴ میں فرماتے ہیں۔ مسئلہ : آدھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کا بڑا ثواب ہے۔ اس کو تہجد کہتے ہیں۔ یہ نماز اللہ کے نزدیک بہت مقبول ہے اور سب سے زیادہ اس کا ثواب ملتا ہے۔ تہجد کی کم از کم چار رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔

از تصنیف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ " انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ " میں فرماتے ہیں۔" ومن جملہ وظائف صلوٰۃ النوافل التہجد والاشراق والاستخارۃ والضحیٰ والتہجد اثنا عشر رکعۃ۔ ص ۸۴۔

دلیلِ دیگر۔ تصنیف عالمِ ربانی مقبولِ بارگاہِ سبحانی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی " مالا بدمنہ " میں فرماتے ہیں :" نمازِ تہجد سنتِ مؤکدہ است پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گاہے ترک نفرمودہ۔ واگر احیاناً فوت شدہ دوازدہ رکعت در روز قضا فرمودہ و نمازِ تہجد از چہار رکعت کمتر نیامدہ واز دوازدہ رکعت زیادہ ہم بہ ثبوت نہ پیوستہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر بعد تہجد میخواند سنت ہمیں است۔

(" مالا بدمنہ " ص ۶۶)

— دلیلِ دیگر : حضرت شیخ المشائخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ " غنیۃ الطالبین " میں فرماتے ہیں۔ وروی انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی من اللیل اثنتی عشر رکعۃ ثم یوتر بواحدۃ ۔ (ص ۶۰۲)

— دلیلِ دیگر : مولانا الحاج فقیر اللہ حنفیؒ " قطب الارشاد " میں فرماتے ہیں۔ ادنی التہجد رکعتان واکثرہ اثنتا عشرۃ رکعۃ من غیر وتر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل یتہجد۔ (قطب الارشاد : ص ۲۷۱)۔

— دلیلِ دیگر : بارہ رکعت کی یہ ہے۔ کہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔" ونمازِ تہجد از دو رکعت تا دوازدہ رکعت لطور تراویح باید خواند۔ (فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۱۲۷)

— دلیلِ دیگر : بارہ رکعت کی یہ ہے۔ حاشیہ مدنیہ میں علامۃ الشیخ محمد بن سلیمان الکردی المدنی رح فرماتے ہیں۔

" قال ابن الجزریؒ ورد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی اثنتی عشر رکعۃ من اللیل۔ (ج ا ص ۲۲۰)۔

دلیلے دیگر : بارہ رکعت تہجد کی یہ ہے ۔ نسائی شریف میں ۔ عن عائشة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا لم یصل من اللیل منعه من ذلك نوم غلبته عینه او وجع صلی من النهار ثنتی عشرة رکعة ۔

محشی کاندھلوی رح بین السطور صراحتاً تحریر فرماتے ہیں ۔ یعلم منه أن التهجد ثنتا عشر رکعة ۔

دوسری جگہ محشی رح فرماتے ہیں ۔ علی قوله صلی من النهار یقضی فی النهار مافاته من اللیل انتهٰی ۔ (نسائی شریف : ج ۱ : ص ۱۹۹) ۔

دلیل دیگر : بارہ رکعت کی یہ ہے ۔" احیاء العلوم میں امام غزالی رح فرماتے ہیں ۔

الفائدة الثانية قضاء النوافل اذ قضی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ذالك ولنا فیه اسوة حسنة وقالت عائشة رضی اللّٰه عنها کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا غلبه النوم او مرض فلم یقم تلك اللیلة صلی من اول النهار اثنتی عشرة رکعة ۔ ۱۲ (احیاء العلوم : ج ۱ : ص ۱۸۴) ۔

دلیلے دیگر : بارہ رکعت کی یہ ہے ۔ علامہ ابن قیم رح " زاد المعاد" جلد اوّل میں فرماتے ہیں ۔

" وکان صلی اللّٰه علیه وسلم اذا غلبه النوم او وجع صلی من النهار ثنتی عشرة رکعة ۔ (جلد اوّل : ص ۸۶) ۔

فریق ثانی کے دلائل

علامہ شبیر احمد عثمانی رح "فتح الملہم" جلد ثانی : ص ۲۸۸ ۔ میں فرماتے ہیں ۔

أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یفتتح صلوته باللیل برکعتین خفیفتین وهما مبادی التهجد ثم یصلی ثمان رکعات وهی اصل التهجد ۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۲۸۸) ۔

دلیلے دیگر : آٹھ رکعت کی یہ ہے ۔ علامہ شامی رح فرماتے ہیں جلد اوّل میں ۔

وهذا بناءً علی اقل تهجده صلی اللّٰه علیه وسلم کان رکعتین وأن منتهاه کان ثمانی رکعات ۔ (شامی : مطبع استنبول : ص ۴۶۴) ۔

دلیلے دیگر : آٹھ رکعت کی یہ ہے ۔ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب فرماتے ہیں ۔

الجواب : تہجد میں کم از کم دو رکعت سنت ہے اور زیادہ سے زیادہ جس قدر پڑھ لے درست ہیں ۔ مگر حضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت سے زیادہ ثابت نہیں ۔ (فتاویٰ رشیدیہ : ص ۳۰۴)

اور "عرف الشذی" میں بھی آٹھ رکعتیں نماز تہجد ثابت ہے ۔
"غرض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر تحیۃ الوضوء و وتر بارہ رکعت نماز تہجد پڑھنا ثابت ہے یا نہ ؟

الجواب صورت مسئولہ میں واضح رہے کہ روایات میں سب سے زیادہ تعداد رکعات وہ ہے جو حواشی منذری میں موجود ہے ۔ اکثر ماروی فی صلوۃ اللیل سبع عشر رکعۃ ۔ اس اختلاف کے جمع کی بہترین تقریر وہ ہے جو علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں ذکر فرمائی ہے ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اصل تہجد آٹھ رکعتیں ہیں لیکن ابتداء میں آپ دو رکعتیں خفیفہ (ہلکی اور مختصر) پڑھا کرتے تھے یہ دس رکعتیں ہوگئیں ۔ اسکے بعد وتر پڑھا کرتے تھے ۔ اسکے بعد پھر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جنہیں توابع وتر کہنا چاہیئے ان کو ملا کر کل تعداد پندرہ ۱۵ ہو جاتی ہیں ۔ اس مختصر سی کیفیت کے بعد اب جس نے گیارہ رکعتیں ذکر کی ہیں ۔ مثلاً حضرت ۱ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے ۔ کان یصلی باللیل احدی عشر رکعۃ رواہ مسلم اس میں آٹھ رکعت اصل تہجد اور تین وتر کا بیان ہے ۔

۲ ، جس نے تیرہ رکعتیں بیان کیں ۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت بخاری ومسلم میں ہے ان صلوتہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل ثلاث عشر رکعۃ و رکعتین بعد الفجر سنۃ الصبح ۔ اس میں دو رکعتیں مبادی تہجد یا توابع وتر والی کو شامل کر دیا گیا ۔

۳ ، جس نے پندرہ رکعت کا ذکر کیا اس نے مبادی تہجد اور توابع وتر کو شامل کر دیا ۔

۴ ، جس نے سترہ ۱۷ رکعت تہجد کا ذکر کیا اس نے صبح کی دو سنتیں جو بعد فجر کے ہوتی تھیں انکو ساتھ شامل کر دیا ۔ جس کی تفصیل یہ ہے ۔

۲ رکعت مبادی تہجد ۔ ۸ رکعت اصل تہجد ۔ ۳ وتر ۔ ۲ رکعت توابع وتر ۔ ۲ رکعت سنت صبح ۔

مولانا کی اس تحقیق کے بعد آپ حضرات کا اختلاف حل ہو جاتا ہے ۔ اور فیصلہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ تہجد کی کل نماز تبع وتر کیساتھ ۱۵ رکعت ہے ۔ اور بغیر وتر کے بارہ رکعت ہے ۔ اس میں سے آٹھ رکعت تو ایسی ہیں جنہیں آپ بطور تہجد ادا فرماتے تھے اور اس سے پہلے دو رکعتیں مختصر پڑھتے تھے ۔ اور اسی طرح وہ دو رکعتیں جو بعد از وتر پڑھی جاتی ہیں مختصر ہوتی تھیں ۔ ان بارہ رکعتوں میں تحیۃ الوضوء بھی شامل ہے ۔ تحیۃ الوضوء کی نیت اگر فرض نماز کے ساتھ کر لی جاتے تو بھی ادا ہو جاتا ہے پہلی دو رکعتیں خفیفتین مبادئی تہجد کہلاتی ہیں ان میں ہی نیت تحیۃ الوضوء ہو سکتی ہے اس کے علاوہ تحیۃ الوضوء کے

لئے علیحدہ آپ سے نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ پس تحیۃ الوضوء انہی بارہ رکعتوں میں شامل تھا۔ فقط

والله اعلم
بندہ محمد عبد الله عفرلہٗ
خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا الله عنہ
مہتمم خیر المدارس ملتان

۱۴۰۰/۴/۴ھ

بنی غفار کی بچی کا آنحضرتؐ کے ساتھ سوار ہونیوالی روایت کی حیثیت اور اُس سے مرزائیوں کے استدلالات کے جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی غفار کی ایک نوجوان لڑکی کو اپنے ساتھ اونٹنی پر سوار کیا۔ اس میں علی حقیبۃ رحلہ کا کیا مطلب ہے؟ آگے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کے گلے میں قلادہ ڈالا۔ تو قادیانی فرقہ کہتا ہے کہ غیر محرم عورت کو اونٹ پر سوار کرنا، اور پھر اس کے گلے میں ہار ڈالنا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ پیغمبر کو اختلاط کی اجازت ہے۔

مولوی عبدالرحیم اشعر معرفت مولوی محمد صدیق جھنگوی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان۔

الجواب مسند احمد چونکہ مدرسہ کے کتب خانہ میں مکمل موجود نہیں ہے لہذا اس میں یہ روایت نہیں مل سکی۔ البتہ " سیرت ابن ہشام " ص ۳۴۲ کی جلد ثانی میں یہ روایت مکمل مذکور ہے۔ جس کی سند یہ ہے۔

قال ابن اسحاق حدثنا سلیمان بن سحیم عن امیۃ بن ابی الصلت عن امرأۃ من بنی غفار قد سماھا لی قالت اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اٰخر الحدیث۔

حدیث پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا جواب دینے سے قبل اس کی سند پر بات کرنا مناسب ہے۔ تاکہ اس کی صحت وضعف واضح ہو جائے۔ ذیل میں ہر راوی پر کلام کیا جاتا ہے۔

۱: ابن اسحاق۔ یہ محمد ابن اسحاق مشہور صاحب مغازی ہیں۔ ان کے بارہ میں ائمہ فن کی آراء مختلف ہیں۔

امام نسائی رحؒ فرماتے ہیں " لیس بالقوی "۔ امام دارقطنی رحؒ فرماتے ہیں " لا یحتج بہ "
ابو داؤد رحؒ فرماتے ہیں " قدری، معتزلی "۔ سلیمان تیمی رحؒ فرماتے ہیں " کذاب "
ہشام بن عروۃ رحؒ کہتے ہیں " بہت بڑا جھوٹا اور کذاب ہے "۔ امام مالک رحؒ نے اس کو " دجال " قرار دیا ہے۔

ولفظه وقال یحیٰ بن آدم حدثنا ابن ادریس قال کنت عند مالك فقیل
له ان ابن اسحاق یقول اعرضوا علی علم مالك فانی بیطاره فقال مالك
انظروا الی دجال من الدجاجلة ۔ (میزان ج ۳ ص۲۱)
امام احمدرح فرماتے ہیں " هو کثیر التدلیس جدًا " ابن عدیرح فرماتے ہیں " کان ابن
اسحاق یلعب بالدیوك ۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص۲۲)۔

۲ : سلیمان بن سحیم صدوق کذا فی کشف الاستار ۔

۳ : امیة بن ابی الصلت سلیمان کے اساتذہ کے طبقہ میں اس نام کا کوئی راوی موجود نہیں ۔لہذا یہ مجہول ہے البتہ اس نام کا ایک مشہور ثقفی شاعر گزرا ہے ۔جس کا تذکرہ بعض احادیث میں پایا جاتا ہے ۔

ولفظه قال ردفت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوما فقال هل معك
من شعر امیة بن ابی الصلت قلت نعم فقال هیه الحدیث وفی
روایة فلقد کاد یسلم فی شعره (صحیح مسلم : ج ۲ : ص۲۳۹)

لیکن یہ شاعر زمانۂ اسلام سے قبل وفات پاچکا تھا ۔

"اصابہ" میں ہے ۔ امیة بن ابی الصلت الثقفی الشاعر المشهور قال ابن السکن لم یدرکه الاسلام ۔(ج ۱ ، ص۱۳۳) ۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رح اسی مقام پر تصریح کرتے ہیں "حتی مات کافرًا " یہ مشہور شاعر بھی سلیمان بن سحیم کا استاذ نہیں ۔معلوم ہوتا ہے کہ اس نام میں کوئی تصحیف یا غلطی واقع ہوئی ہے ۔صحیح نام امیة بنت ابی الصلت ہے ۔جیساکہ "سنن ابی داؤد" جلد ۱ ، ص ۴۴ ۔ کی سند میں مذکور ہے۔

ولفظه ، اخبرنا محمد یعنی ابن اسحاق عن سلیمان بن سحیم عن
امیة بنت ابی الصلت عن امرأة من بنی غفار ۔ الحدیث ۔

حافظ ذہبی رح اور علامہ ابن حجر رح نے بھی اس کا تذکرہ انہی لفظوں میں کیا ہے ۔ حافظ ذہبی رح لکھتے ہیں ۔ امیة بنت ابی الصلت عن الغفاریة اللتی حاضت فامرها ان تغسل الدم بملح فقیل امنة بالنون وقیل بیاء مشددة فهی بکل حال لا تعرف الا بهذا الحدیث رواه ابن اسحاق عن سلیمان بن سحیم عنها ۔ (میزان ، ج ۱ ، ص۱۲۸) ۔

مگر یہ راویہ مجہول ہیں ۔جیساکہ اقتباس بالا کے آخری الفاظ میں مصرح ہے ۔

علامہ ذہبی رح نے " میزان الاعتدال ، جلد ۳" کے آخر میں " باب النساء المجهولات " باندھا ہے ۔اور اس میں اس امیة بنت ابی الصلت کا ذکر کیا ہے ۔چنانچہ لکھتے ہیں ۔ امیة بنت

ابی الصلت الغفاریۃ .... ج ۳ ص۳۹۶ -

حافظؒ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں۔ امیۃ بنت ابی الصلت ما یقال امنۃ لا یعرف حالہا من الثالثۃ (ص۶۵۵ مطبوعہ نولکشور)۔

حافظ ابن حجرؒ نے بھی ان کے مجہول الحال ہونے کی تصریح فرمادی۔ بہرحال یہ راویۃ مجہول الحال ہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مجہول الاسم بھی ہیں۔ جیساکہ علامہ ذہبیؒ نے تصریح فرمائی ہے۔ امیہ، امنہ امبہ، امۃ، امامہ، ان کے یہ مختلف نام کتابوں میں ملتے ہیں۔

۴ :- امرأۃ من بنی غفار ان کا نام مذکور نہیں ہے۔ علامہ سہیلیؒ نے ان کا نام "لیلیٰ" بتایا ہے۔ کما فی الاصابۃ تحت ترجمۃ امامۃ بنت حکم واللہ اعلم۔ احوال رواۃ کی تفصیل کے پیش نظر یہ امر ظاہر ہے کہ یہ روایت قابلِ احتجاج نہیں۔ کیوں کہ اس میں محمد بن اسحاق موجود ہے جس کے بارے میں ائمہ فن کی مختلف آراء آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں۔ امام مالکؒ نے دجال تک کہا ہے۔ محمد بن اسحاق کثیر التدلیس جداً کما قال احمد میزان الاعتدال۔ ج ۳ ص۲۲۔ اور ابوداؤد کی سند میں یہ سلیمان بن سحیم سے بلفظ "عن" روایت کر رہے ہیں۔ اور مدلس کی مُعَنْعَنْ روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ سیرتِ ابنِ ہشام میں حدثنی سلیمان بن سحیم موجود ہے۔ تو اوّلاً جواب یہ ہے کہ ابو داؤد کی روایت زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ ان کا اخبرنی کہنا بھی محل نظر ہے۔

قال احمد ھو کثیر التدلیس جدًا قیل لہ فاذا قال اخبرنی وحدثنی فھو ثقۃ قال ھو یقول اخبرنی ویخالف (ج ۳ ص ۲۲ میزان الاعتدال)

اس روایت میں محمد بن اسحاق منفرد ہیں اور ایسی روایت کے بارے میں اہلِ فن کا فیصلہ ہے کہ اس میں نکارت ہوتی ہے۔ کیوں کہ ان کا حافظہ ایسا قوی نہیں تھا۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں وما انفرد بہ ففیہ نکارۃ فان فی حفظہ شیئًا - میزان الاعتدال - ج ۳ - ص۲۳ -

امیۃ بن ابی الصلت مجہول الحال ہے اور مجہول الحال راوی کی روایت قابلِ قبول نہیں۔

علی حقیبۃِ رَحلہٖ قال فی النہایۃ وھی الزیادۃ اللتی تجعل فی مؤخر القتب کذا فی البذل - ج ۱ ص۱۸۶ - ترجمہ۔ حقیبۃ پالان کا وہ زائد حصہ ہے جو پالان کی پچھلی جانب ہوتا ہے۔ اونٹ کے پالان میں دو آدمیوں کے بیٹھنے کی الگ الگ جگہ بنی ہوتی ہے۔ درمیان میں لکڑی حائل ہوتی ہے۔"

اس حدیث میں قادیانیوں کی جانب سے جو اعتراض کیا گیا ہے جہالت اور نادانی پر مبنی ہے۔ کیوں کہ حقیبۃ الرحل پر سوار ہونے سے دونوں میں مس لازم نہیں آتا۔ کیونکہ درمیان میں لکڑی کا معتد بہ حائل موجود ہوتا ہے۔ علامہ سندھی رح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح اور صاحب غایۃ المقصود، فرماتے ہیں کہ الا رداف علی الحقیبۃ لا یستلزم المماسۃ فلا اشکال۔ (بذل۔ ج ۱ ص۱۵۱) وحاشیۂ ابی داؤد۔ ج ۱۔ ص ۴۴۔ جو چاہے اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

وثانیاً یہ کہ اس وقت یہ صحابیہ نابالغہ تھیں۔ چنانچہ خود فرماتی ہیں۔ وکنت جاریۃ حدیثۃ السن۔ اور "جاریۃ" نابالغہ بچی کو کہتے ہیں۔ کما فی القاموس وغیرہ۔ اور اس سفر میں ان کو پہلا حیض آنا یہ بھی اس امر پر دلالت بینہ رکھتا ہے کہ بوقت اِرْدَاف نابالغہ تھیں۔ حیض کی ابتدائی عمر نو سال سے شروع ہو جاتی ہے۔ گویا نو دس سال یا اس سے زائد عمر کی تھیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی عمر نہیں۔

ثالثاً یہ کہ واقعہ کی حقیقت متعین کرنے کے لئے محل وقوع کی رعایت نہایت ضروری امر ہے۔ یہ واقعہ خلوت میں پیش آیا ہوتا تو اس کی حیثیت کچھ اور ہوتی۔ کسی شادی کی تقریب یا لہو ولعب کی مجلس میں ایسا امر پیش آجاتا تو محل نظر ہو سکتا تھا۔ لیکن ان حقائق سے آنکھ کیسے بند کر لی جائے کہ غزوۂ خیبر کا یہ سفر اس حالت میں ہوا ہے کہ کئی سو سواروں اور بارہ سو پیادوں کی فوج ہمراہ ہے۔

د۔ علقھا بیدہ فی عنقی۔ اس کا جواب اوّلاً یہ ہے کہ ابو داؤد کی روایت میں یہ زیادتی موجود نہیں ہے۔ ثانیاً یہ کہ اس سے مس لازم نہیں آتا۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ

"اَنَا احمد بلا میم" موضوع روایت ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بکر کہتا ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "انا احمد بلا میم" جس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی اَحَدْ ہوں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی ذات وصفات بعینہٖ میری ذات وصفات ہیں۔ میں ہی اللہ تعالیٰ کے ذاتی صفاتی کمالات کا واحد مالک ہوں۔ بس فرق اتنا ہے کہ ایک وجود کے دو نام ہو گئے ہیں۔ ذاتی نام احد ہے اور صفاتی نام "احمد" ہے۔ بکر یہ بھی کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا "انا عربٌ بلا عین" "عین" کو ساقط کر دیا جائے تو لفظ "عرب" کا "رب" بن جاتا ہے۔ گویا دونوں حدیثوں کا واضح مطلب یہ ہوا کہ میں "احد" بھی ہوں اور "رب" بھی ہوں۔ کیونکہ دونوں حدیثیں صحاح ستہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

لیکن زید کہتا ہے کہ دونوں حدیثیں غلط اور جھوٹی ہیں ۔ جو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان عظیم ہیں ۔ ان دونوں حدیثوں پر ایمان لانا لغویات وکفریات میں سے ہے ۔

آیا شرعاً بکر کا قول صحیح ہے یا زید کا ۔ اگر غلط ہے تو کیا بکر پر تجدید ایمان وسلام ضروری ہے یا نہیں اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب بکر غلطی پر ہے ۔ ہر دو روایتیں موضوع ہیں ۔ صحاح ستہ اور حدیث کی معتبر کتب میں ان کا نام ونشان بھی نہیں ملتا ۔ زید کا عقیدہ صحیح ہے ۔ بکر ہرگز امامت کے لائق نہیں ایسا عقیدہ کفر ہے ۔ اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب ہے ۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے اندر حلول کیا ہوا ہے وہ اسلام سے خارج ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۷/۱۳۸۴ھ

اَنَّ اللہ خَلَقَ اٰدم علیٰ صُورتہٖ حدیث ہے

ایک مشہور حدیث ہے اِنَّ اللہ خَلَقَ اٰدم علیٰ صورتہ اس کا کیا مطلب ہے اور یہ حدیث ہے یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ حدیث بخاری ومسلم میں موجود ہے ۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات اور اخلاق کا کچھ حصہ آدم وبنی آدم کو عطاء فرمایا ہے ۔ (قرطبی)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

نوٹ : مذکورہ سوال کے جواب میں طبع اوّل میں نقل کی غلطی ہے ۔ صحیح جواب یہی ہے

"معراج کی رات نوّے ہزار کلام ہوئی" موضوع ہے

مشہور ہے کہ جب حضور علیہ السلام معراج پر تشریف لے گئے تو رب العزت کے ساتھ آپ کی نوّے ہزار کلام ہوئی ۔ تیس ہزار تو ظاہر ہے جو علماء دین کے پاس ہے ۔ اور تیس ہزار باطن ہے جو اولیاء کے پاس ہے جن کو علماء دین علیحدہ چیز سمجھتے ہیں ۔ اور تیس ہزار آپ نے کسی کو بتلائی ہی نہیں ۔ اگر بتلائی ہی نہیں تو مقصد تبلیغ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ ہے فوت ہو جاتا ہے ۔ اس کا بیان باوضاحت فرماویں ۔

الجواب یہ بالکل من گھڑت اور بے بنیاد ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۴/۵/۱۳۸۴ھ

سلمان رضؓ مِنّا اَھلَ البَیتِ کا ثبوت

صاحب اصح السیر ص۱۸۸ مطبع کراچی میں واقعہ خندق میں فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روز تنہا دس آدمیوں کا کام کیا۔ مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان رضؓ ہم سے ہیں، انصار کہتے تھے کہ سلمان رضؓ ہم سے ہیں۔ یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ سلمان رضؓ میرے اہل بیت میں سے ہے۔

۲ : کل تقی نقی فھو اھلی ۔

۳ : حضرت ام سلمہ رضؓ نے عرض کیا یارسول اللہ انا من اھل البیت فقال بلیٰ انشاء اللہ۔

یہ تینوں حدیثیں اہل سنت کی کون سی کتب میں ہیں۔ اور سند کے لحاظ سے کیسی ہیں۔

الجواب ۱ : یہ حدیث البدایۃ والنہایۃ ج۴ ص۹۹ پر موجود ہے۔ لیکن اس حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن دس آدمیوں کا کام کیا البتہ مہاجرین والانصار کا اختلاف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ سلمان رضؓ میرے اہلبیت میں سے ہیں، یہ الفاظ یہاں موجود ہیں۔

۲ : بعض معتمد حواشی میں بحوالہ طبرانی (بسند ضعیف) اس حدیث کو نقل کیا گیا ہے۔

۳ : ابن کثیر میں بحوالہ امام احمد یہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ فقلت وانا یارسول اللہ قال صلی اللہ علیہ وسلم وانت ۔ ج۳ ص۴۸۶ ۔ فقط واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہٗ ۱؍۲؍۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح : عبد اللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۔

حج کے سلسلہ میں ایک حدیث کی تحقیق

رب تعالیٰ جل شانہٗ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتے ہیں فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص باوجود طاقت مالی و بدنی کے سعادت حج مبارک سے مستفید نہ ہوا، تو اس کا خاتمہ یہودیت ونصرانیت پر ہوا۔ اوکما قال۔

تو حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی مذکور حج ادا نہ کرنے والے کے باقی اعمال فرائض وغیرہ باطل ہو جائیں گے۔ آیت مذکورہ کا مضمون اس کے برعکس ہے۔ اس تعارض کی کیا تطبیق ہوگی ؟

الجواب ۱ : آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی معاف نہ ہوئی اس کی سزا ضرور ملے گی۔ اور جو نیکی ضائع نہیں ہوئی اس کی جزا ضرور ملے گی۔ جیسا کہ دیگر آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ قبول اسلام سے پہلے بہت سے گناہ ہوتے ہیں لیکن اسلام انہیں منہدم کر دیتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان

الله یغفر الذنوب جمیعا۔ وقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان الاسلام یھدم ماکان قبلہ۔ اوراسی طرح فرمانِ باری تعالےٰ ہے ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ۔ معلوم ہوا کہ ارتداد سے حبطِ اعمال ہو جاتا ہے۔ الغرض آیت میں دیگر نصوص کی روشنی میں قید مذکور لازم ہے اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ باوجود استطاعت کے حج نہ کرنا یہ ناشکری ہے جو کہ ارتداد، یہودیت ونصرانیت اختیار کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اور ارتداد سے حبطِ اعمال ہوتا ہے، گویا کہ نیکیاں ضائع ہو چکی ہیں۔ اور آیت میں ایسی نیکیوں پر جزا کا ذکر ہے جو ضائع نہ ہوئی ہوں۔ پس آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

۲ : یہ حدیث مبالغہ اور تشدید پر محمول ہے۔ وھو من باب المبالغۃ والتشدید والایذان بعظمۃ شان الحج کذا فی بعض الحواشی۔

۳ : امام ترمذی رح نے اس حدیث کو متکلم فیہ قرار دیا ہے فرماتے ہیں۔ وفی اسنادہ مقال وھلال بن عبد الله مجھول والحارث یضعف فی الحدیث۔

واضح رہے کہ ترکِ حج ارتداد نہیں اور نہ اس سے سابقہ اعمال ضائع ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ناشکری اللہ تعالیٰ کی حفاظتِ خاصہ سے نکل جانے اور ارتداد میں داخل ہو جانے کا سبب بن سکتی ہے جس سے ضیاع ہوتا ہے۔ گویا کہ ترکِ حج سے حبطِ اعمال ہوا تو نہیں لیکن ارتداد کا اندیشہ ضرور لاحق ہو گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ ۶ر ۴ر ۱۳۹۴ھ

تعظیم اہلِ بیت سے متعلق چند موضوع احادیث

ایک شخص محمود شاہ نامی نے جو اپنے آپ کو محدث ہزاروی کہتا ہے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "السیف المسلول" ہے اس میں یہ احادیث درج ہیں۔

۱ : اکرموا ووقروا اولادی الصالحون لله والطائحون لی۔ ص۳۸

۲ : اقبلوا عن محسنھم وتجاوزوا عن مسیئھم۔ ص۳۸

۳ : عترتی خلقوا من طینتی ورزقوا فھمی، ص۳۸ وص۵۴

۴ : من لم یعرف حق عترتی والانصار والعرب فھو لاحدی ثلث اما ولد زانیۃ واما منافق واما امرأحملت بہ أمہ فی غیر طھر۔ ص۳۸

اسی مفہوم کی کئی اور احادیث بھی درج ہیں۔ نیز اس کے عقائد یہ ہیں۔

۱۔ سادات سے جو سلوک کیا جاتا ہے وہ براہِ راست حضور کے ساتھ ہے اور جو ان کی تنقیص کرے وہ کافر و مرتد ہے۔

(السیف المذکور ص)

۱۵۔ کسی صحیح النسب حسنی و حسینی سید سے کفر کا ہونا ناممکن ہے کیوں کہ وہ لبضعۃ الرسول ہیں اور نور و جزءِ رسول سے کیسے ممکن ہے کہ وہ کفر کا ارتکاب کرے۔؟

۱۶۔ جس طرح حضور کی تعظیم فرضِ قطعی ہے ایسے ہی سادات کی تعظیم بھی فرضِ قطعی ہے۔ وغیر ذلک۔

الجواب عقائدِ مذکورہ کا کتبِ اہلسنت والجماعت میں کہیں نام و نشان نہیں اور نہ ہی یہ احادیث سننے اور دیکھنے میں آئی ہیں۔ یہ شخص مبتدع اور ضال و مضل ہے۔ حدودِ شرعیہ سے متجاوز اور غالی ہے مسلمانوں کو ایسے شخص سے بیعت ہونا جائز نہیں۔

باقی رہا احترام و اکرام حضراتِ ساداتِ کرام اور اعزاز و تعظیم حدودِ شرعیہ کے اندر تو اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۷/۲/۱۳۷۷ھ

احادیث سے ابدال کا ثبوت

طریقت کے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں ہر وقت ایک غوث، سات قطب اور چالیس ابدال ہوتے ہیں۔ اس سے آگے درجہ صاحبِ خدمت حضرات کا ہے۔ جن کی کوئی تعداد نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عالم کا نظم و نسق ان حضرات کے ناخن تدبیر سے انجام پاتا ہے۔ خیر و شر کی قوتوں کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن دنیا میں ان قوتوں کے نفاذ میں یہ ہستیاں مؤثر ہوتی ہیں۔ یہ عوام الناس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر یہ بھی عام لوگ ہی ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قوت و دلیعت ہوتی ہے کہ ایک مقام سے کسی دوسرے بعید مقام تک بغیر کسی ظاہری ذریعہ آمد و رفت کے بھی جا سکتے ہیں۔ مناسب وقفہ سے ان حضرات کے اجلاس منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں بین الاقوامی مسائل پر تبادلہ خیال کیا جاتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے پالیسیاں مرتب کی جاتی ہیں۔ کسی ایک ابدال یا قطب کے وفات پاتے ہی اس محکمہ کے سربراہ (غوث) کی طرف سے فوراً نیا آدمی تعینات کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کا مشہور قصہ حضرت غوث سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا بیان کیا جاتا ہے کہ جس رات بغداد کا قطب فوت ہوا اسی رات ایک چور چوری کی غرض سے حضرت کے گھر آیا اور اندھا ہو کر وہیں رہ گیا۔ حضرت نے اسے ایک نظر میں چور سے قطب بنا کر فوت شدہ قطب کی جگہ مقرر فرما دیا۔ یہ اور اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جو میں نے علماء سے سنے ہیں۔ لیکن اس بارے میں اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوا۔ میرے چند بزرگ مُصر ہیں کہ میں اس عقیدہ کو مان لوں۔ میں ان سے کوئی شرعی دلیل طلب کرتا ہوں لیکن وہ دلیل سے قاصر ہیں۔ آپ ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔

الجواب یہ عقیدہ نہیں بلکہ ایک مسئلہ ہے۔ ابدال کا موجود ہونا حدیث سے ثابت ہے۔

۱۔ عن علی رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تسبوا الشام

فان فیھم الابدال ۔ رواہ الطبرانی وغیرہ ۔

۲ ۔ واخرج احمد عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول

الابدال بالشام وھم اربعون رجلاً یسقی بھم الغیث وینتصر بھم

علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بھذا العذاب اوغیر ذلک ۔ رسائل ابن عابدین صفحہ ۲۷۰ ج ۲

گو ابن جوزی نے ایسی روایات کو موضوع کہا ہے ۔ لیکن علامہ جلال الدین سیوطی رح نے اس کی تردید کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے ۔ ان خبر الابدال صحیح وان شئت قلت متواتر ۔ علامہ سخاوی رح نے حدیث ۲ کو صحیح قرار دیا اور باقی روایات کی تضعیف کی ہے ۔

نیز دوسرے آثار سے ان حضرات کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ مصائب عامہ کے دفعہ اور حوائج خلق کے پورا ہونے میں ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں ۔ اور نصح للمسلمین ان کا خصوصی وصف بتایا گیا ہے ۔ خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے ۔

فاذا عرضت الحاجۃ من امر العامۃ ابتھل فیھا النقباء ثم النجباء

ثم الابدال ۔

امور بالا تو ثابت ہیں لیکن اس کے علاوہ ان کا اجتماع بین الاقوامی مسائل کے بارے میں پالیسیاں طے کرنا یہ کہیں نظر سے نہیں گزرا ۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے ہاں پالیسیاں تو پہلے ہی سے طے شدہ ہیں ۔ انہیں طے کرنے کی کیا حاجت ؟ بظاہر یہ صحیح نہیں ۔ فقط ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم سنداً ضعیف ہے

ایک حدیث کے بارے میں عرض ہے کہ طلب العلم فریضۃ والی جو حدیث ہے اس میں لفظ " مسلمۃ " ہے یا نہیں ؟ کیا یہ حدیث قوی ہے یا ضعیف ؟

قاری عبدالواحد ۔ خانپور

الجواب علامہ سخاوی رح " مقاصد " میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ میں " مسلمۃ " منقول نہیں ۔ مشکوٰۃ میں امام بیہقی سے منقول ہے کہ یہ حدیث جتنے طرق سے منقول ہے سب ضعیف ہیں ۔

وروی البیہقی فی شعب الایمان الی قولہ ومسلم وقال ھذا حدیث متنہ مشھور واسنادہ ضعیف وقد روی من اوجہ کلھا ضعیفۃ اھ (ج ۱ ص ۳۴)

نیز امام احمد بن حنبل رح ، ابن راہویہ ، ابو علی نیشاپوری اور حاکم وغیرہ سے بھی اس کا غیر صحیح ہونا منقول

ہے۔ علامہ سیوطی رح سے منقول ہے کہ امام نووی رح سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ اگرچہ معنیً صحیح ہے۔ (مرعاۃ: ج ۱ ص ۱۹۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳ / ۸ / ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

غیبت کے بارے میں ایک حدیث کی تحقیق

کبائر میں سے غیبت کو اشد من الزنا فرمایا گیا ہے یہ حدیث ہے یا مقولہ۔ حالانکہ زنا کی حد نص قرآنی سے ثابت ہے اور دنیا میں قلیل ہوتا ہے اور چھپ کر ہوتا ہے۔ اور غیبت کثیر الوقوع ہوتی ہے اور علی الاعلان اور اس سے فسادات اور خونریزی ہوتی ہے۔ نیز کوئی مقام اور کوئی مجلس وغیرہ اس سے خالی نہیں۔ باوجود اس کے نص قرآنی سے کوئی سزا دنیا میں معلوم نہیں ہوتی۔ دیگر یہ بھی واضح فرمائیں۔ کہ غیبت حقوق اللہ ہے یا حقوق العباد۔ زنا کی اگر حد لگائی جائے تو اس کی کیا صورت اس وقت ہونی چاہئے۔ کیونکہ حکومت میں اسلامی قواعد جاری نہیں۔

الجواب ۱: الغیبۃ اشد من الزنا حدیث ہے بیہقی[1] میں حضرت جابر اور ابو سعید سے مروی ہے نیز احیاء العلوم میں ہے۔

قال انس خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر الربا وعظم شانہ فقال ان الدرھم لیصیبہ الرجل من الربوٰی اعظم عند اللہ فی الخطیئۃ من ست وثلاثین زنیۃ یزنیھا الرجل واربی الربا عرض الرجل المسلم قال فی حاشیۃ احیاء العلوم رواہ ابن الدنیا بسند ضعیف۔

قرآن مجید میں غیبت کے متعلق فرمایا گیا۔

۲: ایحب احدکم ان یأکل لحم اخیہ میتا۔

۳: یہ ضروری نہیں کہ ہر جرم کی سزا بطور حد کے ذکر کی جائے۔ غیبت حقوق العباد سے ہے۔ لہٰذا اس کی بخشش اس شخص سے کرائی جائے جس کی غیبت کی ہے۔ حدود کے اجراء کے متعلق کوشش کرنی

---

[1] مشکوٰۃ ص ۴۱۵ پر ہے۔ عن ابی سعید وجابر قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغیبۃ اشد من الزناء قالوا یارسول اللہ وکیف الغیبۃ اشد من الزنا قال ان الرجل لیزنی فیتوب فیغفر اللہ لہ وان صاحب الغیبۃ لایغفر لہ حتی یغفرھا لہ صاحبہ رواہ البیہقی۔ محمد انور مرتب

چاہئے۔ بغیر حاکم یا سلطان کے دوسرا شخص حد نہیں لگا سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ ۱۴ /۷ /۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ؛ الجواب صحیح : بندہ عبدالرحمن عفرلہٗ

انکارِ حدیث کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ایک عبارت کی توضیح

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح نے "فتاوی عزیزیہ" میں لکھا ہے کہ۔

سوال ، اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو حدیث شریف سے انکار کرے۔

جواب ، اس مسئلہ میں چند احتمالات ہیں۔ ۱ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۴ ، آگے لکھتے یہ لکھا ہے کہ کسی آیت شریفہ کے خلاف ہو، یا ایسی ہی کوئی اور مناسب وجہ انکار کی اس کے نزدیک ہو تو ایسے انکار میں کوئی حرج نہیں۔ براہ مہربانی یہ لکھیں کہ شاہ صاحبؒ کی تحقیق ٹھیک ہے یا نہیں ؟

الجواب حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی تحقیق درست ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک آدمی کسی حدیث کا انکار کسی غرضِ فاسدہ کے تحت نہیں بلکہ اس لئے کر رہا ہے کہ وہ اس کے خیال میں کسی آیتِ قرآنی کے خلاف ہے یا کسی حدیث کے خلاف ہے تو اس سے کفر لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ وہ دراصل حدیثِ رسول کا منکر نہیں، بلکہ جو بات بعنوانِ حدیث اسے پہنچی ہے اس کے حدیث ہونے کا منکر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کا منکر ہے کہ اس بات کو حدیث نہ کہنا چاہئے۔ بخلاف آج کل کے منکرینِ حدیث کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قطع نظر اس سے کہ یہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں یا نہیں، خود حدیث کی حیثیت یہ نہیں کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہو بلکہ معاذ اللہ آنحضرت علیہ السلام کی حیثیت محض ایک پیغام رساں کی سمجھتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے ہمیں قرآن پہنچا دیا، اب آگے ہم اس کو جیسے سمجھتے رہیں عمل کرتے رہیں۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے جو کچھ اس کی تشریح میں فرمایا یا عمل کیا۔ وہ ہمارے لئے حجت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ نظریہ بے شمار نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جس انکارِ حدیث کو کفر نہیں کہہ رہے اس میں اور موجودہ دور کے منکرینِ حدیث کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نیز ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ وہ انکار، ہوائے نفسانی اور کسی غرضِ فاسدہ کے تحت نہ ہو۔ اور موجودہ منکرینِ حدیث کا بنیادی مقصد یہی ہے

کہ حدیث سے گلو خلاصی کرکے آیاتِ قرآنی کا جو چاہو مطلب بیان کر لو۔ اور جیسے چاہو اپنی مرضی کا دین بنالو۔ ایسے نظریہ کی گمراہی وضلالت میں کوئی شک نہیں۔

"چہارم آنکہ حدیثے را بسبب قوتِ حدیثِ دیگر یا بجہت آنکہ اعتماد بر قول ناقل ندارد و حدیث تصور نکرد و بانکار آں پرداختہ و منشاءِ انکار ہوائے نفسانی وغرض دنیاوی نباشد وہمچنیں سرسبزی کلام خود منظور نداشتہ باشد وغرضے دیگر از اغراض فاسدہ مقصود او نباشد بلکہ بنا بر قواعدِ اصولِ حدیث یا مخالفتِ حدیث مذکور با کدام آیت قرآنی بگمانِ منکر یا امثالِ ایں انکارِ حدیث نمودہ باشد پس حرجے در آں نیست۔"

(فتاویٰ عزیزیہ ج ۱: ص ۱۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" صحیح نہیں

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" آیا یہ واقعی حدیث ہے یا نہیں؟

الجواب علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل قال شیخنا والزرکشی لا اصل لہ ولا یعرف فی معتبر وروی بسند ضعیف۔ (تذکرۃ الموضوعات ص۲۰)

اور موضوعات کبیر ص ۸۲۔ میں ہے۔

علماء امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل قال الدمیری والعسقلانی لا اصل لہ. وکذ قال الزرکشی وسکت عنہ السیوطی۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے اور بقول بعض اس کی کوئی اصل نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ ۸ / ۴ / ۱۳۸۹ھ

فرضوں کے بعد سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا ثبوت

ہر نماز کے بعد سر پہ ہاتھ رکھ کر دعاء پڑھیں۔ اس کا کہیں ثبوت ہے؟ اگر ہے تو دلیل تحریر کریں۔ : محمد حسین چغتائی، ص ب ۳/۲۶ مکہ مکرمہ سعودی عرب۔

الجواب حدیث کی کتاب حصن حصین ص ۸۲۔ میں ہے کہ آنحضرت علیہ السلام جب نماز سے فارغ ہوتے تو دائیں ہاتھ کو سر پہ پھیرتے اور یہ دعاء پڑھتے۔

بسم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اللھم اذھب عنی الھم والحزن ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۱۴۰۶/۱/۱۳ھ

قال علیؓ "انا الصدیق الاکبر" روایۃً ودرایۃً صحیح نہیں

بعض شیعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صدیق اکبر حضرت علیؓ کا لقب تھا سنیوں نے اسے از خود حضرت ابوبکرؓ پر چسپاں کر دیا اور اس سلسلہ میں ابن ماجہ کی ایک روایت بھی پیش کرتے ہیں۔ براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کا جواب عنایت فرمائیں۔

۱ : حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب کس نے دیا ؟

۲ : ابن ماجہ کی وہ روایت کون سی ہے اور اس کا کیا جواب ہے ؟

سید ثمر علی ، ممتاز آباد ملتان

الجواب ۱ : صدیق کا لقب حضرت ابوبکرؓ کیلئے خود آنحضرت علیہ السلام کا عطا فرمودہ ہے ۔ ایک دفعہ آنحضرت علیہ السلام بمعیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے ۔ پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا ، تو آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

اسکن احد فلیس علیك الا نبی و صدیق وشہیدان ۔ (بخاری ، ج ۱ ص ۵۲۳) ۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ " صدیق " کا لقب حضرت ابوبکرؓ کے لئے خود آنحضرت علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے ۔

اہل تشیع کی کتاب " تفسیر قمی " ، ص ۱۵۷ ۔ مطبوعہ ایران ۔ اور " کشف الغمہ ص ۲۲ " ، میں بھی یہ لقب حضرت ابوبکرؓ کے لئے منقول ہے ۔

۲ : یہ حدیث ابن ماجہ ، ص ۱۲ ۔ (اصح المطابع) میں بایں لفظ وسند موجود ہے ۔

حدثنا محمد بن اسماعیل الرازی ثنا عبید اللہ بن موسی انبأنا العلاء بن صالح عن المنھال عن عباد بن عبد اللہ قال قال علی انا عبداللہ واخو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الاکذاب صلیت قبل الناس لسبع سنین الحدیث ۔

مذکورہ روایت کے بارے میں محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ۔ چنانچہ علامہ جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔ " موضوع آفتہ عباد ، والمنھال ترکہ شعبہ "

علامہ ذہبی اپنی کتاب "میزان" میں عباد کے حالات لکھتے ہوئے اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ھذا کذاب علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

علامہ ذہبی ہی تلخیص المستدرک: ج ۳: ص ۱۱۲ پر لکھتے ہیں۔ حدیث باطل (ماتمس الیہ الحاجۃ ص۱۳۵)

حاصل یہ ہے کہ یہ روایت روایۃً محض جھوٹ اور باطل ہے۔ حسب معمول اہل تشیع کا افتراء ہے۔ اس کا راوی عبید اللہ بن موسیٰ، شیعہ تھا۔ دیکھئے "کشف الاستار: ص ۱۱، تقریب: ص ۱۷۱۔

نیز منہال بن عمرو اور عباد بن عبداللہ بھی ضعیف ہیں۔ (کشف الاستار: ص ۵۲: تقریب ص ۱۲۲)

اور درایۃً بھی یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا افضل الصحابہ ہونا صراحۃً منقول ہے۔ نیز اس میں خود ستائی بھی ہے جو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان سے بہت بعید ہے۔ فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ: ۳/۸/۱۳۹۹ھ

فضائل درود کی ایک حدیث پر اہم علمی اعتراض کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
بعد از سلام مسنون!

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی ایک عبارت اور فضائل درود، مصنفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ایک حدیث مع اپنے اشکالات درج کر رہا ہوں وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ تعلیم الاسلام حصہ چہارم میں شرک فی الصفات کی قسمیں بیان کرتے ہوئے نمبر ۳ پر لکھتے ہیں۔

"شرک فی السمع والبصر یعنی خدا تعالیٰ کی صفت سمع و بصر میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور و نزدیک سے سن لیتے ہیں یا ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں صفت شرک ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ دور و نزدیک سے تمام باتوں کا سننا خدا تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے جس میں کوئی غیر شریک نہیں۔ اور "فضائل درود" کی فصل اوّل میں حضرت شیخ الحدیث رحؒ نے حدیث نمبر ۹ یہ نقل کی ہے۔

"اللہ جل شانہٗ نے ایک فرشتہ میری قبر پہ مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت فرما رکھی ہے۔ پس جو شخص بھی مجھ پہ قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے

آپ پر درود بھیجا ہے "۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتہ خداتعالےٰ کی صفت سمع میں شریک ہے کہ دور و نزدیک سے ہماری تمام باتوں کو سنتا ہے۔ فرض کردہ یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے، تب بھی اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رح کے نزدیک غیر اللہ میں یہ قوت ماننا شرک نہیں۔ ورنہ وہ کتاب میں درج ہی نہ کرتے اور اگر کہا جائے کہ مفتی صاحبؒ کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ ذاتی طور پر کسی غیر اللہ کو دور و نزدیک سے تمام باتوں کے سننے کی قوت حاصل نہیں لیکن عطائی طور پر ممکن ہے۔ اور حدیث میں عطائی قوت کا ہی ذکر ہے، تو پھر اشکال یہ ہے کہ آج کل کے قبر پرست بھی تو یہی کہتے ہیں کہ ہم انبیاء اور اولیاء کے لئے عطائی طور پر یہ قوت مانتے ہیں کہ دور و نزدیک سے وہ ہماری تمام باتوں کو سن لیتے ہیں۔ ان کا کیا قصور ہے؟ کہ ہم انہیں مشرک کہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا عقیدہ بلا دلیل ہے، لہٰذا غلط ہے، لیکن اس عقیدے کو شرک نہیں کہہ سکتے۔ شاید آپ فرمائیں کہ وہ عطائی تو مانتے ہیں لیکن اس عطائی قوت میں انبیاء و اولیاء کو مستقل اور مختار سمجھتے ہیں جو شرک ہے۔ تو پھر عرض یہ ہے کہ مستقل اور مختار ہونے کا مطلب واضح فرمائیں کیوں کہ ایک اعتبار سے تو ہم اپنے تمام اختیاری افعال میں مستقل اور مختار کہلاتے ہیں۔ حالانکہ ہم ادنیٰ سی حرکت میں بھی ارادۂ الٰہی کے محتاج ہیں۔ بغیر ارادہ و مشیتِ الٰہی کے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

یہ اشکال کو اتنا تفصیل سے اس لئے لکھا ہے تاکہ جواب منقح ہو اور شرک فی الصفات کی جامع مانع تعریف سمجھ آجائے۔ جواب الجواب کی نوبت نہ آئے۔

الجواب ۱: اس حدیث میں ایک غیر معروف اور ایک مختلف فیہ راوی ہے۔ چنانچہ الترغیب والترہیب: ج ۲: ص ۲۸۰۔ میں ہے۔

قال الحافظ رو ود کلاهم عن نعیم بن ضمضم وفیه خلاف عن عمران بن الحمیری ولا یعرف اھ۔

۲: مراجعت کتب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں صحیح الفاظ اسماء الخلائق بالہمزہ ہے جو اسم کی جمع ہے اور اسماع الخلائق بالعین نہیں ہے جو کہ سمع کی جمع ہے۔ چنانچہ ترغیب جلد ۲۔ ص ۲۸۰ مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیریہ مصریہ میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اور ترغیب کے ایک دوسرے نسخے میں بھی ایسے ہی ہے۔ نیز حاشیہ میں اس کا معنیٰ بھی یہ کیا گیا ہے۔

اسند الاعتماد علیه وجعله نائبا وعرفه اسماء الناس لتبلغ النبی صلی الله علیه وسلم اھ

اور آخر حدیث کے یہ الفاظ صلی علیك فلان بن فلان بھی اسماء بالہمزہ کے مؤید ہیں۔ اگر کسی نسخے میں اسماع[1] بالعین ہے تو یہ واللہ اعلم تصحیف ہے پس صحیح الفاظ کے مطابق آپ کا اشکال حدیث پر وارد نہیں اور لفظِ اسماع بالعین کی تقدیر پر بھی بظاہر ترجمہ بنتا ہے کہ مخلوق (انسانوں) کی مجموعی قوتِ سماعت اس فرشتہ کو عطا ہوئی جس کے ذریعہ وہ درود سنتا ہے اس میں بھی کوئی خاص اشکال نہیں۔ کیوں کہ ایسی قوتِ سماعت خداوند قدوس جل وعلاء کی غیر محدود، محیط، ازلی ابدی سمع کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں رکھتی جو سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرے کے کروڑ دیں حصے کو ہو سکتی ہے، شرکت ومساوات چہ معنی ؟ فرشتہ کی یہ قوتِ سماعت ہے جیسے عام انسانوں میں فرق صرف قلت وکثرت کا ہے اللہ پاک جب کسی مخلوق میں محدود قوت پیدا فرمادیں جو اس کے فرضِ منصبی کے لئے ضروری ہو تو اس میں کچھ استبعاد نہیں ملک الموت کو اپنی ڈیوٹی کی ادائیگی کے لئے جس وسیع علم وتصرف کی ضرورت تھی وہ ان کو عطا ہوئی یہ شرک نہیں۔ جب اس فرشتہ کی تخلیق استماعِ درود شریف کے لئے ہوئی ہے تو اسے ایسی قوتِ سماعت عطا کرنا بھی ضروری تھا۔ تقریبِ فہم کے لئے دورِ حاضر کے محیر العقول آلات وایجادات کو بطورِ نظیر پیش کیا جاسکتا ہے کہ ہزاروں میل دور بات کہی اور سنی جاسکتی ہے۔ غیر ملکی نشر ہونے والی خبریں آپ کا ریڈیو یہاں پر پکڑتا ہے اور آپ کو سناتا ہے خداوند قدوس نے قبرِ نبوی پر اگر ایسے قویٰ پر مشتمل فرشتہ مقرر کر دیا ہو جو انسانوں کے درود شریف کو سن کر پہنچا دے تو اس میں کیا استبعاد ہو سکتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے غیبی نظام میں متحرک خلائی ریڈیو اسٹیشن کا وجود بھی کوئی قابلِ انکار چیز نہیں۔ خصوصًا حدیث میں وارد ہے کہ

ان للّٰہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔

---

[1] الترغیب للمنذری میں صفحہ مذکور پر صرف ایک جگہ اسماء بالہمزہ ہے جو غلط ہے۔ اس کے نیچے اسی صفحہ پر اسماع بالعین ہے۔ اور «بزار» سے جو «مجمع الزوائد: ج ۱۰ ص ۱۶۲» پر نقل کیا ہے وہ بھی بالعین ہے۔ حافظ ابن القیم رح نے «جلاء الافہام؛ ص ۵۱، ۵۲» پر ابوالشیخ اصبہانی، اور معجم طبرانی سے بھی حدیثِ عمار رض نقل کی ہے۔ اس میں بھی اسماع بالعین ہے۔ اور ایک روایت رویانی سے صفحہ ۵۲ پر بلفظ سمع العباد نقل کی ہے۔ لہٰذا احتمال غلطیٔ کتابت کا نہیں۔ البتہ اسماع معروف کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔

الا ان یقال انہ بمعنی مستمعاتہم واللہ اعلم۔

ملخص از مکتوب حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مدظلہ مقیم مدینہ منورہ۔

اور اگر براہِ راست لہروں کے ذریعہ ہی فرشتہ (موکل بالقبر الشریف) درود شریف کی آواز کو حاصل کرتا ہو تو یہ بھی خارج از امکان نہیں۔ کیونکہ جو ڈیوٹی کسی کے ذمہ پر لگائی جاتی ہے تو اس کے آلات بھی اسے مہیا کئے جاتے ہیں۔ نہ اس میں استبعاد ہے نہ شرک۔ وائرلیس کا نظام بھی قابل توجہ ہے۔ واضح رہے کہ پوری فضاء میں ایک خدائی ٹیپ ریکارڈ موجود ہے جو ایک ذرّے کی دوسری جگہ منتقلی کی آہٹ بھی ریکارڈ کر رہا ہے اور ایک آواز کو دوسری آواز سے خلط ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد حضرت شیخ الحدیث رح کے ترجمہ پر بھی اشکال باقی نہیں رہتا۔ نیز اس ترجمہ کا خط کشیدہ جملہ قضیۂ مہملہ ہے جو قضیۂ جزئیہ کے حکم میں ہے۔ تو حاصل ترجمہ یہ ہوگا کہ انسانوں کی بعض باتیں مثلاً درود شریف سننے کی طاقت عطا فرما رکھی ہے اور "تعلیم الاسلام" کا خط کشیدہ جملہ قضیۂ کلیہ ہے فافہم۔

ہاں اشکال ہو سکتا ہے کہ کسی نبی ولی کے لئے بھی دور و نزدیک سے بعض باتیں مثلاً ندائے غیب سن لینے کی قوت مان لی جائے تو کیا یہ شرک نہ ہوگا؟

تو جواب یہ ہے کہ علی الدوام ہر انسان کی ایسی باتیں سننے کی قوت ماننا بھی شرک ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ یہ سماع و قوت، فوق الفطرت و خلاف عادت ہے۔ اللہ پاک نے انسانوں کو ایسا پیدا نہیں کیا کہ دور و نزدیک کی بات سن سکیں، تو بطور خرقِ عادت (کرامت و معجزہ) گاہ گاہ ایسا ہونے کا فی الجملہ امکان ہے۔ لیکن علی الدوام نہیں۔ اور فرشتہ (موکل بالقبر الشریف) کو پیدا ہی ایسا کیا ہے تو ایسا سماع جزئی گویا اس کی عادت ہے نہ کہ خرقِ عادت۔

حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کے لئے ذاتی علم یا سماعِ محیط لکل شیئ یہ علی الاطلاق شرک ہے! رہ عطائی و جزئی سماع، وہ حال سے خالی نہیں تحت العادت ہے یا خرق العادت، پھر دوامًا ہے یا وقتی طور پر ثابت کیا جائے تو یہ اس اعتبار سے شرک ہوگا کہ دور و نزدیک سے علی الاطلاق سننا (جو خاصۂ خداوندی ہے) اس میں انسان کو شریک کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ انسان کو ایسا علم و سماع عطا نہیں ہوا تو بدوں جَعل خداوندی کے مخلوق میں ایسا وسیع علم و سماع تسلیم کرنا اشراک ہے۔ اسی کی روشنی میں فقہاء کے جزئیات ذیل کو سمجھنا بھی آسان ہے۔

وفی البزازیة قال علمائنا من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر۔ (بحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۴)

ویتزوجه بشهادة الله ورسوله ایضا (ج ۵ ص ۱۳۰)

وهکذا فی الهندیة رجل تزوج امرأة ولم یحضر الشهود قال خدائے را ورسول را گواہ کردم کُفِّرَ۔ ج ۲ ص ۲۸۳۔

علم مذکورہ کو کفر و شرک بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ اس میں علم کلی یا علم ذاتی کا اثبات نہیں۔ "براہین قاطعہ" میں ہے۔ کوئی صفت، صفات حق تعالیٰ کی بندہ میں نہیں اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں اس سے زیادہ کسی میں ہونا ہرگز ممکن نہیں جس کو جس قدر علم و قدرت وغیرہ عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر نہیں بڑھ سکتا۔ اھ

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

سنن طحاویؒ کی ایک عبارت سے تقیہ پر جواز کے استدلال کا جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں عبارت کہ اس میں شیعہ حضرات کی بظاہر تائید ہوتی ہے۔ آیا یہ قول کسی کا الحاقی ہے یا امام طحاوی رح کا قول ہے۔ براہ کرم مختلف نسخوں سے مطابقت کے بعد جواب باصواب سے مستفید فرمائیں۔ عبارت یہ ہے۔

عن عكرمة انه قال كنت مع ابن عباس رض عند معاوية رض نتحدث حتى ذهب هزيع من الليل فقام معاوية فركع ركعة واحدة فقال ابن عباس رض ترى اين اخذها الحمار حدثنا ابوبكر مثله الا انه لم يقل الحمار وقد يجوز ان يكون قول ابن عباس رض اصاب معاوية رض على التقية اى اصاب فى شىء اخر لانه كان فى زمنه ويجوز عندنا۔ (طحاوی شریف ج ۱: ص ۱۷۱)۔

کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کوئی شخص حق بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی تقیہ کر کے وقت گزارتے تھے اور یہی بات شیعہ کہتے ہیں۔ نیز مودودی نے بھی تجدید و احیائے دین میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ کوئی آدمی اس زمانہ میں حق بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

الجواب مذکورہ حدیث درج ذیل امور کی بنا پر قابل استدلال نہیں۔

عمران بن حدیر نے اسی حدیث کو عثمان بن عمر سے روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں حمار کا لفظ موجود نہیں جب کہ روایت لاحقہ میں ہے۔ معلوم ہوا کہ حمار کا لفظ روایت میں ثابت نہیں کسی راوی کی طرف سے شاید اضافہ شدہ ہے ورنہ عمران کا دوسرا شاگرد عثمان بھی اسے ضرور نقل کرتا۔

۲ : اس روایت کی سند میں متکلم فیہ راوی موجود ہیں ۱ ابو غسان مالک بن یحییٰ کے متعلق علامہ

ذہبی رح فرماتے ہیں ۔

تکلم فیه ابن حبان وقال فی حدیثه نظر ۔ (میزان ، ج ۳ ، ص ۴) ۔

دوسرا راوی عبدالوہاب بن عطا بھی ضعیف ہے ۔ علامہ ذہبی رح نے امام احمد رح سے نقل کیا ہے ۔

أنه ضعیف الحدیث مضطرب ۔ وقال النسائیؒ لیس بالقوی وایضا قال متروك الحدیث ۔

اس لئے حمار کا لفظ پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتا ۔

۴ : اگر لفظِ حمار کو ثابت بھی مان لیں ، تو ممکن ہے کہ حمار ترکیب میں منادی ہو اور اس کا مصداق مخاطب ہے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ احمق تو کیا سمجھتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رض نے اسے کہاں سے لیا ہے ، حضور علیہ السلام ہی سے لیا ہے ۔ اب یہ حضرت امیر معاویہ رض کی گویا تصویب ہے ایتار برکعت پر اعتراض کرنے والے کو ڈانٹ دیا ہے ۔ مذکورہ توجیہ کے بعد مذکورہ روایت دیگر روایاتِ صحیحہ کے عین مطابق ہو گئی ۔

اوتر معاویة رض برکعة کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا فرمان مختلف طرق سے مروی ہے ۔

عن عطاء قال ابن عباس رض أصاب معاویة رض (طحاوی) اصاب السنة (ابن ابی شیبه) ۔ فقال انه قد صحب رسول الله صلی الله علیه وسلم (بخاری) وفی طریق نافع بن عمر عنه قال أصاب انه فقیه (بخاری) احسن انه فقیه (دارقطنی) ومن طریق قتیبه بن محمد عنه نحوه وزاد اصاب الی قوله لیس احد منا اعلم من معاویة رض ۔ (دارقطنی)

مذکورہ بالا جملہ روایات سے سائل کا تخطیہ اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تصویب واضح طور پر ثابت ہوتی ہے ۔ اس لئے مذکورہ روایت حمار والی کی تاویل ناگزیر ہے تاکہ روایاتِ صحیحہ کے موافق ہو جائے ورنہ اسے دیگر صحیح روایات کے مقابلہ میں شاذ و منکر قرار دیا جائے ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایتار برکعت کی توجیہ ہو سکتی ہے کہ دو رکعتیں پہلی پڑھ چکے اور ایک رکعت اس وقت پڑھ لی ہو ۔ اور وصل کو ضروری نہ سمجھتے ہوں ۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فعل کی توجیہ بھی امام طحاوی رح نے یہی کی ہے ۔ طحاوی ج ۱ ص ۱۷۰

وکذا فی امانی : ج ۴ ۔ ص ۲۵۲) ۔ وقد یجوز ان یکون قول ابن عباس رض اصاب

معاویة رض علی التقیة له -

اس سے تقیہ شیعی مراد نہیں بلکہ توریہ مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رض کی دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض تھا اس لئے امام طحاوی دفع تعارض کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اصاب کہنا توریہ کے طریق سے تھا۔ یعنی ایتار برکعۃ میں تصویب مقصود نہ تھی بلکہ کسی اور بات میں تصویب کی ہے مخاطب نے ایتار برکعۃ میں تصویب سمجھ لی۔ چنانچہ امانی الاحبار میں ہے۔

ھذا من باب الایھام والتوریة - (ج ۴: ص ۲۵۲)-

وقال فی النخب ای علی اتقاء منه لاجل معاویة یعنی دفعا عنه ما یعیب به ذالك الرجل علیه حتی یمتنع من ان یعیب علیه -

(امانی الاحبار: ج ۴: ص ۲۵۲)-

صاحب نخب کی کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ سے اہل تشیع کا تقیہ مراد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مدافعت مقصود ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح نے اعلاء السنن میں اصاب معاویہ رض کی ایک اور توجیہ پیش فرمائی ہے

" اصاب انه فقیه معناه أصاب فی زعمه لانه مجتهد وأراد بذلك زجر التابعین الصغار عن الانکار علی الصحابة الکبار لا سیما علی الفقهاء المجتهدین منهم فان کل مجتهد مصیب فی زعمه وهو یستحق الاجر علی اجتهاده وان کان مخطأ فی نفس الامر و یدل علی ارادة الزجر قوله دعه فانه قد صحب -

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

وهذا اولی من قول الطحاوی وقد یجوز أن یکون قول ابن عباس رض اصاب معاویة رض علی التقیة له الخ (اعلاء السنن: ج ۲ ص ۲۴)

علامہ عثمانی رح نے اپنی توجیہ کو اولی اور راجح قرار دیا ہے۔ امام طحاوی رح کی کلام میں تقیہ سے مراد اہل تشیع والا تقیہ نہیں اولاً اس لئے کہ امام طحاوی رح نے " اصاب فی شیئ "نحو" کہہ کر اپنی مراد کو واضح کر دیا کہ اس سے مراد توریہ ہے۔ شارحین طحاوی رح نے بھی لفظ تقیہ سے توریہ ہی سمجھا ہے صاحب امانی رح فرماتے ہیں۔

وھذا من باب الایھام والتوریة : (ج ۴ : ص ۲۵۲)-

ثانیاً ۔ اس لیے کہ روافض کا تقیہ کذب کے مترادف ہے ۔ حضرات صحابہ رضی کی طرف اس کی نسبت وصفِ عدالت کے منافی ہے ۔

ثالثاً ، اس لئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں ایسا جبر وتشدد ہرگز نہ تھا کہ کسی کو حق بات کہنے کی بھی جرأت نہ ہو وہ بھی ایک مختلف فیہ مسئلہ میں ۔ ایسے جبر وتشدد کا دعوےٰ وہی شخص کرسکتا ہے جو تاریخ سے بے خبر ہو ۔ کیونکہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بُردباری ضرب المثل ہے ۔ کیوں نہ ہوتی جب کہ حلم کا تاج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کے سر کی زینت بن چکا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ ۔

" معاویة احلم امتی واجودها " (حیاة الاسلام : ص ۱۶۵)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ۔ حضرت معاویہ رضؓ کا حلم ان کے غضب پہ غالب تھا اور سخاوت بخل پر غالب تھی ۔ (العقد الفرید : ج ۱ ص ۲۳۵)

عرب کا مشہور شاعر اخطل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق اظہارِ خیال ان الفاظ میں کرتا ہے ۔ وطئت لنا دين محمد بحلمك : ازهرت سناها كلا بها ۔

حضرت معاویہ رضؓ میں وصفِ حلم اتنا کامل واعلیٰ تھا کہ عرب دنیا کا سب سے بڑا مؤرخ مستشرق ہٹی لکھتا ہے کہ

" عرب مؤرخین کے نزدیک حضرت معاویہ رضؓ کی سب سے بڑی خوبی حلم وبردباری تھی ۔

(ہسٹری آف دی عربز : ص ۱۹۷ ؛ ۱۹۸)

مذکورہ بالا حوالہ جات اور اس کے علاوہ دیگر مشاہدات کی موجودگی میں یہ کہنا بظاہر مشکل بلکہ غلط ہے کہ ان کے وقت میں جبر وتشدد کی وجہ سے کوئی اظہارِ رائے نہیں کرسکتا تھا ۔ خصوصاً مسائل مختلف فیہ میں ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۔ خیر المدارس ملتان

○

مَا يَتَعَلَّقُ بِالْاَنْبِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی معروف طریقہ پر ہوئی ہے

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستہ سے پیدا ہوئے جس سے ہم تم پیدا ہوئے اور اس سے آسان راستہ اور کون سا ہے۔ شریعت مطہرہ مقدسہ اس پر کیا حکم لگاتی ہے۔

الجواب آنحضرت علیہ السلام کی ولادت شریفہ بھی معروف طریقہ پر ہی ہوئی ہے۔ البتہ کیفیت ولادت سے اس طرح بحث کرنا سوء ادبی ہے۔ فقط

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : محمد صدیق غفرلہ، مدرس مدرسہ ہذا۔ ۱۴ : ۴ : ۱۳۹۹ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ چاک ہونے کی تحقیق

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس کو چیر کر اندر کے حصہ کو دھونے اور پھر رکھ کر سینے کا ذکر متعدد کتب میں لکھا ہے۔ کیا کسی اور نبی کا سینہ بھی اسی طرح چاک کیا گیا تھا؟ اور اس طرح چیرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کنت نبیًا و ادم بین الماء والطین اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے لولاک لما خلقت الافلاک ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام روز ازل سے ہی نبی تھے۔ اور جب نبی تھے تو یقینًا پاک بھی ہوں گے۔ پھر سینہ کس لئے چیرا گیا۔ اگر الم نشرح لک صدرک کا مطلب سینہ چیرنا ہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خدا کے حضور عرض کی تھی۔ رب اشرح لی صدری۔ مگر یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی سینہ چاک کر کے دھویا گیا۔ اور سیا گیا۔ براہ کرم اس روایت پر روشنی ڈالیں۔

الجواب شق صدر کی روایات صحیح ہیں۔ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ وغیرہما نے اپنی اپنی کتاب میں ان روایات کو نقل فرمایا ہے۔ پس توہمات ذہنیہ کی بناء پر انکار کرنا خلاف تحقیق و منافی دیانت امر ہے۔ دلائل سے جب اس کا وقوع ثابت ہے تو صرف اس بناء پر اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی ضرورت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ واقعہ تو ہو چکا ہماری سمجھ میں آئے تو بھی اور نہ آئے تو بھی۔ روزمرہ کی زندگی میں بھی بعض واقعات ایسے پیش آجاتے ہیں کہ عقل انسانی نہ ان کی ضرورت کی قائل ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی توجیہہ کر پاتی ہے۔ لیکن عقل انسانی کی اس درماندگی سے واقعہ کے ہو جانے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ ہونا اب نہ ہونے سے تو نہیں بدلا جاسکتا ہے۔

الف : اس میں اختلاف ہے کہ شق صدر آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص ہے یا دیگر انبیاء

علیہم السلام کا بھی شق صدر ہوا۔

واختلف هل كان شق صدره وغسله مختصا به او وقع بغيره من الانبياء وقد وقع للطبراني في قصة تابوت بني اسرائيل ان كان فيه الطست التي يغسل فيه قلوب الانبياء وهذا مشعر بالمشاركة - (فتح الملهم ، ج ۱ ، ص ۳۲۳)۔

ب : ضرورت بروایت صحیح مسلم یہ ہے

فاستخرج القلب فاستخرج منه علقة الحديث (ج ۱ : ص ۳۲۳)

قلب مبارک دھویا گیا اور اس میں ایمان وحکمت بھر دیا گیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة و ايمانا فافرغها في صدري۔

(رواہ مسلم فتح الملهم ج ۱ : ص ۳۲۴)۔

اور یہ اعتراض لغو ہے کہ جب آپؐ پاک تھے تو سینہ کس لئے چیرا گیا۔ قلب پاک ہی میں تو ایمان و حکمت بھرا جاتا ہے۔ نیز پاکی کے بے شمار مراتب ہیں۔ ہر پاکی سے اعلیٰ و بالا اور کمال اور پاکیزگی ہے۔ کمال کے مراتب غیر متناہی ہیں۔ ہر مرتبہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید علو و رفعت عنایت فرمائی جاتی ہے۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سابقہ عبادت اس نظافت کے خلاف نہیں۔ جیسے کمالاتِ معراج آپؐ کے سابقہ کمالات کے خلاف نہیں اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی معراج سے قبل کمالات سے خالی تھی العیاذ باللہ۔

لولاك لما خلقت الافلاك کے الفاظ حدیثِ صحیح کے الفاظ نہیں بلکہ مضمون صحیح ہے اور اس کا کسی حدیث سے تعارض نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۱۸ : ۷ : ۱۳۸۶ھ

حق تعالیٰ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا معنی

اللہ تعالیٰ کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں وہ الفاظ صحیح حدیث سے بیان فرمائیں۔

الجواب ہماری طرف سے درود شریف کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحمت خاصہ کے نزول کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے درود کے یہ معنی ہیں

کہ حق جل شانہ اپنی رحمتِ خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتے ہیں۔ پس انسانوں کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت ہے اور اللہ تعالیٰ کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت نہیں۔ لہذا یہ سوال غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود شریف کے الفاظ کون سے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۱۵ ، ۲ ، ۱۳۸۸ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے حقوق کی تفصیل

بعض واعظ حضرات اپنی تقریروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی نسبی شرافت کا پرزور انکار کرتے ہیں اور آپ کی وجہ سے جو اہل بیت کرام کی تکریم ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ اگر کسی سید مومن سے معصیت کا ارتکاب ہو جائے تو اس کیلئے عام اجلاس میں کنجر، کتے وغیرہ کے الفاظ مذمومہ خود بھی استعمال کرتے اور سامعین کو بھی مذکورہ الفاظ استعمال کراتے ہیں۔ کہ سادات کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق بالکل مفید نہیں ہے۔ تمام تر دارو مدار عمل صالح پر ہے۔ اور حتیٰ کہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا سید و شاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ہم پر ان کا کوئی احترام وتکریم ضروری نہیں ہے۔ ہم تو دین کے ہیں۔ سین (سید) شین (شاہ) کے نہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ بھائی خاندانِ نبوی سے تعلق رکھنا کوئی حکم شرعی نہیں۔

خلاصہ ان کی کلام کا یہ ہے کہ سید بحیثیت سید ہونے کے کوئی مستحق تکریم نہیں محض عمل ہی سبب تعظیم ہے۔ غرض اہل بیت کرام کی محبت ان حضرات کی تقریروں سے کم ہوتی جارہی ہے۔ اور اپنے خیال کے کچھ مؤیدات پیش فرماتے ہیں بعض حسب ذیل ہیں۔ مثلاً بعض وقت ابولہب و ابوجہل، کنعان و آذر کے قصص بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے اسلام ہی قبول نہیں کیا۔ اور لوگوں کو کہتے ہیں کہ دیکھو کنعان کو نوح علیہ السلام کے خاندانِ نبوت سے ہونے نے اور ابولہب وغیرہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

اور بعض اوقات آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہیں مثلاً "سورۃ والعصر" پڑھتے ہیں۔ حالانکہ "خُسر" کا تعلق مجموعۂ ایمان وعمل صالح سے ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ جمیع اعمالِ صالح کے ساتھ ہے یا بعض کے ساتھ اگر بعض کے ساتھ ہے تو خود حضراتِ واعظین بھی "خسر" میں ہیں۔ اور الفاظ کنجر، کتے وغیرہ کے مستحق ہیں تو پھر سیدوں کی تخصیص کیوں۔ اور بھی آیات مثل یا یھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی الخ وغیرہ پڑھتے ہیں۔

اور کبھی حدیث " اعملی " پیش کرتے ہیں۔ غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی شرف کے ختم ہونے کے واسطے جو آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔ ان کا تعلق مجموعۂ ایمان وعمل کے منتفی ہونے سے ہے۔ ایمان کے بعد شرف نسبی منتفی ہونے پر کوئی آیت بطور دلیل نہیں لاتے۔

اب امر طلب یہ ہے کہ خاندانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی شرافت اسلام لانے کے بعد ہے یا نہیں؟ بالاتفاق علماء، اگر جواب نفی میں ہے تو نفی کے صحیح دلائل کیا ہیں؟ اور پھر جن میں نسبی شرافت کا ثبوت ملتا ہے جو حسب ذیل ہیں ان کا کیا جواب ہے۔

۱ : بخاری میں کتاب التفسیر قوله الا المودة فی القربی عن ابن عباس کے تحت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رح تحریر فرماتے ہیں ۔ قربی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم فحمل الآية على امر المخاطبين بان تودوا اقاربه صلى الله عليه وسلم وهو عام لجميع المكلفين الخ

۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے نسب منقطع ہو جائیں گے مگر میرا نسب منقطع نہیں ہوگا۔ (نقل از مرقات حاشیہ مشکوٰۃ) جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رشتہ کیا۔

۳ : مسئلہ زکوٰۃ و کفو میں متقی و فاسق کا کوئی فرق نہیں۔ اس سے فقہاءِ کرام کا نسبی شرافت کو باقی رکھنا مفہوم ہوتا ہے۔

۴ : حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نابالغی کی حالت میں فوت ہو چکے ہیں عدمِ شرافتِ نسبی کے ماتحت عام کلیہ کی بناء پر آجائیں گے کہ اعراف میں ہوں گے یا خدام۔ حالانکہ حدیث سے اس کے خلاف مفہوم ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ الی الدلائل العشرۃ جن میں شرافتِ نسبی کا ثبوت ملتا ہے

الجواب اہلِ بیتِ کرام کی محبت و اتباع میں اس درجہ غلو کہ شریعتِ عظمیٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے رفض و تشیع ہے اور ان سے بغض و دشمنی باعث خسران اور علامت خروج ہے پس اعتدال واجب ہے جو کہ اہل السنۃ والجماعت کا مسلکِ حق ہے۔ لہذا اس کی قدرے تفصیل متنازعہ فیہ امور کے بارے میں کی جاتی ہے۔ امور مذکورہ کی تنقیح یہ ہے۔

۱ : اہلِ بیتِ کرام کی نسبی شرافت شرعاً معتبر ہے یا کہ نہ۔

۲ : اگر معتبر ہے تو اہلِ اسلام کو اس کی رعایت کے بارے میں شارع علیہ السلام کی طرف سے

کیا ہدایات دی گئی ہیں اور اہلِ بیت کرام کے کیا حقوق ہیں؟

۳ : اور معصیت کی وجہ سے ان کے حقوق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا کہ نہیں؟

تنقیحاتِ بالا کا جواب نمبروار درج ذیل ہے۔

۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور آپ کی آل کی نسبی شرافت کا بعض احکام میں شرعًا اعتبار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ نحن اھل بیت لا تحل لنا الصدقة۔ بخاری (بحر، ج ۲، ص ۲۶۵)۔ نیز ارشاد فرمایا ان اللہ حرم علیکم یا بنی ھاشم غسالة ایدی الناس۔ تمام امت کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا درست ہے (بشرط فقر) خواہ وہ کسی خاندان ہی سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ لیکن خاندانِ نبوت اور آپ کی آل کے لئے یہ مال حرام قرار دیا گیا ہے۔ مخفی نہیں کہ یہ مسئلہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس فقہاءِ کرام کی کلام سے اس بارے میں اقتباسات نقل کرنا تحصیلِ حاصل ہے البتہ بطور نمونہ ایک عبارت "بدائع" سے نقل کی جاتی ہے۔ تحریم صدقہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد اس کی علت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

والمعنی ما اشار الیہ انھا من غسالة الناس فیتمکن فیھا الخبث فصان اللہ تعالی بنی ھاشم من ذلک تشریفا لھم واکراما الخ (ج۲ ص۴۹)

مسئلہ کفائت میں بھی شرافتِ نسب اور اس کی دنائت کا فی الجملہ اعتبار کیا گیا ہے۔ کما لا یخفی۔ نیز امامت کے لئے اولیٰ ہونے میں بھی ایک درجہ کے اندر فقہاء نے شرافت نسب کا اعتبار کیا ہے کما فی درمختار شامی، ج ۲، ص ۵۲۱)۔ پس معلوم ہوا کہ شرافتِ نسب کا بعض احکام میں شرعًا اعتبار کیا گیا ہے۔

۲ : اہلِ بیت نبوی کے یہ حقوق ہیں کہ ان کے ساتھ محبت رکھی جائے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمته واحبونی لحب اللہ واحبوا اھل بیتی لحبی (رواہ الترمذی)

عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی ایک دوسری نفسیاتی وجہ بھی ہے جس کی طرف حدیثِ بالا میں اشارہ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مامور بہا ہونا اور آپ کا جمیع امت کے لئے محبوب ہونا اظہر من الشمس ہے۔ تو اس محبت کی وجہ سے آپ کے متعلقین اور آپ کی آل کا محبوب ہونا ایک طبعی تقاضا ہے اور ایک ضروری امر ہے کہ

جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے در و دیوار اور گلی کوچوں تک سے اُنس و محبت کا تعلق ہو جاتا ہے۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب امت ہیں تو آپ کی آل کا محبوب ہونا بھی لازم ہے یعنی آپ کی آل سے لازمی طور پر محبت ہونی چاہیئے۔ تو ایک حق یہ ہوا کہ ان سے محبت رکھی جائے۔

۲ : اہل بیت کا دوسرا حق یہ ہے کہ معاشرت میں ان کے ادب و احترام کا خصوصی لحاظ رکھا جائے۔ حدیث میں ہے۔

انی تارك فیكم ما ان تمسكتم به لن تضلوا بعدی الخ

کی شرح میں ملا علی قاری رح لکھتے ہیں۔ والمراد بالاخذ بهم التمسك بمحبتهم ومحافظة حرمتهم الخ وقال ابن المبارك ومعنى التمسك محبتهم والاهتداء بهديتهم وسيرتهم زاد السيد جمال الدين اذا لم يكن مخالفا للدين الخ (مرقاۃ ، ج ۵ ، ص ۶۰۰ ، طبع قدیم)

۳ : شارحین کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محافظت احترام کے علاوہ اہل بیت کا تیسرا حق یہ بھی ہے کہ ان کا اتباع بھی کیا جائے جب کہ وہ دین کے مخالف نہ ہوں۔

۴ : ان کا چوتھا حق یہ ہے کہ ان کو ایذاء دینے سے خصوصیت کے ساتھ بچا جائے۔ البتہ شرعی ضرورت کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ اور حدیث اُذَكِّرُكم الله فی اهل بيتی الخ کی شرح میں ملا علی قاری رح نقل کرتے ہیں۔ قال الطيبی ای احذركم الله فی شان اهل بيتی واقول اتقوا الله ولا تؤذوهم واحفظوهم الخ

اسی طرح اہل بیت کی فضیلت اور ان سے تعلق رکھنے کی ضرورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ۔

" الا ان مثل اهل بيتی فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك (رواہ احمد)۔

اس حدیث سے مراد بھی یہی ہے کہ اہل بیت کی محبت اور متابعت کو لازم پکڑا جائے۔ کما فی الشروح

پس تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ خانوادہ نبوت بہت سے فضائل کا حامل ہے اور ان کے خصوصی حقوق امت کے ذمہ ثابت ہیں۔

۳ : " کیا ان کی معصیت ان کے حق پر اثر انداز ہوتی ہے " یعنی اگر ان سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو اہل اسلام کے ذمہ نہ تو ان کی محبت کا حکم باقی رہے اور نہ ان کی توقیر و تعظیم وغیرہ کا۔ کیا ایسا ہوگا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی معصیت سے ان کے حقوق امت کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گے۔ قواعدِ شرعیہ اور اکابر کی کلام سے یہ ہی مفہوم ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر مطلق معصیت کو مسقطِ حقوق کہا جائے تو کون سا انسان ہے باستثنارِ انبیا علیہم السلام جس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا۔ اور اہلِ بیت سے نبی کوئی ہوا نہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اہلِ بیت کا امت کے ذمہ کوئی حق نہیں۔ حالانکہ یہ خلاف منصوص ہے۔ اور اگر معصیت میں کوئی تحدید وتعیین کی جائے تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جو اس وقت تک ہمارے علم میں موجود نہیں پس اہلِ بیت سے محبت اور ان کا اکرام و احترام باوجود معمولی معصیت کے بھی مامور بہ ہوگا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حکیم ترمذی سے نقل کیا ہے کہ نسبتِ طینی کا احترام باقی رہنا چاہیئے اگرچہ نسبتِ دینی میں کمزوری ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

" ہر کہ جامع ایں دو صفت افتاد ونسبتِ دینی را بالنسبتِ طینی جمع گردانید اتم و اکمل شد از غیر خود چنانچہ بعضے از اولیار کہ جامع اند میانِ علم وسیادت و ولایت وباوجود آں رعایت ادب وتعظیم وتقدیم وادائے حقوق نسبتِ طینی واجب ولازم است ھکذا قال الحکیم " (اشعۃ اللمعات : ج ۴ ، ص ۶۹۶)۔

اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت نے ہر شخص کو اپنی ذمہ داریوں کا مکلف بنایا ہے ترکِ معصیت ان کی ذمہ داری ہے اور ادائے حقوق امت کے ذمہ واجب ہے۔ تو ان کی تقصیر سے ہماری کوتاہی قابلِ عفو نہیں سمجھی جاوے گی۔ تعلیماتِ شرعیہ سے یہی ظاہر ہے۔ چنانچہ اولاد و والدین مصدق ورب المال۔ مولاۃ و ولی وغیرہ کے لئے باہمی حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں شارع علیہ السلام نے اس قسم کی ہدایات دی ہیں کہ ہر فریق کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگرچہ فریقِ ثانی اس کے زعم میں ظلم ہی کر رہا ہو۔ اس صورت میں لبغض فی اللہ جو مامور بہ ہے اس پر عمل کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ قلب میں ان کے اہلِ بیت اور مومن ہونے کی وجہ سے محبت و احترام رکھے لیکن اپنے طرزِ عمل سے ان کے معاصی کا مبغوض ہونا بھی ظاہر کرتا رہے۔

واضح رہے کہ حکم بالا اس صورت میں ہوگا جب کہ سید پر معصیت اور فسق وفجور کا غلبہ نہ ہو۔ یا اس کی تعظیم وتکریم سے عوام کے دینی ضرر کا اندیشہ نہ ہو۔ یا وہ سید کسی بدعت کا داعی نہ ہو۔ اور مبتدعین کا سرغنہ نہ ہو۔ ورنہ ایسا ہونے کی صورت میں وہ مستحق تعظیم نہیں ہے۔ کیونکہ فرمانِ نبوی ہے۔ من وقّر صاحب بدعۃ فقد أعان علی ھدم الاسلام او کما قال۔ (مشکوۃ ص ۳۱)

نیز یہ امر اس ارشاد نبوی سے بھی ثابت ہے۔ احبوا اھل بیتی لحبی کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنے کا حکم ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے محبوب نبوی ہونے کی وجہ سے ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا فاسق مجاہر اور مبتدع محبت نبوی کے شرف سے سرفراز ہونے کا ہرگز مستحق نہیں۔ پس وہ قابل محبت اور لائق تعظیم نہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کیا ہے سید جمال الدین رحمہ اللہ نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے " اذا لم یکن مخالفا للدین " کی قید بڑھا کر۔ جیسا کہ پہلے مفصل مذکور ہوا۔

الحاصل ایسی صورت میں وہ سید مستحق تعظیم نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مستحق تذلیل ولائق توہین ہے ہرگز نہیں بلکہ ایسے فاسق اور مبتدع کے خیالات وعقائد کی تردید کی جائے لیکن اسے ذلیل نہ کیا جائے۔ سوال میں جو الفاظ تقریر کے درج کئے گئے ہیں ان کا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

نوٹ: مخفی نہ رہے کہ محبت واکرام اور چیز ہے اور اتباع اور چیز ہے۔ عاصی کی تکریم وتعظیم کی تو گنجائش ہے لیکن دینی احکام کے بارے میں اتباع صرف شریعت مقدسہ ہی کا کیا جائے گا۔ فقط

واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۷ : ۲ : ۱۳۸۱ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں کتنی تاخیر ہوئی

مختلف کتب میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ تین دن تک پڑھی جاتی رہی۔ کیونکہ جگہ تنگ تھی اس لئے لوگ باری باری پڑھتے تھے۔ یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱ : جنازہ کو جلد دفن کرنے کا حکم ہے تو پھر جنازہ کو تین دن تک کیوں روکا گیا ؟

۲ : نماز جنازہ مکان کے اندر نہیں بلکہ کھلے میدان میں پڑھنے کا حکم ہے۔ پھر تنگ جگہ میں کیوں پڑھی گئی ؟

۳ : نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر ایک شخص بھی ادا کر دے تو سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے پھر تمام مسلمانوں کا انتظار کرتے کرتے تین دن تک جنازہ مبارک کو روکے رکھنا کیا بے حرمتی نہیں ہے ؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ دوشنبہ کے دن قریب دوپہر یا بعد زوال ہوئی۔ (کما فی البدایہ : ج ۵ ، ص ۲۴۴)۔

وتوفی رسول الله صلی الله علیہ وسلم حین اشتد الضحیٰ من ذلك

الیوم (ای یوم الاثنین ۔ناقل) وقیل عند زوال الشمس ۔

چند صفحوں کے بعد پھر مصنف رح تحریر فرماتے ہیں ۔ ص ۲۵۵ ۔پر ۔

وھذا الحدیث فی الصحیح وھو یدل علی ان الوفاۃ وقعت بعد الزوال ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ کسی اختلاف و انتشار سے پہلے امامت کی وحدت کو محفوظ رکھنے کی مؤثر تدبیر کی جائے ۔ کیونکہ لامرکزیت مذہب وملت کے لیے سم قاتل ہے ۔ چنانچہ جنگ جمل وصفین کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ معمولی اختلاف کو فتنہ پردازوں نے کن مہیب نتائج سے دو چار کرا دیا ۔

بہرحال انتخاب خلیفہ کی فکر ہوئی اور حضرات صحابہ کرامؓ نے کچھ بحث وتمحیص کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرلیا ۔ اہل حل وعقد کے اجتماع ، بحث وتمحیص ، تمام صحابہ رضہ کی بیعت میں دوشنبہ کا باقی ماندہ حصہ (جو تقریباً چند گھنٹے ہوگا) اور سہ شنبہ کی رات گزر گئی اور سہ شنبہ کے دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ انفرادی طور پر پڑھی جاتی رہی اور یہ سلسلہ شنبہ کی شام تک اور آئندہ متصل رات تک جاری رہا ۔ اور سہ شنبہ اور چہارشنبہ کی درمیانی رات جو کہ شرعاً چہارشنبہ کی رات ہے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دفن فرما دیئے گئے ۔

عن عائشۃ رضی الله تعالیٰ عنہا ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم

توفی یوم الاثنین ودفن لیلۃ الاربعاء (البدایہ والنہایہ ، ج ۵ ،ص ۲۶۰) ۔

اسی کے بارے میں ج ۵ ،ص ۲۷۱ ۔پر تحریر فرماتے ہیں ۔

وھو الذی نص علیہ غیر واحد من الائمۃ سلفا وخلفا منھم

سلیمان بن طرخان التیمی وجعفر بن محمد الصادق وابن اسحق

وموسٰی بن عقبۃ وغیرھم ۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ دفن میں تین دن کی تاخیر واقع نہیں ہوئی ۔ بلکہ وفات شریفہ سے صرف تقریباً چھتیس (۳۶) گھنٹوں کے اندر اندر دفن مبارک سے فراغت ہوگئی تھی ۔ تین دن کی تاخیر والی روایت معتمد نہیں ۔ ابن کثیر رح فرماتے ہیں ۔

فقولہ مکث ثلٰثۃ ایام لا یدفن غریب والصحیح انہ مکث بقیۃ یوم

الاثنین ویوم الثلثاء بکمالہ ودفن لیلۃ الاربعاء کما قدمناہ والله اعلم ۔

(ہدایہ: ج ۵، ص ۲۷۱)۔

تفصیل بالا کے پیشِ نظر آپ کے سوالات کا بالترتیب جواب یہ ہے۔

۱ : تین دن تک تاخیر واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا جنازہ کو تین دن تک روکے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲ : نمازِ جنازہ چونکہ انفرادی طور پر پڑھی گئی لہٰذا اس کے لئے حجرہ شریفہ جیسے متبرک مقام کو چھوڑ کر وسیع جگہ کی تلاش بے سود تھی۔ کیوں کہ وسیع جگہ میں بھی نماز انفرادی طور پر ہی پڑھی جاتی۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کے لئے یہی (انفرادی) طریقہ متعین تھا۔

۳ : تین دن تک روکے رکھنا ہی غلط ہے پس اس سے العیاذ باللہ بے حرمتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک روایت کی رو سے جنازہ کا یہ طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز فرمودہ تھا کما رواہ البیہقی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وان نظر فی صحتہ ابن کثیر واللہ اعلم پس شبہ نہ کیا جاوے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ ۶ : ۶ : ۱۳۸۶ھ

بلاوجہ توہینِ رسالت کے بارے میں سوال بھی توہین ہے

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین دریں مسئلہ کہ ایک پروفیسر نے اپنی کلاس میں طلباء سے سوال کیا کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو مسلمانوں کا اس شخص سے کیا معاملہ ہوگا؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پروفیسر کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے اور آپ کی توہین کرنے کو کتب مذہب میں اشد ترین جرائم میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اور ایسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب پر حکومت مرتکب کو قتل یا پھانسی تک سزا دے سکتی ہے۔ لیکن یہ حکومت کا کام ہے عوام اس کے مجاز نہیں۔ لہٰذا ایسے وقت میں مسلمانوں کا ردِعمل یہ ہونا چاہیئے کہ حکومت کے متعلقہ عملہ میں مجرم کے خلاف شکایت کر دیں۔

نفسِ مسئلہ معلوم کرنے کی غرض سے مناسب طریق پر یہ سوال دریافت کرنے میں حرج نہیں۔ لیکن بلاضرورت نامناسب طریق پر اس سوال کو چھیڑنا سوءِ ادبی سے خالی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۷ / ۱ / ۱۳۷۹ھ

ساتھ ہی ہمارے کالج کے نوجوانوں کو بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنا لازم ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ علماءِ

تنگ دل ہیں ان کو وسیع الظرف اور فراخ دل ہونا چاہئے ۔ چاہے کسی قسم کا سوال ہو اس پہ ناراض نہ ہوں وغیرہ وغیرہ ۔

ہمارے عزیز و محترم نوجوانوں کو معلوم ہو کہ سوال بھی نصف علم ہے ۔ غلط سوال پر تنبیہاً ناراض ہونا، طبعاً غصہ آنا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے ۔ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ سوال کیا ہے ۔ بطور مثال اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ اگر میں تیرے باپ کو گدھا کہوں تو تیرا رویہ کیا ہوگا ۔ تو کیا وہ شخص ایسے سوال سے خوش ہوگا اور ایسے سائل کو عقل مند کہے گا ؟

تعجب ہے کہ ایک پروفیسر یہ سوال کرے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین ہو تو مسلمانوں کا کیا ردعمل ہوگا ۔ اور ایسے سوال نامہ کو اخبارات میں شائع کرے اس پر طبیعت کو اشتعال نہ ہو ۔ یہ تو کوئی انتہائی بے غیرت آدمی ہوگا کہ اس قسم کے سوال کو سن کر خاموش رہ جائے ۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت اعلیٰ وارفع ہے اگر کوئی شخص یہ سوالنامہ شائع کرے کہ پاکستان میں ایک آدمی مسٹر محمد علی جناح کو خوب دل کھول کر گالیاں دے یا اقبال مرحوم کو برا بھلا کہے تو بتلاؤ اے پاکستانیو ! تمہارا کیا ردعمل ہوگا ؟ کیا یہ سوال مسلمانوں کو چڑانے کے مترادف نہ ہوگا ؟ اور ایسے سائل پر غصہ آئے گا یا نہیں ؟

اس لئے یہ سوال سراسر جہالت اور نادانی ہے ۔ ہمیں تو تعجب ہوتا ہے کہ پاکستان کے کالجوں میں کیا ایسے عقل مند پروفیسر موجود ہیں غالباً وہ انتہائی ملحد اور بد دین ہیں جو مسلمانوں کی رگِ ایمان کو دکھانا چاہتے ہیں [1]

والجواب صحیح ؛

محمد عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۷ر۱ر۱۳۷۹ھ

⊙

حضرت یوسف علیہ السلام کتنے خوبصورت تھے ؟ ہمارے ایک چھوٹے سے شہر میں ایک چھوٹا سا درس ہے اور وہاں ایک تقریب میں ایک مولوی صاحب نے کہا کہ کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت خوبصورت تھے اس لئے آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں ۔

الجواب درج ذیل روایات و احادیث سے حضرت یوسف علیہ السلام کا بہت خوبصورت ہونا معلوم ہوتا ہے مستدرک حاکم میں ہے ۔ عن انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعطی یوسف وامہ شطر الحسن ھذا حدیث صحیح ۔ ج ۲، ص ۵۷۰

[1] اگر کچھ عرصہ اور ایسے ہی پروفیسر آتے رہے تو ع کار طفلاں تمام خواہد شد ۔ محمد انور مرتب

۲ ؛ دوسری حدیث شریف میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وھو یصف یوسف حین راٰہ فی السماء الثالثۃ۔

قال رأیت رجلا صورتہ کصورۃ القمر لیلۃ البدر، قلت یا جبریل من ھذا قال ھذا اخوک یوسف (علیہ السلام)۔ قال ابن اسحق وکان اللہ قد اعطی یوسف من الحسن والھیئۃ مالم یعط احدا من العالمین قبلہ ولا بعدہ حتی کان یقال واللہ اعلم انہ اعطی نصف الحسن وقسم النصف الاخر بین الناس اھ کذا فی الحاکم۔ ج ۲ : ص ۵۷۱)۔

۳ ؛ آیتِ کریمہ فلما رأینہ اکبرنہ (الی اخر الاٰیۃ) بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔
فقط واللہ اعلم۔
بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ۔ ۲۲ / ۱ / ۱۴۰۷ھ

آنحضرت علیہ السلام کے والدین کا انتقال کس حالت پر ہوا

۱ ؛ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا کیا نام تھا؟ اور وہ توحید پرست تھے یا بت پرست ؟
۲ ؛ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مسلمان ہوتے تھے یا نہیں ؟

الجواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر تھے اور آذر کے نام سے مشہور تھے۔ روایات میں ہے کہ ان کا انتقال کفر پر ہوا۔

۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے مگر اہل السنۃ والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ایسے مسائل میں الجھنا اور بحث کرنا جائز نہیں ۔

وینبغی ان لا یسأل الانسان عما لا حاجۃ الیہ کان یقول کیف ھبط جبرئیل ع الخ وابو النبی علیہ السلام کانا علی ای دین اھ (شامی ج ۵ ص ۴۹۰)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۱ : ۵ : ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان شہر

حضور علیہ السلام بھی لوازماتِ بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے

ایک صاحب مسائل غسل بیان فرما رہے تھے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی غسل جنابت فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منی آتی تھی۔ تو ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے لہذا تو کافر ہو گیا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منی آتی تھی؟ اور فتوائے کفر دینے والا مولوی صاحب حق بجانب ہے یا نہیں؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوازماتِ بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مگر یہ انداز درست نہیں اور اگر کوئی غلطی سے یہ بات کہہ بیٹھے تو اس کی تکفیر بھی درست نہیں۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲/۶/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

حضرت حوا کا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونے کا ثبوت

حضرت حوا کا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ پسلی کو عربی میں کیا کہتے ہیں۔ مودودی صاحب اس طرح پیدائش کے منکر ہیں کیا صحیح ہے؟

الجواب حضرت حوا کے آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونے کی دلیل صریح حدیث ہے۔

عن ابی ھریرۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا بالنساء خیراً فانھن خلقن من ضلع وان أعوج شئ فی الضلع أعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل أعوج فاستوصوا بالنساء متفق علیہ۔

مشکوۃ: ص ۲۸۰، باب عشرۃ النساء۔

اور "پسلی" کو عربی میں "ضلع" کہتے ہیں۔ تمام اہل لغت نے "ضلع" کے معنی پسلی لکھے ہیں۔ بطور استشہاد چند حوالے لکھے جاتے ہیں۔ "الضلع" پسلی، جمع أضلع وضلوع واضلاع آتی ہے۔ اور "ضلع" مضبوط پسلیوں والے مرد کو کہتے ہیں اور "ضالع" اس مرد کو کہتے ہیں جو پسلی پر مارنے والا ہو۔ مصباح اللغات: ص ۴۷۵۔

اور ایسے ہی "منجد" ص ۴۶۹ میں ہے۔ بلکہ منجد میں تو پسلیوں کا نقشہ بھی دیا ہے۔ ان سے واضح ہوا کہ "ضلع" پسلی کو کہتے ہیں۔ لہذا مودودی صاحب کا انکار صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ محمد عبد اللہ عفر لہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ بندہ اصغر علی عفر لہ

قرآن مجید کے چوتھے پارہ سورۂ نساء کے پہلے رکوع میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے خلق منہا زوجہا یعنی آدم علیہ السلام کے (بدن کے) بعض حصے سے ان کی بیوی (حواء) کو پیدا کیا۔ اس آیت کی تفسیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی۔ جو کہ جواب میں مذکور حدیث میں موجود ہے۔ لہٰذا جواب مرقوم صحیح ہے۔

خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۸ / ۱ / ۵ / ۱۳۷۵ھ

حضرت خضر علیہ السلام کو فرشتہ تسلیم کرنے کی نفی اور انسان ماننے کی صورت میں اشکالات کا جواب

حضرت خضر علیہ السلام کو انسان تسلیم کرنے کی صورت میں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ جو تین کام انہوں نے کئے ان میں سے پہلے دو کام احکام شریعت سے متصادم ہیں۔ یہ تو درست ہے کہ انہوں نے یہ کام اللہ کے حکم سے کئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اللہ کے ان احکام کی جو حضرت خضر علیہ السلام کو دیئے گئے نوعیت کیا تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ تشریعی احکام تو نہ تھے کیونکہ یہ کام کسی شریعت میں بھی جائز نہیں رہے۔ اگر یہ احکام تکوینی تھے تو ان کے مخاطب صرف فرشتے ہوتے ہیں۔

کسی انسان کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ حکم شرعی کے خلاف کرے۔ خواہ اسے الہام کے ذریعے اس خلاف شرع کی مصلحت بھی بتادی گئی ہو۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر علماء شریعت اور اکابر صوفیا سب متفق ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی رح نے تفصیل کے ساتھ عبدالوہاب شعرانی، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی، الشیخ عبدالقادر جیلانی، جنید بغدادی سری سقطی۔ ابوالحسن نوری۔ ابوسعید الخزار، ابوالعباس احمد الدینوری، اور امام غزالی رح جیسے نامور بزرگوں کے اقوال نقل کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک بھی کسی ایسے الہام پر عمل کرنا جائز نہیں جو کہ نص شرعی کے خلاف ہو۔

(روح المعانی، ج ۱۶، ص ۱۶)

اگر قرآن میں بلفظ صریح آجاتا کہ خضر انسان تھے تو ہم مان لیتے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے اس ضابطہ سے مستثنیٰ تھے۔ مگر قرآن میں صرف "عبدا من عبادنا" کے لفظ ہیں جو کہ انسان ہونے کو مستلزم نہیں ہیں۔

حدیث میں بھی کوئی ایسا صریح ارشاد موجود نہیں جس سے حضرت خضر کو نسل انسانی کا فرد قرار دیا گیا ہو۔ اس باب میں مستند ترین روایات وہ ہیں جو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن ابی بن کعب عن رسول اللہ کی سند سے ائمہ حدیث کو پہنچی ہیں۔

ان میں حضرت خضر کے لئے رجل کا ذکر آیا ہے مگر یہ بھی انسانوں کے لئے مخصوص نہیں۔ خود قرآن میں یہ لفظ جنوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورۂ جن میں ہے۔

وأنه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن الآية

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جن یا فرشتہ یا کوئی غیر مرئی وجود جب انسانوں کی شکل میں آئے تو اسے انسان ہی کہا جائے گا۔ جیسے سورۂ مریم میں ہے۔" فتمثل لها بشرا سويا "

الحاصل اس پیچیدگی کو رفع کرنے کے لئے ایک ہی صورت ہے۔ کہ خضر علیہ السلام کو انسان نہ مانیں، بلکہ فرشتوں میں سے، یا اللہ کی کسی اور مخلوق سے سمجھیں۔ متقدمین میں سے بھی بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے جیسے ابن کثیر رح نے اپنی تفسیر میں ماوردی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ آپ علمی تحقیق سے میرا خلجان دور فرمائیں۔ اور حضرت خضر کی صحیح پوزیشن واضح فرمائیں۔

الجواب جمہور علماء سلف کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور ان کی شریعت کا زیادہ تعلق حقائق باطنہ شرعیہ سے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام علیٰ ہذا اکثر انبیاء علیہم السلام کی شرائع کا تعلق احکام ظاہرہ سے تھا۔ خضر علیہ السلام کے وہ افعال بھی من عند اللہ شریعت تھی۔ اور وحی منزل تھی۔ اسی واسطے جب خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ وما فعلته عن امری تو موسیٰ علیہ السلام نے انکار نہیں فرمایا۔

قد نص العلماء على ان غالب الانبياء انما بعثوا ليحكموا بالظاهر دون ما يطلعوا عليه من بواطن الامور وحقائقها وبعث الخضر ليحكم عليه من بواطن الامور وحقائقها اه

وفي تفسير ابن حيان والجمهور على ان الخضر نبي وكان علمه معرفة بواطن امور اوحيت اليه اه (روح البيان ج ۵، ۲۸۱)

خضر علیہ السلام کو ملائکہ سے شمار کرنا قول ضعیف وغریب ہے۔ علامہ عینی رح لکھتے ہیں۔

واغرب ما قيل انه من الملائكة - والصحيح انه نبي وجزم به جماعة و قال الثعلبي هو نبي على جميع الاقوال معمر محجوب عن الابصار وصححه ابن الجوزي ايضا في كتابه اه (عمدة القاری، ج ۱، ص ۴۴۷)۔ فقط

واللہ اعلم

احقر خیر محمد از خیر المدارس ملتان ۱۹ جمادی الاخریٰ ۷۲ ھ ۱۳

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف ایک کرامت کی نسبت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ گھوڑے کی ایک رکاب میں پاؤں رکھتے اور دوسرے پر پاؤں رکھنے سے پہلے پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے اور یہ ان کی کرامت بتائی جاتی ہے کیا یہ بات صحیح ہے یا من گھڑت۔

الجواب اس سوال کے جواب کے لئے متعدد کتابیں دیکھی گئیں مگر کسی معتمد کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملا۔ جہاں تک اس کرامت کے ممکن ہونے کا تعلق ہے تو ایسی بعید بات نہیں ہے جو ناممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ عزوجل بسا اوقات کرامۃً وقت میں ایسی برکت عطا فرماتے ہیں کہ تھوڑے سے وقت میں آدمی اتنا کام کر لیتا ہے جو عام آدمی کے لئے صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ ناقابلِ فہم بھی ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام گھوڑے پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور زبور کی تلاوت شروع فرماتے اور زین کسے جانے سے پہلے ختم فرما لیتے۔ (بخاری)

عمدۃ القاری شرح بخاری میں اسی واقعہ کے تحت کئی اور ایسے آدمیوں کے واقعات لکھے ہیں جو تھوڑے وقت میں زیادہ کام کر لیتے تھے۔

وفیہ الدلالۃ علی ان اللہ تعالیٰ یطوی الزمان لمن یشاء من عبادہ کما یطوی المکان وھذا لا سبیل الی ادراکہ الا بالفیض الربانی وجاء فی الحدیث ان البرکۃ قد تقع فی الزمن الیسیر حتی یقع فیہ العمل الکثیر وقال النووی اکثر ما بلغنا من ذلک من کان یقرأ اربع ختمات باللیل واربعا بالنہار انتہیٰ ولقد رأیت رجلا حافظا قرأ ثلاث ختمات فی الوتر فی کل رکعۃ ختمۃ فی لیلۃ القدر اھ (عمدۃ القاری، ج ۷: ص ۱۲۴) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۸؍۱؍۱۳۹۸ھ

عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ پیدا کرنے کی حکمت کیا ہے حالانکہ قانون قدرت ہے کہ ماں باپ کے ملنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو خلاف قانون کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو دکھلانا تھا کہ خلافِ قانون پر بھی قادر ہے تو وہ حضرت

آدم علیہ السلام کو پیدا کر دیا تھا تو اب تحقیق اس بات کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے کی ضرورت کیا پیش آئی تھی؟

مستفتی غلام احمد بہاولپور

الجواب جب یہ واضح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خلافِ عادت کرنا اظہار قدرت کے لئے ہے تو واضح ہو کہ خلافِ عادت (خلافِ قانون) عقلی طور پر تین قسموں پر متصور ہو سکتا ہے۔ ۱: بلا ماں باپ۔ ۲: بلا ماں۔ ۳: بلا باپ۔ تو ان تینوں صورتوں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے دکھلایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس معہودہ عادت کے خلاف (کہ ماں اور باپ کے واسطہ سے کبھی اولاد ہو) کرنے پر جمیع صور عقلیہ متصورہ قادر ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ کے بغیر، اور حوا علیہا السلام کو ماں کے بغیر پیدا کیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے اظہارِ قدرت کو تام کر دیا۔ نیز اس قسم کے سوالات کا منشاء اللہ تعالیٰ کے فاعل مختار ہونے میں شک ہے۔ اس لئے ایسے سائل کے جواب میں کلی بحث تو مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فاعل مختار تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ لیکن جزئی بحث کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیوں کیا اس میں بحث لا حاصل ہے اس لئے کہ کس کس جزئیہ کے بارے میں آپ حکمت تلاش کر کے بتا سکیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ۔

کیا آنحضرت علیہ السلام مختون پیدا ہوئے تھے؟

عام مشہور ہے کہ آنحضرت علیہ السلام مختون پیدا ہوئے تھے۔ اگر یہ بات مستند ہو تو اس کی باحوالہ تصدیق فرما دیں۔

نیاز مند: طالب حسین ضیاء۔ ممتاز آباد ملتان

الجواب اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں ہے بلکہ علامہ شامی رح نے بعض محققین سے نقل کیا ہے کہ درست یہی ہے کہ آپ غیر مختون پیدا ہوئے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وقد اختلفت الرواة والحفاظ فی ولادة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم مختونا ولم یصح فیہ شئ وأطال الذھبی فی رد قول الحاکم انہ تواترت بہ الروایة وقد ثبت عندھم ضعف الحدیث بہ وقال بعض المحققین من الحفاظ الا شبہ بالصواب انہ لم یولد مختونا اھ (شامی: ج ۵: ص ۴۹۶) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۹/۱۳۹۵ھ

قرآن پاک افضل ہے یا آنحضرت علیہ السلام

قرآن پاک افضل ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم؟

الجواب: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لہذا کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ مع ہذا ضروریات دین میں سے بھی نہیں۔ اس لئے فقہاء نے اس میں توقف کا حکم فرمایا ہے۔

وعنه علیه السلام القرآن احب الی الله تعالیٰ من السموات السبع والارض ومن فیهن (درمختار) قوله ومن فیهن ظاهره یعم النبی علیه السلام والمسئلة ذات خلاف والاحوط الوقف (شامی ج۱ ص۹۵)

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۸/۹/۱۳۹۷ھ

حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک

جس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا عمر تھی؟ اور خدیجۃ الکبریٰ رض کی کیا عمر تھی؟ اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عائشہ رض سے شادی ہوئی تو اس وقت آپ علیہ السلام کی کیا عمر تھی اور عائشہ صدیقہ رض کی کیا عمر تھی؟ بذریعہ حوالہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں تاکہ بے یقین کو یقین کامل ہوجائے۔

الجواب: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جب ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو اس وقت آپ (علیہ السلام) کی عمر مبارک پچیس سال دو ماہ دس دن تھی۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ (تاریخ الاسلام، حصہ اول ص۳۲)

اور جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس سال اور چھ ماہ تھی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چھ سال تھی اور رخصتی کے وقت نو (۹) سال تھی۔ (تاریخ الاسلام، حصہ اول، ص ۱۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۵/۹/۱۴۰۶ھ

فضلات نبویہ پاک ہیں

بکر نے تقریر کے دوران یہ حدیث شریف بیان کی کہ ایک صحابیہ رض نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب مبارک پی لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تیرا پیٹ درد نہ کرے گا۔ زید اس کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ بکواس ہے۔ جب زید سے کہا گیا کہ تو نے حدیث کو بکواس کیوں کہا؟ تو زید نے کہا کہ میں نے واقعۂ حدیث کو بکواس نہیں کہا بلکہ اس واقعۂ تقریر کو بکواس کہا ہے۔ اب زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مندرجہ بالا مسئلہ کے ثبوت کے لئے زید کے سامنے مدارج النبوت، ج ۱، ص ۲۱ سے حدیث پیش کی گئی۔ زید فوراً بولا کہ میں اس حدیث کو نہیں مانتا۔

الجواب یہ واقعہ صحیح ہے اور علماء اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بول و براز طاہر ہیں۔ زید کا انکار کرنا جہالت پر مبنی ہے۔ چونکہ آج کل علم کی کمی ہے۔ لوگوں کو ایسے نادر مسائل کا علم نہیں ہوتا اس لئے وہ انکار کر دیتے ہیں۔ جب زید کہتا ہے کہ میرا مقصد صرف واقعہ کا انکار تھا حدیث کی توہین مطلوب نہ تھی تو ہم زید پر کفر و فسق کا فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ کسی شخص کی ذات پر فتویٰ لگانے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ البتہ زید کو توبہ کرنی چاہئے۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبداللہ عفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ ۷ / صفر ۷۶ھ / ۱۳

کیا خود آنحضرت علیہ السلام پر بھی درود پڑھنا واجب تھا؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کیا آنحضرت علیہ السلام پر خود بھی اپنے آپ پر درود پڑھنا واجب تھا جیسے کہ آیت یایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

الجواب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ تھے۔ یہ خطاب آپ کے علاوہ باقی تمام مؤمنین کو ہے۔

وفی المجتبیٰ لا یجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی علی نفسہ اھ (درمختار)

وفی الشامیۃ لانہ غیر مراد بخطاب صلوا ولا داخل تحت ضمیرہ کما ہو المتبادر من ترکیب صلوا علیہ وقال فی النہر لا یجب علیہ بناء علی ان یایہا الذین امنوا لا یتناول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف یا ایہا الناس، یا عبادی کما عرف فی الاصول اھ والحکمۃ فیہ واللہ تعالیٰ اعلم انہا دعاء وکل شخص مجبول علی الدعاء لنفسہ وطلب الخیر لہا فلم یکن فیہ کلفۃ والایجاب من خطاب التکلیف لا یکون الا فیما فیہ کلفۃ ومشقۃ علی النفس ومنافرۃ لطبعہا لتحقق الابتلاء اھ (ج ۱، ص ۴۸۱)۔ فقط

واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ۔

آنحضرت علیہ السلام سے صرف عمامہ اور صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں بغیر پگڑی کے ٹوپی پہنی ہے یا کہ نہیں ؟ اور بغیر ٹوپی کے پگڑی پہنی ہے کہ نہیں ۔ بحوالہ تحریر فرمادیں ۔ بینوا توجروا۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ٹوپی یا صرف پگڑی بھی پہنی ہے ۔ زاد المعاد ا ج ۳۴ میں ہے ۔ وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة اھ ولا بأس بلبس القلانس وقد صح أنه صلى الله عليه وسلم كان يلبسها (كذا في العالمگيرى) وفى الترمذى كانت كمام اصحاب رسول الله عليه وسلم بطحًا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔

۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت بمعنی معروف صحیح نہیں

ایک شخص نے توبہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ قصہ شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ حکم فرمایا فرشتوں کو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سب نے کیا مگر شیطان نے نہ کیا راندہ گیا توبہ نہ کی ۔ اور آدم علیہ السلام کو فرمایا ولا تقربا هذه الشجرة الآية حضرت ع خطا کر بیٹھے ۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بالمشافہ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم فرمایا تھا تو ابلیس سے بھی خطا ہوئی اور حضرت ع سے بھی ہوئی ۔لیکن حضرت ع نے توبہ کر لی اور ابلیس نے توبہ نہ کی ۔ تو حضرت ع توبہ کرلے کے بعد اپنے مرتبہ پر رہے اور ابلیس راندہ گیا ۔ یہ بیان صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب حضرت آدم علیہ السلام کے فعل میں اور شیطان کے عصیان میں شیطان و آدم علیہ السلام کا فرق ہے ۔حضرت آدم علیہ السلام کی اس ظاہری غلطی کو سنگین جرم کہنا بھی سنگین جرم ہے ۔آپ کا عصیان نسیان کی بنا پر تھا ۔شیطان نے جب خدا کی قسم کھائی تو دھوکہ میں آگئے اور یہ سمجھے کہ کوئی بندہ خدا تعالےٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا ۔تو یہ بھی درحقیقت اللہ تعالےٰ کے نام کا احترام اور اطاعت تھی ۔گو صورت کے لحاظ سے حکم عدولی تھی ۔ اور اسی بنا پر عتاب کیا گیا ۔ ورنہ تو خود اللہ تعالےٰ آدم علیہ السلام کی صفائی میں ارشاد فرماتے ہیں فنسى ولم نجد له عزمًا الآية کہ آدم علیہ السلام

بھول گئے اور جو کچھ کیا وہ عزم اور ارادہ سے نہیں کیا۔ اور معصیت کے لئے یہ ضروری ہے۔ واعظ کو بھی توبہ کرنی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ ۲۷/۱۱/۱۳۹۶ھ

حضرت جبریل علیہ السلام حضرات شیخین سے افضل ہیں؟

زید کہتا ہے کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں۔ بکر اس عقیدہ کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ضرور حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن کوئی غیر نبی جبریل ع سے افضل نہیں ہو سکتا۔ زید کہتا ہے کہ عوام مؤمنین عوام ملائکہ سے افضل ہیں، اور خواص مؤمنین خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔ دونوں سے کون صادق ہے؟ بمع دلائل تحریر کریں۔

۲: ایک شخص کہتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمسخر فرمایا کرتے تھے۔ عام مؤمنین اس شخص کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تمسخر کی نسبت توہین ہے۔ کیا وہ شخص حق بجانب ہے؟ یا عام مؤمنین جو اسے ناپسند کرتے ہیں۔

الجواب حضرت جبریل علیہ السلام حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل ہیں۔

کما فی رد المحتار۔ عن الروضۃ اجمعت الامۃ علی ان الانبیاء افضل الخلیقۃ وان نبینا علیہ السلام افضلھم وان افضل الخلائق بعد الانبیاء الملائکۃ الاربعۃ ۔۔۔۔۔۔ وان الصحابۃ والتابعین ۔۔۔۔ افضل من سائر الملائکۃ الخ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وحاصلہ ان قسم البشر الی ثلاثۃ اقسام خواص کالانبیاء واوساط کالصالحین من الصحابۃ وغیرھم وعوام کباقی الناس ۔۔۔ وجعل خواص البشر افضل من الملائکۃ خاصھم وعامھم بعدھم فی الفضل خواص الملائکۃ فھم افضل من باقی البشر اوساطھم وعوامھم و بعدھم اوساط البشر فھم افضل عن عدا خواص الملائکۃ الخ

(ج ۲ : ص ۲۹۲)۔

: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تمسخر کی نسبت بے ادبی اور گستاخی ہے۔ لہٰذا قائل پر توبہ

لازم ہے۔ تمسخر بازاری لوگوں کا فعل ہے۔ خوش طبعی الگ چیز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

نیند میں بھی انبیاءِ کرام شیطانی اثرات سے محفوظ رہتے تھے

انبیاءِ کرام ع کو اور انسانوں کی طرح جنابت ہوتی ہے یا نہیں؟ حالتِ مذکورہ کے بعد آیا انبیاءِ کرام علیہم السلام پر یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غسلِ جنابت فرض ہے؟

الجواب حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو حالتِ نوم میں اثرِ شیطانی سے جنابت نہیں ہوتی۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان مقدس ہستیوں کو ان اثرات سے محفوظ فرمایا ہے۔ البتہ مباشرت وجماع کے بعد ان حضرات پر غسل ضروری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں غسل فرماتے تھے جیسا کہ روایت ذیل سے ظاہر ہے۔

عن ابی رافع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف ذات یوم علی نسائه یغتسل عند هذه وعند هذه الحدیث (رواہ ابوداؤد ج۱ ص۲۹)

عن غضیف بن الحارث قال قلت لعائشة رض ارأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل من الجنابة فی اول اللیل اوفی آخرہ قالت ربما اغتسل فی اول اللیل وربما اغتسل فی آخرہ۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳/۲/۱۳۸۹ھ

شبِ معراج غوث الاعظم رح کے کاندھے پر پاؤں رکھ کر جانا غلطِ محض ہے

مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج حضرت سیدنا غوث الاعظم رح کے کندھے پر پاؤں رکھ کر اس جگہ سے آگے تشریف لے گئے کیا یہ درست ہے؟

۲: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد نبوت ہوتی تو حضرت سیدنا غوث الاعظم رح نبی ہوتے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

الجواب حدیثِ معراج اور دیگر احادیث میں اس قصے کا کوئی ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آغازِ سفر سے انتہا تک پورا واقعہ نقل فرمایا ہے اور اس میں براق اور سیڑھی کا ذکر ہے شراحِ حدیث نے بھی اس قصے کو کہیں نقل نہیں کیا۔ نفسِ قصہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی غالی عقیدت مند ذہن کی اختراع ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کی کوئی سند بیان نہیں کی جاتی۔ جو کسی واقعہ کے غلط اور صحیح ہونے کے لئے بنیادی معیار ہے۔ بعض لوگ جوشِ عقیدت میں ع

کچھ بڑھا بھی دیتے ہیں زیبِ داستاں کیلئے

۲: یہ بھی موضوع اور کذبِ صریح ہے ذخیرۂ احادیث میں کہیں اس کا ذکر نہیں۔ حضرت غوث الاعظم رح

کے وجود سے پہلے اس جملہ کا بھی کوئی وجود نہ تھا۔ اگر یہ پیشین گوئی ہوتی تو آپ کی ولادت سے پہلے کوئی تو اس کا ذکر کرتا۔ مسلم شریف میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" آخر زمانہ میں کچھ دجّال اور کذاب ہوں گے جو تم کو ایسی احادیث بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی، نہ تمہارے آباء نے۔ ایسے لوگوں سے بچنا یہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳۰/۷/۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

سایۂ نبوی کے حدیث سے دلائل

کیا خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ تھا یا نہیں؟ جو بھی صورت ہو احادیث سے دلائل ذکر فرماویں۔ لعل محمد خضدار۔

الجواب

صحیح روایات واحادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایۂ مبارک تھا۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد قال اللھم سجد لک سوادی وخیالی وبک امن فؤادی ابوء بنعمتک علی وھذا ما جنیت علی نفسی یا عظیم یا عظیم اغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب العظیمۃ الا الرب العظیم۔

(ج ۱، ص ۵۳۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً حالتِ سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ یا اللہ میرے جسم اور سایہ نے تجھے سجدہ کر دیا اور دل بھی تجھ پر ایمان لے آیا اور میں خود بھی تیری نعمتوں کا معترف ہوں۔ اور اپنی لغزشوں کی معافی بھی تجھ ہی سے چاہتا ہوں۔ مولا! تو بڑا ہے بڑے ہی بڑی لغزشیں معاف فرمایا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں لفظِ " خیال " استعمال ہوا ہے۔ لفظِ " خیال " کے بارے میں علامہ احمد مصطفی المراغی اپنی تفسیر " المراغی " میں ارشاد فرماتے ہیں۔

والظلال واحدھا ظل وھو الخیال الذی یظھر للجرم۔

یعنی ظلال کا واحد ظل ہے جس کے معنی خیال کے ہوتے ہیں۔ اور خیال وہ ہے جو جسم کے لئے بصورت

سایہ ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر بحر المحیط میں علامہ ابو حیان فرماتے ہیں۔

قال الفراء الظل مصدر یعنی فی الاصل ثم اطلق علی الخیال الذی یظهر للجرم وطوله بسبب انحطاط الشمس وقصره بسبب ارتفاعها فهو منقاد لله تعالى فی طوله وقصره و میله من جانب الی جانب۔

(بحر المحیط: ج ۵ : ص ۳۷۸)

مشہور نحوی فراء فرماتے ہیں لفظ ظل اصل میں مصدر ہے پھر اس کو خیال کے معنی میں سے لیا گیا ہے۔ جو بصورت سایہ جسم کے لئے ظاہر ہو جس کی لمبائی سورج کے نیچا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور کمی سورج کے بلند ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ سایہ اللہ تعالے کا مطیع و فرمانبردار رہتا ہے۔ کمی اور زیادتی میں بھی اور ادھر اُدھر جھکنے میں بھی۔

مذکورہ بالا دونوں حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ " سجد لك سوادی و خیالی " جسم اور سایہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نیز اس روایت کو علامہ ذہبی رح نے تلخیص مستدرک میں حدیث صحیح کہا ہے۔

دوسری حدیث: عن انس بن مالك رضی الله تعالى عنه قال بینما النبی صلی الله علیه وسلم یصلی ذات لیلة صلاة اذ مد یده ثم اخرها فقلنا یارسول الله رأیناك صنعت فی هذه الصلاة شیئا لم تكن تصنعه فیما قبله قال اجل انه عرضت علی الجنة فرأیت فیها دالیة قطوفها دانیة فاردت ان اتناول منها شیئا فاوحی الی ان استأخر فاستأخرت ثم عرضت علی النار فیما بینی وبینكم حتى رأیت ظلی وظلكم فیها فاومیت الیكم ان استاخروا۔

مستدرک حاکم: ج ۴ ص ۴۵۶

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کی حالت میں آپ کا ہاتھ مبارک اچانک آگے بڑھا مگر پھر جلد ہی پیچھے ہٹا لیا۔ ہم نے عرض کیا کہ حضور! آج تو آپ نے خلاف معمول نماز میں نئے عمل کا اضافہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ قصہ یہ ہے کہ میرے سامنے ابھی ابھی جنت پیش کی گئی میں نے اس میں بہترین پھل دیکھے تو جی میں آیا کہ اس میں سے کچھ اچک لوں مگر فوراً حکم ملا کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ تو میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر مجھ پر جہنم پیش کی گئی۔ اس کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا

دیکھتے ہی میں نے تمہاری طرف اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹے رہو۔
اس روایت کو بھی علامہ ذہبی رح نے حدیث صحیح کہا ہے۔
تیسری حدیث ۔ عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان فی سفر له ۔ فاعتل بعیر لصفیة و فی ابل زینب فضل فقال لها رسول الله صلی الله علیه وسلم ان بعیرا لصفیة اعتل فلو اعطیتها بعیرا من ابلك فقالت انا اعطی تلك الیهودیة قال فترکها رسول الله صلی الله علیه وسلم ذا الحجة والمحرم شهرین او ثلاثة لایاتیها قالت حتی أیست منه وحولت سریری قالت فبینما انا یوما بنصف النهار اذا انا بظل رسول الله صلی الله علیه وسلم مقبلاً۔

مسند امام احمد بن حنبل رح ج ۶ ؛ ص ۱۳۲

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ اچانک حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا اونٹ بیمار ہوگیا۔ اتفاق سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک سواری زائد تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنی زائد سواری حضرت صفیہ رض کو دے دو۔ حضرت زینب رض نے کہا کیا اس یہودیہ کو دوں؟ پس اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے۔ اور ذوالحجہ اور محرم دو تین مہینے مسلسل ان کے پاس بھی نہیں آئے۔ حضرت زینب رض فرماتی ہیں، یہاں تک کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بالکل مایوس ہوگئی۔ اور اپنا سامان وغیرہ بھی منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اچانک ایک دن کیا دیکھتی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک آرہا ہے۔
چوتھی حدیث ۔
عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه انه ذکران رسول الله صلی الله علیه وسلم حدثهم ان جبریل علیه السلام جاءه فصل به الصلوات وقتین وقتین الا المغرب جاءنی صلی لی الظهر حین کان فیئی مثل شراك نعلی ثم جاء فصلی لی العصر حین کان فیئ مثلی ۔ الحدیث (رواه بزار مجمع الزوائد)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے دو دو وقت کی نمازیں پڑھائیں مگر مغرب دونوں دن ایک ہی وقت پر پڑھائی۔
ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میرے تسمے کے برابر ہوگیا۔ اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میرے برابر ہوگیا۔
مذکورہ بالا احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک تھا۔

فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۶/۵/۱۴۰۰ھ

ذِکر و اَوراد، دُعا، اور تعویزات

و

مَا یَتَعَلَّقُ بِالسُّلُوک

درودِ تاج کے بعض الفاظ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ درودِ تاج میں دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم کے الفاظ آتے ہیں یہ پڑھنے درست ہیں۔ ان کے پڑھنے سے شرک تو لازم نہیں آتا ؟

الجواب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں معنی " دافع البلاء " کہنا کہ آپ کے ذریعہ سے بلاء دفع ہوتی ہے درست ہے۔ اور بایں معنی کہ آپ خود استقلالاً بلاء کو دفع کرتے ہیں درست نہیں۔ ایسے الفاظ جو موہم شرک ہوں اور عوام میں مفسدہ کا باعث ہوں قابلِ اجتناب واحتراز ہیں۔ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمتِ اقدس میں درود بھیجنے کے لئے دوسرے صحیح درود شریف بہت ہیں ان کو ہی پڑھا جائے۔ (ماخوذ من مجموعۃ الفتاوی ج۲ ص۱۹۲)

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۸ شوال ۱۳۷۹ھ

درودِ پاک میں وَنُورِ عَرشِہ کا حکم

درود شریف صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و علی الہ واصحابہ و اھل بیتہ وازواجہ و ذریاتہ ونور عرشہ اجمعین کیا یہ درود شریف صحیح ہے بعض کہتے ہیں کہ غلط ہے۔ اس لئے کہ بریلوی پڑھتے ہیں۔

الجواب اگر نور عرشہ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تو یہ لفظ آپ کے نام کے ساتھ آنا چاہئے۔ اگر کوئی اور چیز مراد ہے تو اس پہ درود کا کیا مطلب اور پہلی صورت میں اس لفظ کی بجائے "سید الانبیاء" ذکر ہو جائے تو کیا حرج ہے ؟

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بخشش کیلئے ستر ہزار دفعہ کلمہ پڑھنا

۱ : زید اپنی زندگی میں اپنے لئے پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھ کر اپنے لئے ذخیرہ کرتا ہے کہ بعد موت کے میری بخشش ہو جائے۔

۲ : یا اسی طرح کسی کی موت کے بعد اسے پچھتر ہزار دفعہ پڑھ کر بخشتا ہے تو کیا ان دونوں کی بخشش ہو جائے گی ؟

۳ : یہ تعداد کتنی ہے ؟ ۴ : پورا کلمہ طیبہ یا صرف پہلا حصہ پڑھے ؟

سائل ہدایت شاہ راولپنڈی۔

الجواب ۱، ۲ : بعض روایات میں وارد ہے کہ جس نے کلمہ طیبہ ستر ہزار دفعہ پڑھا یہ اس کے لئے جہنم سے فدیہ ہو جائے گا۔ نقلہ الشامی فی رسالۃ منۃ الجلیل اور امام قرطبی رح سے ایسے بھی نقل کیا گیا ہے کہ دوسرے کے لئے بھی پڑھا جا سکتا ہے پس زید اور جس کے لئے پڑھا گیا ہے دونوں کے لئے امید مغفرت ہے۔

۳ : ستر ہزار (۷۰۰۰۰)

۴ : صرف لا الٰہ الا اللہ۔ عن الشیخ القرطبی انہ قال سمعت فی بعض الاخبار ان من قال لا الہ الا اللہ سبعین الف مرۃ کانت فداءہ من النار اھ (منۃ الجلیل) کبھی کبھی آخری جزء بھی کہہ لینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴ : ۱۰ : ۱۴۰۰ھ

ختم خواجگان کا حکم

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ختم خواجگان ہمیشہ روزانہ خاندانِ نقشبندیہ میں پڑھا جاتا ہے چنانچہ جب سے جنگ پاک ہند شروع ہوئی ہے فجر کی نماز میں امام مسجد قنوتِ نازلہ بھی پڑھتے ہیں۔ اور بعد نماز ظہر چند مقتدیوں کو شامل کر کے ختم بھی پڑھتے ہیں۔ اور یہ امام مسجد دیہ خاندانِ نقشبندیہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ جو کام قرآن و حدیث اور فقہ میں نہ ہو وہ خلاف شریعت ہے۔

الجواب ختم خواجگان مذکورہ بالا ورد و وظائف کے قبیل سے ہے یہ کوئی خلاف شریعت کلمات پر مشتمل نہیں ہے پس اسکے پڑھنے سے کوئی نقصان و حرج نہیں۔ البتہ اسے شرعی حکم کی حیثیت نہ دی جائے کہ تارک پر نکیر کی جانے لگے۔ جو شخص خوشی سے شریک ہو ٹھیک ہے اور شریک نہ ہونے والے پر کوئی الزام نہیں۔ کسی امر کے بدعت اور ممنوع بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا شرعاً ثبوت بھی نہ ہو۔ اور اسے دینی حکم بنا لیا جائے اور اس کے نہ کرنے والے کو مطعون ٹھہرایا جائے فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

دعا میں لی خمسۃ اطفی بہا الخ پڑھنا جائز نہیں

موضع تارا سنگھ متصل دیپالپور ضلع ساہیوال کی جامع مسجد کے شمالی اور جنوبی دروازوں پر امام صاحب نے یہ لکھوا دیا تھا۔ لی خمسۃ اُطفی بہا حر الوباء الحاطمۃ ؛ المصطفی والمرتضی وابناھما والفاطمۃ۔ امام مسجد مذکور اکثر نمازوں کے بعد یہ پڑھا کرتا تھا کسی

نمازی نے اس شعر کو مسجد کے دروازوں سے مٹا دیا۔ تو امام مذکور سخت ناراض ہوا۔ اور مٹانے والوں کو دشنام طرازی سے نوازتا رہا۔ کیا امام کا یہ عمل جائز تھا یا نہیں ؟ شعر کا لکھنا جائز تھا یا مٹانا جائز۔ اور یہ شعر حدیث ہے یا شیعہ کی ایجاد ہے۔ اور اس کا کیا مطلب کیا ہے ؟

الجواب امام مذکور کا اکثر نمازوں کے بعد دعاء میں یہ شعر پڑھنا درست نہیں بلکہ یہ شعر دعاء کے دوران پڑھنا ہی نہیں چاہئے۔ اسی طرح اس کا مسجد کے دروازوں پر لکھنا، لکھوانا بھی جائز نہیں۔ اس نمازی نے بہت اچھا کیا۔ اس کام کی وجہ سے امام مذکور کا اس سے ناراض ہونا اور دشنام وغیرہ دینا بالکل غلط ہے۔ امام مذکور کو اس سے توبہ کرنی چاہئے اور شخص مذکور سے معافی مانگ لینی چاہئے۔ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ ظن غالب ہے کہ یہ شعر شیعہ کی ایجاد ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۴)

فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ ٢٢ : ٥ : ١٣٨٧ ھ

دم کرنے پر مال لینا جائز ہے

ایک شخص نے کسی بیمار سے کہا کہ جب آپ کو شفاء ہو جائے گی اتنا فلاں مال لوں گا۔ اگر شفاء نہ ہو تو کچھ نہیں لوں گا۔ اس معالج نے قرآن پاک کی کوئی سورت پڑھکر پانی پر دم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیمار کو شفاء عطا فرمائی۔ اب اس معالج کو وہ مال لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب وفی الشامیۃ وما استدل بہ بعض المحشین علی الجواز بحدیث البخاری فی اللدیغ فھو خطاء لان المتقدمین المانعین الاستئجار مطلقا جوزوا الرقیۃ بالاجرۃ ولو بالقران کما ذکرہ الطحاوی ، ج ٥ ، ص ٣٧۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تعویذ پر یا کوئی آیت پڑھ کر دم کرنے پر اجرت لینا جائز ہے۔ لیکن صورت مسئولہ میں شخص مذکور کے اس کہنے نے (اگر شفاء نہ ہو تو کچھ نہ لوں گا) اجارہ کو فاسد کر دیا۔ کما فی الشامیۃ۔ اور اجارہ فاسدہ میں اجیر اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں دم کنندہ اس چیز کے لینے کا حق دار نہیں جس پر ان دونوں کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ البتہ اجر مثل کا حق دار ہے۔

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ محمد عبد اللہ عفر لہٗ ٢١ : ١١ : ١٣٧٦ ھ

چاند کی دعا منہ پھیر کر مانگنی چاہیئے

۱ : چاند کو دیکھ کر ماثورہ دعا۔ اللّٰھمّ أھلہ الخ کے کلمات زبان سے ادا کیئے جائیں اور ہاتھ نہ اٹھائے جائیں تاکہ ستارہ پرستوں سے تشبہ نہ ہو کیا اس طرح درست ہے ؟

۲ : قبر پر جاکر حسب میت کے حق میں دعائے خیر کی جائے تو اس وقت بھی ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ تاکہ قبر پرستوں سے مشابہت نہ ہو۔ کیا یہ دونوں مسئلہ درست ہیں ؟

الجواب ۱ : عن قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا رأی الھلال صرف وجھہ عنہ رابو داؤد) و فی بذل المجھود ج ۵ ، ص ۲۹۹ - قولہ صرف وجھہ عنہ قال المنذری ھذا مرسل الی قولہ وکتب مولانا محمد یحیٰی المرحوم فی التقریر قولہ صرف وجھہ عنہ وذلک لئلا یلزم حین ید عو بالدعوات تشبہ لعبدة الشمس والقمر۔

روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ چاند دیکھ کر دعا کرتے وقت منہ پھیر لینا چاہیئے ۔

۲ : قبرستان میں دعا کرتے وقت مستقبل قبلہ ہو تو رفع ایدی درست بلکہ مستحب ہے . و فی حدیث ابن مسعود رض رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی البجادین ...... الی فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعا یدیہ اخرجہ ابو عوانۃ فی صحیحہ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۱۲)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحٰق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۸۶/۸/۱۶ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

دوسرے کیلئے استخارہ کیسے کرے

دوسرے کے کام کے لئے استخارہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر ہو سکتا ہے تو الفاظِ استخارہ کیسے پڑھے ؟

الجواب دوسرے شخص کے لئے بھی استخارہ جائز ہے۔ اور الّٰلھم انی استخیرک کے بعد لِفُلَانٍ نام لے کر بڑھا دیا جائے اور ان ھذا الامر خیرلی کی بجائے لَہٗ کہا جاوے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہٗ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

نَادِ عَلِیًّا الخ کا وظیفہ پڑھنا جائز نہیں

بعض لوگ مصائب و پریشانیوں میں ناد علیا مظھر العجائب کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ شرعاً اس کا پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب حلِّ مشکلات اور دفع مصائب کے لئے احادیث میں اور بہت سے زود اثر وظائف موجود ہیں۔ علماء و محدثین سے پوچھ کر ان کا ورد کیا کریں۔ ایہامِ شرک کی وجہ سے نادِ علیا کا وظیفہ پڑھنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

سوا لاکھ آیت کریمہ کا شرعی حکم

آج کل یہ عام رواج ہوتا جارہا ہے کہ کسی گاؤں یا محلے کے لوگ کسی مشکل کے وقت جمع ہو کر آیتِ کریمہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کو سوا لاکھ دفعہ اس خیال سے ورد کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اس آیت کے ورد سے مشکل سے نجات دی تھی اسی طرح ہماری مشکل بھی دور ہو جائے گی۔ اس ورد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز مشکل کے وقت اسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنے کا کیا طریقہ سکھایا ہے؟

الجواب سوا لاکھ مرتبہ آیتِ کریمہ کا ورد کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ کہ مصیبت کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔ بلکہ دعاء کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ جیسے دوسرے طریقوں سے دعاء کرنا جائز و مشروع ہے ایسے ہی آیت کریمہ پڑھ کر دعاء کرنا بھی مشروع ہے۔ البتہ بزرگوں کا تجربہ ہے کہ آیت ہذا کا وردِ مذکور کر کے دعاء کی جائے تو قبولیت کی بہت امید ہے اور دفعِ بلاء کا ظن غالب ہے۔ بس اس ورد کی شرعی حیثیت یہی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

غیر معلوم المعنی وظیفہ پڑھنے کا حکم

دنیا میں بہت سے منتر اور عزیمتیں اور قرآنی آیات و تعویذات مطلب برآری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں بعض وہ ہیں جو سمجھ میں نہیں آتے۔ اور بعض آتے ہیں۔ اور مختلف زبانوں میں یہ منتر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات غیر خدا کو پکارا جاتا ہے اور مطلب میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ کام کس حد تک جائز ہے۔ جس کی مثال پیشِ خدمت ہے۔ یا شمکا شاله یا طاهی طاله طاهی حق طمطی طمطی یا طالی الخ

یہ ایک لمبا عمل ہمزاد تابع کرنے کا ہے۔ بتی میں تعویذ ہوتا ہے اور بتی کی لو پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب مذکورہ عمل پڑھنا جائز نہیں ۔ شامی میں ہے : ج ۵ ، ص ۲۴۰ ۔
ولا بأس بالمعاذات اذا کتب فیها القرآن او اسماء الله تعالیٰ ویقال رقاه الراقی رقیا و رقیته اذا عوّذه ونفث فی عوذته قالوا وانما تکره العوذة اذا کانت بغیر لسان العرب ولا یدری ماهو ولعله یدخله سحرا وکفرا او غیر ذالک واما ماکان من القرآن اوشئی من الدعوات فلا بأس به اھ
نیز ہمزاد بھی ایک جن ہوتا ہے اور جنوں کو تابع اور مسخر کرنے سے حدیث میں منع وارد ہوئی ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بخاری شریف کی مندرجہ ذیل حدیث سے منع مستنبط ہوتی ہے ۔
عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه صلی صلوة فقال ان الشیطان عرض لی فشدّ علیّ لیقطع الصلوة علی فامکننی الله منه فذعته ولقد هممت ان او ثقه الی ساریة حتی تصبحوا فتنظروا الیه فذکرت قول سلیمان رب هب لی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی فرده الله خاسئاً (بخاری ج ۱ ص ۱۶۱)
کذا ذکره الشراح ۔ والجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۲۹/۱/۱۳۸۰ھ

عملیات کے ذریعہ کمائے ہوئے پیسے کا حکم

عملیات اور وظائف کے ذریعہ مال حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ جبکہ ایسے عملیات تجربہ میں آچکے ہیں کہ مصلے کے نیچے پیسے رکھ کر عمل شروع کیا اور مصلے کے نیچے سے بغیر شمار کئے اٹھا کر خرچ کرتے رہے اور پیسے ختم نہ ہوئے ۔ حافظ عبدالستار علو والی ۔

الجواب حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ " یہ بواسطۂ جنات چوری ہے لہذا حرام ہے " (امداد الفتاویٰ ، ج ۴ ، ص ۵۱۰)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

درود شریف کے بارے میں چند مسائل ۱ : صلوٰۃ وسلام خارجِ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟
۲ : سلام بالاخفاء پڑھے یا بالجہر ؟
۳ : مخصوص طرز میں پڑھے یا جیسے چاہے ۔ ۴ : قعود میں پڑھے یا قیام میں ؟

الجواب ۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا ایک بہترین عبادت ہے اور یہی ایک ایسی عبادت ہے جو کبھی رد[1] نہیں ہوتی ۔ لھذا خارجِ نماز بھی جتنا پڑھا جاسکے غنیمت سمجھے ۔

۲ : دعاء وعبادت میں اصل اخفاء ہے لقولہٖ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ الآیۃ
اگر کسی وقت طبیعت کا تقاضا جہر کا ہو تو چند شرائط کے ساتھ گنجائش ہے ۔
۱ــ : جہر مفرط نہ ہو ۔ جہر کی وجہ سے کسی عبادت کرنے والے کی عبادت میں خلل نہ آوے ۔
۲ــ : کسی سونے والے اور بیمار کو اذیت نہ ہو ۔
۳ــ : ریا مقصود نہ ہو ۔

۳ : اگر مخصوص طرز سے مراد نغمہ اور لَے ہے تو یہ شریعت میں کوئی مطلوب نہیں ۔ از خود پیدا ہو تو ممنوع نہیں ۔ کثرت مقصود ومطلوب ہونی چاہیئے ۔

۴ : جن عبادات کو کسی خاص کیفیت سے ادا کرنا مقصود ہے ۔ ان عبادات میں شریعت نے کیفیت ذکر کی ہے ۔ کہ یہ عبادات بیٹھ کر کی جائیں یا کھڑے ہو کر وغیرہ وغیرہ ۔
اور جن میں شریعت نے کوئی خاص قید ذکر نہیں کی ان کو عام با ادب طریقے پر ادا کیا جائے گا مستحسن طریقہ یہی ہے کہ احترام کے ساتھ قبلہ رو بیٹھ کر دل جمعی کے ساتھ عبادت کی جائے ۔ درود شریف میں بھی یہ ادب ملحوظ رکھا جائے گا ۔ قیام کو لازم سمجھنا غلط ہے ۔ اور اگر اس خیال سے قیام ہو کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو یہ عقیدہ فاسد اور قیام ممنوع ہے ۔ اور اگر کوئی خاص گروہ اس عقیدہ کے تحت قیام کرتا ہے تو ان کے تشبہ سے بچنا بھی ضروری ہے ۔ نیز عقیدہ ہو کہ میرا درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بذریعہ ملائکہ پیش کیا جارہا ہے ۔ درود کے الفاظ مسنون ومنقول ہوں تو زیادہ بہتر ہے ۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور : نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ ؛ ۲۴ : ۸ : ۱۳۹۸ ھ

[1] فیہ نظر ۔ محمد انور مرتب

دم کی ایک مروّج صورت کا حکم

گزارش ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مسجد کے باہر بچے اور لوگ برتن لئے کھڑے رہتے ہیں کہ نماز ختم ہوا اور وہ اپنے برتن میں دم کرائیں ۔ رمضان شریف میں بوتلوں کی قطار کی قطار لگ جاتی ہے ۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے ۔ نیز اس کے متعلق کوئی حدیث نبوی ہو تو تحریر فرمائیں ۔

الجواب اس میں کوئی خلاف شرع امر نہیں ۔ ہاں شور و شغب ہوتا ہو تو شور سے روکنا چاہیئے ۔ دم کرنا حدیث سے ثابت ہے ۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے زخم ہو گیا تھا فرماتے ہیں کہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا ۔ آپ نے تین مرتبہ دم فرمایا تو زخم درست ہو گیا ۔ فاتیت النبی علیہ السلام فنفث فیہ ثلاث نفثات فما اشتکیتھا حتی الساعۃ ۔ (مشکوۃ ، ص۵۳۳) ۔

نیز حدیث میں ہے ۔ کان رسول اللہ علیہ السلام اذا صلی الغداۃ جاء خدم المدینۃ بآنیتھم فیھا الماء فما یأتون باناء الا غمس یدہ فیھا فربما جاءوا بالغداۃ الباردۃ فیغمس بیدہ فیھا اھ (مشکوۃ ص ۵۱۹)

فقط واللہ اعلم ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴ / ۱۰ / ۱۳۹۵ھ

دم اور تعویذ دینے کا ثبوت

اگر کسی شخص پر آسیب کا اثر ہو ، اس کو دور کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی روشنی میں تعویذ لکھ کے گلے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ سننے میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کسی قسم کا تعویذ بنا کر گلے میں لٹکانا شرک ہے یا منع ہے ۔ کیا اس قسم کی حدیث کتب احادیث میں موجود ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت کیجئے ۔

۲ : جو لوگ تعویذوں کا پیشہ کرتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں ۔ کیا یہ اجرت لینا جائز ہے ؟

الجواب بخاری و مسلم میں روایت آتی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سانپ کے ڈسے ہوئے کو سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس کے عوض میں کچھ بکریاں بھی لیں ۔ ایسے ہی ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر الدواء القرآن ذکرہ ابن القیم فی زاد المعاد واحتج بہ فھو حسن او صحیح عندہ ۔

نیز بخاری و مسلم میں ہی روایت آتی ہے کہ آنحضرت علیہ السلام معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرتے تھے ۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اشتکی

یقرء نفسہ بالمعوذات اھ (بخاری ج ۲ ص ۷۵۰)
قرآنی آیات یا ادعیۂ احادیث سے شفا، کا انکار کرنا سراسر جہالت وحماقت اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کے تجربات کو جھٹلانا ہے۔
رہا تعویذات کا مسئلہ تو حصن حصین کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو آدمی ان کلمات کو پڑھ نہ سکے تو ان کلمات کو لکھ کر گلے میں ڈال لے۔ (حصن حصین ص۲۵۱ طبع لکھنؤ) نیز یہی روایت ابوداؤد میں بھی موجود[1] ہے۔
البتہ یہ ضروری ہے کہ تعویذ کے کلمات شرکیہ یا غیر معلوم المعنی نہ ہوں۔ جاہلیت والے ایسے ہی تعویذ استعمال کرتے تھے جن کے الفاظ شرکیہ تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ ایسے تعویذوں سے بچا جائے۔ کیونکہ اس حدیث کے آخر میں لفظ یہ ہیں۔ "کہ یہ شرک ہے" اور ظاہر ہے کہ شرکیہ تعویذ ہوں گے تو ان کے استعمال سے شرک لازم آئے گا۔ جائز تعویذوں کے بارے میں یہ ارشاد نہیں ہے۔
۲: نفس اجرت لینا تو جائز ہے جیسا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے دم کرنے پر اجرت لینا ثابت ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں مجبور کرنا، ناحق تنگ کرنا یا اور کوئی ایسی بات کرنا ممنوع ہے۔
فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ : الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ ۲/۲/۱۴۰۱ھ

تعویذات کیلئے مستند کتب تعویذات کے لکھنے اور ان کے پہننے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد یا عمل ہے یا نہیں؟
۲: لوگ ہمیں تعویذ لکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کو لکھ کر دیا جائے تاکہ وہ شرکیہ تعویذات وعملیات سے بچیں۔

الجواب ۱: حصن حصین ص۲۵۱ پر ایک حدیث آتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو آدمی ان کلمات کو پڑھ نہ سکے تو تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لے۔ نیز تعامل سلف بھی ایک اہم دلیل ہے۔
۲: اعمال قرآنی، مجربات عزیزی، شفاء العلیل اس سلسلہ میں مفید ومعتمد علیہا ہیں۔
فقط واللہ اعلم۔

---

[1] عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلمھم من الفزع کلمات اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ وشر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمھن من عقل من بنیہ ومن لم یعقل کتبہ فاعلقہ علیہ (ابوداؤد، ج ۲، ص ۵۴۳) ۔ فیہ دلیل علی جواز کتابۃ التعاویذ والرقی وتعالیقھا ۔ (بذل المجہود، ج ۵، ص ۱)۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۳ ؍ ۶ ؍ ۱۳۹۹ھ

اعینونی عباد اللہ کے وظیفے کا حکم

کتاب " شہباز شریعت " جو ایک بڑے عالم کی لکھی ہوئی ہے ۔ ص ۳۴۲ ۔ پر ہے کہ اعینونی عباد اللہ رحمکم اللہ ۔ یا عباد اللہ اعینونی ۔ اس کو نو مرتبہ پڑھا جائے جو شخص غائب سے امداد چاہے وہ یہ پڑھے ۔ ایک شخص اعتراض کرتا ہے کہ جب غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز نہیں ہے جیسا کہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئًا للہ ناجائز ہے ۔ تو مذکورہ وظیفہ جائز کیسے ہے ؟ اور ان اللہ کے بندوں سے کون سے بندے مراد ہیں ۔ کیا یہ حدیث سے ثابت ہے ؟

الجواب باوجود تلاش کے اصل کتاب سے یہ حدیث نہیں مل سکی اور کتاب بھی پوری نہیں بلکہ شاید دوسری جلدوں میں یہ حدیث موجود ہو ۔ لہذا حدیث کی صحت اور ضعف کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی ۔ البتہ ان عبارات کو ہر شخص غائب سے استمداد کیلئے پڑھنا جائز نہیں ۔ اور نہ ہی بطور وظیفہ ان کا پڑھنا روا ہے ۔ بلکہ یہ تو صرف اس شخص کے لئے ہے جو صحرا میں کوئی چیز گم کر دے ، جیسا کہ خود الفاظ حدیث سے ظاہر ہے ۔ پس اس حدیث سے ہر غائب سے ہر مقام پر ہر وقت مطلقاً استمداد و استعانت کا جواز ثابت نہیں ہوگا ۔ نیز یہ بھی متعین نہیں کہ یہ عباد اللہ کس طرح اعانت کرتے ہیں ۔ دعا کرتے ہیں یا کسی اور طریق سے اور ان عباد اللہ کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ فرشتے ہیں ۔ اور بعضوں کے نزدیک ابدال ہوتے ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

اگر بعض فرشتوں کو یا رجال غیب کو صحراء میں حق تعالیٰ سبحانہ نے اسی خدمت پر مامور فرمایا ہو تو کچھ عجیب نہیں ۔ لیکن اس سے مطلقاً استمداد غیر اللہ کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا ۔

تتمہ ۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ۔

وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی .... فان للہ عبادا لا یراھم ۔ حدیث سے امور ذیل مستفاد ہوئے ۔

۱ ؛ جب صحرا میں کوئی شئے گم ہو جائے تو اس وقت خط کشیدہ الفاظ کہے جائیں ۔

۲ ؛ وہاں کچھ رجال غیب ہوتے ہیں جو ہر شخص کو نظر نہیں آتے ۔

حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ عباد اللہ کی اعانت کی نوعیت کیا ہوتی ہے ۔ وہ صرف دعا کرتے

ہیں یا کچھ اور۔ پس اس میں کوئی قابلِ تعجب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ عز وجل اس لق و دق صحرا میں کچھ رجالِ غیب کو ایسے امور کے لئے مامور فرما دیتے ہوں۔ لیکن یہ ندائے غیب نہیں ہوگی بلکہ وہیں کے رہنے والوں کو پکارنا ہے۔ نہ معلوم ان کی کتنی تعداد ہے کہ وہ ہمیں نظر نہ آتے ہوں۔ اور ان کا وہاں موجود ہونا خود اس حدیث سے ثابت ہے۔ بخلاف " یا شیخ عبدالقادر الخ" کے کہ یہ ندائے غیب ہے۔ کیونکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ العزیز ہر جگہ اور ہر گھر میں موجود ہوتے ہیں۔ پس دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ البتہ یہ کہ " یا عباد اللہ الخ" کو ہر جگہ پر بطور وظیفہ پڑھنا پھر بھی جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ حدیث سے ایسا عموم ثابت نہیں ہوتا۔ جس مقدار کے لئے حدیث سے اجازت معلوم ہوتی ہے اس کو جائز سمجھا جائے۔ یعنی صرف جنگل میں جب کہ کوئی چیز گم ہو جائے۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کے خلاف یہ اس لئے نہیں ہوگا کہ یہ اعانت ایسی ہی ہے جیسے ایک انسان دوسرے انسان کی معمولی کاموں میں امداد کرتا ہے۔

اس تفصیل و بحث کی حاجت اس وقت ہے جب کہ سند کے اعتبار سے حدیث کی صحت معلوم ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

وہ تعویذات کرنے جائز ہیں جن میں شرکیہ کلمات نہ ہوں

رقیہ یعنی دم، تعویذ، تمیمہ، تینوں کی وضاحت کریں کہ کون سے ناجائز اور شرک ہیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب احادیث کی روایات اس کے بارے میں مختلف ہیں۔ بعض سے جواز اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے فقہاء نے تعویذات کے متعلق ضابطہ یہ لکھا ہے کہ قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ یا ایسے کلمات جن سے کوئی کفر و شرک لازم نہ آتا ہو۔ بلکہ شرک کا وہم بھی نہ ہوتا ہو۔ ایسے دم اور تعویذات کرنا، اور استعمال کرنا شرعاً درست ہے۔ اس کے علاوہ شرکیہ کلمات والے تعویذات کا استعمال ناجائز ہے۔ بلکہ فقہاء نے ایسے دم اور تعویذات سے بھی منع کیا ہے جن کے معنی معلوم نہ ہوں۔ شامیہ میں ہے۔ قالوا انما تکرہ العوذ اذا کانت بغیر لسان العرب ولا یدری ما ھو لعلہ ید خلہ کفر او غیر ذالک (شامی ج ۵ ص ۲۳۲)

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

ذکر بالجہر کے احکام

۱ : علماء احناف کے ہاں "ذکر" بلند آواز سے کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ مسجد میں اگر کسی کی نماز خراب ہونے ، یا کسی مسافر کی نیند خراب ہونے یا ریا کا خوف نہ ہو تو ذکر جہر کرنا کیسا ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی کا خوف ہو تو کیا حکم ہے۔ نیز جہر کتنا اونچا جائز ہے۔

۲ : بعض صوفیاء کے ہاں حلقہ بنا کر مسجد میں ذکر بالجہر کیا جاتا ہے یہ عمل کیسا ہے۔

۳ : سلاسل اربعہ نقشبندی ، سہروردی ، چشتی ، قادری یہ دلائل اربعہ کی رو سے حق ہیں یا نہیں۔

۴ : حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ اور ان کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور جمعرات کو بعد از نماز مغرب لائٹ بند کر کے ، حلقہ بنا کر شیرانوالہ مسجد میں ذکر جہر کرواتے ہیں۔ اور جہر اتنا اونچا ہوتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے سن اور سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کیسا ہے ؟

الجواب

۱ ، ۲ : ذکر جہر ہر طور سے جائز ہے کسی کو کسی طرح سے منع نہیں کرنا چاہیئے۔ ذکر کسی ہیئت کے ساتھ مقید نہیں۔ بلکہ بوجہ اطلاق ادلّہ مطلق ہے۔ خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر۔ یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر۔ غرضیکہ کوئی ہیئت ہو جائز ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ الاحفتہم الملائکۃ ۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۶)

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالی انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسی ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہ فی ملاءٍ خیر منہم (متفق علیہ)

وقال اللہ تعالی یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبہم الآیۃ

وفی تفسیر الاحمدی فی بحث الجہر والاخفاء : وھذا بحث مختلف فیہ بین الانام فی زماننا ولا طائل تحتہ اذ المقصود بکل الوصول الی اللہ تعالی بای طریق کان ۔

البتہ اس میں اس بات کا خیال ضرور رہے کہ یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی نائم یا نمازی کو اذیت نہ ہو۔ اور جہر نہایت مفرط نہ ہو۔ نیز کسی طریقہ کو لازم نہ سمجھا جائے۔ (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۱۶۶)

ذکر جہر ادنیٰ کی حد تو متعین ہے۔ وہ یہ کہ ساتھ والوں کے علاوہ دوسرے بھی سُن سکیں۔ کما فی الشامیۃ ج ۱ ص ۴۹۹۔

وادنی الجهر اسماع غیرہ ممن لیس بقربه لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں۔ واعلاہ لاحد له فافهم (شامی ج ۱ ص ۴۹۹) اپنے نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی شرط وہی ہے کہ کسی مصلی ونائم کو تشویش نہ ہو کما صرح به الفقهاء۔

۳: سلاسل اربعہ حق ہیں۔

۴: جائز ہے بشرطیکہ نہ کرنے والوں پر نکیر نہ کیا جاتا ہو۔ اور اس کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جاتا ہو۔ فقط واللہ اعلم ؛ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ؛ ۲۲ / ۴ / ۱۳۸۷ھ

سپیکر پر ذکر جائز نہیں

ذکر جہر زور زور سے سپیکر پہ پڑھنا درست ہے؟ اسی طرح حدیث وتفسیر کہ آدھی رات کو لوگوں کی نیند حرام ہو۔ یا نماز کے اوقات میں جبکہ دوسری مساجد میں نماز ہو رہی ہو۔ آیا یہ درست ہے یا نہیں؟۔

الجواب بلند آواز سے ذکر کرنے سے کسی نمازی کو یا سونے ہوئے کو تکلیف ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ اور جہر مفرط ذکر میں ویسے ہی درست نہیں کسی کو تکلیف ہو یا نہ ہو۔ ودلیلہ مافی الاتقان : ج ۱ ص ۱۱۳ - قال النووی ان الاخفاء افضل حیث خاف الریاء او تأذی المصلون اوالنائم بجهرہ اھ

اور ابو داؤد میں سند صحیح کے ساتھ روایت ہے۔ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعهم یجهرون بالقرأة فکشف الستر وقال ان کلکم مناج ربه فلا یؤذین بعضکم بعضا اھ

(امداد الاحکام ؛ ج ۱ ؛ ص ۲۲۸)

اور درس میں اصل مقصود حاضرین کو سنانا ہوتا ہے لہذا آواز انہیں تک محدود رکھی جائے۔ فقط

(ورفع صوت بذکر) لانه حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام الی ان قال ه

وفی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قارئ

۱۶ھ شامی ج ۱ ص ۴۶۳ ۔ وقال الشامی ای رفع الصوت بالذکر بدعۃ ۔ (شامی ص۵۳۳)

واللہ اعلم ، محمد انور ، نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۷ ؍ ۹ ؍ ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۔

لفظ یا اللہ کے ساتھ دعا مانگنا ۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت ، یا پکارتے وقت صفاتی نام لینا چاہئے ذاتی نام سے دعا نہیں کرنی چاہئے

اس بات کے متعلق وہ یہ دلائل پیش کرتا ہے ۔

۱ : اصول ہے کہ اپنے سے بڑے کو نام سے پکارنا بے ادبی ہے ۔ اور کسی معاشرے میں بھی یہ جائز نہیں ہے مثلاً باپ یا استاد کو نام سے پکارا جائے تو وہ یقیناً ناراض ہو گا ۔

۲ : کسی اللہ کے رسول نے اللہ تعالیٰ کو ذاتی نام سے نہیں پکارا ۔ اگر جائز ہوتا تو کیا انبیاء علیہم السلام کو ذاتی نام سے نفرت تھی ؟ بوقت پکار یا اللہ کہتے ۔

۳ : آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ ذاتی نام سے پکارنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ۔ لا تجعلوا دعاء الرسول الآیۃ حب باری تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے احترام کے خواہاں ہیں کہ یا محمدؐ کہہ کر کوئی نہ پکارے بلکہ یا رسول اللہ ، یا ، یا ابا القاسم کہے ۔

۴ : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ مالکم لا ترجون للہ وقارا ۰ وقد خلقکم اطوارا ۰ (سورۃ نوح ۔ پ ۲۹) حسب الانسانوں میں کوئی محترم ہے ، تو اللہ تعالیٰ کے متعلق احترام کی پرواہ کیوں نہیں ؟

خلاصہ یہ ہے کہ دعاء یا اللہ کہہ کر مانگنی چاہئے یا صفاتی نام سے ۔ مثلاً اے میرے مالک ، اے میرے پروردگار وغیرہ نیز اللّٰھم لفظ الٰہ سے مشتق ہے اور لفظ اللہ خدا تعالیٰ کا ذاتی نام ہے ۔ تو کیا اس شخص کا یہ کہنا درست ہے ؟

الجواب اسم ذات کے ساتھ دعاء کرنا درست ہے ۔ جلالین شریف میں ہے ۔ وکان صلی اللہ علیہ وسلم یقول یا اللہ یا رحمٰن فقالوا انہ ینہانا ان نعبد الٰہین وھو یدعو الٰہا اخر معہ فنزل قل لھم ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ای سموہ بایہما او نادوہ بان تقولوا یا اللہ یا رحمٰن ۔ (ص ۲۳۹) ۔

مذکورہ عبارت سے ظاہر ہے کہ خدائے پاک نے قرآن پاک میں یا اللہ کہہ کر دعا مانگنے کی اجازت دی ہے ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح دعا فرماتے تھے ۔ اور دوسری آیت بھی اس کے بارے میں

صریح ہے۔ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا۔ اسماء حسنیٰ میں لفظ اللہ بھی داخل ہے پس اس سے پکارنا بھی جائز ہے۔ حواشی جلالین میں ہے۔

بل یدعی باسمائہ التی ورد التوقیف علی وجہ التعظیم فیقال یا اللہ یا رحمٰن یا عزیز یا کریم۔ (ص ۱۴۵)

قل اللّٰھم کا ترجمہ صاحب جلالین نے "یا اللہ" کیا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ کے آخر میں میم مشدد حرف ندا کا بدل ہے۔ اس لئے یا اللّٰھم نہیں کہا جاتا۔ اور اللّٰھم سے بے شمار جگہوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء فرمانا ثابت ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۱۶

اور ایک حدیث میں ہے۔ لا تقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ۔ معلوم ہوا کہ اللہ اللہ کا ذکر جائز ہے۔ ان دلائل کے مقابلہ میں سوال میں ذکر کردہ قیاسات کا کوئی اعتبار نہیں جب نقل مل جائے تو عقل کا کام صرف تسلیم کرنا ہے نہ کہ قیاس لڑانا۔ بندوں کے ضعف کی بناء پر حق جل شانہٗ نے اپنا پاک نام لینے کی اجازت دی ہے۔ تو ناراض کیوں ہوں گے؟ انبیاء علیہم السلام سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آپ یا اللہ کہتے تھے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۸/۲۷ / ۱۳۹۹ھ

فرضوں کی جماعت کے بعد دعا کا ثبوت

دعاء بعد از ادائیگی جماعت نماز فجر، ظہر، عصر مغرب، عشاء مانگنے کے لئے بمطابق حدیث یا سنت کیسی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جائز ہے۔ کونسی احادیث سے ثابت ہے؟

الجواب فرضوں کے بعد دعاء مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے احادیث میں صراحت موجود ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرضوں کے سلام کے بعد کچھ دیر ذکر و دعا میں مشغول رہتے تھے اور آپ کے یہ اذکار اور دعائیں بھی احادیث میں منقول ہیں۔ بناء بریں ائمہ اربعہ اور احناف کا مسلک ہے کہ فرائض کے بعد امام و مقتدی کا دعاء مانگنا سنت و مستحب ہے۔ متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے بعد دعاء مانگنے کی ترغیب دی۔ اور کچھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ان کے مناسب حال ادعیہ بھی تلقین فرمائیں۔

آنحضرت علیہ السلام کا عمل عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث۔ اخرجہ ابن ابی شیبہ

فی مصنفہ)۔

۲ : عن ابی بکرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو بھنّ اللّٰھم انی اعوذبک من الکفر دبر کل صلوۃ اھ (رواہ احمد والترمذی والنسائی)۔

کیا خیال ہے جب نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگ رہے ہوں گے تو صحابہؓ خاموشی سے دیکھ رہے ہوں گے۔

۳ : قال محمد بن یحیٰی الاسلمی رأیت عبد اللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلوتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ رجالہ ثقات نقلہ السیوطی عن ابن ابی شیبہ۔

ان حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بعد کی دعائیں

۴ : عن ابی امامۃ ما دنوت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دبر صلوۃ مکتوبۃ ولا تطوع الا سمعتہ یقول اللھم اغفرلی ذنوبی وخطایای کلھا الحدیث (اخرجہ ابن السنی)

۵ : عن المغیرۃ بن شعبۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فرغ من الصلوۃ قال لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ولفظ البخاری دبر کل صلوۃ اھ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)۔

۶ : عن عبد اللہ بن الزبیر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر الصلوات لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الحدیث (رواہ مسلم)

۷ : عن انس رضی اللہ عنہ قال ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنا الا قال حین اقبل علینا بوجھہ اللھم انی اعوذبک من کل عمل یخزینی ومن کل صاحب یؤذینی واعوذبک من عمل یلھینی واعوذبک من کل فقر ینسینی واعوذبک من کل غنی یطغینی اھ (رواہ البزار وابویعلی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف

متوجہ ہوکر یہ دعاء مانگتے تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بجائے شرکت کرنے کے یا آمین کہنے کے اٹھ کر چل دیتے ہوں۔

۸ : عن علی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلّم من الصلوۃ قال اللّٰھم اغفرلی ما قدّمت وما اخّرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت الحدیث : (ابوداؤد)۔

۹ : عن ثوبان رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان ینصرف من صلوٰتہ استغفر ثلاث مرات ثم قال اللھم انت السلام الخ ۔ (ابوداؤد)

نمازوں کے بعد دعا کے بارے میں آپ کے ارشادات

۱۰ : عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقرء المعوذات دبر کل صلوۃ احمد رواہ ابوداؤد)

۱۱ : قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوف اللیل الاٰخر ودبر الصلوات المکتوبات ۔ (رواہ الترمذی)

۱۲ : عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا معاذ انی واللہ احبك فلا تدع دبر کل صلوۃ ان تقول اللھم اعنی علی ذکرك وشکرك الحدیث ۔ (ابوداؤد والنسائی)

۱۳ : عن الفضل بن عباس الصلوۃ مثنی مثنی تتشھد فی رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیك یقول ترفعھما الی ربك مستقبلاً ببطونھما وجھك وتقول یارب یارب ومن لم یفعل فھو کذا وکذا وفی روایۃ فھو خداج (اخرجہ الترمذی)

۱۴ : اخرج الطبرانی من روایۃ جعفر بن محمد الصادق قال الدعاء بعد المکتوبۃ افضل من الدعاء بعد النافلۃ کفضل المکتوبۃ علی النافلۃ کذا فی السعایۃ ۔

۱۵ : اعلم انہ لاخلاف بان المذاھب الاربعۃ فی ندب الدعاء سرا للامام والقوم واجاز المالکیۃ والشافعیۃ جھر الامام بہ لتعلیم المؤمنین اوتا مینھم

علی دعائہ ۱ھ (از کتاب مسلک السادات الی سبیل الدعوات ، مؤلفہ شیخ محمد علی مفتی مالکیہ بمکہ) ۔

علماء امت کا اجماع ۱۶: قد اجمع العلماء علی استحباب الذکر والدعاء بعد الصلوٰۃ وجاءت فیہ احادیث کثیرۃ ۔
(تہذیب الاذکار للرملی)

کتب تفسیر سے ثبوت ۱۷: ابن السنی انہ قال فی تفسیر قولہ تعالیٰ فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم الایۃ ای اذکروا اللہ تعالیٰ وادعوا بعد الفراغ من الصلوٰۃ انتہیٰ ۔ (التحفۃ المرغوبۃ) فہذہ نبذۃ من دلائل فصلت وبینت فی النفائس المرغوبۃ ومسلک السادات وان شئت التفصیل فطالعہ فانہ یشفیک ویکفیک ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

مزید تفصیل مطلوب ہو تو دیکھئے رسالہ "النفائس المرغوبہ" مؤلفہ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۔ اس میں دو سو پندرہ سے زائد علماء عرب و عجم کی تصدیق و توثیق سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۶ ۱۴ ؍ ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بارش حاصل کرنے کا مسنون طریقہ ایک علاقہ چھوٹی بالا ضلع ڈیرہ غازی خان میں ایک بزرگ علی شاہ کا مزار ہے اس کے متعلقین نے مشہور کر رکھا ہے کہ صاحب قبر نے اپنی حیات میں ارشاد فرمایا تھا کہ جب بارش بند ہو جائے تو دو قومیں (رحاجانی عالیانی) صرف میرے مزار کو اس صورت میں غسل دیں کہ ایک نو عمر نابالغ لڑکی کسی قریب کے کنوئیں سے پانی بھر لادے اور پانی کے ساتھ چوب صندل، گانجنی (گل سرشوئی) تیل سرسوں، دہی (حضرات) چیزیں شامل ہوں غسال غسل دے بند بارانی ٹوٹ کر پھر آبادی ہو جائے گی ۔

کیا اس طریقہ پر غسل دینا اور اس کو ذریعہ نزول بارش سمجھنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟ اور ایسے طریقہ پر روکنے اور طعن کرنے والے کا کیا حکم ہے ۔ نیز اگر کوئی کہے کہ نزول مطر تو من جانب اللہ ہے لیکن تیمناً اور تبرکاً اور حسب ارشاد ولی ہم ایسا کام کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب بارش حاصل کرنے کا مسنون طریقہ استغفار۔ دعا۔ اور نماز استسقاء پڑھنا ہے جو کہ نزول بارش کے لئے مجرب ہے جو لوگ مسنون طریقہ کو ترک کرتے ہیں وہ ایسی رسوم، اور بدعات بے اصل میں مبتلا رہو ہی جاتے ہیں۔ ایسا فعل بالکل بے سند ہے چھوڑ دینا لازم ہے۔ جو لوگ منع کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ اور جو لوگ ایسا کام کرتے ہیں وہ راہ سنت سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ان کی یہ تاویل کہ ہم تیمناً و تبرکاً ایسا کرتے ہیں غلط ہے۔ بارش کی بندش کے وقت کسی نبی یا صحابی یا تابعی یا امام یا ولی کی قبر سے تیمن و تبرک اس طرح کسی نے کبھی حاصل نہیں کیا ایسا عمل چھوڑ دینا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ ؛ ۲۷ ربیع الاول ۷۴ ۱۳ھ

ادعیہ ماثورہ میں زیادتی الفاظ خلاف اولیٰ ہے

فرض نماز کے بعد جو ایک مرتبہ دعاء مانگی جاتی ہے مثلاً اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام (نماز حنفی بحوالہ مسلم شریف از شیخ عصر حضرت مولانا خیر محمد صاحب زید مجدہ) اس دعاء میں جو بعض لوگوں نے تصرف اور غلو کر کے کچھ زائد الفاظ اور بڑھا دیئے ہیں مثلاً منك السلام کے بعد والیك یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا برحمتك دارالسلام اور تبارکت کے بعد وتعالیت بھی پڑھتے ہیں۔ ان زائد الفاظ کا ثبوت احادیث وغیرہ میں ملتا ہے یا نہیں۔ بصورت نفی اگر یہ الفاظ بھی پڑھے جائیں تو موجب ثواب (بدعت حسنہ) ہوں گے یا موجب معصیت (بدعت سیئہ) ہوں گے؟

نیز وہ اپنے جملے "حینا ربنا بالسلام" کا معنی کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو ہمیں حیات اسلام پر زندہ رکھ۔ آیا حینا (از تحیہ) اس کے معنی زندہ رکھنے کے ہیں یا سلام کرنے اور درود بھیجنے کے ہیں۔ اگر اس کے معنی زندہ رکھنے کے ہوں تو پھر ہمیں تتبع اور تلاش کے باوجود کوئی استشہاد نہیں ملتا کہ فلاں محقق اور لغوی نے "تحیہ" کے معنی یہ کئے ہیں زندہ رکھنے کے۔ بر تقدیر نفی معنی لغو اور بیہودہ ہو جاتے ہیں فافہم۔

۲: اذان کے بعد جو دعاء مانگی جاتی ہے مثلاً اللھم رب ھذہ الدعوۃ التآمۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمدان الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودان الذی وعدتہ انك لا تخلف المیعاد (حصن حصین) اگر لوگ والفضیلۃ کے بعد والدرجۃ الرفیعۃ اور اسی طرح وعدتہ کے بعد وارزقنا شفاعتہ بھی

پڑھتے ہیں۔ آیا ان الفاظ کے پڑھنے کا کہیں ثبوت ہے یا نہیں ؟

الجواب ۱ ؛ نماز مفروضہ اور اذان کے بعد افضل یہ ہے کہ ادعیہ ماثورہ پڑھی جائیں جو نماز حنفی میں درج ہیں۔ ان ادعیہ میں بعض کلمات۔ مثلاً والیك یرجع السلام اھ والدرجة الرفیعة اھ وغیرھا بعد میں زائد ہو کر شہرت پذیر ہو گئے ہیں۔ احادیث مرفوعہ میں ان کا ثبوت نہیں اس لئے ان کا پڑھنا خلافِ اولیٰ کے درجہ میں جائز ہوا۔ علامہ شامی رح لکھتے ہیں۔ قال ابن حجر فی شرح المنهاج وزیادة والدرجة الرفیعة وختمه بیاارحم الراحمین لا اصل لهما (ردالمحتار، ج ۱، ص ۲۷۹) والاولی ان یدعو بالادعیة المأثورة اھ (شرح نقایہ ج ۱ ص ۶۲) واما زیادة والدرجة الرفیعة المشتهرة علی الالسنة فقال السخاوی رح لم أرہٗ فی شیئ من الروایات (حاشیہ شرح نقایہ ج ۱ ص ۶۲)۔

۲ ؛ لفظ حینا ربنا بالسلام مشتق ہے حیٰوۃ سے۔ اس کے معنی زندہ رکھ، درست ہیں۔ علامہ طاہر گجراتی ایک حدیث کا ترجمہ۔ ان الملائکة قالت لأدم حیاك الله اھ اے ابقاك الله من الحیوة اھ کرتے ہیں۔ (مجمع البحار، ج ۱، ص ۳۲۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ، خادم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان ۲۶ ذلقعدہ ۱۳۷۳ھ

الدعاء بعد المکتوبۃ برفع الیدین ایها العلماء الکرام والجهابذة العظام ما جوابکم عن قول الشاطبی فی کتابه الاعتصام ج ۱: ص ۱۷ ـ "فتارة نسبت الی القول بان الدعاء لا ینفع ولا فائدة فیه کما یعزی الی بعض الناس بسبب انی لم التزم الدعاء بهیئة الاجتماع فی ادبار الصلوة حالة الامامة وسیأتی ما فی ذالك من المخالفة للسنة وللسلف الصالح والعلماء"

ولم ار ردًا لذالك فی المصنفات لبخاری الاوان ومسلم الزمان کحضرة الجنجوهی و مجاهد العصر لیث الدهر شعبی الوقت کحضرة النانوتوی و زهری للتصانیف و عکرمة للتبلیغ کحضرة صاحب بذل المجهود رقدس الله اسرارهم و رأیت جمهور الاحناف واهل الظواهر یلتزمون بالدعاء عقیب الصلوة حالة الامامة ۔ فبکمال عنایتکم وبنعمة الله علیکم و فضله اسرعوا بالجواب لتکون هذه

ذخر الاخرتکم۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن الانصاری، میڈیکل آفیسر ضلع مظفرگڑھ۔

الجواب اقول وباللّٰہ التوفیق: مسئلۃ الدعاء بعد الصلوات مختلفۃ فیھا۔ انکر الحافظ ابن القیم سنیۃ الدعاء بعد السلام مستقبل القبلۃ سواء الأمام والمأموم والمنفرد۔ وقال لم یفعلہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولا الخلفاء بعدہ ولا أرشد علیہ امتہ انما ھو استحسان راہ من راہ عوضا من السنۃ بعدھا قال وعامۃ الادعیۃ المتعلقۃ بالصلوۃ انما فعلھا فیھا وامر بھا فیھا کما فی ھدی النبوۃ لابن القیم وردّہ الحافظ ابن الحجر وقال من أدعاہ من نفیہ مطلقا فدعواہ مردود۔

والاحادیث التی یستدل بھا علیھا الاولی ما رواہ ابوداؤد والنسائی عن معاذ بن جبل ان النبی علیہ السلام قال لہ یا معاذ انی واللّٰہ لاحبک فلا تدع دبر کل صلوۃ ان تقول اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک الحدیث

والثانیہ عن ابی بکرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی علیہ السلام یدعوا بھن (اللھم انی اعوذبک من الکفر والفقر وعذاب القبر) دبر کل صلوۃ اھ (احمد والترمذی والنسائی)

الثالثۃ عن الفضل بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع بیدیک یقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھما وجھک وتقول یارب یارب ومن لم یفعل فھو کذا وکذا وفی روایۃ فھو خداج اخرجہ الترمذی والروایات فی ھذا الباب کثیرۃ فالدعاء بعد الصلوات من السنن الثابتۃ فلا تکن فی مریۃ واللّٰہ اعلم۔

محمد عبداللّٰہ غفرلہ: ۲۷ رجب ۱۳۷۰ھ

الدعاء بعد المکتوبات برفع الایدی ثابت بالاحادیث المرفوعۃ جمعھا العلامۃ المفتی کفایت اللّٰہ الدھلوی فی رسالۃ مستقلۃ فی ھذا الباب تسمی بالنفائس المرغوبۃ فارجع الیھا واغتنمھا۔ خیر محمد الجالندھری عفا اللّٰہ عنہ

دُعا کرتے وقت دونوں ہتھیلیوں میں فاصلہ ہو

دعا کرتے وقت دونوں ہتھیلیوں کے کنارے آپس میں ملے ہونے چاہئیں یا دونوں میں فاصلہ ہونا چاہیئے ؟ ۔

الجواب بہتر یہی ہے کہ دونوں ہتھیلیاں پھیلی ہوئی ہوں اور دونوں کے درمیان قدرے فاصلہ ہو۔ " الافضل ان یبسط کفیہ ویکون بینہما فرجۃ کذا فی القنیۃ (نفع المفتی ص۵۵) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان ۳/۸/۱۴۰۲ھ

دعا میں آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ الآیۃ کو ضروری سمجھنا

ایک عالم دین کہتا ہے کہ دعا میں آیت کریمہ انّ اللّٰہَ وملٰئکتہ یصلّون علی النّبیّ ضروری ہے۔ اس کے بارہ میں وضاحت فرمائیں کہ آیا یہ آیت ضروری ہے یا نہیں ؟ ۔

الجواب دعا میں اس آیت کے پڑھنے کو ضروری سمجھنا اور اسے ایک خاص فرقے کا شعار بنا لینا درست نہیں۔ کیوں کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ رض وخیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں۔ لہذا اسے دعا کے لئے مخصوص کرنا صحیح نہیں ۔ باقی اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر اس آیت کا پڑھنا درست ہے معارف الحدیث میں دعا کے اندر یا نماز کے اندر پڑھنے کا نہیں لکھا ویسے پڑھنے کو کوئی منع نہیں کرتا ۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔ ۳/۷/۱۴۰۳ھ

آیاتِ قرآنیہ والے تعویذ کو جلانے کا حکم

آیاتِ قرآنی کو تعویذ میں لکھ کر تعویذ کو جلانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس تعویذ کو جلانے کے ارادے سے لکھتا ہے آیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ وضاحت سے فتوےٰ صادر فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب آیاتِ قرآنی لکھ کر تعویذ کو جلانا جائز نہیں ہے۔ کما فی الشامیۃ : ج۵ ، ص ۲۸۰ ۔

وفی الذخیرۃ المصحف اذا خلق وتعذر القرأۃ منہ لا یحرق بالنار الیہ اشار محمد وبہ ناخذ ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۵/۵/۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

عملیات کے ذریعہ ملائکہ وجنات کو مسخر کرنا

۱ : جنات کو عمل کے ذریعہ مسخر کرنا درست ہے یا نہیں ؟

۲ : بعض علماء و بزرگان دین کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات ان کے تابع تھے آیا وہ جنات اکتساباً تابع کئے گئے تھے یا خود بخود ان کے تابع ہوگئے تھے ؟

۳ : مؤکل اصطلاح عاملین میں بصیغۂ اسم فاعل ہے یا بصیغہ اسم مفعول یعنی بکسر الکاف ہے یا بفتح الکاف ہے ؟

۴ : یہ مؤکل از نوع جنات ہوتا ہے یا از نوع فرشتگان ، یا دونوں پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اگر فرشتوں پر اطلاق ہوتا ہے تو ان پر "تابع کرنے" کا لفظ بولنا جائز ہے یا نہیں ؟

۵ : تسخیر فرشتگان کسی قرآنی آیت سے یا اسماء الٰہی وغیرہ سے ہوسکتی ہے یا نہیں ؟

۶ : تسخیر فرشتگان بحکم شرع شریف جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب جلب منفعت کے لئے مسخر کرنا جائز نہیں گو عمل صحیح کے ذریعہ سے کیا جائے ۔ کیوں کہ اس میں استرقاق حُر یعنی آزاد کو غلام بنانا ہے ۔ اور بلا حق شرعی اس سے بیگار لینا ہے جو کہ حرام ہے ۔ (معارف القرآن ؛ ج ۷ ، ص ۲۶۷)

۲ : ظاہر ہے کہ وہ ممنوع شرعی کا ارتکاب نہ کرتے ہونگے بلکہ اللہ تعالیٰ بطور کرامت جنات کو ایسے لوگوں کے تابع کر دیتے ہیں اس میں کسی عمل و وظیفہ کو دخل نہیں ۔ (معارف القرآن ؛ ج ۵ : ص ۲۶۵) ۔

بظاہر وہ تسخیر اس قبیل سے ہوتی تھی ۔

تو گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

۳ : قاعدہ کی رو سے تو مؤکل بفتح الکاف ہونا چاہیئے ۔

۴ : ۵ : کتاب لاجواب شمس المعارف الکبرٰی جو تعویذات و عملیات کے لئے اصل کی حیثیت رکھتی ہے اس میں ج ۱ : ص ۸۶ ۔ میں ایک عمل کے تحت لکھا ہے ۔ طاعته الملائكة اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی مسخر ہوسکتے ہیں ۔

۶ : قواعد کے لحاظ سے جائز نہیں ——— فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔

پیرِ طریقت میں کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے؟ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مسئلہ کہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے تو ان میں کون سی خصوصیات موجود ہوں۔ اس کی وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب کسی دیندار متقی، متبع سنت شیخ سے بیعت کرنا دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے پس اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ فی زمانہ ضروری ہے۔ لیکن پیر و شیخ کے شرائط یہ ہیں۔

۱ : دین کی کتابوں اور مسائل کا ضروری علم ہونا۔
۲ : کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا۔
۳ : کسی شیخ کامل کی خدمت و تربیت میں ایک عرصہ تک رہ چکا ہو۔ اور مجاز بھی ہو۔
۴ : دنیا داروں کی بہ نسبت دیندار لوگوں (علماء و صلحاء) کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہو۔
۵ : اس کی صحبت میں بیٹھنے سے طلب دنیا کی سرد پڑنے لگے اور آخرت کا شوق دن بدن بڑھتا چلا جائے۔
۶ : اس سے تعلق رکھنے والوں میں اکثر کی دینی حالت اچھی ہوگئی ہو۔ مثلاً بے نمازی نماز و روزہ کے پابند ہوگئے ہوں۔ داڑھی منڈانے والے اس گناہ کو چھوڑ چکے ہوں، دیگر معاملات اور معاشرت میں بھی پابندیٔ شریعت کا غلبہ ہو۔ وغیر ذالک۔

ایسے شیخ کی بیعت اس زمانہ میں کیمیا ہے۔ اور جو پیر ایسا نہ ہو اس سے بیعت نہ کرے۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۰/۱/۱۳۸۳ھ

"من لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس" کسی بزرگ کا مقولہ ہے کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مقولہ کہ آیا یہ حدیث شریف ہے یا کسی شیخ و بزرگ کا قول ہے؟ "من لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس" اس کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

الجواب من لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس، یہ مقولہ بعض بزرگوں کا ہے۔ حدیث شریف نہیں۔ البتہ اس کا مطلب درست ہے۔ کہ جو شخص اپنے استاذ، وماں، باپ یا کسی متبع سنت شیخ کو اپنا رہنما نہیں بناتا وہ شیطان کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ کذا فی بعض الفتاویٰ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۰/۱/۱۳۸۳ھ

آنحضرت علیہ السلام کی طرف مروجہ "وجد و رقص" کی نسبت کذب و افتراء ہے

حافظ جیون دا جلی نے ایک کتاب بنام ضیاء نورانی لکھی ہے جس میں حضرت خواجہ محکم الدین صاحب سیرانی کے کشف و کرامات لکھنے کے بعد وجد و سرور اور رقص پر جواز کا ثبوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات صحن مسجد میں تشریف فرما تھی۔ کہ ایک مرد اور دو عورتیں حبشی تشریف لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شعر ترنم سے پڑھو۔ انہوں نے وہ شعر ترنم سے پڑھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ان کا طواف کیا، اور پھر رقص کیا۔ ابوبکرؓ نزدیک آئے تو حضور نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وجد کیا۔ اور زمین پر پاؤں مارتے رہے۔ عمرؓ آیا تو اس کا چہرہ متغیر ہوا۔ اور اس نے چاہا کہ دف والوں کو نکال دوں۔ مگر حضور نے فرمایا کہ خدا کی رحمت کے نزول کا وقت ہے ان کو نہ نکال۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کے چار ٹکڑے کر کے ان کو دیئے۔"

ہمارے گاؤں کے نزدیک ایک چک ہے اس چک کی مسجد میں ایک سید صاحب امام مسجد ہیں اور جمعہ کی نماز بھی یہاں پڑھایا کرتے ہیں۔ دوران خطبہ انہوں نے کہا کہ بے شک تماشہ دیکھو، قوالی سنو، نقلیں دیکھو۔ کیوں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نے بمعیت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خود دیکھا ہے ــ تم بھی ان چیزوں کے دیکھنے کو سنت محمدی سمجھو۔ جو شخص اس کے عدم جواز کا فتویٰ دے وہ کافر ہے اور سنت کا منکر ہے۔ خود بھی دیکھو اپنی عورتوں کو بھی دکھاؤ۔

الجواب یہ واقعہ مذکورہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات سب موضوع اور بناوٹی ہیں۔ ان کا کوئی پایۂ ثبوت نہیں۔ ایسی غلط باتیں حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے سے ایمان کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ کیوں کہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین اور بے ادبی ہے۔ اور ایسے غلط اور برے عقیدے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے بلکہ جائز ہی نہیں۔

"ضیاء نورانی" کتاب ہم نے نہیں دیکھی۔ اگر ایسے واقعات اس میں درج ہیں تو یہ کتاب غلط اور غیر معتبر ہے۔ اس کا مطالعہ جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفر لہٗ خادم الافتاء مدرسہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

تصوّف کے لئے "تسہیل قصد السبیل" کا مطالعہ ضروری ہے

کیا مرید اپنے پیر کو مندرجہ ذیل الفاظ سے پکار سکتا ہے ؟ شرعاً یہ کہاں تک جائز ہے ۔ ۱ : آنحضرت ۔ ۲ : میرے پیر (نام لکھ کر) رحمۃ للعالمین تھے یا ہیں۔
۳ : ندا کرنا کسی ولی کو لفظ یا سے اور اسے کہہ کے پکارنا ۔
۴ : کسی نبی یا ولی سے نزدیک یا دور سے امداد طلب کرنا ۔
۵ : کسی نبی یا ولی سے فریاد کرنا ۔
۶ : کوئی نبی یا ولی اپنی قبر سے دور کی پکار سنتا ہے ؟

الجواب پیری و مریدی تو جائز ہے ۔ بزرگان دین نے اس طریق سے بہت سی دینی خدمات انجام دی ہیں ۔ مگر اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کو اختیار کرنا ضروری ہے ۔ اکابر اولیاء میں سے ایک بزرگ کا رسالہ بھی ہے " آداب الشیخ والمرید " ۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی ایک کتاب " تصوّف و درویشی " کے سلسلہ میں بنام " تسہیل قصد السبیل " ہے ۔ جس میں پیری مریدی کے آداب ذکر فرمائے ہیں ۔ اور اس رسالہ کا خلاصہ بھی شائع فرمایا ہے ۔ لہٰذا اگر تصوف اور درویشی کی حقیقت سمجھنی ہو تو اس کتاب کا مطالعہ فرمادیں ۔

اس سلسلہ میں افراط و تفریط اور غلو و مبالغہ زیادہ ہو چکا ہے ۔ واقعی بہت سے لوگ پیروں کو حد سے زیادہ بڑھا دیتے ہیں ۔ حضرات پیرانِ عظام جو صحیح معنوں کے اندر شیخِ طریقت ہوتے ہیں ہم لوگوں نے ان کو خدائی اختیارات سپرد کرنے شروع کر دیئے ہیں ۔ سو یاد رہے کہ پیر کو دور سے پکارنا ، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ پکار کو دور سے سنتا ہے غلط عقیدہ ہے ۔ ناجائز ہے وغیر ذالک ۔ اس قسم کے عقائد صحیحہ اور فاسدہ کی تفصیل بہشتی زیور کے پہلے حصہ میں مطالعہ فرمادیں ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۱/۷/۱۳۸۲ھ

ذکر کے وقت روشنی ختم کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک دیوبندی عالم ایک عرصہ تک اپنے عہدِ حیات میں سلسلہ قادری کے طریق پر اپنے متبعین کے حلقہ ذکر میں ہر جمعرات کو ذکر اللہ کی مجلس منعقد کرتے تھے ۔ مذکورہ بزرگ کے جانشین نے ہماری مسجد میں ذکر اللہ کی مجلس منعقد کی ۔ ذکر کے لئے بتی گل کر دی جاتی ہے ۔ ذکر کے برکات بتائے جاتے ہیں ۔ چند احباب نے اس سلسلہ میں اعتراض کئے ہیں جو جماعتی انشقاق کا باعث بن رہے ہیں ۔ جس مسجد میں دیوبندی حنفی غیر مقلد وغیرہ اور دیگر اہلِ توحید ایک جگہ جمع ہوتے تھے اب ان میں نفرت پیدا ہو رہی ہے ۔ اعتراضات

یہ ہیں۔
۱ : خانۂ خدا میں بتی بجھانا بدعت ہے۔
۲ : مسجد میں ذکرِ جہر کرنا بدعت ہے۔ کیا امامِ اعظم رح سے ثابت ہے؟
۳ : گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ شریف پڑھ کر شیخ عبد القادر جیلانی رح کو ایصالِ ثواب کرنا بدعت ہے۔
مہربانی فرما کر اس کا مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب ۱ : ذکر کرنا انفرادی یا اجتماعی طریق سے جائز ہے۔ بلکہ مستحب ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہہ کی بات نہیں۔ البتہ ذکر کرتے وقت بتی بجھانا اگرچہ اس میں یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اگر ایسے وقت میں بتی بجھائی کہ لوگ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوں یا آجا رہے ہوں، کسی نے جوتا اٹھانا ہے۔ کسی نے سامان لینا ہے۔ بتی بجھانے سے لوگوں کو تکلیف ہونے لگے تو یہ بتی بجھانا گناہ ہوگا۔ لایذار الناس۔

اور اگر ایسے وقت میں بتی گل کی جب کہ سب لوگ نماز سے فارغ ہو کر چلے گئے۔ ماسوائے ذاکرین و شاغلین کے مسجد میں کوئی نہیں رہا تو پھر بتی بجھانے میں کوئی حرج نہیں۔

۲ : ذکرِ جہر ہلکی آواز سے جیسے مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے ثابت ہے اس میں دل جمعی اور سکون اور دفعِ وسواس ہوتا ہے۔ البتہ جہرِ عنیف جس سے قریب والے نمازیوں کو تشویش لاحق ہو جائز نہیں۔

۳ : قرآن خوانی اور دیگر عبادات بدنیہ کا ثواب اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک میت کو پہنچتا ہے معتزلہ اس میں مخالف ہیں۔ لہٰذا ایصالِ ثواب جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۵ / ۵ / ۱۳۸۳ھ

ذاتِ باری تعالیٰ پر لفظِ شخص کا اطلاق

لفظِ شخص کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر کیسے ہے؟ اگر صحیح نہیں تو شاہ رفیع الدین رح کے ترجمہ میں موجود ہے۔ اس کی کیا تاویل ہے؟

الجواب ذاتِ باری تعالیٰ پر شخص کا اطلاق حدیث شریف میں دو مقامات پر واقع ہے۔ ولا شخص اغیر من اللہ۔ ولا شخص احب الیہ العذر الحدیث (مسلم شریف : ج ۱ : ص ۴۹۱)۔ لیکن یہ لفظ مؤوّل باحدٍ ہے۔ نووی رح لکھتے ہیں "أی لا احد (اغیر) وانما قال لا شخص، استعارۃ۔ یہی تاویل شاہ رفیع الدین رح کے

ترجمہ میں کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۲۵ ، ۷ ، ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ خیر المدارس ملتان۔

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک خاص تصور کا حکم

سلسلۂ مبارکہ نقشبندیہ فضلیہ غفوریہ حضرت سید نا مولانا محمد عبدالغفور العباسی الدرویشیہ۔ المحلہ باب المجیدی مدینہ منورہ، حجاز مقدس۔ ناشر: سید محمد علاؤالدین جیلانی نقشبندی، مجددی، چشتی، قادری کے صفحہ ۲۸ پر طریقۂ ذکر یوں مرقوم ہے کہ۔

" یہ خیال رکھے کہ جس جگہ مرشد نے انگلی رکھ کر ذکر تلقین کیا تھا۔ اس جگہ سوراخ ہو گیا ہے، آسمان سے ہلکے زرد رنگ کے نور کی ایک دھار میرے پیر کے دل پر گر رہی ہے اور ان کے دل سے ہو کر میرے دل میں اس سوراخ کے ذریعہ آ رہی ہے "

الجواب شرعاً اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ مجاہدات و ریاضات سلوک، شرعی احکام نہیں ہوتے بلکہ از قبیل تدابیر و معالجات باطنیہ ہیں، مقصود یکسوئی اور حصول رضائے باری تعالیٰ ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ ۲۱ / ۳ / ۱۴۰۰ھ

تصورِ شیخ کا ترک ہی اولیٰ ہے

علمائے دیوبند کی نظر میں " تصورِ شیخ " کیسا ہے؟ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: فقیر سعید قریشی ہاشمی، باغ گل بیگم مزنگ لاہور۔

الجواب حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں " درست ہے اکابر نے پاک نیت سے اس عمل کو کیا ہے " (مجموعۃ الفتاویٰ، جلد ۲، ص ۳۰۰)۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔ " کسی کا تصور کرنا بطور خیال کے کچھ حرج نہیں، مگر رابطہ جو مشائخ میں مروج ہے کہ اس کو مشائخ نے کسی علاج کے واسطے تجویز کیا تھا۔ اگر اس ہی حد پر رہے کہ جس حد پر بزرگوں نے تجویز کیا تھا تو چنداں دشوار نہیں۔ گو ترک اس کا بھی اولیٰ ہے کہ مختلف فیہ بین العلماء ہے۔ اور ایسا ضروری بھی نہیں کہ بدوں اس کے کام نہ چل سکے۔ اور جو اس حد سے بڑھ جاوے تو البتہ ناجائز ہے۔ انتہی بلفظہٖ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

اشغالِ صوفیہ کی اصل حدیث سے ثابت ہے۔

سلاسلِ اربعہ نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ میں ذکر اللہ کا جو طریقہ رائج ہے یہ شرعاً ثابت ہے یا نہ؟ فرائض کے علاوہ ذکر اللہ کے لئے کوئی خاص طریق مقرر ہے یا نہ۔ اگر نہیں تو پھر کسی طریق کو مخصوص بنانا بدعت ہے یا نہ؟

الجواب سلاسلِ اربعہ کے اوراد واشغال اوران کی ہیئت خاصہ جائز ہیں اوران کی حقیقت معالجہ نفسانی ہے۔ بزرگانِ سلسلہ نے مفید سمجھ کر انہیں تجویز کیا ہے۔ لیکن یہ احکامِ شرعیہ میں داخل نہیں۔ لہذا یہ بدعت بھی نہیں۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو غلط فہمی پر مبنی ہے۔ قطب العالم حضرت گنگوہی قدس سرہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"صوفیہ کرام کے اشغال بطورِ معالجہ کے ہیں۔ سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اصل علاج ثابت ہے۔ مگر شریعت بنفسہٖ حدیثِ صریح سے ثابت نہیں۔ ایسا ہی سب اذکار کی اصل ثابت ہے۔ سو یہ بدعت نہیں۔ ہاں ان ہیئات کو سنتِ ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ اوراسی کو علماء نے بدعت لکھا ہے" (فتاویٰ رشیدیہ: ج ۱: ص ۱۰)۔

فقط واللہ اعلم: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳ / ۸ / ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ

شمائمِ امدادیہ کی پانچ عبارتوں پر اعتراضات کے جواب

کتاب "شمائم امدادیہ" حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ میں چند ایک ایسی عبارات دیکھنے میں آئی ہیں۔ کہ جن پر مخالفین نے اعتراضات کئے ہیں جس کے جواب کے لئے آپ کی طرف رجوع کی ضرورت پڑی ہے۔ براہِ کرم مندرجہ ذیل عبارتوں کا جوابِ شافی عنایت فرمائیں۔ تاکہ مؤثر مدافعت ہوسکے۔

۱: لفظِ غوث حضرت جیلانی کے نام پر استعمال کیا گیا ہے جس کی تفسیر اور عدمِ جواز آپ سے بھی مخفی نہیں۔ اس جگہ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ اہل بدعت کہیں تو ان پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے۔ ص۳۳

۲: ایک بیمار کو لفظِ اللہ کہنے سے روک کر لفظِ آہ کے استعمال کا حکم دیا گیا ہے۔ اور لفظِ اللہ کے استعمال سے اضافۂ علالت کا ذکر اور لفظِ آہ سے شفا کا بیان ہے۔ تو گویا کہ لفظِ آہ "اسم اللہ" سے افضل ہوا۔ ص۳۳

۳: قیام بوقتِ میلاد کو جائز کہتے ہوئے احتمالِ تشریف آوری حضور علیہ السلام کو جائز ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ

جب صحابہ کرام رضؓ سے لے کر فقہائے کرام تک کوئی روایت ایسی نہیں ملتی تو ایسی بے سروپا حکایات سے کیا فائدہ ؟ اس کی صحیح تاویل یا عدم صحت کی تصدیق فرمائیں ۔ص ۵۰ ، ۵۱ ۔ص ۸۴ قابل غور ہے

۴ : چند ابیات یا تم مددگار ِ امداد ، امداد کو پھر خوف کیا ؟

عشق سے پرسن کے بائیں کانپتے ہیں دست و پا

آسرا دنیا میں ہے از بس تیری ذات کا

تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا

اے شہ ِ نور محمد وقت ہے امداد کا

۵ : عارف جنتی اور دوزخی کو پہچان لیتے ہیں ۔ ص۸۵ ۔

الجواب عبارات مسئولہ کے دو جواب ہو سکتے ہیں ۔ ایک اجمالی اور ایک تفصیلی ۔ اجمالی جواب یہ ہے کہ مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث و فقہ سے دلیل لانا ضروری ہے ۔ محض اقوال مشائخ اس کے لئے کافی نہیں ۔ چنانچہ محققین نے اس کی تصریح کی ہے ۔ پس قیام مولود کے جواز کے بارے میں یہ مجمل اقوال حجت نہیں بن سکتے ۔

اور تفصیلی جواب ہر عبارت کا ذیل میں ملاحظہ کریں ۔

۱ : ’’غوث‘‘ ایک مرتبۂ ولایت کا نام ہے ۔ جیسے قطب ، ابدال وغیرہ ۔ جیسا کہ اس کی مفصل تشریح علامہ شامی رح نے اپنے رسالہ ’’ اجابت الغوث ببیان حال النقباء والنجباء والاوتاد والغوث‘‘ میں کی ہے ۔ اور دیگر اکابر نے بھی یہی لکھا ہے ۔ علامہ شامی رح ابن عربی رح سے نقل کرتے ہیں ۔

وقد یسمی رجل البلد قطب ذلك البلد وشیخ الجماعة قطب تلك الجماعة ولكن الاقطاب المصطلح علی ان یکون لهم هذا الاسم مطلقا من غیر اضافة لایکون الا واحدًا وهو الغوث ایضا (ص۲۶۵ رسائل ابن عابدین) (وایضا قال) والعمد ویقال لهم الاوتاد ایضا اربعة والغوث واحد ۔ (ص۲۶۹) ۔

غوث کے قائل پر کفر کا فتویٰ تو ہماری نظر سے نہیں گزرا ۔

۲ : کسی دوائی یا لفظ سے اگر شفاء ہو جائے تو اس سے دوائی مذکورہ کی یا لفظ کی افضلیت ہرگز ثابت نہیں ہوتی ۔ ورنہ سقمونیا ، سولف وغیرہ کو ذکر اللہ سے افضل کہنا لازم آئے گا ۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ۔ یہ سراسر کم فہمی معترضین کی ہے ۔ اور واقعۂ مسطورہ کی توجیہہ خود حضرت حاجی صاحب

قدس سرہ نے فرمادی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آہ آہ کرنے میں اپنے ضعف و بے چارگی اور عبدیت کا اظہار ہے۔ اور بے چارگی میں دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے۔ تو ان بزرگوں کی آہ وزاری سے اللہ تعالیٰ نے شفاء عنایت فرمادی ۔ بخلاف اللہ اللہ کہنے کے ۔ کیوں کہ یہ ذکر اللہ تو ہے لیکن اس میں اپنی بیچارگی اور ضعف و عدم تحمل کا اظہار نہیں۔ ثواب تو یقیناً کامل ہوگا مگر تکلیف زائل نہ ہوتی ۔ واضح رہے کہ حکایات حالات جزئیہ خاصہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ ان سے کسی کلیہ کا استنباط نہیں کیا جاسکتا۔

۳ : دلائل صحیحہ سے قیام مروجہ فی المولود کا جائز نہ ہونا ثابت ہے۔ پس تاوقتیکہ اس کے جواز کا ثبوت قرآن وحدیث وفقہ سے نہ دیا جائے صرف نقل حکایت کافی نہیں۔ اور اس سے اس کا جواز ثابت نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ ایک نفس قیام عند ذکر اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور دوسرے یہ قیام مع انضمام مفاسد کے ہے۔ اول الذکر لنفسہٖ کسی نے منع نہیں کیا۔ بلکہ اس کی ممانعت مانعین کے نزدیک بوجہ انضمام مفاسد کے ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ صرف قیام خالی عن المفاسد کو جائز فرماتے ہیں۔ وہ بھی اس درجہ میں کہ فاعل پر نکیر نہ کی جائے۔ نہ یہ کہ ایسا کرنا واجب یا سنت ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کی روح مقدسہ کی تشریف آوری ایسی مجالس میں کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں۔ لہذا اس کا اعتقاد کرنا کہ تشریف لاتے ہیں، قول بلا دلیل ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ عدم وقوع سے عدم امکان یا استحالہ لازم نہیں آتا۔ یہی ثبوت امکان واحتمال حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رح وقوع کا اعتقاد یا جزم نہیں فرماتے۔ پس اعتراض کی حاجت نہیں۔

۴ : ان اشعار کے معنی میں کوئی خرابی نہیں۔ کیوں کہ بہ سلسلۂ سلوک طریق حضرت اپنے شیخ سے اعانت و توجہ کی درخواست کر رہے ہیں۔ چنانچہ " پھر خوف کیا عشق سے " کا جملہ اس پر دال ہے۔ نیز " سن کے باتیں کانپتے ہیں دست و پا " اس پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہری استاد سے ایسی درخواست ممنوع نہیں تو باطنی استاد سے کیوں جائز نہیں ؟ " اوروں سے ہرگز نہیں ہے التجا " اس مصرعہ میں "اوروں" سے مراد دیگر مشائخ ہیں۔ میرے واسطے میرا شیخ کامل ہے۔ اصطلاح میں اسے توحید مطلب کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ تعالیٰ، حق تعالیٰ سے استغناء مقصود نہیں۔ یہی معنی اس سے پہلے مصرعہ کا ہے۔ عموم لفظ سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔

۵ : " عارف جنتی اور دوزخی کو پہچان لیتے ہیں " اس ملفوظ سے مراد ظاہر ہے کہ علامت اور آثار سے پہچان لیتے ہیں۔ یا بعض اوقات بذریعہ کشف والہام اولیاء کو یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اور اس معنی میں شریعت کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ البتہ ایسی پہچان یا کشف والہام میں قطعیت کا یقین کرنا

ضروری نہیں۔ اور نہ ہی ایسا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۶/۴/۸۶ ۱۳ھ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

○

کیا بیعتِ طریقت ضروری ہے؟ بعض لوگ بیعت کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں۔ آپ فرمائیں کہ کیا مروجہ بیعتِ طریقت ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص کسی سے بیعت نہ ہو تو اس سے قیامت کے دن سوال ہوگا؟

الجواب: بیعت کا مقصد نسبتِ احسان کو حاصل کرنا ہے۔ جو کہ حدیث شریف "أن تعبد الله كأنك تراه الحديث" میں مذکور ہے۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ یہ نسبت کسی صاحبِ نسبت کے توسل ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ گو بعض کو اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نسبت کو حاصل کرنے کے لئے بیعت ہونا مستحب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۷۵)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

○

ما يتعلق بالفِرَق المختلفة

اہلُ السُّنّۃ والجماعت کی تعریف

اہل السنۃ والجماعت کی تعریف بحوالہ کتب معتبرہ مفصل و مدلل مطلوب ہے۔

عتیق الرحمٰن ، فیصل آباد

الجواب

۱ : اہل السنۃ والجماعۃ میں تین لفظ ہیں۔ ایک لفظ " اہل " ہے جس کے معنی اشخاص اور افراد اور گروہ کے ہیں۔ دوسرا لفظ " سنت " ہے جس کے معنی طریقہ کے ہیں۔ تیسرا لفظ " جماعت " ہے جس سے جماعتِ صحابہ رض مراد ہے۔ پس اہل السنۃ والجماعۃ اس گروہ کا نام ہے جو آنحضرت علیہ السلام کی سنت اور جماعتِ صحابہ رض کے طریقے پر ہو۔ اور حضرات فقہاء اور محدثین اور متکلمین ، اولیاء و عارفین سب اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ اصولِ دین میں سب متفق ہیں ان حضرات میں اختلاف فروعی اور جزئی ہے اصولی نہیں۔

(عقائد الاسلام : ج ۱ ، ص ۱۷۵)

۲ : اہل السنۃ والجماعۃ وہ مسلمان ہیں جو عقائد واحکام میں حضراتِ صحابہ رض کے مسلک پر ہوں اور قرآن کے ساتھ سنت نبویہ کو بھی حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔

قال فی شرح العقائد النسفیۃ فبھت الجبائی وترك الاشعری مذھبہ فاشتغل ھو ومن تبعہ بابطال رأی المعتزلۃ واثبات ماورد بہ السنۃ ومضی علیہ الجماعۃ ، ص۱۲

یہ تو اس لقب کے معنی ہیں اور اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن اشعری یا ابو منصور ماتریدی کے متبع ہوں۔ کما فی حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد ، ص۱۹۔

(از امداد الاحکام : ج ۱ : ص ۷۷)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ : ۲۸ / ۱۱ / ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

تبلیغی سفر میں ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ تک مل سکتا ہے ؟

تبلیغی جماعت والے اپنے سفر کے وہی فضائل بیان کرتے ہیں جو جہاد کے بارے میں وارد ہیں کیا یہ درست ہے اور آپ کے حوالہ سے ابوداؤد شریف کی روایت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں کہ ایک روپیہ خرچ کروگے تو

سات لاکھ تک کا ثواب ملے گا۔ ابوداؤد کی وہ روایت بھی نقل فرمادیں۔

الجواب تبلیغی جماعت میں دورہ کرنا بھی جہاد کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ لہٰذا وہ فضائل جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وارد ہوئے ہیں وہ تبلیغی گشت و سفر کے لئے پیش کئے جاسکتے ہیں کیوں کہ اس دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سے بھی اسلام دنیا میں چمکا ہے اس لئے اس راستہ میں نکل کر ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے۔

عن علی وابی الدرداء وابی هریرة وابی امامة وعبد الله بن عمر وجابر بن عبد الله وعمران بن حصین رضی الله عنهم اجمعین کلهم یحدثون عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من ارسل نفقة فی سبیل الله واقام فی بیته فله بکل درهم سبع مائة دراهم ومن غزا بنفسه فی سبیل الله وانفق فی سبیل الله فله بکل درهم سبع مائة الف درهم ثم تلا هذه الاٰیة والله یضاعف لمن یشآء الاٰیة (مشکوٰة ۱۲: ۱،ص ۳۳۵) فقط والله اعلم

بندہ محمد اسحاق معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ ۲۸/۱۲/۱۳۷۵ھ

مذاہب اربعہ میں انحصار اجماع سے ثابت ہے

دلائل حصر در مذاہب اربعہ چیست آیا مذہب خامس باطل است؟

الجواب سلف میں ایک بڑی جماعت مجتہدین کی ہوئی ہے۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ مثلاً ابن ابی لیلیٰ رح سفیان ثوری رح، امام اوزاعی رح، ربیعۃ الرای رح، لیث رح، اسحاق رح وغیرہم رحمہم اللہ تعالےٰ اجمعین۔ ان کے زمانہ میں ان حضرات میں سے کسی بھی ایک امام کی اتباع کرنا جائز تھا۔ کیوں کہ سب اہل حق میں سے تھے اور مذاہب اربعہ یا خمسہ کی کوئی تخصیص یا ان میں انحصار نہ تھا۔ چنانچہ ہر امام کے لئے کم و بیش کچھ نہ کچھ لوگ تقلید کرنے والے ہوئے ہیں۔ یہ مقلدین خواہ ان کے شاگردوں کا مخصوص و محدود حلقہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن مرورِ زمانہ سے ایک ایک کرکے سب مجتہدین کے مذاہب مندرس ہوتے چلے گئے۔ بلکہ بعض ائمہ کے مذاہب سرے سے باضابطہ مدون ہی نہیں ہوسکے تھے تاآنکہ امت کے ہاتھوں میں کسی ایک کا مذہب بھی مدون و منضبط شکل میں موجود نہیں رہا۔ البتہ ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم کے

مذاہب کو حق تعالےٰ نے یہ مقبولیت عنایت فرمائی کہ مشرق و مغرب میں ان کا چرچا ہوا۔ اور کروڑھا انسانوں نے اس کو معمول بہا بنایا۔ اور تا حال بنائے ہوئے ہیں۔ اور صدیوں سے ہزارہا ایسے علماء و فقہاء مذاہب اربعہ کے متبع پائے جاتے رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق مختلف اعتبارات سے ان مذاہب کی خدمت کر کے بام عروج تک پہنچانے کی سعی بلیغ کی ہے۔

چنانچہ بحمدہ تعالےٰ ہر مذہب اپنے اپنے اصول و فروع، و براہان و دلائل کے ساتھ منضبط، و منقح شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہر ایک شخص بدوں کسی الجھن کے اس پر عمل کر سکتا ہے۔ پس مذاہب اربعہ کے اسی شیوع و انتشار اور تحریر و انضباط کے پیش نظر متاخرین نے اجماع کیا ہے کہ اب مذاہب اربعہ میں انحصار ہے۔ اور مذہب خامس کا احداث باطل ہے۔ اور مدوّن اور محرّر ہونے کی وجہ سے دیگر کسی مجتہد کے مذہب پر عمل جائز نہیں۔

چنانچہ سند المتاخرین حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

اور اب ہمیں سوائے تقلید کے کوئی چارہ ہی نہیں اور اسی طرح اجماع ہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب پر عمل نہ کرے۔

فی الاشباہ وما خالف الائمۃ الاربعۃ مخالف للاجماع وان فیہ خلاف لغیرھم فقد صرح فی التحریر ان الاجماع انعقد علی عدم العمل بمذھب مخالف للاربعۃ لانضباط مذاھبھم وانتشارھا وکثرۃ اتباعھا (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ - ص ۹۴)۔

علامہ شامی رحہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ احداث مذہب خامس جائز نہیں۔ ایک بحث کے سلسلے میں کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فانہ لا یجوز احداث قول عن المذاھب الاربعۃ۔ (شامی ج ۱ ص ۴۶)۔

پس تفصیل بالا سے ہر سہ استفسارات بالا کا جواب ظاہر ہے کہ ابتدائً مذاہب اربعہ میں انحصار نہیں تھا۔ کما لا یخفیٰ۔ اور اب ان میں انحصار ہے۔ اور دلیل اس کی اجماع ہے اور وجہ اس کی ان مذاہب کی تدوین و انضباط و انتشار و مقبولیت عند اللہ و عند الناس ہے۔ کما فی التحریر۔

احداث مذہب خامس باطل ہے۔ کما فی الشامیۃ۔ لمخالفۃ الاجماع قلت وایضا لفقدان المجتہد فی زماننا لعدم استجماع مشرائطہ کما قال ابن نجیم فی بعض رسائلہ ان القیاس بعد الاربعۃ منقطع (شامی ج ۱ ص ۵۵)

واضح رہے کہ یہ امتناع، امتناعِ عادی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

سابِّ معاویہؓ سے میل جول میں سلبِ ایمان کا اندیشہ ہے

ایک شخص یہاں خان گڑھ کا رہنے والا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں برے لفظ کہتا ہے اور شیعہ مذہب والوں سے دوستی رکھتا ہے۔ نیز اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعت سے کہلاتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

مولوی برخوردار، خان گڑھ

الجواب

ایسا شخص جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں سبّ و بدگوئی کرے، اور لوگوں کو بھی اس بات پر برانگیختہ کرے وہ ہرگز ہرگز اہل السنۃ والجماعت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخص سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیے۔ ورنہ ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد ۳ ذلیقعد ۱۳۶۹ھ

تفضیلی شیعہ کسے کہتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ تفضیلی شیعہ کون ہے۔ اس کی تعریف بیان کریں۔

الجواب

تفضیلی شیعہ اسے کہتے ہیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر صرف فضیلت دے۔ بس۔ اور حضرات خلفائے ثلاثہ کا پورا احترام کرتا ہو۔ اور ان کو خلیفہ برحق تسلیم کرتا ہو۔ غاصب اور منافق وغیرہ خیال نہ کرتا ہو۔ اور ان حضرات خلفاء ثلاثہؓ اور دیگر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی صحابی کی ذرہ برابر توہین یا تنقیصِ شان کو حرام سمجھتا ہو۔ ایسے تفضیلی شیعہ کے ساتھ عقدِ مناکحت فیما بین المسلمین جائز ہے لیکن چونکہ پاکستان میں عام طور پر ایسے شیعہ موجود نہیں ہیں۔ بلکہ عموماً غالی اور سبّی اور بدعقیدہ لوگ ہیں۔ اور اس کے ساتھ تقیہ بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا موجودہ دور کے شیعوں کے ساتھ عقدِ مناکحت جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق نائب مفتی

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ ۲-۲-۱۳۸۳ھ

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کو بگاڑ کر کہنا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو "حسینے" لفظ، نام سے پکارنا کیسا ہے؟

الجواب کسی شخص کو آدھے نام سے پکارنا معیوب ہے ۔مثلاً خدابخش کو "خدے" کہہ کر بلانا ٹھیک نہیں بلکہ ایسے پکارنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ پکارنے والے کے دل میں جس کو آدھے نام سے پکار رہا ہے یا بلا رہا ہے اسکی بالکل عزت وحرمت نہیں ہے ۔ اگر پکارنے والے کے دل میں اس کا احترام ہوتا تو پورا نام تو کیا بلکہ بہت سے القاب و آداب کے بعد اس کا نام مبارک زبان پہ لاتا ۔جو لوگ "حسے" کہہ کر پکارتے ہیں ان کے دلوں میں حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کوئی احترام نہیں ہوتا ۔لھذا پورے نام سے پکارنا چاہیئے ۔ اور "حسے" کہنا ٹھیک نہیں ۔قرآن مجید میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے ۔ وَلَاتَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ (سورۃ حجرات) ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ، الجواب صحیح : محمد عبداللہ عفرلہٗ

علماء دیوبند اور محمد بن عبدالوہابؒ

ہمارے بیلہ شہر کے مقامی مولوی صاحب نے بیان کیا ہے ۔جو کہ خود دیوبندی عقائد رکھتا ہے وہابیت کے متعلق کہ وہابیت کی تحریک محمد بن عبدالوہاب سے تعلق رکھتی ہے ۔اور اس کے گروپ کے افراد کو وہابی کہا جاتا ہے ۔اور علماء دیوبند کا اس محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ سخت اختلاف ہے ۔ اور اس گروپ پر علماء دیوبند نے کفر کا فتوےٰ دیا ہے ۔کیونکہ وہ رسول پاک کی قبر کی زیارت کا منکر ہے ۔نیز مولوی صاحب نے چند کتابیں دکھائیں ۔ ان میں سے ایک کتاب "الشہاب الثاقب" مؤلفہ حضرت حسین احمد مدنیؒ ہے تو آپ سے گزارش ہے کہ آپ محمد بن عبدالوہاب کے متعلق علماء دیوبند کے عقائد اور خیالات واضح فرمائیں۔

المستفتی نذر محمد بلوچستان

الجواب یہ درست ہے کہ وہابی کا لقب محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں کے لئے ہی مشہور ہوا علماء دیوبند کو نہ ان سے تلمذ کا رشتہ حاصل ہے اور نہ عقیدت کا ۔بلکہ بہت سے مسائل میں ان کے خلاف ہیں ۔لیکن علماء دیوبند نے ان کی تکفیر نہیں کی ۔حضرت مدنیؒ کی "الشہاب الثاقب" بھی دیکھی گئی ہے ہمیں تو اس میں تکفیر کا حکم نہیں ملا ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تقلید کو شرک کہنے والا اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے

ما قولکم ایہا العلماء الکرام والفضلاء العظام :

اندریں مسئلہ کہ زید تقلیدِ شخصی کو حرام بلکہ شرک و کفر سے تعبیر کرتا ہے اور مقلدین ائمہ کو مشرک و کافر سمجھتا ہے حتیٰ کہ ائمہ دین کے بارے میں بھی کہتا ہے کہ وہ بھی معاذ اللہ کافر و مشرک تھے۔ اب ایسے شخص کا نمازِ جنازہ یا اس کے ساتھ میل جول، سلام و کلام یا اس کے ساتھ کسی قسم کی شرکت درست ہے یا نہیں ؟

۲ : کیا شریعتِ مطہرہ میں زید مسلمان ہے یا اسلام سے خارج ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو امام اعظم رح کے مقلد کہتے ہوئے اس کے ساتھ کسی قسم کا برتاؤ کریں، تو ان کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب ایسا شخص جو تقلیدِ ائمہ کو شرک کہے اور مقلدوں کو مشرک بتلاوے اہلِ ہوی میں سے ہے اہل السنۃ والجماعت سے خارج و مبتدع ہے۔ مقلدین کو چاہئے کہ ایسے آدمی کی بات نہ سنتے ہوئے اپنے مسلک پر کاربند رہیں۔ ایسے آدمیوں سے بحث و مناظرہ اور چھیڑ چھاڑ کرنے سے ان کو عزت اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی بات بالکل نہ سننا ان کا علاج ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۹ / ۱۲ / ۱۳۷۶ھ

کم علم عوام بھی تبلیغ کر سکتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین حامیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ زید کہتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر حکام کا کام ہے عوام الناس کی ذمہ داری نہیں۔ کیوں کہ امر و نہی کی اصل افعل ولا تفعل ہے۔ علی سبیل الاستعلاء۔ اور اس طریق پر امر و نہی حکام ہی کر سکتے ہیں۔ پس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا، اور حضرت مولانا احتشام الحسن رحمہما اللہ تعالیٰ اور دیگر حضرات نے اپنی کتب میں عام لوگوں کے لئے جو اس قسم کی حدیثیں تحریر کی ہیں، صحیح نہیں۔ کیوں کہ عوام اس کے اہل نہیں۔

کیا زید کی یہ بات قابلِ قبول ہے، اگر نہیں تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مامور کون ہیں ؟

۲ : امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے علم شرط ہے۔ لہذا یہ فریضہ صرف علماءِ کرام سے متعلق ہوگا۔

۳ : امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کا خود عامل ہونا ضروری ہے کیونکہ " دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت " تو صحیح نہیں۔ لہذا جماعت میں چلنے والے ایسے افراد کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کہاں تک جواز ہے۔ بینوا بالتفصیل توجروا عند اللہ الاجر الجزیل۔

کریم بخش عفرلہ مدرس مدرسہ جامعہ علوم شرعیہ جی ٹی روڈ، غلہ منڈی ساہیوال

الجواب امر ونہی کا علی سبیل الاستعلاء ہونا یہ اصطلاح اہل اصول ہے۔ اہل عربیہ کی اصطلاح نہیں۔
کما استفید من هذه العبارة ان ارید اصطلاح العربية
فالتعريف غير جامع لان صيغة افعل عندهم امر سواء كان
على طريق الاستعلاء او غيره ۔ (التلويح على التوضيح ص۳۲۴) ۔

لہذا کار خیر کے لئے التماس اور دعا بھی اس لحاظ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہوں گے۔ حالانکہ التماس کی تعریف "طلب الفعل مع التساوی" اور دعا "دعوۃ" کی تعریف "طلب الفعل مع الخضوع" اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تفاسیر میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دعوت الی الخیر کی دو نوعیں قرار دیا گیا ہے۔ نیز ان کو ترغیب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ مناسب امور کے کرنے کی ترغیب امر بالمعروف ہے اور نامناسب امور کے چھوڑنے کی ترغیب نہی عن المنکر ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں ہے۔

الدعوة الى فعل الخير يندرج تحتها نوعان احدهما الترغيب فى
فعل ما ينبغى وهو الأمر بالمعروف والثانى الترغيب فى ترك ما لا
ينبغى وهو النهى عن المنكر ۔ (ج۱: ص۲۳۴)

چونکہ دعوت الی الخیر جنس ہے۔ لہذا جہاں بھی دعوت الی الخیر الی اللہ کا بیان ہے۔ وہاں اس کے تحت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ضمناً بطور انواع مطلوب ہیں۔ کما فی قوله تعالى

قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى " وقوله تعالى
ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة " وقوله تعالى ومن
احسن قولا ممن دعا الى الله وعمل صالحا وقال اننى من المسلمين"

آخر الذکر آیت کی تشریح میں تفسیر عثمانی میں ہے۔

"پہلے ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا الخ میں ان مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا"

یہاں ان کے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں۔

"یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے۔ اسی کی پسندیدہ روش پر چلے اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے اس کا قول و فعل بندوں کو خدا کی طرف کھینچنے میں مؤثر ہو۔ جس نیکی کی طرف بلائے بذات خود اس پر عامل ہو۔ خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان

کرنے سے کسی موقعہ پر اور کسی وقت نہ جھجکے اس کا طغرائے توصیت صرف اسلام ہو اور ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ ورانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے۔ اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلانے جس کی دعوت دینے کے لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تھے اور صحابہ رضنے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔ انتہیٰ بلفظہ

وفی روح المعانی، ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللّٰہ ای الی توحیدہ تعالیٰ وطاعتہ والظاہر العموم فی کل داع الیہ تعالیٰ والی ذالک ذھب الحسن ومقاتل وجماعۃ وقیل بالخصوص۔

وفی المدارک۔ ھو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دعا الی التوحید الی ان قال او اصحابہ علیہ السلام او المؤذنون او جمیع الھداۃ والدعاۃ الی اللّٰہ اھ اور یہ دعوت الی اللہ فی الجملہ فرض ہے۔

احکام القرآن للجصاص ج میں ہے۔

فیہ بیان ان ذالک احسن قول ودل بذلک علی لزوم فرض الدعاء الی اللّٰہ اذ لاجائز ان یکون النفل احسن من الفرض فلولم یکن الدعاء الی اللّٰہ فرضا وقد جعلہ من احسن قول اقتضیٰ ذلک ان یکون احسن من الفرض وذلک ممتنع - ج ۳ ؛ ص ۳۸۵ -

۲ : دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اصطلاح اہل اصول ہی مراد ہو تب بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکام کے ساتھ اختصاص ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ افعل ولاتفعل کا علیٰ سبیل الاستعلاء کہنا قائل کے اعتبار سے ضروری نہیں بلکہ اصل آمر کے اعتبار سے ضروری ہے۔ جیسے کسی اعلیٰ کی طرف سے پیغام رسانی کرتے ہوتے کوئی ادنیٰ کسی اعلیٰ کو جو افعل ولاتفعل کہتا ہے یعنی امر ونہی کرتا ہے حالانکہ ادنیٰ ہونے کی وجہ سے اس کا یہ قول علیٰ سبیل الاستعلاء نہیں۔ اس کے باوجود وہ آمر کہلاتا ہے۔ کیوں کہ عرف میں اس جیسی کلام اس ادنیٰ درجہ کے قائل کی شمار نہیں ہوتی۔ بلکہ جس کی طرف سے پیغام رسانی کی جارہی ہے یہ کلام اس کی سمجھی جاتی ہے۔ اور چونکہ آمر مستعلی ہے۔ لہذا اس کے استعلاء کا اثر قائل میں بھی آجائے گا۔ بعینہ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حال ہے۔ کہ اگرچہ امر ونہی کرنے والا ادنیٰ ہو لیکن چونکہ اس کی حیثیت مبلغ (پیغام رساں) کی ہے اس لئے اس میں استعلاء کا نہ ہونا اس کے قول کو امر ونہی کہنے میں مضر اور مانع نہیں ہے۔ کیوں کہ اصل آمر اور ناہی تو خدا اور رسولِ خدا ہیں۔ جن میں بدرجۂ اتم علوّ موجود ہے بلکہ وہ تو سرچشمہ ہیں۔

وھذا الجواب مستفاد من ھذہ العبارۃ " ویرد علیٰ عکس التعریف

قول الادنی للاعلی افعل تبلیغا اوحکایۃ عن الآمر المستعلی فانہ امر ولیس علی سبیل الاستعلاء من القائل قلنا مثلہ لا یعد فی العرف مقول ھذا القائل الادنی بل مقول المبلغ عنہ وفیہ استعلاء من جہتہ ۔ (تلویح علی التوضیح ص۳۲۴)

ان اصولی ردجوابوں کے بعد ہم اپنے موقف کی تائید میں قرآن وحدیث اور جزئیاتِ فقہ کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں جن سے اس فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مسلمانوں کے تمام اشخاص سے علی العموم متعلق ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے ۔

۱ : قرآنِ مجید میں امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی دیگر امم پر فضیلت اور خیریت کا سبب اور باعث فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو قرار دیا گیا ہے ۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے ۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ الآیۃ

اس آیت کے تحت تفسیرِ خازن میں ہے کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو ہے لیکن حکم عام ہے ۔ یعنی پوری امت کو شامل ہے ۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے کتب علیکم الصیام ۔ کتب علیکم القصاص ان میں الفاظ کے اعتبار سے خطاب حاضرین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو ہے لیکن روزے اور قصاص کا حکم پوری امت پر لاگو ہے ۔ ایسے ہی یہاں

ولفظہ : قال الزجاج قولہ کنتم خیر امۃ الخطاب فیہ مع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکنہ عام فی حق الکل کذا ھھنا ۔

(خازن : ج ۱ : ص ۳۳۸) ۔

نیز لفظِ امت بھی عموم پر دال ہے ۔ کیونکہ ہر ایماندار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے ۔

اصل الامۃ الطائفۃ المجتمعۃ علی الشئ الواحد فامۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ھم الجماعۃ الموصوفون بالایمان باللہ والاقرار بنبوتہ اھ

اس کی تائید حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ذیل ارشادات سے بھی ہوتی ہے ۔

قال علیہ السلام لا تجتمع امتی علی الضلالۃ ۔ وروی انہ علیہ السلام یقول یوم القیامۃ امتی امتی ۔

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر کے تحت تفسیر کبیر میں ہے کہ اس

سے حکم سابق یعنی اس کی خیریت کی علت اور سبب کا بیان مقصود ہے کیوں کہ اصل فقہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ حکم کو اگر اس کے مناسب وصف کے ساتھ ذکر کیا جائے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف اس حکم کے لئے علت ہے جیسے کہتے ہیں کہ زید معزز آدمی ہے لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور انہیں کپڑا پہناتا ہے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ تو گویا زید کا معزز ہونا اس کے کھانا کھلانے، کپڑا پہنانے اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنے کی بنا پر ہے۔ اگر یہ اوصاف نہ ہوں تو اسے یہ اعزاز حاصل نہ ہوگا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے پہلے کنتم خیر امۃ ارشاد فرما کر اس امت کے بہتر اور افضل ہونے کا حکم لگایا۔ اور اس کے متصل یہ تین اوصاف امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور ایمان باللہ۔ ذکر کیں۔ معلوم ہوا کہ اس امت کی افضلیت انہیں اوصاف کی رہین منت ہے۔

ولفظہ تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون باللہ اھ واعلم ان هذا كلام مستأنف والمقصود منه بيان علة تلك الخيرية كما تقول زيد كريم يطعم الناس ويكسوهم ويقوم بمصالحهم وتحقيق الكلام انه ثبت في اصول الفقه ان ذكر الحكم مقرونا بالوصف المناسب له يدل على كون ذلك الحكم معللا بذلك الوصف فههنا حكم تعالىٰ بثبوت وصف الخيرية لهذه الامة ثم ذكر عقيبه هذا الحكم وهذه الطاعات اعني الامر بالمعروف والنهي عن المنكر والايمان فوجب كون تلك الخيرية معللة بهذه العبادات اھ (ج ۸، ص ۱۹۱)

بلکہ تینوں اوصاف میں سے بنیادی اور حقیقی علتیں صرف پہلی دو ہیں یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیوں کہ ایمان باللہ تو تمام حق پرست امتوں میں مشترک ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سب پر فضیلت دی۔ ظاہر ہے کہ اس خیریت و فضیلت کا باعث ایمان باللہ تو نہیں ہو سکتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس خیریت کے حصول میں مؤثر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اسی بنا پر صفت ایمان کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ البتہ ایمان باللہ اس مؤثر کی تاثیر کے لئے شرط ہے۔ جب تک یہ نہ ہو کوئی عمل اور عبادت بھی اس صفت خیریت میں مؤثر نہ ہوگی۔

ان الايمان بالله امر مشترك فيه بين جميع الامم الحقة ثم انه تعالىٰ فضّل هذه الامة على سائر الامم الحقة فيمتنع ان يكون المؤثر في حصول هذه الزيادة هو كون هذه الامة اقوى حالا في الامر

بالمعروف والنهی عن المنکر ۔ واما الایمان باللہ فھو شرط لتأثیر ھذا المؤثر فی ھذا الحکم لانہ مالم یوجد الایمان لم یصر شئ من الطاعات مؤثرا فی صفۃ الخیریۃ فثبت ان الموجب بھذہ للخیریۃ ھو کونھم آمرین بالمعروف ناھین عن المنکر واما ایمانھم فذلک شرط التاثیر والمؤثر الصق بالاثر من شرط التأثیر فلھذا السبب قدم اللہ تعالیٰ ذکر الامر بالمعروف والنھی عن المنکر علی ذکر الایمان ۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ؛ ص۱۹۱)

چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس پوری خیریت اور فضیلت کا باعث ہے ۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر اسلاف رحمہم اللہ نے اپنے اپنے انداز میں اس کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من امر بالمعروف ونھی عن المنکر کان خلیفۃ اللہ فی ارضہ وخلیفۃ رسولہ وخلیفۃ کتابہ ۔

جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ خدا کی زمین میں خدا ، اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کا نائب ہے ۔

عن علی رضی اللہ عنہ افضل الجھاد الامر بالمعروف والنھی عن المنکر

افضل جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

روی الحسن عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ انہ قال ایھا الناس ائتمروا بالمعروف وانھوا عن المنکر تعیشوا بالخیر ۔

ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے ۔ انہوں نے فرمایا ۔ اے لوگو ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو خیریت کے ساتھ رہو گے ۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ من لم یعرف بقلبہ معروفا ولم ینکر منکرا نکس وجعل اعلاہ اسفلہ ، وعن الثوری رح اذا کان الرجل محببا فی جیرانہ محمودا عند اخوانہ فاعلم انہ مداھن ، وھذہ کلھا فی الکبیر ۔

۲ : قرآن مجید کی دوسری آیت جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تمام مسلمانوں کے افراد سے متعلق ہونے کی دلیل ہے ۔

والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون

عن المنکر ویقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللّٰہ ورسولہ اولئک سیرحمھم اللّٰہ، الآیۃ

اس آیت میں بھی مذکورہ بالا اوصاف تمام مؤمنین کے بیان کئے گئے ہیں۔ بلکہ مؤمنات کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ نیز اقامتِ صلوٰۃ۔ ایتاءِ زکوٰۃ اللہ ورسول کی اطاعت ان سے اوصاف کا تعلق تمام مؤمنین سے ہے جس میں کچھ بھی خفا نہیں۔ ان کے قرینے سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تعلق بھی تمام مؤمنین سے ہوگا نہ کہ صرف حکام سے۔ اختصار کے پیشِ نظر ترجمہ نہیں کیا گیا۔

۳ ؛ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون۔

۴ ، لعن الذین کفروا (الی) کانوا لایتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون

۵ ، یابنی اقم الصلوٰۃ وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم الامور۔

فائدہ ؛ اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب اللہ ورسول سابقہ شرائع کو بغیر کسی انکار کے بیان فرمائیں تو وہ ہمارے لئے بھی واجب العمل ہیں۔ کما ھو مقرر فی کتب الاصول۔

آیات کی طرح احادیث بھی عموم پر دال ہیں

۱ ؛ عن ابی سعید الخدری رض عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان وفی المرقاۃ قولہ منکم ای فی غیرہ من المؤمنین والخطاب للصحابۃ اصالۃ ولغیرھم من الامۃ تبعا اھ

مرقات کی مذکور عبارت سے ایک تو اس فریضے کا عموم ثابت ہوا کہ تمام مسلمان اس کے اہل ہیں۔ دوسرا ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تعلق صرف مؤمنین سے ہے انہیں کو ہی نیکی کی ترغیب اور برائی سے روکا جائے گا۔ کیوں کہ کفار تو شریعت کے فروعی احکام کے مکلف ہی نہیں۔

۲ ؛ عن حذیفۃ رض ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ

لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر اولیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذابا من عندہ ثم لتدعنہ فلا یستجاب لکم رواہ الترمذی۔

۸ : کل کلام ابن آدم علیہ لا لہ الا امر بمعروف اونہی عن منکر او ذکر اللہ اوکما قال ۔ ان کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں ۔

۹ : فتاویٰ عالمگیری میں ہے ۔

ان الامر بالمعروف علی وجوہ ان کان یعلم باکبر رأیہ انہ لو امرھم بالمعروف یقبلون ذلک و یمتنعون عن المنکر واجب علیہ ولا یسعہ ترکہ ولو علم باکبر رأیہ انہ لو امرھم بذلک قذفوہ وشتموہ فترکہ افضل اھ ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ امر بالمعروف حکام کے ساتھ خاص نہیں ۔کیوں کہ حکام کے ساتھ تو قذف و شتم کا معاملہ نہیں ہوتا ۔

۱۰ : شامی میں ہے ۔

لو کان مع امرأتہ وھو یزنی بہا او مع محرمہ وھما مطاوعان قتلھما جمیعا مطلقاً اھ ۔ لانہ لیس من الحد بل من الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ۔ قلت ویدل علیہ ان الحد لا یلیہ الا الامام اھ

۱۱ : مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حکام کے ساتھ خاص نہ ہونے پر صراحت موجود ہے ۔

ولا یختص ذلک باصحاب الولایات بل ھو ثابت علی آحاد المسلمین فان السلف الصالح کانوا یامرون الولاۃ بالمعروف و ینھونھم عن المنکر مع تقریر المسلمین ایاھم وترک توبیخھم علی التشاغل بہ ۔ (ج ۵ ص ۵)

اور یہ فریضہ حکام کے ساتھ خاص نہیں ۔بلکہ مسلمانوں کے تمام افراد پر ثابت ہے ۔سلف صالحین حکام کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے تھے ۔

(ج ۔س ۲) فریضۂ تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو علما کیساتھ خاص کر لینا بھی درست نہیں ۔کیوں کہ علماء کا کام راہِ حق بتانا اور سیدھا راستہ دکھانا ہے ۔پھر اس کے موافق عمل کرانے اور مخلوقِ خدا کو اس پہ چلانے میں دوسرے لوگ بھی برابر کے شریک ہیں ۔ بلکہ زیادہ تر یہی مکلف ہیں ۔حدیث شریف میں ہے ۔

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته فالامیر الذی علی الناس راع علیهم وهو مسئول عنهم والرجل راع علی اهل بیته وهو مسئول عنهم والمرأة راعیة علی بیت بعلها وولده وهی مسئولة عنهم والعبد راع علی مال سیده وهو مسئول عنه فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته (بخاری ومسلم)

نیز علماء نے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے علم کو شرط قرار دیا ہے وہ بھی صرف ان افعال واقوال کے بارہ میں ہے۔ جو باریک قسم کے ہوں اور اجتہاد کے متعلق ہوں۔

لیکن واجبات ظاہرہ اور محرمات مشہورہ جیسے نماز، روزہ، زنا، شراب وغیر ذلک اس قسم کے جتنے احکام ہیں تو ان کو تمام مسلمان جانتے ہیں لہذا ان جیسے امور میں یہ فریضہ ان پر ثابت ہوگا چنانچہ مرقاۃ میں ہے۔

ثم انه انما یأمر وینهی من کان عالمًا بما یأمر به وینهی عنه وذلك یختلف باختلاف الشیٔ فان کان من الواجبات الظاهرة والمحرمات المشهورة کالصلوة والصیام والزنا والخمر ونحوها فکل المسلمین عالم بها وان کان من دقائق الافعال والاقوال وما یتعلق بالاجتهاد فلم یکن للعوام مدخل فیه لان انکاره علی ذلك للعلماء اهـ (ج ۵: ص ۳)

جواب سوال نمبر ۳ اگرچہ بعض نے ایسے شخص یعنی فاسق کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مجاز قرار نہیں دیا۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک یہ فریضہ اس کی طرف بھی متوجہ ہے۔ کیونکہ دو چیزیں الگ الگ واجب ہیں۔ ۱: خود نیکی پر چلنا، برائی سے بچنا۔ ۲: دوسروں کو نیکی پر چلانا اور برائی سے بچانا۔ تو کسی بناء پر ایک واجب کے چھوٹ جانے کی وجہ سے دوسرا واجب کیوں کر چھوڑا جا سکتا ہے؟ نہ تو ایک کا چھوٹنا دوسرے کے چھوڑنے کو مستلزم ہے اور نہ اس کے لئے مبیح ہے۔

۱: العلماء قالوا الفاسق له ان یأمر بالمعروف لانه وجب علیه ترك ذلك المنکر ووجب علیه النهی عن ذلك المنکر فبان ترك احد الواجبین لا یلزمه ترك الواجب الاٰخر۔ (تفسیر کبیر: ج ۸: ص ۱۷۹)

۲: وفی المرقاة شرح المشکوٰة: ولا یشترط فی الامر والناهی ان یکون کامل الحال ممتثلا ما یأمر به مجتنبًا عما ینهی عنه بل یجب علیه مطلقًا لان الواجب علیه شیئان ان یامر نفسه وینهاها ویأمر

غیره وینهاه فاذا اخل باحدهما کیف یباح له الاخلال بالأخر ۔(ج۵:ص۳)

۳: وقریب من هذافی الهندیة : ج۴،ص ۱۱۱ :۔اسی مضمون کی تصریح حدیث میں بھی موجود ہے۔

عن انس رضی الله تعالی عنه قال قلنایارسول الله لانامربالمعروف حتی نعمل به کله ولاننهی عن المنکرحتی نجتنبه کله فقال صلی الله علیه وسلم بل مروابالمعروف وان لم تعملوا به کله وانهوا عن المنکر وان لم تجتنبوه کله او کماقال۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک کہ خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک کہ خود تمام برائیوں سے نہ بچیں تو آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگر چہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگر چہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔تفسیر کبیر میں ہے۔

عن السلف مروابالخیروان لم تفعلوا ۔کہ بھلائی کا حکم کرو اگر چہ خود نہ کرسکو۔عن الحسن انه سمع مطرف بن عبدالله یقول لااقول مالاافعل فقال واینایفعل مایقول ودالشیطان لو ظفربهذه الکلمة منکم فلایامراحدبمعروف ولاینهی عن منکر .(ج۸: ص ۱۷۹)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالی سے مروی ہے کہ انہوں نے مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے (میں ایسی بات نہیں کہتا جس پر میں عمل نہیں کرتا) سن کر ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے کون ہے جو اپنی ہر کہی ہوئی بات پر عمل کرتا ہو۔شیطان پسند کرتا ہے کہ کاش وہ تمہاری اس بات میں کامیاب ہو جائے پھر نہ کوئی امر بالمعروف کرے اور نہ نہی عن المنکر :

اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خود عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یا بے عملی میں کوئی حرج نہیں عمل بہر حال ضروری ہے دوسروں کو امر و نہی کرتے ہوئے اپنے سے غافل نہ ہو، بلکہ جس قدر دوسروں کی اصلاح کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حدیثوں میں بہت زیادہ اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرتا پھرے اور خود مبتلائے معاصی رہے۔

قرآن مجید میں ہے اتامرون الناس بالبروتنسون انفسکم الآیة کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو۔

بہر کیف اپنی طرف سے پوری کوشش کر کے عمل کرتا رہے اپنے اختیار سے عمل میں کوئی کمی نہ آنے دے لیکن اگر سستی یا کسی عذر کی بناء پر ایک بات پر خود عمل نہیں کر سکا تو دوسروں کو اس کی دعوت دینے سے نہ ہچکچائے۔ یہی دعوت خود اس کو عمل پر ڈالنے کا پیش خیمہ بنے گی جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

الحاصل:۔ مذکورہ بالا دلائل قویہ صحیحہ سے محقق ہو گیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کا فریضہ علی الاطلاق نہ حکام کے ساتھ خاص ہے نہ علماء سے اور نہ متقین سے بلکہ مسلمانوں کے تمام افراد اس کے مکلف ہیں۔

هذاماعندی واللّٰه اعلم بالصواب وعلمه اتم واحکم.

غیر مسلم کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کا حکم:۔ ہمارے ہاں دولڑ کے عیسائی اور ہندو ہیں کیا ہم ان کے ساتھ کھا پی سکتے ہیں؟ ان سے تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں؟ اگر تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں تو کس حد تک؟

الجواب:۔ کفار کے ساتھ بلاضرورت میل جول فی نفسہ برا ہے کیوں کہ صحبت واختلاط ہی سے محبت بڑھتی ہے۔ اور ساتھ کھانے سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور کفار سے تعلق ومحبت بنص قرآن ممنوع ہے حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ ''اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفة اصحاب الجحیم'' میں اس موضوع پر مفصل کلام فرمایا ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ کافر سے زائد از حاجت کوئی تعلق نہ رکھے لیکن ان کے ساتھ احسان وسلوک کرتے رہیں، آپ کے عمل سے وہ متاثر ہوں متنفر نہ ہوں، ان کو صراط مستقیم پر لانے کا دل میں جذبہ ہو تڑپ ہو مگر دل میں ان کی محبت نہ ہو۔ اگر کوئی ضرورت اکٹھے کھانے کی داعی ہو تو جائز ہے خلاصہ یہ کہ اکٹھے کھانا دلی محبت سے نہ ہو تو ضرورت کے تحت جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۱/۷/۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مرزائیوں کے ساتھ تعلقات کے مفصل احکام:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ فرقہ مرزائیہ کا کفر وارتداد جبکہ شرعاً، عقلاً، نقلاً نصف النہار کی طرح روشن اور واضح ہو چکا ہے تو اس صورت میں اہل اسلام فرقۂ مرزائیہ کے ساتھ حدودِ شرعیہ میں رہتے ہوئے کس حد تک معاملات وبرتاؤ کر سکتے ہیں، مرزائیوں کی دعوتیں ان کے ساتھ کھانا پینا کاروبار، لین دین حتیٰ کہ ان کے ساتھ نشست وبرخاست

تک کے مسائل پر روشنی ڈالیں۔

الجواب:۔واضح رہے کہ موالات یعنی دلی محبت ومودت کسی غیر مسلم سے کسی بھی حال میں قطعاً جائز نہیں لقولہ تعالی یایھاالذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء ۔(الآیۃ) البتہ مواسات یعنی ہمدردی، خیرخواہی، نفع رسانی کی اجازت ہے لیکن جو کفار برسرپیکار ہوں ان کے ساتھ اس کی بھی اجازت نہیں تعلقات کا تیسرا درجہ مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ ہے یہ بھی غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ بحیثیت مہمان آئے ہوں یا ان کے شر اور فتنہ سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو۔ آخری درجہ معاملات ہے یعنی کفار سے تجارت، اجارات، صنعت وحرفت کے معاملات۔ یہ بھی جائز ہیں۔ بجز ایسی حالت کے کہ ان سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ اگر ایسا ہو تو یہ بھی جائز نہیں۔

مذکورہ بالا توضیح سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مرزائیوں کے ساتھ نشست وبرخاست، کھانا پینا آمد ورفت، میل جول، دلی محبت اور دوستی کی بناء پر ہو تو ناجائز اور حرام ہے اگر کسی دینی وشرعی غرض کے تحت ہو تو جائز ہے مگر چونکہ عام طور پر اس قسم کے تعلقات دلی دوستی کی بناء پر ہوتے ہیں اور ان تعلقات کی خاصیت بھی یہ ہے کہ یہ دلی قرب پیدا کرتے ہیں مزید برآں عوام الناس میں تصحیح نیت کا بھی اہتمام نہیں ہوتا اس لیے اس قسم کے تعلقات کو علی الاطلاق منع کیا جاتا ہے لسد باب المفاسد۔

قال اللہ تعالی ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الآیۃ

تعلقات کی یہ تفصیل مختلف آیات قرآنی کا خلاصہ ہے الحاصل مرزائیوں کی تقریبات میں شمولیت اور ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ بن کر رہنا جائز نہیں، کیوں کہ اس کا انجام خود مرزائی بن جانا ہوتا ہے والعیاذ باللہ تعالی اس لیے سخت احتراز لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۷/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ہندوؤں سے تعلقات کے بارے میں:۔ میں کچھ کاروبار کرتا ہوں جس میں ہندوؤں سے بھی تعلقات رکھنے ہوتے ہیں میں اس میں کیا رویہ اختیار کروں اپنے ملک میں اقلیتی غیر مسلموں سے بات چیت، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ کی کہاں تک گنجائش ہے؟ ایک ایسے ملک میں جہاں حکومت غیر مسلم ہو (جیسے ہندوستان) وہاں تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے ساتھ اٹھتا، بیٹھتا ہو تو اس مسلمان کے گھر نہ جانا اور تعلقات توڑنا

کیسا ہے؟

المستفتی:۔اظہار الحق صندوق البرید ۶۲۷ جادہ طرابلس لیبیا

الجواب:۔سچا مؤمن وہ ہے جو ایک مقصد کے تحت زندگی گزارتا ہے اس کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، آنا جانا، بولنا یا نہ بولنا، اسی مقصد کے تحت ہوتا ہے اور وہ مقصد اللہ تعالی کی رضا، اور خوشنودی ہے اور جو ایک مقصد کے تحت زندگی گزار رہا ہو وہ کبھی بھی کسی ایسے شخص سے دلی لگاؤ اور محبت پیدا نہیں کرے گا جو اس کے مقصد کا دشمن اور مخالف ہو۔کافر خواہ کوئی بھی ہو وہ مسلمان کے مقصد کا کھلا دشمن ہے اور یہ ایک حقیقت ہے محسوس ہو نہ ہو، کوئی سمجھے نہ سمجھے یہی وجہ ہے کہ قرآنی تصریحات کے مطابق کسی بھی کافر سے کسی بھی حال میں دلی دوستی اور یارانہ جائز نہیں، خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کے ساتھ محبت و دوستی رکھنے والا کس منہ سے خدا کو کہے گا کہ اے اللہ میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور تجھ سے محبت کرتا ہوں۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ شرم تم کو مگر نہیں آتی

البتہ غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین، حسن سلوک، احسان و رواداری، ہمدردی و نفع رسانی کی اسلام اجازت دیتا ہے بشرطیکہ یہ بھی اسی مقصد کے تحت ہوں، یعنی ان کو راہ راست پر لانا اور انہیں اسلام کے محاسن سے آگاہ کرنا مقصود ہو۔اسی غرض کے تحت آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کفار کی مہمان نوازیاں بھی کی ہیں۔انہیں عطیات بھی دیئے ہیں اور جس قدر اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری برتی ہے کسی مذہب کی تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی ہے یار و اغیار سب ہی اس کے شاہد ہیں اس ضروری وضاحت کے بعد اب اپنے سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

۱: جس خوش اخلاقی سے وہ پیش آئے آپ اس سے بڑھ کر پیش آئیں مگر یہ ضرور خیال رہے کہ یہ تعلقات دینی حدود میں رہیں اور مقصد تعلقات پر قربان نہ ہو۔

۲: فقہاءؒ نے ابواب کی شکل میں ذمیوں کے حقوق و فرائض بیان کیے ہیں کسی مستند فقہ کی کتاب میں دیکھ لیے جائیں۔تعلقات کی حد میں اس کا حکم وہی ہے جو ایک عام غیر مسلم کا ہے۔

۳: تفصیل گزر چکی ہے۔

۴: اگر اس مسلمان کا غیر مسلمان سے یارانہ اور دلی دوستی ہے تو پھر اس مسلمان کو چھوڑ دیا جائے تا کہ اسے احساس پیدا ہو اور اگر یہ نہیں تو پھر تعلقات توڑنے مناسب نہیں۔فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ۔۲۲/۸/۱۳۹۸ھ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

شیعہ اثنا عشریہ کے خاص عقائد

جن کی بناء پر متقدمین ومتاخرین علماء وفقہاء نے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے

از بندہ عاجز محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

اثنا عشریہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد خاص طور سے ان کے یہ تین عقیدے اس طرح آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جس کے بعد کسی شک وشبہ اور تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

ایک:۔ یہ کہ حضرات شیخین (سیدنا حضرت ابوبکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر ومنافق تھے بلکہ اگلی امتوں کے اور اس امت کے خبیث ترین کافروں، فرعون، ہامان، ونمرود اور ابولہب، وابوجہل سے بھی، حتی کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے، اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب انہیں دونوں پر ہے۔

دوسرا:۔ یہ کہ موجودہ قرآن محرّف ہے اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے یہ بعینہ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی تھی۔

تیسرا:۔ یہ کہ ان کا بنیادی عقیدہ ''امامت'' ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے لہذا وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے حضور کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں (جس طرح قادیانی بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں)۔

☆

اب تینوں عقیدوں کے بارے میں اثناعشریہ کے ائمہ معصومین کے ارشادات اوران کے ان علماء ومجتہدین کے بیانات جوشیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ملاحظہ فرمائے جائیں۔

شیخین کے بارے میں:

شیعہ اثناعشریہ کی حدیث کی کتابوں میں ان کے نزدیک سب سے زیادہ مستند ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی (م ۳۲۸ھ) کی کتاب ''الجامع الکافی'' ہے اس کا درجہ ان کے نزدیک وہی ہے جو علماء اہلسنت کے نزدیک امام بخاری کی ''الجامع الصحیح'' کا ہے، بلکہ اس سے بھی بالاتر اس کے آخری حصہ ''کتاب الروضہ'' میں شیعوں کے ساتویں امام معصوم ابوالحسن موسیٰ کا ایک طویل مکتوب پوری سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔اس میں شیخین کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

فلعمری لقدنافقاقبل ذالک وردّا علی الله جل ذکره کلامه وهزیابرسول الله صلی الله علیه واله وهما الکافران علیهما لعنة الله والملئکة والناس اجمعین (کتاب الروضة ـ ص ۶۲ طبع لکھنو)

میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ دونوں پہلے سے منافق تھے انہوں نے اللہ کے کلام کورد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ تمسخر کیا۔وہ دونوں قطعی کافر ہیں۔ان پراللہ کی،اوراس کے فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت

اوراسی کتاب الروضہ میں شیعوں کے پانچویں امام معصوم امام باقر کا یہ ارشاد شیخین کے بارے میں روایت کیا گیا۔

ان الشیخین فارقاالدنیاولم یتوبا ولم یتذاکرا ما صنعابامیرالمؤمنین علیه السلام فعلیهما لعنة الله والملئکة والناس اجمعین. کتاب الروضة۔ ص ۱۱۵ طبع لکھنو)

یہ دونوں دنیا سے چلے گئے اورانہوں نے امیرالمؤمنین علیہ السلام کے ساتھ جوکچھ کیا تھا،اس سے توبہ نہیں کی اوراس کو یاد بھی نہیں کیا،توان پراللہ کی اورفرشتوں کی اورانسانوں کی سب کی لعنت

ملا باقر مجلسی شیعوں کے گیارہویں صدی ہجری کے بہت بڑے مجتہد اور محدث ہیں علمائے شیعہ ان کو خاتم المحد ثین کہتے اور لکھتے ہیں،کثیر التصانیف ہیں۔ہمارا اندازہ ہے کہ ان کی کتابیں شیعوں میں دوسرے تمام مصنفوں سے زیادہ مقبول ہیں،ان کوشیعہ مذہب کا ترجمان اعظم کہا جاسکتا ہے (خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب کشف الاسرار میں مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے مجلسی کی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ کشف الاسرار۔ص ۱۲۱) ان مجلسی صاحب نے اپنی کتاب ''جلاء العیون'' میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے منسوب کرکے ایک طویل روایت نقل کی ہے،اس میں یہ بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

درجہنم تابوتے ہست کہ دوازدہ کس درآں تابوت ہستند شش کس ازگزشتگاں

جہنم میں ایک صندوق ہے جس میں بارہ آدمی بند ہیں چھ پچھلی امتوں کے اور چھ اس امت کے

دشش نفراز ایں امت، وآں تابوت در چاہے ہست درقعر جہنم، وبرآں چاہ سنگے افتادہ است کہ حق تعالیٰ ہرگاہ بخواہد کہ جہنم را مشتعل سازد امر میفرماید کہ آں سنگ را از سرچاہ بردارند چوں سنگ را بر میدارند۔ جمیع جہنم مشتعل شود از حرارت آں چاہ۔ پس من در حضور شما پرسیدم کہ آنہا کیستند؟ فرمود کہ اما از پیشیاں پس ایں شش نفر قابیل و فرعون و نمرود، وپے کنندہ ناقہ صالح، و دوکس از بنی اسرائیل کہ بعدازموسیٰ وعیسیٰ دین ایشاں راتغیر دادند، وامت ایشاں را گمراہ کردند۔ امااز یں امت پس دجال است وپنج نفرابوبکر وعمر وابوعبیدہ بن الجراح وسالم مولیٰ حذیفہ وسعد بن العاص (جلاء العیون۔ص ۴۷۲ طبع ایران)

اور وہ صندوق جہنم کے ایک آتشی کنویں میں ہے اور وہ کنواں ایک پتھر سے بند کردیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ جب جہنم کی آگ کو بھڑکانا چاہے گا تو حکم فرمائے گا کہ جس پتھر سے کنواں بند کیا گیا ہے اس کو ہٹادیا جائے جب وہ پتھر ہٹادیا جائے گا تو اس کنویں کی آگ سے سارا جہنم بھڑک اٹھے گا، (آگے راوی کہتا ہے) میں نے حضرت امام سے پوچھا کہ وہ بارہ آدمی کون ہیں جو اس صندوق میں بند ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگلی امتوں کے چھ آدمی تو یہ ہیں قابیل، نمرود، فرعون اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قاتل اور بنی اسرائیل میں سے وہ دو آدمی جنہوں نے حضرت موسیٰ وعیسیٰ کے بعد ان کے دین کو بدل ڈالا اور ان کی امتوں کو گمراہ کیا اور اس امت کے چھ آدمی یہ ہیں، دجال۔ اور ابوبکر۔ عمر۔ ابوعبیدہ بن الجراح۔ سالم مولیٰ حذیفہ اور سعد بن العاص

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ مجلسی نے جہنم کے اس آتشی تابوت کی روایت جس میں بارہ آدمی بند ہیں جن میں معاذ اللہ شیخین بھی ہیں اپنی دوسری کتاب حق الیقین میں بھی ذکر کی ہے (حق الیقین۔ص ۵۰۲)

اور جلاء العیون میں ملا باقر مجلسی نے ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں حضرات شیخین کے بارے میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ

آں دومرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا ورسول نیاوردہ بودند یعنی ابوبکر وعمر۔ (ص ۱۶۰)

وہ دو اعرابی جو خدا اور اس کے رسول پر ہرگز ایمان نہ لائے یعنی ابوبکر اور عمر۔

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ ملا باقر مجلسی نے یہ روایت "حق الیقین" میں بھی ذکر کی ہے (ص ۵۰۲)

اور جلاء العیون ہی میں مجلسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے

ہیچ عاقل رامجال آں نیست کہ شک کند در کفر عمر پس لعنت خدا و رسول بر ایشاں باد۔ و بر ہر کہ ایشاں را مسلمان داند و ہر کہ در لعن ایشاں توقف نماید (جلاء العیون ص ۴۵)

کسی صاحب عقل کے لیے اس کی مجال اور گنجائش نہیں ہے کہ عمر کے کافر ہونے میں شک کرے پس خدا و رسول کی لعنت ہو عمر پر اور ہر اس شخص پر جو اس کو مسلمان جانے اور ہر اس آدمی پر جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کرے (یعنی لعنت کرنے سے زبان کو روکے)

ملا باقر مجلسی کی تصانیف جلاء العیون ، حق الیقین ، زاد المعاد، حیات القلوب وغیرہ سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق اس طرح کی انتہائی زہریلی اور اشتعال انگیز روایتیں اور عبارتیں بلا مبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں نقل کی جاسکتی ہیں لیکن غیر ضروری طوالت ہوگی اس لیے حق الیقین سے صرف ایک روایت اور نقل کی جاتی ہے جو مجلسی نے شیخ مفید کی ''کتاب اختصاص'' کے حوالے سے شیعوں کے چھٹے امام معصوم جعفر صادق کی روایت سے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے بیان کی حیثیت سے نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ شیعوں کے نزدیک شیخ مفید کا مقام یہ ہے کہ ان کے بارہویں امام غائب (امام مہدی) غار میں روپوش ہوجانے اور غیبت صغری کا دور ختم ہوجانے بعد بھی شیخ مفید کو خطوط لکھتے تھے جو کسی غیبی نامعلوم طریقے سے ان کو مل جاتے تھے شیعوں کی معتبر کتاب ''احتجاج طبرسی'' میں ان کے نام امام غائب کے وہ خطوط موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام غائب کے خاص معتمدین میں سے تھے [۱]۔ اس لیے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ یہ راویت شیعوں کی معتبر ترین روایتوں میں سے ہے۔ اسی لیے اس کی طوالت اور اس کے مضمون کی انتہائی خباثت اور دل آزاری کے باوجود دل پر جبر کر کے اس پوری راویت کو ذیل میں درج کیا جارہا ہے (نقل کفر کفر نباشد) ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ

شیخ مفید در کتاب اختصاص از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمود کہ روزے بیروں رفتم از پشت کوفہ وقنبر در پیش روئے من راہ می رفت، ناگاہ ابلیس پیدا شد۔ گفتم من کہ عجیب پیر گمراہ شقی ہستی تو۔ گفت چرا ایں را می گوئی یا امیر المومنین بخدا سوگند

شیخ مفید نے ''کتاب اختصاص'' میں حضرت جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین (حضرت علی علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ایک دن میں شہر کوفہ کے پیچھے باہر گیا اور قنبر (خادم و غلام) میرے آگے جارہا تھا کہ اچانک ابلیس میرے سامنے آگیا، میں نے اس سے کہا کہ عجیب گمراہ، بدبخت ہے تو اس نے کہا اے امیر المومنین آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں، خدا کی قسم کھا کے

---

[۱] امام غائب اور ان کے خطوط کے بارے میں یہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے شیعوں کے عقیدہ کی بنیاد پر لکھا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک تو امام غائب کی شخصیت ہی ایک فرضی شخصیت ہے اس کے لیے راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت کا مطالعہ کیا جائے۔ ص ۱۶۸ تا ۱۷۶۔

شیخ مفید کے نام امام غائب کے جن خطوط کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے وہ احتجاج طبرسی طبع نجف اشرف جلد دوم کے ص ۳۲۲ تا ۳۲۵ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعی دنیا میں ان کے ائمہ معصومین کے بعد شاید شیخ مفید ہی کا درجہ اور مرتبہ ہے۔

ترا حدیثے نقل کنم ازخود و از خداوند عزوجل۔ و در ما بین ما ثالثے نہ بود ۔بدرستیکہ چوں مرا بزمین فرستاد خدا بسبب آں خطائے کہ کردم ۔چوں بآسمانے چہارم رسیدم۔ ندا کردم کہ الٰہی و سیدی گمان نہ دارم کہ از من شقی تر خلقی آفریدہ باشی ۔ حق تعالیٰ وحی فرمود سوئے من ۔ کہ بلکہ آفریدہ ام خلقی را کہ از تو شقی تر است ۔برو بہ سوئے خازن جہنم تا صورت او را و جائے او را بتو بنماید۔ رفتم بسوئے مالک، وگفتم خداوند ترا سلام مے رساند۔ وے فرماید کہ بہ من بنمائے کسے را کہ از من شقی تر است مالک مرا برد بہ سوئے جہنم وسرپوش بالائے جہنم را برداشت۔ آتشے سیاہ بیروں آمد کہ گماں کردم کہ مرا و مالک را خواہد خورد ۔مالک باں گفت کہ ساکن شو۔ ساکن شد، پس مرا برد بطبقہ دوم آتشے بیروں آمد ازاں سیاہ تر و گرم تر پس گفت ساکن شو۔ ساکن شد وہم چنیں کہ بہر مرتبہ اے کہ مے برد از مرتبہ سابق تیرہ ترو گرم تر بود تا بطبقہ ہفتم ببرد۔ آتشے ازاں بیروں آمد کہ گماں کردم کہ مرا و مالک را وجمیع آنچہ خدا

میں آپ کوایک بات سناتاہوں جومیرے اور خداوندعزوجل کے درمیان ہوئی اورہمارے درمیان کوئی تیسرانہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ نے مجھے میری اس خطا کی بناپر جومیں نے کی تھی آسمان سے زمین پربھیج دیا۔ جب میں چوتھے آسمان پرپہنچاتومیں نے خداوندعزوجل سے عرض کیا کہ اے میرا خدا اورمیرے مالک وآقا، میں گمان نہیں کرتا کہ تونے مجھ سے زیادہ شقی اور بدبخت کوئی مخلوق پیداکی ہوگی، تواللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ میں نے ایسی مخلوق پیداکی ہے جوتجھ سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے توجہنم کے داروغہ کے پاس جا تاکہ وہ تجھ کو اس مخلوق کی صورت اوراس کی جگہ دکھلادے تومیں جہنم کے داروغہ کے پاس گیا اورمیں نے اس سے کہا کہ خداوند عزوجل تجھ کوسلام کہتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ مجھے اس آدمی کودکھلادے جومجھ سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے تومجھے وہ جہنم کی طرف لے گیا اورجہنم کے اوپرجو سرپوش تھا وہ اس نے اٹھایا،اس میں سے سیاہ رنگ کی ایسی آگ باہرنکلی کہ میں نے گمان کیاکہ یہ آگ مجھے اور دراوغہ جہنم کوبھی کھاجائے گی ،داروغہ جہنم نے اس سے کہا کہ ساکن ہوجا تووہ ساکن ہوگئی پھروہ مجھے جہنم کے دوسرے طبقہ میں لے گیا تواس میں سے ایسی آگ نکلی جوپہلی والی آگ سے بھی زیادہ سیاہ اورگرم تھی توداروغہ جہنم نے اس آگ سے کہا کہ ساکن ہوجا۔تووہ ساکن ہوگئی۔اسی طرح داروغہ جہنم جس طبقے میں لے جاتا اس میں سے ایسی آگ نکلتی جو اس سے پہلے سب طبقوں کی آگ سے زیادہ تیزوتراورزیادہ گرم ہوتی، یہاں

آفریدہ است۔ خواہد سوخت پس دست بدید ہائے خود گزاشتم و گفتم۔ اے مالک امرکن او را کہ سرد وساکن شود۔ و الا می میرم مالک گفت۔ تو نخواہی مُرد تا وقت معلوم۔ پس صورت دو مرد را دیدم کہ در گردن ایشاں زنجیر ہائے آتش بود و ایشاں را بجانب بالا آویختہ بودند۔ و بر سر آنہا گروہے ایستادہ بودند وگرزہائے آتش در دست داشتند و بر ایشاں می زدند، گفتم مالک اینہا کیستند؟ گفت مگر نہ خواندی آنچہ در ساق عرش نوشتہ بود۔ ومن دیدہ بودم کہ خدا بر ساق عرش دو ہزار سال پیش از انکہ دنیا را یا آدم را خلق کند نوشتہ بود ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ ونصرتہ بعلی ''اینہا دودشمن ایشاں و دوستم کنندہ بر ایشانند یعنی ابوبکر وعمر

(حق الیقین ص۵۰۹و۵۱۰)

تک کہ وہ مجھے جہنم کے ساتویں طبقے میں لے گیا۔اس میں سے ایسی آگ نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اورداروغہ جہنم کوبھی اوراللہ کی پیدا کی ہوئی تمام مخلوقات کو جلا کے بھسم کردے گی۔تو میں نے اس آگ کی دہشت اورخوف سے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیےاوراس طرح آنکھیں بند کرلیں۔اورمیں نے داروغہ جہنم سے کہا کہ اس آگ کوحکم دو کہ یہ ٹھنڈی اورساکن ہوجائے،ورنہ میں مرجاؤں گا،داروغہ جہنم نے کہا توہرگزاس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ وقت نہ آجائے جوتیری موت کے لیے خدا کی طرف سے مقرر اوراس کےعلم میں ہے(آگےابلیس بیان کرتا ہے کہ) میں نے جہنم کے اس ساتویں طبقے میں دوآدمیوں کو دیکھا کہ ان کی گردنوں میں آگ کی زنجیریں ہیں ۔اوران کواوپر کی جانب لٹکا دیا گیا ہے۔اوران کے سرپردوگروہ کھڑے ہیں ۔اورآگ کے گرز ان کے ہاتھوں میں ہیں اوروہ ان دونوں آدمیوں پرآگ کے وہ گرزمارتے ہیں، میں نے کہا کہ اے داروغہ جہنم!یہ دونوں کون ہیں؟اس نے کہا کہ تونے وہ نہیں پڑھا جوعرش کے پایہ پرلکھا ہواتھا؟(ابلیس کہتا ہے) کہ میں نے دیکھا تھا کہ خدانے دنیا کے یا آدم کے پیدا کرنے سے دوہزارسال سال پہلے لکھدیا تھا کہ''لا الہ الا اللہ محمدرسول اللہ ایدتہ ونصرتہ بعلی'' کوئی معبودنہیں اللہ کے سوا،اورمحمداللہ کے رسول ہیں جس نےمحمد کی مدد علی کے ذریعہ کی اورقوت بخشی)یہ دونوں آدمی (جن کے گلے میں آتشی زنجیریں ہیں اورجن پرآگ کے گرزوں کی مار پڑرہی ہے)یہ دونوں علی کے دشمن اوران پرظلم وستم کرنے والے ہیں یعنی یہ ابوبکر اورعمر ہیں۔

راقم سطورحضرات علمائے شریعت ومفتیان عظام سے معذرت خواہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق ایسی خبیث اوردلآزار عبارتیں اورروایتیں ان کے سامنے پیش کیں جن کا مطالعہ یقیناً انتہائی

تکلیف کا باعث ہوگا۔ خود راقم سطور نے کتابوں میں اِن کا مطالعہ انتہائی قلبی اذیت کے ساتھ کیا تھا اور شدید کراہت کے ساتھ ان کو اپنے قلم سے لکھا ہے۔ صرف اس لئے کہ شیعہ مذہب کی حقیقت اور اثناء عشریہ کا عقیدہ و مسلک صحیح طور پر سامنے آ جائے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ اس سلسلہ میں یہاں پیش کیا گیا ہے۔ وہ محض ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہے۔ اس سلسلہ کی اسی طرح کی چند اور انتہائی دل آزار اور خبیث روایات راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' میں صفحہ ۱۹۵ سے صفحہ ۲۱۹ تک دیکھی جا سکتی ہیں۔ جو مجلس کی تصانیف ہی سے نقل کی گئی ہیں۔ جو بلاشبہ شیعہ مذہب کا ترجمان اعظم ہے۔ اور خمینی صاحب نے جس کی فارسی تصانیف کے مطالعہ کا شیعوں کو اپنی تصنیف ''کشف الاسرار'' میں مشورہ دیا ہے۔ اور ان پر اپنا اعتماد ظاہر کیا ہے۔ (کشف الاسرار ص ۱۲۱) مجلسی کے بارہ میں پاکستان کے ایک بلند پایہ شیعہ مجتہد کا بیان بھی آگے درج کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں خود خمینی صاحب کے فرمودات بھی ملاحظہ ہوں

روح اللہ خمینی صاحب (جو شیعہ عالم اور مجتہد ہونے کے ساتھ اپنے نظریہ ''ولایۃ الفقیہ'' کے مطابق امام غائب معصوم (امام مہدی) کے گویا (قائم مقام بھی ہیں) ہمارے اس دور میں شیعہ مذہب کے سب سے بڑے نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی حضرات شیخین اور ان کے تمام رفقاء سابقین اولین صحابہ کرام کے بارہ میں تقیہ کی لاگ لپیٹ کے بغیر صفائی سے وہی عقیدہ ظاہر کیا ہے جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی شیعوں کے ائمہ معصومین کی مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا ہے۔ خمینی صاحب نے اپنی معرکۃ الآرا فارسی تصنیف ''کشف الاسرار'' میں ص ۱۱۲ سے ۱۲۰ تک اس موضوع پر بہت طویل اور مفصل کلام کیا ہے۔ راقم سطور نے اپنی کتاب ''ایرانی انقلاب، اور امام خمینی اور شیعیت'' میں (ص ۵۲ سے ۶۹ تک) اُن کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ اور ان کی بقدر ضرورت وضاحت کی ہے۔ اور آخر میں ان عبارتوں کا حاصل چند نمبروں میں لکھا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے یہاں صرف اسی کو نقل کر دینا کافی سمجھا ہے۔ خمینی صاحب کی عبارتیں اُن کی کتاب ''کشف الاسرار'' میں یا راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

حضرات شیخین ذوالنورین اور عام صحابہ کرامؓ کے بارے میں خمینی صاحب کے فرمودات کا حاصل

۱۔ شیخین ابوبکر، عمر اور ان کے رفقاء عثمان، ابوعبیدہ وغیرہ دل سے ایمان ہی نہیں لائے

تھے۔صرف حکومت اور اقتدار کی طمع اور ہوس میں انہوں نے بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا۔اور اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کو چپکا رکھا تھا۔(یہ چپکا رکھنا خود خمینی صاحب کی تعبیر ہے۔ان کے الفاظ ہیں)''آنہانیکہ سالہا درطمع ریاست خود را بدین پیغمبر چسپاندہ بودند۔ (کشف الاسرار۔ص ۱۱۳)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت واقتدار حاصل کرنے کا ان کا جو منصوبہ تھا۔اس کے لئے وہ ابتداء ہی سے سازش کرتے رہے اور انہوں نے اپنے ہم خیالوں کی ایک طاقتور پارٹی بنالی تھی۔ان سب کا اصل مقصد اور مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت پر قبضہ کرلینا ہی تھا۔اس کے سوا اسلام سے اور قرآن سے ان کا کوئی سروکار نہیں تھا۔ (کشف الاسرار۔ص ۱۱۳-۱۱۴)

۳۔ اگر بالفرض قرآن میں صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت وخلافت کے لئے حضرت علیؓ کی نامزدگی کا ذکر بھی کردیا جاتا۔تب بھی یہ لوگ ان آیات قرآنی اور خداوندی فرمان کی وجہ سے اپنے اس مقصد اور منصوبہ سے دست بردار ہونے والے نہیں تھے۔جس کے لئے انہوں نے اپنے کو اسلام سے اور رسول اللہؐ سے چپکا رکھا تھا۔اس مقصد کے لئے جو حیلے اور جو داؤ پیچ ان کو کرنے پڑتے وہ سب کرتے۔اور فرمانِ خداوندی کی پرواہ نہ کرتے۔ (کشف الاسرار۔ص ۱۱۳)

۴۔ قرآنی احکام اور خداوندی فرمان کے خلاف کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی۔انہوں نے بہت سے قرآنی احکام کی مخالفت کی اور خداوندی فرمان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔اس سلسلہ میں خمینی صاحب نے ''مخالفتہائے ابوبکر بانص قرآنی'' اور ''مخالفتہائے عمر با قرآن'' کے عنوانات قائم کرکے ان کی مخالفتِ قرآن کی مثالیں بھی دی ہیں۔ (کشف الاسرار۔ص ۱۱۵-۱۱۹)

۵۔ اگر وہ اپنا مقصد (حکومت واقتدار) حاصل کرنے کے لئے قرآن سے ان آیات کا نکال دینا ضروری سمجھتے (جن میں امامت کے منصب پر حضرت علیؓ کی نامزدگی کا ذکر کیا گیا ہوتا) تو وہ اُن آیتوں ہی کو قرآن سے نکال دیتے۔وہ آیتیں ہمیشہ کے لئے قرآن سے غائب ہوجاتیں۔اور وہ توریت وانجیل ہی طرح محرّف ہوجاتا۔ (کشف الاسرار۔ص ۱۱۴)

۶۔ اگر وہ ان آیات کو قرآن سے نہ نکالتے،تب وہ یہ کرسکتے تھے اور یہی کرتے کہ ایک حدیث اس مضمون کی گھڑ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے لوگوں کو سنادیتے کہ آخری وقت میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ امام وخلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ شوریٰ سے طے ہوگا۔اور علیؓ جن کو امامت کے منصب کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔اور قرآن میں بھی اس کا ذکر کردیا گیا تھا ان کو اس منصب سے معزول کردیا گیا۔
(کشف الاسرار۔ص ۱۱۴)

۷۔ اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ عمرؓ اُن آیات کے بارے میں کہہ دیتے کہ یا تو خود خدا سے ان آیتوں کے نازل کرنے میں یا جبریلؑ یا رسول خداؐ سے ان کے پہچانے میں اشتباہ ہوگیا یعنی غلطی اور چوک ہوگئی۔
(کشف الاسرار۔ص ۱۱۹-۱۲۰)

۸۔ خمینی صاحب نے (حدیث قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے) بڑے دردناک نوحہ کے انداز میں (حضرت عمرؓ کے بارے میں) لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری وقت میں اس نے آپ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے روح پاک کو انتہائی صدمہ پہنچا۔ اور آپؐ دل پر اس صدمہ کا داغ لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس موقع پر خمینی صاحب نے صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ عمر کا یہ گستاخانہ کلمہ دراصل اس کے باطن اور اندر کے کفر و زندقہ کا ظہور تھا۔ اس موقع پر خمینی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

''ایں کلام یاوہ کہ از اصل کفر و زندقہ ظاہر شدہ'' (کشف الاسرار۔ص ۱۱۹)

۹۔ اگر یہ شیخین (اور ان کی پارٹی والے) دیکھتے کہ قرآن کی ان آیات کی وجہ سے (جن میں امامت کے لئے حضرت علی کی نامزدگی کی گئی ہوتی) اسلام سے وابستہ رہتے ہوئے ہم حصول حکومت کے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے اسلام کو ترک کر کے اور اس سے کٹ کر ہی یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ تو یہ ایسا ہی کرتے اور (ابوجہل و ابولہب کا موقف اختیار کر کے) اپنی پارٹی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔ (کشف الاسرار۔ص ۱۱۴)

۱۰۔ عام صحابہ کا حال یہ تھا کہ یا تو وہ ان کی (شیخین کی) خاص پارٹی میں شریک و شامل، اُن کے رفیق کار اور حکومت طلبی کے مقصد میں ان کے پورے ہم نوا تھے۔ یا پھر وہ تھے جو ان لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اور ان کے خلاف ایک حرف زبان سے نکالنے کی ان میں جرأت و ہمت نہیں تھی۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۹-۱۲۰)

خمینی صاحب کے بیانات جو اُن کی کتاب ''کشف الاسرار''[۱] کے حوالہ سے سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ اُن کے سامنے آ جانے کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضرات شیخین اور ان کے خاص رفقاء سابقین اولین صحابہ کرام کے بارہ میں ان کا عقیدہ بھی وہی ہے جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی روایات سے معلوم ہوا تھا کہ یہ سب (معاذ اللہ) کافر و منافق ایمان سے قطعی محروم، خالص دنیا پرست تھے۔ صرف حکومت اور اقتدار کی طمع میں انہوں نے منافقانہ طور پر صرف زبان سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ باطن میں وہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔ استغفر اللّٰہ ثم استغفر اللّٰہ.

---

[۱] خمینی صاحب کی یہ تصنیف ''کشف الاسرار'' فارسی زبان میں قریباً ساڑھے تین سو صفحات کی کتاب ہے یہ پہلی دفعہ ایران میں ۱۳۶۲ھ میں طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد بھی شائع ہوتی رہی ہے۔ خمینی صاحب کے برپا کئے ہوئے انقلاب کے بعد کے طبع شدہ ایڈیشن کا نسخہ بھی خود راقم سطور نے دیکھا ہے۔

عقیدۂ تحریفِ قرآن

شیعہ اثنا عشریہ کی بنیادی اور مسلمہ کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی ایسے یقین کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آئی، جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن محرّف ہے، اس میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے، جیسی اگلی آسمانی کتابوں، تورات، انجیل وغیرہ میں ہوئی تھی۔ وہ بعینہ وہ ''کتاب اللہ'' نہیں ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی تھی۔ اثنا عشریہ کی حدیث کی ان کتابوں میں جن میں ان کے ائمہ معصومین کی روایات جمع کی گئی ہیں (جن پر مذہب شیعہ کا دارومدار ہے) خود اُن کے اکابر محدثین ومجتہدین کے بیان کے مطابق دو ہزار سے زیادہ ائمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جن سے قرآن کا محرف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اُن کے اُن علماء ومجتہدین نے جو اثنا عشری مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، اپنی کتابوں میں اعتراف کیا ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں، اور تحریف قرآن پر ان کی دلالت صاف اور صریح ہے، جس میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں ہے اور یہ کہ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اسی مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کے آخر بلکہ چوتھی صدی کے قریباً نصف تک پوری شیعی دنیا کا یہی عقیدہ رہا۔ اس صدی کے قریباً وسط میں سب سے پہلے صدوق ابن بابویہ قمی (متوفی ۳۸۱ھ) نے اور اس کے بعد پانچویں صدی میں شریف مرتضیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) اور شیخ ابوجعفر طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے اور چھٹی صدی ہجری میں ابوجعفر طبرسی مصنف تفسیر ''مجمع البیان'' (متوفی ۵۴۸ھ) نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ وہ قرآن کو عام مسلمانوں کی طرح محفوظ اور غیر محرّف مانتے ہیں۔ لیکن شیعی دنیا نے ان کی اس بات کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ائمہ معصومین کی متواتر اور صریح روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا۔ مختلف زمانوں میں شیعوں کے اکابر واعاظم علماء ومجتہدین نے قرآن کے محرّف ہونے کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب جو مطالعہ میں آئی۔ وہ شیعوں کے ایک بڑے مجتہد اور خاتم المحدثین علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ہے۔ جس کا نام ہے ''فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب'' یہ عربی زبان میں باریک قلم سے لکھی ہوئی قریباً چار سو صفحات کی کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ قرآن میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے۔ دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں، اس کے علاوہ اُن کتابوں کی طویل فہرست دی ہے جو مختلف زمانوں میں شیعہ اثنا عشریہ کے اکابر علماء ومجتہدین نے موجودہ قرآن کو محرّف ثابت کرنے کے لئے لکھی ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد اس میں شک شبہ نہیں رہتا۔ کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ قرآن پاک کے بارے میں یہی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔ اور ہر طرح کی تحریف ہوئی۔ اور اثنا عشری فرقہ کے جن لوگوں نے خاص کر جن علماء مصنفین نے تحریف کے عقیدہ سے انکار کیا ہے۔ اس کی سمجھ میں آنے والی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے یہ انکار کچھ مصلحتوں کے

تقاضے سے کیا ہے۔ یعنی تقیہ کیا ہے (یہ بات خود شیعوں کے اکابر علماء و مجتہدین نے لکھی ہے۔ جیسا کہ آگے معلوم ہو جائے گا)۔

یہ کتاب مصنف نے تیرہویں صدی کے آخر میں اس وقت لکھی تھی جب شیعہ اثنا عشریہ کے بہت سے علماء نے ازراہ مصلحت بنی قرآن پاک میں تحریف کے اپنے عقیدہ سے انکار کی پالیسی اختیار کر لی تھی۔ علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی نے اس کو ائمہ معصومین اور اثنا عشری مذہب سے انحراف سمجھا، اور اس کی تردید ضروری سمجھی۔ اور یہ کتاب لکھی یہ کتاب مصنف کی زندگی ہی میں ایران میں طبع ہوئی تھی، اسی کا عکس لے کر حال ہی میں پاکستان میں اس کو طبع کر دیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب نے کسی شیعہ کے لئے تحریف کے عقیدہ سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ اس کے چند اقتباسات بھی ان شاءاللہ آئندہ صفحات میں پیش کئے جائیں گے۔ پہلے اثنا عشریہ کی حدیث کی معتبر ترین کتابوں سے اُن کے ائمہ معصومین کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں، جن میں صراحت کے ساتھ قرآن پاک میں تحریف اور تغییر و تبدیل کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن میں تحریف کے بارے میں ''آئمہ معصومین'' کے ارشادات

(۱) سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں آیت نمبر ۲۳ ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ. اس آیت کے بارے میں شیعوں کی اصح الکتب ''اصول کافی'' میں ان کے پانچویں ''امام معصوم'' امام باقر کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے۔

نزل جبرئيل بهذه الاية علىٰ محمد صلى الله عليه واله هكذا وان كنتم في ريب مما نزلنا علىٰ عبدنا في علىّ فاتوا بسورة من مثله (اصول کافی ص ۲۶۴)

جبریل امین یہ آیت اس طرح لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے تھے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فِيْ عَلِيِّ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ.

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے موجودہ قرآن کو مرتب کیا یا کرایا۔ (یعنی حضرات خلفائے ثلاثہؓ) انہوں نے اس آیت میں سے ''في علي'' کے الفاظ نکال دیئے۔

(۲) سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۵ اس طرح ہے۔ ''وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ .... اصول کافی میں روایت ہے کہ اثنا عشریہ کے چھٹے ''امام معصوم جعفر صادق نے'' قسم کھا کے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔

''وَلَقَدْ عَهِدْنَا الى ادم من قبل كلمات في محمد وعلي و فاطمة والحسن والحسين والائمة من ذريتهم فنسي..... هكذا والله انزلت علىٰ محمد

صلی اللّٰہ علیہ و الہٖ (اصول کافی ۔ص۲۶۳)

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے پورا خط کشیدہ حصہ نکال دیا گیا ہے۔

(۳) سورۂ احزاب کے آخری رکوع میں آیت ہے۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا. اصول کافی ہی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔ ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فی ولایۃ علی والائمۃ من بعدہ فقد فاز فوزاً عظیما مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے فی علی والائمۃ من بعدہ کے الفاظ نکال دیئے گئے۔ (اصول کافی ص۲۶۲)

(۴) موجودہ قرآن پاک میں سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۷۰ اس طرح ہے۔ "یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا. اصول کافی میں ہے کہ اس آیت کے بارے میں امام باقر نے ارشاد فرمایا۔

نزل جبرئیل بھذہ الایۃ ھکذا .... یا ایھا الناس قد جاء کم الرسول بالحق من ربکم فی ولایۃ علی فامنوا خیرا لکم وان تکفروا بولایۃ علی فان للّٰہ ما فی السموات وما فی الارض. (اصول کافی ۔ص۲۶۷)

امام باقر کے اس ارشاد کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں "فی ولایۃ علیؑ" اور "بولایۃ علی" کے الفاظ تھے۔ اور اس طرح اس میں امیر المومنین علی کی ولایت و امامت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور اس کے انکار کو کفر قرار دیا گیا تھا۔ لیکن موجودہ قرآن کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے والوں (خلفاءِ ثلٰثہ) نے آیت میں سے یہ الفاظ نکال دیئے۔

اثناعشریہ کی اسی اصح الکتب "اصول کافی" سے اس طرح کی روایتیں بڑی تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن میں ان کے ائمہ معصومین نے قرآنی آیات میں اس طرح کی تحریف اور قطع و برید کا قسمیں کھا کھا کے دعویٰ فرمایا ہے۔ یہاں اس سلسلہ کی صرف ایک ہی روایت اور ملاحظہ فرمائی جائے۔

عن ھشام بن سالم عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال ان القرآن الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام الیٰ محمد صلی اللّٰہ علیہ والہ سبعۃ عشر الف ایۃ (اصول کافی ۔ص۶۷۱)	ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قرآن جو جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے تھے۔ اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

موجودہ قرآن پاک میں خود شیعہ مصنفین کے لکھنے کے مطابق کل آیات چھ ہزار سے کچھ ہی اوپر ہیں۔ (ساڑھے چھ ہزار بھی نہیں ہیں) لیکن امام جعفر صادق کا ارشاد ہے کہ اصلی قرآن جو جبرئیل علیہ السلام لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ مطلب یہ ہوا کہ موجودہ قرآن کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے والوں نے دو تہائی کے قریب قرآن غائب کر دیا۔ اصول کافی

کے شارح علامہ قزوینی نے اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مراد اینست کہ بسیارے ازاں قرآن ساقط شدہ۔ ودر مصاحف مشہورہ نیست۔ (صافی شرح اصول کافی جز ششم ص ۷۵ طبع لکھنو)	امام جعفر صادق کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اصل قرآن میں سے بہت سا حصہ ساقط اور غائب کر دیا گیا۔ اور وہ موجودہ قرآن کے مشہور نسخوں میں نہیں ہے۔

اصول کافی کی یہ صرف پانچ روایتیں نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ اسی کتاب سے اس طرح کی روایتیں بڑی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اب آپ حضرات کی خدمت میں اثناعشریہ کی بعض دوسری معتبر کتابوں سے بھی اُن کے ائمہ معصومین کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں قرآن میں تحریف اور قطع برید کی بات صفائی اور صراحت سے فرمائی گئی ہے۔

''تفسیر عیاشی'' شیعوں کی قدیم، مستند ترین تفسیر ہے۔ اس کے حوالہ سے ''تفسیر صافی'' میں امام باقر کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

لو لانہ زید فی القران ونقص ما خفی حقنا علی ذی حجیٰ. (تفسیر صافی جلد اول ص ۱۱ طبع طہران)	اگر قرآن میں زیادتی اور کمی نہ کی گئی ہوتی تو کسی عقل رکھنے والے پر ہم ائمہ کا حق پوشیدہ نہ رہتا۔

اور اسی صفحہ پر ''تفسیر عیاشی'' کے حوالہ سے امام جعفر صادق کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

لو قرء القران کما انزل لا لفیتنا فیه مسمّیین (تفسیر صافی جلد اول ص ۱۱)	اگر قرآن اسی طرح پڑھا جاتا۔ جیسا کہ وہ نازل ہوا تھا۔ تو تم اس میں ہم ائمہ کا تذکرہ نام بنام پاتے۔

پانچویں صدی ہجری کے ایک جلیل القدر شیعہ محدث وفقیہ احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی کی کتاب ''الاحتجاج'' بھی مذہب شیعہ کی خاص معتمد اور معتبر کتابوں میں سے ہے۔ اس میں روایت ہے کہ ایک زندیق نے قرآن پاک پر اپنے چند اعتراضات امیر المومنین علی علیہ السلام کے سامنے پیش کئے، آپ نے اُن سب کے جوابات دیئے۔ اُن میں اس زندیق کا ایک اعتراض یہ تھا کہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوا فِی الْیَتَامٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ ...... الأیة نحوی قاعدہ سے جملہ شرطیہ ہے۔ لیکن شرط وجزاء میں جو جوڑ اور ربط ہونا چاہیئے وہ اس آیت میں بالکل نہیں ہے۔ امیر علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا۔

ھو مما قد مت ذکرہ من اسقاط المنافقین من القران. وبین القول فی الیتامیٰ وبین نکاح النساء من الخطاب و القصص اکثر من ثلث القران.	یہ اسی قبیل سے ہے جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ کہ منافقین نے قرآن میں سے بہت کچھ ساقط کر دیا ہے۔ اور اس آیت میں (یہ تصرف ہوا ہے کہ) ''ان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ'' اور ''فانکحوا ما طاب لکم من النساء'' کے درمیان ایک تہائی سے زیادہ قرآن تھا۔ جس میں خطاب تھا اور قصص

تھے (منافقین نے وہ سب ساقط اور غائب کر دیا)۔ (احتجاج طبرسی جلد اول ص ۳۷۷ طبع نجف اشرف)

''احتجاج طبرسی'' کی اسی روایت میں ہے کہ اس زندیق کے بعض دوسرے اعتراضات کے جواب میں بھی امیر علیہ السلام نے یہی تحریف والی بات فرمائی۔ لیکن ان سب کا نقل کرنا غیر ضروری ہے۔

تحریف سے متعلق ''ائمہ معصومین'' کی روایات کے اس سلسلہ کو اسی پر ختم کیا جاتا ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اثناعشریہ کے اکابر محدثین ومجتہدین کے بیان کے مطابق ان کی حدیث کی کتابوں میں دو ہزار سے زیادہ ائمہ معصومین کی روایات ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور ہر طرح کی ہوئی ہے۔

اب اس مسئلہ سے متعلق چند اُن اکابر علمائے شیعہ کے بیانات پیش کئے جاتے ہیں۔ جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ شیعوں کے عظیم المرتبت محدث وفقیہ سید نعمت اللہ الموسوی الجزائری نے اپنی کتاب ''الانوار النعمانیہ'' میں اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیل سے کلام کیا ہے اور صفائی اور صراحت کے ساتھ اور مدلل طور پر بتلایا ہے کہ موجودہ قرآن کے بارہ میں اثناعشریہ کا کیا عقیدہ ہے۔

قرآن مجید کی قراءت سبعہ (وہ سات قرأتیں) جو شیعوں کے علاوہ ساری امت مسلمہ کے نزدیک متواتر ہیں۔ اور ان کا یہ تواتر ہی مسلمانوں کے اس ایمان ویقین کی بنیاد ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور آپ سے امت کو ملا۔ ان قراءت سبعہ کے تواتر کا انکار کرتے ہوئے شیعوں کے یہ جلیل القدر محدث وفقیہ نعمت اللہ الجزائری تحریر فرماتے ہیں۔

ان تسليم تواترها عن الوحى الالهى و كون الكل قد نزل به الروح الامين يفضى الى طرح الاخبار المستفيضة بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف فى القران كلاماً ومادة واعراباً مع ان اصحابنا رضوان الله عليهم قد اطبقوا علىٰ صحتها والتصديق بها. نعم قد خالف فيها المرتضىٰ والصدوق والشيخ الطبرسى وحكموا بان ما بين دفتى هذا المصحف هو القران المنزل لا غير ولم يقع فيه تحريف و

(مطلب یہ ہے کہ) ان قراءت شیعہ کو متواتر تسلیم کرنے اور ان کو بعینہ وحی الٰہی اور جبریل امین کے ذریعہ نازل شدہ مان لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ائمہ معصومین کی ان تمام مشہور بلکہ متواتر حدیثوں کو جو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اس کی عبارتوں اور اس کے کلمات اور اعراب میں بھی تحریف ہوئی ہے (اُن سب حدیثوں کو) نامعتبر قرار دے کر رد کر دینا پڑے گا حالانکہ صورتحال یہ ہے کہ ہمارے اکابر ومشائخ متقدمین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں اور تحریف کے بارہ میں جو کچھ ان میں بتلایا گیا ہے وہ برحق اور واقعہ کے مطابق ہے اور ہم اس کو مانتے ہیں۔ ہاں ہمارے مشائخ متقدمین میں سے شریف مرتضیٰ اور صدوق اور شیخ طبرسی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہی موجودہ

لا تبدیل ....

قرآن بعینہ وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا اور اس میں کسی طرح کی تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

آ گے سید نعمت اللہ الجزائری صفائی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ

والظاهر ان هذا القول صدر منهم لاجل مصالح كثيرة...... كيف وهؤلاء الاعلام رووا في مؤلفاتهم اخبارًا كثيرةً تشتمل على وقوع تلك الامور في القرآن وان الأية هٰكذا انزلت ثم غيُرت الىٰ هذا.

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ہمارے ان حضرات (شریف مرتضیٰ، صدوق، شیخ طبرسی) نے یہ بات بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے (اپنے عقیدہ اور ضمیر کے خلاف کہی ہے) یہ ان کا عقیدہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ خود انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑی تعداد میں وہ حدیثیں روایت کی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن میں مذکورہ بالا ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے۔ اور یہ کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔ پھر اس میں یہ تبدیلی کر دی گئی۔

سید نعمت اللہ الجزائری اسی سلسلہ کلام میں (اپنے اس دعوے کے ثبوت میں قرآن میں کہ تحریف ہوئی ہے اور موجودہ قرآن بعینہ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) آ گے لکھتے ہیں۔

انه قد استفا من في الاخبار ان القران كما انزل لم يؤلفه الا امير المومنين عليه السلام بوصية من النبى صلى الله عليه واله فبقى بعد موته ستة اشهر مشتغلا يجمعه فلما جمعه كما انزل اتى به الى المتخلفين بعد رسول الله صلى الله عليه واله فقال هذا كتاب الله كما انزل فقال له عمر بن الخطاب لا حاجة بنا اليك ولا الىٰ قرانك ...... فقال لهم على عليه السلام لن تروه بعد هذا اليوم ولا يراه احد حتى ظهر ولدى المهدى عليه السلام وفى ذالك القران زيادات كثير وهو خال من التحريف

بہت سی حدیثوں میں جو درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں یہ وارد ہوا ہے کہ قرآن جس طرح نازل ہوا تھا۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ کی وصیت کے مطابق صرف امیر المومنین علیہ السلام نے آپ کی وفات کے بعد پورے چھ مہینے اسی میں مشغول رہ کر جمع کیا تھا۔ جب آپ نے اس کو جمع کر لیا۔ تو اس کو لے کر ان لوگوں کے پاس آئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ کے بعد امیر المومنین کی امامت وخلافت سے منکر ہو کر خلیفہ بن گئے تھے، آپ نے اُن سے فرمایا کہ یہ بعینہ وہ کتاب اللہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ پر نازل ہوئی تھی۔ تو عمر بن الخطاب نے کہا کہ ہم کو تمہاری اور تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ آج کے دن کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھ سکو گے اور کوئی بھی نہ دیکھ سکے گا اس وقت تک کہ جب میرے بیٹے مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ وہ اس قرآن کو ظاہر کرے گا۔ اس میں بہت سی زیادتیاں ہیں اور وہ تحریف سے بالکل خالی ہے۔

سید نعمت اللہ الجزائری نے آگے کلینی کی اصول کافی سے وہ روایت بھی نقل کی ہے جس میں امام جعفر صادق کی روایت سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ

فاذا قام قرأ کتاب اللّٰہ علی حدّہ واخرج المصحف الذی کتبہ علی علیہ السلام.

جب مہدی ظاہر ہوں گے تو وہ کتاب اللہ قرآن کو اس کی صحیح صورت میں پڑھیں گے اور قرآن کا وہ نسخہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے جو علی علیہ السلام نے لکھا تھا۔

جزائری نے پوری روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

والاخبار الواردۃ بھذا المضمون کثیرۃ جدا.

اور اس مضمون کی جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اسی سلسلہ کلام میں سید نعمت اللہ الجزائری نے ''امیر المومنین علی علیہ السلام'' کے جمع کئے ہوئے اور لکھے ہوئے قرآن کے بارے میں اپنے ائمہ معصومین کی روایات کی روشنی میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جب ہمارے مولا صاحب الزمان (مہدی) ظاہر ہوں گے۔

فیرتفع ھذا القراٰن من ایدی الناس الی السماء ویخرج القراٰن الذی الفہ امیر المومنین علی علیہ السلام. (الانوار النعمانیہ جلد دوم ص ۳۵۷ تا ۳۶۴ طبع ایران)

تو موجودہ قرآن آسمان کی طرف اُٹھا لیا جائے گا کسی کے بھی ہاتھ میں (اس کا نسخہ) نہیں رہے گا۔ اور صاحب الزمان (مہدی) اس قرآن کو نکال کر پیش فرمائیں گے جس کو امیر المومنین علی علیہ السلام نے جمع اور مرتب فرمایا تھا۔

سید نعمت اللہ الموسوی الجزائری شیعہ اثنا عشریہ کے عظیم المرتب محدث وفقیہ ہیں[1] انہوں نے اپنے اس بیان میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ مندرجہ ذیل باتوں کا اعتراف بلکہ دعویٰ کیا ہے۔

(۱) یہ کہ قرأت سبعہ (وہ ساتوں قرأتیں) جن کے تواتر کی بنیاد پر موجودہ قرآن کو متواتر اور یقینی طور پر کتاب اللہ مانا جاتا ہے متواتر نہیں ہیں۔ لہٰذا موجودہ قرآن بھی متواتر نہیں ہے اور وحی الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تواتر ثابت نہیں ہے۔

(۲) ہمارے ائمہ معصومین کی وہ روایتیں جو بتلاتی ہیں کہ موجودہ قرآن میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے متواتر ہیں اور تحریف پر ان کی دلالت صاف اور صریح ہے جس میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں ہے۔

(۳) ہمارے اصحاب (یعنی اثنا عشری فرقہ کے اکابر ومشائخ متقدمین) کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ تحریف کی یہ روایتیں صحیح ہیں۔ اور وہ ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ یعنی انہی روایات کے مطابق اُن کا عقیدہ ہے۔

(۴) ہمارے علماء متقدمین میں سے شریف مرتضیٰ، صدوق، اور شیخ طبرسی نے اس سے اختلاف ظاہر کیا ہے اور موجودہ قرآن کو ہی اصل قرآن کہا ہے اور اس میں تحریف اور کسی تبدیلی کے واقع ہونے سے انکار کیا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ انہوں نے بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے (یعنی تقیہ کیا ہے)۔

---

[1] الانوار النعمانیہ کے شروع میں ''ترجمۃ المؤلف'' کے زیر عنوان ۱۰ صفحات میں سید نعمت اللہ الجزائری (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے شیعہ علماء و مجتہدین نے بھی بالعموم تحریف کے عقیدہ سے انکار کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ لیکن حقیقت وہی ہے جو اُن کے عظیم المرتبت محدّث و مجتہد نے صفائی کے ساتھ ظاہر کی ہے۔

(۵) اصلی قرآن وہ تھا اور وہی ہے جو امیر المومنین علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع اور مرتب کیا تھا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر غاصبانہ طور پر قبضہ کرنے والوں نے اس کو قبول نہیں کیا تو حضرت امیر علیہ السلام نے اس قرآن کو کسی کو بھی نہ دکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ (وہ رازدارانہ طور پر ایک امام سے دوسرے امام کو منتقل ہوتا رہا۔ اور اب وہ بارہویں امام غائب (مہدی) کے پاس ہے۔ (جو غار میں روپوش ہیں) اس میں موجودہ قرآن کے مقابلہ میں زیادات ہیں (یعنی ایسے بہت سے مضامین ہیں جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں) جب وہ (مہدی) ظاہر ہوں گے۔ تو وہ اسی اصلی اور مکمل قرآن کو دُنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ اور اس وقت موجودہ قرآن کے سارے نسخے آسمان کی طرف اُٹھا لئے جائیں گے کسی کے ہاتھ میں اُس کا کوئی نسخہ نہیں رہے گا۔ موجودہ قرآن مجید کے بارہ میں یہ ہے شیعہ اثناعشریہ کا اصل عقیدہ جو ان کے اس جلیل القدر محدّث و فقیہ نے صفائی کے ساتھ اور اپنے نزدیک مدلّل طور پر بیان کیا ہے۔

اس کے بعد شیعوں کے ایک دوسرے عظیم المرتبت محدث اور مجتہد علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ''فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب'' سے چند عبارتیں آپ حضرات کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس کتاب کا موضوع ہی جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے۔ موجودہ قرآن کو محرف ثابت کرنا ہے۔ یہ چار سو صفحے کی ضخیم کتاب ہے اس کے مصنف نے اپنے دعوے کے ثبوت میں شیعی نقطۂ نظر سے دلائل کے گویا انبار لگا دیئے ہیں۔ اگر اس میں سے وہ عبارتیں نقل کی جائیں۔ جو یہاں نقل کرنے کے لائق ہیں تو کم از کم پچاس صفحات پر آئیں گی۔ لیکن یہاں صرف چند ہی عبارتیں نقل کی جائیں گی۔

قرآن میں تورات وانجیل ہی کی طرح تحریف ہوئی ہے

مصنف نے نمبر وار وہ دلائل پیش کئے ہیں جن سے ان کے نزدیک قرآن میں تحریف کا ہونا ثابت

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا تذکرہ ہے۔ اس میں موصوف کے بارے میں ان اکابر و اعاظم علمائے شیعہ کے بیانات نقل کئے گئے ہیں جو بلاشبہ شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان سب کے بیانات اس پر متفق ہیں کہ سید نعمت اللہ الجزائری اثنا عشریہ کے نہایت بلند پایہ عالم و مصنف، جلیل القدر اور عظیم المرتبت محدث و فقیہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو) ''الانوار النعمانیہ'' ص ی زیرعنوان جمل الثناء علیہ۔

ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں نمبر ۴ پر انہوں نے ان روایات کا حوالہ دیا ہے۔ جو یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے۔ جس طرح تورات وانجیل میں ہوئی تھی۔ اس سلسلہ کلام کو شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الامر الرابع ذكر اخبار خاصة فيها دلالة او اشارة على كون القرآن كالتوراة والانجيل فى وقوع التحريف والتغيير فيه وركوب المنافقين الذين استولوا على الامة فيه طريقة بنى اسرائيل فيهما. وهى حجة مستقلة لا ثبات المطلوب (فصل الخطاب۔ ص ۷۰)

اور چوتھی بات ہے اثناعشریہ کی اُن روایات کا ذکر جو صراحۃً یا اشارۃً یہ بتلاتی ہیں کہ تحریف اور تغیر وتبدل کے واقع ہونے میں قرآن تورات اور انجیل ہی کی طرح ہے۔ اور جو یہ بتلاتی ہیں کہ جو منافقین امت پر غالب آ گئے اور حاکم بن گئے تھے (ابوبکر وعمر وغیرہ) وہ قرآن میں تحریف کرنے کے بارے میں اسی راستہ پر چلے جس راستہ پر چل کر بنی اسرائیل نے توراۃ و انجیل میں تحریف کی تھی۔ اور یہ ہمارے دعوے (یعنی تحریف) کے ثبوت کی مستقل دلیل ہے۔

آگے مصنف نے اکابر علماء شیعہ کی کتابوں کے حوالہ سے کئی صفحوں میں وہ روایات نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن میں اسی طرح کی تحریف کی گئی۔ جیسی تحریف حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات وانجیل میں کی گئی تھی۔

متقدمین علماء شیعہ سب ہی تحریف کے قائل اور مدعی ہیں
صرف چار وہ ہیں جنہوں نے تحریف سے انکار کیا ہے

علامہ نوری طبرسی نے اسی فصل الخطاب میں زیر عنوان ''المقدمۃ الثالثۃ'' (تیسرا مقدمہ) لکھا ہے کہ ہمارے علماء میں اس مسئلہ میں کہ قرآن میں تحریف اور تغیر وتبدل ہوا ہے یا نہیں۔ دو قول مشہور ہیں۔ پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الاول وقوع التغيير والنقصان فيه وهو مذهب الشيخ الجليل على بن ابراهيم القمى شيخ الكلينى فى تفسيره صرّح ذالك فى اوله وملأ كتابه من اخباره مع التزامه فى اوله بان لا يذكر فيه الا ما رواه مشائخه وثقاته ومذهب تلميذه ثقة الاسلام الكلينى رحمه الله

پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغیر وتبدل ہوا ہے اور کمی ہوئی ہے (یعنی کچھ حصہ اس میں سے ساقط اور غائب کیا گیا ہے) اور یہ مذہب ہے ابوجعفر یعقوب کلینی کے شیخ علی بن ابراہیم قمی کا۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع ہی میں اس کو صراحت اور صفائی سے لکھا ہے اور اپنی کتاب کو تحریف (ثابت کرنے والی) روایات سے بھر دیا ہے۔ اور انہوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں وہی روایات ذکر کریں گے۔

علی ما نسبه الیه جماعة لنقله الاخبار الکثیرة الصریحة فی هذا المعنی فی کتابه الحجة خصوصا فی باب النکت والنتف من التنزیل والروضة من غیر تعرض لردها او تاویلها (فصل الخطاب۔ص۲۵)

جن کو وہ اپنے مشائخ اور ثقہ حضرات سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہی مذہب ہے ان کے شاگرد ثقۃ الاسلام کلینی رحمہ اللہ کا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب ''الجامع الکافی'' ''کتاب الحجہ میں اور بالخصوص اس کے ''باب النکت و النتف من التنزیل'' اور ''کتاب الروضہ'' میں بہت بڑی تعداد میں وہ روایات (ائمہ معصومین سے) نقل کی ہیں۔ جو صراحۃً تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر نہ تو انہوں نے ان روایات کو رد کیا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل کی ہے۔

اس عبارت میں علامہ نوری طبرسی نے تحریف کے قائل علمائے متقدمین میں سے سب سے پہلے صرف ان دو کا ذکر کیا ہے (ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی اور انکے شیخ علی بن ابراہیم قمی) واضح رہے کہ یہ دونوں حضرات وہ ہیں جنہوں نے (شیعی نظریہ کے مطابق) غیبت[۱] صغری کا پورا زمانہ پایا ہے۔ بلکہ ان کے تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق ان دونوں نے گیارہویں امام حسن امام حسن عسکری کا بھی کچھ زمانہ پایا ہے[۲]۔

اس کے بعد علامہ طبرسی نے پورے پانچ صفحے میں دوسرے ان متقدمین اکابر علماءِ شیعہ کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے اپنی تصانیف میں تحریف اور تغیر وتبدل کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کی تعداد تیس چالیس سے کم نہ ہوگی۔ زیادہ ہی ہوگی۔ اس سب کے بعد مصنف نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

ومن جمیع ما ذکرنا ونقلنا بتتبعی القاصر یمکن دعوی الشهرة العظیمة بین المتقدمین وانحصار المخالفین فیهم باشخاص معینین یاتی ذکرهم قال السید المحدث الجزائری فی الانوار ما معناه ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحة الاخبار المستفیضة

اور ہم نے اپنی محدود تلاش اور محدود مطالعہ سے تحریف کے بارے میں شیعہ اکابر علمائے متقدمین کے جو اقوال نقل کئے ان کی بنیاد پر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے علمائے متقدمین کا یہی مذہب عام طور سے مشہور تھا (کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے) اور اس کے خلاف رائے رکھنے والے بس چند متعین اور معلوم افراد تھے جن کا ناموں کے ساتھ ابھی ذکر آ جائے گا۔ (آگے مصنف

---

[۱] یعنی وہ زمانہ جبکہ شیعی عقیدہ کے مطابق امام غائب کے پاس ان کے سفیروں اور ایجنٹوں کی خفیہ آمدورفت ہوتی تھی۔ (تفصیل اس عاجز کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' ص۱۷۶ پر دیکھی جا سکتی ہے)۔

[۲] اصول کافی کے آخر میں اس کے مؤلف محمد بن یعقوب رازی کلینی کا تذکرہ ہے اس میں لکھا ہے کہ ''فالظاهر انه رضی الله عنه ادرک تمام الصغریٰ بل بعض ایام العسکری علیه السلام ایضاً'' (اصول کافی طبع لکھنؤ ص۶۶۵)

بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف فی القرآن کلامًا ومادةً و اعرابًا والتصدیق بها. نعم خالف فیها المرتضیٰ والصدوق والشیخ الطبرسی۔
(فصل الخطاب۔ ص۳۰)

نوری طبرسی نے سید نعمت اللہ الجزائری کی کتاب الانوار النعمانیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا) ہمارے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مشہور بلکہ متواتر روایات جو صراحۃً بتلاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی اس کی عبارت میں بھی اس کے الفاظ اور اعراب میں بھی وہ روایات صحیح ہیں، اور ان روایات کی تصدیق (یعنی ان کے مطابق عقیدہ رکھنے) میں بھی ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاق ہے۔ ہاں اس میں صرف شریف مرتضیٰ اور صدوق اور شیخ طبرسی نے اختلاف کیا ہے۔

آگے اختلاف کرنے والوں میں مصنف نے ان تین حضرات کے علاوہ چوتھا نام ابوجعفر طوسی کا بھی ذکر کیا ہے اور تحریف سے انکار کے سلسلہ میں ان سب کی عبارتیں نقل کر کے مصنف نے سب کا جواب دیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ یہ چاروں حضرات، ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی سے کافی متاخر ہیں۔ پھر ان میں سب سے متاخر ابوعلی طبرسی ہیں۔ (ان کا سنہ وفات ۵۴۷ ہے) انہوں نے تحریف سے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا اس کا جواب دینے کے بعد مصنف علامہ نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

وان طبقته لم یعرف الخلاف صریحا الا من هذه المشائخ الاربعة. (فصل الخطاب ص۳۴)

اور ابوعلی طبرسی کے طبقہ تک (یعنی چھٹی صدی ہجری کے وسط تک) ان چار مشائخ کے سوا کسی کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے اس مسئلہ میں صراحۃً اختلاف کیا ہو (یعنی قرآن میں تحریف ہونے سے صراحت کے ساتھ انکار کیا ہو)۔

راقم سطور نے عرض کیا تھا کہ مصنف نے اپنے عقیدہ اور نقطہ نظر کے مطابق قرآن میں تحریف واقع ہونے پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔

تحریف کی روایتیں دو ہزار سے زیادہ:

الدلیل الثانی عشر الاخبار الواردة فی الموارد المخصوصة من القرآن الدالة علی تغییر بعض الکلمات والأیات والسور باحدی الصور المتقدمة وهی کثیرة جدًا حتی قال السید نعمت الله الجزائری

بارہویں دلیل ائمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جو قرآن کے خاص خاص مقامات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جو بتلاتی ہیں کہ قرآن کے بعض کلمات اور اس کی آیتوں اور سورتوں میں اُن صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی تبدیلی کی گئی ہے۔ جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور وہ روایات بہت زیادہ

فی بعض مؤلفاته کما حکی عنه ان الاخبار الدالۃ علی ذالک تزید علی الفی حدیث و ادعی استفاضتھا جماعۃ کالمفید والمحقق الداماد والعلامۃ المجلسی وغیرھم بل الشیخ ایضاً صرح فی التبیان بکثرتھا بل ادعی تواترھا جماعۃ یاتی ذکرھم

(فصل الخطاب صفحہ ۲۲۷)

ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے (جلیل القدر محدث) سید نعمت اللہ الجزائری نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا ہے جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ قرآن میں اس تحریف اور تغیر و تبدل کو بتلانے والی ائمہ اہل بیت کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ اور ہمارے اکابر علماء کی ایک جماعت نے مثلاً شیخ مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی نے ان حدیثوں کے مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور شیخ طوسی نے بھی تبیان میں بصراحت لکھا ہے کہ ان روایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے — بلکہ ہمارے علماء کی ایک جماعت نے جن کا آگے ذکر آئے گا۔ ان روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

روایاتِ تحریف کے تواتر کا دعویٰ کرنیوالے اکابر علماء شیعہ

پھر کتاب کے آخر میں اُن اکابر و اعاظم علمائے شیعہ کا مصنف نے ذکر کیا ہے جنھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل کی روایتیں متواتر ہیں۔ اور بلاشبہ اُن کا یہ دعویٰ شیعہ حضرات کی کتب حدیث کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ مصنف رقمطراز ہیں۔

وقد ادعی تواترہ ای تواتر وقوع التحریف والتغییر والنقص جماعۃ منھم المولیٰ محمد صالح فی شرح الکافی حیث قال فی شرح ما ورد ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الی النبیؐ سبعۃ عشر الف اٰیۃ — وفی روایۃ سلیم ثمانیۃ عشر الف اٰیۃ، ما لفظہ • واسقاط بعض القرآن وتحریفہ ثبت من طرقنا بالتواتر معنی کما یظھر لمن تامل فی کتب الاحادیث من اولھا الی اٰخرھا۔

اور قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل اور اس کو ناقص کئے جانے کی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہمارے اکابر علماء کی ایک جماعت نے، ان میں سے ایک مولانا محمد صالح ہیں۔ انھوں نے کافی کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو قرآن رسول اللہؐ پر جبرئیل لیکر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں اور اسی حدیث کی سلیم کی روایت میں بجائے سترہ ہزار کے اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) آیات بتلائی گئی ہیں، اس حدیث کی شرح میں مولانا محمد صالح نے فرمایا ہے۔ • اور قرآن میں تحریف اور اس کے بعض حصوں کا ساقط کیا جانا، ہمارے طریقوں سے تواتر معنوی ثابت ہے جیسا کہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جس نے ہماری حدیث کی کتابوں

ومنھم الفاضل قاضی القضاۃ علی بن عبد العالی علی ما حکی

عنه السيد فی شرح الوافية ....

کا اول سے آخر تک غور سے مطالعہ کیا ہے۔

اور انہی علماء میں سے جنھوں نے قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کی حدیثوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے ایک قاضی القضاۃ علی بن عبد العالی بھی ہیں جیسا کہ جناب سید نے شرح وافیہ میں ان سے نقل کیا ہے۔

ومنهم الشيخ المحدث الجليل ابو الحسن الشريف فی مقدمات تفسيره

اور انہی میں سے ایک شیخ محدث جلیل ابو الحسن الشریف ہیں انھوں نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمات میں ان روایات کے معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔

ومنهم العلامة المجلسی فقال فی مرآة العقول فی شرح باب انه لم يجمع القرآن كله الا الائمة عليهم السلام بعد نقل كلام المفيد ما لفظه والاخبار من طرق الخاصة والعامة فی النقص والتغيير متواترة وبخطه على نسخة صحيحة من الكافی كان يقرءها على والده وعليها خطهما فی آخر كتاب فضل القرآن عند قول الصادق ع "القرآن الذی جاء به جبريل ع على محمد سبعة عشر الف آية" ما لفظه "لا يخفى ان هذا الخبر وكثير من الاخبار الصحيحة صريحة فی نقص القرآن وتغييره وعندی ان الاخبار فی هذا الباب متواترة معنى" وطرح جميعها يوجب رفع الاعتماد عن الاخبار رأساً. بل ظنی ان الاخبار فی هذا الباب لا يقصر عن اخبار الامامة فكيف يثبتونها

اور ہمارے انہی علماء کبار میں سے جنھوں نے تحریف کی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ایک علامہ مجلسی بھی ہیں، انھوں نے اپنی کتاب "مرآۃ العقول" میں اصول کافی کے باب "انه لم يجمع القرآن كله الا الائمة عليهم السلام" کی شرح میں شیخ مفید کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کئے جانے کے بارے میں احادیث و روایات جو شیعوں اور غیر شیعوں کی سندوں سے روایت کی گئی ہیں، وہ متواتر ہیں۔ اور اصول کافی کے اس نسخہ پر جو انھوں نے اپنے والد کے سامنے پڑھا (اور اس پر ان دونوں کے قلم کی تحریر ہے) کتاب فضل القرآن کے خاتمہ پر جہاں امام جعفر صادق ع کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ "جو قرآن جبرئیل ع محمد ص کے پاس لائے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں"۔ علامہ مجلسی نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ "ظاہر ہے کہ یہ حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی صحیح حدیثیں صراحت کے ساتھ یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کی گئی ہے ---- (اس کے آگے علامہ مجلسی لکھتے ہیں) کہ میرے نزدیک اس باب میں حدیثیں (معنی کے لحاظ سے) متواتر ہیں۔ اور ان سب کو نظر انداز کرنے اور ناقابل اعتماد قرار دینے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ **احادیث و روایات** پر سے اعتماد بالکل اٹھ

بالخیر (فصل الخطاب ص۳۲۸-۳۲۹) جائے گا، (اور احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابلِ اعتبار ہو جائے گا) بلکہ میرا گمان ہے کہ اس باب کی (یعنی قرآن میں تحریف اور کمی و تبدیلی کی) حدیثیں مسئلہ امامت کی حدیثوں سے کم نہیں ہیں۔ پھر (جب متواتر حدیثوں کو بھی نظر انداز کیا جاسکے گا۔ تو) مسئلہ امامت کو جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے) احادیث و روایات سے کیوں کر ثابت کیا جاسکے گا۔

علامہ نوری طبرسی کی "فصل الخطاب" سے جو عبارتیں یہاں نقل کی گئیں، ان سے مندرجہ ذیل چند حدیثیں ایسی صراحت اور صفائی کے ساتھ معلوم ہوئیں۔ جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں۔

۱۔ یہ کہ قرآن میں اسی طرح کی تحریف قطع و برید اور تبدیلی ہوئی ہے، جیسی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی آسمانی کتابوں تورات و انجیل میں کی تھی۔

۲۔ شیعہ اثنا عشریہ کی حدیث کی کتابوں میں تحریف کی روایتیں دو ہزار (۲۰۰۰) سے زیادہ ہیں۔

۳۔ متقدمین علمائے شیعہ سب ہی تحریف کے قائل ہیں، صرف چار ہیں جنہوں نے تحریف سے انکار کیا ہے (جن کے بارے میں سید نعمت اللہ الجزائری نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ انکار بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے کیا ہے ان کا عقیدہ یہ نہیں ہے، اور نہ ہو سکتا ہے)

۴۔ شیعوں کی اصح الکتب "الجامع الکافی" کے مؤلف ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی (جنہوں نے غیبت صغریٰ کا پورا زمانہ پایا۔ اور کچھ زمانہ گیارھویں امام معصوم حسن عسکری کا بھی پایا)۔ اور ان کے علاوہ عام طور سے شیعوں کے علمائے متقدمین اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔

۵۔ اثنا عشریہ کے بہت سے ان بلند پایہ علماء و مجتہدین نے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں تحریف کی حدیثیں متواتر ہیں)۔ اور مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم ملا باقر مجلسی کے بیان کے مطابق ان کی تعداد اثنا عشری مذہب کی اساس و بنیاد مسئلہ امامت کی حدیثوں سے کم نہیں ہے ان کو ناقابل اعتبار قرار دیکر نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے حدیث کے سارے ذخیرہ سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ اور امامت کا مسئلہ بھی بے بنیاد ہو جائے گا، کسی طرح اسکو ثابت نہیں کیا جاسکے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ علامہ نوری طبرسی کی اس کتاب "فصل الخطاب" کے مطالعہ کے بعد یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ کسی اثنا عشری شیعہ کے لئے اثنا عشری رہتے ہوئے قرآن میں تحریف کے عقیدہ سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے اس فرقہ کے جو لوگ تحریف کے عقیدہ سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے انکار کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ یا تو وہ تقیہ کرتے ہیں (جو اثنا عشری مذہب میں صرف جائز نہیں، بلکہ واجب و فرض اور گویا جزو[۱] ایمان ہے) یا اپنے مذہب کی بنیادی کتابوں سے

---

[۱] یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اثنا عشری مذہب میں تقیہ کا کیا مقام ہے اور اس کی کیسی تاکید ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بھی ناواقف اور بے خبر ہیں۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا "فصل الخطاب" کے مصنف یہ علامہ طبرسی شیعوں کے بڑے عالی مقام محدث اور مجتہد تھے شیعی دنیا میں ان کو عظمت اور تقدس کا جو مقام حاصل تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۳۲۰ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ان کو نجف اشرف میں "مشہد مرتضوی" کی عمارت میں دفن کیا گیا جو شیعہ حضرات کے نزدیک "اقدس البقاع" یعنی روئے زمین کا مقدس ترین مقام ہے۔ جہاں صرف ایسے ہی شیعہ اکابر و مشائخ دفن ہو سکتے ہیں جن کو شیعی دنیا میں عظمت و تقدس اور مقبولیت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہو۔ اور ان کو ائمہ معصومین کا خاص درجہ کا وارث و نائب مانا جاتا ہو۔

کسی اثنا عشری کیلئے تحریف سے انکار اور اہل سنت کی طرح قرآن پر ایمان از روئے عقل بھی ممکن نہیں

اثنا عشریہ کے عقیدۂ تحریف قرآن کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ ان کے ائمہ معصومین کی صریح و متواتر روایات اور ان کے متقدمین و متاخرین اکابر علماء و مجتہدین کے تحریری بیانات کی بنیاد پر عرض کیا گیا۔ اب آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ کسی اثنا عشری کے لئے اثنا عشری عقائد رکھتے ہوئے تحریف سے انکار اور اہل سنت کی طرح قرآن پر ایمان از روئے عقل بھی ممکن نہیں ہے اور اسکے سمجھنے کے لئے کسی خاص درجہ کی ذہانت اور باریک بینی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہر معمولی عقل رکھنے والا بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ غور فرمایا جائے۔

گزشتہ صفحات میں حضرات شیخین (صدیق اکبر و فاروق اعظم) نیز ذی النورین حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں اثنا عشریہ کے ائمہ معصومین کی جو روایات اور ان کے اکابر علماء و مجتہدین کے جو بیانات

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور اسکی کیا حقیقت ہے نیز ائمہ معصومین کے تقیہ کے واقعات معلوم کرنے کیلئے راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب؛ امام خمینی اور شیعیت" میں تقیہ کا بیان ص۲۲۷ سے ص۲۴۰ تک دیکھا جائے۔ یہاں بھی صدوق بن بابویہ قمی کے رسالہ اعتقادیہ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائی جائے۔

والتقية واجبة لايجوز رفعها الى ان يخرج القائم فمن تركها قبل خروجه فقد خرج عن دين الله تعالى وعن دين الامامية وخالف الله ورسوله والائمة

(رسالہ اعتقادیہ مع اردو شرح احسن الفوائد ص۴۱۲ طبع سرگودھا) (پاکستان)

تقیہ واجب ہے اور اسکا ترک کرنا اسوقت تک جائز نہیں جب تک کہ حضرت القائم" (امام مہدیؑ) کا ظہور ہو، تو جو کوئی انکے ظہور سے پہلے اسکو ترک کریگا تو وہ اللہ کے دین سے اور امامیہ (یعنی شیعہ اثنا عشریہ) کے دین سے نکل جائیگا، اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی اور اسکے رسول پاکؐ کی اور ائمہ معصومین کی مخالفت کرے گا۔

ان کی کتابوں سے نقل کیے جا چکے ہیں ان سے معلوم ہو چکا ہے کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ان حضرات کے بارے میں یہ ہے کہ یہ کافر و منافق تھے، اور اگلی امتوں اور اس امت کے بھی خبیث ترین کافروں سے بدتر درجہ کے کافر تھے۔ اور دوزخ میں سب سے زیادہ عذاب انہی پر ہو رہا ہے۔ اور گزشتہ صفحات ہی سے یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے شیعوں کے امام اکبر روح اللہ خمینی صاحب نے حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے خاص رفقاء تمام اکابر صحابہ کے بارے میں اپنی فارسی تصنیف "کشف الاسرار" میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ بلکہ ادعائی انداز میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ ایک دن کے لئے بھی دل سے ایمان نہیں لائے تھے، بلکہ صرف حکومت و اقتدار پر قبضہ کر لینے کی طمع اور ہوس میں منافقانہ طور پر اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں برابر اپنے اسی مقصد کے لئے سازشیں کرتے رہے۔ یہ ایسے بدکردار تھے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے قرآن میں تحریف بھی کر سکتے تھے، آیتیں کی آیتیں اس میں سے حذف اور غائب کر سکتے تھے۔ جھوٹی حدیثیں گھڑ کے لوگوں کو سنا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کسی وقت یہ لوگ محسوس کرتے کہ مسلمان رہ کر حکومت پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اسلام سے رشتہ توڑ کے اور (ابوجہل و ابولہب وغیرہ کیطرح) اسلام دشمنی کا موقف اختیار کر کے اور اسلام کے خلاف جنگ کر کے ہی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو یہ ایسا ہی کرتے اور اسلام کے کھلے دشمن ہو کر مقابلہ میں آ جاتے ہے[1]

حضرات خلفائے ثلٰثہ اور انکے رفقا کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنے کے ساتھ اثنا عشریہ یہ بھی مانتے ہیں۔ (اس پر لوحہ و ماتم بھی کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی منافق لوگ (جو دل سے آپ کے، آپکے اہل بیت کے اور آپکے دین کے دشمن تھے) اپنی سیاسی کرتب بازی سے خلیفہ بن کر غاصبانہ اور ظالمانہ طور پر حکومت پر قابض ہو گئے۔ پھر خلافت پر قابض ہو جانے کے بعد بھی یہ ایسے بدکردار رہے کہ جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ زہراء پر بھی طرح طرح کے ظلم ڈھائے، (ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی شقاوت تھی) اور خمینی صاحب کے فرمانے کے مطابق یہ ظالم اپنے دور خلافت میں اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق کھلم کھلا قرآنی احکام کو انتہائی بے پروائی سے پامال کرتے رہے (کشف الاسرار ص ۱۱۵ تا ۱۱۹)

اس سب کے ساتھ اثنا عشریہ یہ بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پورے ۲۴ سال تک (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک) بلا شرکت غیرے انہی لوگوں کا اقتدار رہا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین اور مسلمانوں کے فرمانروا کی حیثیت سے یہی سب کچھ کرتے رہے انہی کے اہتمام سے قرآن اس کتابی شکل میں مرتب اور شائع ہوا جس شکل میں وہ آج ہمارے سامنے ہے۔

اب غور فرمایا جائے کہ جس فرقہ یا جس شخص کا عقیدہ حضرات خلفائے ثلٰثہ کے بارے میں وہ ہو جو اثنا عشریہ کا اوپر بیان کیا گیا۔ کیا از روئے عقل یہ ممکن ہے کہ ان کے مرتب اور شائع کیے ہوئے قرآن کے بارے میں اسکا

---

[1] خمینی صاحب کی وہ عبارتیں جن میں یہ سب کچھ فرمایا گیا ہے انکی تصنیف "کشف الاسرار" کے صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۴ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ راقم سطور نے اپنی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں بھی یہ عبارتیں نقل کر دی ہیں (ص ۵۵ تا ۶۰)

یہ ایمان و یقین ہو کہ بعینہٖ وہی کتاب اللہ ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اور اس میں اسکو مرتب اور شائع کرنے والوں نے (جو منافق تھے اور جن کا کردار وہ تھا جو اثنا عشری عقیدہ کے مطابق اور بیان کیا گیا) اپنی نفسانی اغراض و خواہشات کے تقاضے سے کوئی تحریف کسی قسم کی قطع برید اور کمی یا تبادلہ نہیں کی ہو۔ ظاہر ہے کہ ہر عقل رکھنے والا اس کا جواب یہی دیگا کہ یہ ممکن نہیں ہے ۔ ملحوظ رہے کہ ایمان اس یقین اور اس یقینی تصدیق کا نام ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ جسطرح کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد شک شبہ کا امکان نہیں رہتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کا درجہ تو بہت اعلیٰ و بالا ہے۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھنے کے ساتھ جو اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے، قرآن کے بارے میں کسی درجہ کا اعتبار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کو کسی بھی نادان بلکہ کسی بھی باشعور انسان کے سامنے رکھدیا جائے تو وہ یہی جواب دیگا۔

حاصل کلام

اثنا عشریہ کے عقیدہ تحریف قرآن کے بارے میں یہانتک جو کچھ عرض کیا گیا اسکا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ اثنا عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں میں شیعوں کے ائمہ معصومین کے ارشادات اور انکے اکابر و اعاظم علماء و مجتہدین کی تصنیفات کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت آفتاب نیمروز کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہی ہے کہ موجودہ قرآن محرف ہے۔ اس میں ہر طرح کی تحریف اور قطع و برید ہوئی ہے ۔ علاوہ ازیں ان کے لئے از روئے عقل بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اسکو یقین کیساتھ تحریف و تبدیل سے محفوظ بعینہٖ وہ کتاب اللہ مان سکیں۔ جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے اسکے نبی کریم سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ حضرات خلفائے ثلثہ اور انکے رفقاء تمام اکابر صحابہ کے بارے میں ان کے عقیدہ نے قرآن پر ایمان اُن کے لئے ناممکن بنا دیا ہے لہذا اب جو شیعہ علماء و مجتہدین تحریف کے عقیدہ سے انکار اور موجودہ قرآن پر ہم اہل سنت ہی کی طرح ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ انکے اس رویہ کی کوئی معقول اور قابل قبول توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ یہ اُن کا تقیہ ہے۔ جو شیعہ مذہب میں انکے امام غائب (مہدی) کے ظہور کے وقت تک فرض و واجب اور گویا جزو ایمان ہے۔ اس کی ایک روشن دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مشائخ متقدمین میں سے "الجامع الکافی" کے مؤلف ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی، اور انکے استاذ علی بن ابراہیم قمی اور "الاحتجاج" کے مؤلف احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی وغیرہ اُن سب مشائخ متقدمین کو جنکا ذکر "فصل الخطاب" میں علامہ نوری طبرسی نے مدعیان تحریف کی حیثیت سے کیا ہے، اور اسی طرح اپنے علمائے متاخرین میں، ملا باقر مجلسی، سید نعمت اللہ الجزائری، علامہ قزوینی شارح اصول کافی، اور علامہ نوری طبرسی جیسے ان سب حضرات کو اپنا محسن پیشوا مانتے ہیں۔ جو نہ صرف یہ کہ موجودہ قرآن کے محرّف ہونے کے قائل ہیں بلکہ اس عقیدہ کے علمبردار رہیں۔ اور جنھوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن کے محرّف ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے وہ قرآن پر ایمان سے محروم ہے۔ اسکا شمار تو مومنین میں کبھی نہ ہونا چاہیئے)

اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت ختمِ نبوت کی نفی کرتا ہے لہٰذا وہ عقیدۂ ختم نبوت کے منکر ہیں۔

اثنا عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک حقیقت بھی اسی طرح آنکھوں کے سامنے آتی ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت جو اس مذہب کی اساس و بنیاد ہے عقیدۂ ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے اور اس بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور امت مسلمہ سے بالکل مختلف ہے۔ وہ "ختم نبوت" اور "خاتم النبیین" کے الفاظ کے تو قائل ہیں (جسطرح کہ قادیانی بھی قائل ہیں) لیکن اسکی حقیقت کے منکر ہیں شیعوں اور قادیانیوں کے علاوہ امت کے تمام فرقوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت و رسالت جس حقیقت اور جس مقام و منصب کا عنوان ہے اس کا سلسلہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ پر ختم فرما دیا ــــــ ہر نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث و نامزد اور بندوں کے لئے اللہ کی حجت ہوتا تھا۔ اس پر ایمان لانا نجات کی شرط ہوتا تھا۔ اس کو وحی کے ذریعہ اللہ کے احکام ملتے تھے۔ وہ معصوم ہوتا تھا، بندوں پر اس کی اطاعت فرض ہوتی تھی۔ صرف وہی اور اس کی تعلیم امت کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور مرجع و ماخذ ہوتا تھا۔ اگر وہ صاحب کتاب ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب بھی نازل ہوتی تھی۔ یہی نبوت کی حقیقت اور نبی کا مقام و منصب تھا اور جمہور امتِ محمدیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاتم النبیین" ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپ کے بعد یہ مقام و منصب کسی کو عطا نہیں ہو گا۔

لیکن شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ مقام و منصب اور یہ سب امتیازات بلکہ ان سے بھی بالاتر مقامات و درجات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے بارہ اماموں کو حاصل ہیں وہ نبیوں کی طرح بندوں پر اللہ کی حجت ہیں۔ ان کے بغیر اللہ کی حجت بندوں پر قائم نہیں ہوتی۔ وہ نبیوں ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد، معصوم اور مفترض الطاعت ہیں۔ ان پر ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح نبیوں پر ایمان لانا شرط نجات ہے، ان پر فرشتوں کے ذریعہ وحی بھی آتی ہے۔ اللہ کے احکام بھی آتے ہیں۔ ان کو معراج بھی ہوتی ہے۔ ان پر کتابیں بھی نازل ہوتی ہیں۔ یہ تو وہ صفات اور اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ہیں جن میں یہ "آئمہ معصومین" انبیاء علیہم السلام کے شریک اور ان کے برابر ہیں لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک ان کو ان کے علاوہ ایسے بلند مقامات اور کمالات بھی حاصل ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ دنیا ان ہی کے دم سے قائم ہے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہماری یہ دُنیا امام کے وجود سے خالی ہو جائے تو سب نیست و نابود ہو جائے۔ اور مثلاً یہ کہ ان کی پیدائش اس عام طریقہ اور عام راستہ سے نہیں ہوتی جس طریقہ اور راستہ سے عام انسانوں کی پیدائش ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی ماؤں کی ران میں سے نکلتے ہیں۔ اور مثلاً یہ کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ان کی

تکوینی حکومت ہے۔ یعنی اُن کو "کن فیکون" کا اقتدار و اختیار حاصل ہے۔ اور یہ کہ ان کو اختیار ہے کہ جس چیز یا جس عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیدیں۔ اور مثلاً یہ کہ تمام ائمہ عالم ما کان وما یکون ہیں۔ کوئی چیز ان سے مخفی نہیں ۔ اور مثلاً یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے وہ علوم بھی عطا ہوئے جو نبیوں اور فرشتوں کو بھی نہیں دئے گئے۔ اور مثلاً یہ کہ وہ دنیا اور آخرت کے مالک و مختار ہیں۔ جس کو چاہیں دیدیں۔ بخشدیں اور جس کو چاہیں محروم رکھیں۔ اور مثلاً یہ کہ وہ اپنی موت کا وقت بھی جانتے ہیں اور ان کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جمہور امت محمدیہ کے نزدیک یہ شان انبیاء علیہم السلام کی بھی نہیں ہے، بلکہ ان میں بعض تو وہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک ان کے ائمہ کی یہی شان ہے اور یہ سب صفات و مقامات ان کو حاصل ہیں سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون ○

ائمہ کی صفات و امتیازات اور ان کے بلند مقامات و درجات کے بارے میں یہ جو کچھ لکھا گیا۔ وہ ان کی اصح الکتب "اصول کافی، کتاب الحجۃ" کی روایات اور اُن کے ائمہ معصومین کے ارشادات کا حاصل اور خلاصہ ہے، ان روایات وارشادات کا متن اصل کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب، جناب خمینی اور شیعیت" میں بھی (صفحہ ۱۱۹ سے ۱۶۵ تک) ان تمام روایات کا متن دیکھا جا سکتا ہے جو اصول کافی ہی سے بحوالہ صفحات نقل کیا گیا ہے۔

اپنے ائمہ کے ان ارشادات اور ان روایات ہی کے مطابق اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے۔ اسی کے ساتھ وہ مانتے ہیں کہ ان اماموں کے لئے "نبی" کا لفظ نہیں بولا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمادیا گیا ہے۔

ان سب چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد کسی صاحب عقل و دانش کو اس میں شک شبہ نہیں رہ سکتا کہ اثنا عشریہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی حقیقت ختم نہیں ہوئی۔ وہ تو امامت کے عنوان سے ترقی کے ساتھ جاری ہے۔ البتہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں کہا جائے گا۔ بس یہی ان کے نزدیک ختم نبوت کی حقیقت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دئے جانے کا تقاضا ہے، اثنا عشری مذہب کے ترجمان اعظم ان کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسی نے اپنے ائمہ معصومین کی روایات کے حوالے سے صراحت اور صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے اور اپنے نزدیک اس کو دلیل سے بھی ثابت کیا ہے۔ اپنی کتاب "حیات القلوب" کی تیسری جلد میں (جو صرف امامت ہی کے موضوع پر ہے) تحریر فرماتے ہیں۔

ازبعضے اخبار معتبرہ کہ انشاء اللہ بعد ازیں مذکور خواہد شد۔ معلوم می شود کہ مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است۔

ائمہ کی بعض معتبر روایات سے جو انشاء اللہ اس کے بعد ذکر کی جائیں گی معلوم ہوجاتا ہے کہ امامت کا مرتبہ نبوت کے مرتبہ سے بالاتر ہے۔

آگے یہ علامہ مجلسی دلیل کے طور پر فرماتے ہیں۔

چنانچہ حق تعالیٰ بعد از نبوت بحضرت ابراہیم خطاب فرمودہ کہ انی جاعلک للناس اماماً۔
(حیات القلوب جلد سوم ص۲ طبع ایران)

چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو نبوت عطا فرمانے کے بعد ان سے فرمایا تھا کہ میں تجھ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امامت نبوت سے آگے کے درجہ کی چیز ہے۔
اس کے چند سطر آگے علامہ مجلسی نے لکھا ہے۔

واز برائے تعظیم حضرت رسالت پناہ و آنکہ آنجناب خاتم انبیاء باشد منع اطلاق اسم نبی و آنچہ مرادف آنست برآنحضرت کردہ اند۔
(حیات القلوب جلد سوم ص۳)

اور حضرت رسالت پناہ کی تعظیم کے لئے اور اس وجہ سے کہ آنجناب خاتم انبیاء رہیں۔ نبی اور اس کے ہم معنی لفظ کے اطلاق کو حضرت امام پر منع کرتے ہیں۔

علامہ مجلسی کی اس عبارت سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ اپنے ائمہ کی احادیث و روایات کی بنیاد پر یہ ہے کہ امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔ اور ہمارے ہی زمانے کے پاکستان کے ایک بلند پایہ مجتہد علامہ محمد حسین نے شیخ صدوق کے رسالہ "العقائد" کی اردو میں فخیم شرح لکھی ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ

"ائمہ اطہار سوائے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر تمام انبیاء و اولوالعزم وغیرہم سے افضل و اشرف ہیں۔"
(احسن الفوائد فی شرح العقائد ص۴۵۸ طبع پاکستان)

اور اس زمانے کے شیعی دنیا کے امام خمینی صاحب نے بھی "الحکومۃ الاسلامیۃ" میں صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ

"و ان من ضروریات مذھبنا ان لائمتنا مقاماً لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل"
(الحکومۃ الاسلامیۃ ص۵۲ طبع تہران)

ہمارے مذہب (شیعہ اثنا عشریہ) کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے، جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہونچ سکتا۔

علامہ مجلسی، علامہ محمد حسین اور خمینی صاحب کی ان تصریحات کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اثنا عشریہ کے نزدیک ان کے ائمہ کا مقام و مرتبہ انبیاء علیہم السلام سے بالاتر ہے اور وہ اُن اعلیٰ مقامات اور بلند تر درجات پر فائز ہیں جن تک کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی بھی رسائی نہیں ہوسکتی۔ اور یہ کہ ان ائمہ پر نبی کے لفظ کا اطلاق اس وجہ سے نہیں کیا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فی الحقیقت عقیدۂ ختم نبوت کی قطعی نفی ہے۔
اس حقیقت کو کہ اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت ختم نبوت کی نفی کرتا ہے، اور وہ اپنے اس عقیدہ

کی وجہ سے فی الحقیقت ختمِ نبوت کے منکر ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتبِ شیعہ کے مطالعہ اور اپنی خداداد فکر و بصیرت سے یقین کے ساتھ سمجھا اور صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ "تفہیمات الٰہیہ" میں ارقام فرماتے ہیں۔

امام باصطلاح ایشان معصوم مفترض الطاعۃ منصوب للخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند، پس در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء میگفتہ باشند۔
(تفہیمات الٰہیہ ص۲۴۴)

شیعہ اثنا عشریہ کی اصطلاح اور ان کے عقیدہ میں امام کی شان یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور مخلوق کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتا ہے، اور شیعہ امام کے حق میں وحیِ باطنی کے قائل ہیں پس فی الحقیقت وہ ختمِ نبوت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اس موضوع سے متعلق راقم السطور نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ کسی کو بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس نتیجۂ فکر کے بارے میں کوئی شک شبہ نہیں رہے گا کہ شیعہ اپنے عقیدۂ امامت کی وجہ سے ختمِ نبوت کے منکر ہیں۔ آگے انشاء اللہ حضرت شاہ صاحب کی تصنیف "مسوّیٰ شرح موطا امام مالکؒ" کی عبارت نقل کی جائے گی، جس میں انہوں نے اس بنیاد پر شیعہ اثناء عشریہ کو زنادقہ اور مرتدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔

حاصلِ کلام حضرات علماءِ شریعت و اصحابِ فتویٰ کی خدمت میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ شیعہ اثناء عشریہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ سے ان کے یہ تین عقیدے ایسے یقین کے ساتھ جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

ایک یہ کہ شیخین (حضرت صدیقِ اکبرؓ و فاروقِ اعظمؓ) کے بارہ میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر و منافق تھے بلکہ اگلی امتوں کے شدید ترین کافروں، نمرود اور فرعون و ہامان، اور اس امت کے خبیث ترین کافروں ابولہب و ابوجہل سے بھی حتیٰ کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب انہیں پر ہے۔ دوسرا یہ کہ موجودہ قرآن محرف ہے، اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے۔ یہ بعینہٖ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔
تیسرا یہ کہ ان کا بنیادی عقیدہ امامت ختمِ نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے لہٰذا وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے ختمِ نبوت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں جس طرح قادیانی

بھی آپ کو خاتم النبیین اور خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اس کے بعد یہ عاجز راقم سطور متقدمین و متاخرین علماء و فقہاء کی چند عبارتیں بھی آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہے جن میں شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد ذکر کر کے ان کے بارے میں شرعی فیصلہ فرمایا گیا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں متقدمین و متاخرین اکابر علمائے امت اور فقہائے کرام کے فیصلے اور فتوے

امام ابن حزم اندلسیؒ متوفی ۴۵۶ھ

امام ابن حزم اندلسی نے "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں امامیہ یعنی شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

ومن قول الامامية كلها قديما وحديثا ان القرآن مبدل زيد فيه ما ليس منه ونقص منه كثير وبدل كثير۔ (الفصل فی الملل والاھواء والنحل ص ۱۸۲ ج ۴)

اور انہی امام ابن حزم نے اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ اسلام اور قرآن پر عیسائیوں کے کچھ اعتراضات نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ تھا کہ:۔

ان الروافض يزعمون ان اصحاب نبيكم بدلوا القرآن واسقطوا منه وزادوا فيه۔

امام ابن حزم نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کا بالترتیب جواب دیا ہے، اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

واما قولهم في دعوى الروافض بتبديل القراءات فان الروافض ليسوا من المسلمين (الفصل لابن حزم جلد ۲ ص ۷۸)

قاضی عیاض مالکیؒ متوفی ۵۴۴ھ

قاضی عیاض مالکیؒ نے "کتاب الشفاء" میں شیعوں ہی کے بارے میں کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

نقطع بتكفير كل قائل قال قولا يتوصل به الى تضليل الامة وتكفير جميع الصحابة

کتاب الشفاء جلد ۲ ص ۲۸۶

اور یہی قاضی عیاض اسی کتاب میں آگے تحریر فرماتے ہیں۔

وكذلك من انكر القرآن اوحرفا منه اوغير شيئا منه او زاد فيه۔

(ج ۲ ص ۲۸۹)

اسی سلسلہ کلام میں آگے فرماتے ہیں،

وكذلك نقطع بتكفير غلاة الرافضة في قولهم ان الأئمة افضل من الانبياء

(ج ۲ ص ۲۹۰)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ متوفی ۵۶۱ھ "غنیۃ الطالبین" حضرت قدس سرہ کی معروف تصنیف ہے۔ اس میں حضرت نے ایک فصل قائم فرمائی ہے جس کا عنوان ہے۔

فصل فی الفرق الضالۃ عن طریق الہدیٰ (ان فرقوں کے بیان میں جو گمراہ ہوگئے)

—— اس فصل میں خوارج اور پھر شیعوں کے مختلف فرقوں کے ذکر کے بعد ارقام فرمایا ہے۔

والذی اتفقت علیہ طوائف الرافضۃ و فرقہا اثبات الامامۃ عقلاً وان الامامۃ نص وان الأئمۃ معصومون من الآفات والغلط والسہو والخطاء ......

ومن ذلک تفضیلہم علیاً فی جمیع الصحابۃ وتنصیصہم علی امامتہ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتبرءھم عن ابی بکر وعمر وغیرہما من الصحابۃ الا نفراً منہم .... ومن ذلک ایضا ادعاءھم ان الأمۃ ارتدت بترکہم امامۃ علیؓ الا ستۃ نفروھم علی وعمار والمقداد بن الاسود وسلمان الفارسی ورجلان آخران .... ومن ذلک قولہم ان للامام ان یقول لست بامام فی حال التقیۃ .... وان الاموات یرجعون الی الدنیا قبل یوم الحساب .... ومن ذلک ان الامام یعلم کل شیئ ماکان ومایکون من امر الدنیا والدین حتی عدد الحصیٰ وقطر الامطار وورق الاشجار وان الائمۃ تظہر علی ایدیہم المعجزات کالانبیاء علیہم السلام. (غنیۃ الطالبین ۱۵۶-۱۵۷)

آگے حضرت شیخ قدس سرہٗ نے اسی سلسلہ کلام میں شیعوں کے مختلف فرقوں اور ان کے عقائد ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ شیعوں اور یہودیوں کے درمیان افکار و اطوار میں بہت مشابہت مماثلت ہے، پھر اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں اس سلسلہ بیان کے آخر میں فرمایا ہے۔

والیہود حرّفت التوراۃ وکذلک الرافضۃ حرّفوا القرآن لانہم قالوا القرآن غُیِّرَ وبُدِّلَ وخولف بین نظمہ وترتیبہ واُحیلَ عما انزل علیہ وقرء علی وجوہٍ غیر ثابتۃٍ عن الرسول وانہ قد نقص منہ وزید فیہ۔

(غنیۃ الطالبین ص۱۶۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی تصنیف الصارم المسلول میں ارقام فرماتے ہیں وقال القاضی ابویعلیٰ

الذی علیہ الفقہاء فی سب الصحابۃ ان کان مستحلاً لذالک کفر وان لم یکن مستحلاً فسق ولم یکفر سواء کفر اوطعن فی دینہم مع اسلامہم

اسی سلسلہ کلام میں آگے فرماتے ہیں۔
وقطع طائفة من الفقہاء من أهل الكوفة[1] وغيرهم بقتل من سب الصحابة وكفر الرافضة۔
قال محمد بن يوسف الفريابي وسئل عمن شتم ابا بكر قال كافر، قيل فيصلیٰ عليه قال لا۔
شیخ الاسلام اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں۔
قال ابوبكر بن هانی لا توکل ذبيحة الرافضة والقدرية كما لا توکل ذبيحة المرتد مع انه توكل ذبيحة الكتابی۔ لان هؤلاء يقومون مقام المرتد۔
(الصارم المسلول ص۵۷۵)

علامہ علی قاریؒ متوفی ۱۰۱۴ھ

علامہ علی قاریؒ نے "شرح فقہ اکبر" میں ان عقائد اور ان فرقوں کا بیان کرتے ہوئے جن کے کفر پر ائمہ اور علماء کا اجماع ہے۔ تحریر فرمایا ہے۔
من جحد القرآن ای کلہ او سورة منه او اٰية۔
(شرح فقہ اکبر لملا علی قاری ص۵۳)
اور انہی علامہ علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے حوالہ سے مظاہر حق کے تتمہ میں نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے کے روافض اور خوارج کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔
انهم يعتقدون كفر اكثر اكابر الصحابة فضلاً عن سائر اهل السنة والجماعة فهم كفرة بالاجماع بلا نزاع
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ تتمہ مظاہر حق جلد چہارم ص۹۴)

علامہ بحر العلوم لکھنویؒ

علامہ ممدوحؒ کی "مسلم الثبوت" کی شرح "فواتح الرحموت" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو شیعوں کے عقیدہ تحریف قرآن کا علم نہیں تھا۔ شیعی عالم ابوعلی طبرسی کی تفسیر جامع البیان کے مطالعہ سے ان کو معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن کامل مکمل نہیں ہے۔ اس کے جمع کرنے اور ترتیب دینے والے صحابہ کی تقصیر اور کوتاہی سے اس کے کچھ حصے غائب ہوگئے (اگرچہ خود اس مصنف کو اس عقیدہ سے اختلاف ہے) بہرحال ابوعلی طبرسی کی اس کتاب کے مطالعہ سے جب علامہ بحر العلوم کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے تحریر فرمایا۔
فمن قال بهذا القول فهو كافر لانكاره الضروری فافهم۔
(فواتح الرحموت ص۱۱۱ طبع نولکشور لکھنؤ)

---

[1] ملحوظ رہے کہ روافض کے بارے میں کوفہ کے علماء و فقہاء کا فیصلہ و فتویٰ خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ کوفہ رفض اور تشیع کا مرکز رہا ہے۔ اس لئے وہاں کے علماء و فقہاء روافض کے عقائد و احوال سے زیادہ واقف رہے ہیں۔

علامہ کمال الدین المعروف بابن الہمام متوفی ۸۶۱ھ

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ باب الامامۃ میں تحریر فرمایا ہے۔

وفی الروافض ان من فضل علیا علی الثلاثۃ فمبتدع و ان انکر خلافۃ الصدیق او عمر رضی اللہ عنہما فھو کافر۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰ طبع بیروت)

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری جو سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دورِ حکومت میں ان کے حکم سے علماء و اصحاب فتویٰ کی ایک جماعت نے مرتب کیا اُس میں ہے۔

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنھما العیاذ باللہ فھو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ وجھہ علی ابی بکر رضی اللہ عنہ لا یکون کافرا الا انہ مبتدع۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ

رد المحتار باب المرتد میں علامہ ابن عابدین کا رویہ تکفیر کے بارے میں سخت احتیاط کا ہے۔ جیسا کہ اس کے مطالعہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تاہم وہ فرماتے ہیں۔

نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا او انکر صحبۃ الصدیق (رد المحتار جلد ۲ ص ۲۹۴)

ایک اہم انتباہ:-

شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہا اور اہلِ فتویٰ کی عبارتوں میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر "قذف" (تہمت لگانے) کا جو ذکر آتا ہے (جو شامی کی مندرجہ بالا عبارت میں بھی ہے) اس سے مراد ایک سخت اور گندے گناہ کی تہمت ہے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں (در اصل بعض خبیث النفس منافقین کی شرارت سے) حضرت صدیقہ پر لگائی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں حضرت صدیقہ کی برات نازل فرما کر قیامت تک کے لئے ان کی پاکدامنی کی خداوندی شہادت اسی طرح محفوظ فرما دی جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی پاکدامنی کی شہادت محفوظ کردی گئی ہے، اس لئے ائمہ، فقہاء اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو بدبخت اس گناہ کی نسبت حضرت صدیقہ کی طرف کرے اس کے کفر و ارتداد میں شک شبہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ وہ قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔

راقم سطور اس سلسلہ میں حضرات علمائے شریعت کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ حضرات فقہا نے جس تہمت کا "قذف" کے لفظ سے ذکر کیا ہے وہ ایک گناہ کی تہمت تھی۔ لیکن اثنا عشریہ کے علماء و مصنفین اس سے بھی شدید تر بلکہ خبیث ترین گناہ اور جرم کی تہمت حضرت صدیقہ پر لگاتے ہیں۔ شیعوں کے خاتم المحدثین اور شیعہ مذہب کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتابوں میں حضرت صدیقہؓ کو بار بار "منافقہ" لکھا ہے۔ اور اس سے بھی آگے یہ کہ (معاذ اللہ) انھوں نے اور

اُن کے ساتھ دوسری ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے باہم سازش کر کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔ (اس کی تفصیل راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب جناب خمینی اور شیعیت" کے صفحہ ۲۲۱ و ۲۲۲ پر دیکھی جا سکتی ہے۔)
اس سلسلہ کی ایک مختصر سی روایت یہاں بھی ملاحظہ فرمالی جائے، مجلسی نے "حیات القلوب" میں لکھا ہے۔

وعیاشی بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ عائشہ و حفصہ آنحضرت را بزہر شہید کردند (حیات القلوب ج ۲ صفحہ ۸۷)	اور عیاشی نے معتبر سند سے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ عائشہ و حفصہ نے آنحضرتؐ کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ تہمت "قذف" والی تہمت سے ہزار درجہ زیادہ شدید و خبیث ہے۔ حضرات علمائے کرام فرمائیں کیا ایسی بات کسی ایسے شخص کے قلم سے نکل سکتی ہے جس کے قلب میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو —— واضح رہے کہ یہی وہ مجلسی ہیں جن کی کتابیں شیعوں میں سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جناب خمینی صاحب نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں فرمایا ہے کہ دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے ملا باقر مجلسی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ (کشف الاسرار صفحہ ۱۲۱)
اور ہمارے ہی زمانے کے ایک بلند پایہ شیعہ مجتہد علامہ محمد حسین نے جنہوں نے اثنا عشری کی حمایت اور اہلسنت کے رد میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور شیخ صدوق کے رسالہ "الاعتقادات" کی اردو میں شرح بھی لکھی ہے، اسی میں انہوں نے علامہ مجلسی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے "مغواص بحار الاخبار ناشر علوم ائمۃ اطہار سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ"
(احسن الفوائد فی شرح العقائد صفحہ ۴۳)

آج کے شیعی دنیا کے امام خمینی اور پاکستان کے ان بلند پایہ مجتہد کے ان بیانات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ شیعی دنیا میں علامہ مجلسی کا کیا مقام ہے۔ ہمارے زمانے کے شیعہ بھی حضرت صدیقہ کے بارے میں اپنا یہی عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ مومنہ نہیں منافقہ تھیں۔ (العیاذ باللہ)
ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلق یہ بات تو ضروری سمجھ کر جملہ معترضہ کے طور پر عرض کر دی گئی، ورنہ شیعہ اثنا عشریہ سے متعلق متقدمین و متاخرین علماء و فقہاء کے فتاوی پیش کئے جا رہے تھے —— اب یہ عاجز آخر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصنیف، موطا امام مالک کی شرح "مسوّی" سے اس مسئلہ سے متعلق ان کا محققانہ کلام، اور اس کے بعد ماضی قریب چودھویں صدی ہجری کے برصغیر ہی کے چند اکابر علماء و اصحاب فتوی کے فتووں کا اجمالی ذکر کر کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کا فیصلہ:-

شاہ صاحب نے پہلے بتلایا ہے کہ کافر تین قسم کے ہیں —— فرماتے ہیں۔

ان المخالف للدين الحق ان لم يعترف به ولم يذعن له لا ظاهراً ولا باطناً فهو كافر، وان اعترف بلسانه وقلبه على الكفر فهو المنافق، وان اعترف به ظاهراً لكنه يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورةً بخلاف ما فسره الصحابة و التابعون واجمعت عليه الامة فهو الزنديق ۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے زندقہ کی چند مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اسی سلسلہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

وكذالك من قال فى الشيخين ابى بكر وعمر مثلاً ليسا من اهل الجنة مع تواتر الحديث فى بشارتهما — او قال ان النبى صلى الله عليه وسلم خاتم النبوة لكن معنى هذا الكلام انه لا يجوز ان يسمى بعده احدٌ بالنبى، واما معنى النبوة وهو كون الانسان مبعوثاً من الله تعالى الى الخلق، مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب ومن البقاء على الخطاء فيما يرى فهو موجودٌ فى الائمة بعدهٗ فذالك هو الزنديق وقد اتفق جماهير المتاخرين من الحنفية والشافعية على قتل من يجرى ذالك المجرى ۔ (مسوی شرح مؤطا امام مالکؒ ص۱۱۰ ج۲ طبع دہلی ۱۲۹۳ھ)

ماضی قریب کے برصغیر ہی کے اکابر علماء کے فتوے !۔

چودھویں صدی ہجری کے اکابر علمائے اہلسنت میں حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو اثنا عشری مذہب سے واقفیت کے بارے میں امتیاز اور تخصص کا مقام حاصل تھا، اس مذہب کے وسیع و عمیق مطالعہ کے بعد وہ یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کے بعض عقائد اسلام کے بنیادی عقائد سے متصادم ہیں، اس لئے اثنا عشری فرقہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور اہل حدیث کی طرح اسلامی فرقہ نہیں ہے بلکہ اپنے قطعی موجب کفر عقائد کی وجہ سے وہ قادیانیوں کی طرح دائرہ اسلام سے خارج ہے ——— پھر انھوں نے اپنا دینی فریضہ سمجھا کہ امت کے عوام و خواص کو (جنھوں نے شیعہ مذہب کا مطالعہ نہیں کیا ہے) اس حقیقت سے واقف اور باخبر کرنے کی ممکن کوشش کی جائے توفیق الٰہی اُن کی رفیق ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر اُن سے وہ کام کرالیا جو انشاء اللہ ہمیشہ امت کی رہنمائی کرتا رہے گا ——— اس سلسلہ میں انھوں نے اب سے قریباً ۴۶ سال پہلے ایک فتویٰ بھی لکھا جو اس دور کے دیگر اکابر علماء و اصحاب فتویٰ کی تصدیقات کے ساتھ ۔

"شیعہ اثنا عشریہ کے کفر و ارتداد سے متعلق اکابر علماء کا متفقہ فتوےٰ"

کے عنوان سے شائع ہوا تھا ——— اس فتوے پر دارالعلوم دیوبند کے اس دور کے مفتی مولانا ریاض الدین صاحب اور صدر المدرسین و شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب، حضرت

مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور تمام ہی اساتذۂ دارالعلوم کی تصدیقات ہیں ـــــ ان کے علاوہ مدرسہ عالیہ اسلامیہ امروہہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی اور امروہہ کے دیگر حضرات علماء کرام کی بھی تصدیقات ہیں۔ نیز حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی بھی تصدیق ہے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

اس فتوے کے بارے میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ یہ فتویٰ جب طبع ہو کر شائع ہوا تو مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی علیہ الرحمہ نے اس فتویٰ کے بارے میں اپنے کچھ اشکالات لکھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجے، حضرت نے پوری تفصیل سے تمام اشکالات کا جواب تحریر فرمایا اور فتوے کے ہر جزو کی تصویب و تصدیق فرمائی۔ یہ سوال و جواب ایک مختصر رسالہ ہو گیا تھا۔ پہلے یہ اسی زمانہ میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے شائع ہونے والے ماہنامہ "النور" میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد امداد الفتاویٰ میں بھی محفوظ ہو گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص ۵۸۴ تا ۵۸۷ طبع دیوبند)

دورِ حاضر کے حضرات علمائے شریعت و اصحاب فتویٰ کی خدمت میں گزارش

آپ حضرات نے شیعہ اثنا عشریہ کے "ائمہ معصومین" کی وہ روایات، ان کی بنیادی اور مسلّم کتابوں کی وہ عبارات اور ان کے اُن اکابر و اعاظم متقدمین و متاخرین علماء و مجتہدین کے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ بیانات ملاحظہ فرمالئے جن کے مطالعہ کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ

(۱) حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) اگلی امتوں کے اور اس امت کے خبیث ترین کافر، (فرعون و نمرود اور ابوجہل و ابولہب) سے حتیٰ کہ شیطان الملعون و مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے۔

(۲) اور یہ کہ موجودہ قرآن اُن کے نزدیک محرف ہے اس میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے، وہ بعینہ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی تھی۔

(۳) اور یہ کہ منصب امامت، نبوت سے بالاتر منصب ہے۔ اور اسی وجہ سے منصب امامت کے حامل ائمہ کا مقام وہ ہے جس تک کسی نبی یا رسول کی بھی رسائی نہیں۔ نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی حقیقت ختم نہیں ہوئی بلکہ وہ (ترقی کے ساتھ) امامت کے عنوان سے جاری ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا مطلب اور حاصل صرف یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے احترام و تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی اور کے لئے نبی و رسول کا لفظ استعمال نہیں کیا جائے گا۔

پھر آپ نے شیعہ اثنا عشریہ کے ان عقائد کی بنا پر امت کے متقدمین و متاخرین حضرات علماء و فقہاء کے فیصلے اور فتوے بھی ملاحظہ فرمائے۔

اب آپ حضرات سے درخواست ہے کہ ان سب چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد آپ کے نزدیک شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں جو شرعی حکم ہو۔ عام امت مسلمہ کی واقفیت اور رہنمائی کے لئے وہ تحریر فرمایا جائے۔ واجرکم علی اللہ۔

بلاشبہ اپنے کو مسلمان کہنے والے کسی کلمہ گو شخص یا فرقہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا فیصلہ بڑا سنگین اور خطرناک کام ہے اور اس بارے میں آخری حد تک احتیاط کرنا علماء کرام کا فرض ہے لیکن اسی طرح جس شخص یا فرقہ کے ایسے عقائد یقین کے ساتھ سامنے آجائیں جو موجب کفر ہوں تو عام مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے اس کے بارے میں کفر و ارتداد کا فیصلہ اور اعلان کرنا بھی علمائے دین کا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے نازک ترین وقت میں منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ وغیرہ مدعیان نبوت اور ان کے متبعین کے بارے میں صدیق اکبرؓ نے جو فیصلہ فرمایا اور جو طرز عمل اختیار کیا وہ آپ کے لئے تا قیامت رہنما ہے۔

قادیانی نہ صرف یہ کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ گو ہیں، بلکہ انھوں نے اپنے خاص مقاصد کے لئے اپنے نقطہ نظر کے مطابق ایک صدی سے بھی زیادہ مدت سے اپنے طریقہ پر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا جو کام خاص کر یورپ اور افریقی ممالک میں کیا۔ اس سے باخبر حضرات واقف ہیں اور خود ہندوستان میں قریباً نصف صدی تک اپنے کو مسلمان اور اسلام کا وکیل ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کا انھوں نے جس طرح مقابلہ کیا، تحریری اور تقریری مناظرے مباحثے کئے، وہ بہت پرانی بات نہیں ہے، پھر ان کا کلمہ ان کی اذان اور نماز وہی ہے جو عام امت مسلمہ کی ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں ان کے فقہی مسائل قریب قریب وہی ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں، لیکن جب یہ بات یقین کے ساتھ سامنے آگئی کہ وہ فی الحقیقت عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اگرچہ زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں۔ اور اسی طرح کے ان کے دوسرے موجب کفر عقیدے غیر مشکوک طور پر سامنے آئے۔ تو علمائے کرام نے ان کے بارہ میں کفر و ارتداد کا فیصلہ اور اس کا اعلان کرنا اپنا فرض سمجھا اور اگر وہ یہ فرض ادا نہ کرتے تو خدا کے مجرم ہوتے،

لیکن اثنا عشریہ کا حال یہ ہے کہ مذکورہ بالا موجب کفر عقائد کے علاوہ ان کا کلمہ الگ ہے ان کا وضو الگ ہے ان اذان اور نماز الگ ہے۔ زکوٰۃ کے مسائل بھی الگ ہیں۔ حتیٰ کہ موت کے بعد کفن دفن اور وراثت کے مسائل بھی الگ ہیں۔ اگر ان کو تفصیل سے لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

بہرحال اپنے اس دور کے حضرات علماء کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اپنی علمی و دینی ذمہ داری اور عند اللہ مسئولیت کو پیش نظر رکھ کر اثنا عشریہ کے کفر و اسلام کے بارے میں فیصلہ فرمائیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Darul - Ifta
Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah
Al'lama Muhammad Yusuf Banuri Town
Karachi-5. Pakistan

P. O. Box 3465
PHONES : 413570-419542

دار الافتاء
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی ۵ - پاکستان

REF
DATE :

الجواب باسمہ تعالیٰ

فاضل مستفتی نے شیعہ اثنا عشریہ کے جن حوالجات کا ذکر کیا ہے وہ ہم نے شیعہ کتابوں میں خود پڑھے ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر شیعوں کی کتابوں میں ایسی عبارات صاف صاف موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ

الف ، وہ تمام جماعت صحابہ کو مرتد اور منافق سمجھتے ہیں یا ان مرتدین کے حلقہ بگوش

ب ، وہ قرآن کریم کو (جو امت کے ہاتھوں میں موجود ہے) بعینہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل قرآن جو خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا وہ امام غائب کے پاس غار میں موجود ہے اور موجودہ قرآن (نعوذ باللہ) محرف ومبدل ہے اس کا بہت سا حصہ (نعوذ باللہ) حذف کر دیا گیا بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دی گئی ہیں۔ قرآن شریف ضروریات دین میں سب سے اعلیٰ وارفع چیز ہے اور شیعہ بلا اختلاف ان کے متقدمین اور متاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ان کی کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی موجود ہیں جن میں پانچ قسم کی تحریف بیان کی گئی ہے ۱ کمی ۲ بیشی ۳ تبدل الفاظ ۴ تبدل حروف ۵ تبدل ترتیب سورتوں ، آیتوں ، اور کلمات میں بھی ،

"اصول کافی" اور اس کا تتمہ الروضہ ملا باقر مجلسی کی کتابوں ، جلاء العیون ، حق الیقین ، حیات القلوب ، زاد المعاد ، نیز حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی کی کتاب ، فصل الخطاب ،

فی تحریف کتاب رب الارباب " جو ۳۹۸ صفحات پر مشتمل ہے" سے قرآن کریم کا محرف ہونا ثابت کیا ہے۔

مؤلف مذکور نے بزعم خود بے شمار روایات سے قرآن کریم کی تحریف ثابت کی ہے

ج : قادیانیوں کی طرح وہ لفظی طور پر ختم نبوت کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں، لیکن انہوں نے نبوت محمدیہ کے مقابلہ میں ایک متوازی نظام عقیدہ امامت کے نام سے تصنیف کرلیا ہے۔ ان کے نزدیک امامت کا ٹھیک وہی تصور ہے جو اسلام میں نبوت کا تصور ہے، چنانچہ امام نبی کی طرح منصوص من اللہ ہوتا ہے، معصوم ہوتا ہے، مفترض الطاعۃ ہوتا ہے، ان کو تحلیل وتحریم کے اختیار ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ بارہ امام تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں

(اصول کافی ؛ تفسیر مقدمہ مراۃ الانوار

ان عقائد کے ہوتے ہوئے اس فرقہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا صرف یہی تین عقائد کی تخصیص نہیں بلکہ بغور نظر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شیعیت اسلام کے مقابلہ میں بالکل ایک الگ اور متوازی مذہب ہے جس میں کلمہ طیبہ سے لے کر میت کی تجہیز وتکفین تک تمام اصول وفروع اسلام سے الگ ہیں اس لئے شیعہ اثنا عشریہ بلاشک وشبہ کافر ہیں علماء امت نے اثنا عشریہ شیعوں کو ہر زمانہ میں کافر قرار دیا البتہ

(۱) اس فتوی کی اشاعت نہیں ہوئی

(۲) تقیہ اور کتمان کے دبیز پردوں میں شیعہ مذہب چھپا رہا

(۳) خمینی صاحب کے آنے کے بعد شیعہ اثنا عشری نے بین الاقوامی طور پر وجوہ ثلاثہ سابقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے مذہب کی خوب اشاعت کی، خمینی صاحب خود کو امام غائب کا نمائندہ سمجھتے ہیں اور اپنا حق سمجھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کی اصلی طور بلاکتمان اشاعت ہو اس لئے اب صورت حال مختلف ہوگئی۔

فاضل مستفتی نے بڑی محنت سے استفتار مرتب کیا ہے اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تقریبًا ہر دور میں شیعہ اثنا عشری کو کافر قرار دیا گیا ہے اس استفتار کی تحریر کردہ عبارتوں کے بعد جواب استفتار کے لئے مزید عبارت کی ضرورت نہیں البتہ بعض عبارات طردًا للباب بیان کی جاتی ہے

(۱) سورۃ الفتح پ ۲۶ کے آخری رکوع میں جہاں سورت ختم ہوتی ہے وہاں ارشاد خداوندی ہے۔ لیغیظ بھم الکفار اس آیت کے ذیل میں" روح المعانی" میں علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں

وفی المواہب ان الامام مالکا قد استنبط من ہذہ الآیۃ تکفیر الروافض الذین یبغضون الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم فانہم یغیظونہم ومن غاظہ الصحابۃ فہو کافر ووافقہ کثیر من العلماء انتہی

وفی البحر ذکر عند مالک رجل ینتقص الصحابۃ فقرأ مالک ہذہ الآیۃ فقال من اصبح من الناس فی قلبہ غیظ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد اصابت ہذہ الآیۃ ویعلم تکفیر الرافضۃ بخصوصہم، وفی کلام عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا مایشیر الیہ ایضًا۔ فقد اخرج الحاکم وصححہ عنہا فی قولہ تعالٰی (لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ) قالت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم امروا بالاستغفار لہم فسبوھم۔

روح المعانی پارہ ۲۶ ص ۳۸

قرآن کریم کی آیت کے بعد احادیث مبارکہ میں صحابہ کرامؓ کے مقام رفیع کی نشاندھی فرمائی گئی ہے شارحین حدیث نے ان پر جو کچھ لکھا ہے اسکو دیکھ لیا جائے۔

(۲) عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذہبا ما بلغ مد احدھم ولانصیفہ متفق علیہ (مشکوۃ ص ۵۵۳)

وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم۔ رواہ الترمذی (مشکوۃ ص ۵۵۴)

وجمیع ذلک یقتضی القطع بتعدیلہم وبتعدیل الصحابۃ ولایحتاج احد منہم مع تعدیل اللہ لہ الی

تعدیل احد من الخلق علی انہ لو لم یرد من اللہ ورسولہ فیہم شئی مما ذکرنا لاوجبت الحال التی کانوا علیہا من الہجرۃ والجہاد ونصرۃ الاسلام وبذل المہج والاموال وقتل الآباء والابناء والمناصحۃ فی الدین وقوۃ الایمان والیقین القطع علی تعدیلہم والاعتقاد لنزاھتہم وانہم کافۃ افضل من جمیع الخالفین بعدہم والمعدلین الذین یجیئون من بعدہم ھذا مذہب کافۃ العلماء ومن یعتمد قولہ

ثم روی بسندہ الی ابی زرعۃ الرازی قال اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذلک ان الرسول حق والقرآن حق وما جاء بہ حق وانما ادی الینا ذلک کلہ الصحابۃ وھولاء یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بہم اولی وھم زنادقۃ انتہی (الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ص۱۱ ج۱)

قرآن وحدیث کے اجماع امت کو دیکھا جائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب سے پہلے اجماع ہوا یہ اجماع سب سے قوی ہے کیونکہ اس میں صحابہ کرام، اہل بیت، اہل مدینہ سب ہی شامل ہیں روافض اس اجماع کو تسلیم نہیں کرتے اور منکر اجماع کافر ہے

وقال ابن دقیق العید قد یوخذ من قولہ " المفارق للجماعۃ " ان المراد المخالف لاہل الاجماع فیکون متمسکا لمن یقول: مخالف الاجماع کافر

وقد نسب ذلک الی بعض الناس ولیس ذلک بالبین. فان المسائل الاجماعیۃ تارۃ یصحبہا التواتر بالنقل عن صاحب الشرع کوجوب الصلوۃ مثلاً. وتارۃ لایصحبہا التواتر. فالاول یکفر جاحدہ لمخالفۃ التواتر لا لمخالفۃ الاجماع والثانی لایکفر (اکفار الملحدین ص۲۱)

موجودہ اجماع کے ساتھ تواتر بھی شامل ہے اس لئے اس کا انکار یقیناً کفر ہے۔

والحاصل ان من کان من اہل قبلتنا ولم یغل حتی .... ولا خلاف منکر خلافۃ ابی بکر او عمر او عثمان لانہ کافر (اکفار الملحدین لشیخ انور ص۵۱)

فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیریہ) جو بعہد اورنگ زیب عالمگیر مرتب ہوا جسکی ترتیب و تدوین میں ہندوستان کے اکابر علمار شریک ہوئے جن کے تراجم "نزہۃ الخواطر" میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

اسی فتاویٰ کے صـ ۲۶۴ پر ہے الروافض اذا کان یسب الشیخین ویلعنھما والعیاذ باللہ فھو کافر ...... من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فھو کافر وعلی قول بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذلک من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال کذا فی الظہیریۃ وتجب اکفارھم باکفار عثمان وعلی وطلحۃ وزبیر وعائشۃ رضی اللہ عنہم

وتجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح وبانتقال روح الالہ الی الائمۃ وبقولھم ان جبریل علیہ السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظہیریۃ ۔۔

فتاویٰ للشیخ الامام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکردری المتوفی ۸۲۷ھ و ذکر الائمۃ ان علیہ التعویل فرغ من تالیفہ سنۃ ثنتی عشرۃ وثمان مائۃ ۔

فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ صـ ۳۱۸ ج ۶

ومن انکر خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ فھو کافر فی الصحیح ومنکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فھو کافر فی الاصح ویجب اکفار الخوارج فی اکفارھم جمیع الامۃ سواھم ویجب اکفارھم باکفار عثمان وعلی وطلحہ وزبیر وعائشۃ رضی اللہ عنہم

پھر صـ ۳۱۹ ج ۶ پر یہ عبارت ہے۔ الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنھما فھو کافر۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق للعلامۃ زین الدین الشہیر بابن نجیمؒ صـ ۱۳۱ ج ۵

وبقذفہ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا من نسائہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط وبانکارہ صحبۃ ابی بکر

رضی اللہ عنہ بخلاف غیرہ وبانکارہ امامۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ علی الاصح کانکارہ خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ علی الاصح

خلاصۃ الفتاوی للشیخ الاجل الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری وما یتصل بہذا

الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنہما فہو کافر ص ۳۸۱ ج ۴

صاحب درمختار فرماتے ہیں ،

اوالکافر بسب الشیخین اوبسب احدہما فی البحر عن الجوہرۃ معزیا للشہید من سب الشیخین اوطعن

فیہما کفر ولاتقبل توبتہ وبہ اخذ الدبوسی وابو اللیث وہو مختار للفتوی۔ انتہی

صاحب درمختار کی اس عبارت پر علامہ ابن عابدین شامی نے طویل کلام کیا ہے ۔لیکن آخر

میں واضح طور پر یہ تحریر فرمایا ہے ۔

نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا اوانکر صحبۃ الصدیق اوالاوہیۃ

فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی اونحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن ردالمحتار ص ۳۳۶ ج ۴

ترجمہ فتاوی عزیزیہ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں

بلاشبہ فرقہ امامیہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت سے منکر ہیں اور کتب فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کا جس نے انکار کیا وہ اجماع امت کا منکر ہوا وہ کافر ہوگیا ص ۲۷۷

لہذا شیعہ اثنا عشری رافضی کافر ہیں مسلمانوں سے ان کا نکاح ، شادی بیاہ جائز نہیں حرام ہے

مسلمانوں کے لئے ان کے جنازے میں شرکت جائز نہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن

کرنا جائز نہیں غرض ان کے ساتھ غیر مسلموں جیسا سلوک اور معاملہ کیا جائے

واللہ تعالٰی أعلم وعلمہ أتم وأحکم

الجواب صحیح: محمد عبدالسلام عفااللہ عنہٗ ۹/۲/ ۱۴۰۷ھ

ولی حسن دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۸/صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح: محمد ولی غفرلہٗ ۲۵/۲/ ۱۴۰۷ھ الجواب صحیح: رضاء الحق غفرلہٗ

الجواب صواب: احمد الرحمٰن غفرلہٗ مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

دین اسلام کا منبع و مآخذ دو چیزیں ہیں (الف) قرآن محفوظ (ب) قیامت تک باقی رہنے والی ناقابلِ تنسیخ تعلیماتِ نبویہ، پورا دین انہی دو سے ماخوذ ہے اور اِن دونوں (کتاب وسُنّت کی نقل و اشاعت کا عقلاً ونقلاً ایک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے یعنی جماعتِ صحابہؓ، یہی وہ مقدس گروہ ہے جس نے قرآن وسنّت اور پوری شریعت مطہرہ کو ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے وصول کر کے اُمت میں منتقل کیا۔

اگران تینوں چیزوں میں سے کسی ایک کی بھی نفی کردی جائے تو اس سے پورے دین کی نفی ہوجاتی ہے قرآن وسُنّت کے اِنکار کا کفر ہونا تو ظاہر ہے اسی طرح صدر اوّل جماعتِ صحابہؓ اور ان کے ایمان و عدالت کی نفی کرنے کے بعد بھی کوئی شخص مسلمان باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے مابین صدر اوّل کا واسطہ حذف ہوجاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ پاک کا بھیجا ہوا دین آسمان سے نازل ہوکر اُسی ذات پر منقطع وختم ہوگیا جس پر وہ نازل کیا گیا تھا اور اس دین کا کوئی حصہ یا حکم قطعی طور پر اُمت کے پاس موجود نہیں اور یہ ہدم اسلام اور ابطالِ شریعت کے مترادف ہے۔

علامہ نوویؒ، قاضی عیاضؒ سے شرح مسلم میں نقل فرماتے ہیں۔

قال القاضی ولا شک فی کفر من قال ھذا لان من کفر الامۃ کلھا والصدر الاوّل فقد ابطل نقل الشریعۃ وھدم الاسلام (ص ۲۷۸ ج ۲)

شیعہ رافضیہ اثنا عشریہ نے اسلام کے ان تین اصل الاصول اور مرکزی بُنیادوں پر تیشہ زنی کر کے دین کی پوری عمارت کو متزلزل کر دیا ہے، شیعہ مذہب کی انتہائی معتبر اور مستند کتابوں میں ان کے ائمہ کی جانب سے درجۂ شہرت وتواتر میں ایسی تصریحات پائی جاتی ہیں جنہیں درست تسلیم کر لینے کے بعد نہ صرف یہ کہ شیعہ دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتے ہیں بلکہ سرے سے اسلام کا وجود ہی مشکوک ومُشتبہ ہو جاتا ہے۔

(الف) اَلعِیَاذُ بِاللّٰہِ مثلاً یہ کہ قرآن کریم محفوظ نہیں بلکہ اس میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے۔

(ب) قرآن وسُنّت کی تعلیمات اور اُس کے حلال وحرام قیامت تک کے لئے نہیں، بلکہ ان کے بُنیادی عقیدۂ امامت کی روشنی میں ہر امام کو کسی بھی چیز کے حلال وحرام کرنے کے اختیارات حاصل ہیں اور امام کا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے اس پر وحی آتی ہے اور وہ مفترض الطاعۃ ہوتا ہے اس پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں۔ شیعہ امام پر نبی کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے لیکن حقیقت ومعنیٔ نبوت اس کے لئے ثابت کرتے ہیں ایسے عقیدۂ امامت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختمِ نبوت کی نفی لازم آتی ہے اس عقیدۂ امامت کو شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے کُفر زندقہ قرار دیا ہے۔

کذالک من قال فی الشیخین ابی بکرؓ و عُمرؓ مثلاً لیسا من اھل الجنۃ مع تواتر الحدیث فی بشارتھما۔ او قال ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاتم النبوّۃ لکن معنی ھذا الکلام انہ لا یجوز ان یسمّی بعدہ احد بالنبی واما معنی النبوّۃ وھو کون الانسان مبعوثا من اللّٰہ تعالیٰ الی الخلق مفترض لطاعۃ معصوما من الذنوب وعلی الخطاء فیما یری فھو موجود فی الائمۃ بعدہ فذالک ھو الزندیق وقد اتفق جماھیر المتاخرین من الحنفیۃ والشافعیۃ علی قتل من یجری ذالک المجری

(مسوی شرح مؤطا امام مالک ص ۱۱۰ ج ۲)

(ج) دین اسلام کی بنیادیں تو دو عقیدوں تحریف قرآن اور عقیدۂ امامت سے ہی ہل گئی تھیں مزید برآں رافضیہ امامیہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ سوائے تین، چار کے سب صحابہ کرامؓ العیاذ باللہ کافر و مرتد ہو گئے تھے۔ گو قرآن وسنت بوقتِ نزول ہر چند درست وصحیح بھی ہو لیکن صحابہ کرامؓ کے متعلق شیعوں کے اس عقیدہ کی بناء پر قرآن یا دین کے کسی حصہ کا ثبوت وبقاء قطعیت وتواتر کے درجہ میں باقی نہیں رہ سکتا۔ تین، چار کی روایت خبر آحاد میں سے ہوتی ہے خبر متواتر نہیں، اور خبر آحاد سے قرآن کریم اور عقائد کا ثبوت ممکن نہیں۔ اہل سنّت والجماعت اور شیعہ مجتہدین سب کا یہی مذہب ہے۔

چنانچہ مولوی دلدار علی صاحب "مجتہد اعظم" "حسام" میں لکھتے ہیں۔

"خبر واحد اگر بے معارض ھم باشد ظنی ست در اصولِ اعتقادیات بآں تمسک نباید کرد بلکہ نزد محققین شیعہ امامیہ مثل ابن زہرہ، ابن ادریس، شریف مرتضی واکثر قدماء وقابلِ احتجاج نیست ومتاخرین ایشاں ہمیں مذہب را اختیار کردہ اند ولہذا اخبار آحاد را در دلائل نہ شمردہ بلکہ ردّ آنرا واجب دانستہ خصوصاً در اعتقادیات"۔

(بحوالہ النجم صفر ۱۳۵۱ھ)

الغرض، شیعہ اثناء عشریہ، رافضیہ جو مندرجہ ذیل کُفریہ عقائد کے قائل ہیں۔ کہ

(۱) موجودہ قرآنِ کریم غیر محفوظ وناقص ہے اس میں تحریف وکمی بیشی کی گئی ہے۔

(۲) عقیدۂ امامت (۳) سوائے تین چار کے باقی تمام صحابہؓ مرتد وکافر ہیں۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بُہتان اور الزام تراشی جو تکذیبِ قرآن کو مستلزم ہے۔

واضح رہے کہ شیعوں کے یہ کُفریہ عقائد شیعہ مذہب کی انتہائی معتبر اور مستند کتابوں، اصولِ کافی اور اس کا تتمہ الروضہ، ملا باقر مجلسی کی کتابوں جلاء العیون، حق الیقین، حیاتُ القلوب ص۳ ج۳، زاد المعاد۔ نیز حسین بن محمد تقی النوری۔ الطبرسی کی کتاب فصل الخطاب فی تحریفِ کتاب رب الارباب میں درجہ شُہرت وتواتر کے ساتھ منقول ہیں اور ان کے مجتہدین بلا تاویل ان کُفریات کو اپنا عقیدہ قرار دیتے ہیں۔

لہٰذا شیعہ اثناعشریہ رافضیہ جو عقائدِ بالا کے قائل ہیں، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ مسلمانوں سے ان کا نکاح، شادی بیاہ جائز نہیں حرام ہے۔ مسلمانوں کے لئے ان کے جنازے میں شرکت جائز نہیں، ان کا ذبیحہ حلال نہیں، فقط واللہ اعلم۔

محمد حنیف جالندھری بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۹/۴/ ۱۴۰۷ھ مفتی خیر المدارس ملتان

محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اگر کوئی شیعہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے یہ عقائد نہیں تو وہ اپنی مذہبی کتابوں سے بے خبر ہے یا تقیہ کرتا ہے کیونکہ تقیہ (جھوٹ) ان کے مذہب میں عبادت ہے۔ اور اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ایسے تمام شیعہ مجتہدین کی تکفیر کرے جو تحریف قرآن وغیرہ کُفریہ عقائد کے قائل ہیں فقط والجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ۱۹/۴/ ۱۴۰۷ھ

ما اجاب به المفتي عبدالستّار دامت بركاتهم فيه الكفاية و عليه المعول بل الحق الذى لا محيص عنه

وانا العبد المدعو محمد اسحاق غفرلہٗ مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح فیض احمد خادم جامعہ قاسم العلوم گلگشت کالونی ملتان ۲۲/۴/ ۱۴۰۷ھ

الجواب: اگر کسی نجس چیز ڈالنے کا اندیشہ نہ ہو تو مرزائیوں کے تالاب سے پانی لینا درست ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی متبادل انتظام کر دیا جائے اور متبادل انتظام ہونے تک انہیں پانی سے نہ روکا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور نائب مفتی ۱۲/۱۱/ ۱۳۹۸ھ　　　الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مجالس محرّم میں شرکت کا حکم: بعض لوگ محرم میں اپنی بیویوں کو شیعوں کی مجالس میں بھیجتے ہیں تا کہ ذکر حسین میں شرکت ہو سکے۔ تو کیا وہ شرعاً مجرم ہیں۔ اور کتنے مجرم ہیں؟ محمد نواز جھنگ صدر

الجواب: ایسی مجالس میں شرکت کرنا اور بیوی کو بھیجنا جائز نہیں۔ اوّل تو یہ مجالس خود جائز نہیں ہیں مزید برآں یہ کہ ان مجالس میں کئی محرماتِ شرعیہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ان مجالس کی صحیح حقیقت کسی شاعر نے یوں بیان کی ہے۔

یہ نمائش یہ تماشے یہ تنوع کاریاں　　　یہ شعار ناروا یہ ساز یہ تیاریاں
لباسِ نو میں اپنی شان و شوکت کی نمود　　　نئے پردوں میں اوہامِ قدامت کی نمود
یہ ڈھول و باجوں کا ہنگامۂ حشر آفریں　　　تال و سُر کے ساتھ نوحوں کی صدائے نازنین
یہ زیارت کے بہانے یہ نظارہ بازیاں　　　قومیت سازی کے پردے میں زمانہ سازیاں

مدعاء اس سے کچھ بجز عرض ریا کاری نہیں
اور کیا ہے یہ جو توہینِ عزاداری نہیں

سیماب اکبر آبادی

فقط محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۵/۲/ ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اہلِ تشیع سے علم سیکھنے کا حکم: صحیح العقیدہ عالمِ دین اہلِ تشیع کے مدرسہ میں فاضل عربی کی کتب پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب: بہت سی وجوہ کی بناء پر ان سے علم حاصل کرنا درست نہیں۔ مثلاً (۱) اگر وہ کتب دینیہ ہیں تو دینی کتب ایسے اشخاص سے پڑھنی درست نہیں۔ کذا قال ابن سیرین رحمہ اللہ۔ مشکوٰۃ

(۲): شاگرد ہونے کی صورت میں ان کی تعظیم بھی کرنی ہوگی و اکثرھم لیسوا باھل لھا۔

(۳): ان سے مخالط ومجالست کی وجہ سے متاثر ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔ وغیرذالک

الحاصل ان سے کچھ نفع کے ساتھ بہت سے نقصانات کا اندیشہ بھی ہے۔ لہٰذا حسبِ قاعدہ معروفہ کہ ''دفعِ ضرر مقدم ہوتا ہے جلبِ منفعت سے۔'' ان سے تعلیمی رشتہ ہرگز نہ رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے والے کا حکم: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بایں وجہ خارج از اسلام ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی۔ اور دشمنِ سادات تھے اور حکومت کی باگ ڈور لڑکے کے سپرد کی۔ حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ اور سلف صالحین کے خلاف کیا۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دھوکہ کر کے ضیافت کے بہانے چاہ برد کیا۔

الجواب: امیر المومنین کاتبِ وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں شیعوں کی یہ ہرزہ سرائی قدیم سے ہے۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک قطعاً اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ مذکورہ الزامات میں سے بعض غیر ثابت ہیں اور جو ثابت ہیں ان کو بناءِ تکفیر قرار دینا غلط ہے۔ قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو اس سے ان کا ایمان سلب نہیں ہو جاتا۔ بلکہ وہ اس کے باوجود مومن رہتے ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما (الی ان قال) انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللّٰہ لعلکم ترحمون۔ الآیۃ

پس اسے بناءِ تکفیر قرار دینا باطل ہے۔

سادات کی دشمنی کا الزام بھی غلط ہے۔ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ یہاں تک کہ حضرات حسنینؓ ملاقات کے لئے شام تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور حضرت معاویہؓ ان کی خدمت میں انتہائی بیش از بیش ہدایا پیش کرتے تھے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

۱: قدم الحسن بن علیؓ علی معاویة فقال له لا جیزنک بجائزة لم یجزها أحد کان قبلی فاعطاه اربع مائة الف الف.

۲: ووفد الیه مرة الحسن والحسین فاجازهما علی الفور بمائتی الف.

۳: وفد الحسن وعبدالله بن الزبیر علی معاویة فقال للحسن مرحبا وأهلا بابن رسول اللّٰه وأمر له بثلاث مائة الف. (البدایہ والنہایہ ج۸ص۱۳۷)۔ ایسے تعلقات کی موجودگی میں باہمی دشمنی کی رٹ لگانا دیوانگی ہی قرار دی جاسکتی ہے۔

یزید کی ولی عہدی کو بھی بناءِ تکفیر قرار دینا غلط ہے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔ اور اگر اسے بالفرض بناءِ تکفیر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیثیت ہی مجروح نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام لوگ بھی اس میں شامل ہوں گے جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا۔ اور تاریخ وروایات سے ثابت ہے کہ صرف چند حضرات کے علاوہ باقی اکثر لوگوں نے اسے تسلیم کر لیا تھا۔ پس یہ مسئلہ پوری ملت کی تکفیر کا بن جاتا ہے جسے کوئی منصف متدین تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اگر کسی شخص کا دعویٰ ہو کہ اس قسم کی ولی عہدی نص قرآنی یا حدیثِ نبوی یا اجماع کے خلاف ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے پیش کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چاہ برد کرنے کا واقعہ بھی من گھڑت اور یاوہ گوئی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے طبعی موت سے وفات پائی۔ اور وفات سے قبل وصیت بھی فرمائی ہے۔ البدایۃ والنہایۃ میں ہے۔

عن ذکوان انه جاء عبدالله بن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما یستأذن علی عائشة وعند رأسها عبداللّٰه بن اخیها عبدالرحمن فقال هذا عبدالله بن عباس یستأذن وهی تموت الی ان قال فقالت ائذن له ان شئت قال فادخلته فلما جلس قال ابشری فقالت بماذا فقال مابینک وبین ان تلقی محمدا والاحبة الا ان تخرج الروح من الجسد

وبعد (الی ان قال) واوصت ان تدفن بالبقیع لیلا وصلی علیها ابوهریرة بعد صلوٰة الوتر اھ (ج۸:ص۹۳،۹۴)۔

پس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہ بے بنیاد الزامات ہرگز ثابت نہیں ہیں۔اور جو ثابت ہیں ان کو موجبِ طعن وتکفیر قرار دینا غلط ہے۔حضرتِ موصوفؓ دشمنوں کے جذبات کے علی الرغم امیر المومنین، خال المسلمین، کاتبِ وحیِ، رب العالمین، کامل الایمان، صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اندیشہ ہے کہ حضرتِ معاویہؓ کی شان میں گستاخی کرنے والے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔کیوں کہ ارشادِ نبوی ہے کہ جب غیر مستحق پر لعنت کی جائے تو وہ قائل پر لوٹتی ہے۔والعیاذ باللہ۔فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

روافض کو سُنیوں کی مساجد میں نہ آنے دیا جائے: چک نمبر ۱۰۴/ای۔بی میں اکثریت سنیوں کی ہے اور تھوڑے سے گھر شیعہ کے ہیں۔شروع سے اس میں اہل سنت والجماعت اذان واقامت کے ساتھ نمازیں ادا کرتے آئے ہیں اور پیش امام بھی ہمیشہ سے جب سے مسجد بنی ہے آج تک اہل سنت کا ہوتا ہے۔چند دن قبل شیعوں نے اسی مسجد میں اپنی آذان واقامت شروع کر دی اور اپنی جماعت بھی کرانی شروع کر دی۔یعنی دو اذانیں اور دو جماعتیں ہونے لگیں۔اہلِ سنت کی بھی اور اہل تشیع کی بھی۔کچھ فساد سا ہوا تو عدالت نے مسجد سیل کر دی۔بعدہ عدالت بورے والا سے ''اے سی صاحب'' نے فیصلہ فرمایا کہ مسجد اہل سنت کی ہے۔وہی اس میں نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں۔مگر شیعوں نے پھر اپیل کر رکھی ہے کہ ہمیں بھی جماعت کرنے کی اجازت دی جائے۔اب آپ فرمائیں کہ اہل سنت کی مسجد میں شیعہ اپنی اذان و اقامت کے ساتھ دوسری جماعت کرا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ حضراتِ شیعہ کہتے ہیں کہ ہم نے چندہ دیا ہوا ہے۔اس لئے ہمارا حق بنتا ہے۔

الجواب: امداد المفتین: ج ا۔ص ۴۷۔میں ہے کہ روافض کو مساجدِ اہل السنۃ میں آنے سے روکنا جائز ہے۔نیز ان کو اجازت دینے میں فسادات کا دروازہ کھولنا ہے۔کیونکہ اہلِ سنت کے پیشواؤں کو بُرا کہنا ان کے مذہب کا جزو ہے۔بناء علیہ شریعت وانتظام کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو سنیوں کی مسجد میں آنے سے روکا جائے۔چندہ دینے سے استحقاق ثابت نہیں ہوتا۔

یکرہ دخوله لمن اکل ذاریح کریهة ویمنع منه وکذا کل موذ فیه ولو بلسانه. شامی ج ۳ ص ۳۸۱۔فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سنی آبادیوں سے ماتمی جلوس گزارنا محض شرارت ہے: دریا خان میں محرم ۱۴۰۰ھ سے کچھ عرصہ پہلے مختلف چوکوں پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام کے کتبے لگادیئے گئے۔ جس چوک سے شیعوں کے جلوس گزرتے ہیں اس چوک میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مبارک کا بورڈ لگایا گیا اور بورڈ میں اس چوک کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم مبارک سے موسوم کیا گیا۔ شیعہ لوگوں نے درخواستیں دیں۔ ضلعی انتظامیہ نے سنی حضرات سے کہا کہ یا بورڈ ہٹادو یا اس میں سے ''چوک'' کا لفظ مٹادو۔ چوک کا نام بغیر گورنمنٹ کی منظوری کے نہیں لکھا جاسکتا۔ سنی حضرات نے چوک کی بجائے'' منزل'' کا لفظ لکھ دیا۔ محرم میں شیعوں کا جلوس وہاں پہنچا تو اس میں سے کسی نے کیچڑ بورڈ پر پھینک کر اس کی بے حرمتی کی۔ شیعوں نے اس موقع پر ایسی نعرہ بازی کی کہ قریب موجود سنیوں نے جوش میں آکر جواب دیا۔ دونوں طرف سے پتھراؤ ہوا۔ جس سے کچھ لوگوں کو زخم آئے۔ تحصیل بھکر کی انتظامیہ اور طرفین کے معززین نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع کیا۔ اب پھر محرم میں تقریباً ڈیڑھ دو ماہ باقی ہیں۔ شیعوں کی طرف سے درخواست بازی شروع ہوگئی ہے۔ اور یہ مسئلہ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

سنی حضرات دو قسم کے انداز فکر رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے اسم مبارک کا کتبہ اس چوک سے ہٹا کر قریبی کسی ایسے چوک پر لگادیا جائے جس سے شیعوں کے جلوس کا کوئی گزر نہ ہوتا ہو اور جلوس کی گزرگاہ میں حضرت سلمان فارسیؓ یا کسی اور صحابی کے اسم مبارک کا کتبہ لگادیا جائے۔ جن کا احترام شیعہ بھی کرتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ بتایا جاتا ہے کہ ہر سال حضرت امیر معاویہؓ کے اسم مبارک کی توہین نہیں ہوگی۔ اور اس میں فساد کا خطرہ بھی نہیں ہوگا۔ توہین ہوجانے کے بعد کتنا ہی فساد ہوجائے اس سے خونریزی تو ہوسکتی ہے مگر توہین کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

دوسرا انداز فکر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے اسم مبارک کا کتبہ (بورڈ) چوک سے ہرگز نہ ہٹایا جائے۔ اگر یہ بورڈ ہٹادیا گیا تو اس سے شیعہ لوگوں کی غلط حوصلہ افزائی ہوگی۔ جب کہ چوک کی تمام تر آبادیاں سنی حضرات کی ہیں۔ تو ہرگز یہ بورڈ نہ ہٹایا جائے۔

ان حالات میں شرعی حکم صادر فرمائیں کہ کیا خالص سنی آبادی میں واقع اپنے مکان سے'' امیر معاویہؓ منزل'' کی تختی اتار کر شیعوں کو یہ موقع دے دینا چاہیئے کہ وہ ہر چیز میں اعتراض کرتے ہوئے اور زیادہ دلیر ہوجائیں اور اس اپنی کامیابی کو مثال بنا کر ہمیشہ سنیوں سے اور انتظامیہ سے معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا کریں۔ اور اپنی غلط بات منوانے کے لئے بے جا ضد کریں۔ اور کل کو کوئی مسلمان اپنے بچے کا نام بھی اس اسم مبارک پر رکھے یا کسی اور صحابی رسول اللہ علیہ وسلم کے نام پر رکھے تو یہ نام پر معترض ہوکر مسئلہ بنالیں؟

الجواب اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ماتمی جلوس نکالنا اور سینہ کوبی کرتے ہوئے، بازاروں میں پھرنا نہ اہل سنت کے نزدیک درست ہے نہ اہل تشیع کے نزدیک نہ اہل بیت کی تعلیم ہے۔ اور نہ کوئی شریف آدمی اسے اچھا سمجھتا ہے۔ اس کے باوجود بہت سے شیعہ سب سے زیادہ اہمیت اسی کو دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے ذریعہ وہ اپنے چند مذموم مقاصد پورے کرتے ہیں۔ مثلاً اپنے مخالفین کے جذبات مجروح کرنا۔ اپنے نفاق پہ پردہ ڈالنا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن و تشنیع کرنا وغیر ذالک۔ ۔ اگر شیعہ لوگ مخلص ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ

ایسی جگہ سے تعزیہ گزارنے پر اصرار کریں جہاں ایک گھر بھی شیعوں کا نہیں۔ حکومت کو بھی ایسے چوکوں سے تعزیہ گزارنے کی اجازت دیتے وقت اس بات کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اور اگر کہیں ایسی اجازت دے دی گئی ہو تو اس معاملہ میں مخلصانہ نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ اور اندیشۂ نقض امن کے تحت ان اجازتوں کو منسوخ کرنا چاہیئے۔ نتیجۃً نہ شیعہ لوگ سنیوں میں آکر فساد کریں گے نہ لڑائی ہوگی۔ آخر وہ اپنے امام باڑوں میں کیا کچھ نہیں کرتے مگر اس پر فساد نہیں ہوتا۔ فساد اسی وقت ہوتا ہے جب وہ شرارت کے نظریہ سے کچھ کرتے ہیں۔

الحاصل یا تو اہل تشیع کے سمجھدار طبقہ سے باہمی گفتگو کے ذریعہ کوئی مصالحتی صورت اختیار کر لی جائے۔ مثلاً وہ اسی چوک سے جلوس گزارنے پر اصرار نہ کریں۔ راستے اور بھی بہت ہیں۔ اور اگر وہ مصر ہی رہیں تو آئینی اور اخلاقی طور پہ آپ کو اتنا حق تو ملنا چاہیئے کہ آپ اس جگہ کا نام "معاویہؓ چوک" رکھ لیں۔ اور لکھ لیں۔

اگر ان سے کوئی بات طے نہ ہو سکے تو یہی گزارش حکومت سے کی جائے اور حکام کو بتاکید عرض کیا جائے کہ آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ مذکورہ جگہ سے تعزیہ گزارنا صحیح ہے یا نہیں۔ اور یہ بھی سوچیں کہ سنی جس بات کا مطالبہ کرتے ہیں وہ ان کا حق ہے یا نہیں۔ نیز امن قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ نقض امن کی بنیاد کو ختم کیا جائے۔

ہمارے خیال میں پہلی قسم کے انداز فکر میں کچھ کم ہمتی کا عنصر بھی ہے۔ وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں اپنے نظریات آپ کے مکانوں کے سامنے بیان کریں تو کچھ نہیں۔ اور آپ صرف اظہار عقیدت کی حد تک اپنی آبادی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نام لکھنا خلاف مصلحت سمجھتے ہیں۔ اگر توہین کا اندیشہ ہے تو آپ اکثریت میں ہوتے ہوئے اپنی اتنی حیثیت بھی پیدا نہیں کر سکتے کہ آپ کی آبادی میں آکر آپ کے بڑوں کی توہین کرنے کی کسی کو جرأت ہی نہ ہو۔ جو کہ مذہباً۔ عقلاً۔ شرافتاً۔ قانوناً کسی

طرح درست نہیں ہے

دہ لئے ہاتھ میں تلوار جو چاہیں کریں
ہم دعار کے لئے بھی ہاتھ اٹھا یا نہ کریں

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر۔
الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار مفتی خیر المدارس ملتان شہر
۴ / ۱۲ / ۱۴۰۰ھ

مودودی صاحب کے ساتھ علمائے کرام کے اختلاف کی وجہ علمائے کرام کے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب پر جو اعتراضات ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ جماعت اسلامی والے کہتے ہیں کہ یہ محض ذاتی عناد ہے۔ اور ہر اچھا کام کرنے والے کی مخالفت ہوتی ہے۔

الجواب وہ خصوصی اعتراضات جن کے بارے میں آپ ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں اصل تو یہ تھا کہ ان کی تفصیل سوال میں تحریر کی جاتی تاکہ بالیقین ان کے بارے میں اپنے عندیہ کا اظہار کر دیا جاتا۔ لیکن سوال میں چونکہ ابہام واجمال سے کام لیا گیا ہے لہذا ہم بھی اجمالی جواب پر اکتفا کرتے ہیں۔

جناب مودودی صاحب امور سیاست میں اعلیٰ مقام ہی کیوں نہ رکھتے ہوں ، اور کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے انشار پرداز کیوں نہ ہوں۔ لیکن دینی امور کے بارے میں ان کا غیر محتاط ہونا ، اور ان کے لٹریچر سے "سلف بیزاری" کے رجحانات کا پیدا ہو جانا ، علوم دینیہ میں ناپختگی اور سطحیت کی بنار پر اجماعی مسئلوں میں خلاف کرنا ، اور ضرورت کے مطابق محض اپنی خواہش سے مسائل شرعیہ میں لچک پیدا کر لینا ، یہ ایسے امور ہیں جو موصوف کی مسلمہ خصوصیات شمار کی جاتی ہیں۔

اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ ان امور کے بارے میں موصوف سے صرف حضرات علمائے کرام کو ہی اختلاف نہیں اور موصوف کے ان رجحانات کو صرف وہی دین کے لئے خطرناک تصور نہیں کرتے بلکہ مودودی صاحب کے قدیم ترین رفقار (جو اس تحریک کو ایک دینی دعوت خیال کرتے ہوئے شامل ہوئے تھے) کو بھی ان امور کی بنار پر موصوف سے شدید ترین اختلاف پیدا ہوا۔ کہ وہ بالآخر مایوس ہو کر جماعت سے الگ ہو گئے۔ نیز ارباب بصیرت نے موصوف کے ان رجحانات اور سیاسی قلا بازیوں کو دین کے لئے انتہائی خطرناک قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔ اور مولانا عبدالرحیم صاحب اشرف کے مضامین خصوصیت سے قابل مطالعہ ہیں۔

اوراس سلسلہ میں ان کی شہادت کافی وزن رکھتی ہے۔ کیوں کہ یہ حضرات گھر کے بھیدی اور عینی شاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور عرصہ تک موصوف سے نیاز مندی اور خصوصی خدمت کا تعلق بھی انہیں رہا ہے۔ حضرات علماء کرام کی مخالفت کو اگر ذاتی عناد پر محمول کرکے دفع الوقتی کی جاسکتی ہے تو جماعت کے ان معتمد ترین مرکزی الاکین کی مخالفت کو کیا رنگ دیا جائے گا؟

"اور مولویوں کا کام ہی یہی ہے" حضرات علماء نے دورِ فرنگی کے گمراہ فرقوں کے بارے میں جب بھی ان کے غلط نظریات کی تردید کی اور ان کی بدحالیوں اور خیانتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے عوام کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کی سعی کی، تو تقریباً اس قسم کی آوازیں سنی گئیں۔ کہ مولوی کی مخالفت ذاتی عناد پر مبنی ہے۔ مولوی کا مذہب مخالفت فی سبیل اللہ، وغیر ذالک۔

مرزائیوں نے علماء کرام کے بارے میں یہی کہا۔ منکرین حدیث نے یہی کہا اور یہی کہہ رہے ہیں۔ مودودی صاحب کے معتقدین بھی حضراتِ علماء کرام کو ایسی باتیں کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مرزائی، مولوی صاحب سے اس لئے سٹ پٹایا کہ اس کی رگِ باطل پر نشتر مولوی نے رکھا۔ اگر مولوی نہ ہوتا تو آج تک، مرزائیت مسلم معاشرہ کے رگ و پے میں سرایت کرچکی ہوتی۔ العیاذ باللہ۔ مگر حضراتِ علماء نے اس جعلی نبوت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ اور ملت کو اس سے محفوظ رکھا۔ منکرِ حدیث مولوی سے اسی سبب سے جل بھن رہا ہے کہ مولوی نے اس کے فتنہ پر ضرب کاری لگائی۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی کے حضرات بھی علماء کرام کے بارے میں اسی قسم کا تبصرہ فرماتے رہتے ہیں۔ اس کا منشاء بھی کچھ اسی قسم کی باتیں ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضراتِ علماء کرام کی مخالفت کسی بھی جماعت سے ذاتی عناد کی بناء پر نہیں بلکہ حفاظت دین کی غرض سے ہے۔ اور جذبۂ خیرخواہی کے تحت ہے۔ مثلاً دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "کانے دجال" کی آمد کے بارے میں متعدد احادیث میں پیشین گوئی فرمائی ہے۔ جس کی تکذیب ممکن نہیں۔ لیکن جناب مودودی صاحب اس کی آمد کے بارے میں اپنی کوتاہ نظری کے سبب یا نہ معلوم کیوں یہ تحریر فرماگئے ہیں کہ۔

"یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں"۔ (رسائل مسائل، ص ۵۴)

سوال یہ نہیں کہ آمدِ دجال کی بحث دورِ حاضر میں مفید ہے یا غیر مفید۔ مقصد یہ ہے کہ یہ انکارِ حدیث ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو موصوف سے حضراتِ علماء کرام کی مخالفت ایسے ہی امور کی بناء پر ہے اور حفاظت دین کے لئے ہے کسی ذاتی عناد کی بناء پر نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۱۳ ؍ ۵ ؍ ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۔

مودودی صاحب بعض مسائل وعقائد میں معتزلہ کے ہمنوا ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ جماعت اسلامی کے بارے میں جو فتوی جات علماء دیوبند کے جاری ہوئے ہیں آپ کے نزدیک بالکل صحیح ہیں یا نہیں ؟ جماعت اسلامی کے ساتھ ہم اہلسنت والجماعت کو کیا تعلق رکھنا چاہیئے ؟ نیز جماعت اسلامی کا جو اصولی اختلاف ہمارے ساتھ ہے واضح فرمائیں ۔

الجواب حضرت مدنی مدظلہ العالی اور حضرت قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا احمد علی صاحب زید مجدہم ۔ ان تینوں حضرات کے جو فتاوی مودودی صاحب کے متعلق ہیں وہ ہمارے نزدیک صحیح ہیں اور ان حضرات نے جو بھی مودودی صاحب کے متعلق فرمایا وہ تمام کا تمام مودودی صاحب میں پایا جاتا ہے اور وہ ان سے اکثر اوقات میں ظاہر بلکہ صادر بھی ہو چکا ہے ۔

۲ : مودودی صاحب کے عقائد اور نظریات اہل السنۃ والجماعت ، سلف صالحین سے بہت ہی ہٹے ہوئے ہیں ۔ بعض عقائد میں معتزلہ اور خوارج کے ہمنوا ہو جاتے ہیں ۔ تو جیسے دوسرے فرق اہل ہوا و بدع کا حکم ہے ایسے ہی ان کا ۔ اور مودودی صاحب خود بھی اس امر کا اعتراف فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت اسلامی ایسا اسلام پیش کرتی ہے جو سلف صالحین بالفاظ مودودی قدامت پسند اور منکرین حدیث بالفاظ انکے جدت پسند کے درمیان راہ اعتدال ہے ۔ مودودی صاحب کی جماعت اب صرف سیاسی جماعت نہیں بلکہ اعتزال اور رسمی اسلام کے معجون مرکب کا نیم مذہبی اور نیم سیاسی فرقہ ہے ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو لوگ عوام المسلمین میں سے نادانستہ ان کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں اور ان میں داعیانہ اور سلف صالحین پر تنقید کی شان پیدا نہیں ہوئی ۔ ان کے ساتھ بقدر ضرورت میل جول جائز ہے تاکہ ان کو مودودیت کی حقیقت سمجھا کر صحیح اسلام پر باقی رکھا جا سکے اور جو لوگ عقائد وخیالات میں مودودیت کے اندر رنگے جا چکے ہیں اور ان کو جماعت اسلامی کی رکنیت کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے ۔ ان کے ساتھ عوام المسلمین کو اختلاط کرنا سخت مضر ہے ۔ عوام کو ایسے لوگوں سے باز رکھا جائے ۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان ۔

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

مودودی صاحب کی تالیفات مولانا مودودی نے اپنی تصنیفات میں انبیاءؑ، صحابہؓ، اولیاءؒ اور ائمہ کرام کی توہین لکھی ہے کیا اس قسم کی تمام تصنیفات کو تمام مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں، نوجوانوں کو پڑھنا چاہیے؟ یا پڑھانا چاہیے؟ یا پڑھنے کی ترغیب دینا چاہیے؟ ایسے شخص کے بارے میں اسلام نے کیا حکم دیا ہے؟

الجواب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مودودی صاحب کا بہت سا لٹریچر پڑھنے کے بعد، اور ان کی جماعت کے حالات دیکھنے کے بعد جو رائے دی ہے وہ بلفظہٖ یہ ہے۔

احقر کے نزدیک مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں۔ خواہ ان کا اجتہاد جمہور علماءِ سلف کے خلاف ہو۔ حالانکہ احقر کے نزدیک منصبِ اجتہاد کے شرائط ان میں موجود نہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تحریروں میں علماءِ سلف یہاں تک کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تنقید کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ انتہائی غلط ہے خاص طور سے خلافت و ملوکیت میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جس طرح صرف تنقید ہی نہیں بلکہ ملامت کا ہدف بھی بنایا گیا ہے وہ جمہور علمائے اہل سنت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔ نیز ان کے لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بکثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلفِ صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا۔ اور ہمارے نزدیک یہ اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا حصار ہے۔ اس سے نکل جانے کے بعد پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ بھی انسان نہایت غلط اور گمراہ کن راستوں پر پڑ سکتا ہے۔ (جواہر الفقہ، ج ۱، ص ۱۶۱)

اس میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب آگیا ہے۔

نوٹ! حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ میری آخری رائے ہے اس سلسلہ میں میری تمام سابقہ آراء اور تحریرات کو منسوخ سمجھتے ہوئے اسے حرفِ آخر سمجھا جائے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲ر۱۲ر۱۴۰۱ھ

مودودی جماعت کے بارے میں چند سوالات ۱: جماعتِ اسلامی کے امیر ابوالاعلیٰ مودودی کے عقائد علماءِ اہل السنت والجماعت کے موافق ہیں یا مخالف؟

۲: کیا اکابرِ دیوبند از اوّل تا آخر مودودی صاحب سے اختلاف کرتے چلے آرہے ہیں یا نہیں؟

۳: کیا یہ اختلاف مودودی صاحب سے اصولی ہے یا فروعی ہے؟

۴ ؛ کیا صحابۂ کرام رض معیارِ حق ہیں ؟ کیا یہ اہل السنۃ کا متفق علیہ مسئلہ ہے یا کسی نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے ؟

۵ ؛ مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں صحابۂ کرام کی حیاتِ طیبہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے صحابہ کرام کی توہین تو نہیں ہوئی ؟

۶ ؛ ایسی جماعت سے تعاون کرنا کیسا ہے ؟

؟ ؟ ؟

الجواب ۱ ؛ مودودی صاحب کے عقائد و نظریات مسلکِ اہل السنت والجماعت سے بہت ہی مختلف ہیں۔

۲ ، ۳ ؛ اکابر کا اختلاف مودودی صاحب کے ساتھ دین کی وجہ سے ہے۔ نیز یہ اختلاف اصولی ہے۔ اس بارے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی تصنیف "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی" کا مطالعہ کریں بہت مفید رسالہ ہے۔ دفتر خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے مل سکتا ہے۔ خود بھی پڑھلیں اور زیادہ تعداد میں منگوا کر مفت تقسیم کر کے خدمتِ دین میں حصہ لیں۔

۴ ؛ حدیث شریف میں ہے تفترق امتی علی ثلث وسبعون ملة کلهم فی النار الا واحدة قالوا ما هی یا رسول الله قال ما انا علیه واصحابی (رواہ الترمذی)

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل ہدایت کی شناخت میں فرمایا کہ میرا اور صحابۂ کرام رض کا جو طریق کار ہے وہی نجات کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے۔

" من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما واقلها تکلفا اختارهم الله لصحبة نبیه و لاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علی اثرهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیرهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم = رواہ رزین مشکوٰۃ ج ص ۳۲۔

اثرِ مذکور سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ دین کی معرفت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم قرآنِ پاک کی مراد اور سنتِ نبویہ کے صحیح طریقے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی اقتداء میں معلوم کریں۔ اگر ہم ان کی اقتداء نہیں کریں گے تو گمراہی کا شکار ہو جائیں گے۔

۵ : حضرت مولانا سید نورالحسن شاہ صاحب بخاری کی کتاب " عادلانہ دفاع " کا مطالعہ فرمائیں۔
۶ : جماعت اسلامی کے ساتھ ان کے مخصوص نظریات وعقائد میں کسی طرح تعاون جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ خیرالمدارس ملتان

جماعت اسلامی کا مکمل رکن بننے کے بعد اپنے فقہی مسلک پر رہنا ناممکن ہے

ایک شخص حنفی المذہب درس نظامی کا فارغ اپنے فقہی مسلک پر قائم ہے۔ جماعت اسلامی میں شریک ہوکر اقامت دین کے لیے جماعت اسلامی کے تجویز کردہ نظم کو معمول رکھتا ہے۔ کیا صرف اس بنار پر کہ وہ جماعت کا رکن یا متفق ہے اس کی نماز میں اقتدار ناجائز ہے ؟

۲ : اگر اقتدار ممنوع نہ ہو تو محض اس جرم میں کوئی شخص اس کی اقتدار کو ناجائز قرار دے کر نماز جمعہ، و عیدین علیحدہ قائم کرے تو اس کو تفریق بین المسلمین کہا جائے گا ؟

۳ : مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ کے اعتراضات اور فتوے شائع ہونے کے بعد جب کہ جماعت اسلامی کے پیش کار لوگوں نے اپنے عقائد اور خیالات کو واضح کرتے ہوئے بیانات شائع کئے ہیں۔ اندریں حالات ان کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہوئے مولانا موصوف کا فتوے بدستور درست اور واجب العمل ہوگا یا نہ ؟

الجواب جماعت اسلامی میں شریک یا رکن اور متفق کامل ہوکر رہنے کے بعد اپنے مسلک فقہی پر کاربند ہونا مشکل ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے نظر بندی سے رہائی کے بعد سرگودھا وغیرہ مقامات میں جو تقریریں کی ہیں ان میں صاف صاف اعلان کیا ہے کہ جماعت اسلامی ملک میں ایک ایسا مذہب رائج کرنا چاہتی ہے جو کہ قدامت پسندوں اور جدت پسندوں کے درمیان راہِ اعتدال ہو۔

قدامت پسندوں میں وہ علمار بتلاتے ہیں جو " درمختار اور کتب فقہ " پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات غلط اور دھوکہ ہے کہ کوئی اپنے مسلک فقہی پر قائم رہ کر جماعت اسلامی کے تجویز کردہ آئین کو اپنا معمول بنا سکتا ہے جماعت اسلامی کا شائع کردہ لٹریچر واضح طور پر بتارہا ہے کہ تقلید ائمہ گمراہی ہے اور فقہ حنفی کے مسائل

غلط ہیں۔ لہذا کچھ علماء یا عوام مسلمان اس مودودی مولوی کو الگ کریں تو تفریق بین المسلمین کے مرتکب مودودی صاحب ہوں گے نہ کہ عوام المسلمین۔

جماعت اسلامی نے اپنے نظریات اور عقائد سے بالکل رجوع نہیں کیا۔ لعان، تفریق بین الزوجین وغیرہ مسائل اختلافیہ میں کہاں رجوع کیا ہے۔ لہذا حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ صحیح ہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان شہر

جماعت اسلامی کے بارے میں چار سوال

۱ : مودودی جماعت کی حیثیت کیا ہے ؟

۲ : ان سے میل جول رکھنا کیسا ہے ؟

۳ : ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

۴ : ان کو جماعت اسلامی کہا جا سکتا ہے ؟

الجواب مودودی صاحب کے عقائد و نظریات مسلک اہل السنۃ والجماعۃ اور سلف صالحین سے بہت ہی مختلف ہیں۔ بعض عقائد میں معتزلہ اور خوارج کے ہمنوا ہو جاتے ہیں جو حکم اہل ہویٰ و بدع کا ہے وہی ان کا ہے۔

۲ : جو لوگ عوام المسلمین سے نادانستہ ان کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں اور ابھی تک جماعت اسلامی کی رکنیت کا سرٹیفکیٹ ان کو نہیں ملا، اور ان میں داعیانہ اور سلف صالحین پر تنقید کی شان پیدا نہیں ہوئی ان کے ساتھ بقدر ضرورت میل جول جائز ہے تاکہ ان کو مودودیت کی حقیقت سمجھا کر صحیح اسلام پر باقی رکھا جا سکے۔ اور جن کے عقائد و خیالات میں مودودیت رچ چکی ہے ان کے ساتھ عامۃ المسلمین کو اختلاط سخت مضر ہے۔ عوام کو ایسے لوگوں سے باز رکھا جانے۔

۳ : وہ ائمہ جو مودودیت کے داعی ہیں اور بزرگان سلف صالحین اور اکابر علماء پر تنقید کرتے ہیں ساتھ ساتھ مودودیت کی تبلیغ بھی کرتے ہیں ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور جو اس قسم کے نہ ہوں ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔

۴ : اگر اسلام سے مراد وہ اسلام لیا جائے جسے جمہور امت نے پیش کیا ہے تو اثبات میں جواب مشکل ہے۔

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۷/۱۱/۱۳۹۶ھ

عصرِ حاضر کی تحریکات میں شرکت کیلئے ایک اصول

ایک آدمی مسجدِ نور کی تحریک میں حصہ لیتا ہے اور قبل از فیصلہ ضمانت پر رہا ہو کر آجاتا ہے

کیا اس کا یہ فعل ماں بہن کے ساتھ زنا کے مترادف ہے ؟

۲ : اگر کوئی آدمی غصہ میں اکابرِ جمعیۃ کو گالیاں دیتا ہے تو کیا اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جاسکتا ہے ؟

۳ : کیا مسجد نور کی تحریک میں حصہ لینے والے اور قبل از فیصلہ ضمانت کرانے والے جہاد کے منکر ہیں ؟

۴ : کیا اس تحریک سے از خود ضمانت کرالینا اسلام کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کے مترادف ہے ؟

۵ : کیا اس دور میں صرف دیو بندیت اسلام کا نام ہے ؟ سید عبدالواحد بخاری گوجرانوالہ

الجواب ۱ ، ۲ ، ۳ : مسجد نور کی تحریک کے سلسلہ میں ہمیں تحقیقی و تفصیلی علم نہیں ہے لہذا تحقیق و تفصیل کے ساتھ جواب دینے سے معذور ہیں ۔ بطورِ ضابطہ اور قاعدہ کلیہ کے ایک اصول یاد رکھیں کہ جب بھی کوئی فرد یا جماعت مخلصانہ طور پر دین کے لئے کوئی تحریک برپا کرے تو تمام مسلمانوں کا قومی و ملی فریضہ ہے کہ اس کے ساتھ تعاون کریں ۔ لقولہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی الآیۃ

کسی تحریک میں شرکت کے بعد پاؤں پیچھے ہٹا لینا یہ تحریک کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے ۔ اس سے دوسروں کے حوصلے بھی پست ہوتے ہیں اور تحریک جتنی اہم ہوگی اس میں شرکت کے بعد پیچھے ہٹنا اتنا ہی زیادہ جرم ہے ۔

۴ : گالی دینا کسی بھی مسلمان کو جائز نہیں ۔ مگر اس سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا ۔ لقولہ علیہ السلام سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر ۔

۵ : تجربہ و تحقیق شاہد ہے کہ اہل دیو بند نے جو کچھ کیا وہ خلوص پر مبنی تھا اور ہمیشہ صحیح اسلام کی ترجمانی کی ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ ۲۵ / ۱۱ / ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بریلویوں سے مراسم رکھنے کا حکم

ہمارے کچھ رشتہ دار بریلوی ہو گئے ہیں کبھی خیال آتا ہے کہ دینی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ ان کے ساتھ بالکل تعلقات نہ رکھے جائیں ۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ صلہ رحمی ضرور کی جائے ۔ جو صحیح حکم ہو اس سے آگاہ فرمائیں ۔

الجواب بریلوی رشتہ داروں کے ساتھ میل جول اور آمد و رفت میں عقائد خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو تعلقات رکھنے جائز ہیں ۔ بلکہ کسی حد تک ضروری ہیں ۔ اگر اس صلہ رحمی سے ان کے راہِ راست پر آنے کی توقع ہو تو اسے ہرگز ترک نہ کیا جائے ۔ وعن اسماء بنت ابی بکر قال قدمت

علی امی وھی مشرکۃ فی عہد قریش فقلت یارسول اللہ ان امی قدمت علی وھی راغبۃ افاصلھا قال نعم صلیھا اھ متفق علیہ (مشکوۃ ص۴۱۹) ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲ /۲ /۱۴۰۰ھ

ایک دینی جماعت کے بارے میں بے ادبی کے کلمات

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حقارت کی بنا پر کہتا ہے کہ "اشاعت التوحید والسنۃ" کو اپنے خصیتین پر لکھنا نہیں چاہتا۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت محمدی کا کیا فیصلہ ہے۔

الجواب شخص مذکور نے سخت بے ادبی کا کلمہ کہا ہے واجب التأدیب ہے۔ نیز توبہ و استغفار کثرت سے اس پر لازم ہے۔ اور مفصل حکم قائل کی تعبیر بتانے کے بعد معلوم کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم ؛ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ؛ محمد صدیق غفرلہٗ مدرس مدرسہ خیر المدارس ملتان ۔ ۳۰ /۴ /۱۳۹۸ھ

وجوب تقلید ائمہ ، تقلید کے بارے میں بحث

سچ پوچھو تو مولانا مفتی صاحب بندہ کے ذہن میں یہ خلش ہمیشہ رہی کہ بہت سے علماء حنفی مقلدین دوست حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تقلید کو فرض بتاتے ہیں۔ اور علماء اہل حدیث حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سمیت ائمہ کی تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اتنا بڑا فرق کیوں ہے۔ اسی خلش و تذبذب کو دور کرنے کی خاطر بندہ نے آپ کی خدمت میں رجوع کیا تھا۔ جیسا کہ آپ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کے جواب آنے پر بہت سے دلائل مل سکتے ہیں۔ اسی لئے بندہ آپ کی خدمت میں مختصر طور پہ وہی سوال دھرا رہا ہے۔

۱ ، شرعی طور پہ تقلید شخصی کا مفہوم سمجھائیں اس کا کیا مقام ہے ؟

محترم مولانا مفتی صاحب بندہ کو سمجھانے کے لئے قرآن پاک سے کوئی ایک آیت کریمہ یا احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایک حدیث بطور دلیل پیش کر کے سمجھائیں تو بندہ اس پر غور و فکر کر کے سمجھنے کی ضرور کوشش کرے گا۔ انشاء اللہ.....

الجواب کسی جاہل شخص کو ایک صورت درپیش ہے۔ لیکن اس کا حکم معلوم نہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز لازمی طور پر اسے کسی عالم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جس سے حکم معلوم کیا جا سکے۔ رجوع کرنے

سے پہلے یہ شخص ضرور یہ سوچے گا کہ میں ایسے عالم سے مسئلہ دریافت کروں جو شریعت کے علم میں کامل ہو۔ اور حق جل شانہ سے ڈرنے والا یعنی متقی و پرہیز گار ہو۔ کیوں کہ اگر عالم علم میں کامل نہیں تو جاہل سے کیا جواب بن سکے گا۔ اور اگر متقی و پرہیز گار نہیں تو کسی وجہ سے غلط بیانی کا احتمال ہے۔ جب کامل علم رکھنے والا، متقی و پرہیز گار عالم مل جائے تو اس سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ اگر ایک عالم پر کسی کا اعتقاد پختہ ہو گیا ہے اور اس سے مسئلہ دریافت کرتا ہے تو تقلید شخصی ہے۔ اور متعدد سے پوچھتا ہے تو تقلید غیر شخصی ہے۔ اور ناواقف کا عالم سے دریافت کا حکم قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔

قال اللہ تعالی " فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون "۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ وفی الآیۃ دلالۃ علی وجوب المراجعۃ الی العلماء فیما لا یعلم اھ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "انما شفاء العی السوال" یہ حقیقت بھی ذہن میں رہے کہ سائل معلوم یہی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس صورت کا کیا حکم ہے۔ عالم کی مرضی دریافت نہیں کرتا۔

پس دلائل بالا سے تقلید کی ضرورت عوام کے لئے ثابت ہو گئی۔ اگر کوئی کہے کہ عالم سے دلائل مسئلہ بھی پوچھ لے تاکہ تقلید سے نکل جائے۔ تو جواب یہ ہے کہ اولاً سوال دلیل کی فرضیت کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا جائے کہ جاہل کا عالم سے بغیر دلیل طلب کئے مسئلہ پوچھنا حرام ہے۔ اور ثانیاً یہ ہے کہ اگر جاہل دلیل پوچھے بھی، تو بھی اسے عالم کے قول پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں۔ دلیل کے دلیل بننے تک جاہل کو چھ امور میں عالم کی تقلید کرنا پڑے گی۔

۱ : یہ آیت یا حدیث واقعی آیت یا حدیث ہے۔ خود جاہل یہ بھی نہیں جان سکتا۔

۲ : اس کے ترجمے اور مطلب میں بھی تقلید کرنا ہو گی۔ اپنے جہل سے عامی شخص صحیح و غلط ترجمے میں بھی تمیز نہیں کر سکتا۔

۳ : یہ حدیث یا آیت منسوخ نہیں۔

۴ : یہ دوسری دلیل سے معارض نہیں۔

۵ : یہ حدیث صحیح ہے، ضعیف یا موضوع نہیں۔

۶ : قرآن و حدیث کے پورے ذخیرے میں اس سے راجح یا قوی کوئی دلیل موجود نہیں وغیر ذالک۔

ایک مسئلہ میں تقلید سے بھاگے تو چھ مقامات پر تقلید کرنا پڑ گئی۔ فمن المطر وقام تحت المیزاب کی مثل اس پر صادق ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جو لوگ عوام کو تقلید سے منع کرتے ہیں،

وہ ائمہ کی تقلید ترک کرا کر اپنی تقلید کراتے ہیں۔ عامی کو تقلید سے چارہ نہیں خواہ ائمہ کی کرے یا آج کل کے ناقص العلم لا یچی مولوی کی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۳۰/۱/۱۴۰۱ھ

اس دور میں تقلید ضروری ہے تقلید اور عدم تقلید کی بحث ایک عرصہ سے چل رہی ہے۔ آپ برائے مہربانی ادلۂ شرعیہ سے ثابت فرمائیں کہ تقلید کیوں ضروری ہے۔

الجواب جو شخص مرتبۂ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو اس پر کسی عالم مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے۔ لقوله تعالى فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون الآية اور احادیث بھی اس بارہ میں بکثرت وارد ہیں اور اس کا نام تقلید مطلق ہے۔ ایک معین امام کی تقلید کی جائے اور تمام مسائل میں اسی سے رجوع کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس وقت جو مل جائے اس سے پوچھ کر عمل کر لیا جائے۔ چونکہ اس دور میں ہوائے نفسانیہ کا غلبہ ہے اس لئے جمہور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تقلید کی پہلی صورت کو اختیار کیا جائے۔ ع یک در گیر و محکم گیر۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۹/۱۳۹۶ھ

غیر مقلدین سے اختلاط کا حکم ایسا غیر مقلد جو فقہ حنفی کو رگڑم بگڑم کا مجموعہ بتلائے اور ائمہ اربعہ کے متعلق یہ کہے کہ ممکن ہے وہ احادیث جو آج ہم کو پہنچی ہیں ائمہ اربعہ کو نہ پہنچی ہوں۔ اور اپنی رائے کو ائمہ اربعہ سے صائب سمجھے۔ اپنی تقریروں میں لوگوں کو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں احادیث بیان کر کے یہ کہے کہ دیکھو امام اعظم نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فیصلہ کیا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور تعلیم و تعلم کا باقی رکھنا اور اس کی تقریروں میں عوام کا جانا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں ؟

عبدالحمید لدھیانوی خادم مدرسہ تعلیم القرآن ام المدارس لائل پور

الجواب ایسا غیر مقلد جو مختلف فیہ مسائل میں مذہب حنفیہ کی رعایت کرتا ہو مثلاً وہ مسائل جن میں حنفیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے یا پانی کی طہارت و نجاست میں ائمہ مذاہب کی رعایت کرتا ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ غیر مقلدوں کی صحبت انسان کے اندر گستاخی اور لاپرواہی، سلف صالحین پر نکتہ چینی کا مزاج پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے ان کی صحبت اور ان کے ہاں آنے جانے سے عوام کو احتراز اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۔ ۲۴ محرم ۱۳۷۲ھ

اختلافِ ائمہ کی شرعی حیثیت

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین۔ اس مسئلہ کے بارے میں

۱ : ائمہ کرام کے پاس قرآن وسنت موجود تھے پھر مسائل کے اندر اختلاف کیوں ہے ؟

۲ : غیر مقلد کب سے پیدا ہوئے ان کی بنیاد کس نے رکھی اور عرب میں انکی اکثریت کیوں ہے ؟

سائل : شاکر ، مدرسہ عربیہ جامعہ مدنیہ حسینیہ
تحصیل کوٹ ادو ، ضلع مظفر گڑھ ۔

الجواب ۱ : جب دلائل میں (قرآن وحدیث) میں اختلاف موجود ہے تو مسائل میں اختلاف لازمی ہے۔ اِلّا یہ کہ ایک امام کا اتباع کرلیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ائمہ متبوعین میں اختلاف کبھی اَدِلّہ میں اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً استقبال واستدبار قبلہ عند قضاء حاجت میں احادیث میں اختلاف ہے۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں ہے۔ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ بغائط ولا ببول ولکن شرقوا او غربوا (الحدیث)

حدیثِ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں ہے۔ فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لبنتین مستقبل بیت المقدس لحاجتہ (ابوداؤد) اس سے استدبار قبلہ اور استقبال بیت المقدس کی ممانعت ظاہر ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلتین ببول او غائط (ابوداؤد شریف) اور بعض احادیث میں صرف استقبالِ قبلہ کی ممانعت ہے۔ استدبار کی نہیں۔ کما فی حدیث ابی ایوب مرفوعاً عند ابی داؤد وغیرہ اور حدیثِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہی استقبال کا منسوخ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لفظہ ، نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ ببول فرأیتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلھا (ابوداؤد شریف) یہ صرف ابوداؤد شریف کے ایک باب کی احادیث کا بیان تھا۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ تقریباً ہر باب میں فی الجملہ اختلاف موجود ہے۔ اور حضراتِ ائمہ قواعد شرعیہ اور فہم خداداد کی روشنی میں ان احادیث میں تعمیم وتطبیق وترجیح ونسخ کا قول کرتے ہیں۔

مسئلہ بالا میں بعض ائمہ نے حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر عمل کیا کہ استقبال واستدبار قبلہ عند الحاجت صحراء میں ہو یا آبادی میں ، مطلقاً ممنوع ہے۔ اور بعض احادیث کے جوابات دیئے اور بعض

نے بنیان وصحرا میں فرق کیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخصیص وتقیید کو معتبر جانا۔ اور دیگر بعض ائمہ نے استدبار کو جائز رکھا۔ لحدیث ابن عمر ولحدیث ابی ایوب۔

اور بعض حضرات نے حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کیا۔ اور باقی تمام احادیث واردہ فی الباب کو منسوخ قرار دیا۔ اسی طرح تمام ابواب احادیث میں سمجھئے۔

ایک اور سنئے! مکہ مکرمہ میں تین ائمہ (ابوحنیفہ رحؒ، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ وغیرہم) تشریف لے گئے۔ ایک سائل نے ایک امام سے پوچھا کہ بیع میں شرط جائز ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ ناجائز ہے شرط بھی اور بیع بھی۔ دوسرے سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ بیع صحیح اور شرط باطل ہے۔ تیسرے سے پوچھا اس نے کہا کہ بیع جائز اور شرط بھی جائز۔ اس پر سائل نے سارا قصہ اختلاف سنایا کہ آپ یوں کہتے ہیں، فلاں یوں کہتا ہے۔

ایک امام صاحب نے کہا کہ ان کا مجھے علم نہیں۔ میری دلیل حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اونٹ خریدا اور مدینہ تک سواری کی شرط منظور فرمائی۔

دوسرے امام نے فرمایا کہ میری دلیل حدیث بریرہ رضؓ ہے کہ ان کی خرید میں شرط ولاء کو باطل اور بیع کو صحیح قرار دیا گیا تھا۔

اور امام ابوحنیفہ رحؒ نے کہا کہ میری دلیل یہ حدیث ہے نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرطٍ۔

یہ تو ائمہ حدیث وفقہ کا احسانِ عظیم ہے کہ ہر باب کی مختلف احادیث میں ایک واضح فیصلہ فرما گئے اور امت کو گمراہی سے بچا لیا۔ پرویزی ٹولہ ان اختلاف کو دیکھ کر اپنا ایمان کھو بیٹھا ہے۔ بہرحال کبھی اختلاف مسائل اختلاف دلائل سے ناشی ہوتا ہے اور کبھی ایک دلیل مختلف معانی کی محتمل ہوتی ہے۔ مجتہد اپنے نورِ بصیرت سے دیگر نصوص ودلائل کی روشنی میں اس کے ایک معنی کو ترجیح دیتا ہے۔ اور دوسرا دوسرے معنی کو۔ اور کبھی نص کا معنی ظاہر ہوتا ہے لیکن کسی دوسری دلیل (قرآن وحدیث وغیرہ) سے اس کا تعارض ہوتا ہے۔ دفع تعارض کے لئے حقیقی اور ظاہری معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی لیا جاتا ہے۔ اور بعض اس نص کو ظاہر پر رکھتے ہیں۔

لہ محلی ابن حزم میں ہے۔ حدثنا عبد الوارث هو ابن سعيد قدمت مكة فوجدت بها اباحنيفة وابن ابى ليلى وابن شبرمة وكذا نقل ابن همام عن معجم الطبرانى۔ ج ۸ ص ۴۱۵۔ وكذا فى العارضة لابن العربى۔

محمد انور عفا اللہ عنہ، دار الافتاء خیر المدارس ملتان۔ ۲۶؍۱۰؍۱۴۰۰ھ

ایسا اختلاف فہم حدیث اور استنباطِ مسئلہ کے بارے میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے اندر بھی موجود تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کیطرف لشکر روانہ کیا۔ اور فرمایا۔ لا یصلین احدکم العصر الا فی بنی قریظۃ ۔ جب عصر کا وقت بہت تھوڑا رہ گیا تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم میں اختلاف ہوا کہ بعض نے ظاہری معنیٰ پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ راستہ میں نمازِ عصر نہیں پڑھیں گے گو قضا ہو جائے اور بعض نے کہا کہ فرمان نبوی ص سے تعجیل مقصود ہے کہ جلد پہنچو۔ قضا کی اجازت دینا نہیں۔ کیوں کہ یہ قرآنِ کریم کے خلاف ہے۔ ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا ۔ پس انہوں نے نمازِ عصر راستہ میں پڑھ لی۔ جب بارگاہِ رسالت میں معاملہ پیش ہوا تو آپؐ نے فریقین کی تصویب فرمائی۔ اور بھی سینکڑوں مسائل میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف موجود تھا بلکہ اکابر صحابہؓ وخلفاء راشدین تک یہ اختلافِ مسائل موجود رہا۔ حالانکہ وہ شاہدانِ نزول وحی تھے۔ صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار وبرکات سے فیض یافتہ تھے۔ جب ان کا اختلافِ مسائل گمراہی نہیں لقولہ علیہ السلام اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم تو حضرات ائمہ متبوعین جو بالکل ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں ان کا اختلاف کیوں کر باعثِ اختلاف ہو سکتا ہے؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن وحدیث نہ تھا؟ کیا ان کو قرآن وحدیث کا علم نہ تھا (العیاذ باللہ) کیا وہ دین کے بارے میں مخلص نہ تھے؟

اختلافِ دلائل وغیرہ اسبابِ اختلاف کی موجودگی میں تقلیل اختلاف کا ایک ہی راستہ ہے کہ ائمہ متبوعین میں سے کسی ایک کا اتباع کر لیا جائے۔ کہ قرآن وحدیث سے سمجھ کر جو وہ مسئلہ بتائیں اس پر عمل کر لیا جائے۔ ایسا نہ کرنا اختلاف در اختلاف پیدا کرے گا۔

غیر مقلدین کے جتنے عالم "مجتہد" بنتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ شدید اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً "بعض نے چار نکاح کو جائز رکھا اور بعض نے نو کو، اور بعض نے اٹھارہ کو۔"

"بعض نے کہا کہ پانی کے قریب پیشاب کرنا منع ہے کہ پانی ناپاک ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ پیالہ میں پیشاب کر کے اگر پانی میں ڈال دیا تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔

قرآن وحدیث کی موجودگی میں غیر مقلدین کے اندر شدید اختلاف موجود ہے جن میں سے اکثر جہل سے ناشی ہیں۔ جب بقول ان کے یہ مضر نہیں۔ تو حضراتِ صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور ائمہ متبوعین کے علمی اختلاف کیوں کر قابلِ اعتراض ہو سکتے ہیں؟ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

اہل کتاب کا حکم اخروی ۱: اہل کتاب کی تعریف کیا ہے ۔ ۲۔ اہل کتاب کافر ہیں یا نہیں ۔۳۔ کیا یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ؟ ۴۔ اعراف میں کون لوگ ہوں گے ؟۔

عبدالحمید آزاد مصری شاہ لاہور

الجواب ۱: اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کی اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی ہونا اور وحیٔ الٰہی ہونا نصوص قرآنی وسنت سے ثابت ہو۔

۲: اللہ رب العزت نے بندوں کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ کل اٰمن باللّٰہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ (البقرہ) ان الذین یکفرون باللّٰہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ۔ ان آیات سے تین باتیں معلوم ہوئیں ۔

۱: تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے ۔

۲: جو لوگ بعض پر ایمان لاویں بعض پر نہ لاویں وہ کافر ہیں ۔

۳: اور کافر کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے ۔

پس عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ۔ اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر ہیں ۔ اور دوسرے مقام پر بالتخصیص بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم تو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل ایمان بالقرآن کے مامور ہیں اور ایمان نہ لانے کی صورت میں کافر ہیں ۔ اور کافر کی سزا جہنم ہے ۔ ومن یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ قرآن کریم اور کتب سابقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تھی ، جیسا کہ سورۂ صف میں ہے ومبشرا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد ۔ لہٰذا آپ پر ایمان لانا توریت وانجیل کی تعلیم کے مطابق بھی ضروری ہے ۔

۳: اگر ایمان نہ لاویں تو کافر ہیں اور ان کی سزا جہنم ہے اور یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۔

۴: اعراف میں وہ لوگ ہوں گے جن کی حسنات وسیئات میزان میں برابر ہوں گی ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور خادم دارالافتاء خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۴/۲/۱۳۹۹ھ

مَا يَتَعَلَّقُ بِالتَّارِيخ

سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی گئی کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ سب سے پہلے اللہ پاک نے کون سی چیز پیدا کی تھی؟ جب کہ بدعتی حضرات کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے حضور علیہ السلام کے نور کو پیدا کیا تھا کیا یہ واقعی درست ہے؟ کہ اللہ پاک نے تمام مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل نبی علیہ السلام کے نور کو پیدا فرمایا۔ جواب قرآن وحدیث سے عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

الجواب ملا علی قاری رحمہ مرقات، ج ۱، ص ۱۶۷۔ میں فرماتے ہیں کہ ان امور میں اولیت اضافی ہے یعنی انوار میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا گیا۔

فیؤول ان کل واحد مما ذکرخلق قبل ما ھو من جنسہ فالقلم قبل جنس الاقلام ونورہ قبل الانوار اھ

علامہ موصوف رحمہ کی ایک عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نور میں اوّلیت حقیقی ہے یعنی مخلوقات میں سب سے پہلے آنحضرت علیہ السلام کے نور ہی کو پیدا کیا گیا۔ والاول الحقیقی ھو النور المحمدی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) (مرقات، ج ۱، ص ۱۶۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۸/۹۶ ۱۴ھ

حضرت آدم علیہ السلام کہاں مدفون ہیں حضرت آدم علیہ السلام کا مزار مبارک کس جگہ واقع ہے؟

الجواب ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ ص ۱۰۸ ج اوّل، میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں غارِ ابی قبیس میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد آذر تھا یا تارخ امام صاحب جمعہ کے خطبے میں کہہ رہے تھے کہ اگر ہم آذر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ مان لیں تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرق آتا ہے۔ آپ کے باپ کا نام تارخ تھا۔ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ حالانکہ حضرت تھانوی اور شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ترجمہ میں بھی باپ کا لفظ ذکر ہے۔ آپ تعیین فرمائیں کہ آذر باپ تھا یا چچا؟

الجواب قرآن مجید سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی کا نام یا لقب آذر تھا۔ قال اللہ تعالیٰ واذ قال ابراھیم لابیہ آذر اھ قال السیوطی فی تفسیرہ ھو لقبہ واسمہ تارخ ۔ یا اس کے برعکس کما فی التاریخ الکبیر للبخاری امام بخاری رحؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ آذر اور تارخ ایک ہی شخصیت کے نام اور لقب ہیں ۔ اور اس سے شانِ نبوی میں فرق آنا غلط ہے ۔ علامہ صاوی رحؒ فرماتے ہیں ۔

ولا یضر کفر اصول الانبیاء فان اللہ یخرج الحی من المیت او یقال ان آذر لم یتحقق کفرہ الا بعد بعثۃ ابراھیم وحینئذ فقد انتقل منہ النور المحمدی الی ولدہ وھو فی حالۃ الفترۃ اھ

بہرحال مولوی صاحب کا اصرار بھی درست نہیں اور آپ بھی تشدد نہ کریں کیوں کہ دوسرا قول بعض مفسرین نے چچا ہونے کا بھی نقل کیا ہے ۔ وقیل ھو عمہ واسم ابیہ تارخ اھ (صاوی)۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲۴ / ۴ / ۱۳۹۰ھ

آذر کے مسخ کئے جانے پر ایک سوال کا جواب

مکرم و معظم جناب مولانا مولوی خیر محمد صاحب السلام علیکم بعد دعاء فلاح دارین معروض ہوں کہ قرآن شریف میں پارہ ۱۱ ۔ یعتذرون : سورۃ توبہ ۱۴/۸/۳۲ ۔ یعنی عکسی قرآن مجید مترجم و محشی از حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور (یو ۔ پی ۔ انڈیا) میں صفحہ ۲۶۵ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بطور وعدہ اپنے باپ کے لئے بخشش مانگنا تحریر ہے ۔ جب اللہ پاک نے مشرک کے لئے دعا مانگنے سے منع کیا تو آپ نے تعمیل کرلی تفسیر ص ۲۶۶ ۔ حاشیہ نمبر ۴ ۔ پر تحریر ہے ۔ کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء سے بروز قیامت درندہ کی شکل میں جہنم میں داخل کیا جائے گا ۔ تفسیر میں لفظ حدیث کا آتا ہے کہ حدیث میں درج ہے ۔ امید ہے کہ آپ اس قرآن شریف کی عبارت عربی و تفسیر اردو کا مطالعہ فرماتے ہوئے اصل مطلب کو سمجھ لیں گے ۔ تصفیہ طلب بات یہ ہے کہ آذر کا قرآن پاک میں مشرک ہونا صاف ظاہر ہے ۔ اور ابتداء سے لیکر قیامت تک مشرک کے نام سے رسوا ہوتا رہے گا ۔ اللہ پاک کا صورت مسخ کر کے ، پھر جہنم میں داخل کرنے میں کیا راز پنہاں ہے ۔ قرآن میں انسان اور جن کا داخلہ جہنم میں لکھا ہے ۔ درندہ، پرندہ وغیرہ کا کہیں مطالعہ میں نہیں گزرا ۔ پھر قرآن میں یہ بھی تحریر ہے کہ جب کوئی جنتی کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے گا تو اللہ پاک دکھلا دیگا

سبب اصل صورت ہی نہ ہوگی تو شناخت کیسے ہوگی۔ تفسیر لکھنے والے حضرات بھی بڑے پایہ کے مشہور بزرگ ہیں۔

القصہ ایک فریق یہ کہتا ہے کہ شاید یہ اہلِ کتاب سے ماخوذ کیا گیا ہو۔ اور بزرگانِ دین سے غور و خوض سے رہ گیا ہو۔ اور یہ قرآن پاک کی نص کے خلاف ہے۔

دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو حاشیہ نمبر ۲ پر آیت کی تفسیر میں تحریر ہے درست ہے لہٰذا عرض ہے کہ آپ بعد چھان بین کے مفصل طور پر اصل معاملہ پر روشنی ڈالیں اور مطلع فرمائیں۔ فقط۔

الجواب فریق ثانی حق پر ہے اور فریق اوّل غلطی پر۔ فریق اوّل کے شبہات کا جواب یہ ہے۔

۱۔ صورت کے مسخ کرنے کی حکمت تفسیر میں خود موجود ہے تاکہ ان کی شناخت نہ ہو سکے اور کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ دیکھو وہ ابراہیم علیہ السلام کا والد ہے اور دوزخ میں جل رہا ہے۔ اگرچہ اس طرح جلنے میں قصور والدِ ابراہیم کا اپنا ہے کہ وہ کفر کی سزا میں جل رہا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ایسی ہے جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رسوائی اور ندامت محسوس ہوگی۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں درخواست فرمائیں گے اور انکی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا جائے گا اور والدِ ابراہیمؑ کی شکل کو مسخ کر کے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ جس کی وجہ سے والدِ ابراہیمؑ اپنے کفر و شرک کی وجہ سے کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسوائی بھی نہ ہوگی۔

یہ حدیث واضح ہے اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ معترض کا یہ شبہ کرنا کہ دوزخ میں جن و انس داخل ہوں گے لیکن ان کی شکل کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس تبدیلیٔ شکل سے یہ کیسے سمجھا گیا کہ عام درندے یا پرندے دوزخ میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ تو ایسا ہے کہ جیسا بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو بندر بنا دیا گیا یعنی ان کو بندر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ تو کیا وہ حقیقۃً بندر ہو گئے تھے۔ اگر وہ حقیقۃً بندر ہو گئے تھے تو ان کو عذاب کیا ہوا، کیا دنیا بھر کے بندر عذاب کو محسوس کرتے ہیں؟ عذاب اس صورت میں ہے کہ انسانی حواس اور شعور کے ہوتے ہوئے شکل تبدیل ہو جائے۔ اور مسخ ہونے والا محسوس کرے کہ میں انسان تھا اب میں ذلیل بندر ہو گیا ہوں۔ اسی طرح والدِ ابراہیم کی صورت ہوگی کہ وہ انسانی حواس اور شعور کو رکھتے ہوئے کفتار کی شکل میں تبدیل ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقتاً کفتار بن کر انسانی حواس اور شعور سے بھی خالی ہو جائیں گے۔

بہرحال یہ صرف شکل کی تبدیلی ہے نہ کہ پوری ماہیت انسانی کی۔ جیسا کہ دودھ گلاس کے اندر رکھا ہو تو اس کی شکل مکعب ہوتی ہے اور پیالہ میں رکھو تو پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن دودھ رہتا دودھ ہی ہے یہ نہیں کہ شربت بن جائے۔ افسوس ہے لوگ کم علمی اور ناواقفیت کی بنا پر احادیثِ نبوی کا جلد انکار شروع

کر دیتے ہیں ۔

فریق اوّل کا دوسرا اعتراض کہ جب کوئی جنتی کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے گا تو اللہ تعالےٰ اسے دوزخی کی شکل دکھا دیں گے ۔ حدیث اس کے مخالف بھی نہیں ہے ۔ اس لئے کہ قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ہر جنتی ہر دوزخی کو دیکھنے کا مطالبہ کرے گا ۔ جنتی اپنے اس آرام و راحت میں جو ان کو جنت میں حاصل ہو گا مست اور خوش ہوں گے کبھی کبھار ان کا جی چاہے گا کہ ہم اپنے ان کافر پڑوسیوں کو دیکھیں جو دنیا میں ہمارے ساتھ رہتے تھے تو اللہ تعالےٰ دکھا دیں گے ۔

اس میں یہ کہاں موجود ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی کو دیکھنے کا مطالبہ کریں گے ۔ کیا دوزخ میں ابراہیم علیہ السلام کے والد کے سوا اور دوزخی کچھ کم ہوں گے ؟ اور اگر بالفرض وہ والدِ ابراہیمؑ ہی کو دیکھنے کا مطالبہ کریں تو کیا اللہ تعالےٰ کی قدرت کے آگے یہ امر محال ہے کہ وہ ان کو یعنی بہشتی حضرات کو اصل صورت میں دکھا دیں ۔ ایسے فضول شبہات کی بھی کوئی حقیقت ہے کہ ہم ان کی وجہ سے حدیثِ نبوی کی تکذیب کر دیں ؟ آج کل بہت سے تعلیم یافتہ احادیث کے متعلق شبہات میں مبتلا ہیں ۔ یہ ہر سہ شبہات بادر ہوا ہیں جیسا کہ ہم نے وضاحت کر دی ہے ۔ حدیث پر کوئی شبہ اور اعتراض وارد نہیں ہوتا ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ

خادم دارالافتاء خیرالمدارس ملتان ۔ ۱۴ ر ۱۲ ر ۲ ر ۱۳۷۷ھ

مقتول انبیاءِ بنی اسرائیل کی تعداد وغیرہ

۱ : بنی اسرائیل میں کم و بیش کتنے نبی ہوئے ہیں ۔
۲ : بنی اسرائیل نے کتنے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا ؟
۳ : کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام علیہم السلام میں سے کوئی بھی شہید نہیں ہوا ؟
۴ : کیا حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑے نہیں پیدا ہوئے تھے ؟
۵ : کیا زکریا علیہ السلام کی شہادت کا قصہ غلط ہے ؟
۶ : کیا وقتلہم الانبیاء بغیر حق میں قتل کا معنی مارنے کا ارادہ ہے یا کہ قتل کر دینا ؟

الجواب
۱ : بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی تعداد سینکڑوں سے بھی زیادہ ہے ۔
۲ ۔ ۳ : حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے کم از کم تین سو انبیاء علیہم السلام کا یہودیوں یعنی بنی اسرائیل وغیرہ کے ہاتھوں مقتول ہونا معلوم ہوتا ہے ۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قتلت بنو اسرائیل ثلاث مائۃ نبی (ابن کثیر : ج ۱ : ص ۳۵۵) ۔

۴ : حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیماری و تکلیف میں مبتلا ہو گئے تھے اور بدن میں کیڑے پڑنا بھی

منقول ہے۔ اس ابتلاء کا اجمالی تذکرہ قرآن مجید سورۃ صٓ میں موجود ہے۔
۵ : حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا تھا۔ یہ قصہ غلط نہیں بلکہ درست ہے۔
۶ : وقتلہم الانبیاء بغیر حق سے مراد محض ارادۂ قتل نہیں بلکہ حقیقۃً قتل کرنا ہے۔ تاویل کی حاجت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم ادارہ ہذا ۲۴ / ۸ / ۱۳۸۹ھ

زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا یا نہیں

۱ : بی بی زلیخا مومنہ تھیں یا کافرہ ؟
۲ : بی بی زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا ہے یا نہیں ؟ کسی مستند روایت میں ان کا کفر پر انتقال مذکور ہے یا نہیں۔

الجواب ۱ : کسی مستند روایت میں ان کا کفر پر انتقال مذکور نہیں ہے۔
۲ : تفسیر کبیر ، ج ۵ ، ص ۱۴۲ ؛ درمنثور ، بیان القرآن ، پ ۱۳ ، ص ۸۵۔ امداد الفتاوی ، ج ۴ ، ص ۷۷ ، سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح ہوا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۷/۱۴۰۲ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد کرام کی تفصیل

۱ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک کتنے تھے ؟ اور نام کیا کیا تھے ؟
۲ : آپ کے لڑکے اور لڑکیاں کتنی تھیں اور نام کیا کیا تھے ؟
۳ : کن کن حرم پاک سے تھے۔ کیا چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے یا کہ شادیاں بھی ہوئیں تھیں ؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں گیارہ عورتیں آئی تھیں۔ جن میں سے دو ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضؓ آپ کے روبرو انتقال کر گئیں۔ اور ان کے نام یہ تھے۔

۱ : حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ ــــ ۲ : حضرت زینب بنت خزیمہ رضؓ ــــ ۳ : حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ
۴ : حضرت حفصہ رضؓ ــــ ۵ : حضرت ام سلمہ رضؓ ــــ ۶ : حضرت زینب بنت جحش رضؓ
۷ : حضرت ام حبیبہ رضؓ ــــ ۸ : حضرت جویریہ رضؓ ــــ ۹ : حضرت میمونہ رضؓ
۱۰ : حضرت صفیہ رضؓ ــــ ۱۱ : حضرت سودہ رضؓ۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہن۔

۲ : آپؐ کی مؤنث اولاد چار لڑکیاں تھیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمۃ الزہراء رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین۔ اور تین یا چار یا پانچ لڑکے تھے۔ حضرت قاسم، حضرت عبد اللہ۔ حضرت طیب، حضرت طاہر۔ اور حضرت ابراہیم۔

۳ : چار اوّل حضرت خدیجہ رضؓ سے تھے اور حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ سے تھے جو آپ کی لونڈی تھیں۔ اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپکے چار لڑکے تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ کا دوسرا نام طیب تھا۔ یہ الگ لڑکا نہیں تھا۔ اور جو لوگ تین کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ہی کا تیسرا نام طاہر تھا۔ یہ تمام صاحبزادگان بچپن میں فوت ہوگئے تھے۔ تمام صاحبزادیاں جوان ہوئیں اور ان کی شادیاں بھی ہوئیں۔ حضرت زینب رضؓ کا نکاح حضرت ابو العاص بن الربیع سے ہوا۔ حضرت رقیہ رضؓ اور حضرت ام کلثوم رضؓ کا عقد یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضؓ سے ہوا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضؓ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ فقط والسلام۔

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ ۱۰/۳/۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت علیہ السلام کی ازواجِ مطہراتؓ ، سن نکاح، کل عمر، مدّتِ مصاحبت وغیرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کتنی تھیں اور ان کا سن نکاح کیا تھا، اور عمر بوقتِ نکاح کتنی تھی ؟ اور کتنا عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں رہیں اور ان کی وفات کب ہوئی ؟ اور کل عمر کتنی ہوئی اور ان کی روایات کتنی ہیں، اور ان کا مدفن کہاں ہے ؟

الجواب عن الکل نقشہ ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر شمار	نام مع ولدیت	سنہ نکاح	عمر بوقتِ نکاح	مدت مصاحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم	سنہ وفات	عمر کل	مدفن	مرویات
۱	خدیجہ بنت خویلد	۲۵ سنہ میلادی	۴۰ سال	۲۵ سال	۱۰ سنہ نبوی	۶۵ سال	مکہ معظمہ	
۲	سودہ بنت زمعہ	۱۰ سنہ نبوی	۵۰ "	۱۴ "	شوال ۵۴ھ	۷۲ "	مدینہ منورہ	۵
۳	عائشہ بنتِ ابی بکرؓ	شوال ۱۰ سنہ نبوی	۶ "	۹ "	۱۷ رمضان ۵۷ھ	۶۶ "	"	۲۲۱۰
۴	حفصہ بنتِ عمرؓ	شعبان ۳ھ	۲۲ "	۸ "	شعبان ۴۵ھ	۶۰ "	"	۶۰

نمبر شمار	نام مع ولدیت	سنہ نکاح	عمر بوقت نکاح	مدت مصاحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم	سنہ وفات	کل عمر	مدفن	مرویات
۵	زینب بنت خزیمہ	سنہ ۳ھ	۳۰ سال	۳ ماہ	۳ ربیع الاول سنہ ۴ھ	۳۰ سال	مدینہ منورہ	۰
۶	ام سلمہ بنت ابی امیہ	سنہ ۴ھ	۲۶	۷ سال	۵۹ھ یا ۶۳ھ	۸۴ "	"	۳۷۸
۷	زینب بنت جحش	سنہ ۵ھ	۳۶	۶ "	۲۰ھ	۵۰ یا ۵۳ "	"	۱۱
۸	جویریہ بنت حارث	شعبان سنہ ۵ھ	۲۰	۶ "	ربیع الاول ۵۰ھ	۶۵ "	"	۷
۹	ام حبیبہ بنت ابی سفیان	سنہ ۶ھ	۳۶	۵ "	۴۴ھ	۷۴ "	"	۶۵
۱۰	صفیہ بنت حی بن اخطب	سنہ ۷ھ	۱۷	۳ ۳/۴ "	رمضان ۵۰ھ	۶۰ "	"	۱۰
۱۱	میمونہ بنت حارث	ذیقعدہ سنہ ۷ھ	۳۶	۳ ۱/۴ "	۵۱ھ یا ۶۶ھ	۸۰ "	مقام سرف	۷۶

رضوان اللہ علیہن اجمعین فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں ایک سوال

کیا حضور علیہ السلام کے حرم پاک میں ایک خاتون ماریہ قبطیہ بحیثیت کنیز داخل ہوئیں ؟ اور ان سے اولاد پیدا ہوئی ؟ کیا حضور علیہ السلام نے انہیں آزاد فرما کر نکاح کر لیا تھا یا کنیز ہی رہیں ؟

الجواب وفی تہذیب الاسماء والصفات ، ص ۳۵۴ (ماریۃ) رضی اللہ عنہا مذکورۃ فی المہذب فی أول باب عتق ام الولد وھی سریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأم ابنہ ابراھیم اھداھا لہ المقوقس ملک مصر روینا عن ابن خیثمہ وخلیفۃ بن خیاط قال قدم حاطب بن أبی بلتعۃ سنۃ سبع من عند المقوقس بماریۃ ام ابراھیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبغلتہ دلدل وحمارہ یعفور وکانت ماریۃ بیضاء جعدۃ جمیلۃ فاسلمت فتسراھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت حسنۃ الدین توفیت سنۃ ست وعشرین فی خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ ھکذا قالہ الواقدی وخلیفۃ وابوعبیدہ وقیل سنۃ خمس عشرۃ ودفنت بالبقیع۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی

تھیں۔ اور صاحبزادہ ابراہیمؓ انہی کے بطن سے تولد ہوئے۔ لہٰذا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ام ولد ہوئیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ، الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ۔

حضرت ام کلثوم کا دوسرا نام ام کلثوم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا نام ہے۔ یہ نام نسبتی ہے یا اصلی ہے۔ کیا ام کلثوم صرف عورت کے لئے استعمال ہو سکتا ہے یا مرد کے لئے بھی۔ کیا کلثومہ نام رکھنا جائز ہے ؟

الجواب ا : حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے یہ کنیت اولاد کیوجہ سے نہیں ہو سکتی۔ شاید کسی دوسری وجہ سے ہو۔ بہرحال ان کا دوسرا نام معروف نہیں بعضوں نے کہا ہے کہ ان کا نام آمنہ تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۲ : کلثوم عربی میں مرد کا نام بھی ثابت ہے۔ کلثوم ابن الحصین وغیرہ (القاموس)

۳ : کلثومہ نام رکھنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۲۷ / ۱۱ / ۱۴۰۱ھ

آنحضرت علیہ السلام کی سب سے چھوٹی بیٹی کونسی تھیں؟ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سب سے چھوٹی بیٹی کون سی تھیں۔

الجواب مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سب سے چھوٹی تھیں۔ قال ابن هشام اکبر بنیه القاسم ثم الطیب ثم الطاهر وأکبر بناته رقیه ثم زینب ثم أم کلثوم ثم فاطمة اھ (ابن ہشام ج۱)

۲ : وهی أصغر بناته فی قول (مرقات ، ج ۱۱ ، ص ۳۷۴)۔

۳ : هی وأختها ام کلثوم أصغر بنات رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واختلف فی الصغری منهما وقد قیل ان رقیة أصغر منهما ولیس ذلك عندی بصحیح کذا فی الاستیعاب اھ (سیرت محمدیہ ص۵۵۵) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹ / ۱ / ۱۴۰۷ھ

آنحضرت علیہ السلام کی پھوپھیاں کتنی تھیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں کتنی تھیں اور ان میں سے کون سی اسلام لائیں۔ ان کا نام کیا تھا ؟

الجواب چھ تھیں۔ ۱: صفیہ۔ ۲: اروی۔ ۳: عاتکہ۔ ۴: ام حکیم البیضاء۔ ۵: برّہ۔ ۶: امیمہ
ان میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ اور کہا جاتا ہے اروی اور عاتکہ بھی ایمان لائیں اور ہجرت مدینہ کی۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱) واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

آنحضرت علیہ السلام کے چچا کتنے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کتنے تھے اور ان کے نام کیا کیا تھے۔ اور ان میں کون کون سلام لائے تھے؟

الجواب بمطابق ابن ہشام و ابن سعد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نو چچے تھے۔
حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوطالب اسمہ عبد مناف، زبیر، حارث، حجل، المقوم، ضرار، ابولہب اسمہ عبد العزیٰ۔ (سیرت ابن ہشام ص ۱)۔
زاد المعاد اور ابن سعد نے حجل کی بجائے غیداق کو ذکر کیا ہے۔ (طبقات الکبریٰ: ج ۱: ص ۹۸)۔
حجل اور غیداق ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

آنحضرت علیہ السلام کا رکانہ سے کشتی لڑنے کا ثبوت

یہاں ایک صاحب سے اس مسئلہ پر بحث ہو گئی کہ آنحضرت علیہ السلام رکانہ پہلوان سے کشتی لڑے تھے یا نہیں۔ فریق مخالف نے کہا کہ یہ واقعہ درست نہیں۔ جو ثابت کر دے اسے انعام دونگا ہم نے صحاح ستہ میں بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ ترجمان السنۃ میں یہ حدیث موجود ہے مگر وہ صاحب کہتے ہیں کہ حدیث کی کسی کتاب سے دکھاؤ۔ آپ برائے مہربانی اس حدیث کا صحیح حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب ابوداؤد شریف: ج ۲ ص ۵۶۲۔ اصح المطابع میں یہ حدیث موجود ہے۔
ان رکانۃ صارع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصرعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

آنحضرت علیہ السلام کا اہل نجد کیلئے دعا نہ کرنیکا سبب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے عرب کے لئے دعا مانگی لیکن نجد کے لئے دعا نہیں مانگی۔ حالانکہ صحابہ کرام رض نے عرض بھی کیا تھا کہ نجد کے لئے دعا مانگو۔ کیا یہ حدیث سچی ہے یا نہیں؟ صحیح ہے یا موضوع؟

الجواب حدیث درست ہے اور حدیث مذکور میں نجد سے مراد " عراق " اور اس کے گرد کا علاقہ ہے۔ اس وقت وہاں کے لوگ کافر تھے۔ نیز بعد میں وہاں سے بہت سے فتنوں کا ظہور ہوا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کے لئے دعا نہیں مانگی۔

والنجد هو ما ارتفع من الارض ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها وهي في مشرق اهلها قيل اهل المشرق كانوا حينئذ اهل كفر وظهور الخوارج في ارض نجد والعراق اھ (حواشی بخاری ص۱۰۵۱ ج ۲)

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۱/۱۳۹۷ھ۔

ابوطالب ایمان لے آئے تھے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد حضرت ابوطالب نے اسلام قبول کر لیا تھا، حدیث صحیح سے ثابت ہے؟ بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قبر سے زندہ کر کے ایمان قبول کرایا تھا۔ بعض نے کہا کہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ایمان قبول نہیں کیا۔ نیز جو ایمان کے قائل ہیں وہ اہلسنت میں سے ہیں یا رافضی؟

مولانا عبدالشکور صاحب

الجواب اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہی ہے کہ ابوطالب کفر پر مرا ہے۔ جیسا کہ آیات و احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ حافظ تورپشتی لکھتے ہیں کہ ابوطالب کا کفر حدِ تواتر کو پہنچ چکا ہے۔ علماء سلف اور ائمہ دین کا یہی مسلک ہے۔ مسند احمد، بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے۔ کہ جب ابوطالب مرنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس آگئے۔ ابوجہل، عبداللہ بن امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے چچا تم ایک مرتبہ "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دو تاکہ خدا کے سامنے تمہاری شفاعت اور سفارش کے لئے مجھ کو ایک حجت اور دلیل مل جائے۔ ابوجہل، عبداللہ بن امیہ نے کہا کہ اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت کو چھوڑتے ہو؟ ابوطالب نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ اور آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ علی ملة عبد المطلب یعنی عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ ابوطالب تو یہ کہہ کر مر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں برابر ابوطالب کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ خدا کی طرف سے منع نہ کیا جاؤں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ما كان للنبي والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا الى اصحاب الجحيم (سورۃ توبہ)

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آیت انك لا تهدي الآية آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب

کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معارف القرآن ، ج ۶ ، ص ۲۴۸)۔

ابوداؤد و نسائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ کہ جب ابوطالب مر گئے تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا گمراہ چچا مر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ دفن کر آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو مشرک مرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں دفن کر آؤ۔ حافظ عسقلانی "الاصابہ" میں فرماتے ہیں کہ ابنِ خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری ، ج ۷ ، ص ۱۴۸)۔

مسلم شریف ، ج ۱ ، ص ۲۷۵۔ میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے وہ تو آپ کے حامی اور مددگار تھے آپ نے فرمایا کہ وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے۔ اگر میں شفاعت نہ کرتا تو جہنم کی تہہ میں ہوتے۔

مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے أهون على النار عذاباً ابو طالب (ج ۱۔ ص ۳۷۲)۔

اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ قبر سے زندہ کر کے ابوطالب کو ایمان قبول کرایا گیا تھا اگر وہ ایمان پر مرے تھے یا بعد از مرگ ایمان لے آئے تھے تو ان کو عذاب ہونے کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟

سوال میں ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ ایمان قبول کر لیا تھا۔ اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ "اہل سنت والجماعت میں جمہور تو کفرِ ابی طالب کے قائل ہیں مگر بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان قبول کر لیا تھا" مگر یہ صحیح نہیں۔ اہلسنت میں کفرِ ابی طالب کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالٰی "سیرت مصطفٰی" ، ج ۱ ، ص ۱۲۱ میں لکھتے ہیں کہ

"یہ کہنا کہ ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے محض تلبیس اور دھوکہ ہے۔ اہلسنت میں ان کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ روافض ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ روافض کا اختلاف قابلِ اعتبار نہیں۔ جو فرقہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بلکہ کل صحابہ رضہ کو کافر اور منافق سمجھتا ہو اس کا اختلاف کب قابلِ اعتبار اور التفات ہو سکتا ہے"

علامہ موصوفؒ ہی ، ج ۱ ۔ ص ۲۷۲ ۔ میں لکھتے ہیں کہ۔

"ایمانِ ابوطالب کے بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہیں تقریباً کل کی کل وہ ایسے ہی حضرات سے مروی ہیں جو معاذ اللہ ابوبکرؓ و عمر رضہ کے کفر کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی ضعیف اور منقطع روایات صحاح ستہ۔ بخاری و مسلم کی روایات کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں"

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے "اصابہ ، ج ۴ ۔ ص ۱۱۰ ۔ البدایۃ والنہایۃ ۔ ج ۳ ص ۱۲۴ ۔ شرح مواہب ۔ ج ۱ ۔ ص ۲۹۱۔

تنبیہ :۔ رُوح المعانی میں ہے کہ ابوطالب کے ایمان اور کفر کے بارے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث ومباحثہ سے اور ان کو بُرا کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی ایذار کا احتمال ہے۔ (معارف القرآن ، ج ۵، ص ۶۴۹) ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ہجرت کی رات صدیق اکبرؓ کا آنحضرت علیہ السلام کو کندھوں پر اٹھانے کا ثبوت

ایک مولوی صاحب نے تقریر میں یہ کہا کہ ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غار ثور کی طرف تشریف لے جارہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کے کندھوں پر سوار تھے۔ اور فتح مکہ کے وقت کعبہ سے تصویریں اور بت اتارنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ اے علی تو میرے کندھوں پر چڑھ کر ان کو اتار دے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ اللہ کے نبی ہیں اور میں آپ کے مبارک کندھوں پر چڑھنے کی بے ادبی کیسے کروں ؛ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی ۔ میں نبی ہوں اور نبوت کے وزن کی وجہ سے تو مجھ کو اپنے کندھوں پر نہیں اٹھا سکتا۔ القصہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کی شان بلند ہے کہ انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔

ایک دوسرے سید صاحب کہتے ہیں کہ مولوی صاحب مذکور نے غلط بیانی کی ہے۔ نہ ہی ابوبکر صدیق کے کندھوں پر حضور سوار ہوئے اور نہ حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تو میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اور ابوبکر صدیق کی فضیلت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

اور یہ شاہ صاحب اور وہ مولوی صاحب دونوں اہلسنت والجماعت ہونے کے مدعی ہیں۔ آپ فرمائیں کہ مولوی صاحب کے بیان کردہ دونوں واقعے صحیح ہیں ؟ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت کے دلائل کیا ہیں ؟

الجواب بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھانے کا ذکر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں بحوالہ بیہقی کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں لما حُفیت رجلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حملہ الصدیق علی کاھلہ اھ لیکن آخر میں فرماتے ہیں۔ وفی ھذا السیاق غرابۃ ونکارۃ ۔ (ج ۱۔ ص ۱۸۰) ۔ اور فتح مکہ میں حضرت علی کرم اللہ

وجہہ والا واقعہ بھی بعض سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔ (دیکھئے سیرت محمدیہ غزوہ فتح مکہ)۔ لیکن اس کے الفاظ بعینہ وہی نہیں جو سوال میں درج ہیں۔ بلکہ اس سے کچھ مختلف الفاظ ہیں۔ پس سید صاحب کا واقعہ اوّل کی تغلیط کرنا بے جا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اور اسی پر اُمت کا اجماع ہے۔ وعن محمد بن الحنفية قال قلت لابی ای الناس خير بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر قلت ثم من قال عمر۔ الحديث رواه البخاری مشکوٰۃ۔ ص ۵۵۵ ۔ یہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ تمام لوگوں میں سے بہتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ ہیں۔ اب اس کے بعد نزاع کی کیا ضرورت رہ گئی۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

حضرت عمرؓ کا بنتِ فاطمہؓ سے نکاح کا ثبوت

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دختر مبارکہ سے نکاح کیا یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو حضرت بی بی صاحبہ کا نام کیا ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بطن سے تھیں یا کسی اور صاحبہ سے؟

الجواب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ثابت ہے جو کہ حضرت علی کی دختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بطن سے تھیں۔ تاریخ اور حدیث کی معتبر کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ مسند ابن حبان میں ہے۔

ثم تزوج عمر رضی اللہ عنہ أم کلثوم بنت علی أبن أبی طالب وھی من فاطمة ودخل بھا فی شھر ذی القعدة۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں میں چادریں تقسیم کیں ایک بچ رہی اس کے متعلق ان کو تردد تھا کہ کسے دیں۔ ایک شخص نے کہا کہ یا امیر المؤمنین أعط ھذا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی عندك يريدون ام کلثوم۔ صحیح بخاری باب ذکر ام سلیط صفحہ ۵۸۲ مطبوعہ دہلی۔ کتاب المغازی میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زوجہ تھیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان شہر

ابو شحمہ ابن عمرؓ کا انتقال کوڑے لگنے سے نہیں ہوا تھا

حضرت ابو شحمہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح واقعہ کیا ہے ؟ کہتے ہیں کہ انہوں نے شراب پی تھی پھر حد لگائی گئی اور اسی سے انتقال ہوا ، باقی کوڑے قبر پر لگائے گئے ؟

غلام مرتضیٰ جامعہ اشرفیہ شاہ کوٹ

الجواب صحیح واقعہ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے نبیذ پی تھی جس سے کچھ مدہوشی سی ہو گئی۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ سے کہا کہ مجھے حد لگائیں ۔ انہوں نے گھر کے اندر ہی سزا دے دی ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے حضرت عمرو رضؓ کو تنبیہہ کی ۔ اور ان کے مدینہ آنے پر خود سزا دی ۔ اس کے بعد اتفاقاً (ابو شحمہ) بیمار ہوئے اور انتقال ہوا ۔ والذی ورد فی هذا ما ذکره الزبیر بن البکار و ابن سعد فی الطبقات ان عبد الرحمٰن الاوسط من اولاد عمرؓ ویکنی ابا شحمه کان بمصر غازیا فشرب لیلة نبیذا فخرج الی السکة فجاء الی عمرو بن العاص فقال أقم علی الحد فامتنع فقال له انی اخبر ابی اذا قدمت علیه فضربه الحد فی داره ولم یخرج فکتب الیه عمرؓ یلومه ویقول الا فعلت به ما تفعل بجمیع المسلمین فلما قدم علی عمرؓ ضربه واتفق انه مرض فمات اھ

(امداد الفتاوٰی ، ج ۴ : ص ۴۲۷)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ : الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔

حضرت عثمان رضؓ پر عائد کردہ الزامات غیر معتبر روایات پر مبنی ہیں

خلافت و ملوکیت ص ۹۹ پر تحریر ہے ۔ " مزید براں خلیفۂ دوم نے چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ کے لئے جو ہدایات چھوڑیں ان میں دوسری باتوں کے ساتھ ایک بات یہ بھی تھی کہ منتخب خلیفہ اس امر کا پابند رہے گا کہ وہ اپنے قبیلہ کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہ کرے گا ۔ لیکن بدقسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضؓ اس معاملہ میں معیارِ مطلوب کو قائم نہ کر سکے ۔ ان کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیئے گئے "

اگر یہ درست ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کیسے خلیفہ راشد ہوئے ؟ جب کہ حدیث میں ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ سے ہیں ؟

الجواب مودودی صاحب کی عبارت میں سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر اقربا پروری وغیرہ کے جو الزامات عائد کئے گئے ہیں وہ ناقابل اعتبار جھوٹی روایات پر مبنی ہیں جن کے بارے میں خود موصوف کو بھی اعتبار نہیں "اگر ان تاریخی واقعات کو روایات کی جانچ پڑتال کے معیاری ضابطوں پر پرکھا جائے تو قرن اوّل کی تاریخ کا بھی کم از کم ۹/۱۰ حصہ غیر معتبر قرار پائے گا"

(خلافت وملوکیت؛ ص ۳۱۸) -

اور خلیفہ راشد سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا عادل ہونا اور عشرہ مبشرہ میں سے ہونا، احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے پس ان احادیث صحیحہ کے مقابلے میں اوّل الذکر جھوٹی روایات کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے، علامہ ابن کثیر رح شان صحابہ رضہ کے خلاف ایسی بے سر و پا روایات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فهي مردودة على قائلها و ناقلها والله أعلم والمظنون بالصحابة خلاف مايتوهم كثير من الرافضة واغبياء القصاص الذين لا تمييز عندهم بين صحيح الاخبار وضعيفها ومستقيمها و سقيمها اھ (البداية ؛ ج ۷: ص ۱۷۴)۔

الغرض بیت المال سے خیانت اور اقربا پروری کا الزام غلط ہے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ان الزامات سے قطعاً بری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ - ۲۳ / ۴ / ۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

راجح یہی ہے کہ حضرت علی رضہ نے شروع ہی میں حضرت ابوبکر رضہ کی بیعت کرلی تھی

ایک شیعہ نے سوال کیا ہے کہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضہ نے حضرت ابوبکر رضہ کی بیعت چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضہ کے انتقال کے بعد کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ رضہ حضرت ابوبکر رضہ سے ناراض تھیں۔

الجواب شیعہ اور سنی مصنفین سب لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور تاخیر کی وجہ بھی ذکر کی تھی وہ یہ نہیں جو سوال میں مذکور ہے۔ نیز چھ ماہ تک تاخیر کی روایت راجح نہیں صحیح ابن حبان رح میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے شروع ہی میں بیعت کرلی تھی۔ عن ابی سعید ان علیا رضہ بایع ابا بکر رضہ

أولی الامر صححه ابن حبان وغیرہ (حاشیہ بخاری، ج ۲، ص ۶۰۹)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۱؍۶؍۱۴۰۰ھ : الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت علیؓ نے کتنی شادیاں کیں؟ نیز وہ نکاح تھے یا متعہ؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی شادیاں کیں؟

اس قول میں کہاں تک صداقت ہے کہ ان میں سے اکثر متعہ کی تھیں؟ متعہ کیا ہے؟ اور اسلام اس کی کہاں تک اجازت دیتا ہے؟ اس کی تشریح بر نصوص قرآنی واحادیث سے مطلع فرمایا جائے؟

الجواب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا۔ البتہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ ذیل نکاح کئے جو کہ سب نکاح تھے ان میں سے متعہ کوئی نہیں تھا۔ ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں تفصیل کتب تاریخ میں ہے

۱ : ام بنین بنت حرام ۔ ۲ : لیلیٰ بنت مسعود ۔ ان کے بطن سے دو لڑکے ہوئے عبداللہ اور ابوبکر۔ ۳ : اسماء بنت عمیس ۔ ان کے بطن سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔ ۴ : ام حبیبہ بنت زمعہ ۔ ان کے بطن سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے۔ ۵ : ام سعید بنت عروہ ۔ ۶ : امامہ بنت ابی العاص ۔ ۷ : خولہ بنت جعفر۔

واضح رہے کہ ان ازواج کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اور بھی بیویاں تھیں۔ لیکن جس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کی چار بیویاں موجود تھیں۔ یہ بیویاں بعض زندگی میں فوت ہو گئی تھیں، بعض کو طلاق دیدی تھی۔ یکے بعد دیگرے نکاح فرماتے رہے۔ اور کچھ باندیاں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیں جن کو انہوں نے ام ولد بنایا تھا۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حرمت متعہ کی روایت ثابت ہے۔ عن علی کرم اللہ وجہہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعۃ النساء یوم خیبر وعن أکل لحوم الحمر الانسیۃ۔ اور قرآن مجید سے بھی حرمت متعہ ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والذین هم لفروجهم حٰفظون۔ الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین۔ فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك هم العٰدون ۔ الآیۃ اس آیت میں اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے صرف دو راستے بیان فرمائے۔ منکوحہ بیوی، باندی مملوکہ زرخرید۔ جن کا آج وجود نہیں ہے اس کے علاوہ اور طریق کو اختیار کرنے کو عدوان فرمایا ہے۔ اس کے اوپر امت کا اجماع بھی منعقد ہے کہ متعہ حرام ہے لہذا روافض کا متعہ کو حلال کہنا زنا کو حلال کہنا ہے۔ العیاذ باللہ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ : مورخہ ۱۸ : ۴ : ۱۳۷۱ھ

محمد حنیف حضرت علیؓ کے کوئی صاحبزادے نہیں

عوام میں مشہور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خیبر فتح کرکے مرحب کے قتل کے بعد اس کی لڑکی سے سات دن تک کشتی کی اور زیر کیا، پھر مسلمان کرکے نکاح کیا۔ ان ہی کے بطن سے محمد حنیف تولد ہوئے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سوتیلے بھائی تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ دوم۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد، لوگ کہتے ہیں کہ حضرت محمد حنیف نے اپنے سوتیلے بھائی حسینؓ کا بدلہ لیا۔ وہ کربلا میں یزید کی فوج سے لڑے اور انتقام لیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ نیز عوام میں مشہور ہے کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ساتھی عمر عیار تھا اس کے پاس ایک زنبیل تھی۔ جتنا مال اس زنبیل میں ڈالتے تھے سب پورا آجاتا تھا حتیٰ کہ اگر بادشاہوں کے خزانے بھی ڈالے جاتے تب بھی وہ نہیں بھرتی تھی۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہ؟ معترض کہتا ہے کہ حضرت حسین رضؓ کربلا میں لڑ رہے تھے تو اس وقت حضرت حنیف کہاں تھے؟

الجواب مرحب کی لڑکی سے کشتی کرنے اور پھر اس سے نکاح کرنے کا قصہ محض بے اصل ہے تاریخی طور پر ثابت نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے کسی صاحبزادے کا اسم گرامی محمد حنیف نہیں۔ لہٰذا کربلا میں انتقام لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عمر عیار کا افسانہ بھی من گھڑت معلوم ہوتا ہے۔ ایسے قصوں میں الجھنا نہیں چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

شہدائے صفین کے بارے میں شہادت علیؓ

شہید اسے کہتے ہیں کہ جو مسلمان کافر کے ہاتھوں اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا شہید ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے درمیان جو جنگ ہوئی کیا وہ اسلام کے لئے تھی؟ اگر تھی تو کونسا گروہ شہید ہے۔ اگر اسلام کے لئے نہیں تھی تو خون بہانا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ براہ کرم اس کا جواب مفصل تحریر فرمائیں تاکہ دل کو تسلی ہوسکے۔

الجواب آپ کے شبہہ کا منشاء فریقین کے موقف سے عدم واقفیت ہے۔ اس جنگ کا پس منظر ہر فریق کا دعویٰ و نظریہ، اور فریقین کا لڑائی کے باوجود ایک دوسرے سے سلوک مدنظر ہو تو تمام اشکالات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔ اور کسی واقعہ سے نتیجہ اور حکم معلوم کرنے کے لئے ان چیزوں کا معلوم ہونا انتہائی ضروری ہے ہر دو فریق کا دعوےٰ یہ تھا کہ ہم حق پر ہیں اور معاملات کی نوعیت کچھ اس طرح تھی کہ ہر فریق یہ سمجھنے میں حق بجانب بھی تھا۔ لہٰذا یہ جنگ اس خونریزی کے زمرہ میں نہیں آسکتی کہ جو ملک گیری یا ہوس اقتدار کے لئے کی جاتی ہے۔ جب فریقین کے شہداء نے بزعم خویش حق کے لئے جان دی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ ان سے انکی

نیت کے مطابق معاملہ فرمائیں گے ۔ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس جنگ میں فریق غالب تھے یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے مدمقابل باوجود لڑائی کرنے کے بھی جنتی ہیں کیوں کہ وہ اپنے خیال میں حق کے لئے لڑ رہے تھے ۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے نزدیک ان کا موقف صحیح نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ جنگ جمل اور صفین میں قتل ہونے والوں کا انجام کیا ہوگا ؟ تو فریقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا لا یموتن احد من ھؤلاء و قلبہ نقی الا دخل الجنۃ اھ (ابن خلدون مقدمہ ص۲۰۵) ان میں سے جو شخص بھی صفائی قلب کیساتھ مرا ہوگا وہ جنتی ہے ۔

دیکھیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انجام کے لحاظ سے فریقین کو برابر سمجھ رہے ہیں کہ ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی نیت کے مطابق ہوگا ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر کسی شخص کو ان مقتولین کے بارے میں نامناسب باتیں کہتے سنا تو فرمایا لا تقولوا الا خیرا کہ ان کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ یہ سمجھتے تھے کہ ہم غلطی پر ہیں ہم سمجھتے تھے کہ یہ غلطی پر ہیں ۔ اھ (منہاج السنۃ : ج ۳ ، ص ۶۱)

خلاصہ یہ کہ ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر لڑ رہا تھا ۔ اگر واقع میں کوئی غلطی پر بھی تھا تو اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے ۔ ہم اور آپ یقیناً کسی کو غلط یا صحیح نہیں کہہ سکتے ۔ ویسے ہمارا مشورہ آپ کو یہ ہے ع

تجھے پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

شہید کی جو تعریف آپ نے سوال میں لکھی ہے وہ بھی صحیح نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۷/۶/۱۴۰۰ھ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار کہاں ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مدفن میں اختلاف ہے صحیح روایت کیا ہے ۔ ؟

الجواب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ میں مسجد کے قریب دفن ہیں ۔ قال ابن الجوزی الطبری و دفن عند مسجد الجماعۃ فی قصر الامارۃ (ج۴ : ص ۱۱۷)

اس کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی مشہور ہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

حضرت علیؓ کے برحق ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ کو باغی کہنا جائز نہیں

جو خلیفۂ وقت سے برسرپیکار ہو اس کے متعلق علماء نے کیا فتوے دیا ہے ، کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر نہ تھے ؟ اگر تھے تو امیر معاویہ نے

کیوں ان سے جنگ و قتال کیا۔ ہم شیعوں کو یہ کہہ کر پیچھا چھڑاتے ہیں کہ یہ حضرت معاویہ رضہ کی اجتہادی غلطی تھی۔ کیا حضرت معاویہ نے بھی کبھی اس غلطی کا اعتراف کیا ہے ؟ اور حضرت علی رضہ نے اس غلطی کو معاف کر دیا تھا ؟

الجواب حضرت علی رضہ خلیفۂ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضہ خطا پر۔ لیکن بلاشک یہ خطاء اجتہادی تھی آپ نے سوال کیا ہے کہ اس خطاء کا انہوں نے بھی اعتراف کیا ہے ؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر خطاء واضح ہوتی تو آپس میں اختلاف اور قتال ہی کیوں ہوتا۔ قتال کا ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ ان پر اپنی خطاء اور غلطی کا ظہور نہیں ہوا۔ اس لئے حضرت علی رضہ نے حضرت معاویہ رضہ کو وہ خط تحریر فرمایا جو نہج البلاغۃ میں ہے۔

" کہ میرے ہاتھ پر ان مہاجرین و انصار نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر رضہ وعمر رضہ و عثمان رضہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے "

اس سے انہوں نے اپنی خلافت کے حق ہونے پر استدلال کیا۔ لیکن حضرت علی رضہ کے خونِ عثمان رضہ کا قصاص نہ لینے کو وجہ بنا کر حضرت معاویہ رضہ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت علی رضہ استحکام خلافت کو قصاص سے مقدم سمجھتے تھے۔ اس قسم کے دلائل فریقین کے درمیان چل رہے تھے۔ اس لئے حضرت معاویہ رضہ پر حقیقت خلافتِ علی رضہ واضح نہ ہو سکی۔ اہلسنت چونکہ صحابہ رضہ کے حق میں حسنِ ظن رکھتے ہیں اس لئے حضرت معاویہ رضہ کو معذور سمجھتے ہیں۔ حضرات شیعہ چونکہ صحابہ رضہ سے بغض و عناد رکھتے ہیں اس لئے وہ ہر بات کو بدظنی اور برائی پر محمول کرتے ہیں کل اناء یترشح بما فیہ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔

حضرت معاویہ رضہ کاتبِ وحی اور امین تھے

جب شراب حلال تھی حضرت علی رضہ نے اس دورِ حلال میں شراب پی ہو اسکا ثبوت۔ ۲۔ حضرت معاویہ رضہ کا کاتبِ وحی ہونا۔

الجواب ۱۔ عن علی رضہ بن ابی طالب قال صنع لنا عبد الرحمن بن عوف طعاما و سقانا من الخمر فاخذت الخمر منا و حضرت الصلوٰۃ فقدمونی فقرأت قل یایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون و نحن نعبد ما تعبدون فانزل اللہ یایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون ھذا حدیث حسن غریب صحیح ۔ ترمذی : ج ۲ : ص ۱۳۲ ۔

۲ : حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کاتبِ وحی ہونا بہت سی روایات سے ثابت ہے جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحہ نے نقل فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کہئے اور نیکی کی تلقین کیجئے۔ کیونکہ وہ اللہ کی کتاب اور وحی پر اللہ کے

امین ہیں۔ اور بہترین امین ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضہ کو کاتب وحی بنانے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے مشورہ کیا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ استکتبه فانه امین ان کو کاتب وحی بنالو کیونکہ وہ امین ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۰) ۔ کان معاویة احد کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم (ابن ابی الحدید: ج ۱: ص ۳۳۵) ۔ اور اسی طرح زاد المعاد میں کاتبین وحی کی فہرست میں حضرت معاویہ رضہ کو بھی شمار کیا ہے۔ چنانچہ اس میں ہے۔ فصل فی کتّابہ صلی اللہ علیه وسلم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی الی ان قال ومعاویة بن ابی سفیان اھ (ج ۱ ص ۳۰)

بُخاری کتاب الفتن کی ایک حدیث کو حضرت معاویہ رضہ پر منطبق کرنے کا مدلل جواب

آپ کی جانب سے حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے مصرعہ ؎ دین ملا فی سبیل اللہ فساد، کی مفصل تشریح ۹۰/۳۲۸ کو اس حقیر نے غور سے پڑھا۔ ہر شخص پر کفر کے فتویٰ لگانا گناہِ عظیم ہے۔ بلکہ فتویٰ لگانے والے ایسے لوگوں کا اپنا ایمان مشکوک ہے۔ آپ نے اس کے بعد ایک اور خط میں بھی فرمایا ہے کہ بعض شیعہ کفریہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ بعض کے عقائد اہل سنت جیسے ہوتے ہیں وہ صرف حضرت علی رضہ کو خلفاءِ ثلاثہ سے افضل سمجھتے ہیں اور برائے نام شیعہ ہیں۔ برائے مہربانی کفریہ عقائد رکھنے والے شیعوں کی پہچان بھی بتا دیں۔ جو لوگ صرف حضرت علی رضہ کو خلفاءِ ثلاثہ سے افضل سمجھتے ہیں وہ شیعہ نہیں ہوتے بلکہ اہلسنت میں صوفی حضرات ہوتے ہیں۔ مثلاً خواجہ حسن نظامی دہلوی رح نے اپنی مشہور کتاب "طمانچہ بر رخسارِ یزید" اور بعض دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ "میں تفضیلی سُنی ہوں" ان کے خلفاء اور مرید یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ خواجہ صاحب کو میں نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ حضرت علی رضہ کو بعد رسول سب سے افضل سمجھتے اور لکھتے تھے۔

برائے نام شیعوں کی تو یہ پہچان ہوئی، اور کفریہ عقائد رکھنے والے شیعوں کی پہچان کیا ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں مگر یزید، شمر، عمرو بن سعد، عبید اللہ بن زیاد وغیرہم کی مدح کرتے ہیں امام حسین اور حضرت علی رضہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ شاید آپ نے کراچی کے محمود عباسی کی کتاب "خلافتِ معاویہ ویزید" پڑھی ہوگی۔ اس میں ایسی ہی باتیں لکھی تھیں۔ یہ کتاب اب ضبط ہو چکی ہے۔ اب بھی بعض لوگوں کی زبان سے ایسی باتیں وقتاً فوقتاً سننے میں آتی ہیں کہ امیر معاویہ کے حکم سے علانیہ منبروں پر حضرت علی رضہ کو لعنتیں کی جاتی رہیں اس بری رسم کو جناب عمر بن عبد العزیز رح نے اپنے دورِ حکومت میں بند کرایا۔ ایسے سنیوں کے بارے میں بھی کچھ فرمایئے خواجہ حسن نظامی کے ایک خلیفہ اور مرید کا نوشتہ یک ورقہ پمفلٹ برائے مطالعہ ارسال ہے۔

☆ ☆ ☆

محمد و فصلی　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　علیٰ رسولہ الکریم

فرقہ بندی کی کش مکش سے آزاد ہوکر غور و فکر کرنے والے اہلِ بصیرت حضرات کے لئے بخاری " کتاب الفتن " کی ایک حدیث

حذیفہ بن یمان کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی بابت پوچھا کرتے تھے اور میں حضرتؐ سے شر کی بابت دریافت کرتا رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ میں کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ ایک روز میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم ہم جاہلیت اور شر میں پڑے ہوئے تھے کہ اللہ نے ہم کو یہ خیر یعنی اسلام عطا فرمایا۔ کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر پیش آنے والا ہے ؟ حضرت ؐ نے فرمایا ہاں ! میں نے عرض کیا اس کے بعد پھر خیر ہوگا ؟ فرمایا ہاں ! اور اس خیر میں جو شر کے بعد ہوگا، کدورت پائی جائے گی۔ میں نے عرض کیا وہ کدورت کیا ہوگی ؟ فرمایا کدورت سے مراد وہ قوم ہے جو میرے طریقہ کے خلاف طریقہ اختیار کرے گی۔ اور لوگوں کو میری راہ کے خلاف راہ بتائے گی۔ تو ان میں دین کو بھی دیکھے گا اور دین کے خلاف امور کو بھی۔ میں نے عرض کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا ؟ فرمایا ہاں ! ان میں ایسے لوگ ہوں گے جو دوزخ کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ جو شخص ان کی جہنمی دعوت کو قبول کرلے گا وہ اس کو جہنم میں دھکیل دیں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صفت بیان فرما دیجئے۔ فرمایا وہ ہماری قوم میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں گفتگو کریں گے۔

میں نے عرض کیا کہ اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑ لینا۔ میں نے عرض کیا اگر اس وقت ان کی کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو کیا کروں ؟ فرمایا تو پھر تم تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا۔ اگرچہ درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے۔ یہاں تک کہ تمہیں اس حالت پر موت آجائے۔

۱ : جو دشمنانِ اسلام شروع سے آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے اور فتح مکہ کے بعد بادلِ نخواستہ داخلِ اسلام ہو گئے تھے۔ اور مولفۃ القلوب کہلاتے تھے۔ ان کو اس عہد میں پنپنے کا موقعہ ملا اور انہوں نے اتنی طاقت حاصل کرلی کہ وہ ان حضرات سے جنگیں لڑنے اور مسجد کے منبر وں سے ان کو گالیاں دلوانے کے قابل ہو گئے جن کو آنحضرت ؐ نے بچپن سے اپنی آغوشِ رحمت میں پالا تھا۔ اور خدمتِ اسلام کے لئے تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا تھا۔ اور پھر اتنے پروپیگنڈے، تحریص اور جبر و استبداد سے کام لیا کہ کربلا کے میدان میں بہتر (۷۲) سے زیادہ آدمی ان مظلوموں کا ساتھ دینے والے نہ تھے۔

۲ : یہ وہ عہد ہے کہ جب خلیفۂ راشد کے مقابل متوازی حکومت قائم کرنے کی کدورت پیدا ہوئی۔ مرکز ایک نہ رہا۔ گویا اسلام کے بنیادی اصولِ توحید میں رخنہ پیدا ہو گیا۔

۳ : یہ عہد بانی ملوکیت ہندہ اور ابوسفیان کے بیٹے اور یزید کے باپ معاویہ کا ہے۔ دورِ ملوکیت ۴۱ھ سے

۱۳۴۲ھ عہد اتاترک تک رہا۔ بقول اقبالؒ ؎

خود طلسم قیصر و کسریٰ شکست ٭ خود سر تخت ملوکیت نشست

یہ محض میرے خیالات کی یاد داشت ہے۔ کوئی صاحب میری معلومات میں اضافہ فرمائیں گے تو میں مشکور ہوں گا۔
نوشتہ محمد حسین نظامی محرم شاہ کاشانہ نظامی سٹریٹ نمبر ۳ فلیمنگ روڈ لاہور۔
شائع کردہ: حلقہ نظامیہ پاکستان: شعبہ تبلیغ حقانیت۔ لاہور: مطبوعہ شار آرٹ پریس لاہور۔
سلسلۂ تبلیغ حقانیت نمبر ۵۲۔

الجواب

اہلِ تشیع کے بہت سے گروہ ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو بالاتفاق کافر ہے۔ اور یہ وہ گروہ ہے جو ضروریاتِ دین کا منکر ہے۔ یعنی ان باتوں کا انکار کرتا ہے جو قطعی الثبوت ہیں۔ مثلاً قرآن کا محفوظ ہونا قطعی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا افک سے بری ہونا قطعی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابی ہونا قطعی ہے۔ اور جو شیعہ ایسے عقائد رکھتے ہوں یا مثلاً الوہیتِ علی رضؓ کے قائل ہوں۔ یا یہ کہتے ہوں کہ وحی اصل تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجی گئی تھی مگر جبرئیل علیہ السلام غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے آئے تو ایسے شیعہ ہزار دعویٰ مسلمانی کے باوجود کافر ہیں۔

نعم لاشك فی تکفیر من قذف السیدہ عائشۃ رضؓ او انکر صحبۃ الصدیق رضؓ او اعتقد الالھیۃ فی علی او ان جبرئیل غلط فی الوحی او نحو ذلك من الکفر الصریح اھ (شامی باب المرتدین ۱ ج ۳ : ص ۳۱۹)۔

کچھ شیعہ ایسے کفریہ عقائد سے تو برأت ظاہر کرتے ہیں مگر صحابہ رضؓ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ایسے شیعہ کو تکفیر میں احتیاط کی بنا پر کافر تو نہیں کہا جائے گا مگر ان کے فاسق اور پرلے درجے کے گمراہ ہونے میں کوئی تردد نہیں۔ کچھ تفضیلی شیعہ ہوتے ہیں ان کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ تمام عقائد میں اہل السنۃ والجماعت کے ساتھ متفق ہوتے ہیں۔ خلفاء ثلاثہ رضؓ کی خلافت کو برحق مانتے ہیں مگر وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتبہ میں باقی تمام صحابہ رضؓ سے افضل سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ان کی یہ بات از روئے تحقیق غلط ہے۔ مگر صرف اس وجہ سے انہیں کافر یا فاسق نہیں کہا جائے گا۔
یہ تو ضابطے کی بات تھی لیکن اہلِ تشیع کی کسی جماعت یا کسی فرد کی پوری حقیقت سمجھنے کے لئے یہ بات بھی ضرور مدنظر رکھنی چاہیئے کہ یہ لوگ اپنے عقائد کے اظہار میں حد سے زیادہ تلبیس سے کام لیتے ہیں۔ بقول غالب ؏

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

ہر شیعہ کے دل میں کم و بیش صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بغض و عناد ضرور ہوتا ہے۔ اس بغض و عناد پر پردہ ڈالنے کے لئے کبھی وہ حبِّ علی

کی آڑ لیتے ہیں کبھی حُبِ اہلِ بیت رض کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ ورنہ ان کی حضرت علی رض، اہلبیت رض اور ان کی تعلیمات سے جو محبت ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ مثلاً کوئی شیعہ جب یہ کہے کہ میں تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی تمام صحابہ رض سے افضل سمجھتا ہوں۔ تو درپردہ وہ یہ بھی کہہ رہا ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اس افضل ترین شخص کے ہوتے ہوئے خلافت سنبھالی یا جن لوگوں نے حضرت علی رض کے ہوتے ہوئے کسی اور کو خلیفہ بنایا وہ یقیناً غلطی پر تھے۔ کیونکہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کو مقتدا بنا لینا واضح طور پر غلط ہے۔ شیعہ لوگ اس ساری بات کو بڑی ہوشیاری سے حُبِ علی رض کے پردے میں کہہ جاتے ہیں۔ لہٰذا اہلِ تشیع کو سمجھنے کے لئے پوری باتوں کو مدِنظر رکھا جائے، محض ان کے دعوے سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔

رہی بات خواجہ حسن نظامی صاحب کی تو گزارش یہ ہے کہ اگر تو خواجہ صاحب باقی تمام عقائد میں اہل السنت والجماعت سے متفق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں بھی ذہن صاف رکھتے تھے تو ان کا حکم ظاہر ہے۔ اور اگر تفضیلِ علی رض سے کچھ آگے بھی بڑھ جاتے تھے جیسے کہ ان کے مرید کے نوشتہ پمفلٹ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے تو پھر ان کے پورے مصدقہ عقائد و خیالات لکھ کر حکم معلوم کرلیں۔

خواجہ صاحب کے مرید کا نوشتہ پمفلٹ نظر سے گزرا اس کے بارے میں چند باتیں عرض کرنی ضروری ہیں۔ اور خدا کرے وہ صاحبِ پمفلٹ کی نظر سے بھی گزریں۔

۱ : انھوں نے حدیث میں آنے والے خیر و شر کے الفاظ کا جو مصداق بیان کیا ہے وہ محدثین کے بیان کردہ مطلب کے خلاف ہے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ شرِ اوّل سے مراد وہ فتنے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں واقع ہوئے۔ یعنی گویا کہ شر سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کی مخالفت کی اور خلیفہ مظلوم کی شہادت کا سبب بنے۔ اور اس کے بعد جو اچھا دور آیا بھی تو وہ بالکل پاک وصاف اور قابلِ اطمینان نہ تھا جیسا کہ حضرت عثمان رض سے پہلے کا دور تھا۔ اس لئے اس دورِ خیر کے بارے میں فرمایا۔ فیہ دخن۔ یعنی اس میں کچھ کدورت ہوگی۔ بعض نے ثانی سے مراد وہ دور لیا ہے جس میں حضرت حسن رض کی حضرت معاویہ رض سے صلح ہوئی۔ گویا کہ ایک بار پھر نظامِ خلافت متفقہ طور پر قائم ہوگیا۔ (حوالہ کے لئے دیکھئے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ : کتاب الفتن) ۔

۲ : نظامی صاحب نے شرِ اوّل کے خود ساختہ مصداق کی تشریح میں فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لانے والوں کے بارے میں لکھا ہے کہ "بادل نخواستہ وہ داخلِ سلسلام ہوئے" گویا دبے لفظوں میں انہیں منافق کہا ہے۔ کیونکہ ان کے بارے میں صاف طور پر یہ کہا ہے کہ وہ پہلے بھی اسلام کے مخالف تھے اور بعد میں بھی اسلام والوں کی مخالفت کرتے رہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نظامی صاحب کا نشانہ اس تحریر میں خاص طور پر حضرت معاویہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ کیونکہ عبارت کا سیاق و سباق اس پر صاف دلالت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات تو یہ عرض ہے کہ گو ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رض فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ لیکن محققین کے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ علامہ ذہبی رح، ابن عساکر رح، اور ابن تیمیہ رح کی تحقیق کے مطابق آپ ۷ھ اور ۸ھ کے درمیان اسلام لائے۔ (المنتقیٰ ص ۲۵۷)۔ علامہ ابن حجر رح "تقریب التہذیب" میں لکھتے ہیں۔ معاویۃ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح وکتب الوحی ص۳۵۷ (معاویہ۔ از تقی عثمانی ص۶۹، ۷۰)۔

البدایۃ والنہایۃ: ج۸ ص۲۱ میں خود معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول منقول ہے۔ اسلمت یوم عمرۃ القضاء ولکنی کتمت اسلامی من ابی الی یوم الفتح۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے فتح الباری شرح بخاری میں اور "الاصابہ" میں بھی ایسے ہی لکھا ہے۔ لہٰذا صرف یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رض فتح مکہ کے دن ہی اسلام لائے تاریخ سے جہالت کا ثبوت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے بارے میں یہ ذہن رکھنا کہ انہوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ با دل نخواستہ حالات کے تقاضے سے مسلمان ہوئے، یہ اللہ اور رسول ص کی تکذیب ہے۔ اللہ نے قرآن میں ایسے لوگوں کو مؤمن کہا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نے ان لوگوں کے ایمان پر اعتماد کیا ہے۔ تعجب ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آپ کی خدمت میں رہنے کے باوجود پتہ نہ چل سکا کہ یہ با دل نخواستہ مسلمان ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ ص نے کتابتِ وحی کی اہم ترین خدمت بھی ان سے لی اور انکے حق میں دعائیں بھی فرمائیں۔ اللہم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب اھ (البدایۃ ص۱۲۱ کنز ص۵۵)۔ اللہم علمہ الکتاب ومکن لہ فی البلاد وقہ العذاب (البدایۃ ص۱۲۱)۔

ایک روایت میں ہے یامعاویۃ ان ولیت امراً فاتق اللہ واعدل اھ (البدایۃ ص۱۲۳)

ایک روایت میں ارشاد ہے یبعث اللہ معاویۃ یوم القیامۃ وعلیہ رداء من نور الایمان اھ (کنز العمال: ج ۶ : ص ۱۹۰)۔

ان باتوں سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی ص میں معاذ اللہ اتنی فراست بھی نہ تھی کہ یہ سمجھ جاتے کہ یہ لوگ دل سے ایمان لائے ہیں یا با دل نخواستہ۔ جب کہ نظامی صاحب نے چودہ سو سال بعد بھی یہ بات سمجھ لی۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ "مسجدوں کے منبروں سے ان کو گالیاں دلوانے کے قابل ہو گئے۔" صاف جھوٹ ہے اور تاریخ سے انتہائی جہالت ہے۔ شیعہ و سنی تاریخ میں ایک جھوٹی روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں یہ لکھا ہو کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبروں سے گالیاں دلوایا کرتے تھے۔" اگر کوئی غلط ثبوت بھی ہو تو نظامی صاحب وہ روایت لکھیں جس میں یہ ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فلاں آدمی کو حکم دیا۔ کہ منبر پر بیٹھ کر حضرت

علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو گالیاں دو ۔ اور پھر اس نے عمل کرتے ہوئے فلاں جگہ پر بیٹھ کر فلاں فلاں الفاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یا بقول نظامی صاحب ان سب کو گالیاں دی ہوں ۔ اور قطع نظر اس سے کہ تاریخ سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا حضرت معاویہ رض کے ہاں بار بار آنا ثابت ہے ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان صاحبزادگان کی جلالتِ شان کے پیشِ نظر ان کی خدمت میں گرانقدر عطیات پیش کرتے اور یہ حضرات آپ سے بطیبِ خاطر وصول کرتے ۔ اگر بقول نظامی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ان کے ساتھ یہ سلوک تھا تو اس کے باوجود ان حضرات کے حضرت معاویہ رض کے پاس آنے کی جو حیثیت سامنے آتی ہے اسے عقلِ سلیم ہرگز قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ۔ جب کہ تاریخ میں یہ موجود ہے کہ ۔

اہلِ بیت نبوت خصوصی طور پر سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے بھی آپ بڑی ملاطفت اور نیک دلی سے پیش آتے رہے ۔ دونوں بھائیوں کو عطائے جزیل سے نوازتے ۔ کبھی دس کبھی بیس لاکھ اور کبھی چالیس لاکھ درہم تک عطا فرماتے ۔ (البدایہ ، ج ۸ ، ص ۱۳۷) ۔

آخر میں نظامی صاحب کا کہنا کہ انہوں نے تحریص اور جبر و استبداد سے کام لیا ۔ یہ بھی نظامی صاحب کی جہالت و کم فہمی ہے ۔ تاریخ میں اس بات کی تکذیب میں سینکڑوں حوالے موجود ہیں ۔

۳ ؛ تیسرے لفظ "شر" پر نظامی صاحب نے جو حاشیہ لکھا ہے اس میں تو وہ بالکل کھل کر سامنے آگئے محسوس یہ ہوتا ہے ، کہ نظامی صاحب بغضِ معاویہ رض میں اس کیفیت کو پہنچ گئے ہیں کہ وہ جہاں کہیں لفظ "شر" دیکھتے ہیں اسے حضرت معاویہ رض پر منطبق کر دیتے ہیں ۔ خواہ وہ حدیث کے خلاف ہو یا تاریخ کے خلاف ہو ۔ یا عقل کے خلاف ہو ۔

اگر وہ تھوڑا سا غور کرتے تو بقول ان کے اگر یہ دورِ شر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا دور ہے اور ایسے دور کے حکام وہ ہوں گے جو دوزخ کی طرف بلانے والے ہوں گے ۔ اور جو ان کی دعوت قبول کرے گا اس کو وہ جہنم میں دھکیل دیں گے ۔ اور اسی حدیث کے آخر میں آتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا ۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان دونوں میں سے کس کے مصداق ہیں ؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عمل بالخصوص حضرات حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا حضرت معاویہ رض کے ہاتھ پر بیعت کرنا واضح دلیل ہے کہ ان حضرات نے ان کو مسلمانوں کا امام سمجھا اور یہی بیعت کرنے والے لوگ جماعتِ مسلمین تھے ۔

اور اگر بقول نظامی صاحب ان کو معاذ اللہ تعالےٰ پہلے گروہ کے مصداق بنایا جائے ۔ تو جن جن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا ، ان کی بات کو تسلیم کیا تو وہ جہنمی ہو گئے اور عہد اتاترک تک سب جہنمی ہوتے کیونکہ یہ دور اس وقت تک رہا ۔ تو پھر اس عرصہ میں اسلام کہاں تھا ؟ اور مسلمان کہاں تھے ؟ فارسی کی کہاوت ہے ۔

"دروغ گو را حافظہ نباشد"

نظامی صاحب پر یہ بالکل صادق آتی ہے۔ انہوں نے آخر میں یہ کتنی سچی بات لکھی ہے کہ "یہ باتیں محض میرے خیالات ہیں" اور حقیقت یہی ہے کہ یہ محض نظامی صاحب کے بے بنیاد خیالات ہیں حقیقت کو ان کیساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور سخت تعجب ہوا یہ دیکھ کر کہ نظامی صاحب اپنے ان جاہلانہ نظریات پر غور و فکر کرنے کی پوری قوم کو دعوت دے رہے ہیں۔ اس حدیث میں ایک جملہ یہ بھی آتا ہے۔ کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جہنم کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ جہنم میں دھکیل دیں گے خدا کرے نظامی صاحب کی غور و فکر کی دعوت ایسی دعوت نہ ہو۔ واللہ یعصمنا وایاکم من الضلالۃ و الغوایۃ وبیدہ التوفیق واللہ اعلم بالصواب۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷/۲/۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

حلیمہ سعدیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس سواری پر لے گئی تھیں

مائی حلیمہؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے لے گئی تھیں تو وہ سواری کیا تھی؟ کیا وہ عام گدھا تھا یا خچر یا اونٹ؟ اختلاف روایات کی صورت میں کون سی روایت زیادہ معتبر ہے؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بحوالہ زاد المعاد، درازگوش تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ یہ روایت ابن قیمؒ کی ہے اس لئے بریلوی اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اعتراض کرتے ہیں کہ دیوبندی معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں کہ آپؐ گدھے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔ کیا گدھے پر سوار ہونا نبیؐ کے لئے معیوب ہے؟ علاوہ ازیں کسی اور موقعہ پر گدھے پر سواری کی ہے یا نہیں؟ شرف الدین سلانوالی سرگودھا

الجواب: علامہ ابن قیمؒ اور ان کے استاذ ابن تیمیہؒ ہر دو حنبلی مذہب کے متبع ہیں اور اکابر اہل السنت والجماعت سے ہیں۔ ابن قیمؒ کی "زاد المعاد" سیرت کی معتبر و مستند کتاب ہے۔ اس لئے حضرت تھانویؒ نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ بریلوی حضرات کے اچھا نہ سمجھنے سے ان دو بزرگوں کی جلالت شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور گدھے کی سواری کوئی معیوب بات بھی نہیں۔ عرب میں اس کا عام رواج تھا۔ اس لئے آپ صراحت کے ساتھ اس روایت پر قائم رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ۔

وفات آدم علیہ السلام کیوقت اولادِ آدمؑ کی تعداد

جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اولادِ آدمؑ کی تعداد کتنی تھی؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔ حافظ علی محمد بٹ گوجرانوالا شہر

الجواب بمطابق طبری بوقتِ وفات آدم علیہ السلام کی اولاد کی تعداد چالیس ہزار تھی۔
عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لم یمت آدم علیہ السلام
حتی بلغ ولده و ولد ولده اربعین الفا۔ (طبری: ج ۱: ص۱۱۲)

فقط واللہ اعلم
الجواب صحیح: محمد انور عفا اللہ عنہ: ۲۶/۵/۱۴۰۷ھ

جنگِ صفین اور یزید کے بارے میں

زید اور بکر کے درمیان درج ذیل سوالات پہ گفتگو ہوئی لیکن حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ براہ کرم اس بارے میں اہلِ سنت کے صحیح موقف کو دلائل سے مبرہن فرما دیں۔

۱ : کیا امیرِ شام معاویہ رضؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگِ صفین لڑی تھی۔ اس میں ان دونوں فریقوں میں سے کون حق پر تھا ؟

۲ : جنگِ صفین میں حضرت عمار بن یاسر رضؓ کی شہادت سے کون سا طبقہ باغی قرار دیا جاسکتا ہے ؟

۳ : کیا امیرِ شام معاویہ رضؓ نے اپنی زندگی میں یزید ملعون کی بیعت کا حکم صادر کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو ایک جابر، ظالم فاسق بیٹے سے بیعت کرانا جائز تھی یا کہ نہیں ؟

۴ : خلافت کو ملوکیت میں کس نے تبدیل کیا ؟

الجواب ۱ : ۲ ۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین جو جنگِ صفین ہوئی اسکی صحیح تعبیر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصیب ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخطی ہیں، لیکن یہ ان کی خطاء اجتہادی تھی جس میں وہ گناہگار نہیں۔ ان کی عدالت وفضیلت پائی جاتی ہے۔ امام نووی رح لکھتے ہیں۔ اما معاویة رضی اللہ عنہ فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء و أما الحروب التی جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب انفسها بسببها وكلهم عدول و متاولون فی حروبهم وغيرها ولم يخرج شئ من ذلك أحدا منهم من العدالة لانهم مجتهدون اھ (ج ۲: ص ۲۷۲ - شرح مسلم)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

هذا الحديث حجة ظاهرة فی أن عليا رضی اللہ عنہ كان محقا مصيبا والطائفة الاخرى بغاة لكنهم مجتهدون فلا اثم عليهم لذلك كما قدمناه فی مواضع (ج ۲: ص۳۹۵)

۳ : ۴ : " ملوکیت " سے سائل کی کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد ولی عہد بنانا ہے تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ولی عہد مقرر فرمایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ حضرات کیلئے یہ معاملہ سپرد فرمایا۔ اسی طرح پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بعد ولیعہدی سپرد فرمائی (کما فی البدایہ)۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے یہ جگہ خالی ہوگئی۔ تو یزید کو ولی عہد مقرر کیا گیا۔ پس یہ تو ایسی قابل ملامت بات نہیں۔

اور اگر سائل کی مراد " ملوکیت " سے کچھ اور ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔ بہر حال بادشاہی کوئی حرام چیز نہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ ابعث لنا ملكاً نقاتل فی سبيل الله (سورة البقرہ) وجعلكم ملوكاً (مائدہ) یزید کے لئے ظالم، جابر، فاسق، ملعون وغیرہ صفات کا اثبات بھی محل نظر ہے۔ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں تو قطعاً یزید ایسا نہ تھا۔ حقیقت حال یہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۴/۷/۱۳۹۹ھ

حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ کے اذان نہ دینے سے سورج طلوع نہ ہونا غلط قصہ ہے

اکثر علماء سے سنا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سے روک دیا اور دوسرے مؤذن کو صبح کی اذان کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ اشہد کی شین کا لفظ صحیح ادا نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان نہ دی تو صبح صادق بھی نہ ہوئی۔ صرف ایک دو علماء سے نہیں بلکہ کافی مستند علماء سے سنا ہے۔ لیکن زید کہتا ہے کہ یہ صرف افسانہ ہے حقیقت نہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو عبارت تحریر فرمادیں اور اگر غلط ہو تو بھی۔

محمد حنیف مدرسہ جامعہ فاروقیہ تعلیم القرآن چک نمبر ۳۰۴ ج ب ضلع فیصل آباد۔

الجواب یہ بات ویسے ہی مشہور ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان بلالاً كان يبدل الشين فی الاذان سيناً قال المزنی انه اشتهر على السنة العوام ولم نره فی شئ من الكتب اھ (موضوعات کبیر، ص ۴۱)۔ سين بلال عند الله شين قال ابن كثير ليس له اصل۔ اھ (ص ۷۵)۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲ : ۲ : ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ بھی خلیفۂ راشد تھے

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے یا نہیں ؟ نیز نعرۂ خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار کہنا صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ خلیفہ راشد ہیں۔ علامہ سیوطی رح فرماتے ہیں۔ الحسن بن علی اخر الخلفاء بنصہ ازالۃ الخفاء (ص۱۴۳) ھو اخر الخلفاء الراشدین بنص جدہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خلیفۃ حق وامام عدل وصدق تحقیقا لما اخبر لہ جدہ الصادق المصدوق بقولہ الخلافۃ الخ منصوصا علیھا و قام علیہ اجماع من ذکر فلا مریۃ من حقیقتہا اھ (صواعق محرقہ ص۸۱)۔

اور نعرہ خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار ان لوگوں کے رد کے لئے ہے۔ جو شیخین سابقین کو نہیں مانتے نہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اخراج کے لئے۔ وہ تو متفق علیہ ہیں۔ نیز نعرہ پر اصرار کرنا بھی درست نہیں۔

فقط واللہ اعلم ؛ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح ؛ محمد صدیق غفرلہٗ۔

حضرت حسن رضؓ نے کتنے نکاح کئے تھے

ایک خطیب صاحب نے بیان کیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے نوّے یا تین سو نکاح کئے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ رات کو نکاح ہوا اور صبح کو طلاق دے دی جاتی تھی۔ صحابہ کبار رضؓ اور ان کی بیٹیاں اس نکاح کی خواہش اس لئے کرتی تھیں کہ حضرت امام حسن رضؓ کی خلوت صحیحہ ملنے پر جہنم سے پناہ ملے گی اور جنت کا حصول ہوگا۔ کیا یہ واقعی درست ہے؟ نیز اس نکاح میں اور متعہ میں کیا فرق ہوا ؟ محمد قاسم ؛ احمد پور شرقیہ بہاولپور۔

الجواب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر رح تحریر فرماتے ہیں۔ وکان کثیر التزوج وکان مطلاقًا..... حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے لوگوں کو حضرت حسن رضؓ کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا۔ لیکن بعض لوگوں نے یہ جواب دیا لو خطب الینا کل یوم لزوجنا منا من شاء ابتغاءً فی صھر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (البدایہ ج ۸ ص۳۸)

یعنی اگر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہمیں ہر روز منگنی کا پیغام دیں گے تو جن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری میں منسلک ہونے کی تمنا ہوگی وہ اسے قبول کرتے رہیں گے۔ مگر نوے یا تین سو نکاح کی کوئی صحیح روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔ اگر خطیب صاحب کا بیان کردہ حوالہ سوال میں تحریر کر دیا جاتا تو اس کی تحقیق کی جا سکتی تھی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ؛ ۷ / ۲ / ۱۳۸۹ھ

حضرت حسین رضؓ کا قاتل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید ہوئے یا نہ ؟ اگر ہوئے تو کس نے کیا ، اور کس مقام پر شہید ہوئے اور کون سی

تاریخ کو شہید ہوئے ہیں ؟

الجواب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس محرم بروز جمعہ کو کربلا میں شہید ہوئے۔ سنان بن انس یا شمر نے آپ کو شہید کیا۔ اور خولی نے آپ کا سر مبارک کاٹ کر عبیداللہ بن زیاد کو پیش کیا۔

وقتل يوم الجمعة يوم عاشوراء سنة احدى وستين بكربلا قتله سنان بن انس النخعي وقيل قتله شمر بن ذي الجوشن واجهز عليه خولي بن يزيد الاصبحي من حمير حز رأسه واتى به عبيد الله بن زياد۔ اھ كذا في الاكمال في آخر المشكوٰة، ص۵۹۴۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ ہذا۔ ۱۴ / ۹ / ۱۳۹۴ھ

حضرت حسینؓ کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے آنے کا ثبوت

ایک واقعہ مشہور ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک شہادت کے بعد ابن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ اس نے چھڑی ہونٹوں پر ماری۔ اس پر زید بن ارقمؓ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ ان ہونٹوں کو حضور علیہ السلام نے بوسہ دیا ہے۔ کیا یہ واقعہ درست ہے ؟

الجواب البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۱۹۰۔ میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ فاذا رأس الحسين موضوع بين يديه واذا هو ينكت فيه بقضيب بين ثناياه ساعة فقال له زيد بن ارقم ارفع هذا القضيب من هاتين الشفتين فو الله الذي لا اله الا هو لقد رأيت شفتي رسول الله صلى الله عليه وسلم على هاتين الشفتين يقبلهما فقط وكذا في البصائر واللہ اعلم بالصواب۔

احقر خیر محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان : ۱۷ / ۱ / ۱۳۶۸ھ

ماتم کی ابتداء قاتلین حسینؓ سے ہوئی ہے

دس محرم کے دن ایک مخصوص طبقہ جو اپنے آپ کو اثنا عشری مذہب کا پیروکار ظاہر کرتا ہے ایک جلوس شہید کربلا کے غم میں نکالتے ہیں۔ جلوس میں جھولا۔ تعزیہ۔ علم۔ دلدل۔ ماتم۔ سینہ کوبی۔ نوحہ وغیرہ شامل ہیں۔ جلوس اور مندرجہ بالا امور کے متعلق اثنا عشری مذہب کی تعلیم کیا ہے ؟ یہ اشیاء اثنا عشری مذہب میں سنت ہیں یا واجب ؟ یا مستحب ہیں ؟۔ محمد اسلم خطیب فاروقیہ مسجد ممتاز آباد ملتان

الجواب اثنا عشری مذہب میں یہ تمام باتیں جو سوال میں درج ہیں حرام ہیں۔ یہ باتیں خود شیعوں کی معتبر کتب میں ممنوع ہیں۔ جس طرح ہر مذہب میں پچھلے لوگ بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں اسی طرح شیعہ

حضرات نے بھی عوام سے کھانے پینے اور ان کو لوٹنے کے لئے یہ بدعات ایجاد کر رکھی ہیں ۔ یہ امور ان کے لئے بہت بڑی آمد کا ذریعہ ہیں ۔ اصل مذہب میں ممانعت موجود ہے ۔ چنانچہ حیات القلوب مصنفہ ملا باقر مجلسی ۔ ص ۱۵۹ ، ص ۱۷۴ ، ص ۳۳۷ ، ص ۳۳۰ ، ص ۳۸۰ ، ص ۴۲۳ ، ص ۵۲۷ ، ص ۵۲۱ ، ص ۵۲۵ ، ص ۵۴۲ ، ص ۶۰۶ ، جلد اوّل میں اور حیات القلوب جلد دوم ص ۲۰۳ ، ص ۷۹۴ ، ص ۸۲۲ ، ص ۸۲۴ ، ص ۸۷۱ ، جلد سوم ص ۲۲۸ ، ص ۲۹۵ میں ممانعتِ ماتم منقول ہے ۔

ماتم کی ابتداء دراصل قاتلینِ حسین رضؓ نے کی تھی تاکہ ان کا یہ فعلِ بد لوگوں کی نظر میں پوشیدہ رہے اور لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بے چارے تو ماتم کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں یہ کیسے قاتل ہو سکتے ہیں ۔ خلاصۃ المصائب ص ۲۲۴ جلاء العیون ص ۲۱۳ مطبوعہ تبریز ۔ تذکرۃ المعصومین ص ۲۰۴ و ص ۲۰۵ ۔ بحر المصائب ص ۱۸ و ص ۱۹ وغیرہ شیعہ کی معتبر کتب میں یہ مضمون موجود ہے ۔

شیعوں کی کتاب " ذبحِ عظیم " ص ۲۳۸ میں امام عالی مقام حضرت امام حسین رضؓ نے اپنی ہمشیرہ حضرت زینبؓ اور اہلِ بیتِ کرام کے دوسرے حضرات کو فرمایا کہ مجھے تم لوگوں سے ایک ضرورت ہے ۔ اور میں تم کو ایک وصیّت کرتا ہوں کہ جب میں شہید ہو جاؤں تو خبردار میرے غم میں گریبان چاک نہ کرنا ۔ نہ سینہ پیٹنا ۔ نہ منہ پر پیٹنا ۔ ص ۲۳۸ ۔ زیادہ تفصیلات کا مطالعہ کرنا ہو تو رسالہ " ائمہ کا فرمانِ معظم متعلق بدعاتِ محرم " کا مطالعہ فرمادیں ۔

واضح رہے کہ حکومت کا فرض ہے کہ پورے پاکستان میں ایسی قبیح اور بیہودہ بدعات کا قلع قمع کرے ۔ یہ تمام قبیح حرکات ہندوؤں کی ہولی ، دسہرہ سے ماخوذ ہیں ۔ انہی کی نقل ہے ۔ اسلام جیسے مقدس مذہب میں ایسے بیہودہ اور فضول کاموں کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ خود ایران میں جو شیعوں کا گڑھ اور مرکز ہے اس قسم کے بے ہودہ افعال ممنوع ہیں ۔ لہذا حکومت کو ضرور مداخلت کر کے اس قسم کے بے ہودہ افعال ختم کرنے چاہئیں ۔ فقط ۔

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

ثعلبہ بدری اور ثعلبہ منافق کی وضاحت

حضرت ثعلبہ بدری صحابی ہونے کے باوجود تساہلِ زکوٰۃ کے کیوں مرتکب ہوئے ۔ اس کا پسِ منظر کیا ہے ؟ جب اپنی زکوٰۃ آنحضرت علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے پاس لے کر گئے تو مسترد کرنے کی وجہ کیا تھی ؟ حالانکہ ان کا زکوٰۃ کو بار بار لانا توبہ اور ندامت ہے ۔ کیا ان سے زکوٰۃ نہ لینا شرفِ صحابیت کو مجروح کرنا نہیں ہے ؟

الجواب ثعلبہ بن ابی حاطب بدریین میں سے نہیں ہیں ۔ اس کی پوری تفصیل الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۱ : ص ۲۰۶ ۔ میں ہے ۔ حدیث میں ہے کہ جب وہ زکوٰۃ لے کر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ منعنی ان اقبل منک صدقتک اھ (ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۷۴)۔ اور یہ اس لئے کہ جب عمال نے آنحضرت علیہ السلام کا فرمان اس کے پاس پہنچایا تو اس نے کہا ان ھی الا اخت الجزیۃ اگر وہ صفتِ صحابیت پر رہتا تو سوال پیدا ہوتا۔ لیکن جب وہ منافق ہوگیا تو سوال کی حاجت ہی نہیں رہی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ۔

جن صاحب کا قصۂ زکوٰۃ کتب تفاسیر وغیرہ میں مذکور ہے اس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب ہے۔ اور جو بدری صحابی ہیں ان کا نام بالاتفاق ثعلبہ بن حاطب ہے۔ غزوۂ احد میں ان کی شہادت ہوگئی تھی۔ جیسا کہ کلبیؒ نے تصریح کی ہے جب یہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے پاس زکوٰۃ لے کر آنے والے کیسے ہوسکتے ہیں۔ الغرض مذکورہ قصہ بدری صحابی کا نہیں۔ نیز خود یہ قصہ بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ "اصابہ" میں ہے۔ ولا أظنہ یصح۔ والجواب صحیح۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ ۱؍۶؍۱۳۹۰ھ

حضرت اویس قرنیؓ کے بارے میں صحیح روایت

حضرت اویس قرنی کے متعلق اکثر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں ذکر اور تعریف فرمایا کرتے تھے جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ایک ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں جو کبھی آپ کی زیارت تک کے لئے تشریف نہیں لائے۔ تو حضور نے فرمایا۔ تمہیں کیا خبر، اس کا کیا مقام ہے اور اس کو میری زیارت تو روزمرّہ ہوتی ہے۔ اس کی بوڑھی اور نابینا والدہ ہے جس کی خبر گیری کرنے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اس وجہ سے میں نے حکم دیا ہے کہ تم بس اپنی والدہ کی خدمت کرو، میں روزانہ تم کو وہیں زیارت کرادوں گا۔ کیا یہ سب باتیں درست ہیں یا غلط اور بے بنیاد ہیں؟

الجواب حضرت اویس قرنیؓ کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان رجلا یأتیکم من الیمن یقال لہ اویس لا یدع بالیمن غیر ام لہ قد کان بہ بیاض فدعا اللہ فاذھبہ الا موضع الدینار او الدرھم فمن لقیہ منکم فلیستغفر لکم۔ رواہ مسلم۔ وفی روایۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان خیر التابعین رجل یقال لہ اویس ولہ والدۃ وکان بہ بیاض فمروہ فلیستغفر لکم اھ (مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۵۸۲)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ " اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ " میں حضرت اویس کے بارے میں ایک دوسری روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قال ابن حبان باطل محمد بن ایوب کان یضع علی مالک والذی صح فی اویس کلمات یسیرۃ معروفۃ - ص ۴۴۹ - ھکذا فی تذکرۃ الموضوعات ۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اویسؒ کے متعلق روایت مسلم میں مذکور منقبت کے علاوہ دیگر کوئی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ۔ پس جو روایت سوال میں مذکور ہے محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک غیر معتبر ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا نشان تک موجود نہیں ۔ نیز اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویسؓ کو اپنی زیارت کا شرف اپنی زندگی میں بخشا ۔ ایک مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ آپ زیارت کراتے تھے ۔ اور یہ معلوم ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں جس مسلمان کو زیارت کا شرف حاصل ہو جائے وہ صحابی کہلاتا ہے ۔ حالانکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ آپ تابعی ہیں صحابی نہیں ۔ صاحب اکمال لکھتے ہیں

اویس القرنی ھو اویس بن عامر کنیتہ ابو عمرو القرنی ادرک زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یرہ ولبشرب وراٰی عمر بن الخطاب ومن بعدہٗ۔

(مشکوۃ ج : ص ۵۸۶)۔

اس سے بھی سوال میں مذکور روایت کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے ۔ اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت اویس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سید التابعین فرمایا ہے ۔ معلوم ہوا کہ حضرت اویس نے حضورؐ کی زیارت نہیں کی ۔ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا تو آپ کے مقابلہ میں کسی اور کی بات کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔   بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔

یزید و مروان کافر تھے یا فاسق و فاجر

یزید اور مروان کے متعلق مختلف باتیں مشہور ہیں ان کے بارے میں صحیح رائے کیا ہے ؟ بعض ان کو کافر کہتے ہیں ، بعض فاسق و فاجر کہتے ہیں ؟

الجواب یزید کے بارے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں لیکن اس کے کفر پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم یزید نے دیا تھا یا نہیں ؟ آپ کی شہادت سے اس کو خوشی ہوئی تھی یا رنج ؟ اس کے بارے میں دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں ۔ حقیقتِ حال اللہ کو معلوم ہے ۔ ہم پر لازم ہے کہ محتاط پہلو اختیار کریں ۔

مروان کی طرف تکفیر کی نسبت قطعاً غلط ہے ۔ امام بخاریؒ اور امام مالکؒ وغیرہ محدثین نے ان سے روایات لی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں مروان کی روایت موجود ہے ۔ ایسی صورت میں تکفیر کیسے جائز ہو سکتی ہے۔

فقط واللہ اعلم : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ضبطِ املاک کی حقیقت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا حضرت عمر بن عبدالعزیز عمر ثانی رہ نے اپنے دورِ حکومت میں عوام کی املاک اور سرمایہ بحق بیت المال ضبط کر لیا تھا ، اور کیا دین اسلام اس اقدام کی حمایت کرتا ہے ؟

نسیم الدین ملتان شہر

الجواب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ نے عوام کی املاک اور سرمایہ بحق بیت المال ضبط نہیں کیا تھا کسی تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ۔ کہ حضرت موصوف کے دور میں انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دیا گیا تھا ۔ جو شخص اس کا مدعی ہے اسے ثبوت پیش کرنا چاہیئے ۔ بلکہ کتب احادیث و تاریخ سے اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسب سابق انفرادی ملکیت باقی رہی اور زکوٰۃ وعشر اور دیگر صدقات وغیرہ کے احکام پر معاشرہ میں عمل جاری وساری تھا ۔ البتہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رہ نے بعض لوگوں کے ایسے اموال کو ضبط کر لیا تھا جو ناجائز طور سے ان کے پاس پہنچے ہوئے تھے ۔ چونکہ یہ اموال غیر شرعی طور پر بیت المال سے لئے گئے تھے لہذا حضرت موصوف نے ان اموال کو لے کر واپس بیت المال میں جمع کر دیا ۔ ایسے نا جائز اموال کی ضبطی شرعاً جائز ہے جب کہ یقینی طور پر ان کا ناجائز ہونا ثابت ہو جائے ۔ بدوں اس کے ایسے اقدام کی اجازت نہیں ہوگی ۔ اسلام انفرادی ملکیت کے احترام کا قائل ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۷ / ۴ / ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

امام اعظمؒ کا شجرۂ نسب

امام اعظم رحمہ اللہ کا شجرۂ نسب بیان فرمائیں ؟

الجواب شجرۂ نسب حسب ذیل مذکور ہے ۔

امام ائمۃ المجتہدین ، سراج الامت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن ثابت بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیروان بادشاہ ۔ بحوالہ تاریخ ابن خلکان (حدائق الحنفیہ ص ۱۷)۔

فقط واللہ اعلم بندہ محمد صدیق معین مفتی ۔

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ؛ الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ خادم الافتاء۔ ۲ر۱۲ر۱۳۷۵ھ

امام اعظم رح کو ابو حنیفہ کہنے کی وجہ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ابو حنیفہ کہنے کی وجہ کیا ہے۔ اس کنیت کی وجہ مطلوب ہے۔

(حضرت استاذ القراء مولانا قاری رحیم بخش صاحب دامت برکاتہم صدر مدرس شعبہ قرأت خیر المدارس ملتان)۔

الجواب حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہے۔ اسلام کو دینِ حنیف اور ملتِ حنیفہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام بھی اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم دیتا ہے۔ امام صاحب نے چونکہ زندگی ہی ملتِ حنیفہ کی خدمت کے لئے وقف کی ہوئی تھی اس لئے ابو حنیفہ کنیت اختیار فرمائی۔ جس کا معنی ہے "ملتِ حنیفہ والا"۔ حقیقت یہی ہے۔ اس کے علاوہ لوگ جو وجوہ بیان کرتے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ نہ حنیفہ امام صاحب کی کوئی لڑکی تھی اور نہ ہی حنیفہ نامی کسی لڑکی کی موجودگی میں کوئی سوال وجواب کا قصہ پیش آیا۔
(الخیرات الحسان : للعلامۃ ابن الحجر المکی الشافعی) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ : ۲۶ر۴ر۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

محمد بن مسلم الزہری مسلّم اہلسنت والجماعت ہیں انکی طرف رفض کی نسبت کرنا بالکل غلط ہے۔

جناب مولانا صاحب اس جگہ کئی آدمیوں کا خیال ہے کہ شہاب الدین زہری راوی حدیث شیعہ مذہب رکھتے تھے اور ان پر لعنت بھی کرتے تھے اس لئے یہاں پر بڑی گڑ بڑ ہے۔ آپ برائے مہربانی اس مسئلہ کو حل کر کے تسلی کر دیں کہ وہ واقعی شیعہ تھے یا نہیں ؟ اور بحوالہ کتب صحاح ستہ ان کے فضائل بھی بیان فرما دیں۔

۔ مولوی اللہ بخش کبیر والا۔

الجواب ۱ : محمد بن مسلم الزہری الحافظ الحجۃ کان یدلس فی النادر۔
(میزان الاعتدال للذہبی : ج ۳ ، ص ۲۱۶)۔

۲ : وھو ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری اتفقوا علی اتقانہ وامامتہ فتح الباری ج ۱ ، ص ۱۸۔ لحافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی۔

۳ : ھو الامام ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری المدنی سکن الشام وھو تابعی صغیر۔ سمع انسا وربیعۃ وعنہ جماعۃ من کبار التابعین۔ منہم عطاء وعمر بن عبد العزیز الخ ج ۱ ، ص ۵۶۔
عمدۃ القاری للحافظ بدر الدین العینی۔

امام ذہبی رہ نے امام زہری کو حافظ اور حجۃ فرمایا ہے ۔ اور یہ الفاظ توثیق کے عمدہ کلمات سے ہیں۔ حافظ ابن حجر رہ فرماتے ہیں کہ محدثین اور ناقدین فن امام زہری رہ کی امامت اور اتقان پر متفق ہیں۔ حافظ عینی رہ بھی انہیں " ہو الامام " سے ذکر کر رہے ہیں ۔ پس ان ائمہ کی توثیق کے مقابلہ میں امام زہری رہ کے بارے میں کسی جرح کو قابل قبول نہیں گردانا جائے گا۔ امام زہری رہ یقیناً اکابر اہل السنۃ والجماعت سے ہیں ۔ ہم یہ عبارات کو اس سلسلہ میں کافی سمجھتے ہوئے مزید تتبع کتب کی کاوش نہیں کی گئی ۔ امید ہے کہ دیگر کتب فن کی تصریحات بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ ہوں گی ۔ اگر کسی کتاب میں امام زہری رہ کے تشیع کی تصریح مل جائے تو یہ تشیع ہمارے زمانے کا رفض نہیں جو عین کفر یا قریب بکفر ہے ۔ بلکہ قرون ثلاثہ اور سلف کا تشیع ہے جس کا حاصل حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور ان کی رائے سے اتفاق رکھنے والے دیگر صحابۂ کرام رضؓ میں کچھ کلام کرنا ، اور حضرت علی رضؓ کو حضرات شیخین رضؓ سے افضل سمجھنا ہے ۔

کما فصله الذهبی فی میزان الاعتدال فی ترجمة ابان بن تغلب ونصه (ابان بن تغلب) الکوفی شیعی جلدٌ صدوق فلنا صدقه وعلیه بدعتهٗ وقد وثقه احمد بن حنبل وابن معین وابوحاتم وقال کان غالیا فی التشیع فلقائل ان یقول کیف ساغ توثیق مبتدع وجوابه ان البدعة علی ضربین فبدعة صغری کغلو التشیع او کالتشیع بلا غلو ولا تحرق فهذا کثر فی التابعین وتابعیهم مع الدین والورع والصدق ثم بدعة کبری کالرفض الکامل الغلو فیه والحط علی ابی بکر وعمر رضی الله عنهما والدعاء الی ذلک فهذا النوع لا یحتج بهم فما استحضر الاٰن فی هذا الضرب رجلا صادقا ولا مأمونا بل الکذب شعارهم والتقیة والنفاق دثارهم فالشیعی الغالی فی زمان السلف وعرفهم هو من تکلم فی عثمان والزبیر وطلحة ومعاویة والغالی فی زماننا هو الذی یکفر هؤلاء السادة فهذا ضال مفتر ولم یکن ابان بن تغلب یعرض للشیخین اصلاً بل قد یعتقد علیا افضل منهما ۔

اور اتنی بات مسقط عدالت و ثقاہت نہیں ۔ پس امام زہری رہ بلاشبہ حافظ اور حجت ہیں بے سوچے سمجھے ان کے حق میں زبان درازی کرنا اپنی عاقبت خراب کرنے کے مترادف ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

۳۰ ــــــ ۴ ــــــ ۱۳۸۰ھ

غُنیۃُ الطالبین میں "فرقۂ ضالہ" سے مراد "فرقہ غسانیہ" ہے احناف نہیں

غنیۃ الطالبین میں شیخ عبدالقادر جیلانی رح حنفیہ کو فرقۂ مرجیہ کی شاخ قرار دے کر گمراہ فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ شیخ صاحبؒ نے کہیں احناف کی تعریف بھی لکھی ہے ؟۔

الجواب حضرت شیخ کی مراد اس عبارت سے "فرقۂ غسانیہ" ہے۔ جس کا بانی "غسان بن ابان کوفی" تھا۔ جو اصول میں مرجیہ کا معتقد تھا اور فروع میں امام ابوحنیفہ رح کی اتباع کا دعوےٰ کر کے حنفی کہلاتا تھا۔ چونکہ وہ اور اس کے معتقدین اعتقادِ ارجاء کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حنفی مشہور کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت شیخ رح نے اصولی اختلاف کے بیان میں اس فرقۂ ضالہ کو ان کے مشہور لقب سے ذکر کیا۔

واما الحنفیۃ فہم اصحاب ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت زعموا ان الایمان ھو المعرفۃ والاقرار باللہ و رسولہ۔

ورنہ جو لوگ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے اصول و فروع میں امام ابوحنیفہ رح کے مقلد ہیں ان کو حضرت شیخؒ کیونکر برا کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ جس اکرام و احترام سے دوسرے ائمہ رح کا ذکر کرتے ہیں اسی احترام و اکرام سے امام ابوحنیفہ رح کا اسمِ گرامی بھی ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ نمازِ فجر کا وقت ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قال الامام ابوحنیفۃ الاسفار افضل اھ یہ اجمالی جواب ہے تفصیلی جواب کے لئے دیکھئے رسالہ "الرفع والتکمیل" مؤلفہ مولانا عبدالحی رح از صفحہ ۲۵ تا صفحہ ۲۸ (خیر الاصول ص ۱۱)۔

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد صدیق عفرلہٗ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ۔

صرف نحو فقہ حدیث و تفسیر کب مدوّن ہوئے ؟

سوال : علم صرف و نحو، تفسیر و حدیث اور فقہ کب ایجاد ہوئے ؟ دورِ خیر القرون میں ان کا وجود تھا یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ علوم تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں مدوّن ہوئے۔ علم نحو کو "ابوالاسود دؤلی" نے (جسے حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا شرف صحبت حاصل تھا) مدوّن کرنا شروع

کر دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اسے حکم کیا تھا۔ اور کچھ قواعد بھی بیان فرمائے تھے۔ ایک دفعہ ابو الاسود نے کسی کو قرآن مجید کی ایک آیت اس طرح پڑھتے سنا۔ ان اللّٰہ بری ءمن المشرکین و رسولِہ ۔ یعنی رسولہ میں لام پر کسرہ پڑھا جس سے معنی بالکل غلط ہو جاتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی محرک بنا تدوین نحو کا۔ چنانچہ اس نے کچھ قواعد و ضوابط مرتب کئے۔

علوم حدیث، تفسیر اور فقہ بھی حضرات تابعین، تبع تابعین کے زمانہ میں مدوّن ہونا شروع ہو گئے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری کو تدوین حدیث کا حکم دیا۔ یہ فن حدیث میں مکہ، مدینہ، اور شام کے بے نظیر عالم تھے۔ علاوہ ازیں ابن جریج نے مکہ میں۔ ابن اسحاق اور امام مالک رح نے مدینہ میں ربیع بن صبیح، سعید بن عروبہ اور حماد بن ابی سلمۃ نے بصرہ میں، سفیان ثوری رح نے کوفہ میں، اوزاعی نے شام میں، ہشیم نے واسط میں، معمر نے یمن میں، جریر بن عبدالحمید نے رَے میں، اور ابن مبارک نے خراسان میں احادیث کو جمع کرنا شروع کیا۔ یہ سب حضرات زمانہ خیر القرون میں تھے۔ اسی طرح فقہ[1] کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔ علم تفسیر، علم حدیث کا ایک جز ہے۔ کتب حدیث میں باب التفسیر مستقل باب آتا ہے۔ الحاصل یہ تمام علوم دورِ خیر القرون میں مدوّن ہوئے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ ۲۳/۴/۱۳۸۱ھ

تجدیدِ دین میں علماءِ دیوبند کا مقام

سوال: حدیث میں ہر صدی کے بعد مجدّد کے آنے کا ذکر ہے۔ اس مجدّد کی علامات کیا ہیں؟ ہندوستان میں گزشتہ صدی میں مختلف افراد اور جماعتیں مجدّد ہونے کی مدعی رہی ہیں۔ ہمارے اکابر رحمہم اللہ کے نزدیک یہ شرف کسے حاصل ہوا ہے؟

مولانا محمد یوسف رحمانی خطیب مکی مسجد میاں چنوں۔

الجواب تجدید و احیاءِ دین کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ان اللّٰہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مأتہ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (رواہ ابوداؤد، والطبرانی، والبیہقی وابن عدی، والحاکم)۔

---

[1] امت میں ترتیبِ فقہ اور مسائل کے استنباط و استخراج کا شرفِ اوّلیت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حاصل ہے۔ اس سے پہلے عام طور پر لوگوں کا دار و مدار حافظہ پر تھا۔ امام مالک رح بھی اس سلسلہ میں آپ کے خوشہ چین ہیں۔ ابن حجر شافعی رح نقل کرتے ہیں۔

انہ اوّل من دوّن علم الفقہ و رتبہ ابوابًا وکتبًا علی نحو ما ھو علیہ۔

الیوم وتبعہ مالك فی موطاہ و من قبلہ انما کانوا یعتمدون علی حفظہم اھ۔ (الخیرات الحسان ص۳۱) ۔ محمد انور : مرتب خیر الفتاوی ۔

اور یہ شرف کبھی ایک فرد کو حاصل ہوتا ہے اور کبھی ایک جماعت کو ۔ بلکہ بعض محدثین نے جماعت کے مجدد ہونے کو ترجیح دی ہے ۔ (بذل المجہود : ج ۵ : ص ۱۰۴) ۔ جس جماعت کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے اس میں ان صفات کا پایا جانا ضروری ہے ۔

۱ : اس جماعت میں شریک افراد علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہوں ۔

۲ : ان کی تدریس و تذکیر، تالیف و تصنیف سے عام فائدہ ہو ۔

۳ : ایک صدی کے آخر میں اور دوسری صدی کے شروع میں ان کے علم کا عام شہرہ ہو ۔

۴ : وہ جماعت سنن کے قائم رکھنے میں اور بدعات کو مٹانے میں کوشاں ہو ۔ (مجموعۃ الفتاوی، ج ۱ ص۱۹)۔

ان علامات وصفات کی روشنی میں تجدید و احیاءِ دین میں علماءِ دیوبند کا مقام بہت واضح نظر آتا ہے۔

۱۲۷۵ھ کے بعد ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے حالات تاریخ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں ۔ زندگی کے ہر میدان میں مسلمان تنزل کی طرف جا رہے تھے ۔ علمی زوال کا یہ حال تھا کہ بقول حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ " دہلی میں جہاں سلطان محمد تغلق کے دور میں ایک ہزار مدارس قائم تھے انگریزی تسلط کے بعد ایک بھی مدرسہ باقی نہ رہا تھا ۔ علماء بھی جہاد میں حصہ لینے کے جرم میں، پھانسی چڑھا دیئے گئے تھے یا انہیں کالا پانی بھیج دیا گیا تھا ۔ باقی ماندہ حضرات منتشر اور اپنے اپنے حالات میں گرفتار تھے ۔

(الرشید دار العلوم دیوبند نمبر ص۱۴۴)

ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ برس ہا برس کی معاشرت کی وجہ سے مختلف غیر اسلامی اعمال و افعال مسلمانوں کی زندگی کا جزء بن گئے تھے ۔ وہ رسوم و بدعات کے دل دادہ تھے ۔ پیر پرستی اور قبر پرستی کا فتنہ عام تھا اور جو کچھ تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے وہ بقاعدہ الناس علی دین ملوکھم تیزی سے انگریز اور انگریزی تہذیب کے قریب ہوتے جا رہے تھے ۔ مختصر الفاظ میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی ۔۔۔ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مزید برآں یہ کہ انگریز حکمران طبقہ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے ہمیشہ کے لئے انہیں اپنا غلام بنالے اور ان کے ذہنوں کو رفتہ رفتہ ایسا بدلا جائے کہ وہ ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کو فراموش کر بیٹھیں اور اپنے تابناک ماضی سے غافل ہو جائیں ۔ اور ان کی دینی روایات اور تہذیبی اقدار قصۂ پارینہ

بن جائیں۔ ذہنی انقلاب لانے کے لئے سب سے مؤثر اور کامیاب حربہ نظامِ تعلیم ہے۔ چنانچہ مشہور انگریز، لارڈ میکالے نے ہندوستانی باشندوں کے لئے جس نظامِ تعلیم کی سفارش کی اس کا مقصد اس کے اپنے الفاظ میں یہ تھا کہ " ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطۂ نظر سے انگریز " اور نتیجہ یہ ہوا کہ جن مسلمان خاندانوں نے انگریز کی اس چال کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کے نظامِ تعلیم کو اپنایا وہ رفتہ رفتہ اپنے علمی و تہذیبی ورثہ کو بالکل فراموش کر بیٹھے۔

جب اس زوال و انحطاط کی انتہا ہوگئی تو عادۃ اللہ کے مطابق اللہ تعالےٰ نے اپنے چند بندوں کو منتخب کرکے انہیں یکجا کیا وہ سر جوڑ کر بیٹھے، ملک و ملت کے حالات پر غور کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ موجودہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور تجدید و احیاءِ دین کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی درس گاہ قائم کی جائے جس میں اسلام اور اسلامی علوم اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ رہ سکیں۔ اور اس درس گاہ کے فیض یافتہ، مسلمانوں کی فکری، عملی رہنمائی کر سکیں۔

چنانچہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو قصبہ دیو بند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے مسجد چھتہ کہتے ہیں انار کے درخت کے نیچے اس درس گاہ کا آغاز کیا گیا۔ اس کی بنیاد رکھنے والوں کے خلوص و للہیت کا اثر یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد یہ سادہ سی درس گاہ ایک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گئی۔ اور یہاں سے علم و فضل کے ایسے ایسے آفتاب و ماہتاب نکلے کہ جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا دیا۔

اس درس گاہ میں صرف نصاب و الفاظ کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی بلکہ یہ ایک عملی تربیتی درس گاہ بھی تھی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو، دارالعلوم کے قرنِ اوّل کے طلباء میں سے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ

> " ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جب اس کے ایک چپڑاسی سے لے کر صدر مدرس و مہتمم تک ہر شخص ولی کامل تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم و فنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآنِ پاک سے گونجتا تھا "

اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ دارالعلوم سے فارغ ہونے والے اسلام کی تبلیغ مجسم ہوتے تھے۔ اور وہ جہاں جا کر بیٹھے ایک جہان کو سچا مسلمان بنا کر اٹھے۔ ان لوگوں نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست ور اجتماعی امور میں وہ تابناک کردار ادا کئے جو آئندہ آنے والوں کے لئے ہمیشہ مشعلِ راہ رہیں گے۔ تھوڑے سے

ہی عرصہ میں دارالعلوم کو عالمگیر شہرت حاصل ہوگئی جس کا ثبوت دارالعلوم کی وہ روئیدادیں ہیں جن میں دور دراز کے ممالک سے آنے والے طلباء کی تفصیلات، فضلاء کی تعداد اور ملک اور بیرون ملک سے آنے والے فقہی استفسارات ہیں۔ دارالعلوم نے سنہ ۱۲۸۳ھ سے سنہ ۱۳۸۴ھ تک عرصہ میں ۵۲۶ مشائخ طریقت، ۵۸۸۸ مدرسین، ۱۱۶۴ مصنفین۔ ۱۷۸۴ مفتی۔ ۱۵۴۰ مناظر۔ ۴۸۴ صحافی۔ ۲۸۸۴ خطیب و مبلّغ اور ۲۸۸ طبیب پیدا کئے۔ ان میں بعض حضرات بہت اونچے درجے کے تھے اور اپنے اپنے فن میں امام و سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ دنیا کے کسی دینی یا دنیاوی ادارے نے اتنے عرصہ میں معمولی خرچ پر یقیناً اتنا قیمتی سرمایہ پیدا نہ کیا ہوگا۔ اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم، اذا جمعتنا یا جریر المجامع۔

علماء دیوبند کی خدمات میں بڑا حصہ ان کی تصانیف ہیں۔ چنانچہ تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد و کلام، تاریخ و معاشرت، سیاست، اصلاح رسوم، احسان و تصوف اور دیگر علوم عصریہ ضروریہ میں سے کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر علماء دیوبند کی گراں قدر تصانیف موجود نہ ہوں۔ صرف حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ کی چھوٹی بڑی تصانیف ایک ہزار سے زائد ہیں۔ جن میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق راہنمائی موجود ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق مشہور و معروف تصانیف کو شمار کیا جائے تو قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر اور ان کے متعلقات پر علماء دیوبند کی ۲۷ ستائیس تصانیف ہیں۔ جن میں سے بعض آٹھ اور بعض بارہ جلدوں پر مشتمل ہیں۔

ایسے ہی حدیث اور اس کے متعلقات پر ۴۰ چالیس سے زائد تصانیف معروف و مشہور ہیں جن میں بعض شروح حدیث بہت مفصل اور ضخیم ہیں۔ ان میں اکیلی "اعلاء السنن" ہی جو اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہے ایک ایسی عظیم کتاب ہے جو پورے ہند و پاک کے لئے باعث فخر ہے۔

ایسے ہی فقہ اور اس کے متعلقات پر بڑی بڑی کتابیں ۳۰ تیس سے زائد ہیں۔ جن میں سے بعض فتاوے کی کتب بارہ جلدوں پر بھی مشتمل ہیں۔ عقائد و کلام کے موضوع پر تقریباً پندرہ کتب متداول ہیں۔ جن میں بعض کی متعدد جلدیں ہیں۔ ادب و لغت میں ۲۱ تصانیف موجود ہیں۔ تاریخ و سیرت پر ستر سے زیادہ کتب عوام و خواص میں مقبول ہیں۔ علماء دیوبند کے اس علمی ذخیرہ کو دیکھتے ہوئے عالم اسلام کے ایک جلیل القدر عالم شیخ ابوالفتاح ابوغدہ استاذ ریاض یونیورسٹی (سعودی عرب) نے فرمایا۔

علم و تقویٰ کے اساطین سے مالا مال اس عظیم الشان ادارے کے علماء عظام کی خدمات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے میں درخواست کرنا چاہتا ہوں بلکہ ذرا جرأت کروں گا، وہ یہ کہ ان علماء کرام کا فریضہ ہے کہ اپنے منفردانہ عقول کے نتائج فکر اور بیش بہا علمی فیوض و تحقیقات کو عربی زبان

کا جامہ پہنا کر عالمِ اسلام کے دوسرے علماء کے لئے استفادے کا موقع فراہم کریں۔ ان حضرات کی بعض کتب تو وہ ہیں جن میں ایسی چیزیں ہیں جو متقدمین علماء اکابر، مفسرین، محدثین، اور حکماء کے یہاں بھی دستیاب نہیں ہوتیں "

الغرض تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی کے شروع میں ان حضرات کی علمی و عملی خدمات کا عام شہرہ تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ورثۂ نبوت کی حفاظت انہی بوریہ نشینوں نے کی ہے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ دار العلوم کے ایک فرزندِ جلیل، محدثِ کبیر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالےٰ نے آج سے تقریباً چالیس سال قبل ایک مضمون میں لکھا تھا کہ

"جو حقائق میری آنکھوں کے سامنے ہیں وہ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں علیٰ رؤس الاشہاد دعویٰ کروں کہ اگر سرزمین دیوبند سے یہ چشمۂ صافیہ نہ نکلتا تو تیرہویں صدی کے آخر میں ہندوستان سے قرآن و سنت کے علوم کا خاتمہ ہو گیا ہوتا "

دار العلوم نے اپنی تدریس و تذکیر اور تالیف و تصنیف کے ذریعہ بے دینی کی ہر تحریک کا مقابلہ کیا۔ ہندوستان میں قادیانیت کی تحریک اٹھی تو علماء دیوبند اور ان کے متعلقین کی ایک سو اکتیس تصانیف وجود میں آئیں اور اس سلسلہ میں ان حضرات نے جو عملی جد و جہد کی اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں وہ بھی تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش باب ہے۔ علماء دیوبند کی خدمات اس کی محتاج نہیں کہ ان پر کسی کی شہادت پیش کی جائے۔ تاہم ایک مغربی مفکر کی رائے پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس نے اس وقت کی ایک اور مدعیٔ اصلاح تحریک کا اور دار العلوم کی خدمات کا منصفانہ موازنہ کیا ہے۔ ؏ والفضل ما شهدت به الاعداء۔

"دار العلوم دیوبند دنیائے اسلام کا ایک اہم ترین ادارہ ہے قدرتی طور پر اس کا اثر ہندوستان میں بہت زیادہ ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ دیوبند نے ہندوستان کی معاشی ترقی میں اپنی قدیم روایات کے مطابق کافی دلچسپی لی ہے۔ اور ان قدیم روایات کا مبدا، شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی تحریک ہے۔ ان ہی روایات کے پیشِ نظر دیوبندی علماء نے مختلف انقلابی تحریکوں میں حصہ لیا ہے۔ بریلوی طرزِ فکر کے برعکس دیوبندی طرزِ فکر اس سے مطمئن نہیں کہ حالات جوں کے توں رہیں بلکہ وہ حالات کو ترقی دینے کی جد و جہد میں پورے عزم اور جوش کے ساتھ کوشاں ہیں۔ اس کا نقطۂ نظر حقیقی اسلام کا احیاء ہے یعنی مسلمانوں کو مذہبی رنگ کی بد اعمالیوں، رسم و رواج کی پستیوں اور اس مادی دست برد سے نجات دلانا ہے جس کے وہ برطانوی تسلط کے وقت سے شکار ہو رہے ہیں " (ماڈرن اسلام ان انڈیا)

مصنفہ ڈاکٹر کانٹویل اسمتھ، ڈائریکٹر اسلامک اسٹڈیز میکگل یونیورسٹی کناڈا

الحاصل حقائق و واقعات کی رو سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان میں تجدید و احیاء دین کے سلسلہ میں علماء دیوبند کی خدمات سب سے زیادہ ہیں۔ اگر کوئی اور فرد یا جماعت بھی اس کی مدعی ہے تو مذکورہ بالا علامات تجدید کی روشنی میں اس کے دعویٰ کی صداقت معلوم کی جا سکتی ہے۔ و للہ در القائل ؎

بنما بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

فقط واللہ اعلم ، محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر

حضرت مدنی رح اور علامہ اقبال کا اختلاف اخبارات کی غلط رپورٹ کی وجہ سے ہوا۔

حکیم الامت حضرت علامہ اقبال کے فرمودہ درج ذیل اشعار پیش خدمت ہیں براہ مہربانی مطلع فرمائیں کہ علامہ موصوف نے یہ اشعار کب اور کس ضرورت کے تحت کہے تھے ؟ ؎

عجم ہنوز نہ داند رموز دین ورنہ ، ٭ ز دیوبند حسین احمد چہ بو العجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است ٭ چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ٭ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

۲ : ان کے علاوہ علامہ موصوف کا یہ بھی قول ہے ۔ " دین ملا فی سبیل اللہ فساد " یہ علامہ نے کس موقعہ پر کہا تھا ؟

الجواب ۸ر جنوری ۱۹۳۸ ر کو صدر بازار دہلی میں منعقد ہونے والے ایک جلسے میں حضرت اقدس حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا " موجودہ زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں اور نصرانی بھی۔ پروٹسٹنٹ بھی ہیں، کیتھولک بھی۔ یہی حال امریکہ جاپان فرانس وغیرہ کا ہے " (از مکتوبات حضرت مدنی رح بنام علامہ طالوت رح)

حضرت اقدس رح کی یہ تقریر دہلی کے اخبار " تیج " اور " انصاری " میں چھپی۔ اخبار " الامان " اور " وحدت " نے بھی اس تقریر کے اقتباسات شائع کئے۔ مؤخر الذکر دونوں اخباروں سے " انقلاب " اور " زمیندار " نے نقل کیا۔ " الامان " میں نقل کرنے والا مظہر الدین شیرکوٹی حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سخت مخالف تھا اس نے " الامان " میں یہ الفاظ لکھے۔

" رات کے جلسے میں مولانا مدنی نے کہا کہ ملتیں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں "

" انقلاب " اور " زمیندار " نے لکھا۔

" حسین احمد دیوبندی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بھی اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں "۔

واضح رہے کہ اخبار " انقلاب " اور " زمیندار " لاہور کے تھے۔ جب یہ اخباری اطلاع ملی کہ حضرت مدنی نے یہ کہا ہے تو انہوں نے یہ تین اشعار سپردِ قلم کئے جن میں اس نظریے کی تردید کی گئی تھی کہ " ملتیں وطن سے بنتی ہیں " اور ساتھ ہی حضرت مدنی رح پر بھی طنز کیا گیا تھا۔ علامہ کے یہ اشعار اخبار " احسان " میں چھپے۔ ہر دو شخصتیں ملک کی مایۂ ناز ہستیاں تھیں۔ اس لئے اخبارات میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ تائیدی و تردیدی بیان شروع ہو گئے۔ علامہ طالوت مرحوم نے حضرتِ اقدس مدنی رح کو لکھا کہ اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ آپ کہتے ہیں " ملتیں وطن سے بنتی ہیں " اور آپ نے مسلمانانِ ہند کو مشورہ دیا ہے کہ مسلمانانِ ہند کو بھی ایسا کرنا چاہئے۔ ساتھ علامہ اقبال کے اشعار بھی لکھ بھیجے۔ حضرت رح نے جواب میں علامہ طالوت رح کو لکھا۔

" الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ ہم کو ایسا کرنا چاہئے یہ خبر ہے انشا نہیں، اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلط ہے "۔

(اقتباس از مکتوب حضرت اقدس رح)

علامہ طالوت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خط کا یہی اقتباس ڈاکٹر محمد اقبال رح کو لکھ بھیجا۔ ساتھ ہی حضرت مدنی رح کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ " میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا "۔

علامہ اقبال پر جب یہ حقیقتِ حال منکشف ہوئی کہ واقعہ کچھ تھا اخبارات نے کچھ لکھا۔ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ نے وہ بات نہیں کہی جو میں نے سمجھی ہے اور جس پر میں نے تنقید کی ہے۔ تو انہوں نے اخبار " مدینہ " بجنور اور " احسان " لاہور میں معذرت شائع کی جس میں یہ فرمایا کہ

" مجھے اس کے بعد ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا "۔ (احسان)۔

" مجھے غلط خبر پہنچی تھی جس کی وجہ سے میں نے برافروختہ ہو کر ان پر سخت تنقید کی۔ اب اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی۔ اس لئے میں مولانا مدنی سے خواستگارِ معافی ہوں۔ امید ہے کہ مولانا صاحب مجھے معاف فرمائیں گے "۔ (مدینہ بجنور)

یہ توان اشعار کا پس منظر اور ان اشعار کی حیثیت تھی۔ اس کے ساتھ ایک ضروری گزارش یہ بھی ہے کہ جب علامہ مرحوم نے اپنا یہ اعتراض واپس لے لیا اور ان اشعار کو کالعدم قرار دے دیا تو ناشرین نے " ارمغان حجاز " (جس میں یہ اشعار درج ہیں) کو چاہیئے تھا کہ یا توان اشعار کو قلمزن کر دیا جاتا، اور اگر چھاپنے بہت ہی ضروری تھے توان اشعار کے ساتھ تصریح کر دی جاتی کہ علامہ مرحوم نے حقیقتِ حال معلوم ہونے پر یہ اعتراض واپس لے لیا تھا۔ تاکہ قارئین کرام بالخصوص نئی نسل حضرتِ اقدس رح کے بارے میں بدظنی سے محفوظ رہے۔ کیوں کہ پس منظر سے ناواقف ان اشعار کو پڑھنے والا تو اب بھی یہی سمجھے گا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا یہی نظریہ تھا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر علامہ مرحوم اپنی زندگی میں " ارمغانِ حجاز " شائع کرتے تو ان اشعار کو ضرور قلمزن کر دیتے۔ اخبار " احسان " میں بیان دینے کے تقریباً تین ہفتے بعد وہ دنیا سے رحلت فرماگئے اور " ارمغانِ حجاز " بعد میں ترتیب دے کر شائع کی گئی۔ ڈاکٹر عبدالسّلام خورشید " سرگزشتِ اقبال ۴۷ص " میں لکھتے ہیں۔

" اگر وہ " ارمغانِ حجاز " کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے جن میں مولانا حسین احمد مدنی رح پر چوٹ کی گئی تھی "

خواجہ عبدالوحید " اقبال ریویو ۴۶ص " میں لکھتے ہیں۔

" ارمغانِ حجاز اگر حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی "

زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھئے کتاب " اقبال رح کے ممدوح علماء " مرتبہ قاضی افضل حق قرشی۔ اور ماہنامہ " الرشید " جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا " مدنی رح و اقبال رح نمبر " ؏

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

(اقبال رح)

۲ : خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد دردمندانِ ملتِ اسلامیہ نے سوچا کہ برصغیر کو انگریز سے آزاد کرایا جائے جب یہ لوگ سربکف ہو کر میدان میں اترے تو ایک مخصوص گروہ نے ان کے خلاف محاذ بنالیا اور ان پر طرح طرح کے اعتراض شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ انکے خلاف علانیہ کفر کے فتوے دیئے پھر ان کی کافر گری کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ اکثر رہنمایانِ ملت کو انہوں نے کافر قرار دے دیا۔ اس سلسلہ میں تفصیل مطلوب ہو تو مندرجہ ذیل کتب دیکھئے۔

۱ : قہرالقادر علی الکفار اللیاڈر ملقب بہ لیڈروں کی سیہ کاریاں۔ مصنفہ مولوی محمد طیب قادری فاضل حزبُ الاحناف لاہور۔

۲ : مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری (مصنفہ مولوی اولادِ رسول قادری۔

۳ : احکام نوریہ شرعیہ : مصنفہ مولوی حشمت علی خان۔

۴ : تجانب اہل السنۃ : مصنفہ مولوی محمد طیب قادری فاضل حزب الاحناف لاہور۔

۵ : الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاچرہ : مولوی احمد رضا خان۔

اسی دور میں علامہ اقبال رح کے افکار تازہ ملت اسلامیہ کے سامنے آئے۔ اور حق یہ ہے کہ علامہ مرحوم نے اپنے پُرحکمت کلام سے جو ملت کی خدمت کی ہے ملت اسلامیہ اسے قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی۔ علامہ مرحوم دل و دماغ سے ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔ ان کافر گروں کی مشق ستم سے علامہ جیسی شخصیت بھی نہ بچی۔ "ذکر اقبال" میں عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔

" مولانا ابومحمد دیدار علی خطیب مسجد وزیر خان نے نہ صرف اقبال کی تکفیر کی بلکہ تمام مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ وہ ان سے ملنا جلنا ترک کر دیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گے۔" (ذکر اقبال ص۱۲۹)

محمد طیب قادری اپنی مشہور کتاب " تجانب اہل السنۃ " میں علامہ اقبال رح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔ " یہ ترجمانیٔ حقیقت ہے یا ترجمانیٔ ابلیسیت " ص۲۳۷ ، صفحہ ۲۴۰ پر لکھتے ہیں " ڈاکٹر صاحب کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے "

اس کتاب پر بڑے حضرت احمد رضا خان صاحب کے بہت سے خدام کی تصدیق موجود ہے۔ اعلٰحضرت کے ایک سوانح نگار نے اپنی کتاب " سوانح اعلیٰ حضرت " میں ایک مستقل عنوان باندھا ہے " نام نہاد مفکر اسلام " اس کے تحت لکھتے ہیں " ڈاکٹر سر اقبال نے بھی اپنی شاعری کے بل بوتے پر اسلام کو کچھ کم دھکا نہیں پہنچایا ہے " آخر میں لکھتے ہیں " میری طرف سے گزارش ہے ، وہ بھی کچھ ہیں بتاؤ کہ مسلمان بھی ہیں " ۳۸ص

علامہ مرحوم علماء کے اس طبقے سے بہت بد دل اور مایوس تھے۔ ملت اسلامیہ میں جب ان فتووں کی بدولت فرقہ بازی شروع ہوئی اور لوگ آپس میں دست و گریبان ہونے لگے اور اصل مقصد سے توجہ ہٹ گئی تو علامہ مرحوم نے ایسے علماء کو بے نقاب کرنے کے لئے چند اشعار کہے۔ جن کی ابتداء ہی اس گروہ کی مشہور علامت "کافر گری" سے کی ؎

دینِ حق از کافری رسوا تر است ۔۔ زانکہ ملا مومن کافر گر است

اس کے بعد ساتویں شعر میں فرماتے ہیں ؎

دین کافر فکر و تدبیر جہاد ۔۔ دین ملا فی سبیل اللہ فساد

(کلیات اقبال رح ؛ ص۶۶۴)

اس پس منظر سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ علامہ مرحوم کا اشارہ کن علماء کی طرف ہے۔ کتا "اقبال کے

ممدوح علماء" ص۲۴۲ پر تحریر ہے۔

" یہ وضاحت ضروری ہے کہ بریلوی مکتب فکر کے مولویوں کے سوا برّاعظم پاک وہند کے کسی بھی عالم نے تکفیر نہیں کی"

اس کتاب میں ان علماء حق کا بھی ذکر ہے جن کے علم وعمل سے علامہ مرحوم حد درجہ متاثر تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ بالخصوص علماء دیوبند میں سے حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے تو علامہ مرحوم بہت ہی متاثر تھے۔ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے بلکہ دوست و احباب کو ساتھ لے کر ان کی مجلس میں شرکت فرماتے۔ اور علامہ کاشمیریؒ بھی ڈاکٹر صاحبؒ کے بڑے قدر دان تھے۔ وللہ درالقائل سع

قدر جوہر جوھری بداند

فقط واللہ اعلم: احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳ ر۱ر۱۴۰۱ھ

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی حضرت مدنیؒ سے عقیدت

حضرت مولانا خیر محمدؒ حضرت مدنی رح کے بارے میں کس قسم کے خیالات رکھتے تھے۔ حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔ کسی صاحب نے اس سلسلہ میں شبہ میں مبتلا کر دیا ہے۔

الجواب آپ کو حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے متعلق غلط اطلاع ملی ہے انہوں نے نہ کبھی دوران درس ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں نہ نجی گفتگو میں بلکہ ان کے متعلق ایسے الفاظ کبھی سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے جہاں تک ہماری معلومات ہیں وہ حضرت مدنی رح کی تعریف فرماتے رہتے ہیں۔ حضرت کی تصنیف "نقش حیات" کو ملفوظات کی طرح اپنے حلقہ میں پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں۔ بلکہ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ اور حضرت مدنی رح کا اختلاف بھی صرف سیاسی تھا اس میں مذہبی رنگ ہرگز نہ تھا دونوں حضرات ایک دوسرے کا اکرام کرتے تھے۔ پھر ان کے مریدین کس طرح اس اختلاف کو کوئی اور رنگ دے سکتے ہیں۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ تو بڑے محتاط بزرگ ہیں اور صلح کل مسلک رکھتے ہیں۔ یہ سوءِ ظن دانستہ کسی دشمن نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ قطعاً اس سے بری ہیں۔ ع یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفر لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹ر ۸ر۱۳۷۸ھ

○

نوٹ! جامعہ خیر المدارس کے ناظم اور استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ نے از راہِ کمالِ شفقت اکثر فتاویٰ کو لفظ بلفظ سنا ہے اور یہ فتاویٰ ان کی تصدیق و تصویب کے بعد

شائع کئے جارہے ہیں۔

اس فتویٰ کی خواندگی کے دوران انہوں نے فرمایا کہ جب ہم خیر المدارس جالندھر میں پڑھتے تھے تو جالندھر کے مضافات میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کسی تقریب میں تشریف لائے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے باقاعدہ مدرسہ میں تعطیل کرائی اور کہا کہ جا کر حضرت مدنی قدس سرہ کی تقریر سنیں اور ان کی زیارت کرائیں پھر شاید کبھی یہ موقع میسر نہ آئے۔

ایسے ہی ملفوظات سننے کے دوران کسی موقعہ پر حضرت مولانا خیر محمد رحمہ نے فرمایا کہ حضرت مدنی قدس سرہ تصوف میں بھی بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ رحمہما اللہ تعالٰی واعلی اللہ مقامہما فی اعلی العلیین۔

آمین

رقمہٗ العبد الفقیر محمد انور عفا اللہ عنہ احقر خدام الجامعہ

۳ / ۷ / ۱۴۰۷ھ

پرچم نبوی کا رنگ کیا تھا جمیعتہ علماءِ اسلام ۱۹۵۳ء سے چلی آرہی ہے۔ ۱۹۶۹ء کے آخر میں آکر دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ اوّل تھانوی گروپ، دوسرا مفتی محمود گروپ دوسرا گروپ اپنے جھنڈے کو عوام کے سامنے لایا اور کہا کہ یہ پرچم نبوی ہے۔ دلیل میں مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ کی حدیث پیش کی اور بھی کئی حدیثیں پیش کیں۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء کو قلعہ کہنہ ملتان میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جھنڈا پرچم نبوی نہیں ہے یہ کانگریسی علماء ہند کا جھنڈا ہے لیکن دلائل سے تعرض نہیں کیا۔ آپ اس معمہ کو حل فرمائیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟

الجواب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈوں کی احادیث میں مختلف قسمیں آتی ہیں۔ "الرایۃ" بڑا جھنڈا۔ نہایۃ میں ہے " الرایۃ العلم المفخم " یعنی رآیۃ بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں۔ اللواء۔ چھوٹا جھنڈا۔ ابن ماجہ کے حاشیہ میں ہے۔" اللواء ھو العلم الصغیر " علامہ توربشتی فرماتے ہیں کہ رآیۃ وہ بڑا جھنڈا ہوتا تھا جسے جنگ کا سپہ سالار سنبھالے رکھتا تھا۔ اور اس کے ارد گرد معرکۂ جنگ برپا ہوتا تھا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت علیہ السلام کے جھنڈوں کا رنگ کیسا تھا؟ تو مسندِ احمد، ابوداؤد، ترمذی شریف، کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا جھنڈا چوگوشہ سیاہ وسفید دھاریوں والا تھا۔ مشکوٰۃ، جلد دوم ص۳۳۸ میں ہے۔

عن موسٰی عن عبیدۃ مولی محمد بن القاسم قال بعثنی محمد بن القاسم

الی البراء بن عازب یسألہ عن رأیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کانت سوداء مربعۃ من نمرۃ رواہ أحمد والترمذی و ابو داؤد وعلی حاشیتہ قولہ سوداء قال ابن الملک ای ما غالب لونہ اسود بحیث یری من البعید اسود لا انہ خالص السواد ۔ والنمرۃ بردۃ فیہا تخطیط سواد و بیاض کلون النمر الحیوان المشہور ۔

پس ان روایات کی بنا پر جمعیۃ العلماء اسلام کا جھنڈا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جھنڈے کا مصداق ہے ۔ اور اسے رنگ میں مشابہ پرچم نبوی کہنا بظاہر درست ہے ۔

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے بارے میں متعدد روایات آئی ہیں ۔ ا ۔ سیاہ تھا ۔ ۲ ۔ سفید تھا ۳ ۔ زرد تھا ۔ ۴ ۔ سرخ جھنڈا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا تھا ۔ ۵ ۔ سفید و سیاہ خطوط والی اونی چادر سے بنایا گیا تھا ۔ ۶ ۔ اغبر منہا عمدۃ القاری اور طبقات ابن سعد میں یہ روایات موجود ہیں ۔ علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں اختلاف نہ سمجھا جائے ۔ بلکہ یہ اختلاف ازمنہ پر محمول ہے ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خلافت وملوکیت غیر مستند کتاب ہے اور اس کا مطالعہ سخت مضر ہے ا ۔ مودودی صاحب کے لٹریچر کا مطالعہ کرنا عام آدمی کے لئے کیسا ہے ؟

۲ : ایک شخص کہتا ہے کہ خلافت وملوکیت میں جس قدر حوالے ہیں وہ سابقہ تاریخوں سے لئے گئے ہیں چونکہ اس سے قبل یہ حوالہ جات موجود ہیں اور وہی حوالے مودودی صاحب نے نقل کئے ہیں ۔ لہٰذا میں اس کتاب کو درست سمجھتا ہوں ۔ ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ا : اس لٹریچر کا مطالعہ عام آدمیوں کے لئے مضر ہے ۔

۲ : خلافت وملوکیت میں بعض حوالے غلط ہیں ۔ مثلاً اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۴ پر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایک خط کا تذکرہ بحوالہ " البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۳ " کیا گیا ہے ۔ اس میں مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ " امیر معاویہ نے ایک مدت تک ہاں ، ناں کا کوئی جواب نہ دیا اور انہیں برابر ٹالتے رہے ۔ پھر حضرت عمرو بن العاص کے مشورہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی کو خون عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے اھ

حالانکہ " البدایۃ والنہایۃ " میں یہ خط کشیدہ الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں ۔ بلکہ اس کے

برعکس ایسی عبارت موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قاتلِ عثمان نہیں سمجھتے تھے ۔ اس حوالہ میں سراسر بد دیانتی سے کام لیا گیا ہے ۔ اگر کہا جائے کہ دوسری کتابوں میں یہ الزام موجود ہوگا تو جواب یہ ہے کہ " البدایۃ والنہایۃ " کا حوالہ دینا تو سراسر غلط ہے ۔ علاوہ ازیں کئی دیگر مقامات میں بھی ایسے ہی غلط حوالے دیئے گئے ہیں ۔ تاریخ کی کتابوں میں جہاں وہ روایتیں موجود ہیں جن کی بناء پر خلیفۂ مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو موردِ طعن بنایا جاتا ہے انہی کتابوں میں متعلقہ واقعات کے بارے میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن کے پیشِ نظر امام عالی مقام رضؓ پر کسی حرف گیری یا نکتہ چینی کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔

سوال یہ ہے کہ تحقیق کی یہ کون سی قسم ہے کہ تاریخ کے جس مواد سے برأتِ صحابہ رضؓ ثابت ہو اسے قصداً نظر انداز کر دیا جائے اور شیعوں کی تقلید میں مطاعنِ صحابہ والی ناقابلِ اعتماد روایات کو اچھالا جائے ۔ حاصل یہ کہ، خلافت و ملوکیت کے بعض حوالے غلط ہیں اور جو صحیح ہیں ان میں صریح جانبداری اور شیعوں کی وکالت کی گئی ہے۔ اور مقابل روایتوں کو بلا وجہ نظر انداز کیا گیا ہے ۔ لہٰذا یہ کتاب مستند اور مفید نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔

چودہویں صدی کے علماء کے متعلق ایک من گھڑت قصہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب بھیڑیئے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے روبرو پیش کیا تو بھیڑیئے نے عرض کی کہ اے اللہ تعالےٰ کے نبی میں تو آپکے گلے کی بھیڑوں کو نہیں کھا سکتا چہ جائیکہ آپ کے فرزندِ ارجمند کو کھا جاؤں ۔ اگر میں نے یوسف علیہ السلام کو کھایا ہو تو مجھے قیامت کے دن چودہویں صدی کے علماء سے اٹھایا جائے ۔ کیا یہ واقعہ درست ہے ؟

الجواب مذکورہ واقعہ موضوع اور من گھڑت ہے اس کا بیان کرنا بھی درست نہیں ہے ۔ کیونکہ اس میں علی الاطلاق علماء کی توہین ہے ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۷/۶/۱۳۹۸ھ

احمد رضا خان صاحب بریلوی پر علاماتِ مجدّد صادق نہیں آتیں

بریلوی حضرات احمد رضا خان صاحب کو مجدد مائۃ حاضرہ کہتے ہیں ۔ اور حافظ ریاض احمد اشرفی صاحب (جو اب فوت ہو چکے ہیں) نے اخبار جنگ میں ایسا ہی لکھا تھا ۔ لیکن حضرات دیوبند حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالےٰ کو چودہویں صدی

کا مجدّد مانتے ہیں ۔ سنا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت مجدد الف ثانی رح، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح اپنی اپنی صدی کے، پھر حضرت تھانوی رح چودہویں صدی کے مجدد ہوئے ہیں ۔ تو یہ حضرات کون کون سی صدی کے مجدّد ہوئے ہیں ۔ اور کیا ان کے علاوہ اور بھی مجدّد ہوئے ہیں ؟

الجواب احمد رضا خان پر علامات مجدّد صادق نہیں آتیں ۔ موصوف کی تجدید و احیائے دین کی مساعی بمنزلہ صفر کے ہیں ۔ البتہ تکفیری خدمات نمایاں ہیں ۔ جیسا کہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے ۔ اسی طرح رسوم و بدعات کی سرپرستی موصوف اور ان کی جماعت کا طرۂ امتیاز ہے ۔ مجدّد تو بدعات کا قلع قمع کرکے اسلام کی صحیح صورت و حقیقت امت کے سامنے پیش کرتا ہے ۔ نہ یہ کہ بدعات کے ڈھیر میں اسلام کو دفن کرتا ہے ۔

پہلی صدی کے مجدّد عمر بن عبدالعزیز رح ۔ اور دوسری کے امام شافعی رح ۔ تیسری کے ابوالحسن الاشعری رح وغیرہ ۔ اور چوتھی صدی کے ابوبکر باقلانی رح ۔ پانچویں کے امام غزالی رح ۔ چھٹی کے فخرالدین رازی رح ۔ ساتویں کے ابن دقیق العید رح ۔ آٹھویں کے زین الدین عراقی رح ۔ نویں کے سیوطی رح ۔ دسویں کے شہاب الدین رملی رح وغیرہ ہیں (مجموعۃ الفتاویٰ ، ج ۱ ، ص ۱۲۲) ۔

گیارہویں صدی کے مجدد الف ثانی رح ہیں ۔ یہ ترتیب بعض علماء کی رائے کے مطابق ہے ۔ بعض حضرات نے دوسرے حضرات کو مجدد کہا ہے ۔ اس میں کوئی بات حرفِ آخر نہیں ۔ اور مجدد کے لئے شخص واحد ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ ایک جماعت بھی اس شرف سے سرفراز ہوسکتی ہے ۔ تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی میں تجدید و احیائے دین کی علمی و عملی و روحانی ، تبلیغی ، ردّ بدعات ، اقامتِ دین کی جو خدمات علمائے دیوبند سے ظاہر ہوئیں اور پورے عالم میں پھیلیں دنیائے اسلام میں اس کی نظیر نہیں ۔ ان دونوں صدیوں کی مجدّد یہی جماعت معلوم ہوتی ہے اور اس کے اکابر ۔ فقط واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم ولی تھے ؟

علامہ اقبال رح کے بارے میں معلومات فراہم کیجئے ، وہ مسلمان تھے یا مؤمن ؟ یا ولایت کو چھو گئے تھے ؟ واضح طور پر تحریر فرمائیں ۔ آیا بغیر داڑھی کے انسان ولی ہونے کا مرتبہ حاصل کرسکتا ہے ؟

عبدالقدیر ایم اے بی ایڈ کوٹلی نجابت ۔

الجواب یوں تو از روئے قرآن ہر مؤمن ولی ہے ۔ اور ولایتِ خاصہ جو سلوک کا ایک خاص مقام ہے اس کا خود صاحبِ ولایت کو پتہ ہونا ضروری نہیں تو دوسرے حتمی فیصلہ کیسے کرسکتے ہیں ؟

اتنا ضرور ہے کہ ولایت خاصہ کے لئے اتباع سنت شرط ہے۔ اور یہ مقام کردار کے غازیوں کو ملتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

داڑھی منڈانا خلاف سنت ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے شخص کا ولی ہونا متعذر ہے۔

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بابا فرید الدین گنج شکر کی طرف ایک غلط واقعہ کی نسبت

حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ بارہ سال تک بیابانوں میں رہے اور آپ نے اس دوران کچھ نہیں کھایا۔ صرف ایک لکڑی کی روٹی تھی جب کھانے کی خواہش ہوتی تھی۔ تو اسی کو دانتوں میں چبا لیتے۔ اور ایسے ہی ملتان میں ایک آدمی تھا۔ وہ دریا میں داخل ہوا اور بارہ سال تک دریا میں رہا۔ اسی عرصہ میں پانی سے بھی اللہ اللہ کی آواز آتی رہی۔ آیا یہ واقعات درست ہیں یا محض بزرگی کو نمایاں کرنے کے لئے؟ جیسے کہ غلط قسم کے خلفاء اپنے پیروں کے لئے کرتے ہیں۔ کما قیل۔ پیران نمی پرند مریداں می پرانند۔

الجواب مذکورہ دونوں روایات بے اصل ہیں۔ حضرت بابا صاحب رحمہ اللہ کے صحیح حالات جو معروف و مدون ہیں ان میں کہیں بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں۔ نیز عقلاً بھی یہ واقعہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ بزرگوں کی طرف اسی قسم کے بے سر و پا واقعات منسوب کرنے سے بچنا چاہیئے۔ دوسرا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

بلقیس کی والدہ کون تھی

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جو بلقیس نامی عورت تھی اس کی والدہ انسانوں کی نسل سے نہ تھی جبکہ اس کا والد انسان تھا؟

الجواب بعض روایات میں آتا ہے کہ بلقیس کی والدہ جنات میں سے تھی اور اس کا نام "ملعمہ شیصان" بتلایا گیا ہے (رواہ وھیب بن جریر عن الخلیل بن احمد۔ قرطبی) اگر یہ صحیح بھی ہو تو چونکہ بلقیس کے والد شراح بن ہداہد انسان تھے اور اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے لہٰذا بلقیس انسان ہی قرار پائے گی۔ (معارف القرآن ، ج ۶ ، ص ۵۷۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ، محمد انور عفا اللہ عنہ ۸ / ۱ / ۱۳۹۸ھ

آنحضرت علیہ السلام کی تجہیز و تکفین میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شرکت

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ مبارک پر تینوں خلفاء (حضرت ابوبکر رض، حضرت عمر رض، حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم) شامل نہ تھے اگر تھوڑی دیر خلیفہ کا چناؤ نہ ہوتا بلکہ آپ کے کفن اور دفن مبارک کا انتظام کر لیا ہوتا تو کیا حرج تھا؟

الجواب یہ غلط بات ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جنازہ مبارکہ میں خلفائے ثلاثہ شریک نہیں ہوئے تھے۔ آپ کا جنازہ خلفائے ثلاثہ سب نے پڑھا۔ البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جنازہ کی نماز باجماعت نہیں ادا کی گئی۔ بلکہ تھوڑے تھوڑے آدمی حجرہ کی گنجائش کے مطابق جاتے تھے اور اپنی اپنی اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر واپس آجاتے تھے۔ جماعت نہیں کی گئی۔ ایسے ہی خلفائے ثلاثہ رض نے نماز ادا کی ہے جیسا کہ واقدی نے لکھا ہے۔

قال الواقدی حدثنی موسیٰ بن محمد بن ابراهيم قال وجدت كتابًا بخط ابی فيه أنه لما كفن رسول الله صلی الله عليه وسلم و وضع علی سريره دخل ابوبكر وعمر رضی الله عنهما ومعهما نفر من المهاجرين والانصار بقدر ما يسع البيت فقالا السلام عليك ايها النبی ورحمة الله وبركاته وسلم المهاجرون والانصار كما سلم ابوبكر وعمر ثم صفوا صفوفا لا يؤمهم احد۔ (البدایۃ والنہایۃ : ج ۵ ،ص ۲۶۵)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلفاء رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھی ہے لیکن یہ حضرات تجہیز وتکفین میں شریک نہیں ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر رہے تھے تو اچانک ایک آدمی آیا۔ اس نے آتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی کہ ذرا باہر نکلنا۔ جب حضرت عمر رض نے جواب دیا کہ میرے سے ہٹ جا کہ ہم حضور علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے انتظام میں مشغول ہیں۔ تو اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو۔ ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر بیٹھیں کہ جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ آپ چلیں۔ چنانچہ مسند ابی یعلیٰ جو کہ حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے اس میں ہے۔

بينما نحن فی منزل رسول الله صلی الله عليه وسلم اذ جاء رجل ينادی

من وراء الجدار ان اخرج الیّ یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکھم قبل ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق ۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا اور خلافت کے مسئلہ کو چھیڑنا یہ ان کا فعل نہیں تھا۔ بلکہ یہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کفن و دفن کے انتظام میں مشغول تھے ۔ چونکہ یہ ایک ایسا نازک مسئلہ تھا کہ سب منافقین و کفار اس بات کے منتظر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اٹھے تو ہم سلام پر حملہ آور ہوں اور جب یہ فتنہ اٹھنے لگا تو ان حضرات نے اس فتنے کو دبانا زیادہ اہم سمجھا۔ لہذا اس کی طرف متوجہ ہوئے ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اس خلافت کی بحث کو چھیڑنا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا اپنی خوشی سے نہیں تھا بلکہ اس مجبوری کی وجہ سے تھا کہ اگر یہ حضرات اس طرف توجہ نہ کرتے تو مسلمانوں میں سخت لڑائی اور فتنہ کا خطرہ تھا۔

کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے تین گروہ ہو چکے تھے ۔ بنی ہاشمؓ ، مہاجرینؓ ، انصارؓ ، بنی ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ، اور مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اور انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو پیشوا مان چکے تھے ۔ مہاجرین و انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع تھے اور بنو ہاشم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر میں جمع ہو کر مشورہ میں مشغول تھے ۔ اور ہر ایک ان میں سے دوسرے کی بیعت کرنے پر تیار نہیں تھا ۔ بلکہ ایک دوسرے پر تلوار چلانے پر تلے ہوئے تھے ۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دیکھا کہ قوم بہت اشتعال میں ہے تو فوراً اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں بیعت ہوتا ہوں اور ساتھ ہی حضرت عثمان ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے بھی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اس پر عام خلقت ٹوٹ پڑی ۔ اس طریق سے اٹھتا ہوا طوفان دب گیا ۔

تو اب اگر عقل مند انسان اس کو سمجھ لے یعنی ان حضرات کا ان امور کی طرف متوجہ ہونا درست تھا یا نہیں تو سب اعتراض انشاء اللہ اٹھ جائیں گے ۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ جو الزام خلفائے ثلاثہ رضو پر قائم کیا جاتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے تھے اور خلافت کے خیال میں پڑ گئے ۔ تو یہی الزام پھر بنو ہاشم پر بھی عائد ہوتا ہے ۔ کیونکہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر میں جمع ہو گئے تھے ۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالےٰ کی روایت سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے ۔ کہ

وان علیا والزبیر ومن کان معهما تخلفوا فی بیت فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

دوسری روایت سے صاف طور پہ وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ مکان سے باہر نکلے تو لوگوں نے پوچھا کہ اے علی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مزاج کیسا ہے ؟ (چونکہ حضور کی ظاہری حالت سنبھل گئی تھی) تو حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ خدا کے فضل سے آپ اچھے ہوگئے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالے عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کروگے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض میں وفات پا جائیں گے۔ کیوں کہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندانِ عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصبِ خلافت کس کو حاصل ہوگا ؟ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو حضور علیہ السلام اس کی وصیت فرمائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ نے کہا کہ میں تو نہ پوچھوں گا۔ کیوں کہ اگر پوچھنے پر آنحضرت علیہ السلام نے انکار کر دیا تو آئندہ کوئی امید نہیں رہے گی۔

تو دیکھئے اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات ابھی سے خلافت کی تمنا کر رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالے عنہ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کا یقین تھا اس لئے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس طرف توجہ دلائی۔ لیکن حضرت علی رضہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین نہیں تھا تو انہوں نے اس طرف اقدام مناسب نہ سمجھا۔ بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ حضرات بھی خلافت کے خیال میں تھے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی معین مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بناتِ اربعہ رضہ کے متعلق قیمتی علمی ذخیرہ

۱ : بناتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد کیا ہے ؟

۲ : کتبِ اہلسنت سے وضاحت مطلوب ہے۔ بناتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنِ ولادت وشادی و وفات کب ہوئی ؟ کیا قبل از نبوت یا بعد از نبوت ان کی شادیاں ہوئیں ؟

۳ : صحاح ستہ یا دیگر کتبِ معتبرہ اہلسنت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالے عنہا کے علاوہ کسی اور صاحبزادی

کے فضائل بھی ہوں تو بیان فرمائیں ؟

۴ : کیا بناتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتبِ اہلسنت میں اگر فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو کہ یہ بناتِ اربعہ میری صاحبزادیاں میں تو زیبِ قرطاس فرمائیں ؟

۵ : اگر بناتِ اربعہ کی شادیاں قبل از نبوت ہوئیں تو کیا پچیس سال کے بعد اور چالیس سال سے قبل چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ان کی ولادت اور شادی ممکن بھی ہے ۔ اگر ممکن ہے تو سنِ ولادت وشادی کے مابین ہر صاحبزادی کے متعلق کتنے سال کی عمر واقع ہوتی ہے ۔ ہر صاحبزادی کی بقیدِ عمر شادی بیان فرمائیں کہ کس طرح ممکن ہے ؟

۶ : کیا کفار کو رشتہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟ حضور علیہ السلام نے عتبہ عتیبہ کافروں کو لڑکیاں دی تھیں یا نہیں ؟ اور کیا قرونِ اولیٰ میں کسی نبی کی شریعت میں کافروں کو رشتہ دینا جائز تھا یا نہیں کسی نبی نے کافروں کو رشتہ دیا تھا یا نہیں ؟ اور اگر ملتِ ابراہیمی میں کسی کافر کو رشتہ دینا جائز نہیں تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عتبہ عتیبہ کافروں کو رشتہ کیوں دیا ؟ کتبِ اہلسنت سے وضاحت مطلوب ہے ۔

الجواب

۱ :- قال اللہ تعالیٰ

یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونسآء المؤمنین (پ۲۲)۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار صاحبزادیاں ہیں ۔ جن کے اسمارِ گرامی یہ ہیں ۔

حضرتِ زینب ، حضرت رقیہ ، حضرتِ ام کلثوم ، حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔

سیرتِ محمدیہ میں ہے ۔

واما اولادہٗ الکبار علیہ وعلیہم السلام فقد اجمعوا علیہ ستۃ القاسم وابراھیم وزینب ورقیۃ وام کلثوم وفاطمۃ وکلھن ادرکن الاسلام وھاجرن معہ ۔

چند سطروں کے بعد تحریر کرتے ہیں واما زینب فھی اکبر بناتہ بلاخلاف ۔

۲ : وعن ابن اسحاق انھا ولدت فی سنۃ ثلاثین من مولدہ الشریف ۔

۳ : حضرت مولانا محمد عنایت اللہ صاحب " ھدیۃ المزجات لقراء المشکوٰۃ " میں ارشاد فرماتے ہیں ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیاں حضرت بی بی زینبؓ اور بی بی رقیہؓ اور بی بی ام کلثوم رضہ اور سیدہ پاک فاطمۃ الزہرا رضؓ حضرت خدیجہ رضہ کے بطن مبارک سے تھیں ۔

۴ ؛ امام المؤرخین الامام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی مایۂ ناز تصنیف "تاریخ الامم والملوک" میں لکھتے ہیں

تزوج فی الجاهلیة وهو ابن بضع وعشرین سنة خدیجة بنت خویلد وهی اوّل من تزوج بها وکانت قبله عند عتیق بن عابدین (الی ان قال) فولدت لعتیق جاریة ثم توفی عنها وخلف علیها ابو هالة فولدت لابی هالة هند بن ابی هالة ثم توفی عنها فخلف علیها رسول الله صلی الله علیه وسلم وعندها ابن ابی هالة فولدت لرسول الله صلی الله علیه وسلم ثمانیة القاسم والطیب والطاهر وعبد الله و زینب و رقیة وام کلثوم وفاطمة ۔

(ج ۱ : ص ۴۱۰ ، ۴۱۱)

امام موصوف کے مندرجہ بالا اقتباس سے بھلا ء کی اس یادہ گوئی کا جواب بھی ہوجاتا ہے جس کے دامن میں بعض مواقع پر یہ لوگ پناہ لیا کرتے ہیں ۔ یعنی یہ کہ بنات مطہرات زینب ، رقیہ ، اور ام کلثوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ربائب ہیں ۔ وجہ تردید ظاہر ہے کہ امام موصوف نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی سابقہ اولاد کی تفصیل بتلا کر بالتصریح ان بنات مطہرات کو آنحضرت علیہ السلام کی اولاد قرار دیا ہے ۔

۵ ؛ ابن الاثیر جزری رح " اسد الغابہ " میں تحریر فرماتے ہیں ۔

وتزوج رسول الله صلی الله علیه وسلم خدیجة قبل الوحی وعمره حینئذ خمس وعشرون وقیل احدی وعشرون (الی ان قال) فولدت لرسول الله صلی الله علیه وسلم ولده کلهم قبل ان ینزل علیه الوحی زینب وام کلثوم وفاطمة ورقیة اھ

(ج ۵ : ص ۴۳۵ : طبع ایران)

۶ ؛ قال قتادة ولدت له خدیجة غلامین واربع بنات (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۶)

۷ : روی الزبیر بن بکار عن عمه ان خدیجة ولدت لرسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمة وزینب ورقیة وام کلثوم ۔ (اسد الغابہ : ج ۵ : ص ۴۳۶)۔

۸ : حافظ الدنیا علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح " اصابہ " کے اندر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال میں ارقام فرماتے ہیں ۔

فولدت لہ القاسم وعبد اللہ وبناتہ الاربع ۔ (الاصابہ ، ج ۸ ، ص ۱۱)۔

۹ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور سیرت "المواہب اللدنیہ" میں مذکور ہے۔

اعلم ان جملۃ ما اتفق علیہ منھم ستۃ القاسم وابراھیم واربع بنات زینب ورقیۃ وام کلثوم وفاطمۃ وکلھن ادرکن الاسلام اھ (ج ۱ ص ۱۹۶)۔

۱۰ : مواہب لدنیہ کی طرح سیرت محمدیہ میں بھی اس پر اجماع واتفاق نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں اور سب نے ہجرت کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

واجمعوا انھا ولدت ای خدیجۃ رضی اللہ عنھا لہ اربع بنات کلھن ادرکن الاسلام وھاجرن وھن زینب وفاطمۃ ورقیۃ وام کلثوم واجمعوا انھا ولدت لہ ابنا یسمی القاسم ھذا مالاخلاف فیہ عند اھل العلم ۔ (ص ۱۱ و ۱۲)۔

تاریخ وسیر کے قدیم عربی ماخذ کے علاوہ اردو کی سیرتوں میں بھی محققین نے یہی تحریر فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں اور پھر ہر ایک کے لئے مستقل عنوان قائم کرکے ان کے احوال طیبہ کو بیان فرمایا ہے۔ ہم بطور نمونہ ان میں سے صرف دو حضرات کے اسماء گرامی پیش کرتے ہیں۔

۱ : مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور آٹھویں حصہ میں ان بنات طاہرات ، حضرت زینب ، حضرت رقیہ ، حضرت فاطمہ ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۲ : اور اسی طرح محدث الہند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے حکایات صحابہ رضہ میں ہر چہار صاحبزادیوں کے احوال قلم بند فرمائے ہیں۔ اگرچہ مختصر ہیں مگر پرمغز ہیں (ص ۱۳ ، ۱۴)

"اسد الغابہ" میں ابن اثیر جزری نے اور "الاصابہ" میں حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے چہار بنات مطہرات کے احوال پر الگ الگ ترجمہ قائم کرکے قدرے تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور ان کے سوانح حیات قلم بند فرمائی ہے۔ دیکھئے "اسد الغابہ ؛ ج ۵ ؛ ص ۶۷ ۴۔ ترجمہ زینب ج ۵ ، ص ۴۵۶ ترجمہ رقیہ وام کلثوم ص

اور الاصابہ میں۔ ترجمہ زینب بنت سید ولد آدم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۸ ص ۹۲ - اور ترجمہ حضرت رقیہ ج ۸ ، ص ۸۳ - اور ترجمہ حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ج ۸ ، ص

مسلم مورخین کے علاوہ غیر مسلم مورخین نے بھی اربعۃ بنات کا اقرار واعتراف کیا ہے۔ مشہور ادیب

ومؤرخ لوئیس معلوف اپنی کتاب " منجد " حصہ دوم میں لکھتا ہے ۔

۱ : رقیۃ احدی بنات النبی الاربعۃ من خدیجۃ تزوجہا عثمان بن عفان فرافقتہ فی سفرہ الی الحبشۃ ثم ھاجرت الی المدینۃ (ص۲۱۹)

۲ : زینب بنت النبی تزوجہا ابوالعاص بن الربیع توفیت فی المدینۃ۔ (ص۲۴۰) ۔

۳ : کلثوم (ام) احدی بنات النبی یقال انہا تزوجت احد ابناء ابی اللہب دون ان تعقب ولدا ۔ (ص۴۴۱) ۔

۴ : فاطمۃ بنت النبی من خدیجۃ تزوجہا علی ابن ابی طالب ورزق منہا الحسن والحسین ۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنات اربعہ کے بارے میں یہ چند حوالے بطور نمونہ مشتے از خروارے نقل کئے گئے ہیں ۔ اگر کوئی شخص انکا احاطہ کرنا چاہے تو یقیناً یہ بات اس کے بس کی نہیں ۔ ایسے حوالہ جات کتب اہل السنۃ والجماعت نیز کتب اہل تشیع میں بے شمار موجود ہیں ۔ جن کا احصا ممکن نہیں ۔ ان حوالہ جات کی موجودگی میں اگر کوئی بد باطن اس سلسلہ میں کسی شک وارتیاب کا شکار ہے تو یہ شک وارتیاب نہیں بلکہ بغض وعناد ہے ۔ جس کا علاج کسی مستند تاریخی دستاویز تو کیا خود مشاہدے سے بھی محال ہے ۔ ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی الوہیت کا مدعی ہوا تو حضرت علی رضؓ نے ان کو بلا کر اس عقیدے کی تردید کی اور ان کے عقیدہ کو باطل قرار دیا ۔ مگر زنادقہ کا یہ گروہ اپنی بات پہ اڑا رہا ۔ بالآخر حضرت علیؓ نے ان کو جلانے کا حکم دیا ۔ آگ میں پھینکے جانے کے بعد بھی وہ اس کا قائل رہا ۔ اور کہنے لگا کہ اب تو ہمیں آپ کی الوہیت کا مزید یقین ہو گیا ہے ۔ کیونکہ لا یعذب بالنار الا رب النار ۔ ضد اور عناد ایسی بلا ہے کہ مشاہدے سے بھی اس کا علاج ممکن نہیں ۔ لہٰذا زیادہ تطویل کو غیر ضروری سمجھا گیا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر اتنے حوالہ جات اور تواتر اخبار کے باوجود حضرت زینب ، حضرت رقیہ ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہن کے بارے میں شک وشبہہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم زوجۂ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ، کے ام الحسنین ہونے کے بارے میں بھی کسی کے پاس کوئی ناقابلِ تردید غیر مشتبہ قطعی ثبوت موجود نہیں ہے ۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا بلکہ تمام متواتر کا وجود بھی مشتبہ ٹھہرے گا ۔

سنین ولادت

سنین ولادت کی تفصیل سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ کسی شخص موجود کے سن ولادت کا علم نہ ہونا اس شخص کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا وجود، منصوص و قطعی ہے۔ لیکن کتنے انبیاء علیہم السلام ہیں جن کی تاریخ ولادت قطعاً آپ متعین نہیں کر سکتے، بہت سے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ ولادت، تاریخ میں مذکور ہی نہیں ہے۔ اور جن بعض کی مذکور ہے اس میں شدید اختلاف ہے۔ تو کیا عقل و دیانت کا یہی تقاضا ہے کہ ایسے انبیاء علیہم السلام کے وجود کا بھی انکار کر دیا جائے؟ العیاذ باللہ۔

بے شمار شہری اور دیہاتی آپ کو ایسے ملیں گے جنہیں اپنی ولادت کا حال معلوم نہیں۔ تو کیا آپ ان سے باتیں کرتے ہوئے، سامنے موجود پاتے ہوئے ان کے وجود کا انکار کر دیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو جب زمانہ حال کا یہ حال ہے تو ماضی میں آپ ایسا حکم کیوں کر لگا سکتے ہیں؟

نیز مشاہیر کے سنین وفات تو محفوظ ملیں گے لیکن ان کے سنین ولادت معلوم نہیں ہوتے۔ کیوں کہ کسی نومولود بچے کے متعلق یہ قطعی طور پر معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ آئندہ چل کر وہ کن کمالات کا مالک ہوگا۔ اور بچوں کے سنین ولادت کا ضبط کرنا خصوصاً عربوں کے جاہل معاشرہ میں یہ تو اور بھی مستبعد ہے۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ اگر بالفرض بنات مکرمات رضہ کے سن ہائے ولادت سے تاریخ کے اوراق ساکت بھی ہوتے تو بھی یہ امر بنات مکرمات کی نسبی شرافت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ چہ جائیکہ تاریخ و سیر میں اس کا بیان موجود ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش ۳۰ھ مولد نبوی میں ہوئی۔ آپ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی ہیں۔ "اسد الغابۃ" میں ہے

زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی اکبر بناتہ ولدت ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثون سنۃ۔ (ج ۵ ص ۴۶۷)

— سیرت محمدیہ میں مذکور ہے کہ۔

وعن ابی اسحاق انھا ولدت فی سنۃ ثلاثین من مولدہ الشریف۔

— محدث برصغیر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔

(حکایات صحابہ رضہ؛ ص ۲۶۴)

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ۳۳، مولد نبوی میں ہوئی۔ المواہب اللدنیہ میں حضرت رقیہ رضہ کے ترجمہ میں مصنف علامؒ تحریر فرماتے ہیں۔

فولدت سنة ثلث وثلاثين بعد مولده صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۱: ص۱۹۶)۔

—— سیرت محمدیہ میں ہے۔

واما رقیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فولدت سنۃ ثلث وثلاثین من مولدہ علیہ السلام وھکذا حکاہ فی حکایات الصحابۃ، مؤلف العلام : ص ۲۶۵۔

حضرت ام کلثوم و حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون چھوٹی ہیں۔ "الاصابہ" میں ابن حجر عسقلانی رح تحریر فرماتے ہیں۔

ام کلثوم بنت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اختلف ھل ھی اصغر ام فاطمۃ (ترجمہ ام کلثوم)۔

—— سیرت میں ہے۔

اما فاطمۃ الزھراء البتول سیدۃ نساء العالمین کانت ھی و اختہا ام کلثوم اصغر بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واختلف فی الصغری منہما

—— ابن جوزی رح نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ۳۵ نبوی میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

—— ابن اثیر الجزری نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قبل از نبوت پیدا ہوئی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

فولدت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولدہ کلھم قبل ان ینزل علیہ الوحی زینب وام کلثوم وفاطمۃ ورقیۃ۔

—— صاحب المواہب نے بھی ابن اسحاق سے یہی نقل کیا ہے۔ اولادہ علیہ السلام کلھم ولدوا قبل النبوۃ الا ابراھیم۔ (مواھب: ج ۱: ص ۱۹۸)۔

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش ۳۳ نبوی کے بعد چالیس نبوی کے درمیان میں ہوئی۔ چونکہ مشہور یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے چھوٹی ہیں۔ لہذا ظن یہی ہے کہ حضرت ام کلثوم رض حضرت رقیہ رض سے دو تین برس چھوٹی ہوں گی۔

عرب میں نکاح کی تقریب کو وہ اہمیت حاصل نہیں جو اہمیت عجمیوں خصوصاً ہندوستانیوں میں اس کو حاصل ہے۔ ایک بچے یا بچی کی شادی یا نکاح کے لئے عرصہ پہلے سے تیاری کی جاتی ہے اور پھر بڑی دھوم دھام اور رسوم و رواج، خاندانی انسائیکلوپیڈیا کی روشنی میں یہ تقریب سرانجام دی جاتی ہے۔ ایک

طرف جہیز کی تیاری کا غیر متناہی سلسلہ اور لاالعینی دھندہ۔ اور دوسری طرف دری کی تیاری بلاستے جان بن رہی ہے۔ القصہ عرب ان تکلفات سے قطعًا آزاد تھے۔ جن حضرات کی تاریخ و حدیث پر نظر ہے وہ اس امر پر بخوبی واقف ہیں۔ اس سے بڑھ کر سادگی اور بے تکلفی کیا ہو گی جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے قریبی تعلق والے صحابی نکاح کرتے ہیں لیکن آنحضرت علیہ السلام کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ حضرت جابر رضہ کے کپڑوں پر رنگ دار خوشبو کے نشان دیکھ کر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت جابر رضہ دولہا بن چکے ہیں، اور رخصتی بھی ہو چکی ہے۔

بہر حال بنات مکرمات رضہ کے نکاحوں کی تاریخوں کی تعیین کا سوال اور یہ کہ یہ شادیاں قبل از نبوت ہوئیں یا بعد از نبوت؟ ایک غیر ضروری امر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن تاریخ و سیر کا ذخیرہ اس سلسلہ میں بھی خاموش نہیں۔ ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے اس مواد سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حضرات اہل علم و مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شادیاں (عقد نکاح) ابولہب کے دو لڑکوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ ہوئیں۔ ترجمہ حضرت رقیہ میں ابن اثیر جزری اپنی مایہ ناز تصنیف اسد الغابہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

رقیۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد زوج ابنتہ رقیۃ من عتبۃ بن ابی لہب وزوج اختہا ام کلثوم عتیبۃ بن ابی لہب فلما نزلت سورۃ تبت قال لہما ابوہما فارقا ابنتی محمد (الی ان قال) فتزوج عثمان رقیۃ بمکۃ۔ (ج ۵: ص۴۵۶)

اور رخصتی ہونے سے قبل دونوں کی طلاق ہو گئی تھی فطلقاھا قبل الدخول بہما۔ (اسد الغابۃ ـــــ ترجمۃ ام کلثوم وکذا فی المواھب: ج ۱: ص ۱۹۷)

حافظ ابن حجر رح نے "اصابہ" کے اندر حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ترجمہ میں مزید نقل کیا ہے کہ ان کا نکاح بعثت سے قبل ہوا تھا۔

قال ابو عمر کان عتیبۃ بن ابی لہب تزوج ام کلثوم قبل البعثۃ فلم یدخل بہا۔

اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام کلثوم رضہ کے علاوہ حضرت رقیہ رضہ کا نکاح بھی قبل از نبوت ہوا کیونکہ حضرت رقیہ بڑی ہیں۔ اگر ان کا نکاح پہلے نہیں تھا تو کم از کم ساتھ ہونا چاہیئے۔ خصوصًا جب کہ بعد

بعثت آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ابولہب کی دشمنی معروف ہے۔ لہذا بعد بعثت ایسی رشتہ داری کا ظہور پذیر ہونا نہایت مشتبہ اور مشکوک ہے لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نکاح صغر سنی میں قبل از نبوت ہوئے تھے۔ اور پھر بعثت کے ابتدائی سالوں میں طلاق ہوگئی۔

حافظ ابن حجر رح نے "اصابہ" میں یہی تسلیم کیا ہے کہ یہ صغر سنی کے نکاح تھے۔ رخصتی سے قبل ہی طلاق ہوگئی تھی۔ (ج ۸ ، ص ۲۷۳)۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اپنے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن الربیع سے قبل از نبوت تمام صاحبزادیوں کے نکاح سے پہلے ہوا۔ اور اس کی تحریک حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرمالیا تھا۔

حافظ ابن کثیر رح البدایہ والنہایہ میں تحریر فرماتے ہیں

وکان فی الاساری ابو العاص بن الربیع ختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوج بنتہ زینب وکان ابنا لہالۃ بنت خویلد خدیجۃ خالتہ فسألت خدیجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یزوجہ وکان رسول اللہ لا یخالفہا وذلک قبل ان ینزل علیہ الوحی فزوجہ وکانت تعدہ بمنزلۃ ولدہا فلما اکرم اللہ عزوجل رسولہ بنبوتہ امنت بہ خدیجۃ وبناتہ وثبت ابو العاص علی شرکہ۔ (ج ۱ - ص ۱۹۳)

۲ : صاحب شرح مواہب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال میں لکھتے ہیں۔ (ھی اکبر بناتہ) واوّل من تزوج منہن اھ ۱ (ص ۱۹۷)

۳ : "اصابہ" میں ہے۔

زینب بنت سید ولد آدم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی اکبر بناتہ وتزوجہا ابن خالتہا ابو العاص وتوفیت فی اوّل سنۃ ثمان من الھجرۃ۔ (ج ۱ : ص ۱۹۲)۔

تفصیل بالا سے ظاہر ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ ہر سہ بنات مکرمات رض کے عقد نکاح قبل از نبوت صغر سنی میں ہوئے۔

وفات حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سن آٹھ ہجری کے شروع میں ہوئی جیسا کہ ابھی ابھی حوالہ گزرا۔ (اصابہ : ج ۸ ، ص ۱۹۲)۔

۲ : اسدالغابہ میں ماتت فی سنۃ ثمان۔ (ج ۵ : ص ۴۶۷)۔

۳ : طبری میں ہے۔

ففیہا فیما زعم الواقدی توفیت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ج ۲ : ص ۳۱۱)۔

حضرت رقیہ رض کی وفات ۲ھ غزوہ بدر کے ایام میں ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ بحکم نبوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے تھے۔ مژدۂ فتح لے کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد واپس مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت رقیہؓ کو دفن کیا جارہا تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

۱ : فلما کانت وقعۃ بدر اشتغل بتمریض ابنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضرب لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسہمہ (ج ۷ : ص ۱۹۹۔ البدایہ)۔

۲ : قال اسامۃ بن زید فاتانا الخبر حین سوینا التراب علی رقیۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بدایۃ : ج ۳ : ۳۰۳)۔

۳ : سیرت میں ہے۔

وتوفیت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ببدر۔ اھ

اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا انتقال شعبان ۹ھ میں ہوا۔ اسدالغابہ میں ہے۔

فزوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقیۃ من عثمان فلما توفیت زوجہ ام کلثوم وکان نکاحہ ایاھا فی ربیع الاول سنۃ وبنی بہا فی جمادی الاخریٰ عن السنۃ الثالثۃ ولم تلد لہ و توفیت سنۃ تسع۔ اھ ترجمہ ام کلثوم ج)

حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جب ہجرت فرمائی تو ایک کافر نے انہیں اونٹ سے گرادیا۔ جس سے اسقاط کی نوبت آئی۔ اور اس مرض میں ان کی وفات بھی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضرت زینب رض کے حق میں ارشاد فرمایا۔ یہ میری بنات میں سے افضل ہیں۔ میری وجہ سے انہیں زخمی کیا گیا۔

شرح مواہب میں ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی حق زینب ابنتہ لما اوذیت عند خروجہا عن مکۃ ھی افضل بناتی اصیبت فیّ۔ (ج ۱ : ص ۱۹۵ اخرجہ الحاکم والطحاوی بسند جید)۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے صرف اور صرف زینب ہی نہیں بلکہ

دیگر کم از کم تین بنات مکرمات رض کا اقرار و اعتراف موجود ہے ۔ پس اس میں جمیع بنات مکرمات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار ثابت ہے ۔

۲ : حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات پر ارشاد فرمایا ۔

قال لو ان لنا ثالثة لزوجنا عثمان بها. (اسد الغابہ ، ج ۵ : ص ۶۱۲)۔

اس میں دو بنات یعنی حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں آں حضرت علیہ السلام کا اقرار موجود ہے کہ دو کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یکے بعد دیگرے کیا گیا ہے اگر اس وقت کوئی تیسری بھی قابل نکاح ہوتی تو اس کا نکاح بھی حضرت عثمان رض سے کر دیا جاتا ۔ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بالتصریح اقرار روایت بالا میں موجود ہے ۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے ۔ کیوں کہ دو صاحبزادیوں سے آپ کی شادی ہوئی " الکمال " میں ہے ۔

وسمی ذوالنورین لجمعہ بین بنتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقیۃ وام کلثوم ۔ اکمال ذیل المشکوۃ ، ج ۲ ، ص ۶۰۲ وکذا فی البدایۃ ، ج ۷ ، ص ۱۹۹)۔

حضرت رقیہ رض کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رض سے کرنا چاہا ۔ لیکن حضرت عثمان چپ رہے ۔ اس پر حضرت عمر رض کو صدمہ ہوا اور اس کی شکایت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ کیا میں ایسی صورت نہ تجویز کر دوں کہ جس میں عثمان رض کو حفصہ رض سے بہتر بیوی مل جائے اور حفصہ رض کو عثمان سے بہتر خاوند مل جائے ، عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے ۔ تو فرمایا کہ زوجنی ابنتك وازوج عثمان ابنتی ۔ اخرجہ الجوزی (مواھب : ج ۱ : ص ۱۹۷)۔

اس میں حضرت ام کلثوم رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی تسلیم کیا ۔

سمی عثمان ذوالنورین لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ رقیۃ ولما ماتت رقیۃ زوجہ ام کلثوم وکانتا هما من بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم من خدیجۃ ۔

فضائل بنات ثلاثہ رض حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں یہ بسند جید بحوالہ حاکم وطحاوی یہ ارشاد نبوی قرمیہ ، بہی مذکور ہوا ہے کہ ھی افضل بناتی اصیبت فی ۔ اھ

(شرح مواھب ، ج ۱ ، ص ۱۹۵)۔

دین کے لئے زخمی ہونا بہت اونچی فضیلت ہے۔ بنات مکرمات رضہ میں سے یہ فضیلت صرف حضرت زینب رضی اللہ تعالٰے عنہا کے حصہ میں آئی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا برملا اظہار فرمایا۔

۲ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دفن میں شرکت فرمائی۔ اور ان کے حق میں تسہیلِ ضیقِ قبر کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ جو قبول ہوئی اور قبر کی پریشانی کو سہل کر دیا گیا۔ ابن اثیر جزری رح لکھتے ہیں۔ کہ بر موقعہ دفن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قال كنت ذكرت زينب وضعفها فسألت الله عزوجل ان يخفف عنها ضيق القبر وغمه ففعل وهون عليها ۔ (اسد الغابه ج ۵ : ص ۴۶۸)۔

یہ بھی ان کی خصوصیت ہے کہ جس میں کوئی دوسری صاحبزادی بظاہر سہیم نہیں۔

۳ ، ۴ : اللہ تعالٰے نے تمام بناتِ مکرمات کو اسلام اور ہجرت جیسے عظیم الشان فضائل سے سرفراز فرمایا۔ مواہب اللدنیہ میں ہے۔

اعلم ان جملة ما اتفق عليه منهم ستة القاسم وابراهيم واربع بنات زينب ورقية وام كلثوم وفاطمة وكلهن ادركن الاسلام و هاجرن معه ۔ (ج ۱۔ ص ۱۹۶ ۔ وسيرة محمديه وغيره)۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالٰے عنہا اسلام و ہجرتِ مدینہ کے علاوہ ہجرتِ حبشہ کے فضائل سے سرفراز فرمائی گئیں۔ ابن اثیر جزری رح لکھتے ہیں۔

فتزوج عثمان رقية بمكة وهاجرت معه الى الحبشة ۔

(اسد الغابة : ج ۵ : ص ۴۵۶)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کے حالات میں ایک مقام پر حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں۔

وهاجرن الى الحبشة ومعه زوجته رقية بنت رسول الله صلى الله علیه وسلم ۔ (البداية ج ۷ ، ص ۱۹۹)۔

حضرت عثمان و حضرت رقیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی دعا فرمائی کہ اللہ تعالٰے ان کا ساتھی رہے سبحان اللہ۔

"اسد الغابہ" میں ہے۔

عن انس قال خرج عثمان مهاجرا الى ارض الحبشة ومعه زوجته رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحتبس خبرهم عن النبى

صلی اللہ علیہ وسلم فکان یخرج فسأل عن اخبارهم فجاءته
امراۃ فاخبرته انهما رأتهما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحبهما
اللہ ان عثمان اول من هاجر باهله بعد لوط اخرجها الثلاثۃ اھ
علاوہ اس کے اس حدیث پاک میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالے عنہا کی اس ہجرت کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے باعتبار مقبولیت و افضلیت کے حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت سے تشبیہہ دی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا مقبولیت ہوگی ؟

قرآن کریم نے ہجرتِ لوط علیہ السلام کی مدح کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالے عنہا کی ہجرت کو ہجرتِ لوط علیہ السلام کے ہم پلہ قرار دیا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱ آپ کا نکاح ثانی بحکم وحیٔ خداوندی حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ سے کیا گیا۔ حضرتِ رقیہ رضہ کی وفات کے بعد آنحضرت علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرائیل ہیں انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالے نے مجھے حکم فرمایا کہ ان کا یعنی حضرت ام کلثوم رضہ کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں۔
هذا جبرئیل اخبرنی ان اللہ یأمرنی ان ازوجکها (مواہب ج ۱ ص۱۹۶)۔
اور آنحضرت علیہ السلام نے حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ تعالے عنہما کو اپنی آنکھوں کا نور فرمایا۔
کما مر عن النبراس فتذکر۔

۲ : قال ابو عمرو فاطمۃ وام کلثوم أفضل بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
(مواهب : جلد ۱ : ص۱۹۹)

ان روایات سے فضائل بناتِ ثلاثہ رضہ ظاہر ہیں۔ تفصیل بالا سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولاد جس کے بارے میں اجماع و اتفاق ہے چھ حضرات ہیں۔ دیکھئے حوالہ نمبر ۹ و ۱۰ ان میں ایک حضرتِ ابراہیم ہیں جو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ باقی اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے ہے۔ یعنی حضرت قاسم حضرت زینب، حضرتِ رقیہ، حضرت ام کلثوم حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالے عنہن۔ دیکھئے حوالہ نمبر ۹ و ۱۰۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ آپ کی پیدائش یا تو ۵ سنہ ن میں ہوئی یا بعد از نبوت ۱ھ م۔ن میں ہوئی۔ اگر آخری قول لے لیا جائے تو نکاح کے بعد نبوت ملنے تک کے طویل عرصہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کل چار اولادیں ہوئیں ۔ یہ درمیانی عرصہ کم ازکم پندرہ برس ہے اور ایک قول کے مطابق آں حضرت علیہ السلام کی شادی ۲۱ء م ن میں ہوئی ۔ جیسا کہ " اسد الغابہ " میں ابن اثیر جزری رح نے نقل کیا ہے ۔ دیکھئے سوال نمبر ۵ ۔ تو اس قول کے مطابق نکاح مبارک اور سن نبوت میں ۱۸ ، ۱۹ ۔ برس کا طویل عرصہ بن جاتا ہے ۔ اس طویل عرصہ میں چار بچوں کی پیدائش اور ان میں سے تین صاحبزادیوں کا عقد نکاح ہوجانا آخر ایسی کون سی بات ہے کہ جس کے امکان وعدم امکان پر کسی سنجیدہ بحث کی ضرورت تسلیم کی جاسکتی ہے ۔ اور اس سوال کو معقول قرار دیا جاسکتا ہے ۔ عام حالات میں دو بچوں کے درمیان وقفہ دو تین سال ہوتا ہے ۔ لیکن بچوں کی اکثر تعداد ایسی بھی ملے گی جن کی پیدائش کا درمیانی وقفہ صرف ایک سال یا ڈیڑھ سال ہے ۔ بلکہ اس سے بھی کم مورخین نے تصریح کی ہے کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالٰے عنہ اپنے برادر مکرم سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالٰے عنہ سے تقریباً صرف ساڑھے دس ماہ چھوٹے ہیں ۔ اکمال میں ہے ۔

ولد رأی الحسن) فی النصف من شهر رمضان سنة ثلث من الهجرة وهذا اصح ما قيل فی ولادته ۔

اور حضرت حسین رضی اللہ تعالٰے عنہ کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں ۔

ولد لخمس خلون من شهر شعبان سنة اربع ۔

الحاصل پندرہ برس کے طویل عرصہ میں چار ، پانچ بچوں کی پیدائش کوئی عجوبہ نہیں بلکہ ایک عام واقعہ ہے ۔ آج بھی اپنے گردو پیش میں نگاہ ڈالنے سے اس کی بے شمار نظیریں مل سکتی ہیں ۔ باقی رہ گیا تین صاحبزادیوں کا نکاح تو اس کیلئے کسی خاص مدت کی تعیین نہیں ہے ۔ صغر سنی کے نکاح قبل از بعثت بھی کئے جاتے تھے اور بعد از بعثت نبوی بھی اسلامی معاشرہ میں عام شائع وذائع رہے ہیں ۔ خود سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صغر سنی میں ہوا ۔ کما لا یخفٰی ۔ بہرحال ان نکاحوں میں عقلاً نقلاً کوئی اشکال نہیں ۔

۶ : اب کفار کو رشتہ دینا جائز نہیں ۶ھ میں اس کی ممانعت ہوگئی تھی ۔ قال تعالٰی

یاایها الذین آمنوا اذا جاءکم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن الله اعلم بایمانهن فان علمتموهن مؤمنت فلا ترجعوهن الی الکفار لاهن حل لهم ولا هم یحلون لهن الآیة پ ۲۸ ، س ممتحنہ ۔

وهكذا نقل حافظ عماد الدين ابن كثير الدمشقي فی تاریخه ج ۴ ص ۱۸۰ ۔

ونصه وفی هذه السنة حرمت المسلمات علی المشرکین اھ

قبل از بعثت عتبہ وعتیبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے نکاح ہوئے تھے۔ چونکہ یہ نکاح قبل از بعثت تھے جیساکہ مفصل گزر چکا ہے۔ لہذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس وقت کافر کو لڑکی دینا جائز تھا یا نہیں۔ ویسے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کی کفار کو پیش کش فرمائی تھی۔ یہ قرآن کریم میں مصرح ہے۔

" قال یقوم ھٰؤلاء بناتی ھن اطھر لکم "

ظاہر الفاظ سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر فرمائی ہے۔

بہرحال بنات مطہرات رض کے ان نکاحوں پر اعتراض کرنا غلط ہے۔ کیوں کہ یہ نکاح قبل از بعثت کے ہیں اور کفار کے ساتھ مناکحت بعثت کے بعد بھی کم از کم اٹھارہ، انیس ۱۹ برس تک جائز رہی۔ جیساکہ بحوالہ البدایہ والنہایہ ابھی ابھی گزرا۔ اشکال تب درست ہے جب کہ یہ نکاح ۶ھ کے بعد کئے گئے ہوتے لیکن جب کہ واقعہ ایسا نہیں۔ لہذا اس پر اعتراض کرنا محض حماقت وجہالت یا ضد وعناد پر مبنی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا اقرار واعتراف کیا ہے۔ ایک گفتگو کے دوران حضرت علی رض نے حضرت عثمان رض سے فرمایا

وقد رأیت و سمعت وصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونلت صھرہ وما ابن ابی قحافة باولی بعمل الحق منک ولا ابن الخطاب باولی بشیئ من الخیر منک وانک اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحما ولقد نلت من صھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالم ینالا ۔ اھ

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۱۶۸؛ ابن جریر طبری، ج ۳، ص ۳۷۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذوالنورین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں (یکے بعد دیگرے) آپ کے نکاح میں آئیں۔

عن علی بن ابی طالب انه سئل عن عثمان فقال ذالک امرء یدعی فی الملاء الاعلی ذوالنورین کان ختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

على ابنتيه رواه ابن عساكر كذا فی حاشية النبراس ، ص۵۴۹۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے سب عثمان رض کے نکاح میں دے دیتا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہتی۔

حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں۔

وروى (اى ابن عساكر) باسناد ضعيف عن على ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لو ان لى اربعين ابنة لزوجتهن بعثمان واحدة بعد واحدة حتى لا يبقى منهن واحدة۔ (البداية والنهاية ج ۷، ص۲۱۲)۔

مہلب بن ابی صفرہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا کہ آپ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ ہم پر فوقیت رکھتے ہیں اور اعلیٰ ہیں؟ تو صحابہ رض نے جواب دیا کہ اس لئے کہ اولین و آخرین میں سے عثمان رض کے علاوہ کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں نہیں آئیں۔

عن المهلب بن ابى صفرة قال سألت اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لم قلتم فى عثمان اعلانا فوقنا قالوا لانه لم يتزوج رجل من الاولين والاخرين بنتى نبى غيره رواه ابن عساكر۔

(البداية والنهاية : ج ۷، ص ۲۱۲)

عثمان بن عفان ثالث الخلفاء الراشدين تزوج برقية بنت النبى (منجد)

۱ ، فصل فى اولاده صلى الله عليه وسلم اولهم القاسم ثم زينب وقيل هى اسن من القاسم ثم رقية وام كلثوم وفاطمة ثم ولد له عبد الله بعد النبوة او قبلها فيه اختلاف وصحح بعضهم انه ولد بعد النبوة ۔ (زاد المعاد لابن القيم رح : ج ۱، ص ۴۵)

۲ ، ولد له صلى الله عليه وسلم من خديجة رضى الله تعالى عنها قبل البعثة القاسم ثم ولدت قبل البعثة ايضا زينب ثم رقية ثم فاطمة ثم ام كلثوم رضى الله تعالى عنهن وبعد البعثة ولد له صلى الله عليه وسلم عبد الله ويسمى الطيب والطاهر ۔

(سیرۃ حلبیہ ، ج ۳ ، ص ۳۳۵)

۳ ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان اوّل من ولد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ قبل النبوۃ القاسم وبہ کان یکنی ثم ولد لہ زینب ثم رقیۃ ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم ثم ولد لہ فی الاسلام عبد اللہ فسمی الطیب والطاہر۔ (طبقات ابن سعد ، ج ۱ ، ص ۱۳۳)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفی اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو بیعت پر مجبور کیا تھا ؟

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ تشریف لے گئے اور بہت سخت لہجہ میں بیعت کے لئے پکارا۔ کیا یہ درست ہے یا شیعوں کا بہتان ، بینوا توجروا۔

الجواب یہ بات بالکل غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بیعت پر مجبور کیا۔ کیونکہ حضرت فاطمہ رضؓ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ سے پہلے وفات پاگئی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی خلافت تو حضور علیہ السلام کے اڑھائی سال بعد ہوئی ہے۔ جب کہ حضرت فاطمہ رضؓ کا انتقال آپ کے چھ ماہ بعد ہوا ہے۔ جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ ہی ان کی زندگی میں نہیں آیا۔ تو خلافت پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی معین مفتی خیر المدارس ملتان

صحابہؓ کے بارے میں کتاب الخراج لابی یوسف کی ایک عبارت کا جواب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارے دل میں بڑی عقیدت ہے اور ہم انہیں حرص وہوا سے پاک ایک مکمل انسان سمجھتے ہیں۔ مگر جب میں نے "کتاب الخراج لابی یوسف" کی ایک عبارت دیکھی تو میری حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی۔ کتاب مذکور کے ص۱۳ پر لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور وصیت یہ کلمات کہے۔

" واحذر من ھؤلاء النفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین قد انتفخت اجوافھم وطمحت ابصارھم واحب کل

اسرئ منہم لنفسہ وان لہم لحیرۃ عند زلۃ واحد منہم فایاک ان تکونہ انتہی "

مندرجہ بالا عبارت کا واضح ترجمہ مع تشریح رقم فرمائیں۔ بظاہر یہ عبارت بعض صحابہؓ کی توہین کرتی ہے یہ عبارت قاضی صاحب کی ہے یا الحاقی ہے؟

الجواب اس عبارت کے پڑھنے سے جو اشتباہ پیدا ہوتا ہے وہ صرف " من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " کے لفظ سے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ مخلصین کے بارے میں نص نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو از راہ نفاق آنحضرت صلعم کے زمانہ میں اسلام کو ظاہر کرتے تھے بنا بر ظاہر ان کو بھی مسلمان کہا جاتا تھا عند الناس والعوام یہ لوگ صحابی ہونے کے بھی مدعی تھے ان کو در حقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف دنیوی منافع ان کو مقصود تھے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے بعد میں ان کا نفاق کھلتا گیا۔ اسلام کی شان و شوکت بڑھتی گئی تو ان کی تعداد کم ہوتی گئی۔ حتی کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت جو تھوڑی بہت ان کی تعداد موجود تھی ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔

واحذر من ھؤلاء النفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ اس جماعت سے بچنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے تصور کی جاتی ہے یا صحابہؓ میں شامل ہونے کے مدعیہ ہے۔

الذین قد انتفخت اجوافہم الخ

جن کے پیٹ متاع دنیوی سے پھولے ہوئے ہیں اور نظریں متاع دنیا کی طرف لگی رہتی ہیں اور ان میں سے ہر شخص اپنے نفس کے لئے منافع اور مصالح کو پسند کرتا ہے۔

وان لہم الحیرۃ عند زلۃ واحد منہم۔

اور جب ان میں سے ایک شخص کو لغزش ہوتی ہے اس لئے کہ یہ لوگ چونکہ فساد عقیدہ اور خبث باطن میں متفق ہیں اور اس کا نفاق کھلتا ہے تو وہ سب کو رسوا کرتا ہے اور سب حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔

فایاک ان تکونہ۔ خیال کرنا ایسا نہ ہو کہ آپ ان میں مبتلا ہو جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطابق وصیت صدیقی ان منافقین کا خوب قلع قمع کیا۔ شریر اور مفسد لوگوں کو خوب دبایا۔ پس یہ عبارت منافقین کے حق میں فرمائی گئی ہے۔ لفظ من اصحاب سے دھوکہ نہ لگنا

چاہئے کیوں کہ یہ منافقین باعتبار ظاہر مسلمانوں میں شامل تھے کما سبق تحقیقہ۔
عام حضرات صحابہ رضؓ جو ان اوصاف رذیلہ سے پاک وصاف تھے ان کی شان اعلیٰ وارفع ہے۔ اور نہ ان کے حق میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اور نہ کوئی قرینہ ایسا موجود ہے۔ بلکہ من تبعیضیہ قرینہ ہے اس بات کا کہ یہ عبارت ایک مخصوص جماعت کے بارے میں کہی گئی ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ : ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۶۹ھ

جنگِ جمل کا محرک حضرتِ معاویہؓ کو قرار دینا سفید جھوٹ ہے

اہل تشیع کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑایا تھا۔ یہ کہنا کہاں تک درست ہے ؟

الجواب یہ سبائی افتراء اور جھوٹ ہے۔ اس دوران نہ تو حضرت عائشہ رضؓ کی حضرت معاویہؓ سے ملاقات ہوئی نہ ہی حضرت معاویہ رضؓ کے کسی قاصد کا حضرت عائشہ رضؓ سے ملنا ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے تو حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کی اطلاع پاتے ہی کہہ دیا تھا۔

واللہ قتل عثمان مظلومًا واللہ لاطلبن بدمہ۔ اھ (البدایہ ج ۷، ص ۱۰۵)

روایات میں واضح طور پر موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ اور ان کے ساتھی حضرت علی رضؓ کے لشکر کیساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے بلکہ صلح طے پاگئی تھی۔ اعلان باقی تھا کہ سبائیوں نے دیکھا کہ یہ صلح تو ہمارے لئے موت ثابت ہوگی چنانچہ انہوں نے دھوکہ سے دونوں فریقوں کو لڑا دیا۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۳۹)

اور پھر اپنے مخصوص طریق کار کے مطابق اس کا الزام دوسروں کے سر لگا دیا۔
اتمام الوفاء، ص ۲۱۵ میں ہے۔

وظهرت آثار الكدر على امير المؤمنين من هذا الحادث الجلل الذى لم يكن له فيه مأدب وكذلك على السيدة ام المؤمنين فانها كانت تود الصلح ولم يجر ما جرى الا رغما عن الجميع ۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۱ ؍ ۶ ؍ ۱۴۰۰ھ
الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بیت اللہ کو غلاف پہنانے کی ابتدا کب سے ہوئی

ایک مضمون کے سلسلہ میں یہ تحقیق مطلوب تھی کہ بیت اللہ پر غلاف سب سے پہلے کس نے ڈالا تھا۔ اگر معلوم ہو تو مہربانی فرمائیں۔ فاروق امجد صحیح پوطنی۔

الجواب "المعارف" لابن قتیبۃ الدینوری (متوفی ۲۷۶ھ) میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابوکریب حمیری نے بیت اللہ کو کپڑے اور چادروں کا غلاف چڑھایا۔ یہ آنحضرت علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً سات سو سال پہلے گزرا ہے۔

اسعد ابوکریب الخ وھو اول من کسا البیت الانطاع والبرد اھ (ص۲۵)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۵ : ۶ : ۱۳۹۸ھ

خاکِ مدینہ کے شفاء ہونے کا ثبوت

خاکِ شفاء کے بارہ میں جو بات مشہور ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر مسلمانوں میں کسی قسم کی بیماری پھیل گئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فلاں جگہ کی مٹی لے کر اپنے جسموں پر مل لو بفضلہ تعالیٰ شفاء ہو جانے گی کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور اس خاکِ شفاء کے استعمال کا کیا طریقہ ہے اور وہ کون سی جنگ ہے جس میں یہ واقعہ پیش آیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب مدینہ طیبہ کی مٹی کے بارہ میں متعدد روایاتؒ آتی ہیں۔ علامہ زرقانی رحؒ نے مواہب لدنیہ میں اور علامہ سمہودی رحؒ نے "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" میں تفصیل سے ان کو نقل کیا ہے۔ جملہ روایات کو سامنے رکھنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مدینہ طیبہ کی عام مٹی کی خاصیت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اس میں شفاء ہے۔ بالخصوص جذام و برص کے لئے۔ اور صعیب کے بارے میں (وادیٔ بطحان میں ایک جگہ ہے) بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا اسے استعمال کرو۔ پوری حدیث اس طرح ہے کہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ قبیلہ بنو حارث کے پاس گئے وہ لوگ بیمار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا حال ہے؟ کہنے لگے کہ ہم بخار میں مبتلا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس تو صعیب موجود ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور صعیب کو کیا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی مٹی لے کر پانی میں ڈال کر اس پر یہ پڑھ کر لب ڈالو بسم اللہ تراب ارضنا بریق بعضنا شفاء لمریضنا باذن ربنا (الحدیث)۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ فشفاھم اللہ۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ علامہ سمہودی رح نے کچھ واقعات بھی لکھے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جگہ کی تخصیص ان کی مرض کی بنا پر ہو۔ الحاصل مدینہ طیبہ کی عام مٹی میں بھی شفاء کا ہونا منقول ہے۔ جس حدیث میں مدینہ طیبہ کی عام مٹی کا شفاء ہونا منقول ہے وہ غزوہ تبوک سے واپسی کا واقعہ ہے۔ علامہ سمہودی رح کے الفاظ یہ ہیں۔

عن سعد رضی اللہ عنہ لما رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تبوك تلقاہ رجال من المخلفین من المؤمنین فاثاروا غبارا فغطی بعض من کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انفہ فازال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللثام عن وجہہ وقال والذی نفسی بیدہ ان فی غبارها شفاء من کل داء الحدیث۔ (وفاء: ص۶۷)

طریقہ استعمال: صعیب کی مٹی کے بارے میں علامہ سمہودی رح نے لکھا ہے کہ مٹی پانی میں ڈال کر پھر اس پر مذکورہ رقیہ پڑھا جائے پھر اسے پیا جائے اور نہایا بھی لیا جائے۔

قلت فینبغی ان یجعل فی الماء ثم یتفل علیہ و تقال الرقیۃ الواردۃ ثم یجمع بین الشرب والغسل منہ اھ (وفاء، ص۶۸)۔

فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان شہر

۲۶ / ۱۰ / ۱۳۹۷ھ

امام ابو حنیفہ رح کی کثرت عبادت پر اعتراض کا جواب

امام اعظم رح کے حالات میں ایک رسالے میں دیکھا گیا کہ ان کا تقویٰ اس قدر تھا کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے رہے۔ یعنی تمام رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اور رمضان مبارک میں نوے ختم کلام پاک کرتے تھے۔ یعنی روزانہ تین ختم کرتے تھے لیکن سیرۃ النعمان سوانح عمری حضرت امام اعظم رح مصنفہ مولانا شبلی نعمانی کے صفحہ ۴۴ پر یہ عبارت ہے۔

مضمون مولانا شبلی نعمانی رح ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اس قدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب رح کی اصلی صورت پہچانی نہیں جاتی۔ مثلاً

- چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔
- تیس سال تک متصل روزے رکھے۔

- جہاں وفات کی اس جگہ سات ہزار مرتبہ قرآن کا ختم کیا۔
- شہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا ایک مدت تک مچھلی کا گوشت نہیں کھایا۔
- اسی طرح ایک شبہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔
- ان کا ذاتی خرچ صرف دس آنے ماہوار تھا۔

اس قسم کے اور بہت سے افسانے ان کی نسبت مشہور ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ہمارے مؤرخین ان فضول کو امام صاحب کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ ان سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے۔ الخ۔ اس قسم کے واقعات کے لئے ایسی سند درکار ہے جس میں ذرہ بھی شبہ نہ ہو۔ نیز دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت صحیح ہے؟

الجواب امام اعظم رحمہ اللہ کے تذکرہ میں جو حال ان کی عبادت اور زہد اور ورع کے متعلق کتابوں کے اندر لکھا ہے بالکل صحیح ہے۔

- چالیس سال تک صبح کی نماز عشاء کے وضوء سے پڑھنا بالکل صحیح ہے۔
- رمضان المبارک میں ساٹھ (۶۰) ختم پڑھنے کی روایت میں نے دیکھی ہے۔
- اور تیس سال تک متواتر روزہ رکھنے کی روایت میں نے نہیں دیکھی ہے اگر کتب میں موجود ہو تو اس کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔

بکری کا گوشت چھوڑ دینا بھی صحیح واقعہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ کے شہر میں ایک بکری چوری ہوگئی پس آپ نے بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ ایسا نہ ہو کہ وہی بکری ذبح کی جائے اور اسی کا گوشت بیچنے والا دے دے۔ اور مچھلی نہ کھانے کی روایت میں نے نہیں دیکھی۔

محترم! بات یہ ہے کہ علامہ شبلی رح کا زمانہ ہو یا ہمارا آج کل زہد اور عبادت مفقود ہیں اس لئے ایسی روایات ہمیں تعجب خیز معلوم ہوتی ہیں۔ امام اعظم رح تابعین میں سے ہیں۔ صحابہؓ و تابعین کا زمانہ خیر و برکت کے انتہائی عروج پر تھا اس زمانہ میں زہد اور عبادت اتنا تھا کہ بچے مادر زاد ولی پیدا ہو رہے تھے۔ راتوں کو جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا، مجاہدات اور ریاضت کی کثرت تھی چند ایک واقعات زمانۂ سلف کے تاریخی معتبر کتب سے نقل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ امام اعظم رح کے تذکرہ میں جو باتیں منقول ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔

- امام شافعی رحمہ اللہ روزانہ ایک قرآن پاک کا ختم با تدبر کرتے تھے۔ اور رمضان شریف میں دو ختم روزانہ کرتے تھے۔

- سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر رات ختم قرآن مجید ایک رکعت میں کرتے تھے ۔
- حضرت اویس قرنی جو مشہور بزرگ ہیں ۔کسی دن فرماتے کہ آج کی رات رکوع کرنے کی ہے پس تمام رات رکوع میں گزار دیتے ۔ پھر کہتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے تو تمام رات سجدہ میں گزار دیتے ۔
- حبیب عتبہ غلام تائب ہونے تو کھانے پینے کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے تھے ان کی والدہ نے ان سے ایک مرتبہ کہا کہ اپنے نفس پر رحم کھا کچھ راحت بھی لے لیا کر ۔کہنے لگے کہ اس پر رحم کھانے ہی کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں ۔تھوڑے دن کی مشقت ہے پھر ہمیشہ ہمیشہ راحت ہی تیار ہے ۔
- عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں یہ بزرگ (حضرات) جب کوئی ان میں سے چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو بستر اٹھا کر رکھ دیتا ہے یعنی پھر سونے کا نمبر ختم ہو جاتا ہے ۔
- حضرت کہمش بن حسن رح ہر رات میں ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتے کہ اے ہر برائی کی جڑ نماز کے لئے کھڑا ہو جا ۔جب ضعف بہت ہو گیا تو روزانہ پانچ سو رکعتیں کر دی تھیں اور اس پر رویا کرتے تھے کہ میرا آدھا عمل جاتا رہا ۔
- حضرت ربیع رح کہتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنی رح کے پاس آیا ۔ وہ صبح کی نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو گئے تھے ۔مجھے خیال ہوا کہ اس وقت ان کا حرج ہو گا میں فراغت کے انتظار میں بیٹھ گیا ۔ وہ اسی حال میں بیٹھے پڑھتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا وہ ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور عصر تک نماز پڑھتے رہے ۔پھر عصر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے رہے ۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی پھر عشا کی نماز پڑھی ، پھر صبح تک وہیں جمے رہے ۔ دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد بیٹھے تھے کہ اسی حال میں کچھ غنودگی سی آ گئی ، چونک کر کہنے لگے ۔ یا اللہ ایسی آنکھ سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جو بار بار سوتی ہے اور ایسے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں جو بھرتا ہی نہ ہو ۔میں تمام حالت دیکھ کر وہاں سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ مجھے تو عبرت کے واسطے یہی کافی ہے جو میں نے دیکھ لیا ہے ۔
- ابوبکر بن عیاش رح چالیس برس تک بستر پر نہیں لیٹے اور اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اس کھڑکی میں معصیت نہ کرنا کہ میں نے اس میں بارہ ہزار قرآن ختم کئے ہیں ۔جب ان کا انتقال ہونے لگا تو مکان کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے اس میں چوبیس ہزار قرآن ختم کئے ہیں ۔
- حضرت سمنون رح پانچسو رکعت نماز روزانہ پڑھا کرتے تھے ۔اور ان کا ایک قصہ علامہ زبیدی رح نے لکھا ہے کہ بغداد میں ایک شخص نے چالیس ہزار درہم فقراء پر تقسیم کئے ۔سمنون فرمانے لگے کہ درہم تو ہمارے پاس ہیں نہیں ، چلو ہم ہر درہم کے بدلے ایک رکعت نماز پڑھ لیں ۔ یہ کہہ کر مدائن گئے اور وہاں چالیس ہزار رکعتیں پڑھیں ۔

- ابوبکر مطبوعی رح کہتے ہیں کہ میرا معمول جوانی میں اکتیس ۳۱ ہزار روزانہ " قل ہو اللہ احد " پڑھنے کا تھا۔
- ایک شخص کہتے ہیں کہ میں عامر بن عبدالقیس رح کے ساتھ چار مہینے رہا۔ میں نے دن میں یا رات میں انہیں سوتے نہیں دیکھا۔

حضرت کرز بن برہ رح ہر روز تین قرآن شریف ختم کرتے تھے۔

یہ چند واقعات امام غزالی رح کی کتاب احیاء العلوم اور دوسری معتبر تواریخ سے لئے گئے ہیں۔ یا تو ان تمام روایات پر پانی پھیریئے اور کہہ دیجئے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم عباد و زہاد سے خالی ہے۔ یا پھر ان تمام واقعات کو تسلیم کیجئے۔ اور اپنے اہلِ زمانہ کی غفلت و کوتاہی تسلیم کیجئے کہ ہم غافل ہو رہے ہیں۔ قرنِ اوّل میں کثرت سے لوگ عبادت و ریاضت کرتے تھے۔ اس زمرہ میں امامِ اعظم رحمہ اللہ کا نام نامی اسم گرامی سب سے پہلے ہے۔ امام ابوحنیفہ رح کا چالیس سال تک رات کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھنا علامہ سیوطی رح کے " تبییض الصحیفہ : ص ۱۴ " پر درج ہے۔ " تبییض الصحیفہ ، کشف الاستار عن رجال معانی الآثار " کے ساتھ ملحق ہے۔ ہند و پاکستان کے مشہور کتب خانوں سے مل سکتی ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

۹ محرم الحرام ۹۰ ۳ / ۷ / ۱۳ ھ

لعنت بر یزید ایک واعظ نے علانیہ طور پر یزید پر لعنت کی ہے۔ اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ شرحِ عقائد میں یزید اور اعوانِ یزید پر لعنت کی گئی ہے۔ جس کی عبارت ذیل ہے

والحق ان رضا یزید لقتل الحسین واستبشاره بذلك واهانته أهل بيت النبي عليه السلام مما تواتر معناه وان كان تفاصيله احاداً فنحن لا نتوقف في شانه بل في ايمانه لعنة الله عليه وعلى انصاره وعلى اعوانه۔

کیا بموجب حوالہ مذکور یزید پر لعنت کرنا جائز ہے ؟

محمد امین احمد پور شرقیہ

الجواب یزید پر لعنت کرنے میں علماءِ محققین کے دو گروہ ہیں۔ بعض جواز کے قائل ہیں اور دلیل میں یہی افعال پیش کرتے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ اور ایسے افعال کا مرتکب واقعۃً مستحقِ لعنت ہے۔ بعض حضرات نے اس میں توقف کیا ہے۔ کیونکہ یزید میں ان جملہ افعالِ ناشائستہ کا پایا جانا

قطعی اور یقینی نہیں۔ شروع میں وہ بہرحال مسلمان تھا۔ اور مسلمان پر لعنت کرنے کے بارے میں وعید شدید وارد ہے۔ عاقبت کا علم اللہ کو ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ سکوت کیا جائے۔ کیوں کہ اگر لعنت جائز بھی ہو تو نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر وہ محل لعنت نہ ہوا تو لعنت کرنے والا خود مبتلائے معصیت ہو جائے گا۔ لہٰذا محتاط و مختار مسلک یہی ہے کہ خاموش رہا جائے۔

حضرت العلام مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے فتاویٰ رشیدیہ: ج ۱ ص ۲۸۔ میں اسی مسلک کو پسند فرمایا ہے۔

سئل الغزالی عمن یصرح بلعن یزید بن معاویۃ هل یحکم بفسقه ام یکون مرخصا فیه وهل کان یرید قتل الحسین ام کان قصده الدفع وهل یسوغ الترحم علیه ام السکوت عنه افضل فاجاب لا یجوز لعن المسلم أصلا ومن لعن المسلم فهو الملعون وقد قال علیه الصلوة والسلام المسلم لیس بلعان وکیف یجوز لعن المسلم وقد ورد النهی عن ذلك وحرمة المسلم اعظم من حرمة الکعبة بنص من النبی صلی الله علیه وسلم ویزید صح اسلامه وما صح قتله للحسین رضی الله عنه ولا امره ولا رضاه بذلك ومهما لم یصح ذلك عنه لم یجز ان یظن ذلك به فان اساءة الظن ایضا بالمسلم حرام قال الله تعالی یا یها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم الأیة الی قوله واما الترحم علیه فجائز بل مستحب بل داخل فی قولنا اللهم اغفر للمؤمنین والمؤمنات فانه کان مؤمنا اھ

(حیٰوة الحیوان: ج: ص ۱۹۶)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ: ۸: ۱۰: ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مکرمی جناب نائب مفتی صاحب زیدمجدکم : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
لعنت بر یزید کے متعلق ایک فتویٰ سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ آپ یزید کے متعلق ترحم کے قائل ہیں
اس کی وضاحت مطلوب ہے۔ بندہ محمد صدیق غفرلہٗ ناظم خیرالمدارس ملتان

الجواب اصل سوال تو لعنت کرنے کے متعلق تھا اور اس کے متعلق ہمارے اسلاف واکابر کا جو مسلک ہے وہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے صراحۃً تحریر کر دیا گیا ہے۔ آخر میں موضوع سے متعلق " حیوٰۃ الحیوان " سے ایک طویل اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ جس میں امام غزالیؒ کا لعن یزید سے متعلق مشہور فتویٰ تفصیل سے مذکور ہے۔ ہمیں اس فتوے کا جو حصہ مقصود تھا وہ وہی ہے جو لعن یزید سے متعلق ہے۔
باقی رہا ترحم کا جواز یا استحباب تو یہ امام غزالی رہ کا اپنا مسلک ہے جیسے کہ عربی عبارت میں تصریح ہے۔ ہم نہ استقلالاً کرتے ہیں نہ ترغیب دیتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔
محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

اُمّ یزید کی عیسائیت کی طرف نسبت غلط ہے

۱ : حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ ملیسون بنت بحدل کے بارے میں بعض مستشرقین ہٹی اور نکلسن وغیرہ نے لکھا ہے کہ آپ عیسائی قبیلہ سے تھیں ؟
۲ : یزید انہیں سے پیدا ہوا۔
۳ : اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت ملیسون کو طلاق دے دی تھی۔
(ہسٹری آف دی عزیز ص۱۹۵ : دلٹریری ہسٹری آف دی عربز ص۱۹۶ : بنات الصلیب)"
کیا مذکورہ قسم کے بیانات درست ہیں اور ایسی روایات صحیح ہیں یا الزام تراشی ہے۔ اسلامی تاریخی کتب سے بحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب ۱ : مستشرقین اور صاحب بنات الصلیب کا حضرت ملیسون کو عیسائی قبیلہ سے قرار دینا تحریف اور سوچی سمجھی سازش ہے۔ آپ ہرگز عیسائی قبیلہ سے نہ تھیں بلکہ آپ عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف ۔۔۔ بن جناب الکلبی کی صاحبزادی تھیں۔ اللہ نے آپ کو حسن وجمال، عقل ودانش اور اعلیٰ درجہ کی دینداری عطا کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ : ج ۸ : ص ۱۴۵)
۲ : یزید آپ ہی سے پیدا ہوا تھا۔ (طبری : ج ۴ : ص ۳۴۳ ۲)
۳ : حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ کو گھریلو رنجش کی وجہ سے طلاق دی تھی۔ (طبری : ج ۴ ص۲۴۳)
فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ خیرالمدارس ملتان"

حدیثِ قرطاس، وقصۂ باغ فدک

کیا فرماتے ہیں علمار کرام اس مسئلہ میں کہ (۱) جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قلم و دوات لاؤ جب علی کاغذ اور قلم لے کر آنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ نے حضرت علیؓ کو روک دیا کہ کاغذ اور قلم نہ لاؤ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت غشی طاری تھی تو حضرت صدیق اور حضرت عمرؓ کے کہنے پر کاغذ اور قلم نہ لائے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ وصال کے بعد دونوں حضرات اور حضرت عثمان غنی خلافت کے بارہ میں مشغول ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کے پاس اہلِ بیت اور حضرت علیؓ بیٹھے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک تین دن تک پڑی رہی، اور یہ حضرات اپنی خلافت کے مشورے کرتے رہے اور تیسرے دن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا۔

۲۔ جب حضرت صدیق خلیفہ مقرر ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی کو لیکر حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ صدیق اکبر آپ ہمیں باغِ فدک دے دیں تو حضرت صدیق اکبر نے انکار کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مسافروں کے لئے اور اصحابِ صفہ کے لئے وقف کر دیا تھا اس لئے میں یہ باغ نہیں دے سکتا، تو حضرت فاطمہ رنجیدہ ہو کر واپس آگئیں اور بی بی فاطمہ نے کہا کہ اگر میں کہیں فوت ہو جاؤں تو حضرت صدیق اکبر میرے جنازہ کے قریب نہ آئیں اسی حالت میں حضرت فاطمہ کا انتقال ہوگیا اور حضرت ابوبکر صدیق کو جنازہ میں شامل نہ ہونے دیا گیا۔

الجواب: روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں وفات سے چار روز قبل اپنے پاس موجود حضرات سے یہ کہا کہ کاغذ لاؤ میں ایک تحریر لکھ کر دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے۔ لہذا آپ کو زحمت نہ دینا چاہیئے ضروری احکام کے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے بعض لوگوں نے کہا لکھوا لینا چاہیئے۔ اسی میں بلند آوازی ہوئی تو آنحضرت علیہ السلام نے ان سب کو اپنے پاس سے اُٹھ جانے کا حکم دیا اس کے بعد چار روز تک دنیا میں تشریف فرما رہے پھر خالق حقیقی سے جا ملے۔ قصہ تو صرف اس قدر رہے، اگر نگاہوں پر بغض و تعصب کی عینک چڑھی ہو تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا محض آپ کی محبت اور آرام کی خاطر کیا۔ یہ بات تو حضرت عمرؓ کے مناقب و فضائل میں شمار کرنے کے قابل ہے نہ کہ

اس کو باعثِ اعتراض بنانے کے ۔ اتنا تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے یا تو اس کا تعلق دین کی انہی باتوں سے ہوگا جنہیں آپ پہلے بار بار ارشاد فرما چکے ہوں گے اور انہیں کی طرف اب خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتے ہوں گے اور اگر یہ کوئی نئی بات تھی جس کو آپ نے اب تک بیان نہیں فرمایا تھا ۔ اور امت کی ہدایت کا دار و مدار اسی بات پر تھا تو پھر دین کے مکمل ہونے کا کوئی معنیٰ نہیں رہ جاتے اگر اتنی اہم بات باقی رہ گئی تھی تو پھر معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیئیس سال تک کیا بیان فرماتے رہے ؟ اور قرآن حکیم کس بات کی رہنمائی کے لئے نازل ہوا جبکہ اصل ہدایت کی بات آپ نے اب بتائی تھی ۔ اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ کوئی نئی بات بتانا چاہتے تھے جو اب تک آپ نے ارشاد نہیں فرمائی تھی تو پھر آپ کا لکھوانے سے رکنا اپنی مرضی اور منشار الہٰی کے مطابق تھا ۔ اگر یہ بات نہ تھی تو آپ اس واقعہ کے چار روز بعد تک دنیائے فانی میں رہے آپ پھر کسی وقت لکھوا دیتے یا اسی وقت قطعی حکم دے دیتے کہ نہیں ضرور لکھو ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو اللہ کی طرف سے کسی بات کے لکھوانے کا حکم ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کے کہنے پر لکھوانے سے رک جائیں ۔ جسے پیغام حق پہنچانے سے عرب کی کوئی طاقت نہ روک سکی ۔ جس نے پتھر کھا کے اللہ کا حکم سنایا وہ صرف حضرت عمر کے کہنے پر اللہ کا حکم پہنچانے سے رک جائے اسے عقل ہرگز تسلیم نہیں کرتی پھر تو نبی کی نبوت پر ہی سے اعتماد اٹھ جائے گا ۔ شیعہ تو لوگوں کے ڈر سے حق بات کہنے سے تقیہ کر سکتے ہیں ۔ نبی کی شان اس کے منافی ہے ۔

۲۔ اصل میں باغِ فدک مالِ فئی تھا جو کہ حاجتمندوں کے لئے مخصوص تھا صحیح واقعہ جو کتب حدیث و تاریخ کی معتبر کتابوں میں منقول ہے اس طرح ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے باغ فدک کا مطالبہ بطور میراث کیا تو حضرت ابو بکر نے ان کو ایک حدیث سنائی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی اور پھر فرمایا خدا کی قسم ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے بھی زیادہ محبوب ہے ۔ مگر اس واقعہ میراث میں حق وہی ہے جو میں نے عرض کیا اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یہ روایت بخاری و مسند احمد میں موجود ہے ۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے ایسی نرمی اور ملاطفت سے جواب دیا کہ اس وقت حضرت فاطمہؓ راضی ہو کر اٹھیں ۔

(ازالۃ الخفاء ص ۲۹/۲)

اہل تشیع کی معتبر کتب اصول کافی احتجاج طبرسی ، مراۃ العقول وغیرہ میں امام جعفر سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال پیش کر کے عرض کی کہ سیدہ یہ مال میرا ہے اس میں آپ جس طرح چاہیں تصرف کر سکتی ہیں لیکن مال فئی کے بارے میں آپ کے والد ماجد کا ارشادِ گرامی یہ ہے جو میں نے عرض کیا ۔ حقیقت فقط اتنی ہے ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہ کو راضی کر لیا تھا یہ انکی کمال نیاز مندی تھی ۔

(مدارج النبوۃ کتاب الوفاء، بیہقی اور شرح مشکوٰۃ) میں اسکی تصریح ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جنازہ میں شرکت سے روکنا محض شیعی افسانہ ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں اس کو کذب و افتراء لکھا ہے۔ البتہ جنازہ کی امامت کے بارے میں مختلف روایات ہیں ابن سعد اور فصل الخطاب وغیرہ میں ہے کہ جنازہ بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے پڑھایا تھا۔ (ھدیۃ الشیعہ ص۲۹۱)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، عبدالستار — محمد انور نائب مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی ہے۔

اکثر کتب تاریخ تواریخ وتذکرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی وابی وامی) کی تاریخ پیدائش ۹ ربیع الاول اور وفات ۱۲ ربیع الاول کو لکھی ہے۔ ایک تاریخ کے سکالر نے لکھا ہے کہ جدید و قدیم محققین اس پر متفق ہیں کہ حضور کی پیدائش ۹ ربیع الاول کو اور وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ تصدیق اس بیان کی فرما کر ممنون فرمادیں۔

الجواب: اکثر علمائے محققین کی رائے یہی ہے کہ ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی اور وفات شریف ۱۲ کو ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۲۴ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ، محمد عظیم الدین عفی عنہ خطیب جامع مسجد الصادق بہاولپور

الجواب: آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت تحقیق و تاریخ کے اعتبار سے بروز شنبہ مسلّم و محقق ہے اس کے ساتھ ہی ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بھی اسی لحاظ سے متقدمین حضرات نے بھی دوشنبہ ۹ ربیع الاول ہی لکھا ہے، اس لئے محققین مؤرخین و متقدمین کے نزدیک تاریخ پیدائش حضور ۹ ربیع الاول ہی ہوتی ہے۔ البتہ وفات بلا اختلاف ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

رشید احمد عفی اللہ عنہ نائب خطیب جامع مسجد الصادق، بہاولپور

الجواب: قدیم تاریخی کتب جو تاریخ میں ماخذ و سند کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں آنحضرت علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کے بارے میں دو قول زیادہ مشہور رہیں، ۱۲ ربیع الاول یا ۸ ربیع الاول، ان دونوں میں سے ۸ ربیع الاول کا قول زیادہ صحیح ہے۔

وقیل لثمان خلون منہ حکاہ الحمیدی عن ابن حزم و رواہ مالک وعقیل و یونس بن یزید وغیرہم عن الزہری عن محمد بن جبیر بن مطعم ونقل ابن عبد البر عن اصحاب التاریخ انہم صححوہ وقطع بہ الحافظ الکبیر محمد بن موسیٰ

الخوارزمی واصحبہ الحافظ ابوالخطاب بن دحیۃ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۶۰ ج ۲)

سیرۃ المصطفیٰ صفحہ ۴۰ ج ۱ میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

جمہور محدثین اور مؤرخین کے نزدیک راجح و مختار قول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ۸ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، علامہ قطب الدین قسطلانی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (بحوالہ زرقانی ص ۱۳۱ ج ۱)

سیرۃ محمدیہ میں منقول ہے کہ یہی قول صحیح ہے اور اس پر اہل تاریخ کا اجماع ہے، وحکی القصائی فی عیون المعارف اجماع اہل التاریخ اھ (باب ذکر مولدہ علیہ السلام)

مگر فلکیات کے مشہور مصری عالم اور محقق محمود پاشا کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ ۹ ربیع الاول کو واقعہ فیل کے پہلے سال ہوئی جو کہ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق ہے تاریخ دول العرب والاسلام میں محمد طلعت بک عرب نے بھی ۹ کو صحیح لکھا ہے، قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے "رحمۃ للعالمین" ص ۴۲ ج ۱ میں بھی غالباً انہی کی اتباع میں ۹ کو نقل کیا ہے، عصر حاضر کے جدید محقق محمد فرید وجدی نے ۹ کا قول نقل کیا ہے۔ (دائرہ معارف القرن العشرین ص ۰۰ ج ۰) خلاصہ یہ کہ تاریخی کتب کے لحاظ سے تو ۸ ربیع الاول کی تاریخ ہی راجح ہے۔ فقط، واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ۔ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان ۲/۳/۱۴۰۱ھ

مفتی خیر المدارس، ملتان

مشاجرات صحابہ میں کسی بھی فریق کو "غلطی محض" پر سمجھنا محض غلطی ہے۔

کیا جنگ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ خطا پر تھے، یہ اجتہادی خطا تھی یا محض غلطی تھی، جیسے کہ مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں لکھا ہے، مدلل طور پر تحریر کریں۔

۲۔ حضرت معاویہؓ کا یزید کو جانشین بنانا شرعاً درست تھا یا کہ نہیں؟ طبرانی میں ہے کہ یزید شرابی و لہو و لعب کا شائق تھا، حضرت امیر معاویہؓ نے ایسے کو جانشین کیوں مقرر کیا؟

۳۔ جاہلیت، جہالت، تنقید، تنقیص، تکذیب کا فرق وضاحت سے ارشاد فرما دیں تاکہ ان میں فرق نمایاں ہو جائے۔ کیا جماعت اسلامی میں داخل ہونا شرعاً درست ہے یا کہ نہیں، اگر درست نہیں تو کیوں؟

الجواب: مشاجرات و نزاعات صحابہؓ کے بارے میں لوگوں میں یہ بحثیں شروع ہوگئی ہیں کہ فریقین میں سے حق پر کون تھا اور غلطی پر کون تھا، ظاہر ہے کہ اس عظیم ترین کام کا فیصلہ کرنا سہل کام نہیں اس سلسلے میں حقیقت تک رسائی اس کے اسباب کی پیشگی فراہمی کی متقاضی ہے، مثلاً

۱۔ ان مشاجرات سے متعلقہ تمام معلوماتی مواد کی فراہمی ۲۔ اس مواد میں سے مستند اور قابلِ عمل کا پیشِ نظر رہنا۔
۳۔ وجہ منازعات اور ہر فریق کے دعویٰ کی مکمل تنقیح ۴۔ متعلقہ آیات ونصوص اور قواعد شرعیہ کا استحضار
۵۔ اجتہاد کا ملکہ راسخہ ۶۔ سب سے آخری اور کڑی شرط فیصل کی عدالت وغیر جانبداری ہے اسکی اہمیت میں اس وجہ سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ یہ شرط پہلی سب شرطوں پر اثر انداز ہو سکتی ہے اگر کسی مرحلہ پر فیصل کی غیر جانبداری متزلزل ہو گئی تو فیصلہ کی صحت مشکوک ومشتبہ ہو جائے گی۔ الحاصل :۔ اس فیصلہ کے لئے کمالِ علم اور کمالِ دیانت وتقویٰ دونوں امر ضروری ہیں۔ صرف تاریخ دانی کافی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر عالم میں ان امور کا اجتماع اگر متعذر نہیں تو مشکل ضرور ہے پس اس سلسلہ میں لوگوں کی آراء کا مختلف ہو جانا ایک بدیہی امر تھا تاریخ شاہد ہے کہ جذبات سے مغلوب ہو کر خام عقلوں نے اس سلسلہ میں طرح طرح کی بولیاں بولی ہیں۔

ایک گروہ نے حضرات صحابہ کرام کے دونوں فریقوں کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے بلکہ انکی تذلیل وتفسیق سے بھی ترقی کر کے تکفیر تک نوبت پہنچائی ہے۔ العیاذ باللہ من ذالک۔ اور ایک فرقہ نے حضرت علیؓ کو حق پر مانا اور حضرت امیر معاویہ، زبیر، طلحہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کو باطل پر جانا اور جی بھر کر ان کو کوسا، اور ان کے افعال میں کیڑے نکالنے کے لئے اپنی بہترین صلاحیتوں کو ضائع کیا۔ جیسا کہ شیعہ وروافض کرتے ہیں اور ایک فریق نے اپنے جذبات کی تسکین کے لئے منازعات سے متعلقہ روایات کا سرے سے انکار کر دیا کہ درحقیقت جمل اور صفین نام کی جنگیں مسلمانوں میں لڑی ہی نہیں گئیں۔ ان اہل ہویٰ واہل زیغ کے مقابلہ میں اہل سنت والجماعت کا متوازن اور معتدل موقف یہ ہے کہ فریقین کا اختلاف حق وباطل کا اختلاف نہیں بلکہ خطا وصواب کا اختلاف تھا جیسا اختلاف مسائل مذہبیہ میں ائمہ مجتہدین کے درمیان پایا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے ہر دو فریق نیک نیت تھے۔ اور صدقِ دل سے اتباع قرآن پاک وارشاداتِ نبویہ فرمانا چاہتے تھے۔ لیکن اس وقت میں منشاء خداوندی کیا ہے اسکی تعیین میں آراء کا اختلاف تھا۔ حضرت زبیر وطلحہ وامیر معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف یہ تھا کہ سیدنا امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے فوراً قصاص لینا ضروری ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مظلوم کی اعانت اور ظالم کو سزا دینا فرض ہے اور جن لوگوں نے حدود کو توڑا وہ یسعون فی الارض فساداً کے مصداق ہیں اور ان پر ان یقتلوا کے تحت حد جاری کرنا ضروری ہے اور حضرت علیؓ بعض مصالح کی بنیاد پر اس میں تاخیر کر رہے تھے یا بعض وجوہ سے نفس قصاص میں متردد تھے۔ علمی زبان میں ایسے اختلاف کو اجتہادی اختلاف کہتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر فریق کی غلطی کو خطاءِ اجتہادی سے تعبیر کرتے ہیں اس تفصیل کے بعد اب ہم ذیل میں چند حوالہ جات تحریر کرتے ہیں جن سے مسلک اہل سنت والجماعت کی وضاحت ہو جائے گی کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی خطاء اجتہادی تھی معاذ اللہ کسی بدنیتی پر مبنی نہ تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے قبل عقائد کی مشہور کتاب شرح العقائد کی تصریح ملاحظہ ہو:

۱۔ ما وقع من المخالفات والمحاربات من عائشہؓ وطلحہؓ و زبیرؓ ثم من معاویۃ لم یکن نزاع فی خلافۃ بل کان المحاربون لا یسلمون خلافتہ عن الخطاء فی الاجتہاد من معاویۃ اھ (شرح العقائد النسفی)

۲۔ علامہ عبد العزیز صاحب اس تعریف کے متعلق فرماتے ہیں :

قال اهل السنة کان الحق مع علی وان من حاربه مخطئ فی الاجتهاد فهو معذور وان کلاً من الفریقین صالح عادل ولا یجوز الطعن فی احد منه الی ان قال هذا هو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال (صنہ براس)

۳۔ شیخ ابو زکریا یحیٰی بن شرف نووی شارح مسلم فرماتے ہیں :

واما حروب التی جرت فکانت لکل طائفة شبهة اعتقدت تصویب انفسها بسببها وکلهم عدول متأولون فی حروبهم وغیرها ولم یُخرِج شئٌ من ذلك احداً منهم من العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتهاد کما یختلف المجتهدون بعدهم فی مسائل من الدماء وغیرها واعلم ان سبب تلك الحروب ان القضایا کانت مشتبهةً فلشدة اشتباهها اختلف اجتهادهم وصاروا ثلثة اقسام قسم ظهر لهم بالاجتهاد ان الحق فی هذا الطرف وان مخالفه باغ وقسم عکس هؤلاء ظهر لهم بالاجتهاد ان الحق فی الطرف الاخر وقسم ثالث اشتبهت علیهم القضیة وتحیروا فیها ولم یظهر لهم ترجیح احد الطرفین (نووی ص۲۷۲ ج۲)

۴۔ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

فیما داربینهم علی ان کلاً من الطائفتین کان مجتهداً ویری ان الصواب معه کذا فی الفتح الباری علی البخاری ۔

۵۔ ثم ان الدماء التی جرت بین الصحابة لیست بداخلة فی هذا الوعید اذ کانوا مجتهدین فیها وکان اعتقاد کل طائفة انه علی الحق وخصمه علی خلافه لکن علیؓ کان مصیباً فی اجتهاده وخصومه کانوا علی خطاً ومع ذلك کانوا ماجورین فیه اجراً واحداً رضی الله عنهم

۶۔ اشکال کی تقریر کرتے ہوئے علامہ کرمانیؒ لکھتے ہیں :

ان قلتم علی و معاویۃ کلاھما کانا مجتہدین غایتہ ما فی الباب ان معاویۃ کان یخطی فی اجتہادہ و لہ اجر واحد و قد کان لعلی اجران ــــــ یہ اور اس قسم کی بیسیوں تصریحات اہلِ سُنت کی کتابوں میں موجود ہیں کہ حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہ، زبیر اور طلحہ کی خطاء اجتہادی تھی اور وہ اس سلسلہ میں معذور ہیں اور قابلِ ملامت نہیں ہیں عقائد کی تقریباً تمام کتابوں میں بطورِ عقیدہ اہلِ سُنت و الجماعت کی تصریحات موجود ہیں۔ اہلِ سنت و الجماعت کے اس متفقہ مسلک کی وضاحت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں خود علیؓ کی قیمتی رائے سے استفادہ کیا جائے کہ وہ اپنے مقابل فریق کے بارے میں کیا گمان رکھتے تھے۔ ان کے موقف کو بھی کسی دلیل پر مبنی مانتے تھے یا اسے محض غلطی قرار دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس کے بارے میں خود حضرت علی کی شہادت سے بڑھکر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے جنہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور لطف یہ ہے کہ اپنے بارے میں نہیں بلکہ اس فریق کے بارے میں بیان دے رہے ہیں جو انکا مدِّمقابل ہے۔ ثقہ راوی کے ایسے بیان کی صحت میں آخر کیا شبہ کیا جا سکتا ہے حضرت علیؓ لشکر سمیت بصرہ کے قریب پہنچنے والے تھے اسی دوران میں آپ کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص اعور بن نیار نامی اور آپ کے مابین ایک مکالمہ ہوا جس میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم فریقِ ثانی پر حملہ نہیں کریں گے جب تک وہ حملہ نہ کریں اس نے پوچھا اگر وہ حملہ کریں تو پھر؟ فرمایا کہ ہم مدافعت کریں گے، عرض کیا کہ ان کے پاس بھی اس مقابلہ میں ایسی دلیل موجود ہے جیسا کہ ہمارے پاس! حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! ابو السلام دلانی نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ کیا ان لوگوں کے پاس دلیل و حجت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں! حضرت علی کی ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ وہ بھی حضرت عائشہؓ زبیر وغیرہ کا موقف دلیل پر مبنی مانتے تھے اور ان کی دعوت کو کسی طمعِ نفسانی یا غرضِ فاحش سے ناشی نہیں سمجھتے تھے یہی حقیقت ہے خطاءِ اجتہادی کی گویا کہ حضرت علیؓ بھی ان حضرات کی غلطی کو محض غلطی قرار نہیں دیتے تھے جیسا کہ اہلِ رفض و تشیع کا مسلک ہے بلکہ ان کے موقف کو مبنی بر دلیل یقین کرتے تھے جیسا کہ اہلِ سُنت و الجماعت اس کے قائل ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ و طلحہؓ کی معیت میں شہید ہونے والوں کو بھی ویسا ہی جنتی قرار دیتے ہیں جیسا کہ اپنے ہمراہیوں کو ابو السلام دلانی نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ ہم دونوں فریق کل باہم اُلجھ گئے اور جنگ کی نوبت آ گئی تو ہمارا کیا حال ہو گا، اور ان کی کیا حیثیت ہو گی؟ ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے یا ان میں سے جو شخص اخلاص کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے فوت ہو گا وہ جنتی ہو گا انتہی بحاصلہ من البدایۃ والنہایہ صفحہ ۲۳۸/۷ مسلک اہل سنت و الجماعت کی اس تفصیل اور حضرت علیؓ کی اس تصدیق کے بعد اصولی طور پر اب یہ سوال پیدا ہو گا کہ اس متفقہ

فیصلہ کی تردید کے لئے کیا کسی بھی ایک شخص کی رائے کو کوئی وقعت دی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ یا اکابرین اہل السنت و الجماعت کے مقابلہ میں تیرہویں یا چودہویں صدی میں جنم لینے والے کسی متجدد کی افسانہ نگاری کو عقائد کا درجہ و مقام دیا جاسکتا ہے ؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اھل سنت و الجماعت کی کتابوں کے اندر جو تصریحات پائی جاتی ہیں ملکی عدالتوں کے اعتبار سے ان کو ہائی کورٹ کے فیصلہ کی حیثیت حاصل ہے جس طرح ہائی کورٹ کے فیصلہ کو ماتحت عدالتوں میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا ہے اسی طرح اس فیصلہ کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا ، اگر کوئی قانون دان یا جج اپنے طور پر لب کشائی کرے تو اس سے ہائی کورٹ کے فیصلہ کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور نہ ہی اسکی یکطرفہ رائے کو اہمیت دی جاسکتی ہے البتہ یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگ اسکی کورانہ تقلید میں مبتلا ہوجائیں آخر وہ کون سی نامعقول بات ہے جسے تسلیم کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ حیوان لا یعقل نہ ہوں گے ۔ —— اجتہادی غلطی یا محض غلطی —— ؟ اجتہاد کی حقیقت کو ہم نے سطور بالا میں واضح کر دیا ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ محض غلطی کی جدید اصطلاح کی بھی وضاحت کر دی جائے ۔ جب یہ لفظ اجتہادی غلطی کے مقابلہ میں بولا جائے گا تو اس کے معنی ایسے غلط فعل کے ہوں گے جسے کرنے والے نے بدون کسی دلیل شرعی کے غرض نفسانی کی تکمیل کے لئے سر انجام دیا ہو ۔ کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں خطاء اجتہادی میں مخطی کی نیت درست ہوتی ہے اور ایسے موقف کو دلیل شرعی پر مبنی کرتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں محض غلطی کا یہی معنیٰ ہوسکتا ہے کہ ایسا شخص نیک نیت نہیں نیز کسی دلیل شرعی کی بنا پر نہیں بلکہ محض غرض نفسانی مثلاً حصول اقتدار کی بنا پر ایک ناجائز کام کا ارتکاب کر رہا ہے ۔ زیر بحث مسئلہ میں اگر اس کا انطباق کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ العیاذ باللہ حضرت عائشہؓ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت معاویہؓ نے محض ذاتی عداوت یا ملکی اقتدار کے لئے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور نہ صرف یہ بلکہ جمہور مسلمین کو دھوکہ دینے کے لئے خون عثمانؓ کا ڈھونگ رچایا اور لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر ایک لشکر تیار کیا ۔ یہ جنگ بالآخر اس تصادم پر منتج ہوئی جسے تاریخ میں جنگ جمل ، جنگ صفین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔

اس اقتدار کی جنگ میں دس ہزار سے زیادہ جانیں کام آئیں سوچئے اگر یہ موقف درست مان لیا جائے کہ یہ محاربات خطاء اجتہادی پر مبنی نہیں تھے بلکہ یہ انتہائی خونی ڈرامہ حصول اقتدار کے لئے کھیلا گیا تھا تو بتلایئے کہ العیاذ باللہ ایسا کرنے والوں سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا ؟ خطاء اجتہادی کا انکار کرتے ہوئے ان محاربات کو "محض غلطی" قرار دینا کیا یہ تسلیم کر لینا نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ ، حضرت زبیرؓ وغیرہ کے بارے

میں اہلِ تشیع اور روافض کا موقف بالکل ٹھیک ہے اور اہلِ سُنت والجماعت غلطی پر ہیں ان حضرات کے حق میں
جواہلِ تشیع تفضیل وتفسیق وسب وشتم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ ان کو عجب کہنا چاہیئے اور اس
سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ متجددین کا یہ محض غلطی کا موقف ہرگز ہرگز کوئی جدید تحقیق نہیں۔ بلکہ بعینہ
رافضیوں کا مذہب ہے جسے ماڈرن الفاظ میں پیش کیا جارہا ہے اور اہلِ سنت والجماعت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔
صرف الفاظ کے ہیر پھیر کی وجہ سے اس کو جدید تحقیق قرار دینا جہالت ہے ——— الحاصل اہلِ سُنت
والجماعت کا مذہب یہی ہے کہ حضرات صحابہؓ کی غلطی اجتہادی تھی اور سب نیک نیت تھے۔ اس کے مقابلے میں
محض غلطی کا مؤقف رافضیوں کا مذہب ہے جس میں حضراتِ صحابہ پر حملہ کیا جاتا ہے اور ان کو صحابیت کے بلند ترین
مقام اور عدالت سے گرا کر ظالم فاسق و مجرمین میں شمار کیا جاتا ہے العیاذ باللہ،

۲۔ اگر حضرت معاویہؓ نے یزید کو اہل سمجھتے ہوئے بغرض مصلحت نامزد فرمایا تھا تو شرعاً گنجائش تھی جیسے
کہ ابوبکر ابن عربی نے اپنی کتاب میں مفصل تحقیق کی ہے۔ طبری کی روایت قابلِ استناد نہیں ہے۔ اگر بالفرض
یہ درست بھی ہو تو ضروری نہیں کہ نامزدگی کے وقت یزید ایسا ہی ہو، ممکن ہے کہ یہ حالت زمانہ سلطنت
میں ہوگئی ہو جیسے بہت سے لوگ پہلے اچھے ہوتے ہیں بعد میں خراب ہوجاتے ہیں۔

۳۔ جاهلیت :۔ وہ طریقہ زندگی ہے جو بعثت نبویؐ سے قبل رائج تھا۔ جہالت علم کا مقابل ہے علم
کا معنیٰ دانستن ہے اور جہالت کا معنیٰ نادانستن ہے۔ تنقیص کسی کے مسلمہ مقام کو گھٹانا، تکذیب کسی کو اس
دعویٰ میں جھوٹا قرار دینا تنقید کسی چیز کو پرکھنا مگر آج کل تنقید کے نام سے طعن وسب اور تنقیص کی گرم بازاری
ہے بہت سے لوگ اپنی ناقص معلومات اور ناکافی استعداد اور غلط اعتقادات اور کم نظری کی بنا پر تنقید
کے نام سے لوگوں میں گمراہی پھیلا رہے ہیں حالانکہ وہ تنقید کے اہل نہیں، اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کے شر
سے محفوظ رکھیں، جماعت اسلامی میں ہرگز ہرگز شامل نہ ہوں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، محمد عبد اللہ ۱/۱۱/۱۳۸۹ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ملتان کے شاہ شمس شیعہ فرقہ کے مبلّغ تھے

ملتان کے مزارات میں ایک مزار شاہ شمس کا بھی ہے کچھ لوگ ان کو بھی بڑا بزرگ سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شیعہ تھے اسکی صحیح حقیقت سے واضح فرمائیں۔

ایم۔ایم جعفر نواں شہر (ملتان)

الجواب سید شمس الدین مذکور ایران کے علاقہ سبزوار میں پیدا ہوئے اس لیے سبزواری کہلاتے ہیں۔ ان کا تعلق اہل تشیع کے فرقہ نزاریہ سے تھا اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حاضر امام خدا کا مظہر ہوتا ہے۔

شمس الدین صاحب مذکور کی اپنی تصنیف کردہ کتاب "گنان برہم پرکاش" میں ہے۔

"اس کلجگ میں خداوند عالم کا مظہر ظہور انسانی جسم میں ہے

اور وہ ساری روحوں کا شہنشاہ ہے یعنی حاضر امام"

ان کے نزدیک حاضر امام سب کچھ ہے۔ نیز یہ لوگ اپنی عبادت گاہ کو جماعت خانہ کہتے ہیں ان کا کلمہ یہ ہے۔

"اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله واشهد ان علیا الله"

اس فرقے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو مصلحت کے تحت کبھی سنّی ظاہر کرتے ہیں اور کبھی شیعہ، کبھی کسی صوفی سلسلہ سے وابستگی ظاہر کرتے ہیں۔ شمس الدین صاحب مذکور کو بھی نزاری سلسلہ کے امام قاسم شاہ نے پیر کا لقب دیکر ایران سے باہر تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ یہاں پہنچ کر جب انھوں نے علاقہ پنجاب کی پیر پرستی کو دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے آپ کو پیر کے بہروپ میں ظاہر کیا۔ اور در پردہ اپنے کفریہ عقائد کی تبلیغ کرتے رہے۔ جاہل عوام آج تک ان کو پیر و بزرگ سمجھ کر ان کے معتقد چلے آرہے ہیں فقط واللہ اعلم

محمد انور۔

۱۳۹۴ھ

مَا يَتَعَلَّقُ بِالسُّنَّةِ وَالْبِدْعَةِ

مروجہ شبینے قابلِ ترک ہیں کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ اگر شبینہ شرائط کی پابندی کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ نماز باجماعت اور تلاوتِ قرآن مجید اور یہ اجتماع جائز ہوگا یا نہیں ؟ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ روزہ اور قرآن مجید دونوں میت کے لئے شفاعت کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کی شفاعت قبول بھی کی جاتی ہے۔ رمضان شریف کے مبارک مواقع پر شبینوں کا انعقاد، حفاظ اور قراء حضرات کے لئے قبلہ آن کریم کو یاد رکھنے کا ایک بہترین موقع ہے۔

اور مروجہ شبینوں میں کئی خرافات ہوتی ہیں۔ اور اگر عوام پر حتی الوسع کوشش کریں تو ہوسکتا ہے کہ وہ شرائط کے پابند ہو جائیں۔ وہ شرائط یہ ہیں۔

قرآن کریم شبینہ میں تراویح کے اندر سنائیں۔ اور جب نماز میں قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اس کے لئے سامع کا انتظام کیا جائے۔ تاکہ پڑھنے والا بھولے تو پریشان نہ ہو۔ اور شبینوں میں اکثر سامعین سو جاتے ہیں جو مسجد کے تقدس کے منافی ہے۔ اور قرآن مجید کو خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ سنا جائے۔

الجواب شرائطِ مذکورہ کے ساتھ ان شرائط کا بھی لحاظ رکھا جائے۔
۱: ترتیل کو ترک نہ کیا جائے۔ ۲: نمود و ریاء مقصود نہ ہو۔ ۳: ضرورت سے زیادہ روشنی کا تکلف نہ کریں۔

اگر مندرجہ بالا شرطوں کی رعایت کی جائے تو نفسِ مسئلہ کے لحاظ سے تو انعقاد کی اجازت ہے۔ گو ایک شرط پھر بھی رہ جاتی ہے "کہ امام کو تخفیفِ صلوٰۃ کا حکم ہے" اور یہ اس کے خلاف ہے۔ لیکن اگر سامعین اس کے خود شائق ہوں تو اس کی گنجائش ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ آج کل ان شرائط کی پابندی ہوتی نہیں، جیسے کہ خود سوال میں بھی اس کا اعتراف ہے۔ لہٰذا منع ہی اولیٰ ہے۔ کذا من امداد الفتاویٰ ج ۱، ص ۳۰۰۔

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ۹: ۷: ۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

قرآن مجید قبر پر پڑھنے کا حکم قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر کے پاس بیٹھ کر میت کے لئے صرف دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ سورۂ فاتحہ، و اخلاص، تکاثر، و لیسین وغیرہ یہ سورتیں دعاء کی نیت سے پڑھی جاسکتی ہیں۔ تلاوت کے لئے نہیں پڑھی جاسکتیں۔

الجواب قبرستان میں قرآنِ مجید پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ طحطاوی لکھتے ہیں۔
واخذ من ذلك جواز القراۃ علی القبر والمسئلۃ ذات خلاف قال الامام تکرہ لان اھلھا جیفۃ ولم یصح فیھا شئ عندہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال محمد تستحب لورود الاٰثار وھو المذھب المختار کما ھو جواب فی کتاب الاستحسان۔ (مراقی ص۳۴۴)۔

حوالہ بالا سے جواز کی گنجائش نکلتی ہے لیکن بدعات سے احتراز کیا جائے۔ جیساکہ کرایہ دار قاریوں کو قبر پر تلاوت کے لئے بٹھلانا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

قبروں پر آیاتِ قرآنیہ لکھی ہوئی چادر ڈالنا ہمارا کئی مرتبہ اتفاق ہوا ہے کہ شاہ رکن عالم وغیرہ کے مزار پر ایسی چادریں پڑی دیکھی ہیں کہ جس پر سورۂ اخلاص و دیگر قرآنی آیات لکھی ہوتی ہیں۔ آیا ایسی چادریں قبروں پر ڈالنی جائز ہیں یا کہ نہیں؟

سائل: محمد عمر فاروق گوجرانوالہ۔

الجواب یہ کتاب اللہ کی توہین ہے۔ قبر پر ایسی چادر ڈالنا ہرگز جائز نہیں۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ھو استھانۃ بالقراٰن لان ھذا الثوب انما یلقی تعظیما للمیت و یصیر ھذا الثوب مستعملا متبذلا و ابتذال کتاب اللہ من اسباب عذاب اللہ اھ (نفع المفتی ص۵۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ: ۸/۵/۱۴۰۳ھ

آنحضرت علیہ السلام کے ذکر پر قیام کا حکم کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ آج کل رسم ہے کہ جب سیرتِ پاک کا جلسہ ہوتا ہے تو ساری تقریر اور مدح ونعت پر تو سارا مجمع بیٹھا ہوتا ہے صرف مقرر بعض مرتبہ کھڑا ہوتا ہے بعض مرتبہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر جب آخری وقت آتا ہے تو سب کھڑے ہو کر سلام پڑھتے ہیں۔ معلوم نہیں اس کی اصل کیا ہے۔؟

الجواب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون

من کراهیتہ لذلک رواہ الترمذی و قال حدیث حسن صحیح ۔ (مشکوۃ ج ۲ ص ۴۰۳)۔

اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ آنحضرت علیہ السلام اپنے لئے قیام کو پسند نہ کرتے تھے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان باوجود محبت کے آپ کے ناپسند کرنے کی وجہ سے آپ کی آمد پر کھڑے نہ ہوتے تھے۔ یہی حکم آپ کے ذکر کا ہونا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

بارش طلب کرنے کیلئے مزارات پر جانور ذبح کرنا ہمارے علاقہ میں یہ رسم ہے کہ لوگ مزار پر کسی بیماری یا مقدمہ یا کسی اور تکلیف کے سلسلہ میں بکرا یا دنبہ وغیرہ ذبح کرتے ہیں۔ اور مقامی علماء سے سنا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ مگر پارٹی بازی کی وجہ سے ان کے قول کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

ایک واقعہ ہے کہ زایاخان المعروف منگے خان استسقاء کے لئے قربانی سے بچت شدہ رقم سے ایک گائے کا بچہ لے کر بزرگ کے مقبرہ کے پاس ذبح کیا۔ میں نے جا کر کہا کہ یہاں کیوں کر ذبح کیا۔ انہوں نے جواباً کہا کہ زندوں کے لئے بہت سے صدقے کئے ہیں مگر اس دفعہ مُردوں کا آسرا لے کر آیا ہوں کہ بارش برسے۔ تو اب، مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

۱ : کسی مقبرہ و مزار پر قربانی (بکرا یا دنبہ وغیرہ) جائز ہے یا نہیں ؟

۲ : اگر نہیں تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

۳ : استسقاء کے موقع پر صدقہ کا بہتر طریقہ کیا ہے ؟

الجواب یہ رسم کہ مزارات پر جا کر بکرے یا دنبے وغیرہ بغرض قضائے حاجات و رفع بیماری و استسقاء وغیرہ ذبح کرنا جائز نہیں بدعت ہے۔ قرنِ صحابہ و تابعین وائمہ کرامؒ میں اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اس سے احتراز لازم ہے۔ جانوروں کو ہدی کر کے حرم مکہ میں ذبح کرنا تو ثابت ہے۔ اور کسی مزار کے ساتھ ایسا سلسلہ کرنا جائز نہیں۔

۲ : گوشت کا حکم، اگر اس جانور کے ذبح سے تقرب بزرگ مقصود ہے، تب تو یہ گوشت بھی حرام ہے اور کھانا ناجائز ہے۔ اور اگر تقرب مقصود نہ تھا اور اس جانور کو صاحبِ مزار کے لئے نامزد نہ کیا گیا تھا، بلکہ اللہ کے لئے ذبح کیا ہو، اور اس خیرات کا ثواب صاحبِ مزار کی روح کو پہنچایا ہو تب تو یہ گوشت حلال ہے۔

۳ : استسقاء کے موقع پر بہتر صورت تصدق کی یہ ہے کہ جنگل میں نمازِ استسقاء کے لئے جانے سے پیشتر گھروں میں ہی اغنیاء، لوگ فقراء میں خیراتیں دے کر جائیں۔ اس طرح جن لوگوں کے حقوق دبائے ہوئے

ہیں وہ ان کے حقوق ادا کرکے، پھٹے پرانے کپڑوں میں ذلت و مسکنت کے ساتھ سر نیچے کئے ہوئے جائیں۔
کما فی نور الایضاح ص۱۲۵ ویستحب الخروج له الی قوله قبل خروجهم۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ

نمازوں کے بعد اجتماعًا التزامًا درود پڑھنا بدعت ہے

بعد نماز کے اجتماعی ہیئت سے التزامًا درود شریف پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابۂ کرامؓ یا ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں مروج تھا یا نہیں ؟

الجواب اس طرح سے درود شریف پڑھنا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا دیگر صحابۂ کرامؓ یا تابعین عظامؒ یا ائمہ اربعہؒ سے منقول نہیں ہے۔ علامہ ابن الحاج مالکیؒ "کتاب المدخل" ج ۲ ص ۶۶ میں فرماتے ہیں۔

"الصلوٰة والتسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یشك مسلم انہا من اکبر العبادات واجلہا وان کان ذکر اللہ تعالیٰ والصلوٰة والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حسنا سرا وعلنا لکن لیس لنا ان نضع العبادات الا فی مواضعہا التی وضعہا الشارع فیہا ومضی علیہا سلف الامة الاتوی الی قول عبد اللہ بن عمر رضؓ ان اللہ قد بعث الینا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ولا نعلم شیئا وانما نفعل کما رأیناہ یفعل اھ ج ۲ ص۶۵

جلد ۲ صفحہ ۶۵ میں لکھتے ہیں۔

والصلوٰة والتسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدثوا ھا فی اربعة مواضع لم تکن تفعل فیہا فی عہد من مضی والخیر کلہ فی الاتباع لہم۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح ہیئت اجتماعی سے، بعد نماز کے التزامًا درود شریف پڑھنا شرعًا ثابت نہیں۔ لہٰذا اس ہیئت اجتماعی کو ترک کرکے انفرادًا جس قدر بھی درود شریف پڑھا جاسکے افضل عبادت ہے اور بہت ثواب ہے۔ ہاں جو بہ نیت ثواب ہیئت اجتماعی سے التزامًا پڑھا جاوے بدعت ہے۔

فقط واللہ اعلم ؛

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر

الجواب صحیح ؛ عبد الشکور عفرلہٗ ۔ ۱۴ ربیع الثانی ۶۸ ۱۳ھ

عید کے دن "مبارکباد" کہنا بدعت نہیں

کیا عید الفطر کے دن مبارکباد دینا کہیں ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدے کے بغیر اگر کسی کو روزے مکمل کرنے کی مبارک باد دی جائے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ شامی میں ہے۔

(قوله لا تنكر) خبر قوله والتهنئة وانما قال كذلك لانه لم يحفظ فيها شيء عن ابي حنيفة واصحابه وذكر في القنية انه لم ينقل عن اصحابنا كراهة وعن مالك انه كرهها وعن الاوزاعي انها بدعة وقال المحقق ابن امير الحاج بل الاشبه انها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارا باسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم قال والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم فان من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركًا على انه قد ورد الدعاء بالبركة في امور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا ايضا اهـ (شامی، ج ۱، ص۔۔۔)

فقط واللہ اعلم:

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ ۳۰، ۹، ۱۳۹۷ھ

نماز سے پہلے کسی مقصد کیلئے اجتماعی اذانیں

ایک بستی میں عشاء کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے روزانہ بلاناغہ امام سمیت تمام نمازی جو اس وقت موجود ہوتے ہیں ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور تمام اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر بیک وقت زور زور سے تین مرتبہ اذانیں کہتے ہیں۔ اور پھر مسجد کے چاروں کونوں پھونکتے ہیں۔ اس کے بعد اقامت ہوتی ہے اور نماز پڑھی جاتی ہے۔

دریافت طلب یہ چیز ہے کہ مذکورہ بستی والوں کا یہ عمل قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ حنفی سے ثابت ہے یا کہ نہیں۔ اگر ثابت ہے تو باقی اہل اسلام اس کے کیوں تارک ہیں۔ اور اگر از روئے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں ہے تو مذکورہ بستی والوں کے لئے کیا حکم ہے۔؟

الجواب قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ حنفی میں مذکورہ بالا رسم و بدعت کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ نہ معلوم ان لوگوں نے کہاں سے اسے گھڑ لیا ہے۔ اس من گھڑت بدعت کو چھوڑنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح اشیر محمد عفی عنہ

تیجے کے جواز پر پیش کی جانے والی روایت موضوع ہے

کیا ایسی کوئی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکے طیب رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے تیسرے دن دودھ منگوایا اور اس پر کچھ پڑھ کر تقسیم فرمایا۔ تو اس حدیث سے تیسرے دن قل خوانی کا ثبوت ہوتا ہے؟

الجواب تیجہ کو ثابت کرنے والے اس طرح کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "اوز جندی" میں نقل کیا ہے۔ لیکن مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"نہ کتاب اوزجندی از تصانیف ملا علی قاری است و نہ روایت مذکور صحیح و معتبر است بلکہ موضوع و باطل بر آن اعتماد نشاید در کتب حدیث نشانے از ہمچو روایت یافتہ نمی شود۔"

(مجموعۃ الفتاوی: ج ۲، ص ۴۷)

اس روایت کو بیان کرنا ہرگز جائز نہیں۔ روایت کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بدعتی نے بالکل مطلب کے مطابق روایت تیار کی ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار الحدیث۔

الحاصل یہ روایت جعلی اور من گھڑت ہے۔ کسی صحیح حدیث سے قل خوانی وغیرہ جیسی رسومات ثابت نہیں۔ یہ سب بدعات ہیں جن کا ترک کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۴/۱۱/۱۳۹۸ھ

ختنہ کے موقعہ پر دعوت بدعت ہے شرکت نہ کی جائے

ختنہ پر دعوت کرنا، نیوتہ کرنا تمام خرافات جو اس زمانہ میں ہیں یہ خلاف سنت ہیں یا نہ؟ چک نمبر ۱۱ کے امام صاحب نے اس کو خلاف سنت کہہ کر بچنے کی ترغیب دی کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی ایک سنت زندہ کرنے کا اجر و ثواب سو شہداء کے برابر ہے۔ لوگوں نے خرافات ترک کئے لیکن چند آدمی جو کسی پیر صاحب کے مرید تھے انہوں نے انکار کیا۔ امام صاحب نے غنیۃ الطالبین کی عبارت ص۶ دکھائی کہ ختنہ کی دعوت مستحب نہیں جس کو بلایا جائے اس کو چاہئے کہ قبول نہ کرے۔ پیر صاحب نے کہا کہ "غنیۃ الطالبین" میں یہ مسئلہ وہابیوں نے لکھا ہے۔ اور کہا کہ تمام اہلِ سنت کو "غنیۃ الطالبین" میں شبہ ہے کہ یہ خود غوث پاک کی ہے یا وہابیوں نے گھڑی ہے؟

الجواب خطیب صاحب نے مسئلہ صحیح بتایا ہے کہ یہ تمام چیزیں خلافِ سنت اور بدعت ہیں اور پیر صاحب مذکور کا قول بلا دلیل ہے۔ اور حضراتِ اکابر پر اس کا یہ الزام کہ "غنیۃ الطالبین" جو کہ حضرت عبدالقادر رح کی تصنیف ہے میں ختنہ کی دعوت کو بدعت لکھنا، وہابیوں کا لکھا ہوا ہے، بدترین جھوٹ ہے۔ اگر پیر صاحب کے پاس اس کے جواز پر کوئی دلیل ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ دلیل لکھ کر دیوے۔ تاکہ اس پر غور کرکے دیکھا جائے۔ بلکہ دعوتِ ختنہ کے بدعت ہونے کی دلیل یہ ہے۔

عن الحسن قال دعی عثمان بن ابی العاص الی ختان فابی ان یجیب فقیل له فقال انا کنا لا نأتی الختان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا ندعی له۔ (مسند امام احمد بن حنبل مصری، ج۴ ص۲۱۷)۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

تعزیہ مشابہ بعجلِ سامری ہے

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مسئلہ کہ محرم الحرام کی دس تاریخ کو شربت بنانا اور پینا، اور کھچڑا پکانا دکھانا درست ہے یا نہیں؟ اور تعزیہ کو برا بھلا کہنا مثلاً یہ تعزیہ پیشاب کرنے کے لائق ہے یا اس کو آگ میں جلا دینا چاہئے۔ یہ الفاظ کہنا درست ہے یا نہ۔

محمد شفیع کالی موری حیدرآباد

الجواب دسویں محرم کو شربت بنانا کھچڑا پکانا جیسا کہ درج ہے، بدعت ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ تعزیہ بنانا گناہ ہے کیوں کہ یہ عوام کے بہت سے افعالِ شرکیہ کا سبب اور باعث بنتا ہے۔ لوگ اس سے مرادیں مانگتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اور اس کے لئے منتیں مانتے ہیں وغیرہ ذلک۔ اور ان افعال کی قباحت اور شناعت شرعاً ظاہر ہے۔ دیگر اہلِ اسلام کے علاوہ خود شیعوں کے محقق علماء بھی اسے ناجائز اور بدعت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ مفتی فقیر محمد تقی

لکھتے ہیں۔

"تعزیہ دلدل نکالنے اور امام باڑہ بنانے کا کوئی شرعی ثبوت نہیں۔ جن کتابوں میں ایسی باتیں درج ہیں وہ یار لوگوں کی تصنیف ہیں۔" (اخبار اہلسنت لکھنؤ ۳ مارچ ۱۹۵۲ء)۔

پس تعزیہ شرعاً کوئی قابلِ احترام چیز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ سامری کے بچھڑے کی طرح بمنزلہ ایک بُت کے ہے۔ جس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "لَنُحَرِّقَنَّهُ" ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن ایسے کہنا شرعاً فرض و واجب نہیں اور کہنے میں باہمی منافرت اور کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اشتعال انگیزی کے مواقع سے بچنا چاہئے۔ سوال میں مذکور فقرہ خصوصاً تہذیب سے گرا ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ : ۲۳ / ۱ / ۱۳۸۳ھ

گیارہویں بدعت ہے اور ہنود سے لی گئی ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ گیارہویں شریف کی کیا حیثیت ہے۔ کیا یہ فعل بدعت ہے یا شرک ہے۔ مقررہ تاریخ کی بجائے اگر اور تاریخ کو مقرر کر دیا جائے؟

۲: بدعت کی کیا تعریف ہے؟ بدعتِ حسنہ و بدعتِ سیئہ میں تقسیم کی جاسکتی ہے؟ گیارہویں کون سی بدعت میں شامل ہے؟

الجواب

۱: مروجہ گیارہویں بدعت ہے۔ زمانۂ سلفِ صالحین میں اس کا وجود نہیں تھا۔ بلکہ مسلمانوں نے یہ رسم اہلِ ہنود سے لی ہے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ بیرونی لکھتے ہیں

"کہ اہلِ ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ کہ ضیافت کرنا اور یومِ وفات سے گیارہویں اور پندرہویں روز کھانا کھلانا۔ اسی طرح اختتامِ سال پر کھانا کھلانا ضروری ہے۔" (المنہاج ۱ ص ۲۴۰)

۲- شامی ص ۵۲۲/۱ میں بدعت کی تعریف یہ ہے۔

"ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما۔"

بدعت وہ چیز ہے جو اس حق کے خلاف ایجاد کی گئی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا گیا ہو علم ہو یا عمل یا حال اور کسی شبہ کی بناء پر اس کو اچھا سمجھ کر دینِ قویم اور صراطِ مستقیم بنا لیا گیا ہو۔

بدعتِ شرعیہ کی تقسیم حسنہ و بدعتِ سیئہ کی طرف درست نہیں۔ البتہ بدعتِ لغویہ کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن رجب رحمہ لکھتے ہیں۔

"فکل من احدث شیئًا ونسبه الی الدین ولم یکن له اصل من الدین یرجع الیه فهو ضلالة والدین بریٔ منه وسواء فی ذلک الاعتقادات او الاعمال او الاقوال الظاهرة والباطنة واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فانما ذلک فی البدع اللغویة لا الشرعیة (جامع العلوم والحکم) المنهاج ص۲۳:- فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق نائب مفتی

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ عفرلہ خیر المدارس ملتان

جوازِ نذر و نیاز کے ایک فتویٰ پر مفصل تبصرہ

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نذر ، نیاز ، منت منوتی کا ایک ہی معنی ہے یا کئی معنی ؟ ایک مولوی صاحب نے اثنائے تقریر میں فرمایا کہ یہ جملے چار ہیں معنی ان کا ایک ہے یعنی ان چاروں کا معنی ہے "عبادت"۔ اگر اس لفظ کو اللہ کے غیر کے لئے بولا گیا ، یعنی جس طرح عوام کہتے ہیں ۔ نیاز حسین پاک یا یہ نذر منوتی غوث پاک کے لئے ، تو یہ شرک ہے حرام ہے ۔ لہٰذا اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں کہ کیا یہ مولوی صاحب کا فرمان صحیح ہے یا غلط ؟ حالانکہ عوام اگرچہ یہ لفظ بولتے ہیں اولیاء اللہ کی طرف نسبت کرکے مگر ان کی نیت میں عبادت والا مفہوم نہیں ہوتا ۔ بلکہ مقصود ایصالِ ثواب ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں ۔

الجواب هو الموفق للصواب

مسئولہ صورت میں مذکور مولوی صاحب کا مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے ۔ بلکہ اولیاء کی نذر محض نذر لغوی یا عرفی بمعنی ہدیہ و نذرانہ ہو ۔ یا وصال یافتہ بزرگ کے لئے بقصد ایصالِ ثواب کوئی جانور وغیرہ نامزد کردیا اور نذر شرعی اللہ کے لئے ہو تو یہ فعل شرعاً جائز اور باعث خیر و برکت ہے ۔

واضح رہے کہ نذر لغیر اللہ کا مدار ناذر کی نیت پر ہے ۔ اگر ناذر نے تقرب لغیر اللہ علیٰ وجہ العبادت کا قصد کیا ہے اور متصرف فی الامور اللہ تعالےٰ کے بجائے کسی مخلوق کو مانا ہے تو یہ نذر کفر و شرک ہے ۔ اور اگر اس کا ارادہ تقرب الی اللہ اور بزرگانِ دین کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو ایسی نذر اولیاء کے لئے یقیناً جائز ہے ۔ اور

اس کا نذر ہونا مجاز ہے۔ جیسا کہ فتاوی ابی اللیث میں ہے۔

" الناذر لغیر اللّٰه ان قصد بالنذر التقرب الی غیر اللّٰه وظن انه یتصرف فی الامور کلها دون اللّٰه فنذره حرام باطل وارتداده ثابت وان قصد بالنذر التقرب الی اللّٰه وایصال الثواب للاولیاء ویعلم انه لا یتحرك ذرة الا باذن اللّٰه ویجعل الاولیاء وسائل بینه وبین اللّٰه فی حصول مقاصده فلا حرج فیه وذبیحته حلال طیب" اھ

مذکورہ عبارت کا ترجمہ غیر اللہ کی نذر ماننے والے نے اگر اپنی نذر سے غیر اللہ کی طرف تقرب کا ارادہ کیا۔ اور گمان کیا کہ وہ غیر ہی تمام امور میں متصرف ہے نہ اللہ تعالے، تو اس کی نذر حرام اور باطل ہے اور اس ناذر کا مرتد ہونا ثابت ہے۔ اور اگر اس نے نذر سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کیا اور اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی نیت کی اور وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالے کے اذن کے بغیر کوئی ذرہ متحرک نہیں ہوتا اور وہ اولیاء اللہ کو اپنے اور اللہ تعالے کے درمیان وسائل قرار دیتا ہے تاکہ اس کے مقاصد حاصل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا ذبیحہ حلال وطیب ہے۔

نذر اولیاء کے متعلق حدیقہ ندیہ میں سیدی عبد الغنی نابلسی رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں

والنذر لهم بتعليق ذلك على حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم اھ

یعنی اولیاء اللہ کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اور اسے مریض کے شفاء حاصل ہونے یا غائب کے آنے پر معلق کیا جاتا ہے تو وہ نذر مجاز ہے۔ اس سے اولیاء اللہ کے قبور پر خادمین کے لئے صدقہ کرنا مراد ہوتا ہے۔

طبقات کبری جلد دوم ص۷۵ میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں۔

كان رضى اللّٰه تعالى عنه يقول رأيت النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فقال اذا كان لك حاجة واردت قضائها فانذر للنفيسة الطاهرة ولو فلسا فان حاجتك تقضى اھ

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آپ فرماتے تھے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو اور تو اس کے پورا کرنے کا ارادہ کرے تو سیدہ نفیسہ طاہرہ کی نذر مان لے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو بے شک تیری حاجت پوری ہو جائے گی۔

معلوم ہوا کہ قضائے حاجات کے لئے اولیاء کے لئے نذر ماننا جائز ہے جب کہ کسی قسم کا فساد عقیدہ نہ ہو

اسی طرح تفسیرات احمدیہ : ص۲۹ میں تحت آیۂ کریمہ وما اهل به لغیر الله مرقوم ہے۔
ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب اھ

یعنی اور یہاں سے معلوم ہوا کہ بے شک وہ گائے جس کی نذر اولیاء کے لئے مانی جائے جیساکہ ہمارے زمانے میں رسم ہے حلال وطیب ہے۔

یہ لوگ جو نذرِ اولیاء کو شرک قرار دیتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس نذر سے مراد نذرِ شرعی نہیں بلکہ اسے بناء بر عرف نذر کہا جاتا ہے اور اس ایصال ثواب اور ہدیہ کو نذر کہنا شرعًا جائز ہے۔ جیساکہ طبقات کبریٰ ص۶۱ للامام الشعرانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل پیش کی گئی ہے اور تفسیرات احمدیہ کا حوالہ بھی مرقوم ہوا۔

آخر میں حضرت شاہ رفیع الدین رح کی عبارت مزید نقل کی جاتی ہے وہ اپنے رسالۂ نذر میں تحریر فرماتے ہیں
"نذرے کہ اینجا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں مے برند نذر ونیازے گویند"

یعنی جو نذر کہ اس جگہ مستعمل ہوتی ہے وہ اپنے معنی شرعی پر نہیں ہے۔ بلکہ معنی عرفی پر ہے اس لئے کہ جو کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں اس کو نذر ونیاز کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو معترضین کے نزدیک بھی مسلّم علماء راسخین میں سے ہیں۔
"انفاس العارفین ص۱۵۴" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند ہنگام شب بود دراں محل فرمودند مخدوم ضیافت ما میکنند ومیگویند چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد وملال بر یاراں غالب آمد آنگاہ زنے بیامد، طبق برنج وشیریں بر سر وگفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ بانشینندگاں درگاہِ مخدوم اللہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفاء نذر کردم اھ"

یعنی حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کا وقت تھا اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری ضیافت کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا۔ حضرت نے توقف فرمایا۔ یہاں تک کہ آدمیوں کی آمد ورفت کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ساتھی اکتا گئے۔ اس وقت ایک عورت اپنے سر پہ چاول اور شیرینی کا طبق لئے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند آئے گا اس وقت کھانا پکا کر

مخدوم اللہ دیا رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچاؤں گی۔ وہ اسی وقت آیا میں نے اپنی نذر پوری کی۔

تحریر المختار لرد المحتار ، جلد اوّل : ص۱۲۳ میں علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لھم ومحبۃ فیھم جائز ایضا لا ینبغی النھی عنہ اھ

یعنی تیل اور شمع کی نذر ماننا اولیاء اللہ کے لئے کہ چراغ روشن کئے جائیں ان کی قبروں کے نزدیک ان کی تعظیم اور محبت کے لئے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اس سے منع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اھ اور منکرین حرام کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ اولیاء کرام کے لئے لفظ نذر ، نیاز ، منت ، منوتی بمعنی عرفی بولنا یا دل میں اس کی نیت کرنا اور اسی نیت سے ان کے مزارات پر چیز لانا جائز ہے۔ اس پر متعدد عبارتیں نقل کیں اللہ تعالےٰ حق سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

العبد احمد سدیدی عفی عنہ

خادم الافتاء ۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ خیر المعاد ملتان شریف

الجواب حق والحق احق ان یتبع ۔ محمد عبد الودود عفی عنہ مدرسہ رحمانیہ ملتان

الجواب صحیح مفتی غلام مصطفےٰ رضوی مفتی ◎ انوار العلوم ملتان

الجواب انسانی فطرت ہے کہ جس کو انسان نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے یا جس سے نفع ونقصان کا احتمال ہوتا ہے اس کو کسی نہ کسی طرح راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور مختلف ذرائع سے اس کا قرب حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اسی نظریے نے انسان کو اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے جھکایا، درختوں کو سجدہ کرایا اور طرح طرح کے خرافات میں مبتلا کیا۔

بالخصوص اولیاء اللہ اور مقربان الٰہی کے بارے میں لوگ بہت جلد اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ بھی کچھ نفع وضرر کی طاقت رکھتے ہیں یا کچھ اور امور میں تصرف کر سکتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب دونوں اس غلط فہمی کا شکار رہے۔ بتوں کی پرستش کی ابتداء اسی نظریہ سے ہوئی۔ چنانچہ وہ بت دراصل اپنے اپنے وقت کے بزرگوں اور نیک لوگوں کے مجسمے تھے۔

اسلام نے سارا زور ہی اسی پر صرف کیا کہ خدا پر ایمان لانے والے کا یقین ہو جائے کہ نفع وضرر صرف اور صرف، اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے اللہ کے سوا کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ کما قال اللہ تعالےٰ

ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ الآیۃ اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ اسلام نے شرک و بت پرستی کے ساتھ ساتھ وہ تمام ذرائع و اسباب بھی ختم کر دیئے جن سے اسکے خلاف کوئی عقیدہ فاسد دل میں جڑ پکڑ سکتا تھا۔ وھذا لا یخفی علی من لہ بصیرۃ فی الشرع و احکامہا۔

زیر بحث مسئلہ نذر و نیاز کا بھی اس عقیدہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اکثر عوام کی نذروں اور منّتوں کے پس منظر میں یہی جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ کے مزار پر جائیں گے تو یہ کام بن جائے گا نہ جائیں گے تو یہ کام بگڑ جائے گا۔ داتا صاحب ناراض ہوئے تو کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ گیارہویں شریف نہ دی تو بھینس مر جائے گی۔ خود ہمیں ایک ثقہ راوی نے بتایا کہ۔

" ایک عورت کا بچہ فوت ہو گیا۔ تو وہ کہنے لگی کہ دو تین دفعہ گیارہویں نہیں دے سکی۔ اس لئے پیر صاحب نے یہ جھپٹا مارا ہے "

اور اس قسم کے کئی جاہلانہ واقعات بارہا سننے میں آتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاہ بہاؤ الحق رح کے دربار پر نہ گئے تو سارا سال نحوست میں گزرے گا۔ اور وہ اسی نظریہ کے تحت درباروں اور مزاروں پر جاتے ہیں۔ دن میں پانچ پانچ دفعہ یا دھائی کے باوجود خدا کا فرض ادا نہیں کرتے، لیکن داتا صاحب کے دربار پہ سلام کرنا اہم ترین فریضہ سمجھتے ہیں۔ گھر کے ساتھ مسجد کا دروازہ ہے وہاں زندگی بھر نہیں جاتے لیکن دور دراز کا سفر کر کے سیہون شریف ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ پھر بزعم خویش ان کو خوش کرنے کے لئے مختلف قسم کی چیزیں لے جاتے ہیں جسے وہ نذر و نیاز کہتے ہیں۔ اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس بزرگ کے مزار پر دینے سے یہ خوش ہو جائیں گے۔

حالانکہ ان کو سو فیصد علم ہوتا ہے کہ اسے دربار کے ملنگ کھا جائیں گے، ان پیسوں سے وہ نشہ آور اشیاء خریدیں گے، یا مزار کے متولیان ان پیسوں سے عیاشی کریں گے۔ مگر اس کے باوجود وہ لوگ روپے، پیسے اور سونے چاندی کے زیورات ان گلوں میں ڈال آتے ہیں جس سے یہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ ہمنے مزار تک یہ چیز پہنچا دی، صاحب مزار خوش ہو گیا، آگے جہاں چاہے استعمال ہو۔

سوچنا چاہیئے کہ اگر وہ یہ نظریہ نہیں رکھتے تو مزارات پہ لے جانے کا اتنا التزام کیوں کرتے ہیں؟ اچھا اگر اس کے بارے میں ہم کوئی فرضی تاویل کر بھی لیں۔ تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ وہ وہاں جا کر سجدہ بھی کرتے ہیں۔ قبر کے گرد طواف بھی کرتے ہیں۔ مزار کو بار بار بوسہ بھی دیتے ہیں۔

کما ھو مشاھد علی مزار الشیخ السید رکن الدین رکن عالم وجد الاکبر

الاکرم بہاء الحق والدین بہاء الحق زکریا ملتانی قدس سرہما ۔

یہ باتیں صاف بتاتی ہیں کہ ان کے ذہن میں یہی بات ہے کہ صاحب مزار بھی ہمارا کچھ بنا اور بگاڑ سکتے ہیں اگر کبھی ان سے کہا جائے کہ میاں ایصال ثواب ہی کرنا ہے تو فلاں غریب و بیمار اور معذور آدمی کو یہ چیزیں دے دو اور اس کا ثواب ان بزرگ کو پہنچا دو تو وہ ہرگز اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے ۔ وہاں جاکر چیز سڑ گل جائے ، ملنگ اٹھاکر کوڑا کرکٹ میں پھینک دیں وہ گوارا ہے مگر یہاں کسی محتاج و تنگ دست کو دینا منظور نہیں ۔کیا یہ دیکھنے کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے " کہ ان کا مقصد تو صرف اللہ کے لئے صدقہ کرنا ہے اور بزرگوں کو توبس ثواب پہنچانا مقصود ہے " کیا اللہ تعالے نے کسی نص میں فرمایا ہے کہ" میں بزرگوں کو تب ثواب پہنچاؤں گا جب ان کے مزار پر جاکر تقسیم کروگے ۔اور چراغاں کروگے "؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ؟

نذر ونیاز کے سلسلہ میں مفتی صاحب موصوف نے جو کچھ رقم فرمایا ہے اس کا حاصل دو امر ہیں ۔

ا : صحت اعتقاد کے ساتھ غیر اللہ کے لئے بھی لفظ نذر و نیاز کا استعمال جائز ہے ۔ اور اس کے لئے مفتی صاحب نے چند حوالہ جات تحریر فرمائے ہیں ۔اس بارے میں گزارش ہے کہ اس اطلاق سے نہ تو کوئی انکار کرتا ہے اور نہ یہ کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو بہت سے دلائل سے ثابت کیا جائے ۔

۲ : مفتی صاحب لکھتے ہیں " معلوم ہوا کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ الخ ان کے مزارات پر چیز لے جانا جائز ہے اس پر متعدد عبارتیں نقل کیں " بلفظہ ۔

مفتی صاحب کا یہ ارشاد محل نظر ہے ۔کیوں کہ بات ہے " عوام کے فعل اور ان کے نذر ونیاز کی " سوال کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سوال کا مقصد عوام کی نذر ونیاز کے بارے میں پوچھنا ہے تو اس سلسلہ میں ہم اوپر گزارش کر آئے ہیں کہ اکثر عوام کی نذر و نیاز تقرب الی غیر اللہ پر مبنی ہوتی ہے اور ان میں اس قسم کے صحت اعتقاد وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا ۔ بلکہ ان کا عمل گواہی دیتا ہے کہ " ان میں فساد اعتقاد " ہوتا ہے ۔عوام کالانعام تقریباً ایک جیسے ہی ہوتے ہیں ۔خواہ وہ آج کے عوام ہوں یا دو صدی پہلے کے ۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء متقدمین ومتاخرین نے اپنے اپنے دور کی نذر عوام کو حرام و باطل کہا ہے ۔ باوجودیکہ اُس دور میں صلاح و سلامتی آج کے دور سے زیادہ تھی ۔ اس دور کے عوام کے بارے میں جب فقہاء فرماتے ہیں کہ ان کی یہ نذریں فساد اعتقاد پر مبنی ہیں تو آج کے دور کے عوام کے بارے میں مفتی صاحب کا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ۔

" معلوم ہوا کہ قضاء حاجات کے لئے اولیاء کے لئے نذر ماننا جائز ہے "

ہمیں تعجب ہے کہ جو کتب عام طور پر فتاویٰ کی حیثیت سے معروف ومتداول نہیں ان سے تو مفتی صاحب

نذر و نیاز کے جواز پر سعی بلیغ کے ساتھ حوالے لکھ رہے ہیں اور جو کتب بحیثیت فتاویٰ معتمد علیہا اور مشہور ہیں ان کی وہ عبارات مفتی صاحب کی نظر سے کیوں نہ گزریں جنمیں بصراحۃً آتا ہے کہ "نذر عوام حرام و باطل ہے"۔

ع حفظت شیئا وغابت عنك اشیاء

ان میں سے چند حوالے یہ ہیں۔

ا : واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام اھ (درمختار علی الشامیہ ، ج ۲ ، ص ۱۷۵)

للاجماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل الذمة به لانه حرام بل سحت اھ بحر (ردالمختار ، ج ۲ : ۱۷۵)۔

اس قسم کی تصریحات درر البحار ، بحر الرائق ، اور عالمگیری میں بھی موجود ہیں۔ (ردالمختار : ج ۲ ص ۱۷۵)

مفتی صاحب موصوف نے آخر میں ایک حوالہ سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "تیل اور شمع کی نذر ماننا ، اولیاء اللہ کے لئے کہ چراغ روشن کئے جائیں ان کی قبروں کے نزدیک تو یہ بھی جائز ہے ، اور منع کرنا مناسب نہیں"۔ مفتی صاحب اثبات جواز میں اس قدر دور نکل گئے کہ یہ بھی نہ سوچا کہ قبروں پر چراغ جلانے والوں پر تو صراحۃً حدیث میں لعنت کی گئی۔ حدیث[1] صریح کے مقابلہ میں ایں و آں کی بات سے استدلال کرنا شان افتاء کے خلاف ہے۔ مفتیٰ بہ اقوال میں اس کی بھی ممانعت مذکور ہے۔ بریقہ شرح طریقہ محمدیہ ج ۱ ص ۱۲۳ میں ہے۔

واقبح البدع عشرة وعد منھا طعام المیت و ایقاد الشموع علی المقابر والنار علی القابر اھ

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

" قبور اولیاء بلند کردن و گنبد بر آن ساختن و امثال آں و چراغاں کردن ہمہ بدعت است بعضے ازاں حرام۔ اھ (ارشاد الطالبین)

تفسیر مظہری میں ہے۔ لا یجوز ما یفعله الجھال بقبور الاولیاء والشھداء من

---

[1] عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج (رواہ ابو داؤد ، والترمذی ، والنسائی مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۱) محمد انور مرتب

السجود والطواف حولہا واتخاذ السرج والمساجد علیہا اھ وفی ذلک کفایۃ لمن اراد الہدایۃ ۔

حرفِ آخر ہماری اس تمام گزارش کا حاصل یہ ہے کہ اس دورِ بدعت وجہالت میں جہاں تک ہوسکے بدعات وسیئات سے روکنے کی سعی کی جائے۔ عوام کو معمولی سی ڈھیل ان کو بڑی باتوں پر جری کر دیتی ہے۔ مفتی صاحب موصوف کے فتویٰ سے چونکہ کافی حد تک جاہل عوام کو سہارا مل سکتا تھا اور وہ اسے جوازِ نذر ونیاز کی بہت بڑی دلیل بنا سکتے تھے۔ گو مفتی صاحب کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر قسم کی نذر ونیاز کو جائز کہا جائے۔ لیکن لوگ قیودات وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ اپنے مطلب کی چیز دیکھتے ہیں۔ اور باقی سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ مفتی صاحب کے فتویٰ کے بارے میں جو صحیح بات ہو بلا کم وکاست تحریر کر دی جائے۔ وما ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۱؍۷؍۲؍۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲؍۷؍۲؍۱۴۰۲ھ

قیام عند حیّ علی الفلاح پر اصرار بدعت ہے

ایک جامع مسجد کے خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے مکبر کے "حیّ علی الصلوۃ" کہنے پر تمام مقتدی کھڑے ہوں اور اس سے پہلے بیٹھے رہیں۔ یہ مسئلہ تمام صحاح ستہ میں موجود ہے۔ منکرین ملعونین اور مردود ہیں۔ قبل از تکبیر یا بوقتِ آغازِ تکبیر اٹھ کر صف بندی کرنا احداث فی الدین ہے۔ آیا علامہ محترم کا قول (کہ یہ مسنون طریق ہے اور کوئی نہیں) صحیح ہے ؟ احادیثِ صحیحہ اور فقہاء کرام کے حوالہ سے لکھئے تاکہ ان کی سمجھ میں کچھ بات آجائے ۔

۲ : جن ائمہ مساجد کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء واولیاء علام الغیوب ہیں ، مجیب الدعوات ، قاضی الحوائج ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مروجہ رسومات گیارہویں وچہلم وغیرہ کارِ خیر ہیں ایسے ائمہ کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہ ؟

الجواب (ولہا آداب) ترکہ لایوجب اساءۃ ولا عتابا کترک سنۃ الزوائد لکن فعلہ افضل (نظرہ الی موضع سجودہ حال قیامہ الی ان قال (والقیام) لامام ومؤتم (حین قیل حی علی الفلاح) الخ (درمختار شامی ص۴۷۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح کہنے کے وقت اٹھنا آدابِ نماز سے ہے نہ سنتِ مؤکدہ ہے نہ

واجب۔ پس خطیب مذکور کا اسے سنت (طریقہ) قرار دینا غلط ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آداب کے ترک کرنے میں کراہت تو کیا اسا ءت بھی نہیں۔ جیسا کہ ادب کی تعریف سے ظاہر ہے۔ پس خطیب صاحب کا تارکین و منکرین کو ملعون و مردود قرار دینا محض جہالت اور تعصب پر مبنی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ یہ لعنت خود قائل کی طرف لوٹے اور اسے اپنا محل بنائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی ایسے شخص پر لعنت کی جائے جو عند اللہ مستحق لعنت نہ ہو تو یہ لعنت قائل کی طرف لوٹتی ہے۔ (اوکما قال) خطیب صاحب کے اس طرز بیان اور عوام کے قیام مذکور پر انتہائی اصرار اور دوام۔ نیز اس کے تارک پر نکیر شدید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عوام نے قیام مذکور کو عملاً واجب اور ضروری سمجھ لیا ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی مستحب کے بارے میں عوام کے فساد عقیدہ کا خطرہ پیدا ہو جائے تو اس مستحب کا ترک کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ (ج ا ص ؎)

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہ لان الجہال یعتقدونہا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ فمکروہ ھکذا فی الزاھدی۔

سورۂ سجدہ اور دہر کا جمعہ کی فجر میں اور سورۂ جمعہ اور منافقون کا جمعہ میں پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان نمازوں میں یہ سورتیں پڑھنا منقول ہے۔ لیکن تمام فقہاء نے متفقہ طور پر سور مذکورہ کو ان نمازوں کے ساتھ خاص کر لینے کو مکروہ لکھا ہے۔ اس کی علت یہی ایہام تعیین وغیرہ تحریر فرمائی ہے چنانچہ یہ مسئلہ تقریباً تمام متون وشروح میں موجود ہے۔ ویکرہ ان یوقت بشیء من القرآن لشیء من الصلوات (ہدایہ: ج ا: ص ؎) ھکذا فی القدوری وتنویر الابصار وغیرہ۔

اسی مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے صاحب فتح القدیر محقق بن الہمام تحریر فرماتے ہیں۔

کالسجدہ والانسان لفجر الجمعۃ والجمعۃ والمنافقین للجمعۃ قال الطحاوی والاسبیجابی ھذا اذا راٰہ حتما یکرہ غیرہ اما لو قرء للتیسر علیہ او تبرکا بقرأتہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا کراھۃ لکن بشرط ان یقرأ غیرھما احیانا کیلا یظن الجاھل ان غیرھا لا یجوز ولا تحریر فی ھذہ العبارۃ بعد العلم بان الکلام فی المداومۃ والحق ان المداومۃ مطلقا مکروہ سواء راٰہ حتما یکرہ غیرہ اولا لان دلیل الکراھۃ لا یفصل وھو ایہام التفضیل وھجر الباقی لکن الھجران انما یلزم لولم یقرأ الباقی فی صلاۃ اخری" فالحق انہ " ایہام التعیین

(فتح القدیر: ج ۱: ص ۲۹۴ مصری)

علامہ شامیؒ ردالمحتار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

والسنة السور الثلاث اى الاعلى والكافرون والاخلاص لكن فى النهاية ان التعيين على الدوام يفضى الى اعتقاد بعض الناس انه واجب وهو لا يجوز فلو قرأ بما ورد به الآثار احيانا بلا مواظبة يكون حسنا بحر (شامی ج ۱ ص ۶۳۳)۔

چونکہ مسئلہ قیام مذکور میں لوگوں نے غلو سے کام لیا ہے اور عملاً اسے ضروری سمجھ رکھا ہے پس فقہاء کی تصریحات بالا کے پیش نظر اس مسئلہ پر عمل کرنا درست نہیں ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر عوام کا یہ حال ہوگیا ہے کہ قیام مذکور کو ضروری نہیں بلکہ دین کا شعار سمجھ رکھا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ پس اس کی مخالفت میں اور تشدید کی ضرورت ہے۔ کما صرح الائمہ بہ۔

پہلے نمازی منتشر طور پر بیٹھے رہتے ہیں تکبیر شروع ہونے کے وقت بھی نہیں اٹھتے اور حی علی الفلاح پر اٹھتے ہیں اور قد قامت الصلوٰۃ پر امام نماز شروع کردے گا۔ تو اس حالت میں مقتدی اگر فوراً نماز شروع کردیں تو صف بندی درست نہیں ہوسکتی۔ اور اگر صف بندی کریں تو تکبیر تحریمہ فوت ہوجاتی ہے۔ حالانکہ صف کو سیدھا کرنا اور مل کر کھڑا ہونا سنت مؤکدہ ہے۔ اور تکبیر تحریمہ کا بے شمار ثواب بیان کیا جاتا ہے۔

پس ان فضائل کو جمع کرنے کی صحیح صورت کیا ہوسکتی ہے؟ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیام مذکور کا مسئلہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ لوگ صفیں ٹھیک کئے ہوئے بیٹھے ہوں۔ ورنہ ادب پر عمل کرنے کے لئے سنن مؤکدہ کو چھوڑنا ہرگز درست نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مسئلۂ قیام مذکور سے مراد یہ ہے کہ تاخیر قیام کی آخری حد یہ ہے کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہوجائے۔ اس سے قیام کو مؤخر نہ کرے۔ تقدیم سے ممانعت نہیں ہے۔ جیسا کہ تعلیل سے ظاہر ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ۔ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سہرا باندھنا رسم کفر ہے زید نے اپنی دختر کا عقد کرنے کے لئے بکر کو اپنے مکان پر بلایا۔ بکر نے اپنے ماتھے پر سہرا باندھا ہوا ہے کیا اس شکل میں مسلمان شرکتِ عقد کر سکتے ہیں۔ کیا زید کے ہاں کھانا جائز ہے؟

قریشی جنرل سٹورز ضلع ملتان

الجواب کفایت المفتی: ج ۴، ص ۴۹۔ پر ہے کہ سہرا باندھنا ہندوانی رسم ہے۔ انہیں سے لی گئی ہے اور قابلِ ترک ہے۔ جس شخص کو یہ علم ہے کہ یہ ہندوانہ رسم ہے اور پھر دیدہ و دانستہ اسے کرتا ہے۔ اس کی تقریب میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تعزیہ بنانا، دیکھنا جائز نہیں اور اسے حاجت روا سمجھنا کفر ہے مسجد میں تعزیہ، یا تعزیہ کا کوئی حصہ وغیرہ رکھنا شریعت میں جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک تعزیہ بنانا اور اسکی تعظیم کرنا اور اس کو یا اس کے کسی حصہ کو مسجد میں رکھنا ناجائز ہے۔ بلکہ تعزیہ کو دیکھنا اگرچہ بنظرِ تماشا ہی ہو جائز نہیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱: حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے۔ ج ۲، ص ۲۱۱۔ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"روضۂ مقدسہ نبویہ کی صورت یا شبیہہ حصولِ ثواب کی غرض سے بنانا بدعت اور ناجائز ہے۔ اور اس وجہ سے کہ زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین میں باوجود وقوعِ ضرورت کے یہ صورت نہیں پائی گئی۔ حالانکہ صحابہؓ و تابعین روضۂ نبوی کے مشتاق رہتے تھے مگر کسی نے ایسا نہیں کیا کہ آپ کے روضہ کی شبیہہ بنا کر اس سے برکت حاصل کر لیتا۔

اولاً: جب روضۂ نبویہ کی شبیہہ بنانا ناجائز ہوا تو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کا شبیہہ بنانا اور اس کی صورت بنا کر اس سے مرادیں مانگنا کیسے جائز ہوگا۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ کسی متبرک شئے کی صورت اور شبیہہ کو اس شئے کا حکم دے دینا اور حصولِ ثواب کا طلب کرنا باطل ہے۔ رسالہ اکملی میں ہے۔

من الاوهام تقرير حكم شيء بشبهه وهذا الوهم قد اضل عبدة الاصنام

من طريق الصواب وأوقعهم في هاوية الجهالة . انتهى ملخصا ۔

۲ : ص ۲۹۳ - میں ہے۔ سوال : تعزیہ کو دیکھنا نہ بنظر اعتقاد بلکہ بنظر تماشا جائز ہے یا نہیں؟
جواب : تعزیہ میں تماشا ہی کیا ہے۔ اور بدعت کو نہ دیکھنا چاہیئے بلکہ زبان یا ہاتھ سے اس کے دفع کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اور اگر یہ نہ کرسکیں تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ضعف ایمان کی دلیل ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

سوال : تعزیہ سے مراد چاہنا درست ہے یا نہیں؟
جواب : نہیں، کیونکہ نہ وہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ تم کو کسی شئے سے بے پرواہ کر سکتا ہے۔ اگر تعزیہ سے مراد چاہنے والا، یہ سمجھے کہ تعزیہ اس کی مراد پوری کرسکتا ہے تو کافر ہے۔
(فتاوی مولانا عبدالحی، ج ۲، ص ۲۹۳)

مولانا عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے "تحفہ اثنا عشریہ" میں لکھا ہے۔
نو دہ شانزدہم صورت چیزے را حکم آں چیز دادن وایں وہم اکثر راہ بت پرستاں زدہ وآنہا را در ضلالت افگندہ۔ واطفال خورد سال ہم دریں وہم بسیار گرفتار باشند الخ
ان حوالہ جات سے صاف معلوم ہوا کہ تعزیہ بنانا ناجائز ہے۔

۳ : اس کی تعظیم کرنا بھی ناجائز ہے۔
۴ : اس کو مسجد میں تعظیماً رکھنا بھی ناجائز ہے۔
۵ : یہ اعتقاد رکھنا کہ تعزیہ ہماری مراد پوری کرسکتا ہے یہ کفر ہے۔ اب شیعہ کی کتابوں سے بھی تعزیہ کا ناجائز ہونا لکھا جاتا ہے۔ اہلسنت بھائیوں کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ ایسی بدعت ہے کہ جو حضرات شیعہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ صرف جاہل شیعوں نے گھڑ رکھا ہے۔

في باب النوادر من كتاب من لا يحضره الفقيه عن علي قال من جدد قبرا أو مثل مثالا فقد خرج عن ربقة الاسلام

ترجمہ: جس نے کوئی بنادٹی قبر یا کسی چیز کی شبیہ وغیرہ بنائی تو وہ شخص دائرہ اسلام وایمان سے خارج ہو جائے گا۔

شیعہ کی کتابوں سے بہت سی عبارتیں ہیں جو نوحہ و ماتم وسینہ کوبی کی حرمت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر چونکہ یہ استفتاء اہلسنت کی طرف سے ہے اس لئے پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : محمد صدیق معین مفتی خیر المدارس ملتان۔

انسدادِ تعزیہ کے لئے کوشش کرنا

تعزیہ کی انسداد کی بابت محکمہ بالا سے فریاد کرنے کا شرعًا کیا حکم ہے ؟

۲ : منظور شدہ تعزیۃ الحسین جانب سرکار کو روکنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب ۱ : انسدادِ تعزیہ کے لئے آئینی کوشش کرنا ضروری ہے۔ جب کہ اس میں کامیابی کی قوی امید ہو۔

۲ : قانون شکنی درست نہیں البتہ آئین کی حدود میں جتنا احتجاج ہو سکے اس میں کوتاہی نہ کریں۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح : محمد عبداللہ غفرلہٗ

محرم میں سبیل لگانا بدعت ہے

الاستفتاء : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد ہر سال محرم میں سبیل لگاتا ہے۔ قابل دریافت یہ ہے کہ اس شخص کا یہ ہر سال کا عمل سبیل لگانا جائز ہے یا نہ ؟

الجواب پانی پلانا کارِ ثواب اور نیکی کا کام ہے لیکن صرف عشرۂ محرم کی تخصیص اور باقی دنوں میں اس عمل کو ترک کرنا ترجیح بلا مرجح اور روافض کا تشبہ ہے اس لئے یہ عمل بدعت اور قابلِ رد ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۰ / ۱ / ۱۳۷۷ھ

نمازوں کے بعد مصافحہ شیعوں کا شعار ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ عید کے دن نمازِ عید سے پہلے یا بعد عید مصافحہ یا معانقہ کی دین میں کیا حیثیت ہے ؟ درانحالیکہ اس کو باعثِ قربت ومسقطِ گناہ خیال کیا جاتا ہے اور نہ کرنے والے کو شرعی مجرم گردانا جاتا ہو۔ اور اس کے لئے ہر طرح سے لعن طعن روا رکھیں۔ الحاصل یہ سنت ہے یا بدعت ؟ سنت ہے تو اس کا ماخذ کون سی کتب ہیں ؟ نمبر صفحات بھی درج فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔

مکتبہ رحیمیہ اکوڑہ خٹک۔

الجواب عیدین یا دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ کرنا بدعت ہے۔ مصافحہ یا معانقہ کی

سنیت صرف ملاقات اور رخصتی کے وقت ہے اور اسی ملاقات ہی کے مصافحہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موجبِ تکفیرِ ذنوب وسقوطِ گناہ ہے۔

ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایاہ کما تناثرورق الشجر رواہ الطبرانی شامی ج ۵ ص۲۵۲ ۔ وایضا فیہ بعد سطور ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوۃ ولانہا من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر من الشافعیۃ انہا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لہا فی الشرع وینبہ فاعلہا اولاً ویعزر ثانیا ثم قال ابن الحاج من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوات فحیث وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک ویزجر فاعلہ لما اتی بہ خلاف السنۃ اھ

الحاصل مصافحہ نماز کے بعد بہر حال مکروہ ہے۔ نیز یہ روافض کا طریقہ ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ ۔

بیعتِ طریقت کا ثبوت پیر آج کل کے دو طرح کے ہیں۔ ۱ ؛ جو لوگوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے لئے دورہ کرتے ہیں اور ان سے ماہانہ وغیرہ بطور قرضہ وصول کرتے ہیں۔ ۲ ؛ دوسرا طریقہ کہ جو عام سلاف میں مروج ہے کہ مرید سے ان شرائط پر بیعت لیتے ہیں جو سورۂ ممتحنہ میں مذکور ہے۔ بیعت کا مقصد یہ ہے کہ اصلاحِ نفس ہو جائے۔ ایسے مرشدین کو مریدین بطورِ ہدیہ کوئی چیز پیش کرتے ہیں تو وہ مرشد مرید کے خلوص کی وجہ سے اس کو قبول بھی فرما لیتے ہیں۔ اب بات یہ ہے اس قسمِ ثانی کے مرشدین میں بیعت کا جو طریقہ ہے۔ اس کا ثبوت سنت وغیرہ سے ہے یا نہ۔ اور کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت علی الجہاد کے علاوہ اس قسم کی بیعت لی تھی یا نہ ؟

الجواب جہاد کے علاوہ بھی بیعت لینا احادیث سے ثابت ہے۔
۱: عن ابن عمرؓ کنا نبایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعة ویلقننا فیما استطعتم رواہ ابوداؤد۔
۲: عن عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ألا تبایعون رسول اللہ ص فرددھا ثلاث مرات فقدمنا ایدینا فبایعناہ فقلنا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعناک فعلیٰم؟ قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا والصلوات الخمس واسر کلمة خفیفة ان لاتسألوا الناس شیئا الخ۔ رواہ النسائی ج ۱ : ص ۵۴۔
مشائخ طریقت بھی کفر و شرک اور بدعات و معاصی سے توبہ کرتے ہوئے اتباع پر بیعت لیتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳۹۱/۷/۳ھ
الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق مدرسہ خیر المدارس ملتان۔

سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا، بدعت ہے

آج کل جو طریقہ دیہاتوں میں رائج ہے کہ سنت ونوافل پڑھنے کے بعد لوگ دعا کے لئے بیٹھے رہتے ہیں اور امام صاحب فارغ ہو کر دعا منگواتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ شبیر احمد

الجواب سنن ونوافل کے بعد جو مروجہ طور پر اجتماعی دعا مانگی جاتی ہے یہ بدعت ہے اور خلاف سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ سنن اور نوافل گھر جا کر ادا کرتے تھے۔ لہذا اجتماعی دعا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
۱: عن عبد اللہ بن مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أیما افضل الصلوة فی البیت او الصلوة فی المسجد قال لان أصلی فی بیتی احب الی من ان اصلی فی المسجد الا ان تکون صلوة مکتوبة اھ ابن ماجہ ترمذی
۲: عن عبد اللہ بن شقیق قال سألت عائشة عن صلوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت کان یصلی فی بیتی قبل الظهر اربعا ثم یخرج فیصلی بالناس الظهر ثم یدخل فیصلی رکعتین ثم یخرج فیصلی بالناس

العصر ويصلي بالناس المغرب ثم يدخل فيصلي ركعتين ثم يصلي بالناس العشاء ثم يدخل في بيتي فيصلي ركعتين الحديث مسلم۔ابوداؤد

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ "النفائس المرغوبہ والصحائف المرفوعہ" مؤلفہ حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ۔ اس میں حضرت رح نے دلائل واضحہ کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ یہ اجتماعی دعا۔ بدعت ہے۔ اور اس پر وقت کے تمام جید اکابر علماء کرام کی تصدیقات بھی ہیں۔

فان یکفیك ویشفیك ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ؛ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

رجب کے کونڈے بغض صحابہ رض کی دلیل ہیں

یہ جو ہر سال ۲۲ رجب کو کچھ لوگ اپنے گھروں میں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو ایصال ثواب کے لئے کونڈوں کا ختم دلواتے ہیں۔ کیا ۲۲ رجب حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ کا یوم پیدائش یا وفات ہے یا کہ نہیں؟ اور اس روز کو کونڈوں کا ختم کہاں سے جاری ہوا؟

اگر بفرض محال ۲۲ رجب حضرت امام جعفر صادق رح کا یوم پیدائش یا یوم وفات نہیں ہے لیکن لوگ تو ان کی روح کو ایصال ثواب کی خاطر ہی ختم دلواتے ہیں۔ کیا ایسی رسم کو بُرا کہنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب ۲۲ رجب نہ امام جعفر رحمۃ اللہ کا یوم ولادت ہے نہ یوم وفات ہے۔ بلکہ یہ دن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یوم وفات ہے۔ (طبری۔استیعاب)۔

اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ یہ رسم رافضیوں کی ایجاد کردہ ہے۔ تقیہ اور جھوٹ ان کا شعار خاص ہے۔ پہلے اس تاریخ کو علانیہ خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ جب سنیوں کا غلبہ ہوا تو عام تقسیم بند کر دی اور گھر میں پکا کر رکھ دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلا کر کھلاتے ہیں۔ جب یہ متحقق ہوا کہ یہ رسم رافضیوں کی ایجاد ہے تو اس امر کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ کس سن میں ایجاد ہوئی اور موجد کون ہے۔ سنیوں کو ہرگز اس رسم میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ حتی الوسع اسے مٹانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس دن خیرات نیک مقصد کے تحت کر نیکی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں تشبہ بالروافض ہے نیز ان کے مکروہ ترین عمل کو تقویت دینا ہے۔ جس عمل کی بنیادی غرض ہی صحابیٔ رسول کی توہین ہو اور

مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنا ہو اسے رسم بد کہنے پر سوال کرنا تعجب ہے ۔ فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بڑے لوگوں کے دن منانا بدعت ہے

یوم رضا ، یوم شیخ الہند ۔ رضا کانفرنس ، شیخ الاسلام کانفرنس ، میلاد کانفرنس ، سیرت کانفرنس ، جشن

عیدِ میلاد النبی ؐ ، جشن صد سالہ دیوبند قسم کی مجالس منعقد کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں ؟
: بزم رضا ، بزم امیر شریعت قسم کی جماعتیں بنانا جائز ہے یا ناجائز ؟

الجواب جب آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی تو چند علماء یہود حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول پہ ایک جشن عید مناتے ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سوال کیا کہ وہ کون سی آیت ہے تو انہوں نے یہی آیت پڑھ دی ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جواب دیا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی ۔ اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لئے دوہری عید کا دن تھا ۔ ایک عرفہ ، دوسرے جمعہ ۔ فاروق اعظم رض کے اس جواب میں ایک اسلامی اصول کی طرف بھی اشارہ ہے جو تمام دنیا کی اقوام و مذاہب میں صرف اسلام ہی کا طغرائے امتیاز ہے اور وہ یہ کہ ہر قوم اپنے تاریخی واقعات کے دنوں کی یادیں مناتی ہے ۔ اور ان ایام کو ان کے ہاں ایک عید یا تہوار کی حیثیت حاصل ہوتی ہے ۔ کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کا یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے ۔ کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح یا اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا جن کا حاصل اشخاص خاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں ۔ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں اس نے ان تمام رسوم جاہلیت اور شخصی یادگاروں کو چھوڑ کر اصول و مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنا دیا ۔

اسلام میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی موت و حیات یا شخصی حالات کا کوئی دن منانے کے بجائے ان اعمال کے دن منائے گئے جو کسی خاص عبادت سے متعلق ہیں ۔ جیسے شب برأت ، رمضان المبارک ، شب قدر ، یوم عرفہ ، یوم عاشورہ وغیرہ ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس جواب نے بتلا دیا کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہماری عیدیں تاریخی وقائع کے تابع نہیں ۔ جیسا کہ جاہلیت اولیٰ کی رسم تھی ۔ بلکہ اسلام میں کسی دن کی عید منانے کے لئے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت

پیش کرنا ضروری ہے۔

آج کل کی جاہلیت جدیدہ نے تو اس کو بہت پھیلا دیا ہے یہاں تک کہ دوسری قوموں کی نقل کر کے مسلمان بھی اس میں مبتلا ہونے لگے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید منائی۔ ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کے نام سے ایک عید میلاد بنا دی۔ اسی روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات کو چراغاں کرنے کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے۔ جس کی اصل صحابہؓ و تابعینؒ اور اسلافِ امت کے عمل میں نہیں ملتی۔

الغرض جو بھی یوم، جلسہ، اور جشن اسی نظریہ جاہلیت کے تحت منایا جانے وہ دوسری اقوام کی نقالی ہوگی اسلام کی کوئی خدمت نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ دیوبند کسی آدمی کا نام نہیں جس کی ولادت کا جشن منایا گیا ہو۔ بلکہ یہ ایک مدرسہ کا صد سالہ جلسہ تھا۔ تاریخوں کا تعین حاضرین کی سہولت کے لئے تھا۔ اسے صد سالہ جشن کا نام مدرسہ والوں نے نہیں دیا اور نہ ان کے ذہن میں جشن منانے کے جذبات تھے اور نہ ہی جشن کے لوازمات میں سے کسی عمل کا ارتکاب کیا گیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔ محمد انور عفا اللہ عنہ دارالافتاء خیر المدارس ملتان ۲۰/۶/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح: عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

غم کے موقع پر اہل میت سے کھانا کھانا مکروہ اور ناجائز ہے

۱: کیا غم کے موقع پر کھانے کی دعوت کرنا شرعاً جائز ہے

۲: کیا اس دعوت سے میت کو کوئی فائدہ ہوگا۔

۳: ایسی دعوت کرنے والے اور شرکت کرنے والے کیا عاصی ہوں گے؟

۴: کھانے کی دعوت شرعاً کس کس موقع پر جائز ہے؟

الجواب ۱: ایسے موقع پر شریعت نے کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنے سے منع کیا ہے بلکہ رشتہ داروں کو کہا گیا ہے کہ اس موقع پر وہ اہلِ میت کے کھانے کا انتظام کریں۔ خود اہلِ میت کے اہتمام کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں۔ میت کے پسماندگان میں بعض اوقات یتیم بچے بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح کی دعوتوں میں ان کا بھی مال کھایا جاتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة وفی البزازیة ویکره اتخاذ الضیافة فی

الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع اھ (شامیہ، ج ۱، ص ۶۲۹)۔
۲ : جب اس کا مقصد ہی رسم پوری کرنا ہے تو اس پر کیا ثواب ملے گا ؟
۳ : ناجائز کام کرنے والے معصیت کے مرتکب ہوتے ہیں۔
۴ : مختلف مواقع ہیں۔ مثلاً ولیمہ وغیرہ۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

طعامِ اہلِ میّت بدعت ہے کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضراتِ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ میت کے گھر کی دعوت وضیافت کھانا جائز نہیں بلکہ اہلِ میت کو کھانا بھیجنا چاہیئے۔ حالانکہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ نمازِ جنازہ سے واپسی پر آپؐ اور حضرات صحابہؓ میت کے گھر دعوت کھانے کے لئے تشریف لے گئے۔

ولفظہ فلما رجع استقبلہ داعی امرأتہ فاجاب ونحن معہ فجیٔ بالطعام۔ فوضع یدہ ثم وضع القوم فاکلوا۔ (مشکوٰۃ ج ۲، ص ۵۴۴)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے داعی امرأۃ کی تشریح المتوفی سے کی ہے۔ اب اس مسئلہ اور حدیث کی تحقیق مطلوب ہے۔

الجواب قال فی الفتح یستحب لجیران أھل المیت والاقرباء الأباعد تھیئۃ طعام لھم یشبعھم یومھم ولیلھم لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام أصنعوا لآل جعفر طعامًا فانہ اتاھم ما یشغلھم حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم۔

حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ اہلِ میت کے پڑوسیوں اور بعیدی رشتہ داروں کو حکم ہے کہ وہ اہلِ میت کے لئے صبح وشام کا کھانا تیار کرکے بھیجیں۔ جیساکہ ابن الہمام نے لکھا ہے۔ ابن الہمام نے مزید لکھا ہے کہ اہلِ میت کی طرف سے کھانے کی دعوت وضیافت کرنا مکروہ ہے۔ کیوں کہ یہ خوشی کے موقعہ پر ہوتی ہے نہ کہ شرور ومصائب پر۔ اور ایسی دعوت بدترین دعوت ہے۔ امام احمد وغیرہ نے صحیح سند سے جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

کنا نعد الاجتماع الی أھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ

گویا کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عام عرف یہی تھا کہ اہلِ میت کی طرف سے کھانے کی تیاری جائز نہیں۔ بلکہ اس کی حیثیت وہی ہے جو ماتم کرنے والے اور میت پر چیخ چلا کر رونے کی ہے۔ اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عورتوں پر لعن فرماتے ہیں جو نوحہ کرتی ہیں۔ عن ام عطیۃ قالت أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہانا عن النیاحۃ۔ وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ۔
ابو داؤد، ج ۲، ص ۴۴۶۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع۔ کھانے کی دعوت پہلے دن تیسرے دن ساتویں دن کے بعد مکروہ ہے۔ (گویا تیجہ ساتواں سب ناجائز ہیں) احادیث شریفہ اور فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق مذکورہ بالاقسم کی دعوت وضیافت ناجائز ومکروہ ہے۔ بلکہ علامہ شامی رحمہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (شامیہ ج ۱، ص ۶۲۹)۔

علامہ ابن امیر الحاج المالکی رحمہ لکھتے ہیں۔ اما اصلاح اهل المیت طعاما وجمع الناس فلم ینقل فیہ شیئ وھو بدعۃ غیر مستحب (مدخل: ج ۳، ص ۲۷۵)۔

اور حدیث استقبلہ داعی امرأتہ کے علامہ شامی رحمہ نے تین جوابات دیئے ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے۔

۱: یہ ایک خاص جزئی واقعہ ہے اور حدیث جریر ایک ضابطہ کلیہ اور تشریع کی حیثیت رکھتی ہے جب جزئی واقعہ اور ضابطہ میں تعارض ہو تو ضابطہ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور جزئی واقعہ کی توجیہ کی جاتی ہے۔ نظیرہ حدیث سلمان رضی اللہ عنہ فی بحث الاستقبال والاستدبار ویعارضہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ أنہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ مستقبل بیت المقدس أو کما قال۔

۲: اس میں خصوص سبب کا بھی احتمال ہے۔

۳: ائمہ مجتہدین نے تمام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ اور حدیث کا صحیح محمل متعین فرمایا ہے۔ متأخرین کا مقام صرف یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے علم واخلاص، دیانت وتقویٰ اور خداداد فہم وتفقہ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی تحقیقات پر عمل کریں۔ ورنہ نصوص متعارضہ وغیرہ کے بارے میں گمراہی کا سخت اندیشہ ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں وارد ہے۔ یایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ۔ اے ایمان والو! سود کو دوگنا، چوگنا بڑھا کر کھاؤ۔ اس آیت کو لے کر کچھ جاہلوں اور گمراہوں نے یہ کہا ہے کہ تھوڑا سود لینا جائز ہے اور دوگنا چوگنا ممنوع ہے حالانکہ ائمہ مجتہدین نے قلیل سود تو ایک طرف رہا شبہہ ربوا کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اور صحیح یہی ہے۔

لقولہ علیہ السلام دعوا الربیۃ والربوا۔ اور تھوڑے سود کو حلال قرار دینا کھلی گمراہی ہے۔ لیکن یہ قائل بھی قرآن شریف کی آیت پڑھ کر اسے اپنے دعوے کی دلیل بنا رہے ہیں۔ یہ ائمہ مجتہدین کی تحقیقات سے اعراض کا نتیجہ ہے۔ یہی حقیقت مسئلہ زیر بحث میں بھی پیش نظر رہنی چاہیئے۔ کہ طعام اہل میت کو حنفیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے مذاہب حقہ میں ممنوع و مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی حدیث ناقابل توجیہ اس کے خلاف ہو تو مذاہب ثلاثہ کا اجماع حدیث کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے۔ ضرور اس حدیث کی کوئی ایسی توجیہہ موجود ہے جس کی بناء پر یہ اجماعی مسئلہ متأثر نہیں ہوتا علامہ شامی رح کے مختصر الفاظ یہ ہیں۔

وبحث هنا في شرح المنية بمعارضة حديث جرير المار بحديث آخر فيه انه عليه الصلوة والسلام دعته امرأة رجل ميت لما رجع من دفنه فجاء وجئ بالطعام۔ اقول وفيه نظر فانه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص بخلاف ما في حديث جرير على أن بحث في المنقول في مذهبنا ومذهب غيرنا كالشافعية والحنابلة استدلالا بحديث جرير المذكور على الكراهة (شامی ج ۲ ص ۶۲)۔

اور مذکورہ بالا تین جوابات کے علاوہ ایک تحقیقی جواب یہ ہے۔ کہ یہ حدیث شارح منیہ اور صاحب مصابیح نے بحوالہ ابوداؤد شریف وغیرہ نقل کی ہے لیکن ابوداؤد شریف میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں۔ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة ۔ الى ان قال فلما رجع استقبله داعي امرأة فجاء فجيء بالطعام الحديث ۔ (ج ۲ ص ۱۳۲ اصح المطابع کراچی) نسخہ عون المعبود ج ۳ ص ۲۴۹، دوسرا نسخہ عکس اصح المطابع ج ۲ ص ۵۰) بذل المجہود: ج ۴ ص ۲۳۹)

محقق دوراں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "بذل" میں کہ۔

ابوداؤد شریف کے جتنے نسخے ہمارے پاس موجود ہیں سب میں ایسے ہی (یعنی امرأۃ بغیر اضافت کے ہے) ولفظ الشريف استقبله داعي امرأة هكذا في جميع النسخ الموجودة عندي من المكتوبة والمطبوعة وفي نسخة مشكوة المصابيح داعي امرأته ۔

(بذل: ج ۴ ص ۲۳۹ طبع اوّل)

اور مقدمہ بذل سے معلوم ہوتا ہے کہ تالیف بذل کے دوران مطبوعہ اور غیر مطبوعہ، ملکی اور غیر ملکی

تصحیح شدہ مختلف چھ نسخے موجود تھے۔ ابوداؤد شریف کے مندرجہ بالا تمام نسخوں (جن کی تعداد کم از کم دس ہے) سے معلوم ہوا کہ حدیث شریف کے اصل اور صحیح الفاظ " داعی امرأۃ " ہیں پس ان الفاظ صحیحہ کی روشنی میں حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جنازے سے واپسی پر کسی ایک عورت نے آدمی بھیج کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی (مرنے والے کی بیوی نے دعوت نہیں کی) پس ظاہر ہے کہ یہ حدیث حدیثِ جریر سے معارض ہی نہیں۔ لہٰذا مسئلہ زیرِ بحث کا جو حکم حنفیہ وشافعیہ وحنابلہ نے حدیث کی روشنی میں دیا ہے وہ صحیح اور واجب العمل ہے۔ کسی دوسری حدیث سے یہ حکم متاثر نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس کے معارض کوئی دوسری حدیث موجود ہے۔

داعی امرأۃ کے صحیح ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے۔ ابوداؤد شریف کے علاوہ جن کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے سب میں بغیر اضافت کے یہ الفاظ موجود ہیں۔ چنانچہ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۴۲۔ محلی ابن حزم: ج ۷، ص ۴۱۵۔ وغیرہ کتب ملاحظہ فرمائیے۔ نیز شرح معانی الآثار للطحاوی ا ج ۲۔ ص ۳۲۰۔ مشکل الآثار للطحاوی: ج ۲: ص ۱۳۲۔ دارقطنی: ج ۲: ص ۵۴۵۔ سنن الکبریٰ: ج ۶ ص ۹۷۔ میں بھی یہ حدیث " امرأۃ " کے لفظ کیساتھ موجود ہے۔ اور تمام کتابوں میں " امرأتہ " کے لفظ موجود نہیں ہیں۔

تنبیہِ اوّل: شارح منیہ نے حدیثِ جریر کا محمل عام۔ عند الموت کو قرار دینے کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں۔ وانما یدل علی کراھتہ ذلک عند الموت فقط (کبیری: ص ۵۶۱)
لیکن یہ محلِ نظر ہے کیونکہ عند الموت سے اگر مراد عین خروجِ روح کا وقت ہے تو اس وقت دعوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ عین موت کے وقت دعوت کی کس کو سوجھتی ہے کون کھاتا ہے اور کون کھلاتا ہے۔ حتیٰ کہ عام عرف کے مطابق گھر والے بھی جنازہ اٹھ جانے کے بعد ہی کھاتے ہیں۔ اور مرد جنازہ سے واپس آنے کے بعد اور اگر موت کے بعد کھانے کا قریب ترین وقت مراد ہے تو قریبی وقت جنازے سے واپسی پر ہی سمجھا جاتا ہے پس حدیث داعی امرأتہ سے بداہتہً معارضہ قائم ہے توجیہہ کا کیا فائدہ ہے؟ اور منتقی الاخبار ص ۱۲۲ کے لفظ یہ ہیں۔ وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ الخ معلوم ہوا کہ حدیثِ جریر کا محمل طعام عند الموت نہیں بلکہ طعام بعد الدفن ہے۔ فتنبہ۔

تنبیہِ ثانی:۔ بعض حضرات کراہتِ تنزیہی کی توجیہہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی مخدوش ہے کیونکہ جس مقام پر کراہت کا لفظ مطلق ہے اس سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ابن الہمام رح دعوت اہلِ میت پر بھی بدعت کا لفظ استعمال کر رہے ہیں فرماتے ہیں۔ " وہی بدعۃ مستقبحۃ "

پس اسے مکروہِ تنزیہی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

الحاصل اہلِ میت کے گھر دعوت و ضیافت مکروہ و بدعت ہے خواہ پہلے دن ہو یا تیسرے دن یا ساتویں دن ملا علی قاری رح نے بھی شرح نقایہ میں اسی کی طرف رجوع فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ۔

" میت کے ہاں سے کھانا تناول کرنا مکروہ اور بدعت مستقبحہ ہے " (ترجمہ)

اور یہ مسئلہ اتنا واضح اور بدیہی ہے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی اس سے انکار نہیں کر سکے بلکہ بڑے شد و مد سے اصل بدعت کی تردید کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ

" اگر فاضل حلبیؒ اور ملا علی قاری رح ہمارے دیار کا رسم و رواج دیکھتے تو عمی کی ان دعوتوں پر حرمت قطعی کا حکم لگا دیتے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی اجازت دینے میں شیطان مردود کے لئے ایک دروازہ کھول دینا ہے۔ اور مسلمانوں بالخصوص نادار مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دینا ہے۔ اھ (احکام شریعت ا ص ۱۹۷)

فاضل بریلوی ایک دوسرے سوال کے جواب میں۔ دوسرے، تیسرے، چالیسویں دن کے اجتماع اور کھانے پینے کے متعلق لکھتے ہیں۔ " یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ و قبیحہ ہے "

(احکام شریعت ا ص ۱۹۱ و ۱۹۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ

اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کب سے شروع ہوا

اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا شریعت کے لحاظ سے کیسا ہے۔ اس کی ابتدا کب سے ہوئی اور کس نے کی؟ ایک مسجد والے لوگ بعض کہتے ہیں کہ پڑھا جائے، بعض کہتے ہیں کہ نہ پڑھا جائے۔ پڑھنے والے ضد پہ ہیں۔ اب مسجد میں پڑھنے اور نہ پڑھنے پر جھگڑا اور فساد ہے کیا کیا جائے؟

سید محمد انور شاہ مین بازار کوہاٹ۔

الجواب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان۔ تابعین کے زمانہ میں اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام بالکل نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے۔ اذان میں سب سے پہلے اہلِ تشیع نے تحریف کی۔ اس کے بعد محتسب قاہرہ صلاح الدین نے بزورِ حکومت اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام کو ضروری قرار دیا۔ اب کچھ لوگوں نے اسے اذان سے پہلے ضروری سمجھ لیا ہے حتیٰ کہ نہ پڑھنے والوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ سب جہالت ہے۔ حق دہی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں تھا۔ اسی پر عمل کیا جاوے۔ مخالفت کرنے والوں کو حکمت، و موعظت سے سمجھایا جائے۔ والذی أحدث الصلوة والسلام عقب الأذان هو محتسب القاهره صلاح الدين بن عبد الله البرلس امو به فی مصر۔ اھ (الابداع: ص۱۶۱)۔

نوٹ:- زیادہ تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ تحریف الاذان۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ: ۱۴: ۱۱: ۱۳۹۹ھ

آٹھویں صدی میں یہ بدعت جاری ہوئی لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

انگوٹھے چومنے کی کوئی روایت صحیح نہیں

۱: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان میں کلمۂ شہادت سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر لگانا جائز ہے یا نہ؟

۲: کس حدیث سے یہ ثابت ہے اور اس حدیث کو کسی محدّث نے صحیح اور درست فرمایا ہے؟

۳: کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے اس عمل کو جائز فرمایا ہے اور اس کے مستحب ہونے کا قول کیا ہے؟

۴: بعض علماء اس کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ کیا حضور علیہ السلام کے کسی قول یا فعل کے ثابت نہ ہونے کی صورت میں کسی عمل کو مستحب کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ بدعت ہے؟

۵: بعض علماء فقہ حنفی کی مستند کتاب ردالمحتار شامی کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس عمل کو مستحب فرمایا ہے۔ اسی طرح صاحب مقاصد حسنہ اور صاحب مسند الفردوس کے متعلق کہتے ہیں۔ کیا یہ نسبت صحیح ہے یا غلط؟

الجواب ۱: قرآن کریم، احادیث صحیحہ، اجماع امت، اور ائمہ اربعہ میں سے کسی امام سے اس فعل کا ثبوت نہیں۔ اور لوگ اس کو ضروری اور عملاً واجب سمجھتے ہیں اس کے تارک پر نکیر کی جاتی ہے۔ لہذا موجودہ زمانہ میں جائز قرار دینا تو قواعد شرعیہ کے خلاف ہے۔ کسی اجماعی امر مستحب کو بھی درجۂ واجب میں پہنچا دیا جائے تو اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ عوام الناس کا اعتقاد محفوظ رہے۔ حدیث عبد الله بن مسعود لا يجعل أحدكم نصيبا للشيطان من صلوته ان لا ينصرف الا عن يمينه کے تحت علماء نے لکھا ہے وفی هذا الحديث دليل على من اعتقد الوجوب فی امر ليس بواجب شرعا أو عمل معاملة

الواجب معہ یکون ھذا خطأ من الشیطان وبد عۃ مذمومۃ (مدارج ص۱۵۶)

۲ : صحاح ستہ کی کسی حدیث میں بلکہ ان کے علاوہ بھی کسی صحیح مرفوع حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ وذکر ذالک الجراحی و اطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شیئ ۔ (شامی ج ۱ : ص ۲۶۷)۔

۳ : کسی امام نے اس کے مستحب ہونے کا قول نہیں کیا۔

۴ : ثبوتِ استحباب کے لئے دلیلِ شرعی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک حکم شرعی ہے۔ بغیر دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوگا۔ علامہ شامی رح نقل فرماتے ہیں والمستحب وھو ماورد بہ دلیل ندب یخصہ کما فی التحریر ۔ ج ۱ : ص ۹۶)۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ کسی عالم غیر مجتہد نے غیر دلیل کو دلیل سمجھتے ہوئے کسی فعل کو مستحب کہا ہو۔ جب تحقیق سے اس دلیل کا غیر معتبر ہونا ثابت ہوجائے گا تو فعل مذکور کا مستحب ہونا بھی منتفی ہوجائے گا۔

بعض علماء کا اسے مستحب کہنا ہوسکتا ہے کہ استحباب لغوی کے قبیل سے ہو۔ نہ کہ استحبابِ شرعی کے قبیل سے ہو۔ کیونکہ دلیلِ شرعی مقتضی استحباب موجود نہیں۔ جیساکہ آگے مذکور ہوتا ہے۔

۵ : علامہ شامی رح نے جس جگہ یہ نقل کیا ہے اس مقام پر یہ بھی نقل کیا ہے ولم یصح من کل ھذا شیئ (ج ۱ : ص ۲۶۷) (کہ اس میں کوئی مرفوع صحیح نہیں) ۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اگرچہ اس میں صحیح حدیث نہیں ہے لیکن استدلال کے لئے حدیثِ حسن بھی کافی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث حسن موجود بھی تو ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی حسن بلکہ ضعیف قابلِ عمل حدیث بھی موجود نہیں۔ واضح رہے کہ حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا تین شرطوں سے جائز ہوتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

۱ : ضعیف شدید نہ ہو۔

۲ : یہ عمل کسی اصل عام کے تحت داخل ہو۔

۳ : اس عمل کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ کیا جائے۔

قال فی الدر المختار شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدۃ ضعفہ وان یدخل تحت أصل عام وان لا یعتقد سنیۃ ذالک الحدیث واما الموضوع فلا یجوز العمل بہ بحال ۔ (ج ۱ : ص ۱۱۹)۔

اور مسئلہ زیرِبحث میں یہ تینوں شرطیں تقریباً مفقود ہیں۔ کیونکہ ایسی روایات میں شدید ضعف ہے۔ بلکہ موضوع ہیں ۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں ۔ الاحادیث التی رویت

فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشہادۃ ۔ کلہا موضوعات انتہٰی ۔ (تیسیر المقال للسیوطی)۔

اور عوام سنت بلکہ اس سے بڑھ کر سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرتے ہیں الغرض یہ فعل قرآن کریم حدیث پاک، تعامل صحابہ رضؓ، اجماع امت، اقوال ائمہ میں سے کسی دلیل کے ساتھ ثابت نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

فرائض کے بعد چیخ چیخ کر کلمہ کا ورد کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری مسجد شاہ حسین محلہ کرم پورہ میں ہر نماز کے بعد سلام پھیرنے کے فوراً بعد بعض نمازی بلند آواز سے چیخ چیخ کر کلمہ طیبہ دس پندرہ مرتبہ اس کے بعد " الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ " دس پندرہ مرتبہ پڑھتے ہیں ۔ جو نمازی بعد میں شامل ہوتے ہیں وہ جب کھڑے ہو کر نماز پوری کرتے ہیں تو شور کی وجہ سے ان کی نماز خراب ہو جاتی ہے اور نمازی اپنے الفاظ بھول جاتا ہے کیا اس طرح ذکر اور صلوۃ وسلام درست ہے ۔ مسلک حنفی کے مطابق مسئلہ تحریر فرما کر عند اللہ ماجور وعند الناس شکور ہوں ۔

مولوی محمد صدیق امام مسجد شاہ حسین محلہ کرم پورہ ملتان ۔

الجواب ذکر وصلوۃ وسلام کی جس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ بلا شبہ بدعت، ناجائز، موجب گناہ اور بہت سے ممنوعات شرعیہ پر مشتمل ہے ۔

۱ : کچھ اذکار وعبادات ایسی ہیں کہ شریعت میں ان کا ایک خاص طریقہ اور وقت مقرر ہے ۔ ان عبادات کو اس طریقے یا وقت کی رعایت کے بغیر ادا کیا جائے تو وہ بجائے عبادت و موجب رضاء الٰہی بننے کے ضلالت اور سبب عتاب بن جاتی ہیں ۔

کچھ اذکار وعبادات ایسی ہیں کہ شریعت نے ان کے لئے کسی خاص وقت اور طریقے کو ضروری قرار نہیں دیا ۔ ان اذکار وعبادات کو ادا کرنے کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص وقت یا کسی ایک طریقے کو لازم قرار دے لینا جہالت و بدعت ہے ۔ اور اتباع شریعت کی بجائے اتباع نفس وہوٰی ہے ۔ اور باوجود صدخلوص اور نیت کے صحیح ہونے کے اس عبادت پہ کوئی ثواب نہیں ملتا ۔ کیونکہ اگر اس عبادت کو ادا کرنے کے لئے یہی طریقہ بہتر ہوتا تو خود شارع علیہ السلام اس طریقے کو متعین فرما دیتے ورنہ تکمیل دین کا دعوٰے بے معنی ہو کر رہ جاتا ۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے طریقوں سے عشق کی حد تک وابستگی تھی۔ اور دین میں نئی صورتوں سے سخت بیزار تھے۔ ان کے سامنے جب بھی کوئی ایسا نیا طریقہ پیش ہوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ تو انہوں نے شدت کے ساتھ منع کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر زور زور سے کلمۂ طیبہ اور درود پاک کا ورد کر رہے تھے۔ چونکہ یہ ان عبادات سے نہ تھا جنہیں بلند آواز سے اجتماعی طور پر ادا کیا جاتا ہے تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے شدید نکیر فرمائی حتیٰ کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

(فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ مبتدعین کو مسجد سے بزور نکالنا ضروری ہے۔)

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یہللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھرا وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین (شامی ج۵ ص۲۶۳)

کچھ ایسا ہی معاملہ مروجہ و مذکورہ درود وسلام کا ہے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے آنکھوں سے ضد و تعصب کے پردے ہٹا کر دیکھا جائے تو اس طریقہ پر پڑھنے کا شریعت میں کوئی ایک ضعیف سا ثبوت بھی نہیں ملے گا۔ نہ دورِ نبوی میں، نہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ میں، نہ ائمہ کرام کی تعلیمات میں کہیں بھی اس کا یہ طریقہ منقول نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس اس طریقہ پر پڑھنے کی ممانعت منقول ہے۔ جیسا کہ ابھی بحوالہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ گزر چکا ہے۔ پھر بھی اس پر اصرار کرنا شریعت تو نہیں باقی سب کچھ ہے۔

اس نمائشی صلوۃ وسلام کی ممنوعیت کے لئے تو اتنا ہی کافی تھا کہ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو اس میں اور بھی کئی ایسی وجوہ ظاہر ہوں گی جن کی وجہ سے یہ طریقہ واجب الترک والاحتراز ہے۔ بدعت کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ بظاہر خوشنما ہوتی ہے مگر اپنے اندر کئی منکرات کو لئے ہوئے ہوتی ہے۔

۲ : اگر اسے عبادت و ذکر کی حیثیت سے پڑھا جاتا ہے۔ تو ذکر کے بارے میں شریعت کی تاکیدات یہ ہیں کہ آہستگی کے ساتھ وقار و احترام کے ساتھ کیا جاوے۔ اونچی آواز سے شور ڈالنا چیخ چیخ کر پڑھنا ادب و احترام کے منافی ہے۔ خود آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک صحابی کو کافی بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے سنا تو انہیں آہستگی کا حکم فرمایا۔

۱ : اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخیفۃ ودون الجھر

من القول ۔ (سورۃ اعراف: پ۹)

۲ : أدعوا ربکم تضرعا وخفیۃ (اعراف)

۳ : حدیث میں ہے ۔ ایہا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لیس تدعون أصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا وھو معکم ——— (مسلم ج ۲ ص ۳۴۶)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔ ففیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اھ

فقہاء تصریح فرماتے ہیں۔ کہ درود شریف بلند آواز سے اعضاء کو ہلا ہلا کر پڑھنا جہالت ہے۔

وازعاج الاعضاء برفع الصوت جہل وانما ھی دعاء اھ (شامی ج ۱ ص ۳۶۴)۔

علامہ حلبی حنفی رح لکھتے ہیں ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ مخالف للامر (کبیری ص ۵۶۶)

امام نووی رح فرماتے ہیں ۔ أما الدعاء فیسن بہ بلا خلاف اھ (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱)۔

ھل یکرہ رفع الصوت بالذکر والدعاء قیل نعم اھ (شامی ج ۵ ص ۲۶۳)۔

۴ : یہ بلند آوازی اور بے ہنگم شور مسجد میں کیا جائے تو اس کی ممنوعیت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں بے حرمتی مسجد کا گناہ بھی شامل ہو جاتا ہے ۔ حالانکہ شریعت نے مسجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کو صراحۃً منع کیا ہے۔

مشتے نمونہ از خروار

یستحب فی الدعاء الاخفاء ورفع الصوت بدعۃ (سراجیہ ص ۷۲)

قال ابن حجر سئل مالک عن رفع الصوت فی المسجد بالعلم فقال لاخیر فی بعلم ولا بغیرہ ولقد ادرکت الناس قدیما یعیبون ذالک علی من یکون بمجلسہ وانا اکرہ ولا ادری فیہ خیرا (اوجز المسالک)

قال النووی یکرہ رفع الصوت فی المسجد بالعلم وغیرہ (اوجز المسالک)

قال القاری اذ مذہب (ابی حنیفۃ) کراھۃ رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر

آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام سے جو کبھی کبھار نمازوں کے بعد جہرًا دعا مانگنا منقول ہے۔ وہ تعلیم پر محمول ہے ۔ حاشیہ بخاری میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شرح میں لکھتے ہیں ۔

قال ابن بطال اصحاب المذاھب المتبعۃ وغیرھم متفق بن علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر حاشا ابن حزم وحمل الشافعی

هذا الحديث على ان جهر ليعلمهم لا أنه كان دائما ۔ (حاشیہ بخاری ج ۲ ص۱۱)
فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ بلاضرورت جہر بالدعار مع الاجتماع بدعت ہے ۔ واذا تعلموا حينئذ يكون جهر القوم بدعة ۔ (ج ۴ ، ص ۹۲)۔

یہ جہر بالصلوٰۃ والذکر جب ایسے وقت میں کیا جائے کہ کچھ لوگ نماز وتلاوت وعبادت میں مصروف ہوں تو اس کی ممنوعیت میں کچھ کلام باقی نہیں رہ جاتا ہے ۔ ایسی عبادت نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بن جاتی ہے ۔ ایسے وقت میں اونچا پڑھنے کا جواز کسی سے منقول نہیں ۔ امام شعرانی رح فرماتے ہیں کہ اگر ذکر کی وجہ سے نمازی یا سوئے ہوئے کو یا تلاوت کرنے والے کو تشویش ہو تو ذکر درست نہیں ۔

الا ان يشوش جهرهم على نائم او مصل او قارئ ۔ (اوجز المسالک ج ۲ ص ۲۲۷)

شامی : ج ۵ : ص ۲۶۳ ۔ پر ہے کہ جہاں ریار کا خطرہ ہو ، یا نمازیوں اور سوئے ہوؤں کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو وہاں اخفار افضل ہے ۔ فالاسرار افضل حيث خيف الرياء او تأذى المصلين او النيام ۔ اھ ۔

حرفِ آخر مذکورہ بالا آیات ، احادیث ، روایات ، اقوالِ ائمہ اور فقہی حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مروجہ طور پر درود وسلام کی شرعًا کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ اس کے باوجود اس پر اصرار کرنا ، نہ کرنے والوں کو برا کہنا ، اصلاح کی کوشش کرنے والوں کو موردِ طعن بنانا انتہائی مذموم ومبغوض ہے ۔ دل صاف کر کے تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ طریقہ بدعت وضلالت ہے ۔ وشر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار ۔

وفقنا الله واياكم اتباع السنة السنية على صاحبها الف الف تحية

وههنا تم منا الكلام ۔:۔ وعلى مصطفانا الوف السلام

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/۱۱/۱۳۹۹ھ

مروجہ میلاد کب ایجاد ہوا کیا فرماتے ہیں علمارِ دین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے ہیں آیا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا کہ نہیں ۔ ہم تاریخ کے حوالہ سے بتا رہے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے تو ابولہب کو باندی نے آکر خبر دی کہ آپ کے بھائی عبداللہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے ۔ ابولہب نے یہ کہا کہ اس خوشی

میں تجھے آزاد کرتا ہوں۔ تو ابولہب نے اپنی خوشی منائی کہ باندی کو آزاد کر دیا تو خوشی کے باوجود وہ جہنم میں جائے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعوی کیا تو ابولہب آپ پر ایمان نہیں لایا۔ اس لیے جہنم میں جائے گا۔ آپ یہ بتلائیے کہ دعوئے نبوت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم کیا؟ جو آج کل کے لوگ کرتے ہیں۔ یا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ایسا کیا؟ یا کسی بزرگ یا پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے کیا۔ اگر ایسا کام ان میں سے کسی بزرگ نے کیا تو آپ اس کا نام لکھ دیں کہ جس نے سارا کام خلافِ سنت کرایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمان جس قوم کے پیچھے لگ کر اس قوم کا جشن منائیں گے تو قیامت کے دن اسی کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ جیسے سجاوٹ میں یہ نقل روضہ اور مینار مسجد نبوی بنوا کر رکھ لیتے ہیں یہ طریقہ لوگوں کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتراف محبت ہے۔ یا کہ نبی ؐ کی شان میں گستاخی ہے؟ اس سجاوٹ کو دیکھنے کے لئے عورتیں، بچے، مرد بھی آتے ہیں اور اس سجاوٹ کو دیکھنے کے لئے آنے والی عورتوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے اس سے خدا کی پناہ اس کے بارے میں بتلائیے کہ جو لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں یہ لوگ اتنے گنہگار ہیں یا کہ اس سے زیادہ وہ لوگ جو دیکھتے ہیں، آنے والی عورتوں کی عزت و آبرو سے کھیلتے ہیں۔ اگر ان تمام چیزوں کا کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جائز نہیں ہے تو آپ فرمائیے وہ ابوجہل جو کہ خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتا تھا اور حاجی صاحبان کو پانی وغیرہ پلاتا تھا، دیکھنے میں کتنا اچھا کام کرتا تھا اس کے باوجود جہنم میں جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کی۔ اور یہ لوگ جو کام سید الرسل رسول ؐ کے سلسلہ میں کرتے ہیں اگر یہ کام اتباع رسول ؐ ہے تو فرمائیے؟ اور اگر یہ کام اتباع رسولؐ نہیں ہے تو پھر ان لوگوں کا ٹھکانا کہاں ہے۔ فتویٰ صحیح جاری کیجئے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی عبداللطیف معاویہ جنرل سٹور لوہاری گیٹ ملتان

الجواب میلاد کے نام پر محفلوں کا انعقاد ۶۰۳ھ سے ہوا ایک معروف بادشاہ مظفر الدین کوکری بن اربل اس کا موجد ہے وہ ان محافل پر بیش بہا رقم خرچ کرتا تھا۔ موجودہ دور میں ان پر نمائشی جلوسوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اور آئندہ خدا معلوم کیا ہو گا۔ ان جلوسوں میں کیا کچھ ہوتا ہے یہ تو سوال سے ظاہر ہے۔ عورتوں کو جب نماز جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت نہیں تو ان جلوسوں میں شرکت کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے؟ قطع نظر مذہبی ممانعت کے شرافت اور غیرت گوارا نہیں کرتی کہ بہو بیٹیاں ایسے اجتماعات میں شرکت کریں جہاں ان کے ساتھ شہری غنڈے ناروا حرکتیں کریں۔ اور ایسے جلوسوں کا تعاون بھی شرعاً درست نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵؍۳؍۱۳۹۷ھ

میلاد اور اس میں قیام کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مجلس منعقد کر کے اکثر لوگ ذکر ولادت باسعادت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں۔ اور ایک خاص وقت مقررہ پر سلام پڑھتے ہیں اور فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں ان کا زعم ہوتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کھڑا نہ ہو تو اس پر طعن و تشنیع کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ کافر تک کہہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس لئے کھڑا نہیں ہوا کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا رسول نہیں سمجھتا یعنی محمد رسول اللہ نہیں سمجھتا بلکہ محمد بن عبداللہ مانتا ہے ایسی ایسی باتیں بنا کر قیام نہ کرنے والے پر الزام تراشے جاتے ہیں اس کے پیچھے نماز بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ تو اس کے متعلق جواب مرحمت فرمائیں کہ حق کیا ہے ؟

الجواب

ذکر ولادت باسعادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر اذکارِ خیر کے ثواب بلکہ ان سے زیادہ افضل ہے لیکن اس ذکرِ خیر میں اپنی طرف سے خلاف طریقہ سنت، سلفِ صالحین، صحابہؓ و تابعینؒ کچھ اضافہ کرنا اور غلط طریق اختیار کرنا۔ جو صحابہؓ و تابعین سے ثابت نہ ہو بجائے ثواب ہونے کے الٹا موجب گناہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

من احدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد (مشکوٰۃ شریف)

جو شخص دینِ نبوی میں ایک ایسی چیز کا احداث کرتا ہے جو قرآن و حدیث، اجماع و قیاس مجتہد سے ثابت نہیں ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مردود ہے ۔

۱ : پس یہ خاص طریقہ کہ ایک وقت مقرر میں لوگوں کو جمع کر کے ان سے سلام پڑھواتے رہنا پھر یکایک دعوے کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں اور لوگوں کو کہنا کہ کھڑے ہو جاؤ اور جو نہ اٹھے اس کو کافر کہنا اور یہ کہنا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں سمجھا۔ نہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے اور نہ تابعین رحمہم اللہ سے ۔ اور نہ ائمہ مجتہدین سے، اور نہ کسی کتابِ فقہ کے اندر مرقوم ہے۔ فقہ کی سینکڑوں کتابیں متقدمین اور متأخرین کی موجود ہیں۔ منیۃ المصلی سے لے کر ہدایہ اور شامی، قاضی خان، عالمگیری وغیرہ کسی حدیث و تفسیر و فقہ کی کتاب تک میں لکھا ہوا نہیں ہے ۔

۲ : احادیثِ نبویہ کے اندر یہ آتا ہے کہ درود شریف جو میرے اوپر لوگ بھیجتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ

نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں وہ تمام عالم میں گشت کرتے رہتے ہیں جہاں بھی لوگ درود پاک پڑھتے ہیں وہ اسے لے کر میرے پاس پہنچا دیتے ہیں اور اگر میری قبر پہ درود پاک پڑھا جائے تو میں خود سنتا ہوں۔ لیکن کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ مجلس میلاد میں "میں خود جاتا ہوں"۔

۴ ۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجالس میلاد میں خود تشریف لے آتے ہیں اسے یا تو حدیث صحیح سے ثابت کرنا چاہیے۔ بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کتب حدیث شائع اور مشہور ہیں صفحہ، سطر کا حوالہ دے دیا جائے ورنہ بغیر ثبوت کے جو شخص آپ کی طرف ایسی بات منسوب کرتا ہے جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو تو اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے ہیں من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ ایسے آدمی کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔

اگر کسی مجلس میں ذکر خیر ولادت باسعادت ان تمام منکرات سے خالی ہو تو اس میں شامل ہونا عین ایمان اور موجب برکت و ثواب ہے۔ لیکن اگر موجودہ زمانے کے رسومات اور عقائد شنیعہ کے ساتھ ایک مجلس منعقد کی جائے تو اس سے علیحدہ رہنا ہی موجب ثواب ہے۔

اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع اور ذکر رسول کے ساتھ فکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے اور اپنانے کی توفیق ہر مسلمان بھائی کو نصیب فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ خادم دارالافتاء خیرالمدارس ملتان

الجواب حق والحق احق ان یتبع ، خیر محمد مہتم مدرسہ خیرالمدارس ملتان ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ

بعد الجنازہ، بعد الدفن اور عند التعزیت دعا کی تحقیق

نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بعد تین دفعہ یا گیارہ دفعہ قل شریف پڑھ کر امام کے ہلک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یا خود پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

۲ : متوفی کو دفن کرنے کے بعد کل آدمیوں کا منجملہ اکٹھے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

۳ : متوفی کے گھر پہ فاتحہ ہاتھ اٹھا کر کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قل خوانی تیسرے دن کرنی درست ہے یا بدعت؟

الجواب نماز جنازہ کے بعد جمع ہو کر دعا مانگنا بدعت ہے۔ کتب حنفیہ میں بھی اس کی ممانعت

کی گئی ہے۔ فتاویٰ سراجیہ ، ص ۲۳ میں ہے اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعاء ۔ اور خود پڑھ کر بخشنا جائز ہے ۔ امام کی تملیک کا ثبوت نہیں ۔ ہر پڑھنے والے کا ثواب میت کو امام کی تملیک کئے بغیر بھی اللہ تعالیٰ پہنچا دیتے ہیں۔

۲ : قبر تیار ہونے کے بعد میت کے لئے دعاء اور ایصالِ ثواب بغیر ہاتھ اٹھائے کرنا چاہیئے اسلئے کہ ہاتھ اٹھانا اس دعاء میں ثابت نہیں ۔

۳ : متوفی کے ایصالِ ثواب کے لئے کسی مکان کی تخصیص نہیں بلکہ جہاں سے چاہیں پڑھ کر بخش دینے سے ثواب پہنچ جاتا ہے ۔ اس لئے میت والے گھر میں آ کر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کو لازم کرنا شریعت سے ثابت نہیں ۔

تیسرے روز قل خوانی اور ایسے ہی قبر پر اذان دینا بدعت ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد صدیق معین مفتی خیر المدارس ملتان

(مہر مدرسہ)

الجواب صحیح ، خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۹/۲/۱۷/۱۳ھ

مذکورہ فتوے پر مفتی احمد سعید کاظمی صاحب مدرسہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان نے مندرجہ ذیل جواب مع تبصرہ دیا ۔

۱ : نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لئے دعاءِ مغفرت جائز ہے ۔ مبسوط جلد ثانی ، ص ۶۷ میں ہے ۔

عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہما انہما فاتتہما الصلوٰۃ علی جنازۃ فلما حضرا مازادا علی الاستغفار لہ وعبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فاتتہ الصلوٰۃ علی جنازۃ عمر فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ انتہی ۔

جن فقہاء نے منع کیا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ہیئتِ صلوٰۃ باقی رکھتے ہوئے دعاء نہ مانگی جائے جب صفیں ٹوٹ گئیں اور لوگ مستقبلِ قبلہ ہیئتِ صلوٰۃ پر نہ رہے تو ناجائز نہیں ۔

۲ : نیکی کا ثواب زندہ مردوں کو بخشنا جائز ہے ۔ اگر حاضرین نے تلاوتِ قرآن کریم کا ثواب حاضرین میں سے کسی مردِ صالح کو اس نیت سے بخش دیا کہ یہ اپنا ثواب میت کو پہنچائے گا تو اس کی صحابیت کے باعث قبولیت کی امید قوی ہوگی تو اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیلِ شرعی قائم نہیں ۔ جیسا کہ صالحین سے اپنے حق میں دعا کرانا مستحسن ہے ۔ اسی طرح اپنا ثواب صالح متقی کو بخشنا اور اس مردِ صالح کی جانب سے اس کا میت کو پہنچانا بھی مستحسن ہے ۔

۳ : کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ ایصالِ ثواب کسی زمان یا مکان کے ساتھ مخصوص ہے ۔ ہاں زمان

دمکان کی فضیلت سے فضیلت ضرور متعلق ہے ۔ مثلاً رمضان المبارک میں ایک نیکی کا ثواب دس بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتا ہے ۔ اسی طرح مسجدِ حرام یا مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت بہت زیادہ ہے پس اس کے متعلق اگر ایسا ہی عقیدہ ہو تو بالکل صحیح ہے ۔

۴ : تیسرے دن کی تعزیت مسنون ہے اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس تعزیت کے لئے آیا اور اس نے میت کے لئے دعاءِ مغفرت مانگی تو ارشاد باری تعالےٰ یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین الآیۃ پر عمل کرتا ہے ۔ اور دعاء میں رفع یدین سنت ہے اس لئے ہاتھ اٹھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ۔ تیسرے روز قل خوانی اور اذان علی القبر کے متعلق کسی مسلمان کا عقیدہ التزام کا نہیں ۔ جو کام ایسا ہو کہ اس کی اصل ثابت فی الدین ہو اگرچہ اس کی ہیئت کذائیہ قرونِ اولیٰ میں نہ پائی جائے جائز ہے اور حسن نیت کے ساتھ مستحسن ہے ۔ کما لا یخفٰی علی المتامل واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم ۔

دستخط : فقیر احمد سعید کاظمی مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان شہر

تتمہ جوابہائے خیر المدارس

واضح رہے کہ ہم نے اپنے جواب میں لکھا تھا " نمازِ جنازہ کے بعد جمع ہو کر دعاء مانگنا بدعت ہے " ۔ مفتی احمد سعید صاحب نے جو جواب تحریر فرمایا ہے اس میں لکھتے ہیں ۔ " نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لئے دعاءِ مغفرت جائز ہے " پھر اس کے ثبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضؓ اور ابن عمر رضؓ کو ایک جنازہ میں نماز کی شمولیت نہ ہو سکی ۔ جب یہ دونوں بزرگ حاضر ہوئے تو انہوں نے استغفار سے زائد کچھ نہ کیا ۔ یعنی دوبارہ جنازہ نہ پڑھا ، صرف استغفار اور دعائے مغفرت کر دی ۔

حضراتِ اہل علم اور اربابِ انصاف غور فرمائیں کہ کیا اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ جنازہ میں شامل ہو چکے ہوں وہ مل کر بعد جنازہ دعاءِ مغفرت اجتماعی طور پر کریں ۔ ؟

حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم تو جنازہ میں شامل نہ ہو سکے تھے اس لئے انہوں نے دعاءِ استغفار کر لی اور وہ بھی انفراداً کی ۔ جسے ہم بھی جائز کہتے ہیں ۔ حضراتِ فقہاء نے جو منع کیا ہے وہ اجتماعی دعا ہے جیسا کہ آج کل رواج پا چکی ہے ۔ اور اس کے نہ کرنے پر سخت اعتراض ہوتا ہے ۔ حتیٰ کہ فرض نماز کے تارک پر اتنی ملامت نہیں ہوتی جتنی اس دعاء کے تارک پر انگشت نمائی ہوتی ہے ۔ اگر حضراتِ مثبتین بہت زور بھی لگا دیں تو درجۂ جواز و استحباب سے زائد ثابت نہیں کر سکتے ۔ اور موجودہ

رواج جس نے اس کو وجوب تک پہنچا دیا ہے۔ کہاں سے ثابت ہے؟

اسی طرح دوسری روایت جو پیش کی ہے وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ہے ان کو بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جنازہ کی شمولیت نہ ہو سکی تھی۔ تو انہوں نے جنازہ دوبارہ نہیں پڑھا۔ صرف دعا مانگ لی۔ اس میں بھی انفرادی دعاء کا ذکر ہے۔ آج کل کی اجتماعی دعاء کا کہاں ثبوت ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء احناف رح نے جنازہ کے بعد دعاء مانگنے کو منع کیا ہے۔ چنانچہ عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۷ میں ہے۔

۱ : قید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لا یدعوا بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ۔

۲ : فتاوی سراجیہ میں ہے۔ اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم بالدعا۔

۳ : محیط میں ہے لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ یشتبہ الزیادۃ فیہا۔

ان روایات میں جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو منع کیا گیا ہے۔ اس کی علت یہ ظاہر کی گئی ہے کہ اس سے شبہ زیادتی کا لازم آتا ہے۔ تو شبہ زیادتی کا اجتماعی دعاء میں لازم آتا ہے یا انفرادی دعاء میں؟

اب چند سوال پیش کئے جاتے ہیں جن سے مسئلہ حل ہو جائے۔

۱ : صاحب مبسوط نے جو روائتیں عبداللہ بن سلام اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی پیش کی ہیں وہ جنازہ دوسری مرتبہ نہ پڑھنے کی پیش کی ہیں۔ اور جو شخص جنازہ میں شامل نہ ہوا ہو وہ صرف دعاء پر اکتفا کرے اس کے لئے پیش کی ہیں۔ یا اس سے مقصد موجودہ اجتماعی دعاء ثابت کرنا ہے جس طرح کہ رواج ہے بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر مل کر دعا مانگتے ہیں؟

۲ : فقہاء کرام میں سے کسی کا قول دکھا سکتے ہو جس نے اس طرح موجودہ اجتماعی دعاء کو بعد از جنازہ مستحب کہا ہو؟

۳ : حضرت ابن عباس و ابن عمر و ابن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے کسی روایت میں یہ ثابت ہے یا اور کسی صحابی یا تابعی یا ائمہ دین میں سے کسی امام سے بعد از جنازہ اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر متعارف طریقہ سے کسی نے دعاء مانگی ہو؟

نوٹ : بعد از جنازہ بغیر رفع ایدی انفرادی طور پر دعاء مانگنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ ہمارے جواب میں صاف موجود ہے۔ " جمع ہو کر دعا مانگنا بدعت ہے اور خود پڑھ کر بخشنا جائز ہے"۔

۴ : مفتی احمد سعید صاحب کاظمی نے جو حدیث پیش کی ہے اگر وہ ان کی دلیل بن سکتی ہے تو انہوں نے کیوں کھلے الفاظ میں یوں تحریر نہیں فرمایا کہ جنازہ کے بعد جمع ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا جائز ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ تاکہ پتہ چلتا کہ یہ حدیث ان کی کس طرح دلیل بن سکتی ہے صرف یہی لکھا کہ " نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لئے دعاءِ مغفرت جائز ہے " اگر اس کا وہی مطلب ہے جو کہ حدیث سے ثابت ہے کہ اکیلے اکیلے میت کے لئے دعائے مغفرت جائز ہے تو گویا انہوں نے ہماری کہی ہوئی بات کو مان لیا۔

۵ : جو حدیث انہوں نے پیش فرمائی ہے کیا اس بات کا اس میں ثبوت ہے کہ ان صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم نے ہاتھ بھی اٹھائے تھے ؟

۶ : نیز اگر یہ حدیث اس دعاء بعد جنازہ کی مستدل ہے تو کیا کسی امام یا مجتہد نے اس کو دلیل قرار دیا ہے یا نہیں ؟ اگر قرار دیا ہے تو تحریر فرمایا جاوے۔

۷ : جن فقہاء نے دعاء بعد نمازِ جنازہ کو منع کیا ہے اور مفتی صاحب نے ان کا مطلب بدلا ہے کیا اس کا ثبوت کسی فقہ کی کتاب میں ملتا ہے ؟

نمبر۲ : اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ زندوں اور مُردوں کو ثواب تملیک کرنا جائز ہے لیکن اس کے لئے کیا ثبوت ہے کہ پڑھنے والے ایک شخص کو تملیک کریں اور وہ شخص پھر اموات کو تملیک کرے ؟ اس امر کے مستحسن ہونے کے لئے فقہ حنفی یا کسی امام سے سند کی ضرورت ہے۔ اگر آپ خود قیاس کریں تو آپ کا قیاس ضروری نہیں کہ ہر مسلمان پر حجت ہو۔ بحیثیت حنفی ہونے کے فقہ حنفی سے اس کے استحسان پر ثبوت پیش کریں ؟

کیا ثواب کی تملیک صرف آیاتِ قرآنی میں ہی مستحسن ہے یا ہر صدقہ و عمل کی تملیک مستحسن ہے ؟ مثلاً ایک شخص حج کرتا ہے اور اس کا ثواب والدین کو بخشنا چاہتا ہے ـــــ ایک شخص نفلیں پڑھتا ہے ـــــ مسجد تعمیر کرتا ہے ـــــ مسافر خانہ تعمیر کرتا ہے ـــــ کیا ان تمام صورتوں میں تملیک کرنی بھی مستحسن ہے ؟ اگر ان تمام صورتوں میں بھی تملیک مستحسن ہے تو اس کے مستحسن ہونے کا فتویٰ کیوں نہیں دیا جاتا ؟ اور جن صورتوں میں تملیک نہ کرے بلکہ خود ثواب پہنچا دے تو اس پر وہابی ہونے کا فتوےٰ کیوں نہیں دیا جاتا ؟ جیسا کہ تملیک ثواب قرآن مجید کے نہ کرنے والے پر ؟

نمبر۳ : رمضان شریف میں نیکی پر دس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اور مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں زیادہ اجر ملتا ہے چونکہ احادیث سے ثابت ہے اور وہ فریقین کے نزدیک مسلّم ہیں۔ بعد از دفن کے جو وقت ہو اس

میں دعا مانگنے کے اندر بھی اختلاف نہیں۔ لیکن اس وقت رفع ایدی کے لئے کیا ثبوت ہے؟
اصل مطالبہ ثبوتِ رفع ایدی کا ہے؟ اس سے جناب کا بیان خالی ہے۔ اور اس وقت کی
فضیلت کے متعلق کوئی حدیث آئی ہو تو بیان کریں؟ پھر فضیلتِ وقت کی رفع ایدی کے ساتھ
کیا مناسبت ہے؟

نمبر ۱: تعزیت کے مسنون طریقہ میں کوئی اختلاف نہیں اور دعا مغفرت میں بھی۔ اصل اختلاف تو اس
میں ہے کہ جو چیزیں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ دین سے
ثابت نہیں، ان کو دین میں داخل کرنا اور ضروری قرار دینا، اور نہ کرنے والوں پر طعن کرنا۔

۱: اچھا اب کس حدیث سے ثابت فرماتے ہیں کہ "قل خوانی" کا اصل احادیث سے ثابت ہے؟

۲: اور اب ہیئتِ کذائیہ میں جو تفاوت ہو چکا ہے اس میں اور اصل ثابت شدہ میں کیا فرق ہے؟

۳: اذان علی القبر کس روایت سے ثابت ہے؟

۴: قل خوانی اور تیجہ وغیرہ اگر اصل ان کا ثابت ہے تو فقہاء کرام رح جو کہ احادیث کے ماہر تھے
انہوں نے ان رسوم سے منع کیوں فرمایا ہے؟ حالانکہ انہیں ان امور پر زور دینا چاہئے تھا جب
کہ ان کا ثبوت شرع مبارک میں تھا۔ بطور نمونہ چند عبارتیں درج ہیں۔

۱: فتاوٰی بزازیہ۔

ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام
الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القران وجمع الصلحاء
والقرأۃ للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص والحاصل
ان اتخاذ الطعام عند قراۃ القران لاجل الاکل یکرہ۔

(شامی ج ۱، ص ۶۲۹)

۲ قال العلامۃ الشامی واطال فی ذلک فی المعراج وقال ھذہ الافعال
کلھا للسمعۃ والریاء فیحترز عنھا لانھم لایریدون بھا وجہ اللہ تعالیٰ۔ ج ۱ ص ۶۲۳

۳ وقال ایضا ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور
لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ۔ (ج ۱ ص ۶۲۹) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفر لہٗ خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۴ : ۳ : ۱۳۷۱ھ

ایصالِ ثواب کے لئے خیرات کرنے کا شرعی طریقہ نیز وفات کی دیگر رسوم کی تفصیل

کسی کی وفات پر اہل میّت جو جو امور ضروری سمجھتے ہیں ان کے بارے میں زید و بکر میں جھگڑا ہوا یا لآخر یہ طے پایا کہ آپ حضرات کی طرف لکھتے ہیں آپ شریعت کی رُو سے تفصیل ذکر فرماویں کہ وفات کے بعد کون کون سے اعمال کئے جاویں اور کن کن اعمال سے بچا جائے، نیز اہل بدعت جن امور کو ضروری سمجھتے ہیں ان کے استدلالات کے جواب بھی عنایت فرماویں۔

اَلجَوَاب، زید اور بکر کا اقرار کہ میں شریعت کے تابع ہوں جو حکم دین کے منظور ہے قابل صد تحسین و آفرین فعل ہے کیا اچھا ہو کہ تمام مسلمان اپنے خیالات و خواہشات کو تابع شریعت بنالیں۔ حضور صلعم اور صحابہؓ کے اسوۂ حسنہ کو قبول کر کے اپنی زندگی اس کے مطابق بنائیں یہ اموات کا سلسلہ حضور صلعم اور صحابہ کرامؓ سے برابر چلا آرہا ہے یہ امر ناممکن ہے کہ جو رسوم موت و غم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ہوئیں وہ مخفی رہ جائیں اور احادیث پاک اور اقوال ائمہ مجتہدین و سلف صالحین میں ان کا ذکر تک نہ آئے خصوصاً جبکہ اللہ تعالٰے کا یہ ارشاد موجود ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ دین اسلام کے کامل و مکمل ہوتے ہوئے یہ جزو اور حصہ جو رسوم موت کہلاتا ہے تشنہ تکمیل رہ جائے یہ امر بعید از عقل ہے، بناءً علیہ حکم ان رسومات موت کا جو شرع مصطفوی سے ثابت ہیں اور جو شریعت سے ثابت نہیں بعد میں لوگوں کے اندر رواج پاگئی ہیں مفصل تحریر کیا جاتا ہے تاکہ جو حضرات اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے طریقہ پر چلانا چاہتے ہیں اس سے فائدہ اٹھا سکیں، واللہ ہو الموفق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بیان رسومات شرع جو میّت کے بعد کیجائیں، شامی جلد اوّل صفحہ ۶۰۲ میں ہے (۱) میّت کے کفن و دفن میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ (۲) غسل کی جگہ کو پردہ کر کے میّت کو پردہ میں غسل دینا مستحب ہے، سوائے غسل دینے والے اور امداد کرنے والے کے کوئی نہ دیکھے (۳) اگر میّت کے غسل کے وقت اس سے کوئی مکروہ چیز نظر آئے تو اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے (۴) اس کو نقل کر کے ایک دو میل تک لے جا کر دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۵) اس کی موت کی خبر اور اطلاع دینا تاکہ اس کے جنازہ میں لوگ جمع ہوں حرج نہیں ہے (۶) کوئی شعر وغیرہ اس قسم کا پڑھنا جس میں اس کی مدح ہو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں مبالغہ نہ ہو، خصوصاً اس کے جنازہ اٹھانے کے وقت کوئی شعر وغیرہ نہ پڑھا جائے (۱) اور نہ بطور رسم کے شعر پڑھنے والے کو جنازہ کے آگے آگے مقرر کیا جائے، کیونکہ اس میں ریا اور شہرت ہے، نیز

جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے) (۷) اس میت کے اہل وعیال کو صبر دلانا اور تعزیت کرنا مستحب ہے۔
(۸) میت کے ساتھ والے ہمسائیوں اور پڑوسیوں اور میت کے اقربا ر بعید والوں کو مستحب ہے کہ اہل میت
کے لئے صبح اور شام کا کھانا دیں۔ (۹) اہل میت کے لئے تین دن اپنے کسی مکان یا بیٹھک میں بیٹھنا تاکہ
لوگ تعزیت کے لئے آویں، لاباس بہ یعنی اس بیٹھنے میں حرج نہیں۔ ردّ المحتار میں ہے کہ لاباس اپنے
اصل پر ہے یعنی اس میں حرج نہیں ہے۔ اگرچہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ یہ سب امور شریعت نبوی
علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں ثابت ہیں۔ حنفی فقہاء کرام نے ان امور کو اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے ان
کے ثبوت کے لئے احادیث واقوال صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں۔

مسئلہ ایصال ثواب

علاوہ ان امور کے جو اوپر مذکور ہیں اہل السنت والجماعت کے نزدیک میت کو اعمال صالحہ کے
ذریعہ سے ثواب بھی پہنچایا جا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ان شرائط کا لحاظ ضروری ہوگا جو شریعت سے
ثابت ہیں جن کا ذکر آگے ہوگا ایصال ثواب کی چند صورتیں ہیں (۱) میت کے وارثوں یا اعزہ یا دوستوں میں
سے کوئی شخص نفل نماز یا نفل روزہ رکھ کر کے اس کا ثواب میت کو تملیک کرے تو وہ ثواب پہنچ جاتا ہے۔
یا قرآن مجید پڑھے اور اس کا ثواب تملیک کرے (۲) کوئی رفاہ عام کا کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے، پھر
اس کا ثواب میت کے لئے کر دے، مدرسہ دینی جاری کرے یا مسجد تعمیر کرے یا کنواں کھدوائے یا ازیں قسم کوئی
نیک کام کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچاتے تو پہنچ جاتا ہے۔ (۳) کسی مسکین محتاج فقیر پر خیرات از قسم نقدی
یا پارچہ یا غلہ یا کھانا وغیرہ کھلائے تو اس کا ثواب تملیک کرنے سے پہنچ سکتا ہے۔ ان خیراتوں اور اعمال
صالحہ کے ثواب پہنچانے میں کوئی شرط تیسرے یا چوتھے یا دسویں دن کی نہیں ہے جب بھی کرے تو وہ
ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے۔

ضروری مسئلہ میت کے لئے ایصال ثواب سے زیادہ ضروری چیز جس کی طرف لوگوں کی
توجہ نہیں ہوتی۔ ادائے حقوق و دیون ہے ثواب کا پہنچنا تو بعد میں مفید ہوتا
ہے۔ اولین فریضہ اہل میت پر یہ ہوتا ہے کہ اگر میت پر کسی کا حق آتا ہو تو اس فرض اور حق کو ادا کرنے کی
کوشش کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا نماز جنازہ بھی نہیں پڑھاتے تھے، جس پر قرض ہوتا
اور اس کا مال اس کی ادائیگی کو مکتفی نہ ہو سکتا بہر حال ایصال ثواب کی جو صورتیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے

لوگوں نے صرف اطعام (یعنی دیگ چڑھا کر) کھانا کھلانا ہی مقصود سمجھ رکھا ہے جس میں کہ نمائش اور ریا اور دکھلاوے کا قوی احتمال ہے اگر ان حضرات کو یہ کہا جاوے کہ یہ رقم جو اس طرح کھانا پکا کر کھلانے میں صرف ہوگی اور اس میں امیر و غریب تھوڑا تھوڑا کھالیں گے اور کسی کا ایک وقت کا بھی گذارہ نہیں ہوگا بجائے اس طرح خرچ کرنے کے مستحقین کو بانٹ دو۔ تاکہ ان کے مختلف ضروریات کا حل ہو جائے اور ان کا چند دن کا گذر اوقات ہو جائے تو ہرگز تیار نہیں ہوتے، حالانکہ اس صورت میں میت کو بوجہ زیادتی ثواب اور اجر کے زیادہ فائدہ ہے فلہذا خیرات کی چند ضروری شرطیں بیان کی جاتی ہیں، تاکہ خیرات میں ثواب کافی ہو۔ اور میت کو زیادہ سے زیادہ ثواب اور اجر مل سکے۔

شرائطِ خیرات جو قرآن مجید اور احادیث سے ماخوذ ہیں | (۱) خیرات جو بھی کی جائے، اس میں یتیم کا مال نہ ہونا چاہیئے، ورنہ کھانے اور کھلانے والا ہر دو گناہ گار ہونگے جب ان کو گناہ ہوا تو میت کو کیا ثواب ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ ان الذین یأکلون اموال الیتٰمیٰ ظلماً انما یأکلون فی بطونھم ناراً ۔(۲) خیرات مستحقین کو دی جائے، اگر اغنیاء کھا گئے تو میت کو ثواب نہیں ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء الآیۃ ۔ مولانا عبدالحیؒ صاحب اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں ۔ جو کھانا تصدق کے لئے پکایا جائے تاکہ اس کا ثواب میت کو پہنچے، اس کا کھانا فقراء کے سوا دوسروں کے لئے ناجائز ہے، کیونکہ تصدق فقراء کے لئے اور ہدیہ اغنیاء کے لئے ہے۔ صفحہ ۳۶۶ جلد اول (۳) ریاء اور دکھلاوا مقصود نہ ہو ورنہ ثواب کی بجائے الٹا گناہ ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ یایھا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الآخر الآیہ گناہ ہونے کی صورت میں میت کو کوئی ثواب نہیں پہنچیگا ۔(۴) اطعام ہو یا کوئی اور وجہ خیر اس کے لئے تعیین یوم کی اس طرح نہ کرے کہ ضرور تیسرے روز ہی کروں یا ہفتے کے دن یا جمعہ کے دن اور اس کے علاوہ غیر دن میں کرنے سے ثواب کی کمی محسوس کرے، تو ایسا کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس کے لئے کوئی اصل نہیں ہے ۔(۵) اطعام مساکین ایک مستقل عبادت موجب ثواب اور قرأت قرآن یا فاتحہ ایک مستقل عبادت ہے اور موجب ثواب ہے ۔ ان دونوں کو جمع کرنا یعنی کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی ممنوع ہے ۔ چنانچہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ میں ہے ۔

سوال | کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ کہنا کیسا ہے ۔

الجواب | فاتحہ اس خاص طریقہ سے نہ زمانہ نبویؐ میں تھی نہ زمانہ خلفاء اور نہ قرون ثلاثہ میں اور اب

حرمین شریفین زاد اللہ شرفہما میں خواص کی عادت نہیں ہے صـ۲۶۵ ان شرائط کو مدنظر رکھ کر فتاویٰ بزازیہ میں کہا گیا ہے۔ وان اتخذ وا طعاماً للفقراء کان حسناً ظاہر بات ہے کہ اس طرح کوئی وارث یا غیر وارث میت کے ایصہ واعزہ میں سے خیرات کرے جس میں یتیم کا حق بھی نہ ہو اور باقی شرائط بھی پوری طرح پائی جائیں، تو کسی شخص کو انکار نہ ہوگا لیکن موجودہ زمانہ میں جو رسوم رواج پاگئی ہیں ان کے متعلق احناف کے اقوال تحریر کیے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ زمانہ صحابہ وسلف صالحین میں ان کا نام ونشان بھی نہ تھا، بعد میں یہ چیزیں ایجاد ہوئیں اور علماء ہر زمانہ میں ان کے اوپر نکیر کرتے آئے ہیں۔ واللہ الموفق، علامہ شامیؒ صـ۶۰۳ میں تحریر فرماتے ہیں، وقال ایضاً ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور وھی بدعۃ مستقبحۃ، اہلِ میت سے ضیافت تیار کرانا مکروہ ہے کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر کی جاتی ہے، نہ کہ غم کے موقع پر اور یہ بدعت قبیحہ ہے۔ اس کلام کے قائل علامہ ابن الہمامؒ حنفی ہیں، علامہ شامیؒ نے فتح القدیر سے ان کی اس عبارت کو نقل فرمایا ہے، اس کے بعد علامہ شامیؒ فرماتے ہیں، روی الامام احمد وابن ماجہ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعہم الطعام من النیاحۃ الخ حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام میت کے اہل کی طرف جمع ہوتے اور اہل میت کے کھانا تیار کرنے کو نیاحۃ شمار کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے گویا کہ یہ سب حضرات صحابہؓ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ عمل نیاحۃ ہے جس کی حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے، فتاویٰ بزازیہ جس کا مستفتی نے حوالہ دیا ہے کہ اس میں مرقوم ہے، وان اتخذ وا طعاماً للفقراء کان حسناً اسی فتاویٰ بزازیہ میں ہے نقل کرنے والے حضرت علامہ شامیؒ ہیں، جن کا فتاویٰ تمام احناف کے نزدیک مسلّم ہے صـ۶۰۳ وفی البزازیۃ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقرأۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقرأۃ سورۃ الانعام او الاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قرأۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ وفیہا من کتاب الاستحسان وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً، مستفتی نے صرف آخری جملہ فتاویٰ بزازیہ سے نقل کر کے باقی تمام عبارت کو حذف کر دیا، پھر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں، واطال ذلک فی المعراج وقال ھذہ الافعال کلہا للسمعۃ والریاء فیحترز عنہا لانہم لا یریدون بہا وجہ اللہ تعالیٰ، یہ تمام رسومات مروجہ ریا وشہرت کے لئے ہوا کرتے ہیں ان سے بچنا چاہیئے۔

حدیث عاصم بن کلیب کا جواب علامہ شامی کی قلم سے

عاصم بن کلیبؓ کی حدیث جس کو مستفتی نے اپنے استفتاء میں پیش کیا ہے

ان رسوم و بدعات کے لئے دلیل جواز ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی کیونکہ اوّل تو یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے جس کے متعلق سائل کو خود اقرار ہے اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ مشکوٰۃ شریف میں جو احادیث جمع ہیں وہ صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد شریف اور دیگر کتب احادیث سے اخذ کی ہیں اور انکو اپنی کتاب میں جمع کیا ہے حدیث مذکور کا بھی صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد شریف کا حوالہ دیا ہے لہذا ابوداؤد کی طرف مراجعت کرنی ضروری ہے ابوداؤد شریف ص۱۱۱ ج۲ میں روایت موجود ہے جس میں یہ الفاظ ہیں، فلما رجع استقبله داعی امرأۃ جب حضور صلعم جنازہ کے دفن سے آئے تو ایک عورت کا داعی آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس میت کی بیوہ عورت کا قاصد آیا پس اصل روایت کے دیکھنے سے ثابت ہوا اس حدیث کے نقل میں تصحیف ہوگئی ہے اور ایسا عموماً ہوا کرتا ہے جو کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے اصول حدیث میں تصحیف راوی کے متعلق مستقل بحث آتی ہے وعلی تقدیر التسلیم اگر مان لیا جائے کہ اس میت کی عورت کا داعی حاضر ہوا تو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں اقول فیه نظر فانه واقعة حال لا عموم لها یہ ایک جزئی واقعہ ہے جس سے قاعدہ کلیہ ثابت نہیں ہوسکتا اگر اہل میت کا طعام تیار کرنا امر مسنون ہوتا تو حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ بڑی دھوم دھام سے اس کام کو کرتے اور احادیث میں اس کا مستقل ذکر آتا پھر عورت ہی کا داعی اگر حضور صلعم کے پاس بالفرض آیا تو اس کا آج کل تمام رسوم کیساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہے اس کے بعد علامہ شامیؒ فرماتے ہیں، ولا سیما اذا کان فی الورثة صغار او غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلك غالباً من المنکرات الکثیرة کایقاد الشموع والقنادیل التی لا توجد الا فی الافراح وکذلك الطبول والغناء بالاصوات الحسان واجتماع النساء والمردان واخذ الاجرة علی الذکر وقرأة القرآن وغیر ذلك مما هو مشاهد فی هذا لزمان وما کان کذلك فلا شك فی حرمته لبطلان الوصیة به ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ حنفی مقلد کے لئے فقہاءؒ کی ان عبارات کے بعد ذرہ بھر گنجائش نہیں کہ وہ عقل سے احادیث کے معانی ایجاد کرے حضرات فقہاءؒ معانی احادیث سے زیادہ واقف ہیں، ناسخ و منسوخ اور دیگر امور حدیث کے زیادہ عارف ہیں،

حدیث اصنعوا لآل جعفر طعاماً جس طرح حدیث سابق میں حضرات فقہاءؒ نے تشریح کر کے اس کو واقعہ جزئیہ بنایا نہ کہ قاعدہ کلیہ اسی طرح اس حدیث کے ماتحت ابن ہمام شارح ہدایہ فرماتے ہیں، ویستحب لجیران اهل المیت والاقرباء والاباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم لیلهم ونهارهم لقوله علیه السلام اصنعوا لآل جعفر طعاماً۔ کہ طعام تیار کرنا اہل میت کے ہمسایوں اور بعید والے اقرباء کے لئے مستحب ہے اور یہ طعام صرف اہل میت کے لئے ہے نہ کہ تمام برادری اور مہمانوں کے لئے جو تعزیت کے لئے حاضر ہوئے ہیں، علامہ ابن الہمامؒ کی تشریح سے چند باتیں منقح ہوتی ہیں (۱) طعام اتنا ہو کہ جو اہل میت کو ایک صبح اور شام کے لئے کفایت

کریں (۲) طعام دینے والے ہمسائے اور بعید والے رشتہ دار ہوں (۳) طعام صرف اہل میّت کو دیا جائے نہ تمام برادری اور ان کے مہمانوں کے لئے جیساکہ لفظ ھم دلالت کرتا ہے ورنہ پھر ضیافت بن جائیگی اور حد کراہت میں داخل ہو جائیگی اس سے معلوم ہوا کہ یہ رسم قدیمانہ ہے۔ اگر عورت فوت ہو جائے تو اہل میت کے گھر تقریباً ایک من آٹا اور ۷ سیر دال نخود عورت کے ماں باپ دیں جو کہ عبارت استفتاء میں مذکور ہے بالکل غلط رواج پا گئی ہے اس سے بچنا ضروری ہے، فتاوی عزیزیہ کی عبارت جو سائل نے نقل کی ہے برتقدیر صحت اس کو مفید نہیں کیونکہ اس میں حضرت شاہ صاحب خود راقم ہیں کہ در زمان پیغمبر صلعم و خلفاء راشدین نہ بود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست، اس کلام کا مطلب یہ لیا جائیگا کہ نفس ایصال ثواب بغیر رسوم و بدعات کے منع نہیں ورنہ حضرت شاہ صاحب کا کلام تمام فقہاء کے خلاف ہو جائے گا جو ان کی شان علمی کے خلاف ہے اسی طرح حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد ختم کلام اللہ شریف کا ہونا ان منکرات سے خالی ہوتے ہوئے کوئی برا نہیں اس لئے ان عبارات سے مروجہ رسوم و بدعات کا ثابت کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا

واللہ اعلم بالصواب عبداللہ عفرلہ، خیر المدارس ملتان

(ما حقق الفاضل المجیب فهو حق والحق احق ان یتبع)

بطور تتمہ مزید براں تحریر ہے کہ میّت کے لئے ایصال ثواب اور اہل میت کے لئے ہمسایوں یا اقرباء کا ایک دو وقت کھانا پکا کر اصرار سے کھلانا امر مستحسن اور موجب ثواب ہے البتہ دوسری برادری اور محلہ داران کو اس میں شریک ہونا اور مکرر سہ کرر تعزیت کرنا مکروہ ہے اسی طرح انکو رسمی درجہ دیکر التزام مالم یلزم کا مرتکب ہونا بھی شرعاً ممنوع ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں، در وصیت نامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسطور است دیگر از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتمہائے سوم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالہانہ وایں ہمہ را در عرف اوّل وجود نہ بود، مصلحت آنست کہ غیر تعزیۃ وارثان میت تا سہ روز و اطعام ایشاں یک شبانہ روزے نباشد اھ۔ (رسالہ اثنا عشریہ صـ۲۴۶ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی، مائتہ مسائل صـ۴۸ میں تحریر فرماتے ہیں، ونیز در نوادر الفتاوی درباب کراہت واستحسان مذکور است اجابت کردن طعام کہ بعد از مردہ ساختہ باشد مکروہ است سہ روزہ و ہفتہ و ماہیانہ و سالانہ وغیر آں ایں طعام مر فضلاء و علماء و اکابر را مکروہ است اھ

رہی عاصم بن کلیب والی حدیث جو مشکوٰۃ صـ۵۴۴ میں مذکور ہے اس کا اصل ماخذ ابو داؤد ہے یہ حدیث (ابو داؤد مصری صـ۲۴۴ ج ۲) اور مجتبائی صـ۱۱۷ ج ۲ میں موجود ہے سب میں داعی امرأۃ اھ ہے کسی میں بھی امرأتہ مضاف بسوئے ضمیر نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک عورت کا داعی پہنچا اس وقت اس حدیث سے استدلال ہی نہیں ہو سکتا بصورت تنزل اگر صاحب مشکوٰۃ کو کوئی ماخذ ملا ہو تو ایک جواب وہ ہے جو علامہ شامیؒ

سے فاضل مجیب نے جواب میں نقل فرمایا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ قبل نہی کا ہو، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ نفس بیان جواز کے لئے ہو جو کراہت کے منافی نہیں، چنانچہ بذل المجہود شرح ابوداؤد ص ۲۳۹ ج ۴ میں ہے۔
استقبله داعی امرأة ھٰکذا فی جمیع نسخ ابوداؤد الموجودة عندی من المکتوبة والمطبوعة (الیٰ قوله) فیمکن ان یجاب عنها لو کانت ما فی نسخ المصابیح صحیحاً ان ھٰذہ القصة وقعت قبل النھی عنها ویمکن ان یحمل علی بیان الجواز فانها من اھل المیت لیست بحرمة بل مکروھة اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم العبد
خیر محمد مہتمم، مدرسہ عربی خیر المدارس، ملتان

جانور اللہ کے نام پر چھوڑنا شریعت میں ثابت نہیں اور مالک کی اجازت کے بغیر اسے کھانا جائز نہیں۔

زید طبابت کا کام کرتا ہے اس کے پاس ایک مریض لایا گیا زید نے مریض کے ورثاء سے کہا کہ ایک بکرا یہاں لا کر رات کو شہر کے باہر فی سبیل اللہ کر کے چھوڑ دو انہوں نے ایسا ہی کیا وہ بکرا رات کو چھوڑ دیا۔ بکر نے اس بکرے کو پکڑ لیا اور گھر باندھ لیا صبح مسئلہ پوچھتا ہے کہ اس کے ساتھ اب کیا کیا جائے؟ یہ فعل کرنے والا کرانے والا اور پکڑنے والا تینوں مسلمان ہیں شرعاً ہر ایک کا حکم بیان فرماویں نیز اب بکرے کا کیا کیا جائے۔

الجواب جانور بتوں کے نام پر چھوڑنا تو حرام ہے، مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ، الآیۃ اور اللہ کے نام پر چھوڑنا بھی ثابت نہیں۔ کیونکہ اللہ کے نام پر خیرات کرنا ذبح کرنا وقف کرنا وغیرہ تو شریعت میں ثابت ہیں اور مستحسن ہیں اور اللہ کے نام پر زندہ جانور چھوڑ دینا نہ آنحضرت علیہ السلام سے اور نہ صحابۂ کرام سے ثابت ہے اور جو کام شریعت میں ثابت نہ ہو اسے دین میں داخل کرنا بدعت ہے لہٰذا یہ جانور چھوڑنا بدعت ہے حکم کرنے والا اور عمل میں لانے والا گناہ گار ہیں ہاں گناہ سے بچنے کی یہ صورت ہے کہ چھوڑنے والا مالک اپنی سابق نیت سے توبہ کر کے جانور کو بدستور اپنے ملک میں لے آئے۔

(۲) اس کو پکڑنے والا اس کا مالک نہیں ہو سکتا اور نہ اسے ذبح کر کے بیچ سکتا ہے اور نہ کھا سکتا ہے فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ میں مرقوم ہے، المختار فی الصید انه لا یملکه اذا لم یجعله وکذا فی الدابة اذا سیبها کما بسطه الشر نبلالی، در مختار میں ہے ان کان مرسلاً فهو مال الغیر فلا یجوز تناوله الا باذن صاحبه اھ لہٰذا صورت مسئولہ میں بکر کو چاہیئے کہ یہ بکرا مالک کو واپس کر دے مالک کو چاہیئے کہ بکرا اپنے ملک میں رکھے یا بیچ کر پیسے اپنے صرف میں لے آئے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ
۷۰/۵/۴ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہٗ
۷۰/۵/۵ھ

رسوم مروجہ بعد الموت کے بارے میں اعیانِ اُمّت کی تصریحات

ایک شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کے رشتہ دار ولواحقین کا ارادہ ہے کہ اس کے ایصالِ ثواب کے لئے خیرات وقرآن خوانی کرائیں تو لوگ انہیں مجبور کرتے ہیں کہ قل (سوئم) دسواں، تیسواں، چالیسواں و جمعرات کرو تو آیا یہ رسومات شریعت میں جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہیں تو کتبِ شرعیہ سے دلائل دے کر مطلئن فرمادیں، اور اگر یہ رسومات شریعت کے مطابق نہیں ہیں تو کیوں؟ اس کے علاوہ کوئی ایسی صورت تحریر فرمائیں کہ خلافِ شرع رسومات سے اجتناب بھی ہو جائے اور ایصالِ ثواب بھی ہو جائے مع الدلائل تحریر

۲۔ دیگر میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اُجرت کے طور پر کھانا کھلانا یا پیسے دینا جائز ہے یا نہیں ——— ؟ صحیح جواب سے مطلع فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

الجواب : بلاشبہ مذکورہ رسومات شرعاً جائز ہیں جن کا مقصد محض ایصالِ ثواب ہے۔ بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دُوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور سلف صالحین سے یہ بات ثابت ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے :

"وتصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز"

اسی طرح اشعۃ ہی میں ہے : ——— "ولبعض روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کنند از وے یا نہ"

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں :

"اگر مالیدہ دشیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشاں پختہ بخوراند جائز است مضائقہ نیست" ——— شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تیجہ ہوا، چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے :

"روز سوم کثرتِ ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیرون از حساب یک ہشتاد ویکم کلام اللہ بشمار آمدہ وزیادہ ہم شدہ باشند وکلمہ را حصر نیست۔"

اور بھی بے شمار دلائل کتبِ مطولہ میں موجود ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مہر : دارالافتاء ۱۳۹۴ھ — خادم دارالافتاء

مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم، ملتان — مدرسہ انوار العلوم ملتان ۱۸ ۱۲/۶۹

دارالافتاء خیر المدارس سے یہ جواب دیا گیا ہے

الجواب ومنه الصدق والصواب: سوال میں جن رسوم کا ذکر ہے یہ بلاشبہ ناجائز ہیں۔ تمام فقہاء اُمت نے ان کے ممنوع و مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ یہ بدعات شکم پرست لوگوں کی ایجاد ہیں۔ شریعت غرّا میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ مفتی صاحب کا یہ فرمان " اور بھی بے شمار دلائل کتب مطولہ میں موجود ہیں" بالکل خلاف واقع ہے۔ دورِ خیر القرون میں تصانیف معتمد علیہا سے ان کی ممانعت تو ملے گی ثبوت ہرگز نہیں مل سکتا ——— ومن ادعی فعلیه الدلیل۔

اسی سے اندازہ کیجئے کہ مفتی صاحب نے سوئم چہلم وغیرہ کے ثبوت میں ایک دلیل بھی ذکر نہیں کی، جبکہ سوال بالخصوص انہی کے بارے میں تھا۔ جواب میں جو عبارتیں ذکر کی ہیں ان سے مطلق ایصال ثواب کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اس کا کوئی منکر نہیں سوال تو یہ تھا کہ یہ مروجہ سوئم وچہلم وغیرہ جائز ہیں یا نہیں؟ ناظرین انصاف کریں کہ مفتی صاحب نے کوئی ایک حوالہ بھی ان کے جواز کا نقل کیا ہے۔؟ ایسے ہی بے شمار دلائل کتب مطولہ میں ہوں گے۔ ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ایک عزیز متعلم افتاء نے ان بدعات کی تردید میں بہت سے حوالے جمع کئے ہیں جو کہ ساتھ منسلک ہیں۔ یہ بہت ہی قیمتی مواد ہے بالخصوص ان حضرات کی تصریحات دیکھنے کے قابل ہیں جن کا نام لے کر مفتی صاحب نے جواز ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ ایک حوالہ انہی میں سے نقل کیا جاتا ہے شاید مفتی صاحب کی نظر سے بھی گذرا ہو۔

"شریعت میں ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہو، خواہ تیسرے دن، جب چاہیں کریں انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت و بدعت ہے۔"

(فتاویٰ احمد رضاخان ص ۳۱ ج ۴)

۲۔ عزیز محترم نے تمام سوالات کا مفصل جواب لکھ دیا ہے میں اس کے ساتھ متفق ہوں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

رسومات مسئولہ مذکورہ کا کتب شرعیہ میں بدعت ہونے کے علاوہ اور کچھ ثبوت نہیں۔ حضرت خواجہ معصوم رح لکھتے ہیں:

حاصل سوال ششم آنکہ طعام بر روحانیت میت روز سوم یا دہم وگل دادن روز سوم الاجبا است؟

مخد دیا طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم دریا و ثواب آنرا بمیت گزرانیدن بسیار خوب است و عبادت بزرگ اما تعیین وقت را اصل معتمد ظاہر نمی شود و روز سوم گل دادن در مردان بدعت است آرے در زنان خوشبوئے آور دن روزِ سوم آمدہ است برائے رفع سوگ کہ خوشبوئے بیارند تا زنان دیگر غیر از منکوحہ میت از سوگ بر آیند"۔
(مکتوباتِ معصومیہ طبع ترکی ص۴۵)

شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی لکھتے ہیں :

" و عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند بر سر گور و نہ غیر آن و این مجموع بدعت است نعم برائے تعزیت اہل میت و جمع و تسلیہ و صبر فرمودن ایشان را سنت و مستحب است اما این اجتماع مخصوص روزِ سوم و ارتکابِ تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام انتہیٰ ۔
(مدارج النبوۃ ص۴۲۱ ج۱ نولکشور)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح لکھتے ہیں :

"دیگر از بدعاتِ شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتمہا و سوئم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ و این ہمہ را در عرب اوّل وجود نبود مصلحت آن است کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز و اطعام شان یک شب و روز رسمے نباشد" (تفہیمات الٰہیہ ص۲۴۷ ج۲)
(وصیت نامہ حضرت شاہ ولی اللہ رح صاحب ص۱۳)

مولانا لکھنوی رح لکھتے ہیں :

"شیخ عبدالحق محدث دہلوی در جامع البرکات مے نویسد آنکہ بعد سالے یا ششماہی یا چہل روز کہ دریں دیار پزند درمیان برادران بخشش کنند و آں را بھاجی میگویند چیزے داخلِ اعتبار نیست بہتر آنست کہ نہ خورند انتہیٰ (مجموعہ فتاویٰ ص۷۶ ج۳) آگے فرماتے ہیں

" مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و او را ضروری انگاشتن در شریعتِ محمدیہ ثابت نیست صاحب نصاب الاحتساب (مولانا ضیاء الدین عمر بن محمد عوض سنامی الحنفی معاصر حضرت شیخ نظام الدین اولیا رح المتوفی ۷۲۵ھ)

"آں را مکروہ نوشتہ و راہ تخصیص بگذارند و ہر روزیکہ خواہند ثواب بروح میت رسانند"
(مجموعہ فتاویٰ ص۷۷ ج۳)

ولا يباح اتخاذ الطعام ثلاثة ايام كذا فی التتارخانية

(عالمگیری ص۱۶۷ ج۱ ، تاتارخانیہ ص۴۸۱ ج۱)

امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری الحنفی رح لکھتے ہیں :

ویکرہ اتخاذ الضیافة ثلاثة ایام واکلها لانها مشروعة للسرور ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث ولبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقرأة سورة الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لاجل الاکل یکرہ (فتاوی بزازیہ ص۸۱ ج۴ ، شامی ص۸۴۱ ج۱)

مُلا علی قاری رح فرماتے ہیں :

قرر اصحاب مذهبنا من انه یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث ولبعد الاسبوع (مرقاة ص۴۸۲ ج۵)

اگر اب بھی رضوی صاحب یا ان کے کوئی اور ہم مسلک ان رسومات کو شرعاً جائز کہیں تو باعثِ افسوس ہے اور حقیقت سے آنکھیں چُرانا ہے ورنہ ان کے بزرگوں کے اقوال اور کتبِ فقہ اور حدیثِ نبویہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ تمام رسومات بدعات ہیں حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ دیگر مسائل تو انہی کتبِ فقہ سے ثابت کئے جاتے ہیں اور مذکورہ رسومات کو شرعاً ثابت کرنے کے لئے ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ۔ کیونکہ انہی کُتب مثلاً عالمگیری و شامی وغیرہ سے مذکورہ بدعات کی بیخ کنی ہوتی تھی ۔ مزا تو جب ہے کہ آئندہ بھی ان تمام کتب فقہ کے حوالے استعمال کرنے سے گریز کیا جائے ورنہ اب نظر انداز کرنا چہ معنی دارد ؟ رضوی صاحب رسومات کو بلاشبہ جائز قرار دیتے ہوئے تو گاؤ زبان اور ثبوت پیش کرتے ہوئے رلیشہ خطمی ہوگئے ۔

اور پھر کسی کو مجبور کر کے تیسواں ، چالیسواں یا جمعرات کرانے کے بارے میں بھی یہ لکھنا کہ " شرعاً جائز ہیں " ـــــ شرعاً جائز نہیں ، کیونکہ ایصال نیت سے ہوگا اور نیت پر کسی کا قید نہیں پھر بغیر رضا کے کیسے انجام کو پہنچے ؟ دُوسرا پہلو نابالغ بچوں کا ہے ۔

مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں :

" اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہو تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصے سے فاتحہ نہ کیجاوے یعنی اولاً مالِ میت تقسیم ہوجائے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ

سے یہ اُمورِ خیر کرے ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا ناجائز ہے یہ ضرور خیال رہے ۔" (جاء الحق ص۲۵۶)

اور مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں :

"اگر سب نابالغ ہیں تو ترکہ میت سب ان کی ملک ہوگیا، اس کا صَرف کر دینا میت کے ایصالِ ثواب میں جائز نہیں، نہ کپڑا، نہ کھانا، نہ روپیہ نہ پیسہ ـــ فقط تجہیز و تکفین میں جو اُٹھے وہی دُرست ہے اور بس اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مُشترک ہے اس کا صَرف کرنا بھی ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں الخ

(انوار ساطعہ ص۱۲۵)

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں :

"غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے تب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے ۔" الخ

(احکام شریعت ص۱۹۲ ج۲)

اور ملاعلی قاریؒ کا بیان جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ۔

قال الغزالیؒ ویکرہ الاکل منہ قلت ھذا اذا لم یکن من مال الیتیم او الغائب والا فھو حرام بلا خلاف (مرقاۃ ص۱۵۱ ج۱۰)

قاضی خان میں ہے :

وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً اذا کانوا بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذ وا ذلک من الترکۃ (قاضی خان ص۸۱ ج۴)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

حدیث جریرؓ یدل علی الکراھۃ و لاسیما اذا کان فی الورثۃ صغار او غائب (شامی ص۸۴۱ ج۱)

جبکہ رضوی صاحب نے مطلقاً سب کو شرعاً جائز بنا دیا حالانکہ علماء و فقہاء نے اسے ناجائز اور حرام لکھا ہے یہی نہیں بلکہ علم سے حرام لینے کے بعد دعاء کرنے اور آمین کہنے سے دونوں کے کُفر کا فتویٰ ملاعلی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں دیا ہے ۔

ولو علم الفقیر انہ من الحرام و دعا لہ و امن المعطی کفرا (شرح فقہ اکبر ص۲۳۲)

امام نووی رحمہ شرح منہاج میں لکھتے ہیں :

"الاجتماع علی مقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ"

(بحوالہ انوارِ ساطعہ صفحہ ۱۰۵)

شیخ الاسلام کشف الغطاء میں لکھتے ہیں :

"آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل میت (مصیبت) طعام را در سوم وقسمت نمودن آں میان اہل تعزیت و اقران غیر مباح ونامشروع است وتصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شریعت دعوت نزد سرور است نہ نزد شرور"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ لکھتے ہیں :

"بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماہی وبرسینی ہیچ نکنند"

(وصیت نامہ مالا بدمنہ صفحہ ۱۱۱)

ملا علی قاری رحمہ نے اپنی آخری تصنیف میں لکھا ہے کہ میت کے ہاں سے کھانا تناول کرنا مکروہ اور بدعت مستقبحہ ہے۔ (شرح نقایہ صفحہ ۱۴۰ ج ۱)

ملا علی قاری رحمہ اور علامہ طیبی رحمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث لا یجعل احدکم للشیطان الخ کی شرح میں لکھتے ہیں :

"فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر ھذا محل تذکر الذین یصرون علی الاجتماع فی الیوم الثالث للمیت ویرونہ ارجح من الحضور للجماعۃ۔

بریلویوں کے بڑے حضرت احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں ، اگر فاضل حلبی رحمہ اور ملا علی قاری رحمہ ہمارے دیار کا رسم ورواج دیکھتے تو غمی کی ان دعوتوں پر حرمتِ قطعی کا حکم لگاتے اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اسکی اجازت دینے میں شیطان مردود کے لئے ایک دروازہ کھول دینا ہے اور مسلمانوں ، اور بالخصوص نادار مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دینا ہے —— خدا سے دعا ہے کہ ہم کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ اجمعین۔ (احکامِ شریعت صفحہ ۱۹۷ ج ۲)

رضوی صاحب کا یہ فرمانا کہ "سلف صالحین سے اس کا ثبوت ہے۔" ان کے ہم مسلک اسلاف کے حوالوں سے غلط ثابت ہوگیا۔ مندرجہ بالا حوالوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ مسئولہ رسومات بدعات ہیں۔ ان کا شریعت مطہرہ میں کوئی وجود نہیں نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ بعد میں دورِ صحابہ تابعین یا تبع تابعین میں۔ اللہ جل جلالہ نے فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پ۲۱، احزاب، رکوع ۲)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔

(پ۳، آلِ عمران، رکوع ۴)

ان آیات کریمہ سے صاف طور سے پتہ چلتا ہے کہ صرف حضور کی پیروی اور نمونہ ہی راہِ نجات ہے اور بدعات کے بارے میں خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل بدعۃ ضلالۃ (مسلم ص۲۸۵ ج۱، مشکوٰۃ ص۲۷ ج۱)

وکل ضلالۃ فی النار (نسائی ص۱۷۹ ج۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعۃ (ابنِ ماجہ ص۶)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوماً ولا صلاۃً ولا صدقۃً ولا حجاً ولا عمرۃً ولا جہاداً ولا صرفاً ولا عدلاً یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین (ابنِ ماجہ ص۶)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حجب التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ (رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجال الصحیح غیر ہارون بن موسیٰ الفروی وہو ثقۃ) (مجمع الزوائد ص۱۸۹ ج۱۰)

اس لئے فقہاء کرام نے بدعات کو مٹانے کے لئے پوری کوششیں کیں ہیں۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

بل صح عن جریرؓ کنا نعدہ من النیاحۃ وھو ظاھر فی التحریم قال الغزالیؒ ویکرہ الاکل منہ قلت ھذا اذا لم یکن من مال الیتیم او الغائب والا فھو حرام بلا خلاف (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۵ ج۱)

اسی قسم کا مضمون مسندِ احمد، ابن ماجہ ص۱۱۷، منتقی الاخبار ص۱۲۳ پر بھی موجود ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج المالکیؒ المتوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

اما اصلاح اھل المیت طعاماً وجمع الناس فلم ینقل فیہ شیئ

وھو بدعة وغیر مستحب (مدخل ص۲۷۵ ج۳) مما احدثه بعضهم من فعل الثالث للمیت وعملهم الاطعمة حتی صار عندهم کانهم امر معمول (ایضاً)

امام ابن حجر مکی شافعیؒ فرماتے ہیں :

عما یعمل یوم الثالث من موته من تهیئة اکل واطعامه للفقراء وغیرهم وعما یعمل یوم السابع الخ...... جمیع ما یفعل مما ذکر فی السوال من البدع المذمومة (فتاوی کبریٰ ص۷ ج۲)

علامہ محمد بن محمد منبجی حنبلیؒ المتوفی ۷۸۵ھ تسلیۃ المصائب ص۹۹ میں اور امام شمس الدین بن قدامہ حنبلیؒ المتوفی ۶۸۲ھ شرح مقنع للکبیر ص۴۲۶ ج۲ میں امام موفق الدین بن قدامہ حنبلیؒ المتوفی ۶۲۰ھ مغنی میں لکھتے ہیں :

فاما صنع اهل المیت طعاما للناس فمکروه لان فیه زیادة علی مصیبتهم وشغلا لهم الی شغلهم وتشبها بصنع اهل الجاهلیة (مغنی ص۴۱۳ ج۲)

اور علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں :

مذهبنا ومذهب غیرنا کالشافعیة والحنابلة الخ (شامی ص۸۴۱ ج۱)

فقہائے احناف میں علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ لکھتے ہیں :

ولا یباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثة ایام لان الضیافة یتخذ عند السرور (خلاصة الفتاوی ص۸۱ ج۴) ویکره اتخاذ الضیافة فی ایام المصیبة لانها ایام تاسف فلا یلیق بها ما کان للسرور (فتاوی خانیه ص۸۱ ج۴، فتاوی سراجیه ص۷۵)

علامہ قہستانیؒ لکھتے ہیں :

ویکره اتخاذ الضیافة فی هذه الایام وکذا اکلها (جامع الرموز ص۴۴۳ ج۴)

حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں :

فیکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة (فتح القدیر ص۴۷۳ ج۱)

ملاحظہ فرمائیے ، ان بدعات کی خباثت کہاں تک پہنچی اور پھر مروجہ رسوم میں جو کچھ پکایا یا منگوایا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ دوست احباب کی نذر ہو جاتا ہے ۔

مولوی محمد صالح صاحب ــــــ مذکورہ جمعرات کے ختم کے بارے میں لکھتے ہیں :

" یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی اسلامی ملک میں رائج نہیں ۔" انتہی (تحفۃ الاحباب ص۱۲)

رضوی صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ جو رسم ما سوائے ہندوستان کے اور کہیں رائج نہیں اس کے وجود کو بغیر کسی فقہی حوالہ کے شریعت میں بلاشبہ جائز قرار دینا تحریف دین ہے یا نہیں لیجئے اور ملاحظہ فرمائیں :

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں :

" وقت فاتحہ کھانے کا قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بیکار بات ہے الخ" (الحجۃ الفاتحہ ص۱۶)

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی تعیین عرفی ہیں جب چاہیں کریں ۔ انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے و بدعت (مجموعہ فتاوی مؤلفہ احمد رضا صاحب ص۳۱ ج۴)

غور فرمائیے خان صاحب کس چیز کو بیکار جہالت اور بدعت فرما رہے ہیں :

سچ پوچھیئے تو یہ سب رسومات شکم پرست جہال کی ایجاد ہیں شریعت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ۔

علامہ بیرونی متوفی ۴۴۰ھ نے کیا خوب تحقیق سے ان کو بے نقاب کیا ہے ـــــ کہ اہل ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارہویں اور پندرھویں روز کھانا کھلانا اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت ہے اسی طرح اختتام سال پر بھی کھانا کھلانا ضروری ہے نو دن تک اپنے گھر کے سامنے طعام پختہ و کوزہ آب رکھیں ورنہ میت کی روح ناراض ہوگی اور بھوک و پیاس کی حالت میں گھر کے ارد گرد پھرتی رہے گی پھر عین دسویں دن میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کر کے دیا جائے اور آب خنک دیا جائے اور اسی طرح گیارہویں تاریخ کو بھی .... نیز ماہ پوس میں وہ حلوا پکا کر دیتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ برہمن کے کھانے پینے کے برتن بالکل علیحدہ ہوں (کتاب الہند ص۲۷۶، ۲۸۲ محصلہ)

اس پر مزید روشنی نو مسلم عالم حضرت مولانا عبید اللہ مالیر کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے ڈالی ہے برہمن کے مرنے کے بعد گیارہواں دن اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرہواں دن اور دیش یعنی بنیئے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں دن یا سولہواں دن اور شودر یعنی باڈلی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے از انجملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے یعنی مرنے کے بعد چھ مہینے ازاں جملہ برسی کا دن ہے اور اس دن گائے کو بھی کھانا کھلاتے ہیں ازاں جملہ ایک دن سدھ کا ہے مردے کے مرجانے سے چار برس پیچھے ۔ ازاں جملہ اسوج کے مہینے کے نصف اول میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں ۔ لیکن جس تاریخ میں کوئی موا تاریخ میں ثواب پہنچانا ضرور جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے

وہ اُن کی زبان میں اکھشٹر من کہلاتا ہے اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں۔ (تحفۃ الہند صٓ۹۱)

رضوی صاحب غور فرمائیں کہ یہ سنولہ رسومات کونسی شریعت سے ماخوذ ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنایا نہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نہ دور تابعین میں ان کا وجود تھا نہ تبع تابعین میں، حتیٰ کہ کسی صحیح حدیث یا کتب آثار میں بھی صحیح سند سے موجود نہیں جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی نہ کرنے کا حکم فرمایا، وہ جائز نہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے اسی چیز کی تردید میں فرمایا:

"وہر چیز کہ براں ترغیب صاحب شرع وتعیین نباشد آں فعل عبث است ومخالف سُنّت خیرالانام ومخالف سُنّت حرام پس ہرگز روا نباشد (فتاویٰ عزیزی صٓ۹۸ ج۱)

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس چیز کو جائز سمجھا جائے جس کا ثبوت شریعتِ مطہرہ میں نہیں۔ سوال کے اس حصہ کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ یہ رسومات کیوں شریعت کے مطابق نہیں، کیونکہ شریعت میں ثبوت نہ ہونے کے علاوہ بریلوی علماء نے خود انہیں بکار جہالت وبدعت اور ہندوستان کے سوا کہیں اور رائج نہ ہونے کا اقرار کیا ہے اور اگر کہیں جواز کا اقرار کیا بھی ہو تو وہ ایسا ہے کہ غریب تو غریب بڑے بڑے رئیسوں کو مصیبت پڑ جائے۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

مسئلہ: میت کے سوم کا کس قدر وزن ہونا چاہیئے اگر چھوہاروں پر فاتحہ دلا دی جائے تو ان کا کس قدر وزن ہو؟

جواب: کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں اتنے ہوں جس میں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (عرفان شریعت صٓ۳ ج۱)

اگر یقین نہ ہو تو حساب کر لیجئے ایک چھوارے کا کم از کم وزن ایک تولہ بھی رکھیں تو ستر ہزار کا وزن اکیس من پینتیس سیر ہوگا اور قیمت کا اندازہ نرخ کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ خود لگا لیجئے۔ خان صاحب نے لکھا ہے کہ وزن شرعاً مقرر نہیں، بھلا کیسے مقرر ہوتا، شریعت میں وزن تو وزن اس رسم کا ہی وجود نہیں، اب بھی کسی کو شک ہو کہ یہ رسومات مطابق شریعت نہیں تو خان صاحب کے جواب پر عمل کر دیکھئے شک جلد دُور ہو جائے گا۔

پہلے سوال کے تیسرے جزو کے مطابق جمہور اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ میت کے لئے ایصالِ ثواب درست اور جائز ہے خواہ بدنی ہو یا مالی البتہ عباداتِ بدنیہ میں عدم وصول ثواب کے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ قائل ہیں۔ ثواب الی المیت کے دلائل بکثرت ہیں۔

جاء فی القرآن آیات کثیرۃ متضمنۃ للدعوات للاموات کقولہ سبحانہ (رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا) وقولہ تعالیٰ (رب اغفرلی ولوالدی ولمن

دخل بیتی مؤمنا وللمؤمنین والمؤمنات) وقوله تعالیٰ (ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان) و عن سعد بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال علیه الصلوٰة والسلام الماء فحفر بئرًا وقال ھذا لام سعد اخرجهٗ ابو داؤد والنسائی رحمهما اللہ واما ما ذکر فی شرح العقائد من حدیث ان العالم والمتعلم اذا مرا علی قریة فان اللہ تعالیٰ یرفع العذاب عن مقبرة تلک القریة اربعین یوماً فقد صرح الجلال السیوطی انه لا اصل له ... قال القونوی رحمه اللہ والاصل فی ذلک عند اھل السنة ان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰةً او صوماً او حجاً او صدقةً او غیرها والشافعی رحمه اللہ جوز ھذا فی الصدقة والعبادة المالیة وجوزه فی الحج واذا قرئ علی القبر فللمیت اجر المستمع ومنع وصول ثواب القرآن الی الموتی و ثواب الصلاة والصوم وجمیع الطاعات والعبادات غیر المالیة وعند ابی حنیفةؒ واصحابه (رحمهم اللہ تعالیٰ) یجوز ذلک ویصل ثوابه الی المیت وتمسک المانع من ذلک بقوله تعالیٰ وان لیس للانسان الا ما سعی وبقوله علیه الصلاة والسلام اذا مات ابن آدم انقطع عمله (الحدیث) والجواب ان الآیة حجةٌ لنا لان الذی اھدی ثواب عمله لغیره سعیٰ فی ایصال الثواب الیٰ ذلک الغیر فیکون له ما سعی بھذه الآیة ولا یکون له ما سعی الا بوصول الثواب الیه فکانت الآیة حجة لنا لا علینا و اما الحدیث فیدل علی انقطاع عمله ونحن نقول به و انما الکلام فی وصول ثواب غیره الیه والموصل الثواب الی المیت ھو اللہ تعالیٰ سبحانه لان المیت لا یسمع بنفسه والقرب والبعد سواءٌ فی قدرة الحق سبحانه (شرح فقه اکبر ملا علی قاریؒ ص۱۱۶ طبع مصر)

ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام، قیود و رسوم اور دعوتیں نہ کی جائیں سیدھے طور پر صدقاتِ نافلہ یا تلاوت وغیرہ کا ثواب پہنچا دیجئے۔ یکره اتخاذ الضیافة من الطعام الخ (رد المحتار ص۸۴۲ ج۱)

قال فی الشامیة معزیا الی الفتح الخ (رد المحتار ص۶۶۴ ج۱)

مالی صدقہ میں اخفاء افضل ہے اور مساکین تک پہنچانا ضروری ہے بہتر ہے کہ نقد رقم دے دی جائے تاکہ وہ ضرورت کی دوسری اشیاء بھی خرید سکیں، اس کے علاوہ کسی ایسے کام میں صرف کیا جا سکتا ہے جہاں

صدقہ جاریہ ہے، اور میت کو ثواب پہنچتا ہے۔

۲۔ دوسرے سوال کے مطابق قرآن کی اُجرت دینا بالکل جائز نہیں، حالانکہ رضوی صاحب اسے بھی "بلاشبہ جائز" لکھ چکے ہیں، مروجہ رسوم میں اُجرت پہلے سے مقرر بھی کر لی جاتی ہے اس صورت میں میت کو ثواب پہنچنا تو درکنار خود قاری کو ہی ثواب نہیں ملتا۔ پس ایسے اُجرت کا وصول کر لینے کی صورت میں واپس کرنا ضروری ہے: قال فی رد المحتار ان القاری اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب له فای شئ یهدیه الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح (رد المحتار ص ۳۵ ج ۳)

وفی شرح التنویر فی بیان الاجارة الفاسدة (و) لا لاجل الطاعات وقال فی ردالمحتار تحت (قوله ویفتی الیوم) قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة ان القرآن بالاجرة لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری وقال العینی فی شرح الهدایة ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قرأة الاجزاء بالاجرة لا یجوز لان فیه الامر بالقرأة واعطاء الثواب للآمر والقرأة لاجل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستأجر ولولا الاجرة ما قرأ احد لاحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلة الی جمع الدنیا انا لله وانا الیه راجعون اھ (ردالمحتار ص ۳۹ ج ۵)

اور آجکل مروجہ رسوم میں کھانا کھلانا بھی در اصل قاری کو اُجرت دینا ہوتا ہے اس لئے یہ بھی جائز نہیں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ متوفی ۷۸۵ھ کے ملفوظات میں ہے۔

"کہ اس زمانہ میں سوئم کے روز میت کی زیارت کے واسطے شربت و برگ و میوہ لے جاتے اور کھاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ صندوق لے جاتے ہیں اور سپارہ خوانی کرتے ہیں یہ مکروہ ہے۔"

(الدر المنظوم ص ۴۹۳)

علامہ محی الدین برکلی نقشبندی الحنفی رحہ متوفی ۹۸۱ھ طریقۃ المحمدیہ کے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں:

"کہ ان بدعات میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے دن یا اس کے بعد ضیافت طعام کی وصیت کرنا اور قرآن و کلمہ وغیرہ پڑھنے والوں کو پیسے دینا یا قبر پر چالیس روز تک یا کم و بیش ایام تک آدمی بٹھانا یا قبر پر قبہ بنانے کی وصیت کرنا یہ سب اُمور منکرہ ہیں۔"

شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"آنکہ شخصے را برائے ختم نمودن قرآن بمزدوری بگیرند ثواب آں ختم بمستاجر برسد وایں صورت نزد حنفیہ جائز نیست الخ (فتاوی عزیزی ص ۳ ج ۱)

تاج الشریعۃ محمود بن احمد الحنفی المتوفی ۶۷۳ھ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں :

ان القرآن لا یستحق بالاجرۃ الثواب لا للمیت و لا للقاری ۔
(بحوالہ انوار ساطعہ ص۱۰۱)

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں :

"تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب الخ" (احکام شریعت ص۶۳ ج۱)

علامہ صدر الدین علی بن محمد الاذرعی الدمشقی الحنفی رح المتوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں :

واما استیجار قوم یقرأون القرآن ویھدونه للمیت فھذا لم یفعله احد من السلف ولا امر به احد من ائمۃ الدین ولا رخص فیه والاستیجار عن نفس التلاوۃ غیر جائز بلا خلاف (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص۳۸۶ طبع مصر)

اور علامہ عینی الحنفی رح لکھتے ہیں :

الآخذ والمعطی آثمان فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراءۃ الاجزاء بالاجرۃ لا یجوز (بنایہ شرح ہدایہ) ھذا ما عندی فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمه اتم واحکم فی کل باب ۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۲/ھ

امورِ مہمہ دینیہ کیلئے بعد از عشاء اجتماع کا جواز

کیا عہدِ رسالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام وعظ وتبلیغ یا روانگی وفود وجیوش کے لئے نمازِ عشاء کے بعد بھی کبھی اجتماع فرمایا ہے یا نہیں ؟

الجواب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت شریفہ نمازِ عشاء کے بعد آرام فرمانے کی تھی ۔ لیکن کبھی ضرورت ہوتی تو امورِ دین میں خصوصی احباب سے مشورہ وغیرہ بھی فرمالیا کرتے تھے ۔ حضرت صدیق اکبر وحضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے بعد از نماز عشاء مشورہ فرمانا ثابت ہے ۔

(ترمذی شریف : ج۱ ص۲۴)

نیز بعض اوقات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو خطاب بھی فرمایا ہے ۔

قال البخاری بسندہ عن قرۃ بن خالد قال انتظرنا الحسن وراث علینا حتی قربنا من وقت قیامه فجاء فقال دعانا جیراننا ھؤلاء ثم قال قال انس بن مالك نظرنا (ای انتظرنا کما ھو فی روایۃ)

النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ حتی کان شطر اللیل بیلغہ فجاء فصلی لنا ثم خطبنا الحدیث (بخاری: ج ۱: ص ۸۴)۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ بوقتِ ضرورت بعد از نمازِ عشاء وعظ کا جواز ثابت ہے لیکن غلو اس میں ممنوع ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر

اس دور میں ترک تقلید گمراہی ہے

ہر ایک کے لئے اگر تقلید ضروری ہے تو حضرات مفسرین و محدثین و مجتہدین مثلاً ابن کثیرؒ، رازیؒ اور امام بخاریؒ و مسلم امام اعظم ابو حنیفہؒ و شافعیؒ وغیرہ کن کے مقلد تھے۔

الجواب: جملہ مفسرین و محدثین و مشائخ عظام ائمہ اربعہؒ میں سے کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے معلوم ہوگا ہاں بعض کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کسی امام کے مقلد تھے یا خود مجتہد تھے جیسے امام بخاریؒ کہ بعض نے انہیں شافعی قرار دیا ہے اور بعض نے مجتہد لیکن یہ ان حضرات کی بات ہے جنہوں نے پوری زندگی کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل کرنے اور ان کی تعلیم و تبلیغ میں صرف کر دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مرتبہ اجتہاد بھی عطا کیا مگر عوام کے لئے سوائے تقلید ائمہ اربعہ کے چارہ نہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ واتبع سبیل من اناب الیّ الایہ ۲۔ یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم الایہ، وغیرہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عامی کے لئے کسی نہ کسی مستند مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے اور علماء ربانی، سلف صالحین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ائمہ اربعہ چنانچہ ذیل میں ہم معتبر علماء کے اقوال اس بارے میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ خاتم الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح المبین شرح الاربعین میں فرماتے ہیں:

اما فی زماننا فقال ائمتنا لا یجوز تقلید غیر الائمۃ الاربعۃ الشافعی ومالک وابی حنیفۃ واحمد بن حنبل،

ترجمہ: ہمارے ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید درست نہیں۔

۲۔ شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

انعقد الاجماع علی عدم العمل بالمذاهب المخالفة للائمة الاربعة۔

ترجمہ:- اس پر اجماع منعقد ہوچکا ہے کہ ائمہ اربعہ کے مخالف مذاہب پر عمل نہ کیا جائے۔

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی عقد الجید ص۳۳ پر فرماتے ہیں:

ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم،

ترجمہ: چونکہ بجز مذاہب اربعہ کے دیگر مذاہب حقہ معدوم ہوگئے ہیں لہٰذا انکی اتباع سوادِ اعظم کی اتباع ہے۔ والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم، اور ان سے خروج سوادِ اعظم سے خروج ہے۔

۴۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی دوسری کتاب "انصاف" کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں:

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سرٌ الهمه الله تعالى العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون او لا يشعرون - ترجمہ:- خلاصہ یہ کہ مجتہدین کے مذاہب پر پابند ہونا سرِ الٰہی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا۔

اور ان کو اس پر جمع فرمایا خواہ وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

۵۔ علامہ جلال الدین سیوطی رح شرح جمع الجوامع میں فرماتے ہیں۔

يجب على العامي وغيره ممن لم يبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين۔

ترجمہ: عامی اور جو شخص مرتبہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہوا ہو اس پر مذاہب میں سے کسی مذہب معین کی تقلید ضروری ہے

۶۔ مولانا سید اسماعیل شہید رح فرماتے ہیں:

در اعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است بہتر وخوب است (صراطِ مستقیم)

ترجمہ: اعمال میں مذاہب اربعہ کی اتباع کرنا جیسا کہ تمام اہلِ اسلام میں مروج ہے یہی درست اور صحیح ہے۔

عقلی طور پر بھی عامی شخص کیلئے اسکے سوا چارہ کار نہیں اسلئے کہ نہ تو وہ قرآن کا ترجمہ جانتا ہے اور نہ تفسیر، نہ احادیث کا حافظ ہے نہ صحابہ کے آثار اور فتاویٰ کا، نہ اسے سند یاد ہے نہ احوالِ سند و روات، نہ اسے عربی لغت اور صرف ونحو کا علم نہ ناسخ ومنسوخ کا۔ ان امور بالا سے ناواقفیت کی بناء پر وہ صرف موصوف باوصافِ مذکورہ المجتہد کی تقلید ہی کر سکتا ہے۔

جو علوم مذکورہ سے ناواقف ہے اسے قرآن وحدیث کے تراجم دیدینے اور ترکِ تقلید کا سبق سکھانے سے انکارِ حدیث اور انکار فقہ کے فتنے کو فروغ دینا ہے۔ ترکِ تقلید کے جو خطرناک نتائج نکلتے ہیں اُن کا اقرار خود ائمہ غیر مقلدین کو بھی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں تین شہادتیں ذکر کی جاتی ہیں

مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلد لکھتے ہیں :

پچیس۲۵ برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں

(اشاعۃ السنہ ص۱۵۴ ج۲۲ ، ص۲۰۴ ج۱۱)

۲ : قاضی عبدالواحد خانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں :

پس اس زمانہ کے جھوٹے اہلِ حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و روافض کے

(کتاب التوحید والسنہ ص۲۶۰ تا ص۲۲۳)

۳ ۔ فرقہ اہلِ حدیث کے مجدد نواب صدیق حسن خان بھوپالی اپنی جماعت اہل حدیث کے متعلق " الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ " ص۶۶ ، ص۶۷ میں لکھتے ہیں : ——— یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند اور ریاکار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے ..... اپنے لئے قرآن وحدیث پر علم وعمل کا مدعی ہے .... حالانکہ اس کو علم وعمل اور معرفت کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہیں ۔

مانو ، نہ مانو ، جانِ جہاں اختیار ہے ۔ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

فقط ، واللہ اعلم ۔

تم بحمد اللہ تعالیٰ الجزء الأوّل من خیر الفتاویٰ ویتلوہ الجزء الثانی إن شاء اللہ تعالیٰ وأوّلہ کتاب الطھارۃ والحمد للہ أوّلاً وآخراً ○

کتبہٗ ، قاری سیف اللہ خالد قادری غفر اللہ ذنوبہٗ وستر عیوبہٗ

خیر الفتاویٰ

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے

علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

مرتبہ

مولانا مفتی محمد انور زید مجدہم

مکتبہ امدادیہ

ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان پاکستان

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

افتاء ایک اہم اور نازک ذمہ داری ہے جس کا تعلق انسانیت کی ہدایت اور دنیوی واخروی فلاح کے ساتھ ہے۔ اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات ماننے والا مسلمان قدم قدم پر اس سے رہنمائی کا محتاج و مامور ہے۔

انسانی زندگی میں عبادات و معاملات اور اعمال و اخلاق کی ہزاروں بلکہ لاکھوں جزئیات ایسی ہیں جن کے اصول وضوابط اگرچہ کلی طور پر قرآن وحدیث میں بیان کردیئے گئے ہیں لیکن ان ضوابط کا افراد پر انطباق اور اصول سے جزئیات کا استخراج نہ ہر شخص کا کام ہے اور نہ ہر شخص اس کی صلاحیت، ہمت اور استطاعت رکھتا ہے۔ عہد رسالت سے عصر حاضر تک ہر دور میں اپنے دور کے لحاظ سے علم وعمل اور دیگر فضائل وصفات میں ممتاز ترین شخصیات اس منصب پر فائز رہیں اور امت کی رہنمائی کے فرض عظیم کو کما حقہ ادا کیا۔

مفتی ایک حیثیت سے خدا اور بندے کے درمیان ترجمانی کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اس لئے فقہاء اسلام نے اس منصب کے حامل کے لئے عام صاحب علم ومقتدا کی نسبت زیادہ کڑی شرائط عائد کی ہیں۔

مفتی نہ صرف اپنے علم وفن میں حاذقانہ بصیرت و صلاحیت کا مالک ہو بلکہ دیانت و عفت، حلم و وقار، تدین و تقویٰ، عقل وفہم، دوراندیشی و بیدارمغزی، بلندنظری و بلندکرداری کے ساتھ عصری تقاضوں کو جاننے اور جانچنے میں بھی معاصرین سے ممتاز و فائق ہو۔ غرضیکہ اسے اپنے زمانہ کے اہل علم میں وہی مقام و مرتبہ حاصل ہو جو ایک مجتہد کو اپنے مقلدین و تلامذہ میں حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الہمام رح نے "فتح القدیر" میں "مفتی"

کے لیئے " مجتہد " ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

وقد استقر رأی الاصولیین علی أن المفتی هو المجتهد فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتهدین فلیس بمفت اه

(رد المحتار : ج ۱ : ص ۶۴)۔

اصولیین کی یہ پختہ رائے ہے کہ مفتی وہی ہے جو مجتہد ہے ۔ غیر مجتہد جو صرف مجتہد کے اقوال یاد رکھتا ہے (حقیقی) مفتی نہیں ہے ۔

مجتہد کے لئے علوم میں جس تعمق ، مہارتِ تامہ اور رسوخ کی ضرورت ہے وہ شرائطِ اجتہاد سے ظاہر ہے جو اہلِ علم پر مخفی نہیں ۔ ناظرین اسی سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عام تالیفات اور " فتاوٰی " کے مجموعہ میں قدر و قیمت کے لحاظ سے کیا نسبت ہے ۔

انسانی ضروریات کے تحت پیش آنے والے مسائل اور ان کے جوابات جو " فتاوٰی " کی شکل میں جلوہ گر ہوئے درحقیقت فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون پر عمل کا حسین ثمرہ ہے ۔ جس پر امّت قرنِ اوّل سے قائم چلی آرہی ہے ۔ انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں جس جس طرح جدید مسائل پیدا ہوتے چلے گئے فقہاءِ اسلام اور مفتیانِ عظام قرآن وسنت کی روشنی میں ان کے جوابات دیتے چلے گئے ۔ اس راہ میں نہ کوئی جمود آیا نہ کوئی تساہل برتا گیا ۔ آج بھی دنیا کی رنگا رنگ بوقلمونیوں اور معاشرت کے عجیب وغریب اور حیران کن مسائل کے باوجود دنیا میں بحمد اللہ ایسے سینکڑوں " دارالافتاء " موجود ہیں جن سے تشنگانِ علوم اپنی سیرابی کا سامان پاسکتے ہیں ۔ ہدایت کے لئے جلنے والے ان چراغوں میں ایک روشن وجود " دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان " کا ہے ۔ جس سے اب تک لاکھوں افراد زبانی اور تحریری طور پر اپنے مسائل واشکالات کے جوابات سے آگاہ ہوکر اپنی علمی پیاس بجھاچکے ہیں ۔ آج سے چار سال قبل ۱۴۰۷ھ میں اس علمی ذخیرہ سے ایک وقیع انتخاب " خیر الفتاوٰی جلدِ اوّل " کے نام سے اہلِ علم ونظر سے داد پاچکا ہے ۔ اس سلسلہ میں اصحابِ فن نے جن آراء کا اظہار کیا ان کے طویل تذکرہ سے خودستائی کا پہلو مانع نہ ہوتا تو ہم اسے ضرور اپنے محترم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ۔ تاہم تحدیث بالنعمۃ کے طور پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ الحمد للہ اس مجموعہ کو نہ صرف عام مسلمانوں نے اپنے لئے نافع اور گرانقدر علمی تحفہ سمجھا اور مختصر مدت میں اس کے دو ایڈیشنوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا بلکہ اصحابِ علم وافتاء نے

بھی اسے علماء دیوبند کے مسلکِ اعتدال کا نمایاں نمونہ قرار دیا۔ اور "فتاویٰ" کے اس مجموعہ کو جامعہ خیر المدارس کی دیگر تمام تالیفی و تدریسی اور علمی خدمات کے برابر تولا۔

اس سلسلۃ الذہب کی یہ دوسری کڑی "خیر الفتاویٰ جلد دوم" کی شکل میں ناظرین کے سامنے موجود ہے۔ انشاء اللہ العزیز قدر دانوں کے ہاں یہ "نقش ثانی" "نقش اوّل" سے زیادہ قبولیت و محبوبیت حاصل کرے گا۔

یہ مجموعۂ فتاویٰ

جس میں صرف فقہی مسائل ہی نہیں بہت سی احادیث پر سیر حاصل اور اطمینان بخش تشریحات و مباحث بھی آگئی ہیں۔ آٹھ سو سے زائد صفحات پر نو سو چھ (۹۰۶) استفسارات کے علمی و فقہی اور تحقیقی جوابات کا یہ خزینہ عقلی و نقلی دلائل سے مزیّن ہے۔ بعض جوابات اپنی جامعیت و اہمیّت کے باعث مستقل تالیف کہلائے جانے کے قابل ہیں۔ ترتیب میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ قدیم فتاویٰ جن مسائل سے کسی داعیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے معرّا ہیں اس "مجموعۂ فتاویٰ" میں ان پر مفصل بحث کر دی گئی ہے تاکہ تشنگی کا احساس نہ رہے۔ اسی طرح قدیم فتاویٰ میں جن مسائل سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان تھا یا بعض مسائل دلائل کی روشنی میں مرجوح یا قابلِ رجوع تھے انہیں سلیس یا راجح دلائل کے مطابق لکھ دیا گیا ہے۔

"خیر الفتاویٰ" کی اس جلد کے تعارف میں جو ضروری باتیں تھیں وہ تو عرض کر دی گئیں باقی اس کی قدر و قیمت اور تحقیق و تدقیق کا صحیح فیصلہ تو اصحابِ علم و فن کی نظر ہی کرے گی کہ وہی حقیقی فیصل ہے۔ اور ویسے بھی

"مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطّار بگوید"

اس دوسری جلد کو منظرِ عام پر لانے کے لئے حسبِ سابق مرتّب فتاویٰ حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ مفتی جامعہ خیر المدارس نے جس غیر معمولی محنت و جانفشانی اور تندہی سے کام کیا ہے۔ اس پر وہ ہم سب کے خصوصی شکریہ کے علاوہ ناظرینِ خیر الفتاویٰ کے شکریہ کے بھی مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائیں۔

ان کے تمام رفقاء کار بالخصوص مولانا ممتاز احمد قاسمی (فاضل جامعہ ہذا) اور قاری سیف اللہ خالد بھی کلمات و جذباتِ تشکر کے مستحق ہیں جنہوں نے خدمتِ دین کے جذبہ کے ساتھ شبانہ روز

محنت سے اس کام کی تکمیل کی۔

اور یہ تمام محنتیں اور کاوشیں بار آور نہ ہوتیں اگر فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب صاحب مدظلہ رئیس الافتاء جامعہ ہذا کی رہنمائی، عنایات اور مشاورت ہماری سرپرستی نہ کرتی۔ اس پوری ترتیب میں الممدوح کی توجہات پوری طرح شریک کار رہیں۔

اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو تمام مسلمانوں کے لئے نافع اور ذریعۂ عمل بنائیں۔ اور مفتیانِ عظام بالخصوص جدّ امجد استاذ العلماء، عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کے لئے ذخیرۂ آخرت اور رفع درجات کا ذریعہ بنائیں جن کے قیمتی فتاویٰ سے اس مجموعہ کی افادیت وعلمی حیثیت دوچند ہوئی۔ امید ہے کہ "فتاویٰ" سے منتفع ہونے والے حضرات اپنی مخلصانہ دعاؤں میں اربابِ افتاء، مرتبین اور منتظمین کو فراموش نہ کریں گے۔

راقم السطور

محمد حنیف جالندھری

رئیس جامعہ خیر المدارس ملتان پاکستان

اجمالی فہرست خیر الفتاوی جلد دوم

کتاب الطّہارة

کتاب الصّلوٰة

فہرست مضامین "خیر الفتاویٰ" جلد دوم

کتاب الطہارۃ

مایتعلق بالوضوء والغسل

مایتعلق بالآبارِ والحیاض

(کنوئیں اور تالاب کے مسائل)

فصل فی التیمم

المسح علی الخفین والجوربین والجبائر

مایتعلق بالحیض والنفاس والاستحاضۃ

ما یتعلق بتطہیر الانجاس

فصل فی الاستنجاء

کتاب الصلوٰۃ

مایتعلق بمواقیت الصلوٰۃ

مایتعلق بالاذان والاقامة

مایتعلق بصفۃ الصّلوٰۃ

مایتعلق بالقراءۃ وزلۃ القاری

مایتعلق بالامامۃ والجماعۃ

ماجاء فی المسبوق

مایفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ فیہا

مایتعلق بالسنن والنوافل

فصل فی الوتر

فصل فی التراویح

خیر المصابیح فی عدد التراویح

مایتعلق بقضاء الفوائت

مایتعلق بسجود السہو

مایتعلق بسجود التلاوۃ

مایتعلق بصلوۃ المسافر

مایتعلق باحکام المسجد

كِتَابُ الطَّهَارَة

مَايَتَعَلَّقُ بِالوُضُوءِ وَالغُسلِ

کیا بے وضو نماز پڑھنا کفر ہے؟

ہمارے خطیب صاحب نے جمعہ کے دن مسئلہ بیان کیا کہ جو عورتیں ناخن پالش لگاتی ہیں ان کا وضوء صحیح نہیں لہذا اگر وہ ایسے وضو سے نماز پڑھیں گی تو وہ کافر ہو جائیں گے کیوں کہ فقہاء کرام رہ نے فرمایا ہے کہ بے وضو نماز پڑھنا کفر ہے۔ تو کیا خطیب صاحب کا یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ درست ہے کہ اگر ناخن پالش لگی ہوئی ہو اور نیچے پانی نہ پہنچے تو وضو نہیں ہوگا اور ایسے وضو سے نماز بھی نہیں ہوگی۔ البتہ ان پر کفر کا حکم لگانا درست نہیں۔ کیوں کہ بے وضو نماز پڑھنا اس وقت کفر ہے جب کہ بطورِ استخفاف ایسا کرے۔

وبهذا ظهر ان تعمد الصلوة بلا طهر غير مكفر فليحفظ وقد مرّ اه (درمختار) (قوله وقد مرّ) اى فى اول كتاب الطهارة وقدمنا هناك عن الحلية البحث فى هذه العلة و ان علة الاكفار انما هى الاستخفاف۔ اه (شامية ۱ج ، ص۸۵)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

معذور وضوء کرانے کیلئے ملازم رکھ سکتا ہو تو رکھنا ضروری ہے

۱۲ سال کے لڑکے کا کمر سے لے کر نیچے کا حصہ بالکل بے حس ہے۔ لیٹا ہوا خود اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا اور کمزور بھی اس قدر ہے کہ ایک پانی کا گلاس خود اٹھا کر چار پائی سے نہیں پی سکتا۔ پاخانہ، پیشاب بھی دوسرا آدمی اس کو کراتا ہے۔ وہ قریب البلوغ ہے اور خوب سمجھ دار ہے اس پر نماز کا کیا حکم ہے؟ کپڑا بالکل پاک نہیں رکھتا۔ وضوء بھی نہیں کر سکتا۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ دوسرے آدمی کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ کیا وہ ایسے ہی بغیر وضوء نماز پڑھ لے یا اسے وضوء کرانا ضروری ہے۔

المستفتی : محمد نفیس الرحمن ۵ : ۷۷ آر ساہیوال

الجواب اس لڑکے پر بعد از بلوغ نماز فرض ہوگی گھر کے لوگوں میں سے کوئی آدمی اس کا وضوء کرا دیا کرے۔ اگر اس لڑکے کی ملک میں کوئی مال یا جائیداد ہو تو وضوء کرانے کے لئے ایک تنخواہ دار آدمی مقرر کر دیا جائے یعنی خادم کا انتظام کر دیا جائے۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکتی ہوں تو یہ لڑکا تیمم کر کے نماز ادا کر لیا کرے۔ حاصل یہ کہ نماز کے وقت کوئی وضوء کرانے والا ہو تو وضوء کرانا ضروری ہے ورنہ تیمم کر کے نماز ادا کرنا جائز ہوگا۔

وان وجد غیره ممن لو استعان به اعانه ولو زوجته فظاهر المذهب انه لا یتیمم ایضا بلا خلاف ۔ (شامی : ج۱ : ص ۲۱۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفی عنہ نائب مفتی
محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان	خیر المدارس ملتان : ۱۵/۱/۱۳۸۱ھ

ناخن پالش کی حالت میں وضوء کا حکم

ہمارے ملک میں اکثر مستورات ناخن پالش استعمال کرتی ہیں کیا اس کے ناخنوں پر لگے ہونے کی حالت میں وضوء ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اسی حالت میں غسل کرنے سے جنابت رفع ہو جائے گی یا نہیں؟

عبدالرشید لاہور

الجواب اگر یہ پالش اتنی موٹی ہو کہ اس کے نیچے پانی سرایت نہ کرے تو اس صورت میں نہ وضو صحیح ہوگا اور نہ ہی غسل جنابت صحیح ہوگا۔

بخلاف نحو عجین اھ (درمختار) (قوله بخلاف نحو عجین) ای کعلك وشمع وقشر سمك وخبز ممضوغ متلبد اھ (شامی ج ۱، ص ۱۴۳)

ولابد من زوال ما یمنع وصول الماء للجسد کشمع و عجین۔ (مراقی الفلاح، ص ۵۵)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ریح قُبُل ناقضِ وضو نہیں

ریح قُبُل میں جب اتنا وقت بھی نہ ملے کہ وضو کرکے ۲ دو فرض ہو سکیں اس کو سلسِ بول پر قیاس کرنا کیسا ہے؟

الجواب ریح اور سلسِ بول کا ایک ہی حکم ہے درمختار میں ہے۔

وصاحب عذر (من به سلسل بول) لا یمکنه امساکه او استطلاق بطن او انفلات ریح او استحاضة الخ)۔ (ج۱، ص ۲۲۳ درمختار علی الشامیة)۔

یہ حکم ریحِ دبر کا ہے جو کہ عام حالات میں تو ناقضِ وضو ہے معذورِ شرعی کیلئے ناقضِ وضو نہیں۔ ریحِ قبل ناقضِ وضو نہیں۔ لیکن جس عورت کا پیشاب و پاخانہ کا راستہ ایک ہوگیا ہو اسے احتیاطاً وضو کرلینے کا حکم ہے۔ مراقی میں ہے۔

(ماخرج من السبیلین الا ریح القبل فی الاصح)..... فینقض ریح المفضاة احتیاطا۔ (ص ۴۷)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۷ : ۳ : ۱۴۰۶ھ
نائب مفتی

بدبودار پانی سے وضو کا حکم

ایک مسجد میں سرکاری پائپ آتا ہے۔ کبھی کبھی اس پانی سے بدبو آنے لگتی ہے اندیشہ یہ ہے کہ وہ پائپ کہیں سے پھٹا ہوا ہے

گندا اور ناپاک پانی اس میں شامل ہوتا ہے۔کیا اس بدبودار پانی سے وضوء کر سکتے ہیں ؟

الجواب اس بدبودار پانی سے وضوء نہ کریں۔

وینجس الماء القلیل بموت مائی معاش بری مولد و بتغیر احد اوصافہ من لون اوطعم اوریح ینجس الکثیر ولوجاریا اجماعا اھ (درمختار علی الشامیۃ : ج ۱ : ص ۱۷۱)۔

نقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۲۷ : ۲ : ۱۴۰۷ھ

کان اور ناک میں جہاں زیور پہنتے ہیں اس سوراخ میں پانی پہنچانے کا حکم

جہاں تک میں نے دینی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے جو بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ غسل ضروری میں عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ناک کے سوراخ میں جہاں وہ تیلی لونگ اور کانوں کے سوراخوں میں جہاں وہ کانٹے وغیرہ جیسے زیور پہنتی ہے ان سوراخوں کے اندر پانی کو نہ پہنچانے تو غسل کے فرائض پورے نہیں ہوں گے۔پھر خاص کر تیلی کے سوراخ یعنی ناک میں پانی کا پہنچانا تو مشکل بھی ہے۔ چونکہ وہ تو اندر باہر سے چپکی ہوتی ہے اسے ہلایا بھی نہیں جا سکتا چونکہ گنجائش باقی نہیں ہوتی پچھلے دنوں جب غسل کے فرائض اور شرائط پہ بات ہوئی تو ایک دوست نے جو تبوک میں رہتا ہے یہ کہہ کر شک میں ڈال دیا کہ مذہب اسلام اتنا سخت اور پیچیدہ مشکل نہیں ہے جتنا کہ تم لوگوں نے بنا دیا ہے جواباً کتاب وسنت کی رو سے فتوے ارشاد فرمائیں کہ ہم دونوں میں سے کون صحیح ہے۔ اور پھر اسلام کی احتیاط سے کون کون سے زیور موزوں و موافق ہو سکتے ہیں تاکہ کسی لحاظ سے غسل ناقص نہ رہے ؟

الجواب اگر زیور پہنا ہوا ہے اور تنگ ہے تو اسے ہلانا ضروری ہے تاکہ پانی پہنچ جائے اگر پہنا ہوا نہ ہو تو سوراخ کے اوپر پانی بہانے سے از خود پانی اندر چلا جائے تو بھی فرض ادا ہو گیا ورنہ پانی پہنچائیں البتہ کسی تنکے وغیرہ کے ذریعہ سے پہنچانے کا تکلف نہ کریں اور اسے تنگی کہنا جہالت ہے بسا اوقات انہی جگہوں پہ میل کچیل جمع ہو کر سخت پھوڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے لہٰذا طبی تقاضا بھی یہی ہے کہ ان جگہوں کو صاف رکھا جائے۔

رجب تحريك القرط و الخاتم الضيقين ولو لم يكن فترط فدخل الماء الثقب عند مروره اجزاه والا ادخله ولا يتكلف في ادخال شئ سوى الماء من خشب ونحوه كذا في البحر الرائق ۔ (هنديه : ج ۱ ، ص ۱۴) ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴/۴/۱۴۰۸ھ

معذور کا وضوء کب تک رہتا ہے

ایک آدمی جس کا ریح کے خارج ہونے سے وضوء پانچ منٹ بھی نہیں رہتا ۔ یہاں تک کہ بعض اوقات تو مکمل وضو کا وقفہ بھی نہیں ملتا ۔ اسے ریح تنگ کرتی ہے ۔

۱ : کیا وہ اسی حالت میں وضوء کرے ؟

۲ : وہ وضوء تہجد اور صبح کی نماز کے لئے کافی ہوگا یا صبح کی نماز کے لئے جدید وضو کرے ؟

۳ : اگر صبح کو وضوء کیا نماز کے بعد تلاوت و ذکر میں مصروف رہا یا کسی دنیاوی کام میں کیا اشراق کے لئے دونوں صورتوں میں جدید وضو کرنا ہوگا یا وہی صبح کی نماز والا وضوء کافی ہوگا ؟

۴ : نماز کے لئے وضوء کیا ، نماز کے بعد دیگر عبادت بھی اس وضوء سے کرسکتا ہے ؟ مثلاً وظائف وغیرہ ۔

الجواب

اگر ریح اتنی دیر بھی نہیں رکتی کہ وضوء کرکے دو یا چار رکعت فرض ادا کرلے تو یہ شخص شرعاً معذور بن جاتا ہے ۔ فرض نماز کے وقت کے اختتام پر یہ شخص بے وضو ہوگا ۔ وقت کے اندر فرض ، نفل ، تلاوت اور دیگر جملہ وظائف کرسکتا ہے ۔

ويبطل الوضوء عند خروج وقت المفروضة بالحدث السابق ۔

هنديه : ج ۱ ، ص ۴۱) ۔

ائمہ کے اختلاف کے پیش نظر بہتر یہ ہے کہ تہجد کے وضوء سے فجر کی نماز نہ پڑھے اگرچہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رح کے نزدیک تہجد کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے ۔

لو توضأ المعذور لصلوة العيد له أن يصلى الظهر به عند ابي حنيفة رح ومحمد رح وهو الصحيح لانها بمنزلة صلوة الضحىٰ ۔

(ھندیہ ج ۱ ص ۲)۔
فجر کے وضوء سے اشراق کی نماز نہ پڑھے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۹/۵/۱۴۰۷ھ

پاؤں دھوتے وقت تلووں کو دیکھنا ضروری نہیں

کیا پاؤں دھوتے وقت تلووں کو دیکھنا بھی ضروری ہے ؟ بغیر دیکھے کیسے علم ہوگا ؟ کبھی پاؤں کو ایسی چیز بھی لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے پانی پاؤں تک نہیں پہنچتا۔

حافظ عباس سیوانی رائیونڈ

الجواب عام حالات میں چونکہ تلوے کو ایسی چیز لگی ہوئی نہیں ہوتی۔ کیونکہ جوتے کے ذریعے حفاظت ہوتی رہتی ہے اس لئے ہر وضوء میں تلووں کو دیکھنا واجب نہ ہوگا۔ و علیہ العمل۔ البتہ ایسا شخص جو جوتا نہیں پہنتا اور ایسی جگہ کام کرتا ہے جہاں ایسی چیز تلوے کو لگ جاتی ہے تو اس کے لئے احتیاط دیکھ لینے میں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۷ : ۷ : ۱۳۸۲ھ

شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا

زید نے بکر سے کہا کہ وضوء کرنے کے بعد ذکر کو ہاتھ لگانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ زید نے کئی حدیثوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ لہذا شرع محمدی میں اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں ٹھوس ثبوت دیں ؟

محمد یوسف خانیوال

الجواب شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ البتہ ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے۔ اور جن احادیث میں مس ذکر سے وضوء کرنے کا حکم آتا ہے ان کی مراد بھی ہاتھوں کا دھونا ہے وضوء متعارف نہیں۔ کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا گیا (جس نے وضوء کرنے کے بعد شرم گاہ کو ہاتھ لگایا ہو) تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هل هو الا بضعة منك شرم گاہ بھی

دوسرے اعضاء کی طرح ایک عضو ہے جب دوسرے اعضاء کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا تو شرم گاہ کو بھی ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ (شامی : ج ۱ ، ص ۱۳۶) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

وضوء میں پاؤں بائیں ہاتھ سے دھوئے جائیں

وضوء میں دونوں پاؤں یا ایک پاؤں داہنے ہاتھ سے دھونا جائز ہے یا نہیں ؟

محمد شفیع کالی موری حیدرآباد

الجواب بائیں ہاتھ سے پاؤں دھونا آداب وضوء سے لکھا ہے لہذا دائیں ہاتھ سے پاؤں دھونا خلاف ادب ہے۔ درمختار میں آداب وضوء میں لکھتے ہیں۔

وغسل رجلیہ بیسارہ اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۱ : ص ۱۲۱)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

برش استعمال کرنے کا حکم

مروجہ بالوں کا برش استعمال کرنے سے سنت مسواک ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب اگر اتفاقاً لکڑی کی مسواک نہ ہو تو برش سے دانت صاف کر لئے جائیں۔ اصل سنت لکڑی کی مسواک ہے بلاضرورت برش سنت مسواک کے قائم مقام نہ ہوگا۔ اور اگر برش خنزیر کے بالوں کا ہو تو استعمال قطعاً حرام ہے۔ مشکوک ہو تو بھی ترک اولیٰ ہے۔ (امداد المفتین ، ج ۱ ، ص ۱۹۳)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۲۲ ، ۱۱ : ۱۳۹۹ھ

برہنہ وضوء کرنے سے بھی وضوء ہو جاتا ہے

اگر برہنہ ہو کر غسل کیا جائے تو غسل ہو جاتا ہے یا نہیں ؟ اور اگر اسی حالت میں وضوء بھی کر

لیا جائے تو وضوء ہو جائے گا یا نہیں ؟ ۔ محمد شفیع از غانگڑھ

الجواب مذکورہ صورت میں غسل درست ہے ایسے ہی وضوء بھی درست ہے اب نماز پڑھنے کے لئے دوبارہ وضوء کرنا ضروری نہیں ۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یتوضأ بعد الغسل اھ (ترمذی شریف ج ۱) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۲۹ / ۱۱ / ۱۳۹۹ ھ

دورانِ وضوء بار بار شک کرنے والا کیسے کرے

گذارش ہے کہ بندہ تبخیر کا مریض ہے جب وضوء کرنے بیٹھتا ہوں تو ہوا نیچے کو یعنی خارج ہونے کی جگہ پر عموماً اور اکثر آ جاتی ہے جیسے اب نکلی اب نکلی۔ کئی دفعہ وضوء کرتا ہوں۔ مثلاً ہاتھ دھونے کے بعد شک پڑ جاتا ہے کہ کہیں ہوا خارج نہ ہو گئی ہو۔ پھر دوبارہ ہاتھ دھونے شروع کرتا ہوں۔ کبھی منہ تک پہنچنے کے بعد شک پڑ جاتا ہے۔ کبھی ایک پاؤں باقی ہوتا ہے کہ پھر نئے سرے سے وضوء کرتا ہوں۔

غرض تبخیر کا مرض بھی ہے اور کوئی چیز شک بھی ڈال دیتی ہے۔ یہی حالت نماز میں پیش آتی ہے۔ کبھی اس طرف دھیان جاتا ہے کہ ہوا خارج نہ ہو گئی ہو۔ جب اکیلا نماز پڑھتا ہوں تو کوئی چیز کبھی دل میں یہ شک ڈال دیتی ہے کہ "سبحانک اللہ" نہیں پڑھی گئی۔ کبھی یہ شک پڑ جاتا ہے کہ "الحمد للہ" نہیں پڑھی گئی۔ غرض طرح طرح اور موڑ موڑ پر شک پڑ جاتی ہے۔ شرعاً ایسے مریض کو کیا کرنا چاہئے وضاحت سے ارشاد فرمائیں۔

الجواب وشك في بعض وضوئه وهو اوّل ما عرض له غسل ذلك الموضع وان كثر شكه لا يلتفت اليه وكذا لو شك انه كبر للافتتاح وهو في الصلوة۔ او احدث او مسح رأسه ام لا فان كان اول ما عرض استقبل وان كثر يمضي۔

(مراقی علی هامش الطحطاوی ص۲۶)

مقعد کے قریب محض ریح کے جمع ہو جانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ اس کے نکلنے کا یقین نہ ہو۔ محض شک کی بناء پر تجدید ہرگز نہ کریں اس سے مرض بڑھے گا۔

نماز میں بھی اگر کسی سورۃ وغیرہ کے چھوٹنے کا خیال آوے تو اس کی طرف التفات نہ کریں جو سورۃ پہلے سے پڑھ رہے ہوں اسی کو پڑھ کر نماز پوری کرلیں ایسے خیالات کو شیطانی وسوسہ سمجھئے۔ اسی طرح خروج ریح کا جب تک یقین نہ ہو محض شک کی بناء پر نماز نہ توڑیں۔ ایسے شک اور وسوسہ کا علاج یہی ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ دفع کرنے کا بھی ارادہ نہ کریں کیونکہ اس سے یہ زیادہ چمٹے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ، ملتان

وضوء کے بعد کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھے اور انگلی اٹھائے

وضوء کے بعد کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے انگلی شہادت کو آسمان کی طرف اٹھانا کیسا ہے ؟

الجواب: شامی جلد اول ، ص ۱۱۹ ۔ میں آسمان کی طرف دیکھنے کا ذکر ہے انگلی اٹھانے کا نہیں۔ وان یقول بعد فراغہ الی قولہ ناظرا الی السماء ۔ (شامی ج ۱ ص ۱۱۹)

البتہ طحطاوی میں علامہ غزنوی رح سے منقول ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے۔ ذکر الغزنوی انہ یشیر بسبابتہ حین النظر الی السماء ۔ (ص ۴۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۴ ؍ ۹ ؍ ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

مسواک ہر نیند کے بعد مستحب ہے رات کو سوئے ہوں یا دن کو

سو کر اٹھنے کے بعد مسواک کرنے کا ثواب صرف رات کو سو کر اٹھنے پر ملے گا یا کسی بھی وقت سو کر اٹھنے کے بعد مسواک کرنے پر بھی وہی ثواب ملے گا ؟

الجواب نیند سے اٹھنے کے بعد مسواک کرنا مستحب ہے۔ حضرات فقہاء نے نیند کو مطلق رکھا ہے جو بظاہر عام معلوم ہوتا ہے کہ خواہ دن کے وقت ہو یا رات کے وقت۔ مراقی میں ہے۔

ویستحب لتغیر الفم والقیام من النوم ۔ (ص ۳۷)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۸ : ۱۲ : ۱۴۰۹ھ

داڑھی کے غسل وخلال کے بارے میں قول فیصل

خلال یا غسل لحیہ کا حکم شرعی کیا ہے۔ پہلے تو یہ سنا یا پڑھا تھا کہ داڑھی گھنی ہو تو صرف خلال مسنون ہے ورنہ جہاں سے چہرہ کی کھال نظر آئے اس کا دھونا فرض ہے۔ دریافت کرنے پر ایک سابق مفتی دیوبند نے اس کا طریقہ اس طرح دکھا کر سمجھایا تھا کہ چہرہ دھوتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں نیچے کی جانب سے داڑھی میں داخل کر کے خلال کیا جائے۔

پھر ایک عالم مدرس نے بتایا کہ ایک چلو میں پانی لے کر نیچے سے داخل کیا جائے۔ اور بعض لوگوں نے غسل لحیہ کو ضروری کہا۔

پھر ایک بڑے عالم نے کہا کہ امام اعظم رح کے اس بارے میں آٹھ قول منقول ہیں اور کنز میں گھنی داڑھی کا خلال اور غیر گھنی کا غسل جو لکھا ہے یہ تسامح ہے بلکہ بہر صورت غسل لحیہ ہی ضروری ہے بحر الرائق میں یہی کہا گیا ہے۔

ان مختلف جوابات سے تردّد واقع ہو گیا۔ مہربانی فرما کر تشفی بخش جواب دیں۔

الجواب ۱ :۔ لحیہ کثہ کا دھونا فرض ہے لیکن یہ سارے بالوں کے بارے میں نہیں۔ بلکہ یہ صرف شعر غیر مسترسل کے متعلق ہے۔ صاحب بحر مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔

وھذا کلہ فی غیر المسترسل واما المسترسل فلا یجب غسلہ

ولا مسحه لكن ذكر في منية المصلي انه سنة ۔

(بحرالرائق : ج ۱ ، ص ۱۶)

۲ ؛ جو داڑھی کچھ گھنی اور کچھ خفیف ہو اس کا حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ گنجان کے نیچے کا دھونا فرض نہیں اور خفیف والے حصے کے نیچے کا دھونا فرض ہے کیونکہ سقوط غسل کی علت جزم الاستتار بالشعر ہے۔

كما في الدر المختار والشامية. وفي البرهان يجب غسل بشرة لم يسترها الشعر اھ وفي الشامية تحته اما المستورة فساقط غسلها للحرج ۔ (ج ۱ ، ص ۹۴)۔

الحاصل لحیہ کثہ کے بارے میں صحیح اور مفتی بہ یہی قول ہے کہ اس کے ظاہر کا دھونا فرض ہے اور باطن و داخل کا خلال سنت ہے ۔ كما في المعتبرات ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۸/۱۰/۱۳۸۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفر لہ رئیس الافتاء

مسواک کے ساتھ کلی کرنے کا طریقہ اور تین بار پانی لینے کا مطلب

مسواک میں جو ہر بار پانی لینا ہے اس سے کیا مراد ہے آیا مسواک کو دھونے کے لئے ہر بار نیا پانی لینا مراد ہے یا ایک بار مسواک کر کے پھر پانی لے کر کلی کرنا مراد ہے ؟ اور کلی کس طرح مسنون ہے ؟ آیا تین بار مسواک کر کے بعد میں تین بار کلی کرے یا ہر بار مسواک کرنے کے بعد کلی کرے ۔ اس طرح تین بار کلی کرنے کی سنت کو پورا کرے ۔ یا ہر بار مسواک کے ساتھ کلی کرنے کے علاوہ آخر میں مسواک سے فارغ ہو کر پھر تین بار اور کلی کرے ۔ ان تینوں صورتوں میں سے کون سی صورت مسنون ہے ؟

حافظ رحمت اللہ مدرسہ رائیونڈ ۔

الجواب ہر بار نیا پانی لینے سے مراد یہ ہے کہ ہر بار مسواک کرنے کے بعد اسے دھوئے اور نئے پانی سے تر کرے (بمياه ثلثة) بان يبله في كل مرة اھ (شامی : ج ۱ ، ص ۱۰۶)۔ تین دفعہ اس طرح مسواک کرنے کے بعد تین دفعہ کلی کرے ۔

كما يظهر من هذه العبارة دهل يدخل اصبعه في فمه وانفه الاولى

نعم قهستانی (درمختار) ظاهره ولو تسوك لاحتمال ان يتخلل من اجزاء السواك شئ اھ (شامی، ج ۱، ص ۱۰۸) - فقط والله اعلم -

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۲۸ : ۵ : ۱۳۸۲ ھ

مریضۂ سیلان کے متعلق چند مسائل

ا ؛ مجھے لیکوریا (سیلان الرحم) کی بیماری ہے جس کی وجہ سے بار بار وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے ؟

ب ؛ اگر میں بیٹھ کر نماز ادا کروں تو پانی کم خارج ہوتا ہے یا بعض وقت ہوتا ہی نہیں۔ کیا میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہوں ؟

ج ؛ اگر میں کوئی دہشت کی آواز سنوں تو زیادہ اخراج ہوتا ہے ۔ ایسے ہی اگر کوئی ڈراؤنا خواب دیکھوں تو خواب میں رطوبت خارج ہوتی ہے ۔ کہتے ہیں کہ اگر خواب میں اخراج ہو جائے خواہ کسی نفسانی خواہش کے تحت نہ بھی ہو تو غسل واجب ہو جاتا ہے ۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

د ؛ نیز میں نے پڑھا ہے کہ ایسا ویسا خواب نہ بھی دیکھا ہو اگر سو کر اٹھیں تو رطوبت موجود ہونے پر غسل کر لیا جائے ۔ مبادا وہ منی ہو ۔ عورتوں میں کچھ پانی موجود ہوتا ہے ۔ خاص کر میرے اندر بیماری کی شکایت ہے کیا میں ہر روز غسل کروں ؟

۲ ؛ بعض صورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجازت دی ہے کہ بیمار یا معذور نماز کے آخری وقت میں وضو کر کے اس وقت کی اور اگلے وقت کی نماز دونوں ایک ہی وضو سے پڑھ سکتا ہے ۔ ایسی رعایت کن مریضوں کے لئے ہے ۔ نیز معذور کے لئے حکم ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرے جب تک اس نماز کا وقت رہے گا وضو نہیں ٹوٹے گا ۔

۳ ؛ کسی کی صبح کی نماز قضاء ہو گئی اب اس قضاء کو پڑھے بغیر ظہر کی نماز ادا کرتا ہے تو یہ نماز ہوئی یا نہ ۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ صبح کی نماز دوسرے دن کی صبح کے ساتھ پڑھ لی جائے تو ٹھیک ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر بغیر کسی عذر کے چاروں نمازیں پڑھ لے اور پھر دوسرے

ون صبح کے وقت قضا پڑھی تو ان چاروں نمازوں کو لوٹانا چاہئے کیا یہ درست ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر چھ نمازیں بغیر قضا شدہ کے پڑھے تو صرف قضا پڑھے باقیوں کو نہ لوٹائے کیا یہ بھی درست ہے؟ ۔ ایک خاتون از سیالکوٹ ۔

الجواب

ا ؛ اس رطوبت کے نکلنے سے احتیاطاً وضو کرلینا چاہئے ۔

ب ؛ اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے رطوبت خارج نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا ضروری ہے

کذا فی الشامیۃ وکذا لو سال عند القیام یصلی قاعداً ۔ (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

ج د ؛ جب یہ یقین ہو کہ یہ رطوبت وہی ہے جو جاگتے میں بھی بوجہ بیماری خارج ہوتی رہتی ہے تو ایسی صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا ۔ جس مسئلہ کا سوال میں ذکر ہے وہ غیر مریض کے بارے میں ہے ۔

۲ ؛ معذور ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ نماز کے پورے وقت میں اسے اتنا وقت نہ مل سکے کہ با وضوء ہو کر نماز کے فرض ادا کرلے ۔ ایسا شخص معذور رہے گا ۔ یہ نماز کے وقت میں وضو کر کے نمازِ فرض وغیرہ پڑھ سکتا ہے اسی عذر (مثلاً سیلانِ رطوبت) سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اس نماز کا وقت ختم ہونے ہی وضو لوٹ جائے گا ۔ آئندہ نماز کے لئے دوسرا وضوء کرنا ہوگا ۔ مگر جو شخص بیٹھ کر خالی از عذر ہونے کی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے وہ معذور نہیں ۔

کما فی الشامیۃ والدر المختار ؛ ج ۱ ص ۲۸۳ ۔ وخرج برده عن أن یکون صاحب عذر ۔

۳ ؛ قضاء شدہ نماز یاد آنے پر فوراً (سوائے اوقاتِ مکروہہ کے) پڑھ لینا ضروری ہے یاد ہوتے ہوئے اگر وقتیہ کو ادا کیا جائے تو نماز وقتیہ کی ادا صحیح نہ ہوگی اس کا اعادہ واجب ہے ۔ یہ صاحبِ ترتیب کے لئے ہے ۔ اگر قضاء یاد نہ ہونے کی صورت میں وقتیہ پڑھ لی تو وقتیہ کی ادا صحیح ہوگئی ۔ قضاء کی ادائیگی کو مؤخر نہ کرنے ۔ چھ نمازوں کی قضاء کا مسئلہ کسی محرم رشتہ دار کے ذریعہ محقق عالم سے زبانی دریافت کرلیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی ۔ ۸ ؍ ۱ ؍ ۱۳۸۲ھ

احلیل کے اندر روئی کا تر ہونا ناقضِ وضو نہیں

ایک آدمی پیشاب کا مریض ہونے کی وجہ سے سوراخ ذکر میں روئی رکھتا ہے اگر روئی اندر غائب کرلی جائے کہ خارج میں نشان باقی نہ رہے اور اندر ہی اندر مرطوب ہو جائے لیکن رطوبت سوراخ سے باہر نہ آئے تو وضو ٹوٹا یا نہیں ؟

الجواب: احلیل کے اندر روئی بالکل غائب کر دینے کی صورت میں جب رطوبت باہر نہیں نکلی یا مرطوب روئی کو باہر نہیں نکالا گیا تب تک وضو نہیں ٹوٹا۔ ہاں اگر مرطوب روئی باہر نکلی یا نکالی گئی تو اس وقت سے وضو ٹوٹا ہوا سمجھا جائے گا۔ فتاویٰ قاضی خان ج ۱، ص ۱۸۔ میں ہے۔

اذا ادخل فی احلیلہ قطنۃ وغیبھا ثم خرجت او اخرجھا نقض الوضوء اھ۔

اور اگر احلیل میں روئی کو بالکل غائب نہیں کیا بلکہ ایک طرف داخل اور ایک طرف ظاہر رہی تو طرف داخل کے تر ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ طرف ظاہر پر تری نمودار نہ ہو جائے فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

واذا خاف الرجل خروج البول فحشی احلیلہ بقطنۃ ولولا القطنۃ لخرج منہ البول فلا بأس بہ ولا ینتقض وضوئہ حتی یظھر البول علی القطنۃ وان ابتل الطرف الداخل من القطنۃ فکذلک مالم یبتل الطرف الظاھر منھا۔ اھ۔ (ج ۱، ص ۱۸) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالرحمن عفی عنہ	مہتمم خیر المدارس ملتان
مدرس خیر المدارس ملتان	۲۸، ۱، ۱۳۶۸ھ

صرف عمامہ پر مسح درست نہیں

"بلوغ المرام" میں لکھا ہے کہ مسح علی العمامۃ جائز ہے۔ عبارت یہ ہے " مسح بناصیتہ وعلی العمامۃ

وعلی الخفین اھ اس کے متعلق جواب ارشاد فرمائیں۔

حافظ عبدالجبار مدرسہ دار الھدیٰ خانیوال

الجواب عدم جواز نص قرآنی سے ثابت ہے قال اللہ تعالیٰ وامسحوا برؤسکم الآیۃ اور ظاہر ہے کہ مسح علی العمامۃ، مسح علی الرأس نہیں۔

احادیث مسح علی العمامۃ مختلف طرق سے مروی ہیں مسلم شریف میں حضرت مغیرہ رضؓ سے مروی ہے۔ ومسح بناصیتہ وعلی العمامۃ اھ اور بعض روایات میں صرف عمامہ کا ذکر ہے۔ لہذا نص قرآنی اور احادیث صحیحہ دالۃ بر وجوب مسح رأس کو مدنظر رکھتے ہوئے احادیث جواز کا صحیح محمل متعین کیا جائے گا۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے ربع رأس پر مسح فرمایا جو مقدار ناصیہ کے تقریباً برابر ہے۔ لیکن عمامہ سر سے اتار کر رکھا نہیں۔ باقی سر پر عمامہ کے اوپر سے ہاتھ پھیر لیا جس کو راوی نے کبھی مکمل نقل کرتے ہوئے "مسح بناصیتہ وعلی العمامۃ" ذکر کیا، اور کبھی صرف عمامہ ذکر کر دیا۔

الحاصل مسح ربع رأس پر کیا گیا تھا۔ عمامہ پر مسح ادائے فرض کے لئے نہ تھا۔ علاوہ ازیں علامہ ابن عبدالبر مالکی رحؒ نے مسح علی العمامۃ کی تمام روایات کو معلول قرار دیا ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۲۲ / ۱ / ۱۳۹۶ھ

اگر شرعاً معذور ثابت ہو جائے تو ایک ہی وقت میں ایک ہی وضو کرنا پڑے گا

اگر پیشاب کے بعد قطرات کی بیماری ہو تو ایک ہی استنجا کرنا پڑے گا یا قطرات آنے کے بعد دوبارہ استنجا کرنا پڑے گا؟ اور یہ قطرات اگر شلوار پر پڑ جائیں تو ان کا دھونا ضروری ہے یا ویسے ہی نماز ادا ہو جائے گی؟ ایسے ہی ریاح کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

۲: اگر کوئی امام کے متعلق برائی بیان کرتا ہے اور عیب پر نظر رکھتے ہوئے اس کے متعلق باتیں کرتا ہے تو کیا ایسے شخص کی نماز اس امام کے پیچھے ہو جائے گی؟

۳ : اگر کوئی کسی کے سامنے کسی کی غیبت کرے اور سننے والا اسے رد کرنے پر قادر نہ ہو اور مجبوراً سن لیتا ہو تو کیا وہ بھی گناہگار ہوگا ؟

الجواب شرعاً معذور وہ شخص ہے جسے پورے وقت میں عذر سے خالی اتنا وقت بھی مہیا نہ ہو کہ جس میں وضو کرکے صرف فرض ادا کرسکے ۔ اگر طہارت حاصل کرنیکے بعد فرض کیمقدار وقت مل جاتا ہے تو وہ شخص معذور نہیں ۔ اسے خروج قطرہ یا خروج ریح کی صورت میں وضو کا اعادہ کرنا ہوگا ۔ بدن یا کپڑے کے جس حصے پر نجاست لگی ہو اس کا ازالہ بھی ضروری ہے ۔ نیز اگر اکیلا بدون جماعت بغیر عذر نماز ادا کرسکتا ہے تو جماعت چھوڑ دے ۔ بلکہ اگر بیٹھ کر یا اشارہ سے ادا کرنے سے عذر سے بچاؤ ہوسکتا ہے تو ویسے ہی ادا کرے ۔

قال فی الدرالمختار یجب رد عذرہ او تقلیلہ بقدر قدرتہ ولو بصلوتہ مؤمیاً ۔ (شامیہ ص ۲۸۳ ج ۱)۔

البتہ جو شخص مذکورہ بالا تعریف کے مطابق معذور ہو جائے اس کے لئے عذر کی موجودگی میں نماز ادا کرنا صحیح ہے ۔ نماز شروع کرنے سے قبل بدن اور کپڑے سے نجاست دھو لینی چاہئے ۔

۲ : امام کی برائی بیان کرنا اچھا نہیں ، نماز ہو جاتی ہے ۔

۳ : غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں مجرم ہیں ۔ البتہ اگر زبان سے رد کرنے پر قدرت نہ ہو اپنی بے عزتی اور ضرر کا اندیشہ ہو ، تو دل سے برا جاننے کی صورت میں غیبت کے گناہ سے مامون ہونے کی امید ہے ۔ انشاء اللہ گناہگار نہ ہوگا ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی جامعہ ہذا

سلسل البول والے کے وضوء اور کپڑے کی طہارت کا مسئلہ

بندہ بالکل چھوٹی عمر سے سلسل البول کی بیماری میں مبتلا ہے اب عمر پچیس سال ہے آرام بالکل ہی نہیں ۔ بعض اوقات میں قطرات ٹھہر جاتے ہیں ۔ بعض اوقات میں قطرات مسلسل جاری رہتے ہیں ۔

حتیٰ کہ وضو بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ نماز پڑھ سکوں۔ مثلاً صبح صادق سے عام طور پر جو قطرات شروع ہوتے ہیں تو سورج نکل آتا ہے نماز بعد میں قضاء کرتا ہوں الخ

دوسری عرض یہ ہے کہ فقیر آدمی ہوں دو تہبند رکھتا ہوں ایک تہبند ہر وقت باندھتا ہوں جو کہ پلید رہتی ہے اور دوسرا نماز کے وقت باندھتا ہوں مگر وہ بھی نماز کی حالت میں بول سے نجس ہو جاتی ہے تو کیا اس حالت میں جب کہ کپڑا نجس ہو نماز لوٹانی پڑے گی ؟

الجواب جسے نماز کے ابتدائی وقت سے قطرات شروع ہوئے اور آخری وقت تک اتنی دیر کے لیے بھی نہیں رکے کہ وضو کرکے فرض نماز ادا کرسکے تو یہ شخص شرعاً معذور ہے کہ اس کا وضو، ایک دفعہ کر لینے سے وقت کے اندر قطرات کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا۔ وضو کرکے نماز پڑھ لے۔ اگرچہ دوران وضو، یا نماز قطرات ٹپکتے رہیں نماز ہو جائے گی۔ دوسرے وقت آنے پر پھر تازہ وضو، کرکے نماز پڑھ لے۔ اگر کپڑا اتنی دیر بھی پاک نہیں رہتا کہ فرض ادا کرسکے تو بغیر دھوئے نماز ہو جائے گی ورنہ دھونا ضروری ہو گا جب کہ قدر درہم کو پہنچ جائے۔

کما فی الدر المختار ، ج۱ ، ص ۲۸۲ ،

وان سال علی ثوبہ فوق الدرھم جاز لہ ان لا یغسلہ ان کان لو غسلہ تنجس قبل الفراغ منہا ای الصلوۃ و الا یتنجس قبل فراغہ فلا یجوز ترک غسلہ ھو المختار للفتوی اھ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	خیر محمد عفرلہٗ ۲۶ / ۲ / ۱۳۸۵ھ

معذورین کیلئے مختصر ترین نماز

بندہ پیٹ کی تکلیف کا دائمی مریض ہے ریاح خارج ہوتی رہتی ہیں اگر وضو، کے بعد ریاح کو اتنی دیر روک لیا جائے کہ نماز مکمل پڑھی جاسکے تو پیٹ میں تکلیف پیدا ہو کر دل کی طرف آجاتی ہے۔ اگر ریاح کو نہ روکا جائے تو کئی دفعہ وضو، ٹوٹ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے نماز دھرانی پڑتی ہے۔ یہ صورت سخت پریشان کن ہے۔ شرعی لحاظ سے بندہ معذور ہے یا نہیں ؟

محمد فاروق ملتان

الجواب وضوء کرکے اگر صرف نماز کی فرض رکعتیں بغیر وضو ٹوٹے پڑھ سکتے ہوں تو آپ شرعًا معذور نہیں ہوں گے۔ گو اس دوران ریاح کو معمولی طور پر روکنا بھی پڑے یہ فرض رکعتیں بھی اس طرح سے پڑھیں کہ صرف نماز کے فرض و واجبات ادا ہو جائیں گو سنن و مستحبات رہ جائیں اس طرح یہ رکعتیں مزید مختصر ہو جائیں گی۔

مثلاً قیام میں صرف سورۃ فاتحہ اور سورۃ کوثر یا اخلاص۔ رکوع اور سجود میں ایک ایک دفعہ تسبیح اور التحیات کے بعد اللهم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد مختصر درود اور اَللّٰھُمَّ اغفرلی دعا کافی ہے تیسری اور چوتھی رکعت کے قیام میں صرف تین تین مرتبہ سُبْحَانَ اللہ گو سورۃ فاتحہ نہ پڑھیں۔ امید ہے کہ اس طرح سے آپ باوضو نماز پڑھ سکیں گے۔ اگر اس میں بھی دشواری ہو تو تفصیل لکھ کر دوبارہ جواب حاصل کرلیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴/۸/۱۳۸۸ھ

بار بار پیشاب آتا ہو تو وضو کیسے کرے

میری عمر تہتر (۷۳) برس ہے بار بار پیشاب آتا ہے صبح کو ایک ڈیڑھ گلاس پانی دوا کے طور پر پیتا ہوں ظاہر ہے کہ پیشاب بار بار آئے گا۔ اگر پانی نہیں پیتا تو جوڑوں میں درد ہونے کا امکان ہے۔ کئی سال سے یہ تکلیف ہے اب کھانسنے پر یا کسی ایسی جگہ پر گزرنے سے جو کہ سڑک کی سطح سے نیچے ہو تو پیشاب کا قطرہ نکل جاتا ہے۔ رات کو سوتا ہوں تو شبہ رہتا ہے کہ شاید کوئی قطرہ نکل گیا ہو۔ رات کو کئی مرتبہ اٹھتا ہوں اس خیال سے کہ قطرہ نکل گیا ہو تو پاک کرلوں۔ عرصہ کئی سال سے صبح سویرے نچلا دھڑ اپنا اچھی طرح سے دھو کر پاک کرتا ہوں، پھر وضو کرتا ہوں، پھر نماز پڑھتا ہوں اور پھر نوافل و وظائف کے لئے کئی بار وضو کرتا ہوں اور پیشاب بھی رک رک کر آتا ہے۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس بیماری کی وجہ سے اور پیشاب بار بار کرنے کی وجہ سے وضو کرنا ضروری ہے یا نہ؟

الجواب بہتر یہ ہے کہ آپ لنگوٹ باندھ لیا کریں اس سے قطرہ سوراخ ذکر سے باہر نہیں آئے گا۔ اگر کسی وقت آ بھی جائے تو صرف کپڑا بدل لینا کافی ہوگا۔ استنجاء کرکے وضو کرلیں۔ نچلا دھڑ پورا دھونے کی ضرورت نہیں۔ بار بار وضو کرنے کی صورت میں دقت ہو تو جلدی جلدی

بھی کرسکتے ہیں لیکن فرائضِ وضوء کا ہر حال میں اہتمام رہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۶ : ۶ : ۱۴۰۶ھ

خروج الدّودۃ من الدّبر ینقض الوضوء

میں نے جب سے بواسیر کا اپریشن کرایا ہے کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ پاخانہ میں جو سفید رنگ کے کیڑے ہوتے ہیں ان کی وجہ سے حالتِ نماز میں مقعد میں خارش سی محسوس ہوتی ہے مگر وہ کیڑا مقعد سے بالکل باہر نہیں آتا جب تک کہ میں خود نہ کھجلاؤں ۔ ہاں حالتِ نماز میں مجھے اتنا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ کیڑا خروج کرتا ہے اگرچہ بالکل باہر نہیں آتا ۔ ایسی حالت میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے ؟ اور کیا نماز باقی رہتی ہے یا نہیں ؟

۲ : یوں بھی سمجھیں کہ پیٹ کے اندر سے تو نکلتا ہے مگر بالکل باہر نہیں آتا اگرچہ مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اب خروج کرتا ہے ۔

محمد سلیمان ، نواں شہر ملتان

الجواب جب مقعد کے سوراخ سے کیڑا باہر نکل آئے تو وضوء ٹوٹ جائے گا اور نماز نہ ہوگی اور سوراخ سے باہر نکلنے سے پہلے اندر اندر پھرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی اور نہ ہی وضو ٹوٹے گا ۔

وینقضہ خروج نجس منہ الخ الی قولہ وخروج غیر نجس مثل ریح أو دودۃ أو حصاۃ من دبر ۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار علی الشامیۃ ج۱ص ۱۳۴ تا ۱۳۶)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ر۵ر۱۴۰۱ھ

گلے کا مسح بدعت ہے

بعض لوگ گردن کا مسح کرتے ہوئے حلقوم یعنی گلے کا بھی مسح کرتے ہیں ۔ آیا شرعاً یہ صحیح ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب گردن کا مسح مستحب ہے مگر حلقوم کا بدعت ہے یہ نہ کیا جائے۔

" والثانی مسح الرقبة وھو بظھر الیدین واما مسح الحلقوم فبدعة اھ کذا فی البحر الرائق۔ (عالمگیری، ج ۱، ص ۴)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا۔

پاؤں پر داد چنبل ہونے کی وجہ سے وضوء ساقط نہیں ہوگا!

ایک امام مسجد کے پاؤں پر داد چنبل ہے۔ جس کی وجہ سے تقریباً چار ماہ سے وضوء نہیں کر رہا ہے اور تیمم سے امامت کرا رہا ہے۔ اور تیمم بھی مسجد کی سیمنٹ سے پلستر شدہ دیوار سے کرلیتا ہے۔ کیا وہ درست کر رہا ہے۔ مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

سائل اللہ رکھا۔ بستی شریف پورہ

الجواب پاؤں پر داد چنبل ہونے کی وجہ سے وضوء ساقط نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں تیمم جائز نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا تھا کہ پانی نقصان دیتا ہو تو پاؤں پر مسح کرلیا جاتا۔ لہذا جتنی نمازیں مذکور امام کے پیچھے اس تیمم کی حالت میں ادا کی گئی ہیں ان کو دوبارہ ادا کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۵ : ۵ : ۱۴۰۰ھ

غسل فرض میں ناف میں انگلی ڈالنے کا حکم

غسل کرتے وقت ناف میں انگلی ڈالنا فرض غسل میں ضروری ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب فرض غسل میں ناف کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ انگلی پھیری جائے تاکہ پانی پہنچنے کا یقین ہوجائے۔

" ویجب ایصال الماء الی داخل السرة وینبغی ان یدخل اصبعه

فيها للمبالغة كذا في محيط السرخسي اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۷)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

وضو اور تیمم دونوں ممکن نہ ہوں تو نماز کیسے پڑھی جائے

حالیہ دردناک واقعہ میں جب ہائی جیکر نے پاکستان کا جہاز اغوا کر لیا تھا تو ان پندرہ دنوں میں نمازیں کیسے ادا کی جا سکتی تھیں؟

سائل محمد انور، مسلم کمرشل بنک منگلا کالونی۔ جہلم

الجواب اگر وضوء اور تیمم دونوں ممکن نہیں اور کھڑے ہو کر رکوع اور سجدہ کر سکتا ہے تو اس وقت ایسے ہی نماز پڑھ لے اور اگر قیام کی بھی اجازت نہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھ لے۔ بعد میں ان تمام نمازوں کی قضاء کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۷ / ۵ / ۱۴۰۱ھ

قرآن مجید کے صفحہ میں جو جگہ خالی ہو اسے بھی بے وضو نہیں چھو سکتے

الف : ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں اگر ہوا خارج ہو جائے تو ورق الٹنے کے لئے تنکا استعمال کرتے ہیں۔

ب : یا پھر جو سفید جگہ ہوتی ہے جہاں پر لفظ لکھے ہوئے نہیں ہوتے معمولی سی انگلی لگا کر ورق الٹتے ہیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ تو قرآن نہیں ہے۔ آیا یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل قاری محفوظ احمد، حال مقیم راولپنڈی۔

الجواب ورق پلٹنے کے لئے تنکا وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں۔ صفحہ کی جس جگہ پر آیات وغیرہ نہ لکھی ہوں اسے بھی بے وضو نہیں چھو سکتے۔

الف : (قوله وحل قلبه بعود) اى تقليب اوراق المصحف بعود ونحوه

لعدم المس علیہ اھ (شامی ج ۱ ص ۱۲۱)۔

ط : فلا یجوز مس الجلد و موضع البیاض منه وقال بعضهم یجوز وهذا اقرب الی القیاس والمنع اقرب الی التعظیم کما فی البحر ای والصحیح المنع کما نذکره اھ (شامی ج ۱ ص ۲۷۰)۔

(۲) : والصحیح منع مس حواشی المصحف والبیاض الذی لاکتابة علیه کذا فی التبیین اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۳۰)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا ۔ ۲۴ر۱۲ر۱۴۰۱ھ

دورانِ وضوء سر کا مسح یاد نہ رہا تو دورانِ نماز داڑھی کی تری سے مسح کر سکتا ہے یا نہیں

اگر کوئی آدمی فرائضِ وضوء میں سے ایک فرض یعنی مسح رأس کو بھول جائے پھر اس کو نماز کے ضمن میں یاد آجائے کہ میں نے مسح نہیں کیا تھا تو کیا وہ اپنی داڑھی کی تری سے نماز کے اندر ہی مسح کر سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر کر سکتا ہے تو اشکال یہ ہے کہ اس کی نماز کا بعض حصہ با وضوء اور بعض بے وضوء گزرا تو یہ بناء صحیح علی الفاسد ہوئی ۔ یہ درست نہیں ۔

شق ثانی یعنی اگر نماز کے اندر مسح نہیں کر سکتا تو ان مندرجہ ذیل آثار کا صحیح محمل کیا ہے ؟

۱ : عن ابی بکر بن عیاش عن مغیرہ عن ابراهیم قال اذا نسی ان یمسح رأسه وفی لحیته بلل فذکر وهو فی الصلوٰة فان کان فی لحیته بلل فلیمسح رأسه ۔

۲ : عن حفص ابن غیاث عن عبد الملك عن عطاء قال اذا نسی مسح رأسه فوجد فی لحیته بللا اجزأه ان یمسح به رأسه ۔

۳ : عن ابی علیه عن یونس عن الحسن فی قوله فی الرجل یذکر فی الصلوٰة انه لم یمسح رأسه وفی لحیته بلل قال یمسح رأسه من بلل لحیته ۔

۴ : یزید ابن هارون عن حماد بن سلمة عن قتادہ عن فلاس فیما یعلم حماد عن علی قال اذا توضأ الرجل فنسی ان یمسح برأسه فوجد فی لحیته بلل اخذ من لحیته فمسح رأسه

فهذه الآثار ماثورة فی مصنف ابن ابی شیبه ص۱۷

ان آثار کا صحیح محمل بیان فرما کر اجر عظیم حاصل کریں۔

محمد انور کلیم لائلپوری

متعلم دورۂ حدیث خیر المدارس ملتان

الجواب: اثر ثانی ورابع میں تذکر فی الصلوٰۃ کی تصریح نہیں بلکہ مطلق تذکر ہے پس مفید نہیں۔ اور اول وثالث میں یہ تصریح نہیں کہ ایسی صورت میں سابقہ نماز بھی درست ہوگی پس اشکال نہیں۔ ممکن ہے کہ مقصود یہ بتلانا ہو کہ اس صورت میں سارے وضو کا اعادہ نہیں بلکہ صرف مسح رأس کافی ہو جائے گا۔ اور اگر یہ تصریح مل جائے کہ صورت مذکورہ میں یہ ائمہ صحت صلوٰۃ سابقہ کے قائل ہیں تو اس میں تنگی نہیں۔ مسئلہ اجتہادی ہے۔ طہارت شرط نماز ہے۔ شروط کے لئے تقدم لازم نہیں جیسا کہ صوم نیت متاخرہ من الشروع سے بھی درست ہے بلکہ امام صاحب رح تو آخر نماز کے بارے میں بھی جواز وصحت تاخیر نیت کے قائل ہوئے ہیں یعنی اگر کسی نمازی نے تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کرلی تو نماز درست ہو جائے گی۔ (بحر ج ۱ ص ۲۹۱)۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ

تیسری توجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نسیان کی وجہ سے متروک مسح کو متوثر اور مضر نہ سمجھا گیا ہو۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے رفع الله علی أمتی ثلثا و ذکر منها الخطاء والنسیان۔ یعنی تذکر سے قبل وضو کو بدیں وجہ درست تسلیم کیا گیا ہو کہ ترک مسح ناسیًا ہوا ہے اور نسیان معاف ہے۔ بنص حدیث وجہ ہے کہ حدیث مذکور کی بناء پر امام شافعی رح نماز میں کلام ناسیًا کو مفسد نہیں مانتے اور روزہ میں افطار ناسیًا کا مضر نہ ہونا تو اجماعی مسئلہ ہے۔ پس کوئی اشکال نہیں۔

چوتھی توجیہہ بھی محتمل ہے کہ مسح مذکور سے مراد مسح زائد علی القدر المفروض یعنی (مسح سنت ہو) پہلے وضوء میں مسح قدر مفروض جس کی ادنیٰ مقدار امام شافعی رح کے نزدیک تین بال ہیں ہو چکا۔

پس اشکال نہیں ۔ فقط ۔ عبدالستار ۔

پانچویں توجیہہ یہ بھی محتمل ہے کہ اکثر اوقات شیطان نماز میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ تو نے مسح نہیں کیا۔ ایسی صورت میں دفع وسوسہ کے لئے داڑھی کی تری سے ہاتھ گیلا کر کے سر پہ پھیر لے ۔ اب یہ مسح دفع وسوسہ کے لئے ہوا نہ کہ تجدید وضو یا اصلاح وضو کے لئے ۔ فلا یرد علیہ الاشکال ۔

الاجوبۃ صحیحۃ

محمد عبداللہ عفراللہ لہ مفتی خیرالمدارس ملتان

۲۴ / ۴ / ۱۳۸۰ھ

عورتوں کیلئے بھی سواک کرنا سنت ہے

۱ : بوقت وضو عورت کے لئے مسواک کرنا سنت ہے یا نہیں ؟

۲ : ان کے لئے بھی ایک بالشت سنت ہے یا نہیں ؟

۳ : عورتوں کی خاص ایک مسواک ہوتی ہے اس سے سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب عورتوں کے لئے بھی مسواک سنت ہے اگر سخت لکڑی سے تکلیف ہو تو دنداسہ استعمال کر لیں اس سے بھی سنت ادا ہو جائے گی ۔

ومنها السواك وينبغي ان يكون السواك من اشجار مرة لانه يطيب نكهة الفم ويشد الاسنان ويقوي المعدة و ليكن رطبا في غلظ الخنصر وطول الشبر ولا يقوم الاصبع مقام الخشبة فان لم توجد الخشبة نعم يقوم الاصبع من يمينه مقام الخشبة كذا في المحيط والظهيريه و العلك يقوم مقامه للمرأة اه (عالمگیری : ج ۱ : ص ۷)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیرالمدارس ، ملتان

وضوء کے ہر ہر عضو کی دعاء

جناب حضرت مفتی صاحب زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا کہ وضوء کرتے وقت سارے وضوء کے دوران کچھ دعائیں پڑھتے رہتے تھے مجھے بھی شوق ہے براہِ کرم وہ دعائیں لکھ دیں؟

محمد اقبال از ساہیوال

الجواب

عالمگیری : ج ۱ : ص ۵ ۔ میں آدابِ وضوء میں لکھا ہے کہ ہر ہر عضو کو دھوتے وقت بِسْمِ اللّٰہ پڑھی جائے ۔ اس کے ساتھ ساتھ

کلی کرتے ہوئے یہ دعاء پڑھے

۱ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۔

ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ پڑھیں ۔

۲ اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِيْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِيْ رَائِحَةَ النَّارِ ۔

چہرہ دھوتے وقت یہ پڑھیں ۔

۳ اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِيْ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۔

دایاں بازو دھوتے وقت یہ پڑھیں ۔

۴ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِيَمِيْنِيْ وَحَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۔

بایاں بازو دھوتے وقت یہ پڑھیں ۔

۵ اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِشِمَالِيْ وَلَا مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ ۔

سر کا مسح کرتے وقت یہ پڑھیں ۔

۶ اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِيْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ ۔

کانوں کا مسح کرتے ہوئے یہ پڑھیں ۔

۷ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۔

گردن کا مسح کرتے ہوئے یہ پڑھیں ۔

۸ اَللّٰهُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِيْ مِنَ النَّارِ ۔

— دایاں پاؤں دھوتے وقت یہ پڑھیں ۔

۹ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ ۔

— بایاں پاؤں دھوتے وقت یہ پڑھیں ۔

۱۰ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِیْ مَغْفُوْرًا وَّ سَعْیِیْ مَشْکُوْرًا وَّتِجَارَتِیْ لَنْ تَبُوْرَ ۔

اور پھر ہر عضو کو دھونے کے بعد درود شریف بھی پڑھیں ۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰ / ۵ / ۱۴۰۹ھ

ادعیہ مذکورہ کا ترجمہ

۱ : اے اللہ تلاوتِ قرآن اور اپنے ذکر و شکر کرنے کی توفیق عطا فرما ۔

۲ : اے اللہ ! جنت کی خوشبو نصیب فرما اور دوزخ کی بدبو سے بچا ۔

۳ : اے اللہ ! میرا چہرہ اس دن چمک دار بنا جس دن کہ کچھ چہرے سفید اور کچھ سیاہ ہونگے ۔

۴ : اے اللہ ! مجھے میرا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں عطاء فرمانا اور مجھ سے ہلکا پھلکا حساب فرمانا ۔

۵ : اے اللہ ! مجھے میرا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں نہ دینا اور نہ پشت کے پیچھے سے ۔

۶ : اے اللہ ! مجھے اس دن اپنے عرش کے سائے میں لے لینا جس دن کہ آپ کے عرش کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا ۔

۷ : اے اللہ ! مجھے ان لوگوں سے بنا جو اچھی سنی ہوئی بات پر عمل بھی کرتے ہیں ۔

۸ : اے اللہ ! میری گردن کو آگ سے آزاد فرما ۔

۹ : اے اللہ ! مجھے پل صراط پر ثابت قدم رکھنا جس دن کہ بہت سے قدم پھسل جائیں گے ۔

۱۰ : اے اللہ ! میرے گناہوں کو بخش دے میری کوشش کو قبول فرما اور میری تجارت کو خسارے سے بچا ۔

جونکیں لگوانے سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں

بعض اوقات ورم کی جگہ پر اطباء جونک لگوانے کا مشورہ دیتے ہیں تو اگر وضوء کی حالت میں جونکیں لگوائی جائیں تو وضوء باقی رہے گا یا نہیں ؟

الجواب اگر جونک بڑی ہو اور اتنا خون چوس لے کہ وہ دم سائل کے حکم میں ہو تو وضوء ٹوٹ جائے گا۔

و کذا ینقضہ علقۃ مصت عضوا و امتلأت من الدم اھ (درمختار) (قولہ وامتلأت) کذا فی الخانیۃ وقال لانھا لو شقت یخرج منھا دم سائل اھ والظاھر ان الامتلاء غیر قید لان العبرۃ للسیلان کما افادہٗ اھ (شامیۃ : ج۱، ص ۱۲۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ، ملتان

نمازِ جنازہ کیلئے کئے گئے وضو سے دیگر فرائض ادا کرنا

نمازِ جنازہ یا تلاوت وغیرہ کے لئے وضوء کیا جائے تو اس سے فرض نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب وضوء طہارتِ مطلقہ ہے جب ایک دفعہ وضوء کرلیا تو طہارت حاصل ہوگئی۔ اب جب تک یہ وضوء نہ ٹوٹے اس سے جو عبادت چاہیں ادا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جنازہ کے لئے کئے ہوئے وضوء سے فرائض وغیرہ ادا کرنا بلا کراہت درست ہے۔

عالمگیری میں ہے کہ اگر جنازہ کے لئے تیمم کیا جائے تو اس سے فرائض ادا ہو سکتے ہیں۔ تو جنازہ کے لئے کئے گئے وضوء سے بدرجہ اولیٰ فرض ادا کر سکتے ہیں۔

لو تیمم لصلوۃ الجنازۃ او لسجدۃ التلاوۃ اجزاہ ان یصلی بہ المکتوبۃ بلاخلاف کذا فی المحیط اھ (عالمگیری : ج۱، ص ۱۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

حقہ یا سگریٹ پینے سے وضوء ٹوٹنے کا حکم

حقہ و سگریٹ پینے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟ بدبو کی وجہ سے اگر کراہت ہو تو کلی کرنے سے یہ نقصان ختم ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل محمد نواز حال مقیم شادمان لاہور

الجواب وضوء کرنے کے بعد جب تک کوئی نجاست وغیرہ خارج نہ ہو وضوء نہیں ٹوٹتا۔ لہذا حقہ و سگریٹ پینے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ ان کا بلا ضرورت پینا مکروہ ہے اور نماز سے پہلے منہ سے بدبو کو زائل کرنا ضروری ہے۔

ان الطهارة ترتفع بضدها وهي النجاسة القائمة بالخارج لان الضد هو المؤثر في رفع ضده اھ (شامی: ج ۱ : ص ۱۴۴)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

ہاتھ اور پاؤں دھوتے وقت ابتداء کہاں سے کریں؟

وضو میں جب ہاتھوں یا پاؤں پر پانی ڈالا جائے تو کس حصہ سے ابتداء کی جائے ؟

المستفتی حافظ مقبول احمد قادر آباد فارم ضلع ساہیوال

الجواب دونوں کی انگلیوں سے ابتداء کی جائے۔

ومن السنن البداية من رؤس الاصابع في اليدين والرجلين كذا في فتح القدير اھ (عالمگیری، جلد ۱، ص ۸)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۳/۳/۱۴۱۱ھ

خون زخم کی جگہ پر ہی رہے تو ناقض وضو نہیں

ایک زخم گول سا ہے درمیان میں معمولی سا سوراخ ہے جس سے خون وغیرہ نکل کر اس گول دائرہ میں جمع ہو جاتا ہے لیکن اس گول دائرے سے باہر نہیں بہتا۔ یعنی اگرچہ سوراخ سے تو بہہ پڑا ہے لیکن زخم والی جگہ سے آگے نہیں نکلتا۔ کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا ؟

عبدالمجید : مدرسہ عربی رائیونڈ

الجواب الدم السائل علی الجراحة اذا لم یتجاوز قال بعضهم هو طاهر الخ وهو الاظهر الخ ومقتضاه انه غیر ناقض الخ (شامی ج ۱ ص ۹۵)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خروج مقعد بواسیر ناقض وضو ہے

ایک آدمی خونی بواسیر کا مریض ہے ۔ نماز میں مسّہ جائے مقعد سے باہر نکلا مگر اس کے ساتھ خون وغیرہ کچھ نہیں نکلا پھر مسّہ خود بخود گم ہو گیا۔ کیا وضو ٹوٹ گیا یا نہیں ؟

الجواب اگر یہ معذورین کے حکم میں نہیں ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

لعموم وینقض الوضوء کل ما خرج من السبیلین اھ

عالمگیری میں ہے۔

وذکر الشیخ شمس الائمة الحلوانی رحمه الله ان بنفس خروج الدبر ینتقض وضوءه اھ (ج ۱ : ص ۵) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ ۸ : ۴ : ۹۶ : ۱۳ھ

ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کب کرے

ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کب کرنا مسنون ہے ؟ گٹے تک ہاتھ دھونے کے بعد یا پورے ہاتھ دھونے کے بعد ؟

الجواب عربی کتب میں تصریح نہیں ملی بہشتی زیور سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے ہاتھوں کو دھوتے وقت خلال کرے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۱۳۸۴/۵/۲۴ھ

داڑھی کے خلال کے بارے میں متعدد اہم مسائل

۱ : وضو میں داڑھی کا خلال تین بار سنت ہے یا ایک بار ؟

۲ : صرف ٹھوڑی کے نیچے خلال کرنا ہے یا دائیں بائیں بھی ؟

۳ : دائیں بائیں ہو تو کس طرح کرے ؟ ہتھیلی کی جانب کس طرف رہے ؟

۴ : تیمم میں خلال کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟ کس طرح اور کتنی بار سنت ہے ؟

۵ : گھنی داڑھی میں صرف اوپر ہی کے حد چہرہ کے اندر والے بالوں پہ پانی بہانا فرض ہے یا اندرونی بالوں کو جو کہ جڑ سے اوپر ہوں دھونا فرض ہے ؟

حافظ رحمت علی خان ، مدرسہ عربیہ رائیونڈ ، لاہور ۔

الجواب ۱ : ایک بار وھو ظاھر لسکوتھم عن بیان التکرار فی موضعہ ۔

۲ : وتخلیل اللحیۃ ھو تفریق شعرھا من اسفل الی فوق ۔

(بحر ، شامیۃ ، ج ۱ ، ص ۸۲)

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری داڑھی کا مع جانبین کے خلال ہونا چاہیئے کیونکہ داڑھی میں جانبین کے بال بھی داخل ہیں ورنہ داڑھی کے کچھ حصہ کا خلال لازم آئے گا ۔ صاحب بحر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ۔

وظاھر کلامھم ان المراد باللحیۃ الشعر النابت علی الخدین من عذار وعارض والذقن . (بحر ، ج ۱ ، ص ۲۱) ویجوز ان یکون حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مشعرا الی خلاف ذلک ولفظہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ اخذ کفا من ماء تحت حنکہ فخلل بہ لحیتہ (الحدیث) (شامیۃ ج ۱ ، ص ۱۹)

۳ : پانی کا چلو لے کر داڑھی کے بالوں میں پہنچائے اس وقت ہتھیلی گردن کی جانب ہوگی پھر بوقت خلال ہتھیلی کی پشت گردن کی جانب کرکے خلال کرے۔ کما فی الطحطاوی شرح المراقی : ص ۳۹۔

۴ : تیمم میں خلال کرنا نظر سے نہیں گزرا بس صرف بالوں کے اوپر ہاتھ پھیرے۔
وفی الحلیة یمسح من وجهه ظاهر البشرة و ظاهر الشعر علی الصحیح اھ (عالمگیری : ج ۱ : ص ۱۴)۔

۵ : گھنی داڑھی میں چہرے کے اندر والے بالوں پر پانی بہانے سے فرض ادا ہو جائے گا گو جڑوں کے قریب تک پانی نہ پہنچے کیونکہ داخل شعر اللحیة محلّ فرض نہیں۔
قال فی المراقی وابو حنیفة ومحمد یفضلانه لعدم المواظبة ولانه لکمال الفرض وداخلها لیس محلاً له ومثله فی الهدایة۔ (مراقی ص ۳۹)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	۱۱ / ۵ / ۹۲ ۱۳ھ

گھڑی سختی سے باندھی ہوئی ہو تو وضوء میں ہلانا ضروری ہے

سوال: اگر گھڑی ہاتھ پر اس قدر سختی سے باندھی جائے کہ اپنی جگہ سے نہ ہلے تو اس صورت میں وضوء کر لے ہے وضوء ہوگا یا نہیں ؟

الجواب: گھڑی کے نیچے والے حصۂ جسم پر پانی نہ پہنچے تو وضوء نہیں ہوگا۔
ولو کان خاتمه ضیقا نزعه او حرکه وجوبا اھ
(درمختار علی الشامیة : ج ۱ ، ص ۱۴۳)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا	۲۰ / ۳ / ۱۴۰۱ھ

جسم پر کوئی تصویر گدی ہوئی ہو تو غسل کا حکم

آج کل سوئی وغیرہ سے اپنے جسم پر کوئی شکل یا کوئی تحریر کرتا ہے تو آیا اس سے غسل ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب جسم گوندھنے والے اور گوندوانے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ۔

(ابو داؤد، ج ۲، ص ۵۷۳)۔

یہ فعل اگرچہ حرام ہے لیکن غسل سے مانع نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ ہذا ۲۳ / ۲ / ۱۴۰۷ھ

برہنہ غسل کر رہا ہو تو "بسم اللہ" زبان سے نہ پڑھے

جیسے وضو کے شروع میں تسمیہ سنت ہے ایسے ہی غسل کے شروع میں بھی ہے۔ تو کیا جب برہنہ غسل کر رہا ہو اس وقت "بسم اللہ" پڑھ سکتا ہے ؟

عبد الحمید ممتاز آباد ملتان

الجواب برہنہ غسل کرنے کی صورت میں زبان سے "بسم اللہ" نہ پڑھے۔ عالمگیری میں ہے۔

ولا یسمی فی حال الانکشاف ولا فی محل النجاسۃ ھکذا فی فتح القدیر اھ (عالمگیری، ج ۱، ص ۳)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۲ / ۲ / ۱۴۰۱ھ

جانور کے ساتھ وطی کی تو بدوں انزال غسل واجب نہ ہوگا

ایک شخص نے جانور کے ساتھ وطی کی ہے ۔ کیا اس پر غسل فرض ہے یا نہیں ؟ وضاحت سے جواب ارشاد فرمائیں ۔

الجواب اگر انزال ہوگیا ہے تو غسل فرض ہے وگرنہ نہیں ۔

والایلاج فی البھیمۃ والمیتۃ والصغیرۃ التی لا یجامع مثلھا لا یوجب الغسل بدون الانزال اھ ۔

(عالمگیری : ج ۱ ص ۸) ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ ۲۵ / ۵ / ۱۳۶۹ھ

صغیرہ غیر مشتہاۃ کے ساتھ جماع سے غسل واجب نہ ہوگا تاوقتیکہ انزال نہ ہو

بہشتی زیور : ص ۸۶۵ ۔ میں لکھا ہے کہ اگر مرد کسی کمسن لڑکی سے جماع کرے تو غسل واجب نہیں ہوگا تاوقتیکہ انزال نہ ہو ۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی ۔ جب کہ دخولِ حشفہ سے غسل واجب ہوجاتا ہے انزال ہو یا نہ ہو ؟

الجواب درمختار میں یہ مسئلہ ایسے ہی لکھا ہے گویا کہ یہ وطئ بہیمہ یا وطئ میتہ کے مشابہ ہے ۔ صرف ایلاج سے غسل نہیں بلکہ انزال سے غسل فرض ہوگا کیونکہ محل میں شہوتِ کاملہ موجود نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۲۱ / ۸ / ۱۳۹۵ھ

غسل میں پانی سونگھ کر ناک میں چڑھانے کا حکم

"فتاویٰ افریقہ" مصنفہ : احمد رضا خان بریلوی : صفحہ ۱۳۱ ۔ پر تحریر ہے کہ غسل کا دوسرا فرض ناک کے دونتھنوں میں پورے نرم بانسے تک پانی پہنچانا ہے ۔ مگر اس کے لئے پانی سونگھ کر چڑھانا

درکار ہے جسے وہ قطعاً نہیں کرتے (غیر مسلم) بلکہ آج لاکھوں جاہل مسلمان اس سے غافل ہیں جس کے سبب ان کا غسل نادرست اور نمازیں باطل ہیں۔ حوالہ "محیط" کا دیا ہے۔

پانی سونگھ کر چڑھانا کیسے ہوتا ہے؟ روزے میں خطرہ ہے اور یہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر انگلی تر کر کے بانسے تک لے گئے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب ناک میں پانی ڈالنے اور تر انگلی کو جس سے پانی ٹپک رہا ہو ناک کے اندر لیجانے سے بھی غسل ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۷/۱۰/۱۳۹۵ھ

غسل میں کلی کرنا یاد نہ رہا تو جب یاد آئے کرلے

ایک شخص نے غسل جنابت کیا لیکن دوران غسل کلی کرنا بھول گیا غسل کے بعد اس کو یاد آیا۔ اب آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں فرمائیں کہ آیا اس کا غسل ہوا یا نہیں؟

الجواب جس وقت بھی یاد آجائے کلی کرلے دوبارہ غسل کرنے کی حاجت نہیں۔

ولو ترکھا ای المضمضۃ ناسیا فصلی ثم تذکر یتمضمض ویعید ما صلی۔ (منیۃ المصلی، ص ۴۸)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۱۱/۱۴۰۷ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بدون غسل کے دوسری بار مجامعت کا حکم

بدون غسل بار دیگر مباشرت جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اسے حرام کہتے ہیں؟

الجواب مستحب یہی ہے کہ معاودت سے پہلے غسل کر لیا جائے۔ لیکن اگر غسل کے بغیر بھی چلا جائے تو جائز ہے اسے حرام کہنا درست نہیں۔

والذی ورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم دار علی نسائہ فی غسل

واحد و ورد انہ طاف علی نسائہ واغتسل عند ھذہ و عند ھذہ - اھ (شامی ، ج ۱ ، ص ۱۶۳) - فقط واللہ اعلم -

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۹ / ۴ / ۱۴۰۸ ھ

اذا التقی الختانان فقد وجب الغسل

۱ : عضوِ تناسل عورت کے اندامِ نہانی میں داخل کرنے سے جب کہ انزال سے پہلے علیحدگی اختیار کرلی جائے ۔

۲ : عضوِ تناسل کسی مرد کی دبر میں داخل کرنے سے جب کہ انزال سے قبل علیحدگی اختیار کرلیجائے

۳ : عضوِ تناسل کسی جانور کے پیشاب کے راستہ میں داخل کرنے سے جب کہ انزال سے قبل علیحدگی اختیار کرلی جائے ۔

۴ : عضوِ تناسل کسی مردہ جانور کے پیشاب کے راستہ میں داخل کرنے سے جب کہ انزال سے قبل علیحدگی ہوجائے ۔ کیا حکم ہے ؟

الجواب ۱ ؛ ۲ : ہر دو صورت میں غسل واجب ہوگا ۔

" وکذا الایلاج فی احد السبیلین من الرجل والمرءۃ اذا توارت الحشفۃ انزل اولم ینزل وجب الغسل علی الفاعل والمفعول اھ (منیہ ، ص ۱۴) -

۳ ؛ ۴ - غسل واجب نہیں ہوگا - ولا عند وطئ بھیمۃ او میتۃ الی قولہ بلا انزال اھ (شامی ج ۱ ص ۱۵۴) -

فقط واللہ اعلم ؛ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی - ۱۱ / ۹ / ۱۴۰۲ ھ -

غسل فرض میں تاخیر کرسکتے ہیں یا نہیں

اگر غسل فرض ہوجائے تو فوراً غسل کرنا ضروری ہے یا کچھ تاخیر بھی کرسکتے ہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب اصل تو یہی ہے کہ جس قدر جلد طہارت حاصل کر لی جائے بہتر ہے معہذا اگر نماز کے وقت تک تاخیر ہو جائے تو گناہ نہ ہوگا۔

"الجنب اذا اخر الاغتسال الی وقت الصلوٰۃ لا یأثم کذا فی المحیط۔
(عالمگیری ج ۱ ص ۹) - فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

منی اپنے مقر سے شہوت کے ساتھ جدا ہو تو جب بھی خارج ہوگی غسل واجب ہو جائے گا

ایک شخص وطی فی الدبر کرے لیکن انزال نہ ہو۔ یا نابالغہ سے زنا کرے۔ یا مشت زنی کرے لیکن انزال نہ ہو۔ یا وہ کسی طرح منی خارج ہونے سے روک لے بذریعہ ممسک دوا یا امساک کے ذریعہ یا رگ دبا کر۔ تو ان تینوں صورتوں میں اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں ؟ کیونکہ محل زنا نہیں اور انزال بھی نہیں ہوا۔ آیا دخول سے یا ہاتھ لگا لینے سے (مشت زنی) سے غسل واجب ہوگا ؟ اگر کچھ دیر کے بعد اس شخص کو پیشاب کے دوران سفید رطوبت آئے تو ان تینوں صورتوں میں سے کس میں غسل واجب ہوگا ؟ یا اسے جریان سمجھا جائے گا۔ یا تین چار گھنٹے کے بعد پیشاب میں رطوبت آئے ؟

الجواب ۱۔ دخول کے بعد غسل واجب ہو جائے گا انزال ہو یا نہ ہو۔

۲۔ اگر عورت اتنی کمسن ہو کہ اس کے ساتھ جماع کرنے میں خاص حصے اور مشترک حصے مل جانے کا خوف ہو تو تا وقتیکہ انزال نہ ہو غسل فرض نہ ہوگا۔ مشت زنی میں غسل کے لئے انزال ضروری ہے۔

۳۔ اگر اس سعی مذموم میں منی اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو گئی مگر کسی وجہ سے خروج سے رکاوٹ پیدا کر لی تو یہ منی جب خارج ہوگی غسل فرض ہو جائے گا۔ وتعتبر الشهوة عند انفصاله عن مكانه لا عند خروجه من رأس الاحليل اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۸)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء | محمد انور عفا اللہ عنہ

غسل میں مصنوعی دانت نکالنے کا حکم

جب آدمی کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں تو وہ نئے دانت بنواتا ہے۔ جن کو منہ سے نکالا بھی جا سکتا ہے۔ تو کیا غسل کرتے وقت ان دانتوں کو نکالنا ضروری ہے یا کہ منہ میں ہوتے ہوئے بھی غسل ہو جائے گا۔ اگر غسل کرتے وقت ان کو اتارا جائے تو دانتوں کے کھلا ہونے کا خطرہ ہے جس سے بعد میں دقت اور تکلیف ہوتی ہے کہ وہ منہ میں جم کر قائم نہیں رہتے۔ کیا اس عذر کی وجہ سے ان کے منہ میں رہنے کی صورت میں غسل کر سکتا ہے؟ واضح طور پر تفصیل سے بیان کریں۔ بینوا توجروا۔

الجواب بہتر اور احوط یہی ہے کہ ان کو اتار کر غسل کیا جائے۔ اگر ایسے بھی غسل کر لے گا تو بھی صحیح ہو جائے گا۔ کذا فی فتاوی دار العلوم، ج ۱، ص ۱۴۳)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

زخموں کی وجہ سے نہانا ممکن نہ ہو تو کیا کریں

بندہ موٹر سائیکل پر جا رہا تھا کہ اتفاقاً ایکسیڈنٹ ہو گیا جس سے جسم کے کافی حصہ پر خراشیں ہو گئیں اور کچھ زخم ہو گئے۔ خراشوں اور زخموں پر ہر وقت دوا چھڑکتے رہتے ہیں۔ اسی دوران اگر مجھ پر غسل واجب ہو جائے تو کیسے غسل کروں؟ واضح رہے کہ زخم والی جگہ پر پانی لگنا سخت نقصان دے گا۔

عبد الوحید لوہڑ گیٹ ملتان

الجواب اگر زخمی حصہ کو بچا کر باقی کو دھو سکتے ہوں تو غسل کر لیں اور اگر غسل کی صورت میں زخمی حصہ پر پانی پہنچنا ناگزیر ہو تو غسل نہ کریں تیمم کر لیں۔

تیمم لو کان اکثرہ ای اکثر اعضاء الوضوء عددا وفی الغسل مساحۃ مجروحا او بہ جدری اعتبارا للاکثر وبعکسہ یغسل الصحیح ویمسح الجریح۔ (درمختار)۔

(قوله وبعکسه) وهوما لوکان اکثر الاعضاء صحیحا یغسل الخ
لکن اذا کان یمکنه غسل الصحیح بدون اصابة الجریح والا
تیمم (حلیة) فلوکانت الجراحة بظهره مثلا و اذا صب الماء
سال علیها یکون مافوقها فی حکمها فیضم الیها کما بحثه
الشرنبلالی فی الامداد و قال ولم أره وما ذکرناه صریح فیه.
(شامی ۱ج ۱ : ص ۲۳۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲۸ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

غسل کا مسنون طریقہ

ایک مسئلہ قابلِ دریافت ہے وہ یہ کہ غسلِ جنابت کا مکمل طریقہ کیا ہے اور جو کچھ پڑھنا ہوتا ہے وہ بھی تحریر فرما دیں؟

الجواب پہلے استنجاء کیا جائے۔ پھر جسم کے کسی حصہ پر اگر نجاست لگی ہو تو اسے صاف کیا جائے۔ پھر وضوء کیا جائے۔ اگر پانی نہیں نکلتا اور پاؤں میں جمع ہوتا ہے تو پھر پاؤں آخر میں دھوئے ورنہ مکمل وضوء کرلے۔ اس کے بعد پورے بدن پر پانی اس ترتیب سے بہائے کہ پہلے سر پر، پھر داہنے کندھے پر، پھر بائیں کندھے پر، پھر سارے جسم پر۔ غسل کے تین فرض ہیں۔ کلی کرنا، ناک کے نرم حصے سے سخت حصے تک پانی پہنچانا، سارے بدن پر پانی بہانا[1]۔ غسل کے لئے کپڑے کھولنے سے پہلے بسم اللہ بھی پڑھ لے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	جامعہ خیر المدارس، ملتان

۶ / ۴ / ۱۴۰۶ھ

[1] وسننه كسنن الوضوء البداءة بغسل يديه و فرجه وان لم يكن به خبث وخبث بدنه ان كان ثم يتوضأ ثم يفيض الماء على كل بدنه ثلاثا بادئا بمنكبه الايمن ثم الايسر ثم برأسه ثم على بقية بدنه مع دلكه ندبا وقيل يثنى

بالرأس وقيل يبدأ بالرأس وهو الاصح وظاهر الرواية و الاحاديث ۔ اھ ۔(تنویر مع الدر علی هامش الشامية ج ۱ ص ۱۱۵)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاوی

جنبی کے کھانے پینے کا حکم

زید کو سفر میں احتلام ہوگیا۔ اب وہ رشتہ داروں کو شرم کی وجہ سے بتا بھی نہ سکا اور اسی حالت میں کھاتا پیتا رہا۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب اگر ہاتھ دھوکر کلی کرکے کھایا پیا ہے تو بلا کراہت جائز ہے۔ اور ہاتھ منہ دھوئے بغیر کھانا پینا مکروہ تنزیہی ہے۔

كما في الشامية (ج ۱ ص ۱۶۳)۔ ولا أكله وشربه بعد غسل يدو فم (درمختار) اما قبله فلا ينبغي لانه يصير شاربا للماء المستعمل وهو مكروه تنزيها ويده لا تخلو عن النجاسة فينبغي غسلها ثم يأكل ۔ اھ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ۲۲ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۳/۱۳۸۴ ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

برہنہ غسل کررہے ہوں تو استقبال قبلہ نہ کریں

برہنہ ہوکر غسل کرنے کی صورت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب برہنہ ہوکر غسل کرنے کی صورت میں قبلہ رو ہونے سے بچیں ۔

وسننه كسنن الوضوء سوى الترتيب وآدابه كآدابه سوى استقبال القبلة لانه يكون غالبا مع كشف عورة ۔ اھ (درمختار)۔

(قوله مع كشف عورة) فلو كان متزرا فلا بأس به ۔اھ

(شامی: ج ۱: ص ۱۱۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۲ / ۲ / ۱۴۰۹ھ

زخم کے اوپر جمے ہوئے خون کا حکم

ا :۔ اس خیال سے کہ درہم سے زیادہ خون، پیپ اور زخم کا نجس پانی مانع صلوۃ ہے۔ یا اس خیال سے کہ ان نجاسات کو زخم سے دور نہ کیا جائے تو یہ نفس زخم کے دھونے سے مانع ہوگا۔ جس کا دھونا فرض تھا۔ کیا ان دو خیالوں کی وجہ سے درہم سے زائد صرف زخم کے اوپر والی جمی ہوئی نجاست کا چھڑانا واجب ہوگا یا نہ ؟

۲ : زخم پر پانی مضر تو نہیں لیکن دوائی کی جمی ہوئی تہہ کو اگر مل کر چھڑاتے ہیں تو زخم کے بہہ پڑنے کا ڈر ہے۔ ورنہ اصل زخم نہیں دھلے گا۔ کیا جب کہ زخم پر پٹی نہ ہو تو جمی ہوئی دوائی کی تہہ قائم مقام زخم کے دھلنے کے نہ ہوگی ؟

حافظ سلیمان میواتی ، عربی مدرسہ ، رائے ونڈ ، لاہور

الجواب ا : جب تک خون، پیپ وغیرہ زخم سے بہہ کر جسم پر نہیں آتا اس وقت تک اس کو نجس نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ معدن میں ہے۔ پس ایسے خون وغیرہ کا زخم سے ازالہ کرنا ضروری نہیں۔ ھدایہ میں ہے۔ " مالا یکون حدثا لا یکون نجسا " (ص ۱) اور اگر زخم اس حالت میں ہے کہ موجودہ خون وغیرہ دور کرنے کے بعد نیچے سے تندرست جسم ظاہر ہوگا یا اس کے قریب، تو ایسی صورت میں اس کا چھڑانا ضروری ہونا چاہئے۔

۲ :۔ صورت مسئولہ میں جب کہ زخم کے بہنے کا اندیشہ ہو تو سفوف کی تہہ کا زائل کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ بھی ضرور میں داخل ہے۔ دوسری صورت میں اگر زخم بالکل ٹھیک ہو گیا ہے اور تہہ مذکور کے ازالہ سے زخم پر کوئی اثر نہیں پڑیگا تو اسے اکھڑ دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی

۲۶ - ۱۲ - ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

کھڑے ہوکر وضوء کرنے کا حکم

کیا نلکے وغیرہ پر کھڑے ہوکر وضوء کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب وضوء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اونچی جگہ پر قبلہ رو بیٹھ کر وضوء کیا جائے ۔ فآداب الوضوء الجلوس فی مکان مرتفع تحرزا عن الغسالة واستقبال القبلة ۔ اھ (مراقی الفلاح ، ص ۴۲) ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۳/۹/۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

جس کے دانت نہ ہوں اس کے لئے مسواک کا حکم

اگر کسی کے دانت نہ ہوں تو کیا مسوڑھوں پر مسواک کرنا سنت ہے یا نہیں ؟

الجواب "مراقی" میں ہے کہ ۔

وفضله يحصل ولو كان الاستياك بالاصبع او خرقة خشنة عند فقده اى السواك او فقد اسنانه او ضرر بفمه ۔ الخ ؛ (ص ۳۸) ۔

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ دانت نہ ہونے کی صورت میں فضیلت مسواک انگلی سے حاصل ہو جاتی ہے ۔ مسواک کا استعمال سنت نہیں رہتا ۔ در مختار میں ہے ۔

"ويستاك عرضا لا طولا" اس پر علامہ شامی رح فرماتے ہیں کہ

لانه يجرح لحم الاسنان ۔ (شامية ج ۱ ، ص ۸۷) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

جنبیہ دودھ پلا سکتی ہے

جنبی عورت بچے کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں ؟ بلا عذر یا عذر میں کوئی فرق ہے یا نہیں ؟ غلام اکبر چانڈیہ ڈی جی خان ۔

الجواب جائز ہے پلاسکتی ہے۔
وفیہ جواز مصافحۃ الجنب واتفقوا علی طہارۃ عرق الجنب والحائض۔ اھ (حاشیہ مشکوۃ ، ص ۴۹ : ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ ۲۱/۳/ ۱۳۹۵ھ

جنبی کا پسینہ پاک ہے

جنبی کا پسینہ پاک ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔
المستفتی : خالد محمود ، جہلم

الجواب جنبی کا پسینہ پاک ہے۔ لان المسلم طاھر ومن لوازم طہارتہ طہارۃ عرقہ ۔اھ (بخاری ج ۱ ص ۴۲۔ حاشیہ ۵)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مسواکِ مسنون کے فوائد کی تفصیل

علماء کرام سے سنا ہے کہ مسواک کرنا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اس کے فوائد کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ اس کے ستر فائدے ہیں۔ اور جب شمار کرتے ہیں تو دو چار فوائد ہی بیان کرتے ہیں آگے کچھ نہیں فرماتے۔ دوسرے فوائد کیا کیا ہیں۔

اسی طرح بعض کتب میں بھی جب مسواک کے فوائد کا بیان آتا ہے تو وہاں پر بھی چند ہی فوائد بیان کرتے ہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ اگر پورے ستر فوائد جو کہ بیان کئے جاتے ہیں کہیں ثابت ہوں تو باحوالہ پورے کے پورے ہی تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی قاری سیف اللہ خالد قادری لاہور

الجواب بلاشبہ مسواک میں بہت ہی فوائد ہیں۔ عارف باللہ حضرت شیخ احمد زاہد رحمہ اللہ نے ان پر مستقل ایک تصنیف لکھی ہے۔ جس کا نام " تحفۃ السلاک فی فضائل السواک " ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ نے ان میں سے تقریباً ساٹھ حاشیہ

مراقی الفلاح میں نقل کئے ہیں جن میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

۱ : مسواک کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

۲ : اس پر ہمیشگی کرنے سے غناء اور رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

۳ : منہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔

۴ : بلغم کی زیادتی کو فائدہ مند ہے۔

۵ : اس سے دانت مضبوط ہوتے ہیں۔

۶ : بینائی میں اضافہ ہوتا ہے۔

۷ : قوت فصاحت بڑھتی ہے۔

۸ : اس کی مداومت بوقت وفات شہادتین یاد دلاتی ہے۔

۹ : لحد میں وحشت دور کرتی ہے۔

۱۰ : اعمال کے ثواب کو بڑھاتی ہے۔

پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "طحطاوی" ص ۳۸۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲/۳/۱۴۱۱ھ

کان سے نکلنے والی پیپ ناقض وضو ہے

کان بہنے سے کان کے اندر سے جو سفید پیپ نکلتی ہے اس سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر کان سے سفید پیپ باہر کو آجائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔[1]

فقط واللہ اعلم ؛ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

[1] واذا خرج من اذنه قيح او صديد ينظر ان خرج بدون الوجع لا ينتقض وضوءه وان خرج مع الوجع ينتقض وضوءه لانه اذا خرج مع الوجع فالظاهر انه من الجرح۔اھ (عالمگیری ج ۱، ص ۲)۔

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جنبی آدمی دُعائیں وغیرہ پڑھ سکتا ہے

جنبی آدمی درود شریف پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ اذان کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟ کوئی اور عربی کی دعاء پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر پڑھ لے تو اسے گناہ تو نہیں ہوگا ؟

الجواب: سوال میں ذکر کی گئی تمام چیزیں پڑھ سکتا ہے۔ عربی دعائیں قرآنی ہوں تو ان کو بہ نیت تلاوت نہ پڑھے بلکہ بہ نیت دعاء پڑھے۔

ویجیب من سمع الاذان ولو جنبا ۔اھ (در مختار علی الشامیہ ج۱ ص۲۹۶)

ویحرم قراءۃ اٰیۃ من القراٰن الا بقصد الذکر اذا اشتملت علیہ لا علی حکم او خبر ۔ (مراقی الفلاح)۔

(قولہ الا بقصد الذکر) ای او الثناء او الدعاء ان اشتملت علیہ فلا بأس بہ فی اصح الروایات قال فی العیون ولو انہ قرأ الفاتحۃ علی سبیل الدعاء او شیئا من الاٰیات التی فیھا معنی الدعاء ولم یرد بہ القراٰن فلا بأس بہ واختارہ الحلوانی وذکر فی غایۃ البیان انہ المختار کما فی البحر و النھر ۔اھ (طحطاوی ص ۷۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

۲۵/ ۱۴۰۰ھ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

پانی تھوڑا ہو تو میت اور جنبی میں سے کس پر صرف کیا جائے

دو مرد اور ایک عورت ایک ایسی جگہ پر محبوس ہیں جہاں پانی مفقود ہے ۔ ان کے پاس صرف اس قدر پانی ہے کہ ایک آدمی غسل کر سکتا ہے ۔ عورت حیض سے پاک ہوئی ۔ مرد جنبی ۔ پھر دو مردوں میں سے ایک مر جاتا ہے ۔ اب یہ پانی کس پر صرف کیا جائے ؟ میت پر ، جنبی پر ، یا حائضہ پر؟

حافظ محمد افضل اوکاڑہ

الجواب الجنب اولى بمباح من حائض او محدث وميت ولو لاحدهم فهو اولى ولو مشتركا ينبغى صرفه للميت ۔ اھ (در مختار علی الشامی ج ۱ ص ۱۸۶)۔

اگر یہ پانی کسی کا مملوک ہے تو وہی استعمال کرے۔ سب کا مشترک ہے تو میت پر صرف کیا جائے۔ اور اگر مباح ہے تو جنبی اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۳؍۲؍۱۳۹۶ھ

وضوء اور غسل میں کتنا پانی استعمال کیا جائے

وضوء اور غسل کے لئے پانی کی کوئی مقدار مقرر ہے کہ اس سے زائد یا کم استعمال نہ کیا جائے؟

الجواب اس بات پر اجماع ہے کہ وضوء اور غسل کے لئے پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں جس سے کم یا زیادہ استعمال کرنا درست نہ ہو۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ضرورت سے زائد استعمال نہ کیا جائے۔ اور مقدارِ مسنون سے کم بھی نہ ہو۔ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنا معمول یہ منقول ہے کہ آپ غسل ایک صاع پانی سے کرتے تھے اور وضوء میں ایک مد پانی استعمال فرماتے تھے۔ مروجہ اوزان کے مطابق مد کا وزن ۶۸ تولہ ۳ ماشہ ہے۔ اور "صاع" کا ۲۷۰ تولہ ہے۔

واعلم انه نقل غير واحد الاجماع على عدم التقدير فى ماء الوضوء والغسل بل هو بقدر الكفاية لاختلاف طباع الناس و عن عائشة رضى الله عنها جرت السنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الغسل من الجنابة صاع ثمانية أرطال وفى الوضوء رطلان وهما مد فالمد ربع الصاع ۔ اھ (طحطاوی ص ۵۴) فقط والله اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۱؍۳؍۱۴۱۱ھ

ما يتعلق بالآبار والحياض

(کنوئیں اور تالاب کے مسائل)

کنوئیں سے بدبو آنے لگے تو پاک ہے یا ناپاک؟

۱: ایک کنوئیں کے اندر اوپر سے کوّے نے گوشت کا ایک ٹکڑا کہیں سے لاکر گرا دیا ہے۔ اس گوشت کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ کس قسم کا تھا۔ یہ مذبوح کا بھی ہو سکتا ہے اور مردار کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس واقعہ کو کافی عرصہ ہوا ہے۔

۲: ابھی ابھی پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک کنوئیں سے بدبو آنے سے پتہ چلا کہ اس میں گوشت کی ایک ہڈی جس میں کچھ گوشت بھی تھا گر چکی تھی اور اب بدبو آنے لگی ہے اس ہڈی کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

۳: کیا مذبوحہ کا پاک اور حلال گوشت تعفن کی وجہ سے نجس ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی دوسرے ماکولات مثل حلوہ، ساگ وغیرہ کیا تعفن کی وجہ سے یہی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں؟

الجواب ۱،۲: حدیث پاک ہے:

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال لا وضوء الا من صوت اوريح - قال ابوعيسٰی هذا حديث حسن صحيح - وقال ابن المبارك اذا شك فی الحدث فانه لا يجب عليه الوضوء حتی يستيقن استيقانا بقدر ان يحلف عليه - (ترمذی شريف ج ۱ ص۲۹)۔

اس حدیث سے فقہاء کرام نے ایک قاعدہ مستنبط کیا ہے الیقین لا یزول بالشک۔ لہٰذا جب تک وقوعِ نجاست کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک کنواں نجس نہیں ہوگا۔ اور تغیر باحد اوصافِ ثلاثہ سے مراد مطلق تغیر نہیں بلکہ تغیر بالنجاست ہے۔ بو آنا نجاست یا نجس ہونے

کی دلیل نہیں کما سیاتی ۔

۴ ۔ مذبوحہ کا پاک اور حلال گوشت تعفن کی وجہ سے نجس نہیں ہوتا ۔ یوں ہی دوسرے ماکولات اور پھر بعض متعفنہ چیزوں کا کھانا حرام ہوجاتا ہے ایذار کی وجہ سے نہ کہ نجس ہونے کی وجہ سے ۔ کما فی الطحطاوی ، ص ۲۲ ۔

قال فی النہایۃ الاستحالۃ الی فساد لا توجب نجاسۃ فان سائر الاطعمۃ تفسد بطول المکث ولا تنجس اھ لکن یحرم الاکل فی ھذہ الحالۃ للایذاء لا النجاسۃ کاللحم اذا انتن یحرم اکلہ ولا یصیر نجسا بخلاف السمن واللبن و الدھن و الزیت اذا انتن لایحرم وکذ الاشربۃ لا تحرم بالتغیر کذا فی البحر ۔ (طحطاوی ص۲۲) ۔

فقط واللہ اعلم

چڑیا کنوئیں میں گرکر لاپتہ ہوجائے تو کنواں کیسے پاک کیا جائے

ایک کنوئیں میں تین چڑیاں گرکر گم ہوگئی ہیں باوجود تلاش کرنے کے ان کا نام ونشان نہیں ملتا ۔ تو شریعت مطہرہ میں اس کنوئیں کو کس طرح پاک کیا جائے ؟

عبدالصمد جھنڈیر امام مسجد

الجواب اگر چڑیاں کنوئیں میں مرنے کے بعد لاپتہ ہوگئی ہیں تو عندالشریعت کنوئیں کو چڑیوں کے گل گارا ہونے تک معطل رکھا جائے ۔ شریعت مطہرہ کی رو سے اس کی مقدار شش ماہ بھی ہے ۔ بعد میعاد مذکور کے کنواں پاک کرنے سے پاک ہوگا ۔

در جواہر گفتہ مکعب کودکے افتاد وفے یا بند اگر پاک است باک نہ ۔ واگر پلید است وبعد نزح تمامی آب ادرا نیا بند مضر نہ ۔ عصفورے افتاد واخراج او متعذر است تا درمیان ہست پاک نشود وطریق آں است کہ چاہ را معطل سازند تا دانند کہ گل شدہ باشد وبعضے تقدیر بشش ماہ کردہ اند فقط فتاوی برہنہ مصنفہ فاضل اجل شیخ نصیرالدین ملتانی ۔

حررہٗ : محمد اسحاق کوٹلی حصنڈیر : شجاع آباد

۲۷ محرم ۱۳۷۷ھ : مطابق ۲۴ اگست ۱۹۵۷ء

الجواب صحیح : اخراج نجاست کے بعد نزح ماء کا اعتبار ہے۔ کذا فی العینی وینزح ماء البئر بعد اخراجها منها من ای نوع کان من النجاسة۔

محمد واصل عفی عنہ

الجواب صحیح والمجیب مصیب ، بندہ عبدالعزیز عفی عنہ ، مہتمم عزیز العلوم شجاعباد۔

الجواب صحیح : لیکن یہ اس وقت ہے کہ یہ محقق ہو کہ چڑیاں کنوئیں میں گر چکی ہیں اور نکلی نہیں تو واضح بات یہ ہے کہ اس صورت میں میت نجسہ کے موجود ہوتے ہوئے پانی قطعاً پاک نہیں ہو سکتا۔ البتہ جب اتنا عرصہ گزر جائے کہ ان چڑیوں کا گوشت و پوست مٹی ہو جائے اور حقیقت میں انقلاب آجائے تو پھر موجودہ پانی نکال دیا جائے اور کنوئیں کو استعمال کر لیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

محمود عفا اللہ عنہ
مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۲۸ / ۱ / ۱۳۷۷ھ

کنوئیں میں جوتا گر جائے تو کیسے پاک کیا جائے

ایک کنواں جس کا پیندا بہت گہرا ہے۔ ایک دس سالہ لڑکے کے کہنے کے مطابق اس میں جوتا گر گیا ہے جو کہ کئی بار کوشش کرنے سے نہیں ملا اور غوطہ زن بھی جواب دے چکے ہیں اس کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

الجواب صورت مسئولہ میں جب تک جوتے کے نجس ہونے کا علم نہ ہو اصولاً تو کنواں ناپاک نہیں ہوا لیکن احتیاطاً ۲۰ ڈول نکالدیں تو بہتر ہے۔ قال فی البحر وقیدنا بالعلم لانهم قالوا فی البقرة ونحوه یخرج حیا لا یجب نزح شئ وان کان الظاهر اشتمال بولها علی افخاذها لکن یحتمل طهارتها بان سقطت عقیب دخولها ماء کثیرا مع ان الاصل الطهارة - (البحر الرائق ص ۱۲۲)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ○ محمد انور عفا اللہ عنہ ۵ / ۴ / ۱۴۰۱ھ

خنزیر کنوئیں میں گر کر گل سڑ کر تہ نشین ہو جائے تو کنواں کیسے پاک کیا جائے

ایک کنواں جس میں خنزیر گر کر مرگیا ، اور گل کر تہ نشین ہو چکا ہے ۔ اس کا پیندا بہت گہرا ہے مالکان بہت غریب ہیں ۔ نیا کنواں تیار کرانے کی طاقت نہیں رکھتے ۔ اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟

الجواب اگر وہ گل سڑ کر مٹی گارا بن گیا ہو تو اب ایک دفعہ کنوئیں کا سارا پانی نکال دیں اس سے کنواں پاک ہو جائے گا ۔

عن الجواهر لو وقع عصفور فيها فعجز وا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلموا انه استحال وصار حماة اھ (شامی ج ۱ ص ۱۹۶) ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۵ / ۴ / ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کنوئیں سے پانچ فٹ دور نلکا کنوئیں کی پلیدی سے متاثر ہو گا یا نہیں

ایک ناپاک کنوئیں کے قریب پانچ فٹ کے فاصلے پر ایک نلکا ہے جس کی گہرائی تیس فٹ سے زیادہ ہے آیا اس کنوئیں کے ناپاک ہو جانے سے نلکا ناپاک ہوا یا نہیں ؟

الجواب اگر کنوئیں کے پانی کا اثر رنگ ، بو ، مزہ ، نلکے میں ظاہر ہو جاتا ہے تو نلکہ ناپاک ہو جائے گا ۔ ورنہ ناپاک نہ ہو گا ۔ (کمافی الشامیة ج ۱ ص ۲۰۰) ۔

تحت قول الدر المختار في مقدار البعد المانع الى قوله قال الحلواني المعتبر الطعم او اللون او الريح فان لم يتغير جاز والا لا وفي الخلاصة والخانية والتعويل عليه اھ ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۶ / ۳ / ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

کنوئیں سے خنزیر زندہ نکل آئے تو بھی سارا پانی نکالا جائے

ایک کنوئیں میں خنزیر گر پڑا، اور جب نکالا گیا تو زندہ تھا۔ تو اس کنوئیں کا پانی کس طریقے سے پاک کیا جائے؟ اگر مرجاتا تو کیا حکم تھا؟ بعض کہتے ہیں کہ دو سو ڈول نکال دیئے جائیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مذکورہ کنوئیں کو مٹی ڈال کر بند کر دیا جائے۔ اسی طرح دیگر طریقے بھی بتلاتے ہیں۔

الجواب خنزیر گرنے کے بعد زندہ نکال لیا جائے یا مرجائے، دونوں صورتوں میں کنوئیں کا سارا پانی نکالنا ضروری ہے۔

قوله وليس بنجس العين اى بخلاف الخنزير وكذا الكلب على القول الأخر فانه ينجس البئر مطلقا۔

(رشامی ج ۱ : ص ۱۹۶)۔

اب اگر پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے سارا پانی نہیں نکالا جا سکتا تو اندازے سے پانی نکالا جائے اور اندازے کی یہ صورت ہے کہ پہلے کنوئیں کا پانی ماپ لیا جائے اور اس کے بعد کنوئیں سے جلدی جلدی پانی نکالا جائے، تھوڑی دیر نکال کر پھر پانی ماپا جائے تو جتنا کم ہو جائے اس حساب سے اتنے ہی ڈول نکال دیئے جائیں۔ مثلاً کسی کنوئیں کا پانی پانچ ہاتھ تھا تو جلدی جلدی کچھ دیر پانی نکالنے سے ایک ہاتھ ٹوٹ گیا باقی چار ہاتھ باقی رہ گیا تو جتنے ڈول ایک ہاتھ پانی کے نکلے ہیں اسی حساب سے چار ہاتھوں کے ڈول نکالے جائیں۔ اور اگر یہ دونوں صورتیں مشکل ہوں یعنی نہ کنواں خالی ہوتا ہو نہ اس کا پانی کچھ نکالنے سے ٹوٹتا ہو تو پھر اتنے ڈول نکالے جائیں کہ دو عادل آدمی کہہ دیں کہ اب سارا پانی نکل گیا ہوگا تو یہ کنواں پاک ہو جائے گا۔

كذا في الدر المختار وان تعذر نزح كلها لكونها معينا فبقدر ما فيها وقت ابتداء النزح قاله الحلبي يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء به يفتى اھ

(رشامی : ج ۱ : ص ۱۹۸) ۔

دو سو ڈول پر علی الاطلاق فتوے دینا ٹھیک نہیں۔

(کمافی فتاوی امدادیہ : ج ۱ ص ۳۸)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ : ۲۶/۵/۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

کنوئیں میں آدمی گر کر مر جائے تو سارا پانی نکالنا ضروری ہے

علمائے ربانی کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ کنوئیں میں آدمی گر کر مر گیا ، تو اس کی پاکیزگی کے لئے کیا کرنا چاہئے۔

الجواب کنواں ناپاک ہو گیا اس کا تمام پانی نکالنا ضروری ہے۔ کما فی الهداية ج ۱ ص ۲۷ وان ماتت فيها شاة او آدمی او كلب نزح جميع ما فيها من الماء لان ابن عباس وابن الزبير افتيا بنزح الماء كله حين مات زنجي في بئر زمزم۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

محمد اسحاق غفر لہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۵ / ۷ / ۱۳۸۴ھ

پلید کنوئیں کے قریب لگے ہوئے نلکے کا حکم

ایک کنواں اٹھائیس ۲۸ فٹ گہرا تھا۔ جس میں انیس ۱۹ فٹ خالی اور آٹھ ۸ فٹ پانی تھا اس کنوئیں میں ایک بچی گر کر مر گئی۔ کنوئیں کا پانی استعمال کرنے سے بند کر دیا گیا۔ اس کنوئیں سے چودہ فٹ کے فاصلے پر بہتر ۷۲ فٹ کی گہرائی پر ایک نل نصب کیا گیا ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ اس کنوئیں میں گندا پانی گرتا رہتا ہے۔ اور چودہ فٹ کے فاصلے پر نل ہے کیا اس کا پانی استعمال کر سکتے ہیں جب کہ پانی کا مزہ ، بو ، رنگ صحیح ہے۔

الجواب نل کے پانی کا مزہ ، بو ، رنگ صحیح اور درست ہے تو پھر نل کا پانی پاک اور طاہر ہے۔ فکر نہ کریں کما فی الشامية ج ۱ ص ۲۰۲ : اختلف في

فی مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة الی البئر الی قوله و قال الحلوانی المعتبر الطعم او اللون او الریح فان لم یتغیر جاز والا لا- وفی الخلاصة والخانیة والتعویل علیه وصححه فی المحیط۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ | محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی

کنوئیں سے مردہ چوزہ نکلا تو کب سے پلید سمجھا جائے

ایک کنوئیں میں سے مردہ چوزہ نکلا۔ وقوع کا کوئی علم نہیں۔ اب اس سے جو کھانا پکایا گیا ہے یا پک رہا ہے ابھی تک تیار نہیں ہوا ہے۔ اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے یا حرام فقراء و اغنیاء کے لئے مساوی ہے یا فرق ہے؟

الجواب جو پانی اس مردہ چوزے کے نکلنے اور دیکھنے سے پہلے چاہ سے نکالا گیا ہے وہ پاک ہے۔ اس سے جو کھانا وغیرہ پکایا گیا ہے وہ بھی پاک و حلال ہے بعد دیکھنے مردہ چوزہ کے کنواں ناپاک تصور ہوگا۔ اس کو نکالنے کے بعد دیکھا جائے۔ اگر پھولا پھٹا نہ ہو تو ساٹھ ڈول نکالے جائیں یہ مستحب ہے۔ اور چالیس ڈول نکالنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے۔

ویحکم بنجاستها الی قوله وقالا من وقت العلم فلا یلزمهم شیٔ قبله قیل وبه یفتی۔ (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص ۱۹۱)۔

اور اگر پھولا پھٹا تھا تو تمام پانی نکالنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۶/۵/۱۳۹۲ھ

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

کنواں پلید ہو جائے تو ساتھ والا کنواں پلید نہیں ہوگا

شرح النقایہ ج ۱ ص ۱۷۔

وفی شرح الوقایة انما قدرنا

الغدير بعشر فی عشر بناء علی قوله صلی الله علیه وسلم
ومن حفر فله حریمها اربعون ذراعا فیکون له
حریمها من کل جانب عشرة ذراع ففهم من منع غیر
صاحب البئر عن حفر بئر فی العشر لانجذاب الماء
ای ما یحفره من عدم منعه عن الحفر فیما وراء ذالك
لعدم انجذاب الماء الیه ۔

اس سے معلوم ہے کہ دوسرا کنواں یا کوئی نلکا دس ہاتھ کے اندر لگایا جائے تو جب ان میں سے کوئی پلید ہوگا تو دوسرا بھی پلید ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر کنواں پلید ہوگا تو نلکا بھی جو کہ دس ہاتھ کے اندر رہے پلید ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ مسئلہ بیر بالوعۃ سے ماخوذ کیا جاتا ہے ۔کیا یہ درست ہے کہ ایک کنوئیں کے پلید ہونے سے دس ہاتھ کے اندر واقع نلکا اور کنواں بھی پلید ہو جائیں گے۔

میاں سعید احمد کھگہ قصبہ مسڑل ملتان

الجواب صاحب شرح وقایہ نے جو استدلال من حفر بئرا سے کیا ہے، اس کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں ۔ مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تین چار قوی اعتراض کئے ہیں اور استدلال کو ضعیف قرار دیا ہے ۔جب یہ استدلال ضعیف ہوا، تو زمین کی تہ میں کنوئیں کی نجاست اور طہارت کا دس ہاتھ کے اندر اندر واقع نلکا تک سرایت کرنا بھی ضعیف ہوا ۔ اس لئے یہ استدلال معتبر نہیں ۔

اگر کنواں نجس ہو جائے تو ساتھ والا کنواں جو دس ہاتھ کے اندر واقع ہے نجس نہیں ہوگا۔ جب تک حضرات فقہاء کسی جزئیہ میں قول بالنجاست کی تصریح نہ کریں ۔نجاست کا حکم لگانا معتبر نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۷ رجب ۱۳۷۰ھ

کنوئیں سے پھولا ہوا چوہا نکلا تو کب سے ناپاک سمجھا جائے

ہماری مسجد کے کنوئیں میں سے کبھی کبھی بدبو آتی ہے ۔ ایک مرتبہ کنواں بند کر دیا گیا۔ پھر

کافی عرصہ کے بعد اس کا پانی چالو کیا گیا۔ تو کئی دن بدبو آتی رہی اچھی طرح دیکھ کر اطمینان کر لیا گیا کہ کوئی نجاست نہ تھی ۔ اب حال ہی میں یہ واقعہ ہوا کہ پانی میں سے بدبو آئی اور ذائقہ متغیر ہو گیا ۔ ہم نے سمجھا کہ یہ بات حسب معمول ہے ۔ اس کے بعد میں خود اس پانی سے وضوء کرتا رہا ۔ نہ مجھے بدبو آئی نہ کسی نے بدبو کی شکایت کی ۔ لیکن پانچ سات روز کے بعد کنوئیں میں سے پھولا ہوا چوہا برآمد ہوا ۔ درمیانی وقفہ پانچ چھ دن کا تھا یا سات آٹھ یوم کا ، کچھ یاد نہیں ۔ اب سوال یہ ہے کہ گزشتہ ایام کی نمازیں قضاء کی جائیں یا نہ ؟ اگر کی جائیں تو کتنے یوم کی ۔ اس بدبو کو جو چند روز پہلے آئی تھی اس چوہے کی وجہ سے سمجھا جائے یا نہ ؟ پھر یہ دقت ہے کہ مسجد کی صفیں اور قالین جو بہت موٹے موٹے ہیں ۔ اور سردی کا لباس کوٹ اور چوغے کیسے پاک کئے جائیں ۔ ؟

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتوٰی ہے کہ کنوئیں کو اس وقت سے ناپاک سمجھا جائے گا جب سے چوہا دیکھا گیا ۔ اور سابقہ نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں ۔ کیا یہاں اس فتوٰی پر عمل کی گنجائش ہے ؟

الجواب نمازوں کے معاملہ میں احتیاط کرلیں تو بہتر ہے ۔ اور دیگر اشیاء کے بارے میں فتوٰی صاحبین رح کے قول پر ہی ہوگا کہ وقت علم سے اس کو ناپاک سمجھیں گے ۔

قال فی البحر وکان الصباغی یفتی بقول ابی حنیفۃ فیما یتعلق بالصلوۃ وبقولھما فیما سواہ کذا فی معراج الدرایۃ وفی غایۃ البیان وما قالہ ابوحنیفۃ احتیاط فی امر العبادۃ وما قالاہ عمل بالیقین ورفق بالناس وفی تصحیح الشیخ قاسم وفی فتاوی العتابی المختار قولھما ۔

(بحر ج ۱ ص ۱۲۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰ / ۷ / ۱۴۰۷ھ

بڑے تالاب میں کتا گر جائے تو پلید نہیں ہوگا

ایک شخص نے ایک کتے کو زہر ملائی - وہ کتا بھاگتا ہوا ایک تالاب میں گر گیا جس کی لمبائی چھ کنال ایک سو بتیس مرلہ ہے - چوڑائی پندرہ مرلہ ہے - گہرائی آٹھ فٹ ہے جس میں پانی پانچ فٹ تھا - وہ کتا اس میں داخل ہوا - اور نزدیک ہی دو لڑکے کھڑے تھے جب لڑکوں نے کتے کو تالاب میں دیکھا تو دوڑے لیکن کتا تالاب میں مرگیا - جلدی فوراً لڑکوں نے کتے کو نکال لیا جب کہ وہ کتا بالکل کنارے کے ساتھ مرگیا تھا - وہ پانی کے اندر ڈوب گیا تھا۔ دلائل کے ساتھ وضاحت سے لکھیں کیونکہ پانی کافی دور ہے کم از کم پانچ فرلانگ ہے - چاروں طرف سے۔

الجواب مذکورہ تالاب ماءِ کثیر ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں تالاب ناپاک نہ ہوگا۔ کیوں کہ فوراً نکال دینے کی وجہ سے اوصافِ ماء پر اثر انداز نہیں ہوا - ہندیہ میں ہے -

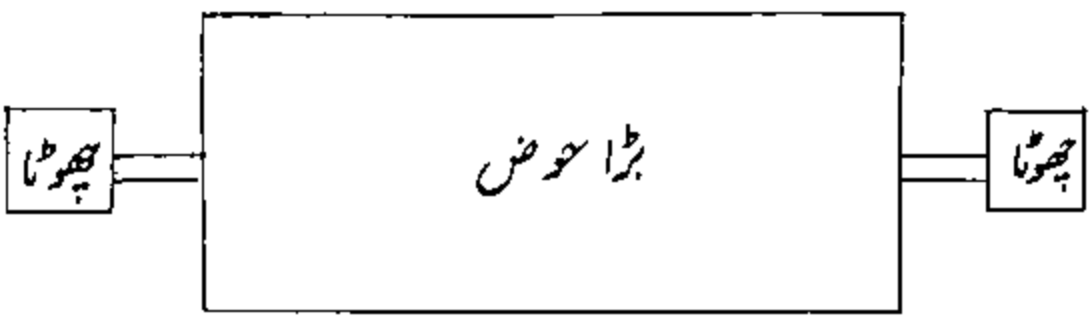
الماء الراكد اذا كان كثيرا فهو بمنزلة الجارى لا يتنجس جميعه بوقوع النجاسة فى طرف منه الا ان يتغير لونه او طعمه او ريحه وعلى هذا اتفق العلماء وبه اخذ عامة المشائخ - (ج ۱ ص ۱۸)- فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	خیر المدارس ملتان ۳۰/۲/۱۴۰۷ھ

بڑے حوض کے ساتھ متصل چھوٹا حوض کیسے پاک کیا جائے

ہمارے چک نمبر ۱۴۱/پی - میں ایک بڑا حوض ہے جو ہر چہار طرف سے نمبری گز سے بیس بیس گز ہے - اور اس کی شمالی اور جنوبی جانب بھی ایک ایک چھوٹا حوض ہے جو نمبری گز سے تقریباً ڈیڑھ گز ہر چہار طرف سے ہے - بڑے حوض سے چھوٹے حوضوں میں ایک سوراخ

سے پانی آتا ہے۔ اور چھوٹے حوضوں میں سے ہی پانی نکالا جاتا ہے۔ اور بڑا حوض اور چھوٹے حوضوں کے قعر برابر ہیں۔ گویا جس درجہ کا پانی بڑے حوض میں ہوگا اسی درجہ کا پانی چھوٹے حوض میں ہوگا۔ اگر بڑے حوض سے ختم ہو جائے تو چھوٹے حوضوں میں بھی ختم ہو جائے گا۔ نیز چھوٹے حوض بڑے حوض کی دیوار کے ساتھ متصل نہیں ہیں بلکہ ایک حوض تقریباً ڈیڑھ گز نمبری کے فاصلے پر اور دوسرا تقریباً ایک گز نمبری کے فاصلے پر ہے۔ اور یہ فاصلہ سطح زمین کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ بڑے حوض کی دیواریں ایسی ترچھی ہیں کہ قعر سے فاصلہ کم و بیش پونا گز زیادہ ہو جاتا ہے۔ حوضوں کی شکل یہ ہے۔



ایسے حوضوں کے متعلق دو باتیں قابلِ دریافت ہیں۔

۱: ایک یہ کہ کیا بڑے حوض اور چھوٹے حوض کا حکم پاکی اور پلیدی میں ایک ہوگا یا یہ تین پانی سمجھے جائیں گے اور حکم بھی مختلف ہوگا؟

۲: دوسری یہ کہ اگر چھوٹے حوضوں کا حکم بڑے حوض سے مختلف ہو اور ان میں کوئی پلیدی گر جائے اور سوراخ بند کر کے سارا پانی نہ نکالا جائے بلکہ ویسے ہی پانی نکالا جاتا رہے اور جتنا پانی پلید شدہ حوض میں ہے اس سے کئی گنا زیادہ پانی نکل گیا ہو تو ایسے طور پر یہ حوض پاک ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس رحیم یار خان

الجواب صورتِ مسئولہ میں جب کہ دو چھوٹے حوض بڑے حوض سے متصل نہیں ہیں بلکہ ایک ایک گز یا زیادہ فاصلہ پر واقع ہیں اور ان میں پانی بڑے حوض سے بذریعہ سوراخ آتا ہے تو یہ تینوں حوض الگ الگ پانی ہیں۔ اور ان کا حکم بوجہ چھوٹے بڑے ہونے کے جدا ہوگا۔ یعنی بڑا حوض وقوعِ نجاست سے نجس نہیں ہوگا۔

لکون الماء فیہ کثیرا الا ان یغلب النجاسۃ علی الماء

باب تغیر احد اوصاف الماء فی الحوض الکبیر بوقوع النجاسة ینجس ماء الحوض الکبیر وینجس ماء الحوض الصغیر ایضا ولا عکس ۔

اور چھوٹے حوض بوجہ ماء قلیل ہونے کے وقوعِ نجاست سے نجس ہو جائیں گے ۔ ان چھوٹے حوضوں کی نجاست بڑے حوض میں مؤثر نہ ہوگی ۔

۲ : چھوٹے حوضوں کی طہارت کا طریق جب کہ ان میں نجاست واقع ہو جائے ، یہ ہے کہ سوراخ بند کرکے ان کا تمام پانی نکال لیا جائے ۔ یا بڑے حوض سے اتنا پانی چھوڑا جائے کہ پانی چھوٹے حوضوں کی دیواروں سے اوپر ہو کر باہر کو بہہ پڑے ۔ تو پاک ہو جائیں گے ۔

اور یہ جو آپ نے تحریر کیا ہے کہ نیچے کے سوراخ بند کئے بغیر لوگوں نے اتنا پانی نکالا کہ کئی امثال پانی خارج ہو گیا ، یہ صورت تطہیر کی کنوؤں میں منقول ہے اور حوضوں کی تطہیر میں یہ صورت دیکھی تو نہیں لیکن فقہاء رح کی عبارتیں کنوؤں اور حوضوں کی تطہیر میں توسیع پر دلالت کرتی ہیں ۔

ففی الفتاوی الشامیة ، ج ۱ ، ص ۱۷۵ ۔ نقلا عن شرح المنیة المعلوم من قواعد ائمتنا التسهیل فی مواضع الضرورة والبلوی العامة کما فی مسئلة آبار الفلوات ونحوها الی قوله ان المشقة تجلب التیسیر ومن انه اذا ضاق الامر اتسع ۔

پس ان حوضوں کو جب کہ وقوعِ نجاست پر زمانہ مدید گزر چکا ہے اور کئی امثال پانی نکل چکا ہے پاک کہیں گے ۔ آئندہ احتیاط کی جائے ۔ اور طریق مذکور سے پاک کیا جائے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

کنواں پاک کرنے کے تین طریقے

ہمارے علاقہ میں بعض کنوئیں چشمہ دار ہوتے ہیں۔ جتنا پانی نکالیں اتنا پانی اور نکل آتا ہے۔ پورا پانی نکالنے کی صورت میں سخت مشکل پیش آتی ہے امید قوی ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مشکل کو حل فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

سائل مطیع الرسول۔ بلوچستان

الجواب ایسے کنوؤں کا بھی یہی حکم ہے کہ پلید ہونے کی صورت میں ان کا سارا پانی نکالا جائے پانی کی کل مقدار کا اندازہ لگانے کی فقہاء نے تین صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔

۱ : جو لوگ کنوؤں کے معاملہ میں تجربہ و مہارت رکھتے ہوں ان میں سے دو عادل آدمیوں کو دکھا کر ان سے معلوم کرلیں کہ اس کنوئیں میں کتنا پانی ہے۔ جتنا وہ کہیں اتنا پانی نکال دیں۔

۲ : کنوئیں میں موجود پانی کی گہرائی اور کنوئیں کے طول و عرض کا حساب کر کے اس کے برابر اتنا ہی گڑھا کھود لیں اور پانی نکال کر اس میں ڈالتے جائیں جب گڑھا بھر جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔

۳ : کنوئیں میں موجود کل پانی کی پیمائش کریں پھر اس میں سے مثلاً سو ڈول نکال کر پھر پیمائش کریں اور دیکھیں کہ کتنا پانی کم ہوا ہے۔ اس حساب سے پورا پانی نکال دیں۔ مثلاً اگر وہ پانی دس فٹ ہو اور سو ڈول نکالنے سے پانچ فٹ کم ہوگیا تو سو ڈول اور نکال دیں کنواں پاک ہو جائے گا۔

وان كانت البئر معينا لا يمكن نزحها الا بعسر وحرج عظيم اخرجوا مقدار ما كان فيها من الماء وقت ابتداء النزح ثم ان المشائخ اختلفوا كيف يقدر ما كان فيها اذ ذالك قال بعضهم تحفر حفيرة مثل عمق الماء وطوله و عرضه و تجصص فينزح الماء حتى تملأ الحفيرة و قال بعضهم يرسل فيها قصبة و يجعل لمبلغ الماء علامة ثم ينزح منها عشر دلاء مثلاً ثم تعاد القصبة فينظركم نقص فينزح لكل قدر منها

عشر دلاء وهذان القولان مرويان عن ابی یوسفؒ وعن ابی حنیفة رح ینزح حتی یغلبهم الماء وقال بعضهم وهو روایة عن ابی حنیفة رح ایضا یحکم ذوا عدل من اهل البصارة بالماء فینزح منها بحکمهما فان قالا ان ما فیها ذلك الوقت الف دلو مثلا نزح ذلك قال صاحب الهدایه وهذا ای الاخذ بقول العدلین اشبه بالفقه قال فی الکافی انه الاصح اذ الرجوع الی اهل البصیرة اصل فی کثیر من الصور کما فی المحکمین و الشاهدین وتقویم المتلف قال الله تعالیٰ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ------------ وروی عن محمد رح انه قال ینزح منها مائتا دلو الی ثلاثمائة دلو وانما اجاب بذلك بناء علی کثرة الماء فی ابار بغداد کذا فی المبسوط والمروی عن ابی حنیفة رح انه اذا نزح منها مائة دلو یکفی وهو بناء علی ابار الکوفة لقلة الماء فیها کذا فی الکفایة فعلی هذا لا ینبغی الفتوی بالمائتین و نحوها مطلقا بل ینظر الی غالب ابار البلد وهو الایسر علی الناس والاول وهو اعتبار مقدار الماء فی کل بئر علی حدة احوط ۔ (کبیری ، ص ۱۶۱)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مرغی کنوئیں میں گرنے کے بعد زندہ نکال لی گئی تو کنوئیں کا حکم

ایک کنوئیں میں مرغی گر گئی پھر زندہ نکل آئی یا نکال لی گئی ہو تو پانی کے کتنے ڈول نکالنے ضروری ہیں۔ بینوا توجروا ۔ سائل ممتاز الحسن نیو ملتان

الجواب اگر مرغی کھلی نہ پھرتی ہو بلکہ مرغی خانہ میں بند رہتی ہو، جسم پر کوئی ظاہری نجاست بھی نہ لگی ہو تو کنواں ناپاک نہیں ہوا۔ البتہ دل کو مطمئن کرنے کے لئے بیس ڈول نکال دینا مستحب ہے۔

لو وقعت الشاة وخرجت حية ينزح عشرون دلوا لتسكين القلب لا للتطهير حتى لو لم ينزح وتوضأ جاز وكذا الحمار والبغل لو خرج حيا ولم يصب فمه الماء وكذا ما يؤكل لحمه من الابل والبقر والغنم والطيور والدجاجة المحبوسة.
(شامی ، ج ا ، ص ۱۵۶)۔

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۶ / ۱۰ / ۱۴۱۰ھ

مرغی کی بیٹ گرنے سے کنواں ناپاک ہو جائے گا

اگر مرغی کی بیٹ کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہو جائے گا یا پاک ہی رہے گا اگر ناپاک ہو جائیگا تو پاکی کی کیا صورت ہے ؟

سائل مولوی عبد الرحیم ، لیہ

الجواب مرغی کی بیٹ کنوئیں میں گرنے سے کنواں ناپاک ہو جائے گا ۔ پاک کرنے کے لئے سارا پانی نکالنا ضروری ہے ۔

وان وقع خرء الحمام او العصفور فی البیر لم یفسد ماءها لانه طاهر وهذا مذهبنا خلافا للشافعی رح كما تقدم وان وقع خرء الدجاج افسده لانه نجس وليس فيه ضرورة لامكان الاحتراز ۔
(غنية المستملی ، ص ۱۶۰)۔ فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

کنوئیں میں پاک جھاڑو گر جائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا

ہم نے اپنے گھر میں ایک چھوٹا سا کنواں بنایا ہوا ہے جس کو کھوئی کہتے ہیں۔ اکثر اوقات اس پر تختے پڑے رہتے ہیں۔ کسی وقت ضرورت کے تحت تختہ ہٹایا گیا تو ایک بچے نے گھر میں استعمال ہونے والا جھاڑو اس میں پھینک دیا جھاڑو پاک تھا جو کہ کمروں وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ وہ جھاڑو بیت الخلاء وغیرہ میں استعمال نہیں کرتے۔ تو کیا وہ کنواں ناپاک ہو گیا؟ اگر ناپاک ہو گیا تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

مولوی محمد اسماعیل علی واہ ملیسی

الجواب اگر وہ جھاڑو پاک تھا تو پاک چیز گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ حسب معمول اس کنوئیں کا پانی استعمال کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان: ۲۷ / ۹ / ۱۴۰۶ھ

مینڈک کنوئیں میں گر کر مر جائے تو کنوئیں کا حکم

کنوؤں کے اندر عام طور پر جو مینڈک پانی میں پیدا ہوتے ہیں اور پلتے ہیں تو ان کے مرجانے سے شرعاً کنواں ناپاک ہو جاتا ہے یا پاک ہی رہتا ہے۔ اگر ناپاک ہو جاتا ہے تو یہ تنگی ہے۔ حالانکہ علماء سے سنا ہے کہ شریعت میں آسانی ہی آسانی ہے۔ نیز یہ بھی واضح کریں کہ کسی مینڈک کے مر جانے سے کنواں ناپاک ہوتا ہے یا نہیں؟

سائل عبدالمجید متعلم جامعہ ہذا آف وہاڑی

الجواب خشکی کا مینڈک اگر اتنا بڑا ہو کہ اس میں بہنے والا خون ہو تو اس کے کنوئیں میں گر کر مر جانے سے کنواں پلید ہو جائے گا۔ پانی کے مینڈک کے پانی میں مر جانے سے پانی پلید نہیں ہوتا۔

ويجوز رفع الحدث بما ذكروان مات فيه غير دموى كزنبور ومائى مولد . اھ (تنویر علی الشامی ص ١٣٥) -

ولو كلب الماء وخنزيره كسمك وسرطان وضفدع الا بريا له دم سائل وهو مالا سترة له بين اصابعه فيفسد فى الاصح كحية برية ان لها دم والا لا - (در مختار) - (قوله والا لا) اى وان لم يكن للضفدع البرية والحية البرية دم سائل فلا يفسد - (شامية ج ١ ص ١٣٦) -

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ١٧ / ٩ / ١٤٠٤ھ

جراثیم کش ادویہ ڈالنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا

ہمارے ہاں سال میں ایک دو دفعہ سرکاری طور پر جراثیم مارنے کے لئے کوئی دوا کنوؤں میں ڈالی جاتی ہے اس دوا کی وجہ سے پانی کا رنگ بھی بدل جاتا ہے ۔ تو کیا وہ پانی پاک ہے ۔ اس سے وضوء اور غسل وغیرہ درست ہے یا نہیں ؟

الجواب حب تک اس دوا کا نجس ہونا معلوم نہ ہو کنوئیں کو پاک سمجھا جائے ۔ " لان الاصل فی الاشیاء الطہارۃ اور تغیّر اوصاف " سے پانی اس وقت نجس ہوتا ہے جب کہ وہ تغیر کسی شئی نجس سے ہو ۔ درمختار میں ہے ۔

" او (ای او ینجس) لو تغیر بطول مکث فلو علم نتنه بنجاسة لم یجز ولو شك فالاصل الطہارۃ الخ وكذا يجوز بماء خالطه طاهر جامد مطلقا . اھ (درمختار) -

(قوله مطلقا) ای سواء كان المخالط من جنس الارض كالتراب او يقصد بخلطه التنظيف كالاشنان والصابون او يكون شيئا آخر كالزعفران اھ - (شامية ج ١ ص ١٣٧) -

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۷ : ۳ : ۱۴۰۱ھ

جتنے ڈول پانی نکالنا ضروری ہو وقفہ سے بھی نکال سکتے ہیں

ہمارا ایک کنواں ہے جس سے ساٹھ ڈول نکالنے تھے تو چالیس نکالنے کے بعد تھوڑی دیر وقفہ کیا اس کے بعد بقیہ ڈول نکالے۔ تو کنواں پاک ہو گیا یا نہیں ؟

سائل صوفی طالب حسین ضیاء

جامع مسجد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، پیپلز کالونی ملتان

الجواب کنواں پاک ہو گیا جتنا پانی نکالنا ضروری ہو اس کا ایک ہی دفعہ لگاتار نکالنا ضروری نہیں۔ وقفہ وقفہ سے نکالیں تو بھی کنواں پاک ہو جائے گا۔

لما ولو نزح بعضه ثم زاد فی الغد نزح قدر الباقی فی الصحیح خلاصة اھ (درمختار)۔

(قوله خلاصة) ومثله فی الخانية وهو مبنی علی انه لا یشترط التوالی وهو المختار کما فی البحر والقهستانی۔ اھ (شامیة ج۱ ص۱۵۶)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۴/۱۴۰۷ھ

سانپ کنوئیں میں مر جائے تو کنواں پاک رہے گا یا نہیں

اگر سانپ کنوئیں میں گر کر مر جائے تو کنواں پاک رہتا ہے یا ناپاک ہو جاتا ہے اگر اس مسئلہ میں تفصیل ہو تو واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

سائل: نصیر بخش محلہ رسول پورہ میلسی

الجواب اگر سانپ خشکی کا ہو اور اتنا بڑا ہو کہ اس میں خون ہو تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ اور پانی کا سانپ پانی کو پلید نہیں کرتا۔

" اما الحیۃ البریۃ التی لا تعیش فی الماء اذا ماتت فی الماء فانها تفسدہ۔ اھ (کبیری ص ۱۶۴)۔ ویجوز رفع الحدث بما ذکر وان مات فیہ غیر دموی کزنبور ومائی مولد اھ (تنویر)۔ ولو کلب الماء وخنزیرہ کسمک وسرطان وضفدع الا بریا لہ دم سائل وھو ما لا سترۃ لہ بین اصابعہ فیفسد فی الاصح کحیۃ بریۃ ان لہا دم والا لا۔ اھ (درمختار)۔ (قولہ والا لا) ای وان لم یکن للضفدع البریۃ والحیۃ البریۃ دم سائل فلا یفسد۔ اھ (شامی ج ۱ ص ۱۳۶)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷ / ۹ / ۱۴۰۴ھ

چھپکلی کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہوگا یا نہیں؟

بعض دفعہ کنوئیں میں چھپکلی گر کر مر جاتی ہے تو شرعاً کنواں کیسے پاک ہوگا۔ نیز یہ بھی واضح کریں کہ پھولنے پھٹنے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل توجروا عند الرب الجلیل۔

سائل ممتاز احمد قاسمی

حال مقیم جامع مسجد مدنی محلہ عارف پورہ ملتان

الجواب چھپکلی اگر اتنی بڑی ہو کہ اس کے اندر خون ہو تو کنواں پلید ہو گیا۔ بیس سے تیس ڈول تک پانی نکال دیں اور اگر پھول پھٹ گئی ہو تو سارا پانی نکالنا ضروری ہے۔

وکذا الوزغۃ اذا کانت کبیرۃ ای بحیث یکون لہا دم فانها

تفسد الماء لما تقدم في الضفدع البري والحية البرية اھ (کبیری ، ص ۱۶۴)۔

واذا وقع فی البئر سام ابرص ومات ینزح منها عشرون دلوا فی ظاهر الروایة اھ (عالمگیری ، ج ۱ : ص ۲۰)۔

اور اگر چھپکلی چھوٹی ہو تو بھی پھٹنے کی صورت میں اس کنوئیں کا پانی پینا مکروہ ہے ۔

"وذكر الاسبیجابی فی شرحه مایعیش فی الماء مما لا یؤکل لحمه اذا مات فی الماء وتفتت فانه یکره شرب الماء وهو مروی عن محمد لاختلاط الاجزاء المحرم اکلها بالماء فربما ابتلعت بشربه مع انها حرام ومایحتمل فیه تناول الحرام یکره تناوله ویجب التحرز عنه لانه رعی حول الحمی اھ (کبیری ، ص ۱۶۳)۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ، ۱۴ ، ۳ ، ۱۳۹۸ھ

کتا گرنے کے چار سال بعد کنوئیں کے پانی کا حکم

اگر کنوئیں میں کتا گر پڑے ۔ کتا گرنے کے بعد چار سال تک کنواں بے آباد پڑا رہے ۔ اس مدت کے بعد اس کا پانی کھیتی وغیرہ کو ایک سال تک لگاتے رہیں اور کنواں کے اندر داخل ہو کر کتے کی تلاش بھی کی گئی لیکن کچھ پتہ نہ چلا ۔ اور کنوئیں کی کھدائی وغیرہ کر کے مٹی نہیں نکالی گئی اور پانی بھی اس قدر ہے کہ اس کا نکالنا اہل علاقہ کو بہت مشکل ہے ۔ مندرجہ بالا صورت میں کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ففی القهستانی عن الجواهر لو وقع عصفور فیها فعجزوا عن اخراجه فما دام فیها فنجسة فتترک مدة یعلم انه استحال وصار حمأة وقیل مدة ستة اشهر ۔

(شامی ج ۱ ص ۱۹۶)

جزئیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ یہ کنواں اب پاک ہو چکا ہے لہذا اس کے پانی کو استعمال کرنا درست ہے کوئی شبہ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳/۴/۱۳۸۱ھ

غیر مسلم کے پانی لینے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا

ہمارا ایک کنواں مشترک ہے مسلمانوں اور عیسائیوں میں۔ عیسائی بھی پانی نکالتے ہیں تو شرعاً یہ کنواں پاک سمجھا جائے گا یا ناپاک؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد ادریس ٹبہ سلطان

الجواب غیر مسلم کے پانی نکالنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا تاوقتیکہ یہ علم نہ ہو کہ ان کے نکالنے سے کسی قسم کی نجاست کنوئیں میں پڑتی ہے۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۹/۱۴۰۲ھ

چالیس مربع فٹ کا تالاب نجاست گرنے سے پلید نہیں ہوگا

ایک تالاب کی لمبائی چالیس مربع فٹ ہے اور گہرائی سولہ فٹ ہے تالاب میں پہلے پانی موجود تھا بعد میں بارش ہونے کی وجہ سے کھیتوں کا پانی تالاب میں پڑ گیا۔ دوسرے دن تالاب کا وارہ تھا وہ پانی بھی تالاب میں پڑ گیا لیکن تالاب کے پانی کی رنگت و بو و ذائقہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو کیا یہ پانی پاک ہے؟

الجواب مذکورہ تالاب کا پانی پاک ہے اسے ضروریات کے لئے استعمال کرنا درست ہے۔ وکذا یجوز برا کد کثیر کذالک ای وقع فیہ

نجس لم یر اثرہ اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص۱۷۶)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۰/۸/۱۳۹۸ھ

مینگنیاں کنوئیں میں گر جائیں تو ناپاک ہوگا یا نہیں

اگر کنوئیں میں اونٹ یا بکری کی مینگنیاں یا گائے بھینس کا گوبر، یا گھوڑے، خچر اور گدھے کی لید گر پڑے تو کیا حکم ہے۔ اور تھوڑی یا بہت خشک یا تر ٹوٹی ہوئی یا ثابت میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور کنوئیں کے، جنگل یا شہر میں ہونے کا کچھ فرق ہے یا نہیں؟ کتے یا بلی وغیرہ جانور یا حلال جانوروں میں اگر کوئی بغیر ذبح کئے مرجائے اور ان کی ہڈی یا سینگ وغیرہ پر گوشت نہ ہو اور تری بھی نہ ہو تو کنوئیں میں گر جانے سے پانی نجس ہوگا یا نہیں۔

اگر مستعمل پانی پاک پانی میں پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تھوڑی مینگنیوں کے گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ ہاں اگر زیادہ مینگنیاں کنوئیں میں گر جائیں تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ جب کہ دیکھنے والا بھی ان مینگنیوں کو سمجھے کہ زیادہ ہیں۔ اور کوئی ڈول ایک دو مینگنیوں سے خالی نہ آئے۔ اور کنوئیں کا جنگل یا شہر میں ہونا اور مینگنی کا ٹوٹا ہوا ہونا یا سالم ہونا سب برابر ہیں[1]۔ باقی کتے یا بلی کے مر جانے سے کنوئیں کا سارا پانی نکالا جائے گا۔ اور صاف ہڈی جس پر دسومت (چکنائی) وغیرہ نہ ہو اس کے گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔

اگر مستعمل پانی نصف یا زیادہ ہو تو اس سے وضو ٹھیک نہیں۔ اگر نصف سے کم ہو تو اس سے وضوء ہو سکتا ہے

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	بندہ اصغر علی غفرلہٗ
بندہ عبد الستار غفرلہٗ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

(۱؎ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

له ولا نزح فی بول فارة فی الاصح فیض ولا بخرء حمام وعصفور وکذا سباع طیر فی الاصح لتعذر صونها عنه ولا بتقاطر بول کؤس ابر و غبار نجس للعفو عنهما و ببولی ابل و غنم اھ (درمختار)۔

قال فی الفیض فلا ینجس الا اذا کان کثیرا سواء کان رطبا او یابسا صحیحا او منکسرا ولا فرق بین ان یکون للبئر حاجز کالمدن اولا کالفلوات هو الصحیح ۔ اھ

(شامی ج ۱ ص ۲۰۲) ۔ فقط و اللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۱۰/۱۴۱۰ھ

پرندوں کی بیٹ گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا

حرام پرندوں کی بیٹ اگر کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

سائل محمد سلیمان اختر کہروڑ پکا۔

الجواب پرندوں کی بیٹ گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا ۔ حلال گوشت والے ہوں یا حرام گوشت والے ۔ کیوں کہ ان سے کنوؤں کو بچانا بہت مشکل ہے ۔

لہ وان وقع خرء الحمام او العصفور فی البیر لم یفسد ماءها لانه طاهر وهذا مذهبنا خلافا للشافعی رح کما تقدم وان وقع خرء الدجاج افسده لانه نجس ولیس فیه ضرورة لامکان الاحتراز وکذا خرء البط والاوز الاهلی بخلاف البری الطیار فان فیه ضرورة لانه یذرق من الهواء وکذا خرء الخفاش وبوله لا یفسده للضرورة وکذا ذرق مالا یؤکل لحمه من الطیور فانه طاهر عندهما فی روایة خلافا لمحمد وهو بنا قض

قوله فيما تقدم وقال محمد كلاهما طاهر يعني بول ما يؤكل وخرء ما لا يؤكل من الطيور لكن الذي هنا هو الصحيح وقال بعضهم روى عن ابي حنيفة رح وابي يوسف رح ان ذرق سباع الطير نجس نجاسة مخففة لا يفسد الثوب الا اذا فحش و يفسد الماء وان قل كسائر النجاسات الخفيفة فان حكمها يخالف الغليظة في الثياب دون الماء ولا يفسد الماء الكثير ما لم يغيره كسائر النجاسات ويفسد الاواني وان قل لامكان صونها عنه ولا يفسد ماء البير لتعذر صونها عنه اھ (غنية المستملي صلا)

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۴/۱۴۱۰ھ

جس کنوئیں سے جانور پانی پیتے ہوں وہ معمولی گوبر لید سے پلید نہ ہوگا

ہمارے ہاں گاؤں سے متصل ایک کنواں ہے جس کے آس پاس کافی درخت ہیں۔ لوگ اپنے مویشی ان درختوں کے نیچے باندھتے ہیں اور اس کنوئیں سے پانی پلاتے ہیں۔ پانی پلانے کے دوران کبھی گوبر یا لید وغیرہ کنوئیں میں گر جاتی ہے تو وہ کنواں پاک ہے یا ناپاک ؟

حافظ عبد الشکور

اشرف شاہ تحصیل میلسی

الجواب جس کنوئیں سے جانوروں کو پانی پلانے کا معمول ہو اور وہاں گوبر ولید سے حفاظت ممکن نہ ہو تو گوبر اور لید کی قلیل مقدار گرنے سے وہ کنواں ناپاک نہ ہوگا اور جہاں حفاظت ممکن ہو جیسے اندرون آبادی کے کنوئیں تو وہاں قلیل مقدار بھی معاف نہیں ہے اور قلت وکثرت کا فرق مبتلیٰ بہ کی صوابدید پر ہے۔

واذا وقعت بعرة او بعرتان في البئر من بعر الابل او الغنم لم يتنجس البئر استحسانا والقياس ان يتنجس لوقوع

النجاسة فى الماء القليل وجه الاستحسان ان آبار الفلوات ليس لها رؤس حاجزة و تبعر المواشى حولها فتلقى الريح بعض ذلك فجعل القليل عفوا للضرورة ولا ضرورة فى الكثير كذا فى الهداية وفيه اشارة الى ان حكم آبار الامصار خلاف ذلك

وفى الرطبة والمنكسرة اليابسة اختلاف بين المشائخ بعضهم افتى فيهما بالتنجس لشيوع النجاسة فى الماء للرطوبة وللرخاوة فى المنكسر بخلاف الصحيح اليابس وبعضهم سوى اى بين الرطب و اليابس و المنكسر والصحيح واختاره فى الهداية وفى الكافى قالا لا فرق بين الرطب واليابس والصحيح والمنكسر والروث والخثى والبعر لان الضرورة تشتمل الكل . انتهى۔ والارواث بمنزلة المنكسرة لتخلخلها ورخاوتها وكذا الاخثاء واكثر المشائخ على انه لا تطلق التسوية فى كل موضع بل تعتبر فيه الضرورة العامة والبلوى ان كان فيه ضرورة يتعذر الاحتراز عنه ووقع الحرج فى الحكم بالنجاسة كآبار الفلوات الغير المحفوظة الكثيرة الطارق والاستعمال لا يحكم بالنجاسة للضرورة وان كان الاحتراز غير متعذر كآبار البيوت والاماكن المحفوظة القليلة الطارق والاستعمال فهى بمنزلة الاناء لا يعفى فيه القليل و هذا الذى ينبغى ان يعتمد عليه فان الجميع يستدلون بالضرورة فينظر الى ما هى فيه ۔ (كبيرى : ص ١٥٨)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۳ ؍ ۱۲ ؍ ۱۴۰۷ھ

ہر کنوئیں کو پاک کرنے کیلئے دوسو سے تین سو ڈول نکالنے کا حکم صحیح نہیں

اگر کنوئیں میں کتا گر جائے اور زندہ نکل آئے تو تین سو ڈول نکالنے سے کنواں پاک ہوگا یا نہ اور تین سو ڈول نکالنا سارا پانی نکالنے کے مساوی ہوگا یا نہیں ؟

الجواب جن جانوروں کے کنوئیں میں گر جانے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے اور پاک کرنے کے وقت سارا پانی نکالنا پڑتا ہے۔ منجملہ ان میں سے ایک کتا بھی ہے جیسا کہ مجمع الانہر جلد اوّل صفحہ ۴۳ پر مذکور ہے۔

وكذا بنحو كلب او شاة او آدمي او انتفاخ الحيوان الدموي او تفسخه ولو صغيرا لانتشار البلة في اجزاء الماء اھ

اور اگر کتا کنوئیں سے زندہ بھی نکال لیا جائے اور اس کتے کے منہ کو پانی پہنچ جائے تو بھی کنوئیں سے سارا پانی نکالنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ اسی کتاب کے صفحہ مذکورہ پر مرقوم ہے۔

وموت الكلب ليس بشرط حتى لو انغمس واخرج ينزح جميع الماء وكذا كل ما سؤره نجس او مشكوك الخ

پس ثابت ہوا کہ کنوئیں میں کتا گرنے سے اور زندہ نکال لینے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے اور سارا پانی نکالنے کا حکم ہے بشرطیکہ کتے کا منہ سارا پانی میں ڈوب گیا ہو۔ اور تین سو ڈول نکالنے سے نہ تو کنواں پاک ہوتا ہے اور نہ ہی یہ سارا پانی نکالنے کے قائم مقام ہوتا ہے دوسو سے تین سو ڈول نکالنا یہ امام محمد رحہ کا قول ہے۔ اور یہ حکم بغداد کے کنوؤں کے لئے مختص ہے نہ کہ تمام ملک کے کنوؤں کے لئے یہ فتویٰ ہے۔

جیسا کہ کتب فقہ میں اور خاص کر مجمع الانہر، جلد ۱ ص ۳۵ پر مسطور ہے۔

ويفتى بنزح ما ئتي دلو الى ثلثمائة وهو مروى عن محمد كانه بنى قوله على ما شاهد في بلدة بغداد فان آبارها لا تزيد على ثلثمائة دلو۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد رحہ کا مقصود اصلی یہی تھا کہ کنوؤں سے سارا پانی نکالا جائے۔ لیکن عدد مخصوص ڈول نکالنے کے عنوان سے حکم فرماتے تھے۔ علماء متاخرین نے امام محمد رحہ کی اس

روایت کو ایسر علی الناس فرمایا ہے لیکن اس وقت جب کہ مبتلیٰ بہ گاؤں کے اکثر کنوؤں میں تین سو ڈول سے زائد پانی نہ ہو۔ پھر تمام کنوؤں میں ایک ہی حکم جاری کرنا اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہے۔ اگر اس گاؤں کے اکثر کنوؤں کا پانی ملاحظہ کر لیا گیا ہے کہ ان میں کتنا پانی ہے تو پھر علی الاطلاق عددِ مخصوص پر فتوے دینا اس مقام میں درست ہے۔ جیسا کہ کتبِ فقہ میں اور خاص کر "کبیری مع الصغیری ؛ ۱۶۲" پر ہے۔

وروی عن محمد انه قال ینزح منها مائتا دلو الی ثلثمائة دلو وانما اجاب بذلك بناء علی کثرة الماء فی آبار بغداد کذا فی المبسوط والمروی عن ابی حنیفة رح انه اذا نزح منها مائة دلو یکفی وهو بناء علی آبار الکوفة لقلة الماء فیها کذا فی الکفایة وعلی هذا لا ینبغی الفتوی بالمائتین ونحوها مطلقا بل ینظر الی غالب آبار البلد وهو الایسر علی الناس والاول وهو اعتبار مقدار الماء فی کل بئر علی حدة احوط - اھ

اس روایت سے ثابت ہوا کہ مطلقاً ہر مقام کے کنوؤں میں جہاں سارا پانی نکالنے کا حکم ہے عددِ مخصوص ڈول نکالنے کا فتوے دینا درست نہیں۔ جو صاحب ہر ایک جگہ اور ہر ایک کنوئیں میں جہاں سارا پانی نکالنے کا حکم ہو۔ وہاں پر دو سو ڈول سے تین سو ڈول پانی نکالنے کا حکم علی الاطلاق دیتے ہیں اور عددِ مخصوص ڈول نکالنے کو سارا پانی نکالنے کے قائم مقام سمجھتے ہیں ان پر یہ لازم اور ضروری ہے کہ امام محمد رح کی جانب سے یہ روایت پیش کریں کہ جہاں امام محمد رح نے بغداد کے علاوہ کسی اور جگہ کے کنوئیں سے عددِ مخصوص ڈول کے نکالنے کا حکم فرمایا ہو۔ اور دوسری بات ان صاحبوں پر یہ ضروری ہے کہ امام محمد صاحبؒ سے ایسی روایت پیش کریں جس میں انھوں نے یہ حکم مطلقاً فرمایا ہو کہ جو کنواں ناپاک ہوا اور سارا پانی نکالنا پڑے تو وہاں عددِ مخصوص ڈول نکال لینے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے۔ اگر امام صاحب رح کی جانب سے اس طرح کی روایت پیش نہ کر سکیں تو پھر مطلقاً ہر ایک کنوئیں میں فتوائے مذکور دینا ہرگز جائز نہ ہوگا - هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین - فقط واللہ اعلم -

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فصل فی التیمم

سخت سردی کیوجہ سے تیمم کا حکم ایک مرد اپنی زوجہ سے ہمبستری کرتا ہے یا اس کو احتلام ہوجاتا ہے سردی بھی سخت ہے وہ مسافر بھی ہے، پانی گرم میسر نہیں ہے۔ وہ آدمی ساٹھ سال سے کچھ زائد عمر کا ہے۔ کیا وہ بغیر غسل تیمم کرکے نمازِ تہجد اور نمازِ فجر کی امامت کراسکتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ دوسرا آدمی نماز پڑھانے والا نہیں ہے۔ اس کا تجربہ ہے کہ اگر غسل کرے تو اس کو دردِ شقیقہ اور اعضاء میں درد ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ نماز وغیرہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور وضوء کرنے والوں کی اقتداء اس کے پیچھے جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب جوازِ تیمم کے لئے پانی کے استعمال سے عاجز ہونا شرط ہے۔ خواہ وہ اس وجہ سے ہو کہ پانی مفقود ہے یا پانی کے استعمال سے مرض کی زیادتی اور امتداد کا خوف ہو یا سردی کی وجہ سے ہلاکت اور بیماری کا اندیشہ ہو۔ نیز گرم پانی میسر نہ ہو۔ پس اگر ان امور میں سے کوئی امر ہو تو تیمم جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ وضوء کرنے والے کی اقتداء تیمم کرنے والے کے پیچھے درست ہے۔

وصح اقتداء متوضئ بمتیمم اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۵۵۵)۔
شہروں میں چونکہ گرم پانی اور لحاف وغیرہ مل سکتے ہیں لہذا تیمم نہ کرے کیونکہ اس کا جواز انتہائی ضرورت کے وقت ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس
ملتان

۲۸/۶/۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

دوسرے سے تیمم کرانے کا حکم

میں لاہور سے واپس آرہا تھا کہ اتفاقاً حادثہ پیش آگیا۔ دایاں بازو ٹوٹ گیا بایاں بازو صحیح ہے۔ اب میں تیمم کرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے چہرے اور دائیں ہاتھ کا مسح کرلیتا ہوں مگر بائیں ہاتھ کا مسح نہیں کرسکتا۔ تو کیا بائیں ہاتھ کا مسح کسی دوسرے شخص سے کراسکتا ہوں؟ قاری نورالحق قریشی ملتان

الجواب بائیں بازو پر کسی دوسرے سے مسح کراسکتے ہیں۔

وانا لم یقدر المریض علی الوضوء والتیمم ولیس عندہ من یوضئہ و ییممہ فانہ لا یصلی عندھما قال الشیخ الامام محمد بن الفضل رأیت فی الجامع الصغیر للکرخی ان مقطوع الیدین و الرجلین اذا کان بوجہہ جراحۃ یصلی بغیر طہارۃ ولا یتیمم ولا یعید وھذا ھو الاصح ۔ (عالمگیری ج۱ ص۳۱)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

نمک پر تیمم کرنے کا حکم

اگر نمک کا بڑا ڈھیلا رکھا ہوا ہو تو اس پر تیمم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب سمندری نمک کے ڈھیلے پر نہیں کرسکتے، پہاڑی نمک پر تیمم کرسکتے ہیں۔

ولو تیمم بالملح نظر ان کان مائیا ای کان ماء فجمد لا یجوز لانہ لیس من أجزاء الارض وان کان جبلیا ای معدنیا وھو ما استحال ملحا من اجزاء الارض یجوز بہ التیمم لانہ من جنس الارض الخ و قال قاضیخان واختلفوا فی الجبلی و الصحیح ھو الجواز۔ اھ (کبیری، ص۷۶) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲/۹/۱۴۰۹ھ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

فالج کے مریض کو پانی نقصان دے تو تیمّم کر سکتا ہے

ہمارے والد صاحب کو فالج ہو گیا ہے۔ سردی کا موسم ہے۔ حکیم حنیف اللہ صاحب نے کہا ہے کہ جسم کو پانی بالکل نہ لگنے دیں۔ تو وہ تیمم کر کے نماز ادا کریں یا ایسے ہی پڑھتے رہیں؟

الجواب: اگر حکیم صاحب نے کہا ہے کہ وضوء کرنا مضر ہے تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

ولو كان يجد الماء الا انه مريض يخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه او ابطأ برؤه يتيمم الخ (الیٰ قوله) ويعرف ذلك الخوف اما بغلبة الظن عن امارة او تجربة او اخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق كذا في شرح منية المصلى اھ (عالمگیری، ج ۱، ص ۱۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

قیدی کو پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر اسکا اعادہ کرے

بکر جیل میں قید ہے۔ جیل کا دستور ہے کہ پانچ بجے کے بعد قیدیوں کو کوٹھڑیوں میں بند کر دیتے ہیں اور وہ مغرب، عشاء اور فجر اندر ہی پڑھتے ہیں کبھی کبھی رات کو پانی نہیں ہوتا۔ تو کیا بکر تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟ اور پھر اس نماز کا اعادہ بھی کرے یا نہ کرے؟

محمد شفیع کالی موری حیدر آباد

الجواب: ایسی صورت میں وضوء کے لئے پانی بھر کے رکھ لیا کریں۔ اگر کبھی ایسا نہ ہو سکے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لیں مگر بعد میں اس نماز کا اعادہ کریں۔

والمحبوس في السجن يصلي بالتيمم و يعيد بالوضوء لان العجز انما تحقق بصنع العباد و صنع العباد لا يؤثر في اسقاط حق الله تعالى۔ (عالمگیری، ج ۱، ص ۱۵)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفااللہ عنہ
مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

تیمّم کے چند اہم مسائل

۱ :۔ تیمم کے لئے پاک پتھر پر ہاتھ مارکر چہرے پر پھیرا۔ ہاتھ چہرے سے الگ کرلیا۔ کچھ جگہ مسح ہونے سے رہ گئی۔ دوبارہ اسی الگ شدہ ہاتھ سے ان جگھوں پر مسح کرے یا دوبارہ انگلیوں وغیرہ کو پتھر پر مارکر پھر ان جگھوں پر مسح کرے اس خیال سے کہ ہاتھ چہرے پر پھر گیا اور الگ کر دیا تو یہ ہاتھ مستعمل ہوگیا۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

۲ : دوسری ضرب جو مارے گا اس میں بوقت خلال انگلیوں کے جو حصے دوسری انگلیوں کے اندر کے حصہ کا مسح کرتے ہیں۔ یعنی مسح کرنے والی انگلیوں کی کرٹیں وہ خود ہی پتھر پر مس نہ ہونے کی وجہ سے غیر ماسح ہیں۔ پھر بوقت خلال یہ انگلیوں کے پتھر سے نہ لگے ہوئے حصے ایک دوسرے کا مسح کیسے کر سکتے ہیں۔ پھر تیمم کیسے درست ہوگا ؟ جب کہ مسئلہ ہے کہ بال برابر جگہ اگر رہ جائے تو تیمم نہ ہوگا۔ ؟

۳ : ہاتھوں کا مسح کرتے وقت ناخنوں کے بالکل قریب والے پورے ناخنوں کے کونوں والے حصے ہتھیلی کے بالکل بیچ والے حصے وغیرہ پر نہ تو بوقت مسح ہاتھ اور نہ یہ پتھر سے مس ہوتے ہیں ان کا مسح کیسے کریں ؟

۴ : " مفتاح الجنۃ " میں لکھا ہے کہ اگر انگلیوں کے درمیان غبار نہ پہنچا تو تیسری بار ہاتھ مارکر پھر انگلیوں کا خلال کرے۔ کیا یہ تیسری ضرب صحیح ہے ؟

۵ : جس طرح وضوء میں اگر داڑھی کی جلد نظر آتی یا بالوں میں سے جلد جھلکتی ہو تو نیچے پانی پہنچانا فرض ہے کیا اسی طرح تیمم میں بھی انگلیاں ڈال کر نیچے جلد کو رگڑنا فرض ہوگا ؟

حافظ محمد ابراہیم ، مدرسہ عربی رائیونڈ

الجواب

۱ :۔ قال فی الفتح هذا یفید تصور استعماله وهو مقصور علی صورۃ واحدۃ وهو ان یمسح الذراعین بالضربۃ التی مسح بها

وجهه لاغير ۔ (طحطاوی ، ص ٦٥) ۔

فتح القدیر کے حوالۂ بالا سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں ہاتھ مستعمل نہیں ہوں گے بدون ضربِ جدید کے رہی ہوئی جگہ کا مسح کرلے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ بدون ہاتھ اٹھائے اچھی طرح سے مسح کرلے کہ کوئی جگہ بدون اس کے نہ رہ جائے ۔

۲ : وفی الدر المختار مع الشامی بمطہر من جنس الارض وان لم یکن علیه نقع ای غبار فلولم یدخل اصابعه لم یحتج الی ضربة ثالثة للتخلل ای بل یخلل من غیر ضربة ۔ (ج ۱ ، ص ۱۶۷) ۔

عبارتِ ہذا سے ظاہر ہے کہ تخلیلِ اصابع کے جواز کے لئے ان میں غبار کا داخل ہونا یا مٹی سے مس کئے ہوئے ہونا ضروری نہیں ۔ پس ایسی صورت میں اگر پورے ہاتھ کا مسح اچھی طرح سے کرلیا گیا ہے اور انگلیوں کا خلال بھی کرلیا گیا ہو تو تیمم درست ہو جائے گا ۔ گو ان میں غبار داخل نہ ہوا ہو ۔ ایک بال برابر جگہ کا بغیر مسح کئے رہ جانا مضر ہے ۔ غبار پہنچے بغیر رہ جانا قادح نہیں ۔ پس شبہ نہ کیا جائے ۔

۳ : ان جگہوں پر ذرا خیال سے ہاتھ پھیرلے زیادہ تکلف میں نہ پڑے ۔

۴ : مفتاح الجنۃ میں ضربۂ ثالثہ کا حکم امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت کی بنا پر ہے ۔ کمافی الدر المختار ، ج ۱ ، ص ۱۶۷ ۔ ظاہر مذہب وہی ہے جو جواب نمبر ۲ میں مذکور ہے ۔

۵ : وفی الحلیة یمسح من وجهه ظاهر البشرة وظاهر الشعر علی الصحیح (عالمگیری ، ج ۱ ، ص ۱۴) ۔

عبارتِ ہذا کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی کے بالوں پر مسح کرلے اتنا کافی ہے ۔ لحیۂ خفیفہ کا الگ حکم نظر سے نہیں گزرا ۔ البتہ علامہ طحطاوی رح نے شرح مراقی میں اس صورت کا الگ تذکرہ فرمایا ہے لیکن حکم نہیں بتایا ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس
ملتان ۲۲ / ۱۲ / ۱۳۸۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

ایک ہی جگہ سے بار بار تیمم کرنا درست ہے

والد صاحب بہت زیادہ عمر رسیدہ ہیں وضو کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایک بڑا سا مٹی کا ڈھیلا ان کے پاس رکھا ہوا ہے جس پر وہ بار بار بوقت نماز تیمم کرتے رہتے ہیں۔ کیا بار بار اس ایک ہی ڈھیلے پر تیمم کرنا جائز ہے یا اسے بدلنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

العبد سیف اللہ خالد قادری لاہور

الجواب ایک ہی ڈھیلے پر بار بار تیمم کرنا درست ہے۔ واذا تیمم مرارا من موضع واحد جاز کذا فی التاتارخانیة اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۲۶)۔

فقط واللہ تعالیٰ أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان: ۲۶ / ۷ / ۱۳۹۸ھ

پکی اینٹ پر تیمم کا حکم

کیا پکی اینٹ جو بھٹہ میں پکی ہوئی ہو اس پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ محمد رفیق ٹھیکیدار لاہور

الجواب جائز ہے۔ واما التیمم بالآجر فعند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ یجوز مطلقا دق اولا لانه من أجزاء الارض وان شوی وتصلب بمنزلة النورة - (کبیری، ص ۷۵)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ تعالیٰ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۵ / ۵ / ۱۴۰۸ھ

انگوٹھی پہنی ہوئی ہو تو تیمم میں اس کو ہلانے کا حکم

تیمم میں تمام جگہوں پہ ہاتھ کا پھیرنا ضروری ہے تو اگر انگوٹھی پہنی ہوئی ہو تو اس کے اوپر ہاتھ پھیر لینا کافی ہے یا اس کے نیچے والی جگہ پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے ؟

الجواب انگوٹھی کو ہلا کر اس کے نیچے والی جگہ پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔

والظاهر ان ما تحت الخاتم الواسع ان اصابه الغبار لا يلزم تحريكه والا لزم كالتخليل المذكور۔ اھ (شامیة، ج ۱، ص ۱۷۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۳ / ۷ / ۱۴۰۸ھ

تیمم میں نیت کس طرح کی جائے

جب تبلیغی جماعت کیساتھ جاتے ہیں تو مسائل کے مذاکرہ میں بتاتے ہیں کہ تیمم میں نیت کرنا فرض ہے تو اس سے کیا مراد ہے ؟ کیا یہ مطلب ہے کہ نیت کرے کہ میں تیمم کر رہا ہوں یا کچھ اور ؟

الجواب تیمم میں نیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیت کرے کہ میں یہ تیمم نماز پڑھنے کے لئے کر رہا ہوں۔ یا طہارت حاصل کرنے کے لئے کر رہا ہوں۔ یا حدث کو زائل کرنے کے لئے کر رہا ہوں۔ صرف تیمم برائے تیمم نیت کافی نہیں۔

وفی البحر وشرطها ان ينوى عبادة مقصودة الخ او الطهارة او استباحة الصلوة او رفع الحدث او الجنابة فلا تكفى نية التيمم على المذهب۔ اھ (شامی، ج ۱، ص ۱۸۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۷ / ۷ / ۱۴۰۹ھ

راکھ پر تیمم کرنے کا حکم

گوبر کی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ جب کہ سنا ہے کہ راکھ پاک ہوتی ہے۔ محمد طیب طاہر ، نقشبند کالونی ملتان

الجواب راکھ پاک ہے۔ السرقین اذا احرق حتی صار رمادا فعند محمد یحکم بطهارته وعلیها الفتوی اھ (عالمگیری ، ج۱ ، ص۲۳)۔ مگر اس پر تیمم اس لئے جائز نہیں کیونکہ یہ جنس ارض سے نہیں۔

کل ما یحترق فیصیر رمادا کالحطب والحشیش ونحوهما او ما ینطبع ویلین کالحدید والصفر والنحاس والزجاج وعین الذهب والفضة ونحوهما فلیس من جنس الارض ...... الی قوله ولا یجوز بالرماد والعنبر اھ (عالمگیری ج۱-ص۲۶)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

پانی ایک میل دور ہو تو تیمم جائز ہے

پانی ایک میل دور ہو تو تیمم جائز ہے اس سے میلِ شرعی مراد ہے یا میلِ انگریزی۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ ان دونوں کی مسافت میں کیا فرق ہے ؟ سائل : محمد طیب : طیب جنرل سٹور کالا منڈی ملتان شہر

الجواب اس میل سے مراد میلِ شرعی ہے جو چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے۔ انگریزی میل ایک ہزار سات سو ساٹھ گز کا ہوتا ہے اور گز چھتیس اِنچ کا ہوتا ہے۔ مروجہ میلِ شرعی انگریزی میل سے دو سو چالیس گز انگریزی بڑا ہوتا ہے اس لحاظ سے میلِ شرعی دو ہزار انگریزی گز ہوا۔ پانی اتنی مسافت پر دور ہو تو تیمم کر سکتے ہیں ۔ من عجز عن استعمال الماء الخ لبعده ولو مقیما فی المصر میلا اربعة آلاف ذراع وهو اربع وعشرون اصبعا وهی ست شعیرات ظهر لبطن وهی ست شعیرات بغل اھ (درمختار علی الشامیة ، ج۱ ، ص ۱۷۱ - مطبوعہ کوئٹہ)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

المسح علی الخفین والجوربین والجبائر

موزوں پر پہنی ہوئی جرابوں پر مسح کا حکم

ایک شخص چمڑے کے موزوں پر جرابیں پہن لے اور وضو کے وقت جراب (جو کہ موزہ پر پہنی ہوئی ہے) نہ اتارے صرف جراب پر ہی مسح کرلے تو وضو ہوجائے گا یا نہیں؟

مسافر جنرل سٹور کچہری بازار سرگودھا

الجواب اگر جرابیں نہایت باریک ہیں کہ ان پر مسح کرنے سے پانی کی تری موزوں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر جرابوں پر مسح کافی ہوگا ورنہ جرابوں کا اتارنا ضروری ہوگا۔ یعنی دوسری صورت میں اگر جرابوں کو اتارے بغیر مسح کرے گا تو وضو نہیں ہوگا۔

کما فی العالمگیری، ج ۱ ص ۱۷۔ واذا لبس الجرموقین فان لبسهما وحدهما الی قوله وان لبسهما فوق الخفین فان کانا من کرباس اوما یشبهه لایجوز المسح علیهما الا ان یکونا رقیقین یصل البلل الی ماتحتهما۔ فقط

الجواب صحیح	واللہ اعلم
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	مورخہ ۹ / ۸ / ۱۳۸۴ھ

پلستر پر مسح کرنے کا حکم

ایک شخص کے پاؤں پر زخم تھا اس نے زخم پر پلستر لگایا۔ اس کے بعد اس نے نماز ادا کرنے کے لئے وضو کیا اور پاؤں کو اچھی طرح دھو لیا مگر پلستر نہیں اتارا کیا اس کا وضو ہوگیا؟ ایسے ہی پنڈلی کے زخم پر پلستر لگا ہوا تھا۔ پھر اسے غسل فرض کی حاجت ہوئی تو اس نے غسل کیا مگر پلستر نہیں اتارا، کیا اس کا غسل صحیح

ہو گیا ؟

الجواب اگر پلستر اتار کر اردگرد کی جگہ کو دھویا جاسکتا ہو اور زخم پر مسح یعنی گیلا ہاتھ پھیرا جاسکتا ہو تو پھر پلستر پر مسح جائز نہیں بلکہ پلستر اتارنا چاہئے اور زخم کی جگہ پر مسح کیا جائے اور اردگرد کی جگہ کو دھویا جائے۔

اور اگر پلستر اتار کر زخم پر مسح نہ کیا جاسکتا ہو لیکن اردگرد کی جگہ کو دھویا جاسکتا ہو تو پلستر اتار کر اردگرد کی جگہ کو دھولیا جائے اور زخم والی جگہ پر پلستر کے اوپر مسح کرلیا جائے۔ اور اگر دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں یعنی پلستر کا اتارنا تکلیف دیتا ہو تو پورے پلستر پر مسح کرلیا جائے وضوء اور غسل صحیح ہوجائے گا۔ شامی، ج ۱، ص ۲۵۸۔ میں ہے۔

ویمسح نحو مفتصد وجریح علی کل عصابۃ (درمختار) ای علی کل فرد من افرادھا سواء کانت عصابۃ تحتھا جراحۃ وھی بقدرھا او زائدۃ علیھا کعصابۃ المفتصد اولم یکن تحتھا جراحۃ اصلا بل کسر اوکی وھذا معنی قول الکنز کان تحتھا جراحۃ اولا لکن اذا کانت زائدۃ علی قدر الجراحۃ فان ضرہ الحل والغسل مسح الکل تبعا والا فلا بل یغسل ماحول الجراحۃ ویمسح علیھا لا علی الخرقۃ مالم یضرہ مسحھا فیمسح علی الخرقۃ التی علیھا ویغسل حوالیھا وما تحت الخرقۃ الزائدۃ لان الثابت بالضرورۃ یتقدر بقدرھا کما اوضحہ فی البحر اھ

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴/۶/۱۳۹۷ھ

مجلد جرابوں پر مسح جائز ہے

منعلین کہ جن پر مسح جائز ہے ان کی تعریف کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان فرمایا جاوے کہ اس میں جرابیں کس قسم کی اور کہاں تک اور کیسی ہونی چاہئیں نیز منعلین میں پاؤں کی انگلیاں اور اس سے تھوڑا آگے تک چمڑے

کا ہونا ضروری ہے جیسے ⊏⊐ یا پاؤں کی ساری پشت پر چمڑا کا ہونا ضروری ہے۔ نیز مجلدین کی تعریف تسلی بخش اور اس میں بھی چمڑا کی حد بیان فرمانے کو فراموش نہ کیا جاوے اور اگر صرف جرابیں پہنی ہوئی ہوں تو کیا ان پر بھی مسح جائز ہے یا نہیں۔ شق اوّل کی بنا پر ان کی تعریف اور ثخینین کی تعریف کما حقہ بیان فرمادیں؟

الجواب مجلدین، منعلین، ثخینین پر مسح جائز ہے۔

مجلدین۔ وہ جرابیں ہوتی ہیں جن میں پاؤں کے نیچے اور اوپر سب چمڑا ہوتا ہے۔ اور منعلین وہ ہوتی ہیں جن میں صرف نیچے کی جانب چمڑا ہو۔ اور ثخینین بھی ہوں۔ اور ثخینین وہ جرابیں ہوتی ہیں جن پر چمڑہ تو بالکل نہ ہو لیکن وہ اتنی موٹی ہوں کہ ان کے اندر سے پاؤں نظر نہ آئے۔ اور پنڈلی پر بغیر باندھے کھڑی رہیں۔

كما في العالمگيرية ج ۱ ص ۱۲۔ ويمسح على الجورب المجلد وهو الذى وضع الجلد على اعلاه واسفله هكذا في الكافی والمنعل وهو الذى وضع الجلد على اسفله كالنعل للقدم هكذا في السراج الوهاج۔ والثخين الذى ليس مجلداً ولا منعلا بشرط ان يستمسك على الساق بلا ربط ولا يرى ماتحته وعليه الفتوى كذا في النهر الفائق۔ فقط

واللہ اعلم	الجواب صحیح
بندہ اصغر علی عفر لہ معین مفتی	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۷/۵/۱۳۷۴ھ

جوربین منعلین پر مسح کا حکم

جراب منعل پر تو بالاتفاق مسح جائز ہے۔ اگر موٹے جراب کے نیچے پاؤں کے تلوے پر چمڑا لگا ہو تو اس کا کیا حکم ہے آیا اس پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جراب منعل اس جراب کو کہتے ہیں جس کے صرف نیچے چمڑا لگا ہوا ہو۔ کبیری میں ہے او منعلين اى جعل الجلد على مايلى الارض منهما خاصة كالنعل للرجل (ص۱۱۱)۔ اگر جرابیں ثخینین منعلین ہوں۔ یعنی تین میل بغیر

جوتے کے چلنے سے پھٹنے والی نہ ہوں اور بغیر باندھنے کے کھڑی رہتی ہوں ، دوسری طرف نظر نہ جاتی ہو تو مسح جائز ہے ورنہ رقیق منعل ہونے کی صورت میں مسح جائز نہیں ۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

بار بار پٹی اتارنا زخم کو مضر ہو تو نہ اتاری جائے

اگر زخم پر مسح یا دھونا مضر نہ ہو تو پٹی کو اکھاڑ کر مسح یا زخم کو دھونا واجب ہوگا ، سوال یہ ہے کہ نہ مسح اور نہ دھونا مضر ہے لیکن بار بار اکھاڑنے سے زخم دیر سے اچھا ہوگا ۔ اس صورت میں شرعاً پٹی نہ اکھیڑنے اور دوا نہ ہٹانے کی اجازت ہے یا نہیں ؟

نیز پٹی اکھیڑنے سے تکلیف بھی نہیں ہوتی اگر معمولی تکلیف یا قابلِ برداشت تکلیف ہو یا پٹے اکھاڑنے سے یا دوا ہٹانے سے زخم کے جھڑنے یا بہنے کا صرف ڈر ہو یا واقعی بہنے لگتا ہو یا تازہ ہو جاتا ہو یا تکلیف ہوتی ہو ، تو ان صورتوں میں پٹی اکھاڑنے کا کیا حکم ہے جب کہ دھونا یا مسح کرنا زخم کو قطعاً مضر نہ ہو ، لیکن درد معمولی سا قابلِ برداشت ضرور ہوتا ہو فوری زخم کے جھڑنے کا ڈر ہو یا نہ ہو ؟

عبدالرحمٰن مدرسہ رائے ونڈ

الجواب جوازِ تیمم کے لئے فقہاء نے تاخیرِ شفاء کو بھی عذرِ معتبر اور ضررِ واقعی قرار دیا ہے (کما فی الہندیہ ، ج ۱ ، ص ۱۵) ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسح جبیرہ کے جواز کے لئے بھی یہ عذر معتبر قرار پائے گا پس اس ضرر کی بناء پر بھی بدون پٹی اکھاڑے اگر مسح کر لیا گیا تو جائز ہو جائے گا ۔

۲ ، ان سب صورتوں کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جن صورتوں میں پٹی اکھاڑنے سے زخم کے بڑھ جانے یا دیر سے اچھا ہونے کا غالب گمان ہو ان صورتوں میں مسح جائز ہوگا ، شدید تکلیف بھی اس میں داخل ہے محض معمولی تکلیف کی صورت میں مسح جائز نہ ہوگا ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ

چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ کیا ہے اور مقیم کتنی مدت تک مسح کر سکتا ہے اور مسافر اس کے اندر کیا طریقہ اختیار کریگا اور اس کے لئے کتنی مدت ہے؟

الجواب موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں تر کر کے آگے کی طرف رکھے انگلیاں پورے موزہ پر رکھ دے اور ہتھیلی موزے سے الگ کر کے رکھے پھر ان کو کھینچ کر پنڈلی کی طرف لے جاوے اور اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی رکھ دی، اور ہتھیلی سمیت انگلیوں کو کھینچ کر لے جائے تو بھی درست ہے۔ مقیم کے لئے اس کی مدت ایک دن، ایک رات ہے۔ اور مسافر کے لئے تین دن، تین رات ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

وكيفية المسح ان يضع اصابع يده اليمنى على مقدّم خفه الايمن ويضع اصابع يده اليسرى على مقدم خفه الايسر و يمدها الى الساق فوق الكعبين و يفرج بين اصابعه هكذا فى فتاوى قاضيخان وهو ان يكون فى المدة وهى للمقيم يوم و ليلة و للمسافر ثلاثة ايام ولياليها هكذا فى المحيط. (ج ۱- ص ۱۷)۔ فقط والله اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

زخم کے ارد گرد جمی ہوئی دوا کو ہٹانے کا حکم

زخم کے ارد گرد بالکل قریب گندہ بروزہ پگھل کر تندرست جسم پر چمٹ جاتا ہے۔ اب اگر بوقت ہر وضوء اس کو ہٹاتا ہے تو بلا مبالغہ وہ ہٹتا نہیں۔ یعنی چاقو وغیرہ سے ہٹانے کے بغیر دور نہیں ہوتا۔ اس طرح جلد پر کچھ خراشیں آجاتی ہے ورنہ دور نہیں ہوتا۔ یا پھر بوجہ قریب زخم کے زخم پر اثر پڑتا ہے، یا پانی کے اندر جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس طرح تندرست جسم سے خون یا پیپ کا چھیلنا واجب ہے یا نہ؟

۲ ، زخم کے اوپر درہم سے زیادہ پٹی تھی ۔ زخم کا خون یا پیپ پٹی کے اوپر والے حصے میں ظاہر ہوا ، اب اس پٹی کو دور کرنا واجب ہوگا یا نہ ؟

حافظ نورالدین میواتی رائیونڈ

الجواب ۱ زخم کے قریبی حصے پر جو دوائی مانع نفوذِ ماء جم گئی ہے اگر اس کے دور کرنے میں زخم کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو اسے دور کرنا ضروری ہوگا ۔ ورنہ نہیں ۔ لیکن تکلف سے بچا جائے

۲ ، اگر زخم کے دیر سے اچھا ہونے کا اندیشہ اور غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں پٹے سے اتارنا واجب نہ ہوگا ۔ اور اگر زخم بالکل درست ہوگیا ہے تو پٹی اتار دینی چاہیئے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۸ / ۶ / ۱۳۸۲ھ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

عورتیں بھی موزوں پر مسح کر سکتی ہیں

ہماری والدہ ماجدہ کافی معمر ہیں سردیوں میں انہیں وضو کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے ۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ موزے پہن لیا کریں ۔ تو کیا عورتیں بھی موزوں پر مسح کر سکتی ہیں؟

سائل ۔ دلدار علی شاہ جمال ٹاؤن لاہور

الجواب عورتیں بھی مردوں کی طرح موزوں پر مسح کر سکتی ہیں ۔

المرأة فی المسح علی الخفین بمنزلة الرجل لاستوائهما فی المعنی المجوّز للمسح کذا فی المحیط اھ

(عالمگیری ج ۱ ص ۱۹) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

معروف جرابوں پر مسح کا حکم

بازار میں جو عام جرابیں ملتی ہیں جن کو بعض لوگ موزوں سے بھی موسوم کرتے ہیں کیا ان پر مسح کرنا جائز ہے اور جب کہ اس دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے دور کے موزے مقصود ہیں۔ تو کیا اب حکم کا اطلاق ان پر نہ ہوگا ؟

المستفتی : محمد افضل شیخ

الجواب حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے چمڑے کے موزوں کا مقصود ہونا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ مدعی کے ذمہ اس کا اثبات ہے۔ بلکہ یہ دعوےٰ غلط ہے۔ کیوں کہ بے شمار احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزوں پر مسح کرنا موجود ہے احادیث کی کوئی کتاب " باب المسح علی الخفین " سے غالباً خالی نہ ہوگا۔ بلکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل سنت والجماعت سے ہونے کے لئے مسح علی الخفین کے قائل ہونے کی شرط لگائی ہے۔

روی عن انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ انہ سئل عن السنۃ والجماعۃ فقال ان تحب الشیخین ولا تطعن فی الختنین وتمسح علی الخفین۔ (قاضی خان ج ۱، ص ۲۲)

حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

من انکر المسح علی الخفین یخشی علیہ الکفر۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ادرکت سبعین بدریا من الصحابۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم کلہم یرون المسح علی الخفین۔ (فتح الملہم، ج ۱۔ ص ۴۳)

قال ابن عبد البر مسح علی الخفین سائر اہل بدر والحدیبیۃ وغیرہم من المہاجرین والانصار وسائر الصحابۃ والتابعین۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم

اور ان کے بعد تابعین رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کا معمول مسح علی الخفین کا تھا۔ "خف" اصل میں چمڑے کے موزے کو کہا جاتا ہے۔ اور جو فقہاء جرابوں پہ مسح جائز قرار دیتے ہیں وہ بھی اس قسم کے جراب پر جوازِ مسح کے قائل ہیں جو موزوں کے حکم میں ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جسے پہن کر دو تین میل جوتے کے بغیر چلا جا سکے اور وہ پھٹیں نہ۔ بغیر ربڑ وغیرہ کے باندھے وہ پنڈلی پر کھڑے رہیں۔ اور اگر پانی اوپر گر پڑے تو اندر داخل نہ ہو، دیکھنے سے دوسری طرف نظر نہ آئے وغیر ذلک۔

بازاری جراب موزے کے حکم میں نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ موزوں پر بھی مسح جائز نہ ہوتا کیونکہ قرآن کریم میں غسل رجلین کا حکم ہے اور موزوں پر مسح کر لینے سے غسل رجلین حقیقتاً پایا نہیں جاتا۔ لیکن چونکہ احادیث متواترہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ہم جوازِ مسح علی الخفین کے قائل ہوتے ہیں۔ مسح علی الجوربین کے بارے میں اس درجہ کی روایات موجود نہیں۔ اس وجہ سے حضرت امام مسلم رح فرماتے ہیں۔

لا يترك ظاهر القرآن بمثل ابی قیس وهذیل۔ (فتح الملهم)

اگر کوئی کہے کہ بعض احادیث میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا جوربین پر مسح موجود ہے۔ تو اس کے متعلق ایک بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اہل علم نے ایک ضابطہ لکھا ہے۔

"اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"

اس ضابطے کے پیشِ نظر یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہو سکتا ہے کہ موزوں کا نام راوی نے "جرابیں" رکھ دیا ہو۔ یا آپ کی جرابیں مجلد یا منعل یا موٹی ہوں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس، ملتان پاکستان ۳، ر ۳ ر ۱۴۰۳ ھ

مسافر مدت اقامت پوری ہونے کے بعد مقیم ہو جائے تو مسح کا حکم

زید نے مقیم ہونے کی حالت میں ظہر کے وقت موزے پہنے اور مسح کیا رات کو اچانک سفر شرعی پیش آگیا اور اگلے روز عشاء کے وقت واپس گھر لوٹا تو اب وہ موزے اتار کر پاؤں دھوئے یا انہیں پر مسح کرلے؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد افضل، طیب جنرل سٹور کالا منڈی ملتان شہر

الجواب موزے پہننے کے بعد وقتِ حدث سے لے کر گھر پہنچنے تک مدت اقامت (چوبیس گھنٹے) پورے ہونے سے سفر کی رخصت بھی ختم ہوگئی۔

والمسافر ان اقام بعد ما استکمل مدة الاقامة ینزع خفیه و یغسل رجلیه۔ اھ (عالمگیری قدیم ج۱، ص ۱۷)۔

البتہ اگر وضوء باقی ہو تو یہ بھی اجازت ہے کہ موزے اتار کر صرف پاؤں دھولے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ پورا وضوء دوبارہ کرلے۔

وبعدهما ای النزع والمضی غسل المتوضی رجلیه لا غیر اھ (درمختار) (قوله غسل المتوضی رجلیه لا غیر) ینبغی ان یستحب غسل الباقی ایضا مراعاة للولاء المستحب وخروجا عن خلاف مالک رح کما قاله سیدی عبد الغنی ثم رأیته فی الدر المنتقیٰ مصرّحا بان الاولی اعادته۔ اھ (شامی ج۱، ص۲۵۵)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴۱۱/۴/۱۷ھ

مایتعلق بالحیض والنفاس والاستحاضہ

ایامِ حیض میں ہر رنگ کا خون حیض شمار ہوگا

۱:- ایک عورت کی اکثر عادت چھ دن حیض آنے کی ہے۔ لیکن کسی ماہ میں صرف ڈھائی دن صحیح آیا اور پھر فرج خارج میں کچھ نہیں آیا جب کہ داخل میں معمولی سا پیلے رنگ کا یا اس سے بھی ہلکا۔ اتنا معمولی جو نہ ہونے کے برابر تھا۔ غالباً چوتھے یا پانچویں دن تک پھر کچھ نہیں آیا۔ ایسی عورت حائضہ کہلائے گی یا نہیں۔

۲:- ایک عورت کو تین دن تک صحیح حیض آیا پھر چوتھے دن بہت معمولی سا پانچویں دن یہ کیفیت تھی کہ خارج میں کچھ نہیں تھا داخل میں معمولی پیلے رنگ کا۔ اور کبھی صرف اتنا پانی محسوس ہوتا ہے داخل میں پیلے رنگ کا جیسے نقطہ۔ تو یہ پانچویں دن جس میں فرجِ داخل میں خون پیلے رنگ کا تھا۔ تو کیا یہ حیض شمار ہوگا یا نہیں ؟ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ "بہشتی زیور" میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔ حیض جب فرج داخل سے فرجِ خارج میں آجائے اس وقت سے حیض شمار ہوگا۔ یہ حکم اس وقت کا ہے ؟

الجواب معتدہ ایامِ عادت میں جو کہ اس کی پہلے عادت تھی اس میں کچھ پیلا رنگ دیکھ لے تو یہ حیض میں شمار ہوگا۔ اور ایامِ عادت سمیت دس دن تک حیض شمار کیا جاسکتا ہے۔

وماتراہ المرأۃ من الحمرۃ والصفرۃ والکدرۃ حیض حتی تری البیاض خالصًا۔ (ھدایۃ : ج ۱ ص ۴۶)۔

فرج داخل میں جو کچھ ہو اس پر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ جب تک وہ خارج نہ ہوجائے۔ یا کپڑے پر اس کا دھبہ نہ لگ جائے۔ دھبہ لگ جانے کی صورت میں یہ حیض ہوگا۔ پس سوال ۱ میں اگر کپڑے کو دھبہ لگا ہے تو چوتھا اور پانچواں دن حیض میں شمار ہوگا۔ اس کی روشنی میں سوال ۲ کا جواب بھی سمجھ لیا جائے بہشتی زیور کا مسئلہ صحیح ہے۔ دھبہ لگ جانے سے فرجِ داخل سے خارج میں آنا ثابت ہوجائے گا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ تعالیٰ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

سببِ ابتداءِ حیض

عورتوں کو حیض کس وجہ سے شروع ہوا اور کب شروع ہوا ؟

عبدالحفیظ دیال سنگھ لائبریری نسبت روڈ لاہور۔

الجواب وسببہ ابتداء ابتلاء اللہ لحوّاء لاکل الشجرۃ (درمختار) ای وبقی فی بناتھا الی یوم القیامۃ وما قیل انہ اوّل ما ارسل الحیض علی بنی اسرائیل فقد ردہ البخاری بقولہ وحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکبر وھو ما رواہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحیض ھذا شئ کتبہ اللہ علی بنات آدم قال النوویؒ ای انہ عام فی جمیع بنات آدم۔ (شامی ۱ ج ۱ : ص ۲۰۰ مطبوعہ کوئٹہ)۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ حیض تمام عورتوں کو آتا ہے اور اس کی ابتدا اس وقت ہوئی جبکہ حضرت حوّا نے دانۂ گندم کھایا تھا۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۱۲ بندہ محمد اسحاق عنفر اللہ لہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا ۱۳۸۲ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ایام حیض کے بعد آنے والے خون کا حکم

۱:- ایک عورت اپنی عادت کے موافق حیض سے پاک ہوئی۔ دو دن پاک رہنے کے بعد پھر خون جاری ہوگیا۔ جو چار دن تک جاری رہا۔ اب یہ چار دن حیض کے ہوئے یا بیماری کے ؟ اور نماز روزہ ادا کرسکتی ہے یا نہیں ؟

۲:- ایک حیض کے کتنے دن گزرنے کے بعد دوسرا حیض آئے تو حیض سمجھا جائے گا ؟

الجواب اگر عادت کے مطابق حیض آچکا پھر دو دن گزرنے کے بعد چار دن خون آیا تو دیکھا جائے گا کہ سابقہ عادت اور یہ چھ دن (دو خالی دن اور چار دن خون) کل مدت دس دن سے متجاوز نہیں ہوتی تو یہ چار دن بھی حیض کے ہوں گے اور وہ دو دن خالی بھی حیض شمار ہوں گے۔ اور اگر دو دن خالی گزار کر چار دن جو حیض آیا یہ کل مدت دس دن سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ تو جو عادت کے دن تھے وہ حیض ہے اور یہ چار دن استحاضہ یعنی بیماری کے ہوں گے۔

ولو زاد الدم علی عشرۃ ایام ولها عادة معروفة دونها ردت الی ایام عادتها والذی زاد استحاضة اھ (ھدایہ ج ۱، ص ۵۰ - امدادیہ ملتان)

اما اذا لم یتجاوز الاکثر فیهما فهو انتقال للعادة فیهما فیکون حیضا و نفاسا اھ (شامی ، ج ۱، ص ۳۰۲ مطبوعہ کوئٹہ)۔

۲ : اقل مدت طہر پندرہ روز ہے اگر حیض آنے اور پندرہ دن گزر جائیں پھر خون آئے تو وہ حیض ہو سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ تعالیٰ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

حائضہ ادعیہ وغیرہ پڑھ سکتی ہے

ایک عورت کا معمول حزب البحر ہر دن پڑھنے کا ہے۔ کیا عورت مذکورہ دعاؤں کو ایام حیض میں بھی پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی عبدالرشید، شادمان لاہور۔

الجواب ولا بأس لحائض وجنب بقرأة ادعية ومسها وحملها اھ وذكر الله تعالى وتسبيح وزيارة قبور

(درمختار علی الشامی ج۱ ص ۲۰۵)۔

حائضہ حزب البحر وغیرہ کا ورد پڑھ سکتی ہے۔ نماز کے وقت وضوء کرنے کے بعد قبلہ رُخ ہوکر بیٹھ جایا کرے اور یہ ورد پڑھ لیا کرے۔ فقہاء نے حائضہ کے لئے اوقات نماز میں اس طرح کچھ ذکر و تسبیح کرنے کو مستحب لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ‏ ۲۴/۵/۱۳۸۳ھ ‏ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ‏ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

حیض میں مستعمل کپڑے کا حکم

حیض کے استعمال شدہ کپڑے کو جلا دینا کیسا ہے؟ اس میں انسانی خون لگا ہوا ہے اور اگر نہ جلایا جائے بلکہ کوڑے میں پھینک دیا جائے تو غیر مردوں کی اس پر نگاہ پڑتی ہے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب اگر دھونے کے بعد دوبارہ استعمال نہ ہوسکیں تو جلا دیا جائے۔

كل عضو لا يجوز النظر اليه قبل الانفصال لا يجوز بعده كشعر عانته وشعر رأسها وعظم ذراع حرة ميتة وساقها وقلامة ظفر رجلها دون يدها وأن النظر الى ملاءة الاجنبية بشهوة حرام - اھ (شامی ج۱ ص ۳۷۹)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۹/۵/۱۴۰۳ھ

حائضہ قرآن حکیم کلِمَۃً کلِمَۃً پڑھ سکتی ہے

ایک بالغہ لڑکی ہے اور طالبِ علم ہے قرآن پاک حفظ کرتی ہے اگر وہ ایام حیض میں تعلیم کی چھٹی کرے تو تعلیم میں کافی نقص واقع ہوتا ہے۔ کیا وہ ان دنوں میں اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہے یا نہیں۔ شریعت کی رو سے گنجائش ہے یا نہیں ؟

۲ : ہمارے ہاں مشہور ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا کر پڑھ سکتی ہیں آیا یہ بات درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب (۱) مذکورہ طالبہ ان ایام میں ایک ایک کلمہ کرکے پڑھ سکتی ہے۔ جوّز للحائض المعلمۃ تعلیمہ کلمۃ کلمۃ الخ (شامی ج ۱، ص ۱۵۹)۔

۲ : دستانے پہنے ہوئے ہوں تو ان کے ساتھ بھی چھونا جائز نہیں۔ ولا یجوز لھم مس المصحف بالثیاب التی ھم لابسوھا۔ (عالمگیری، ج ۱، ص ۲۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۹/۲/۱۴۰۸ھ

ناتمام بچے کی ولادت کے بعد آنے والے خون کا حکم

بعض عورتوں کا حمل قبل از وقت ساقط ہو جاتا ہے تو اسقاط کے بعد جو خون آئے وہ نفاس شمار ہوگا یا نہیں ؟

الجواب اگر تو بچے کے اعضاء مثلاً انگلی ناخن اور بال وغیرہ بن چکے تھے تو اس اسقاط کے بعد آنے والا خون نفاس شمار ہوگا۔ اور اگر ابھی اس میں سے کوئی چیز نہیں بنی تھی تو اب یہ خون نفاس نہیں بنے گا۔ اگر حیض کی تعریف اس پر صادق آتی ہو تو حیض بن جائے گا ورنہ استحاضہ شمار ہوگا۔

والسقط ان ظھر بعض خلقہ من اصبع او ظفر او شعر ولد فتصیر بہ نفساء ھکذا فی التبیین وان لم یظھر شیٔ من خلقہ فلا نفاس

لہا فان امکن جعل المرئی حیضا یجعل حیضا و الا فہو استحاضة ۔اھ (عالمگیری : ج ۱، ص ۱۹)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۲ / ۱۰ / ۱۴۰۱ھ

جنبی کے پکائے ہوئے کھانے کا حکم

عورت کی حالتِ حیض کی جنابت اور بعد الوطی قبل الاغتسال کی جنابت یکساں ہے یا کوئی فرق ہے۔ عورت بعد الوطی قبل الغسل وقت تنگ میں کھانا وغیرہ پکا سکتی ہے یا نہیں ؟ اور اگر پکائے تو اس کا کھانا کیسا ہے حلال ہے یا نہیں ؟ اسی طرح عورت جیسے حالتِ حیض میں بچے کو دودھ پلاتی رہتی ہے بعد الوطی قبل الغسل اگر بچہ اٹھ پڑے اور روئے تو اس کو اٹھا کر دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب حالتِ جنابت میں کھانا پکانے اور بچے کو دودھ پلانے کی شرعاً اجازت ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے وضو کر لے[۱]۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۲ / ۵ / ۱۴۰۶ھ

[۱] ولہ ان یقبلہا و یضاجعہا ولا یکرہ طبخہا ولا استعمال ما مستہ من عجین او ماء او غیرہما ۔اھ (طحطاوی ، ص ۷۸)۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

حائضہ سے مباشرت کی صورت

حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کرنا سوائے شرمگاہ کے جائز ہے یا نہیں ؟ اور اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنا ذکر پکڑ کر ملتے ملتے منی خارج کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب حالتِ حیض میں بلا حائل کے گھٹنے سے لے کر ناف تک کے حصہ سے انتفاع حرام ہے۔ کپڑے کے اوپر سے سوائے وطی کے اجازت[۲] ہے۔ مشت زنی حرام ہے ہندیہ میں ہے ۔ الاستمناء حرام وفیہ التعذیر ۔ (ج ۲ ، ص ۳۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۷ / ۳ / ۱۴۰۶ھ

(۲ے حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

سلہ ویحرم بالحیض والنفاس الجماع والاستمتاع بما تحت السرۃ الی تحت الرکبۃ لقولہ تعالیٰ ولا تقربوھن حتی یطھرن وقولہ صلی اللہ علیہ لک ما فوق الازار ۔ اھ (مراقی)۔

(قولہ والاستمتاع بما تحت السرۃ) اما السرۃ وما فوقھا فیحل الاستمتاع بہ بوطء اوغیرہ ولو بلاحائل وکذا بما بین السرۃ والرکبۃ بحائل بغیر الوطء ولو بشھوۃ ۔ اھ (طحطاوی ص۸۰)

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مستحاضہ کے ساتھ مباشرت کا حکم

ایک عورت کو یہ مرض لاحق ہوگیا ہے کہ اس کا خون کبھی بھی بند نہیں ہوتا ۔ ہر وقت جاری رہتا ہے ۔ تو اب اس کا خاوند اس سے ہمبستری کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ کے جتنے دن ایام حیض بنتے ہوں ان میں مجامعت حرام ہے باقی ایام میں کرسکتے ہیں ۔

ودم الاستحاضۃ کرعاف دائم لا یمنع صلوۃ ولا صوما فرضا کان او نفلاً ولا یحرم وطأً لانہ لیس اذی ۔ اھ (مراقی الفلاح)

(قولہ ولا یحرم وطأً) ای ولو فی حال نزولہ لانہ لیس اذی واما تأویلہ بانہ یجامعھا فی حال انقطاعہ نبعید من اطلاق عباراتھم ۔ اھ ۔ وروی ابو داؤد وغیرہ باسناد صحیح من حدیث عکرمۃ عن حمنۃ بنت جحش انھا کانت مستحاضۃ وکان زوجھا یغشاھا وھو طلحۃ بن عبید اللہ ھکذا فی البنایۃ ۔ اھ (طحطاوی ص ۸۰) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۲/۳/۱۴۱۰ھ

دورانِ نفاس طہر بھی نفاس کے حکم میں ہے

بچہ پیدا ہونے کے بعد ایک عورت کو پچیس۲۵ دن تک نفاس جاری رہا اس کے بعد دس یوم تک پاک رہی دس دن کے بعد دو تین قطرے خون کے آئے اس کے بعد سات دن تک پھر پاک رہی یعنی مدتِ نفاس تک پاک رہی۔ اس کا نفاس کتنے دن شمار ہوگا ؟

الجواب دو تین قطروں کے بعد اگر پھر خون نہیں آیا تو بچہ کی پیدائش سے لے کر ان قطروں کی آمد تک نفاس[۱] شمار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ رئیس الافتاء

۱۱ / ۵ / ۱۳۸۱ ھ

[۱] الطہر المتخلل فی الاربعین بین الدمین نفاس عند ابی حنیفۃ رح وان کان خمسۃ عشر یوما فصاعدا وعلیہ الفتوی اھ (عالمگیری قدیم ، ج۱ ، ص ۱۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مبتدئہ کا حکم

مستحاضہ مبتدئہ کو استمرارِ دم سال یا دو سال یا اس سے زائد رہا ہو۔ آیا اس کے لئے حکم یہ ہے کہ یہ مہینہ میں دس دن حیض اور بیس دن طہر شمار کرے اور اسی طرح دوسرے اور تیسرے مہینہ میں کرے یا اس کے لئے اکثر مدتِ حیض یعنی دس دن اور پندرہ دن طہر شمار کئے جائیں گے۔ یعنی یہی سلسلہ ہوگا ؟

الجواب مبتدأۃ کا حکم یہ ہے کہ دس دن ہر مہینہ سے حیض شمار کئے جائیں گے اور بیس۲۰ دن استحاضہ کے۔ کما فی الشامیۃ۔

والحاصل ان المبتدأۃ اذا استمر دمہا فحیضہا فی کل شہر عشرۃ وطہرہا عشرون کما فی عامۃ الکتب بل نقل نوح أفندی الاتفاق علیہ خلافا لما فی الامداد من ان طہرہا خمسۃ عشر۔

(ج ۱، ص ۲۰۹) - فقط واللہ اعلم -

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ، ۱۳ / ۱۱ / ۱۴۱۰ھ

حائضہ نماز کے اوقات میں ذکر واذکار کا معمول رکھے

تبلیغی جماعت کی خواتین کی تبلیغی مجالس ومحافل میں اہلیہ شرکت کرتی ہے ایک محفل میں ایک مسئلہ سن کر آئی تو اس کی تصدیق چاہی کہ عورت کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ حیض کے دنوں میں بوقت نماز وضو کر کے مصلے پر اتنی دیر بیٹھ کر تسبیح و درود پاک اور ذکر واذکار کرتی رہے جتنی دیر میں کہ وہ نماز پڑھتی ہے ۔ تو کیا یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں ؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں ۔

العبد سیف اللہ خالد قادری لاہور

الجواب یہ درست ہے اس حالت میں ذکر وتسبیح وغیرہ منع نہیں ۔ اور سوال میں مذکور عمل کو معمول بنا لینے میں علاوہ ثواب کے یہ فائدہ بھی ہے کہ ان اوقات میں نماز وعبادت کی عادت پختہ رہے گی ۔

و یستحب لها ان تتوضأ لوقت كل صلاة وتقعد على مصلاها وتسبح وتهلل وتكبر بقدر ادائها كي لا تنسى عادتها وفي رواية يكتب لها ثواب احسن صلاة كانت تصلي ۔ اھ (شامی ج ۱ ، ص ۲۱۳) فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

حائضہ سے جماع کرنے کی صورت میں صدقہ کا حکم

کفایت المفتی ، ج ۵ ، ص ۳۲۶ پر ایک سوال وجواب ہے جس کے بارے میں کچھ اشکال

ہے۔ مختصر سوال و جواب یہ ہے۔

کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے بحالت حیض جماع کر لیا۔ اب اس کے لئے شرع کا کیا حکم ہے ؟ جواب میں لکھا ہے کہ ایام مقررہ میں صحبت کرنا ناجائز ہے۔ صحبت کر لی گئی تو زید کو اور اس کی بیوی کو توبہ کر لی چاہیئے اور بہتر یہ ہے کہ زید ڈھائی روپیہ صدقہ کر دے۔ خط کشیدہ عبارت یعنی ڈھائی روپیہ صدقہ کر دے تو بہتر ہے۔ اس ڈھائی روپے کی تعیین کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ وضاحت فرمادیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وقع الرجل باھلہ وھی حائض فلیتصدق بنصف دینار۔ وفی روایۃ اذا کان دما أحمر فدینار واذا کان دمًا اصفر بنصف دینار رواہ الترمذی (ج ۱، ص ۵۲) وفی الحاشیۃ فدینار ای علی المجامع فیہ لان اقل المقادیر المتعلقۃ بالفروج عشرۃ دراھم وھو دینار کذا قالہ ابن الملک۔

ایک دینار کی مالیت دس درہم کے برابر ہے۔ اور دس درہم تقریبًا ڈھائی تولہ کے برابر ہیں اور یہ ڈھائی روپے کے مساوی ہوں گے۔ جب کہ چاندی کا روپیہ ایک تولے کا ہو۔ جیساکہ متحدہ ہندستان کے وقت ہوتا تھا۔ یہ ڈھائی روپے اسی وقت کے ہیں۔

الغرض اصل صورت مسئولہ میں یہ ہے کہ ایک دینار (مساوی ۴½ ماشہ) سونا یا نصف دینار صدقہ کرے۔ یا ان کی مالیت آج کل اگر کوئی یہ صدقہ کرنا چاہے تو ۴½ ماشے یا ۲¼ ماشے سونا صدقہ کرے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۲/۱۴۰۲ھ

حیض بند ہونے پر غسل کو مؤخر کرنا

عورت کو حیض آیا اور اپنی عادت کے مطابق اتنے دن بعد بند ہو گیا۔ تو اس عورت کو کس وقت غسل کرنا چاہیئے اسی وقت یا دوسرے دن ؟ وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب اگر ایام عادت پورے ہونے پر خون بند ہوا ہے تو جس نماز کے وقت میں بند ہوا ہے اس کے وقتِ مستحب تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ یعنی وقتِ مستحب کے ختم ہونے سے پہلے غسل کر کے نماز ادا کرے۔

(واذا انقطع لدون عادتها) ای وقد تجاوز ثلثة ایام لو یقربها وان اغتسلت حتی تمضی عادتها ولکن تصلی وتصوم احتیاطًا ویجب علیها تأخیر الغسل الی قبیل آخر الوقت المستحب ویستحب تأخیره الیه اذا انقطع لتمام العادة قاله فی الشرح۔ اھ (طحطاوی، ص ۷۹) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷/۲/۱۴۱۱ھ

اپریشن کے ذریعہ ولادت کی صورت میں نفاس کا حکم

بعض اوقات ولادت میں پیچیدگیوں کی وجہ سے بڑے اپریشن کے ذریعہ بچہ پیٹ سے نکالا جاتا ہے۔ تو اس صورت میں نفاس کے احکام کیا ہوں گے۔؟

الجواب اگر اپریشن کے بعد خون رحم سے جاری ہو جائے تو وہ نفاس کے حکم میں ہے۔ اس پر نفاس والے احکام جاری ہوں گے۔ اور اگر صرف اپریشن کی جگہ ہی سے نکلے اور رحم سے نہ آئے تو وہ زخم کے حکم میں ہے اس صورت میں نماز وغیرہ ساقط نہیں ہوں گے۔

فلو ولدته من سرتها ان سال الدم من الرحم فنفساء والا فذات جرح وان ثبت له احکام الولد اھ (درمختار) (قوله من سرتها) عبارة البحر من قبل سرتها بان کان ببطنها جرح فانشقت وخرج الولد منها۔ اھ (شامیة، ج ۱، ص ۲۱۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲/۵/۱۴۱۰ھ

ما يتعلق بتطهير الانجاس

راستہ کا کیچڑ وغیرہ کپڑوں پر لگ جائے تو کپڑے کا حکم

کوٹ یا چادر پر، سڑک پر بارش کا کھڑا ہوا پانی وغیرہ کار کے گزرنے سے لگ جاتا ہے اگر قمیص اور شلوار وغیرہ پاک ہوں تو ان کو پہن کر نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ نہ ہونے کی وجہ بھی تحریر کریں۔؟

الجواب راستہ کی کیچڑ اور نجس پانی اگر کپڑے کو لگ جائے اور وہ آدمی اس طرح کا ہو کہ اسے عام طور سے بازار میں آنا جانا پڑتا ہو تو وہ اگر ایسے کپڑے میں بغیر دھوئے نماز پڑھ لے گا تو نماز ہو جائے گی بلا ضرورت جائز نہیں۔ شامی میں ہے۔

والحاصل ان الذی ینبغی انہ حیث کان العفو للضرورۃ و عدم امکان الاحتراز ان یقال بالعفو و ان غلبت النجاسۃ مالم یر عینہا لو اصابہ بلا قصد و کان ممن یذہب و یجیئ و الا فلا ضرورۃ۔ (شامیہ، ج ۱، ص ۲۹۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ	الجواب صحیح
۲۱ - ۱۲ - ۱۳۹۳ھ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

گوبر کے اپلے بنانا اور انہیں جلانا جائز ہے

گوبر سے اپلے بنانا، اور انہیں جلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب گوبر وغیرہ سے اپلے بنانا، انہیں جلانا اور بیچنا جائز ہے۔ کما فی الشامیۃ: ج ۴، ص ۱۱۰ (قولہ کسرقین و بعر) والمراد

انہ یجوز بیعھما ولو خالصین اھ وفی البحر عن السراج ویجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع بہ والوقود بہ۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۷/۲/۱۳۸۷ھ

مردار کی چربی سے صابن بنایا گیا تو وہ پاک ہے

یہاں کچھ لوگ ہیں جو مردار کی چربی سے صابن تیار کرتے ہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ اور اس صابن کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب مردار کی چربی کا بنا ہوا صابون پاک ہے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد صدیق عفرلہٗ نائب مفتی
خیر المدارس ملتان ۲/۱۲/۱۳۷۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

پلید دہی سے نکالے ہوئے مکھن کا حکم

اگر پلید دہی سے مکھن نکالا جائے تو وہ مکھن پلید ہوگا یا نہیں؟ اگر رد المحتار کی عبارت ذیل سے حکم حلت لگایا جائے تو یہ حکم صحیح ہوگا یا نہیں؟

(ج ۱ ص ۳۰۲) قال فی رد المحتار تحت قول الماتن لا یکون نجسا رماد قذر الخ قولہ لانقلاب العین علۃ للکل وھذا قول محمد وذکر معہ فی الذخیرۃ والمحیط ابا حنیفۃ حلیۃ قال فی الفتح وکثیر من المشائخ اختاروہ وھو المختار لان الشرع رتب وصف النجاسۃ علی تلک الحقیقۃ وتنتفی الحقیقۃ بانتفاء بعض اجزاء مفھومھا فکیف بالکل فان الملح غیر العظم واللحم فاذا صار ملحا ترتب حکم الملح ونظیرہ فی الشرع النطفۃ نجسۃ

وتصیر علقة وهی نجسة وتصیر مضغة فتطهر والعصیر طاهر الخ ۔

دوسرا یہ کہ انقلاب عین کا کیا معنی ہے ؟

الجواب یہ انقلاب عین نہیں بلکہ بقاءِ عین کے باوجود تفصیل اجزاء ہے۔ یعنی مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ بعض اجزاءِ دھنیہ کو جو پہلے سے موجود ہیں ان کو الگ کر لیا گیا ہے۔ جیسا کہ گوبر کو نچوڑ کر اس کے اجزاءِ مائیہ کو الگ کر لیا جائے۔ یا ناپاک گندم کا نشاستہ نکال لیا جائے۔ حمار کے ملح بن جانے میں اور دہی سے مکھن نکالنے میں دونوں تغیر دل میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ صورتِ مسئولہ میں تو درحقیقت تغیر ہی نہیں ۔

تبدیلِ ماہیت سے شئ کے خواص و آثار یکسر بدل جاتے ہیں ۔ جیسے حمار ، ملح ، قذر ، رماد ، اور خمر وخل میں ہے لیکن تفصیلِ اجزاء سے ایسا نہیں ہوتا بلکہ بنیادی خواص بھی قائم و بدستور رہتے ہیں جیسے نفس دہنیت دہی و مکھن دونوں چیزوں میں بدستور قائم ہے فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۳/۱۲/ ۱۳۸۵ھ

فرش پاک کرنے کا طریقہ

۱۔ اگر مسجد کے برآمدہ میں زخم یا آبلے کی پیپ کا پانی بہہ کر ایک ایڑی کے برابر جگہ پر پھیل جائے تو فقط ایک بار کپڑا بھگو کر رگڑنے سے وہ جگہ پاک ہو جائے گی یا نہیں ؟

۲ : اگر اس جگہ میں اشتباہ ہو جائے تو دو تین فٹ اِدھر اُدھر جگہ ، ایک کپڑا بھگو کر رگڑنے سے وہ جگہ پاک ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ اگر تین چار فٹ جگہ پر کپڑا رگڑنے کے بعد بھی معلوم نہ ہو کہ وہ اصل جگہ رہ گئی ہے یا صاف ہو گئی ہے تو وہ آدمی جس سے یہ جگہ پلید ہوئی ہے گناہگار تو نہ ہو گا ؟

۳ : اگر اس جگہ ایک عدد پانی کی بالٹی سیمنٹ والے فرش پر ڈال دی جائے اور جھاڑو

پھیر دیا جائے، پانی مسجد کے صحن میں پھیل جائے اور جھاڑو سے نکال دیا جائے تو صحن نجس ہوگا یا پاک سمجھا جائے گا ؟

۴ : پانی ڈالنے والا آدمی اس بھیگی جگہ پہ پاؤں دھوئے بغیر پھرے اور معلوم نہ ہو کہ اس کے پاؤں جو اب اس نے جوتے سے نکالے ہیں پاک ہیں یا نجس، تو وہ جگہ اس صورت میں پاک سمجھی جائے گی یا نجس ؟

المستفتی محمد یونس از کوئٹہ

الجواب تین دفعہ ایسا کرنے سے فرش پاک ہو جائے گا۔ ایک دفعہ سے پاک نہ ہوگا

قال فی الشامیۃ ولو ارید تطهیرها عاجلا یصب علیها الماء ثلاث مرات و تجفف فی کل مرة بخرقة طاهرة۔

(ج ۱ ص ۲۸۶)۔

خشک کرنے کے لئے ہر دفعہ پاک کپڑا ہونا چاہئے۔

۲ : جس جگہ کے ناپاک ہونے کا ظن ہوا ہے اسے طریق بالا سے پاک کیا جائے۔

۳ : اس طرح جھاڑو کے ساتھ پانی نکال دینے سے مسجد کی جگہ پاک ہو جائے گی۔ احتیاطاً تین دفعہ ایسا کر لیا جائے۔

۴ : جب مسجد کی اس جگہ کو پاک قرار دے دیا جائے گا تو اس کے بعد اگر کوئی شخص اس جگہ پہ پاؤں رکھے تو وہ جگہ ناپاک نہ ہوگی۔ پاؤں کے بارے میں جب تک یقیناً نجاست لگنے کا علم نہ ہوا سے ناپاک نہیں قرار دیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی
خیر محمد عفا اللہ عنہ	خیر المدارس ملتان ۱۳۸۸/۸/۷ھ

وضوء کا پانی لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا

ایسا کپڑا جو وضوء کے بعد منہ ہاتھ پونچھنے میں متعدد بار استعمال ہو چکا ہو نماز میں سر پر باندھنا یا نماز کی جگہ بچھانا درست ہے یا نہیں ؟ حافظ محمد عرفان ہاشمی، گرٹھا ٹھل سنگھ، وہاڑی۔

الجواب اس کپڑے سے نماز پڑھنا درست ہے۔ پاک ہونے میں شبہ نہ کیا جائے۔ مایصیب مندیل المتوضی وثیابه عفو اتفاقا وان کثر اھ۔ (درمختار علی الشامیة، ج ۱، ص ۱۸۵)۔
ماء مستعمل علی الراجح پاک ہے۔ لہذا یہ کپڑا بھی پاک رہے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
ملتان۔ ۲۲ / ۱۱ / ۱۳۹۹ھ

چھپکلی گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا

س چھپکلی پانی میں گر گئی اور پھر نکال دی گئی۔ وہ پانی پاک ہے یا ناپاک۔ اس پانی سے وضوء اور غسل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب یہ پانی پاک ہے۔ اس سے وضوء اور غسل جائز ہے۔ وموت مالیس له نفس سائلة فی الماء لا ینجسه اھ (ھدایه: ج ۱، ص ۲۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۸/۱۱/۱۳۹۹ھ

شراب کے لئے استعمال کی گئی بوتل پاک کرنے کے بعد استعمال کر سکتے ہیں

س مجھے دوا رکھنے کے لئے ایک سیاہ رنگ کی بوتل چاہیئے۔ لیکن بازار سے جو سیاہ رنگ کی بوتل دستیاب ہوتی ہے وہ وہسکی شراب کی بوتل ہے۔ آیا اسے صاف کر کے اس میں دوا رکھ سکتا ہوں اور بعد میں استعمال کر سکتا ہوں۔؟

الجواب خوب صاف کرنے کے بعد وہ بوتل استعمال کر سکتے ہیں۔ روی انه علیه السلام قال نهیتکم عن النبیذ الا فی سقاء فاشربوا فی الاسقیة کلها ولا تشربوا مسکرا۔ اھ (حاشیه مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷/۱۰/۱۴۰۱ھ

آٹا ناپاک ہوجائے تو پاک کرنے کا طریقہ

زید مشین پر گندم پسوانے کے لئے گیا۔ مشین میں دانے ڈالے تو آٹے میں تازہ چوہا پیس کر نکلا وہ آٹا نجس ہے یا طاہر؟ یہ نجس آٹا جو کہ تقریباً پانچ سیر تھا ایک من آٹے میں مل گیا ہے۔ کیا یہ سارا آٹا پلید ہو گیا ہے؟ اگر پلید ہے تو پاکی کی کوئی صورت بیان فرمائیں۔

الجواب اگر ناپاک آٹا علیحدہ ہو سکتا ہے یعنی جو خون سے سرخ ہو گیا ہے۔ تو اس کو علیحدہ کر کے دفن کر دیں جانوروں کو نہ کھلائیں۔ باقی آٹا پاک ہو گا۔ اور اگر بالکل رل مل گیا ہے تو کچھ آٹا صدقہ کر دیں یا جانوروں کو کھلا دیں باقی پاک ہو جائے گا۔

کما لو بال حمر خصها لتغليظ بولها انفاقا على نحو حنطة تدوسها فقسم او غسل بعضه او ذهب بهبة او اكل او بيع كما مر حيث يطهر الباقي وكذا الذاهب لاحتمال وقوع النجس في كل طرف كمسئلة الثوب اهـ (درمختار على الشامى: ج ۱ : ص ۳۲۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۱۶/۶ بندہ اصغر علی غفرلہ معین مفتی

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ رئیس الافتاء ۱۳۸۷ھ جامعہ خیر المدارس ملتان

کتا گوشت کو منہ لگا جائے تو تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جائیگا

ایک بھینس کو حلال کیا گیا اور اس کے چار ٹکڑے کئے گئے۔ تو ان چاروں میں سے ایک ٹکڑے کو کتے نے منہ لگا دیا۔ آیا وہ ناپاک ہے یا نہیں۔ اگر ناپاک ہے تو پاک کرنے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب جو تین ٹکڑے الگ پڑے تھے ان کے پاک و حلال ہونے میں تو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں یہ بالکل پاک و حلال ہیں۔ بلکہ جس ٹکڑے کو کتے نے منہ لگایا ہے وہ بھی سارا ناپاک و حرام نہیں ہوا۔ اتنی ہی جگہ ناپاک ہے جہاں کتے نے منہ لگایا ہے اس کو کاٹ کر پھینک دیا جائے اور باقی کو رکھ لیا جائے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۵/۳۸۷ھ

یا اگر کاٹا نہ جائے تو اس جگہ کو تین مرتبہ دھولیا جائے۔ بلکہ کاٹنے کی بجائے دھوکر استعمال کرنا بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم   والجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ رئیس الافتاء خیرالمدارس ملتان ۱۲/۵/۷۳ھ

عضو کا حصہ پلید یاد نہ ہو تو کہاں سے دھوئے

الف : یہ یاد ہے کہ فلاں عضو پلید ہوا ہے مگر یہ یاد نہیں کہ کون سی جگہ ناپاک ہوئی تھی تو اب وہ کیسے دھوئے۔

ب : بدن بھر میں تذبذب ہے کہ کون سے حصہ میں نجاست لگی ہے تو کیسے کرے ؟

الجواب ایسی صورت میں حصۂ بدن دھونے کا بھی وہی حکم ہے جو کپڑے کی ایک جانب دھونے کا ہے۔ چنانچہ صورت نمبر ا میں اس عضو کے کسی حصہ کو دھولے۔ اور صورت (ب) میں ایک عضو کو دھولے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا	نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

کتے کا لعاب نجاست رقیقہ ہے

کتے کا لعاب اگر بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو پھیلاؤ میں روپیہ بھر مفسد نماز ہے یا وزن میں ۳½ ماشہ کا اعتبار ہے۔ اسی طرح منی گاڑھی اور پتلی کا کیا حکم ہے۔ الگ الگ مقدار کے اعتبار سے!

الجواب وفی الشامیۃ : ج ۱ ص ۲۹۳ ۔ فالمراد بذی الجرم ماتشاهد بالبصر ذاته لا أثره۔

نجاستِ کثیفہ کی مندرجہ بالا تعریف کے تحت کتے کا لعاب نجاستِ رقیقہ ہے اس لئے اس میں پھیلاؤ کا اعتبار ہے وزن اور مقدار کا نہیں۔

قوله له جرم تفسير للكثيف وعد منه فى الهداية الدم

وعدہ قاضی خان ؒ مما لیس لہ جرم و وفق فی الحلیۃ بحمل الاوّل علی ما اذا کان غلیظا والثانی علی ما اذا کان رقیقا قال وینبغی ان یکون المنی کذلک۔ (رشامی ج ۱ ص ۲۹۳)۔

روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ منی اگر گاڑھی ہو تو اس میں وزن و مقدار کا اعتبار ہے۔ اور اگر پتلی ہو تو پھیلاؤ کا اعتبار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ھذا — ۲/۵/۱۳۸۸ھ — نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

گلقند پلید ہو جائے تو پاک کرنے کا طریقہ

تازہ پھولوں کا گلقند بارہ سیر مرتبان کا منہ بند کر کے رکھا تھا کہ اچانک منہ پر سے کتے نے کپڑا پھاڑ دیا اور کھانے لگا۔ تقریباً ایک چھٹانک کھا گیا۔ بعد ازاں اوپر کا شیرہ نکال دیا گیا۔ تو اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ — حکیم عتیق الرحمٰن ۷۷/۵/۱ ساہیوال

الجواب اگر اوپر والا شیرہ تمام نکال دیا اور اس کے نیچے سے گلقند بھی چند انگل نکال دیا تو نیچے والا گلقند جہاں لعاب کا اثر نہیں پہنچ سکتا وہ حلال ہے استعمال میں لا سکتے ہیں۔

قال فی رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۰ ۔ فی باب الانجاس وتقور نحو سمن جامد بان لا یستوی من ساعتہ ۔اھ ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۲/۹/۱۳۷۲ھ

دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں یا نہیں

دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر وہ پانی پاک ہے جس سے دھوبی کپڑے دھوتا ہے اور پھر کپڑوں کو خوب نچوڑتا ہے تو یہ کپڑے پاک ہیں۔ سابقہ نجاست کا اعتبار نہیں۔ اور اگر وہ نجس ہے تو کپڑے نجس ہونگے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۴/۱/۱۳۹۶ھ

خنزیر کے بالوں والے برش سے رنگی ہوئی دیواروں کو پاک کرنے کا طریقہ

آج کل دیواروں اور لوہے پر جو رنگ کیا جاتا ہے اسمیں برش ولائتی استعمال ہوتا ہے مدارس و مساجد میں بھی ننانوے فی صد استعمال ہوتا ہے۔ تحقیق کی گئی ہے کہ یہ خنزیر کے بال ہیں۔ اس برش کا کیا حکم ہے۔ پلید ہو تو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: اگر برش ولائتی ہو اور خنزیر کے بالوں سے تیار شدہ ہو تو اس کو استعمال نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کے بجائے دیسی برش جس میں گھوڑے یا خچر یا گدھے کے بال ہوں استعمال کیا جائے۔ اور اگر خنزیر کے بالوں سے تیار شدہ برش استعمال کیا گیا ہو تو رنگ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور پاک کرنے کے لئے اس کو تین مرتبہ اچھی طرح دھونا کافی ہوگا۔

کما فی الشامیة ج ۱ ص ۳۰۴ - وفی الخانیة اذا وقعت النجاسة فی صبغ فانه یصبغ به الثوب ثم یغسل ثلثا فیطهر الخ

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۴/۲/۱۳۸۲ھ

لہ وشعر المیتة غیر الخنزیر علی المذهب - اھ (درمختار)۔
ای علی قول ابی یوسف رح الذی هو ظاهر الروایة ان شعره نجس و صححه فی البدائع و رجحه فی الاختیار فلو صلی ومعه منه اکثر من قدر الدرهم لا تجوز ولو وقع فی ماء قلیل

نجسہ و عند محمد لا ینجسہ أفادہ فی البحر و ذکر فی الدرر أنہ عند محمد طاهر لضرورة استعمالہ ای للخرازین قال العلامۃ المقدسی وفی زماننا استغنوا عنہ ای فلایجوز استعمالہ لزوال الضرورة الباعثۃ للحکم بالطہارة ۔ اھ (شامی ج ۱، ص ۱۹۰)۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

چوہا گھی سے زندہ نکل آئے تو گھی ناپاک نہیں ہوا

ایک ٹین گھی کا رکھا تھا جس میں تقریبًا دس سیر گھی ہوگا ۔ اس میں سے ایک چوہا زندہ پھر کر نکل جائے یا خود نکالا جائے تو اس گھی کے جواز کی شرع شریف میں کیا صورت ہے ۔ گھی جما ہوا نہیں تھا ۔

الجواب چوہا زندہ گھی سے نکل آئے تو گھی پاک ہے اسے پاک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ فتاویٰ قاضی خان ص ۵ : ج ۱ ۔ میں ہے ۔

وکذلک سکان البیت کالفارة ۔ اھ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ هذا ۲۶/۱۱/۱۳۷۳ھ

احقر عبد اللہ رائپوری مدرس جامعہ هذا ۔ ۲۶/۱۱/۱۳۷۳ھ

پلید پانی جانوروں کو پلانے کا حکم

ناپاک پانی یا ناپاک دودھ کسی جانور کو پلانا جائز ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا ۔

محمد شفیع کالی موری حیدرآباد ، سندھ

الجواب اگر نجاست کی وجہ سے دودھ کا مزہ یا رنگ یا بو تبدیل نہیں ہوئی تو یہ دودھ یا پانی جانوروں کو پلایا جاسکتا ہے ۔

الماء اذا وقعت فیہ نجاسۃ فان تغیر وصفہ لم یجز الانتفاع

به بنحال والاجار كبّل الطين وسقي الدواب ـ اھ (شامی ج ۱ـ ص ۱۸۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۸/۱۲/۱۳۸۴ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ھذا

شہد پاک کرنے کا طریقہ

ہماری دوکان میں شہد کے بھرے ہوئے ٹین میں چوہا گر کر مر گیا۔ چوہے میں بدبو پیدا ہونے پر معلوم ہوا۔ چوہے کو فوراً نکال کر اوپر سے تقریباً آٹھ سیر شہد نکال دیا گیا۔ باقی ماندہ شہد استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس آٹھ سیر شہد کو کیسے پاک کیا جائے؟

الجواب شہد پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شہد کے برابر یا کچھ زائد پانی ڈال کر پکایا جائے یہاں تک کہ صرف شہد رہ جائے۔ اسی طرح تین مرتبہ کیا جائے۔ جو شہد نچلے حصہ میں تھا اس کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ وہ جامد ہو۔ ورنہ سارا شہد ناپاک ہوگا۔ اور مذکورہ طریقہ سے پاک کیا جائے۔

ولو تنجس العسل فتطهيره ان يصب فيه ماء بقدره فيغلي حتى يعود الى مكانه (الى قوله) هكذا ثلاث مرات اھ (شامی ج ۱ـ ص ۲۲۲)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد صدیق غفرلہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ مدرس خیر المدارس ملتان

خیر محمد عفی عنہ مہتمم جامعہ ھذا

انسان کا جوٹھا پاک ہے

کافر کا جوٹھا پاک ہے یا حرام؟ مثلاً عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ اور مرزائی وغیرہ ان سب کے جوٹھے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب وسور الآدمي وما يوكل لحمه طاهر ويدخل في هذا الجواب الجنب والحائض والكافر (هدايه ج ۱ ص ۲۳)

قال فی فتح القدیر قولہ والکافر مالم یشرب خمرا ثم یشرب من ساعۃ اما لو مکث قدر مایغسل فمہ بلعابہ ثم شرب لا ینجس - (ج ۱ ص ۹۴)-

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کا جوٹھا پاک ہے بشرطیکہ شراب پی کر فورًا نہ پیئے لیکن کفار کے جوٹھے سے حتی الامکان بچا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۳ / ۵ / ۱۴۰۳ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان -

مُردار کی چربی سے بنا ہوا صابن پاک ہے

مگر ایسی چربی کی خرید و فروخت حرام ہے

جو چربی غیر ممالک سے منگوائی جاتی ہے وہ مردار کی چربی ہوتی ہے اور وہ صابن بنانے میں استعمال ہوتی ہے۔ اور دوسرے اجزاء ملا کر صابن تیار کیا جاتا ہے۔ صابن تیار ہونے کے بعد وہ پاک رہ جاتی ہے یا نہیں؟ اور ایسی چیز سے تیار کردہ صابن استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سردار محمد مالک کوثر سوپ فیکٹری ملتان

الجواب وعبارۃ المجتبیٰ جعل الدھن النجس فی صابون یفتی بطہارتہ لانہ تغیر والتغیر یطھر عند محمدؒ ویفتی بہ للبلوی۔ اھ - وظاہرہ ان دھن المیتۃ کذلک لتعبیرہ بالنجس دون المتنجس الا ان یقال ھو خاص بالنجس لان العادۃ فی الصابون وضع الزیت دون بقیۃ الادھان تامل ثم رأیت فی شرح المنیۃ مایؤید الاول حیث قال وعلیہ یتفرع مالو وقع انسان او کلب فی قدر الصابون فصار صابونًا یکون طاھرا لتبدل الحقیقۃ اھ - ثم اعلم ان العلۃ عند

محمد رح هي التغير و انقلاب الحقيقة ۔ (شامی، ج ۱، ص ۲۹۱)

قلت فعلى هذا لافرق بين ودك نجس العين وغيره ۔

عبارتِ بالا سے ظاہر ہے کہ ناپاک تیل یا مردار کی چربی سے صابن تیار کیا جائے تو بوجہ انقلاب حقیقت یہ صابن پاک سمجھا جائے گا اور یہ چربی وغیرہ بھی پاک ہو جائے گی۔ اور اس صابن کا استعمال بھی جائز ہو گا۔

لیکن واضح رہے کہ طہارتِ صابن الگ مسئلہ ہے اور ایسی چربی کو خرید کرنا اور اسے صابن میں استعمال کرنا الگ مسئلہ ہے۔ ایسی چربی خرید کرنا اور اسے استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ مُردہ کا جزء ہے۔ اور میتہ کی بیع وشراء باطل ہے۔ اور اس سے انتفاع بھی درست نہیں۔

قال في الشامية، ج ۴، ص ۱۲۰ - (بخلاف الودك) اى دهن الميتة لانه جزؤها فلا يكون مالا - ابن ملك اى فلا يجوز بيعه اتفاقا وكذا الانتفاع به لحديث البخارى ان الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام قيل يا رسول الله ارأيت شحوم الميتة فانه يطلى بها السفن ويدهن بها الجلود ويستصبح بها الناس قال لا هو حرام الحديث -

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مردار کی کھال دباغت کے بعد استعمال کر سکتے ہیں

ایک بیل حرام ہو گیا ہے کیا اس کی کھال اتار کر مسجد یا مدرسہ میں لگا سکتا ہے یا نہیں ؟ اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب مذکورہ کھال کو سکھانے یا کسی اور طریقہ سے رنگنے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے لقوله عليه السلام ايما اهاب دبغ فقد طهر (رواه الترمذى

وصححه) وفی الهدایة ثم مایمنع النتن والفساد فهو دباغ وان کان تشمیسا او تتریبا ۔اھ (ج ۱، ص ۲۴)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔ ۱۲/۳/۱۳۹۵ھ ۔ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

نمک لگانے سے کھال بدبو سے محفوظ ہو جائے تو یہ بھی دباغت ہے

زید کی گائے رات کو مرگئی ۔ زید نے اس کی کھال نکال کر نمک لگا کر رکھ دی اور صبح کو اس کی کھال مبلغ تین صد روپے میں فروخت کر دی ۔ تو کیا طریقۂ مذکورہ پر کھال فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی قیمت اپنے کام میں لانا جائز ہے یا نہیں ؟ جب کہ اس کی رطوبت دور ہوئی ہو اور نہ ہی خشک ہوئی ہو ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب جائز ہے اگر اس طرح نمک لگانے سے کھال بدبو دار ہونے سے محفوظ ہو گئی ہے تو یہی دباغت ہے ۔ اس کا بیچنا جائز ہے

والدباغ علی ضربین حقیقی وحکمی فالحقیقی هو ان یدبغ بشئ له قیمة کالشب والقرظ والعفص وقشور الرمان ولحی الشجر والملح الخ ۔ (بحر ج ۱ ص ۱۰۵)۔

والحکمی ان یدبغ بالتشمیس والتتریب والالقاء فی الریح لا بمجرد التجفیف ۔ (بحر ج ۱، ص ۱۰۵)۔

خانیہ میں ہے ۔

اذا دبغ بالرماد او بالملح او السبخة او ما یمنعه من الفساد ویخرجه عن حد الاکل فهو دباغ ۔ (ص ۱۲)۔

الدباغ مایمنع النتن والفساد ۔ (شامی ج ۱ ص ۱۸۷) ۔ ومن الدابغ الحقیقی الملح وشبهه من کل مایزیل النتن والرطوبة (مراقی ص ۹۵) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۸/۱۰/۱۴۰۷ھ

بچہ پانی میں ہاتھ ڈال دے تو پانی کا حکم

اگر بچہ پانی میں ہاتھ ڈال دے تو اس کے بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب اگر علم ہو کہ بچے کا ہاتھ یقیناً پاک تھا تو بلاشبہ وضوء درست ہے۔ اور اگر پلید ہونے کا یقین ہو تو پھر کسی صورت درست نہیں۔ اور اگر شک ہو تو بھی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس پانی سے وضوء نہ کریں۔ معہذا اگر وضوء کرلیں گے تو درست ہوجائے گا۔

وکذا الصبی اذا ادخل یدہ فی البئر او فی الاناء لا یتوضؤ منہ استحسانا مالم یلزم وان لم یلزم وتوضأ جاز۔ (خانیۃ ج ۱ ص ۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۵/۱۱/۱۴۰۱ھ

کتا کپڑے کو منہ لگا دے تو کپڑا پاک ہے یا ناپاک؟

ہمارے ہاں ایک کتا رکھا ہوا ہے کبھی کبھی وہ کھیلتے ہوئے چادر یا قمیص کا پلّو پکڑ لیتا ہے۔ اور منہ میں ڈال لیتا ہے۔ اس سے کپڑا ناپاک ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب اگر کپڑے میں لعاب کی تری ظاہر ہوجائے تو کپڑا پلید ہوجائے گا۔ ورنہ نہیں۔ الکلب اذا اخذ عضو انسان او ثوبہ لا یتنجس مالم یظہر فیہ اثر البلل راضیا کان او غضبان۔ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۲۴)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ھذا

زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے

مسجد کے سامنے ایک بڑی سڑک ہے جو کہ شارع عام ہے اور ہر چیز وہاں

بھرتی رہتی ہے۔ اور نالیوں اور گلیوں کا پانی بھی وہاں سے کبھی کبھی گزرتا رہتا ہے۔ بغیر صف بچھائے ننگی زمین پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر زمین خشک ہو اور نجاست کا رنگ اور بو بھی محسوس نہ ہوتی ہو۔ تو نماز جنازہ درست ہے۔ کیوں کہ زمین نجس خشک ہونے پر اور نجاست کا رنگ اور بو ختم ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ویسے جو شرطیں صحت صلوۃ کے لئے ہیں وہ سب نماز جنازہ کے لئے بھی ضروری ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

کما فی الهداية وان اصابت الارض نجاسة فجفت بالشمس وذهب اثرها جازت الصلوة على مكانها (ج ۱ ص ۷)۔

والجواب صحيح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

جنبی کے غسل سے چھینٹیں پانی میں پڑ جائیں تو وہ پانی ناپاک نہیں ہو گا

ایک شخص جنبی ہے جب وہ استنجاء وغیرہ کر کے غسل کرنے لگا تو غسل کرتے وقت پانی کی کچھ چھینٹیں صاف پانی والے برتن میں جا پڑیں۔ وہ پانی پاک رہا یا ناپاک ہو گیا ؟

الجواب وہ پانی ناپاک نہیں ہوا۔ اس سے غسل کرنا درست ہے۔

جنب اغتسل فانتضح من غسله شئى فى انائه لم يفسد عليه الماء ۔ اھ (عالمگیری، ج ۱ ص ۱۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲ / ۷ / ۱۴۱۰ ھ

جس ٹوتھ پیسٹ میں خنزیر کا کوئی جزء شامل ہو

اس ماہ اگست نولکے وقت لاہور میں خبر شائع ہوئی تھی کہ آج کل جو ٹوتھ پیسٹ بن رہا ہے

ان میں ایک مائع جلاٹین شامل ہے جو سور کی ہڈی کے گودہ سے بنتا ہے۔ بندہ نے اس اخبار کا کٹنگ بمعہ استفتاء جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بھیجا تھا ابھی تک اس کا جواب موصول نہیں ہوا۔ آج پاکستان کا ہر تیسرا آدمی ٹوتھ پیسٹ استعمال کرتا ہے۔ آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب خنزیر بجمیع اجزائہ نجس ہے۔ اگر سوال میں ذکر کردہ بات صحیح ہے تو ایسے ٹوتھ پیسٹ استعمال نہ کئے جائیں۔

خلا جلد خنزیر فلا یطھر اھ (درمختار)۔ (قولہ فلا یطھر) ای لانہ نجس العین بمعنی ان ذاتہ بجمیع اجزائہ نجسۃ حیا ومیتا فلیست نجاستہ لما فیہ من الدم کنجاسۃ غیرہ من الحیوانات فلذا لم یقبل التطھیر فی ظاھر الروایۃ عن اصحابنا (شامیۃ، ج ۱، ص ۱۵۰)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۳/۱۲/۱۴۰۷ھ

نجس جگہ پر بہت سا پانی بہا دیا جائے تو وہ پاک ہو جائیگی

۱:- اگر کسی جگہ پیشاب کا ایک چھینٹا لگ جائے اور اس پر ایک مرتبہ پانی بہایا جائے تو کیا وہ پاک ہو جائے گی؟ جیسے کہ پنڈلی پر یا پاؤں وغیرہ پر۔

۲:- ہاتھ اگرچہ ناپاک ہوں مگر خشک ہوں اور وہ کسی کپڑے کو لگ جائیں ایسا کپڑا جو کہ کچھ گیلا ہو مگر ہاتھ پہ تری محسوس نہ ہو اگرچہ ٹھنڈک محسوس ہو تو اس سے کپڑا ناپاک تو نہیں ہوتا۔

۳:- غسل خانہ جس کا فرش بنا ہوا ہے۔ یا نلکا جس کا کھاڈا دونوں اس طرح کے ہیں کہ پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹھہرتی، وضوء کرتے وقت جو کہ فرش سے چھینٹے اٹھتے ہیں، کپڑوں کو لگتے ہیں۔ اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

مولوی محمد سلیمان ڈیرہ غازیخان

الجواب ۱: اگر اتنا پانی بہایا جائے کہ ظن غالب یہ ہو کہ پانی نجاست کو بہالے گیا ہو گا تو وہ جگہ پاک ہو گئی۔

لان الجریان بمنزلة التکرار والعصر هو الصحیح اھ (شامیه ص۳۰۱ ج۱)

۲: ناپاک نہیں ہو گا۔

۳: ماء مستعمل مفتیٰ بہ قول کے مطابق نجس نہیں۔ لہٰذا کپڑے نجس نہیں ہوئے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ہڈی پاک ہوتی ہے اس کو لگنے سے کپڑا یا ہاتھ پلید نہیں ہو گا

دورانِ تعلیم ہم انسانی ہڈیوں کو مطالعہ کی غرض سے اپنے پاس رکھتے ہیں۔ تو کیا ان ہڈیوں کو ہاتھ لگانے سے ہاتھ یا کپڑے پلید تو نہیں ہوں گے۔

حسن محمود تبسم، قائد اعظم میڈیکل کالج بہاولپور

الجواب انسانی ہڈیوں کو اس غرض کے لئے استعمال کرنا درست نہیں۔ اس لئے کہ انسان زندہ و مردہ ہر حالت میں قابلِ احترام ہے۔ نیز یہ مقصد مصنوعی اعضاء سے بخوبی پورا ہو سکتا ہے۔ ہڈی پر اس کی کوئی چکناہٹ وغیرہ نہ ہو تو ہڈی پاک ہے اس کو لگنے سے ہاتھ یا کپڑا پلید نہیں ہو گا۔

وشعر المیتة غیر الخنزیر علی المذهب وعظمها وعصبها علی المشهور وحافرها وقرنها الخالیة عن الدسومة الی قوله وشعر الانسان وعظمه ودم سمك طاهر اھ (درمختار علی الشامیة، ج۱: ص۱۹۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان: ۱۷/۳/۱۴۱۰ھ

نجاست سے اٹھنے والا دھواں نجس نہیں

سردیوں میں بیت الخلاء جائیں تو فضلہ سے بھاپ سی اٹھتی ہے جو جسم اور کپڑوں کو بھی لگتی ہے۔ کیا اس سے جسم اور کپڑا ناپاک تو نہیں ہوتے؟

الجواب اس بھاپ سے کپڑا اور بدن ناپاک نہیں ہوتے۔ دخان النجاسة اذا اصاب الثوب او البدن الصحیح انه لا ینجسه هكذا فی السراج الوهاج اھ (عالمگیری: ج ۱ ص ۴۶)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷/۷/۱۴۱۰ھ

دم غیر مسفوح نجس نہیں

بندہ قصاب کا کاروبار کرتا ہے اور الحمد للہ نماز بھی باقاعدہ ادا کرتا ہے۔ ہم جب جانور ذبح کرتے ہیں تو ذبح کی جگہ اسی وقت پانی سے دھو لیتے ہیں۔ تو جو خون گوشت کے اندر رہ جاتا ہے۔ تو گوشت بناتے وقت اگر وہ کپڑوں کو لگ جائے تو اس سے کپڑا ناپاک ہوگا یا نہیں؟

الجواب عین ذبح کے وقت جو خون نکلتا ہے وہ نجس ہوتا ہے۔ اور ذبح کے بعد جو خون گوشت وغیرہ میں رہ جاتا ہے وہ پلید نہیں ہوتا۔ اس کے لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔ وما یبقی من الدم فی عروق المذکاة بعد الذبح لا یفسد الثوب وان فحش کذا فی فتاویٰ قاضی خان وکذا الدم الذی یبقی فی اللحم لانه لیس بمسفوح هکذا فی محیط السرخسی۔ اھ (عالمگیری: ج ۱، ص ۴۶)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ تعالیٰ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴/۳/۱۴۰۳ھ

جس پانی میں نجاست کی وجہ سے تغیر آجائے وہ بالاجماع ناپاک ہے

پانی کی طہارت و نجاست کے بارے میں عام طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا، حضرت حسن بصری رحؒ اور داؤد ظاہری رحؒ کا مذہب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ

"پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر اگر اس میں کوئی نجاست گر جائے تو وہ اس وقت تک نجس نہ ہوگا اور مطہّر رہے گا جب تک کہ اس کی طبیعت یعنی رقت و سلانیت ختم نہ ہو خواہ اس کے اوصاف ثلاثہ متغیر ہو گئے ہوں "

کیا واقعتہً ان حضرات کا یہی مسلک تھا ؟ مکمل تحقیق سے آگاہ فرمائیں ؟ بینوا توجروا ؟

الجواب ظاہریہ کے مذہب کے بارے میں شاید بعض حضرات کو محلی ابن حزم کی مندرجہ ذیل عبارت سے شبہ ہو گیا کہ ان کے نزدیک تغیرِ اوصاف بالنجاست کے باوجود بھی اس پانی سے وضو وغسل وغیرہ جائز ہے۔ وہ عبارت یہ ہے۔

ان الطاهر لا يتنجس بملاقاة النجس .... والحرام حرام كما كان والطاهر طاهر كما كان والنجس نجس كما كان الخ

حالانکہ ابن حزم رحؒ اپنے اس خیال کے باوجود اس اجماعی مسئلے کے قائل ہیں کہ ماء متغیر الاوصاف کا وضو، غسل وغیرہ میں استعمال کرنا حرام ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

اما ان تغير لون الحلال الطاهر بما مازجه من نجس او حرام او تغير طعمه بذلك او تغير ريحه بذلك فاننا حينئذ لانقدر على استعمال الحلال الا باستعمال الحرام و استعمال الحرام في الاكل والشرب وفي الصلوة حرام كما قلنا و لذلك وجب الامتناع منه لا لان الحلال الطاهر حرم ولا تنجست عينه ولو قدرنا على تخليص الحلال

الطاهر من الحرام والنجس لكان حلالا بحسبه ۔(محلی ج ۱ ص۱۳۱)۔
جب ابن حزم رح کے نزدیک بھی ایسے متغیر الاوصاف پانی کا استعمال حرام ہے اور اس سے وضو وغسل وغیرہ جائز نہ ہوا، تو ان کا اس مسئلے میں باقی ائمہ کے ساتھ اتفاق ہوا نہ کہ اختلاف۔
ابن حزم رح اور ظاہریہ کے نزدیک بھی ایسا پانی طاہر وطہور نہیں اسی لئے وضو اور کھانے پینے میں اس کا استعمال حرام ہے، اور باقی امت بھی اسی کی قائل ہے اور یہی مطلوب ہے۔ باقی رہی ابن حزم رح کی یہ خیالی بحث کہ بحالتِ اختلاط بالنجاست پانی اپنی حالتِ اصلیہ پر رہتا ہے۔ اور اگر اسے اجزائے نجاست سے صاف کرلیا جائے تو یہ طاہر ہوگا۔ یہ علامہ موصوف کی ایک فرضی و خیالی بحث ہے جس کا عمل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔
زیر بحث مسئلہ سے یہ ایک الگ مستقل مسئلہ ہے جو اس وقت زیر بحث نہیں۔ اس وقت بحث اس میں ہے کہ ماءِ متغیر الاوصاف بالنجاست کے ساتھ بحالتِ موجودہ وضو، غسل جائز نہیں اور ایسا پانی محرم الاستعمال اور واجب الاجتناب ہے۔
اسی کا مختصر عنوان یہ ہے کہ ایسا پانی نجس ہے جس پر بشمول ابن حزم رح اور داؤد ظاہری ائمہ کرام رح کا اجماع ہے۔ مزید اطمینان کے لئے چند حوالہ جات لکھے جاتے ہیں۔
بذل المجہود میں ہے۔

قام الاجماع على ان الماء اذا تغير احد اوصافه بالنجاسة يتنجس فلا يتنجس الماء بما لاقاه ولو كان قليلا الا اذا تغير وقد ذهب الى ذلك ابن عباس رض و ابوهريرة رض والحسن البصري رح وابن المسيب رح و داؤد الظاهري رح ۔ (ج ۱۔ ص ۴۳)۔

علامہ شوکانی رح نے نیل الاوطار میں اسی طرح نقل کیا ہے۔

قام الاجماع على ان الماء اذا تغير احد اوصافه بالنجاسة خرج عن الطهورية فلا يتنجس بما لاقاه ولو كان قليلا الا اذا تغير وقد ذهب الى ذلك ابن عباس رض والحسن البصري رح والثوري و داؤد الظاهري رح ۔ (ج ۱۔ ص ۲۴)۔

اوجز المسالک میں ہے۔

اختلف العلماء فی نجاسة الماء فقالت الظاهریة والامام مالک لا یتنجس بملاقاۃ النجاسة مالم یتغیر احد اوصافه۔
(ج ۱- ص ۵۲)

وقال ابن حزم فی المحلی۔ وکل شئ مائع من ماء او زیت......
اذا وقعت فیه نجاسة .... فان غیّر ذلک لون ما وقع فیه او طعمه او ریحه فقد فسد کله ولم یجز استعماله.....
وقال ایضا فلو احدث فی الماء او بال خارجا منه ثم جری البول فیه فهو طاهر یجوز الوضوء منه و الغسل له ولغیره الا ان یغیر ذلک البول او الحدث شیئا من اوصاف الماء فلا یجزی حینئذ استعماله اصلا لا له ولا لغیره۔ (مسئله ۱۳۶ محلی ابن حزم ج ۱ ص ۱۳۵)۔

علاوہ ازیں ابن حزمؒ کی اوّل الذکر یہ فرضی بحث اس صورت میں بھی جاری ہوگی جبکہ پانی کا رقت وسیلان باقی نہ رہا ہو۔ جیساکہ ان کے ضابطہ (ان الطاهر لا یتنجس بملاقاۃ النجس) سے ظاہر ہے اور تخلیص وتنقیہ کے بعد صاف پانی بھی ابن حزمؒ کے نزدیک پاک ہوگا۔ پس ظاہریہ کے مذہب کے بارے میں سوال کے اندر ذکر کردہ رقت وسیلان باقی رہنے نہ رہنے کی تفریق غیر معقول ہے۔

الحاصل ماءِ متغیر الاوصاف بالاتفاق نجس ہے اور ظاہریہ کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اسی نوعیت کا جو قول ذکر کیا جاتا ہے وہ بطریق صحیح ان سے ثابت نہیں۔
"کوکب الدری" میں ہے۔ لم یثبت (قولها) باسناد صحیح یعول الیه۔ (ص ۸۰)۔
اور اسی طرح دیگر بعض سلف سے اس نوعیت کے جو اقوال منقول ہیں وہ غیر ثابت ہیں یا مؤول ہیں اور حضرت حسن بصریؒ کا مذہب بھی مالکیہ کے قول کے مطابق ہے۔ جیساکہ "بذل" اور "نیل الاوطار" کے حوالے سے ابھی گزرا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۷/۱۰/۱۴۰۷ھ
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

للہ در المجیب
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا۔

کپڑے کا ناپاک حصہ معلوم نہ ہو تو کیسے پاک کریں؟

سڑک سے گزرتے ہوئے نالی کی کچھ چھینٹیں کپڑوں پر پڑ گئی تھیں مگر گھر پہنچ کر یاد نہ رہا کہ کس جگہ پڑی تھیں تو کیا پورے کپڑے کو دھونا ضروری تھا یا کچھ حصہ کو؟

الجواب: بہتر تو یہ ہے کہ سارے کپڑے کو دھولیں۔ اگر سارے کو نہ دھو سکیں تو سوچ کر کسی ایک حصہ کو دھولیں کپڑا پاک ہو جائے گا۔

واذا نسی محل النجاسة فغسل طرفا من الثوب بدون تحر حکم بطهارته علی المختار۔ (مراقی الفلاح)۔ وفی الظهيرية يغسله كله قال الكمال وهو الاحتياط وبه جزم المصنف فی حاشية الدرر قال فی النهر وينبغی ان يكون البدن كالثوب۔ (طحطاوی ص۸۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲۲ / ۱ / ۱۴۱۱ھ

آٹے میں چوہے کی مینگنیاں ہوں تو کھانے کا حکم

سرکاری گوداموں میں رکھی ہوئی گندم میں اکثر چوہے مینگنیاں وغیرہ کر جاتے ہیں۔ پھر اسی طرح وہ گندم پسوا لی جاتی ہے تو کیا اس آٹے کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مینگنیاں اتنی زیادہ ہوں کہ انہیں دیکھ کر طبیعت کو نفرت آتی ہو تو وہ آٹا ناپاک ہے استعمال نہ کریں۔

بعرة الفارة وقعت فی حنطة فطحنت قال ابن مقاتل لا يؤكل قال الخصاف لا حفظ فيه قول اصحابنا وعندی لا يفسد الا ان يكون كثيرا فاحشا ينفر عند الطبع۔اھ

(قاضی خان، ج۴، ص۷۹۸)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مأکول اللحم جانوروں کا جوٹھا پاک ہے

گھر میں پانی کی بالٹی بھری رکھی تھی بکری ادھر سے گزری تو اس نے اس میں سے کچھ پانی پی لیا۔ کیا اس پانی سے وضوء یا غسل کر سکتے ہیں وہ پانی رکھا ہی نہانے کے لئے تھا؟

الجواب مذکورہ پانی پاک ہے اس سے وضوء اور غسل کر سکتے ہیں۔

من الآسار سور طاهر لا كراهة فيه وهو سور ما يؤكل لحمه من الانعام والطيور وسور الآدمي على اى صفة كان (الى قوله) ثم السور الطاهر بمنزلة الماء المطلق۔اھ (فتاوی قاضی خان ج ۱، ص ۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ناپاک مٹی کے برتنوں کا حکم

اگر مٹی کے پختہ برتن پلید مٹی سے بنے ہوئے ہوں تو ان کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ المستفتی عبدالمنان، بوہڑ گیٹ ملتان۔

الجواب آگ میں پکانا بھی منجملہ اقسامِ تطہیر ہے لہذا وہ برتن پکنے کے بعد پاک ہو گئے

ما يطهر به النجس عشرة ...... الى قوله ومنها الاحراق ..... الطين النجس اذا جعل منه الكوز او القدر فطبخ يكون طاهرا هكذا في المحيط اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۴۴) وکذا فی البحر الرائق ج ۱، ص ۲۲۸)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

بلی کا جوٹھا مکروہ ہے

گھر میں بہت عرصہ پہلے سے ایک بلی ہے وہ ہر فردِ خانہ سے پیار کرتی ہے اور کبھی کبھی آکر پاؤں چاٹنے لگ جاتی ہے اور کھیلتی رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی کسی کھانے کی چیز میں منہ ڈال دیتی ہو تو اس کے جوٹھے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بلی کا جوٹھا مکروہ ہے استعمال نہ کیا کریں۔ طبی طور پر بھی مضر ہے اس کا جوٹھا استعمال کرنے سے برص کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی جسم یا کپڑے کا کوئی بھی حصہ نہ چاٹنے دیں۔ کیونکہ اس کا لعاب مکروہ ہے۔

واذا الحست الهرة كف رجل او موضعا آخر من بدنه يكره له ان يدعها تفعل ذلك الفعل وهو اللحس لان ريقها مكروه وكذا يكره ان يأكل او يشرب ما بقي منها مما اصابه لعابها من الاكل والماء وسائر الاشربة لانه سؤرها وسؤرها مكروه عند الاختيار۔ اھ (كبيرى ، ص۱۵۹) فقط والله تعالى اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۵، رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

فصل فی الاستنجاء

نجاست غلیظہ کثیفہ کس قدر معاف ہے

نجاست غلیظہ میں سے اگر پتلی اور بہنے والی چیز کپڑے یا بدن پر لگ جائے ۔ تو اگر روپے سے کم ہو تو اس کا دھونا سنت ہے ۔ اور روپیہ کے برابر ہو تو دھونا واجب ہے ۔ اور روپیہ سے زیادہ ہو تو دھونا فرض ہے ۔ اور اگر نجاست غلیظہ میں سے گاڑھی چیز لگ جائے جیسے پاخانہ ، مرغی وغیرہ کی بیٹ ۔ تو اگر وزن میں ساڑھے تین ماشہ سے کم ہو تو اس کا دھونا سنت ہے ۔ اور ساڑھے تین ماشہ کے برابر ہو تو دھونا واجب اور زائد کا دھونا فرض ہے ۔ پس اگر کسی نے استنجاء کئے بغیر نماز شروع کر دی تو پتلی اور گاڑھی ہر دو قسم کی نجاستوں میں پہلی صورت میں نماز مکروہ تنزیہی ہوگی (معاف ہے اعادہ نہ کرے) ۔

دوسری صورت میں ناقص اور مکروہ تحریمی ہوگی (گو نماز د فرض اس کے ہو جائیں گے) اور قضا اس کے ذمہ فرض نہ ہوگی ۔ مگر چونکہ ہر ترک واجب سے اعادہ لازم ہوتا ہے اس لئے پوری کر کے استنجاء کرے پھر کمی کی تلافی کے لئے اس کا اعادہ کرے ۔

اور تیسری صورت میں نماز بالکل نہ ہوگی اس لئے نماز توڑ دے اور استنجاء کر کے پھر پڑھے وضو ہی کافی ہے ۔ (ماخوذ از امداد الفتاویٰ ؛ ج ۱ ؛ ص ۹۴) ۔

مندرجہ بالا مسئلہ میں یہ اختلاف ہے کہ "بہشتی زیور حصہ دوم" میں نجاست غلیظہ (گاڑھی وزن دار) کے لئے ساڑھے تین ماشہ وزن درہم کے بجائے ساڑھے چار ماشہ (مثقال کا) وزن لکھا ہے ۔ ان میں کونسا قول قابل ترجیح ہے ؟

الجواب تنویر و شامی میں ہے۔

(وعفا) الشارع (عن قدر درهم وهو مثقال) عشرون قيراطا (فی نجس) كثيف الخ هذا هو الصحيح . وقيل يعتبر فی كل زمان درهمه بحر - وافاد ان الدرهم هنا غيره فی باب الزكوة فانه هناك ماكان كل عشرة منه وزن سبعة مثاقيل (شامی ج ۱ ص ۲۹۳)

اسی بحث میں صاحب بحر فرماتے ہیں۔

وارا د بالدرهم المثقال الذی وزنه عشرون قيراطا الخ (ج ۱ ص ۲۳۲)

وقال فی الكبيری ثم الدرهم المقدر به هو الدرهم الكبير الشهيلی الخ بل الصحيح ما قال الفقيه ابو جعفر الهندوانی يقدر بالوزن ای بالدرهم الوزنی وهو ما يبلغ وزنه مثقالا الخ (ص ۱۷۰)

وهكذا فی الهندية۔

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ نجاست غلیظہ کے بارے میں وہ درہم معتبر ہے جو مثقال کا ہم وزن ہے پس ساڑھے چار ماشہ کا وزن جو بہشتی زیور میں مذکور ہے درست ہے۔ کیونکہ مثقال کا مشہور وزن یہی بتلایا جاتا ہے۔ امداد الفتاوی کی عبارت میں تسامح ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ غفراللہ لہ رئیس الافتاء	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

استبراء معروف کی شرعی حیثیت

پانی کی موجودگی میں بلا عذر تیمم جائز نہیں مگر پھر کیا وجہ ہے کہ پانی کی موجودگی میں

پیشاب کرنے کے بعد پہلے مٹی کے ڈھیلے سے استنجاء خشک کرتے ہیں اس کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ مٹی کے ڈھیلے سے استنجاء کرنے والے بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ پاجامہ میں ہاتھ ڈال کر مسجد کے صحن میں، سڑکوں، گلیوں، عورتوں اور غیر مسلموں کے سامنے ٹہلتے پھرتے ہیں۔ عضو کو ہاتھ میں پکڑ کر بار بار ہلاتے ہیں۔ پاؤں کی قینچی بنا کر کبھی اس ران سے دباتے ہیں اور کبھی اس ران سے دباتے ہیں۔ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی رح نے بڑے بڑے پوسٹروں کے ذریعہ اس بیہودہ رسم کو

بند کرنے پر زور دیا ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ زمانہ رسالت میں تو نہیں تھا۔ اور نہ ہی خلفاء راشدین رض کے زمانہ میں تھا تو اب اس کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب شریعت میں اصل حکم استبراء کا ہے یعنی جسم کی قطرات سے مکمل حفاظت کی جائے اور اس سے احتیاط نہ کرنے کی صورت میں عذاب قبر کی شدید وعید سنائی گئی ہے۔ آج کل کمزوری مثانہ کی وجہ سے قطرہ وغیرہ ضرور آتا ہے۔ لہذا اس سے بچنے کے لئے ڈھیلا استعمال کیا جاتا ہے۔ تو یہ بھی حکم شرع کی تعمیل ہے خلاف شرع نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے لئے ایسی جگہ منتخب کی جائے جیسا استنجاء بالماء کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی ذرا اوٹ میں کرے۔

یجب الاستبراء بمشی او تنحنح او نوم علی شقه الا یسر ویختلف بطباع الناس اھ (درمختار)۔

(قوله یجب الاستبراء) هو طلب البراءة من الخارج بشیٔ مما ذکره الشارح حتی یستیقن بزوال الاثر الخ (قوله ویختلف) هذا هو الصحیح فمن وقع فی قلبه انه صار طاهرا جاز له ان یستنجی لان کل احد اعلم بحاله۔ (شامیه: ج ۱: ص ۳۱۹)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۰۰ ۱۴ھ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

قضاء حاجت کے وقت استقبال واستدبار قبلہ سے حتی الوسع بچا جائے

مسجد کے طہارت خانے شرقاً غرباً بنانے پڑے ہیں جگہ تنگ تھی اگر کسی طرح رخ صحیح کرنے کی کوشش کی جائے تو کم از کم ڈیڑھ ہزار روپیہ صرف ہوگا۔ جس کی گنجائش نہیں۔ کیا شرعاً بحالت مجبوری اس کی اجازت ہے یا قطعی حرام اور ممنوع ہے۔ جب کہ ایک روایت میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کھلے میدان میں اونٹ کو آڑ بنا کر قبلہ رخ پیشاب کیا۔ تفصیل سے وضاحت فرمائیں ؟

مسعود احمد بہاولنگر

الجواب استقبال واستدبار قبلہ سے ممانعت کے سلسلہ میں احادیث صحیحہ مرفوعہ صریحہ موجود ہیں۔

عن أبی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ بغائط ولا ببول ولا تستدبروھا الحدیث اھ (ترمذی ۱ ج ۱ ص ۲۰)۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ملک شام جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں قبلہ رُخ بیت الخلا بنے ہوئے تھے۔ فننحرف عنہا ونستغفر اللہ۔ یعنی ہم قبلہ سے پھر کر اور منحرف ہوکر انہیں استعمال کرتے تھے اور ساتھ ساتھ استغفار کرتے تھے کہ شاید کسی وقت استقبال قبلہ ہوگیا ہو۔

ایک حدیث پاک میں قبلہ کی طرف تھوکنے کے بارے میں یہ وعید وارد ہوئی ہے کہ قیامت کے دن یہ تھوک اس کے چہرے پر نمایاں نظر آئے گا۔

تھوک شرعًا پاک ہے جب اس کی اجازت نہیں تو پیشاب و پاخانہ کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے۔ اس لئے احتراز کرنا لازم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے یہ عمل ثابت نہیں البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول منقول ہے۔ ابو داؤد شریف میں جس کی علماء نے بہت سی توجیہات نقل کی ہیں۔ علاوہ ازیں ایک صحابی کے عمل سے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ لائق ہے۔

مسجد کی انجمن کے لئے ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ معمولی چیز ہے۔ اگر فنڈ موجود نہ ہو تو قرض لے کر خرچ کرلیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

اوراقِ منطق سے استنجاء کرنے کا حکم

مقولہ مشہور ہے یجوز الاستنجاء باوراق المنطق۔ بظاہر یہ فقہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ مطلق کاغذ سے استنجاء کرنے کی ممانعت مذکور ہے۔ نیز اوراقِ منطق سے استنجاء کرنے میں سوءِ ادب بھی ہے۔ دوسرا مقولہ یہ بھی سنا گیا ہے کہ من لم یعرف المنطق فلا ثقۃ لہ فی العلوم اصلاً

ان دونوں میں کیا تطبیق ہے ؟

۲ ، آج کل بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ کاغذ سے استنجاء کرتے ہیں جو کہ مخصوص ہوتا ہے استنجاء کے لئے یہ از روئے فقہ کیسا ہے ؟

الجواب ونقل القهستانی الجواز بکتب الحکمیات عن الاسنوی من الشافعیة واقرّه قلت لکن نقلوا عندنا ان للحروف حرمة ولو مقطعة اھ ومفاده الحرمة بالمکتوب مطلقا ۔ اھ (شامی : ج ۱ ، ص ۲۱۵)۔

عبارتِ ہذا سے معلوم ہوا کہ لکھے ہوئے کاغذ سے استنجاء کرنا منع ہے اگرچہ اس میں فلسفہ و حکمت ہی تحریر ہو۔ تو اوراقِ منطق کا بھی یہی حکم ہے ۔ ان سے استنجاء نہ کرے ۔

مقولہ ۲ بالتعیین معلوم نہیں کس کا ہے ۔ ہاں درست نہیں لہٰذا ترجیح و تطبیق کی ضرورت نہیں ۔

۲ ، یہ کاغذ اگر لکھنے کے قابل نہیں صرف استنجاء کے لئے بنائے جاتے ہیں تو ان سے استنجاء جائز ہونا چاہئے ۔ کیونکہ کاغذ کا احترام آلۂ علم ہونے کی وجہ سے ہے ۔

وله احترام ایضا لکونه آلة لکتابة العلم ۔ اھ (شامی : ج ۱ ، ص ۲۲۷)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ تعالیٰ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۳۰ / ۱۲ / ۱۳۹۵ھ

صرف ڈھیلے سے استنجاء کرنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی

بہشتی زیور میں ہے ۔ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے لیکن اگر نجاست ہتھیلی کے گہراؤ یعنی روپے سے زیادہ پھیل جائے تو ایسے وقت میں پانی سے دھونا واجب ہے بغیر دھوئے نماز نہ ہوگی ۔ اور اگر نجاست پھیلی نہ ہو تو فقط ڈھیلے سے پاک کرکے بھی نماز درست ہے لیکن سنت کے خلاف ہے ۔ (ج ۲ ، ص ۸)۔

کیا یہ درست ہے کہ صرف ڈھیلے سے استنجاء سنت کے خلاف ہے ؟

الجواب یعنی کمالِ سنت اور افضل کے خلاف ہے۔ اور نفسِ سنت ڈھیلوں کے استعمال سے بھی ادا ہو جائے گی۔

قال فی الشامیة ثم اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل ویلیه فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیه الاقتصار علی الحجر وتحصل السنة بالکل وان تفاوت الفضل کما أفاده فی الامداد وغیره۔

(ج ۱ ص ۲۴۸، مطبوعه کوئٹه)۔ فقط واللّٰه اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللّٰه عنه

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

صرف ڈھیلے سے استنجاء کیا ہو تو نماز کا حکم

زید نے پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجاء سکھایا لیکن پانی سے استنجاء کرنا یاد نہ رہا اور نماز پڑھ لی تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ یا اعادہ واجب ہے؟

۲: ناپاک زمین پر لکڑی کا تخت بچھا کر نماز پڑھنا جب کہ تخت کے چاروں پائے ناپاک جگہ پر ہوں۔ تو اس تخت پر نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب اگر مخرج پر پیشاب مقدارِ درہم یا اس سے کم لگا ہے تو نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر نجاست مقدارِ درہم سے زیادہ لگی ہوئی ہے تو نماز صحیح نہیں ہوئی، اعادہ کیا جائے۔ وان تجاوز المخرج وکان المتجاوز قدر الدرهم لا یسمی استنجاء ووجب ازالته بالماء فلا یکفی الحجر بمسحه۔ اھ (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی، ص ۲۵)۔

۲: تخت پر نماز صحیح ہو جائے گی۔

فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللّٰه عنه
بندہ عبدالستار عفا اللّٰه عنه رئیس الافتاء	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

قیمتی چیز سے استنجاء کرنا مکروہ ہے

مجھے پیشاب کے قطرات تقریباً کوئی دس منٹ تک آتے رہتے ہیں۔ گھر میں تو خیر بڑی سہولت ہے لیکن سفر میں بڑی دقت رہتی ہے۔ نماز کے لئے کپڑوں کا پاک رکھنا بڑا مشکل ہے۔ الحمد للہ نماز بڑی مدت سے قضا نہیں ہوئی۔ گھر میں ایک لنگی پہن کر پیشاب کرتا ہوں اس کے بعد باقاعدگی سے مسواک کرتا ہوں بعد ازاں لنگی اتار کر طہارت حاصل کرتا ہوں۔ پھر وضوء کر کے باقاعدگی سے باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جاتا ہوں۔ قطرات آنے کے وقت کو میں مسواک کے لئے استعمال کرتا ہوں تاکہ وقت بچ جائے کیا میرا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

الجواب ڈھیلا استعمال کرنا چاہیئے قیمتی چیز سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔ یہ بھی استنجاء کے حکم میں معلوم ہوتا ہے[1]۔ مسواک بھی وضوء کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ یہ وضوء کی سنتوں میں سے ہے۔ مراقی میں ہے۔

ویکره الاستنجاء بعظم (الی ان قال) وشیئ محترم لتقومه كخوقة دیباج وقطن لاتلاف المالیة و الاستنجاء بها یورث الفقر۔ (ص ۲۸)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۵ ـ ۸ ـ ۱۴۰۶ھ

[1] اگر یہ لنگی دھو کر بار بار استعمال کرتے رہتے ہوں، یعنی ضائع نہ کرتے ہوں تو ذیل کے جزئیہ سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

ینبغی تقیید الکراهة فیماله قیمة بما اذا ادّی الی اتلافه اما لو استنجی به من بول او منی مثلا وکان یغسل بعده فلا کراهة الا اذا کان شیئا ثمینا تنقص قیمته بغسله کما یفعل فی زماننا بخرقة المنی لیلة العرس تامل۔ (شامی ج ۱، ص ۳۱۵)۔ فقط واللہ تعالی اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

استنجاء کے بعد ہاتھ دھونے کا حکم

استنجاء کر لینے کے بعد ہاتھوں کو دوبارہ دھونا چاہیئے یا نہ۔ اگر نہ دھویا جائے تو کیا حرج ہے؟

۲: زیر ناف بالوں کی صفائی کس طرح کرے۔ یعنی اوپر سے نیچے یا نیچے سے اوپر یا دائیں سے بائیں وغیرہ اور کتنے دنوں کے بعد کر لینی چاہیئے؟

۳: بیت الخلاء میں جانے کے لئے مجھے سگریٹ ساتھ لے جانا پڑتا ہے۔ کیونکہ مجھے اکثر قبض رہتی ہے کیا یہ گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب

۱:۔ اگر غلبۂ ظن ہو کہ ہاتھ بھی صاف ہو گئے ہیں اور بدبو وغیرہ بھی ختم ہو گئی ہے تو دھونا مزید نظافت کے لئے مسنون ہے ورنہ ضروری نہیں۔

ومع طهارة المغسول تطهر اليد ويشترط ازالة الرائحة عنها وعن المخرج اھ (درمختار علی الشامی ج ۱ ص ۲۳۰)۔

ويغسل يده بعد الاستنجاء كما يكون يغسلها قبله ليكون انقى وانظف وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم غسل يده بعد الاستنجاء وذلك يده على الحائط كذا في التجنيس۔ اھ (عالمگیری ج ۱، ص ۲۵)۔

۲:۔ اوپر سے نیچے کی طرف صفائی کرے۔ اور افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دفعہ صفائی کرے۔ اسی طرح ناخن کاٹنے اور دوسری صفائی کا حکم ہے۔ اگر کسی وجہ سے نہ ہو سکے تو پندرہ دن میں ایک دفعہ کرے۔ اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو چالیس دنوں میں کر لے اس کے بعد وہ گناہ گار ہو گا۔

الافضل ان يقلم اظفاره ويحفي شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه بالاغتسال في كل اسبوع مرة فان لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوما ولا يعذر في تركه وراء الاربعين فالاسبوع هو الافضل والخمسة عشر الاوسط والاربعون الابعد ولا عذر فيما وراء الاربعين ويستحق الوعيد كذا في القنية ويبتدأ في حلق العانة من تحت السرة اھ (عالمگیری ج ۴ ص ۱۱۳)۔

۳: گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

گھاس یا درخت کے پتوں سے استنجاء کرنا

اگر کسی کھیت میں قضاءِ حاجت کے لئے بیٹھیں تو گھاس یا کپاس وغیرہ کے پتے ڈھیلے کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ صوفی محمد اکبر فوجی شاہ جمال ٹاؤن لاہور

الجواب درختوں کے پتوں اور گھاس سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔ والورق قیل انہ ورق الکتابۃ وقیل انہ ورق الشجر وای ذلک کان فانہ مکروہ اھ (بحر الرائق: ج۱: ص۲۵۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

بالکل چھوٹے بچوں کیلئے استقبال و استدبار کا حکم

کیا قضاءِ حاجت کے وقت چھوٹے بچوں کے لئے بھی استقبال و استدبارِ قبلہ کا کوئی حکم ہے؟

الجواب والدہ یا جو انہیں قضاءِ حاجت کرائے اسے حکم ہے کہ وہ اسے قبلہ رو یا مستدبر قبلہ کر کے نہ بیٹھے۔ وکذا یکرہ للمرأۃ امساک صغیر لبول او غائط نحو القبلۃ اھ (درمختار) (قولہ امساک صغیر) ھذہ الکراھۃ تحریمیۃ لانہ قد وجد الفعل من المرأۃ۔ اھ (شامی، ج۱، ص۲۵۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

کتاب الصلوٰۃ

مایتعلق

بمواقیت الصلوٰۃ

جہاں چھ ماہ کا دن ہو وہاں نماز کیسے پڑھی جائے

عرض ہے کہ ہمارے ہاں چند روز سے اس مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے کہ آیا ایسے مقامات جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے وہاں روزے فرض ہیں یا نہیں ؟ میرا خیال ہے کہ وہاں روزے فرض نہیں۔ اس کی درج ذیل وجوہ ہیں۔

۱ : قرآن مجید کا حکم ہے کہ از صبح صادق تا غروب آفتاب روزہ رکھا جائے۔ لیکن وہاں تو آدمی چھ ماہ کا روزہ رکھ ہی نہیں سکتا۔ جب آدمی روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو قضا۔ یا فدیہ کی اجازت ہوتی ہے لیکن وہاں قضا بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ وہاں دن کبھی بھی چھ ماہ سے کم نہیں ہوتا۔ لہذا وہاں فدیہ ہی لازم ہو سکتا ہے۔

۲ : اسلامی سال قمری سال ہوتا ہے جس میں تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور وہاں شمسی سال ہوتا ہے۔ لہذا جب وہاں اسلامی سال موجود ہی نہیں تو روزے بھی فرض نہیں ہوتے۔

۳ : اغلب گمان یہ ہے کہ وہاں چاند نظر نہیں آتا۔ حکم یہ ہے کہ جو چاند دیکھے وہ روزہ رکھے۔ وہاں چاند کا وجود ہی نہیں لہذا دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس روزہ بھی فرض نہیں ہوا۔ نیز ایسے

مقامات پر چھ ماہ میں صرف پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ براہِ کرم اس بارے میں شرعی حکم سے مستفیض فرمائیں۔ بینوا توجروا ؟

الجواب ایسے مقامات پر جہاں چھ چھ مہینوں کے دن اور رات ہوتے ہیں اندازہ کر کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں پڑھی جائیں گی۔ اسی طرح روزوں کے بارے میں بھی اندازہ کر کے روزے رکھے جائیں گے۔ قریبی علاقہ جہاں طلوع و غروب ہوتا ہے اس علاقے کے دنوں اور راتوں کو معیار بنایا جائے اور جب اس علاقہ میں رمضان المبارک شروع ہو جائے تو اس مقام پر بھی رمضان المبارک کو شروع تصور کیا جائے گا۔

قال الرملی فی شرح المنهاج ویجری ذلک فیما لو مکثت الشمس عند قوم مدة اھ قال فی امداد الفتاح قلت وکذلک یقدّر لجمیع الآجال کالصوم والزکوٰة والحج اھ (شامی ج ۱ ص ۳۴۸)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۲۵/۹/۱۳۸۶ھ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ رئیس الجامعہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سایۂ اصلی معلوم کرنے کا طریقہ

مثلِ اول و دوم نکالنے کے لئے جو سایۂ اصلی شمار کیا جاتا ہے "بہشتی زیور" حصہ دوم ص ۹۔ کے مطابق اگر ایک ہاتھ لکڑی کا سایہ ٹھیک دوپہر کو چار انگل تھا تو جب تک دو ہاتھ اور چار انگل نہ ہو تب تک ظہر کا وقت ہے اور جب دو ہاتھ چار انگل ہو گیا تو عصر کا وقت آ گیا۔ اس حساب سے ہمارے بزرگ میاں منظور محمد صاحب سابق ہیڈ ماسٹر ایم بی ہائی سکول گوجرہ نے عرصہ سے گوجرہ کے لئے ایک نقشہ بنایا ہوا ہے۔ لیکن جامع مسجد مرکزیہ کے خطیب قدوری شریف کا حوالہ دیتے ہوئے مثلِ اوّل و دوم نکالنے کا یہ طریقہ غلط ثابت کرتے ہیں اور حساب ہذا کے مطابق بنے ہوئے وقت سے پہلے ہی اذانِ عصر دے دیتے ہیں۔ آپ سایۂ اصلی کی تعریف فرمائیں ؟

الجواب زمین بالکل ہموار کر لی جائے کہ قطعاً اونچ نیچ نہ رہے پھر اس پر ایک دائرہ کھینچ لیا جائے اور اس کے مرکز میں لوہے کی لمبی کیل مخروطی شکل کی کھڑی کر دی جائے

یہ کیل قطر دائرہ کی ایک چوتھائی کے برابر ہونی چاہیئے ۔ صبح کے وقت سایہ دائرہ سے باہر ہوگا۔ اور آہستہ آہستہ کم ہوتے ہوتے دائرہ کے اندر داخل ہو جائے گا ۔ جس نقطہ سے سایہ داخل ہوگا دائرہ کے اس نقطہ پر نشان لگا دیا جائے سایہ کم ہوچکنے کے بعد اب بڑھنا شروع ہوگا اور بڑھتے بڑھتے دائرہ سے باہر نکل جائے گا۔ محیطِ دائرہ کے اس نقطہ پر بھی نشان لگا دیا جائے اب اس نقطہ اور پہلے نقطہ کو جہاں سے سایہ دائرہ میں داخل ہوا تھا ایک خطِ مستقیم کے ذریعہ ملا دیا جائے تو ایک قوس بن جائے گی ۔ اس کے عین نصف سے ایک خط کھینچ کر مرکزِ دائرہ سے ملا دیا جائے ۔ یہ خط نصف النہار ہے ۔ کیل کا سایہ جب اس خط پر پہنچے گا اس وقت کیل کا جتنا سایہ ہوگا اس کو سایۂ اصلی کہتے ہیں ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	خیر محمد عفا اللہ عنہ رئیس الجامعہ

ضحوۂ کبریٰ سے لیکر زوال تک نماز نہ پڑھی جائے

مؤرخہ ۱۸ اکتوبر کو دائمی جنتری پر گیارہ بج کر ۱۸ منٹ پر ضحوۂ کبریٰ اور گیارہ بج کر ۵۰ منٹ پر زوال تھا ۔ تحقیق کے لئے لکھا ہے کہ اس میں مکروہ وقت کہاں سے کہاں تک ہے ۔ مثلاً اگر کوئی جنازہ پڑھے یا کوئی نفل وغیرہ مذکورہ وقت میں پڑھے تو احتیاطاً کس وقت سے مکروہ وقت شروع ہوگا ۔ اور ضحوۂ کبریٰ سے کیا مراد ہے ۔ اگر کوئی جنازہ گیارہ بج کر ۱۸ منٹ کے بعد بیس یا پچیس منٹ پر پڑھا گیا تو کیا یہ مکروہ وقت میں ہے یا بلا کراہت جائز ہے ؟

الجواب اس کے بارے میں احتیاط یہ ہے کہ ضحوۂ کبریٰ سے لے کر زوال تک نماز نہ پڑھے۔ للاختلاف [1] ۔ چاشت کی نماز ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے پڑھ لے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

۱۷ / ۱۰ / ۱۴۰۶ھ

[1] واختلف فی وقت الکراھۃ عند الزوال فقیل من نصف النھار الی الزوال

لرواية ابي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم انه نهى عن الصلوة نصف النهار حتى تزول الشمس قال ركن الدين الصباغي وما احسن هذا لان النهي عن الصلوة فيه يعتمد تصور هانيه اھ وعزا في القهستاني القول بان المراد انتصاف النهار العرفي الى أئمة ما وراء النهر وبان المراد انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرى الى الزوال الى أئمة خوارزم ۔اھ (شامية ج ۱ ص ۲۴۳)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ، مرتب خیر الفتاوی

ساڑھے بارہ بجے ظہر پڑھنے کا حکم

کیا آج کل ساڑھے بارہ بجے ظہر پڑھی جا سکتی ہے کیوں کہ ہم کو چھٹی دو بج کر پچیس منٹ پر ملتی ہے اور اس وقت جماعت نہیں ملتی ؟ بینوا توجروا ۔ رانا محمد عارف لاہور ہائیکورٹ لاہور

الجواب ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور آج کل راولپنڈی میں زوال بارہ بجکر ۱۴ منٹ پر ہوتا ہے اور آئندہ گھٹ جائے گا ۔ حاصل یہ ہے کہ آپ ہر موسم میں ساڑھے بارہ بجے نماز پڑھ سکتے ہیں ۔ لیکن ایک خیال ضرور رہے کہ اذان وقت کے اندر دیں ۔ یعنی زوال کے بعد اذان ہو پہلے نہ ہو ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نصف النہار سے کیا مراد ہے

اوقات مکروہہ ثلاثہ غروب ، طلوع اور استواء اکثر کتب متون اور شروح میں مذکور ہیں ۔ غروب وطلوع تو معلوم ہیں لیکن استواء کے متعلق مختلف الفاظ ہیں مسلم شریف میں ہے ۔

حین یقوم قائم الظهیرة ۔

ابو داؤد شریف میں ہے ۔ نصف النهار حتى تزول الشمس ۔

منیۃ المصلی میں ہے ۔ وقت الزوال ۔ نور الایضاح میں ہے استوائہا ۔ بہشتی زیور میں ہے ۔ ٹھیک دوپہر ۔ اور اکثر کتب میں ضحوۂ کبریٰ ہے ۔ یہ سب ایک چیز ہیں یا علیحدہ علیحدہ ؟ صحیح وقت نصف النہار کب شروع ہوتا ہے اور اس کی شناخت کیا ہے ؟ کراہت نماز کے لئے نصف النہار شرعی مراد ہے یا حقیقی ؟ مولوی شاہ محمد میلسوی

الجواب طحطاوی ، ص ۱۰۰ ۔ میں ہے ۔

(قوله والثانی عند استوائها) وعلامته ان یمتنع الظل عن القصر ولا یأخذ فی الطول فاذا صادف انه شرع فی ذلك الوقت بفرض قضاء او قبله وقارن هذا الجزء اللطیف شیئا من الصلوة قبل القعود قدر التشهد فسدت ۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ نصف النہار سے مراد نصف النہار حقیقی ہے اور یہی اصل ہے ۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ سایہ کم ہو جانا بند ہو جائے اور ابھی تک بڑھنا شروع نہ ہوا ہو ۔ البتہ ائمہ ماوراء النہر کے ہاں اس سے مراد نصف النہار عرفی ہے ۔

وعزا فی القهستانی القول بان المراد انتصاف النهار العرفی الی أئمة ماوراء النهر اھ (شامی ج ۱ ، ص ۳۴۵) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

از دار الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ رئیس الجامعہ ۔

سورج کے صرف پہاڑ کی اوٹ میں چلے جانے سے غروب متحقق نہیں ہوگا

اس علاقہ میں آبادی سے سات آٹھ میل دور مغرب میں ایک پہاڑ ہے ۔ سورج جب اس پہاڑ کے پیچھے چھپ جاتا ہے تو پندرہ بیس منٹ بعد مشرق میں رات ظاہر ہوتی ہے ۔ آیا جب رات ہوتی ہے تو اس وقت صحیح وقت ہوتا ہے یا مغرب کا وقت پہاڑ کے پیچھے سورج چھپ جانے سے شروع ہو جاتا ہے ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں صرف سورج کے پہاڑ کی اوٹ میں آجانے سے نمازِ مغرب یا افطار کا وقت شروع نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد جب مشرق کی طرف سے سیاہی اور اندھیرا پھیلنا شروع ہو جائے اس وقت غروبِ شمس کا تحقق ہوگا اور اس وقت سے نمازِ مغرب کے وقت کی ابتداء سمجھی جائے گی ۔ لہٰذا اگر مذکورہ وقت سے قبل مغرب کی نماز پڑھ لی گئی تو وہ ادا نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنی چاہیئے ۔

کما یظھر من الشامی ، ج ۲ ، ص ۱۱۰ ۔ والمراد بالغروب زمان غیبوبۃ جرم الشمس بحیث تظھر الظلمۃ فی جھۃ المشرق قال علیہ السلام اذا اقبل اللیل من ھٰھنا الخ ای اذا وجدت الظلمۃ حسًّا فی جھۃ المشرق ۔ اھ

وایضا ھکذا یظھر من کلام الحافظ فی شرح قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا اقبل اللیل من ھھنا و ادبر النھار من ھٰھنا و غابت الشمس فقد افطر الصائم ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح　　　　　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء　　۳/۳/۱۳۷۹ھ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تغیرِ موسم سے کم و بیش ہوتا رہتا ہے

نمازِ مغرب کا کتنا وقت ہوتا ہے اور کس وقت تک نماز کا صحیح وقت رہتا ہے ۔ کوئی کہتا ہے کہ ½۱ گھنٹہ ہے ، کوئی کہتا ہے کہ جب اندھیرا چھا جائے اس وقت تک نماز پڑھ سکتے ہیں ؟

الجواب مغرب کی نماز کا وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سورج کے غروب ہونے سے لے کر شفق ابیض کے غائب ہونے تک رہتا ہے اور شفق کے غائب ہونے تک کا درمیانی فاصلہ موسم کے تغیر سے کم و بیش ہوتا رہتا ہے ۔ جو کہ طلوع و غروب بتانے والی جنتریوں سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ اتنا ضرور ہے کہ یہ فاصلہ کسی بھی موسم میں سوا گھنٹہ سے کم نہیں ہوتا ۔ اور بعض موسموں میں ڈیڑھ گھنٹہ سے بھی بڑھ جاتا ہے ۔

ووقت المغرب منه الی غروب الشفق وهو الحمرة عندهما و
به قالت الثلاثة والیه رجع الامام کما فی شروح المجمع و
غیرها نکان هو المذهب اھ (درمختار)۔ (قوله والیه رجع الامام)
ای الی قولهما الذی هو روایة عنه ایضا وصرح فی المجمع بان علیها
الفتوی و رده المحقق فی الفتح بانه لا یساعده روایة ولا درایة
الخ وقال تلمیذه العلامة قاسمؒ فی تصحیح القدوری ان رجوعه
لم یثبت لما نقله الکافة من لدن الائمة الثلاثة الی الیوم
من حکایة القولین و دعوی عمل عامة الصحابة بخلافه خلاف
المنقول قال فی الاختیار الشفق البیاض وهو مذهب الصدیق
و معاذ بن جبل و عائشة رضی الله تعالی عنهم قلت ورواه عبدالرزاق
عن ابی هریرةؓ وعن عمرؒ بن عبدالعزیز ولم یرو البیهقی
الشفق الاحمر الاعن ابن عمر رضی الله عنهما و تمامه فیه واذا تعارضت
الاخبار والآثار فلا یخرج وقت المغرب بالشك کما فی
الهدایة وغیرها قال العلامة قاسم نثبت ان قول الامام هو الاصح
(شامی، ج ۱، ص ۲۶۵)۔ فقط والله تعالی اعلم۔

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا الله عنه
بنده عبدالستار عفا الله عنه رئیس الافتاء — ۹/۹/۱۳۹۸ھ — مفتی جامعه خیر المدارس ملتان

(۱)

جہاں سورج کے طلوع وغروب کا پتہ نہ چلے وہاں نماز کیسے ادا کریں

میں برمنگھم انگلینڈ میں مقیم ہوں۔ اوقاتِ نماز اور سورج کا ہمیں یہاں کوئی علم نہیں کہ کب طلوع اور کب غروب ہوتا ہے۔ کیونکہ موسم ایسا رہتا ہے کہ ہر وقت ابر رہتا ہے۔ گرمیوں میں یہاں کے دن پاکستان کے دنوں سے ڈیڑھ گنا زیادہ لمبے ہوتے ہیں اور ایسے ہی سردیوں کی راتیں۔ اس لئے ہم اوقاتِ نماز صحیح معلوم نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے کیا طریقہ اختیار کریں ؟

۲ : ہمیں صبح ساڑھے چھ بجے گھر سے روانہ ہونا پڑتا ہے اور شام ساڑھے پانچ بجے واپسی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ظہر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے۔ اگر شام کو عصر کے ساتھ ادا کی جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب اوقاتِ نماز معلوم کرنے کے لئے اگر سورج دکھائی نہیں دیتا تو ایسی دائمی جنتری خرید لینا چاہیئے جس میں انگلینڈ کے طلوع و غروب اور زوالِ شمس کے اوقات بتلائے گئے ہوں۔ اگر زوالِ شمس کا وقت معلوم نہ ہو سکے تو طلوع و غروب کے درمیانی وقت کے بعد نمازِ ظہر ادا کر لیا کریں اور صبح صادق سے لے کر طلوعِ شمس سے قبل نمازِ فجر ادا کر لیا کریں۔ اور زوال کے بعد ظہر اور غروبِ شمس سے تقریباً پون گھنٹہ قبل نمازِ عصر اور غروب کے بعد مغرب۔ جب کہ عشاء کا وقت تو بہت وسیع ہے البتہ تہائی رات سے قبل ادا کر لیا کریں۔

۲ : نمازِ ظہر کو قضاء کرنا درست نہیں۔ جس فرم میں آپ کام کرتے ہیں اس کے منتظمین سے نمازِ ظہر کے لئے باقاعدہ اجازت حاصل کر لیں۔ صبح چھ بجے سے شام پانچ بجے تک مسلسل کام تو نہیں ہوتا ہوگا درمیان میں کچھ وقفہ کھانے یا آرام کرنے کے لئے بھی ملتا ہوگا۔ اگر اس وقت زوال ہو چکا ہو تو نمازِ ظہر ادا کر لیا کریں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۱۳۸۱ھ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

آخرِ وقتِ مغرب کے بارے میں مفتیٰ بہ قول

ہمارے علاقہ میں عشاء کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء غروبِ آفتاب سے ایک گھنٹہ کے بعد نمازِ عشاء پڑھتے ہیں اور دلیل "احسن الفتاوی: ج ۲ ، ص ۱۲۹" کی عبارت سے پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ "قولِ مفتیٰ بہ کے مطابق غروبِ شفقِ احمر کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے"۔

اور بعض علماء غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد نمازِ عشاء پڑھتے ہیں۔ جو کہ دلیل میں "امداد الفتاوی جلد ۱ ص ۹۵" کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ "غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت

آجاتا ہے ؟ ؟ المستفتی، عبدالشہید، ضلع لورالائی، بلوچستان

الجواب مغرب کا وقت غروبِ شفق تک رہتا ہے۔ شفق کی تفسیر میں دو قول ہیں صاحبین رح کا مذہب اور امام صاحب رح کی ایک روایت شفق احمر کی ہے امام صاحب کا مذہب شفق ابیض کا ہے۔ اگرچہ بعض فقہاء نے امام صاحبؒ کا رجوع صاحبین رح کے قول کی طرف نقل کیا ہے۔ اور صاحبین رح والے قول کو راجح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ کے طرز بیان سے امام صاحب رح کے قول کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ امام صاحبؒ کی دلیل کو مؤخر کر کے صاحبینؒ کی دلیل کا جواب دیا ہے۔ (ہدایہ ؛ ج ۱ ؛ ص ۶۹)۔

علامہ ابن ہمام رح نے ان حضرات کی تردید کی ہے جنہوں نے صاحبین رح کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا تھا

لا ورده المحقق فی الفتح بانه لایساعده روایة ولا درایة ۔ (شامی ج ۱ ص ۲۴۱)۔

علامہ قاسم بن قطلوبغا رح نے رجوع کے دعویٰ کو غلط اور غیر ثابت قرار دیا ہے

ان رجوعه لم یثبت لما نقله الکافة من لدن الائمة الثلاثة الی الیوم من حکایة القولین الخ قال العلامة قاسم فثبت أن قول الامام هو الاصح ومشی علیه فی البحر۔ (شامیة ج ۱ ص ۲۴۱)

الحاصل شفقِ ابیض کے غروب ہونے سے قبل عشاء کی نماز نہ پڑھی جائے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ رئیس الافتاء

سفر کی وجہ سے عصر کو مثلِ ثانی میں پڑھنا

۱ :- ایک آدمی سفر پہ جانے کا ارادہ رکھتا ہے اور ظہر کی نماز کے بعد تیاری وغیرہ میں اسے اتنی دیر ہوگئی کہ مثل ثانی شروع ہوگئی اور اس نے عصر کی نماز اس خیال سے ادا کرلی کہ راستہ میں شاید نہ پڑھ سکوں اور قضاء ہوجائے گی۔ تو کیا اس کی نماز ہوگئی یا نہیں ؟

۲ :- سفر پہ جانے والا عصر کی نماز سفر میں اس وقت ادا کرتا ہے جب کہ سورج غروب ہونے والا

ہے یا کچھ غروب ہوگیا ہے اور کچھ نظر آرہا ہے۔ یعنی آدھا سورج نظر سے اوجھل ہے۔ کیا اس صورت میں اس کی نماز ہوگئی یا نہیں ؟ محمد لطف اللہ خالد لاہوری

الجواب ۱-۲ دونوں صورتوں میں نماز ادا ہو جائے گی۔

وفی العالمگیریة ۱ ج۱ ص ۵۲ ، وفتاوی رحیمیة ج۲ ص ۵۶۔

وعند احمرارها الى ان تغيب الا عصر يومه ذلك فانه يجوز اداءه عند الغروب هكذا فى فتاوى قاضى خان ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	جامعہ خیر المدارس ملتان

عشاء کا وقت سفیدی غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے

بہشتی زیور میں ہے کہ جب سورج ڈوب گیا تو مغرب کا وقت آگیا۔ پھر جب تک پچھم کی طرف آسمان کے کنارے پر سرخی باقی رہے تب تک مغرب کا وقت رہتا ہے لیکن مغرب کی نماز میں اتنی دیر نہ کرے کہ تارے خوب چھٹک جائیں کہ اتنی دیر کرنا مکروہ ہے۔ پھر جب وہ سرخی جاتی رہے تو عشاء کا وقت شروع ہوگیا اور صبح ہونے تک باقی رہتا ہے۔ لیکن آدھی رات کے بعد عشاء کا وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ اور ثواب کم ملتا ہے اس لئے اتنی دیر کر کے نماز نہ پڑھے۔ اور بہتر یہ ہے کہ تہائی رات جانے سے پہلے ہی پڑھ لیوے۔ تو کیا یہ درست ہے ؟

الجواب احتیاط یہ ہے کہ جب سرخی کے بعد والی سفیدی سی بھی جاتی رہے تب عشاء کی نماز ادا کی جائے۔ اور مساجد میں مؤذن بھی اس سفیدی کے غروب پر ہی اذان کہیں۔ حاصل یہ ہے کہ احتیاط امام ابوحنیفہ کے قول میں ہے۔

قال العلامة قاسم فثبت ان قول الامام هو الاصح اھ وقوله احوط اھ

کذا فی الشامیة[1] مختصرا۔ ج۱ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

[1] ووقت المغرب منه الى غروب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه

قالت الثلاثة والیہ رجع الامام کما فی شروح المجمع وغیرہا فکان ہو المذہب ۔اھ (درمختار)۔

(قولہ والیہ رجع الامام) ای قولہما الذی ہو روایۃ عنہ ایضًا و صرح فی المجمع بان علیہا الفتوی ورد ہ المحقق فی الفتح بانہ لایساعدہ روایۃ ولا درایۃ الخ وقال تلمیذہ علامۃ قاسم فی تصحیح القدوری ان رجوعہ لم یثبت لمانقلہ الکافۃ من لدن الائمۃ الثلاثۃ الی الیوم من حکایۃ القولین ودعوی عمل عامۃ الصحابۃ بخلافہ خلاف المنقول قال فی الاختیار الشفق البیاض وہو مذہب الصدیق ومعاذ بن جبل وعائشۃ رضی اللہ عنہم قلت و رواہ عبد الرزاق عن ابی ہریرۃ رض وعن عمر ابن عبد العزیز ولم یرو البیہقی الشفق الاحمر الا عن ابن عمر رضی اللہ عنہما وتمامہ فیہ و اذا تعارضت الاخبار والآثار فلا یخرج وقت المغرب بالشک کما فی الہدایۃ وغیرہا. قال العلامۃ قاسم فثبت ان قول الامام ہو الاصح ومشی علیہ فی البحر مؤیدا لہ بما قدمناہ عنہ من انہ لایعدل عن قول الامام الا لضرورۃ من ضعف دلیل او تعامل بخلافہ کالمزارعۃ لکن تعامل الناس الیوم فی عامۃ البلاد علی قولہما و قد ایدہ فی النہر تبعا للنقایۃ و الوقایۃ والدرر والاصلاح و درر البحار والامداد والمواہب و شرحہ البرہان وغیرہم مصرحین بان علیہ الفتوی وفی السراج قولہما اوسع وقولہ احوط واللہ اعلم ۔(شامیۃ ج ۱، ص ۲۶۵)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مرتب خیر الفتاوی ، خیر المدارس ملتان

جمع بین الصّلوتین کی تمام روایتیں جمع صوری پر محمول ہیں

یہاں سعودی عرب میں اکثر بارش کے وقت مغرب کی نماز کے ساتھ عشاء کی نماز بھی ائمہ حضرات پڑھا دیتے ہیں۔ کیا ہم پاکستانی حنفی المذہب لوگوں کی نمازِ عشاء مغرب کے وقت جائز ہے یا نہیں۔ یعنی جمع بین الصلوتین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جمع بین الصلوتین کی دو قسمیں ہیں (۱) جمع حقیقی کہ مغرب کے وقت میں عشاء پڑھ لی جائے۔ (۲) جمع صوری کہ مغرب آخری وقت اور عشاء اوّل وقت میں پڑھی جائے۔ حنفیہ کے نزدیک بوقتِ عذر جمع صوری کی اجازت ہے۔ جمع حقیقی درست نہیں ہے۔ حنفیہ کا استدلال قرآنِ پاک سے بھی ہے اور احادیث سے بھی۔ چنانچہ اوجز میں بذل سے نقل کیا ہے۔

" واستدل الحنفية على عدم جواز الجمع فى غير عرفات والمزدلفة بقوله تعالى حافظوا على الصلوات اى ادوها فى اوقاتها۔ "

محافظت علی الصلوۃ یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقتِ مقررہ میں ادا کیا جائے۔

" وبقوله تعالى ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا اى لها وقت معين له ابتداء لا يجوز التقدم عليه وانتهاء لا يجوز التأخر عنه " (اوجز ج ۲، ص ۶۳)

پس ہر نماز کے لئے وقت معین ہے۔ لہذا اس پر تقدیم یا اس سے تاخیر درست نہ ہوگی۔ اس باب میں بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے جمع بین الصلوتین حقیقتاً کی نفی معلوم ہوتی ہے۔

۱: عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه قال والذى لا اله غيره ما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة قط الا فى وقتها الا صلوتين جمع بين الظهر والعصر بعرفة وبين المغرب والعشاء بجمع الحديث۔ (اوجز، ج ۲، ص ۶۱)۔

۲، عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه انه كتب فى الآفاق ينهاهم ان يجمعوا بين الصلوتين ويخبرهم ان الجمع بين الصلوتين فى وقت واحد كبيرة من الكبائر۔ اخرجه محمد رح فى المؤطا

والبیہقی فی سننہ ۔

۳ : عن ابی موسٰی انہ قال الجمع بین الصلوتین من غیر عذر من الکبائر ۔
اخرجہ ابن ابی شیبہ ۔

۱ : مطلب حدیث :۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز نہیں پڑھی مگر اس کے وقت مقررہ پر، سوائے دو نمازوں کے ۔ ظہر اور عصر کو عرفہ میں جمع کیا مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں ۔

۲ : مطلب حدیث :۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اطراف والوں کی طرف یہ لکھ بھیجا کہ انہیں اس بات سے منع کیا کہ دو نمازیں ایک وقت میں پڑھیں ۔ اور انہیں خبر دی کہ دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں جمع کرنا کبیرہ گناہوں سے ہے ۔

۳ : مطلب حدیث :۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ دو نمازوں کو بلا عذر جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے ۔

۴ : عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من جمع بین الصلوتین فی وقت واحد فقد اتی بابًا من الکبائر ۔ (بدائع) ۔

ترجمہ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کیا اس نے کبیرہ گناہ کیا ۔

مذکورہ آیات واحادیث سے جمع بین الصلوتین کی نفی اور عدم جواز معلوم ہوتا ہے ۔ جب کہ بعض روایات میں آپ علیہ السلام اور بعض صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا جمع بین الصلوتین کرنا بھی منقول ہے ۔ پھر جمع والی روایات دو طرح کی ہیں ۔ بعض وہ ہیں جن میں صرف جمع کا تذکرہ ہے اور کیفیتِ جمع سے ساکت ہیں ۔ اور بعض میں کیفیتِ جمع بھی بیان کی گئی ہے ۔ چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں ۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر یؤخر الظہر و یقدم العصر و یؤخر المغرب و یقدم العشاء ۔ اخرجہ الطحاوی و احمد و الحاکم واسنادہ حسن قالہ النیموی ۔

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالتِ سفر نمازِ ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم ۔ اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم فرماتے تھے ۔

" ان علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان اذا سافر سار بعد ما تغرب الشمس حتی تکاد ان تظلم ثم ینزل فیصلی المغرب ثم یدعو بعشائہ فیتعشی ثم یصلی العشاء ثم یرتحل ویقول ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع" رواہ ابو داؤد واسنادہ صحیح "

ترجمہ :۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب سفر فرماتے تو غروبِ شمس کے بعد بھی چلتے رہتے ۔ جب کچھ اندھیرا ہو جاتا تو مغرب پڑھتے ۔ پھر کھانا طلب فرماتے ۔ کھانے سے فارغ ہو کر عشاء پڑھتے ۔ پھر سفر شروع کر دیتے اور فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا ۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جمع بین الصلوٰتین کرنا جمعِ صوری تھا جمعِ حقیقی نہ تھا ۔ احنافؒ نے ان روایات کو جن میں کیفیتِ جمع مذکور نہ تھی مفصلہ روایات پر محمول کیا کہ جمعِ صوری تھی جمعِ حقیقی نہ تھی ۔ ورنہ کتاب اللہ اور احادیث میں تعارض و اختلاف لازم آئے گا ۔ قیاس اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جمعِ حقیقی درست نہ ہو ۔ شافعیہؒ اور حنابلہؒ عذرِ سفر و مطر کی بنیاد پر جمعِ حقیقی کے قائل ہیں ۔

اگر موجودہ اغراض موجود بھی ہوں تو فجر اور ظہر کے درمیان جمع کے یہ بھی قائل نہیں ہیں ۔ جب یہ عذر فجر و ظہر میں مؤثر نہیں تو باقی نمازوں میں بھی مؤثر نہیں ہونا چاہئے ۔ الحاصل جمع حقیقی درست نہیں ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — ۴/۹

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۱۴۰۶ھ — نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

عصر کا مکروہ وقت کب شروع ہوتا ہے

س نمازِ عصر کا مکروہ وقت آج کل غروبِ آفتاب سے تقریباً کتنے منٹ پہلے شروع ہوتا ہے ۔ دھوپ کی زردی اور تغیرِ آفتاب کے مسئلے کا تو پتہ ہے لیکن ایک صاحب کہتے ہیں کہ غروبِ آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے دھوپ کا رنگ بدل جاتا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ اس وقت تک مکروہ وقت

شروع نہیں ہوتا جب تک اس کی ٹکیہ پر دیکھنے سے آنکھ نہ ٹکے۔ ان میں صحیح کون سا قول ہے ؟

الجواب صحیح یہ ہے کہ عصر کا مکروہ وقت آفتاب کے متغیر ہونے سے شروع ہوجاتا ہے اور آفتاب کا تغیر تقریباً آدھ یا پون گھنٹہ غروب سے قبل ہوتا ہے اور آفتاب کا تغیر یہ ہے کہ آنکھ اس پر ٹک سکے[1]۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۱۳/۲ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۳۷۷ھ جامعہ خیر المدارس ملتان

[1] والمستحب الخ تاخیر عصر صیفا و شتاء توسعة للنوافل مالم يتغير ذكاء بان لاتحار العين فيها فی الاصح ۔ (درمختار) ۔ (قولہ فی الاصح) صححه فی الهداية و غيرها و فی الظهيرية أن امكنه اطالة النظر فقد تغيرت و عليه الفتوى و فی النصاب وغيره وبه نأخذ و هو قول ائمتنا الثلاثة و مشائخ بلخ وغيرهم كذا فی الفتاوى الصوفية وفيها وينبغي ان لا يؤخر تأخيرا لا يمكن المسبوق قضاء ما فاته اه وقيل حد التغير ان يبقى للغروب اقل من رمح وقيل ان يتغير الشعاع على الحيطان (شامی ج ۱ ص ۲۶۷)

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

عشاء کو نصف رات کے بعد پڑھنا مکروہ ہے

میں ایک کارخانہ میں رہتا ہوں ۔ وہاں کوئی جماعت کا انتظام نہیں ہے ۔ اور نہ ہی قریب کوئی مسجد ہے ۔ اس لئے میں عشاء کی نماز تہجد کے ساتھ پڑھتا ہوں ۔ قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر فرمائیں کہ کیا یہ جائز ہے ؟

الجواب عشاء کو نصف لیل تک مؤخر کرنا مکروہ ہے ۔ تہائی رات گزرنے سے پہلے پہلے عشاء کا وقت مستحب ہے اسی میں ادا کرلیا کریں ۔ تہائی رات کے بعد نصف لیل ہونے سے پہلے پہلے وقت جواز ہے اس کے بعد کراہت آجاتی ہے ۔ کارخانہ میں کچھ ساتھی ایسے بنالیں کہ جن

کے ساتھ مل کر جماعت کرالیا کریں۔ جماعت کا اہتمام ضرور کریں۔

و یستحب تأخیر صلوٰۃ العشاء الی ثلث اللیل فی روایۃ الکنز وفی القدوری الی ما قبل الثلث قال صلی اللہ علیہ وسلم لولا ان اشق علی امتی لاخرت العشاء الی ثلث اللیل او نصفہ وفی مجمع الروایات التأخیر الی النصف مباح فی الشتاء لمعارضۃ دلیل الندب وھو قطع السمر للنہی عنہ دلیل الکراھۃ وھو تقلیل الجماعۃ لانہ قلما یقوم الناس الی نصف اللیل تعارضا فثبتت الاباحۃ والتأخیر الی ما بعد النصف مکروہ لسلامۃ دلیل الکراھۃ عن المعارض والکراھۃ تحریمیۃ (مراقی ص۹۹) ویکرہ اداء العشاء ما بعد نصف اللیل ھکذا فی البحر الرائق۔ (عالمگیری، ج۱، ص۲۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہونے پر احادیث سے دلائل

اہلِ حدیث حضرات کی نماز عصر اس وقت پڑھی جاتی ہے جب کہ تمام دائمی جنتریوں ملتان، سرگودہا لاہور وغیرہ میں کسی پر بھی عصر کا وقت نہیں ہوتا۔ کم از کم پندرہ منٹ کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ آیا ان اوقات میں حنفیوں کی نماز بھی ہو جائے گی۔ جب ان کی مساجد میں اذان ہو جاتی ہے تو ہمیں بھی اپنے مسلک والے کہتے ہیں کہ نماز پڑھا دو۔ تو پڑھا دی جائے یا امامت چھوڑ دی جائے۔ مفصل طور پر تحریر فرمائیں؟

الجواب عصر کا وقت مفتی بہ قول کے مطابق دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر تقدیم درست نہیں۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی جنتری تقریباً صحیح ہے۔ یہ تفاوت غالباً اس وجہ سے ہوگا کہ آپ سایۂ اصلی کو خارج نہ کرتے ہوں۔ بہر حال حنفیہ کا یہ مسلک احادیثِ صحیحہ کے بالکل مطابق ہے چند ایک احادیث لکھی جاتی ہیں۔

۱:۔ حدیثِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

العصر حين صار كل شيئ مثليه قدر ما يسير الراكب الى ذى الحليفة العنق - (رواه ابن ابى شيبه)۔

۲ : عن ام سلمةؓ قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد تعجيلا للظهر منكم وانتم اشد تعجيلا للعصر منه (اخرجه الترمذى ج ۱ ص ۲۲)۔

۳ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اوقاتِ صلوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا۔ انا اخبرك صل الظهر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك الخ (أخرجه مالك فى الموطا ص ۶)۔

۴ : قال على بن شيبان قدمنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فكان يؤخر العصر ما دامت الشمس بيضاء نقية - (اخرجه ابوداؤد ج ۱ : ص ۵۹)۔

۵ : عن ابراهيم النخعى قال ادركت أصحاب عبد الله ابن مسعود رضؓ وهم يصلون العصر فى اخر وقتها - (رواه محمد رحؒ فى كتاب الحجج)۔

تطویل کے اندیشہ سے ترجمہ نہیں لکھا گیا۔ بہرحال بعض احادیث سے صراحۃً دو مثلوں کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ کا نمازِ عصر پڑھنا ثابت ہے۔ اور بعض سے دلالۃً ثابت ہوتا ہے۔ لیکن دو مثل کے بعد تغیرِ شمس سے پہلے پہلے وقتِ عصر کی نفی کسی حدیث سے معلوم نہیں ہوتی۔ اور دو مثل سے قبل وقتِ عصر کی نفی بعض احادیث سے دلالۃً ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا دو مثل سے پہلے عصر کی نماز جائز نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح — مہر

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۔ ۳۰۴ھ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

عصر میں دورانِ نماز سورج غروب ہو جائے تو نماز کا حکم

اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی نماز پڑھنا شروع کر دے اور ایک رکعت کے بعد آفتاب غروب ہو جائے اور باقی نماز بعد میں پوری کر دے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟ اگر نہیں ہوتی تو ٹھیک ہے اور

اگر ہوگئی تو سوال یہ ہے کہ وقت نماز کے لئے ظرف بنتا ہے۔ وقت گزرنے کے بعد نماز کیسے ادا ہوگئی ؟ کیا ظہر کی نماز بھی عصر کے وقت میں داخل ہونے سے صحیح ہو جائے گی ؟ اگر کہا جائے کہ حدیث میں آتا ہے کہ من أدرك ركعة من العصر الخ تو پھر سوال یہ ہے کہ طلوع کے بعد فجر کیوں نہیں ہوتی۔ حدیث میں تو فجر کا ذکر بھی ہے اور اگر کہا جائے کہ فجر کا وقت کامل ہونے کی وجہ سے کامل واجب ہوئی ناقص ادا نہیں ہوگی اور عصر کا وقت ناقص ہونے کی وجہ سے ناقص واجب ہوئی ناقص ادا ہوگی۔ کیونکہ سبب وجوب ادا سے متصل جز ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ ناقص وقت تو غروب تک ہوتا ہے۔ اس میں تو نماز ختم نہ ہوئی اور غروب کے بعد عصر کا وقت ہی ختم ہوگیا۔ نہ ناقص رہا نہ کامل۔ اب ناقص ادا ہونے کا کیا معنی ؟

الجواب عصر کی نماز ہو جائے گی کیونکہ اس پر اداکی تعریف صادق ہے۔ صاحب بحر نے اداء کی تعریف یوں فرمائی ہے۔ فالاداء ابتداء فعل الواجب فى وقته الخ اس سے معلوم ہوا کہ ادا بننے کے لئے ابتداء فی الوقت کافی ہے۔ چنانچہ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

لانه لا يشترط فعله كله فى وقته ليكون اداء لان وجود التحريمة فى الوقت كان لكون الفعل اداءً - (بحر: ج ۲، ص ۸۷، مطبوعہ کوئٹہ)

اور حاشیہ میں ہے۔ معلوم انه لا يشترط لكونه اداء وجود جميعه فيه الخ -

ان تصریحات کی روشنی میں عصر کی نماز ہو جائے گی۔ اگر کہا جائے کہ پھر تو فجر بھی صحیح ہو جانی چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلوع شمس سے نماز فجر باطل ہے۔ کیونکہ یہ وقت نماز کے لئے ظرف نہیں بن سکتا۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہاں ادائیگی کما وجب بھی نہیں ہو رہی۔ اگر یہ نماز صحیح ہو جاتی تو ادا کا حکم یہاں بھی لاگو ہو جاتا۔ وقت صحت صلوٰۃ کے لئے ظرف ہے صحت کے لئے شرط نہیں۔ اسی وجہ سے ظہر اگر ظہر کے وقت میں شروع کی جائے اور وقت میں ختم کر دی جائے یا وقت کے بعد ختم کی جائے۔ یا ابتداء اور اختتام دونوں وقت کے بعد ہوں سب صورتوں میں نماز درست ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں ادا کہلائے گی اور تیسری صورت میں قضاء۔ وقت سے تقدیم اس لئے جائز نہیں کہ تقدم علی السبب لازم آتا ہے جو بدیہی البطلان ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح   ۲۶/۳/۱۴۰۳ھ   بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء   نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

مایتعلق

بالاذان والاقامۃ

اذان سے پہلے یا بعد میں گھنٹی بجانے کا حکم

اگر محلہ کی مسجد کی اذان اہل محلہ نہیں سن سکتے جس کی وجہ سے نمازیوں کو بہت دقت ہوتی ہے تو اگر اذان سے قبل یا بعد کوئی گھنٹی وغیرہ بجادی جائے تو یہ گھنٹی بجانا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز ؟

الجواب اعلام بعد الاذان کو جسے تثویب بھی کہتے ہیں علماء متقدمین نے مکروہ اور بدعت کہا ہے اور علماء متاخرین نے بوجہ تساہل اسے جائز رکھا ہے۔ پس بربناء مذہب متاخرین اگر کوئی صورت جماعت کے انتظام کی نہ ہو تو گھنٹی یا نقارہ کے ساتھ اعلام جائز ہے۔

کمافی الدر المختار و الشامیۃ ویثوّب بین الاذان و الاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ کتنحنح او قامت قامت او الصلوۃ الصلوۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذالک جاز نھر عن المجتبی۔

(ج ۱ - ص ۲۶۱) -

لیکن اگر اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے تو بلاضرورت نقارہ بجانے سے بچنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ | بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۸ / ۴ / ۱۳۸۷ھ

ہیضہ کی حالت میں اذانیں دینا بدعت ہے

آج کل یہ اذانیں جو موجودہ وبائی امراض ہیضہ وغیرہ کے پھیلنے سے دی جاتی ہیں کیا فقہ حنفی کی رو سے یہ جائز ہیں یا نہیں ؟

الجواب یہ بدعت ہے کیوں کہ عموم امراض کے وقت اذان دینا شارع علیہ السلام سے اور اقوال وافعال سلف صالحین سے ثابت نہیں۔ کما فی فتاوٰی دار العلوم ج ۲ ص ۹۴ ، وفتاوٰی امدادیہ ، ج ۱ ص ۱۰۸ ۔ لہٰذا ان حالات میں اذان نہیں کہنی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ   بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ ۱۵/۱/۱۳۸۸ھ

ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے

ہماری مسجد کا امام صاحب دوسری مسجد میں جاکر اذان دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ سنتیں بھی وہیں پڑھ لیتا ہے۔ پھر اپنی مسجد میں آکر اذان دیتا ہے۔ کیا یہ درست ہے ؟

۲ : دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اذان کے بعد جاکر لوگوں کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے۔ یا آواز دے کر لوگوں کو بلاتا ہے کیا یہ جائز ہے ؟

الجواب ۱- فی الدر المختار یکرہ لہ ان یؤذن فی مسجدین اھ (شامی ج ۱ ص ۲۶۸)

اس عبارت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شخص مذکور کا ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے پرہیز چاہیئے۔

۲ : مؤذن کا کسی اہل علم یا قاضی یا ایسے شخص کو جو دینی مصروفیت میں مشغول ہو ، جاکر الصلوٰۃ یرحمك الله کہنا جائز ہے۔ اسی طرح کسی پختہ نمازی کو جو نماز کی باقاعدہ پابندی کرتا ہے اور کسی وجہ سے سو گیا ہے یا غافل ہو گیا ہے ، یاد دہانی کرانا جائز ہے۔ اس کے علاوہ عام طور پر لوگوں کے دروازوں پر جاکر کنڈا کھٹکھٹانا ثابت نہیں اس سے احتراز اولیٰ ہے۔ کذا فی الدر المختار وشرحہ۔ (ج ۱ - ص ۲۶۲)- فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۷/۴/۱۳۷۶ھ

ننگے سر اذان دینے کا حکم

اگر کسی نے ننگے سر اذان دی تو یہ اذان صحیح ہوئی یا نہیں ؟ اور ایسے آدمی کو شریعت میں کیا کہا جائے گا ؟

الجواب اذان تو ہو جائے گی لیکن بہتر یہ ہے کہ سر پہ پگڑی یا ٹوپی پہن کر اذان دی جائے۔ آئندہ فعل مذکور سے احتراز کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم۔
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۲۵/۲/۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

فاسق کی اذان کا اعادہ کیا جائے

ایک شخص ہر وقت بزرگانِ کرام بالخصوص ائمہ مجتہدین رح کو برا کہتا رہتا ہے اور ان کو کافر کہتا ہے۔ ایسے ہی تنخواہ لے کر قرآنِ پاک پڑھانے والوں کو بھی برا کہتا ہے۔ مگر نماز روزہ کا پابند ہے اور اذان دیتا ہے۔ لوگ اس کو اذان سے منع بھی کرتے ہیں مگر زبردستی اذان پڑھ کر اپنی اکیلے نماز پڑھ کر چلا جاتا ہے اگر وہ اذان کہہ کر چلا جائے تو وہ اذان دوبارہ کہی جائے یا نہیں ؟

الجواب شخصِ مذکور فاسق و فاجر ہے۔اس کا اذان دینا مکروہِ تحریمی ہے۔اس اذان کا اعادہ کیا جائے۔ لما فی الدر المختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۳۶۴۔

" ویکرہ اذان جنب واقامتہ واقامۃ محدث لا أذانہ علی المذھب واذان امرأۃ وخنثی وفاسق اھ وفی الشامیۃ علی قول الدر ویعاد اذان جنب زاد القھستانی والفاجر والراکب والقاعد والماشی والمنحرف عن القبلۃ وعلل الوجوب فی الکل بانہ غیر معتد بہ اھ (ج ۱ ص ۳۶۵)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ معین مفتی
۲/۱۲/۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

اذان کیلئے مخصوص جگہ کا ثبوت

مسجد کے دائیں یا بائیں اذان کے لئے جگہ بنانے کا شریعت میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں ؟ اگر ہو تو باحوالہ تحریر فرمائیں ؟

الجواب اذان کے لئے مخصوص جگہ بنانا جائز ہے۔" والمئذنۃ بکسر المیم وسکون الھمزۃ وھی محل التأذین ویقال لھا منارۃ والجمع منایر واول من احدثھا بالمساجد سلمۃ بن خلف الصحابی رضی اللہ عنہ وکان امیرا علی مصر فی زمن معاویۃ رض وکان بلال یأتی بسحر لاطول بیت حول المسجد لامرأۃ من بنی نجار ویؤذن علیہ (طحطاوی ص ۱۰۷)

اور اہل مسجد کو اختیار ہے کہ دائیں بائیں جس طرف چاہیں بنائیں ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ | بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ ۲/ ۵/ ۱۳۷۲ھ

راستہ میں نماز کی دعوت دیتے ہوئے آنے کا حکم

کچھ عرصہ سے مجھے شوق پیدا ہوا ہے کہ جس وقت میں اپنے مکان سے نماز کے لئے روانہ ہوتا ہوں تو اپنے ہمسایہ والوں اور ملنے والوں کو نماز کی دعوت دیتا ہوا مسجد پہنچتا ہوں راستہ میں اکثر " نماز ، نماز " کی آواز بھی لگاتا ہوں ۔ میرے اس فعل کو کچھ لوگ بدعت کہتے ہیں اور حدیث یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں ایک شخص نے تثویب شروع کر دی ۔ ابن ابی شیبہ مجاہد کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد " الصلوۃ الصلوۃ " کے لفظ سے تثویب کی اور لوگوں کو نماز کی دعوت دی ۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے مجاہدؒ سے فرمایا کہ یہ بدعت ہے مجھے یہاں سے لے چل ۔

(کتاب کا نام ہے " راہِ سنت " ص ۱۳۲ ۔ مصنفہ مولوی محمد سرفراز خان صفدر ۔ فاضل دیوبند ۔ خطیب جامع مسجد گکھڑ منڈی ۔ صدر مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ۔)

مولوی عبدالحنان صاحب گجر کھڈہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث مؤذن کے لئے ہے کہ مسجد کی طرف سے مؤذن دوبارہ نماز کا اعلان نہیں کر سکتا ۔ اگر کوئی شخص مسجد کے باہر لوگوں کو " نماز ، نماز " پکار کر بلاتا ہے تو یہ بدعت نہیں ، اس لئے جائز ہے ۔

میرے مکان سے مسجد تک کچھ فاصلہ ہے ۔ راستہ میں کئی مکان پڑتے ہیں جن کے قریب سے گزرتے ہوتے میں " نماز ، نماز " کی آواز لگاتا ہوا مسجد کو پہنچتا ہوں ۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ میرا یہ فعل جائز ہے یا بدعت ؟ عبدالحنان صاحب نے یہ بھی کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ صبح کے وقت لوگوں کو نماز کے لئے جگایا کرتے تھے ۔

بہر حال آپ کا جواب آنے پر میں قطعی فیصلہ کروں گا کہ مجھے یہ کام بند کرنا چاہیئے یا جاری رکھنا چاہیئے ۔ ؟

الجواب ایک تو تثویب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ نماز کے عادی ہیں لیکن اپنے مشاغل میں مشغول ہیں اور احتمال ہے کہ غفلت و مشغولی کے سبب نماز سے نہ رہ جائیں ایسے لوگوں کو دوبارہ نماز کی اطلاع دینا۔

لان معنی التثویب العود الی الاعلام بعد الاعلام۔ (شامی ج ۱ : ص ۲۸۶)

متقدمین نے اسے ناجائز کہا ہے اور متأخرین کے نزدیک اس کی گنجائش ہے (گو عملاً آج کل متروک ہے) اور اس کا محل مسجد ہے۔

اور دوسرے دعوت و تبلیغ ہے۔ کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کو بذریعہ ترغیب و ترہیب نماز کا عادی بنایا جائے۔ یہ بھی جائز ہے۔ خواہ اذان کے بعد ہو یا اذان سے پہلے۔ لیکن اذان کے بعد مسجد کو جاتے ہوئے "نماز، نماز" کا نعرہ لگاتے ہوئے جانا نہ تثویب ہے نہ تبلیغ اس لئے اس کا کوئی خاص فائدہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اور نہ سلف سے کہیں منقول لکھا ہے۔

جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور وہ سوئے ہوئے ہیں ان کو "الصلوۃ" کہہ کر جگانا امر آخر ہے لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل سے استدلال کرنا بظاہر صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ | بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اذانِ تہجد کا حکم

اذانِ تہجد جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب اذانِ تہجد کی رمضان المبارک میں فی الجملہ گنجائش ہے۔ لیکن سال بھر تک وارد نہیں۔ لہذا صرف اذانِ فجر پر اکتفاء کیا جائے۔ اور اذانِ تہجد موقوف کر دیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۷ / ۱۲ / ۱۳۹۸ھ

لاؤڈ سپیکر پر اذان کی تحقیق

۱ : کیا ایک مسجد میں لاؤڈ سپیکر کے ساتھ اذان کا ہونا دوسری مساجد کے لئے بھی کافی ہے ؟ جب کہ مقصدِ اذان اعلامِ عام پورا ہو جاتا ہے۔ بالخصوص وہ مساجد جو قریب قریب دوسرے محلہ میں واقع ہوں درمیان

میں صرف بازار ہو اور چند مکانوں کا فاصلہ ہو۔

۲ : مشکوۃ شریف ج ۱ ص ۹۵ پر ہے کہ ایک نابینا صحابی جبکہ اس نے نماز میں حاضر نہ ہوسکنے کیوجہ بیان کر کے رخصت طلب کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا۔

ھل تسمع النداء بالصلوۃ قال نعم قال فاجب۔ الحدیث

—— ایک واقعی معذور شرعی جو اپنے محلہ کی مسجد کی اذان نہ سننے پر گھر پر رخصت پر عمل کرلیتا ہے اور نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن لاؤڈ سپیکر کی زور دار آواز لازمی اس کے کانوں میں پڑ جاتی ہے تو کیا وہ پھر بھی (اس محلہ کا ہو یا دوسرے کا) اس رخصت پر عمل کر سکتا ہے یا مسجد میں حاضری واجب ہے۔ اور پھر حاضری اپنے محلہ والی مسجد میں یا جہاں سے آواز سنی ہے۔ اور عدم حاضری سے گنہگار ہوگا یا نہیں ؟

۳ : لاؤڈ سپیکر پر اذان کہنا ضروری ہے، مستحب ہے، مستحسن ہے، کیا ہے ؟

۴ : عین وقتِ اذان پر بجلی نہ تھی تو اذان بدوں اس کے کہہ دی گئی۔ پھر دس منٹ کے بعد بجلی سپیکر کی آگئی تو دوبارہ سپیکر پر کہنے کی تاکید کی جائے تو کس اذان کا اعتبار ہوگا۔ جس کا نہیں ہوتا اس میں شرعاً کیا سقم ہے۔ عمداً انکارِ اذان کیا حکم رکھتا ہے اور جب کہ امام ہی اس بات پر مصر ہو اور مفتی ہو۔

۵ : نمازوں میں کثرتِ مقتدیوں کے باعث سپیکر کو اس طرح نصب کیا جاتا ہے کہ میکروفون بالکل امام کے منہ کے محاذی ہوتا ہے جس سے تمام مقتدی امام کی قرأت اور تکبیراتِ انتقال بخوبی سن سکتے ہیں مزید مکبروں کی ضرورت نہیں۔ یہ شرعاً کیا حکم رکھتا ہے۔ ؟

بینوا توجروا۔

الجواب و اذا اقسم اھل المحلۃ المسجد و ضربوا فیہ حائطا ولکل منھم امام علی حدۃ و مؤذنھم واحد لا بأس بہ والاولی ان یکون لکل طائفۃ مؤذن الخ

(بحر، ج ۲، ص ۳۸)

عبارتِ بالا کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسجد کے لئے الگ مؤذن ہونا چاہیے اگرچہ ایک کی اذان ہی کافی ہوجاتی ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگرچہ آلہ مکبر الصوت کی آواز

دور دور تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ہر مسجد میں اذان الگ ہونی چاہئے۔ تعامل بھی اسی پر ہے۔ ہر مسجد میں نماز کے اوقات کا متحد ہونا بھی ضروری نہیں پس متعدد مساجد کے لئے اذان واحد کافی نہیں ہوسکتی۔

۲ : فَأَجِبْ ای فأت الجماعة قال الطیبی فیہ دلیل علی وجوب الجماعة وقیل حث مبالغة فی الافضل الالیق الخ کذا فی المرقاة کذا فی الحواشی۔

حدیث مذکور بروایت ابو داؤد وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں۔

قال تسمع النداء قال نعم قال ما اجد لك رخصة۔

تو آخری الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے شیخ ابراہیم حلبیؒ فرماتے ہیں۔

" معناہ لا اجد لك رخصة تحصل لك فضیلة الجماعة من غیر حضورها لا الایجاب علی الاعمیٰ فانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام رخص لعتبان بن مالك علی ما فی الصحیحین الخ

(کبیری ص۴۴۲)

شراح حدیث کی تشریح بالا سے معلوم ہوا کہ فَأَجِبْ کا امر ایجاب کے لئے نہیں تھا بلکہ فضیلت کا تھا اعمیٰ پر اذان سننے کے باوجود بھی مسجد میں آنا واجب نہیں ہے۔ اعمیٰ کے لئے مطلقاً رخصت ثابت ہے کما فی الصحیحین اور بلا شبہ فضیلت حاضری میں ہی ہے جب کہ بلا تکلیف ہوسکے۔

۳ : زیادہ سے زیادہ مستحسن ہے۔

۴ : تکرار اذان مذکورہ درست نہیں پس پہلی اذان جو کہ بجلی نہ ہونے کی حالت میں کہی گئی تھی کافی ہے دوبارہ اذان نہ دی جاتے۔

۵ : جائز ہے خلاف احتیاط ہے مکبرین کے ذریعہ تکبیرات معلوم کرانے کا انتظام ہونا چاہئے آلہ مکبر الصوت کا استعمال نماز میں شرعاً پسندیدہ نہیں بلکہ قریب بہ کراہت ہے تکبیرات انتقال کی اطلاع کرنے کا انتظام مکبروں کے ذریعہ ہونا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ؛ محمد عبداللہ عفرلہ مفتی جامع ہذا ○ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۲۳/۵/۱۳۹۸ھ

تہجد کیلئے اذان خلاف سنت ہے

نمازِ تہجد کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان دیتے تھے یا نہیں ؟

الجواب حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ صبح صادق سے کچھ پہلے اذان دیا کرتے تھے تاکہ تہجد میں مشغول حضرات ذرا آرام کرلیں اور سوئے ہوئے لوگ اٹھ کر فجر کی نماز کی تیاری کرلیں مگر بعد میں یہ اذان منسوخ ہوگئی تھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین نے اسے معمول نہیں بنایا۔

قال العلام ابو جعفر الطحاوی ان التأذین قبل طلوع الفجر خلاف لسنة اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ
(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۶۹) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

بالغ کا اذان دینا افضل ہے

نابالغ لڑکا اذان دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب عاقل بچہ اذان دے سکتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ بالغ اذان دے۔
" اذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراھة فی ظاھر الروایة ولکن اذان البالغ افضل " (عالمگیری ج ۱ ص ۳۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۲ / ۱۳۹۶ھ

داڑھی منڈے کا اذان کہنا مکروہ ہے

ایک شخص داڑھی منڈاتا ہے۔ کیا وہ اذان اور اقامت کہہ سکتا ہے ؟ بعض کا خیال ہے کہ داڑھی والے کی موجودگی میں بغیر داڑھی والا اذان و اقامت نہ کہے۔ ؟

الجواب داڑھی منڈانے والا فاسق ہے اور فاسق کا اذان کہنا مکروہ ہے۔ مؤذن و مکبر ایسا شخص ہونا چاہئے جو پابندِ شریعت ہو۔

ویستحب ان یکون المؤذن عالما بالسنۃ تقیا فیکرہ اذان الجاهل والفاسق اھ (غنیۃ المستملی، ص۳۵۹)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۲/۱۳۹۹ھ

کثرتِ بارش کے وقت اذان دینا

س جب بارش بہت زیادہ ہو جائے تو لوگ اذانیں دیتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب کثرتِ بارش کے وقت اذان دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے ثابت نہیں "درمختار" میں ہے۔

وهو سنۃ للرجال مؤکدۃ للفرائض لا یسن لغیرها اھ (شامی ج۱ ص۳۵۸)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴/۹/۱۳۹۹ھ

اذان دے کر مسجد سے نکلنے کا حکم

س ایک آدمی امام مسجد بھی ہے اور دوکان پہ ملازم بھی ہے۔ امامت کا وظیفہ کافی نہیں۔ وہ اذان دے کر سنتیں پڑھ کر دوکان پہ چلا جاتا ہے اور دس پندرہ منٹ بعد آکر امامت کراتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب بہتر تو یہ ہے کہ اتنے مختصر سے وقت کے لئے نہ نکلا جائے۔ لیکن اگر چلا بھی جائے تو چنداں کراہت نہ ہوگی۔ کیونکہ اسنے واپس آنا ہے۔

لحدیث ابن ماجۃ من ادرك الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ وهو لا یرید الرجوع فهو منافق اھ (شامی ج۱ ص۵۲۵ مطبوعہ کوئٹہ) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۵/۱۱/۱۴۰۰ھ

جنبی کا اذان دینا مکروہ ہے

ایک شخص نے جنبی ہونے کی حالت میں مسجد میں اذان دی۔ اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب جنبی کا اذان دینا مکروہِ تحریمی ہے اور ایسے ہی اس حالت میں مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہیں۔ اب توبہ و استغفار کیا جائے۔ اگر وقت کے اندر پتہ چل جائے تو اعادہ کیا جائے۔

ویعاد اذان جنب ندباً وقیل وجوباً اھ (درمختار علی الشامیہ : ج ۱ ص۳۶۵)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ولد الزنا اذان دے سکتا ہے

کیا ولد الزنا مسلم اذان دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب دے سکتا ہے " ویجوز اذان العبد والقروی واھل المفازۃ وولد الزنا اھ (عالمگیری : ج ۱ ص۵۴)

ویجوز بلاکراھۃ اذان صبی مراھق وعبد ولا یحل الا باذن کاجیر خاص واعمیٰ وولد الزنا، واعرابی اھ (درمختار علی الشامیۃ - ج ۱ - ص۳۶۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۴ / ۱۱ / ۱۴۰۰ھ

تکبیر کے ہر کلمے کے آخر میں جزم پڑھی جائے

تکبیر میں وصل ہے یا فصل ؟ یعنی کلمۂ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے آخری حرف پر ضمہ پڑھیں گے یا نہیں ؟ جبکہ بغیر سانس توڑے دوسرا کلمہ ساتھ ملایا جائے ؟

الجواب دوسرا کلمہ اشھد ان لا الہ الا اللہ بغیر سانس توڑے پڑھا جائے تو بھی پہلے کے آخر میں کوئی حرکت نہ پڑھی جائے۔

بلکہ تکبیر و اذان کے تمام کلمات کے آخر میں اعراب نہ پڑھا جائے۔

روی ذالك عن النخعی موقوفا علیہ ومرفوعا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال الاذان جزم والاقامۃ جزم والتکبیر جزم اھ (شامی ج ۱ ص ۲۵۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہنے کا حکم

ایک مسجد میں مؤذن نے اذان دی ۔ اس کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا درست ہے یا نہیں؟ نیز مؤذن مستقل ہو یا غیر مستقل ہو ایک ہی حکم ہے یا علیحدہ علیحدہ ؟

الجواب اگر مؤذن موجود ہے اور دوسرے کے تکبیر کہنے سے اسے وحشت ہوتی ہے تو اس کی اجازت کے بغیر تکبیر نہ کہی جائے۔

اقام غیر من اذن بغیبتہ ای المؤذن لا یکرہ مطلقا وان بحضورہ کرہ ان لحقہ وحشۃ اھ ۔ (درمختار علی الشامیۃ : ج ۱ ص ۳۶۷) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۸ / ۱۱ / ۱۳۹۸ھ

چودہ سالہ لڑکے کی اذان کا حکم

ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً چودہ سال سے زیادہ ہے ۔ اذان دیتا ہے اور نماز بھی پابندی سے پڑھتا ہے کیا اس کی اذان درست ہے ؟

الجواب مذکورہ لڑکا اگر اذان صحیح دیتا ہے تو بلاکراہت درست ہے اسے منع نہ کیا جائے ۔ ویجوز بلا کراھۃ اذان صبی مراھق اھ (درمختار)

وفی الشامیۃ قولہ صبی مراھق المراد بہ العاقل وان لم یراھق کما ھو ظاھر البحر ۔ (ج ۱ ۔ ص ۳۶۳)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۹ - ۱۱ - ۱۳۹۸ھ

فاسق کی اذان مکروہ تحریمی ہے

فاسق کی اذان میں کونسی کراہت ہے؟ تحریمیہ یا تنزیہیہ؟

الجواب درمختار میں لکھا ہے کہ جنبی، عورت اور فاسق کی اذان مکروہ ہے۔ شامی میں اس کے تحت تحریر ہے کہ بظاہر اس سے کراہتِ تحریمیہ مراد ہے
وظاهره ان الكراهة تحريمية اھ (ج ا ص ۲۶۴)۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۵/۱/۱۴۰۰ھ

قبل از وقت کہی گئی اذان دوبارہ کہی جائے

پنجاب کی اکثر مساجد میں یہ عادت بن گئی ہے کہ اذان نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی دیدی جاتی ہے یعنی ابھی نماز کا وقت نہیں ہوا ہوتا کہ اذان ہو جاتی ہے۔ تو کیا حکم ہے کہ وقت آنے پر دوبارہ کہی جائے یا اسی پر اکتفاء کیا جائے؟

الجواب اذان کی غرض نماز کا وقت شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے۔ اور یہ غرض جب ہی پوری ہو سکتی ہے کہ اذان وقت شروع ہونے پر دی جائے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اذان وقت سے پہلے دی جائے تو وقت شروع ہونے کے بعد اس کا اعادہ کیا جائے۔ چاہے کوئی اذان ہو۔

فيعاد اذان وقع بعضه قبله كالاقامة اھ (درمختار)۔
(قوله وقع بعضه) وكذا كله بالاولى اھ (شامی ج ا ص ۲۵۸ باب الاذان)۔

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۷/۱۲/۱۳۹۹ھ

اللہ اکبر کی راء کو لام کے ساتھ ملانا

اذان و اقامت میں اللہ اکبر کی راء کو لام کے ساتھ ملا سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب اذان و اقامت میں راء پر جزم پڑھی جائے لام کے ساتھ نہ ملائی جائے فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۳/۹/۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسجد کے اندر بھی اذان دینا درست ہے

اذان مسجد کے اندر یا باہر دینا چاہئے ۔ ؟ بعض حضرات کا اصرار ہے کہ مسجد کے باہر اذان دینا چاہئے ۔

الجواب مسجد کے اندر بھی بلا کراہت جائز ہے ۔ (اعلاء السنن ، ج ۸ ص ۹۹) ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۶/۱/۱۴۰۸ھ

جمعہ کی دوسری اذان معمول و متوارث ہے

اذانِ خطبہ یعنی دوسری اذانِ جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟ مہربانی فرماکر ہماری تسلی فرمائیں کہ جائز ہے یا ناجائز ؟ زید نے اذان بند کروا رکھی ہے ۔

الجواب دوسری اذانِ جمعہ بالکل جائز ہے ۔ عہدِ خلافتِ راشدہ سے لے کر آج چودہ سو (۱۴۰۰) سال تک شریعت اور امت میں یہ اذان معمول و متوارث چلی آرہی ہے ۔ پس اسے ناجائز کہنا غلط اور ابتداع ہے ۔ فقط واللہ اعلم

محمد اقبال عفا اللہ عنہ
۱۲/۱/۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا

اقامت میں بھی "حیعلتین" کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرا جائے

اقامت میں "حیعلتین" کے وقت دائیں بائیں

طرف منہ پھیرنا سنت ہے یا نہ ، اگر سنت ہے تو نہ کرنے والے کی تکبیر ہوجائے گی یا نہ ؟

الجواب وفی الدرعلی الشامیۃ ج ۱-ص -۳۶۰ - ویلتفت فیہ وکذا فیما مطلقا - روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اقامت میں بھی "حیعلتین" کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا مسنون و درست ہے لیکن اگر کسی مکبر نے منہ نہیں پھیرا تو تب بھی اقامت ہوجائے گی - فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲ / ۶ / ۱۳۹۱ھ

دوران وعظ اذان شروع ہوجائے تو وعظ بند کر کے اذان کا جواب دینا چاہیئے

ایک شخص دین کی باتیں کر رہا ہے - اذان شروع ہوگئی تو کیا اس کو وہ دین کا وعظ اور تکرار بند کر کے اذان کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں ؟ اور مسجد کے اندر یا باہر کا بھی کوئی فرق ہے کہ مسجد میں جواب واجب نہیں اور باہر واجب ہے ؟

الجواب اگر وعظ و تکرار کو بند کر کے جواب دے تو اچھا ہے - اور اگر وعظ و تکرار کو جاری رکھے اور جواب نہ دے تو کچھ گناہ نہیں - اس لئے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے - درمختار میں ہے -

ویجیب وجوبا وقال الحلوانی ندبا والواجب الاجابۃ بالقدم من سمع الاذان ولوجنبا لاحائضا ونفساء و سامع خطبۃ الخ - (درمختار مع الشامیۃ ج ۱ ص ۳۶۷) -

اور ردالمحتار میں ہے -

لانہ لا یفوت ولعلہ لان تکرار القرأۃ انما ھو للاجر فلا یفوت بالاجابۃ بخلاف التعلم فعلی ھذا لو یقرأ تعلیما او تعلما لا یقطع سائحانی - (ج ۱ ص ۳۶۸) -

(قولہ وقال الحلوانی ندبا) ای قال الحلوانی ان الاجابۃ باللسان مندوبۃ والواجبۃ ھی الاجابۃ بالقدم -

(شامی ج ۱ ص ۳۶۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مسجد و خارج کی تفریق حلوانی رح کے قول پر مبنی ہے۔ واما عندنا فیقطع و یجیب بلسانہ مطلقا۔ (کذا فی الدر المختار ج ۱ ص ۳۷۰)۔

والجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

تکبیر کس وقت کہی جائے

امام صاحب کے مصلے پر پہنچنے پر تکبیر کہنا بہتر ہے یا امام کے آنے سے پہلے ہی کہہ دینا۔ تکبیر کے لئے امام کی اجازت لی جاوے یا نہیں ؟

الجواب بہتر یہی ہے کہ امام کے مصلے پر آنے کے بعد تکبیر کہی جاوے۔ لیکن اگر ایک گھڑی پہلے بھی کہدی جاوے تو جائز ہے۔

حضر الامام بعد اقامۃ المؤذن بساعۃ اوصلی سنۃ الفجر بعدھا لا یجب اعادتھا کذا فی القنیۃ۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۲۷) ۔

اور قرین قیاس یہی ہے کہ امام سے اجازت لینا مستحسن ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ زبان سے تصریح کرائی جائے۔ بلکہ امام کا مصلے پر کھڑا ہونا ہی اجازت ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی عفرلہٗ معین مفتی	الجواب صحیح
۴ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ	محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

ترک واجب کیوجہ سے اعادہ کی جائے والی نماز کیلئے تکبیر کی حاجت نہیں

اگر امام کسی واجب کے ترک سے سجدۂ سہو بھول جائے اور سلام پھیر دے تو جب اس نماز کا اعادہ کیا جائے تو کیا اس نماز کے لئے تکبیر کہنی پڑے گی یا نہیں ؟ اگر کہنی پڑتی ہو اور نہ کہی گئی ہو تو کیا دوسری نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟ اگر نہیں ہوتی تو تیسری دفعہ نماز مع تکبیر ادا

کی جائے ؟

۲ : اگر کسی کو سجدۂ سہو بھول گیا تو سلام کے بعد کتنی دیر تک سجدۂ سہو کر سکتا ہے ؟

الجواب: ترک واجب کی وجہ سے اگر نماز دوبارہ پڑھی جائے تو اعادۂ تکبیر کی حاجت نہیں ۔ وہیں کھڑے ہو کر بدون اعادۂ تکبیر نماز لوٹائی جائے ۔ اعادہ وقت کے اندر طویل فصل کے بغیر ہو تو اقامت نہ کہی جائے وگرنہ کہی جائے ۔

قوم ذکروا فساد صلوة صلواها فی المسجد فی الوقت قضوها بجماعة فیه ولا یعیدون الاذان والاقامة ۔ (شامی ج ۱ ص ۳۶۳) ۔

۲ : جب تک دنیوی بات نہیں کی اور سینہ قبلہ سے منحرف نہیں ہوا ، وضو نہیں لوٹا تو سلام پھیر لینے کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے سجدۂ سہو کر سکتا ہے ۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
خیر محمد عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

معذور بیٹھ کر اذان دے سکتا ہے

زید ٹانگوں سے معذور ہے کھڑا نہیں ہو سکتا ۔ آیا زید کے لئے بیٹھ کر اذان دینا اور تکبیر پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: غیر معذور کے لئے بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے ۔ ویکره الاذان قاعدًا ۔ (هندیه ۔ ج ۱ ۔ ص ۲۸) ۔ عذر کے وقت گنجائش ہے ۔ کالاذان للمسافر راکبا وان کره فی الحضر ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۱۷ / ۱۰ / ۱۴۰۷ھ

اذان کے بعد رفع ایدی کیساتھ دعا کرنیکا حکم

۱ : ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا سنت ہے ؟ حدیث و قرآن کی روشنی میں وضاحت کیجائے ۔

۲ : اذان کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے ؟ مثلاً وقتِ غروبِ آفتاب اذان کے بعد کسی

نمازی اور امام مسجد کو ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے نہیں دیکھا۔

۰۳: ایسے امام کے بارے میں کیا حکم ہے جو خود ہاتھ اٹھا کر دعاء نہ مانگتا ہو اذان کے بعد؟

الجواب رفع الیدین عند الدعاء فی الجملہ ثابت ہے۔ لیکن ہر دعاء میں رفع یدین سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ جیسے مسجد میں دخول وخروج کے وقت، بیت الخلاء میں دخول وخروج کے وقت، جماع و انزال وغیر ذالک بلکہ ان مواقع میں کوئی بھی رفع یدین کا قائل نہیں۔ لہذا جن مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین نہیں کیا امت کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی نہ کرے۔ اذان کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں کذا فی احسن الفتاوٰی ج ۲ ص ۲۹۷ لہذا جس امام کا عمل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مشابہ ہو اس کی امامت یقیناً صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی — الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

داڑھی منڈانے والا مستقل مؤذن نہ رکھا جائے

داڑھی منڈانے والے کو مستقل طور پر مسجد کا مؤذن بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب مؤذن متقی پرہیزگار عالم ہونا چاہیئے، ہندیہ میں ہے۔ وینبغی ان یکون المؤذن رجلا عاقلا صالحا تقیا عالما بالسنة کذا فی النہایة (ج ۱ ص ۲۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۱۹-۹-۱۴۰۸ھ

مکبر کا امام کے پیچھے ہونا ضروری نہیں

مکبر کے لئے امام کے پیچھے کھڑا ہونا ضروری ہے یا نہ؟ نیز مکبر کا صف اوّل ہی میں ہونا ضروری ہے یا دوسری تیسری صف میں بھی تکبیر کہہ سکتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب بالکل پیچھے کھڑا ہونا ضروری نہیں جہاں جگہ ہو کھڑے ہو سکتے ہیں۔ ایسے ہی پہلی صف میں ہونا بھی ضروری نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۷-۶-۱۴۰۶ھ

صبح صادق کے بعد پانچ سات منٹ کی تاخیر

سحری کے اختتام کے کتنی دیر بعد اذان فجر ہونی چاہئے۔ اگر کچھ دیر بعد اذان ہونی چاہئے تو اس کی دلیل یا ثبوت پیش فرمائیے؟

الجواب اذان کا وقت صبح صادق کے ہوتے ہی شروع ہوجاتا ہے پانچ سات منٹ کی تاخیر اس لئے کی جاتی ہے تاکہ فجر خوب واضح ہوجائے۔ کما قال علیہ السلام لاتؤذن حتی یتبین لک الفجر۔ الحدیث ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۱۳ / ۱۰ / ۱۴۰۸ھ

تثویب کے بارے میں ایک روایت کی تصحیح

ہم بمقام باقرشاہ از مضافات علی پور، آپ (جناب مہتمم صاحب) کے ارشادات عالیہ میں موجود تھے۔ وہاں دوران بیان ایک روایت آپ سے یوں سنی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دوران سفر اپنے ساتھی کو فرمایا کہ ہم اپنے فلاں صاحب کے پاس رہائش پذیر ہوں گے۔ جب وہاں پہنچے تو مسجد میں ان کو جاکر السلام علیکم کہا۔ تو انہوں نے جواباً کہا وعلیکم السلام وعلی رسولہ۔ پس حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہا کہ تم بدعتی ہو۔ پھر واپس چلے آئے الخ

اب عرض ہے کہ اس کا حوالہ باسند تحریر فرمادیں اور محدثین کی سند کو بھی تحریر فرمائیں۔؟

الجواب سوال میں جیسے ذکر ہے ایسے تو کوئی واقعہ نہیں ملا۔ البتہ یوں آتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے داخل ہوئے اذان ہوچکی تھی ایک شخص نے تثویب شروع کردی تو حضرت ابن عمر رض نے فرمایا۔

اخرج بنا فان ھذہ بدعۃ اھ (ابو داؤد شریف ج ا ص۷۹)

یا ایک حدیث یوں آتی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رض کے پہلو میں چھینک لی۔ تو یوں کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کی حمد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کا میں بھی قائل ہوں مگر اس موقع پر

ہمیں سلام کی تعلیم نہیں دی گئی ۔ (ترمذی شریف : ج ۲ ؛ ص ۹۸)۔

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۳ / ۴ / ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

دعاء بعد الاذان میں " وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيعَةَ " کے الفاظ احادیث میں منقول نہیں

اذان کے بعد جو دعاء معروف ہے اس کے بارے میں تحقیق مطلوب ہے کہ اس کے صحیح الفاظ کیا ہیں ؟ بالخصوص " والدرجة الرفيعة " وارزقنا شفاعته يوم القيامة انك لاتخلف الميعاد ۔ کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ یہ لفظ درست ہیں یا نہیں اور انہیں پڑھنے سے ثواب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب تمام معتبر و مستند کتب حدیث میں یہ دعاء باین الفاظ منقول ہے۔

اللهم رب هذه الدعوة التامة و الصلوة القائمة آت محمدن الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودن الذى وعدته ؛ بیہقی رح نے اس کے آخر میں انك لا تخلف الميعاد کی زیادتی بھی کی ہے ۔

علامہ شامی رح نے حافظ ابن حجر رح کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس دعاء میں والدرجة الرفيعة کا لفظ اور ایسے ہی اس کے اختتام پر یا ارحم الراحمین کہنا بے اصل ہے۔ ولفظه " وروى البخارى وغيره من قال حين يسمع النداء اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة آت محمدًا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذى وعدته حلت له شفاعتى يوم القيامة وزاد البيهقى انك لا تخلف الميعاد وتمامه فى الامداد والفتح وقال ابن حجر فى شرح المنهاج وزيادة والدرجة الرفيعة وختمه بيا ارحم

الراحمین لا اصل لہما اھ (شامی ج ۱ ص ۳۷۰)۔

علامہ سخاوی رح سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔

واما زیادۃ والدرجۃ الرفیعۃ المشتہرۃ علی الالسنۃ فقال السخاوی لم اراہ فی شیء من الروایات و زاد البیہقی فی روایۃ انک لا تخلف المیعاد واما زیادۃ یا ارحم الراحمین فلا وجود لہا فی کتب الحدیث۔ (بذل المجہود۔ ج ۱ ص ۳۰۲)۔

مسنون الفاظ پر اضافہ کرکے پڑھنے سے دعاء مسنون کی برکت حاصل نہ ہوگی۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸/۴/۱۴۰۶ھ

اذان میں "شہادتین" اور "حیعلتین" کو کھینچ کر پڑھنے کا حکم

آج کل ہمارے علاقہ میں مؤذن اذان بڑی لمبی کرتے ہیں۔ گو یہ جائز ہے۔ مگر جب اشہد ان لا الہ الا اللہ کہتے ہیں تو ہا ہا ہا زیادتی کرتے ہیں ہا ہا کبھی اونچی طرز پر اور کبھی مدہم کرکے۔ اسی طرح حی علی الفلاح پر ہا ہا ہا کرتے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب چونکہ ہا ہا وغیرہ "شہادتین" کے آخر میں لحن ہے لہٰذا یہ ناجائز ہے۔

لما فی الدر المختار ولا لحن فیہ ای تغنی بغیر کلماتہ فانہ لا یحل فعلہ و سماعہ کالتغنی بالقرآن اھ وفی الرد تحت قولہ بغیر کلماتہ ای بزیادۃ حرکۃ اوحرف او مد او غیرہا فی الاوائل والاواخر۔

(شامی ج ۱ ص ۳۵۹)۔

معلوم ہوا کہ زیادۃ حرکت وحرف یا مد آخر یا اوّل میں لحن ہے وہو لا یجوز۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

——— رشید احمد صدیقی ———

دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ ، اکوڑہ خٹک ضلع پشاور مغربی پاکستان

اللہ کے لام کو ایک الف کی مقدار سے زیادہ کھینچنا غلط ہے۔ علامہ شامی رح لکھتے ہیں

اعلم ان المد ان کان فی اللّٰہ فاما فی اولہ او اوسطہ

او اٰخرہ ..... (الی قولہ) وان کان فی وسطہ فان بالغ

حتی حدث الف ثانیۃ بین اللام والھاء کرہ اھ (شامیہ ج ا ص۵۲۲)

حاصل یہ ہے کہ اللہ کے لام کو ایک الف سے زیادہ کھینچنا مکروہ ہے۔ ایسے ہی "حیعلتین"

کو بھی زیادہ نہ کھینچا جاتے۔ قال الحلوانی لا بأس بادخال المد فی

الحیعلتین لانھما غیر ذکر وتعبیرہ بلا بأس یدل علی ان

الاولی عدمہ ۔ (شامی ج ا ص ۳۵۹)۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ، ۱۷/۹/۱۴۰۱ھ

اذان کے بعد جماعت سے پہلے سپیکر پر بلند آواز سے سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں

کہ اذان کے بعد جماعت سے کچھ منٹ پہلے ایک صاحب یہ کلمات لاؤڈ سپیکر

میں کہتا ہے۔ مثلاً سُبْحَانَ اللّٰہ سُبْحَانَ اللّٰہ اٹھو نماز کا

وقت ہوگیا ہے ، جلدی مسجد میں آؤ نماز کا وقت قریب ہے ۔ وغیرہ وغیرہ۔

کیا یہ صحیح ہے یا نہیں ؟ نیز کیا ان کلمات سے اذان کی اہمیت میں تو کوئی فرق

نہیں آتا ؟

الجواب اذان و اقامت کے درمیان مذکورہ کلمات کہنا اصطلاح شرع

میں تثویب کہلاتا ہے ۔ فتاوی امداد الاحکام میں اسے مکروہ لکھا ہے

(ج ا ۔ ص ۴۱۴) ۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۱۳ر۱۱ر ۱۴۰۷ھ

بوقتِ اذان کانوں میں انگلیاں دینا

اذان دیتے وقت انگلیاں کانوں پر رکھ لینا کافی ہے یا کانوں کے سوراخ میں دینی چاہئیں ؟ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ انگلیاں صرف کانوں پر رکھ لیتے ہیں اور بعض سوراخوں میں دے لیتے ہیں۔ صحیح مسئلہ سے مطلع فرمائیں ؟

استفتی: محمد صفدر الحق

مرکزی جامع مسجد محلہ اندر کوٹ، دہوا تحصیل تونسہ شریف

الجواب زیادہ بہتر یہ ہے کہ انگلیاں سوراخوں میں ڈالی جائیں۔ کیونکہ رفع صوت اسی سے زیادہ ہوتا ہے۔ وھو المطلوب من ھذا العمل:

ویجعل ندبا اصبعیہ فی صماخ اذنیہ فاذانہ بدونہ حسن وبہ احسن اھ (درمختار) (قولہ ویجعل اصبعیہ) لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لبلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجعل اصبعیک فی اذنیک فانہ ارفع لصوتک۔ اھ۔ (شامی ج ۱ ص ۲۸۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

بلالیؓ اذان یا بدعتی اذان

حضرت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ

ا :- فرشتے نے آسمان سے نازل ہو کر جو اذان سکھلائی۔

ب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اذان کی امت کو تعلیم دی۔

ج :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مدۃ العمر حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو اذان دیتے رہے۔

د :- حضرات خلفاء راشدین رضؓ، تابعین رحؒ، تبع تابعین رحؒ اور ائمہ کرامؒ کے مبارک زمانوں میں سات صدیوں تک پورے عالم اسلام میں جو اذان دی جاتی رہی ——— وہ یہی اذان تھی جو "اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ" سے شروع ہو کر "لا الٰہ الا اللہ" پر ختم ہو جاتی ہے۔ نہ اس سے پہلے کوئی ذکر و درود شریف ہے نہ بعد میں۔

آٹھویں صدی کے آخر میں اذان سے پہلے اضافۂ درود کی بدعت ایجاد کر کے فرقہ بندی کی بنیاد ایک عیش پرست بادشاہ نے رکھی ——— سپیکروں کی کثرت نے اسے شہرت دی ——— فرقہ داریت کو ہوا دینے والوں نے اس کے ذریعہ امت میں خوب خوب افتراق وانتشار پیدا کیا ——— وحدتِ ملی کا تقاضا ہے کہ آسمانی، اسلامی اور بلالی مسنون اذان کے مقابلہ میں بدعتی شاہی اذان کو ترک کر دیا جائے ——— ذکر و درود شریف کے لئے سارا دن ہے جتنا کوئی پڑھے کون روکتا ہے، لیکن سنتِ سنیہ کی اصل صورت کو تبدیل کر دینا اور انوارِ سنت کو ایسے اضافوں میں چھپا دینا کسی طرح روا نہیں ——— ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس بدعت کو اتنا رواج دیا گیا کہ سنت عیب و جرم بن کر رہ گئی ——— کوئی مسلمان اہل بدعات کی مسجد میں اصل اذانِ بلالی رضؓ نہیں دے سکتا ورنہ اس کی جان کا خطرہ ہے۔ ——— اس سے بڑھ کر حرج و ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مساجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان جرم بن جائے ——— بہر حال رابطہ عالم اسلامی یا حکومتِ پاکستان نے سنت اذان کی حمایت میں جو سرکولر جاری کیا ہے وہ شریعتِ مطہرہ کے عین

مطابق ہے ـــــــ اللہ تعالیٰ سب اہل اسلام کو بلالی رضؓ اذان پر عمل کی توفیق دے آمین۔

رسم اذان رہ گئی رُوحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالیؒ نہ رہی
علامہ اقبال مرحوم

اذان پر اجرت لے سکتے ہیں یا نہیں

مؤذن کے لئے اذان پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

سائل ۔ مولانا محمد غوث بلال مسجد گل گشت کالونی ملتان

الجواب اگر ضرورت نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ مؤذن اذان کی اجرت نہ لے اور اگر اپنے اور اہل وعیال کے لئے نان نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو تو اجرت لے سکتا ہے اس اجرت لینے کے باوجود اسے اذان دینے کا ثواب بھی ملے گا۔ بشرطیکہ اذان ثواب کی نیت سے دیتا ہو۔

وانما یستحق ثواب المؤذنین اذا کان عالما بالسنة والاوقات ولو غیر محتسب اھ (درمختار)

(قوله غیر محتسب) ان کان قصده وجه الله تعالیٰ لکنه بمراعاته للاوقات والاشتغال به یقل اکتسابه عما یکفیه لنفسه وعیاله فیاخذ الاجرة لئلا یمنعه الاکتساب عن اقامة هذه الوظیفة الشریفة ولولا ذلك لم یأخذ اجراً فله الثواب المذکور بل یکون جمع بین عبادتین وهما الاذان والسعی علی العیال وانما الاعمال بالنیات ۔ (شامیة ج ۱ ص ۲۸۸)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲ / ۱۱ / ۱۴۱۰ھ

اذان کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے یا بعد میں

اذان کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے یا اس کے بعد دے۔ مثلاً جب مؤذن اشہد أن لا الہ الا اللہ شروع کرے تو جواب دینے والا بھی ساتھ ہی شروع کردے یا یہ مؤذن کے الا اللہ پر پہنچنے کے بعد جواب دینا شروع کرے؟

صوفی بشیر احمد رب بھروسے عطر فروش میانچنوں۔

الجواب مؤذن کے ختم کرنے کے بعد مجیب شروع کرے۔ ہر جملہ میں ایسے ہی کرے۔ واستفيد من هذا ان المجيب لا يسبق المؤذن بل يعقب كل جملة منه بجملة منه قال في الفتح وفي حديث عمر بن ابي امامة التنصيص على ذلك اھ قلت وظاهره انه لا تكفى المقارنة لان الجواب يعقب الكلام بخلاف متابعة المقتدى للامام اھ (شامية ج ۱، ص ۲۹۳) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۴ / ۷ / ۱۴۰۴ھ

نومولود کے کان میں اذان دینے کا طریقہ اور اسکا فائدہ

عام طور پر رواج ہے کہ نومولود کے کان میں اذان دیتے ہیں۔ اس کا طریقہ کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے؟

الجواب نومولود کو ہاتھوں پر اٹھا کر قبلہ رو کھڑے ہوں دائیں کان میں اذان دیں اور بائیں میں اقامت اور حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے وقت حسب معمول دائیں بائیں منہ بھی پھیریں۔ اس اذان میں اتباع سنت کے ساتھ ساتھ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ بچوں کی مشہور مرض "ام الصبیان" کے لئے فائدہ مند ہے۔

قال السندي فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل

القبلة و يؤذن فيه اذنه اليمنى و يقيم فى اليسرى و يلتفت فيهما بالصلوة لجهة اليمين و بالفلاح لجهة اليسار وفائدة الاذان فى اذنه انه يرفع ام الصبيان عنه - اھ (تقریرات الرافعی علی حاشیة ابن عابدین ج ۱ - ص ۳۰) - فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۱۰/۱۰/۱۴۰۲ھ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

"قد قامت الصلوٰۃ" کے وقت "اقامہا اللہ وادامہا" کہنے کا ثبوت

تکبیر کا جواب دیتے وقت " قد قامت الصلوۃ " کا جواب " اقامہا اللہ وادامہا" سے دینے کا شرعًا کوئی ثبوت ہے یا نہیں ؟

سائل مولوی محمد اقبال گوجرانوالہ

الجواب طحطاوی میں حلبی وغیرہ سے منقول ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام قد قامت الصلوۃ کے وقت اقامہا اللہ وادامہا کہتے تھے۔

قال بعض الفضلاء و يقول عند قد قامت الصلوة اقامها الله وادامها وهكذا روى عن النبى صلى الله عليه وسلم ذكره الحلبى وغيره ومعنى اقامها الله اثبتها وابقاها - اھ (طحطاوی : ص ۱۱۰) - ويقول عند قد قامت الصلوة اقامها الله وادامها - اھ (درمختار) (قوله ويقول) اى كما رواه ابوداؤد بزيادة مادامت السموت والارض وجعلنى من صالحى اهلها - اھ (شامی : ج ۱ ص ۲۹۴) -

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۹ / ۷ / ۱۴۰۳ھ

مسجد سے باہر اکیلا نماز پڑھنے والا اذان کہے یا نہ ؟

اگر کسی نے اکیلے ہی نماز پڑھنی ہو مسجد سے باہر تو کیا اذان دے یا نہ ؟ بینوا توجروا۔

عتیق الرحمٰن ساہیوال

الجواب: آبادی میں اذان کا ترک جائز ہے بشرطیکہ محلہ میں اذان ہو چکی ہو۔ ولا یکرہ ترکھما لمن یصلی فی المصر اذا وجد فی المحلۃ۔ اھ (عالمگیری، ج ۱، ص ۲۹)۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ ہذا۔

ٹیپ سے نشر کی ہوئی اذان معتبر نہیں ہے

اگر اذان کے وقت بجائے تازہ اذان دینے کے حرم مکہ کی ریکارڈ کی ہوئی اذان لگا دی جائے تو کیا وہ اذان کے قائم مقام ہو جائے گی یا نہیں ؟

محمد انور ۲۴۳ نقشبند کالونی خانیوال روڈ ملتان

الجواب: ٹیپ سے نشر ہونے والی اذان شرعاً اذان مشروع کے حکم میں نہیں اس لئے سنت اذان ادا نہ ہوگی۔ حسب معمول مؤذن سے اذان کہلوائی جائے۔

وذکر فی البدائع ایضا ان اذان الصبی الذی لا یعقل لا یجزی ویعاد لان ما یصدر لا عن عقل لا یعتد بہ کصوت الطیور اھ (شامی، ج ۱، ص ۲۹۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان
۲۷/۱۱/۱۴۱۰ھ

چلتے ہوئے اذان سنائی دے تو کیسے جواب دے

بسا اوقات راستے میں چل رہے ہوتے ہیں کہ اذان کی آواز سنائی دیتی ہے ایسی صورت میں چلتے چلتے جواب دیتے رہیں یا رک کر جواب دیں ۔

الجواب

بہتر یہ ہے کہ رک جائیں اور اذان کا جواب دیتے رہیں فارغ ہونے پر چلنا شروع کر دیں۔ سمع الاذان وھو یمشی فالاولی ان یقف ساعة ویجیب کذا فی القنیة اھ (عالمگیری ج ۱ : ص ۲۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۷/۱۴۰۱ھ

تثویب کی عادت ڈال لینا مکروہ ہے

اذان دینے کے بعد جماعت کی نماز کے لئے " اللہ اکبر " کے الفاظ کے ساتھ یا " صلوۃ وسلام " کے ساتھ نمازیوں کو یا امام صاحب مثلاً مسجد میں نہیں ہیں حجرے میں ہیں ان کو بلانا صرف " اللہ اکبر " کے ساتھ کیسا ہے۔ جائز ہے یا نہیں ۔ اور کس طرح بلانا چاہیئے ۔ حوالہ کے ساتھ بیان فرمائیں ۔ بینوا توجروا۔

الجواب

آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں نماز کی اطلاع کے لئے اذان واقامت ہی کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ ان کے درمیان مزید کوئی عام اطلاع نہیں دی جاتی تھی۔ غائبین کے لئے اذان کافی ہے اور حاضرین کے لئے جماعت کی اطلاع دینے کو اقامت کافی ہے ۔ اذان اور اقامت کے درمیان اطلاع دینے کی عادت ڈال لینے کو علماء نے مکروہ کہا ہے ۔ (امداد المفتیین ، ج ۱ ،ص ۲۳۲) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۵/۱۴۰۲ھ

عورت بچے کے کان میں اذان دے سکتی ہے یا نہیں

۱ : نومولود بچے کے کان میں عورت اذان دے سکتی ہے یا نہیں۔ جب کہ عام اذان عورت کی مکروہ ہے۔

۲ : بچے کی ولادت کے بعد کتنی دیر تک اذان دے سکتے ہیں۔

محمد انور نقشبند کالونی ملتان

الجواب ۱ : اصل یہ ہے کہ نومولود کے کان میں کوئی مرد صالح اذان دے تاکہ صورتاً بھی کراہت نہ ہو۔ مراقی میں ہے۔

وکرها ای الاذان والاقامة للنساء لما روی عن ابن عمر رضی الله تعالی عنهما من کراهتهما لهن ۔ (ص ۱۰۵)۔ اس کی تعلیل علامہ طحطاوی رح یہ بیان کرتے ہیں۔ لان مبنی حالهن علی الستر ورفع صوتهن حرام الخ ۔
اس تعلیل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نومولود کے کان میں عورت اذان دے سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں نہ رفع صوت ہے اور نہ ہی یہ خلاف ستر ہے۔

۲ :۔ جب ولادت کے بعد غسل سے فراغت ہو جائے اسی وقت کانوں میں اذان و تکبیر کہی جائے۔ اگر کسی عذر سے یا بدوں عذر تاخیر ہو جائے تو جب بھی یاد آجائے کان میں اذان دے دی جائے۔ الحاصل کسی وقت کے فوت ہو جانے سے اذان ساقط نہیں ہوتی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۲/۱۲/۱۴۱۰ھ

عورت کے لئے تکبیر کہنا مکروہ ہے

عورت تکبیر کہہ سکتی ہے یا نہیں ؟

سائل محمد ادریس ٹوبہ ٹیک سنگھ

الجواب عورت کے لئے تکبیر کہنا مکروہ ہے۔ اما النساء فیکره لهن الاذان وکذا الاقامة لما روی عن انس وابن عمر

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم) من کراھتھما لھن اھ (شامی ج ۱، ص ۲۵۷)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۹۹/۷/۲ھ — مفتی خیر المدارس ملتان

اہلِ تشیع کی اذان کا جواب نہ دیا جائے

شیعہ کی اذان کا جواب دیا جائے یا نہ؟ سائل عبداللہ میانوالی۔

الجواب نہ دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۷/۱۴۰۰ھ۔

اذانِ فجر میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ ارشادِ نبوی سے ہوا ہے

"الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ فجر کی اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟ شیعہ کہتے ہیں یہ اضافہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ وضاحت فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں۔

سائل میاں فیض بخش بستی شاہ ستار آف مسلیمی

الجواب اذانِ فجر میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے ہوا ہے۔ اسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرنا حسب معمول اہلِ تشیع کا افتراء ہے۔

ویزید فی اذان الفجر بعد الفلاح الصلوٰۃ خیر من النوم مرتین لما روی ابن ماجۃ عن سعید بن المسیب عن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یؤذنہ بصلوٰۃ

الفجر فقيل هو نائم فقال الصلوة خير من النوم مرتين فاقرت في اذان الفجر وروى الطبراني في الكبير ثنا محمد بن علي الصائغ المكي ثنا يعقوب بن حميد ثنا عبد اللہ بن وهب عن يونس بن يزيد عن الزهري عن حفص بن عمر عن بلال انه اتى النبي صلى اللہ عليه وسلم يؤذنه بالصبح فوجده راقداً فقال الصلوة خير من النوم مرتين فقال النبي صلى اللہ عليه وسلم يا بلال اجعله في اذانك۔

(کبیری، ص۳۵۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان

۲۵ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ

اذان کے ساتھ "صلوٰۃ وسلام" پڑھنے کا رواج کب سے ہے

آج کل بعض لوگ اپنے آپ کو اہل السنت والجماعت حنفی بھی کہتے ہیں اور اذان سے پہلے "صلوٰۃ وسلام" بھی پڑھتے ہیں۔ کیا حنفی مذہب میں اس کی گنجائش ہے؟ نیز یہ بھی واضح کریں کہ یہ رسم کسی اہل سنت عالم نے جاری کی یا شیعہ نے؟

سائل ممتاز احمد قاسمی

متعلم الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام رضؓ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور میں مروجہ صلوٰۃ وسلام نہ اذان سے پہلے ہوتا تھا اور نہ بعد میں۔ بلکہ اذان "اللہ اکبر" سے شروع ہو کر "لا الہ الا اللہ" پر ختم ہوتی تھی۔ ۷۸۱ھ میں کچھ سرکاری لوگوں نے اسے اذان کے بعد پڑھنا شروع کیا۔ پھر مختلف ادوار میں کسی نہ کسی شکل میں اسے اذان کے ساتھ پڑھتے رہے۔ اب اذان سے پہلے پڑھنے کا رواج ہو گیا ہے۔ اس کے بدعت ہونے میں

کوئی شبہ نہیں ہے۔ والزیادة فی الاذان مکروهة (البحرالرائق ج۱ ص۲۶۱)

التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنة سبعمائة واحدی وثمانین فی عشاء لیلة الاثنین ثم یوم الجمعة ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیها مرتین اه (درمختار)۔ (قوله سنة ۷۸۱ھ) کذا فی النهر عن حسن المحاضرة للسیوطی ثم نقل عن القول البدیع للسخاوی أنه فی ۷۹۱ھ وان ابتداءه کان فی ایام سلطان الناصر صلاح الدین بامره۔ اه (شامیة ج۱ ص۲۸۷)۔

فقط واللہ أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۴/۱۴۱۰ھ

قرآن کا درس پڑھنے کے دوران اذان ہو جائے تو جواب کا حکم

تلاوتِ قرآن پاک کرتے ہوئے اگر اذان شروع ہو جائے تو جواب دینا ضروری ہے۔ یا تلاوت جاری رکھے۔ سائل مولوی عبیداللہ کبیر والا۔

الجواب اگر تعلیم و تعلم کے لئے پڑھ رہے ہوں تو قرأت جاری رکھیں اور اگر صرف تلاوت کر رہے ہیں تو تلاوت روک کر پہلے اذان کا جواب دیں۔ فارغ ہونے کے بعد پھر تلاوت شروع کر دیں۔

ویجیب وجوبًا وقال الحلوانی ندبا والواجب الاجابة بالقدم من سمع الاذان ولو جنبا لا حائضا ونفساء وسامع خطبة وفی صلوة جنازة وجماع ومستراح وأکل وتعلیم علم وتعلمه بخلاف قرآن اه۔ (درمختار)۔

(قوله بخلاف قرآن) لانه لا یفوت جوهرة ولعله لان

تکرار القرأة انما هو للاجر فلا یفوت بالاجابة بخلاف التعلم فعلی هذا لو یقرأ تعلیما او تعلما لا یقطع سائحانی اھ (شامی-ج۱-ص ۲۹۲)- فقط واللہ اعلم-

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷ ر۱۱ر۱۴۰۱ھ

اذان کے بعد کی دعا مانگنے کا فائدہ

اذان کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اس میں ہے وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہٗ جب یہ بات یقینی ہے کہ مقام محمود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو ملنا ہے تو پھر دعا کی کیا ضرورت ہے۔

سائل مولوی عبد اللہ شجاع آبادی

متعلم الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان۔

الجواب: ہمارے دعا مانگنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس دعا پر جس ثواب کا وعدہ ہے وہ ہمیں حاصل ہو جائے گا۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ و الصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ حلت لہ شفاعتی یوم القیمۃ (مراقی)- وفائدۃ ھذا الدعاء مع تحقق مدلولہ لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الامتثال او ترتب الثواب الموعود لقائلہ-اھ (طحطاوی ص ۱۱۱)- فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۹/۷ ر۳ر۱۴۰۳ھ

اذان سے پہلے "اعوذ باللہ" اور "بسم اللہ" پڑھنا

اذان سے پہلے "اعوذ باللہ الخ" اور اسی طرح "بسم اللہ الخ" بآواز بلند پڑھنا کیسا ہے؟

سائل آصف شاہ ملتان

الجواب فقہاء کرام رح نے جہاں اذان کے آداب ذکر کئے ہیں وہاں "تعوذ و تسمیہ" کا کوئی ذکر نہیں۔ نہ سرًا نہ جہرًا۔ بلکہ اذان کو "اللہ اکبر" سے شروع کر کے "لا الہ الا اللہ" پر ختم کیا ہے۔ اگر اس وقت تعوذ و تسمیہ بھی مسنون ہوتے تو فقہاء ضرور ذکر فرماتے۔ نیز بعض اہل بدعت اس کا التزام کرتے ہیں اس لئے بھی درست نہیں کیونکہ رفتہ رفتہ یہ بدعت بن جائے گی۔ والزیادۃ فی الاذان مکروھۃ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۱)۔

الاذان خمس عشرۃ کلمۃ واٰخرہ عندنا لا الہ الا اللہ کذا فی فتاوی قاضی خان وھی اللہ اکبر اللہ اکبر۔ الخ (عالمگیری ج ۱ ص۵۵)

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۰۵/۵/۱۴ھ

مغرب کی "اذان" اور "اقامت" میں کتنا وقفہ کرنا چاہیئے

مغرب کی اذان اور اقامت میں کتنا فاصلہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل مولوی عبدالمطیع مستی بلوچستان

الجواب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت پڑھ سکنے کی مقدار یا تین قدم چلنے کے وقت کی مقدار وقفہ کرنا چاہیئے۔

واما فی المغرب فعند ابی حنیفۃ بسکتۃ قدر ثلث اٰیات قصار او اٰیۃ طویلۃ وقیل قدر ما یخطو ثلث خطوات وقالا بجلسۃ خفیفۃ والاصل ان الوصل بین الاذان والاقامۃ یکرہ فی کل صلوۃ لما روی الترمذی عن جابر رض ان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم قال لبلال اذا اذنت فترسل و اذا اقمت فاحدر واجعل بین اذانک واقامتک قدرمایفرغ الأکل من أکلہ فی غیر المغرب والشارب من شربہ والمعتصر اذا دخل لقضاء حاجتہ وھوان کان ضعیفا لکن یجوز العمل بہ فی مثل ھذا الحکم قالوا قولہ قدر مایفرغ الأکل من اکلہ فی غیر المغرب ومن شربہ فی المغرب وذلک یحصل فی سائر الصلوۃ بالسنۃ او مایشبھھا لعدم کراھۃ التطوع قبلھا بخلاف المغرب لکراھۃ التطوع قبلھا ثم قالا الجلسۃ تحقق الفصل لانھا شرعت لہ کما بین الخطبتین ولا یقع الفصل بالسکتۃ المذکورۃ لانھا قد توجد بین کلمات الاذان وابوحنیفۃ یقول قد امرنا بتعجیل المغرب والفصل بالسکتۃ اقرب الی التعجیل والمکان ھنا مختلف لانہ ینتقل عن مکان الاذان فی الغالب لانہ انما یکون فی المدینۃ اوخارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ وکذا النغمۃ فیھا مختلفۃ والھیئۃ فانہ یشفع الاذان ویوتر الاقامۃ صوتا بخلاف الخطبتین لاتحاد المکان والھیئۃ فلا یقع الفصل ھناک الا بالجلسۃ وفی الخلاصۃ ولو فعل کما قالا لایکرہ عندہ ولوفعل کما قال لا یکرہ عندھما فعلم ان الخلاف فی الافضلیۃ وفی الجامع الصغیر قال یعقوب یعنی ابا یوسف یؤذن ویقیم ولا یجلس انتہی۔ (کبیری، ص ۳۶۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۲/ ۹/ ۱۴۰۸ھ

بے وضو اذان کہنے کا حکم

بغیر وضو کے اذان پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بعض دفعہ مجبوری ہوتی ہے کہ جماعت کا ٹائم قریب ہوتا ہے اور اذان نہیں ہوئی ہوتی ۔ بینوا توجروا۔

سائل مولوی عبدالغفار نعمانی ۔ بستی ملوک ملتان

الجواب ایسے وقت میں بے وضو بھی کہہ سکتے ہیں مگر معمول نہ بنائیں ۔ ولا یکرہ اذان المحدث فی ظاهر الروایة هکذا فی الکافی ۔ اھ

(عالمگیری : ج۱ ، ص۵۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴-۳-۱۴۰۴ھ

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب

جمعہ میں جو دوسری اذان ہوتی ہے اس کا جواب دینا جائز ہے یا خاموشی بہتر ہے ؟

سائل ، محمد فہیم : شادمان کالونی لاہور

الجواب جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دل میں دے لے زبان سے نہ دے ۔ وینبغی ان لا یجیب بلسانه اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب اھ (درمختار علی الشامیة : ج۱ ، ص ۲۹۴)۔فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴/۳/۱۴۰۹ھ

مغموم کے لئے کان میں اذان کہلوانے کا حکم

ایک آدمی بہت بیمار رہتا ہے تو اس کو ایک عامل نے کہا کہ جب آپ کی طبیعت زیادہ مغموم ہو تو اپنے کان میں کسی سے اذان کہلا یا کرو انشاء اللہ پریشانی جو بیماری کی وجہ سے ہے وہ سب دور ہو جائے گی ۔ آیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب مغموم ومہموم کیلئے کان میں اذان کہلوانا مسنون لکھا ہے اہل تجربہ سے منقول ہے کہ یہ عمل رفع غم کیلئے موثر ہے ۔ وقال الملا علی القاری فی شرح المشکوٰۃ قالوا یسن للمهموم ان یأمر غیره ان یؤذن فی اذنه فانه یزیل الهم کذا عن علی رضی الله تعالیٰ عنه ونقل الاحادیث الواردة فی ذلك فراجعه ۔ اھ

شامی ، ج ۱ ، ص ۲۸۳ ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۹ / ۴ / ۱۴۰۲ ھ

"لا الٰہ الا اللہ" کے جواب میں "محمد رسول اللہ" ملانے کا حکم

اختتام اذان پر مؤذن کے آخری جملہ کے جواب میں " لا الٰہ الا اللہ " کے ساتھ " محمد رسول اللہ " کہنا احداث فی الدین ہے یا نہیں ؟

سائل عبد الرحیم لیہ

الجواب حدیث میں ہے کہ جواب دینے والا وہی کلمہ کہے جو مؤذن کہتا ہے " لا الٰہ الا اللہ " کے جواب میں ساتھ " محمد رسول اللہ " کا اضافہ کرکے جواب دینا خلاف سنت ہے ۔ بلکہ احداث فی الدین ہے ۔ ویجیب وجوبا وقال الحلوانی ندبا الخ بان یقول بلسانه کمقالته اھ (درمختار) (قوله کمقالته) ای مثلها فی القول لا فی الصفة من رفع صوت ونحوه اھ

(شامی : ج ۱ : ص ۲۹۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۳ / ۶ / ۱۴۱۰ ھ

جنبی کو اذان کا جواب دینا چاہیئے

جنبی اور محتلم آدمی اذان کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں ۔ علماء سے سنا ہے کہ اذان نہیں پڑھ

سکتاہے۔کیا جواب اذان بھی نہیں دے سکتا؟

محمد ادریس ٹوبہ ٹیک سنگھ

الجواب جنبی کو اذان کا جواب دینا چاہیے۔ ومن سمع الاذان فعلیہ ان یجیب وان کان جنبا لان اجابۃ الاذان لیس باذان۔اھ (خلاصۃ الفتاوی: ج ۱، ص ۵ - وکذا فی الشامیۃ ج ۱، ص ۲۹۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان : ۱۹/ ۲/ ۱۴۰۲ھ

تکبیر میں "قد قامت الصلوٰۃ" کے دونوں کلمے ایک سانس سے کہے

ا : تکبیر کس طرح پڑھنی چاہیے۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہر دو کلمے اکٹھے پڑھے سوائے "قد قامت الصلوٰۃ" کے۔ کہ ان کے درمیان سانس توڑے۔ بحوالہ مشکوۃ شریف۔

ب : اور بندہ تکبیر میں "اللہ اکبرُ اللہ اکبر" پڑھتا ہے یعنی پہلے اکبر پر پیش اور دوسرے پر جزم۔ اس طرح دوسرے کلمے بھی ملا کر پڑھے جاتے ہیں ان کلمات کے پہلے کلمہ کے آخری حرف پر پیش دوسرے پر جزم پڑھتا ہوں۔ تو وہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں۔

ج : اور تکبیر میں دائیں بائیں منہ پھیرنا امداد الفتاوی جلد اول میں لکھا ہے وہ کہیں بھی شائع نہیں کیا وجہ ہے کوئی اختلاف ہے۔

رب بھروسے عطر فروش

مین بازار میانچنوں ضلع ملتان

الجواب ا : قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ ایک ہی سانس میں ہے۔ کیونکہ پوری اقامت میں حدر مطلوب ہے۔ در مختار میں ہے۔

ھی ای الاقامۃ افضل منہ فتح ولا یضع المقیم اصبعیہ فی اذنیہ لانہا اخفض ویحدر بضم الدال ای یسرع فیہا فلو

متوسل لم يعدها في الاصح. (شامی ج ۱ : ص ۲۸۶)۔

حدر اور ترسل متقابل ہیں۔ اذان میں ترسل مطلوب ہے اور اقامت میں حدر۔ چونکہ قد قامت الصلوٰۃ کا استثناء نہیں کیا اس لئے پوری اقامت میں حدر ہوگا اور مشکوٰۃ شریف والی حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے۔

ب : پہلے اللہ اکبر کی راء کو ساکن پڑھے باقی کلمات میں بھی پہلے کلمہ کے اخیر کو ساکن پڑھے۔

وفی الامداد یجزم الراء ای یسکنها فی التکبیر (وفی موضع آخر) وحاصلها ان السنة ان یسکن الرّاء من الله اکبر الاول او یصلها بالله اکبر الثانیة فان سکنها کفی وان وصلها نوی السکون فحرك الرّاء بالفتحة - اھ (شامی ج ۱ ص ۲۸۴)۔

ج : بہتر ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷/۱۰/۱۳۹۵ھ

اذان میں "حیّ علیٰ خیر العمل" کا اضافہ اہلِ تشیع کی بدعت ہے

ہمارے گاؤں میں مولانا عبدالستار تونسوی مدظلہٗ نے تقریر کی اور دورانِ تقریر کہا کہ شیعوں کی اذان کا قرآن وحدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔ تو اس پر اگلے دن شیعہ نے جواب دیا کہ دیکھو تمہاری کتاب "موطأ امام محمدؒ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اذان میں " حی علیٰ خیر العمل " کہتے تھے۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ درست ہے ؟

امیر الدین ، باقر شاہ ، تحصیل علی پور

الجواب : شیعہ مذکور کی بات درست نہیں۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو اذان منقول ہے اس میں کسی صحیح روایت میں " حی علیٰ خیر العمل " کا اضافہ مذکور نہیں۔

قال البیہقیؒ لم یثبت هذا اللفظ عن رسول الله صلی الله علیه وسلم

فی ما علّم بلالاً و ابا محذورة و نحن نکرہ الزیادة فیہ ۔ اھ

امام بیہقی رہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال اور حضرت ابومحذورہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہما) کو جو اذان سکھلائی اس میں کہیں یہ لفظ ثابت نہیں اور ہم بھی اسے ناپسند سمجھتے ہیں۔

قال النووی رہ فی شرح المہذب یکرہ ان یقال فی الاذان حی علی خیر العمل لانہ لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والزیادة فی الاذان مکروھة عندنا ۔

علامہ نووی رہ شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ اذان میں " حی علیٰ خیر العمل " کا لفظ مکروہ ہے اس لئے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰة والسلام سے ثابت نہیں ۔ اور اذان میں کوئی کلمہ زیادہ کرنا مکروہ ہے ۔

وفی منہاج السنة لاحمد بن عبد الحلیم الشہیر بابن تیمیہ رہ ہم ای الروافض زادوا فی الاذان شعارا لم یکن یعرف علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو حی علی خیر العمل ۔

علامہ ابن تیمیہ رہ منہاج السنة میں فرماتے ہیں کہ اہل تشیع نے " حی علیٰ خیر العمل " کے کلمہ کو اپنی طرف سے اذان میں اپنا شعار بنالیا ہے یہ آنحضرت علیہ الصلوٰة والسلام کے زمانہ میں کہیں نہ تھا ۔

اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے بارے میں یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رض یہ کلمہ بطور تثویب کہتے تھے ۔ تثویب کا معنی ہے اذان واقامت کے درمیانی وقفہ میں کسی لفظ یا عمل سے جماعت کی دوبارہ اطلاع دینا ۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ بھی جائز ہے یا نہیں ۔ لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما اس کلمہ کو اذان کے جزء کے طور پر ہرگز نہ کہتے تھے ۔

آنحضرت علیہ الصلوٰة والسلام کے مؤذن جنہوں نے براہِ راست آنحضرت علیہ الصلوٰة والسلام سے اذان سیکھی اور آپ کی خدمتِ اقدس میں ایک عرصہ تک اذان دیتے رہے ان کی اذان میں کہیں یہ لفظ منقول نہیں ۔ اگر یہ اضافہ ہوتا تو ضرور کہیں نہ کہیں منقول ہوتا ۔

ونحن نعلم بالاضطرار ان الاذان الذی کان یؤذنه بلال وابن ام مکتوم فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة وابو محذورة بمکة وسعد القرظی فی قباء لم یکن فی اذانہم ھذا الشعار الرافضی ولوکان فیه لنقله المسلمون ولم یہملوه کما نقلوا ما ھو ایسر منه فلما لم یکن فی الذین نقلوا الاذان من ذکر ھذه الزیادة علم انہا بدعة باطلة وھؤلاء الاربعة کانوا یؤذنون بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومنه تعلموا الاذان وکانوا یؤذنون فی افضل المساجد مسجد مکة و المدینة ومسجد قباء واذانہم متواتر عند العامة و الخاصة۔ اھ (کلها من التعلیق الممجد علی مؤطا محمدؒ ص ۸۴)۔

بحر الرائق میں ہے۔

"یکره ان یقال فی الاذان حی علی خیر العمل لانه لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والزیادة فی الاذان مکروهة؟ وقد سمعناه الأن عن الزیدیة ببعض البلاد۔ اھ (ج ۱۔ ص ۲۷۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۲۔۔۔۔۔۳۔۔۔۔۔۱۴۱۱ھ

مایتعلق بصفة الصلوٰة

پہلے ہاتھ اٹھائیں پھر تکبیر کہیں

تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کب اٹھانے چاہئیں۔ پہلے یا بعد میں یا ساتھ ساتھ؟

الجواب تینوں قول منقول ہیں۔ پہلے کا بھی، بعد کا بھی، ساتھ ساتھ کا بھی۔ لیکن راجح یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے۔ ورفع یدیه قبل التکبیر وقیل معه۔ اھ (درمختار)۔

(قوله قبل التکبیر وقیل معه) الاول نسبه فی المجمع الی ابی حنیفة رح ومحمد رح وفی غایة البیان الی عامة علمائنا وفی المبسوط الی اکثر مشائخنا وصححه فی الهدایة والثانی اختاره فی الخانیة والخلاصة والتحفة والبدائع والمحیط بان یبدأ بالرفع عند بداءته التکبیر ویختتم به عند ختمه وعزاه البقالی الی اصحابنا جمیعا ورجحه فی الحلیة وثمة قول ثالث وهو انه بعد التکبیر والکل مروی عنه علیه الصلوٰة والسلام وما فی الهدایة اولی کما فی البحر والنهر ولذا اعتمده الشارح فافهم۔ اھ (شامیة: ج ۱ ص ۴۵۰)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

صلوات خمسہ کا ثبوت قرآن مجید سے

پانچ وقت کی نمازیں قرآن شریف سے ثابت ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو کس کس جگہ سے ثابت ہیں۔

سائل: عتیق الرحمن ۸۸/۵ آر ساہیوال۔

الجواب: پانچ نمازیں تواتر معنوی اور احادیث مشہورہ سے بطورِ قطعی ثابت ہیں حتی کہ ان کا منکر کافر ہے اور قرآن مجید سے بھی اشارۃً ثابت ہوتی ہیں۔

۱: فاصبر علی ما یقولون وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ومن آنائ اللیل فسبح واطراف النهار لعلك ترضیٰ الخ (آخری رکوع سورۃ طٰہٰ)۔

قبل طلوع الشمس سے فجر قبل الغروب سے عصر ومن اناء اللیل سے مغرب وعشاء اور اطراف النهار سے ظہر کی نماز ثابت ہے۔ کیونکہ اس وقت دن کے نصفِ اوّل اور نصفِ آخر کی حدیں ملتی ہیں۔

۲: فاصبر علی ما یقولون وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ومن اللیل فسبحه وادبار السجود۔ (سورۃ قٓ)

"قبل طلوع" سے مراد فجر "قبل الغروب" سے ظہر اور عصر "من اللیل" سے مغرب اور عشاء مراد ہیں۔

۳: أقم الصلوۃ لدلوك الشمس الی غسق اللیل و قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهوداً۔ (سورۃ بنی اسرائیل)۔

لدلوك الشمس الی غسق اللیل میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور قرآن الفجر میں صبح کی نماز آگئی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں بطور اشارہ صلوات خمسہ کا ثبوت ملتا ہے۔ احادیث نبویہ جو قرآن کریم کی شرح ہیں وہ بصراحت دال ہیں اسی طرح تواترِ معنوی اور امت کا اجماع پانچ نمازوں کی فرضیت پر منعقد ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان
۲۰ صفر ۱۳۶۹ھ

مروجہ طریق پر نیت کرنے کا حکم تکبیر تحریمہ سے قبل نماز کی نیت باندھنا۔ بایں الفاظ کہ دو رکعت یا چار رکعت فرض وقت ظہر یا عصر وغیرہ پیچھے اس امام کے اللہ اکبر۔ کیا رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس طرح نیت باندھنے کا صحابہؓ کو حکم دیا ہے۔ اور کیا صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے اس طرح نیت باندھا کرتے تھے؟

الجواب دل سے نیت کرنا فرض ہے۔ زبان سے مروجہ طریق کے مطابق نیت کرنا نہ فرض ہے اور نہ ہی واجب۔ البتہ متاخرین نے دونوں کو حاضر کرنے اور جمع کرنے کی بنا پر مستحب[1] قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں بحث و منازعت غیر مناسب ہے جو زبان سے نیت کرے اس پر بھی نکیر نہ کی جائے اور جو دل سے نیت کرے وہ بھی سنت کا عامل ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۸ / ۴ / ۱۳۸۴ھ

[1] درمختار میں شروط صلوۃ میں ہے۔

والخامس النية (الى قوله) والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للارادة فلا عبرة للذكر باللسان ان خالف القلب لانه كلام لا نية الا اذا عجز عن احضاره لهموم اصابته فيكفيه اللسان (مجتبی)۔ (وهو) اى عمل القلب ان يعلم عند الارادة بداهة بلا تأمل (اى صلوة يصلى) فلو لم يعلم الا بتأمل لم يجز والتلفظ عند الارادة بها مستحب هو المختار وتكون بلفظ الماضى ولو فارسيا لانه الاغلب فى الانشاآت وتصح بالحال قهستانى وقيل سنة يعنى احبه السلف اوسنة علمائنا اذلم ينقل عن المصطفىؐ ولا الصحابةؓ ولا التابعينؒ بل قيل بدعة۔ (درمختار على الشامى، ج ۱: ص ۳۰۵)۔

(قوله بل قيل بدعة) نقله فى الفتح وقال فى الحلية و

لعل الاشبه انه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة لان الانسان قد يغلب عليه تفرق خاطره وقد استفاض ظهور العمل به فی کثیر من الاعصار فی عامة الامصار فلاجرم أنه ذهب فی المبسوط والهداية والكافی الی أنه أن فعله لیجمع عزيمة قلبه فحسن فيندفع ماقیل انه یکره ۔

(شامی ج ۱: ص ۳۰۶)

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاوی

ریل گاڑی میں بھی قیام فرض ہے

ریل گاڑی میں بوجہ کثرت ہجوم کے فرض نماز بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب ریل گاڑی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے اگر باوجود کوشش کے جگہ نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے لیکن اس کا اعادہ لازم ہوگا ۔

کما يفهم من فتاوی قاضی خان و الخلاصة الاسیر فی ید العدو اذا منعه الكافر عن الوضوء و الصلوة يتيمم ويصلی بالایماء ثم یعید اذا خرج الی قوله كالمحبوس لان الطهارة لم تظهر فی منع وجوب الاعادة ثم قال فعلم منه ان العذر ان كان من قبل الله تعالى لا تجب الاعادة وان كان من قبل العبد وجب الاعادة ۔ (بحرالرائق ، ص ۱۴۹/۱) ۔

حاصل یہ ہے کہ پہلے ان لوگوں سے جگہ کی درخواست کی جائے ۔ اگر وہ جگہ نہ دیں تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے بعد میں اس کا اعادہ کرے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ	معین مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان	۲۹ / ۱ / ۱۳۷۹ ھ

فرمانِ نبوی "لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع" کا حوالہ

گزارش ہے کہ اس مضمون کی حدیث میری یاد میں آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک گروہ آیا انہوں نے کہا کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھیں گے تو آپ نے ان کو مسترد کر دیا۔ پھر ایک گروہ آیا انہوں نے کہا کہ ہم سلام قبول کرتے ہیں مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے تو آپ نے ان کا اسلام قبول کر لیا جب یہ لوگ واپس چلے گئے تو آپ نے ان کے پیچھے فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں تو زکوٰۃ بھی دیں گے۔

اس مضمون کی حدیث یاد آتی ہے مگر چند کتب احادیث میں تلاش کرنے پر نہیں ملی۔ آپ اس کا حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب عن وهب قال سألت جابرا عن شان ثقيف اذ بايعت قال اشترطت على النبي صلى الله عليه وسلم ان لا صدقة عليها ولا جهاد وانه سمع النبي صلى الله عليه وسلم بعد ذلك يقول يتصدقون و يجاهدون اذا اسلموا وفي رواية فاشترطوا عليه ان لا يحشروا ولا يعشروا ولا يجبوا (اي لا يصلوا) فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لكم لا تحشروا ولا تعشروا ولا خير في دين ليس فيه ركوع - (ابوداؤد شريف باب ماجاء في خبر الطائف ج ۲، ص۷۳)۔

قال الخطابي يشبه ان يكون النبي صلى الله عليه وسلم سمح لهم بالجهاد و الصدقة لانهما لم يكونا واجبين في العاجل له اه (حاشيه ۵ ص ۷۲، ج ۲)۔ فقط والله اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵/۳/ ۱۴۰۱ھ

ترجمہ حدیث :- وہب فرماتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثقیف کی بیعت کا واقعہ

پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ثقیف نے یہ شرط لگائی تھی کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیں گے اور جہاد نہیں کریں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب یہ مسلمان ہوگئے تو خود بخود زکوٰۃ بھی دینے لگ جائیں گے اور جہاد بھی کرنے لگیں گے۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ انہوں نے شرط لگائی کہ وہ جہاد میں نہیں جائیں گے اور صدقہ نہیں دیں گے اور نماز نہیں پڑھیں گے۔ تو آپ نے فرمایا چلو جہاد میں نہ جانا، صدقہ نہ دینا لیکن جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی خیر نہیں۔

علامہ خطابی رح فرماتے ہیں کہ آپ نے جہاد اور صدقہ کے بارے میں اس لئے نرمی فرمائی کیونکہ یہ فوری واجب نہیں ہوتے بخلاف نماز کے۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ٢٠/١/١٤١١ھ

بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع کے لئے کتنا جھکے

بیٹھ کر نماز پڑھنے والا سر کو کس قدر جھکائے تاکہ رکوع ادا ہو جائے۔

الجواب: استحباب تو یہ ہے کہ سر اتنا جھکائے کہ گھٹنوں کے برابر ہو جائے ویسے اس سے کم ہو تو بھی رکوع ادا ہو جائے گا۔

ولو كان يصلي قاعدا ينبغي ان يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع اه قلت ولعله محمول على تمام الركوع و الا فقد علمت حصوله باصل طأطاة الرأس اى مع انحناء الظهر. اه (شامی ج١، ص٤١٦) ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ٢/١٢/١٣٩٨ھ

منقش جانماز پر نماز ادا کرنا

خدام الدین رسالہ میں پڑھا ہے کہ آج کل جو جانماز مساجد میں بچھائے جاتے ہیں ان میں سے ایک پہ بیت اللہ شریف اور دوسرے پہ جرمنی کے ایک گرجے کی تصویر ہوتی ہے۔ کیا ایسی جانمازوں پہ نماز پڑھنا

درست ہے ؟ ——— سائل محمد صدیق چک ۷۷، کمروڑلیہ۔

الجواب اصل تو یہ ہے کہ جا نماز بالکل سادہ ہو اس پر کسی طرح کے بھی نقش و نگار نہ ہوں تاکہ دل ان کی طرف مائل نہ ہو۔ (امداد المفتیین ص ۲۴۳، ج ۱۔

اگر ان جا نمازوں پر دوسری تصویر گرجے کی ہوتی ہے تو انہیں ہرگز استعمال نہ کریں۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۱/۱۱/۱۴۱۱ھ

کوزہ پشت رکوع کیسے کرے

ایک آدمی کبڑا ہے۔ اور کبڑے پن کی وجہ سے ہر وقت ایسے رہتا ہے جیسے رکوع میں ہو۔ تو جب یہ نماز پڑھے تو رکوع کیسے کرے ؟

الجواب اگر پہلے ہی اتنا جھکا ہوا ہو جتنا رکوع میں جھکتے ہیں تو ایسا شخص سر کے اشارے سے رکوع کرے یعنی رکوع کے لئے سر کو نیچے جھکا لے " والاحدب اذا بلغت حدوبته الركوع يشير برأسه للركوع ۔اھ كذا في الخلاصة۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۳۶)۔ فقط واللہ أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۔ ۳/۶/۱۴۰۸ھ

امام مالکؒ کا مذہب ارسال ہی کا ہے

آج سے کئی سال قبل آپ نے فرمایا تھا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ہاتھ چھوڑ کر نماز نہیں پڑھی بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے تھے تو باندھنے سے معذور تھے۔ لیکن بیت اللہ شریف میں بعضوں کو ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے دیکھا ہے ۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مالکی ہیں۔ تو پیشوا اور پیروؤں میں یہ تضاد کیوں ہے ؟

الحاج صوفی عطاء اللہ میانچنوں

الجواب امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ارسال ہی کا ہے۔ اگر ہم نے کبھی پہلے ایسا لکھا ہے تو اس تحریر کی نقل بھیج دیں تاکہ اس پر غور کیا جاسکے۔" وقال مالک رح السنۃ ھی الارسال۔اھ (بدائع ج ۱ ص ۲۰۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۰/۷/۱۴۱۰ھ

امام بھی آہستہ آمین کہے

امام الحمد للہ کے بعد آمین پڑھے یا نہ۔ یہ ثابت ہے یا کہ نہیں؟ اس میں کوئی اختلاف ہو تو وہ بھی لکھیں۔

الجواب امام بھی آہستہ آمین کہے۔

وأمن الامام سرًا کمأموم ومنفرد۔اھ (درمختار)

(قولہ الامام سرًا) اشار بالاول الی خلاف مالک رح فی تخصیص المؤتم بالتأمین دون الامام وھو روایۃ الحسن عن الامام وبالثانی الی خلاف الشافعی رح انہ یأتی بھا کل منھما جھرًا وقولہ کمأموم ومنفرد محل اتفاق۔اھ (شامی ج ۱ ص ۴۶۰)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی | ۱۴۱۰/۷/۱۲ھ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

بیمار کو نماز کیلئے کس طرح لٹایا جائے

ایک شخص بیمار ہے وہ بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس کو نماز پڑھنے کے لئے کس کیفیت پر لٹایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب اس کو چت لٹا دیا جائے پاؤں قبلہ کی طرف کر دیئے جائیں۔ سر کے نیچے کوئی تکیہ وغیرہ رکھ دیا جائے۔

وان تعذر القعود اومأ بالرکوع والسجود مستلقیا علی ظھرہ

وجعل رجليه الى القبلة الى ان قال وان اضطجع على جنبه ووجهه الى القبلة واومأ جاز والاول اولى اھ (عالمگیری ج۱ ص ۷۰)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۳۹۶ھ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جوتے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم

کیا جوتوں کے اوپر کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں جب کہ کھڑے بھی ایسی جگہ ہوں جس کے پاک ہونے کا کوئی یقین نہ ہو۔ باحوالہ جواب سے مستفید فرمائیں۔

سائل بلال احمد بلاک چیچہ وطنی

الجواب جوتے کا قدم کو لگنے والا حصہ پاک ہو تو اس کے اوپر کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں خواہ نجاست پر ہی کھڑے ہوں۔

ولو قام على النجاسة وفى رجليه نعلان اوجوربان لم يجز صلوته كذا فى محيط السرخسى ولو خلع نعليه وقام عليهما جاز سواء كان مايلى الارض منه نجسا او طاهرًا اذا كان مايلى القدم طاهرا۔ اھ (عالمگیری ج۱ ص ۶۲)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا ۳/۳/۳/۱۴۰۳ھ

درودِ پاک میں "سیدنا" کے اضافے کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک **محمد** سے پہلے سیدنا پڑھنے کی مجھے عادت ہو چکی ہے چنانچہ میں نماز میں بھی ایسے ہی پڑھتا ہوں ایک دو نمازی اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ نماز کی کتاب میں نہیں ہے لہٰذا تم نہ پڑھو۔ آپ ارشاد فرمائیں کہ میں پڑھا کروں یا

چھوڑ دوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: لفظ سیدنا کے اضافہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن تشہد میں جیسے وارد ہے (یعنی بلا لفظ سیدنا) ویسے ہی پڑھنا بہتر ہے[1]۔ (فتاوی دار العلوم ج ۲ ص ۱۶۹)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا | بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی

---

[1] :- وندب السيادة لان زيادة الاخبار بالواقع عين سلوك الادب فهو افضل من تركه ذكره الرملي الشافعي وغيره - (درمختار)-

(قوله ذكره الرملي الشافعي) اي في شرحه على منهاج النووي ونصه والافضل الاتيان بلفظ السيادة كما قاله ابن ظهيرة وصرح به جمع وبه افتى الشارح لان فيه الاتيان بما امرنا به وزيادة الاخبار بالواقع الذي هو ادب فهو افضل من تركه وان تردد في افضليته الاسنوي واما حديث لا تسيدوني في الصلوة فباطل لا اصل له كما قاله بعض متأخري الحفاظ وقول الطوسي انها مبطلة غلط۔اھ واعترض بان هذا مخالف لمذهبنا لما مر من قول الامام من انه لو زاد في تشهده او نقص فيه كان مكروها قلت فيه نظر فان الصلوة زائدة على التشهد ليست منه نعم ينبغي على هذا عدم ذكرها في " واشهد ان محمداً عبده ورسوله " وانه يأتي بها مع ابراهيم عليه السلام - (شامي: ج ۱، ص ۳۷۹)- فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۲ / ۱ / ۱۴۱۱ھ

جو کھڑا ہو سکتا ہو مگر رکوع و سجود نہ کر سکتا ہو تو وہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرے

ایک عورت کمزور و ناتواں ہے وہ کھڑی ہو جائے تو بیٹھ نہیں سکتی۔ اگر بیٹھے تو کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اگر بیٹھے تو سجدہ نہیں کر سکتی۔ سجدہ کرے تو اٹھ نہیں سکتی۔ وہ کس طرح نماز ادا کرے؟

گلزار احمد ایم اے جناح ہائی سکول ملتان

الجواب مذکورہ عورت بیٹھ کر نماز پڑھے رکوع وسجود اشارہ سے ادا کرے۔ سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ پست ہو۔

وان قدر علی القیام ولم یقدر علی الرکوع والسجود لم یلزمہ القیام ویصلی قاعدا یؤمی ایماء الی ان قال والافضل ھو الایماء قاعدا لانہ اشبہ بالسجود اھ (شامی ج۱ ص ۱۴۲)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۲۲ شوال احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی ۱۳۹۹ھ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ایام علالت میں آنحضرت علیہ السلام نے آخری نماز ٹوپی سے ادا کی یا عمامہ سے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایام بیماری میں جب ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر پر عمامہ تھا یا ٹوپی؟

الجواب سیرت محمدیہ میں ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وروی الطبرانی والبیہقی عن الفضل ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدوا راسی لعلی اخرج الی المسجد فشدوا راسہ بعصابۃ ثم خرج اھ (ص ۵۲۶)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

امام سے پہلے نماز شروع کردی پھر امام کی تکبیر کے بعد دوبارہ تحریمہ کہی تو نماز کا حکم

ایک آدمی نے امام سے پہلے نماز کی نیت باندھ لی یہ شخص قیام میں کھڑا ہوگیا مگر امام نے اللہ اکبر کہا تو اس نے فوراً سوچا کہ میں نے امام سے پہلے نیت کرلی ہے اب اس نے ہاتھ باندھے ہوئے صرف ایک بار اللہ اکبر کہہ دیا اور نماز امام کے ساتھ پوری کرلی تو کیا اس شخص کی شرعاً نماز درست ہوگئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب بہ نیت اقتداء تکبیر تحریمہ کہنے سے اقتداء صحیح ہوگئی اور پہلی نماز ختم ہوگئی پس شخص مذکور کی نماز درست ہے۔

فی الدر یفسدها انتقاله من صلوٰة الی مغایرتها ولو من وجه حتی لوکان منفردا فکبر ینوی الاقتداء اوعکسه صار مستأنفا۔ اھ (شامی ج۱ ص۴۱۹)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲۷ محرم ۱۴۰۲ھ

جعلت قرة عینی فی الصلوٰة کا حوالہ

نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یہ ترجمہ حدیث کا کسطرح ہے۔ اس کا ماخذ مطلوب ہے۔

الجواب یہ بھی صحیح ہے اصل الفاظ جعلت قرة عینی فی الصلوٰة ہیں۔ کما فی المنبہات لابن حجر عسقلانی ص۱۹ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

نماز کا مومن کے لئے معراج ہونا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں

۱ : ہم نے اکثر سنا ہے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے لیکن ہمارے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے۔

۲ : پل صراط بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز اور مکھن سے زیادہ ملائم ہے۔ یہ بھی وہ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ بھی ٹھیک نہیں۔

الجواب ۱ : نماز کا مؤمن کے لئے معراج ہونا بالفاظ صریحہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں لیکن یہ مضمون بعض صحیح روایات سے مفہوم ہوتا ہے۔ اس طرح کہ معراج قرب خداوندی کا نام ہے۔ اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بندہ کو سب سے زیادہ قرب خداوندی سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔

۲ : پل صراط کا بال سے زیادہ باریک ہونا اور تلوار سے زیادہ تیز ہونا حضرت انس و حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مسلم شریف میں ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بیہقی میں ہے۔ البتہ حدیث انس رض کی سند میں کچھ ضعف ہے۔

قال ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بلغنی ان الجسر ادق من الشعر واحد من السیف۔ (مسلم)۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ اس پر "فتح الملہم" میں لکھتے ہیں۔

و وصلہ البیہقی عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجزوما بہ وفی سندہ لین۔ (ج ۱ ص ۳۳۵)۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ اور دیگر سلف سے بھی پل صراط کی یہی کیفیت منقول ہے۔ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقات میں اسے صحیح تسلیم کیا ہے؛ والمتکلمون من اصحابنا والسلف یقولون انہ ادق من الشعر واحد من السیف وھکذا جاء فی روایۃ ابی سعید (مرقات ج ۱ ص ۲۷۱)

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۳ ,۲ ,۱۳۹۰ھ

نماز میں بار بار شک ہو تو کیا کرے

جس کو عادۃً شک ہوتا ہو اسے اقل رکعات پر عمل کرنے کا حکم ہے یہ شک وشبہات سے کیسے بچ سکتا ہے ظاہر ہے کہ یہ تو اسی اقل رکعت ہی کو اختیار کرے گا اور اس طریقے سے اس کو وہم ہوتا ہی رہے گا اب ایسی کیا صورت ہو کہ وہم بھی ختم ہو جائے اور نماز کا حکم بھی پورا ہو جائے۔

سائل غلام مصطفٰی

مدرسہ عربی رائے ونڈ ضلع لاہور

الجواب

اگر نماز میں ایک دو بار شک ہو اور غلبۂ ظن نہ ہو سکے تو اقل رکعات پر بناء کرے اور اس پر بھی زائد ہو تو اسے توہم محض پر محمول کرے اور اس کی طرف التفات نہ کرے گا یہ وسوسہ شیطانی ہوتا ہے۔

عن القاسم بن محمد ان رجلا سأله فقال انی اھم فی صلوتی فیکثر ذلک علی فقال له امض فی صلوتك فانه لن یذھب ذلك عنك حتی تنصرف وانت تقول ما اتممت صلوتی اھ رواه مالك (مشکوۃ ج ۱ ص ۱۹)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہٰذا	نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

اگر مقتدیوں نے عمامہ باندھا ہو اور امام نے صرف ٹوپی پہنی ہو تو نماز کا حکم

کیا امام کو صرف ٹوپی سے نماز پڑھنا اور پڑھانا درست ہے یا نہیں ؟ اور نماز کے ثواب میں کمی تو نہیں آتی ؟ اور نماز مکروہ تو نہیں ہوتی۔ بعض مقتدی امام صاحب سے جھگڑا کرتے ہیں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر کھڑے ہوتے ہیں تو ٹوپی پر صافہ یا رومال باندھنا افضل ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

الجواب

صرف ٹوپی سے نماز پڑھنا پڑھانا جائز ہے اس میں کچھ کراہت نہیں۔

قال فی شرح التنویر فی مکروھات الصلوۃ وصلوته

حاسرًا ای کاشفًا رأسه للتکاسل ولا بأس به للتذلل واما للاهانة بها فکفر ولو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل (ج ۱ ص ۴۷۴)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تذللاً برہنہ سر نماز پڑھنے میں بھی کراہت نہیں تو ٹوپی سے پڑھنا بطریق اولیٰ مکروہ نہیں ہوگا۔ نیز ولو سقطت قلنسوته اھ پر شارح کا ٹوپی سے نماز پڑھنے پر کراہت کا حکم نہ لگانا بھی عدم کراہت کی دلیل ہے۔ ہاں جو شخص مجلس میں آتے ہوئے شرماتا ہو ایسے شخص کے لئے صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔

مختلف روایات سے صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور اسلاف امت کا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ۔

وضع ابواسحاق قلنسوته فی الصلوٰة ورفعها (ج ۱ ص ۱۵۹)۔

اگرچہ یہاں امام بخاری رح کا مقصود کچھ اور ہے لیکن ضمناً یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ بخاری شریف کے دوسرے مقام پر ہے۔

قال الحسن کان القوم یسجدون علی العمامة والقلنسوة۔

(بخاری، ج ۱، ص ۵۲)۔

"عمدة الرعایہ علی شرح الوقایہ" میں ہے۔

وکذا ذکروا ان المستحب ان یصلی فی قمیص وازار وعمامة ولا یکره الاکتفاء بالقلنسوة ولا عبرة لما اشتهر بین العوام من کراهة ذلك وکذا ما اشتهران المؤتم لو کان معتمًا بعمامة والامام مکتفیا علی قلنسوة یکره۔ اھ (ص ۱۹۶)۔

اگرچہ مسنون و مستحب ہونے کی وجہ سے افضل یہی ہے کہ پگڑی باندھنی چاہیئے خواہ امام ہو یا مقتدی اور نماز ہو یا غیر نماز دونوں حالتوں میں۔ تاہم پگڑی کے بغیر صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا پڑھانا بلا کراہت صحیح ہے۔

اگر مقتدیوں نے پگڑی باندھی ہو اور امام نے صرف ٹوپی پہنی ہو تو کچھ کراہت نہیں۔ جیساکہ عمدة الرعایہ کے جزئیہ سے معلوم ہوا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ؛ رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

اپریشن کی وجہ سے اشارے سے نماز پڑھنے کا حکم

میں نے آنکھ کا اپریشن کروانا ہے۔ سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپریشن کے بعد حرکت کرنے سے اور نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں تو اس دوران میں نماز نہ پڑھوں یا پڑھتا رہوں جیسے ارشاد ہو عمل کیا جائے گا۔

سائل محمد احسن ریلیا زار جھنگ

الجواب اگر رکوع وسجود کی وجہ سے اپریشن والی آنکھ کو نقصان کا خطرہ یقینی ہو۔ تو اشارے سے نماز پڑھ لیں۔

أمره الطبيب بالاستلقاء لبزغ الماء من عينه صلى بالايماء لان حرمة الاعضاء كحرمة النفس اهـ (درمختار)۔ (قوله امره الطبيب) اى المسلم الحاذق كما ذكروه فى الصوم۔ اهـ (شامية۔ج ۱، ص ۷۱۵)۔ فقط والله اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۴/۱/۱۴۱۱ھ

سانس ٹوٹ جانے کی وجہ سے آیت کو دہرانے کا حکم

بعض اوقات دورانِ قرأت امام صاحب کا سانس ٹوٹ جاتا ہے اور وہ پہلے پڑھی ہوئی آیت کو دوبارہ دہراتے ہیں۔ کیا اس سے نماز میں کراہت تو نہیں آتی؟ بینوا توجروا۔

نفیس الرحمن ۵/۷/۷ آر ساہیوال

الجواب درمیان میں سانس ٹوٹ جانے کی وجہ سے دہرانے کی صورت میں نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی۔ کیونکہ یہ دہرانا عذر کی وجہ سے ہے۔

واذا كرر اية واحدة مرارا فان كان فى التطوع الذى يصلى وحده فذلك غير مكروه وان كان فى الصلوة المفروضة فهو

مکروہ فی حالة الاختیار واما فی حالة العذر و النسیان فلا بأس. اھ (عالمگیری ،ج ۱ ،ص ۵۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۸ / ۲ / ۱۰ / ۱۴ھ

تکبیرات انتقال کی ابتداء وانتہاء کا مسنون وقت

ایک امام مسجد جماعت کرا رہا ہے اور رکوع میں کافی جھک کر رکوع کی تکبیر کہتا ہے۔ اور رکوع سے آدھا اٹھ کر سمع اللہ کہتا ہے سجدہ میں جانے کے لئے کافی جھک کر تکبیر کہتا ہے۔ اور تکبیر سجدہ میں سر رکھنے کے بعد ختم کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرا سجدہ کرتا ہے اور تکبیر سجدہ میں سر رکھنے کے بعد ختم کرتا ہے۔ کیا یہ نماز درست ہے؟ اگر نہیں تو کیا نمازیوں کی نماز درست سمجھی جائے گی یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب سنت یہ ہے کہ رکوع کو جاتے ہوئے جھکتے ہی تکبیر شروع کر دیں اور رکوع میں پہنچ کر ختم کریں۔ اور ایسے ہی باقی مقامات میں۔

یکبر مع الانحطاط للرکوع اھ افادان السنة کون ابتداء التکبیر عند الخرور وانتہائه عند استواء الظہر۔ (شامی ج ۱ ،ص ۴۶۰)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۷ / ۴ / ۱۴ھ

کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو تبلیغی نصاب پڑھنا

محترمی مفتی صاحب! میں عرصہ دراز سے جامعہ مسجد صدیقیہ شاہ جمال سے منسلک ہوں۔ عرصہ دراز سے عشاء کی نماز کے بعد تبلیغی نصاب سے ایک واقعہ اور ایک حدیث شریف پڑھ کر سناتا ہوں

ابھی دو دن پہلے کی بات ہے کہ۔ ایک بزرگ نے اعتراض کیا کہ آپ کتاب کچھ دیر کر کے پڑھا کریں کیونکہ کچھ نمازی نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں ۔ میں نے بزرگ کو جواب دیا کہ جہاں اجتماعی کام شروع ہو جائے وہاں انفرادی کام کو چھوڑ کر اجتماعی کام میں شامل ہو جانا چاہیئے لیکن اس بزرگ نے میری بات نہ مانی۔ اب آپ مہربانی فرما کر یہ مسئلہ بتائیں کہ میں ایک دو نمازی کا انتظار کر کے کتاب پڑھوں یا پھر جو نمازی نماز پڑھ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں ان کو کتاب پڑھ کر سناؤں ۔

الجواب

بعد میں آنے والے نمازیوں سے گزارش کریں کہ آپ نماز ذرا فاصلے پر پڑھیں تاکہ یہ کام بھی ہوتا رہے اور ان کی نماز میں بھی خلل نہ آئے ۔ نمازیوں کا خیال بھی بہت ضروری ہے ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۷/۱۰/۷ ۱۴۰ھ

اشارہ بالسبابہ مشہور احادیث سے ثابت ہے اور یہی احناف کا مفتیٰ بہ قول ہے

۱ : اشھد ان لا الہ الا اللہ پر اشارہ کرنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں ؟

۲ : فقہ حنفی میں اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟

۳ : فقہ حنفی کی معتبر ترین کتاب عالمگیری قدیم ، ج ۱ ، ص ۲۹ ۔ پر لکھا ہے ۔

والمختار انه لا يشير كذا في الخلاصة وعليه الفتوى كذا في المضمرات ناقلاً عن الكبرى وكثير من المشائخ لا يرون الاشارة وكرهها في منية المفتي كذا في التبيين ۔

۴ : اگر فقہ حنفی میں اس کا جواز یا استحباب لکھا ہے تو عالمگیری جس کو پانچ سو علماء نے مرتب کیا ہے اس میں مختار قول نہ کرنے کو کیوں کہا گیا ہے

۵ : نقشبندی حضرات بھی اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ مجدد صاحب نے بدعت کہا ہے ۔ اس مسئلہ کو وضاحت سے لکھیں ۔

سائل ممتاز احمد قاسمی متعلم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب تشہد میں اشارہ بالسبابہ بہت سی احادیث میں منقول ہے اور یہ احادیث حدِ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں جن میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

۱ : عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد فی التشہد وضع یدہ الیسری علی رکبتہ الیسری ووضع یدہ الیمنی علی رکبۃ الیمنی وعقد ثلثۃ وخمسین واشار بالسبابۃ وفی روایۃ کان اذا جلس فی الصلوۃ وضع یدیہ علی رکبتیہ ورفع اصبعہ الیمنی التی تلی الابہام یدعوا بہا ویدہ الیسری علی رکبتہ باسطہا علیہا۔ (رواہ مسلم)

۲ : عن عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد یدعو ووضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی ویدہ الیسری علی فخذہ الیسری واشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابہامہ علی اصبعہ الوسطی ویلقم کفہ الیسری رکبتہ رواہ مسلم مشکوۃ۔

۳ : عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثم جلس فافترش رجلہ الیسری ووضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسری ومد مرفقہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض ثنتین وحلق حلقۃ ثم رفع اصبعہ فرأیتہ یحرکہا یدعو بہا۔ (رواہ ابو داؤد والدارمی)۔

۴ : عن عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشیر باصبعہ اذا دعا ولا یحرکہا۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی)۔

۵ : عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان رجلا کان یدعو باصبعیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احّد احّد۔ (رواہ الترمذی والنسائی والبیہقی)۔

۶ : عن نافع قال كان عبد الله بن عمر رضى الله تعالیٰ عنه اذا
جلس فى الصلوٰة وضع يديه على ركبتيه واشار باصبعه و
اتبعها بصره ثم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لَهِىَ
اشد على الشيطان من الحديد يعنى السبابة ۔ رواه احمد كلها
من المشكوٰة (ج ۱، ص ۸۴ و ۸۵)۔

ان کے علاوہ "اشارہ بالسبابہ" کی روایات حضرت سعد، حضرت نمیر خزاعی اور حضرت اسامہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ مؤطا میں اشارہ بالسبابہ کی روایت کونقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ

" وبصنيع رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ وهو قول ابى حنيفة رح"۔
(ص ۱۰۸)

علامہ شامی رح ردالمحتار میں محیط سے نقل فرماتے ہیں۔

وفى المحيط انها سنة يرفعها عند النفى ويضعها عند الاثبات
وهو قول ابى حنيفة رح ومحمد رح وكثرت به الأثار والاخبار
فالعمل به اولیٰ اھ فهو صريح فى ان المفتى به هو الاشارة
بالمسبحة الخ (ج ۱، ص ۳۷۶)۔

آگے چل کر شرح کبیر کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ مانعین اشارہ کا قول روایت و درایت کے خلاف ہے۔

وقال فى الشرح الكبير قبض الاصابع عند الاشارة هو المروى
عن محمد فى كيفية الاشارة وكذا عن ابى يوسف رح فى الامالى
وهذا فرع تصحيح الاشارة وعن كثير من المشائخ لايشير اصلاً
وهو خلاف الدراية والرواية اھ (ج ۱، ص ۳۷۶)۔

اوراس بحث کے خاتمہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبى صلى الله عليه
وسلم بالاحاديث الصحيحة ولصحة نقله عن ائمتنا الثلاثة (ج ۱ ص ۳۷۶)

صاحب درمختار مانعینِ اشارہ کا قول نقل کرنے کے بعد اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لکن المعتمد ما صححه الشراح ولا سیّما المتأخرون کالکمال والحلبی والبهنسی والباقانی وشیخ الاسلام امجد وغیرهم انه یشیر لفعله علیه السلام ونسبوه لمحمد رح و الامام بل فی متن درر البحار وشرحه غرر الافکار المفتی به عندنا انه یشیر اھ (شامی: ج ۱ ص ۴۷۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بہت سی مشہور احادیث سے اشارہ بالسبابہ ثابت ہے اور امام ابوحنیفہ رح امام ابو یوسف رح اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی اس کا مسنون ہونا منقول ہے۔ فقہاء احناف کی کتب و شروح میں اسی کو مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اشارہ نہ کرنے کو مختار یا مفتیٰ بہ کہنا مرجوح ہے بلکہ غیر صحیح ہے۔ جیسے کہ اوپر کی تصریحات میں وضاحت سے نقل کیا جا چکا ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲ ر ۲ ر ۱۴۱۱ھ

کسی وجہ سے انگشتِ شہادت سے اشارہ ممکن نہ ہو تو کسی اور انگلی سے نہ کریں

میری شہادت کی انگلی میں کافی دنوں سے پھوڑا نکلا ہوا ہے انگلی کو حرکت دینے سے ٹیسیں اٹھتی ہیں تو بوقتِ تشہد اس انگلی کی بجائے دوسری انگلی سے اشارہ کر سکتا ہوں یا نہیں ؟

قمر الدین مکتبہ ربانیہ نزد خیر المدارس ملتان

الجواب اگر تکلیف کی وجہ سے انگشتِ شہادت سے اشارہ مشکل ہو تو اشارہ ترک کردیں کسی اور انگلی سے نہ کریں کیونکہ اشارہ اسی انگلی سے مستحب ہے۔

لا یشیر بغیر المسبحة حتی لو کانت مقطوعة او علیلة لم یشر بغیرها من اصابع الیمنی والیسری کما فی النووی علی مسلم۔

(طحطاوی، ص ۱۴۷)

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۷ /۷ /۱۴۱۰ھ

تشہد میں انگلی کب اٹھائے اور کب رکھے

نماز میں التحیات کے تشہد میں کس حرف پر انگلی اٹھانی ہے اور کس پر پست کرنی ہے بعض کہتے ہیں کہ "اشہد" پر اٹھانی ہے اور "اللہ" پر نیچے کرنی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "اشہد" پر اٹھانی ہے اور سلام تک اٹھائے رکھنی ہے۔ کون سا عمل صحیح ہے۔ اور دوسرے بعض فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔

الجواب "لا الٰہ" پر انگشت اٹھائے اور "الا اللہ" پر پست کرے لیکن بالکل ران پر نہ رکھے بلکہ پست کرنے کے بعد بھی انگشت ران سے قدرے اٹھی ہوئی رہنی چاہیئے فتاویٰ رشیدیہ میں جو کہا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ تفصیل تذکرۃ الرشید میں ملاحظہ ہو۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہی تحقیق ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۲ /۷ /۱۴۱۰ھ

اشارہ کرنے کے لئے حلقہ کب بنائے

تشہد میں بیٹھتے ہی انگلیوں کا حلقہ بنا لینا چاہیئے یا جب اشہد ان لا الہ الا اللہ پڑھیں تب شہادت کی انگلی اٹھائیں اور باقی انگلیوں کا حلقہ بنائیں۔ فقہ حنفی کے مطابق جواب عنایت فرمائیں۔

سائل ممتاز احمد قاسمی

الجواب جب تشہد پر پہنچے تب حلقہ بنائے۔ والعقد وقت التشهد فقط فلا يعقد قبل ولا بعد وعليه الفتوى فالظاهر يجعل المعقودة الى جهة الركبة الخ (طحطاوی، ص ۱۴۷)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۳ /۴ /۱۴۰۹ھ

نمازی کے آگے بیٹھا ہوا اٹھ کر جا سکتا ہے

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور ایک شخص نماز ختم کر کے اس نمازی کے آگے بیٹھا ہے جو نماز پڑھ رہا ہے۔ اب اگر یہ شخص جو آگے بیٹھا ہے اٹھ کر چلا جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں یہ گزرنے میں داخل نہیں۔ لہٰذا اس پر کوئی گناہ نہیں ؟

محمد لطف اللہ خالد شاہجہاں ٹاؤن لاہور

الجواب فقہی روایات سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الوسع اس عمل کو اختیار نہ کیا جائے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہوا۔ البتہ عمل کرنے والے پر ملامت بھی نہ کی جائے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی جامعہ ہذا	نائب مفتی ۲۴ / ۱ / ۱۳۷۶ھ

بائیسکل سکوٹر، موٹر کار پر نماز کا حکم

کتب فقہ میں صلواۃ علی الدابہ کا جواز لکھا ہے کہ یتوجہ المصلی الی ماتوجہت الیہ راحلتہ اور چلتے چلتے پیدل نماز درست نہیں ہے تو آیا سائیکل سوار کا حکم گھوڑ سوار وغیرہ کا حکم ہے یا پیدل کا حکم ہے؟ نیز سکوٹر اور موٹر کار کا کیا حکم ہے۔ ڈرائیور گاڑی چلاتے ہوئے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب بائیسکل کو دابہ پر قیاس کرتے ہوئے نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور اس پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے۔ اسی طرح سکوٹر سوار اور موٹر گاڑی کے ڈرائیور کے لیے بھی نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ ہی متوجہا الی القبلہ اور نہ ہی حیث ما توجہت الدابۃ

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
جامعہ خیر المدارس ملتان	۲۶ / ۱۲ / ۱۳۸۸ھ

نماز میں نیت کے ضروری ہونے پر حدیث "انما الاعمال بالنیات" سے استدلال

غیر مقلد لوگوں نے ہمیں تنگ کیا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ نماز کی نیت کرنا کہاں فرض ہے۔ یہ فرائض، واجبات اور سنن وغیرہ بدعت ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

عتیق الرحمٰن ۷۷/۵ آر ساہیوال

الجواب حدیث " انما الاعمال بالنیات " کی بناء پر تمام عبادات میں نیت ضروری ہے اور نیت دل کا فعل ہے۔ جب دل میں یہ استحضار ہو جائے کہ فلاں نماز اتنی رکعات اللہ کے لیئے اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں تو یہ کافی ہے۔ زبان سے کہنا ضروری نہیں اگر غیر مقلد نیتِ قلبی کو بھی ضروری نہیں سمجھتے تو یہ حدیثِ صریح کے خلاف ہے۔ اور اگر زبانی نیت کا انکار کرتے ہیں تو یہ ہمارے نزدیک بھی ضروری نہیں۔ غیر مقلدین نے سادہ لوح لوگوں کو واقعی تنگ کر رکھا ہے۔ ہمیں مسلسل ایسی شکایات موصول ہوتی رہتی ہیں۔ جو شبہ ہو لکھ کر صاف کر لیا کریں۔
فرائض و واجبات و سنن والا سوال واضح نہیں کہ وہ کس چیز کا انکار کرتے ہیں۔ تفصیلاً لکھیں یا بہتر یہ ہے کہ کسی وقت دارالافتاء میں تشریف لا کر حل کر لیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۳۹۶/۷/۲ھ

حرکت پر مجبور معذور سمجھا جائے گا

ایک شخص نے کسی غرض کے لیئے چلہ کشی کی لیکن وہ الٹا ہو گیا۔ عرصہ سے اس کا علاج جاری ہے۔ وہ شخص نماز بھی پڑھتا ہے۔ چلہ کے اثرات کی وجہ سے رکوع میں انگل کی حرکت مسلسل جاری رہتی ہے۔ بقول سائل گلے کی رکاوٹ کی وجہ سے کچھ پڑھ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ جسم کے پورے حصے پر اثرات ہیں سجدہ میں بھی حرکت رہتی ہے اثرات کی وجہ سے۔ کیا ایسی حالت میں نماز ہو جائے گی۔ یا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے کہ نماز ہو جائے۔ یہ حالت مجبوری ہے کوشش کی گئی ہے لیکن رک نہیں سکتا۔
نوٹ! سائل اس بات کی کوشش اس حد تک کرتا ہے کہ نماز میں خلل نہ ہو لیکن بیماری

کی وجہ سے حرکت ضرور ہوتی ہے ۔ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں ۔ یہ حرکت عمل کثیر میں داخل تو نہیں ہو جاتی ۔ کیا کیا جائے ۔ نماز فرض ہے سائل مریض ہے ۔

سائل خالد عثمان حسین آگاہی ملتان

الجواب صورت مسئولہ میں بوجہ عذر نماز جائز ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۶ / ۳ / ۱۳۹۷ھ

کسی نماز کے بعد ختم خواجگان کو معمول بنا لینا

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کی " ضیاء القلوب " میں ختم خواجگان چشت اور ختم خواجگان قادریہ کے طریقے موجود ہیں ۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ اور ان کے بعض خلفاء کا یہاں رمضان المبارک کے اعتکاف میں بعد نماز ظہر ختم خواجگان چشت کا معمول ہے ۔ خیر المدارس ملتان میں روزانہ بعد نماز عصر اس کا معمول ہے ۔ عرصہ دراز سے ایک مسجد میں ختم خواجگان کا معمول تھا ۔ بعض لوگ جو اپنے کو علمائے دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں انہوں نے اس ختم شریف کو یہ کہہ کر بند کرا دیا کہ یہ بدعت ہے ۔ کیا ختم خواجگان بدعت ہے ؟

۲ ؛ مذکورہ بالا مسجد کی طرح جہاں اس کا معمول ہو گیا اسے ختم کرا دینا چاہیئے اس لئے کہ یہ بدعت ہے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب ختم خواجگان سب بزرگوں کا معمول ہے ۔ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کے یہاں بھی معمول تھا ۔ اس لئے اس کو بدعت کہنا بدعت ہے ۔

المفتی ولی حسن بنوری ٹاؤن کراچی

الجواب ختم خواجگان بدعت نہیں اسے بدعت قرار دینا بدعت کی حقیقت سے بےخبری کی دلیل ہے ۔ اس کا پڑھنا نہ ہر شخص پر لازم سمجھا جاتا ہے اور نہ اس کے تارک پر نکیر کی جاتی ہے بلکہ ایک بابرکت وظیفے کی حیثیت سے پڑھا جاتا ہے پس اسے بدعت کہنا صحیح نہیں ۔ یہ وظیفہ بند کرنا غیر ضروری و نامناسب فعل ہے ۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۰ / ۱۰ / ۱۴۱۰ھ

شلوار ٹخنوں سے نیچے ہونیکی حالت میں پڑھی جانیوالی نماز واجب الاعادہ ہے

ایک شخص نے نماز اس حالت میں پڑھی کہ اس کی شلوار یا چادر ٹخنوں سے نیچے تھی۔ کیا نماز ہوگئی، یا اس کا اعادہ واجب ہے۔ جواب بحوالہ درکار ہے۔

الجواب اگر تکبر کی وجہ سے چادر وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے کر کے نماز پڑھی تو اس کا اعادہ کیا جائے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بینما رجل یصلی مسبلاً ازارہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذھب فتوضأ فذھب فتوضأ ثم جاء فقال اذھب فتوضأ فقال لہ رجل یا رسول اللہ امرتہ ان یتوضأ ثم سکت عنہ قال انہ کان یصلی وھو مسبل ازارہ وان اللہ تعالیٰ لا یقبل صلوۃ رجل مسبل۔ اھ (ابوداؤد والبذل المجھود : ج ۵، ص ۵۴)۔ وفی البذل تحت قولہ رجل مسبل ازارہ من الکبر والخیلاء۔ اھ (مشکوۃ ج ۱ ص ۷۴)

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۷ / ۲ / ۱۴۱۱ھ

فوجی وردی اور بوٹوں میں نماز کا حکم

فوج میں وردی ایسی دی جاتی ہے جس میں قمیص اور پتلون ایک کپڑا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کئی کئی دن اتارنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ خصوصاً ہنگامی حالات میں۔ پھر اس وردی کو پیشاب کی

چھینٹوں سے پاک رکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے تو اس وردی کے اندر نماز پڑھ سکتے ہیں جب کہ پاک کپڑا پہننے کا موقعہ نہ ملے۔ اسی طرح فوج میں بوٹ بھی ایسے ملتے ہیں۔ جن کو اتارنے کا کئی کئی دن موقعہ نہیں ملتا۔ اور نہ اتنی فرصت ملتی ہے اور بوٹ نجس بھی ضرور ہوتے ہیں تو جب نماز کا وقت آ جائے تو کیا ان بوٹوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں؟ بعض دفعہ عین نماز کا وقت ہوتا ہے اور فوج کو فوراً تیاری کا حکم ہو جاتا ہے۔ یا عین نماز کے وقت چل رہے ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں نماز کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ چلتے چلتے گاڑی میں پڑھیں تو قبلہ معلوم نہیں ہوتا۔ تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔

۴: بعض اوقات ہنگامی حالات میں ٹینک یا گاڑی کے اندر بیٹھنا پڑتا ہے۔ کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہوتی تو کیا قعوداً نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۵: فوجیوں کے پاس پانی وضو کی مقدار موجود ہو اور فوراً کوئی ایسا حکم افسر کی طرف سے آ جاتا ہے کہ وضو کرنے کا وقت نہیں ملتا۔ اتنا وقت نہ ہو تو کیا فوراً تیمم کر سکتا ہے؟

الجواب: وردی کو پاک رکھنا کچھ مشکل نہیں۔ اہتمام اور فکر کی ضرورت ہے اور اگر بالفرض وردی کا کچھ حصہ ناپاک ہو گیا ہے اور وردی اتارنے یا پاک کرنے میں دشمن کا خوف ہے تو ایسی صورت میں اسی وردی کے ساتھ نماز پڑھ لے نماز ہو جائے گی۔

كما في الدر واذا لم يجد ما يزيل به نجاسته او يقللها صلى معها ولا اعادة عليه وفي الشامية ومثله خوف العدو وعدم وجود ثمنه ونحو ذلك اھ۔ (شامی ج ۱ : ص ۳۸۴)۔

۲: تفصیل بالا کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے بوٹوں میں نماز جائز ہو گی۔ احتیاط کرے تو جنگلات میں ایسے بوٹ کے ناپاک ہونے کا احتمال کم ہوتا ہے۔

۳: کوشش ہونی چاہیئے کہ نماز کو اوّل وقت میں پڑھ لیا جائے جب کہ ایسا ممکن ہو۔ ورنہ نماز کے آخری وقت تک انتظار کیا جائے ان شاء اللہ وقت مل جائے گا۔ انتہائی خطرے کے وقت میں ظہر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھ لی جائے۔ اور مغرب کی تاخیر کر کے پڑھ لی جائے۔ عشاء کا وقت طلوع فجر تک رہتا ہے۔

موٹر میں قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے۔ ساتھیوں کو ذرا ادھر اُدھر کر دیا جائے۔ رفقاء اسکے لئے سہولت سے تیار ہو جاتے ہیں۔ البتہ اگر دشمن کے خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف منہ کرنا

متعذر ہو جائے تو غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

استقبال القبلة حقيقة او حكما كعاجز اى كاستقبال عاجز عنها لمرض او خوف عدو او اشتباه فجهة قدرته او تحريه قبلة له حكما۔ (درمختار مع الشامية: ج ۱ : ص ۳۱۴)۔

۴ : بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

۵ : وضوء کر کے نماز پڑھیں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۲۵/۱۰/۱۳۹۱ھ — نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

اسلحہ سمیت نماز پڑھنے کا حکم

بعض اوقات جب ہم محاذ پر ہوتے ہیں تو اسلحہ پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی دوران جب نماز ادا کرنی ہو تو اسلحہ اتار کر نماز پڑھیں یا اسلحہ سمیت ہی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کچھ ساتھیوں میں اختلاف ہو گیا ہے۔ اس لئے مدلل جواب تحریر فرمائیں ؟

المستفتی : محمد سکندر ، جمعیۃ المجاہدین ملتان پاکستان

الجواب: اگر اسلحہ ایسا ہو کہ اس کی وجہ سے توجہ نماز سے نہ ہٹتی ہو تو پہنے ہوئے نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔

ولا بأس ان يصلى متقلدا للقوس والجعبة الا ان يتحرك عليه حركة تشغله فح مكروه ويجزيه كذا فى السراج الوهاج۔ اھ (عالمگیری : ج ۱ : ص ۵۷)۔

ولا يكره تقلد المصلى بسيف ونحوه اذا لم يشغل بحركته وان شغله كره فى غير حالة قتال۔ (مراقى الفلاح على الطحطاوى : ص ۲۰۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۲ ، صفر المظفر ، سنہ ۱۴۱۱ھ

نماز کی نیت میں استقبال قبلہ کی نیت کرنا ضروری نہیں

کیا نماز کی نیت کرتے ہوئے " منہ طرف کعبہ شریف کے " کہنا ضروری ہے ؟

الجواب: استقبال قبلہ ضروری ہے ۔ استقبال قبلہ کی نیت ضروری نہیں ۔ اور زبان سے نیت کا تلفظ بھی ضروری نہیں ۔

ونیۃ القبلۃ لیست بشرط والتوجہ الیھا یغنیہ عن النیۃ ھو الاصح اھ (مراقی الفلاح) (وقولہ ونیۃ القبلۃ لیست بشرط) لانھا من الوسائل وھی لا تحتاج الی نیۃ کالوضوء فالشرط حصولھا لا تحصیلھا ۔ اھ (طحطاوی : ص ۱۱۵) ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

درود شریف کے بعد کئی دعائیں پڑھنے کا حکم

امامت کراتے ہوئے یا اکیلا نماز پڑھتے ہوئے درود پاک کے بعد رب اجعلنی اور ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ الخ یہ دونوں دعائیں پڑھ سکتا ہے یا ایک پڑھے ۔

الجواب: پڑھ سکتا ہے ۔ بہتر ہے کہ بصورت امامت ایک دعاء[1] پڑھے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۰/۷/۱۴۰۳ھ

[1] ویکرہ للامام تطویل الصلوۃ لما فیہ من تنفیر الجماعۃ لقولہ

علیہ السلام من ام فلیخفف اھ (مراقی الفلاح)

قولہ تطویل الصلوۃ بقراءۃ او تسبیح أو غیرھما رضی القوم ام لا لاطلاق الامر بالتخفیف اھ (طحطاوی ص ۱۶۶)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاوی

بوقتِ قیام دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ

نماز پڑھتے ہوئے قیام کی حالت میں دونوں قدموں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے۔

الجواب: دونوں پاؤں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ ہونا چاہیئے۔

ویسن تفریج القدمین فی القیام قدر اربع اصابع۔ (مراقی) وفی الطحطاوی نص علیہ فی کتاب الاثر ولم یحک فیہ خلافا۔ اھ (ص ۱۴۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۷/۳/۱۴۰۹ھ

نماز میں وساوس کی وجہ سے لاحول پڑھنا

جب آدمی کو نماز میں وساوس آئیں تو اگر وساوس دنیا سے لاحول پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ عند الطرفین۔ اور اگر وساوس آخرت سے لاحول پڑھے تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟

الجواب: زید کا یہ قول درست ہے۔ المصلی اذا وسوسہ الشیطان فقال لاحول ولا قوۃ الا باللہ ان کان ذلک الذی وسوسہ فی امر من امور الآخرۃ لا تفسد صلوتہ وان کان فی امر من امور الدنیا تفسد کذا ذکرہ فی الذخیرۃ لان الوسوسۃ الم

فکانہ حوقتل بسبب الم اخروی فی الاول وبسبب الم دنیوی فی الثانی ۔اھ (کبیری ،ص۴۴۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ — ۱۳/۳/۱۴۰۷ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

بیٹھ کر نماز پڑھنے والا کیسے بیٹھے

جو معذور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو اس کے لئے بیٹھنے کا کوئی خاص طریقہ منقول ہے یا جیسے چاہے بیٹھ جائے ۔ بینوا توجروا۔

الجواب اگر مشقت نہ ہو تو بحالت التحیات بیٹھنا بہتر ہے اور اگر اس طرح بیٹھنے سے تکلیف ہوتی ہو تو پھر جیسے آسانی ہو بیٹھ جائے۔

ثم المریض یقعد فی الصلوۃ من اولہا الی اخرہا کما یقعد فی التشہد ان استطاع ذکر السروجی ان ھذا قول زفر وفی الذخیرۃ نقل عن ابی اللیث رح انہ علیہ الفتوی لانہ القعود المعہود فی الصلوۃ. وقال قاضی خان رح یقعد کیف شاء فی روایۃ محمد رح عن ابی حنیفۃ رح الی قولہ والظاھر ما افتی بہ ابو اللیث رح کما ذکرہ المصنف عند عدم حصول المشقۃ بہ والتخییر عند حصولہا بہ اھ (کبیری ، ص۲۶۴)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ — ۱۲/۷/۱۴۰۷ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

چارپائی پر نماز پڑھنے کا حکم

گرمیوں میں کیڑے مکوڑے کے ڈر سے اگر نماز تہجد چارپائی کے اوپر پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں ۔ بینوا توجروا۔ عبدالمجید بلاک نمبر ۶ چیچہ وطنی ، ساہیوال۔

الجواب اگر چار پائی خوب کسی ہوئی ہو اور پاک ہو تو اس پر نماز جائز ہے۔
(کذا فی امداد الاحکام: ص ۷۰، ۴م)۔ فقط واللہ أعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جو اشارے کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو اسے نماز معاف ہے

اگر کوئی شخص بیمار ہو اور وہ نماز کے عوض میں فدیہ دے دے تو اس کی نماز معاف ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جواب وضاحت سے تحریر فرمائیں۔

الجواب اگر ہوش قائم ہے اور اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ تو پڑھ لیا کرے ورنہ نماز معاف ہے۔ وأذا عجز المریض عن الایماء بالرأس فی ظاهر الروأية يسقط عنه فرض الصلوة ولا يعتبر الايماء بالعينين۔

(عالمگیری: ج ۱، ص ۔۔)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

جامعہ خیر المدارس ملتان

دو پیسے کے بدلہ میں سات سو نماز کے ثواب کا وضع ہونا

تبلیغی جماعت والے عام طور پر یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ قیامت کے دن دو پیسے ناحق لئے ہوئے کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازوں کا ثواب لے لیا جائے گا۔ کیا ان کی یہ بات درست ہے اور دو پیسے سے مراد کون سے دو پیسے ہیں؟

الجواب کتب فقہ میں دانق کا ذکر ہے کہ ایک دانق کے بدلے سات سو جماعت سے پڑھی ہوئی نمازوں کا ثواب وضع کر لیا جائے گا۔ اور علامہ قشیری رح نے سات سو مقبول نماز کا لکھا ہے۔ دانق تقریباً ساڑھے رتی کا ہوتا ہے۔ تو گویا ساڑھے رتی چاندی کے برابر

ناحق لی ہوئی مالیت کے بدلے میں سات سو مقبول نماز کا ثواب وضع کرلیا جاتے گا۔ کسی زمانے میں جب کہ چاندی سستی ہوگی تو ہوسکتا ہے کہ اتنی چاندی اس وقت کے دو پیسے کے بدلے میں آجاتی ہو۔ اس لئے دو پیسے مشہور ہوگئے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرور ہی اتنا ثواب وضع کیا جائے گا۔ اگر اللہ تعالےٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے مظلوم کو اپنے پاس سے دے کر ظالم کو معاف کردیں۔

جاء انه یؤخذ لدانق ثواب سبع مائة صلوة بالجماعة اھ (درمختار) (قوله جاء) ای فی بعض الکتب اشباہ عن البزازیة ولعل المراد بها الکتب السماویة او یکون ذلك حدیثا نقله العلماء فی کتبهم والدانق بفتح النون وکسرها سدس الدرهم وهو قیراطان والقیراط خمس شعیرات اھ (قوله ثواب سبع مائة صلاة بالجماعة) ای من الفرائض لان الجماعة فیها والذی فی المواهب عن القشیری سبع مائة صلوة مقبولة ولم یقید بالجماعة قال شارح المواهب ما حاصله هذا لا ینافی ان الله تعالی یعفو عن الظالم ویدخله الجنة برحمته۔ اھ (شامی، ج ۱، ص۳۲۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

خنثیٰ رکوع وسجود کیسے کرے

خنثیٰ نماز پڑھتے ہوئے جب رکوع وسجود کرے تو کیا وہ رکوع اور سجدہ مردوں کی طرح کرے یا عورتوں کی طرح؟

الجواب خنثیٰ عورتوں کی طرح رکوع وسجود کرے یعنی زیادہ نہ جھکے، انگلیوں کو پھیلائے نہ۔ ایسے ہی کلائیوں کو پہلو کے ساتھ ملائے رکھے الگ نہ کرے۔

اما المرأة فتنحنی فی الرکوع یسیرا ولا تفرج ولکن تضم وتضع یدیها علی رکبتیها وضعا وتحنی رکبتیها ولا تجافی عضدیها لان ذلك استرلها وفی شرح الوجیز الخنثی کالمرأة۔ (شامیة ج ۱ ص ۳۶۵)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ساتھ والے کو دیکھ کر نماز پوری کرنا

زید نماز میں شامل ہوا جب کہ ایک رکعت ہو چکی تھی جب بقیہ رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو یاد نہ رہا کہ میری کتنی رکعت باقی ہیں۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی نماز میں شامل ہوا تھا زید نے سوچا کہ اس کو دیکھ کر نماز پوری کر لوں گا۔ چنانچہ اس کے ساتھ ساتھ نماز پوری کر لی۔ کیا اس کی نماز درست ہو گئی ؟

الجواب اگر اس دوران زید تین دفعہ سبحان ربی العظیم کہنے کی مقدار کہیں خاموش منتظر نہیں رہا تو زید کی نماز ہو گئی۔ ولو نسی احد المسبوقین المتساویین کمیۃ علیہ فقضی ملاحظا للآخر بلا اقتداء بہ صح ھکذا فی الخلاصۃ۔ اھ (عالمگیری : ج ۱ : ص ۸۴)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ھذا

تکبیرِ تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جائیں

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو نیچے لے جاتے ہیں یعنی رانوں کے برابر کر لیتے ہیں اور پھر باندھتے ہیں۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جائیں۔ بلکہ ہاتھ باندھ لیں۔ ویسن وضع الرجل یدہ الیمنی کما فرغ من التکبیر للاحرام بلا ارسال اھ (طحطاوی : ص ۱۴۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷/۱۱/۱۴۰۹ھ

نابینا آدمی قبلہ سے ہٹ کر نماز پڑھ رہا ہو تو اسے قبلہ رو کر دیا جائے

ایک آدمی نابینا ہے اور وہ نماز پڑھنی شروع کرتا ہے اور کوئی آدمی موجود نہیں ہوتا جو اس کو سیدھے کعبہ کی طرف کر دے محض اپنی رائے پر نماز پڑھتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا۔ تو اب اس کو سیدھا کیا جائے تو استمداد خارجی پائی جاتی ہے جس سے نماز ٹوٹنے کا خطرہ ہے۔ ایسے ہی اس کو کہہ بھی نہیں سکتے "تاکہ وہ محض کہنے والے کے کہنے پر بغیر سوچنے کے مڑ کر نماز ختم نہ کر دے۔ تو اب اس کو سیدھا کیسے کیا جائے۔ نیز یہ عام رواج ہے کہ جب بھی کوئی آدمی ٹیڑھا کھڑا ہو خواہ نابینا ہو اس کو ہاتھ سے قبلہ رخ کر دیتے ہیں حالانکہ اس نے نہ کہا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خود سوچ کر قبلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے بلکہ اقتداء محض ہوتی ہے تو کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر دوسرا آدمی بغیر کہے ٹھیک کر دے تو کیا نماز باقی رہے گی یا نہیں۔ اگر سیدھے کرنے سے نماز باقی رہتی ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے اور اگر نماز درست نہیں تو اس کا ثبوت کیا ہے۔

اور اگر دوسرا آدمی نمازی کو سیدھا نہ کرے تو کیا وہ آدمی گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں ایسے نابینا کو جو غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے قبلہ رو کر دینا درست ہے اس سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ شامی ج ۱ ص ۴۳۲ میں ہے۔

قال فی شرح المنیۃ ولو صلی الاعمی رکعۃ الی غیر القبلۃ فجاء رجل فسواہ الی القبلۃ واقتدی بہ ان وجد الاعمی وقت الشروع من یسألہ فلم یسألہ لم تجز صلاتہما والا جازت صلاۃ الاعمی۔ الخ۔

نابینا آدمی شہر یا بستی میں جہاں جہت قبلہ مشتبہ ہے اس قدر منحرف ہو کر نماز پڑھ رہا ہو جو انحراف مفسد صلوۃ ہے تو اسے سیدھا رو بقبلہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کی نماز درست نہیں۔ اور انحراف مذکور نہیں تو تسویہ کی حاجت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان — ۹/۳/۱۳۹۱ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد اقتدار درست نہیں

امام صاحب ایک طرف سلام پھیر چکے ہوں تو مقتدی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟
سائل نفیس الرحمن ، ۵/آر ساہیوال

الجواب ثم الخروج من الصلوة بسلام واحد عند العامة وقيل بهما كما في مجمع الانهر فلو اقتدى به بعد لفظ السلام الاول قبل عليكم لا يصح عند العامة ۔ اھ ۔ (مراقی الفلاح ص۱۳۶)

معلوم ہوا کہ اکثر علماء کے نزدیک پہلے لفظِ سلام کے بعد اقتدار کرنا ٹھیک نہیں ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۸ / ۱۱ / ۱۳۹۵ھ

فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مستحسن ہے

ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا ہے کہ نماز میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا منقول نہیں ۔ اس لئے جہراً بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی ۔ اگر ایسا ہے تو بھی آہستہ پڑھنے کے لئے اس قدر وقفہ تو ہونا چاہئے ۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ پیش امام نیت کے فوراً بعد اور سورۃ الحمد کے ختم ہونے کے فوراً بعد بلاکسی وقفہ کے دوسری سورت شروع کر دیتے ہیں ۔ آہستہ پڑھنے کی صورت میں بھی آخر کچھ وقفہ تو ہونا چاہئے ۔ جس سے اندازہ ہو سکے کہ بسم اللہ آہستہ پڑھی گئی ہے ۔

علاوہ ازیں ایک مرتبہ مولانا مودودی نے دریافت کرنے پر بتایا تھا کہ آپ بسم اللہ پڑھ سکتے ہیں ۔ اس کے متعلق وضاحت فرمائیں ۔

الجواب فاتحہ اور سورت کے درمیان تسمیہ کا پڑھنا مستحسن ہے ۔ شامیہ ج ۱ ص ۴۵۷ ۔ فرض واجب بلکہ مسنون بھی نہیں ہے اس لئے بسم اللہ پڑھنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا لہ فقط واللہ اعلم ؛ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ ہذا ۔

(لہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سمی غیر المؤتم بلفظ البسملۃ لا مطلق الذکر کما فی ذبیحۃ و وضوء سرًّا فی اول کل رکعۃ ولو جہریۃ لا تسن بین الفاتحۃ والسورۃ مطلقا ولو سریۃ ولا تکرہ اتفاقا اھ (درمختار) (قولہ ولا تکرہ اتفاقا) ولہذا صرح فی الذخیرۃ والمجتبی بانہ ان سمی بین الفاتحۃ والسورۃ المقروءۃ سرًّا او جہرًا کان حسنا عند ابی حنیفۃ رح ورجحہ المحقق ابن الہمام وتلمیذہ الحلبی لشبہۃ الاختلاف فی کونہا اٰیۃ من کل سورۃ بحر اھ (شامیہ: ج ۱ ص ۴۹۲)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲/۲/۱۴۱۱ھ

فرائض کی موجودہ رکعات کا منکر گمراہ ہے

ایک آدمی نے لوگوں کے اندر یہ پھیلا دیا ہے کہ ہر نماز کی دو رکعت فرض ہیں باقی نماز نہیں ہے اس کے ساتھ چند آدمی بھی شریک ہوگئے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن و حدیث میں دو رکعت فرض کے سوا ثبوت نہیں ملتا۔ کیا یہ لوگ مسلمان رہے یا نہ ان سے تعلقات رکھنا کیسے ہے؟

الجواب شروع اسلام میں نماز دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں اس کے بعد حضر و اقامت کی نمازوں میں سوائے فجر اور مغرب اور جمعہ کے اضافہ کر دیا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے۔

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت فرضت الصلوۃ رکعتین۔ رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلوۃ السفر وزید فی صلوۃ الحضر۔ (ج ۱ ص ۲۴۱)۔

شامی میں ہے۔

ما کان من ضروریات الدین وہو ما یعرف الخواص والعوام انہ من الدین کوجوب اعتقاد التوحید والرسالۃ و

الصلوٰت الخمس واخواتها يكفر منكره ومالا فلا اهـ (ج۱ ص۴۹۱)

رکعتین پر زیادتی احادیث سے ثابت ہے۔ اس لئے اس کا انکار ضلالت ہے اہل اسلام کو ایسے لوگوں سے بچنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

تعوذ و تسمیہ صرف امام و منفرد پڑھے

سورت فاتحہ سے قبل تعوذ اور تسمیہ کن کن رکعتوں میں پڑھنا چاہیئے اور ان کی شرعی حیثیت کیا ہے

قرأت شروع سورت سے پڑھنا شروع کریں یا کسی سورت کے درمیان سے کوئی آیات پڑھ سکتے ہیں فاتحہ اور سورت کے درمیان تسمیہ پڑھنا مسنون ہے یا نہ ؟

محمد لطف اللہ خالد لاہور

الجواب ثناء سے فارغ ہونے کے بعد تعوذ و تسمیہ کا پڑھنا امام و منفرد کے لئے سنت ہے۔ مراقی میں ہے۔

ویسن التعوذ للقرأة فیأتی به المسبوق کالامام والمنفرد لا المقتدی۔ (ص ۱۴۱)۔

اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے قبل بسم اللہ کا پڑھنا بھی مسنون ہے۔

وتسن التسمیة اوّل کل رکعة قبل الفاتحة لانه صلی اللہ علیه وسلم کان یفتتح صلوته ببسم اللہ الرحمن الرحیم الخ (ص۱۴۱)

دونوں صورتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ ملانے سے قبل تسمیہ نہ سنت ہے اور نہ ہی پڑھنا مکروہ ہے۔ لا تسن (التسمیة) بین الفاتحة والسورة مطلقا ولو سریة ولا تکره اتفاقا۔

(درمختار؛ ج۱ ص ۳۲۹)۔ فقط واللہ أعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی ۔ ۲۹ / ۷ / ۱۴۰۶ھ

نمازیوں کو فسادِ نماز کی اطلاع بالکل ممکن نہ ہو تو "تلافی" کی ایک صورت

امام صاحب نے مؤذن کو عشاء کی نماز کے بعد کہا کہ فجر کی نماز کا خیال کریں اگر میں نہ پہنچ سکا تو آپ نمازِ فجر پڑھا دیں جبکہ امام صاحب اور مؤذن ایک ہی جگہ پر قیام پذیر تھے۔ صبح کو اتفاقاً مؤذن دیر سے اٹھا اور دوسرے نمازی نے آکر اذان دے دی۔ مؤذن نے جلدی سے امام صاحب کو جگایا اور بتایا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ نماز پڑھا دیں۔ چنانچہ مؤذن نے جلدی سے استنجاء اور وضوء کر کے سنتیں پڑھ کر جماعت کرا دی۔

ایک گھنٹہ بعد مؤذن نے شبہ کی وجہ سے اپنے کپڑے دیکھے تو معلوم ہوا کہ محتلم حالت میں ہی اس نے نمازِ فجر پڑھا دی ہے۔ اس نے انتہائی پریشانی کے عالم میں خطیب و امام صاحب کو صورت حال سے مطلع کر کے کہا کہ میں نمازیوں کو مطلع کر دوں کہ جنہوں نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی ہے وہ اپنی اپنی نماز لوٹا لیں۔ تو امام صاحب نے اسے منع کر دیا کہ اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے وہ معاف کر دے گا۔ اگر اب نمازیوں کو اس طرح مطلع کیا گیا تو نمازی بدگمان ہو جائیں گے اور چہ میگوئیاں کریں گے اس لئے رہنے دو۔

چنانچہ مؤذن بے چارہ دل پر بوجھ لئے خاموش ہو گیا اور تا حال اس کا دل پریشان ہے۔ اور جب بھی اسے اس بات کا خیال آتا ہے تو وہ مغموم اور رنجیدہ ہو جاتا ہے اور وہ جگہ بھی تقریباً دو اڑھائی سو میل دور ہے۔ اور اس واقعہ کو تقریباً بائیس تیئس سال ہو گئے ہیں۔ اب تو اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کون زندہ ہے کون نہیں۔ جو واقف تھے ان کو بھی بھول گیا ہے۔ جہاں تک ان کو مطلع کرنے کی صورت ہے تو اب یہ ناممکن سی بات ہو گئی ہے۔ اس کے کفارہ و تلافی کی شرعاً کوئی دوسری صورت ہو تو ارشاد فرمائیں۔

المستفتی قاری سیف اللہ خالد قادری شاہجمال ٹاؤن لاہور

الجواب امام اور مؤذن پر لازم تھا کہ فوری طور پر ان کو اطلاع دیتے کہ اپنی نمازوں کا اعادہ کر لیں اب بھی اگر کسی بھی آدمی کا پتہ چل سکے تو اسے ضرور اطلاع دیں بالکل اطلاع ناممکن ہو تو ان کی طرف سے اس نماز کا فدیہ ادا کر دیں شاید اس طرح کچھ تلافی ہو جائے۔

ویلزم الامام الذی تبین فساد صلوته اعلام القوم باعادة صلوتہم بالقدر الممکن ولو بکتاب او رسول فی المختار ۔ الی قولہ و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی بالناس ثم تبین لہ انہ کان محدثا فاعاد وامرھم ان یعیدوا ۔ (مراقی الفلاح، ص۱۶۳) ۔

والصحیح انہ لکل صلوۃ فدیۃ ھی نصف صاع من براو دقیقہ اوسویقہ او صاع تمر او زبیب او شعیر او قیمتہ وھی افضل لتنوع حاجات الفقیر وان لم یوص و تبرع عنہ ولیہ أو اجنبی جاز ان شاء اللہ ۔ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی ص۲۳۶)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ، ۲ ر ۲ ر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۔

قومہ و جلسہ کی صحیح مقدار

۱ : قومہ اور جلسہ کی صحیح مقدار کیا ہے ؟

۲ : عند الاحناف قومہ اور جلسہ میں ذکرِ مسنون ثابت ہے یا نہیں ؟

المستفتی حکیم محمد عبدالحق ، حقانی دواخانہ ، ٹی ، آئی ، خان

الجواب

۱ : قومہ اور جلسہ میں اتنی دیر ٹھہرنا کہ ہر عضو اپنی جگہ میں قرار پکڑلے محققین احناف کے نزدیک واجب ہے اور اس کا اندازہ ایک تسبیح کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ یعنی قومہ میں سیدھا کھڑے ہونے اور جلسہ میں بیٹھنے کے بعد ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھہرنا ۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں ۔

وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود وکذا فی الرفع منہما ۔ (شامی ج۱ ، ص۴۳۲) ۔

۲ : قومہ میں منفرد کے لئے ربنا لک الحمد کہنا مسنون ہے ۔ نیز منفرد جلسہ میں بھی ادعیہ ماثورہ پڑھ سکتا ہے ۔ البتہ امام کے لئے قومہ و جلسہ میں کوئی ذکر عند الاحناف مسنون نہیں ہے ۔

كذافى الشامية (ج ۱ ص ۳۴۳) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ لہٗ رئیس الافتاء جامعہ ہذا — ۲۸/۱۲/۱۳۰۸ھ — معین مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

تشہد عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وجوہ ترجیح

مسندِ ابو عوانہ اور بیہقی وغیرہ میں تشہد ابن مسعودؓ میں "السلام علی النبی ورحمۃ اللہ" کے الفاظ ہیں بعض دوسرے صحابہؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بعد خطاب کے صیغہ کو ترک کر دیا ہے۔ ہم اہلسنت والجماعت احناف پہلے الفاظ پر کیوں اڑے ہوئے ہیں ؟

الجواب عن القاسم قال اخذ علقمة بيدى قال علقمة اخذ ابن مسعود بيدى قال عبد الله اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى فقال اذا جلست فى الصلوٰة فقل التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبى و رحمة الله وبركاته السلام علينا و على عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ الحديث ۔ اخرجه محمد فى كتاب الحجه ، ص ۱۳۴ ۔ وجماعة من المحدثين منهم ابوداؤد والطحاوى والدارمى ودارقطنى والبيهقى وبخارى و مسلم و غيرهم۔

وجوہ ترجیح ۱ : امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا فیصلہ۔

وليس فى التشهد شئ اوثق من حديث عبد الله ابن مسعود رضى الله عنه ۔ اس سے زیادہ پختہ حدیث تشہد کے باب میں موجود نہیں۔ (کتاب الحجہ ص ۱۳۰)

۲ : وفى المؤطا كان عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه يكره ان يزاد فيه حرف او ينقص منه حرف ۔ (ج ۱ : ص ۱۵۷) ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشہد میں ایک حرف کی بھی کمی زیادتی کو جائز نہیں رکھتے تھے ۔

۳ ؛ ایسے ہی طحاوی شریف میں مروی ہے کہ ایک شخص نے تشہد سے قبل بسم اللہ کا اضافہ کیا۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضنے فرمایا " اتأکل " کیا تو کھانا کھاتا ہے کہ بسم اللہ کہہ ڈالا ہے۔ بسم اللہ کے اضافہ پر بھی تنبیہ فرمائی۔

۴ ؛ ایسے ہی کسی شخص نے " وحدہ لاشریك " کا اضافہ کرنا چاہا تو عبداللہ بن مسعود رض کے شاگرد حضرت علقمہ رح نے اس کی اصلاح فرمائی۔

۵ ؛ جتنے محدثین نے مذکورہ بالا حدیث کی تخریج کی ہے مسئولہ حدیث کی تخریج اتنے محدثین نے نہیں کی۔

۶ ؛ یہ تشہد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ ہے۔ مسئولہ تشہد تعلیم فرمودہ ہی نہیں۔

۷ ؛ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں یہ تفصیل بیان نہیں فرمائی کہ یہ تشہد میری زندگی تک ہے۔ میرے رخصت ہوجانے کے بعد اس میں یوں تبدیلی کرلینا۔

۸ ؛ جب حضرت عبداللہ ابن مسعود رض کی و زیادتی کو مکروہ جانتے تھے تو پھر انہوں نے یہ تبدیلی کیسے کرلی تبدیلی اور مکروہ کیسے جمع ہوگئے۔ نیز یہ تبدیل شدہ الفاظ آپ کے ارشاد فرمودہ الفاظ کے مقابلہ میں حجت نہ ہونگے۔ کیونکہ آپ کی حیات میں بھی جو صحابہ رض حاضر خدمت نہ ہوتے تھے وہ بغیر تبدیلی کے تشہد پڑھتے تھے۔

۹ ؛ حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وھو أصح حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التشہد والعمل علیہ عند اکثر أھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم من التابعین۔ ترمذی ؛ ج ۱ ؛ ص ۶۱)۔

یہ حدیث تشہد کے باب میں سب سے اصح ہے۔ اکثر حضرات صحابہ رض اور تابعین رح کا اسی پر عمل ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	۲۹/۱۱/ ۱۴۰۳ھ	الجواب صحیح
نائب مفتی ۲۶ / ۱۱ / ۱۴۰۳ھ		فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا

ہاتھ باندھنے کا حدیث سے ثبوت

بارہ ائمہ عظام میں سے کسی ایک یا زیادہ نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہو تو اس کا ثبوت کتب

اہل السنۃ والجماعۃ اور کتب شیعہ سے کیا ہے۔

الجواب حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بہت سی روایات آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت قیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جو روایت ہے وہ درج کی جاتی ہے۔

ان علیا قال من السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ رواہ ابن ابی شیبہ۔

واضح رہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔ نیز ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رب العالمین کی بارگاہ میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۲/۱۲/۱۳۷۷ھ

تشہد میں "محمد رسول اللہ" کے بعد "صلی اللہ علیہ وسلم" کا اضافہ صحیح روایات میں منقول نہیں

احادیث تشہد میں امام ابو داؤد رح نے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک حدیث نقل کی ہے۔ جس کے متن کے الفاظ یہ ہیں واشہد ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱؛ ص ۱۴۰۔ ایسے ہی ترمذی شریف کی جامع الدعاء میں بھی درود شریف ذکر کیا گیا ہے۔

اللھم انا نسئلک من خیر ما سئلک منہ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۲؛ ص ۱۹۲)۔

ان کی تحقیق مطلوب ہے کہ آیا مذکورہ درود شریف حدیث مرفوع سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب ابو داؤد اور ترمذی شریف کے متعدد نسخے دیکھے گئے موجودہ نسخوں میں صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ موجود ہیں۔ ابو داؤد کے بعض نسخوں میں مذکورہ الفاظ پر (ن) کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ جامع ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی جو مصر کی مطبوعہ ہے اس کے جزء ثالث عشر کی روایت میں "صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ موجود نہیں۔ (ج ۱۳ ؛ ص ۱۸)

ایسے ہی ابو داؤد کی شرح "عون المعبود" صفحہ ۲۶۹ پر حدیث ابو داؤد میں بھی "صلی اللہ علیہ وسلم"

کے الفاظ نہیں ہیں۔ ان سے بظاہر معلوم ہوا کہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاید یہ الفاظ نہیں ہیں۔ کسی راوی یا نسخہ کا قصہ ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ادعیۂ ماثورہ میں معمول صلوٰۃ کے تذکرہ کا نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

اونی کمبل پر نماز پڑھنا

اون کے کپڑے مثلاً کمبل وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں ہمارے ہاں ایک مولانا نے کہا ہے کہ اون پر سجدہ کرنا جائز نہیں کیونکہ حکم زمین پر سجدہ کرنے کا ہے۔

الجواب اونی کمبل پر نماز پڑھنا درست ہے پیشانی کو بوقت سجدہ خوب جما کر رکھے کہ کمبل کی تہہ مزید نہ دب سکے۔ سجدہ کی جگہ کا از جنس تراب ہونا شرط نہیں۔ البتہ افضل یہ ہے کہ سجدہ زمین پر کیا جائے یا ایسی چیز پر جو زمین سے پیدا ہوتی ہے۔

لکن الافضل عندنا السجود علی الارض او علی ما تنبته۔ الخ

(شامی ج ۱ ص ۴۰۷)۔

نیز شامی میں ہے۔ فصح علی طنفسة وحصیر۔ (شامی قدیم ج ۱ ص ۳۳۵) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا	نائب مفتی ۷/۷/۱۳۸۵ھ

جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان میں امام مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھے

جن فرضوں کے بعد سنتیں ہیں امام قوم کی طرف متوجہ ہو کر دعاء مانگے اور اس انصراف کو واجب یا فرض و مستحب کا درجہ نہ دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جن فرضوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان میں امام کو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہیئے جیسا کہ منیۃ المصلی اور شامیؒ میں اس کی تصریح ہے لیکن

جن فرضوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں اصل تو یہی ہے کہ پہلی حالت پر دعا مانگ لے۔ اور اگر مقتدیوں کی طرف چہرہ پھیر لیا تو بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ مراقی الفلاح میں مصرح ہے۔ (طحطاوی ص۱۷۱)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہٰذا	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۴/۷/۱۳۸۵ھ

۱؎ وکذا یکرہ مکثہ قاعدا فی مکانہ مستقبل القبلۃ فی صلوۃ لا تطوع بعدھا کما فی شرح المنیۃ عن الخلاصۃ و الکراھۃ تنزیھیۃ کما دلت علیہ عبارۃ الخانیۃ۔ (شامی ج۱ ص۳۹۲)۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب فتاویٰ ہٰذا۔

جسے رکعت مل جائے اسے تکبیرِ افتتاح کا ثواب ملجائیگا

تکبیر تحریمہ کو کب تک حاصل کیا جاسکتا ہے۔

الجواب تکبیر اولیٰ کی فضیلت کب تک حاصل ہوسکتی ہے اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ عالمگیریہ میں صحیح اس کو کہا ہے کہ رکعت اولیٰ جب تک مل جاتی ہے اس وقت تک تکبیر اولیٰ کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔ قال فی الھندیۃ۔

اما فضیلۃ تکبیرۃ الافتتاح فتکلموا فی وقت ادراکھا والصحیح ان من ادرک الرکعۃ الاولیٰ فقد ادرک فضیلۃ تکبیرۃ الافتتاح کذا فی الحصر فی باب ابی یوسف رح (عالمگیریہ ج۱ ص۲۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۱/۴/۱۴۰۳ھ

موٹر میں وضو سے نماز ممکن نہ ہو تو جیسے ہو اشارہ سے پڑھ لے بعد میں اعادہ کرے

سواری کے چلتے ہوئے اگر نماز کا وقت ہو جائے اور ڈرائیور موٹر نہ روکے اور نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو تو نماز قضاء کر دے اور بعد اترنے کے قضا پڑھے موٹر میں بیٹھ کر نہ پڑھے نماز نہ ہوگی۔ یہ عذر نہیں چلتا یہ زید نامی کہتا ہے۔ اور دلیل اس پر یہ کہ ایک شخص موٹر سے اس وقت اترتا ہے کہ سورج ڈوبنے کو ہوتا ہے اور اس نے نماز پڑھنی ہوتی ہے اور پانی قریب بھی ہوتا ہے اور اسے معلوم بھی ہوتا ہے تو اگر پانی کی طرف جاتا ہے تو نماز قضا ہوتی ہے تو جیسا اب پانی کے قریب ہونے کی وجہ سے تیمم نہ کرے۔ نماز قضا کرے۔ پانی تک پہنچ کر وضو کر کے نماز قضا پڑھے۔ اب یہی نماز موٹر کا مسئلہ ہے۔

مثلاً ایک عورت ہے نماز اس نے پڑھنی ہے ڈرائیور موٹر نہیں روکتا۔ اب وہ عورت مردوں میں کس طرح نماز پڑھے۔ قیام بھی نماز میں فرض ہے موٹر میں قیام ہو نہیں سکتا۔ تو زید کی اس دلیل کا کیا جواب ہے۔

الجواب بحر میں ہے کہ

وفی الخلاصة و قاضیخان وغیرهما الاسیر فی ید العدو اذا منعه الکافر عن الوضوء و الصلوٰة یتیمم ویصلی بالایماء ثم یعید الی قوله فعلم منه ان العذر ان کان من قبل الله تعالی لا تجب الاعادة وان کان من قبل العبد وجبت الاعادة - (بحر الرائق ج۱: ص۱۴۹)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز کو قضاء نہ کرنا چاہیئے البتہ ایسی صورت میں نماز اشارہ کے ساتھ ادا کر لینی چاہیئے۔ دوبارہ بوقت فرصت اعادہ واجب ہوگا۔ کیونکہ اشارہ کیا تھا ادا کردہ نماز پہ اکتفا صحیح نہیں۔ اور یہی حکم ہے جب کہ مذکورہ وجہ کی بنا پر بیٹھ کر گاڑی یا موٹر میں نماز ادا کی گئی ہو۔ پس سائل کے کلام سے یہ جو مترشح ہوتا ہے کہ موٹر میں اشارہ سے یا بیٹھ کر نماز نہ پڑھے بعد میں قضاء ضروری ہے (یہ غلط ہے) بلکہ بعد از اترنے موٹر کے اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی
خیر المدارس ملتان ۲۴ / ۱۱ / ۹۰ ۱۳ھ

نماز میں وساوس سے بچنے کی ایک ترکیب

نماز میں گمراہ کن وساوس آنے کیسے ہیں اوران کا دفعیہ کیا ہے۔ نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آتی۔ وضاحت سے ارشاد فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب نماز میں تلاوت وتسبیحات وغیرہ کی طرف دھیان رکھے ہر لفظ کو منہ سے نکالنے سے پہلے یہ خیال کرے کہ اب میں یہ لفظ منہ سے نکال رہا ہوں سوچ سوچ کر ہر لفظ زبان سے نکالے جب دھیان ہٹ جائے تو یاد آنے پر پھر الفاظ ومعانی کی طرف دھیان کو لے آئے۔ پھر خیال ہٹے تو پھر الفاظ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ چند دنوں تک کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا اور وساوس میں تخفیف ہونا شروع ہو جائے گی۔ اس طرح نماز پڑھنے میں انشاء اللہ پورا ثواب ملے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

۲۹ / ۴ / ۸۶ ۱۳ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

يجب الاتيان بالتحريمة قائما

هل تجوز صلوة من ادرك الامام فى الركوع فشمل فيه ولم يقم ساعة واحدة ؟

شیر محمد فاروقی قمبر لاڑکانہ سندھ

الجواب لا تجوز صلوة من دخل فى الصلوة منحنيا بل يجب الاتيان بالتحريمة قائما "من شروط صحة التحريمة الاتيان بالتحريمة قائما" (مراقى الفلاح : ص ۱۱۹)۔

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۹ / ۱ / ۱۳۷۴ھ

رکوع و سجود سے ہوا خارج ہو جاتی ہو تو اشارے سے نماز پڑھ لے

زید کو ناسور کی تکلیف تھی اپریشن کرانے سے اس کو آرام آگیا۔ اب زید نماز میں رکوع و سجدہ کرتا ہے تو اس کی ہوا خارج ہوتی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اس سے اس کو نجات مشکل ہے اور رکوع و سجدہ کے بغیر وضو صحیح رہتا ہے۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ زید نماز کو رکوع و سجود کیساتھ ادا کرے یا اشارہ کر کے نماز پڑھے ؟

سائل عبدالرحمٰن ملتانی

الجواب وفی الشامیۃ ج ۱ ص ۲۸۳ - (قولہ ولو بصلاتہ مومئا) ای کما اذا سال عند السجود ولم یسل بدونہ فیومی قائما او قاعدا الخ -

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور رکوع و سجدہ کو اشارہ کے ساتھ ادا کرے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ ہذا	بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱ / ۶ / ۱۳۹۲ھ

جن چٹائیوں پر رقص کیا گیا ہو ان پہ "نماز" پڑھنے کا حکم

ایک شخص نے مسجد کی چٹائیاں بلا اجازت اٹھا کر قوالی کے لئے فرش بنایا اور ان پہ حقہ و سگریٹ نوشی کی گئی اور کھینچا تانی سے ان کو خراب کیا گیا۔ اب ان چٹائیوں کا مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے۔

قاری غلام قادر

شاہ جمال ٹاؤن ؛ والٹن روڈ لاہور

الجواب مسجد کی چیز کو مسجد کے علاوہ دوسرے کاموں میں استعمال کرنا خصوصاً ایسے منکرات میں جہاں حقہ اور سگریٹ نوشی بھی ہوتی ہو جرم اور گناہ ہے شریعت میں اس پر ضمانِ مانقص واجب ہے۔ اگر چٹائیاں نجس ہو چکی ہوں دھونا بھی ضروری ہے۔ اگر نجس نہ ہوں تو اسی طرح استعمال کر سکتے ہیں مگر احتیاط دھو لینے میں ہے۔ علامہ ابن الحاج مدخل ، ج ۲ ، ص ۱۵۴ - میں فرماتے ہیں۔

قالت الحنفية الحصر التي يرقص عليها لا يصلى عليها . اھ

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفر اللہ لہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا۔ یکم محرم ۱۳۶۹ھ	خادم الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

جس کا کچھ ذریعہ آمد ناجائز ہو اسے نماز پڑھنے کا کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں

زید نے بکر سے کہا کہ بھائی نماز پڑھا کرو۔ تو بکر نے جواب دیا کہ مجھ کو نماز کا ثواب تو ملے گا ہی نہیں لہذا نماز پڑھنے سے کیا فائدہ ؟ بکر چونکہ اپنی تنخواہ کے علاوہ کچھ رقم ناجائز ذرائع سے حاصل کرتا ہے۔ بکر نے یہ جواب مندرجہ ذیل احادیث کی وجہ سے دیا۔

۱ ، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کا گوشت پوست مال حرام سے پلا ہوگا اس پر بہشت حرام ہے اور دوزخ حلال ۔

۲ ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے جسم پر ایک کپڑا ہے اور اس میں دسواں حصہ حرام مال کا ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی ۔

لہذا بکر نے مندرجہ بالا احادیث کا حوالہ دے کر نماز پڑھنے سے مجبوری ظاہر کی۔ لہذا نماز پڑھنے سے کیا فائدہ ۔ لیکن زید نے اس کو ایک اور حدیث مقدس کا حوالہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے لہذا نماز پڑھا کرو انشاء اللہ تم حرام روزی کو ترک کر دو گے۔ اور دوسرا یہ کہ فرضیت نماز قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ زید و بکر میں سے کس کی بات صحیح ہے۔

سائل دلاور خان کرمانی ، عام خاص باغ ملتان

الجواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے شخص مذکور کا یہ رویہ اختیار کرنا کہ ناجائز وحرام امور سے بچنے کی بجائے نماز ہی کو بے فائدہ سمجھ کر ترک کر دینا یہ نہایت ہی نادانی کی بات ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد تو یہ ہے کہ حرام کام چھوڑ دو اور نماز ادا کرو۔ اور یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حرام چھوڑنے کی بجائے نماز ہی چھوڑ دو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو رحمۃ للعلمین اور ہادی کی ہے۔ اور جو رویہ بکر نے اختیار کیا ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین اور ہادی امت نہیں بلکہ نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے گمراہ کنندہ ہیں۔ کیونکہ اس کے نماز چھوڑنے کا سبب فرمان نبوی ہے۔ یعنی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ فرماتے تو یہ نماز نہ چھوڑتا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین اور ہادی امت اور خیرخواہ ہیں یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے وہ چیزیں جو اللہ کی عبادت کو نقصان پہنچانے والی ہیں ان کو بیان فرما دیا تاکہ اللہ کے بندے اپنے فریضہ عبادت کو اچھی طرح ادا کر سکیں۔

اس کی مثال تو یوں سمجھئے کہ ایک طبیب یا ڈاکٹر بیمار کو یوں کہہ دے کہ میری دوائی تجھے تب فائدہ کرے گی جب تو فلاں فلاں چیز سے پرہیز کرے گا۔ تو کیا اگر بیمار یہ کہہ کر چھوڑ دے کہ پرہیز تو مجھ سے ہوتی نہیں تو چلو دوائی ہی چھوڑ دوں۔ کیونکہ فائدہ تو ہوگا نہیں تو اس کو عقل مند کہا جائیگا؟ اور کیا بیماری سے نجات پا جائے گا۔ اور کیا طبیب یا ڈاکٹر نے اس کو خیرخواہی اور فائدے کی بات نہیں بتلائی کہ بیچارہ دوائی پر پیسے بھی خرچ کرے گا اور بدپرہیزی کی وجہ سے اس کو فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ تو کیا یہ ڈاکٹر یا طبیب کا اس پر احسان نہیں ہے۔ اس طرح بھائی انسان کے لئے جیسے ایک یہ ظاہری زندگی ہے ایسی طرح ایک روحانی زندگی بھی ہے جس کی غذا و دوا اطاعت اللہ ہے اور اس میں بدپرہیزی ارتکاب معاصی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی طبیب ہیں تو آپ نے اپنی امت پر احسان کرتے ہوئے۔ کہ اللہ تعالٰے کے بندے اپنی قیمتی عمر کا ذخیرہ خرچ کر کے اللہ کی عبادت کریں گے لیکن بدپرہیزی کی وجہ سے اس کا فائدہ نہ ہوگا۔ ان کی عمر رائیگاں جائے گی، یہ بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ فلاں فلاں چیز سے پرہیز بھی کرتے رہو۔ اب اگر کوئی الٹی سمجھ والا یوں کہے کہ حرام تو مجھ سے چھوٹتا نہیں چلو نماز ہی چھوڑ دو۔ تو ایسی عقل پر سوائے ماتم کرنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے ذرا یہ تو پوچھو کہ حرام کا مال جمع کر کے کہاں جاؤ گے۔ اور یہاں تو ہمیں

یہ جواب دیتے ہو اور اللہ تعالےٰ کے لئے کیا جواب سوچا ہے۔

فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح　　　　　　　　　　　　بندہ اصغر علی عفرلہٗ

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان　۷ محرم ۱۳۹۳ھ　نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

حیّ علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہونے کے بارے میں ایک تحقیق

یہ تحریر لاہور کے رسالہ "انوار العلوم" میں شائع ہوئی تھی حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے اسے پسند فرمایا۔ اور فرمایا کہ اسے رجسٹر نقل فتاویٰ میں نقل کر لیا جائے۔ غالباً منشا یہ ہوگا کہ جب فتاویٰ چھپے تو یہ بھی ساتھ چھپ جائے۔ اس لئے اسے شاملِ فتاویٰ کیا جاتا ہے۔

محمد انور مرتب خیر الفتاویٰ

ابتداءِ تکبیر یا حیّ علی الصّلوٰۃ پر اٹھنا تمام فقہائے احناف میں سے کسی کے نزدیک بھی نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ سنتِ مؤکدہ نہ غیر مؤکدہ۔ اس لئے اس پر کسی ایک صورت پر اتنا جمنا کہ ایک دوسرے پر اعتراض کرے اسکو خطاکار بتائے اور گناہ گار قرار دے۔ محض غلو اور شریعت کے اصول میں ناپسند اور قابلِ انکار ہے۔ تمام فقہائے احناف نے ان باتوں کو مستحبات یا آداب میں شمار کیا ہے۔

"بدائع الصنائع" میں و یستحب ہے۔ "بحر الرائق" اور "تبیین الحقائق" میں فیستحب المسارعة ہے۔ نور الایضاح میں فصل من آدابها ہے۔ کنز الدقائق میں اور ملتقی الابحر میں وآدابها ہے۔ درمختار میں ولها آداب ہے۔ اور اسی طرح تمام فقہائے احناف نے حیّ علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو بیان کیا ہے۔ کسی نے فرض، واجب، سنتِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ نہیں کہا کہ ایسا نہ کرنے والے کو کوئی شخص کسی درجہ کا مجرم کہہ سکے۔

علامہ عینی حنفی رح نے عمدۃ القاری شرح بخاری رح میں لکھا ہے کہ سلف میں اختلاف ہے کہ لوگ نماز کے لئے کب کھڑے ہوں۔ امام مالک رح اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ ان کے کھڑے ہونے کی کوئی حد نہیں۔

لیکن علمائے امت نے اس وقت کے کھڑے ہونے کو مستحب قرار دیا ہے جب مؤذن اقامت شروع کردے۔ (ج ۲ ؛ ص ۶۷۶)۔ لفظ یہ ہیں۔

اختلف السلف متی یقوم الناس الی الصلوٰة فذهب مالك وجمهور العلماء الی أنه لیس لقیامهم حد ولکن استحب عامتهم القیام اذا اخذ المؤذن فی الاقامة ۔(عمدۃ القاری)۔

درمختار اور شامی وغیرہ کتب فقہ میں اس کی پانچ صورتیں لکھی ہیں جن میں سے صرف ایک صورت میں اختلاف ہے اور چار میں سب حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق ایک ہی بات مستحب ہے۔

۱ : امام خود تکبیر نہ کہہ رہا ہو، دوسرا شخص کہہ رہا ہو۔ اور امام محراب سے دور مسجد سے باہر ہو اور نمازیوں کے پیچھے کی طرف سے آرہا ہو تو جس صف کے پاس پہنچے وہ لوگ کھڑے ہوجائیں۔

۲ : تکبیر دوسرا شخص کہہ رہا ہو امام محراب یا مسجد سے باہر ہو۔ اور نمازیوں کے سامنے کی جانب سے آئے۔ تو جب امام پر نمازیوں کی نظر پڑ جائے تو سب کھڑے ہوجائیں۔

۳ : امام محراب یا مسجد سے باہر ہو اور خود تکبیر کہتا ہوا آئے تو جس صف کے پاس پہنچے وہ کھڑی ہوجائے۔

۴ : امام محراب میں ہو اور خود تکبیر کہہ رہا ہو۔ تو جب تکبیر ختم ہوجائے اس وقت سب کھڑے ہوجائیں۔

ان چاروں صورتوں میں ان احکام بالا کے مستحب ہونے میں ائمہ احناف کا اختلاف نہیں۔

۵ : تکبیر دوسرا شخص کہہ رہا ہو اور امام اور مقتدی سب مسجد میں اور محراب کے قریب ہوں تو امام اور مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اس میں ائمہ احناف کا اختلاف ہے۔ علامہ عینیؒ بحوالہ بالا لکھتے ہیں۔

۱ : امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح کا قول تو یہ ہے۔ کہ یہ سب لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں کہ تکبیر کہنے والا حی علی الصلوٰۃ کہے۔

۲ : امام زفر رح کہتے ہیں کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰة پہلی بار کہے تو سب لوگ کھڑے ہوں اور جب دوسری بار کہے تو نماز شروع کردیں۔

۳ : امام ابویوسف رح فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہولے نہ کھڑے

ہوں اور یہی امام شافعی رح کا مذہب ہے۔ علامہ طحطاوی رح نے درمختار کی شرح ج ۱ ص ۱۴۱۔
میں اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔

قوله والقيام لامام و مؤتم الخ الظاهر أنه احتراز عن التاخير
لا التقديم حتى لو قام اوّل الاقامة لا بأس۔

صورت نمبر ۵ کا فیصل شدہ مفہوم یہ ہوا کہ جب امام اور مقتدی سب مسجد میں اور محراب کے قریب ہوں تو مستحب یہ ہے کہ ابتداء تکبیر پر یا کچھ بعد مگر حی علی الصلوۃ سے پہلے کھڑے ہو جائیں۔ اور درمختار میں مستحبات نماز کے ذکر میں، جن میں حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہونے کا بھی بیان ہے

ولها اداب تركه لا يوجب اساءة ولا عتابا كترك السنة الزوائد
لكن فعله افضل۔ (ص ۴۴۷)

علامہ ابن عابدین شامی رح لکھتے ہیں۔

قوله كترك سنة الزوائد هى السنن الغير المؤكدة كسيره عليه الصلوة والسلام الخ و يقابلها سنن الهدى كالاذان والجماعة ويقابل النوعين النفل ومنه المندوب والمستحب والادب۔ (ج ۱ : ص ۴۹۸)

اس سے پہلے ایک اور مقام پر مندوب مستحب کا حکم بتاتے ہوئے صاف کہا ہے کہ
وصرح القهستاني بانه دون سنن الزوائد ۱ (ج ۱ : ص ۱۲۹)۔

طحطاوی نے اس کو اور صاف کر دیا ہے۔ شرح درمختار میں ہے۔ قوله تركه لا يوجب اساءة ای كراهة تنزيهية۔ (ج ۱ : ۲۳۰)۔

ممکن ہے بعض لوگوں کو فقہائے متقدمین کے بعض لفظوں سے غلط فہمی ہو جاتی ہو کہ انہوں نے منع یا مکروہ کے لفظ لکھ دیئے ہیں۔ تو اصل یہ ہے کہ خلافِ مستحب یا خلاف ادب یعنی خلافِ افضل کو ہی بدائع میں منع اور طحطاوی شرح مراقی الفلاح وغیرہ میں مکروہ سے تعبیر کیا ہے۔ ان بزرگوں کا انتہائی تقوی خلافِ ادب کو مکروہ سمجھتا ہے مگر یہ بات راجح نہیں۔ تقوی کے درجہ میں منع یا مکروہ کہہ لیا جائے تو یہ اور بات ہے ورنہ فتوے کے درجہ میں ترکِ مستحب و ادب کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں کہا جاتا۔

علامہ شامی رح نے اس پر بڑی اچھی بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ترکِ مستحب مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہو سکتا۔ آخری جملے یہ ہیں۔

وقال فی البحر هناك ولا یلزم من ترك المستحب ثبوت الکراهة اذ لا بد لها من دلیل خاص اھ اقول وهذا هو الظاهر اذلا شبهة أن النوافل من الطاعات کالصلوة والصوم ونحوهما فعلها اولی من ترکها بلا عارض ولا یقال ان ترکها مکروه تنزیها۔ (شامی ص۹۱ ج۱۔ کوئٹہ)

کراہت سمجھنے میں ایک اور غلطی بھی ہورہی ہے۔ کہ لوگوں نے اس اختلافی پانچویں صورت میں کہ امام ومقتدی سب مسجد میں ہوں اور دوسرا شخص تکبیر کہہ رہا ہو۔ اس میں پہلے سے کھڑے ہونے کو مکروہ سمجھ لیا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ کراہت بمعنی خلاف افضل ہونا ضروری ہے۔ اس صورت سے تعلق ہی نہیں رکھتی بلکہ یہ تو صرف پہلی اتفاقی صورت کے متعلق ہے۔

طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں اس کراہت کو اس صورت کے تحت لکھا ہے۔ وان لم یکن حاضرا یقوم کل صف حین ینتهی الخ (ص ۱۵۱)

اب صورت نمبر ۱ سے تعلق رکھنے والی عبارت کو صورت نمبر ۵ سے متعلق کرنا اچھی بات نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے علاوہ خود حضرات کے اس لفظِ کراہت کے ضعیف ہونے کی طرف بھی فقہاء نے اشارہ کیا ہے کہ اس کو ضعیف کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔

طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے۔ وربما یؤخذ منه کراهة تقدیم الوقوف فی البحث السابق۔

درمختار میں آداب نماز میں یہاں مذکورہ بالا صورت کو لکھا ہے وہیں آگے لکھا ہے۔ کہ جب تکبیر کہنے والا قد قامت الصلوۃ کہے امام نماز شروع کردے۔ یعنی اس کو بھی اسی طرح ادب اور مستحب بیان کیا ہے جس طرح مذکورہ بالا صورتوں کو مستحب بیان کیا ہے۔ پھر آگے لکھا ہے کہ امام اگر تکبیر کے ختم ہونے پر شروع کرے تو کوئی حرج نہیں۔ اور خلاصۃ الفتاوی سے اس کو اصح ہونا نقل کیا ہے۔

شامی رح نے اس کی علت یہ بیان کی ہے۔ لان فیه محافظة علی فضیلة متابعة المؤذن واعانة له علی الشروع مع الامام۔ (ج۱ ص ۴۹۹)۔

اور علامہ طحطاوی رح نے اس کی علت یہ قرار دی ہے۔ لانه لا یقع الاشتباه علی المصلین ص۲۲۳ ج۱

فقہاءِ سلف نے خود بھی دو مقام پر اس کی تصریح کی ہے کہ مسجد ومحراب کے قریب ہونے کے وقت نہ بیٹھیں یہ دو وقت جن میں لوگ مسجد ہی میں ہوتے ہیں۔ مغرب اور جمعہ کے وقت ہیں۔ مغرب کی اذان

اور تکبیر کے درمیان امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کھڑا ہی رہنا چاہئے۔ درمختار میں ہے ویجلس بینھما الا فی للغروب فیسکت قائما ۔ نیز درمختار میں جمعہ کی بحث میں ہے۔ فاذا اتم اقیمت ۔ شامی میں ہے ۔ بحیث یتصل اوّل الاقامۃ باخر الخطبۃ وتنتھی الاقامۃ بقیام الخطیب مقام الصلوۃ ۔ (ج ۱، ص ۶۰۸ مطبوعہ کوئٹہ)۔

فقہاء کرام رح نے تصریح کی ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب پر اس قدر سختی کرتا ہے وہ ضرور گمراہ اور گناہگار ہوتا ہے اور خود وہ فعل اس کے لئے بجائے مستحب ہونے کے ناجائز ہوجاتا ہے۔

ملا علی قاری حنفی رح نے فرمایا ہے ۔ قال الطیبی ان اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال ۔ (مرقات : ج ۲، ص ۳۵۳)

عالمگیری میں بعض افعال کے مکروہ ہونے کی علت یہ قرار دی ہے۔ مکروہ لان الجھال یعتقدونہ سنۃ واجبۃ ۔

اور علامہ شامی رح نے نماز کے لئے ایک سورت معین کرلینے کے مکروہ ہونے کی علت یہ بیان کی ہے لان الشارع اذا لم یعین علیہ شیئا تیسیرا علیہ کرہ لہ ان یعین۔ (شامی ج ۱ ص)

ماخوذ از رسالہ "انوار العلوم" لاہور ؛ بابت ماہ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ

استقبال کس حد تک ضروری ہے

س ایک مسجد کا رخ صحیح قبلہ کی طرف نہیں تھا کافی فرق تھا اب قبلہ کا رخ صحیح معلوم ہوگیا ہے۔ آیا سابقہ نمازیں ہوگئیں ۔ نیز اب اگر صحیح سمت یعنی عین قبلہ کی طرف منہ نہ کریں بلکہ غلط سمت کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں جس طرف مسجد بنی ہوئی ہے ۔ تو نماز درست ہوگی یا نہیں ۔ نیز صفوں کا رُخ عین قبلہ کی طرف بہتر ہے یا مسجد کے مطابق ۔ پیمانے کے لحاظ سے جہت قبلہ سے تیرہ ڈگری کا فرق ہے ؟

الجواب سمت قبلہ اور استقبال کی جو حد ضروری ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے چہرے کا ذرا سا کوئی حصہ خواہ وسطِ چہرہ کا ہو یا داہنی جانب کا ہو، یا بائیں کا بیت اللہ کے کسی حصہ کے ساتھ مقابل ہوجائے اور فن ریاضی کی اصطلاح میں عین قبلہ سے پینتالیس درجہ تک بھی انحراف ہوجائے تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہوجاتی ہے لہذا

سابقہ نمازیں صحیح ہیں۔ امداد المفتیین ، ج ۱ ، ص ۲۶)۔
جب معمولی انحراف سے استقبال فوت نہیں ہوتا تو تکلف کر کے صفوں کا رُخ بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۲ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۰/۴/۱ھ رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

عورت اور مرد کی نماز میں فرق کا حدیث سے ثبوت

یہاں پر کچھ غیر مقلد رہتے ہیں جو ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم حنفیوں نے عورت اور مرد کی نماز کا فرق از خود کیا ہے۔ حدیث سے اس کا کوئی ثبوت براہِ کرم ہو تو باحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا طریقہ نماز مرد سے مختلف ہے۔ عن یزید بن حبیب انہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ لیست فی ذلک کالرجل۔ اھ (رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ والبیہقی)۔

عن ابن عمر رض مرفوعا اذا جلست المرأۃ فی الصلوۃ وضعت فخذها علی فخذها الاخری فاذا سجدت الصقت بطنها علی فخذها کاستر ما یکون فان اللہ تعالی ینظر الیها یقول یا ملٰئکتی اشهدکم انی قد غفرت لها ۔ (اعلاء السنن ج ۳ ، ص ۱۳)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ؛ رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۷/۸/۱۳۹۹ھ

بار بار کپڑا نجس ہوجاتا ہوتو تبدیل نہ کریں

بواسیر خونی کا ایک مریض ایسا ہے کہ ہر وقت اس کا خون رستا رہتا ہے اور وہ معذور ہے نماز کے لیے تو اس کو ایک بار وضو کرنا پڑے گا لیکن جو پاک کپڑا پہن کر وہ نماز پڑھتا ہے وہ تھوڑی دیر میں پھر خون آلود ہو کر ناپاک ہو جاتا ہے۔ تو اس سلسلہ میں ارشاد فرمائیں کہ وہ مریض اسی آلودہ کپڑے سے ہی نماز پڑھ لے یا وہ نماز توڑ کر کپڑا تبدیل کرے ؟

الجواب اسی کپڑے سے نماز پڑھ لے نماز توڑ کر نیا کپڑا بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وان سال علی ثوبه فوق الدرهم جاز له ان لا یغسله ان کان لو غسله تنجس قبل الفراغ منها ای الصلوة والا یتنجس قبل فراغه فلا یجوز ترك غسله هو المختار للفتوی۔ اھ (درمختار علی الشامیة : ج ۱ ص ۲۲۳)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نماز کے بعد پتہ چلا کہ رُخ صحیح نہ تھا

احقر نے دوران سفر ایک مسجد میں نماز پڑھی بعد میں نمازی آئے تو پتہ چلا کہ رُخ صحیح نہ تھا بندہ کو ضعف بصر ہے اور جگہ بھی نئی تھی اس لئے غلطی لگی۔ تو کیا نماز ہو گئی ؟

الجواب اگر سمت قبلہ کے بارے میں سوچ کر اس جانب کو قبلہ سمجھ کر اس طرف نماز پڑھی ہے تو نماز ہو گئی۔ خواہ رُخ قبلہ کی طرف تھا یا نہ تھا۔ اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ معمولی انحراف مفسد ہی نہیں۔ اذا دخل المسجد رجل وهو مظلم وصلی المغرب فلما فرغ من صلاته جیئ بالسراج فاذا هو صلی الی غیر القبلة ان صلاها بالتحری جاز ولا اعادة علیه افاده فی الشرح (طحطاوی ، ص ۱۳۳)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۵ / ۲ / ۱۴۱۱ھ

مایتعلق

بالقراءۃ وزلۃ القاری

سانس ٹوٹ جائے تو جملہ کا تکرار درست ہے

نماز میں قرأت کرتے ہوئے انقطاعِ نفس کی وجہ سے لفظ و جملہ مکمل نہ ہونے کی صورت میں اگر اسی لفظ یا جملہ کا تکرار کیا جائے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں ؟ جیسے کہ قراء حضرات عام طور پر کرتے ہیں۔

(مولانا) ابوسعید خدا بخش دہلی گیٹ ملتان

الجواب یہ تکرار تو عین اصولِ قرأت کے موافق ہے لہٰذا مفسدِ صلوٰۃ نہیں کما لا یخفی علی من مارس الکتب الفقہیۃ - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۲۸/۱۲/۱۳۶۸ھ

الجواب صحیح : ابراہیم عفی عنہ میانچنوں

بڑی آیت کو تقسیم کر کے تین رکعت میں پڑھا جائے تو نماز کا حکم

اگر بڑی آیت سے تھوڑا تھوڑا کر کے تین رکعت پوری کر دی جائیں تو نماز کو صحیح کرنے والی قرآت جو کہ رکن صلوٰۃ ہے متحقق ہو کر نماز کو صحیح مانیں گے یا باطل ؟ مثلاً لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض الخ کو تین رکعتوں میں پڑھا۔ عبدالعلیم جالندھری

الجواب لمبی آیت مثلاً آیت مداینت یا آیت الکرسی کو اگر دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھا جائے تو اصح یہی ہے کہ نماز ہو جائے گی۔

کما فی الدر ولو قرأ اٰیۃ طویلۃ فی الرکعتین فالاصح الصحۃ اتفاقا لانہ یزید علی ثلاث اٰیات قصار قالہ الحلبی ۔(درمختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۲۹۷)

اور اگر تین رکعات میں پڑھے تو اس کے متعلق صریح جزئیہ تو نہیں ملا البتہ احتیاط اس میں ہے کہ اس نماز کا اعادہ کیا جاوے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۲۹/۹/۱۳۸۴ھ

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مجرمین کی جگہ "محسنین" پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی

اگر تراویح میں فساد معنوی ہو مثلاً پ ۲۶ رکوع ۳ میں قوم عاد کی کفریہ حالت کا تذکرہ کر کے آخر میں کذلک نجزی القوم المجرمین ہے اس کی جگہ بجائے "مجرمین" کے "محسنین" پڑھا گیا بعد میں صحیح بھی نہیں کیا گیا۔ کیا نماز درست ہو گی ؟ عبدالعلیم جالندھری

الجواب صورت مسئولہ میں نماز فاسد ہو گئی اس لئے جس دوگانہ میں یہ آیت پڑھی گئی ہے وہ ادا نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۲۹/۹/۱۳۸۴ھ

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

نماز میں "سورۃ توبہ" کے شروع میں "اعوذ باللہ من النار" پڑھنے کا حکم

سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ شریف کی جگہ

"اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار ومن غضب الجبار العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین" پڑھنی چاہیئے یا نہیں ؟ اگر تراویح یا نماز میں پڑھی جاوے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں ؟

الجواب اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار نہ آیت ہے اور نہ قرآن میں داخل ہے لہذا اس کا نماز میں بسم اللہ کی جگہ پڑھنا ٹھیک نہیں۔ معہذا اگر کسی شخص نے تراویح میں پڑھ بھی دیا تو نماز میں فساد نہیں آئے گا۔ البتہ کراہت کے تحت آجائے گا۔

ولا بأس للمتطوع المنفرد ان یتعوذ من النار ویسئل الرحمۃ عند آیۃ الرحمۃ او استغفر وان کان فی الفرض یکرہ واما الامام والمقتدی فلا یفعل ذلک فی الفرض ولا فی النفل کذا فی المنیۃ۔

(عالمگیری: ج ۱ ص ۵۶)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ | بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

"خَیْرًا یَّرَہٗ" کی جگہ "شَرًّا یَّرَہٗ" پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی

امام صاحب نے بجائے خیرا یرہ کے شرا یرہ پڑھ دیا نماز ہوئی یا نہیں ؟

الجواب اگر خَیْرًا یَّرَہٗ کی جگہ شَرًّا یَّرَہٗ پڑھا ہے تو دوسری جگہ بھی "شرا یرہ" پڑھا ہوگا یا "خیرا یرہ" پڑھا ہوگا۔ پہلی صورت میں تکرار آیت و ترک آیت ہوا۔ اور دوسری صورت میں آیت کی تقدیم وتاخیر ہوئی اور یہ دونوں مفسد صلوۃ نہیں۔

ومنھا الخطاء فی التقدیم والتأخیر ان قدم کلمۃ علی کلمۃ او اخر ان لم یتغیر المعنی لا تفسد۔ اھ (عالمگیری: ج ۱: ص ۸۱)۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ | فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ، ۲۵ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

اَلْقِیَا فِیْ جَہَنَّمَ کُلَّ الآیۃ میں کُلُّ کو مرفوع پڑھنے کا حکم

امام صاحب نے نماز میں القیا فی جہنم کل نصب کیساتھ پڑھنے کے

بجائے "لام" پر پیش پڑھا گیا نماز ہوجائے گی؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں معنیٰ تبدیل نہ ہونے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

" وفی العالمگیریۃ ومنھا اللحن فی الاعراب الخطأ لا یغیر المعنی بان قرأ لا ترفعوا اصواتکم برفع التاء لا تفسد صلوتہ بالاجماع۔ اھ (ج ۱ ص ۸۱)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ | بندہ محمد صدیق غفرلہٗ ۱۴ صفر ۱۳۷۰ھ

"ص" کی جگہ "س" پڑھ دیا تو نماز کا حکم

اگر ایک آدمی نماز میں ص کی جگہ س پڑھ دے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

الجواب اگر "س" اور "ص" میں امتیاز کرسکتا ہے اور قصداً جان بوجھ کر ایک کی جگہ دوسرا حرف پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور سبقتِ لسانی سے بلا اختیار پڑھ گیا یا وہ امتیاز نہیں کرسکتا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

قال القاضی ابوعاصم ان تعمد ذلک تفسد وان جری علی لسانہ او لا یعرف التمییز لا تفسد وھو المختار حلیۃ وفی البزازیۃ وھو اعدل الاقاویل وھو المختار۔ اھ (شامی: ج ۱: ص ۴۶۸)۔

فقط واللہ اعلم

جواب صحیح ہے
عبدالشکور غفرلہٗ: ۱۷/۱/۱۳۶۸ھ | احقر خیر محمد مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵ محرم ۱۳۶۸ھ

"مسلمین" کی جگہ "مسرفین" پڑھا گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی

ایک جگہ نماز میں "مسلمین" کی بجائے "مسرفین" پڑھا گیا، اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوئی؟ ظہور الحق مدرسہ امداد العلوم، ایبٹ آباد، ہزارہ۔

الجواب یہ غلطی فاحش ہے نماز نہیں ہوئی۔ لوٹانا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

لَوْلَا کا تکرار مفسدِ صلوٰۃ نہیں

ایک صاحب نے نمازِ جمعہ پڑھائی۔ سورۂ منافقون کا آخری رکوع پڑھنا شروع کیا۔ جب فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا پر پہنچے تو اتفاقیہ سانس ٹوٹ گیا۔ دوبارہ انہوں نے پھر لَوْلَا اَخَّرْتَنِيْ اِلٰى اَجَلٍ سے آخر سورت تک پڑھا۔ ایک شخص نے کہا کہ نماز بالکل نہیں ہوئی۔ دلیل دریافت کی تو فرمایا کہ نفی کے تکرار سے اثبات لازم آتا ہے لہذا نماز بالکل نہیں ہوئی۔ جناب نمازیوں کی تسلی فرمائیں؟

الجواب نماز ہوگئی ہے اور فساد کے لئے دلیل مذکور فی السؤال کافی نہیں۔ جب تک کہ فساد پہ کوئی نقلی ثبوت نہ پیش کیا جائے۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ : ۲۴/۸/۱۳۷۸ھ

سانس ٹوٹ جانے کے بعد لَوْلَا کا تکرار کرنا تو مناسب بلکہ ضروری تھا اس سے نماز ہرگز نہیں ٹوٹی، مطمئن رہیں۔ والجواب صحیح : بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔

مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ میں قریبًا منصوب پڑھنے کا حکم

ایک شخص نے بحالت امامت يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ میں "قَرِيبٍ" کو "قَرِيبًا" منصوب پڑھا۔ آیا نماز درست ہوگئی یا نہیں؟

الجواب نماز صحیح ہوگئی ہے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کما فی الخانیہ ج ا ص ۱۴۷۔

اما الخطاء فی الاعراب اذا لم یغیر المعنی لا تفسد الصلٰوۃ عند الکل الی قولہ لان الخطاء فی الاعراب مما لا یمکن الاحتراز عنہ فیعذر۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
۸ / ۳ / ۱۳۷۷ھ

اَكِيْدُ كَيْدًا کی جگہ يَكِيْدُ كَيْدًا پڑھنے کا حکم

صبح کی نماز کی جماعت میں اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا کی بجائے اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّيَكِيْدُ كَيْدًا پڑھا گیا۔ نماز ہوگئی یا نہیں۔ یا نماز لوٹانے کی ضرورت ہے؟

الجواب کتب فقہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صورت مسئولہ میں نماز فاسد نہیں ہوئی لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں، قال فی فتاوی قاضی خان ، ج ۱ ، ص ۹۹ ۔

وفعال لما یرید قرأ بالتاء ترید لاتفسد صلوته ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
۱۸ / ۱۲ / ۱۳۷۶ ھ

"خیر البریۃ" کی جگہ "شر البریۃ" پڑھ دینے سے نماز کا حکم

امام صاحب نے نماز میں ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولٰئک ھم خیر البریہ کی جگہ " شر البریہ " پڑھا یا " رسول من اللہ " کی جگہ " رسول منھم " پڑھا تو نماز ہوگئی یا نہیں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں بہ تقدیر صحت واقعہ دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہوگئی ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ
۶ ، محرم الحرام ۱۳۹۳ ھ ۔

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ، ملتان

ثم لم یتوبوا ۔ کو بوجہ وقف دوبارہ یتوبوا ۔ پڑھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں

ایک امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے انہوں نے سورۃ بروج پڑھی ان الذین فتنوا المؤمنین آیت پڑھتے ہوئے ثم لم یتوبوا پر سانس ٹوٹ گیا ۔ جب دوبارہ لوٹا کر پڑھا تو پھر یتوبوا سے پڑھا لم نہیں پڑھا ۔ پہلی دفعہ پڑھا تھا ۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ نماز فاسد ہوگئی کیونکہ معنی بدل گئے ۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

الجواب وان تغیر المعنی تغیرا فاحشًا نحو ان یقرأ لا الٰہ و یقف ثم یبتدأ بقولہ الا ھو او قرأ وقالت الیھود ویقف ثم یبتدأ عزیر ابن اللہ ونحو ذلک قال عامۃ العلماء لا تفسد صلوتہ لما قلنا

من المعنى وقال بعضهم تفسد ۔ (قاضی خان۔ ج۱۔ ص۷۵)۔
اس روایت سے نماز کے صحیح ہونے کی گنجائش نکلتی ہے آئندہ اس سے احتیاط کی جائے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ اصغر علی عفرلہٗ ۲۱/۴/۸۷/۱۳ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

فاما من ثقلت موازینہ فامہ ھاویۃ پڑھنے کا حکم

ایک امام صاحب کی قرأت غلط ہے انہوں نے مختلف اوقات میں یہ غلطیاں کی ہیں۔

۱ : سورۃ قارعہ میں فاما من ثقلت موازینہ کے بعد بھول کر فامہ ھاویہ وما ادرٰک ماھیہ پڑھ دیا۔

۲ : ایک دفعہ اذا زلزلت الارض میں خَیْرًا یَّرَہٗ کی بجائے شَرًّا یَّرَہٗ پڑھا۔

۳ : سورۃ لم یکن میں بھولے سے "خیر البریۃ" کی بجائے "شر البریۃ" پڑھا۔

۴ : سورۃ والضحیٰ میں ولا سوف یعطیك اور سورۃ والتین میں لاقد خلقنا الانسان

ان صورتوں میں نماز ہوتی یا نہیں ؟ عبد الرشید راولپنڈی

الجواب پہلی اور تیسری صورت میں نماز فاسد ہو گئی۔
دلیلہ ما فی الھندیۃ اما اذا غیر المعنی بان قرأ ان الذین امنوا وعملوا الصٰلحٰت اولٰئك ھم شر البریۃ تفسد صلوتہ عند عامۃ علمائنا وھو الصحیح اھ (ج۱ : ص۸۲)

دوسری صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔ چوتھی صورت میں احتیاطاً نماز کو لوٹا لینا ضروری ہے۔
فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷/۸/۸۸/۱۳ھ

مقتاً عند اللہ کے بعد علی اللہ کے اضافے سے نماز فاسد نہیں ہوگی

صبح کی نماز میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورۃ مدثر پڑھی پھر دوسری رکعت میں سورۃ صف پڑھی کَبُرَ مقتاً عِند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون

کی بجائے کبرمقتاً عند اللہ علی اللہ ان تقولوا مالا تفعلون پڑھا یعنی علی اللہ کا لفظ بڑھا دیا۔ کیا یہ نماز درست ہوگئی یا اعادہ کیا جائے۔

الجواب ومنہا زیادۃ کلمۃ لاعلی وجہ البدل الکلمۃ الزائدۃ ان غیرت المعنی ووجدت فی القرآن نحو ان یقرأ والذین امنوا وکفروا باللہ ورسلہ اولٓئک ہم الصدیقون اولم یوجد نحو ان یقرأ انما نملی لہم لیزدادوا اثما وجمالاً تفسد صلوتہ بلاخلاف وان لم تغیر المعنی فان کانت فی القرآن نحو ان یقرأ ان اللہ کان بعبادہ خبیرا بصیرا لا تفسد بالاجماع وان لم تکن فی القرآن نحوان یقرأ فیہا فاکہۃ ونخل وتفاح ورمان لا تفسد صلوتہ عند عامۃ المشائخ اھ (عالمگیری : ج ۱ : ص ۸۱)۔

جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ صورتِ مسئولہ میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ پہلی سورتوں کو دوسری رکعت میں دانستہ پڑھنا مکروہ ہے۔ جیساکہ امام مذکور نے پڑھا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۱۴/ ۵/ ۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔

یوم تشقق الارض عنہم سراً پڑھنے سے نماز فاسد ہوجائیگی

امام صاحب نے نماز پڑھاتے ہوئے آیت کریمہ یوم تشقق الارض عنہم سراعًا میں سِرَاعًا کی جگہ سِرًّا پڑھا اس سے مقتدیوں میں اختلاف ہوا کہ نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ شرعاً حکم بیان فرماویں۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں "سِرَاعًا" کی جگہ "سِرًّا" پڑھنے سے نماز فاسد ہوگئی۔ کیونکہ کسی کلمہ کا حرفِ اصلی حذف ہونے سے اگر معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ وان حذف حرفا اصلیا من کلمۃ فتغیر المعنی تفسد صلوتہ فی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ۔ (قاضیخان ج ۱ ص ۷۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ ۔۔۔ بندہ اصغر علی غفرلہٗ ۱۰ محرم ۱۳۷۶ھ

سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا والی آیت چھوڑ دی تو نماز کا حکم

امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کا پہلا رکوع شروع کیا المفلحون تک پڑھا درمیان میں ان الذین کفروا والی آیت چھوڑ دی اور ختم اللہ پڑھ کر رکوع پورا کر دیا، کیا نماز صحیح ہوگئی ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں اگر تو مفلحون پر وقفِ تام کرنے کے بعد ختم اللہ کو شروع کیا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی اور اگر ملا کر پڑھا ہے تو نماز فاسد ہوگئی۔

ولو قرأ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت ووقف وقرأ بعد الوقف التام اولٰئک اصحاب الجحیم او اولئک ھم شر البریۃ وما اشبہ ذلک مما فیہ تغییر حکم اللہ تعالٰی علی احد الفریقین بضدہ لا تفسد لصیرورۃ الکلام الثانی مبتدأ لہ غیر متصل بالاول فلم یتعین الحکم بالضد ولو لم یقف ووصل قال عامۃ المشائخ تفسد صلوتہ لانہ اخبر بخلاف ما اخبر بہ اللہ تعالٰی ولو اعتقدہ یکون کفرا۔اھ

(کبیری ص۴۵۳)

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح : محمد صدیق عفرلہ
محمد انور عفا اللہ عنہ	مدرسہ خیر المدارس ، ملتان
۱۸ / ۹ / ۱۳۹۶ھ	

لا یملکون منہ اِلاَّ خطابًا پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی

ایک امام صاحب نے فجر کی نماز کی امامت کرتے ہوئے سورۂ نبا پڑھی۔ پڑھتے ہوئے غلطی وخطا سے لا یملکون منہ خطابا کے بجائے لا یملکون منہ اِلاَّ خطابا پڑھ دیا۔ آیا یہ نماز درست ہوگئی یا نہیں ؟ اگر نماز نہیں ہوئی تو پھر تمام مقتدیوں اور خود امام صاحب کو جو کہ وہاں کے مقیم نہیں تھے کیسے اطلاع دی جائے۔ اور جب تک اطلاع نہ پہنچ سکے تو ان کی نماز کا کیا بنے گا۔ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب مذکورہ نماز نہیں ہوئی جہاں تک ممکن ہو انکو اطلاع دیجائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ؛ ۲۰/۱/۱۴۰۸ھ

امام نے پہلی رکعت میں والناس پڑھی تو دوسری میں کون سی پڑھے

ایک اسلامی مملکت کے سربراہ صاحب لحیہ مسنونہ

ایک جلسہ عظیم میں تقریر کر رہے تھے دوران جلسہ نماز کے لئے اذان ہوگئی۔ جلسہ میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اذان ہوگئی چلو نماز پڑھنے چلیں۔ سربراہ نے کہا آپ پڑھیں میں شام کو پڑھوں گا اور اپنی تقریر جاری رکھی۔ کیا یہ نماز شام کو ادا کرنی درست ہے؟

۲: ایک شخص نماز پڑھاتا ہے۔ اور جن آیات کو پہلی رکعت میں پڑھ چکا ہے دوسری میں اس سے بھی پچھلی آیات پڑھتا ہے۔ مثلاً پہلی رکعت میں سورۂ والناس اور دوسری میں اس سے پچھلی سورت پڑھتا ہے۔ کیا اسطرح قرأت درست ہے اور نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

۱: قرآن حکیم میں پانچوں نمازوں کے لئے وقت متعین ہے جو نماز متعینہ وقت کے بعد ادا کی جائے وہ قضا ہوتی ہے ادا نہیں اور بلا عذر تاخیر جائز نہیں۔

۲: فرائض میں جو پہلے سورت پڑھی گئی ہے اس کے بعد پیچھے والی سورتیں پڑھنی چاہئیں۔ بالقصد اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔ بھول کر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں نماز ہر حال میں ہوگئی۔ اگر پہلی رکعت میں والناس پڑھی ہے تو دوسری میں بھی والناس پڑھے۔

قرأ فی الاولیٰ بقل اعوذ برب الناس یقرأ فی الثانیۃ ھذہ السورۃ اھ (فتح القدیر ص۳۳۳ ج۱)

الجواب صحیح
محمد صدیق عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰-۴-۱۳۹۸ھ

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی پر وقف کے بعد فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی پڑھا تو نماز کا حکم

امام صاحب نے نماز عشاء میں سورت واللیل اذا یغشی پہلی رکعت میں پڑھی اور غلطی یہ کی کہ فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی پڑھکر فسنیسرہ للیسری پڑھنا تھا لیکن اس نے یوں پڑھا فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسرہ للعسری وما یغنی عنہ مالہ اذا تردی الخ یعنی درمیان میں دو تین چھوٹی چھوٹی آیتیں بھی چھوٹ گئیں اور معنی بھی غلط ہو گئے۔ اور وہ صحیح نہیں کرسکا۔

توکیا نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب اگر حُسنیٰ پر وقف کرنے کے بعد فسنیسرہ للعسریٰ پڑھا ہے تو نماز ہوگئی ۔ وگرنہ فسادِ معنی کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی ۔

وان ذکر اٰیة مکان اٰیة ان وقف علی الاولی وقفا تامًا وابتدأ بالثانیة لاتفسد صلوته کما لوقرأ والتین والزیتون فوقف ثم ابتدأ لقد خلقنا الانسان فی کبد لاتفسد صلوته وکذا لوقرأ ان الذین اٰمنوا و عملوا الصلحت فوقف ثم قرأ اولٰٓئك هم شر البریة اھ (شامیہ ج ۱ ص ۳۹۳)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴ ۔ ۴ ۔ ۱۴۰۷ھ

اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی پر وقف کر کے اگلی رکعت میں عبدًا اِذَا صَلّٰی پڑھا

تراویح میں حافظ صاحب نے پہلی دو رکعتوں میں سے دوسری رکعت میں سورت اقرأ میں سے ارأیت الذی ینھٰی تک پڑھ کر رکوع میں چلے گئے اور سلام پھیر کر بعد کی دو رکعتوں میں پہلی رکعت میں عبدًا اذا صلی سے شروع کیا ۔ آیا اس صورت میں نماز ہو گئی ؟ اور اگر نہیں ہوئی تو چاروں رکعت یا پہلی دو رکعت یا بعد کی دو ؟ وضاحت کر دیں ۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں نماز درست ہے شرط و جزا صفت و موصوف میں اگر شرط پر وقف کیا اور پھر ابتداء جزاء سے کی یا موصوف پر وقف کرنے کے بعد صفت سے ابتداء کی تو اس صورت میں فسادِ صلوٰۃ نہیں ۔ تو ایسے ہی صورتِ مسئولہ میں فعل و مفعول میں جدائی کرنے سے بھی فسادِ صلوٰۃ نہ ہوگا ۔ خصوصًا جب کہ اس جگہ آیت بھی ہے اور مفعول فضلہ ہے صفت و جزا فضلہ بھی نہیں ۔

قال فی البزازیه ۔ الابتداء ان کان لایغیر المعنی تغیرا فاحشا لایفسد نحو الوقف علی الشرط قبل الجزاء والابتداء بالجزاء وکذا بین الصفة والموصوف وان غیر المعنی نحو شهد الله انه لااله ثم ابتدأ بالاهو لایفسد عند عامة المشائخ ۔ (شامیہ ج ۱ ص ۴۶۷) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۸ ۔ ۱ ۔ ۱۴۰۸ھ
نائب مفتی

قرأة خلف الامام کی ممنوعیت اسّی صحابہ کرامؓ سے منقول ہے

قرأت خلف الامام جائز ہے یا نہیں ؟ دلائل قرآن وحدیث سے مطلوب ہیں ۔

الجواب حنفیہ کے نزدیک قرأت خلف الامام ممنوع ہے ۔ دلیل اس کی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا الآیۃ ہے ۔

دوسری دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے واذا قرأ فانصتوا ۔ (الحدیث) ۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ شامی میں بحوالۂ خزائن منقول ہے ۔

ومنع المؤتم من القرأۃ ماثور عن ثمانین نفر من کبار الصحابۃ منهم المرتضی والعبادلۃ وقد دوّن اهل الحدیث اسامیهم ۔ اھ

(شامی ج ۱ ص ۳۰۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۹/۷/۱۴۰۰ھ

ہر رکعت میں مختلف سورتوں سے کچھ کچھ حصے پڑھنا

احقر نے جمعرات کو عشاء کی نماز آپ کے شاگرد کے پیچھے پڑھی اس نے دونوں رکعتوں میں دو سورتوں کے آخر کے رکوع پڑھے ۔ بندہ نے یہ سنا ہے کہ دو رکعت میں دو سورتوں کے آخر کے رکوع پڑھنا مکروہ ہے ۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ پوری سورۃ پڑھے ؟

الجواب افضل تو یہی ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد پوری سورت پڑھی جائے ۔ گو صورتِ مسئولہ کو بھی مکروہ نہیں کہہ سکتے ۔

وکذا لو قرأ فی الاولی من وسط سورۃ او من سورۃ اولها ثم قرأ فی الثانیۃ من وسط سورۃ اخری او من اولها او سورۃ قصیرۃ الاصح انه لا یکرہ لکن الاولی ان لا یفعل من غیر ضرورۃ اھ

(رد المحتار : ج ۱ : ص ۵۱۰)

فقط واللہ اعلم ۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷/۲/۱۴۰۸ھ

بالغہ عورت جہراً قرأت کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

جو لڑکی بالغہ حافظہ ہو وہ فرض نمازوں میں جہراً تلاوت کر سکتی ہے یا نہیں؟
سائل : عبدالرؤف میانوالوی۔

الجواب: بالغہ کے لئے نماز میں جہر جائز نہیں۔ اس لئے کہ کلام عورت بھی عند البعض عورت ہے۔ و علی ھذا لو قیل اذا جہرت بالقراءۃ فی الصلوۃ فسدت کان متجها۔ اھ (شامی، ج ۱ : ص ۳۷۷)۔ لیکن بناء علی الراجح نماز فاسد نہیں ہوگی۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس دارالافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۲/۱۳۹۷ھ

لَا یَتَمَنَّوْنَہٗ کی جگہ لَنْ یَّتَمَنَّوْہُ پڑھا تو نماز کا حکم

امام صاحب نے سورۃ جمعہ کی آیت ولا یتمنونہ ابدًا پڑھتے ہوئے یوں پڑھا ولن یتمنوہ ابدًا کیا نماز ہوگئی یا اعادہ کیا جائے؟

الجواب: مذکورہ تبدیلی سے معنی فاسد نہیں ہوتے لہٰذا نماز ہوگئی اعادہ کی حاجت نہیں۔
فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲/۱۱/۱۳۹۷ھ

گونگا نماز کیسے پڑھے

گونگا نماز کیسے پڑھے جب کہ وہ نہ سن سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے؟
ریٹائرڈ پٹواری عبدالعزیز کوٹ میلارام

الجواب: گونگا قیام وغیرہ کرے زبان کا ہلانا ضروری نہیں۔ اس کی نیت ہی تکبیر تحریمہ کے قائم مقام

ہے۔ ولا یلزم الاخرس تحریک لسانہ وکذا الامی بل یکتفیان بمجرد النیۃ علی الصحیح اھ (مراقی الفلاح، ص ۱۱۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس دارالافتاء — ۲۵/۲/۱۳۹۰ھ — مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

موجودہ ترتیب قرآن کے خلاف قصداً پڑھنا مکروہ ہے

ایک شخص نے فرض نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ لم یکن الذین کی آخری تین آیات پڑھیں اور دوسری رکعت میں الم نشرح پڑھی کیا نماز ہوگئی؟ محمد لطف اللہ خالد لاہور

الجواب قصداً خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے مگر نماز ہو جائے گی۔ بھول کر پڑھنے کی صورت میں کراہت بھی نہ ہوگی۔

افاد ان التنکیس او الفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سہوا فلا کما فی شرح المنیۃ۔ اھ (شامی ج۱، ص ۵۰۱)۔

نقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

پانچوں نمازوں میں مسنون قرأت

پانچوں نمازوں کی مسنون قرأت تفصیلاً تحریر فرمائیں؟ سائل محمد دلدار علی شاہ جمال ٹاؤن لاہور۔

الجواب فجر اور ظہر میں سورۃ حجرات سے لے کر سورۃ بروج تک۔ عصر اور عشاء میں سورۃ بروج سے لیکر سورۃ بیّنہ (لم یکن الذین) تک۔ اور مغرب میں لم یکن الذین سے لے کر آخر تک قرأت کرنا مسنون ہے۔ (مراقی، ص ۱۴۳)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

لہ (حاشیہ صفحہ گزشتہ) ویسن ان تکون السورة المضمومة للفاتحة من طوال المفصل الطوال والقصار بکسر اولهما جمع طویلة وقصیرة والطوال بالضم الرجل الطویل وسمی المفصل به لکثرة فصوله وقیل لقلة المنسوخ فیه وهذا فی صلوة الفجر والظهر (ومن اوساطه) جمع وَسَطٍ بفتح السین مابین القصار والطوال (فی العصر والعشاء ومن قصاره فی المغرب) وهذا التقسیم لوکان المصلی هذا (مقیما) والمنفرد والامام سواء اهـ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاوی

سورۃ فاتحہ میں "ایاک نعبد و ایاک نستعین" چھوڑ دیا تو نماز کا حکم

ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور سورۃ فاتحہ میں ایاک نعبد و ایاک نستعین چھوڑ جاتا ہے تو کیا اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز ہوگئی سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں۔ ولها...... واجبات ......وهی...... قرأة فاتحة الکتاب فیسجد للسهو بترک اکثرها لا اقلها اهـ (درمختار علی الشامیة :ج۱ ،ص۴۲۶)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲/۳/۱۴۱۱ھ

آخر البقرۃ میں "ورسله" کے بعد "والیوم الآخر والقدر خیرہ" کے اضافے کا حکم

اگر کوئی نمازی نماز میں سورۃ بقرۃ میں ورسله کے بعد والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ بھول کر پڑھ دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ ایک فتویٰ میں آیا تھا کہ سجدۂ سہو واجب

نہیں۔کیونکہ یہ الفاظ قرآنی ہیں۔ آپ تصدیق فرمائیں یا اپنا جواب رقم فرمائیں؟

الجواب جواب درست ہے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ عالمگیری میں ہے۔

ومنها زيادة كلمة لاعلى وجه البدل الكلمة الزائدة ان غيرت المعنى ووجدت فى القرآن نحو ان يقرأ والذين آمنوا وكفروا بالله ورسله اولئك هم الصديقون اولم يوجد نحو ان يقرأ انما نملى لهم ليزدادوا اثما وجمالا تفسد صلوته بلاخلاف وان لم تغير المعنى فان كانت فى القرآن نحو ان يقرأ ان الله كان بعباده خبيرا بصيرا لا تفسد بالاجماع وان لم تكن فى القرآن نحو ان يقرأ فيهما فاكهة ونخل وتفاح ورمان لا تفسد صلوته عند عامة المشائخ ۔اھ (ج ۱، ص ۸۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۲۵/۲/۱۴۰۰ھ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ایک رکعت میں ایک روایت اور دوسری میں دوسری روایت پڑھنے کا حکم

واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک روز معلمین حضرات میں سے بعض نے فرمایا کہ آج عشاء کی نماز روایت حفصؒ کی بجائے دیگر روایات میں پڑھا دے۔ تو احقر نے عشاء کی نماز میں پہلی رکعت میں روایت ورشؒ اور دوسری میں روایت خلاّدؒ پڑھ دی۔ نماز کے بعد چند معلمین حضرات نے فتویٰ دیا ہے کہ نماز نہیں ہوئی احقر لال مسجد بیرون دہلی گیسٹ میں امام تھا تو ایک ایک ہفتہ میں ایک ایک روایت میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ بہرحال روایاتِ عشر میں قرأتِ عشرہ حسب متواتر اور منزل من اللہ ہیں اور ان میں سے روایت حفصؒ بھی ہے اگر روایتِ حفص میں نماز ہو جاتی ہے تو پھر اور باقی انیس ۱۹ روایات سے نماز کیوں نہیں ہوتی۔ یہ ترجیح کس لئے ہے؟ ایک رکعت میں ایک روایت، دوسری رکعت میں دوسری روایت پڑھنے سے تو جمع الجمع لازم نہیں آتی بلکہ ایک ہی رکعت میں اگر سب روایتیں ایک دو تین جمع کر کے پڑھے پھر تو مکروہ ہے۔ پھر بھی نماز تو لوٹانی نہیں پڑتی۔ تو عرض یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین احناف اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز اس صورت میں

دوبارہ پڑھنی ہوگی یا نہیں ؟ نیز جن حضرات نے فتوے دیا ان کے فتوے سے انکار منزل من اللہ لازم آتا ہے یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ جملہ روایاتِ متواترہ کے ساتھ نماز درست ہے۔ لیکن روایاتِ غریبہ غیر معروفہ کو نماز میں پڑھنا اچھا نہیں کیونکہ عوام کو پتہ نہیں ہوتا اس لئے وہ کچھ کا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ بلکہ بعض خواص کو بھی معلوم نہیں ہوتا کما ھو الظاھر من السوال۔

١ ؛ ويجوز بالروايات السبع لكن الاولى ان لا يقرأ بالغريبة عند العوام صيانة لدينهم اھ (درمختار)۔

(قوله بالغريبة) اى بالروايات الغريبة و الامالات لان بعض السفهاء يقولون مالا يعلمون فيقعون فى الاثم و الشقاء ولا ينبغى للائمة ان يحملوا العوام على ما فيه نقصان دينهم ولا يقرأ عندهم مثل قرأة ابى جعفر وابن عامر وعلى بن حمزة والكسائى صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون او يضحكون وان كان كل القرآت صحيحة نصيحة ومشائخنا اختاروا قرأة ابى عمرو وحفص عن عاصم۔ اھ (شامیہ: ج ١، ص ٥٠٥)۔

٢ ؛ قرأة القرآن بالقرأة السبع والروايات كلها جائزة لكن ارى الصواب ان لا يقرأ بالقرأة العجيبة والروايات الغريبة لان بعض السفهاء ربما يقعون فى الاثم ويقولون مالا يعلمون ولا ينبغى للامام ان يحمل العوام على ما فيه نقصان دينهم ودنياهم وهو حرمان ثوابهم فى عقباهم ولا يقرأ على رؤس العوام والجهال و اهل القرى و الجبال مثل قرأة ابى جعفر المدنى و ابن عامر و على و حمزة و الكسائى صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون و يضحكون وان كان كلها صحيحة طيبة ومشائخنا اختاروا قرأة ابى عمرو وحفص عن عاصم انتهى ذكر

ذلک کلہ فی التتارخانیۃ ۔اھ (کبیری، ص ۴۹۵)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح　　　　احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء　۱۰/۷/۱۳۹۷ھ　مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

فرائض میں حفص عن عاصمؒ کے علاوہ کوئی اور روایت پڑھنا

کیا امام فرض نماز میں امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور راوی کی ایسی روایت جو متواتر منقول ہو جہراً جہری نمازوں میں پڑھ سکتا ہے ۔ مثلاً امام شعبہ کی روایت متواترہ عن عاصمؒ پر قرأت پڑھے تو جائز ہے یا نہیں ؟ یا مثلاً قالونؒ کی ایسی متواترہ روایت جو کہ امام نافعؒ سے منقول ہے اسی طرح کسی بھی امام سے روایت منقولہ متواترہ کے مطابق قرأت کا فرض ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں ؟

سائل عبدالحفیظ بھٹہ ، سکھر سندھ ۔

الجواب مشہور روایت یعنی حفص عن عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر روایات کے پڑھنے سے عوام وجہلاء میں کسی مفسدہ کا اندیشہ ہو تو ان کو نہ پڑھا جائے ۔

ویجوز بالروایات السبع لکن الاولی ان لا یقرأ بالغریبۃ عندالعوام صیانۃ لدینھم ۔اھ قولہ ویجوز بالروایات السبع بل یجوز بالعشر ایضا کمانص علیہ اھل الاصول ۔ اھ قولہ بالغریبۃ ای بالروایات الغریبۃ و الامالات لان بعض السفھاء یقولون مالا یعلمون فیقعون فی الاثم و الشقاء ولاینبغی للائمۃ ان یحملوا العوام علی مافیہ نقصان دینھم ولا یقرأ عندھم مثل قرأۃ ابی جعفر و ابن عامر و علی بن حمزۃ و الکسائی صیانۃ لدینھم فلعلھم یستخفون او یضحکون و ان کان کل القرأت و الروایات صحیحۃ فصیحۃ و مشائخنا اختاروا قرأۃ ابی عمرو وحفص عن عاصم ۔ (شامی ، ج ۱ ، ص ۵۰۵)۔

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

" آیت اور حدیث اور فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام دجہلاء میں مفسدہ وفتنہ اعتقادیہ یا عملیہ یا حالیہ پیدا ہو اس کا ترک خواص پر واجب ہے " (امدادالفتاویٰ ج۱ ص۱۸۳)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ — ۱۲/۳/۱۴۱۰ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

ان ربک یعلم سے لیکر "وما تقدموا لانفسکم من خیر" تک پڑھنے سے واجب قرأت ادا ہوگئی یا نہیں؟

امام نے صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں الحمد شریف پڑھنے کے بعد سورۃ مزمل کا آخری رکوع جو کہ صرف ایک آیت بنتی ہے۔ وما تقدموا لانفسکم من خیر تک پڑھا اور رکوع کر دیا اور ایک آیت پوری نہ پڑھی گئی۔ اس نے سجدہ سہو بھی نہیں کیا۔ تو کیا نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب جب امام نے وما تقدموا لانفسکم من خیر تک پڑھ لیا ہے تو نماز درست ہوگئی۔ کیونکہ قرأت کم از کم فرض مقدار تین چھوٹی آیتیں جیسے کہ سورۃ کوثر کی یا ایک آیت بڑی جو چھوٹی تین آیتوں کے مساوی ہو۔ تو سورۃ مزمل کے دوسرے رکوع کی ایک آیت تو بہت لمبی ہے اس میں سے اگر تین چھوٹی آیتوں کے برابر پڑھ کر رکوع کر دیا جائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اور سجدہ سہو نہیں آتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — ۴/۵/۱۳۷۹ھ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ رئیس الافتاء — نائب مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ کو لِيُفْجِرَ پڑھنے کی صورت میں نماز کا حکم

زید نے امامت کرائی اور لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ کو بجائے لازم کے متعدی لِيُفْجِرَ اَمَامَهٗ بضم یاء پڑھا۔ تو کیا اس سے نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب نماز ہوگئی ، باب افعال بھی لازم استعمال ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا۔ ۲۱ ر ۱۰ ر ۱۴۰۱ھ

مقیم مسافر کی اقتداء کرے تو بقیہ رکعتوں میں قرأت نہ کرے

اگر امام مسافر ہو اور دو رکعت نماز پڑھ کر سلام پھیر دے تو مقتدی کھڑے ہو کر سورۂ فاتحہ پڑھے گا یا نہیں ؟ اگر پڑھے گا تو اس کی کیا دلیل ہے ؟ اور اگر نہیں پڑھے گا تو اس کی کیا وجہ ہے ؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ جان بوجھ کر پڑھ لیتا ہے تو اس صورت میں گنہگار ہوگا یا نہیں ؟ اگر گنہگار ہوگا تو اس کی کیا وجہ ہے ؟ اگر گنہگار نہیں ہوگا تو اس کی کیا دلیل ہے ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں مقتدی کھڑا ہو کر سورۃ فاتحہ اور دیگر سورتیں نہیں پڑھے گا کیونکہ یہ مقتدی (جس کا امام مسافر ہو) حکم میں لاحق کے ہوتا ہے جو شروع سے جماعۃ میں شریک ہو۔ تو جیسے لاحق کو سورۃ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اسی طرح اس کو بھی۔ پس اگر مقتدی کھڑا ہو کر جان بوجھ کر سورۃ فاتحہ پڑھے گا تو بنا بریں کہ یہ مرتکب ایک فعلِ مکروہ کا ہے گنہگار ہوگا۔

والدلیل علیہ ما فی الدر المختار وصح اقتداء المقیم بالمسافر فی الوقت وبعدہ فاذا قام المقیم الی الاتمام لایقرأ ولا یسجد للسہو فی الاصح لانہ کاللاحق اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۱، ص ۷۴۴)

والمؤتم لا یقرأ مطلقاً ولا الفاتحۃ فی السریۃ فان قرأ کرہ تحریما۔ (درمختار علی الشامیۃ ، ج ۱، ص ۵۰۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفر لہ رئیس الافتاء

بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۱۱/۲ ۱۳۷۲ھ

نماز میں سورۃ فاتحہ ایک سانس میں پڑھنے کا حکم

ایک امام سورۃ فاتحہ کو ایک سانس میں ختم کرتا ہے اور آیت نَسْتَعِيْنُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ

پڑھتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسے پڑھنا گناہ ہے اور نماز نہیں ہوتی ؟

الجواب طریقہ بالا سے پڑھنا جائز ہے اور جو شخص اس طرح پڑھنے کو غلط کہتا ہے اور یہ کہ اس طرح نماز نہیں ہوتی وہ غلطی پر ہے اور اس کا یہ کہنا بلا دلیل ہے۔

فقط واللہ اعلم۔ محمد اسحاق نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اگرچہ نماز تو جائز ہے بشرطیکہ ایک سانس میں حروف کی ادائیگی صحیح انجام پائے مگر اطمینان کے ساتھ کئی دفعہ وقف کر کے پڑھنا اولیٰ ہے۔ والجواب صحیح۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۴ ر ۱ ر ۱۳۸۳ھ

پہلی رکعت کی طرح بقیہ رکعات میں تعوّذ کیوں نہیں پڑھتے

ایک دن بندہ کو خیال آیا کہ قرآن حکیم شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے۔ تو جیسے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے تعوذ پڑھتے ہیں اسی طرح ہر رکعت کے شروع میں بھی ہونا چاہیے ؟

سرفراز حسین ڈوگر ممتاز آباد ملتان

الجواب قرأت کے شروع میں وساوس سے بچنے کے لئے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں۔ اور جب پہلی رکعت میں فاتحہ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ لی تو اس کے بعد جتنی بھی قرأت ہوگی خواہ دوسری رکعات میں ہو یہ اعوذ باللہ اس کے لئے کافی ہے۔

(قوله ولا يتعوذ) لانه شرع فى أول القرآن لدفع الوسوسة فلا يتكرر الا بتبدل المجلس كما لو تعوذ وقرأ ثم سكت قليلا وقرأ اھ۔ (بحر الرائق ج ۲، ص۳۴۸)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۱۰/۱۱/۱۴۰۶ھ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

نماز میں سہوًا خلافِ ترتیب پڑھنے کا حکم

نماز میں قرأت علی الترتیب فرض ہے واجب ہے یا سنت ؟ اگر بغیر ترتیب کے قرأت پڑھی گئی تو کیا نماز ہو گئی ۔ مثلاً سورۃ الناس پہلے اور سورۃ فلق بعد میں پڑھی ۔

الجواب دانستہ خلافِ ترتیب پڑھنا مکروہ ہے ۔ سہوًا ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ۔ پہلی رکعت میں اگر سورۃ ناس پڑھی ہے تو دوسری میں بھی یہی پڑھے ۔

ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسًا الا اذا ختم القرآن ۔ (درمختار) ۔ قولہ منکوسًا بان یقرأ فی الثانیۃ سورۃ اعلی مما قرأ فی الاولی لان ترتیب السور فی القرأۃ من واجبات التلاوۃ ۔ (شامی ، ج ۱ ، ص ۵۱۰) ۔ قال فی الفتح قرأ فی الاولی بقل اعوذ برب الناس یقرأ فی الثانیۃ ھذہ ایضًا ۔ اھ (فتح القدیر ، ج ۱ ، ص ۲۴۳) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۳/۷/ ۱۴۰۹ھ

یٰسین سے مرسلین تک پڑھنے سے واجب قرأت ادا ہو گئی

فرض نماز کی ایک رکعت میں یٰس ۞ والقرآن الحکیم ۞ انک لمن المرسلین ۞ تین آیات پڑھ لی جائیں تو کیا نماز بالکل درست ہو جائے گی ۔ یہ اشکال اس وجہ سے ہوا کیوں کہ یٰسین پر اختلافی آیت کا نشان ہے ؟

الجواب اگر بعد از فاتحہ صرف " مرسلین " تک پڑھا ہے تو عند البعض نماز ہو جائے گی ۔ فمع عدم وجودہ یعمل باطلاق عبارۃ الحلبی من الاکتفاء بالایۃ التی بلغت ثمانیۃ عشر حرفًا لاقامۃ واجب القرأۃ اھ (تقریرات رافعی ، ج ۱ ، ص ۵۷) ۔

لیکن نماز کے معاملہ میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی پر اکتفاء نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۲۷ ۔۱۴۰۶ھ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

أَحَدُنِ اللّٰهُ الصَّمَدُ پڑھنا بھی جائز ہے

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ قل ھو اللہ احد اللہ الصمد میں اگر اللہ کے لفظ سے پہلے ن ملا کر پڑھا جائے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ ایسا پڑھنے سے نماز کے اندر کوئی نقص تو واقع نہیں ہوتا ؟ — غلام فرید امام مسجد نشتر میڈیکل کالج ملتان۔

الجواب سورۂ اخلاص میں وصل کی صورت میں اللہ الصمد کی بجائے نِ اللّٰہُ الصمد پڑھ لینا جائز ہے اور اس سے نماز کے اندر کوئی نقص نہیں آتا مطمئن رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۹/۱۴۰۶ھ

فرائض کی آخری رکعتوں میں سورۃ نہ ملانے کی وجہ

فرائض کے سوا سنن و نوافل کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کچھ حصہ قرآن پاک کا پڑھنا ضروری ہے حالانکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نماز تو ذکر اور تلاوت کا نام ہے۔ اس لحاظ سے فرائض میں ذکر اور تلاوت کی کثرت ہونی چاہیئے تھی اور ماسوا میں تخفیف۔ لیکن معاملہ برعکس ہے اس کی عقلی وجہ کیا ہے ؟

الجواب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ نہ ملانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ

در اصل ابتداء میں نماز دو رکعت ہی مقرر ہوئی تھی بعد ازاں خدا تعالیٰ نے ان دو رکعتوں کی تکمیل و اکمال کے لئے ظہر و عصر و عشاء کے فرائض کیساتھ دو دو رکعتیں اور مغرب کی نماز میں حکمت وتر کو ضائع نہ کرنے کی وجہ سے ایک رکعت ملائی۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کا جبر کسر مطلوب ہوتا ہے تو اس کے

ساتھ اس کے نوع کی ایسی چیز ملائی جاتی ہے جو حیثیت و درجہ میں اس سے ادنیٰ ہو۔ پس اگر پہلی دو رکعت فرائض کے ساتھ دوسری دو رکعت کامل مع ضم سورت ملائی جائیں جو ہر وجہ و پہلو سے پہلی دو رکعت کے برابر ہوتیں تو جبر کسر و اکمال رکعتین کی حکمت ضائع ہو جاتی اور خود پہلی دو رکعتوں کا جبر کسر اسی مصلحت سے ہوا کہ بسا اوقات بصور توجہ یا فہم قرأت یا ارکان میں سے کسی رکن میں نقص و کسر رہ جاتا ہے۔ اس کے عوض میں دوسری رکعتیں ملائی گئیں۔ (المصالح العقلیہ، ص ۳۷)

چونکہ سوال دلیل عقلی سے تھا اس لئے دلائل نقلیہ اور مذکورہ حدیث کے جواب سے تعرض نہیں گیا۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۵/۳ / ۱۴۰۸ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا کو لِیَرَوْا پڑھنے کا حکم

اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا کی بجائے اَشْتَاتًا لِیَرَوْا پڑھ دیا جائے یا لَهَبٍ کی بجائے لَعَبٍ پڑھ دیا جائے یا "اغنیٰ" کی بجائے "اضنی" تو کیا نماز ہو گئی یا نہیں؟

الجواب ان صورتوں میں نماز تو صحیح ہو گئی لیکن امام صاحب پر یہ بات ضروری اور لازم ہے کہ وہ پہلے کسی قاری صاحب سے نماز اور چند سورتیں صحیح کرائیں پھر امام بنیں۔ پھر اسی طرح آہستہ آہستہ سارا قرآن مجید صحیح پڑھنے کی کوشش کریں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ رئیس الافتاء — ۹/۱۷ / ۱۳۹۰ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ن الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے کا حکم

امام قرأت پڑھے الحمد للہ رب العالمین ، ن الرحمن الرحیم تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ محمد لطف اللہ خالد لاہور

الجواب نماز تو فاسد نہیں ہوئی لیکن یہ عمل قرأت کے اعتبار سے درست نہیں امام صاحب کو چاہیئے کہ آئندہ کے لئے اس فعل کو چھوڑ دے۔ الحمد للہ رب العالمین پر ٹھہرنے کے بعد صرف ن کو الرحمن کے ساتھ نہ ملانا چاہیئے۔ بلکہ ن کے ملائے بغیر الرحمن الرحیم پڑھنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

معین مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ

اگر العالمین پر وقف نہیں کیا اور وصل کیا ہے تو لامحالہ نون پر فتح آئے گا اور اگر وقف کرکے پھر نون کو ملایا تو یہ غلط ہے۔ والجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۳/۴/۱۳۷۹ھ

قرأت اس طرح کرے کہ خود بھی سنے

میں بہشتی زیور کا مطالعہ کرتا ہوں۔ اس میں پڑھا ہے کہ قرأت اس طرح کرے کہ آواز کان میں آئے اگر ایسا نہ کیا تو نماز نہ ہوگی یہ فرض پڑھنے کے بیان کے آخر میں ہے (ص ۲۷)۔ میں اب تک اس طرح نماز نہیں پڑھتا رہا کہ کان میں آواز آئے۔ کیا اتنے سالوں کی نمازیں قضاء کروں ؟

الجواب یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ بہشتی زیور میں احوط کو اختیار کیا گیا ہے اور پوری تفصیل شامی[۱] ج ۱ ص ۴۹۸ میں موجود ہے۔ لہٰذا گزشتہ سالوں کی نمازوں کی قضاء کی ضرورت نہیں آئندہ بہشتی زیور کے مطابق عمل کریں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳/۸/۱۳۸۶ھ

---

[۱] و ادنی الجهر اسماع غیره و ادنی المخافتة اسماع نفسه اھ (درمختار)

(قوله و ادنی الجهر اسماع غیره) اعلم انهم اختلفوا فی حد وجود القرأة علی ثلاثة اقوال فشرط الهندوانی و الفضلی لوجودها خروج صوتٍ یصل اذنه وبه قال الشافعیؒ و شرط بشر المریسی

و احمد خروج الصوت من الفم وان لم يصل الی اذنه لکن بشرط کونه مسموعا فی الجملة حتی لو ادنی احد صماخه الی فیه یسمع ولم یشترط الکرخی و ابوبکر البلخی السماع و اکتفیا بتصحیح الحروف واختار شیخ الاسلام وقاضی خان و صاحب المحیط و الحلوانی قول الهندوانی کما فی معراج الدرایة ونقل فی المجتبی عن الهندوانی انه لا یجزیه مالم تسمع اذناه ومن بقربه و هذا لا یخالف ما مر عن الهندوانی لان ما کان مسموعاً له یکون مسموعا لمن فی قربه کما فی الحلیة والبحر ثم انه اختار فی الفتح ان قول الهندوانی و بشر متحدان الی قوله وان ما قاله الهندوانی اصح وارجح لاعتماد اکثر علمائنا علیه اھ (شامی ج ۱ ص ۴۹۸ و ۴۹۹)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ، مرتب خیر الفتاویٰ

قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ کے بارے میں ایک سوال و جواب

جملہ حضرات فضلاء دارالعلوم ہذا کے تبحر علمی کے سامنے پرخلوص اور نہایت دردمندانہ اپیل ہے کہ صحت تلفظ قرآن کی پوری پوری اہمیت کو بنظر غائر مدنظر رکھتے ہوئے اپنے صحیح علمی فیصلہ سے مطلع فرما کر عندالناس مشکور و عنداللہ ماجور ہوں۔ الفاظ یہ ہیں۔

۱ : سورۃ نمل ، رکوع دوسرا۔ واقعہ داؤد اور سلیمان علیہما السلام۔ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ الخ

۲ : سورۃ اعراف ، رکوع دوسرا۔ واقعہ آدم اور حوا علیہما السلام۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ۔ الخ

قَالَا اور ذَاقَا میں بلحاظ سیاق و سباق معنوی دونوں الف علامت تثنیہ ہیں۔ صرفی قانون التقاء ساکنین علی حدہ کا عام تقاضا ہے کہ التقاء ساکنین علی حدہ میں حروف مدہ کا حذف لازمی

ہے۔ جیسے اِضْرِبُوا القوم ۔ اِضرِبَا القوم ۔ اِضرِبِی القوم ۔ لہٰذا قَالَا اور ذَاقَا دونوں تشنیہ لفظوں میں الف ساکن مدہ کو حذف کرکے قَالَ الحَمدُ اور ذَاقَ الشَّجَرَۃ پڑھنا چاہیئے۔

دوسرا گروہ تثنیہ کے لفظ میں تشنیہ کے الف کو گراکر صیغہ واحد مذکر کی شکل میں قَالَا کو قَالَ اور ذَاقَا کو ذَاقَ پڑھنا سیاق وسباق معنوی کے زبردست خلاف سمجھتا ہے۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ الف کا حذف یہاں غلط ہے۔ قَالَا کو بغیر الف واحد بناکر قَالَ پڑھنا اور ذَاقَا کو ذَاقَ پڑھنا یہ ایک قرآن میں کھلی معنوی تحریف ہے۔ کیونکہ دونوں فعلوں کا مرجع تشنیہ ہے نہ کہ واحد۔

لہٰذا بمصداق ما من عام الا خصّ منہ البعض دونوں تثنیہ صیغوں میں بجائے حذفِ الف الف کو بَین بَین کرکے پڑھنا چاہیئے۔ نہ حذف نہ اثبات قالَاْ لْحَمدُ۔

صحیح فیصلہ فضلاء دارالعلوم کے سامنے ہے۔ دونوں میں سے صحیح استدلال اور صحیح موقف کی وضاحت فرماکر عندالناس مشکور و عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب سورۂ نمل اور اعراف کے مذکورہ دونوں کلمات تثنیہ کے صیغے ہیں التقاء ساکنین کے ضابطہ کے تحت دونوں الف پڑھنے میں نہ آئیں گے۔ لیکن لکھنے میں برقرار اس لئے رکھے جائیں گے تاکہ صیغہ کے تشنیہ ہونے پر دلالت کریں اور فعل کا صدور دونوں سے ہونا معلوم ہوجائے۔ ان دونوں مقامات پر کوئی متواتر قرأت بَین بَین کی نہیں ہے۔ قرأتِ متواترہ میں کسی زید و عمرو کو دخل اندازی کی اجازت نہیں۔

قرآن کریم میں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں کہ التقاء ساکنین کے وقت مدہ کو صرف تلفظ میں حذف کیا گیا ہے کتابت میں باقی رکھا گیا ہے۔

والذین صبروا ابتغاء وجہ ربہم واقاموا الصلوٰۃ ۔ الآیۃ

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۱۵/۹/۱۴۰۸ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

اکیلے نماز پڑھنے والے کیلئے مسنون قرأت

جب آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو نماز میں مسنون قرأت کی مقدار کیا ہے؟

المستفتی: حافظ مقبول احمد، قادرآباد فارم، ضلع ساہیوال

الجواب غیر مسافر اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے بھی مسنون قرأت وہی ہے جو امام کے لئے مسنون ہے۔ یعنی فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل، عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھنا مسنون ہے۔

(ویسن فی الحضر لامام و منفرد) ذکره الحلبی والناس عنه غافلون (طول المفصل) (درمختار)۔

قال ابوحنیفة ؒ والذی یصلی وحده بمنزلة الامام فی جمیع ما وصفنا من القراءة سوی الجهر قال الزاهدی وهذا نص علی ان القرأة المسنونة یستوی فیها الامام والمنفرد والناس عنه غافلون اھ (شامی، ج ۱، ص ۳۹۹) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفسدِ معنی غلطی مفسدِ صلوٰۃ ہے

اگر نماز میں قرأت کرتے ہوئے غلطی سے یوں پڑھ دیا مثلاً المنفقون والمنفقت بعضهم من بعض یأمرون بالمنکر وینهون عن المعروف کی جگہ یأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر پڑھ لیا تو نماز کا کیا حکم ہے آیا نماز فاسد ہوگئی یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب چونکہ صورتِ مسئولہ میں معنی میں تغیرِ فاحش ہوگیا ہے۔ لہٰذا نماز فاسد ہوگئی وہ نماز دوبارہ پڑھی جائے۔ (کذا فی فتاوی قاضی خان، ج ۱، ص ۷۰)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۲/۴/۱۴۱۱ھ

مایتعلق

بالامامۃ والجماعۃ

اقتداء فاسق مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی

سوال نحمدہ اللہ وحدہ ونصلی علی من لانبی بعدہ ۔
اقتداء فاسق کی کراہت میں دو شخصوں کا اختلاف ہوا ہے ۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ خلاصۃ الفتاوی میں ہے ۔

اذا کان امام الحی زانیا او آکل الربا له ان یتحول اھ ۔

اور طحاوی میں ہے ۔ وفی السراج هل الافضل ان یصلی خلف هؤلاء ام الانفراد قیل اما فی الفاسق فالصلوة خلفه اولی وهذا انما یظهر علی ان امامته مکروهة تنزیها ۔ (ص ۱۶۵)

اور شرح عقائد میں ہے ۔ ویجوز الصلوة خلف کل بر وفاجر لان علماء الامة کانوا یصلون خلف الفسقة واهل الاهواء والبدع من غیر نکیر : ص۱۱۰

اور درمختار میں ہے ۔ صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة ۔

اور نیز درمختار میں ہے ۔ ان الصلوة خلفه اولی من الانفراد ولکن لاینال کما ینال خلف تقی ۔

اور فرماتا ہے کہ آج کل ہر شخص فاسق ہے ۔ اور فسق میں عموم بلوی ہے ۔ لہذا بوجہ لاچاری کے اقتداء فاسق مکروہ تنزیہی ہے ۔

اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ ہر شخص کو فاسق ماننا خلاف واقعہ ہے ۔ امت میں لاکھوں متقی موجود ہیں اور لاکھوں ائمہ پرہیزگار ہیں ۔ علاوہ ازیں امامت میں فاسق سے مراد ظاہر الفسق ہے ۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

واستظهرنا هناك عدم کراهة الاقتداء مالم یعلم منه مفسدا کما مال الیه الخیر الرملی ، ص ۶۶۵ ج ۱ ۔

اور مغنی فقہ حنبلی میں ہے ۔ وان لم یعلم حاله ولم یظهر منه ما یمنع الائتمام به

فصلوٰۃ الماموم صحیحۃ نص علیہ احمد لان الاصل فی المسلمین السلامۃ ص۳۰ ج ۲۔

اور ظاہر الفسق شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ علامہ شامی رہ فرماتے ہیں۔

اما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یہتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اھانتہ شرعا ولا یخفی انہ اذا کان اعلم من غیرہ لا تزول العلۃ فانہ لا یؤمن ان یصلی بہم بغیر طہارۃ فہو کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ تحریم لما ذکرنا ص۵۲۳ ج ۱۔

اور شرح عقائد میں جو سلف صالح کا اقتداء ائمہ جور سے کرنا نقل ہے مجبوراً ضابطہ الضرورات تبیح المحظورات کے تحت تھا۔ حاصل یہ کہ اقتداء فاسق مکروہ تحریمی ہے۔ دلائل اور بھی تھے مگر سب کو لکھا نہیں۔ فقط۔

نذیر احمد مسجد قبہ والی احمد پور شرقیہ۔

الجواب

وفی درالمختار علی الشامیۃ ص۵۲۳ ج ۱۔ ویکرہ تنزیہا امامۃ عبد ولو معتقاً الی قولہ وفاسق واعمیٰ وفی رد المحتار لقولہ فی الاصل امامۃ غیرہم احب الی بحر عن المجتبی والمعراج ثم قال فیکرہ لہم التقدم ویکرہ الاقتداء بہم تنزیہاً فان امکن الصلوٰۃ خلف غیرہم فہو افضل والا فالاقتداء اولیٰ من الانفراد۔

وفی البحر ص۳۷۰ ج ۱۔ تحت قول ویکرہ امامۃ الاعرابی والعبد والفاسق والمبتدع والاعمیٰ وولد الزناء فالحاصل انہ یکرہ لہؤلاء التقدم ویکرہ الاقتداء بہم کراھۃ تنزیہیۃ۔ وفی منحۃ الخالق فالحاصل انہ یکرہ قال الرملی ذکر الحلبی فی شرح منیۃ المصلی ان کراھۃ تقدیم الفاسق والمبتدع کراھۃ التحریم۔

بحر الرائق کے حاشیہ پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ فاسق اور مبتدع کی امامت مکروہ بکراہتِ تحریم ہے۔ اور عبد اور اعمیٰ اور ولد الزنا کی امامت مکروہ بکراہتِ تنزیہ ہے۔ لہٰذا ہر دو قائلین میں سے دوسرے کا قول صحیح ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

۱۴ ۱ ۹ ۱ ۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

امامۃ الالثغ لغیرہ : سوال

امامۃ الالثغ لغیرہ جائز ہے یا نہیں ؛ قول راجح اور مفتی بہ مع حوالہ تحریر فرمادیں۔
حافظ قرآن یا امام الحی کی زبان میں قدرے لکنت ہو اور لاؔم و راؔء کو اچھی طرح ادا نہ کرسکتا ہو تو ان کی اقتداء کا حکم کیا ہے ؟

الجواب وفی الدر المختار ولا غیر الالثغ بہ ای بالالثغ علی الاصح وفی رد المحتار ای خلافاً لما فی الخلاصۃ عن الفضلی من انہا جائزۃ الی قولہ و ظاہرہ اعتمادھم الصحۃ ثم قال ولکن الاحوط عدم الصحۃ وفیہ قال فی المغرب ھو الذی یتحول لسانہ من السین الی الثاء وقیل من الراء الی الغین اواللام او الیاء زاد فی القاموس او من حرف الی حرف وفیہ انہ (ای اللثغۃ) بانہ لوکانت یسیرۃ بان یأتی بالحرف غیر صاف لم توثر ۔ (ص۵۴۴ ج۱ شامیۃ)

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوتے

۱ : اگر الثغ سے حرف صاف نہ نکلے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس کی امامت جائز ہے ۔
۲ : اگر ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے تو اس میں اختلاف ہے ۔
۳ : لیکن جہاں عموم بلوی ہو صحت کا حکم مناسب ہے ۔ (کذا فی امداد الفتاوی ص ۴۰۴ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

غلط خوان کی اقتداء کا حکم

سوال یہاں کے ننانوے فی صد لوگ مشتبہ الصوت حروف میں امتیاز نہیں کرتے۔ مثلاً ثؔ کو سؔ اور ذاؔل کو زاؔء اور حاؔء مہملہ کو خاؔء معجمہ پڑھتے ہیں ۔ اسی طرح عین مہملہ اور معجمہ میں فرق نہیں کرتے ۔ ضاؔد کو دال مفخم دواؔد پڑھتے ہیں بعض لوگ فتحہ کو بعد مد الف بڑھاکر مفرد سے تثنیہ اور لاؔم تاکید سے لاؔم نفی بنا دیتے ہیں جیسے جَعَلَ لکم الارض کو جَعَلاَ لکم الارض اور مثلاً انی اذا لفی ضلل مبین کو انی اذا لا فی ضلل مبین پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ الف کو نہیں پڑھتے جس سے صیغہ بدل جاتا ہے جیسے اَرْسَلْنَا کو اَرْسَلْنَ اور اِنَّا کو اِنَّ پڑھتے ہیں۔ موضع وقف کی کوئی تمیز نہیں ۔ جہاں دل نے چاہا وقف کر دیا مثلاً اَلْحَمْدُ پر وقف کرکے لِلّٰہِ سے ابتداء کی۔

یا اَوِ انْقُصْ پر وقف کرکے مِنْهُ قَلِیْلاً سے ابتداء کی۔

جہاں رموز اوقاف لگے ہوئے ہیں وہاں حالت وقف میں بھی آخری حرف پر سکون پڑھتے ہیں۔ اسی طرح تمام حرکات کو مجہول پڑھتے ہیں۔ اور طاء کو تواء۔ اور صاد کو سواد پڑھتے ہیں۔

بہشتی زیور حصہ دوم میں حضرت تھانوی رح لکھتے ہیں "اگر کسی سے کوئی حرف صحیح نہیں نکلتا جیسے ح کی جگہ ہ پڑھتی ہے یا عین نہیں نکلتا یا ث، س، ص، سب کو سین پڑھتی ہے تو صحیح پڑھنے کی مشق لازم ہے۔ اگر صحیح پڑھنے کی مشق نہ کرے گی تو گناہگار ہوگی اور اس کی کوئی نماز صحیح نہ ہوگی"

اور حصہ یازدہم میں فرماتے ہیں۔ جس شخص سے صاف حروف ادا نہیں ہوسکتے۔ مثلاً سین کو ث اور حرف میں ایسا ہی تغیر و تبدل ہوتا ہو تو اس کے پیچھے صاف اور صحیح پڑھنے والے کی نماز درست نہیں۔

اسی طرح امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۱۹۳ پر فرماتے ہیں۔ البتہ الیسول کی امامت سے احتراز لازم ہے۔

فی فتاوی قاضی خان فان کان لا ینطق لسانه فی بعض الحروف الخ قوله لا یؤم غیره کذا الرجل اذا کان لا یقف فی مواضع الوقف الخ (امداد الفتاوی)

کبیری میں ہے۔

و الذی ینبغی ان یکون الحکم علیه کالحکم فی الالثغ انه یجتهد فی اصلاح لفظه ولا یفسد مادام علی الاجتهاد ولکن لا یجوز لغیره الاقتداء به فانهم عموا هذا الحکم فی کل من لا یمکنه النطق بحرف (ص ۴۹۹)

اسی طرح کبیری کے اگلے صفحہ پر فرماتے ہیں۔

ولهذا اجبت من سألنی انه صلی خلف امام نقرأ واما بنعمة ربك فحدث، بالسین مکان الثاء بان صلوته فاسدة۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بندہ اکیلے نماز پڑھ لیا کرے یا بعد میں اعادہ کیا کرے۔؟

الجواب

وفی فتاوی قاضیخان ص ۷۰، اما الخطأ فی الاعراب اذا لم یغیر المعنی لا تفسد الصلوة عند الکل کما لو قرأ الخ

وان غیر المعنی تغیرا فاحشا بان قرأ وعصی آدم ربه فغوی بنصب میم آدم ورفع باء ربه او قرأ الباری المصور بنصب الواو او قرأ انما یخشی الله من عباده العلماء یرفع الله ونصب العلماء الی قوله وما اشبه ذلك مما لو تعمد به یکفر اذا قرأ خطاءً فسدت صلوته فی قول

المتقدمین واختلف المتأخرون فی ذلک قال محمد بن مقاتل وابونصر محمد بن سلام وابوبکر بن سعید البلخی والفقیہ ابوجعفر الهندوانی والشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل والشیخ الامام اسمٰعیل الزاهد وشمس الائمة الحلوانی لا تفسد صلوته وما قاله المتقدمون احوط لانہ لو تعمد یکون کفرًا وما یکون کفرًا لا یکون من القرآن وما قاله المتأخرون اوسع لان الناس لا یمیزون بین اعراب واعراب فلا تفسد الصلوٰة وهذا علی قول ابی یوسف ظاهر۔ وفیہ بعد سطور وعامة المشائخ علی ان ترک المد والتشدید بمنزلة الخطاء فی الاعراب لایفسد صلوته فی قول المتأخرین وایضا فیہ ، ص ۸۹۔ وان ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد تفسد صلوته وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الابمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ فیہ قال اکثرهم لا تفسد صلوته۔

روایاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ جو غلطیاں سوال میں ذکر کی گئی ہیں ان غلطیوں سے عند المتأخرین نماز فاسد نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی صحیح پڑھنے والا شخص مذکور فی السوال غلطیوں کے ساتھ پڑھنے والے امام کی اقتداء میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز ہوجائے گی۔ اس نماز کا اعادہ ضروری نہیں۔ اور نہ صحیح پڑھنے والے شخص کو ترکِ جماعت کرکے علیحدہ نماز پڑھنی چاہیئے۔ چونکہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف بھی ہے۔ اس وجہ سے صاحبِ بہشتی زیور اور صاحبِ کبیری نے دوسرے فقہاء کے قول کو راجح سمجھ کر اس کے مطابق اپنی اپنی کتابوں میں جواب لکھا ہے اس لئے جب تک آپ کو دوسری جگہ جماعت نہ ملے اس وقت تک امام مذکور کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں۔ اور یہ بھی کوشش کریں کہ امام صاحب صحیح قرأت کی کوشش کریں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

۳۰ / ۱ / ۱۳۷۱ھ

○

افضل مفضول کی اقتدا کرسکتا ہے

سوال ایک شخص جو عقائد بریلویہ سے تعلق رکھتا ہے اپنے وعظوں میں اکثر کہتا ہے کہ جس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے لئے عرش بھی یہ آرزو رکھے کہ کاش یہ جوتی میرے اوپر ہوتی اس کے سامنے حضرت ابوبکر رضی جیسا صحابی امام بن کر کھڑا ہوسکتا ہے ؟ پھر کہتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ بات نہ کتابوں میں ہے اور نہ حدیثوں میں ہے۔ بلکہ دیوبندی فرقہ نے آپ ہی گھڑی ہے۔

اب صورت یہ ہے کہ دیوبندی فرقہ کے ایک سو چالیس آدمی ہیں جنہوں نے مجھے بھیجا ہے کہ میں خیرالمدارس سے اس چیز کا حوالہ لے آؤں کہ حضرت ابوبکر رضی نے امامت کی ہے اور حضور آپ کے مقتدی ہوتے ہیں۔

الجواب شخص مذکور جھوٹا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے[1] اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نماز پڑھی ہے[2] صحیح احادیث میں صحیح سند کے ساتھ یہ واقعہ موجود ہے۔ محدثین اور فقہاء نے لکھا ہے کہ افضل مفضول کے پیچھے نماز ادا کرسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفرلہٗ مفتی جامعہ ہٰذا ۲۵ ۱ ۱۳۸۶ھ

[1] عن عائشة رضی اللہ عنہا انہ علیہ السلام صلی فی مرضہ الذی توفی فیہ خلف ابی بکر قاعدا۔ رواہ الترمذی وقال حسن صحیح۔

(حکبیری : ص ۲۸۰)۔

[2] رواہ مسلم عن المغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔ (مشکوٰۃ : ج ۱ ص ۵۲)۔

احقر محمد انور مرتب خیرالفتاویٰ

قلعی بھرے ہوئے دانتوں سے امامت کرانا

سوال زید کے دانت اندر سے کھوکھلے اور خوردہ ہیں۔ اگر وہ دانتوں کو کسی دوا یا قلعی سے بھرالے تو اس صورت میں غسل وغیرہ میں کوئی حرج تو نہیں ؟ اور اس حالت میں امامت کرا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب بھروانا جائز ہے، غسل ہو جائے گا، امامت کرا سکتا ہے۔

لو تحرکت تسنیۃ الرجل لا فشدھا بذھب او فضۃ لا بأس بہ اھ

(امداد المفتین ج ۱ ص ۱۸ بحوالہ قاضی خاں)

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ

معذور کی اقتدار کا حکم : سوال

ایک لڑکا بالغ سترہ سال کا ہے اور چار جماعت سکول و فارسی و صرف ونحو اور ترجمہ قرآن شریف کا چار سپارے بھی پڑھا ہوا ہے اور وہ ایک مرض میں مبتلا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور نماز ادا کرتے وقت کبھی کبھی پیشاب کی بوندیں گرتی رہتی ہیں۔ کبھی بند ہو جاتی ہیں۔ اور کبھی شروع۔ گرمی ہو یا سردی۔ اسٹیشن کے اوپر وہ رہتا ہے۔ اور کوئی جماعت کرانے والا نہیں ہے۔ جماعت کرنے کے لئے بہت لوگ تنگ ہیں، کیا وہ جماعت کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: معذور شرعاً وہ شخص ہے کہ اس کو وقت نماز پڑھنے کا اتنا بھی نہیں مل سکتا کہ وہ وضو کرکے فرض ہی پڑھ سکے۔ بلکہ اتنی دیر میں ہی اس کو پیشاب کا قطرہ وغیرہ ضرور آتا ہے۔ جب کسی آدمی کو ایسی حالت پیش آجائے تو وہ معذور سمجھا جاتا ہے اور اس وقت تک معذور سمجھا جائے گا جب تک کہ نماز کے وقت میں اس کو ایک دفعہ بھی حدث ہو جاتا ہے۔ پہلی تعریف ابتداءِ عذر کے لئے ہے اور دوسری بقاءِ عذر کے لئے۔ پس جو شخص معذور ہو، اس کے پیچھے تندرست آدمی کی اقتدار جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ معذور وضو کرکے نماز پڑھائے، نہ وضو کرتے وقت قطرہ نکلا اور نہ نماز میں، تب جائز ہو جائے گی۔

فی الدر المختار ص۳۸۹ ج ۱۔ ولا طاهر بمعذور هذا ان قارن الوضو الحدث او طرء عليه بعده۔ وصح لو توضأ على الانقطاع وصلى كذلك۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	خیر محمد عفا اللہ عنہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان	مہتمم خیر المدارس ملتان
۱۳ ؍ ۵ ؍ ۱۳۷۱ھ	مورخہ ۱۵ جمادی الاول ۱۳۷۱ھ

سنن قبلیہ پڑھے بغیر امامت کرانا : سوال

امام صاحب ایسے وقت میں پہنچے کہ جماعت تیار تھی انہوں نے بجائے ظہر کی چار سنتیں ادا کرنے کے جماعت کرا دی۔ تو کیا یہ جماعت درست ہو گئی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جماعت درست ہو گئی نماز میں کسی قسم کی کراہت نہیں آئے گی۔

(فتاویٰ امدادیہ: ص ۲۵۸، ج ۱)

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

۱۳۹۵؍۱۲؍۲۲ھ

امام کے لئے ضروری ہے کہ متدین و متورع ہو

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ڈاڑھی منڈا یا بے نمازی امام ہو سکتا ہے یا دوسرے غیر شرعی کاموں کا مرتکب امام ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ متولی و امام میں کیا فرق ہے ۔ آیا متولی کا ہر نماز میں شریک ہونا فرض ہے ؟ یا متولی کا تنخواہ وغیرہ وصول نہ کرنا اس کی تولیت پر اثر انداز ہو سکتا ہے ؟ کیا ایک مسجد کے متولی کا مکان اگر دوسرے محلہ میں ہو تو اس سے متولی نہ ہو سکنے کی صورت نکلتی ہے جب کہ انتظام وغیرہ میں کوئی فرق نہ ہوتا ہو۔؟

المستفتی مولوی غلام محمد متولی وصدر مسجد بیری والی
بستی باغبان بیرون دہلی گیٹ ملتان شہر

الجواب امام اس شخص کو مقرر کیا جاوے جو عالم ، متدین ، متورع ہو ۔ ڈاڑھی منڈانا اور بے نمازی ہونا گناہ کبیرہ ہے جس کا مرتکب فاسق ہوتا ہے ۔ فاسق کو ہرگز امام نہ بنایا جائے ۔ اور اگر پہلے سے امام چلا آ رہا ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اسے معزول کر دیں ۔ متولی مسجد کے انتظامات و مالیات کا نگران ہوتا ہے تنخواہ متولی کے لئے ضروری نہیں ہے تنخواہ وصول نہ کرنے سے تولیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے ۔ اس کا ہر نماز میں شریک ہونا اسی مسجد میں ضروری نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم
محمود عفی عنہ
مفتی قاسم العلوم ملتان
۲۴ : ۸ : ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۹۵۳ء کی تحریک میں معافی مانگنے والے کی امامت

سوال : ہمارے ہاں ایک امام عالم و فاضل ہیں ان میں امامت کی صلاحیت بھی ہے ، سند یافتہ ہیں ۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں رضا کاروں کے ساتھ جیل میں بھی گئے ۔ پھر معافی مانگ کر باہر آ گئے اور کہتے ہیں کہ میں بیمار تھا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے ؟

الجواب امام موصوف کی اقتداء میں نماز درست ہے ۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اس تحریک کے اختتام پر کافی لوگوں نے معافی مانگ کر رہائی حاصل کی لہذا اس وجہ سے ان پر ملامت نہیں کی جا سکتی۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ ، مفتی خیر المدارس ملتان : ۱۵ ، ۶ ، ۱۳۸۲ھ

کبھی شیعہ کبھی سنی بن جانے والے کی امامت

سوال ایک شخص عرصہ تک سنیوں کا امام رہا۔ پھر ایک شیعہ نے اس کو لالچ دے کر شیعہ بنالیا۔ اس دوران وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو برسر عام گالیاں دیتا رہا۔ پھر اس کو ایک سنی راہ راست پر لے آیا۔ ایک سال امامت کرانے کے بعد پھر شیعہ ہوگیا۔ اب پھر سنیوں کی مسجد میں امامت کراتا ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ایسے شخص کی اقتداء سے احتراز لازم ہے۔ جس کو اپنے دین کی حفاظت کا ذرہ بھی خیال نہ ہو اور لالچ کی خاطر کبھی شیعہ بن کر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تبرا کرے۔ اور سنیوں سے نفع ملنے کی توقع ہو تو اپنے آپ کو سنی کہلوانا شروع کردے، ایسے شخص کو امام نہ بنایا جاوے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

سنی رہ کر شیعہ کو نماز نہیں پڑھا سکتا۔ البتہ شیعہ رہ کر تقیہ کے طور پر سنیوں کو نماز پڑھا سکتا ہے۔ لہذا سنیوں کی نماز اس کے پیچھے نہیں ہوسکتی۔ والجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

مزامیر کیساتھ قوالی سننے والے کی امامت:

سوال ایک آدمی مزامیر کے ساتھ قوالی بھی سنتا ہے اور موجودہ دور کے بریلوی مولویوں خصوصاً عمر اچھروی اور عنایت اللہ سانگلی کو بلوا کر تقریر بھی کرواتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کا قائل ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی

محمد یوسف رحمانی

ناظم مدرسہ خیر العلوم لودھراں

الجواب دُرِمختار میں ہے۔ وکرہ کل لھو لقولہ علیہ السلام کل لھو المسلم حرام الا ثلثۃ ملاعبتہ اھلہ وتأدیبہ لفرسہ ومناضلتہ بقوسہ (قولہ وکرہ کل لھو) ای کل لعب و عبث ؕ شامل لنفس الفعل واستماعہ کالرقص والسخریۃ والتصفیق وضرب الاوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق فانھا کلھا مکروھۃ لانھا زی الکفار واستماع ضرب الدف والمزمار و غیر ذلک حرام وان سمع بغتۃ یکون

معذورا ویجب ان یجتہد ان لا یسمع قہستانی۔ (شامی ص: ۲۶۰ ج ۵، فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۵۱ ج ۳)
روایت بالا سے معلوم ہوا کہ مزامیر کے ساتھ قوالی سننا حرام ہے بناءً علیہ سوال میں مذکور صفات کے حامل امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ — خیر محمد عفا اللہ عنہ

استاد کی ہتک کرنے اور تصویر کھینچوانے والے کی امامت

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنے پاس اپنے پیر یعنی مرشد کی تصویر رکھی ہوئی ہے صورت رکھنے کی یہ ہے کہ محض زیارت مقصد ہے یعنی کبھی نہ کبھی چوم لیتا ہے اس کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں یعنی اپنے مرشد کی تصویر کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟
دیگر عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنے استاد صاحب کو گالیاں دی ہیں اور اس پر طعن و تشنیع کرتا ہے یعنی برا سمجھتا ہے کیا ایسے شخص کی امامت ہو سکتی ہے یا نہیں بس شاگرد کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں کیونکہ شاگرد استاد کو گالیاں دیتا ہے۔ نیز جو شخص اپنے مرشد کی تصویر رکھتا ہے اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے وہ امامت کرا سکتا ہے یا نہیں ؟
المستفتی عبدالرؤف

الجواب عن عبد اللہ ابن مسعود رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون متفق علیہ۔
تصویر بنانا اور کھینچنا اور کھینچوانا شریعت میں حرام ہے لہذا شخص مذکور کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔
۲ ، بلا وجہ اپنے استاد عالم دین کی مخالفت کرنا اور عداوت اور توہین کرنا معصیت ہے۔ شامی میں ہے
قال الزند ویستی حق العالم علی الجاهل وحق الاستاذ علی التلمیذ واحد علی السواء۔ گالی بکنا فی نفسہٖ معصیت ہے اور پھر استاد کو گالیاں دینا تو اور برا ہے پس شخص مذکور اگر فعل بد سے توبہ تائب نہ ہو تو اس کو امام بنانا نہیں چاہئے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

محکمہ اوقاف سے تنخواہ پانے والے کی امامت

سوال مساجد اوقاف میں جو امام رہتے ہیں یا مؤذن ہیں ان کو تنخواہ اوقاف سے ملتی ہے اس میں بنک کے پیسے اور خانقاہوں کے نذرانے وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں کیا ایسی مساجد میں جو محکمہ اوقاف نے بنائی ہوں اور محکمہ اوقاف کے ملازم ائمہ کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے ؟

الجواب جو مساجد اوقاف کی تحویل میں ہیں ان کی آمدنی ان کے اخراجات سے زیادہ ہے اور محکمہ اگرچہ اس آمدنی کو حرام مال کے ساتھ خلط کر دیتا ہے لیکن وہ مالِ حرام مغلوب ہوتا ہے۔ اور مال مخلوط (جس میں غالب حصہ حلال کا ہو) کا استعمال جائز ہے۔

كما فی العالمگيرية :ص ۵-۳ ج ۴ - آكل الربوا اوكاسب الحرام اهدىٰ اليه او اضافه و غالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل مالم يخبره ان ذلك المال اصله حلال ورثه او استقرضه وان كان غالب ماله حلالاً لابأس بقبول هديته والاكل منها كذا فی الملتقط -

لہٰذا ان ائمہ اور مؤذنوں کو محکمہ سے تنخواہ وصول کرنا جائز ہے اور ان ائمہ کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

۲/۲/۱۳۸۶ھ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

نسب بدلنے والے کی امامت

سوال : ایک شخص اپنی ذات تبدیل کر لیتا ہے مثلاً پہلے وہ سید نہیں تھا لیکن اب وہ اپنے آپ کو سید کہلواتا ہے۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے ؟

الجواب غیر قوم کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا فسق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ومن ادعى الى غير ابيه او انتمىٰ الى غير مواليه فعليه لعنة الله المتتابعة الى يوم القيمة - (ابوداؤد ج ۲ ص ۶۹۶) حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایسے شخص پر لعنت ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس : ملتان ۲۷/۴/۱۳۹۵ھ

داڑھی کے بارے میں مودودی ائمہ کی غلط فہمی کا مدلل ومفصل جواب

آج کل کئی مساجد میں مودودی ائمہ امامت کرا رہے ہیں ان میں سے اکثر داڑھی شرعی مقدار سے کم رکھتے ہیں معہذا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ داڑھی کی شرعی مقدار یہی ہے۔ لہذا براہ کرم آپ تحریر فرمائیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کتنی روایات میں داڑھی رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کی کوئی حد مقرر فرمائی ہو یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے داڑھی کے بارے میں کوئی حد مقرر ہو تو اس کی جتنی روایات ہوں تحریر کریں۔

۳ : حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی داڑھی مبارک کی کس قدر تحدید تھی۔ اس بارے میں صحابہ کرام رض سے جتنی روایات ثابت ہیں وہ بھی ضرور تحریر کریں۔

۴ : صحابہ کرام رض کے بارے میں کہا جاتا ہے معاذ اللہ کہ ان میں سے دو تین حضرات کے علاوہ کسی کی داڑھی نہ تھی جیسا کہ مودودی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اگر اس بارے میں روایات ہوں تو ضرور لکھیں تاکہ مودودی صاحب کے شبہات کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔

المستفتی محمد شریف پانی پتی سانگھڑ

الجواب

۱ : عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیۃ۔

(صحیح مسلم : ج ۱ : ص ۱۲۹)۔

(ب) : عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واوفوا اللحی۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۲۹)۔

ج : عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۲۹)

د : عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۲۹)

ھ : قال النووی وفی روایۃ البخاری وفّروا اللحی۔ (مسلم ج ۱ : ص ۱۲۹)

۲ و ۳۔ احادیث بالا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کو بڑھانے اور لمبی کرنے کا حکم دیا

اور حدیث نمبر۴ میں اسے نہ صرف اپنی بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت قرار دیا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ لفظِ فطرت کا معنی لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قالوا و معناہ انہا من سنن الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم۔

(مسلم: ج ۱ ؛ ص ۱۲۹)۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ " اعفاء اللحیۃ " جسے سنت الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قرار دیا گیا ہے اور اس کے اختیار کرنے کا ہمیں مکلف بنایا گیا ہے اس کی عملی صورت باعتبار مقدار کیا تھی کیونکہ داڑھی کی جو مقدار حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت قرار پائی گئی۔ وہی مقدار امت محمدیہ (علی صاحبہا الوف التحیات والتسلیمات) کے لئے مسنون و مامور ہوگی بوجہ اشتراک و اتحاد لفظی کیونکہ دونوں جگہ پر لفظِ " اعفاء " وارد ہے۔

قرآن کریم میں حضرت ہارون علیہ السلام کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے۔ یا ابن أمّ لا تأخذ بلحیتی الایۃ وکان اخذھا بشمالہ۔ (تفسیر جلالین شریف)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مبارک ایک مٹھی سے کم نہ تھی۔ اور ایک حدیث شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی بھی یہی مقدار بلکہ اس سے بھی زائد معلوم ہوتی ہے۔

عن ابی معمر قلت لخباب ابن الارت اکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الظہر و العصر قال نعم قلت بای شئی کنتم تعلمون قرأتہ قال باضطراب لحیتہ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۰۵)

صف میں کھڑے ہوئے مقتدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سری قرأت کو باضطراب لحیہ شریفہ کے معلوم کرتے تھے۔

جس سے یہ ظاہر ہے کہ لحیہ مبارکہ ہمارے زمانہ کی طرز پر تراشیدہ خشخشی داڑھی نہ تھی بلکہ اہلِ حق کی طرح پوری اور مکمل داڑھی تھی۔ اور یہی حقیقت آیت بالا سے ظاہر ہو رہی ہے۔ پس آیت شریفہ اور اس حدیث کو حدیث نمبر ۱-۴ کے ساتھ ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سنت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یہی مکمل داڑھی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث نمبر ۱ میں جس کا امر فرمایا وہ بھی یہی مکمل داڑھی ہے نہ کہ بریدہ و تراشیدہ خشخشی داڑھی۔ اس کی مقدار مامور کا مسئلہ حل ہوگیا۔

ثانیًا :- یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے داڑھی بڑھانے کے سلسلہ میں مخالفتِ مجوس کا حکم بھی دیا ہے۔ (دیکھئے حدیث ۲) اور مخالفتِ مجوس مکمل داڑھی رکھنے میں ہے نہ کہ خشخشی رکھنے اور کتراتے رہنے میں۔ کیوں کہ کتراتے رہنا بھی مجوسیوں کی عادت تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

واما اعفاء اللحية فمعناه توفيرها وهو معنى اوفوا اللحى

فى الرواية الاخرى وكان من عادة الفرس قص اللحية

فنهى الشرع عن ذالك۔ (شرح مسلم ج۱ : ص ۱۲۹)۔

بذل المجہود میں ہے

وكان من عادة الفرس قص اللحية۔ (ج ۵ ، ص ۷۹)۔

پس معلوم ہوا کہ مخالفتِ مجوس کرتے ہوئے مکمل داڑھی رکھنا مامور ہے۔ اور خشخشی رکھ کر کتراتے رہنا مجوسیوں کی موافقت ہے اور ممنوع ہے۔ اس سے معلوم و ظاہر ہے کہ خشخشی رکھنا امتثالِ امرِ نبوی کے لئے کافی نہیں۔ اور یہ مقدار مسنون نہیں بلکہ عادتِ مجوس ہے۔

ثالثًا :- یہ کہ حدیث نمبر ۲ میں مخالفتِ مشرکین کا حکم دیا گیا ہے اور یہ مخالفت پوری داڑھی رکھنے میں ہے۔ کیوں کہ مشرکین داڑھی کتراتے تھے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ میں اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ لانهم كانوا يقصون اللحى۔ اھ پس اگر ہم بھی کتراتے رہیں تو اس میں مشرکین کی موافقت ہے نہ مخالفت۔

رابعًا :- ان احادیث میں پانچ قسم کے الفاظ موجود ہیں۔ واعفوا - واوفوا - وارخوا - وارجوا - ووفروا - ان میں سے ہر لفظ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کامل لمبی لمبی داڑھی رکھی جائے نہ کہ خشخشی و فیشنی۔ "الشعر الوافی" کا ترجمہ " الشعر الطویل" ہے " وعفا شعر البعير كثر وطال فغطى دبره - عفا الارمل غطاها النبات والعفا ما كثر من ريش النعام او الشعر الطويل الوافی۔

(قاموس : ص ۹۵۸)

یہ تمام استعمالات "واعفوا" کے معنی کی وضاحت کے لئے کافی ہیں۔ اور اسی طرح وفّروا وفرۃ سے ماخوذ ہے۔ "وفرہ" سر کے اتنے لمبے بالوں کو کہتے ہیں جو کانوں کی لو تک بڑھ گئے ہوں

یا اس سے بھی متجاوز ہوں۔

والوفرۃ الشعر المجتمع علی الراس وما سال علی الاذنین منہ وما تجاوز شحمۃ الاذن۔ (قاموس، ص ۳۶۲)۔

ان میں سے ایک لفظ "ارخوا" ہے۔ یہ ارخار سے لیا گیا ہے۔ اور ارخار کا معنی لٹکانا ہے۔ ایفار اور ارجار کے معنی بھی ان کے قریب قریب ہیں۔

کان کبیر اللحیۃ وطویل اللحیۃ۔ (اسد الغابۃ ج۴، ص ۳۹)۔

ان الفاظ کے معانی لغویہ پر نظر کرنے سے کامل داڑھی کی مسنونیت ثابت ہوتی ہے انکار کی جرأت نہیں۔ ہاں جو شخص حقائق لغویہ و شرعیہ سے آنکھیں بند کرتے ہوئے " وفّروا " وغیرہ کا صرف اردو ترجمہ (داڑھی رکھو) دیکھ کر مجتہد بننے کے شوق میں ہو یا اسے صرف علماءِ حق کی مخالفت مقصود ہو تو اس سے یہ انکار کچھ بعید نہیں۔

" وفّروا " کا لفظ ارشاد فرمایا۔ مقصد یہ ہے کہ داڑھی وفرہ کی مثل مطلوب ہے۔ وفرہ سر کے اتنے لمبے بالوں کو کہتے ہیں جو کانوں سے بھی نیچے تک چلے گئے ہوں۔ اگر کسی نے دو دن سے سر کے بال نہیں منڈوائے بلکہ ماہ تک بھی نہیں منڈوائے تو انہیں وفرہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہندی میں یہ نہیں کہتے کہ " اس نے پٹے رکھے ہوئے ہیں " تو چند دن تک داڑھی نہ منڈوانے کو وفروا اللحی ارشادِ نبوی کی تعمیل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

عجیب جہالت کا دور ہے کہ اپنی نادانی سے حقائق شرعیہ کو مسخ کیا جا رہا ہے۔ بدعات کو سنت اور سنت کو بدعات بنایا اور بتلایا جا رہا ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں مشرکین و مجوس کے جس طرزِ قصر اللحیۃ کی مخالفت مصرح ہے اسے سنت قرار دیتے ہوئے اختیار کرنے پر زور دیا جا رہا ہے اور عاملینِ سنت پر طنز و تشنیع، استہزاء و تمسخر۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ نے سوال کیا ہے کہ۔

" ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر کیا جائے جنہوں نے داڑھی رکھی۔ کیونکہ مودودی صاحبان کہتے ہیں کہ دو یا تین کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی کی داڑھی نہ تھی۔" والعیاذ باللہ۔

یہ اعتراض پہلے بھی سننے میں آیا تھا لیکن اسے ایک بازاری گپ سمجھ کر قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ مگر سخت حیرت ہوئی جب کہ ایک فاضل کی تحریر میں یہ اعتراض دیکھا۔ فاضل موصوف کے

کلام کا حاصل یہ ہے ۔

" کتب رجال میں سوائے چند راویوں کے کسی کی داڑھی کا ذکر نہیں ۔معلوم ہوا کہ ثقہ ہونے کے لئے داڑھی کی پیمائش ضروری نہیں ۔ (او کما قال)

اس عبارت میں موصوف نے اپنی عادت کے مطابق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو طنز واستہزاء کیا ہے اس سے قطع نظر ہم اس مفروضہ پر کلام کرتے ہیں جس پر موصوف کی کلام مبنی ہے ۔

۱ : موصوف کا پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جب چند راویوں کے علاوہ کسی کی داڑھی کا ذکر نہیں ملتا تو معلوم ہوا کہ ان چند کے علاوہ کسی کی داڑھی نہ تھی ۔ (جیسا کہ مودودی صاحبان کہتے ہیں)۔

۲ : دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ عدم ذکر داڑھی کے غیر اہم ہونے کی دلیل ہے ۔

پہلے مفروضے کا بدیہی البطلان ہونا اظہر من الشمس ہے ۔کیونکہ سب عقلاء، واہل علم کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ۔ بلکہ عدم علم بھی عدم وجود کو مستلزم ومقتضی نہیں حالانکہ عدم علم عام ہے ۔ جب کسی چیز کا ہمیں معلوم نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا تو اس کا کتابوں میں ذکر نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے ۔

کائنات میں ہزاروں اشیاء ایسی موجود ہیں کہ جن کا نہ کسی کتاب میں ذکر ہے اور نہ کسی انسان کو ان کا علم تھا۔ سائنس کی ترقی اور جدید انکشافات کی اس کثرت کے باوجود بھی اب بھی ایسے ہی ہے ۔ اور معلومات سے مجہولات کا دائرہ وسیع ہے ۔ کروڑہا بلکہ اربوں انسان ہو گزرے ہیں لیکن ہر انسان کا اجمالی تذکرہ صرف نام تک بھی کسی کتاب میں لکھا ہوا نہیں ملے گا ۔ رفتگان سے گزر کر موجود انسانوں اور دیگر اشیاء کا بھی یہی حال ہے تو کیا اگر ہوتا تو ذکر ہوتا کہ مفروضے کی بناء پر ان موجودات کا انکار کرنا جائز ہو گا ؟ اپنے گرد وپیش بلکہ اپنی یومیہ حرکات وسکنات اور اعمال واقوال پر غور کیجئے ان میں سے ہر ایک مفروضہ " موجود ، مذکور " کی نفی نہیں کر رہا ہے ؟ کیونکہ یہ سب موجود ہیں لیکن کتاب میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ شرعیات اعمال حسنہ وعبادات کا بھی یہی حال ہے ۔کروڑوں انسان ان پر عمل پیرا ہیں ۔سرکاری محکمہ شماریات میں ان کا کوئی اندراج موجود نہیں اور نہ ہی کسی وقائع نگار ہی کی یاد داشت میں ان کا محفوظ ہونا ضروری ہے ۔ ان حقائق پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اصل اشیاء اعمال وعبادات وغیرہ میں مذکور نہ ہونا ہے ۔ ذکر کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے ۔پس جو شخص مفروضہ " موجود ، مساوی مذکور " پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھتا ہے اس کی جہالت ونادانی اظہر من الشمس ہے ۔

حاصل یہ کہ اگر چند صحابہ کرام رضؓ کے علاوہ کسی کی داڑھی کا ذکر کتب و تاریخ میں نہیں ملتا تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دو، تین کے علاوہ کسی صحابیؓ کی داڑھی نہ تھی۔ یہ ایسے ہی غلط ہے جیسے دھوپ میں کھڑے ہوئے طلوعِ شمس کا اس لیئے انکار کر دیا جائے کہ اس کی خبر آج کسی اخبار میں نہیں چھپی۔ الغرض یہ مفروضہ باطل ہے۔ پس اس کی بنا ء پر امر متواتر کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پہلے کی طرح دوسرا مفروضہ بھی غلط ہے اور باطل ہے۔ کیونکہ عدمِ ذکر جیسے عدمِ وجود کو مستلزم نہیں ایسے ہی عدم اہتمام کو بھی مستلزم نہیں کبھی ایک چیز کو غیر اہم ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا جاتا ہے اور کبھی غایت ظہور اور بدیہی ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ ذکر کی حاجت نہیں ہے۔

غور کیجیئے اخبارات میں خبریں چھپتی ہیں لیکن " سورج طلوع ہو گیا " یہ خبر کبھی نہیں چھپی۔ حالانکہ دنیا کی حیات طلوعِ شمس پر موقوف ہے۔ اس اہمیت کے باوجود یہ خبر شائع نہیں ہوتی۔ کیوں؟ غایتِ ظہور کی وجہ سے۔

کتب سیر و اسماء الرجال میں آپ یہ کہیں نہیں پائیں گے کہ فلاں راوی پنجوقتہ نماز کا پابند تھا۔ رمضان المبارک کا کوئی روزہ نہیں چھوڑتا تھا، بے وضو نماز نہیں پڑھتا تھا، غسل جنابت کرتا تھا۔ وغیر ذالک۔

گو یہ اہم ترین مسلمہ فرائض میں سے ہے۔ لیکن غایتِ ظہور کیوجہ سے ان کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ کیوں کہ ایک مسلمان مقتدا، راوی حدیث سے متصور ہی نہیں کہ وہ ان پر عامل نہ ہو۔ البتہ فرائض و واجبات و شرائع و سنیہ کے علاوہ نوافل و تطوعات کی کثرت وغیرہ کا ذکر ملے گا۔ مثلاً

كان يقوم ليله . و يصوم نهاره و كان يقرأ القرآن فى ركعته وحج اربعين حجة وغير ذلك .

اسی طرح کامل داڑھی رکھنا سنت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام، سنت صحابہ کرام علیہم الرضوان اور شعار ملت اسلامیہ میں سے ہے۔ اور اہل اسلام بالخصوص مقتدا۔ اور صلحاء کے عملی تواتر سے بھی یہی ثابت ہے۔ تو ایک مقدس صحابی رضؓ سے یا ایک متدین راوی حدیث رسول مقبول ﷺ سے یہ متصور ہی نہیں تھا کہ وہ ایسے علانیہ گناہ کا ارتکاب کرتے یا اس سنتِ متواترہ کی مخالفت کرتے۔ لہذا غایتِ ظہور کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ پنجوقتہ نماز کی پابندی

بھی اہم نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ کیونکہ تارکِ صلوٰۃ ہونا کسی کے ماتھے پر لکھا نہیں ہوتا ، لیکن داڑھی منڈوانا یا داڑھی کتروانا ہر شخص کو نظر آجاتا ہے ۔

الحاصل فاضل موصوف کا یہ مفروضہ بھی باطل ہے۔ اور حق یہ ہے کہ کامل داڑھی رکھنا سنتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ہے جس کی پابندی حضراتِ صحابہ رضؓ ، تابعینؒ وتبع تابعین رحؒ ، ائمہ مجتہدین رحؒ ، اولیاءِ عظام رحؒ اور صلحاءِ امت نے کی ہے۔ اور اس کی سنیت دیگر دلائل کے علاوہ تعامل و توارثِ امت سے ثابت ہے۔ سوائے اہلِ زیغ کے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ حق جل شانہ اس سنت پر عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان ، پاکستان

مقتدی امام کے سلام سے پہلے سلام پھیر دے تو نماز کا حکم

" تذکرۃ الرشید " میں ہے کہ اگر مقتدی نے سلام پھیرتے ہوئے امام کے لفظِ " رحمۃُ اللہ " کہنے سے پہلے سلام پھیر لیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ نیز " تذکرۃ الرشید " میں یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ اہتمام کے ساتھ لوگوں کو بتانا چاہیئے ۔

" فتاویٰ دارالعلوم دیوبند " ج ۳ ، ص ۳۷۳ ۔ میں لکھا ہے کہ امام نے جس وقت لفظِ " السلام " کہا تو اقتدا ختم ہو جاتی ہے ۔ پس اس قول کے موافق تو لفظِ " السلام " میں تقدیم نہ کرنی چاہیئے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی ۔

اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ درست ہے ؟ بینوا توجروا ۔

سائل۔ محمد طیب طاہر

جامع مسجد الحسن ، نیو نقشبند کالونی ، ملتان

الجواب " تذکرۃ الرشید " کا مسئلہ اور " فتاویٰ دارالعلوم " کی توجیہ دونوں سمجھ میں نہیں آئیں ۔ مسئلہ یہ ہے کہ مقتدی آخری قعدہ بقدرِ تشہد

بیٹھنے کے بعد اگر امام سے پہلے سلام پھیر کر چلا جائے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔ البتہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ عذر کی وجہ سے ہو تو کراہت بھی نہیں۔

فی رد المحتار لو اتم المؤتم التشہد بان اسرع فیہ وفرغ منہ قبل اتمام امامہ فاتی بما یخرجہ من الصلوۃ کسلام او کلام او قیام جاز ای صحت صلوتہ لحصولہ بعد تمام الارکان الی قولہ وانما کرہ المؤتم ذلک لترکہ متابعۃ الامام بلا عذر فلو بہ کخوف حدث او خروج وقت الجمعۃ او مرور مار بین یدیہ فلا کراہۃ۔ (امداد الفتاوی ج ۱ ص ۲۵۰)

اس جزئیہ سے ظاہر ہے کہ انقطاع قدوہ کا اس مسئلے کے ساتھ کوئی ایسا تعلق نہیں ہے۔ خواہ یہ انقطاع پہلے سلام پر ہوجاتا ہو یا دوسرے سلام پر۔ امام کی اقتداء میں داخل ہونے کا مسئلہ تو اس پر متفرع ہو سکتا ہے۔ امام کی اقتداء سے خارج ہونے کا مسئلہ انقطاع قدوہ کے ساتھ منسلک نہیں۔ امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے سے بھی مقتدی کی نماز ختم نہیں ہوتی جب تک مقتدی خود سلام نہ پھیرے۔ اور متابعت امام میں مقارنت یا تعاقب کے ساتھ بھی اس مسئلے کا تعلق نہیں۔ امام سے پہلے السّلام علیکم کہہ دیا تو بھی نماز ہوجاتی ہے البتہ "تذکرۃ الرشید" کے مسئلہ کے بارے میں ایک خیال یہ رہا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے درحقیقت ابتداءِ نماز کا مسئلہ بتلایا ہوگا۔ سامع کو التباس ہوا، اس نے اسے آخر نماز کا مسئلہ سمجھا۔ دراصل یہ مسئلہ تکبیرِ تحریمہ کے لفظ " اللہ " کے بارے میں ہے (کہ اگر کسی نے امام سے پہلے لفظِ " اللہ " ختم کرلیا تو اس کی نماز نہ ہوگی) " السلام علیکم ورحمۃ اللہ " کے اسم جلالہ (اللہ) کے بارے میں یہ مسئلہ نہیں۔ کما مرّ۔ اور متقارب ومتماثل مسائل میں ایسا اشتباہ خارج از امکان نہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس، ملتان

دفتری اوقات میں آنے والی نمازیں افسران بالا

کے روکنے کے باوجود بھی وقت میں ادا کی جائیں

بعض ملازمین جو دین کے ساتھ شغف رکھتے ہیں انہوں نے بھی یہ طریقہ اپنایا ہوا ہے کہ کام کو اوّلیت دیتے ہیں اور نماز کو ثانوی درجہ دیتے ہیں دفتری اوقات میں اکثر ظہر قضاء کر دیتے ہیں اور گھر آ کر ظہر و عصر اکٹھے ادا کرتے ہیں۔ اگر افسرانِ بالا دفتر کے اوقات میں نماز پڑھنے کو محسوس کریں تو کیا حکم ہے؟

الجواب دنیاوی کام کی وجہ سے نماز کو قضاء کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں اگر افسرانِ بالا دفتر کے اوقات میں آنے والی نمازیں اس وقت پڑھنے سے روکیں تب بھی ان نمازوں کو وقت پر ادا کرنا فرض و لازم ہے۔ تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحۃً موجود ہے "محیط" میں ہے۔

لو استأجر رجلا یوماً یعمل کذا فعلیه ان یعمل ذلک العمل الی تمام المدة ولا یشتغل بشیٔ آخر سوی المکتوبة اھ

اور "فتاویٰ سمرقندیہ" میں ہے۔

وقد قال بعض مشائخنا له ان یؤدی السنة ایضا واتفقوا علی ان لا یؤدی نفلا وعلیه الفتوی۔ (شامی ج ۵ ص ۳۵) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — ۲۵/۸/۱۳۸۵ھ — بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جماعتِ ثانیہ کا حکم

جس مسجد میں امام اور نمازی متعین ہوں وہاں جماعتِ ثانیہ کرانا از روئے شریعت کیسا ہے؟

المستفتی، ملک محمد صدیق ڈوگر سراج سنز

دولت گیٹ ملتان

الجواب مسجدِ محلہ میں جماعتِ ثانیہ مکروہِ تحریمی ہے۔ مسجدِ محلہ کی تعریف یہ ہے کہ جس کے نمازی اور امام متعین ہوں۔

اما مساجد المحلة وهی مالها امام وجماعة معینون اھ

(الفقه علی المذاهب الاربعة، ج ۲، ص ۴۳۶)۔

یہ کراہت تب ہے جب اہلِ محلہ نے اس مسجد میں اعلانِ اذان کے ساتھ نماز پڑھی ہو۔ اور اگر اہلِ محلہ نے بلا اعلانِ اذان یا بلا اذان جماعت کرائی ہو تو اس صورت میں جماعتِ ثانیہ درست ہوگی۔

"عن ابی بکرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اقبل من نواحی المدینة یرید الصلوة وقد صلوا فمال الی منزله فجمع اهله فصلی بهم رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط"

اگر جماعتِ ثانیہ مکروہ نہ ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں دوبارہ جماعت سے نماز ادا فرماتے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اہلِ کرام کو جمع کرکے گھر جماعت فرمانا واضح دلیل ہے اس بات پر کہ مسجد میں ایک مرتبہ جماعت ہوجانے کے بعد دوبارہ جماعت مکروہ ہے۔

ویکره تکرار الجماعة باذان واقامة فی مسجد محلة اھ (درمختار)

قال الشامی عبارته فی الخزائن اجمع مما هنا و نصها یکره تکرار الجماعة فی مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلی بهما فیه اولاً غیر اهله او اهله لکن بمخافتة الاذان ولو کرر اهله بدونهما او کان مسجد طریق جاز اجماعاً۔ اھ

(شامی ج ۱: ص ۴۰۸، مطبوعہ کوئٹہ)۔

وروی عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا اذا فاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی اھ (شامی ج ۱: ص ۲۶۰)۔ فقط والله اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ◯ فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱ر ۱ر ۱۴۰۰ھ

منکوحۂ غیر کو گھر رکھنے والے کو امام نہ بنایا جاوے

سوال ایک شخص تین سال سے منکوحۂ غیر کو گھر لے کر بیٹھا ہوا ہے۔ لوگوں کو اس کے ساتھ ترکِ موالات کرنی چاہیئے یا نہیں ؟ اگر لوگ اس سے کھانا پینا نہیں چھوڑتے تو ان کو جماعت سے نکالنا چاہیئے یا نہیں ؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں ؟

الجواب منکوحۂ غیر کو اپنے گھر رکھ لینا سخت گناہ ہے۔ اہلِ اسلام پر واجب ہے کہ ان میں علیحدگی کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اگر علیحدگی کرانے پر قدرت نہ ہو تو ان سے قطعِ تعلقات کیا جاوے۔ ان کی شادی و غمی میں شرکت نہ کی جاوے۔ شخص مذکور یا اس کا کوئی معاون لائقِ امامت نہیں۔ لیکن ان میں سے اگر کوئی شخص جماعت میں آکر شامل ہو تو اسے جماعت سے الگ نہ کیا جاوے، دیگر مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گفتگو کرنے سے حضرات صحابہ رضؓ کو روک دیا تھا اور ان کی بیویوں سے بھی انہیں الگ کر دیا تھا تو اس کے باوجود انہیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ممانعت نہ تھی۔ حدیث کعب رضؓ کے الفاظ یہ ہیں۔

فاستكانا و قعدا في بيوتهما و اما انا فكنت اشب القوم و اجلدهم فكنت اشهد الصلوٰة مع المسلمين ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
۱۲ : ۴ : ۱۳۸۵ھ

حقہ ساز کی امامت

سوال زید ایک مسجد کا امام ہے اس کا پیشہ حقے بنا کر فروخت کرنا ہے حالانکہ خود حقہ نہیں پیتا۔ صرف بنا کر فروخت کرتا ہے وہ کہتا ہے اگر شریعت میں منع ہو تو چھوڑ دوں گا۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب حقے بنانا معصیت نہیں۔ لہٰذا زید کے پیچھے نماز درست ہے۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ

۱۸ / ۲ / ۱۳۸۶ھ

جس کا لڑکا کالج اور لڑکی نارمل سکول میں پڑھتی ہو اس کی امامت کا حکم

سوال امام صاحب جن کا لڑکا کنز الدقائق وغیرہ پڑھتا ہے نیز مقامی کالج میں ایف اے میں داخل ہے خود پابند شریعت ہیں اور اولاد میں بھی اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ نیز انہوں نے اپنی بچی کو گھر پر قرآن تجوید کے ساتھ اور کچھ مسائل کی کتابیں پڑھا کر مقامی زنانہ اسکول میں داخل کرا دیا ہے۔ اب کچھ لوگ ان کی امامت پر اعتراض کرتے ہیں۔ شریعت کے حکم سے آگاہ فرمادیں۔

الجواب اگر کوئی مسلمان اپنے دینی فرائض و واجبات بجالا کر کوئی دنیوی علم حاصل کرتا ہے تو اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے زمانہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو عبرانی زبان اور دیگر علوم حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اُس وقت سے اِس وقت تک علماء نے دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم کو مستحسن سمجھا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح ——— محمد اسحاق عفی عنہ

محمد علی خطیب سنہری مسجد لاہور ——— ۱۶ : ۹ : ۱۳۷۴ھ

——— عبید اللہ انور دفتر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

شخص مذکور کی امامت میں کوئی خلل نہیں۔ کیونکہ دین کو محفوظ رکھتے ہوئے دنیاوی تعلیم حاصل کرنا مضر نہیں۔ اور اگر پردے وغیرہ کا معقول انتظام ہو تو لڑکی کو نارمل سکول میں بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔

الجواب صحیح ——— والجواب صحیح

بندہ اصغر علی غفرلہٗ ——— بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

معین مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷ : ۹ : ۱۳۷۴ھ ——— مفتی خیر المدارس : ملتان

ھٰکذا کذلک وانا مصدق بذلک۔

الفقر الی اللہ محمد عبد اللہ درخواستی ، مہتمم مدرسہ مخزن العلوم ، خانپور

۱۹ : ۹ : ۱۳۷۴ھ

دنیوی تعلیم کا مستحسن ہونا تصحیح نیت پر موقوف ہے۔ علی الاطلاق مستحسن قرار دینا درست نہیں والباقی صحیح۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جھوٹے تلے والی کلاہ پہننے والے امام کا حکم

سوال ایک امام مسجد سر پر جھوٹے تلے والا کلاہ رکھتا ہے اور اس کا تلا چار انگل سے زیادہ ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے یا نہیں ؟ یہاں کے علماء اس کو خالص تلے کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس امام کے پیچھے نماز کو ناجائز کہتے ہیں ؟

الجواب جھوٹے تلے کا حکم خالص تلے کا نہیں۔ اور اس کا پہننا چار انگل سے زائد جائز ہے۔ لہٰذا امام مذکور کے پیچھے نماز جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ اصغر علی عفا اللہ عنہ
خیر المدارس ملتان
۲۱ ؍ ۴ ؍ ۱۳۷۶ھ

اغوا شدہ کے خاوند کی امامت درست ہے

سوال ایک پیش امام کی عورت کو ایک شخص بہکا کر لے گیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تمہاری عورت چلی گئی ہے لہٰذا تمہارے پیچھے نماز درست نہیں اور اسے امامت سے ہٹا دیا گیا۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے ؟

الجواب صورت مسئولہ میں امام مذکور بے قصور ہے اس کے پیچھے نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ گاؤں والوں کو چاہیئے کہ اس کی عورت تلاش کرنے میں مدد کریں نہ کہ امامت سے بھی ہٹا دیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ اصغر علی غفرلہٗ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ ؍ ۵ ؍ ۸ ؍ ۱۳۷۹ھ

یک چشم کی امامت

اگر کوئی شخص ایک آنکھ سے نابینا ہو دوسری آنکھ بالکل صحیح ہو تو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب یک چشم کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔ کما فی فتاوی دارالعلوم ، ص ۱۹۴ ، ج ۳ ۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

صرف ٹوپی پہن کر امامت کرانا

سوال: ایک آدمی ٹوپی سے نماز پڑھاتا ہے اور مقتدی اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے سر پر صافہ ہوتا ہے اور امام صاحب صرف ٹوپی سر پر رکھ کر نماز پڑھاتے ہیں۔ کیا ان کا اعتراض درست ہے؟

۲: ایک مقتدی امام کو کہتا ہے کہ یہ ٹوپی جو آپ نے پہن رکھی ہے ہندوں کی رسم ہے۔ اگر آپ ٹوپی سے نماز پڑھائیں گے تو ہم آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ کیوں کہ ہماری نماز مکروہ ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن مدرسہ اصلاح المسلمین کرم پور

الجواب: جو امام عام حالات میں بھی ٹوپی پہنتا ہو، اس کا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھانا بلا کراہت جائز ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ عمامہ کے ساتھ ہو۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۱۰، ج ۳)

۲: یہ مقتدی جاہل ہے۔ ٹوپی کا استعمال قدیم سے چلا آتا ہے گو کیفیات میں اختلاف ہوتا رہتا ہے صحیح بخاری میں ہے۔ وضع ابو اسحاق قلنسوته فی الصلوة ورفعها اھ (بخاری ص ۱۵۹: ج ۱)

صحابۂ کرام علیہم الرضوان ٹوپیوں کے ساتھ بھی نماز پڑھتے تھے۔ کان القوم یسجدون علی العمامة والقلنسوة۔ اھ (بخاری، ص ۵۶، ج ۱)

مروجہ گول اور دوپلی ٹوپی ہندوستان میں علماء و مشائخ بھی پہنتے تھے۔ اسے صرف ہندوؤں کا شعار کہنا محض ضد اور زیادتی ہے۔ اور بلا علم نماز کے مکروہ ہونے کا حکم لگا دینا جہل مرکب ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲: ۶: ۱۴۰۰ھ

○

تعویذ فروش کی امامت

سوال: زید ایک مسجد میں امام ہے ساتھ ہی تعویذ بھی بیچتا ہے۔ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: زید کی امامت صحیح ہے۔ کیوں کہ تعویذ دے کر پیسے لینا شرعاً جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہٗ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

مفتی خیر المدارس ملتان

○

منکرِ حدیث کا جنازہ پڑھانے والے کی امامت

سوال ۱ : ایک شخص حدیثِ پاک کا قطعی منکر ہے۔ مشہور منکرِ حدیث عبداللہ چکڑالوی کے مذہب کا پیرو کار ہے۔ اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہلاتا ہے۔ ایسا شخص از روئے شریعت مسلمان ہے یا کافر؟

۲ : جو شخص ایسے آدمی کا جنازہ پڑھائے اس کی اقتدا میں پانچ وقت کی نماز، جمعہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ۱ : حدیث قرآن پاک کی توضیح و تشریح ہے۔ حدیث کو یکسر نظر انداز کر کے قرآن حکیم پر عمل قطعاً ناممکن ہے۔ اور جو اس محال کا دعوےٰ کرے وہ بلاریب جھوٹا ہے۔ چونکہ اتباعِ رسول کا فرض ہونا نصوصِ صریحہ قطعیہ سے ثابت ہے اس لئے حدیث کا منکر کافر اور خارج از دائرۂ اسلام ہے۔

۲ : امام مذکور تا وقتیکہ علانیہ توبہ نہ کرے اس کی اقتدا میں ہرگز نماز ادا نہ کی جائے۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	محمد انور
۵ : ۱۲ : ۹۹ ۱۳ھ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

○

اہلسنت والجماعت کے خلاف عقائد رکھنے والے کو امام نہیں بنانا چاہیئے

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کا عقیدہ اس طرح کا ہے حالانکہ امیر جماعت ہے اور بہت سے لوگ اس کے پیرو کار ہیں اور اپنے آپ کو جماعت اسلامی کا امیر کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔

۱ : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتا ہے کہ حضورؐ کو اپنے زمانے میں اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد میں ظاہر ہو جائے یا اس کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو جائے۔ لیکن ساڑھے تیرہ سو سال کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ حضورؐ کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔ کمافی رسائل مسائل، ۵ ستمبر، ۱۹۵۷ء۔

۲ : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلا غلط کام تھا۔ اور غلط کام بہر حال غلط ہے۔ خواہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہ عقل و انصاف

کا تقاضا ہے اور نہ ہی دین کا مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۴۴)

۳ : حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۴۴)

۴ : حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے خلاف لکھتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جری ہوگئی تھیں اور زبان درازی کرنے لگیں۔ (اشاعت ہفت روزہ ایشیا : ۱۹ نومبر ۱۹۶۶ء)

اب کوئی شخص اس قسم کا عقیدہ رکھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقائص بیان کرے تو اس کے پیچھے نماز وجمعہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب شخص مذکور کے عقائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اہلسنت والجماعت کے خلاف ہیں اس لئے اس کو امام نہیں بنانا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

خیر محمد عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس : ملتان

عباسی صاحب کے معتقد کی امامت

سوال ہمارے امام مسجد، عباسی صاحب کی کتاب جو کہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارے میں ہے، کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ جب وہ کتاب بندہ نے پڑھی تو اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا کھلم کھلا انکار تھا۔ اور اہلبیت ہونا بھی کچھ مشکوک لکھا ہوا تھا۔ تو بندہ نے اپنے امام مسجد سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تو صحابی ہیں، لیکن ایک غلطی سے عباسی صاحب کی ساری کتاب غلط تو نہیں ہو سکتی۔ اور کہا مولوی غلام اللہ خان پنڈی والے وعظ کے لئے یہاں آئے تھے۔ ان کے سامنے بھی عباسی صاحب کی کتاب کا ذکر ہوا تو انہوں نے بھی کتاب کی تعریف کی۔ بندہ نے کہا کہ مجھے تو آپ سے مطلب ہے کیونکہ بندہ آپ کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ بندہ نے کہا اتبعوا السواد الاعظم والی حدیث پر عمل کریں۔ دو تین شہروں کے علماء سے دریافت کر لیویں۔ جدھر خیال ہو گیا اس طرح مان لیا جائے گا۔ امام مسجد نے انکار کیا۔ کہا السواد الاعظم والی حدیث عقائد کے بارے میں ہے اور یہ فروعی بات ہے۔ اب بندہ کو اور کوئی خیال نہیں صرف اپنی نماز کا فکر ہے۔ کیا اس کے پیچھے نماز درست ہے ؟ اور یہ بھی

کہتا ہے کہ مجھے علماء سے زیادہ تحقیق ہے کیونکہ عدم تحقیق کی وجہ سے شاہ ولی اللہ رح نے امیر معاویہ رض کو باغی لکھ دیا ہے اگر اس کے پیچھے نماز درست نہیں تو سابقہ نمازوں کی قضا کروں ؟

الجواب سابقہ نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں ، آئندہ کے لئے یہ احتیاط کر لی جائے کہ نماز دوسری قریبی مسجد میں کسی صحیح العقیدہ امام کے پیچھے ادا کر لیا کریں ۔ فقط ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۴ / ۲۳ / ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

امامت کیلئے شادی شدہ ہونا ضروری نہیں

سوال ایک شخص جو کہ غیر شادی شدہ اور پابند شریعت بھی ہے ، چند اشخاص کی رائے یہ ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھا سکتا ۔ اس کی امامت درست نہیں ۔ اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ نماز پڑھا سکتا ہے ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ نماز نہیں پڑھا سکتا ، انہوں نے شاہ احمد نورانی کے پاس بھی تصدیق کے لئے خط بھیجا ہے ۔

الجواب امامت کے لئے عالم متقی اور متبع سنت ہونا ضروری ہے یہ صفات اگر غیر شادی شدہ میں پائی جاویں تو وہ بلاشبہ امامت کا اہل ہے ۔ اس کی امامت میں کوئی کراہت نہیں ہے ۔ اور اگر کوئی شخص شادی شدہ ہے مگر ان صفات کا حامل نہیں ہے تو اس کی امامت درست نہیں ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ امامت اور شادی کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے نیک ہونا ضروری ہے ۔ چونکہ عام طور پر شادی شدہ سے غلطیاں کم ہوتی ہیں اس لئے عوام کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ امام شادی شدہ ہو ۔ ورنہ کوئی ضروری نہیں ۔

لعموم قوله عليه السلام لابني ابي مليكه وليؤمكما خياركما ۔ الحدیث فقط ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۳ / ۵ / ۱۳۹۹ھ

قاتلِ عمد کی امامت

ایک آدمی خانگی جھگڑوں کو مٹانے کی خاطر کسی کو عمداً قتل کرنے کے بعد مقدمۂ قتل سے بری ہوا ہے۔ اور اس گناہِ کبیرہ سے توبہ پختہ بھی کر چکا ہے۔ چنانچہ اس توبہ پر بارہ تیرہ سال سے پختہ ہے۔ لیکن اولیائے مقتول سے صلح نہیں کر سکا ہے بوجہ انقلاب پاک و ہند۔ ورنہ خلوصِ دل سے صلح کا خواہاں ہے۔ تو کیا ایسے شخص کے پیچھے فرض نماز پڑھنی جائز ہے یا ناجائز۔ اگر ناجائز ہے تو باطل ہوگی یا مکروہ۔ اور مکروہ بھی کون سا۔ اسی طرح اگر نماز پنجگانہ کے علاوہ تراویح میں اس کا امام بننا جب کہ یہ شخص حافظ ہو، درست ہے یا نہ؟

الجواب جس مقام پر ورثۂ مقتول مقیم ہوں قاتل پر لازم ہے کہ وہاں جا کر ان سے صلح وصفائی کرے اگرچہ اسے اس معاملہ میں خون کا معاوضہ مالی ہی ادا کرنا پڑے اور جس معاوضہ مالی پر بھی ورثۂ مقتول راضی ہو جائیں اسے قبول کر کے ادا کرنا چاہیے۔ جب یہ صلح ہو جائے تب قاتلِ مذکور کی امامت سب نمازوں میں درست ہو جائے گی بلا کراہت۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	۱۷/۷	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان	۱۳۹۶ھ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اقتدا صبی بمثلہ

مدارس میں یہ رواج پایا جاتا ہے کہ بچوں کو جب چھٹی ہوتی ہے تو ان میں سے ایک نابالغ بچہ، نابالغ بچوں کی جماعت کراتا ہے۔ شرعی طور پر یہ صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب نابالغ کی اقتدا نابالغ کے پیچھے درست ہے۔

وامامة الصبی المراهق لصبيان مثله يجوز كذا فی الخلاصة۔ (عالمگیری ج ۱، ص ۸۴)۔ وفی الدر المختار وصح لو توضأ علی الانقطاع وصلی كذلك كاقتداء بمفتصد أمن خروج الدم وكاقتداء امرأة بمثلها وصبی بمثله ومعذور بمثله و ذی عذرين بذی عذر۔ اھ (شامية ج ۱: ص ۴۲۸)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

اگلی صف پوری کرنے کے لئے نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے

بعض آدمی پچھلی صف میں سنت وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں اس دوران فرض کی جماعت کھڑی ہو جاتی ہے تو پہلی صف میں سب نمازی جمع ہو جاتے ہیں اس میں لازماً پیچھے نماز پڑھنے والوں کے سامنے سے گزرنا پڑتا ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ یہ گزرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل قاری محمد رمضان ۱۱/۵ آر ساہیوال

الجواب اس صورت میں بضرورت، نمازی کے سامنے سے گزرنا روا ہے۔

والظاهر ان من الصورة الثانية مالو صلى عند باب المسجد وقت اقامة الجماعة لان للمار ان يمر على رقبته كما يأتي اھ (شامية، ج ۱، ص ۵۹۴)۔ وايضا في الشامية واذا كان له ذلك فله ان يمر من بين يديه بالاولى فافهم اھ (شامية ج ۱، ص ۵۹۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا	نائب مفتی ۸/۳/۱۳۸۹ھ

گھر یا دکان میں جماعت کرانے سے صرف جماعت کا ثواب ملیگا

بندہ نے اس خیال سے کہ جو دکان میں مریض موجود ہوتے ہیں ان کو تکلیف نہ ہو۔ نیز میرے ملازمین اور اسٹاف کے لوگ بھی جماعت سے محروم نہ رہیں دکان میں جماعت کرانے کا انتظام کیا ہے کیا یہ درست ہے۔

المستفتی ڈاکٹر محمد سلیم

بمعرفت مولانا نیاز احمد صاحب مہتمم جامع العلوم عیدگاہ بہاولنگر

الجواب الاصح ان اقامتها فى البيت كاقامتها فى المسجد وان تفاوتت الفضيلة اھ (طحطاوی ، ص۱۵۶)۔

صورت مسئولہ میں جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن مسجد کی فضیلت کا ثواب نہیں ملے گا [۱] کما فی الجزئیۃ المذکورۃ ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا — ۲۴/۵/۱۳۸۵ھ — نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

[۱] قال المرتب عفا اللہ عنہ دکان میں جماعت کرلینے کا مستقل معمول بنا لینا درست نہیں ۔جبکہ مسجد بھی کچھ خاص دور نہ ہو۔کبھی کبھار اتفاق ہو جائے تو گنجائش ہے ۔

نماز میں ٹخنے سے ٹخنا اور کندھے سے کندھا ملانے کا حکم

کیا ایک نمازی جماعت میں کھڑا ہو تو دوسرے نمازی کے کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنا ملا سکتا ہے ۔اور جو امام بخاری رح نے اپنی صحیح میں بایں طور باب منعقد کیا ہے ۔

باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف وقال النعمان بن بشیر رأیت رجلا منا یلزق کعبہ بکعب صاحبہ

اور اس کے بعد حدیث روایت فرماتے ہیں۔

حدثنا عمرو بن خالد قال حدثنا زھیر عن حمید عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظھری وکان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ ۔

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں صفوف بندی کا یہی طریقہ ہے ۔ تو گزارش ہے کہ حدیث ہذا کا مفہوم فقہاء کرام رح کیا بیان کرتے ہیں ۔مہربانی فرما کر فقہاء احناف رح کی عبارات پیش کریں ۔

الجواب مسنون طریقے پر صف بندی کے لئے تین امور کا ہونا ضروری ہے ۔

۱ : صفوں کا سیدھا ہونا ۔ ۲ : مل کر کھڑے ہونا کہ درمیان میں

فرجات نہ رہیں ۔

۳ :- پہلی صف پوری کرکے دوسری صف شروع کی جائے ۔

کما یدل علیہ الاحادیث ففی المشکوۃ عن انس رض قال اقیمت الصلوۃ فاقبل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجھہ فقال اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظھری رواہ البخاری وفی المتفق علیہ قال اتموا الصفوف ۔

ہر سہ امور بالا کا مامور بہ ہونا حدیث مذکور سے ظاہر ہے۔

امر دوم کے لئے حدیث میں " تراصّوا " کا لفظ وارد ہے ۔جس کے معنی ہیں کہ مل کر کھڑے ہو جاؤ ۔ کما فی القاموس وغیرھا تراص القوم ای تضاموا وتلاصقوا ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مل کر کھڑے ہونے کے مفہوم میں الزاق الکعب بالکعب داخل نہیں بلکہ مل کر کھڑے ہونا اس سے عام ہے ۔ کما لایخفی ۔ پس حدیث مرفوع سے تراص کا مامور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے نہ کہ " الزاق الکعب بالکعب " کا ۔ پس صف بندی میں اصل سنت مل کر کھڑے ہونا ہے نہ کہ الزاق مذکور ۔ رہا حضرات صحابہ کرام رض کا یہ عمل سو تعدیل صفوف اور سد فرجات کے سلسلہ میں مبالغہ پر محمول ہے ۔جیسے کہ شارح بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

امام بخاری رح کے ترجمۃ الباب مذکور کی شرح میں حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں ۔

المراد بذلک المبالغۃ فی تعدیل الصفوف وسد خللہ ۔

(فتح الباری : ج ۲ ، ص ۱۶۷)۔

علامہ عینی رح عمدۃ القاری میں : ج ۱ ، ص ۴۹۷ ۔ میں ترجمۂ مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں ۔

واشار بھذا الی المبالغۃ فی تعدیل الصفوف وسد الخلل فیہ الخ ۔

اور حضرات صحابہ رض کا یہ خصوصی امتیاز بھی ہے کہ فرمان نبوی ص کی تعمیل میں مبالغہ سے کام لیتے تھے ۔ نیز واضح رہے کہ یہ معمول صحابہ کرام رض کے زمانے میں عام نہیں ہو سکا ۔ نیز باقی بھی نہیں رہ سکا تھا جیسا کہ فتح الباری ۔ ج ۲ ۔ ص ۱۶۷ ۔ سے ظاہر ہے کہ حدیث انس رض کے آخر میں بروایت معمر یہ زیادتی منقول ہے ۔ لوفعلت باحدھم الیوم لفر الخ اوکما قال ۔ پس الزاق مذکور

کا سنت سے زائد ہونا ظاہر ہے یا الزاق مذکور سے مراد محاذات ہے۔ کما فی البذل۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حدیثِ مرفوع میں الزاق الرکبہ بالرکبہ بھی وارد ہے۔ کما فی روایت ابی داؤد۔ جو بلا تکلف متعذر ہے پس الزاق کی تفسیر محاذات سے کی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

الحاصل حنفیہ کے نزدیک الزاق مذکور سنت نہیں۔ اصل سنت وہی امور ثلاثہ ہیں جو شروع میں مذکور ہیں۔ تعدیلِ صفوف کے لئے محاذات المنکب بالمنکب اور ٹخنوں کا ٹخنوں کے سیدھ میں ہونا ضروری ہے ورنہ صف سیدھی نہیں ہوسکے گی۔ حدیثِ مرفوع میں حاذوا المناکب بالمناکب وارد ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا — ۱۱/۱/ ۱۳۸۱ھ — نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جماعت فجر میں شمولیت کیلئے ثناء وغیرہ چھوڑنے کا حکم

کوئی سنتیں پڑھنے لگا جب کہ ایک رکعت ملنے کی قوی امید تھی اس نے الحمد شریف سے شروع کر دیا۔ اب نماز کیسی ہوئی؟ مکروہ تنزیہی یا تحریمی؟ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تاکہ جلد جماعت میں شریک ہو جائے خصوصاً جب کہ ایک رکعت ملنے کی امید بھی نہ ہو صرف قعدہ ملتا ہو۔

سائل غلام مصطفی رائیونڈ لاہور

الجواب بلا وجہ ترکِ سنۃ اساءۃ ہے اور اساءۃ کا درجہ کراہت تحریمیہ سے نیچے اور تنزیہیہ سے اوپر ہے۔ (درمختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۴۴۲)۔

اور صورتِ مسئولہ میں حاجتِ معتبرہ متحقق نہیں۔ کیونکہ ترکِ تعوذ و تسمیہ کا مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ دونوں رکعتیں فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

کما یظہر من الشامیۃ ج ۱ ص ۶۷۲۔ لوخاف أن تفوته الركعتان يصلى السنة ويترك الثناء والتعوذ وسنة القرآة۔

اگر ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو ثناء و تعوذ نہ چھوڑے۔ کما یفہم من الجزئیۃ المارۃ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی۔ ۲۰/۱۰/ ۱۳۸۲ھ

تنہا فرض ادا کرنے کے بعد جماعت میں شریک ہو تو فرض کونسے شمار ہونگے

ایک آدمی نماز ظہر بغیر جماعت پوری پڑھ بیٹھا بعد میں جماعت کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے فرض جماعت سے بھی پڑھ لیئے تو ان میں فرض کون سے شمار ہوں گے ؟ جو اکیلے پڑھے ہیں یا جو جماعت کے ساتھ ؟

الجواب جو پہلے ادا کئے ہیں وہ فرض شمار ہوں گے اور جماعت کے ساتھ جو نماز ادا کی ہے وہ نفل ہوگی۔

لو صلی ثلاث رکعات من الظہر ثم اقیمت الجماعۃ یتم ویقتدی متطوعا۔ اھ (شامی : ج ۱، ص ۴۲۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲۹ ر ۱۱ ر ۱۳۹۹ھ

اقتداء قائم بقاعد یرکع ویسجد

امام صاحب معذور آدمی ہیں کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتے بیمار ہیں باوجود دوسرے آدمی کے ہوتے ہوئے جو نماز پڑھانے کے قابل ہے پھر بھی مصلا نہیں چھوڑتے۔ امام صاحب خود ہی نماز پڑھاتے ہیں۔ آیا نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

الجواب بہتر یہ ہے کہ جو قیام و رکوع اور سجود پر قادر ہو وہ نماز پڑھائے۔

(قولہ وصح اقتداء قائم بقاعد) ای یرکع و یسجد وھذا عندھما خلافا لمحمد وقولہ احوط کما فی البرھان وغیرہ والدلائل مستوفاۃ فی المطولات اھ (طحطاوی، ص ۱۶۱)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۱ ر ۱۰ ر ۱۴۰۷ھ

پرویزی کا جنازہ پڑھنے والا ——— لائق امامت نہیں

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز جس کو جمہور علماء امت نے کافر قرار دیا ہے اس کا ایک پیروکار، ہم عقیدہ وہم مسلک و مسلکِ پرویز کا مبلغ مرگیا ہے جب کہ جمہور علماء امت نے پرویز کے متبعین کو بھی خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ اس پرویزی پر اہلسنت والجماعت مسلمانوں کے ایک پیش امام نے جنازہ پڑھا ہے۔ لہذا شریعتِ اسلامی میں مذکورہ امام کا کیا حکم ہے؟ (ب) نماز جنازہ کی اس امامت کے بعد اس امام کے پیچھے اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ایسا شخص عاصی و فاسق ہے اس کا امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ علماء نے غلام احمد پرویز کو اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں پر کفر کا فتویٰ دے دیا ہے۔ کما فی فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۷۴ ج ۳۔ اہلسنت والجماعت کے امام کو ان کی میت پر نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۰ / ۱۲ / ۱۳۸۷ھ

جس کی لڑکی بیوہ ہو اس کی امامت

سوال ایک شخص پیش امام ہے اس کی ایک لڑکی بیوہ ہے لڑکی کا پہلا خاوند فوت ہوا تو باپ نے دوسرا نکاح کرادیا۔ دوسرا خاوند بھی فوت ہوگیا اس لڑکی کے ۵، ۶ بچے بھی ہیں۔ باپ نے تیسری جگہ نکاح کرنے کے لئے لڑکی کو کئی بار کہا لیکن لڑکی نہیں مانتی۔ اب چک کے چند افراد ذاتی رنجش کی بنا پر اس شخص پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی کیونکہ اس کی لڑکی بیوہ بیٹھی ہے۔ کیا شرعاً درست ہے کہ نماز نہیں ہوگی؟

الجواب ایسے امام کے پیچھے نماز ہوتی ہے۔ اس امام کے پیچھے نماز بالکل درست ہے کوئی شبہ نہ کیا جاوے۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۲۹ / ۴ / ۱۳۹۲ھ

جس کی بیوی پردہ نہ کرتی ہو اسکے پیچھے نماز پڑھنا

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں ایک غریب گھرانے کا آدمی ہوں ۱۹۳۹ء میں سے قرآن مجید حفظ کیا اور مزدوری کرکے گھر کا کاروبار چلا رہا ہے۔ اس کے بعد چندہ کرکے مسجد تعمیر کرائی ہے ۱۹۵۲ء میں امامت شروع کی ہے اور محض فی سبیل اللہ درس قائم کیا ہے۔ میں نے مسجد میں درس پڑھانے کی کوشش کی تو اہل محلہ نے نکتہ چینی کی کہ مسجد کی چٹائیاں خراب ہوتی ہیں، کوزے ٹوٹتے ہیں اور مسجد کی دیواریں وغیرہ خراب ہوتی ہیں۔ لہذا میں نے قرآن مجید کا درس گھر میں پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ کم از کم تعداد ۶۰، ۷۰، ۸۰ کی ہوتی ہے ختم قرآن و درس قرآن دینے کی کوئی اجرت وغیرہ نہیں ہے۔ صرف رضائے الہٰی کی خاطر درس قائم کیا ہے اور مسجد کی امامت بھی فی سبیل اللہ ہے۔ میں نے دین اسلام کی اتنی خدمت کی ہے کہ پانچ چھ ہزار کی آبادی میں شہر کا کوئی گھر ایسا نہیں کہ جس میں قرآن مجید پڑھے ہوئے افراد نہ ہوں سینکڑوں لوگ قرآن مجید پڑھ چکے ہیں اور کچھ حفظ بھی کر چکے ہیں۔ اس وقت بھی درس قائم ہے اور بچے پڑھ رہے ہیں۔

میرا اپنا کاروبار دوکانداری ہے اور میں گھر میں دوکانداری کرتا ہوں۔ میری دوکانداری ۱۹۳۶ء سے چلی آرہی ہے۔ میرا گزر اسی دوکانداری پر ہے اور کسی قسم کا ذریعہ معاش نہیں ہے۔

اس کے بعد سائل کا سوال یہ ہے کہ سائل کو امامت کراتے ہوئے پندرہ سال گزر چکے ہیں کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا ہے لیکن آج پندرہ سال کے بعد ایک محلہ دار نے اعتراض کیا ہے کہ سائل کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے کیونکہ سائل کی بیوی دوکان پر سودا دیتی ہے۔ اس اعتراض سے سارے شہر میں ہلچل مچ گئی ہے۔ صرف اہل اعتراض نے سائل کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی ہے اور باقی تمام لوگ سائل کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

سائل کی دوکان گھر پر ہے اور اپنے ہی گھر میں بچوں کو درس دیتا ہے۔ دریں اثنا سائل کی بیوی دوکان پر محلہ کی عورتوں کو سودا دیتی ہے۔ اور اگر کوئی مرد آجاتا ہے تو سائل درس سے اٹھ کر سودا دیتا ہے۔ ہاں اگر محلہ کا کوئی شریف مرد آجاتا ہے تو سائل کی بیوی بھی دوکان پر سودا دیتی ہے۔ فرمائیے کہ سائل کے پیچھے نماز ہوتی ہے کہ نہیں؟

العارض رضا محمد ولد غلام محمد دوکاندار

رتہ خیل مقام، خاص ڈاکخانہ، میانوالی ضلع۔

الجواب جتنا پردہ واجب ہے اس کے ترک سے گناہ اور اس میں بے پرواہی کرنے سے امامت پر کراہت ہے اور تمام کتب فقہ میں مصرح ہے کہ حُرّہ کا تمام بدن بجز وجہ وکفین کے واجب الستر ہے۔ اور وجہ و

کاسترلیعارض فتنہ ہے لہذا اگر آپ کی زوجہ سن رسیدہ ہے کہ کشف وجہ سے خوفِ فتنہ نہیں ہے تو آپ کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ورنہ اپنی گھروالی کو کہہ دو کہ کسی آدمی کو سودا نہ دیا کرے صرف عورتوں کو سودا دیتی رہے۔ اور اگر کوئی مرد سودا لینے کے لئے آجائے تو آپ کو بلا لیا کرے۔ کما فی امداد الفتاوٰی: ص ۲۲۲ ؛ ج ۱۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

شطرنج کھیلنے والے کی امامت : سوال

ایک شخص فارغ التحصیل ہو کر دین کی تعلیم دیتا ہے اور تعلیم بھی احادیث وغیرہ کی۔ لیکن اس کیساتھ ہی وہ تفریح طبع کے لئے شطرنج بھی کھیلتا ہے۔ اور اسے کئی مرتبہ اس فعل سے روکا بھی گیا ہے۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے ؟

الجواب شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے قال فی الدر وکرہ تحریما اللعب بالنرد وکذا الشطرنج قولہ والشطرنج الی قولہ فہو حرام وکبیرۃ۔ (درمختار مع الشامی؛ ج ۵ ؛ ص ۲۶۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شطرنج کھیلنا موجب فسق ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رح سے ایک روایت میں اباحت بھی ثابت ہے۔ اور امام شافعی رح نے بھی مباح فرمایا ہے۔ اور یہ اختلاف اسوقت ہے جبکہ اس پر قمار نہ ہو۔ یعنی شرط وغیرہ نہ باندھی جائے۔ اور اس کے شغل میں واجبات (صلوٰۃ وجماعت) میں خلل نہ پڑتا ہو، اور دوام بھی نہ کرتا ہو۔ ورنہ حرام بالاجماع۔

کما قال فی الدر وھذا اذا لم یقامر ولم یداوم ولم یخل بواجب والا فحرام بالاجماع۔ قال فی الشرح وبدون ھذہ المعانی لا تسقط عدالتہ للاختلاف فی حرمتہ عبد الرحمن ادب القاضی۔ (درمختار مع الشامی؛ ج ۵ ؛ ص ۲۶۱)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر شطرنج کھیلنے والا دوام کرتا ہو یا اس میں منہمک ہو کر واجبات میں خلل ڈالتا ہے یا اس پر شرط باندھی جاتی ہو تو فاسق ہوگا۔ وجہ سے اسکو امام بنانا مکروہ ہوگا۔ اور اگر مفاسد سے خالی ہو کر کھیلتا ہے تو اس کی عدالت ساقط نہ ہوگی اور اسکے پیچھے نماز بھی مکروہ نہ ہوگی۔ لیکن اولیٰ ہر حال میں یہی ہے کہ امام ایسے کام سے جس کو عرف میں قبیح سمجھا جاتا ہے پرہیز کرے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍ ۱ ؍ ۱۳۷۱ھ

بیٹوں کے بدکردار ہونے سے باپ کو یہ کہنا کہ امامت کے لائق نہیں درست نہیں ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید امام مسجد ہے اور وہ اپنے لڑکے خالد وغیرہ کو ذوقی یا بچوتی یا اٹھنی دے دیتا ہے اور لڑکا خالد اس رقم کی سگریٹ یا افیون خرید کر پیتا کھاتا ہے تو اب مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سگریٹ کا پینا شرعاً ناجائز ہے اور افیون بھی منع ہے اس لئے خالد گنہگار ہے اور اس کا باپ بھی اس کا معاون ہے وہ بھی گنہگار ہے۔ لہٰذا اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۲ : دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جب تک سگریٹ و افیون خرید کر نہ دے گنہگار نہیں ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یہ اس کا معاون نہیں ہو سکتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے صح بیع الکلب والفھد یعنی کتے اور چیتے کی بیع اور درندہ جانوروں اور پرندوں کی بیع درست ہے سوائے سور اور شراب کے اور تمباکو کی ذات پاک ہے۔ جس کی بیع بھی درست ہے جیسے کہ مجموعۃ الفتاوٰی ص ۳۹۶ ؛ ج ۱۔ میں ہے کہ اما بیعہ و شراءہ فیجوز ہاں البتہ سگریٹ کا پینا منع ہے اور افیون کا کھانا منع ہے اس صورت میں زید امام مسجد کے پیچھے نماز کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ آپ سے استفتاء ہے کہ قول مولوی صاحب پہلے کا درست ہے یا دوسرے کا ؟

فقط

فضل الٰہی امام مسجد چک نمبر ۳۹ : ۴۱ ایل ڈاکخانہ خاص براستہ کسووال ضلع ساہیوال

الجواب اگر زید خود صالح اور لائق امامت ہے تو اس کی امامت میں کچھ کراہت نہیں۔

قال اللہ تعالٰی ولا تزر وازرۃ وزر اخری۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

خیر محمد عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس : ملتان

○

سود خور کو امامت سے ہٹانا لازم ہے

سوال ایک امام یہاں امامت کے فرائض سرانجام دیتا ہے مع ہذا سود پر لوگوں کو قرض دیتا ہے۔ وہ بنک سے سود پر قرض لیتا ہے اور لوگوں سے دس فیصد سود وصول کرتا ہے۔ پتہ چلنے پر اس کو ملامت کی

گئی تو اس نے یہ کام اپنے بیٹے کے نام کردیا مگر حقیقت میں نفع وہی لیتا ہے۔ ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب چونکہ سود لینا شرعاً حرام قطعی ہے۔ اس لئے اگر واقعی امام مذکور سود لیتا ہے تو وہ شرعاً فاسق اور مرتکب کبیرہ ہے ، فاسق لائق امامت نہیں اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے امام کو امامت سے ہٹانا مقتدیوں پر لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم

اصاب من اجاب
عبداللطیف غفرلہٗ
قاسم العلوم : ملتان

بندہ احمد عفا اللہ عنہ
نائب مفتی قاسم العلوم : ملتان
۳۰ : ۱۲ : ۸۳ ۔ ۱۲ ھ

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ، ملتان

الجواب صحیح
سید مسعود علی قادری
مفتی انوار العلوم ۔ ملتان
ارمحرم الحرام : ۱۳۸۴ھ

افیون کھانے والے کی امامت

سوال :۔ اگر امام افیون کھاتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے۔ ؟ ——— حاجی عبداللہ : ممتاز آباد : ملتان ۔

الجواب ضرورت کی بنا پر افیون کی اتنی مقدار جو نشہ آور نہ ہو کھائی جائز ہے۔ اس صورت میں کھانے والے کی امامت میں بھی کوئی کراہت نہ ہوگی ۔ اور اگر لہو ولعب کے لئے کھائی جاتی ہے تو یہ حرام ہے اور امامت ایسے شخص کی مکروہ تحریمی ہے ۔ واما القلیل فان کان للھو فھو حرام اھ
(شامی ، ص ۴۵۷ ، ج ۵)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

زبردستی امام نہیں بننا چاہیئے

سوال :۔ ایک شخص زبردستی مصلے پر چڑھ جاتا ہے ، اور اس کی امامت پر کوئی بھی راضی نہیں ۔ اس شخص کی امامت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب زبردستی امام بننا درست نہیں ۔ عن ابن عمر رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا تقبل منہم صلوتہم من تقدم قوماً وہم لہ کارہون ۔ الحدیث
(مشکوۃ : ص ۱۰۰ ج ۱)

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہٗ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۲ ار رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

منکرِ شفاعت کی امامت کا حکم

سوال : ایک شخص قرآنی آیات یاایہا الذین امنوا انفقوا مما رزقنکم من قبل ان یأتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ اور من یعمل سوءا یجز بہ الآیۃ اور فوفیت کل نفس ما عملت الآیۃ اور الیوم تجزی کل نفس بما کسبت الآیۃ اور ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ الآیۃ وغیرہ سے استدلال کرتا ہے کہ مرتکب کبیرہ وغیرہ کی شفاعت نہیں ہے ۔ وجہ استدلال ۔ اللہ تعالیٰ نے قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ ہر عامل عمل خیر اور عامل عمل شر مستوجب ثواب وعقاب ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی کلام میں احتمال تغیر و تبدل نہیں ہے ۔ قال اللہ تعالیٰ مایبدل القول لدی ۔ تو پھر شفاعت مرتب کرنا (نعوذ باللہ) غلط ہے ۔ بلکہ مخالفت قرآن ہوگی اور نقض قانون الٰہی ہوگا ۔ جو کہ موجب عتاب ہے ۔ اور جن احادیث سے ثبوتِ شفاعت ہے جیسے قولہ علیہ السلام "شفاعتی لاھل الکبائر من امتی" وغیرہ

ان کو آیات سے متعارض قرار دے کر گرا دیتا ہے ۔ اور ساتھ ہی لوگوں کو کہتا ہے کہ میں شفاعت کا قائل اور متفق اہلسنت ہوں اور مراد من الشفاعۃ لا یشفعون الا لمن ارتضیٰ لیتا ہے یعنی جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے ۔ اور اللہ تعالیٰ زانی وسارق کو پسند نہیں کرتا ۔ اب اگر بغیر توبہ فوت ہوگا تو اس کی شفاعت بھی نہیں ہوگی ۔ اور بجائے مخالف کو مزاحاً کہتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے زانی وسارق کو پسند کرتا ہے اور احادیث وغیرہ لوگوں کو گناہ پر جرأت دیتی ہیں ؟ (نعوذ باللہ من ذالک) ۔

لہٰذا جناب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کہ اس شخص کا یہ عقیدہ صحیح ہے یا باطل ؟ یہ شخص مسلمان ہے یا کافر ؟ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب شخص مذکور کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ منکرِ شفاعت اگر کافر ہو تب تو یقیناً نماز پڑھانے کے قابل نہیں۔ اور اگر فاسق کہا جائے جو کم از کم درجہ ہے تب بھی امامت کے قابل نہیں۔ اکفار الملحدین، ص ۴۰، ۴۱ میں ہے۔

والحاصل ان من کان من اھل قبلتنا ولم یغل حتی لم یحکم بکفرہ تصح الصلوٰۃ خلفہ وتکرہ ولا یجوز خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھذہ الامور من الشارع علیہ السلام۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

مفتی خیر المدارس ملتان : ۲۳ شعبان ۹۴ / ۱۳ھ

اہلِ تشیع سے وسیع تعلقات رکھنے والے کی امامت

سوال ایک امام وخطیب نے فرقہ شیعہ کے ساتھ وسیع تعلقات قائم کر رکھے ہیں یہاں تک کہ خود بھی ان کی شادیوں میں شریک ہوتا ہے اور ان رافضیوں تبرائیوں کو بھی اپنے بچوں کی شادی میں مدعو کرتا ہے۔ اہل محلہ جب اعتراض کرتے ہیں تو شرعی جواز پیش کرنے سے عاجز آ کر ادھر ادھر کی باتیں کرتا ہے۔ یا یہ کہہ دیتا ہے کہ شیعہ لوگ میری امداد کرتے ہیں۔ بعض اہل محلہ اس کی دینی بے حسیتی اور تمتن کی بنا پر اس کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے۔ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ تشیع سے اپنے جملہ تعلقات منقطع کر دے اور اعلان کرے کہ میں آئندہ کے لئے اہل تشیع سے کسی قسم کے مراسم نہیں رکھوں گا۔ کیوں کہ شیعوں سے مراسم اسلامیہ رکھنا اور ان کی غمی و شادی میں شریک ہونا ناجائز ہے۔ اس پر وہ لوگ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک مستند اور جامع فتوے پیش کرتے ہیں جس کو تمام علماء دیوبند کی تائید حاصل ہے۔ جن میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رح، علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رح اور مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رح بھی شامل ہیں۔ بعض دستخطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتوے ۱۳۴۸ھ کا ہے۔ جن عبارات سے اہل تشیع سے مقاطعت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ عبارات و اقتباسات پیش کرتا ہوں تاکہ مسئلہ کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے اور فتوی کے بعد کسی فریق کو کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

۱ : ایک تو اس فتوی کا نام ہی ہے " شیعہ اثنا عشریہ کے کفر و ارتداد کے متعلق علماء کرام کا متفقہ فتوی "

جب اثنا عشریہ مرتد ہیں تو مرتدین سے اسلامی مراسم قائم رکھنا کیسے جائز ہے ؟

۲ ؛ اس فتویٰ کی ضرورت اشاعت کے متعلق امام اہل سنت لکھتے ہیں کہ بعض برادران اسلامی کو دیکھ کر صدمہ ہوا کہ اہلسنت والجماعت بوجہ ناواقفیت کے شیعوں کو مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ مناکحت تک سے پرہیز نہیں کرتے ، بالآخر جن کے تلخ ترین نتائج سو ہان روح ہوتے ہیں ۔ یہاں تک کہ یہی مسلمان شیعوں کو مسلمان سمجھ کر ان کا ذبیحہ استعمال کرتے ہیں ۔ لہٰذا بعض حضرات کا اصرار ہوا کہ علماء کرام کا متفقہ فتویٰ ان کے متعلق شائع کیا جاوے تاکہ فسادات کا سد باب ہو ۔ عقیدہ تحریف قرآن کے ظاہر ہونے کے بعد شیعوں کی تکفیر میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تحریف قرآن کا قائل کافر ہے ۔ امید ہے کہ برادران اسلام اس مختصر مگر مستند فتویٰ کے دیکھنے کے بعد شیعہ اثنا عشریہ رافضیہ سے جمیع مراسم اسلامیہ بالخصوص مناکحت ، ذبیحہ ، شرکت جنازہ سے پرہیز کریں گے ۔ امام اہلسنت تو اپنے فتویٰ کا مقصد ہی یہ فرماتے ہیں کہ شیعہ سے جمیع مراسم اسلامیہ سے پرہیز کیا جاوے ۔

۳ ؛ الاستفتاء : ہمارے ملک میں جو فرقہ شیعہ اثنا عشریہ ہے یہ مسلمان ہے یا کافر ؟ اور ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے یا نہیں ؟ ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام ؟ اور ان کی جنازہ کی نماز پڑھنا یا اپنے جنازہ میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ نیز اگر شیعہ تعمیر مسجد کے لئے پیسے دینا چاہیں تو وصول کئے جائیں یا نہیں ؟ بینوا وتوجروا من عند اللہ ۔

جواب :۔ شیعہ اثنا عشریہ رافضیہ قطعاً خارج از اسلام ہیں ۔ تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہو گئے ہیں ۔ ضروریات دین کا انکار قطعاً کفر ہے اور قرآن شریف ضروریات دین میں سے اعلیٰ اور ارفع چیز ہے ۔ اور شیعہ بلا اختلاف ان کے متقدمین اور متاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں ۔ لہٰذا شیعوں سے مناکحت ناجائز ان کا ذبیحہ حرام اور ان کا چندہ ناجائز ہے ۔ اور ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا شرعاً قطعاً ناجائز ہے ۔ سُنی جنازہ میں یہ لوگ میت کے لئے بد دعا کرتے ہیں ۔ کما فی کتبہم ۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ محمد عبد الشکور فاروقی عفا اللہ عنہ ۔ از مدرسہ دار المبلغین لکھنو (ہند) ۔

۴ ؛ شیعوں کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہونا ، حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ وطاہرہ اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر قذف (تہمت) کرنا کفر ہے ۔ علامہ ابن عابدین رح متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں ۔

لا شك فى تكفير من قذف السيدة عائشة رضى الله عنها وانكر صحبة الصديق ۔

(شامی : ص ۲۹۴ ، ج ۳)

علامہ موصوف نے دوسرے مقام پر اسی کتاب میں شیعوں کو مرتد اور واجب القتل لکھا ہے ۔ فانه مرتد يقتل ۔ (شامی : ص ۶۸۳ ؛ ج ۲ ، مطبوعہ ۱۲۸۸ھ)

جو کلام اللہ کی تحریف کا قائل ہو وہ مرتد اور کافر ہے۔ اہل کتاب نہیں ۔ ان سے مناکحت اور تعلقات رکھنا اشد حرام ہیں ...... لہذا شادی و غمی میں شرکت نہ کی جاتے ۔ ایسے عقیدہ کے لوگ کافر ہی نہیں بلکہ اکفر ہیں ۔

ریاض الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند : ۱۹ رصفر ۱۳۸۴ھ

۵ : عقائدِ مذکورہ فی السوال کے روافض صرف مرتد اور کافر خارج از اسلام ہی نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بھی اس درجہ کے ہیں کہ دوسرے فرق کم نکلیں گے ۔ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے مراسم اسلامیہ ترک کرنا چاہیئے ۔اھ

محمد مرتضی حسن ناظم شعبہ تعلقات ، دارالعلوم دیوبند

۶ : شیعہ روافض کے متعدد فرقے ہیں ۔ اور ان کے مختلف عقائد اور ظنون باطل ہیں ۔ بعضوں کی تکفیر واجب ہے جیسے اثنا عشریہ ہیں ۔ اس لئے ان سے مناکحت ناجائز بلکہ جمیع مراسم اسلامیہ کا ترک کرنا ضروری ہے ۔

محمد اعزاز علی مدرس ادب و فقہ دارالعلوم دیوبند

۷ : شیعہ اپنے عقائد کی بناء پر خارج از اسلام اور کافر ہیں ۔ لہذا ان سے مراسم اسلامیہ مثلاً مناکحت قربانی و ذبیحہ استعمال کرنا ، جنازہ پڑھنا ، اور ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا ، ان کو اپنے نکاحوں میں گواہ بنانا ، مسجد کے لئے چندہ لینا وغیرہ کا ترک واجب ہے ۔ جو شخص شیعوں سے ترک مراسم نہیں کرتا وہ اسلام سے خارج ہے اور ان ہی جیسا کافر ہے ۔ فهو كافر مثلهم ۔ واللہ اعلم

مسعود احمد عفی اللہ عنہ ، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

۸ : شیعہ واقعی کافر ہیں کیونکہ وہ قذف اُم المؤمنین رضی اور سبِ شیخین کے علاوہ تحریف فی القرآن کے بھی قائل ہیں ۔ کما فی کتبهم ۔

مفتی محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ (دہلی)

بنا بر اختصار ان عبارات پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ اب یہ فتویٰ صادر فرمائیں کہ اہل محلہ کا مطالبہ صحیح ہے یا غلط ؟

الجواب اہل تشیع سے امام صاحب کا اس قدر میل جول کسی صورت درست نہیں ۔ اہل محلہ کا مطالبہ صحیح ہے جب تک امام صاحب کے بارے میں اطمینان نہ ہو جائے ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے احتیاط کی جاوے ۔ جو ضروریات دین کا منکر ہو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ۔ ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ، ملتان	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
۲۶ ۱ ۱ ۱۴۰۰ھ	مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶ ۱ ۱ ۱۴۰۰ھ

میلاد میں قیام کرنے والے کی امامت

سوال کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اندریں مسئلہ کہ جناب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اور حاضر ناظر ہر مجلس و ہر مکان میں ہیں اور علم کلی ہے۔ میلاد وغیرہ میں جو اصحاب قیام کرنا لازمی سمجھ کر اور حاضر و موجود سمجھ کر کرتے ہیں شرعاً ثبوت ملتا ہے؟ خیر القرون میں کبھی قیام کرتے تھے؟ اگر ایسے اعتقاد والا صاحب امامت کرے تو نماز کا اعادہ کریں یا کہ ہو چکی؟

الجواب غیر اللہ کے متعلق علم غیب کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ ایسے عقیدہ سے توبہ کرنا لازم ہے۔ اس پر قائم رہنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے لئے کھڑے ہونے سے منع فرمایا تھا۔ جب آپ کا انتقال شریف ہوا اس کے بعد بھی وہی حکم باقی ہے۔ خیر القرون میں کہیں قیام معروف و معمول نہیں۔ لہٰذا مجرد قیام بغیر اس عقیدۂ باطلہ کے بھی نہ کرنا چاہیئے، کرنے والا مبتدع ہے۔ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفی اللہ عنہ

مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

المجیب مصیب	الجواب صحیح
محمد شفیع عفی عنہ	بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ
مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱ : ۱ : ۷ : ۱۳۷۰ھ

گیارہویں کو ضروری کہنے والے کی امامت

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک بستی میں دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ گیارہویں کو اچھا اور ضروری کہتا ہے۔ اور جمعرات کے ختم کو بھی ضروری سمجھتا ہے۔ اور جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو تیسرے دن قل کہتے ہیں یعنی چنے بھون کر تقسیم کرتے ہیں اور چالیس دن کے بعد چاول وغیرہ پکاتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔

اور دوسرا گروہ ان سب چیزوں کو برا سمجھتا ہے اور پھر کھا بھی لیتے ہیں۔ نیز یہ دوسرے گروہ والے لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑے بھائی جتنا درجہ ہے۔

تو آپ بندہ کے دل کی تشفی فرمائیں کہ کون سا ان دونوں میں حق پر ہے اور میں کن کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھوں یا اکیلا ہی نماز پڑھوں؟ اور میں دیوبندی حضرات کا معتقد ہوں۔

الجواب گروہ اول کا رسومات مذکورہ کو کرنا اور ضروری سمجھنا ناجائز ہے کیونکہ ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور ان کو ترک کرنا ضروری ہے۔ اور ان رسومات میں شامل ہونا اور کھانا بھی ناجائز ہے۔
اور گروہ ثانی کا یہ کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑے بھائی جتنا درجہ ہے یہ بھی گمراہی ہے۔ لہذا دونوں فرقے ہی حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ لہذا اکیلا ہی نماز پڑھنا بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی عفرلہٗ
معین مفتی خیر المدارس ملتان
۲ / ۷ / ۱۳۷۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ
۲ / ۸ / ۱۳۷۴ھ

یزید کو اچھا سمجھنے والے کی امامت

آج کل ایک فرقہ تیزی سے پھیل رہا ہے جو یہ کہتا ہے کہ یزید خلیفہ برحق تھا اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف خروج کیا جو کہ درست نہ تھا اور وہ لوگ یزید کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب معتبر کتب تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عازم کوفہ ہوئے تھے اس وقت یزید کی حکومت مستحکم نہ ہوئی تھی بلکہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ امراء آئندہ خلیفہ کے بارے میں مذبذب تھے لہذا ایسے حالات میں خلافت علیٰ منہاج النبوت کے لئے سعی کرنا عین عزیمت تھا نہ کہ خروج علی الامام۔ بعد میں جب حالات تیزی سے تبدیل ہوئے تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے بھی تبدیل ہو گئی۔ لہذا اس معاملہ میں حضرت حسین رض کو مطعون کرنے والے شریعت اور تاریخ سے ناواقف ہیں۔ اور تجربہ شاہد ہے کہ ایسے لوگ اکثر افراط و تفریط کا شکار رہتے ہیں لہذا ان کو امام بنانے میں احتیاط سے کام لیا جائے۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

کبھی دائیں کبھی بائیں ٹانگ پر زور دینے والے کی امامت

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نیت باندھنے کے بعد قرأت پڑھتے وقت باری باری کبھی دائیں ٹانگ اور کبھی بائیں ٹانگ پر زور دیتا ہے۔ نیت باندھنے کے بعد انگوٹھوں سے کھیلنا قیام میں انگلی شہادت اور انگوٹھے کو لڑائے رکھنا سلام پھیرتے وقت پوری جماعت کو دیکھنا۔ تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

الجواب ایسے امور نماز میں ممنوع ہیں ان سے خشوع وخضوع باقی نہیں رہتا۔ اور یہی نماز کی روح ہے۔ امام کو ان سے اجتناب ضروری ہے۔

وان من لوازمه (ای الخشوع) ظهور الذل و غض الطرف وخفض الصوت وسكون الاطراف ۔

(شامی: ص ۴۰۰ ج ۱)

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

○

نابینا کی امامت کے بارے میں ایک حدیث پر شبہ اور اس کا ازالہ

سوال ایک شخص نابینا ہے مگر عالم دین ہے اپنے لباس کو صاف ستھرا رکھتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا مکروہ ؟ کیونکہ عام لوگ نابینا کی امامت میں کراہت کرتے ہیں۔ اگر مکروہ ہے تو حدیث انس بن مالک رض قال استخلف رسول الله صلى الله عليه وسلم ابن ام مكتوم يؤم الناس وهو اعمٰى ۔

اور علامہ توربشتی رح کا فرمان۔ (حاشیہ مشکوٰۃ) استخلفه على الامامة حين خرج الى تبوك مع ان عليا فيها ۔ کا کیا جواب ہوگا ؟

الجواب ایسے نابینا کی امامت مکروہ نہیں۔ سوال میں مذکور حدیث ہی اس کی دلیل ہے اور عوام کے کراہت کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔

قید کراهة امامة الاعمٰى فى المحيط وغيره بان لا يكون افضل القوم فان كان افضلهم فهو اولى اھ (شامی ص ۵۲۳ ج ۱)

علامہ توربشتی کی عبارت کا تعلق جواز امامت اعمٰی سے نہیں بلکہ وہ اس سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ امامت افضل القوم کو کرانی چاہیئے۔ جب مدینہ منورہ میں رہنے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے تو ظاہر ہے کہ وہ افضل تھے۔

امامت میں خلیفہ ان کو بنانا چاہتے تھا۔ اور جواب یہ دیا کہ ان کے ذمہ کچھ اور اہم ذمہ داریاں تھیں۔ اس لئے یہ اہم ترین ذمہ داری ان کے ذمہ نہیں ڈالی گئی۔ ہاں اگر بصیر و اعمیٰ، علم اور ورع میں مساوی ہوں تو ترجیح بصیر کو دی جائے گی۔

فقط واللہ اعلم | الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ | بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۷ : ۶ : ۱۳۹۸ھ

داڑھی منڈا یا غیر مسنون داڑھی والے کی امامت

سوال غیر مسنون داڑھی رکھنے والے کی اقتداء میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ نیز داڑھی منڈے کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب ایک مشت داڑھی رکھنا ضروری ہے۔ اس سے کم رکھنا یا منڈانا ناجائز اور حرام ہے۔ ایسا کرنے والا گناہگار اور فاسق ہے ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ اگر اتفاقاً کوئی نماز پڑھ لی تو ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے۔

واما تطعها وهي دونها فلم يبحه احد اه وفيه والسنة فيها القبضة ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته اه (شامی ص ۴۵۹ ج ۵)

فقط واللہ اعلم | الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ | بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۵ : ۷ : ۱۳۹۸ھ

داڑھی منڈے کی امامت حدیث کی روشنی میں

سوال: داڑھی منڈے کی امامت حدیث کی روشنی میں بیان فرمادیں۔؟

الجواب حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر تم یہ چاہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نماز قبول فرمادے تو چاہیئے کہ امامت وہ لوگ کرائیں جو تم میں بہتر ہوں۔ اس لئے کہ امام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قوم کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اھ۔ اور ظاہر ہے کہ خلاف سنت کام کرنے والا کیسے بہتر ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ

کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایسا کرنے والے کی امامت مکروہ ہے۔ رواہ الامام حاکم فی مستدرکہ۔ (شامی ج ص ۴۰۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۳ : ۹ : ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

○

مردوں کی علامات رکھنے والے خنثیٰ کی امامت

سوال ایک آدمی خنثیٰ ہے مگر اب وہ بالغ ہے داڑھی بھی رکھ لی ہے۔ مرد کی طرح احتلام میں انزال بھی ہوا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب داڑھی نکل آنے کی وجہ سے شخص مذکور مردوں کے حکم میں ہے۔ اقتدار امامت اور نکاح میں عام مردوں کے برابر ہے۔ فان بلغ وخرجت لحیته او وصل الی امراۃ او احتلم کما یحتلم الرجل فرجل۔ اھ (در مختار علی الشامیہ ص ۷۲۷ ج ۵)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۴ : ۹ : ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

○

گھٹنوں کے بل کھڑا ہونے والے کی امامت

سوال ایک شخص تپ محرقہ ہونے کی وجہ سے ٹانگوں سے معذور ہو گیا ہے۔ کپڑوں کی پاکیزگی اور طہارت وغیرہ کا اچھی طرح خیال رکھتا ہے وہ امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے پیچھے مقتدی ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی امامت کے فرائض نہیں انجام دے سکتے ۔۔۔ کیونکہ سب لوگ دین و شریعت سے ناواقف ہیں اور یہ معذور شخص حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ قدوری وغیرہ تک کتابیں بھی پڑھ چکا ہے اور کنز الدقائق پڑھ رہا ہے۔ کیا یہ عند الشرع امامت کرا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ امام گھٹنوں کے بل کھڑا ہو سکتا ہے۔

الجواب امام مذکور کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز درست ہے مگر مستقل امام ایسے شخص کو بنایا جاوے جو تندرست ہو مکمل طور پر کھڑا ہو سکے ۔ وکذا اعرج یقوم ببعض قدمیہ فالاقتداء بغیرہ اولیٰ اھ ۔ (شامی ص ۵۲۵ ، ج ۱)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۹ : ۱۰ : ۱۳۹۸ھ

ملاوٹ کرنے والے کی امامت

سوال ایک امام مسجد جو موبل آئل کا کاروبار کرتے ہیں ، اور موبل آئل میں ملاوٹ کرتے ہیں تاکہ نفع زیادہ ہو مقتدی ان پر ناراض ہیں ۔ اگر ان امام صاحب کو منع کیا جاوے تو جمعہ میں منع کرنے والوں کی مختلف طریق پر مذمت کرتے ہیں ۔ نیز مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر بسوں وغیرہ کی آمد و روانگی کا اعلان کرتے ہیں ۔ کیا ان صفات کا مالک امام بن سکتا ہے ؟

الجواب اگر واقعۃً وہ ملاوٹ کرتے ہیں اور خالص کہہ کر فروخت کرتے ہیں تو وہ دھوکہ دہی کی وجہ سے فاسق ہیں ایسے شخص کی امامت شرعاً مکروہ تحریمی ہے ۔ اگر وہ توبہ کرکے اصلاح نہ کریں تو انہیں امامت سے علیحدہ کر دیا جاوے ۔ نیز مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر بسوں وغیرہ کا اعلان کرنا درست نہیں فوراً بند کر دیا جاوے۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۸ : ۱۱ : ۱۳۹۸ھ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

دائمی سگریٹ نوش کی امامت

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دائماً سگریٹ نوشی کرنے والے مقیم امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟ —— العارض محمد نواز مقام شاہ گڑھ براستہ ملتان

الجواب نماز ہو جاتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

آغا خانی کا جنازہ پڑھانے والے کی امامت

سوال گزشتہ ہفتہ ایک آغا خانی اسمٰعیلی خاندان کے افراد کی جو کہ ایک حادثہ میں ہلاک ہوئے نماز جنازہ ایک خطیب نے پڑھائی اور کہا کہ یہ بریلویوں سے تو اچھے ہیں۔ اور خاص بات یہ ہے کہ تمام علماء کے فیصلۂ متفقہ کے باوجود فاضل خطیب نے یہ کہا کہ میں اپنی ذمہ داری پر نماز پڑھاتا ہوں۔ لہٰذا آپ سے فتویٰ درکار ہے۔

الجواب فرقۂ آغا خانی کے اعمال و عقائد شریعت کے سراسر منافی ہیں۔ لہٰذا یہ فرقہ خارج از اسلام ہے اس لئے ان پر نماز جنازہ پڑھنا ہرگز درست نہیں۔ پس خطیب صاحب موصوف پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ باوجود فہمائش کے اگر تائب نہ ہو تو لائق امامت نہیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۷ : ۵ : ۱۳۸۱ھ

الجو:
عبداللہ
مفتی خیر المدارس ملتان
۹ : ۵ : ۱۳۸۱ھ

○

مرزائیوں کے رکھے ہوئے امام کے پیچھے نماز کا حکم

سوال کارخانہ میں ایک مسجد ہے جس کی سرپرستی فرقۂ مرزائیہ لاہوری پارٹی کو حاصل ہے ان کی جانب سے باتنخواہ امام مقرر ہے۔ ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر امام کے عقائد اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق ہیں تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے۔ اہل سنت پر لازم ہے کہ مسجد کا انتظام اپنے ذمہ لے لیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ اصغر علی غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

○

وجوب کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کی امامت

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص صاحب مال و زکوٰۃ ہوتے ہوتے عمداً دیدہ دانستہ طور پر قربانی پر جانور نہ ذبح کرے یعنی قربانی نہ کرے چہ جائیکہ امام مسجد ہو۔ اگر وہ امام مسجد ہے تو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی
حکیم حشمت علی قادریہ دواخانہ : ۵۸ / ۱۲ / ایل براستہ کسووال ضلع ساہیوال۔

الجواب قربانی واجب ہونے کے باوجود نہ کرنا سخت گناہ ہے۔ حدیث میں ایسے شخص کے لئے شدید وعید آئی ہے۔ لہٰذا امام صاحب کو چاہئے کہ سابقہ قربانیوں کا بھی تدارک کریں نیز توبہ و استغفار کریں۔ من وجد سعة فلم یضح فلا یقربن مصلانا الحدیث۔ بصورتِ دیگر وہ امام بننے کے لائق نہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۸ / ۱۲ / ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس : ملتان

مشرک کی اقتدا جائز نہیں

سوال زید نے اپنے امام مسجد کو شرک میں مبتلا پایا، کیا زید کی نماز مشرک امام کے پیچھے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ نیز مفتی جواز یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ پوری جماعت کی نماز امام کی نماز کے ماتحت ایک مجموعہ کی شکل میں اللہ تعالےٰ کے سامنے پیش ہوتی ہے اور اگر امام کی نماز مقبول نہ ہو تو سارے مقتدیوں کی نماز بھی غیر مقبول ہو جائے۔ جماعت کی پابندی تو مسلمانوں کو ایک امت بنانے کے لئے ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر فرد کی نماز انفرادی حیثیت ہی سے خدا کے حضور پیش ہوتی ہے۔ اور اگر وہ مقبول ہونے کے قابل ہو تو بہر حال وہ مقبول ہو کر رہتی ہے۔ خواہ امام کی نماز مقبول ہو یا نہ ہو۔ یہ عبارت رسائل مسائل حصہ اول ص ۲۵۲ مصنفہ ابو الاعلیٰ مودودی میں ہے۔

مستفتی
یار محمد خطیب غلہ منڈی چیچہ وطنی

الجواب شرک کرنے والے امام کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی مشرک کی اقتداء ناجائز ہے اور مفتی جواز کا قول غلط ہے۔ ایسے رسائل کا دیکھنا عوام کیلئے ٹھیک نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

۱۶ / ۱۲ / ۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد اللہ غفرلہٗ ۔ الجواب صحیح : اصغر علی غفرلہٗ

جبراً کسی کے مکان پر قبضہ کرنے والے کی امامت

سوال ۱ : ایک شخص عرصہ سے جابرانہ طور پر کسی کے مکان میں بغیر معاوضہ یا کرایہ کے رہائش پذیر ہے ۔ مالک مکان بوجہ نحیف و کمزور ہونے کے مکان کی واپسی کے لئے کوئی کارروائی کرنے سے قاصر و معذور ہے ۔ تو کیا اس قابض شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں ؟ اور بحالت مجبوری جب کہ دوسری جگہ جماعت کی نماز نہ مل سکتی ہو تو مذکور امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے یا تنہا اپنی علیحدہ نماز پڑھیں ۔ ؟

۲ : قبر اطہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت شرعاً کیا حیثیت رکھتی ہے ۔ یعنی قبر اطہر کی زیارت کرنا مستحب ہے یا سنت یا واجب ؟

الجواب اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو یہ شخص ظالم و فاسق ہے اور امامت اس کی مکروہ ہے ۔ لیکن اگر اور امام نہ ملتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا تنہا پڑھنے سے اولیٰ و افضل ہے ۔

۲ : روضۂ اطہر کی زیارت مستحب ہے ۔ بلکہ ایک قول ذی وسعت کے لئے وجوب کا بھی ملتا ہے ۔

وزيارة قبره (صلى الله عليه وسلم) مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة ۔

(ردالمحتار علی الشامیہ ، ص ۲۵۲ : ج ۲)

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفرلہ

بندہ اصغر علی غفرلہ
۹ : ۳ : ۱۳۷۷ھ

سلسلہ بیعت کا قائل نہ ہونیوالے کی امامت

سوال ایک شخص بے مرشد ہے اور درحقیقت اس سلسلہ بیعت کو برا کہتا ہے کبھی کہتا ہے کہ کوئی کامل مرشد ہی نہیں ، کبھی کہتا ہے میں جو زندہ ہوں ملتا ہی نہیں ۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب بے مرشد ہونا تو کوئی قابلِ مواخذہ جرم نہیں ۔ کیونکہ کسی بزرگ کی بیعت کرنا ضروری نہیں یہ ایک مستحب ہے لیکن شخص مذکور کا سلسلہ بیعت کو برا سمجھنا اور اس سلسلے والے حضرات کو برا کہنا اور توہین کرنا ناجائز ہے اگر یہ شخص ایسا ہے تو اس کی امامت درست نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفرلہ

جمہورِ امّت کی تکفیر کرنے والے کی اقتدار مکروہ ہے

مولوی احمد سعید چتروڑ گڑھی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔ یا اس کے ہم عقیدہ لوگوں کے پیچھے نماز درست ہے۔ اگر پڑھ لی جائے تو نماز درست ہے یا اعادہ واجب ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا۔
مولوی احمد سعید کے عقائد اور نظریات کی تفصیل ہمیں معلوم نہیں۔ اس کے بغیر حکم لگانا مشکل ہے۔ مگر ایک بات مولوی صاحب مذکور کے متعلق ثقات سے معلوم ہوئی ہے کہ وہ جہاں جمعہ پڑھاتا ہے تو غیر مقلدین کی طرح نماز پڑھاتا ہے۔ اور جب باہر سفر میں ہوتا ہے تو حنفیہ کی طرح نماز پڑھتا پڑھاتا ہے اور یہ ایک قسم کا تصنع اور ریا ہے۔ پس اگر یہ روایت درست ہے تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے۔ ونمّام ومراء ومتصنع۔ (شامی ج ۱: ص ۵۲۴)۔

علاوہ ازیں مولوی صاحب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ سماع موتی اور سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر شریف کا منکر ہے اور قائلین کی تکفیر کرتا ہے۔ اس سے جمہور امت کی تکفیر ہوتی ہے اور جمہور امت کی تکفیر کرنے والا مبتدع ہے۔ پس اگر اس نے توبہ کرکے اس عقیدہ سے رجوع نہیں کیا تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

درمختار میں ہے۔ ومبتدع ای صاحب بدعة۔ (ج ۱، ص ۵۲۳)۔

جو عالم مندرجہ بالا عقیدہ رکھے یعنی قائلین سماع موتیٰ کی تکفیر کرے اسکا بھی یہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

فقط واللہ اعلم

عبدالقادر عفی عنہ

مدرس دارالعلوم کبیر والا ضلع ملتان

الجواب صحیح : علی محمد عفی عنہ
مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا

الجواب صحیح : احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۰ / ۶ / ۱۴۰۱ھ

ڈاکٹر عثمانی کے متبعین کی اقتداء میں پڑھی جانے والی

نمازیں واجب الاعادہ ہیں

ڈاکٹر مسعود الدین کے نظریات درج ذیل ہیں۔

۱ : عذابِ قبر اس ارضی قبر میں نہیں ہوتا بلکہ روح کو برزخی جسم میں ڈال کر علیین یا سجین میں ڈال کر عذاب یا راحت کی کیفیات ہوتی ہیں۔

۲ : وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا کے حجرہ والی قبر اقدس میں نہیں ہیں۔

۳ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دور یا قریب سے سننے والا جاننا بہرحال مشرکانہ عقیدہ کا حامل ہے۔

۴ : آدم علیہ السلام کا ذاتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے والی احادیث اور قبر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو وسیلہ بنانے والی احادیث غلط ہیں۔

۵ : زیارتِ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جملہ احادیث بناوٹی ہیں۔

۶ : خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت والی احادیث من گھڑت ہیں۔

۷ : ہر طرح کے تعویذات کرنا اور پانی پر دم کرنا وغیرہ کفر و شرک ہے۔

۸ : ۳ھ سے لے کر ۱۴۰۰ھ تک جتنے بزرگانِ دین، اولیاء کرام بشمول خاندان ولی اللہ شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتا ہے کہ آج جو دین اسلام کے نام سے اس دنیا میں پایا جاتا ہے وہ انہیں حضرات کا ایجاد کردہ ہے قرآن و حدیث کے دین سے بالکل الگ ہے۔

۹ : اصل دین تو اس برصغیر پاک و ہند میں کبھی آیا ہی نہیں۔

۱۰ : جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ پاک والی قبر اقدس میں زندہ مانتے ہیں تاکہ ان کا درود و سلام سنیں ان کے عقائد باطل ہیں۔

دریافت طلب امور یہ ہیں۔

۱ :۔ ایسے عقائد والا شخص کافر ہے یا مسلمان ، ہدایت پر ہے یا ضلالت پر۔
۲ : مندرجہ بالا عقائد والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔
۳ : جن لوگوں نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں آیا وہ اعادہ کریں۔

الجواب ۱۔ ڈاکٹر عثمانی خطرناک گمراہ اور گمراہ کنندہ ہے اقرب الی الکفر ہے۔
۲۔ ایسے عقائد کے حامل کی اقتداء میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔
۳ :۔ نمازوں کا اعادہ کرلیں۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/ ۵/ ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

داڑھی مونڈنے کو پیشہ بنانے والے کی امامت

ایک امام مسجد کے پیچھے بعض لوگ نماز پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ امام مسجد لوگوں کی داڑھیاں مونڈتا ہے از روئے شریعت ایسے امام کے بارے میں کیا حکم ہے بینوا توجروا۔
سائل عبداللطیف المنذر بھکر

الجواب اگر وہ داڑھی مونڈنے کا پیشہ نہ چھوڑے تو اسے امام نہ رکھا جائے۔
فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/ ۷/ ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس ملتان

ہیرا پھیری کرنیوالے کی امامت

چولستان کے لوگوں کو گورنمنٹ زمین تقسیم کرتی ہے جس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ جس شخص کو زمین تقسیم کی جاتی ہے وہ چولستان کا رہائشی ہو۔ نمبردار اس کی تصدیق کرے کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے اور یہاں کا مستقل رہائشی ہے مذکورہ شرائط سے وہ شخص زمین کا حقدار ہے۔ لیکن ایک شخص نے نمبردار سے دھوکہ سے تصدیق کروا کر اور ہیرا پھیری کر کے زمین حاصل کرلی۔ آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے اور یہ امامت

کے لائق ہے یا نہیں ؟

الجواب امام صاحب تا وقتیکہ توبہ کرکے اس ہیرا پھیری کی تلافی نہ کریں ان کی امامت مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۱۸/۱۱/۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

خلاء پر کرنے کیلئے بحالتِ نماز پچھلی صف سے اگلی صف میں آنا

ایک آدمی جماعت میں دوسری صف میں آکر شریک ہوا نماز شروع کرنے کے بعد دیکھا کہ پہلی صف میں سامنے ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے تو وہ یہیں کھڑا رہے یا چل کر اگلی صف میں شریک ہوجائے۔

الجواب چل کر اگلی صف کو جاکر پُر کرے اس چلنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

اذا رأى الفرجة بعد ما احرم هل يمشى اليها لم أره صريحا وظاهر الاطلاق نعم ويفيده مسئلة من جذب غيره من الصف كما قدمناه فانه ينبغى له ان يجيبه لتنتفى الكراهة عن الجاذب فمشيه لنفى الكراهة عن نفسه اولى فتأمل ثم رأيت فى مفسدات الصلوة من الحلية عن الذخيرة ان كان فى الصف الثانى فرأى فرجة فى الاولى فمشى اليها لم تفسد صلوته لانه مأمور بالمراصة قال عليه الصلوة والسلام تراصوا فى الصفوف ولو كان فى الصف الثالث تفسد۔اھ۔اى لانه عمل كثير وظاهر التعليل بالامر انه يطلب المشى اليها تأمل اھ (شامى ج ۱ ص ۴۲۱)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۷/۳/۱۴۱۰ھ

جماعت کے وقت کوئی بزرگ آجائیں تو کون نماز پڑھائے

ہماری مسجد کے امام وخطیب مقرر ہیں اور وہ نماز کے وقت موجود بھی ہوتے ہیں اور لبسا اوقات کوئی اور عالم یا بزرگ آجاتے ہیں تو کچھ مقتدی اصرار کرتے ہیں کہ آنے والے نماز پڑھائیں۔ شرعاً یہ وضاحت فرمائیں کہ سابق امام ہی امامت کے زیادہ حقدار ہیں یا نووارد امام نماز پڑھائیں۔ بینوا توجروا۔
نفیس الرحمن ساہیوال

الجواب پہلے سے مقرر امام ہی نماز پڑھانے کے زیادہ حقدار ہیں ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے نووارد کو آگے کریں تو کوئی حرج نہیں۔

واعلم ان صاحب البیت ومثله امام المسجد الراتب اولی بالامامة من غیره مطلقا۔ اھ۔ (درمختار)۔ (قوله مطلقا) ای وان کان غیره من الحاضرین من هو اعلم واقرأ منه وفی التاتارخانیة جماعة اضیاف فی دار یرید ان یتقدم احدهم ینبغی ان یتقدم المالك فان قدم واحدا منهم لعلمه وکبره فهو افضل۔ اھ رشامیة: ج ۱، ص ۴۱۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۲/۱۴۱۰ھ

نماز کے بعد نمازیوں کا آپس میں یا امام صاحب سے مصافحہ کرنا بدعت ہے

مسجد میں نماز باجماعت کے بعد اکثر نمازی امام صاحب سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اس کی علماء کے نزدیک کیا حیثیت ہے؟
سائل عبدالرزاق خان ساہیوال

الجواب نماز کے بعد لوگوں کا آپس میں یا امام صاحب سے مصافحہ کرنا بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے اس سے احتراز لازم ہے۔

وینبغی له ان یمنع ما احدثوه من المصافحة بعد صلوة الصبح

وبعد صلوٰۃ العصر وبعد صلوٰۃ الجمعۃ بل زاد بعضہم فی ھذا الوقت نفل ذلک بعد الصلوٰۃ الخمس و ذلک کلہ من البدع - (المدخل ، ج ۲ ، ص ۵۰)- فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی — ۱۴ / ۳ / ۱۴۰۰ھ — مفتی خیر المدارس ملتان

اجنبیہ کے ساتھ میل جول رکھنے والے کی امامت

ایک امام مسجد جو قرآن مجید صرف ناظرہ پڑھا ہوا ہے دیگر مسائل سے بھی واقف نہیں ہے۔ ایک نامحرم عورت کو روزانہ سائیکل پر اسٹیشن سے چک تک لاتا ہے جو تین میل کا فاصلہ ہے کیا ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا یا اسے مستقل امام رکھنا درست ہے۔

الجواب اجنبیہ عورت کے ساتھ اس قدر میل جول رکھنے والا شخص قابل امامت نہیں اور قطع نظر ان تعلقات کے امام کے لئے نماز کے مسائل کا عالم ہونا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا کسی متبع سنت عالم کو امام بنایا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی — غرہ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے اٹھ جائے تو مقتدی پورا کر کے اُٹھے

۱ :- جب امام کی قیادت میں مقتدی نماز پڑھتا ہے اور امام " التحیات " کو جلدی سے پڑھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اب مقتدی کو " التحیات " پوری کر کے کھڑا ہونا چاہئے یا فوراً امام کے ساتھ ہی کھڑا ہو جائے اور التحیات کو چھوڑ دے حالانکہ مقتدی کو یہ بھی اعتماد ہے کہ امام کے رکوع سے پہلے ہی قیام میں شامل ہو جائے گا۔ اب آیا امام کا اتباع ضروری ہے یا التحیات کو پورا کرے۔

۲ :- امام کے پیچھے اگر مقتدی سے کوئی فرض بھول کر چھوٹ جائے جیسے قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ تو

امام کے پیچھے مقتدی کی نماز ہوجائے گی یا نہیں۔ ایسی صورت میں مقتدی کو کیا کرنا چاہیئے ؟

نثار احمد۔ ساہیوال

الجواب ۱ : اس صورت میں مقتدی التحیات پوری کرکے اٹھے ۔ :

والحاصل ان متابعة الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تأخیر واجبة فان عارضها واجب لا ینبغی أن یفوته بل یأتی به ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتم المقتدی التشهد فانه یتمه ثم یقوم لان الاتیان به لا یفوت المتابعة بالکلیة وانما یؤخرها والمتابعة مع قطعه تفوته بالکلیة فکان تأخیر احد الواجبین مع الاتیان بهما اولی من ترک احدهما بالکلیة اھ

(شامی ج ۱ ص ۴۳۹)۔

۲ : وہ فرض ادا کرکے جہاں امام ہو وہاں شامل ہوجائے ۔ فرض ترک ہوجانے کی صورت میں نماز نہ ہوگی۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۲/۲/۱۴۰۲ھ

حافظ وقاری میں سے امامت کیلئے قاری کو ترجیح دیجائے

ایک امام صاحب کالڑکا حافظ قرآن مع قرأت سند یافتہ ہے ۔ دوسرے حافظ صاحب سادہ لوح بچوں کے درس وتدریس کیلئے متعین ہیں نیز دوکاندار ہیں اور گناہ بے لذت کا شکار ہیں۔ دونوں میں سے کس کو تراویح کا امام مقرر کیا جائے ؟

الجواب اگر مسائل نماز کے متعلق دونوں کی قابلیت مساوی ہے تو سند یافتہ قاری قابل ترجیح ہے حافظ محض سے ۔ نیز حافظ محض کا مبتلائے معصیت ہونا بھی اس کے مرجوح ہونے کی قوی دلیل ہے۔

والاحق بالامامة تقدیما بل نصبا الاعلم باحکام الصلوة الخ

ثم الاحسن تلاوة وتجويدًا افاد بذلك ان معنى قولهم اقرأ أى اجود لا اكثرهم حفظا الخ ومعنى الحسن فى التلاوة ان يكون عالما بكيفية الحروف والوقف ومايتعلق بها۔ اھ (شامی ج۱ ص ۵۲۱)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی — ۱۸/۱/۱۳۹۷ھ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

اکیلا آدمی اگلی صف سے کسی کو کھینچ لے یا اکیلا کھڑا ہو جائے؟

جماعت کی پہلی صف مکمل ہے اور پیچھے سے ایک آدمی نماز میں ملتا ہے اور کوئی آدمی نہیں اور پہلی صف میں جگہ بھی نہیں ہے۔ کیا وہ پہلی صف سے آدمی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ملائے تو وہ آدمی کہاں سے پکڑ کر اپنے ساتھ ملائے۔ ایک طرف سے یا درمیان سے یا امام کے پیچھے سے؟

سائل محمد لطف اللہ خالد لاہور

الجواب آج کل جہالت عام ہے اگر اگلی صف سے کسی کو کھینچا گیا تو غالب گمان یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا کہ جس سے نماز خراب ہو جائے گی۔ لہٰذا کسی کو کھینچنا، مناسب نہیں۔ اور اگر آدمی سمجھ دار، مسائل جاننے والا ہے اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ نماز فاسد کرلے گا تو یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بائیں طرف سے کسی کو کھینچ لے۔ اور اگر داہنی جانب سے کھینچے تو بھی مضائقہ نہیں۔ (امداد المفتین)۔

وقدمنا كراهية القيام فى صف خلف صف فيه فرجة للنهى وكذا القيام منفردًا وان لم يجد فرجة بل يجذب احدا من الصف ذكره ابن الكمال لكن قالوا فى زماننا تركه اولى فلذا قال فى البحر يكره وحده الا اذا لم يجد فرجة۔ اھ (درمختار)۔

(۱) قوله لكن قالوا الخ) القائل صاحب القنية فانه عزا الى بعض

الکتب الی جماعة ولم یجد فی الصف فرجة قیل یقوم وحده ویعذر وقیل یجذب واحداً من الصف الی نفسه فیقف بجنبه والاصح ما روی هشام عن محمد أنه ینتظر الی الرکوع فان جاء رجل والا جذب الیه رجلا او دخل فی الصف ثم قال فی القنیة والقیام وحده اولی فی زماننا لغلبة الجهل علی العوام فاذا جره تفسد صلوته اھ قال فی الخزائن قلت وینبغی التفویض الی رأی المبتلی فان رأی من لا یتأذی لدین او صداقة زاحمه او عالما جذبه والا انفرد۔ اھ۔ قلت وھو توفیق حسن اختاره ابن وھبان فی شرح منظومته اھ (شامیة ج۱ ص۵۳۸)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۰ / ۷ / ۱۴۰۶ھ

ثالث بالخیر کی امامت کا حکم

ولد الزنا (ثالث بالخیر) مسلم اہل علم امامت کراسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر حاضرین میں علم وعمل کے لحاظ سے وہی افضل ہے تو بلاکراہت امامت کراسکتا ہے۔

وفی الشامیة ولو عدمت ای علة کراھة بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولد الزناء من ولد الرشدة والاعمی من البصیر فالحکم بالضد۔ اھ۔ (شامی ج۱ ص۵۲۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۔۔۔۱۴ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

ایک حدیث سے عورت کی امامت پر استدلال کا جواب

فرانس کی یونیورسٹی کے ایک ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ پر تشریف لے گئے تھے تو فرائض امامت ایک بی بی کے سپرد فرما گئے تھے ۔ وہ محترمہ خاتون مرد و زن کی امامت فرمایا کرتی تھی یہ ایک استثنائی صورت ہے ۔ اب بھی عورت مردوں کی امامت سرانجام دے سکتی ہے ۔ سنن نسائی اور ابو داؤد کا حوالہ دیا ہے اس کے متعلق وضاحت کیجائے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب حوالہ لقید باب و صفحہ لکھا جاتا تو بہتر تھا تاکہ پوری تحقیق ہو سکتی ۔ ابو داؤد میں ایک روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ بدر پر تشریف لے جانے لگے تو ام ورقہ بنت نوفل نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے بھی ساتھ جانے کی اجازت دیجئے میں وہاں زخمیوں کی خدمت کرتی رہوں گی شاید مجھے بھی شہادت نصیب ہو جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے گھر ہی ٹھہرو تمہیں اللہ تعالےٰ شہادت عطا فرمائیں گے پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ میں اپنے احاطہ میں واقع گھروں کے لئے ایک مؤذن رکھ لوں تو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت دے دی ۔ اور بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ

وامرھا ان تؤم اھل دارھا ای نساء المحلۃ ۔ اھ (بذل المجھود ج ۱ ص ۳۳۱) ۔

شاید ڈاکٹر صاحب موصوف اس حدیث کو بنیاد بنا کر اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتے ہوں ۔ مگر اس حدیث سے ان کا استدلال درست نہیں ۔ جو کچھ ڈاکٹر صاحب کہنا چاہتے ہیں وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا ۔

محدثین نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس سے یہ استدلال کرنا کہ عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے صحیح نہیں ۔ کیوں کہ اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ مردوں کی امامت بھی کراتی تھیں ۔ اسی کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ احادیث و اجماع امت کی رو سے عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بذل المجھود شرح ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۱

اور عورت کا عورتوں کی امامت کرانا بھی منسوخ ہے۔

ہدایہ میں عورت کی امامت کی کراہت کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے جو امامت کرانا منقول ہے وہ ابتدار اسلام پر محمول ہے اور منسوخ ہے۔

وحمل فعلها (اى عائشة رضى الله تعالى عنها) الجماعة على ابتداء الاسلام قال في الفتح الحاصل انه منسوخ۔ (حواشی هدایه ج ۱، ص ۱۰۳)۔

الحاصل عورت نہ مردوں کی امامت کراسکتی ہے، اور نہ عورتوں کی۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

۱/۳ / ۱۴۰۶ھ

حسین وجمیل امرد کی امامت

ایک طالب علم حافظ القرآن جس کی عمر تقریباً سولہ سال ہے اور بالغ ہے۔ داڑھی ابھی تک نہیں اتری۔ داڑھی کے اترنے کے معمولی آثار نظر آتے ہیں نیز معزز نمازی اس کے اچھے کردار کی تعریف کرتے ہیں۔ ابتدائی دینی تعلیم اب شروع کی ہے۔ بڑے مسائل سے ناواقف ہے۔ کیا اس کو مسجد میں امام مقرر کیا جاسکتا ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب اگر نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہو حسین وجمیل بھی نہ ہو تو بلا کراہت نماز درست ہے۔ حسین وجمیل ہونے کی صورت میں نماز مکروہ تنزیہی ہے۔

درمختار میں ہے۔

وكذا تكره خلف أمرد الخ۔ قال العلامة الشامى رح الظاهر انها تنزيهية ايضا والظاهر ايضا كما قال الرحمتى أن المراد به الصبيح الوجه لانه محل الفتنة۔ (ج ۱، ص ۵۱۴ شامی نسخه جدید)۔

الحاصل اگر غیر امرد امام متبع السنۃ ملتا ہے تو بے ریش کو امام نہ بنانا اولیٰ ہے ورنہ اجازت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی۔ ۱۲/۲/۱۴۰۶ھ

محقق نما مشکک کی امامت

ا : جو شخص ائمہ اربعہ کے مسالک کو بیک وقت جائز سمجھتا ہے اور متعین امام کی تقلید کو تعصب قرار دیتا ہے اور عوام الناس کو بھی اس کی تلقین کرتا ہے۔

ب : دعاء بعد الفرائض بہیئتِ اجتماعیہ من غیر لزوم مع رفع الیدین کو بدعت قرار دیتا ہے۔

ج : اکابر علماء مثلاً حضرت تھانوی رح۔ حضرت بنوری رح۔ حضرت شیخ الحدیث رح کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ ان کی عبارات میں شرک وکفر ہے۔

د : ان عقائد کے حامل کو امام بنانا اور اس کے درس میں شریک ہونا کیسا ہے۔

۲ : مذکورہ بالا عقائد کے باوجود اپنے آپ کو حنفی قرار دیتا ہے۔ کیا ایسا شخص حنفی ہو سکتا ہے اور معیارِ حنفیت کیا ہے؟

الجواب امام صاحب موصوف سلف کے بارے میں ضروری اعتماد سے محروم معلوم ہوتے ہیں جو دورِ حاضر کا عام مرض ہے۔ یعنی "تشکیک بنامِ تحقیق" عوام کے لئے ایسی تشکیکات مضر ہیں۔ پس ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔ یہی حکم ان کے درس کا ہے۔ اس علاقے میں بھی ایک عالم تھے جنہوں نے پہلے دعاء بعد الفرائض کا انکار کیا۔ بعد چندے ٹھیٹھ غیر مقلد بن گئے۔ بلکہ غیر مقلدین کے مدرسہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اب ترقی کر کے شاید کہیں چلے گئے ہیں۔

۱ ، ۲ ، ۳ :۔ جو شخص حنفیت کا التزام نہیں کر سکتا وہ حنفی کیسے کہلا سکتا ہے۔ مواضعِ ضرورت کا استثناء امر آخر ہے۔ اس سے معیارِ حنفیت بھی معلوم ہو گیا۔ کہ مذہب حنفی کو قرآن و حدیث اور اجماعِ امت اور دلائلِ شرعیہ کے اقرب سمجھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

امام میں ان امور کا ہونا ضروری ہے

ائمہ مساجد کے لئے شریعت میں از روئے قرأت وتجوید و تعلیم دین کے، کوئی معیار مقرر ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اس معیار پر پورا اتر آئے تو وہ اس منصب امامت کے قابل ہو۔ اور جو کم رہے تو اس

کے پیچھے نماز فاسد ومکروہ اور ناجائز ہو۔ از روئے فقہ حنفی دلائل سے مزین فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً امامت کے لئے شرعاً کم از کم یہ معیار ضروری ہے:۱۔ قرآن مجید کا آخری پارہ مکمل یا نصف تجوید کے ضروری قواعد کی رو سے صحیح اور حفظ ہو۔

۲: پانی، وضوء، غسل اور نماز کے ضروری مسائل کا علم رکھتا ہو۔ نماز کے مفسدات ومکروہات، مستحبات و فرائض وواجبات کی تفصیلات سے آگاہ ہو۔

۳: اعمال میں کوئی علامت فسق داڑھی منڈانا، جماعت کی پابندی نہ کرنا، گناہ کبیرہ کا ارتکاب ظاہر نہ ہو، مفسد نہ ہو۔[1]

یہ ادنیٰ معیار ہے۔ نئے ائمہ کا تقرر اس وقت ہونا چاہیئے جب کہ امیدوار معیار مذکور پر پورا اترنے کی سند کسی مستند ادارے سے حاصل کرے۔ یا مقامی علماء امیدوار کو اس معیار کے مطابق پائیں۔ قدیم ائمہ کی بتدریج اصلاح ہونی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ رئیس الافتاء

[1] اذا اجتمع قوم ولم یکن بین الحاضرین صاحب منزل اجتمعوا فیہ ولا فیہم ذو وظیفۃ وھو امام المحل ولا ذو سلطان کامیر و وال و قاض فالاعلم باحکام الصلوٰۃ الحافظ مابہ سنۃ القرأۃ و یجتنب الفواحش الظاھرۃ وان کان غیر متبحر فی بقیۃ العلوم احق بالامامۃ ۔اھ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی، ص ۱۶۳)۔ فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

صرف نابالغ بچے مقتدی ہوں تو بھی جماعت کرائی جائے

مسجد میں اذان ہوگئی اور امام صاحب کے علاوہ چند نابالغ بچے جن کی عمریں تقریباً دس سال یا بارہ سال کی ہوں گی موجود ہیں اور جماعت کا وقت ہوگیا ہے اور بالغ کوئی موجود نہیں۔ تو کیا امام

ان نابالغ بچوں کو مقتدی بنا کر جماعت کرا سکتا ہے یا نہیں ؟ ۔ محمد لطف اللہ خالد شاہجمال ٹاؤن لاہور

الجواب فی العالمگیریۃ ج ۱ ص ۸۳ - اذا زاد علی الواحد فی غیر الجمعۃ فھو جماعۃ وان کان معہ صبی عاقل کذا فی السراجیۃ ۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ مذکورہ صورت میں بھی جماعت سے نماز ادا کی جائے نابالغ لڑکوں کی صف بنا کر امام صاحب ان کو نماز پڑھائیں ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۱۱/۳ بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۴۱۱ھ جامعہ خیر المدارس ملتان

مُقتدی "اللہ اکبر" کہہ کر سیدھا رکوع میں چلا جائے تو رکعت کا حکم

۱ :- فرضوں کی جماعت کھڑی ہے اور ایک آدمی بعد میں اس وقت شامل ہوتا ہے جب کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے ۔ اور آنے والا اللہ اکبر کہہ کر سیدھا رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے ۔ لیکن رکوع سے پہلے اللہ اکبر کے بعد ہاتھ باندھ کر قیام نہیں کرتا اور امام کے ساتھ نماز مکمل کر لیتا ہے تو کیا اس کی نماز ہو گئی یا نہیں ؟

۲ : بعد میں آنے والا شخص اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ کر قیام کرتا ہے تو یہ قیام کتنی دیر کا ہونا چاہیئے

۳ : بعد میں شامل ہونے والا شخص اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ کر معمولی سا قیام کر کے رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے ۔ ابھی اس نے ایک دفعہ ہی "سبحان ربی العظیم" کہا کہ امام صاحب رکوع سے کھڑے ہو گئے ۔ تو کیا اس کو وہ رکعت مل گئی یا نہیں ؟

۴ : بعد میں آنے والا شخص تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ کر قیام کر کے رکوع میں گیا ہی تھا اور کوئی تسبیح وغیرہ بھی نہیں کہہ سکا اور امام صاحب رکوع سے اٹھ کھڑے ہو گئے ۔ تو کیا اس کو وہ رکعت مل گئی یا نہیں ؟

المستفتی ، محمد لطف اللہ خالد شاہجمال ٹاؤن لاہور

الجواب ان تمام صورتوں میں وہ رکعت مل گئی اللہ اکبر کہنے کے بعد ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ ادرک الامام فی الرکوع فکبر قائما ثم

شرع فی الانحطاط وشرع الامام فی الرفع الاصح ان یعتد بہا اذا وجدت المشارکۃ قبل ان یستقیم قائما وان قل فی معراج الدرایۃ (عالمگیری، ج ۱، ص ۶۲)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔ ۲/۱۱/۱۴۰۱ھ ۔ جامعہ خیر المدارس ملتان

سجدہ سہو کے بعد جماعت میں شریک ہونے والے کا حکم

مسئلہ:- اگر کوئی شخص امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد اقتدا کرے تو اس کی اقتدا درست نہیں ۔ لیکن جب امام سجدہ سہو کے لئے سلام پھیرتا ہے تو اس صورت میں اگر کوئی سلام فراغ سے پہلے پہلے شریک ہو جائے تو اس کی اقتدا درست ہو جاتی ہے ۔ ان دونوں میں وجہ فرق کیا ہے ؟

الجواب:- اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے سجدہ سہو کیا تو دوبارہ نماز کی طرف لوٹ آیا وہ تشہد اور قعدہ گویا ختم ہو گیا ہے ۔ اب دوبارہ تشہد پڑھ کر بذریعہ سلام نماز سے نکلے گا ۔ پس اس قعدہ میں اقتداء صحیح ہو گی ۔ پہلے سلام پر نماز کا ختم ہونا یہ غیر ساہی کے لئے ہے ۔ ساہی سجدہ سہو کرنے پر دوبارہ نماز کی طرف لوٹ آتا ہے ۔

قال فی الشامیۃ وھذا فی غیر الساھی اما ھو اذا سجد لہ بعد السلام یعود الی حرمتہا ۔اھ (ج ۱، ص ۴۹۰)۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔ ۱/۱۱/۱۳۹۱ھ ۔ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

صحت اقتداء کیلئے اتحاد مکان ضروری ہے

ایک مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھائی جاتی ہے ۔ مسجد کے شمالی جانب ایک گلی ہے اور مسجد کے کمرہ کے محاذ میں شمالی گلی کے شمالی جانب ایک وسیع محلہ کا ایک صحن متصل ہے اس صحن میں عورتوں

کی جمعہ کی اقتداء جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں عورتوں کی اقتداء اس مکان میں درست نہیں عدمِ اتحادِ مکان کی وجہ سے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فقد تحرر بما تقرر أن اختلاف المکان مانع من صحۃ الاقتداء ولو بلا اشتباہ وأنہ عند الاشتباہ لا یصح الاقتداء وان اتحد المکان اھ (شامی ج ۱ ص ۵۵۰)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲/۱۰/۱۴۰۰ھ الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء مفتی خیر المدارس ملتان

اکیلے نماز پڑھنے والے کی اقتداء کا حکم

زید ظہر کے فرض پڑھ رہا تھا کہ بکر نے اس کے پیچھے آکر کہا کہ تو میرا امام ہے اور میں تیرا مقتدی حالانکہ زید کچھ رکعتیں پڑھ چکا تھا۔ پھر زید نے زور سے تکبیر کہنی شروع کر دی کیوں کہ اس نے اسے مقتدی تصور کر کے نیت کر لی۔ کیا یہ امامت واقتداء درست ہے۔ ؟

الجواب ہر دو کی نماز صحیح ہو گئی۔

وفی العالمگیریۃ ولا یحتاج الی نیۃ الامامۃ حتی لو نوی ان لا یؤم فلانا فجاء فلان واقتدی بہ جاز۔ اھ (ج ۱ ص ۶۶) قال جابر سرت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ فقام یصلی فجئت حتی قمت عن یسارہ فاخذ بیدی فادارنی عن یمینہ۔ اھ (شامی بحوالہ مسلم ج ۱ ص ۴۲۰)

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ الجواب صحیح

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۳۹۹/۷ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مُردوں کو نہلانیوالے کی امامت

ایک مولوی صاحب ۱۹۴۷ئہ سے مسجد کی خدمت کر رہا ہے ۔ امامت وغیرہ خدا واسطے کرتے ہیں اور تنخواہ مقرر نہیں۔

میت کو اگر گھر والا نہیں نہلا سکتا، تو مولوی صاحب اس میت کو غسل دے دیتے ہیں ثواب کی نیت سے ۔ اگر کوئی کچھ دے دے تو لے لیتے ہیں ۔ آیا ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب مردہ کو بہ نیت ثواب غسل دینا ایک نیک کام ہے ۔ اس کی وجہ سے امامت میں کوئی کراہت وغیرہ پیدا نہیں ہوتی ۔ جن فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس سے مراد وہ غسل دینے والا ہے جو بالاجرت یہ پیشہ رکھتا ہو ۔ اور وہ بھی ان کے نزدیک جو کہ مردہ کے غسل کی اجرت کو ناجائز سمجھتے ہیں ۔ الحاصل مذکورہ امام صاحب کے پیچھے نماز درست ہے۔

ولا یجوز الاستیجار علی غسل المیت و یجوز علی الحمل والدفن و اجازہ بعضہم فی الغسل ایضا ۔ (شامی ، ج ۱ ، ص ۸۰۴) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان

مقتدی امام سے پہلے سجدہ سے سر اٹھا لے تو کیا کرے

زید جمعہ کی نماز ادا کر رہا تھا امام صاحب نے سجدہ لمبا کیا ۔ زید کو شبہ ہوا کہ شاید امام صاحب سجدہ سے اٹھ گئے ہیں تو وہ بھی اٹھ گیا ۔ مگر دیکھا تو ابھی امام صاحب سجدہ ہی میں تھے ۔ تو زید التحیات کے لئے بیٹھ گیا یہ سمجھ کر کہ ابھی وہ اٹھنے والے ہیں ۔ تو اس صورت میں زید کو کیا کرنا چاہیئے تھا؟

الجواب مقتدی پر متابعت واجب ہے ۔ لہٰذا زید کو دوبارہ سجدہ میں چلا جانا چاہیئے تھا۔

من الواجب متابعۃ المقتدی امامہ فی الارکان الفعلیۃ فلو

رفع المقتدی رأسه من الرکوع أو السجود قبل الامام ینبغی له ان یعود لتزول المخالفة بالموافقة ولا یصیر ذلك تکرارا و بالعود جزم الحلبی فی آخر الکتاب ۔ اھ (طحطاوی، ط‍۱۳)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ھذا

مقتدی کے تین تسبیحات پڑھنے سے پہلے امام رکوع یا سجود سے اٹھ جائے

مقتدی نے ابھی تین تسبیحات پوری نہیں پڑھی تھیں کہ امام نے رکوع سے یا سجدے سے سر اٹھا لیا تو مقتدی بھی ساتھ ہی سر اٹھالے یا تین تسبیحات پوری کرنے کے بعد اٹھے؟

الجواب اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ مقتدی بھی ساتھ اٹھ جائے ۔

ولو رفع الامام رأسه من الرکوع او السجود قبل ان یسبح المقتدی ثلاثا تکلموا فیه والصحیح انه یتابع الامام لان متابعة الامام فرض فلا یترکها بالسنة ۔ اھ (قاضیخان ج۱ ص۴۴)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بازو پر نام گدوانے والے کی امامت

ایک آدمی ہے اس کے بازو پر اس کا اپنا نام لکھا ہوا ہے ۔ کیا وہ جماعت کرا سکتا ہے یعنی امام بن سکتا ہے یا نہیں ۔ اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے وہ خود بھی فکر مند ہے کہ میری نماز ہوتی ہے یا نہیں ۔؟

الجواب اگر اسے مٹانے میں کافی تکلیف ہوتی ہے تو کوئی حرج نہیں ایسا شخص امام بن سکتا ہے ۔ بشرطیکہ امامت سے متعلق دوسرے ضروری امور اس میں پائے

جاسکتے ہوں۔

وفی الفتاوی الخیریۃ من کتاب الصلوۃ سئل فی رجل علی یدہ وشم ھل تصح صلوتہ وامامتہ معہ ام لا ؟ اجاب نعم تصح صلوتہ وامامتہ بلا شبھۃ واللہ اعلم۔اھ رشامیۃ : ج ا : ص ۳۰۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۴۰۸ھ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

پہلی جماعت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے دوبارہ کرائی جائے تو اس میں نئے بھی شریک ہو سکتے ہیں

ہم نے ظہر کی نماز با جماعت پڑھی۔ امام صاحب سے غلطی ہوگئی چار رکعت کی بجائے تین رکعت پڑھیں۔ دوبارہ پھر جماعت کرائی۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نماز صرف ان نمازیوں کی ہوئی جو کہ پہلی جماعت میں شامل تھے اور ان کی نماز نہیں ہوئی جو بعد میں دوسری جماعت میں شامل ہوئے یعنی نئے آنے والوں کی نماز نہیں ہوئی۔ صرف پہلی جماعت کے لوگ دوسری جماعت میں شامل ہو سکتے ہیں نہ کہ نئے آنے والے بھی۔

الجواب: صورت مسئولہ میں پہلی مرتبہ شامل ہونے والوں اور صرف دوسری نماز میں شامل ہونے والے دونوں کی نماز درست ہوگئی۔ مذکور فی السوال کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ نماز میں کوئی واجب چھوٹ جائے اور سجدۂ سہو کا وجوب تھا لیکن سجدۂ سہو ادا نہ کرنے کی وجہ سے نماز کا اعادہ کیا۔ تو اس صورت میں صرف وہ لوگ دوبارہ نماز میں شامل ہوں جو جماعت میں پہلی مرتبہ شامل ہونے تھے جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ فرض کا پہلی نماز سے فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا۔ دوسری نماز صرف نقصان کی تلافی ہے۔ مراقی میں ہے۔

فتکون مکملۃ وسقط الفرض بالاولی وقیل تکون الثانیۃ فرضا

فهی المسقطۃ : (۲۵۱)

صورتِ مسئولہ میں فرض نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۱۶/۴ بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۴۰۸ھ نائب مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

عددِ رکعات میں امام و مقتدی کے اختلاف کا حکم

زید نے عصر کی نماز پڑھائی سلام پھیرنے پر کچھ مقتدیوں نے کہا کہ تین رکعات ہوئی ہیں۔ اور کچھ نے یہ کہا کہ ہمیں پتہ نہیں چلا ۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ میرا دل یہی کہتا ہے کہ چار ہوئی ہیں۔

الجواب اگر تو امام صاحب کو پورا یقین ہے کہ چار ہوئی ہیں تو پھر اعادہ کی ضرورت نہیں ۔ اور اگر چار ہونے کا پختہ یقین نہ ہو تو نماز کا اعادہ کرلیں ۔

لو وقع الاختلاف بین الامام والقوم فقال القوم صلیت ثلثا و قال الامام صلیت اربعا ان کان الامام علی الیقین لا یعید الصلوۃ بقولهم وان لم یکن علی یقین یعید الصلوۃ بقولهم ۔اھ

(عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۸)۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۳/۳/۱۴۰۶ھ

امام اونچا ہو اور مقتدی نیچے ہوں تو نماز کا حکم

اگر امام کے کھڑے ہونے کی جگہ مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے اونچی ہو تو نماز میں کراہت آئے گی یا نہیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب امام ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہو تو یہ مکروہ ہے ثم مقدار الارتفاع الذی یحصل بہ کراھۃ الانفراد

عن القوم ذکر الطحاوی انه مقدر بقامة الرجل وکذا روی عن ابی یوسفؒ وقیل مقدار ما یقع به الامتیان و قیل مقدار ذراع اعتبارا بالسترة قال فی الکفایة ناقلا عن الجامع الصغیر لقاضی خان و علیه الاعتماد .... الی قوله والظاهر ان مادون الذراع لا ینضبط به وقوع الامتیاز کل الضبط فان من الناس الطویل والقصیر فکان التقدیر بالذراع هو الاولی لانه الذی ینضبط به وقوع الامتیاز فی حق الکل۔ اھ (کبیری، ص ۳۴۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴۰۱/۶/۲۲ھ

امام کو حدث لاحق ہو جائے تو کیا کرے

جماعت کھڑی ہوگئی۔ درمیان میں امام صاحب کا وضو ٹوٹ گیا۔ اب امام صاحب کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حدث لاحق ہوتے ہی پیچھے ہٹ جائے اور مقتدیوں میں سے کسی سمجھ دار کو اپنی جگہ خلیفہ بنا دے تاکہ وہ نماز پوری کرا دے۔

سبق الامام حدث الخ غیر مانع للبناء استخلف ای جاز له ذلك ولو فی جنازة باشارة او جر لمحراب اھ (شامی ج ۱، ص ۵۶۱)۔

اگر مقتدی مسائل سے ناواقف ہوں تو بہتر یہ ہے کہ نماز توڑ دے اور وضو کرکے از سرِ نو جماعت کرا دے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۱۳۹۹/۱۱/۲۹ھ مفتی خیر المدارس ملتان

مقتدی تکبیرِ تحریمہ امام کے ساتھ کہے

جو شخص شروع سے امام کے ساتھ شریک ہے وہ تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ ہی کہے یا جب امام اللہ اکبر کہہ چکے تب کہے ؟

الجواب بہتر یہی ہے کہ ساتھ ساتھ ہی کہے لیکن یہ خیال رہے کہ اگر اس نے لفظِ "اللہ" امام کے لفظِ "اللہ" ختم کرنے سے پہلے ختم کر لیا تو اس کی نماز درست نہ ہوگی ۔

والافضل ان تکون تکبیرۃ المقتدی مع تکبیرۃ الامام لابعدھا عند ابی حنیفۃ لان فیہ مسارعۃ الی العبادۃ وفیہ مشقۃ فکان افضل وقالا یکبر ای الافضل ان یکبر المقتدی بعد تکبیرۃ الامام لیزول الاشتباہ بالکلیۃ ۔اھ (کبیری ، ص۲۵۸)۔
ولو افتتح ای کبر مع الامام وفرغ من قولہ "اللہ" قبل فراغ الامام من قولہ "اللہ" لا یصیر شارعا فی الصلوۃ فی اظھر الروایات کذا فی الفتاوی ۔اھ (کبیری ، ص۲۵۷)۔ فقط واللہ تعالی اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ، ملتان

اصل میں افضل یہ ہے کہ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہے۔ لیکن چونکہ اس میں سخت تیقظ واحتیاط کی حاجت ہے ۔ کہ امام کے لفظِ اللہ سے پہلے مقتدی کا لفظِ اللہ ختم نہ ہو۔ اس لئے احتیاط یہ ہے کہ امام کے لفظِ اللہ ختم ہونے کے بعد تکبیر کہے تاکہ نماز کا شروع کرنا صحیح ہو جائے ۔ والجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ، ملتان

امام رکوع وسجود میں کتنی بار تسبیحات پڑھے

امام صاحب کے لئے رکوع وسجود میں کتنی دفعہ تسبیحات پڑھنا زیادہ بہتر ہے ؟

الجواب امام صاحب تسبیحات میں عددِ وتر کی رعایت رکھتے ہوئے اتنی مرتبہ پڑھیں کہ مقتدی اطمینان سے تین دفعہ پڑھ لیں۔ بہتر یہ ہے کہ پانچ دفعہ پڑھیں۔

ولو زاد على الثلاث فذلك افضل بعد ان يختم على وتر خمس او سبع او تسع ولكن ان كان اماما لا يطول و قال سفيان الثوري ؒ ينبغي ان يقول خمسا حتى يتمكن القوم ان يقولوا ثلاثا اھ (خلاصة الفتاوی ج ۱، ص ۵۴) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

درود یا دعا مکمل نہیں کیا کہ امام نے سلام پھیر دیا

بعض ائمہ کرام تیز تیز پڑھتے ہیں۔ مقتدی ابھی درود شریف یا دعا ہی میں ہوتا ہے کہ وہ سلام پھیر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مقتدی درود و دعا مکمل کر کے سلام پھیرے یا امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ایسی صورت میں مقتدی امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دے۔

ولو سلم الامام قبل ان يفرغ المقتدي من الدعاء الذي يكون بعد التشهد او قبل ان يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم فانه يسلم مع الامام۔ اھ (عالمگیری ج ۱، ص ۹۰ وكذا في الخلاصة الفتاوی ج ۱، ص ۱۵۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

شافعیؒ و مالکیؒ ائمہ کرام کی اقتداء کا حکم

یہاں عرب امارات میں بعض ائمہ امام شافعیؒ یا دیگر ائمہ کے مقلد ہیں۔ تو حسب ان کی مساجد میں نماز پڑھنے

کا اتفاق ہو تو اکیلے پڑھا کریں یا ان کی اقتدا میں ؟۔

الجواب بعض مسائل ایسے ہیں کہ ان میں احناف اور دیگر ائمہ کا اختلاف ہے مثلاً احناف کے نزدیک اگر جسم کے کسی بھی حصہ سے خون نکل کر بہہ پڑے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے جب کہ بعض ائمہ کے نزدیک اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تو اگر یہ پتہ ہو کہ امام ایسے مسائل میں مقتدیوں کے مذہب کی رعایت رکھتا ہے تو اس کی اقتدار بلا کراہت درست ہے۔ اور اگر یہ یقین ہو کہ وہ مقتدیوں کے مذہب کی رعایت نہیں کرتا تو اقتدار نہ کریں۔ اکیلے پڑھ لیں۔

والذی یمیل الیہ القلب عدم کراھۃ الاقتداء بالمخالف ما لم یکن غیر مراع فی الفرائض لان کثیرا من الصحابۃ و التابعین کانوا ائمۃ مجتہدین وھم یصلون خلف امام واحد مع تباین مذاھبھم۔ اھ (شامیۃ ج۱ ص ۴۱۷)۔

الحاصل انہ ان علم الاحتیاط منہ فی مذھبنا فلا کراھۃ فی الاقتداء بہ وان علم عدمہ فلا صحۃ وان لم یعلم شیئا کرہ۔ اھ (شامیۃ ج۱ ص ۴۹۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

اہلِ حدیث ائمہ کی امامت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک غیر مقلد حکیم جو ائمہ مجتہدین کی تقلید کو "جس پر امت اسلامیہ قرنہا قرن سے متفق چلی آرہی ہے اور ہزاروں اولیاء کبار، محدثین ومفسرین، فقہاء بلکہ مجددین کرام کا بھی اس پر تعامل رہا ہے"، بیک قلم یہودیوں کا نمونہ قرار دیتا ہے۔ اور بددیانتی اور خیانت سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی اس تصریح کو کہ

"دین میں تحریف کا سبب جو یہودیانہ تقلید ہے وہ وہ تقلید نہیں جس پر ائمہ اربعہ کی پیروی کی صورت میں امت متفق چلی آرہی ہے" یکسر ہضم کر کے یہودیانہ طریق کو نہ صرف ائمہ مجتہدین

کی تقلیدِ محمود پر منطبق کرتا ہے۔ بلکہ اپنی اس بداعتقادی کو حضرت شاہ صاحب رحمہ کے ذمہ لگا کر اتنی عظیم اسلامی شخصیت پر افترار باندھتا ہے۔

۲ :۔ حنفی ، شافعی ، مالکی ، حنبلی مسالک جن پر آج تک ہزاروں اولیار اللہ اور فقہائے و محدثین چلے آرہے ہیں سب کو دائرۂ اہلسنت سے خارج قرار دیتا ہے۔ اور جملہ مقلدین کو یہودی صفت نابلینا بعدعن الصواب کے خرسے مدہوش، دیو تقلید کے چنگل کا اسیر کہتا ہے۔ اور برملا کہتا ہے کہ تقلید کا دھندا بعد کے پیٹ پجاریوں نے نکالا ہے ، اس بدعت کو ہوس کے دیوتوں نے جنم دیا۔ کوڑھ کی اس بیماری کا تعدیہ ہوا ، اور ہوا و ہوس کے بندوں نے اسے پھیلایا۔ اور پھر سب مقلد علمار کو جن میں کل اکابر دیوبند ، سہارنپور ، ڈھابیل ، ندوۃ العلمار اور جملہ زعمار مجلس ختم نبوت ، تنظیم اہلسنت والجماعۃ جمعیت علمارِ اسلام ، خدام الدین لاہور۔ نیز جامعہ اشرفیہ لاہور ، خیر المدارس ملتان۔ دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار۔ جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک جیسے علمی مراکز شامل ہیں۔ ان سب کو علمار سو کہتا ہے۔

۳ :۔ فقہ کی مستند کتابوں ہدایہ، درمختار ، فتح القدیر وغیرہ کے مصنفین کو خود مسائل گھڑنے والا قرار دے کر علانیہ برا بھلا کہتا ہے۔ حنفی مذہب میں شراب کو حلال بتاتا ہے اور اس کو اپنی جہالت کی نذر کر دیتا ہے کہ فقہ حنفی کا فتویٰ کیا ہے۔ اکابر احناف کے خلاف فضار کو مسموم کرنے کے لئے حدیث و فقہ کی کتابوں سے حوالے نقل کرنے میں بددیانتی اور جہالت سے کام لیتا ہے۔

۴ :۔ باوجود علوم شرعیہ سے جاہل ہونے کے اپنے ادعائے مسلک اہل حدیث کے بھی خلاف ہے اور نہ صرف علمار دیوبند کی توہین اور مقلدین کو گالیاں دینا اس کی تبلیغ کا طول و عرض ہے بلکہ علمائے اہل حدیث مثلاً مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی مرحوم کے خلاف بھی سوقیانہ اور بازاری زبان استعمال کرتا ہے۔ بزرگوں اور علما کی شان میں توہین کا یہاں تک مرتکب ہوا ہے کہ اسے اہل حدیثوں نے بھی اپنی ایک جامع مسجد سے اس الزام میں نکال دیا ہے۔ اب وہ اپنی خود رائی میں کسی مسلک کے بزرگ کے ساتھ نہیں بلکہ بایں ہمہ اپنے کو اہلِ حدیث کہتا ہے۔

تو امر مطلوب اس باب میں یہ ہے کہ ایسے شخص کو نماز میں امام بنانا ، اس کی خرافات سننا اور ہوا النفس کے ساتھ تعاون کرنا شرعاً کیسا ہے اور جو لوگ اسے مستقل طور پر نماز جمعہ کا پیش امام بنائیں تو کیا ان پر آخرت میں مواخذہ ہونے کا اندیشہ ہے یا نہیں ؟

المستفتی : علامہ ڈاکٹر خالد محمود پروفیسر ، سیالکوٹ شہر

الجواب ایسا شخص یقیناً اہل ہویٰ میں سے ہے نہ تو اس کو امام بنانا جائز ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ اختلاط کرنا اور نہ ہی اس کی باتوں کو سننا جائز ہے۔ معتدل حضرات اور منصف مزاج علماءِ اہل حدیث نے کبھی بھی سلف صالحین وائمہ دین اور ان کے مقلدین کے بارے میں ہرگز ہرگز ایسا لب ولہجہ اختیار نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلحدیث حضرات نے خود اس کو اپنی ایک جامع مسجد سے الگ کر دیا ہے۔

غلام نبی چکڑالوی جس نے بعد میں اپنا نام عبداللہ چکڑالوی تبدیل کر کے شہرت حاصل کی۔ اس کا ابتدائی حال بھی یہی تھا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان رحمہ اللہ اور حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کی شان میں سخت گستاخی کرتا تھا اور لاہور میں مسجد چینیانوالی میں امام تھا۔ اس کے تجاوز واعتدار کو دیکھ کر خود اہلحدیث حضرات نے اس کو امامت سے الگ کر دیا تھا۔ اس گستاخی وبیباکی کا وبال اس پر یہ پڑا کہ کچھ عرصہ بعد یہ شخص انکارِ حدیث میں مبتلا ہو کر منکرینِ حدیث کا ایک بہت بڑا داعی اور سرغنہ بن گیا۔

تمام اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ ایسے فتنہ گر شخص سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کر لیں۔ اور نہ اس کی باتیں سنیں اور نہ امام بنا کر اس کی حوصلہ افزائی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ لہٗ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۳/۴/۱۳۷۷ھ

جواب صحیح اور حق ہے۔ والحق أحق أن یتبع۔ معتدل المسلک اہلحدیث کے نزدیک بھی ائمہ اربعہ کے تمام مقلدین خوش عقائد اہلسنت والجماعت ہیں۔ چنانچہ مولانا وحید الزمان صاحب حیدرآبادی اہلحدیث تحریر فرماتے ہیں۔ واما الاحناف والشوافع والمالکیۃ والحنابلۃ فہم مسلمون داخلون فی زمرۃ اہل السنۃ والجماعۃ۔ الخ۔ (نزل الابرار، ص۹، ج۱، مطبوعہ سعید المطابع بنارس)۔

یعنی تمام حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی (مقلدینِ ائمہ اربعہ) مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔

خیر محمد عفا اللہ عنہ، مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان، ۲۳/۴/۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح اذ جہالاتہ أظہر من ان تخفی وہو بخرافاتہ ابعد من ان یہدی ہو ضال مضل بلا ارتیاب فوجب عنہ الاجتناب۔

محمود عفا اللہ عنہ، المفتی بقاسم العلوم ملتان، ۲۳/۴/۱۳۷۷ھ

مروجہ جرابوں پر مسح کرنے والے کی امامت

ہماری مسجد میں ایک اہلحدیث مولوی ..... صاحب آتے ہیں نماز پڑھانے کے لئے بعض دفعہ جب امام صاحب موجود نہیں ہوتے تو وہ اہلحدیث عالم نماز پڑھا دیتے ہیں اب بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ موجودہ مروجہ جرابوں پر مسح کرتا ہے۔ اور میں نے خود کئی مرتبہ جرابوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ کیا شرعی طور پہ ان کی امامت صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب شریعت میں چمڑے کے موزوں پر مسح درست ہے یا ان جرابوں پر جو چرمی موزوں کے حکم میں ہوں۔ مروجہ جرابیں موزوں کے حکم میں نہیں آتیں لہٰذا ان پر مسح درست نہیں جس امام نے ان پر مسح کیا ہوا ہو وہ پاؤں کے غسل کا تارک ہے لہٰذا اسکی اقتداء درست نہیں پہلے جو نمازیں ایسی حالت میں پڑھ چکے ہوں ان کا اعادہ کریں۔ والرابع عشر من شروط صحة الاقتداء ان لا یعلم المقتدی من حال امامه المخالف لمذهبه مفسدا فی زعم المأموم کخروج دم سائل او قئ یملأ الفم وتیقن أنه لم یعد بعده وضوأه ۔اھ (مراقی الفلاح) ۔ واذا علم مفسدا فی صلوٰۃ الامام لا یجوز له الاقتداء به اجماعا ۔ اھ (طحطاوی ؛ ص ۱۹۰) ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنه مفتی جامعہ ھذا

کوزہ پشت کی امامت

ہمارے امام صاحب کافی معمر ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کی کمر جھک گئی ہے اور صحیح طرح سے قیام نہیں کر سکتے تو کیا ہم ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔ محمد خالد جھنگ صدر

الجواب اگر کمر اتنی زیادہ خمیدہ نہ ہو کہ جتنی رکوع میں ہوتی ہے تو ان کی اقتداء میں نماز بلاشبہ درست ہے۔ اور اگر اتنی ہی خمیدہ ہو مگر رکوع کے لئے مزید جھک جاتے ہوں تو بھی درست ہے ۔

وصح اقتداء باحدب لم یبلغ حدبه حد الرکوع اتفاقا علی الاصح واذا بلغ وهو ینخفض للرکوع قلیلا یجوز عندهما وبه اخذ عامة العلماء وهو الاصح ۔ اھ (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ، ص ۱۶۱ ۔ وکذا فی الشامیة ، ج ۱ ، ص ۴۳۶) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنه

ما جاء في المسبوق

مقتدی سو گیا اور امام دوسری رکعت میں پہنچ گیا تو وہ نماز کیسے پوری کرے

ایک بوڑھا نابینا کانوں سے اونچا سنتا ہے۔ نماز باجماعت پڑھتا ہے۔ جب امام پہلی رکعت میں سجدہ میں گیا تو وہ بہرا نابینا سجدہ ہی میں پڑا رہا۔ امام اور باقی آدمیوں نے دوسرا سجدہ کیا وہ پہلے سجدہ میں رہا۔ امام نے دوسری رکعت شروع کی تو بہرے کو علم ہوا۔ جلدی سے دوسرا سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اور باقی نماز باجماعت پڑھی۔ تو کیا اس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں بوڑھے کی نماز صحیح ہو گئی۔

کما یظہر من الہندیۃ ، ج ۱ ، ص ۸۴ - واذا کبر مع الامام ثم نام حتی صلی الامام رکعۃ ثم انتبہ فانہ یصلی الرکعۃ الاولی وان کان الامام یصلی الرکعۃ الثانیۃ اھ ھکذا فی الذخیرۃ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۳۸۲ھ

مسبوق پہلی رکعت میں ثناء وتعوذ پڑھے

اگر مسبوق دوسری یا تیسری رکعت میں شریک ہو تو وہ بقیہ رکعت میں جو پہلی رکعت امام کے سلام

پھر نیچے کے بعد پڑھے گا اس میں ثناء ، اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے ؟ کتاب الصلوۃ رکن الدین ص ۱۱۴ ۔ میں صاف موجود ہے مگر ایک دو آدمی نہیں مانتے اس لئے آپ کے فتوے پر اتفاق ہوگا مدلل جواب تحریر فرمائیں ؟

الجواب مسبوق اپنی باقی ماندہ رکعات میں منفرد کے حکم میں ہے ۔ اس لئے اس کو پہلی رکعت میں ثناء و تعوذ پڑھ لینا چاہیئے ۔

کما فی الدر والمسبوق من سبقه الامام الی قوله وهو منفرد حتی یثنی ویتعوذ ویقرأ ۔ (شامی ، ج۱ ، ص ۴۱۸)۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ۹/۶ بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۳۸۴ھ جامعہ خیر المدارس ملتان

جس نے ایک رکعت امام کے ساتھ پائی وہ باقی نماز کیسے پڑھے

اگر مقتدی نے ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھی تو باقی نماز مقتدی کیسے ادا کرے ؟ کن دو رکعتوں میں سورۃ ملائے اور کس ایک رکعت میں سورۃ نہ ملائے ؟

الجواب ویقضی اول صلوته فی حق قرأة واخرها فی حق تشهد اھ (درمختار) وفی ردالمحتار قوله یقضی اول صلوته فی حق قرأة هذا قول محمد کما فی مبسوط السرخسی وعلیه اقتصر فی الخلاصة وشرح الطحاوی والاسبیجابی والفتح والدرر والبحر وغیرهم وذکر الخلاف کذلک فی السراج لکن فی صلوة الجلابی أن هذا قولهما وتمامه فی شرح الشیخ اسماعیل وفی الفیض عن المستصفی لو ادرکه فی رکعة الرباعی یقضی رکعتین بفاتحة وسورة ثم یتشهد ثم یأتی بالثالثة بفاتحة خاصة عند ابی حنیفة رح وقالا رکعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم رکعتین اولا هما بفاتحة و

سورة و ثانیتہما بفاتحة خاصة اھ و ظاھر کلامہم اعتماد قول محمد رح اھ (شامی ج ۱ ص ۵۵۸)

عبارتِ ہذا سے معلوم ہوا کہ جس کی کوئی رکعت امام کے ساتھ فوت ہوگئی ہو اس کو مسبوق کہتے ہیں۔ اس کی باقی ماندہ نماز حق قرأت میں اول ہوتی ہے اور حق تشہد میں آخر۔ پس جو شخص ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا۔ امام کے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہو کر ثناء و تعوذ پڑھ کر فاتحہ و سورۃ پڑھے اور یہ رکعت پوری کر کے قعدہ کرے۔ پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت اور فاتحہ و سورۃ کے ساتھ پڑھے۔ آخری رکعت فقط فاتحہ سے پڑھ کر نماز تمام کرے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ٢٦/٥/١٣٧٦ھ بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ رئیس الافتاء نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جواب صحیح ہے۔ خیر محمد عفااللہ عنہ مہتمم جامعہ ھذا۔

مسبوق نے امام کے ساتھ عمداً سلام سہو پھیرا تو نماز فاسد ہو جائیگی

زید نماز میں عمر کے پیچھے شریک ہوا جب کہ ایک رکعت ہو چکی تھی اور امام پر سجدۂ سہو تھا جب امام نے سجدۂ سہو کے لئے سلام پھیرا تو زید نے بھی سلام برائے سہو امام کی اتباع کرتے ہوئے پھیر دیا تو کیا سلام کی وجہ سے زید پر سجدۂ سہو دوبارہ واجب ہوگا ؟

الجواب اگر مسبوق نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے ذمہ نماز باقی ہے جان بوجھ کر سلام پھیرا ہے تو نماز فاسد ہوگئی اعادہ لازم ہے۔ اور اگر سہواً پھیرا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی۔ اور اس سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوگا۔

ثم المسبوق انما یتابع الامام فی السہو دون السلام بل ینتظر الامام حتی یسلم فیسجد فیتابعه فی سجود السہو لا فی سلامه وان سلم فان کان عامدا تفسد صلوته وان کان ساهیا لا تفسد صلوته ولا سہو علیه لانه مقتد و سہو المقتدی باطل۔ اھ

(البدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۷۶)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مسبوق ادائے مافات کے لئے کب اٹھے

جماعت سے رہی ہوئی نماز پوری کرنے کے لئے کس وقت کھڑا ہونا چاہیے؟

جب امام دوسرا سلام شروع کرے یا دوسرا سلام مکمل کر چکے تب کھڑا ہو۔ با حوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب اصل تو یہ ہے کہ اس وقت اٹھے جب یہ اطمینان ہو جائے کہ امام کے ذمہ سجدہ سہو نہیں ہے۔ وینبغی ان یصبر حتی یفہم انہ لا سہو علی الامام۔ اھ (درمختار علی الشامیۃ، ج ۱، ص ۴۲۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

امام جہراً قرأت کر رہا ہو تو مسبوق ثناء نہ پڑھے

مسبوق امام کے پیچھے ثناء اور تعوذ پڑھے یا نہ؟ جب کہ اس کو معلوم نہیں کہ یہ پہلی رکعت ہے یا کوئی اور رکعت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب اگر امام قرأت میں مشغول ہو اور نماز جہری ہو تو اب ثناء نہ پڑھے بلکہ جب اپنی سابقہ نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو اس کے شروع میں پڑھے۔ اور اگر نماز سِری ہو تو بوقت شمولیت بھی پڑھے اور جب بقیہ نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو اس وقت بھی پڑھے۔

انہ اذا ادرک الامام فی القرأۃ فی الرکعۃ التی یجہر فیہا لا یأتی بالثناء کذا فی الخلاصۃ الخ وفی صلوۃ المخافتۃ یأتی بہ اھ (عالمگیری، ج ۱، ص ۹۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا۔

مسبوق کے شریک ہوتے ہی امام نے سلام پھیر دیا تو یہ تشہد پڑھے یا نہ

مسبوق آخری قعدہ میں شریک ہوا ابھی تشہد کے ایک دو لفظ ہی پڑھے تھے کہ امام نے سلام پھیر دیا۔ تو اب مقتدی تشہد پورا کر کے اٹھے یا فوراً کھڑا ہو جائے۔ محمد لطف اللہ خالد لاہور

الجواب بہتر یہی ہے کہ پورا کر کے اٹھے لیکن اگر بغیر پورا کئے اسی وقت اٹھ جائے تو بھی نماز ہو جائے گی۔

اذا ادرک الامام فی التشہد وقام الامام قبل ان یتم المقتدی او سلم الامام فی اخر الصلوٰۃ قبل ان یتم المقتدی التشہد فالمختار ان یتم التشہد وان لم یتم اجزاہ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۰)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ تعالیٰ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۲ / ۲ / ۱۴۰۱ھ

امام رکوع میں ہو تو نئے شامل ہونے والے کے لئے ثناء کا حکم

ایک شخص نے امام کو رکوع میں پایا آیا وہ ثناء پڑھ کر رکوع میں شامل ہو یا بغیر ثناء پڑھے تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع میں چلا جائے؟ محمد نفیس الرحمٰن ۷۷ / ۵ / ار۔ ساہیوال۔

الجواب اگر یہ خیال ہے کہ ثناء پڑھ کر امام کو رکوع میں مل جاؤں گا تو پڑھ لے ورنہ رکوع میں شامل ہو جائے اور ثناء چھوڑ دے وان ادرک الامام فی الرکوع او السجود یتحری ان کان اکبر رأیہ انہ لو اتی بہ ادرکہ فی شیئ من الرکوع او السجود یأتی بہ قائما و الا یتابع الامام ولا یأتی بہ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

مسبوق امام کے آخری قعدہ میں تشہد کہاں تک پڑھے

ایک شخص جماعت میں ایسے وقت میں شریک ہوا کہ ایک رکعت ہوچکی تھی تو جب امام آخری قعدہ میں بیٹھے گا تو ظاہر ہے کہ یہ اس مسبوق کا آخری قعدہ نہیں ہے تو یہ اس میں تشہد کہاں تک پڑھے صرف التحیات تک یا آگے درود شریف اور دعا بھی پڑھے۔ بینوا توجروا۔

محمد شبیر السیکرٹلشن شاہ جمال ٹاؤن لاہور

الجواب: بہتر تو یہ ہے کہ تشہد اتنا آہستہ آہستہ پڑھے کہ امام کے سلام تک اس کا تشہد ختم ہو لیکن اگر پہلے فارغ ہوجائے تو پھر سلام تک اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ بار بار پڑھتا رہے۔

عالمگیری میں مسبوق کے احکام میں لکھتے ہیں۔

و منہا ان المسبوق ببعض الرکعات یتابع الامام فی التشہد الاخیر و اذا اتم التشہد لا یشتغل بما بعدہ من الدعوات ثم ما ذا یفعل تکلموا فیہ وعن ابن شجاع أنہ یکرر التشہد ای قولہ اشہد ان لا إلٰہ الا اللہ وہو المختار کذا فی الغیاثیۃ و الصحیح أن المسبوق یترسل فی التشہد حتی یفرغ عند سلام الامام کذا فی الوجیز للکردری و فتاوٰی قاضیخان و ہکذا فی الخلاصۃ و فتح القدیر۔ اھ (عالمگیری ج ا ص ۹۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ، ۲۷ / ۹ / ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷/۹/۱۴۱۰ھ

مسبوق باقیماندہ ادا کرتے ہوئے ضم سورۃ بھول جائے تو سجدہ سہو کرے

میں نماز میں شریک ہوا جب کہ ایک رکعت ہو چکی تھی جب میں اپنی نماز امام کے سلام کے بعد ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو سورۃ ملانا بھول گیا تو آیا میرے اوپر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں۔ کیونکہ اکثر نماز تو میں نے امام کے ساتھ پڑھی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب فرائض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا واجب ہے اور مسبوق کی پہلی رکعت وہی ہے جو امام کے سلام کے بعد ادا کرتا ہے۔ لہذا صورتِ مسئولہ میں ترکِ واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہے۔

تنویر الابصار میں واجبات صلوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

لها واجبات وهى قراءة فاتحة الكتاب وضم سورة فى الاوليين من الفرض اھ (شامی، ج ۱ : ص ۳۳۸)۔

درمختار میں مسبوق کے مسائل میں ہے۔

ويقضى اول صلاته فى حق قراءة واخرها فى حق تشهد۔ اھ (شامی : ج ۱، ص ۴۴۱، مطبوعہ کوئٹہ)۔

وفيه فانه (اى المسبوق) اذا قضى ما فاته يقرء ويسجد للسهو اذا سها فيه۔ اھ (شامی : ج ۱ : ص ۴۴۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مايفسد الصلوة وما يكره فيها

بلا ضرورت سجدہ سہو کر لیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں

ایک شخص نے وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ کی جگہ خَيْرًا يَرَهُ پڑھ دیا اور شک کی بنار پر سجدہ سہو کر لیا۔ اس پر دو مولوی صاحبان کا تنازعہ ہوا۔ ایک نے کہا کہ سجدہ سہو کی وجہ سے نماز فاسد ہو گئی۔ دوسرے نے کہا کہ نماز صحیح ہے۔ سجدہ سہو مفسد صلوۃ نہیں جب کہ شک و وہم کی بنار پر ادا کیا جائے۔ آپ فیصلہ فرمائیں کہ کس کا قول صحیح ہے ؟

الجواب قرأت میں کوئی ایسا تغیر ہو جائے جس سے معنی کا فساد نہیں ہوتا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ لیکن اگر سجدہ سہو کیا گیا جیسا کہ سوال میں درج ہے کہ شبہ سے سجدہ سہو کیا گیا ہے تو اس سے بھی نماز کا فساد نہیں آتا۔ سجدہ نماز کے منافی چیزوں سے نہیں ہے۔ سجدہ سے سلام کی تاخیر ہو جاتی ہے اس لئے ناپسندیدہ ہے۔ اس ضمنی تاخیر سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا کہ ایک نماز میں دو سجدہ سہو معروف نہیں ہے۔ جس شخص نے اعادہ کر لیا وہ نماز نفل کے درجہ میں ہو گئی عشار کے بعد نفل درست ہیں۔ اگر عصر کے بعد اسی طرح اعادہ ہوتا تو پسندیدہ نہ ہوتا۔ الغرض موجودہ صورت میں کچھ نقصان نہیں کہ محل نزاع بن جاتے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۹۲ ھ

نماز میں سپیکر استعمال کرنے کا حکم

بذریعہ لاؤڈ سپیکر اذان، خطبہ، نماز وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ چونکہ عید الفطر قریب ہے۔ جواب جلدی دیں ؟

حضرت مولانا نیاز محمد صدر مدرسہ عید گاہ بہاولنگر۔

الجواب علمائے کراچی نے گو جواز خیال کرتے ہوئے بعض نے عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ مگر ہم نماز میں خلاف احتیاط سمجھتے ہیں۔ البتہ اذان و خطبہ میں مضائقہ نہیں سمجھتے یہ حکم اور عمل لاؤڈ سپیکر کی صورت کے متعلق جدید تحقیق پر مبنی ہے۔ جس کی تفصیل فرصت میں معلوم کی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس ملتان : ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ

سجدہ میں پاؤں سُرین کے ساتھ لگانے سے نماز فاسد ہو جائیگی

ایک شخص پورے سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھا لیتا ہے اور سرین کے ساتھ لگا لیتا ہے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی کیوں کہ یہ اشبہ بالتلاعب ہے۔ قال فی البحر و خرج ایضا بقولنا مما لا سخریة فیه ما اذا رفع قدمیه فی السجود فانه لا یصح لان السجود مع رفعهما بالتلاعب اشبه منه بالتعظیم والاجلال اھ (ج ۱ ، ص۳۳۶)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ : ۱۲ / ۳ / ۱۳۹۵ھ

قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی

کیا تراویح میں دیکھ کر قرآن پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے ؟ یہاں پر اکثر مصری اصحاب اور دیگر عرب بھی ایسا کرتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ نماز میں دیکھ کر پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ محمد عبدالواحد افریقہ

الجواب دیکھ کر پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی۔ کما فی الدر و قرأته من مصحف اھ (فتاوی دارالعلوم ، ج ۳ ، ص۵۵) فقط واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہٗ الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ

جنازہ سامنے ہو تو نماز مکروہ ہے

نمازِ عید سے قبل جنازہ پڑھا گیا۔ پھر جنازہ کو امام کے سامنے سے ہٹا کر مقتدیوں کی صف کے آگے رکھ دیا گیا اور عید کی نماز ادا کی گئی۔ کیا نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالکریم نورالمدارس خانپور

الجواب نماز سب کی ہو گئی لیکن میت جن کے سامنے تھی ان کی نماز میں کراہت آگئی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ۔ ۲۳/۱/۱۳۸۸ھ

دورانِ نماز جیب سے ٹوپی نکالنے کا حکم

جماعت ہو رہی تھی ایک نمازی آیا اس کے سر پر کپڑا نہ تھا ادھر ادھر دیکھ کر اس نے ننگے سر ہی نماز پڑھنی شروع کر دی۔ نمازیوں میں سے ایک آدمی نے جو امام صاحب کے پیچھے کھڑا تھا کپڑے کی ٹوپی نکال کر زمین پر پھینک دی تاکہ وہ پہن لے۔ کیا اس عمل سے اس کی نماز ٹوٹ گئی یا باقی رہی؟

المستفتی: محمد علی مدرسہ سبیل الرحمت چک نمبر ۴۵ چشتیاں

الجواب کبیری شرح منیہ میں لکھا ہے۔

ویکرہ ایضا فی الصلوۃ نزع القمیص والقلنسوۃ الخ (ص ۳۴۶)

وکذا یکرہ لبسہما اذا کان النزع واللبس بعمل یسیر اھ

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حالتِ نماز میں جیب سے ٹوپی نکال کر پھینکنا اگر عمل یسیر سے ہو یعنی ایک ہاتھ سے ہو اور اس طور سے ہو کہ دیکھنے والا اس نمازی کو یہ خیال نہ کرے کہ یہ نماز میں نہیں۔ تو یہ مکروہ ہے مفسدِ صلوۃ نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ ۱۶/۱۰/۱۳۸۸ھ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

نماز میں کلام کرنا منسوخ ہے

حدیث ذوالیدین جس میں کلام فی الصلوۃ کا جواز معلوم ہوتا ہے جو کہ مشکوۃ شریف صفحہ ۹۲ پر مذکور ہے جو کہ بہت لمبی

حدیث ہے۔ کیا کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہے ؟ اور کونسی حدیث سے منسوخ ہے۔ جواب دیں۔

الجواب نسائی شریف ج ۱ ۔ ص ۱۳۶ ۔ میں ہے کہ ۔

عن زید بن ارقمؓ قال كان الرجل يعلم صاحبه فی الصلوٰۃ بالحاجة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى نزلت هذا الأية فامروا بالسكوت و ايضا فيه - (ج ۱ : ص۱۳۷)۔

عن ابن مسعودؓ كنا نسلم على النبی صلى الله عليه وسلم الى ان قال ان الله يحدث عن امره مايشاء وانه قد احدث عن امره ان لايتكلم فی الصلوٰۃ ۔ فقط و الله اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر ۱۳۹۱/۷/۵ھ

بلا ضرورت کھنکھارنے سے حروف پیدا ہوجائیں تو نماز فاسد ہوجائیگی

ہمارے امام صاحب نماز میں اکثر کھنکھارتے رہتے ہیں اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی ، محمد امجد چک نمبر ۱۹۳ شمالی نزد مرید والا تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد

الجواب نماز میں بلا عذر کھنکھارا جائے اور اس سے حروف پیدا ہوجائیں تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

" ويفسد الصلوٰۃ التنحنح بلاعذر بان لم يكن مدفوعا اليه وحصل منه حروف هكذا فی العالمگيرية ج ۱ ص ۵۲)

الجواب صحیح	فقط والله اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی

صرف دو چادروں میں نماز پڑھنے کا حکم

ایک شخص نے کرتہ اتار کر نماز پڑھائی ایک چادر باندھی ہوئی تھی اور ایک اوپر لی ہوئی تھی۔ کیا یہ درست ہے یا

نہیں ؟ عذر کی بنا پر درست ہے یا بغیر عذر کے بھی ؟ امام بخاری رح نے باب عقد الازار علی القفاء فی الصلوٰۃ میں حدیث نقل کی ہے ۔ اور باب الصلوٰۃ بغیر رداء میں بھی حدیث ہے ۔

الجواب نماز تو دونوں صورتوں میں درست ہے ۔ البتہ بغیر عذر کے اس طرح نماز پڑھنا خلاف اولیٰ ہے ۔ کمافی الشامیۃ : ج ۱ : ص۵۹۹ ۔

(قوله وصلوته فی ثیاب بذلة) بكسر الباء الموحدة و سكون الذال المعجمة الخدمة والابتذال و عطف المهنة عليها عطف تفسير وهی بفتح الميم وكسرها مع سكون الهاء وانكر الاصمعی الكسر حلبية قال فی البحر و فسرها فی شرح الوقاية بما يلبسه فی بيته ولا يذهب به الی الاكابر والظاهر ان الكراهة تنزيهية ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	۲۴ / ۴ / ۱۳۸۵ھ

طلاء دار کلاہ پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سچے طلاء کا یا جھوٹے طلاء کا ٹوپی اور کلاہ استعمال کرنا کیسا ہے ؟ جواز کی صورت میں اس کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ المستفتی حضرت مولانا جمال الدین صاحب مدرس مدرسہ ہذا

الجواب وفی الشامیۃ : ج ۵ ، ص ۲۳۲ ۔ وفی القنیۃ لا بأس بالعلم المنسوج بالذهب للنساء فاما للرجال فقدر اربع اصابع وما فوقها مكروه ۔ وايضا علی صفحة ۲۳۳ ج ۵ : وكذا تكره القلنسوة ذكر ملا مسكين عند قول المصنف فی مسائل شتی الی قوله ولا بأس بلبس القلانس لفظ الجمع يشتمل قلنسوة الحرير والذهب و الفضة الخ قوله وفی الفتاوی هندية يكره ان يلبس الذكور

قلنسوۃ من الحریر او الذھب او الفضۃ او الکرباس الذی خیط علیہ ابریسم کثیر او شئ من الذھب او الفضۃ اکثر من قدر اربع اصابع ۔

مذکورہ بالا دو عبارتوں سے معلوم ہوا کہ خالص چاندی یا سونے کا طلاء کلاہ اور ٹوپی پر چار انگل کی مقدار جائز ہے ۔ اس سے زیادہ مکروہ تحریمی ہے ۔ رہا نماز کا حکم وہ یہ ہے کہ نماز ہر صورت میں درست ہوگی خواہ طلاء چار انگل سے زیادہ کیوں نہ ہو ۔ البتہ اس فعل کا گناہ الگ ہے ۔ اور جھوٹا طلاء جو کہ تانبے وغیرہ کو سونے یا چاندی کا پانی دے کر تیار کیا گیا ہو ۔ اس کے بارے میں باوجود کوشش کے کوئی جزئیہ نہیں ملا ۔ احتیاط یہی ہے کہ چار انگل سے زیادہ استعمال نہ کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

میاں بیوی ایک مصلے پر نماز پڑھیں تو نماز کا حکم

حب زوج اور زوجہ ایک دوسرے کے محاذاۃ میں ہوں اور نماز بغیر جماعت کے ادا کر رہے ہوں یعنی ایک ہی مصلے پر یا جائے نماز پر، تو نماز جائز ہوگی یا نہیں ؟ جو بھی مسئلہ ہو اس کے ساتھ کسی چھوٹی کتاب کا حوالہ دیں ۔ مثلاً بہشتی زیور یا شرح وقایہ یا اس جیسی کوئی اور کتاب تاکہ ہم بھی دیکھ سکیں ۔ نیز محرم کے ساتھ یعنی محاذاۃ میں جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب محاذاۃ مفسدۃ کی شرائط میں سے ہے کہ مرد و عورت دونوں تکبیر تحریمہ میں شرکت رکھتے ہوں ۔ یعنی دونوں باہم امام و مقتدی ہوں یا کسی تیسرے شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہوں ۔ اگر یہ شرط نہیں ہوگی تو محاذاۃ مفسد نہیں ہوگی ۔ پس صورت مسئولہ میں میاں بیوی اگر ایک ہی جائے نماز پر برابر کھڑے بدون جماعت کے اپنی اپنی نماز پڑھ رہے ہوں تو نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

فمحاذاۃ المصلیۃ لمصل لیس فی صلوتہا مکروھۃ لا مفسدۃ ۔ (درمختار) ۔

اگر شرائط سب موجود ہوں تو محرم عورت کی محاذات بھی مفسد ہے ۔ شامی میں ہے

ولو محرمة او زوجة ۔ اھ (ج ۱ :ص ۵۳۶) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۵/ ۱۲/ ۱۳۸۶ھ

آمین بالجہر کے بارے میں چند اہم سوال اور ان کے جواب

۱ : عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ، ج ۱ :ص ۱۳۶ - میں ہے کہ صحیح تو آمین بالجہر ہی ہے ۔

۲ : امام محمد رحمہ اللہ شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے آمین بالجہر کو ترجیح دی ہے ۔

۳ : مولانا عبدالحی لکھنوی رح اپنے فتاویٰ ، ج ۲ :ص ۲۷۰ - میں آمین بالجہر کو مسنون فرماتے ہیں ۔

۴ : سعایہ شرح وقایہ میں مولانا موصوف رقم طراز ہیں ۔ فوجدنا بعد التامل والامعان القول بالجہر بآمین ھو الاصح ۔

۵ : درمختار مترجم ج ۱ :ص ۲۳۰ - میں آمین بالجہر کی بابت منقول ہے ۔

۶ : حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح فتاویٰ رشیدیہ ، ص ۲۱ - میں فرماتے ہیں کہ جو شخص آمین بالجہر کہتا ہو اس کو ملامت نہیں کرنا چاہیئے ۔ نیز فتاویٰ رشیدیہ ، ج ۱ :ص ۶ - میں آمین و رفع یدین کرنے والے کو عامل بالحدیث لکھا ہے ۔

حدیث یا سنت کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ منسوخ نہ ہوتی ہو اور مستمر رہی ہو ۔ کیوں کہ دو مختلف قول ایک ہی وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کئے جاسکتے ۔ یقیناً دوسرا قول اس وقت کے لئے نہ سنت ہے اور نہ ہی حدیث کہلا سکتا ہے ۔ اس نظریہ کے متعلق بھی ارشاد فرمائیں ؟

الجواب ۱ : ”عمدۃ الرعایہ“ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے جو لفظ تحریر فرمایا ہے وہ روایت شعبہ کے متعلق ہے کہ اس میں ایک لفظ خفض بہا صوتہ آیا ہے اور دوسری میں جہر بہا ہے ۔ تو مولانا نے اس روایت کے ان دو لفظوں میں سے از روئے روایت ایک کو صحیح کہا ہے نہ یہ کہ آمین بالجہر کو آمین بالسّر پر ترجیح دی ہے ۔ مولانا خود حنفی تھے ساری عمر سرّاً آمین کہتے رہے ۔ اور نواب صدیق حسن خان کے ساتھ ان کے مناظرے ، مسائل مختلف فیہا میں رہے ہیں ۔

۲ : حوالہ موجود نہیں بعد از حوالہ جواب دیا جائے گا۔

۳ : فتاویٰ عبدالحی ؒ میں دراصل یہ بات مذکور ہے کہ کسی مقام پر غیر مقلدین آمین آہستہ کہنے والوں کو برا بھلا کہہ رہے تھے اور ان میں سے بعض جاہل، حنفیوں کو کافر بھی کہہ رہے تھے۔ ان کلمات ناشائستہ کی وجہ سے بعض حنفیوں نے غیر مقلدین کو مارا جس کی وجہ سے جو روز روز فساد اور مناظرہ اور جھگڑا مسجد میں برپا رہتا تھا وہ ختم ہوگیا۔ پھر مولانا سے استفتا رہوا۔ اس پر مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے مارنے والوں کو تنبیہ کی اور کہا کہ آمین بالجہر نہ کہنے والے کو برا کہنے والا اور آمین بالجہر کہنے والے کو مارنے والے دونوں گنہگار ہوئے۔ دونوں پر توبہ لازم ہے۔ یہ اصل عبارت ہے جسکو غلط الفاظ میں استفتا۔ کے اندر پیش کیا گیا ہے اب اس سے یکطرفہ مطلب نکالنا کہ آمین بالجہر ہی سنت ہے، ٹھیک نہیں۔

۴ : سعایہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ لکھنے سے قاصر ہیں۔ سائل کے دیگر سوالات کے موافق اس میں بھی کوئی مغالطہ ہوگا۔

۵ : درمختار میں آمین بالجہر کے مسنون ہونے کے متعلق کچھ نہیں ہے بلکہ "سرًا" کہنے کا ذکر ہے۔

۶ : مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں ایک شخص کے جواب میں تحریر فرمایا ہے اس نے سوال کیا تھا کہ غیر مقلد کے پاس کھڑے ہو کر رفع یدین و آمین بالجہر کرنے سے ہماری نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آئے گی؟

اس کے جواب میں مولانا نے جو فرمایا وہ یہ لفظ ہیں "کچھ خرابی نہیں آنے گی، ایسا تعصب اچھا نہیں ہے وہ بھی عامل بالحدیث ہے، اگرچہ نفسانیۃً کرتا ہے مگر فعل تو فی حد ذاتہ درست ہے" اس عبارت میں مولانا نے غیر مقلدین کو نفسانیت سے عمل کرنے والا فرمایا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے جو آج کل غیر مقلدین میں مشاہد ہے۔ انہیں جہاں بھی موقع ملتا ہے احناف کو کافر مشرک اور خلاف سنت کرنے والا کے القاب دیتے ہیں۔ اور ہمارے اکابر کی رواداری دیکھئے کہ ان پر ملامت کرنے یا برا بھلا کہنے سے روک رہے ہیں۔ اس لئے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں فتنہ وفساد کرنا اچھا نہیں ہے اور ان مسائل میں الجھنا نہیں چاہئے۔ دونوں امر صاحب شریعت سے ثابت ہیں اور یہی مطلب سبیل الرشاد کا ہے۔ "سبیل الرشاد" کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"آمین کے باب میں دونوں طرف حدیث صحیح موجود ہے۔ اس میں بھی دو فریق ہیں ایک جہر کو اولیٰ کہتے ہیں، اور دوسرے خفیہ کو اولیٰ کہتے ہیں، اصل آمین کہنے کے سنت ہونے میں اتفاق ہے"

اس عبارت میں سے جیسے یہ نکلتا ہے کہ جہر والے عامل بالحدیث ہیں، اسی طرح سِرّ والے بھی عامل بالسنہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ خود سِرًّا آمین کہتے رہے ہیں۔ تو پھر جھگڑا جس کی ابتداء غیر مقلدین کی طرف سے ہوتی ہے اور حنفی اکثر مدافعت کرتے ہیں، اس میں حنفی کیوں قابل ملامت ہیں۔

بعض ائمہ آمین بالجہر کو سنت مستمرہ مانتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور بعض ائمہ اس کو سنت منسوخہ قرار دیتے ہیں اور آخری عمل اخفاء کو سمجھتے ہیں اسلئے جب یہ کہا جاتا ہے کہ دونوں عمل مسنون ہیں۔ یا دونوں فریق عامل بالسنہ ہیں، تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ہر فریق اپنے دلائل اور ترجیح کی بناء پر مصیب ہے اور واقع میں حق تو ایک فریق کے ساتھ ہوگا۔ لیکن اجر و ثواب کے دونوں فریق مستحق ہوں گے۔ اس لئے کسی پر ملامت کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	۲۵ صفر المظفر ۱۳۷۴ھ

چھوٹی سورۃ کا فصل مکروہ ہے

اگر کوئی امام پہلی رکعت میں سورۃ ماعون پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ کافرون پڑھے تو یہ پڑھنا کیسا ہے؟ اگر امام مذکور عمداً اس طریقہ پر اصرار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ اھ (درمختار علی الشامی ج ۱ - ص ۵۱۰)۔ اس جزئیہ سے ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا طریق سے درمیان میں ایک سورۃ چھوڑ کر قرأت کرنا درست نہیں۔ مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود اصرار کرنا سخت نادانی ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان	خیر المدارس ملتان ۲۲/۵/۱۳۸۴ھ

سجدۂ ثانیہ بالکل نہیں کیا تو نماز نہیں ہوئی

سجدۂ ثانیہ رہ جائے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟
۔ محمد شریف خان خطیب جامعہ مہاجرین کہروڑ پکا۔

الجواب دوسرا سجدہ اگر بالکل نہیں کیا تو نماز باطل ہے کیونکہ دوسرا سجدہ بھی فرض ہے۔
السجود الثانی فرض کالاول باجماع الامۃ کذا فی الزاہدی (عالمگیری: ج ۱، ص۲۶)۔
البتہ اگر رہا ہوا دوسرا سجدہ دوسری یا تیسری رکعت میں ادا کر لیا اور سجدۂ سہو بھی کر لیا تو نماز ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۸ / ۱۰ / ۱۳۹۶ھ

سجدہ میں جاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے پیچھے والا دامن درست کرنا

نماز پڑھنے والا شخص قومہ کے دوران سجدہ میں جانے سے پہلے دونوں ہاتھوں سے اپنا پیچھے والا دامن درست کرتا ہے اور عادتاً ایسا کرتا رہتا ہے۔ کیا اس شخص کی نماز فاسد ہے یا درست ہے؟
المستفتی، فضل احمد مالا کنڈ ایجنسی۔

الجواب اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی البتہ یہ فعل عبث ہے۔ اس سے بچا جائے۔
فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۹ / ۱۲ / ۱۴۰۰ھ

تشہد میں دونوں ہاتھوں سے دامن پھیلانا

ایک شخص نے تشہد کی حالت میں اپنی قمیص کا دامن دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں پر پھیلا لیا۔ کیا اس کی نماز ہو گئی؟ المستفتی: عبدالواحد بھٹی ۲۵۳/بی شاہ جمال ٹاؤن لاہور۔

الجواب تشہد میں اس طرح دامن پھیلانے سے نماز فاسد نہیں ہوئی لیکن بوجہ فعلِ عبث ہونے کے کراہت آجائے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

خارج از صلوٰۃ کے لقمہ سے نماز فاسد ہونے کا حکم

اگر کسی نمازی کو خارج نماز شخص لقمہ دے اور وہ نمازی لقمہ سن کر ایک رکن سے کم دیر سوچنے لگے کہ آیا میں نے غلطی تو نہیں کی، پھر جلد ہی اس کے ذہن میں اپنی غلطی آجائے اور وہ درست کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آئے گی ؟

منیجر مکتبہ اسلامیہ راولپنڈی

الجواب وکذا الاخذ الا اذا تذکر فتلا قبل تمام الفتح۔ (شامی، ج ۱، ص ۴۱۸)۔

جزئیہ ہذا سے ظاہر ہے کہ اگر نمازی نے از خود یاد آنے پر لقمہ تام ہونے سے پہلے پڑھنا شروع کر دیا ہے تو نماز نہیں ٹوٹی ورنہ ٹوٹ جائے گی۔ علامہ شامیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد کا مدار اس پر ہے کہ لقمہ کی وجہ سے یاد آیا ہو۔ اور اگر از خود یاد آیا ہے تو لقمہ تام ہونے سے پہلے یا بعد میں قرآت شروع کرنے کا کوئی اثر نہیں ہوگا نماز ہو جانی چاہیئے۔ لیکن احتیاط اوّل میں ہے۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی	خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۳ / ۴ / ۱۳۸۷ھ

سر پر کپڑا لیکر نماز پڑھنا افضل ہے

نماز ننگے سر پڑھنا افضل ہے یا سر ڈھانپ کر۔ حدیث شریف کی روشنی میں مسئلہ حل فرمائیں ؟

الجواب نماز کی حقیقت بارگاہِ خداوندی میں حاضری ہے۔ لہٰذا پورے ادب و احترام کے ساتھ حاضر ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعہ کے دن بہترین کپڑے حسب استطاعت پہنے جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک بہترین جوڑا فروخت ہوتے دیکھا تو خدمتِ نبوی میں عرض کیا۔

لو اشتریت هذه فلبستها یوم الجمعة۔ (ابو داؤد)۔

اس لئے حضرات فقہاء نے تصریح کی ہے کہ تین کپڑوں میں نماز مستحب ہے۔

والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص و

وازار و عمامة ۔ (کبیری صلا۲۱۲).

کیونکہ ننگے سر حاکم کی عدالت ، یا دربارِ شاہی میں جانا عام حالات کے اندر خلافِ ادب سمجھا جاتا ہے ۔ پس معلوم ہوا کہ ننگے سر نماز پڑھنے کے بجائے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا افضل ہے اور بعض ضعیف احادیث میں نماز مع العمامہ کا ثواب بغیر عمامہ سے پچیس گنا زائد ہونا وارد ہوا ہے جیساکہ ملاّ علی قاری رحمہ اللہ نے مشکوۃ کی شرح مرقاۃ : ج ۴ ص ۴۲۷ ۔ میں نقل کیا ہے ۔

روی ابن عساکر عن ابن عمرؓ مرفوعا صلوۃ تطوع او فریضۃ بالعمامۃ تعدل خمسا وعشرین صلوۃ بلا عمامۃ ۔ اھ

البتہ اگر بغرض اظہارِ ذلت و افتقار ننگے سر نماز پڑھتا ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے ۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خیر المدارس ملتان ۱۹/۵/۱۳۹۲ھ	مفتی خیر المدارس ملتان

باریک کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم

آج کل عام رواج ہے کہ باریک کپڑا سر پر ہوتا ہے اور عورت نماز پڑھتی ہے کیا اس سے نماز ہو جاتی ہے ؟

۲ : یہ بھی عام رواج ہے کہ قمیص کی آستینیں آدھی ہوتی ہیں ۔ کیا اس قمیص سے عورتوں کی نماز ہو جاتی ہے ؟

الجواب ۱ ، اگر کپڑا اتنا باریک ہے کہ بال نظر آتے ہیں تو اسے اوڑھ کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی ، دوبارہ پڑھنا ضروری ہے ۔

۲ ، اگر دورانِ نماز آدھی آستین ننگی رہیں تو نماز نہ ہوگی ۔ قمیص سے یا دوپٹہ سے انکا ڈھانپے رکھنا ضروری ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی
جامعہ خیر المدارس ملتان	خیر المدارس ملتان ۲۳/۴/۱۳۸۷ھ

آواز سے رونا مفسدِ صلوٰۃ ہے

درد یا مصیبت کی وجہ سے نماز میں اس طرح رونا کہ آواز میں حروف ظاہر ہو جائیں تو تحریر تعلیم الاسلام نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔ تو سوال یہ ہے کہ اگر آواز سے روئے اور حروف بھی پیدا ہوں مگر مخفی رہیں یعنی صرف خود سن سکے دوسرا نہ سن سکے تو نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں ؟

الجواب اس صورت میں نماز ٹوٹ جائے گی ۔ تعلیم الاسلام کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے ۔ حروف ظاہر ہو جائیں کا معنی یہ ہے کہ حروف پیدا ہو جائیں ۔ اور یہ " والبکاء بصوت یحصل به حروف " کا ترجمہ ہے اور ایسا رونا مفسد ہے (درمختار علی الشامی ج ۱ ص ۵۸۴) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۸ / ۵ / ۱۳۸۷ھ

قعدۂ اخیرہ نہیں کیا گیا تو نماز کا اعادہ کیا جائے

امام صاحب عصر کی نماز میں آخری قعدہ کئے بغیر سہواً پانچویں رکعت میں چلے گئے ۔ مقتدیوں کی اطلاع پر بھی قعدۂ اخیرہ کو نہیں آئے ۔ اور قعدۂ اخیرہ کیا ہی نہیں ۔ چھ رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا ۔ دریافت کرنے پر کہنے لگے کہ میں نے چھ رکعت کر دی ہیں چار فرض ہو گئے اور دو نفل ہو گئے ۔ کیا یہ نماز صحیح ہو گئی ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں اگر قعدۂ اخیرہ نہیں کیا گیا تو فرض ادا نہیں ہوئے ۔ بلکہ تمام نماز نفل ہو گئی ۔ فرض دوبارہ پڑھے جائیں ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد صدیق غفرلہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس	نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۸/۱۳۹۱ھ

تکبیر تحریمہ کے بعد نصف کھجور نگل لی تو نماز نہیں ہوئی

زید نے روزہ افطار کیا اور نماز پڑھائی ۔ نصف کھجور اس کے منہ میں رہ گئی تکبیر تحریمہ کے بعد اسکو نگل لیا ۔ کیا نماز ہو گئی ؟ ۔ حافظ مولا بخش ڈی جی خان ۔

الجواب: نماز نہیں ہوئی ۔ واکلہ وشربہ مطلقاً ولو سمسمۃ ناسیًا۔اھ (درمختار علی الشامی : ج ۱ : ص۶۱۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ : ۸ / ۹ / ۱۴۰۰ھ

دوران نماز گھڑی پر وقت دیکھنا

نماز پڑھتے ہوئے گھڑی پر ٹائم دیکھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں ؟ یعنی ہاتھ میں گھڑی بندھی ہوئی ہے دورانِ نماز اس پر ٹائم دیکھنا مفسدِ صلوۃ ہے یا اس سے نماز میں کراہت آئے گی ؟

محمد شفیع کالی موری حیدرآباد

الجواب: قصدًا نماز میں گھڑی سے وقت دیکھنا مکروہ ہے لیکن مفسدِ نماز نہیں ۔ ولا یفسدھا نظرہ الی مکتوب وفہمہ ولو مستفہما وان کرہ ۔اھ

(درمختار علی الشامیہ ، ج ۱ ، ص ۵۹۳) ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ نائب مفتی	الجواب صحیح
خیرالمدارس ملتان ۲۵ / ۱۰ / ۱۳۸۵ھ	خیر محمد عفااللہ عنہ

صرف بنیان پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

کرتے اور قمیص کی موجودگی میں بنیان سے کہنیاں ننگی کرکے نماز پڑھنا اور اس فعل کی ہمیشہ عادت ڈالنا کیسا ہے ؟ ۔

الجواب: وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمُشَمّرکم اوذیل اھ (درمختار علی الشامیۃ ، ج ۱ : ص ۴۴۹) ۔

قمیص کی بجائے بنیان پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے جب کہ کہنیاں کھلی ہوں ۔جیسا کہ جزئیہ بالا سے ظاہر ہے اور یہ شخص مشمر ذیل کے بھی مشابہ ہے ۔ یہ دوسری وجہِ کراہت ہے ۔

وذکر فی المغرب عن بعضہم ان الائتزار فوق القمیص من الکف ۔اھ (بحر ج ۲ ص ۲۵)

اور تیسری وجہِ کراہت اس میں یہ ہے کہ ثیاب بذلہ کی تفسیر کے تحت داخل ہے ۔

" قال فی البحر وفسرھا فی شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ

ولا یذھب بہ الی الاکابر ۔ اور چوتھی وجہ تکاسل ہے کہ نماز کو ایسی اہمیت نہیں دینا جیسا کہ شریعت میں امر کیا گیا ہے ۔ الحاصل صرف بنیان پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔ مستحب یہ ہے کہ پورے تین کپڑوں میں نماز ادا کی جائے ۔ (البحر الرائق ، ج ۲ ، ص ۲۷) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵/۵/۱۳۸۳ھ

مسجد میں پڑی ہوئی ٹوپیوں سے نماز کا حکم

آج کل مسجدوں میں تنکے کی ٹوپیاں رکھنے کا عام رواج ہے ۔ مستعملین کو ان کی پاکی و پلیدی کا کوئی علم نہیں ہوتا ۔ ان کا استعمال کیسا ہے ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

بہتر یہ ہے کہ ہر شخص رومال یا ٹوپی گھر سے اپنے ہمراہ لائے اور اسے پہن کر نماز پڑھے ۔ ایسی گری پڑی ٹوپیاں استعمال کرنا نظافت و نفاست کے خلاف ہے

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۷ / ۱۱ / ۱۳۹۷ھ

چوڑی دار پائجامہ پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

جو پائجامہ دہلی والے اور یوپی والے پہنتے ہیں کیا اس کے پہننے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

الجواب

نماز ہو جاتی ہے لیکن لباس ایسا ہونا چاہئے کہ جس سے پورا پردہ حاصل ہو جائے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ہذا ۔	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۱۷ ذی الحجہ ، ۱۳۹۲ ھ

اسٹیل کا چین پہنا ہوا ہو تو نماز مکروہ نہ ہوگی

گھڑی کا چین جو عام طور پر اسٹیل کا ہوتا ہے اگر پہنا ہوا ہو تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ اس بارے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اپنی کتاب "احکام شریعت" میں لکھا ہے کہ " نماز مکروہ تحریمہ

ہوگی " لیکن اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ۔ براہِ کرم حوالہ کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں کہ یہ مکروہ ہے یا نہیں ؟

المستفتی صاحبزادہ محمد لطف اللہ خالد ۲۵۳/بی شاہ جمال ٹاؤن لاہور نمبر

الجواب

اسٹیل کا چین پہننا درست ہے اور اس سے نماز بھی مکروہ نہ ہوگی ۔

لانه تابع كالعلم للثوب فلا يعد لابسا له ۔ (شامیہ ج۵ ص۲۳۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
ملتان - ۱۷ / ۱۱ / ۱۴۰۸ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمامہ صرف نمازوں کے لئے رکھا ہوا تھا

ننگے سر نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے ۔ بعض افراد کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو کپڑوں میں نماز پڑھی اور ننگے سر نماز پڑھنے سے نماز کامل و مکمل ہے ۔ دلیل کے طور پر سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا فعل پیش کرتے ہیں آنحضرتؐ سے بوقتِ خطبہ عمامے کا ثبوت تو ملتا ہے ۔

المستفتی : قاری محمد رمضان غریب ۷۷/۵ آر تحصیل و ضلع ساہیوال

الجواب

یہ غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دو کپڑوں میں نماز پڑھتے تھے اور سر پہ عمامہ نہیں ہوتا تھا ۔ بلکہ ایک عمامہ آپؐ نے مستقل نمازوں کے لئے رکھا ہوا تھا ۔ محدثین نے اس عمامے کی مقدار بھی بتائی ہے ۔ دیکھئے "عرف الشذی شرح ترمذی ص۱۴۲" ۔ اور آپ نے جو لکھا ہے کہ خطبہ کے وقت آپ عمامہ پہنتے تھے ۔ تو آپ ہی بتائیں کہ نماز کے وقت اتار دیتے ہوں گے ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب لوگوں کی طرف متوجہ ہوں تو سر پر کپڑا لیا ہوا ہو ۔ اور جب سب سے بڑی بارگاہ میں حاضری ہو تو سر سے کپڑا اتار دیں نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول تھا کہ سر پہ نماز کے وقت کپڑا لے کر نماز ادا کرتے تھے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

ازراہِ تکبر چادر کو ٹخنوں سے نیچے رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم

ایک آدمی نے نماز اس حالت میں پڑھی کہ شلوار یا چادر ٹخنوں سے نیچے تھی۔ کیا نماز ہوگئی یا اس کا اعادہ واجب ہے۔ جواب باحوالہ درکار ہے؟

الجواب اگر تکبر کی وجہ سے چادر وغیرہ ٹخنوں سے نیچے کرکے نماز پڑھی ہے تو اس کا اعادہ کیا جائے۔

" عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال بینما رجل یصلی مسبلا ازارہ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذھب فتوضأ فذھب فتوضأ ثم جاء فقال اذھب فتوضأ فقال لہ رجل یا رسول اللہ امرتہ ان یتوضأ ثم سکت عنہ قال انہ کان یصلی وھو مسبل ازارہ وان اللہ تعالی لا یقبل صلوۃ رجل مسبل اھ (ابو داؤد از بذل المجھود، ج ۵، ص ۵۴)۔ وفی البذل تحت قولہ رجل مسبل ازارہ من الکبر و الخیلاء ۔اھ

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
ملتان - ۱۸ / ۱۰ / ۱۴۰۱ھ	رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

سمجھدار بچے کے لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

اگر کوئی نابالغ بچہ نماز میں لقمہ دے، تو امام کی نماز اس نابالغ مقتدی کے لقمے لینے کی وجہ سے ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟

الجواب قال فی فتاوی عالمگیری۔ وان فتح علی امامہ لم تفسد ثم قیل ینوی الفاتح بالفتح علی امامہ التلاوۃ والصحیح ان ینوی الفتح علی امامہ الخ۔ قال دفتح المراھق کالبالغ ..(ج ۱ - ص ۵۱)۔

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ سمجھدار لڑکے کے لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷/۴/۰۴ھ

تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ نہ اٹھائے تو نماز مکروہ ہوگی

فرضوں کی جماعت رکوع میں ہے اور مقتدی بعد میں آیا ہے اس نے تکبیر تحریمہ بھی کہی ہے اور قیام بھی کیا ہے مگر نہ کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں اور نہ ناف کے نیچے باندھے ہیں۔ تو کیا وہ نماز میں شامل ہوگیا ؟

الجواب نماز ہوگئی مگر وہ تارک سنت ہوا۔ (وسننها) ترك السنة لايوجب فساد او لا سهوا بل اساءة (رفع اليدين للتحريمة ووضع يمينه على يساره) اه (شاميه : ج ۱ ، ص ۳۲۰)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	ملتان ۷ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

کہنی ننگی کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے

کہنی ننگی کرکے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

احسان الٰہی ملتان

الجواب مکروہ ہے۔ ولو صلى رافعا كميه الى المرفقين كره كذا فى فتاوى قاضيخان۔ اه (عالمگیری : ج ۱ ، ص۱۰۶)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان	مفتی خیر المدارس ملتان ۷ / ۷ / ۱۴۰۱ھ

اگر پورے سجدے میں پاؤں زمین سے نہ لگے تو نماز نہیں ہوگی

ایک آدمی سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں قصداً یا بھول کر زمین سے اٹھالے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب اگر پورے سجدے میں پاؤں اٹھے رہے تو نماز نہیں ہوگی اور اگر ایک لمحہ کے لئے اٹھائے پھر رکھ دیئے تو نماز ہوگئی۔

ومنها السجود بجبهته وقدميه ووضع اصبع واحدة منهما شرط۔

(درمختار) وافاد انه لو لم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود ـ اھ (شامی ج ۱ ص۳۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
ملتان - ۷ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

نمازی اور قبر کے درمیان دیوار حائل ہو تو نماز بلا کراہت درست ہے

ہمارا مدرسہ تعلیم القرآن بہاولنگر کے قبرستان میں چار سال سے چل رہا ہے۔ یہ مکان مدرسہ قبرستان کی مشرقی طرف میں واقع ہے۔ یعنی مکان کے متصل مغرب کی طرف قبرستان ہے اور مشرق کی طرف قبرستان کا رقبہ تقریباً ایک مرلہ خالی پڑا ہے۔ اب مدرسہ کے لئے مسجد کی اشد ضرورت ہے مگر شنید میں آیا ہے کہ قبرستان میں مسجد شرعًا ناجائز ہے۔ ہم قبروں کے ساتھ ایک دیوار بنائیں گے اور پھر دیوار سے بجانب مشرق تقریباً پندرہ فٹ جگہ چھوڑ کر مسجد کی بنیاد رکھیں گے۔ شرعًا یہ مسجد جائز ہے یا نہیں؟

۲ : جب نمازی کے سامنے مسجد کی دیوار کے علاوہ ایک دوسری دیوار بھی ہے جو کہ کامل و اکمل سترہ ہے تو اس نماز میں کراہت کس وجہ سے ہے؟ عرصہ چار سال سے مذکورہ مکان میں جو نمازیں ادا کی گئی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

مولانا محمد عارف مہتمم تعلیم القرآن قبرستان بہاولنگر

الجواب نمازی اور قبر کے درمیان دیوار حائل ہو تو نماز بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ مقبرہ میں نماز سے منع کرنے کی علت تشبہ بعبدۃ الاصنام ہے اور دیوار کے حائل ہونے سے تشبہ نہیں رہتا۔ لہذا صورت مسئولہ میں تعمیر کی گئی مسجد میں نماز بلا کراہت درست ہے۔ البتہ یہ خیال رہے کہ اگر یہ جگہ قبرستان کے لئے وقف ہے تو وقف علی المقبرۃ میں مسجد بنانا درست نہیں۔

لا بأس بالصلوۃ فی المقبرۃ اذا کان فیها موضع اعد للصلوۃ ولیس فیها قبر وهذا لان الکراهۃ معللۃ بالتشبه باهل الکتب

وهو منتف فیما کان علی الصفة المذکورة ۔ اھ (کبیری ؛ص ۳۵۰)

ولا بأس بالصلوٰة فیھا اذا کان فیھا موضع اعد للصلوٰة ولیس فیہ قبور ولا نجاسة کما فی الخانیة ولا قبلتہ الی قبر ۔ اھ (شامی ؛ ج ۱ ؛ص ۳۵۳)۔

فتاوٰی دارالعلوم میں ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ۔

" گوشۂ مغربی میں اگر قبور بنائی جائیں تو نماز میں کراہت نہ ہوگی ۔کیونکہ دیوار مغربی مسجد حائل کیلئے کافی ہے "(ج ۴ ؛ص ۱۰۶) ۔

۲ ؛ اگر بالحائل پڑھی گئی ہیں تو بلا کراہت صحیح ہیں ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس
ملتان ۱ ۲۳ / ۱۲ / ۱۳۹۹ ھ

متعدد دفعہ لقمہ دینے سے نماز فاسد نہ ہوگی

ایک امام صاحب نماز میں دو مرتبہ بھول گئے ، پیچھے سے لقمہ بھی دیا گیا ۔کیا نماز ہوگئی ؟

الجواب اگر امام نے ، لقمہ دینے کے بعد صحیح پڑھ لیا تو ایک سے زائد مرتبہ لقمہ دینے سے نماز فاسد نہ ہوگی ۔

بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقا لفاتح و آخذ بکل حال ۔ اھ (درمختار علی الشامیة ؛ ج ۱ ؛ص ۵۸۲) ۔

لو قرأ فی الصلوٰة بخطاء فاحش ثم رجع وقرأ صحیحا قال عندی صلوتہ جائزة ۔ اھ (عالمگیری ؛ ج ۱ ؛ص ۴۳) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی
خیرالمدارس ملتان ۲ / ۱۲ / ۱۳۹۸ ھ

عورت کی کلائی کا چوتھا حصہ نماز میں کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی

عورتوں کی قمیص عام طور پر نصف کلائی تک ہوتی ہے اور نصف کلائی کھلی رہتی ہے

توکیا اس طرح ان کی نماز ہوجائے گی۔؟

از تعلیم النساء خیر المدارس ملتان

الجواب اگر کلائی کا چوتھا حصہ یا اس سے زائد نماز میں تین تسبیحات رکوع یا سجود کہہ سکنے کے وقت تک کھلا رہے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور اگر اتنی مقدار کلائی شروع ہی سے ننگی ہے تو نماز منعقد ہی نہیں ہوگی۔

ویمنع صحة الصلوة حتی انعقادها کشف ربع عضو قدر اداء رکن بلا صنعه من عورة غلیظة او خفیفة۔ اھ (درمختار علی الشامی ص۲۲۳ ج۱)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان	ملتان ۱۷/۱۰/۱۳۹۶ھ

محراب میں لگے ہوئے شیشے خشوع میں مخل ہوں تو وہاں نماز مکروہ ہے

خانپور میں ایک جامع مسجد ہے جس کا محراب چھوٹے بڑے گول چوکور شیشوں سے مزین ہے۔ جب امام صاحب محراب میں کھڑے ہوتے ہیں یا مقتدی صفوں میں کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے ہیں تو ان کے وجود ان شیشوں میں نظر آتے ہیں۔ آیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ کیا جائے یا نہ؟

الجواب شیشہ میں دکھائی دینے والی صورتیں تصویر کا حکم نہیں رکھتیں کیوں کہ یہ عکس ہے۔ ورنہ آئینہ کی کبھی اجازت نہ ہوتی۔ لیکن ایک دوسری وجہ سے کراہت موجود ہے بشرطیکہ مخل خشوع ہو اور دل کی مشغولی کا باعث ہو۔ مراقی میں ہے۔ وتکره بحضرة کل ما یشغل البال کزینة وبحضرة مایخل بالخشوع - (ص ۱۹۸)۔ اعادہ مستحب ہے کیونکہ کسی واجب کا ترک نہیں۔ دتعاد استحبابا بترك غیره ۔۔۔ (مراقی ص۱۸۹)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۳/۱۴۰۶ھ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی۔

کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم

سر پر ٹوپی وغیرہ رکھ کر نماز پڑھنے کی حیثیت کیا ہے۔ فرض یا سنت یا واجب ہے

ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ ہیں جو ننگے سر نماز پڑھنے کو سنت سمجھتے ہیں۔ اور بوقتِ نماز اپنے پاس کپڑا ہوتے ہوئے بھی اتار دیتے ہیں۔ کیا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار ایسا کیا ہے؟ اور اگر اکثر نہیں کیا، تو اب اکثر اور کبھی کبھار والی سنتوں میں سے کسے ترجیح دی جائے۔؟

الجواب تہاون کے طور پر ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ بحر میں ہے۔

وان صلی فی ازار واحد یجوز ویکرہ و کذا فی السراویل فقط بغیر عذر و کذا مکشوفا الرأس للتهاون (ج۲ ص۲۷)۔

نماز کے لئے مستحب لباس عمامہ باندھنا ہے۔

والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة۔

(بحر ج ۲ ص ۲۷)۔

ننگے سر نماز پڑھنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ حکم دیا ہے اور نہ ہی کپڑا موجود ہوتے ہوئے آپ نے ننگے سر نماز پڑھی ہے۔ ومن ادعی فعلیه البیان بلکہ کپڑا موجود ہونے کی صورت میں استعمال کا حکم ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان لاحدکم ثوبان فلیصل فیهما۔ الحدیث۔ (ابوداؤد)۔ فقط والله اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۳/۸/۱۴۰۸ھ
نائب مفتی۔

ٹائی باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم

ٹائی گلے میں باندھے ہوتے نماز پڑھنی جائز ہے یا کہ نہیں اور نیز ننگے سر یا پینٹ وغیرہ پہنے ہوئے نماز کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ٹائی لگانے سے یہود و نصاریٰ کے نظریۂ صلیب کی عملی تائید ہوتی ہے اور ان سے مشابہت بھی ہے۔ اس لئے اس کے پہننے کی کسی حالت میں اجازت نہیں۔ کراہت یقیناً ثابت ہے۔ سر ڈھانپنے کو اہمیت نہ دیتے ہوئے سستی کی بناء پر ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیا یہ آداب خدا وندی کے خلاف نہیں ہے؟ جب دوسرا کپڑا مہیا نہ ہو تو

پینٹ پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

۱/۱۰/۱۴۰۶ھ

والدین بلائیں تو نماز توڑنے کا حکم

اگر نماز پڑھتے ہوئے نمازی کو، والدین میں سے والد یا والدہ آواز دے کر بلائے تو کیا ان کے بلانے اور آواز دینے سے نمازی اپنی نماز درمیان میں توڑ کر والدین کی بات سن لے یا اپنی نماز پوری کرنے کے بعد والدین کی بات سنے۔ بالدلیل تحریر فرمائیں۔

المستفتی قاری سیف اللہ خالد قادری لاہور

الجواب وفی العالمگیریة : ج ۱ ؛ ص ۱۰۹ - المصلی اذا دعاہ احد ابویہ لا یجیب مالم یفرغ من صلوته الا ان یستغیث به لشئ لان قطع الصلوۃ لا یجوز الا لضرورۃ۔

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ محض بلا لینے سے نماز نہ توڑے۔ البتہ اگر والدین یا کوئی اجنبی شخص بھی ناقابل برداشت تکلیف پہنچنے کے وقت نمازی کو فریاد کرے تو پھر نماز توڑنا واجب ہے۔

کذا فی العالمگیریة : ج ۱ ، ص ۱۰۹ - وکذا الاجنبی اذا خاف ان یسقط من سطح او تحرقه النار او یغرق فی الماء واستغاث بالمصلی وجب علیه قطع الصلوۃ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

جامعہ خیر المدارس، ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

۱۱/۲/۱۴۱۱ھ

سینہ قبلہ سے پھر جائے تو نماز کا حکم

زید کا اٹھتے بیٹھتے وقت نماز میں سینہ پھر جاتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ اور اگر یہ بڑھاپے کے عذر

کی وجہ سے ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسے انحراف سے بچنا ضروری ہے۔ کیونکہ سینہ اگر قبلہ سے بالکل پھر گیا۔ اور قصدًا ایسا کیا گیا ہے تو نماز فورًا ٹوٹ جائے گی۔ درمختار میں ہے۔

وتحويل صدره عن القبلة اتفاقا بغير عذر قال الشامي واطلقه فشمل مالو قل اوكثر وهذا لو باختياره والا فان لبث مقدار ركن فسدت والا فلا اه (شامية : ج١ : ص ٥٨٦)۔ وفي الخانية ففيما اذا تعمد ذلك فسدت صلوته وان قل۔ اه (شاميه : ج١ : ص ٣٧٩)۔

علامہ شامی رح کی کلام میں " اختیارہ " سے مراد تعمد ہے۔ کذا فی الخانیہ۔ واضح رہے کہ معمولی تحویل صدر مفسد نہیں مگر جب حدِ قبلہ سے نکل جائے۔ حدِ قبلہ یہ لکھا ہے۔

حد القبلة في بلادنا يعني سمرقند مابين المغربين مغرب الشتاء ومغرب الصيف فان صلى الى جهة خرجت من المغربين فسدت صلوته۔ اه قال الشامي الانحراف اليسير لا يضر۔ اه (شامي : ج١ : ص ٣١٩)۔ فقط والله اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان ۱؍۷؍۱۴۱۰ھ

گھڑی چوری ہونے کے اندیشہ سے نماز توڑنا

زید نے ظہر کی نماز سے پہلے مسجد کے غسل خانوں میں غسل کیا۔ گھڑی وہیں رہ گئی اور مسجد میں آکر نماز شروع کر دی۔ دورانِ نماز خیال آیا۔ تو کیا زید گھڑی لانے کے لئے نماز توڑ کر جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر چوری ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز توڑ کر جا سکتا ہے۔

ويجوز قطعها ولو كانت فرضا بسرقة يخشى على

مایساوی درهما لانه مال وقال علیه الصلوۃ والسلام قاتل دون مالک وکذا فی مادونه فی الاصح لانه یحبس فی دانق اھ (مراقی الفلاح ، ص ۲۰۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۱ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲،۲،۱۱۴۱۱ھ

ایڑیوں پر بیٹھنے کا حکم

بعض لوگ جنہوں نے پینٹ یا چست پاجامہ پہنا ہوا ہوتا ہے۔ نماز پڑھتے وقت جب وہ سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں تو پاؤں کی ایڑیوں پر بیٹھ کر دوبارہ سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ اور بعض التحیات بھی اسی حالت میں پڑھتے ہیں۔ یعنی ایڑیوں پر بیٹھ کر۔ تو کیا پینٹ وغیرہ کی وجہ سے وہ معذور سمجھے جائیں گے ؟

الجواب دورانِ نماز اس طرح پاؤں کھڑے کرکے ان کی ایڑیوں پر بیٹھنا مکروہ ہے وکرہ الاقعاء وھوان یضع الیتیه علی الارض و ینصب رکبتیه لقول ابی ھریرة رضی اللہ عنه نھانی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن نقرکنقر الدیك واقعاء کاقعاء الکلب۔(مراقی الفلاح) (وکرہ الاقعاء) کراھة تحریمة (وینصب رکبتیه) ویضمهما الی صدرہ ویضع یدیه علی الارض وقال الکرخی ھوان ینصب قدمیه و یقعد علی عقبیه واضعا یدیه علی الارض قال الزیلعی والاول اصح لانه اشبه باقعاء الکلب یعنی ان کون الاول ھوالمراد فی الحدیث اصح لا ان ما قاله الکرخی غیر مکروہ بل یکرہ ذلك ایضا کمافی الفتح والمضمرات۔ (طحطاوی ، ص ۱۹۱)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۳،۳،۱۰۱۴۱ھ

تصویر جیب میں ہو تو نماز کا حکم

آج کل تقریباً ہر ملک کی کرنسی پر کسی نہ کسی کی تصویر ہوتی ہے نیز ہر ملک میں شناختی کارڈ بھی لازمی ہے۔ تو کیا ان کے جیب میں ہوتے ہوئے اگر نماز پڑھی جائے تو اس نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں؟ براہ کرم باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: تصویر کسی چیز میں چھپی ہوئی ہو تو پھر اس کی وجہ سے نماز میں کراہت نہیں آتی۔ قال فی البحر ومفاده کراهة المستبین لا المستتر بکیس اوصرة اوثوب اخر ۔اھ (درمختار)۔ (قوله لا المستتر بکیس اوصرة) بان صلی ومعه صرة اوکیس فیه دنانیر او دراهم فیها صور صغار فلا تکره لاستتارها۔ اھ (شامی: ج۱، ص۴۷۹)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷/۸/۱۴۱۰ھ

مصوّر کپڑے میں نماز پڑھنا

آج کل شرٹ کے لئے ایک ایسا کپڑا آتا ہے جس پر جاندار ہاتھی، گھوڑا وغیرہ کی تصویریں بنی ہوتی ہیں اسے پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: ایسے کپڑے میں نماز مکروہ ہے۔ اور نماز کے علاوہ بھی ایسا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ وکرہ ..... لبس ثوب فیه تصاویر اھ (کنز) لانه یشبه حامل الصنم فیکره وتکره التصاویر علی الثوب صلی فیه اولم یصل اھ (بحر: ج۲، ص۲۷۔ مطبوعہ کوئٹہ)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان

فرضوں میں بلاعذر تکرارِ آیت مکروہ ہے

بعض اوقات دورانِ قرأت امام صاحب کا سانس ٹوٹ جاتا ہے اور وہ پہلے پڑھی ہوئی آیت کو دہراتے ہیں کیا اس سے نماز میں کراہت تو نہیں آتی ؟

الجواب درمیان میں سانس ٹوٹ جانے کی وجہ سے دہرانے کی صورت میں نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی ۔ کیونکہ یہ عذر ہے البتہ بلاعذر دہرانا فرضوں میں مکروہ ہے ۔

واذا كرر اٰية واحدة مرارًا فان كان فى التطوع الذى يصلى وحده فذلك غير مكروه وان كان فى الصلوٰة المفروضة فهو مكروه فى حالة الاختيار واما فى حالة العذر والنسيان فلا بأس اھ ۔ (عالمگیری ، ج ۱ ، ص ۵۶) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۳ / ۱ / ۱۴۰۸ھ

سردی کی وجہ سے محراب سے ایک طرف ہو کر جماعت کرانے کا حکم

ایک مسجد ہے جس میں پانچ وقت پابندی سے نماز باجماعت ہوتی ہے اگر سردی کے موسم میں کسی کونہ میں ، دھوپ ہونے کی وجہ سے کونہ میں یا ایک طرف نماز پڑھ لی جائے تو ہو جائے گی ، یا نہیں ؟ کیونکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نماز مسجد کے وسط میں ہونی چاہیئے یعنی محراب کے سامنے ۔

الجواب نماز ہو جائے گی لیکن امام کو چاہیئے کہ وسطِ صف میں کھڑا ہو ۔

وينبغى للامام ان يقف بازاء الوسط فان وقف فى ميمنة الوسط او فى ميسرته فقد اساء لمخالفة السنة ۔ اھ

(عالمگیری ، ج ۱ ، ص ۸۹) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
صدر مفتی	نائب مفتی

نمازیوں کی کثرت کے وقت مکبروں کا انتظام بہتر ہے یا آلہ مکبر الصوت کا

نماز کے وقت مکبروں کو مقرر کیا جائے یا لاؤڈ سپیکر بہتر ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل فضل الٰہی ساہیوال

الجواب بہتر یہی ہے کہ بوقت کثرتِ نمازیوں کے مکبر ہی کا انتظام کیا جائے اور یہ آلہ استعمال نہ کیا جائے ہاں اگر ایسی کثرت ہو کہ مکبرین کے انتظام میں بھی دشواری ہو تو اس آلہ کے استعمال کی گنجائش ہے۔ اور نماز دونوں صورتوں میں ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۳/۱۱/۱۴۰۰ھ

غیر مسلموں کے متروکہ معبد میں نماز پڑھنے کا حکم

ایک گوردوارہ ایک کمرہ کی شکل میں ہے اس کے اندر اور اوپر کوئی امتیازی نشان نہیں ہے ایک کمرہ اور آگے برآمدہ ہے کمرہ کو باریاں لگی ہوئی ہیں۔ اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

قاری محمد طیب، علی پور

الجواب صورتِ مسئولہ میں مکان مذکور (جسے پہلے گوردوارہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا) کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔ ہاں قبلہ والی دیوار میں محراب بنا لینا چاہئے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ معین مفتی
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس	خیر المدارس ملتان ۴/۴/۱۳۷۹ھ

چھینکنے والے کا جواب دینے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں

چھینک اور جمائی لیتے وقت بحالتِ نماز "الحمد للہ" اور "لاحول" وغیرہ علی الترتیب کہنا کیسا ہے؟

الجواب چھینکنے والا اگر خود " الحمد للہ " یا " یرحمك اللہ " کہے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۔ اور اگر کسی کے جواب میں کہے تو نماز فاسد ہو جائے گی ۔ شامی میں ہے ۔

لو قال لنفسہ یرحمك اللہ یا نفسی لا تفسد لانہ لما لم یکن خطابا لغیرہ الخ (ج۱ ، ص ۴۳۵) فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا

بندہ اصغر علی غفر لہٗ معین مفتی
خیر المدارس ملتان ۲/۱ / ۱۳۷۴ھ

دودھ پی کر نماز سے پہلے کلی کرنا مسنون ہے

آج کل حفاظِ قرآن میں یہ رسم پھیل گئی ہے کہ تراویح پڑھاتے وقت دودھ میٹھا کر لیتے ہیں اور ہر دوگانہ کے بعد ایک گلاس نوش کر کے بغیر کلی کئے اگلی نماز شروع کر دیتے ہیں ، حالانکہ یہ فعل خلافِ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ حدیث یہ ہے ۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرب لبنا فمضمض الخ ۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پینے کے بعد بغیر کلی کئے نماز فاسد ہے ۔ جواب کافی وشافی ہو ؟

الجواب اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۔ کیونکہ کلی کرنا سنت ہے ۔ فرائض وواجبات میں سے نہیں ہے ۔ فقط واللہ اعلم

لیکن درمیان میں کلی کرنا مناسب اور سنت ہے ۔ والجواب صحیح
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

بندہ اصغر علی غفر لہٗ
معین مفتی خیر المدارس ملتان
۲۰ / ۴ / ۱۳۷۴ھ

مسجد کے بالائی حصہ میں عورتیں اور نیچے مرد اقتدا کر رہے ہوں تو یہ مفسدِ صلوٰۃ ہے یا نہیں

ہماری مسجد میں نمازِ عشاء اور تراویح کے ساتھ رمضان شریف میں عورتیں بھی شرکت کرتی ہیں مسجد کے بالائی حصہ میں عورتیں ہوتی ہیں اور زیریں حصہ میں مرد ہوتے ہیں۔ کیا اس سے مردوں کی نماز فاسد تو نہیں ہوتی ؟

المستفتی محمد لطف اللہ خالد ۳۵۲ بی شاہجمال ٹاؤن لاہور

الجواب ایسی صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی ۔

" ففی الطحطاوی فلو اختلف المکان بان کانت المرأة علی مکان عال بحیث لا یحاذی شئ منہ شیئا منها لا تفسد اھ (ص۱۸۱)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	معین مفتی خیر المدارس ملتان
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان	۲/ ۱۱/ ۸۰ ۱۳ھ

عورت مردوں کی صف میں آکھڑی ہو تو کس کس کی نماز فاسد ہوگی

اگر عورت مردوں کی صفِ جماعت میں کھڑی ہو جائے تو اس کے دائیں بائیں دو مردوں ہی کی نماز فاسد ہوگی یا پچھلی صف کے کسی مرد کی بھی ؟

سائل اکرام الحق راولپنڈی

الجواب ایک دائیں سے ایک بائیں سے ایک پیچھے سے کل تین آدمیوں کی نماز فاسد ہوگی[1]۔ ان کے علاوہ پہلی یا پچھلی صف والوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ۔

(شامی : ج ۱: ص ۵۳۵) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

[1] وقد صرحوا بان المرأة الواحدة تفسد صلوة ثلاثة اذا وقفت

فی الصف من عن یمینھا ومن عن یسارھا ومن خلفھا ۔ اھ (کذا فی الشامیۃ، ج۱، ص ۵۳۵)۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نماز میں انگلیوں کو مسلسل حرکت دیتے رہنا

ایک شخص نماز میں انگلیوں کو مسلسل اسطرح حرکت دیتا رہتا ہے جیسے ان پر کوئی چیز شمار کر رہا ہو اور روکنے کے باوجود باز نہیں آتا۔ ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب بحی اگر یہ حرکت اختیاری ہے تو مکروہ ہے بلکہ مسلسل کرنے سے نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہے۔ وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمرکم او ذیل وعبثہ بہ ای بثوبہ وبجسدہ للنھی الا لحاجۃ ۔ اھ (درمختار)۔

(قولہ وعبثہ) ھو فعل لغرض غیر صحیح قال فی النھایۃ و حاصلہ ان کل عمل ھو مفید للمصلی فلا بأس بہ اصلہ ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرق فی صلوتہ فسلت العرق عن جبینہ ای مسحہ لانہ کان یؤذیہ فکان مفیداً وفی زمن الصیف کان اذا قام من السجود نفض ثوبہ یمنۃ او یسرۃ لانہ کان مفیداً کی لا تبقی صورۃ فاما ما لیس بمفید فھو العبث ۔ اھ ——— (قولہ للنھی) وھو ما اخرجہ القضاعی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کرہ لکم ثلاثا العبث فی الصلوۃ والرفث فی الصیام والضحک فی المقابر وھی کراھۃ تحریم کما فی البحر (قولہ الا لحاجۃ) کحک بدنہ لشیئ أکلہ واضرہ وسلت عرق یؤلمہ ویشغل قلبہ وھذا لو بدون عمل کثیر قال فی الفیض الحک بید واحدۃ فی رکن ثلاث مرات یفسد الصلوۃ ان رفع یدہ فی کل مرۃ اھ

وفی الجوا هرۃ عن الفتاوی اختلفوا فی الحك هل الذهاب والرجوع مرۃ او الذهاب مرۃ والرجوع اخری ۔ (شامی، ج اصـ۵۹۹)

فقط واللہ اعلم ۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

دوران نماز مکھی کو چہرے سے ہٹانا

بسا اوقات نماز میں مکھیاں تنگ کرتی ہیں۔ مکھی کو ہٹایا جائے تو پھر اسی جگہ پر آبیٹھتی ہے۔ تو کیا مکھی کو ہٹا سکتے ہیں؟

المستفتی: آفتاب احمد قریشی، ہمدرد دواخانہ، گارڈن ٹاؤن، لاہور۔

الجواب بوقت ضرورت عمل قلیل سے مکھی کو اڑا سکتے ہیں۔ وفی الهندیة عن التتارخانیه یکره ان یذب بیده الذباب والبعوض الا عند الحاجة بعمل قلیل ۔اھ (طحطاوی، صـ۱۹۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نماز میں آنحضرت علیہ السلام کا خیال لانے اور آنے کا مسئلہ

۱: نماز میں پیغمبر علیہ السلام کا خیال لانا ضروری ہے کہ نہیں ۔ اگر کسی درجہ کا خیال لانا ضروری ہے تو کیا وہ بایں معنی لانا چاہیئے جس میں تمام شمائل ترمذی آجائے ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام حلیہ مبارک یا کہ محض شانِ نبوت کافی ہے ۔ کما قال العثمانی فی فتح الملہم واحضر فی نفسك شخص النبی صلی اللہ علیه وسلم ۔

۲: اگر کوئی فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون ۔ سے مراد پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے خدوخال کا بھول جانا لکھے تو کیا یہ محض تحریف آیات باری ہے یا کہ نہیں؟ باوجودیکہ کسی مفسر نے یہ جرأت نہیں کی ۔

محمد انور کلیم دارالعلوم فیض محمدی لائلپور

الجواب خیال میں لانا اور ہے اور خیال میں آنا الگ ہے۔ خیال میں آنا اور تصور بایں معنی کہ «اشهد ان محمدا عبده ورسوله» پڑھے تو آپ کا تصور ہو۔ اور اسی

طرح درود شریف میں بھی تصور آپ کا آئے ۔ لیکن اس تصور سے توجہ الی اللہ اور دھیان میں کوئی فرق نہیں آتا تو یہ تصور جائز ہے اور نماز سے مانع نہیں ہے ۔ اور اس کے بالمقابل دوسرا تصور یہ ہے کہ نماز میں اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ کرنے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو قصداً تصور کر کے پوری توجہ اور ہمت اسی طرف صرف کر دے اور دھیان لگا دے جس سے توجہ الی اللہ منقطع ہو جائے یا منقسم ہو جائے یہ ناجائز ہے ۔

۲ : یہ تفسیر خود ساختہ اور بالرائے ہے اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ۔ تفسیر وہ ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین اور تابعین رح اور سلفِ صالحین سے منقول ہو ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ، ۲ر محرم ۱۳۹۴ھ

کتنی دیر کشفِ ستر مفسدِ صلوٰۃ ہے

بکر نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کا ستر کھل گیا ۔ ستر کتنا کھلے اور کتنی دیر تک کھلا رہے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے ؟

المستفتی سیف اللہ خالد قادری

۲۵۳ / بی شاہ جمال ٹاؤن ، لاہور

الجواب چوتھائی حصہ اگر کسی ایسے عضو کا کھل گیا جس کا چھپانا فرض تھا اور تین بار " سبحان ربی العظیم " کہنے کی مقدار کھلا رہا تو نماز ٹوٹ گئی ورنہ نہیں ٹوٹی ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۰ / ۷ / ۱۴۰۳ھ

نوافل میں تکرارِ آیت کا حکم

اگر دورانِ نمازِ تہجد کسی آیت سے قلب پر رقت طاری ہو جائے تو اس کو بار بار پڑھنے سے کراہت تو نہ ہوگی ؟

عاصی نور احمد ، از فضل آباد : بہاولنگر

الجواب نوافل میں تکرارِ آیت مکروہ نہیں۔ آنحضرت علیہ السلام سے بھی اسی طرح کا تکرار ثابت ہے۔

واذا کرر اٰیۃ واحدۃ فان کان فی التطوع الذی یصلی وحدہ فذلک غیر مکروہ وان کان فی الصلوٰۃ المفروضۃ فھو مکروہ فی حالۃ الاختیار واما فی حالۃ العذر والنسیان فلا بأس اھ (عالمگیری: ج ۱: ص ۵۶)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۳/۱۴۰۹ھ

نماز کے متصل بعد سجدہ میں دعاء کرنا

بعض لوگ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ میں پڑ کر کچھ دعاء مانگتے ہیں اور بعض رخسار دل کو بھی زمین پہ رگڑتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو اس کا کسی کتاب سے ثبوت بھی ملتا ہے یا نہیں؟ جواب تفصیل سے دیں۔

نفیس الرحمٰن بن محمد رمضان ساہیوال

الجواب نماز کے متصل بعد سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ عام حالات میں دعاء کے لئے سجدہ جائز ہے۔ مگر التزام اس کا بھی بدعت ہے۔ رخساروں کو زمین پر ملنا عاجزی کے لئے ہو تو جائز ہے۔ وسجدۃ شکر ذکر الطحاوی عن ابی حنیفۃؒ قال لا اراہ شیئًا الی قولہ ومایفعل عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجھال یعتقدونھا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ (کبیری مسائل شتیٰ ص ۵۶۹)

فقط واللہ اعلم، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا

گرمی کے عذر کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے

گرمی یا سردی یا روشنی کے عذر کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جماعت کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب مذکورہ عذروں کے باوجود مسجد کی چھت پر جماعت کرانا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ کوئی خاص عذر نہیں ہیں۔

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولهذا اذا اشتد الحر یکره ان یصلوا بالجماعة فوقها الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکره الصعود علی سطحه للضرورة اھ (عالمگیری : ج ۴ : ص ۹۴)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹/۲/۱۳۹۷ھ

امام نے پانچویں رکعت شروع کر دی مقتدیوں نے سلام پھیر دیا تو نماز کا حکم

امام چوتھی رکعت کے بعد بغیر قعدہ کئے کھڑا ہو گیا اور کچھ مقتدی بھی امام کے ساتھ کھڑے ہو گئے حتی کہ امام نے پانچویں اور چھٹی رکعت پڑھ لی۔ اور جو مقتدی بیٹھے رہے وہ امام کے ساتھ فارغ ہونے سے پہلے ہی سلام پھیر کر فارغ ہو گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو مقتدی بیٹھے رہے کیا ان کو امام کی فراغت کا انتظار کرنا چاہئے تھا یا نہیں ؟

مولانا اصغر علی

مدرس مدرسہ حسینیہ مکہ مسجد شہداد پور سندھ

الجواب اگر ان مقتدیوں نے امام کے پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد سلام پھیرا ہے تو ان کی نماز ہو گئی اور اگر اس سے پہلے پھیرا ہے تو ان کی نماز فاسد ہو گئی۔

کما فی الهندیة : ج ۱ : ص ۷۴۔ وان قید الخامسة بالسجدة سلم المقتدی ولو لم یقعد الامام علی الرابعة وقام الی الخامسة ساهیا وتشهد المقتدی وسلم ثم قید الامام الخامسة بالسجدة فسدت صلوتهم اھ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۷/۱/۹۶ھ۱۳ — الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ

نماز میں قہقہہ نماز و وضوء دونوں کے لئے مفسد ہے

ایک دفعہ جماعت ہو رہی تھی کہ امام کی کسی غلطی پر مقتدی ہنسنے لگے اس کے بعد نیا وضوء کر کے آئے۔ ایک مقتدی پھر بھی ہنستے رہے۔ لیکن دوبارہ ہنسنے میں شک ہے کہ وہ قہقہہ تھا یا ضحک کیا حکم ہے؟

ممتاز احمد قاسمی

الجواب قہقہہ اور ضحک میں شک ہونے کی صورت میں نماز تو بلا شک ٹوٹ گئی۔ کیونکہ نماز ٹوٹنے کے لئے تو قہقہہ ضروری نہیں۔ باقی رہا دوسری صورت میں وضوء کا معاملہ تو وہ ظن غالب پر موقوف ہے۔ اگر ظن غالب قہقہہ کی طرف ہے تو وضوء بھی ٹوٹ گیا۔ ورنہ صرف نماز ٹوٹے گی[1]۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۳/۱۰/۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

[1] القهقهة في كل صلوة فيها ركوع وسجود تنقض الصلوة والوضوء عندنا كذا في المحيط سواء كانت عمدا او نسيانا كذا في الخلاصة ۔اه (عالمگیری ج ۱، ص ۷)۔ فقط

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۵/۱۴۰۱ھ

غلطی سے بچنے کے لئے سورتوں کو معین کر لینا مکروہ نہیں

ایک شخص نسیان کا مریض ہے اگر وہ یاد کرنے کی سہولت کے لئے اپنی نماز شروع کرنے سے پہلے سورتیں مقرر کر لے کہ فلاں فلاں سورۃ پڑھونگا جائز ہے یا نہیں؟

عتیق الرحمٰن ۵/۷۷ آر ساہیوال

الجواب کوئی حرج نہیں ہے۔ تعیینِ سورت اس وقت مکروہ ہے جب کہ کوئی اس اعتقاد سے متعین سورت پڑھے کہ دوسری سورتوں سے نماز اس کے نزدیک جائز ہی نہیں ہوتی۔

کمافی الطحطاوی۔ (ویکرہ تعیین سورۃ قید الطحاوی الکراھۃ بما اذا اعتقد ان الصلوٰۃ لاتجوز بغیرھا اما اذا لم یعتقد فلا کراھۃ اھ (ص۱۹۹)۔

البتہ اگر کوئی تعیینِ سورت اس لئے کرتا ہے کہ بھولے نہیں اور پڑھنے میں آسانی ہو تو پھر اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے۔

ویکرہ تعیین سورۃ الی قولہ الایسر علیہ او تبرکًا بقرأۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا یکرہ۔ (طحطاوی، ص۱۹۹)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مؤرخہ ۱۳؍۱۱؍۱۳۸۱ھ	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ایک رکعت پڑھنے کے بعد از خود یاد آنے سے کھڑے ہو کر نماز پوری کرلی تو نماز فاسد نہیں ہوئی

زید نے نمازِ تراویح کے دوگانے شروع کئے۔ ایک دوگانہ میں صرف ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا جب دوسری طرف سلام پھیرا تو ایک مقتدی کی آواز آئی کہ ایک رکعت ہوئی ہے اتنے میں اس کو یاد آگیا کہ میں نے ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا ہے پھر فورًا سیدھا کھڑا ہو کر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور سجدۂ سہو کرلیا۔

امام کا قول ہے کہ میں خود یاد آنے پر کھڑا ہوا ہوں جو لوگ امام کے ساتھ چپ چاپ کھڑے ہو گئے ہیں انکی نماز ہوگئی۔ البتہ پیچھے بولنے والوں کی نماز نہیں ہوتی۔ کیا امام صاحب کی یہ بات درست ہے؟

حافظ عبدالحق خطیب مدینہ مسجد چوک نواں شہر ملتان

الجواب در مختار میں ہے ۔ الا السلام ساهیا للتحلیل ای للخروج من الصلوٰۃ قبل اتمامها علی ظن اکمالها فلا یفسد اھ

معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں سلام پھیر دینے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ پس جن لوگوں سے اس سلام کے بعد کوئی منافی صلوٰۃ عمل (گفتگو وغیرہ) نہیں پایا گیا اور اٹھ کر انہوں نے دوسری رکعت امام کے ساتھ پڑھ لی ہے ان سب کی نماز درست ہوگئی۔ لہٰذا امام صاحب کا قول صحیح ہے۔

وان حصل تذکرہ من نفسہ لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقا وکون الظاهر انہ حصل بالفتح لا یؤثر بعد تحقق انہ من نفسہ لان ذلک من امور الدیانۃ اھ (شامی: ج ۱، ص ۵۸۲)۔

معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں جب امام مدعی ہے کہ میں خود یاد آنے کی وجہ سے اٹھا ہوں تو اس کا یہ قول شرعاً مقبول ہے پس نماز فاسد نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان: ۸/ ۹/ ۱۳۹۹ھ

جیب میں ناپاک کپڑا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم

ایک آدمی نے نماز پڑھائی اور اس کی جیب میں ناپاک کپڑا تھا۔ آیا اس کی نماز درست ہوئی یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب معاف مقدار سے اگر نجاست زیادہ تھی تو نماز نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ نجاست کو اٹھانے والا ہے واذا امسک حبلا مربوطا بہ نجاسۃ وبقی من عمامتہ طرف طاهر ولم یتحرک الطرف النجس بحرکتہ صحت والا فلا کما لو اصاب رأسہ۔ (مراقی، ص ۱۱۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۲۷/ ۵/ ۱۴۰۶ھ

امام کا مکمل طور پر محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے

اگر امام مکمل طور پر محراب میں کھڑا ہو اس طرح کہ اس کے پاؤں بھی محراب میں ہوں تو مکروہ ہے یا نہیں ؟ اگر مکروہ ہے تو کون سی کراہت ہے اور اس کے مکروہ ہونے کی کیا وجہ ہے ؟

الجواب بلا عذر امام صاحب کا اس طرح کھڑا ہونا کہ ان کے پاؤں بھی محراب کے اندر ہوں مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس میں تشبہ ہے اہل کتاب کے ساتھ ۔

وکرہ التربیع (الی قولہ) وقیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم مطلقا وان لم یشتبہ حال الامام ان علل بالتشبہ وان بالاشتباہ ولا اشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراھۃ اھ (درمختار) (قولہ ان علل بالتشبہ الخ) قید للکراھۃ وحاصلہ انہ صرح محمد فی الجامع الصغیر بالکراھۃ ولم یفصل فاختلف المشائخ فی سببہا فقیل کونہ یصیر ممتازا عنہم فی المکان لان المحراب فی معنی بیت اٰخر وذلک صنیع اھل الکتاب واقتصر علیہ فی الھدایۃ واختارہ الامام السرخسی وقال انہ الاوجہ وقیل اشتباہ حالہ علی من فی یمینہ و یسارہ فعلی الاول یکرہ مطلقا وعلی الثانی لایکرہ عند عدم الاشتباہ الخ وھذا کلہ عند عدم العذر کجمعۃ وعید فلو قاموا علی الرفوف والامام علی الارض اوفی المحراب لضیق المکان لم یکرہ اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ، ص ۶۰۵ وکذا فی المراقی ، ص ۱۹۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ   احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ اس کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک تو اس نے ابتدا ہی میں ہاتھ چھوڑ دیئے۔ دوسرے ابتدا میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی لیکن آخر میں یا درمیان میں

ہاتھ چھوڑ دیئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا مکروہ وخلاف سنت ہے۔ مراقی میں ہے۔
"ویسن وضع الرجل یدہ الیمنی علی الیسری تحت سرته لحدیث علی رض ان من السنة وضع الیمنی علی الشمال تحت السرة" (ص ۱۴۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی ۶/۱/۱۴۰۹ھ

صفیں متصل ہوں تو درمیان میں سڑک کا گزرنا اقتداء سے مانع نہیں

ایک جامع مسجد کے شمالی پڑوس میں توسیع مسجد کے لیئے مزید جگہ حاصل کی گئی ہے تاکہ اس میں ہال تعمیر کرکے مسجد میں شامل کیا جائے اور جمعہ وغیرہ میں جب مسجد کا موجودہ ہال پُر ہو جائے تو نمازی شمالی ہال میں کھڑے ہو کر باجماعت نماز پڑھ سکیں۔ مگر موجودہ مسجد اور مذکورہ شمالی جگہ کے درمیان شرقاً غرباً ایک گلی گزرتی ہے جس کا نقشہ منسلک ہذا ہے۔ چونکہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مذکورہ گلی شمالی ہال سے موجودہ مسجد کے امام کی اقتداء کے لئے مانع ہوگی۔ لہذا فتوےٰ دیں کہ مذکورہ بالا صورت میں حنفی فقہ کی رو سے اقتداء جائز ہونے کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب المانع من الاقتداء ثلثة اشیاء منها طریق عام یمر فیه العجلة والاوقار هكذا فی شرح الطحاوی اذا كان بین الامام وبین المقتدی طریق ان كان ضیقا لا یمر فیه العجلة والاوقار لا یمنع وان كان واسعا یمر فیه العجلة والاوقار یمنع كذا فی فتاوی قاضی خان۔ (عالمگیری ج ۱-ص ۸۷)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر یہ گلی اس قدر چوڑی ہے کہ اس کے اندر بیل گاڑی وغیرہ گزر سکے تو مذکورہ گلی جواز کے لیئے مانع ہوگی ورنہ نہیں۔ البتہ اگر بوقت نماز صفیں گلی میں بھی کھڑی ہوتی ہیں اور صف شمالی ہال تک گلی میں سے ہو کر متصل ہو تو پھر ہال میں کھڑے ہونے والوں کی اقتداء درست ہوگی

عالمگیری میں ہے۔ ج۱۔ ص ۸۵۔

ھذا اذا لم تکن الصفوف متصلة علی الطریق اما اذا اتصلت الصفوف لایمنع الاقتداء۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی۔ ۲۳ / ۱۰ / ۱۳۹۲ھ

جس کمرے میں تصاویر ہوں اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

ایک بزرگ سے سنا ہے کہ جس کمرے میں ذی روح کی تصاویر ہوں اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیا یہ درست ہے؟ اور یہ کراہت کس درجہ کی ہے؟

الجواب یہ درست ہے جس کمرہ میں تصاویر ہوں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے جب تصویر نمازی کے سامنے ہو۔ پھر اس صورت میں جب سر کے اوپر والی جانب میں ہو۔ پھر جب دائیں یا بائیں دیوار وغیرہ پر ہو۔ اور جب نمازی کی پشت کی طرف ہو تو پہلے درجوں سے کراہت کم ہوگی۔ اگر کسی پردے وغیرہ کے پیچھے چھپی ہوئی ہو یا صندوق وغیرہ میں ہو تو اس سے نماز میں تو کراہت نہیں آئے گی لیکن تصاویر کا گھر میں ہونا ٹھیک نہیں۔

وان یکون فوق رأسه او بین یدیه او بحذائه یمنة او یسرة او محل سجوده تمثال ولو فی وسادة منصوبة لا مفروشة و اختلف فیما اذا کان التمثال خلفه والاظهر الکراهة ولایکره لو کانت تحت قدمیه او محل جلوسه لانها مهانة او فی یده عبارة الشمنی بدنه لانها مستورة بثیابه او علی خاتمه بنقش غیر مستبین قال فی البحر ومفاده کراهة المستبین لا المستتر بکیس أو صرة او ثوب آخر اھ (درمختار)۔

وفی البحر قالوا واشدها کراهة مایکون علی القبلة امام المصلی ثم مایکون فوق رأسه ثم مایکون عن یمینه

ویسارہ علی الحائط ثم ما یکون خلفہ علی الحائط اوالسترا ھ
رشامیۃ ج۱ ص ۶۰۶ وکذا فی العالمگیریۃ ج۱ ص۵۶ وکذا
فی قاضی خان ج۱ ص۵۷)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۱۲/۱۴۱ھ

سلام کے متصل بعد اونچی آواز سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے کا التزام

فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر یا کلمہ یا کوئی ذکر اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو باحوالہ تحریر فرمائیں۔ اور اگر ناجائز ہے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت کا کیا مطلب ہے، جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر اور تکبیر ہوتی تھی۔ باحوالہ فتویٰ صادر فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں؛

المستفتی قاری سیف اللہ خالد قادری لاہور

الجواب نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنے کا التزام کرنا انفراداً ہو یا اجتماعاً ہو، کئی وجوہ سے ممنوع ہے۔ رہی حدیث ابن عباس رضہ۔ تو وہ صلوۃ مجاہدین پر محمول ہے۔ اگر اس کا مصداق عام نمازیں ہو تو بالاجماع یہ روایت منسوخ ہے۔

ذکر الامام الحسن بن بطال رح فی شرح البخاری لما اذا تکلم
علی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ فقال یحتمل ان یکون
اراد بہ المجاھدین فان کان کذلک فھو الی الأن وعلیہ العمل
وھو ان المجاھدین اذا صلوا الخمس فیستحب لھم ان
یکبروا جھرا یرفعون اصواتھم لیرھبوا العدو قال
فان لم یحمل علی ھذا فیکون منسوخا بالاجماع قال لانہ
لا یعلم احد من العلماء یقول بہ والاجماع لا یحتج

علیہ۔ انتہی۔ (المدخل ، ج ۱ ، ص ۱۹۰)؛ عالمگیری ، ج ۵ ، ص ۳۵۳؛ فتاوی بزازیہ : ج ۳ ، ص ۳۷۷)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان : ۲۵ ر ۲ ر ۱۴۰۸ ھ

رومال بغیر باندھے سر پر ڈال کر نماز پڑھنا

سر پر جو کپڑا لیا ہوا ہو اگر اس کی دونوں اطراف سینے پر لٹک رہی ہوں تو اس سے نماز مکروہ ہو گی یا نہیں ؟

قاری محمد رمضان ۷۷ ر ۵ ر آر ؛ ساہیوال

الجواب اگر کپڑا سر پر باندھا ہوا ہو اور زائد اطراف دونوں طرف لٹک رہی ہوں تو یہ مکروہ نہیں ۔ اور اگر کپڑا سر پر ویسے ہی ڈالا ہوا ہو اور اس کی اطراف سینے پر لٹک رہی ہوں تو یہ مکروہ ہے ۔

وکرہ سدل ثوبہ ای ارسالہ بلا لبس معتاد اھ (درمختار)۔

(قولہ ای ارسالہ بلا لبس معتاد) قال فی شرح المنیۃ السدل ھو الارسال من غیر لبس ضرورۃ ان ارسال ذیل القمیص ونحوہ لا یسمی سدلاً اھ

ودخل فی قولہ ونحوہ عذبۃ العمامۃ وقال فی البحر وفسرہ الکرخی بان یجعل ثوبہ علی رأسہ اوعلی کتفیہ ویرسل اطرافہ من جانبیہ اذا لم یکن علیہ سراویل اھ فکراھتہ لاحتمال کشف العورۃ وان کان مع السراویل فکراھتہ للتشبہ باھل الکتاب فھو مکروہ مطلقا وسواء کان للخیلاء اولغیرہ اھ (شامی : ج ۱ ، ص ۵۹۸)۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

سوئے ہوئے آدمی کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنا

بعض اوقات جگہ کی تنگی کی وجہ سے گھر میں ایسی جگہ نماز پڑھنی پڑتی ہے جہاں آگے کوئی سویا ہوا ہوتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

المستفتی قاری محمد رمضان، ساہیوال

الجواب اگر سوئے ہوئے کی وجہ سے توجہ ہٹنے کا اندیشہ نہ ہو تو بلا کراہت درست ہے ولایکرہ صلاۃ الی ظہر قاعد او قائم ولو یتحدث الا اذا خیف الغلط بحدیثہ اھ (درمختار)۔

(قولہ الی ظہر قاعد) قید بالظہر احترازا عن الوجہ فانہا تکرہ الیہ کما مر وفی قولہ یتحدث ایماء الی انہ لاکراہۃ لو لم یتحدث بالاولی ولذا زاد الشارح ولو وفی شرح المنیۃ أفاد بہ نفی قول من قال بالکراہۃ بحضرۃ المتحدثین وکذا بحضرۃ النائمین وما روی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام لا تصلوا خلف نائم ولا متحدث فضعیف وصح عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من صلاۃ اللیل کلہا وأنا معترضۃ بینہ وبین القبلۃ فاذا أراد ان یوتر أیقظنی فاوترت رویاہ فی الصحیحین وھو یقتضی انہا کانت نائمۃ ومافی مسند البزار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نہیت ان اصلی الی النیام و المتحدثین فھو محمول علی ما اذا کانت لہم اصوات یخاف منہا التغلیط او الشغل وفی النائمین اذا خاف ظہور شئی یضحکہ اھ (شامی ج ۱: ص ۴۸۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا ۷/۱/۱۴۱۱ھ

نماز پڑھنے والے کی طرف منہ کر کے بیٹھنا

ایک امام فرض نماز پڑھنے کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں کوئی مقتدی اگر سامنے نماز پڑھنے کھڑا ہوجائے اور امام صاحب سے کہے کہ اپنا رُخ تبدیل کرلیں۔ تو امام صاحب اپنا رُخ نہیں بدلتے بلکہ حَضرتِ اُمُّ المُؤمِنِین عَائشَہ صِدِّیقَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ شریعت کی رو سے ناجائز ہے۔ از راہِ کرم حدیث کی رو سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں ؟

محمد لطف اللہ خالد ۲۵۳/ بی شاہ جمال ٹاؤن لاہور

الجواب حامداً ومصلیاً اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو آگے بیٹھے ہوئے کو اس کی طرف منہ نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ حافظ الحدیث امام عبد الرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اثر نقل کیا ہے۔

رای عمر رض رجلا یصلی و رجل مستقبلہ فاقبل علی ھذا وقال تصلی و ھذا مستقبلک واقبل علی ھذا بالدرۃ قال اتستقبلہ وھو یصلی۔ (مصنف عبد الرزاق ، ج ۲ ، ص ۳۸)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲ / ۸ / ۱۴۰۷ھ

قبر زمین کے برابر کر دی گئی ہو تو اس جگہ پر نماز پڑھنے کا حکم

چند دن ہوئے ایک سید صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔ ان کو مسجد کے ایک حجرہ میں دفن کر دیا جب کہ وہ جگہ خارج از مسجد ہے اور اس قبر سے چھ گز کے فاصلہ پر چھ عدد قبریں اور ایک مزار بھی موجود ہے۔ جس جگہ سید صاحب کو دفن کیا گیا ہے وہ جگہ نہ تو سجدہ کی جگہ میں آتی ہے اور نہ ہی پاؤں والی جگہ میں۔ اور جب کہ قبر بھی ہموار ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس مسجد میں نماز نہیں ہوتی برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں فتوےٰ صادر فرمائیں ؟

الجواب مذکورہ قبر کو زمین کے برابر کر دیا گیا ہے تو اب وہاں نماز وغیرہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

حفر فدفن فیہ اخرمیتا فھو علی ثلاثۃ اوجہ ان الارض للحافر فلہ نبشہ ولہ تسویتہ الخ وان وقف فکذالک الخ

وفی الشامیۃ ھذا لو وقفت للدفن فلو علی مسجد للزرع والغلۃ فکالمملوکۃ اھ (ص ۱۷۴ ج ۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴ / ۱۰ / ۱۴۰۷ھ

معمولی انحراف عن القبلہ مفسد نہیں

۱ : کیا نماز سمتِ کعبہ سے پینتالیس ڈگری انحراف تک ہو جاتی ہے ؟

۲ : جب کہ نماز کے فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی ہے کہ منہ کا رُخ سمتِ قبلہ ہونا چاہیے۔

۳ : سمتِ قبلہ اگر صحیح معلوم ہو جاتے تو انحراف قصداً کہاں تک جائز ہے۔

۴ : اگر مسجد صحیح رُخ پر تعمیر نہ ہوئی ہو تو صحیح سمت معلوم ہونے پر اس کی صف بندی بذریعہ خطوط درست کر لینی چاہیے یا مسئلہ مذکورہ بالا کو جواز بنا کر اسی غلط رُخ پر نماز پڑھنا کہاں تک شرعاً درست ہے۔

۵ : جب کہ نمازی کو یہ معلوم ہو کہ رُخ صحیح نہیں ہے۔ کیا اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

۶ : اگر مقتدی اپنا رُخ تو صحیح سمت کرے اور امام صاحب کا رُخ صحیح سمت سے ہٹا ہوا ہو تو کیا مقتدی کی نماز اس طرح ہو جائے گی یا نہیں ؟

المستفتی قاری محمد رمضان ۷۷ ، ۵ ، آر ساہیوال

الجواب عن الکل جس درجہ تک شریعت نے انحراف کی گنجائش رکھی ہے اس کے اندر اندر جو نماز ادا کی جائے گی وہ صحیح سمتِ قبلہ کی طرف ہی شمار ہو گی۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ بلا تکلف جس حد تک اہتمام ہو سکے اس میں کمی نہ کی جائے۔ لیکن اس کیلئے

بہت زیادہ تکلف کرنا اور اسی کو موضوع بحث بنائے رکھنا درست نہیں۔ اگر امام کا رخ دائرۂ اجازت کے اندر ہے تو وہ صحیح ہی شمار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان: ۲۰ / ۱۰ / ۱۴۰۷ھ

آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا

نماز میں قرأت کے دوران بسا اوقات آنکھیں بند کرلیتا ہوں اس سے نماز میں کراہت تو نہیں آتی؟

سائل محمد قاسم وبستی عثمان والی، بہاولنگر

الجواب: درمختار میں مکروہاتِ صلوٰۃ میں لکھا ہے کہ آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ ہاں اگر سامنے کوئی ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے اندیشہ ہو کہ آنکھیں کھلی رکھنے میں مکمل خشوع نہیں ہوگا تو بند کرسکتے ہیں۔

وتغميض عينيه للنهي الا لكمال الخشوع - اھ (درمختار)۔

(قوله للنهي) اي في حديث اذا قام احدكم في الصلوة فلا يغمض عينيه رواه ابن عدي الا ان في سنده من ضعف وعلل في البدائع بان السنة ان يرمي ببصره الى موضع سجوده وفي التغميض تركها ثم الظاهر ان الكراهة تنزيهية كذا في الحلية والبحر وكانه لان علة النهي ما مر عن البدائع وهي الصارفة له عن التحريم۔

(قوله الا لكمال الخشوع) بان خاف فوت الخشوع بسبب رؤية ما يفرق الخاطر فلا يكره بل قال بعض العلماء انه الاولى وليس ببعيد حليه وبحر (شامی، ج ۱، ص ۴۷۷)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان: ۹ / ۱ / ۱۴۱۱ھ

محاذاتِ مفسدہ کی شرائط

مندرجہ ذیل صورتوں میں نماز کے فساد و عدمِ فساد کے متعلق آگاہ فرمائیں ۔

۱ : زید تنہا نماز پڑھتا ہے اور ایک عورت خواہ محرم ہے یا غیر محرم اور اجنبی ہے ۔ زید کے پیچھے نماز پڑھنے میں مشغول ہے مگر سجدہ کی حالت میں عورت کا سر زید کے پاؤں کے قریب ایسا پڑتا ہے کہ لگنے کے قریب ہے مگر لگتا نہیں ۔

۲ : اسی صورت میں سجدہ کی حالت میں اگر عورت کا سر زید کے پاؤں کو لگتا ہے تو کیا حکم ہے ۔

۳ : ایک عورت خواہ محرم یا غیر محرم ، اجنبی یا غیر اجنبی تنہا نماز پڑھتی ہے ۔ اور زید اس کے پیچھے تنہا نماز پڑھتا ہے مگر سجدے کی حالت میں زید کا سر مذکورہ عورت کے پاؤں کے قریب ایسا پڑتا ہے کہ لگنے کے قریب ہے مگر لگتا نہیں ۔

۴ : اگر اسی صورت میں زید کا سر اس کے پاؤں کو لگ گیا تو کیا حکم ہے ۔

۵ : زید تنہا نماز پڑھتا ہے ایک عورت خواہ محرم ہو یا غیر محرم ، اجنبی ہو یا غیر اجنبی زید کے عین برابر کھڑی ہو گئی اور بیچ میں معمولی فاصلہ ہے مگر جسم کا کوئی حصہ ایک دوسرے کو مس نہیں کرتا ۔ اگرچہ چادر یا قمیص کا دامن ایک دوسرے کو مس کرتا ہے اور سجدے کی حالت میں دونوں کے سر بالکل مساوی صورت میں پڑتے ہیں ۔

۶ : بعینہ صورت نمبر ۵ کے مطابق اگر دونوں کے جسم کا کوئی حصہ مثلاً گھٹنے وغیرہ کا مس ہو جائے تو کیا حکم ہے ۔

۷ : اگر یہ تمام صورتیں نماز کو فاسد کرنے والی ہیں تو ایسی حالت میں نماز کی صحیح پوزیشن کا ذکر کیجئے تاکہ نماز کے فساد اور غیر فساد سے مکمل علم حاصل ہو جائے ۔

نوٹ ! نماز باجماعت کی صورت میں مرد اور عورت کیا پوزیشن اختیار کریں کہ جس سے دونوں کی نماز میں فساد نہ آئے جب کہ دونوں ایک امام کے مقتدی ہوں ؟

الجواب عن الکل محاذاتِ مرأۃ (عورت) چند شرطوں کے تحت مفسدِ صلوۃ ہے ۔

۱ : محاذات یعنی عورت کے قدموں کے مرد کا کوئی عضو محاذی ہو جائے ۔

۲ : رکوع وسجدہ والی نماز ہو ۔

۳ : عورت عاقلہ بالغہ ہو۔
۴ : تحریمہ اور ادا کے لحاظ سے مرد و عورت میں اشتراک ہو۔
۵ : امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو۔
۶ : ایک رکنِ کامل میں محاذات ہو۔
۷ : جہت بھی متحد ہو۔
۸ : مکان ایک ہو۔
۹ : بلا حائل ہو۔
۱۰ : مرد نے اسے ہٹنے کے لئے اشارہ نہ کیا ہو۔ وغیرہ ذلک۔

تنہا تنہا نماز پڑھنے کی صورت میں محاذات مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔ مس نہیں ہونا چاہئے۔ جماعت کی صورت میں عورت کو پیچھے اس طرح کھڑا کیا جائے کہ عورت کا کوئی عضو مرد کے کسی عضو کے محاذات میں نہ آئے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی ۴ / ۴ / ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نماز میں دعا اردو میں مانگی تو نماز کا حکم

زید نے صلوٰۃ الکسوف میں سجدہ طویل ہونے کی وجہ سے تسبیح کے علاوہ بھول کر اپنے گناہوں کی بخشش میں مشغول ہو گیا اور پنجابی یا اردو میں تین کلمات یا اس سے زیادہ کہہ دیئے کیا اس کی نماز ہوئی یا اعادہ واجب ہے۔ آیا اس پر کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب: نماز ہو گئی اور کوئی گناہ نہیں۔ وظاہر التعلیل ان الدعاء بغیر العربیۃ خلاف الاولیٰ وان الکراھۃ تنزیھیۃ ھذا (شامی ج ۱ ص ۴۸۶)۔

لیکن چونکہ صورتِ مسئولہ میں نسیاناً ایسا ہوا لہٰذا کراہت بھی نہ ہو گی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہٰذا۔ ۱ / ۴ / ۱۴۰۰ھ

مسجد اور مقتدیوں کے درمیان وسیع پلاٹ حائل ہو تو اقتداء درست نہیں

عید الاضحیٰ کی نماز مدرسہ میں ادا کی گئی مسجد کا ہال اور برآمدہ پر ہو گیا لیکن بارش کی وجہ سے مسجد کا صحن اور اس سے ملحقہ وسیع پلاٹ خالی پڑا رہا اور سینکڑوں لوگوں نے مشرقی کمروں میں اقتداء کی ان کی اقتداء درست ہوئی یا نہیں ؟

حافظ گلزار احمد

اشرف المدارس مسجد آزاد چنیوٹ

الجواب مشرقی کمروں میں کھڑے ہونے والوں کی اقتداء درست نہیں۔ لہٰذا ان کی نماز نہیں ہوئی۔

وفی التنویر ویمنع من الاقتداء صف من النساء او طریق تجری فیہ عجلة او نہر تجری فیہ السفن او خلاء فی الصحراء یسع صفین اھ (شامیة ج ۱ ص ۴۱۱)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸ / ۱۲ / ۱۳۹۸ھ

امام قعدۂ اخیرہ کئے بغیر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لے تو سب کے فرض ختم ہو گئے

۱ ، کوئی سنت ترک ہو جانے سے یا کسی وہم کی وجہ سے اگر کوئی سجدۂ سہو کرے تو مکروہ تنزیہی ہے اور نماز ہو جاتی ہے۔ (عزیز الفتاوی)

۲ ، امام چوتھی رکعت پر بیٹھے یا بغیر بیٹھے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اگر امام چوتھی رکعت پر بیٹھ کر کھڑا ہوا ہے تو مسبوق منتظر رہے اگر وہ لوٹ آئے تو اس کے سلام تک رہے ورنہ اپنی نماز پوری کر لے اور اگر وہ چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا تو ابھی انتظار کرے۔ اگر پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ آئے تو بھی سلام تک رہے اور اگر لوٹا تو سب کی نماز باطل ہو

ہوگئی۔ (امداد الفتاویٰ)۔

۳ : اگر امام پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور مسبوق نے اس کا اتباع کیا تو اگر امام قعدہ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا ہے تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر امام چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا ہے تو مسبوق کی نماز اس وقت تک فاسد نہ ہوگی جب تک امام پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کر لے۔ بعد پانچویں رکعت کے سجدہ کے امام اور مسبوق اور دوسرے مقتدیوں کی نماز فاسد ہو کر نفل ہو جائے گی۔ (عالمگیری)۔

۴ : امام سجدۂ سہو کرے تو مسبوق سجدۂ سہو کے سلام میں شرکت نہ کرے صرف سجدہ کرے اور اگر بے علمی سے یہ سمجھتا رہا کہ مجھے امام کے ساتھ سلام پھیرنا ضروری ہے۔ اور سلام میں بھی شرکت کرتا رہا تو ایسی نمازوں کی قضا کرے۔ (در و شامی)

الف : اگر محررہ بالا مسائل صحیح ہیں تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام چوتھی رکعت پر بیٹھ کر یا بغیر بیٹھے پانچویں رکعت کیطرف کھڑا ہو گیا تو دونوں صورتوں میں مسبوق اس کی اتباع نہ کرے بلکہ خاموش بیٹھا رہے اگر وہ پانچویں رکعت کے سجدے سے پہلے لوٹ آئے تو اس کے ساتھ سجدۂ سہو کر کے آخری سلام شروع ہونے پر کھڑا ہو جائے اور اپنی نماز پوری کر لے۔ کیا یہ مطلب صحیح ہے؟

ب : جبکہ مسبوق امام کا ساتھ چھوڑ کر اپنی نماز پوری کر سکتا ہے۔ تو اگر اس کے نماز پوری کر لینے کے بعد ادھر امام کی وہ نماز فاسد ہو جائے یا فرض کی بجائے نفل ہو جائیں تو مسبوق کی فرض نماز درست رہے گی؟

ج : اگر امام (قعدۂ اخیرہ کرنے کی صورت میں) پانچویں رکعت پڑھ کے اور سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کر لے تو امام کی اور (اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنی نماز پوری کر لینے والے) اس مسبوق کی فرض نماز درست ہو جائے گی؟

الجواب ۱ : الف : یہ مطلب صحیح ہے۔

ب : اگر امام قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہو گیا اور پانچویں کا سجدہ بھی کر لیا تو مسبوق کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کرے اس کی نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر امام بدون قعدۂ اخیرہ اٹھ گیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو ایسی صورت میں مسبوق کے فرض نہیں ہوں گے۔ جب کہ امام کے

فرض فاسد ہوگئے یا نفل ہوگئے۔ تو اس کی اقتدار کرنے والوں کے خواہ وہ مدرک ہوں، خواہ مسبوق ہوں فرض ادا نہیں ہوں گے۔

ج : ہوجائے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی ۱۳/۱۰/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفرلہ رئیس الافتار۔

محاذاتِ مفسدہ میں قدمِ عورت کا اعتبار ہے نہ کہ دوسرے اعضا کا

بہشتی گوہر باب مفسداتِ صلوٰۃ میں لکھا ہے کہ اگر سجدہ میں جانے کے وقت عورت کا سر مرد کے پاؤں کے محاذی ہوجائے تب بھی نماز جاتی رہے گی۔ (درمختار، وشامی وبحر)

نیز متعدد فتاویٰ سے معلوم ہوا ہے کہ عورت اور مرد کے قدم کا اعتبار ہے۔ قدم کے علاوہ کسی اور عضو کے برابر ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ پس اگر عورت مرد کے قدم سے پیچھے کچھ ہٹ کر شامل ہوئی، اگرچہ عورت کے بعض اعضاء رکوع وسجود کی حالت میں مرد کے قدم یا کسی اور عضو کے محاذی ہوسکتے تو اس سے کسی کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (شامی)

الف : ان دونوں میں سے کون سے قول کو ترجیح ہے؟

ب : اگر نماز باجماعت پڑھتے ہوئے مرد کے کسی عضو کے ساتھ عورت کے کسی عضو کے لگ جانے سے شہوت پیدا ہوجائے تو نماز فاسد ہوجائے گی یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہوگی؟

ج : اگر رکن بھر سے کم لگے تو کیا حکم ہے مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟

الجواب

الف : علامہ شامی رحمہ نے نہایہ، قاضی خان، سراجیہ وغیرہ کی تحقیق کے مطابق اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ محاذات میں قدمِ عورت کا اعتبار ہے اگر یہ مرد کے کسی عضو کے محاذی ہوگیا تو مرد کی نماز فاسد ہوگئی ورنہ نہیں۔

فمساواۃ غیر قدمھا لعضوہ غیر مفسدۃ۔ (شامی ج ۱ ص ۴۰۲)۔

قاضی خان کا جزئیہ اس بارے میں بالکل واضح ہے۔" المرأۃ اذا صلت مع زوجھا

فی البیت ان کان قدمھا بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتہما بالجماعۃ وان کان قدمھا خلف قدم الزوج الا انہا طویلۃ تقع رأس المرأۃ فی السجود قبل رأس الزوج جازت صلاتہما لان العبرۃ للقدم اھ (کذا فی الشامیۃ عن النہایۃ ج ۱ ص ۴۲۲)

ب : نماز فاسد نہیں ہوگی جب کہ درمیان میں کپڑا حائل ہو۔ مثلاً عورت کا سر (دوپٹہ اوڑھے ہوئے) مرد کے پاؤں سے لگ گیا لیکن مرد کو چاہیئے کہ جب ایسا خیال آنے لگے تو فوراً پاؤں کو دور کرلے ورنہ کراہت تحریمی ہوگی۔

ج : مرد اگر فوراً اپنے پیر کو دور کرلے تو کراہت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۳ / ۱۰ / ۱۳۹۳ ھ

زمن کثیر تین دفعہ "سبحان اللہ" کہنے کی مقدار ہے یا تین دفعہ "سبحان ربی العظیم" کہنے کی

اصلی بہشتی زیور میں ہے کہ اگر نماز پڑھتے ہوئے چوتھائی پنڈلی یا چوتھائی ران کھل جائے اور اتنی دیر کھلی رہے جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہہ سکے تو نماز جاتی رہی۔ اھ ج ۲ ص ۱۲۔ اس مسئلہ میں قابل تحقیق امر یہ ہے کہ زمن کثیر کی مقدار تین بار سبحان اللہ کہہ سکنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی محمد ازہر
مدیر ماہنامہ "الخیر" خیر المدارس ملتان

الجواب منحۃ الخالق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین تسبیحات رکوع یا سجدے والی ہیں۔ وقدر الکثیر ما یؤدی فیہ رکن ای بسنتہ کما قیدہ فی المنیۃ قال شارحہا ابن امیر حاج ای بما لہ من السنۃ ای بما ھو مشروع فیہ من الکمال السنی کالتسبیحات فی الرکوع والسجود مثلا وھو تقیید غریب و وجہہ قریب

ولم اقف على التقييد بكونه قصيرا او طويلا اھ ای تقييد الركن ای هل المراد منه قدر ركن طويل بسنته كالقعود الاخير او القيام المشتمل على القرأة المسنون او قدر ركن قصير كالركوع او السجود بسنته ای قدر ثلاث تسبيحات وبالثانی جزم البرهان ابراهيم الحلبی فی شرح المنية حيث قال وذلك مقدار ثلاث تسبيحات اھ فأفادان المراد اقصر ركن وكأنه لانه الاحوط والله اعلم۔ (منحة الخالق حاشية بحر الرائق : ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ کوئٹہ)۔

کبیری میں ہے۔

وان انكشف عضو هو عورة فی الصلوة فستر من غير لبث لا يضره ذالك الانكشاف ولا يفسد صلوته لان الانكشاف الكثير فی الزمان القليل عفو كالانكشاف القليل فی الزمن الكثير وان ادّى معه - ای مع الانكشاف ركنا كالقيام وان كان فيه او الركوع او غيرهما يفسد ذلك الانكشاف صلوته وان لم يؤد مع الانكشاف ركنا ولكن مكث مقدارها ای زمن يؤدی فيه ركنا بسنته وذلك مقدار ثلاث تسبيحات فلم يستر ذلك العضو فسدت صلوته عند ابی حنيفة رح وابی يوسف رح خلافا لمحمد رح اھ (كبيری، ص ۲۱۳)۔

الغرض منیہ، کبیری، منحۃ الخالق وغیرہ کی عبارات سے بندہ کے فہم نارسا میں جو تحقیق آتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ائمہ ثلاثہ رح کا اس امر پر اتفاق ہے کہ "انکشافِ عورۃ، قیام علی النجاسۃ تقدم علی الامام" اور ان کے دیگر نظائر کا زمانِ قلیل کے لئے پایا جانا دفع حرج کی غرض سے معاف ہے۔ ہاں یہ امور زمنِ کثیر کے لئے باقی رہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

زمن کثیر کی تحقیق زمن کثیر امام محمد رح کے نزدیک یہ ہے کہ اسی حالتِ انکشاف وغیرہ میں بالفعل ایک رکن ادا کرلیا ہے اور شیخین رح کے نزدیک ادائیگی بالفعل ضروری ہے

نہیں۔ بلکہ ادائیگی بالفعل یا اتنا وقت جس میں ادائے رکن ہوسکے زمن کثیر ہے۔ اب چونکہ ارکان صلوٰۃ بعض طویل ہیں۔ کالقعود الاخیر اور بعض قصیر ہیں کالرکوع والسجود تو تحقیق مذہب شیخین رح کے لئے اس کی تشریح ضروری ہوئی۔ کہ رکن طویل کی ادائیگی بالقوۃ کا زمانہ معتبر ہے یا رکن قصیر کی ادائیگی کا۔ تو حضرات فقہاء نے احتیاطاً احتمال ثانی کو لے لیا ہے۔ فأفاد ان المراد اقصر رکن وکانه لانه الاحوط اھ (منحة)۔ اور اقصر رکن سے مراد رکوع وسجود ہیں جیسا کہ ابن امیر حاج کی عبارت میں مصرح ہے جو بحوالہ منحۃ الخالق پہلے لکھی جاچکی ہے۔ لیکن اس تشریح کے باوجود مذہب شیخین میں ابھی ابہام باقی ہے کیونکہ قصیر رکن مثلاً رکوع کی ادائیگی کی تین صورتیں ہیں۔

۱ : درجۂ فرض ورکنیت میں ادائیگی۔
۲ : تعدیل واطمینان واجب سے ادائیگی۔
۳ : رکوع کے ذکر مسنون ومشروع کے ساتھ ادائیگی۔

ان احتمالات میں سے حضرات فقہاء نے احتمال ثالث کو متعین فرمادیا ہے۔ درمختار اور شامی میں ہے۔ ای بسنة کما قیده فی المنیة اھ اس تفصیل وتشریح مذہب شیخین سے یہ محقق ومنقح ہوا کہ زمن کثیر اتنا وقت ہے کہ جس میں رکوع یا سجدہ ان کے ذکر مسنون ومشروع کے ساتھ ادا کیا جاسکے اور یہ تین مرتبہ تسبیحات رکوع یا سجدہ کہہ سکنے کا زمانہ ہے۔ کیونکہ رکوع اور سجدہ کا ذکر مسنون ومشروع تسبیحات رکوع وسجدہ ہیں نہ کہ "سبحان اللہ" پس رکوع کو اس کے ذکر مسنون ومشروع کے ساتھ ادا کرنے کا زمانہ تین بار سبحان ربی العظیم کا زمانہ ہی ہوسکتا ہے پس یہی زمن کثیر ہے۔ نماز کے بارے میں خود مصلی کے لئے تسبیح کا لفظ جو عموماً ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہی تسبیحات رکوع وسجدہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ نماز میں یہی تسبیح مشروع ہے۔ سنن صلوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

والتسبیح فیه ثلاثا۔ سجدے کے متعلق فرماتے ہیں والتسبیح فیه ثلاثا۔ (درمختار)۔ مراد یہی مخصوص تسبیح ہے۔

تعدیل ارکان واطمینان کے متعلق فرماتے ہیں۔

ای تسکین الجوارح قدر تسبیحة فی الرکوع والسجود اھ (درمختار)

وقال فی العنایة ومقدار الطمانینة بمقدار تسبیحة اھ

وفی شرح الوقایۃ وقدر بمقدار تسبیحۃ۔

ان عبارات سے مراد تسبیحِ رکوع یا سجدہ ہے نہ کہ سبحان اللہ۔ کما قال فی عمدۃ الرعایۃ ای قدر الاطمینان الواجب بمقدار تسبیحۃ واحدۃ من تسبیحات الرکوع والسجود۔ اھ

(حاشیہ سعیدی، ص۱۶۳)۔

پس اسی طرح اس مقام پر بھی ثلاث تسبیحات سے مراد تسبیحاتِ رکوع وسجدہ ہی ہوں گی لہٰذا اس سے عموم مراد لیتے ہوئے اکتفاء علی الادنی (یعنی سبحان اللہ) کرنا محلِ نظر ہے۔ نیز سبحانہ یا سبحانک۔ سبحان اللہ سے بھی مختصر ہے۔ پھر یہ کیوں نہ مراد لیا جائے۔

تفصیل بالا سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ادائے رکن کو تین تسبیحاتِ رکوعی یا سجودی کے ساتھ مقدر کرنا کس بنیاد پر ہے اور ان میں کیا ربط ہے۔ مخفی نہیں کہ یہ ربط تسبیح رکوعی وسجودی کے ساتھ تو موجود ہے۔ لیکن تین بار سبحان اللہ سے اس کا کوئی ربط نہیں۔ سبحان اللہ کسی رکنِ صلوٰۃ میں نہ فرض نہ واجب نہ مسنون ومشروع ہے۔

حاشیۂ طحطاوی علی الدر میں قدر اداءِ رکن بسنتہ کو ایک بار سبحان اللہ سے مقدر کیا گیا ہے گو اس میں بھی کلام ہے لیکن اس کے باوجود یہ تقدیر ادائے رکن بسنتہ کے بارے میں مؤثر نہیں۔ کیونکہ اقصر رکن کی درجۂ رکنیت میں ادائیگی کے لئے کوئی ذکر فرض یا واجب نہیں۔ لہٰذا اس درجہ کی تقدیر کے لئے خارج سے کسی ذکر کی طرف احتیاج ہوسکتی ہے مگر ادائے رکن بسنتہ جس کی تشریح وتوضیح ابنِ امیرِ حاج کی عبارت میں اس تفصیل سے موجود ہے۔

بسنتہ ای بما لہ من السنۃ ای بما ھو مشروع فیہ من الکمال السنی کالتسبیحات فی الرکوع والسجود مثلاً اھ

(منحۃ الخالق، ص۲۷۲)

اسے مقدر کرنے کے لئے سبحان اللہ کی کیا حاجت ہے جبکہ تصریح موجود ہے کہ یہ تسبیحاتِ رکوع وسجود سے مقدر ہوگا۔ اور یہی تسبیحات ان ارکان میں مسنون ومشروع ہیں۔

الحاصل عباراتِ بالا کا مقتضاء یہ ہے کہ مقدار تین تسبیح رکوع یا سجود سے زمنِ کثیر مقدر کیا

جائے کہ تین بار سبحان اللہ کے ساتھ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱/۱/ ۱۳۹۵ھ

یہ استفتار مع جواب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں بغرض تحقیق وتصویب بھیجا گیا۔ حضرت والا رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ نے درج ذیل جواب رقم فرمایا۔

احقر محمد انور مرتب خیر الفتاویٰ

بگرامی خدمت حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوں۔ آمین۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے پہلے غور طلب فتاویٰ کا ایک تھیلا الگ رکھا ہوا تھا۔ جو حادثۂ وفات کے ہنگامے میں بے جا رکھا گیا۔ اور مدتِ مدید کے بعد دستیاب ہوا۔ اس میں آنجناب کا یہ مکتوب بھی تھا۔ اب یہ احقر کے سامنے آیا۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی سے تو اب محرومی ہو چکی ہے۔ لیکن جہاں تک احقر نے آنجناب کی تحریر پر غور کیا وہ نہایت موجہ معلوم ہوئی۔ احقر اس سے پوری طرح متفق ہے۔ البتہ احتیاطاً اس مسئلے کو دوسرے اہل علم کی مجلس میں رکھ کر اگر اس کی تصویب ہو گئی تو اس موضوع پر امداد الفتاوی کی جلد اوّل میں جو حاشیہ احقر نے لکھا ہے انشاء اللہ اس میں ترمیم کر دوں گا۔ والسلام

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

دارالعلوم کراچی ۱۴: ۱۲/ ۳/ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ مرسلہ میں آپ کی تحقیق صحیح ہے آپ کیلئے دل سے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے دعا جو ہوں۔

فقط والسلام علیکم۔ رشید احمد عفا اللہ عنہ

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی۔ ۱۳ محرم ۹۵ ۱۳ھ

استفسار بذا کی تکمیل کے بعد ایک محترم علمی شخصیت نے توجہ دلائی کہ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ نے بھی " تعلیم الاسلام " میں زمین کشیر کی مقدار تین بار سبحان ربی العظیم کہہ سکنا تحریر فرمائی ہے ۔ فالحمد للہ علی ذلک " تعلیم الاسلام " سے وہ سوال و جواب بلفظہ منقول ہے ۔

سوال : اگر ستر کا کوئی حصہ بلا قصد کھل جائے تو کیا حکم ہے ؟

جواب : اگر چوتھائی عضو کھل جائے اور اتنی دیر کھلا رہے جتنی دیر میں تین بار سبحان ربی العظیم کہہ سکے تو نماز ٹوٹ جائے گی ۔ اگر کھلتے ہی فوراً ڈھانک لیا تو نماز صحیح ہو جائے گی ۔ (تعلیم الاسلام ، ص ۷۵)

کتنی مالیّت کی چیز ضائع ہو رہی ہو تو نماز توڑنا درست ہے

بہشتی زیور میں ہے ۔

" جب ایسی چیز کے ضائع ہونے یا خراب ہو جانے کا ڈر ہو جس کی قیمت تین چار آنے ہو تو اس کی حفاظت کے لئے نماز کا توڑ دینا درست ہے " ج ۲ ، ص ۲۷ -

کیا اب بھی یہی حکم ہے کہ اتنی مالیت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز توڑ سکتے ہیں ؟

الجواب اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایک درہم کی مالیت کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو نماز توڑ دینا درست ہے ۔ تالیف بہشتی زیور کے وقت درہم کی مالیت تین چار آنے تھی کیوں کہ چاندی کا بھاؤ تقریباً ایک روپیہ تولہ تھا اور درہم کا وزن تقریباً تین ماشہ ایک رتی تھا ۔ لیکن اب چاندی مہنگی ہے تو اب کے بھاؤ میں تین ماشہ ایک رتی چاندی کی قیمت لگائی جائے گی ۔ مثلاً اگر چاندی کا نرخ بیس روپے تولہ ہو تو درہم کی مالیت تقریباً سوا پانچ روپے ہوگی ۔ پس اتنی قیمت کی چیز ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نماز توڑ دینا درست ہوگا

رجل قام الی الصلوۃ فسرق منه شیٔ قیمته درهم له ان یقطع الصلوۃ ویطلب السارق سواء کانت فریضة او تطوعا لان الدرهم مال - (عالمگیری ، ج ۱ ، ص ۵۷)-

فقط واللہ اعلم بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان : ۲ / ۴ / ۱۴۰۲ھ

مایتعلق بالسنن والنوافل

عشاء کی دو سنتوں اور وتروں کے درمیان دو نفل کا ثبوت

عشاء کے چار فرضوں کے بعد دو سنتوں اور وتروں کے درمیان جو دو نفل پڑھے جاتے ہیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اگر ہیں تو اس کا ثبوت اور سند کیا ہے؟

الجواب عشاء کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور غیر مؤکدہ چار ہیں یا دو۔ کما فی الدر المختار ویستحب اربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدها بتسلیمة وان شاء رکعتین وقال العلامة الشامیؒ کذا عبّر فی منیة المصلی وفی الامداد عن الاختیار یستحب ان یصلی قبل العشاء اربعا وقیل رکعتین وبعدها اربعا الخ والظاهر ان الرکعتین المذکورتین غیر المؤکدتین - درمختار مع الشامی ج۱، ص۴۹۸)۔

حدیث بھی اس کی فضیلت میں وارد ہوئی ہے۔

نفی البدائع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال من صلی بعد العشاء اربع رکعات کنّ له کمثلهن من لیلة القدر -

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان - ۱۳ / ۱۰ / ۱۳۷۷ھ

کیا صلوٰۃ الاوابین چاشت کی نماز ہے

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ لکھتے ہیں۔

" نمازِ ضحیٰ یا چاشت جب آفتاب پورب کی طرف سے اتنا اونچا ہو جائے جتنا ظہر کے وقت میں پچھم کی طرف ہوتا ہے اس وقت نوافل پڑھی جاتی ہیں اور یہی صلوٰۃ الاوابین ہے جس کا تذکرہ خاص فضیلت کے ساتھ احادیث میں آیا ہے۔ اب غلطی سے لوگ مغرب کے بعد کے نوافل کو " صلوٰۃ الاوابین " کہنے لگے ہیں۔ یہ کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں "

(سلاسل طیبہ: ص ۲۷)

آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

الجواب: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق جو سلاسل طیبہ میں مذکور ہے صحیح ہے حقیقت میں صلوٰۃ الضحیٰ ہی صلوٰۃ الاوابین ہے اور عامۃ الناس مغرب کے نوافل کو صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں۔ فضیلت ہر دو نمازوں کی ثابت ہے لہذا دونوں کو پڑھے۔

فقط واللہ اعلم	جواب صحیح ہے۔
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	بندہ عبد الرحمن غفرلہٗ

دعاءِ استسقاء میں ہاتھوں کی کیفیت

صلوٰۃِ استسقاء میں بوقتِ دعاء ہتھیلیاں زمین کی طرف اور ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرنے کا طریقہ سنت و مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: کتب احناف میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ دعاءِ استسقاء میں ظہر الکفین الی السماء ہوں۔ بلکہ صحیح مسلم میں ایک روایت اس مضمون کی ص ۲۹۳ میں موجود ہے۔ جس پر شارح مسلم نے لکھا ہے۔

قالت جماعۃ من اصحابنا (الشوافع) وغیرھم ان السنۃ فی کل دعاء لرفع البلاء کالقحط وغیرہ ان یرفع یدیہ ویجعل ظہر کفیہ الی السماء الخ

لیکن "طیبی" شارح مشکوٰۃ نے لکھا ہے۔

"ان المراد منه الرفع البليغ بحيث صارت الکف الی السماء و عبره الراوی بھذا التعبیر لا ان جعل ظهر کفیه الی السماء - الخ"

گویا ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ سر سے اوپر ہوگئے - بہرحال احناف نے اس باب میں اس طریق کو ذکر نہیں کیا - اس لئے لامحالہ احناف حدیث کو مؤول کہیں گے -

کما اوله الطیبی او بغیر هذا التأویل هذا کله من عرف الشذی علی جامع الترمذی باب صلوۃ الاستسقاء -

نیز اس کے علاوہ ابوداؤد نے سنن میں ایک روایت مالک بن یسارؓ کی نقل فرمائی ہے

"قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوه ببطون اکفکم ولا تسألوه بظهورها"

یہ علی العموم بالکل صریح ہے - لہٰذا بلاکسی دلیلِ معتبر کے معروف طریقۂ دعاء کے خلاف نہ کیا جائے - فقط واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح : وفی الدعاء بظهر الکف عند رفع القحط لو فعله احد من العلماء لا ینکر علیه لانه مختلف فیه والوسعة فی المختلفات اولی - فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۳ / ۳ / ۱۳۷۳ھ

سنن و نوافل گھر میں افضل ہیں یا مسجد میں

س فرائض کے علاوہ دیگر سنن و نوافل کو گھر میں ادا کرنے سے زیادہ ثواب ملے گا یا مسجد میں پڑھنے سے ؟

الجواب تراویح کے علاوہ دیگر سنن و نوافل کو گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے لیکن اگر گھر میں علیحدہ جگہ نہ ہو یا بچوں کے شور کی وجہ سے خشوع و خضوع میں نقصان آئے تو پھر مسجد میں پڑھنا بہتر ہوگا - والافضل فی النفل غیر التراویح

المنزل الا لخوف شغل عنها والاصح افضلیة ما کان اخشع و اخلص اھ (شامیۃ ج ۱ ص۶۳۸) - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
۴ / ۵ / ۱۳۸۵ھ

نوافل کی چار یا اس سے زائد رکعات ایک ہی قعدہ سے ادا کرنے کا حکم

۱ :- چار یا چھ یا زائد رکعتوں کو ایک ہی قعدہ سے ادا کیا جائے تو کیا حکم ہے جب کہ اس نے نیت بھی چار یا چھ یا زائد رکعتوں کی کی ہے - آیا تمام رکعات صحیح ہو جائیں گی یا بعض ؟ یا تمام باطل و لغو ؟ باحوالہ تحریر فرمائیں -

۲ : دو، چار یا زائد نفلوں کی نیت کی اور پھر قعدۂ اخیرہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو آیا سب کو صحیح قرار دیں گے یا رکعاتِ ملحقہ کو یا بعض رکعاتِ منویہ اور بعض رکعاتِ ملحقہ یا کل رکعاتِ ملحقہ کو صحیح کہیں گے یا تمام رکعاتِ منویہ کو باطل و فاسد قرار دیں گے - بصورتِ فساد کتنی رکعات کی قضاء لازم آئے گی ؟

محمد طاہر رحیمی

الجواب

۱ و ۲ :- کتبِ فقہ میں نوافل کے بارے میں یہ حکم ہے کہ دن کے نفلوں میں چار سے زیادہ اور رات کے نفلوں میں آٹھ سے زیادہ ایک نیت سے پڑھنا مکروہ ہے - پس معلوم ہوا کہ دن کو چار رکعت اور رات کو آٹھ رکعت ایک نیت سے پڑھنا بدون کراہت کے درست ہے - لیکن قعدہ ہر دو رکعات کے بعد کرنا چاہیے - البتہ اس سے زیادہ مکروہ ہے - اور اس مکروہ سے مراد مکروہِ تنزیہی ہے - کیونکہ شامی میں ہے کہ بعض مشائخ اس کو استحساناً مکروہ نہیں کہتے - وکل ذالک من الشامیۃ : ج ۱، ص۴۷۴) -

صحت و فساد کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ اگر اس کا یہ عمل نوافل میں ہے تو نوافل کی تمام رکعات صحیح ہو جائیں گی - اور اگر تراویح میں ایک ہی قعدہ کر کے بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں تو ایک ہی شفعہ شمار ہوگا - طحطاوی میں ہے -

قولہ لانھا صارت من ذوات الاربع ھذا الکلام صریح فی

انما تحسب بتمامها الی قوله فالمعنی انما تنوب عن رکعتین من التراویح وان کانت تحسب له عشرین نافلۃ فتدبر (ص۲۱۵)۔
البتہ ترکِ قعود علی الرکعتین کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ مراقی الفلاح میں ہے ۔
" ویجبر ترك القعود علی الرکعتین ساھیا بالسجود ۔ اھ (ص۲۱۵)۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۴/۱۲/۱۳۸۸ھ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

سنن قبلیہ اور فرائض کے مابین دنیوی گفتگو سے ثواب میں کمی آجاتی ہے

ایک شخص صبح کی سنتیں دو رکعت پڑھ لے اور پھر جماعت کھڑی ہونے سے پہلے اگر تلاوت قرآن مجید یا کوئی اور ذکر و وظیفہ کرلے تو کیا یہ جائز ہے یا ناجائز ؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا کرنا ناجائز ہے لہذا خدمت شمایان میں گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور کتب معتبرہ کے حوالہ جات درج فرمائیں ۔

مولوی پیر محمد متعلم مدرسہ ہذا

الجواب سنن قبلیہ اور فرائض کے درمیان تلاوت قرآن مجید یا کوئی ذکر و وظیفہ ناجائز نہیں ۔ البتہ ان کے درمیان اشتغال بالبیع والشراء یا کھانے وغیرہ کے متعلق فقہاء کرام رح سے دو قول منقول ہیں ۔ ایک یہ کہ سنتیں باطل ہوگئیں ان کا اعادہ کرے ۔ دوسرا یہ کہ اس سے ثواب تو کم ہوجاتا ہے مگر اعادہ کی ضرورت نہیں ۔ دنیوی باتیں بھی بیع وغیرہ کے حکم میں ہیں لیکن تلاوت وغیرہ اس میں داخل نہیں ۔ لہذا اس سے ثواب میں کمی نہیں ہوگی ۔

کما فی الشامیۃ : ج ۱ ص ۶۳۶ : ولو تکلم بین السنۃ والفرض لا یسقطها ولکن ینقص ثوابها وقیل تسقط وکذا کل عمل ینافی التحریمۃ علی الاصح ۔

خلاصۃ الفتاوی : ج ۱ ص ۶۲ ۔ میں ہے ۔

ولو صلی رکعتی الفجر او الاربع قبل الظهر واشتغل بالبیع والشراء او الاکل فانه یعید السنۃ اما باکل لقمۃ اوشربۃ

لا يبطل السنة قال رضي الله عنه وهذا مشكل لانه لا
رواية فيه اصلاً ۔ اھ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفرلہ
۲۷ / ۱۰ / ۸۴ ۱۳ھ

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ

صلوٰۃ التسبیح کی شرعاً کیا کیفیت ہے ؟ اور اس کے پڑھنے کی صحیح ترکیب کیا ہے ؟

از اندرونِ خانہ حافظ محمد نصراللہ خان خاکوانی ملتان

الجواب صلوٰۃ التسبیح مستحب ہے اور اس نماز کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھے ۔ اور سبحانک اللھم اور الحمد اور سورۃ جب سب پڑھ چکے تو رکوع سے پہلے ہی پندرہ دفعہ یہ دعاء پڑھے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پھر رکوع میں جاوے اور سبحان ربی العظیم کہنے کے بعد دس دفعہ پھر یہی پڑھے ۔ پھر رکوع سے اٹھے ۔ اور سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد پھر دس دفعہ پڑھے ۔ پھر سجدہ میں جاوے اور سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد پھر دس دفعہ پڑھے ۔ پھر سجدہ سے اٹھ کر دس دفعہ پڑھے ۔ اس کے بعد دوسرا سجدہ کرے اس میں بھی دس دفعہ پڑھے ۔ پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے اور دس دفعہ پڑھ کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جاتے ۔ اسی طرح دوسری رکعت پڑھے ۔ اور جب دوسری رکعت میں التحیات کے لئے بیٹھے تو پہلے یہی دس دفعہ پڑھے ، پھر التحیات پڑھے ۔ اسی طرح چاروں رکعات پڑھے ۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۲۱ / ۸ / ۱۳۷۸ھ

دعاء استسقاء الٹے ہاتھ سے ہو یا سیدھے ہاتھ سے

استسقاء کی دعاء ہمارے ملک میں سیدھے ہاتھ سے کی جاتی ہے ۔ اور بہت سی

کتابوں میں الٹے ہاتھوں کیا جاتا لکھا ہے۔ المستفتی بسم اللہ جان خان پشاور

الجواب الٹے ہاتھ سے دعاء کرنا بھی وارد ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ استسقٰی فاشار بظہر کفیہ الی السماء - (مسلم فتح ص۲/۴۴۲)۔

اور "فتح الملہم" ہی میں ہے کہ۔

فی المبسوط عن محمد بن الحنفیۃ قال الدعاء اربعۃ دعاء رغبۃ ودعاء رہبۃ و دعاء تضرع و دعاء خیفۃ ففی دعاء الرغبۃ یجعل بطن کفیہ نحو السماء و فی دعاء الرھبۃ یجعل ظہور کفیہ الی وجہہ کالمستغیث من الشئی۔

پس الٹے ہاتھ دعاء مانگنے والوں پر استسقاء میں نکیر نہیں کرنا چاہئے۔ اور نہ فقط اس کو ہی مسنون سمجھے۔ بلکہ دوسری دعاؤں کی طرح سیدھے ہاتھوں دعا مانگنا بھی درست ہے۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۱/۱/۱۳۹۱ھ	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی

وتروں کے بعد نوافل کا ثبوت

یہ خط ایک مسئلہ کے سلسلہ میں لکھ رہا ہوں جو کہ ان دنوں درپیش ہے۔ ہم حنفی مسلک کے مقلد ہیں۔ اور عشاء کی سترہ رکعتیں ادا کرتے ہیں جن میں کہ وتر کے بعد دو نفل ہوتے ہیں۔ حسب، کہ ہمارے ہاں کے ایک مولوی صاحب اس بات کو سختی سے رد کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان میں جو عشاء کے آخری دو نفل وتروں کے بعد ادا کئے جاتے ہیں سراسر بدعت ہیں۔ کیونکہ ایک حدیث مبارک کے مطابق عشاء کی آخری نماز وتر ہونی چاہئے۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ اس بات سے مکمل آگاہی کے لئے میری نظر آپ کے مدرسہ پر ہی پڑی۔ براہ کرم اس مسئلہ پر تحقیقی روشنی ڈالیں۔ ؟

الجواب وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں ہے۔

" ثم يصلی رکعتین بعد مایسلّم وھو قاعد فتلك احدی عشرۃ رکعۃ "۔اھ (نیل الاوطار: ج ۳، ص۲۲)۔

حدیث ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا میں ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرکع رکعتین بعد الوتر۔ اھ (نیل: ج ۳، ص۴۰)۔ اخرجہ احمد عن طریق غیرھا۔ قال الترمذی وقد روی نحو ھذا عن ابی امامۃ وعائشۃ وغیر واحد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھ (نیل: ج ۳، ص۳۳)۔

وروی الدارقطنی نحوہ من حدیث انس رضی اللہ عنہا (ایضاً)

الغرض یہ حدیث حضرت عائشہ رض، حضرت ام سلمہؓ، ابو امامہؓ، حضرت انس رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام رض سے مروی ہے۔ پس وتر کے بعد ان دو نفلوں کا پڑھنا بدعت نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے۔

ابن القیم رح نے لکھا ہے کہ یہ دو نفل دوسری حدیث " عشاء کی آخری نماز وتر ہونی چاہیئے" کے خلاف نہیں۔ بلکہ نماز وتر کی تکمیل کے لئے ہیں۔ جیسے سنتیں فرائض کی تکمیل کے لئے ہیں۔ ابن القیم رح لکھتے ہیں۔

وقد اشکل ھذا یعنی حدیث الرکعتین بعد الوتر علی کثیر من الناس فظنوہ معارضا لقولہ علیہ السلام "اجعلوا اٰخر صلوتکم باللیل وترا" ثم حکی عن مالك واحمد ما تقدم وحکی عن طائفۃ ما قدّمنا عن النووی ثم قال والصواب ان یقال ان ھاتین الرکعتین تجریان مجری السنۃ وتکمیل الوتر فان الوتر عبادۃ مستقلۃ ولا سیّما ان قیل بوجوبہ فتجری الرکعتین بعدہ مجری سنۃ المغرب من المغرب فانھا وتر النھار والرکعتان بعدھا تکمیل لھا فکذالك الرکعتان بعد وتر

اللیل ۔ اھ ۔ (نیل الاوطار ، ج ۳ ، ص ۳۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیرالمدارس ملتان : ۱۶/۱۰/۱۴۰۱ھ

صبح کی سنتوں کے بعد لیٹنے کا حکم

کیا علماء اہل سنت احناف کے نزدیک صبح کی سنتوں کے بعد کسی ایک کروٹ پر لمحہ بھر کے لئے لیٹنا مسنون ہے ۔ اور جن احادیث میں اس کا ثبوت آتا ہے وہ کس درجہ کی احادیث ہیں ؟

الجواب مسنون نہیں ۔ اور گھر میں سنتیں پڑھ کر شب بیداری کی تکان دور کرنے کے لئے تھوڑا سا لیٹ لے تو جائز ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آرام فرمانا اسی پر محمول ہے ۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سنتوں سے قبل اور کبھی بعد میں آرام فرمایا ۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصلی الرکعتین ثم یضطجع حتی یأتیہ المؤذن فیؤذنہ بصلوۃ الصبح فیصلی رکعتین خفیفتین ثم یخرج الی الصلوۃ الخ (اخرجہ ابوداؤد ج۱ ص۱۷۹)

اس حدیث میں سنت فجر سے پہلے اضطجاع مذکور ہے ۔ اور جس قولی حدیث میں فلیضطجع علی یمینہ کے الفاظ ہیں یہ غیر محفوظ ہے ۔

قال البیہقی ان کونہ من فعلہ اولی ان یکون محفوظا کمافی النیل ، ج۲ ، ص۲۶)۔

علاوہ ازیں اس کی سند میں ایک راوی عبدالواحد ہے ۔ جس کی یحییٰ بن قطان ، ابو داؤد طیالسی اور ابن معین وغیرہ نے تضعیف کی ہے ۔ (نیل الاوطار ، ج ۲ ، ص ۲۹)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی

خیرالمدارس ملتان ۱۵/۱/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیرالمدارس ملتان

صلوۃ التسبیح روایاتِ حسنہ سے ثابت ہے

آیا صلوۃ التسبیح کا ثبوت شرع شریف میں ہے یا نہیں ۔ ہمارے قصبہ میں ایک عالم دین انکار کرتے ہیں ۔ ان کا موقف یہ ہے کہ احادیث کمزور آتی ہیں ۔ براہِ نظر کرم اس صورتِ مسئلہ کی توضیح کتاب وسنت کی روشنی میں فرمائیں اس نماز "صلوۃ التسبیح" پڑھنے کی ماثبت بالسنہ والی حیثیت وفضیلت اور اس کا انکار کرنے والوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے صحیح احادیث کو محض ڈینگ مار کر موضوع قرار دینے والوں کا انجام کیا ہوگا ؟

الجواب صلوۃ التسبیح متعدد حضرات سے منقول ہے ۔ جن میں چند ایک یہ ہیں ۔ ۱ ، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضؓ ۔ ۲ ، حضرت عباس رضؓ ۔ ۳ ، حضرت ابو رافع رضؓ ۔ ۴ ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ ۔ ۵ ، حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب ۔ ۶ ؛ حضرت علیؓ ابن ابی طالب ۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین ۔ اس سلسلہ میں درجہ حسن کی روایات موجود ہیں صرف ابن جوزی نے ان احادیث کو موضوع کہا ہے ۔ لیکن محدثین نے ابن جوزی کی سختی سے تردید کی ہے ۔

قال فی درجات مرقاۃ الصعود افرط ابن الجوزی فاورد هذا الحديث فی الموضوعات قال الحافظ ابن حجر فی كتاب الخصال المكفرة اساء ابن الجوزی بذكر هذا الحديث فی الموضوعات ۔ (بذل المجهود ، ج ۲ ، ص ۲۷۷)۔

اعمالِ صالحہ سے بغیر توبہ کے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں کبیرہ کی معافی کیلئے توبہ شرط ہے ۔ صلوۃ التسبیح والی حدیث میں کبیرہ کا معنی محدثین رحؒ نے صغیرہ گناہوں میں سے بڑے مراد لئے ہیں ۔ جیسے سیاہی کے درجات مختلف ہیں ایسے ہی صغیرہ گناہوں کو سمجھ لیں ۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ۔

ولعل المراد بالكبيرة ما هو من افراد الصغائر فان الصغائر فی افرادها تشكيك ۔ (بذل المجهود ، ج ۲ ؛ ص ۲۷۶) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۔
۱۲؍شوال ۱۴۰۲ھ

قنوتِ نازلہ پڑھتے وقت ہاتھ باندھے جائیں یا کھلے رکھے جائیں

ایک امام مسجد صاحب دعاء قنوتِ نازلہ پڑھتے وقت ہاتھ باندھتے ہیں اور اس کے مقتدی بھی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہی بات قوی اور معتبر ہے۔ آیا یہ بات صحیح ہے یا نہ۔ نیز ہاتھ باندھ کر دعاء پڑھنے سے نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہ۔ اور مقتدیوں کو آمین آہستہ یا آوازِ بلند کہنے میں احتیاط ہے یا آہستہ ہی کہنا چاہئے ؟

المستفتی سراج احمد شجاع آباد

الجواب

قنوتِ نازلہ پڑھتے وقت ہاتھ چھوڑے رکھے معمول اسی طرح ہے۔ اور فتاوی دار العلوم دیوبند" میں بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن فقہاء کے اس ضابطہ " وھو سنۃ قیام لہ قرار فیہ ذکر مسنون فیضع حالۃ الثناء وفی القنوت وتکبیرات الجنازۃ " (ج ۱، ص۴۵۵ شامی) سے بظاہر ہاتھ باندھنے کی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے میں جھگڑا کرنا مناسب نہیں۔ دونوں امر جائز معلوم ہوتے ہیں۔ ہاتھ باندھ کر قنوتِ نازلہ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، نماز ہو جائے گی۔ آمین آہستہ کہنا اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۸/۱۰/۱۳۹۱ھ

ظہر کی قبلیہ سنتیں درمیان میں چھوڑ دیں تو چار کی قضاء لازم ہوگی

ظہر کی قبلیہ سنتیں پڑھ رہا تھا کہ جماعت کھڑی ہو گئی درمیان میں چھوڑ دیں تو کتنی قضاء ادا کرے؟

الجواب

چار قضاء کرے۔ اما اذا شرع فی الاربع التی قبل الظھر وقبل الجمعۃ او بعدھا ثم قطع فی الشفع الاول او الثانی یلزمہ قضاء الاربع بالاتفاق۔ اھ (شامیہ ج ۱ : ص۶۶۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۵/۱۴۰۰ھ

صلوٰۃ الاستسقاء کا مسنون طریقہ ۱ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ استسقاء کا مسنون طریقہ کیا ثابت ہے ؟

۲ : موجودہ زمانہ میں کون سا طریقہ فقہاءِ حنفیہ کا مختار ہے ؟

۳ : استسقاء کے لئے دو رکعت نماز انفراداً ہونی چاہیئے یا باجماعت ، یا پھر دونوں صورتوں میں جمع کیا جائے کہ پہلے تو دو رکعت اکیلے اکیلے پڑھ لیں اور پھر دو رکعت جماعت سے ۔ تینوں میں بہتر طریقہ اور سنت کے اقرب کونسا ہے ؟

۴ : ہمارے علاقہ میں یہ طریقہ معمول بہا رہا ہے کہ پہلے دو رکعت انفراداً پڑھ لیتے تھے اور اس کے بعد دو رکعت جماعت سے ، پھر خطبہ ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسا عمل ثابت ہے ؟

مولوی سراج الدین ۔ ڈی آئی خان ۔

الجواب اصل سنت استسقاء کے لئے دعاء و استغفار ہے ۔ کیونکہ جب بھی ایسا موقعہ پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء و استغفار ضرور فرمایا ۔ (یہی امام صاحب رح کا مذہب ہے) ۔ گاہے اس کے ساتھ نماز بھی پڑھی ہے ۔

کما رواہ الترمذی عن ابن عباس رض وکما رواہ الستۃ من حدیث عبد اللہ بن زید رض بن عاصم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج بالناس یستسقی فصلی بھم رکعتین ۔ (ج ۱ : ص ۱۲۴) ۔

اور کبھی صرف دعاء و استغفار پہ اکتفاء کیا ہے اور نماز پڑھنا منقول نہیں ۔

کما فی الصحیحین من حدیث انس بن مالک رض وکما رواہ ابن ماجۃ عن ابن عباس رض والشافعی فی الام عن ابن عمر رض وایضا صح عن عمر رضی اللہ تعالی عنہ انہ لم یصل ولم یخطب الخ ۔ (کبیری ص ۴۰۸) ۔

۲ و ۳ :۔ استسقاء کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ نماز باجماعت دو رکعت پڑھ لی جائے پھر حسب معمول دعاء وغیرہ کی جائے ۔ امام صاحب کو چاہیئے کہ قلب رداء بھی کرے

کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو جماعت کی نفی کر رہے ہیں اس سے مراد نفی جواز و استحباب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہونے کی نفی مقصود ہے۔

کما فی الشامیۃ: ج ۱: ص ۷۹۱ :- وذکر فی الحلیۃ ان ما ذکرہ شیخ الاسلام یعنی جواز الجماعۃ بلا کراھۃ متجہ من حیث الدلیل فلیکن علیہ التعویل اھ قال فی شرح المنیۃ الکبیر بعد سوقہ الاحادیث والآثار فالحاصل ان الاحادیث لما اختلفت فی الصلوٰۃ بالجماعۃ وعدمھا علی وجہ لا یصح بہ اثبات السنیۃ لم یقل ابوحنیفۃ بسنیتھا ولا یلزم منہ قولہ بانھا بدعۃ کما نقلہ عنہ بعض المتعصبین بل ھو قائل بالجواز قلت والظاہر ان المراد بہ الندب والاستحباب لقولہ فی الھدایۃ قلنا انہ فعلہ علیہ السلام مرۃ وترکہ مرۃ اخری فلم یکن سنۃ ای لان السنۃ ما واظب علیہ والفعل مرۃ مع الترک اخری یفید الندب۔

طحاوی شریف میں صلوٰۃ باجماعت کے بارے میں ہے۔

فثبت بما ذکرنا ان صلوٰۃ الاستسقاء سنۃ قائمۃ لا تنبغی ترکھا۔ اھ (ج ۱: ص ۱۶۱)۔

وفی العرف الشذی فلا تکون سنۃ الخ اقول لا تکون سنۃ مؤکدۃ والا فمطلق السنیۃ والاستحباب لا یمکن انکارہ الخ۔ (ص ۲۴۲)۔

قلب رداء کے بارے میں امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ کذا فی الشامیۃ ج ۱ ص ۷۹۱ واختارہ القدوری کبھی صلوٰۃ انفراداً پر بھی اکتفا کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن دونوں کو جمع کرنا ثابت نہیں۔ اسے ترک کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی	الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خیر المدارس ملتان ۲/۳/۱۳۸۲ھ	مفتی خیر المدارس ملتان

تہجد کی رکعات جتنی پڑھ سکیں پڑھ سکتے ہیں

تہجد کی نماز کے لئے نوافل کی تعداد کتنی ہونی چاہیئے۔ ۲۔ قرآت جہراً ہو یا کہ سراً، افضل کون سی ہے؟

الجواب تہجد کی نماز بہت ہی فضیلت والی اور متبرک نماز ہے۔ اس لئے جتنی ہو سکے ادا کرنا چاہیئے۔ کم از کم دو رکعتیں۔ آٹھ رکعت تک پڑھ سکتا ہے۔ بلکہ اس سے زائد بھی پڑھ سکتا ہے۔

و منتہی تہجدہ علیہ السلام ثمانی رکعات و اقلہ رکعتان کذا فی فتح القدیر (عالمگیری ، ج ۱ ص ۵۹)۔ و فی الطحطاوی الذی فی الحاوی القدسی ان اقلہ رکعتان و اکثرہ ثمان لما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی خمس رکعات منہا الوتر ثلاث و روی سبع و روی تسع و روی احدی عشرۃ و ثلاثۃ عشر رکعۃ بالوتر من الجمیع۔ (ص ۲۱۷)۔

۲ : قرآت جہراً بھی جائز ہے اور آہستہ بھی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیر المدارس ، ملتان | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

تہجد کے نوافل کیلئے کوئی سورۃ مخصوص نہیں

تہجد میں سورۃ اخلاص کو بار بار تین ، یا پانچ ، سات مرتبہ پڑھنا بہتر ہے یا کوئی اور سورۃ مثلاً سورۃ یٰسین سورۃ ملک وغیرہ

الجواب نمازِ تہجد کے لئے سورۃ اخلاص یا کسی دوسری سورۃ کی شرعاً کوئی تعیین نہیں جو سورتیں یاد ہوں سب پڑھ سکتے ہیں۔ سورۃ یٰسین ، سورۃ ملک کا پڑھنا سورۃ اخلاص کے تکرار سے بہتر ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ لیس فی شئ من الصلوۃ قرأۃ سورۃ بعینہا لا یجوز غیرہا لاطلاق ما تلونا و یکرہ ان یوقت بشئ من القران لشئ من الصلوات لما فیہ من ھجر الباقی وایہام التفضیل۔ (ج ۱ ، ص ۱۰۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ ہذا۔

صلوٰۃ التسبیح جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے

جب بندہ سعودی عرب آیا تو ہم چند دوست مل کر صلوٰۃ التسبیح پڑھ لیا کرتے تھے۔ تقریباً دو سال قبل کسی دوست نے ہمیں کہا کہ صلوٰۃ التسبیح با جماعت جائز نہیں، تب بھی ہم پڑھ لیا کرتے تھے۔ مگر ایک اور دوست نے بھی ہمیں منع کیا کہ صلوٰۃ التسبیح کی نماز با جماعت جائز نہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ باجماعت پڑھی جائے یا الگ الگ پڑھی جائے؟

الجواب صلوٰۃ التسبیح اکیلے اکیلے پڑھا کریں جماعت کرانا مکروہ ہے۔

ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکره ذالك لو علی سبیل التداعی۔ اھ (درمختار علی الشامیة ج ۱ - ص ۶۶۳)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

صلوٰۃ التسبیح کے پہلے قعدہ میں درود و دُعاء پڑھنے کا حکم

چار رکعت نفل میں ہر دو رکعت کا حکم علیحدہ ہے یا نہیں؟ اگر علیحدہ ہے تو کیا صلوٰۃ التسبیح میں بھی یہی حکم ہے؟

الجواب صلوٰۃ التسبیح میں پہلے التحیات میں درود اور دعاء پڑھنا بہتر ہے ایسے ہی تیسری رکعت کے شروع میں سبحانك اللّٰھم بھی پڑھا جائے۔ غیر مؤکدہ سنن اور نوافل کا یہی حکم ہے۔

وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ۔ اھ ۔ (درمختار علی الشامیة، ج ۱ ص ۶۳۳)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

ملتان - ۲۹ / ۶ / ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

صلوٰۃ التسبیح میں تیسرا کلمہ کہاں تک پڑھا جائے

صلوٰۃ التسبیح میں تیسرا کلمہ اللہ اکبر تک پڑھا جائے یا لاحول ولاقوۃ الا باللہ بھی پڑھا جاتے ؟

الجواب

شامی میں ہے کہ صلوٰۃ التسبیح میں تیسرا کلمہ " اللہ اکبر " تک پڑھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ " لاحول ولاقوۃ الا باللہ " تک پڑھے۔

وفی روایۃ زیادۃ لاحول ولاقوۃ الا باللہ اھ (شامی: ج ا ص ۴۶۱)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۳/ ۱۰/ ۱۳۹۹ھ

صلوٰۃ التسبیح ایک دن میں ایک دفعہ سے زیادہ پڑھنا بھی ثابت ہے

ایک صاحب ہر نماز کے ساتھ صلوٰۃ التسبیح پڑھتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر روز ایک دفعہ یا ہفتہ میں ایک دفعہ یا مہینہ میں ایک دفعہ یا سال میں ایک دفعہ یا عمر میں ایک دفعہ پڑھی جائے، کیا یہ عمل خلاف دین ہے ؟ کیونکہ حدیث شریف میں زیادہ سے زیادہ دن میں ایک مرتبہ کی ترغیب آئی ہے۔ اور وہ صاحب روزانہ پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں۔ کیا یہ صوم وصال کی طرح نہیں ہو جاتا ؟

المستفتی مولوی محمد اشرف صاحب

مدرسہ اشرف المدارس : ہارون آباد : بہاولنگر

الجواب

صلوٰۃ التسبیح ایک دن رات میں ایک سے زائد مرتبہ بھی پڑھی جا سکتی ہے اور صوم وصال پر قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ وہاں نہی کا منشاء عدم استطاعت ہے۔ لیکن اس کا اس قدر التزام کرنا اور ضروری سمجھنا کہ کسی حالت میں بھی ترک نہ ہو درست نہیں۔

یفعلہا فی کل وقت لاکراہۃ فیہ اوفی کل یوم او لیلۃ مرۃ والا ففی کل اسبوع۔ اھ (شامی ج ا ص ۶۴۳)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷/۶/۱۳۹۸ھ

سنن غیر مؤکدہ اور نوافل کے ہر قعدہ میں تشہد کیساتھ درود و دعار کو بھی شامل کیا جائے

عصر اور عشار کی نماز میں سنت غیر مؤکدہ کی دوسری رکعت میں تشہد کے بعد درود شریف و دعار پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب سنن غیر مؤکدہ میں دو رکعت پر درود شریف اور دعا پڑھنا اور تیسری رکعت کے شروع میں ثنار پڑھنا افضل ہے ۔

وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ۔ (شامی ج ۱، ص ۶۳۳) ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۱۵ / ۵ / ۱۴۰۳ ھ

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء معین ہذا

صلوۃ الحاجت کے نوافل باجماعت پڑھنا منقول نہیں

ملک میں جو ہنگامی حالات گزر رہے ہیں اس کے لئے صلوۃ الحاجۃ کے نفل باجماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ جملہ صاحبان نو ول شہر ملتان

الجواب جن نوافل کو باجماعت ادا کرنا چاہیئے شریعت نے ان کی تعیین کر دی ہے درستگی حالات کے لئے باجماعت نوافل ادا کرنا کہیں منقول نہیں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں ایک وقت میں موجودہ حالات سے بھی زیادہ خراب حالات ہو گئے تھے مگر انہوں نے اس طرح نوافل باجماعت ادا نہیں کئے ۔ انفراداً صلوۃ الحاجت پڑھی جائے تو بہتر ہے ۔

ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذالک اھ

(شامی ج ۱ ص ۶۶۴) ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا ۔

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ظہر سے قبل سنت مؤکدہ چار ہیں یا دو

حدیث پاک میں ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت سنت اور دو رکعت سنت پڑھنا آیا ہے ۔ چار والی روایت حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اور دو والی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں کی رو سے تو چار کا بھی جواز ہے اور دو کا بھی ؟

لوگوں میں جب یہ بات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ہم پوچھ پاچھ کریں گے ۔ دریافت کرنے پر انہیں چار ہی بتائی گئیں ۔ اس پر انہیں مشکوٰۃ شریف دکھائی گئی ۔ ایک حنفی دیوبندی عالم نے کہا کہ یہ دو والی روایت شوافع کے نزدیک ہے ۔ حنفی اسے نہ پڑھیں ۔

الجواب احناف کے نزدیک ظہر سے پہلے چار رکعت سنت ہیں ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے ۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یدع اربعا قبل الظہر وركعتين قبل الغداة ۔ اھ (بخاری ، ج ۱ ، ص ۱۵۷)۔

نیز حضرت علی رضؓ ، حضرت عمر بن الخطاب رضؓ ، حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ ، حضرت براء بن عازب رضؓ ، حضرت عبد اللہ بن السائب رضؓ ، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین سے بھی چار رکعت والی روایات منقول ہیں ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ والی روایت کے بارے میں امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے دو نفل مراد ہیں ۔

قال محمد هذا تطوع وهو حسن ۔ اھ (موطا امام محمدؒ)۔

نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے چار رکعت گھر میں پڑھی ہوں اور دو رکعت گھر کے علاوہ پڑھی ہوں ۔ (بذل المجہود ، ج ۲ ، ص ۲۵۸)۔

بعض حضرات نے ان احادیث میں اسطرح بھی تطبیق دی ہے کہ آپؐ گھر میں چار رکعات پڑھتے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اس کو بیان فرما رہی ہیں ۔ اور جب آپؐ مسجد میں جاتے تھے تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے تھے جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سنت ظہر سمجھا ۔

(لمعات شرح مشکوٰۃ بحوالہ حاشیہ ابو داؤد ، ج ۱ ، ص ۱۷۸)

صاحبِ بدائع نے چار رکعات پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع نقل کیا ہے۔
عن عبیدۃ السلمانی ما اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی شئی کاجتماعھم علی محافظۃ الاربع قبل الظھر وتحریم نکاح الاخت فی عدۃ الاخت ۔ اھ

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۸۵) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۱/۶/۱۴۰۰ھ

چاشت کی کتنی رکعات افضل ہیں

چاشت کی رکعتوں کی صحیح تعداد اور صحیح وقت کیا ہے ؟

الجواب

چاشت کا بہتر وقت دس بجے سے گیارہ بجے تک کا ہے ۔ کم از کم دو رکعتیں زیادہ سے زیادہ بارہ اور درمیانہ درجہ آٹھ ہیں اور یہی افضل ہیں ۔

وندب اربع فصاعدا فی الضحی علی الصحیح من بعد طلوع الی الزوال ووقتھا المختار بعد ربع النھار ۔ اھ وفی المنیۃ اقلھا رکعتان واکثرھا اثنا عشر ووسطھا ثمان وھو افضلھا ۔ اھ (شامیۃ ج ۱ ص ۶۳۹)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲ / ۱۱ / ۱۳۹۹ھ

قنوتِ نازلہ جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اب کفار سے تو کوئی جنگ نہیں مگر مسلمان مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچا رہے ہیں پورا ملک ابتری کا شکار ہے کسی کو چین وسکون نصیب نہیں۔ ان حالات میں قنوتِ نازلہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو کوئی اور طریقہ تحریر فرمائیں ۔

۲ : اور یہ جو مشہور ہے کہ رات کو دو اڑھائی بجے مکان کی چھتوں پر چڑھ کر اذانیں دی جاتی

ہیں ان کے بارے میں بھی فتوٰی تحریر فرمائیں۔

المستفتی حاجی محمد صدیق وکٹوریہ مارکیٹ سکھر سندھ

الجواب قنوتِ نازلہ ان حالات میں بھی پڑھنی چاہیئے۔کیونکہ یہ جنگ کیلئے مخصوص نہیں۔بلکہ جب بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجاتی ہے یا فتنہ میں مبتلا ہوں تو اسے پڑھا جائے۔

وان نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلوة الجھر الخ قال الامام الحافظ ابوجعفر الطحاوی انما لایقنت عندنا فی صلوة الفجر من غیر بلیة فان وقعت فتنة او بلیة فلا بأس به۔اھ (شامی ج ۱ ص ۶۲۸)۔

۲ : ایسے مواقع میں اذان کہنا منقول نہیں۔اس کی بجائے توبہ واستغفار کو لازم پکڑا جائے نیز اعمال صالحہ اختیار کئے جائیں ان کو حالات بدلنے میں خاص تاثیر حاصل ہے۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر المدارس ملتان ۲۳/۴/۱۳۹۷ھ	رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان۔

سنتِ مؤکدہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے کا حکم

سنتِ مؤکدہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ وضاحت سے ارشاد فرمائیں۔

الجواب سننِ فجر کے علاوہ باقی سنتیں بیٹھ کر پڑھی جائیں تو درست تو ہو جائیں گی مگر اجر میں تخفیف ہوگی۔اور فجر کی سنتیں کھڑے ہو کر ہی پڑھی جائیں۔درمختار میں ہے۔ ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعدا الخ ابتداء وکذا بناء الخ وفیه اجر غیر النبی علیه السلام علی النصف الا بعذر۔اھ۔وفی الشامیة فی شرحه ای فی غیر سنة الفجر اھ (شامیہ ج ۱ ص ۵۱۵)۔فقط واللہ اعلم۔

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس	الجواب صحیح
ملتان ۲۷/۳/۱۳۹۶ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء۔

صلوۃ الاستسقاء کی کتنی رکعت ہیں

صلوۃ الاستسقاء دو رکعت ہے یا چار رکعت ؟ بعض چار پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ اور صاحبین رح دونوں کے قول پہ عمل کرتے ہیں۔ کیا ان کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استسقاء میں نماز ضروری نہیں کیونکہ استسقاء دعاء و استغفار کا نام ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام سے دونوں طرح منقول ہے۔ آپؐ نے صرف دعاء پر بھی اکتفاء فرمایا ہے اور کبھی نماز بھی پڑھائی ہے۔ بنائً علیہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دو رکعت عید کی طرح پڑھی جائیں۔

لحديث عبد الله بن عامر بن ربيعه ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى فيه ركعتين كصلوة العيد . . . . الحديث

(بدائع ، ج ۱ ، ص ۲۸۲)۔

چار رکعت کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۴ / ۱ / ۱۳۹۶ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

مکروہ وقت میں نوافل پڑھنے کی نذر مانی تو کب پڑھے

ایک آدمی نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو فجر کے بعد اتنے نوافل پڑھوں گا۔ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس وقت نوافل مکروہ ہیں۔ پھر اس کا وہ کام ہوگیا۔ اب معلوم ہوا کہ اس وقت نوافل مکروہ ہیں۔ تو اب ان نوافل کو فجر کے بعد ادا کرے یا نہ ادا کرے ؟

المستفتی محمد لطف اللہ خالد قادری لاہور

الجواب صورت مسئولہ میں اگر یہ نوافل فجر کے بعد طلوع شمس سے پہلے پڑھے جائیں گے تو ادا تو ہو جائیں گے مگر مکروہ وقت میں پڑھنے کا گناہ ہوگا۔ لہذا اس وقت

میں نہ پڑھے بلکہ ایسے وقت میں پڑھے جو مکروہ نہ ہو۔

ولو نذر ان یصلی فی الوقت المکروہ فادیٰ فیہ یصح ویأثم و یجب ان یصلی فی غیرہ کذا فی البحر الرائق ۔اھ (عالمگیری ج ۱ص ۲۷)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۲۶ / ۱۰ / ۱۴۱۱ ھ

وتروں کے بعد والے نفل کھڑے ہو کر پڑھے جائیں یا بیٹھ کر

کسی حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام وتروں کے بعد والے نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے ۔ عام آدمی کھڑے ہو کر ادا کرے یا بیٹھ کر۔ اگر کسی کا معمول کھڑے ہو کر پڑھنے کا ہو تو وہ کیسے کرے ؟

الجواب ضابطہ یہی ہے کہ نوافل بیٹھ کر ادا کرنے میں ثواب آدھا ملتا ہے ۔ آنحضرت علیہ السلام کی ذات گرامی اس سے مستثنیٰ تھی ۔ آپ بیٹھ کر ادا فرماتے تھے تو بھی آپ کو مکمل ثواب ملتا تھا ۔

لہذا عام آدمی کا نوافل کھڑے ہو کر ادا کرنا افضل ہے چاہے کوئی نفل ہوں ۔ مگر چونکہ مذکورہ نوافل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے ۔ لہذا اگر کوئی اتباع سنت کی نیت سے بیٹھ کر پڑھے تو امید ہے کہ اس نیت کی وجہ سے پورا ثواب مل جائے گا ۔

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلیہما بعد الوتر وھو جالس الحدیث (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۳)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں ۔ " نشستہ نوافل مستحب است " اھ (مالا بد منہ : ص ۶۷) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

۱۹ / ۱ / ۱۳۹۹ ھ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

تحیۃ المسجد پڑھنے کا وقت نہ ہو تو کیا پڑھے

زید ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہوا کہ اس وقت نوافل پڑھنا مکروہ ہے تو ایسے وقت میں تحیۃ المسجد اس سے ساقط ہو جائیں گے یا اس کی تلافی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے ؟

الجواب اگر تحیۃ المسجد پڑھنے کا وقت نہ ہو یا کسی اور وجہ سے نہ پڑھ سکے تو تحیۃ المسجد کی نیت سے "سبحان اللہ"، "الحمد للہ" اور "درود شریف" پڑھ لے یہ بھی تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائیں گے۔

سن تحیۃ المسجد برکعتین یصلیھما فی غیر وقت مکروہ (مراقی الفلاح)۔ (فی غیر وقت مکروہ) فی القہستانی اذا دخل المسجد بعد الفجر او العصر لا یأتی بالتحیۃ بل یسبح ویھلل ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ حینئذ یؤدی حق المسجد کما اذا دخل للمکتوبۃ فانہ غیر مأمور بہا کما فی التمرتاشی وفی الدر عن الضیاء عن القوت من لم یتمکن منہا لحدث او غیرہ یقول کلمات التسبیح الاربع اربعًا۔ اھ۔ وھی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اھ۔ (طحطاوی، ص ۲۱۵) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱/۴/۱۰ھ۱۴

مغرب کے فرض پڑھنے سے پہلے نوافل کا حکم

اذانِ مغرب کے بعد دو رکعت پڑھ کر مغرب کی نماز ادا کرنا کیسا ہے ۔ ؟

الجواب الف : عن طاؤس قال سئل ابن عمر رضی اللہ عنہما عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احدا علی

عہدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلیہما ۔ رواہ ابو داؤد ۔

(اعلاء السنن : ج ۲ ، ص ۴۷)۔ اسنادہ حسن قالہ النووی رح فی

الخلاصۃ وفی آثار السنن اسنادہ صحیح ۔ ج ۲ ، ص ۲۷ ۔

ب :۔ طبرانی میں ہے :۔

صلوا صلوٰۃ المغرب مع سقوط الشمس ۔ الحدیث رجالہ ثقات۔

(اعلاء السنن : ج ۲ ، ص ۴۹)۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ غروب ہوتے ہی نماز مغرب ادا کرنی چاہیئے تاکہ کلمہ "مع" کے مقتضیٰ پر عمل ہوسکے ۔

ج : حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ازواج مطہرات رضؓ سے نماز مغرب سے قبل دو رکعتوں کے متعلق خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بارے میں دریافت کیا ۔ تو سب ازواج مطہرات رضؓ نے بیک زبان ہو کر کہا ۔ کہ آپ کا یہ معمول نہ تھا ۔

صرف حضرت ام سلمہ رضؓ نے فرمایا کہ میرے ہاں صرف ایک مرتبہ ادا کی تھیں ۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا نماز ہے ۔ اس پہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ عصر سے قبل دو رکعتیں پڑھنا بھول گیا تھا ۔ وہ اب پڑھی ہیں ۔

یہ روایت طبرانی میں موجود ہے ۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ بھی دو رکعتیں قبل المغرب نہیں پڑھتے تھے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	۲۲	الجواب صحیح
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	۸ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتار

نمازِ عید سے پہلے اور بعد میں نوافل کا حکم

۱ :۔ کیا نمازِ عصر کے بعد نماز نفل یا قضاء یا ادا پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

۲ : کیا نمازِ عیدین سے پہلے یا بعد اسی مقام پر یا عیدگاہ میں کسی قسم کے نفل یا نمازِ استسقاء پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر ایک امام و خطیب صاحب نمازِ عید کے بعد اسی مقام پر نفل پڑھے

اور پڑھنے کا حکم کرے۔ تو ایسے امام صاحب کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب ۱:- عصر کے بعد نوافل کی اجازت نہیں۔ قضاء نماز تغیرِ شمس سے پہلے پڑھنے کی اجازت ہے۔ مراقی میں ہے۔

ویکرہ التنفل بعد صلوۃ فرض العصر وان لم تتغیر شمس لقوله علیه السلام لا صلوۃ بعد صلوۃ العصر حتی تغرب الشمس الحدیث (بخاری ومسلم: ص ۱۰۱)۔

اور ہدایہ میں ہے۔ ولا بأس بان یصلی فی هذین الوقتین الفوائت الخ (ج ۱: ص ۷۰)۔

۲: نمازِ عید سے قبل گھر یا مسجد یا عیدگاہ میں نوافل مکروہ ہیں۔ اور عید کی نماز کے بعد عیدگاہ میں مکروہ ہیں۔ البتہ گھر میں نوافل پڑھنے کی اجازت ہے۔ مراقی میں ہے۔

ویکره التنفل قبل صلوۃ العید ولو تنفل فی المنزل وکذا بعده ای العید فی المسجد شیئًا فاذا رجع الی منزله صلی رکعتین: (ص ۱۰۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

جماعت ہورہی ہو تو فجر کی سنتیں پڑھنے کا حکم

فجر کی نماز ہورہی ہے اور امام قرأت پڑھ رہا ہے تو کیا ایسی حالت میں مسجد کی حدود کے اندر سنتیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب سنتیں گھر ادا کرکے جانا چاہیئے۔ خصوصاً جب کہ قیامِ صلوۃ کا وقت ہوچکا ہو۔ اگر گھر سے پڑھ کر نہیں آیا تو خارج مسجد میں جہاں ممکن ہو ادا کرلے۔ اگر خارجِ مسجد میں کوئی ایسا انتظام نہ ہو تو مسجد میں جماعت سے بعید کسی دیوار یا ستون وغیرہ کی آڑ میں ادا کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جماعت سے جتنا قریب ہوگا اتنا کراہت میں بھی اضافہ ہوگا۔ جتنا بعید

ہوگا اتنی کراہت میں بھی تخفیف ہوگی۔ کذا فی الشامیہ[۱]۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

[۱] والحاصل ان السنة فی سنة الفجر ان یأتی بها فی بیته والا فان كان عند باب المسجد مكان صلاها فیه والا صلاها فی الشتوی او الصیفی ان كان للمسجد موضعان والا فخلف الصفوف عند سارية اھ وفی العناية فان لم یكن علی باب المسجد موضع للصلوة یصلیها فی المسجد خلف سارية من سواری المسجد واشدها كراهة ان یصلیها مخالطاً للصف مخالفا للجماعة والذی یلی ذلك خلف الصف من غیر حائل۔ اھ ومثله فی النهاية والمعراج۔ اھ (شامی ج۱، ص ۵۳۰)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاویٰ

اذانِ مغرب کے دوران تحیۃ الوضوء پڑھنا

بکر نے وضوء کیا۔ مؤذن نے اذان دینا شروع کی۔ بکر نے دو رکعت نفل تحیۃ الوضوء کی نیت باندھ لی۔ اور اذان کے ختم ہونے تک بکر نے نفل پورے کر لیئے۔ تو بکر کو نفل کا ثواب مل گیا یا نہیں ؟ اور مذکورہ طریق پر نفل پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب (قال فی الهندية) ومنها (ای من الاوقات المكروهة للنوافل) ما بعد غروب الشمس قبل صلوة المغرب (ج۱ص۵۲)

اگرچہ نفل تو ہو جائیں گے لیکن اس وقت پڑھنے نہیں چاہئیں۔ بوقتِ اذان۔ اذان کا جواب دینا مسنون و ضروری ہے۔ اس ضروری امر کو چھوڑ کر نوافل میں اشتغال نہ چاہیئے۔ خصوصاً

جب کہ مغرب سے قبل نوافل کو مکروہ لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

فجر کی سنتیں رہ جائیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھے

۱ : فجر کی چھوٹی ہوئی سنتیں جماعت کے بعد سورج نکلنے سے پہلے پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

۲ : کیا یہ حدیث ترمذی وابن ماجہ میں موجود ہے کہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے۔

الجواب ۱۔ فجر کی چھوٹی ہوئی سنتیں سورج نکلنے سے پہلے نہیں پڑھ سکتا۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سمعت غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہم عمر بن الخطاب رض وکان من احبہم الی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الصلوۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس وعن الصلوۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس۔ (ترمذی، ج ۱، ص ۴۶)۔

۲ : یہ حدیث ترمذی شریف، ج ۱، ص ۸۲ - پر مذکور ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلیہما بعد ما تطلع الشمس ؎

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس
ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس
ملتان ۱ ۲۲ / ۷ / ۹۹ ۱۳ھ

نوافل میں تسبیح کے بعد ادعیہ ماثورہ پڑھ سکتے ہیں

زید نے مشکوۃ شریف باب السجود میں پڑھا ہے اور لوگوں کو بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سجدہ میں دعا رکیا کرو وہ مقبول ہوگی۔ اس کی اس بات کو کسی نے نہیں مانا۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہم تسبیح پڑھتے ہیں اور تسبیح چھوڑ کر دعا کیسے کریں۔ لہذا اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب سبحان ربی الاعلی۔ حکماً دعا ہے۔ نیز نوافل میں ادعیہ ماثورہ اس تسبیح کے بعد پڑھنے کی اجازت ہے۔ ادعیہ غیر منقولہ کی بھی گنجائش ہے۔

کذا فی المرقات ج۲ ص ۳۱۲)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۰/۲/۱۴۰۰ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

عشاء سے پہلے چار رکعت سنت کا ثبوت

چار رکعت سنت قبل عشاء غیر مؤکدہ بیک سلام (جیسا کہ مولانا حبیب محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز حنفی میں لکھا ہے) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا کسی صحابہ رضؓ کے قول و فعل سے ثابت ہے۔ مدلل جواب سے تشفی فرمائیں تاکہ اپنے علاقہ کے غیر مقلدین کو مطمئن کر سکیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ بدعت مولوی حبیب محمدؒ نے جاری کی ہے اسکی وضاحت فرمائیں۔

الجواب عشاء کے فرائض سے قبل جو چار رکعتیں ہیں ان کی حیثیت کتب حنفیہ کے مطابق مستحب و مستحسن ہونے کی ہے۔ کبیری میں ہے۔

وما ذکر من السنة قبل العصر وقبل العشاء فذلك مستحب (ص ۳۷۱)

وذکر فی المحیط ان تطوع قبل العصر باربع وقبل العشاء باربع حسن الخ

باقی رہا ان رکعتوں کے ثبوت کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین کل اذانین صلوۃ۔(بخاری ص۸۷ ج۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر اذان اور تکبیر کے درمیان نماز ہے۔ چنانچہ عشاء کی اذان و تکبیر کے درمیان بھی نماز ثابت ہوئی۔ باقی چار رکعت کے مستحب ہونے کی دلیل یہ ہے۔

بخاری شریف و مسلم شریف میں حدیث عائشہؓ ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا۔ الحدیث۔

یہ حدیث اگرچہ تہجد سے متعلق ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نوافل کے متعلق عام عادت و معمول چار رکعتیں پڑھنے کا تھا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہو وہ یقیناً افضل اور بہتر ہوگا۔ نیز چار رکعتیں ایک سلام سے ادا کرنے میں مشقت زیادہ ہے مشقت والے فعل کا افضل ہونا قرآن پاک (ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا) ای اشد فی وطاء النفس واشق علیہا) اور حدیث شریف سئل ای الاعمال افضل فقال اجہدھا ای اشقہا علی البدن۔ مقاصد حسنۃ، ص ۳۳) سے معلوم ہوتا ہے۔

اس مشقت کی بناء پر عشاء کی نماز کی فضیلت احادیث میں وارد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عشاء سے پہلے بھی چار رکعتیں پڑھنا مستحب ہے۔ چنانچہ بعض کتب میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے عشاء سے قبل چار رکعتیں ادا کرنا منقول ہے۔ مراقی میں ہے۔

وندب اربع قبل العشاء لما روی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان یصلی قبل العشاء اربعا ثم یصلی بعدھا اربعا ثم یضطجع۔ (ص ۲۱۳)۔

مسلک احناف قرآن وسنت کا آئینہ ہے۔

حضرت مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ غیر مقلدین کے خود ساختہ مسائل (بدعت) کی قلعی کھولتے تھے اس لئے ان کو بدعتی کہا ہے۔ بدعتی کو دوسرا بھی بدعتی نظر آتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	۲۶	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	۴ ۱۴۰۶ھ	نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

○

سنن مؤکدہ "اَوّابِین" میں شمار ہونگی یا نہیں

صلوٰۃِ اوابین جو کم از کم چھ رکعت ہیں۔ ان میں سنتِ مؤکدہ کے بعد کی دو رکعت نفل بھی شامل ہیں یا وہ ان چھ رکعتوں سے الگ ہیں ؟

الجواب دو رکعت سنتِ مؤکدہ کے سوا دوسرے نوافل صلوٰۃِ اوابین میں شمار ہوں گے جب چھ رکعتیں پوری ہو جائیں[1] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۳ / ۱۱ / ۱۳۸۱ھ

[1] وست بعد المغرب لیکتب من الاوابین بتسلیمۃ او ثنتین او ثلاث والاول ادوم واشق وھل تحسب المؤکدۃ من المستحب ویؤدی الکل بتسلیمۃ واحدۃ اختار الکمال نعم۔ اھ (درمختار)۔

قولہ (اختار الکمال نعم) ذکر الکمال فی فتح القدیر انہ وقع اختلاف بین اھل عصرہ فی ان الاربع المستحبۃ ھل ھی اربع مستقلۃ غیر رکعتی الراتبۃ او اربع بھما وعلی الثانی ھل تؤدی معھما بتسلیمۃ واحدۃ اولا فقال جماعۃ لا واختار ھو انہ اذا صلی اربعا بتسلیمۃ او تسلیمتین وقع عن السنۃ والمندوب اھ (شامیۃ ج ۱ ص ۶۳۱)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاویٰ

فجر کی سنتوں میں تحیّۃ الوضوء کی نیت کرنا

طلوعِ صبح صادق کے بعد نفل منع ہیں تو اگر تحیۃ الوضوء کی نیت فجر کی سنتوں میں کر لی جائے تو کیا تحیۃ الوضوء کا ثواب مل جائے گا ؟

الجواب: فجر کی سنتوں میں تحیۃ الوضوء کی نیت کرنا درست ہے۔ انشاء اللہ اس سے تحیۃ الوضوء کا ثواب مل جائے گا۔

ولو نوی فرضین کمکتوبۃ وجنازۃ ـــــ الی قولہ ولونافلتین کنیۃ فجر وتحیۃ مسجد فعنھما۔ اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۳۲۵)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا۔ ۱۴/۲/۱۴۰۸ھ

ظہر کی قبلیہ سنتیں رہ جائیں تو بعد والی دو کے بعد پڑھے

ظہر کی قبلیہ سنتیں رہ جائیں تو فرضوں کے بعد دوگانہ سے پہلے پڑھے یا بعد میں۔

الجواب: راجح یہی ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھے پھر چار قبلیہ۔

لکن رجح فی الفتح تقدیم الرکعتین الخ وفی فتاوی العتابی انہ المختار وفی مبسوط شیخ الاسلام انہ الاصح لحدیث عائشۃ (رضی اللہ عنہا) انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر یصلیھن بعد الرکعتین وھو قول ابی حنیفۃ ج وکذا فی جامع قاضی خان اھ (شامی ج ۱ ص ۶۷۳)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۲۲/۹/۱۴۰۹ھ

نوافل بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں

نفل نماز پڑھنا بیٹھ کر جائز ہے؟ جب کہ نماز کے تیرہ فرائض میں سے قیام کرنا بھی ایک فرض ہے؟

الجواب: اس فرض کا تعلق فرض نماز سے ہے۔

ویتنفل مع قدرتہ علی القیام قاعدا لا مضطجعا۔ (درمختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۶۵۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

۲۱/۵/۱۴۰۷ھ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

فرائض وسنن کے ضمن میں تحیۃ المسجد کا ثواب اسکی نیت پر موقوف ہے

بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگر مسجد میں آتے ہی کوئی اور نماز فرض یا سنت پڑھی جائے تو وہی نماز تحیۃ المسجد ہو جائے گی۔ یعنی اس کے پڑھنے سے تحیۃ المسجد کا ثواب بھی مل جائے گا۔ اگرچہ اس میں تحیۃ المسجد کی نیت نہ کی گئی ہو۔ (مراقی الفلاح)

اور ایک دوسری کتاب میں لکھا ہے۔ کہ دوسری نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام تو ہو جائے گی مگر ثواب اس وقت ملے گا جب کہ اس نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت بھی کی گئی ہو۔

(درمختار)

چونکہ دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے اس لئے صحیح اور راجح قول تحریر فرمایا جائے۔

اکرام الحق، راولپنڈی

الجواب اس مسئلہ میں روایتیں دونوں طرف موجود ہیں۔ لیکن اختلاف سے بچنے کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ دوسری نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت بھی کیجائے[۱]۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۱/۴/۱۳۸۶ھ

[۱] الاولیٰ ان ینویہا بذلک الفرض لیحصل لہ ثوابہا ای ینوی بایقاع ذلک الفرض فی المسجد تحیۃ اللہ تعالیٰ او تعظیم بیتہ لان سقوطہا بہ وعدم طلبہا لا یستلزم الثواب بلا قصدہا ثم رأیت المحقق ابن حجر من الشافعیۃ

کتب عند قول المنهاج و تحصل بفرض او نفل اخر مانصه وان لم ینوھا معه لانه لم ینتهك حرمة المسجد المقصودة ای یسقط طلبها بذلك اما حصول ثوابها فالوجه توقفه علی النیة لحدیث انما الاعمال بالنیات اھ (شامی ج۱ ص ۶۳۶)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۱/۱۱/۱۰ ۱۴ ھ

طولِ قیام افضل ہے یا کثرتِ رکعت

زید کا معمول ہے کہ مغرب کے بعد ایک پارہ نوافل میں پڑھتا ہے تو کیا یہ بہتر ہے کہ ایک پارہ دو نفل میں پڑھ لے یا تھوڑا تھوڑا پڑھ کر رکوع و سجدہ کرتا رہے یعنی کئی نوافل میں پارہ پورا کرے ۔

الجواب رکعت کو لمبا کرنا بہتر ہے بہ نسبت کثرتِ رکعات کے ۔

وکثرة الرکوع والسجود احب من طول القیام کما فی المجتبیٰ ورجحه فی البحر لکن نظر فیه فی النهر من ثلاثة اوجه ونقل عن المعراج أن هذا قول محمد وان مذهب الامام افضلیة القیام و صححه فی البدائع اھ (درمختار)۔ والحاصل ان المذهب المعتمد أن طول القیام احب و معناه کما فی شرح المنیة أنه اذا اراد شغل حصة معینة من الزمان بصلوٰة فاطالة القیام مع تقلیل عدد الرکعات افضل من عکسه فصلوٰة رکعتین مثلاً فی تلك الحصة افضل من صلاة اربع فیها و هکذا القیاس اھ (شامی ج ۱ ص ۵۰۱)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

قرآنِ مجید اچھی طرح یاد نہ ہو تو سامع کا انتظام ضروری ہے

زید تراویح میں قرآن پاک سناتا ہے۔ ایک رکعت میں کم از کم تین بار بھول جاتا ہے۔ اس کے پیچھے سامع بھی نہیں۔ بھولنے پر حافظ جی صاحب کہتے ہیں کہ یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے ؟

سائل : امام الدین ، گلبرگ ، ملتان

الجواب معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کو قرآنِ مجید اچھی طرح یاد نہیں۔ ایسی صورت میں اچھے سامع کا ہونا ضروری ہے۔ قرآنِ کریم میں بیس تراویح کے اندر ایک دو مرتبہ بھول جانا تو خیر کوئی بات نہیں لیکن کثرت سے بھولنا کہ ایک رکعت میں تین تین مرتبہ بھولے، پختہ یاد نہ ہونے کی علامت ہے۔ حافظ صاحب کو چاہیئے کہ خوب محنت سے یاد کیا کریں اور سامع کا انتظام بھی ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

۶ / ۹ / ۱۳۹۹ھ

داتا دربار جاکر نوافل کی نذر مانی تو وہاں پڑھنا ضروری نہیں

زید نے نذر مانی تھی کہ میرا یہ کام ہو گیا تو داتا دربار لاہور جاکر سَو نوافل پڑھوں گا۔ تو کیا وہاں جاکر پڑھنے ضروری ہیں یا جہاں رہتا ہے وہیں پڑھ لے۔

المستفتی صوفی عبدالمنان بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

الجواب جہاں بھی پڑھ لے نذر پوری ہو جائے گی۔ اذا نذر ان یصلی فی المسجد الحرام او فی مسجد بیت المقدس فصلاها فی مکان دونه جاز اھ (عالمگیری قدیم ۱ ج ۱ ، ص ۶۰) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۳/۳/۱۴۱۰ھ

فصل فی الوتر

وتروں میں قعدہ اُولیٰ کا مفصّل ثبوت یہاں اہل حدیث کی طرف سے اہل سنت سے صلوۃ الوتر کے قعدہ اولیٰ کا ثبوت حدیث سے طلب کیا جا رہا ہے اور اپنی تائید میں وہ حدیث (عن عائشۃ رض قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذلک بخمس لایجلس فی شئ الا فی اٰخرھا (مسلم ج ۱ ص۲۵۴) پیش کر رہے ہیں ۔ براہ نوازش اس حدیث کی تاویل اور اہل سنت کی مآخذ والی حدیث مع ثبوت فقہی بالصراحت ارقام فرما کر ممنون فرمائیں ۔ نیز تحریر فرمائیں کہ حدیث مذکور بخاری شریف میں پائی جاتی ہے یا نہیں ؟ جواب بھی مفصل لکھیں تاکہ اہلسنت کی پوری پوری تسلی ہو سکے ۔

الجواب پہلے اہل سنت کے دلائل سن لیں۔

۱ ۔ عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انہ سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ۔ قالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلاثا فقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ عینیّ تنامان ولا ینام قلبی ۔ (رواہ مسلم ؛ ص۲۵۴ ؛ ج ۱)

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے ۔(۱) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی نمازِ تہجد رمضان وغیر رمضان میں

آٹھ رکعت بھی اور وتر تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ (۲) وتر سے پہلے استراحت بھی فرمالیا کرتے تھے۔ (۳) نوم انبیاء غیر ناقض وضو رہے۔

۲ : عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر ثلاث کثلاث المغرب۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ وتر مثل نمازِ مغرب کے ہے۔ (ا) مغرب کی تین رکعتیں ہیں، وتر کی بھی تین۔ ب : مغرب میں دو قعدہ ہیں اولیٰ ثانیہ، اسی طرح وتر میں بھی۔ ج : مغرب میں بھی آخر میں سلام کیا جاتا ہے۔ وتر میں بھی آخری قعدہ پر سلام ہونا چاہئے۔

۳ : طحاوی میں ہے۔ عن حمید عن انس رضی اللہ عنہ۔ قال الوتر ثلاث رکعات و کان یوتر بثلاث رکعات۔ (ج ۱ ص ۱۷۳)

۴ : طحاوی میں ہے۔ ان الوتر کان عند ابن عمرؓ ثلثا کصلوۃ المغرب۔ (ج ۱ ص ۱۶۵)

۵ : عن عامر ھو الشعبی قال سألت ابن عباس وابن عمرؓ کیف کان صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فقالا ثلاث عشرۃ رکعۃ ثمان۔ ویوتر بثلاث ورکعتین بعد الفجر۔ رواہ الطحاوی ج ۱ ص ۱۶۵ وابن ماجہ والنسائی۔

دلائل وجوب قعدہ بر ہر دو رکعت

واضح رہے کہ ہر دوگانہ پر التحیات بیٹھنا ضروری ہے جس کے لئے احادیث ذیل کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ روایات وتر وغیر وتر تمام نمازوں کے لئے مساوی الدلالت ہیں۔

۱ : عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح الصلوۃ بالتکبیر والقراءۃ بالحمد للہ رب العالمین الیٰ قولہ وکان یقول فی کل رکعتین التحیۃ رواہ مسلم (ج ۱ ص ۱۹۴ باب جامع الصلوۃ)۔

اس روایت میں صاف مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے اور التحیات پڑھنے کے لئے قعدہ لازم ہے اس بناء پر حدیث یوتر من ذلک بخمس لا یجلس الا فی آخرھا تمام علماء کے نزدیک مؤوّل ہے۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہو۔ جو لوگ اہلحدیث ہونیکے مدعی ہیں انکی عادت ہے کہ خود رائی اور خود اجتہادی کی بنا پر صرف ایک روایت کو لے لیتے ہیں اور دوسری

حدیثوں کے متعلق صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے اس لئے متروک ہے یا یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس طرح بعض روایتیں متروک اور بعض معمول بہا ہوجانے کے علاوہ احادیث نبویہ متعارض ہوتی نظر آتی ہیں۔ اور لوگوں کو حدیثوں میں شبہات نظر آتے ہیں۔ مثلاً فاتحہ خلف الامام کی روایتوں کو لے کر روایات ترک فاتحہ کو ضعیف غیر قابل عمل بتلا دیتے ہیں۔ اس طرح ایک ذخیرۂ احادیث ان کے نزدیک ردی کی ٹوکری کے قابل ہوجاتا ہے۔ بخلاف مسلک احناف کثرہم اللہ کے۔ کہ ان کا مسلک احتیاط اور تحقیق پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ حضرات ایک مسئلہ کے متعلق تمام روایات واردشدہ کو جمع کرکے مقدم و مؤخر، ناسخ ومنسوخ، صحیح وضعیف وغیرہ تمام گوشوں پر نظر کرکے فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی طرح مسئلۂ وتر ہے۔ چونکہ اس استفتاء میں صرف قعدۂ اولیٰ کے متعلق سوال کیا گیا ہے اس لئے ہم اپنی بحث اسی پر مقصور کرتے ہیں اگر تحقیق درکار ہو تو حضرت شاہ صاحبؒ کا رسالہ عربی کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر مطالعہ فرمائیں۔

۲ : عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ اللیل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ واذا خشی احدکم الصبح صلی رکعۃ واحدۃ توتر لہ ما قد صلی۔ رواہ مسلم (ج ۱۔ ص ۲۵۷)۔

۳ : عن الفضل بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ مثنی مثنی تشہد فی کل رکعتین الخ۔ رواہ الترمذی قال ابن حجر المکی اسنادہ حسن۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی شریف ج ۱۔ ص ۷۷)

یہ دو روایتیں ہیں۔ دوسری روایت پہلی روایت کے لئے بمنزلہ تفسیر کے ہے۔ مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ نماز کی وضع شرعی یہ ہے کہ ہر رکعت دوسری رکعت کے ساتھ مقرون ہو۔ چاہے نماز دن کی ہو یا رات کی۔ (چنانچہ بعض روایات ابن عمرؓ میں صلوٰۃ اللیل والنہار بھی وارد ہوا ہے) اور ایک رکعت کی نماز مشروع نہیں ہے یہاں تک کہ وتر میں بھی رکعت واحدہ کو علیحدہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دوگانہ کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے۔ جس سے وہ دوگانہ وتر بن جائے گا۔ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نے یہ وضاحت کردی کہ ہر دوگانہ پر تشہد لازم ہے۔ شارح مسلم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے فوائد کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

" وفی ھذا تنبیہ علی عدم مشروعیۃ التنفل بالرکعۃ الواحدۃ البتیراء کما قال ابن دقیق العید وعلی عدم مشروعیۃ الرکعات

—— المتوالیۃ الزائدۃ علی ثنتین من غیر تخلل التشہد بینہما و ہو الظاہر من حدیث عائشۃ عند مسلم قالت وکان یقول فی کل رکعتین التحیۃ فہذا مدلول الحدیث والمشتریۃ بہذا المعنی لا یستلزم التسلیم علی کل رکعتین انتہی۔ فتح الملہم: ج ، ص)

بڑا ہی تعجب ہے کہ غیر مقلد حضرات "یوتر من ذلک بخمس لا یجلس فی شیٔ الا فی آخرھا" کو نہ سمجھنے کی بنا پر ان تمام احادیث سے غافل ہوگئے۔ بلکہ ان حدیثوں کے دانستہ یا نادانستہ ترک کے گناہ میں پڑگئے۔ اگر اس حدیث کی شرح کسی طالب علم سے جس نے باقاعدہ کسی مدرسہ میں علم حدیث حاصل کیا ہوا ہوتا پوچھ لیتے تو اس جہالت میں مبتلا نہ ہوتے۔ (جیسا کہ عنقریب اس حدیث کی شرح بعد میں بیان کر دی جائے گی۔

۴ ؛ وفی المصنف ابن ابی شیبۃ المکتوب بالقلم من ص۵۵۴ والقول البدیع ص۱۳۴

" جعفر بن برقان عن عقبۃ بن نافع قال سمعت ابن عمر رض یقول لیس صلوٰۃ الا وفیہا قراءۃ وجلوس فی الرکعتین و تشہد و تسلیم فان لم تفعل ذلک سجدت سجدتین وانت جالس۔ (فتح الملہم ج ص۲۹۰)

اس حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ مذکور ہے جو کہ حکم مرفوع میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ کوئی نماز ایسی نہیں کہ اس میں قرآت نہ ہو، اور یہ کہ اس کے ہر دوگانہ پر قعدہ نہ کیا جائے اور تشہد و تسلیم نہ ہو (تسلیم سے مراد السلام علیک ایہا النبی ہے۔ جس کے دلائل یہاں ذکر کرنے کا موقع نہیں) اور اگر تو درمیان میں تشہد نہ کر سکے (یعنی بھول جائے) تو دو سجدہ سہو بحالت جلوس کرنے لازم ہوں گے۔

ان دلائل سے واضح ہوگیا کہ ہر دوگانہ پر قعدہ لازم ہے اور ترک پر سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔ یہ وہ قعدہ ہے جسے قعدہ اولیٰ کہتے ہیں۔ اب حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق توضیح اور تشریح سن لیجئے جس سے یہ حدیث ان روایات مذکورہ بالا کے ساتھ منطبق ہو جائے گی اور جو تعارض بظاہر نظر آرہا ہے رفع ہو جائے گا۔ پوری حدیث ان الفاظ کے ساتھ مسلم شریف میں وارد ہوئی ہے۔

عن عبد اللہ بن نمیر قال حدثنا ابی قال ثنا ھشام عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی

من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر من ذلك بخمس لا يجلس
فی شیٔ الا فی آخرھا۔ رواہ مسلم۔(ج۱ص۲۵۴)۔

ا: اوّل تو یہ حدیث مختلف فیہ ہے۔ بعض حضرات ائمہ اس کا انکار کرتے ہیں جن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ہشام نے یہی روایت حجاز میں اور سیاق سے ذکر کی۔ جب عراق میں پہنچا تو اس نے دوسری طرح بیان کرنا شروع کیا جو کہ موجودہ سیاق ہے۔ حوالہ کے لئے دیکھئے "مواہب لدنیہ" کی شرح۔ اس میں زرقانی رح لکھتے ہیں۔

(قد صح عنه صلی الله علیه وسلم انه اوتر بخمس لم یجلس الا فی آخرهن) ای صلاهن بتشهد واحد (لکن احادیث اثبت و اکثر طرقا) اذهو الذی رواه الحفاظ عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة وتلك الروایة انفرد بها بعض اهل العراق عن هشام وقد انكرها مالك وقال منذ صار هشام بالعراق اتانا عنه مالم نعرف وقال ابن عبد البر ماحدث به هشام قبل خروجه الی العراق اصح عند اهل الحديث۔

ب: لیکن ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ "بذل المجہود" میں تحریر فرماتے ہیں۔ اس حدیث کے توابع موجود ہیں اس لئے حدیث ثابت ہے لیکن ہمارے لئے مضر نہیں، اسلئے کہ اس میں جس جلوس کی نفی کی گئی ہے وہ جلوس تشہد نہیں۔ کیونکہ اس کے مراد لینے میں تمام احادیث بالا کا خلاف لازم آئے گا۔ بلکہ اس سے مراد یا تو جلوس استراحت ہے جو کہ تہجد کی نماز کے دوگانوں، یا چہارگانوں میں واقع ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ روایت کنز العمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

قالت كان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی من اللیل ست ركعات یسلم من كل ركعتین ثم یجلس فیسبح ویكبر ویقوم فیصلی ركعتین

(ابن جریر)

پس یہ روایت قرینہ ہے کہ جلوس منفی سے مراد یہی جلوس ہے۔ اس صورت میں معنیٰ حدیث یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ رکعتوں میں سے جن میں سے تین وتر اور ایک اس سے پہلے کا دوگانہ مراد

ہے جلوسِ استراحت نہیں فرماتے تھے بلکہ آخر میں ہی جلوس کرتے تھے ۔

۲ : دوسری توجیہ یہ ہے کہ جلوس سے مراد وہ جلوس ہے جس کے بعد سلام کیا جائے ۔ اور قرینہ اس پہ روایت ابی داؤد ہے جس میں یہ الفاظ واقع ہیں " حتی یجلس فی الآخرۃ فیسلم " جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ آخر میں بیٹھ کر سلام کرتے تھے ۔ وہ جلوس جس میں سلام نہیں ہوتا تھا وہ تو پہلے بھی ہوتا تھا لیکن وہ جلوس جس کے بعد سلام فرماتے تھے آخر میں ہوتا تھا ۔ اس طرح سے درمیان کے قعدہ کی نفی نہ ہوئی ۔

لیکن اس توجیہ پہ یہ اشکال لازم آتا ہے کہ پہلا دوگانہ نفل کا ہوا اس پہ قعدہ کر کے پھر آپؐ نے وتر ادا کیئے ۔ وتر کی بنا ء نفل پہ لازم آئے گی ۔ اس کے متعلق جواب یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک وتر سنت ہیں ۔ لہذا ان کی بناء نفل پر بلا کراہت ہو سکتی ہیں ۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ وتر واجب ہیں لیکن اس کی بناء نفل پر جائز ہے ۔

۳ : تیسری توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ نوافل میں بعض اوقات بیٹھ جایا کرتے تھے اور بیٹھ کر پڑھتے رہتے تھے ۔ جب رکوع کا وقت آتا تھا تو کھڑے ہو کر تیس چالیس آیات پڑھ کر رکوع کیا کرتے تھے ۔ یہ عادت شریفہ بخاری شریف کی اس روایت سے ثابت ہے ۔

عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضي الله عنها انها لم تر رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي صلوة الليل قاعدًا قط حتى اسن فكان يقرأ قاعدًا حتى اذا اراد ان يركع قام فقرأ نحوًا من ثلثين اٰية او اربعين اٰية ثم يركع ۔ (رواه البخاري في باب اذا صلى قاعدًا ثم صح اووجد خفة تمم ما بقي) ص۱۵۰ ج۱) ۔

اب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ عادت شریفہ نوافل تہجد کے متعلق تھی ۔ وتر کی تین رکعتیں اور ایک دوگانہ جو وتر سے پہلے ہوتا تھا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قعود نہیں فرماتے تھے ۔ وتر میں تو اس لئے کہ وہ واجب ہیں اور اس میں قادر علی القیام کے لئے قعود جائز نہیں ۔ اور دوگانہ جو وتر سے پہلے ہوتا تھا وہ بھی بوجہ اتصالِ وتر کے اس کے حکم میں داخل کر دیا گیا جیسا کہ "فتح الملہم" میں ہے ۔

والشفع الذي كان يوتر بعده صار لاتصاله به مستحبا بحكم الوتر عليه فلم يقعد فيه ايضًا ۔

واضح رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کے جو معانی ذکر کیئے گئے ہیں یہ سب معانی

صحیح اور محتمل ہیں اور احادیث اُخری کے ساتھ مؤید ہیں اور ان معانی کا مراد لینا لازم امر ہے تاکہ وہ روایات جو سابقہ بیان ہوئی ہیں ان میں اور اس حدیث میں تعارض واقع نہ ہو۔

الجواب صحیح
خیر محمد، مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان
۴ شوال المکرم ۱۳۷۰ھ

فقط واللہ اعلم بالصواب
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ، خادم الافتاء
خیر المدارس ملتان، ۳ شوال ۱۳۷۰ھ۔

ایک حدیث سے عدمِ وجوبِ وتر پر استدلال کا جواب

اخبرنا ابو یعلی حدثنا ابو الربیع الزاھرانی الی اخر السند عن عیسی بن جاریۃ عن عبد اللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شھر رمضان ثمانی رکعات و اوتر فلما کانت اللیلۃ القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج لنا فیصلی بنا فاقمنا فیہ حتی اصبحنا فقلنا یا رسول اللہ رجونا ان تخرج فتصلی بنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی کرھت او خشیت ان یکتب علیکم الوتر او کما قال۔

(صحیح ابن حبان، ص ۲۳۰، مطبع مکتبہ سلفیہ مکہ مکرمہ)

زید اور بکر کا اس حدیث کے مفہوم میں اختلاف ہے۔

زید، کہتا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وتروں کی باجماعت فرضیت کو مکروہ سمجھا اور ڈر گئے۔ اس لئے دوسرے دن آپ نے نماز نہیں پڑھائی اور آٹھ رکعات تراویح کو نہ مکروہ سمجھا اور نہ ترک کیا۔

بکر، کہتا ہے کہ اس حدیث سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح اور وتر دونوں کے بارے میں انی کرھت او خشیت ان یکتب علیکم الوتر فرمایا ہے۔ پھر ان آٹھ رکعت تراویح باجماعت کو مکروہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور پھر آپ نے نہیں پڑھائی۔ وتروں کے متعلق اس لئے نہیں کہ وتر تو پہلے ہی سے واجب تھے۔ انی کرھت او خشیت کا تعلق تو اس نئی نماز کے ساتھ ہے جو رمضان میں آئی ہے بات اس کی تھی اور اسی کو باجماعت ترک فرمایا۔

المستفتی : محمد سلیمان خطیب جامع مسجد مرکزی گوجرہ ضلع لائلپور

الجواب بکر کا قول درست ہے اور مذکورہ روایت میں ان یکتب علیکم الوتر سے صرف وتر اصطلاحی کی ایک یا تین رکعت مراد نہیں بلکہ اس سے مراد وہی مجموعہ صلوۃ اللیل (تراویح) ہے جو پہلی رات پڑھی گئی تھی۔ ایک تو یہ امر خود سیاق ان یخرج فیصلی بنا سے ظاہر ہے۔ دوسرے اس کی تصریح صحیح مسلم میں بروایت صحیح موجود ہے۔ روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

" ولکنی خشیت ان تفرض علیکم صلوۃ اللیل فتعجزوا عنها "

(باب الترغیب فی قیام رمضان ج ۱ ص ۲۷۹)

اور تقریباً اسی کے ہم مثل الفاظ شرح معانی الآثار میں موجود ہیں۔ " خشیت ان یکتب علیکم قیام اللیل۔ اھ (باب القیام فی شہر رمضان)۔ روایت موطا میں الفاظ دو قسم کے ہیں۔ ان تفرض اور ان یفرض، صاحب اوجز المسالک ان کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ " ان تفرض ای صلوۃ اللیل وفی نسخۃ ان یفرض ای القیام " پس جب لفظ " الوتر " کی تشریح خود دوسری صحیح روایت میں " صلوۃ اللیل " سے مصرح ہے تو بکر کے قول کی صحت اور زید کے قول کا غلط ہونا ظاہر ہو گیا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۱ / ۹ / ۸۸ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ

وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ

نماز وتر ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ ایک شخص وتر کی تیسری رکعت کو سنت بتلاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور مذکورہ رکعت میں ثناء پڑھنا بھی بتلاتا ہے۔ قنوت کے بعد درود شریف بھی پڑھتا ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب وتر کی تینوں رکعات واجب ہیں اور ان کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سبحانک اللھم اور الحمد وسورۃ پڑھیں دوسری رکعت میں صرف الحمد اور سورت پڑھیں۔ پھر قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے اٹھیں۔ تیسری رکعت میں الحمد اور سورت پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہیں اور دعاء قنوت پڑھیں پھر رکوع میں جائیں اور نماز پوری کر لیں۔ رکوع سے قبل درود مالک نہ پڑھیں[۱] تیسری رکعت میں ثناء بھی نہ پڑھیں۔ فقط واللہ اعلم

[۱] مستحب یہ ہے کہ پڑھیں کما فی حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی صلنلا ، محمد انور مرتب خیر الفتاوی۔

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ، مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰، ۹، ۱۳۷۸ھ

وتر کی نیت میں واجب کی تصریح ضروری نہیں

ایک عالم سے وتر کی نیت پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ بہتر یہ ہے یوں کہو کہ " وتر واجب اس رات کے" مطلق واجب کہا جائے تب بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر وتر واجب عشاء کے کہنا بہتر ہے۔ اگر عالم کا جواب آپ کے نزدیک صحیح ہے تو حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب وفی الوتر ینوی صلوٰۃ الوتر کذا فی الزاهدی اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۶۶)
نماز وتر کے لئے اتنی نیت بھی کافی ہے کہ "تین رکعات نماز وتر اللہ کے لئے پڑھتا ہوں" واجب، کا لفظ ساتھ کہہ لے تو بھی جائز ہے۔ کما فی الشامیۃ، ج ۱-ص ۳۸۹۔

"ای لایلزمہ تعیین الواجب ولیس المراد منعہ من ان ینوی وجوبہ۔"

آج رات یا عشاء کے کہنے کی حاجت نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۳، ۶، ۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

فرض عشاء ادا کرنے سے پہلے وتر نہیں پڑھ سکتے

زید جب مسجد میں پہنچا تو فرض اور تراویح ہو چکی تھیں اور وتروں کی جماعت تیار تھی تو کیا زید پہلے فرض ادا کرے یا وتروں میں شریک ہو سکتا ہے؟

الجواب عشاء کے فرضوں اور وتر میں ترتیب واجب ہے۔ لہذا وتروں کی جماعت میں شریک نہ ہو بلکہ پہلے فرض ادا کرے۔" ووقت العشاء والوتر منہ الی الصبح ولکن لا یقدم علیہا الوتر لوجوب الترتیب اھ (تنویر الابصار علی الشامیہ ص ۲۶۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۹ رشوال ۱۴۰۲ھ

جس نے فرض وجملہ تراویح علیحدہ پڑھی ہوں وہ وتر بھی علیحدہ پڑھے

جس نے عشاء کے فرض اور تراویح اکیلے ادا کئے ہوں وہ وتروں کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ ۔ ۲ ۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو فساد امت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کا اتباع کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا ۔ یہ حدیث کہاں موجود ہے!

مولانا محمد علی ، خطیب جامع مسجد سمندری ، لائلپور

الجواب جس نے فرض اور تراویح دونوں علیحدہ ادا کئے ہوں وہ وتر بھی جماعت کے ساتھ نہ پڑھے ۔ اگر کچھ حصہ تراویح با جماعت پڑھا ہو تو وتروں کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے ۔ کیونکہ جس سے عشاء کے فرض باجماعت فوت ہوتے ہوں وہ تراویح میں شریک ہوسکتا ہے ۔ (کبیری ص ۳۹۱) اور وتر کی جماعت ، تراویح کے تابع ہے کما فی الشامیہ ۔

ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح اھ (شامی ج ۱ ص ۶۶۳) ۔

۲ : کتاب الاعتصام باب السجود وفضلہ میں یہ حدیث موجود ہے ۔ من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد . اھ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ، ۱۱ / ۱ / ۱۳۸۲ھ

تہجد گزار بھی رمضان میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھیں

تہجد پڑھنے والے رمضان شریف میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھیں یا تہجد کے وقت پڑھیں ؟ اور غیر رمضان شریف کے وتر تہجد سے پہلے پڑھے جائیں یا بعد میں ؟

الجواب رمضان شریف میں وتر جماعت سے پڑھنا افضل ہے ۔ شامی میں ہے :۔

ذالوتر كالتراويح فكما ان الجماعة فيهما سنة فكذلك الوتر بحر وفي شرح المنية والصحيح ان الجماعة فيها افضل الا ان سنيتها ليست كسنية جماعة التراويح (شامی ج ۱ ص ۶۶۵) قال الخير الرملی وهذا الذى عليه عامة الناس اليوم ، (ج ۱ : ص ۶۶۵) ۔

غیر رمضان میں افضل یہی ہے کہ رات کی نماز میں سب سے آخر میں وتر پڑھے جائیں یہ اس شخص کے لئے ہے

جو صبح سویرے اٹھ سکتا ہے ورنہ سونے سے پہلے پڑھے۔

قوله وتاخیر الوتر ای یستحب تأخیره لقوله صلی الله علیه وسلم من خاف ان لا یوتر من آخر اللیل فلیوتر أوله ومن طمع ان یقوم آخره فلیوتر آخر اللیل فان صلوٰة آخر اللیل مشهودة وذلك افضل ۔ اھ (شامیه : ج ۱، ص ۳۴۲)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

وتروں میں رکوع کے بعد قنوت پڑھی تو نماز کا حکم

امام صاحب نے وتروں میں قنوت سے پہلے رکوع کر لیا پھر واپس ہو کر دعاءِ قنوت پڑھی اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا کیا نماز ہو گئی ؟

الجواب نماز ہو گئی بشرطیکہ سجدۂ سہو کر لیا ہو۔ ولو قنت بعد رفع رأسه من الركوع لا يعيد الركوع ويسجد للسهو لزوال القنوت عن محله الاصلی وتاخیر الواجب اھ (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ص ۲۱۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ محمد صدیق غفر لہٗ مدرس خیر المدارس ملتان۔ | محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی۔ ۸-۹-۱۳۹۶ھ

تکبیر قنوت واجب ہے یا نہیں

دعاءِ قنوت میں جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اگر یہ سہواً نہ پڑھی گئی ہو تو سجدۂ سہو واجب ہو گا یا نہیں ؟

محمد شفیع بن حکیم الدین ، حیدرآباد۔

الجواب تکبیرِ قنوت کے بارے میں اختلاف ہے بعض حضرات وجوب کے قائل ہیں ان کے مذہب پر سجدۂ سہو لازم آجائے گا۔ صاحب بحر وجوب کے خلاف ہیں ان کے نزدیک سجدۂ سہو نہیں آئیگا۔ اگر احتیاط پر عمل کرتے ہوئے سجدۂ سہو کر لیا جائے تو بہتر ہے ورنہ ترک کی بھی گنجائش ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۴۲۹)

فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ، مفتی خیر المدارس ملتان۔

جس کو دعاءِ قنوت یاد نہ ہو وہ کیا پڑھے

اگر کسی کو دعاءِ قنوت یاد نہ ہو تو کوئی اور دعاء ہے جو وتروں میں پڑھی جاسکے؟

الجواب اگر کسی شخص کو دعاءِ قنوت یاد نہ ہو جو وتروں میں پڑھی جاتی ہے تو یہ آیت اس مقام پر پڑھے " ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار - کما فی الشامیۃ ج ۱ ص ۶۲۴ :- ومن لا یحسن القنوت یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا الاٰیۃ معہذا دعاءِ معروف کو یاد کرنے کی کوشش کرے جب تک یاد نہ ہو اس پر اکتفاء کرے۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ؛ ۵/۷/۱۳۷۶ھ

دعاءِ قنوت سے پہلے تکبیر و رفع یدین کا ثبوت

نماز وتر میں دعاءِ قنوت سے پہلے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اللہ اکبر کہنے کا ثبوت حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فراہم کریں۔

الجواب آنحضرت علیہ السلام اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے عمل سے قنوت پڑھنے سے پہلے رفع یدین اور تکبیر ثابت ہے۔

۱ : عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال ارسلت امی لیلۃ لتبیت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنظر کیف یوتر الی ان قال ثم قرأ بقل ھو اللہ احد حتی اذا فرغ کبر ثم قنت فدعا بما شاء اللہ ان یدعو۔ (الحدیث)

(استیعاب لابن عبد البر)

۲ : عن الاسود عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ انہ کان یقرأ فی اٰخر رکعۃ من الوتر قل ھو اللہ احد ثم یرفع یدیہ فیقنت قبل الرکعۃ ۔اھ

(رواہ البخاری فی جزء رفع الیدین وقال صحیح)۔

۳ : عن ابی عثمان کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرفع یدیہ فی القنوت ۔اھ

(اخرجہ البخاری فی الجزء وصححہ)

۴ : عن ابراھیم ان القنوت فی الوتر واجب فی رمضان وغیرہ قبل

الوکوع واذا اردت ان تقنت فکبر۔ اھ (کتاب الحج والآثار)۔

وان اراد ان یقنت کبر ورفع یدیہ وقنت لقولہ علیہ السلام لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن وذکر منہا القنوت۔ اھ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۲۸)

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰؍۱۰؍۱۳۹۹ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قنوتِ وتر میں وضع یدین سنت سے ثابت ہے

قنوتِ وتر میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا سنت یا صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عمل سے کیا ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: وضع الیدین سنتِ قیام ہے یہ مسئلہ تقریباً اجماعی ہے۔ فریقِ مخالف بھی وتروں کے علاوہ باقی تمام نمازوں میں قیامِ فرض میں وضعِ یدین کا قائل ہے۔ بلکہ نمازِ وتر میں بھی تکبیرِ قنوت تک اسی پر عامل ہے۔ تکبیرِ قنوت کے بعد سنتِ اجماعی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ اپنے عمل کا حدیثِ صحیح سے ثبوت مہیا کرے جنہوں نے سنتِ اجماعی کو عند القنوت بھی ترک نہیں کیا۔ ان کے ذمہ ثبوت نہ لگایا جائے۔ ایک حدیث سے ان حضرات کے طریقِ کار کا بدعت و مکروہ ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ طبرانی باب القنوت میں ہے۔

عن ابن عمر رض ارءیتم رفع ایدیکم فی الصلوۃ واللہ انہ لبدعۃ مازاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا قط فرفع یدیہ حیال منکبیہ۔ (الحدیث)

اس پر اعلاء السنن میں لکھا ہے۔

واما قولہ ارءیتم رفعکم ایدیکم فی الصلوۃ واللہ انہ لبدعۃ ففیہ دلیل علی کراھۃ اطالۃ رفع الیدین فی القنوت کما ترفعان فی الدعاء خارج الصلوۃ۔ (ج ۶، ص ۵۷)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا عمل خلافِ سنت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ وضع الیدین تحت السرۃ فرضِ قیام میں مسنون کیوں ہے۔ اس پر بہت سی احادیث اور اقوال شاہد ہیں۔

۱: عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال

رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ تحت السرۃ اخرجہ ابن ابی شیبۃ ورجالہ ثقات وقال الشیخ قاسم بن قطلوبغا الحنفی ان ھذا اسناد جید۔ (اعلاء: ج ۲۔ ص ۱۴۴)

۲: ان علیا قال من السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ۔ (ھکذا فی بذل المجھود ج ۱، ص ۲۳)

۳: عن ابی وائل قال قال ابوھریرۃ اخذ الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ (ھکذا فی بذل المجھود: ج ۱، ص ۲۳)

حضرت امام طحاوی رح نے امام ابن سیرین رح کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔ کل حدیث ابی ھریرۃ رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (اعلاء: ج ۲، ص ۱۴۱) ابن سیرین رح کے فرمان کے مطابق حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حکماً مرفوع ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی وضع الیدین تحت السرۃ کو سنت قرار دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیام فرض میں ترکِ وضع بدعت ہے۔

الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہٰذا

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

وتروں کی جماعت صرف رمضان المبارک میں کرائی جائے

رمضان المبارک کے علاوہ بھی وتروں کی جماعت کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: وتروں کی جماعت صرف رمضان المبارک کے ساتھ خاص ہے۔ رمضان کے علاوہ باقی ایام میں وتر منفرداً پڑھے جائیں۔

ویوتر بجماعۃ استحبابا فی رمضان فقط علیہ اجماع المسلمین لانہ نفل من وجہ والجماعۃ فی النفل فی غیر التراویح مکروھۃ فالاحتیاط ترکہا فی الوتر خارج رمضان۔اھ (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی ص ۲۱۱ م)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہٰذا ۱۳/۷/۱۴۰۸ھ

مسبوق امام کے ساتھ ہی قنوت پڑھے

اگر کوئی شخص وتروں کی دوسری یا تیسری رکعت میں شامل ہوا ہے تو قنوت امام کے ساتھ پڑھے یا اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کے وقت پڑھے۔

الجواب امام کے ساتھ ہی تیسری رکعت میں پڑھ لے اور بقیہ نماز ادا کرتے وقت نہ پڑھے۔ ولو ادرک الامام فی رکوع الثالثۃ من الوتر کان مدرکاً للقنوت حکما فلا یأتی بہ فیما سبق بہ کما لو قنت المسبوق معہ فی الثالثۃ اجمعوا انہ لا یقنت مرۃ اخری فیما یقضیہ لانہ غیر مشروع ۔ اھ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی : ص ۲۱۱)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۰/۳/۱۴۱۱ھ

جو ائمہ دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت الگ پڑھتے ہوں حنفی ان کی اقتداء نہ کریں

وتر کے بارے میں یہاں کے اماموں کا طرز عمل کئی طرح پر ہے بعض ہماری طرح تین رکعات پڑھتے ہیں۔ بعض دو پر سلام پھیر کر پھر ایک رکعت بعد میں پڑھتے ہیں۔ پاکستانی اور انڈین امام تین وتر پڑھتے ہیں۔ مقامی اور مصری ائمہ ایک رکعت الگ پڑھتے ہیں۔ تو کیا ہم ان کی اقتداء کر سکتے ہیں؟ اور جب ان کی اقتداء کریں تو ہم سلام پھیریں یا نہ پھیریں؟

سید باقر حسین نقوی۔ دوبئی۔

الجواب جو ائمہ دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت الگ پڑھتے ہوں ان کی اقتداء میں وتر نہ پڑھا کریں۔ ایسی صورت میں اگر اپنے ساتھی موجود ہوں اور کسی طرح

نامناسب نہ ہو تو الگ جماعت کرالیا کریں ۔ ورنہ اکیلے اکیلے حسب معمول وتر پڑھ لیا کریں ۔

(وصح الاقتداء) فیہ (فی غیرہ) اولی ان لم یتحقق منہ ما یفسدھا فی اعتقادہ علی الاصح کما بسطہ فی البحر ۔ (بشافعی) مثلاً (ان لم یفصلہ بسلام) لا ان فصلہ (علی الاصح) فیہما للاتحاد وان اختلف الاعتقاد ۔ اھ ۔ (در مختار علی الشامیۃ ، ج۱ ، ص۴۹۴)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۰/۱۰/۱۴۱۰ھ

امام مقتدی کے قنوت مکمل کرنے سے پہلے رکوع میں چلا جائے

اگر امام جلدی جلدی دعائے قنوت پڑھ کر رکوع میں چلا جائے اور مقتدی ابھی درمیان ہی میں ہو تو مقتدی پوری کر کے رکوع میں جائے یا اسی وقت چلا جائے ؟

الجواب جتنی پڑھ چکا ہے وہیں ختم کر کے امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے ۔

ولو رکع فی الوتر قبل ان یتم المقتدی القنوت یتابعہ لان القنوت لیس بمقدر ولا معین اما ان کان لم یقرأ شیئا من القنوت فحینئذ ینظر ان خاف فوت الرکوع بقراءۃ شئی منہ یرکع ویترکہ والا یقرأ مقدار ما لا یفوت الرکوع مع الامام ثم یرکع ۔ اھ (کبیری ، ص۴۸۷)۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	مفتی جامعہ خیر المدارس ، ملتان
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان	۴/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

وتروں میں دعاءِ قنوت کی جگہ تین دفعہ قل ہو اللہ پڑھنے کا حکم

ایک شخص کو دعائے قنوت یاد نہیں تو وہ اس کے قائم مقام کون سی دعاء پڑھے۔ علاوہ ازیں یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ تین بار سورۃ قل ہو اللہ احد پڑھے۔ یہ کس حد تک صحیح ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ سورۃ اخلاص بالکل نہیں پڑھ سکتا۔ صحیح صورتِ حال سے مطلع فرمائیں۔ فجزاکم اللہ خیرا۔

المستفتی بندہ محمد طیب طاہر

الجواب معروف دعاءِ قنوت یاد نہ ہو تو اس کی جگہ کوئی اور ماثورہ دعاء بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کوئی دعاء یاد نہ ہو تو قل ھو اللہ بہ نیتِ ثناء و دعاء پڑھ لیں تو بھی واجب ادا ہو جائے گا۔

و من لا یحسن القنوت یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ وقال ابو اللیث یقول اللھم اغفرلی یکررھا ثلاثا وقیل یقول یارب ثلاثا ذکرہ فی الذخیرۃ۔ اھ (شامی ج ۱، ص ۶۲۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۵ / ۸ / ۱۴۰۶ھ

واختلف المشائخ فی حقیقۃ القنوت الذی ھو واجب عندہ فنقل فی المجتبیٰ أنہ طول القیام دون الدعاء وفی الفتاوی الصغری العکس وینبغی تصحیحہ۔ (باب الوتر، شامیۃ)۔

ایک قول یہ ہے کہ قنوت سے مراد طولِ صلوۃ ہے۔ اس کے مطابق سورۃ اخلاص کے تکرار سے واجب قنوت کا ادا ہو جانا ظاہر ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ قنوت سے مراد دعاء ہے۔ اور سورۃ اخلاص گو بظاہر دعاء نہیں۔ لیکن توحید و ثناءِ باری تعالےٰ شانہ پر مشتمل ہے۔ اور ثناء علی الکریم کا دعاء ہونا متعدد مواقع پر حضرات علماءِ کرام نے لکھا ہے۔ اس لئے سورۃ اخلاص اگر اسی نیت سے پڑھی جائے گی۔ تو یہ بھی قائم مقام دعاء کے ہو جائے گی۔ بالکل نہ پڑھ سکنے کی بات درست نہیں۔

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۷ / ۸ / ۱۴۰۶ھ

دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا

آج تک ہمارا معمول یہ رہا ہے کہ دعائے قنوت پڑھ کر تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں۔ مگر اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دعائے قنوت کے بعد درود پاک بھی پڑھیں۔ پھر رکوع میں جائیں۔

صوفی یار محمد مسجد پولیس لائن ساہیوال

الجواب حامداً ومصلیاً طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں ہے کہ قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ لہذا پڑھ لینا بہتر ہے۔ معہذا نہ پڑھیں تو بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔ ولما روی النسائی باسناد حسن ان فی حدیث القنوت (وصلی اللہ علی النبی) صلینا علیہ صلی اللہ علیہ (و) علی (آلہ وسلم) کما اختارہ الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ انہ یصلی فی القنوت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اھ

(مراقی الفلاح)

(قولہ کما اختارہ الفقیہ ابو اللیث) فی الحلبی عن ابن الہمام لا ینبغی ان یعدل عن ھذا القول وھو الحق کما فی البحر و ابن امیر حاج۔ اھ (طحطاوی ص ۲۰۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴۱۱/۳/۳ھ

فصل فی التراویح

ہر چار تراویح کے بعد معروف دعا مستحب ہے

سوال نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد جو عام رواج کے مطابق سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ الخ پڑھتے ہیں کیا اس دعاء کے بارے میں کوئی ایسی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جس میں صریح الفاظ میں اس دعاء کے پڑھنے کا حکم ہو۔ اگر ہو تو بحوالہ کتاب وصفحہ وغیرہ درج فرمائیں۔ نیز اس کا پڑھنا کیسا ہے سنت ہے یا مستحب ہے؟ اور دعاء کی حد اور مقدار جس کا کتابوں میں ذکر ہے متعین کردیں۔ بعض حضرات دعا کے اختتام پر اللھم اجرنا من النار یا مجیر یا مجیر کے بعد "درود شریف خواجہ صلوٰۃ بر محمد" اور بعض "درود صلوٰۃ بر محمد" باآواز بلند پڑھتے ہیں جس سے تقریباً مسجد گونج اٹھتی ہے کیا ان الفاظ کا بھی کوئی ثبوت ہے، جو ہمارے لئے حجت بن سکے۔ اگر ہے تو کیا اس قدر زور وشور سے پڑھنا بھی جائز ہے؟

الجواب وفی الشامیۃ (ج ۱، ص ۴۹۶)۔ قال القہستانی فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا یموت سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح لا الہ الا اللہ نستغفر اللہ نسئلک الجنۃ ونعوذبک من النار۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ تین دفعہ یہ دعاء پڑھنا مستحب ہے اور اس دعاء کو باآواز بلند پڑھنا کوئی ضروری نہیں۔ اور یہ لفظ "درود خواجہ صلوٰۃ بر محمد" اس کا کہیں ثبوت نہیں۔

فقط واللہ اعلم ؛ بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ؛ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ؛ ۱۳۹۲/۹/۲۳ھ

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم

نابالغ کے پیچھے نمازِ تراویح ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب مختار قول کے مطابق نابالغ کی اقتداء میں نماز جائز نہیں، تراویح ہوں یا کوئی اور نماز۔ ہدایہ میں اس بحث کے دوران لکھتے ہیں۔ والمختار انه لایجوز فی الصلوات کلها اھ (شامی۔ ج ۱ ص۵۴۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۱۳۹۹/۹/۷ھ

عورت کا اپنے بیٹے کے پیچھے تراویح پڑھنا

عورت اپنے بیٹے کے پیچھے گھر میں نماز تراویح پڑھ سکتی ہے ؟

حبیب اللہ ؛ چاہ میرک والا ملتان

الجواب عورت اپنے بیٹے کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھ سکتی ہے۔ کما تکره امامة الرجل لهن فی بیت لیس معهن رجل غیره ولا محرم منه اوزوجته او امته اما اذا کان معهن واحد ممن ذکر او امهن فی المسجد لایکره ۔ اھ ۔ (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص۳۸۱)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ ہذا
۱۴۰۰/۱/۲۱ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تراویح کا جو شفعہ فاسد ہو جائے اس میں پڑھی گئی منزل کا اعادہ کیا جائے

امام صاحب نمازِ تراویح میں تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے جبکہ دوسری رکعت پر قعدہ

نہیں کیا ۔ اس طرح چار رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر لیا ۔ چونکہ یہ آخری تراویح تھیں اس لئے انہیں چار سمجھ کر دعا مانگ لی گئی ۔ اب دوسرے روز کیا حکم ہے ؟

سید خلیق احمد ساجد مقیم دارالافتاء خیر المدارس ملتان ۔

الجواب صورت مسئولہ میں پہلی دو رکعتیں نہیں ہوئیں البتہ دوسری دو رکعتیں انیسویں اور بیسویں ہوگئیں ۔ شامی میں ہے ۔

فلو فعلها بتسليمة فان قعد لكل شفع صحت بكراهة و الا نابت عن شفع واحد به يفتي (درمختار) ۔ قوله به يفتي لم ار من صرح بهذا اللفظ هنا و انما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلى اربعا بتسليمة وقعدة واحدة ۔

(شامی مبحث التراویح ۔ ج ۱ ۔ ص ۶۶۰ ۔ ۶۶۱)

چونکہ تراویح کی قضاء نہیں ہوتی اس لئے دو رکعت نفل فرداً فرداً ادا کئے جائیں ۔ البتہ امام صاحب سترہ، اٹھارہ تراویح کا پڑھا ہوا قرآن لوٹائیں ۔ اگر انیس ۱۹ بیس ۲۰ والا پھر پڑھنا چاہیں تو بھی ٹھیک ہے ورنہ اسے چھوڑ کر آگے جا سکتے ہیں ۔ چونکہ تراویح میں کم از کم ایک قرآن ضرور سنا جائے اسی لئے نہ ہونے والی تراویح کا قرآن بھی لوٹانا پڑے گا ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان : ۱۲ / ۹ / ۱۳۹۹ھ

جس شفعہ میں سجدۂ سہو نہیں کیا گیا وہ دوبارہ پڑھا جائے

امام صاحب نے تراویح پڑھاتے وقت آیت سجدہ سے پہلے سجدہ کر لیا ۔ پھر اسی رکعت میں صحیح مقام پر سجدہ کیا لیکن بیس رکعت کی جگہ بائیس رکعت پڑھیں یعنی جن میں دو دفعہ سجدہ کیا تھا ان کو شمار نہیں کیا ۔ پہلی دو رکعت میں سجدۂ سہو بھی نہیں کیا گیا تھا ؟

مستفتی : ڈاکٹر بشیر احمد : رینالہ خورد : ضلع ساہیوال ۔

الجواب پہلا سجدہ واجب نہیں تھا بدون وجوب کے سہواً سجدہ کیا گیا۔ تو اس کی مثال ایسی ہے جیساکہ رکوع دو دفعہ بھول کر کرلیا۔ گویا سہواً تکرارِ رکن ہوگیا۔ تکرارِ رکن کی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے۔ کما فی الہندیۃ ج ۱ ص۱۲۵)

ولا یجب السجود الا بترك واجب او تأخیرہ او تأخیر رکن او تقدیمہ او تکرارہ۔ اھ

پس صورتِ مسئولہ میں جب کہ سجدۂ سہو نہیں کیا گیا تو اس شفعہ کا اعادہ ضروری تھا اس لئے بائیس رکعت ہی پڑھنی چاہیئے تھیں۔ البتہ اگر اس شفعہ میں سجدۂ سہو کرلیا جاتا تو اعادہ کی حاجت نہ رہتی۔ اور بیس رکعت ہی کافی ہوجاتیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۷/۱۰/۱۳۸۲ھ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

درمیانی قعدہ کئے بغیر چار رکعت پڑھنے کا حکم

ایک شخص دو رکعت تراویح میں قعدۂ اخیرہ بھول گیا۔ اور اس نے مزید دو رکعت ملاکر سجدۂ سہو کردیا۔ کیا ایسے شخص کی چار رکعات تراویح شمار ہوں گی یا دو۔ بصورتِ ثانی قرآن مجید اول شفعہ کی تراویح کا لوٹائے گا یا ثانی کا؟

الجواب وقال الفقیہ ابوجعفر والشیخ الامام ابوبکر محمد ابن الفضل فی التراویح تنوب الاربع عن تسلیمۃ واحدۃ وھو الصحیح لان القعدۃ علی راس الثانیۃ فرض فی التطوع فاذا ترکھا کان ینبغی ان تفسد صلوتہ اصلا کما ھو وجہ القیاس۔ وانما جاز استحسانا فاخذنا بالقیاس وقلنا بفساد الشفع الاول واخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمۃ واذا بقیت التحریمۃ صح شروعہ فی الشفع الثانی۔ وقد اتمھا بالقعدۃ فجاز عن تسلیمۃ واحدۃ

(فتاوی قاضی خان ص۱۱۳ ج۱)

صورتِ مسئولہ میں صرف آخری دو رکعت تراویح ہوں گی اس لئے پہلے شفعہ کی تلاوت لوٹائے یہ حوالہ بالا سے ظاہر ہے۔ اور اگر درمیانی قعدہ کرلیا تھا تو چار تراویح ہو جائیں گی۔

قال فی الخانیۃ وعلی قول العامۃ یجوز عن تسلیمتین وھو الصحیح (ص۱۱۳ ج۱)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۷/۵/۱۳۹۴ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی
	خیر المدارس ملتان ۲۷ جمادی الاول ۱۳۹۴ھ

تراویح میں پورے قرآن میں کسی ایک سورۃ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھ لیں!

ایک حافظ صاحب تراویح کی نماز میں ہر سورت کے شروع میں تسمیہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر جائز ہے تو فاتحہ پر کیوں نہیں پڑھتے؟ ۔ عبدالرحمٰن رحیمی۔

الجواب تراویح میں قرآن سناتے ہوئے پورے قرآنِ مجید میں کہیں ایک بار کسی سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھ لی جائے باقی تمام جگہوں پر اخفا۔ کیا جائے۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس تراویح کا ثبوت

زید کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان پاک میں کوئی تراویح نہیں پڑھیں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی ثبوت نہیں۔ اگر مل گیا تو ہم سنی ہو جائیں گے۔

الجواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بیس رکعت تراویح منقول ہیں۔

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر اخرجہ عبد بن حمید فی مسندہ والبغوی فی معجمہ والطبرانی فی الکبیر

والبيهقي في سننه كذا في اوجز المسالك : ج ۲ ۔ص ۳۹۸) ۔

اور خلفائے راشدین حضرت عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانوں میں بھی مسجد نبوی کے اندر بیس رکعت تراویح پڑھی گئیں ۔

اخرجه البيهقي باسناد صحيح عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمرؓ بعشرين ركعة وعلى عهد عثمانؓ وعليؓ مثله ۔ اھ (اوجز المسالك : ج ۲ : ص ۳۹۷) ۔

اور خصوصیت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم فرمانا بھی ثابت ہے کہ بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھو۔ عن ابي عبد الرحمن السلمي عن عليؓ ۔ و دعا القراء في رمضان فامر منهم رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة قال ابن تيمية في المنهاج لو كانت بدعة قبيحة كما زعم الروافض لكان عليؓ ابطله لما صار امير المؤمنين بل روى عنه قال نور الله قبر عمرؓ كما نور مساجدنا وعن ابي الحسناء ان عليا امر رجلا ان يصلي بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة "

علاوہ ازیں شیعوں کی معتبر کتاب " استبصار " اور " کافی " میں امام جعفر صادق رحمہ سے بھی بیس رکعات منقول ہیں ۔ مکہ اور مدینہ میں کبھی بیس سے کم تراویح نہیں پڑھی گئیں ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۱۵ / ۹ / ۱۳۹۶ھ

چار تراویح ایک سلام سے پڑھنے کا حکم

بکر نے تراویح پانچ سلام کے ساتھ ادا کیں یعنی چار چار رکعت کی نیت کی کیا اس صورت میں تراویح ادا ہوگئیں یا نہیں ؟ ۔ محمد شفیع ، مکان نمبر ۱۴۹ ، حیدرآباد ۔

الجواب اگر درمیانی قعدہ کرتا رہا ہے تو تراویح ادا ہوگئیں ۔ مگر ایسا کرنا خلاف متوارث ہے ۔ دو ، دو کرکے ادا کی جائیں ۔ ایسی ہی صورت کے بارے میں لکھا ہے ۔

وان قعد فی الثانیة قدر التشہد اختلفوا فیہ فعلی قول العامة یجوز عن تسلیمتین وھوالصحیح۔ ھکذا فی فتاوی قاضی خان۔ اھ۔ (ھندیة : ج ا : ص ٦١)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبداللہ عفااللہ عنہ مفتی خیرالمدارس	بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ
ملتان ۔ ١٦ - ١٠ - ١٣٨٢ھ	نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۔

تراویح بیس رکعت ہی سنت ہیں

تراویح بیس رکعت پڑھنی چاہئے یا آٹھ رکعت ؟ ہمارے قصبہ خیرپور سادات میں غیرمقلدین حضرات نے آٹھ رکعت کا بڑا شور وغل بپا رکھا ہے۔ اور موطا امام مالکؒ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں ۔

" امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوم للناس باحدی عشر رکعة "

مرقاة کی یہ عبارت بھی پیش کرتے ہیں ۔

" وفی صحیح ابن خزیمة وابن حبان انہ صلی بھم ثمان رکعات و الوتر "

اس کے متعلق مفصل و مدلل لکھیں ۔ حدیث کی عبارت اور اس کا صفحہ ضرور لکھیں تاکہ مخلوقِ خدا ان کے دجل وفریب سے بچے ۔ واحد بخش خیرپور سادات ۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے ۔

فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ اھ الحدیث : رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجة ۔ (مشکوٰة ج ا ص ٣٠ اصح المطابع)۔

" یعنی میرے طریقے کو لازم پکڑو اور میرے خلفاء راشدین رضؓ جو ہدایت یافتہ ہیں ان کے طریقے کو لازم پکڑو "

اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا رکعاتِ تراویح میں کتنی رکعات پر عمل

تھا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ بالا کے مطابق ہم ان کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام سکیں۔ پس امام بیہقی رح نے سندِ صحیح کے ساتھ صرف حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہی سے نہیں، بلکہ ان کے علاوہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔ کہ ان سب حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی رہیں۔ کما رواہ البیہقی باسناد صحیح انھم کانوا یقیمون علی عھد عمر رض بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان رض و علی رض "

(فتح الملہم : ج ۲، ص ۳۲۰)۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا پڑھا جانا مؤطا امام مالک رح میں بھی موجود ہے۔

" عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ "

خلفاء راشدین رض کی اس سنت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ بالا کے پیشِ نظر جمہور فقہاء رح اور ائمہ اربعہ رح اس پر متفق ہیں کہ بیس سے کم تراویح نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک روایت میں بیس تراویح پڑھنا وارد ہوا ہے۔ گو اس میں کلام کیا گیا ہے۔ لیکن خلفائے ثلاثہ رض اور حضرات صحابہ رض کے عملِ مسلسل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ پس صحیح اور راجح یہی ہے کہ کم از کم بیس تراویح پڑھی جائیں۔ جیسا کہ سطورِ بالا میں حدیثِ نبوی، سنتِ خلفاء راشدین رض جمہورِ امت اور ائمہ اربعہ رح کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے۔

مؤطا کی جو روایت سوال میں پیش کی گئی ہے اس کا جواب مؤطا اور بیہقی کی دو روایتوں سے ثابت ہو گیا جن میں بہ تصریح موجود ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں۔ پس دو کے مقابلہ میں ایک مرجوح قرار پائے گی۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ابن عبد البر نے اسے وہم قرار دیا ہے اور صحیح اکیس کو قرار دیا ہے

قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی ھذا الحدیث احد وعشرون وھو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیہ احدی عشرۃ الا مالکا الی ان قال الا ان الاغلب عندی

ان قوله احدى عشرة وهم ۔ (كذا فى فتح الملہم، ج ۲ : ص۳۲۲) ۔

"وھم" نہ بھی مانا جائے تو بھی اس کا یہ مطلب بن سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی رض اور حضرت تمیم داری ہر ایک کو اتنی اتنی رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا (دونوں ایک پڑھائے گا باقی تراویح بیس بن جاتی ہیں) ۔

بہرحال خلفائے ثلاثہ رض جمہور صحابہ رض و تابعین رح اور ائمہ اربعہ رح سے بیس یا اس سے زائد تراویح کا ثبوت ہے اور اس سے کم ثابت نہیں ۔

غیر مقلدین خواہ مخواہ جمہور صحابہ رض و تابعین رح و جمہور امت کا خلاف کر رہے ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت کو جاننے اور ماننے والا حضرات صحابہ رض کی جماعت سے زیادہ کون ہو سکتا ہے ۔ یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین سنت آٹھ تراویح ہوں اور حضرات صحابہ رض بیس رکعات کو علی الاعلان مسجد نبوی میں معمول بنالیں اور مسلسل بیس پچیس سال تک زمانہ خلافت راشدہ میں یہ عمل باقی بھی رہے اور شرقاً و غرباً بلاد اسلامیہ میں یہ سنت پھیل بھی جائے ۔

كما قال البيهقى ثم استقر الامر على العشرين فانه المتوارث قال ملا على القارى فى شرح النقاية فصار اجماعا الخ قال فى البحر وعليه عمل الناس شرقا وغربا كذا فى فتح الملہم (ج ۲، ص۳۲۰) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۴ - ۱ - ۱۳۸۸ ھ	بندہ محمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں سپیکر بلا ضرورت استعمال کرنا درست نہیں

موجودہ وقت میں نماز تراویح، یا عیدین میں سپیکر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اس مسئلہ میں ہمارے جھنگ میں اختلاف ہے ۔ برائے مہربانی صحیح تحقیق تحریر فرمائیں ؟

مستفتی ؛ حافظ محمد مقیم، جھنگ بازار، جھنگ صدر

الجواب لاؤڈ سپیکر کا استعمال نماز میں تراویح ہوں یا جمعۃ المبارک خلاف اولیٰ ہے۔ بہر کیف لئے استعمال نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
۲۰ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ

تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر کے بارے میں ایک اہم فتویٰ

ایک قاری صاحب تراویح میں بسم اللہ کو بالجہر پڑھتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ قراء سبعہ میں سے قالون راوی امام نافع رح، امام ابن کثیر رح، امام عاصم رح، اور امام کسائی رح ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ کو ضروری قرار دیتے ہیں اور ان کا یہ اختلاف ایسا ہے جیسا کہ "مالک یوم الدین" میں ہے۔ کہ اس کو عاصم اور کسائی بالالف اور باقی بلا الف پڑھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

جس طرح یہ اختلاف پڑھ کر ظاہر کیا جاتا ہے، اسی طرح بسم اللہ کے بارے میں سمجھیں۔ اور بسم اللہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں۔ کیونکہ منقول چیزوں میں اجتہاد جائز نہیں۔ لہٰذا ہم اجتہادی مسائل میں تو امام ابوحنیفہ رح کے مقلد ہیں۔ کیونکہ وہ امام اور مجتہد مطلق تھے۔ اور قرأت میں قرآن کے اماموں اور قرأت کے راویوں کے مقلد ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطے کو متواتر اور متصل سند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ اور قرأت میں امام ابوحنیفہ رح بھی انہی حضرات کے مقلد ہیں۔ اور اس مسئلہ میں اجتہاد کا احتمال قبول کرنے کے لائق نہیں۔

پھر وہ قاری مذکور الصدر فرماتے ہیں کہ قراء سبعہ میں سے مبسملین اور تارکین دونوں کی دلیلیں صحیح احادیث ہیں یہاں اجتہاد کا کیا دخل ہے۔ دونوں گروہ قرآن میں اجتہاد کو دخل نہیں دیتے اور ہر قاری نے وہی قرأت پڑھی ہے جو اس کے نزدیک متواتر ہے اور فقہاء رح بھی اس بارے میں قراء کے تابع ہیں۔

امام مالک رح نے امام نافع رح سے بسم اللہ کے بارے میں پوچھا تو امام نافع رح نے فرمایا بسم اللہ کا جہر سنت ہے۔ تو امام مالک رح نے ان کو سلام کیا۔ اور فرمایا کہ ہر علم کا مسئلہ اس کے جاننے

والے سے ہی پوچھنا چاہیئے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی کہ متعدد شہروں کے ائمہ قرأت یعنی مکہ اور مدینہ اور شام والوں اور عاصم اور کسائی کا دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ کو پکار کر پڑھنے پر اجماع ہے۔ اس لئے تراویح میں بھی ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ ضرور پڑھی جاوے۔ اور چونکہ سننا بھی مقصود ہوتا ہے اس لئے جہراً پڑھی جاوے تاکہ سامعین کی ایک سو تیرہ آیتیں نہ رہ جائیں۔

اس کے بعد ہم نے ان قاری صاحب سے پوچھا کہ جب تراویح میں بسم اللہ کا آواز سے پڑھنا ضروری ہوا تو چاہیئے کہ فرض نمازوں میں بھی آواز سے پڑھا کریں۔ تو ان قاری صاحب نے یہ فرمایا کہ تراویح اور فرائض میں یہ فرق ہے کہ تراویح میں تو مقصود یہ ہوتا ہے کہ قرآن پورا پڑھا جائے اور وہ اس پر موقوف ہے کہ جس روایت میں پڑھ رہے ہوں ان کا کوئی اختلاف بھی چھوٹنے نہ پائے۔ پس اگر بسم اللہ کو آواز سے نہ پڑھا جائے تو بسم اللہ والوں کی روایت پر ختم کامل نہ ہو گا۔ اور فرائض میں مقصود یہ ہوتا ہے کہ اتنا قرآن پڑھ لیا جائے جس سے نماز درست ہو جائے وہاں قرآن کا پورا کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اس لئے قاری صاحب فرماتے ہیں کہ ہم فرائض اور واجب نمازوں میں تو امام صاحبؒ کے مقلد ہیں اور بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے ہیں اور تراویح میں بسم اللہ والے قاریوں کی تقلید کرتے ہیں اور بسم اللہ کو جہراً پڑھتے ہیں۔ اور چونکہ ہم اصول میں امام ابوحنیفہ رحؒ کے مقلد ہیں اسی لئے اس معمولی سے اختلاف کے باوجود بھی ہم ان کے مقلد رہیں گے۔ کیونکہ امام صاحبؒ نے کسی جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا واجب ہے اور آواز سے پڑھنا ناجائز ہے۔ اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ قرآن کا کوئی ختم ایسا نہ کیا جائے جو روایت کے بالکل موافق ہو۔

آخر صاحبین رحؒ بھی بہت سے مسائل میں امام صاحبؒ سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن اس پر بھی وہ مقلد ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اصول میں امام صاحب رحمۃ اللہ کے موافق ہیں۔

اور حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ خاص حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہوں نے بھی تراویح میں بسم اللہ بالجہر پڑھنے کا فتوٰے اسی بنا پر دیا تھا اور وہ معتمد علیہ بھی ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے ان سے اجازت حدیث

حاصل کی ہے ۔

اور وہ قاری یہ فرماتے ہیں کہ " فتاویٰ رشیدیہ " میں موجود ہے ۔ لاریب احادیث سے دونوں باتیں ثابت ہیں ۔ یعنی بسم اللہ کا نماز میں جہراً پڑھنا بھی آیا ہے سراً بھی ۔

ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کا جہراً پڑھنا متروک ہورہا ہے تو یہ احیائے سنت مردہ کے حکم میں ہے ۔ پس اس کو رواج دینے میں سو شہیدوں کا ثواب ہے ۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ اکثر بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نماز میں پڑھا کریں ۔ خواہ وہ فرض نمازیں ہوں جن میں قرأت جہراً کی جاتی ہے خواہ تراویح کی نماز ہو ۔

مذکورہ بالا امور کی بنا پر اگر ہم تراویح میں بسم اللہ کو بالجہر پڑھیں تو از راہ شریعت مأخوذ تو نہ ہوں گے ۔ ؟

مستفتی : مراد حسین پتراں والی گلی ، ملتان شہر

الجواب ______ اگر تراویح میں ہر سورت سے قبل بسم اللہ کے ساتھ جہر کیا جائے تو اس میں مأخوذ نہ ہوگا ۔ بلکہ ختم قرآن علیٰ قرأت حفص کے لئے مناسب ہے کہ جہر کیا جائے تاکہ سامعین کو تمام قرآن کا سماع میسر آجائے ۔ لیکن اس کے ساتھ یہ امر بھی ضروری ہے کہ تارکین جہر پر نکیر نہ کی جائے کیونکہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک بسم اللہ صرف ایک دفعہ جہراً پڑھ لینا ختم قرآن کے لئے کافی ہے جہر کرنے والے اور سراً پڑھنے والے دونوں فریق صواب پر ہیں ۔ اور الحمد شریف سے پہلے بسم اللہ کے ساتھ جہر نہ کیا جائے اور نہ ہی فرائض میں بسم اللہ جہری کا عمل کریں ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۱۹ / ۵ / ۱۳۷۲ھ

" حنفی مذہب کی رو سے عدم جہر اولیٰ ہے ۔ بعد ہذا التسلیم

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ ، مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان : ۲۴ / ۵ / ۱۳۷۲ھ

تراویح کے اوّلین دوگانہ سے پہلے تسبیح کا حکم نیز صلوٰۃ بر محمدؐ کا نعرہ بدعت ہے

نمازِ تراویح کا اولین یعنی پہلا دوگانہ شروع کرتے وقت وہ تسبیح معروف پڑھنا جو کہ ہر چار تراویح کے بعد عموماً پڑھی جاتی ہے ۔کہیں احادیثِ نبویہ یا آثارِ صحابہؓ یا فقہِ حنفی سے ثابت ہے یا نہیں ؟

۲ ، ہر تراویح پر تسبیح معروف پڑھنے کے بعد مل کر "الصلوٰۃ بر محمدؐ" کا اونچا نعرہ لگانا مسجد میں جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ا۔ نمازِ تراویح کا اولین دوگانہ پڑھتے وقت تسبیح معروف پڑھنا ثابت نہیں۔ البتہ ہر چہار گانہ کے بعد چہار گانہ کی مقدار آرام کرنا۔ پھر اس وقت میں تسبیح اذکار یا خاموش بیٹھے رہنا یا انفرادی طور پر نوافل پڑھنا فقہاء کی عبارات سے ثابت ہے ۔

ففی الدر المختار و یخیرون بین تسبیح و قرأۃ و سکوت و صلوۃ فرادی ۔

تسبیح کے تحت شرح ردالمحتار میں لکھا ہے ۔

قال القهستانی فیقال ثلث مرات سبحان ذی الملک والملکوت الی قوله رب الملئکة والروح لا اله الا الله نستغفر الله نسئلک الجنة و نعوذ بک من النار ۔

۲۔ مل کر نعرہ بلند کرنا اور آواز کو مسجد میں اونچا کرنا بدعت ہے ۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ	خیر محمد عفا اللہ عنہ

حافظات کے لئے تراویح کی جماعت کرانے کا حکم

ہمارے ہاں تقریباً ہر رمضان شریف میں عورتوں کی تراویح کا مسئلہ چل نکلتا ہے عرض یہ ہے کہ "فتاویٰ دارالعلوم : ج ۴ ، ص ۲۶۶ " میں ہے کہ عورتوں کی جماعت اس طرح

کہ عورت ہی امام ہو مکروہ ہے خواہ تراویح کی جماعت ہو یا غیر تراویح کی ، سب میں عورتوں کا امام ہونا عورتوں کے لئے مکروہ ہے ۔ اس پر جو حاشیہ ہے وہ یہ ہے ۔

" ویکرہ تحریما جماعة النساء ولو فی التراویح " (درمختار)

اسی طرح کتاب مذکور کے صفحہ نمبر ۳۰۰ پر ہے ۔

" تراویح کی جماعت عورتیں نہ کریں ۔ ویکرہ تحریما جماعة النساء ولو فی التراویح " (درمختار علی الشامی ج ۱ ص ۴۲۸) ۔

جب فتاویٰ کی یہ عبارتیں دکھائی جاتی ہیں تو ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ چونکہ مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کے ہاں تراویح اور وتروں کی جماعت عورتیں کراتی ہیں تو ہم کیوں نہ کرائیں کیوں کہ ہمارے لئے تو آپ حضرات حجت ہیں ۔ اسی لئے اب صورت مسئلہ کی تحقیق و تفصیل کے لئے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں ۔ امید ہے کہ بار خاطر نہ ہو گا ۔

شیخ منظفر طارق بوریوالا

الجواب پہلے زمانہ میں عورتیں مساجد میں آتی تھیں ۔ اس کا شریعت نے انسداد کیا ۔ یعنی بند کر دیا ۔ اسی طرح عورتوں کا جماعت کرانا مردوں کی طرح کہ امام آگے کھڑی ہو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے ۔ اور جب جماعت کرائیں تو امامہ کے وسط میں کھڑے ہونے کو تجویز کیا اور ساتھ ہی اسے مکروہ تنزیہی کہا ۔

بعض مواضع میں مکروہ تنزیہی کا خلاف اولیٰ ہوتا ہے ۔ رمضان المبارک کا مہینہ تلاوت کا مہینہ ہے ۔ بالخصوص حافظوں کے لئے ضروری ہے ۔ اس مصلحت کے لئے اس کو مستحب قرار دیا جائے گا ۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا امامت کرانا ثابت ہے ۔ فقط واللہ اعلم

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

۲۲ / ۱۰ / ۱۳۸۸ھ

قال المرتب حفظه الله تعالیٰ : اگر عورتوں کے اس اجتماع سے دینی مفاسد کا اندیشہ ہو تو ترک جماعت اولیٰ ہونا چاہئے ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۵ / ۴ / ۱۴۰۰ھ

تراویح کے بعد دُعا، کا حکم نیز ختمِ قرآن کے موقعہ پر لمبی دُعا، مانگنے کا حکم

۱ : تراویح کے ختم پر حافظ صاحب مختصر اجتماعی دعا مانگتے ہیں یہ ثابت ہے یا قابلِ ترک ؟

۲ : ستائیسویں کو ختمِ قرآن پر حافظ صاحب ایک لمبی دعا، مانگتے ہیں۔ اسی طرح اس دن وتروں اور نفلوں کے بعد بھی اس نیت سے کہ قرآن پاک ختم ہوا ہے، قبولیت کی گھڑی ہے دیر تک دعا، کرتے ہیں۔

الجواب

۱ : تراویح کے بعد دعا، کی اجازت ہے۔ (احسن الفتاویٰ : ج ۵ ،ص ۵۱۹)

۲ : اگر یہ دعا، تراویح کے اختتام پر کرلی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ عموماً نوافل کے بعد جو دعا، ختمِ قرآن کے دن کی جاتی ہے وہ درحقیقت وعظ کے بعد ہوتی ہے کیونکہ اس موقعہ پر کچھ نہ کچھ فضائلِ قرآن بیان کردیئے جاتے ہیں۔ ویسے بھی کبھی کسی خاص داعیہ کی بنا، پر اگر دعا، ہو جائے تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی	نائب مفتی۔ ۳ / ۱۰ / ۱۴۰۷ھ

رمضان المبارک میں حفاظ کو پیسے اور کپڑے دینا اُجرت کے مشابہ ہے

۱۔ ہمارے ہاں رمضان المبارک میں ختم تراویح پر حافظ صاحب کو پیسے کپڑے وغیرہ دیتے ہیں ایک مولوی صاحب کہتے ہیں المعروف کالمشروط کے تحت یہ مشابہ اجرت کے ہے اس لئے جائز نہیں۔ نیز بعض مسافر حافظ آتے ہیں ان کے کھانے کا بندوبست کیا جاتا ہے کیا یہ بھی اجرت میں داخل ہے ؟

۲ : بلیں تراویح کے بعد لوگ دعا، اجتماعی طور پر ضروری سمجھتے ہیں نہ مانگنے والے پر اعتراض کرتے ہیں۔ کیا یہ التزام بدعت بنے گا یا نہیں ؟

۳ : اجتماعًا دعا، مانگ لے تو شرعًا جائز ہے یا نہیں ؟

۴ : پھر اسی طرح نوافل کے بعد بھی دعا ضروری سمجھتے ہیں۔

۵ : داڑھی منڈے یا کتروانے والے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھ لیں تو واجب الاعادہ ہیں یا نہیں؟

سائل : عبد الحکیم

مدرس مدرسہ قاسمیہ ڈیرہ اسمٰعیل خان

الجواب ۱ : یہ پیسے کپڑے مشابہ اجرت کے ہیں۔ لہذا حضرات فقہائے اس سے منع کیا ہے کسی دوسرے موقعہ پر خدمت کر لی جائے تو گنجائش ہے۔ مسافر حافظ کے کھانے پینے کا انتظام کرنا چاہئے۔

۲ : بیس تراویح کے بعد وقفہ استراحت تو مندوب ہے کذا فی الدر پہلے وقفوں سے امتیاز کرنے کے لئے شاید دعا کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ تراویح ختم ہو چکی ہیں۔

۳ : جائز ہے۔

۴ : نوافل کے بعد اجتماعی دعا نہیں ہے نہ کی جائے۔

۵ : ایسے حافظ کی امامت مکروہ ہے لیکن تراویح کے اعادہ میں حرج ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان : ۹ / ۹ / ۱۴۰۰ھ

تراویح میں امام صاحب قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھیں تو تراویح کا حکم

یہاں سعودی عرب میں امام حضرات قرآن پاک ہاتھ میں پکڑ کر کھول کر دیکھ کر تراویح پڑھاتے ہیں۔ اور پھر ہاتھ میں رکھے ہوئے زمین پہ رکھ کر سجدہ کرتے ہیں اور بعض جیب میں ڈال لیتے ہیں۔ پھر پڑھنے کے وقت جیب سے نکال کر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان حضرات کا اس طرح تراویح پڑھانا اور ہمارا ان کے پیچھے پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب احناف کے نزدیک قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا مفسد صلوۃ ہے لہذا آپ اپنی تراویح کا الگ انتظام کر لیا کریں۔

ویفسدها قراءته من مصحف عند ابی حنیفة رح وقالا لا یفسد

له ان حمل المصحف وتقليب الاوراق والنظر فيه عمل كثير وللصلوٰة عنه بُدٌّ وعلى هذا لو كان موضوعا بين يديه على رحل وهو لا يحمل ولا يقلب او قرأ المكتوب في المحراب لا تفسد، ولان التلقن من المصحف تعلم ليس من اعمال الصلوٰة وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره فتفسد بكل حال وهو الصحيح اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۵۳)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان : ۹ / ۳ / ۱۴۰۲ھ

تراویح میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ کا تکرار

تراویح میں سورۃ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنا سلف سے منقول ہے یا نہیں۔ تین مرتبہ پڑھنا خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے بدعت تو نہیں ہو گا؟

سائل مولوی حفظ الرحمٰن

امام زینب مسجد نقشبند کالونی، ملتان

الجواب آج کل کچھ لوگ اس کا التزام کرنے لگے ہیں اور نہ کرنے والوں پر نکیر کرتے ہیں اس لئے اگر قواعد کی رو سے درست بھی ہو، تو بھی اس عارض کی وجہ سے اب اس کو ترک کر دینا چاہئے۔ ویسے کوئی پڑھے تو اس پر تشدید بھی نہ کریں کہ فی الجملہ گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس مُلتان

مؤرخہ : ۲۳ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

تراویح میں حصر دور کرنے کے لئے بسم اللہ جہر سے پڑھنا

ایک امام مسجد جو قاری و حافظ قرآن ہے روزانہ نماز پنجگانہ رمضان شریف میں تراویح خود اسی مسجد میں مع مقتدیوں کے ادا کرتا ہے۔ ظاہری حالات سے بالکل پابند شرع ہے۔ اور اہل محلہ بھی اس امام سے خوش ہیں۔ مگر قدرتی طور پر امام کو بوجہ بیماری کے ایسا عارضہ درپیش ہے نماز جہری خواہ وقتی فرض ہوں یا رمضان شریف میں تراویح ہوں قرأت جہری کے پڑھنے میں خاص کر الحمد للہ کو افتتاح کرتے وقت تقریباً پانچ دس منٹ بندش آتی ہے جو کہ ظاہر طور پر امام و مقتدیوں کے لئے طبعاً گراں ہے۔ اس عقدہ کو حل کرنے کے لئے کسی عالم مقتدر نے امام مذکور کو یہ رائے دی کہ فتاوٰی رشیدیہ جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ میں مولانا مرحوم نے مسئلہ لکھا ہے کہ جس شخص کو جہری قرأت میں بندش ہو، خواہ وقتی فرض ہو یا تراویح، تو الحمد شریف سے قبل ہر رکعت جہری میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً کہہ کر شروع کریں۔ کیونکہ قاری حفص رح کا فرمان ہے کہ بسم اللہ شریف کو جہراً پڑھنا چاہیئے۔ گو احناف جہری و سرّی بسم اللہ پڑھنے کی اولویت میں کلام کرتے ہیں۔ اور ساتھ حضرت مرحوم یہ بھی فتوٰی میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

" چونکہ بسم اللہ کو جہراً پڑھنا سنت ہے اور یہ سنت مردہ ہو چکی ہے۔ لہذا اس کی ادائیگی میں بڑا ثواب ہے "

چنانچہ امام مذکور نے بموجب ارشاد عالم مذکور جب بسم اللہ کو جہراً پڑھنا شروع کیا الحمد للہ سے قبل تو سب بندش جو پہلے تھی ختم ہو گئی۔ مگر اب شہر کے مختلف علماء صاحبان اس عالم کے بتلائے ہوئے طریق کار و حافظ صاحب کی اس طرح ادائیگی نماز جہری کو خلاف شرع کی طرف نسبت کر رہے ہیں اور عوام میں عالم صاحب اور حافظ صاحب دونوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔

جناب سے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جناب عالم صاحب کا یہ فرمان بحوالہ فتاوٰی رشیدیہ درست ہے یا نہ؟ اور حافظ صاحب امام مذکور کا اس فتوے کے پیش نظر جہری نمازوں میں بسم اللہ کا جہر کرنا درست ہے یا نہ؟ اور دیگر علماء کا کہنا کہ یہ خلاف شرع امر ہے کیسا ہے اور ان کا عوام کو پروپیگنڈہ سے متأثر کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: عطاء اللہ سجاد ملتان

الجواب: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کو دیکھا گیا لیکن اس میں کوئی اس قسم کا فتویٰ نہیں ملا کہ جس میں آپ نے یہ تحریر فرمایا ہو کہ

"اگر کسی کو بندش ہو تو وہ سورۃ فاتحہ سے قبل "بسم اللہ" کو جہراً پڑھ سکتا ہے۔"

البتہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد جب ابتداء سورۃ کے شروع سے کرتے ہیں اسکے متعلق آپنے تحریر فرمایا ہے جو کہ آپکا امام کہتا ہے درست نہیں ہے کہ ہر سورت پر جہر سے بسم اللہ پڑھے تو مضائقہ نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر کسی آدمی کو کوئی عذر ہو کہ وہ الحمد شریف کو زبان میں لکنت کی وجہ سے جہراً شروع نہیں کر سکتا، اور بسم اللہ کو جہراً پڑھ کر الحمد شریف کو جہراً پڑھنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے بسم اللہ جہر سے پڑھنے کا فتویٰ دے دیا جائے۔ لیکن اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوگا کہ سورۃ فاتحہ سے قبل بسم اللہ کو زور سے پڑھنا مردہ سنت ہے اس کو زندہ کر دینا چاہیئے۔ پس صورت مسئولہ میں بناء بر عذر مذکور جہراً "بسم اللہ" پڑھنا جائز ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا عالم غیر معذور قاری مل جائے تو اس کو امام بنا لیا جائے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہٗ
۲۳ / ۱۲ / ۱۳۸۸ھ	مفتی خیر المدارس ملتان

تراویح میں نفل کی نیت سے شرکت کرنے کا حکم

مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان شہر میں گزشتہ چند سالوں سے یہ دستور جاری ہے کہ ماہ رمضان کی مبارک راتوں میں اوّل شب رمضان سے بیس تک نصف شب تک بیس پچیس حفاظ نوافل میں قرآن مجید پڑھتے ہیں اور کچھ سننے والے حضرات نماز میں شریک ہوئے بغیر ان کا سن لیتے ہیں۔ اور آخری عشرہ میں چند حفاظ باری باری پڑھتے ہیں۔ اور تین راتوں میں قرآن مجید ختم کرتے ہیں۔ اور یہ حفاظ اپنی دو، دو تراویح باقی رکھتے ہیں اور ہر ایک حافظ اپنی بقیہ دو رکعت تراویح میں اپنی اپنی منزل پڑھتا ہے اور سننے والے کچھ حضرات نیت باندھ کر مقتدی بن کر سنتے ہیں اور بعض بیٹھ کر بغیر اقتدار کئے سنتے ہیں۔ اگر کسی پر نیند کا غلبہ طاری ہو تو اسے گھر روانہ کیا جاتا ہے۔ اور باتیں کسی کو نہیں کرنے

دی جائیں۔ تو کیا ہر دو صورت جائز ہیں۔ ؟

حضرت قاری رحیم بخش صاحب امسجد سراجاں ملتان

الجواب دونوں صورتیں بلا کراہت جائز ہیں۔ پہلی صورت میں تو خیر کوئی شبہ ہی نہیں البتہ دوسری صورت میں تھوڑا سا اشکال تھا کہ امام تراویح پڑھ رہا ہے اور مقتدی پیچھے نفل کی نیت باندھے ہوئے ہیں تو یہ اشکال بھی عالمگیری کی مندرجہ ذیل عبارت سے رفع ہو جاتا ہے

امام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز ذلک کذا فی محیط السرخسی والفتوی علی ذلک کذا فی المضمرات والمقتدی اذا صلاها فی المسجدین لا بأس به (عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۶) ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ	الجواب صحیح
نائب مفتی ۔ ۱۲ / ۹ / ۱۳۷۶ھ	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

چار رکعت تراویح ایک سلام سے پڑھائیں اور درمیانی قعدہ نہیں کیا تو پہلی دو رکعت تراویح ہوں گی یا آخری ؟

امام نے چار رکعت تراویح بیک سلام پڑھائیں اور سہواً درمیانی قعدہ نہیں کیا تو دو رکعت تراویح ہوئیں ۔ (بحاصلہ الخیر ، ص ۲۶ ، بابت ماہ رمضان ۱۴۰۶ھ)۔

لیکن الخیر میں یہ تصریح نہیں کہ پہلی دو رکعت تراویح ہوئیں یا دوسری دو رکعت ؟ ایک اردو فتاویٰ میں لکھا ہے کہ پہلی دو رکعت تراویح ہوئیں ۔

صحیح مسئلہ سے آگاہ فرمائیں ۔ پہلے شفع کی قرأت لوٹائی جائے یا دوسرے شفع کی ؟

سائل محمد اسمٰعیل دنجارا

کہروڑ پکا ، ضلع ملتان

الجواب اذا صلی الامام اربع رکعات بتسلیمۃ واحدۃ لم یقعد فی الثانیۃ فی القیاس تفسد صلاتہ وھو قول محمد

وزفر رح ويلزمه قضاء هذه التسليمة وهو رواية عن ابي حنيفة رح وفي الاستحسان وهو اظهر الروايتين عن ابي حنيفة رح وابي يوسف رح لا تفسد واذا لم تفسد اختلفوا في قول ابي حنيفة رح وابي يوسف رح انها تنوب عن تسليمة او تسليمتين قال الفقيه ابو الليث رح تنوب عن التسليمتين الخ قال الفقيه ابو جعفر رح والشيخ الامام ابوبكر محمد بن الفضل رح في التراويح تنوب الاربع عن تسليمة واحدة وهو الصحيح لان القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع فاذا تركها كان ينبغي ان تفسد صلاته اصلا كما هو وجه القياس وانما جاز استحسانا فاخذنا بالقياس وقلنا بفساد الشفع الاول واخذنا بالاستحسان في حق بقاء التحريمة واذ بقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني وقد اتمها بالقعدة فجاز عن تسليمة واحدة ۔ (فتاویٰ قاضی خان ، ص ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ج ۱)

قاضی خان کی اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دو رکعت تراویح ہوئیں ۔ پہلی دو رکعت نہیں ۔ اس لئے پہلے شفع کی قرأت لوٹا لی جائے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان : ۲۲ / ۱۰ / ۱۴۰۶ھ

ستائیس رمضان کی رات کو ختم کرنا زیادہ بہتر ہے

جب بیس رمضان ہو جاتی ہے تو قرآن مجید کے ختم شروع ہو جاتے ہیں کوئی اکیس کی رات کو کرتے ہیں کوئی پچیس کی رات کو، کوئی جمعرات کو ترجیح دیتے ہیں ۔ کئی ستائیس کی رات کو ترجیح دیتے ہیں ۔ ان میں شریعت کا کیا حکم ہے کہ کس رات کو ختم کیا جائے ؟

الجواب افضل یہ ہے کہ ستائیس رمضان کی رات کو ختم کیا جائے۔

وینبغی للامام اذا اراد الختم ان یختم فی لیلۃ السابع والعشرین کذا فی المحیط اھ (عالمگیری: ج ۱-ص ۶۱)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان : ۲۰ / ۳ / ۱۴۱۰ھ

امام کے رکوع کے انتظار میں بیٹھے رہنا

آج کل بہت سی مساجد میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ تراویح کی جماعت کے وقت بیٹھے رہتے ہیں۔ جب امام صاحب رکوع کے قریب ہوتے ہیں یا رکوع میں چلے جاتے ہیں تو اٹھ کر شریک ہو جاتے ہیں۔ ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب ایسا کرنا شرعاً مکروہ تحریمی ہے اور منافقوں سے مشابہت ہے۔ ہاں اگر بڑھاپے یا کسی مرض کی وجہ سے ایسا کیا جائے تو گنجائش ہے۔

کمایکرہ تأخیر القیام الی رکوع الامام للتشبہ بالمنافقین اھ (درمختار)۔ (قولہ کما یکرہ) ظاھرہ انھا تحریمیۃ للعلۃ المذکورۃ وفی البحر عن الخانیۃ یکرہ للمقتدی ان یقعد فی التراویح فاذا اراد الامام ان یرکع یقوم لان فیہ اظہار التکاسل فی الصلوٰۃ والتشبہ بالمنافقین قال اللہ تعالیٰ واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ ط قال فی الحلیہ وفیہ اشعار بانہ اذا لم یکن لکسل بل لکبر ونحوہ لا یکرہ وھو کذلک اھ (شامیۃ ج ۱: ص ۵۲۳ - مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴ / ۱۲ / ۱۴۱۰ھ

رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیّت کا حکم

زید تراویح کی نماز پڑھا رہا تھا اس نے سورۃ انفال کا سجدۂ تلاوت بھی اور دیگر کئی مقامات پر اس نے سجدۂ تلاوت نہیں کیا۔ جب زید سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ سجدۂ تلاوت کی نیت میں رکوع کے اندر کرلیتا ہوں۔ لہٰذا سجدۂ تلاوت ادا ہوجاتا ہے۔ اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ بحوالہ لکھیں۔

الجواب جہری نمازوں میں سجدۂ تلاوت مستقل کرنا چاہیئے۔ اور سری نمازوں میں سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کیا جائے۔

ذکر فی التاترخانیة انه لو تلاها فی السریه فالاولی ان یرکع بها لئلا یلتبس الامر علی القوم ولو فی الجھریة فالسجود اولی۔ (شامیة، ج۱، ص ۵۷۱)۔

جہری نماز میں امام اگر رکوع میں نیت کرلے تو مقتدی کے ذمہ سے سجدۂ تلاوت تب ساقط ہوگا جب کہ مقتدی بھی رکوع میں ادائیگی سجدہ کی نیت کرلے یا امام کے سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ تلاوت ادا کرکے تشہد پڑھ کر سلام پھیرلے۔

ولو نواها فی رکوعه ولم ینوها المؤتم لم تجزه ویسجد اذا سلم الامام ویعید القعدة ولو ترکها فسدت صلوته کذا فی القنیه (ج۱، ص ۵۷۱)- درمختار مع الشامی)۔

اس لئے مقتدیوں کی نماز کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ امام تلاوت کے لئے الگ سجدہ کرے یا پھر رکوع میں ادائیگی سجدہ کی نیت نہ کریں سجدہ صلوۃ میں خود بخود ادا ہوجائے گا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲ / ۴ / ۱۴۰۷ھ	صدر مفتی خیر المدارس ملتان

دو پر قعدہ کئے بغیر چار رکعت پڑھ لیں تو دو شمار ہوں گی یا چار

زید نے چار تراویح کی نیت کی اور چاروں کو ایک ہی قعدہ سے ادا کر لیا۔ یا صرف دو رکعت تراویح کی نیت کی اور پھر دوسری رکعت پر قعدہ کئے بغیر تیسری کی طرف کھڑا ہو گیا اور چار پر ہی کرلیں۔ ان دونوں صورتوں کا حکم مفصلاً بمع حوالہ مطلوب ہے۔

قاری محمد طاہر رحیمی

صدر شعبہ تجوید، قاسم العلوم ملتان

الجواب درمختار اور شامی میں تراویح کے بیان میں اس کی تصریح ہے کہ ایسی صورت میں دو رکعات تراویح ہوتی ہیں۔

فلو فعلها بتسليمة فان قعد لكل شفع صحت بكراهة و الا نابت عن شفع واحد به يفتى اھ (ج ۱، ص ۴۷۳)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی۔ ۴/ ۱۲/ ۱۳۸۸ھ

اگر دو پر قعدہ کئے بغیر تین رکعت پڑھ لیں تو کوئی بھی شمار نہ ہو گی

اگر امام دو کی بجائے تین تراویح پڑھا دے اور سجدہ سہو بھی نہ کرے تو کیا یہ درست ہے؟ اور دو تراویح ادا ہو جائیں گی؟

الجواب اگر دو رکعت پر قعدہ کے بغیر تیسری رکعت پڑھ لی خواہ سجدہ سہو بھی کر لے تب بھی نماز فاسد ہے۔ یہ تین رکعت تراویح اور جو اس میں قرأت کی گئی ہے اس کا اعادہ ہونا چاہیے۔

قال فی الهندية ولو صلى التطوع ثلاث ركعات ولم يقعد على رأس الركعتين الاصح انه تفسد صلوته. (ج ۱، ص ۵۹)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی ۔ ۱۱ ۔ ۹ ۔ ۱۴۰۳ھ

کوئی ازراہِ اخلاص قرآن سنانے والے کی خدمت کرے تو لینے کی گنجائش ہے

جو امام صاحب روزانہ پانچ وقت کی نماز پڑھاتے ہیں، وہی تراویح پڑھاتے ہیں۔ اور ان سے کسی بھی معاوضہ کی کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ حافظ صاحب علانیہ کہتے ہیں کہ مجھے کسی معاوضہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اپنے طور پر ان کو کچھ دینا چاہے رمضان المبارک میں تو یہ حافظ صاحب کو قبول کر لینا چاہئے؟ جب کہ دینے والے کی نیت امداد کی ہے تراویح کے معاوضہ کی نہیں۔ وہ صرف فی سبیل اللہ خدمت کرنا چاہتا ہے۔ اگر لینے اور دینے والے کی نیتوں میں معاوضہ تراویح کی بجائے رضائے مولا موجود ہو تو کیا لینا اور دینا دونوں کے لئے جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب اگر واقعۃً خدمت کے جذبہ کے تحت دینا چاہتے ہیں تو حرج نہیں۔ لیکن اس کیلئے ختم کی رات متعین نہ کریں تاکہ اجرت کے ساتھ مشابہ نہ ہو۔ شروع میں یا درمیان میں کسی بھی وقت دے سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۱۱ / ۹ / ۱۴۰۲ھ

اصل یہ ہے جو فرض پڑھائے وہی وتر پڑھائے

ایک قاری صاحب نے عشاء کے فرض پڑھائے۔ اور دوسرا قاری صاحب تراویح پڑھائے۔ تیسرا قاری صاحب وتر پڑھا سکتا ہے؟

۲ : تراویح کے درمیان قاری صاحب نے بغیر غلطی کے سجدہ سہو کر لیا۔ نماز میں کوئی خلل واقع

تو نہیں ہوا ؟

الجواب اصل یہ ہے کہ جو امام فرض پڑھائے وہی وتر پڑھائے۔ چنانچہ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی معمول تھا۔

وقد كان عمر رضي الله تعالى عنه يؤمهم في الفريضة والوتر وكان أبي يؤمهم في التراويح كذا في سراج الوهاج۔

(عالمگیری : ج ۱ ؛ ص ۱۱۶)۔

معلوم ہوا کہ تراویح اور فرض میں امام الگ الگ ہو سکتا ہے۔ عند الضرورت وتر کے لیے دوسرا امام بن سکتا ہے۔

۲ : محض شک کی وجہ سے سجدہ سہو نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر اتفاقاً غلطی سے ہو جائے تو نماز ہو جائے گی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ آئندہ احتیاط کی جائے۔

ولو ظن الامام السهو فسجد له فتابعه فبان ان لا سهو فالاشبه الفساد (درمختار) وفي الفيض وقيل لا تفسد وبه يفتي "شامية" قبيل باب الاستخلاف : (ج ۱ : ص ۵۶۰) وهكذا في فتاوى دار العلوم : ج ۴ : ص ۵۲۔

جب مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوئی تو دوسروں کی بطریق اولیٰ نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی ۲۶ / ۱۱ / ۱۴۰۲ھ

تراویح کی ابتدائی رکعات میں زیادہ منزل پڑھنے کا حکم

تراویح کی پہلی رکعت میں پاؤ پارہ تک پڑھ لے اور دوسری میں تھوڑا سا پڑھے۔ یا تراویح کی شروع رکعتوں میں بہت زیادہ پڑھ لے اور بعد کی رکعتوں میں تھوڑا سا پڑھے تو کیسا ہے ؟

الجواب تراویح میں مقتدیوں کے نشاط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر ابتدا کی تراویح میں زیادہ پڑھنے سے خوش ہوتے ہوں تو اس کی اجازت ہے ورنہ قرأت

سب رکعتوں میں یکساں طور پر کی جائے۔

وسن ختم القرآن فیها مرة فی الشهر علی الصحیح و هو قول الاکثر رواه الحسن عن ابی حنیفة یقرأ فی کل رکعة عشر ایات او نحوها الخ وفی المحیط الافضل فی زماننا أن یقرأ بما لا یؤدی الی تنفیر القوم عن الجماعة۔ (مراقی: ص۲۲۶)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مؤرخہ ۲۱ / ۱۱ / ۱۴۰۸ھ

پہلی چار رکعتوں میں پورا پارہ اور باقی میں ایک پاؤ پارہ پڑھنے کا حکم

نماز تراویح میں قرآن شریف کی منزل پہلی چار رکعتوں میں ایک پارہ اور سولہ رکعتوں میں ایک پاؤ پڑھنا درست ہے یا کہ ہر رکعت میں تقریباً ایک رکوع پڑھے۔

الجواب: اگر مقتدی مذکورہ طریق کو پسند نہ کرتے ہوں اور تقلیل جماعت کا سبب بنتا ہو تو امام صاحب کو چاہئے کہ سب رکعتوں میں ایک جیسی قرأت کریں بلکہ بہتر یہی ہے۔ مراقی میں ہے۔

یقرأ فی کل رکعة عشر ایات او نحوها۔

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

قرأ بقدر ما لا یؤدی الی تنفیرهم فی المختار (ص۲۲۶)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی۔ ۱۴ / ۹ / ۱۴۰۷ھ

عورتوں کا تراویح کے لئے مسجد میں آنا

فقہ حنفی میں عورتوں کے لئے مساجد میں تراویح ، نمازِ جمعہ ، اور عیدین کے لئے آنے کا کیا حکم ہے۔ سائل حافظ ممتاز قاسمی سیلسی

الجواب عورتوں کو مسجد میں با جماعت نماز ادا کرنے کے لئے جانا درست نہیں۔ مراقی میں ہے۔

ولا یحضرن الجماعات لما فیہ من الفتنۃ والمخالفۃ۔

طحطاوی میں ہے۔

لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ المرأۃ فی بیتہا افضل من صلاتہا فی حجرتہا وصلاتہا فی مخدعہا افضل من صلاتہا فی بیتہا فالافضل لہا ماکان استر لہا لافرق بین الفرائض وغیرہا کالتراویح۔ (ص ۱۹۶)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی ۔ ۷ ، ۱۰ ، ۷ ۱۴۰ھ

تسبیح مسنونہ کے بعد "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" پڑھنا

نمازِ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد تسبیح منقولہ سبحان ذی الملک والملکوت الخ پڑھی جاتی ہے اور بعض مساجد میں اس تسبیح کے علاوہ چند دفعہ الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ اور دوسرے دوگانہ کیلئے اٹھتے وقت " الصلوۃ برمحمد " پڑھا جاتا ہے۔ تراویح کے بعد ذکر واذکارِ مذکورہ اور درود وسلام کے پڑھنے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے اس وقفہ میں کوئی خاص عمل متعین نہیں۔ چاہے تسبیحات پڑھیں چاہے تلاوت کریں چاہے خاموش

ہیں۔کتب فقہ میں۔سبحان ذی الملک والملکوت الخ دعاء منقول ہے اور الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا صلوۃ برمحمد کہیں منقول نہیں۔بلکہ پڑھنا بھی درست نہیں کہ یہ شعار ہے اہل بدعت کا۔نیز اس میں عقیدہ حاضرو ناظر کی طرف ایہام ہے۔درمختار میں ہے۔

یجلس ندبا بین کل اربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر و یخیرون بین تسبیح وقرأة وسکوت وصلوة فرادی اھ (درمختار)۔

(قوله بین تسبیح) قال القهستانی فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملک و الملکوت سبحان ذی العزة و العظمة والقدرة و الکبریاء و الجبروت سبحان الملک الحی الذی لایموت سبوح قدوس رب الملئکة والروح لا الٰه الا الله نستغفر الله نسألك الجنة ونعوذبك من النار اھ کما فی منهج العباد۔ (شامی ج۱ ص ۶۶۱)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۱؍۱۰؍ ۱۴۰۷ھ

تراویح میں مَاکَانَ مُحَمَّدٌ کے بعد درود شریف پڑھنا

ایک شخص نے رمضان المبارک میں قرآن مجید سناتے ہوئے یہ آیت پڑھی "ماکان محمد ابا احد من رجالکم الخ اس کو یوں پڑھا" ماکان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابا احد من رجالکم" الخ اور پھر" ان اللہ و ملئکته یصلون علی النبی الخ پڑھنے کے بعد مکمل طور پر درود شریف پڑھتا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر کرتا ہے بلکہ ایسا کروایا گیا ہے۔حافظ کے استاد صاحب نے اسے کہا ہے کہ

اس طرح کر۔ آیا نماز تراویح ہوگئی یا نہیں ؟

الجواب: قرآن مجید کی تلاوت اسی ترتیب کے مطابق جاری رکھنی چاہیئے۔ چاہے نماز میں پڑھ رہے ہوں یا غیر نماز میں۔ نماز میں آخری قعدہ کے علاوہ کسی اور جگہ درود شریف پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

ومکروهة فی صلوة غیر تشهد اخیر۔اه (درمختار علی الشامیة : ج۱، ص ۳۴۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان : ۲۸ / ۱۱ / ۱۴۰۷ھ

تراویح میں بدون قعدۂ اولیٰ تیسری کی طرف کھڑے ہوگئے تو سجدہ سے پہلے پہلے لوٹ سکتے ہیں

ایک شخص نے دو رکعت نمازِ تراویح کی نیت باندھی پھر بھول کر چار رکعت پڑھ لیں اور دو رکعت پر قعدہ نہ کیا آخری قعدہ کے ساتھ سجدہ سہو کیا اور سلام پھیر دیا۔ اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی یا نہ۔ اگر صحیح ہوگئی تو یہ دو رکعت ہو جائے گی یا چار رکعت ہوں گی اور اس صورت میں درمیانی قعدہ فرض سمجھا جائے گا یا واجب ؟ اور تراویح کے مسائل نوافل پہ قیاس کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب: وعن ابی بکر الاسکاف انه سئل عن رجل قام الی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانیة قال ان تذکر فی القیام ینبغی ان یعود ویقعد ویسلم وان تذکر بعد ما سجد للثالثة فان اضاف الیها رکعة اخریٰ کانت هذه الاربعة عن تسلیمة واحدة الخ (عالمگیری ج۱ ص۱۱۸)

جزئیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں دو رکعت نمازِ تراویح کی

درست ہوگئی ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی جامعہ ہٰذا

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی ۲۰ / ۹ / ۱۳۸۰ ھ

ایک اہلِ حدیث عالم کا علماءِ حقہ کی عبارات سے آٹھ تراویح پر اِستدلال کا مفصّل جواب

اخی فی اللہ مولانا بشیر احمد حسینی صاحب شورکوٹی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔خیریت طرفین مستدعی ۔

حقیقتِ مسئلہ معلوم کرنے کے لئے عریضہ ارسال کر رہا ہوں واللہ اس کے سوا، اور کوئی غرض نہیں۔

احقر الانام آپ کی علمی وعملی حیثیت کے لحاظ سے قدر کرتا ہے ۔میں نے دورانِ خطبہ (ذکر قیام لیلہ تطوعا الحدیث) کے تحت یہ الفاظ کہے تھے کہ تراویح کی تعداد رکعت میں مسلمانوں کے اندر اختلاف ہے جو بھائی بیس پڑھتے ہیں ہمیں ان پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ۔لیکن ہماری جماعت بمع وتر گیارہ رکعت پڑھتی ہے ۔تو ہمارے بھائی ہمیں سب وشتم اور غدا جانے کیسے غلیظ القابوں سے نوازتے ہیں ۔خدا ان کا بھلا کرے مگر ہاں کوئی صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت پڑھنا پڑھانا یا پڑھنے کا ارشاد فرمانا روایت مرفوعہ صحیحہ غیر مجروحہ سے ثابت کردے تو میں اس کے علم کا اعتراف کروں گا ۔ اور معًا بیس رکعت علی الاعلان ادا کروں گا ۔ (از خطبہ جمعہ) ۔

اخی المکرم ! مگر آپ نے عبد العزیز صاحب کو بدعت کے چکر میں اور وتر کی تعداد کے الجھاؤ میں پھنسا کر دماغ کو منتشر کرنے کی کوشش کی جو کہ آپ کے مزاج مناظرہ کے عین مطابق مگر آپ کی شانِ ارفع کے بالکل بعید تھی ۔

نفسِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی وزنی دلیل بیس رکعت کی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی روایت کا تقابل کر سکے تو برائے کرم پیش فرمائیے مگر آپ اپنے بزرگوں کے ارشادات بھی سن لیجئے ۔

۱ : حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ۔ رسالہ "الحق الصریح : ص۲۲" پر ارشاد فرماتے ہیں کہ "گیارہ رکعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت و موکد ہیں"

۲ : حضرت مولانا عبد الحق صاحب محدث رح اپنے رسالہ "سر المنان ؛ ص۴۹۲" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت ثابت نہیں جیسا کہ آج کل عمل ہے۔ ہاں صرف ایک حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آئی ہے۔ جس میں بیس رکعت ثابت ہے جس کو ابن ابی شیبہ رح نے روایت کیا ہے یہ روایت ضعیف ہے"

۳ : علامہ ابو سعود صاحب "شرح کنز" میں لکھتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت تراویح نہیں پڑھی بلکہ آٹھ رکعت ادا کی ہے"
(ابو سعود ؛ شرح کنز : ج ۱ ص ۲۶۵ طبع مصر)۔

۴ : علامہ طحطاوی رح "حاشیہ درمختار" میں فرماتے ہیں کہ :

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح آٹھ رکعت ہی پڑھی ہیں۔ بیس رکعت کا ثبوت نہیں"

۵ : حضرت مولانا انور شاہؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبندؒ "عرف الشذی ؛ ص۳۰۹" میں لکھتے ہیں۔

"واما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصح عنہ ثمان رکعات و اما عشرون رکعۃ فہو عنہ علیہ السلام بسند ضعیف وعلی ضعفہ اتفاق"

۶ : مولانا عبد الحی صاحب رح کے پاس ایک سائل سوال کرتا ہے کہ یا حضرت جو حدیث ابن حبان نے روایت کی ہے کہ

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں تین رات گیارہ رکعت مع وتر تراویح پڑھائی تو اتنی پڑھنے والا هل یکون تارکا للسنۃ۔ یعنی کیا گیارہ رکعت پڑھنے والا تارک السنت ہے؟"

جواب : جمہور سنت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"جس فعل پر مواظبت رسول ہو اس کو سنت کہتے ہیں لہٰذا اس تعریف سے سنت گیارہ رکعت ہی ہوئیں۔ اور جو زیادہ ادا کی جاتی ہیں وہ مستحب ہیں"

(ہدایۃ حاشیہ ۳ : ج ۱ ص ۱۷۱ طبع مصر)

۷ : قال الجوزیؒ عن اصحابنا عن مالک انه قال ما اجمع علیه الناس احب الیّ وهو احدی عشرة رکعة وهی صلوٰة رسول اللہ علیہ وسلم قیل احدی عشرة رکعة بالوتر قال نعم و ثلاث قریب قال لا ادری من این احدث هذا الرکوع الکثیر ؏

احقر الانام عبد السلام عابر
یکم رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ

○

الجواب حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے آٹھ تراویح کے لئے استدلال کرنا کئی وجوہ سے مخدوش ہے۔

۱ : یہ ایسی نماز کے بارے میں ہے جو رمضان وغیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے وہ تہجد ہے رمضان وغیر رمضان کی تصریح حدیثِ عائشہؓ میں موجود ہے۔

۲ : تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہیں اور اس میں انفرادی نماز کا ذکر ہے۔

۳ : تراویح دو۔ دو۔ رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ حدیثِ عائشہؓ میں چار چار رکعت ہیں۔

۴ : یہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان کی دیگر احادیثِ صحیحہ سے متعارض ہے۔

" عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها انه صلی اللہ علیه وسلم کان یصلی باللیل ثلاث عشرة رکعة ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین۔ اخرجه مالک فی المؤطا "

اور ابو داؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے۔

" کان یصلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثلاث عشرة رکعة من اللیل ثم صلی احدی عشرة وترک رکعتین ثم قبض وهو یصلی تسع رکعات " اھ

اسی بناء پر بہت سے اہل علم نے صلوٰۃ لیل کے بارے میں حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو مضطرب کہا ہے۔ قاله الحافظ فی الفتح۔ تین رکعات وتر نکال کر باقی دس یا آٹھ

یا چھ بھی ہیں۔ پس اس سے آٹھ رکعات کے لئے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے؟ محققین نے اس اختلاف کو مختلف حالات پر محمول کیا ہے کہ کبھی آٹھ رکعت تہجد ہوتی تھی کبھی کم، کبھی زیادہ۔

مولانا عبدالحی صاحب رہ حاشیۂ مؤطا میں فرماتے ہیں۔

ماکان یزید الخ ھذا بحسب الغالب والا فقد ثبت عنھا انھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ ثم صلی احدی عشرۃ رکعۃ ثم قبض حین قبض وھو یصلی تسع رکعات وثبت عنھا انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی ثلاث عشر رکعۃ اخرجہ فی المؤطا وثبت من زید وابن عباس رض ایضا ثلاث عشرۃ فمن ظن اخذا من حدیث عائشۃ رض المذکور ھھنا ان الزیادۃ علی احدی عشرۃ بدعۃ فقد ابتدع امراً لیس من الدین۔ اھ

بہرحال اس سے آٹھ تراویح کے لئے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

۱: بیس رکعت تراویح کا ثبوت حدیث پاک، اجماع صحابہ رض اور اتفاق ائمہ کرام رہ سے ہے۔ حدیث ابن عباس رض میں ہے۔

" کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی عشرون رکعۃ والوتر فی رمضان اخرجہ ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید والبغوی والبیہقی والطبرانی "

اس میں ایک راوی سخت مدرج ہے لیکن بیس رکعت پر اتفاق صحابہ رض و ائمہ رہ سے اس کا ضعف منجبر ہے۔ اور ایسی عملی تائید شاید ہی کسی حدیث کو حاصل ہو گی جو اس حدیث کو حاصل ہے پس اس تعامل صحابہ رض کی موجودگی میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما سے صرف نظر ممکن نہیں۔ مگر ایسے شخص کے لئے جس کی بصیرت ماؤف ہو چکی ہو۔

حدیث عائشہ رض مذکورسے حدیث ابن عباس رض کو معارض قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ ان دونوں حدیثوں میں جمع نہ ہو سکتی ہو۔ پہلے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حدیث

عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا دوامی نہیں بلکہ بعض احوال پر محمول ہے وہ بھی نماز تہجد پر۔ پس بیس رکعت تراویح اس سے کیونکر معارض ہوگی۔

مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

لکن الاخذ بالراجح وترك المرجوح انما يتعين اذا تعارضا ولا يمكن الجمع وههنا الجمع ممكن بان يحمل حديث عائشة رضي الله عنها على انه اخبار عن حاله الغالب كما صرح به الباجي في شرح المؤطا ويحمل حديث ابن عباس رض على انه كان ذلك احيانا ۔ ۲ (التعليق الممجد حاشيه مؤطا امام محمدؒ)۔

دوسری حدیث یہ ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ الحديث ۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے علاوہ خلفاء راشدین کی سنت اور طریقے کو بھی لازم و واجب العمل قرار دیا ہے۔ اور تین خلفاء راشدین کے زمانے میں جو طریقہ رائج تھا وہ بیس رکعات تراویح ہے پس بموجب فرمانِ نبوی اس طریقے کے واجب الاتباع ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ فعل نبوی سے قول نبوی زیادہ حجت ہے۔ اس میں تین الفاظ لزوم کے لائے ہیں۔ علیکم۔ تمسکوا بھا اور عضوا علیھا بالنواجذ۔ پس اس کا ترک ایک مسلمان کے لئے کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

۳ تیسری حدیث : اخرجه البيهقي باسناد صحيح عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى مثله ۔

۴ : چوتھی حدیث :۔ عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في عهد عمر في رمضان بعشرين ركعة (مؤطا)۔

۵ : پانچویں حدیث :۔ وفي المغني عن علي انه امر رجلا ان يصلي

بہم فی رمضان بعشرین رکعۃ وھذا کالاجماع ۔"

(اوجز المسالک :ج ۱،ص ۳۹۷)۔

خلفاء ثلاثہ رض اور اتفاق صحابہ رض کے بعد ائمہ اربعہ رح حتی کہ داؤد ظاہری کا مذہب بھی سنئے ان میں سے کوئی بھی بیس سے کم کا قائل نہیں ہے ۔

وقال ابن رشد فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفۃ رح و الشافعی رح واحمد و داؤد القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر اھ

(اوجز المسالک :ص ۳۹۶، ج ۱)۔

آثار اس بارہ میں بے شمار ہیں بوجہ اختصار نقل نہیں کئے گئے ۔عہد فاروقی سے لے کر آج تک حرمین شریفین اور عالم اسلام کی تمام بڑی اور مشہور مساجد میں بیس سے کم تراویح نہیں پڑھی گئی ۔ من ادعی فعلیہ البیان ۔

" فیما ثبت بالسنۃ " میں ہے ۔

الذی استقر علیہ الامر و اشتہر من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم ھو العشرون ۔ (اوجز :ص ۳۹۶، ج ۱)۔

بزرگوں کے اقوال کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو ان کے ثبوت میں کلام ہے جیسا کہ آگے معلوم ہو گا ۔چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب رح کی ادھوری عبارت نقل کرکے خیانت کی گئی ہے ۔مندرجہ فی السوال عبارت سے آگے ذیل کی عبارت بھی حاشیہ ہدایہ میں مذکور ہے ۔جس میں تصریح ہے کہ آٹھ تراویح پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہوگا ۔

ومحققوھم یعرفونہا (ای السنۃ) بما واظب علیہ الرسول اوخلفاءہ والیہ یشیر عبارات الفقہاء فی مواضع شتی و ھو المستفاد من حدیث علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث اخرجہ ابوداؤد و ابن ماجۃ فان کلمۃ علیکم تدل علی اللزوم وکذا عطف سنۃ الخلفاء علی سنتی (الی ان قال) فعلی ھذا التعریف یکون السنۃ المؤکدۃ ھو عشرون

رکعة لثبوت مواظبة الخلفاء الثلاثة علیها وان لم یثبت مواظبة الرسول علیها فمؤدی ثمان رکعات یکون تارکا للسنة المؤکدة ۔ اھ (حاشیہ ھدایہ : ج ۱ : فصل فی قیام رمضان)۔

۲ : حضرت گنگوہی رح نے بھی آٹھ رکعت پڑھنے والے کو تارکِ سنت لکھا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲۔ص ۴۴)۔ عقل کی بات بھی یہی ہے کہ بیس پڑھی جائیں۔ کیونکہ قیامت میں اگر بیس کا سوال ہوا تو موجود ہوں گی اور اگر آٹھ پڑھی تھیں تو باقی کہاں سے پوری کی جائیں گی ؟

۳ : اس مسئلہ میں ابن الہمام رح کا تفرد بھی قابلِ قبول نہیں۔ ابن الہمام رح کے عظیم شاگرد علامہ قاسم بن قطلوبغا رح فرماتے ہیں۔

لا عبرة بابحاث شیخنا یعنی ابن الھمام التی خالفت المنقول یعنی فی المذھب ۱۲ (شامی : ج ۱ : ص ۲۲۵)۔

بر تقدیر ثبوت " اقوالِ بزرگان " کا ایک جواب یہ ہے کہ ان سے بھی بڑے بزرگ ائمہ اربعہ وغیرہم بیس رکعت تراویح کے " سنتِ مؤکدہ " ہونے کی تصریح فرماچکے ہیں۔ پس بڑوں کے اقوال فرمانِ نبوی صلعم ، اتفاقِ صحابہ رض کی روشنی میں زیادہ قابلِ ترجیح ہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مؤرخہ ۱۴ / ۹ / ۱۴۰۰ھ

تراویح میں ختمِ قرآن کے موقعہ پر متفرق آیات پڑھنا بدعت ہے

ایک حافظِ قرآن نے قرآنِ کریم ختم کیا اور دوسری رکعت تراویح میں اولئک ھم المفلحون کے بعد متفرق آیاتِ مندرجہ ذیل

ان رحمت اللہ قریب من المحسنین ÷ دعوٰھم فیھا سبحانک

اللّٰهم وتحيتهم فيها سلام واخر دعوٰهم ان الحمد
للّٰه رب العالمين ﴿ وما ارسلناك الا رحمة للعالمين ﴿
ماكان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول اللّٰه و
خاتم النبيين وكان اللّٰه بكل شئ عليما ﴿ ان اللّٰه
وملائكته يصلون على النبى يا ايها الذين اٰمنوا
صلوا عليه وسلموا تسليما ﴿ سبحانك ربك رب
العزة عما يصفون ﴿ وسلام على المرسلين ﴿ والحمد
للّٰه رب العلمين ﴿

تک پڑھ کر رکوع کیا۔

۲ : ساتھ ہی اس حافظ صاحب سے کہا بھی گیا کہ اس طرح متفرق آیات پڑھنے سے نماز مکروہ ہوجاتی ہے۔ لہٰذا استدعا ہے کہ کیا متفرق آیات پڑھنے سے نمازِ تراویح ہوجائے گی یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں جو طریقہ ختم قرآن کریم کا ذکر کیا گیا ہے جس میں مختلف آیات کو ایک رکعت میں جمع کرکے حافظ پڑھتا ہے اس سے نماز مکروہ ہوجاتی ہے اور اس فعل کو اچھا سمجھنا اور اس پر اصرار کرنا بدعتِ سیئہ ہے جس سے احتراز ضروری ہے۔

۲ : لیکن اگر کوئی شخص اسی طرح ختم کرے تو باوجود کراہت کے نمازِ تراویح ادا ہوجائے گی۔ کما یفہم من ابواب زلة القاری۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

ہر چار تراویح کے بعد پڑھے گئے قرآن شریف کا خلاصہ بیان کرنا

آج کل لوگوں نے قرآن مجید کی تعلیمات مسلمانوں میں عام کرنے کی غرض سے یہ طریقہ اختیار کیا ہے

کہ رمضان المبارک میں قیام اللیل کی نیت سے تراویح اس طرح ادا کی جاتی ہیں کہ ہر چار رکعت کے بعد تراویح میں پڑھے جانے والے قرآن کریم کی اوّلاً ترجمہ اور مختصر تشریح بیان کی جاتی ہے اور پھر حافظ صاحب چار رکعت تراویح سناتے ہیں اس طرح ترجمہ اور تشریح میں پینتالیس منٹ اور نماز میں پندرہ منٹ صرف ہوتے ہیں ۔ بارہ رکعت کے بعد پندرہ منٹ تقریبًا چائے وغیرہ کا وقفہ ہوتا ہے ۔ اس طرح تقریبًا پانچ گھنٹے صرف ہوتے ہیں ۔ تو کیا یہ طریقۂ عبادت بدعت حسنہ کی تعریف میں آتا ہے ؟

۲ :- کیا ہمارے اسلافؒ میں اس طرح کی کوئی مثال ملتی ہے ؟

۳ :- کیا اس سے ترویحہ کی روح ختم ہو جاتی ہے ؟

۴ :- کیا اس طرح مسنون تراویح ادا ہو جاتی ہیں ؟

۵ :- کیا اس طرح قیام اللیل کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے ؟

الجواب ہر چار رکعت تراویح کے بعد ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے ۔ اس وقفہ میں کیا کیا جائے یہ نمازیوں کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ مراقی میں ہے

ویستحب الجلوس بعد صلوٰۃ کل اربع رکعات بقدرھا ......
وھم مخیرون فی الجلوس بین التسبیح والقراءۃ والصلوٰۃ فرادیٰ والسکوت ۔ (ص ۲۲٦)

اور علامہ شامیؒ نے "نہر" سے نقل کیا ہے ۔ واھل مکۃ یطوفون واھل المدینۃ یصلون اربعا ۔ (ج ۱، ص ۴۷۴) ۔

بہرحال مقدار ترویحہ میں مقروءۃ آیات کا خلاصہ بیان کرنا جائز ہے بشرطیکہ تقلیل جماعت کا باعث نہ ہو ۔ اور مقدار ترویحہ کے بیان کو سُنّر کار استراحت تصور کرتے ہوں ۔ اس سے زائد چونکہ سلف سے اور کتب فقہ میں منقول نہیں اس لئے ترک کر دینا چاہئے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

استفسارات کے جوابات یہ ہیں ۔

۱ :- یہ طریقہ بدعت حسنہ ہونا محل کلام ہے ۔

۲ :- ہمارے علم میں نہیں ۔

۳ :- ہاں ختم ہوجاتی ہے۔
۴ :- تراویح تو ادا ہوجائیں گی۔
۵ :- یہ بظاہر قیام اللیل کے موضوع کے خلاف ہے۔ قیام اللیل میں اصل تلاوت ونماز ہے۔ جس میں صرف گھنٹہ سوا گھنٹہ خرچ ہوگا اور درمیانی وقفہ ترویحہ حصولِ راحت اور تجدید نشاط کے لئے ہوتا ہے خود وقفہ مقصود نہیں کہ جس میں تقریباً چار گھنٹے صرف ہوں۔ نیز اتنی دیر کا بیان سننا مزید تکان کا باعث ہوگا۔ تو گویا اصل قیام اللیل نہ رہا۔ بلکہ اصل بیان ہوگیا اور ترویحہ راحت نہ رہا۔ یہ اجتماعی عمل کی بات ہے انفرادی فعل کی حیثیت اور ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۹/۹/۱۴۰۹ھ

تراویح کی نیت میں "سنت رسول اللہ" کہنے کا حکم

۱ :- ہمارے شہر میں ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ چار رکعت نماز سنت رسول پاک کی فرض اللہ کے۔ "سنتِ رسولؐ کی" نیت میں رسولؐ کا نام لینا چاہئے یا نہیں ؟ سنت تراویح ہو یا کوئی سنت ہو، نیت اللہ کی ہو یا رسولؐ کی۔
۲ :- ہمارے استاذ صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ نماز میں کتا یا بلی کا خیال آجائے تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں ؟ یا اچانک خیال آجائے تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں ؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں خیال سے آنا۔
میرے استاذ صاحب نے فرمایا تھا کہ۔
نماز میں کتا یا بلی کا اچانک خیال آجائے تو نماز ہوجائے گی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں خیال سے آنا، میرے استاذ نے فرمایا تھا، تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ لیکن لوگوں نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔ آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں ؟

الجواب ــــ تراویح کی نیت یہ ہے " دو رکعت نماز سنت تراویح پڑھتا ہوں واسطے اللہ تعالیٰ کے " "سنتِ رسول اللہ" کہنا کوئی ضروری نہیں لیکن یہ لفظ کہہ

لینے سے بھی نماز ہو جائے گی۔ کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع میں ادا کرتا ہوں" یہ مطلب نہیں کہ یہ اللہ کے لئے نہیں ۔ فرائض و سنن نوافل سب کے سب اللہ کے لئے ہیں۔ غیر اللہ کے لئے ایک سجدہ بھی حرام ہے ۔

و الاحتياط فى التراويح ان ينوى التراويح او سنة الوقت او قيام الليل كذا فى منية المصلى والاحتياط فى السنن ان ينوى الصلوٰة متابعا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ۔

(هنديه ، ج ١ ، ص ٦٥)۔

۲ ۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال درود شریف اور تشہد میں السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته کے وقت شرعاً مطلوب ہے ۔ چنانچہ مراقی میں ہے

" فيقصد المصلى انشاء هذه الالفاظ مرادة له قاصدا معناها الموضوعة له من عنده كانه يحى الله سبحانه وتعالى ويسلم على النبى صلى الله عليه وسلم وعلى نفسه واولياء الله ۔ الخ (ص ١٥٥)۔

جب آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا تذکرہ آئے گا اور انشائے سلام کا قصد کرے گا تو حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آنا ایک لازمی امر ہے ۔ اس لئے حضور علیہ الصلوۃ و السلام کے مبارک خیال سے فسادِ صلوۃ کا حکم محل کلام ہے ، نماز نہیں ٹوٹتی ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

خیر المصابیح فی عدد التراویح

بیس رکعات تراویح

احادیث، عملِ صحابہؓ اور اجماعِ اُمّت کی روشنی میں

از

استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول عارف باللہ

حضرت مولانا خیر محمدؒ جالندھری نور اللہ مرقدہٗ

بانی جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

○

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ
خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد

پاکستان کے اہلِ حدیث بہت زور سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا جمہور مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں اس کا کہیں ثبوت نہیں ۔ حالانکہ نہیں سمجھتے کہ عمل سے ہر چیز کا پتہ چلتا ہے ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہوتیں اور حضرت عمرؓ کا حکم بھی آٹھ ہی کا ہوتا تو حضرات صحابہ کرامؓ تابعین ، تبع تابعین ، ائمہ مجتہدین ، سلفِ صالحین ، علماء راسخین کا عمل بیس یا بیس سے زائد کا نہ ہوتا ۔ حالانکہ مشترکہ ہندوستان میں دو صدی قبل پورے بارہ سو سال تک تمام مساجد شرق و غرب اور جنوب و شمال میں بیس یا بیس سے زیادہ رکعت تراویح ہوتی تھیں ۔ حرمین شریفین میں اب تک بیس رکعت یا بیس سے زائد تراویح پڑھتے چلے آئے ہیں ۔ کیا اہلِ حدیث کے سوا ، جمہور امت گمراہی میں رہی یا بغیر ثبوت کے ہی بیس یا بیس سے زائد پڑھتے رہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بارہویں صدی تک کسی مسجد میں اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہوں تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے ۔

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حتمی طور پر آٹھ رکعت نہیں پڑھی ۔ بلکہ بیس رکعت پڑھی گئی ہیں ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ مبارک میں بھی بیس ہی تراویح پڑھی گئی ہیں ۔ ورنہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق حسبِ عادت کسی ایک کا مذہب ، تو آٹھ رکعت کا نقل کرتا ۔ مگر تمام صحاح ستہ میں کسی ایک کا مذہب آٹھ کا نہیں ہے اور نہ آٹھ رکعت تراویح کسی کا عمل نقل کیا گیا ہے ۔

بارہ سو سال تک مسلمانوں کا کیا عمل رہا

امام بیہقی رحہ نے سنن کبریٰ ج ۲ صفحہ ۴۹۶ ۔ میں سائب بن یزید رضہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر

رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تو قیام کی شدت کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لگاتے تھے۔

اور پانچ سطر بعد لکھتے ہیں کہ شتیر بن شکل جو حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کے اصحاب میں سے تھے۔ رمضان میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

اس کے دو سطر بعد روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو مامور کیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے۔ یہ صحابہ کرام رضہ کے زمانہ میں خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کا حال تھا۔

نافع رح حضرت ابن عمر رضہ کے مولیٰ جو حضرت عائشہ رضہ اور حضرت ابوہریرہ رضہ اور حضرت ابورافع رضہ کے شاگرد تھے ان کا بیان ہے کہ میں نے تو لوگوں کو چھتیس تراویح اور تین وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (قیام اللیل، ص ۹۲، تحفۃ الاحوذی: ج ۲، ص ۷۳)۔ نافع رح کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی ہے۔

داؤد بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رح متوفی ۱۰۱ھ اور ابان بن عثمان رح متوفی ۱۰۵ھ کے زمانہ میں مدینہ کے لوگوں کو چھتیس رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ نیز عمر بن عبدالعزیز نے قاریوں کو چھتیس رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ (قیام اللیل، ص ۹۱، ۹۲)۔

امام مالک رح متوفی ۱۷۹ھ کے زمانہ تک مدینہ طیبہ میں چھتیس رکعتوں کا معمول تھا۔ کبھی وتروں کے اختلاف عدد کی وجہ سے اکتالیس رکعتیں ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ امام ترمذی رح نے اکتالیس کا معمول مدینہ میں ذکر کیا ہے۔ اہل مدینہ پر کیا موقوف ہے۔ بلکہ امام مالک رح کے متبعین جہاں بھی ہوئے وہاں چھتیس پر عمل ہوتا تھا۔ جیسا کہ مذہب مالکیہ کی فقہ شاہد ہے کہ مکہ معظمہ میں عطاء بن ابی رباح رح کے زمانہ تک بیس تراویح پر عمل تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) عطاء رح کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی ہے اور نافع بن عمر کا بیان ہے کہ ابن ابی ملیکہ ہم کو رمضان میں بیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔ ابن ابی ملیکہ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔

اور امام شافعی رح متوفی ۲۰۴ھ کا بیس پر عمل تھا۔ اور چونکہ امام شافعی رح خود بیس کے قائل تھے اس لئے ان کے بعد مکہ میں اور مکہ کے علاوہ ہر جگہ جہاں ان کے متبعین تھے سب بیس پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ فقہ شافعی اس کی شہادت دیتی ہے۔

——حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ بھی بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۹۱ تحفۃ الاحوذی ، ج ۲ ، ص ۷۵)۔

——کوفہ میں سوید بن یزید (متوفی ۸۲ھ) چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۹۱ ، تحفۃ الاحوذی ج ۲ ، ص ۷۳)۔

——اور سوید بن غفلہ متوفی ۸۱ھ جو حضرت علی رض اور حضرت ابن مسعود رض کے صحبت یافتہ ہیں۔ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (بیہقی ج ۲ ، ص ۴۹۶)۔

——نیز علی بن ربیعہ جو حضرت علی رض و سلمان رض کے شاگرد ہیں وہ بھی بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

——اور سعید بن جبیر جو حضرت ابن عباس رض اور دوسرے صحابہ کرام رض کے شاگرد ہیں اور بہت بڑے امام ہیں وہ اٹھائیس اور چوبیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (تحفۃ الاحوذی : ج ۲ ، ص ۷۳)۔

——امام کوفہ سفیان ثوری رح متوفی ۱۶۱ھ بیس رکعت کے قائل تھے۔ (تحفۃ الاحوذی : ج ۲، ص ۷۵)

——امام اعظم ابو حنیفہ رح متوفی ۱۵۰ھ بیس رکعت تراویح کے قائل تھے اور ان کے مقلدین جس جگہ بھی ہیں تمام بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔

——بغداد میں امام احمدؒ م ۲۴۱ھ بیس رکعتوں کے قائل تھے۔ حنبلی مذہب کی کتب فقہ شہادت دے رہی ہیں۔ "مقنع : ج ۱ : ص ۱۸۳ - میں ہے۔

"ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة "

یعنی تراویح اور وہ بیس رکعت ہیں اس کو جماعت کے ساتھ رمضان میں ادا کرے "

——اسی طرح داؤد ظاہری رح متوفی ۲۷۰ھ بیس رکعت کے قائل تھے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۹۱) اور ان کے متبعین کا بھی بغداد اور غیر بغداد میں بیس پر عمل تھا۔

——ائمہ خراسان میں سے عبداللہ بن مبارک رح متوفی ۱۸۱ھ بیس تراویح کے قائل تھے۔ (ترمذی)۔

عہد فاروقی سے لے کر تیسری صدی کے قریبًا وسط تک مکہ ، مدینہ ، کوفہ ، بصرہ ، بغداد خراسان وغیرہ کے علماء اور ائمہ کا عمل رکعات تراویح کے باب میں یہی تھا۔ کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح پڑھتا تھا اور نہ ہی اس پر کفایت کرتا تھا اور نہ اس پر کہیں عمل تھا۔ اس کے بعد تیسری صدی سے پہلے ہی ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ رح ، امام مالک رح ، امام شافعی رح ، امام احمد بن حنبل رح اپنی فقہ کی تعلیم اپنے شاگردوں

کو دے کر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان کے فقہی مسالک پر عمل ہو چکا تھا اور جو آج تک جاری ہے آج چاروں اماموں کی کتبِ فقہیہ لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی آٹھ رکعت پر اکتفار کی تعلیم نہیں دی گئی۔ بے شک ان ائمہ اربعہ رح کے علاوہ دیگر مجتہد اور امام بھی تھے اور ان کا کچھ عرصہ تک اتباع بھی جاری رہا۔ جیسے حضرت سفیان ثوری رح اور داؤد ظاہری رح مگر وہ بھی آٹھ کے قائل نہ تھے بلکہ بیس کے قائل تھے۔

قول وفعلِ نبوی سے کوئی عددِ معین تراویح کا حتمی طور پر صحیح روایت سے ثابت نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً وفعلاً عدد تراویح کا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اس پر علمار کی شہادتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی شہادت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رح کہتے ہیں۔

ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزاد ولا ینقص منہ فقد اخطأ الخ (فتاوی ابن تیمیہ رح ج ۲ ص ۴۰۱)۔

یعنی جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کے باب میں کوئی معین عدد ثابت ہے جو کم وبیش نہیں ہو سکتا وہ غلطی پر ہے۔

دوسری شہادت علامہ سبکی رح لکھتے ہیں۔

أعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیالی ھل ھو عشرون او أقل الخ (شرح منہاج منقول از تحفۃ الاخیار ص ۱۱۶ – ومصابیح : صــ۴۴ــ)۔

یعنی یہ منقول نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھیں بیس یا کم۔

تیسری شہادت علامہ شوکانی رح نیل الاوطار میں فرماتے ہیں۔

والحاصل الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشابھھا ھو مشروعیۃ القیام فی رمضان والصلوۃ فیہ جماعۃ وفرادی فقصر الصلوۃ المسمات بالتراویح علی

عدد معین وتخصیصها بقراءة مخصوصة لم ترد به سنة الخ (نیل الاوطار ج۳ ص۴۶)

یعنی اس باب کی حدیثوں اور ان کے مشابہ حدیثوں کا حاصل اتنا ہے کہ رمضان میں قیام اور اکیلے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مشروع ہے پس تراویح کو کسی خاص عدد میں منحصر کر دینا اور اس میں خاص مقدار قرأت کا مقرر کرنا ایسی بات ہے جو سنت میں وارد نہیں ہوئی۔

چوتھی شہادت مولوی وحید الزمان رح اہل حدیث لکھتے ہیں۔

ولا یتعین لصلوة لیالی رمضان یعنی التراویح عدد معین الخ (نزل الابرار ج۱ ص ۱۲۶)۔

یعنی رمضان کی راتوں کو تراویح کے لئے کوئی عدد معین نہیں ہے۔

پانچویں شہادت ابوالخیر میر نورالحسن خان رح اہل حدیث لکھتے ہیں۔

"وبالجملہ عددے معین در مرفوع نیامدہ" (عرف الجادی ص۸۴)۔

یعنی تراویح کا کسی حدیث مرفوع میں کوئی عدد معین نہیں آیا ہے۔

چھٹی شہادت نواب صدیق حسن خان مرحوم اہل حدیث لکھتے ہیں۔

ان صلوة التراویح سنة باصلها لما ثبت انه صلی الله علیه وسلم صلاها فی لیالی ثم ترکه شفقة علی الامة ان لا تجب علی العامة او یحسبوها واجبة ولم یأت تعین العدد فی الروایات الصحیحة المرفوعة لکن یعلم من حدیث کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یجتهد فی رمضان مالا یجتهد فی غیره رواه مسلم ان عددها کثیر۔ (الانتقاد الرجیع ص ۶۱)

یعنی اصل نماز تراویح سنت ہے اس لئے کہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتوں میں اس کو پڑھا ہے۔ پھر امت پر شفقت کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا کہ کہیں عام لوگوں پر واجب نہ ہو جائے یا اس کو واجب نہ سمجھ بیٹھیں۔ اور عدد معین مرفوع روایتوں میں نہیں ہے۔ لیکن صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں جتنی محنت و کوشش کرتے اتنی غیر رمضان میں نہیں کرتے تھے۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تراویح کا عدد زیادہ تھا۔ (صرف گیارہ یا تیرہ نہیں تھا بلکہ بیس یا زیادہ تھا)۔

ساتویں شہادت علامہ جلال الدین سیوطی رح لکھتے ہیں۔ ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذلک من فعل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ ۔ الخ ۔ (مصابیح ، ص۔۔)۔

ترجمہ! یعنی علماء کا تراویح کے عدد میں اختلاف ہے اگر آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے فعل سے کوئی عدد ثابت ہوتا تو اختلاف نہیں ہو سکتا تھا "

اہلحدیث کے ۲ دو دعوے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرت عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔

پہلا دعویٰ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت تراویح پڑھنے کے ثبوت پر حدیث ذیل پیش کرتے ہیں۔

" انه سأل عائشة رضی الله عنها کیف کانت صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا قالت عائشة رضی الله عنها فقلت یا رسول الله صلی الله علیه وسلم اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة رض ان عینیّ تنامان ولا ینام قلبی ۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴)

ترجمہ :۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد رمضان میں کیسی تھی ؟ فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں زیادہ گیارہ رکعتوں سے نہیں کرتے تھے ۔ چار رکعت ایسی پڑھتے تھے کہ ان کے حسن اور طول سے مت پوچھو ۔ پھر چار رکعت ایسی پڑھتے تھے کہ ان کے حسن اور طول سے مت پوچھو ۔ پھر تین رکعت پڑھتے تھے ۔ کہا حضرت عائشہ رضی اللّٰہ تعالیٰ نے یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کیا آپ سوتے ہیں قبل وتر کے ؟ فرمایا اے عائشہ رض ! میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا "

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم رمضان میں تراویح گیارہ رکعت پڑھتے تھے ۔ اس طرح کہ آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر ۔

پہلا جواب اسی حدیث میں لفظ ولا فی غیرہ یعنی غیر رمضان میں گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے جو دلیل اس بات کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللّٰہ تعالےٰ عنہا سے سوال اس نمازِ تہجد کا تھا کہ جو بارہ مہینے میں پڑھی جاتی ہے ۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رض

سے روایت ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد میزرہ واحیی لیلہ وایقظ اھلہ الخ

(بخاری شریف: ج۱، ص ۲۷۱)۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب اخیر عشرہ رمضان کا داخل ہوتا تو تہبند مضبوط باندھتے اور ساری رات جاگتے اور اپنے اہل خانہ کو جگاتے تو سائل کو خیال آیا کہ شاید تہجد کی رکعتیں بھی زیادہ کر دیتے ہوں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ اکثر آپ تہجد کی گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔

جب یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے تو تراویح کا اس سے کیا تعلق؟

دوسرا جواب اگر بالفرض محال اس کا تعلق بھی تراویح سے ہو تو اس سے بھی یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف ج۱ ص ۱۱۱)

حافظ ابن حجر رحمہ وغیرہ شراح حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان دونوں مختلف بیانات میں یوں تطبیق دی ہے کہ یہ بیانات مختلف حالات اور اوقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ عام حالات و اوقات میں گیارہ سے زائد نہیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی تیرہ بھی پڑھتے تھے۔ لہذا آٹھ تراویح میں انحصار باطل ہو گیا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ لکھتے ہیں۔

والصواب ان کل شئی ذکرتہ من ذلک محمول علی اوقات متعددہ واحوال مختلفۃ الخ (فتح الباری ج ۲، ص ۱۴)۔

اور مولانا عبدالرحمن مبارک پوری رحمہ نے بھی یہ تسلیم کیا ہے۔

انہ قد ثبت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان قد یصلی ثلث عشرۃ رکعۃ سوی رکعتی الفجر الخ

(تحفۃ الاحوذی: ج ۲، ص ۳)۔

یعنی یہ ثابت اور محقق ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی تیرہ رکعت فجر کی سنتوں کے سوا پڑھتے تھے ۔ جب گیارہ سے زیادہ کا ثبوت ہو چکا تو اہل حدیث کا یہ دعویٰ کہ گیارہ سے زیادہ تراویح نہیں ہوتی تھیں یہ دعویٰ باطل ہو گیا ۔ اور گیارہ سے زیادہ والی روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی روایت کے مخالف کہنا سخت بھول اور غفلت پر مبنی ہے اسلئے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ کبھی یہ ہوا اور کبھی اس سے زائد ہوا ۔

تیسرا جواب بقول اہلحدیث جب یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہے ۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرما رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار چار رکعت پڑھتے تھے اور بہت لمبی پڑھتے تھے اور وتر تین رکعت پڑھتے تھے ۔ اور بہت لمبی پڑھتے تھے تو اس حدیث پر عمل تب ہو گا جب کہ چار چار رکعت ایک سلام سے پڑھی جائیں اور تین وتر ایک سلام سے پڑھے جائیں ۔ حالانکہ اہلحدیث کا اس پر عمل نہیں کہ دو دو رکعت تراویح پڑھتے ہیں اور تین وتر دو سلام سے پڑھتے ہیں یا ایک ہی وتر پڑھتے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث کل کی کل اہل حدیث کے نزدیک تراویح میں معمول بہا نہیں ہے ۔ لہذا اس سے حنفیہ پر حجت قائم کرنا صحیح نہ ہوا ۔

چوتھا جواب امام محمدؒ بن نصر مروزی نے اپنی کتاب " قیام اللیل " میں ایک باب کا عنوان یہ قرار دیا ہے " باب عدد الرکعات التی یقوم بہا الامام للناس فی رمضان " یعنی باب ان رکعتوں کی تعداد کے بیان میں جنہیں امام لوگوں کے ساتھ رمضان میں پڑھے گا ۔

اس باب میں وہ رکعاتِ تراویح بتانے کے لئے بہت سی روایتیں لائے ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی اس حدیث کو جو سب سے زیادہ صحیح اور اعلیٰ درجہ کی ہے ذکر کرنا تو درکنار اشارہ تک نہیں کیا ہے ۔ جس سے صاف صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق تراویح سے نہیں ہے بلکہ تہجد کے نوافل سے ہے ۔

پانچواں جواب اس حدیث کے آخر میں ہے ۔

قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینیّ تنامان ولا ینام قلبی الخ

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ سوتے ہیں پہلے وتر پڑھنے کے ؟ سو فرمایا اے عائشہؓ! بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا ۔

ظاہر ہے کہ کسی روایت میں نہیں آیا کہ آپ آٹھ تراویح پڑھ کے سو گئے ہوں ۔ اور صحابہؓ انتظار میں بیٹھے رہے ہوں ۔ البتہ گھر میں تہجد پڑھتے تھے اور اس میں کبھی کبھی وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں ۔ یعنی اتنام الخ ۔ علاوہ ازیں تراویح میں تو حضرت عائشہؓ عورتوں کی صف میں پیچھے مردوں کے کھڑی ہوں گی اگر آپ سوتے تو پہلے مردوں کو خبر ہوتی ۔ جب مردوں کو خبر نہیں تو تراویح کا معاملہ نہیں ۔ معلوم ہوا کہ تہجد کا واقعہ ہے ۔

چھٹا جواب

علاوہ ازیں قرطبی رہ نے حدیثِ عائشہ رضہ کو مضطرب نقل کیا ہے ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رہ کہتے ہیں ۔

قال القرطبی اشکلت روایات عائشۃ رضہ علی کثیر من اهل العلم حتی نسب بعضهم حدیثها الی الاضطراب الخ (فتح الباری ج ۳ : ص ۱۶) ۔

یعنی اکثر اہلِ علم پر حدیثِ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی مشکل ہوئی ہے ۔ حتی کہ بعض محدثین نے ان کی حدیث کو اضطراب کی طرف منسوب کیا ہے پس اس حدیث سے استدلال کرنا تحکم ہے ۔

ساتواں جواب

اس حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مراد تہجد کے نوافل ہیں تراویح مراد نہیں ، اس لیے محدثین رہ نے اس پر تعدادِ تراویح کا باب منعقد نہیں کیا صحیح بخاری میں یہ حدیث کئی جگہ وارد ہے ۔ مثلاً ص۱۵۴ میں " باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ "

اس جگہ قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل قرینہ ہے تہجد کا قیام رمضان تراویح کو کہتے ہیں اور قیام اللیل تہجد کو کہتے ہیں ۔ علاوہ ازیں سوال کیفیت سے ہے نہ کہ عدد سے جو کہ مقولہ "کم" سے ہے ۔ اور مثلاً ص۲۶۹ پر باب فضل من قام رمضان اس میں فضیلت بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ عدد ۔ اور مثلاً ص۵۰۴ ، باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینہ ولا ینام قلبہ اس میں بھی سونے کی کیفیت بیان کرنا ہے نہ کہ عددِ تراویح اور مثلاً ص ۱۳۵ ، ج ۱ ۔ میں " باب ماجاء فی الوتر "

اس میں بیان ہے کہ وتر تین رکعت ہیں عدد تراویح کا بیان مقصود نہیں ۔

كان يصلى احدى عشرة ركعة كانت تلك صلوته تعنى بالليل فيسجد السجدة من ذلك قدر ما يقرأ احدكم خمسين اٰية الخ

کس صراحت کے ساتھ نماز تہجد کو بیان کیا ہے ۔ حدیث میں اس قسم کے اشارات بے شمار ہیں ۔

حکمت وظهرلى ان الحكمة فى عدم الزيادة على احدى عشرة ان التهجد والوتر مختص بصلوة الليل وفرائض النهار الظهر وهى اربع والعصر وهى اربع والمغرب وهى ثلاث وتر النهار فناسب ان تكون صلوة الليل كصلوة النهار فى العدد جملة وتفصيلاً الخ (فتح البارى ج ۳ ، ص ۱۴) ۔

اور میرے لئے ظاہر ہوا کہ گیارہ رکعت پر زیادتی نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وتر رات کی نماز کے ساتھ خاص ہیں اور فرائض دن کے ظہر ہے اور وہ چار رکعت ہیں اور عصر ہے اور وہ چار رکعت ہیں ۔ اور مغرب ہے اور وہ تین رکعت ہیں وتر دن کے ۔

پس مناسب ہوا یہ کہ ہو رات کی نماز مثل دن کی نماز کے عدد میں (یعنی گیارہ رکعت تہجد) ۔

أما مناسبة ثلاثة عشرة فيضم صلوة الصبح لكونها نهارية الى ما بعدها الخ (فتح البارى : ج ۳ ، ص ۱۷)

یعنی مناسبت تیرہ رکعت کی صبح کی نماز کو ملانے کے ساتھ بوجہ نہاری ہونے اس کے بعد کے ساتھ ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رح کے اس نکتہ اور حکمت سے معلوم ہوتا ہے کہ گیارہ اور تیرہ رکعتیں نماز تہجد میں تھیں نہ کہ تراویح میں ۔

تہجد اور تراویح کی نماز الگ الگ ہیں ایک نہیں

تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ ہیں ایک نہیں ۔ دونوں میں فرق کئی وجوہ سے ہے ۔

پہلی دلیل تہجد کی مشروعیت مکہ مکرمہ میں ہوتی ہے اور تراویح کی مدینہ طیبہ میں ہوئی ۔

دوسری دلیل تہجد کی مشروعیت بنصِ قرآنی ہوئی ہے۔ فتہجد به نافلة لك۔ قم الليل الا قليلا۔ اور تراویح کی مشروعیت حدیث سے۔ سننت لكم قيامه (نسائی)۔ میں نے تمہارے لئے قیام رمضان کو مسنون کیا

تیسری دلیل تہجد کی رکعات بالاتفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ مع الوتر تیرہ اور کم از کم سات مع الوتر ہیں۔ بخلاف تراویح کے اس کا کوئی معین عدد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ جیساکہ پہلے گزرا ہے اسلئے ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہے۔ کوئی بیس کہتا ہے کوئی چھتیس یا زائد کہتا ہے۔

چوتھی دلیل حنبلی مذہب کی معتبر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ "مقنع" میں ہے۔

ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة ويوتر بعدها في الجماعة فان كان له تهجد يوتر بعده۔ (مقنع ص ۱۸۴)۔

یعنی پھر تراویح ہے اور وہ بیس رکعت ہیں کہ اس کو باجماعت پڑھے۔ اور اگر وہ تہجد بھی پڑھتا ہو تو وتر تراویح کے بعد نہ پڑھے بلکہ تہجد کے بعد پڑھے۔ مقنع کے متعلق مصنف علیہ الرحمۃ کہتے ہیں۔

هذا كتاب في الفقه على مذهب ابي عبد الله محمد بن احمد بن حنبل رح الخ۔

یعنی یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق فقہ کی کتاب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد رح بھی تراویح اور تہجد کو الگ الگ سمجھتے تھے۔ امام بخاری رح کا بھی یہی عمل تھا۔ کیونکہ رات کے اوّل حصہ میں اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر باجماعت نماز پڑھتے تھے اور اس میں ایک ختم کرتے تھے اور سحری کے وقت اکیلے پڑھتے تھے۔

پانچویں دلیل تہجد کا وقت سونے کے بعد ہوتا ہے اور تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تہجد اور تراویح الگ الگ ہیں ایک نہیں ہیں۔

دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے۔

حدثنا محمد بن حميد الرازي ثنا يعقوب بن عبد الله ثنا عيسى بن جارية عن جابر رضي الله تعالى عنه قال صلى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان لیلۃ ثمان رکعات والوتر فلما کان من القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا أن یخرج الینا فلم نزل فیہ حتی اصبحنا قال انی کرھت اوخشیت ان یکتب علیکم الوتر الخ (قیام اللیل : ص ۱۵۵)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی ایک رات میں آٹھ رکعت اور وتر پڑھے۔ پس جب کہ آئندہ رات ہوئی اور ہم جمع ہوئے مسجد میں اور امید کی ہم نے کہ آپ ہماری طرف نکلیں گے۔ پس ہم وہیں رہے یہاں تک کہ صبح کی ہم نے۔ فرمایا کہ میں نے مکروہ سمجھا اور تم پر خوف کیا کہ فرض کیا جائے وتر"

جواب حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والا ایک شخص ہے اور وہ عیسیٰ بن جاریہ ہے۔

عیسیٰ بن جاریہؒ اس راوی کا حافظ ذہبی رح نے "میزان الاعتدال" میں اور حافظ ابن حجر رح نے "تہذیب التہذیب" وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔ امام فنِ جرح و تعدیل یحییٰ بن معین رح نے اس کی نسبت لکھا ہے۔ لیس بذالک وہ قوی نہیں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے پاس متعدد روایتیں منکر ہیں۔ اور امام نسائی رح وامام ابو داؤد رح نے کہا ہے وہ منکر الحدیث ہے۔ امام نسائی نے اس کو متروک بھی کہا ہے۔ اور ساجی عقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن عدی رح نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں۔

یہ چند حضرات ہیں جنہوں نے عیسیٰ بن جاریہ پر جرح کی ہے اور ان کے مقابل صرف ایک ابو زرعہ رح ہیں جنہوں نے عیسیٰ کو لا باس کہا ہے۔ (اس میں کوئی مضائقہ نہیں) اور دوسرے ابن حبان رح ہیں جنہوں نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ لہٰذا عیسیٰ مجروح قرار پائے گا۔ بالخصوص جب کہ عیسیٰ پر جو جرحیں کی گئی ہیں وہ بہت سخت ہیں۔ چنانچہ امام نسائی رح وابو داؤد رح نے اس کو منکر الحدیث لکھا ہے۔ اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوری رح اہلحدیث نے "ابکار المنن" میں سخاوی رح کے حوالہ سے بغیر رد و کد کے یہ لکھا ہے۔

منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق بہ الترک لحدیثہ۔ (ابکار المنن ص۱۹۱)

یعنی منکر الحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ

اس کی حدیث ترک کر دی جائے (اس سے حجت نہ پکڑی جائے اور قبول نہ کی جائے) ۔ اس لئے عیسیٰ کی یہ روایت قابل قبول نہیں ۔ بالخصوص جب کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل کرنے میں عیسیٰ متفرد ہے ۔ دوسرا کوئی اس کا مؤید و متابع موجود نہیں ہے ۔ اور نہ کسی دوسرے صحابیؓ کی حدیث اس کی شاہد ہے ۔ جابر رضہ سے متفرد ہونے کی یہ دلیل ہے کہ امام طبرانی رح نے عیسیٰ کی روایت نقل کرنیکے بعد لکھا ہے

لا یروی عن جابر بن عبد اللہ الا بھذا الاسناد ۔

یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے ۔

اس سند کا دوسرا راوی محمد بن حمید الرازی ہے " تقریب" میں ہے کہ حافظ نے اسکی تضعیف کی ہے (تقریب) غرضیکہ یہ حدیث ضعیف ہے دو وجہ سے ۔ ایک عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے کہ اس پر جرح قوی ہے ۔ دوسرے محمد بن حمید الرازی کی وجہ سے ۔ اس لئے کہ یہ ضعیف راوی ہے ۔

حضرت جابرؓ کی دوسری روایت

وبہ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاء ابیؓ بن کعبؓ فی رمضان فقال یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کان منی لیلۃ شئ قال وما ذلک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلوتک فصلیت بھن ثمان رکعات و الوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضاء الخ ۔

(قیام اللیل: ص ۹۰)

اسی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رمضان میں حاضر ہو کر کہا کہ مجھ سے رات میں ایک بات ہو گئی ہے ۔ آپ نے فرمایا وہ کیا کہا ۔ گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہم نے قرآن نہیں پڑھا ہے تو ہم بھی تمہارے پیچھے نماز پڑھ لیں ۔ میں نے ان کو آٹھ رکعتیں پڑھائیں اور وتر بھی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا اور یہ بات رضامندی کے مشابہ تھی ۔

جواب اس کا جواب اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی سند بعینہ پہلی ہے ۔ جس میں عیسیٰ بن جاریہ واقع ہے اور اس پر کلام گذر چکا ہے ۔ یعنی یہ راوی مجروح ہے ۔ لہذا یہ روایت

ضعیف ہے۔

یہاں تک یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف باجماعت تراویح تین رات ثابت ہوئی ہیں۔ اور ان میں کوئی عدد متعین تراویح کا منقول نہیں ہے۔ لہٰذا عدد میں صحابہ رض کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ایک اثر گیارہ تراویح کا تھا جو سائب بن یزید سے منقول ہے۔

اہل حدیث کا دوسرا دعوےٰ

اس کے ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل حدیث پیش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آٹھ رکعت کا حکم کیا تھا۔

تیسری حدیث مالك عن محمد بن يوسف عن سائب بن يزيد انه قال امر عمر بن الخطاب ابیؓ بن كعب وتميم الداریؓ ان يقوما للناس باحدى عشرة ركعة الخ

(قيام الليل ص ۹۱ - مؤطا امام مالک رح ص ۹۸ مطبع اصح المطابع)

یعنی امام مالک رح روایت کرتے ہیں سائب بن یزید رض سے اور وہ کہتے ہیں۔ امر کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو کہ تراویح پڑھاویں لوگوں کو گیارہ رکعت۔ انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

پہلا جواب سائب بن یزید رح سے نقل کرتے ہیں محمد بن یوسف رح۔ اور ان کے شاگرد پانچ ہیں۔ ۱: امام مالک رح۔ ۲: یحیٰ بن قطان رح۔ ۳: عبدالعزیز ابن محمد رح۔ ۴: ابن اسحاق رح۔ ۵: عبدالرزاق رح۔ اور پانچوں میں اختلاف ہے۔

۱:۔ امام مالک رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حکم دیا ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ کیا عمل ہوا اس کا کوئی ذکر نہیں اور اس میں رمضان کا بھی ذکر نہیں۔

۲: یحییٰ بن قطان رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رض نے ابی رض و تمیم رض پہ لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس میں حضرت عمر رض کے حکم کا ذکر نہیں ہے اور رمضان کا بھی

ذکر نہیں۔

۳ : عبدالعزیز بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے، نہ ابی بن کعب رضؓ و تمیم رضؓ کا نہ رمضان کا)۔

۴ : ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں بماہِ رمضان تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (اس میں بھی حضرت عمر رضؓ کے حکم اور ابی رضؓ اور تمیم رضؓ کا ذکر نہیں ہے۔ گیارہ کی بجائے تیرہ کا ذکر ہے)۔

۵ : عبدالرزاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے اکیس رکعت کا حکم دیا۔ (اس میں گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

سائب رضؓ بن یزید
↓
محمد بن یوسف رحؒ

امام مالکؒ	یحییٰ بن قطانؒ	عبدالعزیز بن محمدؒ	ابن اسحاقؒ	عبدالرزاقؒ
حضرت عمر رضؓ نے ابی بن کعب رضؓ اور تمیم داری رضؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں	حضرت عمر رضؓ نے ابی رضؓ اور تمیم رضؓ پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے	ہم حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے	ہم حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں بماہِ رمضان تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے	حضرت عمر رضؓ نے اکیس ۲۱ رکعت کا حکم دیا تھا

جب اس اختلاف میں سوائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے گیارہ کا امر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یحییٰ بن قطان رحؒ کی روایت میں گیارہ کا امر نہیں اور عبدالعزیز بن محمد رحؒ کی روایت میں نہ گیارہ کا امر ہے اور نہ رمضان کا ذکر ہے اور ابن اسحاق رحؒ بجائے گیارہ کے تیرہ رکعت ذکر کرتے ہیں۔ اور عبدالرزاقؒ کی روایت میں اکیس رکعت ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے خود راویِ حدیث ابن اسحاق رحؒ تیرہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ ابن عبدالبر مالکی رحؒ نے اکیس کو ترجیح دی ہے۔ لہٰذا عدد کے بارے میں یہ مضطرب ہے اور

قابل حجت نہیں۔

دوسرا جواب یہ محمد بن یوسف رح راوی سائب بن یزید رح کے طرق میں گفتگو تھی۔ اب محمد بن یوسف رح کے ساتھی یزید بن خصیفہ رح کی روایت سائب بن یزیدؓ سے سنن کبریٰ بیہقی، ج ۲، ص ۴۹۶۔ میں یہ ہے۔

عن ابی ذئب عن یزید بن خصیفة عن سائب بن یزید قال کان یقومون علی عهد عمر بن الخطابؓ فی شهر رمضان بعشرین رکعة الخ

یعنی ابی ذئب روایت کرتے ہیں یزید بن خصیفہ سے کہ سائب بن یزید رح فرماتے ہیں کہ عہدِ فاروقی میں ان کے زمانہ کے لوگ رمضان میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اس اثر کی سند کو امام نووی رح، امام عراقی رح، امام سیوطیؒ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو (تحفة الاخیار، ص۱۹۲۔ اور ارشاد الساری تحفة الاحوذی، ص۷۵)۔

اس روایت میں یزید کے شاگرد ابی ذئب ہیں اور یہی بات یزید سے ان کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر نے نقل کی ہے اور وہ روایت امام بیہقی کی دوسری کتاب " معرفة السنن و الاثار " میں ہے۔ اس کی سند کو علامہ سبکی رح نے " شرح منہاج " میں اور ملا علی قاری رح نے شرحِ موطا میں صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو تحفة الاحوذی، ج۲، ص ۷۵۔

دیکھئے یزید کے دونوں شاگرد متفق اللفظ ہو کر یزید سے اور یزید حضرت سائبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ عہدِ فاروقی رضؓ میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ برخلاف محمد بن یوسف رح کے کہ ان کے پانچ شاگرد سائب رح کا بیان پانچ طرح نقل کرتے ہیں۔

ایسی حالت میں اصول و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یزید بن خصیفہ رح کی روایت پر اعتماد کیا جائے۔ مگر اہلِ حدیث نے محمد بن یوسف رح کی مختلف فیہ اور مشکوک روایت پر اعتماد کر کے انصاف کا جنازہ نکال دیا ہے۔

بیس تراویح کا ثبوت

پہلی حدیث عن العرباض بن ساریۃ قال فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ الخ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ)۔

یعنی تم میری سنت کو اور سنت خلفاء راشدین ومہدیین کو لازم پکڑو اور اس پر عمل کرو اور داڑھوں سے مضبوط پکڑو۔

اس حدیث میں سنتِ خلفاء کا عطف سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے جو مقتضی اس امر کو ہے کہ خلفاء خواہ سنتِ نبوی کو بیان کریں خواہ مسائل اجتہادیہ میں اجتہاد کریں۔ بہرصورت خلفاء کی اتباع لازم ہے۔ اس لئے کہ علیکم کلمہ لزوم کا ہے۔ تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ سنتِ نبوی اور سنتِ خلفاء ..... دونوں کے ساتھ لگتا ہے۔

اور بقول بعض علماء کے خلفاء سے مراد عام ہے۔ شیخ مولانا عبدالغنی صاحب رحمہ محدث دہلوی مہاجر مکی لکھتے ہیں۔

ومن العلماء من عمم کل من کان علی سیرتہ علیہ السلام من العلماء والخلفاء کالائمۃ الاربعۃ المتبوعین المجتہدین والائمۃ العادلین کعمر بن عبد العزیز کلہم موارد لہذا الحدیث۔ (انجاح الحاجۃ: ص ۵)۔

یعنی جو علماء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہیں جیسے چاروں امام (امام ابوحنیفہ رح امام مالک رح، امام شافعی رح، امام احمد بن حنبل رح) اور عادل حکام جیسے عمر بن عبدالعزیز رح سب اس حدیث کا مصداق ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جیسے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم ہے ایسے ہی سنتِ خلفاء راشدین کی اتباع ضروری ہے بلکہ بعض علماء کے ہاں جمہور مجتہدین کی اتباع لازم ہے۔ اب جمہور صحابہ کرام رض وتابعین رح وتبع تابعین رح وجمہور مجتہدین رح ومقلدین ائمہ اربعہ وعمر بن عبدالعزیز رح

بیس تراویح سے کم نہیں پڑھتے تھے۔ تو بیس تراویح سے کم پڑھنا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سنتِ خلفاء راشدین کے بھی خلاف ہے۔ کیوں کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امر اور قول ہے۔ کہ تم میری سنت اور خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلفاء راشدین کے قول اور فعل کی پیروی بھی ضروری ہے کیونکہ یہ بھی سنت ہے۔

خلفاء راشدین کا عمل سنت ہے

بدرالدین عینی حنفیؒ "بنایہ شرح ھدایہ" میں لکھتے ہیں۔

سیرۃ العمرین لا شك فی أن فی فعلهما ثواب وفی ترکهما عقاب لانا امرنا بالاقتداء بهما لقوله علیه الصلوۃ والسلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الاقتداء مامور به یکون واجبا و تارك الواجب یستحق العقاب و العتاب الخ (مجموعة الفتاوی ج ۱ : ص ۲۱۵)۔

یعنی اس میں شک نہیں کہ افعالِ حضرت ابوبکر رض و حضرت عمر رض کا اتباع کرنا ثواب ہے۔ اور اس کے ترک میں عذاب ہے۔ کیوں کہ ہمیں ان دونوں حضرات کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

"اقتداء کرو ان دو آدمیوں کی جو میرے بعد ہیں۔ یعنی حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض۔"

پس ان کی اقتداء مامور بہ اور واجب ہے۔ اور واجب کے ترک کرنے والا عقاب اور عتاب کا مستحق ہے۔"

۲ : اور کمال الدین بن ہمام رح "تحریر الاصول" میں لکھتے ہیں۔

قسم الحنفیة العزیمة الی فرض ما قطع بلزومه و واجب ما ظن وسنة الطریق الدینیة منه علیه الصلوۃ والسلام و الخلفاء الراشدین او بعضهم الخ

یعنی حنفیہ نے عزیمت کی تقسیم فرض کی جانب کی ہے جس کے لزوم کا ذکر ہو۔ اور واجب کی جانب جس میں غلبہ ظن ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رض کی دینی سنت کی جانب۔

۳ : اور مولانا عبدالعلی رح بحرالعلوم "شرح تحریر" میں لکھتے ہیں۔

ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقة دینیة مستمرة فی الدین عنه صلی الله علیه وسلم بان باشره اولا بان استمر الناس علیها باذنه او باذن الخلفاء۔

(مجموعة الفتاوی ص ۲۱۵)

یعنی لائق ہے کہ عام مراد لی جائے۔ خواہ دینی طریقہ ہو جس پہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا عملدرآمد رہا ہو۔ آپ نے خود اس پر عمل فرمایا ہو یا نہیں بلکہ لوگ آپ کے یا خلفاء کے حکم سے اس کے پابند رہے ہوں۔

۴ : تلبین شرح حسامی میں ہے۔

وفی عرف الشرع یراد بها طریقة الدین اما للرسول ص او للصحابة رض حتی یقال سنة الرسول او سنة الخلفاء الراشدین رض

(مجموعة الفتاوی ج ۱ ۔ ص ۲۱۷)

اور عرفِ شرع میں سنت طریقۂ دین کو کہتے ہیں خواہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یا صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا ہو۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ یہ رسول صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور یہ خلفاءِ راشدین رض کی سنت ہے۔

غرضیکہ سنت کا اطلاق عام ہے۔ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور سنتِ خلفاءِ راشدین پر۔ تو بیس تراویح سنتِ خلفاءِ راشدین ہے اور بیس رکعت سے کم سنتِ خلفاء نہیں۔

دوسری حدیث عن یزید بن خصیفة عن سائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر رض بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة و قال کانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکؤن علی عصیهم فی عهد عثمان رض بن عفان من شدة القیام ۔ (رواه البیهقی: ج ۲، ص ۴۹۶)۔

یعنی یزید بن خصیفہ رح کہتے ہیں کہ حضرت سائب بن یزید رح فرماتے ہیں کہ سب لوگ رمضان کے مہینہ میں حضرت عمر بن خطاب رض کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور کہا کہ لوگ پڑھتے تھے۔

(سنتے تھے) مگر جب حضرت عثمان بن عفان رض کے عہد میں بوڑھے ہو گئے تو اپنی لاٹھیوں پر سہارا لگاتے تھے۔ بوجہ سخت ہونے قیام کے۔

شبہ اس حدیث میں ایک راوی ابوعبداللہ بن فنجویہ دینوری ہے اور اس کا حال معلوم نہیں کہ ثقہ ہے یا نہیں ؟

جواب ابوعبداللہ بن فنجویہ رح کے بارے میں ذہبی رح نے مرنے والے مشاہیر ۴۱۴ھ میں یوں ذکر کیا ہے۔

والمحدث ابوعبد اللہ الحسین بن محمد بن الحسین بن عبد اللہ بن فنجویہ الثقفی الدینوری النیشافوری۔ الخ۔

(تذکرۃ الحفاظ: ج ۳ : ص۲۴۴)

یعنی ابن فنجویہ کو لفظ محدث سے یاد کیا ہے۔ اور ابن اثیر جزری رح نے لکھا ہے۔

" عوف بہا ابوعبد اللہ الحسین بن محمد بن الحسین فنجویہ الفنجوی الدینوری الحافظ روی عن ابی الفتح محمد بن الحسین الازدی الموصلی وابی بکر بن مالک القطعی وغیرھما روی عنہ ابواسحاق الثعلبی فاکثر فی تفسیرہ ویذکر کثیراً فیقول اخبرنا الفنجوی الخ

یعنی اس نسبت فنجوی کے ساتھ حافظ ابوعبداللہ حسین مشہور و معروف ہے۔ وہ ابوالفتح ازدی اور ابوبکر قطعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کرتے ہیں اور ان سے ابواسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بکثرت روایات نقل کی ہیں اور وہ ان کا ذکر بہت کرتا ہے۔ اور یوں کہتا ہے کہ ہم کو فنجوی رح نے خبر دی۔

اور سمعانی نے برہان دینوری رح کے شاگردوں میں اس کا نام لیا ہے۔ اور امام بیہقی رح نے اپنی سنن میں ان سے بکثرت روایت کی ہے۔

جب ذہبی رح ابن فنجویہ رح کو محدث لکھ رہے ہیں اور ابن اثیر جزری رح اس کو مشہور و معروف اور حافظ لکھ رہے ہیں۔ اور ابوالفتح رح اور ابوبکر بن مالک قطعی رح وغیرہما سے یہ روایت کر رہے ہیں اور اس سے روایت ابواسحاق ثعلبی رح کر رہے ہیں۔ تو اب ثقہ اور عادل ہونے میں کیا

شک وشبہ رہا۔

مقدمہ ابن الصلاح اصولِ حدیث کی مشہور کتاب ہے اس میں لکھتے ہیں۔

عدالۃ الراوی تارۃ تثبت بتنصیص العدلین علی عدالتہ وتارۃ تثبت بالاستفاضۃ فمن اشتہرت عدالتہ بین اھل النقل اونحوھم من اھل العلم وشاع الثناء علیہ بالثقۃ و الامانۃ استغنی فیہ بذلک عن بینۃ شاھدۃ بعدالۃ تنصیصا ھذا ھو الصحیح فی مذھب الشافعی رحؒ وعلیہ الاعتماد فی فن اصول الفقہ۔ (ص۹۴)

یعنی راوی کی عدالت کبھی ثابت ہوتی ہے کہ دو عادل اس کی عدالت پر تصریح کردیں اور کبھی ثابت ہوتی ہے ساتھ شہرت اور استفاضہ کے۔ پس جس کی عدالت اہلِ علم کے درمیان مشہور ہو اور اس پر ثقہ ہونے کی اور امین ہونے کی تعریف شائع ہو تو وہ مستغنی ہوتا ہے ایسے بینہ سے جو اس کی عدالت پر صراحۃً شاہد ہو۔ یہی صحیح ہے مذہب شافعی رحؒ میں اور اسی پر اعتماد ہے۔ فن اصولِ فقہ میں۔ بلکہ حافظ ابوعمرؒ بن عبدالبر رحؒ نے تو اور توسیع کرکے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

کل حامل علم معروف العنایۃ بہ فھو عدل محمول فی امرہ ابدا علی العدالۃ حتی یتبین الجرحۃ الخ (مقدمہ: ص۹۴)۔

یعنی ہر صاحب علم جس کا اشتغال علم کے ساتھ معروف ہو عادل ہے اور ہمیشہ عادل قرار دیا جائے گا جب تک اس پر جرح ثابت نہ ہو۔

اس روایت پر جرح محض تعصب ہے لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے عہد میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ عہدِ عثمان غنی رضؓ میں بوجہ طویل قیام کے لاٹھیوں پر سہارا لگاتے تھے۔

اس حدیث کو بیہقیؒ نے معرفت میں بالاسناد الصحیح روایت کیا ہے۔ نووی رحؒ نے خلاصہ میں اور ابن العراقی رحؒ نے شرح تقریب میں۔ اور سیوطی رحؒ نے مصابیح میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

تیسری حدیث عن یزید بن رومان رحؒ انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضؓ فی

رمضان بثلاث وعشرين ركعة ۔ (رواه مالك اسناده قوی) بیہقی ج ۲، ص ۴۹۶)۔

یعنی یزید بن رومان رح کہتے ہیں کہ سب لوگ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں تیئیس رکعت پڑھتے تھے۔

شبہ :- یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حجت نہیں ہے۔

پہلا جواب یہ حدیث امام مالک رح کے مؤطا میں منقول ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح نے مؤطا کے متعلق "حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۰۶، ج ۱" ۔میں فرمایا ہے۔

قال الشافعی رح أصح الکتب بعد کتاب اللہ مؤطا امام مالك رح واتفق أهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على رأى مالك رح ومن وافقه واما على رأى غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند به من طرق اخرى وقد صنف فى زمان مالك رح موطات كثيرة فى تخريج احاديثه ووصل منقطعه مثل كتاب ابن ابى ذئب وابن عيينه والثورى ومعمر الخ

یعنی امام شافعی رح نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب مؤطا امام مالک رح ہے اور محدثین کا اتفاق ہے کہ اس میں جتنی روایتیں ہیں سب امام مالک رح اور اس کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں (اس لئے کہ وہ لوگ مرسل کو بھی صحیح اور مقبول مانتے ہیں۔ دوسروں کی رائے پر اس میں کوئی مرسل یا منقطع ایسی نہیں ہے کہ دوسرے طریقوں سے اس کی سند متصل نہ ہو اور امام مالک رح کے زمانہ میں مؤطا کی حدیثوں کی تخریج کے لئے اور اس کے منقطع کو متصل ثابت کرنے کے لئے بہت سے مؤطا تصنیف ہوئے جیسے ابن ابی ذئب رح ابن عیینہ رح ثوری رح اور معمر رح کی کتابیں۔

دوسرا جواب مرسل کے قبول وعدم قبول میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک رح اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک وہ مطلقاً مقبول ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے مسلک کی بناء پر تو اس اثر کا مرسل ہونا کچھ مضر نہیں ہے۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک اگرچہ مرسل مقبول نہیں ہے مگر وہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ جب کسی مرسل کی تائید کسی دوسری سند یا مرسل سے ہوتی ہو اور وہ مسند یا مرسل دوسرے طریق اسناد سے مروی ہو تو مقبول ہے چنانچہ ابن حجر رح شرح نخبۃ الفکر" ص ۵ ۔میں فرماتے ہیں۔

وقال الشافعی رح یقبل اذا اعتضد بمجیئہ من وجہ آخر یباین الطریق الاولی مسندا کان او مرسلاً الخ۔

اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رح نے یہ تعمیم بھی کی ہے کہ مرسل کا موید گو ضعیف ہو تب بھی مرسل مقبول ہو جائے گی۔ (حاشیہ شرح نخبہ)۔

خطیب بغدادی رح "کفایہ ص ۳۸۲" میں لکھتے ہیں۔

فقال بعضهم انه مقبول ویجب العمل به اذا کان المرسل ثقة عدلا وهذا قول مالك واهل المدینة وابی حنیفة رح و اهل العراق وغیرهم۔

جب یہ ذہن نشین ہو چکا تو سنئے کہ یزید بن رومان رح کا یہ اثر اگرچہ مرسل ہے مگر اس کی تائید دوسرے کئی مرسلوں سے ہوتی ہے جو عنقریب مذکور ہوں گے۔ لہٰذا بالاتفاق مقبول اور حجت ہے۔ علاوہ اس کے ہمارا اصل استدلال سائب رح کی حدیث سے ہے۔ اور یزید بن رومان رح کا اثر تائید کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

چوتھی حدیث

عن یحی بن سعید ان عمر بن الخطاب رض امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة رواه ابوبکر ابن ابی شیبه رح فی مصنفه اسناده مرسل قوی۔

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا ایک آدمی کو کہ لوگوں کو بیس رکعتیں تراویح پڑھائیں۔

پانچویں حدیث

عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب رض یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث رواه ابوبکر بن ابی شیبة فی مصنفه اسناده مرسل قوی۔

یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان میں لوگوں کو مدینہ طیبہ میں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

چھٹی حدیث عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثا وعشرین رکعۃ بالوتر۔ (رواہ ابن ابی شیبہ اسنادہ حسن)۔

یعنی عطاؒ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سب لوگ تراویح کی نماز تئیس رکعت مع وتر کے پڑھتے تھے۔

ساتویں حدیث عن ابی الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ (رواہ البیہقی ، ج ۲ ، ص ۴۹۶ ۔ اسنادہ حسن)۔

یعنی ابوالخصیب رح کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن غفلہ رح ماہ رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

آٹھویں حدیث عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ (رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ اسنادہ صحیح)۔

یعنی نافع بن عمر رح کہتے ہیں کہ رمضان میں ابن ابی ملیکہ ہم کو بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

نویں حدیث عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بہم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث (اخرجہ ابوبکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ واسنادہ صحیح)۔

یعنی سعید بن عبید رح سے مروی ہے کہ علی بن ربیعہ رح انہیں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

دسویں حدیث عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر الخ (ابن ابی شیبہ والبیہقی ، ج ۲ ، ص ۴۹۶)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس تراویح اور وتر پڑھاتے تھے۔

شبہ اس حدیث کا ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان رح ہے اور وہ مجروح راوی ہے اس لئے اس کی یہ روایت ضعیف قرار دی گئی ہے۔

جواب ابراہیم کو مجروح ثابت کرنے میں کچھ مبالغہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔ دیکھو ابن عدی رح ابراہیم کے متعلق کہتا ہے۔

له احادیث صالحة وهو خیر من ابراهیم بن ابی حیة (تہذیب ج ۱ ص ۱۴۵)

اس (ابراہیم) کی حدیثیں درست بھی ہیں اور ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے۔ اور یزید بن ہارون رح جو امام بخاری رح کے استاذ الاستاذ اور نہایت ثقہ ہیں اور زبردست حافظِ حدیث تھے۔ ابراہیم رح کے بڑے مداح تھے فرماتے تھے۔

ما قضی علی الناس یعنی فی زمانه أعدل فی قضاء منه الخ (تہذیب)

یعنی ہمارے زمانہ میں ان سے زیادہ عادل کوئی قاضی نہیں ہوا۔

تنبیہ یزید رح سے بڑھ کر ابراہیم کا پرکھنے والا اور ان کے حالات سے باخبر ان جارحین میں کوئی بھی نہیں ہے اس لئے کہ یزید رح ان کے محکمہ میں کاتب یعنی ان کے منشی تھے۔ اس لئے یزید رح کی شہادت ابراہیم کے علم اور دیانت داری دونوں پر زبردست شہادت ہے۔

راوی کی عدالت اور کسی راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لئے دو باتیں لازمی طور پر دیکھی جاتی ہیں۔ ایک تدین اور دوسرے اس کی قوتِ حافظہ۔ پس اس شہادت کے بعد ابراہیم کے تدین میں تو کوئی شک نہیں رہتا۔ اب رہی قوتِ حافظہ۔ تو ابن عدی رح کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم رح کا حافظہ بھی بہت زیادہ خراب نہ تھا۔ اس لئے کہ ابن عدی رح نے اقرار کیا ہے کہ ابراہیم رح کی مرویات میں درست اور ٹھیک حدیثیں بھی ہیں۔

بہرحال ہم کو اتنا تسلیم ہے کہ ابراہیم رح ضعیف راوی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اور ابراہیم رح کی حدیث چاہے اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر اس لحاظ سے وہ بے حد قوی اور ٹھوس ہے کہ عہدِ فاروقی رض کے مسلمانوں کا علانیہ عمل بھی اسی کے موافق ثابت ہوتا ہے۔ اور ہر چہار ائمہ مجتہدین رح کے اقوال بھی اسی کے مطابق ہیں اور عہدِ فاروقی رض کے بعد سے ہمیشہ امت کا عمل بھی بلا اضافہ یا اضافہ کے ساتھ اسی کے موافق رہا ہے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم نے ایک موقعہ پر اعتراف کیا ہے کہ بعض ضعیف ایسے ہیں

جوامت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں - الخ (اخبار اہلحدیث ، مؤرخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء)

گیارہویں حدیث ورویناعن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ انہ کان یؤمہم فی رمضان بعشرین رکعۃ والوتر بثلاث وفی ذلک قوۃ الخ

(بیہقی ج ۲ : ص ۴۹۶) -

یعنی شتیر بن شکل سے روایت ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے وہ رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے اور اس میں قوت ہے - بیہقیؒ نے اخیر عبارت میں تصریح کر دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر قوی ہے -

عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منہم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بہم وروینا ذلک عن وجہ اٰخر عن علی رض (بیہقی ج ۲ : ص ۴۹۶) -

یعنی ابو عبد الرحمٰن سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قراء کو رمضان میں بلا کر ان میں ایک آدمی کو امر کیا کہ لوگوں کو نماز پڑھانے بیس رکعت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وتر خود پڑھاتے اور یہ روایت حضرت علیؓ سے دوسرے طریق سے بھی آئی ہے - پہلے اثر علی رض کو قوی بتلایا - اور دوبارہ کہا دوسرے طریق سے بھی مروی ہے - تو مجموعہ اتنا قوی تر ہو گیا کہ اس میں کلام کی گنجائش ہی نہیں دوسرا طریق اگرچہ ضعیف ہو تب بھی اس کے لئے مؤید ہونا کوئی مضر نہیں - دوسرا طریق یہ ہے -

عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیاؓ امر رجلا یصلی بہم عشرین رکعۃ الخ

(مصنف ابن ابی شیبہ کذا فی الجواہر النقی بیہقی ، ج ۲ : ص ۴۹۶) -

یعنی ابی الحسناء سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک آدمی کو امر کیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائے بیس رکعت -

ابی الحسناء اگرچہ ضعیف راوی ہے مگر اس کا ضعف حدیث کے مؤید ہونے کو مضر نہیں ہے -

ھذا الحدیث وان کان ضعیفا لکن منجبر بتعدد طرقہ الخ (ابکار المنن ص ۱۹۸)

یعنی یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن وہ تعدد طرق کے ساتھ مجبر ہے۔

ولو سلم ان کلہا ضعیفۃ فہی مجموعہا تبلغ درجۃ الحسن الخ

(ابکار المنن : ص ۱۳۱)۔

یعنی اگر تسلیم کرلیا جائے کہ حدیث کے سارے طرق ضعیف ہیں تو وہ مجموعی حیثیت سے درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔

شبہ ابوالحسناء رح کے متعلق تقریب التہذیب میں لکھا ہے کہ ابوالحسناء رح مجہول راوی ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

جواب اصول حدیث کا مسئلہ ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کریں تو وہ شخص مجہول الذات نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب ابوالحسناء رح سے ابوسعد رح اور عمرو بن قیس رح دو شخص روایت کرتے ہیں تو وہ مجہول کیسے ہوا۔ اس کو تو مستور کہتے ہیں۔ اور مستور کی روایت ایک جماعت کے نزدیک مقبول ہے اور جمہور کے نزدیک اگر اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہے اور اس کا مؤید ابوعبدالرحمٰن سلمی رح موجود ہے۔

شبہ ابوالحسناء رح کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لقا ثابت نہیں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

جواب ابوالحسناء رح دو ہیں۔ ایک وہ ہے جو حکم بن عتیبہ رح سے روایت کرتے ہیں۔ (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کے شاگرد ہیں) اور اس سے شریک نخعی روایت کرتے ہیں۔ جیساکہ تہذیب التہذیب میں اس کی تصریح ہے۔ دوسرا ابوالحسناء وہ ہے جس سے ابوسعد بقال رح اور عمرو بن قیس رح روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے لہٰذا جب دونوں کے شاگرد اور استاد الگ الگ ہیں تو دونوں ایک کیسے ہوئے ؟

بارہویں حدیث وقال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان عشرین رکعۃ یطیلون فیہا القراءۃ ویوترون بثلاث الخ

(قیام اللیل : ص ۹۱)

یعنی محمد بن کعب القرظی رح سے مروی ہے۔ کہ سب لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ماہ رمضان میں تراویح بیس رکعت پڑھتے تھے۔ لمبا کرتے تھے ان میں قرأت کو اور وتر تین رکعت

پڑھتے تھے۔

تیرہویں حدیث قال الاعمش کان عبد اللہ بن مسعودؓ یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث ۔ الخ (قیام اللیل ، ص ۹۱)

یعنی اعمش رحمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔

چاروں امام بیس تراویح سے کم کے قائل نہ تھے

۱ : فالمسنون عند ابی حنیفۃ رحمہ والشافعی رحمہ واحمد رحمہ عشرون رکعۃ وحکی عن مالک رحمہ ان التراویح ست وثلاثون (کذا فی رحمۃ الامۃ ۲۲)

یعنی مسنون تراویح بیس رکعت ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام احمدؒ کے نزدیک اور حکایت کیا گیا ہے امام مالک رحمہ سے کہ تراویح چھتیس رکعت ہیں۔

۲ : فاختار مالکؒ فی احد قولیہ وابوحنیفۃ رحمہ والشافعی رحمہ واحمدؒ وداؤد رحمہ القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر وذکر ابن القاسمؒ عن مالک رحمہ انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاث رکعات (بدایۃ المجتہد)۔ (ج ۱ : ص ۲۱۰)۔

یعنی امام مالک رحمہ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ امام احمدؒ اور امام داؤد ظاہری رحمہ نے بیس رکعت تراویح کا قیام پسند کیا ہے اور تین رکعت وتر اس کے علاوہ ۔ اور ابن القاسم رحمہ نے امام مالک رحمہ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کے قیام کو مستحسن سمجھتے تھے۔

وذکر ابن القاسم رحمہ عن مالک رحمہ أنہ الامر القدیم یعنی القیام بست وثلاثین رکعۃ الخ

یعنی ابن القاسم رحمہ (شاگرد امام مالک رحمہ) نے امام مالکؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ چھتیس رکعت کا قیام قدیم معمول ہے ۔ ابن رشد مالکی رحمہ کے اس کلام سے دو فائدے حاصل ہوئے ۔ ایک یہ کہ امام مالکؒ نے بھی بیس تراویح کو پسند کیا ہے ۔ اس کی مزید تائید قسطلانی رحمہ کی اس نقل سے ہوتی ہے ۔

وقد قال المالكية انها كانت ثلاثة وعشرين ثم جعلت تسعا و ثلاثين۔

یعنی مالکیہ نے کہا ہے کہ تراویح کی رکعتیں مع وتر تئیس تھیں پھر وہ مع وتر انتالیس کردی گئیں۔ دوسرا انہوں نے صرف امام مالکؒ کے دو قول بتلاتے ہیں۔ ایک بیس رکعت کا دوسرا چھتیس کا۔ اور گیارہ رکعت کے قول کو اپنے مذہب کی روایات میں اتنا کمزور سمجھا کہ اس کو قابل شمار قرار نہیں دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ چاروں امام رح بیس رکعت تراویح پر متفق ہیں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

فقہائے کے کلام سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرای بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول أهل المدينة والعمل على هذا عندهم بالمدينة واكثر اهل العلم على ما روى عن علی رض وعمر رض وغيرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرين ركعة وهو قول سفيان الثوریؒ وابن المبارکؒ والشافعی رح وقال الشافعیؒ وهكذا ادركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة وقال احمد روی فی هذا الوان لم ينص فيه بشئ وقال اسحاق بل نختار احدی واربعين ركعة على ما روی عن ابی بن کعب رض الخ

(ترمذی شریف، ج ۱، ص ۱۱۲)

یعنی قیام رمضان میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ سو بعض قائل ہیں اکتالیس رکعت مع الوتر کے یہی قول ہے اہل مدینہ کا ہے اور عمل بھی اسی پر ہے مدینہ میں۔ اور اکثر اہل علم بیس رکعت کے قائل ہیں۔ موافق اس کے حضرت علی رض وحضرت عمر رض وغیرہما اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور یہی سفیان ثوری رح اور عبداللہ بن مبارکؒ وشافعی رح کا قول ہے۔ اور امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔ اور امام احمد رح نے کہا تراویح میں مختلف روایات (بیس سے لے کر اکتالیس تک) ہیں اس پر کوئی حکم نہیں لگایا۔ اور امام اسحاق رح فرماتے ہیں کہ ہم اکتالیس رکعت کو اختیار کرتے ہیں۔ موافق اسکے جو حضرت ابی بن کعب رض سے مروی ہے۔ (انتہیٰ)۔

دیکھو زمانہ نبویؐ میں یا صحابہ کرام رضہ یا تابعین رح یا تبع تابعین رح کے زمانہ میں کہیں جماعت آٹھ کی ہوئی یا اکیلا آدمی مشہور و معروف کوئی فقیہہ یا امام آٹھ رکعت پڑھتا تو امام ترمذیؒ ضرور اسکا تذکرہ کرتے۔ امام سیوطی شافعیؒ لکھتے ہیں۔

ومذهبنا ان التراويح عشرون ركعة ۔ الخ

یعنی ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔

شیخ منصور بن ادریس حنبلیؒ " کشاف القناع عن متن القناع " ص ۲۷۶ میں لکھتے ہیں

" وهي عشرون ركعة في رمضان الخ "

یعنی تراویح بیس رکعت ہیں رمضان میں۔ " شرح منتہی الارادات ، ص ۲۵۲ - ج ۱ - میں فرماتے ہیں

" وهي عشرون ركعة في رمضان جماعة الخ "

یعنی تراویح بیس رکعت ہیں رمضان میں جماعت سے۔" توشیح (شافعیہ) میں ہے۔

" والثالث منها صلوة التراويح وهي عشرون ركعات ولو فرادى وتسن الجماعة الخ "

یعنی اور ان میں سے تیسری نماز تراویح ہے اور وہ بیس رکعات ہیں اگرچہ اکیلا ہی پڑھ لے اور جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے" اور روضہ میں ہے۔

ومنه صلوة التراويح عشرون ركعة كل ركعتين بتسليمة ۔ الخ

یعنی صلوٰۃ تراویح کی بیس رکعت ہیں ہر دو رکعت ایک سلام سے ہونی چاہیئے۔

(کتب مالکیہ) وتتأكد صلوة التراويح في رمضان عشرون ركعة بعد صلوة العشاء يسلم من كل ركعتين. الخ (انوار ساطعہ)

یعنی رمضان میں نماز عشاء کے بعد بیس رکعت نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔

(کتب الحنابلہ) التراويح سنة مؤكدة عشرون ركعة برمضان والاصل في مسنونيتها الاجماع ۔ (نيل المآرب)۔

یعنی رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے اور ان کا سنت ہونا اجماع سے ثابت ہے۔ الغرض جمہور صحابہ کرام رضہ اور ائمہ اربعہ رح اور جمہور مسلمین کا مذہب یہی ہے کہ تراویح بیس ہیں

آٹھ کسی کا مذہب نہیں۔

تعامل و توارث وھکذا جری التوارث من زمان امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ تعالی عنہ الی ھذا الآن و ھذا الاحکام مما اتفق علیہ فقہاء المذاھب الاربع من غیر خلاف الخ

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ سے لے کر اب تک یہی توارث اور تعامل رہا ہے اور یہ ان احکام میں سے ہے جن پر مذاہب اربعہ کے فقہاء بغیر کسی اختلاف کے متفق ہیں۔

عن علی رضی اللہ عنہ أنہ امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ وھذا کالاجماع (مغنی لابن قدامہ ج ۲ ، ص ۱۶۷)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حکم کیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے اور یہ مثل اجماع کے ہے۔

امام نووی شافعی رح لکھتے ہیں۔

ثم استقر الامر علی عشرین فانہ المتوارث۔ الخ

یعنی پھر بیس رکعت پر امر مستقر ہو گیا پس یہی متوارث اور مسلسل عمل ہے۔

ابن حجر مکی شافعی رح نے لکھا ہے۔

ولکن اجمعت الصحابۃ رض علی ان التراویح عشرون رکعۃ الخ (مرقاۃ)

لیکن صحابہ رض نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔

ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں۔ وھو الذی یعمل بہ اکثر المسلمین۔ الخ۔

یعنی اور اکثر اہل اسلام اس پر عامل ہیں۔

اہل حدیث علماء سے بیس تراویح کا ثبوت

پس منع از بست و زیادہ چیزے نیست الخ (عرف الجادی ؛ص ۸۴)
پس منع کرنا بیس تراویح یا زیادہ سے کوئی چیز نہیں ہے۔
نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں۔
" پس آتی بزیادت عامل بسنت ہم باشد الخ " (ہدایت السائل ؛ص ۱۱۸)
گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھنے والا بھی سنتؐ پر عامل ہے۔
نیز فرماتے ہیں۔
" اما آنکہ جمع از اہل علم ایں نماز بست رکعت قرار دادہ اند و در ہر رکعتے قرآتے معین را استحسان داشتہ ایں عدد بخصوصہ ثابت نشدہ ولیکن مجمل چیزے است کہ برآں ایں معنی صادق است کہ

انہ صلوۃ انہ جماعۃ وانہ فی رمضان

پس حکم بتبدیع آں چہ معنی۔ (بدور الاہلہ ؛ص ۸۳)
ترجمہ :۔ لیکن جن اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کو بیس رکعت قرار دیا ہے اور ہر رکعت میں معین قرآت کو مستحسن رکھا ہے یہ عدد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں لیکن ایک مجمل چیز ہے جس پر یہ صادق ہے کہ یہ نماز ہے یہ جماعت ہے یہ رمضان میں ہے پس اس کے بدعت ہونے کا حکم لگانے کا کیا معنیٰ؟
نیز فرماتے ہیں۔

ان صلوۃ التراویح سنۃ باصلہا لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاھا فی لیالی ثم ترکہ شفقۃ علی الامۃ ان لا تجب علی العامۃ اویحسبوھا واجبۃ ولم یات تعین العدد فی الروایات الصحیحۃ المرفوعۃ ولکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم ان عددھا کان کثیراً ۔

(الانتقاد الرجیح ؛ص ۶۱)

ترجمہ :۔ نماز تراویح اپنی اصل کے لحاظ سے سنت ہے ۔کیونکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے چند راتوں میں تراویح پڑھی ہیں پھر اس اندیشہ سے کہ لوگوں پر واجب نہ ہو جائیں اور عوام انہیں واجب نہ سمجھ لیں، پڑھنا ترک فرما دیا۔ اور روایات صحیحہ مرفوعہ میں کسی (حتمی) عدد کا تعین نہیں آیا لیکن اس حدیث سے کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ - رواہ مسلم -

معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کا عدد کثیر ہے۔

تطبیق اب اگر بالفرض گیارہ کا ثبوت ہو تو یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے گیارہ کا حکم دیا اور قرأت لمبی کی۔ پھر جب اس کو مشقت سمجھا تو قرأت میں تخفیف کر دی اور تعداد بڑھا کر بیس رکعت کر دیں اور وتر تین رکعت اسکے علاوہ ہیں۔ مجموعہ تیئیس رکعت ہوئیں۔

علامہ سبکی رح ابن عبد البر رح سے اسی طرح تطبیق نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔

قال السبکی عن عبد البر اختاروا فی وقت تطویل القیام فجعلوھا احدی عشرۃ رکعۃ وفی وقت عدد الرکعات فجعلوھا عشرین وقد استقر العمل علی ھذا۔ (ھدایت السائل؛ ص ۱۳۸)

یعنی ابن عبد البر رح سے سبکی رح نے نقل کیا ہے کہ ایک وقت میں تطویل قرأت کو انہوں نے پسند کیا تو گیارہ رکعت کو مقرر کر دیا۔ دوسرے وقت عدد رکعات بڑھا دیا تو بیس رکعت کو مقرر کر دیا۔ بے شک عمل سب امت کا اسی بیس رکعت، تراویح پر مستقر ہوا۔

علامہ قسطلانی رح شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

قال القسطلانی رح فی شرح البخاری جمع البیھقی بانھم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم قاموا بعشرین و اوتروا بثلاث وقد عدوا ما وقع فی زمان عمر رض کالاجماع۔ (اوجز المسالک، ص ۳۹۵ ج ۲)

یعنی قسطلانی رح نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ بیہقی رح نے اس طرح جمع کیا ہے کہ لوگ پہلے گیارہ رکعت سے قیام کرتے تھے۔ پھر بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھنے لگے۔ اور تحقیق شمار کیا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں واقع ہوا اجماع کی طرح۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے۔

" من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ الخ "

یعنی جو تم سے خلافِ شرع بات ہوتے ہوئے دیکھے تو چاہیئے کہ اس کو ہاتھ سے اور زبان سے اور دل سے بدل ڈالے۔

اگر بیس خلافِ شرع ہوتیں تو ہزاروں صحابہ کرام علیہم الرضوان حضرت عمرؓ و حضرت عثمان رض و حضرت علی رض کے زمانہ میں اور مابعد میں لاکھوں علماء ہوئے ہیں کوئی تو اس پر انکار کرتا۔ اور جب کسی نے انکار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

وروی اسد بن عمروؒ عن ابی یوسف رح قال سالت ابا حنیفۃ رح عن التراویح وما فعلہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال التراویح سنۃ مؤکدۃ ولم یتخرصہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من تلقاءِ نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعا ولم یأمر بہ الا عن اصل لدیہ وعہد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی مراقی الفلاح نقلا من الاختیار (ص ۲۲۴)۔

وفیہ اشعار بکون التراویح سنۃ مؤکدۃ علی الحال التی امر بہا عمر رضی اللہ عنہ وھی عشرون رکعۃ ۔ الخ ۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۵۶)

ترجمہ

اسد بن عمروؒ امام ابویوسف رح سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح سے تراویح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کے متعلق سوال کیا تو ارشاد فرمایا کہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی طرف سے نہیں گھڑا اور نہ ہی بدون اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل شرعی موجود ہو اس کا حکم دیا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کے پاس کوئی دلیل ضرور موجود ہوگی۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بیس رکعت تراویح اسی حال پر سنتِ مؤکدہ ہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا حکم دیا تھا۔

۲ : ایک تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپ نے اکیس، تئیس کا حکم باعتبار مجموع کے دیا تھا۔ یعنی ہر واحد کو دس دس رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا اور وتر ایک رکعت یا تین رکعت کبھی یہ پڑھائے اور کبھی وہ پڑھائے۔ (اوجز المسالک: ص ۳۹۴ - ج ۲)۔

بیس رکعت کے متعلق دوسرے علماء امت کے اقوال

ہر چند کہ تابعین اور اتباع تابعین کے خیر القرون میں بعض اکابر بیس سے زائد رکعت بھی پڑھتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ مدینۃ الرسول میں جو مہبطِ وحی اور انوارِ رسالت کا مطلع ہے ڈیڑھ دو سو سال تک برابر چھتیس رکعتیں معمول بہا بنی رہیں۔ تاہم انجام کار بیس پر ہی ساری امت کا اتفاق ہوگیا اور حالت بدستورِ سابق عود کر آئی۔ اور اصل یہ ہے کہ گو بعض بزرگ چار دن درمیانی وقفوں میں جن کو ترویحہ کہتے ہیں چار چار رکعتیں بلا جماعت ادا کر کے تعدادِ رکعت چھتیس تک پہنچا دیتے تھے لیکن جماعت بیس ہی رکعتوں کی ہوا کرتی تھی۔ اور گو صراحت کے ساتھ نام بنام سب علماء حق کا مسلک کتابوں میں مذکور نہ ہو۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ خیر القرون کے بعد بھی تمام علماء اہلِ سنت والجماعت بیس ہی کا حکم دیتے تھے اور ترویحوں کے زائد نفلوں سے دستبردار ہو کر عموماً بیس پر ہی عمل پیرا رہے۔ ذیل میں ان علماء و صلحاء متاخرین کے اسماء گرامی درج کئے جاتے ہیں جن کی نسبت صراحۃً مذکور ہے کہ وہ بیس رکعت کے قائل تھے۔

اِمَامُ ابنِ عَبدُالبرؒ :-

حافظ امام ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تئیس (بیس تراویح اور تین وتر) کی روایت معتبر ہے۔ اور امام مالکؒ کی روایت جس میں گیارہ رکعت (آٹھ تراویح اور تین وتر) مذکور ہیں وہم ہے۔ امام مالکؒ کے سوا دوسرے محدثین نے اکیس رکعتیں بتائی ہیں اور میں امام مالکؒ کے سوا کسی ایسے محدث کو نہیں جانتا جس نے گیارہ رکعت کی حدیث کا ذکر کیا ہو۔

(المصابیح مترجم مطبوعہ ثنائی برقی پریس امرتسر ۱۵)

حافظِ مغرب شیخ الاسلام امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرؒ قرطبی ؒ ۳۶۸ھ میں ہسپانیہ کے شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ حفظ اور اتقان میں اہلِ زمانہ کے استاد تھے۔ باجی کا قول ہے کہ اندلس (اسپین) کے اندر کوئی عالم علمِ حدیث میں ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں کہ کتاب تمہید ہمارے دوست ابوعمرؒ (ابن عبدالبرؒ) کی تصنیف ہے فقہ، حدیث میں کوئی کتاب اس تصنیف کی ہم پایہ نہیں چہ جائیکہ اس سے بڑھ کر ہو۔ علامہ ابن عبدالبرؒ تمام علوم میں بیش بہا تالیفات رکھتے ہیں۔ ان کی ایک شہرۂ آفاق کتاب "کافی" جو امام مالکؒ کے مذہب پر ہے پندرہ جلدوں میں ہے۔ کتاب "استیعاب" میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے حالات

قلمبند کئے ہیں - یہ ایسی بلند پایہ تصنیف ہے کہ جس کی مثل کسی مصنف کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی - ان کی بہت سی دوسری بلند پایہ تصنیفات بھی ہیں - جن کے نام " تذکرۃ الحفاظ " میں درج ہیں -

حدیث، فقہ اور معانی میں بصیرتِ تام رکھنے کے علاوہ علمِ نسب واخبار کے بھی بڑے ماہر تھے - ثقہ حجت اور صاحب سنت واتباع تھے - پہلے ظاہری تھے - پھر مالکی رح مذہب اختیار کر لیا تھا -

حمیدی رح کا بیان ہے کہ ابوعمر رح فقیہ، حافظ اور قرأت وخلاف اور علوم حدیث ورجال کے بڑے فاضل اور قدیم السماع بزرگ تھے - عمر کی پچانوے منزلیں طے کر کے ۴۶۳ھ میں واصل بحق ہوئے بیہقی رح کے ہمعصر اور عمر میں ان سے سولہ سال بڑے تھے -

(تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول صفحہ ۳۲۸)

امامُ مُحَمَّدٌ غَزَالیؒ -

حکیم الامت امام محمد غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں -

التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ -

(احیاء العلوم : جلد اول : ص ۱۳۹)

تراویح بیس رکعت ہیں اور اس کے پڑھنے کا طریقہ مشہور و معروف ہے تراویح سنت مؤکدہ ہے -

قطبِ ربانی سیّد عبد القادر جیلانی رح -

حضرت محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز رقم فرماہیں -

" صلاۃ التراویح سنۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھی عشرون رکعۃ "

(غنیۃ الطالبین : ص ۲۶۴ - ۵۶۷) -

نماز تراویح حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بیس رکعت ہے -

امَام اِبْنِ قُدَامَہ حَنبَلیؒ -

امام ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ المتوفی سنہ ۶۲۰ھ لکھتے ہیں -

" والمختار عند ابی عبد اللہ فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری رح و ابوحنیفۃ رح والشافعی رح وقال مالک رح ستۃ وثلاثون وزعم انہ الامر القدیم وتعلق بفعل اھل المدینۃ ولنا ان عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ لما جمع الناس علی ابیّ بن کعبؓ کان یصلی بھم عشرین رکعۃ -

(مغنی ابن قدامہ مطبوعہ مصر: ج ۱، ص ۸۰۲)۔

امام احمد رح کے نزدیک بیس رکعت مختار ہیں۔ سفیان ثوری رح ابوحنیفہ رح اور شافعی رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور امام مالک رح چھتیس رکعت کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ ایک امر قدیم ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو ابیؓ بن کعب رض کی اقتدار پر جمع کیا تو وہ بیس رکعت ہی پڑھایا کرتے تھے۔

امام نووی رح :۔ امام محی الدین نووی رح شارح مسلم فرماتے ہیں۔

اعلم ان صلاۃ التراویح سنۃ باتفاق المسلمین وھی عشرون رکعۃ۔ (کتاب الاذکار، ص ۸۳)۔

یاد رکھو کہ نماز تراویح سنت ہے تمام مسلمان اس مسئلہ پر باہم متفق ہیں اور یہ بیس رکعات ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ رح :۔ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

وقد ثبت ان ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ رح ، ج ۱، ص ۱۸۶)۔

یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو رمضان میں تراویح کے بیس رکعت اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے اسی بنا پر اکثر علماء بیس رکعت کو ہی سنت قرار دیتے ہیں کیونکہ ابیؓ رض حضرات مہاجرین و انصار رض کی جماعت میں بیس رکعت کا قیام فرماتے تھے اور ان حضرات میں سے کسی نے کبھی ان پر انکار نہ کیا۔

علامہ سبکی رح :۔ علامہ سبکی رحمہ اللہ ''منہاج'' میں لکھتے ہیں کہ۔

" اس بات کا یقین کرلو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی رکعات پڑھائیں اور ہمارا مذہب بیس رکعت پڑھنے کا ہے۔ (المصابیح مترجم، ص ۱۴ مطبوعہ امرتسر)۔

علامہ عینی رح :۔ علامہ بدرالدین عینی رح شارح بخاری رح بھی بیس رکعت کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے شرح بخاری میں اس کے بڑے بڑے دلائل قلمبند کئے ہیں اور اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں۔

وقال ابن عبد البر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون

والشافعی رح واکثر الفقہاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب رض من
غیر خلاف من الصحابۃ رض۔ (عینی شرح بخاری)

حافظ ابن عبدالبر رح نے فرمایا ہے کہ جمہور علماء کا قول بیس رکعت کا ہے اور مجتہدین کوفہ امام ابوحنیفہ رح اور ان کے شاگرد اور سفیان ثوری رح اور شافعی رح اور اکثر فقہاء کا یہی مسلک ہے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہوا ہے۔ اور کوئی صحابی اس مسلک کے خلاف نہیں گیا۔

علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی رح :- شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ولعلہم فی وقت اجازوا تطویل القیام علی عدد الرکعات فجعلوھا
عشرین وقد استقر العمل علی ھذا۔ (المصابیح: ص ۱۶)۔

اور شاید صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے کسی وقت قیام کی طوالت کو مختصر کرکے اور رکعتیں بڑھا کر بیس کردیں اور پھر بیس پر ہی عمل مستحکم و استوار ہوگیا۔

امام عبدالوہاب شعرانی رح :- امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ رقم فرما ہیں۔

ومن ذلک قول ابی حنیفۃ، والشافعی، واحمد رحمہم اللہ ان
صلاۃ التراویح فی شہر رمضان عشرون رکعۃ وانہا فی الجماعۃ
افضل۔ (میزان شعرانی رح: ص ۱۵۳)۔

اور اسی قبیل سے امام ابوحنیفہ رح امام شافعی رح اور امام احمد رحمہم اللہ کے اقوال ہیں کہ نماز تراویح ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت ہے اور اس کا باجماعت ادا کرنا افضل ہے۔

علامہ شامی رح :- علامہ ابن عابدین شامی الدرالمختار کی شرح میں لکھتے ہیں۔

التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین اجماعاً بعد
صلاۃ العشاء وھی عشرون رکعۃ وھو قول الجمہور وعلیہ عمل
الناس شرقا و غربا۔ (ردالمحتار: ج ۱: ص ۵۱۱)۔

تراویح بالاجماع سنت مؤکدہ ہے کیونکہ اس پر خلفاء راشدین رض نے مواظبت فرمائی۔ اس کا وقت نماز عشاء کے بعد ہے اور اس کی رکعتیں بیس ہیں۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے اور اسی پر شرق و غرب کے مسلمانوں کا عمل ہے۔

خاتمہ

۱ : اہلِ حدیث گیارہ رکعتیں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں اپنے سلف کے مخالف ہیں کیا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اور سیر ابوالحسن صاحب، مولوی وحید الزمان صاحب علامہ شوکانی رح علامہ سبکی رح علامہ ابنِ تیمیہ رح نے بخاری شریف نہیں پڑھی تھی ؟ اس لئے آج کل کے اہلِ حدیث اصح الکتب سے گیارہ کا ثبوت دیتے ہیں۔ گو وَلَا فِی غَیرِہٖ کہہ کر بارہ ماہ کی نماز تہجد کیوں نہ ہو۔ بہرحال یہ بتلائیں کہ آپ کو زیادہ علم ہے یا مذکورہ حضرات کو۔

۲ : پہلی رات جب کہ ثلث رات تک تراویح پڑھی تھیں۔ اس میں آٹھ رکعت تھیں اس کے بعد آخر رات تک کچھ نہیں پڑھا۔ صراحۃً کسی دلیل سے ثابت کیا جائے کہ سو گئے تھے یا کچھ اور پڑھتے رہے یا خاموش بیٹھے رہے تھے ایسے خاموش بیٹھے رہنا حدیث (احیٰ لیلہ یعنی ساری رات جاگتے رہے) کے خلاف ہے۔

۳ : عہدِ فاروقی سے لے کر اب تک یعنی بارہ صدی کے اواخر تک بیس رکعت یا بیس رکعت سے زائد کے سب لوگ قائل تھے۔ کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہیں ہوتی تھی۔ اگر کہیں یا کسی مسجد میں آٹھ رکعت کی ہوتی تھی تو اس کو صاف واضح کیا جائے۔

۴ : نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کی تحقیق میں بیس رکعت تراویح پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے اور مکروہ نہیں ہے۔

۵ : اہلِ حدیث کی جرح بیس رکعت تراویح پر اصولِ حدیث کی رو سے بھی صحیح نہیں ہے۔

۶ : حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر جماعت آٹھ رکعت تراویح کی ہوئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔

۷ : حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح کی جماعت ہوئی ہو یا کسی نے بیس رکعت تراویح سے انکار کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

۸ : سلف میں سے کس نے مسجد میں آٹھ تراویح باجماعت پڑھی اور اس پر انکار نہیں کیا ؟ کس سن میں ؟ اور کس شہر میں ؟

۹ : بخاری شریف میں قاعدہ لکھا ہے۔

" انما یؤخذ من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الآخر فالآخر۔

اس قاعدہ کی رو سے آخری فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اوّل کے لئے ناسخ ہوگا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری رات عشاء سے سحری تک تراویح پڑھائی تھیں تو اہلِ حدیث کو چاہیئے کہ سنت کی اتباع میں ساری رات قیام کیا کریں یہاں تک کہ سحری ہو جائے۔

۱۰ : اور اس میں عدد کی تصریح ضروری ہے کہ آٹھ رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھیں یا بیس رکعت یا زیادہ بیس سے۔

۱۱ : محمد بن یوسف رحہ کے شاگردوں میں اختلاف ہے۔ اس لئے آٹھ رکعت متعین نہ ہوئیں۔ نہ کسی نے آٹھ نقل کی ہیں، کسی نے دس، اور کسی نے بیس رکعت روایت کی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ پہلے فعل کو دیکھتے ہیں اور آخری فعل کو نہیں دیکھتے جس پر کہ اہلِ اسلام کا عمل مستقر ہوا جو بیس رکعت ہے۔ جیسا کہ امام نووی رہ وغیرہم نے نقل کیا ہے۔

ثم استقر الامر علی عشرین رکعۃ فانہ المتوارث ۔

یعنی پھر تراویح کا معاملہ بیس رکعت پر مستقر ہوگیا۔ اور یہی اہلِ اسلام کا مسلسل عمل ہے۔

○

کتابت

سیف اللہ خالد قادری غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ
شاہ جمال ٹاؤن لاہور

مایتعلق بقضاء الفوائت

بجز تین اوقات کے ہر وقت فوت شدہ نمازیں ادا کر سکتے ہیں

زید کے ذمہ کافی نمازیں قضاء ہیں جن کا اندازہ تین چار سال کے برابر ہے۔ اب وہ ان کو ادا کرنا چاہتا ہے۔ کیا وہ یہ نمازیں صبح کی اذان کے بعد اور نماز یعنی فرائض کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد بھی ادا کر سکتا ہے کیونکہ وقت تھوڑا ہے؟

الجواب قضاء نمازیں تین اوقات کے علاوہ جس وقت ادا کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ جن تین اوقات میں نماز قضا کرنا درست نہیں وہ یہ ہیں۔

۱ : طلوع شمس کے وقت یہاں تک کہ بلند ہو جائے۔

۲ : استواءِ شمس کے وقت یہاں تک کہ زوال ہو جائے۔

۳ : سورج کے زرد ہونے کے وقت سے غروب ہونے تک۔

ان تینوں اوقات میں کوئی فرض نماز قضاء نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ نوافل پڑھنا درست ہے۔ "نور الایضاح" میں ہے۔

ثلاث اوقات لا یصح فیہا شیٔ من الفرائض الخ عند طلوع الشمس الی ان ترتفع و عند استوائھا الی ان تزول وعند اصفرارھا الی ان تغرب۔ (طحطاوی، ص۱۰۱) ثم لیس للقضاء وقت معین بل جمیع اوقات العمر وقت لہ الا ثلاثۃ وقت طلوع الشمس ووقت الزوال

ووقت الغروب فانه لاتجوز الصلوة فی هذہ الاوقات کذا فی البحر الرائق ۔ (عالمگیری ج ۱، ص ۶۳)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۲۷ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۷/ ۱۴۰۷ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

نمازوں کا اضافی ثواب اصل نمازوں میں محسوب نہیں ہوگا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار اور بیت اللہ شریف میں پڑھی ہوئی ایک رکعت کا ثواب ایک لاکھ ملتا ہے ۔ اگر کسی شخص کے ذمہ فرض نمازیں رہ گئی ہوں تو کیا اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بروز قیامت بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی میں پڑھی ہوئی نمازوں کا ثواب ، فرض نمازوں کے بدلے قبول فرمالیں گے ؟

الجواب ضابطہ کے لحاظ سے یہ اضافی ثواب فرض وقت کی جگہ محسوب نہیں ہوگا ، اور اگر وہ ارحم الراحمین محسوب کرلے یا ویسے ہی مطالبہ نہ کرے تو وہ اس کی شان کریمی ہے۔
فقط واللہ تعالےٰ اعلم

الجواب صحیح ۳ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۶/ ۱۴۰۸ھ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

قضاء نماز پڑھنے والا وقتیہ پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کرسکتا

ظہر کی نماز پڑھ لینے کے بعد ایک مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا ۔ وہاں ابھی جماعت تیار ہو رہی تھی میرے ذمہ ایک اور دن کی ظہر باقی تھی تو سوچا کہ اس کی قضاء کی نیت سے جماعت میں شریک ہوجاؤں پھر خیال آیا کہ شاید اس طرح جائز بھی ہے یا نہیں ۔ یہ سوچ کر رک گیا ۔ تو کیا اس طرح جماعت کے ساتھ کوئی پہلے کی رہی ہوئی نماز قضاء پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں ؟

محمد لطف اللہ خالد ۲۵۳/ بی شاہ جمال ٹاؤن ، لاہور

الجواب: صحتِ اقتداء کے لئے اتحادِ صلوٰۃ ضروری ہے۔ ظہرِ فائتہ وقتی ظہر پڑھنے والے کے پیچھے ادا نہیں کرسکتے۔

وکذا لا یصح الاقتداء بمجنون مطبق ...... الی قولہ ولا مفترض بمتنفل و بمفترض فرضا اخر لان اتحاد الصلاتین شرط عندنا۔ (درمختار) (قولہ وبمفترض فرضا اخر) سواء تغایر الفرضان اسما او صفۃ کمصلی ظہر امس بمصلی ظہر الیوم۔ اھ (شامیۃ، ج۱، ص۳۹۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

نمازوں کے فدیہ میں قیمت ادا کرنا بہتر ہے

اگر کسی میت کی طرف سے اس کی نمازوں کا فدیہ دیا جائے تو فدیہ میں گندم دینا بہتر ہے یا قیمت؟

الجواب: قیمت دینا بہتر ہے تاکہ وہ حسبِ ضرورت استعمال کرسکے۔

انہ لکل صلاۃ فدیۃ ھی نصف صاع من بر أو دقیقہ أو سویقہ او صاع تمر او زبیب اوشعیر او قیمتہ وھی افضل لتنوع حاجات الفقیر اھ (مراقی الفلاح)۔ (لتنوع حاجات الفقیر) فانہ قد یکون مستغنیا عن ھذہ الاعیان ویحتاج الی الدراھم لیصرفہا فی حاجاتہ۔ اھ (طحطاوی، ص۲۳۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

صاحبِ ترتیب پہلے قضاء پڑھے پھر وقتیہ ادا کرے

زید صاحبِ ترتیب ہے ایک دفعہ اس کی سفر کی حالت میں چار نمازیں قضاء ہوگئی تھیں اور جب وہ گھر پہنچا تو عشاء کی جماعت ہو رہی تھی۔ کیا وہ اب وقتی نماز ادا کرے یا پہلے قضاء کرے چاروں نمازوں کی بینوا توجروا۔ احمد یار فاروقی بہاولپور

الجواب اگر زید اصطلاحًا صاحبِ ترتیب ہے تو اسے پہلے قضاء نمازیں ادا کرنی چاہئیں خوفِ فوتِ جماعت عذر نہیں۔

الترتیب بین الفروض الخمسة والوتر اداء وقضاء لازم۔ (الی قوله) الا اذا ضاق الوقت المستحب او نسیت الفائتة اھ۔

(درمختار علی الشامیة ، ج ۱ ، ص ۵۳۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۱۸/۳/۱۴۰۱ھ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

فدیہ کی رقم اپنے بھائیوں کو دینے کا حکم

ہندہ فوت ہوئی اس نے کوئی جائیداد نہیں چھوڑی۔ اس نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ میرے ذمے ایک ماہ کے روزے اور نمازیں باقی ہیں ان کا فدیہ ادا کر دینا۔ اس کا بیٹا بھی زیادہ مالیت نہیں رکھتا۔ وہ کہتا ہے کہ میرے بھائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ میں فدیہ سے ان بھائیوں پر خرچ کر دوں۔ کیا وہ بھائیوں پر خرچ کر سکتا ہے ؟

الجواب زید اگر اپنے مال سے یہ فدیہ دے رہا ہو تو فدیہ کی یہ رقم اپنے بھائیوں کو دے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان	۱۴/۵/۱۴۰۳ھ

متعدد نمازوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا جائز ہے

کیا متعدد نمازوں کا فدیہ ایک ہی مسکین کو دے سکتے ہیں یا نہیں ؟ مدلل و باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب دے سکتے ہیں۔ اذا مات و علیہ فوائت فدفع الوارث عن المیت لکل صلوۃ نصف صاع من بر او قیمتہ لکل مسکین او مسکین واحد عن کل الفوائت یجوز ولا یجوز ان یؤدی عن صلوۃ للفقیرین اھ (فتاوی سراجیہ : ص ۱۷)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ تعالیٰ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴۱۰/۳/۲۲ھ

قضاء نمازوں کی ادائیگی میں تاخیر کرنا

عوام میں مشہور ہے کہ جو نماز قضاء ہو جائے اس کو کسی اور نماز کے وقت میں قضاء نہ کرے بلکہ اگلے دن اسی نماز کے وقت میں قضاء کرے۔ مثلاً آج کی عشاء قضاء ہو جائے تو اس کو آئندہ دن کی عشاء کے ساتھ قضاء کرتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے ؟

الجواب یہ غلط ہے۔ مکروہ وقت کے علاوہ ہر وقت قضاء پڑھ سکتے ہیں۔ لہذا قضاء نماز اولین فرصت میں ادا کرلی جائے۔ خواہ کسی نماز کا وقت ہو۔ بلا عذر نماز کی قضاء کو آئندہ دن تک مؤخر کرنا جائز نہیں۔

وجمیع اوقات العمر وقت للقضاء الا الثلاثۃ المنہیۃ کما مر۔ اھ (درمختار) (قولہ وقت للقضاء) ای لصحتہ فیہا وان کان القضاء علی الفور الا لعذر ۔ اھ (شامیۃ : ج۱ : ص۵۳۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴۰۸/۷/۱۷ھ

قضاء نمازوں کا فدیہ اصول وفروع کو دینا جائز نہیں

ہمارے والد صاحب انتقال کر گئے ہیں۔ انتقال سے پہلے شدید بیماری کی حالت میں تین ماہ کی نمازیں قضاء ہو گئی تھیں۔ قضاء نمازوں کی رقم سگی بیوہ بہن خالدہ کو دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ یہ واضح ہو کہ ہماری بیوہ بہن کا کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ نیز ہماری بہن میت کی سگی بیٹی ہے میت نے مرنے سے پہلے اس سلسلہ میں کوئی وصیت وغیرہ نہیں کی؟

الجواب مسمات خالدہ کو مسمی ناصر کے ترکہ سے اس کی نمازوں کا فدیہ نہ دیا جائے۔ کیوں کہ صدقات واجبہ اصول وفروع کو دینے کی اجازت نہیں۔ نمازوں کا فدیہ بھی مسمی ناصر مرحوم کے ذمہ واجب تھا اور اس کی ادائیگی بھی ترکہ سے کی جا رہی ہے۔ ولی اگرچہ تبرعاً دے رہا ہے لیکن کفایت تو میت کی جانب سے ہوگی۔

لان محمدا قال فی تبرع الوارث بالاطعام فی الصوم یجزیه ان شاء الله تعالیٰ الخ (مراقی: ص ۲۳۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۲/۶/۱۴۰۸ھ

طویل بیہوشی میں رہی ہوئی نمازیں معاف ہیں

ایک بیمار کی حالت یہ ہے کہ بے ہوشی کی وجہ سے حواس درست نہیں۔ نماز ادا کرنے پر بوجہ بیماری قادر نہیں کیا وہ فدیہ کی وصیت کرے یا اور کوئی حکم ہے؟

الجواب ایسی بے ہوشی کی حالت میں اگر دن رات سے زیادہ کی نمازیں قضاء ہو جائیں تو وہ ساقط ہیں ان کا ادا کرنا یا فدیہ کی وصیت کرنا واجب نہیں۔

کما فی الدر المختار وان تعذر الایماء برأسه وكثرت الفوائت بأن زادت علی یوم ولیلة سقط القضاء عنه (ج ۱: ص ۷۱۲)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ ھذا۔

مروجہ قضاءِ عمری کسی نیت سے بھی جائز نہیں

جمعۃ الوداع میں بنوں کی ایک بڑی مسجد میں علماء کرام کے مابین اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا کہ اگر کسی سے عمر بھر کی نمازیں قضاء ہوں تو ہر جمعۃ الوداع میں صرف پانچ نماز بہ نیت قضاءِ عمری باجماعت مع الاذان و الاقامۃ لکل واحد منہا پڑھنے سے ذمہ بری ہو جاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ غلط ہے بلکہ جو نماز قضاء ہو جائے اس کا قضاءً پڑھنا ضروری ہے ورنہ ذمہ فارغ نہیں ہوتا اور قضاءِ عمری مروجہ مذکورہ بالا بدعت ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ آخر نماز تو ہے اس سے تو بہتر ہے کہ لوگ بازاروں میں پھرتے رہیں۔ آیا اس قضاءِ عمری کا کوئی ثبوت ہے؟

ڈاکٹر پیر گل اکبر شاہ بنوں

الجواب ۷ احادیث صحیحہ اور کتب معتبرہ میں قضاءِ عمری کا مسئلہ نہیں ملتا۔ اور مسئلہ حکم خداوندی کو کہتے ہیں۔ تو جب تک باسنادِ معتمدہ اس مسئلہ کی نسبت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مجتہدین رح کی طرف ثابت نہ ہو تو یہ شریعت اور خداوند قدوس پر افتراء ہوگا کہ یہ بھی حق سبحانہ کا حکم ہے۔ اور واقعہ میں حکم ہونا ثابت نہیں۔ کفار نے چند من گھڑت مسئلے بنائے تھے حق تعالٰی ان کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

سیجزیہم بما کانوا یفترون۔ (پ ۸ ، سورۂ انعام ، رکوع ۲)۔

آگے چل کر اسی سلسلہ میں مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا لیضل الناس بغیر علم ان اللہ لا یہدی القوم الظلمین۔ (پ ۸ ، رکوع ۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلاسند مسئلہ بنانا افتراء علی اللہ اور نہایت ظلم ہے۔ پس اس سے فریقِ اوّل کی غلطی واضح ہوگئی۔ غلط مسئلہ بہ نیت خیر ایجاد کرنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ افتراء علی اللہ کی معصیت شدید ترین ہے۔ بعض صوفی مزاج بزرگوں نے لوگوں کی ترغیب کے پیشِ نظر ثواب کی احادیث وضع

کرنے کی گنجائش نکالی تھی لیکن ائمۂ حدیث اور اکابر امت نے اسے رد کیا اور ایسے واضعین کو بھی حدیث

" من كذب علیّ متعمّداً فليتبوّأ مقعده من النار "

کی وعید کا مستحق بتلایا ہے ۔ گو نوعیت اور درجہ کا تفاوت ہو ۔ اس سے تیسرے گروہ کی غلطی بھی واضح ہوگئی کہ اس قسم کی ایک نماز جب بھی پڑھی جاتی تھی باوجودیکہ وہ نماز تھی اور بہت سے لوگ اس میں شرکت کرتے تھے ۔ لیکن محققین نے اس سے منع فرمایا ۔ اور نہایت شدت سے تردید کی ۔

قال ابن الحاج فی المدخل وقد حدثت (ای صلوۃ الرغبات) بعد اربع مائة وثمانين من الهجرة وقد صنف العلماء كتبا فی انكارها وذمها وتسفيه فاعلها ولا يغتر بكثرة الفاعلين لها فی كثير من الامصار ۔ (شامی ، ج ۱ ، ص ۵۲۲) ۔

قضاء نمازوں کو اس طرح تداعی وتشہیر وجماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا فی نفسہ بھی ناجائز ہے ۔

كما فی الدر والشامی : ج ۱ ، ص ۵۲۵ ۔

وينبغی ان لا يطلع غيره علی قضائه لان التأخير معصية فلا يظهرها وعلله تقدم فی باب الاذان انه يكره قضاء الفائتة فی المسجد وعليه الشارح بما هنا من ان التأخير معصية فلا يظهرها اه قلت وظاهره ان ينبغی هنا للوجوب وان الكراهة تحريمية ۔ اه

الحاصل قول ثانی صحیح اور قابل عمل ہے ۔ قضاء عمری کے طریق مذکور سے منع کیا جائے ۔ اگر کوئی قول جواز کا ملے تو وہ ساقط الاعتبار ہے ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فرائض خمسہ کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے ۔ اور فراغ ذمہ کی اصل صورت اداء ہے اور عدم اداء کی صورت میں قضاء ہے ۔ اور عمل مذکور سے سقوط قضاء خلاف اجماع ہے ۔ تاوقتیکہ نہایت ہی قوی سند سے اس کا ثبوت نہ پہنچ جائے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ غفرلہ رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷ / ۱۱ / ۱۳۸۲ھ

احتیاط کی بناء پر نمازیں قضاء کر رہے ہوں تو

مغرب اور وتر چار چار رکعت پڑھیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل میں کہ نماز مغرب کی قضائے عمری کے بارے میں سوال ہے۔

۱ : قعدۂ اولیٰ میں التحیات کہاں تک پڑھی جائے۔ یعنی تشہد کے ساتھ درود شریف اور دعاء ضم کی جائے یا نہ ؟

۲ : دوسرے قعدہ میں " التحیات " کہاں تک پڑھی جائے۔ یعنی تشہد کے ساتھ درود شریف اور دعاء ضم کی جائے یا نہ ؟

۳ : قعدۂ اولیٰ سے کھڑے ہو کر تیسری رکعت ثناء سے شروع کی جائے یا الحمد سے۔ اور الحمد کے بعد ضم سورت کی جائے یا نہ ؟

۴ : دوسرے قعدہ سے کھڑے ہو کر چوتھی رکعت ثناء سے شروع کی جائے یا الحمد سے۔ اور الحمد کے بعد ضم سورت کی جائے یا نہ ؟ نعمت علی زنگیلپور ضلع ملتان

الجواب ایسی نمازیں جو احتیاطاً قضاء کی جارہی ہوں یہ من وجہ نوافل ہیں۔ لہذا مغرب اور وتر چار چار رکعت پڑھیں۔ اور ایسی نمازوں کے ہر قعدہ میں دعاء تک پڑھنا مناسب ہے۔ ایسے ہی تیسری رکعت میں ثناء بھی پڑھیں۔ اور سورت بھی ملائیں۔ چوتھی رکعت میں ثناء نہ پڑھیں سورت ملائیں۔ واضح رہے کہ یہ قضاء عمری اوقات مکروہہ میں نہ پڑھیں۔

ومن قضى صلوة عمره مع انه لم يفته شئ منها احتياطاً قيل يكره وقيل لا لان كثيرا من السلف قد فعل ذلك لكن لا يقضى فى وقت تكره فيه النافلة والافضل ان يقرأ فى الاخيرتين السورة مع الفاتحة لانها نوافل من وجه فلان يقرأ الفاتحة والسورة فى اربع الفرض على احتماله اولى من ان يدع

الواجب فی النفل ویقنت فی الوتر ویقعد قدر التشہد فی ثالثۃ ثم یصلی رکعۃ رابعۃ فان کان وترا فقد اداہ وان لم یکن فقد صلی التطوع اربعا ولا یضرہ القعود وکذا یصلی المغرب اربعا بثلاث تعدات۔ اھ (طحطاوی، ص۲۲۳)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۰/۲/۱۴۱۱ھ

ایک دن رات کی نمازوں کا فدیہ بارہ ۱۲ سیر گندم ہے

ایک عورت جو کہ ساری عمر پانچ وقت باقاعدگی سے نماز ادا کرتی تھی جب مرض الموت میں مبتلا ہوئی تو چالیس روز کی نمازیں قضاء ہوگئیں۔ اس نے کوئی وصیت بھی نہیں کی اور وہ فوت ہوگئی جب کہ اس کی ایک لڑکی ہے جو کہ اپنی والدہ کی چالیس روز کی قضاء نمازوں کا فدیہ دینا چاہتی ہے۔ اگر وہ فدیہ دے تو فی نماز کتنا ادا کرے، مرحومہ کے نام جو زمین تھی وہ اپنی لڑکی کے نام لگوا دی ہے۔

الجواب ایک نماز کا فدیہ نصف صاع (دو سیر) گندم یا اس کی قیمت ہے۔ وتروں کا فدیہ مستقل ہے۔ گویا بارہ سیر گندم ایک دن کا فدیہ ہے۔ مراقی میں ہے۔

وکذا یخرج لصلاۃ کل وقت حتی الوتر نصف صاع من بر او قیمتہ وان لم یوص وتبرع عنہ ولیہ او اجنبی جاز انشاء اللہ تعالی۔ الخ۔ (ص۲۳۸) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۸/۷/۱۴۰۹ھ

قضاء فوائت کی وجہ سے سنن مؤکدہ ترک نہ کرے

زید کے ذمہ زندگی کی بہت سی نمازیں باقی ہیں وہ چاہتا ہے کہ ان کی قضاء کرتا رہے مگر اس طرح

کہ فرائض کے ساتھ جو سنن مؤکدہ و غیر مؤکدہ ہیں ان کی جگہ وہ قضاء نمازیں پڑھ لیا کرے۔ تو کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب قضاء نمازوں کی وجہ سے سنن مؤکدہ ترک نہ کرے البتہ سنن غیر مؤکدہ اور عام نوافل کی بجائے قضاء نمازیں پڑھ لینا بہتر ہے۔

والاشتغال بالفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفة وصلوٰة الضحیٰ وصلوٰة التسبیح والصلوات التی رویت فی الاخبار فیھا سور معدودة واذکار معھودة فتلك بنیة النفل وغیرھا بنیة القضاء۔ اھ (عالمگیری ج ۱، ص ۶۵) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۳/۱۲/۹-۱۴ھ

قضاء نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ توبہ بھی ضروری ہے

فضائل نماز میں مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث لکھی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں۔

" روی انه علیه الصلوٰة والسلام قال من ترك الصلوٰة حتی مضی وقتها ثم قضی عذب فی النار حقبا والحقب ثمانون سنة الخ "

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز چھوڑنے کے بعد اگر پھر وہ قضاء بھی پڑھ لے تو بھی ایک حقب جہنم میں رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ جب اس نے قضاء بھی پڑھ لی تو پھر کیوں معذب ہو گا؟ تشریح فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی قاری محمد رمضان ۷۷/۵ /آر ساہیوال

الجواب وقت پر تعمیل حکم نہ کرنا جرم اور گناہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کے منادی کی ندا (اذان) کو سن کر اپنے کام میں مشغول رہنا اور دربار ایزدی میں حاضر نہ ہونا بے ادبی اور شدید گستاخی ہے۔ اگر قضاء کے ساتھ توبہ کے ذریعہ اس گناہ کو معاف نہیں کرایا گیا تو اس کی سزا اصولی طور پر ملنی چاہیئے۔ اپنے فضل وکرم سے حق تعالیٰ شانہ معاف فرما دیں تو الگ بات ہے۔

طحطاوی میں ہے۔ والتاخیر بلا عذر کبیرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة

او الحج فالقضاء مزيل لاثم الترك لا لاثم التأخير - (ص ۲۳۹)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۳۹۱/۱/۲ھ نائب مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

قدیم فوائت بھی مسقطِ ترتیب ہیں

۱ : ایک آدمی کو یقین ہے کہ زمانہ ماضی میں کافی نمازیں (پانچ سے زائد) اس سے قضاء ہوئی ہیں جن کو ابھی تک ادا نہیں کیا۔ اب اگر اس کی مثلاً صبح کی نماز فوت ہوگئی اور ظہر کی نماز اس نے بغیر صبح کی نماز ادا کئے پہلے پڑھادی۔ یا درمیانِ نماز میں قعدۂ اخیرہ سے پہلے اس کو صبح کی فوت شدہ نماز یاد آگئی۔ یاد آنے کے باوجود اس نے ظہر کی نماز پڑھادی۔ آیا اس کی اور باقی مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہ؟ اور ترتیب اس کے ذمہ ہے یا نہ؟

۲ : ایک آدمی امام کے ساتھ نماز میں شریک تھا۔ قعدۂ اخیرہ میں امام کے ساتھ سلام پھیرنے سے قبل اس مقتدی نے سلام پھیر کر سنتوں کی نیت کھڑے ہو کر باندھ لی۔ پھر معلوم ہوا کہ امام نے تو ابھی سلام نہیں پھیرا۔ پھر وہ بیٹھ گیا اور امام کے ساتھ سلام پھیرا۔ آیا اس کی نماز ہوئی یا نہ؟

الجواب قدیم فوت شدہ نمازیں مفتی بہ قول کے مطابق مسقطِ ترتیب ہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں امام اور مقتدی کی نماز درست ہے لیکن امام صاحب پر لازم ہے کہ سابقہ فوت شدہ نمازیں بہت جلد قضاء کریں اور آئندہ نماز قضاء کرنے اور پھر دوسری نماز تک مؤخر کرنے سے احتراز کریں۔ ہندیہ میں ہے۔

فالحديثة تسقط الترتيب اتفاقا وفى القديم اختلاف المشائخ۔ وذلك كمن ترك صلوة شهر ثم صلى مدة ولم يقض تلك الصلوات حتى لو ترك صلوة ثم صلى أخرى ذاكرا للفائتة الحديثة لم يجز عند البعض وقيل يجوز وعليه الفتوى۔ (ج ۱ ص ۱۲۴)۔

۲ : مقتدی کی نماز صحیح ہے۔ امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۹/۲/۱۴۰۸ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

قضاءِ فوائت کے سلسلہ میں صاحبِ ہدایہ کی ایک عبارت کی توضیح

صاحبِ ہدایہ علیہ الرحمۃ کی اس عبارت کا حل بندہ کی سمجھ میں نہیں آیا " ولو قضی بعض الفوائت حتی قل ما بقی الخ " اس کے تحت صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں۔

روی عن محمد رحمہ اللہ فی من ترک صلوۃ یوم ولیلۃ وجعل یقضی من الغد مع کل وقتیۃ فائتۃ فالفوائت جائزۃ علی کل حال والوقتیات فاسدۃ ان قدمها الخ وان اخرها فکذلک۔

خلاصہ یہ ہے کہ " ولو قضی بعض الخ " متن کے تحت صاحبِ ہدایہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حل تحریر فرمائیں بمع صورت۔ نیز اس صورت میں بندہ کو یہ خیال ہے کہ مقدم و مؤخر ہر دو صورتوں میں جب وقتیہ فاسد ہے تو پھر قضاء فائتہ کی کیا صورت ہونی چاہیئے۔

(باب قضاء الفوائت، ص ۱۵۶)۔

الجواب فائتہ جب قلیل ہوجائیں تو ترتیب لوٹ آئے گی (ہدایہ) امام محمد رح کی عبارت سے اس پر استدلال کیا ہے۔ وجہِ استدلال یہ ہے کہ جب زید نے دوسرے دن کی وقتیہ پڑھی تو یہ فاسد ہوگئی۔ کیونکہ اس کے ذمہ پانچ کل کی قضا ہیں ان کی ادائیگی سے قبل یہ صحیح نہ ہوئی۔ اب اس کے ذمہ چھ نمازیں ہوگئیں۔ پھر اسکے بعد قضاء پڑھی تو باقی پانچ رہ گئیں۔ یہ پانچ ایسی ہیں جو چھ میں سے باقی رہ گئیں ہیں۔ یعنی کثیر ہونے کے بعد قلیل ہوئی ہیں۔ آئندہ وقتیہ کو بھی امام محمد رح نے فاسد کہا۔ تو معلوم ہوا کہ جو فائتہ قلیل رہ گئی ہوں وہ بھی صحتِ وقتیہ کے لئے مانع بنتی ہیں۔ تو امام محمد رح کی عبارت سے معلوم ہوا کہ فوائتِ کثیرہ عود الی القلۃ کے بعد بھی مقتضی ترتیب ہیں۔ ترتیب ان میں لوٹ آئے گی وہو المطلوب۔ دوسری وقتیہ کو اگر پہلے پڑھا تو وہ نہ ہوئی۔ فائتہ پھر چھ ہوگئیں۔ پھر جب فائتہ پڑھ لی پھر پانچ رہ گئیں۔ اسی طرح ہوتا رہے گا۔ اگر قضاء پہلے پڑھتا ہے تو فائتہ قلیل ہی ہیں ان سب کو پڑھ کر پھر

وقتیہ کو پڑھنا چاہیئے تھا۔ تب وقتیہ صحیح ہوتیں۔

صحت وقتیہ کی ایک صورت یہ ہے کہ ادائیگی کے وقت فائتہ یاد نہ ہو۔ اور قضاء فائتہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ پہلے سب قضاء پڑھ لے پھر ادا پڑھے۔ کیونکہ فائتہ قلیل کا یہی حکم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۰/۳/۳/۱۴۰۲ھ

فوت شدہ نمازیں بہت ہوں تو نیت کیسے کرے؟

بالغ ہونے پر نماز کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا کبھی پڑھ لی کبھی نہ پڑھی۔ جب سے تبلیغی جماعت سے تعلق ہوا ہے اس وقت سے قضاء نمازوں کی ادائیگی کا سلسلہ شروع کیا ہے اس سلسلہ میں پہلے کچھ مسائل آپ سے زبانی پوچھے تھے اب یہ پوچھنا مطلوب ہے کہ آپ کے کہنے کے مطابق میں نے اپنے غالب گمان سے متعین کر لیا کہ میرے ذمہ مثلاً ساٹھ نمازیں باقی ہیں تو اب ان کو ادا کرتے وقت ان کی نیت کیسے کروں؟ وضاحت سے لکھیں۔

صوفی محمد اقبال ممتاز آباد ملتان

الجواب اگر تو کسی خاص دن کے بارے میں بالتعیین یاد ہو کہ اس دن فلاں نماز نہیں پڑھی تھی پھر تو اسی دن کی تعیین سے نیت کریں۔ مثلاً "میں اتوار ۲۳ ربیع الاوّل ۱۴۱۱ھ کی ظہر کی نماز قضاء پڑھتا ہوں" اور اگر فوائت زیادہ ہوں تو مجموعہ کا حساب لگا کر بوقت قضاء یوں نیت کریں کہ "میرے ذمہ جو اوّل ظہر کی نماز باقی ہے وہ ادا کرتا ہوں" اس کی ادائیگی کے بعد جو اسکے بعد ہوگی وہ اوّل ہو جائے گی۔ اسی طرح آخر تک نیت کرتے جائیں۔

اور چاہیں تو یوں بھی نیت کر سکتے ہیں کہ "میں اس آخری ظہر کو قضاء کرتا ہوں جو میرے ذمہ ہے" ہر نماز میں اسی طرح کرتے جائیں یہاں تک کہ تمام ادا ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق واستقامت عطاء فرمائیں۔

واذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلوة يقضيها لتزاحم الفروض والاوقات كقوله اصلى ظهر الاثنين ثامن عشر

جمادی الثانیۃ سنۃ اربع وخمسین والف و ھذا فیہ کلفۃ فاذا اراد تسہیل الامر علیہ نوی اوّل ظہر علیہ ادرک وقتہ ولم یصلہ فاذا نواہ کذلک فیما یصلیہ یصیر اولاً فیصح بمثل ذلک وھکذا (او) ان شاءَ نوی اٰخرہ فیقول اصلی اٰخر ظہر ادرکتہ ولم أصلہ بعد فاذا فعل کذلک فیما یلیہ یصیر اٰخر بالنظر لما قبلہ فیحصل التعیین ویخالف ھذا ما قالہ فی الکنز فی مسائل شتی انہ لا یحتاج للتعیین وھو الاصح علی ما قالہ فی القنیۃ من یقضی لیس علیہ ان ینوی اول صلاۃ کذا او اٰخر فینوی ظہراً علی او عصراً او نحوھما علی الاصح انتہی وان خالفہ تصحیح الزیلعی فقد اتسع الامر باختلاف التصحیح فلیرجع للکنز فانہ واسع واللہ رؤف رحیم۔ (مراقی علی الطحطاوی ، ص۲۴۲)

وقیل لا یلزمہ التعیین ایضا کما فی صوم ایام من رمضان واحد و مشی علیہ المصنف فی مسائل شتی اٰخر الکتاب تبعا للکنز و صححہ القہستانی عن المنیۃ لکن استشکلہ فی الاشباہ وقال انہ مخالف لما ذکرہ أصحابنا کقاضی خان و غیرہ والاصح الاشتراط ۔ اھ۔ قلت وکذا صححہ فی الملتقی ھناک وھو الاحوط وبہ جزم فی الفتح کما قدمناہ فی بحث النیۃ وجزم بہ ھنا صاحب الدرر ایضا شامی ؛ ج ۱؛ ص ۵۴۵ ، مطبوعۃ کوئٹہ ۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم

کتبہ أحقر محمد انور عفا اللہ عنہ

یوم الاحد ثالث وعشرین من ربیع الاوّل سنہ ۱۴۱۱ھ

تم مایتعلق بقضاء الفوائت

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّ اٰخِرًا

مایتعلق

بسجود السھو

وتروں میں قعدۂ اولیٰ میں درود پاک پڑھ لیا تو سجدہ سہو کا حکم

وتروں کی نماز میں قعدۂ اوّل میں درود شریف بھی پڑھ لیا۔ پھر حسب قاعدہ تیسری رکعت بھی پڑھ لی۔ کیا نماز صحیح ہوگئی؟ عبدالجبار لیکچرار اسلامیہ کالج خانیوال

الجواب صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

ولا یزید فی الفرض علی التشھد فی القعدۃ الاولیٰ اجماعًا فان زاد عامدًا کرہ فتجب الاعادۃ او ساھیا وجب علیہ سجود السھود اذا قال اللھم صل علی محمد فقط علی المذھب المفتیٰ بہ۔ (در مختار) وفی الشامیۃ قولہ (ولا یزید فی الفرض) ای وما الحق بہ کالوتر والسنن الرواتب (ج ا ص۴۷۶)

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ نائب مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان
۲۷/۱۲/۱۳۸۶ھ
الجواب صحیح خیر محمد عفااللہ عنہ مہتمم خیرالمدارس ملتان

فاتحہ سے پہلے سورۃ شروع کردی تو سجدہ سہو کا حکم

زید نماز پڑھ رہا تھا جب دوسری رکعت شروع کی تو بسم اللہ کے بعد سورۃ شروع کردی۔ جب تین چار آیتیں پڑھ چکا تو خیال آیا۔ پھر سورۃ چھوڑ کر فاتحہ شروع کر دی۔ پھر فاتحہ کے بعد دوبارہ سورۃ پڑھی تو نماز ہوگئی یا نہیں ؟ قاری سعید احمد خطیب مسجد بانیہ نقشبند کالونی ملتان

الجواب

صورتِ مسئولہ میں سجدہ سہو واجب ہوگیا تھا لہٰذا اگر کر لیا تھا تو نماز ہوگئی ورنہ وہ نماز واجب الاعادہ ہے۔ درمختار میں واجباتِ صلوۃ میں ہے۔

"وتقديم الفاتحة على كل السورة۔" اھ

اس کے تحت علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

حتى قالوا لو قرأ حرفا من السورة ساهيا ثم تذكر يقرأ الفاتحة ثم السورة و يلزمه سجود السهو۔ (بحر) وهل المراد بالحرف حقيقته او الكلمة يراجع ثم رأيت فى سهو البحر قال بعد مامرّ وقيده فى فتح القدير بان يكون مقدار ما يتأدى به ركن۔ اھ۔ شامی ج ا ص ۴۶۴ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۷/۳ /۱۴۱۰ھ

منفرد سرّی نماز میں جہراً قرأت کرے تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا

کوئی آدمی سنتِ مؤکدہ یا فرض پڑھ رہا تھا سرّی۔ لیکن اس نے قرأت یا تسبیحات کچھ آواز سے پڑھیں کہ پاس والا آدمی سن لیتا ہے۔ یہ جہر شمار ہوگا یا نہیں ؟ نیز سجدۂ سہو لازم آئے گا یا نہیں ؟

الجواب

نماز درست ہے سجدۂ سہو نہیں ہوگا۔

فقد ظهر بهذا ان ادنى المخافتة اسماع نفسه او من يقربه من رجل او رجلين اھ (شامی ج ۱ ص ۴۹۹) فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

قال المرتب عفا الله عنہ : اگر نمازی منفرد ہو اور سری فرائض میں جہر متحقق ہو جائے تو بھی سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

والحاصل ان الجهر فی الجهرية لا يجب على المنفرد اتفاقا و انما الخلاف فی وجوب الاخفاء عليه فی السرية وظاهر الرواية عدم الوجوب كما صرح بذلك فی التتارخانية عن المحيط وكذا فی الذخيرة و شروح الهداية كالنهاية و الكفاية والعناية ومعراج الدراية و صرحوا بان وجوب السهو عليه اذا جهر فيما يخافت رواية النوادر. اھ - فعلى ظاهر الرواية لا سهو على المنفرد اذا جهر فيما يخافت فيه و انما هو على الامام۔ فقط (شامی ص۵۴۸ ج۱)

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاوی

قیام چھوڑکر درمیانی قعدہ کی طرف آئیں تو سجدۂ سہو کا حکم

امام مغرب کی نماز پڑھا رہا تھا کہ قعدہ اولیٰ بھول کر کھڑا ہو گیا۔ مقتدی نے لقمہ دیا تو فوراً واپس بیٹھ گیا۔ قعدۂ آخری میں سجدۂ سہو کیا آیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں نماز درست ہوگئی۔ امام کو واپس نہیں لوٹنا چاہیئے تھا یہ اس نے غلط کیا۔ بعض فقہاء نے اس صورت میں فساد نماز کا حکم کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نماز ہو جاتی ہے۔

وفی الدر وان استقام قائما لا يعود لاشتغاله بفرض القيام و سجد للسهو لترك الواجب فلو عاد الى القعود بعد ذلك تفسد صلوته لرفض الفرض لما ليس بفرض و صححه الزيلعی وقيل لا تفسد لكنه يكون مسيئا و يسجد لتاخير الواجب وهو الاشبه كما حققه الكمال وهو الحق بحر - (درمختار على الشامية ج۱، ص۵۰۰) فقط والله اعلم -

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۴/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان ۔

فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا

زید نے کسی فرض یا سنت یا نفل نماز میں ایک ہی سورۃ کئی بار پڑھی یا ایک ہی رکعت میں دو سے زیادہ سورتیں پڑھیں۔ الحمد شریف کے ساتھ سورت ملاتے وقت ہر سورۃ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ بھی پوری پڑھ لیتا ہے۔ کیا اس طرح بسم اللہ شریف پڑھ لینا بہتر ہے۔ اور ایسی صورت میں سجدۂ سہو تو لازم نہیں آتا ؟

الجواب فاتحہ اور سورت کے درمیان اور ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ سرًّا پڑھ لینا بہتر ہے اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

لا تسن بين الفاتحة و السورة مطلقا ولو سرية ولا تكره اتفاقا۔

(درمختار)۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے تحت لکھتے ہیں ۔

و ذكر في المحيط المختار قول محمد و هوان يسمى قبل الفاتحة وقبل كل سورة في كل ركعة ۔ اھ ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبى بانه ان سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًّا اوجهرا كان حسنا عند ابي حنيفة رح ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي لشبهة الاختلاف في كونها آية من كل سورة بحر۔اھ (رد المحتار ، ج ا ، ص ۳۲۹ و ۳۳۰)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۲/۷/۱۴۱۰ھ

ثناء، تعوذ اور تسمیہ کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو کا حکم

ہماری مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امام صاحب موجود نہ تھے ان کے بیٹے نے نماز پڑھائی اس نے نماز

شروع کرتے ہی تکبیر تحریمہ کے بعد سورۃ فاتحہ شروع کردی اور شروع میں سبحانک اللھم وغیرہ کچھ نہیں پڑھا اور بدون سجدۂ سہو نماز پوری کرادی۔ کیا اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی ؟

طالب حسین ضیاء ملتان

الجواب ثناء اور تعوذ وتسمیہ کا پڑھنا سنت ہے ان کے ترک سے نماز نہ فاسد ہوتی ہے اور نہ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ البتہ اگر دانستہ ترک کرے تو غلطی ہے اور اس نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔

(وسننها) ترك السنة لا يوجب فسادا ولا سهوا بل اساءة لو عامدا غير مستخف وقالوا الاساءة ادون من الكراهة ثم هي على ماذكره ثلاثة وعشرون رفع اليدين للتحريمة (الى قوله) والثناء والتعوذ والتسمية والتأمين۔اھ (درمختار)۔ (قوله لو عامدا غير مستخف) فلو غير عامد فلا اساءة ايضا بل تندب اعادة الصلوٰة كما قدمناه في اول بحث الواجبات۔ اھ (شامی ج ۱ ص ۴۴۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۳/۶/۱۴۰۴ھ

سجدۂ سہو ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے

سجدۂ سہو ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے یا دونوں طرف سلام پھیر کر کیا جائے ؟

الجواب ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے۔ درمختار میں ہے۔

يجب له بعد سلام واحد عن يمينه ۔ فقط

شامی میں اس کی شرح میں لکھا ہے۔

(قوله واحد) هذا قول الجمهور منهم شيخ الاسلام وفخر الاسلام وقال في الكافي انه الصواب وعليه الجمهور اھ (ج ۱ ص ۶۹۱)

ومحله بعد السلام سواء كان من زيادة او نقصان ولوسجد
قبل السلام اجزاه عندنا ويأتي بتسليمتين هوالصحيح والصواب
ان يسلم تسليمة واحدة وعليه الجمهور اھ (عالمگیری ج۱ ص۱۲۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ — ۱۳/۳/۱۴۱۰ھ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

پہلے بائیں طرف سلام پھیرنے سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا

زید نے بھول کر بائیں طرف پہلے سلام پھیر دیا اور پھر دائیں طرف سلام پھیرا۔ اب زید کے لئے سجدۂ سہو ضروری ہے یا بغیر سجدۂ سہو کے نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب نماز ہوگئی سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ لیکن سنت یہ ہے کہ پہلے دائیں جانب سلام پھیرا جائے۔ عالمگیری باب سجود السہو میں ہے۔

ولا يجب بترك رفع اليدين في العيدين وغيرهما ومن ذلك
ما لو سلّم عن الشمال اوّلاً ساهياً۔اھ (ج۱،ص۶۵)۔

درمختار کے قول "وتحويل الوجه يمنة ويسرة للسلام" کے تحت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں" ويسن البداءة باليمين "اھ (شامی ج۱،ص۴۴۵)۔

اذا سلم المصلی عن يساره قبل السلام عن يمينه لا سهو عليه و
يسلم عن يمينه ۔ (قاضی خان ج۱،ص ۵۹)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ — ۲۵/۵/۱۴۰۲ھ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

رکوع میں فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم

اگر کوئی شخص رکوع میں یا سجدے میں التحیات پڑھ لے یا الحمد پڑھ لے تو اس صورت میں

سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں ؟ حافظ محمد عرفان ہاشمی گڑھا ٹھل سنگھ

الجواب بحالتِ رکوع وسجود فاتحہ یا تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوجائے گا۔

ولو قرأ الفاتحة او اٰية من القراٰن فى القعدة او فى الركوع او فى السجود او قرأ التشهد فى الركوع او فى السجود كان عليه السهو ۔ اھ (قاضی خان : ج ۱ ، ص ۵۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۲ /۱۱ /۱۳۹۹ھ

فاتحہ کی جگہ تشہد پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم

۱ : نماز میں بحالتِ قیام آدمی التحیات پڑھ لے۔

۲ : یا بحالتِ التحیات الحمد پڑھ لیتا ہے تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب ۱ : اگر تشہد فاتحہ سے پہلے پڑھا ہے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ۔ اور اگر فاتحہ کے بعد پڑھا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ولو تشهد فى قيامه قبل قرأة الفاتحة فلا سهو عليه وبعدها يلزمه سجود السهو وهو الاصح لان بعد الفاتحة محل قرأة السورة فاذا تشهد فيه فقد أخر الواجب وقبلها محل الثناء كذا فى التبيين ۔ اھ (عالمگیری : ج ۱ ، ص ۶۶)۔

۲ : اگر فاتحہ تشہد سے پہلے پڑھی ہے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر تشہد کے بعد پڑھی ہے تو واجب نہیں ہوگا۔

ولو قرأ (اى الفاتحة) فى ركوعه اوسجوده او فى تشهده يلزمه وهذا اذا بدأ بالقرأة ثم بالتشهد وان بدأ بالتشهد ثم بالقرأة فلا سهو عليه ۔ اھ

(عالمگیری : ج ۱ ، ص ۶۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۲۲/۱۱/۱۳۹۹ھ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

چار رکعت پوری کرکے پانچویں کیلئے کھڑا ہوگیا تو کیا کرے

کیا چار رکعت نمازِ عصر کی پڑھ کر اگر پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہو جائے تو پھر پانچویں رکعت میں یاد آئے کہ یہ پانچویں رکعت ہے۔ تو پھر واپس بیٹھ کر سجدۂ سہو کرے یا کہ چھ پوری کرے۔

الجواب اگر چوتھی رکعت کے بعد قعدہ کرکے پانچویں کی طرف اٹھا ہے تو پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے یاد آجاتے تو لوٹ آئے اور سجدۂ سہو کرکے نماز پوری کرلے۔ اور اگر پانچویں کے سجدے کے بعد یاد آئے تو اب ایک رکعت اور ساتھ ملالے اور آخر میں سجدۂ سہو کرلے۔ چار فرض ہوجائیں گے اور دو نفل۔

رجل صلی الظهر خمسا وقعد فی الرابعة قدر التشهد ان تذكر قبل ان يقيد الخامسة بالسجدة انها الخامسة عاد الی القعدة وسلم كذا فی المحيط ويسجد للسهو كذا فی السراج الوهاج وان تذكر بعد ما قيد الخامسة بالسجدة انها الخامسة لايعود الی القعدة ولا يسلم بل يضيف اليها ركعة اخری حتی يصير شفعا ويتشهد ويسلم هكذا فی المحيط ويسجد للسهو استحسانا كذا فی الهداية وهو المختار كذا فی الكفاية ثم يتشهد ويسلم كذا فی المحيط والركعتان نافلة ولا تنوبان عن سنة الظهر علی الصحيح كذا فی الجوهرة النيرة قالوا فی العصر لا يضم اليها سادسة وقيل يضم وهو الاصح كذا فی التبيين وعليه الاعتماد لان التطوع انما يكره بعد العصر اذا كان عن اختيار واما اذا لم يكن عن اختيار فلا يكره كذا

فی فتاوی قاضی خان۔ (عالمگیری: ج۱ ، ص ۶۶ و ۶۷)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۱۰/۱۴۰۷ھ

فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھ لیا جائے تو ترکِ باقی کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا

اگر کوئی امام پہلی رکعت میں تلاوتِ سورۂ فاتحہ کے وقت مالک یوم الدین سہواً ترک کر دے تو اس نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں ؟ آفتاب احمد راولپنڈی

الجواب وفی العالمگیریۃ : ج۱ ، ص ۶۵ ۔ وان قرأ أکثر الفاتحۃ ونسی الباقی لاسہو علیہ وان بقی الاکثر کان علیہ السہو اماماً کان او منفرداً کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ بھول جائے تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۱/۲/۱۳۹۵ھ

عشاء کی چوتھی رکعت میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم

امام عشاء کی نماز پڑھا رہا ہے جب تین رکعت پڑھ چکا، دو پہلی رکعت میں قرأت پکار کر پڑھی اور بعد التحیات کے تیسری رکعت میں خاموش قرأت کی اور چوتھی رکعت میں زور سے قرأت فاتحہ کی کیا اس سے سجدۂ سہو آئے گا یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں امامِ مذکور پر سجدۂ سہو واجب تھا۔ کیونکہ عشاء کی آخری دو رکعتوں میں سرّاً پڑھنا واجب ہے اس واجب کے خلاف کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر امام نے سجدۂ سہو کیے بغیر نماز ختم کرا دی تو اس نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے

كما في الشامية : ج ۱، ص ۳۲۹ ۔ والاسرار يجب على الامام والمنفرد فيما يسر فيه وهو صلوة الظهر والعصر والثالثة من المغرب والاخريان من العشاء۔ وكذا في العالمگیری ج ۱ ص ۶۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۹/۷/۱۳۷۸ھ بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ مفتی جامعہ ہذا ۔

سجدہ سے تھوڑا سا سر اٹھا کر پھر سجدہ میں چلے جانے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں

نماز میں جیسے کہ دونوں سجدے فرض ہیں کوئی امام یا منفرد کسی ایک سجدہ میں نسیاناً بالکل تھوڑا سا سر اٹھا کر پھر واپس اسی سجدہ میں رکھ دیتا ہے کہ اس نے پورا سجدہ نہیں کیا یا تھوڑی دیر کیا ہے۔ جس سے تسبیح سجدہ پوری نہیں ہوئی۔ لیکن سجدہ سے سر کا اٹھانا سوائے اس نمازی کے اور کسی دیکھنے والے کو معلوم نہیں ہوتا ۔ اس کے علاوہ دوسرا سجدہ بھی کرتا ہے اس وجہ سے کہ جس میں تھوڑا سا سر اٹھا کر پھر اسی سجدہ میں رکھدیا تھا اس کو دوسرا نہیں سمجھتا ۔ تو اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب صاحب ہدایہ اور صاحب نہر نے لکھا ہے کہ اگر بیٹھنے کے قریب ہو جائے تو سجدۂ ثانیہ شمار ہوگا ورنہ نہیں ۔ نہر اور شرنبلالیہ میں اسے ہی راجح قرار دیا ہے ۔ لہٰذا معمولی سر اٹھانے سے چونکہ زائد سجدہ نہیں بنا اس لئے سجدۂ سہو کی امام و منفرد کو ضرورت نہیں مقتدی کی وہ غلطی جو حالتِ اقتدار میں پیش آئے وہ قابلِ مواخذہ نہیں ۔

وصحح في الهداية انه ان كان الى القعود اقرب صح والا لا ورجحه في النهر والشرنبلالية ۔ (درمختار مع ردالمحتار ص ۴۷۳ ج ۱) ؛

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۲۲/۲/۱۴۰۲ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

دو کی بجائے تین سجدے کرلئے تو سجدۂ سہو کا حکم

اگر امام بھول کر دو سجدے کے بجائے تین سجدے کر دے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں۔ نماز میں اگر سجدۂ سہو نہ کیا گیا ہو تو کیا نماز درست ہوگئی یا نہیں؟ محمد لطف اللہ خالد لاہور

الجواب باسم ملہم الصواب: صورتِ مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب ہے اور اگر سجدۂ سہو واجب ہو، اور نہ کیا جائے تو نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

ولا یجب السجود الا بترك واجب او تاخیره او تاخیر رکن او تقدیمه او تکراره۔ (ج ۱، ص۱۲۶)۔

مراقی میں ہے۔

ویجب سجدتان لترك واجب بتقدیم او تاخیر او زیادة او نقص لا سنة۔ (ص ۲۵۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ۔۔۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔۔۔ ۱۲/۶/۱۴۰۸ھ ۔۔۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مسافر امام کا مقیم مقتدی بقیہ نماز میں سہواً قرأت کرے تو سجدۂ سہو کا حکم

اگر امام مسافر سلام پھیر دے، اور مقتدیوں میں سے مقیم مقتدی بقیہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیں، جب کہ نہیں پڑھنا چاہئے۔ تو کیا پڑھنے کے بعد نماز کا اعادہ ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب: صورتِ مسئولہ میں اگر مقتدی نے بھول کر قرأت کرلی تو مقتدی پر سجدۂ سہو اور اعادہ واجب نہیں کیونکہ مقیم مقتدی حکما لاحق ہے اور لاحق کے بھول جانے سے سجدۂ سہو واجب نہیں۔ مراقی میں ہے۔ "لا یسجد اللاحق" (ص ۲۵۳)۔

ہندیہ میں ہے۔

اللاحق وهو الذی ادرك اولها وفاته الباقی لنوم او حدث او بقی قائما للزحام او الطائفة الاولی فی صلوة الخوف كانه خلف

الامام لا يقرأ ولا يسجد للسهو۔ (ج ۱ ص ۴۸)

ایک حدیث پاک میں آیا ہے۔

"قال صلی الله علیه وسلم الامام لکم ضامن یرفع عنکم سهوکم وقرأتکم"

اس حدیث کو صاحب مراقی نے ذکر کیا ہے اس پر علامہ طحطاوی رح لکھتے ہیں۔

قرن رفع السهو برفع القرأة لیفید انه کما لا اثم علی المؤتم بترك القرأة فکذا لا اثم علیه بترك السهو بل هو الواجب علیه وقال فی النهر مقتضی کلامهم انه یعیدها لثبوت الکراهة مع تعذر الجابر وقد علمت مفاد الحدیث۔ (ص ۲۵۲)۔

علامہ طحطاوی رح کا رجحان اسی طرف ہے کہ حالتِ اقتدار میں سہو موجب اعادہ نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں اعادہ واجب نہیں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۳/۷/۱۴۰۸ھ — نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

دوسری اور تیسری رکعت میں فاتحہ سے پہلے ثناء پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم

اگر ایک شخص نماز میں دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں فاتحہ سے قبل ثناء پڑھ لے تو کیا اس پر سجدۂ سہو آئے گا۔؟

محمد لطف اللہ خالد لاہور

الجواب فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں فاتحہ سے پہلے ثناء پڑھنا موجب سہو نہیں۔

ولو تشهد فی الاخیرین لا یلزمه السهو۔ (هندیه ج ۱ ص ۱۲۶)

دوسری رکعت میں فاتحہ سے پہلے ثناء پڑھنے سے سجدۂ سہو کا وجوب مختلف فیہ ہے۔ اصح عدم وجوب ہے۔ سورت فاتحہ کے بعد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہے، ہندیہ میں ہے۔

ولو قرأ التشهد فی القیام ان کان فی الرکعة الاولیٰ لا یلزمه شیئ وان کان فی الرکعة الثانیة اختلف المشائخ فیه والصحیح انه لا یجب کذا فی الظهیریة ولو تشهد فی قیامه قبل قرأة الفاتحة فلا سهو علیه وبعدها یلزمه سجود السهو وهو الاصح ۔ (ج۱ : ص ۶۶)۔

کبیری میں ہے ۔

عن محمد رح لو تشهد فی قیامه قبل قرأة الفاتحة فلا سهو علیه وبعدها یلزمه قال السروجی وهو الاصح لانه محل قرأة السورة فقد اخر الواجب انتهیٰ وقد یقال انه بقرأته قبل الفاتحة اخر الفاتحة فقد اخر الواجب ایضا ۔ (ص ۴۳۱)۔ ثنا ر تشہد کی طرح ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔ ۱۸/۶/۱۴۰۸ھ ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

فرضوں کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۃ ملانے سے سجدۂ سہو کا حکم

اگر فرضوں کی تیسری چوتھی یا دونوں رکعتوں میں سورۃ ملا دے تو اس سے سجدۂ سہو وغیرہ تو نہیں آتا ؟

حافظ محمد فاروق نائب امام مسجد ربانیہ نقشبند کالونی ملتان

الجواب ہندیہ میں ہے ۔ ولو قرأ فی الاخریین الفاتحة والسورة لا یلزمه السهو وهو الاصح ۔ (ج۱ ، ص۶۵)۔ لہٰذا سجدۂ سہو نہیں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔ ۷/۱۴۰۷ھ ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

دعاءِ قنوت کے بعد کوئی سورۃ پڑھ لینے کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم

وتروں میں دعاءِ قنوت پڑھ کر سہواً سورت پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں۔ لما قال فی الدر المختار مع الشامیۃ وقرأۃ قنوت الوتر وھو مطلق الدعاء۔ (ج ۱، ص ۴۴۷)۔ ولما فی المراقی اذا شرع الامام فی الدعاء وھو اللھم اھدنا اھ بعد ماتقدم من قوله اللھم انا نستعینك الخ (طحٰ)

معلوم ہوا کہ قنوت پر زیادتی بطور دعاء کے جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۷/۱۲/۱۴۰۹ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سری نماز میں ایک دو آیت جہراً پڑھ لیں تو سجدۂ سہو کا حکم

اگر امام نمازِ سری میں پہلی رکعت میں بھولے سے سورۂ فاتحہ کی ایک آیت یا دو آیتیں بآوازِ بلند پڑھ لے تو سجدۂ سہو لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن قاضی ابویوسف رح اور امام محمد رح کے نزدیک دو آیت جہراً پڑھنے سے سجدۂ سہو نہیں آتا۔ البتہ اگر تین آیتیں پڑھ جائے تو پھر ان کے نزدیک بھی سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگر نماز سجدۂ سہو ادا کئے بغیر ادا کی گئی ہے تو اس نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ آئندہ کے لئے ایسی صورت میں سجدۂ سہو کر لینا چاہیئے[۱]۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

[۱] والجھر فیما یخافت فیه للامام وعکسه لکل مصل فی الاصح والاصح تقدیرہ بقدر ماتجوز به الصلوٰۃ فی الفصلین اھ (درمختار)۔

(قولہ والاصح) صححہ فی الھدایۃ والفتح والتبیین والمنیۃ لان الیسیر من الجھر و الاخفاء لا یمکن الاحتراز عنہ و عن الکثیر یمکن وما تصح بہ الصلوۃ کثیر غیر ان ذلک عندہ آیۃ واحدۃ وعندھما ثلاث آیات ۔ اھ (شامی ج۱، ص۶۹۲)

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاوی

وجوب سجدہ سہو میں شک ہو تو غلبۂ ظن کا اعتبار کرے

اگر قعدۂ اخیرہ میں گمان ہو کہ شاید سجدۂ سہو واجب ہو چکا تھا لیکن ابھی تک کیا نہیں تو کیا کرے؟ بینوا توجروا۔ قاری غلام قادر لاہور

الجواب: بحر الرائق، ج ۲، ص ۱۰۰ - میں ہے۔ ولو شک فی سجود السھو فانہ یتحری ولا یسجد لھذا السھو۔

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں غلبۂ ظن کے مطابق عمل کرے۔ اگر کسی جانب کو غلبۂ ظن نہ ہو تو پھر سجدۂ سہو نہ کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۲۱/۵/۱۳۸۱ھ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہٗ رئیس الافتاء نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مغرب کی تیسری رکعت میں شریک ہونے والا بقیہ نماز میں صرف ایک قعدہ کرے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں

ایک شخص مغرب کی جماعت میں تیسری رکعت میں سے شریک ہوا۔ اب مسبوق نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعات میں دو قعدے کرنے تھے۔ لیکن اس نے صرف ایک آخری قعدہ کیا۔ کیا اس کی نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو اس پر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی نماز ادا ہو گئی۔ اور اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں تھا۔ شامی ؛ ج ۱ ؛ ص ۴۶۱ ۔ میں ہے۔

ویقضی اول صلوتہ فی حق قرأۃ واخرھا فی حق تشہد۔ فمدرک رکعۃ من غیر فجر یأتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشہد بینہما۔ (درمختار)۔

وفی الرد(قولہ وتشہد بینہما) قال فی شرح المنیۃ ولو لم یقعد جاز استحسانا لا قیاسا ولم یلزمہ سجود السہو لکون الرکعۃ اولی من وجہ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۲۱/۶/۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفر اللہ لہٗ رئیس الافتاء

آخری قعدہ کے بعد سہواً کھڑا ہو گیا تو واپس لوٹنے کی صورت میں سجدہ سہو کرے

ایک شخص قعدۂ اخیرہ میں تشہد ختم کر کے غلطی سے کھڑا ہو گیا۔ پھر یاد آنے پر فوراً بیٹھ گیا۔ تو کیا وہ دوبارہ تشہد پڑھے اور سجدۂ سہو کرنے کے بعد سہ بارہ تشہد پڑھے ؟

الجواب بیٹھ کر سلام پھیر دے پھر سجدۂ سہو کرے پھر تشہد پڑھے۔

وفی الدر وان قعد فی الرابعۃ مثلا قدر التشہد ثم قام عاد وسلم وسجد للسہو۔ اھ (شامی ج ۱ ص ۷۰۸)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

تراویح میں بھی سجدۂ سہو کیا جائے

آیا "تراویح" میں سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب فرائض و نوافل سجدۂ سہو کے حکم میں یکساں ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔

وحکم السھو فی الفرض و النفل سواء۔ (ج ۱۔ ص ۱۲۵)۔

وفی الیتیمۃ اذا ترک الجھر فی الوتر و فی التراویح یلزمہ السھو۔ (ج ۱ ص ۱۲۶)

لہٰ ہندیہ کے مذکورہ بالا جزئیات کی روشنی میں عیدین اور تراویح میں بھی سجدۂ سہو کیا جائے الا یہ کہ مجمع کثیر ہو۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۱۴۰۷ھ — نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

لہٰ السھو فی الجمعۃ و العیدین والمکتوبۃ و التطوع واحد الا ان مشائخنا قالوا لا یسجد للسھو فی العیدین والجمعۃ لئلا یقع الناس فی فتنۃ کذا فی المضمرات۔ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۶)

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاوی

قعدہ میں دعاء مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم

اگر باجماعت فرض نماز میں امام درود شریف کے بعد سلام سے پہلے کوئی ایک دعاء دو دفعہ پڑھ لے تو تاخیر سلام کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہو گا یا نہ؟ مثلاً ربنا آتنا دو دفعہ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ (مولانا) محمد سرور (صاحب) عید گاہ کبیر والا

الجواب اس صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں ہو گا۔ عالمگیری ج ۱ ص ۹۲ میں ہے۔

ولو کرر التشھد فی القعدۃ الاولی فعلیہ السھو الی ان قال ولو کررہ فی القعدۃ الثانیۃ فلا سھو علیہ کذا فی التبیین۔ اھ

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — ۱۳۸۸ھ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

دعاءِ قنوت مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا

وتروں میں دعاءِ قنوت دو دفعہ پڑھ گئے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ کما فی مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۴۸ (او کررہ) ای الرکن و فیہ اشعار بانہ لوکرر واجبًا لم یجب السہو۔ اھ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا — ۱۳۸۴/۶/۴ھ — نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سجدہ سہو کرنے کے بعد شک ہو تو کیا کرے

سجدۂ سہو کرنے کے بعد شک ہوگیا کہ سجدۂ سہو کیا ہے یا نہیں تو اب کیا کرے ؟

الجواب اگر سجدہ کرنا یاد ہے تو محض شک و وہم کا اعتبار نہ کرے اس وہم کو دفع کرے۔ لان الیقین لایزول بالشک۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳۸۱/۲/۲۳ھ

ترکِ واجب کی وجہ سے اعادہ کی جانے والی نماز میں نئے فرض پڑھنے والے شامل نہ ہوں!

امام قعدۂ اولیٰ بھول گیا سجدۂ سہو بھی نہیں کیا پھر دوبارہ جماعت کرائی گئی۔ کیا اس جماعت میں وہ آدمی شامل ہوسکتا ہے جس نے پہلے فرض نہیں پڑھے ؟

الجواب ترکِ واجب کی وجہ سے جو نماز دوبارہ پڑھی جائے اس کے بارے میں فقہاءؒ کا اختلاف ہے۔ مختار یہ ہے کہ یہ نفل جابر ہیں اور قواعد کا مقتضیٰ بھی یہی ہے،

قال الطحطاوی فی حاشیتہ علی المراقی والمختار ان المعادة لترك واجب نفل جابر۔ (ص ۱۳۴)۔

پس نئے مقتدی اس اعادہ والی نماز میں شمولیت نہ کریں اس سے ان کا فرض ادا نہ ہوگا للزوم اقتداء المفترض خلف المتنفل۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان — ۱۴/۵/۱۳۸۵ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

عیدین میں مجمع "کثیر" نہ ہو تو سجدہ سہو کیا جائے

بروزِ عید امام سے سہو ہوا یعنی اوّل رکعت میں بعد از ثنا تکبیرات زائد کہنا بھول جاتا ہے اور قرأت شروع کر دیتا ہے لیکن درمیانِ قرأت اس کو سہو یاد آجاتا ہے۔ چنانچہ بعد قرأت تینوں تکبیر کہہ کر رکوع کر لیا۔ آیا تکبیروں کو مؤخر کرنے سے سجدہ سہو لازم ہو گیا اور یہ نماز بلا سجدہ سہو جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں سجدہ سہو واجب ہو گیا تھا لیکن اگر عید کی نماز میں بہت زیادہ لوگوں کا اجتماع ہو تو بغیر سجدہ سہو ادا کئے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ اور اگر مجمع زیادہ نہ ہو تو سجدہ سہو ادا کرنا واجب ہوگا۔

کما فی الدر علی الشامیة: ج ۱، ص ۷۰۵ والسهو فی العید والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه فی الاولیین لدفع الفتنة وفی الشامية (قوله وبه جزم فی الدرر) لكنه قيده محشيها الوانی بما اذا حضر جمع كثير والا فلا داعی الی الترك۔ اھ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان — ۶/۱۰/۱۳۸۴ھ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مقدارِ رکن خاموش کھڑے سوچتے رہنے کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم

امام کو نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ فاطر کے دوسرے رکوع کی پانچویں آیت سالم اور چھٹی آیت کل یجری لاجل مسمّٰی پڑھ کر متشابہ لگا اور سورۂ رعد رکوع نمبر ایک آیت نمبر دو ۔ کل یجری لاجل مسمی یدبر الامر یفصل الأیات لعلکم بلقاء ربکم توقنون یہاں تک پڑھنے کے بعد انہیں خیال آیا ۔ پھر مقدار رکن سے زائد وقت تک خاموش کھڑے رہنے کے بعد دوبارہ سورۂ فاطر کی وہی آیات پڑھیں اور صحیح پڑھتے ہوئے رکوع کیا ۔ تو امام پر سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں ۔ اس صورت میں واجب ترک ہوا اور پھر نماز نہیں لوٹائی تو کیا حکم ہے نیز اس قسم کے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

غلام مصطفٰے رائیونڈ ضلع لاہور

الجواب اگر امام صاحب تین دفعہ سبحان ربی العظیم کہنے کی مقدار خاموش کھڑے سوچتے رہے ہیں تو اس کی وجہ سے ان پر سجدۂ سہو واجب ہو گیا تھا اب اس نماز کا اعادہ ضروری ہے تاکہ ادائیگی علیٰ وجہ الکمال ہو جائے ۔ امام صاحب کو مسئلہ سے آگاہ کر دیا جائے ۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس وجہ سے اعادہ نہ کیا ہو کہ ان کے خیال میں نماز درست ہو گئی ہے ۔ ہاں اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی اپنی ضد پر قائم رہیں تو حکم معلوم کر لیا جائے ۔

اذا شغله التفکر عن اداء واجب بقدر رکن او شغله عن الوضوء بعد سبق الحدث لشکه انه صلی ثلاثا او اربعا یجب السهو و الا فلا کذا فی الشرح ولم یبینوا قدر الرکن وعلی قیاس ما تقدم ان یعتبر الرکن مع سنته وهو مقدر بثلث تسبیحات ۔ اھ (الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۵۸)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۰/۲۰/ ۹۸ ۱۳ھ

رکوع وسجود میں تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا

ایک آدمی رکوع یا سجدہ میں بجائے تسبیحات پڑھنے کے تشہد پڑھنے لگا یاد آنے پر تسبیحات پڑھ کے کھڑا ہوگیا۔ کیا اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا ؟

الجواب رکوع یا سجدے میں التحیات پورا یا اس کا اکثر حصہ پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ کما فی الخانیۃ والخلاصۃ او قرأ التشہد فی الرکوع او فی السجود کان علیہ السہو۔ (فتاوی قاضیخان ج ۱ ؛ ص ۵۸)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ؛ ۱۶ / ۲ / ۱۳۸۶ھ

پہلی یا تیسری رکعت پر معمولی دیر قعدہ کرنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا

رکعت اولیٰ پر معمولی قعدہ کر دیا یا تیسری رکعت پر تھوڑی دیر بیٹھ گیا اور پھر اٹھ گیا تو سجدۂ سہو ہوگا یا نہیں ؟ کتنی دیر معاف ہے ؟

الجواب ایک دو تسبیح کی مقدار بیٹھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں[1] ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹/۶/۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح : محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

[1] والتأخیر الیسیر وھو ما دون رکن معفو عنہ اھ (شامی ج ۱ ص ۴۶۳)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاویٰ۔

وجوب کے بعد سجدہ سہو نہ کیا جائے تو اس نماز کا اعادہ واجب ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ صبح کی نماز میں امام نے پوری سورۃ فاتحہ سراً تلاوت کرلی۔ خاتمہ پر امام کو یاد آیا کہ نماز جہری ہے۔ تو امام صاحب نے سورۃ فاتحہ ابتدا سے

شروع کردی۔ اور بلا سجدۂ سہو نماز پوری کر لی۔ اندریں صورت نمازِ مذکورہ کی اس حالت میں سجدۂ سہو واجب تھا لیکن امام نے ادا نہیں کیا۔ عمداً یا سہواً ترک کر دینے میں اعادۂ نماز واجب ہے یا نہیں؟

الجواب — باسمہٖ تعالیٰ جلّ مجدُہٗ

نماز میں جہر کے موقعہ پر امام کے لئے جہر اور اخفاء کے موقعہ پر اخفاء واجب ہے۔ جس کے ترک کرنے پر سجدۂ سہو لازم ہو جاتا ہے مگر سجدۂ سہو بھول جانے سے نماز کے اعادہ کا حکم کسی نے نہیں دیا ہے۔ اگر امام نے بھول کر سلام پھیرنے کے بعد جب تک نماز کے منافی کوئی کام نہیں کیا ہے اور مسجد ہی میں قبلہ کی طرف اس کا رُخ ہے تو وہ سجدۂ صلبیہ اور سجدۂ تلاوتیہ کی طرح سجدہ کر سکتا ہے نہ یہ کہ سجدۂ سہو بھول جائے تو اس کو پوری نماز کا لوٹانا ضروری ہے۔ چنانچہ "تنویر الابصار" باب سجود السہو میں ہے۔

ولو نسي السهو او سجدة صلبية او تلاوية يلزمه ذلك ما دام في المسجد قال في رد المحتار حاشية الدر المختار رج ۱ ص ۵۰۵ لما في البدائع من ان السجود لا يسقط بالسلام ولو عمدا الا اذا فعل فعلا يمنعه من البناء بان تكلم او قهقه او احدث عمدًا او خرج من المسجد او صرف وجهه عن القبلة۔ نیز درمختار میں ہے۔

وبيانه انه لا يمكن العود الى سجوده لان سجوده ما يكون جابرا والجابر بالنص هو الواقع في آخر الصلوة ولا آخر لها بعد التمام نقلنا بانه تمت صلوته وخرج منها (شامی ج ۱ ص ۵۵۵)

والله اعلم وعلمه اتم و احكم

احقر محمد لطافت الرحمٰن بقلم خود

مہر۔ محمد لطافت الرحمٰن : مفتی جامعہ اسلامیہ بہاولپور : ۶/۹/۱۹۸۰ء

بخدمت جناب مفتی صاحب خیر المدارس ملتان : السلام علیکم۔
ایک استفتاء مع جواب پیشِ خدمت ہے اس کے بارے میں اپنی رائے سے مطلع کریں۔ حکیم محمد شریف : ماڈل ٹاؤن بہاولپور

الجواب ــــ صورتِ مسئولہ میں اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال فی الدر المختار لها واجبات لا تفسد بترکها وتعاد وجوبا فی العمد والسهو ان لم یسجد له وان لم یعدها یکون فاسقا آثما۔ (رد المحتار علی الدرالمختار: ج ۱، ص ۳۰۶۔ بحث واجبات)۔

اور شامیہ میں ہے۔

وقد علمت ایضا ترجیح القول بالوجوب فیکون المرجح وجوب الاعادة فی الوقت وبعده۔اھ (ج ۱، ص ۵۳۶، بحث قضاء الفوائت)۔

تصریحات بالا کی موجودگی میں منسلکہ فتویٰ کی یہ عبارت قابلِ تعجب ہے "سجدہ سہو بھول جانے سے نماز کے اعادہ کا حکم کسی نے نہیں دیا" درمختار کی عبارتِ بالا میں یہ مصرح ہے کہ بصورتِ سہو اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو اعادہ واجب ہے اور تارک اس کا فاسق ہوگا۔ جو مسئلہ منسلکہ فتویٰ میں تحریر کیا گیا ہے کہ بعدِ سلام بھی اگر سجدۂ سہو یاد آجائے تو سجدہ کرے۔تاوقتیکہ مسجد سے نہیں نکلا۔اس میں کوئی اختلاف نہیں یہ مسئلہ درست ہے۔لیکن صورتِ مسئولہ یہ ہے کہ اگر سلام کے بعد بھی سجدۂ سہو نہیں کیا۔تو اب کیا حکم ہے جب کہ بعدِ سلام خروج عن المسجد بھی پایا گیا ہے۔اس خروج کا مفتی صاحب نے جواب نہیں لکھا۔

بیانه انه لا یمکن العود الی السجود اھ سے بحوالہ درمختار جو عبارت نقل کی ہے یہ درمختار کی نہیں بلکہ علامہ شامی رحمہ کی عبارت ہے وہ اس کے ناقل ہیں۔

ثانیًا یہ عبارت غلط نقل کی گئی ہے۔صحیح یوں ہے۔

والجابر بالنص هو الواقع فی آخر الصلاة ولو اخرناها قبل التمام فقلنا بانه تمت صلاته وخرج منها قطعا للدور۔اھ (شامی ج ۱ ص ۴۰۳)

ثالثًا۔ یہ کہ یہ عبارت ایک خاص صورت سے متعلق ہے وہ یہ کہ اگر کسی مسافر شخص پر سجدۂ سہو تھا اس نے سلام پھیر دیا اب اسے سجدۂ سہو یاد آیا اور اس نے اسی وقت اقامت کی نیت بھی کرلی تو اس کی نیت معتبر ہوگی یا نہیں۔ تو صحیح یہ ہے کہ اس کی نیتِ اقامت معتبر نہیں۔بعد میں سجدۂ سہو کرلیا ہے یا نہیں کیونکہ بصورتِ سجدۂ سہو اگر اس کی نیتِ اقامت معتبر مانیں تو یہ وسطِ صلوٰۃ میں واقع ہوگا حالانکہ نص سے

ثابت ہے کہ جابر آخر صلوۃ میں ہوتا ہے۔ ولا اخولها قبل التمام تواس مجبوری سجدۂ سہو کی بنا پر کہنا پڑے گا کہ سلام سے خروج موقوف نہیں ہوا بلکہ قطعی خروج ہو گیا ہے جس کی بنا پر نیت اقامت معتبر نہیں ہو گی۔ تمت صلوته سے بھی استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ تمامیت درجۂ ارکان وشروط میں ہے وہ سب پائے گئے ہیں پس یہ منافی وجوب اعادہ نہیں۔ کیونکہ یہ ترک واجب کی وجہ سے ہے نہ کہ ترک فرض کی وجہ سے۔ علامہ شامی رح نقل فرماتے ہیں۔

قال فی شرح التحریر وهل تکون الاعادة واجبة فصرح غیر واحد من شراح اصول فخر الاسلام بانها لیست بواجبة وانه بالاول یخرج عن العهدة وان کان علی وجه الکراهة علی الاصح وان الثانی بمنزلة الجبر والا وجه الوجوب۔ (شامیہ ج ۱ ص ۶۲۸)۔

دیکھئے خروج عن العہدۃ کے باوجود وجوب اعادہ کا حکم دیا گیا ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں اعادۂ صلوۃ واجب ہے اور مسلکہ فتویٰ صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۳۰ / ۱ / ۱۴۰۰ھ

○

خیر المدارس ملتان کے جواب "نماز کے وجوب اعادہ پر" مولانا لطافت الرحمٰن صاحب نے دوبارہ مفصل جواب لکھا۔ جس میں ثابت کیا کہ صورت مسئولہ میں اعادہ لازم نہیں۔ یہ سوال و جواب جب دوبارہ آیا تو سوال کی عبارت

"عمدًا یا سہوًا ترک کر دینے سے سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں"

کے لفظ "عمدًا[1]" پر یہ حاشیہ تحریر تھا۔

[1] یہ لفظ غلط ہے اصل صورت نسیان کی ہے جس پر میری تحریر میں تین بار تصریح موجود ہے۔

لطافت الرحمٰن

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم ، امابعد

سجدۂ سہو کی اس مسلکہ صورت مسئلہ میں مَیں نے جو کچھ لکھا ہے اور پھر اس پر حکیم محمد شریف صاحب کے غیر منقح استفتاء پر مفتی عبدالستار صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس بارہ میں ایک مختصر تمہید ضروری ہے

جس کے بعد یہ واضح ہو جائے گا کہ صورتِ مسئولہ میں نماز کا اعادہ نہیں ہے۔

تمہید وہ یہ کہ عمد، سہو، نسیان ۔ تینوں کے احکام شرعاً مختلف ہیں جس کی وضاحت اس حکم شرعی سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ اگر روزہ دار نے عمداً و قصداً بلا کسی شرعی عذر کے نیتِ روزہ کے بعد نہارِ رمضان میں روزہ توڑا تو اس پر کفارہ لازم ہو جاتا ہے ۔ اور اگر اس نے سہواً و خطاءً اس طرح کیا تو اس کا روزہ تو ٹوٹ جاتا ہے اس پر قضاء لازم ہو جاتی ہے مگر کفارہ نہیں ۔ اور اگر بھول کر اس نے کھایا پیا تو کچھ نہیں ہوا ۔ روزہ اپنی جگہ قائم ہے ۔ اور اللہ تعالے نے اسکو کھلایا اور پلایا بھی ۔ حدیث کا لفظ کتنا پیارا ہے ۔

من نسی وھو صائم فاکل و شرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ ۔ (فتح الملہم ، ج ۳ ، ص ۱۷۱) ۔

اب اس تمہید کے بعد میرا یہ کہنا کہ سجدۂ سہو بھول جانے سے نماز کا اعادہ لازم نہیں ، اپنی جگہ صحیح ہے جب کہ مجھ سے انہیں الفاظ میں پوچھا گیا تھا کہ امام صاحب سجدہ کرنا بھی بھول گئے ۔ تو کیا اب یہ تمام لوگ نماز کا اعادہ کریں گے یا نہیں ۔ بہرکیف مستفتی اور مفتی دونوں سہو اور نسیان کے درمیان شرعی فقہی فرق جاننے کی زحمت نہیں اٹھاتے ۔ اور نسیان کو سہو قرار دے کر صورتِ مسئولہ میں اعادۂ نماز کا حکم دیتے ہیں اور میرے فتوے کی تغلیط اور مسکت جواب کا سامان فرما رہے ہیں ۔ میری یہ بات کوئی مولویانہ تخمین نہیں ہے ۔ بلکہ عبدالستار صاحب کی تحریر کے آغاز ہی میں درمختار کی عبارت

ولہا واجبات لا تفسد بترکہا و تعاد وجوبا فی العمد والسہو ان لم یسجد لہ وان لم یعدھا یکون فاسقا آثما ۔

نقل کرنے سے صاف واضح ہے کہ وہ نسیان اور سہو کے درمیان فرق بھول گئے ہیں اور سہو کے اس حکم کو جو قطعی اتفاقی اور یقینی بھی نہیں ہے اس کو نسیان کی صورت پر لاگو کر رہے ہیں ۔ غرض یہ کہ میرا عدم اعادہ کا لکھنا تو بھول جانے کی صورت میں ہے اور صاحبِ شامی کا یہ فرمانا کہ فیکون المرجح وجوب الاعادۃ فی الوقت وبعدہ سہو کی صورت میں ایک رائے ہے ۔ پھر عبدالستار صاحب نے میرے الفاظ میں تین بار آیا ہوا " بھول جانے " کا لفظ نقل کر کے لکھا ہے ۔ کہ موجودہ بالا تصریحات کی موجودگی میں منسلکہ فتوے کی یہ عبارت قابلِ تعجب ہے کہ سجدۂ سہو بھول جانے سے اعادہ کا حکم کسی نے نہیں دیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ " درمختار " کی عبارتِ بالا میں مصرح ہے کہ بصورتِ سہو اگر سجدہ نہ کیا تو اعادہ واجب ہے اور تارک اس کا فاسق ہے۔ خیر اس میں کوئی ابہام نہیں کہ مفتی صاحب پر اپنے مستفتی کی طرح نسیان اور سہو کے درمیان ابہام مسلط رہا ہے۔ اور مستفتی صاحب نے تو قلم بازی کر کے میری تحریر میں بھول جانے کا لفظ نظر انداز کر دیا اور اپنی ہی طرف سے نہایت غیر محتاط عامیانہ، ناواقفانہ انداز میں عمدًا یا سہوًا لکھ مارا۔ گویا اس بے چارے کو پتہ ہی نہیں کہ ان تین امور میں فرق ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ صورتِ مسئولہ ان تینوں صورتوں میں سے کون سی صورت ہے۔ اس طرح کے مواقع کے لئے ایک عربی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے ؎

اقول له زیداً فیسمع خالداً

واکتبه بشرًا و یقرءہ عمرًا

پھر ایک عامی آدمی سے تو گلہ نہیں بے غوری اور قلتِ تأمل کا گلہ تو مفتی صاحب سے ہے۔ وما احسن ما قاله سعد الدین التفتازانیؒ۔ ومفاسد قلة التأمل مما یضیق عنه نطاق البیان۔ (مطوّل بحث تصریف علم المعانی)۔

مفتی صاحب نے میری نقل کردہ عبارت میں قبل و بعد کی فروگزاشت درمختار اور ردالمحتار کے چکر پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اس طرح تمت صلوته پر استدلال کو غلط قرار دیا ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں بے مقصد ہیں۔ اسی طرح انہوں نے فتاویٰ شامیہ کے قضاء فوائت کی طویل غیر متعلقہ بحث کی عبارت سے وجوبِ اعادہ یا ترجیح اعادہ کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ مگر ایک تو وہ بحث ما نحن فیہ سے بمعزل ہے۔ اور دوسری عبارت اور فقیہ صاحب کا فیصلہ عدمِ اعادہ کا ہے۔ مثلاً اس کلیہ۔

کل صلاة ادیت مع الکراهة تعاد۔ ای وجوبا فی الوقت واما بعده فندبا۔

پر جو لمبا چوڑا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے۔

وقال فی البحر فعلی القولین لا وجوب بعد الوقت۔

بہرکیف اصل مسئلہ میں میری طرف سے عدمِ اعادہ کے لئے ذیل کے چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ خلاصۃ الفتاویٰ، ج ۱، ص ۱۴۵۔ میں ہے۔

واذا سلّم الرجل وعلیه سجدتا السهو فطلعت الشمس بعد

السلام قبل ان یسجد للسهو او استوت الشمس او احمرت سقطت عنه سجدتا السهو ۔

۲ :- "کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة" ، ص ۱۴۳۱ ، میں ہے ۔

حکم سجود السهو عند الحنفية قالوا سجود السهو واجب علی الصحیح یاثم بترکه ولا تبطل صلاته وانما یجب اذا کان الوقت صالحا للصلوٰة فلو طلعت الشمس عقب الفراغ من صلوٰة الصبح وکان علیه سجود سهو تسقط عنه لعدم صلاحیة الوقت للصلوٰة الی ان قال وکذا اذا خرج من المسجد بعد السلام ونحو ذلك مما یقطع البناء کما تقدم ففی کل هذه الصُور تسقط عنه سجود السهو ولا یجب علیه اعادة الصلوٰة ۔

۳ : فتاویٰ عالمگیری : ج ۱ : ص ۱۲۹ ۔ میں ہے ۔

وان سلّم بنیة القطع من وجب علیه سجود سهو فهو فی الصلوٰة ان سجد للسهو والا لا عندهما وهو الاصح وعند محمدرح وزفرؒ هو فیها وان لم یسجد فبعد السلام ان اقتدی به رجل صح عند محمدرح مطلقا وعندهما صح ان سجد للسهو ان قهقه انتقض الوضوء عنده خلافا لهما وصلوته تامة اجماعا وسقط عنه سجود السهو ۔

۴ :- مغنی ابن قدامہ : ج ۱ : ص ۶۸۲ ۔ میں ہے ۔

الکلام فی هذه المسئلة فی فصول الفصل الاوّل اذا نسی سجود السهو ثم ذکره قبل طول الفصل فی المسجد فانه یسجد سواء تکلم او لم یتکلم وبهذا قال مالكرح والاوزاعیرح ۔ وقال ابوحنیفةؒ ان تکلم بعد الصلوٰة سقط عنه سجود السهو لانه اتی بما ینافیها فاشبه مالو احدث ۔

میں حیران ہوں کہ مفتی عبدالستار صاحب کی نگاہ تو فتاویٰ شامیہ کی متزاحم ، متعارض اور وہ

ما نحن فیہ سے الگ تھلگ ہی مرکوز ہے۔ اور باقی کسی واضح چیز پر نگاہ ڈالنے کی زحمت یا ہمت نہیں ہے۔ ع حفظت شیئًا و غابت عنک اشیاء

باقی اس مقصد پر تو کتب فقہ میں لتنے حوالے موجود ہیں کہ کتاب کھولتا ہوں تو یہی کچھ ہے جو ان چار حوالہ جات کا مابہ الاشتراک ہے۔ یعنی یہ کہ سجدۂ سہو بھول جانے اور پھر نہ کرنے پر نہ تو سجدہ کرنا ضروری ہے اور نہ ہی اس نماز کا اعادہ جس میں سجدۂ سہو اپنے مقررہ امور کے سبب ہوا تھا۔

آخر میں مفتی صاحب سے اپنے بعض الفاظ کی تیزی پر معذرت خواہ ہوں۔ ع

و العذر کرام الناس مقبول

العبد الخاطی المذنب الحیران محمد لطافت الرحمٰن کان اللہ لہ ولوالدیہ

واحسن الیہما والیہ۔ استاذ العلوم الشرعیہ والادب العربی اسلامیہ یونیورسٹی

بہاولپور تاریخ ۱۹ ذالقعدہ ۱۴۰۰ھ : ۳۰/۹/۱۹۸۰ء

نوٹ :۔ ہر صاحب عقل اس چیز کو جانتا ہے کہ مفتی صاحب کا یہ لکھنا کہ منسلکہ فتویٰ غلط ہے یہ صرف لطافت الرحمٰن کی تغلیط نہیں بلکہ میری نقل کردہ چار کتابوں کے علاوہ پوری فقہ کو غلط بتانا ہے جس کی جرأت بلکہ جسارت تو کچھ عبدالستار صاحب کی طرح کا بہادر شخص ہی کر سکتا ہے۔ اعاذنا اللہ من مثل هذه الجسارة والخسارة۔ اللهم آمین۔

لطافت الرحمٰن غفرلہٗ ۳۰/۹/۱۹۸۰ء

الجواب تمہید غیر متعلق ہے کیونکہ یہ روزے کے بارے میں ہے۔ نماز سے متعلق کوئی جزئیہ نقل کرنا چاہیئے تھا۔ صوم میں تو اکل ناسیًا[1] اور مخطئ کا فرق مسلّم ہے لیکن مفسداتِ نماز میں ایسا نہیں۔ مثلاً دیکھئے۔ اکل عمدًا ہو یا نسیانًا دونوں صورتوں میں مفسدِ صلوٰۃ ہے بلکہ اصل تو یہ تھا کہ زیر بحث مسئلہ سجدۂ سہو میں نسیان و سہو کا فرق باحوالہ لکھا جاتا۔ مگر مسائلِ سجدۂ سہو کے بارے میں صرف دعوئے فرق پر اکتفاء کیا گیا ہے جو بلا دلیل مقبول نہیں۔

جب فرقِ مذکور ان مسائل میں ثابت نہیں بلکہ الٹا سہو و نسیان کا توحد دلائل سے ثابت ہے۔ تو

---

[1] واضح رہے کہ یہ فرق صوم میں بھی نسیان و خطاء کے درمیان ہے سہو و نسیان میں نہیں۔ منہ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فاضل مفتی صاحب کا یہ لکھنا کہ

" عبدالستار صاحب نسیان وسہو کے درمیان فرق کو بھول گئے۔ (الیٰ ان قال) غرضیکہ میرا عدم اعادہ کا لکھنا تو بھول جانے کی صورت میں اور صاحب شامی کا یہ فرمانا کہ فیکون المرجح وجوب الاعادة فی الوقت وبعدہ سہو کی صورت میں ایک رائے ہے۔ اھ "

سب بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ نیز فاضل موصوف کی تحریر سے پایا جاتا ہے کہ اگر نسیان وسہو کے درمیان فرق نہ ہو تو فتویٰ خیر المدارس میں تحریر کردہ درمختار کی عبارت کے تحت موصوف بھی اعادے کے قائل ہو جائیں گے۔ کیونکہ عبارتِ دُرّ میں بصورت سہو سجدہ نہ ہو سکنے کی شکل میں وجوب اعادہ مصرّح ہے۔ وان لم یسجد ھا یکون فاسقا آثما اھ

فاضل موصوف کی کلام سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ بھول جانا نسیان کا ہی ترجمہ ہو سکتا ہے سہو کا نہیں۔ کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

" مجھ سے انہیں الفاظ میں پوچھا گیا تھا کہ امام صاحب سجدہ سہو کرنا بھی بھول گئے تو کیا اب یہ تمام لوگ اس نماز کا اعادہ کریں "

ذیل میں ہم ان دونوں لفظوں (سہو ونسیان) کا تقریباً مترادف ہونا ثابت کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ سہو کا ترجمہ بھی بھول جانا ہو سکتا ہے۔

۱ :- قاموس میں ہے " سہا فی الامر کدعا سہوا او سُہُوًّا نسیہ وغفل عنہ اھ

۲ : مصباح اللغات میں ہے " سہا یسہو .... فی الامر وعن الامر۔ غافل ہونا بھولنا۔ اھ (ص ۴۰۴)۔

۳ :- ابن ماجہ شریف میں ہے " باب السہو فی الصلوٰۃ " اور اس کے اثبات کے لئے جو حدیث لاتے ہیں۔ اس میں ہے۔

قال انما انا بشر انسیٰ کما تنسون فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین (ص۸۵)۔

نیز باب فیمن سلم من ثنتین اوثلاث ساھیا " میں ہے۔

عن ابن عمر رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہا فسلم فی الرکعتین فقال لہ رجل .... یا رسول اللہ اقصرت الصلوٰۃ او نسیت الحدیث (ص۸۵)۔

۴ :- سب سے فیصلہ کن تصریح علامہ حصکفیؒ کی ہے باب سجود السہو کے شروع میں لکھتے ہیں۔

وھو ای السھو (ناقل) والنسیان والشك واحد عند الفقہاء۔

۵ : و ذکر فی التحریر انه لا فرق فی اللغة بین النسیان و السھو وھو عدم الاستحضار فی وقت الحاجة - (ج ۲، ص ۹۸ - بحر)۔

واضح رہے کہ مسائلِ سجدۂ سہو میں ان دونوں کے مابین فرق ثابت نہیں جو اس وقت مقصود ہے اس کے علاوہ کسی نے فرق رکھا ہو تو وہ مانحن فیہ سے خارج ہے۔ بلکہ تفلسف فی اللغة ہے۔

۶ : ۷ :- حضرت تھانوی قدس سرہ نے بہشتی زیور میں سجود سہو کے جو مسائل ذکر کئے ہیں، سب میں سہو کا ترجمہ بھول جانا کیا ہے۔ نیز حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی لکھا ہے۔ "سہو کہتے ہیں بھول جانے کو" اھ

تصریحاتِ بالا سے یہ واضح ہے کہ سہو و نسیان میں توحّد ہے اور بھول جانا سہو کا ترجمہ ہو سکتا ہے (پس فاضل مفتی صاحب کا فرمان درست نہیں)۔

علاوہ ازیں فاضل موصوف درمختار کی اس عبارت "ولھا واجبات لا تفسد بترکھا و تعاد وجوبا فی العمد و السھو ان لم یسجد له الخ" کو بھی صحیح نہیں سمجھ سکے مسئلہ تو یہ ہے کہ ترکِ واجب اگر سہوًا ہو اور سجدۂ سہو نہیں کیا تو اعادہ واجب ہے اور موصوف یہ سمجھے ہیں کہ سجدہ سہو اگر سہوا نہیں کیا تو یہ حکم ہے اور اگر نسیانًا سجدۂ سہو ترک ہو گیا تو یہ حکم نہیں۔ حالانکہ عبارتِ دُرّ میں جو سہو مذکور ہے۔ وہ موجبِ سجدۂ سہو مطلقًا ہے۔ خواہ عمدًا ہوا ہو یا نسیانًا وسہوًا ہو دونوں صورتوں میں نماز واجب الاعادہ ہو گی جب کہ وقت صالح للسجدة تھا۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند نور اللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

سوال :- ترکِ سجدۂ سہو بھول میں اور عمدًا میں فرق ہے کہ نہیں۔ اعادۂ نماز کرے یا نہ کرے ؟

الجواب : قضاء اس نماز کی واجب ہے۔ اور ترکِ سجدۂ سہو عمدًا و سہوًا برابر ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند جدید ؛ ج ۴، ص ۳۸۴)

ایک ایسے ہی دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"اور باوجود وجوبِ سجدۂ سہو کے اگر سجدۂ سہو نہ کیا۔ نماز میں نقصان آیا۔ اعادہ واجب ہے"

(ج ۴، ص ۴۰۸)

اب موصوف خود ہی غور فرمالیں کہ تفتازانی رح کا قول ومفاسد قلة التأمل کس پر صادق آتا ہے۔ بہرحال درمختار اور شامیہ کے جزئیات، نیز فتاویٰ بالاکی رو سے صورت مسئولہ میں نماز کا اعادہ واجب ہے۔ راجح یہی ہے۔ کما صرح به فی الشامية اور ابن نجیم کا یہ قول فعلی القولین لا وجوب بعد الوقت قابل اعتماد نہیں۔

قال فی المنحة نقل خیر الرملی عن العلامة المقدسی انه یجب ان لا یعتمد علی هذا لما ذکره قریبا من قولهم کل صلوة ادیت مع الکراهة سبیلها الاعادة۔اھ

بعدازاں فاضل موصوف نے اصل مسئلہ کے لئے چار عبارات نقل فرمائی ہیں۔پہلی، تیسری، چوتھی میں بعض صورتوں کے اندر سقوطِ سجدہ کا ذکر ہے۔ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ ان لوگوں سے سجدۂ سہو کا مطالبہ نہیں۔ سلام پھیرنے کے بعد جب کوئی منافی نماز مثلاً کلام یا خروج عن المسجد وغیرہ پایا گیا تو سجدۂ سہو کا وقت جاتا رہا سجدۂ سہو کے بقا وثبوت میں بحث ہی نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ ترکِ واجب کی وجہ سے جو نماز میں نقص آگیا تھا اس کی تلافی بذریعہ سجدۂ سہو ناممکن ہوگئی ہے۔اور یہ امتناع بھی عذر سماوی طلوع شمس وغیرہ سے نہیں۔بلکہ فعلِ اختیاری کلام وغیرہ سے ہے۔تو ایسی صورت میں اعادہ واجب ہوگا یا نہیں؟ درمختار وغیرہ میں تصریح موجود ہے کہ۔ " اندریں صورت اعادہ واجب ہے۔اعادہ نہ کیا تو گناہ گار و فاسق قرار پائے گا کما مرّ

پس یہ تینوں عبارتیں محل نزاع میں غیر مفید ہیں۔ صلاته تامّة الخ کا جواب پہلے فتویٰ میں ہم لکھ چکے ہیں۔ البتہ عبارت ۲ میں یہ ہے۔

یسقط عنه سجود السهو ولا تجب علیه اعادة الصلوة ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فاضل مفتی صاحب نے اس عبارت کے بعد والے استثناء کو حذف کر دیا ہے جس کی وجہ سے غلط فہمی ہو رہی ہے۔ پوری عبارت یہ ہے۔ ولا تجب علیه اعادة الصلوة الا اذا کان۔ناقل) سقوط السجود بعمل مناف لها عمدا۔(دیکھئے کتاب مذکور)۔یعنی جب سقوطِ سجدۂ سہو کسی عملِ منافی للصلوۃ کی وجہ سے ہوا تو عدمِ وجوب اعادہ کا حکم نہیں بلکہ اعادہ کا حکم ہوگا۔ (محصلہ)۔

یہی تفصیل علامہ شامی رح نے ایک مقام پر کی ہے۔ طلوع شمس نماز فجر میں ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اگر سجدۂ سہو ساقط ہوگیا ہو تو اعادہ واجب ہوگا یا نہیں؟ لکھتے ہیں۔

بقی اذا سقط السجود فهل یلزمه الاعادة لکون ما اداه اولا ناقصا

بلاجابر والذی ینبغی انه ان سقط بصنعه کحدث عمد مثلا

یلزم والا فلا تأمل ۔ (ج ۱: ص ۶۹۲)۔

حاصل یہ ہے کہ فاضل مفتی صاحب نے پہلے اور بعد والے فتوے میں جو عبارتیں نقل کی ہیں سب بے محل ہیں بحث سقوطِ سجدہ کی نہیں بلکہ وجوبِ اعادہ نماز کی ہے ۔ ان عبارات میں اعادے کا نفیاً یا اثباتاً کوئی ذکر نہیں۔ صرف " کتاب الفقه " کی عبارت میں نفی اعادہ ہے ۔ جب کہ اسی کے استثناً سے اعادہ مفہوم ہوتا ہے ۔ اور یہ ہمارے فتوے کی تائید میں ہے ۔ پس ان عبارات سے فاضل مفتی صاحب کا دعویٰ ثابت نہ ہو سکا ۔ یہ کسی کتاب یا پوری فقہ کی تغلیط نہیں ہے ۔ اور اس کے برعکس ہم نے درمختار ردالمحتار ۔ کتاب الفقہ ۔ فتاویٰ دارالعلوم وغیرہ کی تصریحات سے یہ ثابت کیا ہے کہ بصورت سہو اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو اعادۂ نماز واجب ہے ۔ اور بقول علامہ حصکفی رح ۔ وان لم یعد ما یکون اثما فاسقا ۔

جہاں تک مسئلے کی وضاحت اور جواب کا تعلق تھا وہ لکھ دیا گیا ہے ۔ باقی فاضل مفتی صاحب کے بقول ان کے تیز الفاظ سے صرفِ نظر کیا گیا ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان ۱؍۱؍۱۴۰۱ھ

بدون سلام سجدۂ سہو کرنے کا حکم

زید پر نماز میں سجدۂ سہو واجب ہوا مگر بے خیالی میں بدون سلام پھیرے سجدۂ سہو کر لیا ۔ تو کیا سجدۂ سہو ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب سجدۂ سہو کا وقت تو سلام کے بعد ہی ہے لیکن کسی نے بدون سلام بھی کر لیا تو سجدۂ سہو ادا ہو جائے گا ۔

ومحله بعد السلام سواء كان من زيادة او نقصان

ولو سجد قبل السلام اجزأه عندنا هکذا روایۃ الاصول۔

(عالمگیری، ج ۱، ص ۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سجدۂ سہو میں سہو کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پر سجدۂ سہو واجب تھا جب وہ آخری تشہد میں بیٹھا تو سجدۂ سہو بھول گیا، سلام پھیرنے والا تھا کہ یاد آیا کہ مجھ پر سجدۂ سہو ہے۔ آیا سجدۂ سہو میں بھول کی وجہ سے دوسرا سجدۂ سہو واجب ہوگا یا ایک ہی کافی ہے؟

الجواب اگر سجدۂ سہو میں بھول واقع ہو جائے تو اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہندیہ میں ہے۔ السهو فی سجود السهو لا يوجب السهو لانه لا يتناهى كذا فى التهذيب۔ (ص ۶۷، ج ۱)۔ ایک نماز میں کئی مرتبہ بھولنے سے ایک ہی سجدۂ سہو کافی ہے۔ ولو سها فى صلوته مرارا يكفيه سجدتان كذا فى الخلاصة۔ (عالمگیری، ج ۱، ص ۶۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ ہذا

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۱۰/۸/۱۴۱۳ھ

مایتعلق

بسجود التلاوۃ

ایک ہی جگہ بیٹھ کر پورا قرآن مجید پڑھا تو کتنے سجدے واجب ہونگے

اگر کوئی شخص ایک ہی جگہ پر نماز میں یا غیرِ نماز میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قرآنِ پاک کی تلاوت کرے اور قرآنِ پاک کے اختتام پر دہ سجدہ تلاوت ایک کرے تو کیا ایک سجدہ کرنے سے باقی تیرہ سجدوں کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب سجدوں میں تداخل کے لئے آیت اور مجلس کا ایک ہونا شرط ہے ۔ آیات یا مجالس کے متعدد ہونے کی صورت میں ان مجالس و آیات کے مطابق سجدوں کا وجوب ہوگا ۔ ہندیہ میں ہے ۔

وشرط التداخل اتحاد الأية و اتحاد المجلس حتى لو اختلف المجلس واتحدت الأية او اتحد المجلس و اختلفت الأية لاتتداخل كذا فى المحيط ، (ج ١ ص ٦٩) ۔

لهٰذا شخص مذکور پر چودہ سجدے پورے کرنا ضروری ہیں ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

٢٧/٩/١٤٠٨ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

سجدۂ تلاوت وجوب سے پہلے ادا کرنیکا حکم

تراویح میں آیت سجدہ سے پہلے امام نے سجدہ کرلیا تو وہ سجدۂ تلاوت کے لئے کافی ہوگا یا نہیں ؟

الجواب آیت سجدہ تلاوت کرنے سے پہلے یا بیچ میں سجدہ کرلینے سے سجدۂ تلاوت کا وجوب ادا نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفی عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۱ ؍ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ

سجدۂ تلاوت نماز کے سجدہ میں بلا نیت بھی ادا ہو جاتا ہے

ایک حافظ صاحب تراویح میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے سجدہ والی آیت پر رکوع میں چلے جاتے ہیں کہ نیت کرلینے سے سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے۔ اگر نہیں تو کیا کرنا چاہیئے ؟۔

الجواب سجدہ کی آیت پڑھ کر اگر فوراً رکوع کرلیا جائے تو رکوع میں سجدہ کی نیت کرلینے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر مقتدیوں نے نیت نہ کی تو ان کا سجدہ ادا نہ ہوگا۔ لہذا امام صاحب کو چاہیئے کہ رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کرے تاکہ سجدۂ نماز میں جاکر سب کا سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے۔ کیوں کہ سجدۂ تلاوت جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ سجدہ کی آیت پڑھ کر فوراً یا چھوٹی دو تین آیتیں پڑھنے کے بعد رکوع کردے اور رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت بھی کرے تو ادا ہو جائے گا۔ اور اگر رکوع میں نیت نہ کرے تو نماز کے سجدہ میں بغیر نیت کے بھی سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔ اور اگر رکوع میں نیت نہ کرے تو نمازیوں کو علیحدہ نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر امام نے رکوع میں نیت کرلی اور مقتدیوں نے نہ کی تو امام کا سجدۂ تلاوت، تو ادا ہو جائے گا اور مقتدیوں کا پھر آگے سجدہ میں جاکر بھی ادا نہیں ہوگا۔ اس لئے آسان صورت یہی ہے کہ امام رکوع میں نیت نہ کرے تو "سجدۂ صلوۃ" میں سب کا سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہٗ

الجواب صحیح : محمد عبد اللہ غفر اللہ لہٗ

آیت سجدہ کا ترجمہ سننے سے بھی سجدہ واجب ہو جائے گا

سجدہ کی آیت کا ترجمہ پڑھنے سے یا سننے سے سجدہ واجب

ہوتا ہے یا نہیں ؟ محمد شفیع کالی موری حیدر آباد۔

الجواب سجدۂ تلاوت کی آیت کا ترجمہ کرنے اور سننے سے بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ قاضیخان میں ہے۔ ولو تلا بالفارسیۃ تجب علیہ وعلی من سمعہا السجدۃ فھم السامع اولم یفھم اذا اخبر السامع ان قرأ أیۃ السجدۃ اھ (ج ۱ ص ۵۲)

فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

سجدۂ تلاوت کے احکام

وہ مکان جس میں امام کی اصل آواز سن کر یا اس کو دیکھ کر ایک طرف نماز پڑھنے والے کی اقتدار دوسری طرف نماز پڑھنے والے کے پیچھے درست ہوسکتی ہے ایک مجلس کے حکم میں ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اتنا بڑا کمرہ (ہال) جو مذکورہ بالا معیار سے بڑا ہو۔ اس میں مجلس بدلنے کا کیا طریقہ ہوگا۔ ایک یا تین قدم چلنے سے مجلس بدل جائے گی۔ ایک کونے میں پڑھ کر دوسرے کونے میں جا کر (وہی آیت دہرانے سے) مجلس بدلے گی اور دوسرا سجدہ واجب ہوگا ؟

۲ : کیا کمرہ کی کوئی بڑی وسعت ایسی بھی ہے جس پر اس کمرہ کو میدان کا حکم دیا جائے یہاں تین قدم چلنے سے مجلس بدل جائے ؟

۳ : کتنا بڑا مکان ہو جس کے ایک کمرے سے چل کر دوسرے کمرے میں آجائے۔ یا برآمدہ یا صحن میں آجائے تو مجلس بدل جائے گی ؟

الجواب وفی الشامیۃ ثم الاصل علی ما فی الخانیۃ والخلاصۃ ان کل موضع یصح الاقتداء فیہ بمن یصلی فی طرف فیہ یجعل کمکان واحد۔ (ج ۱ ص ۵۲۴)۔

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ جس مکان میں ایک طرف پڑھنے والے کی اقتدار دوسری طرف پڑھنے والے کے پیچھے درست ہو وہ مکانِ واحد کے حکم میں ہے۔ اس کے اندر چلنے پھرنے سے تبدل مجلس نہیں ہوگا۔ شامی میں ہے۔ ولا یتکرر الوجوب فیہ۔ لہٰذا بڑا کمرہ یعنی ہال بحوالہ بالا مسجد کے حکم میں ہے اس میں ایک طرف پڑھنے والے کی اقتدار دوسری طرف پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے۔ پس اس میں تبدل مجلس کا طریقہ یہ ہوگا۔ کہ جب ایک کام کر رہا ہو تو دوسرا کام شروع کرنے سے مجلس بدل جائے گی۔ تین یا زیادہ

قدم چلنے سے ایسے شخص کی مجلس نہیں بدلے گی۔

والحاصل ان ماله حکم المکان الواحد المسجد والبیت لا یضر الانتقال فیه باکثر من ثلاث خطوات مالا یقترن بعمل اجنبی۔(شامی ج ۱ ص ۵۷۵)

(۱) نہیں۔ (۲) نہیں۔ (۳) بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ چالیس ذراع کا مکان کبیر ہے۔ اور اس سے کم صغیر ہے۔ وبعضهم قال ان کانت اربعین ذراعًا فهی کبیرة والافصغیرة هذا هوالمختار۔ (شامی: ج ۱: ص ۵۷۴)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: عبدالستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

آیتِ سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوجائے گا علم ہو یا نہ ہو!

زید نے سجدۂ تلاوت کی آیت بلند آواز سے پڑھی تو کیا سامعین پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگیا؟ جبکہ ان کو معلوم بھی نہیں اور نہ ہی ان کو بتلایا گیا۔ زید مطلع نہ کرنے پر گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: حاجی عبدالسلام ماوے والے: حیدرآباد۔

الجواب سامعین پر سجدۂ تلاوت تو واجب ہوگیا لیکن اگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ زید نے آیتِ سجدہ تلاوت کی ہے اور زید نے بھی ان کو اطلاع نہیں دی تو وہ سجدہ نہ کرنے میں عنداللہ معذور ہیں۔ واذا قرأ آیة السجدة بالفارسیة فعلیه وعلی من سمعها السجدة فهم السامع اولا اذا اخبر السامع انه قرأ آیة السجدة وعند هما ان کان السامع یعلم انه یقرأ القرآن یلزمه والا فلا کذا فی الخلاصة وقیل تجب بالاجماع هو الصحیح کذا فی محیط السرخسی ولو قرأ بالعربیة یلزمه مطلقا لکن یعذر بالتاخیر مالم یعلم اھ (عالمگیریه: ج ۱ ص ۶۸)۔

تلاوت کنندہ پر لازم ہے کہ ان لوگوں کو اطلاع کردے کہ میں نے آیتِ سجدہ تلاوت کی ہے سجدہ کرلیں۔

الجواب صحیح | فقط واللہ اعلم
خیر محمد عفا اللہ عنہ | بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۳۱/ ۶/ ۱۳۸۵ھ

سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنے کے لئے نیت ضروری ہے!

فرض یا تراویح میں آیاتِ سجدہ پر رکوع کرنے سے کیا سجدہ ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب آیتِ سجدہ مکمل کر کے رکوع کریں اور رکوع کرتے وقت سجدۂ تلاوت ادا کرنے کی بھی نیت کرلی تو سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا۔ وفی الهندیة ولو لم یسجد ورکع ونوی السجدة یجزیه قیاسا وبه نأخذ (ج ۱: ۶۹)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ٹیپ ریکارڈ سے آیتِ سجدہ سننے کا حکم

ٹیپ ریکارڈ، لاؤڈ سپیکر یا ٹی وی پر سجدۂ تلاوت پڑھنے سے سننے والے پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب ٹیپ ریکارڈ سے آیتِ سجدہ سننے پر سجدہ واجب نہیں۔ ٹی وی سے ٹیپ شدہ پروگرام نشر ہورہا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر براہِ راست پروگرام نشر ہو رہا ہو تو سجدہ کیا جاوے اور سپیکر سے آیتِ سجدہ سننے پر بھی سجدہ واجب ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ ٹیپ اور ٹی وی سے آیتِ سجدہ سننے پر بھی سجدۂ تلاوت کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء۔ مفتی خیر المدارس ملتان: ۱۵ / ۳ / ۱۴۰۷ھ

دورانِ نماز غیر نمازی سے آیتِ سجدہ سنے تو سجدہ کب کرے

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دوسرا آدمی اس کے قریب آیتِ سجدہ پڑھتا ہے آیا وہ اس حالت میں سجدہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب نماز کے بعد سجدہ کرے نماز کے اندر نہیں۔ ولو سمع المصلی السجدة من غیرہ لم یسجد فیها لانها غیر صلاتیة بل یسجد بعدها۔ اھ (درمختار علی الشامیة: ج ۱ ص ۵۲۲)۔

فقط واللہ اعلم: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱ / ۶ / ۱۴۰۱ھ

اساتذۂ حفظ کیلئے سجدۂ تلاوت کا ایک حکم

درجۂ حفظ کے اساتذہ کو دن میں بہت سی آیاتِ سجدہ سننے کا اتفاق ہوتا ہے۔ تو کیا ہر آیت پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟ نیز گزشتہ سجدوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب مختلف بچوں سے ایک ہی آیت ایک ہی مجلس میں سنے تو سننے والے پر ایک سجدہ واجب ہوگا۔ اور اگر ایک ہی مجلس میں مختلف آیات سنیں تو جتنی آیات ہوں اتنے سجدے واجب ہوں گے۔ اور اگر مجلس بدل جائے تو جتنی مجلسیں ہوں اتنے سجدے واجب ہوں گے۔

وشرط التداخل اتحاد الآية واتحاد المجلس حتى لو اختلف المجلس واتحدت الآية او اتحد المجلس واختلفت الآية لا تتداخل كذا في المحيط۔ اھ (عالمگیری، ج۱، ص۶۹)۔

گزشتہ سجدوں کو بھی ادا کیا جائے۔ صحیح تعداد یاد نہ ہو تو ظنِ غالب کا اعتبار کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۵/۰۰ ۱۴ھ

سجدۂ تلاوت کیلئے قبلہ رُو ہونا ضروری ہے

الاستفتاء: سجدۂ تلاوت کیلئے قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر غیرِ قبلہ کی طرف منہ کرکے سجدہ کیا تو سجدہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب سجدۂ تلاوت کے لئے قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ (وشرط لصحتها) ان تكون (شرائط الصلوة) موجودة في الساجد الطهارة من الحدث والخبث وستر العورة واستقبال القبلة الخ (مراقی الفلاح ص ۲۷)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸/۱۱/۰۷ ۱۴ھ

سجدۂ تلاوت رکوع یا سجدہ میں ادا کرنے کا معمول نہ بنایا جائے

سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا ہوتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب رکوع میں سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ فوراً یا آیتِ سجدہ کے ایک دو آیت بعد رکوع میں چلا جائے اور سجدۂ تلاوت کی نیت بھی کرے۔ ایسے ہی سجدۂ نماز میں بھی سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے بشرطیکہ سجدہ فوراً ہو۔ لیکن تراویح میں حافظ صاحب کو چاہیئے کہ وہ سجدۂ تلاوت مستقل ادا کریں۔ کیونکہ صرف امام کی نیت کافی نہیں۔ اگر وہ رکوع میں نیت کرے گا تو صرف اسی کا ادا ہوگا مقتدیوں کا رہ جائے گا۔ واجب ان کے ذمہ بھی ہے۔ لہٰذا مستقل ادا کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

تراویح میں آیتِ سجدہ تلاوت کر کے سجدہ نہ کیا تو

اگر تراویح میں امام نے آیتِ سجدہ تلاوت کر کے سجدہ نہ کیا تو کیا حکم ہے ؟

الجواب اگر امام صاحب نے آیتِ سجدہ تلاوت کرتے ہی رکوع کر لیا اور رکوع میں نیت نہیں کی تو نماز کے سجدہ کے ضمن میں سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو گیا۔ لہٰذا کسی پر گناہ نہیں۔ اور اگر یہ صورت نہیں پائی گئی تو سجدۂ تلاوت ادا نہیں ہوا۔ اب قضا بھی نہیں ہو سکتی توبہ لازم ہے۔

ولم تقض الصلاتية خارجها (كنز)۔ اى خارج الصلوة لان السجدة المتلوة فى الصلوة افضل من غيرها لان قراءة القرآن فى الصلوة افضل منها فى غيرها فلم يجز اداءها خارج الصلوة لان الكامل لا يتأدى بالناقص ...... الى قوله ثم مقتضى قواعدهم انه اذا لم يسجد فى الصلوة حتى فرغ فانه يأثم لانه لم يؤد الواجب ولم يمكن قضاءها لما ذكرنا وهذا من الواجبات الذى اذا فات وقته تقرر الاثم على المكلف والمخرج له عنه التوبة كسائر الذنوب اھ (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۳۹۸/۹/۸ھ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مکروہ وقت میں آیتِ سجدہ پڑھی تو سجدہ کب کرے؟

سجدۂ تلاوت زوال ، طلوع اور غروب کے وقت بھی ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب ویصح اداء ما وجب فیہا مع الکراھۃ کجنازۃ حضرت وسجدۃ اٰیۃ تلیت فیہا ۔ (نور الایضاح)۔

عبارتِ ہذا سے معلوم ہوا کہ اگر ان اوقات میں آیتِ سجدہ پڑھی ہے اور اسی وقت سجدہ بھی کر لیا تو سجدہ ہو گیا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ دوسرے وقت میں کرے ۔ اور اگر کسی دوسرے وقت میں آیتِ سجدہ پڑھی تو طلوع ، غروب اور زوال کے وقت میں سجدہ کرنے سے سجدہ ادا نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۵/۱۰/۱۳۹۵ھ

سجدۂ تلاوت کی ادائیگی میں تاخیر کرنا

سجدۂ تلاوت واجب ہونے کے فوری بعد ادا کرنا ضروری ہے یا کچھ تاخیر بھی کر سکتے ہیں تاخیر کرنے سے قضاء تو نہ ہوگا ؟ محمد لطف اللہ خالد لاہور

الجواب اگر آیتِ سجدہ نماز میں تلاوت کی ہے تو فوری ادا کرنا ضروری ہے ۔ تاخیر سے گناہ ہوگا ۔ وصفتہا الوجوب علی الفور فی الصلوٰۃ وعلی التراخی ان کانت غیر صلاتیۃ ۔ اھ (مراقی)۔

(قولہ علی الفور) ای فور التلاوۃ وظاھرہ انہ لو اخرھا الی رکعۃ ثانیۃ اَثِم قال فی الشرح واذا اخرھا حتی طالت التلاوۃ تصیر

قضاء ویأثم ثم قال وکذا کرہ تحریما تأخیر الصلاتیة عن وقت القراءة ۔اھ (طحطاوی ص ۲۶۰)۔

اور اگر خارج نماز آیتِ سجدہ تلاوت کی ہے تو اگر وقت مکروہ نہ ہو تو تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے

وغیرھا تجب موسعا ولکن کرہ تأخیرہ السجود عن وقت التلاوۃ فی الاصح اذا لم یکن مکروھا لانہ بطول الزمان قد ینساھا فیکرہ تأخیرھا تنزیھا ۔اھ (مراقی الفلاح)۔

(قولہ اذا لم یکن مکروھا) ای اذا لم یکن وقت التلاوۃ وقتا مکروھا بان کان احد الاوقات الثلاثۃ فلا یکرہ تأخیرھا عنہ لیؤدیھا فی کامل ۔ اھ (طحطاوی ص ۲۶۱)۔

لیکن صورتِ ثانیہ میں جب بھی ادا کریں گے ادا ہو گا قضا نہیں ہو گا۔

ولا تجب علی الفور حتی لو سجد لھا بعد سنۃ او اکثر تقع اداء لا قضاءً لعدم التقیید بالوقت اھ (کبیری ص ۴۶۵)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سجدۂ تلاوت کے لئے بھی وضوء ضروری ہے

زید کا استنجاء ہے وضوء نہیں اور تلاوت قرآن کی کر رہا ہے اگر آیتِ سجدہ آجائے تو کیا سجدہ اسی وقت ادا کرے یا کہ وضوء کرنا ضروری ہے؟

الجواب وضوء ضروری ہے بدوں اس کے سجدۂ تلاوت ادا نہ ہو گا۔ وشرائط ھذہ السجدۃ شرائط الصلوۃ الا التحریمۃ ۔اھ (عالمگیری سجود التلاوۃ ج ۱ ص ۱۳۵)۔

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا ۲۹/۳/۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح :- بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ ہذا۔

محفل قرأت میں آیت سجدہ پڑھنا

اگر کہیں محفل قرأت منعقد ہو تو اس میں ایسی سورۃ بھی پڑھ سکتے ہیں جس میں سجدہ ہو۔ یا نہ پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب

اگر تو محفل خواص کی ہو اور معلوم ہو کہ یہ حضرات باوضوء ہیں اور اہتمام سے سجدۂ تلاوت ادا کرلیں گے پھر تو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ بہتر یہ ہے کہ ایسی سورت نہ پڑھی جائے۔

ولو قرأ اٰیۃ السجدۃ و عندہ ناس فان کانوا متوضئین متأھبین للسجدۃ قرأھا جھرًا و ان کانوا غیر متأھبین ینبغی ان یخفض قراءتھا لانہ لو جھر بھا لصار موجبا علیھم شیئا ربما یتکاسلون عن ادائہ فیقعون فی المعصیۃ ۔اھ (بحرالرائق : ج ۲ : ص ۱۳۸) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء — ۱۴۰۴/۲/۱۱ھ — مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سجدۂ تلاوت کا طریقہ

سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے۔ بینوا توجروا؟

سائل: رشید احمد دوکاندار لاہور

الجواب

اگر خارج صلوۃ سجدۂ تلاوت ادا کرنا ہو تو اس کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جائیں اور پھر سجدہ میں تسبیحات اور دعائیں جو چاہیں پڑھیں۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائیں۔ دائیں بائیں سلام پھیرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر بیٹھے بیٹھے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلے جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔

ومما یستحب لادائھا أن یقوم فیسجد لان الخرور سقوط من القیام والقراٰن ورد بہ وھو مروی عن عائشۃ رضی اللہ عنھا وان لم یفعل لم یضرہ ۔ اھ (بحرالرائق : ج ۲ ، ص ۱۲۷) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ؛ الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سجدۂ تلاوت فوراً ممکن نہ ہو تو یہ کلمات پڑھ لیں

اگر کسی وجہ سے سجدۂ تلاوت فوراً ادا کرنا متعذر ہو تو کیا کیا جائے۔ بینوا توجروا؟

الجواب: یہ کلمات پڑھ لیں " سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير " پھر جب اتفاق ہو سجدہ کر لیں۔

وفی التتارخانیۃ عن الحجۃ ویستحب للتالی او السامع اذا لم یمکنہ السجود ان یقول سمعنا واطعنا غفرانك ربنا والیك المصیر انتہی یعنی ثم یقضیہا ۔ اھ (مراقی علی الطحطاوی ص ۲۷۱)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۱۰/۲/۲۷ھ

سوئے ہوئے سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ کرنا لازم ہے

ہمارے مدرسہ رائے ونڈ میں ایک طالب ہے جو نیند میں مسلسل کئی پارے متواتر پڑھ جاتا ہے تو ایسی حالت میں اگر وہ سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھے تو سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس حالت میں اگر وہ آیت سجدہ تلاوت کرے تو سامعین پر سجدہ واجب ہے تلا ایۃ سجدۃ وھو نائم فسمعہ رجل تلزمہ السجدۃ اھ (بحر الرائق : ج۱ : ص۱۶۱)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سجدہ سے بچنے کے لئے آیت سجدہ کو چھوڑنا

میرا معمول ہے کہ دوران سیر تلاوت کرتا رہتا ہوں۔ چونکہ زبانی پڑھنا ہوتا ہے تو بسا اوقات

وضو نہیں ہوتا ۔ تو ایسی صورت میں کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آیتِ سجدہ کو چھوڑ دیا کروں تاکہ سجدہ واجب نہ ہو ۔؟ بینوا توجروا ۔

الجواب ایسا کرنا مکروہ ہے ۔ سجدہ فوراً تو واجب ہی نہیں ۔ بعد میں جب باوضو ہوں تو ادا کر لیا کریں ۔

ویکرہ ان یقرأ سورۃ فی صلوۃ اوغیرھا ویترك ایۃ السجدۃ لانہ یشبہ الفرار عن السجدۃ والاستنکاف عنہا وذالیس من اخلاق المؤمنین ۔اھ (کبیری: ص ۴۷۰) ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

۱۴ / ۳ / ۱۴۰۸ھ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

آیتِ سجدہ کی کتابت سے سجدہ کا حکم

بندہ کا ذریعۂ معاش کتابت ہے ۔ تو اگر قرآنِ حکیم کی کتابت کے دوران آیتِ سجدہ آجائے تو اس کی کتابت سے سجدہ واجب ہوگا یا نہیں ؟

العبد سیف اللہ خالد قادری لاہور

الجواب کتابت کے دوران زبان سے نہ پڑھیں تو محض کتابت سے سجدہ واجب نہیں ہوگا ۔

وکذا لا تجب بالکتابۃ او النظر من غیر تلفظ لانہ لم یقرأ ولم یسمع اھ (کبیری ، ص ۴۶۴) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء ۔ جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۲ / ۱۲ / ۱۴۰۹ھ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۲۲ / ۱۲ / ۱۴۰۹ھ

مایتعلق

بصلوٰۃ المسافر

مسافتِ قصر کتنی ہے

کتب فقہ میں باب المسافر میں دیکھنے سے واضح و لائح ہوتا ہے کہ صحیح مذہب میں تعداد امیال مسافت میں کوئی جزئی نہیں۔ چنانچہ درمختار باب المسافر میں ہے۔ ولا اعتبار با الفراسخ علی المذہب۔ تو اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ جن جن چھوٹی موٹی کتب میں تعداد امیال لکھی ہیں۔ ہر صاحب نے تخمیناً لکھی ہے۔ اور صحیح تو شتربانوں سے دریافت کرکے عمل کرنا چاہئے کہ (مسیرۃ ثلاثۃ ایام ولیالیھا) من اقصر ایام السنۃ ولا یشترط سفر کل یوم الی اللیل بل الی الزوال الخ او بالسیر الوسط مع الاستراحۃ المعتادہ (ج۱ ص۵۲۹) سے خوب بیّن ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے دنوں میں صبح صادق ہونے کے وقت اونٹ چلے سیر متوسط اور استراحت معتادہ (یعنی راستہ میں پیشاب وغیرہ کرتا چلے) اور دوپہر تک جس قدر سفر کرسکے۔ اسی طرح تین روز کی مسافت ہو۔ تو جس قدر ان تین دنوں میں مسافت ہوگی وہ سفر شرعی ہے۔ مختلف شتربانوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بعض اندازہ فی یوم چھ کوس، بعض سات کوس، آخری آٹھ کوس بتاتے ہیں۔ احتیاطاً ہر روز نو کوس کا حساب کرکے مسمی زید لوگوں کو حکم سفر شرعی بتاتا ہے۔ اس حساب سے کل ستائیس کوس بنتے ہیں۔ انگریزی میل کے حساب سے فی کوس ڈیڑھ میل یا اس سے زائد ہے۔ زید خود بھی اس پر عمل کرتا ہے اور مستفتی شخص کو بھی کم از کم ستائیس کوس کا حکم دیتا ہے۔

الجواب: یہ صحیح ہے کہ ظاہر الروایۃ میں فراسخ یا میلوں کے ساتھ تقدیر نہیں کی گئی ہے بلکہ تین دن کا سفر معتاد مذکور ہے اس لئے یا تو آپ تقدیر نہ کریں اور اگر آپ میلوں یا فراسخ کے ساتھ تقدیر کرتے ہیں تو پھر آپ اور ہماری تقدیر اور تحقیق کے بجائے متاخرین کی تحقیق اور تقدیر زیادہ صحیح ہے۔ جو کہ ۲۱ ، ۱۸ ، ۱۵ فرسخ کے تین قول شامی میں مذکور ہیں۔ بعد میں ترجیح اٹھارہ کو دی ہے اس لئے آپ کا فتویٰ صحیح نہیں ہے آئندہ احتیاط فرمائیں بہشتی زیور میں جو اڑتالیس میل کو مسافت قصر قرار دیا ہے یہ صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم الافتاء — الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

۳/۱۰/ ۲۳ ۷۳ھ

مسافتِ قصر کے بارے میں تحقیقِ انیق

گرامی قدر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتکم العالیہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کتب احناف میں مسافتِ قصر کے بارے میں تین قول منقول ہیں۔ پندرہ فرسخ ، اٹھارہ فرسخ ، اکیس فرسخ۔ ان میں سے مفتیٰ بہ قول کون سا ہے؟ نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ کے رسالہ " ارجح الاقاویل " میں ہے کہ " الغرض مذہب مختار کے مطابق مسافتِ قصر تین منزل یا اڑتالیس میل انگریزی ہیں " (جواہر الفقہ : ج ۱ ، ص ۴۳۸)۔

کیا اڑتالیس میل انگریزی کو مسافتِ قصر قرار دینا صحیح ہے؟ اڑتالیس میل انگریزی ان تینوں اقوال میں سے کس کے مطابق ہے؟ -

الجواب: باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ۔

مسافتِ قصر ظاہر مذہب کے مطابق مقدر بالایام ہے کہ تین دن کی مسافت پر قصر وغیرہ احکام سفر ثابت ہو جائیں گے۔ ہدایہ میں ہے۔ السفر الذی یتغیر بہ الاحکام ان یقصد مسیرۃ ثلاثۃ ایام ولیالیہا اھ

اور امام ابو حنیفہ رحہ کی ایک روایت تقدیر بالمراحل کی بھی ہے۔ وعن ابی حنیفۃ رحہ التقدیر بالمراحل وھو قریب من الاول (ھدایہ : ج ۱ ، ص ۱۲۴)۔

تقدیر ایام ومراحل کے باوجود عامہ مشائخ حنفیہ نے تقدیر فراسخ کو اختیار کیا ہے اور اس زمانہ کے لحاظ سے سہولت بظاہر اسی میں ہے۔ اس لئے علماء ہند و پاکستان اکابر و اصاغر سب میلوں سے ہی اس کی تعیین فرماتے ہیں۔ مشائخ حنفیہ کا پھر فراسخ کی تعداد میں اختلاف ہے۔ قول اوّل اکیس فرسخ۔ قول ثانی اٹھارہ فرسخ۔ اور قول ثالث پندرہ فرسخ کا ہے۔ اور ان میں سے ائمہ خوارزم کا فتوے قول ثالث پر ہے۔ اور صاحب کفایہ وغیرہ نے محیط سے قول ثانی پر فتوے نقل کیا ہے۔ اور اوّل کا مفتیٰ بہ ہونا نظر سے نہیں گزرا۔

ثم اختلفوا فقیل احد وعشرون (فرسخًا) وقیل ثمانیة عشر وقیل خمسة عشر والفتوی علی الثانی لانه الاوسط وفی المجتبیٰ فتوی ائمة خوارزم علی الثالث اھ (شامیہ ج ۱، ص ۷۳۵)۔

اس سے دونوں مفتی بہ قول منقح ہوئے۔ پندرہ فرسخ اور اٹھارہ فرسخ۔ اور فرسخ بالاتفاق تین میل شرعی کا ہوتا ہے۔ قال فی الشامیة والمراد (من المیل) هنا ثلث الفرسخ۔ (ج ۱ ص ۲۱۵) پس مسافت قصر پینتالیس میل شرعی یا چون میل شرعی ہوئی۔ یہ مسافت انگریزی میلوں کے حساب سے علی الترتیب اکیاون میل ایک فرلانگ بیس گز۔ یا اکسٹھ میل تقریبًا تین فرلانگ بنتی ہے۔ اس حساب میں انگریزی میل ۱۷۶۰ گز۔ اور ہر گز انگریزی ۳۶ ، انچ کا لیا گیا ہے۔ جب کہ شرعی میل چار ہزار ذراع کا۔ اور ہر ذراع چوبیس انگل مساوی اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے۔

ففی الهندیة اقرب الاقوال ان المیل وهو ثلث الفرسخ اربعة آلاف ذراع طول کل ذراع اربع وعشرون اصبعا اھ (باب التیمم. عالمگیری ص ۲۸ ج ۱)

وفی منحة الخالق قال صاحبنا ابو العباس احمد شهاب الدین ابن الهائم والیه یرجع فی هذا الباب البرید أربعة فراسخ والفرسخ ثلاثة أمیال والمیل الف باع والباع أربعة اذرع والذراع أربعة وعشرون اصبعا والاصبع ست شعیرات مرصوصة بالعرض والشعیر ست شعرات بشعر البرذون انتهی کلامه وهو موافق لما فی الزیلعی (الی ان قال) اقول فتحصل من هذا کله ان ما نقله الزیلعی هو المعول اھ ملخصا۔ (حاشیہ بحر ج ۱، ص ۱۴۷)۔

وفی ارجح الاقاویل: الغرض ثابت ہوا کہ قول راجح اور مختار و معتمد یہی ہے کہ میل چار ہزار گز

کا ہے جس میں گز متاخرین کا اعتبار کرکے چوبیس انگشت کا قرار دیا گیا ہے جو انگریزی گز سے نصف یعنی اٹھارہ اینچ ہے " انتہی ۔(ج ۲ ۔ص ۴۲۳)۔

حساب بالا کے مطابق میل شرعی مروجہ میل سے دو سو چالیس انگریزی گز بڑا ہوا۔ کیونکہ ذراع شرعی معروف گز کا نصف ہے ۔ تو میل شرعی دو ہزار انگریزی گز کا ہوا۔ پس میل شرعی کا میل انگریزی سے دو صد چالیس گز بڑا ہونا ثابت ہوگیا ۔ جس کی بناء پر مسافت قصر اکیاون میل تقریباً ایک فرلانگ ، یا اکسٹھ میل تقریباً تین فرلانگ (انگریزی) بنتی ہے ۔ پس مسافت قصر اڑتالیس میل انگریزی قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا ۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۔

" ارجح الاقاویل " میں غالباً میل شرعی کو صرف دو سو چالیس گز شرعی بڑا خیال کر لیا گیا ہے جس کی بناء پر پنتالیس میل شرعی کو اڑتالیس میل انگریزی کے مساوی قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ میل شرعی ۲۴۰ انگریزی گز بڑا ہوتا ہے ۔ پس ۴۵ میل شرعی ۔ ۲۰ گز ، ایک فرلانگ اکیاون میل انگریزی ہوگا ۔ نہ کہ اڑتالیس میل انگریزی کے مساوی ۔

اب قابلِ تحقیق یہ امر ہے کہ ان میں سے کس قول پر فتویٰ دیا جائے ۔ اکیاون میل پر یا اکسٹھ میل والے پر۔ بندہ کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں کی بجائے ایک تیسرے قول پر عمل ہونا چاہئے ۔ یعنی اڑتالیس میل شرعی مساوی تقریباً چوّن (۵۴) میل انگریزی کو مسافتِ قصر قرار دیا جائے ۔ وجوہ ترجیح یہ ہیں ۔

ا :- یہ قول ظاہر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق ہے باقی اقوال تخریجات مشائخ ہیں حدیث نبوی ؐ قول صحابی رضؓ یا قول امام اعظم رحؒ نہیں ہے ۔ اور ثلث ایام ولیالیہا کے الفاظ فی الجملہ سب اقوال پر منطبق ہو سکتے ہیں۔ محولہ بالا حدیث عبداللہ بن عباس رضؓ یہ ہے ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اھل مکۃ لا تقصروا الصلوٰۃ فی ادنی من اربعۃ برد من مکۃ الی عسفان ۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۳۱)۔

گو اس حدیث میں ایک راوی ضعیف ہے ۔ اور احناف نے خلاف مذہب سمجھتے ہوئے اس حدیث کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ مگر یہ مخالفت اسی وقت تک ہے ۔ جب تک ہم ظاہر مذہب احناف پر عمل کرنا چاہیں ۔ لیکن جب ظاہر مذہب کے بجائے مشائخ احناف کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے گا ۔ اور ان میں سے کوئی قول لیا جائے گا تو یہ مخالفت مضر نہیں ۔ کیونکہ ایسی مخالفت تو اقوال مشائخ کے ساتھ بھی موجود ہے ۔

۲ :۔ موافقت ائمہ ۔ قال ابن رشد فی البدایة والعلماء اختلفوا فی ذلك اختلافا کثیرا فذهب مالك رح والشافعی رح واحمد رح وجماعة کثیرة الی ان الصلوة تقصر فی اربعة برد (کذا فی الاوجز) وفی العمدة وعن مالك رح لا یقصر فی اقل من ثمانیة واربعین میلا بالهاشمی و ذلك ستة عشر فرسخا وهو قول احمد رح ۔ (کذا فی الاوجز ، ج ۲ ، ص ۷۰)۔

کفایہ میں ہے ۔

والشافعی رح بیوم ولیلة وفی قول یومان ولیلتان وفی قول اثنا عشر بریدا کل برید اربعة امیال وکل ثلاثة امیال فرسخ فیکون ثمانیة واربعین میلا ویکون بالفراسخ ستة عشر میلا ۔

(فتح القدیر ، ج ۲ ، ص ۴)۔

۳ ، موافقت علماء ثقات ہندوستان کے بعض قدیم اکابر علماء کا فتویٰ بھی اڑتالیس میل شرعی یا اڑتالیس میل کس ہے ۔ خصوصاً حضرت گنگوہی قدس سرہٗ جیساکہ ذیل کے فتوے سے ظاہر ہے۔

سوال :۔ کتنی مسافت سفر میں نماز قصر کرنا چاہئے ۔ حسب احادیث صحیحہ ۔

الجواب :۔ چار برید جس کی سولہ سولہ میل کی تین منزلیں ہوتی ہیں ۔ حدیث مؤطا مالک سے ثابت ہوتی ہے مگر مقدار میل کی مختلف ہے ۔ لہٰذا تین منزلیں جامع سب اقوال کو ہو جاتی ہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

رشید احمد عفا اللہ عنہ (جواہر الفقہ ، ج ۱ ، ص ۳۴۲)۔

مخفی نہیں کہ چار برید اڑتالیس ۴۸ میل شرعی ہیں نہ کہ انگریزی ۔ جیساکہ منحة الخالق کی عبارت گزشتہ سے ظاہر ہے مگر " مقدار میل مختلف ہے " کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہے ۔ کیونکہ میل شرعی کی مقدار میں اختلاف ہے ۔ میل انگریزی تو متعین ہے ۔ ۱۷۶۰ ، گز مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے بعض فتاویٰ سے ۴۵ میل شرعی ۔ بعض سے ۵۴ میل شرعی ۔ اور بعض سے ۴۸ میل شرعی مسافت قصر معلوم ہوتی ہے ۔ چنانچہ دیکھئے (ج ۴ ، ص ۴۴۵ ۔ ج ۴ ، ص ۴۶۵ ۔ فتاوی دارالعلوم جدید)۔

" مالا بد منہ " میں ہے ۔

مسئلہ شخصے کہ از خانہ خود برآید بہ نیت سفر سہ مرحلہ ہر مرحلہ شانزدہ کروہ ..... آں شخص

فرض چہار گانہ را دوگانہ گزارد اھ (ص ۶۴)۔

ظاہر ہے کہ یہ اڑتالیس میل انگریزی نہیں ہیں بلکہ اڑتالیس کروہ ہیں۔ اور کروہ کوس کو کہتے ہیں جو انگریزی میل سے کافی بڑا ہوتا ہے۔

فتاوی دارالعلوم جدید میں ہے۔

" در حاشیہ مالا بدمنہ لیکن آنست کہ در مذہب حنفیہ اعتبار امیال و فراسخ نیست و در عالمگیری از ہدایہ مے آرد ولا معتبر بالفراسخ اما چہل و ہشت چنانکہ مصنف اختیار کردہ مذہب شافعی را است۔ جب کہ حنفیہ کے نزدیک میل و فرسخ کا اعتبار نہیں تو جہاز کے سفر میں کس طور نماز قصر پڑھیں گے؟

الجواب:- اصل مذہب بے شک یہ ہے کہ منازل کا اعتبار ہے یعنی تین دن کی مسافت معتبر ہے۔ لیکن اڑتالیس میل بھی تین منزل ہوتے ہیں۔ اس لئے معمول بہ یہی ہے اور مالا بدمنہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اھ (ج ۴، ص ۴۶۶)

سوال و جواب سے ظاہر ہے کہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ بھی اڑتالیس میل انگریزی نہیں لے رہے ہیں بلکہ اڑتالیس میل شرعی کو معمول بہ قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ جیسے مالا بدمنہ میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اسی کو معمول بہ قرار دے رہے ہیں۔ اور وہ اڑتالیس کروہ ہے جو اڑتالیس میل شرعی کے قریب بنتا ہے۔

الحاصل اڑتالیس میل انگریزی کو مسافتِ قصر قرار دینا سمجھ میں نہیں آیا یہ مسافت ۵۴، ۴۸ یا ۴۵ میل شرعی ہونی چاہیئے درمیانی قول کو راجح اور معمول بہ بنایا جائے بوجوہ بالا تو اولیٰ ہوگا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۴/۳/۱۴۰۰ھ

عورت شادی کے بعد میکے میں قصر کرے یا اتمام

شادی کے بعد عورت جب اپنے والدین سے ملنے کے لئے آئے اور وہاں پندرہ دن

سے کم رہنے کا ارادہ ہو تو وہاں قصر کرے یا پوری نماز پڑھے ؟

الجواب رخصتی کے بعد اقامت وسفر میں عورت خاوند کے تابع ہے ۔ والدین کا گھر اس کا وطن نہیں رہا ۔ لہٰذا اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہو تو قصر کرے ۔

ثم المعتبر فی السفر والاقامة نیة الاصل دون التبع کالخلیفة والامیر مع الجند و الزوج مع زوجته ۔ اھ (کبیری ص ۴۹۸) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

مسافر آخری قعدہ میں شرکت کرے تو بھی اتمام کرے

اگر مسبوق مسافر، مقیم امام کے پیچھے صرف تشہد میں شرکت کرے اور کوئی رکعت اس کو نہ ملے تو کیا وہ ظہر، عصر اور عشاء میں پوری رکعتیں پڑھے ؟

الجواب وان اقتدی مسافر بمقیم یصلی رباعیة ولو فی التشهد الاخیر ۔ اھ (نورالایضاح مع مراقی الفلاح ص۲۳۲)

جزئیہ بالا سے معلوم ہوا کہ مسبوق مسافر اگرچہ قعدۂ اخیرہ میں شریکِ جماعت ہو تب بھی اتمام واجب ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۳/ ۸۱ شعبان ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سفر کے ارادے سے اپنے شہر کے اسٹیشن پر پہنچ جائیں تو اسٹیشن پر اتمام کریں یا قصر

سفر کے ارادہ سے جب آدمی اپنے شہر کے اسٹیشن پر پہنچ جائے اور نماز کا وقت ہو جائے تو نماز قصر کرے گا یا پوری ؟

الجواب اگر اسٹیشن شہر کی آبادی ہی کا حصہ ہو تو وہاں نماز پوری پڑھیں۔

من فارق بیوت موضع هو فیه من مصر او قریة ناویًا الذهاب الی موضع بینه و بین ذلك الموضع المسافة المذکورة صار مسافرًا فلا یصیر مسافرا قبل ان یفارق عمران ماخرج منه من الجانب الذی خرج منه حتی لوکان ثمه محلة منفصلة عن المصر وقد کانت متصلة به لا یصیر مسافرا مالم یجاوزها ولو جاوز العمران من جهة خروجه یصیر مسافرا اذ المعتبر جانب خروجه وان کانت هناك قریة متصلة بربض المصر فلابد من مجاوزتها علی الصحیح وان کانت متصلة بفنائه دون ربضه لا تعتبر مجاوزتها علی الصحیح (کبیری، ص ۵۹۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۴/۱۴۱۰ھ

سفر میں سنن مؤکدہ ادا کرنے نہ کرنے کے بارے میں تفصیل

زید کہتا ہے کہ حالت سفر میں سنن و نوافل معاف ہیں کیا اس میں کوئی اختلاف ہے یا نہیں۔ اگر اختلاف ہے تو دلائل بر ہانیہ سے واضح کیجئے۔ زید کہتا ہے ابوداؤد میں روایت آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں سنتیں نہیں پڑھتے تھے۔ کیا کوئی روایت ابوداؤد میں ہے۔ اگر ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب وفی البحر وقید بالفرض لانه لا قصر فی الوتر و السنن واختلفوا فی ترك السنن فی السفر فقیل الافضل هو الترك ترخیصا وقیل الفعل تقربا وقال الهندوانی الفعل حال النزول والترك حال السیر وقیل یصلی سنة الفجر خاصة

وقیل سنة المغرب ایضا فی التجنیس والمختار انه ان کان حال امن وقرار یأتی بها لانها شرعت مکملات والمسافر الیه محتاج وان کان حال خوف لا یأتی بها لانه ترك بعذر بحر وعلی هامشه (قوله وقال الهندوانی الخ) قال الرملی قال فی شرح المنیة المصلی والاعدل ما قاله الهندوانی اھ (حاشیہ بحر ج ۲ ص۱۳۱)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ سفر کی حالت میں سنن مؤکدہ کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں لیکن افضلیت اس میں ہے کہ سفر کے دوران چلتے ہوئے ترک سنن افضل ہے اور ٹھہرے ہوئے ہونے کی حالت میں ادائے سنن افضل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	۱۳ / ۱۱ / ۱۳۸۲ھ

جو نماز سفر میں ادا نہیں کر سکے حالتِ اقامت میں اسکی قضا کیسے کریں

اگر کسی آدمی کی حالتِ سفر میں نماز قضا ہو جائے تو کیا وہ اپنے مقام پر پہنچ کر نماز قصر ادا کرے یا پوری ادا کرے؟

الجواب اگر سفر ہی میں اس نماز کا وقت ختم ہو گیا اور ادا نہیں کی تو گھر پہنچ کر قصر قضا کرے والقضاء یحکی ای یشابه الاداء سفرًا وحضرًا لانه بعد ما تقرر لا یتغیر اھ (درمختار) (قوله سفرًا وحضرًا) ای فلو فاتته صلوة السفر وقضاها فی الحضر یقضیها مقصورة کما لو أداها وکذا فائتة الحضر تقضی فی السفر تامة اھ (شامی ج ۱ ص ۵۸۸)۔

۲ ۔ والمعتبر فی تغییر الفرض آخر الوقت وهو قدر ما یسع التحریمة فان کان المکلف فی آخره مسافرًا وجب رکعتان والا فاربع لانه المعتبر فی السببیة عند عدم الاداء قبله اھ۔ (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص ۵۸۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان - ۲ / ۱۰ / ۱۴۰۹ھ

مسافر امام کا مقیم مدرک مقتدی بقیہ رکعتوں میں قرأت نہ کرے

جب امام مسافر ہو تو وہ دو رکعت پر سلام پھیر دے گا۔ جب مقیم مقتدی کھڑے ہو کر باقی دو رکعت پڑھیں گے تو وہ اس میں قرأت کریں یا نہ کریں ؟

حافظ حبیب اللہ

جامع مسجد۔ اڈہ چیچہ وطنی ۔ ضلع ساہیوال

الجواب مقیم مقتدی بقیہ رکعتوں میں قرأت نہ کریں بلکہ فاتحہ کی مقدار خاموش کھڑے رہ کر رکوع میں چلے جائیں۔ فاذا صلی المسافر رکعتین یسلم ویقوم المقیم فیتم صلوته بغیر قرأة فی الاصح وقیل یتم بقراءة لانه منفرد ولذا یجب علیه سجود السهو لوسها وجه الاصح انه بالنظر الی كونه مقتديا تحريمة حيث ادرك اول صلوة الامام تكره له القراءة تحريما و بالنظر الى كونه غير مقتد فعلا وقد سقطعنه فرض القرأة تستحب له القرأة واذا دارفعل بين كونه مستحبا وحراما رجحت الحرمة ۔اه (غنية المستملی : ص ۵۰۰)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان - ۱۳ / ۹ / ۱۴۰۴ھ

فوجی کا قیام ایک جگہ پر نہ ہو تو اتمام کرے یا قصر ؟

فوجی اپنے گھر سے نکلا اور فوج میں جہاں قیام ہوا وہاں فوجی کو علم نہیں ہوتا کہ میں یہاں کتنے دن

قیام کروں گا افسر کی نیت پر اطلاع بعض دفعہ مشکل ہوتی ہے۔ بعض دفعہ اچانک دس دن کے اندر دوسری جگہ منتقل ہونے کا حکم ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ایک جگہ قیام نہیں ہوتا۔ تو ایسی صورت میں نماز قصر ہوگی یا پوری ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں سپاہی اور فوجی قصر کریں گے تاوقتیکہ افسر کی نیتِ اقامت کا علم نہ ہو جائے۔

ولا بد من علم التابع بنية المتبوع فلو نوى المتبوع الاقامة ولم يعلم التابع فهو مسافر حتى يعلم على الاصح وفي الفيض وبه يفتى كما في المحيط وغيره۔ (درمختار، ج۱ ؛ ص ۷۴۵۔ شامی)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی جامعہ ہذا	۲۵ / ۱۰ / ۱۳۹۱ھ

مسافر کو خلیفہ بنانے کا حکم

اگر امام کا وضوء ٹوٹ جائے تو مسافر مقتدی کو خلیفہ بنا سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی : (مولانا) غلام مرتضےٰ ، جامعہ اشرفیہ ، شاہ کوٹ شیخوپورہ

الجواب امام مسافر مقتدی کو بھی خلیفہ بنا سکتا ہے۔

وكل من يصلح اماما للامام الذى سبقه الحدث فى الابتداء يصلح خليفة له ومن لا يصلح اماما له فى الابتداء لا يصلح خليفة له كذا فى المحيط۔ (عالمگیری : ج۱ ؛ ص ۵۰)۔

اور رباعی میں اقتداء کی وجہ سے مسافر مقتدی کے فرض بھی چار ہی ہوں گے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی جامعہ ہذا۔ ۱۷ / ۲ / ۱۳۹۶ھ

سفر میں تکلیف نہ ہو تو بھی قصر کرے

اگر دوران سفر کسی قسم کی تکلیف نہ ہو تو بھی محض سفر کو سبب بنا کر قصر کرے یا نہ کرے۔ آج کل سفر میں بہت سہولتیں ہیں؟

الجواب سفر میں بہرحال قصر کرے پوری نماز پڑھنے سے گناہگار ہوگا۔

فیکرہ الاتمام عندنا حتی روی عن ابی حنیفة رحمہ انہ قال من اتم الصلوة فقد اساء وخالف السنة ۔ اھ (شامی ج۱- ص۷۳۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۱۲/ ۱۳۹۹ھ

مسافت قصر اڑتالیس میل شرعی ہے نہ کہ انگریزی

مسافر کی نماز قصر کے سلسلہ میں نماز حنفی میں "اڑتالیس کوہ" کا لفظ ہے بعض لوگ موجودہ میل کے بارے میں بھی اڑتالیس میل کا فتویٰ دیتے ہیں حالانکہ کوہ میل سے بڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی وضاحت فرمائیں کہ کوہ سے مراد کون سا میل ہے۔ اور میل کے اعتبار سے کتنے میل مسافت ضروری ہے اور کلومیٹر کے اعتبار سے کتنی مسافت بنتی ہے؟

الجواب مسافت قصر میں ۴۸ میل سے مراد میل شرعی ہے جس کے انگریزی میل تقریباً ۵۴۔ اور کلومیٹر کے حساب سے ستاسی کلومیٹر بنتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان - ۹/ ۲/ ۱۴۰۶ھ

سفر شرعی تک جانے کا ظن غالب ہو تو قصر واجب ہے

لوگ وعظ کرتے کرتے دور دراز تک چلے جاتے ہیں، مثلاً تبلیغی جماعت والے تو قصر کریں یا نہ؟

الجواب جس شہر کا قصد ہے اگر وہ مسافت شرعی پر واقع ہے تو مقیم امام کا مقتدی نہ ہونے کی صورت میں قصر کرے گا۔ ورنہ اتمام کرے گا۔ اگر شہر کی تعیین نہیں تو غلبۂ ظن پر مدار ہے۔ اگر اس کا غلبۂ ظن مسافت شرعیہ کو سفر کے پہنچنے کا ہے۔ تو قصر کرے۔ یقین ضروری نہیں۔

کما فی الھندیۃ ویکفی فی ذلک القصد غلبۃ الظن یعنی اذا غلب علی ظنہ انہ یسافر قصر ولا یشترط فیہ الیقین اھ (ج۱، ص۷۲)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی ۔ ۱۰ / ۸ / ۱۴۰۰ھ

ملازمت والا وطن اقامت وطن اصلی کے حکم میں ہے

زید پشاور کا رہنے والا ہے اور لاہور بسلسلۂ ملازمت رہائش اختیار کی ہوئی ہے۔ اب وہ کسی کام کے لیے ملتان جاتا ہے اور ارادہ یہ ہے کہ واپسی پر چھ دن لاہور رہ کر بڑے دن کی چھٹیوں پر جو کہ یقینی ہیں پشاور چلا جاؤں گا تو اب وہ ان چھ دن میں لاہور قصر کرے یا پوری نماز پڑھے؟

الجواب صورت مسئولہ میں لاہور اور پشاور دونوں اس کے وطن اصلی ہیں پشاور بوجہ جائے پیدائش ہونے کے اور لاہور اس لئے کہ وہاں ملازمت کی وجہ سے قرار کیا ہوا ہے گو بال بچے یہاں نہیں ہیں۔ اور بیوی بچے بھی لاہور ہوں تو بطریق اولیٰ وطن اصلی ہوگا۔ وطن اصلی کی تعریف یہ ہے۔

ھو موطن ولادتہ او تأھلہ او توطنہ اھ (درمختار)۔ قال فی الشرح او توطنہ ای عزم علی القرار فیہ وعدم الارتحال وان لم یتأھل۔ اھ (شامی: ج۱، ص۷۴۲)۔

لہٰذا لاہور سے باہر قصر کرے گا اور لاہور میں خواہ چھ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو نماز پوری پڑھنی جائے گی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفر لہٗ رئیس الافتاء جامعہ ہذا۔ ۷ / ۴ / ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

فوجی جنگل میں ٹھہرے ہوئے ہوں تو نیت اقامت کے باوجود قصر کریں

اسلامی لشکر جنگی مشقوں کے لئے جاتا ہے۔ اتنا سفر اپنی چھاؤنی سے طے کر جاتا ہے جس میں قصر کی اجازت ہوتی ہے جہاں پڑاؤ ڈالتا ہے۔ کبھی کرنل صاحب مدتِ قیام متعین کر دیتے ہیں کبھی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ فوجی حکموں کے اعتبار سے مستقل اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتے بلکہ ہر کمانڈر بالا کمانڈر کے اختیار میں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کس کمانڈر کی نیتِ قیام پر عمل کرے۔ قصر کرے یا پوری پڑھے۔ اگر پوری پڑھے تو قابلِ اجر ہے یا گناہ ہوگا ؟

غلام زین العابدین
اوکاڑہ کینٹ ، ساہیوال

الجواب: موجودہ کرنل کی نیت کا اعتبار ہوگا اگر وہ بتلا دے کہ پندرہ دن قیام کرنا ہے تو پوری نماز پڑھی جائے جب کہ پڑاؤ کسی شہر، قصبہ یا بستی کے متصل ہو۔ اور اگر پڑاؤ جنگل میں ہے تو پندرہ روز قیام کی نیت ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں قصر واجب ہے۔

قال شمس الائمۃ الحلوانی رح عسکر المسلمین اذا قصدوا موضعًا ومعهم اخبیتهم وخیامهم وفساطیطهم فنزلوا مفازۃ فی الطریق ونصبوا الاخبیۃ والفساطیط وعزموا فیها علی اقامۃ خمسۃ عشر یومًا لم یصیروا مقیمین لانها حمولۃ ولیست بمساکن کذا فی المحیط۔ (ھندیہ ج۱ ، ص۷۲)۔
اتمام کرنا جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲۸/ ۱۱/ ۱۳۹۹ھ

جنگی قیدی دارالحرب میں قصر کریں یا اتمام

ہم پاکستانی جنگی قیدی اس وقت انڈیا میں مقیم ہیں کیا ہم قصر کریں یا پوری نماز ادا کریں ؟

المستفتی حافظ عطاء اللہ خان و مولوی محمد صادق

جنگی قیدی پاکستان ۔ انڈیا

الجواب آپ سب پوری نماز ادا کریں قصر نہ پڑھیں ۔ کیونکہ آپ لوگ اس وقت بھارتی افسروں کی تبعیت میں مقیم ہیں مسافر نہیں ہیں نیز اگر آپ کے کیمپ کسی شہر یا قصبہ کے فناء میں واقع ہیں تو جمعہ و عیدین بھی ادا کریں ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی ۔ ۲۱ ر ۱۱ ر ۹۲ ۱۳ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

کم از کم مسافت جس پر احکام سفر شروع ہو جاتے ہیں

کتنی مسافت طے کرنے سے آدمی مسافر ہوتا ہے کہ اس پر مسافر والے احکام مثلاً قصر صلوٰۃ وغیرہ لاگو ہو جائیں ۔ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی مرحوم کی کتاب " علم الفقہ " میں مسیرۃ ثلاثۃ ایام کی مسافت چھتیس ۳۶ میل تحریر کی ہے کہ یومیہ بارہ میل بنتی ہے اور یومیہ مسافت صبح سے دوپہر تک تحریر کی ہے ۔ نہ کہ صبح سے شام تک چلنا ۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں ؟ اگر کوئی اس پر عمل کرے تو نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب مسافت قصر کے بارے میں مشائخ حنفیہ کے تین قول ہیں ۔ کم از کم پندرہ فرسخ لکھا ہے جس کے پنتالیس ۴۵ میل شرعی اور ۵۱ میل انگریزی ایک فرلانگ اور بیس گز ہوتے ہیں ۔ پس ۳۶ میل پر قصر کرنا درست نہیں ۔ نہ معلوم " علم الفقہ " میں یہ مقدار کیسے لکھی گئی ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۷ ر ۱۰ ر ۹۶ ۱۳ھ

مسافر چار رکعت کی نیت کرکے نماز شروع کردے تو کیا کرے

میں مسافر تھا جب میں مصلیٰ پر امامت کے لئے کھڑا ہوا تو چار رکعت نماز ظہر کی نیت باندھ لی۔ دفعتاً خیال آیا کہ میں مسافر ہوں مجھے تو دو رکعت نماز پڑھنی ہے۔ اس شش و پنج میں تھوڑی دیر کھڑا رہا اور پھر میں نے نماز توڑ دی۔ میں نے یہ سمجھا کہ نیت فرض ہے۔ اگر نیت درست نہیں تو نماز نہیں ہوگی۔

۱ : کیا نماز کی نیت کے فوراً بعد میرا یہ عمل درست تھا ؟

۲ : شش و پنج میں مبتلا رہنے کے بعد میرا یہ عمل درست تھا ؟

۳ : کیا اس کا کوئی متبادل نماز کی حالت میں ممکن ہے ؟

۴ : نماز میں سے ایسے وقت میں نکلنے کا کوئی خاص طریقہ اپنانا چاہیئے تھا۔ مثلاً دونوں طرف کھڑے ہو کر سلام پھیرنا وغیرہ ہے یا نہیں ؟

۵ : دوستوں نے کہا کہ مجھے اس وقت قیام کی نیت کرلینی چاہیئے تھی یا مکمل پڑھ لینی چاہیئے تھی۔

الجواب تعداد رکعات کا تذکرہ نیت کے وقت شرعاً ضروری نہیں بلکہ خلافِ واقعہ ذکر ہو جانے سے بھی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہندیہ میں ہے۔

ولا یشترط نیۃ عدد الرکعات ھکذا فی شرح الوقایۃ حتی لو نواھا خمس رکعات وقعد علی رأس الرابعۃ اجزاہ وتلغو نیۃ الخمس (ج ۱ ص ۶۶)۔

اس لئے آپ کو نماز توڑنی نہیں چاہیئے تھی مسافر والی نماز پڑھا کر سلام پھیر دیتے اور یہ اعلان کر دیتے کہ میں مسافر ہوں تم اپنی نماز پوری کرو۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی ۲۳/ ۹/ ۱۴۰۸ھ

اسلامی فوج نے دار الحرب کے کسی علاقہ پر قبضہ کیا ہوا ہو تو وہاں قصر کریں یا اتمام؟

ہم راجستان میں دار الحرب کی مقبوضہ زمین میں رہتے ہیں چونکہ رمضان شریف کا مہینہ آرہا ہے ہمارے لئے روزوں کا کیا حکم ہے۔ کیونکہ سحری کھانا مشکل ہے رات کو آگ جلانا یا حرکت کرنا دشوار ہے اب تک ہم یہاں قصر پڑھتے ہیں لیکن اب بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اب ہم کو زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اس لئے ہم کو پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور نماز جمعہ و عید کا کیا حکم ہے۔

الجواب: وفی البحر عن التجنیس اذا غلبوا علیٰ مدینۃ الحرب ان اتخذوھا دارا أتموا و الا بل ارادوا الاقامۃ بھا شھرًا او اکثر قصروا بقائھا دار حرب وھم محاربون فیھا بخلاف الاول۔اھ۔ (شامیۃ : ج۱ص ۷۳۸)۔

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ حکومت پاکستان جب تک مقبوضہ علاقوں کو اپنا علاقہ تصور نہ کرے اس وقت تک یہ علاقے دارِ حرب رہیں گے جیسا کہ حکومت کے اعلانات سے ظاہر ہے۔ لہٰذا آپ حضرات ان علاقوں میں اب تک مسافروں کے حکم میں ہیں۔

روزہ کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر رکھ سکتے ہوں تو بہتر ہے۔ ورنہ چھوڑنے کی اجازت ہے اور قضاء لازم ہے۔ تراویح اگر پڑھ سکتے ہوں تو بہتر ہے چھوڑنے کی بھی اجازت ہے۔ فرائض میں قصر لازم ہے جمعہ اور عید کی نماز آپ لوگوں کے ذمہ فرض نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا۔	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی ۸/ ۸/ ۱۳۸۵ھ

وطنِ اقامت مشابہ بہ وطنِ اصلی میں ایک دفعہ

بہ نیت اقامت پندرہ دن ٹھہرنا ضروری ہے

زید اپنے وطن اصلی سے تقریباً ساٹھ میل دور کسی جگہ بسلسلہ ملازمت قیام پذیر ہے اور وہ ہر ہفتہ گھر چلا جاتا ہے ایک یوم کے لئے تو گویا کہ وطن اقامت میں چھ دن رہتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں وطن اقامت میں قصر کرے گا؟ پہلے ہمارا اسی پر عمل تھا۔ لیکن اب کچھ عرصہ سے سنا ہے کہ مفتیانِ خیر المدارس نے اپنا فتوے تبدیل کر دیا ہے۔ کہ وطن اقامت اس وقت تک باطل نہ ہوگا جب تک کہ وہاں سے ترکِ سکونت نہ کرے کیا یہ صحیح ہے؟

مستفتی سلمان احمد۔ ٹوبہ

الجواب وطن اقامت بننے کے لئے اس جگہ میں ایک دفعہ پندرہ دن اقامت کی نیت سے قیام کرنا ضروری ہے۔ بعد ازاں وطنِ اقامت میں اتمام کیا جائے۔ خواہ مدتِ اقامت سے کم قیام کیا جائے۔ اور اگر کسی دفعہ بھی پندرہ دن کی نیت سے قیام نہیں کیا تو اس وطنِ اقامت میں قصر کی جائے۔ یہ درست ہے کہ جب تک ترکِ سکونت نہ کی جائے، ایسا وطنِ اقامت سفر سے یا وطنِ اصلی کی طرف جانے سے باطل نہیں ہوتا۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان	۸ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ

مسافر امام نے اتمام کیا تو مقتدیوں پر بہر حال اعادہ واجب ہے

زید سفر پر گیا وہاں امامت کرائی اور نماز پوری پڑھائی۔ بعد میں خیال آیا۔ بعض علماء سے پوچھا گیا تو انہوں نے گنجائش نکالی کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قصر نہیں ہے۔ لہٰذا انتشار کے خطرہ

کی وجہ سے نماز درست ہوگئی۔ نیز فتاویٰ دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں ہے۔

و ذالك بما ورد فی رد المحتار ان الاعتبار لاعتقاد المفسد ولا اعتبار لاعتقاد الامام الخ۔ وضاحت فرمادیں۔

المستفتی حافظ یعقوب احسن
بگویہ جامع مسجد معیرہ، ضلع سرگودھا

الجواب صورت مسئولہ میں مقتدیوں کی نماز صحیح نہیں ہوئی۔ انہیں اطلاع دینا ضروری ہے تاکہ وہ فرض سے سبکدوش ہوسکیں۔ اقتدار کوئی عذر نہیں جو مانع ہو۔ سوال میں مذکور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی کے لیے جب امام کی آخری دو رکعت نفل ہیں تو اس کی نماز اقتدار کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی۔ امام خواہ انہیں نفل کی حیثیت سے پڑھ رہا ہو یا شافعی ہونے کی بنا پر فرض کی حیثیت سے پڑھ رہا ہو مگر چونکہ مقتدی حنفی ہے اور اس کے لحاظ سے آخری دو رکعتیں نفل ہیں۔ لہذا اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ وہاں جانا بھی ضروری نہیں اطلاع ضروری ہے۔ جہاں تک ممکن ہو کوشش کر کے اطلاع دی جائے

فلو اتم المقیمون صلوتہم معہ فسدت اھ۔ (شامی، ج ۱، ص ۷۲۱)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۶/۱/۱۳۹۹ھ

مسافر اتمام کرے تو اس کی نماز کا حکم

ایک آدمی سفر میں جاتا ہے بمقدار سفر اتنی ہے کہ اس میں قصر نماز پڑھی جاتی ہے لیکن بوجہ غلبۂ نسیان کے وہ بھول گیا اور بالکل یاد نہیں رہا اور بجائے قصر کے پوری نماز پڑھتا رہا۔ اسی حالت میں امامت بھی کی اور اکیلے نماز بھی ادا کی گھر آنے پر یاد آیا۔ اب اس شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب ۱۔ فان صلی اربعا وقعد فی الثانیۃ قدر التشہد اجزأتہ والاخریان نافلۃ ویصیر مسیئا لتاخیر السلام۔ اھ

(عالمگیری: ج ۱، ص ۱۳۹)۔

۲ ، لو اقتدی مقیمون بمسافر واتم بہم بلانیۃ اقامۃ وتابعوہ فسدت صلوتہم الخ (شامی ج ۱ ، ص ۵۴۴)۔

عبارت اوّل سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں مسافر کی نماز صحیح ہے خواہ امام ہو یا منفرد۔ بشرطیکہ قعدہ اولیٰ کیا ہو۔ اور کراہت بھی نہیں۔ کیونکہ نسیاناً ہوا ہے۔ (کذا فی الدر ، ج ۱ ، ص ۷۳۶)۔

عبارت ثانی کی بنا پر ان مقتدیوں کی نماز البتہ فاسد ہے۔ جو مسافر امام کے پیچھے پوری نماز پڑھتے رہے ہیں۔ اس لئے امام مذکور پر لازم ہے کہ وہ حتی الامکان ان مقتدیوں کو اطلاع کرے کہ وہ اپنی نمازوں کا اعادہ کرلیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفرلہ مفتی مدرسہ ہذا

۲۳ / ۳ / ۱۳۷۹ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
معین مفتی خیر المدارس ملتان

صرف زمین یا مکان کا باقی رہنا وطن اصلی کے ختم ہونے کے لئے مانع نہیں ہے

میری زرعی اور سکنائی جائیداد ضلع لائلپور میں ہے۔ لیکن تقریباً عرصہ تیس سال سے وہاں کی سکونت بالکل ترک کردی ہے اور ضلع بہاولپور میں زرعی اور سکنائی جائیداد بنا رکھی ہے اور رہائش بھی اسی جگہ اختیار کرلی ہے۔ اور ضلع لائلپور میں جہاں جائیداد ہے وہاں دوبارہ سکونت پذیر ہونے کا کوئی خیال نہیں ہے لیکن اقرباء کی ملاقات کے لئے یا اپنی جائیداد کی آمدنی وصول کرنے کے لئے سال بھر میں ایک دو دفعہ جانا ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں اور تین روز اقامت کا ارادہ بھی ہو تو نماز قصر ادا کروں یا نہ۔ اگر ایک شخص کی جائیداد دو ، تین یا اس سے زائد جگہ میں ہے اور سکونت اس کی ایک جگہ ہے مستقل۔ تو جب وہ اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کرنے جائے اور تین روز رہائش کا ارادہ ہو تو کیا وہ قصر کر سکتا ہے یا صرف جائیداد کا ملکیت میں ہونا وطن اصلی کے لئے کافی ہے ؟

الجواب (الوطن الاصلی یبطل بمثلہ) اذا لم یبق لہ بالاول اھل ای وان بقی لہ فیہ عقار۔ قال فی النہر ولو نقل اھلہ ومتاعہ ولہ دور فی البلد لا تبقی وطنا لہ وقیل تبقی کذا فی المحیط وغیرہ (درمختار مع الشامی ، ج ۱ ، ص ۵۸۶)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ وطن اصلی کے بطلان کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ وہاں سے بالکلیہ ترک سکونت کر کے مستقل طور پر رہائش دوسری جگہ پر کرلی جائے۔ پہلے وطن میں اپنے مکان یا جائیداد کا باقی رہنا وطن اصلی کے بطلان کے لئے مانع نہیں۔ پس صورتِ مسئولہ میں جب لائلپور جائیں اور وہاں پندرہ روز قیام کا ارادہ نہ ہو تو قصر کرنا پڑے گی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ مفتی مدرسہ ہذا

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
معین مفتی خیر المدارس ملتان
۴/۱۱/۱۳۹۹ھ

ملازمت کی جگہ کبھی ہفتہ سے زائد نہ ٹھہرے ہوں تو قصر کریں یا اتمام

۱ : ہم اپنے گاؤں سے ایک سو میل دور پشاور میں ملازم ہیں۔ ہم ہر ہفتے باقاعدگی سے اپنے گاؤں جاتے ہیں اور ہر ہفتے کے دن واپس پشاور آجاتے ہیں۔ یہ معمول گزشتہ پانچ سال سے جاری ہے اور آئندہ انشاء اللہ جاری رہے گا۔ تو نماز قصر ہے یا پوری ؟

۲ : اگر قصر ہے تو گزشتہ پانچ سال جو ہم نے پوری نماز پڑھی ہے کافی ہے یا قصر کی قضا کریں ۔

الجواب ۱ : اگر جائے ملازمت میں کسی ایک مرتبہ پندرہ روز بہ نیت اقامت مقیم نہیں رہے تو آپ اس جگہ مسافر ہی متصور ہوں گے۔ نماز قصر کریں۔ بصورتِ دیگر آپ مقیم ہوں گے۔ آئندہ کے لئے خواہ تھوڑے دن ہی قیام رہے تب بھی پوری نماز پڑھی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز جماعت سے ادا کریں۔ درمختار میں ہے۔

فیقصر ان نوی الاقامة فی اقل منه ای فی نصف شهر الخ (شامی ج ۱ ص ۵۵۲)۔

۲ : اگر مسافر قصداً پوری نماز پڑھ لے تو اس کی نماز مع الکراہت درست ہے۔ بشرطیکہ درمیانی قعدہ کرلیا ہو۔ فلو اتم مسافر ان قعد فی القعدة الاولیٰ تم فرضه و ولکنه اساء لو عامدًا۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار : ج ۱، ص ۵۵۳)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔
۴/۵/۱۴۰۸ھ

زرعی زمین کی دیکھ بھال کے لئے جائیں تو وہاں قصر کریں یا اتمام

زید کا آبائی وطن ملتان ہے یعنی اس کا مولد، اس کا خاندان، اس کا مکان، بیوی بچے اور آبائی قبرستان یہیں ہے لیکن اس شہر میں اس کا ذریعہ معاش کوئی نہیں۔ اس کا ذریعہ معاش زمین کا ایک قطعہ ہے جو کہ مضافات شہر بہاول نگر میں ملتان سے تقریباً ڈیڑھ صد میل پر واقع ہے۔ زید کا جہاں زمیندارہ ہے۔ وہیں اس کا اپنا ملکیہ مکان بھی ہے۔ بلکہ پوری ایک بستی ہے جو زید کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے دیگر خاندان کی زمینیں اور مکانات بھی عرصۂ قدیم سے وہاں ہیں۔ زید کا وہاں جانا تقریباً مہینہ میں دو مرتبہ ہو جاتا ہے۔ لیکن قیام شاذ ہی چودہ دن تک ممتد ہوتا ہے۔ سال میں ایک دو مرتبہ زید اپنے بیوی بچے بھی وہاں لے جاتا ہے۔ زید کے آرام کا سامان بستر، ملازمین وغیرہ بھی مکان میں ہر وقت موجود رہتا ہے۔ نیز زید کے والد کی بھی جائیداد ملحقہ موضع میں تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں والد صاحب کی دوسری اہلیہ اور بچے بھی ہیں اور وہاں زید کے والد کا قیام بھی مستقل ہے۔ اندریں صورت مسئلہ درپیش یہ ہے کہ کیا جب زید اپنی بستی میں جائے اور اس کی نیت وہاں پندرہ دن سے کم قیام کی ہو تو کیا وہ شرعاً اپنے آپ کو مسافر سمجھ کر قصر کرے یا مقیم دو وطن سمجھ کر نماز پوری پڑھے۔ نیز یہ بھی بیان فرمائیں کہ اگر زید اپنے والد کے گھر میں جائے تو کیا وہ قصر کرے یا پوری نماز پڑھے؟

الجواب اگر زید قبل ازیں مسئولہ وطن میں پندرہ دن کے قیام کی نیت کے ساتھ ٹھہر چکا ہے تو یہ وطن اقامت مشابہ بوطن اصلی ہے لہٰذا یہاں اتمام کیا جائے۔ البتہ اگر سیدھا والد کے گھر جائے تو وہاں قصر کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء
۱۵/۲/۱۴۰۷ھ

ایک ہی شہر میں رہ کر مختلف مساجد میں تبلیغی کام کرنا ہو تو بصورت نیّتِ اِقامت اِتمام کریں

ہماری تبلیغی جماعت کی تشکیل ہوتی ہے۔

(۱) بسا اوقات ایک بڑے شہر میں ہم جاتے ہیں وہاں چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہوتی ہیں اور پندرہ دن سے زیادہ اس شہر کے اندر رہنے کے ارادہ سے جاتے ہیں تو اس شہر میں ایک مسجد سے دوسری مسجد میں جب جائیں گے تو قصر کریں یا نہیں؟

قریب قریب کے مختلف دیہاتوں میں پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنا ہو تو "قصر" کریں

(۲) بسا اوقات ایک ایسے علاقے کی طرف تشکیل ہوتی ہے کہ اس میں چھوٹے چھوٹے دیہات ہوتے ہیں۔ اس پورے علاقے میں تو پندرہ دن سے زیادہ قیام کرتے ہیں لیکن کسی ایک دیہات میں پندرہ دن سے کم ٹھہرتے ہیں اور یہ دیہات کبھی تو ایک دوسرے سے آدھے میل کے فاصلے پر ہوتے ہیں اور کبھی ایک میل اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔ تو اس علاقے میں ہم قصر کریں گے یا پوری نماز پڑھیں گے۔ بینوا توجروا

المستفتی محمد صدیق۔ نائب امیر مرکز میران شاہ

الجواب

(۱) اس صورت میں پندرہ دن قیام کی نیت کرنے پر اتمام کریں گے۔

(۲) قصر کریں گے۔ ولو نوی الاقامة خمسة عشر یوما فی موضعین فان کان کل منهما اصلا بنفسه نحو مکة ومنی والکوفة والحیرة لا یصیر مقیما وان کان احدهما تبعا للأخر حتی تجب الجمعة علی سکانه یصیر مقیما اھ (عالمگیری: ج ۱، ص ۱۴۰)

الجواب صحیح	۲۳/ ۵/ ۱۴۰۱ھ	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء		احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بحری جہاز میں نیتِ اقامت درست نہیں

ہمارے ایک بزرگ حاجی صاحب نے حج کے لئے بحری سفر ایسا اختیار کیا کہ جس میں سے پندرہ دن سے زائد جہاز میں رہنا تھا تو انہوں نے اس دوران خود بھی نماز پوری پڑھی اور دوسرں

کو بھی یہی کہتے رہے۔ اور دلیل یہ دی کہ چونکہ جہاز میں ایک طرح کی بستی آباد ہے اور تمام ضروریاتِ زندگی یہاں مل جاتی ہیں اور ہم نے پندرہ دن سے زائد یہاں رہنا ہے۔ لہٰذا ہم مقیم ہیں اور ہمیں نماز پوری پڑھنی چاہیے۔ کیا ان کا یہ عمل اور قول درست ہے یا نہیں ؟

الجواب حاجی صاحب موصوف نے پوری نماز پڑھ کر غلطی کی ہے قصر ضروری تھی نیز ان کی دلیل بھی درست نہیں۔ کیوں کہ نیتِ اقامت اس جگہ صحیح ہوتی ہے جو جگہ اقامت کی صلاحیت رکھتی ہو۔ کشتی یا بحری جہاز میں مستقل رہائش کوئی نہیں رکھتا۔ لہٰذا کشتی یا جہاز کے سفر میں قصر ہی ضروری ہے خواہ کتنے دن اس میں سفر کرنا ہو۔

ولا تصح نية الاقامة فی مفازة لغير اهل الاخبية لعدم صلاحية المكان لہ فی حقه ۔اھ (مراقی الفلاح) (قوله ولا تصح نية الاقامة فی مفازة) مثلها الجزيرة والبحر والسفينة والملاح مسافر وسفينته ليست بوطن ۔ اھ (طحطاوی ، ص ۲۳۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہٰذا

مقیم بننے کے لئے پندرہ دن مسلسل قیام کی نیت ضروری ہے

محترم جناب مہتمم صاحب جامعہ خیر المدارس ملتان۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند مسائل پیشِ خدمتِ اقدس ہیں اگر ان کے شرعی حل سے مشرف فرمائیں تو مشکور ہوں گا۔ مسائل درج ذیل ہیں۔

۱ ؛ حج کے دنوں میں چند حاجی صاحبان مکہ مکرمہ ایسے وقت پہنچتے ہیں کہ اگر پہنچنے والے دن سے شمار کیا جائے تو سات ذی الحجہ تک پندرہ دن پورے نہیں ہوتے۔

۲ ؛ اگر آٹھ ذی الحجہ تک دن گنے جائیں تو بھی پندرہ دن پورے نہیں ہوتے۔

۳ ؛ چند حاجی صاحبان سات یا آٹھ ذی الحجہ کے دن سے پچیس دن قبل مکہ مکرمہ پہنچے مگر صرف

پانچ دن رہ کر مدینہ منورہ چلے گئے وہاں آٹھ دن گزار کر پھر مکہ مکرمہ آگئے ۔مگر اب سات یا آٹھ ذی الحجہ تک صرف بارہ دن رہتے ہیں۔

اوپر بیان شدہ صورتوں میں سے کن کن صورتوں میں حاجی صاحبان مسافر رہیں گے ۔اور کن کن صورتوں میں مقیم رہیں گے ؟

الجواب حامداً ومصلیاً تینوں صورتوں میں مذکورہ حجاج مسافر ہیں ۔ پندرہ روز قیام کی نیت سے مقیم بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس دوران کوئی سفر درپیش نہ ہو۔ درمختار میں ہے۔

فلو دخل الحاج مكة ايام العشر لم تصح نيته لانه يخرج الى منى وعرفة تصار كنيته الاقامة فى غير موضعها و بعد عودها من منى تصح ۔ (شامية ، ج ١ ، ص ٥٢٨)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی ۱۴۰۹/۹/۴ ھ

مستقل وطن اقامت سفر سے باطل نہیں ہوتا

اس بارے میں منڈی بہاؤ الدین سے ایک استفتاء آیا تھا جس کا جواب حضرت الشیخ العلامہ مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے یہ دیا کہ ایسا وطن اقامت سفر سے باطل نہیں ہوتا ۔ یہ جواب حضرت العلامہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں بغرض تصدیق بھیجا گیا تو انہوں نے بھی اس کی تصویب فرمائی :

یہ پوری خط وکتابت دارالافتاء جامعہ خیرالمدارس کے رجسٹروں میں موجود ہے اور مرتب طور پر " احسن الفتاویٰ " جلد چہارم میں بنام " وطن الارتحال يبقى ببقاء الاثقال " شائع ہو چکی ہے ۔ چونکہ " احسن الفتاویٰ " میں جامعہ خیرالمدارس کے جواب سے متعلق ایک زائد سوال وجواب بھی ہے اس لئے یہ خط وکتابت بتمامہا یہیں سے نقل کی جاتی ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

وطنُ الارتحالُ

يبقى

ببقاءِ الاثقال

سفر مع ترک اثقال سے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا

مخدوم مکرم جناب حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی ایک مسئلہ برائے تحقیق وتصدیق ارسال خدمت ہے امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازیں گے۔ مدرسہ میں بحمد اللہ خیریت ہے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہم العالی بھی بخیریت ہیں۔ فقط والسلام

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱/۹/۸۶ء

سوال : میں منڈی بہاؤ الدین میں خطیب ہوں اور مستقل طور پر ملازمت کر رہا ہوں۔ مجھے محکمۂ اوقاف کیطرف سے ایک رہائشی مکان بھی ملا ہوا ہے۔ میرے بال بچے مع گھریلو سامان کے بھی میرے ہمراہ ہی مکان میں رہائش رکھتے ہیں۔ البتہ میرا وطن اصلی سلانوالی ضلع سرگودھا ہے، وہیں کا رہنے والا ہوں اور وطن اقامت یہ منڈی بہاؤ الدین ہے۔ ایک عالم فاضل فرماتے ہیں کہ سفر شرعی کے لئے منڈی بہاؤ الدین سے باہر جب بھی میں جاؤں اور پھر واپس منڈی میں آؤں تو نماز قصر کروں تا وقتیکہ واپسی کے بعد منڈی میں پندرہ یوم ٹھیرنے کا ارادہ نہ ہو۔ مثلاً اگر کسی سفر شرعی سے واپسی کے بعد ہفتہ عشرہ تک کہیں دوبارہ سفر پر جانا ہو تو قصر لازم ہوگی اور پوری نماز مقتدیوں کو نہیں پڑھا سکتے۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ منڈی بہاؤ الدین میں باقاعدہ رہائش رکھنے اور بال بچے موجود ہونیکے باوجود پھر بھی کیا سفر شرعی سے واپسی کے بعد اقامت شرعی کے لئے پندرہ روز کی نیت کرنا شرط ہے یا نہیں۔ اور منڈی سے باہر اکثر جانا ہی پڑتا ہے۔ اور گاہ گاہ یہ اسفار مختصر وقفات کے بعد مسلسل ہوتے ہیں تو میں امامت کیسے کرا سکتا ہوں؟ مدلل ارقام فرمایا جائے۔

الجواب : فاضل موصوف کا مذکورہ بالا فتوی غالباً متون کے اطلاق سفر پر مبنی ہے۔ متون کی عبارت یہ ہے (ویبطل الوطن الاصلی بمثلہ والسفر، وطن الاقامۃ بمثلہ والسفر والاصلی (کنز وغیرہ)) اس عبارت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وطن اقامت سے محض خروج بنیت سفر اسکے لئے مبطل ہے۔ لیکن اس کے ظاہر کو کافی سمجھنے کی بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکی صحیح مراد تک پہنچنے کے لئے دیگر عبارات فقہیہ پر بھی نظر کرلی جائے۔ عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن اقامت سے محض سفر کرنا ہی مبطل نہیں بلکہ دراصل سفر بصورت ارتحال مبطل ہے۔ یعنی یہ بطلان اسوقت ہوگا جبکہ وطن اقامت سے

بنیت سفر جاتے وقت اپنا سامان وغیرہ بھی ہمراہ لیجائے جس سے یہ سمجھا جائے کہ شخص مذکور کا ارادہ فی الحال یہاں واپس آنیکا نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ وطن اصلی سفر سے باطل نہیں ہوتا کیونکہ وطن اصلی سے سفر کرنا ترک توطن بالوطن الاصلی یا اعراض عن التوطن پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اہل وعیال وغیرہ کی موجودگی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جانیوالا اس مقام پر واپس لوٹ آنے کے قصد و ارادہ سے جارہا ہے حتیٰ کہ اگر وطن اصلی سے جانے والا اہل وعیال سمیت چلا جائے اور دوسری جگہ وطن اصلی بنالے تو پہلے وطن اصلی کی وطنیت بھی ختم ہوجاتی ہے جیسا کہ تمام کتب فقہ میں مصرح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دراصل بطلان وطن کا مدار سفر وغیرہ مع ترک توطن یا اعراض عن التوطن پر ہے محض خروج بنیت سفر پر نہیں۔ پس جس وطن سے بھی ترک توطن کا عزم کرلیا اور وہاں سے نکل پڑا یا دوسری جگہ وطن بنالیا وہ وطن باطل ہوجائے گا خواہ یہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت، البتہ ان دونوں وطنوں سے سفر کرنے میں عام طور پر ایک فرق ہوا کرتا ہے جس کی وجہ سے ان دونوں اوطان کے متعلق سفر کا حکم مختلف بتلایا گیا کہ سفر وطن اصلی کے لئے مبطل نہیں اور وطن اقامت کے لئے مبطل ہے وہ فرق یہ ہے کہ وطن اصلی سے سفر عام حالات میں بدون ارادۂ ترک توطن ہوتا ہے۔ کسی حاجت کے لئے سفر ہوا واپس پھر وہیں آنا ہوتا ہے اور یہ سفر بصورت ارتحال نہیں ہوتا اور وطن اقامت سے سفر عموماً بارادۂ ترک توطن ہوتا ہے۔ کیونکہ اصلی رہائش تو کسی دوسری جگہ ہے یہاں قیام برائے حاجت تھا ضرورت پوری ہونے پر یہاں سے جانا ہی ہوگا جیسے اسفار تجارت وملاقات وحج وغیرہ۔ پس یہ سفر عموماً بصورت ارتحال ہی ہوتا ہے۔ اس فرق کے پیش نظر یہ کہا گیا ہے کہ سفر وطن اقامت کے لئے مبطل ہے کیونکہ وطن اقامت کے بارے میں سفر کا عام معروف ومعتاد فرد ایسا سفر ہی ہوتا ہے والمطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل، پس متون کی تعبیر سفر کہ اسی فرد مطلق کے بارہ میں ہوگی تمام سفروں کے بارہ میں نہیں، چنانچہ بدائع کی تعلیل سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جو سفر وطن اقامت کے لئے مبطل ہے وہ کونسا سفر ہے؟ اور متون میں اس مقام پر جو لفظ سفر مذکور ہے اس سے کیا مراد ہے؟ ملک العلماء امام ابوبکر الکاسانی تحریر فرماتے ہیں۔ وينتقض بالسفر ايضاً لان توطنه فی هذا المقام ليس للقرار ولكن لحاجة فاذا سافر منه يستدل به على انقضاء حاجته فصار معرضا عن التوطن به فصار ناقضاً له دلالة (بدائع ج ۱)

وطن الارتحال ______ ۳

تعلیل سے ظاہر ہے کہ یہ وہ سفر ہے جو اس امر کی دلیل بن سکے کہ اب یہاں رہائش کی حاجت نہیں رہی اور جانے والا اس مقام کی وطنیت کو ختم کر چکا ہے اور یہ اس سفر میں ہوتا ہے جو کہ بصورت ارتحال ہوتا ہے اور جس شہر میں زید کے بیوی بچے ہیں اور کامل رہائش ہے۔ ایک دو دن کے لئے اگر زید کہیں جائے تو زید کا یہ سفر قضاءِ حاجت، اعراض عن التوطن اور نقض للتوطن کسی امر پر بھی ہرگز ہرگز دلالت نہیں کرتا بلکہ بقاءِ ثقل بقاءِ توطن کی قطعی دلیل ہے اور اگر لفظ سفر سے مراد سفر شرعی کا ہر فرد ہو خواہ وہ بصورت ارتحال ہو یا بصورت ارتحال نہ ہو تو دلیل اور دعوی میں انطباق کیسے ہوگا؟ جبکہ دعوی عام اور دلیل خاص ہے۔

اس کے علاوہ صاحب بحر وغیرہ نے اس امر کی تصریح نقل کی ہے کہ بقاءِ ثقل سے وطن اقامت باقی رہتا ہے گو دوسری جگہ بھی مقیم ہو جائے اس تصریح سے تعلیل بدائع کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ وهذا انصه دفی المحیط ولو کان له اهل بالکوفة واهل بالبصرة فمات اهله بالبصرة وبقی له دور وعقار بالبصرة لا تبقی وطنًا له وقیل تبقی وطنًا لانها کانت وطنًا له بالاهل والدار جمیعا فبزوال احدهما لا یرتفع الوطن کوطن الاقامة یبقی ببقاء الثقل وان اقام بموضع آخر اه (ص۱۴۸ ج ۲) اور بحوالہ محیط بعینہ یہی جزئیہ مجمع الانہر (ص۱۶۴ ج ۱) میں بھی موجود ہے صاحب بحر اور صاحب نہر نیز منحۃ الخالق میں علامہ شامیؒ نے اس پر کوئی کلام نہیں فرمایا۔

فائدہ :

تفصیل بالا اور دیگر عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت درحقیقت اسوقت باطل ہوتے ہیں جبکہ ان کے شمار کردہ مبطلوں میں دلالۃ علی نقض الوطن السابق پائی جائے۔ دیکھئے وطن اصلی کے لئے دوسرے وطن اصلی کو مبطل قرار دیا گیا ہے اور متون میں یہ بطلان مطلق ہے کسی قید کے ساتھ مقید نہیں حالانکہ دوسرا وطن اصلی علی الاطلاق پہلے کے لئے مبطل نہیں بلکہ اس صورت میں مبطل ہے جبکہ پہلے سے نقض وطنیت کرتے ہوئے دوسرے کو بھی وطن اصلی بنالے ورنہ اگر پہلے وطن کو حالت سابقہ پر رکھتے ہوئے دوسرے مقام پر بیوی کرلیتا ہے اور اسے بھی مستقل رہائش کے لئے تجویز کرلیتا ہے تو پہلا وطن اصلی اس سے باطل نہیں ہوگا۔ کما فی البحر وغیرہ قید نا بکونہ انتقل عن الاول باهله لانه لو لم ینتقل بهم ولکنه استحدث اهلًا فی بلدة اخری فان الاول لم یبطل ویتم فیهما (ص۱۴۸ ج۲)

بلکہ علامہ طحطاویؒ نے لکھا ہے کہ دو سے زائد بھی وطن اصلی ہو سکتے ہیں اور متون میں دوسرے نمبر پر مبطل وطن اقامت کو شمار کیا گیا ہے کہ دوسرا وطن اقامت پہلے کے لئے مبطل ہے، اور الفاظ میں یہاں بھی اطلاق ہے اور بظاہر کوئی قید موجود نہیں حالانکہ جیسے صورتِ اولیٰ میں بطلان مقید ہے ایسے ہی یہاں بھی مقید ہے۔ یعنی دوسرا وطن اقامت پہلے کے لئے تب ہی مبطل ہو گا جبکہ پہلے کی وطنیت کو ختم کرکے وطن اقامت بنایا گیا ہو۔ اور اگر پہلے کی وطنیت کو ختم نہیں کیا گیا بلکہ اسکی رہائش بدستور باقی ہے۔ بیوی بچے اور سامان دہیں ہے اور دوسرے مقام میں شرعی اقامت کے ساتھ مقیم ہو گیا تو اس سے پہلا وطن اقامت باطل نہیں ہو گا جیسا کہ جزئیہ محیط میں مصرح ہے کوطن الاقامة یبقی ببقاء الثقل وان اقام بموضع آخر اھ پس جیسے ان دونوں مبطلوں میں الفاظ مطلق ہیں لیکن مراد خاص ہے اسی طرح مبطل ثالث (سفر) کے بارے میں کہا جائیگا کہ گو لفظوں میں عموم ہے مگر مراد خاص سفر ہے جو بصورت ارتحال ہوتا ہے جیسا کہ تعلیل بدائع سے مفہوم ہوتا ہے۔

بقاءِ اہل وثقل سے بقاءِ اقامت و توطن رہتا ہے عرف سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے چنانچہ جو شخص بال بچوں سمیت ایک شہر میں ہو گو یہ اسکا وطن اصلی نہ ہو محض اسکے ایک دو دن کے لئے سفر پر چلے جانے سے یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ یہاں سے ترک سکونت کر گیا ہے نہ اس سفر کو کوئی ترکِ سکونت کہتا ہے اور نہ ہی سفر سے واپسی کو کوئی تجدید توطن یا استیناف سکونت قرار دیتا ہے۔ البتہ اگر بیوی بچے وغیرہ بھی ہمراہ لیجائے اور ارادہ یہاں واپسی کا نہ ہو تو اب یقیناً کہا جاتا ہے کہ وہ یہاں سے رہائش ترک کر گیا ہے۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں باقاعدہ بیوی بچوں سمیت رہائش رکھتا ہے اور اسکا ذریعہ معاش بھی اسی شہر سے متعلق ہو تو اسکا یہ توطن تب باطل ہو گا جبکہ اس شہر سے رہائش ختم کرکے چلا جائے، محض عارضی اور وقتی اسفار سے اسکا یہ وطنِ اقامت باطل نہیں ہو گا اور متون کے جزئیہ کا یہی مطلب ہے کہ وطن اقامت سے جب سفر بصورت ارتحال ہو گا تو یہ اسکے لئے مبطل ہو گا۔ پس صورتِ مسئولہ میں سائل سفر کے بعد جب بھی منڈی بہاء الدین پہنچے گا مقیم تصور کیا جائیگا اور نماز پوری پڑھیگا۔ بلکہ بعض عبارات سے تو ایسے مقام کے وطن اصلی ہونیکا شبہ ہوتا ہے۔ کتاب الفقہ للعلامہ عبدالرحمٰن الجزری مطبوعہ مصر میں وطن اصلی کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ وھو الذی ولد فیہا اولہ فیہ زوج فی عصمتہ او قصد ان یرتزق فیہ وان لم یولد بہ ولم یکن لہ بہ زوج اھ (باب الصلاۃ) فقط واللہ اعلم۔ عبدالستار نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۱/۹/۸۹ھ

وطن الارتحال ——————— ۵

الجواب باسم ملهم الصواب

مسئلہ صحیح ہے کہ بقاء ثقل سے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا، البتہ تحریر میں اُمور ذیل قابلِ اصلاح ہیں۔

(۱) کتاب الفقہ کی عبارت "او قصد ان یرتزق فیہ" سے اس پر استدلال یا اس کی تائید صحیح نہیں۔ کیونکہ قصد ارتزاق سے مقصد یہ ہے کہ قصد ارتزاق علیٰ سبیل الدوام ہو، جیسا کہ مطلقاً تولد یا تزوج سے وطن اصلی نہیں بن جاتا جب تک کہ اس میں اقامت علیٰ سبیل الدوام کا قصد نہ ہو۔ قال فی الخانیۃ المسافر اذا جاوز عمران مصرہ (الیٰ قولہ) ان کان ذلک وطنًا اصلیًا بان کان مولدہ وسکن فیہ اولم یکن مولدہ ولکنہ تأھل بہ وجعلہ دارًا الخ
(خانیۃ علیٰ ھامش العالمگیریہ ص۱۶۵ ج۱)

اس سے ثابت ہوا کہ موضع تولد وتأھل وطن اصلی جب ہوگا جبکہ اسمیں سکونت وجعل دار کا قصد بھی ہو، اثبات مسئلہ کے لئے جو دوسرے دلائل تحریر کئے گئے ہیں وہ کافی ووافی ہیں۔

(۲) اس امر کی توضیح ضروری ہے کہ بقاء وطن اقامت کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہاں اہل وعیال چھوڑ کر گیا ہو یا سامان اپنے مقبوض مکان میں رکھ کر گیا ہو۔ اگر سامان کسی کے پاس ودیعت رکھ کر گیا تو وطن اقامت باطل ہو جائے گا اس لئے کہ اسے عرف میں سکونت نہیں کہا جاتا۔ وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ حلف لا یساکن فلانًا) فان کان ساکنًا معہ فان اخذ فی النقلۃ وھی ممکنۃ والا حنث قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فان کان وھب لہ المتاع وقبضہ منہ وخرج من ساعتہ ولیس من رأیہ العود فلیس بمساکن وکذلک ان اودعہ المتاع او اعارہ ثم خرج لا یرید العود، بحر (رد المحتار ص۱۰۶ ج۳)

(۳) تحریر میں عبارت " دراصل بطلان وطن کا مدار (الیٰ) خواہ یہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت" کی ترمیم ضروری ہے۔ کیونکہ وطن اصلی صرف اعراض عن التوطن سے باطل نہیں ہوتا بلکہ اعراض کے ساتھ توطن بوطن آخر بھی شرط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رشید احمد عفا اللہ عنہ
۱۴ رمضان المبارک سنہ ۸۶ ہجری

مسئلہ مذکورہ بالا سے متعلق متضاد جوابات میں فیصلہ

مخدوم العلماء جناب حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی، گرامی نامہ بوساطت حضرت مولانا خیر محمد صاحب دامت برکاتہم موصول ہوا۔ مسئلہ وطن اقامت کے بارے میں بعینہٖ فتوی قاسم العلوم مع تحریر خیر المدارس ارسالِ خدمت ہے۔ اُمید ہے کہ رائے عالی سے جلد مطلع فرمایا جائیگا،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ

از دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

فتوی قاسم العلوم

ھو المصوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عبارات فقہیہ متون وشروح وحواشی پر غور کرنے سے بظاہر جو معلوم ہوتا ہے وہ فی الواقع تدبر وتامل کے بعد بھی اس کی یہی صحیح مراد ہے وہ یہ کہ وطن اقامت مطلق خروج بنیّت سفر سے باطل ہو جاتا ہے۔ خواہ خروج مذکور کے وقت یہاں واپس آنیکا کوئی ارادہ نہو یا خروج کے وقت چند روز کے بعد کسی وقت اس وطن اقامت میں واپس آنے کے ارادے سے سفر پر گیا ہو۔ نیز ساز وسامان، متاع وثقل ساتھ لیجا چکا ہو یا اسی وطن میں سامان وثقل چھوڑ چکا ہو بہر صورت سفر شرعی سے وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے۔ متون وشروح کی عبارتوں پر بار بار غور فرمالیں یہی مطلب صاف طور پر سمجھ میں آئے گا۔ اور یہی چیز ہی وطن اصلی اور وطن اقامت کے درمیان ما بہ الامتیاز ہے۔ وطن اقامت کے لئے سفر شرعی کا ہر فرد مبطل ہے اور وطن اصلی کے لئے سفر شرعی کا کوئی فرد مبطل نہیں۔ چنانچہ وطن اصلی سے نکلنے والا بقصد اعراض عن توطنہٖ اگرچہ سارا ساز وسامان اہل وعیال وغیرہ یہاں سے اُٹھالے، کوئی گھر مکان وغیرہ بھی اس کا یہاں نہ رہ جائے۔ دُور دراز سفر کرتا پھرے کئی مقامات کو یکے بعد دیگرے محض وطن سکنی یا وطن اقامت بنالے تب بھی اسکا وہ وطنِ اصلی باطل نہیں ہوتا ہے اور یہ اسفار کے افراد کا سلسلہ نیز یہ اوطانِ اقامت وطنِ اصلی کے لئے ہرگز مبطل نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ کسی مقام کو وطن اصلی (دائمی رہائش گاہ) نہ بنالے۔ کما قال

وطن الارتحال ــــــــ ۔

الشامیؒ تحت قول التنویر الوطن الاصلی یبطل بمثلہ (صـ۵۵ـ ج ۱) (قولہ یبطل بمثلہ) سواء کان بینھما مسیرۃ سفر اولا - ولاخلاف فی ذٰلک کما فی المحیط قہستانی وقید بقولہ بمثلہ لانہ لو انتقل منہ قاصداً غیرہ ثم بدالہٗ ان یتوطن فی مکان اٰخر فمرّ بالاول اتمّ لانہ لم یتوطن غیرہٗ - نھر - وفی الدر المختار ایضاً (صـ۵۶ـ ج ۱) ویبطل (وطن الاقامۃ بمثلہ و) بالوطن (الاصلی) و بانشاء (السفر) وقال الشامیؒ تحتہٗ مطلقاً (قولہ و بانشاء السفر) ای منہ وکذا من غیرہ اذا لم یمرّ فیہ علیہ قبل سیر مدۃ السفر الخ

باقی بحر کی عبارت بحوالہ محیط "کوطن الاقامۃ یبقی ببقاء الثقل وان اقام بموضع اٰخر" سے بمثلہ کی تقیید معلوم ہوتی ہے نہ کہ والسفر کی تقیید۔ اور اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ بدون انشاء سفر اگر ایک شخص وطن اقامت سے نکل کر کسی دوسری قریب جگہ کو وطن اقامت بنائے تو بنا بر اطلاق اس عبارت متون کے کہ "ووطن الاقامۃ بمثلہ" بہرصورت وہ پہلا وطن اقامت باطل ہوجائے گا لیکن محیط نے یہ قید لگادی ہے کہ یہ بطلان تب ہوگا کہ ساز وسامان ثقل وغیرہ منتقل کرکے قریب کی دوسری جگہ میں نیت اقامت کرچکا ہو۔ اور اگر ثقل منتقل نہ کیا ہو تو پہلا وطن اقامت بھی بدستور باقی ہے، اور وہ دوسرا بھی وطن اقامت اس کا بن گیا ہے۔ ھٰذا ھو الظاھر - ھٰکذا نفھمہٗ
باقی بدائع کی عبارت مذکورہ میں دعویٰ عام ہے اور تعلیل خاص ہے اور ایسا استدلال فقہاء کے کلام میں متعدد مقامات میں موجود ہے۔ نیز رسم المفتی کا اصول ہے کہ تعلیلات فقہاءؒ سے احکام فقہیہ ثابت نہیں ہوا کرتے۔ اس کے لئے نقل یا اصل درکار ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم   کتبہٗ عبداللطیف معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۲۳ رمضان سنہ ۸۶ھ

جواب از خیر المدارس

مدرسہ قاسم العلوم کے نائب مفتی صاحب اپنا جواب تحریر کرکے مدرسہ خیر المدارس میں خود تشریف لائے تھے۔ زبانی بات چیت ہوتی رہی۔ جواباً ہم نے ان کی خدمت میں یہ

عرض کردیا تھا کہ :

(۱) آپ کا دعوی یہ ہے کہ "ہر سفر شرعی وطنِ اقامت کے لئے مبطل ہے"۔ اور اس کی دلیل میں جو عبارات آپ نے پیش کی ہیں یہ وہی عام عبارات ہیں جن میں سے ایک عبارت ہم اپنی تحریر کے شروع میں لکھ چکے ہیں اور یہ عبارات اثباتِ استغراق کے لئے ناکافی ہیں۔ کیونکہ کوئی لفظ دال علی الاستغراق موجود نہیں۔ ورنہ ہر وطن اصلی پہلے وطن اصلی کے لئے مبطل ہو جائے گا اور ہر وطن اقامت پہلے وطن اقامت کے لئے مبطل بن جائیگا (حالانکہ آپ ان میں جوازِ تعدّد کے قائل ہیں) کیونکہ متون میں تینوں مبطلوں کی تعبیر تقریباً یکساں ہے۔

(۲) عبارت محیط کو صاحب بحر نے کسی مبطل کی تقیید کے لئے نقل نہیں کیا بلکہ دوسرے وطنِ اصلی کی بحث میں اس کا تذکرہ آگیا ہے اور نیز یہ کہ اس عبارت میں جو "ان اقام بموضع آخر" موجود ہے اس "موضع آخر" کو مادون السّفر کی قید کے ساتھ مقید کرنا بلا دلیل ہے اور جیسا کہ اس کے مشبہ وطن اصلی میں ایسی کوئی قید موجود نہیں بظاہر اس مشبہ بہ میں بھی ایسی کوئی قید موجود نہیں۔

(۳) تعلیل بدائع کے متعلق یہ عرض کیا گیا تھا کہ تعلیل ہذا سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ کم از کم صاحب بدائع یقیناً اس لفظ سفر کو ہر سفر کے لئے عام نہیں لے رہے ہیں بلکہ سفر کا وہ مخصوص فرد سمجھ رہے ہیں جس میں دلالت علیٰ نقض الوطن پائی جائے۔ پس اس لفظِ سفر سے یہی مراد لینا چاہیئے اور اگر کسی فقیہ کے کلام سے اس لفظ کا عموم اور تمام افرادِ سفر کو شامل ہونا تحقیق ہو جائے گا تو تسلیم کر لیا جائے گا۔

باقی یہ کہنا کہ "فقہاء کے کلام میں ایسا استدلال متعدد مقامات پر موجود ہے" اسکے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ فقہاءؒ ایسے دعوی اور دلیل کے عدم انطباق کو نہیں سمجھتے اور صاحب بدائع بھی اس موٹی سی بات سے بے خبر ہیں۔ یہ بات کم از کم ہم تو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔

تعلیل مسئلہ سے صورتِ مسئلہ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت کسی اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ تتبع کرنے سے اس کی بے شمار نظائر مل سکتی ہیں۔ فقط

خادم بندہ :
عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۸ / ۱۰ / ۱۳۸۹ھ

الجواب باسم ملهم الصواب

قاسم العلوم کے فتویٰ میں جزئیہ محیط کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔ اسمیں "بدون انشاءِ سفر کسی دوسری قریب جگہ کو وطنِ اقامت بنائے" کی قید بلا دلیل ہے اگر صورت زیر بحث میں دوسری جگہ وطن اقامت بنالینا سابق وطن اقامت کے لئے مبطل نہیں تو انشاء سفر کیوں مبطل ہے؟ دونوں میں مابہ الفرق کیا ہے؟

جب وطنِ اقامت مبطل نہیں تو سفر بطریق اولیٰ مبطل نہوگا کیونکہ سفر کی بنسبت وطن قوی ہے یہ امر معقول ہونے کے علاوہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ جملہ کتب میں یہ مصرح ہے کہ وطنِ اصلی کے لئے سفر مبطل نہیں اور دوسرا وطنِ اصلی مع الاعراض عن الاول مبطل ہے اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی بنسبت وطن میں قوۃِ ابطال زیادہ ہے۔ وھو ظاھر جداً وطنِ اقامت کا مبطل نہونا اور سفر کا مبطل ہونا بالکل غیر معقول ہے۔ تعلیل بدائع سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی قرینِ قیاس نہیں۔ اگرچہ حکمِ عقلیہ پر احکام شرعیہ کے وجود و عدم کا مدار نہیں ہوتا مگر علت پر معلول کا مدار لازم ہے۔ وہ علت کیا ہوئی جس پر معلول کا مدار نہو؟

ہاں ایسے مواقع کہ جہاں وجود علت ایسا مخفی ہو کہ اسکا علم حاصل کرنا متعسر ہو وہاں شریعت مقدسہ نے سبب کو علت کے قائم مقام قرار دیکر حکم نافذ کر دیا ہے جیسے کہ نوم کو خروجِ ریح اور سفر کو مشقت کا قائم مقام قرار دیکر نقضِ وضوء اور قصر و افطار کے احکام جاری کئے گئے ہیں۔ مسئلہ زیر بحث اس نوعیت کا نہیں کہ اسمیں سبب یعنی سفر کو علت یعنی اعراض عن التوطن کے قائم مقام کر کے نفس سفر پر ہی ابطال وطن کا حکم لگایا جاسکے بلکہ ایجادِ علت خود مسافر کے اختیار میں ہے اور اس کی نیت پر موقوف ہے۔

خلاصہ یہ کہ بندہ کی نظر میں خیر المدارس کا جواب صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد عفا اللہ عنہ

۳۰ ۱۱ ذی قعدہ سنہ ۸۶ ہجری

سوال مثل بالا

بخدمت اقدس حضرت مفتی صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

جناب سے درج ذیل مسئلہ کی تحقیق مطلوب ہے۔ ملتان کے ایک عالم اور مفتی صاحب کی تحقیق بھی پیشِ خدمت ہے۔ بغور مطالعہ فرمانے کے بعد اس کی تائید یا تردید بالدلائل تحریر فرمائیں۔

تاکہ تشفی ہو۔ اُمید ہے کہ جناب والا اپنی تحقیق سے ضرور مطلع فرمائیں گے۔

سوال: زید ملتان میں ملازمت کرتا ہے، یہیں اسکی رہائش ہے، یعنی ملتان اسکا وطن اقامت ہے۔ اس کا گھر یلو سامان، بیوی بچے اسکے ساتھ ملتان میں رہائش پذیر ہیں، جبکہ اس کا وطن اصلی لائل پور ہے۔ اب وہ سفر شرعی کے لئے ملتان سے باہر جاتا ہے اور واپسی پر ملتان میں پندرہ روز ٹھیرنے کا ارادہ نہیں کرتا، کیونکہ ہفتہ عشرہ تک اس کو دوبارہ کہیں سفر پر جانا ہے تو اس حالت میں وہ قصر کریگا یا اتمام؟ سفر شرعی سے وطن اقامت میں واپسی کے بعد اتمام صلوٰۃ کے لئے پندرہ روز اقامت کی نیت شرط ہے یا نہیں؟

جواب:

یہ جواب بھی مفتی عبدالستار صاحب ہی کا نوشتہ ہے۔ اسمیں بھی مضمون اور دلائل کا اکثر حصہ وہی ہے جو اوپر گزرا۔ اس لئے اس جواب میں سے صرف وہ امور نقل کئے جاتے ہیں جو سابق جواب سے زائد ہیں۔ مرتب

جو شخص کسی شہر میں باقاعدہ بیوی بچوں سمیت رہائش رکھتا ہو تو اسکا یہ توطن تب باطل ہوگا جبکہ وہ اس شہر سے رہائش ختم کر کے چلا جائے، محض عارضی اور وقتی اسفار سے اسکا یہ وطنِ اقامت باطل نہیں ہوگا اور متون کے جزئیہ کا یہی مطلب ہے کہ وطن اقامت سے جب ارتحال ہوگا تو یہ اس کے لئے مبطل ہوگا محض سفر مبطل نہیں ہوگا۔

جس وطن سے ترک وطن کر لیا وہ وطن باطل ہوگیا خواہ یہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت البتہ وطن اقامت سے سفر عام طور پر چونکہ ایسا ہی ہوتا تھا یعنی ارتحال ہوتا تھا کیونکہ یہاں پر قیام برائے حاجت تھا ضرورت پوری ہونے پر ارتحال ہی ہوگا خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ آمد و رفت کے موجودہ ذرائع مفقود تھے لہٰذا نفس سفر کو اس سفر کے لئے مبطل قرار دیا ہے اور کسی قید کی حاجت نہیں سمجھی گئی جیسا کہ دوسرے وطن اصلی کو پہلے کے لئے بلا کسی قید کے مبطل ٹھیرایا ہے حالانکہ یہ بطلان پہلے کے ترک کے ساتھ مقید ہے (اسکی قدرے تفصیل آگے آرہی ہے) مگر چونکہ عام طور پر جب دوسرے مقام کو مستقل وطن بنایا جاتا ہے تو پہلے کو چھوڑ کر ہی بنایا جاتا ہے لہٰذا اس قید کی تصریح کی "متون" میں ضرورت نہیں سمجھی گئی تو گویا کہ متون کی تعبیر وطن اقامت سے ایک خاص سفر کے بارے میں ہے تمام سفروں کے بارے میں نہیں۔

وطنِ اقامت سفر سے باطل ہوجاتا ہے۔ کتاب الفقہ لعبدالرحمٰن الجزیری میں اس کی

تعبیر ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ ثانیہا یبطل بنشاء السفر فلو سافر قصد الی مکان دون السفر للاقامۃ واقام بہ خمسۃ عشر یوماً او ثم ارتحل عنہ الی مکان آخر واقام بہ کذلک الخ

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ شرعی سفر نہو بلکہ وطن اقامت میں اپنا سامان وغیرہ چھوڑ کر کسی قریبی مقام میں چلا جائے کیونکہ یہ تقیید بلا دلیل ہے اور موضع آخر مطلق ہے جوکہ دونوں مسافتوں سفر اور ما دون السفر کو شامل ہے اور اگر متون کے اطلاق سفر کو دلیل تقیید قرار دیا جائے اور یوں کہا جائے کہ چونکہ متون میں شرعی سفر کو وطن اقامت کے لئے مطلقاً مبطل قرار دیا گیا ہے خواہ یہ ارتحال ہو یا محض سفر شرعی، لہٰذا پیش نظر جزئیہ ہذا کو ما دون السفر کے ساتھ مقید کیا جائیگا، تو اسکا جواب یہ ہے کہ اسکے برعکس کیوں نہیں کر لیا جاتا (یعنی جزئیہ محیط کو مطلق رکھا جائے اور متون کے اطلاق کو مقید کیا جائے) وجہ ترجیح کیا ہے؟ خصوصاً جبکہ متون کے اطلاق کی دلیل تقیید صاحب بدائع کی تعلیل سے واضح ہو جاتی ہے۔ پس جب دونوں امر محتمل ہوئے تو تقیید کا ثبوت نہ ہو سکے گا اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ محیط کا جزئیہ ما دون السفر پر محمول ہے تو بھی نفس مسئلہ کے ثبوت پہ کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ جزئیہ ہذا میں یہ بھی مصرح ہے کہ دوسرے موضع میں مقیم ہو جانے سے پہلا وطن اقامت باطل نہو گا بلکہ موجودگی سامان کیوجہ سے باقی رہے گا (جیساکہ دوسرا وطن اصلی بنا لینے سے پہلا وطن اصلی باطل نہیں ہوگا تاوقتیکہ پہلے کو قصداً باطل نہ کرے اور وہاں سے رہائش وغیرہ ختم نہ کر دے) حالانکہ متون میں دوسرے وطن اقامت کو پہلے کیلئے مبطل لکھا ہے پس جزئیہ ہذا سے "بقاء ثقل" کا وطن اقامت کے لئے مانع بطلان ہونا ثابت ہو گیا اور یہی مطلوب تھا۔ پس جیسے دوسرے وطن اقامت سے اندریں صورت پہلا وطن اقامت باطل نہیں ہوتا ایسے ہی سفر سے بھی باطل نہیں ہوگا کیونکہ وجود مقتضی اور وجود مانع میں دونوں برابر ہیں (متون کے اطلاق کے اعتبار سے علامیں) (دوسرا وطن اقامت بنا لینا مقتضی بطلان ہے (اور جزئیہ محیط کے اعتبار سے) بقاء ثقل مانع بطلان ہوا، اسی طرح عدم میں سفر شرعی کرنا مقتضی اور بقاء ثقل مانع بطلان۔

یمین کے بارے میں بھی فقہاء نے اسی امر کو مبنیٰ قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شہر میں نہ رہنے کی قسم کھالے تو شہر سے محض چلے جانا بر یمین کے لئے کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کے

ساتھ عدم عود کا عزم ہونا بھی ضروری ہے اور اگر واپس آنیکے ارادہ سے گیا ہے تو اس سفر کے باوجود شہر مذکور کے اعتبار سے اسکی سکونت کو باقی تصوّر کیا جائیگا گو وہ وہاں موجود نہو بلکہ صاحب نہر نے اس پہ یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ بال بچوں سمیت چلا جائے تو حنث سے بچیگا ورنہ نہیں۔ گو رملیؒ وغیرہ نے اسکی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ضروری نہیں البتہ عزم عدم عود لازمی ہے۔

ففی الکنز والبحر: لا یسکن ھذہ الدار او البیت او المحلۃ فخرج وبقی متاعہ واھلہ حنث لانہ یعد ساکنا ببقاء اھلہ ومتاعہ فیھا عرفا (الیٰ ان قال) قید بالثلاثۃ والسکۃ کالمحلۃ لانہ لو کان الیمین علی المصر او البلدۃ لا یتوقف البر علی نقل المتاع والاھل کما روی عن ابی یوسفؒ لانہ لا یعد ساکنا فی الذی انتقل عنہ عرفا بخلاف الاول وقال ابن عابدینؒ فی منحۃ الخالق وفی النھر وفی مصرنا یعد ساکنا بترک اھلہ ومتاعہ فیھا ولو خرج وحدہ فینبغی ان یحنث قال الرملی کونہ یعد ساکنا مطلقا غیر مسلّم بل انما یعد ساکنا اذا کان قصد العود اما اذا خرج منھا لا بقصد العود لا یعد ساکنا ولعلہ مقید بذلک کما یفھم مما یأتی من قولہ وکذا لو ابت المرأۃ الخ (بحر ص۳۰۳ ج ۴) وکذا فی الشامیۃ (ص۸۴ ج ۳) ومسئلۃ لو ابت المرأۃ ان تنتقل وغلبتہ وخرج ھو ولم یرد العود الیہ (الیٰ قولہ) لم یحنث (بحر ص ۳۰۶ ج ۴) وکذا فی الشامیۃ ص۷۹ ج ۳)

"ولم یرد العود الیہ" کی قید سے معلوم ہوا کہ بیوی اسی شہر میں چھوڑ کر بنیت واپسی اگر شہر سے چلا گیا تو حانث ہو جائیگا۔ اور لا یسکن فی ھذا المصر میں اسے صادق نہیں تصوّر کیا جائیگا بلکہ اسکی سابقہ سکونت واقامت کو باقی سمجھا جائیگا۔ سکونت اور اقامت شرعی دونوں کا مصداق تقریباً ایک ہی ہے جیسا کہ جزئیۂ ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ وفی الواقعات لا یساکن فلانا فنزل منزلہ فمکث فیہ یوما او یومین لا یحنث لانہ لا یکون ساکنا معہ حتی یقیم معہ فی منزلہ خمسۃ عشر یوما وھذا بمنزلۃ ما لو حلف لا یسکن الکوفۃ فمر بھا مسافرا فنوی اربعۃ عشر یوما لا یحنث فان نوی خمسۃ عشر یوما یحنث (بحر ص ۳۲۴ ج ۴)

اور صاحب نہر اور رملی کے کلام سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک باشندہ جب کسی شہر سے سفر پہ جائے اور اسکے بیوی بچے وہیں ہوں اور واپسی کا ارادہ بھی ہو تو شہر میں اسکی سکونت باقی تصوّر کیجاتی ہے، تو جیسے اس صورت میں سکونت کو باقی قرار دیا جاتا ہے اسی طرح ایسی صورتمیں اقامت کو بھی باقی سمجھا جائیگا تاکہ اقامت وسکونت میں جیسے حدوثاً مساوات ہے ایسے ہی زوالاً بھی مساوات باقی رہ سکے۔

واضح رہے کہ بقاء ثقل سے یہ مراد ہے کہ سامان پر اس کا قبضہ بھی باقی ہو اور اگر کسی کے پاس سامان ودیعت رکھ دیا یا کسی کو عاریت پر دیدیا تو اس سامان کا بقاء موجب بقاء اقامت و سکنی نہیں ہوگا۔ کما یدل علیہ قول محمدؒ الآتی حلف لا یساکن فلانا فان کان ساکنا معہ فان اخذ فی النقلۃ وھی ممکنۃ والاحنث قال محمدؒ فان کان وھب لہ متاعہ وقبضہ منہ وخرج من ساعتہ ولیس من رأیہ العود فلیس بمساکن وکذلک ان اودعہ المتاع او اعارہ ثم خرج لا یرید العود الخ (شامی ج ۳ - ص ۸۰)۔

پس صورت مسئولہ میں زید سفر کے بعد جب بھی وطن ملتان پہنچے گا خود بخود مقیم تصور ہوگا اور نماز پوری پڑھے گا۔ نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موضع اشتباہ میں اتمام لازم ہے۔ مزید یہ کہ وطن اقامت کا جہاں بیوی بچے موجود ہوں محض عارضی سفر سے باطل نہ ہونا اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ عارضی سفر سے واپسی پر بلا تجدید نیت اقامت اسکا مسافر رہنا بعید ہے اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ اس کی سابقہ اقامت کو باقی سمجھا جائے۔ اگر سفر سے وطن اقامت باطل ہوگیا ہوتا تو یہ شخص ہمیشہ مسافر رہتا تا وقتیکہ پندرہ روز ٹھہرنے کی جدید نیت نہ کرلیتا، تو معلوم ہوا کہ محض سفر سے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم

عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱ ۹/۸۶

الجواب باسم ملهم الصواب

بندہ کے نزدیک یہ جواب صحیح ہے۔ کچھ عرصہ قبل اسی مسئلہ سے متعلق خیر المدارس اور قاسم العلوم ملتان کے متضاد جوابات خیر المدارس کی طرف سے بندہ کے پاس بھیجے گئے تھے اسوقت بھی جانبین کے دلائل پر غور کرنے کے بعد بندہ نے خیر المدارس کے جواب کو صحیح قرار دیا تھا اور اسکے مطابق فیصلہ لکھا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

رشید احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

مایتعلق

باحکام المساجد

مساجد میں جہر معتدل کیساتھ اجتماعاً یا انفراداً ذکر کرنا

حضرات مشائخ کا ذکر کے بارے میں مختلف معمول ہے۔ کچھ حضرات صرف ذکر قلبی کرتے ہیں کچھ معمولی جہر کے ساتھ اور بعض حضرات جہر سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ ذکر کی جملہ اقسام مشروعہ تفصیل سے تحریر فرمادیں نیز مانعین جہر جن دلائل سے استنباط کرتے ہیں ان کا جواب بھی تحریر فرمادیں اور یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ جہر کے ساتھ اجتماعاً یا انفراداً مسجد میں بھی جائز ہے یا صرف خارج مسجد جائز ہے پوری تفصیل سے بیان فرمادیں

المستفتی ؛ احقر محمد صفدر الحق

خطیب مرکزی جامع مسجد ، محلہ اندرکوٹ دہوار ، تحصیل تونسہ شریف

الجواب قرآن حکیم اور احادیث مرفوعہ صحیحہ سے مجالس ذکر کا جواز بلکہ استحباب ثابت ہوتا ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

" انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق و الطیر محشورۃ کل لہ اواب الآیۃ (پ ۲۳ ، سورۃ صٓ)۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالے اس آیت کے تحت مسائل السلوک میں لکھتے ہیں۔

" یؤخذ منه أمر ان الاجتماع علی الذکر تنشیطاً للنفس وتقویة للهمة و تعاکس برکات الجماعة من بعض علی بعض "

(بیان القرآن)

اور احادیث شریفہ سے محض استنباطی طور پر نہیں بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات سے مجلس ذکر کا ثبوت ملتا ہے ۔ اور حضرات محدثین نے بھی ان احادیث پر مجالس الذکر یا حلق الذکر کے ابواب منعقد کئے ہیں۔ دیکھئے مسلم شریف ، ریاض الصالحین اور حیاۃ الصحابہ رض وغیرہ ۔

۱ :۔ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

ان للہ (تبارک وتعالیٰ) ملئکۃ سیارۃ فضلا یبتغون مجالس الذکر فاذا وجدوا مجلسا فیہ ذکر تعدوا لھم الخ

ترجمہ :۔ اللہ تعالےٰ کے کچھ ملائکہ صرف اسی کام کے لئے مخصوص ہیں کہ وہ زمین میں چلتے پھرتے ہیں اور ذکر کی مجلسیں تلاش کرتے ہیں ۔ جہاں کوئی ذکر کی مجلس ملتی ہے اس میں بیٹھ جاتے ہیں "

اس حدیث پاک سے " مجالس ذکر " میں حاضری کی ترغیب معلوم ہوتی ہے کہ ملائکہ کی طرح اہل اسلام کو بھی ایسی مجالس کی تلاش و جستجو کرنی چاہئے ۔ تاکہ انہیں بھی اس رحمت سے حصہ ملے جو ان مجالس پر نازل ہوتی ہے ۔ شبہ نہ کیا جائے کہ ان مجالس سے مراد وعظ و تقریر کی مجالس ہیں کیونکہ یہ تخصیص خلاف دلیل ہے ۔ اسی حدیث پاک میں آگے صراحۃً مذکور ہے ۔

" یسبحونک و یکبرونک و یھللونک و یحمدونک و یسئلونک "

اس سے اجتماعی ذکر تسبیح ، تکبیر اور تہلیل وغیرہ کا ثبوت ظاہر ہے ۔ ہاں ثانوی درجہ میں مجلس وعظ بھی مجالس ذکر کے حکم میں ہوں تو اس کا مضائقہ نہیں ۔ نیز یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ یہ حدیث ایسی مجالس ذکر کے بارے میں ہے جن میں اجتماع کا قصد نہ ہو ۔ بس ایسے ہی بیٹھے بیٹھے ذکر کرنے لگ گئے ہوں ۔ کیونکہ یہ دعوئے تخصیص بھی بلا دلیل ہے ۔

بظاہر حدیث پاک اپنے اطلاق و عموم کی وجہ سے دونوں قسم کی مجالس ذکر کو شامل ہے ۔ بلکہ آخر حدیث سے یہ عموم صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اصل تو اس مجلس ذکر میں وہی لوگ تھے جو قصداً

اس مجلس میں شریک ہوئے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی تھے جو بلا قصد اس مجلس میں شامل ہو گئے تھے۔ جب فرشتوں نے بارگاہِ خداوندی میں ایسے لوگوں کا غیر قصدی طور پر شامل ہونا عرض کیا تو ارشادِ خداوندی ہوا کہ رحمت سب کو پہنچے گی ایسے لوگ بھی محروم نہیں رہیں گے۔

" ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم " (مسلم شریف، ج ۲، ص ۳۴۴)۔

علامہ نووی رح اس حدیث کے فوائد میں لکھتے ہیں۔

وفی ھذا الحدیث فضیلۃ الذکر وفضیلۃ مجالسہ والجلوس مع اھلہ وان لم یشارکھم۔ (نووی، مسلم شریف، ص ۳۴۴)۔

۲ :- ارشادِ نبوی ہے

" لا یقعد قوم یذکرون اللہ عزوجل الا حفتھم الملٰئکۃ و غشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ و ذکرھم اللہ فیمن عندہ " (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۴۵)۔

۳ :- حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جو لوگ بھی اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ کی رضا ہو، تو ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے۔ اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔ (احمد بزار، ابو یعلی وغیرہ)۔

۴ :- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ لوگ نور کے ممبروں پر ہوں گے۔ لوگ ان پر رشک کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو مختلف جگہوں اور مختلف قبیلوں سے آکر ذکر کے لئے جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کا ذکر کر رہے ہوں۔ (طبرانی باسناد حسن)

۵ :- ایک صحابی رض نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجالس ذکر کا مالِ غنیمت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " مجالس ذکر کی غنیمت جنت ہے جنت ہے "

(اخرجہ الطبرانی واحمد)

۶ :- حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایسی جماعت میں تھے جو ذکر اللہ میں مشغول تھی۔ اتنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو یہ حضرات چپ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ ذکر کئے جاؤ میں نے رحمت کو دیکھا ہے کہ تم پر اتر رہی ہے تو میں نے اچھا سمجھا کہ تمہاری اس رحمت میں شرکت کروں۔ (ابو نعیم فی الحلیہ)۔

۷ :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضہ کے پاس سے گزرے ۔ یہ اپنے اصحاب کو ذکر کرا رہے تھے ۔ تو آپ نے فرمایا کہ بے شک تم ایسی جماعت ہو کہ اللہ پاک نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے آپ کو تمہارے ساتھ رکھوں ۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی ۔ واصبر نفسک الآیۃ (اخرجہ الطبرانی)[1]

۸ :۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اکثروا ذکر اللّٰہ حتی یقولوا مجنون۔ (رواہ احمد وابویعلی وابن حبان والحاکم فی صحیحہ وقال صحیح الاسناد)۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر اتنا کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں ۔

۹ :۔ عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما مرفوعا اذکروا اللّٰہ ذکرا یقول المنافقون انکم مراؤن ۔ (اخرجہ الطبرانی)۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر خوب کرو حتی کہ منافق کہیں کہ یہ ریا کار ہیں مجنون و ریا کار جب ہی کہا جائے گا جب کہ زور سے ذکر کیا جائے آہستہ ذکر کرنے میں یہ بات نہیں ہو سکتی ۔

۱۰ :۔ حضرت عبد اللہ ذوالبجادین رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک صحابی ہیں جو بچپن میں یتیم ہو گئے تھے چچا کے پاس رہتے تھے اور وہ بہت اچھی طرح رکھتا تھا ۔ گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے چچا کو خبر ہو گئی تو اس نے غصہ میں کپڑے چھین کر گھر سے نکال دیا ۔ ماں بھی بیزار تھی ۔ لیکن پھر ماں تھی ۔ ایک موٹی سی چادر ننگا دیکھ کر دے دی جس کو انہوں نے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ستر ڈھکا اور دوسرا اوپر ڈال لیا ۔

مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پڑے رہتے تھے اور بہت کثرت سے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا یہ شخص ریا کار[2] ہے کہ اس طرح سے ذکر کرتا ہے ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ یہ اوّابین

---

[1] یہ احادیث حیاۃ الصحابہ رضہ سے ماخوذ ہیں ۔ [2] حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

میں سچ ہے۔ غزوۂ تبوک میں انتقال ہوا۔
صحابہ رضنے دیکھا کہ رات کو قبروں کے قریب چراغ جل رہا ہے۔ قریب جاکر دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اترے ہوئے ہیں حضرت ابوبکر رضو حضرت عمر رضہ کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ لاؤ اپنے بھائی کو مجھے پکڑا دو۔ دونوں حضرات نے نعش کو پکڑا دیا۔ دفن کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا"۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سارا منظر دیکھ کر مجھے تمنا ہوئی کہ یہ نعش میری ہوتی۔ (فضائل ذکر: ص ۳۹)

۱۱ :- يقول الله عز وجل ليعلم اهل الجمع اليوم من اهل الكرم قيل من اهل الكرم يا رسول الله قال اهل مجالس الذكر من المساجد۔ (ابن حبان طبرانی کبیر ابویعلی بحواله حصن حصين)
اللہ تعالٰے قیامت کے دن فرمائیں گے کہ اہل محشر کو آج معلوم ہو جائے گا کہ اہل کرم کون ہیں صحابۂ کرام رضنے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اہل کرم کون ہیں؟ فرمایا "مساجد میں ذکر اللہ کی مجلسوں والے۔

۱۲ :- حدیث قدسی میں ہے۔ جس نے میرا اکیلے ذکر کیا میں اسے اکیلا یاد کرتا ہوں۔ اور جس نے کسی مجلس میں میرا ذکر کیا میں اس کی مجلس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

۱۳ : ابن ابزیٰ رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو تین مرتبہ سبحان الملك القدوس پڑھتے اور تیسری مرتبہ بلند آواز سے کہتے۔

قال المظهر هذا يدل على جواز الذكر برفع الصوت بل على

ؔلہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کو ریاکار کہنے سے یہ مستفاد ہوا کہ حضرت عمر رضہ کو نفس ذکر جہر پر اعتراض نہ تھا بلکہ اندیشۂ ریا کی وجہ سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندیشۂ ریاکاری کی تردید فرماتے ہوئے انہیں " اوّابین " میں سے قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر اوّابین کی علامت ہے جب کہ ریاکاری سے خالی ہو۔

الاستحباب ۔ اھ وقال الشیخ المحدث الدھلوی فی الحدیث دلیل علی مشروعیۃ الجھر وھو ثابت فی الشرع بلا شبھۃ لکن الخفی منہ افضل فی غیر الماثور انتہٰی (حاشیۃ المشکوٰۃ)

۱۴:۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت کے باغوں پر گزرو تو خوب چرو۔ کسی نے عرض کیا جنت کے باغ کیا ہیں ؟ آپ نے فرمایا " ذکر کے حلقے " (اخرجہ احمد والترمذی وحسنہ)۔

۱۵:۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں صبح سے طلوعِ شمس تک ذکر اللہ کرنے والی جماعت کے ساتھ بیٹھوں، یہ مجھے اولادِ اسماعیلؑ میں سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اور عصر سے غروبِ شمس تک اللہ کا ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھوں یہ مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ (اخرجہ ابوداؤد قال العراقی اسنادہ حسن)۔

چار عمل ہیں جن پر یہ فضیلت دارد ہے۔ ذکر اللہ ؛ اس کے لئے بیٹھنا ؛ ذکر اللہ کے لئے جمع ہونا ؛ اور صبح سے طلوع تک اسے لمبا کرنا ۔ قالہ البیضاوی (کذا فی تحفۃ الذاکرین للشوکانیؒ)۔

بعض دلائلِ ممانعت کے جوابات

باقی رہا اثر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما اراکم الا مبتدعین جس سے بظاہر اجتماعی ذکر کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ تو حضرات علماء و مشائخ نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔

۱:۔ بعض نے اس کے ثبوت میں کلام کیا ہے جیسا کہ " راہِ سنت " میں بحوالۂ علامہ سیوطیؒ اور تفسیر روح البیان ، ذکر بالجہر کی بحث میں نقل کیا گیا ، لیکن حضراتِ فقہاء نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔ اور اس کی سند مسند دارمی ۔ ص ۸۳ ۔ پر موجود ہے۔

۲:۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کرنا کسی ہیئتِ خاصہ کی بناء پر تھا نفسِ اجتماعی ذکر پر نہ تھا۔ اجتماعی ذکر کی ایک شکل یہ ہے کہ سب ذاکرین قصدًا آواز ملا کر ذکر کرنے کا التزام کریں۔ یا ایک کہلائے اور باقی مجمع اس کے پیچھے اسی کلمہ کو دھرائے جیسے بچوں کو گنتی یا پہاڑے یاد کرائے جاتے ہیں۔ اجتماعی ذکر کی یہ دونوں صورتیں محلِ کلام ہیں۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذاکرین ایک جگہ مجتمع ہوں اور سب اپنا اپنا ذکر کریں ، کسی دوسرے کے ذکر کی طرف

قطعاً متوجہ نہ ہوں۔ وقت ومحل کی وحدت کے اعتبار سے یہ اجتماعی ذکر ہے لیکن نفس ذکر کے لحاظ سے انفرادی ہے یہ درست ہے پس ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار پہلی دوسری قسم کے بارے میں ہو جس کا آپ نے وہاں مشاہدہ کیا۔

۳:۔ حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ اپنے مکتوبات میں اجتماعی ذکر کی احادیث مرفوعہ صحیحہ نقل کرکے اس اثر کی مندرجہ بالا توجیہ کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ۔

" ان مرفوعات صحیحہ کے مقابلہ میں دارمی کی یہ روایت کیا حیثیت رکھتی ہے جب کہ یہ موقوف ہے ...... اور اگر معارضہ کیا جائے گا تو احادیث مرفوعہ ہی کو ترجیح ہوگی خصوصاً جب کہ آیات ذکر ان کی مؤید ہیں فاذکروا اللہ قیامًا وقعودًا وعلی جنوبکم وغیرہ جن سے اجتماع اور انفراد سب کا ثبوت ہوتا ہے۔" (مکتوبات شیخ الاسلامؒ، ج ۲، ص ۶۴)

علامہ سیوطی نے بھی یہی جواب دیا ہے۔

" قلت ھذا الاثر عن ابن مسعود رضہ ...... علی تقدیر ثبوتہ معارض بالاحادیث الکثیرۃ الثابتۃ وھی مقدمۃ علیہ عند التعارض۔" (الحاوی : ج ۲ : ص ۱۳۴)۔

خصوصاً جب کہ اجتماعی ذکر کی کسی خاص صورت کو ضروری اور واجب بھی نہ قرار دیا جائے اور تارک پر نکیر بھی نہ کی جاوے۔

واضح رہے کہ جن بعض روایات سے ذکر جہر کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ روایات جہر مفرط، یا جہر موذی پر محمول ہیں۔ بلکہ قساوت قلبی کے علاج کی غرض سے اگر شیخ جہر مفرط تجویز کردے تو علاجاً اس کی بھی اجازت ہے۔ لیکن ایسی جگہ کیا جائے جہاں پر کسی کی نماز، تلاوت یا نیند وغیرہ میں خلل نہ آئے آیت شریفہ واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول الآیۃ کے فائدہ میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

" حاصل ادب کا یہ ہے کہ دل میں ہیئت میں تذلل اور خوف ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر مفرط نہ ہو یا تو بالکل آہستہ ذکر ہو یعنی مع حرکت لسانی کے۔ یا جہر معتدل ہو۔ اور جہر فی نفسہ ممنوع نہیں جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے مراد اس سے جہر مفرط ہے۔ البتہ اگر کسی عارض کی وجہ سے مثل دفع خطرات یا دفع قساوت وتحصیل رقت وغیرہ کسی شیخ محقق نے تجویز کیا ہو، کسی کو ایذا نہ ہو اس جہر

کو قربت نہ جانتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے۔ کیونکہ جو مفاسد علل نہی کے تھے وہ اس میں نہیں ہیں۔"
(بیان القرآن)

ویسے عقلی طور پر بھی یہ امر بالکل ناقابل فہم ہے کہ ہر بات چیت کرنے، شعر پڑھنے، سبق یاد کرنے وغیرہ کے لئے جہر معتدل کی اجازت ہو اور حق جل شانہ کا نام لینے پر یہ پابندی ہو کہ کوئی نہ سنے اہل بدعت کی مساجد اور جلسے جلوسوں میں اجتماعی طور پر سپیکر پر بیک زبان درود شریف پڑھنے کا طریقہ رائج ہے اور اس میں شمولیت نہ کرنے والے کو بے دین سمجھا جاتا ہے۔ اور صیغۂ درود و سلام بھی ایسا ہے جس سے عوام کے عقیدۂ فاسد کی تائید ہوتی ہے۔ سپیکر پر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ طریقہ بدعت و ناجائز ہے۔ ویسے تو ہر عبادت سے تزکیۂ قلب میں مدد ملتی ہے لیکن کلمہ طیبہ اور اسم ذات وغیرہ اس مقصد کے لئے بالاجماع خاص تاثیر رکھتے ہیں۔ اسی لئے تمام سلاسل حقہ میں نفی و اثبات و اسم ذات کا ذکر بڑی بڑی تعداد میں تجویز کیا جاتا ہے۔

۲:۔ آیت شریفہ ادعوا ربکم تضرعا وخفیة انه لا یحب المعتدین ؕ

سے بھی علی الاطلاق ذکر بالجہر کی ممانعت کے لئے استدلال کرنا محل نظر ہے۔ کیونکہ دعاء میں اعتداءً (حد سے گزرنا) چلا چلا کر دعاء کرنا ہے یا مثلاً یوں کہنا ہے " یا اللہ مجھے جنت الفردوس کے دائیں جانب سفید محل عنایت فرما " جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہے۔
(معارف القرآن کاندھلویؒ)

اور عرف عام بھی یہی ہے کہ معمولی آواز سے پڑھنے یا بات چیت کرنے والے کو معتدی نہیں سمجھتے۔ ہاں بلا ضرورت شور مچا دے یا چیخے چلائے تو اسے حد سے تجاوز تصور کیا جاتا ہے۔

ابن جریجؒ سے اعتداء کی تفسیر " رفع صوت اور چلانے کے ساتھ منقول ہے "
(حاشیہ جلالین شریف)

اور اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اکثر دعائیں قرآن پاک میں لفظ نداء کے ساتھ مذکور ہیں۔ لغوی لحاظ سے نداء کا ادنیٰ مصداق جہر معتدل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاء فرمائی، حضرت ہارون علیہ السلام نے سن کر اس پر آمین کہا۔ قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما الآیة (یونس)۔

سننے کے لئے ظاہر ہے کہ کم از کم جہرِ معتدل ضروری ہے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغرضِ تعلیم اور ویسے بھی معمولی جہر سے دعائیں کرنا بے شمار مواقع پر ثابت ہے جنہیں حضراتِ صحابہ رضؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر نقل فرمایا ۔

الحاصل ذکر کی چار اقسام ہیں ۔ قلبی ، ذکرِ لسانی خفی (مسموع النفسہ) ، جہرِ معتدل ، اور جہرِ مفرط ۔ ان میں سے صرف " جہرِ مفرط " لا یحب المعتدین " کے تحت داخل ہو کر ممنوع ہے ۔ جہرِ معتدل اعتدار میں داخل نہیں ورنہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرضئی خدا وندی کے خلاف کرنا کیسے متصور ہو سکتا ہے اور آیتِ کریمہ ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلا سے بھی معمولی جہر ثابت ہوتا ہے ۔

۳ :- حدیثِ پاک میں ہے ۔

ایہا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصمّ
ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا وھو یعلم الخ
وفی روایۃ انکم لا تنادون اصمّ ولا غائبا ۔(مسلم ج ۲ ص۳۴۶)

اس سے بھی "جہرِ مفرط" کی مخالفت معلوم ہوتی ہے ، معمولی جہر کی نہیں ۔ کیونکہ بہرے شخص کو دور سے بلانے کے لئے جہرِ مفرط اور چیخ چیخ کر بلانے کی حاجت ہوتی ہے ۔ اس کی ممانعت فرماتے ہوئے معمولی جہر سے ذکر کی اجازت دی گئی ہے ۔ جیسے پاس بیٹھے سننے والے سے باتیں کی جاتی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے کان میں بات تو نہیں کی جاتی بلکہ عام عادت کے مطابق معمولی جہر کے ساتھ اس سے گفتگو کی جاتی ہے جیسے وہ سن سکے ۔ حدیث شریف میں ذکر کردہ تعلیل کا یہی حاصل اور مفاد ہے کہ جہرِ مفرط نہ چاہئے ۔ یہ الگ بات ہے کہ حق جل شانہ کے جاننے کے لئے بالکل آہستہ آواز سے ہونا بھی کافی ہے ۔ بلکہ ان کے لئے تو سرے سے آواز کی حاجت ہی نہیں ۔ کیونکہ ان کی ذاتِ عالی تو خطراتِ قلبیہ پر بھی مطلع ہے ۔ لیکن اس وجہ سے کسی نے ذکرِ خفی کی ممانعت کے مسئلہ کا استنباط نہیں کیا ۔

اس حدیثِ پاک کے خط کشیدہ الفاظ سے بھی اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے ۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ مشقت جہرِ مفرط میں ہوتی ہے معمولی جہر میں نہیں ۔ اور نداء کا لفظ بھی اس طرف مشعر ہے ۔ یہ سب

اسی صورت میں ہے کہ بلا ضرورت مشقت میں پڑے بوقت ضرورت اس کی گنجائش ہے۔ اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔

وفیہ خفض الصوت بالذکر اذا لم تدع حاجۃ الی رفعہ فان دعت حاجۃ الی الرفع رفعہ۔ (ج۲ - ص۳۴۶)۔

اس حدیث کے جواب میں "لمعات" کے اندر لکھا ہے۔

ان المنع من الجہر للتیسیر والارفاق لا ان یکون الجہر غیر مشروع اھ

سوال :- رفع صوت کے ساتھ ذکر کرنے کو بعض فقہاء نے منع لکھا ہے؟

جواب :- یہ ہے کہ معتدل جہر اور "رفع صوت" میں فرق ہے۔ "رفع صوت" جہر مفرط کے قبیل سے ہے جو ممنوع ہے اور "جہر معتدل" منع نہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے۔

قال ابوبکر رض أمّر الاقرع وقال عمر رض امّر القعقاع فقال ابوبکر رض ما اردت الاخلافی فقال عمر رض کذالک فتماریا ورفعت اصواتہما۔

روایت بالا سے ظاہر ہے کہ جو گفتگو عام لہجے میں ہوئی تو اسے دونوں جگہ "قال" سے تعبیر کیا گیا۔ اور جب یہی گفتگو نزاع کی صورت اختیار کر گئی اور بلند آوازی پیدا ہوگئی تو اسے "رفع صوت" سے تعبیر کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ عام گفتگو اور "رفع صوت" میں فرق ہے۔

نیز آگے علامہ شامی رح کے حوالہ سے اس کی تصریح بھی آرہی ہے کہ "مطلق جہر" اور "جہر مضر" دونوں الگ الگ ہیں۔

سوال :- مذاہب اربعہ کے علماء نے نماز کے بعد ذکر بالجہر کو منع کیا ہے؟

(شرح مسلم شریف : ج ۱ ص ۲۱۷)

جواب :- یہ ہے کہ علماء کا یہ فیصلہ نماز کے متصل بعد ذکر بالجہر کے مسنون نہ ہونے کے بارے میں ہے۔ علی الاطلاق ذکر بالجہر کی ممانعت کے متعلق نہیں۔ چنانچہ علامہ نووی شافعی رح، علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رح، امام شعرانی شافعی رح، علامہ شامی حنفی رح وغیرہ حضرات نے احادیث ذکر میں تطبیق دیتے ہوئے ذکر بالجہر کو جائز لکھا ہے۔

علامہ سیوطی رح متعدد احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

—— اذا تأملت ما اوردنا من الاحاديث عرفت من مجموعها —— انه لاکراهة البتة فی الجهر بالذکر بل فیه ما یدل علی استحبابه اما صریحا او التزاما کما اشرنا الیه و اما معارضة بحدیث خیر الذکر الخفی فهو نظیر معارضة احادیث الجهر بالقرآن بحدیث السر بالقرآن کالسر بالصدقة وقد جمع النووی بینهما بان الاخفاء افضل حیث خاف الریاء او تأذی به مصلون او نیام والجهر افضل فی غیر ذلک لان العمل فیه اکثر ولان فائدته تتعدی الی السامعین ولانه یوقظ قلب القاری ویجمع همه الی الفکر و یصرف سمعه الیه و یطرد النوم و یزید فی النشاط ۔ اھ — (الحاوی للفتاوی ؛ ج۲ ؛ ص۱۳۳)

علامہ شامی رح لکھتے ہیں ۔

و اما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان و الخطبة و الجمعة و الحج اھ وقد حرر المسئلة فی الخیریة وحمل ما فی فتاوی القاضی علی الجهر المضر وقال ان هناك احادیث اقتضت طلب الجهر واحادیث طلب الاسرار و الجمع بینهما بان ذلك یختلف باختلاف الاشخاص و الاحوال فالاسرار افضل حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام والجهر افضل حیث خلا مما ذکر لانه اکثر عملا و لتعدی فائدته الی السامعین و یوقظ قلب الذاکر فیجمع همه الی الفکر و یصرف سمعه الیه و یطرد النوم و یزید النشاط ۔ اھ

(شامی ؛ ج۵ ؛ ص۲۶۳)

—— امام شعرانی رح سے منقول ہے ۔

وفی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی رح اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جہرھم علی نائم او مصل او قارئ الخ۔ (شامی ج ۱، ص ۴۸۸ مطبوعہ کوئٹہ)۔

امام شافعی رح فرماتے ہیں۔

و احب اظہار التکبیر جماعۃ وفرادی فی لیلۃ الفطر و لیلۃ النحر مقیمین و سفرا فی منازلھم ومساجدھم و اسواقھم الی قولہ و احتج بقول اللہ تعالی فی شہر رمضان" ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ماھداکم" وعن ابن المسیب وعروہ و ابی سلمۃ و ابی بکر یکبرون لیلۃ الفطر یجہرون بالتکبیر۔

(مختصر المزنی باب صلوٰۃ العیدین ص۳۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی معمولی جہر کے ساتھ دعاء کرنا منقول ہے۔آپ کی مسجد کے مؤذن کا بیان ہے کہ

"جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر نکل گئے تو امام صاحب رح نے نماز شروع کی۔پھر واپس آیا تو فجر طلوع ہونے کے قریب تھی۔میں آیا تو آپ کھڑے ہوئے اپنی داڑھی کو پکڑ کر کہہ رہے تھے۔

یا من یجزی بمثقال ذرۃ خیر خیرا و یا من یجزی بمثقال ذرۃ شر شرا اجر النعمان عبدک من النار ومایقرب منہا و ادخلہ سعۃ رحمتک۔اھ

(عقود الجمان، ص۲۲۵)۔

قاضی صمیری رح نے بکر سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک رات ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے رو رو کر دعاء کر رہے تھے

رب ارحمنی یوم تبعث عبادک وقنی عذابک واغفرلی ذنوبی یوم یقوم الاشہاد۔اھ (عقود الجمان، ص۲۱۱)۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فریقین کے دلائل پر مفصل بحث کرنے کے بعد آخر میں تحریر فرماتے فرماتے ہیں کہ۔

"بعد از ثبوتِ مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلّہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے ..... ہر طور سے جائز ہے۔" (امداد الفتاویٰ : ج ۵ : ص ۱۵۴)

ہاں حالات واشخاص کے اعتبار سے اس کی افضلیت میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ البتہ ذکر بالجہر میں یہ شرط ہے کہ بطور ریا نہ ہو۔ کسی نائم یا مصلی کو اذیت نہ ہو۔ بلا تجویزِ شیخ جہرِ مفرط نہ ہو۔ پھر اس جہرِ مفرط اور اس کی ہیئات خاصہ کو قربت مقصودہ نہ سمجھے، تارک پر نکیر نہ ہو۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ ھذا

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

للہ در المجیب

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مسجد کا پیسہ ذاتی ضروریات میں استعمال کرنے کا حکم

ہمارے محلہ میں ہمارے مسلک کی کوئی مسجد نہ تھی۔ ہم نے چندہ کر کے مسجد کے لئے پلاٹ خریدا۔ اہلِ محلہ نے مجھے ہی متولی بنا دیا مجھے جو چندہ ملتا میں لسے لکھ لیتا اور یہ سمجھتا کہ مسجد کے اتنے پیسے میرے ذمہ ہو گئے اور پیسے اپنی ضرورت میں خرچ کر لیتا۔ اب مسئلہ معلوم ہوا ہے کہ ایسا کرنا درست نہ تھا۔ اب اہلِ محلہ کو یہ بتا بھی نہیں سکتا۔ دل پریشان رہتا ہے کہ کسی طرح اس غلطی کا تدارک ہو جائے ؟

الجواب مسجد کا پیسہ اپنی ضروریات میں استعمال کرنا جائز نہ تھا یہ سخت غلطی کی ہے۔اب اصل حکم تو یہ ہے کہ جن جن افراد نے چندہ دیا تھا ان کو ان کا پیسہ واپس کریں یا ان سے دوبارہ اجازت حاصل کر کے اپنے پاس سے مسجد میں جمع کرا دیں۔ان میں سے کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر اتنے پیسے بہرحال مسجد کو واپس کردیں نیز توبہ و استغفار کرتے رہیں امید ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں مواخذہ نہ فرمائیں گے واللہ یعلم المفسد من المصلح۔

رجل جمع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد وانفق من تلک الدراهم فی حاجة نفسه ثم ردّ بدلها الی نفقة المسجد لا یسعه ان یفعل ذلک واذا فعل ذلک ان کان یعرف صاحب المال رد الضمان علیه او یسأله لیأذن له بانفاق الضمان فی المسجد وان لم یعرف صاحب المال یرفع الامر الی القاضی حتی یأمره بانفاق ذلک فی المسجد فان لم یقدر علی ان یرفع الامر الی القاضی قالوا نرجوا الله فی الاستحسان ان ینفق مثل ذلک فی المسجد فیجوز و یخرج عن الوبال فیما بینه وبین الله تعالیٰ (قاضیخان: ج ۴، ص ۷۱۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مسجد اگر معروف مربع شکل پر نہ ہو تو اسے گرانے کا حکم

شہداء کے ایصال ثواب کیلئے عوامی چندہ کیا گیا پھر اس چندہ سے ایک مسجد تعمیر کی گئی جو مربع شکل پر ہونے کے بجائے سات ضلعی شکل پر بنائی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ راکٹ جیسا مینار بنایا گیا ہے۔

۱: مسجد نبوی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مربع تعمیر کیا۔ شیخ محمد بن مسعود مدنی متوفی ۷۴۶ھ نے اپنی کتاب "الدرة المشیدہ فی تاریخ مدینہ" میں تصریح کی ہے۔

بنی النبی صلی الله علیه وسلم مسجده مربعا وجعل قبلته الی بیت المقدس۔

۲ ، تمام دنیا میں مساجد مربع شکل میں تعمیر ہوتی ہیں ۔مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر فتویٰ سے عنایت فرمائیں کہ ایسی مسجد کا شرعاً کیا حکم ہے ۔کیا اس کو شہید کرکے مربع شکل پر تعمیر کر دیا جائے یا رہنے دیا جائے ؟

الجواب مسجد نبویؐ اور عالم اسلام کی اکثر مساجد فی الجملہ مربع شکل میں ہیں ۔ اس لئے تعمیر مسجد میں ابتداءً اس کا لحاظ رکھنا مطلوب ہے اور سوال میں ذکر کردہ عبارات سے بھی تربیع کی مطلوبیت معلوم ہوتی ہے ۔لیکن اس سے آگے کسی دوسری شکل کا ممنوع ہونا ، یا مسجد بن جانے کے بعد بغرض تربیع کسی مسجد کا واجب الہدم ہونا یہ امر عبارات مذکورہ سے معلوم نہیں ہوتا ۔ اور نہ کسی دوسری کتاب میں اس کی تصریح ملی ہے ۔ اور بدون سخت شرعی مجبوری کے مسجد کا گرانا درست نہیں ۔کیونکہ اس میں اضاعت مال اور تبذیر ہے ۔نیز یہ امر احترام مساجد کے بھی خلاف ہے ۔

علاوہ ازیں اہل اسلام میں تشویش اور نزاع و جدال کا بھی موجب ہے ۔کعبۂ مکرمہ کی عمارت عہد رسالت میں اگرچہ بنائے ابراہیمی سے بہت مختلف تھی ۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تشویش سے بچانے کے لئے اسے باقی رکھا ۔ اور امام مالک رح نے بھی خلیفۂ وقت کو بڑی سختی سے ایسے ارادے سے منع کیا ۔جب کہ خلیفۂ وقت اس کا عزم کر چکا تھا ۔

الغرض تربیع کی مطلوبیت تو فی الجملہ ثابت ہے ۔لیکن غیر تربیع کا ممنوع یا حرام ہونا کہ جس کی وجہ سے ایسی مساجد کو شہید کرنا واجب قرار دے دیا جائے ، ثابت نہیں ۔پس مسجد شہداء مذکور کو بغرض تربیع شہید کرنا درست نہ ہوگا ۔

ایک حدیث پاک کی تشریح سے تربیع کے علاوہ مسجد کے لئے دوسری شکلوں کا جواز معلوم ہوتا ہے ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد بنی حنیفہ کو ان کے گرجاگھر کے متعلق ارشاد فرمایا تھا ۔

فاكسروا بيعتكم وانضحوا مكانها بهذا الماء واتخذوها مسجداً ۔ (مشکوٰۃ : ص۶۹ ج۱ بحوالہ نسائی شریف) ۔

اس کی تشریح میں ملا علی قاری رح فرماتے ہیں ۔

" فاكسروا اى غيّروا محرابها وحوّلوه الى الكعبة وقيل خرّبوه اھ (مرقاۃ) ۔

احتمالِ اول کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گرجا گھر کو تحویل کے بعد مسجد قرار دیا معلوم ہوا کہ مسجد کی کوئی خاص شکل واجب نہیں ۔ جس کی مخالفت ہو جانے پر مسجد کو واجب الہدم کہا جاسکے ۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ گرجا گھر کی شکل مساجد معروفہ سے قطعاً مختلف ہوتی ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۹/۷/ ۱۳۹۸ھ

کنوؤں پر بنی ہوئی پرانی مساجد کا حکم

یہ جو دیہات میں رواج ہے کہ ہر کنوئیں پر ایک تھلہ نما مسجد ہوتی ہے جس کو نماز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور چار کونوں پر چھوٹے مینار کی شکل میں علامتیں بھی بنا دی جاتی ہیں اور احترام وغیرہ میں وہ مسجد کے برابر تصور ہوتی ہے ۔ جانوروں کے دخول سے حفاظت اور بوسیدگی کی وجہ سے لیپنا وازیں قسم کے لوازمات کا التزام کیا جاتا ہے جو کہ مساجد سے مخصوص ہیں اور ہر آدمی کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے ۔

۲ : اس قسم کی مساجد غیر مسلم لوگوں کے کنوؤں پر بنا دی جاتی تھیں جن کے مزارع مسلمان ہوتے تھے اور اس میں بھی ہر مسلم نماز پڑھنے کے لئے آجاتا تھا ۔ اس طرح کی مساجد کا شرعاً کیا حکم ہے کیا یہ حقیقۃً مساجد ہیں جو کہ ہر طرح سے حفاظت اور احترام کے لائق ہیں ۔ یا کہ وقتی طور پر جائے نماز کا حکم رکھتی ہیں جن کو توڑا جاسکتا ہے ۔ یہ بات بھی غور کے لائق ہے کہ اکثر مقامات پر ایسی مساجد کے بنانیوالے راہیٔ ملکِ عدم ہو چکے ہیں ۔ ان کی نیت پر اطلاع پانا بھی مشکل ہے ۔ جواب با صواب سے نوازیں ؟

الجواب مسجد شرعی بننے کے لئے اصل اعتبار تو مالکِ زمین کی نیت کا ہے ۔ اگر مالکِ اوّل نے مسجد شرعی کی نیت نہیں کی مگر مالکِ ثانی نے نیت کرلی تھی تو بھی وہ مسجد شرعی بن جائے گی ۔ وعلم جرًا ۔

غیر مسلم مالکِ اراضی نے اگر وہ زمین کسی مسلمان کو تملیکاً دے دی ، کہ اس میں مسجد بنالو ۔ تو بھی ان کے بنانے اور نیت کرنے سے وہ مسجد بن جائے گی ۔ جن مساجد کی تعیین متعذر ہو جائے ان میں احتیاط پر عمل کرتے ہوئے انہیں مسجد ہی سمجھا جائے ۔ ظاہر یہی ہے کہ پہلے سادہ لوگ مسجد میں

لغوی و شرعی کا فرق کم کرتے تھے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۱ / ۳ / ۱۴۰۳ھ

مسجد میں رومال وغیرہ رکھ دینے سے جگہ مخصوص ہوتی ہے یا نہیں

زید کہتا ہے کہ اگر ایک آدمی مسجد میں جگہ مقرر کر کے نماز پڑھتا ہے، تو یہ جائز نہیں۔ یا وضو کرنے کی غرض سے اپنی جگہ پر کپڑا رکھ دیتا ہے اور ابھی جماعت کھڑی ہونے میں دیر ہے تو اس کا کپڑا اٹھا کر پیچھے رکھ دیا جائے تو ایسا کرنا منع نہیں۔

عمر کہتا ہے کہ جگہ مقرر کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور درست ہے۔ اور اگر ابھی جماعت کھڑی ہونے میں دیر ہے تو اس کپڑے کو اٹھا کر پیچھے رکھنا بھی منع ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مقررہ مقصورہ میں نماز پڑھتے تھے۔ مقصورہ وہ جگہ جہاں مکبر یا سلطانِ وقت کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔ اگر جگہ مقرر کر کے نماز پڑھنا ناجائز ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کا کیا حکم ہے؟

الجواب اگر کوئی شخص کسی جگہ پر پہلے سے بیٹھا ہو، پھر بہ ضرورتِ وضو۔ وغیرہ رومال وغیرہ رکھ کر چلا گیا تو اس جگہ کا وہی زیادہ مستحق ہے۔ اگر کوئی اور بیٹھ گیا تو یہ اس کو اٹھا بھی سکتا ہے۔ بدون اس حالتِ مذکورہ کے درست نہیں ہے۔

(عزیز الفتاوٰی: ج ۱: ص ۳۳۷)

اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ عمل حفاظتی انتظام کے طور پر تھا۔ عام حالات کے لئے اسے دلیل نہیں بنا سکتے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۸/ ۵/ ۱۴۰۷ھ

سینما کے مالک کو مسجد کمیٹی کا صدر بنانا

ایسا شخص جو سینما کا مالک ہے اور خود بھی سینما چلا رہا ہے۔ اس کا ذریعہ معاش بھی سینما کی

کمائی ہے۔ کیا وہ کسی مسجد اور اس کیساتھ ملحقہ دینی درس کا صدر بنایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: یہ ذریعہ معاش شرعاً جائز نہیں۔ اور ایسا شخص دینی صدارت کا اہل نہیں۔

فقط واللہ اعلم ؛ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۶ / ۲ / ۱۴۰۶ھ

زیر تعمیر مسجد میں سگریٹ پینا

زیر تعمیر مسجد میں جبکہ وہاں جماعت سے نماز ادا نہ ہو رہی ہو، سگریٹ پینا کیسا ہے ؟

۲ : کوئی آدمی نماز کے اوقات کے علاوہ مسجد میں آکر پنکھا چلا کر سو جاتے تو کیسا ہے ؟ اور مسافر کے لئے کیسا ہے ؟

الجواب: مسجد جب ایک دفعہ مسجد بن جائے۔ تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہوتی ہے۔ لہذا وہ زیر تعمیر بھی ہو تو بھی اسمیں سگریٹ پینا منع ہے اور جائز نہیں ہے۔

۲ : جو شخص اس مقصد کے لئے یعنی صرف آرام کے لئے مسجد میں آتے، اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو عبادت کے لئے مسجد میں آئے۔ اور اسی مقصد کے لئے درمیانی وقفہ میں ٹھہرا رہے تو اس کے لئے بعد از اجازت گو عرفاً ہو۔ پنکھے وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔ اور مسافر کے لئے مسجد میں سونا بھی جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس
۸ / ۸ / ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محراب والی دیوار کو شیشے کے ٹکڑوں سے آراستہ کرنا

مسجد کے محراب میں چندہ کے پیسوں سے شیشے کی ٹکڑیاں اور پھول وغیرہ بنوانے جائز ہیں یا نہ ؟

الجواب: جو چندہ تعمیر مسجد کے لئے دیا گیا ہو اس سے اس قسم کے تکلفات کرنے درست نہیں۔ کوئی شخص اپنے ذاتی حلال پیسے سے اس قسم کے نقش و نگار کرانا چاہتا

ہے تو گنجائش ہے۔ مگر قبلہ والی دیوار اور محراب میں پھر بھی کراہت ہے۔ کیوں کہ اس سے بار بار نمازیوں کی توجہ ہٹتی رہے گی۔ اور مسجد کی اصل غرض "خشوع وخضوع کے ساتھ ذکر الٰہی" ختم ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ یہ حکم زائد از ضرورت تکلفات کا ہے۔ مناسب صفائی اور خوب صورتی مطلوب شریعت ہے۔

ولا بأس بنقشه خلا محرابه فانه يكره لانه يلهي المصلي ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصا في جدار القبلة ۔ اھ۔ (درمختار على الشامية: ج ۱ ص۶۵۸ مطبعة الكبرى الاميرية) ۔ فقط والله اعلم۔

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۱۹ ۔ ۱۱ ۔ ۱۳۹۷ھ

مسجد کی الماری مستقل طور پر ذاتی استعمال میں رکھنا

امام مسجد صاحب مسجد کی ایک الماری کو اپنے قبضہ میں رکھتے ہیں۔ اور اس میں اپنی کتب وغیرہ رکھتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب مستقل طور پر مسجد کی الماری کو ذاتی کتب کے لئے استعمال کرنا درست نہیں۔ للعلة التي كره بها احضار مبيع فيه وفي الشامية لان المسجد محرز عن حقوق العباد وفيه شغله بها ۔ اھ (شامی ج ۲ ص۶۶۲)

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۶/۲۵/ ۱۴۰۰ھ	فقط واللہ اعلم احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

مسجد میں پڑھانے کا حکم

مسجد میں دینی مدرسہ کھولا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب مساجد کے ساتھ مکاتب کا قدیم سے دستور چلا آرہا ہے۔ اور اگر ضرورت شدید ہو تو مسجد میں بیٹھ کر پڑھانا بھی جائز ہے۔

ولو جلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسه فلا بأس به لانه قربة وان کان بالاجرة یکره الا ان یقع لهما الضرورة اھ (عالمگیری، ج ۴، ص۹۳)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۲۲ / ۳ / ۱۳۹۸ھ

مسجد کی دیوار کو مسجد کی دوکان کے لئے استعمال کرنا

۱۔ مسجد کی بنیاد اٹھارہ انچ چوڑی رکھی گئی۔ پھر اس پر مسجد کی دیوار ساڑھے تیرہ انچ تیار کی گئی اب مغرب کی طرف مسجد کے مفاد کے لئے دوکانیں بنانی ہیں۔ کیا مسجد کی بنیاد جو ساڑھے چار انچ مغرب کی طرف ہے اس پر مسجد کی دوکانوں کی دیوار بنائی جاسکتی ہے؟

۲: نیز محراب جو کہ مسجد کی دوکانوں میں آتا ہے اسے الگ خالی چھوڑا جائے یا اس پر دوکان کی چھت بنائی جاسکتی ہے؟

الجواب ۱-۲۔ مسجد کی دیوار اور محراب کو کسی صورت دوکانوں کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔ ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه۔اھ (شامی، ج ۳، ص۳۸۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۲۷ / ۲ / ۱۳۹۷ھ

فضاء مسجد میں گھر اور بیت الخلاء بنانے کا حکم

محلہ کمنگران میں احاطہ مسجد میں ایک مکان برائے امام صاحب تعمیر کیا جارہا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ چھت پر لینٹر ڈال کر کچھ حصہ لینٹر کا فضاء میں بڑھایا جارہا ہے جو کہ دیوار

سے زائد ہے۔ اور لینیٹر کا یہ حصہ فضاءِ مسجد کے اس حصہ میں آتا ہے جہاں کہ نماز پڑھی جاتی ہے تو کیا مکان کا حصہ جو فضاءِ مسجد میں آتا ہے، درست ہے یا نہیں؟ اور اس حصہ میں بیت الخلاء بنانے کا بھی ارادہ ہے۔

الجواب مسجد تا عنانِ سماء مسجد ہوتی ہے۔ لہذا مذکورہ تعمیر کا جو حصہ فضاءِ مسجد میں آتا ہے وہ درست نہیں۔ وہاں رہائش یا بیت الخلاء بنانا جائز نہیں۔

درمختار میں ہے۔

وکرہ تحریما الوطء فوقہ والبول والتغوط لانہ مسجد الی عنان السماء وفیہ واکل ونوم الا لمعتکف اوغریب اھ (شامی: ج ۱ ص ۶۱۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
جامعہ خیرالمدارس ملتان
۱۲ / ۸ / ۱۳۹۶ھ

گوبر ملی ہوئی مٹی سے مسجد کی لپائی کرنا

مسجد کی لپائی گوبر والی مٹی سے کی گئی ہے اور اوپر سے قلعی کر دی گئی ہے کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ یا اس کو اتار دیا جائے؟

الجواب مٹی میں گوبر ملا کر مسجد کی دیواروں وغیرہ کو لیپنا جائز ہے۔

کما فی الشامی (ج ۱ ص ۶۱۴): ولا تطیینہ بنجس فی الفتاوی الھندیۃ یکرہ ان یطین المسجد بطین قد بل بماء نجس بخلاف السرقین اذا جعل فیہ الطین لان فی ذالک ضرورۃ وھو تحصیل غرض لا یحصل الا بہ کذا فی السراجیہ۔ بندہ اصغر علی غفرلہٗ نائب مفتی

گو گوبر ملی مٹی سے لیپنا جائز ہے جیسا کہ شامی کی عبارت میں مذکور ہے۔ مگر یہ مشروط معلوم ہوتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ دیوار کی مضبوطی اور صفائی کی غرض اس کے سوا دوسری چیز سے

پوری نہ ہوسکتی ہو۔ چونکہ بھوسہ وغیرہ ملانے سے یہ غرض پوری ہوسکتی ہے۔ لہٰذا میرے خیال میں مساجد کے لیپنے میں گوبر ملانے سے احتراز اولیٰ و احوط ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب رواہ ابوداؤد۔ (مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۶۹۔) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹/۳/۱۳۷۵ھ

مساجد میں ملکی حالات پر تبصرہ کرنے کا حکم

مساجد میں عوام کو ملکی حالات سے باخبر رکھنے کے لئے ملک کے واقعات اور خبریں پیش کرنا اور ان پر اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق تبصرہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب اگر وعظ و نصیحت کے ضمن میں کچھ ملکی حالات عبرت و موعظت کی غرض سے بیان کئے جائیں تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں کسی کی غیبت نہ ہو، کسی کی توہین نہ ہو، اور کسی پر استہزاء نہ ہو۔ اور مستقل طور پر ملکی حالات سنانے کے لئے مسجد میں مجلس منعقد کرنا ٹھیک نہیں۔ کیوں کہ مساجد کی تعمیر ذکر الٰہی اور قرآن مجید پڑھنے اور عبادت کے لئے ہے نہ کہ کسی اور مقصد کے لئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۔ ۳ صفر ۱۳۷۵ھ

ہندوؤں کی متروکہ زمین کو بلا اجازت مسجد بنانا درست نہیں

۱: ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے مکان کو معمولی تبدیلی کے بعد بلا اجازت حکومت مسجد قرار دیا جائے جب کہ اس میں چوری کی کڑیاں اور اینٹیں بھی استعمال کی گئی ہوں۔ تو کیا یہ حقیقۃً مسجد بن گئی اور اس میں نماز صحیح ہے؟

۲: مسجد تو پہلے سے ہو لیکن اس میں توسیع کرنے کے لئے ہندوؤں کے متروکہ مکان کو بلا اجازت حکومت ملا لیا گیا ہو۔ نیز چوری کا سیمنٹ ٹھیکہ داروں سے خرید کر اور بعض مہاجرین

سے ہندوؤں کے مکانات کی اینٹیں وغیرہ سستے داموں خفیہ خرید کر مسجد میں لگائی گئی ہوں تو کیا یہ ٹھیک ہے اور نماز درست ہے ؟

۳ : اب حکومت قابضین سے ہندوؤں کی متروکہ جائیداد کی قیمتیں وصول کر رہی ہے۔ اگر حکومت ان مکانوں، جنہیں بلا اجازت مسجد بنا لیا گیا ہے، کی قیمت طلب کرے تو کیا قیمت ادا کرنے سے انکار کرنا شرعاً جائز ہے ؟ اور کیا ایسی مساجد شرعاً مساجد کا حکم رکھیں گی ؟ اور ان میں نماز بلا کراہت درست ہے ؟

الجواب ۱ : نماز تو ایسی مساجد میں ہو ہی جاتی ہے لیکن ان کو مسجد کی حیثیت اس وقت حاصل ہوگی جب حکومت سے باقاعدہ منظوری حاصل کر لی جائے گی۔ اور جب تک حکومت سے اجازت حاصل کر کے اس کو مسجد نہ بنا لیا جائے اس وقت تک اس میں نماز مکروہ ہوگی ۔

۲ : جتنی مسجد پہلے تھی اس کے تو مسجد ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور نماز بھی اس میں بلا کراہت جائز ہے ۔ اور جو حصہ حکومت کی اجازت کے بغیر اضافہ کیا گیا ہے اس کا وہی حکم ہے جو کہ اوپر ہم جواب نمبر ۱ میں لکھ چکے ہیں ۔ اور جو چوری کا سیمنٹ اس میں لگایا گیا ہے ۔ تو فرش پر جس جگہ وہ لگایا گیا ہے اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔ خواہ پہلی مسجد کے حصہ میں یا اضافہ میں۔ اس کا حل یہ ہے کہ سیمنٹ وغیرہ کو اکھاڑ کر دوسرے پاک مال سے دوبارہ فرش بنا لیا جائے۔ یا ان ٹھیکہ داروں سے کہا جائے کہ اس سیمنٹ کی قیمت حکومت کے خزانے میں داخل کردو ۔ پھر بھی پاک ہو جائے گا اور جو ایسا سامان مسجد کی چھت یا دیواروں میں لگا ہوا ہے ۔ اس کی وجہ سے نماز تو مکروہ نہیں ہوتی لیکن سخت گناہ ہے ۔ جس کا ازالہ بھی وہی ہے جو اوپر تحریر کر دیا گیا ہے ۔ کذا فی امداد الفتاوٰی ، ص ۶۰۵ و ۶۰۶ - ج ۲ -

۳ : ایسے مکانات جو کہ بلا اجازت حکومت کے مسجد بنا دیئے گئے ہیں اگر اہل حکومت ان مکانات کی قیمت طلب کرے تو بلا تامل قیمت ادا کر دی جائے تاکہ وہ مکانات صحیح معنی میں مسجد بن جائیں ورنہ ان کے اندر نماز مکروہ ہوتی رہے گی ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ اصغر علی غفرلہٗ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ، مفتی خیر المدارس ملتان - پاکستان

مسجد تنگ ہو تو جبراً کسی کی زمین مسجد میں شامل کرنے کا حکم

قصبہ مخدوم عالی میں لوگ ایک مسجد کی توسیع کر رہے ہیں۔ رمضان شریف میں جمعہ کے دن لوگ نہیں سما سکتے۔ قریب ہی لوگوں کے مکان ہیں وہ نہیں دیتے باوجودیکہ ان کو معاوضہ بھی دیا جارہا ہے۔ کیا از روئے شریعت ان لوگوں سے جبراً زمین لے سکتے ہیں ؟

الجواب اگر صرف رمضان المبارک کے جمعہ میں لوگوں کو تنگی ہوتی ہو تو اس کے رفع کرنے کا کوئی دوسرا انتظام کرنا چاہیئے پڑوسیوں کے مکانات جبراً لے کر مسجد میں شامل کرنا درست نہیں ہوگا۔ البتہ انہیں رضامند کرلیا جائے تو جواز ظاہر ہے۔ مسجد کے لئے جبراً اراضی حاصل کرنے کا حکم اس صورت میں ہے: جبکہ شہر میں دوسری مسجد نہ ہو۔

قال فی نور العین ولعل الاخذ کرھا لیس فی کل مسجد ضاق بل الظاھر ان یختص بما لم یکن فی البلد مسجد اٰخر اذ لو کان فیہ مسجد اٰخر یمکن دفع الضرورۃ بالذھاب الیہ نعم فیہ حرج لکن الاخذ کرھا اشد حرجا منہ (شامی: مطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ: ج ۳، ص ۳۹۶)۔

"نعم فیہ حرج" سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ یہ جزئیہ اس مسجد کے بارے میں ہے جس کے اندر پنج وقتہ نماز کے لئے تنگی ہوتی ہو۔ کیونکہ جمعہ یا عیدین کے لئے جامع مسجد یا عیدگاہ میں جانا باعث حرج نہیں مطلوب و مامور شرعی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ ۷/۱۲/ ۷۷ ۱۳ھ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

مسجد کے اندر بیٹھ کر وضو کرنے کا حکم

ایک صاحب مسجد کے اندر وضو کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا کہتے ہیں جبکہ مسجد کے متصل وضو کے لئے الگ جگہ بنی ہوئی ہے۔ ان کا یہ فعل کیسا ہے ؟

الجواب مسجد میں اس طرح وضوء کرنا کہ وضوء کا پانی مسجد میں گرے جائز نہیں۔ ان صاحب کو اس عمل سے بہر صورت منع کر دیا جائے۔ وتكره المضمضة و الوضوء في المسجد الا ان يكون ثمة موضع اعد لذالك ولا يصلي فيه وله لن يتوضا في اناء كذا في فتاوى قاضي خان ۔اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۰)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مسجد میں بیٹھ کر انگریزی کتب پڑھنا پڑھانا جائز نہیں

ایک شخص مسجد میں انگریزی پڑھ رہا تھا، دوسرے نے اعتراض کیا کہ انگریزی پڑھنا گناہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تورات پڑھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا اظہار فرمایا۔ پہلے نے جواب دیا کہ آج کل قرآن مجید کا بھی انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے۔

۲: بعض دینی مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ انگریزی، ریاضی، اور سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کیا مسجد میں دوسرے علوم کی تعلیم جائز ہے؟۔

الجواب انگریزی زبان سیکھنے میں اگر کسی معصیت کا ارتکاب نہ ہو، اور دین میں اس سے نقصان نہ آئے تو سیکھنا درست ہے۔ (کذا فی فتاوی رشیدیہ: ج ۱ ص ۹۱)

اور اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اچھی نیت سے پڑھنا موجب ثواب ہے۔ اور غلط نیت سے پڑھنے میں گناہ ہے۔ لیکن مسجد میں اس کا پڑھنا پڑھانا بہر حال درست نہیں۔ کیونکہ بعض عام مباح امور جو فی ذاتہ جائز ہیں۔ مسجد میں ان کو بھی کرنا جائز نہیں۔ نیز انگریزی کتب میں عام طور پر تصاویر ہوتی ہیں اور تصاویر مسجد میں لانا جائز نہیں۔

۲: تنخواہ دار ملازم کا بلا ضرورت مسجد میں بیٹھ کر قرآن وحدیث پڑھانا بھی درست نہیں۔ چہ جائیکہ یہ علوم پڑھائے جائیں۔ واضح رہے کہ درس وتقریر اور چیز ہے اور تعلیم اور چیز ہے۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مسجد بن جانے کے بعد اس پر رہائشی مکان بنانے کا حکم

مسجد کی چھت پر جس کے اندر نماز ادا کی جاتی ہے۔ رہائشی مکان بنایا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب مسجد کا جو حصہ نماز ادا کرنے کے لئے ہوتا ہے اس کی چھت پر مکان تعمیر کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ مسجد تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد ہوتی ہے۔

" لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع الی قوله فیجب هدمه ۔ اھ (شامی : ج ۳ ، ص ۳۸۲ مطبعة الکبریٰ الامیریه)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
مفتی خیر المدارس ملتان	۱۷ / ۱ / ۱۴۰۰ھ

تعمیر مسجد میں اہل تشیع سے چندہ لینے کا حکم

بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو کہ اہل تشیع سے محبت رکھتے ہیں۔ اور تھوڑا سا اندرونی عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ مکمل رافضی نہ ہیں اور نہ ہی تابوت اپنا نکالتے ہیں۔ اور نمازیں سب ہمارے پیچھے پڑھتے ہیں۔ جمعہ اور عیدین بھی ہمارے پیچھے پڑھتے ہیں۔ یعنی ہاتھ باندھ کر، ہم جیسی پڑھتے ہیں۔ اور بعض اہل تشیع جو ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں وہ بھی کسی کے کہنے اور ترغیب دینے پر۔

دونوں قسم کے مسجد کی تعمیر میں امداد دینا چاہتے ہیں۔ کیا ان سے امدادی رقم لے کر مسجد کی تعمیر میں لگائی جا سکتی ہے یا نہ۔ انکار کی صورت میں بوجہ قریبی ہمسائیگی دل شکنی ہوتی ہے نیز کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ کی امداد کعبہ کی تعمیر میں لگائی گئی تھی ؟

الجواب غیر مسلک کے لوگ بعض اوقات چندہ دینے کے بعد اپنے حقوق جتلانے لگتے ہیں۔ اور مستقل دردِ سر بنے رہتے ہیں۔ اگر یہ احتمال نہ ہو، نیز یہ خدشہ بھی نہ ہو کہ کل کو وہ سنیوں پر احسان جتائیں گے تو شرعاً ان کا چندہ لے سکتے ہیں۔

(امداد الفتاویٰ، ج ۲، ص ۶۰۴) ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۹ / ۲ / ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسجد کا پیسہ بنک میں رکھنے کا حکم

مسجد کی رقم بنک میں جمع ہے اس پر سود لگتا ہے کسی آدمی نے مشورہ دیا ہے کہ یہ رقم بنک کی بجائے کسی کاروبار میں لگائیں ۔ نفع اور نقصان میں برابر کے شریک ہوں گے ۔ آیا مسجد کے فنڈ سے کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ یا ویسے ہی بنک میں پڑی رہے، وہ درست ہے؟

الجواب مسجد کا پیسہ کاروبار میں نہ لگایا جائے ۔ بنک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھ دیں یا کسی ایسے امین کے پاس رکھ دیں جو حفاظت پر قادر ہو ۔

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۱۱ / ۴ / ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

محراب مسجد کے لئے راستے کا کچھ حصہ لینے کا حکم

حیدر آباد کی اکثر مساجد کی محرابیں باہر روڈ پر نکلی ہوئی ہوتی ہیں ۔ اور اس روڈ پر نکلی ہوئی محراب پر نہ تو حکومت کو اور نہ ہی اہل محلہ کو کسی قسم کا کوئی اعتراض ہوتا ہے ۔ بصورت دیگر اگر محراب روڈ پر نہ نکالی جاتے تو ایک صف کی جگہ کا نقصان تصور کیا جاتا ہے ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مسجد کی محراب کا حصہ باہر روڈ پر نکالنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب برتقدیر صحت سوال صورت مسئولہ کی مذکورہ جزئیہ سے گنجائش معلوم ہوتی ہے ۔ قوم بنوا مسجدا و احتاجوا الی مکان لیتسع المسجد واخذوا من الطریق وادخلوہ فی المسجد ان کان یضر باصحاب الطریق لا یجوز وان کان لایضر

یجوت ان لا یکون بہ بأس کذا فی المضمرات وھو المختار کذا فی خزانۃ المفتیین - اھ (عالمگیری ج ۲ ص ۳۴۸)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۷ / ۱ / ۱۴۰۸ھ

ملحق برآمدے کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم

بانیٔ اوّل نے مسجد کے ایک طرف برآمدہ بنایا ۔ لیکن نیت یہ کی کہ جب کبھی دنیاوی باتوں کی ضرورت ہوگی تو اس جگہ بیٹھ کر کریں گے ۔ یعنی مسجد سے خارج رکھا ۔ اب متولی مسجد بوجہ ضرورتِ توسیعِ مسجد اس کو مسجد میں شامل کرنا چاہتا ہے ۔ کیا داخل کر سکتا ہے ؟

الجواب متولی مسجد جعل منزلا موقوفا علی المسجد مسجدا وصلی الناس فیہ سنین ثم ترك الناس الصلوۃ فیہ فاعید منزلا مستغلا جاز لانہ لم یصح جعل المتولی ایاہ مسجدا - اھ (ج ۲ ص ۳۴۷ ، عالمگیری)۔

جزئیہ بالا سے معلوم ہوا کہ اس ملحقہ جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کے بعد بھی یہ تمام احکام میں پہلی کے مماثل نہیں بنے گی ۔ البتہ ضرورت کے تحت ملانے میں کوئی حرج نہیں ۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۳/۷/۱۴۰۱ھ

مسجد کے لئے وقف قرآن مجید کو مدرسہ میں لے جانے کا حکم

مسجد کا قرآن شریف مدرسہ میں لے جا کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں ۔ اور ایسے ہی صف بھی ؟

الجواب اگر قرآن مجید اور صفیں مسجد کے لئے وقف ہیں ۔ تو جب تک وہ قابلِ انتفاع ہیں ۔ انہیں کسی اور جگہ لے جا کر استعمال کرنا جائز نہیں ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲/۱۱/۱۴۰۱ھ

مسجد کی جگہ کو راستہ کیلئے لینا جائز نہیں

ایک مسجد کے شرقی کونہ کی طرف سڑک ہے اس میں ٹرک وغیرہ گزارنے میں تکلیف ہوتی ہے کیا مسجد کی زمین سے ایک فٹ جگہ رفاہ عامہ کیلئے لی جاسکتی ہے ؟

الجواب مسجد کی جگہ اس مقصد کے لئے لینی درست نہیں ۔

" ان ارادوا ان یجعلوا شیأ من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذالک وانہ صحیح کذا فی المحیط ۔ اھ (عالمگیری : ج ۲ ص ۴۵۶) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۳ / ۴ / ۱۳۹۹ھ

مسجد کے قریب خالی جگہ میں ہسپتال بنانے کو ترجیح دیجائے یا مدرسہ کو

تعمیر شدہ مسجد کو آباد کرنا مقدم ہے یا اس کے بالمقابل رفاہ عامہ کے لئے ہسپتال بنانا ۔ جب کہ ہسپتال بنانے کا مقصد مسجد کی تخریب ہو ۔ اور تبلیغی اور تدریسی مشن کو روکنا پیش نظر ہو حالانکہ متبادل رقبہ بھی موجود ہے ۔ نیز مسجد کی تخریب کرنے والے کے بارے میں کیا وعیدیں آئی ہیں ؟

الجواب اگر ہسپتال کے لئے کوئی متبادل جگہ موجود ہو تو بہتر یہی ہے کہ مسجد کے ساتھ ملحقہ زمین میں مدرسہ یا کوئی دینی مرکز تعمیر کرلیا جائے ۔ کیوں کہ ہسپتال وغیرہ کے لئے تو اور جگہیں بھی مل سکتی ہیں ۔ اور مدرسہ کے لئے ملنا بہت مشکل ہے ۔ مساجد کو بے آباد ، اور ویران کرنے والے کو قرآن حکیم میں بڑا ظالم کہا گیا ہے ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷ / ۵ / ۱۳۹۸ھ

مسجد کا سپیکر شادی بیاہ کے لئے دینے کا حکم

مسجد کا سپیکر مسجد سے باہر کسی شادی بیاہ کے لیئے جہاں گانے بجانے اور ہر قسم کے خرافات ہوتے ہیں ، دینا جائز ہے یا نہ ؟ اگر نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہوسکتے ہیں ۔ اسی طرح مسجد کی دوسری اشیاء مثلاً ٹماٹ وغیرہ کو مسجد سے باہر لے جانا ۔ اور ذاتی استعمال میں لانا کیسا ہے ۔ نیز مسجد کے پانی سے ایسے لوگ آکر غسل کرتے ہیں جو نماز ہرگز نہیں پڑھتے ۔ ان کے لیئے یہ جائز ہے یا نہ ؟ ان کو روکنا جائز ہے یا نہ ؟

الجواب مسجد کا سپیکر شادی بیاہ میں گانے بجانے کے لیئے ہرگز نہ دیا جائے ۔ دینے والے سخت گناہ گار ہوں گے ۔ اس سلسلہ میں لینے والوں کو مسئلہ بتا دیا جائے ۔ اس کے بعد بھی وہ ناراض ہوں تو ان کی ناراضگی کی مطلقاً پرواہ نہ کی جائے ۔ مسجد میں استعمال کرنے کے لیئے مسجد کی وقف اشیاء کو مسجد سے باہر لے جاکر ذاتی ضرورت میں استعمال کرنا گناہ ہے ۔ اس لئے خود بھی بچا جائے اور دوسروں کو بھی بچایا جائے ۔ اور غیر نمازی کا مسجد میں آکر نمازیوں کی ضرورت کے پانی کو استعمال کرنا درست نہیں ۔ جو آدمی ناجائز امور سے روکتا ہے وہ درست کرتا ہے اس کی تائید کرنی چاہیئے ۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسجد کبھی بھی فروخت نہیں ہوسکتی

اہل بستی نے ایک قطعہ اراضی واقع موضع بالیاں اوتاڑ ، بنام مسجد خریدا ۔ رجسٹری مسجد کے نام کی گئی ۔ پھر مسجد تعمیر کر دی گئی ۔ ایک عرصہ تک وہاں نماز پڑھی جاتی رہی ۔ وہاں سرکاری سڑک تعمیر ہورہی تھی ۔ چند افراد نے مسجد محکمہ کے ہاتھ بیچ دی ۔ وہاں دفتر بنایا گیا ۔ مسجد کے اندر کرسیاں ڈال کر رہائش رکھی گئی ۔ ریڈیو بجتا رہا ۔ بعد ازاں اسے مسمار کر کے سڑک میں شامل کرلیا گیا ۔ اب اس کا شرعاً کیا حکم ہے ۔ اور ایسا کرنے والے آدمیوں کا کیا حکم ہے ؟

الجواب مذکورہ قطعہ جب اہل بستی نے خرید کر اس میں مسجد تعمیر کر دی تو یہ وقف ہوگیا ۔ اب تا قیامت یہ جگہ مسجد رہے گی ۔ اس کی خرید و فروخت باطل اور کالعدم

ہے۔ دیدہ و دانستہ بیچنے اور خریدنے والوں کو انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔
اور اس جگہ کی بازیابی اور دوبارہ تعمیر مسجد کے لئے تعاون کرنا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔

فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح ، محمد صدیق عفرلہٗ ، مدرس خیرالمدارس ملتان ۲۳/۴/۱۳۹۸ھ

روافض کو اہلسنت کی مساجد میں ہرگز نہ داخل ہونے دیا جائے

ہمارے چک نمبر ۱۰۴/ ای ۔ بی ۔ میں اکثریت سنیوں کی ہے۔ اور تھوڑے سے گھر شیعوں کے ہیں۔ شروع سے اس میں اہلِ سنت والجماعت اذان و اقامت کے ساتھ نمازیں ادا کرتے آئے ہیں ۔ اور پیش امام بھی ہمیشہ سے جب سے مسجد بنی ہے آج تک اہلِ سنت کا ہوتا ہے چند دن قبل شیعوں نے اسی مسجد میں اپنی اذان و اقامت شروع کر دی ، اور اپنی جماعت بھی کرانی شروع کر دی۔ یعنی دو اذانیں اور دو جماعتیں ہونے لگیں ۔ اہلِ سنت کی بھی اور اہلِ تشیع کی بھی ۔ کچھ فساد ہوا تو عدالت نے مسجد سیل کر دی۔

بعدہٗ عدالت بورے والا سے " اے سی " صاحب نے فیصلہ فرمایا کہ مسجد اہلِ سنت کی ہے اس میں نماز با جماعت ادا کر سکتے ہیں ۔

مگر شیعوں نے پھر اپیل کر رکھی ہے کہ ہمیں بھی جماعت کرانے کی اجازت دی جائے ۔ اب آپ فرمائیے کہ اہلِ سنت کی مسجد میں شیعہ اپنی اذان و اقامت کے ساتھ دوسری جماعت کرا سکتے ہیں یا نہیں ؟ حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسجد میں چندہ دیا ہے اس لئے ہمارا حق ہے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب امداد المفتین ، ج ا ص ۷۸۴ ۔ میں ہے کہ روافض کو مساجد اہلِ سنت میں آنے سے روکنا جائز ہے ۔ نیز ان کو اجازت دینے میں فسادات کا دروازہ کھولنا ہے ۔ کیوں کہ اہلِ سنت کے پیشواؤں کو برا کہنا ان کے مذہب کا جزو ہے ۔ بنا بریں علیہ شریعت و انتظام کا تقاضا یہی ہے ۔ کہ ان کو سنیوں کی مسجد میں آنے سے روکا جائے ۔ چندہ دینے سے استحقاق ثابت نہیں ہوتا ۔

قال فی الاشباہ ویکرہ دخولہ یعنی المسجد عن اکل ذاریح
کریھۃ ویمنع منہ وکذا کل موذ ولو بلسانہ اھ ۔
(الاشباہ والنظائر احکام المسجد) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

کسی مسجد میں دوسرے فرقے کو دوسری اذان و جماعت کی اجازت دینا فساد و خونریزی کو دعوت دینا ہے ۔ چہ جائیکہ شیعوں کو اہلسنت والجماعت کی مساجد میں اس کی اجازت دیجائے یہ ہرگز جائز نہیں ۔

والجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۵ / ۷ / ۱۳۹۸ھ

طائفہ نے جو مسجد اپنے مہر کی رقم سے تعمیر کرائی ہو اس میں نماز کا حکم

مسماۃ ہندہ طائفہ نے ایک مسجد تعمیر کرائی ہے ۔ مسماۃ مذکورہ حلفیہ بیان دیتی ہے کہ اس مسجد کی تعمیر میں اس نے اپنے نکاح شرعی کی مہر والی رقم صرف کی ہے ۔ نیز اس بیان پر متشرع پابند صوم وصلوٰۃ شخص ، جو کہ اس کا قریبی رشتہ دار بھی ہے ، کی تصدیق موجود ہے ۔

تو سوال طلب امر یہ ہے کہ کیا مسماۃ مذکورہ کا حلفیہ بیان اور اس شخص کی تصدیق شرعاً معتبر ہے یا نہیں ؟ اور اس کی تعمیر کردہ مسجد کا کیا حکم ہے ؟ اس میں نماز پڑھنا جماعت کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ ۔

المستفتی قاری عبدالرحمٰن مدرسہ عربیہ حفظ القرآن کہروڑ پکا ۔

الجواب مذکورہ مسجد میں نماز باجماعت پڑھنا درست ہے ۔ کذا فی " امداد المفتین " ج ۲ ، ص ۵۶۶ ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۵ / ۱۲ / ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسجد کے کلاک کو سپیکر سے اس طرح جوڑنا کہ گھنٹے کی آواز سپیکر سے نشر ہو

آج کل ایسا گھڑیال ایجاد ہوا ہے جو مساجد میں لگایا جاتا ہے اور اس کو مسجد کے سپیکر کے ساتھ منسلک کر دیا جاتا ہے۔ جس سے ہر گھنٹہ کی آواز ٹن ٹن اور زور سے لاؤڈ سپیکر سے نکلتی ہے۔ بظاہر اس کا فائدہ مسجد کو کوئی نہیں ہے۔ اور رات کو اس کی آواز زیادہ آتی ہے جس سے سونے والوں اور خاص کر مریضوں اور بچوں کے آرام اور سکون میں خلل آتا ہے۔ کیا اس کی مشابہت عیسائیوں کے گرجا گھر کی گھنٹی، اور ہندوؤں کے مندر کی گھنٹی سے نہیں ملتی۔؟ کیا اس گھنٹی کی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے لئے اس وقت رد نہیں فرما دیا تھا جب اذان کا معاملہ زیر غور آیا تھا؟ ایسا گھڑیال مسجد میں لگانا شرعاً جائز ہے یا نہ؟

الجواب علاوہ مذکورہ مفاسد کے اتنی بلند آواز آداب مسجد کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا ایسی گھڑی مسجد میں نصب کرنا درست نہیں۔ آداب مسجد میں لکھا ہے۔

والسادس ان لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالى

(عالمگیری: ج ۴ ؛ صلاٰ)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیر المدارس	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۴/۱/۱۴۰۹ھ

میوزیکل کلاک مسجد میں لگانے کا حکم

ہمارے محلہ کی مسجد میں نماز پنجگانہ جماعت سے ادا کرنے کی سہولت کے لئے ایک الارم نما کلاک آویزاں ہے۔ ہر پندرہ منٹ بعد ساز نما آواز دیتا ہے۔ جس کی نوعیت پندرہ منٹ، آدھ گھنٹہ، پون گھنٹہ، اور گھنٹہ پر مختلف ہوتی ہے۔ نوعیت یوں ہے پندرہ منٹ پر

ٹوں۔ ٹاں۔ ٹاں۔ ٹوں۔ ٹوں

آدھ گھنٹہ پر۔ ٹوں۔ ٹاں۔ ٹاں۔ ٹاں۔ ٹوں۔

پون گھنٹہ پر۔ ٹوں۔ ٹوں۔ ٹاں۔ ٹوں۔ ٹوں۔

مندرجہ بالا صورت میں یہ کلاک مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ایسا کلاک مسجد میں آویزاں نہ کریں ۔ ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ۔

فقط واللہ اعلم : احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۷/۶/۱۴۰۸ھ

شیعہ کی دی ہوئی گھڑی مسجد میں نصب کرنا

ایک شیعہ نے مسجد کو گھڑی خرید کر دی ہے ۔ آیا اس کو لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر اس گھڑی دینے میں کوئی غرض فاسد نہ ہو ، نیز آئندہ چل کر احسان جتلانے یا کسی اور ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو لے لینے کی گنجائش ہے فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶ / ۵ / ۱۴۰۸ھ

پانچسال کے بچوں کو مسجد میں لانے کا حکم

ایک مسجد کے خطیب صاحب ہیں وہ مسجد کے اندر نماز کے بارے میں بہت متشدد ہیں خاص کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے بارے میں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں پانچ سال سے کم عمر کے بچے نہ آئیں ۔ اگر آ بھی جائیں تو سختی کے ساتھ منع فرما دیتے ہیں ۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے کتنی عمر تک کا بچہ داخل ہو سکتا ہے اس سلسلہ میں قرآن و حدیث یا دیگر ماخذ شریعت میں کیا ہدایت ہے ۔ اور بچے کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

الجواب پانچ سال یا اس سے کم عمر کا بچہ عموماً بے سمجھ ہی ہوتا ہے ۔ حدیث پاک میں ایسے بچوں کو مسجد میں لانے سے منع کیا گیا ہے ۔

لما اخرجه المنذری مرفوعاً جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ۔ (شامی ج ۱ : ص ۲۸۶) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱ / ۱۴۰۸ھ

محض کپڑے کے ذریعہ جگہ پر قبضہ کرنیوالوں کو اس سے منع کرنا چاہیئے

اکثر لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو اپنی جگہ

کو محفوظ رکھنے کے لئے کپڑا رکھ دیتے ہیں۔ اور اگر اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیں تو الٹا ناراض ہو جاتے ہیں۔ شرعی طور پر فیصلہ صادر فرمائیں؟

الجواب جو شخص پہلے آکر مسجد میں نہ بیٹھا ہو۔ تو وہ اپنا کپڑا کسی جگہ مسجد میں قبضہ کرنے کی غرض سے رکھ دے، یہ شرعاً جائز نہیں۔ اور اس سے اس کا حق بھی قائم نہیں ہوتا۔ خواہ وضو کے لئے جائے یا کسی اور غرض سے۔ پس جو محض جگہ قبضانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ ان کو اس سے منع کرنا چاہیئے۔ کذا فی امداد المفتیین: ج ۲، ص ۵۶۲۔ نقلاً عن الشامیہ۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ۲۸/۱۱/۱۴۰۳ھ

مسجد کی کوئی چیز ضائع کر دی تو اس کی تلافی کی صورت

۱: مسجد کی تعمیر کے لئے بانس اور پھٹے بنوائے گئے۔ فارغ ہونے پر وہ بیچ کر رقم مسجد پر لگ سکتی ہے؟

۲: پھٹے مسجد سے مانگ کر لے گیا۔ پھر واپس نہیں کئے۔ مسجد والوں کو بھی بھول گئے اب خاموشی سے اس کی قیمت دے سکتا ہوں یا بتا کر ادا کروں؟

۳: قیمت موجودہ وقت کے حساب سے دوں یا اس وقت کے حساب سے جب مسجد سے لئے تھے؟

۴: ایسے ہی کسی کی چیز اٹھالی یا اس سے لے کر ضبط کرلی۔ اب اس کی واپسی کا خیال آتا ہے چیز موجود نہیں۔ اس کی قیمت بتا کر واپس کرے۔ یا اگر واپس کرنے میں عار ہو تو اس کی قیمت صدقہ کر کے ثواب اس کو پہنچا دے۔ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ۱: اب اگر مسجد کو ضرورت نہ ہو، تو بیچ کر قیمت مسجد میں جمع کرادی جائے۔

۲: موجودہ وقت کے حساب سے قیمت دے دے۔ بتانے میں شرم محسوس ہو تو وضاحت کئے بغیر مسجد کے فنڈ میں وہ پیسے دے دے۔ فان لم یقدر علی مثلہ فعلیہ قیمتہ یوم یختصمون اھ۔ (ھدایہ، ج ۳ ص ۳۷۲)۔

۴ : جب تک مالک یا اس کا وارث شرعی موجود ہو، اس کو قیمت دے دے وضاحت نہ کر سکتا ہو تو اتنا کہہ دے کہ میں کسی وجہ سے یہ آپکو دینا چاہتا ہوں۔ جب اصل مالک یا اس کے وارث کا ملنا ممکن نہ ہو تو اس کیطرف سے بہ نیت ثواب صدقہ کر دے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	۸ / ۶ / ۱۴۰۲ھ

مسجد میں ذی روح کی تصویر آویزاں کرنا ناجائز ہے

ایک مسجد میں خانہ کعبہ کی تصویر جس میں لوگ بھی نظر آتے ہیں۔ اور ساتھ دو عدد تصویر مرغ کی بھی بنی ہوئی ہے، سامنے دیوار پر لگی ہوئی ہے۔ اور مسجد میں جماعت بھی ہوتی ہے کیا نماز میں تو کوئی نقصان واقع نہیں ہوگا۔ ؟

الجواب اگر مسجد میں کسی جاندار کی تصویر معلق ہو اور وہ بلا تکلف نظر آتی ہو۔ اس کا سر اور منہ کا حصہ مٹایا بھی نہ گیا ہو تو ایسے مکان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

قال فی الهندیة ویکره ان یصلی وبین یدیه او فوق رأسه او علی یمینه او علی یساره او فی ثوبه تصاویر۔ ج ۱ ص۱۰۷)۔

لہذا مرغ اور انسان کی تصاویر جو بلا تکلف نظر آتی ہیں تو نماز مکروہ ہے۔ فقہاء رح نے یہ حکم عام مکانات کا بیان فرمایا ہے، مسجد میں تصویر ذی روح کی رکھنا قطعاً حرام ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مسجد میں سے یہ تصویر الگ کر دی جائے۔

والجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳ / ۷ / ۱۴۰۳ھ

مسجد میں چٹائی کی ٹوپیاں رکھنے کا حکم

اکثر لوگ ثواب کی نیت سے مساجد میں چٹائی کی ٹوپیاں نمازیوں کے استعمال کے لئے رکھ دیتے ہیں جس سے برہنہ سر لوگ اپنے سر کو نماز کے وقت ڈھانپ لیتے ہیں۔ کیا یہ فعل شرعاً

جائز ہے ؟ ۔ اگر ناجائز ہے تو عدم جواز کی دلیل دیں ۔

عند البعض ایسی ٹوپیوں کو مسجد میں رکھنا ناجائز اور ان سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی کہتے ہیں ۔ اور وجوہ ذیل بتلاتے ہیں ۔

۱ : یہ ٹوپیاں رکھنا احترام مسجد کے خلاف ہے ۔ بالخصوص جب ان کے تنکے نکل کر مسجد میں بکھرتے ہیں ۔ اور ان پر میل کی تہہ نظر آتی ہے ، پسینہ کی بو آتی ہے ۔ ان ٹوپیوں کو پہن کر آدمی دوسروں کے سامنے نہیں نکلتا بلکہ شرماتا ہے ۔

الجواب مذکورہ ٹوپیوں کی جو کیفیت سوال میں تحریر ہے ۔ اس لحاظ سے تو کراہت میں شبہ نہیں ۔ لیکن ہر ٹوپی اس طرح نہیں ہوتی ، ہر جگہ ذہن بھی یہ نہیں ہوتا ۔ پہننے والے بہر حال بہ نیتِ ادب پہنتے ہیں ۔ لہذا علی الاطلاق کراہتِ تحریمی کا حکم لگانا صحیح نہیں ۔ جہاں اہتمام کے ساتھ صاف ستھری ٹوپیاں رکھی ہوں ، پہننے والے بہ نیتِ ادب پہنتے ہوں ، اور وہاں کے عرف میں انہیں پہننا معیوب نہ سمجھا جاتا ہو ، تو وہاں منع صحیح نہیں ۔ معہذا اگر انہیں ترک ہی کر دیا جائے اور گھر سے اہتمام کے ساتھ سر ڈھانپنے کے لئے کپڑا لے کر چلیں تو احسن ہے ۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

یکم ذی قعدہ ؛ ۱۴۰۲ھ

مسجد میں سائیکل کھڑی کرنا

امام مسجد صاحب یا کسی دوسرے شخص کے لئے مسجد میں سائیکل رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب مسجد میں سائیکل رکھنا بے ادبی ہے ۔ اس سے بچا جائے ۔ اور اگر ٹائروں پر نجاست لگی ہوئی ہو تو ناجائز ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی خیر المدارس ، ملتان	۱۰ / ۹ / ۱۳۹۹ھ

مساجد کے لئے چندے کا معروف طریقہ جائز نہیں

عرضِ خدمت ہے کہ ہماری مسجد میں جمعہ کے دن صبح فجر کی نماز کے بعد بچے لاؤڈ سپیکر پر قرآن مجید پڑھتے ہیں اور مسجد کے لئے چندہ اکٹھا کرتے ہیں۔ کسی کا نام وغیرہ نہیں لیتے۔ یعنی فلاں شخص نے اتنے دیئے ہیں۔ صرف قرآنِ پاک کی آواز سن کر لوگ اپنے گھروں سے مسجد میں پیسے بھیج دیتے ہیں۔ تو کیا اس طرح سپیکر پر قرآنِ مجید پڑھ کر چندہ اکٹھا کرنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب چندہ جمع کرنے کا مذکورہ طریقہ درست نہیں۔ گویا قرآنِ پاک کو حصولِ چندہ کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ یہ قرآنِ مجید کی شان اور عظمت کے خلاف ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

من جاء الی تاجر یشتری منه ثوبا فلما فتح التاجر الثوب سبح الله تعالی اوصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم اراد به اعلام المشتری جودة ثوبه فذلك مكروه - (ج ۴ ص ۹۰)

مسجد کی ضروریات کے لئے ایک آدھ مرتبہ اپیل کرنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی	الجواب صحیح
۲۷ / ۵ / ۱۴۰۶ھ	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مسجد کے پرانے ملبے کا حکم

ایک مسجد نئی تعمیر کر رہے ہیں تو اس کے پرانے ملبے کا کیا حکم ہے۔ کیا کوئی شخص ذاتی استعمال کے لئے اپنے گھر اٹھا کر لے جا سکتا ہے یا اسے فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر امام مسجد از خود بغیر اجازت مقتدیوں کے اٹھا کر لے جائے اور اپنے تصرف میں لائے تو کیا اس کی امامت اور نمازوں میں اقتداء صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب اگر وہ ملبہ آئندہ مسجد کے کسی کام نہ آ سکتا ہو تو منتظمین مسجد اسے فروخت کر سکتے ہیں اور اگر کچھ قیمت نہ رکھتا ہو تو ویسے بھی پھینکنا درست ہے۔ بہر دو صورت لینے والا اسے استعمال کر سکتا ہے۔ امام صاحب اس ملبہ کی قیمت مسجد کو دے دیں۔

حشیش المسجد اذا اخرج من المسجد امام الربیع ان لم یکن له قیمة لا بأس بطرحه خارج المسجد ولا بأس بد فعه

والانتفاع به ۔ اھ (خلاصۃ الفتاوی : ج ۴ ، ص ۴۲۵) ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱ محرم ۱۴۰۲ھ

جا نماز زائد از ضرورت ہوں تو فروخت کرنے کا حکم

ایک مسجد میں مصلے بہت زیادہ جمع ہو گئے ہیں کیا ان کو فروخت کر کے مسجد کے لئے صف خریدنا درست ہے ؟ المستفتی : محمد شفیع کالی موری ، حیدرآباد سندھ ۔

الجواب اگر اتنے زیادہ ہوں کہ آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو فروخت کرنا درست ہے یا صفوں کی بجائے مصلے ہی استعمال میں لائے جائیں ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۲۳ / ۱۲ / ۱۳۹۸ھ

مسجد میں ضرورت سے زیادہ روشنی کرنا

کسی صاحب نے مسجد کی محراب کے لئے رنگین بلب و مرچیں وغیرہ دی ہیں ۔ کیا کبھی کبھی روشن کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ استفتی : عبدالحمید رشید آباد کالونی ملتان

الجواب اسراف ہے بچا جائے ۔
فقط واللہ اعلم : احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۶ / ۳ / ۱۳۹۶ھ

جواریوں سے چھینی ہوئی رقم مسجد میں لگانے کا حکم

جوا کھیلنے کے پیسے پولیس سے لے کر مسجد کو دے دیئے کیا وہ مسجد کی کسی جگہ پر لگائے جا

سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ رقم مسجد پرخرچ نہ کی جائے مالکوں کو واپس کرنی چاہئے۔گوکچھ مدت کے بعد واپس کردی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۱۶ / ۶ / ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ صدر مفتی

بیت اللہ کی تصویر والا قالین مسجد میں آویزاں کرنے کا حکم

ایک قالین جس میں خانہ کعبہ کا فوٹو ہے اور اس میں ذی روح کی تصویریں ہیں لیکن نظر نہیں آتیں۔ اور اسی طرح دو مرغ کی تصویریں بھی ہیں۔ لیکن ان کو ٹیپ وغیرہ کے ذریعہ سے پوشیدہ کر دیا گیا ہے۔ وہ قالین مسجد کے سامنے والی دیوار پر بہت اونچا کر کے لٹکایا گیا ہے۔ خارجِ صلوٰۃ کی نظر پڑتی ہے۔ اور نمازی کی نظر نہیں پڑتی کیا ایسے قالین کو لٹکانے سے نمازیوں کی نماز میں تو کچھ حرج نہیں پڑے گا ؟

۲ : ایک آدمی دوسرے لوگوں کو وسوسے میں مبتلا کر کے اس مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے سے نفرت دلا کر خود بھی باجماعت نماز ادا نہیں کرتا۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی روکتا ہے کیا اس کا یہ کام درست ہے ؟

الجواب اس قالین کو دیکھا۔ اس میں کسی انسان کا فوٹو بلکہ کوئی عضو نظر نہیں آتا۔ البتہ مرغ نظر آتے ہیں ان کو مٹا کر یا رنگ لگا کر مسجد میں اس قالین کو لگا کر اس مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے۔ جب کہ نمازی کی نظر دورانِ نماز اس قالین پر نہ ٹھہرتی ہو۔ اس قالین کو لٹکانے کے متعلق جو فتویٰ پہلے خیر المدارس سے لیا گیا، اس کے سوال میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔

۲ : درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۲۱ / ۷ / ۱۴۰۳ھ

مالِ حرام سے بنی ہوئی مسجد کو منہدم کرانے کا حکم

ا:۔ اگر مالِ حرام مثلاً سود، مغصوب، رشوت، شراب کی آمدن وغیرہ سے کوئی مسجد تعمیر کردی گئی ہو تو اس تعمیر کو برقرار رکھا جاسکتا ہے یا گرادی جائے۔ اگر رائے کے ساتھ دلیل بھی بیان فرمادیں تو کرم ہو گا۔

(مولانا مفتی) عبدالرحیم (صاحب) دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی۔

الجواب

گرانے کے لئے تو دلیل کی حاجت ہوگی۔ برقرار رکھنے کے لئے تو دلیل کی ضرورت نہیں۔ خصوصاً جب کہ حسبِ سوال جمیع علماء و مشائخ کا عمل بھی اسی پر ہے۔ نیز فتاویٰ میں عموماً یہ لکھا ہے کہ ایسی مسجد شرعی مسجد نہیں اور اس کی بیع بھی جائز ہے تو گرانے کے بجائے کوئی ایسا شرعی حل تجویز ہونا چاہیئے جس کے ذریعہ ایسی مسجد شرعی مسجد بن جائے۔

"مجموعۃ الفتاویٰ" میں ہے کہ اگر کوئی شخص حلال مال سے عقدِ صحیح کرکے خرید کرکے وقف کردے تو مسجدِ مقبول بن جائے گی۔ (بالمعنی) ج ا ص ۱۸۴۔ اس پر غور کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ: ۸ / ۴ / ۱۴۰۸ھ

"یا محمد" لکھی ہوئی اینٹیں مسجد میں نصب کرنا

ایک مسجد کو شہید کرکے پکی خشت کی نئی مسجد تیار کرائی ہے جس کے لئے مینار و خشت خریدے ہیں۔ کچھ اینٹوں پر "یا اللہ" "یا محمد" لکھا ہوا ہے۔ جو رقم مسجدِ مذکور کے لئے وقف کی تھی اس رقم سے یہ اینٹیں خریدی ہیں۔ اب سوال یہ ہے مسجدِ مذکور پر ایسی اینٹیں لگانا جس پر "یا اللہ یا محمد" لکھا ہوا ہے۔ جائز ہے یا نہ؟۔

الجواب

"یا محمد" کے لفظ سے اہلِ بدعت کے غلط عقیدہ کی طرف ایہام ہوتا ہے۔ لہذا مذکورہ اینٹیں نہ لگائیں۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۶ / ۸ / ۱۴۰۶ھ

مسجد میں مٹی کے تیل کا چراغ جلانا جائز نہیں

مٹی کے تیل والا لیمپ مسجد میں جلا سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب مسجد میں کوئی بھی بدبو دار چیز لانی جائز نہیں۔ اس لئے مٹی کے تیل کا چراغ بھی درست نہیں۔ اگر کوئی اور صورت نہ ہو سکتی ہو تو مٹی کے تیل کا لیمپ مسجد سے باہر رکھا جائے، اتنی دور کہ روشنی مسجد میں پڑتی رہے۔

للحديث الصحيح فی النهی عن قربان آكل الثوم و البصل المسجد قال الامام العينی فی شرحه علی صحيح البخاری قلت علة النهی اذی الملئكة واذی المسلمين ولا يختص بمسجده عليه السلام بل الكل سواء ويلحق بما نص عليه فی الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً اوغيره

(شامی، ج ۱، ص ۶۱۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	۲۹ / ۱۲ / ۱۳۹۷ھ

راستہ کی صرف اتنی مقدار مسجد میں شامل کر سکتے ہیں جس سے لوگوں کو ضرر نہ ہو

گورنمنٹ کے منظور شدہ احاطہ سے دس فٹ زائد جگہ سرکاری گلی کی، مسجد میں لے لی گئی اور اب اس مسجد کی نئی تعمیر کرانے لگے تو چار فٹ مزید جگہ لے لی گئی۔ گاؤں کا ۳/۴ حصہ اس مزید جگہ لینے پر رضامند ہے۔ مگر ۱/۴ حصہ جن کا راستہ متاثر ہوتا ہے، وہ رضامند نہیں ہیں آپ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

تنقیح : جو لوگ رضامند نہیں اس تجاوز سے، ان کو کیا نقصان ہو رہا ہے ؟

جواب تنقیح : اب اس گلی سے ٹرالی اور لدا ہوا گڈا نہیں گزر سکتے۔ اور وہ لوگ زراعت پیشہ ہیں۔ ان کو ہر وقت ان چیزوں سے کام رہتا ہے۔

الجواب جواد تنقیح میں مذکور ہے کہ اب اس رستہ سے ٹرالی اور گڈا نہیں گزر سکتے اور زمینداروں کے لئے یہ چیزیں ضروریات سے ہیں۔ لہٰذا مسجد کا اس حد تک بڑھانا ان کے لئے ضرر ہے۔ سڑک سے جس قدر وہ سب بخوشی دیں، لے لیا جائے۔ اس سے آگے تجاوز نہ کیا جائے۔

فی الدر المختار جعل شئ من الطریق مسجد الضیقه ولم یضر بالمارین جاز وفی رد المحتار افاد ان الجواز مقید بهذین الشرطین۔ اھ (امداد الفتاوی ج ۲ ص۶۰۲)۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۲ / ۵ / ۱۴۰۱ھ	مفتی خیر المدارس ملتان

اعلان گم شدگی کے ممنوع ہونے میں بچہ اور سامان برابر ہے

آجکل پورے ملک میں یہ رواج پھیلا ہوا ہے کہ تمام مساجد میں ہر وقت گم شدہ اشیاء اور بچوں کا اعلان ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث اور فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ گم شدہ کا اعلان مساجد میں نہیں ہونا چاہیئے۔ جیساکہ آیت قرآنی وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً اور احادیث مبارکہ جو صحاح ستہ میں موجود ہیں مثلاً مسلم شریف میں یہ الفاظ ہیں۔

انه سمع اباهریرة رض یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول من سمع رجلا ینشد ضالته فی المسجد فلیقل لاردها اللہ علیك فان المساجد لم تبن لهذا۔ (مسلم شریف ج ۱ ص۲۱۰)۔

ایسی عبارات ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۶۸ - ابن ماجہ شریف ص ۵۶ - میں بھی موجود ہیں۔ اور شامی ج ۱ ص ۲۸۸ میں بھی اس طرح موجود ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ - ص ۱۹۳ سے بھی یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت گنگوہی رح اور حضرت شاہ صاحب رح نے انہی علتوں کو ذکر کیا ہے مگر ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ بچوں کی گم شدگی کا اعلان اس میں داخل

نہیں۔ اور اس پر وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ ضالہ ممنوعہ سے مراد متاع ہے اور بچے متاع نہیں ہیں۔ اس لئے بچوں کی گم شدگی کا اعلان جائز ہے۔ لہٰذا آپ براہِ کرم قرآن و حدیث و فقہ کی رو سے جواب صادر فرمائیں۔

الجواب صحیح یہی ہے کہ مساجد میں گم شدگی کا اعلان منع ہے۔ گم شدہ خواہ کسی جنس سے ہو۔ جائز کہنے والے صاحب کا قول قرینِ صواب نہیں۔ ضالہ کو متاع کے ساتھ خاص کرنا اور بچوں کو اس سے مستثنیٰ کرنا بلا دلیل ہے۔ نیز یہ تخصیص علتِ منع کے بھی منافی ہے مجمع بحار الانوار کی عبارت سے بھی عموم معلوم ہوتا ہے۔

ویدخل فیہ کل مالم یبن لہ المسجد۔اھ (ج۲ ۔ص۲۱)۔

وفیہ ضالۃ المؤمن حرق النار وھی الضائعۃ من کل مایقتنیٰ من الحیوان وغیرہ ۔ (ج ۳ ۔ص۴۱۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۳ / ۶ / ۱۴۰۶ھ

متولی مسجد کسی کو مسجد میں آنے سے روک سکتا ہے یا نہیں

کسی مسجد کے متولی نے اہل محلہ کے کسی فرد کو یا کسی نماز پڑھنے والے کو روک دیا ہے کہ میری مسجد میں نماز نہ پڑھا کریں۔ کیا ایسی مسجد میں ممنوع آدمی وغیرہ اگر نماز جمعہ یا کوئی اور نماز ادا کرے تو نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بناء بر جوازِ ممنوعیت ممنوع کو نماز ادا کرنا کسی دوسری مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب اگر روکنا کسی شرعی وجہ سے نہیں تو درست نہیں۔ ممنوع کی نماز بہر صورت مسجد میں ادا ہو جائے گی۔ متولی کے روکنے سے اس کی نماز پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۲/۱۳۹۷ھ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

مسجد میں داخل ہوکر لوگوں کو سلام کرنے کا حکم

جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو اس وقت ان میں سے بعض لوگ نماز وتلاوت قرآن پاک میں مشغول ہوں تو اس صورت میں اگر آنے والا شخص سلام نہ کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ شخص گنہگار ہوگا؟ یعنی کیا اس پر لازم ہے کہ سلام کرے یا خاموشی سے آکر بیٹھ جائے۔ بحوالہ وضاحت فرمائیں۔

الجواب اگر کچھ لوگ فارغ بیٹھے ہوں تو اس طرح سلام کرے کہ جو عبادت میں مشغول ہوں ان کی عبادت میں خلل نہ آئے " السلام تحیة الزائرین والذین جلسوا فی المسجد للقراءة والتسبیح او لانتظار الصلوة ماجلسوا فیه لدخول الزائرین فلیس هذا اوان السلام فلا یسلم علیهم ولهذا قالوا لو سلم علیهم وسعهم ان لا یجیبوه اھ (عالمگیری ج۵ ص۳۲۵)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۶/۵/۱۴۰۷ھ

غیر مسلم مسجد میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں

غیر مسلم چمار عیسائی وغیرہ کے بچے مسجد میں امام صاحب کے پاس قرآن پاک پڑھ سکتے ہیں اور ہاتھ لگا سکتے ہیں، جب کہ دیگر مسلم بچوں کے ساتھ مل کر کلمات و نماز وغیرہ سننے سنانے میں بھی شرکت کرتے ہیں۔

الجواب غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ باقی قرآنِ مجید کا پڑھنا پڑھانا، نماز کا سیکھنا وغیرہ اسلام لانے کے بعد ہونا چاہئے۔ صبی ممیز کا اسلام معتبر ہے اس لئے اس کو اسلام کی دعوت دی جائے۔

لاباس بدخول اهل الذمة المسجد الحرام وسائر المساجد وهو الصحیح ۔ (هندیه ج ۱ ص۱۰۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

نمائندہ کارکنان جس حصّے کو نماز پڑھنے کے لئے متعین کردیں وہ ہمیشہ اسی کے لئے وقف رہے گا

بستی ارائیں واہن کی مسجد کو گرا کر اس کی جگہ نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے اس کا صحن پہلے کی نسبت وسیع کیا گیا ہے۔ احاطۂ مسجد کی چاردیواری بھی تیار ہو چکی ہے۔ مسجد کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ مشرق میں وسط سے قدرے جنوب کی طرف اور دوسرا دروازہ شمالی طرف ہے۔ وضوء کی جگہ بھی تیار ہو چکی ہے۔ مسجد کے صحن میں پختہ فرش سابق مسجد کی حدود سے کچھ زائد جگہ تک لگایا گیا ہے۔ باقی صحن میں پختہ فرش نہیں ہے البتہ ۱۹۷۳ء میں تعمیرِ مسجد کا اہتمام کرنیوالے چھ اشخاص نے بذریعہ بند صحن مسجد کا تعین اور حد بندی کر دی۔

حال ہی میں بستی کے چند نوجوانوں نے مل کر دروازہ کلاں کی جنوبی جانب کنارہ میں طہارت خانے تعمیر کر دیئے۔ اس پر بعض صاحبان نے اعتراض کیا کہ یہ طہارت خانے اس حد کے اندر تعمیر ہوئے ہیں جو بذریعہ بند صحن مسجد میں شامل ہو چکی تھی۔ یہ اعتراض چار پانچ آدمیوں کی طرف سے اٹھایا گیا ہے۔ اس کے برخلاف طہارت خانے تعمیر کرنے والے نوجوانوں کا مؤقف یہ تھا کہ یہ جگہ صحن مسجد میں شامل ہی نہیں۔ کیوں کہ یہاں کوئی بند وغیرہ نہیں تھا۔ نیز اگر بند ہو بھی تو بذریعہ بند ان پانچ چھ اشخاص کو اس ٹکڑا کو مسجد کے صحن میں شامل کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ پھر اب تک اس ٹکڑا اور اس پورے کچے صحن کو بطورِ مسجد استعمال نہیں کیا جاتا رہا۔ اس حد میں جوتوں کے ساتھ آمد و رفت اور اس جگہ وضوء اور غسل کرنے کا عمل مسلسل چلا آرہا ہے۔ بند لگانے والے اشخاص بھی یہی عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے اس ٹکڑے کو خارج از مسجد شمار کرتے ہوئے ہم نے مسجد کی سخت ضرورت کے لئے طہارت خانے تعمیر کر دیئے۔

جب بند لگانے والے اصحاب سے دریافت کیا گیا کہ آپ صاحبان نے اس کچے صحن میں جس کو آپ بذریعہ بند مسجد کا صحن تصور کرتے ہیں، کیوں اب تک احترام مسجد کو ملحوظ نہیں رکھا؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ ہماری غلطی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ جدید طہارت خانے اور ان کے محاذی ٹکڑا اراضی جو اصل میں آبادی دِہ ہے، جس کے مالکان بروئے کاغذات سرکاری آبادی دِہ کے لوگ ہیں۔ صحن مسجد میں اس کو شامل کرنے والے کل چھ اشخاص ہیں۔ باقی لوگوں سے اس معاملہ میں مشورہ نہیں کیا گیا۔ ان حالات میں شرعًا ان چھ اشخاص کا اس کو بذریعہ بند صحن مسجد میں شامل کرنا درست ہوگا یا کہ مسجد میں شامل کرنے کے لئے اہلِ دیہہ کی رضا حاصل کرنا ضروری ہوگی۔ ان طہارت خانوں کے گرانے کا اہلِ دیہہ میں سے چھ اشخاص تقاضا کرتے ہیں باقی سب لوگ ان کے باقی رکھنے کے حق میں ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب نقشۂ مسجد دیکھنے سے یہ امر محقق ہے کہ جدید طہارت خانے (صحن) فرشِ مسجد کی اس حد بندی کے اندر ہیں جو صحنِ مسجد کی تعیین و حد بندی ۱۹۷۳ء میں تعمیر مسجد کا اہتمام و انتظام کرنے والے اصحاب نے پختہ بند لگا کر کر دی تھی اور تین سال کا عرصہ اس پر گزر چکا ہے۔ اب قابلِ تحقیق امر یہ ہے کہ ان کی یہ حد بندی شرعًا معتبر ہے یا نہیں؟ ظاہر یہی ہے کہ شرعًا یہ معتبر ہے اور یہ پورا صحن مسجد بن چکا ہے بوجوہ ذیل۔

۱: منتظمینِ مسجد کا یہ فعل انفرادی و شخصی نہیں بلکہ بحیثیتِ نمائندہ و کارکنانِ اہالیانِ دِہ ہے۔ عادۃً معروفہ یہی ہے کہ اہلِ دیہہ یا اہلِ محلہ چند افراد کو منتخب کر کے ایسے کام ان کے سپرد کر دیتے ہیں اور کام ہوتا رہتا ہے۔ پایۂ تکمیل تک پہنچنے پر یہ کام سب کا سمجھا جاتا ہے نہ کہ خاص ان افراد کا۔

دورانِ کار مشورے بھی ہوتے رہتے ہیں اور افہام و تفہیم بھی ہوتی رہتی ہے لیکن بستی یا اہلِ محلہ کے ہر فردِ صغیر و کبیر، مرد و زن سے صراحۃً مشورہ یا رضامندی حاصل کرنا جیسے متعذر ہے ایسے ہی خلافِ عرف و عادت بھی ہے۔ الغرض ان کا یہ فعل سب کی جانب سے ہے۔ اور عرصہ تین سال میں کسی نے واقعی خصومت کر کے اس کے نقض کا مرافعہ نہیں کیا۔

۲: اہلِ دیہہ کی یہ حقیقی ملک ہو یا حکمی کہ انہیں خصوصیت کے ساتھ ایسے قطعات سے انتفاع کا حق حاصل ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کا حکم زیادہ سے زیادہ طریقِ عامہ کا ہوگا۔ اور طریقِ عامہ میں اگر ایک شخص بھی مسجد بنا دے اور اس میں اضرار نہ ہو تو مسجد بن جاتی ہے اور اس کے نقض کی اجازت نہیں۔

ذکر فی المنتقی عن محمد رح فی الطریق الواسع بنی فیہ اھل المحلۃ مسجدا و ذالک لا یضر بالطریق فمنعھم رجل فلا بأس ان یبنوا کذا فی الحاوی ۔ (ھندیۃ ، ج ۲ ۔ ص ۴۵۷)

و فی موضع آخر رجل اخرج الی الطریق کنیفا او میزابا فلکل واحد من عرض الناس ان یقلع ذالک و یھدمہ اذا فعل ذالک بغیر اذن الامام (الی ان قال) ھذا اذا بنی علی طریقۃ العامۃ بناءً لنفسہ وان بنی شیئا للعامۃ کالمسجد وغیرہ لا ینقض ولا یضر کذا روی عن محمد کذا فی النھایۃ ۔ (ھندیہ ج ۶ ص ۱۹۵) ۔

وفی الدر المختار وھذا کلہ اذا بنی لنفسہ بغیر اذن الامام وان بنی للمسلمین کمسجد ونحوہ او بنی باذن الامام لا ینقض ۔ اھ ۔ (شامیہ ، ج ۵ ، ص ۳۹۲) ۔

جب طریق عامہ کا یہ حکم ہے تو احاطۂ برائے مسجد میں حدود مسجد بطریق اولیٰ ناقابل نقض ہوں گی ۔

۳ ، اگر مسجد ہونے کے لئے ہر فرد کی رضا ء کو ضروری قرار دیا جائے تو مسقف حصہ بھی مسجد نہ بنے گا ـــــــ کیونکہ صراحتًہ رضاء ہر فرد کی تو حاصل نہیں اور یہ اسی مسجد تک محدود نہیں رہے گا ۔ بلکہ ایسی آبادیوں میں تعمیر شدہ تمام مساجد مسجد شرعی بننے سے خارج ہو جائیں گی ۔

بہر حال امور بالا سے یہی واضح ہے کہ بند کے اندر کا حصہ مسجد بن چکا ہے پس اس کے اندر طہارت خانے بنانے درست نہیں ۔ انہیں فورًا بند کر دیا جائے ۔ باقی اس حصہ کے ساتھ معاملہ مسجد جیسا نہ کرنا یہ ایک غلطی اور گناہ ہے ۔ عوام کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ پختہ فرش لگنے ہی سے احکام مسجد ثابت ہوں گے اور چھت مکمل ہو جانے کے بعد ہی ادب و احترام لازم ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے ۔ اس لئے خام صحن مسجد کے ساتھ لوگ مسجد جیسا برتاؤ نہیں کرتے رہے ۔ ھذا ما عندنا واللہ اعلم بالصواب

فقط : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵/۱۰/۱۳۹۶ھ

غصب شدہ زمین پر بنائی ہوئی مسجد میں نماز مکروہ ہے

ہماری مملوکہ زمین قدیم سے مسجد کے ساتھ متصل چلی آرہی ہے۔ اب مسجد کی تعمیر جدید کے وقت کچھ لوگوں نے جبراً ہماری زمین مسجد میں شامل کرلی ہے۔ کیا ایسا کرنا درست ہے اور اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب اگر واقعۃً یہ مسجد کسی کی مملوکہ زمین میں اس کی رضا مندی کے بغیر تعمیر ہورہی ہے تو اس حصہ میں نماز مکروہ ہے اور تعمیر درست نہیں۔

وکذا تکرہ فی اماکن کفوق کعبۃ وفی طریق ...... الی قولہ وارض مغصوبۃ او للغیر۔ اھ (درمختار علی الشامیہ ج ۱ صـ۳۵۲)۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
خیر المدارس ملتان ۱۵/۸/۱۳۹۹ھ

مسجد کی بجلی ذاتی استعمال میں لانے کا حکم

مسجد کی بجلی اگر کوئی استعمال کرے اور سارا خرچہ خود دے، تو کیا یہ جائز ہے؟

۲ : نیز اگر مسجد کا لاؤڈ سپیکر کرایہ پہ دیا جائے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب دونوں صورتوں میں مسجد کا نفع ہے لہٰذا جائز ہے لیکن لاؤڈ سپیکر کے بارے میں مسجد کے اوقات ضروریہ کا ضرور خیال رکھیں۔ نیز مسجد سے کنکشن دینے میں اگر کسی قانونی نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسا نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۹/۶/۱۳۹۸ھ

سرکاری زمین میں بلا اجازت بنائی گئی مسجد کا حکم

سرکاری اراضی میں بلا اجازتِ حکومت مسجد تعمیر کی جائے تو وہ مسجد شرعی مسجد کہلائے گی یا غیر شرعی کہلائے گی۔ حکومتِ پاکستان نے اسے غیر شرعی مسجد قرار دے دیا ہے۔ اور اس میں نماز پڑھنے والے کو مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بارے میں آپ ہماری تشفی فرمائیں۔

الجواب حکومت سے اجازت حاصل کئے بغیر بنائی گئی ہر مسجد کو غیر شرعی مسجد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور نہ اسے توڑا جا سکتا ہے۔

ففی الخانیة طریق العامة وهی واسع فبنی فیه اهل محلة مسجدا للعامة ولا یضر ذالك بالطریق قالوا لا بأس به وهکذا روی عن ابی حنیفة و محمد لان الطریق للمسلمین والمسجد لهم ایضا بحر الرائق: ج ۵ :ص ۲۷۶: فتاویٰ عالمگیری: ج ۲، ص ۴۵۷۔ میں بھی ایسے ہی ہے۔

وان بنی المسلمین کمسجد ونحوه .... لا ینقض

درمختار: ج ۵ :ص ۳۸۰)۔

یہ عام جگہ راستے وغیرہ میں بنائی گئی مسجد کے متعلق کہا ہے۔ اہلِ اسلام کو ہر محلہ میں مسجد بنانے کا حکم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت امر رسول الله صلی الله علیه وسلم ببناء المسجد فی الدور ای فی المحلات والقبائل۔ ابوداؤد شریف۔ بذل المجهود۔ فقط والله اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۲/۵/۱۴۰۳ھ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مسجد کی بوسیدہ صفوں کا حکم

مسجد کی بوسیدہ صفیں ہیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے آیا ان کو جلا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جلا دیا جائے

تو کیا اس کی راکھ کو کسی محفوظ جگہ پہ ڈالا جائے یا عام گندگی کی جگہ پہ ڈال دیا جاتے۔

الجواب اگر وہ صفیں ناکارہ ہیں اور مسجد والوں نے بے کار کہہ کے فارغ کر دی ہیں تو انہیں جلا سکتے ہیں۔ کوئی لے جانا چاہے تو لے جا بھی سکتا ہے۔

حشیش المسجد اذا اخرج من المسجد امام الربیع ان لم یکن له قیمة لا بأس بطرحه خارج المسجد ولا بأس بونعله والانتفاع به۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴، ص ۴۲۵)۔

راکھ کو محفوظ جگہ ڈالا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۷/۱۱/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مساجد میں پرائمری سکول کھولنا ناجائز ہے

مساجد میں اردو تعلیم دینا صحیح ہے یا نہیں؟ گورنمنٹ نے پرائمری سکول مساجد میں کھولے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب چند وجوہ سے مساجد میں اردو تعلیم دینا درست نہیں۔

۱: بالکل چھوٹے بچوں کا مسجد میں جانا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے۔

" ویحرم ادخال الصبیان والمجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره۔" (شامی ج۱ ص۶۵۶)۔

بچے پاکی اور پلیدی کا خیال نہیں کر سکتے۔

" اخرج المنذری مرفوعا۔ جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وبیعکم وشراءکم ورفع اصواتکم وسل سیوفکم واقامة حدودکم وجمروها فی الجمع واجعلوا علی ابوابها المطاهر۔ (شامی ج۱ ص۶۵۶)۔

۲: مسجد نماز، تلاوت اور ذکر اللہ کے لئے ہے دنیوی تعلیم کے لئے نہیں۔

" ان المسجد ما بنی لامور الدنیا" (هندیه ج۴ قدیم۔ ص ۹۴)۔

۳ : دنیاوی باتیں کرنا مسجد میں منع ہے۔

کما قال علیه الصلوة والسلام یأتی علی الناس زمان یکون حدیثهم فی مساجدهم فی امر دنیاهم فلا تجالسوهم فلیس لله فیهم حاجة رواه البیهقی فی شعب الایمان (مشکوة شریف ج ۱ ص۷۵)۔

ترجمہ :- لوگوں پر عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ اپنی دنیا کی باتیں اپنی مسجد میں کیا کریں گے۔ لہذا تم ان کے پاس نہ بیٹھنا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

۴ : بہاڑے کھلوانے میں شور ہوتا ہے۔ اور مسجد میں ذکر اللہ کے علاوہ آواز بلند کرنا منع ہے۔

ان لا یرفع فیه الصوت من غیر ذکر الله تعالی ۔ (عالمگیری ج ۴ ص ۹۴)

۵ : ایسے مدرس کا مسجد میں پڑھانا جو اجرت لیتا ہو مکروہ ہے۔

کما فی الهندیة و لوجلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسه فلا بأس به لانه قربة وان کان بالاجرة یکره ۔ (هندیه قدیم ج ۴ ص ۹۳)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱/۳/۱۴۰۷ھ

مسجد میں سونا

غیر معتکف کے لئے مسجد میں سونا کیسا ہے ؟

المستفتی : قاری محمد رمضان : ساہیوال۔

الجواب مکروہ ہے۔ یکره النوم و الاکل فی المسجد لغیر المعتکف ۔اھ (شامی : ج ۲ ص ۱۸۲ مطبعة الکبری الامیریه)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس
۲۳/۸/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح
محمد شریف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان

مسجد کیلئے زمین وقف کر دینے کے بعد واقف اس میں اپنی قبر نہیں بنوا سکتا

ایک مسجد کی حدودِ اربعہ تینتیس فٹ لمبی اور بارہ فٹ چوڑی ہے۔ صحن تقریباً پینتیس ۳۵ چھتیس فٹ لمبا اور چوبیس، پچیس فٹ چوڑا ہے۔ اب مالکِ زمین کا ارادہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو دونوں طرف سے مزید رقبہ ملا دیا جائے۔ جو کہ اس مالکِ زمین کا پختہ ارادہ ہے اب اگر مالکِ زمین وہاں قبر بنانا چاہے تو کیا بنا سکتا ہے؟

الجواب مذکورہ مسجد کے رقبہ میں مالک اپنی خوشی سے اضافہ کر سکتا ہے۔ نیز مسجد کے لئے وقف کر دینے کے بعد تو قبر نہیں بنائی جا سکتی ہے۔ اور وقف کرنے سے پہلے مالک کی ملکیت ہے جو چاہے بنالئے۔ لیکن اس طرح علیحدہ قبر بنانا درست نہیں۔ عام قبرستان میں دفن زیادہ پسندیدہ ہے۔

بل ینقل الی مقابر المسلمین و مقتضاہ انہ لا یدفن فی مدفن خاص کما یفعلہ بعض من یبنی مدرسۃ ونحوھا و یبنی لہ بقربھا مدفنا۔ اھ (شامی: ج ۱، ص۸۳۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جو جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے تو پھر وہاں دوکانیں نہیں بن سکتیں

ایک مسجد برلبِ سڑک واقع ہے اور اس کا محراب بھی سڑک کی طرف ہے۔ مسجد بوجہ بوسیدہ ہونے کے شہید کر دی گئی ہے۔ اس وقت نئی تعمیر شروع ہے اہلِ محلہ کے کچھ لوگ اس حق میں ہیں کہ آگے سڑک کی طرف دوکانیں بنا دی جائیں۔ محراب اور مسجد کو نو یا دس فٹ پیچھے کر دیا جائے دوکانیں بن جانے سے مسجد کو خود کفیل بنا دیا جائے گا۔ کیونکہ مسجد کے امام صاحب کی تنخواہ اور دوسرا خرچہ یعنی بل بھی یا چھوٹی موٹی مرمت کی صورت میں اہلِ محلہ اور باہر سڑک کے دوکانداروں سے چندہ مانگنا پڑتا ہے کوئی چندہ دیتا ہے اور کوئی نہیں دیتا۔ صرف اس خرچہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دوکانیں بنانے کے حق میں ہیں۔ اور کچھ لوگ اس حق میں ہیں کہ مسجد کے محراب کے

دونوں طرف چھوٹی چھوٹی الماریاں بنادی جائیں اور وہ دوکانوں کی صورت میں استعمال ہوں۔ اور اندر سے مسجد کی زمین نہ لی جائے۔ صرف مسجد کی دیوار میں سے تھوڑی سی دیوار مصرف میں لائی جائے۔

نوٹ : دونوں صورتوں میں مسجد ڈبل سٹوری ہوگی۔ لہذا التماس ہے کہ علمائے دین شریعت کی رو سے رہبری فرمائیں۔

الجواب دوکانیں تعمیر کرنے کی دونوں صورتیں صحیح نہیں۔ کیوں کہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد شرعی بن جاتی ہے پھر وہ تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے۔ دوسری صورت میں بھی مسجد کی جگہ اور فضاء کو ذاتی سامان رکھنے کے لئے استعمال کرنا ہے جو کہ جائز نہیں۔

ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه۔

(شامی۔ج ۳۔ص۳۸۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۲/۷ ۱۴ھ

مسجد میں نمازِ جنازہ کا اعلان کرنے کا حکم

نمازِ جنازہ، بچہ کی گم شدگی یا کسی جانور کی گم شدگی کا اعلان مسجد میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یا گم شدہ اشیاء کے ملنے پر اعلان کیسا ہے علیحدہ علیحدہ حکم بتائیں۔

الجواب اگر سپیکر مسجد کے اندر ہو تو بجز جنازہ کے باقی اعلانات مسجد میں کرنا درست نہیں اگر مشینری اور ہارن وغیرہ سب باہر ہوں تو مذکورہ اعلانات درست ہیں۔

حرمة المسجد خمسة عشر الی ان قال والخامس ان لا یطلب الضالة فیه۔اھ عالمگیری ج ۱۔ص۹۴)۔ وفی باب اللقطة یأتی علی ابواب المساجد و ینادی۔اھ (شامیہ ج ۳۔ص۳۲۹)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان	خیر المدارس ملتان ۱۰/۱۰/۱۳۹۸ھ

مسجد کو چندہ دینے کے بعد واپس نہیں لے سکتے

صورتِ مسئولہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مسجد کے فرش کے لئے پانچ ہزار روپیہ متولی مسجد کو دیا لیکن کئی سال گزر گئے فرش وغیرہ نہیں بنایا گیا رقم ویسے ہی پڑی ہے ۔ کیا شخص مذکور متولی مسجد سے رقم واپس لے کر کسی دوسری مسجد میں صرف کر سکتا ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا ؟

الجواب واپس نہیں لے سکتے۔

رجل اعطی دراھم فی عمارة المسجد او مصالح المسجد قیل بانہ یصح ویتم بالقبض اھ (قاضی خان ج ۴ ص ۲۱۲)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۲ / ۱۲ / ۱۴۰۷ھ

مسجد میں روزانہ نعرے لگوانے کا حکم

ایک شخص مسجد کے اندر ہر روز نعرۂ تکبیر وغیرہ زور زور سے آوازیں ملا کر لگواتا ہے کیا مسجد میں نعرہ لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں ۔

الجواب روزانہ ایسے نعرے لگانا مستقل عادت بنالینا ۔ اور لوگوں کو اس کا عادی بنانا درست نہیں ۔ خیر القرون ثلاثہ میں ایسا عمل ثابت نہیں ۔

فقط واللہ اعلم : عبد الستار عفا اللہ عنہ

مملوکہ دکانوں کے اوپر بنائی گئی مسجد کا حکم

زید ایک مارکیٹ بنانا چاہتا ہے جس کے اوپر رہائشی مکان ہوں گے ۔ اور ایک مسجد بھی ہوگی ۔ کیا اس مسجد کی حیثیت شرعی مسجد جیسی ہوگی ؟

الجواب مسجد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا زیریں اور بالائی حصہ مسجد کے لئے وقف ہو لہذا صورتِ مسئولہ میں اگر دکانیں زید ہی کی مملوک رہیں تو ان پر تعمیر ہونے والی مسجد ، مسجد شرعی نہیں ہوگی ۔ اس کی حیثیت نماز کے لئے متعین کردہ ایک جگہ کی ہوگی ۔ جس میں زید حسبِ منشاء تصرف کر سکتا ہے ۔

قال فی البحر وحاصله ان شرط کونه مسجداً ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ وان المساجد للہ بخلاف ما اذا کان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد فهو کسرداب بیت المقدس هذا هو ظاهر الروایة الخ۔ (شامیة ، ج ۳ ص ۳۸۲) فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
۴ / ۳ / ۱۴۰۸ھ

مسجد کی ناقابلِ استعمال اشیاء منتظمہ کمیٹی کی اجازت سے فروخت کر سکتے ہیں

مسجد کی وہ اشیاء جو ناقابلِ استعمال ہو چکی ہوں مثلاً صفوف وغیرہ ان کے مصرف کے بارے میں شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے ۔ کیا ان کو ضائع کرنے کی بجائے کسی جائز مصرف میں لگا دیا جائے؟

الجواب ناقابلِ استعمال اشیاء مسجد کی انتظامیہ کے فیصلہ پر فروخت کر دی جائیں ۔ کمیٹی کی اجازت قاضی کی اجازت کے قائم مقام ہے ۔

اهل المسجد لو باعوا غلة المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضی الاصح انه لا یجوز کذا فی السراجیه ۔ ج ۲ ۔ ص ۴۹۲ عالمگیری ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۶ / ۴ / ۱۴۰۶ھ

مسجد کے ہال کے نیچے مسجد کی ضروریات کیلئے تہہ خانہ بنانا

ایک مسجد جس میں مسجد کے مین ہال کے نیچے ضروریاتِ مسجد کے لئے تہہ خانہ بھی بنایا جانا طے پایا ہے اور یہ کہ نماز باجماعت مین ہال میں ہوگی ۔ تہہ خانہ کی موجودگی میں اوپر مین ہال میں باجماعت

نماز کی شرعی حیثیت کیا ہوگی ؟ یا تہہ خانہ میں با جماعت نماز کا مستقل بندوبست کرنا ہوگا ؟

الجواب اگر ابتداءً مسجد ہی سے یہ طے ہوگیا تھا کہ ضروریاتِ مسجد کے لئے نیچے تہہ خانہ بنایا جائے گا تو درست ہے۔ اوپر والی جگہ مسجدِ شرعی ہی کہلائے گی۔ تہہ خانہ میں جماعت کا اہتمام ضروری نہیں۔

و اذا جعل تحته سردابا لمصالحه ای المسجد جاز کمسجد القدس (درمختار)۔ وفی الشامیة واذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد اوکانا وقفا علیه صار مسجدا۔ (ج۳ ص۳۷)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

ملتان۔ ۱۵ / ۱۱ / ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان۔

جو جگہ نماز کیلئے وقف تھی اس پر متولی رہائشی کمرہ بنادے تو اسے گرانا ضروری ہے

جس مسجد میں ایک مدت سے نماز ادا کی جارہی تھی اس کو شہید کرکے اس جگہ پر رہائشی کمرہ، نمائشی مینار اور وضو کی ٹوٹیاں بنادی گئیں اور کچھ حصہ باہر سڑک پر چھوڑ دیا گیا اور اوپر کی منزل پر بیت الخلاء وغیرہ بنایا گیا اور محراب کو ختم کردیا گیا۔ یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا گیا اور مسجد کو ہٹا کر تعمیر کیا گیا ہے ایسی مسجد کے اندر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ یہ مسجد حاجی غلام رسول صاحب نے تعمیر کرکے وقف کی تھی اور وہ فوت ہوچکے ہیں۔

الجواب قدیم مسجد کی جگہ اپنے طول و عرض سمیت تا قیامت مسجد رہے گی۔ متولیان کا کچھ جگہ کو مسجد سے خارج کرنا درست نہیں۔ نمازیوں پر اس کا احترام بھی مسجد کی طرح ضروری ہے۔ سابقہ مسجد کی زمین پر جو کمرہ تعمیر کیا گیا ہے اسے گرانا واجب ہے اور اسی طرح اس جگہ پر بنی ہوئی ٹوٹیوں سے وضوء درست نہیں۔

اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذالک لم یصدق تتارخانیة فاذاکان هذا فی الواقف فکیف بغیره

فیجب ہدمہ ولو علی جدار المسجد - اھ (شامی ج ۳ ص ۳۸۲ المطبع الکبری الامیریہ)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱ ۳ / ۴ / ۱۳۹۸ھ

قادیانی کی بنائی ہوئی مسجد کے بارے میں

ایک قادیانی نے مسجد بنائی ہے کیا یہ مسجد کے حکم میں ہے؟ اور اس کا گرانا جائز اور، ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب غیر مسلموں کی عبادت گاہوں پر مسجد کا اطلاق درست نہیں ہے۔ ایسے ہی غیر مسلموں کو یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنے عبادت خانوں کی تعمیر مساجد کی طرز پر کریں یا ان کا نام مسجد رکھیں۔ ولو جعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین وبناہ کما بنی المسلمون واذن لہم بالصلوۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثاً لورثتہ وھذا قول الکل اھ (عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۳)

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶ / ۴ / ۱۳۹۶ھ

میونسپل کمیٹی کی اجازت سے کوچے کے کچھ حصّے کو مسجد کے بالائی حصّے میں شامل کرنا

مسجد دھجی روڈ جھنگ صدر بوقت " چھاپے جانے صحن مسجد ہذا سال ۱۹۶۳ء میں اس نیت سے اور اس ضرورت سے تعمیر کی گئی کہ بالائی صحن کے ناکافی ہونے کی بنا پر تین اطراف پر بانات میونسپل کمیٹی گلی پر تجاوز قائم ہوا۔ تاکہ نمازیوں کی زیادہ سے زیادہ گنجائش ہو سکے۔ اب اسی ضرورت کی بنا پر بالائی صحن مسجد (جس کی منڈیر تین فٹ تک کوچہ میں آتی ہے) کا بڑھانا مقصود ہے سابق خطیب مسجد نے منسلکہ فتویٰ جاری کر کے گلی پر چھت ڈالنا با اجازت کمیٹی یا بغیر منظوری کمیٹی ناجائز قرار دیا ہے۔ وہ نقل یہ ہے۔

احکام للمسجد ○ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فقہائے اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کریمہ کی روشنی میں متعدد احکام

بابت مسجد وضع فرماتے ہیں۔ ان احکامات کی رو سے مسجد دیگر مکانات کے اشتراک سے ممیز اور جدا ہونی ضروری ہے۔ علمائے امت نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ منڈیر یعنی فصیل مسجد۔ مسجد کے اندر داخل نہیں بلکہ یہ خارج مسجد ہے۔ کما ہو الظاہر من امداد الفتاوی۔ تاکہ اس کے نچلے حصہ کو مسجد نہ سمجھا جائے۔ بنا بریں علیہ پڑوسی اپنے مکان کا شہتیر یا بالا وغیرہ مسجد پر نہیں رکھ سکتا اور ایسا کرنا اس کو شرعاً ممنوع ہے۔

بعینہٖ مسجد سے ملحقہ گلی پر ارباب میونسپل کمیٹی کی اجازت سے یا بلا اجازت چھت ڈالنا بھی بدیں شکل شرعاً ممنوع ہے کہ گلی پر چھت ڈالنے کے لئے کوئی شخص مسجد کی دیوار میں چنائی کرے۔ اگر کرے تو مسجد کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے ہر مسلمان کو اس کے روکنے کا حق شرعاً حاصل ہے۔ اگرچہ جس حصہ پر چھت ڈالی جا رہی ہے اس کا نام دار القرآن یا دار الحدیث ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ جس طرح کمیٹی کی گلی کا نچلا حصہ دار القرآن یا دار الحدیث نہیں کہلا سکتا اسی طرح اس کے اوپر والا مسقف حصہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ نیز جس طرح مسجد کی دیوار کے اشتراک سے چھت ڈالنا شرعاً ممنوع ہے اسی طرح اس چھت کی تعمیر کے لئے مسجد کے نام پر یا دار القرآن اور دار الحدیث کے نام پر چندہ کرنا بھی شرعاً ناجائز بلکہ فریب اور دھوکہ ہے۔ البتہ ایسا اہتمام کرنے والے شخص کی اس میں دنیوی منفعت ضرور ہے۔ جب مسجد کی منڈیر مسجد سے خارج ہے تو یہ گلی کیسے مسجد میں شامل ہوگی۔ یہ گلی اور اس کی چھت سب خارج از مسجد ہیں۔ اگرچہ میونسپل کمیٹی کی اجازت ہی کیوں نہ حاصل کر لی گئی ہو۔

شرعی پوزیشن واضح کر دی گئی ہے اس کے باوجود اگر چھت ڈالتے وقت مسجد کی دیوار میں کوئی اینٹ، آہنی سلاخیں یا شہتیر اور بالے وغیرہ رکھے گئے تو مسجد کے حقوق پر کھلا ڈاکہ ہوگا اور مسجد کی اصل صورت کو بگاڑنا ہوگا۔ لہذا ہر مسلمان کو نالش کرنے کا حق ہوگا۔ یہ شرعی فتویٰ اتمام حجت کے طور پر لکھا جا رہا ہے۔ کہ خود غرض افراد مسجد دھجی روڈ کے حقوق سلبی سے باز رہیں۔ اور فقہاء کرام رح کی کلام پڑھ کر خدا تعالیٰ سے ڈر جائیں۔

غلام حسین سابق خطیب دھجی روڈ جھنگ صدر عفی عنہ بقلم خود
و توسیع کنندہ مسجد ہذا ۸۰ / ۱۱ / ۱۷

اب علماء حضرات سے سوال طلب ذیل امور ہیں۔

۱ : تنگی بالائی صحن مسجد کی وجہ سے بامنظوری میونسپل کمیٹی موجودہ چھت مسجد جس کی جنوبی منڈیر تین فٹ کوچہ کمیٹی پر واقع ہے کی سلاخوں میں سلاخیں ڈال کر مزید کوچہ چھتا جا سکتا ہے یا کہ نہیں۔ جب کہ مسجد کا فوق اور تحت مسجد ہونا چاہیئے۔ اور یہاں ایسا نہیں ہے، نماز جائز ہوگی یا نہ ؟

۲ : اگر ایسی مسجد جس کا فوق کوچہ کمیٹی پر واقع ہے اور نماز جائز ہو، نیز اتصال صفوف نماز ہونے میں تأمل کچھ نہ ہو، ثواب کامل جماعت کا ملتا ہو، کو مسجد سمجھنے میں تأمل ہوگا یا نہ؟

۳ : تعمیر شدہ مسجد کے متصل، ماسوائے صحن، باقی گلی کو چھت کر کمرے ڈالنا اور انہیں بطور حجرۂ مسجد و برائے تعلیم القرآن و حدیث ان کا استعمال جائز ہوگا یا نہ ؟

۴ : مجوزہ تعمیر کے لئے چندہ کرنا جائز ہوگا یا نہ ؟

الجواب ۱، ۲ :۔ صورت مسئولہ میں باجازت کمیٹی کوچہ مذکورہ کو چھت کر، بالائی مسجد کے ساتھ ملحق کرنا درست ہے اور نماز اس میں جائز ہے۔ نیز یہ حکم مسجد میں ہوگا۔ فوق و تحت کا حقیقۃً مسجد ہونا ضروری نہیں۔ درمختار میں ہے۔

واذاجعل تحته سردابا لمصالحه اى المسجد جاز كمسجد القدس اھ وفى الشامية واذا كان السرداب او العلو لمصالح المسجد اوكانا وقفا عليه صار مسجداً اھ شرنبلاليه۔(ص۳۸۲)

انہی عبارات کی بناء پر حضرات علماء نے ابتدائً یہ جائز رکھا ہے کہ نیچے موقوفہ دکانیں بنائی جائیں اور اوپر مسجد ہو۔ علامہ رافعی رحمہ نے تحریر مختار میں مصالح کو عام رکھا ہے۔ لکھتے ہیں۔

(قول المصنف لمصالحه) ليس بقيد بل الحكم كذالك اذا كان ينتفع به عامة المسلمين على ما افاده فى غاية البيان حيث قال اورد الفقيه ابو الليث سؤالا وجوابا فقال فان قيل اليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل اذا كان تحته شئ ينتفع به عامة المسلمين يجوز لانه اذا انتفع به عامتهم صار ذالك لله تعالى ايضا۔اھ

علاوہ ازیں فقہاء رحمہ نے بوقت ضرورت کچھ راستے کو مسجد میں شامل کرنے کی اجازت دی ہے جبکہ گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو تو راستے کی فضاء بطریق اولیٰ مسجد میں شامل کی جاسکتی ہے کیوں کہ چلنے والوں کو اس میں کوئی تنگی نہیں۔

جعل شئی ای جعل البانی من الطریق مسجدا لضیقه ولم یضر بالمارین جاز لانهما للمسلمین ۔ (درمختار) وفی الشامیة ظاهره انه یصیر له حکم المسجد ۔ اھ ۔ (ج ۳ ۔ص ۳۹۴ و ۳۹۵) ۔

جب یہ زیادتی مسجد ہی ہوگی تو مسجد کی سلاخوں میں سلاخیں ڈال کر اسے تعمیر کرنے میں حرج نہیں۔

۳ ؛ یہ جائز نہیں ۔جب کہ اسے تعمیر کرنے کے لئے مسجد کی دیوار یا سابقہ تعمیر کو استعمال کرنا پڑتا ہو۔

وفی الشامیة ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه اھ

۴ ؛ نمبر ایک کے لئے بنام مسجد چندہ کرنا جائز ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ؛ ۳۰ / ۲ / ۱۴۰۱ ھ

مساجد ومدارس میں اپنا کتبہ لگانے کا حکم

س مندرجہ ذیل مضمون پتھر پر لکھوا کر مسجد کی دیوار پر چسپاں کرنا جائز ہے یا کہ نہیں ؟

اللہ جل جلالہ ـــــــــــــــ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا

ابوبکر رضـ ــ عمر رضـ ـــــــ عثمان رضـ ــ حیدر رضـ

۲ ؛ یہ کہ اسی قسم کا مضمون مدرسہ پر لکھنا جائز ہے یا نہیں ۔ نیز مدرسہ کا نام ومسلک کا نام ومہتم کا نام لکھ کر دیوار پر چسپاں کرنا شرعاً کیسا ہے ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب ہر دو سوالوں کا جواب یہ ہے کہ اپنے نام کے کتبے مساجد و اوقاف پر لگانا خلاف سنت ہے ۔کوئی ایسا کتبہ جس میں صرف اظہار مسلک کیا گیا ہو کسی مصلحت کے تحت ہو تو جائز ہے ۔ البتہ خلاف مسلک لوگوں کے قبضہ وغیرہ کا اندیشہ ہو تو نام کے کتبہ کی بھی گنجائش ہے ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰ / ۴ / ۱۴۰۲ ھ

جو مسجد قبلہ سے معمولی منحرف ہو اس کو گرانے کا حکم

ایک مسجد کا رخ قبلہ سے معمولی ٹیڑھا ہو گیا ہے آیا اس مسجد کو منہدم کریں یا نہ ؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسے گرا کر دوبارہ صحیح رُخ پر تعمیر کیا جائے ؟

محمد شفیع کالی موری حیدرآباد

الجواب نماز کے وقت صفوں کو سیدھا کر لیا کریں مسجد کو شہید کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

۱۴ / ۲ / ۱۳۹۲ھ

مسجد کی دیواروں پر ایسا رنگ کرنا کہ جس سے بدبو آئے

مسجد کی دیواروں پر آئل پینٹ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ جب کہ دو چار دن اس کی بدبو بھی آتی رہتی ہے ؟

الجواب اگر اس میں بدبو ہوتی ہو تو جائز نہیں ۔ مسجد میں پینٹ کرنے سے احتیاط کیجائے اگر بدون بدبو والا پینٹ کریں تو مضائقہ نہیں ۔ جس میں بدبو نہ ہو اس پینٹ کا نام پلاسٹک پینٹ ہے ۔ مگر واضح ہو کہ برش جو استعمال ہو اس میں خنزیر کے بال نہ ہوں ۔ کیوں کہ جتنے اچھے برش ہوتے ہیں اسمیں خنزیر کے بال ہوتے ہیں ۔ نیز یہ بھی کیا ضروری ہے کہ پینٹ ہی کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ ہذا

فرش کی گرمی سے بچنے کے لئے پاک جوتے پہن کر مسجد میں چلنا

جمعہ کے دن گرمیوں میں مسجد کے صحن میں شامیانہ لگاتے وقت چپل پاک کر کے پہننا کہ پاؤں نہ

جلیں۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مسجد کے لئے مال کی وصیت کرنے کے بعد اس میں کمی کرنا

سائل کی دادی ہندہ کے نام ایک دوکان ذاتی ملکیت تھی۔ مسئول لہا کے ایک لڑکے نے اپنی والدہ صاحبہ کو کچھ رقبہ خدا کی راہ میں دینے کی تلقین کی۔ عرصہ پانچ چھ سال قبل وصیت نامہ تحریر کر دیا۔ کہ ملکیت کا چوتھا حصہ مسجد کو میری جائیداد میں سے دیا جائے۔ اور تحریری وصیت نامہ موجود ہے اور اس وصیت نامہ میں سے مبلغ دس ہزار روپے مسجد کو دے دیئے اور بقایا بمطابق وصیت نامہ دینے ہیں۔ مگر گزارش یہ ہے کہ وصیت نامہ کرنے والی زندہ ہے اور یہ دریافت کرنا چاہتی ہے کہ میں نے جو وصیت نامہ تحریر کیا تھا اس میں کمی بیشی کر سکتی ہوں یا نہیں ؟ کمی کردہ رقم کو اپنے اہل وعیال ، اقرباء و غرباء پر تقسیم کر سکتی ہے یا نہ ؟

الجواب موصی وصیت سے رجوع کر سکتا ہے۔ ہندیہ میں ہے کہ۔

ویصح للموصی الرجوع عن الوصیۃ ثم الرجوع قد یثبت صریحا وقد یثبت دلالۃ ۔ (ج ۴ ص ۲۲۴)۔

جب کل وصیت سے رجوع کر سکتا ہے تو اس میں کمی بیشی بطریق اولیٰ درست ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

۸ / ۳ / ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

متولی مشورہ سے امام ومؤذن مقرر کرے

مسجد کا متولی (بانی) امام مقرر کرنے میں ، مؤذن مقرر کرنے میں اختیار رکھتا ہے یا نہیں یعنی

متولی کے کیا حقوق ہیں اور کیا اختیارات ہیں آگاہ فرمائیں ۔

الجواب حدودِ شرعیہ میں رہتے ہوئے مسجد کا بانی امام و مؤذن کے تقرر میں مختار ہے لیکن پھر بھی دیندار ساتھیوں سے مشورہ کرلینا بہتر ہے ۔ ہندیہ میں ہے ۔

وللمتولی ان یستأجر من یخدم المسجد یکنسه ونحو ذلك باجر مثله او زیادة یتغابن فیها ۔ (ج ۲ ، ص ۳۴۹) ۔

متولی کی موجودگی میں مسجد اور اس کے متعلق دیگر اشیاء موقوفہ میں دوسرے لوگ تصرف کرنے کے شرعاً مجاز نہیں ۔ ہندیہ میں ہے ۔

سئل القاضی الامام شمس الاسلام محمود الاوزجندی عن اهل المسجد تصرفوا فی اوقاف المسجد لیبنی اجیر و المستغل وله متول قال لا یصح تصرفهم الخ (ج ۲ ، ص ۳۵۰) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۷ / ۳ / ۱۴۰۸ھ

مسجد کی صفائی سے جمع ہونیوالا کوڑا کرکٹ کہاں پھینکا جائے

مسجد کی صفائی کرنے سے جو کوڑا کرکٹ اور صفوں کے تنکے وغیرہ جمع ہوجائیں تو ان کو کہاں پھینکا جائے ؟ کیا عام کوڑہ کرکٹ پھینکنے کی جگہ جہاں ہرطرح کی اشیاء پھینک دی جاتی ہیں، پھینکنا درست ہے ؟

محمد عرفان عمرانی ، اورنگ زیب روڈ ، ملتان

الجواب مسجد کا کوڑا کرکٹ کسی موزوں جگہ پر پھینکا جائے ۔ گندگی اور بے حرمتی کی جگہ نہ پھینکیں ۔

یجوز رمی برایة القلم الجدید ولا ترمی برایة القلم المستعمل لاحترامه کحشیش المسجد وکناسته لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم اھ (درمختار) (قوله لا یلقی) ای ما ذکر من

الحشیش والکناسة اھ ۔(شامی ،ج۱،ص ۱۳۱)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۷؍۹؍۱۳۹۹ھ

مسجد میں مجلس نکاح منعقد کرنے کا حکم

مساجد میں نکاح پڑھانا صحیح ہے جب کہ نکاح کے بعد چھوارے پھینکتے ہیں تو اس کی وجہ سے مسجد میں شور وغل ہوتا ہے ایک دوسرے کے اوپر گرتے ہیں تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں ؟

سائل عبدالکریم ندیم

خطیب جامع مسجد رحمانیہ شاہ ستار آف ملیسی

الجواب عقدِ نکاح مسجد میں کرنا مستحب ہے البتہ حاضرین کو تاکید کی جائے کہ آداب مسجد کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں۔ اگر یقین ہو کہ شرکاء آداب مسجد کی رعایت نہیں رکھیں گے تو پھر خارج مسجد بہتر ہے۔

مباشرة عقد النکاح فی المساجد مستحب واختار ظھیر الدین خلاف ھذا اھ (عالمگیری ،ج۵ ،ص۳۲۱)۔ وکذا فی الشامیة ج۲ ص ۲۶۲ و ج۱ ؛ ص ۶۸۹۔ وامداد الفتاوی ،ج۲ : ص۲۵۲۔ وخلاصة الفتاوی ،ج۲،ص ۵۱)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۵؍۱۱؍۱۴۱۰ھ

مسجد سے چڑیوں کے گھونسلے اتارنے کا حکم

مساجد میں چڑیاں روشندانوں میں یا کسی اور جگہ پر اپنے گھونسلے بنالیتی ہیں جس کی وجہ سے مسجد میں تنکے گرتے رہتے ہیں تو شرعاً ان گھونسلوں کو ختم کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

سائل ۔ ممتاز احمد قاسمی غفرلہٗ
متعلم جامعہ ہذا ۔۔ آف میلسی

الجواب اگر ان گھونسلوں کی وجہ سے صفائی نہ رہتی ہو تو انہیں ختم کرنا جائز ہے۔
ولا بأس برمی عش خفاش وحمام لتنقیته اھ (درمختار)۔

(قوله لتنقیته) جواب سوالٍ حاصله انه صلی اللّٰه علیه وسلم قال اقروا الطیر علی مکانتها فازالة العش مخالفة للامر فاجاب بانه للتنقیة وهی مطلوبة فالحدیث مخصوص بغیر المساجد اھ
(شامی ج ۱ ص ۴۹۰)۔

ولو کان فی المسجد عش خطاف او خفاش یقذر المسجد لا بأس برمیه بما فیه من الفراخ کذا فی الملتقط اھ (عالمگیری ج ۵ ۔ ص ۳۲۱)۔

فقط واللّٰه اعلم

احقر محمد انور عفا اللّٰہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۵ / ۱۱ / ۱۴۱۰ ھ

مسجد میں افطار کرنے کا حکم

سنا ہے کہ مسجد میں کھانا نہیں چاہئے لیکن رمضان المبارک میں افطار وغیرہ وہاں کرتے ہیں ۔کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب بہتر تو یہی ہے کہ مسجد کے متصل کوئی جگہ بنالیں جس میں افطار وغیرہ کرلیا کریں اور مسجد میں نہ کریں ۔لیکن اگر کوئی ایسی مناسب جگہ نہ ملے تو مسجد میں بھی گنجائش ہے ۔مگر دو باتوں کا ضرور خیال رکھیں ۔ایک یہ کہ مسجد میں کھانے کے ریزے وغیرہ نہ گریں اور مسجد ملوث نہ ہو ۔ اور دوسری یہ کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلیا کریں۔

واعلم انه کما لا یکره الاکل ونحوه فی الاعتکاف الواجب فکذلک فی التطوع کما فی کراهیة جامع الفتاوی و نصه یکره النوم و الاکل فی المسجد لغیر المعتکف واذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیذکر اللّٰه تعالیٰ

بقدر ما نوی او یصلی ثم یفصل ما شاء ۔ (شامی ج ۲، ص ۱۲۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
جامعہ خیر المدارس ملتان
۱۴۰۱/۱۲/۱۶ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

مسجد کا ایک مینار بہت بلند و بالا تعمیر کرنا

آج کل عام رواج چلا ہوا ہے کہ بعض مساجد میں ایک مینار بہت اونچا بناتے ہیں جو کہ بہت فاصلے سے نظر آتا ہے اور اس کی تعمیر پر بہت خرچ آتا ہے کیا یہ درست ہے ؟

الجواب اگر اتنے بلند مینار کی کوئی ضرورت نہ ہو محض زیبائش کے لئے بنایا جائے تو جائز نہیں ۔ مسجد کے پیسہ کو ضائع کرنا ہے ۔

واما بناء منارة المسجد من غلة الوقف ان كان بناؤها مصلحة للمسجد بان يكون اسمع للقوم فلا بأس به وان لم يكن مصلحة لا يجوز اھ (عالمگیری ج ۵، ص ۳۲۲ ۔ باب آداب المسجد)۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲۰ / ۱۰ / ۱۴۱۰ھ

رمضان المبارک میں ختم قرآن کے قریب مسجد میں رنگ و روغن کرنا

ہمارے ہاں معمول ہے کہ رمضان شریف میں ختم قرآن کی تقریب سے پہلے خوب اہتمام ہوتا ہے ۔ اسی سلسلہ میں مسجد میں رنگ و روغن بھی کیا جاتا ہے کیا یہ درست ہے ؟

عبدالخالق الیسٹ گارڈن کراچی

الجواب ختم قرآن کے موقعہ پر رنگ و روغن کو ضروری سمجھنا محض بے اصل ہے۔ مسجد میں حسب ضرورت ہو رنگ کرالیں رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں۔ بلاضرورت اسراف ہے۔
فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۱۴ / ۶ / ۱۴۰۵ھ

کسی عالم کی تقریر ریکارڈ کرنے کے لئے مسجد کی بجلی صرف کرنا

مسجد کے اندر کسی عالم کی تقریر ٹیپ ریکارڈ کریں اور مسجد کی بجلی صرف کریں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب مسجد کو اس بجلی کا معاوضہ دے دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۱۷ / ۱۰ / ۱۴۰۳ھ

سحری کے وقت مسجد کے سپیکر سے وقت کا اعلان کرنا

مسجد کے سپیکر سے روزہ داروں کو سحری کے وقت ٹائم بتلانا یا اعلان کرنا کہ اب ٹائم ہو گیا ہے بیدار ہو جاؤ سحری کھالو۔ یا ٹائم ختم ہو گیا ہے سحری بند کر دو، جائز ہے یا نہیں ؟
محمد شفیع کالی موری حیدرآباد

الجواب نفس وقت کا اعلان تو جائز ہے مگر بعض لوگ اس اعلان کے ساتھ ایسے الفاظ شامل کر لیتے ہیں جو ان کے غلط عقیدہ کے مظہر ہوتے ہیں اور بعض اشعار وغیرہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں جس سے گھروں میں تہجد وعبادت میں مشغول لوگوں کی عبادت میں خلل ہوتا ہے۔ یہ درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲ / ۹ / ۱۴۰۴ھ

بیت الخلاء نماز کی جگہ سے کتنے دُور ہوں

بیت الخلاء مسجد سے کتنے فاصلہ پر ہونے چاہئیں۔ شرعاً کوئی تحدید ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔
سائل عبدالحکیم ، موضع شاہ ستار ، میلسی

الجواب بیت الخلاء کا نماز کی جگہ سے اتنا دور ہونا ضروری ہے کہ وہاں کی بدبو وغیرہ نماز کی جگہ پر بالکل نہ آئے ۔ کبیری میں احکام مسجد میں لکھا ہے ۔

یجب ان تصان عن ادخال الرائحۃ الکریھۃ لقولہ علیہ السلام من اکل الثوم والبصل والکراث فلا یقربن مسجدنا فان الملئکۃ تتاذی مما یتاذی منہ بنو آدم متفق علیہ اھ (ص ۶۱۲) ۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۷ / ۶ / ۱۴۰۹ھ

مسجد کو کسی نام سے موسوم کرنا

آج کل معروف ہے کہ جو لوگ مساجد بنلاتے ہیں کوئی نہ کوئی نام مسجد کا تجویز کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے محلہ میں مسجد بنائی ہے اور اس کا نام " مسجد صحابہؓ " تجویز کیا ہے ۔ اس پہ ایک صاحب معترض ہیں کہ مساجد سب اللہ کی ہیں مسجد کا کوئی خاص نام نہیں رکھنا چاہیئے ۔ اس بارے میں شرعی حکم بتلادیں۔

چوہدری طالب حسین ضیاء
متولی مسجد صحابہؓ ، پیپلز کالونی نزد ریلوے پھاٹک
ممتاز آباد ، ملتان

الجواب اگر نام رکھنا تعارف اور امتیاز کی غرض سے ہو تو درست ہے ۔ قدیم سے مساجد مختلف ناموں سے موسوم چلی آرہی ہیں مگر سلف سے اس پر کوئی نکیر منقول نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰ / ۸ / ۱۴۱۰ھ

منتظمِ مسجد ضرورت کے وقت اُجرتِ معروفہ لے سکتا ہے

ایک شخص عرصہ سے مسجد کا منتظم چلا آرہا ہے۔ پہلے وہ راج گیری کا کام کرتا تھا اب کچھ معمر ہو کر کمزور ہو گیا ہے لیکن مسجد کا انتظام بدستور کرتا ہے۔ کیا اس کو مسجد کے فنڈ سے تنخواہ دے سکتے ہیں ؟

مستری محمد حنیف مسجد کھجور والی
محلہ نظام پورہ ؛ بہاول نگر شہر

الجواب منتظمِ مذکور کو اس کے عمل کے مطابق مسجد فنڈ سے تنخواہ دے سکتے ہیں۔

" سئل الفقيه ابو القاسم عن قيم مسجد جعله القاضی قيما على غلاتها وجعل له شيئا معلوما يأخذ كل سنة حل له الاخذ ان كان مقدار اجر مثله اھ (عالمگیری ج ۲ ص ۴۳۰)

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۱۴ ؍ ۲ ؍ ۱۴۰۴ھ

دھلے ہوئے کپڑے مسجد میں خشک کرنا

کپڑے دھونے کے بعد انہیں خشک کرنے کے لئے مسجد کے صحن میں یا مسجد کی صفوں پر بچھانا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب مسجد کے صحن کو کپڑے خشک کرنے کے لئے استعمال کرنا درست نہیں۔

لان فيه شغل موضع أعد للصلوة - (شامی ج ۱ ص ۴۸۹)

فقط واللہ اعلم ۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ، ملتان
۲۳ ؍ ۱۲ ؍ ۱۴۰۹ھ

مسجد میں انگلیاں چٹخانے کا حکم

مسجد میں جب نماز پڑھنے کے لئے جاتے ہیں تو بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے بیٹھے اپنی انگلیاں چٹخانے لگ جاتے ہیں تو کیا اس طرح مسجد میں انگلیاں چٹخانا درست ہے ؟

الجواب یہ عمل ویسے ہی مکروہ و ناپسندیدہ ہے ظاہر ہے کہ مسجد میں ایسا عمل کرنے سے اس کی کراہیت اور بڑھ جائے گی۔

ویکرہ ان یشبک اصابعه وان یفرقع والفرقعة ان یغمزها او یمدها حتی تصوت کذا فی النهایة و الفرقعة خارج الصلوة کرهها کثیر من الناس (عالمگیری : ج ۱ ؛ ص ۱۰۶)

عالمگیری میں آداب مسجد میں لکھا ہے۔

وان لا یفرقع اصابعه فیه اھ (ج ۵ : ص ۳۲۱)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲۳ / ۴ / ۱۴۰۸ھ

مسجد میں سر اور داڑھی میں کنگھا کرنا

مسجد میں بیٹھ کر سر اور داڑھی میں کنگھا کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر بال اور پانی کے قطرات مسجد میں نہ گریں تو گنجائش ہے۔ معہذا بہتر یہی ہے کہ مسجد میں نہ کریں کہ آداب مسجد کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸ / ۲ / ۱۴۰۲ھ

مسجد کی رقم متولی سے چوری ہو جائے تو ضمان کا حکم

اگر مسجد کی رقم متولی سے چوری ہو جائے یا گم ہو جائے تو متولی پر تاوان آئے گا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب اگر متولی نے اس رقم کی حفاظت میں کوتاہی نہیں کی اور اپنی رقم کی طرح اس کی حفاظت کی ہے تو اتفاقاً چوری یا گم ہوجانے سے اس پر ضمان نہیں آئے گی۔ بصورتِ دیگر اس پر ضمان لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶؍۴؍۱۴۰۱ھ

فرضوں کے بعد دعاء سے پہلے چندہ کرنے کا حکم

مسجد کا چندہ فرض نمازوں میں سلام کے بعد دعاء سے پہلے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب اس صورت میں لوگوں کی نمازمیں اگر خلل پیدا ہوتا ہو تو اس سے اجتناب لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تحفظ کے لئے مساجد و مدارس کو رجسٹرڈ کروانا

آج کل جو مدارس دینیہ اور مکاتب قرآنیہ و مساجد کو جو کہ وقف للہ ہوتے ہیں رجسٹرڈ کروا لیا جاتا ہے۔ اور اس رجسٹریشن سے کیا وہ ادارہ اپنی وقف للہ کی حیثیت پر باقی رہتا ہے اور اس کی حیثیت پر کوئی اثر تو نہیں ہوتا؟ مزید یہ کہ ہماری معلومات کے مطابق رجسٹریشن کے فوائد بھی ہیں۔

۱ : اوقاف کا تحفظ مزید بہتر ہو جاتا ہے۔

۲ : مسلک کی حفاظت ہوجاتی ہے۔

۳ : اندرونی و بیرونی شرور سے وہ ادارہ اور اس کے متعلقات محفوظ ہو جاتے ہیں۔

۴ : شوریٰ کو اخلاص و یکسوئی سے کام کرنے میں سہولت ہوجاتی ہے۔

کیا اندریں احوال مدارس کی رجسٹریشن جائز ہے یا نہیں؟

(مولانا) محمد عابد (صاحب)

مدرس مدرسہ خیر المدارس ، ملتان

الجواب دینی مدارس اور مذہبی اداروں کی رجسٹریشن جس سے ان کے اغراض و مقاصد مسلک و مشرب اور اوقاف کا تحفظ ہو جائز ہے۔ بلکہ اگر اس کے بغیر حفاظت دشوار ہو تو رجسٹریشن کو ضروری بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۳/ ۲/ ۱۴۰۶ھ

مساجد کیلئے فُسّاق وفُجّار سے چندہ لینے کا حکم

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اَوْلِیَاءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۔ الآیة ۔ (پ ۱ ع ۱۱) ۔

اس کے علاوہ "الحزب الاعظم" جیسی مستند کتاب میں پنجشنبہ کی منزل میں مسلمان فساق کے زیر احسان نہ ہونے کی دعا ہے تاکہ دنیا و آخرت میں اس کے احسانات کی مکافات سے امن رہے۔

ان حوالہ جات کے بعد حضرات علماء کرام سے استفسار ہے کہ مساجد مدارس، یتیم خانے، شفا خانے، اور دیگر خیراتی اداروں کی ضروریات کے لئے رقوم فراہم کرنے میں یہ احتیاط بہت مشکل ہوتی ہے کہ کون فاسق ہے اور کون صالح ؟ کس سے چندہ لیں اور کس سے نہ لیں ؟ اور بہت زیادہ احتیاط کریں تو ادارے کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں حکم شرع سے آگاہی بخشی جائے۔

المستفتی: حاجی وجیہ الدین، الوجیہ سٹریٹ کراچی

الجواب مساجد، مدارس، یتیم خانے اور دیگر اداروں کے لئے مسلمان کا چندہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ صالح ہو یا فاسق۔ جیسا کہ ہر مسلمان کی وفات پر جنازہ پڑھا جاتا ہے نیک ہو یا بد۔ مسلمان کی خیرات قطع نظر اس سے کہ وہ نیک ہے یا بد۔ ہر دینی ادارہ پر خرچ ہوسکتی ہے۔ البتہ ایک احتیاط ضروری ہے کہ مسجد میں حرام مال نہ لگایا جائے۔ اسی طرح مدارس وغیرہ میں بھی ان لوگوں سے عطیات نہ لئے جائیں جن کی غالب آمدنی حرام کی ہو۔ اگر چندہ دینے والے کی غالب آمدنی حلال کی ہو تو وہ قبول ہوسکتی ہے۔ گو چندہ دینے والا گناہگار ہو۔ آیت مندرجہ فی السوال کو فاسق مسلمانوں کی خیرات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس میں تو مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی موالات سے منع کیا گیا ہے۔

اور الحزب الاعظم میں جو دعاء وارد ہوئی ہے غالباً اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اللھم لا تجعل لفاجر عندی نعمة اکافیه بھا فی الدنیا و الآخرة۔

اس میں فاسق آدمی کے زیر بارِ احسان ہونے سے پناہ مانگی گئی ہے کہ کسی فاسق کا میری ذات و شخصیت پر کوئی احسان نہ ہو جس کا بدلہ دنیا و آخرت میں دینا پڑے اس سے مساجد و مدارس میں ان کا چندہ قبول کرنے سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ چندہ کسی خاص فرد یا شخص پر احسان کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۰/۴/۱۳۸۲ھ

وضوء کے بعد اعضاءِ مغسولہ سے گرنے والے قطرات سے مسجد ناپاک ہوگی یا نہیں؟

وضوء کے بعد اعضاءِ مغسولہ سے مثلاً داڑھی وغیرہ سے پانی ٹپک کر مسجد میں گر جائے تو کیا جائز ہے یا نہ۔ ایک صاحب نے اسے حرام کہا ہے۔

عتیق الرحمٰن ، ۷/۷/۵ آر ساہیوال

الجواب ماءِ مستعمل اصح روایت میں پاک ہے۔

کما نص علیہ المحققون وفی الدر المختار مع الشامی۔

(وهو طاهر) رواه محمد عن الامام وهذه الرواية هي المشهورة عنه اختارها المحققون قالوا عليها الفتوىٰ (ج ۱: ص ۱۸۵، شامی)

وضو کرنے کے بعد جو چھینٹیں داڑھی سے گریں وہ پاک ہیں ان کا مسجد میں گرنا ناجائز اور حرام نہیں۔ البتہ قصداً نہ گرائی جائیں اس سے احتیاط لازم ہے خود بخود گر جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

فقط واللہ اعلم

عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲ / ۳ / ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح
محمد عبد اللہ عفر اللہ لہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

جو مسجد فخر و ریاکاری کے لئے بنائی جائے وہ مشابہ مسجدِ ضرار ہے

ہمارے گاؤں کی آبادی تین سو گھر پر مشتمل ہے اس گاؤں میں تین مسجدیں تھیں ان میں امام بالکل جاہل تھے۔ سادی عبارت قرآنِ مجید کی نہایت معمولی طور پر پڑھا سکتے تھے باقی نماز روزہ کے مسائل سے بالکل مطلقاً ناواقف تھے۔ بدعات مثلاً اسقاط دوران، قوالی، گیارہویں، تیجا، چالیسواں سالانہ، ختنہ اور شادی کے بعض رسومات پورے زور سے جاری تھیں اور امام ان کی پوری حمایت کر رہے تھے اور اس پر عامل تھے۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ ان بدعات کا خاتمہ ہو اور صحیح سنت پر عمل درآمد ہو مگر ان امام صاحبان نے ایک نہ چلنے دی۔ اخیر گالی گلوچ تک گئے۔ ہر طرح صلح کی کوشش کی مگر مجھے وہابی کا خطاب دے کر علیحدہ ہو گئے۔ واللہ مجھے وہابیت سے کوئی واسطہ نہیں پس امام ابو حنیفہ رح کا مقلد ہوں اور ان کی تقلید کو فخر سمجھتا ہوں۔

اس کے علاوہ وہ امام صاحبان غیر اللہ کی نذر و نیاز کے پابند ہیں۔ خود دیتے ہیں لوگوں کو حکم کرتے ہیں اور غیر اللہ کی نذر و نیاز کھلاتے ہیں۔ اندریں حالات تنگ آکر دوسرے محلہ میں، اہلِ محلہ کے مشورہ سے تین سو گز دور سابقہ مسجدوں سے، ایک نئی مسجد بنالی ہے جو کہ محض توحید و

یا اشاعت کے لئے تعمیر کی ہے۔ سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے اس مسجد کا افتتاح کیا ہے۔ اب وہ اس مسجد کیخلاف گاؤں میں پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ یہ مسجدِ ضرار ہے یہ ضد سے بنوائی گئی ہے واللہ کوئی ضد نہ تھی مگر دین کی بربادی کو دیکھ کر برداشت نہیں ہوسکا اور یہ اقدام کیا ہے اب خدا کے فضل سے مسجد آباد ہوگئی ہے۔ مگر لوگوں کے شبہات دور کرنے کے لئے جو وہ ایہام ڈال رہے ہیں آپ کی تحریر کی ضرورت ہے۔

۱ : جو مسجد ان حالات کے اندر اشاعتِ توحید وسنت کے لئے بنائی گئی ہے وہ مسجد صحیح ہے یا ضرار ہے۔

۲ : اور اس مسجد کو ضرار کہنے والے کا کیا حکم ہے ؟ اس کی امامت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب جب اس مسجد سے دوسری مسجد کی ویرانی مقصود نہیں ہے تو یہ مسجد ضرار نہیں ہو سکتی۔ مسجدِ ضرار وہ مسجد ہے جو فخر و ریا کاری، نفسانیت کے لئے یا رضاءِ الٰہی کے علاوہ اور کسی غرض کے لئے تیار کی جائے۔

تفسیرِ کشاف اور مدارک میں زیرِ آیت ضرار لکھا ہے۔

"قیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجه الله او بمال غیر طیب فهو لاحق بمسجد الضرار۔

منقول از مجموعۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۹۷ : لمولانا عبدالحی رح "

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴ ارشوال ۱۳۹۱ھ

دنگل سے حاصل شدہ رقم مسجد پر لگانے کا حکم

ہم نے یعنی تمام اہلِ محلہ نے ایک دنگل کروایا تھا جس میں پہلوانوں اور تمام آدمیوں نے اللہ کے واسطے کام کیا کہ ان کی تمام کی تمام آمدنی مسجد پر لگائی جائے گی۔ اس دنگل میں ڈھول بھی بجوایا گیا ہے کیا یہ آمدنی مسجد پر لگ سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب یہ دنگل جب کہ ایسے امور پر مشتمل ہوتا ہے جو ڈھول وغیرہ بجانا، کشفِ ستر کا ہونا، اس ہے اسے مسجد پر خرچ کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد ...
۱۳ / ۵ / ۹۵ ۱۳ھ

عیدگاہ کے درختوں کو مسجد کے لئے استعمال کرنے کا حکم

کوٹلہ عیسن میں ایک ہی جامع مسجد ہے بوجہ ضرورت جماعت مسجد کے لئے ایک برآمدہ تیار کیا جا رہا ہے تاکہ موسم گرما میں تکلیف رفع ہو جائے۔ برآمدہ کے لئے شہتیروں اور کڑیوں کی ضرورت ہے، عمدہ شہتیر وغیرہ حسب منشاء دستیاب نہیں ہو رہے۔ عیدگاہ کوٹلہ عیسن میں شیشم کے درخت ہیں۔

۱ : کیا عیدگاہ سے حسب ضرورت درخت کاٹ کر مسجد پر لگایا جا سکتا ہے؟

۲ : یا عیدگاہ کو رقم مسجد کی طرف سے دے کر درخت کاٹا جائے جب کہ عرف میں عیدگاہ جامع مسجد کے برابر نہیں سمجھی جاتی۔

۳ : کیا عیدگاہ پر چرم قربانی کی رقم صرف کی جا سکتی ہے جب کہ وہ رفاہِ عام مثل ڈول رسی وغیرہ کے ہو۔ عیدگاہ کی تعمیر کے بعد جو رقم باقی بچ جائے وہ مسجد میں صرف کی جا سکتی ہے براہ راست یا کسی حیلے سے اور حیلہ کونسا ہو؟

اختلاف بین العلماء سے تعمیر کے کام میں رکاوٹ واقع ہو رہی ہے۔

الجواب اگر عیدگاہ کی مصلحت ان درختوں کے باقی رکھنے میں ہے تو ان کا کاٹنا بالمعاوضہ یا بلامعاوضہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر ایسا نہیں تو مجلسِ منتظمہ و متولی کی صوابدید کے مطابق ان کا خرید نا جائز ہے۔ قیمت عیدگاہ پر صرف کی جائے اور لکڑی جامع مسجد میں استعمال کی جائے۔

کما یظہر من العالمگیریہ ج ۲، ص ۳۵۱ - و فی القسم الثانی الحکم فی ذلک الی القاضی ان رأی بیعھا وصرف ثمنھا الی عمارۃ المقبرۃ

فلہ ذلک اھ

۴ : چرم قربانی کی قیمت واجب التصدق ہے۔

کمافی الہدایۃ ولو باع الجلد او اللحم بالدراھم تصدق بثمنہ

وصرح فی الکافی بوجوب التصدق کمافی الحواشی۔

پس اس رقم کو عیدگاہ، مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں صرف کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

ائمہ اوقاف کیلئے محکمہ سے تنخواہ لینے کا حکم

مزارات اور مساجد پر حکومت کا قبضہ ہے جو آمدنی ہوتی ہے یکجا جمع کر دی جاتی ہے اور پھر بنک میں دے دی جاتی ہے جس پر سود لیا جاتا ہے تو اس سے تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟

محمد خلیل الرحمن پانی پتی سکھر

الجواب محکمہ، مسجد کی آمدنی وصول کر کے مسجد کا مقروض بن جاتا ہے۔ بعدہٗ جو رقم مسجد پر یا امام پر صرف کی جاتی ہے یہ محکمہ کی طرف سے ادائیگی قرض یا ضمان ہے اور وصولی قرض کے بارے میں شرعًا یہ تصور کیا جاتا ہے کہ قرض خواہ گویا بعینہٖ اپنی رقم ہی وصول کر رہا ہے۔ پس ائمہ اوقاف کے لئے تنخواہ وصول کرنے کی گنجائش ہے۔ حصولِ تنخواہ کے سبب اگر دینی فتنہ اور مداہنت فی الدین کے پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو تو علیحدگی مناسب ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۳ / ۶ / ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

واجب التصدق مال مسجد میں لگانے کا حکم

ایک شخص نے اپنی جوانی اور نمبرداری کے دور میں لوگوں پر ظلم وستم کئے اور ان کا مال زبردستی چھینا جب یہ شخص حج پر جانے لگا تو عام اعلان کیا کہ جس کسی نے مجھ سے کوئی مال لینا ہو آکر لے جائے چنانچہ کچھ لے بھی گئے لیکن اس شخص کو خیال آیا کہ کچھ ایسے بھی لوگوں سے مال لیا ہے جو مسافر تھے اور جن کا پتہ معلوم نہیں کہ کون تھے، کہاں کے تھے۔ ان کا حق کیسے واپس کیا جائے۔ تو کیا ان کے حق کی رقم مسجد کو دے سکتا ہے؟

اللہ وسایا ناظم دار المبلغین، کورٹ ادو مظفر گڑھ

الجواب: جن جن افراد کا حق باقی ہے اگر جہدِ بسیار کے باوجود ان کا پتہ نہ چل سکے تو ان کی طرف سے اتنا مال صدقہ کر دیا جائے۔ اور چونکہ یہ صدقہ کرنا واجب ہے اس لئے اس کا مصرف بھی وہی ہے جو دیگر صدقاتِ واجبہ کا ہے۔ براہِ راست مسجد اس صدقہ کا مصرف نہیں بن سکتی۔

علیه دیون ومظالم وجهل اربابها وأيس من عليه ذلك من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله وان استغرقت جميع ماله اھ (درمختار علی الشامیة، ج ۳، ص ۳۳۳)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان

مسجد میں دینی کتب کے مطالعہ کا حکم

مسجد شریف میں طلباء تکرار کرتے ہیں، مسجد میں شور ہوتا ہے۔ بالخصوص منطق معقولات، فلسفہ کیا یہ جائز ہے؟ تکرار آہستہ اور مطالعہ میں نیز دینیات و فلسفیات میں کوئی فرق ہے۔ یا دونوں جائز ہیں؟

حافظ عبدالرحمٰن، فیصل آباد

الجواب

والسادس ان لا یرفع فیہ الصوت من غیر ذکر اللہ
والسابع ان لا یتکلم فیہ من احادیث الدنیا۔

(عالمگیری ، ج ۴ ، ص ۹۴)۔

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں کتب فلسفہ کا تکرار و شور آداب مسجد کے خلاف ہے۔ دنیاوی باتوں سے فلسفیات کو کسی طرح کم نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور احادیث دنیا مسجد میں ممنوع ہیں۔ اور دینیات کا تکرار بھی اصل تو یہ ہے کہ خارج مسجد ہو تا کہ شور نہ ہو جیسا کہ عام طور پر، دورانِ تکرار طلبہ میں ہو جاتا ہے۔ البتہ بوقتِ ضرورت احترامِ مسجد کا خیال رکھتے ہوئے آہستہ آواز سے اجازت ہے۔ مطالعہ بھی جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی - ۱۱ / ۶ / ۱۳۹۰ھ

امام متعین کرنے کا اختیار بانی مسجد کو ہے یا اہلِ محلہ کو

ایک شخص نے اپنی زمین میں اپنے ذاتی روپیہ سے مسجد تعمیر کرائی ہے اس مسجد پر دوسرے لوگ قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ قبضہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنا امام رکھنا چاہتے ہیں۔

سائل بنیاد علی شاہ ، ممتاز آباد ملتان

الجواب

البانی للمسجد اولیٰ من القوم بنصب الامام والمؤذن
فی المختار الا اذا عین القوم اصلح ممن عینہ البانی۔

(درمختار : ج ۳ ، ص ۴۲۷)۔

بانی مسجد اگر دیندار یا بند صوم وصلوٰۃ آدمی ہے اور کسی متقی اور اہل کو امام و مؤذن مقرر کرتا ہے تو شرعاً یہ تقرر درست ہے اور بانی مسجد ہی اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ البتہ بانی مسجد اگر کسی نا اہل کو امام رکھنا چاہے اور اہلِ محلہ نمازی اہل کو امام بنائیں تو اہلِ محلہ کا یہ فیصلہ قابلِ ترجیح ہوگا۔ بدون اس وجہ شرعی کے دوسرے لوگوں کو بانیٔ مذکور کے ساتھ اس معاملہ میں مزاحمت درست نہیں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۲۵ / ۱۱ / ۸۵ ۱۳ھ

متولی مسجد کے فنڈ میں کیا کیا تصرف کر سکتا ہے

۱ : زید کے پاس برائے مدرسہ کچھ فنڈ جمع ہے اس میں وہ کسی قسم کا تصرف کر سکتا ہے یا نہیں ؟ کسی کو قرض دینا یا نوٹ کے بدلے میں بھان دینا یا مسجد کی یا اپنی رقم ملا کر رکھ دینا جائز ہے یا نہیں ۔ عدم جواز کی صورت میں خائن تو نہیں ہوگا ؟

۲ : مسجد کی چٹائی مدرسہ میں استعمال ہو سکتی ہے یا نہیں بصورت اجازت متولی ۔

۳ : مسجد کا لوٹا اور برتن اسی قسم کا سامان امام کے لئے اپنے حجرے میں لا کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں جب کہ نمازی رضامند ہوں اور حجرہ بھی متصل مسجد ہو ۔

۴ : زید کو لوگوں نے مسجد کا خزانچی اس قسم کا بنایا ہے کہ جب مرضی ہو خزانہ سے روپیہ لے کر اپنے کام میں استعمال کرے پھر پورا کر کے واپس جمع کر دے ۔ اس طرح روپیہ چلتا رہا ۔ جب پاکستان بننے کا وقت آیا تو خزانچی نے یہ کہا کہ یہ جو کچھ رقم باقی ہے اسے بھی تم ہی سنبھالو ۔ لیکن کسی نے بھی ہاں نہیں کی ۔ تو اس میں پوچھنا یہ ہے کہ ایسے روپیہ کا کیا حکم ہے ۔ اس میں سے اکثر تو وہ لوگ وہاں ہی سے کر اپنے ذاتی ضرورت میں خرچ کر چکے تھے اور جو کچھ بچا تھا تو وہ خزانچی وغیرہ نے پاکستان آکر اپنی ضروریات میں خرچ کر لیا ۔ کیا خزانچی پر تمام کا تمام واجب الادا ہے یا نہیں یا ان لوگوں پر بھی ما صرفوا کا دینا واجب ہے یا کسی پر بھی نہیں ؟

الجواب نوٹ لے کر بھان ریزگاری تو دے سکتا ہے لیکن قرض نہیں دے سکتا ۔ اور اگر مدرسہ کی رقم اپنی رقم میں ملائے گا تو ضائع ہونے کی صورت میں ضمان آئے گی ۔ قرض نہ دینے کے لئے ملاحظہ ہو عالمگیری ، ج ۲ ، ص ۴۶۲ ۔

ولیس للقیم ان یاخذ ما فضل عن وجہ عمارۃ المدرسۃ دینا لیصرفہا الی الفقہاء وان احتاجوا الیہ کذا فی القنیۃ ۔

۲ : سئل ابو الفضل عن الوقف اذا كان ربع غلته الى العمارة وثلثة ارباعها الى الفقراء فلم تحتج المدرسة فى تلك السنة هل يجوز للقيم ان يصرف من ذلك الى الفقهاء على وجه الدين و يأخذ ذلك من غلتهم من السنة الثانية اذا احتاج اليها فقال لا ۔ سئل ابو حامد فاجاب بمثله كذا فى التاتارخانية ۔(عالمگیری ج ۲ ص ۳۳۵)

اگر چٹائی مسجد کے لئے وقف ہے تو مدرسے کے لئے استعمال جائز نہیں ۔

۳ : مسجد کا لوٹا یا برتن مدرسں یا امام یا کوئی اور شخص خارج مسجد لے جا کر اپنی ذاتی ضروریات میں استعمال نہیں کر سکتا ۔ ہاں مسجد کے اندر استعمال کر سکتا ہے ۔ کما فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ، ج ۲ ، ص ۱۷۹ ۔

البتہ مسجد کے چراغ سے مسجد کے اندر بیٹھ کر تہائی رات تک مطالعہ کر سکتا ہے ۔

۴ : اوّل تو مسجد کا روپیہ قرض لے کر اپنے ضروریات میں صرف کرنا جائز بھی نہ تھا ۔ جیسا کہ حوالہ ۲ میں بیان کیا گیا ۔ خزانچی نے اور دوسرے لوگوں نے غلطی کی ہے ۔ اب خزانچی اور دوسرے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ مسجد کا روپیہ واپس کریں ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ
خیر محمد عفی عنہ ۱۱ / ۱۰ / ۱۳۷۰ھ	خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

مسجد کی دوکان بینک کو کرایہ پر دینا

کسی مسجد کی وقف زمین یا دوکان کسی بینک کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

محمد یونس راولپنڈی

الجواب صاحبینؒ کے نزدیک مسلمان کا کافر کو بیع خمر کے لئے دوکان کرایہ پر دینا جائز نہیں (کما فی الھندیہ کتاب الاجارۃ) حالانکہ بیع خمر کافر کے لئے ایک جائز فعل ہے تو ایک مسلم کا دوسرے مسلمان کو سودی کاروبار کے لئے دوکان کرایہ پر دینا

کیسے جائز ہوگا جب کہ سودی کاروبار دونوں کے لئے ناجائز وحرام ہے بلکہ ذمیوں کو بھی ایسے کاروبار کی شرعًا اجازت نہیں۔

لقوله عليه السلام الا من اربى فليس بيننا وبينه عهد۔

(هدايه : ج ۲ : ص ۳۱۸)۔

نیز اس زمانہ میں جب کہ عوام کے ایمان میں ضعف آچکا ہے اور بدعملی ہو رہی ہے ایسے سودی اداروں کا فنائِ مسجد میں آجانا ان کے دل سے اس لعنتی کاروبار کی نفرت ختم کردینے کا باعث ہوگا۔ بنا بریں مسجد کی دوکان وغیرہ بنیک کو کرایہ پر دینی درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی ۲۷ / ۱۱ / ۱۳۸۵ھ

سرکاری زمین میں بلا اجازت بنائی گئی مساجد کو گرانے کا حکم

بعض اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ جو مساجد سرکاری اراضی میں حکومت کی اجازت کے بغیر بنائی گئی ہیں وہ شرعًا مساجد نہیں ہیں اور حکومت نے ان کو مسمار کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ اس حکم کی زد میں بہت سی ایسی مساجد بھی آئیں گی جو مسلمانوں نے ضرورت کی بناء پر بنائی تھیں اور ایک طویل عرصہ سے مسلمان ان میں نماز پڑھتے ہیں کیا ایسی مساجد کا شہید کرنا جائز ہے ؟

سائل : نور حسین
مکان نمبر ۱۴۹۴ ، گلی نمبر ۳ ، لیاقت اشرف کالونی
محمود آباد :۔ کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ !

مساجد شعائرِ اسلام میں سے ہیں ۔ قرآن کریم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے شرف و فضل اور احکام کو مختلف جہات سے بیان کیا گیا ہے ۔ اس سلسلے میں پہلے قرآن کریم کی آیات پر نظر ڈالیے۔ ارشاد ربانی ہے ۔

" وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى

فِی خَرَابِهَا ۔

ترجمہ! اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے اور ان کے اجاڑنے کی کوشش کی۔"

آیت کریمہ جہاں مساجد کے شرف وفضل کو بیان کرہی ہے وہاں مساجد کے منہدم کرنے والے اور اس کی تخریب کی کوشش کرنے والے کی شدید مذمت کر رہی ہے اور ایسے شخص کو سب سے بڑا ظالم کہا جارہا ہے ۔ آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ مسلمانوں کو مساجد کی تعمیر اور ان کی کثرت سے روکا نہیں جائے گا بلکہ اس سلسلہ میں ان کی ہمت افزائی کی جائے گی ۔ چنانچہ مفسر ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں ۔

ولا یمنع من بناء المساجد الا ان یقصد الشقاق والخلاف بان یبنوا مسجداً الی جنب مسجد او قریبه یریدون بذلک تفریق اهل المسجد الاول وخرابه ۔ (ج ۲ ،ص ۷۸)۔

ترجمہ! مساجد کی تعمیر سے کسی کو روکا نہیں جائے گا ۔ سوائے اس کے کہ تعمیر کرنے والوں کا ارادہ اختلاف اور پھوٹ ڈالنا ہو ۔ اس طرح کہ وہ کسی دوسری مسجد کے پہلو میں یہ مسجد تعمیر کریں اور ان کا مقصد پہلی مسجد کے نمازیوں میں تفریق ڈالنا ہو ۔"

امام رازی رح اپنی تفسیر کبیر میں رقم فرماتے ہیں ۔

" السعی فی تخریب المسجد قد یکون بوجهین احدهما منع المصلین والمتعبدین من دخوله فیکون ذالک والثانی بالهدم والتخریب"۔ (ص ۶۸۲ ، ج ۱)۔

ترجمہ! مسجد کی تخریب کی کوشش دو صورتوں سے ہوتی ہے (۱) ایک نماز پڑھنے والوں اور عبادت کرنے والوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنا ۔ (۲) مسجد کو ویران اور منہدم کرنا ۔"

اور سورۂ "توبہ" میں ہے ۔

انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر واقام

الصلوٰة واٰتی الزکوٰة ولم یخش الا اللّٰه فعسیٰ اولٰئك ان یکونوا من المھتدین۔ (سورہ توبہ: پ۱۰، ع ۳)۔

ترجمہ: مال اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں۔"

آیت کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی مساجد حقیقتاً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں جو دل سے خدائے واحد اور آخری دن پر ایمان لاچکے ہیں۔ جوارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں۔ اموال میں سے باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اسی لئے مساجد کی صیانت وتطہیر کی خاطر جہاد کے لئے تیار رہتے ہیں۔

آیت کریمہ سے بصراحت یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ مساجد کی تعمیر کرنا کسی کے ایمان کی بڑی شہادت ہے۔ علامہ قرطبی اس آیت کے ذیل میں رقم طراز ہیں۔

" دلیل علی ان الشھادة لعمار المساجد بالایمان صحیحة وقد قال بعض السلف اذا رأیتم الرجل یعمر المساجد فحسنوا به الظن " (تفسیر جامع لاحکام القرآن، ص ۹۰۔ ج ۸)۔

ترجمہ: آیت کریمہ اس امر پہ دلیل ہے کہ مساجد کی تعمیر کرنے والوں کے ایمان کی شہادت صحیح اور درست ہے۔ اسی لئے بعض سلف کا قول ہے کہ جب تم دیکھو کوئی شخص مسجد کی آباد کاری میں کوشاں ہو تو اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔"

سورۂ نور میں ارشاد ہے۔

" فی بیوت اذن اللّٰه ان ترفع ویذکر فیھا اسمه یسبح له فیھا بالغدو والاٰصال " (سورۂ نور پ۱۸، ع ۵)۔

ترجمہ: ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ہے ان کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا۔ یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام "

اس سے پہلے کی آیتوں میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے۔ پھر مؤمنین مہتدین کو اس نورِ الٰہی سے ہدایت وعرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کو ایک بلیغ مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ یہ روشنی اللہ کے ان گھروں (مساجد) میں ملتی ہے۔

جن کو بلند رکھنے اور ان کی تعظیم و تطہیر کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ ان کو ہمیشہ ذکر، تسبیح اور عبادتِ الٰہی سے آباد رکھا جائے۔ آیتِ کریمہ سے بصراحت مساجد کی تعظیم اور ان کو آباد کرنے کرنے کا حکم معلوم ہو رہا ہے۔

آیت کے بعد جب احادیث کی طرف آتے ہیں تو اس بارے میں کثرت سے احادیث ملتی ہیں۔ اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں چند احادیث پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم احب البلاد الی الله مساجدها و أبغض البلاد الی الله أسواقها۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب جگہوں میں پسندیدہ جگہ اللہ کے نزدیک مساجد ہیں۔ اور مبغوض ترین جگہیں اللہ کے نزدیک بازار ہیں "

○

عن عثمان رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه من بنی مسجدا يبتغی به وجه الله بنی الله له بيتا مثله فی الجنة۔ (بخاری)

ترجمہ! حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی رضا جوئی کے لئے مسجد بناتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے لئے جنت میں اس کے مثل گھر بنا دے گا "

○

عن بريدة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم بشر المشائين فی الظلم بالنور التام يوم القيامه۔ (ترمذی)

ترجمہ! حضرت بریدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مسجد کی طرف جاتے ہیں ان کو قیامت کے دن نورِ تام

کی بشارت دو ۔"

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے وہ روایت ہے جس میں ان سات قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالےٰ قیامت میں اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔ان میں سے ایک قسم یہ بھی ہے ۔

" ورجل قلبه معلق بالمسجد " وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے ۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں آیت کریمہ " فی بیوت اذن الله ان ترفع " کے ذیل میں یہ حدیث درج کی ہے ۔

رواه انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من احب الله عزوجل فلیحبنی ومن احبنی فلیحب اصحابی ومن احب اصحابی فلیحب القرآن ومن احب القرآن فلیحب المساجد فانها افنیة الله وابنیته اذن الله فی رفعها وبارك فیها میمونة میمون اهلها محفوظة محفوظ اهلها هم فی صلوتهم والله عزوجل فی حوائجهم هم فی مساجدهم والله من ورائهم ۔

(ص ۲۶۶ - ج ۱۲)

ترجمہ ! حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالےٰ سے محبت کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ مجھ سے محبت کرے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے اصحاب سے محبت کرے اور جو میرے اصحاب سے محبت کرتا ہے وہ قرآن سے محبت کرے اور جو قرآن سے محبت کرے اس کو چاہیئے کہ مساجد سے محبت کرے کیونکہ یہ مساجد اللہ کے گھر ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو بلند کرنے کا حکم دیا ہے اور برکت رکھی ہے ان میں مسجد والے بھی برکت والے ہیں ۔ یہ مسجدیں بھی اللہ کے حفظ وامان میں ہیں اور یہاں آنیوالے بھی ۔ یہ لوگ اپنی نماز میں لگے ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ ان کی کارسازی میں ۔"

دین میں مساجد کی اسی اہمیت کے پیش نظر شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ نے اسلامی حکومت

کا فریضہ رکھا کہ وہ اسلامی حکومت کے زیر اثر شہروں اور آبادیوں میں مساجد تعمیر کرے اور بیت المال کی خاص مد سے اس کے مصارف برداشت کرے چنانچہ فقہا بیت المال کے مصارف کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

ورابعها فمصرفه جهات من انه يصرف الى المرضى والزمنى واللقيط وعمارة القناطر والرباطات والثغور والمساجد وما اشبه ذالك - (ردالمحتار، باب الزكوة، ص ۷۹، ج ۲)۔

ترجمہ!

" اور چوتھے حصے کے مصارف چند جہات ہیں کہ ان کو بیماروں، اپاہجوں اور لاوارث بچوں پلوں، سراؤں، سرحدوں اور مساجد پر صرف کیا جائے "

اور علامہ قرطبی رح اپنی تفسیر میں ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

" قال ابوحنيفة ويبدأ من الخمس باصلاح القناطر وبناء المسجد وارزاق القضاة والجند وروى نحو ذالك عن الشافعي ايضاً۔ (ج ۷، ص ۱۱)۔

ترجمہ!

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ پانچویں حصے کی تقسیم پلوں کی مرمت مساجد کی تعمیر قاضیوں اور فوج کی تنخواہوں سے شروع کی جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی اسی طرح روایت ہے "

لہذا اسلامی حکومت کے جہاں بہت سے فرائض ہیں وہاں یہ بھی اہم فریضہ ہے کہ لوگوں کی ضرورت وحاجت کے پیش نظر مساجد تعمیر کریں۔ البتہ اگر بدقسمتی سے کوئی حکومت اس فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی ہے تو عوام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت وحاجت کے پیش نظر مساجد کی تعمیر کریں، اور امام وخطیب اور مؤذن کی تقرری وتولیت کے انتظامات اپنے ذمہ لیں۔

دیکھئے جمعہ اور عیدین کے انتظامات امام اور حکومت اسلامی کے فرائض میں سے ہے بلکہ امامتِ کبریٰ کے مقاصد میں اس کو داخل کیا گیا ہے۔ فقہاءِ اسلام نے جہاں امامتِ کبریٰ (خلافت) کی ضرورت کو بیان کیا ہے وہاں تصریح کی ہے۔

" والمسلمون لابد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم واقامة

حدودهم وسد ثغورهم وتجهيز جيوشهم واخذ صدقتهم وقهر المتغلبة و المتلصصة وقطاع الطريق واقامة الجمع و الا عياد ۔ (ردالمحتار ص ۵۱۲، ج ۲)۔ ترجمہ!

مسلمانوں کے لئے ایک امام ہونا ضروری ہے جو احکام جاری کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے، فوج کو تیار رکھے زکوٰۃ وصول کرے۔ باغیوں، چوروں، ڈاکوؤں کو مقہور کرے جمعہ اور عیدین کی اقامت کرے "

اب اگر کوئی اسلامی حکومت اس فریضے سے غافل رہتی ہے تو یہ اس کی بہت بڑی کوتاہی ہے اور اپنے منصب سے غفلت ہے اور جب حکومت غفلت کرے تو عوام اور پبلک پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے انتظامات کریں چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے۔

ولهذا لومات الوالى اولم يحضر لفتنة ولم يوجد احد ممن له حق اقامة الجمعة نصب العامة لهم خطيباً ۔ (ردالمحتار ص ۴۴۰، ج ۱)

ترجمہ!

اسی لئے اگر کوئی حاکم مرجائے یا وہ فتنے کی بنا پر موجود نہ ہو جس کو جمعہ کی اقامت کا حق ہے تو عوام اور پبلک اپنے لئے خطیب کے انتظامات کرلیں "

اسی طرح اس قسم کے بہت سے امور میں شریعت نے عوام اور پبلک کو اختیارات دیئے ہیں۔ مندرجہ ذیل جزئیات پر غور کیجئے ۔ ردالمحتار میں ہے۔

ولهم نصب متول وجعل المسجدين واحد اوعكسه لصلوة.

(ردالمحتار على الشامية، ج ۱ ص ۴۹۰)۔

ترجمہ! اور عوام کو متولی مقرر کرنے اور دو مسجدوں کو ایک کرنے یا ایک مسجد کو دو مسجدیں کرنے کا حق حاصل ہے "

"بحرالرائق" میں ہے۔

" وفى الخانية طريق للعامة وهى واسع فبنى فيه اهل المحلة مسجدا للعامة ولا يضر ذالك بالطريق قالوا لا بأس به و هكذا روى ابو حنيفة ومحمد ان الطريق للمسلمين والمسجد

لہم ایضا ج۵ ص ۲۷۶)

ترجمہ! خانیہ میں ہے کہ عوام کا ایک راستہ ہے اور وہ وسیع ہے۔ محلہ والے اگر اس میں مسجد تعمیر کرلیں اور اس تعمیر سے راستے کی آمد و رفت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو فقہا اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح سے بھی یہی مروی ہے کہ راستہ بھی مسلمانوں کا ہے اور مسجد بھی انہی کی ہے۔"

فتاویٰ عالمگیری میں مرقوم ہے۔

" ذکر فی المنتقی عن محمد رح فی الطریق الواسع بنی فیہ اہل المحلۃ مسجدا و ذلك لا یضر بالطریق فمنعہم رجل فلا بأس ان یبنوا " (ص ۳۴۷ ، ج ۲)۔

ترجمہ! منتقیٰ میں امام محمد رح سے روایت ہے کہ ایک وسیع راستہ ہے محلہ والوں نے اس میں مسجد تعمیر کرلی اور راستہ کی آمد و رفت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو اگر کوئی شخص منع بھی کرے تب بھی مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں۔"

فتاویٰ حمادیہ میں ہے۔

" من الغیاثیۃ نہر لاہل قریۃ فاراد جماعۃ ان یبنوا علیہ مسجدا فلا بأس بہ " (ص ۳۴۸ ، ج ۱)۔

ترجمہ! فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ کسی گاؤں کی نہر ہے ایک جماعت اس کے اوپر ایک مسجد تعمیر کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

پاکستان بن جانے کے بعد حکومت کے جہاں اور اہم فرائض تھے وہاں یہ بھی فریضہ تھا کہ آبادی کے تناسب سے جگہ جگہ مساجد تعمیر کرتی۔ یہ عجیب سی صورت حال ہے کہ یہاں کالونیاں اور بستیاں تعمیر کی جاتی ہیں۔ جن میں ہسپتالوں ، اسکول، کھیل کے گراؤنڈ اور سینماؤں کے لئے پہلے سے جگہیں مقرر کرلی جاتی ہیں۔ لیکن مساجد کے لئے آبادی کے تناسب سے جتنی ضرورت ہے اتنا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باوجود اس امر کے کہ آج کل مسلمانوں میں روز بروز دینی انحطاط ہوتا جا رہا ہے اور اس لئے نمازیوں کی تعداد میں برابر کمی ہوتی جا رہی ہے۔ تاہم مساجد کی قلت میں فرق نہیں پڑتا۔ اور نمازی اپنی ضرورت کے لحاظ سے اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ مناسب جگہ

مسجد تعمیر کریں۔ لیکن اس صورت میں ہمت افزائی کرنے کی بجائے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ عجیب سی صورتِ حال ہے۔ حکومت اس بارے میں جس قدر جلد نظرِ ثانی کرے بہتر ہے۔

اس تمہید کے بعد ان مساجد کے متعلق حکمِ شرعی تحریر کیا جاتا ہے جن کے متعلق استفسار کیا جا رہا ہے۔

یہ مساجد شرعاً مساجد ہیں ان کو اب نہ منہدم کیا جا سکتا ہے اور نہ دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے قیامت تک یہ مساجد ہیں۔ اخبارات میں جس جج صاحب سے منسوب کر کے اس قسم کی مساجد کا جو فتویٰ شائع کیا گیا ہے وہ جج عالم نہیں ہیں، مفتی نہیں ہیں۔ بلکہ غالباً انہی جج صاحب نے رجم جیسے متفقہ اور تواتر سے ثابت شدہ مسئلہ کا انکار کیا تھا۔ اس انکار کے بعد یہ صاحب تو اس قابل ہی نہیں تھے کہ ان کو اسلامی عدالت کا چیف جج بنایا جاتا۔ یا یہ کہ ان سے مساجد جیسے نازک مسئلہ کے متعلق استفسار کیا جاتا۔ ان مساجد کے شرعی مسجد ہونے کے متعلق مندرجہ ذیل حقائق قابلِ لحاظ ہیں۔

الف : عام طور پر جب یہ مساجد بنائی جاتی ہیں تو ان کے بارے میں کاغذات متعلقہ محکمہ جات میں داخل کئے جاتے ہیں اور ان سے اجازت طلب کی جاتی ہے اور حکومت کی طرف سے جواب نہیں آتا۔ حکومت کی طرف سے یہ سکوت اذنِ شرعی کے مترادف ہے۔ یا بعض مساجد وہ ہیں جن کے حکومت کے محکمہ رجسٹری میں منظور شدہ ٹرسٹ موجود ہیں۔ ٹرسٹ اذنِ شرعی ہے۔

اشار باطلاق قوله ویاذن للناس فی الصلوٰة انه لا یشترط ان یقول اذنت فیه بالصلوٰة جماعة بل الاطلاق کاف ۔ (البحر الرائق ص ۲۶۹ ؛ جلد ۵)۔

ترجمہ! یہ جو کہا کہ لوگوں کو نماز کی اجازت دے اس میں صریح اذن کی ضرورت نہیں بلکہ اطلاق کافی ہے "

" بنی فی فنائه فی الرستاق دکانا لاجل الصلوٰة یصلون فیه بجماعة کل وقت فله حکم المسجد ۔ (بحر الرائق ج ۵ ؛ ص ۲۷۰)۔

ترجمہ! گاؤں میں اپنے گھر کے سامنے ایک عمارت بنائی نماز کے لئے جس میں لوگ جماعت سے

نماز پڑھتے ہیں تو اس کا حکم مسجد کا ہے "۔

" وقد رأينا ببخاری وغيرها دور وسكك فی ازقة غير نافذة من غير شك الائمة والعوام فی كونها مساجد فعلى هذا مساجد التی فی المدارس بجرجانه خوارزم مساجد لانهم لا يمنعون الناس من الصلوة فيه واذا اغلقت يكون فيه من اهلها " (بحر الرائق ، ج ۵ ، ص ۲۶۹)۔

ترجمہ !

ہم نے بخارا اور دوسرے شہروں کے محلوں اور گلیوں میں جو آگے جا کر بند ہو جاتی ہیں مساجد دیکھیں ان کے مسجد ہونے میں ائمہ اور عوام کو کوئی شک نہیں ہے۔ اسی طرح جرجانہ ، خوارزم کی مساجد جو مدارس میں بنی ہوئی ہیں ان کے مسجد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ اس میں نماز پڑھنے سے کسی کو روکا نہیں جاتا۔ اور جب ان کے دروازے بند کر لئے جاتے ہیں تو وہاں کے لوگ اس کے نمازی ہوتے ہیں "

جعل وسط داره مسجدا واذن للناس فی الدخول والصلوة صار مسجدا فی قولهم " (بحر الرائق ، ج ۵ ، ص ۲۷۰)۔

ترجمہ !

اپنے محلہ کے وسط میں مسجد تعمیر کی اور لوگوں کو داخل ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تو سب کے نزدیک یہ مسجد ہو گئی "

ب : جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عوام کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے اگر مناسب سمجھیں تو شارع عام پر مسجد تعمیر کر سکتے ہیں بشرطیکہ آمد و رفت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ ایسی صورت میں حکومت کو بھی اجازت دینا ضروری ہے ۔

ج : ٹرسٹ کی اجازت دینا اور بعض جگہ نقشہ جات منظور ہونا سب اذن میں داخل ہے۔

د : بعض مساجد ایسی ہیں جو سالہا سال سے قائم ہیں۔ ان میں نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ اور مخالفت نہیں کی جا رہی ہے۔

نوٹ : ۱۳ رجب ۱۳۸۲ھ کو ایک فتوی اسی قسم کا " دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ" سے جاری کیا گیا تھا جس پر اس زمانہ کے اکابر علماء کے دستخط فرمائے تھے۔ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع رح ، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رح ، مولانا عبدالحق صاحب کاکاخیل رح مولانا محمد صادق صاحب مدنی رح ، ان کے علاوہ ملک کے جید اور نامور علماء کے دستخط ثبت ہیں یہ فتوی " مسجد کے متعلق علماء اسلام کا متفقہ فتوی " کے نام سے شائع ہوا تھا۔

مہر و دستخط　　　　　　　　　　　　　　　　مہر مدرسہ

ولی حسن ٹونکی غفراللہ لہٗ ؛ دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ ، علامہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

قد اصاب المجیب　احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ؛ دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۵ / ۴ / ۱۴۰۳ھ

چرم قربانی کی قیمت مسجد پر لگانا جائز نہیں

صورت مسئولہ یہ ہے کہ جلد اضحیہ کے متعلق ہدایہ شریف میں یہ عبارت مرقوم ہے۔

" ویتصدق بجلدها لانه جزء منها او یعمل منه آلة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوها لان الانتفاع به غیر محرم ولا بأس بان یشتری به ما ینتفع به فی البیت بعینه مع بقائه استحساناً " (هدایه اخیرین کتاب الاضحیه)۔

اس جزئیہ سے بالکل عیاں ہے کہ جلد اضحیہ کا مصرف فقط مسکین ہی نہیں بلکہ لحم اضحیہ کی طرح مالک بھی اس کو باقی رکھ کر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ نیز جلد قربانی کے عوض کوئی باقی رہنے والی شئے حاصل کر کے اس سے بھی نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اگر زکوۃ یا دیگر صدقات واجبہ کی طرح اس کا مصرف فقط مسکین ہی ہوتا اور تملیک ضروری ہوتی تو مالک اضحیہ کو استعمال کی اجازت نہ ہوتی۔ یہی صورت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رح اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں کہ۔

"..... چرمِ قربانی کا صدقہ چونکہ نفلی ہے کسی کا حق اس سے متعلق نہیں ..... بظاہر چرمِ قربانی کا صدقہ قبیل تطوعات سے ہے ..... چرمِ قربانی کا صدقہ بھی نفلی ہے۔

(فتاویٰ عبدالحی ۱ص ۳۸۹ و ۳۹۰)۔

مولانا صاحب کی اس عبارت سے واضح طور پر مفہوم ہوتا ہے کہ چرمِ قربانی کا تصدق جب از قبیل تطوعات ہے تو اس کا مصرف بھی دیگر صدقاتِ نفلیہ کی طرح امیر وغریب، مساجد و دینی مدارس وغیرہ سب ہو سکتے ہیں یعنی ہر ثواب کی جگہ پر خرچ ہو سکتا ہے جبکہ ابوداؤد شریف کی روایت میں "کلوا وادّخروا واتجروا" کھاؤ ذخیرہ کرو، اجر حاصل کرو" سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر اجر و ثواب کی جگہ اس کو صرف کیا جا سکتا ہے۔ خواہ مسجد ہو یا دینی مدرسہ کسی ایک جائے اجر کے ساتھ مختص کرنا تخصیص بلا مخصص ہے جو کہ غیر مناسب ہے۔ نیز عینی شرح کنزالدقائق میں ہے۔

" ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لانه قربة كالتصدق باللحم والجلد " (عینی کتاب الاضحیۃ)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جلدِ اضحیہ کی بیع بالدراہم جب اس نیت سے کی جائے کہ رقم کا تصدق کیا جائے گا تو یہ بیع جائز ہے۔ کیونکہ یہ بیع بقصدِ تمول نہیں بلکہ بقصد تصدق ہے۔ اب آپ سے صرف اتنا دریافت کرنا ہے کہ اگر کوئی منتظمہ کمیٹی تعمیرِ مسجد کیلئے چرم ہائے قربانی جمع کرے اور ان کی قیمت تعمیرِ مسجد پر صرف کرے یا خود مالکِ اضحیہ بہ نیتِ تصدق فروخت کر کے اس کی رقم تعمیرِ مسجد پر صرف کرے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب چرمِ قربانی خود واجب التصدق نہیں البتہ اس کی قیمت واجب التصدق ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

" ولو باع الجلد او اللحم بالدراهم تصدق بثمنه لان القربة انتقلت اليه اھ

حواشی ہدایہ میں کافی اور عینی کے حوالہ سے ہے۔

" قوله تصدق بثمنه لان معنى التمول سقط عن الاضحية وانتقلت القربة الى بدله فوجب التصدق فاذا تمولته بالبيع وجب التصدق "

بدائع میں گوشت (وغیرہ) کی فروخت کے متعلق لکھا ہے۔

"ولو باعه نفذ سواء كان من النوع الاول او الثانى فعليه ان يتصدق بثمنه (۵ ، ص ۸۰)

ہدایہ اور بدائع کی عبارت میں بیع مطلق ہے جس کا حکم وجوبِ تصدق بتلایا گیا ہے۔ دلائلِ وجوب میں سے یہ بھی ہے کہ چرم قربانی کے بارے میں فقہاء نے تین اختیار لکھے ہیں لیکن بیع کے بعد صرف تصدق ثمن کو متعین فرمایا ہے۔ یہی معنی وجوب کا ہے۔ اگر ثمن کا تصدق واجب نہ ہو تو اسے ذاتی استعمال میں لانا بھی جائز ہونا چاہیئے۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ من ادعى فعليه البيان۔

جب ثمن چرم اضحیہ کا تصدق واجب ہوا تو اس کے وہی مصارف ہوں گے جو زکوٰۃ وصدقہ فطر وغیرہ کے ہیں۔ کتاب الزکوٰۃ کے باب المصرف میں علامہ شامی رح نقل کرتے ہیں۔

وهو مصرف ايضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما فى القهستانى ۔ (شامی ج۲: ص۷۹)

اور معلوم ہے کہ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کو تعمیرِ مساجد، کفن میت وغیرہ کسی ایسی چیز میں صرف کرنا درست نہیں جس میں تملیک متحقق نہ ہو۔

درمختار میں ہے۔

لا يصرف الى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات ....

وكل مالا تمليك فيه زيلعى ۔ (شامیہ ، ج ۲ ، ص ۸۵)۔

پس چرم قربانی کی قیمت کا تعمیرِ مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں۔ خواہ مسجد کی منتظمہ کھال فروخت کرے یا قربانی کنندہ فروخت کرے۔ اور یہ بیع لبقصدِ تمول ہو یا لغرضِ تصدق۔

واضح رہے کہ تعمیرِ مساجد یا رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا شرعًا "تصدق" نہیں۔ تصدق میں تملیکِ فقیر وغیرہ ضروری ہے۔ اکثر لوگ غلط فہمی میں ان کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ دینی مدارس میں جب تک ان رقوم کی تملیک نہیں ہوگی کسی دوسری جگہ صرف کرنا درست نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

نوٹ! کلوا وادخروا وأتجروا گوشت وپوست کے بارے میں ہے نہ کہ ان کی قیمت کے بارے میں۔ فقط

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، مفتی خیرالمدارس ملتان ، ۲۹/۱/۱۴۰۱ھ

غیر مسلم متروکہ اراضی پر مسلمان مسجد بنالیں تو وہ شرعاً مسجد ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ڈیرہ اسماعیل خان کمشنری بازار میں ایک پلاٹ سکھوں کی ملکیت تھا جو انہوں نے گردوارہ اور شادی گھر رفاہِ عامہ کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ تقسیم کے بعد بطورِ مسجد کے مہاجر مسلمانوں نے اس پر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اسی دور میں مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی وہاں تقریر بھی ہوئی۔ پھر ۱۹۵۲ء میں انتظامیہ نے مرزائیوں کو یہ پلاٹ بطورِ مسجد کے ناجائز قبضہ کے طور پر دے دیا۔ جب کہ محکمہ متروکہ وقف املاک بھی نہیں بنا تھا۔ مگر ۱۹۸۲ء میں انتظامیہ نے مرزائیوں کو نکال دیا۔ جس کے بعد مسلمانوں نے اس میں نمازیں ادا کیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر مولا بخش نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد جو درخواست دی اس میں تصریح ہے کہ ہم نے ناجائز قبضہ کیا تھا دراصل یہ مسلمانوں کی مسجد تھی۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے ایک حکم کے ذریعہ غیر مسلم متروکہ اوقاف پر تعمیر شدہ مساجد، مدارس، امام باڑے اور دینی ادارے منتظمین کو دینے کا حکم دیا۔ جس پر چیف سیکرٹری متروکہ اوقاف لاہور پاکستان نے عمل درآمد کرایا۔

اب انتظامیہ (غیر مسلم اوقاف) مسلمانوں کو مسجد کا قبضہ نہیں دے رہی اور بجائے مسجد کے (۱۲، ۷، ۸ رسی) میں دفتر بنانا چاہتی ہیں۔ جب کہ موقعہ پر "مسجد ختم نبوت"، محراب و منبر، مینار اور حجرہ سب چیزیں موجود ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ کہ مذکورہ جگہ اور تعمیر شدہ مسجد شرعاً مسجد ہے یا نہیں؟ نیز محکمہ متروکہ وقف املاک کو کیا مداخلت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ریاض الحسن گنگوہی
امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

واللہ ھو الملھم للحق والصواب۔ امابعد!

مسئولہ مسجد، شرعاً مسجد ہے اس لئے کہ شہر ڈیرہ اسماعیل خان کی ابتدائی بنیاد مسلمانوں کی ہی رکھی ہوئی ہے اور اس کی قدیم سے نسبت اسماعیل خان نامی شخص کی طرف اس کے

بانیٔ اوّل پر دلیل ہے اور اس نوع کے مسائل میں اتنی کچھ ترجیح شرعاً مکمل شہادت ہے۔ کما لا یخفی علی من بہ ممارسۃ فی ضوابط الشرع .....

اور مسلمانوں کے تعمیر کردہ شہروں میں غیر مسلم عبادت گاہوں کی کوئی وجودی حیثیت نہیں نہ ابتداءً نہ بقاءً۔

امصار المسلمین ثلاثۃ احدھا ما مصرہ المسلمون کالکوفۃ والبصرۃ وبغداد والواسطۃ فلا یجوز فیھا احداث بیعۃ ولا کنیسۃ ولا مجتمع صلوتھم ولا صومعۃ باجماع اھل العلم الخ (فتح القدیر، ج ۵، ص ۳۰۰، وغیر ذلک من کتب المذھب)۔

تو اس قطعہ کی شرعی حیثیت گوردوارہ کی نہ تھی بلکہ املاکِ سرکار میں سے ایک سفید قطعہ غیر مملوکہ کی تھی جو کہ مسلم آبادی دیہہ کے وسط میں واقع تھی اور ایسے قطعات پر سربراہی مسلم حقوقِ شہریت کے اندر رہتے ہوئے مسلم سرکار حاصل ہے۔ کما فی کتب احیاء الموات۔

تو ابتداءً اس قطعہ کو مسلمانوں کے جائے نماز مقرر کرنے میں کوئی شرعی ممانعت نہ تھی پھر مسلم سرکار کی اس قطعہ کی تقرری برائے مسجد صحیح ہے کہ اسے یہ اختیار حاصل ہے اور اس مسجد پر تولیت (سربراہی) جو گورنمنٹ نے غیر مسلموں کو سونپی صحیح نہیں کالعدم ہے کہ یہ معاملہ گورنمنٹ کے اختیار سے باہر ہے۔ پھر ۱۹۸۲ء میں جو غیر مسلموں کی مسجد پر تولیت ختم کردی گئی، صحیح ہے رجوع الی الاصل ہے کہ غیر مسلم مسجد کی تولیت کا اہل ہی نہیں ہے۔ (الجزء نمبر، سورۂ توبہ، آیت نمبر ۱۶، ۱۷ وہکذا فی التفاسیر)۔

اور اس مسجد پر جو قادیانیوں نے خرچ کیا ہے اس کی وجہ سے اس خطہ کے مسجد ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا کیوں کہ قادیانی ایک ایسا غیر مسلم فرقہ ہے کہ جس کے بنیادی، مذہبی دستور میں مسجد بنانا کارِ ثواب ہے (قربت ہے) بعینہٖ ایسے جیسا کہ یہودی و عیسائی بیت المقدس پر خرچ کرنا قربت سمجھتے ہیں یا کفارِ مکہ بیت اللہ شریف پر خرچ کرنا قربت سمجھتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ کفار کے حق میں باعثِ اجر نہیں۔ لیکن جو شئے مسلم اور غیر مسلم دونوں کے نزدیک کارِ ثواب ہے اس پر غیر مسلم کے خرچ کر لینے سے اس شئے کی حیثیت میں فرق نہیں آتا۔ یہی وجہ

سے کہ بیت اللہ شریف کی کافروں والی تعمیر کو باقی رکھا گیا۔ اور یہی شرعی قانون ہے۔

بخلاف الذمی لما فی البحر وغیرہ ان شرط وقف الذمی ان یکون قربۃ عندنا و عندھم کالوقف علی الفقراء او علی مسجد القدس الخ۔ (شامی، ج۴، ص۳۴۱۔طبع جدید قاھرہ و فتاوی عالمگیری)۔

اگر قادیانی غیر مسلم فرقہ کے بنیادی عقائد میں اسلامی طرز کی مساجد بنانا قربۃ نہ ہوتی تو پھر اس مسجد کے تعمیری سامان میں قادیانیوں کی خرچ کرنے والوں کی ملکیت ہوتی اور وہ اپنی تعمیر کو اٹھا لیتے۔

کمافی العالمگیریۃ ولو جعل الذمی دارہ مسجدا۔ الخ (ص۳۵۳، ج۲)

تاہم اس خطۂ زمین کا بحقِ مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیوں کہ جعلتہ مسجدًا کہہ دینے سے مسجد ہو جاتی ہے اور یہی معتبر للحکم ہے۔ بشرطیکہ قائل اس کا اہل ہو کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ نیز یہ مسجد ظاہری مستیقنہ طور پر مذہب اسلام کے خلاف قلعۂ کفر و کمین گاہ کے طور پر بھی نہ ہو۔ لہذا مسجدِ مسئولہ مسجد ہی ہے کیونکہ اس وقت کی مسلم گورنمنٹ نے مسجد بنوائی تھی نہ کہ کفر یہ قلعہ، یہ باعتبار ظاہر کے ہے اور شرعی احکام کا محلِ ورود بھی ظاہری حالات ہی ہوتے ہیں۔ واما فی الحقیقۃ فھو اللہ تعالی اعلم۔

عبدالرحمن عفی عنہ
صدر تخصص فی الفقہ
جامعہ قاسم العلوم ملتان
۱۴/۱۲ ۱۹۸۹ء

الجواب صحیح
کما فی فتاوی دارالعلوم دیوبند وکفایت المفتی و عزیز الفتاوی و فتاوی محمودیہ وغیرہ فقط
منظور احمد نائب مفتی جامعہ قاسم العلوم ۲۴ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ

الجواب ــــــ واقعاتی لحاظ سے جب کہ مسلمانوں کو مسجد کی ضرورت اور انہوں نے اس غیر مملوکہ پلاٹ کو اپنی انتہائی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مخصوص کر لیا اور اس پر باقاعدہ نماز باجماعت ہوتی رہی اور اس سے رفاہِ عامہ کے مفادات پر کوئی زد نہیں پڑتی تو شرعی اصول و قواعد کے مطابق مذکورہ جگہ مسجدِ شرعی بن گئی۔ لہذا اب اسے بدستور مسلمانوں کے لئے مسجد ہی باقی رکھنا ضروری ہے۔

بحرالرائق، ج ۵، ص ۲۷۶۔ میں ہے۔

وفي الخانية طريق للعامة وهي واسع فبني فيه اهل المحلة مسجدا للعامة ولا يضر ذلك بالطريق قالوا لا بأس بها وهكذا روى عن ابي حنيفة رح و محمد رح ان الطريق للمسلمين والمسجد لهم ايضا

ترجمہ :- اور خانیہ میں ہے کہ عوام کا ایک راستہ ہے اور وہ وسیع ہے محلہ والے اگر اس میں مسجد تعمیر کرلیں اور اس تعمیر سے راستہ کی آمد و رفت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو فقہاء اس کو جائز سمجھتے ہیں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی سے بھی یہی مروی ہے کہ راستہ بھی مسلمانوں کا ہے اور مسجد بھی انہیں کی ہے "

فتاویٰ عالمگیری : ج ۲ : ص ۴۸۶ - میں مرقوم ہے۔

ذكر في المنتقى عن محمد في الطريق الواسع بنى فيه اهل المحلة مسجدا و ذلك لا يضر بالطريق فمنعهم رجل فلا بأس ان يبنوا۔

ترجمہ :- منتقیٰ میں امام محمد رح سے روایت ہے کہ ایک وسیع راستہ ہے محلہ والوں نے اس میں مسجد تعمیر کرلی اور راستہ کی آمد و رفت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو اگر کوئی شخص منع بھی کرے تب بھی مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں "

فتاویٰ حمادیہ : ج ۱ : ص ۳۴۸ - میں ہے۔

من الغياثية نهر لاهل قرية فاراد جماعة ان يبنوا عليه مسجدا فلا بأس به ۔

ترجمہ :- فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ کسی گاؤں کی نہر ہے ایک جماعت اس کے اوپر ایک مسجد تعمیر کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے "

جزئیاتِ بالا کے تحت جب یہ جگہ مسلمانوں کی مسجد بن چکی تو اب احمدی فرقہ کا ناجائز طور پر اپنے حق میں الاٹ کرانا یا اپنا معبد بنانا جائز نہ تھا۔ اور پھر خصوصاً جب کہ انتظامیہ نے ۱۹۸۲ء میں انہیں ناجائز قابض سمجھتے ہوئے بے دخل کردیا اور قبضہ کسی اور کو دلا دیا۔ پھر اس کے بعد ۱۹۸۹ء کے آخر تک اس پر مسجدِ ختمِ نبوت کا بورڈ آویزاں رہا ہے تو اب حق یہی ہے کہ مسلمانوں کے حق میں اس کی وہی اوّلین پوزیشن یعنی مسجد والی بحال رہنی چاہیئے۔ تفصیلِ بالا سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی

قانونی موشگافی سے اس کی مسجدیت کو ختم نہیں کیا جاسکتا اور اسے دفتری مقاصد کے لئے استعمال کرنا درست نہ ہوگا۔ مروجہ قانون کے مطابق اس کی الاٹمنٹ وغیرہ میں اگر کوئی قانونی کمی ہو تو اس کا ازالہ کر دیا جائے نہ یہ کہ اس کی مسجدیت کو ہی ختم کر دیا جائے۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: محمد صدیق غفرلہٗ مدرس و ناظم اعلیٰ جامعہ خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: محمد حنیف جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان۔

مسجد کے اوپر دوکانیں بنانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک مسجد زیرِ زمین تعمیر کی جائے اور اس کے اوپر مارکیٹ بازار اور دکانیں وغیرہ بنائی جائیں کیا اس طرح زیرِ زمین مسجد کی تعمیر جائز ہے؟ دوکانیں کنٹونمنٹ بورڈ کی ملکیت ہوں گی۔

المستفتی: ملک عبدالحمید ٹھیکیدار، ممتاز آباد ملتان

الجواب مسجد تحت الثریٰ سے لے کر عنانِ سماء تک مسجد ہوتی ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق تعمیر درست نہیں، مسجد کے اوپر مارکیٹ وغیرہ نہیں بنا سکتے۔

قال فی البحر وحاصله ان شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ وان المساجد لله بخلاف ما اذا کان السرداب العلو موقوفا لمصالح المسجد فهو کسرداب بیت المقدس هذا هو ظاهر الروایة؟

(شامی، ج ۳، ص ۳۸۲)

فقط واللہ اعلم ؛ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۹؍۳؍۱۴۱۱ھ

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگانا

ہماری بستی لبِ دریا آباد تھی، دریا میں بار بار طغیانی کی وجہ سے تمام بستی نے وہاں سے منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اب اس سابقہ جگہ پر ایک گھر بھی باقی نہیں رہا۔ نئی جگہ مسجد کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ بعض ساتھیوں کا مشورہ ہے کہ سابقہ مسجد کا اچھا اچھا سامان اس نئی مسجد پر لگا دیا جائے۔ تو کیا شرعاً یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب اگر سابقہ جگہ اور مسجد کے دوبارہ آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے تو اس مسجد کا سامان نئی مسجد کو منتقل کر سکتے ہیں۔ سابقہ مسجد کی زمین پر اونچی چار دیواری بنا دی جائے تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو۔ کیوں کہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد شرعی بن جائے وہ تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے۔

سئل شمس الائمۃ الحلوانی عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس ھل القاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد آخر او حوض اخر قال نعم۔ اھ
(عالمگیری ، ج ۲ ، ص ۳۵۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

تم بحمد اللہ الجزء الثانی من خیر الفتاوی ویتلوہ الجزء الثالث و اولہ کتاب الجمعۃ انشاء اللہ تعالیٰ والحمد للہ اولاً و آخراً۔ وقد فرغت من تبییضہ وترتیبہ یوم الجمعۃ السابع عشر من جمادی الاخری سنۃ ۱۴۱۱ھ
العبد الفقیر ابو تراب محمد انور عفا اللہ تعالیٰ عنہ
مفتی وخادم الحدیث بجامعۃ خیر المدارس ملتان باکستان

خیر الفتاویٰ

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے

علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

مرتبہ

مولانا مفتی محمد انور زید مجدہم

مکتبہ امدادیہ

ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان پاکستان

جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خیر الفتاویٰ

جلد سوم

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاوی کا منتخب مجموعہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

نام کتاب : خیر الفتاویٰ (جلد سوم)

باہتمام : حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مرتب : مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ

کل صفحات : ۶۰۸ صفحات

ناشر : مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۸۷
(Phone No. 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ .... غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ .... آرام باغ کراچی

ضروری گزارش

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اگر اس کے باوجود کہیں کتابتی اغلاط نظر آئیں تو
نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جا سکے۔
فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین ...... (ادارہ)

پیشِ لفظ

از

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری زیدمجدہم
مہتمم جامعہ خیر المدارس۔ ملتان شہر

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ــــــ امابعد:

اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہونے کے لحاظ سے دُنیا کے تمام مذاہب سے مُمتاز ہے اسکی تعلیمات، قرآن حکیم، حدیثِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور فقہاءِ کرام کی اجتہادی کاوشوں کی شکل میں انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گی۔ اِس دعوئی کی صداقت کے لئے ایک دو نہیں چودہ صدیوں کی شہادت موجود ہے۔ اِس عرصہ میں دین کی سرحدوں پر عُلماءِ کرام نے ایک وفادار اور چوکس غلام کی طرح پہرہ دیا ہے۔ قرآن کریم کو (نعوذ باللہ) غیر محفوظ کہنے والے ہوں، یا حدیثِ رسول کو بے وقعت ٹھہرانے والے، فقہِ اسلام کو دَورِ ملوکیت کی پیداوار قرار دینے والے ہوں یا احسان وسلوک کو افیون کا نام دینے والے، ان تمام گروہوں کی ستم کیشیوں چیرہ دستیوں کا بے جگری سے مقابلہ کرنے اور سرچشمۂ اسلام کا مردانہ وار دفاع کرنے کا شرف واعزاز اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ انہی عُلماءِ ربانییّن کی جماعت ہے۔ جس نے اپنی بے بضاعتی اور ابنائے زمانہ کی ناقدرشناسی کے باوجود اپنے فرضِ منصبی کو نہ صرف نبھایا بلکہ آئیندہ نسلوں کے لئے ایسی بُنیادیں فراہم کردیں کہ اسلام کی عمارت مخالفت کے تُند وتیز تھپیڑوں اور طوفانوں میں بھی پوری قوت واستقامت سے برقرار رہے۔

عصرِ حاضر کے جدید تہذیب وتمدّن سے جو نئے نئے مسائل اور اشکالات سر اُٹھاتے ہیں اسلام کی روشنی میں اُنکے حل اور قوم کی رہنمائی کے فریضہ سے عُلماءِ کرام نے کبھی کوتاہی اور غفلت نہیں کی۔ مغربی تعلیم یافتہ حلقوں کا یہ الزام کہ عُلماء عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہیں صرف اِس لئے ہے کہ علماءِ حق نے شریعت کو بازیچۂ اطفال بنانے کی اجازت

کسی دَور میں نہیں دی اور نہ ہی دورِ جدید کے "مجتہدین" کے فکر و ذکاوت سے مرعوب ہو کر اسلام کے ابدی اصولوں کو متزلزل اور محلِ ترمیم ٹھہرایا ہے. باقی انسانی زندگی کی بے شمار جزئیات میں پیش آنیوالے ہزاروں مسائل ایسے ہیں کہ عامۃ المسلمین نے اُن کے حل کے لئے ملک کے معتمد دینی اداروں سے رجوع کیا اور ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ انہیں جواب نہ دیا گیا ہو یا ان کی تشفّی نہ کرائی گئی ہو۔ جامعات کے "دارالافتاء" کے ریکارڈ سے یہ شہادت لی جاسکتی ہے کہ اب تک ہزاروں اشکالات واستفسارات کے شافی و مُدلّل جوابات لاکھوں قلوب کو سکون وطمانیت عطا کر چکے ہیں۔

علماء کرام اور مفتیانِ عظام کی انہی علمی و دینی کاوشوں کا ایک حسین ثمر "خیر الفتاوی" کی شکل میں آپکے سامنے ہے۔ جو ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس کے بانی و مہتمم عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ اور دیگر مفتیانِ خیر المدارس کی چالیس سالہ محنتوں کا نچوڑ ہے۔ اس سے قبل اس سلسلۃ الذہب کی دو کڑیاں منظر عام پر آچکی ہیں جنہیں اہلِ علم سے خراجِ تحسین کے علاوہ ملک و بیرونِ ملک وسیع تعارفی حلقہ میسّر آیا، ہمارے لئے باعثِ صد تشکر ہے۔ اب اسکی تیسری جلد پیش کی جارہی ہے۔
ہمیں اُمید ہے کہ اہلِ نظر حسبِ سابق اِس کا استقبال اور قدر افزائی شایانِ شان کریں گے۔

پہلی دو جلدوں کی طرح جلد ثالث کی ترتیب ومراجعت بھی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب مدظلہم صدر مفتی جامعہ ہذا کی نگرانی اور سرپرستی میں جامعہ کے مفتی و اُستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب دامت برکاتہم نے فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں انشاء اللہ العزیز کچھ وقفہ کے بعد جلد رابع بھی منظرِ عام پر آجائے گی۔ تمام ناظرین سے التماس ہے کہ وہ جامعہ، اس کے کارکنان، اساتذہ کرام اور فتاویٰ کی ترتیب وتالیف کرنیوالوں کو اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلہ کو جملہ اہلِ اسلام کے لئے نافع اور ذریعہ ہدایت فرمائیں۔ آمین!

والسّلام
محمد حنیف جالندھری
مہتمم جامعہ خیر المدارس، ملتان

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ
عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ
نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ
يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝
وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى
لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَّشْكُوْرًا ۝

اجمالی فہرست خیر الفتاوی (جلد سوم ۳)

فہرست مضامین (خیر الفتاویٰ) جلد سوم

بَابُ العِیدَین

جلد 2

بَابُ الجُمُعَة

قال الله تعالی یا ایها الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝

اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔

(سورہ جمعہ پ ۲۸) (ترجمہ شیخ الہندؒ)

خیر الفتاویٰ

(جلد سوم)

مرتب: محمد انور

باب الجمعۃ

جمعہ کیلئے دو خطبوں کا ثبوت

۱: کیا خطبۂ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں ایک پڑھا جاتا تھا؟

۲: خطبۂ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس زمانہ میں اجماعِ صحابہ رضؓ سے دو حصّوں میں شروع ہوا۔

۳: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذانِ جمعہ ایک دلوائی یا دو، اور پھر یہ دو اذانیں کب سے شروع ہوئیں؟

الجواب

۱ : ۲ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفرغ اراہ المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس فلا یتکلم ثم یقوم فیخطب۔ (ابوداؤد : ج ۱ ص ۱۵۶)۔

۳ : اذانِ ثانی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اجماعِ صحابہ رضؓ سے مشروع ہوئی۔

فلما کان خلافۃ عثمان رضؓ کثر الناس امر عثمان یوم الجمعۃ

بالاذان الثالث فاذن به على الزوراء فثبت الامر على ذالك

(ابوداؤد : ج ۱ : ص ۱۵۶) - فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۵/۱۰/۹۲ھ

اذان ثالث کہنا بوجہ تکبیر کے ہے ورنہ بہ عملاً اذان اوّل ہے ۔ والجواب صحیح ۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۔

خطبہ جمعہ سے پہلے نعتیں وغیرہ پڑھنا

نمازِ جمعہ ادا کرنے سے پہلے سنتیں پڑھنے کا وقت ہوتا ہے ۔ کیا مسجد میں نعت یا مدح صحابہ رض وغیرہ اس طرح گا کر پڑھنا کہ جس سے سنتیں پڑھنے والے کو خلل پڑ جائے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب نمازِ جمعہ میں جب تک کہ لوگ سنتیں پڑھ رہے ہوں نعت خوانی شروع کرنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے مکروہ ہے ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۱/۱/۷۷ھ	خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان

خطبہ سنتے وقت کیسے بیٹھا جائے

جب امام خطبہ ادا کرتا ہے تو سامعین کے بیٹھنے کی شکل کیا ہونی چاہئے ؟ بینوا توجروا

محمد اقبال عفا اللہ عنہ ، گلشن آباد ، گوجرانوالہ

الجواب جیسے سہولت ہو بیٹھ سکتے ہیں ۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ بحالت تشہد دو زانو بیٹھا جائے ۔ مگر پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے میں گھٹنوں پر رکھنا محض عامیانہ فعل ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ، ایسا نہ کیا جائے ۔

اذا تشهد الرجل عند الخطبة ان شاء جلس محتبيًا او

متربعا اوکما تیسر لانہ لیس بصلوۃ عملا وحقیقۃ کذا فی المضمرات ویستحب ان یقعد فیہا کما یقعد فی الصلوۃ کما فی معراج الدرایۃ (عالمگیری ؛ ج ۱ ص ۷۶)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ؛ مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ کی نماز تین بجے درست ہے یا نہیں

اگر مؤرخہ تین دسمبر کو شہر لائل پور میں نمازِ جمعہ تین بجے پڑھائی جائے تو مذہب احناف کے مطابق نمازِ جمعہ کی ادائیگی وقت کے اعتبار سے صحیح ہے یا باطل ؟ اگر صحیح ہے تو بلا کراہت یا کراہت کے ساتھ ؟ کراہت کی صورت میں مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ؟

محمد طفیل قیوم عفا اللہ عنہ ، طارق آباد : لائلپور

الجواب جمعہ کے بارے میں تعجیل (یعنی اوّل وقت میں پڑھنا) مستحب ہے ۔ سردی ہو یا گرمی ۔ کما فی الشامیۃ ، ج ۱ ؛ ص ۳۴۰ ۔

لکن جزم فی الاشباہ من فن الاحکام انہ لا یسن لہا الابراد فی جامع الفتاوی لقارئ الہدایۃ قیل انہ مشروع لانہا تؤدی فی وقت الظہر وتقوم مقامہ وقال الجمہور لیس بمشروع لانہا تقام بجمع عظیم فتأخیرہا مفض الی الحرج ولا کذالک الظہر وموافقۃ الخلف لا صلہ من کل وجہ لیس بشرط ۔اھ ۔شامی ص ۳۴۰ ج ۱

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جمعہ کی نماز ادا تو ہو گئی ۔ البتہ وقتِ مکروہ میں پڑھنے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہوگی ۔ کما فی الطحطاوی ؛ ص ۹۸ ۔

وفی الخزانۃ الوقت المکروہ فی الظہر ان یدخل فی حد الاختلاف واذا اخرہ حتی صار ظل کل شیئ مثلہ فقد دخل فی حد الاختلاف حموی ۔

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ

ظہر کا وقت مفتی بہ مذہب کے مطابق ایک مثل تک ہے اگر جمعہ ایک مثل کے اندر ہے تو صحیح ہے ورنہ باطل ہے۔

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

جمعہ میں خطیب و امام ایک ہی ہونا چاہیئے

ایک خطیب کا گلا خراب ہے۔ اس نے ایک اور خطیب کو دعوت دی۔ اس نے صرف خطبہ پڑھا اور نماز کے لئے سابق کو آگے کر دیا۔ بعد میں بتایا کہ میں جمعہ ادا کر کے آیا ہوں۔ کیا یہ درست ہے؟ اور وہ جمعہ میں شرکت کر سکتے ہیں؟

الجواب جمعہ میں امام وخطیب ایک ہی شخص ہونا چاہیئے۔ مذکورہ جمعہ ہو گیا۔ آئندہ ایسا نہ کیا جاوے۔ جو جمعہ ادا کر چکا ہے وہ بہ نیت نفل شریک جماعت ہو سکتا ہے امامت نہیں کرا سکتا۔

لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانهما کشیٔ واحد فان فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز اھ (در مختار علی الشامیۃ، ج ۱، ص ۵۵۲)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۱۰/۹۹ھ

عورتوں کا جمعہ کے لئے مسجد میں آنا مکروہ ہے

زید کہتا ہے کہ عورتوں کے لئے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔ دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ پڑھتی تھیں مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرما دیا تھا۔ تو عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا کر شکوہ کیا تو

انہوں نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو وہ بھی منع فرمادیتے۔ اگر یہ درست ہے تو عبارت مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

۲ : اب عورتیں نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئیں یا نہ آئیں ؟

الجواب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد " ابوداؤد شریف : ج ۱ ص ۸۴ " پر منقول ہے۔

" ان عائشة رضی اللہ عنہا قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن ۔ اھ ۔ الحدیث۔

۲ : اس وقت بھی عورتوں کا آنا مکروہ ہے۔

ویکرہ حضورھن الجماعة ولو لجمعة و عید و وعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذھب المفتی به لفساد الزمان اھ (درمختار علی الشامیة ، ج ۱ : ص ۵۲۹)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۲۹ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

جمعہ کی اذان ثانی کے بعد دعا مانگنے کا حکم

جمعہ کی دوسری اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں ؟

محمد اقبال سمیع سنز حرم گیٹ ملتان

الجواب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست نہیں ہے ، دل میں مانگ سکتے ہیں۔ واللہ علیم بذات الصدور ۔ اذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا کلام الیٰ تمامھا ای الخطبة اھ ۔

(درمختار علی الشامی ، ج ۱ ، ص ۷۶۸)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲ / ۱ / ۱۴۰۰ھ

اجتماع عید وجمعہ مسقط جمعہ نہیں

زید کہتا ہے کہ اگر عید اور جمعہ ایک دن جمع ہوجائیں اور مسلمان عید کی نماز پڑھ لیں تو ان پر جمعہ کی فرضیت باقی نہیں رہتی یعنی نہیں ظہر ادا کرنی چاہیئے نہ کہ جمعہ۔ اگر جمعہ ادا کریں گے تو ان کے ذمہ ظہر کی نماز باقی رہے گی اور نہ پڑھنے پر ترکِ فرض کے مجرم ہوں گے۔

بکر کہتا ہے کہ ایسا نہیں، بلکہ جب مسلمان عید پڑھ چکیں گے تو اس دن جمعہ پڑھنے نہ پڑھنے میں ان کو اختیار ہوگا۔ یعنی اگر جمعہ نہ پڑھیں بلکہ ظہر باجماعت پڑھ لیں تو ترکِ فرض جمعہ کے مجرم نہ ہوں گے۔ اور اگر جمعہ پڑھیں گے تو اس دن کی ظہر سے بری الذمہ ہوجائیں گے جمعہ فرض بن کر ظہر کے قائم مقام ہوجائے گا جیساکہ نابینا وغیرہ معذورین پر جمعہ فرض نہیں اور اگر جمعہ ادا کریں تو ان سے ظہر ساقط ہوجاتی ہے۔ دونوں کا منشاءِ اختلاف جامع الرموز کی یہ عبارت ہے

" فلو اجتمعا لم یلزم الا صلوٰۃ احدھما قیل الاولی صلوٰۃ العید وقیل صلوٰۃ الجمعۃ کما فی التمرتاشی بناء علیہ "

عرض ہے کہ زید اور بکر میں سے کس کا قول صحیح ہے اور کس کا غلط۔ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب زید اور بکر دونوں کا قول خلافِ تحقیق اور غیر صحیح ہے۔ محقق یہ ہے کہ عید اور جمعہ اگر ایک ہی دن میں جمع ہوجائیں تو عید پڑھ لینے سے وجوبِ جمعہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ جمعہ بدستور فرض و واجب رہتا ہے۔ جمعہ چھوڑنے کی ایسی صورت میں اجازت نہیں۔ "جامع الرموز" کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے یہ حنفیہ کا مذہب نہیں ہے بلکہ حضرت عطاءؒ کا قول ہے۔ درمختار میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

قلت قد راجعت التمرتاشی فرأیتہ حکاہ عن مذھب الغیر و بصیغۃ التمریض فتنبہ اھ وفی الشامیۃ ای مذھب غیرنا اما مذھبنا فلزوم کل منھما قال فی الھدایۃ ناقلا عن الجامع الصغیر عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنۃ و الثانی فریضۃ ولا یترک واحد منھما اھ قال فی المعراج احترزبہ

عن قول عطاء تجزی صلوۃ العید عن الجمعۃ اھ

(شامیۃ : ج ۱ : ص ۷۶۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۱ / ۹ / ۸۶ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

اڑھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ درست ہے

چک نمبر ۲۵۱ گ ب ، "گی" ضلع فیصل آباد برلب سڑک پختہ ہے آبادی اڑھائی ہزار ہے ۔ چک میں بجلی ، ڈاک خانہ ، مڈل سکول ، گرلز سکول ، پرائمری سکول مردانہ ، دو کارخانے جس میں آٹا پیسنے کی مشین اور لکڑی چیرنے کی مشین ، روئی بیلنے والی مشین ، تیل والی مشین ، بسوں کا اڈہ ، گیارہ دکانیں ، برف کا کارخانہ اور چک میں نو دکانیں ہیں ۔ بسوں کا اڈہ چک مذکور سے دو فرلانگ پر ہے ۔ چوتھے مربع پر ہائی سکول اور کالج ہے ۔ تین مسجدیں ہیں ۔ نیز مدرسہ تعلیم القرآن و تعلیم البنات بھی ہے ۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے ؟

حکیم عبدالحمید نورنگ پوری

الجواب مذکورہ بستی کے بارے میں تقریباً بیالیس ۴۲ سال پہلے بھی استفتاء کیا گیا تھا جس کے جواب میں جوازِ جمعہ کا فتوی دیا گیا تھا ۔ اب تک بستی کی آبادی و مرکزیت میں مزید اضافہ ہوا ہے جیسا کہ زیر جواب استفتاء میں مذکور ہے ۔ لہذا یہاں صحت جمعہ میں تردد نہ کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

۲ ہزار کی آبادی میں جمعہ کا حکم

ایک گاؤں جس کی آبادی ساڑھے تین سو خانہ کی ہے اور رقبہ آبادی کا ایک مربع نو ایکڑ ہے اور چھبیس ۲۶ دکانات ہیں جن سے جملہ اشیاءِ ضرورت مل سکتی ہیں ۔ اور ایک کارخانہ آٹا پیسنے کا اور مدرسہ تعلیم القرآن ، ۶ کنوئیں اور ۸ نلکے ، ایک پنچائتی عدالت جس کو مجسٹریٹی اختیارات حاصل ہیں

باشندگان کی تعداد تقریباً دو ہزار ہے۔ مٹی کے برتن کی دوکان اور زرگر اور موچی وغیرہ بھی موجود ہے۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے۔ ؟

الجواب بستی مذکورہ اپنی آبادی اور تجارتی دوکانوں کے اعتبار سے نظر ناظر بین قریۂ کبیرہ کی حد میں داخل ہے۔ احقر راقم الحروف نے خود بھی معائنہ کیا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بستی میں فرض جمعہ ادا ہوجاتا ہے۔ شامی : ج ۱ : ص ۵۳۷ میں ہے۔

وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا اسواق اھ فقط واللہ اعلم۔

العبد خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم خیر المدارس ملتان : ۱۷ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

دورانِ خطبہ ہاتھ میں عصا لینا

۱ : دورانِ خطبۂ جمعہ ہاتھ میں عصا لینے کی تفصیل فرمائیں۔ ۲ : عام حالات میں ہاتھ میں عصا لینا کیسا ہے، اس کا کیا طریقہ ہے ؟

الجواب ۱ : اس باب میں احادیثِ مختلفہ کے دیکھنے سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا ہے ابوداؤد شریف کے یہ الفاظ ہیں۔ فقام متوکئا علی عصا او قوس اھ مگر اس سے مواظبت ثابت نہیں ہوتی۔ مسلم کی حدیث میں یہ لفظ بھی موجود ہیں۔ ثم قام متوکئا علی بلال اھ خلاصہ یہ ہے کہ عصا بوقت خطبہ ہاتھ میں لینا سنت غیر مؤکدہ ہے۔

من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج علیہ۔ (امداد المفتیین ج ۱ - ص ۱۱۲)۔

۲ : امر مستحسن ہے اور دائیں ہاتھ میں لینا چاہیئے۔ وینبغی ان یأخذ السیف اوالعصا اوغیرھما بیدہ الیمنی اذانہا سنۃ لان تناول الطہارۃ انما یکون بالیمین والمستقذرات بالشمال۔ (المدخل : ج ۲ : ص ۲۷) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳۹۹/۶/۳ھ

قریۂ صغیرہ میں جمعہ پڑھا گیا تو ظہر ادا کرنی لازم ہے

ایک بستی جس کی آبادی سات سو ہے دو کان صرف ایک ہے۔ ضروریاتِ زندگی نہیں ملتیں کیا اس جگہ جمعہ جائز ہے۔؟ اگر پڑھا گیا تو دوبارہ ظہر پڑھی جائے یا نہیں ؟
محمد قاسم ربانی ، مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی۔

الجواب مذکورہ بستی قریۂ صغیرہ ہے اس میں عندالاحناف جمعہ جائز نہیں۔ جن لوگوں نے جمعہ پڑھا ہے ان کے ذمہ اس دن کی ظہر باقی ہے۔

فی الجواھر لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر اھ

(شامی ، ج ۱ ، ص ۷۴۸)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
۳ / ۱۱ / ۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جواثی شہر تھا یا قریہ

پہلا جمعہ بحرین کے مقام جواثی میں ادا کیا گیا۔ یہ مقام شہر تھا یا گاؤں ؟ اگر شہر تھا تو اس کا شہر ہونا ، اور کس سال میں جمعہ پڑھا گیا ؟ بیان فرمائیں۔

۲ : خطبہ قوم کو سنانا فرض ہے یا سنت ؟

الجواب متعدد اہل لغت اور تاریخ سے منقول ہے کہ "جواثی" شہر تھا۔ علامہ عینی رح عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ اس میں چار ہزار سے زیادہ آدمی رہتے تھے۔ کان یسکنھا فوق اربعۃ آلاف نفس اھ ۔ علامہ ابن اثیر رح نہایہ میں لکھتے ہیں جواثی ھو اسم حصن بالبحرین (اور قلعے شہروں میں ہوتے ہیں) علامہ جوہریؒ کی صحاح ، علامہ زمخشریؒ کی بلدان اور سیوطی سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔ ابو عبید بکری سے منقول ہے۔

انھا مدینۃ بالبحرین۔ (اعلاء السنن ، ص ۱۲)۔

لفظِ قریہ سے شبہ نہ کیا جائے کیوں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی قرآن وحدیث اور لغت سے ثابت ہے۔ لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم الآیۃ

" جواثی " میں جمعہ وفد عبد القیس آنے کے بعد پڑھا گیا۔ اس پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وفد عبد القیس فرضیت حج کے بعد آیا ہے البتہ سن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ واقدی نے ۸ھ قبل فتح نقل کیا ہے۔ اور ابن اسحاق نے ۹ھ کہا ہے۔ (اعلاء السنن ؛ ص۱۴)۔

۲ ؛ نفس خطبہ شرائط جمعہ سے ہے بایں معنی کہ خطبہ کا ہونا ضروری ہے کسی کو سنے یا نہ سنے۔

ویشترط لصحتها سبعة اشياء الى قوله والرابع الخطبة فيه فلوخطب قبله وصلى فيه لم تصح اھ (درمختار علی الشامی ج۱ ص۵۷۵)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۲ / ۹ / ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

شامی کی ایک عبارت سے اردو میں جوازِ خطبہ پر استدلال اور اس کا جواب

آپ نے اپنے فتوے میں جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کو مکروہ تحریمی لکھا ہے اس دلیل سے کہ صحابہ کرام رضؓ نے روم و فارس میں صرف عربی میں خطبہ دیا حالانکہ وہ لوگ عربی نہیں جانتے تھے۔

احقر نے آپ کے فتوے کی بناء پر پیش امام صاحب کو عرض کیا کہ آپ اردو تقریر درمیان میں نہ کیا کریں۔ خطیب صاحب مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ ہیں۔ انہوں نے کتب میں مسئلہ کو تلاش کیا، بہت کوشش کی اور فرمایا کہ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فی فقہ مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان عن العلامۃ سید محمد امین المعروف بابن عابدین کے الجزء الاول کے حسب ذیل اقتباسات سے جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کا جواز ہی نہیں ملتا بلکہ تاکید مترشح ہوتی ہے۔ مجھے آپ کے فتوے سے پورا اتفاق ہے۔ آپ ایسی عبارات نقل فرما دیں جن سے اردو خطبہ کا مکروہ تحریمی ہونا معلوم ہوتا ہو۔

ص۵۹۷ ؛ لم يقيد الخطبة بكونها بالعربية اكتفاءً بما قدمه في باب صفة الصلوة من انها غير شرط ولو مع

القدرۃ علی العربیۃ عندہ خلافا لہما حیث شرطاہ الا عند العجز کالخلاف فی الشروع فی الصلوۃ ـــــــ

ـــــ ص۵۹۸ ، قولہ ویبدأ ای قبل الخطبۃ الاولی بالتعوذ سرًا ثم بحمد اللہ تعالی و الثناء والشہادتین والصلوۃ علی النبی علیہ السلام و العظۃ و التذکیر و القرأۃ قال فی التجنیس والثانیۃ کالاولی الا انہ یدعو للمسلمین مکان الوعظ ــــــ

ـــــ ص۶۱۸ ، فی خطبۃ العیدین حیث قال و یستفاد من کلامہم ان الخطیب اذا رأی حاجۃ الی معرفۃ بعض الاحکام فانہ یعلمہم ایاہا فی خطبۃ الجمعۃ خصوصا فی زماننا لکثرۃ الجہل وقلۃ العلم فینبغی ان یعلمہم فیہا احکام الصلوۃ کمالا یخفی ۔

الجواب افسوس کہ فاضل موصوف نے اتنی تکلیف گوارا نہیں فرمائی کہ علامہ ابن عابدین ص۵۹۷ میں جس باب صفۃ الصلوۃ کا حوالہ دے رہے ہیں اسے کھول کر دیکھ لیتے ۔ اس میں صراحۃً موجود ہے ۔

وصح شروعہ ایضا مع الکراہۃ التحریمیۃ بتسبیح و تہلیل الی قولہ کما صح لو شرع بغیر عربیۃ ۔

اس صحت کے ساتھ بھی کراہت تحریمی پائی جاتی ہے ۔ یعنی اگر کوئی شخص نماز کو شروع کرتے وقت اللہ اکبر کی بجائے " خدائے بزرگ است " کہہ دے تو نماز میں شروع ہونا تو صحیح ہو جائے گا لیکن "مع الکراہۃ التحریمیۃ" ۔ اور آگے فرماتے ہیں ۔ "شرطا عجزہ" صاحبین نے فارسی میں تکبیر کی صحت کے لئے " عجز عن العربیۃ " کی شرط لگائی ہے ۔ یعنی بغیر عجز عن العربیۃ کے شروع بالفارسی صحیح نہ ہو گا ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وعلی ھذا الخلاف الخطبۃ یعنی خطبہ میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب کے نزدیک خطبہ فارسی میں صحیح ہو جائے گا بغیر عجز بھی مگر مع الکراہۃ التحریمیۃ اور صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں صحیح ہی نہ ہو گا الا عند العجز ۔ خلاصہ یہ کہ اس عبارت کو جب

سابق تحقیق کے ساتھ ملایا جائے تو امام صاحب کے نزدیک کراہت تحریم اور صاحبین کے نزدیک عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن صاحبین کا رجوع الی مذہب الامام ثابت ہے۔ لہذا جواز خطبہ مع الکراہت التحریمیہ عند العجز متفق علیہ ہوگا۔

دوسری اور تیسری عبارت میں کہیں بھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ صرف تذکیر اور تعلیم احکام کا ذکر ہے تو کیا یہ تذکیر اور تعلیم عربی میں نہیں ہوسکتی ؟ اگر آپ کہیں کہ لوگ عربی نہیں سمجھتے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عربی سیکھیں۔ نہ یہ کہ علماء خلاف حکم شرع غیر عربی میں خطبہ پڑھیں۔ پھر تو نماز بھی اردو میں ہونی چاہیئے۔ قرأت قرآن بھی اردو میں ہونی چاہیئے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	۸ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

تحدید فناء مصر بفرسخ راجح نیست

چہ فرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین دریں صور تہائے مسئولہ۔

۱ : فناء شہر از سور البلد شمار کردہ مے باید یا از زیادتی گرد و نواح بیرون سور بلد شروع مے شود۔

۲ : حدود مسافت فناء چہ مقدار میدارد و فراسخ در کتب فقہ چہ مراد میدارد۔

۳ : مقدار فناء شہر مسلمانان چند بیوت پانزدہ و شانزدہ پختہ و خام بنا کردہ مقیم اند۔ یا محض مسجد شریف مع چند حجرہ برائے رہائش طلبا است اگرچہ مسلمانان آنجا و گرد و نواح او جمع آیند نماز جمعہ ادا نمایند ادا خواہد شد یا نہ ؟

الجواب

وفی الدر المختار علی الشامی و یشترط لصحتها المصر او فناءه وهو ما حوله اتصل به اولا کما حرره ابن کمال او غیره لاجل مصالحه کدفن الموتی ورکض الخیل اه۔ وفی الشامیة التعریف احسن من التحدید لانه لا یوجد ذالک فی کل مصر

وانما هو بحسب كبر المصر و صغره الی ان قال فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق علی ما صدق عليه بانه المعد لمصالح المصر فقد نصّ الائمة علی ان الفناء ما اعد لدفن الموتی و حوائج المصر کرکض الخيل و الدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغير ذالك (ج ۱ ـ ص ۵۳۷) ـ

حاصل عبارتِ مذکورہ بالا این است کہ تحدید کردنِ فناء بفرسخ یا بفرسخین یا میل ومیلین درست نیست زیراکہ فناء بلحاظ خوردنی و کلانی شہر مختلف میشود ـ پس تعریف راجح است از تحدید بفراسخ وغیرہ وتعریفِ فناء متفق علیہ این است ـ ہرآن مقام کہ مستقل آبادی نیست بلکہ از توابع مصراست و بناء او برائے حوائج اہل بلد است ـ مثلاً مردمان درآنجا برائے تیراندازی جمع مے شوند یا مقابر مسلمین درآنجا پیوستہ اند یا عساکر مسلمین درآنجا بود و باش میدارند آن فناء مصر است ـ بعد ازیں تفصیل حاصل جواب این است کہ فناءِ شہر از سور البلد ومحلات و مکانات بلد شروع شدہ تا آں مقام منتہی شود کہ برائے حوائج اہل بلد از اقسام مذکورہ بالا تیار کردہ شدہ است ـ اگرچہ از چند فراسخ متجاوز ہم گردد ـ اعتداد مصالح است نہ کہ مسافت ـ اما این سوال کہ مکانات پانزدہ یا شانزدہ پختہ وخام کہ بنا شدہ است اگر درحدودِ فناء واقع ہستند وتعریفِ فناء برآنہا صادق آید درآن اقامتِ جمعہ جائز باشد ورنہ نے ـ

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ : ۲۰ / ۱ / ۱۳۷۰ھ

الجواب صواب وحق والحق احق ان یتبع ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

خطبۂ جمعہ میں کفار کیلئے بد دعاء کرنا کیسا ہے

خطبۂ جمعہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیہ کلمات کہنا اور کفار کے لئے بددعا کرنا کیسا ہے ؟

الجواب خطبۂ ثانیہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیہ کلمات کہنا مستحب ہے۔ قال فی التجنیس و الثانیۃ کالاولی الا انہ یدعو للمسلمین مکان الوعظ اھ (شامی ج۱، ص۷۵۹)۔
فی نفسہ کفار و مشرکین پر لعنت کرنا جائز ہے چنانچہ بعض مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ لیکن جزءِ خطبہ ہونے کی حیثیت سے اس کا استحباب منقول نہیں لہذا عام حالات میں ترک انسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۵ / ۲ / ۱۳۹۶ھ

عورتوں کا جمعہ کیلئے آنا درست نہیں

مسجد کے ساتھ ملحقہ جگہ میں عورتوں کے لئے نماز کی جگہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ نیز ان کی جمعہ میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ملحقاتِ مسجد میں نماز کے لئے جگہ بنانا درست ہے لیکن عورتوں کا جمعہ کے لئے آنا پسندیدہ نہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں مفاسد کا بہت اندیشہ ہے۔ و یکرہ حضورھن الجماعۃ ولو لجمعۃ و عید و وعظ مطلقاً اھ (درمختار علی الشامیۃ، ج ۱، ص۵۲۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۵ / ۷ / ۹۷ھ

بیع و شراء جمعہ کی کونسی اذان کے بعد حرام ہے

سوال: بیع و شراء جمعہ کی کونسی اذان کے بعد حرام ہے؟

الجواب پہلی اذان کے بعد بیع و شراء حرام ہے۔ و وجب السعی الیھا و ترک البیع بالاذان الاول فی الاصح اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص۷۷۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۵ / ۱۳۹۶ھ

جمعہ کی اذان ثانی کہاں دیجائے

جمعہ میں جو اذان خطبہ کے وقت دی جاتی ہے اس اذان کی جگہ کون سی ہونی چاہیئے ۔ دوسری یا تیسری یا آخری صف میں کھڑے ہوکر دی جاسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب مؤذن کو صف اوّل میں خطیب کے آگے اذان کہنا سنت ہے ۔ درمختار میں ہے ۔ ویؤذن ثانیا بین یدیه ای الخطیب اھ ای علی سبیل السنیة اھ ۔ (شامی ج ۱ ص ۵۷۶) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۰/۵/۱۴ھ

جمعہ میں کم ازکم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے

ریڈیو میں بتلایا گیا ہے کہ جمعۃ المبارک میں تیس آدمی ہوں تو جمعہ ادا ہوگا اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے ۔

الجواب آپ کو سننے میں اشتباہ ہوگیا ہے ۔ جمعہ ادا کرنے کے لئے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے ۔ والسادس الجماعة و اقلها ثلاثة رجال سوی الامام ۔ اھ درمختار علی الشامیة ۔ ج ۱ ص ۷۶۰) فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ، ۲۳ شوال ۱۴۰۲ھ

جمعہ کیلئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں

ہم فائر بریگیڈ میں ملازم ہیں وہ جگہ ہے تو شہر میں مگر وہاں مسجد نہیں ہے ڈیوٹی کے دوران تو جو نمازیں آتی ہیں وہ تو جماعت کے ساتھ ادا کرلیتے ہیں مگر دوسری رہ جاتی ہیں ، ایسے ہی جمعہ کے لئے بھی دقت ہوتی ہے کہ اسوقت ڈیوٹی ہوتی ہے اور حاضر رہنا پڑتا ہے اس صورت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے ؟

الجواب کوشش تو یہی کریں کہ جمعہ مسجد میں آکر پڑھیں ۔ اذان جمعہ کے بعد وضو وغیرہ کر کے سنتیں پڑھ کے تیار بیٹھے رہا کریں اور وہاں سے ایسے وقت چلیں کہ خطبہ شروع ہونے والا ہو ۔ خطبہ اور فرض میں شرکت کے بعد واپس آجائیں اور سنتیں اپنی جگہ پر پہنچ کر پڑھ لیں اگر اس میں بھی دشواری ہو تو دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کا بھی وہیں بندوبست کرلیں جمعہ درست ہو جائے گا ۔

کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ۔ وتؤدی ۔ فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقا علی المذہب وعلیہ الفتوی ۔اھ (درمختار علی الشامیۃ ۔ج۱ : ص۵۶۵) ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان

عدمِ جوازِ جمعہ فی القریٰ کے بارے میں مجوّزین کے شبہات اور انکے مسکت جواب

سوال ۱ : بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت " فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللہِ " الایۃ سے ثابت ہورہی ہے اور اس آیت کے حکم سے جب نمازِ جمعہ ہر جگہ فرض ہے تو اب چھوٹے گاؤں والے فقہاء کے قول سے اپنی بستی میں اگر جمعہ نہ پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے ۔ اور بموجب حکم احادیث ان کے قلوب پر مہر لگائی جائے گی ۔ اب عرض یہ ہے کہ واقعی اس آیت سے ہر جگہ جمعہ پڑھنے کا جواز نکلتا ہے یا نہ ؟ اور آیت کریمہ کے حکم کے موجب چھوٹے گاؤں والے جمعہ کے چھوڑنے پر حنفی مذہب کے مطابق گنہگار اور آیت کے مخالف ہوں گے یا نہ ؟ یا اس آیت کا مصداق ہر فردی شہری اور گاؤں والے ہیں ۔ حنفی مذہب کی اس بارہ میں کیا تحقیق ہے ؟

الجواب آیت مذکورہ بالاجماع عام مخصوص منہ البعض ہے ۔ کیونکہ جنگلات اور ایسی آبادیوں میں جن کے باشندے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اتفاقاً جمعہ جائز نہیں ۔ تو آیت شریفہ میں عموم امکنہ کا مراد ہونا منتفی ہوگیا ۔ پس وجوب جمعہ مخصوص مقامات پر ہوگا ۔ جس کی تعیین حنفیہ نے " حدیث علی رضؓ " سے کی ہے جو کہ مرفوع حکمی ہے ۔ پس آیت مذکورہ سے ہر مقام پر فرضیتِ جمعہ ثابت نہ ہوگی ۔ لہٰذا احناف ترکِ جمعہ فی القریٰ کی وجہ سے گنہگار نہیں ۔ آیت کا خطاب صرف اہلِ مصر کو ہے ۔ نیز آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر اذان جمعہ ہو اذان سنتے ہی ذکر اللہ کی طرف سعی کرو ۔ لیکن محلِ اذانِ جمعہ کی تعیین سے آیت ساکت ہے کہ کس مقام

پر دیکھائی آئے اور کس مقام پر نہیں ۔ پس آیت مذکورہ سے جمیع امکنہ میں وجوب جمعہ پر استدلال کرنا غلط ہے ۔

سوال ۷ : بخاری شریف کی اس حدیث شریف سے (ج ۱ : ص ۵۵۹، ۵۶۰) معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ؐ نے بعد از ہجرت قباء میں جملہ چودہ دن مع رات سکونت فرمائی تھی پھر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ۔ چنانچہ

عن انس بن مالك قال لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة نزل فى علو المدينة فى حى يقال له بنو عمرو بن عوف فاقام فيهم اربع عشرة ليلة ۔ الحديث

اور اہلِ سِیَر لکھتے ہیں کہ آپؐ کا قیام وہاں صرف چار دن (دوشنبہ سے پنج شنبہ تک) رہا ۔ اور بروز جمعہ وہاں سے آپ ہجرت فرماکر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور قبیلہ بنو سالم میں پہنچے نماز جمعہ کا وقت ہوا ۔ اور وہاں چار آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی ۔ اور اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ : ج ۱ : ص ۵۶۶ ۔ میں جناب مولانا عبدالحق رح راقم ہیں ۔

" کہ چہ اوّل جمعہ کہ گزاردہ بعد از قدوم بمدینہ بود ۔ "

ہکذا کتاب مبسوط ج ۱۱ ص ۱۷ ۔ پر یوں ہے ۔

ولهذا اجهر فى الجمعة والعيدين الى تركه بها قوة الاذى ۔

اب عرض یہ ہے کہ مبسوط و اشعۃ اللمعات دونوں معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جمعہ اول بعد از ہجرت مدینہ میں پڑھا اور اس سے پہلے کہیں جمعہ نہیں پڑھا ۔ اور اہلِ سیر کی روایت اس کے خلاف ہے ۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اوّل جمعہ قباء میں پڑھا ۔ اب عرض یہ ہے کہ مذکورۂ بالا روایات و عبارات میں سے کون سی مستند اور قابل و فائق ہے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کہاں جمعہ پڑھا ۔ قباء میں یا بنو سالم میں یا مدینہ میں جاکر جمعہ پڑھا ۔ اور مذکورہ عبارات سے کون سی عبارت حق ہے ؟ اور حضرات علماء کرام دیوبندی مذکورہ بالا روایت بخاری میں سے ثابت کرکے اپنی تصنیفات میں یوں راقم ہیں ۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب " اوثق العرٰی " اور حضرت شیخ الہندؒ " احسن القریٰ " میں لکھ گئے ہیں کہ جناب حضور اکرم ؐ نے قباء میں دو ہفتہ سکونت فرمائی اور وہاں آپ کو دو جمعہ پیش آئے تھے مگر آپ نے وہاں دونوں جمعہ نہیں پڑھے ۔ ان کا یہ لکھنا اور

فرمانا مذکورہ بالا حدیثِ بخاری سے استدلال لینا صحیح ہے یا نہ؟ اگر ان کا یہ فرمانا صحیح ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ انہوں نے مذکورہ حدیث سے یہ مضمون کیسے لیا ہے؟ اور مذکورہ بالا روایت کے کون سے الفاظ اس مضمون پر دال ہیں کیونکہ اس روایت میں تو صرف عدد ایام کا ذکر ہے باقی مضمون زیادہ روایت سے معلوم نہیں ہوتا ہے۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ بنو سالم میں ادا فرمایا ہے۔ بنو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہے۔ (بستی نہیں) اس پر محدثین اور اہلِ سیر کا اتفاق ہے جب بنو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہی ہے تو اشعۃ اللمعات، مبسوط، اہلِ سیر کی عبارتوں میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبار میں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔ (ومن ادعی فعلیہ البیان) اکابرِ دیوبند نے بخاری شریف کی حدیث (فاقام فیھم اربع عشرۃ لیلۃ) سے بھی استدلال کیا ہے۔ کہ جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی اور بوقتِ ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبار میں چودہ روز قیام کیا جس میں ایک جمعہ یقیناً آیا ہوگا لیکن قبار میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف اہلِ سیر کا اتفاق اس امر پر موجود ہے کہ پہلا جمعہ مدینہ منورہ (اس کے محلہ بنی سالم) میں پڑھا گیا ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قبار جیسی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں۔ بلکہ اس کی صحت کے لئے شہر کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ قبار میں ترکِ جمعہ کی نوبت نہ آتی۔

سوال ۳۳ : غیر مقلدین نے اس حدیث (لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث) پر تبصرہ کیا ہے اور اس کے انہوں نے پندرہ جواب دیئے ہیں۔ اوّل جواب یہ ہے "کہ یہ حدیث ان الفاظ سے عند المتقدمین ثابت نہیں۔ اور اس کی سند ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ہے۔ البتہ موقوفاً اس کو بعض لوگ صحیح کہتے ہیں"۔ اب عرض یہ ہے کہ ان کا یہ جواب صحیح ہے یا نہ؟ اگر ان کا یہ جواب صحیح ہے تو پھر ان کے جواب کا کون سا جواب ہے۔؟

الجواب روایت بالا موقوفاً قطعاً صحیح ہے اور غیر مدرک بالرائی ہے۔ لہٰذا حکماً مرفوع ہوئی۔ پس بلاشبہ قابلِ احتجاج ہوگی۔

(فی عمدۃ القاری ج ۳، ص ۲۶۳) : فان قلت قال النووی حدیث علیؓ متفق علی ضعفہ و ھو موقوف علیہ بسند ضعیف منقطع قلت کانہ لم یطلع الا علی الاثر الذی فیہ الحجاج

بن ارطاۃ ولم یطلع علی طریق جریر عن منصور فانہ سند صحیح ولو اطلع لم یقل بما قالہ و أما قولہ متفق علی ضعفہ فزیادۃ من عندہ ولا یدری من سلفہ من ذالک (بحوالہ اعلاء السنن)۔

علاوہ ازیں امام ابوزید دبوسی نے "اسرار" میں نقل کیا ہے کہ۔ ان محمد بن الحسن قال رواہ مرفوعاً معاذ و سراقۃ بن مالک رضی اللہ عنہما۔

تو امام محمد رح مجتہد ہیں ان کا قول رفع حدیث کے بارے میں حجت بن سکتا ہے۔ نیز امام خواہرزادہ نے مبسوط میں فرمایا کہ امام ابویوسف رح نے امالی میں حدیث ہذا کو مرفوعاً مسنداً بیان کیا ہے پس بہر تقدیر حدیث علی رض قابل احتجاج ہے اور غیر مقلدین کا اسے ضعیف قرار دینا جہالت ہے۔

سوال ۳۲ : غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا ثانی جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث طبقہ ثالثہ سے ہے جو قرآن اور دیگر احادیث کے معارض نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ طبقہ اولیٰ و ثانیہ کی حدیثیں ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح نے "عجالہ نافعہ" میں لکھا ہے کہ

" وکتب آنہا در شہرت و قبول در طبقہ اولیٰ و ثانیہ نرسیدہ "

یعنی طبقہ ثالثہ کی کتب مشہوری اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ و ثانیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتیں نیز یہ لکھا ہے کہ

" اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نہ شدہ اند بلکہ اجماع بخلاف آں منعقد گشتہ "

(ترجمہ ظاہر ہے)۔ یہ قول ہمارے دلائل قطعیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس کا جواب فرمائیے۔

الجواب روایت بالا (حدیث علی رض) قرآن یا دیگر احادیث کے خلاف ہی نہیں کہ معارضہ کا سوال پیدا ہو۔ شاہ صاحب رح کی عبارت کا مطلب اور صاف ترجمہ یہ ہے کہ طبقہ ثالثہ کی کتب شہرت اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کو نہیں پہنچتیں تو اس سے اور اسی طرح حضرت شاہ صاحب رح کی دوسری عبارت سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کتب کی تمام احادیث مردود ہیں۔ اور ان کتب کی کسی حدیث سے احتجاج کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ اس

کی سند صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ خوب سمجھنے کہ احتجاج کا مدار، صحتِ سند اور دیگر شرائطِ معتبرہ عند المحدثین پر ہے۔ خواہ کسی کتاب میں ہو۔ لہٰذا حدیثِ علی رضؓ کو صحتِ سند کے باوجود صرف اس وجہ سے نا قابلِ اعتبار اور ساقط قرار دینا محض جہل اور ناانصافی ہے۔

سوال نمبر ۵: غیر مقلدین کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک جریر راوی وارد ہے جس کو اخیر وقت میں وہم ہو گیا تھا۔ اب یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ روایت انہوں نے کس حالت میں بیان کی ہے۔ احتمال ہے کہ بعد از وہم بیان کی ہو۔ تو پھر یہ درست نہیں۔ نیز اس سند میں طلحہ راوی ہے جس کی تصریح نہیں کہ کون ہے۔ کیونکہ بعض ثقہ اور صدوق ہیں اور بعض وہمی اور مجہول ہیں۔ جواب فرمائیے!

الجواب حدیثِ علی رضؓ موقوفاً بلاشبہ صحیح اور قابلِ استناد ہے جیسا کہ محققین واہلِ فن نے اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ عینی رحؒ کی تصحیح عمدۃ القاری سے ہم جواب نمبر ۳ میں نقل کر چکے ہیں کہ طریق جریر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ " فانہ سند صحیح" اور حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانی رحؒ نے " درایہ " میں فرمایا ہے کہ " اسنادہ صحیح " یہ حدیثِ مذکور کی دوسری سند کے بارے میں ہے جس کی سند یہ ہے۔

رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ عن الثوری عن زبید الایامی عن سعید بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی قال لا جمعۃ الخ

لیجئے اس سند میں جریر اور طلحہ بھی نہیں جن کے بارے میں معترض کو تشویش ہے اور حافظ الدنیا اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔ نیز علامہ ابن حزم رحؒ نے بھی " محلی ج ۵ ص ۵۳ " میں حدیث ہذا کو صحیح تسلیم کیا۔

ھذا نصہ فقد صح عن علی رضؓ لا جمعۃ ولا تشریق الخ

پس محققین کا حدیثِ مذکور کو صحیح تسلیم کرنا ہمارے لئے حجت ہے۔ اب اگر معترض کو طلحہ کی تعیین کے بارے میں خلجان ہو رہا ہے تو محض تعصب کی بنا پر ہے۔ ان اعلام نے رواۃ کی معرفت اور پوری تحقیق و تفتیش کے بعد تصحیح فرمائی ہے۔

سوال نمبر ۶: حدیثِ بالا کا چوتھا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ قول آیت اور احادیثِ مرفوعہ

کے خلاف ہے جب قولِ صحابی حدیث کے خلاف ہو تو متروک ہوتا ہے۔ "فتح القدیر" میں ہے کہ قولِ صحابی اس وقت لیا جاتا ہے کہ جب خلافِ حدیث نہ ہو۔

الجواب یہ حدیث علی رضہ آیت اور احادیثِ مرفوعہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے کما بیّنا۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔ خط کشیدہ احادیثِ مرفوعہ کا مطالبہ غیر مقلدین سے ہونا چاہیئے نہ کہ ہم سے۔

سوال ۷ : حدیثِ مذکورہ کا پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ قول متروک الظاہر ہے۔ کیونکہ لفظاً نفی جمعہ کی ہے حالانکہ مراد نماز ہے۔

الجواب جب حدیثِ علی رضہ میں بالاجماع قطعی طور پر نمازِ جمعہ ہی مراد ہے۔ اور یوم جمعہ کی نفی کا تصور ممکن نہیں تو اس حدیث کے متروک الظاہر ہونے سے مسئلے پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔

سوال ۸ : غیر مقلدین اس مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۶ یہ دیتے ہیں کہ جمعہ فرضِ عین ہے جس کا ثبوت قطعی ہے۔ اور شہر کی شرط اس قول سے ثابت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ ظنی ہے اور دلیلِ ظنی سے فرض کی شرط ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شرط الفرض لا یکون الا فرضاً اصول مسلمہ ہے۔ اھ براہِ کرم اس کا مسکت جواب لکھیں۔

الجواب آیتِ شریفہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الخ بالاجماع مخصوص عنہ البعض ہے۔ پس اس اعتبار سے اس میں ظنیت آگئی۔ اب خبرِ واحد (حدیثِ علیؓ لاجمعۃ الخ) سے اس کی تخصیص درست ہوئی۔ جیسا کہ پہلے استفتاء کے جواب میں قدرے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

سوال ۹ : غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۷ یہ دیتے ہیں کہ "قول علیؓ لاجمعۃ" جو وارد ہے اس کی تائید میں نبی علیہ السلام کی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ جمعہ کی فرضیت تمام مسلمانوں کے لئے احادیثِ نبویہ میں بکثرت وارد ہے اھ۔ جواب محقق لکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے قول کی مؤیدات میں جو روایات ہوں وہ بھی لکھیں۔

الجواب حدیث " لاجمعۃ الخ " خود مرفوع حکمی ہے۔ گویا کہ خود فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس تائید کی کیا حاجت ہے ؟ کیا ایک حدیث کا قابل عمل ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ کوئی دوسری حدیث بھی اس کی مؤید ہو۔ اگر نہیں تو اس حدیث "لاجمعۃ الخ" میں خصوصیت کیا ہے ؟ علاوہ ازیں چند احادیث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن سے حدیث مذکور کی تائید بھی ہوتی ہے۔

۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں جمعہ ادا نہیں فرمایا۔ حالانکہ آپ نے وہاں چودہ روز قیام فرمایا۔ (کما مر عن صحیح البخاری) اور مدینہ منورہ میں تشریف لاکر جمعہ ادا فرمایا۔

۲ : باوجودیکہ مدینہ منورہ کے اردگرد دور دور تک اسلام پھیل چکا تھا لیکن کسی جگہ مدینہ کے علاوہ جمعہ ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک مدت کے بعد " جواثی " میں جمعہ قائم کیا گیا۔

۳ : جب صحابہ رضی نے ممالک کو فتح کیا تو صرف شہروں ہی میں جمعہ کی ادائیگی کا انتظام کیا گیا۔ کما صرح بہ غیر واحد۔

سوال ۱۰ : غیر مقلدین مذکورہ حدیث کا جواب منبر یہ دیتے ہیں کہ حضرت علی رض کا یہ حکم سیاسی تھا شرعی نہ تھا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بغاوت اور فسادات شروع تھے انہوں نے جمعہ اور عید کا حکم شہروں میں کر دیا تاکہ خطبوں میں کوئی باغیانہ تقریر نہ کر سکے۔ اھ

اس کا جواب مفصل لکھنے کے علاوہ یہ بھی بتایا جائے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں یہ حکم شہروں کے لئے کیا تھا یا اپنی خلافت سے پہلے فرمایا تھا۔ عبارات سے مدلل کریں۔

الجواب بقول غیر مقلدین اگر دیہات میں جمعہ فرض تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خلیفہ راشد سیاسی مصالح کی بناء پر ایک فرضِ قطعی کی ادائیگی کو ممنوع قرار دے دے حاشا و کلا یہ تو ایک فاسق و فاجر حاکم اور بادشاہ بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور کیا خیر القرون میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی اس کثرت کے باوجود اس امرِ شنیع کے وقوع کا امکان بھی ہے ؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ کیا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان کے اس کمزور درجے تک پہنچ چکے تھے کہ نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرائض میں قطع و برید کریں اور کوئی

نکیر نہ کرے ۔ الحاصل یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمان سیاسی مصلحت پر مبنی تھا ۔

سوال ۱۱ : غیر مقلدین اس حدیث کے متعلق جواب نمبر ۹ یہ دیتے ہیں کہ پھر یہ قول حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے ۔ بایں طور کہ " ردالمحتار : ج ۲ : ص ۷۲۵ " میں ہے کہ ۔ جب امام کے حکم سے گاؤں میں مسجد بنائی جائے تو تمام فقہاء کے نزدیک وہاں جمعہ درست ہے ۔ اب یہ دلیل بے کار ہوئی اور شہر کی شرط نہ رہی اھ اس کا محقق جواب عنایت فرمائیں ۔

الجواب جزئیہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ امام اگر کسی بستی کو مصر قرار دے دے تو یہ بستی حکماً مصر بن جائے گی اور اس میں ادائیگی جمعہ درست ہوگی ۔ تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ مصر کی شرط باطل ہے ۔ عجیب فہم ہے خدا ہدایت فرمائے ۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اختلافی مسائل میں حاکم کا فیصلہ قطع اختلاف کا موجب ہے ۔ تو حاکم نے جب بستی میں جمعہ پڑھنے کا حکم کیا تو یہ واجب العمل ہوگا ۔ کما فی الشامیۃ : ج ۲ : ص ۷۲۸ ۔

سوال ۱۲ : غیر مقلدین جواب نمبر ۱۰ یہ دیتے ہیں کہ عینی شرح بخاری : ص ۴۱۶ ۔ میں ہے کہ اگر خلیفہ اسلام کسی گاؤں میں اپنا نائب بھیج دے کہ وہ حدود و قصاص جاری کرے تو وہ گاؤں شہر ہوجائے گا ۔ جس میں جمعہ جائز ہوگا ۔ جب نائب کو معزول کردے گا تو وہ گاؤں بن جائے گا ۔ پس دراصل امام اور اس کے نائب ہونے کے سبب سے جمعہ ہوتا ہے شہر کی شرط لغو ہے ۔ اھ ان کے اس جواب کا جواب الجواب بالتحقیق اور مسکت عنایت فرمائیں ۔

الجواب بشرط صحت نقل جزئیہ ہذا کا بھی وہی جواب ہے جو اس سے پہلے میں مذکور ہوچکا ہے کہ خلیفہ کا کسی گاؤں میں حدود و قصاص کے اجراء کے لئے اپنے نائب کو بھیجنا حکماً اسے مصر قرار دے دینا ہے ۔ پس اس گاؤں میں جمعہ بلاشبہ جائز ہوگا ۔ کیوں کہ صحت جمعہ کی شرط (یعنی محل اقامت جمعہ کا مصر ہونا) یہاں متحقق ہے اگرچہ حکماً ہے ۔

سوال ۱۳ : غیر مقلدین حدیث مذکور کے متعلق جواب نمبر ۱۱ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں مصر جامع کی شرط ہے ۔ مصر جامع کی تعریف مشتبہ ہے اس میں اس قدر اختلاف ہے کہ شاید ہی کسی مسئلہ میں ہوگا ۔ قریب تیس اقوال کے درج ہیں جو سب متضاد ہیں ۔ بعض تعریف ایسی ہیں کہ ان کی رو سے کلکتہ ، بمبئی ، دیوبند ، سہارنپور ، کراچی ، لاہور ، حیدرآباد ، ملتان وغیرہ بھی

جمعہ جائز نہیں رہے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ مصر وہ ہے جہاں امام اور والیٔ ملک ہو جو احکام شرعیہ نافذ کرے۔ اور حدود قائم کرے۔ کیا خوب شرط ہے۔ گویا اس دن جامع مسجد میں مجرم گو جمع ہوں گے جن پر مقدمات چلائے جائیں گے اور خطبہ میں فیصلے سنائے جائیں گے۔ بہر حال یہ شرط مفقود ہے۔ تو ہدایہ والے کے نزدیک جمعہ ہند و پاک میں ناجائز ہے۔ اور کم درجہ کی یہ تعریف ہے کہ جہاں تیس گھر آباد ہوں۔ دیکھو ہدایہ مع الکفایہ، فتح القدیر، عمدۃ الرعایہ، کبیری شرح منیۃ المصلی، ان میں سب تعریفیں درج ہیں۔ اس آخری تعریف کی رو سے ہر بستی میں جمعہ جائز ہو جائے گا کیونکہ اکثر دیہات کی آبادی تیس گھر یا اس سے زائد ہے۔ "الا قلیل والقلیل کالمعدوم" اس تعریف کو حنفی تو حقیر تصور کرتے ہیں۔ اور اس پر تمام ائمہ مذاہب متفق ہو سکتے ہیں ورنہ اختلاف رفع نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس فرض الٰہی پر لوگ لڑتے جھگڑتے رہیں گے جن کا فیصلہ کوئی نہ کر سکے گا تو پھر یہ پیشین گوئی بھی سچی ہو جائے گی جو حدیث میں ہے کہ تظهر الفتن حتى يختلف اثنان فی فريضة لا يجد ان احدا يفصل بينهما ۔ تو یہ اختلاف ایسا ہے کہ جمعہ فرض عین بالاجماع ہے مگر یہ کہاں ادا کیا جائے گا، اس کا فیصلہ کرنے والا کوئی ثالث نہیں خواہ عرب ہو یا عجم، منصف نایاب۔ کیونکہ اختلاف ہر ملک میں قائم ہے۔ اگر شارع کا مقصد شہر میں جمعہ کا حصر کرنا ہوتا تو شرعی طور پر اس کی تعریف کی جاتی مگر کسی حدیث یا قول میں اس کی تعریف وارد نہیں۔ لہٰذا یہ شرط بے کار ہے۔ میرے جناب عالی مہربانی فرما کر غیر مقلدین کی اس مذکورہ بالا بحث کا مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب مصر کے معنی لغت اور عرف عام میں شہر کے ہیں۔ اور شہر، گاؤں کا فرق اور ان کے مصداق کا باہمی تفاوت ایک ایسی بدیہی چیز ہے جسے عوام و خواص عالم، جاہل، بچے، بوڑھے سب جانتے ہیں۔ چنانچہ سفیان ثوری رح فرماتے ہیں۔

المصر الجامع مايعده الناس المصر عند ذكر الامصار المطلقة كبخارا و سمرقند الخ (عمدة الرعايه ج ۱- ص ۲۴۰ شرح وقایہ)۔

تو ایسی بدیہی چیز کے بارے میں معترض مذکور کا یہ کہنا کہ اس کی تعیین اور اس کا فیصلہ کرنے والا نہ عرب میں مل سکتا ہے نہ عجم میں محض بیہودہ اور لغو ہے۔ رہ گیا مصر کی تعریفات

کا تعدد اور اختلافات۔ سو ہمیں یہ کچھ مضر نہیں۔ اوّلاً اس وجہ سے کہ صاحب مذہب۔ ابوحنیفہ رح سے صرف ایک ہی تعریف منقول ہے اگرچہ بعض الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ وہ تعریف یہ ہے۔

انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح الخ نقله الشامی عن التحفة ج ۱ ص ۷۴۸

یہی ظاہر مذہب ہے۔

وبه اخذ ابو يوسف واختاره الكرخی والقدوری وعليه اكثر الفقهاء الخ هكذا فی الطحطاوی ص ۲۷۹ :

صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی تعریف کو مختصراً نقل کیا ہے۔ باقی تعریفات مصر اقوال مشائخ ہیں۔ اگر تعریف مذکور کی طرف راجع نہ ہوسکیں تو بمقابلہ قول صاحب مذہب مرجوح قرار پائیں گی پس تعدد و اختلاف مضر نہیں۔

ثانیاً۔ اس وجہ سے کہ اکثر تعریفات کے اختلاف کی حیثیت محض عنوان اور تعبیر کے اختلاف کی سی ہے۔ درجہ معنون میں کوئی اختلاف نہیں پس تعدد مضر نہیں۔ صاحب ہدایہ کی تعریف پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کا منشا جہالت اور تعصب ہے۔ کیونکہ تنفیذ احکام سے مراد بالفعل تنفیذ نہیں بلکہ قدرت علی التنفیذ ہے۔ کما فی الطحطاوی والشامی وغیر ذالک۔ پس یہ اعتراض ساقط ہے۔ اور جو تعریف ہم نے نقل کی ہے اس میں "یقدر" کی تصریح ہے۔ پس تعریف مصر میں کوئی اشکال نہیں۔ معترض کا اعتراض محض تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔

سوال ۲۰ : غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر ۱۲ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں نماز عید پڑھنے کی بھی نفی ہے۔ حالانکہ وہ شعار اسلام ہے جو دیہات کے مسلمانوں کے لئے بھی قائم ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔ ج ۱ ص ۱۳۳

ومن كان فی البيوت والقرى لقول النبی صلی الله عليه وسلم هذا عيدنا يا اهل الاسلام۔

اور ایک باب یوں منعقد کیا ہے " باب العید لاھل الاسلام " اسی کے ماتحت یہ حدیث مذکور ہے " یا ابابکر ان لکل قوم عیداً و ھذا عیدنا " پھر لکھا ہے " باب اذا فاتت العید " میں کہ انس بن مالک رضی نے اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو حکم دیا کہ زاویہ میں کہ سب گھر والوں کو اور ان کی اولاد کو جمع کریں۔ اس نے جمع کیا تو حضرت انس رضہ نے شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھی اور اسی طرح تکبیریں کہیں۔ حضرت عکرمہ رضہ نے کہا دیہات والے عید کے دن جمع ہوں اور شہر والوں کی طرح نمازِ عید پڑھیں جیسے امام پڑھاتے ہیں حضرت عطاء نے کہا کہ اگر عید فوت ہو جائے تو دو رکعت پڑھ لیں۔ یہ فتوائے حنفیہ کا کہ جو شرط اور حکم جمعہ کا ہے وہی عید کا ہے یہ غلط ہے۔ جمعہ کی قضا نہیں اور وہ بغیر جماعت کے جائز نہیں۔ لیکن عید کی نماز صحراء میں جائز ہے اور اس کی قضا ہے اور وہ اکیلے بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ فتدبر!

جناب عالی! مہربانی فرما کر اس جواب نمبر ۱۲ پر بھی غور فرما کر اس کے ہر ایک فقرہ کا بھی محقق اور مسکت جواب دیں۔

الجواب احناف عید اور جمعہ کے تماثل کلی اور تمام شرائط کے اتحاد کے قائل نہیں۔ مثلاً عید اور جمعہ ہر دو کا وقت الگ الگ ہے۔ خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے۔ نہ کہ عید کے لئے۔ ہاں مصر جامع کا ہونا عید و جمعہ ہر دو کے لئے شرط ہے۔ دلیل اس کی وہی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کی قبل ازیں تحقیق ہو چکی اور مطلوب اس میں مصرح ہے سابقہ جوابات میں یہ بتلایا گیا کہ " حدیث لاجمعۃ " مرفوع حکمی ہے۔ تو اس کے منطوق اور عبارت النص کے مقابلہ میں ھذا عیدنا یا اھل الاسلام یا نیز یا ابابکر ان لکل قوم عیداً الخ سے وجوب عید فی القریٰ کا استنباط اور اجتہاد قابل قبول نہیں۔ کیونکہ یہ اجتہاد نہایت کمزور ہے۔ عید کی اضافت قوم کی طرف آنے سے عید کا وجوب قوم پر مجموعی حیثیت سے تو کسی درجہ میں مفہوم ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر ہر فرد پر وجوب عید یہ اس سے ہرگز نہیں نکلتا۔ نیز حضرت عکرمہ رضہ کے قول کو بھی حدیث صریح مرفوع حکمی کے مقابلہ میں قابل استناد نہیں گردانا جائے گا۔ لظهور ترجیح المرفوع علی الاثر المقطوع اور حضرت عطاء کا فرمانا مانحن فیہ سے خارج ہے۔ کما ھو الظاھر۔ رہا حضرت

انس رضی اللہ عنہ کا زاویہ میں عید پڑھنا۔ سو اوّلاً تو یہ مفید وجوب نہیں۔ ممکن ہے بطور نفل عید کے طریقہ پر ولیسے دو رکعت ادا کی ہوں۔ جیساکہ بعض سلف فائت العید یا عاجز کے لئے دو رکعت یا چار رکعت کے استحباب کے قائل ہیں۔ جیساکہ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو ابھی ابھی گزرا ہے۔

ثانیاً: یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فعل موافق قیاس اور مدرک بالرائی شے تو یہ موقوف ہے۔ اور حدیث علی رضی اللہ عنہ مدرک بالرائی نہیں وہ حکماً مرفوع ہے۔ پس بوقت تعارض ترجیح مرفوع حکمی ہی کو ہوگی۔ پس اس پوری تفصیل سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ عید کے لئے بھی مصر جامع کا ہونا ضروری ہے۔

سوال ۱۵: غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر ۱۳ یہ دیتے ہیں کہ اس قول " لاجمعۃ" میں جیسے جمعہ کی نفی ہے ایسے ہی قربانی کی بھی نفی ہے حالانکہ قربانی سب دیہاتی حنفی کرتے ہیں۔ قربانی کی نفی دو طرح سے ہے ایک یہ کہ تشریق کا معنی دھوپ میں گوشت سکھانا۔ چونکہ مسلمان چند دنوں میں قربانی کے جانوروں کا گوشت دھوپ میں خشک کرتے ہیں۔ اس لئے عید کو بھی تشریق کہتے ہیں اور قربانی کو بھی تشریق کہتے ہیں۔ اور تشریق میں دونوں کی نفی ہے۔ اگر تشریق سے مراد نماز عید ہے تب بھی قربانی کی نفی ہے۔ کیونکہ قربانی نماز عید کے تابع ہے۔ نماز پڑھے بغیر قربانی کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

ان اوّل ما نبدأ من یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذالك فقد اصاب سنتنا۔ (بخاری)

دوسری حدیث بخاری کتاب العید میں ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ذبح قبل الصلوۃ فلیعد۔

اس سے ظاہر ہے کہ قربانی نماز کے تابع ہے بلکہ نماز عید پڑھے بغیر کھانا بھی نہ کھاتے۔ حدیث میں ہے ولا یأکل یوم النحر حتی یصلی جب نماز ہی نہ پڑھی گئی تو قربانی کاہے کی کرنی ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ سورۂ کوثر میں ہے فصل لربك وانحر پس جو لوگ بغیر عید کی نماز کے قربانی کرتے ہیں ان کی قربانیاں قبول نہیں ہوتیں۔ یہ تیرہ جوابات حنفیہ کی اس بڑی دلیل کے ہیں لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ شخصیت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار

کریں۔ اور جمعہ و عید جیسے شعارِ اسلام کو ضائع کر کے اپنے اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں۔

جناب عالی! حضراتِ غیر مقلدین، جناب حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول لاجمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة کے یہ تیرہ جوابات گویا تیرہ سوالات کر کے اکڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاس چونکہ اتنی کتابیں نہ تھیں کہ ان سے ان کے جوابات دیکھ کر لکھ دیتے۔ اس لئے آپ کی طرف روانہ کرتے ہیں۔ آپ ہر فقرہ کو ریزہ، ریزہ کر کے صحیح جواب تحریر فرمائیں نہایت مہربانی ہوگی۔

الجواب حدیث " لاجمعة الخ " میں نفی تشریق سے مراد تکبیر تشریق کی نفی ہے نہ کہ قربانی یا نمازِ عید کی نفی۔ کیونکہ عید الاضحیٰ کی نفی بعد میں مصرح ہے (ولا اضحیٰ) پس اس حدیث سے نفی قربانی کا الزام محض جہالت اور تعصب ہے۔ حدیث " ان اوّل ما نبدأ من یومنا هذا " الخ اور حدیث " من ذبح قبل الصلوٰة " الخ وغیرہ احادیث سے یہ استدلال کرنا جن پر نمازِ عید واجب ہے ان کے ذمہ قربانی بھی واجب ہے بالکل بے محل اور غلط ہے احادیث کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں پر عید و قربانی ہر دو واجب ہیں ان پر لازم ہے کہ ان کو مرتباً ادا کریں یعنی پہلے نمازِ عید بعد میں قربانی کریں۔ اس ترتیب کے خلاف کرنے پر ان لوگوں کی قربانی ادا نہ ہوگی۔ پس معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور کی تائید میں احادیثِ بالا سے تشبث کرنا بھی درست نہیں پس متعصب معترض کا حنفیہ پہ الزام مذکور دینا مردود ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ خواہش پرستی سے نکال کر، تقلیدِ شریعت کی توفیق بخشیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	الاجوبة صحیحة
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	عبد اللہ عفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس
۱۷ / ۴ / ۱۳۸۰ھ	ملتان ۱۸ / ۴ / ۱۳۸۰ھ

حجة الوداع میں عرفات میں جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مندرجہ ذیل سوالات میں۔

۱، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجة الوداع ادا فرمایا وہ کون سا دن تھا۔ جمعہ کا دن تھا

یا کوئی دوسرا دن ؟ اگر جمعہ کا دن تھا تو پھر آپ نے اس دن جمعہ کی نماز پڑھی تھی یا ظہر کی نماز باجماعت ادا فرمائی تھی ؟

الجواب یہ دن جمعہ کا تھا لیکن جمعہ نہیں پڑھا گیا بلکہ نمازِ ظہر ادا کی گئی تھی۔ امرِ اوّل کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری شریف (ج ۱، ص ۱۱) میں مذکور ہے۔ اور امرِ دوم کی دلیل مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔ (ج ۱ : ص ۲۲۵)۔

سوال ۷۲ : اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والے موقعہ میں جمعہ کے دن جمعہ نہ پڑھا تھا اور فرض ظہر باجماعت پڑھی تھی تو اس کا کیا باعث تھا اور کس وجہ سے آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جمعہ چھوڑ کر ظہر کے فرض پڑھے مہربانی فرما کر جواب مدلل لکھیں۔ یعنی یا تو آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی وجہ سے جمعہ چھوڑا تھا یا اس وجہ سے اس کو چھوڑا تھا کہ عرفات محل اقامتِ جمعہ کے لئے نہ تھا۔ نیز حجۃ الوداع والے واقعہ میں حُجاج کی کتنی مردم شماری تھی۔ بینوا توجروا۔

الجواب حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ عرفات محلِ اقامتِ جمعہ نہیں، اسی لئے جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ ترکِ جمعہ کا سبب مسافر ہونا نہ تھا۔ کیونکہ حجاج میں سے بہت سے مکی بھی ہوں گے تو ان پر جمعہ کا وجوب یقینی ہوگا۔ لیکن کسی سے بھی پڑھنا ثابت نہیں نہ مسافرین سے اور نہ مقیمین سے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔ نیز اہل ظاہر تو مسافر پر بھی وجوب جمعہ کے قائل ہیں۔ (کبیری) تو ان کے نزدیک ترکِ جمعہ لوجہ سفر کا قول کرنا بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ یہی تھی کہ عرفات محلِ اقامتِ جمعہ نہیں۔ نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے۔ حُجاج کی تعداد چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک مروی ہے روایات مختلف ہیں۔

سوال ۷۳ : بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حجۃ الوداع میں جمعہ چھوڑا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسافر تھے نہ اس وجہ سے کہ عرفات محلِ اقامتِ جمعہ نہ تھا۔ یہ وجہ ہرگز نہ تھی۔ بلکہ وہ محل اقامتِ جمعہ تھا۔ اب مطلوب امر یہ ہے کہ ان علماء کا مذکورہ بالا کہنا بالکل صحیح ہے یا وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں ؟ -

الجواب اس کا جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گزر چکا ہے۔

سوال ۴ : اوپر والے بعض علماء نے بعض جو اعتراض کرتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمعہ مسافر آدمی پر فرض نہیں ہے لیکن اگر مسافر آدمی جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسا بھی ہے کہ مسافر اگر جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جمعہ پڑھنے میں ثواب بھی بہت ملتا ہے۔ اور یہ بھی سب کے ہاں مسلّم ہے کہ جیسے سفر کی وجہ سے ظہر کو دو رکعت کر کے پڑھنا واجب ہے تو جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو صرف سفر کی وجہ سے چھوڑا جب کہ سفر میں بھی جمعہ پڑھنے سے ادا ہو جاتا ہے) تو پھر حضور کریمؐ نے سفر کی وجہ سے جمعہ کو کیوں چھوڑا۔ وجہ بیان کیجئے اور اس سے صاف صاف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم صنے اس دن جمعہ کو سفر کی وجہ سے ہرگز نہ چھوڑا تھا۔ بلکہ اس کے چھوڑنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ اوّل بعض علماء احناف کا یہ اعتراض غیر مقلدین پر کرنا صحیح ہے یا نہ ؟

الجواب حنفیہ کے نزدیک ترکِ جمعہ کی وجہ یہ ہے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔

سوال ۵ : اگر کسی مسئلہ میں اہلِ سیر اور بخاری شریف کا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں عمل کس پر کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی آدمی بخاری شریف پر عمل نہیں کرتا اور بخاری شریف کی روایت کو مطلقاً چھوڑ کر اہلِ سیر کی روایت پر عمل کرتا ہے تو کیا اس کے لئے جائز ہے ؟ اور بخاری شریف کی روایت چھوڑنے پر گنہگار ہوگا یا نہ ؟

الجواب جب تک روایاتِ مسئولہ اور ان کے اختلاف کی نوعیت سامنے نہ آجائے حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عام حالات میں قابلِ اعتماد بخاری کی روایات ہوں گی۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے بارے میں کہ آپ نے کتنے دن قباء میں قیام فرمایا ؟ بخاری شریف اور سیر کی بعض روایات کا اختلاف ہے۔ بخاری شریف کی روایت سے مدتِ قیام کا دس دن سے زیادہ ہونا ثابت ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت سے تین روز قیام فرمانا ظاہر ہوتا ہے تو اس میں یقیناً بخاری کی روایت زیادہ صحیح متصور ہوگی۔ اور سیر کی روایت ناقابلِ اعتبار ہے۔

سوال ۶ : جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے ۔ تو آپ کو مدینہ عالیہ پہنچنے تک کتنے جمعہ پیش آئے اور آپ وہ جمعہ پڑھتے گئے یا جمعہ کو چھوڑ کر ظہر پڑھتے گئے ۔ اگر راستہ میں جمعہ قائم کیا ہے تو وہ کون کون سی جگہ ہیں جہاں جمعہ قائم کیا اور وہ محل اقامت تھے یا نہ ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب : سفر ہجرت میں کسی مقام پر جمعہ پڑھنا ثابت نہیں ۔ بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم ایک جمعہ راستہ میں ضرور آیا ہوگا ۔

سفر ہجرت میں مدینہ منورہ کے محلہ بنو سالم میں جمعہ پڑھنے کی تحقیق

۷ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت بنی سالم قریہ مستقل تھا یا وہ محلہ مدینہ عالیہ کا تھا یا میدان جنگل تھا ۔ اگر قریہ مستقل تھا تو وہ قریہ صغیرہ تھا یا کبیرہ ، اور اس وقت اس کی مردم شماری کتنی تھی ؟

الجواب : بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا ۔ کذا فی اعلاء السنن ناقلاً من خلاصۃ الفتاوی

سوال ۸ : بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ بنی سالم قریہ صغیرہ تھا ۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ پڑھا تھا ۔ اس سے معلوم ہوا جمعہ چھوٹے قریوں میں بھی صحیح ہو جاتا ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جو کہ قریہ صغیرہ تھا جمعہ کیوں پڑھا ۔ جب آپ نے قریہ صغیرہ میں جمعہ قائم کیا تو یہ قوی دلیل ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ ادا ہو جاتا ہے اب عرض یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین کا دعویٰ بالکل صحیح ہے یا وہ اس دعوے میں جھوٹے ہیں ؟

الجواب : بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا لہٰذا اس میں ادائیگی جمعہ سے غیر مقلدین کا استدلال کرنا درست نہیں غلط ہے ۔

سوال ۹ : اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ قائم کیا ہے ۔ پھر میری عرض یہ ہے کہ آپ نے وہ جمعہ مبارک جمعہ کی فرضیت ہونے سے قبل پڑھا تھا یا جمعہ فرض ہو چکا تھا ۔ اگر جمعہ کی فرضیت آجانے کے بعد پڑھا تھا تو پھر یہ عرض ہے کہ وہ مدینہ عالیہ پہنچ کر اور بنی سالم آکر جمعہ پڑھا تھا یا مدینہ پہنچنے سے پہلے پڑھا تھا اگر مدینہ پہنچ کر بعدہ

بنی سالم میں جمعہ پڑھا۔ تو پھر عرض یہ ہے کہ آپ نے جو مدینہ عالیہ کو چھوڑ کر بنی سالم میں جمعہ قائم کیا تو اس کی کیا وجہ تھی اور کس وجہ سے بنی سالم میں آئے تھے ؟

الجواب جب بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا تو جب بھی وہاں پر جمعہ ادا کیا گیا ہو مخالفین کے لئے مفید نہیں۔ جمعہ کی فرضیت بنا بر قول محقق ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی۔ لہٰذا یہ جمعہ فرضیت کے بعد پڑھا گیا ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : عبداللہ عفر اللہ لہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان ١٣/١١/٩٧ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
معین مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار

جمعہ یا عیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے یا واجب ؟ اور کتنی دیر بیٹھا جاتے ؟ المستفتی محمد حسین ، منڈی وار برٹن ، شیخوپورہ

الجواب دونوں خطبوں کے درمیان ایک دفعہ اس طرح اطمینان سے بیٹھنا کہ ہر عضو اپنی جگہ پر آجائے سنت ہے۔ " عالمگیری " میں سنن خطبہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والخامس عشر الجلوس بين الخطبتين هكذا في البحر الرائق ومقدار الجلوس بينهما مقدار ثلاث آيات في ظاهر الرواية هكذا في السراج الوهاج ناقلا عن الفتاوى قال شمس الائمة السرخسي في تقدير الجلسة بين الخطبتين انه اذا تمكن في موضع جلوسه واستقر كل عضو منه في موضعه قام من غير لبث و مكث كذا في التتارخانية والمختار ما قاله شمس الائمة السرخسي كذا في الغياثية - اھ (ج ١ - ص ١٤٧) فقط واللہ اعلم -

محمد انور عفا اللہ عنہ ٢٦/٩/١٤٠٥ھ

عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک ہی غسل کافی ہے

مشہور ہے کہ عید کی نماز کے لئے نہانا سنت ہے اور ایسے ہی جمعہ کے لئے نہانا بھی سنت ہے۔ اگر دونوں ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو ہر ایک نماز کے لئے الگ غسل کیا جائے یا ایک ہی غسل کافی ہے؟

الجواب ایک ہی غسل کافی ہے ہر دو کے لئے الگ الگ غسل کا تکلف نہ کریں۔
ویکفی غسل واحد لعید وجمعة اجتمعا - اھ
(درمختار علی الشامیة - ج ۱ - ص ۱۵۷) - فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

غسل جمعہ یومِ جمعہ کیلئے ہے یا نمازِ جمعہ کیلئے

غسل جمعہ کے بارے میں احادیث مختلف ہیں۔ کیا جمعہ کے دن غسل کرنا یہ صلوٰۃ جمعہ کے لئے سنت ہے۔ یا مطلقاً یوم جمعہ کے لئے سنت ہے۔ ائمہ کا کیا اختلاف ہے۔

الجواب صحیح یہ ہے کہ یہ غسل جمعہ کے لئے ہے۔
قال فی السعایة وھو الصحیح عند الجمھور وھو قول ابی یوسف کما فی الھدایة وغیرھا انه للصلوٰة لا للیوم اھ
قال الزرقانی قول جماعة ان الغسل لیوم الجمعة ومذھب مالك والشافعی وابی حنیفة وغیرھم انه للجمعة لا للیوم انتھی -
علامہ شامی رحمہ نے نقل کیا ہے کہ اگر غسل کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی تو یقیناً سنت حاصل ہو گئی۔ اور اگر وضوء ٹوٹ گیا جدید وضوء کر کے نماز ادا کی تو بھی یہ غسل کافی سمجھا جائے گا۔
فالاولٰی عندی الاجزاء وان تخلل الحدث - (ج ۱ ص ۱۵۶)-
فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

جمعہ کے دوسرے خطبہ میں اُردو یا پنجابی میں مسائل بتلانا

ہماری مسجد کے خطیب جمعہ کے دوسرے خطبہ میں دورانِ خطبہ پنجابی یا اردو میں طہارت و وضو وغیرہ سے متعلق مسئلے بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس سے خطبہ میں کچھ کراہت تو نہیں آتی ہے ؟

الجواب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک کے زمانہ میں یہی تعامل و توارث رہا ہے کہ خطبہ عربی میں کسی دوسری چیز کو خلط نہیں کیا گیا لہذا بوقتِ خطبہ صرف خطبہ ہی پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ اور مسائل پہلے بیان کرلیں۔ البتہ اگر عین خطبہ کے وقت کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو مسئلہ بتلانے میں حرج نہیں۔

و یکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا ان یکون امرا بمعروف اھ۔ (عالمگیری ج ۱۔ ص ۷۶)۔

فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ لہٗ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

امام صاحب نے گھر میں ظہر ادا کی اور مسجد میں آکر جمعہ پڑھایا تو جمعہ صحیح ہوا یا نہیں ؟

ایک امام مسجد شہر یا قصبہ میں جہاں جمعہ فرض ہے۔ جمعہ کے دن ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لیتا ہے اور ظہر پڑھنے کے بعد مسجد میں جاکر لوگوں کو دو رکعت جمعہ پڑھاتا ہے کیا سعی الی الجمعہ سے اس کی ظہر باطل ہوجائے گی جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے یعنی امام بھی اسی ذیل میں آتا ہے یا نہ ؟ یا اس کی ظہر باقی رہے گی اور جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ جونسی صورت ہو تحریر فرمائیں۔

(علامہ) غلام رسول ، مدرس جامعہ رشیدیہ منٹگمری

الجواب باوجود تتبع و تلاش کے اس کے متعلق کوئی خاص جزئیہ تو نہیں ملا۔ لیکن فقہاء کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بھی اسی ذیل میں آجاتا ہے

کیونکہ فقہاء نے اس مسئلہ کو عمومی حیثیت سے بیان فرمایا ہے اور کسی خاص جزی کا استثناء بھی نہیں فرمایا۔ نیز بطلانِ ظہر کی علت بمعنی سعی مع امکان الادراک لکھتے ہیں تو یہ بھی امام میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ مقتدی سے بڑھ کر۔ لہٰذا خیال یہی ہے کہ اس صورت میں امام کی ظہر سعی الی الجمعۃ سے باطل ہو جائے گی۔ اور جمعہ صحیح ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی عفر لہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۷۹/۵/۲۶ھ

• اگر احیاناً ایسا فعل امام سے سرزد ہو تو حرج نہیں۔ اور امید رکھنی چاہئے کہ ظہر باطل ہو گئی اور جمعہ صحیح ہو گیا۔ والجواب صحیح

محمد عبداللہ عفر لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۷۹/۵/۲۹ھ

ضرورت ہو تو جمعہ کی نماز میں بھی "قنوتِ نازلہ" پڑھ سکتے ہیں

" قنوتِ نازلہ " کا پڑھنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صبح کے علاوہ کسی دوسری نماز میں بھی جائز ہے یا نہیں۔ جمعہ کی نماز میں پڑھے یا نہ۔ اور پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا اور آمین بالجہر کہنا کیسا ہے ؟

الجواب " قنوتِ نازلہ " صبح کے علاوہ دوسری جہری نمازوں میں حتی کہ جمعہ میں بھی پڑھنا جائز ہے۔ کما فی الدر المختار ولا یقنت فی غیرہ الا النازلۃ فیقنت الامام فی الجہریۃ وقیل فی الکل (ج ۱ ۔ ص ۴۷۱)۔

البتہ امام کا ہاتھ اٹھانا اور لوگوں سے اٹھوانا اور زور سے آمین کہلوانا ٹھیک نہیں۔ امام جہر سے پڑھے اور مقتدی آہستہ آمین کہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفر لہٗ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان، ۱۳۷۰/۱/۳ھ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ

خطبہ شروع ہو جائے تو سنتیں نہ پڑھی جائیں

مسجد میں اگر ایسے وقت پہنچیں کہ خطبہ شروع ہو تو سنتیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب اس وقت سنتیں پڑھنا درست نہیں خطبہ سنا جائے ۔ درمختار میں ہے ۔

إذا خرج الامام من الحجرة ان كان والا فقيامه للصعود فلا صلوٰة ولا كلام الى تمامها اھ ۔ قوله فلا صلوٰة شمل السنة وتحية المسجد بحر اھ (شامی ج ۱ : ص۷۶۷) ۔

فقط و اللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ، مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲۷ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

مِصر کی مُفتیٰ بہ تعریف

صحتِ جمعہ کی شرط " شہر " کا ہونا ہے ۔ البتہ " شہر " کی تعریف میں اقوال ائمہ دین کے مختلف ہیں جو کہ درج ذیل ہیں ۔

۱ : جہاں پر حد جاری ہو اور بادشاہ اور قاضی موجود ہوں ۔

۲ : کہ وہاں کے نمازی و غیر نمازی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں ۔

ان دونوں میں کون سی تعریف مفتیٰ بہ ہے ؟ پہلی تعریف کے لحاظ سے تو لاہور وغیرہ میں بھی جمعہ درست نہیں ہے ۔ اور دوسری کے لحاظ سے جس چک (گاؤں) کے آدمی ۲۵ گز کی مسجد میں نہ سما سکیں اس جگہ جمعہ درست ہو ۔ اور اسی قول پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے ۔ (شرح وقایہ) ۔ نیز اسی قول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے چک مذکور میں جمعہ قائم کر رکھا ہے ۔ تسلی کے لئے جواب سے نوازیں ۔

الجواب شامی جلد اوّل میں ہے ۔

وظاهر المذهب الخ قال فى شرح المنية والحد الصحيح مااختاره صاحب الهداية انه الذى له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وقال فيه ليس المراد تنفيذ جميع الاحكام ...... بل المراد والله اعلم اقتداره على ذالك وقال فيه عن ابى حنيفة انه بلدة كبيرة

فیها سکك واسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غیره یرجع الناس الیه فیما یقع من الحوادث وهذا هو الاصح اھ الا ان صاحب الهدایة ترك ذکر السکك والرساتیق لان الغالب ان الامیر والقاضی الذی شأنه القدرة علی تنفیذ الاحکام واقامة الحدود لا یکون الا فی بلد کذالك اھ (شامی، ج ۱، ص ۵۳۸)۔

اسی قول کو ظاہر مذہب کہا گیا ہے۔ شارح وقایہ کے قول کی تضعیف کی ہے۔ بڑے قصبات اور شہروں میں امیر وغیرہ حکومت کی طرف سے مقرر ہیں اس لیے جو شہر بیان کئے ہیں اس میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہر جگہ بادشاہ کا ہونا ضروری نہیں۔ آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس میں اکبر مساجد کا ذکر ہے جس میں کثرتِ مساجد کی طرف اشارہ ہے۔ چک (گاؤں) میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ ورنہ ہر گاؤں اور ہر بستی پر یہ تعریف صادق ہے حنفیہ میں سے یہ کسی کا بھی قول نہیں ہے۔

دوسرے شارح وقایہ وغیرہ کا قول مجمل ہے جس کی تفصیل ان سے منقول نہیں۔ صاحب مذہب کے قول کی موجودگی میں دوسرے قول کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہمارے اس زمانہ تک تواتر معنوی سے جس کو انہوں نے تلقی معنوی سے تعبیر کیا ہے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے واسطے ایک قسم کا تمدن ہونا ضروری ہے۔ جس جگہ تمدن نہیں جمعہ نہ ہوگا۔ ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ موجود ہے کہ مدینہ طیبہ سے قبا تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور اس کے مابعد کبھی جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ نہ ان کو مدینہ بلایا گیا۔ لہذا ایسے چکوں (گاؤں) میں حنفیہ کے مذہب کے مطابق جمعہ فرض نہیں بلکہ ادائے ظہر ضروری ہے۔

جن لوگوں نے احتیاط ظہر نہیں پڑھی ان پر قضائے ظہر ضروری ہے۔ اور جو صاحبان احتیاط الظہر پڑھتے رہے ہوں ان کی ظہر ادا ہو گئی۔

فاروق احمد مفتی قاسم العلوم ،فقیروالی : وصدرمدرس : سابق مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ہند
الجواب صحیح : بندہ فضل محمد عفا اللہ عنہ : ۲۴ ؍ ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ

الجواب

بڑے گاؤں اور قصبات جن میں گلی ،کوچے ، بازار ہوں اور ضروریات زندگی عمومی طور پر مل جاتی ہوں اور عرف میں انہیں قصبہ کا لقب دیا جاتا ہو۔تو وہاں جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں ۔ ھٰذا ہو المفتی بہ ۔ اور شہر کی تعریف جن حضرات نے یہ کی ہے کہ اس کی بڑی مسجد میں لوگوں کی سمائی نہ ہو تعریف جامع مانع نہیں اور رجوع اس تعریف کا بھی اسی طرف ہے ۔ والجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ ۱۹/۱۲/۷۰ ۱۳ھ

فوجی معمول کی مشقوں کیلئے ویران جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو وہاں جمعہ نہ پڑھیں !

فوج کی چند یونٹیں ہرسال مشق کے لئے اپنی چھاؤنی سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر جاتی ہیں ان کی تعداد تقریباً پانچسو یا اس سے زائد ہوتی ہے ۔مشق کے لئے علاقے بالکل ویران اختیار کئے جاتے ہیں ۔مشق کے دوران ایک جگہ خیمہ لگایا جاتا ہے جسے ہیڈ کوارٹر کہا جاتا ہے ۔ جہاں پہ یونٹ کا کمانڈر اور دوسرے افسران رہتے ہیں جب کہ باقی خیمے پانچ پانچ دس دس میل کے فاصلے پر لگائے جاتے ہیں اور سپاہیوں کو مشق کے لئے کچھ مزید فاصلہ بھی طے کرنا پڑتا ہے اور مشق کے لئے کچھ علاقہ منتخب کیا جاتا ہے جس کی لمبائی چوڑائی پندرہ میل یا اس سے کچھ زائد ہوتی ہے اور خیمے ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتے رہتے ہیں ، اور مشق کے لئے مدت پندرہ دن سے زائد ایک یا دو ماہ ہوتی ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز جمعہ واجب ہے یا نہیں ۔ جب کہ ضروریاتِ زندگی فوجی نقطہ نگاہ سے مل جاتی ہیں اور افسران اور عدالت بھی ہوتی ہے ۔مصلحت کی بناء پہ اذن عام نہیں ہوتا ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں کہ جمعہ کے اس دوران کیا احکام ہوں گے ؟

الجواب مذکورہ صورت میں جمعہ کی بجائے ظہر با جماعت ادا کی جائے ۔کیوں کہ جمعہ کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا ضروری ہے ۔ عارضی رہائش کی جگہ شہر

یا بستی کے حکم میں نہیں۔

ویشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر الخ اوفناءه بکسر الفاء وهو ماحوله اتصل به اولا لاجل مصالحه کدفن الموتی ورکض الخیل۔ (درمختار علی الشامیۃ ج۱ ص۵۹۹)

قال شمس الائمة الحلوانی عسکر المسلمین اذا قصدوا موضعا ومعهم اخبیتهم وخیامهم وفساطیطهم فنزلوا مفازة فی الطریق ونصبوا الاخبیة والفساطیط وعزموا فیها علی اقامة خمسة عشر یوما لم یصیروا مقیمین لانها حمولة ولیست بمساکن کذا فی المحیط۔

(عالمگیریہ ج۱ ص۴۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳؍ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ

خطبہ مسنون کی مقدار

ایک شخص امام مسجد ہے جمعہ پڑھاتا ہے اور خطبہ یہ پڑھتا ہے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ خطبہ یہ ہے۔

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی خصوصا علی افضل الرسل وخاتم الانبیاء۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم وما ارسلناک الا رحمة للعالمین انه جواد کریم ملک برّ رحیم۔ دوسرا خطبہ نحمده ونستعینه ونستغفره ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یهده اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا اللہ وحده لا شریک له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ امابعد ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی

یعظکم لعلکم تذکرون اذکروا اللہ یذکرکم ولذکر اللہ تعالیٰ اعلیٰ واولیٰ و اتم و اکبر "

کیا اس خطبہ سے نماز جمعہ ہو جاتی ہے ؟ حالانکہ نماز جمعہ دو رکعت نماز اور خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے ۔

الجواب خطبہ جمعہ میں مقدار مسنون طوال المفصل سورت کی مقدار ہے ۔ مراقی میں ہے ویسن تخفیف الخطبتین بقدر سورۃ من طوال المفصل کذا فی معراج الدرایۃ ولکن یراعی الحال بما هو دون ذالک فانہ اذا جاء بذکر وان قل یکون خطبۃ (ص۲۸۱) ۔

تشہد کی مقدار خطبہ پڑھنے سے خطبہ کی ادائیگی بلا کسی کراہت کے ہو جائے گی ۔

" واقلہ قدر التشہد الی قولہ عبدہ ورسولہ ۔" (مراقی ص ۲۸۰)

مذکورہ خطبہ پڑھنے سے بھی نماز جمعہ کی ادائیگی ہو گئی ہے ۔ آئندہ مقدار مسنون کی رعایت رکھی جائے ۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۳/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔

خطبہ جمعہ سننا واجب ہے

کیا جمعۃ المبارک ، عیدین اور نکاح کا خطبہ پڑھنا واجب ہے یا سنت یا فرض ۔ نیز ان خطبوں کو سننا کیسا ہے ؟

الجواب جمعہ کا خطبہ ادائے جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے ۔ عیدین اور نکاح میں خطبہ پڑھنا سنت ہے مگر سننا ان سب کا واجب ہے ۔ درمختار میں عیدین کے باب میں ہے

" سوی الخطبۃ فانها سنۃ بعدها اھ وفی الشامیۃ قولہ فانها سنۃ بعدها بیان للفرق وهو انها فیهما سنۃ لا شرط وانها بعدها لا قبلها بخلاف الجمعۃ اھ (ج ۱ ص۷۷۷) ۔

وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وعيد اھ

(درمختار علی الشامیة : ج ۱، ص ۷۶۹) - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۷/۱۴۰۱ھ

شہر سے ڈیڑھ میل دور رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں

ہماری جماعت کے مکمل ساتھی گیارہ ہیں۔ ایک امیر صاحب اور دس مامور ہیں۔ بستی سے شہر جہاں جمعہ ہوتا ہے ۱½ میل ہے لیکن امیر صاحب نے اجازت نہیں فرمائی۔ ایسی صورت میں کیا کریں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں آپ حضرات مذکورہ بستی کے رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

" ومن كان مقيما بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعى نحو القلع ببخارا لا جمعة على اهل ذالك الموضع وان كان النداء يبلغهم - (هنديه ، ج ۱، ص ۴۷) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۴/۱۴۰۸ھ

جمعہ کے دونوں خطبے برابر ہونے چاہئیں

سوال - جمعۃ المبارک کے دونوں خطبے برابر ہوں یا کوئی چھوٹا بڑا ہو سکتا ہے ؟

الجواب مراقی میں ہے۔ ويسن تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل - (ص ۲۸۱) - اس عبارت سے بظاہر دونوں خطبوں کی برابری مفہوم ہوتی ہے کمی بیشی بھی جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۴/۱۲/۱۴۰۶ھ

جو شخص جمعہ کے التحیات میں شریک ہو وہ بھی جمعہ پڑھے

سوال : جو شخص نمازِ جمعہ میں " التحیات " میں شامل ہو جائے تو امام کے سلام کے بعد وہ شخص پھر دو رکعت ادا کرے یا چار ؟

الجواب تشہد میں شامل ہونے والا جمعہ کی دو رکعت ادا کرے۔

" ومن ادرکھا ای الجمعۃ فی التشہد او فی سجود السہو او تشہدہ اتم جمعۃ ۔ (مراقی : ص ۲۸۲)۔

فقط واللہ اعلم :

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی : ۱۴ / ۶ / ۱۴۰۶ھ

خطبۂ جمعہ میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر

سوال : خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا ذکرِ خیر کس سنہ اور تاریخ میں شامل ہوا ہے ۔

الجواب حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا خطبہ میں تذکرہ مستحسن ہے ۔ " مراقی " میں ہے و ذکر الخلفاء الراشدین والعمین مستحسن بذالک جرى التوارث ۔ (مراقی ، ص ۲۸۱)۔ ضروری ہی تصور کیا جائے ۔ حضرات خلفاءِ راشدین اور حضراتِ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے تذکرے کی ابتداء حضرت عمر بن عبد العزیز رح (المتوفیٰ احدی ومائۃ ، الاکمال : ص ۶۱۰) نے کی تھی۔ علامہ ابن الحاج تذکرہ خلفاءِ فی الخطبہ کے متعلق فرماتے ہیں ۔

بدأ عمر بن عبد العزیز لامرکان وقع قبلہ وقال مالک فی حقہ ھو امام الہدیٰ وانا اقتدی بہ ۔ (کتاب المدخل ، ج ۲ ص ۴۵)۔

فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ / ۶ / ۱۴۰۶ھ

قائلین جمعہ فی القریٰ کے دو مغالطوں کا جواب

کیا فرماتے ہیں آپ کہ "قائلین جمعہ فی القریٰ" کے اعتراض ہذا کے جواب میں کہ صحت جمعہ کے لئے چند شرائط ہیں۔ جو کہ فقہائے کرام رح نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو وہاں جمعہ ادا کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ اور ان میں سے اگر ایک یا دو شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں تو بھی بلا چوں و چرا جائز ہے۔ کیوں کہ ایک یا دو شرائط کے فقدان سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اس کی امثلہ بہت مل سکتی ہیں۔ مثلاً قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنا شرط ہے۔ اگر کسی نے تحری کرکے نماز ادا کرلی تو نماز ہو جائے گی۔ حالانکہ فقدانِ شرط ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ نماز ادا کرے قضاء نہ کرے اور اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذ حدود شرط ہے۔ اور دورِ حاضرہ میں کہیں ایسا نظر نہیں آرہا ہے کہ حدود شرعیہ جاری ہوں۔ باوجود اس کے عدم قائلین جمعہ فی القریٰ بھی فتوے دیتے ہیں کہ مصر میں جمعہ پڑھو اور اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کے فقدان سے فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے اذ فات الشرط فات المشروط کا قانون عام نہیں ہے۔

۲: بیہقی شریف میں ایک حدیث آئی ہے الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم الخ مرفوع ہے۔ اور لا جمعۃ ولا تشریق الخ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حدیثِ مرفوع اور قولِ صحابی کا اگر تعارض ہو تو حدیثِ مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

قول الصحابی حجۃ فیجب تقلیدہ عندنا اذا لم ینفہ شیٔ من السنۃ الخ

الجواب: افسوس اس بات پر ہے کہ ہر صاحب مدعی اجتہاد ہو کر اپنے قیاس کے ساتھ محکم احکامِ شریعت کو رد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ جمعہ کے شرائط دو قسم ہیں۔ بعض شرائطِ وجوب ہیں اور بعض شرائطِ صحت۔ شرائطِ وجوب فوت ہو جائیں تو جمعہ واجب نہ ہوگا۔ مگر ادا کرنے سے جمعہ ادا ہو کر اس کا ذمہ فارغ ہو جائے

گا۔ مثلاً اعمیٰ، اعرج، مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔ لیکن اگر یہ حضرات جمعہ ادا کرلیں تو جائز ہو جائے گا۔ دوسرے شرائطِ صحت ہیں۔ ان کے فوت ہونے پر یہ حکم ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ اسی طرح یہ حکم " فات الشرط " عام ہے۔ پہلی قسم میں بھی کہہ سکتے ہیں اذا فات شرط الوجوب فات الوجوب دون الصحۃ بہر حال مصر ہونا شرائطِ صحت میں سے ہے۔ اگر مصریت نہ ہوگی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ اور جو آپ نے فرمایا کہ جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذِ حدود بھی شرط ہے۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ تنفیذ حدود بالفعل ہونا ضروری ہے۔ فقہاء نے تو یہ لکھا ہے کہ

المصر عند ابی حنیفۃ کل موضع لہ مفتٍ و امیر و قاضٍ ینفذ الاحکام ویقیم الحدود ۔ یہ مصر کی تعریف ہے (نور الایضاح)

وفی الشروح المراد بہ القدرۃ علی ذالک کما صرح بہ فی التحفۃ ۔

" اقامۃ الحدود " سے مراد اقامۃ بالقوۃ ہے نہ بالفعل۔ پس مصر کو قیاس کرنا اقامتِ حدود پر صحیح نہیں ۔

۲ : یہ روایت الجمعۃ حق علی کل مسلم الخ مخالف روایت لاجمعۃ ولا تشریق والی کے نہیں ہے کہ ہم اس کو مرفوع اور اس کو موقوف سمجھ کر ترجیح دیں۔ اوّل آپ دونوں حدیثوں میں تعارض ثابت کریں تب ترجیح کا سوال پیدا ہوگا۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ الجمعۃ حق علی کل مسلم میں مسلمانوں پر جمعہ کا فرض ہونا بتلایا گیا ہے۔ حدیث لاجمعۃ ولا تشریق میں ایک شرطِ صحتِ جمعہ بیان کی گئی ہے۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بلکہ ایک حدیث کا مفہوم جدا ہے۔ کیا الجمعۃ حق علی کل مسلم سے کوئی یہ نکال سکتا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت بھی ضروری نہیں۔ کیونکہ " علی کل مسلم " میں کہیں جماعت اور خطبہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ تو کیا اس حدیث کی بناء پر کوئی صاحب یہ کہنے لگیں کہ ہر مسلمان سفر و حضر میں تنہا جمعہ قائم کرسکتا ہے۔ خطبہ و جماعت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تو کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہوگا ؟

تعجب یہ ہے کہ آپ نے دونوں روایتوں میں تعارض بھی قائم کرلیا اور پھر اپنی رائے سے ترجیح بھی دے دی۔ حالانکہ یہاں تعارض کا سوال ہی نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۲۴/۱/۱۳۷ھ

جواب صحیح ہے :۔

استفتاء میں جواز جمعہ فی القری کی تائید میں چند امثلہ ذکر کرنا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ دیکھئے نماز میں علم قبلہ کی صورت میں توجہ الی القبلہ شرط ہے اور عدم قبلہ کی صورت میں اس کے نائب یعنی جہت تحری پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جوازِ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔ اور اس کے نقدان کی صورت میں ظہر کی طرف رجوع فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو فہم سلیم عطاء فرمائے اور وہ موقوف ہے فناء دعویٰ پر۔ فقط

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۴/۱/۱۳۷ھ

دیہات کے ایسے بازاروں میں جہاں مستقل سکونتی آبادی نہ ہو وہاں جمعہ جائز نہیں

بعض دیہاتی علاقوں میں باقاعدہ بازار ہیں مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں۔ چند دیہاتوں کے درمیان بازار ہے۔ دن کو کھلا رہتا ہے اور رات کو سب لوگ دیہات میں چلے جاتے ہیں اس مقام پر جمعہ صحیح ہے یا نہیں ؟ اگر بازار والی جگہ میں لوگوں کی سکونت ضروری ہو تو کتنے ، افراد کی ؟

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہٗ دارالافتاء والارشاد

ناظم آباد ــــ کراچی

الجواب صورتِ مسئولہ میں اس مقام پر جمعہ صحیح نہیں۔ البتہ اگر یہاں پر بازار کے علاوہ اتنے لوگ مستقل طور پر رہائش پذیر ہوں جن کی آبادی و مکانات کو عرفاً بستی و قریہ کہا جاسکے۔ اور ان کی تعداد اتنی ہو کہ جتنی اہل منیٰ کی تھی تو جمعہ جائز ہوگا۔ مصر کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ وبلغت ابنیتہ قدر ابنیۃ منی اھ معلوم ہوا کہ دیگر شرائط کے باوجود اتنی آبادی کا ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے حضرات شیخینؒ منیٰ میں ایام حج کے اندر جمعہ کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح اس مقام میں بھی بوجہ

بازار مستقل آبادی جائز کہا جائے گا۔ جب کہ اتنی آبادی پائی جائے۔ مستقل آبادی نہ ہونے کی صورت میں اس مقام کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا کہ بعض سرحدی علاقوں میں کئی دیہاتوں کے درمیان چشمہ ہوتا ہے۔ اردگرد کے لوگ پانی بھرنے آتے ہیں اور دن بھر خوب بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ رات کو سب چلے جاتے ہیں۔ اور چشموں پر جمعہ بالاجماع جائز نہیں۔ احکام القرآن میں ہے

انہم مجمعون علی ان الجمعۃ لا تجوز فی البوادی ومناھل الاعراب اھ۔

نیز صحتِ جمعہ کے لئے استیطان اقامت باتفاقِ ائمہ اربعہ شرط ہے۔ "کما فی الاوجز"۔ اور اس مقام پر ایسی اقامت مفقود ہے۔ کیونکہ اقامت شب باشی سے متحقق ہوتی ہے۔ کما فی حاشیۃ المراقی۔

ان موضع الاقامۃ حیث یبیت فیہ الا تری انک اذا قلت لشخص این تسکن فیقول فی محلۃ کذا وھو بالنہار یکون بالسوق نقلہ السید عن العلامۃ مسکین اھ۔

مسئلہ زیرِ بحث میں شاید جزئیہ ذیل سے بھی تمسک ہوسکے۔

عسکر المسلمین اذا تصدوا موضعا ومعھم اخبیتھم وفساطیطھم فنزلوا مفازۃ فی الطریق ونصبوا الاخبیۃ وعزموا فیھا علی اقامۃ خمسۃ عشر یوما لم یصیروا مقیمین لانھا حمولۃ ولیست بمساکن کذا فی المحیط۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۲)

کیونکہ محل اقامت جمعہ خاص ہے اور محل توطن عام ہے۔ ایسے مقامات کے بارے میں جب عام منتفی ہے تو خاص بھی منتفی ہوگا۔ اور لیست بمساکن کی علت مقام زیرِ بحث کو بھی شامل ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲/۲/۱۳۹۹ھ بروز منگل۔

⊙

تتمہ بندہ کے خیال میں ما نیہ اسواق وسکک مدعی پر واضح دلیل ہے۔ لان السکک تکون بین المنازل المسکونۃ۔

سکک بلفظ جمع سے تثلیث پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ تقدیر با بنیۂ منی بھی شاید اس لئے ہو کہ منی میں تین گلیاں تھیں۔ قیل فیہا ثلث سکک (فتح ج ۱ ص ۱۱۴)۔ آپ کی تحریر میں "اوخبز" کے حوالہ سے استدلال واضح ہے۔ تقدیر با بنیہ منی سے استدلال میں یہ اشکال ہے کہ ابنیہ مختص بالبیوت نہیں۔ مطلق تعمیر کے معنی میں ہے۔ اور مطلق ابنیۂ محل سوال میں موجود ہیں۔ وان لم تکن بیوتا مناهل الاعراب میں بھی اشکال ہے کہ وہاں ابنیہ نہیں اور یہاں ابنیہ موجود ہیں۔ اسی طرح ومعهما اخبيتهم وخيامهم میں بھی ابنیہ موجود نہیں ہے۔ لیست بمساکن قدرے مفید ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہاں یہ لفظ اخبیہ وخیام کے مقابلہ میں آیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں "مساکن" سے ابنیہ مراد ہیں منازل وبیوت مراد نہیں سکونت وبیتوتت تو خیام میں بھی ہو رہی ہے۔

دستخط (حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہٗ)

الجواب

اوجز المسالک ج ۱ ص ۳۵۱ میں ہے۔

ففی قصو الذری عن المیزان ومن ذالک اتفاق الائمة الثلثة علی انها لا تصح الا فی محل استیطانهم اھ قال ابن القیم رح ان فیه صلوة الجمعة اللتی خصت من بین سائر الصلوات المفروضة بخصائص لا یوجد فی غیرها من الاجتماع والعدد المخصوص واشتراط الاقامة والاستیطان اھ ..... قال الجصاص فی احکام القرآن ..... فقال اصحابنا هی مخصوصة بالامصار ..... وقال مالك تصح فی كل قرية فيها بيوت متصلة واسواق متصلة ..... وقال الامام الشافعی رح اذا كانت قرية مجتمعة البناء والمنازل وكان اهلها لا يظعنون عنها الا ظعن حاجة فقد وجبت عليهم الجمعة وفی نيل المآرب لفقه الحنابلة لصحة الجمعة اربعة شروط احدها الوقت والثانی ان يكون بقرية مبنية ..... يستوطنها اربعون رجلا استيطان اقامة

لا يظعنون عنها ..... وفى الاقناع لفقہ الشافعية شرائط فعلها ثلاثة الاول - البلد مصرا كانت او قرية ...... وفى مختصر الخليل للمالكية شرط الجمعة وقوع كلها بالخطبة وقت الظهر باستيطان بلد او اخصاص اھ

عبارات بالا سے ظاہر ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محل اقامت جمعہ کا قریہ متصلۃ البیوت والمنازل ہونا ضروری ہے اور استیطان اقامت بھی لازم ہے ۔ پس احناف کے نزدیک بطریق اولیٰ یہ ضروری ہوگا ۔ کیونکہ عند الاحناف محل جمعہ اخص ہے ۔ بلاشبہ احناف کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے مصر یا کم از کم قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے ۔ اور مصر یا قریہ ، شہر یا گاؤں پنڈہ کو کہتے ہیں اور زیر بحث جگہ کو بازار تو کہہ سکتے ہیں شہر، گاؤں ، پنڈہ ہرگز نہیں کہہ سکتے ۔ "مجمع البحار" میں ہے ۔ القرية المساكن والابنية ايضا ۔ اور مصر کی تعریف میں " سکک " کا لفظ بھی اس کی واضح دلیل ہے ۔ مصر کی تعریف میں ابنیہ مبنی سے مراد بھی بیوت و مساکن ہی ہیں محض تعمیرات نہیں ۔ كما تدل عليه تعريف الفقهاء ۔

بہر حال انتفاء اقامت و استیطان اور انتفاء بیوت و منازل و "سکک" کی بنا پر یہ جگہ لغتہً ، شرعًا ، عرفًا نہ قریہ ہے نہ مصر ۔ پس اس میں جمعہ جائز نہیں ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں

جمعہ کے فرضوں کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں دو یا چار یا چھ ؟ حدیث و فقہ سے مفصل ثبوت دیں ۔ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ دو۲ ہیں ؟

الجواب امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ چار ہیں ۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چھ ہیں ۔ پہلے چار پڑھے اور پھر دو۲ ۔

ا : عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعا اھ
(مسلم، ج۱، ص۲۸۸)۔

۲ : عن علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الجمعۃ اربعا وبعدھا اربعا یجعل التسلیم فی آخرھن رکعۃ (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط)۔

۳ : عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرکع قبل الجمعۃ اربعا وبعدھا اربعا۔ اھ
(رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

۴ : عن ابی عبد الرحمن عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال من کان مصلیا بعد الجمعۃ فلیصل ستّا اخرجہ الطحاوی وفی آثار السنن اسنادہ صحیح۔ (اعلاء السنن: ج۷، ص۵-۸-۹)

۵ : وعند ابی یوسف السنۃ بعد الجمعۃ ست رکعات وھو مروی عن علی رضی اللہ عنہ والافضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف۔
(کبیری، ص۳۴۳)۔

۶ : وعلی استنان الاربع بعدھا ما فی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعا اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعا........ وذکر فی البدائع انہ ظاھر الروایۃ وعن ابی یوسف انہ ینبغی ان یصلی اربعا ثم رکعتین وفی الذخیرۃ والتجنیس وکثیر من مشائخنا علی قول ابی یوسف اھ (بحر الرائق، ج۲، ص۵۳)۔

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ بلا عذر صرف دو پڑھنے والا تارک سنت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳ /۲ /۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان۔

جمعہ ہر موسم میں اوّل وقت میں ادا کیا جائے

نمازِ جمعہ کا اوّل ترین وقت کون سا ہے ۔ نمازِ جمعہ ظہر کے وقت یا نمازِ ظہر سے قبل کس طرح پڑھا جائے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب جمعہ ہر موسم میں اوّل وقت میں ادا کرنا مستحب ہے ۔ احادیث سے بھی جمعہ کی تعجیل ہی ثابت ہوتی ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ ہر موسم میں ایک بجے جمعہ ادا کر لیا جائے ۔

وجمعة کظهر اصلا و استحبابا فی الزمانین لانها خلفه (درمختار) وفی الشامیة تحت قوله واستحبابا فی الزمانین ای الشتاء والصیف لکن جزم فی الاشباه من فن الاحکام انه لا یسن لها الابراد فی جامع الفتاوٰی لقارئ الهدایة قیل انه مشروع لانها تؤدی فی وقت الظهر و تقوم مقامه وقال الجمهور لیس بمشروع لانها تقام بجمع عظیم فتأخیرها مفض الی الحرج ولا کذالک الظهر و موافقة الخلف لاصله من کل وجه لیس بشرط اھ (ج ۱ : ص ۳۴۰) ۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹ / ۵ / ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

مصر وہی ہے جو مصر سمجھا جاتا ہو

ایک گاؤں کی آبادی تین سو گھر ہیں اور اہلِ سنت کی دو مسجدیں ہیں ۔ آبادی مرد و زن مردم شماری کے حساب سے دو ہزار کے قریب ہے ۔ ایک مسجد میں عرصہ دراز سے جمعہ جاری ہے ۔ چار ، پانچ دوکانیں بھی ہیں ۔ روز مرہ کی اشیاءِ خوردنی میسر ہیں ۔ گاؤں میں دو حکیم صاحبان بھی ہیں ۔ لوگوں کا اصرار ہے کہ محلہ کی مسجد میں قریب ہی جمعہ پڑھنا چاہیئے ۔ کیا جائز ہو سکتا ہے ؟

الجواب مفتی بہ تعریف کے مطابق مذکورہ گاؤں قریہ صغیرہ ہے اس میں جمعہ جائز نہیں ۔ سوال میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے ۔ اس کے بارے میں علامہ سبکی رح لکھتے ہیں کہ یہ منقوض ہے ۔ لہذا اس کی رو سے تو پھر مکہ اور مدینہ بھی مصر نہیں بنتے کیونکہ مسجد حرام اور مسجد نبوی ص میں وہاں کے باشندوں سے زیادہ افراد کی گنجائش ہے حالانکہ وہاں عہد نبوی ص سے جمعہ ہو رہا ہے ۔ نیز اس کی رو سے بعض وہ چھوٹی بستیاں جو بالاتفاق قریہ صغیرہ ہیں وہ مصر بن جائیں گی ۔ لہذا مصر کی ہر تعریف میں یہ بات ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ تعریف کے صادق آنے کے ساتھ ساتھ وہ جگہ عرفاً بھی مصر یا قریہ کبیرہ کہلاتی ہو ۔

والفصل فی ذالك ان مكة والمدینة مصران تقام بها الجمعة من زمنه علیه السلام الی الیوم و كل موضع كان مثل احدهما فهو مصر الخ .... حتی التعریف الذی اختاره جماعة من المتأخرین كصاحب المختار والوقایة وهو ما اجتمع فی اكبر مساجده لا یسعهم فانه منقوض بهما اذا كل مسجد منهما یسع اهله و زیادة اھ (غنیة ص۱۱ھ) ۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

دوران خطبہ پنکھا کرنا

: دورانِ خُطبہ گرمی کی وجہ سے پنکھا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ایسی حالت میں پنکھا کرنا جائز نہیں ہے ۔ یہ استماعِ خُطبہ کے خلاف ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ'

جُمعہ کی نیّت کر کے اقتدا کی اور امام ظہر پڑھ رہا تھا

ایک آدمی جمعہ کے روز دیہات پہنچا وہ کثرتِ مجمع کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ جُمعہ پڑھا

جار ہا ہے جمعہ کی نیّت کر کے امام کے ساتھ شریک ہوگیا بعد میں علم ہوا کہ امام نے ظہر پڑھی ہے کیا اس آدمی کا جمعہ ادا ہوا یا ظہر ؟

الجواب اس آدمی کی نہ ظہر صحیح ہے نہ جمعہ، یہ دوبارہ ظہر ادا کرے۔

وان نوی عند التکبیر انہ یصلی الجمعۃ مع الامام فاذا کان الامام یصلی الظھر لا یجوز ظھرہ مع الامام..... (الی قولہ) لانہ نوی ان یصلی الجمعۃ مع الامام فاذا تبین ان الامام کان یصلی الظھر انہ لم یصح اقتداءہ لمکان المغایرۃ

(قاضی خاں ص۸۵ ج۱)

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن دکان کھولنے پر حکومت کا چالان کرنا

اگر گورنمنٹ کا آدمی جمعہ کے دن دکان کھولنے پر چالان کرے تو کیا چالان کرنا جائز ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب امورِ مباحہ میں حکام و اولی الامر کی اطاعت واجب ہے، شامیہ میں ہے

ان صاحب البحر ذکر ناقلا عن ائمتنا ان طاعۃ الامام فی غیر معصیۃ واجبۃ فلو امر بصوم یوم وجب۔ (ص۳۴۴ ج۴)

اس لئے حکومت کے کہنے پر ترکِ تجارت ضروری ہے، مالی جرمانہ طرفین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔ صرف امام ابو یوسفؒ جواز کے اس حد تک قائل ہیں کہ حصولِ زجر کے بعد مالک کو واپس کردیا جائے گا۔ حاکم بیت المال یا اپنی جیب میں رکھنے کا مجاز نہیں،

(کذا فی الہندیۃ ص۳۳٦ ج۲) ۔فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰-۷-۱۴۰۹ھ

زبانی خطبہ بہتر ہے یا دیکھ کر :

بعض خطیب حضرات جمعہ و عیدین کا خطبہ زبانی پڑھتے ہیں اور بعض کتاب دیکھ کر۔ ان میں سے کون سا بہتر ہے؟

الجواب: دونوں طرح خطبہ پڑھنا درست ہے۔ شریعت میں کسی خاص طریقے کا نہ حکم دیا گیا ہے نہ کسی خاص طریقے کو ترجیح دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ۔ محمد انور عفا اللہ عنہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۱۳ / ۷ / ۱۴۰۱ھ

دیہاتی جمعہ کے دن شہر آجائے تو اس کے لئے جمعہ کا حکم

دیہاتی آدمی شہر میں آیا۔ اشیاء ضرورت خریدنے کے لئے اور جمعہ کا وقت ہوگیا۔ کیا اس پر بھی جمعہ فرض ہے یا نہیں ؟

الجواب: اگر تو پورا دن شہر ٹھہرنے کی نیت تھی تو وہ شہری کے حکم میں ہوگیا، اور اس پر جمعہ فرض ہوگیا لیکن اگر ذہن میں ہو کہ کام ہوتے ہی شہر سے چلا جاؤں گا۔ جمعہ سے پہلے ہوگیا یا بعد میں تو جمعہ واجب تو نہیں ہوا مگر پھر بھی پڑھ لے تو بہت ثواب ملے گا۔

القروی اذا دخل المصر و نوی ان یمکث یوم الجمعۃ لزمتہ الجمعۃ لانہ صار فی اہل المصر فی حق ھذا الیوم وان نوی ان یخرج فی یومہ ذلک قبل دخول الوقت او بعد الدخول لا جمعۃ علیہ ولو صلی مع ذلک کان ماجوراً اھ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۴۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

ناخن وغیرہ کاٹنے کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے

ناخن کاٹنا ایسے ہی جسم کے دیگر غیر ضروری بال صاف کرنے کے لئے کونسا دن افضل ہے؟

الجواب: یہ تمام اُمور ہفتہ میں کسی ایک دن مستحب ہیں البتہ ان کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے۔ کچھ تاخیر کی بھی گنجائش ہے لیکن چالیس دن سے تجاوز کرنا

گناہ ہے۔ وفی استحسان القہستانی عن الزاھدی یستحب أن یقلم أظفارہ ویقص شاربہ ویحلق عانتہ وینظف بدنہ فی کل اسبوع مرۃ یوم الجمعۃ أفضل ثم فی خمسۃ عشر یوما والزائد علی الأربعین آثم اھ (طحطاوی ص۲۸٦)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، محمد انور عفا اللہ عنہ،

جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کا فائدہ

اکثر لوگوں کا معمول ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کا اہتمام کرتے ہیں، کیا شریعت میں اسکا ثبوت ہے؟

الجواب حدیث پاک میں ہے جو جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا تو دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لئے نور چمکتا رہے گا۔ علامہ طیبی نے اسکی شرح میں لکھا ہے کہ یہ چمک دل میں ہوگی یا قبر میں یا حشر میں عن ابی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ سورۃ الکھف فی یوم الجمعۃ اضاءلہ النور ما بین الجمعتین رواہ البیھقی قولہ اضاء لہ فی قلبہ او فی قبرہ او یوم حشرہ اھ۔

(حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۸۹ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم،

۱۸ / ۳ / ۱۴۰۳ھ محمد انور عفا اللہ عنہ،

جمعہ کے دن کافر کو عذابِ قبر ہوتا ہے یا نہیں

کیا جیسے مسلمانوں کو جمعہ کے دن اور رات قبر کا عذاب نہیں ہوتا، کیا ایسے ہی کافر کو بھی جمعہ کے دن قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔؟

الجواب کافر کو باقی ایام میں عذابِ قبر ہوگا، البتہ جمعہ کے دن اور رمضان میں اس سے عذابِ قبر اٹھا لیا جاتا ہے۔

قال اھل السنۃ والجماعۃ عذاب القبر حق وسوال منکر ونکیر وضغطۃ القبر حق لکن ان کان کافرا فعذابہ یدوم الی یوم

القیامة ویرفع عنه یوم الجمعة وشهر رمضان۔ (شامی صہ۲۲۳ ج۱)

۶ / ۲ / ۱۴۰۶ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان طویل دعا کرنا

ہمارے ہاں ایک خطیب صاحب نے جمعۃ المبارک کا پہلا خطبہ پڑھنے کے بعد بیٹھ کر ۷ یا ۸ منٹ تک مشرقی پاکستان میں شہید ہونیوالوں پر تعزیت فرمائی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل کی۔ اسی دوران ایک شخص نے کہا کہ مولانا یہ آپ خطبہ سے فارغ ہو کر ہی کر لیتے تو کہنے لگے کہ یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے تمہارے نزدیک اگر مسئلہ نہیں تو نہ سہی۔ وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب: خطبہ کے درمیان وعظ و نصیحت کو فقہا رکرام نے بدعت و خلافِ سنت لکھا ہے۔ کما فی فتاوٰی دار العلوم صہ۶۲ ج۴ کیونکہ حدیث شریف میں خطبہ کو نماز کا جزو ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ شامی میں ہے (قوله بل كشطرها) فى الثواب هذا تاويل لما ورد به الاثر من ان الخطبة كشطر الصلوٰة فان مقتضاه انها قامت مقام الظهر كما قامت الجمعة مقام الركعتين۔ اس لئے اس نمازی کا مطالبہ صحیح تھا۔ مولوی صاحب کو اس پر ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔ اور آئندہ کے لئے احتیاط کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ　　محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

دوران خطبہ کسی کو اشارہ سے خاموش کرانا

جب خطیب خطبہ دے رہا ہو اس دوران بچے شور کریں یا کوئی سنتیں پڑھے تو ان کو روکنا کیسا ہے؟

الجواب: اشارہ سے منع کر سکتے ہیں۔ وكذا لو اشار برأسه او عينه او يده عند رؤية المنكر ولم يتكلم بلسانه الصحيح انه لا يكره (کبیری صہ۵۱۶)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ

تیمار دار مریض کے پاس رہے یا جمعہ کے لئے چلا جائے

زید اچانک ہیضہ کا مریض ہوگیا ڈاکٹر نے اُس کو بوتل لگادی اور دَوائیں تجویز کر دیں اتنے میں جمعہ کی نماز کا وقت قریب ہوگیا جو اُس کی تیمارداری کر رہا ہے وہ اُس کے پاس رہے یا جمعہ پڑھنے چلا جائے ؟

الجواب اگر مریض کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کے پاس رہے اور ظہر پڑھ لے۔ والحق بالمریض الممرض إن بقي المریض ضائعاً بخروجه علی الاصح ۔ (طحطاوی ص۲۷۵)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

پہلے سلام کے بعد شرکت کرنیوالے کا حکم

ایک آدمی ایسے وقت آیا کہ خطیب نے ایک طرف سلام پھیر دیا تھا۔ وہ شریک ہوگیا۔ کیا جمعہ اَدا ہوگیا یا نہیں ؟

الجواب امام کے پہلے السلام علیکم کے بعد اقتدا رصحیح نہیں یہ شخص اب جمعہ نہ پڑھے۔ وتنقضی قدوۃ بالاوّل قبل علیکم علی المشہور عندنا خلافاً للتکملۃ اھ فلا یصح الاقتداء به بعدها لانقضاء حکم الصلوۃ۔ اھ

(شامی ص $\frac{۴۹۰}{۱ج}$)۔ فقط واللہ اعلم ،

محمّد انور عفا اللہ عنہٗ

جو جمعہ کا خطبہ نہ سُن سکا اس کے جمعہ کا حکم

جمعۃ المبارک کا خُطبہ فرض ہے۔ ایک آدمی نہ سُن سکا۔ نمازِ جمعہ اَدا ہوگئی یا نہیں ؟

الجواب خطبہ سُننا بھی بہت اہم اور مُوجبِ ثواب ہے۔ مع ھٰذا نہ سُننے کے باوجود نماز اَدا ہوگئی ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ نائب مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

خطبۂ جمعہ کے شروع میں دو دفعہ الحمد للہ کہنا

جمعہ و عیدین کے خطبہ میں جو طریقہ ہے کہ پہلے صرف الحمد للہ کہتے ہیں پھر دوبارہ الحمد للہ علی الذات کہہ کر شروع کر دیتے ہیں، اس طرح یہ طریقہ حدیث سے ثابت ہے؟ اور خطبہ کو اس طرح شروع کرنا سنت ہے یا مستحب؟

الجواب یہ مخصوص طریقہ کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں۔ فقط واللہ اعلم،
محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۷/۱۳/ ۹۲ھ

دونوں خطبوں کے درمیان دعاء کیسے کریں؟

جمعہ کے روز دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب ایسے وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء نہ مانگیں بلکہ زبان سے بھی نہ مانگیں، دل سے مانگیں۔ وسئل علیہ الصلوٰۃ والسلام عن ساعۃ الاجابۃ فقال ما بین جلوس الامام الی ان یتم الصلوٰۃ وھو الصحیح قولہ وسئل علیہ السلام ثبت فی الصحیحین وغیرھما عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ ساعۃ لا یوافقھا عبد مسلم وھو قائم یصلی یسأل اللہ تعالی شیئاً الا اعطاہ ایاہ الی قولہ فیسن الدعاء بقلبہ لا بلسانہ لانہ مامور بالسکوت۔ اھ

فقط واللہ اعلم، (شامی ص ۷۶۲ ج ۱) احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی بعد یہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء

عام مساجد میں معمول ہے کہ جمعہ کے بعد سنتیں پڑھ کر امام صاحب کی فراغت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں امام صاحب فارغ ہو کر اونچی اونچی آواز میں دعاء مانگتے ہیں

اور مقتدی آمین کہتے ہیں ۔ کیا یہ دُرست ہے ؟

الجواب سُنن و نوافل کے بعد اجتماعی دُعا قرآن وحدیث اور خیر القرون سے کہیں ثابت نہیں اس کا اہتمام والتزام بدعت ہے ۔ سنتیں پڑھنے کے بعد ہر شخص اپنی اپنی دُعا مانگ کر فارغ ہو جائے ۔ (کذا فی فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۱۷۷ ج ۵)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ٦ / ٢ / ١٤٠٧

جمعہ کے خطبہ میں "مُنکرینِ ختمِ نبوّت" کی تردید کرنا

اِس موجودہ پُرفتن دور میں عام طور پر مُسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی ختمِ نبوت کی اہمیّت جتلانے اور صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کی خاطر کیا اِس وقت خُطباء اپنے خُطبات میں جُمعہ کے روز فقط عربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ بڑھا سکتے ہیں ۔ تاکہ مذہب اہل السنّت والجماعت کی پُوری ترجمانی ہو سکے ۔ جو درحقیقت اسلام اور دینِ حق ہے ۔ خُطبہ معروفہ کے اولیٰ خُطبہ میں ، ونشهد ان من ادعى النبّوة بعد سيّدنا صلّى الله عليه وسلم سواء كان تشريعيا او غير تشريعي كمسيلمة الكذّاب وغلام احمد القادياني كذّاب دجّال كافر مرتد خارج عن الاسلام لا نبى بعد سيّدنا صلّى الله عليه وسلم تسليما كثيرا كثيرا

اور دُوسرے خُطبہ میں بھی مندرجۂ ذیل الفاظ قابلِ اضافہ ہیں ۔

اللّهم اشدد وطأتك على المرزائيين ومن يتولهم من المنافقين والكافرين اعدائك اعداء الدين اللّهم انا نجعلك في نحورهم ونعوذ بك من شرورهم۔

الجواب خطبۂ جمعہ کے اندر الفاظ مندرجۂ بالا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا تذکرہ ہو ۔ اور دیگر مُدعیان نبّوت کی تردید ہو پڑھنا جائز ہے بلکہ جس ملک یا علاقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ختم نبوت کے خلاف کوششیں ہو رہی ہوں وہاں اِس قسم کے الفاظ ضرور پڑھنے چاہئیں ۔ اور مسلمانوں کو خصوصاً حکام اسلام کو ان الفاظ پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے ۔ ورنہ ان کے ایمان کے سخت ضُعف کا خطرہ ہے ۔ جمعوں خُطبوں اور دعاؤں میں اللہ سے موجودہ دَور کے فتنوں سے پناہ مانگنا عین عبادت ہے ۔ اور عبادات

سے روکنا کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ خادم الافتاء، خیرالمدارس۔ ملتان

نیّتِ جمعہ میں اسقاطِ ظہر کو ضروری قرار دینا،

ایک عالم فاضل جو فنِ حدیث و دین کا ماہر ہے وہ لوگوں کے مجمع میں اعلان کرتا ہے کہ جو نیّتِ جمعہ تم کرتے رہے ہو نہایت غلط ہے جس کی وجہ سے تمہارے سب جمعے غلط ہوئے۔ اصلی نیّت جمعہ کی یہ ہے کہ:۔

نویت ان اصلی رکعتی الجمعة لله تعالیٰ لا سقط عن ذمتی الظهر متوجهاً الی الکعبة الشریفة اقتدیت بهذا الامام۔ دُوسرا فریق کہتا ہے کہ:۔

نویت ان اصلّی رکعتی الجمعة فرضاً لله تعالیٰ اقتدیت بهذا الامام متوجهاً الی الکعبة الشریفة — آیا فریقِ اوّل کی نیّت صحیح ہے یا ثانی کی —

الجواب جس جگہ جمعہ واجب ہے وہاں صرف اصلی رکعتی الجمعة فرضاً الخ کہنا کافی ہے لا سقط عن ذمتی الظهر کی کوئی ضرورت نہیں جس جگہ جمعہ فرض ہے تو اسقاطِ ظہر کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور جہاں جمعہ فرض نہیں وہاں ظہر ہی پڑھی جائے گی۔

فقط واللہ اعلم: بندہ اصغر علی غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۱۱/۱۳۸۲ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفراللہ لہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۸/۱۱/۱۳۸۲ھ

دورانِ خُطبہ کوئی اعتراض کرے تو اس کو جواب دینا،

ایک خطیب نے خطبہ کی ابتداء میں خطبہ پڑھتے ہوئے یہ کہا:

الحمدُ للہ الذی فضّل نبیّنا علی سائر الانبیاء والمرسلین و انزل علیہ الکتابَ تبیانا لکل شیٍٔ وھدیً وبشریٰ للمؤمنین ۔

تو ایک نابینا حافظ بولا تم نے خطبہ غلط پڑھا ہے ۔ مولوی صاحب خطیب نے کہا میں نے تو ابھی خطبۂ جمعہ پڑھنا شروع کیا ہے یہ آیتِ قرآن پاک پڑھی ہے ۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا خطبہ پڑھنا غلط ہے یا صحیح یا ناجائز یا گناہ ۔۔ ؟

الجواب خطبہ میں کوئی غلطی نہیں ہے بالکل درست ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ :۔ انما بنیت الخطبۃ لذکر اللہ ـــــ لہٰذا اگر خطیب اس کے بعد آیاتِ قرآنیہ وغیرہ تلاوت نہ کرے تب بھی خطبہ صحیح ہوگا ۔ نابینا کا اعتراض غلط ہے ۔

سید مسعود علی عفر اللہ لہٗ مفتی انوار العلوم ۳/۷ ۱۳۷۶ھ

جواب صحیح ہے لیکن خطیب صاحب کو دورانِ خطبہ نابینا کو جواب نہیں کرنا غیر مناسب تھا بعد از فراغ سمجھانا چاہیئے تھا ۔ بہرحال ان کا اعتراض غلط ہے اگر واقعہ یہی ہو ۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد اللہ غفر اللہ لہٗ خادم الافتاء خیر المدارس

بوقتِ خطبہ فوت شدہ نماز یاد آگئی تو کیسے کرے ؟

جمعہ کے روز جب خطیب خطبہ کے لئے منبر پر آگیا اس وقت سامعین میں کسی کو یاد آیا کہ اس کے ذمہ فوت شدہ نماز ہے کیا اس وقت فوت شدہ نماز پڑھنے کی گنجائش ہے جبکہ یہ آدمی صاحبِ ترتیب بھی ہو ـــــ

الجواب شخص مذکور پہلے فوت شدہ نماز ادا کرے پھر جمعہ مل جائے تو جمعہ پڑھ لے ورنہ ظہر ادا کرے ۔ واذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام (مراقی)

(قولہ فلا صلوٰۃ) سواء کانت قضاء فائتۃ اوصلوٰۃ جنازۃ اوسجدۃ تلاوۃ اومنذورۃ نفلا الا اذا تذکر فائتۃ ولو وتراوھو صاحب ترتیب فلا یکرہ الشروع فیھا بل یجب لضرورۃ صحۃ الجمعۃ (طحطاوی ص۲۸۳) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

مسجد میں تکرارِ جمعہ کا حکم

پندرہ بیس آدمی ایک مسجد میں جمعہ کے روز اس وقت پہنچے جبکہ جمعہ ہو چکا تھا۔ کیا یہ لوگ اس مسجد میں جمعہ مع خطبہ جماعت سے پڑھیں یا با جماعت ظہر ادا کریں۔؟

الجواب: چونکہ تعدد جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں اس لئے ان لوگوں کو چاہیئے کہ جمعہ با جماعت مع خطبہ ادا کریں اگر اسی مسجد میں ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو۔ (فتاویٰ عبدالحئی ص۳۱۰)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۱۱/۱۰/۱۴۱۰ھ

کیا جمعہ کے دن قبرستان جانا درست ہے۔؟

بعض لوگوں کا معمول یہ ہے کہ جمعہ کے دن قبرستان جانے کا اہتمام کرتے ہیں کیا یہ درست ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب: بہ نیت عبرت جمعہ کے دن قبرستان جانا مندوب ہے۔

ای لا بأس بها بل تندب کما فی البحر عن المجتبی فکان ینبغی التصریح به لأمر بها فی الحدیث المذکور کما فی الامداد و تزار فی کل اسبوع کما فی مختارات النوازل قال فی شرح لباب المناسك الا ان الافضل یوم الجمعة السبت والاثنین والخمیس فقد قال محمد بن واسع الموتی یعلمون بزوارهم یوم الجمعة یوماً قبله ویوماً بعده فتحصل ان یوم الجمعة افضل اھ

(شامی ص۸۴۳ ج۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۱۱/۳/۱۴۰۹ھ

بلا خطبہ نمازِ جمعہ کا حکم

کیا بغیر خطبہ کے نماز جمعہ درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب: خطبہ جمعہ کی شرائط سے ہے۔ اس کے بغیر پڑھیں گے تو جمعہ ادا نہیں ہوگا —

ومنها الخطبة قبلها حتی لو صلوا بلا خطبة او خطب قبل الوقت لم یجز اھ (عالمگیری ص۱۴۵ ج۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ

اللّٰھم اغفر للعبّاس و ولدہٗ کی تحقیق !

جمعہ کے دوسرے خطبے میں اللّٰھمّ اغفر للعبّاس و ولدہ مغفرۃ ظاھرۃً وباطنۃً پڑھا جاتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہ کیا کرتے تھے۔ نعوذ باللہ۔ اس لئے ان کیلئے دُعا مغفرت کی جاتی ہے جبکہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ تو پھر حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیوں کیا جا رہا ہے ــــــــ

۱۔ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عباسؓ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل نہیں نعوذ باللہ

۲۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی صحابیؓ کا نام لے کر دُعا نہیں کی جاتی بلکہ رضی اللہ الخ پڑھا جاتا ہے۔ صرف حضرت عباس کے لئے دُعا کیوں مخصوص ہے۔ خطبہ میں جب حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیا جاتا ہے تو رافضیوں کا کہنا یہ درست ہے کہ حضرت عباسؓ گناہ گار تھے اور گناہ کرتے رہے۔ اس لئے قیامت کے روز اندھے اُٹھائے جائیں گے۔ نعوذ باللہ۔

الجواب

حضرت عباسؓ کی بابت بالا الفاظ کے ساتھ دعائیہ کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ مُلاحظہ فرمادیں مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۰ ج ۲:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس اذا کان غداۃ الاثنین فأتنی انت وولدک حتی ادعو لکم بدعوۃ ینفعک اللہ بھا وولدک فغدا وغدونا معہ والبسنا کساءً ثم قال اللّٰھم اغفر للعبّاسؓ وولدہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ لا تغادر ذنبا الخ ــــــــ

جس کسی نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہ میں مُبتلا تھے یا وہ صحابہؓ میں شامل نہیں تھے۔ یہ اس قائل کے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔ حقیقت سے اس کا دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ فقط واللہ اعلم ــــــــ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ　　　　بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنا

جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنے کی شرعی کیا حیثیت ہے۔ گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں ۔ ؟ بینوا توجروا

الجواب: سنتوں کے بارے میں اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جہاں خشوع زیادہ ہو وہاں پڑھی جائیں لیکن آج کل ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے جو قبلیہ اور بعدیہ سنتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی بلکہ بعض تو سرے سے منکر ہیں اس لئے آج کل مناسب یہی ہے کہ تمام سنن قبلیہ وبعدیہ مسجد میں ادا کی جائیں ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۹/۱۴۱۲ھ

شدید بارش ہو رہی ہو تو جمعہ کے لئے جانے کا حکم

جمعہ کے دن شروع ہی سے جمعہ کے وقت تک موسلا دھار بارش ہو رہی تھی تو کیا ایسے حالات میں بھی جمعہ کے لئے جانا ضروری تھا۔

الجواب: ایسی صورت میں نہ جانے کی گنجائش ہے ــــ

إذا أصاب الناس مطر شديد يوم الجمعة فهم في سعة من التخلف اھ (عالمگیری ص۱۴۵ ج۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خطیب کو وضو کی حاجت پیش آجائے تو کیا کرے ؟

بندہ جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا کہ خطبہ کے بعد خروج ریح کا احساس ہوا ۔ بنابر احتیاط وضو کر لیا گیا ۔ کیا وہ سابقہ خطبہ کافی ہے یا نماز سے قبل دوبارہ خطبہ دینا چاہیئے تھا ــ؟

الجواب: وہی خطبہ کافی ہے ۔اس فصل کی وجہ سے خطبہ کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے :

فاذا اتم اقيمت ويكره الفصل بامر الدنيا اھ (درمختار)

(قوله بامر الدنيا) اما بنهى عن منكر او امر بمعروف فلا وكذا بوضوء او غسل لو ظهر انه محدث او جنب كما مر بخلاف اكل او شرب حتى لو طال الفصل استانف الخطبة كما مر فافهم ۔ (شامی ص۱۱ ج۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نماز کے بعد سوال کرنے کا حکم

بعض سائلین جمعہ کی نماز کے فوراً بعد سوال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا ان سائلین کو کچھ دینا جائز ہے یا ان کو سوال سے روکا جائے ۔۔؟

الجواب سائل اگر واقعی ضرورت مند ہو پیشہ ور نہ ہو اور کسی مجبوری کے تحت سوال کر رہا ہو اور نمازیوں کو پریشان نہ کرے نہ مانگنے میں حد سے تجاوز نہ کرے تو سوال کی گنجائش ہے اور دینا بھی درست ہے

المختار ان السائل اذا کان لا یمر بین یدی المصلی ولا یتخطی رقاب الناس ولا یسئال الناس الحافا ویسئال ما لا بُدَّ منہ لا بأس بالسؤال والاعطاء اھ (مجموعۃ الفتاوی ص۲۱۲) فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۴/۱۴۰۹ھ

نابینا پر جمعہ فرض ہے یا نہیں ۔؟

ایک آدمی نابینا ہے شہر میں رہتا ہے کیا اس پر ضروری ہے کہ جمعہ مسجد میں جا کر ادا کرے ۔؟

الجواب امام محمدؒ کے نزدیک اگر کوئی نابینا کو مسجد میں لے جانے والا مل جائے تو اس پر جمعہ لازم ہے ۔۔۔

وقال محمدؒ الاعمی اذا وجد قائداً یلزمہ والفرق لمحمدؒ ان العمی قادر علی السعی الا انہ لا یہتدی فاذا وجد قائداً یلزمہ کالصحیح اذا ضل الطریق اھ (قاضی خان ص۸۴ ج۱)

وفی الشامیۃ بل یظہر لی وجوبہا علی بعض العمیان الذی یمشی فی الاسواق ویعرف الطرق بلا قائد ولا کلفۃ ویعرف ای مسجد ارادہ بلا سؤال احد لانہ حینئذٍ کالمریض القادر علی الخروج بنفسہ بل ربما تلحقہ مشقۃ اکثر من ھذا تأمل اھ (شامی ص۲۴ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۱/۱۴۰۹ھ

جمعہ کے لئے سواری پر آنا بہتر ہے یا پیدل

جمعہ پڑھنے کے لئے موٹر سائیکل، کار، یا کسی دوسری سواری پر سوار ہو کر آنا شرعاً درست ہے یا نہیں ۔۔؟

الجواب اگر فاصلہ قریب ہو اور ہمت ہو تو پیدل چل کر آنا افضل ہے :۔

ولا بأس بالركوب للجمعة والعيدين والمشي افضل اھ

(خلاصۃ الفتاوی صـ ۲۱۱ جـ ۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

کیا خطبہ اونچا پڑھنا ضروری ہے

خطبہ میں آواز کس قدر بلند ہونی چاہیئے ؟

الجواب مستحب یہ ہے کہ معتاد آواز کی نسبت اونچی آواز سے خطبہ دیا جائے۔ ومن المستحب ان يرفع الخطيب صوته وان يكون الجهر في الثانية دون الاولى اھ

(عالمگیری صـ ۲۶ جـ ۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۴/۱۴۱۲ھ

کلام اللہ کی تلاوت جاری رکھیں یا وعظ سنیں

جب کوئی شخص تلاوت کر رہا ہو اور جمعہ کا بیان شروع ہو جائے تو آیا یہ شخص تلاوت کرتا رہے یا تلاوت بند کر کے بیان سنے ۔۔؟

الجواب تلاوت کو مؤخر کر کے وعظ سنے بشرطیکہ وہ حقیقت میں وعظ و نصیحت ہو۔ شامی میں (قوله فاستماع العظة اولى) کے تحت لکھا ہے :۔

الظاهر ان هذا خاص بمن لا قدرة له على فهم الآيات القرآنية والتدبر في معانيها الشرعية والاتعاظ بمواعظها الحكمية اذ لا شك ان من له قدرة على ذلك يكون استماعه اولى بل اوجب بخلاف الجاهل فانه يفهم من المعلم والمواعظ ما لا يفهمه من القارى فكان ذلك انفع له اھ (شامیہ صـ ۶۲۰ جـ ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۱/۴/۱۴۰۹ھ

خطبہ دیتے وقت دائیں بائیں حاضرین کی طرف نظر کرنا کیسا ہے؟

بعض خطباء کی عادت ہوتی ہے کہ دائیں بائیں حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی اس طرف رُخ کرلیا کبھی اس طرف کیا یہ درست ہے یا سیدھا ہی رُخ رکھنا چاہئے ــــــ

الجواب سُنّت یہی ہے کہ سامنے کی طرف متوجہ رہیں۔ اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہوں ۔
ما یفعلہ بعض الخطباء من تحویل الوجہ جہۃ الیمین وجہۃ الیسار عند الصّلوٰۃ علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الخطبۃ الثانیۃ لم أر من ذکرہ والظاھر انہ بدعۃ ینبغی ترکہ لئلا یتوھم انہ سنۃ ثم رأیت فی منہاج النووی قال ولایلتفت یمیناً وشمالاً فی شئ منہا قال ابن حجرؒ فی شرحہ لان ذالک بدعۃ اھ (شامی ص۵۹۹ ج۱)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۱/۱۴۱۲ھ

تقریر جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں

جمعہ کی نماز سے پہلے یعنی خطبہ سے پہلے تقریر کرنا اور نماز جمعہ کے بعد وعظ کرنا ان دونوں میں سے کون سا سُنّت کے مطابق ہے ــــــ

الجواب یہ تقریر نماز جمعہ کے آداب وسُنن میں سے نہیں مستقل چیز ہے۔ جس وقت میں سامعین کے لئے انفع ہو۔ اس وقت کا تعیّن کرلیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مُفتی خیر المدارس ملتان

۶/۳/۱۴۰۲ھ

مُسافر جُمعہ کی اذان سُننے کے بعد سفر نہ کرے

مسافر جمعہ کے روز شہر سے اذان سُننے کے باوجود سفر کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب نہیں۔ ویجب ترک البیع وکذا ترک کل شئ یؤدی الی الاشتغال عن السعی الیھا ومنہ انشاء السفر عندہ (کذا فی المراقی مع حاشیۃ الطحطاوی فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مُفتی خیر المدارس ملتان ۲/۳/۱۴۰۲ھ

مُقتدی سارے نابالغ ہوں تو جمعہ کا حُکم ،

اگر صرف نابالغ بچے ہوں تو ان کی جماعت بنا کر جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب جب ایک یا دو بالغ ہوں تو امام کے پیچھے ان کی صف ہونی چاہیئے اور نابالغوں کی صف ان کے پیچھے ہونی چاہیئے ۔ اور صرف نابالغ ہونے کی صورت میں ان کی صف امام کے پیچھے ہو۔ امام کی نماز میں کوئی نقص نہیں آئے گا لیکن جمعہ کی نماز میں صرف بچے ہوں تو جمعہ نہیں ہوگا ۔

وتحصل فضیلۃ الجماعۃ بصلوتہ مع واحد (ای من الصبیان) الا فی الجمعۃ فلا تصح بثلاثۃ منہم اھ (الاشباہ والنظائر ص۲۸) . فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح — محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان — ۲۲/۱۱/۹۸ ھج

خطبۂ جمعہ سے قبل حاضرین کو السّلام علیکم کہنا

بعض خطباء کا معمول ہے کہ منبر پر چڑھتے وقت سامعین کو السّلام علیکم کہتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے ؟

الجواب خطبہ کے لئے منبر پر چڑھتے وقت السّلام علیکم کہنا صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے منقول نہیں۔ اس لئے یہ مکروہ ہے۔

ولا یسلم الخطیب علی القوم اذا استوی علی المنبر لانہ یلجئھم الی ما نھوا عنہ والمروی من سلامہ عندنا غیر مقبول وفی الکبیری قال لیس بالقوی وقال عبدالحق فی الاحکام الکبری ھو مرسل قال واسندہ ابو احمد من حدیث ابن لھیعۃ وھو معروف فی الضعفاء ولا یحتج بہ (کبیری ص۵۱۲)

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز میں جمعہ پڑھنے کا حکم

ہماری تبلیغی جماعت نے بیرون ملک ایک طویل سفر کرنا ہے جس میں دن کا اکثر حصہ جہاز میں گذرے گا جہاز میں تین چار آدمی مل کر جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے ؟ کیا ہم دوران سفر جمعہ پڑھیں یا ظہر کی نماز ادا کریں ـــ ؟

الجواب جمعہ کے لئے مصر یا فناء مصر شرط ہے۔ فضا نہ مصر میں داخل ہے۔ نہ فناء مصر میں لہذا وہاں ظہر ادا کریں۔ (فتاویٰ خلیلیہ ص ۱۱۸ ج ۱)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۲/۱۴۰۹ھ

جمعہ کے دن بال نماز جمعہ سے پہلے ترشوائیں یا بعد میں

شامی میں ہے :

ویکرہ تقلیم الاظفار وقص الشارب فی یوم الجمعۃ قبل الصلوٰۃ

کیا مفتی بہ قول یہی ہے کہ نماز جمعہ سے قبل ناخن تراشنا اور حجامت بنوانا مکروہ ہے ـــ ؟

مدلل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب شامی ج ۵ کتاب الحظر والاباحۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول مرجوح ہے۔ ناخن وغیرہ اور بال ترشوانا جمعہ سے پہلے ہو (قولہ وکونہ بعد الصلوٰۃ افضل اھ) ای لئلا یفوتہ برکۃ الصلوٰۃ وھو مخالف لما نذکرہ قریبا فی الحدیث اھ ص ۲۶۸)

طحطاوی میں تصریح ہے کہ بال کٹوانا اور ناخن کاٹنا جمعہ سے پہلے سنت ہے۔

وظاہر الاحادیث یدل علی ان القلم قبل الصلوٰۃ فما فی بعض الکتب انہ بعدھا یشھد لہ بالصلوٰۃ لا یعول علیہ لانہ تعلیل فی مقابلۃ النص اھ

فقط واللہ اعلم (طحطاوی ص ۲۸۶)
محمد انور عفا اللہ عنہ

جُمعہ کی پہلی چار سُنتوں میں قعدۂ اولیٰ میں تشہد پر اضافہ کا حُکم

ایک آدمی جمعہ کی پہلی یا بعد والی سُنتیں پڑھ رہا تھا کہ پہلے تشہد میں درود شریف پڑھ لیتا ہے۔ کیا اس پر سجدۂ سہو ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب: پہلے قعدہ میں تشہد پر اضافہ نہ کرے ورنہ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولی فی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدھا ولو صلی ناسیًا فعلیہ السہو وقیل لا شمنی (درمختار)

(قولہ وقیل لا الخ) قال فی البحر ولا یخفی ما فیہ والظاہر الاول زاد فی المنح و من ثم عولنا علیہ وحکینا ما فی القنیۃ بقیل اھ (شامی ص ۶۳۳ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۳/۱۴۱۰ھ

جمعہ کی نماز میں مسنون قرأت

جمعہ کی نماز میں کون کون سی سورت کی قراءت مسنون ہے ۔ ؟

الجواب: جمعہ کی دونوں رکعتوں میں وہی قرأت مسنون ہے جو ظہر کی رکعتوں میں مسنون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سورۃ جمعہ ، منافقون ، سبح اسم ربک الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔ مگر اس کو مستقل معمول نہ بنائے تاکہ عام لوگ اسے واجب نہ سمجھیں —

وفی التحفۃ وغیرھا یقرأ فیہما قدر ما یقرأ فی الظہر لا بما بدل منہ وان قرأ بسورۃ الجمعۃ واذا جاءک المنافقون او بسبح اسم ربک الاعلی وھل اتٰک حدیث الغاشیۃ تبرکًا بالماثورۃ عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی ما مر فی صفۃ الصلوٰۃ کان حسنًا لکن یترکہ احیانًا لئلا یتوھم العامۃ وجوبہ (کبیری ص ۵۱۶)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۷/۴/۱۴۱۰ھ

تبلیغی جماعتوں کا زوال سے پہلے شہر سے جانا۔

تبلیغی جماعت والے جمعۃ المبارک کے دن شہر سے بستیوں میں جاتے ہیں۔ تین دن کے لئے تبلیغ کی غرض سے اور بارہ بجے کے قریب مسجد سے چلے جاتے ہیں جبکہ جمعہ کی اذان ہونے والی ہوتی ہے۔ جمعہ پڑھے بغیر چلے جاتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے۔ جمعہ پڑھ کر جائیں یا پہلے چلے جائیں۔؟ شرعاً کیا حکم ہے۔

فقط والسلام۔ مولانا حاجی نور محمد صاحب خطیب مکی مسجد منچن آباد ضلع بہاولنگر

الجواب بہتر یہی ہے کہ جمعہ پڑھ کر جائیں ویسے اگر پہلے بھی چلے جائیں تو گنجائش ہے:

ولا یکرہ الخروج للسفر یوم الجمعۃ قبل الزوال وبعدہ وان کان یعلم انہ لا یخرج من مصرہ الا بعد مضی الوقت یلزمہ ان یشہد الجمعۃ ویکرہ لہ الخروج قبل ادائہا اھ — (عالمگیری ص۱۴۳ ج۱)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴۱۰/۷/۳۰ھ

جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کرنا

ہمارے علاقہ میں یہ معمول ہے کہ جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کیا جاتا ہے کیا یہ شرعاً درست ہے۔؟

الجواب اگر جامع مسجد میں گنجائش ہو تو جمعۃ الوداع کی نماز بھی حسب معمول جامع مسجد میں ادا کی جائے کیونکہ عیدگاہ میں جاکر پڑھنے کا استحباب عیدین کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جمعہ بہرحال ادا ہوگیا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ کے سلام کے بعد دعا مختصر ہو یا لمبی

بعض خطیبوں کی عادت ہوتی ہے کہ مطول دعا مانگتے ہیں۔ کیا نماز جمعہ کے بعد مختصر دعا ہونی چاہیئے یا لمبی۔ شرعاً کیا حکم ہے۔؟

الجواب جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں امام مختصر دعا مانگے۔ (رد المحتار الشامیۃ ص۴۹۴ ج۱)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن کثرت دُرود کی مقدار

حدیث میں جو آیا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درُود پڑھا کرو اور اسی طرح حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے:

ان اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم علی صلوۃ۔

کیا اس کثرت کی کوئی مقدار متعیّن ہے۔ اس کثرت سے کیا مُراد ہے۔؟

الجواب یوں تو دُرود پاک ایسی بابرکت چیز ہے کہ جتنا بھی پڑھا جائے کم ہے۔ لیکن علّامہ سخاویؒ نے قوت القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم از کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔

(فضائل درود ص۶۹۵) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۱۱/۷/۱۴۱۱ھ

امام کے لئے نمازِ جمعہ میں آیتِ سجدہ پڑھنے کا حکم

کیا عام نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز میں بھی امام ایسی آیت پڑھ سکتا ہے جس میں سجدہ تلاوت ہو۔؟

الجواب جمعہ میں نہ پڑھے۔ ویکرہ للامام ان یقرأھا فی مخافتۃ ونحو جمعۃ وعید اھ (درمختار) (قولہ ویکرہ للامام) لانہ ان ترک السجود لھا فقد ترک واجباً وان سجد یشتبہ علی المقتدین شرح المنیہ اھ (شامی ص۱۱۲ ج۱)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۱۱/۱۲/۱۴۰۹ھ

ٹیپ سے نشر شدہ خطبہ کا حکم

خطبہ کے لئے کوئی آدمی نہیں مل رہا اگر ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے سے خطبہ پڑھوایا گیا کیا خطبہ ادا ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب چونکہ ٹیپ آواز کی نقل ہوتی ہے جیسے کہ صدائے بازگشت لہذا اس پر پڑھا ہوا خطبہ معتبر نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ ظہر کا وقت ختم ہوگیا تو جمعہ کا حکم،

بعض لوگ جمعہ کی نماز میں اتنی لمبی تقریر کرتے ہیں کہ اس دوران جمعہ سے فراغت سے پہلے عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے تو کیا ان کا جمعہ ادا ہوگیا۔؟

الجواب ان کا جمعہ ادا نہیں ہوا۔ نئے سرے سے ظہر ادا کریں۔

وان خرج وقت الظهر قبل الفراغ عن الجمعة فسدت الجمعة وعليهم استقبال الظهر اھ (قاضی خان ص۸۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم

(محمد انور خیر المدارس ملتان)

شب جمعہ، جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کو عذاب قبر نہیں ہوگا،

کیا ماہ رمضان یا محرم یا جمعہ کے دن فوت ہوجائے اس سے نہ حساب ہوگا نہ اسے عذاب قبر ہوتا ہے۔ اگر ہے تو کیا حد ہے آخری جملہ کی وضاحت یعنی ماہ رمضان اور محرم ان دونوں میں مرنے والے سے عذاب قبر اگر موقوف ہے تو آیا اس کے بارے میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اگر ہے تو کیا اس کے لئے حقوق العباد سے سبکدوش ہونا بھی شرط ہے۔ یا یہ کہ دنیا میں جس قدر جی چاہے حقوق غصب کرتا رہے اور نہ خود دے اور نہ وارث دیں۔ مگر متذکرہ بالا دنوں اور مہینوں میں مرجائے تو اسے عذاب قبر نہ ہوگا۔؟

الجواب عذاب قبر کے معاف ہونے کی بشارت جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کے لئے آئی ہے اور ایسے ہی رمضان میں مرنے والے کے لئے بھی ہے۔ مگر عشرۂ محرم میں مرنے والے کے لئے بشارت نہیں لیکن حقوق العباد وغیرہ اس سے معاف نہیں ہوں گے۔ ان کی ادائیگی بہرحال ضروری ہے۔ یا صاحب حق سے معاف کرایا جائے ۔

ما من مسلم يموت يوم الجمعة او ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر. قال القاری فی شرح المشكوٰة فتنة القبر ای سواله وعذابه وهو يحتمل الاطلاق والتقييد والاول هو الاولى بالنسبة الى فضل المولى اھ (مشکوٰۃ ص۱۲۱ حاشیہ ۵) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ میں شرکت سے معذور جمعہ کے بعد ظہر ادا کرے

معذور اور قیدی یا مسافر جن کے لئے جمعہ میں شرکت کسی بنا پر ممکن ہی نہیں۔ وہ ظہر کی نماز جمعہ ہو چکنے کے بعد پڑھیں یا پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں — ؟

الجواب مذکورہ لوگ جمعہ ہو چکنے کے بعد ظہر ادا کریں۔

ویستحب للمریض والمسافر واھل السجن تاخیر الظہر الی فراغ الامام من الجمعۃ وان لم یؤخر یکرہ فی الصحیح (ھندیہ ص۱۴۶ ج۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور

مختلف بستیاں مل کر جمعہ ادا نہیں کرسکتیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۳ بستیاں مل کر ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں۔ ہر ایک بستی کے گھر ۵۰، ۴۰ ہوں گے اور کُل گھر ۱۵۰ تا ۱۶۰ ہوتے ہیں۔ ان بستیوں کی مسجد الگ الگ ہے۔ نماز جمعہ کے دن ۳۰/۴۰ آدمی بھی ہوجاتے ہیں۔ ان بستیوں کا آپس میں ایک یا دو فرلانگ کا فاصلہ ہوگا۔ ان میں ایک ایک دکان کریانہ کی بھی ہے۔ اور ایک ایک دکان کپڑے کی بھی ہے۔ کیا ان بستیوں میں جمعہ ہوجائے گا یا نہیں —

الجواب صورت مسئلہ میں بوجہ نہ پائے جانے شرائط جمعہ کے یہاں اقامت جمعہ جائز نہیں۔ ہر بستی والے ظہر کی نماز ادا کریں۔ جمعہ پڑھنے کی صورت میں ظہر ان پر باقی رہے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم العبد الفقیر
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خطبہ میں حاضرین کا درود پڑھنا

خطبۂ جمعہ میں جب خطیب ان اللہ وملئکتہ پڑھتا ہے۔ اس وقت درود شریف پڑھنا کیسا ہے۔؟

الجواب: اس وقت دل میں درود پاک پڑھ لے زبان سے نہ پڑھے۔ والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ اھ (درمختار)

(قولہ فی نفسہ) ای بان یسمع نفسہ اویصحح الحروف فانہم فسروا بہ وعن ابی یوسف قلبا انتما را لامری الانصات والاشارۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکرمانی قہستانی قبیل باب الامامۃ واقتصر فی الجوہرۃ علی الاخیر حیث قال ولم ینطق بہ لانہا تدرک فی غیر ھذا الحال والسماع یفوت اھ (شامی ج ۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

نابالغ اگر خطبہ دیدے تو کیا خطبۂ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

اگر کسی جگہ کوئی بالغ خطبہ دینے والا نہ ہو اور نابالغ نماز جنفی دیکھ کر خطبہ پڑھدے تو خطبہ صحیح ہو جائے گا؟

الجواب: سمجھ دار بچہ خطبہ پڑھے تو خطبہ صحیح ہو جائے گا۔

وفی الظہیریۃ لوخطب صبی اختلف المشائخ فیہ والخلاف فی صبی یعقل والاکثر علی الجواز اھ (شامی ص ج ۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ اور دیہات میں جمعہ

حضرت اقدس نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ جمعہ کے مسئلہ میں نرمی فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جہاں جمعہ جاری ہو وہاں نزاع نہ کیا جائے۔ کیا یہ درست ہے۔؟

الجواب: جمعہ فی القری کے بارے میں حنفیہ کا محقق مذہب وہی ہے جو کتب فتاویٰ میں مصرح ہے اور تفصیل سے مذکور ہے۔ حضرت نانوتوی رح کے منع کا مصداق وہ جگہیں ہیں جن کا قریہ صغیرہ یا کبیرہ ہونا مختلف فیہ ہو اور وہاں جمعہ قائم ہو تو حضرت وہاں نزاع سے منع فرماتے تھے۔ بایں وجہ کہ کسی درجہ میں گنجائش ہے۔

ہکذا فی فتاوی دار العلوم جلد ۵

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ فی القریٰ کے بارے میں مذہب غیر پر عمل کرنا

جمعہ فی القریٰ کے بارہ میں مالکیہ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ جیساکہ مفقود الخبر کی زوجہ کے بارہ میں امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کیا جاتا ہے۔

الجواب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ امام مالکؒ کے مذہب کی بنا پر جائز قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی ضرورت نہیں جو زوجہ مفقود الخبر میں ہے۔ لہذا اس کو زوجہ مفقود الخبر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفر اللہ لہٗ

۱۶/ ۹/ ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہٗ

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

اذانِ اوّل کے بعد درس و تدریس

جمعہ کی اذان اوّل کے بعد نماز کی تیاری کر کے مسجد سے باہر ایسی جگہ پر جو کہ مسجد کے بالکل قریب ہے صرف ایک دیوار مسجد اور اس کے مابین حائل ہے وہیں بیٹھ کر درس و تدریس اکل و شرب میں مشغول ہونا کیسا ہے۔ جبکہ پورا اطمینان ہے کہ اذانِ ثانی و خطبہ سے قبل مسجد میں پہنچ جائے گا۔

مولانا احسان الحق، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ

الجواب گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ صورت مسئولہ میں یہ درس و تدریس مخل سعی نہیں۔ نیز ایسا مدرسہ فنائے مسجد میں داخل ہے۔ تو سعی متحقق ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۱۹/ ۷/ ۱۳۸۴ھ

جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق پڑھی جائیں

ایام تشریق میں جمعہ کی نماز کے بعد بھی تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے یا نہیں – ؟

الجواب جمعہ کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں۔

ویکبّرون عقیب الجمعۃ اھ (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۱۶/ ج ۱)

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

جمعہ کے لئے "اوّل آنے" سے کونسا وقت مُراد ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو جمعہ کے لئے سب سے پہلے آئے گا۔ گویا اس نے اُونٹ کی قربانی دی، دوم آنے والے نے گائے کی۔ اس اوّل اور دوم آنے سے کون سا وقت مُراد ہے ۔۔ ؟

الجواب جمہور کے نزدیک صبح کی نماز کے بعد سے لے کر امام کے خُطبہ دینے کے لئے کھڑے ہونے تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصّوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ مثلاً صبح کی نماز کے بعد سے لے کر نہوض الامام للخطبۃ تک پانچ گھنٹے ہوں تو ایک ایک گھنٹہ ہو جائے گا فالذاهب فی الاولیٰ کالمهدی بُدنۃ الخ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر ساعات سے مُراد یہ ہو جو آپ فرماتے ہیں تو کوئی بھی بدنہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اسلئے کہ ہم نے نہیں سُنا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صبح سے مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہوں اور پھر حُضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ترغیب کے باوجود چھوڑ دیتے۔ اور حضرت عثمانؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اذان کے وقت جبکہ خطبہ ہو گیا اس وقت آئے تو مہاجرین اوّلین کا اگر یہ حال تھا تو پھر اَوروں کا کیا حال پوچھنا۔ اس لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ ساعات بعد الزوال شروع ہونگی اور زوال کے بعد سے لے کر نہوض الامام للخطبۃ تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصّوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر ایک گھنٹہ ہو تو بارہ بارہ منٹ کی ساعات ہو جائیں گی ۔۔۔۔۔۔

جمہور فرماتے ہیں کہ حُضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں زوال کے ہوتے ہی خطبہ کی اذان ہو جایا کرتی تھی اور حُضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس وقت اذان اوّل تو تھی ہی نہیں۔ یہ تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں زیادہ کی گئی پھر ساعات کہاں ملیں گی۔ لہٰذا ساری ترغیب بیکار ہو جائے گی اور یہ کہنا کہ صحابہؓ سے منقول نہیں ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے اور یہاں جمہور اور مالکیہ کے خلاف "چی" کا پاٹ ہے اوجز میں اس کے موافق روایات تلاش کر کے لکھی گئی ہیں وہاں دیکھو۔ اجمال یہ ہے کہ ذھاب الی الجمعۃ کے بارے میں مختلف روایات ہیں بعض میں "من غدا الی الجمعۃ" ہے۔ غدوہ کے معنی ہیں صبح کو جانا اور بعض میں راح ہے اور رواح کے معنی ہیں زوال کے بعد جانا اور بعض میں بکّر ہے اور تبکیر و غدوہ ایک ہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ تبکیر میں کچھ مبالغہ ہے اور بعض میں تہجّر کا لفظ ہے۔ میرے نزدیک ہجر والی روایت راجح ہے۔ کیونکہ تہجیر کے معنی ہیں دھوپ میں جانا اور اس کے مُراد لینے میں ہر روایت میں جمع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تبکیر و غدوہ کی روایات مجازاً قُرب کی وجہ سے تہجیر والی روایات پر محمول ہو جائیں گی۔ اسی طرح راح والی بھی مجازاً اس پر محمول ہو جائے تو اب نہ مالکیہ کا اشکال رہتا ہے اور نہ جمہور کا ۔۔۔۔۔ (از تقریر بُخاری حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ)

فجر کی نماز رہ جائے تو جمعہ کی نماز کا حکم

زید جمعہ کی نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کو یاد آیا کہ میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔ اب زید کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ —— بینوا توجروا

الجواب اگر تو وقت اتنا تنگ ہے کہ جمعہ کی نماز توڑ کر فجر پڑھے گا تو جمعہ کا وقت ہی نکل جائیگا تو پھر جمعہ ہی پڑھ لے ورنہ شیخین کے نزدیک جمعہ توڑ کر پہلے فجر ادا کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ پڑھ لے پھر فوراً فجر ادا کر لے۔

لو ذکر فی الجمعۃ ان علیہ الفجر فان کان لا یخاف فوت الجمعۃ یقطعھا و یبدأ بالفجر ولو فات الوقت یتم الجمعۃ لسقوط الترتیب بضیق الوقت اما لو خاف فوت الجمعۃ لا الوقت فعند ھما یبدأ بالفجر و عند محمدؒ یتم الجمعۃ اھ (عالمگیری ج۱ ص۱۴۸)

فقط واللہ اعلم ؛ محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی رات کو مرنے والے کی تدفین کو جمعہ تک مؤخر کرنا

کوئی شخص جمعہ کی رات کو فوت ہو گیا تو نماز جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کے بعد تک تاخیر کرنا شرعاً کیسا ہے —— ؟

الجواب سنّت یہ ہے کہ تدفین میں جلدی کی جائے۔ اتنی دیر تک تدفین کو روکے رکھنا خلافِ سنّت ہے۔ لہٰذا جتنے حاضرین جمع ہوں مل کر جنازہ پڑھ لیں۔ ہاں اگر تدفین میں مشغولیت کی وجہ سے جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر جمعہ کے بعد جنازہ پڑھ لیں ——

وکرہ تاخیر صلٰوتہ و دفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلٰوۃ الجمعۃ إلّا اذا خیف فوتھا بسبب دفنہ اھ (درمختار) ——

(قولہ الا اذا خیف الخ) فیؤخر الدفن وتقدم صلٰوۃ العید علی صلٰوۃ الجنازۃ والجنازۃ علی الخطبۃ اھ (شامی ج۱ ص۸۳۲)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۰/۹/۱۳۹۸ ھج

جمعہ کے خطبہ میں حاکمِ وقت کے لئے عدل و انصاف کی دُعا

کیا جمعہ کے خطبہ میں حاکمِ وقت کے لئے عدل اور رعایا کے ساتھ حُسنِ سلوک کی توفیق کی دعاء کرنا درست ہے۔؟

الجواب درست ہے مگر تعریف و القاب میں مبالغہ نہ کریں۔ دُعاء تک ہی محدُود رکھیں: وجاز الدعاء للسلطان بالعدل والاحسان اھ (طحطاوی صـ۲۸۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ

بوقتِ خُطبہ سر پر عمامہ باندھنا

جب جمعہ کا خُطبہ ہو رہا ہو تو اس دوران سر پر عمامہ باندھنا کیسا ہے؟

الجواب استماعِ خطبہ کے دَوران درست نہیں۔ ویحرم فی الخطبۃ مایحرم فی الصلوٰۃ حتی لاینبغی ان یأکل ویشرب والامام فی الخطبۃ اھ (عالمگیری ص ج ۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ

مالک مزدور کو جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں ؟

مزدور یا مستری کو مالک مکان جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں روک سکتا تو جتنا وقت جمعہ و نماز میں لگے گا اُس کی وجہ سے مزدور کی تنخواہ میں کمی کی جائے گی۔؟ بیّنوا توجروا

الجواب جمعہ کے لئے جانے سے روک تو نہیں سکتا۔ اگر مسجد دُور ہو اور وقت کافی صَرف ہو تو اتنی اُجرت کاٹ سکتا ہے۔

وللمستأجر ان یمنع الاجیر عن حضور الجمعۃ وھذا قول الامام ابی حفص رح قال ابوعلی الدقاق لیس لہ ان یمنعہٗ فی المصر ولکن یسقط عنہ الاجر بقدر اشتغالہ بذلک ان کان بعیدًا وان کان قریبًا لایحط عنہ شئ اھ

(عالمگیری ص ج ۱) فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہٗ

۱۰ / ۹ / ۱۴۱۲ھ

شہر قریہ صغیرہ بن جائے تو وہاں جمعہ کا حکم

ایک شہر بہت بڑا دریا کے کنارے موجود تھا مگر دریا کی کٹائی کی وجہ سے اب چند بعد گھر باقی بچ گئے۔ کیا اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب صحت جمعہ کے لئے اقامت جمعہ کے وقت اس جگہ کا مصر یا قریۂ کبیرہ ہونا شرط ہے۔ ماضی میں شہر رہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا اب مذکورہ جگہ ظہر با جماعت ادا کریں۔

وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا اسواق۔ (شامی ج ۱ ص ۵۴۸)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہٗ (۱۰/۷/۱۳۹۶ھ)

جہاں جمعہ درست نہیں وہاں ظہر باجماعت پڑھیں

جہاں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط بالاتفاق نہیں پائی جاتیں اور وہاں لوگ جمعہ پڑھ رہے ہیں وہ جمعہ ترک کردیں یا پڑھتے رہیں اگر جمعہ ترک کریں تو سابقہ ظہر کی نمازوں کی قضا کریں یا نہ کریں۔؟

الجواب جمعہ ترک کردیں اور ظہر با جماعت کا اہتمام کریں اور سابقہ ظہر کی نمازوں کا حساب کرکے ان کی بھی قضا کریں۔

فی الجواہر لو صلوا فی القری لزمہم اداء الظہر اھ (شامیہ ص ۵۴۸ ج ۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ

جمعہ کی ابتدائی سنتیں اگر رہ جائیں تو بعد میں ادا کی نیت سے پڑھیں۔

اگر جمعہ کی ابتدائی چار سنتیں رہ جائیں تو جمعہ کے بعد ان کو ادا کرتے وقت نیت ادا کی کریں یا قضا کی نیت سے پڑھیں۔؟

الجواب ادا کی نیت کی جائے کیونکہ ظہر کا وقت باقی ہے۔ صرف ترتیب بدلی ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۴۲۵ ج ۱)

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ | فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

کیا خُطبہ کے لئے منبر ضروری ہے۔؟

کیا خطبہ دینے کے لئے منبر کا ہونا ضروری ہے یا بغیر منبر کے بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے ۔؟

الجواب سُنّت یہی ہے کہ خطبہ منبر پر دیا جائے :

ومن السُّنّۃ ان یکون الخطیب علی منبر اقتداءً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھ (عالمگیری ص۱۴۶ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہٗ

نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز کا حکم

اگر جمعہ کے دن نمازی زیادہ ہو جائیں تو کیا مسجد کی چھت پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب اگر نمازی زیادہ ہوں اور جگہ نہ ہو تو مسجد کی چھت پر بلا کراہت نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہٌ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذٍ لا یکرہ الصعود علی سطحہٖ للضرورۃ اھ (عالمگیری ص۳۲۲ ج۵)

فقط والسلام
محمد انور عفا اللہ عنہٗ

خطبہ کے لئے قیام فرض ہے یا سُنّت

اگر کوئی خطیب بیٹھ کر خطبہ پڑھ لے کیا شرعاً خطبہ ادا ہو گیا یا نہیں۔؟ بیّنوا توجروا

الجواب سُنّت یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دیا جائے ۔ گو بیٹھ کر پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گا

واما سننھا فخمسۃ عشر ...... الی قولہ وثانیھا القیام ولو خطب قاعداً او مضطجعاً جاز اھ (عالمگیری ص۱۴۵ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہٗ

۷/۱۲/۱۴۱۱ھ

بوقت خطبہ سامعین قبلہ رُخ ہوکر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوں

جب امام خطبہ دے رہے ہوں تو سامعین با اَدب قبلہ رُخ ہوکر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھیں ——؟

الجواب جو امام کے سامنے ہوں اور جو دائیں اور بائیں قریب بیٹھے ہوں ان کے لئے مستحب ہے کہ امام کی طرف رُخ کر کے ہمہ تن گوش بن کر بیٹھیں ——

یستحب للرجل ان یستقبل الخطیب بوجھہ ھذا اذا کان امام الامام فان کان عن یمین الامام —— —— اوعن یسارہ قریبا من الامام ینحرف الی الامام مستعد اللسماع (عالمگیری ۱۴۷ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

جہاں کثرت اژدھام کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ ملے ......

رائے ونڈ میں اجتماعی طور پر پڑھا جاتا ہے۔ بعض صفوں میں نمازی بے ترتیبی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی ایسی صورت میں کیا کیا جائے ۔؟

الجواب ایسا شخص انتظار کرے جب لوگ سجدہ کر کے اُٹھ جائیں اور زمین پر جگہ مل جائے تو پھر سجدہ کرے۔ اگر کسی کی پُشت پر سجدہ کر لیا پھر بھی اَدا ہو جائیگا۔

رجل لم یستطع یوم الجمعۃ ان یسجد علی الارض من الزحام فانہ ینتظر حتی یقوم الناس فاذا رأی فرجۃ یسجد وان سجد علی ظھر الرجل اجزاہ۔ (قاضی خان ص۸۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

خطبہ کے بعد اقامت سے پہلے صفیں سیدھی کرنے کے بارے میں کہنا

بعض مساجد میں معمول ہے کہ جب امام خطبہ دے چکتا ہے تو اقامت سے پہلے کچھ لوگ بلند آواز سے پُکار پُکار کر کہتے ہیں صفیں سیدھی کر لیں۔ بچوں کو پیچھے نکال دیں۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ——؟

الجواب درست ہے : (ویصف ای یصفھم الامام بأن یامرھم

بأن ينتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم (درمختار علی الشامیہ ص۵۳۱ ج۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا

کیا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ خدام الدین میں مندرجہ ذیل احادیث درج ہیں جن کی رو سے جمعہ کا روزہ رکھنا منع معلوم ہوتا ہے احادیث :۔

(۱) —— عن ابی هريرةؓ قال سمعت رسولؐ الله يقول لا يصومن احدكم يوم الجمعة الا يومًا قبله اوبعده (۲)—— وعن محمد بن عباد قال سألت جابرًا أنهى النبي صلى الله عليه وسلم عن صوم الجمعة قال نعم (بخاری ومسلم)

مولانا مفتی کفایت اللہ نے رسالہ تعلیم الاسلام میں جمعہ کے دن کو افضل قرار دیا ہے۔ ۹ ذی الحجہ کو اگر جمعہ آجاوے تو کیا مندرجہ بالا احادیث کی رو سے یہ روزہ رکھنا بھی ممنوع ہوگا —— ؟

الجواب صرف ایک روزہ جمعہ کے دن کا رکھنا جائز ہے اور مذکورہ بالا حدیث میں نہی عن افراد صوم یوم الجمعة تنزیہی ہے۔ (کمافی فتح الملہم ص۱۵۵ ج۳) وذهب الجمهور الى ان النهي فيه للتنزيه وعن مالك وابي حنيفة لا يكره —— البتہ احتیاط اس میں ہے کہ دو روزے رکھے جائیں :

كما في التجنيس عن ابي يوسف فكان الاحتياط ان يضم اليه يومًا آخر.(فتح الملہم ص۱۵۵ ج۳) یوم جمعہ اگر اتفاقاً یوم عرفہ بھی ہو تو ان احادیث کی رو سے اس کو غیر حاجی کے لئے ممنوع یا مکروہ کہنا صحیح نہیں بلکہ اس دن بلا کراہت تنزیہہ روزہ رکھنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہٗ

۲۷ / ۲ / ۱۳۸۶ ھ

خطبہ کی جگہ قرآن مجید کا رکوع پڑھنا

چند ساتھی ایک گاؤں میں گئے جن میں کوئی باقاعدہ عالم نہیں تھا۔ کہ خطبہ پڑھ سکتا۔ مگر چند رکوع قرآن شریف کے یاد تھے۔ ایک رکوع اگر پڑھ دیا جائے۔ جمعہ ادا ہوجائے گا یا نہیں —— ؟

الجواب ۷ قرآنِ حکیم کا بہ نیت خطبہ پڑھنے سے خطبہ تو ادا ہو جائے گا مگر خطبہ میں جو چیزیں سنت ہیں وہ رہ جائیں گی ـــــ

الخطبۃ تشتمل علی فرض و سنۃ الی قولہ و اما سننھا فخمسۃ عشر الی قولہ و سادسھا البدایۃ بحمد اللہ وسابعھا الثناء علیہ بما ھو اھلہ و ثامنھا الشہادتان وتاسعھا الصلوٰۃ علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام والحادی عشر قرأۃ القرآن (عالمگیری ج۱ ص۱۴۶)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن مقبولیّت کی گھڑی کا صحیح وقت کون سا ہے ـــ؟

جمعہ کے دن وہ گھڑی جس میں دعا قبول ہوتی ہے کیا شریعت میں اس کی کوئی تعیین کی گئی ہے یا نہیں؟

الجواب ۷ اس سلسلہ میں تقریباً بیالیس ۴۲ قول منقول ہیں جن میں سے راجح یہ دو قول ہیں۔ ۱۔ وہ گھڑی بین الخطبتین ہے جب امام بیٹھتا ہے تو اس وقت ہوتی ہے۔

۲۔ عصر سے لے کر مغرب کے وقفہ میں وہ گھڑی آتی ہے۔ اکثر نے اسی کو پسند کیا ہے مگر بین الخطبتین دعا دل سے کریں۔ وسئل علیہ السّلام عن ساعۃ الاجابۃ فقال ما بین جلوس الامام الی ان یتم الصلوٰۃ وھو الصحیح وقیل وقت العصر والیہ ذھب المشائخ (قولہ وسئل علیہ السلام) ثبت فی الصحیحین وغیرھما عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ ساعۃ لا یوافقہا عبد مسلم وھو قائم یصلی یسأل اللہ تعالیٰ شیأ الا اعطاہ ایاہ وفی ھذہ الساعۃ اقوال اصحہا او من اصحہا انہا فیما بین ان یجلس الامام علی المنبر الی ان یقضی الصلاۃ کما ھو ثابت فی صحیح مسلم عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ایضا حلیۃ قال فی المعراج فیسن الدعاء بقلبہ لا بلسانہ لانہ مامور بالسکوت اھ وفی حدیث آخر انہا آخر ساعۃ فی یوم الجمعۃ وصححہ الحاکم وغیرہ وقال علی شرط الشیخین ولعل ھذا ھو مراد المشائخ ونقل ط عن الزرقانی ان ھذین القولین مصححان من اثنین واربعین قولا فیہا وانہا دائرۃ بین ھذین الوقتین فینبغی الدعاء

فیهما اھ ثم الظاهر انها ساعة لطیفة یختلف وقتها بالنسبة الی کل بلدة وکل خطیب لان النهار فی بلدة یکون لیلا فی غیرها وکذالک وقت الظهر فی بلدة یکون وقت عصر فی غیرها لما قالوا من ان الشمس لا تتحرک درجة الا وهی تطلع عند قوم وتغیب عند آخرین (شامی ص۴۷۳ ج۱۰)

فقط واللہ اعلم | محمد انور ۱۱/۲/۱۴۰۳ھ

وذروا البیع الآیۃ سے جمعہ کے لئے مصر کے ضروری ہونے پر استدلال کرنا

ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ لفظ بیع سے شہر کی قید اور شرط ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی خیال باطل ہے کیونکہ اگر لفظ بیع مقصود بالذات ہو تو بائع اور مشتری پر جمعہ فرض ہوتا باقی سب محروم رہ جاتے۔ ۔۔۔ کیونکہ علماء، طلباء، عابد، زاہد اور دیگر صنعت و حرفت کرنے والے بیع میں مشغول نہیں ہوتے۔ حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے اس لئے لفظ بیع سے شہر ثابت نہیں ہوتا۔ نیز بیع قلیل یا کثیر ہر جگہ ہے۔ تو جمعہ بھی ہر جگہ ہوتا تو یہ کلیہ مسلم نہ ہوگا۔ نیز میں کہتا ہوں کہ لفظ بیع شانِ نزول کے لئے بولا گیا ہے کہ لوگ جمعہ کے وقت جمعہ چھوڑ کر بیع کے لئے چلے گئے تھے ورنہ اس سے مقصد اس چیز کا چھوڑنا ہے جو جمعہ سے غافل کردے۔ فتح البیان میں ہے کہ اس سے تمام شواغل الدنیا مراد ہیں۔ جناب عالی اس شق پر غور کر کے حنفی مذہب کی تائید میں جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب والمراد من البیع ما یشغل عن السعی الیها حتی لو اشتغل لعمل آخر سوی البیع فهو حکمه وکذا ایضاً۔ (بحر ص۱۶۹ ج۲) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مراد ہر ایسی مشغولی کا ترک کرنا ہے جو مخل سعی ہو۔ خصوصی بیع میں حکم ترک منحصر نہیں۔ البتہ لفظ بیع کو اختیار فرمانے سے اشتراط مصر کی طرف اشارہ مفہوم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تجارت اور خرید و فروخت آبادی کے غالب کاروبار ہونے کی حیثیت سے صرف شہروں ہی میں ہوتی ہے۔ دیہات اور چھوٹی بستیوں میں نہیں بلکہ ان میں غالب کاروبار کاشت کا ہوتا ہے پس آیت کے مخاطب ایسے لوگ ہی ہیں

جنکی اکثریت کو بوقت نداء وذروا البیع کہہ کر ان کو مشاغل سے روکا جا سکے اور یہ خطاب ان کو صحیح ہو واللہ اعلم نہ کہ ایسے لوگ جنکی اکثریت کو غافل وذروا البیع کا خطاب نہ کر سکے۔

فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۵/۸۰ھ

الجواب صحیح،
عبداللہ غفر لہ، مفتی خیر المدارس ملتان
۲۶/۵/۸۰ھ

جامع مسجد نئی بنالی جائے تو پرانی میں جمعہ ترک کر سکتے ہیں ـــ؟

ایک جامع مسجد نئی زیر تعمیر ہے جس کا کام شروع ہو چکا ہے اس کی تکمیل کے بعد اگر ہم سابقہ مسجد کی جگہ نئی جامع مسجد میں جمعہ پڑھیں اور سابقہ مسجد میں جمعہ کی نماز ترک کر دیں تو کیا شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں۔؟

الجواب اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں درمختار میں ہے:ـــ

وافادان المساجد تغلق یوم الجمعة الا الجامع۔

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۹/۱۰/۱۳۸۸ھ

جمعہ سے پہلے ظہر ادا کرلی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں؟

زید کو کوئی عذر بھی نہیں اس نے بجائے مسجد جانے کے گھر میں ہی ظہر پڑھ لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب جمعہ کے دن بلا عذر جمعہ چھوڑ کر ظہر پڑھنا گناہ اور قابلِ مواخذہ ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک تو ظہر ادا ہی نہیں ہوتی اگرچہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ظہر ادا ہو گئی۔

ومن صلی الظهر یوم الجمعة قبل صلوٰة الامام الجمعة ولا عذر له صحت ظهره عندنا وان کان عاصیا وعند زفر لا تصح وهو قول الثلثة (الی قوله) قلنا فرض الوقت فی هذا الیوم ایضا هو الظهر کسائر الایام ولذا لو خرج الوقت لا یقضی الا الظهر بالاجماع الا انه مامور باسقاط الظهر بالجمعة فاذا لم یفعل کان عاصیا معاقبا وهو لا ینافی الصحة اھ (کبیری ص۵۱۸) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

باب العیدین

انّا اعطینك الکوثر ۝ فصل لربّك
وانحر ۝ انّ شانئك هوالابتر ۝

خیر الفتاوٰی
(جلد سوم)

تکبیراتِ عیدین واجب ہیں

نمازِ عید کی زائد تکبیرات واجب ہیں یا سنت، یا مستحب ؟ اگر کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نمازِ عید ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

الجواب تکبیراتِ عیدین واجب ہیں۔ صاحبِ تنویر الابصار واجبات کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں " ولفظ السلام و قنوت الوتر وتکبیرات العیدین وكذا احدها اذ ان كل تكبيرة واجب مستقل. (شامیہ ج ۱ ص ۳۲۹)۔

تکبیر چھوٹ جانا موجب سجدۂ سہو ہے۔ کما فی المراقی۔ لیکن چونکہ عید میں بوجہ اندیشۂ فتنہ، سجدۂ سہو نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اگر سجدۂ سہو نہ کیا گیا تو نمازِ عید درست ہو جائے گی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔ کما فی الدر المختار، ج ۱، ص ۵۲۸۔

(فی المراقی ویجب تكبيرات العيدين وهكذا فی الهداية والكنز وغيرها من المعتبرات - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی خیر المدارس ملتان	۱۸ / ۱۰ / ۸۳ ۱۳ھ

نمازِ عید زوال تک پڑھ سکتے ہیں

یہاں لوگ نمازِ عید میں بہت تاخیر کر دیتے ہیں یعنی کہ ساڑھے گیارہ بجے پڑھتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے ؟ ؛ محمد صدیق ؛ تحصیل کنڈیارو ؛ نواب شاہ سندھ

الجواب وفی الدر المختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۷۷۰ (ووقتها من الارتفاع) قدر رُمح فلا یصح قبله بل تکون نفلاً محرماً (الی الزوال) باسقاط الغایۃ اھ۔
اگر نمازِ عید زوال سے پہلے پہلے پڑھ لی جاتی ہے تو درست ہے فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتم جامعہ ہذا	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی ۱۰ / ۱۱ / ۸۴ ۱۳ھ

جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا

جو جگہ پچاس ساٹھ سال سے جنازہ گاہ بنی ہوئی ہے اس جگہ عید کی نماز پڑھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب جنازہ گاہ میں اگر عید کی نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی۔ جنازہ گاہ میں عید کی نماز ناجائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح بندہ اصغر علی غفرلہٗ

عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے تو وہ جبانہ (صحرا) کے حکم میں نہیں

عیدین کی نماز محلہ کی مساجد میں کہ جن میں سو ڈیڑھ سو آدمی جمع ہوتے ہیں بلا کراہت درست ہے ؟ یا اس کے لئے بڑا اجتماع مطلوب ہے ؟ نیز عید گاہ کا شہر سے باہر ہونا مطلوب شرعی ہے یا نہیں ؟ اگر مطلوب شرعی ہے تو اس صورت میں ملتان شہر کی غالباً کوئی عید گاہ بھی شہر سے باہر نہیں ؟

الجواب فی الدر المختار والخروج الیها ای الجبانۃ لصلوۃ العید سنۃ وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحیح ۔ ج ۱ ص ۷۷۶) ۔ نمازِ عیدین کے لئے مسنون طریقہ یہی ہے کہ صحرا

میں آبادی سے باہر پڑھیں ۔ جو عید گاہ آبادی بڑھنے کی وجہ سے شہر کے اندر آگئی ہے وہ بحکم جبانہ یعنی صحراء نہیں ہے ۔ مسجدِ محلہ میں اگر نمازِ عید پڑھی جائے تو ادا ہو جائے گی ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی
خیر محمد عفا اللہ عنہ	۱۲/۷ / ۸۸ ۱۳ھ

تکبیراتِ تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ کہی جائیں یا تین دفعہ

تکبیرِ تشریق فرض نماز کے بعد کوئی دو تین دفعہ کہے تو یہ بھی جائز ہے یا صرف ایک ہی مرتبہ کہے ؟ المستفتی ، محمد شفیع حیدر آباد سندھ

الجواب: تکبیرِ تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ سے زائد کہنا بھی درست ہے ۔ مرّۃ وان زاد علیھا یکون فضلاً ۔ (درمختار)۔

بعض فقہاء رح نے زیادتی کو خلافِ سنت قرار دیا ہے ۔ (شامی : ج ۱ ، ص ۷۸۵)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نمازِ عید واجب ہے اور اسے سنت سمجھنے والے کی اقتداء کا حکم

۱ ، کیا نمازِ عید واجب ہے یا سنت ؟ اگر واجب ہے تو جو شخص نمازِ عید کو سنت سمجھے تو کیا اس کے پیچھے ان مقتدیوں کی نماز جائز ہے جو عید کو واجب سمجھتے ہوں ؟

۲ ، نمازِ عید کے وجوب کی دلیل بھی بیان فرمائیں ؟

الجواب: ۱ ، نمازِ عید واجب ہے ۔ صلوٰۃ العید واجبۃ (نور الایضاح)۔

نمازِ عید کو سنت سمجھنے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نمازِ عید درست ہے ۔ یہ اجتہادی اختلاف مفسدِ اقتداء نہیں ۔

۲ : وجوبِ عید کی دلیل یہ ہے۔

لانه ثبت بالنقل المستفيض عنه صلى الله عليه وسلم انه كان يصلي صلوة العيدين من حين شرعيتها الى ان توفاه الله تعالى من غير ترك كذا الخلفاء الراشدون و الائمة المجتهدون وهذا دليل الوجوب ۔ (حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح)۔ فقط والله اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۰ / ۱۰ / ۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۱/۱۰/۱۳۹۲ھ

"عید مبارک" کہنے کا حکم

عید الفطر کے دن "مبارک باد" کہنا، کہیں ثابت ہے یا نہیں؟ نیز اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب کہنا کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدہ کے بغیر اگر کسی کو روزے پورے کرنے کی مبارک دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

" والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لا تنكر اه قوله لا تنكر خبر لقوله التهنئة الخ قال المحقق ابن امير الحاج بل الاشبه انها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارًا باسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذالك ثم قال والمتعامل في البلاد الشامية و المصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذالك في المشروعية والاستحباب لما بينهما تلازم فان من قبلت طاعته في زمان كان ذالك الزمان عليه مباركًا على انه قد ورد الدعاء بالبركة في امور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بهاهنا ايضا شامی ج ۱ ص ۷۳۲ اه فقط والله اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۳۰ / ۹ / ۱۳۹۷ھ

تکبیراتِ تشریق نمازِ عید کے بعد بھی کہی جائیں

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ عید الاضحیٰ کی تکبیرات جو کہ نویں تاریخ سے شروع ہوتی ہیں عید کی نماز کے بعد نہ کہے۔ جب کہ ہدایہ میں ہے کہ کہی جائیں۔ صحیح جواب کیا ہے ؟

مولانا فقیر حسین صاحب
خطیب مسجد بابر کرم شاہ نوشہرہ صدر ضلع پشاور

الجواب عید کی نماز کے بعد بھی تکبیرات کہنا مستحب ہے۔ یہی راجح ہے۔

ولا بأس به عقب العيد لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون (درمختار) وفي الشامية تحت قوله كلمة لا بأس قد استعمل في المندوب كما في البحر من الجنائز و الجهاد و منه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم يقوله فوجب الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح عليه وفي البحر عن المجتبى والبلخيون يكبرون عقب صلوة العيد لانها تؤدى بجماعة فاشبهت الجمعة - (شامی ج ۱ ص ۵۶۲) - فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

چھوٹے دیہاتوں میں عید پڑھنے کا حکم

دیہات میں جہاں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں وہاں عید کی نماز ہو جائے گی ؟ اگر عید کی نماز پڑھنا چاہیں تو کس صورت میں ادا ہو سکتی ہے ؟

الجواب چھوٹے دیہاتوں میں عیدین کی نماز پڑھنا درست نہیں۔ تجب صلاتهما في الاصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة وفي القنية صلوة العيد في القرى تكره تحريما ... اى لانه اشتغال بما لا يصح لان المصر شرط الصحة اھ (درمختار على الشامية ج ۱ ص ۷۷۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲/۱۲/۱۳۹۹ھ

عیدین کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے

ہم پہلے ریلوے گراؤنڈ میں عید ادا کرتے تھے اب مسجد بھی تیار ہوگئی ہے۔ کیا مسجد میں عید ادا کی جاسکتی ہے؟ مولانا محمد اشرف، اشرف المدارس ہارون آباد

الجواب عیدین کی نماز کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے۔ گو مسجد میں تمام نمازی آسکتے ہوں۔ آنحضرت علیہ السلام نے سوائے ایک دفعہ کے، وہ بھی بارش کی وجہ سے، ہمیشہ عیدین کی نماز جنگل میں ادا فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زیادہ ثواب اتباع سنت میں ہے۔ لہٰذا گراؤنڈ میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ معہٰذا مسجد میں پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی۔

والخروج الیها ای الجبانة لصلوة العید سنة و ان وسعهم المسجد الجامع هو الصحیح (شامی ۱ھ: ص ۷۷۶ ج: ۱)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
۲۰ / ۹ / ۱۳۹۷ھ

جو عید کا خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھائے

اگر نماز عید ایک شخص پڑھائے اور اسے خطبہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے خطبہ دوسرا شخص پڑھے تو نماز عید ہوگئی یا نہیں؟

الجواب اگرچہ ایسا کرنا نامناسب ہے تاہم نماز عید صحیح ہوگئی۔ اس کے جواز وادائیگی میں کوئی شبہ نہیں۔ ومایسن فی الجمعة ویکرہ یسن فیها ویکرہ۔ (درمختار علی الشامیة: ج ۱ ص ۵۶۱)۔ وفی باب الجمعة من شرح تنویر الابصار علی هامش ردالمحتار لاینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانهما کشئ واحد ج ۱ ص ۵۵۲)

فقط واللہ اعلم : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عیدین میں دعاء نماز کے بعد مانگی جائے

عید کی نماز کے بعد دعاء مانگنا مسنون ہے یا مستحب۔ نیز دعاء نماز کے بعد مانگی جائے یا خطبہ کے بعد؟ المستفتی محمد امجد، مریدوالا ضلع فیصل آباد۔

الجواب فتاویٰ دارالعلوم، ج ۵: ص ۱۸۸ پر ہے۔ عام طور پر نماز کے بعد دعاء مانگنا وارد ہوا ہے۔ لہٰذا عیدین میں بھی نماز کے بعد دعاء مانگنا مسنون و مستحب ہے۔ وفیہ فی مقام آخر۔ ہمارے اکابر حضرات کا یہی معمول رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔
خیر المدارس، ملتان ۱۹/۱۲/۱۴۰۱ھ	۱۹/۱۲/۱۴۰۱ھ

عید میں دوسرا خطبہ چھوڑ دیا تو عید کا حکم

ایک شخص نے عید کی نماز پڑھائی۔ اور نماز پڑھا کر صرف پہلا خطبہ پڑھا دوسرے خطبہ کو چھوڑ دیا اور پہلا خطبہ پڑھ کر دعاء کھڑے ہو کر منگوائی۔ آپ بتائیں کہ نماز ہوگئی یا نہ؟ خطبہ واجب تھا ایک تو چھوٹ گیا نماز میں کوئی نقص تو نہیں آیا۔؟

الجواب نماز ادا ہوگئی، واجب خطبہ بھی ادا ہوگیا۔ البتہ خلاف سنت کیا۔ دعاء بھی نماز کے بعد مانگنی چاہیے تھی۔ ویخطب بعدها خطبتین وسماً سنة۔اھ۔ (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص ۷۸۲)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/۱۰/۱۴۰۸ھ

عیدین کے بعد مصافحہ کرنا

عید الفطر کے بعد ملنا کیسا ہے۔ یہ سنت طریقہ ہے یا بدعت ہے؟ (۲) مصافحہ کرنا چاہیے یا کہ بغل گیر ہونا چاہیے؟ اگر منع ہے تو کیوں؟

الجواب اگر مصافحہ و معانقہ عید کا تتمہ اور حصہ سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے کیونکہ

یہ روافض کا شعار ہے۔ کذا فی امداد المفتیین ۔ ج ۱ : صـ ۹۵ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفااللہ عنہ مفتی خیرالمدارس
۷ / ۱۰ / ۱۴۰۷ھ

عیدین میں خطبہ کے بعد دعا کا کسی درجہ میں بھی ثبوت نہیں

نمازِ عید کے بعد دعا ہے یا نہیں ؟ صحیح بخاری و مسلم کی روایات میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں خواتین کا عیدگاہ جانا اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہونا بالتصریح موجود ہے ۔ اگر یہ دعا اجتماعی نہ تھی تو شرکت کا کیا مطلب ؟ نیز اگر دعا ہے تو اجتماعی بہتر ہے یا انفرادی ؟

از مدرسہ احسن العلوم ، بلاک نمبر ۲ گلشن اقبال کراچی

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے منقول نہیں کہ نماز یا خطبہ کے بعد دعا کرتے تھے ۔ اور اسی طرح کتبِ فقہ میں بھی یہ دعا مذکور نہیں ۔ اور اکابر علماء نے دیوبند کا طرزِ عمل بھی یہی لکھا ہے کہ وہ خطبہ کے بعد دعا نہیں مانگتے تھے ۔ اور حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں وارد ہے ۔

و یشهدن الخیر و دعوة المؤمنین وفی روایة لیشهدن جماعة المسلمین و دعوتهم الخ ۔

لفظ "دعوتهم" سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ معروف طریقے پر اجتماعی دعا کرنا اس سے مراد ہے ۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو شروح حدیث اور کتبِ فقہ میں مستقلاً اس دعا کا ذکر ہوتا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت سے مراد خطبہ ہے ۔ یا نماز و خطبہ میں کی جانے والی دعائیں ہیں ۔ سورۂ فاتحہ میں دعا ہے ، تمام مقتدی آمین کہہ کر اس میں شریک ہوتے ہیں اور اللہ پاک کی بارگاہ سے نازل ہونے والی رحمت و اجابت اس پورے مجمع کو گھیر لیتی ہے ۔ آخری تشہد میں دعائیں ہیں اور ایک روایت میں ہے

فاذا کان یوم عیدهم یعنی یوم فطرهم باهیٰ بهم ملٰئکته

فقال یا ملٰٓئکتی (الی ان قال) عبیدی و امائی قضوا فریضتی
علیہم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء و عزتی وجلالی
وکرمی وعُلُوّی و ارتفاع مکانی لاجیبنھم فیقول ارجعوا قد
غفرت لکم الحدیث ۔ (مشکوٰۃ : صـ ۱۸۲ ج ۱)

اس حدیث میں عید کو جاتے ہوئے دعاء کا ذکر ہے ۔ تکبیرات بھی بمعنی دعاء ہیں ۔ کیوں کہ رب کریم کی ثناء وتکبیر بھی دعاء ہے ۔

الغرض اتنی متنوع اور متعدد متفقہ دعاؤں کی موجودگی میں " دعوتہم " کے لفظ کو معروف زمانہ دعاء پر محمول کرنا قرین قیاس نہیں ۔ البتہ دیگر تمام نمازوں کے بعد دعاء مانگنا چونکہ مستحب ہے ۔ اس عموم کے تحت داخل کرتے ہوئے اگر نماز عید کے بعد بھی دعاء کرلی جائے تو گنجائش ہے ۔ لیکن خطبے کے بعد دعاء کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیرالمدارس ملتان

۱۹ / ۸ / ۱۴۰۳ھ

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

بعد اداب عرض ہے کہ آپ کا فتویٰ ہمارے استفتاء بابت "دعاء عید" کے جواب میں موصول ہوا ۔ کہ آپ نے نماز عید کے بعد دعاء کی گنجائش تمام نمازوں کے بعد دعاء پر قیاس کرکے نکالی ہے ۔ جب کہ خود مقیس علیہ یعنی دعاء بعد الفرض احادیث و فقہ سے ثابت نہیں ۔ بلکہ فقہاء رحمہم اللہ نے فرضوں کے بعد جب کہ سنن باقی ہوں ، دعا کو مکروہ و بدعت لکھا ہے ۔ " خلاصۃ الفتاویٰ " میں ہے ۔ " ویکرہ الدعاء بجماعۃ بعد الفرائض " اسی طرح "بزازیۃ" اور " مدخل " وغیرہ میں بھی تصریح موجود ہے ۔

نیز نماز اور خطبہ کے درمیان فصل بالدعاء احداث فی الدین معلوم ہوتا ہے ۔ جب کہ خطبہ کے بعد بوجہ اعمال عید مکمل ہونے کے اباحت واستحسان معلوم ہوتا ہے ۔ نیز حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ مکتوبات کے بعد دعوات سنن و نوافل کے بعد دعوات پر قیاس ہے ۔

ملاحظہ ہو " فیض الباری : ج ۴ ، ص ۷،۱۴ -

نیز جب تک اس بات کا ثبوت نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا خیر القرون میں کسی نے بھی نمازِ عید اور خطبہ کے درمیان کسی تیسرے عمل سے فصل کیا ہو یہ دعاء کس طرح مستحسن اور مستحب ہو سکتی ہے - ہمیں قوی اندیشہ دعاء بعد الصلوٰۃ پر ہے - نہ قبل الخطبہ پر آپ غور فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں - اردو کے فتاوٰی قطعاً محل نظر ہیں - والسلام مع الاکرام

المستفتی : الاحقر محمد زاول خان عفا اللہ عنہ

حوالہ نمبر ۲۳۶/۶۳ ، ۳۰/۳/۳ ۱۴۰۴ھ

الجواب

فرائض کے بعد دعاء حدیث وفقہ سے فی الجملہ ثابت ہے -

" قال صلیت مع رسول اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلّم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث اخرجہ ابن ابی شیبہ کذا فی معارف السنن : ج ۳ : ص ۱۲۳) -

۲ : عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ بعد ما سلّم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید بن الولید اھ قال یعقوب ھذا حدیث صحیح -(۴")

اور معارف السنن ہی میں علامہ نووی رح وغیرہ سے فرائض کے بعد دعا کا استحباب نقل کیا ہے - خلاصۃ الفتاوٰی وغیرہ کی عبارات بقیہ صفحہ نقل کی جائیں تاکہ ان پر غور کیا جاسکے -

جب فرائض اور سنن کے مابین دعاء اور اوراد کا پڑھنا احداث فی الدین نہیں بلکہ فقہاء رح کی ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے - تو عید کے بعد یہ " احداث " کیوں کر قرار دیا جائے گا - دعاء کو نماز کے توابع میں شمار کیا جائے گا نہ کہ اجنبی -

حضرات محدثین کی ایک جماعت نے وتر کے بعد نوافل کی یہ توجیہ کرتے ہوئے حدیث " اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترًا " کے ساتھ اس کی تطبیق بیان فرمائی ہے کہ یہ نفل وتر کے تابع ہیں - گویا کہ مستقل نماز نہیں - اسی لئے حدیث اجعلوا الخ کے خلاف نہیں - (کما فصّلہ الشوکانی فی النیل ج ۳ : ص ۴۳ و ابن القیم فی الھدیٰ) -

تاہم اگر کسی کو پسند نہ ہو - تو ہم نے اس دعاء کو نہ فرض کہا تھا نہ واجب نہ سنت بلکہ صرف یہ

کہا تھا کہ "گنجائش" ہے۔ اعمالِ عید کا مکمل ہوجانا ہی استحسان دعا بعد از خطبہ کے لئے کافی نہیں بلکہ اس اجتماعی عمل کو مشروع و مستحسن قرار دینے کے لئے فی الجملہ حدیث وغیرہ سے ثبوت چاہیئے۔ بعد از نماز کے لئے تو کسی درجہ میں ثبوت موجود ہے۔ اور بعد از خطبہ کے لئے اتنا بھی نہیں پس احتراز چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۶/۳/۱۴۰۴ھ

عند الاحناف عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں

عیدین کی تکبیروں کی تعداد کتنی ہے؟ ایک صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تکبیریں بارہ ہیں اگر چھ کا کوئی ثبوت ہو تو پیش کیا جائے۔ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔؟

الجواب عیدین میں تکبیرات زوائد عند الاحناف چھ ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے صحیح سند کے ساتھ متعدد اقوال منقول ہیں۔ احناف نے چھ والی روایت کو بہ چند وجوہ قوی ہونے کی بنا پر اختیار کیا ہے۔

۔۔۔ عن ابی عائشة ان سعید بن العاص سأل ابا موسیٰؓ و حذیفة رضؓ کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی الاضحی و الفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعا تکبیرہ علی الجنائز فقال حذیفة رضؓ صدق فقال ابو موسیٰؓ کذالک کنت اکبر فی البصرة حیث کنت علیہم اھ رواہ ابوداؤد بیہقی، ابن ابی شیبة (از اوجز ج ۲ ص ۲۲۹)۔ قال النیموی اسنادہ حسن۔

۔۔۔ عن کردوس قال قدم سعید بن العاص فی ذی الحجة فارسل الی عبد اللہ وحذیفة رضؓ وابی مسعود الانصاریؓ وابی موسیٰ الاشعری رضؓ فسألہم عن التکبیر فاسندوا امرہم الی عبد اللہ قال عبد اللہ یقوم فیکبر ثم یکبر ثم یکبر ثم یکبر

فیقرأ ثم یکبر و یرکع و یقوم فیقرأ ثم یکبر ثم یکبر ثم یکبر ثم یکبر الرابعة ثم یرکع ۔ (مصنف ابن ابی شیبة)۔

—— عن عبد اللہ بن الحارث قال صلی بنا ابن عباس رضہ یوم عید فکبر تسع تکبیرات خمسا فی الاولی واربعا فی الاخرۃ۔اھ (رواہ ابوبکر فی مصنفہ وقال الحافظ فی التلخیص اسنادہ صحیح)۔

—— عن ابی عبد الرحمن قال حدثنی بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عید فکبر اربعا اربعا ثم اقبل علینا بوجہہ حین انصرف فقال لا تنسوا کتکبیر الجنائز واشار باصابعہ وقبض ابھامہ ۔اھ (قال الطحاوی فہذا حدیث حسن الاسناد)۔

—— صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے حضرت ابن مسعود رضہ ، ابوموسیٰ اشعری رضہ ، حذیفہ بن الیمان رضہ ، عقبہ بن عامر رضہ ، ابن زبیر رضہ ، ابومسعود بدری رضہ ، ابوسعید خدری رضہ ، براء بن عازب رضہ ، عمر بن الخطاب رضہ ، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی یہی منقول ہے۔ (اوجز ، ج ۲ ، ص ۲۵۰)۔

—— طبقہ تابعین میں سے حضرت حسن بصری رح ، ابن سیرین رح ، سفیان ثوری رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مسلک تھا۔ لہٰذا چھ تکبیروں کو بلا ثبوت کہنا جہالت فاحشہ ہے یا دیدہ و دانستہ خلاف واقعہ کہنا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس ملتان
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان	۲۷ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

اگر امام نے چھ سے زائد تکبیریں کہیں تو نماز ہوگئی یا نہیں

امام صاحب نے عید الفطر کی نماز پڑھاتے ہوئے، زور سے نیت کرتے ہوئے گیارہ تکبیروں کا اعلان کیا اور کہیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے ان سے ذکر کیا تو کہنے لگے کہ "میں سلام کی گہرائی میں چلا گیا تھا اور تم کو پتہ نہیں"۔ کیا نماز صحیح ہوگئی یا نہ؟

الجواب نماز ہوگئی۔ مگر تکبیراتِ زوائد عند الاحناف چھ ہی ہیں۔

(یصلی الامام بھم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وھی ثلاث تکبیرات فی کل رکعۃ ولو زاد تابعہ الی ستۃ عشر لانہ مأثور اھ (درمختار علی الشامیہ، ج ۱، ص۷۷۷).

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵/۱/۱۳۹۶ھ	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تکبیراتِ زوائد کے بعد شامل ہونیوالا تکبیرات کب کہے؟

نمازِ عید میں تکبیرات زوائد کے بعد کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوا تو یہ تکبیرات کس وقت کہے؟ اور اگر کوئی دوسری رکعت یا تشہد میں شریک ہوا تو وہ تکبیرات کس وقت کہے؟

الجواب ۱۔ اگر یہ امام کے تکبیرات کہنے کے بعد ملا ہے تو شامل ہوتے ہی تکبیرات زوائد از خود کہہ لے ۲۔ اگر دوسری رکعت میں ملا ہے تو پھر جب اُٹھ کر پہلی رکعت ادا کرنے لگے تو قرارت کے بعد تکبیریں کہے ۳۔ اگر اس حالت میں پہنچا کہ امام رکوع میں ہے تو اگر غالب خیال یہ ہو کہ امام کے رکوع سے اُٹھنے سے پہلے تکبیرات کہہ لوں گا تو کہہ کر رکوع میں جائے ورنہ رکوع میں جا کر کہہ لے ——————

۴۔ اگر رکوع میں تکبیریں پوری ہونے سے پہلے امام رکوع سے اُٹھ جائے تو یہ بھی اُٹھ جائے بقیہ تکبیرات ساقط ہو جائیں گی ۵۔ اگر امام کو رکوع کے قیام میں پایا ہے تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب یہ رکعت قضا کرے گا تو اس میں کہہ لے۔ قَالَ فِی الْعَلَائِیۃ ولو ادرک المؤتم الامام فی القیام بعد ما کبّر کبر فی الحال برأی نفسہ لانہ مسبوقٌ۔ ولو سبق برکعۃ یقرأ ثم یکبر لئلاّ یتوالی التکبیرات۔ (درمختار) وفی الشّامیہ (قولہٗ فی القیام) ای الذی قبل الرکوع۔ اما لو ادرکہٗ راکعاً فان غلب علی ظنہ ادراکہٗ فی الرکوع کبر قائما برأی نفسہ ثم رکع والا رکع وکبر فی رکوعہ خلافا لابی یوسف۔ ولا یرفع یدیہ لان الوضع علی الرکبتین سنۃ فی محلہ والرفع لا فی محلہ۔ وان رفع الامام راسہٗ سقط عنہٗ ما بقی من التکبیر لئلا تفوتہٗ المتابعۃ۔ ولو ادرکہٗ فی قیام الرکوع لا یقضیہا فیہ لانّہٗ یقضی الرکعۃ مع تکبیراتہا۔ فتح وبدائع اھ (شامی ص۷۸۱ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم ، محمّد انور غفرلہٗ ۱۰ / ۴ / ۱۴۰۷

عید کا خُطبہ پہلے پڑھ دیا تو عید کا حکم

ایک دیہاتی امام صاحب عید کے مسائل سے ناواقف تھا اُس نے جمعہ کی طرح عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا اور بعد میں نمازِ عید پڑھائی ؟

الجواب امام صاحب نے خلافِ افضل کیا خطبہ بہرحال ہو گیا اعادہ کی حاجت نہیں لو خطب قبل الصلوٰۃ جاز وترک الفضیلۃ ولا تعاد ومثلہ فی المسکین اھ (طحطاوی ص۲۸۸)۔ فقط واللہ اعلم ،

محمّد انور عفا اللہ عنہ

عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات جھراً پڑھیں یا سراً

نماز عید الفطر کے لئے عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات تشریق آہستہ آواز سے پڑھی جائیں یا اُونچی آواز سے۔

الجواب امام صاحب سے منقول ہے کہ آہستہ پڑھیں اور علامہ شیخ قاسم نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ یہی معمول بنایا جائے۔

ویوم الفطر لا یجھر بہ عندہٗ وعندھما یجھر وھو روایۃ عنہ والخلاف فی الافضلیۃ اما الکراھۃ فمنتفیۃ عن الطرفین اھ وقد ذکر الشیخ قاسم فی تصحیحہ ان المعتدل قول الامام اھ شامی ص۷۷۸ ج۱)۔ محمد انور غفرلہٗ

پہلے دن عید الفطر نہ پڑھ سکیں تو دوسرے دن پڑھنے کا حکم

اگر نمازِ عید الفطر عید کے روز کسی عذر کی بنا پر ادا نہ کی جا سکے تو کب تک ادا کرنے کی گنجائش ہے؟

الجواب اگر کوئی ایسا معقول عذر پیش آجائے کہ عید الفطر کی نماز عید کے دن ادا نہ کر سکیں مثلاً چاند کی گواہی زوال کے بعد ملی یا ایسے وقت میں ملی کہ لوگوں کا اجتماع مشکل ہو تو اگلے دن زوال تک پڑھ سکتے ہیں، دوسرے دن بھی نہ پڑھ سکیں، تو پھر نہ پڑھیں۔

وتؤخر صلوٰۃ عید الفطر الی الغد اذا منعھم من اقامتھا عذر بان غم علیھم الھلال اوشھد عند الامام بعد الزوال او قبلہ بحیث لا یمکن جمع الناس قبل الزوال او صلاھا فی یوم غیم فظھر انھا وقعت بعد الزوال ولا تؤخر بعد الغد۔ (عالمگیری ص۱۵۲ ج۱)

فقط واللہ اعلم، احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

خطبۂ عیدین کے درمیان چندہ کرنا :
بعض جگہ دستور ہے کہ جب امام عید کا خطبہ شروع کرتا ہے تو دو آدمی چادر لیکر صفوں کے آگے سے گزرتے ہوئے چندہ کرتے جاتے ہیں، کیا یہ درست ہے ؟

الجواب منع ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۱۲/۱۰/۹۵ھ

عیدین میں مسنون قرأت :
نمازِ عیدین میں کون سی سورتوں کی قرأت سنت ہے ؟

الجواب سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ کا پڑھنا سنت ہے مگر اس قدر معمول نہ بنالیں کہ لوگ انہی کو ضروری سمجھ لیں اور کسی اور سورت کو پڑھنا درست نہ سمجھیں ویقرأ کالجمعۃ (درمختار)

(قولہ یقرأ کالجمعۃ) ای کالقرأۃ فی صلوٰۃ الجمعۃ لما روی ابوحنیفۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعۃ الاعلیٰ والغاشیۃ کما فی الفتح۔ وقال فی البدائع فان تبرک بالاقتداء بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قرائتہما فی اغلب الاوقات فحسن لکن یکرہ ان یتخذ ھما حتما لا یقرأ فیھما غیرھما لما ذکرنا فی الجمعۃ اھ (شامی ص۷۸۱ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم،

محمدؐ انور عفا اللہ عنہٗ

عید کے دن ہر ایک کے لئے نہانا مستحب ہے

اگر ایک آدمی عذر کی بناء پر عید کی نماز کے لئے نہیں جاسکتا کیا اس کے لئے بھی عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے ؟

الجواب اس کے لئے بھی غسل کرنا مستحب ہے۔ وندب ان یغتسل وتقدم انہ للصلوٰۃ لانہٗ صلی اللہ علیہ وسلم کان لیغتسل یوم الفطر و یوم النحر اھ (مراقی)

قولہ (وتقدم انہ للصلوٰۃ) ذکر السرخسی عن الجواھر یغسل بعد الفجر فان فعل قبلہ اجزأ ویستوی فی ذٰلک الذاھب الی الصلوٰۃ والقاعد لانہ یوم زینۃ واجتماع بخلاف الجمعۃ قال السروجی وھذا صحیح وبہ قالت المالکیۃ والشافعیۃ کما فی الحلبی واختار فی الدرر ایضاً کون الغسل والنظافۃ فیہ للیوم فقط وعللہ فی النھر بان السرور فیہ عام فیندب فیہ التنظیف لکل قادر علیہ صلی ام لا اھ۔ طحطاوی ص۲۸۹۔

فقط واللہ اعلم، محمد انور ۱۸/۴/۱۳۹۸ھ

فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیرات یاد آئیں :

اگر امام نے نمازِ عید میں پہلی تکبیر کہہ کر قرأت شروع کر دی اور سورہ فاتحہ پڑھ لی۔ اب اس کو یاد آیا کہ تکبیرات زوائد چھوٹ گئی ہیں تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے؟

الجواب اب ابتداء سے تکبیراتِ زوائد کہہ کر دوبارہ فاتحہ اور سورۃ پڑھے۔ فی البحر عن المحیط بدأ الامام بالقرأۃ سھواً فتذکر بعد الفاتحہ والسورۃ یمضی فی صلوٰتہٖ وان لم یقرأ الا الفاتحۃ کبّر واعاد القرأۃ لزوما لان القرأۃ اذا لم تتم کان امتناعاً عن الاتمام لا رفضاً للفرض اھ (شامی ص۷۸۱ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

کیا عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر آکر نوافل پڑھنا مستحب ہے ؟

بعض لوگوں سے سنا ہے عیدالاضحیٰ کے بعد گھر آکر چار رکعت پڑھنا مستحب ہے کیا یہ درست ہے ؟

الجواب: دُرست ہے۔ عالمگیری میں ایسے ہی ہے۔
المستحب ان یصلی اربعاً بعد الرجوع الی منزلہ کذا فی الزاد اھ (عالمگیری ص ج۱) فقط واللہ اعلم، محمد انور غفرلہ

عید کے چاند کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا حکم

عید الفطر کے موقعہ پر بہت سے مقامات میں اختلاف ہو جاتا ہے اور اس کی اصل وجہ ریڈیو کی خبریں ہوتی ہیں اس لئے اس ضمن میں چند سوالات دریافت طلب ہیں

۱۔ کیا صرف ریڈیو پاکستان کے اعلان پر عید الفطر کا حکم دیا جا سکتا ہے خاص کر جبکہ خبر نشر کرنیوالی عقیلہ مسعود نامی عورت ہے۔

۲۔ موجودہ دور میں ٹیلیفون تار وغیرہ اس سلسلہ میں کہاں تک معتبر ہیں۔

۳۔ ایک مقام پر متعدد اطراف سے فون کے ذریعہ کسی عالم ثقہ کو عید الفطر کی اطلاع پہنچ جاتی ہے جس کی بنا پر عید کا اعلان کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر کسی اور مقام سے بذریعہ فون اس عالم ثقہ سے رابطہ قائم کر کے اس ایک ہی قاضی یا عالم کی خبر سُن لیتے ہیں تو کیا وہ اپنے شہر میں عید الفطر کا حکم دے سکتے ہیں؟ جبکہ ایک فون ہو خبر سنانے والا صرف وہی ایک قاضی ہو۔

۴۔ اگر ایک جگہ کے عالمِ دین اُس دُوسری جگہ جہاں فون کے ذریعہ اعلان کر چکا ہے چلا جائے تو شریعت کے مطابق کس طرح اُس سے ثبوت حاصل کرے۔ کیا باقاعدہ شہادت لے کر یا صرف متعدد مقامات سے فون کی خبر سُن کر اپنے لئے وہ عالمِ دین گنجائش مہیا کر سکتا ہے؟

۵۔ اگر کسی جگہ بلکہ اِس علاقے میں کہیں چاند نظر نہ آیا تو شریعت میں کہاں تک اجازت ہے کہ ضرور ہی اِس رات دوڑ دھوپ کرے اور عید کی خبر لے آئے اور کتنی دُور جا سکتا ہے اور کتنی کوشش کرنی چاہیئے کیا یہ کوشش کرنا، رات کو بھاگنا وغیرہ ضروری ہیں تاکہ دوسرے دن ضرور ہی عید منائی جائے؟

الجواب عیدالفطر کے لئے حسب قاعدۂ فقہا، جبکہ مطلع صاف ہو تو جم غفیر کی رؤیت ضروری ہے ورنہ دو عادل ثقہ آدمیوں کی شہادت پر قاضی یا حاکم یا شہر کا مستند عالم اعتماد کرتے ہوئے فیصلۂ عیدالفطر دے سکتا ہے۔ اور اگر کسی شہر یا علاقہ میں مذکورۃ بالا طریق سے ثبوت بہم نہیں ہوا تو محض ریڈیو کے اعلان پر خصوصاً اس دور میں جبکہ حکومت کی طرف سے بتوسطِ معتمد علماء، رؤیتِ ہلال کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ محض افواہوں کی بناء پر اعلان کا خطرہ لاحق ہے۔ عید کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کسی دوسری جگہ جہاں تک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے چاند نظر آیا اور وہاں سے شرعی قواعد کے مطابق اطلاع پہلی جگہ پہنچ گئی تو پھر یہاں کے لوگوں کو عید کرنا ضروری ہوگا۔ شرعی قواعد کا مطلب یہ ہے کہ شہادت علی الشہادت یا استفاضہ اور تواتر اخبار سے رؤیت کا علم شہر والوں کو ہو جائے ان خبروں کے ساتھ ریڈیو کی اطلاع کو تائیداً قبول کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔

۲۔ ٹیلیفون اور تار خبر کے درجہ میں معتبر ہیں جہاں تک خبر معتبر ہے وہاں تک ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور شہادت کے باب میں غیر معتبر ہیں، ہاں استفاضہ اور تواتر میں مفید ہو سکتی ہیں۔

۳۔ پہلے عالم کے لئے جائز ہے کہ جب اسے بطریق شرعی رؤیت ہلال حاصل ہو عیدالفطر کرے۔ لیکن دوسرے شہر کے لوگوں کو اس عالم سے ایک فون کے ذریعہ پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دوسرے شہر کا عالم دو عادل گواہوں کی شہادت یا پہلے عالم کے فیصلہ پر دو عادل گواہوں کی شہادت یا استفاضۂ اخبار پر اعتماد کرتے ہوئے عید منانے کا فیصلہ کرے۔

۵۔ عیدالفطر کا چاند ہو یا کوئی اور اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا اور تحقیق کرنا ضروری ہے جہاں تک ہو سکے اس میں کوئی حد بندی اور تحدید نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

۱۸ ذی قعدہ سنہ ۹۲ھ

عید سے پہلے نوافل پڑھنے کا حکم

: عیدین کی نماز سے پہلے نمازِ اشراق گھر اور عیدگاہ میں پڑھنا کیسا ہے ——— ؟

الجواب عیدین کی نماز سے پہلے کوئی نوافل نہ پڑھیں نہ گھر میں نہ عیدگاہ میں حتیٰ کہ عورت نے بھی اگر چاشت کی نماز پڑھنی ہو تو امام کے عید سے فارغ ہونے کے بعد پڑھے۔

ولا یتنفل قبلہا مطلقاً یتعلق بالتکبیر والتنفل (درمختار) یتعلق بالتکبیر والتنفل المراد التعلق المعنوی ای انہ قید لہما فمعنی الاطلاق فی التکبیر ای سواء کان سِراً اوجہراً وفی التنفل سواء کان فی المصلی اتفاقاً اوفی البیت فی الاصح وسواء کان ممن یصلی العید اولا حتی ان المرأۃ اذا ارادت صلاۃ الضحیٰ یوم العید تصلیہا بعد ما یصلی الامام فی الجبانۃ افادہ فی البحر شامی ص۷۷۷ ج۱ - فقط واللہ اعلم ۔ احقر محمد انور

امام نے بے وضو عید پڑھا دی تو کیا کیا جائے

اگر امام نے نمازِ عید پڑھا دی، پڑھانے کے بعد پتہ چلا کہ امام کا وضو نہ تھا تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے ؟

الجواب ایسی صورت میں اگر تو فوری پتہ چل جائے اور لوگ ابھی موجود ہوں تو وضو کر کے دوبارہ نمازِ عید ادا کر لیں اور اگر اب ان کو واپس لانا مشکل ہو تو شرعاً یہ کہا جائے گا کہ نماز ہو گئی۔

امام صلی العید علی غیر وضوء ثم علم بذالک قبل ان یتفرق الناس توضأ ولیعیدون وان تفرقت الناس لم یعد بہم وجازت صلوتہم صیانۃ للمسلمین واعمالہم اھ (شامی ص۷۸۳ ج۱)۔

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفرلہٗ ۱۱ / ۴ / ۱۴۱۰ ھ

جو نماز کا عادی نہ ہو اُس کا عیدین میں شریک ہونا

جو آدمی کبھی نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو وہ عیدین میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب عیدین کی نماز جہاں واجب ہے وہاں اُس کو بھی ضرور پڑھنی چاہیئے البتہ فرائض کا ترک بہت بڑی معصیت ہے ان کی ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے سابقہ نمازوں کا حساب لگا کر ان کا قضا کرنا ضروری ہے ۔

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

عید گاہ میں حدث لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم

اگر کسی کو عید گاہ میں نمازِ عید سے قبل حدث لاحق ہو گیا ۔ اب اگر یہ وضو کرتا ہے تو نمازِ عید فوت ہونے کا خطرہ ہے کیا یہ آدمی تیمم کر کے نمازِ عید میں شامل ہو سکتا ہے ؟

الجواب اگر وضوء میں مشغول ہونے سے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز میں شامل ہو جائے ۔

رجل احدث فی الجبانة قبل الصّلوٰة ان خاف فوت الصّلوٰة لو اشتغل بالوضوء کان لهٗ اَنْ یصلی بالتیمّم بلاخلاف اھ

(فتاویٰ قاضی خاں ص۸۸ ج۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

عیدین کے لئے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں ؟

پانی موجود ہے عید کی نماز ہو رہی ہے ۔ تیمم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر مطلقاً صلوٰۃِ عید فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بجائے وضوء کے تیمم سے ادا کرے۔ التیمم لصلوٰۃ العید و لا یجوز للمقتدی اذا لم یخف فوت الصلوٰۃ لو توضأ و إلا یجوز الخ (عالمگیری ج۱ ص۲۶)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد انور، مفتی خیر المدارس۔ ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۷ر صفر ۱۴۰۴ھ

عید کے روز ایک دُوسرے کو کہنا اللہ قبول کرے

عیدین کے روز ایک دُوسرے کو یہ کہنا کہ اللہ پاک قبول کرے یہ دُرست ہے یا نہیں؟

الجواب ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

اختلف فی قول الرجل لغیرہ یوم العید تقبل اللہ منّا ومنك...... والاظهر انه لا بأس به لما فيه من الاثر اھ

(کبیری ص۵۲۶)

فقط واللہ اعلم، محمد انور ۱۴-۴-۱۳۹۸ھ

روزہ رکھ کر عید پڑھانا :

۲۹ر رمضان کے بعد چاند دیکھنے کی بہت کوشش کی گئی۔ مطلع بھی صاف تھا مگر چاند نظر نہیں آیا۔ تراویح وغیرہ کے بعد پتہ چلا کہ بعض مواضعات پر چاند نظر آیا ہے مگر ہمارے مولوی صاحب نے ان خبروں پر اعتبار نہ کیا اور روزہ رکھ کر لوگوں کے مجبور کرنے سے عید بھی پڑھا دی تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب صُورتِ مسئولہ میں مولوی نور محمد صاحب نے یہ تو دُرست کیا کہ محض لوگوں کی خبروں پر افطار نہیں کیا بلکہ روزہ رکھا لیکن روزہ رکھا تھا تو نمازِ عیدالفطر پڑھنی جائز نہ تھی نمازِ عیدالفطر نادانی اور لاعلمی پر مبنی ہے اِس پر شرعاً

کوئی حد یا تعزیر نہیں ہے اور نہ ایسا امام قابلِ معزولی ہے ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۲۷ ر شوال سنہ ھ

امام مردوں کو مسجد میں عید پڑھا کہ گھر میں عورتوں کو عید نہیں پڑھا سکتا

دیہات کے امام مسجد نے مسجد میں عید کی نماز پڑھائی پھر گھر میں جو عورتیں آئی ہوئیں تھیں پھر اُن کو پڑھائی کیا یہ شرعاً دُرست ہے یا نہیں ؟

الجواب عورتوں پر عیدین واجب نہیں وہ اگر پڑھیں گی تو یہ نفل ہونگے اور نفل جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہیں ۔ لا یصلی التطوع بالجماعۃ ما خلا قیام رمضان وکسوف الشمس الخ بدائع ص۲۷۰ ج۱ التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ (ھندیہ ص۸۷ ج۱) والتطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر (درمختار) قال شمس الائمۃ الحلوانی ان کان سوی الامام ثلثۃ لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انہ یکرہ ھکذا فی الخلاصۃ (عالمگیریہ) ۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

عید الاضحٰے بے وضو پڑھی گئی تو قربانی ہوگئی یا نہیں ؟

امام نے نمازِ عید پڑھادی اس کے بعد بعض لوگوں نے قربانی کرلی ۔ زوال کے بعد علم ہوا کہ امام صاحب نے نمازِ عید بغیر وضو کے پڑھادی ہے اس صورت میں جن لوگوں نے قربانی کر لی انکی قربانی دُرست ہوگئی یا نہیں ؟

الجواب: قربانی درست ہوگئی مگر اگلے دن عید کی نماز حسبِ معمول ادا کریں۔
امام صلی بالناس صلوٰۃ العید یوم الفطر علی غیر وضوء فعلم بذالک قبل الزوال اعاد الصلوٰۃ وان علم بعد الزوال خرج من الغد وصلی فان لم یعلم حتی زالت الشمس من الغد لم یخرج۔۔
وان کان ذالک فی عید الاضحیٰ فعلم بعد الزوال وقد ذبح الناس جاز ذبح من ذبح ویخرج من الغد ویصلی اھ۔
(فتاویٰ عالمگیری ص۱۵۲ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہٗ

جو نماز ہوچکنے کے بعد عیدگاہ پہنچا وہ بطریق ذیل چار نفل پڑھ لے۔

زید تیاری وغیرہ کرکے عیدگاہ پہنچا تو لوگ فارغ ہوکر عیدگاہ سے لوٹ رہے تھے۔ آیا زید بھی لوٹ آئے یا کچھ نفل وغیرہ پڑھ لے ——

الجواب: زید بترتیب ذیل —— چار نفل پڑھ لے۔ ومن خرج الی الجبانۃ ولم یدرک الامام فی شیٔ من الصلوٰۃ ان شاء انصرف الی بیتہ وان شاء صلی ولم ینصرف والافضل ان یصلی اربعاً فتکون لہٗ صلوٰۃ الضحیٰ لما روی عن ابن مسعودؓ انہ قال من فاتتہ صلوٰۃ العید صلی اربع رکعات یقرأ فی الاولیٰ سبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیۃ والشمس وضحٰھا وفی الثالثۃ واللیل اذا یغشیٰ وفی الرابعۃ والضحیٰ وروی فی ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعداً جمیلاً وثواباً جزیلاً اھ (قاضی خاں ص۸۸ ج۱) فقط واللہ اعلم
فقیر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

باب الجنائز

کل نفس ذائقة الموت ثم الینا ترجعون

{القرآن سورۃ عنکبوت پارہ ۲۱}

؎ جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے۔

خیر الفتاوی

(جلد سوم)

غسلِ میّت کے احکام

چھوٹے بچے بچی کو ہر ایک غسل دے سکتا ہے

۱: دو ماہ کی بچی فوت ہو گئی تو اس کو امام مسجد نے غسل دیا کیا یہ درست ہے۔ نیز امام مسجد ضعیف العمر ہو تو کیا حکم ہے اور اگر جوان ہو تو کیا حکم ہے؟۔ ۲: مرد کتنی عمر تک کی لڑکی کو غسل دے سکتا ہے۔

۳: اور ایسے ہی لڑکا میت ہو تو اسے عورت غسل دے سکتی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ۱۔ مذکورہ بچی کو جو امام صاحب نے غسل دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔۳: جو بچہ بچی حدِ شہوت کو نہ پہنچا ہو اس کو ہر ایک مرد و عورت غسل دے سکتا ہے۔ اور قریب البلوغ بچی کو مرد غسل نہیں دے سکتا خواہ کتنی عمر کا کیوں نہ ہو۔

" الصغیر والصغیرۃ اذا لم یبلغا حد الشھوۃ یغسلھما الرجال والنساء "

(شامیہ: ج ۱، ص ۶۳۶)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶/ ۶/ ۱۴۰۲ھ

بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ولا عکس

میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ہاتھ بھی لگا سکتی ہے۔ خاوند صرف دیکھ سکتا ہے غسل نہیں دے سکتا اور نہ ہی بلا حائل چھو سکتا ہے۔ " ویمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لا من النظر الیھا وھی لا تمنع من ذلک اھ " (درمختار علی الشامیۃ، ج ۱، ص ۶۰۰) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دینے کی حقیقت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود غسل دیا تھا۔ یہ کس حد تک درست ہے؟

الجواب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت اس حیثیت سے ہے کہ آپ سامانِ غسل وغیرہ میں تعاون فرما رہے تھے۔ قال فی شرح المجمع لمصنفہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا غسلتہا ام ایمن حاضنتہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی عنہا فتحمل روایۃ الغسل لعلی رض علی معنی التہیئۃ والقیام التام باسبابہ اھ (شامی ج ۱ ص ۸۰۳)۔

اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مباشر غسل تھے تو پھر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت پر محمول ہے۔ ولئن ثبت الروایۃ فہو مختص بہ لقولہ علیہ السلام کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی اھ (شامی ج ۱ ص ۸۰۳)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

غسل کیوقت میّت کو کیسے لٹایا جائے

ایک جگہ میت کو غسل دیتے وقت پاؤں قبلہ کیطرف اور سر مشرق کی طرف کیا گیا۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب ایسے بھی جائز ہے مگر مستحسن یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ ہو جیسے قبر میں لٹایا جاتا ہے۔ "وکیفیۃ الوضع عند اصحابنا الوضع طولاً کما فی حالۃ المرض اذا اراد الصلوٰۃ بایماء ومنہم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والاصح انہ یوضع کما تیسر۔ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۸۱)۔

وجہ استحسان یہ ہے کہ بیت اللہ شریف ہر حال میں قبلہ ہے زندگی میں بھی اور بعد الموت بھی۔

روی ابو داؤد ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکبائر فقال

ھی تسع و ذکرھا الیٰ ان قال واستحلال البیت قبلتکم احیاء و امواتا اھ (امداد الفتاوی : ج۱ ص ۷۰۴)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۵ / ۱۲ / ۱۳۹۸ھ

میت کو غسل دینے والے کیلئے غسل کا حکم

کوئی مسلمان کسی میت کو غسل دیتا ہے۔ تو غسل دینے کے بعد خود کو غسل کرنا چاہیئے یا نہ ؟

الجواب میت کو غسل دینے کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔ مراقی میں ہے۔ و (یندب) عند الفراغ من حجامة و غسل میت خروجا للخلاف من لزوم الغسل بھما ص۵۸ فقط و اللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ بندہ محمد عبداللہ نائب مفتی ۱۱ / ۳ / ۱۴۰۶ھ

ٹرک کے نیچے دب کر مرنیوالوں کو غسل وکفن دیا جائے

کچھ آدمی ٹرک کے الٹنے سے ٹرک کے بوجھ تلے آگئے کیا یہ لوگ شہید ہیں ؟ اور کیا ان کو غسل و کفن دیا جائے گا ؟

الجواب یہ لوگ اخروی شہید ہیں۔ دنیا میں ان پر عام میت کے احکام جاری ہوں گے۔ لہذا انہیں غسل وکفن دیا جائے گا۔ لومات حتف انفه اوتردی من موضع او احترق بالنار اومات تحت ھدم اوغرق لایکون شهیدا ای فی حکم الدنیا و الا فقد شهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم للغریق والحریق و المبطون والغریب بانهم شهداء فینالون ثواب الشهداء اھ۔

(بحر الرائق : ج۲ ص۲۱۱)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان

جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو غسل وجنازہ کا حکم

ا : طہارت جو کہ نماز جنازہ کے لئے شرط ہے کسی عذر کی بنا پر ساقط ہوتی ہے یا نہیں ؟

مثلاً ایک آدمی آگ میں جل گیا ۔ یا دریا میں مرکر چند دن بعد برآمد ہوا جس کا جسم سوجا ہوا اور بدبو کرتا ہے اور ہاتھ لگانے کے قابل نہیں ۔ یا ریل گاڑی کے نیچے اس کا سارا جسم چورچور ہوگیا ۔ یا اس کا اکثر یا کم جسم چورچور شدہ باقی بچا تو ان صورتوں میں میت کے لئے غسل اور جنازہ کی کیا صورت ہوگی ؟

فضل محمد پشاور

الجواب وفی العالمکیریة ج ۱ ص ۸۱) ۔ ولو کان المیت متفسخا یتعذر مسحه کفی صب الماء علیه کذا فی التاتارخانیة ناقلا عن العتابیه ۔

روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اگر میت کا جسم پھولا ہوا بدبو کرتا ہے اور ہاتھ سے اس کا مسح کرنا مشکل ہے تو اس پر صرف پانی ڈال دینا کافی ہے غسل مسنون دینا اس کے لئے واجب نہیں اور یہی حکم اس میت کا ہوگا جو گاڑی کے نیچے آکر چورچور نہ ہوگیا ہو یا آگ میں جل کر کوئلہ نہ بن گیا ہو بلکہ ڈھانچہ اس کا موجود ہو ۔ البتہ اگر کسی میت کا اکثر بدن یا نصف سر سمیت سالم مل گیا ہے تو اس کو غسل دینا فرض ہے ۔ اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی ۔

کما فی العالمکیریة ج ۱ ص ۸۶ ۔ ولو وجد اکثر البدن او نصفه مع الرأس یغسل ویکفن ویصلی کذا فی المضمرات ۔

اور اگر میت کے اعضاء جدا جدا ہوگئے ہیں خواہ گاڑی کے نیچے آکر یا آگ میں جل کر یا اس کا جسم پھٹ گیا اور اعضاء اس کے علیحدہ علیحدہ ہوگئے ۔ تو ایسی صورت میں نہ اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ اس کو غسل دینا فرض ہے ۔

کما فی الطحطاوی ؛ ص ۳۲۴ ۔ قوله مالم یتفسخ ای تتفرق اعضائه فان تفسخ لا یصلی علیه لانها شرعت علی البدن ولا وجود له مع التفسخ ۔اھ

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا
۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ ھ	۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ ھ

غسل کے بعد نجاست خارج ہو تو دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں

ایک شخص فوت ہوگیا ہے جب اس کو غسل دیا جاتا ہے تو غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت کو پاخانہ آجاتا ہے۔ تو اس کو دوبارہ غسل دینا واجب ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں اعادۂ غسل کی ضرورت نہیں نجاست کو دھولینا ہی کافی ہے۔ ہندیہ میں ہے ویمسح بطنہ مسحا رقیقا تحرزا عن تلویثا لکفن فان خرج منہ شیٔ غسلہ ولا یعید غسلہ ولا وضوءہ۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷/۶/۱۴۰۸ھ

میت کو غسل دینے والا بدون غسل جنازہ پڑھا سکتا ہے

مردے کو غسل دینے والا آدمی بغیر غسل کئے اور بغیر کپڑے تبدیل کئے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ ایک حافظ صاحب کہتے ہیں کہ ایسا آدمی نمازِ جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ آیا ان کا کہنا شریعت کے مطابق ہے یا نہ؟

الجواب غسل میت کے بعد غسل کرلینا مستحب ہے فرض یا واجب نہیں۔ نورالایضاح میں ہے۔ ویندب الاغتسال فی ستۃ عشر شیئا وذکر منہا وعند الفراغ من حجامۃ وغسل میت خروجاً للخلاف الخ

لہذا اگر غاسل کے بدن یا کپڑوں پر بالکل نجاست نہیں ہے تو صورتِ مسئولہ میں نمازِ جنازہ شرعاً درست ہے اسے واجب الاعادہ کہنا سراسر غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ بن مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴/۱۱/۱۴۰۸ھ

خنثیٰ مشکل کو صرف تیمم کرایا جائے

مسئلہ: خنثیٰ مشکل کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب اگر خنثیٰ واقعتاً مشکل ہو تو اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمم کرایا جائے۔ " ویُیَمَّمُ الخنثی المشکل لو مراهقاً

(درمختار علی الشامیة، ج ۱، ص۸۰۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

سنی رشیعہ کو غسل کیسے دے

ہمارے یہاں ایک شیعہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے رشتہ دار از قسم عصبات وغیرہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو وہ اس کو کیسے غسل دیں۔؟ ۔ عبدالرشید مظفر گڑھ۔

الجواب

اگر اس شیعہ کے عقائد کفریہ تھے تو بہتر یہ ہے کہ اس کو اس کے ہم مذہبوں کے حوالے کردیں۔۔۔ اگر ایسی صورت نہ ہوسکے تو غسل اور کفن دفن کے آداب ملحوظ رکھے بغیر اسے نہلا کے کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا دیں۔

ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبه کخاله (الکافر الاصلی) اما المرتد فیلقی فی حفرة کالکلب (عند الاحتیاج) فلوله قریب فالاولی ترکه لهم (من غیر مراعاة السنة) فیغسله غسل الثوب النجس ویلفه فی خرقة ویلقیه فی حفرة ۔ اھ

(درمختار علی الشامی، ج ۱ ص۸۳۳)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

قبے گرانا ممنوع نہیں نیز ابن سعودؒ سے صراحۃً گرانے کا حکم دینا ثابت نہیں

زید نے کہا کہ ابن سعود حاکم حرمین دجال ہے اور یزید ہے اس لئے کہ اس نے صحابہ رضؓ اور اماموں کے روضے اور قبریں گرادیں ۔ عمرو نے کہا کہ یہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اگر تو اس نے صحابہ رضؓ کے بغض وعناد سے ایسا کیا ہے تو وہ مجرم ہے ورنہ اس نے حدیث شریف پر عمل کیا ہے ۔

" وعن ابی الهیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثك علی ما بعثنی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لا تدع تمثالاً الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سوّیته ۔ (رواه مسلم) مشکوۃ ص۱۱۳ ۔

دوسری کتاب " زینۃ الاسلام " میں حضرت حافظ محمد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ یہ بدعت ہے ۔ اب آپ فرمادیں کہ یہ قبریں گرانا کیسے ہے ؟

الجواب قبور پر پختہ فرش اور گنبد بنانا ناجائز اور حرام ہے ۔ بنانے والے اور جو اس فعل سے راضی ہوں گنہگار ہیں اور آنحضرت علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے ہیں ۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔

" قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیه وان یقعد علیه "

جب گنبد بنانا اور قبہ جات تعمیر کرنا گناہ ٹھہرا تو اس گناہ کا ازالہ کرنے والے مستحق اجر ہوں گے نہ کہ مورد طعن لہذا ابن سعود رح کو اس فعل کی بناء پر دجال کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

نوٹ ، نیز یہ بھی پوری طرح ثابت نہیں ہوسکا کہ ان قبہ جات کا گرانا ابن سعود رح کے حکم سے تھا ۔ بلکہ بعض واقف حضرات کی رائے یہ ہے کہ زمانۂ انقلاب میں جب کہ شریف حسین پر ابن سعود رح کا غلبہ ہوا تو بعض لوگوں نے ایام بلویٰ میں اس کا ارتکاب کیا تھا ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
۱۴ر۵ر۱۳۷۰ھ

دعاء عند القبر میں رُخ کدھر ہو

زیارت قبر کا شرعی اور مسنون طریقہ کیا ہے ؟ دعاء کرتے وقت استقبال الی القبر اولیٰ ہے یا استقبال الی القبلہ ۔ اور دعاء کرتے وقت استدبار

الی القبر قبر کی بے ادبی نہیں ؟ محمد ادریس ادارہ تعلیم القرآن پشاور

الجواب شرح "شرعة الاسلام" میں ہے۔ قال فی الاحیاء والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلۃ مستقبلاً لوجہ المیت الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت میت کی طرف متوجہ ہو کر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو۔ ہاتھ اٹھا نا دعا کے وقت ثابت نہیں " فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۳۴ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفر لہٗ
۲۵ / ۱ / ۱۳۹۹ھ

لحد کتنی وسیع ہو لحد کتنی وسیع ہونی چاہئے ؟ بعض کہتے ہیں کہ اتنی ضروری ہے کہ میت اس میں بیٹھ سکے۔ کیا یہ ضروری ہے ؟

الجواب لحد کے بارے میں اسی قدر حکم ہے کہ وسیع اور فراخ ہو جس میں مردہ اچھی طرح لٹا دیا جائے اور کوئی خاص تحدید لحد کے بارے میں وارد نہیں۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ لحد اس قدر اونچی ہو کہ میت اس میں بیٹھ سکے یہ کچھ ضروری شرط نہیں۔ کما فی فتاویٰ دار العلوم، ج ۵، ص ۳۷۶۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفر لہٗ

میت کو لحد میں کروٹ دی جائے صرف رُخ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں

یہاں ایک عورت فوت ہوگئی۔ جب اس کی میت کو لحد میں اتارنے لگے تو ایک بزرگ نے جو کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے مرحومہ کو پہلو کے بل اس طرح لٹوایا کہ اس کی کمر لحد سے لگ گئی۔ تو میت کو لحد میں کس طرح لٹانا چاہئے۔

الجواب وفی الھندیۃ الفصل السادس ج ۱، ص ۸۵ ویوضع فی القبر علی جنبہ الایمن مستقبل القبلۃ اھ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ بزرگ موصوف نے درست کیا اور آئندہ کے لئے بھی اسی طرح کرنا چاہئے اور عام رواج کو چھوڑ دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفر لہٗ ۸ / ۶ / ۱۳۸۵ھ

دفن کے بعد تلقین کا حکم اور اس کے الفاظ

مراقی الفلاح ، ص ۱۱ ۔ تلقینہ بعد ما وضع فی القبر مشروع ونسب الی اھل السنۃ والجماعۃ وقیل لا یلقن فی القبر ونسب الی المعتزلۃ ۔

مراقی الفلاح میں لکھا ہے ۔ تلقین بعد دفن کے جائز ہے یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے اور معتزلہ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں ۔ اور اس میں تلقین کا طریقہ بھی لکھا ہے ۔ مراقی میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ کرام رض تلقین بعد دفن کو مستحب سمجھتے تھے اور کرتے تھے ۔ آپ اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں ۔ نیز تلقین کے الفاظ بھی تحریر فرمائیں ۔

حافظ غلام حسین ، لوہاری گیٹ ملتان

الجواب اس تلقین کی صورت یہ ہے کہ لحد میں رکھنے کے بعد ایک صاحب (جو ذی علم ہو) میت کو مخاطب کر کے یوں کہے کہ " یا فلاں ابن فلاں یاد کر اس دین کو جس پر تو تھا ۔ یعنی اس بات کی شہادت کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ۔ اور یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم کا عذاب حق ہے ۔ اور موت کے بعد جی اٹھنا حق ہے ۔ اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اور تمام قبروں والوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کریں گے ۔ اور تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر ، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ، قرآن پاک کے امام اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر اور تمام مومنین کے بھائی ہونے پر راضی تھا " طریقۂ بالا سے تلقین (لحد میں رکھنے کے بعد) کے جواز میں کوئی کلام نہیں ۔

البتہ اس طرح پر تلقین کرنا اولیٰ ہے یا نہ کرنا ۔ اس میں فقہاء کرام رح کا اختلاف ہے ۔ شرح منیہ میں ہے کہ جمہور فقہاء رح کے نزدیک نہ کرنا اولیٰ ہے اور حدیث لقنوا موتاکم مجاز پر محمول ہے ۔ اور خبازیہ اور کافی میں شیخ زاہد صفار سے تلقین کرنے کو راجح لکھا ہے ۔ فقط واللہ اعلم (شامی رح ج ۱ ، ص ۷۹۰) ۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

لہ شامی کی عبارت یہ ہے ۔ (قولہ ولا یلقن بعد تلحیدہ) ذکر فی المعراج انہ ظاھر الروایۃ ثم قال وفی الخبازیۃ والکافی عن الشیخ الزاھد الصفار ان ھذا علی قول المعتزلۃ لان الاحیاء بعد الموت عندھم مستحیل اما عند اھل السنۃ فالحدیث

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۵۶

امانتہً دفن کرنے کے بعد بھی نکالنا جائز نہیں

زید کی لڑکی فوت ہوگئی ۔جس جگہ فوت ہوئی وہیں بطورِ امانت دفن کر دیا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے ۔اب اسے نکال کر دوسری جگہ دفن کر سکتے ہیں ؟

الجواب اب مذکورہ لڑکی کو دوسری جگہ منتقل کرنا درست نہیں ۔

" ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق آدمی ۔ اھ

(شامی ۔ ج ۱ ۔ ص ۶۲۸)

اس امانت کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

قبر کے گرد چار دیواری بنانا بھی مکروہ ہے

حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی خطیب جامع مسجد و مہتمم مدرسہ قادریہ تلمبہ ، کا مورخہ ۱۷ ار مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال ہوگیا ۔ ان کے فرمان کے مطابق انہیں جامع مسجد کے احاطہ ہی میں دفن کیا گیا ۔ مدفن کے تین اطراف میں قدیم عمارات کی دیواریں ہیں اور ایک طرف کھلی جگہ ہے اس کھلی جگہ میں ایک دیوار چار فٹ اونچی بطورِ پردہ تعمیر کر دی گئی ۔ اب اس تعمیر میں اختلاف پڑ رہا ہے صحیح حکم شریعت سے مطلع فرمایا جائے ۔

منجانب ، اراکین اہلسنت والجماعۃ ، تلمبہ

الجواب فتاویٰ دارالعلوم ، ج ۵ ،ص ۳۹۵ ۔ و ج ۵ ، ص ۴۰۶ ، پر ہے کہ قبر کے گرد چار دیواری بنانا مکروہ ہے ۔ اور صورتِ مسئولہ چار دیواری بنتی ہے ۔ اور شامی میں ہے

" وعن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذالک بما روی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور و ان یکتب علیہا وان یبنی علیہا رواہ مسلم وغیرہ ۔ (شامی ج ۱ ص ۸۳۹) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ

خالی قبر میں غلہ بھرنا گناہ ہے

میں نے کسی مولوی صاحب سے سنا ہے کہ اگر مرض سکتہ کی وجہ سے کوئی مردہ معلوم ہو اور اس کے لئے قبر کھودی جائے، مردہ داخل بھی کر دیا گیا، پھر وہ مردہ زندہ ہوگیا تو اس قبر میں گندم یا چنا بھر کر بند کر دیں قبر کو خالی بند کرنا گناہ ہے کیا یہ صحیح ہے ؟

ماسٹر اللہ وسایا نائب مدرس حصہ پرائمری خیر المدارس ملتان

الجواب یہ بات غلط ہے کہ قبر کو خالی بند کرنا گناہ ہے۔ کوئی گناہ نہیں۔ ایسی صورت میں خالی ہی قبر کو بند کر دینا چاہیئے۔ غلہ وغیرہ اس میں بھر کر اسے بند کرنا اضاعت مال اور گناہ ہے۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم
محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی۔

مردہ بچے کو کہاں دفن کیا جائے

میرے گھر مردہ بچہ پیدا ہوا۔ ایک عالم کہتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کریں باہر کسی جگہ دفن کریں۔ اور دوسرے عالم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں۔ آپ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب والا یستہل غسل وسمی وادرج فی خرقۃ ودفن ولم یصل علیہ اھ (درمختار) ونقل فی الشامیۃ والذی یقتضیہ مذہب اصحابنا انہ ان استبان

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۴)
ای لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ محمول علی حقیقتہ لان اللہ تعالیٰ یحییہ علی ماجاءت بہ الآثار وقد روی عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ امر بالتلقین بعد الدفن فیقول یا فلان ابن فلان اذکر دینک الذی کنت علیہ من شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ وان الجنۃ حق والنار حق وان البعث حق وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور وانک رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا وبالقرآن اماما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمؤمنین اخوانا ۔ اھ وقد اطال فی الفتح فی تائید حمل موتاکم فی الحدیث علی حقیقتہ مع التوفیق بین الادلۃ علی ان المیت یسمع اولا کما سیأتی ، ج ۱ - ص۷۹۶ - محمد انور عفا اللہ عنہ

۹ - ۴ - ۱۴۰۰ھ

بعض خلقه فانه یحشر وهو قول الشعبی وابن سیرین اھ ..... وذکر العلقمی حدیث سموا اسقاطکم فانہم فرطکم اھ (شامیہ ج ۱ ص ۶۲۱)

مردہ بچہ کا دفن کیا جانا اور حشر کیا جانا عبارتِ بالا سے مصرح ہے ۔ گویا اس مسئلہ میں فی الجملہ یہ زندہ بچے کے حکم میں ہے اس لئے اسے قبرستان میں دفن کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ، قبرستان میں اسے دفن کیا جاسکتا ہے کوئی دلیل اسکے خلاف ہو تو تحریر کی جائے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۲۵ / ۱۱ / ۱۴۰۰ ھ

قبر پر دعاء کرتے ہوئے رفع ایدی کا حکم

بعد دفن قبر پہ دعاء مانگنے کے لئے قبر کے اردگرد کھڑے ہونا سنت ہے یا قبر کے ایک طرف ہٹ کر ؟

۲ : دعاء مانگتے وقت ہاتھ اٹھانا کیسا ہے ؟

الجواب دونوں طرح جائز ہے اور ایک موقوف حدیث میں " حول قبری " کے الفاظ ہیں جس سے اردگرد کھڑے ہونا معلوم ہوتا ہے ۔

۲ : ہاتھ اٹھانے ہوں تو قبر سے ہٹ کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعاء کرے ورنہ بلا ہاتھ اٹھائے دعاء کرے ۔

فتح الباری : ج ۱۱ : ص ۱۲۲ - میں ہے -

" وفی حدیث ابن مسعود رض رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی البجادین الحدیث وفیہ لما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعا یدیہ اخرجہ ابن عوانۃ فی صحیحہ ۔(دارالعلوم ج ۵ ص ۴۲۵)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۷ / ۱۱ / ۱۴۰۰ ھ

قبروں پر کھانا پکا کر کھلانا جائز نہیں

دفن کے بعد قبر پہ کھانا پکا کر کھلاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب قبرستان عبرت کی جگہ ہے قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیئے ۔ وہاں دعوتوں کا انتظام کرنا درست نہیں معہذا قبر کے پاس آگ جلانا بھی ممنوع ہے اس سے میت

کو تکلیف ہوتی ہے۔

" وکان ینبغی أن لایقرب المیت بشیٔ من اثر النار اصلاً لما ورد فی الحدیث من النهی من اتباع المیت بالنار فما بالك بما توقد عند القبر۔

(المدخل ؛ ج ۳ ؛ ص ۲۷)

ویکره اتخاذ الطعام الیٰ قوله ونقل الطعام الی القبر فی المواسم اھ

(شامی ج ۱ ؛ ص ۶۰۳)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

قبر پر چھڑکاؤ کرنے کا حکم

ایک قبرستان میں دیکھا گیا کہ ایک میّت کا رشتہ دار آیا اور اس نے دو ڈبے پانی کے بھرے اور ٹھنڈی کرنے کے لئے قبر پہ چھڑکے۔ ایسا فعل کرنا کیسا ہے ؟ اکرام الحق راولپنڈی۔

الجواب مٹی جمانے کے لئے ہو تو گنجائش ہے۔ ولا بأس برش الماء علیه حفظا لترابه عن الاندراس اھ۔ (شامی ج ۱ ص ۶۲۷)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲/۷/۱۳۹۹ھ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بہت ہی پُرانی قبر میں نئی تدفین کا حکم

قبرستان میں جو قبریں بہت پرانی ہو جاتی ہیں اور مٹ سی جاتی ہیں ان میں از سرِ نو نئے مردہ کو دفن کرنا کیسا ہے ؟

الجواب اگر پہلا مردہ بوسیدہ و مٹی ہو گیا ہو تو نئی میت کو اس جگہ دفن کرنا جائز ہے۔

" وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه اھ (شامی ج ۱ ص ۶۲۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

وقف قبرستان میں زندگی میں قبر بنوانے کا حکم

زید عمر رسیدہ ہے۔ اشتغالِ دنیوی بظاہر ختم کر کے اپنے آخری عمر گوشہ نشینی میں طے کر رہا ہے۔ زید کی تمنا ہے کہ قبرستان میں اپنی قبر خود تیار کرولے تاکہ وقت پر احباب کو تکلیف نہ ہو۔ تو ذہن میں کچھ اشکال سا ہے کہ شاید جائز نہ ہو۔ تو برائے مہربانی اس کا حل فرماویں۔ حاجی غلام قادر بہاولپور

الجواب شامی میں تحریر ہے کہ اپنے لئے قبر بنوانا درست ہے بلکہ اس پر ثواب کی بھی امید ہے۔ ”یحفر قبراً لنفسہ الخ وفی التاتارخانیہ۔ لا بأس به ویوجر علیہ وھٰکذا عمل عمر بن عبد العزیزؒ والربیع بن خیثم وغیرھما اھ (شامیۃ: ج ۱-ص ۶۳۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

مٹی ڈالتے وقت قبر بیٹھ جائے تو میّت کو نہ نکالا جائے

ایک شخص فوت ہوگیا اور دفن کرنے کے لئے جب قبر میں اتارا، اور مٹی ڈال رہے تھے تو بوجہ سیم زدہ ہونے اراضی کے، قبر بیٹھ گئی۔ شرع محمدی میں کیا حکم ہے۔ کہ دوسری قبر کھود کر میت رکھی جائے یا اسی قبر کو پاٹ دیا جائے۔ قبر لحد والی تھی اور بیٹھی اس لئے کہ لحد گر کر نیچے جارہی۔ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب اگر مٹی ڈال چکے ہوں تو اسی قبر کو درست کر دیا جائے میت کو نہ نکالا جائے۔ ”ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق آدمی اھ

(شامی: ج ۱، ص ۸۳۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۱۰/۱۴۰۷ھ

لاوارث میّت کو کہاں دفن کیا جائے

ایک عورت کی نعش ملی ہے: یہ پتہ نہیں کہ وہ عقیدے اور مذہب کے لحاظ سے کیا تھی۔ کیا اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب مذکورہ عورت کو جنازہ پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے ولو وجد میت او قتیل فی دار الاسلام الصحیح انہ یغسل ویدفن فی مقابر المسلمین لحصول غلبۃ الظن بکونہ مسلمًا بدلالۃ المکان وھی دار الاسلام وفیہ وھل یعمل بدلیل المکان وحدہ الصحیح انہ یعمل بہ لحصول غلبۃ الظن عندہ اھ (بدائع : ج ۱ ۔ ص ۳۰۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ مدرس خیر المدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۹ ۔ ۹ ۔ ۱۳۹۲ھ

ارضِ غیر میں بلا اجازت قبر بنالی جائے تو مسمار کرنیکا حکم

ایک جگہ جو سرکاری ملکیت ہے، وہاں لوگوں نے بلا اجازت قبریں بنالی ہیں۔ ایک آخری قبر جس کے بارے میں یہ اطلاع ہے کہ وہ ۱۹۸۳ء میں بنائی گئی ہے جو کہ راستہ میں نہیں آرہی مگر باقی جو قبریں ہیں ان کا کوئی وارث نہیں۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کن لوگوں کی ہیں، کیا حکومت اس جگہ کو اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب جب یہ جگہ سرکاری ملکیت ہے اور قبریں بلا اجازت بنائی گئی ہیں تو حکومت زمین ہموار کرکے اسے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتی ہے۔

(ولا یخرج) منہ بعد اھالۃ التراب (الا) لحق آدمی کأن تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بالشفعۃ) ویخیر المالك بین اخراجہ ومساواتہ بالارض کما جاز زرعہ والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا (الشامیۃ ص ۶۶۲ ج ۱) فقط، محمد انور

غلطی سے قبر پختہ بنادی گئی تو کیا کیا جائے

میں نے اپنے والد المحترم کی تربت بوجہ شکستہ ہونے کے پکی کروادی۔ یعنی کچی قبر کے چاروں طرف اینٹوں کا بند بناکر باقی قبر پر پانی وغیرہ چھڑکنے کے بعد سیمنٹ کروادیا تاکہ بارش یا کسی اور وجہ سے

گڑھا نہ پڑے ۔ لیکن حال ہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیثِ پاک معلوم ہوئی کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے ۔ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ ۔ (مسلم، ج ۱، ص ۳۱۲ : مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۴۸) ۔

قال الامام محمدؒ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن تربیع القبور وتجصیصھا قال محمد بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃؒ ۔

(کتاب الآثار الامام محمدؒ : ص ۹۶، ۹۷) ۔

اس علم کے بعد مجھے اپنے اور اس سیمنٹ شدہ قبر کے بارے میں حکم مطلوب ہے ۔

مستفتی ، محمد اشرف ، ٹرانسپورٹ جنرل فورمین ۔

ڈومینیر ، ٹی ۔ پی ، الخبر ، العربیۃ السعودیۃ

الجواب قبر کا زمین سے اونچائی والا حصہ کچا رکھنا چاہئے ۔ لہٰذا اب اس حصہ سے سیمنٹ اکھیڑ کر مضبوط کچی لپائی کر دی جائے ۔ اس کے بعد چاہیں تو اس پر پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں ڈال دیں جس سے وہ جگہ بہت مضبوط ہو جائے گی ۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار مبارک کے بارے میں بھی ایسے ہی منقول ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا	نائب مفتی خیر المدارس ، ۲۷ ر ۱ ر ۱۴۰۰ھ

گھر میں دفن کرنے کی وصیت درست نہیں اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں

ایک شخص مسمی مولوی محمد یار سائل اللہ وصیت کرتا ہے کہ مجھے میرے اپنے مکانوں میں جب میں مر جاؤں تو دفن کرنا ، گورستان میں مجھے نہ رکھنا ۔ اس کے بیٹے کہتے ہیں کہ یہاں قبر بنانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ بچے ڈریں گے ۔ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے جہاں پہلے سے ہمارے مردہ دفن ہوتے چلے آرہے ہیں ۔ اور یہاں پر ارد گرد بستی ہے ۔ گورستان تو عام بن نہیں سکتا ۔ اور بدعت بھی شروع ہو جائے گی ۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً عام مسلمانوں کے گورستان میں دفن کر دیں تو گنہگار تو نہیں ہوں گے ؟

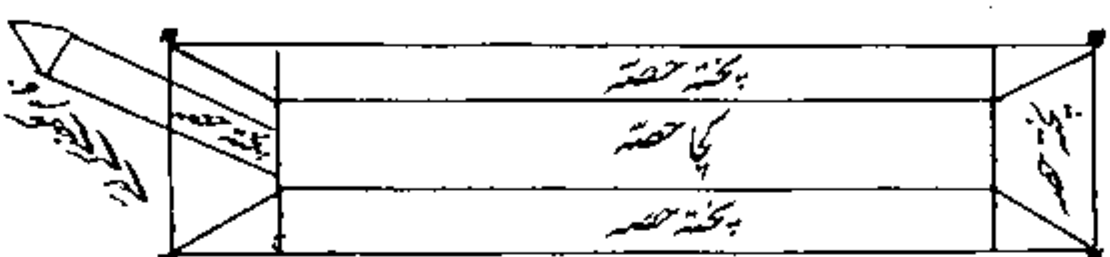
الجواب ایسی وصیت کرنا درست نہیں ہے اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں ۔ عام قبرستان میں دفن کرنا مسنون ہے ۔

" ولا ینبغی ان یدفن المیت فی الدار ولو کان صغیرًا لاختصاص هذه السنة بالانبیاء (درمختار) اھ ولا یدفن صغیرٌ ولا کبیرٌ فی البیت الذی مات فیه فان ذالک خاص بالانبیاء بل ینقل الی مقابر المسلمین ۔ (شامی ، ج ۱ ، ص ۸۳۷)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸؍۳؍۷ھ

نیم پختہ قبر کا حکم

اگر قبر کی چاروں طرف سے اینٹوں کی پختہ چنائی کی گئی ہو اور اوپر سے بارش وغیرہ کے زور سے بچانے کے لئے ایک دو بالشت کنارے پختہ کئے جائیں تو آیا ایسی قبر پر بھی کچی قبر ہونے کا اطلاق ہوتا ہے ؟



چاروں طرف سے اونچائی کی مقدار ایک اینٹ ہے

الجواب مذکورہ صورت سلف کے عمل کے خلاف ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸؍۴؍۱۴۰۷ھ

قبر میں پیسے رہ جائیں تو نکالنے کے لئے نبش قبر کا حکم

ملک اللہ دتہ کا لڑکا محمد اکرم فوت ہوگیا دفن کرتے ہوئے ملک اللہ دتہ کے تقریبًا ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) روپے قبر میں رہ گئے اور یقینًا علم ہے کہ وہ قبر میں رہے ہیں کیا اس عذر کے لئے قبر کھودنا جائز ہے ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں قبر اکھاڑ کر وہ رقم نکالی جاسکتی ہے۔ قولہ ولا ینبش لیوجہ الیها الخ ولوبقی فیہ متاع لانسان فلا بأس بالنبش اھ (شامی ج ۱، ص ٦۲٦) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۲۷ / ۴ / ۹۷ ۱۳ھ

قبر پر اذان دینا بدعت ہے

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر کے اوپر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب قبر پر اذان دینا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ لہذا بدعت ہے۔ " وفی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارۃ الی أنہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ہو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعۃ اھ (شامی ج ۱، ص ٦۲۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۱۴ / ۷ / ۹۳ ۱۳ھ

عام قبرستان میں تدفین بہتر ہے

ایک آدمی نے تبلیغی مرکز کے لئے جگہ خریدی۔ اس میں کچھ جگہ مسجد کے لئے مخصوص کر دی کچھ رہائش گاہ بنا دی۔ اور کچھ جگہ اپنی قبر کے لئے مختص کر دی۔ کیا جگہ کی یہ تعیین درست ہے؟

الجواب مذکورہ جگہ میں قبر بنانا درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ یہاں قبر نہ بنائی جائے۔ عام قبرستان میں تدفین شریعت میں زیادہ پسندیدہ ہے۔ ولنعم ما قیل۔

شاہوں کے مقبرے سے الگ کیجیو دفن ۔ ہم فقیروں کو گورِ غریباں پسند ہے

لا یدفن فی مدفن خاص کما یفعلہ من یبنی مدرسۃ ونحوها و یبنی لہ بقربها مدفنا اھ (شامی ج ۱، ص ٦۲٦) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ　　احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۸ / ۷ / ۹۹ ۱۳ھ

قبرستان کے راستہ پر چلنے کا حکم ۱ : ایک بستی سے ملحق ایک سو سال پرانا قبرستان ہے جس کے ایک حصہ میں قبروں کے نشان مٹ چکے ہیں۔ اس جگہ لوگ مویشی باندھتے ہیں اور راستہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اب بعض اہلِ دِہ کا ارادہ ہے کہ قبرستان کو بے حرمتی سے بچایا جائے۔ اور قبرستان کے جس حصہ میں قبریں مٹی ہوئی ہیں ایک شاہراہ بنادی جائے اور باقی قبرستان کی بذریعہ فصیل حفاظت کی جائے۔ کیا قبرستان کی زمین کو ان لوگوں کے لئے شاہراہ بنانا جائز ہے؟ قبرستان کافی پرانا ہے کبھی کبھار بارش کے موقع پر لحد وغیرہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور کبھی ہڈیاں ظاہر ہوجاتی ہیں۔ لیکن میت صحیح حالت میں کبھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہ قبرستان پہلے دِہ کے شاملات میں شمار ہوتا تھا۔ بندوبست جدید میں اس کو قبرستان کے نام منتقل کر دیا گیا ہے کسی کی مملوکہ نہیں ہے بعض لوگوں نے کچھ حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کیا یہ قبضہ درست ہے؟

۲ : کیا قبرستان کے درخت بیچ کر ان کی آمدنی سے قبرستان کی حفاظت کیلئے فصیل وغیرہ بنانا جائز ہے؟

۳ : پرانے قبرستان کی زمین کو فروخت کر کے قبرستان کی مشترکہ ضروریات پر رقم استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب قبرستان کے کسی حصے کو راستہ بنانا درست نہیں۔ قبرستان میں جو راستہ نیا بنا یا جائے اس پر شرعاً چلنا درست نہیں ہے شامی میں ہے۔

" ویکرہ المشی فی طریق ظن انہ محدث حتی اذا لم یصل الی قبرہ الا بوطأ قبر ترکہ۔ (درمختار علی الشامی ج ۱۔ ص ۸۴۶)

اس حصہ کو بھی قبرستان کی چار دیواری میں شامل کیا جائے۔

" سئل القاضی الامام شمس الائمہ محمود الاوزجندی عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیہا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعہا و استغلالہا قال لا ولہا حکم المقبرۃ۔ (عالمگیری ج ۲۔ ص ۳۵۱)۔

۲ : سئل نجم الدین فی مقبرۃ فیہا اشجار الخ قیل لہ فان تداعت حیطان المقبرۃ الی الخراب یصرف الیہا او الی المسجد قال الی ما ھی وقف علیہ۔ (عالمگیری ج ۲ : ص ۳۵۲)۔

مذکورہ جزئیہ سے معلوم ہوا کہ ان درختوں کو بیچ کر اس قبرستان پر صرف کرنا درست ہے۔

۳: اگر کسی فردِ واحد کی ملکیت نہیں تو فروخت کرنا درست نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۴/۱۳۹۹ھ

بہت نرم زمین میں پختہ قبر بنانا جائز ہے

اگر زمین بہت نرم ہو اور پانی بھی بالکل قریب ہو تو کیا قبر کے اندر کے حصہ میں پختہ اینٹیں اور سیمنٹ لگانا جائز ہے؟

الجواب جائز ہے۔ وجاز ذالك حوله بارض رخوة كالتابوت اھ (درمختار)۔ وفی الرد فی شرح قوله ذالك ای الآجر اھ شامی (ج ۱ ص ۸۳۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	۷/۱۲/۱۳۹۵ھ

اپنی مملوکہ زمین میں قبر بنوانے کا حکم

اپنی ملکیت میں اپنی حیات میں قبر تیار کروانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب جائز ہے۔ وفی رد المحتار وفی التاتارخانیة لا بأس به ويؤجر عليه هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهما اھ۔ (ج ۱ ص ۸۴۵)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۷/۱۲/۱۳۹۵ھ

تدفین مکمل ہو جانے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے

ایک عورت کی قبر دفن کرتے وقت بیٹھ گئی۔ کیا اس عورت کو نکال کر دوسری قبر تیار کر کے دفن کر سکتے ہیں یا اسی طرح مٹی ڈال دیں۔ اگر دفن کرنے کے بعد مٹی بھی برابر کر دی

پھر قبر بیٹھ گئی تو کیا حکم ہے ۔ ان احکام میں عورت اور مرد کا ایک ہی حکم ہے یا فرق ہے ؟

الجواب اگر نصف مٹی ڈالنے پر قبر بیٹھ گئی تو اختیار ہے ۔ چاہے دوسری جگہ قبر بنالی جائے چاہے اسی کو درست کرلیا جائے ۔ اور اگر قبر تیار ہو جانے کے بعد گری ہے تو اوپر سے مٹی درست کردی جائے میت کو نہ نکالا جائے ۔ کیونکہ دفن کے بعد اس وجہ سے میت کو نکالنا درست نہیں ۔ ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمی اھ (شامی ج ۱ ص ۸۳۹) وکذا فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۵ : ص ۳۸۷) ۔ اور مرد و عورت کی قبر کا حکم اس بارے میں یکساں ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہٗ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۷ / ۷ / ۱۳۹۸ھ

میّت کو لکڑی کے تابوت میں رکھنے کا حکم

لکڑی کے صندوق میں میت رکھنی جائز ہے یا نہیں؟ قبر کے اندر پکی اینٹ لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر زمین بہت نرم ہو تو بوجہ ضرورت تابوت کا استعمال درست ہے اور بلا حاجت مکروہ ہے ۔

" ولا بأس باتخاذ تابوت ولو من حجر اوحديد عند الحاجة كرخاوة الارض (درمختار) يرخص ذالك عند الحاجة و الا كره كما قدمناه انفا اھ (شامی ۔ ج ۱ : ص ۶۲۵) ۔

جس عذر سے تابوت جائز ہے اسی عذر کے وقت پختہ اینٹ کا استعمال بھی درست ہے ۔ بہتر پھر بھی یہی ہے کہ اندر لحد کچی ہو ۔ اور گرد پختہ اینٹ لگا سکتے ہیں ۔

" قال مشائخ بخارا لا يكره الآجر فى بلدتنا للحاجة اليه لضعف الاراضى (شامی ج ۱ ص ۸۳۷) ۔

فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۱۷ / ۱۰ / ۱۳۹۸ھ

ضرورت کی وجہ سے قبر پختہ بنانے کا حکم

ہمارے علاقہ میں سیم آچکی ہے ۔ جب قبر نکالتے ہیں تو پانی نکل آتا ہے لحد بھی نہیں نکلتی ۔ لوگ پختہ

قبریں بنا رہے ہیں اس معاملہ میں ہمیں کیا کرنا چاہئیے ۔

الجواب جب کچی قبر کسی طرح نہ ٹھہرتی ہو تو پختہ بنانے کی بھی گنجائش ہے لہذا زیادہ تشدد نہ کریں۔ " قال مشایخ بخارا لا یکره الآجر فی بلدتنا للحاجة الیه لضعف الاراضی ۔ الخ ۔ (شامی ج ۱ ص ۸۳۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	یکم جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روضۂ اطہر میں تدفین سے ممانعت کرنے کی وجہ

بخاری شریف ، ج ۱ ، ص ۱۸۶ ۔ کتاب الجنائز کے اندر ایک حدیث ہے جس پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا میں انہیں پاک نہیں سمجھتی ، کیا یہ شیعوں کا اعتراض صحیح ہے ؟

الجواب الف : مذکورہ حدیث سوال میں صحیح نقل نہیں کی گئی ۔ اصل الفاظ یہ ہیں ۔ لا تدفنی معهم وادفنی مع صواحبی بالبقیع لا ازکی به ابدا ۔

ب : حدیث پاک کا ترجمہ بھی غلط ہے ۔ بلکہ تحریف ہے ۔ حدیث پاک میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو کہ " میں انہیں پاک نہیں سمجھتی " ۔ عمدة القاری شرح صحیح بخاری شریف میں تصریح ہے کہ " لا ازکی " مضارع مجہول کا صیغہ ہے ۔ معنی یہ ہیں " ای لا یثنی علی بسببه " عمدة القاری ج ۸ ۔ ص ۲۲۸)۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تواضعاً فرمایا کہ اگر میں روضۂ اقدس علی صاحبها الف الف التحیة والسلام میں دفن کی جاؤں تو اس تدفین کی وجہ سے لوگ میری تعریف و ثناء بیان کریں گے کہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا وہ مقام نہ تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے ۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رض کو روضۂ پاک میں حضور علیہ الصلوٰة والسلام کے ساتھ دفن کیا گیا ہے اور دیگر ازواج مطہرات رض کو جنت البقیع یا دوسری جگہ دفن کیا گیا ۔ میں اپنی یہ تعریف نہیں چاہتی ۔ اس لئے روضۂ پاک میں حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کے ساتھ مجھے دفن نہ کیا جائے ۔ جنت البقیع میں دیگر

از داجِ مطہرات رض کے ساتھ دفن کیا جائے ۔

" قال ابن بطال فیہ معنی التواضع کرھت عائشۃ ان یقال انھا مدفونۃ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیکون فی ذالك تعظیما لھا ۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۸) ۔

نیز عمدۃ القاری میں تکملہ لابن الآباد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رض سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رض کا یہ فرمانا کہ مجھے حضور علیہ السلام ، حضرت ابوبکر صدیق رض ، اور حضرت عمر رض کے ساتھ دفن نہ کرنا ، اس کی وجہ بھی ایک فرمانِ نبوی تھا ۔ روضۂ اقدس میں جن جن حضرات کا دفن ہونا مقدر تھا ان کی تعیین خود حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کر دی تھی ۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ارانی الا ساکون بعدك فتأذن لی ان ادفن الی جانبك قال و انی لك ذالك الموضع مافیہ الا قبری وقبر ابی بکر رض وعمر رض وفیہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ۔ (ج ۸ ص ۲۲۸ عمدۃ القاری) ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ابتداءً روضۂ پاک میں تدفین کی خواہش تھی لیکن مفہوم نبوی اور تواضع کے پیشِ نظر وہاں تدفین سے منع فرمایا ۔ الحاصل ۔ "میں انہیں پاک نہیں سمجھتی" یہ حدیث کا مفہوم نہیں بلکہ بعض صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے لبریز کسی دشمنِ اسلام کے ذہن کی پیدا وار ہے ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹؍۱؍۱۴۰۸ھ

قبر پر دعاء کھڑے ہو کر کی جائے یا بیٹھ کر

بعد دفنِ میّت ، کھڑے ہو کر دعاء کرنا کیسے مسنون ہے استغفار اور دعاء کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے ؟ برفع یدین یا بلا رفعِ یدین ۔ جواز یا عدمِ جواز کا سوال نہیں بلکہ مسنون طریقہ بتائیں کیسے ہے ۔

الجواب اصل یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دعاء کی جائے ۔

" والسنۃ زیارتھا قائما و الدعاء عندھا قائما کما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع اھ

(مراقی ، ص ۳۴۱)

یہ محض دعاء کے لئے ہے۔ اور اگر وہاں کچھ دیر ٹھہرنا ہو، جیسا کہ حدیث شریف سے اس کا استحباب معلوم ہوتا ہے تو پھر بیٹھ بھی سکتا ہے۔

" کما فی الدر المختار وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمه وفی الشامیة لما فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللّٰہ له التثبیت فانه الاٰن یسئل اھ۔

وکان ابن عمر یستحب ان یقرء علی القبر بعد الدفن اوّل سورة البقرة وخاتمتها اھ (شامی ج۱ ص ۶۰۱)۔

اور طحطاوی و مراقی میں بھی اس جلوس کی بایں الفاظ تعلیل کی ہے۔

" ویستحب للزائر قراءة یٰس (مراقی) وفی الطحطاوی بعد ان یقعد لتادیة القرآن علی الوجه المطلوب بالسکینة والتدبر والاتعاظ اھ (ص ۳۴۱)۔

اور یہ دعاء استقبالِ قبلہ کی صورت میں بشرطیکہ قبر سامنے نہ ہو تو رفع یدین کے ساتھ کرسکتا ہے۔ ورنہ بغیر رفع یدین ہی دعاء کرے۔ اور رفع یدین کے ساتھ دعاء کرنے والے سے الجھنا بھی نہیں چاہئے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں

ایک صحیح العقیدہ آدمی قبر سے اس واسطے غلاف اٹھا کر جلا دیتا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنے والے چند آدمی ہیں جو اٹھانے والے کے ساتھ تھے۔ آپ ہر ایک کا شرعی حکم صادر فرمائیں۔ اگر کوئی شریعت میں سزا وغیرہ ہو تو۔

الجواب قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں۔ لیکن امر بالمعروف بالید صاحب اقتدار لوگوں کے لئے ہے۔ عالمگیریہ میں ہے۔

" یقال الامر بالمعروف بالید علی الامراء و باللسان علی العلماء و بالقلب لعوام الناس الخ (ج ۴ - ص ۱۱۱)۔

قبر پر غلاف ڈالنے سے مالک کی ملک ختم نہیں ہوتی۔ لہذا اتارنے والے پر ضمان آئے گی۔ پھر اگر جلانے والے کے حکم سے اتارا تھا اور اتارنے کے بعد اس کے سپرد کر دیا۔ تو اسے جلانے والے پر رجوع کا حق ہے۔ عالمگیریہ میں یہ ہے۔

" قال قاضی خان الفتوٰی علی ان الآخذ ضامن علی کل حال ثم هل یرجع بذالک علی الأمر ان کان دفع الماخوذ الی الأمر یرجع الخ (ج ۳، ص ۱۶۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۵؍۱۱؍۱۴۰۳ھ

اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو اتنے پیسے اس کی طرف سے صدقہ کر دیئے جائیں۔

والجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۲۶؍۱۱؍۱۴۰۳ھ

قبر پر کتبہ لگانا

قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت تو عام طور پر سنی پڑھی گئی ہے۔ اب یہ فرمائیں کہ قبر کو قائم رکھنے کے لئے کبھی کبھی مٹی کی لپائی کر دی جایا کرے تاکہ کبھی خود اور کبھی رشتہ دار جو ہمارے پاس آتے ہیں فاتحہ خوانی کے لئے وہاں جانا چاہیں تو تھوڑے نشان کے لئے پتھر کی سل لگا دی جائے جس پر متوفی کا نام لکھا ہوا ہو۔ قرآن و حدیث کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟

۲ : بڑے بڑے اولیاء کرام کی قبریں تمام تر پختہ ہیں یا اگر کچی ہیں تو ان کے اوپر بڑا سا گنبد پختہ بنا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی اظہار خیال فرمائیں۔

الجواب ضرورت ہو تو قبر کی حفاظت کے لئے لپائی کرنا اور کتبہ لگانا درست ہے۔ کتبہ پر آیات قرآنی وغیرہ مت لکھیں۔ نیز قبر سے قدرے ہٹ کر لگائیں۔

" اخرج ابوداؤد باسناد جید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل حجراً فوضعه عند رأس عثمان بن مظعون وقال أتعلم بہ قبر اخی و ادفن الیہ من مات من اهلی فان الکتابة طریق الی تعرف القبر بها۔ (شامی ج ۱ - ص ۸۳۹)۔

۲ ؛ شریعت کے تو خلاف ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰ ر ۶ ر ۱۴۰۷ھ

قبر کو سجدہ کرنا سخت حرام ہے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ (مثلاً قبور وغیرہ) کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے ۔ کیا یہ جائز ہے یا نہ ۔ اور اگر جائز نہیں تو جائز کہنے والوں کا کیا حکم ہے ۔؟

الجواب بوسہ دینا قبور اولیاء و دیگر صلحاء عظام کو، اور طواف کرنا قبر کے گرد ، اور تعظیماً سجدہ کرنا ، یہ سب عادات نصاریٰ و طریقۂ پرستش کفار ہے ۔ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنی کتاب شرح مناسک میں باب زیارت مزار پُر انوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں ۔

" لا یطوف ای لا یدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء ولا عبرة لما یفعله الجهلة الی ان قال و اما السجدة فلا شك انها حرام ۔ **عزیز الفتاوی** : ج ۱ ۔ ص ۱۰۰)۔

قال اللہ تعالیٰ "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقهن" الآیة ۔ (پ ۲۴) ۔ وقال تعالیٰ وان المساجد للہ الآیة (سورۃ جن) ۔

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے ۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حیرہ گیا ۔ میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں ۔ پس آپ اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں اھ (مشکوٰۃ ، ج ۲ ۔ ص ۲۸۲) ۔

الحاصل اس آیت شریفہ ، حدیث صحیح اور اجماع امت سے سجدۂ تعظیمی کا عدم جواز ثابت ہے ۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قصہ سے استدلال درست نہیں ۔ کیونکہ یہ پہلی شریعت کی بات ہے ۔ جو ہماری شریعت میں منسوخ ہوگئی ہے ۔ نیز ہو سکتا ہے کہ سجود حقیقی نہ ہو ۔ جیسا کہ ، تفسیر جلالین میں مذکور ہے ۔

وخروا له سجدا سجود انحناء لا وضع جبهة وكان تحيتهم في ذالك الزمان (ص۱۹۸) ۔

الغرض شریعتِ محمدیہ میں تعظیمی سجدہ بالکل ناجائز اور حرام ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ	الجواب صحیح
خیرالمدارس ، ملتان ۔	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳۰ ر ۳ ر ۱۳۹۱ھ

دفن مسنون طریقے پر نہ ہو تو نبش کا حکم

حضرتِ اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ کو اس طرح دفن کیا گیا کہ زمین پر ایک پختہ چبوترہ تعمیر کر کے اس پر تابوت مبارک رکھ کر ارد گرد اور اوپر مٹی ڈال کر قبر کی شکل بنا دی گئی ۔ کیا یہ تدفین درست ہے ؟ یا اسے ختم کر کے دوبارہ مسنون طریقہ پر انہیں دفن کیا جائے ۔ مفصل و مدلل جواب سے نوازیں ۔

الجواب

یہ امر اس وقت زیرِ بحث نہیں کہ حضرت قدس سرہٗ کے لئے تدفین کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ خلافِ سنت اور مکروہ تھا ۔ یا بعض اعذار کی بنا پر اس کی بھی شرعاً اجازت دی جا سکتی تھی ۔ کیونکہ اگر اس تدفین کو خلافِ سنت بھی قرار دیا جائے تو بھی فریقین کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ محض کراہتِ تدفین کے سبب نبشِ میت کی شرعاً اجازت نہیں دی جا سکتی ۔ بلکہ تحقق دفن کے بعد نبش حرام ہوگا ۔ جیسا کہ کتبِ فقہ نیز سابقہ فتاویٰ میں مصرح ہے ۔

اصل بحث اس وقت یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں نفسِ تدفین متحقق ہوئی یا نہ ؟ مشروعیتِ دفن سے جو مقصودِ شارع ہے وہ حاصل ہوا یا نہ ؟

یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ دفنِ میّت فرضِ کفایہ ہے ۔ لیکن حقیقتِ دفن اور اس کی ذاتیات کیا ہیں جن کے فوات سے دفن معدوم ہو جائے گا ۔ بعض حضرات کے ہاں یہ ہے کہ تحقق دفن کے لئے حفر شرط ہے اور فرض ہے ۔ بدون حفر کے دفن متحقق نہیں ہوگا ۔ اور پھر غالباً حفرِ حکمی یا حفرِ قدیم کو بھی یہ حضرات کافی نہیں سمجھتے مگر ادلہ شرعیہ اور لغت سے اس موقف پر کوئی واضح اور محکم دلیل موجود نہیں ۔ ہاں دفن مسنون کیلئے حفر لحد

بشق کے الفاظ ملتے ہیں مگر یہ متنازع فیہ نہیں بلکہ ادلۂ مذکورہ اور ائمہ لغت کی تصریحات سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ اس کے برعکس یہ ہے کہ دفن کی حقیقت "ستر" اور "مواراۃ بالتراب" ہے۔ حفر حقیقی ہو یا نہ ہو، دفنہ کا معنی آئمۂ لغت نے حفر وجعل المیت فی الحفیرۃ یا اس کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ سے نہیں لکھا بلکہ اس مادہ کے کسی لفظ کا ترجمہ مادہ حفر کے کسی لفظ کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ستر بموارۃ، غیبوبت جیسے الفاظ سے ان کی تفسیر و شرح کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقت دفن موارۃ اور ستر ہے اور حفر اس کے لئے شرط نہیں ہے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی اپنی معتمد کتاب "قاموس" میں لکھتے ہیں کہ

دفنہ یدفنہ سترہ وواراہ وادفن العبد کافتعل ابق قبل وصول المصر وتدافنوا تکاتموا ورجل دفن خامل۔

(ج ۲۔ص ۸۷۵۔نولکشور)

صراح میں ہے کہ "دفن درخاک پنہاں کردن تدافن پنہاں شدن"۔ (ج ۱۔ص ۳۶۴)۔

ایسے چشمے کو جو آندھی چلنے کی وجہ سے مٹی میں دب گیا ہو منھل دفن و دفان کہا جاتا ہے دفن کے حقیقی معانی بیان کرتے ہوئے صاحب "اساس البلاغہ" لکھتے ہیں کہ۔

منھل دفن و دفان سفت الریح فیہ التراب فی الدفن الخ (ص ۱۸۰)

اس میں مصرح ہے کہ خارج سے لائی گئی مٹی میں دب جانے والی چیز کو بھی مدفون کہا جاتا ہے۔ اور اس میں حفر ضروری نہیں۔ "قاموس" میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔

نہایہ میں علامہ ابن اثیرؒ فرماتے ہیں کہ۔

"الداء الدفین ای المستتر الذی قھرتہ الطبیعۃ"

دفن کے علاوہ دوسرا لفظ قبر کا ہے۔ ائمہ لغت کی تصریح کے مطابق اس میں بھی حفر ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ "صاحب قاموس" لکھتے ہیں۔

المقبر مدفن الانسان (ولم یفسرہ بالحفیرۃ ناقل) قبرہ دفنہ۔

(ص ۳۱۵ / ج ۱)

اور دفن میں حفر شرط نہیں ہے۔ جیسے پہلے بیان ہوا۔

وقول ابن عباس رضؓ فی الدجال وُلِدَ مقبورًا معناہ ان اُمّہٗ وضعتہ فی جلدۃٍ مُصمتۃٍ لاشق فیھا ولا ثقب

فقالت قابلته هذه سلحة ليس فيها ولد فقالت أمة بل فيها ولد وهو مقبور فيها فشقوا عنه فاستهل۔ (قاموس ج۲ ص۳۱۶)

جھلی میں لپٹے ہوئے بچے پر عرب العرباء کے استعمال میں مقبور کا اطلاق ہمارے مدعا پر واضح دلالت کر رہا ہے کہ مقبور ہونے کے لئے حفر شرط نہیں۔ مستور و مغیب بالصفۃ المخصوصہ ہونا کافی ہے۔

لغت کے علاوہ قرآن و حدیث اور فقہ سے بھی یہی امر مستنبط ہوتا ہے کہ دفن میت سے اصل مقصود مواراۃ ہے۔ جس کے لئے بالفعل کسیوں کے ساتھ گڑھا کھودنا ضروری نہیں بلکہ گڑھے کی صورت بھی کافی ہو سکتی ہے خواہ یہ پہلے موجود ہو یا مٹی کو ارد گرد جمع کر کے ایسی صورت بنائی جائے یا گڑھا کھودنے سے یہ شکل بن جائے

قرآن کریم میں ہے۔

فبعث اللّٰہ غرابا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوأۃ اخیہ۔ الآیۃ۔

آیت کے آخری ٹکڑے میں مذکور ہے۔ دفن میت سے مقصود مواراۃ نعش ہے۔

۲ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو نعش ابو طالب کے بارے میں حکم دیا تھا" فوارہ "۔ بخاری شریف میں صیغہ ہذا مقصد دفن کی طرف مشعر ہے۔ فقہاء نے اسی حدیث کے پیش نظر لکھا ہے کہ۔

یغسل المسلم و یکفن و یدفن قریبہ الکافر الاصلی من غیر مراعاۃ للسنۃ۔ (تنویر)۔

معلوم ہوا کہ مواراۃ دفن ہے لیکن غیر مسنون ہے۔

۳ : علامہ عینی رح شرح ھدایہ میں فرماتے ہیں کہ۔

فصل فی الدفن المقصود منہ ستر سوأۃ المیت والیہ الاشارۃ فی قولہ تعالٰی فبعث اللہ غرابا۔ الخ

(ج ۱۔ ص ۱۲۰۔ کما فی الرسالۃ المطبوعۃ، ص ۲۶)۔

۴ :۔ علامہ سرخسی رح فرماتے ہیں کہ۔ اما الدفن انما یتم باھالۃ التراب۔

۵ : گڑھا کھودنا اور گہرا کرنا فی حد ذاتہ مقصود نہیں بلکہ اس سے اصل مقصود لاش کی بدبو روکنا اور اسے درندوں سے محفوظ کرنا ہے۔ علامہ شامی رح فرماتے ہیں۔

وھذا احد العمق و المقصود منہ المبالغۃ فی منع الرائحۃ ونبش السباع ۔ (ج ۱ ۔ص ۸۳۵)۔

مندرجہ بالا عبارت اپنے مفہوم و منشا کے اعتبار سے کسی تفسیر کی محتاج نہیں ہے سب کا مشترکہ مضمون یہ ہے کہ مٹی میں نعش انسانی کو اس طرح سے چھپا دینا کہ درندے اس کو نہ اکھاڑ سکیں اور اس کا تعفن اور بدبو لوگوں تک نہ پہنچے، دفن ہے ۔ اور اس سے یہی مقصود ہے ۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرات مفسرین کی چند عبارتیں لکھی جاتی ہیں ۔

——علامہ قرطبی رح فرماتے ہیں ۔

" ثم اماتہ فاقبرہ" ای جعل لہ قبرا یواری فیہ اکراما ولم یجعلہ مما یلقی علی وجہ الارض تأکلہ الطیر والعوافی قالہ الفراء ۔ (ج ۱۹ ۔ ص ۲۱۹)۔

——روح المعانی میں ہے ۔

" جعلہ ذا قبر تواری فیہ جیفتہ تکرمۃ لہ لم یجعلہ مطروحا علی الارض یستقذرہ من یراہ و تقتسمہ السباع والطیر"

(پ عم ص ۴۴)

——تفسیر جلالین وجمل میں ہے ۔

" وجعلہ فی قبر یسترہ ای ولم یجعلہ مما یلقی للطیر والسباع "

(پارہ عم)۔

قبر کی صفت تواری فیہ جیفتہ یہ وصف دال علی العلیت ہے ۔ نیز اس کا مقابل ولم یجعلہ مما یلقی علی وجہ الارض کو ٹھہرایا ۔ یہ مجموعہ دلالت علی المقصود کے بارے میں بالکل صریح ہے ۔ تحقق دفن کے لئے جیسے حفر ضروری نہیں ہے ایسے ہی لحد حقیقی جو گڑھا کھود کر اس کے اندر کھودی گئی ہو یا شق حقیقی ضروری معلوم نہیں ہوتی بوجوہ ذیل

——الف : نعش کافر کو بدون لحد وشق کے گڑھے میں دبانے کا حکم ہے ۔ فقہاء نے اس پر لفظ دفن کا اطلاق کیا ہے ۔ جیسا کہ بحوالہ تنویر پہلے ذکر ہوا ۔

ب : بعض اکابر صحابہ رضؓ جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں نے وصیت فرمائی تھی کہ لحد وشق بنائے بغیر ہمیں ویسے ہی مٹی میں دبا دیا جائے۔

" واوصی کثیر من الصحابۃ ان یرمسوا فی التراب من غیر لحد ولا شق قال لیس احد جنبی اولی بالتراب من الاخر ویوقی وجھہ التراب بلبنتین او ثلاث " (طحطاوی ۱ ص ۳۳۳) - فتح القدیر وکبیری)۔

اگر لحد وشق دفن کے لئے ضروری ہوتی تو یہ حضرات ایسی باطل وصیت فرما کر لوگوں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا کیسے سبب بن سکتے تھے۔ نیز یہ ممکن نہیں کہ ان حضرات کو تا حال غیر مدفون قرار دیا جائے۔ اور یہ تسلیم کرنا نہایت مشکل ہے کہ ان حضرات کو مسائل شرعیہ اور ان کے حقائق کے فہم سے (العیاذ باللہ) بالکل عاری سمجھا جائے۔

ج : علامہ ابن الہمام رحؒ نقل فرماتے ہیں۔

" بل ذکر لی ان بعض الارضین من الرمال یسکنھا بعض الاعراب لا یتحقق فیہ الشق ایضا بل یوضع میت ویھال علیہ نفسہ " (ص ۲۹۹ - نولکشوری) - علامہ موصوف نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

د : فساقی میں دفن کرنے کو فقہاء نے دفن ہی قرار دیا ہے۔ گو مکروہ لکھا ہے۔ حالانکہ نہ اس میں لحد نہ شق ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل دفن کے تحقق کے لئے یہ دونوں ضروری نہیں۔ البتہ دفن معروف ومسنون کے لئے اس کی حاجت ہے۔ تفصیل بالا سے امور ذیل محقق ہوئے۔

۱ : دفن کی حقیقت ستر ومواراۃ محفوظہ ومخصوصہ ہے اور حفر اس کی حقیقت میں داخل نہیں۔

۲ : دفن سے مقصود اعزاز اور حفاظت نعش انسانی ہے۔ تاکہ دیگر حیوانات کی طرح نظروں کے سامنے گلتی سڑتی اور نچتی نہ رہے۔

۳ : دفن کی حقیقت میں لحد حقیقی، شق حقیقی داخل نہیں۔ پس حقائق بالا کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت قدس سرہٗ کی نعش مبارک کو سپرد خاک کرنے کی جو تفصیل صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے اس سے بلاشبہ تدفین محقق ہوگئی ہے۔ اور اس پر دفن کے احکام جاری ہوں گے۔ کیونکہ مواراۃ جسد علی وجہ الاتم پائی گئی اور منشاء تشریع بھی پورا ہوگیا۔ تحقق دفن کے لئے حفر یا شق حقیقی درجہ شرط میں

نہیں ۔ کمامر ۔ چنانچہ قبل ازیں مطبوعہ رسالہ کے مطابق پاک و ہند کے معتمد ترین دارالافتاء اور اکابر بھی اسے تدفین قرار دے چکے ہیں ۔ پس صورت مسئولہ میں مزار شریف کو دوبارہ کھولنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ۔ اور اس پر نبش کے احکام جاری ہوں گے ۔

تتمہ : واضح رہے ۔ ومفادہ انہ لا یجزی دفنہ علی وجہ الارض اس کے خلاف نہیں ۔ **اولاً** : اس لئے کہ یہ علامہ شامی رہ کا استنباط ہے ۔ کتب حنفیہ میں صراحۃً یہ جزئیہ کہیں مذکور نہیں ۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے خود اس کا اعتراف کیا ہے ۔ اور مفادہ کا لفظ بھی اس طرف مشعر ہے ۔

ثانیاً : اس لئے کہ دلائل بالا کی بناء پر اس کی تاویل ضروری ہے ۔ لا یجزی دفنہ ای علی الوجہ المسنون والمتوارث جمعا بین الادلۃ ۔

ثالثاً : برتقدیر تسلیم ظاہر جواب یہ ہے کہ متنازع صورت کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ زیر بحث صورت میں تابوت کے اردگرد دیوار بنا کر چھت لگائی گئی ہے ۔ پھر اس کے چاروں طرف دور تک پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر اسے سطح مسجد کے برابر کر دیا گیا ہے اور اس کے اوپر کچی قبر کا نشان بنا دیا گیا ۔ ماخوذ از مطبوعہ رسالہ ۔

اب سنا ہے کہ اس صحن کو مزید وسیع کرتے ہوئے اردگرد مزید مٹی ڈال کر وہیں پر مدرسہ کی تعمیر ہو گئی ہے ۔ اس سے یہ ساری سطح زمین بلند ہو گئی ہے جس کے ایک حصہ میں گویا کہ بصورت شق تابوت مدفون ہے ۔ اور جزئیہ میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ قطعاً اس سے مختلف ہے ۔ وہ صرف یہ ہے کہ لاش زمین پر رکھ کر اردگرد اینٹیں لگا دی جائیں جس سے قبر کی سی صورت بن جائے ۔ اور اسے گہرائی میں چھپایا نہ جائے ۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے منشاء تشریع اور مقصود تدفین حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اینٹوں کے اکھڑنے اور حشرات الارض کے سوراخ وغیرہ کی صورتوں میں نعش کی بدبو پھیلنے اور لقمہ حیوانات بن جانے کا احتمال بعید از قیاس نہیں اور پختہ اور چونا گچ کرنا جزئیہ میں مذکور نہیں ۔ اور کیا یہ چیزیں ہر ایک کو سب میسر ہو سکتی ہیں ؟ اور اسلامی سادگی کی خلاف ورزی تو ظاہر ہے ۔ الغرض صورت زیر بحث کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا غلط ہے ۔ زیر بحث صورت میں منشاء تشریع دفن کی تکمیل ظاہر ہے اور جزئیہ کی صورت میں یہ منشاء پورا نہیں ہوتا اور اس طرح فرمان نبوی

احفروا واعمقوا واحسنوا وادفنوا الاثنین والثلاثۃ فی قبر واحد

وقدموا احسنھم قرآنًا

سے بھی اشتراطِ حفر پر استدلال کرنا درست نہیں ۔کیوں کہ اگر یہ استدلال صیغۂ امر سے ہے تو تقدیم احسن قرآن بھی اسی طرح فرض اور شرط ہوگی اور اس کے بغیر دفن کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ حالانکہ اس کا التزام درست نہیں ۔ اور اگر استدلال کسی خارجی مقدمہ پر مبنی ہے تو جواب اس کے معلوم ہونے پر دیا جاسکتا ہے ۔ نیز بعض حضرات کو " یبحث فی الارض " سے یہ شبہ ہوگیا ہے ، یہ شبہ بھی ضعیف ہے ۔کیونکہ اس کی تفسیر میں دو احتمال ہیں کہ یہ بحث بغرضِ حفر تھا تاکہ اس میں کوّے کو رکھ کر دبایا جاسکے ۔ اور احتمالِ ثانی یہ ہے کہ بحث بغرضِ ستر اور مواراتِ تھا ۔ یعنی کوّا پنجوں کے ذریعہ مٹی ڈال ڈال کر غراب میت کو دفن کر دے ۔

احتمالِ ثانی اولیٰ ہے ۔کیونکہ اس میں تقلیل حذف ہے اور یہ عاداتِ غراب سے اشبہ ہے ۔اس لئے علامہ سیوطیؒ نے اس تفسیر کو اختیار کیا ہے فرماتے ہیں ۔

" یبحث فی الارض ینبش التراب بمنقارہ ورجلیہ ویثیرعلی غراب اٰخر میت حتی واراہ " (جلالین شریف)۔

تفسیر ہٰذا کی بنا پر سقوطِ استدلال ظاہر ہے ۔ اور اس کی تائید ایک دوسری تفسیر سے ہوتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ غراب دوسرے غراب میت پر مٹی نہیں ڈالتا تھا ۔ بلکہ ہابیل کی نعش پر کرید کرید کر مٹی ڈال رہا تھا تاکہ دفن کی تعلیم کرے ۔

" وقال الاصم لما قتلہ وترکہ بعث اللہ غرابا یحثو التراب علی المقتول " (ج ۳ ۔ص۳۹۴)۔

اور احتمالِ اوّل بھی ہمارے لئے مضر نہیں ۔ اوّلاً ۔اس لئے کہ یہ مقصود نہ تھا ۔جیساکہ آیت میں مذکور ہے ۔ لیریہٗ کیف یواری اس کی ایک صورت حفر بھی ہے ۔پس حفر کی فرضیت اور تعیین ثابت نہیں ہوگی ۔ الحاصل آیت زیادہ سے زیادہ مفید حفر ہے مفید حصر نہیں ۔پس ثابت میں نزاع نہیں ہے ۔اور متنازع فیہ ثابت نہیں ۔

ثانیًا ۔ آیت کی تفسیریں گو صورتًا مختلف ہیں ۔لیکن ان کا معنیً متحد ہونا ضروری ہے ۔تاکہ مرادِ خداوندی میں تخالف لازم نہ آئے ۔جب کہ مسئلۂ دفن امت کے مابین مختلف فیہ نہیں ۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ احتمالِ اوّل حفر کو فرضیت اور تعیین کے لئے نہ لیا جائے ۔اور یہی اوفق لعموم العلۃ

ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تقریباً نو ۹ سال حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری قدس سرہ کی وفات کو ہو چکے ہیں۔ اور ان کی نعش مبارک کو تابوت میں رکھ کر اس کے چہار طرف نیچے اوپر پکی اینٹیں لگا کر قبر کے اردگرد اڑتیس ۳۸ فٹ لمبا ، اٹھائیس ۲۸ فٹ چوڑا ، اور پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر چبوترا بنایا گیا ہے جس کی بنا پر بالیقین یہ صادق آتا ہے کہ حصل الدفن یعنی مواراۃ المیت فی التراب دفن کا معنی اور مقصد یہی ہے ۔ حفر لحد دفن کی مسنون شکلیں ہیں ۔ نفس دفن ان پر موقوف نہیں ۔ جیسا کہ مفتی صاحب نے جواب میں واضح فرمایا ہے ۔ لہٰذا دفن کے تحقق کے بعد اگر وہ خلاف سنت بھی ہو چکا ہو نبش حرام ہوگا ۔ بنائً علیہ اب ضروری ہے کہ حضرت رائپوری رح کے مریدین اور متوسلین اور خدام تمام محنت وسعی کو حضرت رح کے اسوۂ حسنہ کے احیاء اور اشاعت طریق میں شرح کریں ۔ اہل اسلام میں پہلے بھی کافی اختلاف اور انتشار برپا ہے ۔ اب یہ بحث نو ۹ سال بعد چھیڑنا مزید موجب افتراق اور تشتت ہوگا ۔ جو کسی قسم کی اسلامی خدمت نہیں ہوگی ۔ بلکہ اعداء اسلام کے لئے باعث شماتت ہوگا ۔ اس لئے اس بحث کو ہماری رائے میں ختم کرنا بالکل مناسب ہے ۔ فقط واللہ اعلم

والجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان - ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ	نائب مفتی خیر المدارس ، ملتان ۔

میت کی وصیت کردہ جگہ میں دفن کرنے کیلئے دفن کے بعد قبر کھود کر میت لے جانے کا حکم

حضرت رائپوری رحمہ اللہ کا لاہور میں انتقال ہوا اور ان کے وارثوں میں سے بھائی اور بھتیجے موجود تھے انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی وطن میں تدفین کی ۔ کچھ حضرات حضرت رح کی میت مبارک کو ہندوستان منتقل کرنے پر اصرار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت رح نے وصیت کی تھی کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے ۔

۱ : میت کا حق تدفین کس کو ہے ؟ اگر وارث حق تدفین کو استعمال کرتے ہوئے ایک جگہ دفن

کردیں تو دوسرے متعلقین کو اس کے خلاف کار روائی کا جواز ہے یا نہیں ؟

۲ : اگر میت کسی جگہ دفن کی وصیت کر گئے ہوں تو مستحق تدفین کو اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

۳ : اگر خلافِ وصیتِ میت تدفین عمل میں آچکی ہو تو موافقِ وصیت اس میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب

۱ : میت کی تجہیز و تکفین کا حق ولیِ اقرب کو حاصل ہے جیساکہ حوالۂ ذیل سے ظاہر ہے ۔ نمازِ جنازہ میں حقِ تقدم کس شخص کو حاصل ہے ؟ اس مسئلہ کے ضمن میں "صاحبِ بحر" لکھتے ہیں کہ ۔

" (ثم الولی) لانہ اقرب الناس الیہ والولایۃ لہ فی الحقیقۃ کمافی غسلہ وتکفینہ وانمایقدم السلطان علیہ اذاحضر کیلا یکون ازدراءبہ ." (ج ۲ ـ ص ۱۹۴)۔

" وفی الدر المختار ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبہ " (شامی ج ۱ ط ۵۳۲)۔

اس جزئیہ سے بھی مسئلہ ہذا کی تائید ہوتی ہے ۔ گو یہ غیر مسلم میت کے بارے میں ہے ۔

۲ : وارث کے لئے ایسی وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں ۔ قال فی الدر المختار (ج ۱ ـ ص ۸۲۵)۔

(مع الشامیۃ) والفتوی علی بطلان الوصیۃ بغسلہ والصلوۃ علیہ عزاہ فی الھندیۃ الی المضمرات ای لواوصی بان یصلی علیہ غیر من لہ حق التقدم اوبان یغسلہ فلان لایلزم تنفیذ وصیتہ ولایبطل حق الولی بذالک وکذا تبطل لو اوصی بان یکفن فی ثوب کذا اویدفن فی موضع کذاکما عزاہ الی المحیط "

۳ : دفن ہوجانے کے بعد عمل بالوصیت کی غرض سے قبر کو کھولنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ۔ جیساکہ اگر کسی میت کو بلاغسل ونماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو نبش جائز نہیں ۔

" کما اذا دفن بلا غسل اوصلاۃ اووضع علی غیر یمینہ اوالی غیر القبلۃ ۔ فانہ لاینبش علیہ بعد اھالۃ التراب کمامر (الشامیۃ ـ ص ۸۳۹ ج ـ ۱)۔

جب ترکِ غسل کی وجہ سے نبش جائز نہیں حالانکہ غسل فرض ہے ۔اور اس کا کوئی قائم مقام بھی موجود نہیں تو خلافِ وصیت ہو جانے کے عذر کی بنا پر نبش کیسے جائز ہوگا ۔ جب کہ وصیت ہذا پر عمل کرنا نہ فرض ہے نہ واجب ، بلکہ فقہاء نے اسے بطلان کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ۔ الغرض جس وصیت پر دفن سے قبل عمل واجب نہیں بعد از دفن اس پر عمل کرنے کے لئے نبش کو کیسے مباح قرار دیا جاسکتا ہے ۔ فقہاء اہالۂ تراب کے بعد دوسرے منفذ میں نبش کی ممانعت فرماتے ہیں ۔ پس آٹھ ، نو برس کی مدتِ طویلہ گزر جانے کے بعد بطریقِ اولیٰ اس کی ممانعت کا حکم کیا جائے گا ۔ دفن بطریقِ مسنون ہوا ہو یا خلافِ مسنون دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ اہالۂ تراب کے بعد نبش جائز نہیں ۔ جزئیہ بالا اس بارے میں صریح ہے ۔ کیونکہ دفن بلا غسل ، دفن بغیر صلاۃ ، وضع علی غیر الیمین ، وضع الی غیر القبلۃ سب امورِ طریقِ مسنون کے خلاف ہیں اس کے باوجود نبش کی اجازت نہیں دی گئی ۔

فقط واللہ اعلم ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

والجواب صحیح	الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲ ر ۳ ر ۱۳۹۱ھ	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

قبر میں " مَن نَّبِیُّکَ " سے سوال ہوگا یا " مَا تَقُولُ فِی ہٰذَا الرَّجُلِ " سے

قبر میں مردے سے منکر نکیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب سوال کرتے ہیں تو کیا ہذا الرجل کہتے ہیں یا من نبیک کہتے ہیں ؟

الجواب دونوں طرح کے الفاظ حدیث میں ہیں ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالہم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ما کنت تقول فی ہذا الرجل لمحمد الحدیث (مشکوٰۃ باب عذاب القبر ص ۲۴) ۔ اور مجمع الزوائد میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے ۔

وان المؤمن یجلس فی قبرہ فیسئل من ربہ فیقول ربی اللہ فیقول من نبیک فیقول نبیی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال ما دینک قال دینی الاسلام الخ (ورجالہ ثقات اھ ۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۳) ۔

فقط واللہ اعلم

جنازہ گاہ متعین اور وقف ہو تو کسی کو تصرف کرنیکی اجازت نہیں

خیرپور ضلع بہاولپور میں ایک جنازہ گاہ ہے۔ جو کہ عرصہ اسی سال سے زائد تعمیر شدہ ہے۔ اردگرد چار دیواری مکمل ہے۔ جنازہ گاہ کی عمارت آج سے اسی سال قبل خیرپور کے ایک شخص نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ رقبہ زمیندار کا ہے۔ کاغذات سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ مالک نے یہ زمین وقف کی تھی یا تعمیر کنندہ کو ھبہ کی تھی۔ اصل مالک یا اس کے ورثاء نے آج تک کبھی اس رقبے سے تعرض نہیں کیا محکمہ مال کے کاغذات میں یہ رقبہ مملوکہ مالک درج چلا آرہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جس محلہ میں یہ جنازہ گاہ واقع ہے وہاں کی دیگر مساجد کا رقبہ مثلاً ساوی مسجد وغیرہ جو صدیوں سے آباد ہے اسی اصل مالک کے نام چلا آرہا ہے۔

اب ٹاؤن کمیٹی خیرپور اس جنازہ گاہ کے رقبہ میں ایک ٹینکی آب اور کوارٹر وغیرہ تعمیر کرنا چاہتی ہے جس سے شہریوں کو پانی فروخت کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ صورت بالا کے مطابق یہ جگہ وقف شمار ہوگی یا نہیں۔ آیا ثبوت وقف کے لئے اتنا کافی ہے یا کاغذی اندراج ضروری ہے۔ اور ٹاؤن کمیٹی کا یہ اقدام درست ہے یا نہیں۔؟

احقر غلام قادر مہتمم خیر العلوم خیرپور

الجواب اگر عامۃ الناس اس کے جنازہ گاہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ دلیل ہے اس کے وقف ہونے کی۔ لہٰذا کمیٹی کا اس میں مذکورہ تصرف کرنا شرعاً درست نہیں۔

کذافی امداد الفتاوٰی ج ۲ ص ۵۰۱۔

وقف ہونے کے لئے کاغذات میں اندراج ضروری نہیں۔

" وفی الخیریۃ وقف قدیم مشهور لا یعرف واقفه استولی علیه ظالم فادعی المتولی انه وقف علی کذا مشهور وشهدا بذالک فالمختار انه یجوز اھ - (شامیۃ ج ۳ ص ۱۵ (م

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کے آگے آگے نعت خوانی بدعت ہے

یہاں رواج ہے کہ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو کچھ لوگ جنازہ کے آگے آگے بلند آواز سے نعت خوانی کرتے جاتے ہیں یا کلمۂ طیبہ کا ذکر کرتے جاتے ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب

یہ رواج بدعت ہے چھوڑ دینا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے۔

" کما کرہ فیہا رفع صوت بذکر او قراءۃ - اھ (ج ۱ ص ۶۲۴)۔

اس کی شرح میں لکھا ہے۔ " وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظہیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالی یذکرہ فی نفسہ لقولہ تعالی انہ لا یحب المعتدین ای الجاہرین بالدعاء وعن ابراہیم انہ کان یکرہ ان یقول الرجل وہو یمشی معہا استغفروا لہ غفر اللہ لکم الخ قلت واذا ہذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی ہذا الزمان۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، خیر محمد عفی عنہ

محمد عبد اللہ غفر لہٗ
۱۸ - ۱۲ - ۱۳۶۹ھ

خطاءً خودکشی کرنیوالے کا بالاجماع جنازہ پڑھا جائے

خودکشی کرنے والے کے جنازہ میں شدتِ تکلیف اور عدم شدت کی بناء پر کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اراد بہ قاتل نفسہ عمداً لا لشدۃ وجع فخرج بمفہومہ الخطاء فانہ یغسل ویصلی علیہ اھ (مراقی الفلاح)۔ اس عبارت میں فخرج کس پر متفرع ہے عمداً پر یا لا لشدۃ پر۔ اگر عمداً پر ہے تو عمد والے پر بھی جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ پھر خطاء و عمد میں فرق کیا ہوا؟

الجواب

فخرج بمفہومہ الخطاء۔ عمداً پر متفرع ہے کیونکہ احتراز عن الخطاء لفظِ عمد ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ شدتِ وجع پر متفرع نہیں۔ رہا یہ کہ پھر عمد اور خطاء میں مابہ الفرق کیا ہے۔ تو وہ یہ ہے کہ قاتل لنفسہ خطاءً پر اجماعاً نماز پڑھی جاوے کیونکہ وہ شہید ہے اور قاتل لنفسہ عمداً میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قاتل لنفسہ عمداً پر نماز نہ پڑھی جاتے لیکن

راجح یہ ہے کہ اس پر بھی نماز پڑھی جائے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ وہ خودکشی کی وجہ سے کبیرہ کا مرتکب ہوا لاغیر۔ اور قول محشی علام لالشدۃ وجع میں شدتِ وجع کی قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ عام طور پر خودکشی، شدتِ درد و الم میں ہوتی ہے۔ کلمہ " لا " سہوِ کاتب معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ
۲۵ : ۵ : ۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالرحمن غفرلہٗ

جنازہ لیجاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے

جنازہ اٹھا کرلے جانے والے جب چلیں تو ساتھ چلنے والے اور اٹھانے والے کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت یا قرآنِ پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے چلیں یا خاموشی کے ساتھ چلیں؟

الجواب میت کو اٹھا کرلے جانے والوں اور دوسرے پیچھے چلنے والوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ خاموش ہو کر چلیں۔ بلند آواز سے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت اور قرآنِ پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے چلنا مکروہِ تحریمی ہے۔ (کما فی البحر ج ۲ ص ۳۰۷)۔

"وینبغی لمن تبع جنازۃ ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم۔ اھ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
۲۹ : ۳ : ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح : بندہ عبداللہ عفرلہٗ
مفتی خیر المدارس، ملتان

نماز کا وقت ہو اور جنازہ موجود ہو تو کسے مقدم کرے

نماز کے وقت جنازہ حاضر ہوا تو پہلے نماز ادا کی جائے یا جنازہ؟ دوسری صورت میں مثلاً ظہر کے فرض پڑھ لئے ہیں باقی نماز یعنی سنتیں نہیں پڑھیں اور جنازہ حاضر ہوا تو پہلے جنازہ ادا کیا جائے یا باقی نماز؟ علامہ کیمبلپوری رحمۃ اللہ علیہ

الجواب اگر نماز کا وقت تنگ نہ ہو تو جنازہ پہلے ادا کرلینا چاہئے۔

" ینبغی تقدیم الجنازة والکسوف حتی علی الفرض مالم یضق وقتہ۔ (شامی ص۶۶۳)

اور مغرب کی نماز کو جنازہ پر مقدم کیا جائے۔

" ویوخذ من قولہ ایضاً ان ضاق الوقت تقدیم فرض الوقت " (ردالمحتار)۔

اگر فرض پہلے ادا کئے جائیں تو سنتیں بھی جنازہ سے مقدم ادا کرنی چاہئیں۔ " عن الحلبی الفتوی علی تاخیر الجنازة عن السنة " شامی صفحہ مذکورہ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : عزیز محمد عفا اللہ عنہ | بندہ عبد اللہ غفرلہٗ

قبروں پر قبے بنانے کا حکم

زید کہتا ہے کہ مزارات پر قبے اور روضے بنانا یہود و نصاریٰ کا کام ہے۔ وہ سود و خنزیر بھی کھاتے تھے۔ جس شخص نے اس کی ابتداء کی وہ بڑا پاجی اور مکار تھا۔ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کو اپنا امام و مصلح تسلیم کرتا ہے۔ کیا زید کا زعم حق ہے یا باطل؟ کیا علماء دیوبند بھی روضے گرانا جائز سمجھتے ہیں؟ کیا روضوں کو گرانا توہین نہیں سمجھتے؟ کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے کہ میں دیوبندی عقائد رکھتا ہوں

الجواب احادیث اور کتب فقہ میں قبور پر مکان، قبہ اور روضہ بنانے سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ اقدس مستثنیٰ ہے۔ علماء و اکابر دیوبند کی قبور بھی سادہ طور پر بغیر بناء کے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم کے مقابر بھی اسی طرح ہیں۔ اکابر دیوبند اور شاہ ولی اللہ وغیرہم کے بہت اوپر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور بھی بغیر روضوں اور قبوں کے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں بہت بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدفون ہوتے۔ سب بغیر قبوں اور روضوں کے دفن ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنہیں سید الشہداء کا لقب دیا جاتا ہے بغیر قبہ کے مدفون ہوئے۔ یہ قبے وغیرہ بعد کی ایجاد ہے جنہیں سنت نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے باوجود زید کا یہ طرز کلام مسلمانوں کے ساتھ، جاہلانہ ہے۔ اس طریقے پر نہ تو علماء دیوبند نے مسلمانوں کو خطاب کیا ہے اور نہ برا بھلا کہا ہے۔ اور نہ ہی زید دیوبندی مسلک پر ہو سکتا ہے۔

دیوبندی مذہب یا عقیدہ کوئی الگ مذہب نہیں۔ مسلک حنفیہ اور سلف صالحین کے صحیح

اتباع کو ہم دیوبندیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶/۷/۱۳۹۸ھ

جسے دعاء جنازہ یاد نہ ہو وہ کیا کرے

جن لوگوں کو دعاء جنازہ یاد نہیں وہ نماز جنازہ میں شامل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جائے کہ وہ دعائیں یاد کریں۔ یاد نہ کرنے پر برادری اور پنچایت مواخذہ کرے۔ لیکن جسے دعا یاد نہ ہو مگر امام کے پیچھے باوضو تکبیرات کہتا رہے۔ تو اس کا نماز جنازہ ادا ہوجائے گا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفی عنہ یکم ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

لوٹ مار اور واردات کرنیوالے کا جنازہ نہ پڑھا جائے

ولا یصلی علی باغ وقاطع طریق قتل فی حالۃ المحاربۃ وقاتل بالخنق غیلۃ ومکابر فی المصر لیلاً بالسلاح الخ (نور الایضاح ص۱۱۶)۔

اس عبارت میں "لیلاً" اور "بالسلاح" کی قید کا کیا فائدہ ہے؟ کیا دن کو واردات کرنے والے یا بغیر ہتھیار کے واردات کرنے والے کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا؟

الجواب اس عبارت میں "لیلاً" کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ عام طور پر شہروں میں اس قسم کے جرائم رات کو ہوتے ہیں اس لئے رات کا ذکر کر دیا۔ ورنہ دن کے وقت بھی اگر کوئی شخص حملہ آور ہو اور وہ مارا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے۔

"قولہ ومُکابرٍ فی المصر لیلاً بسلاحٍ" والمکابر المتغلب والمراد بہ من یقف فی محل من المصر یتعرض لمعصوم والظاھر ان ھذا مبنی علی قول ابی یوسف من انہ یکون قاطع طریق اذا کان لیلاً مطلقاً او نھارا بالسلاح۔ اھ ص۸۵۱ ج۱۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رات کو حملہ کرنے والا مطلقاً قاطع طریق ہے۔ ہتھیار سے حملہ کرے

یا لاٹھی کے ساتھ، اور دن کو ہتھیار سے حملہ کرے تو قاطع طریق ہوگا۔ چنانچہ آگے دو سطر کے بعد فرماتے ہیں۔ وبما قررنا ظهر ان قوله بسلاح بغير قيد لانه اذا وقف في المصر ليلاً لا فرق بين كونه قاتلاً بسلاح اوغيره۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ | بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ ۳/۵/۱۳۶۹ھ

قبر سامنے ہو تو جنازہ پڑھنے کا حکم

ہمارے علاقہ میں مُردے کو غسل دینے کے لئے قبروں کے متصل غسل خانہ بنایا گیا ہے اور اسی کے متصل نمازِ جنازہ کے لئے جگہ بنائی گئی ہے اور اس جنازہ کی جگہ کے سامنے پانچ چھ گز کے فاصلہ پر قبریں ہیں۔ یعنی نمازِ جنازہ کی جگہ ایسی جگہ ہے کہ جب جنازہ کے لئے صفیں کھڑی ہوتی ہیں تو قبریں سامنے قبلہ کی طرف پڑتی ہیں۔ اب کئی علماء کہتے ہیں کہ یہاں جنازہ حرام ہے کیونکہ سامنے قبریں ہیں اور مسلم شریف کی حدیث لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیها پیش کرتے ہیں۔

اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ وہ نماز جس میں سجدہ ہو ناجائز ہے۔ جنازہ میں اگر یہ بات مدِّنظر ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبر پر جنازہ نہ پڑھتے۔ اور علماء کا اتفاق ہے کہ جس کی نمازِ جنازہ نہ ہوئی ہو تو قبر پر تین دن کے اندر پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب دوسرے علماء کا قول درست ہے کیونکہ قبر نفسِ نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کا سامنے ہونا جب جائز ہے تو قبر بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ اور حدیثِ مذکور میں رکوع و سجود والی نماز مراد ہے۔ کما فی فتاویٰ امدادیہ : ج ۱، ص ۴۷۷۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ | بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰/۱۱/۱۳۸۶ھ

نمازِ جنازہ کا تکرار روا نہیں

ایک میت کی نمازِ جنازہ ولی کی اجازت سے پڑھ لی گئی۔ بعد میں میت کے بھائی وغیرہ آئے تو انہوں نے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟

الجواب ولی کے جنازہ پڑھ لینے کے بعد پھر کسی کو دوبارہ پڑھنے کا حق نہیں ہے اور نمازِ جنازہ میں تکرار جائز نہیں ۔

" لا یصلی علی میت الا مرّة واحدة والتنفل بصلوة الجنازة غیر مشروع کذا فی الایضاح وان صلی علیه الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہٗ "

(عالمگیری ج ۱ : ص ۱۶۳) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد صدیق غفرلہٗ
معین مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹ / ۳ / ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ ۲۹ / ۳ / ۱۳۷۰ھ

نمازِ جنازہ کے آگے سے گزرنے کا حکم

نمازِ جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت ہے تو ضرورتمند کتنا فاصلہ چھوڑ کر گزر سکتا ہے ؟ ۔ اکرام الحق ۔ راولپنڈی ۔

الجواب نمازِ جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت وعدمہا کے متعلق کافی جستجو کے بعد بھی کوئی جزئیہ دستیاب نہیں ہوا ۔ لیکن اگر گزرنا ممنوع بھی ہو تو ضرورت مند موضعِ سجود کے آگے سے گزر سکتا ہے ۔ کیونکہ نمازِ جنازہ عام طور پر صحرا میں ہوتی ہے اور صحرا میں نمازی کے موضعِ سجود کے پرے سے گزرنا درست ہے ۔

" کما فی الخانیة وفی الصحراء اذا لم یکن له سترة لایکره المرور وراء موضع السجود اور موضعِ سجود کی تعریف یہ کی گئی ہے انه قدر ما یقع بصره علی المار لو صلی بخشوع "

خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے نظر کو موضعِ سجود پر رکھ کر قبلہ کی طرف جس قدر دور تک نظر پہنچے وہ موضعِ سجود میں داخل ہے ۔ اور اس جگہ سے پرے گزرنا جائز ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۲۱ / ۳ / ۱۳۸۸ھ

قبر پر تیسرے دن کے بعد نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

ایک بچہ پورے دس ماہ کا پیدا ہوا اور دوسرا بچہ آٹھ ماہ کا پیدا ہوا دونوں کے پیدا ہونے کے بعد کوئی آواز یا چیخ وغیرہ نہیں سنی گئی ۔ البتہ بچوں کی والدہ اور دایاں کہتی ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد بچوں نے

سانس لیتے ہیں تو ان کی تصدیق پر نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں ؟ اگر بغیر جنازہ کے دفنائے گئے ہوں تو نمازِ جنازہ قبر پر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب اگر بغیر نمازِ جنازہ کے میت کو دفن کیا جائے تو جب تک اس کی لاش قبر میں پھٹ نہ جائے، قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے۔ رہی یہ بات کہ کتنے دنوں میں لاش پھٹ جاتی ہے تو اس کے متعلق فقہاء کرام رح میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تین دنوں میں، اور بعض کے نزدیک دس دنوں میں، اور بعض کے نزدیک ایک مہینے میں پھٹ جاتی ہے۔ کیونکہ سردی اور گرمی۔ اور میت کے موٹے اور کمزور ہونے کے لحاظ سے پھٹنے میں فرق پڑ جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ جب تک لاش کے پھٹنے کا یقین نہ ہو، قبر پر نمازِ جنازہ جائز ہے۔

پس اگر ان بچوں میں کوئی علامتِ حیات پائی گئی تھی تو ان پر نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیئے تھی۔ اور قبر پر مذکورہ دنوں میں علی اختلافِ الاقوال پڑھ سکتے ہیں۔

وفی الدر وان دفن واھیل علیہ التراب بغیر صلوۃ صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر علی الاصح۔ وفی الشامیۃ قولہ من غیر تقدیر وقیل یقدر بثلاثۃ ایام وقیل عشرۃ وقیل شھر۔ اھ (شامیۃ ج ۱ ص ۶۱۸)۔ فقط۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

فتوٰی کے اعتبار سے تین دن معتبر ہیں لہذا تین دن تک جنازہ قبر پر پڑھا جا سکتا ہے۔

الجواب صحیح — خیر محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ ہذا۔

ولی جس سے چاہے جنازہ پڑھوا سکتا ہے

ہمارے ہاں مسئلہ مشہور ہے کہ اگر کسی دوسرے امام مسجد سے جنازہ پڑھوایا جائے تو ادا نہیں ہوتا صرف اپنا امام پڑھائے۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

الجواب یہ مسئلہ غلط مشہور ہے، جنازہ جو بھی پڑھا دے ادا ہو جائے گا۔ وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولی کما فی المجتبی الی ان قال ولہ ای للولی الاذن لغیرہ فیھا لانہ حقہ

فیملک ابطالہ (درمختار : شامی ص ۶۱۵)۔

جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ اگر وارث نے دوسرے شخص سے جنازہ پڑھوا لیا تو جنازہ ادا ہو گیا امام مسجد کا جھگڑا کرنا درست نہیں ۔ فقط ۔ واللہ اعلم ۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲ ر ۳ ر ۱۳۹۵ ھ

عورتوں کا جنازہ کیساتھ جانا مکروہ ہے

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ جب جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے تو اس وقت مرد اور عورتیں قریب قریب ہو کر چلتے ہیں اور قبر پر حاضر ہوتے ہیں ۔ جب دفن کیا جاتا ہے تو عورتیں وہاں بین کرتی ہیں ۔ اس کا کیا حکم ہے ؟

قاضی عبدالجلیل شاہ ، ضلع مانسہرہ ۔

الجواب عورتوں کا جنازہ کے ہمراہ جانا مکروہ و ممنوع ہے اور بین کرنا حرام ہے ۔ درمختار میں ہے ۔ ویکرہ خروجھن تحریمًا وتزجر النائحة . اھ وفی الشامیة لقوله علیه السلام ارجعن مأزورات غیر مأجورات ابن ماجه بسند ضعیف ۔ (شامیة : ج ۱ ص ۸۳۴)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۰ ر ۹ ر ۱۴۰۰ ھ

شیعہ کا جنازہ ہرگز نہیں پڑھنا چاہیئے

کیا سنی عالم شیعہ کا جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر پڑھ لیوے تو عند اللہ مجرم ہو گا یا نہیں ؟ محمد یوسف مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر

الجواب اگر شیعہ غالی ہے جیسا کہ آج کل عام شیعوں کی حالت ہے تو مقتدا ء حضرات مثلاً علماء و مشائخ کو اس کی نماز جنازہ ہرگز نہیں پڑھنی چاہیئے ۔ اگر محض تفضیلی ہے تو گنجائش ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲ر۵ر۱۳۸۴ ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

طوائف کے جنازے کا حکم

ہمارے پڑوس میں ایک طوائف رہتی تھی وہ جان بحق ہوگئی۔ ۱- اس کو غسل دیا جائے یا نہ۔ ۲- کفن دیا جائے یا نہ۔

۳: ایسی عورت کی نمازِ جنازہ میں اہل محلہ شرکت کر سکتے ہیں یا نہیں۔

۴: ایک بچہ پیدائشی طور پر مرد تھا مگر صحبت بد کی وجہ سے وہ خواجہ سراؤں کی مجلس میں شریک ہو گیا اور پوری طرح خواجہ سرا بن گیا۔ اس کی موت پر اہل محلہ کے لئے شرکت نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: ۱-۲- غسل دیا جائے گا اور کفن بھی دیا جائے گا۔

۳: نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ البتہ مقتدا لوگ زجراً اس کی نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کریں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں پر زجراً نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا تھا

۴: اس کی نمازِ جنازہ میں بھی وہی تفصیل ہے جو جواب بالا میں مذکور ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۹/۱/۱۳۸۶ھ

جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ

ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب مُردے کو کفن دیکر گھر سے نکالتے ہیں تو پانچ آدمی مقرر ہوجاتے ہیں۔ چالیس قدم نکالنے کے لئے چار آدمی مُردہ کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھاتے ہیں۔ یعنی چارپائی کے چار حصے بجائے کندھوں پر رکھنے کے ہاتھوں پر اٹھاکر آگے امام صاحب قدم شمار کرتے ہیں۔ جب دس قدم ہو جاتے ہیں تو ایک پاوے والا دوسرے کے پاس، دوسرا تیسرے کے پاس اسی طرح کرتے ہوئے جب چالیس قدم پورے ہوجائیں تو زمین پر چارپائی رکھ کر دعا مانگی جاتی ہے۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب: جنازہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی پایوں سے پکڑ کر اسے کاندھوں پر اٹھائیں اور اپنے طور پر قدم شمار کرتے جائیں دس قدم چل کر پایہ بدل لیا جائے اسی طرح ہر پایہ کو دس دس قدم اٹھائے۔ اس کے لئے اپنے طور پر سرسری گنتی بھی کافی ہے۔ کچھ قدم اگر زیادہ ہوجائیں تو بھی حرج نہیں۔ پس اس کے لئے امام صاحب کا آگے آگے قدم لگاتے جانا اور ہر دس قدم پر چارپائی اتار کر دوبارہ اٹھانا، اور ہر چالیس قدم پر دعا کرتے جانا لغو اور فضول ہے۔ نیز سنّت اور شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہے۔ پس ان

رسوم سے احتراز کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۹ - ۳ - ۱۳۸۶ھ

نمازِ جنازہ میں حاضر میّت کی نیّت کرنا

نابالغ کی نمازِ جنازہ میں یہ کہنا ضروری ہے کہ دعاء حاضر میت کے لئے۔ اگر کوئی نہ کہے بلکہ اپنے لئے نیت کرے تو جنازہ درست ہو جائے گا یا نہیں ؟ ۔

الجواب وفی الدر ومصلی الجنازۃ بنوی الصلوۃ للہ تعالی وینوی ایضا الدعاء للمیت۔ شامی ج ۱ ص ۲۹۶)۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ کی نیت میں ارادہ کرنا اس میت کے لئے خواہ میت بالغ ہو یا نابالغ بہتر ہے۔ اور اس نیت میں مصلی کا اپنے لئے دعاء کرنے کی نیت کرنا قیاسًا علی ظاہر الفاظ الدعاءٗ درست نہیں اگرچہ اس وجہ سے نمازِ جنازہ کو فاسد نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
۴ - ۲ - ۱۳۸۷ھ

عیدین کے وقت جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے

عیدین کی نماز پڑھنے سے پہلے جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے۔ جنازہ یا عید کو ؟

امام بخش مدرسہ سعیدیہ بھکر۔

الجواب درمختار میں ہے کہ عیدین کی نماز جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں۔
" وتقدم صلوتھا علی صلوۃ الجنازۃ۔ اھ شامی ج ۱ ص ۷۷۵

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نمازِ جنازہ میں کون سی دعا پڑھی گئی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دنیا سے کس دن ہوا؟ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دفن کس روز کیا گیا؟ نمازِ جنازہ ایک بار ہوئی یا کئی بار؟ دعاء جنازہ یہی تھی جو آج کل مانگی جاتی ہے یا کوئی اور خاص دعاء پڑھی گئی۔ اگر ٹولہ ٹولہ صحابہؓ آتے رہے تو کتنی جماعتیں ہوئیں

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دو شنبہ کے دن ہوا منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں حضور اقدس کو قبر شریف میں اتارا گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ مبارکہ مکان میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان گروہ در گروہ داخل ہوتے تھے اور بلا کسی امام کے نماز پڑھ کے چلے جاتے۔ نمازِ جنازہ اسی طریقہ سے پڑھی گئی جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

كما هو الظاهر من هذا الحديث قالوا يا صاحب رسول الله أنصلي على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال نعم قالوا كيف؟ قال يدخل قوم فيكبرون ويدعون ويصلون ثم يخرجون الخ قال القاري ولم يذكر التسبيح كما هو معلوم من وقوعه بعد التكبيرة الاولى

(شمائل ترمذی مع حاشیۃ: ص۲۰)

صحابہ کرام علیہم الرضوان اسی طرح نمازِ جنازہ پڑھتے رہے تا آنکہ آخر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی اور تدفین عمل میں آئی۔ جماعتوں کا عدد معلوم نہیں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

میت باہر اور نمازی مسجد میں ہوں تو بھی ظاہر مذہب میں مکروہ ہے

ہماری مسجد میں آج تک جنازہ ایسے پڑھتے رہے کہ میت بھی مسجد کے اندر ہوتی تھی اور نمازی بھی مسجد میں۔ اب یہ تجویز ہے کہ محراب کی جانب چبوترہ بنا دیا جائے۔ میت چبوترے پر ہو، امام بھی وہیں ہو، کچھ نمازی بھی ساتھ ہوں، اور باقی

مسجد میں کھڑے ہوں۔ اس طرح جنازہ مکروہ ہے یا نہیں ؟

امجد ستار : براڈ کاسٹنگ ملازمس ریڈیو پاکستان کراچی

الجواب مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے لہذا اب تک جس طرح جنازہ پڑھا جاتا رہا ہے شرعًا جائز نہیں تھا بلکہ مکروہ تھا۔ مسجد سے باہر ادا کرنا چاہئے اور آئندہ کے لئے جو صورت زیر تجویز ہے اس میں بعض کے نزدیک گنجائش ہے۔ کما فی الشامیة فی کتاب الجنائز۔ لیکن ظاہر مذہب علی الاطلاق کراہت کا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۸ : ۴ : ۸۸ ۱۳ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

عین دوپہر کے وقت جنازہ درست نہیں

عین دوپہر کے وقت نماز جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب بالکل عین دوپہر میں نماز جنازہ درست نہیں جب کہ جنازہ پہلے سے برائے نماز تیار رکھا ہو۔ کما فی الدر المختار وینعقد نفل بشروع فیہا بکراهة التحریم لا ینعقد الفرض وسجدة تلاوة وصلوة جنازة تلیت الآیة فی کامل وحضرت الجنازة قبل۔ اھ (شامی ج ۱ ص ۲۶۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۵ : ۱ : ۸۸ ۱۳ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین کا حکم

ایک شخص نے نماز جنازہ پڑھائی اور تکبیرات اربعہ میں اس نے رفع یدین کیا اور سہوًا کیا عمدًا ایسا نہیں کیا۔ اب یہ صلوۃ جنازہ ادا ہوگئی یا دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے ؟

الجواب رفع یدیہ فی الاولیٰ فقط وقال ائمة بلخ فی کلہا (الدر المختار) وھو قول الائمة الثلاثة وروایة عن ابی حنیفة

كمافی شرح درر البحار و الاول ظاهر الرواية كمافی البحر۔ (شامی ج۱ ص۹۱۱)۔
عبارتِ ہذا سے ظاہر ہے کہ رفع یدین تکبیرات جنازہ میں ائمہ ثلاثہ کے علاوہ بہت سے فقہاءِ احناف کا بھی مذہب ہے پس اسے مفسد نہیں کہا جاسکتا۔ اور اعادہ کی حاجت نہیں ۔کیونکہ تنفل بصلوۃ الجنازہ مکروہ ہے ۔ الحاصل نماز جنازہ صورتِ مسئولہ میں درست ہوگئی تشویش نہ کی جاوے ۔لیکن آئندہ احتیاط کی جائے امام کو مسائل سے اتنی غفلت روا نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہٗ | بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جو تمام جل جائے اس پر جنازہ نہ پڑھا جائے

اگر کوئی شخص جل گیا، گوشت و پوست وغیرہ سب کچھ ختم ہوگیا، صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں، ڈھانچہ بالکل ختم ہوگیا، اس پر جنازہ وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب وان وجد نصفه من غير الرأس او وجد نصفه مشقوقا طولا فانه لا يغسل ولا يصلى عليه ويلف فی خرقة ويدفن فيها۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹)۔
جزئیہ ہذا سے ظاہر ہے کہ جس کا نصف حصہ بدن سرمیت نہ پایا جائے اسے غسل دینے یا اس پر جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۳ ؍۹ ؍۱۳۸۲ھ

ہر میت کا جنازہ علیحدہ ہو

نابالغ بچی کا اور اس کی دادی کا بیک وقت جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟۔

الجواب بہتر یہ ہے کہ ہر میت کا جنازہ علیحدہ علیحدہ پڑھا جائے اگر اکٹھے پڑھ لیا جائے تو بھی ہوجائے گا۔ واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة اولى وان جمع جاز۔ الخ (شامی ج ۱ ص ۸۲۱)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ | محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۰ ؍ ۵ ؍ ۱۳۹۸ھ

خودکشی کرنیوالے کی نمازِ جنازہ کے بارے میں

قاتل نفس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص خودکشی کر لے اس کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے۔؟

الجواب مفتیٰ بہ روایت یہی ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جاوے گی۔ لوگوں کا قول مفتیٰ بہ نہیں۔ من قتل نفسہ ولو عمدًا یغسل ویصلی علیہ بہ یفتی اھ (شامی ج ۱ ص ۸۱۵)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۵ / ۵ / ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم

غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب میتِ غائب پر عندالحنفیہ نمازِ جنازہ جائز نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کا جنازہ پڑھنا آپؐ کی خصوصیت تھی یا جنازہ آپؐ کے سامنے کر دیا گیا تھا۔ فلا تصح علی غائب الخ وصلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی لغویۃ او خصوصیتہ اھ (درمختار علی ہامش الشامیۃ ج ۱ ص ۶۰۸)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۸ / ۲ / ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح ، محمد صدیق غفرلہٗ

جس میّت کے بارے میں مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس پر جنازہ کا حکم

جن انسانی لاشوں کے بارے میں علم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم تو ان کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟ ہمیں ہسپتال میں اس بات کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔

حسن محمود تبسم
قائدِ اعظم ــــ میڈیکل کالج ــــ بہاولپور

الجواب جب تک کسی میت کے بارے میں یقینی علم نہ ہو کہ یہ غیر مسلم ہے تو جنازہ وغیرہ اس پر پڑھا جائے۔ مسلمانوں کا ملک ہونے کی وجہ سے اسے مسلمان کی میت ہی سمجھا جائے گا۔ لولم یدر مسلم ام کافر ولا علامۃ فان فی دارنا غسل وصلی علیہ اھ

(در مختار علی الشامیۃ : ج ۱، ص ۶۰۲)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ

بوقتِ غروب پڑھی گئی نمازِ جنازہ کا حکم

ایک مولوی صاحب نے نمازِ جنازہ نمازِ مغرب سے پہلے پانچ چھ منٹ ادا کی کیا وہ نمازِ جنازہ جائز ہے؟ اور جس نے نمازِ جنازہ پڑھایا ہے کیا وہ قابلِ امامت ہے؟

الجواب اگر جنازہ آیا ہی اسی وقت میں تھا تو یہ نماز درست ہوگئی اور امام مذکور کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر جنازہ پہلے کا آیا تھا مگر پڑھا عین غروب کے وقت میں تو یہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہوتی۔

وکرہ صلوۃ ولو علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسہو مع شروق واستواء وغروب الیٰ قولہ وینعقد نفل بشروع فیہا لا الفرض وسجدۃ تلاوۃ وصلوۃ جنازۃ تلیت فی کامل وحضرت قبل۔ اھ (تنویر)۔ وفی الدر المختار لوجوبہ کاملا فلا یتأدی ناقصًا فلو وجبتا فیہا لم یکرہ فعلہما ای تحریما وفی التحفۃ الافضل ان لا تؤخر الجنازۃ اھ وفی الشامیۃ ومافی التحفۃ اقرہ فی البحر والنہر والفتح والمعراج لحدیث ثلاث لا یؤخرن الخ (ج ۱، ص ۳۷۷)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴/۸/۱۳۹۹ھ

جنازہ میں قرأت ثابت نہیں

ہمارے گاؤں میں ایک آدمی کا جنازہ قرأت کے ساتھ پڑھایا گیا، قرأت میں سورتِ فاتحہ کے بعد سورتِ عصر پڑھی گئی۔ اس

مسئلہ کی تحقیق چاہیئے کہ اس طرح نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ جنازہ پڑھانے والا اہل حدیث تھا ہمارے گاؤں میں اکثریت حنفی لوگوں کی ہے۔ یہ بھی بتایا جائے کہ اہلحدیث کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

محمد یعقوب چک نمبر۲ منڈی یزمان۔

الجواب نمازِ جنازہ میں قرأت کا کوئی ثبوت نہیں اور جن روایات میں فاتحہ پڑھنا مذکور ہے وہ بطورِ دعاء ہے نہ بطورِ قرأت۔

ولا قرأة فيها ولا تشهد فيها وعين الشافعي الفاتحة في الاولى وعندنا تجوز بنية الدعاء وتكره بنية القرأة لعدم ثبوتها فيها عنه عليه السلام اھ (شامی : ج ۱ ،ص ۶۱۱)۔

جو غیر مقلد امام ائمہ کو بُرا کہتا ہو یا طہارت میں محتاط نہ ہو اس کی اقتداء میں نماز ادا نہ کی جائے۔

فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۱۷ : ۱۲ : ۱۳۹۹ھ

عیدگاہ میں جنازہ پڑھنے کا حکم

شہر کی عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟ ۔ احمد یار خطیب جامع مسجد ہاڑی۔

الجواب ۱۔ وقيد بمسجد الجماعة لانها لا تكره في مسجد اعد لها وكذا في مدرسة ومصلى عيد لانه ليس لها حكم المسجد في الاصح اھ (طحطاوی ، ص ۳۲۶)۔

۲ ، واما المتخذ لصلوة جنازة اوعيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء لا في حق غيره اھ (تنویر الابصار علی الشامیة ، ج ۱ ، ص ۶۱۵)۔

جزئیاتِ بالا سے عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۳؍۴؍۱۴۰۱ھ

سنیوں کا جنازہ شیعہ نہ پڑھیں

ایک جگہ ایک امام صاحب نے ایک میت پر جنازہ پڑھنے سے اعراض کیا وجہ یہ تھی کہ میت کے وارث شیعہ تھے اور

ان کا خیال سنیوں سے پہلے یا بعد شیعہ مولوی سے شیعوں والا جنازہ پڑھوانے کا تھا اور اسی شیعی جنازہ کو عقیدۃً صحیح اور درست سمجھتے ہیں۔ کیا ایک میت پر شیعہ اور سنی دو جنازے درست ہیں یا نہ۔ امام صاحب کا اعتراض درست ہے یا نہ۔ کیا جو سنی آدمی شیعہ امام کے پیچھے شیعہ جنازہ پڑھے اس پر کوئی حد یا کوئی حکم ہے یا معاف ہے؟ کیا شیعہ سنی کے جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہو سکتا تو روکنا درست ہے یا نہ؟

الجواب یہ دو جنازوں والی رسم ختم کرنی چاہیئے۔ میت کی اچھی طرح تحقیق کرلیں اگر سنی ہو تو صرف سنی ہی جنازہ پڑھیں شیعوں کو نہ پڑھنے دیں۔ حقیقی شیعہ کبھی سنی کا جنازہ بطورِ جنازہ نہیں پڑھتا۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰؍۱؍۱۴۰۷ھ

جنازہ کی نیت میں فرض کفایہ کہنا ضروری نہیں

نماز پڑھنے سے قبل امام صاحب نمازِ جنازہ کی نیت سناتے ہیں۔ بعض علماء کرام بایں الفاظ کہ "چار تکبیر نمازِ جنازہ فرض کفایہ" اور بعض بایں الفاظ کہ "چار تکبیریں نمازِ جنازہ فرض"، لفظ "کفایہ" ادا نہیں کرتے۔ ایک آدمی کا کہنا ہے کہ چونکہ نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے اس لئے نیت سناتے وقت کفایہ کا لفظ کہنا ضروری ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ جو آدمی قبرستان میں نماز پڑھنے کیلئے آئے ہیں ان کے لئے نمازِ جنازہ ادا کرنا فرضِ عین ہو جاتا ہے کفایہ نہیں رہتا۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی باحوالہ وضاحت فرمادیں۔

الجواب "فرضِ کفایہ" کے الفاظ کہنے ضروری نہیں۔ اور نمازِ جنازہ بہرحال "فرضِ کفایہ" ہے۔ قبرستان میں آنے والوں کے لئے اس کا حکم بدل نہیں جاتا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۹؍۲؍۱۴۰۸ھ

نمازِ جنازہ میں سلام سے قبل ہاتھ کھول دیئے جائیں

نمازِ جنازہ میں دائیں طرف سلام کر کے دایاں ہاتھ چھوڑ دیا جائے اور بائیں

جانب سلام کرکے بایاں ہاتھ چھوڑ دیا جائے ۔ یا دونوں طرف سلام کرکے پھر دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں مسنون طریقہ کیا ہے ؟

الجواب تکبیرات ختم ہونے پر سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں ۔ خلاصۃ الفتاویٰ سے میں ہے ۔ ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانہ لا یبقی ذکر مسنون حتی یعقد فالصحیح انہ یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین (عزیز الفتاوی ج ۱ ص ۳۶۶) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

بندہ عبدالوہاب متعلم الافتاء
۲۵ / ۳ / ۱۴۰۹ھ

جنازہ اُٹھانے سے کبیرہ گناہ مُعاف ہوتے ہیں یا صغیرہ

میت کے جنازے کی چارپائی کو چالیس قدم تک لے جائے یعنی ہر پائے پر دس قدم چلے تو اس کے چالیس گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں یا صغیرہ ؟

الجواب کبیرہ بدون توبہ معاف نہیں ہوتے اس ضابطے کے پیش نظر علامہ شامیؒ نے لکھا ہے ۔ قال فی شرح النقایۃ و ورد من حمل بجوانب سریر الاربعۃ غفر لہ اربعون کبیرۃ (رواہ ابن عساکر عن واثلہ ص ۱۳۲۵ ج ۱)

علامہ شامی نے اس حدیث بالا کی دو توجیہیں کی ہیں ایک یہ کہ حدیث میں کبیرہ سے مراد صغیرہ ہیں کیونکہ ہر صغیرہ اپنے ماتحت گناہوں کے اعتبار سے کبیرہ ہے ۔ بس اس اعتبار سے بعض صغائر پر کبائر کا اطلاق درست ہوا ۔ گو وہ فی الواقع اصطلاحی نہ ہو ۔ دوسرے یہ کہ ضابطہ مذکورہ بالا مخصوص ہے ۔ ایسے مواضع کے ساتھ جس میں نص وارد نہ ہو اور نص کے بعد بلا توبہ تکفیر کبائر ہو جاتے ہیں ۔ کوئی اشکال نہیں ۔ (ص ۸۲۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

کسی قبرستان میں آئندہ مُردے دفن نہ کرنے کا یقین ہو تو اِس جگہ کو دِینی درس گاہ بنا سکتے ھیں

کیا فرماتے ھیں علمائے دین و مُفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ عرصہ چھ سال سے مدرسہ عربیہ سلیمیہ قاسم العلوم کا جس جگہ سنگِ بُنیاد رکھا گیا ہے۔ یہ جگہ زمانۂ قدیم سے مکان مائی چانڈو اور خانقاہ شاہ اسماعیل رح سے مشہور تھی۔ سرکاری کاغذات اور سن رسیدہ حضرات اسی طرح شہادت دیتے ہیں۔ بیس پچیس برس قبل یہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد اور چند قبور تھیں۔ مگر کم از کم ایک صَدی سے یہاں کوئی نئی میّت دفن نہیں ہوئی۔ بھنگی، چرسی اور بد معاش براجمان تھے۔ غیور مسلمانوں کی متحدہ مساعی سے فسق و فجور کا اڈا ختم ہوا۔ چار متولی مقرر کر کے درس قرآن جاری کیا۔ عوام مسلمانوں کے چندہ سے مسجد کی نئی تعمیر شروع ہوئی۔ مسجد کی توسیع ہوئی اور بَرلبِ سڑک ایک قطعۂ زمین خرید کرکے مسجد کی طرف منسُوب کیا گیا۔ ایک، برآمدہ کلاس درس اور ضروریاتِ مسجد کے لئے تعمیر ہوا۔ دریں اثناء جمعیۃ علماء ملتان نے ایک عربی مدرسہ اکابر علماء دیوبند کے زیر نگرانی قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ متولیانِ وقف مذکور اور دیگر معززینِ محلہ کو جب علماء کرام کی اس تحریک کا علم ہُوا۔ تو انہوں نے دِینی ادارہ کے قیام کے لیے اِسی جگہ کو موزوں سمجھتے ہوئے علماء جمعیۃ کو دعوت دی کہ آپ ہماری مساعی کو کامیابی کی منازل تک پہنچاتے ہُوئے اِسی جگہ کو مرکزِ علوم و فیوض بنائیں۔ تحریراً اور تقریراً وثوق دلایا کہ تعمیری سکیموں اور نظام تعلیم میں ہم لوگوں میں سے کوئی بھی حارج نہیں ہو گا۔ بلکہ ایک معاون اور بہی خواہ کی حیثیت سے ماہواری چندہ سے بھی امداد کریں گے۔

جمعیۃ علماء ملتان نے نزاکتِ حالات کا اندازہ کرتے ہوئے اِس دعوت پر لبیک کہا اور محض توکلاً علی اللہ کام شروع کر دیا۔ بحمداللہ آج یہ اِدارہ ترقی کے منازل طے کرتا ہوا مرکزی حیثیت اختیار کر رہا ہے۔ درس گاہوں اور رہائشی حجرات کے لئے تعمیر کی اشد ضرورت ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ضروریاتِ مدرسہ کے لئے جو مکانات تعمیر کیے جادیں۔ وہ بموجب قوانین اوقاف ملحقاتِ مسجد میں شمار ہوں گے، یا اُن کی الگ صُورت ہو گی۔ بصُورتِ ثانیہ

مدرسہ کو سفید زمین جو کہ وقف ہے، کا کرایہ ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ بصورتِ اثبات وہ کرایہ ضروریاتِ مسجد میں صرف ہو گا یا کوئی اور صورت ہو گی۔ یہی دونوں صورتیں اس برآمدہ کے متعلق بھی ہوں گی۔ جس کو قبل وجودِ مدرسہ ضروریاتِ مسجد کے لئے تعمیر کرایا گیا تھا۔ بینوا د توجروا۔

مولوی غلام رسول۔ رُکن مدرسہ قاسم العلوم، کچہری روڈ۔ ملتان

الجواب: یہ زمین جو کہ خانقاہِ شاہ اسماعیل و مکان مائی چانڈو کے نام سے سرکاری کاغذات میں مندرج ہے۔ اور بوڑھے آدمیوں کی شہادت سے بھی اسی نام کی تائید ہوتی ہے۔ وقف برائے مقبرہ معلوم ہوتی ہے۔ قبور کا موجود ہونا بھی اس کے لئے شاہدِ قوی ہے۔ یہ زمین غالباً زمانۂ قدیم میں کسی نے قبرستان کے لئے وقف کی ہو گی۔ پھر آبادی شہر کی بڑھتے بڑھتے اس کو محیط ہو گئی۔ اور یہ قطعہ جس میں کچھ حصہ مقابر کے ساتھ مشغول ہو چکا تھا۔ اور کچھ حصہ خالی پڑا ہوا تھا۔ آبادی کے درمیان میں آ گیا، اور موقع پا کر اِس قطعہ خالی پر بھنگیوں اور چرسیوں نے قبضہ جما لیا۔ اب جبکہ عام مسلمانوں نے بھنگیوں کو نکال دیا تھا۔ تو اُس زمین کو اسی مقصد کے لئے استعمال کرنا ضروری تھا۔ جس کے لئے وقف کی گئی تھی۔ یعنی اس میں اموات کو دفن کرنے کے لئے اذنِ عام دے دی جاتی۔ اِس لئے کہ قاعدہ یہ ہے (کما ھی معروفۃ عند الفقہاء) کہ وقف اس مقصد میں استعمال کرنا چاہیئے۔ جس کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اور وقف کے ثبوت کے لئے معائنہ بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہے۔

پس جب بوڑھے آدمیوں کی روایات سے اور سرکاری کاغذات کی شہادات سے اور قبور کے موجود ہونے کے قرائن سے ظنِ غالب بلکہ قریبِ یقین یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ قطعہ قبرستان کے لئے وقف ہے۔ تو اُس کو اس جہت میں صرف کیا جانا ضروری تھا۔

لیکن بعض حضرات اراکین سے معلوم ہوا کہ اس مقبرہ کے وسط آبادی میں آ جانے کی وجہ سے حکومت نے اموات کے دفن کرنے کی ممانعت کر دی۔ سو اگر یہ قصّہ صحیح ہے تو اس صورت میں یہ گنجائش نکل آتی ہے کہ اس خالی قطعہ کو جو دراصل اموات کے لئے وقف ہے کسی دوسرے مصرفِ خیر میں صرف کر دیا جائے۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الوقف میں یہ جزئیہ

لکھا ہے کہ اگر کسی عورت نے قبرستان کے لئے زمین وقف کی حتیٰ کہ اپنا لڑکا بھی اُسں میں دفن کر دیا۔ لیکن بوجہ غلبہ پانی کے وہ زمین قبرستان بننے کے قابل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ لوگ اُسں میں اموات کو دفن نہیں کرتے۔ تو اُس عورت کے لئے جائز ہے کہ اپنی موقوفہ زمین کو فروخت کر دے۔

امرأة جعلت قطعة ارض لها مقبرة واخرجتها من يدها ودفنت فيها ابنها وتلك القطعة لا تصلح للمقبرة لغلبة الماء عندها فيصيبها فساد فارادت بيعها ان كانت الارض بحال لا يرغب الناس عن دفن الموتى لقلة الفساد ليس لها البيع وان كانت يرغب الناس عن دفن الموتى فيها لكثرة الفساد فلها البيع فاذا باعتها فللمشتري ان يامرها برفع ابنها عنها۔ يقول العبد الضعيف ۔ فاذا جاز لها البيع عند رغبة الناس عن الدفن فيها فصرفها الى وجه اخر من وجوه الخير يكون اولى بالجواز ۔

لیکن یہاں پر یہ امر قابلِ غور ہے کہ آیا واقعی حکومت کی طرف سے اب ایسی زمینوں کو جو درمیان آبادی میں آچکی ہیں۔ اور وہ قبرستان کے لئے وقف ہیں۔ اموات کے دفن کرنے کی ممانعت ہے۔ اور کیا وہ رُکاوٹ دفع نہیں ہوسکتی۔ اگر ان دونوں باتوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر بامر مجبوری ایسی زمین کو کسی دُوسرے مصرف خیر میں صرف کرنا جائز ہے۔

سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد او حوض خرب ولا يحتاج اليه لتفرق الناس هل للقاضی ان يصرف اوقافه الى مسجد آخر او حوض آخر قال نعم ۔ (عالمگیری کتاب الوقف)

اس کے بعد قابلِ غور چیز یہ ہے کہ اِسں صرف کے متولی کون سے حضرات ہوں۔ تو اوّل اسں میں حق واقف کا ہے۔ اگر واقف کا علم نہ ہو تو قاضی یا اُسں کا نائب اِسں وقف کو دُوسرے مصرف خیر میں صرف کر سکتے ہیں اور بحالاتِ موجودہ جب کہ

قضاء کا شرعی نظام مختل ہو چکا ہے۔ جماعتِ علماء اس قطعۂ زمین کو دینی مدرسہ کے لئے صرف کر سکتی ہے۔ اور کسی قسم کا کرایہ وغیرہ مقابر کے قیم اور نگران کو دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

خادم الافتاء خیر المدارس، ملتان۔ مورخہ ۸ ج ۵ ھ

نوٹ: استفتاء کے اندر دو جملے موجود ہیں، جن کے متعلق خصوصیت کے ساتھ توجہ دینی ضروری ہے۔ خط کشیدہ عبارت ۱؎ میں مرقوم ہے۔ " چار متولی مقرر کر کے درس قرآن جاری کیا۔ الی قولہ لب سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا۔" اس عبارت سے اور آگے والی عبارت " ایک برآمدہ کلاں درس اور ضرورتِ مسجد کے لئے تعمیر کیا۔" ان دونوں عبارتوں میں درس اور مسجد کو ایسا خلط کر دیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درس اور مسجد شیئے واحد ہیں، حالانکہ درس اور مسجد اصطلاح میں دو جدا جدا چیزیں ہیں۔

(ا):۔ پس اگر اس جملہ کا " لب سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا۔" کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی پیداوار سے مسجد کی ضروریات چٹائی۔ لوٹے۔ تیل جلانے کا۔ خرید کئے جائیں گے۔ (کما ھو الظاہر) تو اگر اس ٹکڑہ میں عمارت قائم کی گئی۔ اور مدرسہ کے استعمال میں آئی تو مدرسہ کی طرف سے مسجد کو کرایہ مناسب ادا کرنا ہو گا۔

(ب):۔ اور اگر یہ مفہوم تھا مسجد کی طرف منسوب کرنے سے کہ مسجد کی آبادی اور رونق کے لئے درس قائم کیا جائے گا، جیسا کہ مساجد کی آبادی کے لئے عموماً مساجد میں یا اُن کے ملحق درس قائم کر دیئے جاتے ہیں (کما یدل علیہ قول المستفتی فیما بعدہ) " ایک برآمدہ کلاں درس اور ضروریاتِ مسجد کے لئے تعمیر ہوا۔" تو اس صورت میں یہ ٹکڑہ زمین مدرسہ کے اندر صرف کر سکتے ہیں۔ بلا کرایہ ادا کرنے کے مسجد کو وہ وقف قدیم جس کے واقف کا بھی علم نہیں اس کے متعلق تو ہم قیاس آرائی سے کام لے سکتے ہیں، لیکن یہ قطعہ جو بعد میں عام مسلمانوں کے چندہ سے خرید کیا گیا، چونکہ یہ چہار متولی موجود ہیں۔ اور چندہ لینے والے اور دینے والے بھی موجود ہیں۔ اس لئے اس باب میں قیاس آرائی کرنے کی ہمیں ضرورت

نہیں ہے۔ بلکہ یہ حضرات اِن دُو صورتوں کو جو کہ (۱) اور (ب) میں بیان کی گئی ہیں، بغور پڑھ لیں۔ اور اگر اُن کے عزائم اِن ہر دُو صورتوں کے عِلاوہ کچھ اور تھے۔ تو ان کو دوبارہ استفسار کرلیں۔ اِسی طرح دوسرے جملہ کہ "ایک برآمدہ کلاس برائے درس" اور ضروریاتِ مسجد میں بھی ہر دُو احتمال موجود ہیں اور ہر دُو کا حکم اِن کے مُناسب سمجھ لیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان — خادم الافتاء، خیر المدارس، ملتان ۵/۷ ۱۱ ھجو

بُزرگوں کی قبر کی زیارت کے لئے دُور دَراز کا سفر کرنا

زیارتِ قبور کی اہمیت شرع میں کہاں تک ہے ——— ؟ کیا دُور دُور کے مُردہ یا زندہ بُزرگوں کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں، مثلاً کوئی آدمی بلوچستان کے علاقہ سے ہندوستان کے بزرگوں کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے دُوسرا کوئی مقصد سوائے زیارت کے نہیں تو شرعاً ٹھیک ہے؟ کیونکہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں اس قسم کے سفر کو شرک فی العبادۃ کہا ہے۔ اس لئے کہ جو معاملہ خدا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ غیر اللہ کے ساتھ نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ خانہ کعبہ کی زیارت خوشنودئ خدا کے لئے کی جاتی ہے۔ اگر غیر اللہ کے مکان کی زیارت موجبِ ثواب اور برکت جان کر کرے تو یہ معاملہ خُدا والا غیر اللہ کے ساتھ ہوگا اور یہ شرک ہے۔ اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کے منافی ہے۔ بعض لوگ "تقویۃ الایمان" کو حضرت شہیدؒ مرحوم کی کتاب نہیں سمجھتے۔ یہ دُرست ہے یا نہیں، اگر نہیں تو یہ کس کی ہے؟

الجواب زیارتِ قبُور کے لئے دُور دَراز سے سفر کرکے جانا مختلف فیہ ہے اور یہ اختلاف متقدمین سے چلا آرہا ہے۔ لہٰذا اس کا فیصلہ اب ہونا مشکل ہے۔ ہکذا فی فتاوی رشیدیہ۔ لیکن یہ اُس وقت تک ہے۔ جب سفر مذکور میں دیگر مفاسد موجود نہ ہوں۔ مثلاً اہلِ قبُور سے اپنی حاجات طلب کرنا۔ ان کے

تقرب کی غرض سے چڑھاوے چڑھانا۔ قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ امورِ مذکورہ کے انضمام کی صورت میں یہ سفر بالکل ناجائز ہو جائے گا۔ اور شرک بن جائے گا کیونکہ اب یہ سفر بہ نیّت تقرب بُزرگ ہوگا بہ نیّتِ زیارت نہ رہا۔ آج کل عوام اپنی اغراض کے لئے ایسے سفر کرتے ہیں۔ کما هو المشاهد ولا ریب فیه — پس ان کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے۔ حضرت شہیدؒ غالباً اسی کی ممانعت فرما رہے ہیں۔ "تقویۃ الایمان" حضرت موصوف ہی کی تصنیف ہے۔ فقط واللہ اعلم ؛

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ؛
۶ / ۲ / ۱۳۸۷ ھ

الجواب صحیح ؛
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

اطفالِ مُشرکین کا حُکم

کفار کے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے یا جہنم میں ؟

الجواب اطفالِ مُشرکین سے متعلق امام نووی رحؒ نے تین قول نقل کئے ہیں۔ (۱) جہنم میں ہوں گے (۲) توقف (۳) جنت میں جائیں گے۔

تیسرے قول کو امام نووی رحؒ نے صحیح قرار دیا ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ اھل جنت کے خُدّام ہوں گے۔ امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ جیسے باری تعالیٰ کی مشیت ہوگی ویسے ہوگا۔ فقط واللہ اعلم ؛

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ؛
۱۳ / ۹ / ۱۴۰۹ ھ

الجواب صحیح ؛
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبرستان کی زائد آمدنی دوسرے قبرستان پر خرچ کر سکتے ھیں

قبرستان کی آمدنی مسجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں —— ؟ اور جو مسجد محلہ کی

قبرستان کی حدود میں ہو اس پر آمدنی لگ سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب قبرستان کی آمدنی مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں البتہ دوسرے قبرستان پر جو اس کے قریب ہو اس کی آمدنی خرچ کرنا جائز ہے ۔ جبکہ اس کے لئے رقم کی ضرورت ہو ۔ (شامی ص۴۰۲ ج۳)

حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنہما وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بہما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الی اقرب مسجدٍ او رباط او بئر (درمختار) وفی الشامیۃ (قولہٗ الی اقرب مسجد) لف ونشر مرتب وظاہرہ انہ لایجوز صرف وقف مسجد خرب الی حوضٍ وعکسہ وفی شرح الملتقٰی یصرف وقفہا لاقرب مجانس لہا اھ۔

(شامی ص۴۰۲ ج۳)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ ایک وقف کی آمدنی اس سے استغناء کے وقت اس وقف کے مماثل میں صرف کرنا جائز ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۲۴ بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱/ رجب ۱۳۸۵ھ نائب مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

اہل میت خود اپنے گھر کھانا پکا سکتے ہیں

ایک شخص کے گھر اگر موت ہو جائے اور وہ اپنے گھر کھانا پکوا کر خود کھاتا ہے اور کچھ مہمان آئے ہوں تو ان کی خاطر مدارات کرتا ہے نیز اس کے کسی رشتہ دار کے گھر سے کھانا رواج کے مطابق آتا ہے تو وہ اس کو واپس کر دیتا ہے ۔ اور خود نئے کپڑے پہنتا ہے اور اپنے بچوں کو بھی نئے کپڑے پہناتا ہے۔ ان تمام مذکورہ صورتوں میں اگر کوئی امر خلاف

سُنت ہو تو اس کا تدارک بتلائیے نیز ایسا کرنیوالا گنہگار تو نہیں، نیز نابالغ بچے اور بالغ آدمی کی میت کا ایک حکم ہے یا جُدا جُدا ؟

الجواب ان اشیاء مذکورہ میں کوئی چیز سُنت کے خلاف نہیں، خواہ گھر میں نابالغ فوت ہوگیا ہو یا بالغ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق معین مفتی
عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیرالمدارس، ملتان	خیرالمدارس، ملتان ۲۸ / ۱۱ / ۱۳۷۸ھ

نوٹ : اگر متوفیٰ کے ورثاء میں یتیم بچے ہوں تو اس کا لحاظ رکھا جائے کہ ان کا مال استعمال نہ ہو۔ محمد انور عفا اللہ عنہ مُرتب خیرالفتاویٰ

اولیاءِ کرام کے مزارات پر جانا

حضرت مولانا خیر محمدؒ نے نماز حنفی میں لکھا ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات پر جا کر شرعی طریقہ سے مستفید ہوتا رہے۔ اس جملہ پر بریلوی حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ تم ایک طرف تو یہ کہتے ہو کہ "ما اھل بہٖ لغیر اللہ الخ" یعنی قبروں پر چڑھاوے حرام ہیں، تو مولانا خیر محمد صاحبؒ کے اس جملہ کا کیا مطلب ہے؟

الجواب اولیاء اللہ کی قبریں اللہ کی رحمتوں کا مورد ہوتی ہیں، نیز اولیاء کو قبور میں ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے وہ زائر کو پہچانتے ہیں اور اسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سائل کی اہمیت کے مطابق کچھ رُوحانی فیض بھی پہنچاتے ہیں، مگر یہ بات ہر ایک اہلِ قبر میں نہیں اور ہر ایک زائر کے لئے نہیں، نماز حنفی میں جو لکھا ہے اس سے مراد بھی خاص صُورتیں ہیں۔

وأما الاولياء فانهم متفاوتون فى القرب من الله ونفع الزائرين بحسب معارفهم واسرارهم اھ

(شامية ص ۸۴۲ ج ۱)

اورمزار مطلق قبر کو کہتے ھیں اس سے قبہ وغیرہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔
فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح　　　　محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　　　　۱ / ۴ / ۱۴۰۲ ھ

حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت علیہ السلام کا جنازہ پڑھنے کا ثبوت

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ـــــ شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، چنانچہ ان کے ایک عالم مولوی محمد اسماعیل نے کہا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا حضورؐ کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہوجائے تو میں سُنّی ہو جاؤں گا۔ اگرچہ اصولاً اُن کا یہ اعتراض متعدد وجوہ سے غلط ہے، مگر تاہم کسی روایت سے حضرت صدیقؓ کا صراحتہً نمازِ جنازہ پڑھنا ثابت ہو تو مطلع فرمادیں تاکہ انکی گندی زبان کو بند کیا جائے۔

الجواب طبقات ابنِ سعد میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ایک جماعت مہاجرین وانصار کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دینے اور چارپائی پر رکھنے کے بعد اس مکان میں داخل ہوئے جس میں آپؐ کو رکھا گیا تھا، اور سامنے کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھا۔

لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکرؓ وعمرؓ فقالا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ومعہما نفر من المہاجرین والانصار قدر مایسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکرؓ وعمرؓ الی ان قال ثم یخرجون ویدخل آخرون حتی صلوا علیہ الرجال ثم النساء ثم الصبیان۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۶۵ ج۵)

اور یہ درود وسلام پڑھنا ہی آپ کی نمازِ جنازہ ہے ۔ کیونکہ حضورؐ پر عام طریقے کے موافق نماز نہیں ہوئی ۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے ۔

لما وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم على سريره قال لا يؤم عليه احد لانه هو اما مكم حيا وميتا فكان يدخل الناس ارسالاً فيصلون عليه صفاً صفاً ليس لهم امام ويكبرون وعليؓ قائم بحيال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته

(البدایہ والنہایہ ص ۲۶۴ ج ۵:۶) فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ،	بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
بندہ خیر محمدؐ عفا اللہ عنہ	۲۰ / ۶ / ۱۳۸۷ ھ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جنازہ کس نے پڑھایا

حضرت علیؓ کا جنازہ کس نے پڑھایا اس کا نام بتائیں ۔ آپ کا مقبرہ کہاں ہے ؟

الجواب حضرت حسنؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دار الامارت میں مدفون ہوئے ۔ (تاریخ الخلفاء)

محمدؐ انور

۵ / ۱۱ / ۱۴۰۹ ھ

قاتل کو پھانسی دے دی جائے تو اس کے اولیاء کے ذمہ مزید کچھ باقی نہیں

قاتل کو پھانسی مل جائے تو اولیائے مقتول کے ذمہ مزید کچھ واجب ہے یا نہیں ایک آدمی نے اپنے دو ملازموں کے ساتھ مل کر کسی شخص کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، حکومتِ وقت نے اولیاء مقتول کے مطالبہ پر تینوں شخصوں کو پھانسی دے دی اب آیا ان کے جرم کی تلافی ہو گئی یا نہیں اگر نہیں تو ان کے ورثاء کے ذمہ کچھ باقی ہے؟

مولانا عابد صاحب مدرس جامعہ خیر المدارس۔ ملتان

الجواب شرعاً اس قتل کی جو دنیوی سزا تھی مکمل ہو چکی واما قولہما ان ادام الخنق حتی مات فعلیہ القصاص کما لو قتلہ بحجر عظیم او خشبۃ عظیمۃ (البحر الرائق) لہٰذا اولیاء مقتول ومصلوب کے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جس تابوت میں لاش لائی گئی ہو اس کے استعمال کا حکم

غیر ممالک سے ایک تابوت لا یا گیا، تابوت کی لکڑی کے اخراجات ورثاء نے خود برداشت کئے۔ کیا وہ تابوت والی لکڑی خود استعمال کر سکتا ہے یا مسجد و مدرسہ میں استعمال ہو سکتی ہے؟

الجواب جس شخص کے مال سے وہ تابوت تیار کیا گیا ہے اُسکی اجازت سے جہاں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۴/۶/۱۴۰۶ھ

قبرستان کے درختوں کا حکم

قبرستان کے درخت بہت پرانے ہونے پر ان کی قیمت کو قبرستان پر ہی خرچ کرنے کی نیت سے اکھاڑ کر انہیں نیلام کیا جا سکتا ہے ؟

۲۔ قبرستان کی گھاس کو صفائی کی نیت سے اکھاڑا جا سکتا ہے ؟

الجواب: قبرستان میں ضرورت ہو تو نیلام کر کے قیمت قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں۔

سئل نجم الدین عن مقبرة فیها اشجار هل یجوز صرفها الی عمارة المسجد قال نعم ان لم تکن وقفا علی وجه آخر قیل لہ ان تداعت حیطان المقبرة الی الخراب یصرف الیها او الی المسجد قال الی ما هی وقف علیه ان عرف وان لم یکن للمسجد متول ولا للمقبرة فلیس للعامة التصرف فیها بدون اذن القاضی (عالمگیری ص ۳۵۲ ج ۲)

۲۔ اکھاڑ سکتے ہیں مگر بکنے کے قابل ہو تو بیچ کر پیسے قبرستان پر لگا دیں۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

عورت کو قبر میں اس کے محرم اتاریں

کیا شوہر بیوی کی میت کو کندھا دے سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے ؟

الجواب: جنازے کو کندھا دے سکتا ہے اور اگر عورت کے محرم موجود نہ ہوں تو قبر میں بھی اتار سکتا ہے لیکن جسم کو کپڑے کے بغیر ہاتھ نہ لگائے۔

وذو الرحم المحرم اولی بادخال المرأة من غیرهم

کذا فی الجوھرة النیرة و کذا ذوالرحم غیر المحرم اولی من الاجنبی فان لم یکن فلا باس للاجانب وضعها کذا فی البحر الرائق (عالمگیری ص۸۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم — بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

خانقاہوں پر ڈالی ہوئی چادریں وغیرہ اُٹھانا

جو خانقاہوں پر لوگ عوام جہلاء کپڑا ڈالتے ہیں اور مزاروں پر پیسہ ٹکہ ڈالتے ہیں کیا وہ شرعاً اُٹھا لینا جائز ہے یا ناجائز؟
چُرانا کی حد لگائی جائے گی یا کر وقف ہے؟

الجواب خانقاہوں پر جہلاء لوگ جو کپڑا ڈالتے ہیں۔ اور پیسہ ٹکہ اُس کے چُرانے والے پر حد نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حد اُس شخص پر لگائی جاتی ہے جو مکانِ محرز و محفوظ سے چوری کرے۔ اور یہ مکان غیر محرز سے اُٹھایا گیا ہے۔ اس لئے اس کے سارق پر حد لازم نہیں آتی۔ البتہ ان اشیاء کا اُٹھانا جائز نہیں کیونکہ مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل ہونے کا شُبہ قوی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خیر محمد مدرسہ خیر المدارس ملتان — خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
۶ رشوال سنہ ۱۳۷۰ھ — مورخہ ۵ شوال سنہ ۷۰ھ

ایصالِ ثواب تملیک کر کے کرنا

چند احباب قبرستان میں جمع ہو کر کچھ سورتیں وغیرہ پڑھتے ہیں۔ پھر اس کا ثواب ایک آدمی کی مِلک کر دیتے ہیں وہ میت کو بخش دیتا ہے۔ یہ بہتر ہے یا ہر کوئی اپنا پڑھا

ہوا بخشے ـــــــ ؟

الجواب تملیک کا طریقہ بھی دُرست ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر شخص اپنے پڑھے ہوئے کا ثواب خود بخشے۔ فقہاء نے خود بخشنا لکھا ہے۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۴ / ۶ / ۱۴۰۳ھ

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری نہیں

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری ہے یا گھر سے یا مسجد سے اور جنازہ گاہ سے بھی پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔ ایصالِ ثواب کن کن چیزوں کا کیا جا سکتا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے ؟

الجواب کوئی ضروری نہیں جہاں سے چاہیں کر سکتے ہیں۔ عبادت اور صدقہ کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ صدقہ رسم و رواج کے تحت نہ ہو۔ ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں ایک جامع اور مفصّل فتویٰ "خیرالفتاویٰ" جلد اوّل میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم،

۲۰ / ۷ / ۱۴۵۸ھ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

مختلف اموات کو ثواب بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے۔

(۱) قبرستان میں جاکر السلام علیکم یا اھل القبور کہنے کے بعد ایصالِ ثواب کے لئے الحمد شریف اور سورۃ اخلاص تین دفعہ پڑھ کر تمام مسلمان فوت شُدگان کو بخشا جا سکتا ہے۔
(۲) اس کا ثواب ہر مسلمان فوت شدہ کو پُورا پُورا ملے گا یا ہر ایک کو اس کا ہزاروں

حصّہ (مطابق تعداد قبر کے) تقسیم ہو کر ملے گا۔

الجواب: اِس طرح ایصالِ ثواب دُرست ہے بشرطیکہ کسی اور بدعت کا ارتکاب کیا جائے۔ (٢)۔ تحقیق یہی ہے کہ متعدد اموات کو بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمّد انور عفا اللہ عنہ ٢٠/٧/١٤٠٨

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ کس نے پڑھایا؟

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات کب ہوئی اور جنازہ کس نے پڑھایا۔؟

الجواب: ۵۸ھ میں رمضان کی تیرھویں تاریخ کو آپؓ کا وصال ہوا۔ اور جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

فقط واللہ اعلم،

محمّد انور عفا اللہ عنہ،

جنازہ کو سلامی دینا

بعض بڑے لوگوں کے جنازہ کے بعد میّت کو سامنے رکھ کر میّت کو سلامی دیتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے بعد میت کو سلامی دینا قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیّتوں کے حامل حضرات اس دور میں گذرے ہیں پس اسطرح سلامی دینا ایک غیر شرعی فعل ہے جو فرنگیوں کی تقلید میں کیا جاتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ من تشبّہ بقومٍ فھو منھم۔

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ١/٢ ٩٢ فقط، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میت کا مرثیہ کہنے کا حکم

بعض بڑے لوگ فوت ہو جاتے ہیں تو لوگ اُن کی وفات پر مرثیہ وغیرہ کہتے ہیں۔ کیا یہ دُرست ہے۔؟

الجواب: دُرست ہے۔ بشرطیکہ اس میں میت کے اوصاف میں مبالغہ آرائی نہ ہو، جھوٹ نہ ہو بلکہ ایسے اوصاف ذکر کئے جائیں جو دوسروں کے لئے قابلِ تقلید ہوں۔ وکذا لا باس بمرثیۃ المیت شعراً او غیرہ کما فی الجلابی اھ (جامع الرموز صـ ۱۹۳) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونے کا حکم:

جنازہ دیکھ کر راستہ والوں کو کھڑے ہونا چاہیئے ۔؟ انا للہ پڑھیں یا ساتھ چلے چلیں، یہ دُرست ہے یا از روئے حدیث کھڑے ہو جانا چاہیئے ۔؟ اکرام الحق۔ راولپنڈی

الجواب: اگر ساتھ چلنے کا ارادہ نہ ہو تو جنازہ دیکھ کر اُٹھا نہ جائے اور ایسے ہی چلتے ہوئے رُکا نہ جائے الّا یہ کہ رُکنے میں جنازہ گزرنے کی سہولت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بہرحال قیام عن القعود یا توقف عن المشی جنازہ کے احکام سے نہیں۔

ولا یقوم من فی المصلی لہا اذا رآھا قبل وضعہا ولا من مرت علیہ ھو المختار اھ (در مختار علی الشامیۃ صـ ۵۹۸ ج ۱)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ

قبرستان کی خالی جگہ وضو وغیرہ کیلئے استعمال کر سکتے ہیں

کیا قبرستان کی جگہ مسجد میں شامل کی جاسکتی ہے جبکہ مسجد کی جگہ تھوڑی ہے، جو صرف ایک کمرہ اور باہر ایک صف پر مبنی ہے۔ کیا مسجد سے باہر کی جگہ جو قبرستان کی ہے وہ وضو اور استنجاء کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔؟

الجواب: جو جگہ قبرستان کے لئے وقف ہوچکی ہے اسے مسجد نہیں بنا سکتے۔ البتہ بوقتِ ضرورت خالی ہونے کی صورت میں اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی طہارت کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں مگر رہے گی قبرستان ہی کی۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱/۸/۱۴۰۸

اجنبی میت کا چہرہ دیکھنا

غیر محرم مرد یا عورت ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں؟

الجواب: جسے زندگی میں دیکھنا جائز ہے، اُسے موت کے بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۵/۲/۱۴۰۸ھ

تعزیت میں کیا کہا جائے

آدمی کسی کی تعزیت کے لئے جائے تو ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنی چاہیئے یا نہیں اور کیا اسوہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں؟

الجواب: تعزیتِ مسنونہ میں آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام سے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا ثابت نہیں۔ ومن ادعیٰ فعلیہ الاثبات۔ حضرات فقہاء کرام نے تعزیت کرنیوالے کے لئے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے تعزیت کرے۔

ویقول عظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک اھ

شامی صہ ۸۴۳ ج ۱ ۔ عربی الفاظ نہ آئیں تو ان کا مفہوم ادا کر دے۔

الجواب صحیح ۱۳ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۴۰۳/۱/۲ھ محمد انور عفا اللہ عنہ

سوگ میں چند منٹ کی خاموشی اور پرچم سرنگوں کرنے کا حکم

غیر مسلموں میں رواج ہے کہ کسی بڑی شخصیت کے مرنے پر بطورِ سوگ اجتماعی طور پر چند منٹ کی خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ نیز اگر وہ شخصیت ملک کے سربراہ کی ہو تو بطورِ سوگ کچھ دن پرچم سرنگوں رکھتے ہیں، پرچم سرنگوں کرنے کا رواج تو ہمارے ملک میں پہلے سے ہی ہے۔ اب بطورِ اظہارِ افسوس چند منٹ کی خاموشی کا رواج بھی شروع ہوگیا ہے چنانچہ کچھ دن ہوئے ایک اسمبلی میں یہ واقعہ پیش بھی آیا ہے تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب شریعت میں موت اور مابعد الموت کے تمام احکام تفصیل سے مذکور ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرنے والے سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو تو اسے مالی اور بدنی عبادات سے ثواب پہنچایا جائے اور مرحوم کے ورثاء سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں دلاسہ دیا جائے اور ان کا غم ہلکا کرنے کی تدبیر کی جائیں۔ اسلام میں "خاموشی" کوئی عبادت نہیں بلکہ خالص غیر مسلموں کی رسم ہے۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب ضروری ہے اگر ان کے ساتھ تشبہ کے قصد سے مسلمان بھی ایسا کریں گے تو سخت گناہ ہوگا۔

ایسے ہی پرچم سرنگوں کرنا بھی غیر مسلموں کی رسم ہے اس سے بچا جائے۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ترکہ تقسیم کرنے سے قبل صدقہ کرنا ہو تو اسکی ایک صورت

ایک نا بالغ لڑکا جس کا والد فوت ہو چکا ہے اسکی والدہ اور دو بالغ بھائی اور ایک بہن موجود ہیں۔ والد وراثت تقسیم کر کے نہیں گیا۔ اسکے مال وغیرہ سے معاملات دنیوی وغیرہ کرتے ہیں۔ خیرات بھی کرتے ہیں اسکی والدہ اگر کچھ خیرات کر دے تو طلباء کے لئے کھانا درست ہے یا نہیں۔ یا بغیر مدرسہ کے کسی کو مشترکہ مال میں سے خیرات کر دے۔

الجواب قبل از تقسیم مشترکہ ترکہ سے صدقہ کرنا درست نہیں۔ اگر صدقہ کرنا ہی ہو تو مثلاً ترکہ میں سے ایک ہزار روپیہ حسب شرع تقسیم کر لیں اس میں سے بالغ اپنے حصہ کو صدقہ کر دیں۔ نا بالغ کا حصہ محفوظ رکھا جاوے۔

فقط واللہ اعلم	۲/	الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ	۳/	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس	۹۹ھ	مفتی مدرسہ ہٰذا

مزارات پر مروجہ عرس مکروہ اور بدعت ہیں

ایک شخص مسجد امام اپنے والد کی وصیت پر یا ویسے اپنی خواہش پر اپنے والد کی قبر اپنی مسجد کے احاطہ میں بنوا ڈالے اور اوپر کا فرش جہاں قبر کی شکل بنائی گئی ہے مسجد کے تھلہ سے ۱/۲ ۱ فٹ اونچا رکھا ہے اور اس پر ایک کمرہ تیار کیا گیا ہے اور قبر پر ریشمی کپڑوں، بجلی کے قمقموں سے سجاوٹ کی گئی ہے۔ عوام کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ ہر سال عرس ہوتا ہے اور روضہ سے چند قدم کے فاصلہ پر گائے بھیڑیں دنبے ذبح کر کے پکائے جاتے ہیں اور عوام کو کھلائے جاتے ہیں۔ علاقہ کے چند صوفی اور مولوی آ کر وعظ کرتے ہیں ایک رات شبینہ بھی ہوتا ہے انہی دنوں میں لکڑی کا بنا ہوا گنبد نما روضہ رکھ

دیا جاتا ہے۔ اس کو بجلی کے قمقموں سے سجایا جاتا ہے عورتیں بھی اکثر روضہ پر سو جاتی ہیں۔

الجواب اگر یہ جگہ وقف ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو اس جگہ قبر بنانا فرش لگوانا اور کمرہ تیار کرنا یہ سب تصرفات ناجائز وحرام ہیں اور یہ غاصبانہ فعل ہے۔ قبر کو ریشمی پردوں سے مزین کرنا اور عرس کرانا یہ افعال بھی مکروہ وبدعت ہیں۔ ففی الشامیۃ تکرہ الستور علی القبور اھ (ص ۸۳۹ ج ۱)

درحاشیہ ھدایۃ مذکوراست۔ یکرہ نقل الطعام فی المقبرۃ فی الاعیاد واسراج السرج وغیرہ واتخاذ الدعوۃ بقرائۃ القرآن وبختم القرآن وقرائۃ سورۃ الانعام وسورۃ الاخلاص الف مرۃ وجمع الصبیان والصلحاء لذلک اھ وفی شرح المنہاج للنووی الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع ...... والاربعین والشھر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ اھ۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ العزیز ترجمہ ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں۔ قبور اولیاء اللہ را بلند کردن وگنبد برآں ساختن وعرس وامثال آں وچراغاں کردن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام وبعض مکروہ اھ۔

(کذا فی المسائل الاثنا عشریہ ص ۴۶، ۴۷)

عبارات سے جملہ امور مذکورہ فی السؤال کا ناجائز وبدعت ہونا ظاہر ہوا اور ایسے امور پر اصرار کرنیوالا فاسق ومبتدع ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

(کذا فی الشامیۃ والدر ص ۵۲۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ خیرالمدارس ملتان

۹/۲/۱۳۹۹ھ

قبرستان کو کوئی بھی نہیں بیچ سکتا

وقف شدہ قبرستان کو کوئی شخص شرع محمدیؐ کی رُو سے فروخت کرنا چاہتا ہے کیا وہ ایسا کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب موقوفہ قبرستان عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہوتا ہے اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا ۔ اسکی خرید و فروخت شرعاً بالکل ناجائز ہے ۔

ھدایہ میں ہے ۔ واذا تمّ الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ ۔

فقط واللہ اعلم

سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان

الجیب مصیب ، خطیب ابدالی مسجد غلام علی عفا اللہ عنہ

الجیب مصیب ، محمد شفیع عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم

الجواب صحیح ــــــــ الجواب حق والحق احق ان یتبع

محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۹/۱/۷۷ھ خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

قبرستان میں جُوتا پہن کر چلنے کا حکم

جنازے کو جب دفن کرنے کے لئے قبرستان میں لیجاویں تو قبروں کے آداب و احترام کی بنا پر پاؤں میں سے جوتے اتار لئے جاویں یا نہ ؟

الجواب اولیٰ یہی ہے کہ قبرستان میں جُوتا اُتار کر چلے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس

جُوتا پہن کر چلنے والے سے بھی جھگڑا نہ کیا جائے کیونکہ جواز کے درجہ میں آتا ہے ۔

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ ، مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

دفن کے بعد چالیس۴۰ دن تک قبر پہ حاضری دینا

دفن کے بعد قبر پہ ۴۰ دن تک صبح و شام حاضری دینا۔ مثلاً سورج نکلتے وقت، غروب ہوتے وقت حاضری دی جاتی ہے۔ اور کچھ ذکر بھی کیا جاتا ہے یا پڑھا جاتا ہے۔ یہ عمل چالیس دن تک جاری رہتا ہے۔ چہلم کی رسم کے ساتھ ساتھ یہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔ کیا یہ دُرست ہے ؟

الجواب ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے کوئی وقت اور دن متعین کر لینا زیادۃ فی الدین ہے اور بدعت ہے۔

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، ۱/۱۲

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۸ھ احقر محمد انور

جنّات کہاں دفن ہوتے ہیں ؟

جنّات پر جب موت آتی ہے تو ان کے وجود کو کہاں دفن کیا جاتا ہے۔ ؟

الجواب خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند کے ملفوظات میں منقول ہے کہ جنات فضا میں دفن ہوتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

کافر مسلمان کی وصیّت کا گواہ نہیں بن سکتا

ایک مسلمان نے مرتے وقت اپنی کُل جائیداد ایک عیسائی کے نام کر دی اور اس پر عیسائیوں ہی کو گواہ بنا لیا۔ کیا یہ وصیّت نامہ شرعاً معتبر ہے؟

الجواب برتقدیرِ صحتِ واقعہ یہ وصیّت نامہ عندالشرع غیر معتبر ہے۔ لہٰذا غیر مسلم بوجہِ وصیّت اس جائیداد سے کچھ نہیں لے سکتا۔

وفی الهندیة لا تقبل شهادة الکافر علی المسلم

کذا فی محیط السرخسی ص۳۳۱ ج۴ ۔ واللہ اعلم فقط

الجواب صحیح

احقر محمّد انور عفا اللہ عنہٗ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

جنازہ کا اعلان مسجد میں

مسجد میں یہ اعلان کرنا کہ فلاں صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ اور فلاں وقت نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ آیا یہ اعلان جائز ہے؟

الجواب جنازہ کے وقت کا اعلان مسجد میں کر سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم

۳۰/۶/۱۴۰۶ھ — محمّد انور عفا اللہ عنہ

قربانی کی کھالوں کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدنا

جانوروں کی کھال کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدی جائے، جائز ہے یا نہیں ــــــ؟

الجواب چرمہائے قربانی کے پیسے واجب التصدق ہیں۔ اس کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں، قبرستان کے لئے جگہ خریدنا جائز نہیں ہے۔

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

۷/ ۱۲/ ۱۳۸۹ ھ

بعد از نمازِ جنازہ اجتماعی کلمہ و کلام

بعد از نمازِ جنازہ فوراً بیٹھ کر کلمہ کلام پڑھنا درست ہے یا نہ ؟

الجواب نمازِ جنازہ کے فوراً بعد اجتماعی طور پر تمام کا بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنا ثابت نہیں۔ البتہ اگر کوئی علیحدہ طور پر میت کے لئے دعا ر د تلاوت کرے تو درست ہے۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ — ۱۷/ ۱۲/ ۱۳۸۹ ھ

کیا نئی میت کو لینے کے لئے پرانی آتی ہیں

موت کے وقت یہ جو مشہور ہے کہ میت کو لینے کے لئے سابقہ روحیں حاضر ہوتی ہیں جو کہ میت کے رشتہ دار پہلے سے فوت ہو چکے ہوتے ہیں، یہ صحیح ہے ؟

الجواب یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ — ۲۷/ ۴/ ۹۰

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

آنکھیں دینے کی وصیّت کر جانے کا حکم

اگر کوئی یہ وصیّت کر جائے کہ میری وفات کے بعد میری آنکھیں فلاں کو دیدی جائیں کیا یہ وصیّت شرعاً دُرست ہے ۔ ؟

الجواب لاشِ انسانی کی شرعاً وہ حیثیّت نہیں ہے جیسے جڑی بوٹی یا ناکارہ مشین کی کہ اس میں سے کارآمد چیزیں نکال کر کام میں لائی جاسکیں ۔ مُردہ انسان کی لاش کی بے حُرمتی اور چیر پھاڑ ایسے ہی ممنوع ہے جیسے زندہ انسان کی الّا عند الاضطرار ۔ پس شرعاً آنکھوں کے اُتارنے کی اجازت نہیں گو مُردہ اسکی وصیّت ہی کرکے مَرا ہو ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمّد غفرلہٗ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۸۵ / ۱۰ / ۲۹

کافر کی صِرف تعزیت جائز ہے جنازہ پڑھنا یا قبرستان جانا جائز نہیں

ہمارے ہاں ایک مرزائی فوت ہوگیا ہے لوگ اس کے جنازہ میں بھی شریک ہوئے اس کے گھر تعزیت کے لئے بھی گئے اور قبرستان بھی ساتھ گئے ۔ ان کا یہ عمل کیسا ہے ؟

الجواب کافر کی صِرف تعزیت جائز ہے اس کا جنازہ پڑھنا یا اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا ناجائز ہے ۔ ایسے ہی اسکی قبر پہ جانا بھی جائز نہیں جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ مجمع عام کے سامنے سخت شرمندگی کے ساتھ اللہ سے توبہ کریں ۔ وفی الفتاوی ولو جار یہودی او مجوسی مات ابن لہ او قریب ینبغی ان یعزیہ ویقول اخلف اللہ علیک خیرا منہ واصلحک وکان معناہ اصلحک اللہ بالاسلام یعنی رزقک الاسلام ورزقک ولدا مسلما کفایۃ (شامی ص۳۸۸ ج۵)(عالمگیری ص۳۹۴ ج۵)

(۲)۔ بیان القرآن میں ہے کافر کے جنازے پر نماز اور اس کے لئے استغفار جائز نہیں ص ۱۲۱ / ج ۴

رُوح البیان میں ہے:۔

ولا تقم علی قبرہ اھ ای ولا تقف عند قبرہ للدفن او للزیارۃ والدعاء اھ ص ۴۷۸ ج ۳

فقط واللہ اعلم،

۱۰/ ۱۱ /۱۴۰۹ھ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

کنواری عورت کے لئے بہشت میں .....

جو عورت نیک سیرت اور اچھے اعمال کے ساتھ (غیر شادی شدہ) اس دارِفانی سے کُوچ کر جائے تو جنّت کے اندر اس کا اعزاز کیا ہوگا۔ جیسا کہ مَردوں کے لئے حُوریں ہوں گی۔

الجواب: غیر شادی شُدہ لڑکی کے نِکاح سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری البتہ ولکم فیہا ماتشتھیہ الانفس وتلذ الاعین الآیۃ کے عموم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان کو یہ خواہش ہوئی تو پُوری کی جائے گی۔

فقط واللہ اعلم، ۹/۸/۱۴۰۸ھ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اہلِ میّت دفن سے پہلے کھانا کھا سکتے ہیں

عام لوگوں سے سُنا ہے کہ اگر کسی گھر میں کوئی شخص فوت ہو جائے تو جب تک اُسے دفن نہ کر لیا جائے اس وقت تک کھانا پینا جائز نہیں کیا یہ دُرست ہے؟

الجواب یہ مسئلہ من گھڑت ہے۔ شرعاً کھانا درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط

عبداللہ عفر لہٗ
مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

۵/۱۱/۸۱ھ

جو میت کی چارپائی اُٹھائے کیا وہی واپس لائے

یہ رواج ہے کہ وہ تختہ جس پر مُردہ کو نہلایا جاتا ہے اور وہ چارپائی جس پر مُردہ کو قبرستان لے جایا جاتا ہے یہ دونوں چیزیں جس شخص نے اُٹھائی تھیں وہی آکر رکھے اگر کسی دوسرے شخص نے آکر رکھی تو یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا آدمی اس گھر میں مرجائے گا۔ کیا یہ اعتقاد رکھنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب یہ خیالات اور اوہام جاہلانہ خرافات ہیں ان کی شریعت مقدسہ میں کوئی اصل نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

عبداللہ عفر لہٗ
مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

۲۹/۷/۱۳۷۷ھ

قبروں پر چھت ڈال کر اوپر رہائشی مکان بنانا

اگر مکان کے متصل کچھ قبریں ہوں۔ تو ان کے اُوپر چھت ڈال کر رہائش کے لئے کمرہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ موجود قبریں پُوری طرح محفوظ ہوں گی۔

الجواب وقف قبرستان میں ایسا نہیں کرسکتے۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۴۰۸/۱۱/۱۳

قبر سے مُراد عالمِ برزخ ہے یہ گڑھا مُراد نہیں

قبر کی زندگی سے کیا مُراد ہے۔ قبر میں عذاب یا راحت کی کیا نوعیت ہے قبر سے کیا زمین کا چھ فٹ کا گڑھا مراد ہے جس میں مُردہ دفن کیا جاتا ہے۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور جہان مراد ہے۔؟

الجواب قبر سے مُراد یہی ظاہری قبر ہے اسی میں جزا وسزا ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سواری پر تشریف فرما تھے کہ اچانک سواری بدکی آپؐ گرنے بھی لگے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے۔ اوکما قال (مشکوٰۃ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اسی قبر سے گزُر رہی تھی۔ عالمِ برزخ یا سجین سے اس کا گزر نہیں ہوا۔

بعض حضرات نے جو "قبر" سے مراد عالمِ برزخ لیا ہے۔ اور گڑھے کے قبر ہونے کی نفی کی ہے۔ اس سے مقصود تعمیم ہے۔ اور "قبر" کو گڑھے" میں منحصر سمجھنے کی نفی ہے

فقط واللہ اعلم،	الجواب صحیح،
بندہ محمّد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

○

صاحبِ قبر کے وسیلہ سے دُعا کرنا

صاحبِ قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے دُعا کرنا کیسا ہے۔ اسے شرک کہا گیا ہے یا نہیں۔ صاحب قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا کیا شرک نہیں جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ صاحبِ قبر مختار ہے۔ اسلئے اِس سے کچھ مانگنا دُرست ہے تو اس عقیدہ والے کے پیچھے نماز پڑھنا دُرست ہے یا نہیں۔؟

الجواب صاحبِ قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے مانگنا جائز ہے۔ اور ایسے

ہی صاحبِ قبر سے اللہ پاک کے دربار میں دُعا کی درخواست کرنے کی بھی شرعاً گنجائش ہے ۔ اسے شرک قرار دینا غلط ہے ۔ صاحبِ قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا ، اسکی شرعاً بالکل اجازت نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹ / ۱۰ / ۱۴۰۹ ھ

اگر کوئی شخص قبرستان کے درخت استعمال کر لے تو اُن کی قیمت قبرستان کی ضروریات پر لگا دے

قبرستان کی لکڑیاں کاٹ کر بھٹی پکائی اور اینٹیں مسجد پر لگائیں کیا ان اینٹوں کا جو قبرستان کی لکڑیوں سے پکائی ہوئی ہیں مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہ ؟

الجواب : ان اینٹوں کا مسجد پر لگانا جائز ہے البتہ قبرستان کے درختوں کا لگانے والا شخص (جس نے بھٹی پکائی) خود نہیں ہے اور نہ ان کا لگانے والا شخص معلوم ہے تو اہلِ مقبرہ اس شخص سے اِن لکڑیوں کی قیمت وصول کر لیں اور اس قیمت کو مقبرہ کی تعمیر وغیرہ ضروریات میں استعمال کریں لما فی قاضیخان ص۲۳ ج۷ نام۲ مقبرۃ فیہا اشجار عظیمۃ وکانت الاشجار فیہا قبل اتخاذ الارض یعرف مالکہا فالاشجار باصلہا للمالک — الخ —

درخت لگانے والا معلوم ہو تو وہ مالک ہوگا اسکی اجازت کافی سمجھی جائے گی ۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ، ۳۰/۶/۱۳۷۷ ھ

الجواب صحیح ،
بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ ، ۱/۷/۱۳۷۷ ھ

قبروں پر ڈالی گئی چادروں کا حکم

جو کپڑا جات قبروں پر ڈالتے ہیں ان کو عقیدۃً نہیں اُٹھاتے کیا ایسے کپڑوں کو کوئی شخص اُٹھا کر اپنے کام میں یا کسی غریب کے کام میں لگا سکتا ہے۔ اور ڈالنے والے کے مِلک سے وہ کپڑے نکل جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر نکل جاتے ہیں تو وہ مُردہ مالک ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو پھر اُٹھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب قبر پر کپڑا ڈالنا جائز نہیں۔ فی الاحکام عن الحجۃ تکرہ الستور علی القبور شامی ص۸۳۶ ج۱

میت ان کپڑوں کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ میت مِلک کا اہل نہیں۔ اسی وجہ سے تکفین موتیٰ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ لعدم صحۃ التملیک منہ الا تریٰ لو افترسہ سبع کان الکفن للمتبرع لا للورثۃ نہر شامی ص۳۳۶ صاحب بحر نے ایسی اشیاء کے بارے میں علامہ قاسم سے نقل کیا ہے ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک کما فی قبیل الاعتکاف اور ظاہر یہی ہے کہ وہ کپڑا مالک کی مِلک سے نہیں نکلتا کما قالوا فی السوائب وفی مسئلۃ ارسال الطیر فی الحج عند الاحرام۔
پس اس کپڑے کا استعمال بدوں اجازت مالک کے دُرست نہیں ہوگا۔
—— فتاوی دار العلوم دیوبند میں اِس قسم کی اشیاء کا یہی حکم لکھا ہے جبکہ اس میں ابطال ہے غرض ناذر کا۔

الجواب صحیح — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
محمد عبد اللہ غفرلہٗ — ۸/۶/۱۳۸۳ھ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے

اگر میت کے اہل وعیال اپنے مُردہ پر روئیں تو اُن کے رونے سے میت کو

عذاب وتکلیف ہوتی ہے یا نہیں ؟ زید کہتا ہے کہ عذاب ہوتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ عذاب نہیں ہوتا۔ آپ شریعت کی رُو سے فتویٰ دیں۔

الجواب یقیناً اہل وعیال کے رونے پر میت کو عذاب ہوتا ہے۔ جبکہ میت نے رونے کی وصیت کی ہو رشامی میں ہے۔

انّما یعذب المیت ببکاء اہلہ اذا اوصی بذلک۔ ص ۶۰۷ ج ۱

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس ملتان	۱۸ / ۳ / ۱۴۰۷ ھ

کیا جمعرات کو ارواح گھر آتی ہیں

بعد از موت انسان کی روح ہفتہ یا دو ہفتہ بعد جمعرات کو اپنے فانی گھر میں واپس آتی ہے اور آیا اُس رُوح کے لئے ختم دِلوانا جائز ہے۔ نیز موت کے تیسرے دِن قُل کروانا جائز ہے شرعاً ختم دِلوانا جائز ہے ؟

الجواب ارواح کا گھر میں واپس آنا صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے یہ اعتقاد نہ رکھا جائے ایصالِ ثواب بلاقید تاریخ وغیرہ کے جائز ہے بلکہ مستحب ہے مگر اس کے لئے ختم کا اہتمام یا خصوصی تاریخوں کا تعیّن بدعت اور گناہ ہے لہذا مروّجہ تاریخوں کے علاوہ بلاختم دِلائے کھانا کپڑا نقدی جو چاہے خیرات کرکے ایصالِ ثواب کرنا چاہیئے تیسرے دِن قُل کرنا بدعت ہے۔

فقط

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ غفرلہ	نائب مفتی خیرالمدارس
مفتی خیرالمدارس۔ ملتان	۱۲ / ۱۲ / ۸۰ ھ

ایصالِ ثواب کیلئے اُجرت پر قرآن پڑھوانا

میں نے اپنی والدہ کے لئے پانچ قرآن حافظ صاحب سے ختم کروائے اور دس روپیہ ھدیہ دیا اس نے کہا کہ میں پانچ روپے فی قرآن ھدیہ لیتا ہوں اس سے کم نہیں لیتا کیا یہ شرعاً جائز ہے ؟

الجواب تلاوت کلام پر اُجرت لینا جائز نہیں اس طرح پڑھانے سے کچھ ثواب نہیں ملتا نہ پڑھنے والوں کو اور نہ جسے بخشا گیا ۔ لینے دینے والے دونوں گناہ گار ہیں ۔ کتاب الاجارۃ میں علامہ عینیؒ نے ایسے ہی نقل کیا ہے ۔ خود جتنا ہو سکے پڑھ کر یا خیرات کر کے ثواب بخش دیا کریں ۔ ایسے حافظوں سے پڑھوانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے ۔

الجواب صحیح — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ — ۱۴ / ۹ / ۸۰

میت کی مجالس بدعات میں تاویل کیساتھ شرکت کرنا

ہمارے دیوبندی مکتبِ فکر کی جامع مسجد کے امام اور متولیان وغیرہ میت کی رسوم تیجہ وغیرہ میں شرکت کرتے ہیں اگر انہیں منع کیا جائے تو وہ جواب میں آیت

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ ۔

پڑھتے ہیں ۔ کیا درست ہے ؟

الجواب ثواب پہنچانے کا مروّج طریق جس میں ایام و اعمال کی تعیین ہوتی ہے نیز اس کا التزام کیا جاتا ہو بدعت ہے کما ھو لا یخفی ۔ امام صاحب کا باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے بدعات کی مجلس میں شریک ہونا کسی طرح صحیح نہیں مقتدا حضرات کی شرکت لوگوں کے عقائد کے فساد کا سبب بنتی ہے ۔

ایسے لوگوں کے لئے تو حکم یہ ہے کہ اگر اتفاقاً بھی کسی ایسی مجلس میں پہنچ جائیں تو اُٹھ جائیں چہ جائیکہ باوجود علم کے شرکت کی جائے۔

ولو دعی الی دعوۃٍ فالواجب الاجابۃ ان لم یکن ھناک معصیۃ ولا بدعۃ والامتناع اسلم فی زماننا الا اذا علم یقیناً ان لا بدعۃ ولا معصیۃ اھ شامی ص۲۲۹ ج۵

آیتِ مذکورہ فی السوال کو اگر وہ اِس مقصد کے لئے پڑھتے ہیں کہ دعوۃ بالحکمۃ کے لئے بدعات میں شرکت جائز ہے تو وہ یقیناً غلط سمجھتے ہیں اور وہ دعوتِ ہدایت کی بجائے بدعت کی تائید و نصرت کر رہے ہیں ان کا اپنے اِس عمل پر اصرار ان کی امامت کے لئے مُفضی الی الکراہتہ ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح — محمد انور

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — ۲۴ / ۴ / ۱۴۰۲

بے نماز کی میت کو جنازے کے وقت ڈھیلے مارنا

ایک شخص مرگیا ۴۰ یا ۵۰ سال کی عمر میں، اور اس نے بالکل نماز نہ پڑھی ہو اور نہ ہی کوئی گواہی دے۔ اس کا نماز جنازہ پڑھتے وقت ڈھیلے مارنے چاہئیں یا نہیں ــــ؟

(۲) ایک شخص نے نمازِ ظہر یا کوئی فرضی نماز نہ پڑھی ہو اور جنازہ دیکھ کر اس میں شریک ہو جاتا ہے اسکو معلوم تھا کہ فلاں شخص فوت ہوگیا ہے اور جنازہ پڑھ کر دفن کرنے گئے اور فرضِ عین کو ادا نہ کیا۔ کیا اس کو نکال دیا جائے یا شریک ہونے دیں؟

الجواب: نماز پڑھتے وقت اسے ڈھیلے مارنا درست نہیں۔ آخر وہ کلمہ گو مسلمان تو ہے گو فاسق و فاجر اور سخت گناہگار رہے۔ میت کی تذلیل درست نہیں۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیاً رواہ مالک ابوداؤد (مشکوٰۃ ص۱۴۹ ج۱)

قولہ ککسرہ حیاً یعنی فی الاثم کما فی الروایۃ قال الطیبی فیہ اشارۃ الی انہ لایہان المیت کما لا یہان الحی وقال ابن الملک والی ان المیت یتألم قال ابن حجر ومن لازمہ ان یستلذ بما یستلذ بہ الحی انتہی وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعودؓ اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ ذکرہ فی المرقاۃ اھ حاشیہ ۶ مشکوٰۃ ص۱۴۹ ج۱

۲۔ جنازہ سے نکالا نہ جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ فرض عین فرض کفایہ سے زیادہ اہم ہے۔ اسکی بھی تاکید کی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

دس محرّم کو قبروں کی لپائی کرنا

دیکھنے میں آیا ہے کہ عشرۂ محرّم میں لوگ جوق در جوق قبرستان میں جاتے ہیں۔ اور قبروں کی صرف ماہِ محرّم میں ہی لپائی وصفائی اور درستی کرتے ہیں اور بعد میں مسور کی دال قبر پر بکھیرتے ہیں۔ قرآن مجید قبرستان میں ساتھ لے جاتے ہیں اور قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں۔ کیا قبرستان میں قرآن پاک لے جاکر پڑھنا صحیح ہے۔ نیز عشرۂ محرّم میں مختلف قسم کی اشیاء مثلاً چاول، کھیر، حلیم وغیرہ پکاکر قبر پر لے جاکر تقسیم کرتے ہیں کیا یہ افعال عشرۂ محرّم میں جائز ہیں۔ آگے پیچھے ان پر توجہ دینا ضروری نہیں۔
۲۔ میت کے کفن پر سیاہی کے پانی سے کلمہ طیبہ و کلمہ شہادت تحریر کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

الجواب ۱۔ قبروں کی لپائی بے حرمتی سے بچانے کے لئے امر مستحسن ہے۔ لیکن عشرۂ محرّم کی تخصیص درست نہیں، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے وغیرہ میں توسیع شرعاً مطلوب ہے۔ عام تقسیم میں اہل تشیع سے مشابہت ہے اس لئے احتراز کیا جائے قرآن کریم کی تلاوت قبرستان میں جائز ہے۔ ہندیہ میں ہے:

قراءۃ القرآن عند القبور عند محمدؒ لا تکرہ ومشائخنا اخذ بقولہ ص۱۶۶ ج۱

۲۔ سیاہی وغیرہ سے لکھنا منع ہے میت کے چہرہ یا سینہ پر سیاہی کے بغیر کلمہ لکھا جاسکتا ہے۔ شامیہ ص۶۰۷ ج۱۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۹ / ۱۴۰۶

نہ آنحضرت علیہ السّلام کا ہر قبر میں آنا ثابت ہے اور نہ میت سے لیکر روضۂ اطہر تک پردے ہٹائے جانے کا کوئی ثبوت ہے :

ہمارے امام صاحب کہتے ہیں کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو قبر میں فرشتے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ آیا صحیح ہے ؟

الجواب آنحضرت علیہ السّلام کا فرشتوں کے ساتھ جلوہ گر ہونا کہیں ثابت نہیں۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس قبر سے آنحضرت علیہ السّلام کے مزار تک پردے اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ لیکن بعض محققین علماء نے کہا ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں۔

ولا نعلم حدیثاً صحیحاً مرویاً فی ذالک حاشیہ مشکوٰۃ ص۲۴ ج۱

مشہور شارحِ حدیث حافظ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں :

ولا یلزم من الاشارۃ ما قیل من رفع الحجاب بین المیت و بینہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ یراہ ویسئل عنہ لان مثل ذالک لا یثبت بالاحتمال اھ۔

مرقاۃ ص۱۹۹ ج۱ ، فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمّد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تدفین سے فارغ ہونے کے بعد کیا کیا جائے

جب میت کو دفن کر چکیں تو اہلِ میت کے ساتھ ان کے گھر واپس آئیں یا اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ حکم شرع مطلوب ہے ؟

الجواب دفن کے بعد تعزیت کے لئے اہلِ میت کے ہاں جانا مکروہ ہے دفن میں شریک لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں ایسے ہی اہلِ میت بھی اجتماعی تعزیت کے لئے کوئی اہتمام نہ کریں۔

قال کثیر من متأخری ائمتنا رحمہم اللہ یکرہ الاجتماع عند صاحب المیت حتی یأتی الیہ من یعزی بل اذا رجع الناس من الدفن فلیتفرقوا و یشتغلوا بامورھم وصاحب المیت بامرہ ویکرہ الجلوس علی باب الدار للمصیبۃ فان ذلک عمل اھل الجاھلیۃ ونھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک و تکرہ فی المسجد اھ (مراقی)

(ویکرہ الجلوس علی باب الدار) قال فی شرح السید ولا بأس بالجلوس لہا الی ثلاثۃ ایام من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والاطعمۃ من اھل المیت الی قولہ عن التجنیس لا بأس بالجلوس لہا ثلثۃ ایام وکونہ علی باب الدار مع فرش بسطٍ علی قوارع الطریق من اقبح القبائح اھ (طحطاوی ص ۳۳۹)

فقط واللہ اعلم
محمد انور

میت کو قبرستان کیسے لے جایا جائے

اگر قبرستان آبادی کی مغربی جانب ہو تو ظاہر ہے کہ میت کو قبرستان لے جاتے وقت میت کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں گے۔ اس میں کوئی گناہ تو نہیں ؟

الجواب جنازہ لے جاتے وقت سر کی جانب آگے رکھی جائے۔

پاؤں چاہے جدھر ہو جائیں۔

وفی حالۃ المشی بالجنازۃ یقدم الرأس کذا فی المضمرات اھ (عالمگیری ص ۸۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

جوان عورتیں قبرستان میں نہ جائیں

عورتوں کو قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر منع ہے تو کیوں؟

محمد شفیع حیدر آباد

الجواب بوڑھی عورتیں قبرستان عبرت کے لئے جاسکتی ہیں۔ جوان عورتوں کے لئے جانا منع ہے۔

والاصح ان الرخصۃ ثابت لھن اھ (ص ۶۳۱ شامیہ) وجزم فی شرح المنیۃ بالکراھۃ لما مرّ فی اتباعھن الجنازۃ وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علی ماجرت عادتھن فلا تجوز و علیہ حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور وان کان للاعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرک بزیارۃ قبور الصالحین فلا بأس اذاکن عجائز ویکرہ اذا کن شواب کحضور الجماعۃ فی المساجد وھو توفیق حسن۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفر اللہ لہ،

الجواب صحیح،

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۴ / ۱۴۰۹ھ

"بیڑی بھاڑہ" کی شریعت میں کوئی اصل نہیں

عوام میں رواج ہے کہ جنازہ کے ساتھ کچھ اناج ساتھ لے جاکر مجاور خانقاہ کو یا کسی فقیر کو دے دیتے ہیں اور بعض جگہ یہ رواج ہے کہ مرنے کے بعد کچھ سیر دو سیر گندم وغیرہ مُردہ کے سر کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ اپنی گندم یا کچھ بھی ملا کر جنازہ کیساتھ لیجا کر دے دیتے ہیں۔ اس کو بعرف ملتان وغیرہ بیڑی بھاڑہ کہتے ہیں یعنی کشتی پر سوار ہونے کی اُجرت۔ گویا یہ مُردہ آخرت کی کشتی پر سوار ہوا ہے اسکی اُجرت وارث قبل تقسیم وراثت دیدیتے ہیں اور بعض اوقات یہی بیڑی بھاڑہ وارث دیتا ہے۔ یہ اعتقاد اور رسم و رواج دُرست ہے، سُنت کے موافق ہے یا بدعت ہے۔؟

الجواب رسم مذکور المعروف بہ بیڑی بھاڑہ (کشتی کا کرایہ) بدعت ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ جاہلانہ باتیں ہیں۔ البتہ ایک اصلی صورتِ شرعیہ جو فقہاء نے قضا نمازوں اور روزوں کے متعلق تحریر فرمائی، وہ یہ ہے کہ متوفی کی قضا نمازوں اور روزوں کا حساب لگایا جائے ہر نماز کے بدلے ایک فطرانہ کے بقدر پیسے یا غلہ کسی فقیر یا محتاج کو دیا جائے۔ یہ رقم اگر میت نے وصیت کی ہو تو تہائی مال سے نکالی جائے ورنہ بالغ وارث اپنے ذاتی مال سے دیں۔ اگر وارثوں کے پاس روپیہ زیادہ نہ ہو اور متوفی کے ذمہ نمازیں اور روزے بہت قضا ہوں تو تھوڑی سی رقم مثلاً پانچ نمازوں کا فدیہ فقیر کو دیا جائے۔ بعد میں فقیر اس رقم کو بطور ہبہ وارث کی طرف لوٹا دے پھر وارث دوبارہ اور پانچ نمازوں کے بدلہ میں وہ رقم مسکین کو دیدے پھر فقیر وارث کو ہبہ کر دے علیٰ ھٰذا القیاس لوٹا کر اسکی تمام نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ (کما فی الشامیۃ ص۵۱۴ ج ۱)

ولو مات وعلیہ صلوٰۃ فائتۃ واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ وکذا حکم الوتر والصوم وانما یعطی عن ثلث مالہ ولو لم یترک

مالا یستقر من وارثه نصف صاع مثلا ویدفعه الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم ۔ فقط واللہ اعلم،

۲۹ / ۷ / ۱۳۷۷ھ عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان

اولیاءِ میت سے اجازت لئے بغیر دفن سے پہلے نہیں لوٹنا چاہیئے

امام مسجد محلہ والا میّت کا جنازہ پڑھا کر میّت کے دفنانے سے قبل واپس آجاتا ہے تو اِس برادری کے لوگ ناراض ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ میّت کے دفنانے کے بعد واپس آئے۔؟

الجواب اولیاء میّت سے اجازت لئے بغیر نہیں لوٹنا چاہیئے۔ خانیہ میں ہے ولا یرجع عن الجنازۃ قبل الدفن بغیر اذن اھلہا ص۹۱ ج۱

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۲/۶/۱۴۰۶ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

قبرستان مِٹ مٹا جائے تو بھی وہ قبرستان ہی رہیگا

ہمارے علاقہ میں ایک چھوٹا سا قبرستان تھا آبادی کی کثرت کی وجہ سے نیا قبرستان بنالیا گیا اب وہ جگہ ویران پڑی ہے کوئی وہاں مُردہ دفن نہیں کرتا۔ اسے کاشت کرسکتے ہیں۔؟

الجواب وفی الھندیۃ ص۳۵۱ ج۲ سئل ھو ایضا عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیہا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعہا واستغلالھا قال لا ولہا حکم المقبرۃ ۔ روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ جو زمین قبرستان پر وقف ہو

گئی ہے اگرچہ لوگ اس میں اموات دفن نہ کرتے ہوں اور دفن شدہ قبریں مٹ گئی ہوں، تب بھی وہ زمین قبرستان کے حکم سے نہیں نکلتی اس کو کاشت کرنا اور کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۶ / ۷ / ۹۲ جج

خانہ بدوش اپنی میت منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں

ہمارے ہاں رواج ہے، جو حضرات ڈیروں پر بیٹھتے ہیں۔ ان کے ہاں جب کوئی میت ہو جاتی ہے۔ اس کو دفن کرنے کے لئے اپنے وطن لے جاتے ہیں، میت کو بغیر غسل دیئے۔ آیا میت کو غسل دے کر دوسرے مقام پر منتقل کرنا جائز ہے؟

الجواب اگر یہ لوگ مستقل رہائش ڈیروں پر رکھتے ہیں تو انتقال مکروہ ہے خواہ غسل سے پہلے ہو یا بعد میں۔

ویستحب الدفن فی مقبرۃ محل مات بہ او قتل فان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین لا بأس بہ وکرہ نقلہ لاکثر منہ مراقی علی الطحطاوی ص۳۳۵

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۲۵/۷/۱۴۱۱ھ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا

کیا مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے؟

از دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ملتان

الجواب ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لیکر آج تک تعامل مسلمین یہی ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے قبرستان علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اور تعامل امت حجت قطعیہ ہے لہذا مرزائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں

۲۔ قبرستان میں داخلہ کے وقت سلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا دفن مسلمانوں کے قبرستان میں جائز نہیں وہ الفاظ یہ ہیں۔ "السلام علیکم دار قوم مؤمنین"۔ اضافت دار مومنین کی طرف علامت تخصیص ہے اور یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں (شامی ص ۸۴۴ ج ۱)

۳۔ اگر اتفاقاً چند مسلمان اور کافر مُردے باہم مل جائیں اور کوئی امتیازی علامت موجود نہ ہو تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اُن کو بھی علیحدہ دفن کیا جائے۔ ہر چند ان میں مسلمان بھی ہیں لیکن مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے لامحالہ کافر بھی وہیں دفن ہوں گے (اور یہ جائز نہیں ہے)۔

۴۔ اگر کوئی ذمیہ عورت مسلمانوں سے حاملہ ہو اور بحالتِ حمل اس کا انتقال ہو گیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان سے علیحدہ دفن کیا جائے کیونکہ بچہ جب تک اس کے پیٹ میں ہے اُسی کا جُز ہے کہ وہ کافر ہے لہٰذا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے یہ صراحت ہے اس بات کی کہ غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔

لو اختلط موتانا بکفار ولا علامة اعتبر الاکثر قالوا والاحوط دفنها علیحدة۔ (درمختار) قوله کدفن ذمیة) جعل الاول شبهاً بهذا الخ اختلف فیها الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم علی ثلاثة اقوال فقال بعضهم تدفن فی مقابرنا ترجیحاً لجانب الولد وبعضهم فی مقابر المشرکین لان الولد فی حکم جزء منها مادام فی بطنها وقال واثلة بن الاسقع یتخذ لها مقبرة علی حدة قال فی الحلیة وهذا احوط (شامی ص ۸۰۶ ج ۱) فقط واللہ اعلم

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
خیر المدارس۔ ملتان
۲۵ / ۷ / ۹۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کفن دَفن کی فِلم بنانا :

آج کل نمازِ جنازہ کفن دَفن وغیرہ کی فلمیں بنتی ہیں۔ کوئی کتنا ہی بچے پھر بھی اسکی فوٹو فلم میں آجاتی ہے۔ ایک حدیث کی شرح میں تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ فوٹو گرافر کو قاتل کا سا گناہ ہوگا۔ یہ پڑھ کر تشویش لاحق ہے۔(۲)۔ نمازِ جنازہ پڑھنا اور کفن دفن میں شریک ہونا چونکہ ضروری کام ہے ان کو چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ ایسی صُورت میں کیا تدبیر کرے کہ فوٹو کھچوانے کے گناہ کبیرہ سے بچ سکے۔ کیا ایسی صُورت میں نمازِ جنازہ اور کفن وغیرہ میں شریک ہو تو کوئی شرعی گناہ ہوگا یا نہیں ؟

الجواب: فوٹو کھینچنا اور کھچوانا سخت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فوٹو کھینچنے والوں پر لعنت فرماتے ہیں۔ جنازہ اور دفن کا وقت انتہائی عبرت کا مقام ہے ایسے موقعہ پر گنہگار سے گنہگار مسلمان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ایسے موقعہ پر حرام فعل کا اِرتکاب کرنا اور پُورے مجمع کو اور میّت کو اِس میں شریک کرنا انتہائی بدبختی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے بلکہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی چارۂ کار نہ ہو تو جس جگہ اور جس وقت تصویر کشی ہو رہی ہو اس وقت کنارہ کشی کرلیں بدین وجہ شرکت سے دستکش نہ ہوں۔

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

میّت کے گردِ کچّی اینٹیں اور ان کے پیچھے پکّی اینٹیں لگانا

اگر قبرستان میں سیم ہو تو وہاں پکّی اینٹیں لگائی جاسکتی ہیں ؟

الجواب: میت کے اردگرد اینٹیں کچّی رہیں ان کے پیچھے اِدھر اُدھر پکّی اینٹیں لگا سکتے ہیں۔ کذا فی الشامیۃ صفحہ $\frac{۸۳۷}{۱}$ ۔ فقط واللہ اعلم،

۲۵ / ۱۲ / ۱۴۰۱ — محمّد انور عفا اللہ عنہ

والدین کی قبر کا بوسہ بھی جائز نہیں

اپنے والدین کی قبر کا بوسہ لینا جائز ہے، یا نہیں عالمگیری میں ہے کہ جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو کس طرح لینا چاہیئے؟

الجواب: عالمگیری میں ہے۔ ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلک من عادۃ النصاری ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ ص ۱۰۹ ج ۴۔

اس عبارت سے گو کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن حضرات علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ درست نہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

کہ در بارۂ بوسہ قبر والدین روایات فقہی نقل میکنند وصحیح آنست کہ لا یجوز است۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ محققین حنفیہ شافعیہ و مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک اسطرح کے امور مکروہ اور بدعت ہیں کسی قبر کے ساتھ خواہ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو یا قبر ولی و مرشد کی ہو یا قبر والدین کی ہر ہر گز ہر گز نہ چاہیئے۔ ناقلاً عن الفتاوی العزیزیۃ

لہذا کسی قبر کو بوسہ دینا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۴۰۳/۵/۱۷

میت کے ساتھ حلوہ پکا کر لے جانا

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ مردہ کے ساتھ چند روٹیاں پکا کر اُن پر شکر وغیرہ ڈال کر ساتھ لے جاتے ہیں اور بعض جگہ حلوا پکا کر ساتھ لے جاکر قبر کھودنے والے کو خصوصاً ——— اور دوسروں کو کھلاتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ قبریں

مردہ کو سُورج کڑک مارتا اور عزُوب ہوتا نظر آتا ہے یہ روٹیاں مُردہ کے کاُن پر آجاتی ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ حلوہ سے مُردہ کی تکلیف رفع ہوتی ہے، اور بعض کا یہ ارادہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ اعتقاد صحیح ہے یا نہ ؟

الجواب: جاہلانہ خیال ہے اور بے اصل رسم ہے۔

فقط واللہ اعلم،

عبداللہ غفراللہ لہٗ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان
۲۹ / ۷ / ۱۳۷۷ھ

زندگی میں قبہ نما قبر بنوانا :

اپنی قبر بنا کر اُوپر قبہ نما عمارت بنا ڈالی ہے۔ کتاب اللہ وسُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مُوجب شرعی حیثیت اس کی کیا ہوگی ؟

الجواب: قبر بنانے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس پر گنبد بنانا منع ہے۔ حدیث میں ہے:۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور وان یکتب علیہا وان یبنی علیہا (رواہ مسلم)

فقط واللہ اعلم،
محمد انور

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۹ / ۷ / ۱۴۰۸ھ

قبرستان میں ٹیوب ویل لگانا

ایک پُرانا قبرستان ہے، جس کے ایک کونے میں گرد و نواح کے باشندے کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں۔ اور وہاں بظاہر کوئی قبر نظر نہیں آتی۔ آیا پیپلزپروگرام کے تحت منظور شُدہ ٹیوب ویل لگا سکتے ہیں۔ جواب سے مطلع فرمائیں ؟

الجواب اِس جگہ پر ٹیوب ویل کے لئے نلکہ اور مشین نصب کرنا درست ہے ۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد اسحاق عفی عنہ

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۴ / ۱۱ / ۱۴۱۰

تحقیق کر لی جائے اگر وہ جگہ وقف للمقبرہ نہیں تو لگا سکتے ہیں ۔ والجواب صحیح
محمد انور ، مُرتب خیر الفتاوی

حدودِ مسجد میں دفن کرنا :

میت کو مسجد میں دفن کر سکتے ھیں یا نہیں ؟

الجواب حدودِ مسجد جو وقف ہو اُس میں قبر بنانا جائز نہیں ہے ۔ وہ جگہ تا قیامت مسجد کے لئے ہی وقف رہے گی ۔

وشرائط الواقف کنص الشارع (شامی ج ۳)
فقط واللہ اعلم ،
محمد انور عفا اللہ عنہ

دفن کے وقت کانے وغیرہ استعمال کرنا

میت کو لحد میں لٹانے کے بعد لحد کو کس چیز سے بند کیا جائے ؟

الجواب کچی اینٹیں سرکنڈے اور کانوں وغیرہ سے بند کرنا اولیٰ ہے ۔ کانے اور کچی اینٹ برابر ہیں (قولہ وقصب) قال فی الحلیۃ وتسد الفرج التی بین اللبن بالمدر والقصب کی لا ینزل التراب منہا علی المیت ونصوا علی استحباب القصب فیہا کاللبن اھ شامیہ ج ۱ ص ۸۳۷)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور ۸ / ۱۱ / ۱۴۱۲

قبر کو بوسہ دینے کا حکم

سوال: قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا مکروہ ہے عام لوگوں کی عادت ہے جب کسی بزرگ کی قبر پر جاتے ہیں تو قبر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور بعض لوگ قبر کا بوسہ بھی لیتے ہیں، کیا شرعاً یہ درست ہے۔

الجواب: قبر کو ہاتھ لگانا اور قبر کا بوسہ لینا مکروہ ہے۔

وکرہ النوم علی القبور وکرہ تحریماً قضاء الحاجۃ ای البول والتغوط علیہا بل وقریباً منہا وکذا مالم یعہد من غیر فعل السنۃ اھ (مراقی)۔

(قولہ وکذا مالم یعہد من غیر فعل السنۃ) کالمس والتقبیل وقولہ من غیر بیان لما اھ (طحطاوی ص ۳۴۳)

وفیہ (ای الطحطاوی) ولا یمس القبر ولا یقبلہ فانہ من عادۃِ اہل الکتب ولم یعہد الاستلام الا للحجر الاسود والرکن الیمانی خاصۃً اھ ص ۳۴۰)۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کی بشارت جمعہ کی رات یا دن کو مرنے والے کے لئے ہے دفن ہونیوالے کیلئے نہیں

سوال: زید بدھ یا جمعرات کے دن فوت ہوا اسے اگر جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن دفن کریں تو کیا وہ بھی عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا ؟

الجواب: حدیثِ نبوی میں جو عذاب قبر سے محفوظ رہنے کا ذکر ہے وہ جمعہ اور جمعہ کی رات کو مرنیوالے کے بارے میں ہے۔ جو ان ایام کے

علاوہ کسی اور دن میں مرے اس کے لئے وعدہ نہیں چاہئے لسے دفن جمعہ کی رات.
کیا جادے یا جمعہ تک قبر پر پڑھنے والے بیٹھے رہیں ۔

ما من مسلم یموت یوم الجمعة او لیلة الجمعة الا وقاہ
اللہ فتنة القبر قال القاری فتنة القبر ای عذابہ وسوالہ
وھو یحتمل الاطلاق والتقیید والاوّل ، ھو الاولی
بالنسبة الی فضل المولی (مرقاة ص۱۱۲ ج ۲)

الجواب صحیح — ۲۱/ — محمد انور عفا اللہ عنہ
محمد صدیق غفر لہٗ — ۹۸/ا ھ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

قبر زمین سے ایک بالشت اُونچی ہو

قبر زمین سے کتنی اُونچی ہونی چاہیئے ؟

الجواب ایک بالشت اونچی ہونی چاہیئے ۔

ویسنم القبر قدر الشبر (عالمگیری ج۱ ص۸۵)

الجواب صحیح ، — محمد انور
عبدالستار عفی عنہٗ — ۹۵/۱۲/۲۴

خاوند بیوی کو قبر میں اُتار سکتا ہے ؟

کیا خاوند اپنی بیوی کو لحد میں اُتار سکتا ہے ؟ اور اس میں سب سے زیادہ حقدار کون ہے ؟

الجواب زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ عورت کو قبر میں وہ رشتہ دار اُتاریں جو اس کے لئے محرم ہوں، یہ نہ ہوں تو پھر وہ جو رشتہ دار

ہیں، گو محرم نہیں ہیں۔ یہ بھی نہ ہوں تو اجنبی اُتار سکتے ہیں۔ خاوند بھی اجنبیوں کے حکم میں ہے۔ وذو الرحم المحرم اولٰی بادخال المرأة من غيرهم كذا فی الجوهرة النيرة وكذا ذو الرحم غير المحرم اولٰی من الاجنبی فان لم يكن فلا بأس للاجانب وضعها اھ

(عالمگیری ص۱۶۵ ج۱) فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

قبرستان زیرِ آب آ جائے تو نعشوں کو منتقل کرنیکا حکم

ایک عالم باعمل کو قبرستان میں دفن کیا گیا بیس سال کے بعد سیلاب نے قبریں برباد کر دیں ان کی نعش کو دوسری جگہ منتقل کرا دیا گیا، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بلا ضرورت اموات کو مکان سے منتقل کرنا جائز نہیں البتہ بوقت ضرورت جب کہ قبرستان کو پانی لگ رہا ہے۔ اور مُردہ کے بہہ جانے کا خطرہ ہو منتقل کرنا جائز ہے۔ تفسیرِ مظہری میں حضرت قاضی صاحب نے جوازِ نقل کا فتویٰ دیا ہے۔

بہر حال اب صورتِ مسئولہ میں ضرورت عدمِ ضرورت کا فیصلہ مقامی علماء کر سکتے ہیں۔ اب دوسری جگہ عالم مذکور کو دفن کیا گیا ہے تو وہاں رہنے دینا چاہیئے اور تردد اور نزاع کو ختم کر دینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
خادم الافتاء خیر المدارس۔ ملتان

دفن سے پہلے قبر میں سورۂ ملک پڑھنا

بعض لوگوں کا معمول ہے کہ مُردہ کو قبر میں رکھنے سے پہلے قبر میں بیٹھ کر سورۂ ملک اور سورۂ یٰسین تلاوت کرتے ہیں ؟

الجواب اس وقت سورۂ ملک یا کوئی اور سورۃ پڑھنا ثابت نہیں لہذا نہ پڑھیں اسکی بجائے کتب فقہ میں یہ لفظ منقول ہیں۔

"بسم اللہ و باللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(درمختار)

شامی میں اس کے تحت لکھا ہے کہ یہ لفظ ترمذی اور ابن ماجہ سے ثابت ہیں اس کے علاوہ ان پر مزید کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔ (شامیہ ص ۸۳۷ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

چالیس قدم ہٹ کر دعا مانگنا:

دفن کرنے کے بعد چالیس قدم ہٹ کر دعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب چالیس قدم ہٹ کر دعا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں محض رسم و بدعت ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفی عنہ

۱۵/ ۵ / ۱۴۰۱

بحری جہاز میں مرنیوالے کا حکم

ہم بحری جہاز سے حج پر جا رہے ہیں کئی دن کا سفر ہوگا اگر خدانخواستہ کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا کریں ؟

الجواب اگر تو کہیں ساحل قریب ہو اور اُتر کر دفن کرنا ممکن ہو تو

یہ بہتر ہے ورنہ غسل دے کر کفن پہنا کر جنازہ پڑھ کر سمندر میں ڈال دیں۔

وان مات المسلم فی البحر فی السفینۃ فان کان الشط قریبا یجاء بہ الی الشط ویقبر ویدفن والا فیصلی علیہ بعد الغسل ویُلقی فی البحر وھولہ قبرٌ لان التکلیف بحسب الوسع اھ (رسائل الارکان ص۱۵۹)

فقط واللہ اعلم، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴/ ۱/ ۱۳۹۸ھ

اگر قبر احاطۂ مسجد میں آجائے تو اس کا کیا کریں؟

ایک قبر دوران توسیع احاطۂ مسجد میں آگئی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر یہ قبر مسجد کی زمین میں ہے۔ اور کافی پرانی ہے تو اس کو ہموار کر دیا جائے اور اس کے اوپر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ (شامی ص۸۳۵ ج۱)

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/ ۸/ ۹۶ھ

قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے

دفن کے بعد قبرستان ہی میں لواحقین کے ساتھ افسوس کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: قبرستان میں قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے۔

وتکرہ التعزیۃ ثانیاً وعند القبر اھ (درمختار علی الشامیۃ ص۸۴۳ ج۱)

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ

میت کے لئے ڈھیلے کا استعمال

عام رواج یہ ہے کہ زندہ جیسے طہارت کرتا ہے ایسے ہی میت کے لئے بھی ڈھیلے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً ثابت ہے ؟

الجواب کتب فقہ میں استنجا کرانے کا تو لکھا ہے مگر ڈھیلے استعمال کرانے کا نہیں لکھا بلکہ استنجاء کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر مکمل کپڑا لپیٹ لے اس کے بعد استنجاء والی جگہ کو دھوئے۔

ویستنجی عند ابی حنیفہ و محمدؒ کذا فی محیط السرخسی وصورۃ الاستنجاء ان یلف الغاسل علی یدیہ خرقۃ و یغسل السوءۃ لان مس العورۃ حرام کالنظر الیہا کذا فی الجوہرۃ النیرۃ۔ (فتاوی عالمگیری (ص ۱۵۸ ج ۱)۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور غفرلہ ۳ / ۴ / ۱۴۱۱ھ

مُردے کے مصنوعی دانت نکال لئے جائیں

بچپن میں میرے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ دوبارہ لگوانے پڑے تو دانت لگانے والوں نے کہا کہ سونے کے علاوہ باقی سب چیزیں بیکار ہیں۔ میں نے مجبوری سے لگوالئے یہ جائز ہے یا نہیں مرنے کے بعد اُتارے جائیں یا نہیں ؟

الجواب اگر دانت لگوالئے ہیں اور اب اتارنے میں تکلیف ہو تو رہنے دیجئے فی الجملہ گنجائش ہے مرنے کے بعد اُتار دینے چاہئیں۔

الجواب صحیح،
خیر محمد عفا اللہ عنہ

۵ / ۱۲ / ۸۸ھ

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھیں؟

۱۔ میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھنا چاہیئے؟
۲۔ قُل جائز ہیں یا نہیں جبکہ مرنے والا قُل شریف کے لئے رقم بھی چھوڑ کر گیا ہو؟

الجواب ۱۔ غسل دیتے وقت غفرانک یا رحمٰن پڑھتے رہیں۔ لقولہ علیہ السّلام
یا علیؓ اغسل الموتیٰ فانہٗ من غسل میتاً غفرلہٗ سبعون مغفرۃ
لو قسمت مغفرۃ منہا علے جمیع الخلائق لو سعتہم۔ قلت مایقول
من یغسل میتاً قال غفرانک یا رحمٰن حتی یفرغ من الغسل اھ
رواہ ابوحفص ابن شاہین فی کتاب الجنائز (شرح نقایہ ص ۱۳۳ ج ۱)
۲۔ مروجہ قُل بدعت ہیں۔

فقط واللہ اعلم،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ
۱۱ / ۷ / ۱۴۰۶ھ

جُنبی کا غُسل دینا مکروہ ہے

کیا حائضہ اور جُنبی میت کو غسل دے سکتے ہیں؟

الجواب حائضہ اور جُنبی کا غسل دینا مکروہ ہے۔ ویکرہ ان یکون الغاسل جنباً او حائضاً اھ (شرح نقایہ ص ۱۳۲ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،
محمّد انور غفرلہٗ
۷ / ۵ / ۱۴۱۱ھ

مُردہ بچے کے غُسل کا حکم: جو بچہ مُردہ پیدا ہو کیا اسے بھی غسل دیا جائے؟

الجواب اسے غسل نہ دیا جائے۔ ولو ولد میتاً روی

عن ابی حنیفة ومحمد انه لا یغسل لان الغسل لاجل الصلوٰة وھو لا یصلی علیه اھ ۔

لیکن خلاصۃ الفتاوی میں امام ابو یوسف کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے بھی غسل دیا جائے ، وفی الخلاصة السقط الذی لم یتم اعضاءہٗ لا یصلّی علیه ولکن یغسل ویدفن فی خرقةٍ وکانه اختار روایة ابی یوسف (شرح نقایہ ج ۱ صـ۱۳۱) ۔ فقط واللہ اعلم ،

محمدّ انور

خنثیٰ مشکل کو کون غسل دے :

خنثیٰ اگر فوت ہو جائے اور اسوقت کوئی اور خنثیٰ موجود نہ ہو تو اس کو غسل کون دے ، مرد یا عورت ؟ اگر بوڑھا ہو تو اس کو غسل کون دے جوان اور نابالغ کو غسل کون دے ؟ —— قاری شرف الدین صدیقی مہتمم اشرف القرآن کہروڑ پکّا

الجواب : خنثیٰ میں اگر مردوں والی علامات غالب ہیں تو مرد غسل دے اور اگر عورت والی علامات غالب ہیں تو عورت غسل دے اور اگر دونوں طرح کی علامات برابر ہیں تو یہ خنثیٰ مشکل ہے اس کو نہ مرد غسل دے نہ عورت بلکہ صرف تیمّم کرا دیا جائے اگر چھوٹا بچہ ہو تو اسے مرد و عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں ۔

ویتیمم الخنثی المشکل لو مراھقاً والا فکغیرہٖ فیغسله الرجال والنساء اھ (درمختار علی الشامیة صـ۵۷۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمدّ انور غفرلہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

میت کو کون غسل دے

: جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اسے کون غسل دے عام طور پر رواج یہ ہے کہ اس کے لئے امام مسجد ہی کو منتخب کیا جاتا ہے کیا گھر والے خود بھی غسل دے سکتے ہیں؟

الجواب بہتر تو یہ ہے کہ میت کا قریب ترین رشتہ دار اسے غسل دے بشرطیکہ وہ اچھی طرح حسب شرع غسل دے سکتا ہو۔ ورنہ کسی پرہیزگار صالح آدمی سے غسل دلایا جائے۔ ویکرہ ان یغسله جنب اوحائض اھداد والاولیٰ کونه اقرب الناس الیه فان لم یحسن الغسل فاھل الامانة والورع اھ (شامیۃ ص ۶۳۶ ج ۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

غسل کو وارث کے انتظار میں مؤخر کرنا

اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے غسل وغیرہ کے لئے اس کے وارث کا انتظار ضروری ہے یا نہیں۔ جبکہ کوئی وارث موجود نہ ہو۔؟

الجواب وارث کے انتظار میں تاخیر نہ کی جائے۔ (کذا فی الظہیریۃ والشامیۃ ص ۶۶۳ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور ۲۹/۴/۱۴۰۹

عورت کو کوئی بھی غسل دینے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا کریں؟

ایک عورت فوت ہو گئی اب اس کو کوئی عورت یا محرم غسل دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیا خاوند غسل دے سکتا ہے؟

الجواب عورتوں پر واجب ہے کہ غسل دیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گی۔ کسی غسالہ کا اجرت دے کر بھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اور درجۂ اضطرار میں خاوند ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمم کرا دے۔

وقیل تخلل فی ثیابھا ای بلا مس اھ (ہندیہ)

فقط واللہ اعلم

عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۶/۱/۹۵ جو

کفن پر کلمہ طیبہ لکھنے کا حکم : کفن پر کلمہ طیبہ یا آیت کریمہ روشنائی وغیرہ سے لکھنی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: روشنائی سے لکھنا درست نہیں وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰسین والکھف ونحوھما خوفاً من صدید المیت اھ (شامی ص ۸۴۷ ج ۱)

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ پر کلمہ طیبہ لکھی ہوئی چادر ڈالنا

بعض لوگ میت پر چادر ڈالتے ہیں جس کے اوپر کلمہ طیبہ اور قرآن شریف کی آیات لکھی ہوتی ہیں اور چادر پاؤں تک ہوتی ہے کیا یہ درست ہے ؟

الجواب: ایسی چادر پاؤں سے پیچھے گھٹنوں تک رہنی چاہیئے فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمد انور عفا اللہ عنہ ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۷ / ۱۰ / ۹۵ ھ

محرم کو عام میت کی طرح کفن دیا جائے

اگر کوئی ساتھی سفر حج میں بحالت احرام انتقال کر جائے تو اُسے ویسے اُسی حالت میں دفن کر دیں یا باقاعدہ غسل دے کر عام مُردوں کی طرح کفنائیں ۔ ؟

الجواب: محرم کو بھی عام مُردہ کی طرح غسل دیا جائے اور کفن پہنایا جائے اور خوشبو وغیرہ بھی لگائی جائے ۔

(قولہ والمحرم کالحلال) ای فیغطی رأسہ وتطیب

اکفانہ خلافا للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ شامیہ ص۸۰۹ ج۱ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

مسجد میں کفن سینے کا حکم:

کفن مسجد میں سینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب: نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ۶/ ۲/ ۹۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

عورت کے کفن کی تفصیل:

اگر میت ہو جائے تو اس کو کس طرح نہلانا چاہیئے اور جس کو الفی یا کفنی کہتے ہیں آگے پیچھے سے برابر ہونی چاہیئے یا پیچھے سے چھوٹی۔ بعض لوگ آگے سے بڑی اور پیچھے سے چھوٹی کر دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور بعض لوگ زنانہ کا سر بند جسے کہتے ہیں ٹوپی سیکر پہنا دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور کفن پر کلمہ شریف لکھتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے۔؟

الجواب: (۱) میت کے نہلانے کا طریقہ بہشتی زیور میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے۔ وہاں دیکھ لیجئے۔ (۲) کفنی کندھے سے لے کر نصف ساق پنڈلی تک ہونی چاہیئے۔ یہ کپڑا اڑھائی گز لمبا، چودہ گرہ یا پندرہ گرہ عرض کا تیار ہوتا ہے۔ دو برابر حصے کر کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ (۳)۔ ٹوپی سی کر نہیں پہنانا چاہیئے بلکہ ڈیڑھ گز کپڑا جس کا عرض بارہ گرہ ہو لے کر سر کے بال کے دو حصے کر کے اس میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ پر رکھے جائیں۔

فقط واللہ اعلم، لہٗ

الجواب صحیح
عبداللہ غفر اللہ لہٗ

۸ ۶/ ۱۳۷۷ھ

جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا

کوئی بڑا سیاستدان یا اعلیٰ افسر فوت ہوجاتا ہے تو اُس کے جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالی جاتی ہے اور اخبارات وغیرہ میں اسکی تصویر بھی آتی ہے کہ فلاں صاحب فلاں مرحوم کے جنازہ پر پھولوں کی چادر چڑھاتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے ؟

الجواب میت پر پھولوں کی چادر چڑھانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے اور تصویر کھنچوانا حرام ہے۔ اعاذنا اللہ من ھذہ السیأت ۔

حضرت شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسائل اربعین میں فرماتے ہیں :

"وچادرِ گُل برجنازہ انداختن بدعت است ومکروہِ تحریمی اھ (م ۴۵)

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ،

میت پر کفن سے زائد چادریں ڈالنا

ہمارے علاقے میں میت پر کفن کے علاوہ کپڑے ڈالتے ہیں اور ثواب سمجھتے ہیں پھر اس کو گورکن اُتار لیتے ہیں گورکن چاہے صاحبِ نصاب ہوں ۔ ثواب ہوگا یا نہ ؟

الجواب میت پر مسنون کفن سے زائد کپڑے ڈالنا شرعاً درست نہیں بلکہ زائد کپڑے اُتار لینا شرعاً مامور بہ ہے ۔ مراقی میں ہے ۔

وينقص ان زاد العدد في ثيابه على كفن السنة الخ

جو میت نادار ہو یا لاوارث ہو اس کو کفن دینا باعثِ اجرِ عظیم ہے ۔ ورنہ یہ رسم ہے یا بدعت ہے ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ، ۱۲ / ۶ / ۱۴۰۶ ھ

عالم میت کو کفن میں عمامہ پہنانا

ہمارے چچا مظاہرِ علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے اور عالم شباب میں انتقال کر گئے۔ ہمارے دُوسرے چچا جو کہ مظاہرِ علوم ہی کے مستند ہیں کہنے لگے کہ کفن کے ساتھ ساتھ ان کے سَر پہ عمامہ بھی باندھا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کیا یہ درست ہے؟

بشیر احمد انور پیر سکندری

الجواب میّت عالم ہو یا عام آدمی سب کے لئے کفن مسنون پر اکتفا کیا جائے عمامہ کی زیادتی مکروہ ہے۔ والاصح انہ تکرہ العمامۃ بکل حال اھ (شامی ص۸۰۸ ج۱)

۱۷ / ۷ / ۱۴۱۰ فقط واللہ اعلم،
محمد انور غفرلہٗ

غلافِ کعبہ کا ٹکڑا کفن کے ساتھ رکھنا

اگر غلافِ کعبہ کا کچھ ٹکڑا جس پہ آیت یا کلمہ وغیرہ نہ لکھا ہوا ہو یا اور کوئی ایسا متبرک کپڑا کفن کے ساتھ بطورِ تبرک رکھ سکتے ہیں ؟

الجواب رکھ سکتے ہیں امید فائدہ ہوگا۔ وفی ھذا مذہب ان یجعل الثوب المتبرک فی الکفن نائداً علیہ۔

(رسائل الارکان لابی العیاش عبد العلی محمد بحر العلوم ص۱۵۳)

فقط واللہ اعلم،
محمد انور غفرلہٗ ۹ / ۳ / ۱۴۱۱ھ

کفن دیتے وقت عورت کے بال کیسے رکھے جائیں ؟

کفن کے وقت عورت کے سر کے بالوں کو کیسے رکھا جائے ؟

الجواب بالوں کی دو لٹیں بنا کر نیچے سے نکال کر سینہ پر رکھ دی جائیں یجعل شعرھا ضفیرتین علی صدرھا فوق الدرع اھ (رسائل الارکان ص۱۵۴) فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ،

بالغ اور نابالغ کے کفن کا فرق :

بالغ مرد اور نابالغ لڑکے کے کفن میں کوئی فرق ہے یا نہ ؟

الجواب بہتر یہی ہے کہ نابالغ لڑکے کو بالغ کے موافق کفن دیا جائے لیکن اگر ایک یا دو کپڑوں میں نابالغ کو کفنایا جائے تو یہ بھی جائز ہے، درمختار میں ہے کہ والمراھق کالبالغ ومن لم یراھق ان کفن فی واحد جاز الخ (شامی ج۱ ص۸۰۹) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق خیر المدارس ملتان ۱۲/۸/۹۱ھ

محتضر (قریب المرگ) کے پاس حائضہ وغیرہ نہ بیٹھے

عام رواج ہے کہ جب کسی کی روح نکلنے لگتی ہے تو سارے دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں، کیا مرد اور کیا عورت ایک جمگھٹا سا لگ جاتا ہے کیا یہ درست ہے؟

محمد یونس، کبیر والا

الجواب ایسے وقت میں سورۃ یٰسین پڑھنی چاہیئے اور خوشبو وغیرہ چھڑکنی چاہیئے اور حیض یا نفاس والی عورت اور جنبی مرد وہاں سے چلے

جائیں تو بہتر ہے۔ وفی الملتقط انه یقرء عنده یٰسٓ و یحضر الطیب ویخرج من عنده الحائض والنفساء والجنب (جامع الرموز ص ۱۵۶)

فقط واللہ اعلم،

محمدؐ انور غفرلہٗ

موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں تاخیر نہ کیجائے

مرنے کے بعد میت کو کتنی دیر تک رکھ سکتے ہیں؟

الجواب موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں دیر کرنا صحیح نہیں فوراً ان کاموں میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔ بہت مجبوری میں کچھ معمولی دیر ہو جائے تو ضرورت کی حد تک گنجائش ہے۔

قوله ویسرع فی جهازه لما رواه ابو داؤد عنه صلی الله علیه وسلم لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما ارٰی طلحة الا قد حدث فیه الموت فاذا مات فاذنونی حتی اصلی علیه وعجلوا به فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله اه والصارف عن وجوب التعجیل الاحتیاط للروح الشریفة فانه یحتمل الاغماء وقد قال الاطباء ان کثیرین ممن یموتون بالسکتة ظاهراً یدفنون احیاء لانه یعسر ادراک الموت الحقیقی بها الا علی افاضل الاطباء فیتعین التاخیر فیها الی ظهور الیقین بنحو التغیر اه اد وفی الجوهرة وان مات فجأة ترک حتی یتیقن بموته اه (شامی ۵۹۹/ج۱)

ولنعم ما قیل ویستحب تعجیل خمسة اشیاء جمعت فی هذه الابیات۔

وخمسة قد روٰی تعجیلها حسنا

وفی سواها تأنٍّ واسع المهل

تز و یح کفن ﷲ و میت هاک ثالثها

دفع الدیون وتب لِلّٰہِ من زلل

والخامس الضیف اذ یاتیک فی منزل

فقم لہٗ بحثیث الجد واحتفل

(طحطاوی ص۳۱) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

مفتی خیر المدارس ۔ ملتان ۱۹ / ۷ / ۱۴۰۲

قریب المرگ کے بارے میں مسنون عمل

جس شخص پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

الجواب: سُنت یہ ہے کہ اُس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر کے لِٹا دیا جائے ۔ بشرطیکہ یہ لِٹانا اس کے لئے تکلیف دہ نہ ہو ۔ اور کلمۂ شہادت کی تلقین کی جائے ۔ اس طرح کہ اس کے بھائی اور دوست احباب وغیرہ اُونچی آواز سے پڑھیں، مگر اس کو پڑھنے پر مجبور نہ کریں ۔ خدانخواستہ کہ وہ انکار کر بیٹھے جب وہ ایک دفعہ پڑھ لے تو یہ کافی ہے بار بار پڑھانے کی کوشش نہ کی جائے ۔ کیونکہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا ۔ کیونکہ آخری کلام کلمہ طیبہ ہو ۔ ہاں اگر اس کے بعد کوئی وہ دُنیوی بات کرے ۔ تو پھر دوبارہ پڑھ لینا چاہیئے ۔

سن للمحتضر اَنّ یوجہ الی القبلۃ مضطجعا علی یمینہ وھذا اذا لم یشق علیہ وَالاَّ تُرِکَ علی حالہ وجعل رجلاہ الی القبلۃ ویستثنی منہ المرجوم فانّہ لم یوجہ کما فی الجلابی واختیر فی بلادنا الاستلقاء علی قفاہ لانہ الیسر

لخروج الروح ان الاوّل هو السنة ويلقن اى بفهم الشهادة فيجب على اخوانه و احسد قائدان يقولوا عنده كلمة الشهادة ولا يقولوا له قل كيلا يابى عنه كما فى شرح الطحاوى والكرمانى فلو قال تلك الكلمة فيها من كان آخر كلامه لا الٰه الا الله دخل الجنة فاذا قالها مرة كفاه ولا يكثر عليه مالم يتكلم بعده اذا الغرض من التلقين ان يكون آخر كلامه تلك الكلمة كما فى الزاهدى

(جامع الرموز ص۱۸۷) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفز لہ،

جنازہ سے پہلے میت کے مَدیون ہونے کی تحقیق کرنا

بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام میت کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق فرماتے تھے کہ اس پر قرض ہے یا نہیں ؟ اگر پتہ چلتا کہ قرض ہے تو آپ خود نمازِ جنازہ ادا نہ فرماتے بلکہ صحابہ کرام رضؓ کو فرماتے کہ تم پڑھ لو۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اب بھی کسی کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق کر سکتے ہیں کہ اس پر قرض ہے یا نہیں ؟ اگر قرض ثابت ہو تو جنازہ سے اِنکار کر سکتے ہیں ؟

(حافظ بشیر احمد گلی حاکم رائے محلہ سادن خان گجرانوالہ)

الجواب آنحضرت علیہ السلام کے دریافت فرمانے میں جو مصلحت تھی وہ کسی اور کے ذریعہ پُوری نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اب کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ جنازہ سے پہلے یہ تحقیق کرے کہ میّت پر قرض ہے یا نہیں۔ نیز آنحضرت علیہ السلام کا یہ تحقیق فرمانا بھی فتوحات سے پہلے کا عمل ہے بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دیدی تو آپ مقروض کا جنازہ بھی پڑھا دیتے اور قرض اپنے پاس سے ادا فرما دیتے اسی سلسلہ میں آپ نے اِرشاد فرمایا: من ترک مالاً فلورثته ومن ترک کلاًّ فالینا اھ

(بخاری ص۳۲۳ ج۱) ۔ بخاری شریف میں اسی حدیث کے حاشیہ پر ہے :

قلت الدین مِنْ کلِّ ما یتکلف و مطابقۃ للترجمۃ من حیث ان ھذا الحدیث روی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ من وجوہٍ منھا ما مر فی آخر کتاب الکفالۃ فی باب الدین و فیہ من جملۃ الالفاظ من ترک دیناً فعلیّ قضائہ ویجئی فی الفرائض وفی سورۃ الاحزاب قال ابن بطال ھذا ناسخ لترکہ الصلوۃ علی من مات وعلیہ دین قلت ذلک لانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یصلی علیہ قبل فتح الفتوحات فلما فتح اللہ تعالیٰ منھا ما فتح صار صلی اللہ علیہ یصلی علیہ فصار فعلہ ھٰذا ناسخاً لفعلہ الاول کما قالہ ابن بطال (حاشیۃ ص۳۲۳ ج۱)

فقط واللہ اعلم ،

۱۱ / ۳ / ۱۴۰۹ھ   محمد انور عفا اللہ عنہ

زانی ، چور اور سُود خور کی نماز جنازہ جائز ہے

زانی اور چور اگر موقع پر قتل کردیئے گئے ہوں یا اپنی موت مر جائیں تو اس صورت میں ان کا نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں نیز کیا سُود خور اور ناجائز منافع خور اور حقوق العباد کھانیوالے شخص کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ فتویٰ دے کر عنداللہ ماجور ہوں ۔ والسلام ، ماسٹر عبدالرشید خان لغاری بستی اللہ بخش

الجواب مذکورہ لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی ۔ اور ان کو غسل بھی دیا جائے گا ــــ البتہ مقتدا اور بڑے علماء حضرات برائے حصولِ عبرت نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کریں ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ،   بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار غفرلہٗ   جامعہ خیر المدارس ۔ ملتان ۴ / ۲ / ۱۴۱۱ھ

باپ کے قاتل کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

زید کا زمین کے انتقال پر باپ سے جھگڑا ہو گیا دونوں باپ بیٹا طیش میں آگئے زید اندر سے ریوالور لایا اور باپ کو گولی مار دی جس پر زید کے دُوسرے بھائیوں نے اُسے اِتنا مارا کہ زید بھی مَر گیا تو کیا زید کا جنازہ پڑھا جائے یا نہ ؟

الجواب باپ کو قتل کرنا شدید ترین کبیرہ ہے ایسے شخص کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

ولا یصلی علی قاتل احد ابویہ عمدًا ظُلمًا اِھانۃً له اھ (مراقی)

قولہ عمداً أخرج بمفھومہ الخطاء فانہ یغسل ویصلی علیہ وقولہ ظلماً اخرج بہ من قتل اباہ الحربی اوالباغی

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم واستغفر اللہ العظیم۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

باہر سے کسی امام کو بُلا کر جنازہ پڑھوانا

ہمارے دیہات کے ایک محلہ میں رواج ہے کہ محلہ کے امام سے جنازہ نہیں پڑھواتے بلکہ باہر دُور سے ایک مولوی صاحب کو بُلاتے ہیں وہ آکر جنازہ پڑھاتے ہیں کیا یہ دُرست ہے ؟

الجواب محلہ کے امام کی تقدیم بشرط افضلیت صرف مستحب ہے درمختار میں ہے وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولی۔

نیز ہدایہ سے نقل کیا ہے امام مسجد الجامع اولی من امام الحی اھ

الجواب صحیح ، ۱۲/۵/۱۴۰۲ھ فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبدالستار غفرلہٗ بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ

میت کو مزار کے سامنے رکھ کر جنازہ پڑھنے کا حکم

اگر نمازِ جنازہ مزار کے سامنے رکھ کر اس نیت سے ادا کی جائے کہ میت کی بخشش ہو جائے گی جبکہ وہ جائے نمازِ جنازہ بھی ناپاک ہو ۔

الجواب: جنازہ کو بہ نیتِ بخشش مزار کے سامنے رکھ کر پڑھنا ثابت نہیں نیز ناپاک جگہ پر کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے ۔

کما فی الدر المختار طہارۃ مکانہ ای موضع قدمیہ او احدھما ان رفع الاخری (ص۲۷ ج۱) فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور مفتی خیر المدارس

۶ / ۴ / ۱۴۰۷

مقروض کا جنازہ پڑھنے کا حکم

جس شخص نے قرض دینا ہو اور مر جائے اس کا جنازہ پڑھایا جا سکتا ہے ۔ جبکہ اس قرض کی ادائیگی کا کوئی ذمہ بھی نہ لے ، یا نہیں ؟

الجواب: ایسی میت کا بھی جنازہ پڑھا جائے ۔ (کبیری ص۵۴۳)
وکذا فی الشامیۃ ص۵۸۴ ج ۱ ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمد انور غفرلہٗ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۷ صفر ۱۴۰۴ھ مفتی خیر المدارس ملتان

فرائض کے وقت جنازہ آجائے تو کب پڑھا جائے ؟

۱۔ صلوات خمسہ کے وقت میں جنازہ آجائے تو کس کو مقدم کیا جائے ۔؟
۲۔ ایسے ہی عیدین کی نماز کے وقت جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے؟
(امام بخش، مدرسہ سعیدیہ ۔ بھکر)

الجواب بحر میں حلبی سے منقول ہے کہ جنازہ سُنتوں اور فرضوں کے بعد ادا کیا جا سکتا ہے ۔ لکن فی البحر عن الحلبی الفتوی علی تاخیر الجنازة عن السنة اھ (شامی ص۶۲۵ ج ۱)

۲۔ درمختار میں ہے کہ عیدین کی نماز جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں ۔ وتقدم صلوتها علی صلوة الجنازة اھ ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ

شارع عام پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

مسجد کے سامنے ایک بڑی سڑک ہے ۔ جو شارع عام ہے اور ہر چیز وہاں پھرتی رہتی ہے اور نالیوں اور گلیوں کا پانی بھی وہاں کبھی کبھی پھرتا رہتا ہے ۔ ایسی جگہ بغیر صف بچھائے ننگی زمین پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں ؟ محمد شفیق صاحب

الجواب اگر زمین خشک ہو اور نجاست کا رنگ اور بُو بھی محسوس نہ ہو تو نمازِ جنازہ دُرست ہے ۔ کیونکہ زمین نجس خشک ہونے اور نجاست کا رنگ اور بُو ختم ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے ۔ ویسے جو شرطیں صحتِ صلوٰۃ کے لئے ہیں ۔ وہ سب نمازِ جنازہ کے لئے بھی ضروری ہیں ۔ لما فی الهداية و ان اصابت الارض نجاسة فجفت بالشمس و ذهب اثرها جازت الصلوٰة علی مكانها (ص۷۱ ج ۱) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، عبدالستار عفا اللہ عنہ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

جس کو درود و دُعا وغیرہ نہ آتی ہو وہ نمازِ جنازہ میں شریک ہو یا نہ؟

اگر آدمی کو جنازہ نہ آتا ہو تو وہ جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب جنازہ سیکھنے کی کوشش کرے ، نہ آنے تک تکبیر کہہ کر ساتھ شریک ہو جائے اور امام کے مطابق تکبیرات کہتا رہے ۔ علہ

کذا فی فتاوی دار العلوم ص۳۴۲ ج۵ نقلاً عن الشامیۃ ص۸۱۳ ج۱

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفرلہٗ ۱۷ فقط واللہ اعلم

رئیس الافتاء ۴/۴/۱۴ھ محمد انور مفتی خیرالمدارس

علہ وان کنہا شیآن (التکبیرات الاربع) فالاولی رکن ایضاً لا شرط فلذا لم یجز بناء اخری علیھا (والقیام) فلم تجز قاعداً بلا عذرٍ و سننھا ثلاثہ (التحمید والثناء والدعاء فیھا) (درمختار علی الشامیۃ ص۸۱۳ ج۱)

امام محلہ ولی سے مقدم ہے:

کیا نمازِ جنازہ کے لئے اجازت لینا ضروری ہے ؟ اگر امام مسجد بغیر اجازت کے نمازِ جنازہ پڑھائے تو نمازِ جنازہ ہو جائے گی ؟ ۔ نمازِ جنازہ کے لئے اجازت کس سے لی جائے ۔ وضاحت فرمائیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں امام محلہ صالح اور متقی ہو اور میت زندگی میں اس کو اقتدار کے لئے پسند کرتا ہو تو ولی سے مقدم ہے ۔ اسے رسمی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ۔ ورنہ ولی حقدار ہے ۔ وہ خود پڑھائے یا کسی سے پڑھا دے ، شامی میں ہے ۔

وھو امام المسجد الخاص بالمحلۃ وانما کان اولی لان المیت رضی بالصلوٰۃ خلفہ فی حال حیاتہ فینبغی ان یصلی علیہ بعد وفاتہ ۔ (ص۵۹۰ ج۱)

ہندیہ میں ہے ۔ اولی الناس بالصلوٰۃ علیہ السلطان

ان حضر فان لم یحضر فالقاضی ثم امام الحی ثم الولی هکذا اکثر المتون (ص۱۶۳ ج۱) درمختار مع ردالمحتار میں ہے۔ و تقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولیٰ کما فی المجتبیٰ (ص۵۹۰ ج۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ میں چوتھی تکبیر رہ جائے تو جنازہ نہیں ہوا

ایک مشہور عالم شخصیت کے انتقال پر ایک بزرگ شخصیت نے ان کا جنازہ پڑھایا تو غلبۂ رقت کی وجہ سے تیسری تکبیر کے بعد مختلف دعاؤں کے بعد سلام پھیر دیا چوتھی تکبیر نہیں کہی گئی کیا جنازہ درست ہو گیا؟

الجواب نمازِ جنازہ میں بجز پہلی تکبیر[۱] کے باقی تکبیریں رکن ہیں ایک تکبیر بھی رہ جائے تو جنازہ نہیں ہوتا ایسی صورت میں چاہیئے یہ تھا کہ ایک تکبیر اور کہہ کر دوبارہ سلام پھیر دیتے تاکہ جنازہ مکمل ہو جاتا۔

وصلوٰۃ الجنازۃ اربع تکبیرات ولو ترک واحدۃً منها لم تجز صلوته هکذا فی الکافی (الیٰ قوله) ولو سلم الامام بعد الثالثة ناسیاً کبر الرابعة ویسلم کذا فی التاتارخانیة اھ (عالمگیری ص۸۴ ج۱)

[۱] فهی شرط من وجه ورکن من وجه اھ (شامی ص۶۴۲ ج۱)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

"ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ"
سے مراد اکیلے دعا کرنا ہے نا کہ اجتماعی دعا معروفہ

نماز جنازہ کے بعد وہیں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر قبل از دفن ھیئت اجتماعی سے دعا کرنا واجب، سنت یا مستحب ہے؟ نیز کتب فقہ حنفی (درسی و فتاویٰ) میں اسکی کیا حیثیت ہے؟ اگر اسکی شرعی حیثیت کچھ نہیں تو اس کو شعار اہل سنت اور سنت نبویؐ قرار دینا اور اس کے تارک کو ملامت شدیدہ سے پریشان کرنا کیسا ہے۔؟ اگر کوئی شخص اس کو سنت نبوی اور شعار اہل سنت تصور کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلائیں اگر ایک شخص اس کو فرض واجب سنت اور مستحب تو نہیں کہتا بلکہ ممنوع کہتے ہوئے بھی اس بارہ میں نرمی کرتا ہے اس کا موقف از روئے شرع کیسا ہے؟ السائل قاری محمد طلحہ، سمیجہ آباد ملتان

الجواب نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعا مانگنا جائز ہے فرض یا واجب نہیں، حدیث شریف میں ہے۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر آئے تو جنازہ ہو چکا تھا آپ نے فرمایا: ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ
البتہ تارک کو ملامت نہیں کرنی چاہیئے، البتہ جو شخص اس کو بدعت یا خلاف شرع کہتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مفتی غلام مصطفےٰ رضوی ۱۳ / ۸ / ۸۸ء

الجواب انوار العلوم کا جواب صحیح نہیں۔ دونوں حدیثوں کا غلط مطلب بیان کیا گیا ہے۔ ان احادیث کا ہرگز یہ مطلب مفہوم نہیں، اسی لئے حضرات فقہاء نے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس سے منع کیا ہے۔ بحرالرائق میں ہے۔ وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعد التسلیم کذا فی الخلاصة

مزید لکھتے ہیں : واشار بقوله وتسليمتين بعد الرابعة الى انه لا شئ بعدها غيرهما وهو ظاهر المذهب (ص۱۹۷ ج ۲)

حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے ، : لا يدعو للميت بعد صلوٰة الجنازة لانه يشبه الزيادة في صلوٰة الجنازة اھ (ص۱۴۷)

اگر حدیث کا وہی مطلب ہوتا جو انوار العلوم کے فتویٰ میں بیان کیا گیا ہے تو یہ دعا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوتی کیونکہ فاخلصوا له الدعاء امر کا صیغہ ہے، نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حکم کے مقابلے میں اس دعا کو منع کیسے فرما سکتے تھے ؟ اور عبد اللہ بن سلام کی حدیث (جو فتویٰ میں دوسرے نمبر پر مذکور ہے) اس کا مطلب مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی نے یہ لکھا ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے فرمایا کہ اگر نماز میرے آنے سے پہلے ہو چکی ہے تو دُعا کا بند نشر نہیں میں اکیلے دُعا کر لوں گا ۔ (رسالہ النهی الحاجز عن تكرار صلوٰة الجنائز لاحمد رضا خان صاحب بحواله بینات شوال ۱۳۸۸ھ ص۳۸) تو اس حدیث میں اکیلے دعا کرنے کی بات ہے ۔ اِس سے اجتماعی دُعا ثابت نہیں ہوتی ۔ بہرحال انوار العلوم کا فتوی دُرست نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۹ / ۱۲ / ۱۳۸۰ ھ

نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کا حدیث سے ثبوت

امسال زیارتِ حرمین کا شرف حاصل ہوا وہاں نمازِ جنازہ حرم میں پڑھی جاتی ہے، جیسے کہ آپ کو معلوم ہوگا وہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ نمازِ جنازہ کا سلام صرف ایک طرف پھیرتے ہیں۔ ہم ایک طرف سلام کے بعد منتظر رہے کہ دوسری طرف بھی سلام پھیریں گے کہ لوگ جنازہ اُٹھا کر چل دیئے اس میں احناف کا جو مذہب ہو تحریر فرمادیں۔ (عتیق الرحمان نظام پورہ۔ بہاول نگر)

الجواب احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیئے اور یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

واما التسليم فمذهب ابی حنيفة انه يسلم تسليمتين واستدل له بحديث عبد الله بن ابی اوفى انه يسلم عن يمينه وشماله فلما انصرف قال لا ازيدكم على ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع او هكذا يصنع رواه البيهقی وقال الحاكم حديث صحيح وفی المصنف بسندٍ جيدٍ عن جابر بن زيد والشعبی وابراهيم النخعی انهم كانوا يسلمون تسليمتين وفی المعرفة روينا عن ابن مسعودٍ انه قال ثلاث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعلهن وتركهن الناس احداهن التسليم على الجنازة مثل التسليمتين فی الصلوٰة اھ (اوجز المسالك ص۲۲۱ ج۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جو چوتھی تکبیر کے بعد شریک ہو وہ بھی شریک سمجھا جائیگا

اگر ایک شخص جنازہ میں ایسے وقت پہنچا کہ امام چاروں تکبیریں کہہ چکا تھا۔ مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تھا کہ یہ تکبیر کہہ کر شامل ہوگیا۔ تو اس نے جنازہ پالیا یا نہیں؟

الجواب امام ابو یوسف رح کے قول کے مطابق مذکورہ شخص شریکِ جنازہ سمجھا جائے گا اور یہی مفتیٰ بہ ہے یہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد تین تکبیریں جلدی جلدی کہہ لے۔ وعن ابی یوسف یکبر فاذا سلم الامام قضی ثلاث تکبیرات وذکر فی المحیط ان علیہ الفتوی اھ قلت وذکر ایضاً فی الهندیة عن المضمرات انہ الاصح وعلیہ الفتوی شامی ص۸۲۱ ج۱

فقط واللہ اعلم،

۱۸ / ۱۱ / ۱۴۰۴ھ بندہ محمدؐ انور عفا اللہ عنہ

اونچی آواز سے نیت کرنا:

آجکل جنازہ کی نماز میں امام اونچی آواز سے نیت کرکے ہاتھ باندھ لیتا ہے تاکہ دوسروں کو یاد ہو جائے کیا یہ درست ہے؟

الجواب بلند آواز سے نیت کرنا کہیں منقول نہیں۔ اسے رواج نہ دیا جائے ضرورت محسوس ہو تو پہلے سمجھا دینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم،

۲ / ۴ / ۱۴۰۱ بندہ محمد انور غفرلہ،

غالی بدعتی کی اقتداء میں جنازہ

بدعتی کے پیچھے جنازہ کی نماز کی اقتداء کرنا کیسا ہے اگر لوگوں کے ساتھ مل کر کھڑا ہو جائے اور اقتداء کی نیت نہ کرے علیحدہ ہونے کی طرح نماز پڑھ لے یا اس

جنازہ میں شرکت ہی نہ کرے ؟

الجواب بدعتی غالی نہ ہو تو اسکی اقتدا میں جنازہ پڑھ لے مگر اُنکی کسی بدعت میں شریک نہ ہو۔ بدعتی غالی ہو تو میت کے لئے جہاں ہے وہیں سے مخلصانہ دُعا کر دے۔ فقط واللہ اعلم ؛

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ؛ ۱۴۰۱/۲/۷

الجواب صحیح ؛ عبدالستار عفا اللہ عنہ ؛

جنازہ لیکر دس دس قدم چلنا ثابت ہے یا نہیں ؟

جنازہ لے کر جو چالیس قدم ، دس دس قدم لوگ گنتے ہیں یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب یہ حدیث درمختار میں نقل کی ہے۔ من حمل جنازة اربعین خطوة "کفرت عنه اربعین کبیرة" اور شامی نے اس حدیث کو زیلعی سے نقل کیا ہے۔ اور بحر میں بدائع سے منقول ہے اور شرح منیہ میں ہے کہ اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے پس اگر ضعیف بھی ہے تو عمل درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۷۸ ؛ ج ۵ ؛) فقط واللہ اعلم ؛

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

جنازہ کے وضو سے فرض ادا کرنا :

جنازہ کے لئے کئے گئے وضو سے فرض ادا کئے جا سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب فرض ادا کئے جا سکتے ہیں ، لانّ الوضوء طهارة

مطلقة ۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہٗ ۲۲ / ۱۰ / ۹۸ جو

مغرب سے چند منٹ پہلے جنازہ پڑھنے کا حکم

ایک مولوی نے نمازِ جنازہ نمازِ مغرب سے پانچ چھ منٹ پہلے ادا کی۔کیا وہ نمازِ جنازہ جائز ہے۔جس نے نمازِ جنازہ پڑھائی ہے۔کیا وہ قابلِ امامت ہے۔؟

الجواب اگر جنازہ آیا ہی اس وقت میں ہے تو یہ نماز درست ہوگئی ۔ اور امام مذکور کی امامت میں کوئی حرج نہیں اور اگر جنازہ پہلے کا آیا تھا مگر پڑھا عین غروب کے وقت تو یہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہوئی ۔ وکرہ صلوۃ ولو علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسھو مع شروق واستواء وغروب اھ (شامی ص ۳۷۲ ج ۱) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور غفرلہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

جنازہ کی چارپائی کو بھی خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے

کتبِ فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ جنازہ کی چارپائی کو بھی خوشبو لگائی جائے جبکہ ہمارے ہاں یہ معمول نہیں ہے کیا یہ مستحب متروک ہوگیا ہے ؟

الجواب میت کی چارپائی کو بھی وتراً خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے اسے بھی معمول بنایا جائے ۔

فیجمر السریر والکفن وقد ترک الناس التجمیر علی الجنازۃ فی دیارنا وبقی التجمیر مقصوراً علی الکفن اھ (البنایۃ ص ۲۷۷ ج ۱) فقط واللہ اعلم

۳ / ۲ / ۱۴۰۹ جو محمد انور عفا اللہ عنہٗ

میت کے تمام احکام میں مُراہق بالغ کے حکم میں ہے

بارہ ۱۲ تیرہ ۱۳ سال کا اگر لڑکا یا لڑکی مرجائے تو اُس کا حکم بالغ کا ہے یا نابالغ کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب اتنی عمر کا لڑکا اور لڑکی بالغ کے حکم میں ہے ۔ (قولہ والمراھق کالبالغ) ای الذکر کالذکر والانثی کالانثی قال فی البدائع لان المراھق فی حیاتہ یخرج فیما یخرج فیہ البالغ عادۃ فکذا یکفن فیما یکفن فیہ اھ (شامی ص ۶۳۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کس حد تک تیز لیکر چلا جائے

عام مشہور ہے کہ جنازہ تیز تیز لیکر چلا جائے اس تیزی کی حد بیان فرمائیں کہ کس قدر تیز چلا جائے ؟ سائل : رب نواز سے عطر فروش مین بازار ۔ میاں چنوں

الجواب اس قدر تیز چلا جائے کہ میت چارپائی پہ اِدھر اُدھر نہ ہو ۔ والاولی ما فی البحر حیث قال وحد الاسراع المسنون بحیث لا یضطرب المیت علی الجنازۃ (طحطاوی علی المراقی ص ۳۳۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

جنازہ مغرب کی سُنتوں سے مؤخر اور نوافل سے مقدم کیا جائے

قبل از نماز مغرب جنازہ حاضر ہو تو مطابق قاعدۂ شرعیہ کے بعد ادائیگی نماز

مغرب کے سُنت و نوافل سے قبل نماز جنازہ ادا کریں گے یا بعد سُنت و نوافل کے نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی ؟

الجواب مفتی بہ قول یہ ہے کہ سُنّت مغرب کو نماز جنازہ سے پہلے پڑھ لیا جائے ۔ اور بعد میں نماز جنازہ ادا کیا جائے ۔ البتہ نوافل سے جنازہ کو پہلے ادا کیا جائے ۔ کما فی الدّر علی الشامیۃ صـ ۵۸۰/۱ وتقدم صلوٰۃ الجنازۃ علی الخطبۃ الیٰ قولہ ولکن فی البحر من الحلبی الفتویٰ علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ اقرہ المصنف کانہ الحاق لہا بالسنۃ ۔

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحٰق غفرلہٗ ۶/۷/۱۳۷۷ھ

عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ ۷/۷/۱۳۷۷ھ

سود کو حلال کہنے والے کا جنازہ: ایک شخص سُود کو حلال کہتا ہے اُس کی نمازِ جنازہ ادا کریں یا نہ کریں شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب یہ شخص کافر ہے اسکی نماز جنازہ اُدا نہ کی جائے ۔

فقط ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ

بغیر جنازہ پڑھی گئی لاش پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو تو نکال کر جنازہ پڑھا جائے

کمیٹی والوں نے ایک لاوارث لاش کو عیسائیوں سے قبر کھُدوا کر اس کے اندر رکھ دیا ، ابھی مٹی نہیں ڈالی تھی کہ پتہ چلا کہ انہوں نے جنازہ نہیں پڑھوایا تو اب کیا کرنا چاہیئے تھا آیا قبر میں پڑے پڑے کا جنازہ پڑھا جائے یا باہر نکالا جائے ؟

الجواب مٹی ڈالنے سے پہلے علم ہو جائے تو نکال کر جنازہ پڑھا جاوے ——— (قوله واهيل عليه التراب) فان لم يهل اخرج وصلى عليه كما قدمناه عن البحر شامیہ ص۸۲۶ ج۱ ۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،
جامعہ خیر المدارس ۔ ملتان

صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر جنازہ پڑھنا

ایک مسلمان قتل ہو گیا ۔ ایک ماہ بعد اسکی نعش اس حالت میں ملی کہ جنگلی جانور اس کا گوشت پوست کھا گئے تھے ۔صرف ہڈیاں بعد میں ملی ہیں ۔اور یہ ہڈیاں واقعی اسی کی ہیں اس کے جوتوں اور شناختی کارڈ سے پہچان کر لی ہے ۔ کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ یہ جو کتب فقہ میں ہے کہ بغیر جنازہ دفن ہوئے مسلمان پر گلنے سڑنے سے پہلے جنازہ پڑھا جاسکتا ہے بعد میں نہیں ۔کیا ان ہڈیوں کا بھی یہی حکم ہے وضاحت فرمائیں!

الجواب صورتِ مسئولہ میں صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر نمازِ جنازہ جائز نہیں ۔ مراقی میں ہے کہ ویصلی علیہ مالم یتفسخ۔ اسکی تشریح علامہ طحطاوی نے یہ کی ہے ۔ای تتفرق اعضاؤہ فان تفسخ لا یصلی مطلقاً لانها شرعت على البدن ولا وجود له مع التفسخ ص۳۲۵ اس سے معلوم ہوا کہ پھٹنے کے بعد جنازہ جائز نہیں پھولنے پھٹنے کا عمل گوشت میں ظاہر ہوتا ہے ۔ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی ہوتا ہے ۔ نیز لانها شرعت على البدن یہ تعلیل بھی صادق آتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،
۱۱ / ۴ / ۱۴۱۱ ھ

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

شیعہ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں

اہلِ سنت کیسے شیعہ کا جنازہ پڑھیں جو علانیہ شیعہ ہو ۲۔ اہلِ سنت کا امام اہلِ شیعہ کا جنازہ پڑھتا ہے اور شیعہ اس کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ بعد ازاں اہل سنت کا امام شیعہ امام کی اقتدار میں نمازِ جنازہ ادا کرتا ہے۔ کیا ایسا امام جو اہلِ سنت کا عقیدہ رکھتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر اس کے عقائد کفر تک پہنچے ہوتے ہوں تو اسکا نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں، اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو تب بھی اس کے مبتدع ہونے میں کلام نہیں اور مبتدعین کے جنازہ میں دینی مقتدا کا شامل ہونا بھی زجراً و توبیخاً درست نہیں۔ کما فی الحدیث .... مشکوٰۃ ص۲۴ پس امام مذکور کے لئے استغفار لازم ہے تائب ہونے کی صورت میں اسکی امامت درست ہے۔

الجواب صحیح، عبدالستار نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ۱۸ / ۱ / ۱۳۸۸

نامحرم عورت کی میت کو کندھا دینا درست ہے

عورت کا جنازہ غیر محرم مرد قبرستان کی طرف لے جاتے وقت اُٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس میں امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک کیا اختلاف ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ناجائز اور امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے کیا یہ صحیح ہے ۔؟

الجواب ۱۔ عورت نامحرم کے جنازہ کو کندھا دینا بھی مستحب ہے اور ثواب ہے، اور چاروں پاؤں کو اُٹھانا مستحب ہے۔ ہر ایک پائے کو دس دس قدم اُٹھانا بہتر ہے ورنہ جیسے میسر ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نامحرم عورت کے جنازہ کو نہ اُٹھانا، کہیں نظر سے نہیں گذرا (فتاویٰ دارالعلوم ج۵ ص۲۸۲)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ

نمازِ جنازہ کی لوگوں کو اطلاع دینا

نمازِ جنازہ کا آبادی ، بازار وغیرہ میں اعلان کرنا کیسا ہے ؟

الجواب حامداً ومصلیاً جاہلیّت کے طریقہ پر اور مروّجہ طریق پر رکشوں پر سپیکر لگا کر تمام شہر اور گلی کوچوں میں اعلان کرنا پسندیدہ نہیں، ہاں بلا تکلف جن جن حضرات اور عزیز واقارب کو اطلاع ہو سکے اسمیں مضائقہ نہیں کیونکہ اتباع جنائز بھی مسلم میّت کے حقوق میں سے ہے اور یہ اطلاع ہی پر موقوف ہے۔

ویکرہ النداء فی الاسواق والمحلات لان ذالک تشبہ باھل الجاھلیۃ کذا ذکر الفقیہ ابو اللیث ۔ قال صاحب الاختیار والاصح انہ لایکرہ لان فیہ اعلام الناس فیئودون حقہ وفیہ تکثیر المصلین والمستغفرین لہ اھ (تبیین الحقائق ج۱ ص۲۳۵)

فقط واللہ اعلم محمد انور غفرلہ ۱۳ / ۹ / ۱۴۱۱ ھج

کیا جنّات سے بھی حساب وکتاب ہوگا ؟

قیامت کے روز جنّات سے حساب وکتاب ہوگا یا نہیں اور دوزخ ، جنّت میں ان کا داخلہ ہوگا یا نہیں ؟

الجواب حامداً ومصلیاً جنّات سے حساب وکتاب اور اس کے بعد اسپر ثواب وعتاب متعدد احادیث میں وارد ہے ۔ بعض نے دخولِ جنّت کا بھی لکھا ہے ۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ان کو عذاب سے بچاؤ ہی ان کے لئے جنّت ہے ۔ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھیں حیاۃ الحیوان جلد اوّل ——— فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفی عنہ ، ۱۳/۷/۱۴۰۰ ھج

تعزیت کے لئے دَریاں بچھا کر بیٹھنا

ہمارے ہاں یہ رِواج ہے کہ جب کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اہلِ میّت اپنے مکان کے دروازہ پر چٹائی وغیرہ بچھا دیتے ہیں جہاں پر لوگ تعزیت کے لئے آکر بیٹھ جاتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے۔؟

الجواب تدفین کے بعد مستقل تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے اور رسم جاہلیت ہے۔ ہرگز ایسا نہ کیا جائے جو اتفاقاً جہاں ملے وقت کے اندر اندر تعزیت کرلے۔

ویکرہ التعزیت عند القبر وعند باب الدار (در مختار) (قولہٗ وعند باب الدار) وفی الظھیریۃ ویکرہ الجلوس علی باب الدار للتعزیۃ لانہٗ عمل اھل الجاھلیۃ وقد نھی عنہٗ۔ ومایصنع فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطریق من اقبح القبائح اھ (شامی ص ۸۴۲/ج۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہٗ

جنازہ لیجاتے وقت سر آگے رکھیں

: جنازہ قبرستان لیجاتے وقت سُنّت کے موافق سر آگے ہونا چاہیئے مگر عوام اس کے برعکس کرتے ہیں کہ پیر آگے اور سر پیچھے جس سے مونڈھا دیتے وقت بھی سُنّت کی موافقت نہیں ہوتی اور ویسے بھی بُرا معلوم ہوتا ہے مگر وہ اس لیئے کہ پیر میّت کے قبلہ کی طرف ہوتے ہیں ۔ مطلع فرمائیں ایسا کرنا چاہیئے یا نہیں، قبرستان بستی سے جانب مشرق ہے۔

الجواب وفی العالمگیریۃ ص ۸۳/ج۱ وفی حالۃ المشی بالجنازۃ یقدم الراس۔ روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو قبرستان

کی طرف لیجاتے وقت سر آگے کی طرف ہونا چاہیئے اگرچہ قبرستان مشرق ہی کی طرف ہو عوام کی باتوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ نائب مفتی خیر المدارس ۔ملتان
مفتی خیر المدارس ۔ملتان ۲۵ $\frac{۲}{۱۳۸۴}$ ھ

جس میت کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس کے جنازہ کا حکم

ایک عورت کی لاش ملی ہے مگر پتہ نہیں چلتا کہ مسلمہ کی ہے یا غیر مسلمہ کی کیا اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ عورت کی نمازِ جنازہ پڑھی جاوے ۔ ولو وجد میت اوقتیل فی دار الاسلام الصحیح انہ یغسل و یدفن فی مقابر المسلمین لحصول غلبة الظن بکونہ مسلماً بدلالة المکان وھی دار الاسلام وفیہ وھل یعمل بدلیل المکان وحدہ الصحیح انہ یعمل بہ لحصول غلبة الظن اھ بدائع (ص $\frac{۳۰۴}{ج۱}$) ،

الجواب صحیح ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ
محمد صدیق مدرس خیر المدارس ملتان ۱۹ / ۹ / ۹۶ ھ

جماعت میں دیر ہو تو نمازِ جنازہ کو مؤخر نہ کیا جائے

زید کہتا ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جائے ۔ چاہے جماعت کا وقت ایک آدھ گھنٹہ بعد ہو تو اب اگر ایک جنازہ آجائے تو پہلے فرض نماز پڑھی جائے ۔ پھر جنازہ پڑھا جائے کیا زید کی بات صحیح ہے ؟

۲۔ عصر کی نماز کے بعد نمازِ جنازہ دُرست ہے۔
۳۔ عصر کی نماز سے پہلے بھی نمازِ جنازہ پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب ۱، ۳۔ زید کی بات دُرست نہیں تقدیم فرض علی الجنازۃ کا حکم ہر صورت میں نہیں۔ ہاں اگر جماعت تیار ہو تو پھر فرض وقت کو مقدم کیا جائے اگر جماعت میں اتنی دیر ہو جتنی سوال میں مذکور ہے۔ تو جنازہ ہی پہلے پڑھا جائے

وینبغی تقدیم الجنازۃ والکسوف حتی علی الفرض ما لم یضق وقتہ اھ (شامی ص ۲۷۵ ج ۱) وکذا فی فتاویٰ دار العلوم ص ۳۶۳ ج ۵)

۲، ۳ دُرست ہے۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کبھی نماز نہ پڑھنے والا جنازہ پڑھا سکتا ہے

تارک نمازِ پنج گانہ اگر نمازِ جنازہ پڑھائے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

الجواب نمازِ جنازہ ادا ہو جائے گی لیکن ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز ہے۔ وتکرہ امامۃ الفاسق۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۴/۵/۱۳۸۴ھ
عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کُل شرکاءِ جنازہ سات ہوں تو بھی طاق صفیں بنانا اولیٰ ہے

اگر جنازہ میں صرف چند آدمی ہوں تو بھی طاق صفیں بنائی جائیں یا ایک ہی صف بنائی جائے؟

الجواب وتر صفیں بنانا اولیٰ ہے حتیٰ کہ اگر کل سات آدمی ہوں تو بھی تین

صفیں بنانا اولیٰ ہے۔ اس طرح کہ ایک امام بن جائے۔ اس کے پیچھے پہلی صف تین آدمیوں کی ہو دوسری دو کی اور تیسری ایک کی۔

ولهذا قال فی المحیط ویستحب ان یصف ثلاثة صفوف حتی لو کانوا سبعة یتقدم احدهم للامامة ویقف ورائه ثلاثة ثم اثنان ثم واحد اھ (شامی ص۸۱۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہٗ

کسی خاص شخص کے بارے میں جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تو اسکا حکم

اگر کوئی یہ وصیت کر جائے کہ میری نمازِ جنازہ فلاں شخص پڑھائے کیا اس وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے؟

الجواب: اس وصیت کا پورا کرنا لازم نہیں۔ ہاں اگر کسی بزرگ شخص کے بارے میں وصیت کی ہو اور آسانی سے اس پر عمل ہو سکتا ہے تو مضائقہ بھی نہیں۔

ولو اوصی ان یصلی علیہ فلان ففی العیون ان الوصیة باطلة وفی نوادر ابن رستم جائزة ویؤمر فلان بالصلوٰة علیه. قال صدر الشهید الفتوی علی الاول اھ (تبیین الحقائق ص۲۳۹ ج ۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

جنازہ کے بارے میں عام مساجد کو حرمین پر قیاس نہ کیا جائے

مسجد میں نمازِ جنازہ سے روکا جائے تو بعض لوگ مسجد حرام کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہاں ہوتا ہے لہذا یہاں بھی جائز ہونا چاہیئے۔ اس اشکال کا مدلل جواب

تحریر فرمائیں؟ کیا مسجدِ حرام پر عام مساجد کو قیاس کرنا درست ہے؟

الجواب: حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وکرامۃً" اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور فقہاءِ کرام نے اس استثناء کی چند وجوہ ذکر فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

واما مسجد الحرام فمستثنیٰ کما صرح بہ ابن الضیاء اذ ھو موضوع للاداء المکتوبات والجمعۃ والعیدین وصلوٰۃ الکسوف والخسوف وصلوٰۃ الجنازۃ والاستسقاء ولعلہ لھذا المعنی جمع فی قولہ تعالیٰ انما یعمر مسٰجد اللہ او لکبرہ او وسعۃ قدرہ اولتعظیم امرہ او للاشتمالہ علی جہات کل جھۃ بمنزلۃ مسجد او لانہ قبلۃ المساجد کلھا اھ (شرح نقایہ ص۱۳۷ ج۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

اُجرت طے کر کے جنازہ پڑھانا

بستی کے مولوی صاحب اتفاقاً نہ تھے، باہر سے ایک مولوی صاحب آئے انہیں جنازہ کا کہا گیا تو انہوں نے کہا میں غریب آدمی ہوں میری کچھ خدمت ضرور کرنا چنانچہ پچاس روپے طے پائے تب انہوں نے جنازہ پڑھایا کیا یہ جنازہ ہوگیا؟

الجواب: نمازِ جنازہ ادا ہوگئی اور نمازیوں سے فرض ساقط ہوگیا مگر اُجرت لینا حرام ہے۔

ولا یجوز اخذ الاجرۃ علی الطاعۃ کالمعصیۃ وفیہ ان اخذ الاجرۃ علی الطاعۃ لا یجوز مطلقاً عند المتقدمین واجازہ المتاخرون علی تعلیم القرآن والاذان والامامۃ للضرورۃ کما بین فی محلہ ومقتضاہ عدم الجواز ھنا وان وجد عندہ لانہ طاعۃ تعین اولاً ولا تختص عدم الجواز

بالواجب نعم الاستیجار علی الواجب غیر جائز اتفاقاً الخ وعبارۃ الفتح ولا یجوز الاستیجار علی غسل المیت ویجوز علی الحمل والدفن واجازہ بعضھم فی الغسل ایضاً شامیہ ص۸۰۴ ج ۱

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

مطلقہ رجعیہ اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے

کیا مطلقہ خاوند کو غسل دے سکتی ہے ؟

الجواب: اصل تو مرد عزیز و اقارب کو غسل دینا چاہیئے لیکن بہرحال اگر رجعیہ ہو اور عدت میں ہو تو غسل دے سکتی ہے ۔

فلو کان طلقہا ثم مات وھی فی العدۃ فان کان الطلاق رجعیا فلھا ان تغسلہ لان الطلاق الرجعی لا یزیل الزوجیۃ وان کان بائنا لا تغسلہ اھ (تبیین الحقائق ص۲۳۵ ج ۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ

مرتد کو کیسے دفن کیا جائے ؟

مرتد جب قتل کر دیا جائے تو اس کو کیسے دفن کیا جائے ؟

الجواب: گڑھا کھود کر کتے کی طرح اس میں پھینک دیا جائے ۔

اذا قتل المرتد یحفر حفیرۃ ویلقی فیہا کالکلب اھ (مجموعۃ الفتاوی ص۲۲۷ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور

مرنے والا وصیّت کر جائے تو تہائی مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے

عورت کا انتقال ہوگیا ہے اس نے کچھ نقد کچھ زیور اور کپڑے چھوڑے ہیں ان کے ذمہ کچھ زکوٰۃ بھی دینی باقی ہے خاوند ان کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرے یا اپنے پاس سے ادا کرے ؟

الجواب اگر متوفاۃ مذکورہ زکوٰۃ دینے کی وصیت کر گئی ہو تو اس کے تہائی مال میں سے ادا کر دی جائے اور اگر وصیّت نہیں کر گئی تو پھر ورثاء پر اسکی طرف سے زکوٰۃ دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کوئی وارث خوشی سے اپنے مال سے اسکی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو بہت بہتر ہے یا سب وارثان رضا مندی کے ساتھ بشرطیکہ سب بالغ ہوں تو اس کے کل ترکہ میں سے قبل از تقسیم ادا کر دیں تو بھی درست ہے۔

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبداللہ غفراللہ لہ ، بندہ اصغر علی غفراللہ لہ ۲۵ / ۱ / ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ

قبر کے کتبہ پر کیا لکھنا چاہیئے :

ہمارے میاں چنوں میں جامع مسجد محمودیہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ جو خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد عبدالقادر رائے پوریؒ ہیں ، کی قبر ہے۔ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی قبر پر ان کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔ اس تختی کے علاوہ اب ایک نمازی نے ان کے سرہانے کی طرف دیوار پر مندرجہ ذیل عبارت لکھوا دی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ، یا اللہ ، یا محمدؐ ، فاذکرونی اذکرکم افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بد اعمال کو رحمت کے قابل ، کیا کہ ہر گھڑی ذکر الٰہی۔ اور بھی اشعار ہیں۔ اس سلسلہ میں نمازیوں نے مولانا کے صاحبزادے کو کہا کہ یہ تو آہستہ آہستہ مزار بن جائے گا اور عورتیں آنے لگیں گی ، چادر چڑھانے لگ جائیں گے۔ آئندہ چل کر پرستش شروع ہو جائے گی۔ مولانا کی وصیت بھی ہے کہ مجھے قبرستان میں دفن کرنے کے بجائے

مسجد میں دفن کرنا کہیں میری قبر بھی شرک کا اڈہ نہ بن جائے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا مضامین اضافہ کرنے کی اجازت ہے یا نہ ؟

الجواب بوقت ضرورت نام اور تاریخ وفات کی اجازت ہے اس سے زائد ممنوع ہے — بزرگان دین کا بھی یہی معمول ہے۔ لہذا اس پر اضافہ نہ کیا جائے۔ وان احتیج الی الکتابۃ حتی لا یذھب الاثر ولا یمتھن فلا بأس بہ فاما الکتابۃ لغیر عذر فلا اھ حتی انہ یکرہ کتابۃ شیٔ علیہ من القرآن او الشعر او اطراء مدح لہ اھ (شامی ص۶۶۲ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

محمد انور ۱۴/ ۷ / ۱۴۰۹ھ

نمازِ جنازہ سراً ادا کی جائے :

نمازِ جنازہ میں دعا جہراً انگنا شرعاً دُرست ہے یا نہیں ؟

الجواب نمازِ جنازہ دعا و ذکر ہے اور اس کے بارے میں اخفاء اولیٰ ہے لہذا جہر نہ کیا جائے۔

ویخافت فی الکل الا فی التکبیر (کنز الدقائق) وفی الذخیرۃ ولا یجھر فی صلوٰۃ الجنازۃ بشیٔ فی الحمد، والثناء وصلوٰۃ النبی لانہ ذکر والاخفاء فی الذکر اولیٰ (تبیین الحقائق ص۲۴۱ ج۱)

فقط واللہ اعلم،
محمد انور غفرلہٗ

نابالغہ بچی جس کا باپ مرزائی مگر والدہ مسلمان ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے

مولوی محمد طیب اور دو آدمی اور موجود تھے کہ چوہدری محمد شریف آیا اور اس نے

کہا مولوی صاحب ایک سال بھر کی لڑکی فوت ہو گئی ہے۔ جس کا والد مرزائی ہے اور والدہ اہلسنّت والجماعت کی ہے آپ کا کیا خیال ہے جنازہ پڑھانے کا۔ مولوی صاحب نے کہا مرزائی جنازہ پڑھائیں گے۔ تو محمدّ شریف نے کہا کہ لڑکی کی والدہ تو اہل سنت والجماعت کی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا بے شک لڑکی کی والدہ سُنی ہے۔ مگر نطفہ کس کا ہے۔ محمد شریف نے کہا کہ نطفہ تو مرزائی کا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مرزائی جنازہ پڑھائیں گے تو محمد شریف چلا گیا۔ دس بارہ منٹ کے بعد محمدّ شریف پھر آگیا۔ اُس نے کہا کہ لڑکی کی والدہ کہتی ہے۔ اگر کوئی صورت ہو تو مولوی صاحب کو کہو کہ جنازہ پڑھا دیں ورنہ ہم بلا جنازہ پڑھائے دفن کر دیں گے۔ اور مرزائی سے جنازہ نہیں پڑھائیں گے۔ پھر مولوی صاحب نے کہا لاؤ میں جنازہ پڑھاؤں گا۔ پھر جنازہ آگیا اور حنفی اور اہل حدیث سب نے مل کر جنازہ پڑھ دیا۔ بعد میں ایک آدمی نے کہا کہ یہ جنازہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے سب کافر ہو گئے اور ان سب کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں۔ کیا یہ آدمی سچا ہے یا جھوٹا ؟

الجواب لڑکی مذکورہ کا جنازہ مسلمانوں ہی کو پڑھانا چاہیئے تھا۔ لہذا جن لوگوں نے لڑکی کی نماز جنازہ پڑھی ہے انہوں نے درست کیا ہے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

حضرت تھانویؒ نہ ہی دُعا بعد الجنازہ کے قائل تھے اور نہ ہی ان کے جنازہ کے بعد دُعا ہوئی ہے

آپ کے مدرسہ کے مدرسین یا متعلقین میں سے کسی بزرگ نے حضرت تھانویؒ کے جنازہ میں یا کبھی ان حضرات کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی ہو تو کیا یہ حضرات بعد از سلام نمازِ جنازہ

دُعا کرتے تھے ؛ جبکہ ایک امام صاحب کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ تو ایسا کرتے تھے حضرت تھانویؒ کے جنازہ پر بھی دُعا ہوئی تھی۔

الجواب یہ بہتان و افترا ہے کہ حضرت تھانویؒ جنازہ کے بعد دعا کرتے تھے یا آپ کے جنازہ کے بعد یہ مروّجہ دعا مانگی گئی۔ حضرت تھانویؒ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنیوالے بہت سے لوگ ابتک زندہ ہیں بلکہ پڑھانیوالے بھی بقیدِ حیات ہیں۔ سب اِسکی تصدیق کریں گے کہ مذکورہ بالا دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔

فقط واللہ اعلم، الجواب صحیح،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ — بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ

۱۱ / ۱۰ / ۹۷ ھ

ایکسیڈنٹ میں فوت شدہ شہیدِ آخرت ہے

زید کسی ایکسیڈنٹ میں اچانک مرگیا تو یہ شہید ہے یا نہیں اگر شہادت میں شامل ہے تو کون سی شہادت ملے گی ایسے شہید کو غسل اور کفن دیا جائے گا۔ اور اسکے امتحان اور عذابِ قبر معاف ہے یا نہیں ؟ ۲۔ زید بِلا قصور مقدمۂ قتل میں ملوث ہوگیا اسکو پھانسی ہوگئی تو مظلومیت کی بناء پر شہید ہے یا نہیں۔ اور شہید والے احکام اس پر مرتّب ہوں گے یا نہیں ؟

الجواب ایکسیڈنٹ کی صورت میں موت واقع ہونے اور مقدمۂ قتل میں بِلا قصور ملوث کو پھانسی ہو جانے سے جو موت واقع ہو جائے دونوں کو بعد الموت غسل دیا جائے گا اور کفن دیا جائے گا۔ اور نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ یہ شہید ہیں مگر احکامِ آخرت کے اعتبار سے نہ کہ احکامِ دنیا کے اعتبار سے۔ کیونکہ جس شہید کے لئے احکامِ دُنیا بدلتے ہیں۔ اسکی تعریف ان پر صادق نہیں آتی وہ تعریف یہ ہے۔

هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلما بجارحة اي بما يوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل مال الخ قوله وكذا لوقتله باغ او حربي او قاطع طريق ولو تسبباً او بغير آلة جارحة او وجد جريحا ميتا في معركتهم كذا في الدر المختار ص ۶۳۶ ج ۱

منکر نکیر کے سوال کے بارے میں ردّ المحتار میں ہے کہ شہید اس سے مستثنیٰ ہے۔

ثم ذكر ان من لا يسأل ثمانية الشهيد والمرابط والمطعون والميت زمن الطاعون ص ۶۳۸ ج ۱ اهـ فقط والله اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کفّار کی فوج میں شریک مسلمان مرجائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟

اگر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ہو اور ہندوستان کی فوج میں کچھ مسلمان بھی موجود ہوں اور وہ اپنے ملک کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے جائیں تو کیا ہم انہیں بھی شہید کہیں گے یا کوئی اور حکم لگائیں گے۔ جبکہ ان مسلمان فوجیوں کو جبراً جنگ میں لایا جاتا ہے اور انکار کی صورت میں جان کا خطرہ ہے۔ آپ سے عرض ہے کہ مسئلہ کا جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

الجواب اگر کافروں کی فوج میں مسلمان ہیں اور ان کو جبراً مسلمانوں کے سامنے لایا جائے تو مسلمان فوج کافروں کو مارنے کی نیّت سے گولی چلائے اور قتال وجہاد کریں ان کی گولی سے اگر کوئی مسلمان مرجائے تو مسلمان فوج نہ تو عنداللہ مجرم ہے اور نہ ہی قتل مسلم کے احکام دنیاوی مرتب ہوں گے۔ ہندیہ میں ہے۔

ولا بأس برميهم وان كان فيهم مسلم اسير او تاجر وان تترسوا الصبيان المسلمين او بالاسارى لم يكفوا عن

رمیھم ویقصدون بالرمی الکفار وما اصابوہ منہم لا دیۃ علیھم ولا کفارۃ (ص۲۵ ج ۲)

کفار کی طرف سے جو مسلمان مرگیا وہ آخرت کے اعتبار سے تو شہید ہے، حکم دنیاوی کے اعتبار سے (مثلاً عدم غسل وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شہید نہ ہوگا. البتہ امام ابویوسفؒ شہید قرار دیتے ہیں، ہندیہ میں ہے۔ اور رمی مسلم الی المشرکین فاصاب مسلماً (الی ان قال) وما توا یغسلون خلافاً لابی یوسفؒ (ص۸۶ ج۱)

الجواب صحیح ۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۱۶/۳/۱۴۰۹ھ ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

شہید زخمی ہونے کے بعد ہوش میں نہ آئے تو اُسے غسل نہ دیا جائے

ڈیرہ اسماعیل خان سے علماء کرام کا وفد حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے گیا۔ اسوقت مظلوم حضرت شہیدؒ کی میت ہسپتال میں تھی۔ وہاں سُننے میں آیا کہ آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ مولانا کو غسل نہ دیا جائے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز دورِ حاضر میں اگر کوئی مسلمان کسی باطل فرقے کے ہاتھوں مثلاً شیعہ، قادیانی، مودودی خارجی وغیرہ کے ہاتھوں شہید ہو جائے تو کیا اسے غسل دیا جائے یا نہیں مُدلّل جواب دیں؟

مولانا اللہ بخش، مدرس و ناظم دار العلوم عثمانیہ، مریالی

الجواب: تنویر الابصار میں شہید دنیوی و اخروی کی تعریف درج ذیل ہے۔

"ھو کل مکلف مسلم طاھر قتل ظلما بجارحۃ ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث وکذا لو قتلہ باغ او قاطع طریق ولو بغیر آلۃ جارحۃ الخ"

مذکورہ دونوں شقوں کے لحاظ سے حضرت جھنگویؒ شہید ہیں جس شخص میں بھی مذکورہ اوصاف موجود ہوں تو وہ شہید کہلائے گا۔ خواہ قاتل کا تعلق کسی فرقے سے ہی

کیوں نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

(ف):۔ واقعات کے مطابق مولانا مظلوم شہید رح زخمی ہوتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اسی حالتِ بے ہوشی میں انہیں ہسپتال لے جایا گیا۔ اور ہسپتال پہنچنے سے قبل ہی رُوح پرواز کر گئی۔ لہٰذا ارتثاث بھی نہیں پایا گیا۔ اسلئے غسل نہیں دینا چاہیئے تھا۔ ففی الشامیۃ "فلو لم یحقل لا یغسل وان زاد علی یوم ولیلۃ۔ (شامی: ص۶۷۲ جلد اوّل) والجواب صحیح،

۱۹/۸/۱۴۱۰ھ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

زِنا کرتے ہوئے قتل ہوجانیوالا شہید نہیں

ایک شخص زنا میں مبتلا ہے اس کو دوسرا شخص اسی وقت عورت کے اُوپر اس کو جان سے مار ڈالتا ہے مرنے والا شہید ہے یا نہیں؟

الجواب ایسا مقتول شہید نہیں جبکہ قاتل کی بیوی وغیرہ سے فعل بد کی صورت میں مقتول ہوا ہو۔ کما تدلّ علیہ ھٰذہ الجزئیۃ لو کان مع امرأتہ وھو یزنی بھا او مع محرمہ وھما مطاوعان قتلھما جمیعاً (درمختار ص۱۸۵ ج۳)۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق غفرلہ،

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۱۴/۲/۸۶ھ

شہید کو غسل نہ دیا جائے:

ایک بے گناہ لڑکی قتل ہوئی ہے اس کے باپ نے اس کو چھری سے قتل کیا ہے وہ اس سے فعلِ بد کرنا چاہتا تھا تو اب اسے انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے یا نہ؟ محلہ کے لوگ یہ تصدیق کرتے ہیں کہ لڑکی حق بجانب تھی۔

الجواب وھو فی الشرع من قتلہ اھل الحرب والبغی الخ

او قتلۂ مسلم ظلماً ولم تجب بقتله دیۃٌ کذا فی الکافی ولو وجبت الدیۃ بصلح او بقتل الاب ابنہ لا تسقط الشہادۃ اھ (ھندیہ ص۸۶ ج ۱)

وحکمہ ان لا یغسل ویصلی علیہ ویدفن بدمہ اھ کذا فی الھندیۃ ص۸۶ ج ۱

جزئیاتِ بالا کی بناء پر یہ مظلومہ لڑکی شہید ہے لہذا اسے غسل نہ دیا جائے۔ بلکہ انہی خون آلود کپڑوں میں کفن دے کر نمازِ جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا جائے اگر یہ کپڑے کفنِ سُنت سے کم ہوں تو مزید کپڑا کفن میں شامل کیا جا سکتا ہے فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ، | ۵/۹/۸۶ھ | بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان

نیم پاگل ڈوب کر مر جائے تو شہید ہو گا یا نہیں؟

نیم پاگل اگر کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کو شہادتِ صغریٰ کا درجہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب اگر کچھ دین ایمان کو سمجھتا ہے تو اُمید ہے کہ یہ موت ضرور رفع درجات کا سبب بنے گی۔ فقط واللہ اعلم،

۷/۲/۱۴۰۱ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

ہجوم میں دب کر مرنے والا حکماً شہید ہے

ایک شخص اسلامی کانفرنس پر گیا اس غرض سے کہ شاہی مسجد میں شاہ فیصل کے پیچھے نمازِ جمعہ بھی ادا کریں گے تو نمازِ جمعہ ادا کر لے کے بعد ہجوم کے اندر دب کر فوت ہو گیا۔ کیا یہ متوفی شہید ہے یا نہیں؟

الجواب یہ شخص حکماً شہید ہے لیکن اسے غسل وغیرہ دیا جائے گا۔

فقط ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ عفر لہٗ ۹ / ۴ / ۹۲ ھ

جلسے جلوسوں میں مرنے والا شہید ہوگا یا نہیں ؟

۱۔ ایک شخص موجودہ جلسے اور جلوسوں میں شمولیت کرتا ہے یعنی قومی اتحاد کے جلسے اور جلوسوں میں اور ان میں تشدد کا نشانہ بن جائے یا قتل ہو جائے کیا یہ شخص شہید ہے یا نہیں ؟

۲۔ ان جلسوں اور جلوسوں میں بغیر اذنِ والدین کے شرکت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب دنیاوی احکام کے لحاظ سے اگر اس پر شہید کی تعریف صادق آتی ہو تو اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے البتہ انجام کا دارو مدار نیت پر ہے لقولہ علیہ السلام انما الاعمال بالنیات۔

۲۔ جہاد بھی جب تک فرض کفایہ کے درجہ میں ہو تو والدین کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خیر المدارس۔ ملتان

۴ / ۷ / ۹۸ ۱۳ ھ

جنازہ کب فرض ہوا ؟

نمازِ جنازہ کب فرض ہوئی ہجرت سے قبل یا بعد کیا حضرت خدیجہ رض کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی یا نہ اگر پڑھائی گئی تو کس نے پڑھائی ؟

الجواب: نمازِ جنازہ کی مشروعیت ہجرت کے پہلے سال ہوئی ہے ہجرت سے قبل جو حضرات وفات پا گئے تھے انکی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی گئی۔

اوجز المسالک میں ہے۔ وفی الانوار اساطعة شرعت صلوٰة الجنازة بالمدينة المنورة فی السنة الاولی من الهجرة فمن مات مكة المشرفة لم يصل عليه (صہ ۱۹۱ ج ۲) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
۱۳۹۰/۱/۱۴

جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مُصلّٰی بچھانا

نماز جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مصلّٰی جائے نماز بچھانا کیسا ہے ؟

الجواب: ضروری نہیں ۔ اور جو فعل شرعاً ضروری نہ ہو اسے لازم قرار دینا بدعت ہے
فقط واللہ اعلم ، محمد اسحاق
۲۳ $\frac{۶}{۹۱}$ ھ مدرسہ خیر المدارس ۔ ملتان

میت کو بوقت جنازہ چارپائی کے بجائے زمین پر رکھنا

بعض علاقوں میں جنازہ پڑھتے وقت میت کو چارپائی سے نیچے اُتار دیتے ہیں کیا یہ کرنا سُنّت ہے یا مستحب یا مُباح ؟

الجواب: شریعت میں ایسا فعل ثابت نہیں ہے ۔ فقط واللہ اعلم۔
بندہ عبدالستار عفی عنہ ۱۴۱۲/۴/۲۸ھ

نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا

ایک شخص نے قسم اُٹھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا نہ پڑھاؤں گا۔ اگر وہ نمازِ جنازہ پڑھ لے یا پڑھا دے۔ آیا حانث ہوگا یا نہیں ؟

الجواب: دونوں صورتوں میں حانث نہ ہوگا۔ ففی الہندیۃ ولوحلف لایصلی فقام وقرأ ورکع لم یحنث وان سجد مع ذالک ثم قطع حنث کذا فی الھدایۃ۔ جب قیام وقرأت اور رکوع پائے جانے کے باوجود حانث نہیں ہوتا تو جنازہ پڑھنے یا پڑھانے سے بطریقِ اولیٰ حانث نہیں ہوگا۔ نیز اس لئے کہ نماز سے مراد صلوٰۃ مطلقہ ہے جو رکوع سجدے والی ہوتی ہے۔ جنازہ اس میں داخل نہیں۔ وفیھا ایضاً رجل حلف ان لا یؤم احداً (الی ان قال) ولو ام الناس فی صلوٰۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ لا یحنث لان یمینہ تنصرف الی الصلوٰۃ المطلقۃ وھی المکتوبۃ او النافلۃ وصلوٰۃ الجنازۃ لیست بصلوٰۃ مطلقۃ ص۲۱۴-۲۱۵ ج۲، اور ابن الہمام رح کی بحث صورت مسئولہ میں جاری نہیں، علاوہ ازیں خلاصۃ الفتاوی ص۱۴۹ ج۲ اور بحرالرائق ص۳۸۹ ج۴ میں بھی یہ مسئلہ مصرح ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان
۲۹ / ۶ / ۱۴۰۱

مجذوم جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں ؟

زید فوج میں اپنے مقام پر فوت ہوگیا فوجیوں نے کفن وغیرہ دے کر جنازہ پڑھ دیا اور لاش ورثار کو پہنچا دی۔ جب لاش یہاں پہنچی تو باپ نے امامِ مسجد سے کہا کہ جنازہ پڑھاؤ امام نے کہا کہ میں تو نہیں پڑھا سکتا تم ولی ہو۔ تم دوبارہ پڑھا سکتے ہو۔ مگر تم جذام کے مریض ہو لہٰذا تمہاری امامت دُرست نہیں نتیجۃً بغیر جنازہ ہی دفن کر دیا گیا

الجواب ولی یعنی باپ امام صاحب کو اجازت دے کہ امام صاحب سے جنازہ پڑھوا سکتا تھا ولی کو حق ہے خود پڑھے یا کسی سے پڑھوائے البتہ مجذوم کی امامت مکروہ ہے ۔ وَلَهٗ ای للولی و مثله کل من يقدم عليه من باب اولیٰ الاذن لغيره فيها لانه حقه فيملك ابطاله اھ درمختار ص۸۲۴ ج۱ (شامی) ۔ محمد انور ۲۱ / ۷ / ۱۴۰۳ھ

ناپاک کپڑوں میں جنازہ کا حکم :

ناپاک کپڑوں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں ؟

الجواب ناپاک کپڑے پہن کر نمازِ جنازہ دُرست نہیں ۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

الجواب صحیح ،

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۲ / ۹۱ھ

جنازہ پر رشتہ دار جو چادریں ڈالتے ہیں وہ انہیں کی ملک ہیں

ایک عورت جس کا خاوند پہلے فوت ہو چکا تھا اس عورت کے مرنے کے بعد اور دفن کرنے سے پہلے جو چادریں برادری کی عزت کے لئے اس پر ڈالی گئیں وہ چادریں کس کا حق بنتی ہیں اس عورت کا باپ کہتا ہے کہ لوگوں نے میری عزت کے لئے ڈالی ہیں اور مرنے والی کے خاوند کا بھائی کہتا ہے کہ یہ چادریں میری عزت کے لئے ڈالی گئی ہیں ۔ لہٰذا میرا حق ہے ۔ اب وہ شرعاً کس کا حق ہیں ؟

الجواب وہ چادریں ڈالنے والوں کی ملکیت ہیں ان سے استفسار کیا جاوے ۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۳۰ / ۶ / ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح ، عبد الستار عفا اللہ عنہ

نابالغ کی قبر پر فاتحۂ بقرہ پڑھنے کا حکم

نابالغ لڑکا یا لڑکی فوت ہو جائے تو تدفین کے بعد اسکی قبر پر اول و آخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے یا نہیں ؟

الجواب کان ابن عمرؓ یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتہا (شامی ص۲۳۸ ج۱)

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ ویقرأ عند رأسہ فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ خاتمۃ البقرۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال والصحیح انہ موقوف علیہ (ص۱۴۹ ج۱)۔ حدیث پاک میں چونکہ کسی میت بالغ کی شرط نہیں لگائی اس سے بظاہر حکم میں تعمیم معلوم ہوتی ہے۔ لہذا نابالغ کی قبر پر بھی اوّل و آخر سُورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۴/۶/۱۴۰۸ھ

قبر میں میت کے نیچے چادر یا چٹائی وغیرہ نہ بچھائی جائے

بعض علاقوں میں رواج ہے کہ لحد میں میت کے نیچے چٹائی بچھا دیتے ہیں اور چادر وغیرہ بچھا دیتے ہیں کیا درست ہے ؟

الجواب لحد میں کوئی چیز نہ بچھائی جائے مٹی پر میت کو لٹا دیا جائے۔ وفی الاکتفاء اشعار بانہ لا یلقی الحصیر فی القبر تحت المیت فانہ مکروہ اھ (جامع الرموز ص۱۹۴)

ولا یجوز ان یوضع فیہ مضربۃ۔ (درمختار)

(قولهٗ ولا یجوز الخ) ای یکرہ ذالک قال فی الحلیۃ ویکرہ ان یوضع تحت المیت فی القبر مضربۃ او مخدّۃ او حصیر أو نحو ذالک اھ ولعل وجھہٗ انہٗ اتلاف مال بلا ضرورۃ فالکراھۃ تحریمیۃ ولذاعبر بلا یجوز اھ (شامی صفحہ ۶۵۹ ج ۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور ۱۱/۹/۱۳۹۸ھ

پسماندگان کے بارے میں بدعات وغیرہ کرنے کا اندیشہ ہو تو وصیّت کر جائے

حُسنِ خاتمہ کے لئے وصیت فرمائیں تاکہ مرنے کے بعد کسی رسم ورِواج میں مبتلا نہ ہوں مرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اپنے عزیز واقارب کو وصیّت نامہ بتاؤں اور سمجھا دوں اور میری تجہیز وتکفین عین سُنّتِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اور شریعتِ مُقدسہ کے مطابق ہو ؟

الجواب : ورثاء کو تلقین کر دیں کہ کوئی امر خلافِ شرع وسنت نہ کریں ، مثلاً بُلند آواز سے رونا وغیرہ تجہیز وتکفین میں حتی الوسع دیر نہ کی جائے ۔ کسی کی شرکت کی وجہ سے جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے ۔ قبر میں ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رُخ لِٹا دیا جائے ۔ صِرف چہرے کا رُخ قبلہ کی طرف کر دینا کافی نہیں ایصالِ ثواب کے لئے کوئی خاص دن یا کوئی خاص چیز متعیّن نہ کی جاوے ۔ چند عام پیش آنیوالی باتیں لکھ دیں کیونکہ آپ کے علاقے کے رسم ورِواج کی ہمیں تحقیق نہیں ورنہ تفصیل لکھ دیتے کہ یہ چیز سُنّت کے مطابق ہے ۔ یہ مُخالف ۔ بہشتی زیور میں میّت کا بیان دیکھ لیں ۔

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

۱۳۹۸/۶/۲

الجواب صحیح ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

جانور کے مُشابہ بچہ پیدا ہو تو اُس کا حکم

ایک عورت کا بچّہ پیدا ہوا اُس کا مُنہ بہت چھوٹا اور دونوں طرف چھوٹے چھوٹے سینگ تھے گھر والوں نے اُس بچّہ کا گلا دبا کر مار دیا اور جنازہ پڑھا گیا اِسی طرح اور بھی کئی واقعات ہوئے ہیں۔

الجواب: مسخ اَشکال شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ گلا گھونٹ کر خود مارنا درست نہیں ایسے بچّے ویسے ہی زندہ نہیں رہتے۔ اُسے قتل کرنا سخت گناہ ہے۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۲۰ / ۷ / ۱۴۰۴ھ

زیارتِ قبور کا مسنون طریقہ

زیارت قبور کے متعلق ایک فتویٰ طلب کیا گیا تھا لیکن تشفّی نہیں ہوئی۔ کیونکہ مندرجہ ذیل فتویٰ کے متعلق مندرجہ ذیل کتب میں یہ عبارات مذکور ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

من باب السادس عشر من باب الکراھۃ اذا بلغ المقبرۃ خلع نعلیہ ثم یقف مستدبر القبلۃ مستقبلاً لوجہ المیت ویقول السّلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لکم ولنا واذا اراد الدعاء یقوم مستقبل القبلۃ (۲) والدعاء عندھا قائما کما کان یفعلہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع (کبیری ص۶۰۹ ایضاً ویدعو قائماً مستقبل القبلۃ ص۶۰۹) (قد کانت الصحابۃ تدعو اللہ لنا ھناک مستقبلین القبلۃ ولم یروِ منھم استقبال القبر عند الدعاء مع اللہ واختلف الائمۃ فی استقبالہ عند السّلام فعند ابی حنیفۃ

رحمہ اللہ انہ لا یستقبل بل یستدبر و استقبل القبلۃ والصحیح المعمول علیہ انہٗ یستقبل وقت السلام وعند الدعاء یستقبل القبلۃ الخ (روح المعانی للعلامۃ آلوسی ص۱۲۶) (ویدعوہ مستقبل القبلۃ مجمع الانہر ص ۵۵۲/۲ج) اور مجالس الابرار میں دعا کے بارے میں یوں ہے استقبل القبلۃ وجعل ظہرہٗ الی جدار القبر ثم دعا وھذا لا نزاع فیہ بین العلماء و انما نزاعھم فی وقت السلام قال ابوحنیفہؒ یستقبل القبلۃ عند السلام ایضاً فانہٗ ایضاً دعاء والدعاء لا تکون عند القبر اھ (مجالس الابرار ص۳۶۲)

الجواب طحطاوی ص۳۴۱ میں ہے۔ قال فی الاحیاء والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلۃ مستقبلاً وجہ المیت وان یسلم ولا یمسح القبر ولا یقبلہٗ ولا یمسہٗ فان ذالک من عادۃ النصاریٰ کذا فی شرح الشرعۃ قال فی شرح المشکوٰۃ بعد کلام وحدیث ما نصّہٗ فیہ دلالۃ علی ان المستحب فی حال السلام علی المیت ان یکون لوجھہ وان یستمر کذالک فی الدعاء ایضاً وعلیہ عمل عامۃ المسلمین خلافاً لما قالہٗ ابن حجر الخ

روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ بوقتِ دعا استقبال بوجہ المیت مستحب ہے

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہٗ

۳۰ / ۳ / ۸۹ جو

الجواب صحیح ،
خیر محمد عفا اللہ عنہٗ

خنثیٰ کے جنازہ اور اس میں دُعا کا حکم

جو آدمی پیدائش سے خسرہ ہو۔ اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کون سی دُعا پڑھنی چاہیئے؟

الجواب: اگر خسرہ بالغ شخص ہے تو اسکی نمازِ جنازہ میں بالغ مرد و عورت کی دُعا پڑھی جائے اور اگر خسرہ نابالغ ہے تو اس کی علامات کی تحقیق کی جائے گی۔ اگر علامات مذکر غالب ہوں تو لڑکے والی دعاء پڑھی جائے اور اگر علاماتِ مؤنث غالب ہوں تو مؤنث والی (لڑکی والی) دعاء اور تحقیق سے کچھ تعین نہ ہو سکنے کی صورت میں دونوں دُعاؤں میں اختیار ہے۔ خواہ لڑکے والی دعا پڑھے یا لڑکی والی دعاء جو بھی پڑھے جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء خیر المدارس ۳/۳/ ۱۴۰۹ھ

رمضان المبارک میں علانیہ کھانیوالے کا جنازہ،

جو شخص نماز کا پابند نہیں ہے اور روزے نہیں رکھتا، رمضان شریف کا احترام نہیں کرتا۔ علی الاعلان کھاتا پیتا ہے۔ سر بازار حقہ نوشی کرتا ہے۔ باہر مرلع میں روٹی منگواتا ہے تو کیا ایسے شخص کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

الجواب: ایسا شخص فاسق ہے۔ شرعاً اس پر نمازِ جنازہ ترک نہیں کی جاسکتی ہاں اگر تنبیہاً ترک کی جائے کہ آئندہ لوگ ایسی حرکات سے باز رہیں تو پھر گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم، بندہ اصغر علی غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح، جمال الدین غفرلہٗ

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ ۱۰/۸/ ۱۳۷۲ھ

نہر سے نکالی ہوئی لاش بلاغسل دفن کردی گئی ہو تو بھی قبر پر جنازہ پڑھا جائے

نہر سے ایک تازہ لاش بہتی ہوئی ملی، چند دیہاتیوں نے نکال کر یہ سوچ کرکے کہ پانی سے نکالی گئی ہے غسل کی ضرورت محسوس نہ کی اور قبر نما گڑھا کھود کر اس میں مکمل دفن کر دیا۔ آیا اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جاوے یا نہیں؟

الجواب اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جاوے۔ (قوله ادبها بلاغسل) هذا رواية ابن سماعة والصحيح انه لا يصلى على قبره فى هذه الحالة لانها بلاغسل غير مشروعة كذا فى غاية البيان لكن فى السراج وغيره قيل لا يصلى على قبره وقال الكرخى يصلى وهو الاستحسان لان الاولى لم يعتد بها لترك الشرط مع الامكان والآن زال الامكان فسقطت فرضية الغسل وهذا يقتضى ترجيح الاطلاق وهوالاولى نهر (شامية ص۸۲۶ ج۱) فقط واللہ اعلم، محمد انور مدرسہ خیر المدارس ملتان

شیعہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہوں تو بجائے دعاء کے بددعا کرتے ہیں

بعض دفعہ اہلِ تشیع بھی سنیوں کے جنازہ میں آکر شریک ہو جاتے ہیں۔ آیا انکی یہ شرکت درست ہے؟

الجواب اہلِ تشیع کو شریک نہ کیا جائے۔ کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اول تو سنی کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ اگر بضرورت پڑھنا پڑے تو دعاء کے بجائے بددعا کریں۔ تحفۃ العوام ص۱۴۸ ج۱ میں ہے۔ اگر سنی خلافِ مذہب ہو اور بضرورت اس کا جنازہ پڑھنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے یہ کہے۔

اللھم اخز عبدک فی عبادک وبلادک اللھم اصلہ حر نارک اللھم اذقہ اشد عذابک۔

ترجمہ: اے خدا اس بندے کی میت کو اپنے بندوں اور اپنے شہروں میں ذلیل ورُسوا کر۔ اے خدا اِس بندے کی میت کو نارِ جہنم میں جلا۔ اے خُدا اسے سخت ترین عذاب دے۔

یہ چونکہ سُنی میت پر بَددُعا کرتے ہیں اس لئے شرکت کی اجازت نہ دی جائے

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

قریب المرگ کی زبان سے کوئی نامُناسب کلمہ نکلے تو اُسکا کوئی اعتبار نہیں

محتضر اگر بوقت تلقین کلمہ سے اِنکار کر دے یا کلمہ کُفریہ کہہ دے تو اس پر مسلمان کے احکام جاری ہوں گے یا غیر مسلم کے ؟

الجواب اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ وہ حالت بہت سخت ہوتی ہے اسوقت حواس معطل ہو جاتے ہیں اس لئے ایسے وقت کی کہی ہوئی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ عین ممکن ہے وہ صحیح ہی کہنا چاہتا ہو مگر غلطی سے کوئی کلمہ نکل گیا ہو۔ وان صدر عنہ الانکار فی تلک الحالۃ اعاذنا اللہ منہ لا یلتفت الی انکارہ ولا یحکم بکفرہ ویجری علیہ احکام المؤمن ویوکل سریرہ الی اللہ تعالیٰ لان ذالک الوقت وقت ذھاب الحواس وتعطلھا۔ وایضاً انہٗ تلفظ بکلمۃ الکفر من دون قصد بل عسی ان یکون ارادتہ التکلم بکلمۃ الاسلام وظھر کلمۃ الکفر بسبقۃ اللسان اھ (رسائل الارکان ص۱۵۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

میت معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض ہو تو دوسرے کو بلا سکتے ہیں

زید اپنے محلّہ کے امام صاحب سے کبیدہ خاطر رہتا تھا ان کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا تھا۔ اب زید فوت ہو گیا ہے تو وہی امام محلہ نماز پڑھائے یا کسی دوسرے کو بلا سکتے ہیں ؟

الجواب اگر زید کسی معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض تھا تو جنازہ کے لئے دوسرے کو بلا سکتے ہیں۔ فَعَلیٰ ھٰذا لو علِمَ انه کان غیر راضٍ به حال حیاته ینبغی ان لا یستحب تقدیمه اھ قلت ھٰذا مسلم ان کان عدم رضاه به لوجهٍ صحیحٍ والا لا تأمل اھ (شامیہ ص ۸۲۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کس صورت میں چند اموات کو اکٹھے دفن کر سکتے ہیں؟

جب ایام وباء میں اموات کی اتنی کثرت ہو جائے کہ الگ الگ دفن کرنا مشکل ہو جائے تو اکٹھے دفن کرنا بھی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ مثلاً زلزلہ یا وباء یا سیلاب کی وجہ سے اموات بے شمار ہو جائیں۔ دفن کرنے والے بہت کم ہوں تو ایسی صورت میں کئی میتوں کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں۔ دو لوں مُردوں کے درمیان مٹی کی دیوار کر دی جائے۔

ومن الضرورة المبیحة لجمع میتین فصاعداً فی قبر واحد ابتداءً علی ما ذکره ابن امیر حاج قلة الدافنین او اشتغالهم بما هو اهم ولیس منها دفن الرجل

مع الرجل قريبه ولا ضيق محل الدفن فى تلك المقبرة مع وجود غيرها وإن كانت تلك المقبرة مما يتبرك بالدفن فيها لمجاورة الصالحين فضلاً عن هذه الامور لما فيه من هتك حرمة الميت الأول وتفريق أجزائه فيمنع من ذلك اھ ويُحجَزُ بين كل اثنين بالتراب ندبا إن أمكن كما فى ابن أمير حاج ليكون فى حكم قبرين كما فى العينى على البخارى (طحطاوى ص۳۲۶)

۱۲ / ۴ / ۱۴۰۳ھ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفرلہ

مرزائی کے جنازے کا حکم:

مرزائیوں کے جنازہ میں مسلمانوں کا شامل ہونا کیسا ہے ؟ ۲۔ مرزائی کے مرنے کے بعد مرزائی کے وارثوں کے پاس فاتحہ خوانی کے لئے جانا کیسا ہے ؟ ۳۔ اہل السنت والجماعت کے جنازہ میں مرزائی کا شامل ہونا کیسا ہے ۔ ۴۔ مسلمانوں کے قبرستان میں مرزائی کا دفن کرنا کیسا ہے ؟ ۵۔ پہلی صورت میں مرزائی کا جنازہ پڑھنے والوں کا نکاح باقی ہے یا نہیں ؟

الجواب: ۱۔ اگر مرنے والے کا مرزائی ہونا معلوم تھا، تو اس کا جنازہ پڑھنے والوں نے سخت غلطی کی ہے ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی ہندو سکھ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے ۔ ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیئے اور مجمع عام کے سامنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کرکے توبہ کریں ۔

۲۔ اگر پڑوسی ہو تو تعزیت کی کچھ گنجائش ہے فاتحہ ہرگز نہیں پڑھنی چاہیئے ۔

۳۔ وہ شامل ہو کر یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں لہذا ان کو شامل نہ کیا جائے ۔

۴ ۔ ناجائز ہے ۔ شرعاً کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جا سکتا ۔

۵ ۔ اگر انہوں نے مرزائیوں کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہے تو وہ احتیاطاً اپنے

اپنے ایمان و نکاح کی تجدید کریں ۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو اس کا جنازہ پڑھنا

ایک شخص نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی اور نہ کسی نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ، مگر ہے کلمہ گو اور موحد اور مصدق بالرسالۃ تو ایسے شخص پر نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے یا کہ نہیں اگر جائز ہے تو اس حدیث شریف کا مطلب کیا ہے ؟ مَنْ ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر ؟

الجواب مسلمان تارک صلوٰۃ پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے ۔ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس نے قصداً نماز ترک کر دی وہ کافروں جیسا کام کرنے والا ہو گیا نہ کہ خود کافر ہو گیا ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ خادم الافتاء
خیر محمد عفا اللہ عنہٗ خیر المدارس ۔ ملتان ۲۵ ۱/۷ ھ

وضو کرنے سے جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کا حکم

نمازِ جنازہ ہو رہا ہے ۔ اگر وضو کرے تو نمازِ جنازہ نہ ملنے کا اندیشہ ہے اب وضو کرے یا تیمم ؟

الجواب نمازِ جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم سے پڑھ سکتا ہے ۔
ویجوز التیمم اذا حضرتہ جنازۃ والولی غیرہ ، نخاف ان یشتغل بالطہارۃ ان تفوتہ الصلوٰۃ و لا یجوز للولی الخ الخ قولہ یجوز لہ التیمم اذا اذن

لغیرہ بالصلوٰۃ الخ (عالمگیری ص ۱۶۲ ج ۱) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمد انور ، مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۱۷ ر صفر ر ۱۴۰۴ھ

جنازہ سامنے سے گزرے تو اسے دیکھ کر کیا پڑھا جائے ؟

جب جنازہ سامنے سے گزرتا ہے تو لوگ مختلف طریقے پر عمل کرتے ہیں ۔ بعض دیکھ کر سر پر کپڑا لیکر کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ بعضے بیٹھے رہتے ہیں ، اور بعض زیر لب کچھ پڑھتے بھی ہیں آپ شرعی حکم سے آگاہ کریں ؟

الجواب جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا کوئی سُنت نہیں البتہ جب جنازہ سامنے سے گزرے یا جنازہ پر نظر پڑے تو یہ پڑھے ۔

" سُبحان الذی لا یموت لا الٰہ الا ھو الحیّ القیّوم ۔ "

اور میّت کے لئے دُعاءِ خیر کرے اور نکیرین کے جواب میں میّت کے ثابت قدم رہنے کی دُعاء کرے اور بعض کتب میں یہ دعاء منقول ہے ۔

ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ اللھم زدنا ایمانا وتسلیما اھ ویستحب لمن مرت علیہ جنازۃ اوراٰھا ان یقول سبحان الذی لا یموت لا الٰہ الا ھو الحی القیوم ویدعو للمیت بالخیر والتثبیت اھ وفی شرعۃ الاسلام اذ راٰھا یقول ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ اللھم زدنا ایمانا وتسلیما اھ (طحطاوی ص ۳۲۳)

فقط واللہ اعلم ،

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بچہ کان میں اذان دینے سے پہلے مر جائے تو جنازہ کا حکم

بعض شہروں کے اندر رواج ہے کہ مسلمان کے گھر بچہ یا بچی اگر زندہ پیدا ہو اور اذان کان میں پڑھنے سے پہلے ہی مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے ہمارے ہاں کئی بچے بچیاں زندہ پیدا ہوئے جو کہ اذان پڑھنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تو ان کی نماز نہیں پڑھی گئی۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جو بچہ یا بچی زندہ پیدا ہو۔ خواہ کان میں اذان پڑھی جائے یا نہ۔ اس کا نام بھی رکھا جائے اور اسے غسل بھی دیا جائے۔ اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے۔ ھندیہ میں ہے۔

ومن استهل بعد الولادة سمّی وغُسل وصلی علیه ص۸۱ ج۱

دفن کرنے کے بعد قبر سے نکالنے کی اجازت نہیں۔ پھولنے پھٹنے سے پہلے قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفی عنہ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس۔ ملتان شہر

پاگل کی نمازِ جنازہ میں کونسی دُعا پڑھی جائے

ہمارا ایک بھائی پاگل تھا۔ تھوڑا عرصہ ہوا اس کا انتقال ہو گیا اسکی نمازِ جنازہ کے وقت بعض مولوی حضرات میں اختلاف ہو گیا کہ کونسی دعاء پڑھی جائے بعض کہتے تھے کہ بچے والی دُعا پڑھی جائے اور بعض کہتے تھے کہ بالغ والی۔ آپ صحیح حکم سے مطلع فرما دیں۔ محمد زبیر۔ جھنگ صدر

الجواب اگر تو وہ پیدائشی پاگل تھا تو اس پر بچے والی دعاء پڑھی جائے اور اگر بالغ ہونے کے بعد پاگل ہوا تھا تو پھر بالغوں والی دُعاء

پڑھی جاتے ۔ والمجنون کالطفل ذکرہٗ فی المحیط وینبغی ان یقید بالجنون الاصلی لانہ لم یکلف فلا ذنب لہٗ کالصبی بخلاف العارضی فانہ قد کلف وعروض الجنون لا یمحو ما قبلہ بل ھو کسائر الامراض ورفعہ للتکلیف انما ھو فیما یأتی لا فیما مضی اھ (کبیری ص۵۳۹) وکذا فی الشامیۃ ص۵۸۷ ج ۱)

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۴ / ۱۴۱۰ھ

ثناء میں وجل ثناءک کی زیادتی شاذ ہے

دعائے جنازہ میں جو ثناء پڑھی جاتی ہے جس میں وجل ثناؤک کی زیادتی ہے یا اسی طرح درود شریف میں زیادتی ہے ۔ آیا یہ حدیث سے ثابت ہے ۔ ؟

الجواب ثناء کے متعلق جو مشہور روایات ہیں ۔ ان میں وجل ثناؤک کے الفاظ نہیں ہیں ۔ حدیث ابن عباس اخرجہ ابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ نے اپنی کتاب الدعاء میں ثناء کے ساتھ ذکر کی ہے ۔ نیز حدیث ابن مسعودؓ میں بھی موجود ہے ۔ عن ابن مسعود ان من احب الکلام الی اللہ عز وجل ان یقول العبد سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدّک وجلّ ثناءک ولا الٰہ غیرک رواہ الحافظ ابوشجاع فی کتاب الفردوس (فتح القدیر ص۲۵) درود پاک کے حدیث میں مختلف صیغے وارد ہوئے ہیں ۔ زیادتی والی روایت بیہقی میں موجود ہے ۔ عن ابن مسعود عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تشھد احدکم فی الصلوٰۃ فلیقل اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک علی محمد وعلی آلِ محمد وارحم محمدا وآل محمدٍ کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراھیم وعلی آلِ ابراھیم انک

حمید مجید (فتح القدیر ص۲۷۵ ج۱) صاحب عنایہ نے درود شریف مذکور حضرت علیؓ و حضرت ابن عباسؓ ، ابن مسعودؓ اور جابرؓ سے نقل کیا ہے ، خلاصہ یہ کہ ثنا ، میں وجل ثناؤک اور درود شریف میں ترحمت وغیرہ کی زیادتی احادیث میں موجود ہے ۔ گو احادیث مشہورہ اس سے خالی ہیں ۔ اس لئے اس کے پڑھنے کی بھی گنجائش ہے ۔ اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وہی ثنا ، اور درود شریف پڑھنا چاہیئے جو احادیثِ مشہورہ میں منقول آئے ہے

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مروّجہ اسقاط کا حکم :

ہمارے ہاں جو کوئی فوت ہو جائے تو مقامی علماء جنازہ پڑھنے کے بعد مُردہ کو دفن نہیں کرتے بلکہ مُردہ اسی جگہ پڑا رہتا ہے ، علماء اور دیگر غریب اس کے پاس بیٹھ کر اسقاط کرتے ہیں ۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کے بعد دفن کرنے سے پہلے میت والا گھر سے کچھ مٹھائی اور ایک چھابہ میں تھوڑی گندم اور نمک کا ایک ڈبہ اور قرآن مجید اور کچھ نقدی لے آتا ہے ، جنازہ خواں مولوی صاحب دل میں اس پر کچھ پڑھتا ہے پھر اپنی دائیں طرف والے کو کچھ کہتا ہے کہ یہ چیزیں میں نے تجھے بخشی ہیں ۔ پھر وہ دوسرے کو کہتا ہے ، اسی طرح کرتے کرتے اگر لوگ بہت ہوں تو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مُردہ کو دفنانے میں تاخیر ہو جاتی ہے ۔ ایک دفعہ وہ جنازہ خواں مولوی صاحب ایسا کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ ایسا کرنے کا کہیں ثبوت ہے ؟ تو وہ مولوی صاحب بگڑ گئے ، اور کہنے لگے کہ شیطان کا کام ہے لڑائی کرانا ، یہ شخص بھی شیطان ہے ۔ اور اسکی ساری جماعت شیطان ہے اور کافر ہے ۔ اب معروض ہے کہ یہ اسقاط حضورِ اکرمؐ یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے کیا ہے ۔ اگر نہیں تو اس مولوی صاحب نے اس شخص کو شیطان یا کافر کہا اس کے لئے کیا حکم ہے ؟

ج: الجواب اسقاط مروّج ناجائز اور بدعت ہے چند وجوہ سے ۔ قال فی الشامیۃ

ونص علیه فی تبیین المحادم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور ان وان اوصی به المیّت لانها وصیة بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیه ان لم یضق الثلث عنه فان اوصی باقل وامر بالدور وترک بقیة الثلث للورثة او تبرع به لغیرهم فقد اثم بترک ما وجب علیه اھ وبه ظهر حال وصایا اهل زماننا فان الواحد منهم یکون فی ذمّته صلوات کثیرة وغیرها من زکوٰة واضاح وایمان ویوصی لذالک بدراهم یسیرة ویجعل معظم وشیته لقراءة الختمات والتهالیل التی نص علمائنا علی عدم صحة الوصیة بها الخ شامیة ص $\frac{514}{ج1}$ ۔

جب وصیّت کے باوجود ولی کے ذمہ ضروری نہ ہوا تو عدمِ وصیّت کے وقت یہ کیسے ضروری ہوگا ۔

۲۔ جس اسقاط کی اجازت منقول ہے اسکی شرط یہ لکھی ہے ۔ جبکہ وہ فقیر کے لئے ہو یا ثلث سے فدیہ ادا نہ ہوسکتا ہو ۔ یہ صُورت کبھی اتفاقاً پیش آتی ہے ۔ اسے مستقل رسمِ میّت کے لئے حیلہ بنالینا دُرست نہیں ، درمختار میں ہے ۔ ولو لم یترک مالا یستقرض وارثه الخ (شامی ص $\frac{686}{ج1}$)

۳۔ حیلہ کے جواز میں تملیک فقیر ضروری ہوتی ہے ، وہ مروّجہ اسقاط میں صحیح معنوں میں نہیں ہوتی ۔

۴۔ اس سے عوام کو گویا ترکِ صلوٰۃ وصوم پر دلیر بنانا ہے کہ خواہ ساری عمر نماز نہ پڑھے ، آخر میں یہ عمل کرکے گویا اسے بری کردیا ہے ۔

۵۔ اسے اعمالِ تکفین کا جزء سمجھا جاتا ہے ۔ حالانکہ ایسا نہیں

۶۔ اگر کوئی شخص مثلاً افلاس کی حالت میں فوت بھی ہوگیا تو اسقاط کرنے کے لئے قبرستان کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے ۔ لہذا یہ فعل واجب الترک ہے ۔ روکنے والے کو کافر کہنا انتہائی قبیح فعل ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۸ / ۴ / ۱۴۰۳ھ

قبر بہت بوسیدہ ہو جائے تو وہاں نئی قبر بنانا جائز ہے

قبور کو کب تک آباد کرنا چاہیئے اور کون سے وقت میں ان پر مسجد آباد کرنا اور مکان بنانا اور مزارعت کرنا جائز ہو جائے گا اور اگر ان پر مٹی ڈالنی ہو تو اس کے لئے کوئی دن مخصوص ہے یا جس دن چاہیں ڈال لیں دس محرم کو ڈالنا کیسے ہے ؟

الجواب قبریں جب خراب ہو جائیں تو پھر ان کو محفوظ رکھنے کے لئے مٹی ڈالنا یا لیپنا جائز ہے۔ کما فی العالمکیریۃ ص۸۵ ج۱۔ واذا خربت القبور فلا بأس بتطینها کذا فی التاتارخانیۃ وھو الاصح وعلیه الفتوٰی۔

لیکن اس لیپنے یا مٹی ڈالنے کے لئے کوئی دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے ــــ اور قبریں جبکہ بالکل بے نشان ہو جائیں اور میت بھی ان میں گل سڑ کر مٹی ہو گئی ہو تو پھر وہاں دوسری قبر نکالنا اور مکان بنانا اور زراعت کرنا جائز ہے۔ کما فی العالمکیریۃ ص۸۵ ج۱

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه کذا فی التبیین۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ،　　　بندہ اصغر علی غفرلہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس　　　۱۳/ ۲/ ۱۳۷۴ھ

معتکف جنازہ کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے ؟

اگر کوئی امام مسجد رمضان المبارک میں اعتکاف بیٹھا ہوا ہے کیا نمازِ جنازہ کے لئے باہر جا سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں جا سکتا تو کیا وہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے ؟

الجواب اگر اعتکاف بیٹھنے سے پہلے یہ شرط کیا تھا کہ نمازِ جنازہ کے لئے باہر

جایا کروں گا تو پھر نمازِ جنازہ کے لئے باہر جانا جائز ہے ۔ وگرنہ اعتکاف فاسد ہو جائے گا ۔ مسجد کے اندر جنازہ پڑھنا مکروہ ہے ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ ۱۰ / ۱۰ / ۸۰ ھ

مسلمانوں اور کفّار کی لاشوں میں پہچان ممکن نہ ہو تو جنازہ کا حکم

پچھلے دنوں کھٹمنڈو میں ایک بین الاقوامی پرواز حادثے کا شکار ہو گئی جس میں مسلمان اور غیر مسلم لاشیں مل گئی تھیں ۔ ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نعشیں مل جائیں ۔ اور پہچان ممکن نہ رہے تو مسلمان نعشوں کی نمازِ جنازہ کس طرح ادا کی جائے گی ۔ اکثر فضائی حادثات میں اسطرح ہو جاتا ہے اس لئے وضاحت سے جواب مرحمت فرما کر عند الناس مشکور اور عند اللہ ماجور ہوں ۔ سائل ، زکریا مجاہد ۔ ملتان

الجواب ایسی صورت میں جب کفار کی لاشیں علیحدہ نہ کی جا سکیں اور کوئی علامت نہ ہو تو سب پر جنازہ پڑھا جاوے مگر نیّت یہ ہو کہ ان میں جو مسلمان ھیں ان کا جنازہ پڑھ رہے ھیں ۔

اختلط موتانا بکفار ولا علامة اعتبرا لاکثر فان استووا غسلوا واختلف في الصلوة عليهم اھ (درمختار)

(قوله واختلف في الصلوة عليهم) فقيل لا يصلى لان ترك الصلوٰة على المسلم مشروع في الجملة كالبغاة وقطاع الطريق فكان اولى من الصّلوٰة على الكافر لانها غير مشروعة لقوله تعالى ولا تصلِّ على احدٍ منهم مات ابداً ۔ وقيل يصلى ويقصد المسلمين لانهٗ ان عجز عن التعيين لا يعجز عن القصد كما في البدائع قال في الحلية

فعلیٰ ھٰذا ینبغی ان یصلی علیھم فی الحالة الثانیة ایضاً ای حالة ما اذا کان الکفار اکثر لانّہٗ حیث قصد المسلمین فقط لم یکن مصلّیا علی الکفار و اِلّا لم تجز الصلوٰة علیھم فی الحالة الاولیٰ ایضاً مع ان الاتفاق علی الجواز فینبغی الصلوٰة علیھم فی الاحوال الثلاث کما قالت بہ الأئمة الثلاثة وھو اوجہ قضاءً لحق المسلمین بلا ارتکاب منھی عنہٗ اھ ملخصاً (شامی صـ۸۰۵ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

دُعار بعد الجنازہ کو خطبۂ جمعہ پر قیاس کرنا جہالت ہے

زید اور بکر دونوں میں اختلاف ہے اس بات کا کہ وعظ اور تقریر جو کہ جمعہ کے روز دونوں اذانوں کے درمیان کی جاتی ہے بدعت ہے اور اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملتا۔ اور اگر اس کو صحیح مان لیں تو ہماری بعد صلوٰة جنازہ دعار بھی صحیح اور غیر بدعت ہے۔ آیا یہ قیاس صحیح ہے ؟

الجواب اس وعظ و تقریر پر دُعا بعد الجنازہ کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ شریعت میں اس دعار کی ممانعت صراحۃً مذکور ہے۔

قال فی البحر قید بقولہ بعد الثالثة لانہٗ لا یدعو بعد التسلیم بحر صـ۱۹۷ ج۲ وقال فی حاشیة المشکوٰة و لا یدعو للمیت بعد صلوٰة الجنازة لانہٗ یشبہ الزیادة فی صلوٰة الجنازة صـ۱۴۷ ج۱

اور وعظ مذکورہ کی ممانعت مذکور نہیں اس لئے کہ وعظ مذکور کو چھوڑنے پر تارک پر نکیر نہیں کی جاتی اور دُعار مذکور نہ کرنے والے کو بے دین وہابی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ لوگ عقیدةً اس کو ضروری اور حکم شرعی سمجھتے ہیں۔ پس یہ بدعت ہوگی

اور وعظ مذکور ایسے نہیں ثالثاً وعظ سے مقصود تذکیر و نصیحت ہے اور خطبہ بھی تذکیر ہے لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے مخاطبین اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اس مقصود شرعی کے پیش نظر خطبہ سے قبل وعظ کرتے ہیں تاکہ خطبہ کا فائدہ لوگوں کو پہنچے اور جنازہ سے مقصود شرعی دُعا ہے جو کہ شارع علیہ السلام کے تجویز کردہ طریقہ کے مطابق ہو چکی ہے۔ اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے ایک اور دُعا کا اضافہ کرنا اور تمام لوگوں پر اس کا لازم کرنا خود شارع بننا ہے۔ اور تجویز شارع کی العیاذ باللہ توہین کے قریب ہے۔ الغرض دعاء مابعد جنازہ بدعت ہے ———— اور وعظ مذکورہ بدعت نہیں گو لمبا چوڑا وعظ جیسا کہ آج کل رواج ہے شرعاً پسندیدہ نہیں کیونکہ اس سے جمعہ میں تاخیر ہوجاتی ہے اور حکم تعجیل کا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفر اللہ لہٗ

بندہ عبدالستار عفر اللہ لہٗ

۱۴ / ۶ / ۱۳۹۲ھ

لاوارث لاش پر عمل جراحی کی مشق کرنا

ڈاکٹر کو ایک مریضہ کی تشخیص کے لئے عموماً یہ صورت پیش آتی ہے کہ اس کو مریضہ کے سارے جسم کا ہاتھوں سے چھو کر معائنہ کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ بعض حالات میں اعضاءِ مخصوصہ کا معائنہ بھی ضروری ہوجاتا ہے اور سب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مُردہ جسم پر عملِ جراحی کروائی جاتی ہے براہِ کرم جواب مفصل مرحمت فرمائیں۔

الجواب مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کے لئے جن مواضع کا چھونا یا دیکھنا لابدی ہو تو مجبوری کی حالت میں ان کے دیکھنے اور چھونے کی اجازت ہے (جبکہ بدوں اس کے تشخیص و علاج درست نہ ہوسکتا ہو) البتہ انسانی جسم پر عمل جراحی برائے مہارت سو بوجوہ ذیل شرعاً اسکی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(وجہ اوّل) مسلمان میت کو غسل دینا کفن پہنانا اور پھر دفن کرنا شرعاً تمام اہلِ اسلام

کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے کما فی الدر المختار وغیرہ من المعتبرات اور عمل جراحی کی مشق کے لئے مُردہ جسم کو محفوظ رکھنے کے ساتھ احکام بالا کی تعمیل کا ہونا ممکن نہیں۔

(وجہ دوم) حق تعالیٰ سبحانہٗ نے انسان اور باقی تمام اشیاء (مثلاً معدنیات، نباتات، حیوانات) کے مقاصد تخلیق میں بنیادی طور پر فرق رکھا ہے پورے عالم میں پھیلی ہوئی اجناس متعددہ کے ان گنت اشیاء کو اس لئے وجود میں لایا گیا تاکہ مختلف انسانی حاجات کی براری اور زندگی کے گوناگوں تقاضوں کی تکمیل ہوسکے، قرآن کریم میں ہے۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (۲) وسخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض جمیعاً الآیۃ لوہا، پیتل، چاندی، سونا اور تمام معدنیات اناج، غلے، سبزیاں اور دیگر نباتات اسی طرح حیوانات ان سب اشیاء کو انسان کے تصرف میں دیدیا گیا ہے انسان مختلف طریقوں سے اپنی زندگی کو باضابطہ آسودہ اور محفوظ بنانے کے لئے ان اشیاء کو استعمال میں لاتا ہے کوئی چیز پس کر کام آتی ہے کوئی کٹ کر۔ کسی کو گرم کرکے کارآمد بنایا جاتا ہے کسی کو ٹھنڈا کرکے۔ کسی چیز کو چیر پھاڑ کر کام میں لایا جاتا ہے تو کسی کو سی کر پرو کر کہیں تحلیل ہوتی ہے کہیں ترکیب و تجزیہ ہوتا ہے کہیں تنقید۔ الغرض ان اشیاء کو انسان کے استعمال ہی کی غرض سے پیدا کیا ہے اور ان کی حیثیت محض سامان زندگی اور متاع انسانی ہونے کی ہے۔ پس ان میں سب تصرفات دُرست ہیں۔ بخلاف انسان کے کہ اسے خداوند قدوس نے سامان اور متاع کی حیثیت میں پیدا نہیں کیا کہ ضروریات زندگی میں اسے بھی چیر پھاڑ کر یا کوٹ چھان کر یا گلا پگھلا کر لگایا اور استعمال کیا جاسکے۔ بلکہ انسان کو صاحب متاع اور فطرتی طور پر ان اشیاء میں تصرف کنندہ بنایا ہے۔ اسی بنیادی فرق کی وجہ سے اسے تکریم خداوندی کا مورد ٹھہرایا گیا ہے۔ دیکھئے آیت میں اسی خصوصیت انسانی پر کس صراحت سے نص کی گئی ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت الخ اور کچھ ایسے ہی فطرتی تفوق اور فضائل کی بناء پر تکریم سے بڑھ کر خلافت خداوندی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے۔ واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ پ۱) پس انسان کی اس

متصرفانہ حیثیت اور دیگر اشیاء کی اس خادمانہ حیثیت اور متاعی حیثیت کو برقرار رکھنا صریح تقاضائے فطرت اور عین منشاءِ خداوندی کے مطابق ہے جب بھی ان میں سے کسی ایک نوع کو اس کے فطرتی مقام سے پست و بالا کیا جائے گا تو قانونِ فطرت کی خلاف ورزی اور حدود خداوندی کی شکست و ریخت لازم آئے گی اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسانی جسم پر عملِ جراحی کی مشق یہ اسے دائرۂ انسانیت سے نکال کر متاع وجمادات کی نوع میں داخل کرنا ہے تو کسی انسان یا کسی خاص طبقہ انسانی کو یہ کیسے حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی فنی تکمیل کے لئے کسی دوسرے انسان یا اس کے کسی عضو کو تختۂ مشق بنائے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو ایک لوہار لوہے کے ساتھ یا ایک بڑھئی لکڑی کے ساتھ یا ایک درزی کپڑے کے ساتھ اور ایک قصاب گوشت کے ساتھ کرتا ہے آخر خدائی حدود کی شکست و ریخت کو کیسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

(وجہ سوم) مُردہ انسان کو عملِ جراحی کے لئے تختۂ مشق بنانے میں انسانی جسم کی توہین و تذلیل ہے جو کہ مقامِ تکریم کے قطعاً خلاف ہے۔ پس عدم جواز ظاہر ہے۔

(وجہ چہارم) بعض احادیث میں آتا ہے کہ مُردہ کی رُوح بھی اسی طرح دردو الم کو محسوس کرتی ہے جیسا کہ زندہ انسان کی رُوح اور مُردہ کو بھی ایذاء پہنچتی ہے اور عمل جراحی میں ایذاء ہونا ظاہر ہے اور ایذا سے احتراز کرنا واجب ہے۔

(وجہ پنجم) کوئی سلیم الفطرت اپنے ساتھ یا اپنے کسی عزیز کی لاش کے ساتھ اس معاملہ (عمل جراحی معہود) کو پسند نہیں کرتا تو جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کی جاتی تو آخر لاوارث اور غرباء کی لاشوں کے لئے وہ کیسے پسند کی جاتی ہے؟ اسلام کی نظر میں نفس ہونے کی حیثیت سے شاہ وگدا، امیر وغریب، زبردست و زیردست سب برابر ھیں اور انسانی حقوق میں سب یکساں ہیں۔

(وجہ ششم) لاوارث، غرباء مساکین کی لاشوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا قساوتِ قلبی اور سخت معاشرتی بے رحمی ہے معاشرہ کا فرض ہے کہ لاوارث لاشوں کا اسی طرح احترام کرے جیسا کہ ہر شخص اپنے اقرباء کی لاشوں کا کرتا ہے۔ اقرباء کی لاشوں کا

انتہائی احترام کرنا اور لاوارث نعشوں کو فنی تکمیل کی بھینٹ چڑھا دینا آخر یہ کہاں کا انصاف ہے اور انسانی ہمدردی کی کونسی قسم ہے غُربا پروری اور رحمدلی کی کونسی نوع ہے ؟

مختصراً تحریر ہوا اُمید ہے کہ انسانی مُردہ جسم پر عمل جراحی کی شرعی حیثیت کے بارے میں آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے اس پر قُدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ عمل جراحی مذکور ناجائز ہوا تو فن جرّاحی میں تکمیل کی کیا صورت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہی مخدوش ہے کہ بدوں اس کے تکمیل وتحصیل فن ممکن نہیں ثانیاً یہ کہ یہ ایک مشترکہ انسانی حاجت ہے۔ اس کے لئے کوئی جائز طریقہ تجویز کرنا ماہرین فن کا کام ہے اگر کہا جائے کہ تکمیل مذکور کے لئے کوئی دُوسرا طریقہ تجویز کیا جانا دُشوار ہے تو جواب یہ ہے کہ ناجائز سہل کے مقابلہ میں جائز دُشوار کو اختیار کرنا عین عقلی تقاضا ہے اور انسانی خصوصیت ہے۔ آخر چوری اور جائز کسب میں یہی فرق تو ہے۔ دیگر واضح رہے کہ یہ مشکل شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ موجودہ نظام تعلیم کو ترتیب دینے والوں کی طرف سے ہے کہ اُنہوں نے موجودہ نظام تعلیم کی ترتیب کے وقت جائز و ناجائز کی تفریق کو پیشِ نظر نہیں رکھا یہ تو درکنار جو بیچارے غالباً اس کے ابتدائی شعور سے بھی بے بہرہ ہوں گے۔ تو ایسے لوگوں کا مُرتب کردہ کوئی نظام جب بھی ان لوگوں پر چالو کیا جائے گا جو لوگ جائز و ناجائز کی تفریق کے قائل ہیں آخر مشکلات اور دُشواریاں ہی تو پیش آئیں گی۔ فإلى الله المشتكىٰ - فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، الجواب صحیح ،

۶/۶/۱۳۸۱ھ بندہ عبد اللہ غفرلہٗ

ساتھ آنے والوں کا میّت کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے

جب جنازہ قبرستان لیجاتے ہیں تو کوئی کسی طرف سے قبرستان میں داخل ہوتا ہے، کوئی کسی طرف سے تو جو پہلے دفن کی جگہ تک پہنچ جائیں وہ کھڑے رہیں یا بیٹھ سکتے ہیں؟

الجواب جنازہ کے ساتھ آنے والوں کا جنازہ کو زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔

وکرہ الجلوس ای جلوس متبعی الجنازۃ قبل وضعھا فلا بأس بالجلوس بعد وضعھا کما فی الکافی وفیہ اشعار بان القیام اولی قال الجلابی ان القیام یستحب حتی یدفن اھ

(جامع الرموز ص ۱۹۳)

فقط واللہ اعلم، محمد انور ۱۳۹۸/۹/۴

قبر کتنی گہری ہو؟

قبر کھودتے وقت قبر کتنی گہری کھودی جائے؟

الجواب اصل تو یہ ہے کہ قبر اتنی گہری ہو کہ بدبو وغیرہ باہر نہ آئے اور لاش درندوں سے محفوظ ہو جائے اس کی تحدید فقہاء نے یوں فرمائی ہے کہ کم از کم میت کے نصف قد کے برابر ہو اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو زیادہ اچھا ہے۔

وحفر قبرہ فی غیر دار مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن اھ (درمختار)

(قولہ مقدار نصف قامۃ الخ) او الی حد الصدر وان زاد الی مقدار قامۃ فھو احسن کما فی الذخیرۃ فعلم ان الادنی نصف القامۃ والاعلی القامۃ وما بینھما بینھما شرح کافیہ وھذا حد العمق والمقصود منہ المبالغۃ فی منع الرائحۃ ونبش السباع

وفی القہستانی وطولہ علی قدر طول المیت وعرضہ علی قدر نصف طولہ اھ (شامیۃ صـ ۶۵۹ ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

تدفین کے لئے دُوسری جگہ منتقل کرنے کا حُکم

(۱) میت کی جہاں وفات ہو اُسی جگہ دفن کرنا چاہیئے یا اس کو وطن میں لے جا سکتے ہیں۔

(۲) اگر ولی باوجود موجود ہونے کے جنازے میں شامل نہ ہو تو جنازہ متعدد بار کرایا جا سکتا ہے۔

(۳) اگر ولی عالم ہے تو جنازہ پڑھانے میں حق جو محلے کا امام ہو اُس کا حق مقدم ہے یا ولی کا۔ ولی امام کے علاوہ کسی اور کو کہہ سکتا ہے۔

سائل عبداللہ ۔ مظفر گڑھ

الجواب (۱) مُستحب ہے کہ اُسی جگہ دفن کیا جائے جہاں پر وفات ہوئی ہو۔ مُسافت بعید کے لئے فُقہاء نے مکرُوہ لکھا ہے۔ گو بعض فقہاء نے اپنے شہر کی طرف منتقل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (فتاویٰ ھندیہ)

(۲) اگر جنازے میں امام ۔ امام اعظم سلطان یا قاضی یا امام الحی ہو تو اب ولی کو لوٹانے کا حق نہیں ۔ لان ھؤلاء اولیٰ منہ وان کان غیر ھؤلاء لہ ان یعید (فتاویٰ عالمگیری صـ ۸۴ ج ۱)

(۳) ولی سے محلّہ کا امام زیادہ حقدار ہے ۔ بشرطیکہ افضل ہو۔ ورنہ ولی احق ہوگا۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی میں ہے)

ثم امام الحی المراد بہ امام مسجد محلتہ لکن بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولیٰ منہ کما فی النہر وفی الشرح والصلوٰۃ فی الاصل حق الاولیاء لقربھم الا ان الامام والسلطان یقدمان لعارض الامامۃ العظمیٰ والسلطنۃ ۔ الی ان قال واما امام الحی فیستحب تقدیمہ عن طریق الافضلیۃ (طحطاوی صـ ۳۱۳)

اور جس شخص کے لئے حق تقدّم حاصل ہو ۔ وہ دُوسرے کو اجازت دے سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

شہید کی اقسام اور ان کے احکام

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام ـــــــــ

مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :

(۱،۲) شہید کسے کہتے ہیں ؟ شہید کے کتنے درجے ہیں ، یعنی کتنے قسم کے شہید ہیں ؟

(۳) جو آدمی آگ میں جل جائے کیا وہ بھی شہید ہے ؟

(۴) اسی طرح جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم اور انکے مسلمان رفقا جو طیارہ میں ہلاک ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

(۵) اگر کوئی شخص مکان گرنے سے مرجائے ـــــ یا ـــــ

(۶) کسی حادثہ میں مرجائے تو کیا وہ بھی شہید ہے ؟

(۷) کافی دن پہلے جو ایک جہاز گم ہوگیا ہے کیا اس میں سوار تمام حضرات شہید ہیں ؟

بندہ کی طرف سے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ برائے مہربانی ان تمام مسائل کے بارے میں تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔ ـــــ فیاض احمد عثمانی ۔ مکتبہ امدادیہ ۔ ملتان

الجواب : ۱ تا ۶ ـــــ شریعت میں شہادت کی تین صورتیں ہیں ۔

(۱) ایسی شہادت جس کی وجہ سے اس شہید پر دنیا میں بھی شہید کے احکام جاری ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اسے شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور شہیدوں کا سا اعزاز واکرام اس کے ساتھ کیا جاتا ہے ایسا شہید ہر وہ مکلف مسلمان ہے جو ظلماً آلۂ جارحہ سے قتل کیا جائے ایسا قتل جو موجب قصاص ہوتا ہے اور وہ مقتول حدثِ اکبر سے پاک ہو اور زخمی ہونے سے لیکر وفات تک زندگی کا کوئی عمل مثلاً کھانا پینا ، دوا کرنا وغیرہ نہ پایا جائے اور جو باغیوں ، ڈاکوؤں ، دہشت گردوں اور کافروں کے ہاتھوں مارا جائے وہ بھی شہادت کی اسی قسم میں داخل ہے خواہ وہ اسے کسی ذریعہ سے قتل کریں ایسے شہید کا حکم یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ انہی کپڑوں سمیت (بشرطیکہ وہ کفن بن سکتے ہوں) جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جائے ۔

ھو (ای الشہید) کل مکلف مسلم طاھر قتل ظلما بجارحۃ ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث وکذا لو قتلہ باغ او حربی او قاطع طریق ولو تسببا بغیر آلۃ جارحۃ فان مقتولھم شہید بای آلۃ قتلوہ لان الاصل فیہ

شہداء أحد ولم یکن کلّهم قتیل سلاح اھ (درمختار)

قوله ولو تسبباً لان موته یکون مضافا الیھم فلو أوطئوا دابتھم مسلماً او نفروا دابة مسلم فرمته او رموا ناراً فی سفینة فاحترقت ونحو ذلك فھو شھید اھ۔ (شامی صـ ۶۲۱ ج ۱)

شہید کی تعریف کے لحاظ سے ظاہر یہی ہے کہ مظلوم صدر ضیاء الحق مرحوم اور ان کے مسلمان رفقاء شہید کی اسی قسم میں داخل ہیں اور وہ دنیوی احکام اور اخروی درجات کے اعتبار سے ہر طرح شہادت سے سرفراز ہوئے ہیں اعلی اللہ درجاتھم وتجاوز عن سیآتھم۔

(۲) ایسی شہادت جس میں آخرت میں تو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور انہی جیسا اعزاز واکرام کیا جاتا ہے لیکن ان پر شہید کے دنیوی احکام جاری نہیں ہوتے۔ ایسی شہادت پانیوالوں کی تعداد بہت ہے علامہ شامی نے چالیس سے زائد نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ بعض نے پچاس سے بھی زائد نقل کئے ہیں آگ میں جل کر مرنے والا، مکان کے نیچے دب کر مرنیوالا، اور اتفاقی حادثے میں مرنیوالا بھی انہی میں داخل ہے۔

وکل ذالک فی الشھید الکامل والا فالمرتث شھید الآخرة وکذا الجنب ونحوہ ومن قصد العدو فاصاب نفسه والغریق والحریق والمھدوم علیه والمبطون والمطعون والنفساء والمیت لیلة الجمعة وصاحب ذات الجنب ومن مات وھو یطلب العلم وقد عدھم السیوطی نحو الثلاثین (درمختار)

وبذلك زادت علی الاربعین وقد عدھا بعضھم اکثر من خمسین وذکرھا الرحمتی منظومة فراجعه اھ (شامی صـ ۶۲۳ ج ۱)

(۳) جو شخص کافروں کے ہاتھوں مارا جائے اور اس میں ظاہری شرائط وہی پائی جائیں جو پہلی صورت میں ذکر کی گئیں مگر اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو بلکہ محض شہرت یا کسی اور غرض سے جنگ میں شریک ہوا ہو، ایسا شخص آخرت کے لحاظ سے شہید نہیں مگر دنیا میں اس کے ساتھ شہیدوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔

(قوله فی الشھید الکامل) وھو شھید الدنیا والآخرة وشھادة الدنیا بعدم الغسل الا لنجاسة اصابته غیر دمه وشھادة الآخرة بنیل الثواب الموعود للشھید افاده فی البحر والمراد بشھید الآخرة من قتل مظلوماً او قاتل لاعلاء کلمة اللہ حتی قتل فلو قاتل لغرض دنیوی فھو شھید دنیا فقط تجری علیه احکام الشھید

فی الدنیا وعلیہ فالشہداء ثلاثۃ اھ (شامی ص ۶۴۲ ج ۱)

۷۔ اگر وہ جہاز حادثہ کا شکار ہوگیا ہے تو اس میں مرنے والے بھی شہید ہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور، ـــــ
۲۴ / ۲ / ۱۴۱۰ ھ

کفن کیسے کپڑے کا دیا جائے ؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں ـــ مسئلہ صورت یہ ہے کہ آیا چارہزار جاپانی کیٹی کا کفن بنانا جائز ہے یا نہیں ــ ؟ فقط : والسلام،

ـــــ حاجی امیر احمد صاحب

الجواب : میت اپنی زندگی میں جمعہ وعیدین جیسے اجتماعات پر جیسے اچھے کپڑے پہنتا ہو ویسا ہی کفن دیا جائے نیز کفن میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ وہ سفید ہو صاف ستھرا ہو زیادہ قیمتی نہ ہو جاپانی کیٹی اگر اس اصول کے تحت آتی ہو تو اس کا کفن درست ہے :

ویحسن الکفن لحدیث حسنوا اکفان الموتی اھ (درمختار) قولہ ویحسن الکفن بان یکفن بکفن مثلہ وھو ان ینظر الی ثیابہ فی حیاتہ للجمعۃ والعیدین وفی المرأۃ ماتلبسہ لزیارۃ ابویھا کذا فی المعراج فقول الحدادی وتکرہ المغالاۃ فی الکفن یعنی زیادۃ علی کفن المثل (نہر) لحدیث الخ وفی صحیح مسلم عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ وروی ابوداؤد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تغالوا فی الکفن فانہ یسلب سلبا سریعا وجمع بین الحدیثین بان المراد بتحسینہ بیاضہ ونظافتہ لاکونہ ثمینا اھ (شامی ص ۶۳۲ ج ۱)۔ فقط :

الجواب صحیح
منظور احمد نائب مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان

واللہ اعلم،
محمد انور ـــــ

۱۲ / ۲ / ۱۴۱۰ ھ

۱۱ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ مطابق
۱۴ ستمبر ۱۹۸۹ء

دفن کے پندرہ دن بعد قبر پر نمازِ جنازہ کا حکم ۔۔!

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین دریں مسئلہ کہ زید غائب ہوگیا۔ زید کے ورثاء کافی عرصہ تلاش کرتے رہے۔ پھر معلوم ہوا کہ نعش لاوارث فلاں جگہ ملی اور اُس کو دفن کردیا گیا۔ زید کے ورثاء نے وہاں جاکر معلوم کیا اور نعش کی شناخت کی تو واقعی وہ نعش زید کی تھی۔ زید کو بغیر غسل وکفن و نمازِ جنازہ کے دفن کردیا گیا۔ اب زید کے ورثاء کہتے ہیں کہ کیا ہم زید کا غائبانہ نمازِ جنازہ اپنے گھر پڑھ سکتے ہیں یا اس قبر پر جاکر نمازِ جنازہ ادا کریں۔ جو حکم شرعی ہو وہ مفصّل لکھیں۔

نوٹ: دفن کرنے کے بعد تقریباً پندرہ یوم بعد قبر کشائی ہوئی جس سے زید کے ورثاء نے معلوم کرلیا کہ واقعی نعش زید کی ہے۔ دفن کو اب پندرہ دن گزر چکے ہیں۔ قبر کشائی کے وقت جسم کے جس حصہ کو ہاتھ لگاتے تھے تو گوشت الگ ہوجاتا تھا ۔۔۔

سائل، غلام رسول

الجواب

اب نہ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور نہ غائبانہ البتہ اس کے لئے دعاءِ مغفرت اور ایصالِ ثواب کی دوسری صورتیں جتنی ہوسکیں کرتے رہیں۔

وان دفن و اهيل عليه التراب بغير صلوٰة او بها بلا غسل او صلى من لا ولاية له صلى على قبره استحسانا مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الاصح اھ ۔۔۔ (درمختار علی الشامیۃ ج۱ ص۶۵۲)

فقط واللہ اعلم

محمّد انور

صفر ۱۴۱۰ھ

تفسّخ کے بعد جنازہ پڑھنے کا حکم

ایک لاش کے بارے میں

غالب گمان بلکہ یقین تھا کہ نعش میں تفسّخ ہوگیا ہے۔ اس لئے امام مسجد نے نمازِ جنازہ پڑھنے سے اجتناب کیا اور کہدیا کہ جو آدمی جنازہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ ایک آدمی کو امام بناکر نمازِ جنازہ پڑھ لیں۔ اس لئے جو آدمی قبرستان پر تھے اکثر نے نمازِ جنازہ پڑھ لیا

اَب سوال یہ ہے کہ جس میّت کی ایسی حالت ہو اس کا نماز جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ نیز شامی وغیرہ کتب فقہ میں صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ جو وارد ہے۔ کیا تفسخ صرف قبر والے میّت کے لئے علّت ہے یا قبر سے باہر بھی جس میّت میں تفسّخ پایا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے یا اس کا الگ حکم ہے۔ نیز یہ بھی تفصیل سے بیان فرمادیں کہ تفسّخ کی ابتدا کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ کیا تعفن سے تفسّخ کی ابتدار شروع ہوتی ہے یا نہیں اور تعفّن تفسّخ میں داخل ہے یا نہیں؟

یا تفسّخ کی ابتدار اس وقت شروع ہوتی ہے جب بال اور کھال جسم سے الگ ہونے شروع ہوں یا گوشت اعضار کو چھوڑنے لگیں۔ براہ مہربانی تفصیل سے تفسّخ کی تشریح فرمادیں۔ ابتدار اور انتہار کی حد بندی فرمادیں۔ نیز ایسی حالت میں بکسہ پیٹی کو قبر کی حیثیت دی جاسکتی ہے یا نہیں۔؟ بینوا وتوجروا

الجواب جب غالب گمان یہ ہو کہ لاش میں تفسّخ ہو گیا ہے تو جنازہ نہ پڑھنا چاہیئے۔

ولو لم یھل التراب یخرج فیغسل ویصلی علیہ مالم یتفسخ اھ (مراقی)

قولہ مالم یتفسخ ای تتفرق اعضاءہ فان تفسخ لا یصلی علیہ مطلقاً لانھا شرعت علی البدن ولا وجود لہ مع التفسخ اھ (طحطاوی ص۳۲۴)

تفسّخ عام ہے قبر میں ہو یا باہر کما یفھم من عموم قولہ ولا وجود لہ مع التفسخ۔ شامی میں ایک مقام پر انتفاخ، تمعط اور تفسّخ کا فرق کرتے ہوئے تفسّخ کی تعریف یہ کی ہے کہ اعضار الگ الگ ہو جائیں۔

قولہ وانتفخ ای تورم وتغیر عن صفۃ الحیوان وقولہ تمعط ای سقط شعرہ وقولہ او تفسخ ای تفرق اعضاءہ عضواً عضواً اھ (شامی ص۱۴۱ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور
۲۰ / ۱ / ۱۴۱۰ھ

دُعاء بعد الجنازہ کے بارے میں اہلِ بدعت کے پمفلٹ کا مُفصل جواب

جنازہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی طور پر دُعاء مانگنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے ہمیں ایک پمفلٹ بھیجا ہے، اس میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں ——— اور یہ بھی کہا ہے کہ صحابۂ کرام سے بھی یہ دعاء ثابت ہے اور عام مسلمان بھی اسے اچھا سمجھتے ہیں۔

۱۔ ولنا ما رُوِیَ عن ابنِ عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما انہما فاتتہما الصلوٰۃ علی الجنازۃ فلما حضرا ما زادا علی الاستغفار لہٗ وعبد اللہ بن سلام فاتتہ الصلوٰۃ علی جنازۃ عمر فلما حضر قال إن سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ اھ۔ (مبسوط سرخسی ص۶۷ ج۲)

۲۔ إنَّ الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین الآیۃ

۳۔ واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون الآیۃ۔

۴۔ عن عمل البرّ کلہ نصف العبادۃ والدعاءِ نصفٌ۔

۵۔ اذا اراد اللہُ بعبدٍ خیراً اَلْجَاءَ قَلْبَہٗ للدعاء اھ

۶۔ اذا فرغ احدکم من صلوٰۃٍ فلیدع۔

۷۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء (ابوداؤد) اس کی تفسیر یہ ہے اذا فرغتم من الصلوٰۃ فاخلصوا لہٗ الدعاء ——— (بیہقی)

(۸):۔ عن ابراھیم الھجری قال رأیت ابن ابی اوفیٰ اذا ماتت ابنتہ ثم کبّر علیھا اربعاً ثم قام بعد ذلک قدر ما بین التکبیرتین یدعو وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصنع علی الجنازۃ ھکذا (کنز العمال ص۲۵۳ ج۲)

(۹):۔ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور ابراہیم حلبی نے کبیری میں واقدی کی کتاب المغازی سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب کی شہادت کا ذکر ہے۔ اَخَذَ الرَّایَۃَ زید بن حارثۃ فمضی حتی استشھد ثم اَخَذَ الرایَۃَ جعفر بن ابی طالب فمضی حتی استشھد فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعالہٗ وقال استغفروا لہٗ۔

(۱۰):۔ وعن نافع قال کان ابن عمرؓ اذا انتھی الی الجنازۃ قد صُلِّیَ علیہ دعا وانصرف مزید برآں مبسوط سرخسی میں رقم ہے۔ ان ما تعارفہ الناس فلیس فی عینہ نصٌّ یبطلہٗ فھو جائز وقال العلامۃ لا یعمل بما یخالفہ ولا یرکن الا الیہ ولا یفتیٰ الا بہٖ (شامی ص۱۵ ج۱)

(۱۱):۔ اور امام سیوطی نے لکھا ہے کہ طاؤس کے بیٹے نے اپنے باپ سے پوچھا۔ "ما افضل ما یقال عند المیت قال الاستغفار لہٗ" اھ

(۱۲):۔ اَوْ وَلَدٌ صالح یدعو لہٗ (مشکوٰۃ شریف)

(۱۳):۔ یرفع العذاب عن دعاءِ الاحیاء (زہرۃ الریاض)

(۱۴):۔ لا تعجزوا عن الدعاء فانہ لن یھلک مع الدعاءِ اَحَدٌ (مسندِ حاکم)

(۱۵):۔ ان اللہ یغضب من لا یسئل اللہ تعالیٰ اھ

(۱۶):۔ قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب احتمال وارد کہ بعدِ نماز یا پیش از ان بقصد تبرک خواندہ باشد چنانچہ الآن متعارف است (اشعۃ اللمعات)

(۱۷):۔ بعد از تکبیر چہارم سلام ہر دو جانب بگوید و دعاء بخواند فتوی بر این قول است۔ (مجموعہ خانی ص۱۱۱)

(۱۸):۔ ویقول بعد صلوۃ الجنازۃ اللھم لا تحرمنا اجرہ الخ

(نہر الفائق شرح کنز الدقائق باب الجنازۃ)

یہ اٹھارہ دلائل مولوی صاحب نے دیئے ہیں آپ ان دلائل پہ تبصرہ فرمادیں اور سوال میں جو فتاوی حنفیہ کے ہیں ان کا جواب فقہ حنفی کے مطابق عنایت فرمادیں۔

الجواب ایک انسان جب دُنیا سے رُخصت ہوتا ہے تو یہ وقت اس کے لئے نہایت ہی پریشانی ولاچاری اور بے بسی کا ہوتا ہے کیونکہ ایک اجنبی اور ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جس کے مالک کی نافرمانی میں عمر گزاری نہ معلوم یہاں کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور کون کون سے مصائب کا سامنا کرنا پڑے، پلّے کوڑی نہیں اور ضروریات کروڑوں ہیں بلکہ اَن گنت۔

اس بیکسی کی حالت میں شریعت مقدسہ نے اہل اسلام کے ذمّہ مرنے والے کی اعانت کو ضروری قرار دیا یہ اعانت مالی نہیں بلکہ فعلی یعنی قولی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرنے والے کو سپردِ خاک کرنے سے پہلے سب مسلمان مل کر بہ الحاح بارگاہِ خداوندی میں یہ درخواست کریں کہ اے اللہ مرنیوالے نے اپنی زندگی میں جتنے تیرے قصور کئے ہیں ان پر مؤاخذہ نہ فرمانا بلکہ اسے آرام وچین کی زندگی اور نئی دنیا میں ہر قسم کی سہولتیں مہیا فرمانا نیز اسی کا سوال ہم اپنے لئے بھی کرتے ہیں یہ حقیقت ہے نمازِ جنازہ کی جیسا کہ حضراتِ فقہاء نے تحریر فرمایا مگر چونکہ درخواست کے قبول ہونے میں الفاظ کے مضمون کا اور درخواست پیش کنندگان کی ہیئت وغیرہ امور کو بڑا دخل ہے کوئی عجب نہیں کہ ایک درخواست صحتِ مضمون کے باوجود امور بالا میں مزاجِ شاہی کی رعایت نہ ہو سکنے کی وجہ سے رَد کر دی جائے لہٰذا آدابِ بارگاہِ خداوندی پر مطلع ذاتِ صمدیت سے آگاہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے میّت کے حق میں درخواستِ مذکور پیش کرنے کے لئے سب سے بہترین صورت اس کی مکمل تفصیلات کے ساتھ ہمیں تعلیم فرمادیں ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ صورت سے بہتر صورت کی تجویز ممکن نہیں اور آپ کی تعلیم ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے لہٰذا مزید کسی ترمیم واصلاح اور حک واضافہ کی محتاج نہیں کیونکہ تعلیمِ نبوی کو بھی اگر محتاجِ اصلاح سمجھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے مصلح کو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے اَعْلَمْ یقین کیا ہے کیونکہ مصلح کا طالبِ اصلاح کی نسبت اعلم ہونا لازمی ہے تو اس میں تنقیص شانِ نبوی ہے جو مستلزم کفر ہے۔

پس ثابت ہوا کہ تعلیم نبوی ہرگز قابلِ اصلاح و حک و اضافہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سُنّتِ نبویہ اور طریقۂ صحابہ کو نہایت مضبوطی سے تھامنے کی سخت تاکیدات وارد ہیں اور اس کے خلاف کرنے پر وعیدیں آئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ نہایت ہی مؤثر وعظ کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ میرے اور خلفاءِ راشدین کے راستے (سُنّت) کو اپنے اُوپر لازم کرلو اور اس کے ساتھ چمٹ جاؤ اور نیز فرمایا کہ اس راہِ سُنّت کو دانتوں کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو (کہیں چھوٹنے نہ پائے) آخر میں ارشاد فرمایا کہ نئے نئے پیدا ہونیوالے کاموں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو۔ کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اس حدیث کے پیشِ نظر اہلِ اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ہر کام میں سُنّت طریقہ کو اپنا معمول بنائیں اور عبادات اور تعلیماتِ نبویہ پر کی جانے والی کمی اور زیادتی سے قطعی احتراز کریں۔ پس نمازِ جنازہ کی وہی شکل جو زمانۂ نبوّت میں یا خیرالقرون میں موجود تھی اسی پر عمل کیا جائے اور اس پر ہونے والی زیادتی کو مردود ٹھہرایا جائے اور ذخیرۂ احادیث اس پر شاہد ہے کہ خیرالقرون میں دُعاءِ مذکورہ کا نشان نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہؓ سے نمازِ جنازہ کی کیفیت بطریق شہرت ثابت ہے وہ صرف یہی ہے کہ تکبیرات ہیں اور ان کے اثناء میں حمد و درود کے بعد دُعاء ہے اور بعد ازاں سلام پھیر کر نماز ختم ہو جاتی ہے اور بس۔

کسی حدیث میں یہ زیادتی موجود نہیں کہ سلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضراتِ صحابۂ کرام دعاء مانگا کرتے تھے۔ اگر خیرالقرون میں مانگی جاتی ہوتی تو یقیناً منقول ہوتی ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ درمیان والی دعاء بصراحت احادیثِ کثیرہ میں منقول ہو اور بعد والی منقول نہ ہو۔ آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام اور حضراتِ صحابہؓ سے نمازِ جنازہ کی جو کیفیت منقول ہے یہ ہے:

"نجاشی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نمازِ جنازہ اس طرح پڑھی :

وَخرج الی المصلّٰی فَصَفَّ بهم فکبر اربع تکبیرات اھ۔

(مؤطا بروایت ابی ہریرۃ رضؓ ص ۲۲۴)

ایک مسکینہ کی نمازِ جنازہ میں آپ شرکت نہ فرما سکے تو قبر پر تشریف لے گئے تو نمازِ جنازہ یوں پڑھا : فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی صفّ بالناس علی قبرہا فکبر اربع تکبیرات ۔ (مؤطا)

امام طحاویؒ نے کثیر روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کا تکبیرات پر اختتام پذیر ہونا ثابت کیا ہے نیز حضرت عثمان، علیؓ، ابنِ عباسؓ، حسنؓ، براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہم صحابہؓ کا یہی معمول نقل کیا ہے۔ (طحاوی ص۲۴۱ ج ۱)

اِن احادیث سے تکبیرات ثابت ہوئیں ۔ درمیانی دُعاء وسلام وغیرہ حدیثِ ذیل سے ثابت ہیں ۔ قال ابو ھریرۃ رضؓ انا لعمر اللہ اخبرک اتبعھا من اھلھا ۔ فاذا وضعت کبرت وحمدت اللہ وصلیت علی نبیہ ثم اقول اللھم عبدک وابن عبدک الخ (مؤطا) قال الشارح صلیت بعد التکبیرۃ الثانیۃ ثم ادعو بالدعاء الآتی بعد التکبیرۃ الثالثۃ ۔ واخرج البیھقی فی المعرفۃ عن ابی امامۃ بحدیث سعید بن مسیب قال ان السنۃ فی صلوۃ الجنازۃ ان یقرأ بفاتحۃ الکتاب ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یخلص الدعاء للمیت حتی یفرغ ولا یقرأ الا مرۃ واحدۃ ثم یسلم اخرج مالک عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان اذا صلی علی الجنائز یسلم الی آخرہ ۔ عینی نے بروایتِ عبداللہ بن ابی اوفی مرفوعاً نمازِ جنازہ کے ختم پر سلام کو ذکر کیا ہے (بذل جنائز ص۴۶۵)

الحاصل احادیثِ مشہورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا نمازِ جنازہ پڑھنا صرف سلام پھیرنے تک منقول ہے اس کے بعد دُعا ہرگز منقول نہیں پس یہ دُعا مانگنا تعلیمِ نبوی پر زیادتی ہوگی جس کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی جیسا کہ اُوپر کہا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص تعلیمِ نبوی میں کوئی کمی زیادتی کرتا ہے گویا کہ وہ تعلیمِ نبوی کو نعوذ باللہ من ذلک ناقص سمجھتے ہوئے اسکی اصلاح وتکمیل کرتا ہے اور اپنے تیئں گویا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ اعلم اور اُمت کے حق میں آپ کی بہ نسبت زیادہ شفیق ہونے کا مُدعی ہے العیاذ باللہ ورنہ بتلائے کہ اگر یہ ادعاء نہیں تو تعلیمِ نبوی کے

کامل ہونے پر ایمان رکھنے کے باوجود وہ کون سا داعیہ ہے جو اس زیادتی کا محرّک بنا۔

چونکہ احادیث میں نمازِ جنازہ صرف سلام تک وارد ہے اس لئے فقہاء کرام نے بھی اتنی ہی نماز جنازہ بتلائی چنانچہ ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

والصلوۃ ان یکبر تکبیرۃً ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یکبر تکبیرۃ یدعو فیہا لنفسہٖ وللمیت وللمسلمین ثم یکبر الرابعۃ ویُسلِّمُ (ص۱۶۱ ج۱) وفی التنویر وھی اربع تکبیراتٍ یرفع یدیہ فی الاولیٰ فقط ویثنی بعدھا ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الثانیۃ ویدعو بعد الثالثۃ ویسلم بعد الرابعۃ ولا قرأۃ ولا تشھد فیھا الخ (شامی ص۸۱۶ ج۱)

تنویر کے شارح صاحبِ درمختار بھی یہاں خاموشی سے گزر گئے ہیں اور سلام کے بعد دُعا کو ذکر نہیں کیا ہے۔ نیز درمختار کے شارح علامہ شامی نے دُعا کی زیادتی کو بیان نہیں کیا صاحبِ کنز بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ ہو، وتسلیمتین بعد الرابعۃ فلو کبر الامام خمسا الخ اِس میں دعاء مذکورہ کا نشان نہیں سلام تک بیان فرما کر آگے دُوسرا مسئلہ شروع فرما دیا۔ حسن شرنبلالی نورالایضاح میں فرماتے ہیں۔ ویسلم بعد الرابعۃ من غیر دعاءٍ فی ظاھر الروایۃ ولا یرفع یدیہ غیر تکبیرۃ الاولیٰ الخ سلام پر نمازِ جنازہ ختم ہوگئی۔ آگے دُوسرا مسئلہ بیان کیا۔ الغرض تمام کتبِ فقہ میں نمازِ جنازہ کی یہی کیفیت منقول ہے۔ بات طویل ہو جائے گی ورنہ ساری کتبِ فقہ سے اِس قسم کی نقول پیش کی جاتیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی کی کوئی معتبر کتاب ایسی نہیں جس میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہو اور اس میں سلام کے بعد دُعاء کا اضافہ بھی ہو بلکہ ائمہ اربعہ کی فقہ سے اجماعی طور پر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ کا جُز ہونے کی حیثیت سے شرعاً ثابت نہیں۔ پس جب ذخیرۂ احادیث اور ائمہ اربعہ کی فقہ کی رُو سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ دُعاء مذکورہ نماز جنازہ کا جُز نہیں اور تعلیم نبویؐ جسے تمام ائمہ مجتہدین نے بلاکسی اصلاح وترمیم یا کمی وزیادتی کے قبول کیا وہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ پس یہ دُعاء تعلیم نبویؐ پر زیادتی اور خیرالقرون کے بعد کی پیداوار ہوئی۔ پس بنصِ حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو

رَدٌّ" یہ زیادتی مَردود ہوگی نیز بنص حدیث فان کل محدثۃٍ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ زیادۃِ مذکورہ بدعت اور گمراہی بنے گی۔ لہٰذا یہ دُعا واجب الترک ہے۔

تنبیہہ : فقہ کے اس متفقہ فیصلہ سے کہ نمازِ جنازہ سلام پر ختم ہوجاتی ہے۔ یہ امر بھی بخوبی واضح ہوگیا کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں جس جگہ تک ہم کوتاہ بینوں کی رسائی بھی ممکن نہیں کہیں بھی کوئی ایسی صحیح قابلِ استناد حدیث موجود نہیں جس سے دُعار مذکورہ کے اثبات میں استدلال کیا جاسکے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ائمہ ھُدٰی اربعہ اور ان کے اصحاب پر ایسی حدیث مخفی رہ جاتی۔ انتہاء یہ ہے کہ کسی امام مجتہد کا مذہب تو کیا اختلافِ روایات بھی تو منقول نہیں کہ جنازہ کے بعد دُعار کی جائے۔ پس اس تفصیل سے ضمنی طور پر اس حدیث کا جواب ہوگیا جسے خصم کی جانب سے اثباتِ دُعار مذکورہ کے لئے بطورِ دلیل کے پیش کیا جاتا ہے کہ ایسی ساری احادیث یا تو صحیح اور قابلِ استناد ہی نہیں یا پھر مُفیدِ مُدعار نہیں۔

تفصیلِ بالا سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوچکا ہے کہ دُعائے مذکورہ نہ نمازِ جنازہ میں رُکن ہے نہ شرط نہ واجب نہ سُنّت نہ مستحب بلکہ بدعت ہے۔ لیکن بالفرض اگر تھوڑی دیر کے لئے اسے بدعت نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اِس خصوصی محل کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ اسے مباح یا غایت ما فی الباب مندوب کہا جائے گا۔ مگر عوام نے عملاً اور اعتقاداً چونکہ اس دُعار کو واجب کر رکھا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ تارک پر نکیرِ شدید کرتے ہیں اور خود اس پر اِصرار کرتے ہیں بلکہ راقم الحروف کا خود مُشاھدہ ہے کہ لوگوں کو دُعا نہ کرنے والوں کے متعلق کہتے سنا ہے کہ اگر انھوں نے دعار نہیں کرنی تھی تو جنازہ گاہ میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ گویا کہ وہ بدون دعائے مذکورہ کے جنازہ کے پڑھنے نہ پڑھنے کو برابر سمجھتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جب یہ حالت ہوچکی ہو عوام کے فسادِ عقیدہ کی کہ جس مباح یا مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے فسادِ عقیدہ کا اندیشہ ہو وہ مباح یا مستحب واجب الترک ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فتاوٰی عالمگیری ص۲۸۳ ج۱

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہٌ لانّ الجہال یعتقدونہا سنۃً وکل مباحٍ یؤدی الیہ فمکروہ ھکذا فی الزاھدی۔

دیکھئے سجدہ مذکورہ اگرچہ اس محل کے اعتبار سے مُباح تھا لیکن عوام کے فسادِ عقیدہ

کے سبب اسے ناجائز اور مکروہ قرار دیا گیا۔ سجدہ مذکورہ کی مخالفت بوجہ احتمالِ فساد کے مصرح ہے تو جو فعل شرعاً ثابت نہ ہو بلکہ بدعت ہونے کا احتمال یقیناً متعین ہو اس کے بارے میں عوام کا فسادِ عقیدہ بھی محقق ہو تو اسے کرنے کی کیونکر اجازت دی جا سکتی ہے اور دعاء مذکورہ ایسے ہی ہے پس یہ ہرگز جائز نہ ہو گی۔

(۴):۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سورتیں نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے (مثلاً جمعہ کی فجر میں الٓمٓ سجدہ اور دہر وغیرہ) ان کا مذکورہ نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے لیکن ان سورتوں کا مقرر کر لینا کہ اِن نمازوں میں یہی سورتیں ہمیشہ پڑھا کرے۔ ایہام الجاھل کی وجہ سے تمام فقہائے نے اسے مکروہ لکھا ہے یعنی ایسی توقیت گناہ ہے جو واجب الترک ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ھدایہ میں ہے:

(ا):۔ ویکرہ ان یوقت بشئ من القرآن بشئ من الصلوٰۃ لما فیہ من ھجر الباقی وایھام التفضیل ۔ اس پر محقق ابن ہمام کچھ کلام کے بعد فیصلہ فرماتے ہیں کہ:

(ب):۔ فالحق انہ ایھام التعیین، نسا تم المحققین، علامہ شامی اس مسئلہ سے گزرتے ہیں تو فرماتے ہیں: اقول حاصل معنی کلام ھذین الشیخین یعنی الطحاوی والاسبیجابی بیان وجہ الکراھۃ فی المداومۃ وھو امۃ ان رأی ذالک حتماً یکرہ من حیث تغییر المشروع والا یکرہ من حیث ایھام الجاھل (ص۵۰۸ ج ۱)

(ج):۔ یہی علامہ شامیؒ صاحب بحر سے وتر کی سور ثلاثہ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اُنہی کو پڑھنا درست نہیں:

(والسنۃ السور الثلاثۃ) ای الاعلیٰ والکافرون والاخلاص لکن فی النھایۃ ان التعیین علی الدوام یفضی الی اعتقادِ بعض الناس انہ واجب وھو لا یجوز اھ ص۶۲۳ ج ۱۔

دیکھئے ان سورتوں کا مخصوص نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے۔ مگر عوام کے خرابی عقیدہ کے اندیشہ سے اُسے مکروہ لکھا ہے تو دعا بعد نماز جنازہ جس کے بارے میں عوام کا فسادِ عقیدہ مُشاہد ہے کیونکر جائز ہو گی۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض دُعائے مذکورہ کو مستحب بھی

مان لیا جائے تو موجودہ حالات میں عوام کے عقیدہ کی اصلاح کے پیشِ نظر اس دُعاء کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

(۵) :۔ دُعائے مذکور کو چھوڑ دینے کی پانچویں وجہ یہ بھی ہے کہ مُباح و مستحب تو کیا اگر بالفرض اس سے بڑھ کر دُعائے مذکور کا کسی درجہ میں سنت ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے جس کا دلائل کی روشنی میں قطعاً کوئی امکان نہیں جیسا کہ مُفصل گذرا تو پھر چونکہ اس میں بدعت ہونے کا قوی احتمال ہے لہذا قابلِ ترک ہوگی اس لئے کہ جو فعل بدعت اور سُنّت ہونے میں متردد اور دائر ہو جائے اُسے چھوڑ دینا ہی ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے اسکی تصریح فرمائی ہے۔ بحر الرائق میں ہے: ان ما تردد بین بدعۃ وسنۃٍ یترك احتیاطاً (صـ۱۷۸ـ ج ۲)

پس یہ دُعا قابلِ ترک ہے۔

(۶) :۔ دُعائے مذکورہ کے ترک کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ خود محققین فقہاء نے بالتصریح اس دُعا سے ممانعت فرمائی ہے حوالہ سے قبل ایک ضروری امر ذہن نشین کر لینا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ایک مقلد کے لئے اُوپر کی بحثوں میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جبکہ مسئلہ خود فقہ میں موجود ہو، کیونکہ قرآن وحدیث سے استنباطِ مسائل کی صلاحیت واستعداد جس شخص میں موجود ہے اُسے مقلد بننا ہی دُرست نہیں۔ تو مقلد وہی بنتا ہے جو اپنے اندر ایسی صلاحیت نہیں پاتا تو اس کے لئے فقہ کی تصریحات بس ہیں۔ پس چونکہ ہم مقلد ہیں تو اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات ہی کافی سمجھنی چاہیئے ورنہ ہماری حنفیت ختم ہو جائے گی۔ سو ملاحظہ ہو صاحب بحر الرائق محقق العصر علّامہ ابنِ نجیم تحریر فرماتے ہیں کہ دُعاء نہ مانگی جائے۔ وقید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ۔ (صـ۱۸۷ـ ج ۲ مصری)

(۷) :۔ علّامہ صفدر صاحب نے محیط سے نقل کیا ہے کہ جنازہ کے بعد دُعا کرنا مکروہ ہے۔

ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ۔

(۸) :۔ حضرت مُلّا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ و لا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلاۃ الجنازۃ الخ صـ۱۶ـ ج ۲

(۹) :۔ مظاہرِ حق شرح مشکوٰۃ میں بھی تقریباً انہی الفاظ سے جنازہ کے بعد دُعا کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔ "جنازے کی نماز کے بعد دُعاء نہ مانگے" کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ"

(۱۰) :۔ حواشی مالابدمنہ میں ہے۔ وبعد تکبیر چہارم سلام گوید وبعد آں ہیچ دُعا نخواند (صفحہ ۹۴ مجیدی) واضح رہے کہ اصل حواشی مذکورہ مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کے ہیں اور علامہ حافظ سید محمد عبد اللہ بلگرامی اور فاضل اَوحد مفتی عنایت احمد صاحب نے ان پر نظرِ ثانی فرمائی ہے۔ جیسا کہ "مالا بدمنہ" کے خاتمۃ الطبع سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۱) :۔ فتاوی سعدیہ میں مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں : خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادت بودن برامر مسنون منع میکنند۔ (تحقیق الدعا صفحہ ۳۹)

(۱۲) :۔ علامہ فہامہ محقق العصر ابن نجیمؒ بحرالرائق میں فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں تکبیرِ رابعہ کے بعد اور کچھ نہیں جس کے عموم میں دُعا بعد الجنازہ کا منفی ہونا بھی آجائے گا ملاحظہ ہو۔

و اشار بقولہ وتسلیمتین بعد الرابعۃ إلی انہ لا شئ بعدھا غیرھما۔ (صفحہ ۱۹۷ ج ۲)

(۱۳) :۔ مبسوط سرخسی میں ہے : وفی ظاھر الروایۃ لیس بعد التکبیرۃ الرابعۃ دعاء سوی السلام۔ (صفحہ ۶۴ ج ۲)

(۱۴) :۔ شرح نقایہ میں مُلّا علی قاریؒ نے بھی اسی کے قریب قریب الفاظ اس بارے میں نقل فرمائے ہیں۔

(۱۵ تا ۲۰) تحقیق الدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ کے مؤلف نے مزید کتب سے بھی دُعا بعد الجنازہ کی ممانعت ذیل کے الفاظ میں نقل کی ہے ہم ایک کتاب کے الفاظ نقل کر کے دوسری کتب کے حوالے پر اکتفاء کریں گے، جسے تفصیل مطلوب ہو اصل رسالہ کی طرف مراجعت کرے۔

خُلاصۃُ الفتاویٰ میں ہے۔ ولا یقوم بالدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ خلاصۃ الفتاویٰ، فتاویٰ سراجیہ، شرح وقایہ برجندی قنیہ، جامع الرموز، زاد الآخرت۔

مجموعہ خانیہ میں ہے : دُعا نخواند وفتویٰ بریں قول است۔ کذا فی المنہاج الواضح للعلامہ ابی الزاہد صفحہ ۱۹۷۔

مذکورہ بالا دلائل صریحہ سے صراحۃً یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ دُعا بعد الجنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں عہدِ صحابہؓ وتابعین میں بھی اس کا نشان نہیں ملتا۔ ائمہ مجتہدین نے بھی اجماعی طور پر نمازِ جنازہ کی جو کیفیت بتلائی ہے۔ اس میں یہ دُعا موجود نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر

یہ ہے کہ فقہاء نے اِس دُعا کی صراحت کر کے اسے مکروہ وناجائز لکھا ہے۔ جیسا کہ مُفصّل بیان ہوا ہے پس ایک منصف مسلمان کے لئے تفصیل بالا کے پیشِ نظر یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ دُعاء بعد الجنازہ بدعت ہے اور اُسے ترک کرنا ضروری ہے پس ان عربی عبارتوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں رہتی جو بطورِ مغالطہ کسی صاحب نے اثبات دُعاء مذکور کے لئے استفتاءٔ میں تحریر کی ہیں مگر چونکہ وہ اِن عبارتوں کو دلائل سمجھ رہا ہے اس لئے ان کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہوا۔

مقصود سے قبل ایک مقدمہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے تاکہ فہم جواب میں سہولت ہو۔ وہ یہ ہے کہ دلیلِ مطلق سے کسی مخصوص دعویٰ کا ثابت کرنا دُرست نہیں نہ عقلاً نہ شرعاً مثلاً دیکھئے کہ زید قتل کے جُرم میں ماخوذ ہے۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا ہے تو گواہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ زید سے قتل کا جرم ہمارے سامنے سرزد ہوا ہے بلکہ ان کی گواہی صرف اتنی ہے کہ قتل کا وقوع ضرور ہوا ہے لیکن تعیینِ قاتل سے ساکت ہیں۔ تو کیا ان کی گواہی سے زید پر قتل کی فردِ جُرم عائد کر دی جائے گی۔ دُنیا کے کسی عقلمند کے نزدیک ایسا کرنا دُرست نہ ہوگا کیونکہ دعویٰ خاص ہے اور گواہی مطلق ہے۔ پس دلیلِ مطلق سے دعویٰ خاص ثابت نہیں ہو سکے گا۔ شرعاً بھی یہی ہے کہ کسی امر کی فضیلت میں اگر کوئی نص مطلقاً وارد ہو تو اس نص مطلق سے امر مذکور کے کسی خاص موقعہ پر مستحب ہو جانے کا قول کرنا دُرست نہیں ہوتا۔ چنانچہ مُلاحظہ ہو کہ ذکر اللہ کی عام حالت میں بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں لیکن کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی مخصوص ذکر پر کسی مخصوص وقت میں خاص اجر و ثواب کا وعدہ ذکر کرے یا اس وقت خصوصی استحباب کا قائل ہو جائے۔

چنانچہ بحر الرائق میں ہے: لان ذکر اللہ اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون وقتٍ او لشیئٍ دون شیئ لم یکن مشروعاً مالم یَرِدْ بہ الشرع (ص ۱۷۲ ج ۲)

اسی طرح مصافحہ کرنا عام حالات میں سُنّت ہے مگر اس کے لئے کسی خاص وقت کی تخصیص کرنا دُرست نہیں۔ سُنّت ہونے کے باوجود اس خاص محل میں بوجہ تخصیص کے بدعت بن جائے گا۔ اور سُنّیت مصافحہ کی دلیل مطلق سے تخصیص مذکور پر استدلال کرنا باطل ہوگا۔ چنانچہ بعض لوگوں میں نمازوں کے بعد مُصافحہ کرنے کا رواج پڑ گیا تھا مگر فقہاءً

نے اس مخصوص مصافحہ کو دلیلِ مطلق کے تحت داخل نہ مانتے ہوئے اِسے بدعت قرار دیا ہے اور ناجائز ٹھہرایا ہے۔

اِسی طرح بعض لوگوں نے ایک نماز صلاۃ الرغائب کے نام سے ایجاد کی تھی۔ مگر فقہاء نے لوگوں کو اس سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا اور نماز کے فضائل میں وارد ہونے والی مطلق احادیث کے تحت اس نماز کو داخل نہیں سمجھا، بلکہ اس کے واضع کو ملعون قرار دیا ہے۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوٰة مع ان المصافحة سنة وما ذالك الا لكونها لم تؤثر فى خصوص هذا الموضع فالمواظبة عليها توهم العوام بانها سُنة فيه ولذا منعوا عن الاجتماع لصلاة الرغائب التى احدثها بعض المتعبدين لانها لم تو ثر على هذه الكيفية فى تلك الليالى المخصوصة وان كانت الصلوٰة هى خير موضوع الخ

پس جب یہ دعویٰ محقق ہوگیا کہ دلیلِ مطلق سے دعویٰ خاص پر استدلال کرنا باطل ہے تو اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہوگیا کہ دُعاء بعد الجنازۃ کے اثبات کے لئے کسی ایسی حدیث یا آیت سے استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے جو آیت یا حدیث مطلق دُعا کی فضیلت میں وارد ہوئی ہو کیونکہ دعویٰ دُعائے مخصوص کا ہے اور دلیل مطلق دُعا کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ استفتاء میں مذکورہ اکثر دلائل ایسے ہی ہیں۔ پس یہ مفیدِ مُدعا نہیں ہوں گے۔ مگر تحریر کنندہ اپنی نادانی سے ان کو دلائل سمجھ رہا ہے۔ یہ صرف ان کا تصور نہیں بلکہ جو شخص بھی بدعت کو سُنّت بنانے کی ناکام کوشش کرے گا اُسے یہی کچھ کرنا پڑے گا۔ چنانچہ رسالہ "ایذان الاجر فی التاذین علی القبر" دیکھ لیا جائے۔ اس اجمالی جواب کے بعد اب ہم عبارات مذکورہ کا تفصیلی جواب دیتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ (واضح رہے کہ اختصار کے پیشِ نظر جواب میں دلیل کا اعادہ نہیں کیا گیا بلکہ دلیل کا نمبر ذکر کر کے جواب لکھا گیا ہے۔

دلیل نمبر ۱: کا جواب یہ ہے کہ آثارِ مذکورہ سے متنازعہ فیہ دعا کا ثابت کرنا محض دھوکہ یا خود فریبی ہے ان آثار کو مقصد سے قطعاً کوئی تعلق نہیں

امام سرخسیؒ اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جب ایک دفعہ نمازِ جنازہ پڑھی جاچکی ہو تو بعد میں آنیوالوں کو اعادہ کا حق حاصل نہیں۔ جبکہ یہ غیر ولی ہوں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، مگر امام شافعیؒ اعادہ کے قائل ہیں تو امام سرخسیؒ نے حنفیہ کے مسلک کی تائید میں آثارِ مذکورہ کو پیش کیا ہے کہ دیکھو ان حضرات نے جنازہ کا اعادہ نہیں کیا بلکہ صرف دُعا کرنے پر اکتفاء کیا۔ جبکہ نمازِ جنازہ میں یہ حضرات شرکت نہ کرسکے تھے۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ جو لوگ نمازِ جنازہ پڑھیں وہ جنازہ کے اختتام پر اسی اجتماعی حالت میں دُعا بھی مانگا کریں۔ نیز ان آثار میں یہ بھی مذکور نہیں کہ یہ حضرات نماز ہوچکنے کے کتنی دیر بعد میں پہنچے تھے۔ تقریباً دس منٹ، بیس منٹ، گھنٹہ، آدھ گھنٹہ، بلکہ آثار اس سے بھی ساکت ہیں کہ ان حضرات کی تشریف آوری جنازہ کی موجودگی میں ہوئی یا دفن کے بعد؟ تو ان کی دُعا سے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ نمازِ جنازہ کے متصل بعد ہوئی یا کب ہوئی؟

نمازِ جنازہ کے متصل بعد میں کی جانے والی دُعا کے اثبات پر استدلال کیونکر صحیح ہوگا؟ پس ان حضرات کے دُعا کرنے سے دُعا بعد الجنازہ ثابت کرنا محض لغو ہے ان آثار کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اگر کسی شخص سے جنازہ فوت ہو جائے تو وہ جس وقت بھی قبرستان یا جنازہ گاہ میں پہنچے تو ویسے ہی مایوس ہوکر نہ لوٹ جائے بلکہ اپنے طور پر مُردہ کے لئے دُعائے مغفرت کردے، اس سے بھی مُردہ کی حق رسی ہو جائے گی، کیونکہ نمازِ جنازہ کی حقیقت بھی دُعائے مغفرت ہی ہے لیکن اس کے لئے پھر مخصوص شرائط ہیں۔ جن کی عدم موجودگی میں یہ صحیح نہیں ہوتی اور نفسِ دُعا مانگنے کے لئے اجتماعیت وغیرہ کی شرط نہیں۔ انفرادی طور پر جب بھی چاہے دُعا مانگ سکتا ہے۔ (یاد رہے کہ اس انفرادی دُعا مانگنے کے ہم بھی مخالف نہیں۔) تو جب کسی شخص سے مخصوص دُعائے مغفرت یعنی نمازِ جنازہ فوت ہو جائے اور اس کا اعادہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دُعائے مغفرت ہی کر دینا چاہیئے، اس میں تو کسی کی تخصیص نہیں نہ ہی کسی وقت کی قید یہی مطلب ہے اس جملے کا کہ ان سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہٗ۔ کہ اگر نمازِ جنازہ میں تم مجھ سے بازی لے گئے ہو کہ تم نے پڑھ لی اور میں شامل نہ ہو سکا۔ اور اس کا اعادہ بھی ممکن نہیں، تو نفسِ دُعائے مغفرت تو کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہارے ساتھ مخصوص ہو کہ تم کر سکو اور میں نہ کر سکوں بلکہ

یہ تو تم بھی کر سکتے ہو اور میں بھی کر سکتا ہوں۔ لہٰذا تم اس دُعا میں مجھ سے بازی نہیں لے جا سکو گے۔ اگر کہا جاوے کہ سبقت مقتضی ہے فعل طرفین کو تو جواب ہے کہ پھر سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ میں بھی سبقت اسی کی متقاضی ہوگی جس سے حضرت عبداللہ بن سلام کا جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہو جائے گا حالانکہ یہ خلافِ واقعہ ہے۔

جواب نمبر۲ : اگر آثار مذکورہ مفید دُعا ہوتے تو کم از کم امام سرخسیؒ بھی اس کے قائل ہوتے کہ جنازہ کی نماز کے بعد دُعار مانگی جائے، حالانکہ آپ نے بھی دیگر ائمہ اور فقہار کی طرح نماز جنازہ کے بعد دُعا کا ذکر نہیں کیا، ملاحظہ ہو۔

ویسلم تسلیمتین بعد الرابعة ولا تئة جاء وان التحلل وذالك بالسلام الخ ان قال فان کبرا لامام خمسًا الخ (صـ۶۴ ج۲)

دیکھئے نماز جنازہ تسلیمتین تک بتلا کر دوسرا مسئلہ شروع کر دیا۔ بعد میں دعار مذکور ہوتی تو یقیناً بیان فرماتے کیونکہ محل بیان ہے۔ چنانچہ دیکھئے صلوٰۃ کسوف میں نماز کے بعد دُعا وارد ہے تو سب فقہار نماز میں اختتام پر دُعار کا ذکر فرماتے ہیں ھدایہ میں ہے۔

ویدعو بعدھا حتیٰ تنجلی الشمس (صـ۱۵۶ ج۱)

صلوٰۃ خمسہ کے بعد دُعا ہے فقہار اُسے بیان فرماتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دُعا ثابت ہو اور فقہار بیان نہ فرمائیں۔

جواب دلیل نمبر۲-۳ : دلیل نمبر۲-۳ سے وجہ استدلال سمجھ میں نہیں آئی کہ دُعا بعد الجنازہ ان سے کیسے ثابت ہوتی ہے ؟

افسوس ہے کہ شوقِ اجتہاد میں ضروری اُمور کو بھی بیان نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اکڑنے والے یقیناً جہنم میں جائیں گے۔ لیکن ان کو دُعا سے کیا تعلق ؟ اللہ کی عبادت اور نیکی کرنے والے یقیناً اُمیدوار فلاح و کامیابی ہیں۔ مگر دُعا بعد الجنازہ اس سے کیسے ثابت ہوئی ؟ دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ اگر ایسی ہی عمومی نصوص سے مُدعا ثابت ہو سکتا ہے تو اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہر نماز کے بعد دو سو مرتبہ کلمہ شریف پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ یہ بھی عبادت اور نیکی ہے اور نیکی عبادت کرنا بنصِ قرآنی فرض ہے لہٰذا یہ کلمہ شریف بھی ہر نماز کے بعد پڑھنا فرض ہے اور جو

شخص اُسے تسلیم نہ کرے وہ جہنمی ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت سے تکبّر کرنیوالے جہنّم میں داخل ہوں گے تو شخص مذکور کے استدلال مذکور کا کیا جواب ہوگا؟

جو جواب اِس کا ہوگا وہی جواب اس کا ہے جو ان نصوص سے دُعا بعد الجنازہ کا مثبت ہے۔ اگر جہلاء کے لئے ایسے استدلالات کی اجازت دے دی جائے تو شریعت کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا ہر وظیفہ بالقوہ فرض ہوگا۔ جتنی نمازوں کو مزید چاہو فرض بنالو۔ جتنے روزوں کا اضافہ کرلو۔

پس ایسی عمومی نصوص سے دعا بعد الجنازہ کو ثابت کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ ایسی آیت یا حدیث سے اثبات ہونا چاہیئے جس میں یہ تصریح ہو کہ نمازِ جنازہ کے بعد دُعاء مانگی جائے وغیرہ مطلق فضائل دُعاء کی نصوص سے مُدعا کو کوئی تعلق نہیں۔

جواب دلیل نمبر ۴۔۵: بفرضِ صحّتِ احادیث ان سے مُطلق دعاء کی فضیلت ظاہر ہو رہی ہے اور پہلے ہم یہ بالتحقیق ثابت کر چکے ہیں کہ ایسی مطلق احادیث سے مخصوص دُعاء کے اثبات کے لئے استدلال باطل ہے فلیراجع۔ دعاء بہت فضیلت رکھتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُسے جس عبادت کا چاہیں جزو بنا دیں اور جس مقام پر چاہیں اُمت کے ذمّہ اس کا مانگنا فرض و واجب یا سُنّت و مُستحب قرار دیا جائے۔ مثلاً دیکھئے نماز کی احادیث میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے مگر ان فضائل کے پیشِ نظر کسی مُجدّد کے لئے اسکی اجازت نہیں کہ وہ یہ کہہ دے کہ مثلاً ظہر کی سُنن قبلیہ سے پہلے دو رکعت پڑھنا سنت ہے اور اُسے اُمت کے ذمّہ عملاً لازم قرار دے۔ یاد رکھیئے عملِ خاص کی مشروعیت و استحباب کے لئے نصِ خاص کا وارد ہونا ضروری ہے۔ امام ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں:

الا تری ان ابن عمر قال فی صلوٰۃ الضحیٰ انها بدعة لانهٗ لم یثبت عندهٗ فیها دلیل ولم یراد راجها تحت عمومات الصلوٰۃ لتخصیصها بالوقت المخصوص وکذا الملك قال فی القنوت کان یفعله الناس فی عصر لا انه بدعة ولم یراد راجهٗ تحت عمومات الدعاء الخ۔ (احکام الاحکام صـ۵۲)

پس اثباتِ دعاءِ مذکور کے لئے کوئی ایسی حدیث پیش کی جاوے جس میں بالتصریح مذکور ہو کہ نمازِ جنازہ کے بعد کی دُعا کی جاوے۔

جواب دلیل نمبر۶: اِس حدیث میں لفظ صلوٰۃ مطلق ہے اور مطلق کا استعمال جب بلا کسی قید کے کیا جائے تو اِس سے مراد فردِ کامل ہُوا کرتا ہے۔ والمطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل ـــــ قاعدہ کُلیہ ہے اور صلوٰۃ کا فرد کامل صلوٰۃ مکتوبہ ہے پس حدیث میں صلوٰۃ سے مراد یہی صلوٰۃ مکتوبہ ہو گی تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز کے بعد دُعاء کی جائے کیونکہ محلِ اجابتِ دعاء ہے۔ جیسا کہ دُوسری احادیث میں وارد ہے۔

عن ابی امامۃ قال قیل یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوات المکتوبات۔ (مشکوٰۃ ص۹۷)

پس اس حدیث سے دُعاء بعد الجنازۃ کا اثبات غلط ہے حدیثِ مذکور بیہقی میں مل نہ سکی اس لیے سند کی تحقیق نہ ہو سکی۔ اگر مکمل تحقیق مطلوب ہو تو حوالہ بقید صفحہ وسطر دیا جائے۔

جواب دلیل نمبر۷: حدیث مذکور کی یہ تفسیر من گھڑت ہے بتلایا جائے کہ یہ تفسیر کس شارح سے منقول ہے جب تفسیر من گھڑت ہے تو یہ حجت نہیں اور متنِ حدیث سے مُدّعا ثابت نہیں ہوتا پس اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہُوا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نمازِ جنازہ پڑھو، تو میّت کے لئے اخلاص سے دعاء کرو، کذا ترجمہ صاحب مظاہرحق فلیراجع یعنی وہی دُعاء جو نمازِ جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔ الدعا پر الف لام کا دخول معہودیت دعاء کی طرف مشعر ہے اور معہود دعا صِرف وہی ہے جو تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہے جنازہ کے بعد والی دُعاء تو شرعاً ثابت ہی نہیں تو معہود کہاں سے ہو گی بلکہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام نے تو اسے مکروہ لکھا ہے اور یہ دُعا مانگنے سے منع کیا ہے۔

پس دعاء بعد الجنازہ اِس "الدعاء" کا مصداق ہرگز نہیں بن سکتی بلکہ وہی دُعاء مراد ہے جو معہود فی الشرع اور تمام ائمہ کے نزدیک مشروع ہے۔

نمبر۲:- اگر حدیث کی وہی تفسیر صحیح ہوتی جو سوال میں مذکور ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فقہاء کرام نے اس کا

استحباب منقول نہیں۔ بلکہ اسے مکروہ قرار دے رہے ہیں۔ فا کے مقتضی تعقیب بلا تراخی ہونے سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ لازم نہیں۔ دیکھئے ارشادِ باری اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا الخ اسی طرح اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ۔ الخ پس حدیث کی تفسیر مذکور غلط ہے۔

نمبر۳: سنن الکبریٰ للبیہقی میں کتاب الجنائز باب الدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ صہ ج ۴ کے تحت اس حدیث اذا صلیتم علی المیّت۔ الخ ـــــ کو نقل کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضراتِ محدّثین کے نزدیک بھی الدعاء سے مُراد وہی دُعاء ہے جو نمازِ جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے۔ نیز مُلّا علی قاری رحؒ نے ابن ملک سے اِس حدیث کی یہ تاویل ذکر کی ہے۔ ویمکن ان یکون معناہ اجعلوا لہ الدعاء خالصاً فی القلب وان کان عاماً فی اللفظ الخ ـــــ

اور ظاہر ہے کہ تاویلِ مذکور کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جنازہ کے اندر پڑھی جانے والی دعاء کے الفاظ عام ہیں جو سب مسلمانوں کو شامل ہیں اور حدیث کے ظاہری الفاظ مقتضیٔ خصوص ہیں، پس تاویل سے دونوں کو جمع کر دیا تو اِس سے بھی ظاہر ہُوا کہ شراح حدیث کے نزدیک بھی الدعاء سے مراد نمازِ جنازہ میں مانگی جانیوالی دُعاء ہے ورنہ تاویلِ شراح لغو ہوگی۔

جواب دلیل نمبر۸:

کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، پس اثباتِ احکام میں حجت نہ ہوگی، لہٰذا استدلال ساقط ہے۔

ابراہیم الھجری نہایت ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ امام بخاریؒ اور نسائیؒ اسے منکر الحدیث ٹھہراتے ہیں وغیرہ۔ (تہذیب التہذیب بحوالہ منہاج صـ۱۶۵ ج ۱)

ثانیاً یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ کہاں مذکور ہے کہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دعاء مانگی جو مُفید مُدعاء ہے۔ بلکہ ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے قبل دُعاء مانگی جیسا کہ بعض مشائخ احناف بھی اِس کے قائل ہیں۔ پس اس حدیث سے استدلال کرنا خبطِ محض ہے۔ صاحب منہاج الواضح نے علاّمہ نوویؒ کی اذکار سے یہی روایت نقل کی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ دُعاء قبل از سلام تھی اِس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

ثم سلم عن یمینہ وعن شمالہ۔ (صـ۲۰۲)

جواب دلیل نمبر ۹:

(۱):۔ واقدی کی روایت احکام میں مُعتبر نہیں کما لا یخفیٰ علی اھل الفن پس روایتِ مذکورہ احکام کے بارے میں حُجت نہیں بن سکتی (۲):۔ نیز ابراہیم حلبیؒ کبیری صـ۵۳۷ـ میں روایت ھذا کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ علی ان طرقہ ضعیفۃ فما فی المغازی مرسل الخ

پس جب حدیثِ مذکور مرسل ناقابلِ احتجاج ٹھہری تو اس سے استدلال کرنا کیسے درست ہوگا۔ فتح القدیر میں بھی محقق ابن الہمامؒ نے اسے مُرسل قرار دیا ہے تقریباً یہی الفاظ ہیں تیسرا جواب یہ ہے واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے۔ پس الفاظِ حدیث سے دُعار کا جنازہ کے بعد متصل ہونا ہرگز ثابت نہ ہوگا۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا باطل ہوگا۔ اگر عطف تفسیری نہ مانا جاوے تو حدیث سے قواعد کے لحاظ سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے دعار بھی فرمائی اور نمازِ جنازہ بھی پڑھا لیکن تقدیم تاخیر سے حدیث ساکت ہے پس مُفید مُدعار نہیں اور ظاہر تو یہی ہے عطف تفسیری مان لیا جاوے تاکہ دوسری احادیث کے ساتھ منطبق ہو جائے واللہ اعلم۔

جواب دلیل نمبر ۱۰:

کا یہ ہے اگر حضرت ابنِ عمر نمازِ جنازہ ہو چکنے کے بعد جنازہ گاہ میں پہنچے اور دُعار کر کے واپس تشریف لے آئے تو اس سے دُعار بعد الجنازہ کیسے ثابت ہوئی۔ آپؓ تو نماز جنازہ میں شامل ہی نہیں ہو سکے تو ان کے دعار مانگنے سے استدلال کرنا کیسے صحیح ہے؟ ہاں جو لوگ جنازہ پڑھ چکے تھے انہوں نے اگر فوراً دُعار مانگی ہوتی تو استدلال صحیح بن سکتا تھا۔ مگر ان کا دُعار مانگنا منقول نہیں

الحاصل جنہوں نے جنازہ پڑھا، انہوں نے دُعار نہیں مانگی اور جنہوں نے دُعا مانگی اُنہوں نے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ پس آپ کے استدلال باطل کی کیا صُورت معلوم ہوتی ہے کہ سائل کے نزدیک صرف عربی عبارت ہی نقل کر دینا اپنے دعویٰ کی دلیل بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے جس حدیث میں دُعار کا لفظ دیکھتے ہیں جھٹ اس کو اپنے دعویٰ کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ ایسے جاہل کا جواب دینا بھی محض اضاعتِ وقت ہے مگر کیا کیا جاوے جہالت کی حکمرانی ہے۔ لوگ ایسے غیر متعلق مضامین کو دلائل سمجھنے لگتے ہیں۔ انکی رعایت سے لکھنا پڑتا ہے۔

اب دلائل مذکورہ از نمبر ۱ تا ۱۵ پر مکرر نظر ڈالیئے اور بتایئے کہ ان میں سے کون سی عبارت

ایسی ہے جس سے دُعار بعد الجنازہ کا ثبوت ہوتا ہو۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فعل ہو یا آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہو۔ نمازِ جنازہ ختم کر کے دُعا مانگا کرو یا کسی صحابیؓ نے جنازہ کے بعد دُعار مانگی ہو اور آپؐ نے اِس پر نکیر نہ فرمایا ہو۔ آخر عبارت مذکورہ کو مُدعا سے کیا تعلق۔ اگر ان کے عموم سے تمسک کیا گیا ہے تو ان کا باطل ہونا بالتفصیل پہلے گزر چکا۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔ اگر یہ عبارات دُعار بعد الجنازہ کی مثبت ہیں تو دُعار قبل الجنازہ کی بھی مُثبت ہیں۔

نیز ایک ہی دفعہ کے لئے مثبت نہیں بلکہ بیسیوں دفعہ کے لئے مثبت بن سکتی ہیں۔ تو بعد الجنازہ ہی کیوں دُعار کی جاتی ہے۔ قبل از جنازہ بھی اجتماعی طور پر کرنی چاہیئے نیز ایک ہی دفعہ پہ اکتفار کرنا دُرست نہیں۔ جب استغفار عند المیّت افضل ٹھہرا تو افضلیت زیادہ سے زیادہ حاصل کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم نصیب فرما دے۔ آمین!

جواب دلیل نمبر ۱۶ قرأۃ فاتحہ بقصدِ تبرّک سے جواز دعار بعد الجنازہ کیسے ثابت ہُوا۔ خواہ قرأت مذکورہ بعد الجنازہ ہی کیوں نہ ہو نیز جب یہ احتمال ہے کہ یہ قرأتِ فاتحہ قبل از نمازِ جنازہ ہوئی ہو جیسا کہ مصرح ہے۔ تو اِس سے استدلال کیوں کر صحیح ہوگا اس لئے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ استدلال تو اس صورت میں دُرست ہوسکتا ہے کہ جب یہ شق متعیّن ہو کہ قراءۃ مذکورہ نمازِ جنازہ کے بعد متصلاً ہوئی۔ یہ بھی ارخلئے عنان کے طور پر ہے۔ وَرنہ اصل تو یہ ہے حدیث مذکور کو ہمارے مُدعا سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

جوابِ نمبر ۲: یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسکی اسناد قوی نہیں اِس کا راوی ابراہیم مُنکر الحدیث ہے۔ مظاہرِ حق ص۵۷ جلد ۲۔ تو احکام میں حدیث مذکورہ سے استدلال دُرست نہیں۔ امام ترمذیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

حدیث ابن عباسؓ اسنادہ لیس بذالک القوی ابراھیم بن عثمان ھو ابو شیبۃ الواسطی منکر الحدیث ص۱۳۴ ج ۱، مطبع مجیدی

جوابِ دلیل نمبر ۱۷ مجموعہ خانی ہمارے پاس اور مدرسہ کے کُتب خانہ میں موجود نہیں کہ اسکی اصل عبارت کو دیکھ لیا جاتا کہ اِس میں کیا لکھا ہے۔ ہمیں حوالہ مذکور کی صحت میں شُبہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ علاّمہ صفدر صاحب گکھڑوی نے منہاج الواضح میں ص۱۹۶ میں مجموعہ خانی سے دُعار بعد الجنازہ کی مُمانعت پر فتویٰ نقل کیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے

اور فقہ کی مشہور کتاب مجموعہ خانی میں ہے :

" دعار بخواند و فتویٰ بریں قول ست " ۔ (مجموعہ خانی قلمی ص ۳۴۹)

پس جب تک یہ محقق نہ ہو جائے کہ اصل میں صحیح عبارت کون سی ہے ، تب تک فیصلہ مشکل ہے ۔ البتہ دُوسرے فقہار کی تصریحات جو عدمِ جواز دُعار مذکور کے بارہ میں ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ان کے پیشِ نظر صحیح عبارت وہی معلوم ہوتی ہے جو منہاج الواضح میں نقل کی گئی ہے ۔ اگرچہ ان عبارات میں یہ تصریح نہیں کہ فتویٰ عدمِ جواز دعار مذکور پر ہے لیکن فقہار کے جمِ غفیر کا دعار بعد الجنازہ کے عدمِ جواز کو نقل کرنا یہ خود اس پر دال ہے کہ معمول بہ اور مفتیٰ بہ یہی قول ہے بلکہ فقہار کے ہاں اس کے مقابلہ میں سرے سے کوئی دوسرا قول موجود ہی نہیں ۔ حقیقت یہ ہے تو اس کے مفتیٰ بہ ہونے کا کیا معنیٰ ؟ پس دُرست وہی عبارت ہے جو منہاج الواضح میں منقول ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اور اگر بالفرض یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے کہ صحیح عبارت دعار بخواند ہے تو بھی یہ عبارت حُجت نہیں بن سکتی ۔ کیونکہ کتب فقہ کا معتد بہا ذخیرہ جو اہل علم کے مابین متداول ہے ہمارے پاس موجود ہے اس میں تصریحات موجود ہیں کہ لا یدعوا ان الدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ مکروہ ۔ وغیرہ وغیرہ اور اس کے مقابلہ میں دُعائے مذکور کے استحباب یا سُنیت کا سرے سے کوئی قول ہی موجود نہیں ۔ تو اس صُورت میں صرف صاحب مجموعہ خانی کے یہ تحریر کرنے سے کہ بخواند ، دیگر فُقہار کی تصریحات سے آنکھیں بند کر لینا کیسے دُرست ہے ۔ نیز تمام فقہار کی تصریحات کے علی الرغم صرف مجموعہ خانی کوئی ایسی کتاب نہیں جسے حنفیہ کے متون معتبرہ اور شروح متداولہ نیز کُتبِ فتاویٰ کے ہم پلّہ قرار دیا جا سکے ، پس اس کا کوئی نقل قابلِ قبول نہیں ہے ۔ جو کتبِ مشہورہ متداولہ کے خلاف ہو ۔

جواب دلیل نمبر ۱۸ :

نہر الفائق مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود نہیں ۔ اور فتاویٰ نظامیہ کسی غیر معروف شخص کا ہے اس کے علم و دیانت کے بارہ میں ہمیں تحقیق نہیں کہ وہ کس پایہ کے ہیں لہذا نقل حوالہ مذکور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ، تاوقتیکہ اصل کتاب کو نہ دیکھ لیا جائے ۔ بشرطِ ثبوت اس کا محمل ہمارے نزدیک انفرادی دعار ہے تاکہ دُوسرے فُقہار کی تصریحات کے ساتھ اس کا تعارض نہ ہو ۔

تفصیلِ بالا سے یہ واضح ہوگیا کہ استفتاء مذکورہ کی عبارت میں سے صرف ایک دو عبارتیں ایسی ہیں جن سے دعاء بعد الجنازہ کے جواز کا شبہ ہوسکتا تھا جن کا بحمدہ تعالیٰ شافی جواب دیا جاچکا ہے۔ باقی عبارات کو متنازعہ فیہ دُعاء سے قطعاً کوئی تعلق نہیں محض عوام کی جہالت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے انہیں استفتاء میں درج کیا گیا۔ مگر جیسا کچھ تھا ان کا جواب تحریر ہوچکا۔ اور اس کے مقابلہ میں دُعائے متنازعہ فیہ کے عدمِ جواز میں ۲۱ دلائل پیش کئے گئے جو ایک مُنصف مُسلمان کے لئے کافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل موجود ہے کہ یہ دُعا آپؐ نے نہیں فرمائی۔ حضراتِ صحابہؓ نے یہ دُعاء نہیں کی ائمہ اربعہ سے اس کا ثبوت نہیں۔ مذاہب اربعہ کی فقہ اِس سے خالی ہی نہیں بلکہ اس دُعاء کی ممانعت اور اسکی کراہت کے بارے میں تصریحات ہیں۔

تو کیا یہ ایک مسلمان کے لئے کافی نہیں، واللہ کافی ہے پس سب اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ اِس طریقۂ سُنّت کو اپنائیں اور اسی کو اپنا معمول بنائیں اور اس کے مقابلے میں جو سلام پھیرنے کے بعد دُعاء مانگنے کی بدعت بِرواج پکڑ گئی ہے اُسے مٹانے کی کوشش کریں۔

اس زمانۂ فساد میں سُنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر مضبوطی سے قائم رہنا اجرِ عظیم رکھتا ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے:

من تمسك بسُنّتي عند فساد اُمّتي فله اجر مائة شهيد۔ او كما قال وما علينا الا البلاغ ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان الجواب صحیح،

عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس، ملتان

حاشیہ نمبرا: مطلب یہ ہے کہ اگر "ف" کے مقتضیٔ تعقیب ہونے کی وجہ اِس حدیث کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہوجاؤ تو میت کے لئے اخلاص سے دُعاء کرو۔ تو یہی "ف" اس آیت میں بھی موجود ہے۔ اذا قمتم الى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم۔ تو آپ کے قول کے مطابق ترجمہ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ جب تم کھڑے ہو چکو نماز کے لئے تو اس وقت وضوء کرو۔ نیز اس

آیت میں بھی ویسی "ف" موجود ہے ۔ اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ تو اس کا ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ جب تم قرآن پڑھنے سے فارغ ہو چکو تو اللہ کی پناہ پکڑو اور اسی طرح واذا سألتموھن ۔ کا ترجمہ ایسے ہونا چاہیئے کہ تم ان سے کوئی چیز مانگ چکو تو ان سے پس پردہ مانگو ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب تراجم غلط اور خلافِ مقصود ہیں ۔ پس معلوم ہوا کہ "ف" کو تعقیبِ مذکور لازم نہیں ۔ اور اگر کوئی تاویل ان آیات کے ترجمہ کے لیئے کی جاتی ہے تو وہی تاویل اس حدیث میں بھی پھر کی جائے گی ۔

حاشیہ نمبر ۲ : کبھی فریقِ مخالف کی طرف سے امام فضلی کا قول لا بأس بہ بطورِ دلیل کے پیش کیا جاتا ہے ۔ اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے اولاً اس کا جواب یہ ہے کہ لا باس بہ کے معنی یہ نہیں کہ دعا بعد الجنازہ سُنت یا مستحب ہے بلکہ یہ ہیں کہ اس میں کراہیت تنزیہی ہے اگرچہ جواز ہو اور مکروہ تنزیہی بھی قابلِ ترک ہی ہے اگرچہ واجب الترک نہ ہو ۔ پس اس سے بھی ترک دُعار کا اولیٰ ہونا مفہوم ہوا ، نہ کہ دُعار کا اولیٰ ہونا ۔

ثانیاً یہ ہے کہ امام فضلی کا یہ قول تمام فُقہار کے سامنے تھا مگر اس کے باوجود پھر اُنہوں نے اِس دُعار کی ممانعت یا کراہیت کی تصریح کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام فضلی کا یہ قول قابلِ اعتماد اور لائقِ عمل نہیں ۔ بلکہ مرجوح اور ناقابلِ التفات ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فُقہار نے اِس قول کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے تک سے احتراز کیا ہے پس ایسا قول ہرگز حجت نہیں بن سکتا ۔

ثالثاً یہ ہے کہ ممکن ہے کہ امام فضلی کے زمانہ کے اندر دعار بعد الجنازہ کے بارے میں عوام اِس جہالت میں مُبتلا نہ ہوں ۔ جس جہل مرکب میں آج کل کے لوگ مُبتلا ہیں کہ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور تارک پر نکیر شدید کرتے ہیں ۔ اور ان کے زمانہ میں اپنے طور پر کوئی شخص دُعار کرے یا نہ کرے کوئی تعرّض نہیں کرتا تھا ۔ تو ایسے حالات میں آپ نے لا بأس بہ فرمایا ہو ۔ واللہ اعلم ۔

مپندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز بے مصطفےٰ

کتاب الزکوٰۃ

انما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیہا والمؤلّفۃ قلوبہم وفی الرّقاب والغٰرمین وفی سبیل اللہ وابن السّبیل ط فریضۃ من اللہ ط واللہ علیمٌ حکیم ○ (سُورۃ توبہ)

خیرُ الفتاویٰ

(جلد سوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظام ربوبیّت

عہد جاہلیّت میں غریب پروری کا کوئی نظام تو کجا زیر دستوں، کمزوروں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہر قسم کی بیگار ان سے لی جاتی تھی اور ان کی مزدوری بھی ادا نہیں کی جاتی تھی۔

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کا ابتدائی تعارف ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ سے کرایا ہے۔ الحمدُ للہ رب العلمین رحمانیت اور رحیمیّت بھی ربوبیّت کی فروع ہیں۔ جسمانی نشو ونما اور روحانی تربیت جس کے لئے سلسلۂ نبوت جاری ہوا۔ یہ سب حق جلّ شانہٗ کی ربوبیت عامہ کے مظاہر ہیں۔ اس وقت جسمانی ربوبیت پیش نظر ہے ———

تمام عالم کی ربوبیت کا جو غیبی نظام ہمارے سامنے آرہا ہے۔ وہ بالکل کامل اور مکمل ہے۔ ہر چیز کو اس کے مناسب تربیت پھر اس کی بقاء، ونشو ونما کے اسباب و وسائل مہیا فرمائے۔ دور حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ غریب پروری ہے۔ سرمایہ داری کے ردِ عمل کے طور پر کمیونزم اور سوشلزم وجود میں آئے جن کی بنیاد پر بلند بانگ دعوے کئے گئے لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی زیردستوں کے مزید استحصال اور ان پر مظالم کی ایک شکل ہے جن ممالک میں کمیونزم اور سوشلزم رہا ہے۔ ان ممالک کی تاریخ نے یہ بتایا کہ کمیونزم اور سوشلزم بھی غریب مزدور کو بے وقوف بنانے کی اور اسے غریب سے غریب تر اور مجبور سے مجبور تر کرنے کی ایک صورت ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے جبکہ غریب کی حمایت کا تصور ہی خال خال تھا۔ غریب پروری کا ایسا مکمل نظام دیا کہ اگر اس پر عمل کر لیا جائے تو حقیقت میں غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جن حکمرانوں نے حقیقتاً اسلام کو نافذ کیا ان کے دَور میں قدرت کی طرف سے اس قدر فراوانی ہوئی کہ لوگ صدقات و زکوٰۃ کا مال اُٹھائے پھرتے تھے اور کوئی مصرف نہ ملتا تھا۔ خلافت اسلامیہ کے دَور کی تاریخ

اس کا شاہد بیّن ہے۔ اسلام نے اپنے احکام کے تمام ابواب میں غریب کو کبھی فراموش نہیں کیا بلکہ کسی نہ کسی طرح اس کی معاونت کی راہ پیدا کی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر اتنی زکوٰۃ فرض فرمائی ہے اگر صحیح طور پر اس کو ادا کر دیں تو کوئی بھوکا رہے نہ ننگا رہے۔

حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔ مَا جَاعُوْا وَلَا عَرَوْا

موجودہ غربت وافلاس ظاہری اسباب میں مالداروں کے بُخل کی وجہ سے ہے۔ ہم مختصراً یہاں اسلام کے نظامِ غریب پروری کو اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں :

۱ —— حق جلّ شانہٗ نے تمام مالداروں پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سونا، چاندی زیورات، اموالِ تجارت اور نقدی کا ۲½ حصّہ غریبوں کو دینا فرض قرار دیا۔ بازار اور منڈیاں، کارخانے اور فیکٹریاں، کروڑوں اربوں کے اموالِ تجارت سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر ہر سال صحیح طور پر ان کا ۲½ حصّہ بطور زکوٰۃ غرباء کو دے دیا جائے تو شاید ہی بھوک سے کوئی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

۲ —— شریعت نے پُورے ملک میں لاکھوں ایکڑ میں پھیلی ہوئی زرعی پیداوار میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا۔ ارشادِ باری ہے : وآتوا حقہٗ یوم حصادہٖ (سورۃ انعام)

حدیث پاک میں ہے : ما اخرجتہ الارض ففیہا العشر۔

جو کچھ زمین سے پیداوار ہو اس کا عُشر غریب کو دینا ضروری ہے۔

باغات کی اربوں کی آمدنی میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کا ۱/۱۰ غریب کا ہے حتیّٰ کہ پھل کے مکمل پکنے سے پہلے اگر مالک کسی ضرورت کے لئے کچھ پھل توڑے یا فصل کاٹے تو اس میں سے بھی غریب کا حصّہ لازماً ادا کرنا ہوگا۔

۳ —— جنگلوں میں چرنے والے جانور بھیڑ بکریاں، گائے بھینس، اُونٹ وغیرہ ان سب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نظامِ ربوبیت کے تحت غریبوں کو ان کا حصّہ دینا ضروری قرار دیا۔ ایسے ہی مختلف دھاتوں کی قدرتی کانوں میں بھی غریب کو شریک ٹھہراتے ہوئے اس کا ایک حصّہ متعیّن کیا گیا۔ یہ تو غریب پروری کا ایک معروف اجمالی خاکہ تھا۔ اس کے علاوہ تقریباً تمام ابوابِ فقہیہ میں غریب پروری کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہے۔ مثلاً کتاب الطہارۃ میں ہے کہ جو آدمی بیوی سے حالتِ حیض میں مباشرت کر بیٹھے وہ ایک دینار (اشرفی) صدقہ کرے۔ ایسے ہی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ اگر کسی کی نمازیں رہ جائیں اور وہ مرتے وقت فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے تو غریب کو اس کی نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے جس کی صرف ایک ماہ کی مقدار

تقریباً نو من گندم بنتی ہے۔ ایسے ہی کتاب الصوم میں ہے کہ جس کے روزے رہ جائیں یا وہ کسی عذر سے روزے رکھنے پر قادر نہ ہو جیسے شیخ فانی یا مریض مایوس تو اس پر روزانہ کا فدیہ دینا واجب ہے جو غریبوں کو ادا کیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی روزہ رکھنے کے بعد عمداً اسے توڑ دے تو غلام آزاد نہ کر سکنے کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو صبح شام کھانا کھلانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کتاب النکاح میں ہے کہ شادی کے بعد ولیمہ مسنون ہے۔ اس ولیمہ میں بھی غربا کو شریک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور شریک نہ کرنے کی صورت میں اس کھانے کو بدترین کھانا کہا گیا۔ حدیث میں فرمایا گیا۔

شر الطعام الولیمۃ یدعیٰ لھا الاغنیاء و یترک لھا الفقراء

کتاب الطلاق میں کفارۂ ظہار کا حکم ہے جس میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے

کتاب الاعتاق میں معمولی معمولی بات پر غلام کو آزاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ ایسے ہی تمام کفارات میں مثلاً قسم کا کفارہ، قتل خطا کا کفارہ، یا عمداً روزہ توڑنے کا کفارہ۔ ان میں بھی بنیادی چیز غلام کو آزاد کرنا قرار دیا گیا ہے۔ ایسے ہی بیوع میں تمام ارباح فاسدہ کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو صدقہ کرنا لازم ہے۔ یہ بھی غریبوں ہی کو ملیں گے۔ مال مغصوب کے منافع کو بھی غریب ہی کے لئے مختص کیا گیا۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت کا بھی غریب کو دینا ضروری قرار دیا گیا۔

اضحیہ کے بعد کتاب الوصایا آتی ہے۔ گو اب تو لوگوں میں یہ معمول نہیں رہا مگر متمول مسلمانوں کی تاریخ ماضی دیکھیں تو تقریباً سب ہی کا یہ معمول تھا کہ اپنے مال سے کچھ نہ کچھ مال کی غربا، مدارس، مساجد، مسافر خانے اور کنوؤں وغیرہ کے لئے وصیت کر جاتے تھے، کسی وقت میں بنگال کے صرف اوقاف کی آمد پوری حکومت کے سالانہ بجٹ کے برابر یا کچھ کم ہوتی تھی جس کا اکثر حصہ غربا اور مساکین کے لئے مختص ہوتا تھا۔ عید کی خوشیوں میں غریبوں کو شریک کرنے کے لئے مالداروں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر کے جائیں۔ یہ تو ابواب فقہ کا ایک سرسری جائزہ تھا۔ اگر کوئی صاحب غور سے تتبع کریں تو سینکڑوں ایسی مثالیں اور بھی مل سکتی ہیں۔

ان تفصیلات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنیٰ میں اسلام ہی غریب پرور مذہب ہے۔ رب العالمین نے اپنی کمزور اور ضعیف مخلوق کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں فرمایا۔ اور مختلف نوع کے احکام کے ساتھ غریب پروری کو منسلک فرما دیا۔ یہ اسلام کی حقانیت کی ایک بین دلیل ہے۔ اور اس میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نظاموں

کا حقیقی توڑ موجود ہے۔ اسلام نے غریبوں کے لئے مختص مال کو الٹے تللّے یا اُڑانے کی اجازت نہیں دی۔ ایسے ہی تعمیرات اور مٹی گارے میں صرف کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس مال سے ٹی اے۔ ڈی اے اور بھتے بنانے کی اجازت نہیں دی بلکہ واضح طور پر حکم دیا کہ یہ پیسہ غریب کے ہاتھ پر رکھا جائے اور اسلامی تعلیمات کا یہ حسن ہے کہ اس پیسے کے ذریعے سے طبقاتی منافرت پیدا ہونے سے تحفظ کی صورت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ وہ اس طرح کہ دینے والوں کو یہ تصور دیا گیا اور یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی کہ تم یہ مال خدا کو دے رہے ہو۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم من تصدق بعدل بتمرۃ من کسب طیب ولا یقبل اللّٰہ الا الطیب فان اللّٰہ یَتَقَبّلُہَا بیمینہٖ ثم یُربیھا لصاحبِہا کما یُرَبِّی احدکم فَلُوّہ حتّٰی تکون مثل الجبل متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف)

نیز یہ تصور بھی دیا کہ جو کچھ غریب کو دے رہے ہو وہ درحقیقت اُپنے ہی کو دے رہے ہو۔ اور جو نہیں دیتا وہ اُپنے ہی کو محروم کرتا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ واللّٰہ الغنی وانتم الفقراء وفی مقامٍ آخر من یبخل فانما یبخل عن نفسہ

اسلئے شریعت نے غریب کو منع کیا کہ تم براہِ راست کسی سے مت چھینو اور نہ کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرو۔ جب انسان کسی کو مال دیتا ہے تو ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کو اپنا زیرِ احسان سمجھ کر اس سے شکریہ کا اُمیدوار رہتا ہے اس پر احسان جتلاتا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس دینے کے مقابلے میں غریب سے بیگار لی جاتی ہے۔ اسلام نے دونوں باتوں سے صراحۃً منع کر دیا اور فرمایا:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی (الآیۃ)

کہ ایسا کرنے سے تمہارے صدقات ضائع ہوجائیں گے۔ جوکہ صدقہ کے موضوع کے خلاف ہے مگر انسانی نفسیات کے پیشِ نظر یہ کہا گیا کہ وہ شکریہ کے ساتھ ساتھ دینے والے کے لئے دُعائے خیر بھی کرے۔ اس طرح سے طبقاتی منافرت کے پیدا ہونے کا بیج ہی ختم کر دیا۔

نیز یہ جملہ امور اسلامی تعلیمات کے من جانب اللہ ہونے کی بیّن دلیل ہیں۔

مرکزی وزارتِ مالیات

کی طرف سے زکوٰۃ و عشر سے متعلق انتالیس سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ

محترمی السلام علیکم۔

جیسا کہ آنجناب کو علم ہوگا کہ حکومتِ پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل ارسالِ خدمت ہے۔ کمیٹی شکر گزار ہوگی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر سوالنامے کا جواب عنایت فرمائیں گے۔ چونکہ کمیشن کو اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کرنا ہے۔ لہذا درخواست ہے کہ آنجناب ۳۱ر اگست ۱۹۴۹ء سے پہلے اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔ والسلام

وقار احمد سیکرٹری زکوٰۃ کمیشن وزارتِ مالیات حکومتِ پاکستان

زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ اور اس سے متعلق کچھ توضیحات

سوال نمبر ۱: زکوٰۃ کی تعریف کیا ہے؟

الجواب زکوٰۃ کے لغت میں دو معنیٰ مشہور ہیں۔ "طہارت" اور "نماء" یعنی پاکیزگی اور افزائش (زیادتی) اور اصطلاحِ شریعت میں زکوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ ایک مسلمان عاقل، بالغ اپنے اس مال میں سے جو شرعی نصاب کو پہنچ چکا ہو۔ ایک حصۂ معینہ جو شریعت میں ۱/۴۰ مقرر ہے کسی ایسے مسلمان فقیر اور محتاج کی تملیک کرے جو نہ تو سید ہاشمی ہو۔ اور نہ اس کا آزاد شدہ غلام ہو۔ اور اس کا یہ خرچ کرنا بہ نیتِ ادائیگی زکوٰۃ ہو۔ اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت بالکل مقصود نہ ہو۔ "در مختار؛ ج ۲ ص ۳" میں ہے۔

"ھی تملیک جزء مال عیّنه الشارع من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجه للہ تعالیٰ

لغوی و شرعی معنی میں مناسبت اس طرح سے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے سے مال پاک ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتا بھی ہے۔اس لیئے اس فعل کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

توضیحات ۱ : عاقل، بالغ، اور مسلم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ دیوانے، نابالغ اور کافر پہ زکوٰۃ فرض نہیں۔ وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام وحرية۔ (درمختار، مع الشامیۃ، ج ۲ ص ۴)

۲ : شرعی نصاب کی قید سے وہ مال خارج ہو گیا جو نصاب کو نہ پہنچا ہو۔اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۳ : حصۂ معیّنہ کی قید سے صدقاتِ نافلہ خارج ہو گئے کیوں کہ ان میں تعیین نہیں ہوتی۔

۴ : مسلمان فقیر کی تملیک کرنا جو نہ ہاشمی ہو اور نہ اس کا آزاد شدہ غلام ہو۔اس عبارت سے کافر خارج ہو گیا۔اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن فقیر نہ ہو بلکہ غنی ہو اسے بھی زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن سید ہاشمی ہو، یا اس کا آزاد کردہ غلام ہو وہ بھی بوجہ اپنی عظمت و حرمت کے زکوٰۃ نہیں لے سکتا

تملیک کے لفظ سے واضح ہونا چاہیئے کہ زکوٰۃ کے روپیہ وغیرہ کو ضروری ہے کہ کسی فقیر کی تملیک کیا جائے۔لہٰذا زکوٰۃ کا روپیہ ہر اس جگہ جہاں تملیک اور قبض نہ ہو خرچ نہیں ہو سکتا مثلاً مسجد پہ براہِ راست خرچ نہیں ہو سکتا۔اس لئے کہ مسجد میں اہلیتِ قبض و تملیک نہیں۔ایسے ہی یہ روپیہ کسی میّت پر کفن وغیرہ میں خرچ نہیں ہو سکتا۔کیوں کہ میّت اہلِ تملک و قبض نہیں ہے۔

۵ : خرچ کرنا بہ نیتِ ادائیگیٔ زکوٰۃ کی قید اس لئے لگائی گئی کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادات بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتیں۔

۶ : اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت مقصود نہ ہو۔اس قید سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ اپنے اصول (والد، دادا، والدہ وغیرہم) اور اپنے فروع (بیٹا، پوتا، اور بیٹی، نواسا وغیرہم[ف]) کو نہیں دے سکتا۔اسی طرح کوئی

ف اور اسی طرح زوجین باہم ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے (مرتب)

شخص اپنے غلام کو تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس میں زکوٰۃ دہندہ کی ذاتی غرض پائی جاتی ہے۔

وجوبِ زکوٰۃ کی شرائط

سوال ۲ : کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں عورتوں نابالغوں، مسافروں، فاتر العقل افراد مستأمنوں یعنی غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب : زکوٰۃ کے وجوب کے لئے چار شرطیں ہیں۔ عقل۔ بلوغ۔ اسلام حریت بناءً علیہا۔

ا : عورت و مرد کے درمیان وجوبِ زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں۔ جیسے مرد پر زکوٰۃ فرض ہے ایسے ہی عورت پر بشرطیکہ صاحب نصاب ہو۔

ب : نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں بوجہ فقدانِ شرط نمبر ۲۔

ج : قیدی جب کہ صاحبِ نصاب ہو اور شرائطِ مذکورہ بالا اس میں پائی جاتی ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

د : مسافر پر بھی فرض ہے جب کہ وہ غنی اور صاحبِ نصاب ہو۔

ہ : فاتر العقل (مجنون) لوگوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بوجہ فقدانِ شرطِ اوّل۔

و : اگر مستأمن سے مراد وہ کفار ہیں جو اسلامی ملک میں رہتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بوجہ شرطِ اسلام کے نہ ہونے کے اور اگر مسلمان مراد ہیں جو غیر اسلامی ملک میں امان لے کر مقیم ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

وجوبِ زکوٰۃ کیلئے حدِّ بلوغ

سوال ۳ : زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھنا چاہیئے۔؟

الجواب : اگر علاماتِ بلوغ جو مرد کے لئے احتلام و احبال وغیرہ اور عورت کے لئے حیض وغیرہ ہیں ظاہر نہ ہوں تو عمر کے لحاظ سے پندرہ سال قمری یعنی چاند کے اعتبار سے مقرر ہیں۔ عالمگیری : ج ۳ : ص ۶۰۲۔

بلوغ الغلام بالاحتلام او الاحبال او الانزال والجاریۃ بالحیض او الاحتلام او الحبل وفی الدر المختار والسن

الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریۃ اذا انتہیا الیہ خمس عشرۃ سنۃ عند ابی یوسف ومحمد وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ وعلیہ الفتوی ۔ (حوالہ ، ۳۱)۔

زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے

سوال ۴ : زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے عورت کے ذاتی استعمال کے زیور کی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب زیورات کے اندر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ حدِ نصاب کو پہنچ جائیں چاہے وہ استعمال کے ہوں یا تجمل اور زیب و زینت کے لئے رکھے ہوں۔

در مختار مع حاشیہ ۔ ج ۲ ۔ ص ۴۱ ۔ واللازم فی کل منہما ومعمولہ ولو تبرا وحلیا مطلقا مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقۃ لانہما خلقا اثمانا فیزکیہما کیف کانا ۔ (حوالہ ۴)۔

کمپنیوں کے اموال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۵ : کیا کمپنیوں کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے یا ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کے مطابق فرداً فرداً زکوٰۃ ادا کرنے کا مجاز ٹھہرایا جائے ۔؟

الجواب شریعت میں ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے ۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادات میں سے ہے ۔ جیسے نماز ہے ۔ اور کوئی عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہوسکتی ۔ اس لئے ہر مکلف پر لازم ہوگا کہ وہ زکوٰۃ خود ادا کرے ۔ اور ادا کرتے وقت یا مال کو زکوٰۃ کے لئے جدا کرتے وقت نیت کرے ۔ دوسری چیز اس باب میں یہ بھی ہے ۔ کہ زکوٰۃ میں نیابت جاری ہوسکتی ہے ۔ یعنی اگر کوئی شخص دوسرے کو ادائے زکوٰۃ کے لئے وکیل اور نائب بنادے تو یہ بھی جائز ہے ۔ لیکن نیابت جاری ہونے کے لئے انابت ضروری ہے ۔ یعنی صاحب زکوٰۃ کسی شخص کو مثلاً کمپنی کے کسی حصہ دار یا مینیجر کو اجازت دے دے کہ تم میرے مال میں سے زکوٰۃ ادا کردو ، تو یہ بھی جائز ہوگا ۔ حاصل یہ ہے کہ کمپنی اور اس کے ڈائریکٹر زکوٰۃ ادا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں مالکانِ حصص خود ذمہ دار ہیں ۔

کارخانوں اور تجارتی اداروں سے زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال ۷۶ کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب کے حدود بیان کیجئے۔!

الجواب واضح رہے کہ زکوٰۃ کی حیثیت ایک عبادت کی ہے اس کی حیثیت ٹیکس کی نہیں جو کہ ہر کارخانہ اور تجارتی ادارہ پر لازم کر دیا جائے۔ لہٰذا سوال کے اندر کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب اور اس کے حدود کا دریافت کرنا بے معنی ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر کارخانہ یا تجارتی ادارہ جس کا مال حدِّ نصاب کو پہنچ جائے اور اس کا مالک شرائطِ وجوبِ زکوٰۃ کا حامل ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

کمپنیوں کے قابلِ انتقال حصص کی زکوٰۃ کا حکم

سوال ۷۷ : جن کمپنیوں کے حصے قابلِ انتقال ہیں ان کے سلسلے میں تشخیصِ زکوٰۃ کے وقت کس پر ادائیگی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خریدکنندہ پر یا بیچنے والے پر ؟

الجواب احتمالِ اول اگر حصہ اتنی مالیت کا ہے کہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بائع پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ اتنی مالیت رکھتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے۔ اور اگر بیچ رہا ہے تو اس کے بدلے میں بھی مال لے رہا ہے اس لئے اس پر بھی زکوٰۃ لازم رہے گی۔ لیکن ادائیگی زکوٰۃ بعد گزرنے سال کے واجب ہوگی۔ ہاں اگر وہ سال کے گزرنے سے پیشتر فقیر ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی مشتری پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ غنی ہے۔ اور اتنی مالیت رکھتا ہے جس سے وہ ایسا حصہ خرید رہا ہے جو نصاب شرعی کو پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا وہ جب سے غنی ہوا ہے اس وقت سے اس پر زکوٰۃ واجب رہے گی۔ اور خریداری حصہ سے اس کی مالیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ پہلے اس کی مالیت نقدی کی تھی اب تجارتی سامان میں منتقل ہو گئی۔ لہٰذا زکوٰۃ کا وجوب جو غنائے شرعی پر ہے، قائم رہے گا۔ اگر کمپنی کا حصہ یا حصے جو فروخت ہو رہے ہیں اتنی تھوڑی رقم کے ہیں جو نصاب شرعی کو نہیں پہنچ سکتے۔ مثلاً پچیس ۲۵ کا حصہ ہے یا پندرہ پندرہ کے دو حصے ہیں کل تیس روپے کے حصے ہیں جو آج کل کے حساب سے نصاب کو نہیں پہنچ سکتے تو اندریں صورت اگر بائع اور مشتری کے پاس اور کوئی مال نہ ہو تو زکوٰۃ کسی پر بھی لازم

نہ ہوگی ۔ نہ بائع پر نہ مشتری پر ۔

کن کن اموال پر زکوۃ واجب ہوتی ہے

سوال ۷ : کن کن اثاثوں اور چیزوں پر اور موجودہ سماجی حالت کے پیش نظر کن کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ۔ ؟

بالخصوص

ان چیزوں کے بارے میں یا ان سے پیدا شدہ حالات میں کیا صورت ہوگی ؟

ا : نقدی ، سونا ، چاندی ۔ زیورات اور جواہرات ۔

ب : دھات کے سکے (جن میں طلائی ، نقرئی اور دوسری دھاتوں کے سکے شامل ہیں) اور کاغذی سکے ۔

ج : بینکوں میں بقایا امانت یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی چیزیں لئے ہوئے قرضے اور دیئے ہوئے قرضے مرہونہ جائیداد ، اور ایسی جائیداد جو قابل ارجاع نالش ہو ۔

د : عطیات

ھ : بیمے کی پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقمیں ۔

و : مویشی ، شیر خانہ کی مصنوعات ، زرعی پیداوار مع اناج ، سبزیاں ، پھل ، اور پھول ۔

ز : معدنیات ۔

ح : برآمد شدہ دفینہ ۔

ط : آثارِ قدیمہ ۔

ی : جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد ۔

ک : مچھلی ، حوض اور پانی سے نکلنے والی دوسری چیزیں ۔

ل : پٹرول ۔

م : درآمد ، برآمد ۔

الجواب شرائط وجوب زکوٰۃ جو مال کی طرف راجع ہوتے ہیں، باعتبار قواعد کے درج ذیل ہیں۔

۱: شرطِ اوّل یہ ہے کہ مال مملوک ہو، وقف کے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۲: ملک کامل ہو یعنی یداً و رقبۃً مملوک ہو۔ پس مالِ ضمار پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ مالِ ضمار کی تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ مال کہ جس سے انتفاع حاصل کرنا قدرت سے خارج ہے اگرچہ ملک کے اندر داخل ہے۔ مثلاً بھاگا ہوا غلام، گم شدہ مال وغیرہ۔

۳: مال کا نامی ہونا یعنی سونے چاندی کے سوا میں تجارت اور اسامت کے ذریعہ سے مُعَدّ لِلاستفادہ ہونا۔ یا بلفظِ دیگر سونے چاندی کے سوا میں حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔ پس جو مال کہ ضروریات و حاجات اصلیہ میں مشغول ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۴: حولان حول یعنی سال کا گزر جانا۔ پس اگر کسی کے پاس مال آگیا تو مال حاصل ہوتے ہی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ بعد از سال۔

۵: نصاب کو پہنچنا۔ شریعت میں کچھ مقدار مقرر ہے۔ جب مال اس مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے ان قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے سوال کا جواب یہ ہے۔

الف: نقدی، سونا، چاندی، زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔ جب کہ مملوک بملک تام ہوں کیونکہ یہ اشیاء خلقۃً مالِ نامی ہیں۔ البتہ جواہرات مثلاً لعل، یاقوت، زمرد وغیرہ اور موتی اگر تجارت کی نیت سے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور بہ نیتِ تجارت جب نصاب کو پہنچ جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

" درمختار۔ ج ۲۔ ص ۱۴۔ ولا زکوۃ فی اللاٰلی والجواھر وان ساوت الفا الا ان تکون للتجارۃ اھ (حوالہ ۵)

ب: دھات کے تمام سکے سونا چاندی وغیرہما اور نوٹ یعنی کاغذی سکے، سب میں زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن سونے اور چاندی میں زکوٰۃ باعتبار وزن کے واجب ہوگی۔ اور باقی سکوں میں باعتبار مالیت۔ یعنی ان کی مالیت اتنی ہو کہ ان کی قیمت نصابِ زکوٰۃ کو

پہنچ جائے۔

واذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة و اذا كان الغالب عليها الغش فهو في حكم العروض يعتبر ان تبلغ قيمته نصابا۔ (شرح ہدایہ)۔ (حوالہ ۲)۔

ج: بینکوں میں جمع شدہ رقوم۔ بینکوں یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی رقوم اور زیورات، اور سامانِ تجارت، اور ہر وہ مال جو قابلِ زکوٰۃ ہے اور دوسرے مقام میں امانۃً رکھا ہوا ہے اگرچہ اپنے پاس نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

"لئے ہوئے قرضے، دیئے ہوئے قرضے"

اس میں یہ تفصیل ہے کہ لیا ہوا قرضہ اگر اتنا ہے کہ اس کے ادا کرنے کے بعد مال نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جاتا ہے تو قرضہ کی رقم مستثنیٰ کرکے باقی رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہو گی۔

دیا ہوا قرضہ اگر قابلِ وصول ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

اور اگر ایک شخص ایسا ہے جس نے قرضہ دیا ہوا ہے اور کسی سے خود لینا بھی ہے۔ تو اس صورت میں اس کے لئے ہوئے اور دیئے ہوئے قرض کو مقابلہ کرنے کے بعد اگر رقم قابلِ زکوٰۃ حدِ نصاب کو پہنچنے والی بن سکتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

مرہونہ جائیداد (تنازعہ فیہ جائیداد الخ)۔

جائیداد دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو بغرضِ تجارت نہ ہو بلکہ بغرضِ سکنی ہو یا کرایہ پر دے رکھی ہو۔ اور دوسری وہ جو بغرضِ تجارت ہو۔ یعنی ایک شخص جو زمینوں کا کاروبار کرتا ہے۔ خرید کرتا ہے، پھر نفع پر فروخت کرتا رہتا ہے۔ اس کی زمین بغرضِ تجارت ہے تو وہ جائیداد جو بغرضِ تجارت ہے اس کی قیمت اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جو جائیداد بغرضِ تجارت نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

في الدر المختار ولا ثياب البدن و اثاث المنزل ودور السكنى ونحوها۔ قوله ونحوها كثياب البدن الغير المحتاج اليها وكالحوانيت و العقارات۔ (ج ۲ ص) (حوالہ ۷)

البتہ مرہونہ جائیداد اگر تجارتی ہے تو اس قرضہ کو منہا کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس میں

زکوٰۃ واجب ہوگی۔

د : عطیات سرکاری یا غیر سرکاری اگر نقود کی قسم سے ہوں تو بعد حولانِ حول کے زکوٰۃ واجب ہوجائے گی ۔ اور اگر اراضی اور جاگیر کی قسم سے ہوں تو بغیر نیت تجارت زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ۔ اور اگر عروض اور سامان کی قسم سے ہوں جیسا کہ جہیز میں عورتوں کو دیا جاتا ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے ۔

لیس فی دور السکنی وثیاب البدن و اثاث المنزل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوۃ ۔

(شرح الهدایۃ ۔ ج۲ ص۱۶۹)(حوالہ ۸)

ھ : بیمہ کمپنی میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے جو اصل رقم ہے اور جو رقم سود کی، کمپنی کی طرف سے ملتی ہے وہ حرام ہے ۔ اس کو لے کر اپنے استعمال میں بھی لانا جائز نہیں اور نہ اس پر زکوٰۃ ہے ۔

پراویڈنٹ فنڈ پراویڈنٹ فنڈ کے دو حصے ہوتے ہیں ۔ ایک حصہ وہ جو کہ تنخواہ سے کاٹ کر ہر ماہ سرکار کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے ۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کے اس حصہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں ۔ راجح قول یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ نہیں[1] اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جو کہ گورنمنٹ اپنی طرف سے ملازم کو عطا کرتی ہے ۔ وہ عطیات کے حکم میں ہے ۔ عطیہ اور ہبہ بغیر قبض کے تام نہیں ہوتا ۔ اس لئے وہ ملازم کے ملک میں تب آئے گا جب کہ اس کا قبض ہوگا ۔ جب پراویڈنٹ فنڈ وصول ہوگا اس وقت سے اس پر بعد گزرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہوگی ۔

و : مویشی شیر خانہ کی مصنوعات ۔ زرعی پیداوار مع اناج ، سبزیاں ، پھل ۔

ا : واضح رہے کہ مویشی چند قسم پر ہیں ۔ ایک وہ کہ جو جنگل میں اس مقصد کے لئے چرائے جاتے ہیں کہ ان کی نسل بڑھے اور دودھ حاصل ہو ۔ سو ایسے جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے اور

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔
رسالہ " پراویڈنٹ فنڈ " مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع رح
(مرتب خیر الفتاویٰ)

وہ زکوٰۃ تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ سے مختلف ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۲ : دوسرے وہ مویشی جو بغرضِ سواری، باربرداری اور گوشت حاصل کرنے کے لئے پالے جاتے ہیں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۳ : تیسرے وہ مویشی جو تجارت اور خرید و فروخت کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اس طریق سے جو کہ مالِ تجارت میں ہوتی ہے۔ $\frac{1}{40}$ حصہ ان کی قیمت سے ادا کرے۔

اما صفة نصاب السائمة فله صفات منها ان يكون معدا للاسامة وهو ان يسيمها لِلدَّرِّ والنسل لما ذكرنا ان مال الزكوة هو المال النامي وهو المعد للاستنماء والنماء في الحيوان بالاسامة اذ بها يحصل النسل ويزداد المال فان اسيمت للحمل او الركوب او اللحم فلا زكوة فيها ولو اسيمت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة۔

(بدائع ج ۲ ص ۳۰، (حوالہ ۹)

شیر خانہ کی مصنوعات اگر شیر خانہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے دودھ، مکھن، بالائی اور دودھ کی مصنوعات، مٹھائیوں وغیرہ کی تجارت کی جائے تو اس میں یقیناً زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بوجہ مالِ نامی اور معد للتجارۃ ہونے کے۔

زرعی پیداوار مع اناج سبزیاں اور پھل واضح رہے کہ عشری زمین سے جو پیداوار ہو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور اس زکوٰۃ کو عرفِ شرع میں "عشر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے یہاں اس قدر بیان کافی ہوگا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے۔ یا پانی مفت ہے مگر کنوئیں کے پانی سے کھینچ کر آبپاشی کرتا ہے تو اس صورت میں کل پیداوار کا $\frac{1}{20}$ حصہ دینا واجب ہے۔

اور اگر بارش کے پانی سے آبپاشی کرتا ہے تو اس صورت میں $\frac{1}{10}$ حصہ دینا واجب ہے

یہ عشر اناج، ساگ، ترکاری، پھل، پھول، میوہ وغیرہ ہر چیز میں واجب ہے۔ چاہے

پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ ۔ مثلاً دسں من سے ایک من اور دسں سیر سے ایک سیر ۔

معدنیات واضح رہے کہ معدنیات دو قسم کے ہوتے ہیں مستجمد (جماد) ۔ مائع (بہنے والے) پھر مستجمد دو قسم ہیں ۔ ایک وہ جو گلانے پگھلانے سے گل پگھل جائے ۔ اس قسم میں سونا، چاندی ۔ لوہا ، قلعی ، پیتل وغیرہ آجاتے ہیں ۔ اسے اصطلاح میں " مایذوب بالاذابۃ" کہتے ہیں ۔ دوسرے وہ ہیں جو گلانے اور پگھلانے سے نہیں گلتے ۔ اس قسم میں یاقوت ۔ بلور ، عقیق زمرد ۔ فیروزہ ، سرمہ ، ہڑتال ، چونہ ہیں انہیں " مالا یذوب بالاذابۃ " کہتے ہیں ۔

مائعات کے ذیل میں تیل مٹی ، پٹرول وغیرہ جو زمین سے برآمد ہوتے ہیں ، داخل ہو جاتے ہیں

احکام : حکم قسم اوّل یعنی مستجمد " مایذوب بالاذابۃ " سونا ، چاندی ، لوہا وغیرہ اگر یہ معدنیات دارالاسلام میں ارض غیر مملوکہ کے اندر برآمد ہوں تو برآمد کرنے والا تمام اخراجات کان کھدوائی وغیرہ کے ادا کرے گا ۔ اور برآمد شدہ سے بغیر منہا کرنے مصارف کھدوائی وغیرہ کے صرف پانچواں حصہ شرعی بیت المال کو دینا ہوگا ۔ باقی چار حصے پانے والے کے ہوتے ہیں ۔ اس میں سے وہ ماہرین زمینی معلومات اور مزدوروں کے اخراجات ادا کرے گا اور باقی سے خود منتفع ہوگا ۔ اس برآمد شدہ مال میں مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں چار حصے جس طرح مسلمان لے سکتا ہے ، غیر مسلم بھی لے سکتا ہے ۔ لیکن ایک غیر ملکی کافر جو کہ امان لے کر آیا ہے ۔ اور اس نے اسلامی ملک کو وطن نہیں بنایا ہوا ، اس کو کوئی معدن مل جائے تو اسے نہیں دی جاسکتی بلکہ تمام برآمد شدہ مال واپس لیا جائے گا ۔ اِلّا یہ کہ امام المسلمین اس کے ساتھ معاہدہ کر چکا ہو تو پابندی عہد لازمی ہوگی ۔

ب : نیز صورت مذکورہ بالا میں سال کا گزرنا ، نصاب کا ہونا اور دیگر شرائط زکوٰۃ کا بھی اعتبار نہیں ۔ جو کچھ بھی اس قسم کان سے برآمد ہو ، قلیل ہو یا کثیر یہ مال بمنزلہ مال غنیمت قرار دے کر خمس اس مال کا نکالنا لازم ہوگا ۔

ج : یہ مال برآمد کنندہ اپنے والدین اور اپنی اولاد ، فقراء پر بھی خرچ کر سکتا ہے ۔

د : اگر کان کھودنے والا یا معدنیات کا پانے والا مفلس ہے اور برآمد شدہ مال کے ⅘ حصے اس کو کفایت نہیں کرتے تو ⅕ حصہ اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے ۔

حکم قسم دوم : یعنی مستجمد (مالا یذوب بالاذابۃ) جیسا کہ سرمہ ، بلور ، عقیق وغیرہ

یہ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا کوئی خُمس اور پانچواں حصہ لازم نہیں۔

حکم قسم سوم مٹی کا تیل وغیرہ مالکعات ان تمام چیزوں میں بھی کوئی خمس اور پانچواں حصہ واجب نہیں۔ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا۔ پارہ اگر برآمد ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس میں خمس واجب ہے۔

نوٹ: یہ تمام احکام کتاب " البدائع الصنائع " سے لیے گئے ہیں جو فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے۔

برآمد شدہ دفینہ دارالاسلام میں برآمد شدہ دفینہ دو قسم کا ہے

۱ : الف : جو کسی کو اپنی مملوکہ زمین کی کھدائی کرنے سے حاصل ہو۔

۲ : ب : جو غیر مملوکہ زمین مثلاً پہاڑ، جنگل وغیرہ سے مل جائے۔ پھر یہ دفینہ باعتبارِ علامات بھی دو قسم ہے۔

۱ : الف : " ما فیہ علامۃ الاسلام " جس میں اسلامی علامات مثلاً نقش کلمۂ طیبہ، مسجد کی تصویر وغیرہ ہو۔

۲ : ب : " ما فیہ علامۃ الکفر " جس میں زمانۂ کفر کے علامات ہوں۔ بت یا مندر، یا صلیبِ نصاریٰ وغیرہ کل چار قسمیں ہوگئیں۔

زمین غیر مملوکہ میں حاصل ہونے والا		زمین مملوکہ سے حاصل ہونے والا	
جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو	جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو
اسکا حکم غنیمت کا ہے ⅕ حصہ نکال کر ۴/۵ حصے پانیوالا خود لے لے اور ⅕ حصہ بیت المال میں داخل کردے یا خود فقراء پر تقسیم کردے۔ ودلیل علیہ صریحۃ ماقال صاحب رد المحتار ج ۲ ص۴۴ ومن اصاب رکازًا وسعہ ان یتصدق بخمسہ علی المساکین الی قولہ کزکوۃ الاموال الباطنۃ۔	یہ بمنزلہ لقطہ کے ہے کیوں کہ یہ مال مملوکہ مسلمین ہے غنیمت نہیں بن سکتا۔ اور لقطہ کے ۹ نو مسائل آگے تحریر کیے جاتے ہیں۔	اسکا خمس نکال کر باقی مختط لہ فی الاسلام کو دیا جائے یعنی وہ پہلا پہلا مالک جسکو یہ زمین بادشاہ اسلامی نے تقسیم کی تھی اگر وہ مرگیا ہو تو اسکے وارثوں کو دیا جائے اگر وہ اور اسکے وارث غیر معلوم ہوں تو اقصیٰ مالک للارض فی الاسلام یعنی اس موجودہ مالک سے پہلا اور اس سے پہلا جہاں تک ہماری تحقیق ختم ہوجائے اور اسکے بعد پہلے مالک کا علم نہ ہوسکے تو اسکو دے دیا جائے۔	یہ بھی بمنزلہ لقطہ ہے۔ کما یدل علیہ عبارۃ البدائع والدر المختار وشرحہ۔

یہ چار صورتیں ان دفینوں کی ہیں جو دارالاسلام میں پائے جائیں اور جو دارالحرب میں پایا جائے۔ اس کی تفصیلات اور ہیں۔ چونکہ وہ نادر الوقوع ہیں اس لئے ان کی تفصیل یہاں درج نہیں کی جاتی۔

مسائل لُقطہ

۱ : "لقطہ" اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی غیر محفوظ جگہ پر پڑی ہو۔ اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔

۲ : اگر اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اٹھا لینا بہتر ہے۔

۳ : ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اٹھانا مباح ہے۔

۴ : اس نیت سے اٹھانا کہ خود استعمال کریں گے حرام ہے۔ اس طرح اٹھانے میں ضمان واجب ہے۔

۵ : اٹھاتے وقت گواہ بنانا اپنے آپ کو ضمان سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔ اگر گواہ نہ بنائے تو جب تک مالک تصدیق نہ کرے ضمان سے نہیں بچ سکتا۔ گواہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں کھڑا ہو کر اعلان کر دے کہ میرے پاس مال لقطہ موجود ہے جس کا سامان گم ہوا ہو اسے میری طرف روانہ کیا جائے۔

۶ : اٹھانے کے بعد اس مال کی تشہیر کرنا ضروری ہے۔ مساجد کے دروازوں اور عام مجموں میں بھی اعلان کرنا ضروری ہے۔

۷ : "دس درہم"[1] (تقریباً اڑھائی روپیہ) اور اس سے زائد کی مالیت کے لئے ایک سال تعریف کی جائے۔

۸ : تین درہم سے دس درہم تک، ایک ماہ تک۔ ایک درہم سے تین درہم تک، ایک ہفتہ۔ اور اس سے کمتر ین ایک دن۔ اور ایک پیسہ پانے کی صورت میں ادھر ادھر دیکھ کر فقیر کو دے دینا کافی ہے۔

۹ : بعد تعریف کے اگر مالک نہ ملے، تو فقراء پر خرچ کر دے۔ اگر خود فقیر ہو تو اپنے اوپر بھی صرف کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بعد میں مالک آگیا تو واپس کرنا لازم ہوگا۔

آثارِ قدیمہ

واضح رہے کہ آثارِ قدیمہ سے مراد اگر پرانے کھنڈرات ہیں تو ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نہ اس کا کتابوں میں مستقل کوئی ذکر آتا ہے۔ البتہ اگر ان سے

---

[1] نوٹ: دس درہم سے مراد دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی کی مالیت مراد ہے جس دور میں اسکی جو بھی قیمت ہو (مرتب خیر الضادی)

کچھ مال ومتاع برآمد ہو تو اس کا حکم " برآمد شدہ دفینہ " کے ذیل میں آچکا ہے۔

جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد شہد کے اندر چاہے وہ جنگلی مکھی کا ہو یا پالتو مکھی کا عشر واجب ہے بشرطیکہ زمینِ عشری سے برآمد ہو۔ اگر شہد زمینِ خراجی سے برآمد ہو اس میں عشر واجب نہیں۔

ثم انما یجب العشر فی العسل اذا کان فی ارض العشر فاما اذا کان فی ارض الخراج فلا شئ فیہ۔ (بدائع۔ ج ۲ ص ۶۲)۔

جنگلی اور پالتو مکھی کے اندر فرق تتبع روایات سے معلوم نہیں ہوتا، دونوں میں عشر واجب ہے۔ امام اعظم رح کے نزدیک شہد کے اندر دیگر زروع و ثمار کی طرح نصاب شرط نہیں، قلیل وکثیر میں عشر واجب ہے۔

مچھلی، موتی اور پانی سے نکلنے والی دوسری اشیاء

ان اشیاء میں جو سمندر سے برآمد ہوتی ہیں۔ مثلاً موتی، مونگا، عنبر وغیرہ ان پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اسی طرح مچھلی بھی از قسم شکار ہے اس میں بھی کوئی عشر یا خمس واجب نہیں۔

فاما المستخرج من البحر کاللؤلؤ والمرجان والعنبر وکل حلیۃ تستخرج من البحر فلا شئ فیہ فی قول ابی حنیفۃ رح ومحمد رح وھو للواجد وعند ابی یوسف رح فیہ الخمس۔

(شامی ج ۲ ص ۶۸)۔

پٹرول اس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ پٹرول، مٹی کا تیل اور ہر وہ چیز جو زمین سے نکلے اور وہ مائع (بہنے والی) ہو وہ بالکلیہ پانے والے کے لئے ہوتی ہے اس میں کوئی خمس وغیرہ نہیں۔

واما المائع کالقیر والنفط فلا شئ فیہ ویکون للواجد لانہ ماء وانہ مما لا یقصد بالاستیلاء فلم یکن فی ید الکفار حتی یکون من الغنائم فلا یجب فیہ الخمس۔

(بدائع، ج ۲ ص ۶۷)۔

درآمد، برآمد مال کی درآمد اور برآمد پر جو ڈیوٹی اور کسٹم موجودہ زمانہ میں حکومتوں کی طرف سے لگایا جاتا ہے۔ اس کی نظیر ہمیں شریعت میں نہیں ملتی۔ اور نہ اس کے جواز کے لئے کوئی ثبوت ہاتھ میں آتا ہے۔ البتہ کتب فقہ میں یہ ملتا ہے۔

ا : اگر اس کا مالک مسلمان ہے تو اس سے ۱/۴۰ حصہ بطور زکوٰۃ وصول کر لیا جائے اور اسے مصارفِ زکوٰۃ پر خرچ کیا جائے۔ اس کے مال سے اس سال کی زکوٰۃ ساقط ہو ہو جائے گی۔

ب : اگر اس کا مالک ذمی ہے تو اس سے ۱/۲۰ حصہ وصول کیا جائے۔ اگرچہ اس لینے میں شرائطِ زکوٰۃ کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ لیکن اس کا صَرف مصارفِ خراج پر ہوگا۔

ج : اگر اس کا مالک حربی ہے تو اس سے وہی ٹیکس لینا چاہیئے جو کہ وہ ہمارے مسلم تجار سے لیتے ہوں۔ اگر ۱/۱۰ لیں تو ہم بھی ۱/۱۰ لے سکتے ہیں۔ اگر وہ ۱/۵ لیں تو ہمیں بھی یہی لینا چاہیئے۔ اگر ان کے متعلق علم نہ ہو سکے تو ۱/۱۰ وصول کر لیا جائے۔

(بدائع : ج ۲ : ص ۳۸)۔

جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ تا قیامت وہی رہیں گے جو ابتدائے اسلام میں تھے

سوال ۹ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی کیا خلفاءِ راشدین رضؓ نے ان کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا؟ اگر کوئی اضافہ یا تبدیلی کی تو کن اصولوں پر؟

الجواب آنحضرت علیہ السلام کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی حضرات خلفاءِ راشدین رضؓ نے بھی انہی املاک پر زکوٰۃ کو عائد کیا۔ اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں کی طرف تجاوز نہیں کیا۔ اور یہ حضرات اس معاملہ میں اپنی رائے سے دخل دے بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے یہ کوئی ٹیکس نہیں ہے کہ جس کے اندر زمانہ اور مصلحت کے لحاظ سے تبدیلی اور تغیر ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ یتیم کے مال پر نہیں۔ جو املاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھیں حضراتِ خلفاءِ راشدین رضؓ کے زمانہ میں بھی مستثنیٰ رہیں۔

رائج الوقت سکّوں کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل

سوال ۱ : کیا نکل کے سکّوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے رائج الوقت سکّوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟ جو سکّے رائج نہیں رہے ، جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں ، یا جو دوسرے ملکوں کے سکّے ہیں ، ان کا بھی اس سلسلہ میں شمار ہونا چاہیئے یا نہیں ؟

الجواب اس کی مختلف صورتیں ہیں ۔

۱ : وہ سکے جن میں سونا چاندی بھی ہے اور دوسری دھات بھی ہے ، لیکن غالب اجزاء سونا اور چاندی ہیں تو اسے سونا اور چاندی تصور کیا جائے گا ۔

فی الھدایۃ واذا کان الغالب علی الورق الفضۃ فھو فی حکم الفضۃ ۔اھ

۲ : وہ سکے جن میں سونے اور چاندی کی مقدار کم ہے اور دوسرے اجزاء زیادہ ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروّج سکے ہیں یا بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ اور اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروّج سکے نہیں ہیں اور نیّت تجارت کی بھی نہیں ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ۔ البتہ ان سکوں میں اگر چاندی مخلوط ہے ، وہ اگر اتنی مقدار کو پہنچ جائے جو چاندی کا نصاب ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ۔ " بدائع ، ص ۱۷ " میں ہے ۔

وان کان الغالب ھو الغش والفضۃ مغلوبۃ فان کانت اثمانا رائجۃ او کان یمسکھا للتجارۃ یعتبر قیمتھا فان بلغت قیمتھا مائتی درھم من ادنی الدراھم التی تجب فیھا الزکوۃ وھی التی الغالب علیھا الفضۃ تجب فیھا الزکوۃ والا فلا وان لم تکن اثمانا رائجۃ ولا معدّۃ للتجارۃ فلا زکوۃ فیھا الا ان یکون ما فیھا من الفضۃ یبلغ مائتی درھم بان

كانت كبيرة لان الصفر لا تجب فيه الزكوة الا بنية التجارة ۔ (بدائع ۔ ج ۲ ۔ ص ۱۷) ۔

۳ : وہ سکے جو خالص پیتل ، تانبے قلعی وغیرہ دھاتوں کے ہیں ان میں سونے چاندی کی بالکل ملاوٹ نہیں ان کی دو صورتیں ہیں ۔

ا : عرف اور اصطلاح میں مروّج سکے ہیں اور لین دین میں کام آتے ہیں ۔

ب : اب عرف اور اصطلاح میں مروّج سکے نہیں رہے ، کسی زمانہ میں تھے ۔

قسم اوّل کا حکم یہ ہے کہ اگر بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ اگر ان کی قیمت نصاب شرعی چاندی کے برابر ہو جائے ۔ یعنی دوسو درہم کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں ۔

اسی طرح قسم دوم کے سکے بھی عروض کے حکم میں ہیں ۔ اگر نیت تجارت کے ساتھ جمع کر رکھے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں ۔ حوالہ کے لئے دیکھیں بدائع ، ج ۲ ، ص ۱۷ ۔

وكذا روى عن الحسن عن ابي حنيفة فيمن كانت عنده فلوس او دراهم رصاص اونحاس ومموهة بحيث لا يخلص فيها الفضة انها ان كانت للتجارة يعتبر قيمتها فان بلغت مائتى درهم من الدراهم التى تغلب فيها الفضة ففيها الزكوة وان لم تكن للتجارة فلا زكوة فيها لما ذكرنا ان الصفر ونحوه لا تجب فيها الزكوة مالم تكن للتجارة الى قوله وان لم تكن اثمانا رائجة فان كانت سلعا للتجارة تعتبر قيمتها ايضًا وان لم تكن للتجارة ففيها الزكوة بقدر ما فيها من الفضة ان بلغت نصابا او بالضم الى ماعنده من مال التجارة ۔

۴ : نوٹ : ا : جو پاکستانی نوٹ ہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ اس حیثیت سے نہیں کہ یہ نوٹ خود مال ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ایک چیک اور سند اور وثیقۂ مال ہے

جس شخص کے پاس اتنے نوٹ جمع ہو جائیں جن سے دوسو درہم چاندی حاصل ہو سکتی ہے
تو اس مالیت پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ۔

ب : غیر ملکی نوٹ اگر کسی کے پاس جمع ہوں تو ان کو پاکستانی نوٹوں کے ساتھ تبادلہ کر کے
یا تبادلہ کا اندازہ کر کے جب دوسو درہم کی مقدار کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو
جائے گی ۔

اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف

سوال ۱۱ : مال ظاہر اور باطن کی کیا تعریف ہے ؟ اس سلسلہ میں بنکوں کے اندر جمع شدہ رقوم کی کیا حیثیت ہے ؟

الجواب حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ جو کہ قرآن و حدیث کے ماہر ہیں فرماتے ہیں کہ اموال زکوٰۃ دو قسم ہیں ۔ ظاہرہ ۔ باطنہ ۔

ا : اموالِ ظاہرہ سے مراد مواشی (اونٹ ، بکریاں ، گائے وغیرہ) ہیں ۔ جو جنگل میں
چرتے ہیں ۔ اور وہ اموالِ تجارت ہیں جو تجار کے ملک میں اور سرکاری شرعی عامل کے
پاس سے گزرتے ہیں ۔

ب : اموالِ باطنہ سے مراد سونا ، چاندی اور وہ تجارتی مال ہے جو کہ دوکان یا موضع تجارت
میں رکھا ہوا ہو ۔ قسمِ اوّل کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام اور اس کے نائبوں کو حاصل
ہے چند شرائط کے ساتھ ، جن کی تفصیل کا اور مقام ہے ۔

قسمِ دوم کی زکوٰۃ ارباب اموال کے سپرد ہے وہ خود ادا کریں ۔ اور اگر وہ اپنی زکوٰۃ
امام کی طرف لے آئیں تو امام کو قبول کرنے کا اختیار ہے ۔

والدلیل علی ذالك ما في البدائع ۔ ج ۲ ۔ ص ۳۵ ۔

" اما الاول فمال الزکوٰۃ نوعان ظاهر وهو المواشي
والمال الذي يمر به التاجر على العاشر وباطن
وهو الذهب والفضة و اموال التجارة في مواضعها
اما الظاهر فللامام و نوّابه وهم المصدقون من
السعاة و العشار ولاية الاخذ ———— ثم قال

بعد اسطر اما المال الباطن الذی یکون فی المصر فقد قال عامة مشائخنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طالب بزکوتہ و ابوبکرؓ و عمرؓ طالبا و عثمانؓ طالب زمانا ولما کثرت اموال الناس ورآی ان فی تتبعها حرجا علی الامة وفی تفتیشها ضررًا بارباب الاموال فوّض الاداء الی اربابها و ذکر امام الھدی الشیخ ابو منصور الماتریدی السمرقندی رحمہ اللہ لم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث فی مطالبة المسلمین بزکوة الورق واموال التجارة ولکن الناس یعطون ذالک ومنهم من کان یحمل ذالک الی الائمة فیقبلون منہ ذالک و لا یسألون احدا عن مبلغ مالہ ولا یطالبونہ بذالک وقال فی ص۳۷ لان زکوة الاموال الباطنة مفوض الی اربابها اذا کانوا یتجرون بها فی المصر - (بدائع)-

اس سلسلہ میں بینک میں جمع شدہ رقوم اموالِ باطنہ کے ذیل میں داخل ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ یہ رقوم شہروں میں اور مواضع تجارت میں ہوتی ہیں -

اور اموالِ ظاہرہ میں شرط مرور علی العاشر موجود ہے۔ جو یہاں مقصود ہے۔ علاوہ ازیں بینکوں میں جمع شدہ رقوم کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص کا روپیہ کسی کے پاس امانت ہو تو امانت کے اندر ہونا اس کے باطن ہونے میں مخل نہیں۔ لہٰذا بنکوں میں جمع شدہ رقوم اموالِ باطنہ ہیں (بنکوں میں جمع رقم کو عرفاً امانت کہا گیا ہے ورنہ حقیقۃً وہ دین ہے۔ (محمد انور، مرتب)

مالِ نامی سے کیا مراد ہے

سوال ۱۲: اعراض زکوٰۃ کے لئے مالِ نامی (نمو پذیر) کے حدود بیان کیجئے!

کیا صرف مالِ نامی پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟ -

الجواب زکوٰۃ کے وجوب کے لیئے تقریبًا نو شرطیں ہیں۔ بعض شرطیں مالک کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، اور بعض مال کے ساتھ۔

مکلف کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱:۔ حریت۔ ۲: اسلام۔ ۳:۔ بلوغ و عقل

مال کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱:۔ مال کا نصاب ہونا۔

۲:۔ ملک تام ہونا۔

۳:۔ مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔

۴:۔ مال کا دَین سے فارغ ہونا۔

۵:۔ حولانِ حول ہونا۔

۶:۔ مال کا نامی ہونا۔

مال کا نامی ہونا ان شرائط میں سے ہے جن کے بغیر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نمو دو قسم ہے۔ نمو حقیقی۔ نمو تقدیری۔

۱۔ نمو حقیقی: وہ ہے جو مویشی اور مالِ تجارت میں پایا جاتا ہے۔ سال کے بعد حقیقۃً مویشی بذریعہ توالد و تناسل بڑھ جاتے ہیں۔ اور مالِ تجارت بھی بوجہ منافع کے حقیقۃً بڑھ جاتا ہے۔

۲۔ نمو تقدیری: وہ ہے کہ مال اس کے پاس یا اس کے نائب (امین، وکیل) کے پاس رکھا ہو۔ اگر وہ چاہے تو استثمار کر سکتا ہے۔ پھر ہر ایک ان میں سے دو قسم پر ہے۔ خلقی، عملی۔

۱۔ خلقی: وہ ہے جو پیدائشی طور پر اللہ تعالےٰ نے اس کے اندر رکھ دیا ہے جیسا کہ سونا اور چاندی۔ ان دونوں دھاتوں کو اللہ تعالےٰ نے صفتِ "نماء" کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے ساتھ نفع اٹھانا بالاعیان ممکن نہیں، جب تک کہ ان کی فروخت نہ کی جائے۔ لہٰذا ان دونوں دھاتوں میں جب "نماء" خلقی ہوا تو اب دونوں میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ چاہے نیتِ تجارت کرے یا نہ کرے۔

۲: نماءِ عملی یا فعلی: وہ ہے جو اِن دونوں کے ماسوا باقی تمام اشیاء میں ہوتا ہے

مویشیوں میں بہ نیتِ اسامت ہوتا ہے اور اموالِ تجارت میں تجارت کی نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔

تنبیہ نیت تجارت و اسامت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب کہ فعل تجارت، اور اسامت کے ساتھ متصل ہو۔ پھر نیتِ تجارت صراحۃً ہوتی ہے یا دلالۃً۔ صراحۃً کی مثال یہ ہے کہ خرید و فروخت کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ میں اس سامان میں تجارت کروں گا۔ اور دلالۃً یہ ہے کہ خرید کرتے وقت ارادہ کچھ نہ ہو لیکن خرید و فروخت عروضِ تجارت میں واقع ہو۔ پس نمو کی چار قسمیں ہو گئیں جن کی وضاحت کے لئے نقشہ ذیل معاینہ فرما دیں۔

نمو حقیقی		نمو تقدیری	
خلقی	عملی	خلقی	عملی
اس کی مثال وہ سونا چاندی ہے جو تجارت میں لگایا گیا ہو اس کا نمو حقیقی ہے کہ تجارت کی وجہ سے حقیقۃً بڑھ جاتا ہے اور خلقی بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی کو وصفِ نماً کے ساتھ پیدا فرمایا ہے	اس کی مثال عروضِ تجارت ہے جو سونا چاندی کے علاوہ ہو یا سوائم ان کا نمار حقیقی ہوتا ہے لیکن ہمارے ارادہ اور نیت اور عملِ تجارت یا اسامت کو اس میں دخل ہوتا ہے۔	سونا چاندی جو تجارت میں مشغول نہیں ہے اس کا نمار تقدیری ہوتا ہے یعنی مالک استثمار پہ قادر ہے اگر تجارت پر لگا دے۔	سوائم اور عروضِ تجارت جن کے اندر نیتِ تجارت یا اسامت تو کر چکا ہے لیکن حقیقۃً ابھی تک نمار نہیں ہوا۔

واضح رہے کہ بغیر وصفِ نمار کے مال کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہ تمام مسائل "فتاویٰ عالمگیری" سے لئے گئے ہیں۔

کرایہ پر دی جانے والی اشیاء کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱۳۱ : جو مکان، زیورات و دوسری چیزیں کرایہ پہ دی جائیں ان پہ اور ٹیکسی گاڑی موٹر وغیرہ پہ زکوٰۃ لگانے کے کیا قاعدے ہیں ؟

الجواب جو چیز کرایہ پر چلائی جائے مثلاً مکانات، شامیانے، دیگیں، سائیکل، موٹر گاڑی وغیرہ اسی طرح ملمع کے زیورات جو کرایہ پر دینے کے لئے تیار کئے گئے ہوں ان سب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ ان سب کی آمدنی سے جو سرمایہ جمع ہوگا اس پر بعد حولانِ حول زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر ایک شخص ان کو تجارت کے لئے خریدتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ لیکن اگر پھر کرایہ پر دینا شروع کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

البتہ سونے چاندی کے زیورات اگرچہ وہ کرایہ پر بھی دیئے جائیں تب بھی ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ کیونکہ جب استعمال کرنے سے سونے اور چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوئی تو کرایہ پر دینے کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہو سکتی۔ حوالہ قاضی خان: ج ۱ ص ۲۹۱۔

ولو اشتری الرجل دارا او عبدا للتجارۃ ثم اجرہ یخرج من ان یکون للتجارۃ لانہ لما اجرہ فقد قصد المنفعۃ ولو اشتری قدوراً من صفر یمسکھا اویواجرھا لاتجب الزکوۃ۔

جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱۷۱: کسی آدمی کے کن کن مملوکہ جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں بھینسوں، مرغیوں دوسرے پالتو اور شوقیہ پالے ہوئے جانوروں کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی زکوٰۃ نقدی کی شکل میں یا جنس کی صورت میں یا دونوں طرح دی جا سکتی ہے۔ کسی آدمی کے مختلف مملوکہ جانوروں کی کتنی مقدار پر اور کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہونی چاہیئے؟

الجواب زکوٰۃ تمام جانوروں میں سے صرف مندرجہ ذیل جانوروں پر مع ان شرائط کے جو درج ذیل ہیں واجب ہوتی ہے۔

ا: اونٹ: ان میں عربی، بختی، ہر قسم کے اونٹ داخل ہیں۔

ب: گائے: اس میں بیل، بھینس، سب شامل ہیں۔

ج: بکری: اس میں بھیڑ، دنبہ، سب شامل ہیں۔

ان کے ماسوا اور کسی جانور پر مرغی، کبوتر، گدھا وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جن جانوروں (اونٹ، گائے، بکری) پر زکوٰۃ واجب ہے اس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں۔

۱ : ان جانوروں کو جنگل میں چرایا جاتا ہو ۔ اگر گھر میں چرایا جاتا ہے اور چارہ ڈالا جاتا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ۔ پہلی قسم کو " سائمہ " اور دوسری قسم کو اصطلاح میں " علوفہ " کہتے ہیں ۔ اگر یہ صورت ہو کہ سال کے کچھ عرصہ میں گھر کے اندر چارہ ڈال کر چرایا جاتا ہے ۔ اور کچھ حصّہ سال میں جنگل کے اندر چرایا جاتا ہے تو اکثر کا اعتبار ہوگا ۔ اگر اکثر حصہ سال کا جنگل میں چرتے ہیں ، اور تھوڑے دنوں گھر میں تکلیف برداشت کی جاتی ہے تب تو یہ " سائمہ " ہیں ورنہ " علوفہ " ۔

فان کانت تسام فی بعض السنة وتعلف فی البعض فان اسیمت فی اکثرها فهی سائمة والا فلا ۔ کذا فی المحیط عالمگیری ج ۱ ص ۹۰

۲ : ان جانوروں کو جنگل میں چرانا (جسے اصطلاح فقہا میں " اسامت " کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) بغرض نسل کشی اور دودھ ہو ۔ لہٰذا جن جانوروں کی اسامت بغرض حمل ، رکوب اور گوشت ہوگی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ۔ عالمگیری ج ۱ ص ۹۰ ۔ میں ہے ۔

" حتی لو اسیمت للحمل والرکوب لا للدر والنسل فلا زکوة فیها کذا فی محیط السرخسی وکذا لو اسیمت للحم "

بدائع ج ۲ ص ۳۰ : میں ہے ۔

" منها ان یکون معدا للاسامة وهو ان یسیمها للدر او النسل لما ذکرنا ان مال الزکوة هو المال النامی وهو المعد للاستنماء والنماء فی الحیوان بالاسامة اذ بها یحصل النسل فیزداد المال فان اسیمت للحمل او الرکوب او اللحم فلا زکوة فیها ولو اسیمت للبیع والتجارة ففیها زکوة مال التجارة لا زکوة السائمة ۔

۳ : تیسری شرط یہ ہے کہ جنس واحد ہو ۔ مثلاً اونٹ اگر ہوں تو پورے نصاب کو پہنچ جائیں اسی طرح اگر گائے ہو تو بھی نصاب کو پہنچ جائے ۔ ایک جنس کا نصاب دوسری جنس سے پورا نہ کیا جائے گا ۔ بدائع ، ج ۲ ۔ میں ہے ۔

" ومنها ان یکون الجنس فیه واحدا من الابل والبقر" (ص۳۱)۔
زکوٰۃ کے اندر جانور بھی دیا جاسکتا ہے اور نقد رقم بھی دی جاسکتی ہے ۔

" واداء القیمة اداء مال مطلق مقدر بقیمة المنصوص علیه بنیّة الزکوة فیجزئه الی قوله بخلاف الهدایا والضحایا لان الواجب فیهما اراقة الدم اھ ۔ (بدائع ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۶)۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کے لئے نصاب کم ازکم پانچ مقرر ہے ۔ پانچ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ۔ اس کے بعد جب اونٹوں کی تعداد بڑھتی جاتی تو زکوٰۃ کی مقدار بھی بڑھتی جاتی ہے ۔ زیادہ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے ۔

بکریوں کی زکوٰۃ کے لئے کم ازکم تعداد شریعت میں چالیس مقرر ہے ۔ اس سے کم تعداد میں زکوٰۃ واجب نہیں ۔ جب بکریاں چالیس کی مقدار کو پہنچ جائیں تو ان میں سے ایک بکری متوسط درجہ کی واجب ہو جاتی ہے ۔

گائے بیل بھینس کے لئے نصاب مقررہ تیس ہے ۔ جب ان کی تعداد تیس ہو جائے تو ان میں ایک بچھڑا جس کی عمر ایک سال ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، دینا لازم ہے ۔ اسے اصطلاح میں تبیع کہتے ہیں ۔

کس مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال ۱۵ : جن مختلف سامانوں اور چیزوں پہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان پر زکوٰۃ کس شرح سے لی جائے ؟

الجواب جانوروں کے متعلق ابھی ابھی تحریر ہو چکا ہے ۔ سونا چاندی، اموالِ تجارت پر ۱/۴۰ زرعی پیداوار پر بعض حالات میں ۱/۱۰ اور بعض حالات میں ۱/۲۰ واجب ہوتا ہے ۔ اور " معادن " وغیرہ میں ۱/۵ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کو شرحِ زکوٰۃ میں تبدیلی کی اجازت نہیں

سوال ۱۶ : خلفاءِ راشدین کے دور میں نقدی، سکّوں، مویشیوں، سامانِ تجارت زرعی پیداوار پہ زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے ؟ اگر ایسا ہو تو سند کے ساتھ تفصیلی

وجوہ بیان کیجئے ۔

الجواب ہمارے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے کہ حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مقادیر زکوٰۃ میں اپنی رائے سے تبدیلی کی ہو۔ بلکہ مقادیر سب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ ہیں - فی خمس ذود من الابل شاۃ - اور ازیں قسم جو مقادیر اس باب میں ہیں سماعی ہیں ان میں کوئی قیاسی نہیں جس طرح کہ تعداد رکعات فرض وغیرہ سب منقولات سے ہیں - پہلے عرض ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے نہ کہ از قسم ٹیکس وخراج - اس لئے اس میں سیاسی مصالح کو اور اپنی رائے کو دخل نہیں ۔ حضرات خلفاء راشدین رضہ نے شرح زکوٰۃ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی ۔

دو سو درہم رائج الوقت سکّہ کے لحاظ سے کتنے بنتے ہیں

سوال ۱۷ : نقدی کی صورت میں اگر زکوٰۃ دو سو نقرئی درہم اور بیس طلائی مثقال میں واجب ہو تو یہ سکّے کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہوں گے ۔ اناج کی صورت میں "صاع و وسق" پاکستان کے مختلف علاقوں میں کن مروجہ اوزان کے برابر ہوں گے ؟

الجواب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز "بہشتی زیور" کے اندر ارشاد فرماتے ہیں کہ " دو سو درہم کا وزن روپیوں کے حساب سے ۵۲ ۱/۲ تولہ ۲ رتی چاندی - اور ۷ ۱/۲ تولہ ، رتی بھر سونا بیس مثقال سونے کا وزن ہوتا ہے - اور صاع کا وزن ۲۷۰ اسّی تولہ کے سیر سے تین سیر، نو چھٹانک ہوتا ہے - اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک وسق میں پانچ من تیرہ سیر بارہ چھٹانک وزن آئے گا ۔

نصاب اور مقدار واجب میں تبدیلی کا حکم

سوال ۱۸ : کیا موجودہ حالات کے پیش نظر نصاب (وہ کم از کم سرمایہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) اور زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ؟ اس مسئلے پر اپنے خیالات دلائل کے ساتھ پیش کریں ۔

الجواب موجودہ حالات اور ماضیہ و مستقبلہ حالات میں بھی کوئی وجہ جواز ان نصابہائے زکوٰۃ اور شرح میں تبدیلی کی پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب یہ ایک تعبُّدی تشریعی حکم ہے، کوئی سیاسی امر مبنی بر مصلحت نہیں تو اس میں تبدیلی کیسی؟

کتنی مدت گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہو گی

سوال ۱۹: مختلف اثاثوں اور سامانوں پر کتنی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور جن پر نہیں ان کی شرح مدت تفصیل سے گزر چکی ہے۔

سال میں جتنی پیداوار اُٹھائی جائیں ہر پیداوار سے عشر دیا جائے

سوال ۲۰: اگر ایک سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ ادا کی جائے یا ہر فصل پر؟

الجواب حولانِ حول یعنی سال گزرنے کی شرط زرعی پیداوار کے علاوہ اور چیزوں کے لیے ہے۔ زرعی پیداوار تو جب بھی اٹھائی جائے گی اس وقت اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو گی۔ اگر سال میں دو مرتبہ پیداوار اٹھائی جائے تو دو دفعہ عشر دینا ہو گا۔ لقولہ تعالےٰ "آتوا حقّہٗ یوم حصادہ" الآیۃ

زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی کا

سوال ۲۱: زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہونی چاہئے یا شمسی سال کے حساب سے؟ کیا زکوٰۃ کی تشخیص اور وصولی کے لئے کوئی مہینہ مقرر ہونا چاہئے؟

الجواب زکوٰۃ اور دیگر امور کے اندر مثلاً خیارِ بلوغ وغیرہ میں قمری سال کا اعتبار ہے زکوٰۃ کا وجوب بھی قمری سال سے ہو گا۔ جس دن سے ایک شخص نصاب کا مالک ہوتا ہے۔ اس دن سے قمری سال پورا کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہو جائے گی اور سال میں کوئی خاص مہینہ زکوٰۃ کے لئے مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ زکوٰۃ کا وجوب ملک نصاب سے ہوتا ہے

جب غنا کے لئے اور ملکِ نصاب کے لئے کوئی ماہ مقرر نہیں تو وجوبِ ادا کے لئے تعینِ ماہ کیسے کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سال کے مختلف حصّوں میں زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔

مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل

سوال ۲۲ : زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہیئے ؟

الجواب زکوٰۃ کے لئے مندرجہ ذیل مصارف ہیں۔

۱ :- فقیر : اصطلاحِ شریعت میں فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہے لیکن اتنا نہیں کہ نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جائے۔ یا اتنا مال و اسباب ہے کہ اس کی مالیت نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جاتی ہے لیکن وہ حاجتِ اصلیہ کے ساتھ مشغول ہے تو ایسی صورت میں یہ شخص فقیر ہی رہے گا۔ اور مستحقِ زکوٰۃ ہوسکے گا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۶)

مثلاً ایک شخص کے لئے رہنے کا گھر اور پہننے کے لئے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر چاکر اور گھر کا اثاثہ جو اکثر کام میں صرف آتا ہے، موجود ہے۔ لیکن ان چیزوں کے علاوہ کوئی نقدی رقم جو نصاب کو پہنچے یا زیور جو نصاب کو پہنچ جائے، نہیں ہے۔ یا ہے لیکن قرض کے ساتھ مشغول ہے۔ ایسی صورت میں یہ شخص اصطلاحاً فقیر ہے۔

لا بأس ان يعطى من الزكوة من له سكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم لاهله - (شامی، ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

۲ : مسکین : اصطلاحِ شریعت میں "مسکین" اُسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ مانگ کر کھاتا ہے۔ یہ شخص فقیر سے زیادہ محتاج اور مفلوک الحال ہوتا ہے۔ (۱)

" ومنها المسكين وهو من لا شئ له فيحتاج الى المسئلة لقوته او ما يوارى بدنه و يحل له ذالك بخلاف الاول حيث لا تحل له المسئلة فانها لا تحل لمن يملك قوت يومه بعد سترة بدنه كذا فى الفتح -

(عالمگیری ج ۱- ص ۹۶)۔

۳ : " عامل " : اصطلاحِ فقہاء میں " عاملین " انہیں کہتے ہیں جن کو امام نے بغرضِ وصولیٔ صدقات و عشر مقرر کیا ہو۔ ایسے شخص کو ان ہی صدقات میں سے جنہیں وہ وصول کر کے لاتا ہے بقدرِ کفایت دیا جائے گا۔ (عالمگیری ج ۱، ص ۹۶)۔

متعلقات : ا : واضح رہے کہ فقیر اور مسکین کا استحقاق بحیثیتِ حاجت ہے اور عامل کا استحقاق بحیثیتِ عمالہ ہے۔ لہٰذا عامل اگر غنی ہو تو بھی دینا درست ہے۔

ب : عامل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بحیثیتِ عمالہ ہے۔ اس قید سے واضح ہوجانا چاہئے کہ جو کچھ اسے ملتا ہے یہ اجرت نہیں کیوں کہ اجرت میں جہالت مفسدِ عقد ہوتی ہے۔ یہاں جہالت مضر نہیں ہوتی۔ امام اس کی ضروریات کو مدِنظر رکھ کے اسی زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ نکال کر دے دیتا ہے جو کہ اسے کافی ہوجائے۔ لیکن اگر اس کی ضروریات اتنی زیادہ ہوں جو اس کی وصول کردہ تمام زکوٰۃ کو محیط ہوجائیں تو اس صورت میں نصف سے زائد نہ دیا جائے گا۔

(عالمگیری نقلاً عن البحر۔ ص ۷۶)

ج : عامل کو جو کچھ دیا جائے گا اس کی وصول کردہ زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس کی وصول کردہ زکوٰۃ ضائع ہوگئی تو اس کی عمالہ بھی ضائع ہوجائے گی۔

۴ : فکُّ الرقاب : چوتھا مصرفِ زکوٰۃ " فکِّ رقاب " ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی ایسے غلام کی امداد کی جائے جس نے اپنے مولیٰ کے ساتھ عقدِ کتابت کیا ہوا ہے۔ اور روپیہ جمع کر کے اپنے مولیٰ کو دے کر اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ سو ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اگرچہ وہ غنی ہو۔ کیوں کہ اس کا غنیٰ مشغول بالحاجت ہے۔

ومنها الرقاب۔ هم المكاتبون و يعاونون في فك رقابهم كذا في محيط السرخسي و يجوز الدفع الى مكاتب غني علم بذالك اولم يعلم كذا في العالمكيري ج ۱۔ ص ۹۶۔

۵ : الغارمین : غارمین غارم کی جمع ہے۔ اصطلاح میں غارم اسے کہتے ہیں جس پر قرضہ کا بوجھ ہو اور وہ نصاب کا مالک نہ ہو، یا نصاب کا مالک تو ہے لیکن وہ نصاب قرض کے اندر مشغول ہے۔ (عالمگیری۔ ج ۱۔ ص ۹۶)

۶ : دفی سبیل اللہ : اس کی تفسیر میں " صاحب بدائع " نے تحریر فرمایا ہے کہ " فی سبیل اللہ " سے تمام انواعِ خیر اور جہاتِ عبادت مراد ہیں۔ اس میں حج یا غزوہ کی تخصیص مناسب نہیں۔ لہذا ہر وہ شخص جو اطاعتِ الٰہی میں اور وجوہِ خیر میں کوشش کرنے والا ہو، مثلاً طلبارِ علومِ دینیہ اور مبلغینِ اسلام کو زکوٰۃ دینی جائز ہے بشرطیکہ محتاج ہوں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فقرارِ غزاۃ ہیں اور امام محمدرح کے نزدیک منقطع حجاج مراد ہیں۔

۷ : دابن السبیل : وہ مسافر جس کا سفر میں زادِ راہ ختم ہوگیا۔ اگرچہ وطن میں مال موجود ہے اور غنیٰ رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ فی الحال یہ فقیر ہے لہذا اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے

سوال ۲۳ : قرآنِ حکیم میں جن مختلف مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کی حدود بیان کیجئے۔ بالخصوص اصطلاح فی سبیل اللہ کے معنیٰ ومفہوم کی وضاحت کیجئے۔

الجواب سوال نمبر ۲۲ میں مصارف دریافت کیے گئے تھے اس کے جواب میں آیتِ شریفہ " انما الصدقات للفقراء الآیۃ کے اندر جو مستحقین اور ان کے انواع مذکور ہیں۔ ہم نے ان کی تشریح کر دی ہے بحمد اللہ تعالیٰ۔ اب دو امر باقی ہیں۔ " مؤلفۃ القلوب " جو قرآن میں مذکور ہے مگر ہم نے مصارف میں نہیں لکھا، اور " فی سبیل اللہ " کی وضاحت۔

" مؤلفۃ القلوب " : یہ رؤسائے قریش میں چند وجاہت والے لوگ تھے جیسے ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن وغیرہ ان لوگوں کو شان وشوکت حاصل تھی اور ان کے اتباع کثیر تھے۔ بعض ان میں سے حقیقۃً اسلام لے آئے تھے اور بعض علیٰ وجہ النفاق مسلمان ہو چکے تھے۔ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات میں سے کچھ حصہ دیتے تھے تاکہ اسلام میں مضبوط ہوجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکثر حضرات ان میں سے مخلص مسلمان بن گئے۔

صفوانؓ بن امیہ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ نے پہلی مرتبہ مال مجھے عطا فرمایا تو آپؐ میرے نزدیک ابغض الناس تھے پھر آپ مجھے ہمیشہ دیتے رہے حتیٰ کہ آپ میرے نزدیک محبوب ترین خلائق ہوگئے۔

یہ حصہ مؤلفۃ القلوب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک تھا۔ بعد وفاتِ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا حصہ ساقط ہوگیا۔ چنانچہ خلافتِ صدیقی میں یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک فرمان لکھوا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس لائے کہ " ہمیں زکوٰۃ دی جائے " حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وہ خط لیکر پھاڑ دیا۔ اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ لوگوں کو دینا تطییبِ قلب کے لئے تھا تاکہ تم لوگ اسلام پر جمے رہو۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے اسلام کو قوت اور شوکت عطا فرمائی ہے۔ اگر اسلام پر قائم رہوگے تو فبہا، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ اس بات کو سن کر یہ لوگ واپس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ خلیفہ آپ ہیں یا حضرت عمرؓ ؟ تو حضرتِ صدیق رضؓ نے فرمایا " ان شاء ھو " یہ جملہ فرما کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرتِ عمر رضؓ کے فعل کی تصویب فرمائی۔ اور تمام صحابہ رضؓ اس پر متفق ہوگئے۔ اس طرح یہ اجماع قائم ہوگیا۔ واضح رہے کہ یہ سقوطِ سہم از باب انتهاء الحكم بانتهاء العلّة ہے۔

بعض احکام ایسے ہوتے ہیں جو کسی علت کے ساتھ معلول ہوتے ہیں اور معلق ہوتے ہیں جب علت ختم ہوجائے تو حکم بھی ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن اس چیز کی معرفت حضراتِ صحابۂ کرام رضؓ یا تابعین رحؒ کو تھی۔

فی سبیل اللہ فی سبیل اللہ کے متعلق پہلے بیان ہوچکا ہے کہ امام ابو یوسف رحؒ کے نزدیک اس سے مراد فقیر غازی و مجاہد ہے۔ کیونکہ سبیل اللہ کا اطلاق عرفِ شرع میں جہاں بھی آیا ہے اس سے مراد یہی ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحؒ کے نزدیک وہ شخص ہے جو حج کو گیا لیکن بوجہ اتلافِ زادِ راہ منقطع ہوگیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کی راہ میں وقف کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس پر حاجی کو سوار کرو۔

لیکن " صاحب بدائع " فرماتے ہیں کہ اس کو عام رکھنا مناسب ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کے دین کے لئے سعی کرتا ہے اور عبادات میں سرگرم رہتا ہے، مثلاً طلباءِ علوم دینیہ اور مبلغین دین۔ اگر یہ محتاج ہوں تو ان کو دینا فی سبیل اللہ ہوگا۔

مصارفِ زکوٰۃ میں سے کسی ایک مصرف کو بھی ساری زکوٰۃ دے سکتے ہیں!

سوال ۲۴ : کیا یہ لازمی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا ایک حصہ ان مصارف میں سے ہر ایک مصرف پر خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا جائے جس کا قرآنِ کریم میں ذکر ہے۔ یا زکوٰۃ کی پوری رقم قرآنِ مجید میں بتائے ہوئے تمام مصارف پر خرچ کرنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک یا چند مصارف میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے ؟

الجواب مالکِ نصاب پر یہ پابندی نہیں کہ وہ تمام مصارف مذکورہ فی القرآن پر زکوٰۃ صرف کرے۔ ویسے بھی اس پابندی میں سخت حرج اور تنگی ہے۔ بلکہ حکم شرعی جو سنت اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے وہ تعمیم اور اختیار ہے۔ اگر چاہے تو ان تمام صنف پر برابر تقسیم کرے یا کمی بیشی کے ساتھ یا مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض مصارف کو ترجیح دے اور دوسرے بعض میں خرچ نہ کرے۔

" بدائع ، ج ۲ - ص ۴۶ - میں ہے۔ " ولو صرف الی واحد من ھذہ الاصناف یجوز عند اصحابنا "

تعریفِ غنی جسکے ہوتے ہوئے زکوٰۃ لینا منع ہے نیز سادات و بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال ۲۵ : مستحقینِ زکوٰۃ کے ہر طبقے میں کسی فرد کو کن حالات میں زکوٰۃ لینے کا حق پہنچتا ہے : پاکستان کے مختلف حصوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی جائے کہ " سیدوں ، بنی ہاشم " سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو زکوٰۃ لینے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے ؟

الجواب مصارفِ زکوٰۃ کے ضمن میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ آٹھ قسموں میں سے جو قرآنِ مجید میں مذکور ہیں " مؤلفۃ القلوب " کا سہم ساقط ہو چکا ہے باجماعِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔ باقی سات قسمیں جو مذکور ہیں ان میں سے عاملین کے ماسوا، باقی اقسام کو زکوٰۃ کا استحقاق بحالتِ فقر و احتیاج ہے۔ عاملین کا استحقاق بوجہ عمالہ ہے، غنی ہونے کے باوجود لے سکتے ہیں۔

۱ : انما الصّدقات للفقراء ، بحالتِ فقر لے سکتا ہے۔ نہ بحالتِ غنیٰ۔

۲ : والمساکین ، بحالتِ فقر لے سکتا ہے۔ نہ بحالتِ غنیٰ۔

۳ : والعاملین علیہا ، بحالتِ غنیٰ بھی لے سکتا ہے۔

۴ : والمؤلفۃ قلوبہم ، ساقط ہوگیا۔

۵ : وفی الرّقاب ، مکاتب بحالتِ فقر لے سکتا ہے۔ یہ اگر غنی ہو جائے تب بھی فقیر ہی رہتا ہے جب تک بدلِ کتابت ادا نہ کر دے یا بدلِ کتابت سے زائد رقم نہ جمع ہو جائے۔

۶ : والغارمین ، بحالتِ فقر۔

۷ : وفی سبیل اللہ ، بحالتِ فقر۔

۸ : وابن السبیل ، بحالتِ فقر۔

فائدہ متعلقہ استحقاقِ زکوٰۃ کن حالات میں ہوتا ہے ؟

واضح رہے کہ ہمارے فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ غنیٰ تین قسم پر ہے۔

۱ : ایک غنیٰ وہ ہے جس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حاجاتِ اصلیہ سے زائد دو سو درہم نقد یا کسی نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو۔

۲ : دوسرا غنیٰ وہ ہے کہ جس کی وجہ سے زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوتی ، لیکن صدقہ لینا حرام ہے اور اس صورت میں صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایسے اموال کا مالک ہو جو نامی نہیں ہیں۔ اور ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن وہ اس کی ضرورت سے زائد ہیں اور دو سو درہم کی مقدار کو پہنچ جاتے ہیں مثلاً میزیں ، کرسیاں ، فروش و مکانات ، نوکر چاکر ، مال مویشی موجود ہیں جو قدرِ حاجت سے زائد ہیں ، لیکن تجارت کے لئے نہیں ہیں۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ تو واجب نہ ہوگی لیکن صدقہ اور زکوٰۃ لینا حرام ہوگا۔

۳ : تیسرا غنیٰ وہ ہے کہ سوال کرنا اب بھی حرام ہے لیکن اگر بغیر سوال کے زکوٰۃ و صدقہ مل جائے تو لے لینا جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہے اور پہننے کا کپڑا بھی ہے تو ایسی صورت میں سوال کرنا ٹھیک نہیں۔ ہاں اگر کوئی حالات

پر واقف ہوکر از خود دے دے تو لینا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔

لما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من سأل الناس عن ظہر غنی فانما یستکثر من جمر جہنم قیل یارسول اللہ وما ظہر الغناء قال ان یعلم ان عندہ ما یغدیھم و یعشیھم اھ (ھذا کلہ من البدائع)۔

بنی ہاشم ۔ اس سے مراد مندرجہ ذیل افراد ہیں۔ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل اولادِ حارث بن عبدالمطلب ۔ ان تمام حضرات کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اگرچہ فقراء اور حاجت مند ہوں ۔ اسی طرح ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے بھی زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ وجہ حرمت ان کی عظمت اور رفعتِ شان ہے۔ درحقیقت زکوٰۃ مطہرِ مال ہوتی ہے ۔مال کے اندر سے ہر قسم کا خبث اور شبہات وغیرہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اور زکوٰۃ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کپڑوں کو دھونے کے بعد میل کچیل والا پانی۔ جیسا کہ وہ پینے کے قابل نہیں ہوتا ایسے ہی یہ مال زکوٰۃ درحقیقت اس قابل نہیں کہ استعمال کیا جائے لیکن فقراء کے لئے بوجہ ضرورت اجازت دی گئی ہے۔ مگر بنی ہاشم کو باوجود حاجت کے بھی اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے عوض خمس غنائم مقرر کیا گیا ہے جو کہ اطیب واطہر ہے۔ پاکستان کے حالات بحمداللہ اچھے ہیں اقتصادی حیثیت سے کسی قسم کی مشکلات پاکستان کو درپیش نہیں۔ جس کی بناء پر ایسی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ساداتِ بنی ہاشم کے لئے دوسرے ذرائع مسدود کرکے زکوٰۃ کے کھانے پر مجبور کیا جائے۔

زکوٰۃ افراد کو دینی ضروری ہے یا اداروں کو بھی دے سکتے ہیں

سوال ۲۶ ؎ : کیا زکوٰۃ صرف افراد کو دی جاتی ہے یا اداروں کو (مثلاً تعلیمی اداروں یتیم خانوں اور محتاج خانوں) کو بھی دی جاسکتی ہے۔

الجواب درا صل زکوٰۃ کے مصارف تو وہی ہیں جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ اب جو تعلیمی ادارے یا یتیم خانے وغیرہ ان مصارف پر خرچ کرتے ہیں۔ ان کو بحیثیتِ وکالت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کو مستحقین پر تملیک کے بعد خرچ کرتے ہیں

اس سلسلہ میں دینی درس گاہیں جن میں طلباء علوم عربیہ کی تعلیم پاتے ہیں مقدم ہیں اور صحیح مصرف ہیں۔ کالج اور قومی اسکول جوکہ عام طور پہ سرکاری امداد اور طلباء کی فیس پہ گزارہ کرتے ہیں یہ چنداں استحقاق نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان میں تعلیم پانے والے عام طور پہ اغنیاء ہیں جو تعلیم کے مصارف کے علاوہ فیس وغیرہ ادا کرنے پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ یہ چیز عمومی حالات کے پیش نظر لکھی گئی ہے اگر خصوصیت کے ساتھ بعض اسکول اور کالج ایسے پائے جاتے ہیں جن میں مستحقین تعلیم پاتے ہیں تو ان اداروں میں بھی دینا جائز ہوگا۔ بشرطیکہ ارباب اہتمام اس رقم کو مصرف شرعی میں بعد از تملیک خرچ کریں۔

زکوٰۃ بطور گزارہ الاؤنس دینے کا حکم

سوال ۲۷ : کیا زکوٰۃ کی رقم میں سے مستحق غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور ان لوگوں کو جو اپاہج یا ضعیف ہونے کی وجہ سے روزی کمانے سے معذور ہوں، عمر بھر کی پنشن کے طور پہ گزارہ الاؤنس دیا جا سکتا ہے ؟

الجواب ان مستحقین کو بوجہ حاجت اور فقر کے دیا جا سکتا ہے۔ یکمشت دیں یا ماہوار لیکن ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ا : زکوٰۃ میں قبض و تملیک ضروری ہے۔ اس لئے زکوٰۃ میں نقد رقم یا جنس ہی دی جا سکتی ہے نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ دی جائے تو ضروری ہے کہ وہ نوٹ کے بدلے میں کوئی چیز وغیرہ خرید کر اس پر قابض ہو جائے۔

ب : اس امر کی خبر گیری ضروری ہوگی کہ وہ مستحقین جن کو گزارہ الاؤنس مل رہا ہے ان کا استحقاق دائمی ہو، انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کسی وقت تنگ دستی، کسی وقت فراخ دستی، اگر کسی وقت ان کو غنیٰ حاصل ہو گیا تو پھر ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مال زکوٰۃ کو رفاہ عامہ میں لگانے کا حکم

سوال ۲۸ : کیا زکوٰۃ کی رقم رفاہِ عام کے کاموں مثلاً مسجدوں، ہسپتالوں، سڑکوں، پلوں، کنوؤں اور تالابوں وغیرہ کی تعمیر پہ خرچ کی جا سکتی ہے ؟ جس سے ہر آدمی بلا لحاظ مذہب وملت فائدہ اٹھا سکے۔

الجواب ان تمام مدّات میں جن کا سوال میں ذکر ہے زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی۔ اگر ان مدّات میں خرچ کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ مصارف میں سب سے پہلے ان کا ذکر فرماتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے۔ مگر آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا خذها من اغنیاءهم وردها علی فقرائهم۔ اغنیاء سے وصول کر کے فقراء پر خرچ کرنے کا حکم دیا تاکہ نظام معیشت ٹھیک رہے۔ انما الصّدقات للفقراء میں جو لام ہے یہ تملیک کے لئے ہے جو اشارہ کرتا ہے اس بات کی طرف کہ زکوٰۃ ایسے مصارف پر صرف کی جائے جو تملک پر قادر ہوں اور زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے تملیک ہو۔

زکوٰۃ کی رقم بطورِ قرض دینے کا حکم

سوال ۲۹: کیا زکوٰۃ کی رقم کسی شخص کو قرضہ حسنہ یا قرض بلا سود کے طور پر دی جا سکتی ہے؟

الجواب زکوٰۃ کی رقم جب کسی وکیل کے حوالہ کی جائے تاکہ وہ اسے کسی فقیر یا مستحق پر صرف کردے تو اسے اجازت نہیں کہ وہ اس رقم کو ادھار کے اندر لگا دے کیونکہ یہ رقم اس کے پاس امانت ہے اور امانت میں کسی قسم کا تصرف ٹھیک نہیں۔

ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ کے فقراء کو دینے کا حکم

سوال ۳۰: کیا یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے، اسی میں صرف کی جائے۔ یا اس علاقہ سے باہر یا پاکستان سے باہر تالیفِ قلوب کے لئے یا آفاتِ ارضی وسماوی مثلاً زلزلہ وسیلاب وغیرہ کے مصیبت زدگان پر خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک علاقہ کی تعریف کیا ہے۔؟

الجواب یہ ضروری تو نہیں لیکن بہتر ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے اسے وہاں کے مستحقین پر صرف کیا جائے۔ اگر زکوٰۃ کو دوسرے علاقہ میں حتی کہ پاکستان کے باہر بھیجا جائے جب کہ وہاں ضرورت زیادہ ہو یا حادثۂ آسمانی کی وجہ سے مصیبت زدہ لوگ زیادہ حاجت مند ہوں تو جائز ہوگا۔ بشرطیکہ زکوٰۃ کا روپیہ مسلمان فقراء پر صرف ہو۔

متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم

سوال ۳۱ ، متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنیکا کیا طریقہ ہونا چاہیئے۔

الجواب واضح رہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جوکہ مکلف کو ازخود ادا کرنی لازم ہے۔ اگر ایک شخص زندگی بھر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اور بغیر وصیت کے مرجاتا ہے تو اب یہ شخص بوجہ تارکِ زکوٰۃ ہونے کے گنہگار ہوگا۔ اور زکوٰۃ اس کے ذمہ سے احکامِ دنیا میں ساقط ہو جائے گی۔ اس کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ البتہ اگر وہ وصیت کرچکا ہے کہ میرے ذمہ اتنے سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے، ادا کی جاوے تو تہائی مال سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوسکتی ہے۔

ایسی تدابیر جن سے لوگ بخوشی زکوٰۃ ادا کرنے لگیں

سوال ۳۲ : ایسی کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حیلے نہ کرسکیں ؟

الجواب سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ حکام اور رعایا قرآن اور اسلام کے دل وجان سے پابند ہوں اور اپنے اندر دینی فکر پیدا کریں۔ اسلام پر صرف قانونی گرفت سے بچنے کے لئے عمل نہ کریں۔ جب ایسی زندگی پیدا ہو جائے گی تو پھر انشاء اللہ ضابطوں کی ضرورت نہ رہے گی۔ حضراتِ صوفیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ ۱/۴۰ اپنے پاس رکھتے ہیں اور ۳۹/۴۰ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

وصولیٔ زکوٰۃ کا کام وفاقی حکومت کرے یا صوبائی ؟

سوال ۳۳ : زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے یا صوبوں کے ہاتھ میں۔ اگر مرکز جمع کرے تو اس میں صوبوں یا دوسرے علاقوں کے حصے مقرر کرنے کے کیا اصول ہوں۔؟

الجواب زکوٰۃ ہمیشہ مرکز میں جمع ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں زکوٰۃ عاملین، مدینہ طیبہ میں لے آتے تھے۔ آپ اسے حسبِ احتیاج لوگوں پر صرف کردیا کرتے تھے اس میں علاقہ جات اور ان کے حصہ جات کی کوئی تقسیم نہ

تھی۔ اب اگر کچھ ہوسکتا ہے تو ایسا ہونا چاہیئے کہ زکوٰۃ کو ایک مرکز میں جمع کرکے بلا لحاظ[1] صوبہ و علاقہ صرف مستحقین پر صرف کی جائے اس قسم کا ناپ تول کرنے کی حاجت نہیں کہ فلاں علاقہ سے اتنی زکوٰۃ وصول ہوئی۔ لہٰذا اس علاقہ کا یا صوبہ کا اتنا حصہ متعین کر دیا جائے۔ چاہے وہاں کے باشندوں میں مستحقین کی تعداد نہ ہو یا بالکل کم ہو۔ اس میں بڑی خرابی اور نقصان یہ ہوگا کہ ایک علاقہ کے لوگ باوجود استحقاق کے تنگی میں رہیں گے اور دوسرے علاقہ کے لوگوں کا روپیہ فاضل ہوکر جمع ہوتا رہے گا۔

---

[1] فیہ نظر لما فی حدیث معاذؓ تؤخذ من اغنیائھم و ترد فی فقرائھم اھ وفی کتب الفقہ وکرہ نقلھا ای من بلد الی بلد اٰخر ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد وانما تفرق صدقۃ کل فریق فیھم لما روینا من حدیث معاذؓ اھ (شامیہ۔ ھدایہ ج ۱ ص ۱۹۰)۔

وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے علیحدہ محکمہ قائم کرنا موزوں ہے

سوال ۳۴ : آپ کی نظر میں زکوٰۃ کے نظم و نسق کو چلانے کا بہترین طریقہ کیا ہے ؟ کیا زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے کوئی الگ محکمہ قائم کیا جائے یا حکومت کے موجودہ محکموں میں سے ہی کام لیا جائے ؟

الجواب ہماری ناقص رائے میں زکوٰۃ کے نظم و نسق کو چلانے کی بہترین صورت تو یہ ہے کہ پورا نظام خلافتِ راشدہ کی طرز پر چلایا جائے۔ اگر سب کو چھوڑ کر صرف اس ایک شعبہ کی اصلاح مقصود ہو تو موجودہ حالات میں اس کی جو موزوں صورت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ چند دیندار آدمیوں کی ایک امارتِ شرعیہ قائم کر دی جائے۔ جس کے قیام و انتخاب کی تمام ذمہ داری حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی جیسے متبحر، متدین عالم پر ڈال دی جائے۔ وہ اس امارتِ شرعیہ کے افراد کا انتخاب فرمائیں۔ پھر وہ زکوٰۃ کے وصول اور خرچ کے معاملہ پر شرعی نکتۂ نظر سے کام کریں۔

زکوٰۃ سرکاری محصول نہیں

سوال ۳۵ : کیا زکوٰۃ کو سرکاری محصول قرار دیا جائے یا وہ کوئی ایسا محصول ہے کہ حکومت محض اس کی وصولی اور انتظام کی ذمہ دار ہے ۔؟

الجواب: زکوٰۃ ایک عبادت ہے سرکاری محصول نہیں ہے لیکن حکومت جیسا کہ دوسری عبادات کے سلسلہ میں ذمہ دار ہے

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر الاٰیۃ

اسی طرح لوگوں سے زکوٰۃ کی عبادت ادا کرانے کی بھی ذمہ دار ہے ۔ حکومت کی ذمہ داری ادائے عبادات اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے ۔ حکومت زکوٰۃ کی ادائیگی کرانے اور بخرچ چلانے کی ذمہ دار ہے لیکن ٹیکس و محصول کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبادت کی حیثیت سے ۔ یعنی لوگوں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ زکوٰۃ کی عبادت کو ادا کریں اور ترک نہ کریں ۔ اس سلسلہ میں اوّلین ذمہ داری نماز کی ہے جو اہم العبادات ہے حکومت اس کی زیادہ ذمہ دار ہے ۔ کہ کوئی مسلمان ملک میں بے نماز نہ ہو ۔ بعد ازاں کوئی بے زکوٰۃ نہ ہو ۔

دورِ خیر القرون میں جبراً کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا

سوال ۳۶ : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفائے راشدین رض کے دورِ حکومت میں اغراضِ عامہ کے کاموں کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی سرکاری محصول وصول کیا گیا ہے ۔ اگر کیا گیا ہے تو وہ کیا تھا ؟

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں فضا ۔ ایسی بن گئی تھی کہ محصول عائد کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی ۔ آپ کے زمانہ میں تو صورت یہ تھی کہ جب بھی کوئی حاجت پیش آتی تھی تو آپ مسلمانوں کو جمع فرما کر ذکر کر دیتے تھے پھر ہر شخص اپنی اپنی ہمت اور بساط سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا اور حضرات خلفائے راشدین رض کے زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے ببرکتِ اطاعتِ خدا و رسول بہت فتوحات عطا کیں اور اس کثرت سے اموال و غنائم آئے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے ۔ ان لئے ہمیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرات خلفاء رضہ کے زمانہ میں کوئی ٹیکس نظر نہیں آتا جو جبراً وصول کیا گیا ہو۔

زکوٰۃ کی وصولی کا طریقہ

سوال ۳۷ : اسلامی ملکوں میں زکوٰۃ کی وصولی اور انتظام کرنے کا کیا طریقہ تھا؟ اور اب کیا ہے؟

الجواب ابتدائے اسلام میں تو یہی طریقہ تھا کہ عاملین آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جاتے تھے اور لوگوں سے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتے تھے۔ پھر بیت المال سے مستحقین پر صرف کی جاتی تھی۔ یہ نظام حضرات خلفاء رضہ کے زمانہ میں بھی رہا ہے۔ اس کے بعد یہ نظام بگڑ گیا۔ اب موجودہ اسلامی ملکوں کا کوئی خاص نظام ہماری نظر میں نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی وصولی حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں کی جائے

سوال ۳۸ : کیا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا انتظام صرف حکومت کے پاس رہنا چاہئے یا کوئی مجلسِ اُمناء مقرر ہو کر اس کا انتظام حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں ہونا چاہئے؟

الجواب زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ خلیفہ کا کام ہے اور خلیفہ کے ساتھ اربابِ حل وعقد اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اب موجودہ زمانہ میں چونکہ وہ صورت نہیں لہٰذا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کی حکومت کو وہ صورت اختیار کرنی چاہئے جو "سوال نمبر ۳۴" کے جواب میں عرض کی گئی ہے۔

عمالِ زکوٰۃ کو اموالِ زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کا حکم

سوال ۳۹ : زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے جو عملہ رکھا جائے ان کی تنخواہیں، الاؤنس، پنشن پراویڈنٹ فنڈ اور شرائطِ ملازمت کیا ہیں؟

الجواب اگر زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام وہی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا، تب تو یہی صورت ہوگی کہ عامل کو بطورِ عمالہ اسی کی وصول

کردہ زکوٰۃ سے بقدرِ کفایت دیا جائے گا۔ مگر " قدرِ کفایت " کا لفظ قابلِ غور ہے اگر قدرِ کفایت وصول شدہ سے بڑھنے لگے تو نصف سے زائد دینا جائز نہیں۔ کما فی البحر الرائق وقد ذکرناہ من قبل۔

اور اگر زکوٰۃ کی وصولی کا کوئی اور نظم قائم کیا جائے تو اس عاجز کے خیال میں زکوٰۃ وصول کرنے والے عملہ کو دوسرے سرکاری فنڈز سے تنخواہ، الاؤنس اور پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ دینا چاہیئے یا اس کو امارتِ شرعیہ کی رائے پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان۔ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان، ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

جواب صواب ہے

عبدالشکور غفرلہٗ، مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

بقلم احقر عزیز الرحمان عفا اللہ عنہ، مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان۔

ائمہ مساجد کو بطور تنخواہ اور غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

عامۃ الناس ائمہ مساجد کو صدقاتِ واجبہ کے علاوہ کچھ اور دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اگر ائمہ مساجد یہ نہ لیں تو مساجد ویران ہو جائیں گی۔ کیا ذیل کی عباراتِ نقلیہ و دلائلِ عقلیہ سے اس اشد ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ائمہ مساجد پر صدقاتِ واجبہ کے جواز کا استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اور ائمہ مساجد میں غنی اور مفلس کا فرق ہے یا نہیں؟ کیوں کہ لوجہ اللہ امامت کوئی نہیں کرتا بحق الخدمت غنی اور مفلس امام دونوں لیتے ہیں۔

واذا عینوا لامامہم شیئاً من الاوقاف والصدقات والہدایا

وغیرها الزمهم اداءها۔ (نقل از سلطان الفقہ : ج ۲)۔

اور علامہ ابن عابدین رح کی کتاب "وجیز" ص ۴۳ پر ہے۔

"واگر بظاہر نگفتہ اند بوقتِ نصب و تقرر بطریقۂ رسم و رواج و عادتِ بلاد خود اورا امام کردند پس دریں صورت ہم حصۂ مرسومۂ آں بلاد برایشاں ادا کردن برائے امام خود واجب است۔ لان المعروف کالمشروط اھ" (سلطان الفقہ، ج ۲، ص ۴۱)۔

والعاشر فيعطى ولو غنيا لا هاشميا لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية والغنى لا يمنع من تناولها عند الحاجة كابن السبيل وبهذا التعليل يقوى ما نسب للواقعات من ان طالب العلم يجوز له اخذ الزكوة ولو غنيا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية الى ما لا بد منه۔

علماءِ متقدمین کے نزدیک تعلیمِ قرآن، امامت، اذان و تدریسِ کتبِ دین پر اجرت لینا حرام تھا مگر متأخرین نے دیکھا کہ بقولِ شاعر

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

تو تنخواہ لے کر یہ سب امور کرنے جائز قرار دیئے۔

ایسے ہی ساداتِ بنی ہاشم پر صدقاتِ واجبہ کو حرام قرار دیا گیا مگر جب دیکھا گیا کہ وہ بوجہ افلاس دریوزہ گری کر رہے ہیں تو علمائے متاخرین نے جائز قرار دے دیا۔

ایسے ہی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ائمۂ مساجد کے لئے صدقاتِ واجبہ کو جائز قرار دیا جائے۔ اس لئے کتبِ معتبرہ و فتاوئے مستندہ مثل فتاوی اشرفیہ، عزیزیہ، نظامیہ امدادیہ، بحر الرائق، فتح القدیر، شامی، روح البیان، بیان القرآن، سے استنباط کر کے اس اشد ضرورت کو پورا کر دیا جائے۔

مقبول احمد، ایبٹ آباد : ہزارہ۔

الجواب اگر کوئی امام مسجد مفلس و نادار اور مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کو زکوٰۃ، اور چرم قربانی بحیثیت مفلس و مصرف ہونے کے دینے جائز ہیں۔ بحیثیت تنخواہ دینا جائز نہیں۔ فتاویٰ امدادیہ : ج ۱ : ص ۱۶۸ - میں ہے - قربانی کی کھال کے متعلق لکھتے ہیں۔

" اور چونکہ صدقۂ واجب ہے اس لئے اس کے مصارف مثل مصارفِ زکوٰۃ کے ہیں۔ مدرسین کی تنخواہ میں ان کا صرف کرنا جائز نہیں "

اور اگر امام مسجد مال دار ہے تو اسے زکوٰۃ اور چرمہائے قربانی کی رقوم دینا کسی صورت میں ٹھیک نہیں۔ نہ بطریقِ مصرف ہونے کے اور نہ بطریقِ اجرت و تنخواہ۔ استفتاء کے اندر جو نقول اور حوالہ جات پیش کئے ہیں اور ائمہ مساجد کو زکوٰۃ کے جواز کے لئے جو قیاس عامل ہاشمی پر کیا گیا، ٹھیک نہیں سب غلطی ہے۔ کما ستُبیّن ۔

طالبِ علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگر وہ فقیر اور حاجت مند ہو۔ اسی طرح " ابن السبیل " کے لئے بھی یہی شرط ہے۔ وھو کل من لا مال لہ کما فی الشامی۔

غنی طالب علم کے لئے اگرچہ بعض علماء نے زکوٰۃ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور علامہ شامی رح نے اس قول کو نقل کیا ہے۔ مگر وہ قول مرجوح اور غیر معتمد ہے۔

درمختار میں نقل ہے۔ ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ۔ اھ

یہ قول غیر معتمد ہے اس پر فتویٰ دینا یا اس پر قیاس کرنا جائز نہیں۔

قال فی الطحاوی وھذا نوع مخالف لا طلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ اھ۔

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں۔ ظاہر الروایۃ اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ وہ روایت جس میں ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا گیا ہے وہ روایت ابو عصمہ کی ابو حنیفہ سے ہے جو کہ نوادر کی روایت ہے۔ یہ روایت غیر مفتیٰ بہ ہے۔

درمختار میں ہے۔

ظاھر المذھب اطلاق المنع اھ فقول العینی والھاشمی یجوز لہ دفع زکوٰتہ لمثلہ صوابہ لا یجوز۔ الخ۔

تفصیل کے لئے دیکھئے "فتاویٰ مولانا عبدالحی صاحب رح"۔

عامل کو جو زکوٰۃ دی جاتی ہے وہ بحیثیتِ عمالہ کے ہے نہ بوجہ فقر کے اس لئے غنی کو دینا جائز ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عامل کو زکوٰۃ دینا بوجہ نص کے ہے اور علت اس کی عمالہ ہے۔ اس پر کسی مدرس کو قیاس کرنا جائز نہیں۔ وجیز اور سلطان الفقہ کی عبارت اس بات پر مطلقاً دلالت نہیں کرتی کہ ائمہ مساجد کو زکوٰۃ وصدقات تنخواہ میں اور بعوض حق امامت دیئے جائیں۔ بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں نے وقف میں سے یا صدقات اور ہدایا میں سے امام کے لئے کچھ رقم مقرر کی ہو تو اس رقم کا ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ اجارہ ہے اور اجارہ میں اجرت ادا کرنا واجب ہے۔ صدقات سے مراد ہدایا۔ اور صدقاتِ نافلہ لئے جائیں گے۔ جیساکہ آگے ہدایا کا لفظ دلالت کرتا ہے نہ کہ صدقاتِ واجبہ۔ تاکہ یہ روایت دوسری روایتوں کے موافق ہو جائے۔ اور متاخرین نے جو متقدمین کے خلاف فتویٰ دیا ہے وہ اسی چیز میں ہے کہ متقدمین کے نزدیک استیجار علی الطاعات جائز نہیں تھا۔ متاخرین نے طاعت پر جائز قرار دیا نہ کہ زکوٰۃ میں سے ان کو دینا جائز قرار دیا۔

البتہ اگر ضرورتِ شدیدہ ہو تو تملیکِ شرعی کے بعد دیئے جا سکتے ہیں جس کا طریقہ زبانی دریافت کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۷/۱۲/۱۳۶۹ھ	مفتی خیر المدارس ملتان

ایک سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینے کا حکم

ایک مشہور جماعت زکوٰۃ، چرم قربانی وغیرہ طبی امداد کے لئے اکٹھے کرتی ہے اور منظم طور پر فراہمی کی جد وجہد کرتی ہے اور بلطائف حیل وصول کرتے ہیں۔ اس جماعت کے ارکان چاہتے ہیں کہ ان ذرائع سے سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے۔ اور ان مدات میں جو کچھ بھی ہو وصول کر کے یہ لوگ سیاسی مقاصد، مقدمات، الیکشن، سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کو مذکورہ صدقات دینا کیسا ہے؟ اور ان کا یہ استعمال درست ہے یا نہیں؟

الجواب صدقاتِ واجبہ، سیاسی مقاصد، مقدمات، الیکشن اور سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں میں استعمال کرنے جائز نہیں۔ جو جماعت ان مصارف پر استعمال کرتی ہو اسے یہ صدقات نہ دیئے جائیں۔ مدارس دینیہ ان صدقات کا بہترین مصرف ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۵ر۴ر۱۳۷۰ھ

تحقیق کرکے غنی کو زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی

ایک شخص نے کسی غریب رشتہ دار کو زکوٰۃ کا مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دے دی۔ دوسرے سال معلوم ہوا کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق نہ تھا۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

(قاری) محمد رفیع (صاحب) مہتمم مدرسہ تجوید القرآن، موتی بازار، لاہور۔

الجواب اگر شخصِ مذکور نے اس رشتہ دار کو پورے غور وخوض کے بعد غریب سمجھا اور زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کما فی الدر المختار۔ ج ۲ ص ۹۲، ۹۳۔ علی الشامیۃ۔ دفع بتحرٍّ لمن یظنہ مصرفا الی قولہ وان بان غناہ اوکونہ ذمیا الی ان قال لا یعید لانہ اتی بما فی وسعہ اھ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۷ر۱۱ر۱۳۷۰ھ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

وکیلِ مستحق نے زکوٰۃ کی رقم خود صرف کرلی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

زید نے ایک عربی مدرسہ کے طالب علم بکر کو چالیس روپے زکوٰۃ کے دیئے کہ ان کو اپنے مدرسہ میں داخل کر دو۔ طالب علم نے اس خیال سے کہ میں بھی غریب اور مصرفِ زکوٰۃ ہوں اپنے اوپر صرف کرلئے بکر کا یہ فعل بہشتی زیور کی تحریر کے مطابق صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟ اگر

بکر، مالک زید سے اجازت لے لے تو یہ کافی ہو جائے گا یا نہیں ؟ اگر اجازت کافی نہیں تو بکر اپنے پاس سے دے یا نہیں ؟

مولانا عبدالمجید مدرس دارالعلوم عید گاہ کبیر والا

الجواب فی الدر المختار، ج ۲۔ ص ۲۲، وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعها حیث شئت اھ۔

روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور اب جب کہ وہ رقم خرچ ہو چکی ہے تو مالک اجازت بھی دے دے تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اور اگر بکر اپنے پاس سے رقم مدرسہ میں دے دے اور زید کو اس کی اطلاع نہ کرے تو بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ البتہ اگر زید کو پوری تفصیل بتلا کر دوبارہ زید سے اجازت حاصل کر کے رقم جمع کرا دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

مدیون کو زکوٰۃ دینا دوسروں کی نسبت افضل ہے

عبدالرحمٰن دس ایکڑ زمین کا مالک ہے اس نے اپنی مملوکہ زمین سو روپیہ سالانہ فی ایکڑ کے حساب سے احمد خان کاشت کار کو اجارہ پر دے دی یعنی آپس میں طے کیا کہ احمد خان ایک ہزار سالانہ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے عوض عبدالرحمٰن کو ادا کرے گا۔ معلوم نہیں سالانہ پیداوار زمین کی کم رہی یا احمد خان کے بال بچوں کی کثرت کی وجہ سے وہ ہر سال اجارہ کی پوری رقم ادا کرنے پر قادر نہ ہوتا تھا۔ ہر سال سو ڈیڑھ سو اس کے ذمہ باقی رہ جاتا۔ عبدالرحمٰن بھی وصولی میں سختی نہ کرتا۔ قریباً دس سال ایسے ہی چلتا رہا۔ میعادِ اجارہ پوری ہونے پر زمین اس سے واپس لے لی۔ لیکن مجموعی طور پر احمد خان کے ذمہ نو سو روپے باقی رہے اگر عبدالرحمٰن اپنے ذمہ واجب شدہ مال کی زکوٰۃ میں سے کچھ رقم اس احمد خان کو جو فقر و مسکنت کی وجہ سے مصرفِ زکوٰۃ ہے ادا کرے اور پھر اس سے سابقہ قرضہ طلب کر کے وہی رقم اس سے قرضہ میں لے لے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ؟ اشکال کی وجہ یہ ہے جس کی بنا پر فتویٰ حاصل کرنے کیلئے

استفتا بھیجا جا رہا ہے۔

۲ : اپنی مملوکہ زمین سے عقدِ اجارہ کے ذریعہ نفع حاصل کرنا اور سالانہ ایک متعین رقم لینا بلاشبہ جائز ہے یا اس میں کوئی شبہ ہے۔ کیا بدلِ اجارہ واجب الاداء دَین ہے ؟

۳ : ہر سال رقم اجارہ جو احمد خان کے ذمہ جمع ہوتی رہی تو کیا ہر سال اس سے وصولی نہ کرنا اور نرمی برتنا حکماً ابراء ہو سکتا ہے ؟

۴ : احمد خان بالکل مفلس اور تہی دست ہے یہ قرضہ اس سے کسی صورت وصول نہیں ہو سکتا بالکل ایک سوختہ قرضہ ہے اس لئے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم اسے تملیکاً دے کر پھر واپس لینا ناجائز حیلہ نہ ہو۔ کیونکہ عبدالرحمٰن کا مقصد یہ ہے کہ میری جیب سے زکوٰۃ میں کوئی نقد رقم نکل کر نہ جائے اس پرانے قرضہ ہی سے ذمہ داری ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے محض ٹالنے والا معاملہ قرار نہ دیں۔

معین الدین، معرفت مفتی سید سراج الدین کاکاخیل۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں برتقدیرِ صحتِ واقعہ اگر عبدالرحمٰن نقد روپیہ احمد خان کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے دے اور پھر وہی روپیہ اس سے اپنے قرض میں واپس لے لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

لما فی الدر ج ۲۔ ص ۱۶۔ واعلم ان اداء الدین عن الدین و العین عن العین وعن الدین یجوز و اداء الدین عن العین و عن دین سیقبض لا یجوز وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوۃ ثم یأخذھا عن دینہ۔ اھ۔

۲ : ائمہ اربعہ کے نزدیک زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ نیز دیگر بہت سے فقہاء بھی اسی کے قائل ہیں (کما فی شرح مسلم للنووی۔ ج ۲۔ ص ۱۲)۔ اور زمین سے انتفاع کے بعد طے شدہ اجرت واجب ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ دیگر سائر دیون۔ والظاھر من اطلاق المؤلف ان الاجرۃ تجب باستیفاء المنفعۃ۔ (تکملہ بحر ص)

۳ : یہ ابراء نہیں ۔

۴ : یہ حیلہ محض ٹالنے والا معاملہ نہیں بلکہ اگر زکوٰۃ دہندہ کی نیتِ برأۃ ذمہ مدیون ہو تو اس

میں زیادہ ثواب ملنے کی امید ہے۔

قال فی الاشباہ ھو افضل من غیرہ (الی) لانہ یصیر وسیلۃ الی ابراء ذمۃ المدیون۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ	الجواب صحیح
۲ / ۸ / ۸۷ ۱۳ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں راجح قول

ایک مدرسہ ایک انجمن کے تحت چل رہا ہے اس میں کچھ ایسے طالب علم بھی ہیں جو غنی ہیں ان کو عشر و زکوٰۃ سے وظیفہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے جیسا کہ شامی نے لکھا ہے

یجوز اخذ الزکوۃ لطالب علم ولو کان غنیا۔

تو فقہاء کرام رح کے عام قاعدہ لا یجوز الزکوۃ للغنی کا کیا جواب ہے؟

الجواب طالب علم شرعی جس کو غناء حاصل ہو لیکن وہ اپنے آپ کو اکتساب معاش سے فارغ کر چکا ہو اور افادہ و استفادۂ علم میں مشغول ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ شامی، ج ۲، ص ۵۹۔ میں ہے۔

وبھذا التعلیل یقوی ما نسب الی الواقعات من ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ۔

شامی کا یہ قول فقہاء کے عام قاعدہ لا یجوز دفع الزکوۃ الی الغنی کے مخالف نہیں۔ کیونکہ وہ ایک عام قاعدہ ہے اور یہ ایک استثنائیہ جملہ ہے۔ ہر عموم میں کچھ نہ کچھ مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں۔ فقط

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

تنبیہ حضرات فقہاء کرام نے اگرچہ غنی طالب علم کے لئے اخذ زکوٰۃ کو جائز رکھا ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ غنی طالب علموں کے لئے وظیفہ اور کھانا وغیرہ کسی فقیر اور مستحق کو تملیک کرا کے دینا چاہئے۔ کیونکہ علامہ شامی رح نے دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے

والاوجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخصا
لجواز سواله من الزكوة وغيرها وان كان قادرًا
على الكسب اذ بدونه لا يحل له السوال - فقط

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

جواب صحیح ہے۔ غنی طالب علم کو بلا تملیک زکوٰۃ نہیں دینی چاہیئے۔

بندہ عبدالرحمٰن غفرلہٗ

ہذا ہو الاحتیاط وعلیہ الاعتماد ؛ خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۱۰ محرم ۱۳۶۹ھ

چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دینا افضل ہے

زید کا چھوٹا بھائی نادار ہے زید اسے زکوٰۃ دے سکتا ہے ؟

الجواب افضل یہی ہے کہ زید اپنے چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دے۔ والافضل فی الزکوة والفطر والنذور الصرف اولا الى الاخوة اھ
(عالمگیری ج ا ص ۹۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہٗ

الجواب صحیح ؛ خیر محمد عفا اللہ عنہ ؛ ۱۲ رجب المرجب ۱۳۷۰ھ

زکوٰۃ حکومت وصول کرے یا لوگ خود ادا کریں

کیا زکوٰۃ کی وصولی حکومت کا فرض ہے یا اس کو انفرادی طور پر ادا کیا جا سکتا ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کو کن وجوہ کی بنا پر انفرادی طور پر ادا کرنے کا حکم دیا۔؟

الجواب اموال دو قسم پر ہیں۔ اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ۔ اوّل الذکر اموال کی زکوٰۃ حکومت وصول کر سکتی ہے اور ثانی الذکر اموال کی زکوٰۃ خود مالک ادا کریں گے۔ کما فی البحر؛ ج ۲ ص ۲۴۸۔

وحاصله ان مال الزكوة نوعان ظاهرة وهو المواشي

والمال (الذی) یمر به التاجر علی العاشر و باطن وهو الذهب و الفضة و اموال التجارة فی مواضعها اما الظاهر فللامام و نوابه ولایة الاخذ الخ

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رض کے مبارک عہد میں سونے چاندی کی زکوۃ بھی حکومت وصول کرتی تھی یا نہیں ؟ صاحب بدائع نے شیخ ابومنصور ماتریدی سے نقل کیا ہے۔

لم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث فی مطالبة المسلمین بزکاة الورق و اموال التجارة و لکن الناس کانوا یعطون ذالک ومنهم من کان یحمل ذالک الی الائمة فیقبلون منه ذالک ۔ (ج ۲ - ص ۳۵ - ۳۶)۔

عبارت ہذا سے معلوم ہوا کہ اموال باطنہ کی زکوۃ حکومت وصول نہیں کرتی تھی بلکہ اہل اسلام خود ادا کرتے تھے اور بعض لوگ از خود اپنی زکوۃ حکومت کی تحویل میں دے دیتے تھے اور حکومت اسے قبول کرلیتی تھی۔ نیز اس کے وصول کرنے میں حرج اور اضرار بھی ہے کہ لوگوں کی مخفی دولت معلوم کرنے میں سخت تنگی اور دشواری واقع ہوسکتی ہے۔ اور متموّل افراد کی مالی حیثیت کی شہرت ان کے اموال کے لئے ایک مستقل خطرہ بھی ہے۔ اسی سلسلہ میں صاحب بدائع نے دوسری رائے نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں۔

وعثمان طالب زمانا ولما کثرت اموال الناس ورأی ان فی تتبعها حرجا علی الامة وفی تفتیشها ضررا بارباب الاموال فوّض الاداء الی اربابها ۔ اھ (ج ۲ - ص ۳۵)۔

ان وجوہ کی بنا پر سونے چاندی کی زکوۃ کی ادائیگی خود مالک کے ذمہ ڈال دی گئی۔ اور اس معاملہ کو مالک کی دیانت داری پر چھوڑ دیا گیا۔ کیوں کہ اگر ان اموال کی زکوۃ بالفرض حکومت ہی وصول کرتی تو بھی اسے مالک کی دیانت داری پر لازماً اعتماد کرنا پڑتا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ | بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی حقیقی علت

زکوٰۃ کا مصرف سادات کو کیوں نہیں ٹھہرایا گیا۔ حالانکہ اسلام میں ذات پات کی تفریق کا تصور موجود نہیں۔ اور یہ حکم ایک ذات کی برتری ظاہر کرتا ہے۔ دونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟

الجواب سادات کو مصرف زکوٰۃ نہ ٹھہرانے کی علت حقیقی حکم خداوندی ہے۔

قال علیہ السلام یا بنی ھاشم ان اللہ حرم علیکم غسالۃ الناس واوساخھم الخ (ھدایۃ ج ۱۔ ص ۱۸۶)۔

اور اس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ زکوٰۃ مالوں کی میل کچیل ہے۔ قرابت نبوی کے احترام کے پیش نظر انہیں اس کے استعمال سے ممانعت کر دی گئی۔ باقی یہ کہ اس سے سادات کا محترم ہونا سمجھا جاتا ہے۔ سو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ سادات کرام بالاتفاق محترم ہیں۔ مگر یہ ہندوانہ ذات پات کی تفریق نہیں۔ کیوں کہ اس میں دوسری ذاتوں کو انتہائی حقیر اور ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ برہمن کے ساتھ اچھوت کھانا نہیں کھا سکتے، ان کے مندروں میں نہیں جا سکتے۔ اچھوت برہمن کے برتن کو ہاتھ لگا دے تو برتن ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ باہمی نکاح نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسلام نے سادات و غیر سادات میں ان سب احکام کو جائز رکھا ہے۔ کہ باہمی رشتہ داریاں بھی جائز ہیں۔ صرف ایک مسئلہ کی بناء پر اس کو ذات پات کی تفریق نہیں کہا جا سکتا۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۲۴/۲/۱۳۸۶ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

صدقاتِ واجبہ سے تیار ہونیوالا کھانا مدرس کو اجرت میں نہیں دے سکتے

مدرسہ میں صدقاتِ واجبہ و غیر واجبہ سے طلباء کا کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ اور مدرسہ میں جو مدرس رکھا گیا ہے اس کو تنخواہ کے ساتھ کھانا بھی مقرر کیا گیا ہے آیا اس کا کھانا مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر صرف صدقاتِ غیر واجبہ سے جو کھانا طلباء کھاتے ہیں۔ مثلاً گھر سے کھانا آتا ہے تو اس صورت میں مدرس کھانا لے سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: عبدالشکور، مدرس مدرسہ اشاعت العلوم، منڈی چشتیاں: ضلع بہاولنگر۔

الجواب صدقاتِ واجبہ و غیر واجبہ کے مجموعہ میں سے جو کھانا پکتا ہے۔ اس کا جتنا حصہ ملازم کو تنخواہ میں دیا جائے گا۔ اس کے حصہ جتنا سب کے برابر زکوۃ وصدقہ واجبہ ادا نہ ہوگا۔ اور اہلِ مدرسہ کا ذمہ اس کے ساتھ مشغول رہے گا۔ البتہ اگر کھانا قیمتاً لیا جائے اور قیمت پھر مستحقین پر خرچ کر دی جائے اور ان کو دے دی جائے تو کھانا لینے کی گنجائش ہے۔ اور صدقہ غیر واجبہ سے اگر اہلِ مدرسہ کسی ملازم کو کھانا دے دیں تو جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

نو ایکڑ اراضی کا مالک زکوۃ لے سکتا ہے؟

ایک شخص کے پاس تقریباً آٹھ یا نو ایکڑ اراضی زرعی، مبلغ ڈیڑھ لاکھ روپے کی ہے۔ اور اس کی سالانہ آمد مبلغ پانچ ہزار روپے ہے۔ گھر کے سات آٹھ آدمی ہیں۔ بقول اس کے اس رقم سے اس کا گزارہ نہیں ہوتا۔ کیا ایسے شخص کو زکوۃ دینا جائز ہے۔؟ نیز اس کی زمین پر عشر واجب ہوگا ؟

الجواب امام محمد رح کے نزدیک ایسے شخص کو زکوۃ لینے کی گنجائش ہے جب کہ زیورات اور نقدی اس کے پاس نہ ہو۔ اور اگر نہ لے تو بہتر ہے۔ عشر بہرحال اس پر واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۹ر۱۱ر۱۴۰۰ھ

مقروض کو مقدارِ نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں

ہمارے ہاں ایک انیس ۱۹ سال کا لڑکا ملازم ہے جو کہ یتیم ہے۔ یہ لڑکا اسکی بیوہ ماں اور دو بہنیں جن کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ اور ایک بہن جو بیوہ ہے اپنے دو چھوٹے بچوں سمیت انہی کے ہاں رہتی ہے۔ ان سب لوگوں نے دہلی گیٹ میں گیلانیوں کی خالی زمین پر جھونپڑی کچی پکی سی ڈال رکھی ہے۔ اب گیلانیوں نے ان کو نوٹس دیا ہے کہ ہم نے اس جگہ پر سکول بنانا ہے۔ لہذا تم لوگ جگہ فارغ کر دو۔ ظاہر ہے کہ عنقریب یہ لوگ دربدر ہو جائیں گے۔ از روئے

شریعت فتوے صادر فرمائیں کہ زکوۃ کی رقم میں سے پچیس۲۵ ہزار روپے کا مکان ان کو خرید کر کے دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکا اپنے لئے اور اپنی والدہ کے لئے اس مکان کا سودا کرے تو مقروض ہو جانے کے بعد لڑکے اور والدہ کو اتنی رقم دینا درست ہے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ، ۱۳ / ۷ / ۱۴۰۲ھ

وکیل نے زکوٰۃ کو مصرف میں استعمال نہیں کیا تو کیسے بری ہو گا ؟

مہتمم نے زکوٰۃ کو بغیر شرعی حیلہ کے مختلف مدات میں استعمال کیا تو کیا زکوٰۃ دہندگان کی زکوۃ ادا ہو گئی ؟ زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی صورت میں کیا صورت اختیار کی جائے ؟

الجواب زکوٰۃ دہندگان کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی ۔ اصل تو یہ ہے کہ صورتِ حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے ۔ اگر اس میں مشکلات ہوں تو اتنی رقم معطین کی طرف سے باقاعدہ تملیک کرا کے مدرسہ میں خرچ کر دی جائے ۔ ایک قول کے مطابق گنجائش ہے امید ہے کہ زکوۃ ادا ہو جائے گی ۔

لکن قد یقال تجزی عن الآمر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع اھ

(شامیۃ ، ج ۲ ، ص ۱۴)

رجل جمع مالا من الناس لینفقہ فی بناء المسجد فانفق تلک الدراھم فی حاجتہ ثم ردّ بدلھا فی نفقۃ المسجد لا یسعہ ان یفعل ذالک فان فعل فان عرف صاحب ذالک المال رد علیہ او سألہ تجدید الاذن فیہ وان لم یعرف صاحب المال استأذن الحاکم وان تعذر علیہ ذالک رجوت لہ فی الاستحسان ان ینفق مثل ذالک من مالہ علی المسجد فیجوز ۔ اھ (ھندیہ ، ج ۲ ، ص ۲۵۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۱۵ / ۱ / ۱۳۹۶ھ

مہمان کو بہ نیتِ زکوٰۃ کھانا دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں

زید کے ہاں مہمان آیا۔ اس نے تین دن ضیافت کے بعد زکوٰۃ کی نیت سے کھانا دینا شروع کیا اور اس کے ملک کرتا رہا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

الجواب فلو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم لانہ بالدفع الیہ بنیۃ الزکوٰۃ یملکہ فیصیر اٰکلاً من ملکہ بخلاف ما اذا اطعمہ معہ۔

(شامی: ج ۲، ص۳)۔

جزئیہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیوں کہ یہ اباحت ہے تملیک نہیں۔ اور اگر کھانا اس کو بہ نیت تملیک دے دیا ہے خواہ وہ کھائے، خواہ بیچے۔ تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ الحاصل بصورت تملیک، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور بصورتِ اباحت ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲/۲/۱۳۹۵ھ | الجواب صحیح: بندہ محمد اسحاق غفرلہ

غیر مسلم عامل زکوٰۃ کو زکوٰۃ نہ دی جائے

مصارفِ زکوٰۃ میں اَلْعٰامِلِیْنَ عَلَیْھَا کے متعلق کیا حکم ہے؟ یہ عاملین کیف ما اتّفق مستحق زکوٰۃ ہیں یا بشرطِ اسلام؟ احمد شعیب: امیر مجلس الخطباء: ڈی۔آئی۔خان۔

الجواب اصل یہی ہے کہ عامل و محصلِ زکوٰۃ مسلمان ہوں۔ کافر مصرفِ زکوٰۃ نہیں۔ قال فی الدر ولا تدفع الی ذمی۔ اھ (شامی، ج۲، ص۹۲)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۹/۷/۱۴۰۰ھ

زکوٰۃ بنامِ قرض دینے کا حکم

زید نے عمرو سے دس روپے قرض مانگا۔ عمرو نے دس روپے دے دیئے۔ جب زید وہ روپے واپس دینے لگا تو عمرو

نے کہا کہ میں نے تو بہ نیتِ زکوٰۃ دیئے تھے اور واقع میں اس نے دیتے وقت زکوۃ کی نیت کی تھی۔ زکوۃ ادا ہوگئی یا نہیں ؟

الجواب زکوۃ ادا ہوگئی۔ ومن اعطی مسکیناً دراھم وسماھا ھبۃ او قرضا ونوی الزکوۃ فانھا تجزیہ وھو الاصح ۔

(عالمگیری ، ج ۲ ، ص ۸۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۸/۲۴ /۱۳۸۸ھ

عباسیوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں

عباسیوں کو زکوۃ دے سکتے ہیں یا نہیں ۔؟

حاجی کرم داد ، لوئر بازار مری ۔

الجواب بنو عباس کو زکوۃ دینا جائز نہیں ۔ خواہ رشتہ دار ہوں ۔ ان کی دیگر ذرائع سے امداد کی جاوے۔ ولا یدفع الی بنی ھاشم وھم آل علی و آل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل حارث بن عبدالمطلب ۔اھ ۔

(عالمگیری ، ج ۱ ، ص ۹۷)۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۹ - ۱۰ - ۱۳۹۶ھ

غیر مسلم کو زکوۃ دینا جائز نہیں

غیر مسلم اگر بالکل غریب ہو تو آیا اس کو صدقہ و خیرات یا زکوۃ کا مال دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

حافظ حبیب احمد : مکتبہ امدادیہ ، ٹی ،بی روڈ ، ملتان

الجواب صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ وعشر وغیرہ) کے علاوہ دیگر صدقات غیر مسلم کو دیئے جا سکتے ہیں ۔ ولا یجوز ان یدفع الزکوۃ الی ذمی ویدفع الیہ ماسوی ذالک من الصدقۃ ۔اھ۔ (ھدایۃ ، ج ۱ ، ص ۱۸۷)۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۴ /۱۰/ ۱۴۰۰ھ

اپنی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

کیا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا درست ہے ؟

الجواب جائز نہیں ہے ۔ لا یصرف الی من بینهما ولاد ۔ اھ ۔ (در مختار علی الشامیة : ج ۲ ص ۸۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷/۹/۱۳۹۸ھ

وکیل نے زکوٰۃ کا پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کر لیا پھر اپنے پاس سے مستحق کو دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

زید نے عمداً یا کسی مغالطہ کی بناء پر زکوٰۃ کو شرعی حیلہ کے بغیر مدرسہ کی ضروریات یا اپنے ضروریات میں صرف کر لیا ۔ پھر اتنی رقم مدرسہ میں داخل کر دی تو کیا زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی ؟ جب کہ پیسے مدرسہ میں داخل کر دیئے گئے ۔

الجواب صحیح صورت حال مالکان کو بتلا کر پھر ان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے ۔ اور اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی ۔ بشرطیکہ تملیک کے بعد مدرسہ میں استعمال کی گئی ہو ۔

" لكن قد يقال تجزى عن الآمر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع اھ " (شامی : ج ۲ ص ۱۴)۔ رجل جمع مالا من الناس لينفقه فی بناء المسجد فانفق تلك الدراهم فی حاجته ثم رد بدلها فی نفقة المسجد لا يسعه ان يفعل ذالك فان فعل فان عرف صاحب ذالك المال رد عليه او سأله تجديد الاذن فيه وان لم يعرف صاحب المال استأذن الحاكم وان تعذر عليه ذالك رجوت له فی الاستحسان ان ينفق مثل ذالك من ماله علی المسجد فيجوز اھ (هنديه ج ۲ ص ۴۵۲)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۵/۱/۱۳۹۶ھ ۔

تعمیرِ مکان کے لئے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ

زید کے پاس تقریبًا پانچ ہزار روپے جمع ہیں۔ جو مکان وغیرہ کی تعمیر اور گائے خریدنے کے لئے جمع کر رکھے ہیں۔ اور زید کے چار چھوٹے بچے، بیوی اور والدہ ہے۔ کیا اس رقم پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ نیز زید کے بیوی، بچے جو غریب ہیں اگر انہیں اپنے کوئی رشتہ دار زکوٰۃ دیں تو ان کے لئے لینا درست ہوگا جبکہ زکوٰۃ دہندہ کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے۔

الجواب جب تک نقدی کی شکل میں پیسے موجود رہیں زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لہٰذا سال کے بعد ادائیگی ضروری ہے۔ اور انشاء اللہ یہ زکوٰۃ ادا کرنا مال میں اضافے کا سبب بنے گا۔ البتہ آپ کی بیوی اور والدہ وغیرہ زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔ کوئی دوسرا شخص انہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ آپ کے نابالغ بچے آپ کی وجہ سے زکوٰۃ کا مصرف نہیں بن سکتے۔

ولا یجوز دفعھا الی ولد الغنی الصغیر۔ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۷)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴/۱۱/۱۳۹۸ھ

مالِ خبیث میں زکوٰۃ واجب نہیں

ایک شخص بینک میں ملازم ہے اپنی تنخواہ سے کچھ پس انداز کرتا رہا اور یہ رقم نصاب کو پہنچ گئی اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ مولوی محمد عبداللہ، حاصلپور قدیم۔

الجواب مذکورہ مال نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ یہ سارا مال واجب التصدق ہے۔ فی القنیۃ لو کان الخبیث نصابا لا یلزمہ الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ۔ اھ۔ (شامیۃ: ج ۲: ص ۳۲۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹/۲/۱۳۹۷ھ

ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے

ایک آدمی کے پاس ٹریکٹر ہے جو کہ ذریعۂ معاش ہے۔ یعنی لوگوں کی زمینوں میں ہل وغیرہ چلا کر

اس کی آمدن حاصل کی جاتی ہے۔ آیا ٹریکٹر کی قیمتِ خرید پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ اس سے جمع شدہ مالیت نصاب کو پہنچ جائے تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ آئے گی۔

" قوله وكذالك الات المحترفين) اى سواء كانت مما لا تستهلك عينه فى الانتفاع كالقدوم والمبرد اھ۔ (شامية: ج ۲ ص۸)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶/ ۷/ ۱۴۰۰ھ

زکوٰۃ میں دینے کے لئے رکھے ہوئے پیسوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں

ایک آدمی کے پاس زکوٰۃ کے اپنے پیسے رکھے ہوئے تھے۔ کسی دوسرے آدمی کو ضرورت ہو تو کیا وہ دستی طور پر ایسے دے سکتا ہے۔ یعنی جب وہ واپس کرے گا تو وہ مستحق کو پہنچا دیئے جائیں گے۔؟ حسین علی نقشبندی، مدرسہ موسویہ، ملتان۔

الجواب فقیر کی ملکیت میں پہنچنے سے پہلے پہلے یہ اسی کا مال ہے حسب منشاء اس کو صرف کرسکتا ہے۔ ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقير۔ اھ۔ (درمختار على الشامية، ج ۲، ص ۱۵)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴/ ۲/ ۱۳۹۸ھ

حکومت جو زکوٰۃ کا پیسہ مدارس کو دیتی ہے وہ لے سکتے ہیں یا نہیں

موجودہ حکومت عشر و زکوٰۃ بالجبر وصول کرتی ہے اور عوام کے اندر تقسیم کرتی ہے۔ اور اس زکوٰۃ کو مدارس عربیہ بھی لے رہے ہیں۔ اور اس میں چند امور قابلِ غور ہیں۔

کیا زکوٰۃ و عشر فی الحقیقت صحیح ہے؟ جب کہ یہ سود فنڈ سے جدا کیا جاتا ہے۔ اور مالکان

رقوم سے اجازت بھی نہیں لی جاتی ۔ کیا یہ زکوٰۃ وعشر کی رقم پبلک اور مدارس کے لئے حلال ہے یا حرام ؟ اور بعض مدارس والے طیب اور حلال سمجھتے ہیں اور لے لیتے ہیں ۔ اور بعض مدارس اس سے اجتناب کرتے ہیں ۔

الجواب حکومت کے طریق کار سے قطع نظر جن مدارس یا اصحاب کو یہ رقم جس نام سے دی جاتی ہے وہ اس کے مصرف ہوں تو ان کے لئے لینے کی گنجائش ہے ۔

فقط واللہ اعلم : احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۔

وکیل نے زکوٰۃ کے پیسے اپنی مستحق بیوی کو دیدیئے تو مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہوگئی !

زید نے خالد کو دس روپے دیئے اور کہا کہ یہ زکوٰۃ کے روپے ہیں کسی مستحق کو دے دو ۔ خالد نے سوچا کہ میری بیوی غریب ہے ۔ صاحب نصاب نہیں ہے ، اس نے وہ دس روپے اپنی بیوی کو دے دیئے ، آیا زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں ۔ اور خالد گناہگار رہا یا نہیں ؟

۲ : زید کسی مدرسے میں مدرس ہے ۔ مکان مدرسہ والوں نے دیا ہے ۔ اس مکان میں جو اہل مدرسہ نے دیا ہے زید اس میں رہائش کرتا ہے ۔ زید کو کسی نے زکوٰۃ کا روپیہ دیا ۔ کہ مدرسہ میں دے دو یا کسی مستحق کو دے دو ۔ زید دل میں سوچتا ہے کہ مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کی بجائے اگر اس رقم سے دروازہ خرید کر مکان کو لگا دیا جائے تو مکان چونکہ مدرسہ کا ہے ، دروازہ بھی مدرسے کا ہو جائے گا اور مجھے جو تکلیف ہے کہ مکان کا دروازہ نہیں ہے وہ تکلیف بھی رفع ہو جائے گی ۔ اگر زید اس زکوٰۃ والی رقم سے دروازہ خرید کر مدرسہ کے مکان کو لگا دے تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں ؟

الجواب ۱ : زکوٰۃ ادا ہوگئی ، خالد گناہگار نہیں ہوگا ۔ وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربہا ضعہا حیث شئت ۔ (شامی ج ۲ ص ۱۵) ۔ ۲ : زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ۔ اس لئے کہ تملیک نہیں پائی گئی ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳۹۰/۳/۲۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اپنے مدیون کو زکوٰۃ دے کر پھر قرض میں واپس لینے کا حکم

زید نے بکر سے تقریباً تین چار سال قبل مبلغ تیرہ ہزار (۱۳۰۰۰) روپیہ قرض حسنہ لیا تھا اور جب بکر نے واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ کہتا ہے کہ میں جلدی دے دوں گا۔ لیکن اسی دوران میں زید نے ایک پلاٹ اپنی بیوی کے نام خرید کیا۔ کچھ اپنا پیسہ اور کچھ دوستوں سے لے کر، جب مکان بنانے کا مرحلہ آیا تو زید نے کارپوریشن سے پلاٹ گروی رکھ کر سود پر قرض لیا۔ جو تقریباً ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) کے قریب ہے۔ بکر نے جب زید سے اپنے تیرہ ہزار (۱۳۰۰۰) روپے کا مطالبہ کیا تو زید نے اپنی مجبوریاں ظاہر کرنی شروع کردیں کہ میری اتنی، ماہوار تنخواہ ہے۔ میرے گھر کا خرچہ مشکل سے پورا ہوتا ہے۔ بچے سکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور تقریباً دس گیارہ بچے ہیں۔ کیا بکر اپنی زکوٰۃ میں سے یہ پیسے کاٹ سکتا ہے جب کہ بکر موجودہ قرضہ سے کہیں زیادہ خدا کے فضل سے زکوٰۃ دیتا ہے۔

الجواب زید کے مصرف زکوٰۃ ہونے کی صورت میں بکر اپنی زکوٰۃ زید کو دے سکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک روپے والے نوٹ کی صورت میں زید کو زکوٰۃ دی جائے۔ پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کرلی جائے۔

وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکوته ثم یاخذها عن دینه اھ۔ (درمختار علی الشامیة، ج ۲ ص ۱۰)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا	خیر المدارس ملتان ۸/۸/۱۴۰۲ھ

بر سر روزگار کو زکوٰۃ دینے کا حکم

زید کے پاس کسی قسم کی مالیت کا نصاب نہیں، لیکن بر سر روزگار ہے۔ کیا زید کو زکوٰۃ کا پیسہ دیا جاسکتا ہے؟

قاری غلام نبی۔ ممتاز آباد: ملتان

الجواب زید کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ بیک وقت نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ نہ دی جائے۔

ھو فقیر وھو من له ادنی شیٔ ای دون نصاب اوقدر

نصاب غير نام مستغرق فى الحاجة - اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۲ ص۵۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۱۲/۱۳۹۹ھ

قومی اتحاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم

آج کل موجودہ تحریک جو کہ قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے چل رہی ہے اس تحریک کے بارے میں علماء نے جہاد کا فتویٰ دیا ہے آیا اس میں زکوٰۃ دینا جائز ہے - ؟ -

حاجی محمد حنیف ، صدر انجمن تاجران شہر بہاولنگر -

الجواب زکوٰۃ و صدقات کا مصرف عام فقراء و مساکین ہیں جن کی تفصیل قرآن و حدیث اور فقہ میں مذکور ہے - قومی اتحاد ہر چند کہ علمبردار جہاد ہے مگر یہ کوئی وجہ استحقاق زکوٰۃ نہیں ہے - زکوٰۃ تب ہی ادا ہوگی جب اس کے مصرف کو دی جائے - جب کوئی سیاسی یا دینی جماعت زکوٰۃ و صدقات کی اپیل کرے ، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس زکوٰۃ کو مصرف تک پہنچا دیں گے - ظاہر ہے کہ جلسہ و جلوس کا انتظام اور کارکنان کو تنخواہ مالِ زکوٰۃ سے نہیں دی جاسکتی - البتہ جماعت میں جو فقراء شامل ہوں وہ مستحق زکوٰۃ ہیں - ویسے ہی جو زخمی ہوں اور مصرفِ زکوٰۃ ہوں ، ان کی ادویات وغیرہ خریدکر زکوٰۃ کے مال سے دی جاسکتی ہیں -

الحاصل اگر کسی جماعت کے ہاں زکوٰۃ کو اس کے صحیح مصرف تک پہنچانے کا انتظام ہو ، اور کارکنان پر اعتماد ہو کہ وہ اس میں سستی نہیں کریں گے تو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے مگر اس کا اہتمام کم ہوتا ہے « اٰتوا الزکوٰۃ » کا مطلب صرف جیب سے پیسہ نکال دینا نہیں ہے بلکہ صحیح مصرف تک پہنچا دینا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے - فقط واللہ اعلم -

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
خیر المدارس ملتان ۱۵/۵/۱۳۹۷ھ

بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

۱ ، قریشی - ۲ ، ہاشمی خاندان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ؟ ۲ - اگر لاعلمی سے زکوٰۃ دے

دی گئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ۱:- باستثناءِ بنولہب ، بنوہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں - درمختار میں ہے

ولا الی بنی ھاشم الا من ابطل النص قرابتہ و ھم بنو لھب فتحل لمن اسلم منھم کما تحل لبنی المطلب ثم ظاھر المذھب المنع اھ-

شامی میں ہے -

عبد المطلب اعقب اثنی عشر تصرف الزکاۃ الی اولاد کل اذا کانوا مسلمین فقراء الا اولاد عباس و حارث و اولاد ابی طالب من علی وجعفر وعقیل قھستانی اھ (ج۲ ص۹۰)-

۲ : زکوٰۃ ادا ہوگئی مگر علم ہونے کے بعد نہ دے -

عملا علی روایۃ ابی عصمۃ تسہیلا علی المزکی اھ (امداد المفتین ج۱ ص۳۱۶) -

باستثناءِ مذکورین قریش کو زکوٰۃ دینا جائز ہے - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	۲۸ / ۳ / ۱۳۹۶ھ

زکوٰۃ کے پیسے امام مسجد کو دینے کا حکم

ائمہ مساجد کو زکوۃ و عشر و صدقۃ الفطر اور چرم قربانی وغیرہ دیئے جاتے ہیں - عام ماحول عرف اور خود تجربہ کے پیش نظر چند امور پیش خدمت ہیں تاکہ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے تسلی بخش جواب سے مستفید فرمائیں -

۱:- اوّل یہ کہ روز اوّل تقررِ امام کے وقت ایجاب وقبول صریحی بھی حقیقی اجرت کا نام اجرت نہیں ذکر کیا جاتا -

۲:- اگر یہ لوگ زکوۃ نہ دیں یا ان میں بعض نہ دیں تو اگرچہ امام کا گزارہ ہوتا ہے مگر امام ان سے مطالبہ کرتا ہے اور ناراض ہوتا ہے بلکہ جواب دے کر امامت چھوڑ دیتا ہے -

۳:- امام اگر اپنے فرائض میں کمی کرے یا نہ کرے جو بہت سارے فرائض ہیں ، تو لوگ بھی زکوۃ وغیرہ

کچھ نہیں دیتے، بلکہ جواب دے دیتے ہیں

۴ :- بستی کے لوگ اگر کسی اور فقیر یا کسی عالم وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں تو پوچھا کرتے ہیں یا اگر امام کو پتہ چلتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عوام و خواص کی نظر میں امام فقیر نہیں اس لئے مصرف زکوٰۃ نہیں مگر لوگ اجرت کے طور پر تنخواہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اس صورت میں امام اجرت کے طور پر زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب اور تفصیلی حکم سے مستفید فرمائیں۔

عبدالحفیظ : شریک دورۂ حدیث ، مدرسہ بحر العلوم
نزد سریاب کسٹم مستونگ روڈ ، کوئٹہ : بلوچستان

الجواب ــــــ زکوٰۃ کی رقم بطور اجرت امام صاحب کو نہیں دے سکتے۔ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیوں کہ زکوٰۃ کی تعریف یہ ہے۔

تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى : (عالمگیری ج ۱ ص ۸۷)

مال زکوٰۃ بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ دینے والے کی کوئی منفعت اس مال سے متعلق نہ ہو مستاجر ملازم سے اس مال کے عوض منفعت حاصل کر چکا ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

"لو نوى الزكوٰة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستأجره ان كان الخليفه بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا اجزأه و الا فلا۔ (ج ۱ ص ۹۵)

اس جزئیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ استیجار کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ نیز چرم قربانی کی قیمت کا حکم زکوٰۃ کی مثل ہے۔ اس قیمت کو ذابح یا قصائی کو بطور اجرت نہیں دے سکتے۔

ہندیہ میں ہے۔ ولا ان يعطى اجر الجزار والذابح منها۔ (ج ۴ ص ۸۲)۔

الحاصل اگر لوگ امام مسجد کو زکوٰۃ کی رقم بطور تنخواہ کے دیتے ہوں تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ایسے لوگ دوبارہ اپنی زکوٰۃ ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبداللہ ۱/۴/۱۴۰۸ھ

اندازہ میں غلطی کی وجہ سے مقدارِ واجب سے زیادہ زکوٰۃ دے دی تو زائد کو آئندہ سال کے حساب میں شمار کر سکتے ہیں

اگر کوئی شخص اندازے سے زکوٰۃ کاٹے اور بعد میں حساب کرنے پر معلوم ہو کہ سات آٹھ روپے زائد نکال دیئے۔ تو کیا اس زائد مقدار کو اگلے سال کی زکوٰۃ میں شمار کیا جا سکتا ہے ؟

الجواب زکوٰۃ سے زائد رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کر سکتے ہیں۔ شامی میں بحوالہ ولوالجیہ منقول ہے۔ ولو كان عنده اربعة مائة درهم فادى زكوة خمس مائة ظانا انها كذالك كان له ان يحسب الزيادة للسنة الثانية لانه امكن ان يجعل الزيادة تعجيلا۔ (ج ۲ ص۱۷)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔

مقروض معترف ہو تو زکوٰۃ واجب ہے

ایک شخص نے قرضہ لیا اس کا اقرار کرتا رہا۔ آخر چودہ سال گزر گئے۔ مالک پر کتنے سالوں کی زکوٰۃ لازم ہے ؟

الجواب اگر یہ رقم بقدر نصاب ہے تو گزشتہ چودہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔ وفی مقر به تجب مطلقا سواء كان مليًا او معسرًا۔اھ (هندیه ج ۱ ص۹۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۲۲ / ۴ / ۱۳۹۵ھ

نوٹوں میں زکوٰۃ کے وجوب پر ایک شبہ کا جواب

آپ نے فرمایا ہے کہ نوٹ مال نہیں بلکہ ایک قسم کا چیک اور حوالہ ہے جب

نوٹ مال نہیں تو پھر نوٹوں پر زکوۃ فرض ہی نہیں ؟

ہاں آپ نے لکھا ہے کہ کاغذ کے بدلے حکومت نقد روپیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔ تو پھر یہاں سے معلوم ہوا کہ اصل مال کا جب وہ مالک بنے گا تو پھر اس پر زکوۃ فرض ہوگی، وگرنہ ہرگز نہیں۔ کیوں کہ اس کے پاس تو ایک قسم کا چیک ہے اصل مال نہیں۔ جب اصل مال نہیں تو زکوۃ بھی لازم نہیں۔؟

تیسری بات یہ ہے کہ جیسے آپ نے لکھا ہے کہ " اگر خدانخواستہ وہ نوٹ فقیر کے ہاتھ سے گر کر گم ہو جائے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی "

معترض نے اس پر یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ ایک شخص غلہ خرید کرتا ہے۔ وہ نوٹوں کی ایک رقم ادا کرتا ہے مگر گیرندہ جب وصول کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس سے وہ گم ہو جاتے ہیں تو جو شخص رقم ادا کر رہا ہے وہ ابھی قرض دار ہوا۔ کیوں کہ اصل چیز ادا نہیں کی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ زکوۃ دہندہ غلہ یا کپڑا وغیرہ بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب پہلے آپ یہ بتائیں کہ اگر کسی کا کسی پر قرض ہو تو جو قرض میں مال دیا ہوا ہے اس کی مالک پر زکوۃ ہے یا نہیں ؟ جب اس میں زکوۃ ہے تو نوٹ کا معاملہ تو قرض سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بہت سے مقدمات طے کرنے پڑتے ہیں۔ بلکہ قرض پر قبضہ اختیاری بھی نہیں، وہ دوسرے کے اختیار میں ہوتا ہے۔ بخلاف نوٹ کے کہ جب چاہے جس وقت چاہے بنک سے، بازار سے، جہاں سے چاہے نوٹ دے کر مال پر قبضہ کر سکتا ہے۔

باقی آپ کا جو غلے والا شبہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مشتری بائع کو اصل مال نہیں دیتا بلکہ ایک چیک دیتا ہے اور حکومت کا حوالہ دیتا ہے کہ میرے حکومت کے ذمہ اتنے روپے ہیں تم وصول کر لینا۔ اور حکومت نے پہلے ہی سے حوالہ قبول کیا ہوا ہے۔ کیونکہ نوٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اتنے روپے عند المطالبہ سرکاری خزانہ سے دے دیئے جائیں گے۔ اور جب بائع وہ نوٹ لے لیتا ہے تو یہ بھی گویا اس کو قبول کر لیتا ہے۔ تو جب حوالہ تام ہو جائے پھر محتال کو محیل پر رجوع کا حق نہیں ہوتا۔

ہاں اس وقت رجوع کا حق ہوتا ہے جب محتال علیہ سستی کرے۔ اور یہاں تو محتال علیہ یعنی

حکومت کی طرف سے کوئی سُستی نہیں ۔اور بعد حوالہ کے تام ہونے کے محیل مدین سے بری ہو جاتا ہے

اذا تمت الحوالة برئ المحيل من الدين بالقبول۔ (ہدایہ ج۳ ص۱۱۳)

اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ بائع اگر نوٹ گم کردے تو اس کو دوبارہ مشتری پر رجوع کا حق نہیں ۔ اور نہ ہی مشتری اس کا مقروض متصور ہوگا ۔اور زکوٰۃ میں غلہ وکپڑا وغیرہ ادا کرنا جائز ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ اصغر علی عفرلہٗ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

تنخواہ وصول ہونے سے پہلے نصاب میں شمار نہیں ہوگی

ایک شخص کچھ رقم کا مقروض ہے ۔اس سے کم اس کے پاس نقد موجود ہے ۔لیکن مستاجر پر اس کی تنخواہ واجب ہے ۔کیا اس تنخواہ کو جو مہینہ ختم ہونے سے اس کا حق ہو چکی ہے مستاجر پر قرض شمار کرکے صاحبِ نصاب ہونے یا نہ ہونے میں یا مقدارِ زکوٰۃ کا حساب لگانے میں اس کو شمار کیا جائے گا یا نہیں ؟

اور کیا جتنے دن مہینے کے گزر گئے ہوں اتنے دن کی تنخواہ کا بھی حساب لگانا چاہیئے ؟

آفتاب احمد حال وارد خیر المدارس ملتان

الجواب تنخواہ بدلِ منافع ہے اور عبد للتجارت کی اجرت کو دینِ ضعیف یا متوسط سے قرار دیا گیا ہے ۔بلکہ ایک روایت دینِ قوی کی بھی ہے ۔ (کما فی الشامیۃ ، ج ۲ ص ۵۰) ۔

لیکن منافع حر کو مال قرار دینا دشوار ہے لہذا منافع حر کا معاوضہ دینِ ضعیف میں داخل ہوگا ۔ اور دینِ ضعیف کا حکم بعد قبضہ جب کہ دوسرا مال بھی موجود ہو وہی ہے جو مال مستفاد فی اثناء الحول کا ہے ۔ کما فی الشامیۃ ، ج ۲ ص ۴۹ ۔

وهذا كله اذا لم يكن له مال غير الدين فان كان له غير ماقبض فهو كالفائدة فيضم اليه ۔

پس صورتِ مسئولہ میں اختتامِ سال پر تنخواہ کو وصول شدہ تصور کرتے ہوئے نصاب کی تکمیل کا اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ تاوقتیکہ وصول نہ ہو جائے۔ البتہ بعد الوصول دوسرے مال کو ملا کر فوراً نصاب شمار ہو گا۔ جب کہ دوسرا مال موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲/۹/۱۳۸۲ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

پاکستانی دو سو روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں

علمائے چترال نے سونا چاندی نہ ہونے کی صورت میں دو صد پاکستانی روپے پر زکوٰۃ واجب کر رکھی ہے۔ برسوں سے اس پر عمل جاری ہے۔ جب ان سے سند مانگی گئی تو انہوں نے درج ذیل عبارت بطور سند پیش کی۔

وقالوا لو الجی ان الزکوۃ تجب فی الغطارفۃ اذا کانت مأتین لانها الیوم من دراهم الناس وان لم تکن من دراهم الناس فی الزمن الاول وانما یعتبر فی کل زمان عادۃ اهل ذالك الزمان اھ (بحر الرائق ج ۲ - ص ۲۲۷)۔

نوٹ: غطارفہ اس سکہ کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو۔

الجواب دو صد پاکستانی روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بلکہ جب اتنی مقدار کو پہنچ جائے جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جا سکے تب زکوٰۃ واجب ہو گی۔ کیوں کہ ان میں چاندی معدوم ہے تو یہ مثل فلوس ہوئے۔ اور فلوس جب سکہ رائجہ ہو تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جب ان کی قیمت ادنیٰ نصاب کو پہنچے گی تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔ شامی میں ہے۔

فی الشرنبلالیۃ الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکوۃ فی قیمتها والا فلا۔ (ص ۳۲ مصری)۔

اور یہ حکم یعنی معمولی تفاوت کے ساتھ دراہم مغشوشہ کا ہے جن پر کھوٹ غالب ہو۔ جیسے ستو بحر میں ہے۔

ان غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة فينظر ان كانت رائجة او نوى التجارة اعتبرت قيمتها فان بلغت نصابا وجبت فيها الزكوٰة و الّا فلا ۔ اھ (ج ۲ - ص۲۴۵) ۔

الحاصل پاکستانی روپیہ معدوم الفضہ ہو یا مغلوب الفضہ ہو، دونوں صورتوں میں اس کا حکم معلوم ہوگیا اور ولوالجی کا جو قول بحرالرائق سوال میں مذکور ہے ۔ اوّلاً تو وہ مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ ان کی مالیت عہد نبوی کے دو صد اصغر الدراہم سے کم نہ ہو ۔ فتح القدیر میں اس قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے ۔

الا انی اقول ینبغی ان یقید بما اذا کانت لهم دراهم لا تنقص عن اقل ماکان وزنا فی عهده صلی الله علیه وسلم وهی ما تکون العشرة وزن خمسة لانها اقل ما قدر النصاب بمأتین حتی لا تجب فی المائتین من الدراهم المسعودیة الکائنة بمکة وان کانت دراهم قوم ۔ (بحر، ج ۲ ص۲۴۵) ۔

ثانیاً یہ کہ قول ولوالجی مرجوح ہے ۔ بحرالرائق، ج ۲ ، ص ۲۴۵ ۔ پر ہے ۔

" فاما الغطارفة فقیل یجب فی کل مائتین منها خمسة منها عددا لانها من اعز الاثمان والنقود عندهم وقال السلف ینظر ان کانت رائجة او سلعا للتجارة تجب الزکوٰة فی قیمتها کالفلوس وان لم تکن للتجارة فلا زکوٰة فیها لان ما فیها من الفضة مستهلك لغلبة النحاس علیها فکانت کالستوقة و فی البدائع قول السلف اصح ۔ اھ

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غطارفہ میں بھی چاندی ہوتی ہے ۔ گو مغلوب ہو ۔ تو یہ لکھنا درست نہیں کہ غطارفہ اس سکے کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، مفتی خیر المدارس ملتان ، ۲۲ / ۸ / ۱۳۹۸ھ

دینی اداروں کے مخلص و جاں نثار کارکن جب ضعف و پیری کے سبب خدمات سرانجام دینے کے قابل نہ رہیں تو ادارہ زکوٰۃ سے ان کی مستقل امداد کر سکتا ہے

علمائے کرام نے مغلیہ دور کے بعد انگریزی دور میں تقسیم ملک کے بعد پاک و ہند میں ہر قسم کے مصائب و مشکلات کے باوجود تبلیغی اور تدریسی سلسلہ جاری رکھا اور دین کے بقاء کے لئے جانی و مالی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اوّل تو معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر معاوضہ مل بھی گیا تو بہت قلیل مقدار میں لیکن تبلیغِ اسلام اور دینی تعلیم اور تربیت میں خلاء پیدا نہ ہونے دیا اور یہ دینی خدمات محض حسبۃً للہ انجام دیں۔ معاوضہ کے بارے میں نہ کبھی اضافہ کا اظہار کیا، اور نہ کسی کا گلہ کیا۔

بہرحال زندگی بھر رضائے الٰہی کے لئے کام کرتے رہے۔ ایسے مخلص اور ایثار پیشہ لوگ سلف میں تو بہت پائے جاتے ہیں لیکن اس دورِ قحط الرجال میں تو ایسے بزرگوں کا وجود شاذ و نادر ہے۔ تاہم کچھ بزرگ آج بھی موجود ہیں جو دینی درس گاہوں اور تبلیغی اداروں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور قلیل مشاہرے کی وجہ سے پس انداز نہیں کر سکتے۔ اور جب دینی خدمات کے قابل نہیں رہتے اور ضعف و پیری وغیرہ کے سبب کوئی کام بھی نہیں کر سکتے جو اس وقت قوت لا یموت کا ذریعہ بن سکے۔ تو کیا ایسے حالات میں ان علمائے کرام کو جنہوں نے اپنی تمام زندگی دینی درس گاہوں یا تبلیغی اداروں میں کام کیا ہو، اور کام کی نوعیت بھی اکابر کی طرح خلوص و ایثار پر مبنی ہو، اور کام بھی جانفشانی کے ساتھ ہو، اور کوئی اولاد یا قریبی رشتہ دار بھی نہ ہو۔ اور کوئی پس انداز رقم یا جائیداد بھی نہ ہو، جو ان کی ضروریاتِ زندگی کی کفیل ہو سکے۔ اور ان کی حالت بھی دورانِ کام یہ رہی ہو کہ جو مل گیا اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔

آیا ایسے کارکنوں کو ادارہ جس میں انہوں نے زندگی بھر کام کیا ہے۔ از روئے شریعت کسی قسم کی مالی امداد دے سکتا ہے؟ اس کی مقدار کیا ہو اور طریقِ ادائیگی کیا ہو؟

مستفتی : (حضرت مولانا) محمد علی جالندھری (رحمہ اللہ تعالیٰ)
ناظم مرکزیہ مجلس تحفظِ ختمِ نبوت . تغلق روڈ ، ملتان

الجواب صورتِ مسئولہ میں ادارہ ایسے مخلص کارکنوں کی کئی صورتوں سے امداد کرسکتا ہے۔

۱ :- تخفیفِ کار اور تقلیلِ مشاہرہ ۔ یعنی سابقہ کام کی نوعیت تبدیل کرکے شخص مذکور کو ایسا کام دیا جائے جو بآسانی کرسکتا ہو ۔ اور مناسب قلیل مشاہرہ طے کرلیا جائے جو بقدرِ کفایت ہو ۔

۲ :- اگر یہ مبلغ اس قابل بھی نہ ہو ، تو بشرط فقر زکوٰۃ سے اس کی اعانت کی جاسکتی ہے ۔ جبکہ تملیک کرا کے تعمیرات و مشاہرات پر رقم صرف ہوتی رہتی ہیں ۔ اس سے اولیٰ یہ ہے کہ بدون حیلہ زکوٰۃ اپنے مصرف میں صرف ہو جائے ۔

۳ :- ایسے مخلص کارکنان کی کفالت و سرپرستی کی مناسب صورت اور قابلِ تحمل شرح تجویز کرکے اپنے ضوابط و آئین میں اس امر کا اضافہ کرلیں ۔ چندہ دہندگان اور عوام الناس میں جب یہ مشہور و معلوم ہو جائے گا تو اس مد پر خرچ بھی جائز ہو جائے گا ۔ جیسے کہ دوسری مدات میں خرچ کیا جاتا ہے

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۶/۱۱/۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق عفی لہٗ ۲۵/۱۱/۱۳۹۰ھ

صرف بے آباد زمین ملکیت میں ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے

سائل مشتاق احمد ٹانگوں سے معذور ہے کسی قسم کی نقدی اور مال میرے پاس نہیں ہے تھوڑی سی بے آباد زمین ہے جس سے کسی قسم کی آمدنی نہیں ہوتی ، کیا بندہ زکوٰۃ لے سکتا ہے ؟

الجواب سائل کو زکوٰۃ دینا درست ہے ۔ سئل محمد عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة (شامی ج۲ ص۳۳)

نقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ——— الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مزدوری سے جمع شدہ غلہ کو تجارتی غلہ میں شامل نہیں کیا جائے گا

ایک شخص کے پاس ماہ جنوری ۱۹۶۳ء میں نصاب زکوٰۃ کی نقدی جمع ہوگئی۔ مالک نے اس نقدی کا غلہ گندم برائے تجارت لے کر رکھ دیا۔ پھر قبل از حولانِ حول اپنی مزدوری کا جمع شدہ غلہ بیس من ہوگیا۔ اب ماہ جنوری ۱۹۶۴ء میں زکوٰۃ دینی ہے کیا مستفاد غلہ سے بھی زکوٰۃ دینی پڑے گی؟

الجواب مستفادِ مذکورہ (مزدوری کے غلہ) میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگرچہ اسے فروخت کرنے کی بھی نیت ہو۔

"وفی اول الاشباہ ولو قارنت النیۃ مالیس بدل مال بمال لا تصح علی الصحیح۔ (درمختار۔ ج ۲۔ ص۱۳ شامی)۔ پہلے غلہ میں زکوٰۃ واجب ہے۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۳۸۴/۷/۲۵ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نوٹ: ذیل کا جواب اس صورت میں ہے۔ جب کہ مزدوری میں بعینہٖ غلہ حاصل کیا گیا ہو اور اگر مزدوری یا تنخواہ کی رقم سے بغرض تجارت غلہ مستفاد خریدا گیا تو اس صورت میں غلہ مستفاد پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خوب سمجھ لیا جائے۔ فقط

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رہائش کیلئے خریدے ہوئے پلاٹوں کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس اپنے رہائشی مکان کے علاوہ دیگر پلاٹ وغیرہ بھی ہیں۔ جنہیں خریدتے وقت اس کی نیت یہ تھی کہ وہ یہ پلاٹ اپنے بھائیوں یا بچوں میں تقسیم کرے گا۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس کو ان پلاٹوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب مسئولہ پلاٹوں کی مالیت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ اگر اس کی کچھ آمدنی ہو۔ مثلاً کرایہ وغیرہ آتا ہے۔ تو آمدنی میں صاحب نصاب پر سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ درمختار میں ہے۔" ولا فی ثیاب البدن واثاث المنزل ودور

السکنی ونحوها۔

اس پر علامہ شامی رح فرماتے ہیں۔

قولہ و نحوھا ای کثیاب البدن الغیر المحتاج الیھا وکالحوانیت والعقارات اھ (شامیۃ ج ۲ ص۸)۔ وکذافی فتاوی دارالعلوم ۔ج ٦ ۔ص ۱۴۲)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان

نصاب سے کم سونے کو چاندی کیساتھ کیسے ملایا جائے

ایک شخص نصاب چاندی ۵۲½ تولہ کا مالک ہے اور پانچ تولہ سونا علاوہ چاندی کے ہے۔ کیا اس سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا؟ اور زکوۃ ہوگی یا اتنی مقدار سونے پر زکوۃ نہیں ہے؟ احمد یار : دین پور متصل بہاولنگر

الجواب اس سونے کو چاندی سے قیمت کے لحاظ سے ملاکر زکوۃ دی جائے گی۔ یعنی سونے کی قیمت لگاکر اس چاندی میں ملا لیا جائے گا۔

وقیمۃ العروض للتجارۃ تضم الی الثمنین لان الکل للتجارۃ وضعا وجعلا ویضم الذھب الی الفضۃ وعکسہ بجامع الثمنیۃ قیمۃ۔ (درمختار علی الشامیۃ ۔ج ۲ ۔ص ۴۵)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان

کون کون سی اشیاء حوائج اصلیہ میں شمار ہوں گی

۱ :۔ ضروریات زندگی سے زائد سامان جو بقدر نصاب ہو، اس پر صدقہ فطر و قربانی کے وجوب کے فقہاء کرام قائل ہیں اس کی تفسیر کیا ہے۔

۲ :۔ ادائیگی زکوۃ میں تملیک کی شرط پر غالبًا اجماع ہے۔ لیکن مولانا عثمانی رحمہ اللہ ،، وفی الرقاب"

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یا خرید کر آزاد کئے جائیں یا فدیہ دیا جائے ۔ یہ بظاہر اجماع اور کم از کم فقہ حنفی کے خلاف ہے ۔ اس کی توجیہہ سے مطلع فرمائیں ۔

الجواب ۱:۔ ضروری سامان بظاہر وہی ہے جو عام طور پر زیر استعمال رہتا ہے اور اس کے نہ ہونے سے تکلیف ہوتی ہے ۔ مراقی الفلاح میں ہے ۔

وهی مسکنه واثاثه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة اھ

وفي الشامية لا بأس ان يعطى من الزكوة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس اھ ۔ (ج ۲ ۔ص ۸۸)۔

ابن ملک نے حاجت اصلیہ کی تفسیر یہ کی ہے ۔

هی ما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج اليها لدفع الحر والبرد اوتقديرا كالدين ۔ اھ

بہشتی زیور میں ضروری سامان کی تشریح میں لکھا ہے ۔

" اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے " (ج ۳ ص ۳۶) نیز ج ۳ ص ۳۳ پر ہے " رہنے کا گھر پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر اور گھر کی گرہستی جو اکثر کام میں رہتی ہے یہ سب ضروری سامان میں داخل ہیں " اھ

تشریحات بالا سے ظاہر ہے کہ ضروری سامان کی تعریف میں زیر استعمال ہونا اور اس کے نہ ہونے سے تکلیف ہونا ، داخل ہے ۔ اس ضرورت و استعمال سے مراد اضطرار نہیں ، بلکہ نفس حاجت ہے ۔ اور مباح الاستعمال ہونا بھی لازم ہے ۔ ہاں اس میں تقدیر نہیں کفایت کا اعتبار ہے

قال في المراقي والمعتبر فيه الكفاية لا التقدير ۔ اھ

جو اشخاص و حالات کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے ۔ مثلاً ایک کیلئے سائیکل کافی ہے دوسرے کے لئے موٹر کار ضروری ہے ۔ لیکن وجوب اُضحیہ کا مدار قدرت ممکنہ پر ہے ۔ اس لئے اس میں زیادہ توسیع منشاء شارع اور تصریحات فقہاء کے خلاف ہوگی ۔ عبارات فقہاء رحمہم اللہ کا لحاظ ضروری ہے ۔ کپڑوں کے تین جوڑے ضروری ہیں ۔ زائد کو غیر ضروری قرار دیا ہے ۔ کسان کے لئے ایک جوڑا بیلوں کا ضروری ہے ۔ زائد غیر ضروری ہے ۔ اسی طرح اس کے لئے بھینس کو

غیر ضروری زائد قرار دیا ہے۔

رئیس قریہ کے لئے ایک گھوڑا حاجت ہے۔ زائد نہیں۔

یہ جزئیات عالمگیری میں موجود ہیں۔ عبارات بالا اور ان جزئیات میں کہیں اس امر کا نشان نہیں کہ جس سامان کا فقدان باعث عار ہو۔ وہ بھی حوائج اصلیہ میں داخل ہے۔ اس لئے موجودہ معاشرہ میں دلہن کے تمام جہیز مروج کو سامان ضرورت قرار دینا مشکل ہے۔ ہاں جہیز میں اس جیسی دلہن کیلئے جو چیزیں زیر استعمال رہیں گی وہ ضروری ہیں۔ اور اس سے زائد کا حساب کیا جائے گا۔ جو لغرض زینت ونمائش اور تفاخر دی جاتی ہیں۔

علامہ شامی رح لکھتے ہیں۔

وسئلت عن المرأة هل تصير غنية بالجهاز الذى تزف به الى بيت زوجها والذى يظهر مما مرّ ان ما كان من اثاث المنزل وثياب البدن واوانى الاستعمال مما لا بد لامثالها فهو من الحاجة الاصلية وما زاد على ذالك من الحلى والاوانى والامتعة التى يقصد بها الزينة اذا بلغ نصابا تصير به غنية - اھ (ص۸۸/۸۹)

۲:- "وفی الرقاب" کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

۱:- اس سے مراد مکاتب ہیں۔ زکوٰۃ مکاتب کو دی جائے تاکہ وہ بدل کتابت ادا کرسکے۔ اس میں تملیک متحقق ہو جاتی ہے جمہور اسی کے قائل ہیں۔ اور بعض احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲:- عام مراد ہے۔ مکاتب ہو یا دوسرا غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے اس سے بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ امام مالک رح و احمد رح و اسحاق رح اسی کے قائل ہیں۔

" واما الرقاب فروى عن الحسن البصرى ومقاتل ابن حبان وعمر بن عبد العزيز وسعيد بن جبير والنخعى والزهرى وابن زيد انهم المكاتبون وروى عن ابى موسى الاشعرى نحوه وهو قول الشافعى والليث رضى الله عنهما وقال ابن عباس والحسن لا بأس ان تعتق الرقبة من الزكوة وهو مذهب اسحق ومالك واحمد اى ان

الرقاب اعم من ان يعطى المكاتب او يشترى رقبة فيعتقها استقلالاً (ابن كثير، ج ۲، ص۳۶۵)۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانی رح نے یہ مسئلہ ابن کثیر رح سے لیا ہے اور اسی کے مطابق تحریر فرمایا ہے۔ راجح و مرجوح کی بحث سے الگ ہوکر حضرت عام تفسیر فرما رہے ہیں۔ باقی یہ درست ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اعتاق کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ولا الی ثمن ما ای قن یعتق لعدم التملیک ای یعتقه الذی اشتراه بزکوۃ ماله۔ اھ (درمختار و شامی، ج ۲ ص۸۶)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	۱۳۹۵/۵/۲۲ھ

سال کے شروع و آخر میں صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ فرض ہے اگر درمیان میں مال بالکل ختم نہ ہوا ہو

ایک شخص کو ہر مہینہ کے شروع میں زکوٰۃ کے نصاب سے زائد رقم ملتی ہے لیکن اخیر مہینہ میں نصاب سے کم رہ جاتی ہے بالکل ختم نہیں ہوتی۔ اسی طرح سال گزر جاتا ہے۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب جب یہ شخص شروع مہینہ میں صاحبِ نصاب ہوگیا تو اس وقت سے اس کو حساب لگانا چاہئے۔ اگر اس کے پاس آخر سال تک ایسے ہی رقم آتی جاتی رہی لیکن بالکل ختم نہیں ہوتی تو آخر سال میں نصاب کے برابر رقم موجود ہوتی تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔ درمیان میں نصاب کی کمی و بیشی سے فرق نہیں پڑے گا بشرطیکہ کسی وقت مال بالکل ختم نہ ہوا ہو۔ لکن هذا الشرط يعتبر فی اول الحول وآخره لافی خلاله اھ بدائع (ج ۲، ص۱۵)۔ وفيه ولا يعتبر فی هذا النصاب صفة زائدة على كونه فضة الى قوله اذا بلغت مائتی درهم وسواء كان يمسكها للتجارة او للنفقة او للتجمل اولم ينو شيئاً اھ بدائع ص۱۶، ج۲۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۴/۵/۷۰ھ

بندہ محمد صدیق غفرلہٗ
معین مفتی خیر المدارس ملتان

سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ دیتے وقت سونے چاندی کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا یا یوم وجوب کی قیمت کا ؟

ایک شخص کے ذمہ قربانی و زکوٰۃ واجب ہوتی مگر کئی سال گزرنے کے بعد ادا کرنے کا ارادہ کیا اب وہ قربانی کی قیمت اور زکوٰۃ والے سونے کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے تو قیمت یوم الوجوب کی معتبر ہوگی یا یوم الاداء کی ؟ نیز اگر سونا ہی زکوٰۃ میں دیوے تو مثلاً چالیس تولہ سونا میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ ایک تولہ ہوگی۔ دوسرے سال انتالیس ۳۹ تولہ کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔ یا چالیس تولوں کا چالیسواں حصہ ؟ صورت یہی ہے کہ کئی سالوں کی زکوٰۃ اکٹھی ادا کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح قربانی میں مثلاً دس سال کی قربانی اس کے ذمہ ہے۔ تو ایک مکمل گائے کی قیمت اور دوسری گائے کی قیمت کا تین سبع (۳/۷) کافی ہوگا یا نہیں ؟

محمد سرور ، مدرس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

الجواب صاحبینؒ کے نزدیک یوم الاداء کی قیمت لگائی جائے اور امام اعظم رح کے نزدیک یوم الوجوب کی۔ صاحبینؒ کا قول انفع للفقراء ہے اور امام اعظم رح کا قول انفع لصاحب المال ہے۔ کیونکہ آج کل قیمت بڑھی ہوئی ہے۔ اور یوم الوجوب زمانۂ ماسبق میں قیمت کم تھی۔ مستفتی احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو احوط قول صاحبین رح کا ہوگا۔ اثنائی میں چالیس ۴۰ تولہ کی زکوٰۃ میں ایک تولہ نکال کر دوسرے سال انتالیس ۳۹ تولہ کی ۔ وعلی ہذا الیٰ آخرہ نکالنی ہوگی۔

دلیل المسئلۃ الاولی وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء وفی السوائم یوم الاداء اجماعا وھو الاصح ۔ (درمختار ج۲ ص۳۰) ۔

ودلیل المسئلۃ الثانیۃ المفھوم من عبارۃ البحر ودین الزکوۃ

مانع حال بقاء النصاب لانه ينتقص به النصاب۔ (ج ۲ ص ۲۲۰)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۱/۲/۱۳۷۶ھ

حوائج اصلیہ خریدنے کے لئے جمع کردہ روپے میں زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس رہائشی مکان نہیں، سواری کے لئے سائیکل نہیں ہے، جہاد کے لئے اسلحہ نہیں ہے، کاریگر ہے مگر کاری گری کے آلات نہیں ہیں، اس نے کچھ پیسہ جمع کیا تاکہ یہ حوائج اصلیہ خرید سکے۔ ان پیسوں پر اگر یہ نصاب سے زائد ہوں تو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب مذکورہ بالا صورت میں جب کہ یہ پیسے حوائج اصلیہ کے لئے تیار کئے گئے ہوں سال گزرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی" طحطاوی علی مراقی الفلاح " فقہ حنفی کی مشہور کتاب کے صفحہ ۴۳۰ میں ہے۔

فارغ عن الدين وعن حاجته الاصلية كثيابه المحتاج اليها لدفع الحر والبرد وكالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والحرفة اه الى قوله فاذا كان عنده دراهم اعدها لهذه الاشياء وحال عليها الحول لا تجب فيها الزكوة =

رد المحتار جز ثانی میں ہے۔

وفارغ عن حاجته الاصلية وفسره ابن الملك اى فسر المشغول بالحاجة الاصلية والاولى فسرها وذالك حيث قال وهى مايدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى والآلات الحرب والثياب المحتاج اليها لدفع الحر والبرد او تقديرا كالدين فان المديون محتاج الى قضائه بمافى يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذى هو كالهلاك فاذا كان له دراهم مستحقة ليصرفها الى تلك الحوائج صارت

كالمعدومة كما ان الماء المستحق يصرفه لى العطش كان كالمعدوم وجاز عنده التيمم ۔

علامہ شامی رہ کی عبارت کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوۃ واجب نہیں۔ اور اس رقم کو معدوم سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ حوائج اصلیہ میں مستغرق ہے۔

بحر الرائق ، ج ۲ ، ص ۲۰۶ ۔ میں ہے۔

وشرط فراغه عن الحاجة الاصلية لان المال المشغول بها كالمعدوم وفسرها فى شرح المجمع لابن الملك بما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا او تقديرا فالثانى كالدين والاوّل كالنفقة ودور السكنىٰ الخ

اس عبارت کا بھی وہی مقصد ہے جو علامہ شامی رہ کی عبارت میں گزرا ہے۔ غرضیکہ فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے یہی صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوۃ واجب نہیں ہے جس کا مال حوائج اصلیہ ضروریہ میں مشغول ہو۔ اگرچہ اس پر سال گزر جائے۔

البتہ ایسے شخص کے لئے جس کا مال حوائج اصلیہ مذکورہ بالا میں مستغرق ہو زکوۃ کا لینا جائز نہیں جیسا کہ طحطاوی ، ص ۴۳۳ ۔ باب المصرف میں ہے۔

وهو الفقير من يملك مالا يبلغ نصابا او يملكه وهو مستغرق فى حاجته الاصلية فمن تحقق فيه هذا او هذا فهو فقير فقط هذا ما عندى واللّٰه اعلم بالصواب ۔

ہٰذا ہو الحق	محمد شیرین خطیب مسجد شجیاں
ابوالوفاق محمد اسحاق خطیب : ایبٹ آباد	راولپنڈی

مجوزہ استفتار کا جواب متذکرہ بالا بالکل صاف اور صحیح مسائل شرعیہ پر مبنی ہے۔ اور بالکل صحیح اور درست ہے۔ فاضل مجیب نے جن کتب فقہیہ کا حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح فقہ حنفیہ کی دیگر کتب معتبرہ متداولہ تبیین الحقائق ۔ زلیعی فتح القدیر وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک فاضل مجیب مذکورہ بالا فتوٰے دینے میں مصیب وصائب ہے۔

مولوی محمد شعیب ڈسٹرکٹ خطیب مردان نگران ہفت روزہ قیادت مردان

الجواب صحیح والمجیب مصیب ۔ محمد یوسف کان اللہ لہٗ مفتی دارالعلوم اکوڑہ خٹک پشاور

جو مال حاجتِ اصلیہ میں مستغرق ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ۔

عبدالشکور غفرلہٗ مفتی جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک

ہذا ہو الحق وما ذا بعد الحق الا الضلال ۔ عبدالواحد خطیب صدر راولپنڈی ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایسا روپیہ جو نصاب کو پہنچا ہو یا نصاب سے زائد ہو اگر کسی شخص نے اس نیت سے جمع کر رکھا ہو کہ وہ اس روپیہ کو حوائج اصلیہ میں صرف کرے گا لیکن ابھی تک حوائج اصلیہ میں صرف کرنے نہیں پایا تھا کہ حولانِ حول ہو گیا تو اس روپیہ کے اندر وجوب زکوٰۃ میں اختلاف ہے ۔ راجح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جیسا کہ علامہ شامی رحمہ نے اسی کو ترجیح دی ہے ۔ صاحب بحرالرائق و بدائع اور صاحب ہدایہ وغیرہ جمہور کا مسلک یہی ہے لہذا جواب محررہ بالا سے ہمیں اختلاف ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ / ۱۲ / ۱۳۷۶ھ

مالِ مضاربت میں زکوٰۃ کے مسائل

زید نے عمرو کو کچھ رقم بطورِ مضاربت دی ۔ اب اس کے متعلق چند سوالات کا جواب مطلوب ہے ۔

۱ :۔ کیا زکوٰۃ صرف رب المال پر عائد ہوگی یا مالِ تجارت پر قبل از تقسیم منافع عائد ہوگی ۔ اور حصہ رسدی اس میں سے عمرو بھی ادا کرے گا ۔ ؟

۲ :۔ اگر تجارت میں بالفرض سارا پیسہ نہ لگایا جاتے اور رب المال نے ساری رقم کارکن کے سپرد کر دی ہو تو جو رقم تجارت میں لگی ہوئی نہیں ہے اور کارکن کے قبضہ میں ہے کیا اس کی زکوٰۃ مشترک ہوگی یا صرف رب المال پر یا صرف کارکن پر ؟

الجواب اگر مضاربت میں نفع نہیں ہوا صرف راس المال ہی ہے تو اس کی زکوٰۃ صرف رب المال پر واجب ہے ۔ مضارب پر نہیں ۔ اور اگر نفع ہو چکا ہے تو راس المال کی زکوٰۃ صرف رب المال پر واجب ہوگی ۔ اور منافع کی زکوٰۃ علی قدر الحصص دونوں پر ہوگی ۔ لیکن

رب المال کا حول رأس المال کے وقت سے شروع ہوگا۔ درمیان سال میں جو نفع ہوتا رہا وہ رأس المال کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا۔ اور مضارب کا حول اس وقت سے شروع ہوگا جبکہ نفع مقدارِ نصاب کو پہنچا۔ وہاں سے اس کا حول شروع ہوگا۔ کما ھو المفھوم من قواعد الفقہاء۔

۲: صرف رب المال پر۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ: ۹ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

مختلف اموال ملک میں ہوں تو سب کی قیمت لگا کر مجموعہ سے اداکرے

میں جوتوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ باہر اور ملتان سے مال خرید کر پرچون میں فروخت کرتا ہوں۔ دوکان میں اچھا اور پرانا سبھی قسم کا مال رکھتا ہوں۔ زکوۃ نکالنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔؟

المستفتی: محمد عبدالحفیظ مالک پاک شو سٹور ملتان چھاؤنی

الجواب: دوکان میں جتنا مال موجود ہے اس کی قیمت لگا کر رقم مشخص کر لی جائے اس میں مزید نقدی اور زیورات وغیرہ (اگر ہوں) کی قیمت، نیز جو آپ نے قرضہ جات لینے ہیں ان سب کو جمع کر لیا جائے۔ پھر اس مجموعی رقم سے چالیسواں حصہ بطور زکوۃ نکال دیں۔ اگر کوئی قرضہ آپ کے ذمہ ہو تو یہ قرضہ مندرجہ بالا رقم مجموعی سے وضع کرکے پھر زکوۃ کا حساب لگایا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

پراویڈنٹ فنڈ میں زکوۃ نہیں ہے

بندہ ایک ریلوے ملازم ہے اور بندہ کو زکوۃ کے بارے میں مندرجہ ذیل فتویٰ درکار ہے۔

۱: ہر ریلوے ملازم کے مستقل ہو جانے کے بعد پراویڈنٹ فنڈ ہر ماہ تنخواہ سے لازماً کاٹ لیا جاتا ہے اور اس فنڈ کو ملازم اپنی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے سے پہلے واپس نہیں لے سکتا۔ کیا ایسی رقم پر زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگی؟ البتہ ہر سال جتنی رقم کٹ جاتی ہے اس کا میزانیہ بتلا دیا جاتا ہے۔

۲ :۔ آج کل بیمہ کمپنیاں زندگی وغیرہ کا بیمہ کرتی ہیں اور ماہانہ یا سہ ماہی قسط وصول کرتی ہیں۔ کیا بیمہ کرانا جائز ہے ؟

۳ :۔ کیا بیمہ شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ رقم بیمہ کی مدت ختم ہونے سے قبل نہیں مل سکتی۔

۴ :۔ حکومت ہر ریلوے ملازم کو ریٹائرڈ ہونے کے بعد مذکورہ بالا پراویڈنٹ فنڈ کے علاوہ بونس (حق ملازمت) اور دونوں کا زائد سود بھی دیتی ہے۔ کیا یہ سود لینا جائز ہے ؟ اگر لیا جائے تو کیا مصرف ہے ؟

الجواب پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ نہیں۔

۲ :۔ بیمہ زندگی کرانا جائز نہیں ہے دو وجہ سے۔ (الف) یہ سود ہے۔ (ب) یہ قمار وجوا ہے۔ اور یہ دونوں حرام ہیں۔

۳ :۔ اس رقم پر زکوٰۃ ہے۔ ۴ :۔ پراویڈنٹ پر بونس کا ملنا اور وصول کرنا جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ

عشر ادا کرنے کے بعد غلہ بیچا تو اس کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

فصل کا عشر نکال دیا گیا باقی جنس فروخت کردی گئی تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

عبدالباری خان احمد پور شرقیہ

الجواب اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ اس پر سال گزر جائے۔ یا کسی دوسری رقم پر سال گزر جائے جو اس شخص کے پاس پہلے سے موجود ہو۔ ففی البدائع او کان له طعام فادی عشره الخ ثم باعها یضم الی اصل النصاب اھ (ج ۲ ص۱۴)

فقط واللہ اعلم : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

سونا چاندی جس شکل میں بھی ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے

کیا سونے کی کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ جس میں زکوٰۃ نہ آئے اور استعمال میں آنے والے سونے کا کیا حکم ہے۔ آیا اس پر زکوٰۃ آتی ہے یا نہیں ؟ اور کتنی مقدار سونے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ؟

الجواب احناف کے نزدیک استعمال کے زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کہ نصاب کو پہنچ جائیں۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے۔ اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔ لیکن یہ نصاب اس صورت میں ہے جب کہ صرف سونا یا صرف چاندی ہو۔ دونوں موجود ہونے کی صورت میں یا ان کے ساتھ کچھ نقدی ہو تو پھر مجموعہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔

درمختار میں ہے۔ و معموله ولو تبرا او حليا مطلقا مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقة لانهما خلق اثمانا فيزكيهما كيف كان (شامی، ج ۲، ص ۔)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۵/۶/۱۴۰۶ھ

رائج الوقت سکہ ½ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے

زید کے پاس پانچ نوٹ ہزار ہزار کے موجود ہیں جن پر حولانِ حول بھی ہو چکا ہے۔ زید کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ کیوں کہ نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت ہے جب کہ اس سے ½ ۵۲ تولہ چاندی خریدی جا سکے لہذا جب اتنی مقدار کے نہیں تو زکوٰۃ بھی نہیں۔

لیکن عمرو کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ ہو گی۔ کیوں کہ سونا چاندی کی تعیین اس زمانے کے ساتھ خاص تھی جب کہ درہم و دنا نیر تھے۔ اس زمانے میں وہ نہیں، اس لئے نوٹوں پر زکوٰۃ ہو گی۔ ارشاد فرمائیں کہ کس کی بات صحیح ہے۔

الجواب رائج الوقت سکہ جب ادنیٰ مقدارِ نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی اور خود زید کے کہنے کے مطابق بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے۔ کیونکہ پانچ ہزار روپیہ (۵۰۰۰) ½ ۵۲ تولہ چاندی کی مالیت سے کہیں زیادہ ہے۔ اور نوٹوں کا اپنا کوئی نصاب نہیں۔ بلکہ ان کی مالیت کا اعتبار ہے۔ چاندی، سونے کی مالیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور نوٹوں کی مالیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

الفلوس ان كانت اثمانا رائجة او سلعا للتجارة تجب الزكوة في قيمتها والا فلا۔ (شامی ج ۲ ص ۔) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہٗ مدرس خیر المدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۲۰-۱۰-۱۳۹۸ھ

ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ نہیں

ایک دوکاندار نے برائے تجارت شامیانے قناتیں دسترخوان، کرسیاں، میز اور دیگیں ٹب، ڈش پلیٹیں، ڈونگے، جگ اور گلاس، چمچے چھوٹے اور بڑے، دریاں، یعنی ٹینٹ ہاؤس کا سالم سامان برائے شادی بیاہ، کرایہ کے لئے دوکان کھولی ہے۔ تو کیا اسکی آمدنی پر زکوٰۃ ہے یا کہ سالم سامان کی قیمت کرکے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ کیوں کہ سامان کرایہ پر چلنے سے پرانا ہوگا۔ اور اگر سالم قیمت پر زکوٰۃ ہے تو مالک سامان بظاہر نقصان میں ہوگا۔

الجواب ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ اس سے ملنے والی آمدنی پر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔ ولو اشتری قدورا من صفر يمسكها ويواجرها لا تجب فيها الزكوة كما لا تجب في بيوت الغلة - (ج ۱، ص۹۲)۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۸/۹/۱۴۰۸ھ

اقل نصاب وزن دو صد درہم از نقرہ است

چہ مے فرمایند علمائے کرام و مفتیان عظام دریں مسئلہ مہمہ۔ درہم شرعی کہ دو صد درہم از آں نصاب وجوب زکوٰۃ و دہ ہزار درہم دیت قتل خطا است آیا معیار خاص دارد کہ کمی و بیشی را دراں راہ نیست یا اینکہ باعتبار ہر زمان و ہر مکان باتفاوت قیمت نقرہ متفاوت میگردد۔

در امداد الفتاوی، جلد دوم ص ۶۔ کتاب الزکوٰۃ می آرد کہ دو صد درہم ۵۲ تولہ نقرہ میشود پس اگر قیمت آں باعتبار ہر زمان و مکان است۔ پس فی الحال دریں ولایت ما یک تولہ نقرہ با ۳ روپیہ نوٹ برابر است۔ پس بایں حساب ۵۲½ تولہ نقرہ کہ نصاب زکوٰۃ است برابر ۱۵۶ روپیہ نوٹ مے شود و دہ ہزار درہم کہ دیت قتل خطا است ۲۶۰۰ تولہ نقرہ و آں برابر ۷۸۰۰ روپیہ

نوٹ سے شود واگر قیمت را اعتبار نیست وتولہ نقرہ با روپیہ برابر حساب سے شود پس دو صد درہم نصاب زکوۃ کہ ۵۲ تولہ نقرہ است ۵۲ روپیہ نوٹ سے شود و دہ ہزار درہم کہ دیت قتل خطاء است بآن حساب مذکور ۲۶۰۰ تولہ نقرہ سے شود پس دیت ہم ۲۶۰۰ نوٹ سے شود ۔ درالجوہرۃ النیرۃ کتاب الدیات ص ۱۹۳ می آرد ۔

قال ابو یوسف ومحمد ومن البقر مائتا بقرۃ ومن الغنم الفا شاۃ الخ

پس اگر در بقر وغنم قیمت ہر زمان و ہر مکان اعتبار کردہ شود فعلاً قیمت یک گاؤ دریں ولایت تقریباً ۵۰۰ روپیہ است کہ مجموع قیمت دو صد گاؤ صد ہزار روپیہ سے شود وہم چنیں قیمت یک گوسفند ۵۰ روپیہ کہ مجموع قیمت دو ہزار گوسفند صد ہزار روپیہ سے شود ۔ خلاصہ اینکہ درباره تحقیق قیمت درہم شرعی ومقدار نصاب زکوۃ ومقدار دیت خطاء از نوٹ مروج وقت ہرچہ تحقیق علمائے کرام ومفتیان عظام است تحریر فرمایند کہ موضوع خیلے مہم ومشکل است چراکہ درہم شرعی فعلاً موجود نیست و در تمام معاملات تقویم اشیاء مروج شدہ است۔

(مولانا) عبدالعزیز خطیب جامع مسجد زاہدان ۔ ایران

الجواب باید دانست کہ درہم عبارت از مخصوص قطعۂ نقرہ معلومۃ الوزن است وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایں دو صد قطعات نقرہ را نصاب زکوۃ مقرر فرمود ووزن ایں قطعہ درعہد رسالت معروف بود ۔ وحضرات فقہاء ایں وزن را ضبط کردہ اند ۔ علماء محققین تحقیق کردہ فرمودہ اند کہ بہ حساب اوزان رائج الوقت ½ ۵۲ تولہ نقرہ سے باشد پس گویاکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نصاب زکوۃ از نقرہ ½ ۵۲ تولہ را تعیین فرمودہ اند ۔

پس ایں مقدار نقرہ برائے نصاب زکوۃ معیارے است کہ کمی وبیشی را دران ہیچ راہ نیست نیز معلوم گشت کہ نصاب نقرہ ½ ۵۲ تولہ نقرہ است نہ کہ ۵۲ نوٹ و روپیہ نعم در نوٹ زکوۃ واجب است ۔ لیک در وجوب زکوۃ قیمتش اعتبار کردہ شود ۔ یعنی چوں در ملک کسے جمع آیند کہ از قیمتش ½ ۵۲ تولہ نقرہ خرید تواں کرد بعد حولان حول زکوۃ درآنہا واجب شود ورنہ واجب نہ شود وہم چنیں در دیت باید فہمید کہ معتبر درآں وزن دہ ہزار درہم نقرہ است کہ مساوی ۲۶۰۰ تولہ باشد ایں مقدار از نقرہ یا قیمتش از نوٹ در دیت ادا کردن واجب

است نہ دہ ہزار درہم روپیہ نوٹ دلبس۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
شیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۸-۱۱-۱۳۸۶ھ

سفراء کو زکوٰۃ کے پیسے سے قبل از تملیک تنخواہ دینا درست نہیں

اور سفیر کو عامل پر قیاس کرنا صحیح نہیں

ایک سفیر جو ادارے کا تنخواہ دار ہے۔ ادارہ اس کو چندہ وغیرہ وصول کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ وہ مختلف جگہوں سے زکوٰۃ وعشر وغیرہ کے پیسے ادارہ کے لئے جمع کرتا ہے۔ تو کیا یہ تملیک سے پہلے اس رقم سے تنخواہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ میں نے (فتاوی دارالعلوم ج ا ص ۷۹)۔ میں پڑھا ہے کہ زکوٰۃ سے کسی سفیر کو تنخواہ دینا جائز نہیں اور وہ عاملین علیہا میں داخل نہیں۔

الجواب قبل از تملیک مال زکوٰۃ سے سفیر کو تنخواہ دینا درست نہیں۔ جیسا کہ "فتاوی دارالعلوم" میں تحریر ہے۔ اور سفراء کو عاملین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ عاملین صدقات فقراء کے وکیل ہوتے ہیں اور سفراء اصحاب اموال کے وکیل ہوتے ہیں۔ نیز بعد از حیلہ تملیک اسے مال زکوٰۃ کہنا ہی درست نہیں۔

لانہ یتبدل الحکم بتبدل الملک۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۲۰/۱۱/۱۳۹۸ھ

ارباب مدارس مطبخ اور وظائف وغیرہ میں صدقات

واجبہ احتیاطاً بدون تملیک استعمال نہ کریں!

ایک بچے کے والدین زکوٰۃ دینے کے قابل ہیں۔ اور وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ اور ان کا بچہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ یعنی اپنے شہر سے کہیں دوسرے شہر میں گیا ہوا ہے۔ تو وہ طالب علم

مدرسہ سے کھانا اور کپڑا ، وظیفہ بھی لیتا ہے ۔کیا یہ چیزیں اس کے لئے لینا جائز ہیں ؟

الجواب جس طرح غنی صدقاتِ واجبہ کا مصرف نہیں ایسے ہی غنی کی نا بالغ اولاد بھی صدقاتِ واجبہ کا مصرف نہیں ۔ لہٰذا اگر یہ اشیاءِ ثلاثہ (کھانا ، کپڑا ، وظیفہ) صدقاتِ واجبہ سے دی جاتی ہیں اور وہ بچہ نابالغ ہے تو لینی درست نہیں ۔ اگر وہ بچہ بالغ ہے اور صاحبِ نصاب نہیں تو لے سکتا ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ اشیاءِ مذکورہ مدرسہ میں تملیک کے بعد استعمال کی جائیں ۔ تاکہ سبھی مستفید ہوسکیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۹/۱/۱۴۰۱ھ

تملیک کی بہتر صورت

ایک مدرسہ میں عطیات وغیرہ سے کام نہیں چلتا ۔ تو ارادہ ہوا کہ صدقاتِ واجبہ بھی لئے جائیں ۔ اور ان سے تنخواہیں پوری کی جائیں ۔ زید کہتا ہے کہ تملیک وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ۔ بلا تملیک تنخواہ دینا جائز ہے بکر کہتا ہے کہ تملیک کے ساتھ بھی جائز نہیں ۔ عمرو کہتا ہے کہ شرعی تملیک سے تو جائز ہے ورنہ نہیں ۔ تملیک کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی صاحب جو مستحقِ زکوٰۃ ہوں اس سے مدرسہ کے لئے چندہ لیا جاتا ہے ۔ اس کے پاس نہ ہو تو وہ قرض لے کر دیتا ہے ۔ پھر اس کو زکوٰۃ کے پیسے دے دیئے جائیں ۔ یا وہی زکوٰۃ کے پیسے دیں اور وہ اپنی خوشی سے مدرسہ کو دے دے ، کیا حکم ہے ؟

محمد صدیق ؛ انوار العلوم جھنگ صدر

الجواب عمرو کا قول صحیح ہے ۔ اور تملیک کی پہلی صورت اختیار کی جائے ۔ ” وحیلۃ التکفین بھا التصدق علی الفقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی بناء المسجد ۔ (درمختار) ۔

اور فتاوٰی دار العلوم جدید ، جلد ۶ ص ۱۰۴ میں اسی حیلہ سے زکوٰۃ وغیرہ کو تنخواہوں میں صرف کرنا جائز لکھا ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲/۱۲/۱۳۹۴ھ

کپاس میں بھی عشر واجب ہے

فتاویٰ عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ کپاس میں عشر نہیں ہے۔ نیز یہ بھی بتلائیے کہ کن فصلوں پر عشر ہے اور کن پر نہیں ؟

۲ :- جو زمین ٹھیکے (مستاجری) پر دی گئی ہو، اس کا عشر مالک پر ہے یا اس کو کاشت کرنیوالے پر؟ ½ یا ½ ہوگا جب کہ زمین نہری ہو۔ اور کاشت کار کو ٹھیکہ ادا کرنے کے بعد بھی کافی منافع حاصل ہوتا ہے۔

الجواب

۱ :- کپاس روئی وغیرہ میں بالاتفاق زکوٰۃ وعشر واجب ہے۔ البتہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا مقدار نصاب میں اختلاف ہے۔

قال ابو یوسف رح فیما لا یوسق کالزعفران والقطن یجب فیہ العشر اذا بلغت قیمتہ خمسۃ اوسق من ادنیٰ ما یوسق الخ و قال محمد رح ویجب العشر اذا بلغ الخارج خمسۃ امداد من اعلیٰ ما یقدر بہ نوعہ۔ (ھدایہ۔ ج ۱۔ ص ۱۸۴)۔

اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ روئی وغیرہ میں عشر واجب ہے۔ امام اعظم رح کے نزدیک ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جس کو زمین اگائے۔

لقولہ علیہ السلام ما اخرجت الارض ففیہ العشر (ھدایہ ج ۱ ص ۱۸۳)۔

فتاویٰ عالمگیری میں شجر قطن کی نفی ہے ثمر قطن یعنی کپاس کی نفی نہیں ہے۔ (ج ۱ ص ۹۵)۔

۲ :- اللباب ص ۵۵۔ پر ہے کہ۔

العشر علی المؤجر کالخراج الموظف و قالا علی المستأجر قال فی الحاوی وبقولھما نأخذ اقول لکن الفتوی علی قول الامام وبہ افتی الخیر الرملی والشیخ الاسماعیل الحائک وحامد افندی العمادی وعلیہ العمل لانہ ظاھر الروایۃ ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مالک پر واجب ہوگا کیونکہ مکمل ٹھیکہ وصول کر لیتا ہے نہری زمین میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ادا کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عشر کل پیداوار سے دیا جائے

ایک آدمی نے گندم اٹھائی ایکڑ بیجی اور اس کی گندم کل چالیس من ہوئی۔ اور اس نے پھر حساب لگایا۔ مزدوری سات من اسی وقت نکل گئی۔ کھاد، بجائی اور ٹریکٹر کا خرچ، سولہ من گندم وہاں خرچ ہوئی۔ نقد پیسے اور آب پاشی بھی آئے گی۔ پھر اس گندم کا عشر کیسے نکالا جائے۔

الجواب مذکورہ زمین کی کل پیداوار سے نصف عشر ½ بطور عشر دیا جائے۔

ویجب نصفه فی مسقی غرب و دالیة بلا رفع مؤن ای کلف الزرع۔ (درمختار علی الشامیة۔ ج ۲۔ ص ۶۹)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

نابالغ کی جائیداد میں بھی عشر واجب ہوگا

نابالغ کی جائیداد میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب نابالغ کی مملوکہ زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا۔ وفی الشامیة ویجب مع الدین وفی ارض صغیر اھ۔ (ج ۲ ص ۶۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۴-۲-۱۳۹۸ھ

لانی میں عشر نہیں

ہمارے علاقہ میں خودرو پودا ہوتا ہے جس کو لانی کہتے ہیں۔ اس سے کپڑے دھونے کی کھار بناتے ہیں اور کافی آمدنی ہوتی ہے۔ تو کیا اس کھار پر عشر ہے یا نہیں؟

الجواب چونکہ عام طور پر اسے کاشت نہیں کیا جاتا، اور اس کے ذریعہ سے زمین کی آمدنی مقصود نہیں ہوتی۔ لہذا اس میں عشر نہیں۔

الا فیما یقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان اھ

(درمختار علی الشامیۃ ۔ج۲ص ۶۸)۔

البتہ اگر کسی کی زمین میں مستقل پودے ہوں اور وہ ان کی حفاظت کرتا ہو، گوڈی وغیرہ کرتا ہو پک جانے پر کھار تیار کر کے بیچتا ہو تو اس پر عشر آنا چاہیئے۔

وفی الدر المختار حتی لو اشغل ارضہ بھا۔ (ای بالمذکورات) یجب العشر اھ (درمختار علی الشامیۃ ۔ج۲ص۶۸)۔ فقط

الجواب صحیح	واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۱/۷/۱۴۰۰

باغ کا پھل خریدنے کی صورت میں عشر بائع پر ہوگا یا مشتری پر

زید اپنے باغ کا میوہ ایسے وقت میں فروخت کرتا ہے کہ جب ظاہر ہو چکا ہوتا ہے مگر ابھی تک پختہ نہیں ہوا۔ اور فروخت کے وقت کوئی شرط نہیں لگاتا کہ بائع کے درختوں پر مشتری کا میوہ پختہ ہونے تک چھوڑا جائے گا بلکہ عقد مطلق ہوتا ہے۔ البتہ بائع خود مشتری کا میوہ پکنے تک اپنی رضا سے چھوڑ دیتا ہے۔ تو اس صورت میں میوہ کا عشر بائع پر ہے یا مشتری پر؟ اگر مشتری پر ہے جیساکہ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

"۔ ولو باع الزرع قبل ادراکہ فعشرہ علی المشتری والا فعلی البائع"

تو بائع کو اس رقم کی زکوٰۃ کب ادا کرنی پڑے گی۔ اور اگر بائع کے پاس اس مبلغ سے پہلے بھی کچھ رقم تھی تو کیا اس میوہ والی رقم کو ساتھ ملا کر مال مستفاد کے طور پر زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

عبدالواحد، ملتان

الجواب صورت مسئولہ میں عشر مشتری پر ہے جیساکہ جزئیہ مسطورہ سے معلوم ہوا اور اور بدائع الصنائع سے بھی۔ البتہ مشتری کو چاہیئے کہ وہ خریدتے وقت یہ خیال کرے کہ عشر کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور اتنی مقدار ثمن کم مقرر کرے۔ مشتری سے وصولی درحقیقت بائع سے ہی وصولی ہے۔ کیونکہ مشتری سے جب حکومت جبراً عشر وصول کرلے گی تو لازماً خریدتے وقت وہ یہ گنجائش رکھ کر خریدے گا کہ مجھے عشر بھی ادا کرنا ہے اور ثمن کم لگا دے گا۔

۲ ۔ بائع اس رقم کو سابقہ نقدی کے ساتھ ملا کر مالِ مستفاد کے طور پر زکوٰۃ ادا کرے گا اس کے لئے الگ سال پورا کرنے کی ضرورت نہیں ۔ بلکہ جب عشر بائع پر ہو تو ادائے عشر کے بعد جو ثمن ملے گا یہ بھی مالِ مستفاد کی طرح اصل نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا۔

" ولو کان لہ عبد للخدمۃ فادی صدقۃ فطرہ او کان لہ طعام فادی عشرہ ...... ثم باعہا یضم ثمنہا الی اصل النصاب "

(بدائع ج۲ ص۱۴) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ، ۲۹/۱۱/۱۳۹۸ھ

بھوسہ میں عشر ہے یا نہیں

بھوسہ میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب اس میں تفصیل ہے ۔ اگر زمین میں گندم کی کاشت بھوسہ حاصل کرنے کے لئے ہی کی گئی ہے تو پھر اس میں عشر ہوگا ۔ اور اگر کاشت گندم حاصل کرنے کے لئے کی تھی لیکن ساتھ ہی بھوسہ بھی برآمد ہوا تو گندم میں عشر ہوگا بھوسہ میں نہیں ۔

لما فی الشامیۃ والبحر (قولہ وتبن) بالباء الموحدۃ قال فی الفتح غیر انہ لو فصلہ قبل انعقاد الحب وجب العشر فیہ لانہ صار ہو المقصود۔ وعلی ہذا کل ما لا یقصد بہ استغلال الارض لا یجب فیہ العشر مثل السعف والتبن ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق عفرلہ
بندہ محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم ملتان	الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵/۷/۱۳۷۹ھ

عشر میں نصاب نہیں ہے

۱ ۔ پیداوار غلہ پر عشر کتنی مقدار پر واجب ہے ؟ پیداوار کی کوئی حد وزن پیمانہ بھی مقرر ہے یا جتنا غلہ

پیدا ہو سب پر عشر واجب ہے ؟

۲ :- تمام پیداوار پر عشر واجب ہے یا مزارع وغیرہ کے اخراجات اور دیگر اخراجات نکال کر دیا جائے ؟ حافظ محمد یوسف تونسہ ڈی جی خان ۔

الجواب ۱ :- پچیس من غلہ پر عشر واجب ہے ۔

۲ :- عشر زمیندار پر ہے ۔ پچیس من غلہ جب نکلے پہلے عشر نکالا جائے باقی اخراجات بعد میں نکالے جائیں گے ۔ فقط واللہ اعلم

قاضی ڈیرہ غازیخان

الجواب :- ۱ :- امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک عشر میں نصاب نہیں ہے ۔ جملہ پیداوار پر عشر واجب ہے ۔ لقولہ علیہ السلام ما اخرجت الارض ففیہ العشر ۔ (ھدایہ ج ۱ ۔ ص ۱۸۳) ۔

۲ :- مزارعت کی صورت میں زمیندار پر عشر اس کے حصہ میں آنے والی پیداوار پر آئے گا اس حصہ سے دیگر اخراجات وضع کرنے سے پہلے عشر ادا کرے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۱۱ / ۲ / ۱۴۰۰ ھ

جن زمینوں کا آبیانہ دیا جاتا ہو ان میں ۱/۲۰ واجب ہوگا

عرصہ تقریباً ۷۵ سال گزر چکا ہے کہ لائل پور کی زمین گورنمنٹ برطانیہ نے کچھ سستی اور کچھ گراں قیمت پر لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دی تھی ۔ کیا اس زمین میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟ جبکہ حکومت آبیانہ اور مالیہ دونوں قسم کے مطالبات وصول کرتی ہے ۔

مولوی عبدالغنی نائب مہتمم مدرسہ ربانیہ ضلع لائلپور

الجواب آبیانہ اور مطالبہ مال کی ادائیگی کی وجہ سے ان زمینوں کے عشری ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا ۔ البتہ ان زمینوں میں جب کہ مشقت اور محنت زیادہ ہوتی ہے دسویں حصے کی بجائے بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا ۔ لان العلۃ فی العدول عن العشر

الی نصفه فی مسقی غروب و دالیة هی زیادة الکلفة کما علمت وهی موجودة فی شراء الماء اھ (شامیة ج ۲ ص ۶۶)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان	بندہ محمد اسحاق عفرلہ ۲۸ / ۱۲ / ۱۳۸۴ھ

قرض وجوبِ عشر سے مانع نہیں

س مالکِ زمین یا مزارع مقروض ہے تو وہ زمین کی پیدا وار سے قرض ادا کرے یا عشر؟

الجواب قرض وجوبِ عشر سے مانع نہیں۔ اس کے باوجود ہر ایک اپنے حصہ پیدا وار کا عشر ادا کرے۔ ولا یمنع الدین وجوب عشر و خراج وکفارة اھ (در مختار علی الشامیة ۔ج ۲ ص ۷۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	اصغر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ / ۷ / ۱۴۰۰ھ

قدرتی پانی سے سیراب کھیتوں میں ۱/۱۰ واجب ہے

س چترال میں گرمیوں کے موسم میں برف کا پانی ندیوں اور وادیوں میں بہتا ہے۔ لوگ ان سے نہریں نکالتے ہیں اور اپنی اراضی کو پانی دیتے ہیں۔ یہ نہریں ایک فرلانگ لمبی، کہیں میل کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں۔ پھر سردیوں میں یہ نہریں خراب ہو جاتی ہیں تو لوگ بعض جگہ تقریباً بیس ۲۰ دن تک ان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں پھر اس نہر میں پانی جاری کرنے کے بعد تقریباً ۱½ ماہ تک دو آدمی نہر کی دیکھ بھال کرتے ہیں تاکہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ اب اس پانی سے جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں ان میں عشر ہوگا یا نصفِ عشر۔ درمختار وغیرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشر ضروری ہے۔ جب کہ حکومت آبیانہ وغیرہ بھی نہیں لیتی۔

مولوی فضل مولیٰ ۔ چترال

الجواب آپ کی اراضی میں عشر ہی واجب ہوگا۔ چند دن نہر کی کھدائی میں لگ جائیں اور پھر دو ماہ تک اس سے سیرابی ہوتی رہے تو اسے مؤنتِ کبیرہ قرار نہیں دیا جا سکتا

خصوصًا جب کہ آپ کے ہاں سابقہ تعامل بھی عشر ہی کا ہے ۔

وتجب فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنھر اھ

معلوم ہوا کہ نہر سے سیراب شدہ فصل پر عشر ہوگا۔ اور اس کی عمومی صورت یہی ہوتی ہے کہ نالی کاٹ کر لائی جاتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱/۱/۱۳۹۵ھ

تھل (ضلع میانوالی) کی زمینیں عشری ہیں

زید نے آج سے تقریبًا بارہ ۱۲ سال قبل حکومت اسلامیہ پاکستان سے ضلع میانوالی میں چار مربع زمین بسلسلہ آبادکاری اجرت (قیمتًا) لی تھی مگر قیمت ابھی تک ادا نہیں کی گئی ۔ بلکہ ہر سال بارہ ۱۲ روپے ایکڑ کے بدلہ میں حکومت کو ادا کرتے ہیں ۔

۱:۔ تو کیا یہ زمین عشری ہے یا خراجی ؟

۲:۔ اگر خراجی ہے تو عشر ادا کیا جائے یا نہیں ؟

۳:۔ اگر خراجی ہے تو مالیہ بارہ روپے فی ایکڑ کی صورت میں جو حکومت لے رہی ہے اس کی کیا صورت ہوگی ۔ یہ خراج ہے یا عشر مستقل دینا پڑے گا ۔؟

۴:۔ اب تک اس زمین کو عشری سمجھ کر جو عشر ادا کیا گیا اس کی بنا پر علاقہ کے غرباء میں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ یہ لوگ عشر دینے والے ہیں ۔ اب عشر چھوڑنے کی صورت میں اس کا کیا ہوگا ؟ اگر اراضی عشریہ اور خراجیہ کی شرائط بھی بیان فرمادیں تو مہربانی ہوگی ۔

۲:۔ اسی طرح فیصل آباد اور بخشن خان تحصیل چشتیاں میں کچھ زمین آباء و اجداد کے ورثہ میں ملی ہے ۔ اس کا کیا حکم ہے ؟ وہ عشریہ ہے یا خراجیہ ؟

۳: اراضی خراجیہ کی صورت میں اگر حکومت خراج نہ لے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ۱:۔ غور کرنے سے یہی معلوم ہوا کہ یہ زمین عشری ہے ۔ جب کہ بارانی ہو یا ٹیوب ویل یا حکومت پاکستان کی نکالی ہوئی نہروں سے سیراب کیا جاتا ہو۔ کیوں کہ یہ سب عشری پانی ہیں ۔ اور مالک بھی مسلمان ہیں ۔ اور "الیق بحال المسلم" عشر ہی ہے ۔ بے آباد زمینوں

کے بارے میں ضابطہ یہ لکھا ہے کہ - اگر انہیں حکومت کی اجازت سے آباد کیا جائے تو امام ابو یوسف رح کے نزدیک لہٰذا یہ قریبی زمینوں کا حکم دیا جائے گا - اگر عشری کے قریب ہے تو عشری - اور اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی - جب کہ آباد کرنے والا مسلمان ہے -

اور امام محمد رح کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے - اگر عشری پانی سے اس زمین کو سیراب کیا جاتا ہے تو عشری ہے ورنہ خراجی - جیساکہ ہدایہ و درمختار وغیرہ میں مصرح ہے -

اور ایک مقام پر مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ لکھتے ہیں -

" اسی طرح جن زمینوں کو حکومت پاکستان نے پانی پہنچانے کے ذرائع مہیا کر کے آباد کیں اور مسلمانوں کو بلا قیمت یا بہ قیمت تقسیم کیا جیساکہ پنجاب میں تھل کا علاقہ، اور سندھ میں کوٹری کا علاقہ، ان سب زمینوں پر چونکہ ابتداءً ملکیت مسلمانوں کی ہوئی، اس لئے یہ بھی عشری قرار پائیں گی - بشرطیکہ ان کی آبپاشی سندھ و پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو - (جواہر الفقہ، ج ۲، ص ۲۵۸) -

پس یہ زمین عشری ہے تو خراج سے متعلقہ سوالات کی حاجت نہیں -

۲ :- جو زمین ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آرہی ہو اس میں احتیاطاً عشر کو واجب قرار دیا جاتا ہے - پس ان میں سے بھی عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا -

۳ :- اگر لگان مسلمان حکومت وصول کرتی ہے تو اس کی ادائیگی میں خراج ادا کرنے کی نیت کی جاسکتی ہے - اور اگر حکومت لگان وصول نہیں کرتی یا بہت کم وصول کرتی ہے تو اپنے طور پر خراج کو مصارف خراج میں خرچ کرنا ضروری ہے - کذا فی جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۹۰) -

اور مصارف خراج میں سے علماء، طلباء، مفتیوں، قاضیوں کو دینا بھی جائز ہے -

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۴/۵/۱۴۰۱ھ

پاکستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی

پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی - اگر عشری ہیں تو زمیندار اور مزارع دونوں پر اپنے اپنے حصص میں عشر واجب ہے یا فقط زمیندار پر، اور اگر دونوں پر واجب ہے تو زمیندار معاملہ سرکاری نکال کر، اور مزارع آبیانہ نکال کر باقی دے گا - یا معاملہ و آبیانہ نہیں نکالنا پڑے گا ؟

اگر نکال کر باقی دینا ہے تو اگر کچھ نہ بچے تو دیوے یا نہ دیوے ۔ اگر پانچ وسق سے کم ہے تب بھی عشر نکالے یا نہیں ۔ اگر صاحبین کے قول پر پانچ وسق کے کم سے نہ نکالے تو مجرم ہے یا نہیں ۔ اگر امام اعظمؒ کے قول پر ہر چیز سے نکالنا ہے تو سبزیاں مثل کریلے وغیرہ سے کیسے نکالے ، چھوٹی بڑی قلیل کثیر سب کا حساب سخت مشکل ہے ۔

اور جو زمینیں نہر سرکاری یا عوام کی نہر سے آب پاشی ہوتی ہیں ان کا دسواں حصہ نکالنا ہے یا بیسواں اسے سیلابی اور بارشی زمین کا کتنا حصہ نکالنا ہے ؟

الجواب پاکستانی زمینیں عشری ہیں کیوں کہ اسلامی بادشاہوں کے زمانہ سے مسلمانوں پر تقسیم ہوتی چلی آئی ہیں یا یہاں کے باشندے مسلمان ہوگئے ہیں ۔ اور ایسی ہر دو قسم کی زمینیں عشری ہیں ۔ البتہ کافر سے خریدی ہوئی زمین عشری نہ ہوگی ۔ (بہشتی زیور)

عشر صاحب پیداوار پر ہے ۔ زمیندار اور مزارع ہر ایک اپنے حصہ کا عشر نکالے ۔ (بہشتی زیور)

جس زمین کا آبیانہ سرکاری ادا کیا جاتا ہے اس کی پیداوار پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم ہے ۔ لہذا کل پیداوار کا بیسواں حصہ دینا ہوگا ۔ کیوں کہ ادائیگی آبیانہ کی وجہ سے عشر میں تخفیف ہوکر بیسواں حصہ لازم ہوچکا ہے ۔

عبادات میں مطلقاً امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوٰے ہے ۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پیداوار قلیل ہو یا کثیر دسواں یا بیسواں حصہ ضرور نکالے ، سبزیوں کا عشر بھی نکالے جس وقت پیداوار دستیاب ہو کل وزن کرکے دسواں یا بیسواں حصہ تول کر فقراء میں تقسیم کردے ۔ بیس سیر سبزی میں سے ایک یا دو سیر نکالنا کوئی مشکل نہیں ہے ۔ (بہشتی زیور)

نہری یا چاہی پانی میں چونکہ مؤنت زیادہ ہے اس لئے اس میں بیسواں حصہ عشر ہے ۔ اور بارشی پانی میں مؤنت کم ہے اس لئے اس میں عشر (دسواں حصہ) لازم ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۲۴ صفر ۱۳۷۴ ھ

خراجی زمین کی تعریف

زمین کی دو قسمیں ہیں۔ عشری اور خراجی۔ عشری کی وضاحت یہ ہے کہ جو زمین یا علاقہ کفار سے لڑ کر حاصل کیا جائے۔ اور حاصل شدہ زمین کو مسلمان بادشاہ مسلمانوں میں غنیمت کے طور پر تقسیم کر دے وہ عشری ہے۔ مزید تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل جو بھی زمینیں کلیم اور الاٹمنٹ کی صورت میں تقسیم ہوتی ہیں سب کی سب عشری ہیں۔ اس میں بارانی اور چاہی کی صورت میں ۱/۱۰ اور ۱/۲۰ کا عشر ہونا چاہئے۔ یا ایسی عشری زمین باپ دادا سے وراثتاً چلی آتی ہے اور اس کو کوئی دوسرا مسلمان خرید لے تو بھی اس میں عشر ہوگا۔ اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ کہ کفار کی زمین جو کہ مال غنیمت یا فدیہ میں ملی ہو جب تک وہ مسلمانوں کی وراثت میں رہے گی بے شک بیسیوں دفعہ فروخت ہو (مسلمانوں میں) عشری ہی رہے گی۔ تاوقتیکہ اس کو کوئی غیر مسلم خرید نہ لے۔ بندہ نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق یہ مفہوم عرض کر دیا ہے۔ اگر اس میں غلطی ہو تو اصلاح فرمائی جائے۔

اور خراجی زمین کے بارے میں تفصیلاً وضاحت کی جائے کہ خراجی زمین کون سی ہے۔

عزیز برادرز غلہ منڈی چشتیاں۔

الجواب عشری زمین کے بارے میں جو آپ نے سمجھا ہے صحیح ہے۔ اور خراجی زمین کی تعریف اور تشخیص اس طرح ہے کہ۔ جو اراضی کفار سے لڑ کر حاصل کی جائیں اور وہ مسلمانوں میں تقسیم نہ کی جائیں۔ یا کوئی علاقہ صلحاً فتح ہو جائے، وہ زمینیں خراجی ہیں۔ البتہ مکہ مکرمہ اگرچہ لڑ کر فتح ہوا ہے لیکن مکہ کی زمینیں عشری ہیں خراجی نہیں۔ اس لئے کہ مکہ مکرمہ جزیرۂ عرب سے ہے۔ درمختار میں ہے۔ ج ۲۔ ص ۲۶۲۔ شامیۃ)۔

وما فتح عنوة ولم يقسم بين جيش الا مكة سواء اقر اهله عليه او نقل اليه كفار اخر او فتح صلحا خراجية ۔

اسی طرح جو زمین کافر سے خریدی جائے وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور جو زمینیں مسلمانوں نے انگریز گورنمنٹ سے خریدی ہیں اگر وہ پہلے سے عشری نہیں تھیں تو وہ زمینیں بوجہ استیلاء سرکار کی ملک ہو گئی تھیں۔ اس لئے وہ اب بھی عشری نہیں ہوں گی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ   بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۷/۶/۱۳۸۸ھ

اجرت کم ہو تو عشر کاشت کار پر ہے

مسئلۂ عشر کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں جواب تحریر فرمادیں ۔ اجناس مثلاً گندم ، نخود ، چاول وغیرہ میں عشر ہے یا نہیں ؟ نیز یہ ٹھیکہ کی زمین کی پیداوار ہے تو اس کی کل آمدنی پر عشر ہوگا یا ٹھیکہ منہا کرنے کے بعد عشر ادا کیا جائے گا ؟

الجواب فی الدر المختار والعشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستأجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهما نأخذ اھ وفی الشامیة قلت لکن افتی بقوله الامام جماعة من المتأخرین (الی ان) لکن فی زماننا عامة الاوقاف من القری والمزارع لیرضی المستأجر بتحمل غرامات ومؤنها یستأجرها بدون اجر المثل ۔ اھ (ج ۲ ۔ ص۷۵) ۔

روایت بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر زمیندار پوری اجرت لے اور کاشتکار کے پاس بہت کم بچے تو عشر زمیندار کے ذمہ ہے اور اگر زمیندار اجرت کم لے اور کاشتکار کے پاس زیادہ بچے تو عشر کاشت کار کے ذمہ ہے لیکن ہمارے دیار میں جب کہ اجرت کم لی جاتی ہے ۔ اس لئے کاشتکار پر وجوب عشر کا فتوے دیا جائے گا ۔ کما فی امداد الفتاویٰ ، ج ۲ ص۵۱ ۔

آبیانہ ، ٹیکس ، لگان وغیرہ آمدنی سے منہا نہیں کیا جائے گا ۔ لیکن ایسی زمین کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہوتا ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی
خیر المدارس ملتان ۱۲/۱۱/۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بارانی اور نہری زمینوں کی پیداوار میں مقدارِ عشر کے فرق کی وجہ

زید کے پاس ایک ایکڑ زمین ہے اور اس سے گندم کی فصل حاصل کرنے کے لئے دو قسم کے خرچ کرنے پڑتے ہیں ۔ کچھ خرچ اس کے بیجنے سے فصل پکنے تک ، اور کچھ خرچ فصل پکنے پر کٹوانے اور دلانے

نکلوانے کے لئے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح اسے انیس ۱۹ من گندم حاصل ہوتی ہے جس میں سے کٹوائی نکلوائی ادا کرکے پندرہ من گندم بچتی ہے، آیا عشر کتنی گندم کا دینا ہوگا۔؟

۲ : دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جتنی گندم کاٹی جاتی ہے اس کا سولہواں حصہ فصل کی کٹائی میں دیدیا جاتا ہے۔ اس کے بعد تھریشر سے دانے نکلوائے جاتے ہیں اس میں کتنا عشر دینا ہوگا۔

۳ : زید کے پاس چار گائیں، دو بیل ہیں وہ مزارعت پر کام کرتا ہے۔ اور صاحب نصاب بھی نہیں غریب آدمی ہے، کیا زید کو عشر دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے جانوروں کی قیمت تقریباً دس ہزار کے قریب ہے۔

الجواب کل پیداوار یعنی انیس ۱۹ من سے نصف عشر یعنی ۱/۲۰ ادا کرنا ہوگا۔ کیوں کہ ایسی زمینوں کی پیداوار کے عشر میں انہی اخراجات کو مدنظر رکھ کر تخفیف کی گئی ہے اور بجائے عشر کے نصف عشر واجب کیا گیا ہے۔ بارانی زمین میں اخراجات کم ہوتے ہیں اس لئے اس میں عشر واجب کیا گیا ہے۔ اگر یہ اخراجات وضع کرنے کے بعد باقی بچ رہنے والی پیداوار میں عشر واجب ہو تو بارانی اور نہری کے عشر میں تفریق کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔

یجب العشر فی الاوّل ونصفہ فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ ونحو ذالک۔ "درر" قال فی الفتح یعنی لا یقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلۃ المؤنۃ بل یجب العشر فی الکل لانہ علیہ السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنۃ ولو رفعت المؤنۃ کان الواجب واحدا وھو العشر دائما فی الباقی لانہ لم ینزل الی نصفہ الا للمؤنۃ والباقی بعد رفع المؤنۃ لا مؤنۃ فیہ فکان الواجب دائما العشر لکن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا انہ لم یعتبر شرعا عدم عشر بعض الخارج وھو القدر المساوی للمؤنۃ اصلا۔ اھ

(شامی ج ۲ ص ۶۹)

ب : کٹائی کی اجرت میں دی جانے والی گندم کا عشر بھی ادا کرنا ہوگا نیز اس کی کاٹی ہوئی گندم کو

اجرت میں مقرر کرنا درست نہیں ۔ کما ہو المعروف ۔

۲ ؛ زید کی گزر اوقات اگر ان گایوں پر موقوف نہیں تو ان کی وجہ سے اسے غنی سمجھا جائے گا ، زکوٰۃ وعشر کا مستحق نہیں ۔ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳ میں ہے ۔

والمزارع بثورین والۃ الفدان لیس بغنی وببقرۃ واحدۃ غنی ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔

دُکان پر رکھے ہوئے اَموال بھی اَموالِ باطنہ ہیں

مالِ تجارت پر زکوٰۃ تو لازم ہے مگر اسکی وصولی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اموال باطنہ میں سے ہے اس لئے یہ حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے ۔ بھیڑ ، بکری جو جنگل میں چرتی ہے یہ تو اموال باطنہ میں سے نہیں مگر جو مالِ تجارت کھلے بازاروں میں پوری روشنی میں فروخت کے لئے پیش ہو رہا ہے کیسے اموالِ باطنہ میں سے ہوا؟ اسکی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں نیز یہ کہ کیا اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی قانوناً مجاز ہے یا نہیں ؟

الجواب اندرونِ شہر جو مال پائے جاتے ہیں انہیں اموالِ باطنہ کہا جاتا ہے جیسے سونا چاندی اموالِ تجارت ہیں جب تک کہ وہ شہر کے اندر ہوں اور بیرونِ شہر پائے جانے والے اموال، مال ظاہر ہیں ۔ عربی زبان میں "ظاہر البلد" بیرونِ شہر کو کہتے ہیں اسی سے یہ اصطلاح ماخوذ ہے ۔

(۲) : اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی مجاز نہیں مگر خاص حالات میں مالکان کو زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے ۔ فقط ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۹ / شعبان سنہ ۱۴۱۰ھ

دِفاعی فنڈ میں زکوٰۃ دینے کا حکم :

صدرِ پاکستان نے ہنگامی حالات شروع ہونے پر قومی دفاعی فنڈ

کا آغاز کیا ہے ۔کیا اس فنڈ میں زکوٰۃ دینا جائز ہے ؟ جبکہ زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے تو اس صورت میں یہ شرط کیسے پوری ہوگی ؟

الجواب زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے لہٰذا تملیک کے بغیر زکوٰۃ کا روپیہ دِفاعی فنڈ میں جمع کرکے خرچ کرنے سے زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی البتہ اگر زکوٰۃ کا روپیہ کسی مسکین کو دے دیا جائے پھر وہ مسکین اپنی خوشی سے اِس روپیہ کو دِفاعی فنڈ میں جمع کردے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی جبکہ وہ روپیہ نوٹوں کی شکل میں نہ ہو ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صواب — محمد اسحاق غفرلہٗ

خیر محمد عفا اللہ عنہٗ ۲۲/۶/۸۵ ۱۳ ھ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کا حکم

کیا صاحبِ نصاب پر سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ اَدا کرنا ضروری ہے یا کچھ دن کی تاخیر بھی ہوسکتی ہے ؟

الجواب سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے بِلا عذرِ معقول تاخیر نہ کی جائے ورنہ گناہ ہوگا ۔

فیاثم بتاخیرھا بلا عُذر (درمختار) قولہٗ فیاثم بتاخیرھا الخ ظاھرہ الاثم بالتاخیر ولو قل لیوم او لیومین لانھم فسروا الفور باول اوقات الامکان وقد یقال المراد ان لا یؤخر الی العام القابل لما فی البدائع عن المنتقی اذا لم یؤد حتی مضی حولان فقد اساء واثم اھ (شامیہ) فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجہ التمام وتمامہٗ فی الفتح (درمختار) (قولہٗ وتمامہ فی الفتح الخ) حیث قال بعد مامر فتکون الزکوٰۃ فریضۃً وفوریتھا واجبۃ فیلزم بتاخیرہٖ من غیر ضرورۃٍ الاثم کما صرح بہ الکرخی والحاکم الشھید فی

المنتقی الخ (شامی صفحہ ۱۳ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

مسجد ومدرسہ کا جو پیسہ جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں

مسجد ومدرسہ کا پیسہ جو جمع رہتا ہے اور اس پر سال بھی گزر جاتا ہے کیا اس کی زکوٰۃ متولی کو ادا کرنا ضروری ہے یا اس مال پر زکوٰۃ نہیں ہے؟

الجواب: ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ وسببہ ای سبب افتراضھا ملک نصاب اھ (درمختار) (قولہ ملک نصاب) فلا زکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملک اھ (شامی صفحہ ۴ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہ،

حکومت زکوٰۃ کو انہی مصارف میں صرف کرنے کی پابند ہے جن کا قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے

کیا مسلمان حکومت اپنی مرضی اور منشاء سے زکوٰۃ وعشر خرچ کر سکتی ہے؟ اس سلسلے میں اسلامی احکامات کیا ہیں؟

الجواب: زکوٰۃ وعشر کے مصارف قرآن حکیم میں واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں انہی مصارف میں استعمال کرنا ضروری ہے کسی بھی حکومت کو ان مصارف کے سوا دوسری جگہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں، حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت علیہ السلام سے صدقہ مانگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات کے معاملہ کو اللہ نے صرف اپنے اختیار میں رکھا ہے اور خود مصارف متعین فرما دیئے ہیں اگر تم اُن مصارف میں سے کسی قسم میں آتے ہو تو میں تمہیں دے سکتا ہوں ورنہ نہیں۔

عن زیاد بن الحارث الصدائی قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعتہ فذکر حدیثا طویلا فاتاہ رجل فقال اعطنی من الصدقة

فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یرض بحکم نبی
ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ھو فجزأھا ثمانیۃ
اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک اھ (رواہ ابوداؤد
مشکوٰۃ صـ۱۶۲/ج۱)

عالمگیری میں بیت المال میں جمع ہونے والے مال کی اقسام اور ان کے مصارف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ وعشر کو صرف انہی اُن مصارف میں خرچ کیا جائے جن کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے۔

ما یوضع فی بیت المال اربعۃ انواع الاوّل زکوٰۃ السوائم والعشور
وما اخذہ العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیہ ومحلہ ما
ذکرنا من المصارف الخ (صـ۱۹۰/ج۱)

قال الشرنبلالی انہ یجب علیہ (ای علی الامام) ان یجعل لکل
نوع منہا (ای من الصدقات) بیتاً یخصہ ولا یخلط بعضہ ببعض اھ
(شامی صـ۶۳/ج۲) ۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱۱ / ۱۴۰۹

کتابت کے بلاکوں پر زکوٰۃ نہیں :

ایک شخص نے قرآن مجید کی طباعت کے لئے عکسی بلاک بنوائے۔ ایک بار طباعت کے بعد ان کو اس لئے محفوظ کرلیا کہ آئندہ ان کے ذریعہ طباعت کرتے رہیں گے۔ اب وہ صرف قرآن پاک کی تجارت کرتا ہے اور بلاک کو اپنے کام کے لئے بطورِ آلات رکھا ہوا ہے۔ ان کو تجارت سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا ان بلاکوں کی زکوٰۃ بھی شرعاً اس کے ذمہ ہے یا نہیں ؟

(حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ مقیم خیر المدارس ملتان)

الجواب اگر شخص مذکور نے ان بلاکوں کو بغرضِ تجارت نہیں رکھا تو ان پر زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۳ / ۱۱ / ۹۷ھ

صاحبِ نصاب لوگوں سے زکوٰۃ لیتا رہا تو اب تلافی کی صورت

زید مستحق زکوٰۃ ہے اسکے اکثر احباب کو علم ہے اسے حج کے لئے کسی نے تیرہ سو روپیہ دیا۔ زید نے یہ سمجھا کہ یہ روپیہ تو حج کے لئے دیا گیا ہے حج پر خرچ کردوں گا۔ نیز زید اپنے آپکو مصرفِ زکوٰۃ ہی سمجھتا رہا چنانچہ صدقاتِ واجبہ بھی وصول کرتا رہا۔ اور ایک مدرسہ عربیہ کے مہتمم صاحب بھی زید سے مدرسہ کی رقم تملیک کرلتے رہتے تھے باوجودیکہ مہتمم صاحب کو ۱۳۰۰ روپے حج والے کا علم تھا۔ زید کو بدستور غریب ومسکین سمجھتے رہے۔ اب زید کو مسئلہ بتایا گیا کہ تیرہ سو روپیہ حج کے لئے تم کو جو دیا گیا ہے وہ تمہاری ملک ہے۔ اگرچہ دینے والے نے حج کے لئے دیا ہے مگر اس نے تمہارے حج کے لئے دیا ہے۔ حج بدل کے لئے نہیں دیا ہے تو وہ روپیہ تمہارا ہوگیا۔ اسوجہ سے اب تم مصرف زکوٰۃ نہیں تھے اب زید پریشان ہوا کہ لوگوں کی زکوٰتیں وصول کر کے اپنے مصرف میں لا چکا ہوں۔ اور زیادہ فکر مدرسہ کی رقم کا ہے اب کیا کیا جائے۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں مخلصی کی شکل یہ ہے کہ ان مدات سے جن میں زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں تھا۔ مثلاً تعمیر ومشاہرات اس میں سے مقدار زکوٰۃ نکال کر صحیح مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرے مثلاً مستحق طالب علموں کو نقد وظائف وغیرہ دیئے جائیں اور جو رقم اس صاحب نے جو درحقیقت مالکِ نصاب تھے اپنی ذات پر خرچ کرلی وہ مالکان کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ لوگوں نے اسے حسبِ سابق مصرف سمجھتے ہوئے تملیک کی تھی ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔

فی الدر المختار دفع بتحرٍّ من یظنہ مصرفاً فبان انہ عبدہ او مکاتبہ او حربی ولو مستأمناً اعادھا لما مر وان بان غناہ او کونہ ذمیاً او انہ ابوہ او ابنہ او امرأتہ او ھاشمی لا یعید لانہ اتی بما فی وسعہ حتی لو دفع بلا تحرٍّ لم تجز ان اخطاء۔

اور اگر ان رقوم بالا میں سے کچھ بقایا موجود ہو تو وہ مالکان کی طرف واپس کردے

یاصدقہ کردے ۔ فقط بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ۔
الجواب صحیح، خیر محمد مہتمم مدرسہ خیرالمدارس ۲۰ / ۵ / ۱۳۸۳ ھ

پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ دینا :

جو شخص زکوٰۃ کا مال عام فقیروں کو دے جو تمام سال گداگری کا پیشہ کرتے ہیں ۔ اُنکی کیفیت کسی کو معلوم نہیں کیا زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں ؟

الجواب جس شخص کے بارے میں غنی ہونے کا ظن ہو اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے قبل ازیں اگر ان لوگوں کی فقیرانہ حالت کے پیش نظر انہیں مسکین سمجھتے ہوئے زکوٰۃ دے دی گئی تھی تو وہ زکوٰۃ ادا ہو گئی ۔ کذا فی الشامیہ[۱] (ص ۹۲ ج ۲)

الجواب صحیح ، عبدالستار عفرلہ، نائب مفتی خیرالمدارس
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۳ / ۱۰ / ۱۳۸۳ ھ

[۱] وعبارتہ دفع بتحرٍ لمن یظنہ مصرفاً فبان انہ عبدہ او مکاتبہ او حربی ولو مستامناً اعادھا لما مر وان بان غناہ او کونہ ذمیا او انہ ابوہ او ابنہ او امرأتہ او ھاشمی لا یعید لانہ اتی بما فی وسعہ حتی لو دفع بلا تحرٍ لم یجز ان اخطاء اھ
فقیر محمد انور ، مرتب خیرالفتاویٰ

جس کو بطور تملیک زکوٰۃ دی گئی اُس سے جبراً واپس نہیں لے سکتے

اگر تملیک کرنیوالے کو ساری صورت سمجھا دی جائے لیکن زکوٰۃ وغیرہ ہاتھ میں لینے کے بعد اگر وہ واپس دینے سے مُنکر ہو جائے اور ہو بھی صاحب ضرورت تو پھر اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب تو یہ رقم اس صاحب ضرورت غریب کی مملوک ہو گی زبردستی اس سے

واپس نہیں لی جا سکتی ۔ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۱/۱۳۹۷ھ

مہتمم زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہوتا ہے:

عوام الناس اپنے مال کی زکوٰۃ کسی مسکین کی تملیک نہیں کرتے بلکہ ایک مہتمم مدرسہ کو دے دیتے ہیں اور وہ مہتمم ضروریاتِ مدرسہ پر خرچ کرتا رہتا ہے مثلاً سالن، تیل، روٹی وغیرہ تو کیا یہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہ ؟

الجواب مہتمم مدرسہ لوگوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اسے چاہیئے کہ زکوٰۃ کا پیسہ بصورتِ نقدی یا روٹی وغیرہ طلبا مستحقین کی تملیک کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ تنخواہ میں خرچ کر دیا یا اس کو تعمیر مدرسہ پر یا کسی اور مقام میں خرچ کیا جس میں تملیک نہیں ہوئی تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور اگر ایسے مصارف تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو فقیر کی تملیک کرا کے پھر مدرسہ میں داخل کیا جائے پھر اس کو حسبِ منشاء خرچ کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
الجواب صحیح ، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۲۴/۱/۱۳۷۰ھ

بلا نیتِ زکوٰۃ صدقہ کرتے رہے تو وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا

بعض لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے مگر ویسے صدقات دیتے رہتے ہیں کبھی کسی گداگر کو کچھ دے دیا کبھی کسی غریب و مسکین کو دے دیا کبھی کسی نیک کام میں چندہ دے دیا، مگر زکوٰۃ کی نیّت نہیں کرتے تو کیا ایسے لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ؟

الجواب جو کچھ یہ لوگ گداگروں کو دیتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ و عشر کی نیّت نہیں ہوتی تو یہ سب صدقات نفلیہ سے شمار ہوں گے یہ زکوٰۃ اور عشر سے

محسوب ہوں گے۔ البتہ اگر زکوٰۃ وعشر والا مال علیحدہ کیا ہوا ہو اور اس مال سے فقراء اور مساکین کو تھوڑا تھوڑا دیتا ہے تو پھر یہ زکوٰۃ وعشر سے محسوب ہو گا۔

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۲۹/۲/۱۳۷۸ھ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ ۲۹/۲/۱۳۷۸ھ

سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں:

۱۔ زکوٰۃ کے لئے نصاب موجودہ وقت میں قیمت کے لحاظ سے چاندی کو رکھا جائے یا سونے کو۔ ۲۔ کاروبار کیلئے مستعمل اشیاء وغیرہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں ۳۔ دفاعی فنڈ میں جو ہم تنخواہ کٹواتے ہیں یہ اس میں شمار کی جائے یا نہیں ۴۔ اگر اپنے بھائی سے کچھ رقم لینی ہو تو وہ بھی اس میں شمار ہو جائے گی یا نہیں۔؟ ۵۔ کاروبار میں جو رقم دوسروں کے پاس اُدھار ہوتی ہے وہ وقتاً فوقتاً ملتی رہتی ہے تو اس کو اس میں داخل کیا جائے یا نہیں ۶۔ اپنی سوتیلی والدہ جبکہ بیوہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں جبکہ خرچہ کا خود کفیل ہو۔

الجواب: ۱۔ چاندی کی قیمت لگا کر نصاب ہونا معلوم کیا جائے اور اگر سونا ہی پاس ہو نہ سامان تجارت ہو نہ چاندی نہ قرضہ تو ایسی صورت میں صرف سونے کے وزن ہی کا اعتبار ہوگا۔ ۲۔ برتنوں اور آلات کی قیمت زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی۔ ۳۔ زرِ ضمانت زکوٰۃ کی رقم میں شمار کریں پراویڈنٹ فنڈ نہیں۔ ۴۔ کی جائے۔ سال پورا ہونے پر آپ جب زکوٰۃ کا حساب کریں تو اُدھار والی رقم کو بھی اپنے پاس موجودہ نقد رقم میں شمار کر لیا کریں۔ اور اس کی بھی زکوٰۃ نکال دیا کریں۔ ۵۔ اگر یہ مسکینہ ہو صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کو خرچہ اور معالجہ کے لئے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ

خیر محمد عفا اللہ عنہٗ — ۱۹/۷/۱۳۸۵ھ

جس کے پاس گھر کا سال کا خرچ موجود ہو اسے زکوٰۃ دینا

اگر کسی کے پاس اپنی ضروریات کے لئے رہنے کا اپنا گھر اور روزانہ استعمال کے برتن اور چارپائیاں اور بستر اور سامان خوراک مثلاً گندم نمک مرچ مصالحہ تقریباً ایک سال کے لئے ہیں اور کپڑے سینے کی مشین ہے جس کی آمدن سے اپنے اہل وعیال کا گزارہ کرتا ہے ایسے شخص کو مالِ زکوٰۃ، قربانی، نذر، صدقہ فطر، فدیہ، کفارہ اور عشر دینا جائز ہے اگر کسی نے جائز سمجھ کر دے دیا تو دوسری دفعہ زکوٰۃ وغیرہ کا دینا واجب ہے یا نہیں۔ نیز اس شخص سے جس کو غلطی کی وجہ سے دے چکا ہے واپس لینے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب وفی ردالمحتار صفحہ ۸۸ ج ۲ وفیہا سئل محمد عمن لہ ارض فیزرعها اوحانوت یستغلها اودار غلتها ثلاثة آلاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقة عیالہ سنة یحل لہ اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاء وعلیہ الفتوی۔ وعندهما لا یحل وفی الدر المختار صفحہ ۹۳ ج ۲ دفع بتحرٍ لمن یظنہ مصرفاً فبان انہ عبدہ او مکاتبہ اوحربی ولو مستأمنا اعادها لما مر وان بان غناه اوکونہ ذمیاً او ابنہ اوامرأتہ او هاشمی لا یعید۔

شخص مذکور فی السوال کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ بنا بر روایت درمختار سئل محمدؒ اور جس شخص کو دی جا چکی ہے۔ اگر اپنی طرف سے تحقیق کر کے فقیر یا مستحق سمجھ کر دی گئی تو اعادہ واجب نہیں ورنہ اعادہ ضروری ہے۔ بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، ۳/۶/۱۳۷۶ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے زکوٰۃ کے پیسوں سے رجسٹر خریدنا

زید نے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو محض رقوم زکوٰۃ وفطرانہ لوگوں سے وصول کرنے

کی اپیل کرتا ہے پھر بمشورۂ اہلِ محلہ مستحق لوگوں پر تقسیم کی جاتی ہے اور قیدیوں میں بھی تقسیم کی جاتی ہے، قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ اس ادارہ کو رسید بک، اشتہار و رجسٹرات و قلم دوات اس فنڈ سے رکھنا اور بنانا درست ہے یا نہ، اور کیا اس فنڈ سے قیدیوں کے پڑھنے کے لئے دینی اور مذہبی کتابیں خرید کر کے لائبریری جیل خانہ میں داخل کرنا کیسا ہے؟

الجواب زکوٰۃ و فطرانہ وغیرہ کے مال سے ادارہ مذکورہ کے حساب و کتاب کے لئے رجسٹر اور قلم دوات وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی کتابیں خرید کر کسی لائبریری میں داخل کرنا جائز ہے اس طرح زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی تب ہوگی جب کسی مسکین کو اس کا مالک قابض بنا دیا جائے۔ بندہ اصغر علی غفرلہٗ ۱۲ / ۹ / ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح، محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۲۲ / ۹ / ۱۳۷۸ھ

جب آپ نے ایک نیک مقصد کے لئے ادارہ قائم کیا ہے تو رجسٹر وغیرہ کے لئے انہی لوگوں سے جو زکوٰۃ دیتے ہیں دیگر چندہ لیں کیونکہ اس طرح ان کی زکوٰۃ صحیح مصرف پر صرف ہوگی اور ان کو تحقیق مصرف وغیرہ کی مشقت سے کفایت حاصل ہو جائے گی، نیز زکوٰۃ کا روپیہ نقد بنا کر فقراء کی تملیک کیا جائے اور جو رقم کسی سے زکوٰۃ کی وصول کی جائے وہ فوری طور پر فقراء پر تقسیم کر دی جائے، ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ کی رقم ہفتوں یا دنوں تک آپ کے پاس پڑی رہے۔ کوشش یہ ہو کہ رات آنے سے پہلے روز کی روز ٹھکانے لگ جائے، اس قسم کی اور بھی ضروری احتیاطات اور مسائل ہیں جو کہ آپ اہلِ علم سے دریافت کر سکتے ہیں۔ والجواب صحیح، محمد عبد اللہ غفر اللہ لہٗ

الجواب صحیح، مفتی خیر المدارس ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہٗ ۱۴ / ۹ / ۱۳۷۸ھ

عیالدار مستحق کو نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں

زید نے خالد کو مبلغ ۱۵۰ روپے زکوٰۃ کے دیئے کیا خالد کو بکر بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے کیونکہ خالد صاحبِ نصاب بن گیا۔؟

الجواب خالد اگر عیالدار ہے تو اسے مزید زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے تاوقتیکہ اس کے کُنبے کے ہر فرد کے پاس تقریباً ۱۰۰ روپے کی مالیّت کی مقدار نہ ہو جائے۔[1] بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ نائب مفتی خیرالمدارس

الجواب صحیح، بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان ۳۰/۸/۱۳۸۲ھ

[1] وکرہ اعطاء فقیر نصاباً او اکثر الا اذا کان المدفوع الیہ مدیونا او کان صاحبُ عیال بحیث لو فَرَّقَہٗ علیھم لا یخص کُلاً اھ

(درمختار علی الشامیۃ صہ ۴۳ ج ۲)

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

مُرتب خیرالفتاوی مقیم خیرالمدارس۔ ملتان

کتنی عمر کے بچے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

اگر کسی نابالغ اور یتیم بچے کو زکوٰۃ دینی ہو تو شرعاً اس کے لئے کوئی عمر کی شرط ہے یا نہیں؟

الجواب نابالغ مستحق کم ازکم اتنی عمر کا ہو کہ وہ قبضہ کو سمجھتا ہو یعنی لے یہ سمجھ ہو کہ یہ چیز مجھے مالکانہ طور پر دی جا رہی ہے۔ اسے پھینک کر بھاگ نہ جائے کم ازکم چھ سات سال کی عمر کے بچے میں اتنی سمجھ ہوتی ہے۔

ولو کان الصبی مراھقاً او یعقل القبض بان کان لا یرمی بہ ولا یخدع عنہ یجوز اھ (فتح القدیر صہ ۲۱ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

زکوٰۃ میں آئے ہوئے کپڑے کو مہتمم نے کم قیمت پر بیچ دیا تو کتنی زکوٰۃ ادا ہوئی ؟

ایک شخص نے پچاس روپے کے کپڑے لیکر بمد زکوٰۃ مدرسہ میں داخل کئے۔ مہتمم نے تیس روپے کے فروخت کر کے رقم مدرسہ میں داخل کر لی تو زکوٰۃ تیس روپے کی ادا ہوئی یا پچاس کی ؟

الجواب باوجود تلاش کرنے کے صریح جزئیہ تو کوئی نہیں ملا البتہ دو فتوے فتاوی امدادیہ میں مل گئے ہیں اگرچہ وہ بھی باحوالہ نہیں۔ تاہم ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں تیس روپے کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔ اگر ان کپڑوں کی قیمت پچاس روپے ہو تو مہتمم بیس روپے کا ضامن ہوگا۔ زکوٰۃ دینے والے سے دوبارہ اجازت حاصل کر کے مہتمم صاحب اپنی طرف سے بیس روپیہ مدرسہ میں داخل کرے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح　　　　بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ،
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۸۵/۷/۲۷ھ　　نائب مفتی خیر المدارس ملتان

زکوٰۃ کی رقم ملکی قرضہ میں ادا کرنا :

گورنمنٹ پاکستان نے غیر ملکوں کا بہت قرض دینا ہے۔ جس کی وجہ سے مہنگائی ہے اور ملک مالی لحاظ سے کمزور ہو رہا ہے۔ اور دن بدن قرض میں اضافہ ہو رہا ہے —— سود کی ادائیگی کے قابل بھی ملک نہیں ہے ——، کیا ان حالات میں حکومت جو زکوٰۃ وعشر جمع کرتی ہے، وہ اس قرض کی ادائیگی میں استعمال ہو سکتا ہے اور کیا قربانی کی کھالیں حکومت جمع کر کے اس قرض کی ادائیگی کر سکتی ہے اس کے بارے میں شرعی فتویٰ کیا ہے ؟

الجواب زکوٰۃ وعشر غرباء کا حق ہے۔ لہو ولعب اور نمائش پر خرچ ہونے والا

مذکورہ قرضہ زکواۃ وعُشر سے ادا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں انما الصدقات للفقراء الآیۃ زکواۃ وغیرہ کی ادائیگی میں تملیکِ فقیر ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو مسجد، پل، سڑکیں حج، جہاد وغیرہ ابوابِ خیر میں خرچ کرنے سے زکواۃ ادا نہ ہوگی۔ فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے ھندیہ میں ہے ولایجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانھار والحج والجھاد وکل مالا تملیک فیہ (ص ۱۸۸ ج ۱)

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۴۰۹/۱۰/۱۲

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کافر کو زکواۃ کمیٹی کا چیئرمین نہ بنایا جائے

ہمارے چک نمبر ۳۲۱ E-B میں موجودہ زکواۃ وعشر کمیٹیوں کی سلیکشن کی صورت میں ایک شخص نور محمد ولد عزیز بخش کو زکواۃ کمیٹی کا ممبر بنا دیا گیا جو کہ مرزائی ہے۔ بظاہر وہ اپنی ذات کو مسلمان کہلاتا ہے لیکن حقائق سے معلوم ہوا کہ وہ مرزائی ہے۔ کیا یہ شخص زکواۃ کمیٹی کا ممبر بن سکتا ہے۔؟

الجواب مرزائی ممبر مسلمانوں کے مال میں تصرف کا شرعاً مجاز نہیں ہے خصوصاً جبکہ نظامِ زکواۃ کے اُصول میں ہے کہ شیعہ اور مرزائی عشر و زکواۃ کمیٹی کا ممبر وعہدیدار نہیں بن سکتا۔ نیز قرآن کریم میں واضح اعلان ہے کہ کافر مسلمان پر کسی قسم کی فوقیت کا اہل نہیں۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا الآیۃ ھدایہ میں ہے۔ لا تقبل شھادتہ (ای الکافر علی المسلم) ص ۱۶۳ ج ۳)

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۰/۱۴۰۹ھ

سال گزرنے سے پہلے حکومت جبراً زکوٰۃ نہیں کاٹ سکتی۔

میری بیوی راشدہ بیگم نے ________ مرکزی قومی بچت نیشنل سیونگ سنٹر ملتان میں مورخہ ۱۲ر مئی ۱۹۸۵ء کو مبلغ ایک لاکھ روپیہ جمع کرادیا تھا اس مئی کے مہینہ میں صرف ۲۰ر دن بعد اڑھائی ہزار روپے زکوٰۃ فنڈ میں کاٹ لئے گئے کیا یہ زکوٰۃ کی کٹوتی صحیح ہے۔؟

الجواب مالکِ نصاب کے مال نامی پر جب ایک سال گزرجائے تو اسپر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس سے پہلے زکوٰۃ کاٹنا خلاف ضابطۂ شرعیہ ہے فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۳ر شعبان سنہ ۱۴۰۶ھ

جس سے تملیک کرائی جائے اس کو بھی ثواب ملے گا؟

بعض مدارس میں تملیک کا معمول ہے تو جس سے تملیک کرائی جائے ۔جب وہ رقم مدرسہ کو دیدے تو اسے بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں ؟

الجواب اسے بھی ثواب ملے گا بشرطیکہ تملیک صحیح طریقہ پر ہوئی ہو۔ وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد اھ (درمختار) (قوله فیکون الثواب لهما) ای ثواب الزکاة للمزکی وثواب التکفین للفقیر وقد یقال ان ثواب التکفین یثبت للمزکی ایضاً لان الدال علی الخیر کفاعله وان اختلف الثواب کماً وکیفاً ط قلت واخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لومرت الصدقة علی یدی مأئةٍ لکان لهم من الاجر مثل أجر المبتدئ

من غير ان ينقص من اجرہ شیٔ اھ (شامیہ صـ۱۳ ج۲)

فقط واللہ اعلم ، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

انجمن سپاہِ صحابہؓ کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

زکوٰۃ کی رقم انجمن سپاہِ صحابہؓ کو دینا جائز ہے یا نہیں جبکہ انجمن اس کو ایک دینی پروگرام پر خرچ کرنا چاہتی ہے مثلاً عظمتِ صحابہؓ کے لئے۔؟

(سائل مولانا عبداللہ صاحب۔ بہاولپور)

الجواب: زکوٰۃ ہر دینی کام پر خرچ نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جس کو دی جائے وہ فقراء و مساکین میں سے ہو۔ نیز کسی کام یا عمل کے معاوضہ میں نہ دی جائے۔ اگر انجمن سپاہِ صحابہ کے کارکن جن کو زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں وہ اس مسئلہ سے بخوبی واقف ہوں اور ان پر اعتماد ہو کہ وہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں ادائیگی زکوٰۃ کی شرائط کا اہتمام کریں گے تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ ورنہ دیگر عطیات سے اُن کا تعاون کر دیں۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور ۱۲/۸/۱۴۱۰ھ

مختلف شہروں کے سفیروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم

رمضان المبارک میں مختلف شہروں سے مدارس کے سفیر حضرات زکوٰۃ لینے کے لئے آجاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے شہر والوں کا حق زیادہ ہے شرعاً اُن سفیروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب: یہ درست ہے کہ اپنے شہر والوں کا حق مقدم ہے اور ان کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے مگر چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً اگر اپنے رشتہ دار ضرورتمند ہوں اور دوسرے شہر رہتے ہوں تو بلا کراہت اُن کی طرف بھیجنا درست ہے۔ ایسے ہی علوم دینیہ کے طلباء کے لئے بھی دوسرے شہروں میں زکوٰۃ

بھیجنا درست ہے۔ وکرہ نقلها إلّا الی قرابة بل فی الظهیریة لا تقبل صدقة الرجل وقرابتهٔ محاویج حتیٰ یبدأ بهم فیسد حاجتهم اواحوج او اصلح اوْ اورع او انفع للمسلمین او من دار الحرب الیٰ دار الاسلام او الی طالب علمٍ وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل اھ (درمختار)

وفی الشامیة (قوله وکرہ نقلها) ای من بلدٍ الیٰ بلدٍ آخر لان فیه رعایة حقوق الجوار فکان اولیٰ زیلعی والمتبادر منه ان الکراهة تنزیهیة تأمل فلو نقلها جاز لان المصرف مطلق الفقراء درر اھ (ص ۷۵/۲) وفیها (قوله افضل) ای من الجاهل الفقیر قهستانی اھ (ص ۷۵/۲)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

مہتمم مدرسہ کے بیٹے بھی اُتنا ہی مال لے سکتے ہیں جتنا کہ عام طالبعلم

زید کا اپنا مدرسہ ہو اس میں مسافر طلباء اور زید کے اپنے بچے بھی پڑھتے ہیں جس طرح عام طالب علموں کی ضروریات کا مدرسہ کفیل ہوتا ہے کیا زید کے لڑکوں کو بھی وہی مراعات وضروریات مدرسہ سے دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ حالانکہ زید مسکین و غریب بھی نہیں۔

الجواب: ضرورت نہ ہونے کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ نہ لے، اور اگر لینا چاہیں تو جتنا ایک عام مقامی طالبعلم کو مدرسہ کیطرف سے دیا جاتا ہے اتنا لینے میں

گنجائش ہے۔ مہتمم مال مدرسہ کا امین ہے مالک نہیں محض اہتمام کی بناء پر اس کے بیٹے مال مدرسہ لینے کے مجاز نہیں۔ اور اجازت صرف ان بچوں کے لئے ہے جو باقاعدہ مدرسہ کے طالب علم ہوں۔ نیز غنی کے نابالغ بچوں کو صدقاتِ واجبہ دینے جائز نہیں دیتے

وقت اس مسئلہ کو بھی ملحوظ رکھا جاوے۔ نیز اگر مقامی طلبہ کو امداد نہیں دی جاتی تو مہتمم کے لڑکوں کو بھی نہ دی جائے۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، نائب مفتی خیر المدارس ۲۸/۱۱/۱۳۹۸ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کمپنیوں کے حصہ دار زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟

ایسی صنعتی کمپنیاں جس کے مختلف حصہ دار ہوں وہ اصل اور نفع کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟

الجواب اگر اصل رقم کا کوئی حصہ تعمیر یا مشینری پر خرچ نہیں ہوا تو زکوٰۃ اصل اور نفع دونوں پر ہوگی۔ درمختار میں ہے۔

وثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة باصل الخلقة فتلزم الزكاة كيفما امسكها ولو للنفقة اهـ (شامی ص ۱۱ ج ۲)۔

اگر رقم کا کچھ حصہ مشینری پر خرچ ہو چکا ہے تو باقی مال اور نفع پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ آلات اور مشینری پر زکوٰۃ نہیں آتی ولو اشتراى قدورا ولم يوجرها لا تجب فيها الزكوٰة كما لا تجب فى بيوت الغلة (كذا فى قاضيخان و عالمگیری ص ۹۲ ج ۱) فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۴/۱۱/۱۴۰۷

کمپنی کے شیئرز کی زکوٰۃ اسوقت کی قیمت کے اعتبار سے ادا کیجائے

کمپنی یا بینک سے (SHARES) شیئرز خریدے جب خریدے تھے تو اسکی قیمت چار ہزار روپے تھی اور اب ہم اسکو فروخت کریں تو اسکی قیمت آٹھ ہزار روپے ہے تو انکی زکوٰۃ موجودہ قیمت کی ادا کریں یا بوقت خرید کی زکوٰۃ ادا کریں ؟

الجواب بازار میں اسوقت جو اسکی قیمت ہوگی زکوٰۃ اسی حساب سے ادا کی جائے گی۔ درمختار میں ہے۔ وتقیمت القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء اجماعاً وھو الاصح (ص ۳۱ ج ۲) ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ   بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ،

کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دے دی تو اسکی طرف سے ادا نہیں ہوگی

ایک عورت پر زیور کی زکوٰۃ واجب تھی مگر نقد رقم موجود نہ تھی ۔ اسکی بیٹی نے اپنی ذاتی رقم سے والدہ سے اجازت لئے بغیر والدہ کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دی کیا وہ زکوٰۃ ادا ہو گئی ۔؟

الجواب صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ۔ لو ادی زکوۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز اھ (شامی ص ۱۴ ج ۲)

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،   فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ،
۹۹/۱/۶

متوفاۃ نے اپنی زندگی میں زکوٰۃ نہ دی ہو تو ترکہ سے نکالنے کا حکم

ہندہ مرگئی اور کچھ زیورات چھوڑ گئی ۔ اپنی زندگی میں اس نے ان زیورات وغیرہ

کی زکوٰۃ پُوری پابندی سے نہ دی اب وفات کے بعد کیا ورثاء مال میں سے اسکی زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ اور ان پر زکوٰۃ نکالنا واجب ہے یا نہ۔ اور زکوٰۃ اس کے مال سے نکال کر ترکہ تقسیم کریں یا کیسے کریں اگر ایک وارث اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے تو کیا یُوں بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس وارث کی اُدائیگی زکوٰۃ سے بندہ سے فرض اتر جائے گا یا نہ؟

الجواب اگر ورثاء تمام بالغ ہوں تو اپنی خوشی سے متوفاۃ کی طرف سے زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ ان پر واجب نہیں —— اگر ان میں سے ایک بھی زکوٰۃ دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے حق تعالیٰ سے اس کو ثواب ملنے کی پُوری اُمید ہے اور اس متوفاۃ سے بوجھ کم ہونے کی توقع ہے۔ اگر سب وارث راضی ہوں تو ترکہ کی تقسیم سے پہلے زکوٰۃ ادا کریں ورنہ بعد از تقسیم ہر شخص اپنے حصہ سے اگر چاہے نکال کر ثواب حاصل کرے۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

الجواب صحیح ، بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ الجواب صحیح ،

۱۴/۷/۱۳۷۶ھ خیر محمد عفا اللہ عنہٗ مہتمم خیر المدارس ملتان

مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا:

ایک غریب مستحق زکوٰۃ کو مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا دُرست ہے۔؟

الجواب دُرست ہے۔ مگر بیک وقت اتنی نہ دی جائے کہ وہ غنی ہو جائے ویکرہ ان یدفع الی واحدٍ مائتی درھم فصاعداً وان دفع جاز اھ (ھدایۃ ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ ۲۴/۸/۱۳۹۸ھ

بلیک کے ذریعہ حاصل کردہ مال پر زکوٰۃ کا حکم:

جو نقدی بذریعہ بلیک حاصل کی جائے اس سے قُربانی و فطرانہ دینا جائز ہے یا نہیں ——؟

الجواب: یہ مال اگرچہ ناجائز طریقے سے حاصل ہوا ہے لیکن باوجود اس کے وہ اس کا مالک بن گیا ہے اس وجہ سے اس کو قربانی اور فطرانہ اور اسکی زکوٰۃ یہ تمام امور ادا کرنے ضروری ہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

الجواب صحیح، بندہ اصغر علی غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس۔ ملتان

نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان ۱۲/۱۱/۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح، محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس۔ ملتان

بھانجا ماموں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟:

ماموں اپنے بھانجے سے زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ جبکہ ماموں از حد غریب ہے نہ نقدی ہے اور نہ سونا چاندی؟ کسی دینی جماعت کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب: اگر ماموں میں کوئی شرعی مانع نہ ہو تو عام لوگوں کی بہ نسبت ان کو دینا زیادہ ثواب کا سبب ہے۔ ایسے ہی اگر وہ زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرنے میں مصارف کا پورا پورا خیال رکھتے ہوں تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار غفرلہٗ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۹/۷/۱۴۰۶ھ

حکومت کو مالیہ ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا

زمین کی پیداوار پر گورنمنٹ ٹیکس (مالیہ) ادا کرنے کے ساتھ شرعی حق دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۸۶ ج ۱ میں مرقوم ہے اگر زمین عشری ہے تو سرکاری محصول دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ فیما بینہ وبین اللہ

فقراء کو دسواں یا بیسواں حصّہ دینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہٗ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ
۱۰ ر رجب ۱۳۷۰ھ

زکوٰۃ کا پیسہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنا:

زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کرنا جائز ہے یا نہیں یا بیمہ ہو سکتا ہے؟

الجواب منی آرڈر سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے اور اسی طرح بیمہ سے بھی روپیۂ زکوٰۃ بھیجا جا سکتا ہے۔ (کذا فی الفتاویٰ امدادیہ ص ۱۴۹ ج ۱) لیکن واضح رہے کہ اگر ڈاک خانہ سے مرسل الیہ کو زکوٰۃ کا روپیہ بصورتِ نوٹ کے حاصل ہو تو اس کو نقد بنا کر قبضہ کرانا ضروری ہے۔ یعنی مرسل الیہ کو لکھ دیا جائے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے۔ اس رقم کے اگر نوٹ ڈاک خانہ سے حاصل ہوں تو نقد بنا کر لو۔ اور نقد رقم کو اپنے صرف میں لاؤ۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح،
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہٗ

۴/ ۱۰/ ۱۳۷۰ھ

مقروض بھی اپنی زمین کی پیداوار کا عُشر دے

میری تنخواہ مُبلغ ۸۰ روپے ماہوار ہے۔ کنبہ زیادہ ہونے کی وجہ سے بڑی مُشکل سے گذر ہوتا ہے اور پس انداز کچھ بھی نہیں ہوتا کہ اس سے شرعی طور پر زکوٰۃ دی جا سکے۔ اس وقت مجھ پر ۵۰۰ روپے قرض ہے۔ اور زمین سے دس من گندم ملی ہے کیا اس گندم پر شرعاً عُشر واجب ہے یا کہ نہیں؟

الجواب عشر کا وجوب زمین سے حاصل شدہ چیز پر ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ عشر دینے والا غنی ہو۔ پس آپ پر ضروری ہے کہ آپ ایک من عشر ادا کریں۔ زمین اگر بارانی ہے تو دسواں حصہ دینا ہوگا اور اگر چاہی یا نہری ہو جس کا پانی معاوضہ سے خریدا گیا ہو تو بیسواں حصہ یعنی بیس سیر عشر ہوگا۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۲۴/۱۱/۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح ، بندہ اصغر علی غفر اللہ لہٗ ۲۴/۱۱/۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح عبد اللہ غفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

بہن کو زکوٰۃ دینے کا حکم :

بھائی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب بہن مستحق ہو تو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے بلکہ دُہرا ثواب ملے گا۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس۔

۵ / ۹ / ۱۴۰۷ھ

جانوروں کی زکوٰۃ کے لئے ان کا سائمہ ہونا ضروری ہے

ایک شخص کے پاس اسّی بھینسیں ہیں۔ جو کہ تجارت کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کا دُودھ فروخت کرتا ہے۔ جس کی آمدنی ہر ماہ تقریباً سوا لاکھ روپیہ ہے۔ کیا بھینسوں پر زکوٰۃ ہوگی۔ یا آمدنی پر جبکہ وہ باہر چرنے نہیں جاتیں۔ بلکہ گھر پر ہی خرید کر چارہ ڈالا جاتا ہے۔؟

الجواب بر تقدیر صحّتِ واقعہ صُورتِ مسئولہ میں بھینسوں پر زکوٰۃ واجب نہیں

کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ کے لئے سائمہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ ان سے جو آمدنی ہوتی ہے اِس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفرلہٗ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

داخلہ حج میں دیئے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ :

میرا سالِ زکوٰۃ ماہِ رمضان کے آخری عشرے میں پورا ہوتا ہے مگر میں نے یکم رجب کو داخلہ حج بھر دیا ہے۔ سال پُورا ہونے پر اِس رقم پر زکوٰۃ آئے گی یا نہیں ؟

الجواب جب سال یکم رمضان کو پُورا ہوتا ہے اسوقت تک روپیہ استعمال میں نہیں آیا تو وجوب زکوٰۃ کل رقم پر ہوگا۔ لہٰذا داخلہ حج میں دیا ہوا روپیہ وجوب زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

کما یفھم من الدُّر علی ھامش الرد صـ۶ ج۲ بخلاف دین نذر وکفارة وحج لعدم المطالب الخ ۔ فقط واللہ اعلم ، محمد اسحٰق عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ، خیر المدارس ۔ ملتان ۶/۷/۹۲ ھ

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ خیر المدارس ۔ ملتان ۶/۷/۹۲ ھ

زکوٰۃ کے پیسہ سے اَدویات خرید کر دینا

زکوٰۃ کے روپے سے ادویات خرید کر لوگوں کو تقسیم کر سکتے ہیں یا کسی مدرسہ میں جو گورنمنٹ سے گرانٹ حاصل کر رہا ہو اس میں اَدویات خرید کر دے سکتے ھیں ؟

الجواب زکوٰۃ کے روپے سے ادویات خرید کر کے فقراء ومساکین کو جو مستحق ہوں اور شرعی مصرف ہوں تملیک کر دینا جائز ہے۔ اِسی طرح سکول کے مستحق طلبہ کو ادویات تملیک کرنا جائز ہے۔ چاہے سکول کو گورنمنٹ سے گرانٹ

بھی ملتی ہو یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ سے خرید شدہ ادویات مستحق اور نادار طلبہ کو ہی تملیک کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم،

محمد عبداللہ عفراللہ لہٗ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان
۱۴/ ۵/ ۱۳۷۸ھ

زکوٰۃ کے پیسے علیحدہ رکھے تھے کہ چوری ہو گئے

زکوٰۃ کے دو سو روپیہ زائد حساب کر کے نکالے اور ان زکوٰۃ کے روپیوں کو علیحدہ رکھ دیا۔ مدارس وغیرہ میں بھیجتے رہے۔ کچھ روپے ابھی تقسیم نہیں کئے تھے کہ کسی نے وہ ڈبہ گھر کی الماری سے چرا لیا۔ اس کمرے سے ہی ہمارے پہلے بھی کچھ پیسے کسی نے چرا لئے تھے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ والے روپیوں کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ یا دوبارہ دینے پڑیں گے۔؟

الجواب جتنی مقدار فقراء کو نہیں دی گئی اتنی مقدار ادا نہیں ہوگی۔ دوبارہ دینی لازم ہوگی۔ (درمختار ص ۱۲/۲) (ولا یخرج عن العھدۃ بالعزل فلو ضاعت لا تسقط عنہ الزکوٰۃ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہٗ

الجواب صحیح،
خیر محمد عفااللہ عنہٗ مہتمم جامعہ ہذا ۳/ ۱۲/ ۱۳۷۱ھ

ایک ہی شخص کو اتنے پیسے دینا کہ وہ غنی ہو جائے

کوئی آدمی زکوٰۃ کے پیسے سے ایک غریب آدمی کو حج بیت اللہ شریف کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب مالک بننے کے بعد فقیر کو اختیار ہے کہ اس پیسے کو جہاں چاہے صرف کرے لیکن کسی مستحق کو غنی کرنا بیک وقت نصاب سے زائد

دینا مکروہ ہے ۔ ویکرہ ان یدفع الی واحدٍ ما ئتی درھم فصاعداً وان دفع جاز (ھدایہ باب الزکوٰۃ) ۔ فقط واللہ اعلم ،

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ ،

مفتی خیر المدارس ملتان ۹/۱۲/۱۳۹۷ھ

جس قرض کے ملنے کی اُمید ہو اسکی زکوٰۃ کا حکم

جو مال کسی کو قرض پر دیا ہے یا رقم قرضہ پر دی ہوئی ہے لیکن ملنے کی اُمید نہیں ہے تو اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہ ۔ پھر یہی قرضہ اگر کئی سالوں کے بعد بالفرض مل جائے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی یا نہ ؟

الجواب اگر مقروض منکر تھا اور قرض دینے کے گواہ بھی موجود نہیں تھے تو اس صورت میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ، درمختار میں ہے ودین کان جحدہ المدیون سنین ولا بینۃ لہ علیہ (ص۹ ج۲) لیکن اگر مقروض مقر تھا مگر حصول پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے نا اُمیدی تھی تو اس صورت میں بھی گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ۔ (شامیہ باب المصرف) ملنے کی اُمید اور مقروض کے اقرار یا اس پر گواہ ہوں تو کل صورتوں میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے ۔ درمختار میں ہے ۔ ولو کان الدین علی مقر ملئ او معسر او مفلس او جاحدٍ علیہ بینۃ او علم بہ قاض فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضیٰ ۔ (شامیۃ ص ج۲) ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ،

الجواب صحیح : ۲۷/۵/۱۴۰۶ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ،

واجب التصدق رقم اپنی بالغ اولاد کو دے سکتا ہے

ایک آدمی کے پاس سود کی رقم ہے وہ خود تو اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا اسکی ایک لڑکی ہے جس کی شادی کی تھی تو اس کے خاوند نے طلاق دے دی کیا وہ والد سود کی رقم اپنی اس لڑکی کو دے سکتا ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب: اگر لڑکی مستحق زکوٰۃ ہے تو یہ رقم اس کو دے سکتا ہے مگر زکوٰۃ وغیرہ نہیں دے سکتا ہے ۔ وفی کراھیۃ الھندیۃ ان تصدق بہ علی ابیہ یکفیہ ولا یشترط التصدق علی الاجنبی

فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

شیعہ کو عشر دینا جائز نہیں :

ایک شخص صاحب مال ہے اور عشر دینا چاہتا ہے اس کا ایک رشتہ دار قریبی شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے ۔ کیا اس پر عشر لگتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: جائز نہیں ۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۴ / ۱۱ / ۱۳۷۹ ھ

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ غفر اللہ مفتی خیرالمدارس ۔ ملتان

افیون کی تجارت سے حاصل ہونے والے مال پہ زکوٰۃ کا حکم :

ایک شخص افیون بیچتا ہے اس میں منافع اتنا ہوا کہ اس کے پاس دو تین ہزار روپیہ جمع ہو گیا ۔ وہ چاہتا ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ ادا کروں اور نماز بھی پڑھوں اور حج بھی ادا کروں اور یہی کام آئندہ بھی کرتا رہوں جس طرح شریعت کا حکم

ہو تحریر فرما دیں ۔؟

الجواب افیون کی تجارت کرنا جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ اگر کوئی اور کاروبار مل جائے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کمائے ہوئے روپے کی زکوٰۃ بھی دیوے اور اس سے حج بھی کرے ۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ اصغر علی غفر اللہ لہٗ

الجواب صحیح ،
بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ
۲۴ / ۱۲ / ۱۳۷۴ ھ

زکوٰۃ میں جانوروں کی ایک جنس کو دوسری کے ساتھ ملایا نہیں جائیگا

ایک آدمی کے پاس ۳۵ بکریاں اور دس گائے اور تین اونٹ، پانچ بھینسیں ہیں ۔نقدی بھی ہے۔اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے ؟ اور گھوڑوں کی زکوٰۃ ہے یا نہ ؟ اگر ہے تو نصاب کیا ہے ؟

الجواب مویشی مختلف اقسام کے جمع ہو جائیں اور نصاب کسی کا پورا نہ ہوتا ہو تو کسی قسم پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی اور ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ جمع نہ کیا جائے گا ۔گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ۔ بنا بر قول مفتیٰ بہ فی الدر المختار ولا شئ فی خیل سائمۃ عندھما وعلیہ الفتوٰی وفی الرد قال الطحاوی وھٰذا احب القولین الینا ورجحہ القاضی ابو زید فی الاسرار وفی الینابیع وعلیہ الفتوٰی ۔ وفی الجواھر والفتاوی علی قولھما الخ[۲۶/۲]

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ
خادم الافتاء ۔
خیر المدارس ۔ ملتان ۱۸ ؍ شعبان ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح ،
خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان
۲۴ ؍ شعبان ۱۳۷۰ھ

○ صاحبِ نصاب وکیل اپنی بیٹی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

زید صاحبِ نصاب نے اپنی دختر کی شادی عمر صاحبِ نصاب سے کی۔ کچھ عرصہ بعد عمر نے لڑکی کو ناشزہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی اور کچھ مہر و نفقہ نہ دیا۔ لڑکی اپنے باپ کے گھر عدت گزار رہی ہے۔ اور اس کا خرچ اب اس کا باپ برداشت کرتا ہے۔ اور وہ اب بھی صاحبِ نصاب ہے۔ بکر نے زید کو کچھ رقم مدِ زکوٰۃ کی دی اور یہ کہا کہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کر دو۔ کیا زید اس رقم کو اپنی مطلقہ دختر پر خرچ کر سکتا ہے ؟

الجواب زید اگر بکر کے مال کی زکوٰۃ کو اپنی بیٹی کبیرہ پر صرف کر دے تو جائز ہوگا یعنی باپ کے علاوہ دوسرے شخص کی زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے۔ وکذا الی البنت الکبیرۃ اذا کان ابوھا غنیا لان قدر النفقۃ لا یغنیھا اھ (عالمگیری ص۱۸۹/ج۱)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،

الجواب صحیح ، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۸/۹/۱۳۷۰ھ

مالِ عشر دوسرے شہر لیجا کر فروخت کرے تو بھی مجموعہ قیمت سے عشر دے

کسی آدمی نے ٹماٹر وغیرہ کاشت کئے ہیں، وہ شخص ان کو اسی جگہ بیچنا چاہتا ہے، مگر نرخ کی کمی کی وجہ سے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہے۔ اب اس شخص کو کیا کرنا چاہیئے بصورت دیگر اگر اس زمیندار نے ٹماٹر دوسرے شہر کو ارسال کر دیئے وہاں پر ۱۰۰ روپے کا مثلاً بک گیا جب تمام خرچہ وغیرہ نکال دیا گیا تو صافی صرف ستر یا اسی روپے رہ گئے۔ اب عشر خام بکری سے ادا کرے یا صافی بکری سے۔

الجواب درمختار میں ہے ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

فلو بعث عبد التجارة فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیہ العبد ص۳۰ ج۲

اِس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں سو روپیہ خام بکری کا واجب ہے۔ خرچہ نکالنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح — بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

رائج الوقت نوٹ "عروضِ تجارت" کے حکم میں ہیں

میرے اور میری گھر والی دونوں کے پاس پانچ پانچ تولے سونا ہے۔ زوجہ کے پاس گھر کا کچھ سامان بھی ہے۔ جو کہ والدین نے ان کو تملیک کر دیا ہے۔ جو تقریباً تین صد روپیہ کا ہے۔ لیکن میرے پاس سوائے پانچ تولہ سونے کے اور کچھ بھی نہیں ہے آیا اِس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ، قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے۔ اور اسی طرح میری بیوی پر بھی ان مذکورہ بالا میں سے کچھ واجب ہے یا نہیں نیز بندہ ۸۰ روپے کا ملازم ہے۔ لیکن ۸۰ روپے سارے کے سارے خرچ ہو جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ تین سو روپیہ قرضہ بھی دینا ہے۔ جواب تک ادا نہیں کیا۔ بالفرض اگر قرضہ نہ بھی دینا ہو تو پھر بھی صدقۃ الفطر وغیرہ واجب ہوں گے یا نہیں۔؟

الجواب رائج الوقت نوٹ اور روپے عروضِ تجارت کے حکم میں ہیں۔ اور ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعاً للتجارۃ تجب الزکوٰۃ فی قیمتھا والا فلا (شامی ص۴۳ ج۲) جب آپ نے تنخواہ وصول کی تو اِس کا ضم مع الذہب کرنے کی وجہ سے نصاب فضہ کی مالیت سے یہ مجموعہ زائد ہو گیا تو سال شروع ہو گیا۔ آئندہ سال اگر اِس تاریخ میں ایک روپیہ یا اٹھنی چونی یا آنہ بھی موجود ہوا تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ایامِ قربانی میں بھی اگر ایک روپیہ یا اٹھنی یا چونی وغیرہ موجود ہوئی تو قربانی واجب ہو گی۔ ورنہ نہیں یہی حکم صدقۂ فطر کا

ہے ۔ بیوی کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے کہ جس دن کوئی روپیہ اسکی ملکیت میں آیا اسی روز سے اس کا سال شروع ہو جائے گا الخ۔ البتہ اسکے ملکیتی برتن اگر استعمال میں نہ آتے ہوں ویسے پڑے رہتے ہوں تو اس صورت میں صدقۃ الفطر قربانی وغیرہ واجب ہوگی ۔ خواہ مزید کوئی روپیہ اسکی ملک میں آئے یا نہ آئے ۔ اور اگر استعمال ہوتے ہوں تو یہ برتن یعنی انکی مالیت نصاب میں محسوب نہیں ہوگی فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،
نائب مفتی خیرالمدارس ۔ ملتان

الجواب صحیح ،
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ١١ / ١ / ١٣٩٢ھ

زکوٰۃ کی رقم خود استعمال کرلی اور مالکان کو بتانا بھی مشکل ہو تو ....

اگر کوئی زکوٰۃ کی رقم اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر بیٹھے اور پھر اپنی طرف سے اِتنی رقم مدرسہ میں خرچ کر دے تو کیا زکوٰۃ دھندہ کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی ۔ ؟

الجواب اصل یہ ہے کہ صورتِ حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق صورتِ مسئولہ میں ہی گنجائش ہے امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔ لکن قد یقال تجزی عن الآمر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع اھ (شامیۃ ص۱۴) لیکن یہ رقم ویسے ہی مدرسہ میں خرچ کرنا کافی نہیں ہوگا ، بلکہ معطین کی طرف سے تملیک کرانی ہوگی ۔ رجل جمع مالا من الناس لینفقہ فی بناء المسجد فانفق تلک الدراھم فی حاجتہ ثم رد بدلہا فی نفقۃ المسجد لا یسعہ ان یفعل ذالک فان فعل فان عرف صاحب ذالک المال رد علیہ او سألہ تجدید الاذن فیہ وان لم یعرف صاحب المال استأذن الحاکم وان تعذر علیہ ذالک رجوت لہ فی الاستحسان ان ینفق مثل ذالک من مالہ علی المسجد فیجوز اھ کذا فی الذخیرۃ (ھندیۃ ص۲۵۲ ج۲) ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار غفرلہ ،
١٥ / ١ / ١٣٩٦ھ

اُدھار کی زکوٰۃ کیسے دے ؟

زید کپڑے کا کاروبار کرتا ہے۔ اور زید چاہتا ہے کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کروں۔ زید کا مال تین قسم کا ہے۔ اولاً جو کپڑا دوکان میں موجود ہے ثانیاً جو نقد رقم زید کے پاس ہے ثالثاً وہ رقم جو مختلف اشخاص کے پاس بطور اُدھار ہے۔ اب ان تینوں قسموں پر زکوٰۃ ہے یا نہ یا پہلی دو قسم پر زکوٰۃ ہے۔؟

الجواب جو اُدھار تجارت کے سلسلہ میں ہو یعنی لوگ دکان سے مال لے گئے ہوں یا نقد روپیہ کسی کو دیا ہو اُس کی زکوٰۃ جیسے جیسے وصول ہوتا جائے ادا کی جائے۔ باقی دو کی ابھی دے دیں۔

فتجب عند قبض اربعین درھما من الدین القوی کقرض و بدل مال التجارۃ فکلما قبض اربعین درھما یلزمہ درھم (درمختار علی الشامیۃ) ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۴/۴/ ۱۴۰۹ھ

بیٹے کی بیوی کو زکوٰۃ دینے کا حکم :

عثمان نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ میں زکوٰۃ اپنی بہو کو دینا چاہتا ہوں یہ جائز ہے یا نہیں ؟ مولوی صاحب نے بتلایا کہ من حیث الزکوٰۃ دینا جائز ہے پھر عثمان نے دوسرے مولوی صاحب سے معلوم کیا تو دوسرے مولوی صاحب نے عدم جواز کا فتویٰ دیا کیونکہ ان کا نفع ونقصان مشترک ہے اس لئے دینا جائز نہیں واضح رہے کہ عثمان کی بہو عاقلہ بالغہ اپنے شوہر کے سمیت عثمان کے گھر سکونت پذیر ہے۔ عثمان اور اس کا بیٹا کھیتی کرتے ہیں۔ اور عثمان مذکور تمام مرد وزن صغیر کبیر کا خرچہ خود کرتا ہے ہر چیز کا مشترک کمائی سے ایسے حالات میں عثمان اپنی زکوٰۃ اپنی بہو کو شرعاً دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب حامداً کتب فقہ میں زوجۂ ابن یعنی بہو کو زکوٰۃ دینے کا جواز مصرح ہے اور

کسی طرح بھی اصولِ شرع کے تحت بہو کو مصرفِ زکوٰۃ سے خارج کرنے کی صورت نہیں نکلتی، لہذا بہو کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اگر وہ مسکینہ ہو۔ باقی فقہاء نے باپ کی زکوٰۃ بیٹے کو یا علی العکس یا زوجہ کی زوج کو وعلی العکس کے عدمِ جواز کے لئے بطورِ دلیلِ عقلی یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے مال سے نفع اُٹھانے میں چونکہ آزاد ہوتے ہیں تو یہ زکوٰۃ گویا دوبارہ زکوٰۃ دینے والے کی ضرورت میں استعمال ہو رہی ہے۔ وغیر ذٰلک اس قسم کے دلائلِ عقلیہ جنہیں فقہاء پیش کرتے ہیں مسئلہ کا مدار نہیں ہوتے اس طرح کہ اگر یہ دلیل اجنبی میں پائی جائے اور کوئی شخص کسی غریب قریب کے ساتھ اس قسم کا دوستانہ برتاؤ اور حسنِ تعلق رکھے کہ وہ ایک دوسرے کے مال کو آزادی سے استعمال کریں تو وہاں حکم عدمِ جواز کا دیا جائے یا کوئی لڑکا اپنے باپ سے علیحدہ ہے اور بیٹے کا مال کامل الانقطاع ہے۔ کسی قسم کا نفع ایک دوسرے کے مال سے نہیں اُٹھاتے تو وہاں جوازِ زکوٰۃ کا حکم دیا جائے اس طرح کا عمل صحیح نہیں۔ دلائلِ عقلیہ کو فقہاء صرف تقریبِ ذہن کے لئے پیش کرتے ہیں دراصل مصارفِ زکوٰۃ حدیث شریف میں منصوص ہیں، باپ کی زکوٰۃ بیٹے پر منع ہے۔ حدیث شریف میں اب یہ منع مطلق ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو اور بہو کے لئے جواز ہے لہذا یہ بھی مطلقاً ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو۔ البتہ اگر کوئی نیت فاسد رکھتا ہو اور بہو کو دینا حیلہ بنا رہا ہو فی الواقعہ مقصود یہ ہو کہ اس طرح زکوٰۃ سے دوبارہ فائدہ اُٹھاؤں گا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ انما الاعمال بالنیات الخ اگر نیت فاسد ہے تو عمل فاسد ہوگا لیکن فقہی حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے باطنی نیات سے نہیں لہذا فقہی حکم صرف جواز کا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم،

محمودؒ عفا اللہ عنہ
مفتی قاسم العلوم ۔ ملتان
۱۸ / ۲ / ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

سادات کو زکوٰۃ دینا کسی زمانہ میں جائز نہیں

سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے موجودہ زمانہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے۔؟ احادیث صحیحہ اور معتبر فقہاء اس کے حق میں ہیں یا خلاف۔ درست صورتِ حال اور مفتی بہ قول درکار ہے۔

الجواب کسی زمانہ میں بھی سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور سادات کو ہر زمانہ میں زکوٰۃ لینا حرام ہے خواہ خمس ہو یا نہ۔ وفی البحر الرائق واطلق الحکم فی بنی ھاشم ولم یقید بزمانٍ ولا بشخص للاشارۃ الی رد روایۃ ابی عصمۃ من الامام انہ یجوز الدفع الی بنی ھاشم فی زمانہ لان عوضھا وھو خمس الخمس لم یصل الیھم لاھمال الناس امر الغنائم وایصالھا الی مستحقیھا واذا لم یصل الیھم العوض عادوا الی المعوض وللاشارۃ الی رد الروایۃ بان الھاشمی یجوز لہ ان یدفع زکوٰتہ الی ھاشمی مثلہ لان ظاھر الروایۃ المنع مطلقا صـ۲۶۶ ج۲ نیز جس ایک روایت کے پیشِ نظر جواز بتلایا جا رہا ہے۔ وہ دلیل کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔ فقہاء معتبرین کا مفتی بہ قول بھی عدم جواز کا ہے۔ فقط واللہ اعلم، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

آلِ علیؓ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

ایک شخص اپنے آپ کو علوی بتاتا ہے۔ کیا اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔؟

الجواب اگر واقعۃً وہ آلِ علیؓ سے ہے تو اس کو صدقاتِ واجبہ براہِ راست نہیں دے سکتے۔ (قولہ ولا الی بنی ھاشم) درمختار) اعلم ان عبدمناف وھو الاب الرابع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اعقب اربعۃ

وهم هاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس ثم هاشم اعقب اربعة انقطع نسل الکل الا عبد المطلب فانه اعقب اثنا عشر تصرف الزکوٰة الی اولاد کل اذا کانوا مسلمين فقراء الا اولاد عباس وحارث واولاد ابی طالب من علی وجعفر وعقيل اھ شامية ص ۷۲ ج ۲ ۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور ۳۰ / ۹ / ۱۴۰۷ھ

برادری کے مالداروں سے لیکر انہی کے فقراء پر تقسیم کرنیکی شرائط

ہماری ایک برادری جو کہ پانچ چھ خاندانوں پر مشتمل ہے۔ جس میں مالی اعتبار سے ہر طرح کے افراد شامل ہیں یعنی امیر وغریب ۔ برادری کی ایک قومی کمیٹی تمام برادری کے اتفاق واتحاد سے بنی ہوئی ہے جس کا مقصد اب یہ ہے کہ برادری کے امیر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کریں اور اپنے پاس جمع کرکے اپنی برادری کے یتیموں ، بیواؤں ، مسکینوں اور ایسے افراد جن کا گذارہ نہیں ہوتا ہے ان پر تقسیم کریں۔ اگر یہ جائز ہے تو قومی کمیٹی کس طرح سے ان افراد میں زکوٰۃ کو تقسیم کرے ۔ ؟

الجواب کمیٹی اس طرح زکوٰۃ جمع کرسکتی ہے اور انکو دے سکتی ہے جن کے پاس تقریباً ایک سو پندرہ روپے کی مالیت کا سامان مع نقدی زیورات موجود نہ ہو۔ جو سامان کہ زائد از حاجت ہو۔ ہر یتیم ، بیوہ مستحق زکوٰۃ نہیں ، مندرجہ ذیل اُمور کا خیال رکھنا ضروری ہے ۱ :۔ کسی وسیع النظر عالم دین سے مسائل پوچھ کر زکوٰۃ ادا کرنا ۔ ورنہ خطرہ ہے کہ بہت سے لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہی نہ ہو ۲ :۔ شرعاً مسکین وغریب کس کو کہتے ہیں اسکی صحیح تحقیق معلوم کرنا ۳ :۔ رقم جمع ہوتے ہی جلد از جلد مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کرنا جمع کرنے میں بہت ضروری ہے ۔ کہ ہر سال کے سال یہ فنڈ ختم ہوجایا کرے بلکہ اگر دشواری نہ ہو تو فقراء کی فہرست تیار کرکے ایک طرف سے لیتا جاوے اور دیتا جاوے کہ جمع کی نوبت ہی نہ آوے ۴ :۔ مساکین میں اپنی ہی برادری کی تخصیص کرنا اچھا نہیں دوسرے مساکین کو بھی دیتے رہیں ۔ ۵ :۔ کسی

غیر مقروض مستحق کو ایک ہی مرتبہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت سے کم دیں۔ تقریباً سو روپیہ سے زیادہ نہ دیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵/۸/۱۳۸۲ھ

کپاس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟

کپاس چنوائی میں مزدوری کپاس ہی سے دینا کیسا ہے اور اگر یوں ہی کیا جاوے تو جو مقدار مزدوری میں چلی جاوے گی اس کا عشر بھی واجب ہوگا۔ نیز اسکی آمدنی سے خرچہ نکال کر عشر واجب ہوگا یا خرچہ نکالنے سے پہلے۔ نیز کپاس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟

الجواب اگر یہ کہا جائے کہ جو کپاس چنوگے، اس سے اجرت دی جائے گی تو درست نہیں اور اگر یوں کہا جاوے کہ دس سیر کپاس چننے پر ایک سیر دی جائے گی تو درست ہے پھر چاہے اسی سے دے دی جائے۔

لو استأجر رجلا يجني هذا القطن بعشرة أمناء من القطن ولم يقل من هذا القطن جاز (عالمگیری ص ۵۲۴ ج ۲)

جو مقدار مزدوری میں دی جاوے عشر اس میں بھی واجب ہے کیونکہ وہ بھی منجملۂ پیداوار ہے کپاس کی لکڑی میں عشر نہیں ہے عشر خرچہ وغیرہ نکالنے سے پہلے ادا کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔ فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ،
الجواب صحیح، مفتی خیر المدارس۔ ملتان
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس۔ ملتان ۲/۱/۱۳۹۸ھ

غنیِ نابالغ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے:

ایک یتیم لڑکا جو نصاب کا مالک نہیں تھا۔ کچھ عرصہ سے نصاب سے زائد اس کے پاس ہے اب اس کو زکوٰۃ۔ عشر۔ قربانی کے چمڑے کی رقم صدقۃ الفطر وغیرہ دے سکتے ہیں یا

نہیں اور وہ خود نصاب کی زکواۃ ادا کرے یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ بچے کو زکواۃ دینے کی اجازت نہیں نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں، درمختار میں ہے۔ وشرط افتراضها عقل وبلوغ و اسلام وحرية (ص۲ ج۲) قربانی کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہے اصح عدم وجوب ہے درمختار میں ہے۔ ويضحي عن ولده الصغير من ماله وقيل لاصححه في الكافي قال وليس للاب ان يفعله من مال طفله ورجحه ابن الشحنة قلت وهو المعتمد (شامی ص۲۰۱ ج۵)۔ بچے کی زمین میں عشر واجب ہے۔ هندیہ میں ہے۔ يجب العشر في ارض الصبي والمجنون (ص۹۵ ج۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد عبداللہ عفااللہ عنہ

الجواب صحیح ، عبدالستار عفااللہ عنہ

۳/ ۸/ ۱۴۰۸ جو

زکواۃ وعشر میں مال کی قیمت کا تعین قریبی شہر وبستی کے لحاظ سے کیا جائے

ہمارے علاقہ میں خربوزے ہوتے ہیں اور جب خربوزے پک جاتے ہیں تو خربوزہ کو کاٹ کر کوئٹہ کراچی وغیرہ میں فروخت کے لئے لے جاتے ہیں۔ مذکورہ جگہوں میں لے جانے سے بہت خرچہ ہوتا ہے۔ یعنی لاری کرایہ مانڈی ومحصول دلالی وغیرہ اور زمیندار عشر روپیوں سے نکالتا ہے اب عشر خرچ کے ساتھ ادا کریں یا کہ بغیر خرچ کے مذکورہ جگہوں میں خربوزے کی کل قیمت پانچ ہزار ہے اور مختلف خرچہ پانچ سو روپیہ ہے تو اب عشر پانچ ہزار کے حساب سے ادا ہو یا کہ ساڑھے چار ہزار کے حساب سے ۲۔ اور بعض زمیندار ایسے کرتے ہیں جب خربوزہ کاٹ لیتے ہیں تو اس وقت کریٹ بھر کر کے عشر کیلئے چند کریٹ متعین کر لیتے ہیں مثلاً کل چالیس کریٹ خربوزے سے بھر گئے تو اس زمیندار نے چار کریٹ عشر کے لئے متعین کر لئے اور کسی مسکین کے قبضہ میں نہیں دیئے اور اپنے کریٹوں کے ساتھ کوئٹہ لے گئے

تاکہ وہاں بیچ کر مشترکہ رقم کو اپنے شہر کے مساکین پر تقسیم کریں ایسی صورت میں خرچہ دینا مالک کے ذمہ ہوگا ۔ یا کہ عشر کے کریٹوں کی قیمت سے وصول کیا جائے ۔ ؟

الجواب ۱۔ خربوزہ کا کھیت کاٹ لیا تو اسپر عشر کی ادائیگی لازم ہو گئی ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔ واٰتوا حقہ یوم حصادہٖ الآیۃ لہٰذا عشر کو جدا کر کے فقراء کو دیدے اور عشر میں شریعت نے مالک کو یہ بھی حق دیا ہے کہ اصل جنس کے بجائے اسکی قیمت ادا کرے ۔ وجاز دفع القیمۃ فی زکاۃ وعشر وخراج اھ ۔ وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء وفی السوائم یوم الاداء اجماعاً وھو الاصح ویقوّم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ (شامی ص۲۲ ج ۲)

اس لئے مالک اگر چاہے تو اپنی بستی یا قریبی شہر کے بھاؤ کے مطابق عشر کی قیمت لگا کر یہ قیمت بطور عشر ادا کرے اور مال جہاں چاہے لیجا کر فروخت کرے چاہے جس بھاؤ پر فروخت کرے کرایہ وخرچہ اسپر ہوگا ۔ عشر کے ساتھ تعلق نہ ہوگا عشر جو متعین کر لیا ہے وہ دیدے ۔ ۲۔ جب عشر کے کریٹ متعین کئے تو اپنی بستی وشہر کی قیمت کے اعتبار سے وہ روپے اپنے ذمہ لگا لے پھر بعد میں دیدے ۔

فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۲ / ۱ / ۱۴۰۹ ھ

ضرورت کی کتب نصاب میں شمار نہیں ہوں گی

علماء حضرات کے پاس جو مختلف درسی یا غیر درسی کتابیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں جبکہ انہوں نے اپنی ضرورت کے لئے رکھی ہوئی ہوں تو خواہ انکی ضرورت اکثر وبیشتر ہوتی ہو یا مہینوں تک کبھی کبھی ضرورت پیش آتی ہو، جب انکی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو ان کی وجہ سے اس نصاب کے مالک پر صدقہ فطر اور قربانی کا وجوب ہوتا ہے ۔

یا نہیں اور ایسے شخص کے لئے صدقات لینا جائز ہے یا نہیں ؟ نیز طب و فلسفہ کی کتابیں بھی جبکہ اپنی ضرورت کے لئے ہوں نصاب کو پہنچ جائیں تو ان کا حکم بھی مذہبی کتابوں جیسا ہے یا ان سے مختلف ؟

الجواب کتب درسیہ وغیر درسیہ اگر تفسیر و حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، کلام، نحو و صرف کی ہیں تو پھر اگرچہ انکی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تب بھی مالک کے لئے (جبکہ وہ عالم ہو) اخذِ زکوٰۃ جائز ہے بشرطیکہ اس کے پاس ان کتب کے علاوہ دیگر کوئی نصاب موجود نہ ہو لہذا ایسے شخص پر صدقہ فطر و قربانی واجب نہیں (کما فی الدر صفحہ ۲ وکذا الکتب ان تکن لاهلها اولم تنو للتجارة غیر ان الاهل له اخذ الزکوٰة وان ساوت نصباً) البتہ اگر ان میں سے بعض کتب دو دو نسخوں سے زائد ہوں اور زائد نسخوں کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو پھر یہ شخص مصرفِ زکوٰۃ نہیں ہوگا۔ اور اس پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہوگا۔ کما فی الدر او تزید علی نسختین اسی طرح کتبِ طب اگر طبیب کے لئے ہیں اور اس کو انکی ضرورت پڑتی ہے تو وہ کتب اس کے لئے اخذ زکوٰۃ سے مانع اور صدقہ فطر وغیرہ کے لئے موجب نہیں ہوں گی کما فی الشامیة وان کتب الطب للطبیب یحتاج الی مطالعتها ومراجعتها لا تمنع لانها من الحوائج الاصلیة کالآت المحترفین یعنی یہ بھی فقیر کا حکم رکھتا ہے منطق و فلسفہ و دیگر کتب مثلاً کتب شعر، تاریخ، عروض کی قیمت اگر نصاب تک پہنچ جائے تو پھر وہ شخص غنی سمجھا جائے گا۔ قربانی و صدقۂ فطر اس پر واجب ہوگا۔ کما فی الشامیة والذی یقتضیه النظر ایضا ان ارید بالادب الظرافة کما فی القاموس وذالك کتب الشعر والعروض والتاریخ ونحوه تمنع الاخذ۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ نائب مفتی
خیر المدارس۔ ملتان
۲۷ / ۲ / ۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

مروّجہ کمیٹیوں میں زکوٰۃ کا حکم : ایک شخص نے بذریعہ قرعہ اندازی پندرہ آدمیوں سے پندرہ ۱۵۰۰۰ ہزار روپے کی رقم لی جس میں ایک ہزار اس کا ہے اور چودہ ہزار باقی ساتھیوں کا، بطورِ قرض جو اس نے واپس کرنا ہے اب بتائیں اسکی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہو گی ؟

الجواب : بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں زید پر جو رقم قرض ہے اسکی زکوٰۃ اس کے ذمے واجب نہیں ہے ہر حصہ دار اپنی رقم کی زکوٰۃ خود ادا کرے کیونکہ جس قرض کے ملنے کی قوی امید ہو اس کو بھی دوسرے مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرنا شرعاً مامور بہ ہے ۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ، ۲۶ / ۷ / ۱۴۰۶ ھ

مالِ ضمار میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

بکر نے تجارت کا مال افغانستان میں خریدا اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ افغانستان میں خطرناک جنگ جاری ہے ہر جگہ پکڑے جانے کا اور جان سے مار دینے کا خطرہ ہے اب بکر کو معلوم نہیں کہ اس کا مال اب موجود ہے یا ھلاک ہو گیا ؟ کیا اس صورت میں بکر کا یہ مال ، مال ضمار ہے یا نہیں ؟ افغانستان میں امن و امان ہو جانے کی صورت میں بکر کو جب مال مل جائے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں ؟

الجواب : یہ مال ضمار ہے ۔ مل جائے تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہو گی ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ،

۲۶ / ۷ / ۱۴۰۰ ھ

مجنون پر زکوٰۃ واجب نہیں : اگر نابالغ، مجنون کا حصہ الگ ہو تو کیا ان کے کفیل شخص کو ان کے زیرِ تحویل

قابل زکوٰۃ مال سے انکی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب نابالغ اور مجنون بچے کے مال میں زکوٰۃ نہیں جبکہ سال بھر مجنون رہتا ہے۔ فلیس الزکوٰۃ علی صبی ومجنونٍ اذا وجد منہ الجنون فی السنۃ کلھا ھکذا فی الجوھرۃ۔ ہاں اگر کچھ وقت کے لئے اسے بالکل افاقہ ہو جاتا ہے تو مالکِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فلو افاق فی جزءٍ من السنۃ بعد ملک النصاب فی اولہا وآخرھا قل او کثر یلزمہ الزکوٰۃ اھ (ھندیۃ ص۱۷۲ ج۱)

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۰/ ۸/ ۱۴۰۰ھ

کالجوں کے طلبہ بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں ؟ : گورنمنٹ جو فنڈ زکوٰۃ میں سے کالجز

اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو بطورِ وظیفہ دیتی ہے طلباء کو اس اعتبار سے لینا کہ تبدل ملک سے تبدل عین لازم آتا ہے کی رُو سے یہ خزانہ گورنمنٹ کا جُزو ہوگیا اور حکومت اسے اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرے یا صرف زکوٰۃ کے مستحقین ہی اسے حاصل کر سکتے ہیں شریعت کی رُو سے فتویٰ صادر کیا جائے۔ ؟

الجواب اگر حکومت زکوٰۃ فنڈ سے وہ وظائف دیتی ہے تو اسے وہی طلبہ لیں جو مستحق زکوٰۃ ہوں اور حکومت انہیں بطورِ ملک نہیں لیتی بلکہ زکوٰۃ دھندگان کے وکیل یا نائب کی حیثیت سے لیتی ہے لہذا تبدلِ ملک نہ ہوا۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفی عنہ ۳۰/ ۲/ ۱۴۰۶ھ

زکواۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ لکھنا

زید نے این، آئی، ٹی میں اپنی رقم جمع کرائی ہوئی ہے۔ سُنا ہے کہ ان کا طریقِ کار صحیح ہے، علماء دیوبند نے اِسکی اجازت دی ہے یہ محکمہ زکواۃ کاٹ کر حکومت کے خزانہ میں جمع کرادیتا ہے۔ زید چاہتا ہے کہ اپنی زکواۃ اپنے رشتہ داروں میں دے، اگر زید خود کو شیعہ لکھ دے تو کٹوتی سے بچ جائے گا تو کیا کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ کہنا درست ہے؟

الجواب: موجودہ دور کے شیعہ جو تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں کافر ہیں۔ اِسی لئے ان کو زکواۃ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ کافر پر زکواۃ نہیں ہوتی اسلئے زید اپنے آپ کو ہرگز شیعہ نہ لکھے اگر لکھ چکا ہو تو توبہ واستغفار کرے۔ ایمان و نکاح کی تجدید کرے

فقط واللہ اعلم،

محمد انور، ۱۴۰۹/۶/۱۹ھ

فقیر نابالغ کو زکواۃ دینے کا حُکم:

زید نے ایک لڑکا عمرو چھوڑا اور اتنا مال بھی کہ جس سے عمرو صاحبِ نصاب بن جائے اور بکر نے نابالغ بچہ وارث چھوڑا اور اتنا مال نہیں کہ جس سے اس کا بیٹا خالد صاحبِ نصاب بن سکے تو کیا دونوں لڑکے زکواۃ کے مصرف ہوں گے؟ ۲۔ یتیم کا قبضہ کافی ہے یا اس کے کسی وارث کو قبضہ کرانا چاہئے اور پھر اس وارث کے لئے صاحبِ نصاب ہونا تو شرط نہیں؟

عبدالحلیم جامعہ رحیمیہ۔ جھنگ

الجواب: عمرو (یتیم غنی) مصرفِ زکواۃ نہیں لہٰذا اسے زکواۃ دینا جائز نہیں خالد کو زکواۃ دینا جائز ہے درمختار میں ہے طفل الغنیۃ فیجوز لانتفاء المانع کہ مالِ زکواۃ یتیم کو دینا جائز ہے البتہ اگر یتیم چھوٹا ہے کہ خود قبضہ نہیں کرسکتا تو

اس کے اولیاء یتیم کے لئے قبضہ کر سکتے ہیں اور اولیاء کا فقیر ہونا بھی شرط نہیں
کمایفھم من اطلاق در المختار وان وھب له اجنبی یتیم بقبض ولیه

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ
عبداللہ غفرلہ معین مفتی خیرالمدارس ملتان
مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۳ / ۱۱ / ۷۵ ھ

خودرو گھاس کی دیکھ بھال کی جاتی ہو تو عُشر بھی واجب ہوگا

جانوروں کے چارہ کے لئے جو گھاس اُگائی جاتی ہے جیسے برسین جوار، مٹر وغیرہ اس پر عشر ہے یا نہیں ؟ ، اور فقہ میں جس حشیش کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ کون سا گھاس ہے ۔؟

الجواب جس گھاس سے آمدنی مقصود ہو جیسے جوار برسین وغیرہ اس پر عشر واجب ہے خودرو گھاس پر عشر واجب نہیں ۔ لیکن اگر کوئی شخص خودرو گھاس کی دیکھ بھال شروع کر دے اور بیچ کر کمائی کرے تو اس پر بھی عشر واجب ہوگا ہندیہ میں ہے ۔ فلاعشر فی الحطب والحشیش الخ ولو کان یقطعه ویبیعه یجب فیه العشر ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۴ / ۱۰ / ۱۴۰۷ ھ

درختوں میں عُشر نہیں ہے :

زمین میں سے جو درخت فروخت کئے جاتے ہیں اُن پر عشر واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب درختوں میں عُشر واجب نہیں ہے ولا عشر فیما ھو تابع

للارض کالنخل والاشجار (ہندیہ ص ۹۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

افیون اور تمباکو کی پیداوار میں عُشر کا حکم

: جو لوگ افیون و تمباکو کی زراعت کرتے ہیں ان پر حاصل شدہ افیون و تمباکو میں عشر دینا واجب ہے یا نہ ؟

الجواب وجوب عشر و عدم وجوب عشر کا مدار اس پر ہے کہ جو چیز زمین کی کاشت سے مقصود ہوتی ہے اس چیز میں عُشر واجب ہوتا ہے۔ اور جو چیز اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ گندم میں عشر واجب ہے اور بھوسہ میں عُشر نہیں کیونکہ زمین کی کاشت گندم ہی کے لئے کی جاتی ہے، بھوسہ اس کے ساتھ تبعًا حاصل ہوتا ہے لیکن اگر کسی نے گھاس ہی کے لئے زمین کی کاشت کی ہے تو پھر اس میں عشر واجب ہوگا۔ پس اس اصول کے تحت تمباکو اور افیون میں بھی عشر واجب ہے کیونکہ ان ہی کے لئے زمین کی کاشت ہوئی ہے۔ وکل ذالک فی الشامیۃ ص ۵۵ ج ۲ إنَّ الارض المعدۃ لا یخلو عن احدی الوظیفتین وایضاً فیہ لبعد سطورٍ إنَّ المَدَارَ علی القصد حتی لو قصد بہٖ ذلک وجب العشر کما صرح بہٖ بعدہٗ : فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۱۳/ ۹ / ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہٗ ۱۴/ ۹ / ۱۳۷۸ھ

اسقاطِ زکوٰۃ کے لئے حیلہ کرنے کا حکم

مساۃ خالدہ کے پاس ۱۲ تولہ سونے کے زیور ہیں، میری دو ۲ بیٹیاں ہیں ایک کی عمر چار سال اور دوسری کی سات سال ہے۔ میری ذاتی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ زیور کی زکوٰۃ ادا کر سکوں، میری بیوی زیور فروخت کرنے کو اس لئے تیار نہیں ہے کہ یہ زیور بیٹیوں

کی شادی میں زیور بنانے کے کام آئے گا۔ وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے گناہ سے بھی بچنا چاہتی ہے۔ اگر ۱۲ تولہ زیور میں سے پانچ یا چھ تولہ بڑی بیٹی جس کی عمر سات سال ہے اس کے لئے زیور بنا کر رکھ لیا جائے یا اس کی ملکیت کر دیا جائے تو کیا اس صورت میں میری بیوی پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب: حسب ضابطہ شرعیہ بچیوں کو دینے کے بعد مسماۃ خالدہ پر اس زیور کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور بچیوں پر بھی بلوغ تک زکوٰۃ نہ ہوگی۔ بلوغ کے بعد اگر وہ صاحبِ نصاب ہوگئیں تو زکوٰۃ شروع ہو جائے گی۔ ھدایہ میں ہے ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ صہ ۱۴۲ لیکن بعض حضرات فقہاء نے اسقاط زکوٰۃ (ختم کرنا زکوٰۃ) کے لئے حیلہ کو مکروہ قرار دیا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

بندہ عبدالستار عفی عنہ، ۱۴/ ۸/ ۱۴۰۴ ھ

شراب اور ہیروئن پینے والے کو زکوٰۃ دینا:

شراب اور ہیروئن کے عادی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ مفلس بھی ہو۔

الجواب: مسلمان چاہے جیسا بھی بدکار ہو اگر فاقہ زدہ ہو تو اس کی زکوٰۃ سے مدد کرنا جائز ہے۔ خاص کر جبکہ رشتہ دار بھی ہو اور پڑوسی بھی ہو۔ اور نرمی کے ساتھ اس کو سمجھا بھی دیا جائے اور نصیحت بھی کی جائے کہ یہ کام چھوڑ دو اور نیک کام کرو تو یہ نحوست فقر و فاقہ کی دور ہو جائے گی اور جہنم کے عذاب سے بھی نجات ہوگی۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ اگر یہ شخص اس پیسے سے شراب پیتا ہے اور ہیروئن میں یہ رقم استعمال کرتا ہے تو اس میں اعانت ہے ایک گناہ کی۔ اس لئے اس صورت میں اس کو حرکاتِ شنیعہ سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر یہ باز نہ آئے تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا مناسب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

تعاونوا علی البرّ والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ۴/۸/۱۴۱۱ ھ

حضرت مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم

پس منظر

حکومت کی طرف سے ۱۳۹۹ھ میں زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کا مسودہ مختلف حضرات علماء کی خدمت میں لغرض تبصرہ بھیجا گیا۔ اس میں ایک بنیادی بحث اموالِ ظاہرہ اور باطنہ بھی تھی۔ اس مسودے میں بینک اکاؤنٹس اور دیگر ایسے مالی اثاثوں کو جو حکومت کے پاس جمع ہوں۔ مالِ ظاہر قرار دیا گیا تھا۔ غالباً سب سے پہلے اس پر مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی[1] نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں غور و خوض کیا۔ اور اپنے فیصلے میں لکھا:

"کہ ہم مذاہب اربعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اموالِ ظاہرہ اور اموال باطنہ کی یہ تعریف (جو حکومتی مسودے میں کی گئی ہے ناقل) ائمہ اربعہ کی متفق علیہ تعریف کے خلاف ہے الخ۔ اور مجلس نے آگے چل کر حکومتی مسودے میں اموالِ ظاہرہ کی اس تعریف کو اصلی تعریف کا "مسخ اور تحریف" قرار دیا۔ (بینات جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ)

لیکن بعد میں مجلسِ بالا کا دوسرا اجلاس ہوا جس میں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کے بارے میں مجلس نے اپنے پہلے فیصلے کو بدل دیا اور سرکاری مسودے کی تائید کر دی کہ بینک اکاؤنٹس اموالِ ظاہرہ میں شامل ہیں۔ اور پھر دار العلوم کراچی کی طرف سے اس دوسرے فیصلے کو مختلف مدارس میں بھیجا گیا۔ کئی حضرات نے اس کی تائید فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور۔ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی دار العلوم حقانیہ ضلع سرگودھا محقق دوراں شیخ الحدیث مولانا سرفراز صاحب گوجرانوالہ

اور راقم الحروف نے "مجلس" کے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ بینک اکاؤنٹس اموالِ ظاہرہ نہیں۔ کیونکہ حضرات فقہاء کی تصریح کے مطابق اموالِ ظاہرہ ہیں (کھیتیاں۔ باغات، سوائم اور وہ مالِ تجارت جسے مالک شہر سے باہر لے جائے اور اسے لیکر سفر کرے) اور بینک اکاؤنٹس ان چار میں شامل نہیں۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ شہر میں ہوتے ہوئے کوئی مالِ باطن، مالِ ظاہر میں شامل نہیں ہو سکتا جب شہر سے باہر لیجائیں گے۔ تب وہ مال ظاہر بنے گا اور بینکی

---

[1] شرکائے مجلس کے اسماء گرامی یہ ہیں۔
حضرت مولانا مفتی رشید احمد۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی۔ حضرت مفتی ولی حسن۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی۔
حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق۔ حضرت مولانا محمد جمیل خاں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔
دامت برکاتہم اجمعین۔

اموال شہر میں ہی موجود ہوتے ہیں ۔

مجلسِ تحقیق نے اپنے ایک اجلاس میں پھر ہماری معروضات پر غور کیا اور اِس سلسلہ میں حضرات فقہاء کی تصریحات کی بجائے بعض آثارِ صحابہؓ سے استدلال کرتے ہوئے اپنی سابقہ اجتہادی رائے "پیش کردہ فقہی جزئیات و تصریحات" کا جواب دینے کی بھی کوشش کی گئی اور اپنے اِس تفصیلی جواب کو "البلاغ" بابت ماہِ رمضان و شوال ۱۴۰۱ھ میں شائع کر دیا گیا۔

"البلاغ" میں یہ جواب پڑھ کر حیرت و تعجب ہوا۔ اور ذمہ دار حضرات کو مطلع کیا گیا کہ اِس جواب میں شرعی اور فقہی اعتبار سے بہت سے امور قابلِ اصلاح ہیں جس پر مخدوم و مکرم حضرت مولانا محمد رفیع صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم کراچی نے بندہ کو جواب الجواب لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ بندہ نے مفصل جواب تحریر کرکے حضرات اکابر کی تصدیقات کے بعد اُسے کراچی بھیج دیا۔ مگر اِس کا کوئی مُثبت ردِّ عمل سامنے نہیں آیا۔ علم چونکہ امانت ہے۔ اور بہت سے حضرات نے بار بار اِس آخری جواب کو شائع کرنے کا اصرار و تقاضا بھی فرمایا۔ اِس لئے مجبوراً اِسے اشاعت کے لئے دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرمادیں۔ آمین!

اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کے مسئلے کے بارے میں بہت سے حضرات نے ہمارے اِس آخری جواب کی تصدیق فرمائی ہے جن میں سے بعض کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب دامت برکاتہم جامعہ اشرفیہ لاہور۔
۲۔ محققِ دوراں حضرت مولانا سرفراز خانصاحب دامت برکاتہم گوجرانوالہ۔
۳۔ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مفتی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔
۴۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد
۵۔ حضرت مولانا خالد محمود صاحب۔ لاہور
۶۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔ کراچی
۷۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مفتی قاسم العلوم۔ ملتان
۸۔ حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب استاذ الحدیث دار العلوم۔ فیصل آباد
۹۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۰۔ محمد انور مرتب خیر الفتاویٰ

اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تحقیق

اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی فقہی اصطلاح اردو اور پنجابی کے لفظ ظاہر سے مأخوذ نہیں بلکہ عربی کے لفظ ظاہر البلد اور بطن البلد سے لی گئی ہے۔ ظاہر البلد بیرون شہر کو کہا جاتا ہے اور بطن بلد اندرونِ شہر کو کہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ فقہی اصطلاح وجود میں آئی کہ جو اموالِ زکوٰۃ بیرونِ شہر پائے جائیں ظرفیتِ مکانی کے اعتبار سے انہیں اموالِ ظاہرہ اور جو اموالِ زکوٰۃ اندرونِ شہر پائے جائیں بطن البلد کی نسبت سے انہیں اموالِ باطنہ قرار دیا گیا ہے۔ گو پوشیدہ ہونے یا نہ ہونے کا معنی بھی فی الجملہ ان میں پایا جاتا ہے لغت اور فقہاء کرام کی تصریحات سے مجموعی طور پر یہ حقیقت اس قدر واضح ہے کہ اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔

اہلِ لغت نے ظَہَرَ کا معنی بَرَزَ لکھا ہے چنانچہ قاموس میں ہے ظَہَرَ بَرَزَ بعد خفاءٍ اور بروز اصل کے لحاظ سے خروج الی البراز کو کہتے ہیں اور براز درختوں سے خالی وسیع میدان کو کہتے ہیں (منجد اردو)

اور قضاءِ حاجت کے لئے جنگل میں جانا تبرّز اور میدانِ جنگ میں صفوں سے نکل کر مقابلہ کے لئے باہر آنا مبارزت کہلاتا ہے ان سب استعمالات میں بیرونِ شہر کے معنی ملحوظ ہیں اور ظہر جنگلی راستہ کو کہتے ہیں قریش الظواہر آنہا کہ بظاہر مکّہ فرود آمدند (صحاح)

ابن الاعرابی فرماتے ہیں قریش الظواھر الذین نزلوا بظھور جبال مکۃ و قریش البطاح الذین ھم نزلوا بطاح مکۃ بطن مکۃ والبطحاء الرمل۔

ترجمہ: قریشِ ظواہر وہ قریش ہیں جو مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کی بلندیوں پر فروکش ہوئے اور قریشِ بطاح وہ ہیں جو اندرونِ مکہ ریتلی زمین پر اترے وذلک ان بنی ہاشم و بنی امیۃ و سادۃ قریش نزول ببطنِ مکۃ ومن کان دونھم فھم نزول بظواھر جبالھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ کو لکھا "فاظہر بمن معک من المسلمین الی کذا ای اخرج بھم الی ظاھرھا و ابرزھم۔

(لسان العرب ص۵۲۳)

ترجمہ: اپنے لشکروں کو فلاں شہر کے میدان میں لے آؤ۔

البدایۃ والنہایۃ میں ہے واقام علیؓ بظاھر البصرۃ ثلاثا ولما دخل البصرۃ فضّ اھ (ص۲۲۴ ج ۷)

حضرت سعید بن جبیرؓ کی قبر کے متعلق لکھا ہے ودفن سعید بظاھر واسط العراق وقبرہ بھا یزار۔ حضرت سعید کو شہر واسط کے باہر دفن کیا گیا اُردو عربی منجد میں ہے ظاھر البلد بیرون شہر (منجد اردو)

ظاھر البلد خارجہ (منجد عربی)

ایک حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ یخرج من آخر اللیل الی البقیع ای بقیع الغرقد وھو موضع بظاھر المدینۃ فیہ قبور اھلہا۔

(مرقات ج ۴ ص۱۱۵ امدادیہ ملتان)

ان حوالہ جات سے یہ امر ظاہر ہے کہ ظاہرِ بلد بیرون شہر اور بطنِ بلد اندرونِ شہر کو کہتے ہیں اور ظہور اور بروز میں وسیع میدان اور جنگل کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس جب تک کوئی مال ظاہر بلد (بیرونِ شہر) میں نہیں ہوگا اسے اصطلاحی طور پر مال ظاہر قرار دینا اس حقیقتِ لغویہ سے بے خبری ہے اور یہ حقیقتِ لغویہ حضراتِ فقہاء کے بیان کردہ "اموالِ ظاہرہ" پر من وعن منطبق ہے۔ چنانچہ حضراتِ فقہاء نے جو اموالِ زکوٰۃ بیرونِ شہر پائے جاتے ہیں انہیں اموالِ ظاہرہ اور جو اندرون شہر پائے جاتے ہیں۔ انہیں اموالِ باطنہ قرار دیا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: والاموال الظاھرۃ وھی السوائم وما فیہ العشر والخراج (ای الزروع والبساتین) وما یمر بہ التاجر علی العاشر عبارت سے بظاہر تحدید معلوم ہوتی ہے۔ اور تحدید تعریف سے ابلغ ہے۔

امام ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں: اِنَّ اموال الزکوٰۃ نوعان ظاھر وھو المواشی وما یمر بہ التاجر علی العاشر وباطن وھو الذھب والفضۃ واموال التجارۃ فی مواضعہا اھ۔

"فی مواضعہا" یہ "وما یمر بہ العاشر" کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سونا اور چاندی اور اموالِ تجارت دکانوں یا گھروں میں رکھے ہوئے ہیں تو اموالِ باطنہ میں سے ہیں۔ اور انہیں لیکر عاشر کے پاس سے گزریں تو یہ اموالِ ظاہرہ میں تبدیل ہو جائیں گے جنگل اور بیرونِ شہر میں ہونے کی وجہ سے سائمہ اور کھیتوں کو چھپایا

نہیں جاسکتا اور گھریلو اور دکانوں میں پڑے ہوئے اموال کو چھپایا جاسکتا ہے چنانچہ بازار بند ہوتے ہی یہ سب اموال پوشیدہ اور نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی یوں تعریف کی ہے: والاموال المزکاۃ نوعان ظاهرة وباطنة فالظاهر ما لا یمکن اخفاءه کالزرع والثمار والمواشی والباطنة ما امکن اخفاءه من الذهب والفضة واموال التجارة ص۱۱۳)

اِن عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اصل اموالِ ظاہرہ تین ہیں۔

(۱) :- جنگل میں چرنے والے جانور (۲) :- کھیتیاں (۳) :- باغات اور اموالِ ظاہرہ کی چوتھی قسم وہ ہے جو دراصل اموالِ باطنہ ہیں یعنی چاندی سونا، مالِ تجارت اور کرنسی نوٹ جو شہر میں اپنے اپنے مقامات پر رکھے ہوئے ہیں لیکن جب ان اموال کو لیکر کوئی شخص سفر کرے گا (اور اِس طرح سے یہ اموال ظاہر بلد میں آجائیں گے) تو اب یہ اموال اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔

اِس سلسلہ میں حضراتِ فقہاء کی متفقہ تصریحات ملاحظہ ہوں۔ ملک العلماء امام ابوبکر کاسانیؒ اپنی مایۂ ناز تصنیف "بدائع الصنائع" میں لکھتے ہیں۔

وكذا المال الباطن اذا مر به التاجر على العاشر كان له ان يأخذ (العشر منه) فى الجملة لانه لما سافر به واخرجه من العمران صار ظاهراً (ص۳۵ ج ۲)

علامہ زین العلماء ابنِ نجیم فرماتے ہیں: لاشك ان السوائم تحتاج الى الحماية بخلاف الاموال الباطنة اذا لم يخرجها المالك من المصر لفقد هذا المعنى۔ (ص۲۴۸ ج ۲)

اموالِ باطنہ کو سفر میں لے گیا تو اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو گئے اور اگر شہر سے نہیں نکالے تو بدستور یہ اموالِ باطنہ رہیں گے۔

علامہ حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں کہ عاشر اموالِ باطنہ سے بھی زکوٰۃ وصول کرے گا جب کہ مالک انہیں شہر سے باہر نکال لائے کیونکہ اب یہ اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو گئے ہیں ......

والاموال الباطنة بعد اخراجها من البلد لانها بالاخراج التحقت بالاموال

الظاھرۃ فکان الاخذ فیھا للامام (باب العاشر)

اسی مسئلہ کی تعلیل میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔ لانہا بعد الاخراج التحقت بالاموال الظاھرۃ الخ

علامہ موصوف نے قاضی خاں کی شرح جامع صغیر سے نقل کیا ہے۔

"وانما تثبت ولایۃ المطالبۃ للامام بعد الاخراج الی المفازۃ (شامی ج۲ ص۵۳)

"اخرجہ من العمران" "اخرجہ من البلد" "سافر بہ" "مایمر بہ علی العاشر" "اخرجہ الی المفازۃ"۔ یہ الفاظ اپنے مفہوم میں واضح ہیں کسی تاویل کی ان میں گنجائش نہیں، ان عبارات سے قطعی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ مال باطن شہر میں ہوتے ہوئے مال باطن ہی رہتا ہے ہاں اموالِ باطنہ کو لیکر جب سفر کیا جائے گا تب یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہوجائیں گے کیونکہ اب یہ ظاہر البلد میں آگئے ہیں اور اس شمول والتحاق کی علت ان اموال کو لیکر سفر کرنا ہے پورے ذخیرۂ کتب میں ایک جزئیہ بھی اس کے خلاف موجود نہیں، جزئیات وتصریحاتِ بالا کی موجودگی میں ہم نہیں سمجھتے کہ کسی اہلِ علم کو مذکورہ بالا علتِ التحاق میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے۔

الجبایۃ بالحمایۃ

واضح رہے کہ سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے صرف مالِ ظاہر ہونا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس مال کا حکومت کے زیرِ حفاظت آنا بھی ضروری ہے کیونکہ اموالِ ظاہرہ بیرونِ شہر اور جنگلات میں ہوتے ہیں۔

جنگلات اور دُور دراز کے راستوں پر چوروں سے تحفظ مہیا کرنا صرف حکومت ہی کا کام ہے ایسا تحفظ صرف حکومت مہیا کرسکتی ہے اس لئے ان اموال میں وصولیٔ زکوٰۃ کا حق حکومت کو دیا گیا گویا کہ یہ وصولی کا حق اس حفاظتِ خاصہ کا معاوضہ ہے تاکہ حکومت زکوٰۃ کا ایک حصّہ اپنے اس حفاظتی انتظامات کے سلسلہ میں خرچ کرسکے اور اموالِ باطنہ شہر میں ہونے کی وجہ سے اس تحفظِ خاص کے محتاج نہیں اس لئے عام حالات میں اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ میں دست اندازی کا حق حکومت کو حاصل نہیں۔ یہ وجہِ فرق اور

"الجبایۃ بالحمایۃ" کے ضابطے کی تصریح بھی حضراتِ ائمہ کے کلام میں بطریقِ تواتر منقول ہے بعض عبارات بطورِ نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) :۔ اموالِ ظاہرہ سے وصولیٔ زکوٰۃ کے سلسلے میں ھدایات دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا : ان کنت لا تحمھم فلا تجبھم، اھ (عنایہ)

(۲ تا ۶) :۔ لان الجبایۃ بالحمایۃ اھ (درمختار) بحرالرائق ص۲۴۹ ج ۲، شامی ص۶۶ ج ۲ ھدایہ ص۱۵۰، فتح القدیر ؔ بالمعنی ص۱۷۱ بحرالرائق ص۲۴۰ ج ۲۔

(۷) :۔ مبسوطِ سرخسی ص۱۷۱ میں ہے ثبوت حق الاخذ باعتبار الحاجۃ الی الحمایۃ

(۸) :۔ ثبت حق الاخذ بالحمایۃ (شامی ص۵۶ ج ۲)

(۹) :۔ وشرط ولایۃ الاخذ وجود الحمایۃ من الامام (بدائع)

(۱۰) :۔ انما تثبت حق الاخذ للعاشر لحاجتہ الی الحمایۃ اھ (عنایۃ)

علّامہ شامی اس ضابطہ (الجبایۃُ بِالْحِمَایَۃِ) کی تشریح میں لکھتے ہیں ای جبایۃ الامام ھذا الماخوذ بسبب حمایتہ ص۵۲ ج ۲

حُضُورِ مالک

سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے ایک مزید شرط یہ بھی ہے کہ مالک کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی جائے مالک کی غیر حاضری میں زکوٰۃ وصول نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ عاشر مالِ مضاربت مالِ ودیعت اور مالِ بضاعت کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان اموال کا مالک حاضر نہیں ہوتا۔ کذا فی البدائع، سابقہ بحث کی روشنی میں جب ہم بینک اکاؤنٹس کی حیثیت اور ان سے وصولیٔ زکوٰۃ کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو امورِ ذیل واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

(۱) :۔ کہ اصولی طور پر بینک اکاؤنٹس اموالِ باطنہ ہیں کیونکہ یہ اندرون شہر (بطنِ بلد) میں موجود ہیں۔

(۲) :۔ چونکہ انہیں لیکر سفر نہیں کیا گیا لہٰذا (علتِ الحاق کے منتفی ہونے کی وجہ سے) انہیں اموالِ ظاہرہ میں شامل کرنا ممکن نہیں۔

(۳) :۔ اور پھر یہ اموال حکومت کی اس خاص حفاظت کے تحت بھی داخل نہیں ہوئے جو تجارتی اموال کو دورانِ سفر جنگلات وغیرہ میں حاصل ہوتی ہے۔ بینک لوگوں سے قرض لیکر اپنے

مال کی حفاظت کر رہا ہے زید و بکر کے مال کی نہیں ۔

(۴) :۔ زکوٰۃ کی سرکاری کٹوتی کے وقت مالک پاس موجود نہیں ہوتا ۔ پس مندرجہ بالا حقائق اور شرائط کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ بینک اکاؤنٹس سے حکومت کو مالِ ظاہر ہونے کی بنا پر زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات حاصل نہیں ۔ اور بدون توکیل بینک کی طرف سے کاٹی گئی زکوٰۃ شرعاً ادا نہ ہوگی ۔

نجی مقامات کی تفتیش

اوّل الذکر تصریحاتِ فقہاء رحمہم اللہ کی روشنی میں یہ امر بلاشبہ ثابت ہے کہ کسی مالِ باطن کے مالِ ظاہر بننے کے لئے علت " اخراج من المصر " ہے لیکن بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شمار ہونے کے لئے دو بنیادی اُمور ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ ایسے نجی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے اُن کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے ۔ اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں ۔ اگر اس معیار پر موجودہ بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں ۔ مالکان نے اپنے اموال کو اپنی حرز سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے ، دوسرے یہ کہ حکومت کے زیرِ حفاظت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں (البلاغ رمضان ۱۴۰۰ھ) ۔

لیکن ان حضرات کا یہ خیال صحیح نہیں اس میں متعدد خامیاں موجود ہیں ۔

(۱) :۔ اس میں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی حقیقتِ لغویہ سے ذہول ہوا ہے ۔ اموالِ ظاہرہ کی فقہی اصطلاح کو اُردو کے لفظِ ظاہر سے ماخوذ سمجھ لیا گیا جیسا کہ " خود حکومت پر ظاہر کر دیا " کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ بنیادی غلط فہمی ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ۔

(۲) :۔ اسی غلط فہمی کی بنیاد پر مال ظاہر و باطن کی حقیقت اور تعریف میں تبدیلی کر دی گئی جس کا حاصل گویا یہ ہے کہ مالِ باطن وہ ہے جس کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے اور مال ظاہر وہ ہوگا جس کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی حاجت نہ ہو (وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہ ہو (البلاغ ص۸ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ) گویا کہ مدارِ حکم محتاج تفتیش ہونے نہ ہونے پر ہے حالانکہ ظہورِ مال کا مدار ظاہر بلد میں موجود ہونے پر ہے ۔ محتاج تفتیش ہونا

یا نہ ہونا نہیں۔ ٹرک کے اندر کسی بوری میں سونا رکھا ہے اس کے ہر طرف گندم ہے۔ یہ سونا محتاجِ تفتیش ہے مگر اس کے باوجود یہ سارے ٹرک کا مال اموالِ ظاہرہ میں شامل ہے۔

(۳) :۔ دو اور دو چار کی طرح یہ امر واضح ہے کہ حضرات فقہاء کسی مال کے مال ظاہر میں تبدیل ہونے کے سلسلہ میں خروج یا اخراج کی جب بات کرتے ہیں تو یقیناً اس سے ان کی مراد مال کو شہر سے باہر لیجانا ہوتا ہے۔ گھر یا دکان سے باہر لے آنا نہیں ہوتا جیساکہ تصریحاتِ فقہاء، اخرجه من العمران، اخرجه من البلد، سافربه اخرجه الى المفازة، مايمربه على العاشر سے قطعی طور پہ یہ امر ثابت ہے البلاغ کا یہ تسامح ہے کہ من العمران اور من البلد وغیرہ کو کاٹ کر پھینک دیا گیا ہے اور صرف اخرجہ کو لے لیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ مالکان نے ان اموال کو اپنی حرز سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا۔ (البلاغ ص۱۲ رمضان ۱۴۰۰ھ) حرز سے نکالنے کی بات حضرات فقہاء نے قطعاً نہیں کی نہ اسے ظہورِ مال کی علت قرار دیا ہے۔ یہ سب بے دلیل ہے فقہاء نے صرف شہر سے نکالنے کی بات کی ہے کہ اس سے مالِ ظاہر بنے گا صرف گھر سے نکالنے کو اگر کسی نے ظہورِ مال کی علت قرار دیا ہو تو اسکی نشاندہی کی جائے۔ ورنہ تصریحات فقہاء کرام کے مقابلہ میں محض اپنا خیال پیش کرنا بے سود ہے۔

(۴) :۔ جیسے "اخراج من المصر" میں قطع و بُرید واقع ہوا ہے۔ اسی طرح اموال کے حکومت کے زیر حفاظت آنے کے سلسلہ میں بھی بے جا تصرف کیا گیا ہے (الف) فقہاء کی مُراد یہ تھی کہ یہ اموالِ باطنہ بحالتِ سفر حکومت کے اس خصوصی تحفظ میں داخل ہو جائیں جو تحفظ صرف حکومت مہیا کر سکتی ہے یعنی امن طریق دیگر عبارات کے علاوہ امام قاضی خاں کی ایک تصریح ملاحظہ ہو : انما تثبت ولاية المطالبة للامام بعد الاخراج الى المفازة (شامیۃ طبع مصر ص۵۳ ج۲)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ لا شك ان السوائم تحتاج الى الحماية بخلاف الاموال الباطنة اذا لم يخرجها المالك فى المصر لفقد هذا المعنى۔ (بحر ص۲۴۸ ج۲) ۔ ان عبارات سے صراحت سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ زیر بحث حمایت سے مُراد حکومت کی طرف سے وہ حفاظت ہے جو جنگلات میں ہوتی ہے۔

اندرونِ شہر والی حفاظت مراد نہیں۔ اِسی لئے تصریح کر دی گئی کہ اموالِ باطنہ کو جب تک مالک نے شہر سے باہر نہ نکالا ہو۔ اِس نوعیت کی حفاظت سے انہیں حکومت کے زیرِ تحفظ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر البلاغ میں حضراتِ فقہاء کرام کی ان متفقہ تصریحات سے اعراض کیا گیا اور شہر کے اندر ہی موجود اموال کو حکومت کے اس تحفظ کے ماتحت ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ حضراتِ فقہاء کرام کے خواب و خیال میں بھی یہ معنی نہیں ہوگا۔ البلاغ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۱ھ میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں "کہ وہ اموال فی الجملہ حکومت کی حفاظت میں آگئے ہیں۔" واضح رہے کہ یہ فی الجملہ حفاظت کی شرط لغو ہے۔ کیونکہ فی الجملہ تحفظ تو حکومت کی طرف سے تمام اموال کو حاصل ہوتا ہے تو اس شرط کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟

"زیرِ حفاظت" "زیرِ ضمانت"

(۵): بینکی اموال کے متعلق البلاغ نے لکھا، کہ یہ اموال حکومت کے زیرِ حفاظت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں۔ بحث بالا میں زیرِ حفاظت آنے کی تحقیق کی جا چکی ہے کہ اندرونِ شہر موجود اموال زیرِ بحث حفاظت کے تحت داخل نہیں ہوتے۔ پس بینکی اموال کو زیرِ حفاظت کہنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

(ب): حکومت کو وصولی زکوٰۃ کے جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ زیرِ حفاظت آنے پر ہی موقوف ہیں۔ اس کے لئے زیرِ ضمانت آنا کافی نہیں۔ کیونکہ زیرِ ضمانت آنے سے مالکان کے اموال کی حفاظت کا معنیٰ مفقود ہو جاتا ہے کیونکہ مالک نے جب اپنا مال بطورِ قرض بینک کو دیا تو اب یہ مال مقروض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں رہا اگر گم یا چوری ہو جائے تو یہ نقصان مقروض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں۔ تو ایسی صورت میں مقروض اپنے مال کی حفاظت کر رہا ہے نہ کہ سابقہ مالک کے مال کی۔ لہٰذا مقروض اس حفاظت کے سبب سابقہ مالک سے کسی اُجرت کی وصولی کا استحقاق نہیں رکھتا۔ حالانکہ اموالِ ظاہرہ میں حکومت کو وصولی زکوٰۃ کے اختیارات اسی حفاظت کے سبب حاصل ہوتے ہیں۔ علامہ شامیؒ ضابطہ الجبایۃ بالحمایۃ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ جبایۃ الامام

ھٰذا الماخوذ بسبب حمایتہٖ (شامیہ صفحہ ۵۲ ج ۲) — الغرض حکومت کے استحقاق وصولی زکوٰۃ کے لئے مال ظاہر کا زیر حفاظت آنا ضروری ہے۔ زیر ضمانت آنا موثر نہیں بلکہ لغو ہے۔ مستعیر یا مقروض کا اصل مالک سے معاوضۂ استعمال طلب کرنا احمقانہ تصوّر ہے کہ میں اس مال کو استعمال کرتا رہا ہوں اس لئے مجھے اس کا معاوضہ ادا کرو اسی طرح کسی مال کے حکومت کے ضمان میں داخل ہوجانے سے جسے وہ استعمال کر رہی ہے) وصولیٔ زکوٰۃ کا استحقاق حکومت کو حاصل نہ ہوگا۔

الحاصل کسی مال باطن کے اموال ظاہرہ میں شامل ہونے کا مدار اس کے بطن بلد (اندرون شہر) سے ظاہر بلد میں آجانے پر ہے۔ (جیسا کہ تفصیلاً لکھا جاچکا) بلا تفتیش معلوم ہونے یا نہ ہونے پر نہیں۔ مال ظاہر اور باطن کی ایسی تعریف نہ صرف یہ کہ بلا دلیل ہے بلکہ خلافِ دلیل ہونے کے علاوہ مشاہدات اور بداہت کے بھی خلاف ہے۔ بازار کھل جانے کے بعد ہر دوکاندار اپنے مال کی نمائش و اظہار کی حتی الوسع کوشش کرتا ہے تاکہ گاہکوں کو اپنے مال کی طرف کھینچ سکے۔ حتیٰ کہ دوکان کے باہر بھی مال لگا دیا جاتا ہے لائٹ وغیرہ سے زیادہ روشنی کیجاتی ہے۔ فٹ پاتھوں اور ریڑھیوں پر رکھ کر مال فروخت کیا جاتا ہے۔ منڈیوں اور کارخانوں میں کروڑوں کے اموال کھلے بندوں پڑے رہتے ہیں ایسے سب اموال کا علم بلا تفتیش حاصل ہوتا ہے مگر یہ سب اموال بالاجماع اموال باطنہ ہیں اموال ظاہرہ نہیں۔ حالانکہ البلاغ کی تعریف کے مطابق یہ سب اموال ظاہرہ ہونے چاہئیں۔

(۲) تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ تاجر نے اگر عاشر کو بتلا دیا کہ میرے گھر میں اتنا مال رکھا ہوا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو بھی عاشر اس مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ ایسے جزئیات سے ظاہر ہے کہ گھر میں رکھا ہوا مال اقرار کے ذریعہ بلا تفتیش معلوم ہوگیا مگر اس کے باوجود مال ظاہر نہیں بنا حکومت اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کرسکتی حالانکہ البلاغ کے مطابق بذریعہ اقرار یہ مال ظاہر بن چکا ہے۔ فی الجملہ حفاظت تو حاصل ہی ہے۔ جزئیاتِ بالا میں بلا تفتیش معلوم ہوجانے کے باوجود یہ اموال مالِ ظاہرہ میں شامل نہیں ہوسکے۔ اور آئندہ صورت اس کے برعکس ہے کہ خروج من المصر پایا گیا مگر عاشر کو اس کا علم نہ ہوسکا تو بھی یہ مال ظاہر بن گیا۔ معلوم ہوا کہ مال ظاہر بننے کا مدار بلا تفتیش

معلوم ہونے پر نہیں (حوالہ آگے آرہا ہے) دونوں قسم کی جزئیات سے ظاہر ہے کہ البلاغ سے مستفاد اموالِ ظاہرہ کی تعریف جامعیت اور مانعیت دونوں سے عاری ہونے کے علاوہ اجماعِ فقہاء کے بھی خلاف ہے۔

اگر کہا جائے کہ مال کا اس حیثیت سے ہونا کافی ہے کہ بلا تفتیش اس کا علم ہو سکے، بالفعل معلوم ہو جانا مالِ ظاہر بننے کے لئے ضروری نہیں لہٰذا آخری جزئیہ البلاغ کے خلاف نہیں ـــــ جواب یہ ہے کہ اگر ایسا معلوم ہو سکنا کافی ہے تو بالفعل ایسا علم حاصل ہو جانا تو مالِ ظاہر بننے کے لئے بطریقِ اولیٰ کافی ہو گا۔ پس بازار میں منظرِ عام پر کھُلے بندوں رکھے ہوئے اموال بلاشبہ اموالِ ظاہرہ ہوں گے حالانکہ باتفاق فقہاء یہ اموالِ باطنہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایسا علم بالفعل ہو یا بالقوۃ دونوں صورتوں میں یہ مدار نہیں ہے ورنہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا علم بالقوۃ تو مؤثر بنے اور بالفعل مؤثر نہ ہو۔

ایک صاحب نے شبہ پیش کیا کہ مرور علی العاشر سے اگر مال باطن مالِ ظاہر میں شامل ہو جاتا ہے تو عاشر اگر شہر میں کسی مال کے پاس آجائے تو یہ مالِ ظاہر کیوں نہیں بنتا۔؟

جواب یہ ہے کہ وجود عاشر فی نفسہٖ کوئی ایسا آلہ نہیں ہے کہ اس کے سامنے آتے ہی مالِ باطن مالِ ظاہر میں تبدیل ہو جاتا ہو بلکہ اس تبدیلی کی علت "اخراج عن المصر" ہے اس لئے مرور علی العاشر سے تبدیلی ظاہر ہو گی۔ نہ کہ عاشر کے "دخول مصر" سے۔ نیز یہ شبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ کسی مال کا بلا تفتیش معلوم ہو جانا ظہورِ مال کے لئے کافی ہے اور اس خیال کی مفصل تردید پہلے کی جا چکی ہے۔

اور یہ شبہ بھی بے بنیاد ہے کہ ظہورِ مال کی اصل علت علمِ عاشر ہے عموماً اخراج عن المصر سے چونکہ یہ حکم متحقق ہو جاتا ہے اس لئے فقہاء نے اخراج کا ذکر کیا ہے علمِ عاشر کی تصریح نہیں کی۔ اس شبہ کی تردید بھی آئندہ جزئیہ سے ظاہر ہے جس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی تاجر مال لیکر سفر کرے اور عاشر کو اس کا علم نہ ہو تو بھی یہ مال ظاہر بن جاتا ہے۔ اگر اصل علت علمِ عاشر ہوتا تو ایسی صورت میں یہ مالِ تجارت مالِ ظاہر نہیں بننا چاہیئے تھا۔

---

(۱) ومن مرّ علی العاشر بمائة درهم واخبره ان له مائة اخرىٰ في

منزله قد حال عليه الحول لم يزك التي معه لقلتها وما في بيته

لو اخبر بہا العاشر فلا یاخذ منہا (بحر الرائق)

(۲): ولا یؤخذ من مال فی بیتہ مطلقا (درمختار)

جزئیات بالا سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ گھروں میں رکھے ہوئے مال کا بلا تفتیش بذریعہ اقرار معلوم ہونا اسے مال ظاہر میں تبدیل نہیں کرتا۔ اس امر سے البلاغ کے خیال کی چونکہ واضح طور پر نفی ہوتی ہے اس لئے ان جزئیات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلہ میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ جزوی واقعہ ہے حالانکہ یہ جزوی واقعہ نہیں بلکہ اسلامی قانون کی ایک دفعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جزوی واقعہ اور فقہی جزئیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے اگر ایسی فقہی تصریحات کو جزوی واقعات قرار دیکر مسترد کر دیا جائے تو اسلامی قانون کے پچاس فی صد حصہ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

ثانیاً البلاغ نے اسے استثنائی واقعہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں کیونکہ استثنائی واقعہ وہ ہوتا ہے جو عمومی ضابطہ کے خلاف ہو اور یہ فقہی جزئیہ وصولیٔ زکوٰۃ کے عمومی ضابطہ الجبایۃ بالحمایۃ کے تحت من وعن داخل ہے۔ چنانچہ جزئیہ بالا میں اسکی تصریح موجود ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کو مال ظاہر میں اس لئے شمار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ تحت الحمایۃ داخل نہیں ہوا۔ اس تصریح کے باوجود اسے استثنائی واقعہ قرار دینا محض دعویٰ بلا دلیل اور قابل تعجب ہے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی تفصیل میں لکھتے ہیں۔ لان حق الاخذ انما یثبت باعتبار المال الممرور بہ علیہ لحاجتہ الی الحمایۃ وھذا غیر موجود فی بیتہ وما مر بہ علیہ لم یبلغ اھ (مبسوط سرخسی صفحہ $\frac{199}{2}$)۔ البلاغ نے اسلامی قانون کی اس دفعہ کا تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق عاشر کو نہیں لیکن امام کو یہ حق حاصل ہے پہلے دونوں جوابوں کی طرح البلاغ کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے۔ حضرات فقہاء کی کوئی تصریح ان جوابات کی تائید میں پیش نہیں کی گئی اور ظاہر ہے کہ محض خیال کسی قانون کا جواب نہیں بن سکتا۔

مزید گذارش ہے کہ یہ جواب بھی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے بنیادی ضابطہ و اصول الجبایۃ بالحمایۃ سے ذہول بلکہ اسکی مخالفت پر مبنی ہے کیونکہ جب یہ مال امام کے زیرِ حفاظت ہی نہیں آتا تو امام کا استحقاقِ وصولی اس مال کے ساتھ متعلق ہی نہیں ہوا۔ پس نہ امام اس سے خود زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے اور نہ ہی اسکی نیابت میں عاشر وصول کر سکتا ہے اور فی نفسہٖ یہ امر مستبعد ہے کہ ایک مال ظاہر میں امام کو وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ہو اور عاشر کو یہ حق حاصل نہ ہو

علاوہ ازیں یہ ہے کہ حضراتِ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ امام کو بھی مطالبۂ زکوٰۃ کا استحقاق صرف کسی مال کو شہر سے باہر لیجانے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ گھر میں رکھے ہوئے مال کے ساتھ امام کا یہ حق متعلق نہیں ہوتا۔ علامہ شامی نے قاضی خاں سے نقل کیا ہے۔

وفی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان وانما تثبت ولایۃ المطالبۃ للامام بعد الاخراج الی المفازۃ (ص ۵۲ ج ۲)

انّما لفظ حصر اور "لفظِ امام" البلاغ کے دعویٰ کی تردید میں صریح ہیں۔

(ب): فتح القدیر میں ہے۔ وبمجرد خروجہ انتقلت الولایۃ عنہ الی الامام پوری عبارت پہلے گذر چکی ہے اس عبارت میں مالک سے امام کی طرف ولایتِ اخذِ زکوٰۃ کے منتقل ہونے کو خروجِ مصر پر معلق کیا گیا ہے۔

(ج): اصول الجبایۃ بالحمایۃ کی تشریح میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔

جبایۃ الامام ھذا الماخوذ بسبب حمایتہ۔ (ص ۵۲ ج ۲)

اس میں بھی تصریح ہے کہ امام کا استحقاقِ وصولیٔ اموال کو بیرونِ شہر تحفظ مہیا کرنے پر مبنی ہے۔ گھر میں رکھا ہوا مال جب اس تحفّظ کے تحت داخل نہیں ہوا۔ تو امام کو اسکی زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات بھی حاصل نہیں ہوئے۔ اور اسکی نیابت میں پھر عاشر بھی ایسے مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ الغرض یہ تفریق بالکل بے بنیاد ہے کہ ایسے مال میں امام کو استحقاقِ وصولی حاصل ہے اور عاشر کو حاصل نہیں۔ ان جزئیات سے ظاہر ہے کہ علمِ امام یا علمِ عاشر مال کو ظاہر بنانے کی علّت نہیں جبکہ وہ مال گھر میں رکھا ہو۔ لیکن البلاغ کے مطابق یہ مال، مالِ ظاہر بن گیا ہے۔ مگر تعجّب ہے کہ حسبِ تصریحاتِ فقہاء عاشر کو اس سے وصولیٔ زکوٰۃ

کا حق ہے نہ امام کو ؟ کیسی خلافِ ضابطہ بات ہے۔

حکومت کے علم میں نہ آنا: اور اگر اس کے برعکس صورت پیش آئی کہ خروج من المصر پایا گیا لیکن حکومت کو اس مال کا علم نہیں ہو سکا تو یہ مال ظاہر بن گیا ہے۔ اگر بعد میں حکومت کو علم ہو گیا تو وہ اس کی زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے عالمگیری میں ہے: ولو مر حربی لعاشر ولم یعلم بہ العاشر حتی خرج ودخل دار الحرب ثم خرج لم یعشرہ لما مضی کذا فی التبیین ولو مر المسلم او الذمی علی العاشر ولم یعلم بھما ثم علم فی الحول الثانی یاخذ منھما کذا فی محیط السرخسی والسراج الوھاج۔ (ہندیہ ص۹۴)

معلوم ہوا کہ مالِ ظاہر بننے کی علت اخراج من المصر ہے۔ علم امام یا علم عاشر کا ہونا یا نہ ہونا نفیاً یا اثباتاً اس کی علت نہیں۔ جیسا کہ جزئیاتِ بالا اس بارے میں صریح ہیں۔

اوّل الذکر جزئیہ (ومن مر علی عاشر بمائۃ درھم الخ) کے جواب میں البلاغ نے ایک بات بھی کہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاجر کے بتلانے سے گھر میں رکھا ہوا مال، مالِ ظاہر تو بن گیا لیکن عاشر کو لگا بندھا اصول بتا دیا گیا ہے کہ جو کوئی شخص تمہارے پاس مال لیکر گزرے صرف اس سے زکوٰۃ وصول کر سکتے ہو۔ گھروں یا دوکانوں پر جو مال ہے اس سے تعرض نہ کرو۔ (البلاغ ص۲۲ رمضان ۱۴۰۱ھ)۔ اس لگے بندھے "اصول" کا البلاغ نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور شرعی ضابطے کے لحاظ سے بھی یہ "اصول" علی الاطلاق درست نہیں کیونکہ اگر کوئی مال ظاہر مثلاً سائمہ گھر میں موجود ہو اور عاشر کو اس کا علم ہو جائے تو عاشر اسکی بھی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے جیسا کہ جزئیہ ذیل سے ظاہر ہے۔ ولو مر بمواشی سائمۃ دون النصاب وفی بیتہ ما یکملہ نصابا اخذ منہ الواجب لان الکل داخل تحت الحمایۃ کذا فی السراج الوھاج (عالمگیری ص۹۴ ج۱)۔ معلوم ہوا کہ وصولی عاشر کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ مالِ ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے۔ خواہ یہ مال عاشر کے پاس سے لیکر کوئی شخص گزرے یا اس شخص کے گھر میں یہ مال ظاہر موجود ہو۔ عاشر دونوں قسم کے مالِ ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے گا۔ پس البلاغ کا بیان کردہ "اصول" درست نہیں۔ شبہ نہ کیا جائے کہ مالِ باطن کے مالِ ظاہر بننے کی علت جب "اخراج من المصر" ہے (جیسا کہ تفصیل سے

اِس پر بحث گزر چکی ہے) تو یہ سائمہ گھر میں اور شہر میں ہوتے ہوئے مالِ ظاہر میں کیسے شمار ہو گئے۔ جواب یہ ہے کہ یہ علت مال باطن کے مالِ ظاہر بننے کے لئے ہے۔ اور سائمہ تو پہلے ہی سے مال ظاہر ہیں۔ کیونکہ انہیں چرانے کے لئے یقیناً شہر سے باہر لایا جاتا ہے۔ اِس لئے کہ ان کا گزارا ہی جنگل میں چرنے پر ہے۔ پس سائمہ کے بارے میں خروج من المصر اور تحت الحمایۃ داخل ہونا دونوں امر پائے گئے۔ اِس لئے سائمہ مالِ ظاہر ہی ہیں باطن نہیں ہاں سونا چاندی مالِ تجارت اندرونِ شہر ہوتے ہوئے مالِ باطن ہیں۔ ان کے مال ظاہر بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ انہیں لیکر سفر کیا جائے۔ اِسی بنیاد پر یہ فرق کیا گیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے دراہم کو شامل کر کے عامل کے پاس نصاب مکمل نہیں کیا گیا۔ اور سائمہ کو لیکر گزرنیوالے کا نصاب گھر میں موجود سائمہ سے پورا کیا جائے گا اور مجموعے سے زکوٰۃ وصول کی جائیگی۔

مزید یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ اگر کسی تاجر نے اپنے مال کی زکوٰۃ شہر میں ادا کر دی، اور پھر اِس مال کو لیکر سفر کیا۔ تو عاشر اِس مال کی زکوٰۃ دوبارہ وصول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ مالک خود ادا کرنے کا مجاز ہے پس یہ ادائیگی زکوٰۃ معتبر تسلیم کی جائے گی اور اگر تاجر نے اموالِ تجارت کی زکوٰۃ انہیں شہر سے باہر لانے اور سفر کرنے کے بعد ادا کی ہے تو یہ ادائیگی شرعاً معتبر نہیں۔ عاشر دوبارہ ان اموال کی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے۔ درمختار شامیہ، ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ وغیرہ تمام کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

اِس سے بھی ظاہر ہے کہ مالِ ظاہر بننے کا مدار اخراج من المصر پر ہے۔ علمِ عاشر پر نہیں۔ کیونکہ اگر مالِ ظاہر ہونے کا مدار علمِ عاشر پر ہوتا۔ تو بوقت مرور علی العاشر یہ دونوں اموال معلوم ہیں اور اِس سے قبل دونوں غیر معلوم تھے۔ پس یا تو دونوں صورتوں میں سابقہ ادائیگی معتبر ہونی چاہیئے تھی یا دونوں صورتوں میں غیر معتبر۔ ایک میں معتبر اور دوسرے میں غیر معتبر، یہ تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ مالِ ظاہر بننے کا مدار مال کے شہر سے باہر لانے پر رکھا جائے۔ کیونکہ شہر میں ہوتے ہوئے یہ مالِ باطن تھا تو مالک کی ادائیگی درست ہے اور شہر سے باہر لایا تو مالِ ظاہر بن گیا اب مالک کی ادائیگی زکوٰۃ غیر معتبر قرار پائی۔

الحاصل بطنِ بلد (اندرونِ شہر) میں موجود نقدی و اموالِ تجارت اموالِ باطنہ ہیں۔ اور انہیں لیکر سفر کیا جائے تو یہ اموالِ ظاہرہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور زروع و ثمار

اور سائمہ یہ اموال چونکہ بیرونِ شہر (ظاہر البلد میں) پائے جاتے ہیں اس لئے یہ اموال اصولی طور پر اموالِ ظاہرہ ہیں سابقہ مفصل ابحاث کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ بینکی اموال، اموالِ باطنہ ہیں۔ انہیں بینک میں ہوتے ہوئے قطعاً مالِ ظاہر قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی حضراتِ فقہاء کی ذکر کردہ متفقہ تصریحات کو کسی اجتہاد سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اِس امر میں تو کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ دلائلِ شرعیہ کے علاوہ ملکی و بین الاقوامی بینکنگ نظام کے ضوابط کے تحت بینکی اموال کو مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک شخص کے اموال کو دوسرے پر ظاہر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بعض ممالک میں تو حکومت بھی کسی کھاتہ دار کا بینک بیلنس معلوم کرنے کی مجاز نہیں۔ اور اُصولی طور پر بینکی اموال کو زیادہ سے زیادہ محفوظ پیٹیوں اور تالوں میں بند کر کے رکھا جاتا ہے ایسے مخفی مقفل کمروں آہنی الماریوں مضبوط تجوریوں میں بند اموال کو مالِ ظاہر قرار دینا مشاہدہ، بداھت اور شریعت کے بکسر خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ کراچی نے اپنے ایک اجلاس منعقدہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں "زکوٰۃ وعشر آرڈیننس" میں ذکر کردہ اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تعریف کو ائمہ اربعہ کی متفق علیہ تعریف کے خلاف بلکہ اسکو مسخ قرار دیا تھا، کیونکہ اِس آرڈیننس میں بینکی اموال کو اموالِ ظاہرہ میں شُمار کیا گیا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "بینات" کراچی بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ)

"البلاغ" کے دلائل کا جواب

اب ہم "البلاغ" کے پیش کردہ دلائل پر مختصر گزارشات پیش کریں گے۔ اموالِ ظاہرہ کی اپنی بیان کردہ تعریف کے سلسلہ میں البلاغ میں نہایت اہم دو عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) :- فلما ولی عثمان وظهر تغير الناس كره ان يفتش السعاة على الناس مستور اموالهم ففوض الدفع الى الملاك نيابة عنه اھ (فتح القدير ص ۴۸۷)

(۲) :- لم يبلغنا انه بعث سعاة على زكاة الاموال كما بعثهم على صدقات المواشي والثمار في ذلك لان سائر الاموال غير ظاهرة للامام وانما تكون مخبوءة في الدور والحوانيت والمواضع الحرين" ولم يكن

جائزاً للسعاة دخول احرازهم...... ولما ظهرت هذه الاموال عند التصرف بها في البلدان اشبهت المواشي فنصب فيها عمال یاخذون منها ما وجب من الزکوٰة۔ (احکام القرآن للجصاص ص۱۵۵ ج۳)

استدلال: ان تصریحات سے واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامانِ تجارت اس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیرِ حفاظت ہوں..... لیکن جب یہی اموال مالکان خود نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں تو وہ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں۔ (البلاغ ۱۴۰۰ھ ص۱۲)

جواب: اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی تعریف کے بارے میں عباراتِ بالا سے استدلال کرنا کئی وجوہ سے مخدوش ہے اولاً اس لئے کہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ابنِ ہمام اور امام جصاص رحمہ اللہ رازی کا مقصود ان عبارات سے اموالِ ظاہرہ وباطنہ کی تعریف کرنا نہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خاص اعلان کی صرف حکمت اور مصلحت بتلانا پیشِ نظر ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا حق مالکان کے سپرد کرنے میں انہیں مضرت تفتیش سے بچانا مطلوب تھا (باقی اموالِ ظاہرہ وباطنہ کی تفصیل اور ان کے علل یہ اپنے مقام پر مفروغ عن البحث ہیں)۔ البلاغ کے استدلال میں بنیادی کمزوری یہ ہے کہ بیانِ حکمت کو بیانِ علت سمجھ لیا گیا اور پھر اس سے اولاً اموالِ باطنہ کی تعریف اخذ کی گئی اور پھر اس کے تقابل سے اموالِ ظاہرہ کی تعریف کر دی گئی۔ حالانکہ بیانِ حکمت ومصلحت سے کسی حکم کی تعریف کرنا درست نہیں۔

علّت اور حکمت میں فرق: (۱): علّت پر حکم نفیاً واثباتاً دائر ہوتا ہے اور کسی حکم کی حکمت فی الجملہ ملحوظ ہوتی ہے لیکن مدارِ حکم نہیں ہوتی۔

(۲): علت میں عموم ہوتا ہے اور سب افراد میں پائی جاتی ہے۔ اس سے حکم کا تخلف جائز نہیں ہوتا مثلاً شریعت نے بوجہ مشقّت مسافر کے لئے قصر وافطار کی اجازت دی ہے کیونکہ سفر میں عموماً مشقّت ہوتی ہے لیکن یہ مشقّت محض حکمتِ تخفیف ہے مدارِ حکم اور علّت نہیں۔ علّتِ رخصت سفر ہے پس اگر کسی سفر میں مشقّت نہ ہو تو قصر کی شرعی

سہولت بدستور برقرار رہے گی کیونکہ علّت پائی گئی ہے گو حکمت منتفی ہے ۔

اگر حکمت کو مدارِ حکم قرار دیا جائے تو بعض اسفارِ شرعیہ میں بھی قصر کی رخصت حاصل نہ ہوگی اگر مُشقّت پر حکم دائر کیا جائے تو شاید یہ دعویٰ کرنا بھی مستبعد نہیں ہوگا کہ گھر پہ ہوتے ہوئے اگر کوئی مشقّت کا کام کیا گیا تو بھی قصر کی اجازت ہونی چاہیئے کیونکہ علّتِ رخصت پائی گئی حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ کچھ ایسی ہی صُورت البلاغ کے زیرِ بحث استدلال میں پائی جارہی ہے کیونکہ حضرات فقہاء کے ہاں یہ امر مسلّم ہے کہ سونا چاندی اور مالِ تجارت کے اموال ظاہرہ کے حکم میں آنے کی علّت اخراج من المصر ہے لیکن البلاغ نے مضرت تفتیش کو (جو فی الواقع حکمت تھی) علت اور مدارِ حکم سمجھتے ہوئے یہ طے کر لیا کہ شہر میں ہوتے ہوئے بھی اموالِ باطنہ کو اموالِ ظاہرہ قرار دیا جاسکتا ہے یہ ایسے ہی سمجھئے جیسے بغیر سفر گھر پہ ہوتے ہوئے بوجہ مشقت قصر نماز کی اجازت دیدی جائے ۔

احتیاجِ تفتیش حکمت ہے علّت نہیں : محتاجِ تفتیش اموالِ باطنہ کو سرکاری وصولیٔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھنے کی حکمت ہے

علّت نہیں۔ اگر اسے علّت قرار دیا جائے تو بازار کھُل جانے کے بعد ہر دوکاندار اپنے اموال کو ایسے منظرِ عام پہ لانے کی کوشش کرتا ہے جو گاہکوں کے لئے جاذبِ نظر ہو۔ ان تمام اموال کا بلامبالغہ روزانہ ہزاروں لوگ مشاہدہ کرتے ہیں اور بلاشبہ یہ اموال محتاجِ تفتیش نہیں، اگر محتاجِ تفتیش ہونے کو مالِ باطن بننے کی علّت قرار دیا جائے تو یہ سب اموال، اموالِ باطن ہونے سے یقیناً خارج ہوجائیں گے حالانکہ حضرات فقہاء کرام نے شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموال کو بالاتفاق مالِ باطن قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ محتاجِ تفتیش ہونا علّت نہیں ورنہ معلول اس سے متخلف نہ ہوتا بلکہ حکمت ہے جس سے حکم کا تخلّف جائز ہے جیسے سفر میں عدمِ مشقت کے باوجود رخصتِ قصر برقرار رہی، یا گھر پہ ہوتے ہوئے مشقّت کے کام کے باوجود رخصتِ قصر کی سہولت حاصل نہ ہوسکی۔ یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ رہے بعض بڑی دوکانوں میں گاہکوں کے لئے نشستیں کرسیاں وغیرہ مہیّا ہوتی ہیں۔

پس ہر دوکان میں جانے کو مُضرت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ صبح سے لیکر بازار کے بند ہونے تک اموالِ تجارت بقصد اظہار و نمائش کھلے بندوں رکھے رہتے ہیں۔ ہاں بازار بند ہوتے

ہی یہ سب اموال دوکانوں میں چھپا دیئے جاتے ہیں۔ اب یہ اموال مستور ہوگئے دن میں بالکل ظاہر تھے رات کو بالکل پوشیدہ اور غائب ہوگئے اس سے یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ اموالِ باطنہ کا مستور اور چھپائے ہوئے ہونا یہ بعض حالات (یعنی رات) کے اعتبار سے ہے ہر وقت کے لحاظ سے انہیں پوشیدہ نہیں کہا جا سکتا اموالِ باطنہ کا گھروں اور دوکانوں میں مستور و مخفی ہونا بعض اموال باطنہ (یعنی سونا، چاندی) کے اعتبار سے ہے کیونکہ انکو گھروں میں مضبوط تالوں وغیرہ میں بند کر کے رکھا جاتا ہے۔ تمام اموالِ باطنہ کے اعتبار سے نہیں۔ علامہ ابنِ ھمامؒ اور امام جصاص نے اپنی عبارات میں اموال باطنہ کے لئے "مستور" وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں ان الفاظ سے انکی مُراد قطعاً یہی ہے اور ہر مال باطن کا ہر حالت میں مستور رہنے کا دعویٰ ان حضرات کی کلام میں ہرگز نہیں اور نہ ان حضرات کی کلام کا یہ مفہوم ہے کہ نقد اور سامان تجارت اس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر ہیں اور جب انہیں نجی مقامات سے نکال لیا جائے تو مالِ ظاہر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ "اسوقت تک" "جب تک" یہ دونوں قیدیں ان حضرات کی کلام میں موجود نہیں پس مستور و پوشیدہ بہرحال محتاج تفتیش ہونے کو مال باطن کی حقیقت میں داخل سمجھتے ہوئے اس سے مالِ باطن اور مال ظاہر کی تعریف اخذ کرنا محض تساہل ہے حالانکہ علامہ جصاص رازی کی کلام میں واضح اشارہ موجود ہے کہ تقابل مکشوف اور مستور ہونے میں نہیں۔ اور نہ ہی پوشیدہ نجی مقامات میں رکھے ہونے یا ان سے اموال کو باہر لانے میں ہے بلکہ تقابل اس میں ہے کہ یہ اموال مکانوں اور دوکانوں میں اپنی جگہوں میں رکھے ہوئے ہیں یا ان اموال کو شہر سے باہر سفر پر لے جایا گیا ہے۔ پہلی صورت میں یہ اموالِ باطنہ ہیں دوسری صورت میں یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔ چنانچہ عبارت بغور پڑھیے، امام جصاص رازی لکھتے ہیں:

> وانما تکون مخبوۃ فی الدور والحوانیت والمواضع الحریزۃ ..... ولما ظهرت هذه الاموال عند التصرف بها فی البلدان اشبهت المواشی فنصب علیها عمال یاخذون منها ما وجب من الزکوۃ ولذلک کتب عمر بن عبدالعزیز الی عماله ان

یاخذوا مما یمر به المسلم من التجارات من کل عشرین دیناراً
نصف دینار (احکام القرآن ص ۱۵۵ ج ۲)

عبارت بالا میں تصریح ہے کہ جب اپنی پوشیدہ اموال کو لے کر (دوسرے) شہروں میں جائے گا تو یہ اموال (حکومت کے زیر حفاظت آنے میں) جنگل میں چرنیوالے مویشیوں کے مشابہ ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں حکومت بذریعہ عاشران اموال کی زکوٰۃ وصول کرے گی۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے ثابت ہو رہا ہے۔ حاصل یہ کہ اِس صورت میں یہ اموالِ باطنہ اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔ اور یہ وہی بات ہے جو دیگر حضرات فقہار کی کلام میں پوری وضاحت سے موجود ہے۔ شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموالِ تجارت، نقدی، اموالِ باطنہ ہیں اور جب انہیں لے کر سفر کیا جائے تو یہ اموال مویشیوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ابن ہمامؒ سے بھی ایسی ہی تصریح پہلے ہم نقل کر چکے ہیں۔ شہر میں ہوتے ہوئے اموالِ باطنہ کی ادائیگی زکوٰۃ کا حق مالکان کو حاصل ہے اور ان اموال کے شہر سے نکلتے ہی یہ حق امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(باب العاشر ص ۱۶۳ ج ۲)

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی مال ظاہر، باطن بننے کا مدار مستور و مکشوف ہونے پر نہیں بلکہ اندرون شہر ہونے یا بیرون شہر لے جانے پر ہے اور مستور ہونے کا لفظ بطور بیان مصلحت فرماتے ہیں، بطور بیان علت نہیں۔

الغرض جب اموالِ باطنہ کا ہر حال میں مستور ہونا ضروری نہ ہوا کہ بلا تفتیش ان کا علم حاصل نہ ہو سکتا ہو تو اس کے مفہوم مخالف سے مالِ ظاہر کی تعریف مستنبط کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ ورنہ سب بنار الفاسد علی الفاسد ٹھہرے گی۔ گویا البلاغ کے اس استدلال میں تین تسامح واقع ہوئے ہیں۔ (۱): حکمت کو علت سمجھ لینا (۲): حکمت و مصلحت کو علت سمجھتے ہوئے اس سے مالِ باطن کی تعریف اخذ کرنا (۳) پھر اس تعریف سے تقابل کے طور پر مالِ ظاہر کی تعریف ترتیب دینا۔

(فائدہ) اموالِ باطنہ اپنے بعض افراد کے اعتبار سے مستور ہوتے ہیں جن سے وصولی زکوٰۃ کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی حاجت پڑ سکتی تھی جس سے مالکان کو ضرر

پہنچنے کا اندیشہ تھا، دفع مضرت کے لئے شریعت نے بعض افراد کی سہولت پوری نوع کے لئے عام فرما دی اور مالکان کو عام اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے تمام اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کر دیا کریں۔ کیونکہ احکام شرعیہ میں عموماً نوع ہی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ سفر کے بعض افراد میں مشقت تھی لیکن سفر شرعی کے تمام افراد میں رخصتِ قصر وغیرہ کی سہولت کو عام کر دیا گیا۔

"البلاغ" کے پیش کردہ آثار پر ایک نظر

ہماری معروضات کے جوابات میں پھر البلاغ ماہ رمضان ۱۳۹۱ھ میں "مجلس تحقیقاتِ مسائل حاضرہ" کا فیصلہ شائع ہوا جس میں مجلس نے اموال ظاہرہ و باطنہ کے بارہ میں اپنے سابقہ موقف کو بحال رکھا اس فیصلہ کے بارہ میں مزید گزارشات پیش کی جا رہی ہیں۔

پہلی گزارش یہ ہے کہ خیر المدارس کے جواب میں حضرات فقہاء کی متعدد تصریحات پیش کی گئی ہیں کہ سونا، چاندی، نقدی شہر میں ہوتے ہوئے اموالِ باطنہ ہیں۔ جب انہیں شہر سے نکالا جائے گا اور انہیں لے کر سفر کیا جائے گا تب یہ اموالِ ظاہرہ میں شامل ہوں گے۔ اور کسی مالِ باطن کے مالِ ظاہر میں شامل ہونے کی علت "اخراج من المصر" ہے ملک العلماء امام کاسانیؒ فرماتے ہیں: لانہ لما سافر بہ واخرجہ من العمران صار ظاہراً (بدائع) درمختار و شامیہ میں ہے: لانہا بعد الاخراج من البلد التحقت بالاموال الظاھرۃ خیر المدارس کے جواب کی تردید کے لئے ایسے فقہی جزئیات پیش کئے جانے چاہئیں تھے جس سے ہماری پیش کردہ تصریحات فقہاء کرام کی صراحۃً نفی ہوتی لیکن البلاغ کے پورے اس فیصلہ میں ایسا ایک جزئیہ بھی مذکور نہیں اور ظاہر ہے کہ تصریحات فقہاء کرام کے مقابلہ میں کوئی خیال و اجتہاد قابل قبول نہیں۔ حضرات فقہاء نے تصریح کی ہے: البحث فی المنقول غیر مقبول (شامی) علامہ قاسم بن قطلوبغا نے اپنے شیخ محقق ابن ہمام کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے:

لاعبرۃ بابحاث شیخنا التی خالف المنقول (یعنی منقول فی المذھب) اسلامی قانون میں کسی ایسے جزئیہ کی دستیابی سے مایوس ہونے کے بعد البلاغ ۱۳۹۱ھ نے موضوع بحث میں توسیع فرما دی۔ واضح رہے

کہ اصل زیرِ بحث یہ امر تھا کہ مال باطن مالِ ظاہر کب بنتا ہے ؟ اور اس کی علّت کیا ہے ؟ اور یہ بات کہ گھروں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر کبھی وصول کی گئی ہے یا نہیں یہ بحث ثانوی درجہ میں ہے ۔ ہماری ساری بحث اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی تحقیق و تفصیل و تشریح کے بارہ میں تھی۔ مگر البلاغ ۱۴۰۲ھ میں بنیادی تبدیلی کر دی گئی کہ اصل موضوع کی بجائے دوسری بات سرکاری وصولی کو ہی موضوعِ بحث بنا لیا گیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

غور و تحقیق کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ کے لیے خروج من المصر کو علّت قرار دینا درست نہیں بلکہ اصل علّت وہی ہے کہ وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی حاجت نہ ہو (البلاغ ص۸) اور پھر اپنے اس جدید دعویٰ کے لیے خلافتِ راشدہ کے بعض آثار سے استدلال کیا کہ خلفائے راشدین نے گھروں میں رکھے ہوئے اموال کی بھی زکوٰۃ وصول کی۔ واضح رہے کہ ہم نے خروج من المصر کو مال ظاہر بننے کی علّت قرار دیا تھا اور اسے سرکاری سطح پر وصولی کی علّت قرار نہیں دیا تھا۔ پس اگر کسی دَور میں ماضی کے اندر گھر میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصولی کی گئی ہو تو یہ وصولیٔ زکوٰۃ نہ تو علت بن سکتی ہے اور نہ ہی زیرِ بحث مسئلہ میں مفید ہے۔ اہل فہم پر مخفی نہیں کہ سرکاری وصولی اور مالِ ظاہر ہونے میں تلازم ہے نہ مساوات۔ خلافتِ راشدہ کے دَور میں گھروں میں رکھے ہوئے اموال کی سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی گئی۔ جب کہ یہ اموالِ ظاہرہ نہیں اور اس کے برعکس مال ظاہر ہو اور حکومت کو بوجہ عدمِ حفاظت کے اس سے وصولی زکوٰۃ کے اختیارات نہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے جیسے کہ جزئیہ ذیل سے ظاہر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مالِ ظاہر اور سرکاری وصولی میں اتحاد و مساوات نہیں بلکہ مغایرت ہے ——

پس اصل موضوع مالِ ظاہر و باطن کی بحث میں سرکاری وصولی کی بحث چھیڑ دینا۔ اصل موضوع سے گریز و انحراف ہے اور اس سلسلہ میں پیش کردہ آثار اصل موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

اصل موضوع یہ تھا کہ کوئی مالِ باطن مالِ ظاہر کے حکم میں کب داخل ہو جاتا ہے۔ ان آثار میں اس کا کوئی نشان و اثر تک موجود نہیں۔ وہاں سرکاری وصولیٔ زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ جس سے ہمیں انکار نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ کسی مال سے سرکاری وصولی یہ اس کے ————

مال ظاہر ہونے کی دلیل ہے اوّل تو اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت ہے اور ثانیاً یہ کہ — اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خلافت راشدہ میں بھی اموالِ ظاہرہ کی ہی زکوٰۃ وصول کی گئی ہے۔ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ سرکاری طور پر کبھی وصول نہیں کی گئی اور نہ ہی کبھی وصول کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جب کسی مال کی زکوٰۃ وصول کی جائے گی تو وہ مال ظاہر بن جائے گا حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے کیونکہ سرکاری طور پر اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ خلافت راشدہ کے دَور میں مسلّم امر ہے۔

لکھتے ہیں کہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ حکومت وصول کرے گی ——

اور ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ جس مال کی حکومت زکوٰۃ وصول کرے گی وہ مال ظاہر بن جاتا ہے گویا کہ اسلامی قانون میں مالِ ظاہر کا کوئی مستقل تشخص اور پہچان موجود نہیں۔ مالِ ظاہر بننے کا مدار سرکاری وصولی زکوٰۃ پر ہے۔ گذارش یہ ہے کہ کس فقیہ نے مالِ ظاہر کے متعلق یہ تحقیق ذکر کی ہے؟ ایک نام بھی اس سلسلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا بلکہ حضرات فقہاء نے اموالِ ظاہرہ کا مستقل تشخص اور ان کی تعداد تک بتلائی ہے جیسا کہ تفصیلاً ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں ۔۔۔۔

الغرض خلافتِ راشدہ میں اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن اس سے یہ اموالِ ظاہرہ میں بھی تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں البلاغ کے پیش کردہ آثار کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما لوگوں میں جب سالانہ وظائف تقسیم فرماتے تو آپ وصول کنندہ سے دریافت کرتے کہ تیرے پاس کوئی اور ایسا مال ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہو چکی ہو۔ اگر وہ شخص اثبات میں جواب دیتا تو اس مال کی زکوٰۃ وظیفہ کی رقم میں سے کاٹ کر باقی وظیفہ اس کے حوالے کر دیتے ۔۔۔۔

(ب) ۔۔۔۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما وظیفہ کی زکوٰۃ بھی وصول کرتے تھے ۔۔۔۔

(ج) ۔۔۔۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے واپس کرتے وقت ایک ایسے مال کی بھی زکوٰۃ وصول کی جو سابقہ حکمرانوں نے ظلماً مالک سے لے لیا تھا۔ البلاغ نے ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"۔۔۔۔ اس طریقہ کار سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شامل ہونے اور اس سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اس کا شہر سے باہر لے جانا ضروری نہیں۔"

گذارش یہ ہے کہ ان آثار میں سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کا تذکرہ تو موجود ہے لیکن ان اموال کے اموالِ ظاہرہ بن جانے کا کوئی ذکر ان میں نہیں پایا جاتا۔ ہم نے بار بار غور کیا لیکن "بات بالکل واضح ہونے کی بجائے ان آثار میں کوئی اشارہ تک ایسا نہیں مل سکا جو ان اموال کے مالِ ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہو اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی فقہی صریح جزئیہ پیش کیا گیا۔

حالانکہ اصل اس سلسلہ میں فقہی جزئیہ ہی مطلوب تھا۔ گھر میں رکھا ہوا مال بذریعہ اقرار مالِ ظاہر میں تبدیل نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور مالِ باطن ہی رہتا ہے اسی لئے عاشر اس سے زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے نہ امام۔ جیسا کہ اس کی مفصّل تحقیق پہلے گذر چکی ہے۔ اور صرف سرکاری وصولی کو مالِ ظاہر کی دلیل سمجھ لینا تساہل ہے۔ (اس کی تردید پہلے کی جا چکی ہے) خصوصاً جبکہ یہ مسلّم ہے کہ خلفائے راشدینؓ نے اموالِ باطنہ کی بھی زکوٰۃ وصول کی

ہے۔ اور البلاغ کے مطابق حکومت کو ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اب بھی باقی ہے ——— جب یہ ہے تو سرکاری وصولی زکوٰۃ کو کسی مال کے مال ظاہر ہونے کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ سرکاری وصولی البلاغ کے مطابق مال باطن سے بھی ہوسکتی ہے اور مال ظاہر سے بھی ——— چنانچہ البلاغ میں ہے :۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کا حق اخذ بالکلیہ ساقط ہوگیا۔ اور اب وہ زکوٰۃ وصول نہیں کرسکتا" (یعنی ایسا نہیں) (البلاغ سنہ ۱۳۹۱ھ ص ۲۱)

وصول کرانے میں نہ معلوم البلاغ کو کیا دلچسپی ہے۔؟ سیدھی بات فرما دیتے کہ مضرت تفتیش نہ ہونے کی صورت میں ماضی کے اندر اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کی گئی۔ بینکی اموال بھی اسی نوعیت کے ہیں بقول البلاغ تجب اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ سے بجز مضرت تفتیش کوئی مانع نہیں۔

تو بینکی اموال کو" مال باطن بنا کر" بھی زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔ انہیں خواہ مخواہ اموال ظاہرہ بنانے کا تکلف کیوں فرما رہے ہیں؟ اور البلاغ کے پیش کردہ مواد کا حاصل بھی یہی ہے کہ ان اموال سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن یہ اموال ظاہرہ بھی تھے؟ —— یہ امران کے پیش کردہ مواد سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ اصل موضوع سرکاری وصولی نہیں بلکہ اموال ظاہرہ اور باطنہ کی تحقیق ہے۔

وظائف وعطایا پر وجوب زکوٰۃ کا حکم

البلاغ میں وظائف سے وصولی زکوٰۃ کو بار بار اپنے استدلال کی بنیادی دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ استدلال کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ اموال وظائف سے سرکاری سطح پر چونکہ زکوٰۃ وصول کی گئی ہے لہٰذا یہ مال ظاہر ہیں۔ پس بینکی اموال بھی چونکہ اسی نوعیت کے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے بھی مال ظاہر ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔

اس استدلال میں ایک بنیادی کمزوری تو یہی ہے کہ سرکاری وصولی کو مال ظاہر ہونے کی دلیل بنا لیا گیا ہے دوسری کمزوری یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق وظائف میں زکوٰۃ واجب ہے۔ نہ اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے نہ ان حضرات نے وظائف کی زکوٰۃ وصول کی اور ائمہ متبوعین امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ وظائف سے وصولی زکوٰۃ کو خلاف اجماع

قرار دیا گیا ہے (کما سیأتی) پس ایسے خلافِ اجماع امر کو بنیاد بناتے ہوئے جس مسئلے کو اس پر متفرع کیا جائیگا وہ بھی خلافِ اجماع ہوگا۔ پس بینکی اموال سے وصولیٔ زکوٰۃ کا مسئلہ خلافِ اجماع ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہما کا یہ طرزِ عمل گزر چکا ہے کہ یہ حضرات وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (موطا امام مالکؒ) سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ ہمارے وظائف حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے زمانے میں اس طرح جاری ہوتے تھے کہ ان کی زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی تا آنکہ ہم خود ان کی زکوٰۃ نکالتے تھے ۔

(کتاب الاموال ص ۱۶۳ ج ۲)

شارح موطا علامہ باجیؒ اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں :

واما ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنهم فلم یکونوا یاخذون منها (ای من الاعطیة) الزکاة لانها لم یتحقق ملکه من اعطیها الا بعد الاعطاء والقبض (اوجز)

مذہبِ علی رضی اللہ عنہٗ کی تحقیق

خلفائے ثلاثہ کے اس طرزِ عمل کو البلاغ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے متعلق لکھا کہ وہ تنخواہوں اور وظائف کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (البلاغ ص ۱۵) مگر نہ البلاغ میں اس کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے اور نہ ہی ہماری تحریری مراجعت کے جواب میں کسی ایسے حوالے کی نشاندہی کی گئی ہے صحیح یہ ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح حضرۃ علی رضی اللہ عنہٗ بھی وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں فرماتے تھے۔ اولاً اس لئے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اول من اخذ من الاعطیة الزکاة معاویةؓ بن ابی سفیان (موطا امام مالک)

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام خلفاء راشدین عطیہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

ثانیاً ـــ اس لئے کہ یہ عطاء و وظیفہ مالِ مستفاد ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہٗ مالِ مستفاد میں حولانِ حول سے قبل وجوبِ زکوٰۃ کے قائل نہیں۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال من استفاد مالاً فلیس فیه الزکاة حتی یحول علیه الحول ـــ (مصنف عبدالرزاق ص ۷۵ ج ۴ ومصنف ابن ابی شیبہ)

ثالثًا ـــــ اس لئے کہ مغنی ابن قدامہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا مذہب (کان عبد اللہ یعطینا ویزکیہ) نقل کرنے کے بعد خلفاء راشدین کا مذہب اس کے خلاف نقل کیا گیا ہے۔؟

چنانچہ فرماتے ہیں :ـــ وجمہور العلماء على خلاف هذا القول منهم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین (ص۶۲۶)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

رابعًا ـــ اس لئے کہ وظیفہ سے وصولیٔ زکوٰۃ خلافِ اصولِ شرعیہ اور جمہور ائمہ و علماء کے خلاف ہے۔ تو جب تک اس کا کوئی ناقابلِ تردید ثبوت نہ مل جائے اس کی نسبت خلیفہ راشد کی طرف کرنا درست نہ ہوگا۔

خامسًا :ـــ اس لئے کہ وصولیٔ زکوٰۃ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہ نسبت تخفیف و تسہیل پر مبنی تھا نہ کہ تشدید و تضییق پر، جیسا کہ واقعہ ذیل سے ظاہر ہے ـــ

ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ تو خزانہ سے وظیفہ بھی وصول کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے اس کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور فرمایا:۔

لانجمع علیك ان لا نعطيك ونأخذ منك فامره ان يقسمها (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹ ج ۳ طبع ملتان) ــــ ان وجوہ اور ابن قدامہ کی تصریح سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا یہ مذہب متحقق ہوا کہ آپ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے ـــــ

(**الحاصل**) حوالہ جات بالا سے یہ ثابت ہو گیا کہ خلفاء راشدین نے وظائف وعطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور جمہور صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ اور علماء و فقہاء اُمّت کا یہی مذہب ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ شاذ اور ناقابلِ التفات ہے۔ حضرات ائمہ اہلِ فتویٰ نے کبھی اسے قابلِ اعتناء نہیں سمجھا۔ امام ابن عبدالبر وظیفہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کے متعلق لکھتے ہیں ـــــ

هذا شذوذ لم يعرج عليه احد من العلماء ولا قال به احد من ائمة الفتوى ـــ اھ ـــ

علامہ باجیؒ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اس طرزِ عمل (وظیفہ کی وصولیٔ زکوٰۃ) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

ثم انعقد الاجماع على خلافه قاله الزرقانی ـ (كذا فی الأوجز ص۱۴۵ ج ۳)

اس تفصیل وتحقیق سے قارئین کرام نے محسوس کرلیا ہوگا کہ البلاغ کا دعویٰ ثابت نہیں بلکہ وظیفہ کی وصولی زکوٰۃ خلفائے راشدین کے متفقہ طرزِ عمل اور اجماعِ اُمّت کے خلاف ہے — پس اس کے خلاف کسی کا شاذ قول ہرگز قابلِ اعتماد نہیں —

قابلِ تعجّب

تشریحاتِ بالا کی موجودگی میں نہ معلوم البلاغ والے ایک خلافِ اجماع شاذ روایت کو اپنا مستدل بنا کر کیسے مطمئن ہو بیٹھے۔ یہ امر نا قابلِ فہم ہے کہ ہزار سالہ قدیم فقہاء کے اجماعی مؤقف کے خلاف شاذ اور خلافِ اجماع اثر مل جانے کو ہی کافی سمجھ لیا جائے۔ آخر عصرِ حاضر کے متجدّدین اور اہلِ حق میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔؟

کسے معلوم نہیں کہ ہر ضعیف بلکہ غلط خیال کے لئے بھی کوئی نہ کوئی شاذ قول مل ہی جاتا ہے۔ حلّتِ ربوا جوازِ متعہ وغیرہ تک جیسے مسائل میں کیا کیا اقوال نہیں ملتے۔ اہلِ انصاف کے نزدیک اس مسئلہ میں خلفاء راشدین کا اجماع اور ائمہ اربعہ کا اتفاق کافی ہے کہ وظائف سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ پس اسے زیرِ بحث مسئلے میں مستدل نہیں بنایا جا سکتا ہے —

اثرِ ابنِ مسعودؓ کی توجیہ

حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کے طرزِ عمل کے متعدد جوابات ہو سکتے ہیں:۔

پہلا جواب یہ ہے کہ اس اثر کے ثبوت میں ہی کلام ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں مرکزی راوی ہبیرہ بن مریم ہے جس کی توثیق میں اختلاف ہے۔ امام احمدؒ نے اسے "لا بأس به" کہا ہے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں "لیس بالقوی" وقال ابن الخراش "ضعیف" وقال ابوحاتم تشبیہ بالمجہول (میزان صـ ۲۵۱ ج ۲) اور اس کی تائید امام زہری کے قول سے بھی ہوئی۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل وظائف وعطایا سے زکوٰۃ کی وصولی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی (موطا امام مالکؒ)

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ عطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے یا کم از کم یہ ہے کہ یہ طرزِ عمل ابنِ مسعودؓ سے معروف نہیں تھا۔ ورنہ امام زہریؒ پر یہ امر مخفی نہ رہتا۔ امام زہریؒ کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابنِ مسعودؓ کا طرزِ عمل اس سلسلہ میں حضرات خلفاء راشدینؓ کے خلاف نہ تھا۔ اس کی تائید امام ابوعبیدؒ کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ ابنِ مسعودؓ کا زیرِ بحث اثر نقل کرنے کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں میرے نزدیک عبداللہ ابنِ مسعودؓ کی اس روایت کی یہی توجیہ ہے۔ جو حضرت ابوبکر وعثمان رضی اللہ عنہما

کی روایات کی ہے۔ یعنی یہ دونوں بزرگ اُس مال کی زکوٰۃ لیتے تھے (جو دوسرے مال پر) ماضی میں واجب الادا تھی نہ کہ وہ جو مستقبل میں ان پر واجب ہونے والی تھی۔ یعنی وظیفہ کی زکوٰۃ (ترجمہ کتاب الاموال ص۱۶۳ ج۲)
علاوہ ازیں جب ہم حضرت ابن مسعودؓ کی ایک دوسری حدیث دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت بالکل کھل جاتی ہے کہ زیر بحث حدیث ابن مسعودؓ ثابت ہی نہیں یا مؤول ہے وہ حدیث یہ ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی شخص مال حاصل کرے تو اس پر پورا سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہو گی۔
(ترجمہ کتاب الاموال ص۱۶۳ ج۲)

اس حدیث سے ان کا مذہب ظاہر ہے کہ مال مستفاد میں فی الحال زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ وظائف مال مستفاد ہی ہیں۔

البلاغ ص۱۵ میں بھی وظیفہ کا مال مستفاد ہونا تسلیم کیا گیا ہے تو ابن مسعودؓ وظیفے کی زکوٰۃ جبراً کیسے وصول کر سکتے تھے۔ جبکہ یہ مال مستفاد ہے :—

تطبیق

دونوں روایات کو جمع کرنے کے لئے یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ آپ وظیفے سے جبری کٹوتی نہیں کرتے تھے کیونکہ زکوٰۃ کا فی الحال وجوب ہی نہیں ہوا۔ ہاں صاحب وظیفہ کی رضامندی سے پیشگی زکوٰۃ وصول کر لیتے ہوں تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ مالک اپنی رضا و رغبت سے پیشگی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے اور اس مبارک دور میں لوگ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کو غنیمت جانتے تھے۔ چنانچہ بعض سلف کا یہ مذہب لکھا ہے کہ دوران سال اگر کسی کو کوئی مال مل جائے اور اسے حولان حول سے پہلے خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ فوری طور پر ادا کر دی جائے۔ پھر اسے خرچ کیا جائے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۶ ج۳) اور یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ خصوصی طرز عمل ان کے ذاتی اجتہاد پر مبنی تھا جو خلفاء راشدینؓ کے متفقہ طریق کار کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے اور امت نے اسے قبول نہیں کیا——
بہر حال زیر بحث اثر ابن مسعودؓ ثابت نہیں یا مؤول ہے۔ پس ظاہر پر رکھتے ہوئے یہ اثر قابل احتجاج نہیں۔ حضرات ائمہ نے اسے شاذ اور خلاف اجماع قرار دیا ہے۔ یہی توجیہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فعل کی بھی کی جا سکتی ہے——

مالِ مستفاد کی توجیہ

تمام اقوام کے عرف عام سے ثابت ہے کہ وظائف تنخواہ، مہینہ وغیرہ پورے ہونے کے بعد ہی ادا کی جاتی ہے۔ پس ظاہر یہی ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی عطایا سال پورا ہونے کے بعد ہی تقسیم کئے جاتے تھے

پس قسم مالِ مستفاد کی توجیہ بھی اثر ابن مسعودؓ میں جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ اصولی طور پر قسم ان اموال کا کیا جاتا ہے جو دورانِ سال حاصل ہوئے ہوں نہ ان اموال کا جو سال پورا ہونے کے بعد ملک میں آئے ہوں۔ علاوہ ازیں اثر ابنِ مسعودؓ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وظائف کی زکوٰۃ مستقل حیثیت سے وصول کرتے تھے۔ دوسرے اموال کے تابع کرکے نہیں۔ کیونکہ وہ دریافت نہیں فرماتے تھے کہ تمہارے پاس اور مال بھی ہے یا نہیں۔ اور مستقل حیثیت میں فوری طور پر مالِ مستفاد کی زکوٰۃ کا وجوب اُمّت میں سے کسی امام کا مذہب نہیں ہے۔ اگر کوئی قول پایا بھی جائے تو وہ شاذ و مرجوح ناقابلِ احتجاج اور ساقط الاعتبار ہوگا۔

والمرجوح فی مقابلۃ الراجح بمنزلۃ العدم (عقود) ——

وظائف سے وصولیٔ زکوٰۃ

اموال وظائف کی زکوٰۃ کے بارے میں حضرات خلفائے راشدین کا طرزِ عمل آپ پڑھ آئے ہیں کہ یہ سب حضرات وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں فرماتے تھے لیکن البلاغ میں ہے:

تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا سلسلہ خلفائے راشدینؓ کے بعد تک جاری رہا۔ (ص ۱۲/۱۴۱) کتنا زبردست دعویٰ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی خلیفۂ راشد نے زکوٰۃ وصول ہی نہیں کی تو یہ سلسلہ ان حضرات سے شروع ہی نہیں ہوا۔ بعد تک جاری کیسے رہا۔؟ اور اگر وظائف سے وصولیٔ زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ وظائف میں سے گھر میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ وصول کی جاتی رہی —— تو اس سے "وظیفہ" کا مال ظاہر ہونا کیسے ثابت ہوگیا؟ حالانکہ سرکاری سطح پر خود وظیفہ کی زکوٰۃ تو وصول ہی نہیں کی گئی —؟ یا البلاغ کا خیال یہ ہے کہ جس مال میں سے دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کرلی جائے وہ بھی مال ظاہر بن جاتا ہے۔ فیا سبحان اللہ —

بہر حال البلاغ کے اس دعویٰ میں خاصا تساہل پایا جاتا ہے اور وظائف کا مال ظاہر کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا ——

قطعی دلیل

ہماری گذارش یہ ہے کہ وظائف اور تنخواہیں قانونِ اسلامی کی رُو سے اموالِ ظاہرہ میں شمار نہیں ہیں۔ دیگر دلائل کے علاوہ اس کی ایک قطعی دلیل یہ ہے کہ: ——

(الف) —— عہد خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک حکومتوں کی طرف سے تنخواہ یا وظیفہ دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ (ب) سرکاری خزانہ سے اس مد میں صرف ہونے والے اموال بلا تفتیش حکومت کے علم میں ہوتے ہیں۔ (ج) اور قطعی بات ہے کہ بارہ صدیوں سے مذکورہ بالا دونوں امور (الف اور ب) حضراتِ

فقہاکرام (ماہرینِ قانونِ اسلام) کے علم میں ہیں۔ لیکن ان قطعی حقائق کے باوجود قانونِ اسلام کا پورا ذخیرہ ان اموال کے مالِ ظاہر ہونے کی تصریح سے خالی ہے۔ قانونِ اسلام کی کسی کتاب میں وظائف یا تنخواہوں کا اموالِ ظاہرہ کی فہرست میں اندراج موجود نہیں ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں کا یہ بجٹ بارہ صدیوں تک حکومت کے قابلِ وصولی زکوٰۃ اثاثوں میں کیوں درج نہیں ہوسکا۔ انتہائی سادگی کی وجہ سے حضرات فقہاء کو اس بجٹ کا علم نہیں ہوسکا۔ یا سہواً یہ فروگذاشت ہوتی چلی آئی ہے اور کوئی اس پر متنبہ نہیں ہوسکا۔ یہ سب توہمات محض باطل ہیں حقیقت یہ ہے کہ وظائف کے اموال، اموالِ ظاہرہ میں شامل نہیں۔ بلکہ قبل القبض تو سرے سے یہ مملوک ہی نہیں مالِ ظاہر کیا ہوتے ؟ ——

قاضی القضاۃ امام ابویوسفؒ نے خاص سرکاری مال گذاری پر مایۂ ناز تصنیف فرمائی۔ ابو عبیدہؒ نے اسی موضوع پر کتاب الاموال لکھی اور جزوی طور پر تمام فقہاء کی کتابوں میں کتاب الزکاۃ موجود ہے۔ دوسری صدی ہجری (جو قاضی ابویوسفؒ کا زمانہ ہے) اس وقت سے لے کر سلطان عالمگیرؒ تک کسی کتاب میں تنخواہوں کے بجٹ کو اموالِ ظاہرہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے برعکس اس بجٹ کے مالِ باطن ہونے کی ضمنی تصریح قانون اسلامی کے مسلّمہ مآخذ میں موجود ہے۔ رائج الوقت نقدی یا کرنسی نوٹ سونا چاندی اموال باطنہ میں سے ہیں۔ جب تک وہ شہر کے اندر ہوں ——

عجیب

دلائل کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے وظیفہ پر صاحبِ وظیفہ کی ملک نہیں آتی۔ ھدایہ، فتح القدیر، بحرالرائق، درمختار، شامیہ وغیرہ تقریباً سب کتب میں وظیفہ کے بارے میں لکھا ہے ——

انہ نوع صلۃ ولیس بدین ولھذا سمی عطاءً فلا یملک قبل القبض ویسقط بالموت (ھدایۃ ص۵۸۰ ج۲)

البلاغ میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے کہ (تنخواہ) صاحبِ تنخواہ کی ملکیت میں قبضہ کرنے کے بعد آتی ہے۔ اھ (ص۱۲ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ) قابلِ غور امر یہ ہے کہ جب قبضے سے قبل، وظیفہ زید کا مملوک ہی نہیں، تو اسے زید کے اموالِ ظاہرہ میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے۔ اگر شبہ ہو کہ وظیفہ گیرندہ کے ملک میں آنے کے بعد یہ مالِ ظاہر بن گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ اب یہ مال حکومت کی تحویل سے نکل کر نجی ملکیت وحفاظت میں داخل ہو گیا ہے۔ حالانکہ البلاغ کے مطابق کسی مال کے مالِ ظاہر میں شامل ہونے کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ مال حکومت کے زیرِ حفاظت آجائے۔ دو بنیادی امور ضروری تھے۔ ان میں سے ایک یہاں مفقود ہے

وظیفہ کے "متعین الوصول" ہونے کی وجہ سے اس کے مملوک ہونے کا دعویٰ کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرات فقہاء کرام نے اس کی حیثیت کا علم رکھتے ہوئے اسے غیر مملوک قرار دیا ہے۔ بہر حال کسی غیر مملوک

مال کو زید کا... مالِ ظاہر قرار دیدینا عجیب ہے ــــــ

تیسری قسم کا مال ،

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ایک واقعہ پیش آیا کہ آپ نے سابق حکومت کے غصب کردہ مال کو مالکان کی درخواست پر انہیں واپس کر دیا اور اس میں سے ایک سال کی زکوٰۃ بھی وصول کر لی ــــــ[۵۷]

البلاغ میں اس واقعہ کو بھی بینک اکاؤنٹس کے مال ظاہر ہونے کی دلیل بنایا گیا ہے حالانکہ اس میں صرف سرکاری وصولی کا ذکر ہے۔ مال ظاہر ہونے کا کوئی اشارہ تک اس میں موجود نہیں پس یہ اثر موضوع سے غیر متعلق ہے۔ پھر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصولی جبری نہ تھی بلکہ مالکان کی رضامندی کے ساتھ تھی۔ کیونکہ خیر القرون میں مسلم معاشرہ کے اندر شعائر اسلام اور فرائض کی پابندی کامل طوع و رغبت کے ساتھ کی جاتی تھی۔ خیر غالب اور شر مغلوب تھا۔ جن مالکان کو اڑھائی لاکھ روپے کی خطیر رقم مایوسی کے بعد واپس مل رہی ہو۔ انہیں مقدار زکوٰۃ کی معمولی رقم ادا کرنے میں کیا ناگواری ہو سکتی ہے۔ جبکہ عدم ادائیگی کی صورت میں وہ خود بھی زکوٰۃ ادا کرتے ــــــ

مری ہوئی اتنی بڑی رقم کی وصولی کے لئے لوگ تو اس کا چوتھائی تہائی حصہ بلکہ نصف تک بطور رشوت دینے کے لئے بخوشی تیار ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ اڑھائی فی صد زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی ناخوشی محسوس کریں۔ جو عذاب سے خلاصی اور خداوند قدوس کی رضامندی کا باعث ہے۔ اور رشوت موجب عذاب ــــــ

امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ جانوروں کی زکوٰۃ از خود غرباء کو دیدی جائے۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ امام عادل کو دی جائے جبکہ وہ عمر بن عبدالعزیز جیسا ہو" (مدونہ) گویا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مالیات میں دیانت و امانت ضرب المثل تھی۔ ان حقائق پر غور کرنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ زیر بحث واقعہ میں مالکان کا زکوٰۃ ادا کرنا کسی جبر و اکراہ کے تحت نہ تھا بلکہ طوع و رغبت سے تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں ایک عامل نے لکھا کہ فلاں شخص نے ہمارے محصل کو زکوٰۃ نہیں دی۔ تو آپ نے جواب لکھا (دعہ) اسے رہنے دو یعنی جبر نہ کرو۔ (موطا) معلوم ہوا کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ عمومی جبر کے قائل نہ تھے۔ جبکہ معلوم ہو کہ مالک خود ادا کرے گا۔ تو سونے چاندی کی زکوٰۃ بلا رضامندی جبراً کیسے کاٹ لیتے تھے لہذا البلاغ میں ذکر کردہ اس واقعہ سے زیر بحث مسئلہ پر استدلال صحیح نہیں ــــــ دوسرے یہ ایک جزوی واقعہ ہے اور بقول البلاغ جزوی واقعات کو کلی احکام کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ واقعہ

۵۷۔ یہ مال مغصوب بیس ہزار درہم تھے (مصنف عبدالرزاق) جن کی مالیت تقریباً کم از کم اڑھائی لاکھ بنتی ہے ــــــ

حضرات فقہاء اور محدثین نے مالِ ضمار کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے لیکن اس واقعہ سے کسی مال کے مالِ ظاہر میں شمار ہونے پر استدلال کرنے کی اوّلیت البلاغ ہی کو حاصل ہے۔ بارہ صدیوں میں کسی فقیہ یا محدّث نے اس سے یہ استنباط نہیں کیا۔ اپنے دَور میں عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو مالی اصلاحات کیں، غیر اسلامی ٹیکس منسوخ کیے۔ سابقہ حکمرانوں کے غصب کردہ اموال واپس کیے۔ انتہا یہ کہ اپنی اہلیہ کا جہیز شُبہ ہونے کی وجہ سے بیت المال میں واپس کر دیا۔ ان اصلاحات کی وجہ سے معاشرے کے قلوب پر ان کی ہر دلعزیزی اور عظمت کا سکّہ بیٹھ گیا تھا۔ ان کے اثرات اب تک باقی ہیں۔ ایسا حکمران اگر جان بھی طلب کرے تو عوام دریغ نہیں کرتے چہ جائیکہ فریضۂ زکوٰۃ کی سرکاری وصولی پر کوئی ناخوشی محسوس کرے۔ امام ابوعبید اور دوسرے حضرات کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مجموعی طرزِ عمل یہی تھا کہ وہ صرف انہی لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے جو بخوشی زکوٰۃ انہیں دینا چاہیں۔ اور اپنے عمّال کو بھی یہی ہدایات جاری کی تھیں۔ چنانچہ امام موصوفؒ فرماتے ہیں: ـــــ

”جو صدقہ زکوٰۃ تمہارے پاس لے آئے اس سے تم وہ قبول کر لو اور جو تمہارے پاس نہ لائے اللہ اس سے حساب کرنے والا ہے۔“ (کتاب الاموال ص۲۹۵ ج۲) ـــــ

ابھی ابھی موطاء امام مالک کے حوالہ سے بھی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایسا ہی واقعہ گزر چکا ہے۔ بہر حال جبری کٹوتی زکوٰۃ کے بارے میں واقعہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے استدلال درست نہیں ـــــ

البلاغ نے مزید لکھا ہے کہ علّامہ ابن ہمامؒ اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک سال کی وصولی زکوٰۃ کا واقعہ لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مال (ضمار) سے ایک سال کی جو زکوٰۃ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وصول فرمائی وہ حنفیہ کے نزدیک بھی معمول بہ ہے۔ ورنہ وہ اس کی توجیہ یا تردید فرماتے (البلاغ ص۶۱)

(جواب) حنفیہ کے مذہب کے بارے یہ بے خبری قابلِ تعجب ہے۔ حالانکہ حنفیہ کی تقریباً تمام شروح و متون میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ کہ مالِ ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ ھدایہ میں ہے ـــــ

ومن له على آخر دين فجحده سنين ثم قامت له بينة لم يزكه لما مضى .... وهي مسئلة مال الضمار وفيه خلاف زفر والشافعي اھ ـــــ

مالِ ضمار کی زکوٰۃ کے متعلق اوجز میں ہے: ـــــ

وعند الشافعي يجب فيه اذا وجد في الاحوال كلها وقال مالك عليه زكوٰة حول واحد لقول عمر بن عبد العزيزؒ وعند ابي حنيفة لا تجب في الضمار (ص۹۲ ج۵)

امام طحاویؒ کی عبارت سے استدلال درست نہیں،

السلاغ ص۱۶ بابت رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ میں امام طحاویؒ کی ایک عبارت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ، مصدّق بھیج کر امام کو اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کے مکمّل اختیارات ہیں۔ حالانکہ سیاق وسباق ودیگر قرائن کی روشنی میں یہ استدلال قطعاً درست نہیں ـــــ

امام طحاویؒ اس پورے باب میں جو احادیث لائے ہیں ان سے بلاکسی اشتباہ کے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ "حقِ وصولی" عام نہیں۔ بلکہ یہ حق اُس سونے، چاندی اور اموالِ تجارت کے بارے میں ہے جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گذرے۔ اس باب میں امام طحاویؒ کی ذکر کردہ روایات یہ ہیں جو سب عاشر کے بارے میں ہیں :-

مثلاً ۱: لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی اھل الذمۃ ۲: لا یدخل الجنۃ صاحب مکس یعنی عاشرا ۳: فأعشر المسلمین فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ انما یعشر الیھود والنصاریٰ ۴: ان عمر بن عبد العزیز کتب الی ایوب بن شرحبیل ان خذ من المسلمین من کل اربعین دینار دینارا ومن اھل الکتاب من کل عشرین دینار دینارا اذا کانوا یدیرونھا ثم لا تأخذ منھم شیئا حتی رأس الحول فانی سمعت ذلک ممن سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ذلک ۵" اثر عمر رضی اللّٰہ عنہ قال انس بن سیرین لانس بن مالک اکتب لی سنۃ عمر قال فکتب خذ من المسلمین من کل اربعین دراھم درھما ومن اھل الذمۃ من کل عشرین دراھم درھما ومن لا ذمۃ لہ من کل عشرۃ دراھم درھما اھ وغیر ذلک من الروایات۔

یہی روایات کتاب الاموال لابی عبید میں باب العاشر کے تحت مندرج ہیں۔ بلکہ فقہاء ومحدثین میں سے جس نے بھی عاشر کے مسائل بیان کئے ہیں انہی روایات سے استدلال کیا ہے۔ آخر الذکر دو آثار یعنی اثرِ عمر بن عبد العزیزؒ اور اثرِ عمر رضی اللہ عنہما کو تو مسائل عاشر میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو :- (بدائع ص۳۵ ج۲) (احکام القرآن ص۱۵۵ ج۳) (موطا امام مالکؒ، باب زکوٰۃ العروض۔) موطا امام محمدؒ (شرح نقایہ) (کتاب الآثار لمحمدؒ) (شرح مختصر الکرخیؒ) (مبسوط سرخسیؒ) (البحر الرائق ص۲۴۹ ج۲) وغیرہ اوّل الذکر احادیث سے بظاہر عاشر مقرّر کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ امام طحاویؒ نے ان احادیث

کا صحیح محمل بیان کرتے ہوئے اپنے دعوی کے لئے آخری دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کا قدرِ مشترک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے (دور دراز راستوں پر) عاشر مقرر کئے اور انہیں لکھا کہ جو مسلمان ذمی یا حربی تاجر تمہارے پاس سے گذرے اس سے زکوٰۃ ٹیکس وصول کرو، بابُ العاشر میں دیگر فقہاء محدثین نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ مثلاً لا یدخل الجنۃ صاحبُ مکس کی توجیہ کرتے ہیں اور حدیثِ عمرؓ سے تقررِ عاشر کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ جس کا جی چاہے کتابیں کھول کر دیکھ لے۔

امام طحاویؒ دلیلِ نقلی پیش کرنے کے بعد حسبِ عادت اپنے دعوی کو قیاس ونظر سے مبرھن فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائمہ اور ثمار کی وصولیٔ زکوٰۃ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح ایسے سونے اور چاندی اور اموالِ تجارت کی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ جو بیرونِ شہر ہونے میں سائمہ کے مشابہ ہوں ——

جس دعوی کے لئے آثارِ عمرین رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا ہے قیاس ونظر سے بھی اسی دعوی کی تائید کی جائے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ احادیث الباب سے تو مامرّ علی العاشر کی وصولیٔ زکوٰۃ کا جواز ثابت کریں اور "نظر" سے گھروں اور دکانوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ کا مسئلہ چھیڑ دیں اسی طرح وجہ بطریق النظر کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ جو مسئلہ احادیث سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس کی دلیل نظری بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ مسئلہ مامرّ علی العاشر سے وصولیٔ زکوٰۃ کا مسئلہ ہے نہ کہ تمام اموالِ تجارت کا ——

امام طحاویؒ کی طرح دیگر حضرات فقہاء کرام نے بھی سفر پر لے جائے گئے اموالِ تجارت کو سائمہ پر قیاس کرتے ہوئے انہیں مالِ ظاہر قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ وجہ شبہ اور علتِ جامعہ ان دونوں کا شہر سے باہر پایا جانا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں ——

وکذا المال الباطن اذا مرّ بہ التاجر علی العاشر کان لہ ان یأخذ فی الجملۃ لانہ لما سافر بہ واخرجہ من العمران صار ظاہراً والتحق بالسوائم (ص ۳۵ ج ۲)

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:——

ثم المسلم حین اخرج مال التجارۃ الی المفازۃ فقد احتاج الی حمایۃ الامام فیثبت لہ حق اخذ الزکوٰۃ منہ کما فی السوائم ——

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں مویشیوں پر جس مالِ تجارت کو قیاس کیا گیا ہے وہ ایسا مالِ تجارت ہے جسے تاجر لے کر عاشر کے پاس گزرے۔ ہر مالِ تجارت نہیں اور وجہ قیاس اور علتِ التحاق شہر سے باہر آ کر اس مال کا امام کے زیرِ حمایت آ جانا ہے اور اموالِ ظاہرہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کا حق امام کو حاصل ہے امام طحاویؒ بھی یہی مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔ الغرض دلالتِ سیاق وسباق ودیگر قرائن کی بنا پر پورے

وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ امام طحاویؒ کی اس عبارت سے مُراد" مامرعلی العاشرؒ ہے۔ شہری اموالِ تجارت اور سونا چاندی نہیں ــــــ

احادیث الباب کی اس قطعی دلالت کے علاوہ زیرِ بحث عبارت کو مطلق سمجھنے میں ایک محظور یہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ شہری اموال کی وصولی زکوٰۃ کے لئے محصّل مقرّر کرنے کا کوئی امام قائل نہیں۔ حتیٰ کہ عہدِ رسالت و خلافتِ شیخین میں بھی اس غرض کے لئے مصلین کا تقرّر عمل میں نہیں لایا گیا۔ امام ابوبکر جصاص رازی امام الھدیٰ کے حوالے سے پہلے یہ بات ہم نقل کر چکے ہیں۔ امام طحاویؒ ان حقائق سے بے خبر کیسے ہو سکتے ہیں ؟ اور خلافِ اجماع بات کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر اسے امام اعظمؒ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا مذہب بھی قرار دے رہے ہیں۔ فیا سُبحان اللہ ــــــ ان ائمہ ثلثہ کا مذہب روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ جسے تمام فقہاء نے نقل کیا ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ اندرونِ شہر حکومت وصول نہیں کر سکتی۔ اگر بالفرض امام طحاویؒ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو وہ اسے مذہب ائمہ ثلثہ قرار نہ دیتے بلکہ اپنی اختلافی رائے کی حیثیت سے پیش کرتے جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پر امام طحاویؒ ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔" بلکہ کسی اور فقیہ نے بھی اس مسئلہ میں امام طحاوی کا اپنے ائمہ ثلثہ سے اختلاف ذکر نہیں کیا! تعجب ہے کہ اگر ان حضرات ائمہ ثلثہ کا مذہب وہی ہوتا جس کی نشاندہی بقول البلاغ امام طحاویؒ کر رہے ہیں تو کتب فقہ میں بالاتفاق جو نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ وہ کس کا مذہب ہے ـــــــ ؟

تو مؤدبانہ گذارش ہے کہ مندرجہ بالا سب محظورات زیرِ بحث عبارت کو مطلق سمجھ لینے سے لازم آتے ہیں۔ لیکن جب اس اطلاق کو سیاق و سباق و دیگر قرائن کی روشنی میں " مامرّ علی العاشرؒ" کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔ جیسا کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے۔ تو اس سے مخالفتِ اجماع لازم آتی ہے نہ اپنے ائمہ ثلثہ کے مذہب کا حوالہ غلط قرار پاتا ہے۔ نہ ہی کوئی دوسرا محظور لازم آتا ہے۔ اس صحیح و سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر اپنی رائے اور سمجھ کو امام طحاویؒ کے ذمہ لگانا انصاف سے بعید ہے۔ سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر امام طحاویؒ کی عبارت کو شہری اموال کے بارے میں بھی عام رکھا جاتا ہے تو اس کے لئے امام طحاویؒ کا مستدل کیا ہوگا اور وہ کہاں ہے جبکہ احادیث الباب تو سب کی سب مامرعلی العاشر کے بارے میں تقریباً صریح ہیں ــــــ

خود امام طحاویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ باب عاشر اور ان کی یہ ساری بحث ان اموال کے متعلق ہے۔ جو عاشر کے پاس سے لے کر گذریں۔ حدیث :ــــــ

لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی الیھود والنصاریٰ " کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔ ان المسلمین لا یجب علیھم بمرورھم علی العاشر فی اموالھم مالم یکن واجبا

علیھم لولم یمر بھا علیھم لان علیھم الزکوٰۃ علی ای حال کانوا علیھا والیھود والنصاریٰ لولم یمروا بما موا لھم علی العاشر لم یجب علیھم فیھا شیٔ فالذی رفع عن المسلمین ھو الذی یوجبہ المرور بالمال علی العاشر ولم یرفع ذلک عن الیھود والنصاریٰ :۔۔۔۔۔۔

امام طحاویؒ حدیث کی شرح کرتے ہوئے ایک ہی عبارت میں چار مرتبہ عاشر کے پاس سے مال لے کر گزرنے کی تصریح فرما رہے ہیں۔ اتنی واضح تصریحات ۔۔۔۔۔۔ کی موجودگی میں امام طحاویؒ کی پہلی عبارت کو مطلق سمجھ لینا باعثِ حیرانی ہے۔ مرور علی العاشر کی تصریح کے باوجود دعویٰ یہ کیا جا رہا ہے کہ خروج عن المصر کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی۔ تعجّب پر تعجب ہے کہ عبارت طحاوی کو اس صریح قید سے مقید کرنے پر تو راضی نہیں لیکن ایک خیالی قید جو اپنی سمجھ میں آئی ہے (یعنی مضرتِ تفتیش) اس کے ساتھ طحاویؒ کی عبارت کو مقیّد فرما رہے ہیں۔ حالانکہ امام طحاویؒ نے اس باب بلکہ پوری کتاب الزکاۃ میں صراحتہً تو کجا اشارۃً بھی اس خیالی قید کا ذکر نہیں کیا۔ یہ طرزِ عمل ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ سیاق وسباق میں مذکورہ صریح قید سے تو قطع نظر کیا جائے اور خارج سے ایک قید برآمد کر لی جائے۔ جس کا امام طحاوی رحمہ اللہ کی پوری کتاب میں کوئی نشان نہیں بلکہ اس قید کا وجود خارجی بھی اس وقت تک محلِ بحث بنا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔

عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ میں

زکوٰۃ کی نجی ادائیگی بھی معتبر تھی،

ایک قول کے مطابق زکوٰۃ کی فرضیت مکی ہے۔ کیونکہ سورۃ مزمل کی آخری آیت میں وآتوا الزکوٰۃ کا حکم موجود ہے لیکن جمہور علماء قائل ہیں کہ زکوٰۃ ۲ھ میں صدقہ فطر کے بعد فرض ہوئی (کما حققہ الحافظ فی الفتح) ابتداءِ اسلام میں لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ لا کر خدمت نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پیش کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے ان کے لئے بے ساختہ دُعائیں نکلتی تھیں۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خدمتِ نبوی میں زکوٰۃ پیش کرنے کو اپنے لئے صلوات الرسول اور قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے ویتخذ ماینفق قربٰت عند اللہ وصلوٰت الرسول الا انھا قربۃ لھم الآیۃ (توبہ آیت ۹۹)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے اور پیغمبر کی دُعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خبردار بے شک وہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے۔

اسی طرح علانیہ زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک مصلحت یہ تھی کہ کوئی عمل اگر اجتماعی شکل میں معاشرے کے اندر رواج پا جائے تو اس کا ترک کرنا دُشوار ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز باجماعت کے مصالح میں سے ایک بڑی مصلحت یہی تحریر فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ہجرت کر کے آنے والے نادار اور دیگر فقراء صحابہؓ کا ایک مجمع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام پذیر رہتا تھا۔ یہ لوگ مصارفِ زکوٰۃ تھے یہ اور اسی نوعیت کی دیگر مصالح کے پیشِ نظر حضرات صحابہ کرام اپنے صدقات خدمتِ اقدس میں لا کر پیش کرتے تھے اور یہ سارا نظامِ زکوٰۃ طوع و رغبت پر مبنی تھا کسی پر کوئی جبر نہ تھا۔ صرف صدقاتِ واجبہ ہی نہیں بلکہ نفلی صدقات میں بھی ان حضرات کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ یہ بھی خدمتِ نبوی میں پیش کئے جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے جہاں مناسب ہو خرچ فرمائیں۔ "لن تنالوا البر" آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت طلحہؓ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا :

یا رسول اللہ ان اللہ تعالیٰ یقول لَنْ تنالوا البر حتی تنفقوا مِمَّا
تحبون وَإِنَّ اَحَبَّ مالی إِلَیَّ بَیْرَحاءُ وانہا صدقۃ لِلّٰہ تعالیٰ
ارجو بِرَّھا وذخرھا عند اللہ تعالیٰ فضعھا یا رسول اللہ حیث
اَرَاکَ اللہ الحدیث (مشکوٰۃ ص۱۷۲ ج۱)

ترجمہ: یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَنْ تنالوا البر حتی تنفقوا مما
تحبون اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحاء ہے اور وہ اللہ
کے لئے صدقہ ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرے لئے اللہ کے ہاں ذخیرہ بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ
کے منشاء کے مطابق اسے جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

اور غزوۂ تبوک سے تخلف کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولِ توبہ کی خوشخبری ملنے کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کا اعلان خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر کیا: "إِنَّ مِنْ توبتی اَنْ انخلعَ من مالی صدقۃ إلی اللہ ورسولہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَمْسِكْ علیک لبعض مالک فھو خیر لک (مسلم ص۳۶۲ ج۲)

اور حسبِ ضرورت اپنے طور پر بھی حضراتِ صحابہؓ زکوٰۃ ادا فرماتے تھے رفرضیتِ زکوٰۃ کے ابتدائی سالوں میں دونوں طرح سے زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی ہوتی رہی یعنی نجی طور پر بھی زکوٰۃ ادا کی جاتی تھی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھی پیش کر دی جاتی تھی کئی سالوں کے بعد ۹ھ میں آیت کریمہ خُذْ مِنْ اموالھم صدقۃ تطھرھم الآیۃ نازل ہوئی تو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوائم اور پھلوں کی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سرکاری سطح پر انتظامات کیئے گئے محصلین کا تقرر ہوا اور انہیں وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے بیرونِ شہر جنگلوں اور کھیتوں میں بھیجا گیا لیکن اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اندرونِ شہر کسی محصل کا بھیجا ثابت نہیں۔ امام جصاص رازی فرماتے ہیں:

"ولم یبلغنا انہ بعث سعاۃ علی زکوٰۃ الاموال کما بعثھم علی
صدقاتِ المواشی والثمار فی ذلک اھ"۔ (احکام القرآن ص۱۵۵ ج۳)

خلافتِ راشدہ میں بھی اسی پر عمل جاری رہا تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مالکان کو اپنے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ مالِ زکوٰۃ چونکہ محض فقراء ومساکین

وغیرہ کا حق ہے اور سرکاری سطح پر وصولی فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نہ بحیثیتِ رکن تھی نہ بحیثیتِ شرط، اس لئے حضراتِ صحابۂ کرام نے حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کو بلا تردّد قبول کیا چنانچہ حضرات ائمہ وفقہاء نے لکھا ہے کہ اعلانِ عثمان سے امام کا وصولیٔ زکوٰۃ کا عرفی حق (جیسا کچھ تھا) ختم ہوگیا۔ اب عام حالات میں سرکاری سطح پر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا امام کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ اسقاطِ حق خلیفۂ راشد کا فیصلہ ہے۔ جس کی اتباع اُمّت پر لازم ہے۔ امام ابوبکر جصاص رح لکھتے ہیں:

ثم خطب عثمان فقال ھذا شھر زکاتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیۃ مالہ فجعل لھم ادائھا الی المساکین وسقط من اجلِ ذلك حق الامام فی اخذھا لانہ عَقْدٌ عَقَدَہٗ امام من ائمۃ العدل فھو نافذ علی الامۃ لقولہ علیہ السلام ویعقد علیھم أدْنٰھُمْ۔ (احکام القرآن ج ۳ ص۱۵۵)

واضح رہے اس حق سے مُراد ایسا عرفی استحقاق ہے جو عہدِ نبوّت سے لیکر خلافتِ عثمان کے وسط تک کے مسلسل تعامل سے ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اس عرصہ میں معطین اپنی زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ ونافلہ عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خُلفاء راشدین کے پاس جمع کراتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات اپنے طور پر بھی غُرباء ومساکین کو ادا کرتے تھے۔ کما سیأتی۔

حق ساقط ہوگیا: صرف امام جصاص رح ہی نے نہیں بلکہ تمام فقہاء نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا ہے کہ خلافتِ عثمانی کے بعد امام کو اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں رہا ہے۔ علّامہ ابنِ نجیم متعدد کتُب کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

لیس للسلطان ولایۃ اخذ زکوٰۃ اموالِ الباطنۃ فلم یصح اخذہ کذا فی الواقعات والتجنیس والولوالجیۃ (البحر الرائق ۲۲۷/۲)

ترجمہ:۔ بادشاہ کو اموالِ باطنہ سے وصولیِ زکوٰۃ کا اختیار نہیں پس اس کا وصول کرنا صحیح نہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

إن السلطان لہٗ ولایۃ الجبر فی الاموال الظاھرۃ لا فی الاموال الباطنۃ۔ (اعلاء السنن ص۳۹ ج ۹)

ترجمہ: بادشاہ کو جبراً وصولی کا حق اموالِ ظاہرہ میں ہے اموالِ باطنہ میں نہیں۔

زکوٰۃ ادا نہ ہوگی: بلکہ حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ عام حالات میں اگر اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبری طور پر وصول کرلیگا۔ تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولهذا قلنا انه ليس للامام ان يأخذ الزكاة من صاحب المال من غير اذنه جبراً ولو اخذ لا تسقط عنه الزكاة۔

(بدائع ج۲ ص۵۳ وهكذا في البحر ص۲۲۷ ج۲)

ترجمہ: امام کو یہ حق نہیں کہ صاحبِ مال سے جبراً اسکی اجازت کے بغیر زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ ایسے وصول کریگا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

آگے چل کر ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں امام موصوف لکھتے ہیں:

بخلاف الزكاة فان الامام لا يملك الاخذ جبراً وان اخذ لا تسقط الزكاة عن صاحب المال۔ (بدائع ص۵۶ ج۲)

ترجمہ: زکوٰۃ کا مسئلہ ایسا نہیں۔ کیونکہ امام جبراً وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور اگر زبردستی وصول کریگا تو مالدار کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

خود اربابِ مال کی ذمہ داری ہے: شہر میں ہوتے ہوئے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ ادا کرنا خود اربابِ مال کی ذمہ داری ہے، امام کو ان میں وصولیٔ زکوٰۃ کا حق نہیں... ہاں جب یہ اموال شہر سے باہر لائے جائیں۔ اس وقت وصولیٔ زکوٰۃ کے اختیارات امام کیطرف منتقل ہوجائیں گے۔ کیونکہ اب یہ "اموالِ ظاہرہ" میں شامل ہوجائیں گے۔

علامہ محقق ابنِ ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ان ولاية الاداء بنفسه انما كان في الاموال الباطنة حال كونها

ترجمہ: بذاتِ خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار "اموالِ باطنہ" میں صرف شہر میں موجود ہونے کی حالت میں ہے۔

فی المصر و بمجرد خروجه انتقلت الولایة الی الامام (فتح القدیر ج۲ ص۸۲)

ترجمہ: اور شہر سے نکلنے کے ساتھ ہی یہ اختیار امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(۲) امام قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح جامع صغیر میں تصریح فرماتے ہیں:

انما تثبت ولایة المطالبة للامام بعد الاخراج الی المفازة اھ

(بحوالہ شامی ج ۲ ص۵۳)

ترجمہ: (اموال باطنہ میں) امام کو مطالبۂ زکوٰۃ کے اختیارات تجارتی اموال کو صرف بیرون شہر لیجانے ہی کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں، اس کے بغیر نہیں (کیونکہ ایسی صورت میں یہ "اموال باطنہ" نہیں رہتے بلکہ اموالِ ظاہرہ بن جاتے ہیں)

اجماعِ صحابہؓ: اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق امام کو نہ ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام کے وصول کرنے کو اجماعِ صحابہؓ کے خلاف قرار دیتے ہوئے امام کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اذا اراد الامام ان یأخذ بنفسه من غیر تهمة الترک من اربابها لیس له ذالک لما فیه من مخالفة اجماع الصحابة رضی الله عنهم۔ (بدائع ص ج ۲)

ترجمہ: جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مالداروں سے زکوٰۃ خود وصول کرے، جبکہ ان پر ترکِ اداءِ زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اجماعِ صحابہؓ کی مخالفت ہے۔

ازالۂ شبہ: امام کاسانی رحؒ کے دعویٰ اجماع کے بارے میں اگر کسی کو بعض صحابہؓ کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے کلام سے زائل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معنیٰ اجماع ایں نیست کہ ہمہ مجتہدین لایشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند بلکہ معنیٰ اجماع حکم خلیفہ است بخیر بعد مشاورۃ ذوی الرأی یا بغیر آں و نفاذ آں حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم متمکن گشت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی و

سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی الحدیث (ازالۃ الخفاء ص۲۶)

ان تصریحات سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ خلافتِ عثمانی کے بعد سے امام کا وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ عام حالات میں "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات اسے حاصل نہیں رہے۔ مگر اس کے باوجود بھی بعض حضرات کو شبہ ہو گیا ہے۔ کہ امام کا یہ وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ساقط نہیں ہوا۔ اور ایسا نہیں کہ وہ اب زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا۔ گویا کہ امام عملاً بھی وصولیٔ زکوٰۃ جب چاہے شروع کر سکتا ہے۔

حضرات ائمہ کرام اور فقہائے عظام، حضرت امام ابوبکر جصاص رازی رح۔ امام ابوبکر کاسانی رح علامہ محقق ابن ہمام رح۔ امام الفقہاء قاضی خان رح۔ علامہ ابن نجیم رح وغیرہ اساطین اُمّت کی سابقہ عبارات کی روشنی میں اس شبہ کا بے دلیل اور غلط ہونا ظاہر ہے۔ ان حضرات نے تصریح فرما دی ہے کہ امام کا یہ حق ساقط ہو چکا ہے۔ امام کا اب اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا اجماعِ صحابہ رض کے خلاف ہے۔ عام حالات میں امام کو یہ اختیارات نہیں ہیں۔ اور وصول کرنے کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔

تہمتِ ترک: واضح رہے کہ اس وقت بحث صرف اس میں ہے کہ بغیر تہمت ترک عام حالات میں امام کو "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات ابھی نقل کی جا چکی ہیں کہ "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں، بصورت وصولی مالکان کی زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ وغیر ذالک۔ اور بعض فقہاء کی عبارات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کا حق بالکلیہ ساقط نہیں ہوا۔ اس کا ثمرہ صرف یہ ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں امام ادائے زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا امام کا یہ حق عام حالات میں ساقط ہو چکا ہے۔ اور تہمت ترک کی صورت میں یہ حق عود کر آتا ہے۔ پس بالکلیہ ساقط نہ ہونے کا یہی معنی ہے۔ الغرض سقوطِ حق عام حالات میں ہے اور اس کا عود کر آنا ایک خاص حالت میں ہے۔ پس ان باتوں میں کوئی منافات ہے اور نہ ہی ان عبارتوں کو لے کر حکومت کے لئے عمومی حق ثابت کرنا درست ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر کاسانی رح نے ایک ہی مقام پر دونوں باتوں کی صراحت کر دی ہے۔ تہمت ترک کی صورت میں مطالبۂ زکوٰۃ کا حق بھی امام کے لئے تسلیم کیا ہے اور بدون اس کے وصولیٔ زکوٰۃ کو اجماعِ صحابہ رض کے خلاف بھی قرار دیدیا ہے۔ بدائع میں ہے:

ان الامام اذا علم من اهل بلدة انهم يتركون اداء الزكوٰة من الاموال الباطنة فانه يطالبهم بها لكن اذا اراد الامام ان يأخذ بنفسه من غير تهمة الترك من اربابها ليس له ذالك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة رضی اللہ عنهم اھ بدائع ج ۲ صـ

ترجمہ: کسی شہر والوں کے متعلق جب امام کو معلوم ہو جائے کہ اُنہوں نے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی ترک کر دی ہے تو وہ ان سے اس کا مُطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مال والوں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر ترکِ اداء زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں کیونکہ یہ اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔

قابلِ غور: لوگوں کے فریضۂ زکوٰۃ ترک کر دینے کی صورت میں امام کو مطالبۂ زکوٰۃ کا جو حق ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ کیا یہ وہی حق ہے جو ساقط ہو گیا تھا۔ یا یہ دُوسری نوعیت کا ایک عمومی حق ہے جو فرائض وشعائرِ اسلام کی توہین یا انہیں ترک کر دینے کی صورت میں امام کو حاصل ہوتا ہے۔ (بظاہر ترکِ زکوٰۃ کی صورت میں یہ حقِ امام دوسری نوعیت کا ہے) کیونکہ اگر کوئی شخص بے نماز ہے تو حکومت کو اس کی گرفتاری اور حبسِ دوام کی سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ الّا یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بلاعُذر علانیہ کھاتا پیتا ہے تو حکومت کو اُسے سخت ترین سزا دینے کے اختیارات ہیں۔ بلکہ امام محمدؒ نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ اگر امام کو معلوم ہو جائے کہ فُلاں شہر کے لوگوں نے اذان کی سُنت ترک کر دی ہے تو تائب نہ ہونے کی صُورت میں ان لوگوں کے ساتھ قتال واجب ہے ۔۔۔ گویا کہ نماز، روزہ، اذان کی بحالی اور ان شعائرِ اسلام کو قائم کرنے کے لئے جبر و قتال تک کی اجازت ہے۔ بلکہ واجب ہے تو ترکِ فریضۂ زکوٰۃ کی صورت میں بھی اِس فریضہ کو بحال کرنے کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا فرائض کی اقامت کے سلسلہ میں امام کو حاصل ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص حالات میں امام کے یہ اختیارات امر بالمعروف کے قبیل سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تارکِ زکوٰۃ کی زکوٰۃ امام خود وصول نہیں کریگا۔ بلکہ بذریعہ قید وبند اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود ادا کرے۔ اِسی صورت کے بارے میں علامہ ابنِ نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

و(اشار) الى انه لوامتنع من ادائها فالساعى لا يأخذ منه كرهاً ولو اخذ لا يقع عن الزكاة لكونها بلا اختيار ولكن يُجبِرُه بالحبس ليؤدّى بنفسه لان الاكراه لايسلب الاختيار بل الطواعية فيتحقق الاداء عن اختيار كذا فى المحيط (بحر ج ۲ صفحہ ۲۲۷)

مُطالبۂ امام: ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں امام لوگوں سے "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کا بھی مُطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب سمجھنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔

واضح رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صورتِ بالا میں امام کو جبری کٹوتی یا لوگوں کے اموال پر بنامِ زکوٰۃ زبردستی قبضہ کر لینے کے اختیارات حاصل ہوجاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام (عذابِ اخروی اور دنیوی سزا) یاد دلاکر اولاً فہمائش کرے گا۔

ابنِ عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

والواجب ان یعظ الامام من منع الزکاۃ ویؤنجه اھ۔

اگر فہمائش کے باوجود یہ شخص (یا لوگ) زکوٰۃ ادا نہ کریں تو تعزیراً اسے سزا دے اور جیل بھیج دے، تاوقتیکہ وہ ادائیگی زکوٰۃ نہ کر دے۔ کفایہ میں ہے:

وفى التفاريق ان وقف على اهل بلدة لا يؤدون زكاة الاموال الباطنة طالبهم وكذا من عرف بذالك ضرب وطولب بالاداء وفى الاشارات اذا امتنع عن اداء الزكاة يحبس حتّى يؤدى (ص۱۸۲)

بحر الرائق میں بھی ایسے ہی ہے کہ ایسے ممتنع کے مال پر بغرضِ زکوٰۃ جبراً قبضہ کر لینا درست نہیں۔ بلکہ اسے قید کر دیا جائے گا۔ تاوقتیکہ وہ خود زکوٰۃ ادا کرے۔ حوالہ ابھی گزر چکا ہے۔

ٹیکس اور زکوٰۃ: اور یہ مقصودِ شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ عبادات میں اصل یہ ہے کہ لوگ باختیار خود انہیں بجا لائیں۔ مخلوق کو صراطِ مستقیم پر چلانا مطلوب ہے۔ جمع مال مقصود نہیں۔ ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں یہ ایک بنیادی فرق ہے۔ ٹیکس میں مقصود صرف حصولِ مال ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں فعلِ مکلف کا پایا جانا ضروری ہے۔ وصولیٔ مال ثانوی درجے میں ہے۔ بعض اُمراء بنو اُمیہ نے نومسلموں سے

جزیہ کی وصولی کو بحال رکھا تھا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عامل کو لکھا :

اما بعد فان اللہ تعالیٰ قد بعث محمداً صلے اللہ علیہ وسلم داعیا ولم یبعثہ جابیاً فاذا اتاک کتابی ھٰذا فارفع الجزیۃ عمن اسلم من اھل الذمۃ۔(اوجز صـ۲۹۷ ج ۳)

اور لوگوں کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا عادی بنانا جبری کٹوتی کے اعلان سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالکان کا فعل پایا جانا ضروری ہے۔گو اِس فعل میں قدرے جبر ہو۔جبر محض اہلِ سُنّت کا مذہب نہیں بلکہ وہ جبر و اختیار کے مابین کے قائل ہیں۔

کسی مالِ مسلم کے متعلق کُلی یا جُزوی ضبطی قُرقی جبری کٹوتی کے احکام بالکل انتہائی اقدام تو ہو سکتے ہیں، نہ یہ کہ ابتداء اِسی سے کی جائے۔

بعید توجیہ : متعدد حوالہ جات سے پہلے یہ گزرا کہ "اموالِ باطنہ" میں امام کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ بعض احباب نے اِس عبارۃ کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس سقوطِ حق سے مُراد یہ ہے کہ اِس اعلانِ عثمانی سے قبل اپنے طور پر ادا کی جانیوالی زکوٰۃ کی ادائیگی شرعاً معتبر نہ تھی۔اگر کوئی شخص فقیر کو از خود زکوٰۃ دے دیتا تو اسکی زکوٰۃ ادا نہ ہوتی۔ اعلانِ عثمانی سے مالکان کو اِتنا حق مل گیا کہ مالک کے خود کسی فقیر کو دینے کی صُورت میں بھی اب زکوٰۃ ادا ہو جایا کرے گی۔اور بس— !گویا کہ امام کا "حق وصولِ زکوٰۃ" اعلانِ عثمانی سے ساقط ہوا نہ متاثر ہوا۔

دعویٰ : توجیہ بالا کے ضمن میں ایک بڑا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ عہدِ رسالت سے لیکر خلافتِ عثمانی تک زکوٰۃ کی نجی ادائیگی معتبر نہ تھی۔فقیر کو براہِ راست خود دینے سے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی تھی۔ دلائل سے قطع نظر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ "مالِ زکوٰۃ جس کی فرضیت کا ایک بُنیادی مقصد ہی فقراء و مساکین کی حاجت برآری ہے اور شرعاً اسے غُرباء ہی کا حق تصوّر کیا جاتا ہے۔اِس مالِ زکوٰۃ سے اگر کوئی مالدار اپنے بھوکے پڑوسی، بیوہ اور مسکین بہن، یتیم بچے، لاچار مریض کی کچھ مدد کر دے تو اسکی یہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ تاوقتیکہ یہ سرکاری خزانے میں جمع ہو کر حکومتی کارندوں کے ذریعہ تقسیم نہ ہو۔شہر میں ہو یا دیہات میں۔

ناتمام اِستدلال : البلاغ نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ کی تائید میں امام جصاصؒ کی یہ عبارت پیش کی ہے :

قولہ تعالیٰ : خذ من اموالھم صدقۃ، یدل علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ متی اداھا من وجبت علیہ الی المساکین لم یجزہ لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل الی اسقاطہ وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجہ العمال علی صدقات المواشی ویأمرھم بان یأخذوا علی المیاہ فی مواضعھا (الی ان قال) وکذالک صدقۃ الثمار۔

اور لم یجزہ کے لفظ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس جزئیہ میں صرف اموالِ ظاہرہ کا حکم بیان کیا گیا ہو دیگر دلائل کے علاوہ جیسے کہ " فلا سبیل الی اسقاطہ " کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کیونکہ امام کے حقِ وصولی کا ناقابلِ اسقاط ہونا یہ اموالِ ظاہرہ کے صدقہ کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے۔ اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کے متعلق تو امام کا حق ناقابلِ اسقاط نہیں بلکہ خود امام جصاص اس کے متصل اگلی عبارت میں اس کے ساقط ہو جانے کی تصریح فرما رہے ہیں کہ اموالِ باطنہ کی وصولی میں امام کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ (پورا حوالہ آگے آرہا ہے) —— اور اگر بالفرض فلا سبیل الی اسقاطہ کو دونوں قسم کے اموال کے لئے عام رکھا جائے اور اس حقِ امام کو بہر حال بنصِ قرآن ناقابلِ اسقاط تصور کیا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ اسے جزوی طور پر کیسے ساقط کر دیا۔ اور صحابہ کرامؓ نے اس خلافِ قرآن اقدام کو کیسے قبول کر لیا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ " ناقابلِ اسقاط حقِ وصولی صرف اموالِ ظاہرہ کے بارے میں ہے۔ اموالِ باطنہ سے متعلق نہیں، پس البلاغ کا استدلال اِس عبارت سے صحیح نہیں۔ چنانچہ سیاق وسباق اور دیگر قرائن کی روشنی میں یہ امر متعیّن ہے کہ امام ابوبکر جصاصؒ اِس عبارت سے عموم مُراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ صرف اموالِ ظاہرہ کے متعلق لم یجزہ فرما رہے ہیں جیسا کہ یوجہ العمال علی صدقات المواشی وکذالک صدقۃ الثمار کے الفاظ اس پر صاف دلالت کر رہے ہیں۔ اور اسکی تائید اِس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام موصوف نے دُوسرے دو مقامات پر مسئلہ بالا میں " اموالِ ظاہرہ " کی قید ذکر کی ہے۔ حقِ امام پر بحث کرتے ہوئے امام موصوف لکھتے ہیں :

ویدل ایضاً علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ لایجزی، ان یعطی رب الماشیۃ صدقتھا الفقراء فان فعل اخذھا الامام ثانیاً

(احکام القرآن ص۱۲۳ ج ۲)

دُوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

ان من ادی صدقۃ مواشیہ الی الفقراء ان الامام لا یحتسب لہ بھا۔ (احکام القرآن ص۸۳ ج ۳)

دیکھئے بالکل وہی الفاظ ہیں کہ وصولی صدقات کا حق امام کو ہے۔ لیکن اگلے جزئیہ میں "رب الماشیۃ" کی قید ذکر کرکے اِس کا اموالِ ظاہرہ کے متعلق ہونا بھی واضح فرما دیا ہے۔ اہلِ اُصول کے ہاں یہ مسلم ہے کہ ایک ہی حادثہ میں جب مطلق و مقید وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے پس اس ضابطے کی رُو سے زیرِ بحث "جزئیہ" اموالِ ظاہرہ" کے بارے میں تصور کیا جائے گا۔ کہ نجی ادائیگی صحیح نہ ہونے کا حکم امام جصاص رح کے نزدیک مویشیوں کی زکوٰۃ کے متعلق ہے۔ تمام اموالِ زکوٰۃ کے بارے میں نہیں۔ اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ زیرِ بحث عبارت کے متصل بعد آگے اموالِ باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کی تفصیل مُستقل طور پر بیان کی ہے۔ چُنانچہ فرماتے ہیں :

واما زکاۃ الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رض وعمر رض وعثمان رض ثم خطب عثمان فقال ھٰذا شھر زکوٰتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیتہٗ فجعل لھم اداءھا الی المساکین وسقط من اجل ذالک حق الامام فی اخذھا۔

علاوہ ازیں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں امام جصاص رح نے ایک دُوسری طرح سے بھی فرق کیا ہے۔ ، یہ ہے کہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ" کے متعلق "صدقات" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اموال باطنہ کی" زکوٰۃ "کے لئے لفظ" زکوٰۃ " استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق البلاغ کی زیرِ بحث عبارت۔ اور ہماری نقل کردہ اِس عبارت سے بھی واضح ہے۔ اِس سے بھی ظاہر ہے کہ مالک کی خود ادائیگی معتبر نہ ہونے کا حکم اموال ظاہرہ سے متعلق ہے۔ کیونکہ زیرِ بحث عبارت میں صدقات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ نہ کہ زکوٰۃ کا۔ اور ہمارے اِس دعویٰ کی ایک بیّن

دلیل امام ابوبکر جصاصؒ کی ایک دوسری عبارت ہے جس میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ابتدائے اسلام سے ہی وصولیٔ امام کی شرط نہیں تھی، البتہ یہ شرط اموالِ ظاہرہ کے صدقہ میں ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں :

انه (تعالیٰ) قال فی الزکوٰة وآتوا الزکوٰة ولم یشترط فیها اخذ الامام (الی ان قال) فلما خص الزکاة بالامر بالایتاء دون اخذ الامام وامر فی الصدقة بان یأخذها الامام وجب ان یکون اداء الزکوٰة موکولاً الی اربابها الا ما یمر بهم التاجر علی العاشر۔ (احکام القرآن ص۱۵۶ ج ۲)

امام جصاصؒ نے فیصلہ فرما دیا کہ فرضیتِ زکوٰۃ کے وقت سے ہی اموالِ باطنہ کی ادائیگی کا اصل اختیار مالکان کو بنصِ قرآنی حاصل تھا البتہ مالِ ظاہر کے صدقہ میں وصولیٔ امام شرط ہے۔ اس عبارت میں لفظِ زکوٰۃ اور لفظِ صدقہ کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایسی تصریحات کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھتے کہ اربابِ "البلاغ" اپنے ناقص استدلال پر اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر بیٹھے اور سیاق وسباق دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ الحاصل امام جصاص رازی کی زیرِ بحث عبارت سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کے اعلان سے قبل اگر کوئی شخص اپنے مالِ باطن کی زکوٰۃ خود فقیر کو دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔

امام موصوف نے تصریح کر دی ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں وصولیٔ امام شرط نہ تھی جیسا کہ وآتوا الزکوٰۃ کا صیغہ اس پر دال ہے اس کی مزید تحقیق آگے ملاحظہ فرمائیے :

ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہیں : امام جصاصؒ کی عبارت سے

قطع نظر دیگر دلائل قرآنِ پاک، احادیثِ مبارکہ، اجماعِ صحابہؓ، اقوالِ ائمہ تفسیر، تصریحاتِ فقہاء ومحدثین سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں بھی اگر کوئی مالک اپنی نقدی کی زکوٰۃ براہِ راست فقیر کو دے دیتا تو اس کی یہ ادائیگی زکوٰۃ شرعاً معتبر تھی۔ اس سلسلہ میں مختصراً بطورِ نمونہ چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں ——— قرآن کریم میں ہے :

(۱) وآتوا الزکوٰۃ : زکوٰۃ کے متعلق لفظ "ایتاء" وارد ہوا ہے اور عربی لغت ،

میں "ایتاء" کے معنی کسی کو مالک بنا دینے کے ہیں۔ امام ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں الایتاء هوالتملیک اھ[1] ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :- ان الواجب ایتاء الزکاة والایتاء هوالتملیک اھ[2]۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: الایتاء هوالتملیک اھ۔

پس فرمان باری تعالیٰ واٰتوا الزکاة میں اغنیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ "مالِ زکوٰۃ" ملک کر دو۔ یعنی کسی[3] کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دو۔ اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ساعی یا امام کے حوالے کرنے کی صورت میں توکیل ہوتی ہے، نہ کہ تملیک، اور براہِ راست تملیک زکوٰۃ کا مال فقراء و مساکین کو دینے ہی سے متحقق ہوتی ہے اور اغنیاء اسی کے مامور ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ براہِ راست، بلا واسطۂ امام، فقیر کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آیتِ شریفہ کا اولین وحقیقی مفہوم ومطلب براہِ راست ادائیگی ہی ہے۔ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی براہِ راست ادائیگی کے صحیح ہونے اور امام کی وصولی کی شرط نہ ہونے کے لئے اسی آیت سے استدلال کیا گیا ہے، چنانچہ امام جصاصؒ نے نقل کیا ہے

> انه قال فی الزکاة (وآتوا الزکاة) ولم یشترط فیها اخذ الامام لها (الی ان قال) فلما خص الزکاة بالامر بالایتاء دون اخذ الامام وامر فی الصدقة بان یأخذها الامام وجب ان یکون اداء الزکاة موکولاً الی اربابها الا ما یمر به التاجر علی العاشر اھ (ج ۳ ص۱۵۶)

اس عبارت میں کم از کم "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کی تقسیم کا اصل اختیار خود صاحبِ مال

---

[1] بدائع ج ۲ ص۳۹ [2] بدائع ج ۲ ص۴۵ [3]

[3] کسی کو یعنی فقراء کو مالک بنا دو۔ لقوله تعالیٰ : وتؤتوها الفقراء فهو خیر لکم ولقوله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ آیت واٰتوا الزکوٰۃ میں مصرف زکوٰۃ مذکور نہ تھا کہ "مالِ زکوٰۃ" کا کسے مالک بنا دیا جائے۔ تو دوسری آیات و احادیث میں مصرفِ زکوٰۃ کی تعیین فرما دی گئی۔ تو اس طرح سے صحتِ زکوٰۃ کے ارکانِ اربعہ کا تعین ہو گیا۔ یعنی معطی، فعل ایتاء، مالِ زکوٰۃ اور مصرف۔ جن میں اشتراطِ امام کا کوئی تذکرہ نہیں۔ فقط منہ۔

کو ہونے اور امام کی وصولی شرط نہ ہونے پر آیت کی دلالت بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمانۂ نزول آیت سے ہی مالکان کی بذاتِ خود ادائیگی نہ صرف یہ کہ صحیح تصور کی جاتی تھی۔ بلکہ فرمانِ باری تعالیٰ کے مطابق اصل اختیار ہی مالکان کو دیا گیا تھا۔ اور امام کی وصولی شرط کے درجہ میں نہ تھی۔

آیت ہذا کی اس دلالت کے پیشِ نظر حضراتِ فقہاء نے زکوٰۃ کی جو تعریف فرمائی ہے اس سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ فقیر کو براہِ راست زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ اللہ پاک کی خوشنودی کے لئے مال کی ایک خاص مقدار کا فقیر کو مالک بنا دیا جائے۔ چنانچہ :

(الف) :۔ کنز الدقائق میں ہے : هی تملیک المال من فقیر ..... للہ تعالیٰ اھ

(ب) :۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے : فهی تملیک المال من الفقیر .. للہ تعالیٰ کذا فی التبیین۔

(ج) :۔ مراقی میں ہے :۔ هی تملیک مال مخصوص لشخص معلوم هو ان یکون فقیراً اھ

(د) :۔ تنویر میں ہے : هی تملیک جزء مال من مسلم فقیراً اھ۔

مالِ زکوٰۃ کا فقیر کو براہِ راست مالک بنانا، یہ زکوٰۃ کا اولین مصداق ہے۔ اور بواسطۂ امام یا ساعی زکوٰۃ کی ادائیگی یہ اس کا ثانوی درجہ ہے۔ خود فقیر کو دینے کی اوّلیت اور اصلیت اور بواسطہ ساعی ادا کرنے کی ثانویت اور نیابت مندرجہ بالا عباراتِ فقہاء سے ظاہر ہے۔ اور اگر مزید صراحت مطلوب ہو تو امام ابوبکر کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

(س) :۔ فرکن الزکاة هو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسلیم ذالک الیه بقطع المالک ید ه عنه بتملیکه من الفقیر و تسلیمه الیه او الی ید من هو نائب عنه وهو المصدق اھ (بدائع ج ۲ ص ۳۹)

(ص) :۔ شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں :

زکوٰۃ و صدقات کی حقیقت کسی مسلمان فقیر کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے مالک بنا دینا ہے۔ (معارف القرآن)

آیت شریفہ اور زکوٰۃ کی ان تعریفات سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ براہِ راست فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دینے سے امتثالِ امرِ خداوندی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں "ایتاء"

زکوٰۃ کا تحقق ہو گیا ہے۔

دُوسری آیت: قال تعالیٰ - ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم ویکفر عنکم من سیاٰتکم واللہ بما تعملون خبیر (البقرۃ ۲۷۱)

آیت ہذا میں تصریح ہے کہ فقراء و مساکین کو مخفی طور پر صدقہ دینا بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ براہِ راست فقیر کو صدقہ دینے سے اَدا ہو جاتا تھا۔ اگر ایسا صدقہ زمانہ نزولِ وحی میں شرعاً معتبر نہ تھا، تو ایسے صدقے میں "خَیر" اور "بھلائی" کیا ہو گی۔ جبکہ ایسا شخص تارکِ فرض ہونے کی وجہ سے اُلٹا گنہگار ہو رہا ہے۔ آیت میں لفظ "صدقات" کو نفلی صدقہ کے ساتھ خاص کہنے کی کوئی وجہ نہیں یہ لفظ دونوں قسم کے صَدقات کو شامل ہے۔ تفسیری اقوال کی تفصیل میں جانے کی بجائے ہم صرف چند حوالوں پر اکتفاء کریں گے۔

(الف): آیت ہذا کی تفسیر میں "ترجمان القرآن" حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ شانہٗ نے نفل صدقہ میں "خفیہ" کو "علانیہ صَدقے" پر سَتّر درجہ فضیلت دی ہے۔ اور فرض صدقہ میں علانیہ کو مخفی صدقہ پر پچیس درجہ فضیلت دی ہے اھ۔ معلوم ہوا کہ مخفی صدقہ فرض بھی اَدا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ کے اسی قول کے بارے میں امام قرطبی رحؒ فرماتے ہیں۔

ومثل ھذا لا یقال بالرأی وانما ھو توقیف اھ (تفسیر البحر المحیط ج ۲ ص ۳۲۳)

کہ ایسی بات محض رائے سے نہیں کہی جا سکتی، یہ بات حضرت ابنِ عباس رضؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُن کر فرما رہے ہیں۔

پس اس سے ظاہر ہوا کہ براہِ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی تھی۔ اور اس کا ثبوت گویا کہ فرمانِ نبوی ﷺ سے ہو رہا ہے۔

(ب): تفسیر بحر محیط میں ہے کہ لفظ صدقات میں بظاہر عموم ہے۔ پس نفلی اور فرض سب صَدقات کو شامل ہو گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ الف لام عہد کے لئے ہے۔ اور اس سے مراد صرف "فرض" صدقہ ہی ہے۔ امام حسن بصری رحؒ، قتادہ، یزید بن ابی حبیب کا یہی قول ہے۔

(حوالہ بالا)

(ج) :۔ اپنے اکابر کی تفاسیر تمام تفاسیر کا خلاصہ اور مغز ہیں ۔

آیت ہٰذا کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں ۔

"بظاہر یہ آیت فرض اور نفل سب صدقات کو شامل ہے ۔ (معارف القرآن ص۶۴۲/۱)

(د) حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ "بیان القرآن" میں آیت ہذا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس مقام میں اقوال مختلف ہیں ۔ مگر احقر کے ذوق میں حسب شہادت ظاہر قرآن و حدیث امام حسن بصریؒ کا قول جو "کبیر" میں منقول ہے ، راجح معلوم ہوتا ہے ۔ وہ یہ کہ یہ آیت فرض ونفل سب صدقات کو شامل ہے ۔ اور سب میں اخفاء ہی افضل ہے ۔ (بیان القرآن) ـــــــ بندہ عرض کرتا ہے ۔ کہ بظاہر اسکی وجہ یہ ہے کہ مخفی صدقہ میں معطی کی صحتِ ایمان پر زیادہ دلالت پائی جاتی ہے اور صدقہ کو صدقہ کہنے کی یہی وجہ ہے کہ یہ معطی کے دعویٰ ایمان کی صداقت پر دلالت کرتا ہے ۔ (مسک الختام)

پس حقیقت کے لحاظ سے صدقہ میں اصل اخفاء ہے ۔ گو عوارض کی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اظہار افضل ہو ۔ شرح وقایہ میں ہے ۔

" بخلاف الزکاۃ فان الاصل فیہ الاداء خفیۃً قال اللہ تعالےٰ وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم ۔ (ص۲۸۱ ج۱)

(ﮪ) :۔ امام ابو عبیدؒ ۔ ایک مسئلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں :

مال داروں پر فرض ہے کہ وہ فقیروں یا امام کو زکوٰۃ ادا کریں ۔ اس کے بعد اسکی دلیل کے طور پر یہی آیت ان تبدوا الصدقات پیش کرتے ہیں (ترجمہ کتاب الاموال جلد ۲ ص۲۸۶) جس سے ظاہر ہے کہ امام ابو عبیدؒ کے نزدیک بھی یہ آیت اس پر ناطق ہے کہ براہِ راست فقراء کو زکوٰۃ دینے سے بھی فریضہ ادا ہو جائے گا ۔

ان معروضات کے بعد اس حقیقت میں کوئی خفاء باقی نہیں رہتا کہ مخفی طور پر اور براہِ راست فقراء کو ادا کی جانے والی زکوٰۃ زمانہ نزول قرآن میں بھی صحیح ہوتی تھی اور اس آیت میں اسی کی اجازت دی گئی ہے ۔

تیسری آیت :

قال تعالیٰ : واٰتی المال علی حبہ ذوی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل (الآیۃ بقرہ ۱۷۷)

ترجمہ :۔ اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں حاجتمند رشتہ داروں کو اور محتاجوں کو ؛ اور مسافروں کو" الخ

آیت ہٰذا سے بھی ظاہر ہے کہ خود صاحب مال اپنا صدقہ" رشتہ دار، یتیم، اور فقیر کو دے تو اس کا یہ صدقہ معتبر ہے، اور شرعاً" اُسکی ادائیگی صحیح ہے۔ یہ آیت بھی ایک تفسیر کے مطابق زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔ آیت کے اِس حصے میں گویا کہ مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے اور آگے زکوٰۃ کا صراحۃً" ذکر کر کے اسکی تاکید کر دی گئی۔ تفسیر بحر محیط میں ہے :

وقیل ھی الزکاۃ وبیّن بذالک مصارفھا — اور آگے چل کر کہا ہے۔

اقام الصلوٰۃ واٰتی الزکاۃ۔ فان کان اُرید بالایتآء السابق الزکاۃ کان ذکر ھٰذا توکیداً۔ (ج ۲ صـ۶۴)

اِس سے انکار نہیں کہ اِس آیت کی تفسیر میں دُوسرے اقوال بھی ہیں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ "قرآن کریم"، "حدیث شریف" صحابۂ کرام، آئمہ تفسیر، حضرات محدثین اور فقہاء عظام، رحمہم اللہ اجمعین۔ چودہ صدیوں تک بہرحال اِس مسئلہ سے بے خبر تھے۔ کہ" اموال باطنہ" کی زکوٰۃ فقیر کو دینے سے ادا نہیں ہوتی تھی۔ ورنہ وہ کسی آیت یا حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا جائز نہ رکھتے جس سے صورتِ مذکورہ میں" ادائیگی " زکوٰۃ معتبر قرار پاتی ہو۔ کیونکہ آیات کا نزول تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہے۔ اور بقول ان کے تفسیر مظہری میں بھی اس آیت کی تفسیر کے متعلق ایک احتمال اِس کے عام ہونے کا ذکر کیا ہے۔

چوتھی آیت : قال تعالیٰ وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم الآیۃ (معارج)

امام ابوبکر کاسانی" فرماتے ہیں۔ یہ" حق معلوم" زکوٰۃ ہے۔ (بدائع)

اِس آیت میں نیک لوگوں کی مدح فرمائی گئی کہ ان کے مالوں میں سائل اور غیر سائل کا حق ہے۔ یعنی یہ لوگ" سائلین" وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔

(۲) **حدیث شریف :** قرآن کریم کے علاوہ متعدد احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے کہ یہ بھی ادائیگی صحیح ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیور پہنے ہوئے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ اسکی زکوٰۃ ادا کرتی ہو ؟ عرض کیا۔ نہیں۔ تو ارشاد فرمایا :

ھو حسبک من النار ۔ (اخرجہ الحاکم وصحہ)

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائیگی کے لئے حکومت کی وصولی بلکہ امام کو اِس ادائیگی کا علم بھی ضروری نہیں ۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "تو دین ذ ... " کیونکر دریافت فرماتے ؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی ساعی یا عامل کو "ادائیگی زکوٰۃ" کا سوال بعید از عقل ہے جبکہ "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کے لئے نہ کوئی ساعی بھیجے گئے اور نہ ہی صحابۂ کرام کسی ساعی کو دیتے تھے ۔ بلکہ "صلوات الرسول" کے شوق میں بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرتے تھے ۔

دُوسری حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر میں اپنا صدقہ اپنے خاوند کو دوں تو یہ جائز و کافی ہوجائے گا ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ، بلکہ تجھے دوگنا ثواب ہوگا ، صدقے کا اور صلہ رحمی کا ۔ (بخاری وغیرہ مختصراً)

صحابیہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا ، اور آپ نے جواب ارشاد فرمایا ۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سرکاری وصولی "صحتِ صدقہ" کے لئے عہدِ نبوی میں بھی شرط نہ تھی ، اور نہ اب ہے ۔ شوافع نے اِس حدیث کو زکوٰۃ پر محمول کیا ہے ۔ اور احناف نے اسے نفلی صدقہ پر رکھا ہے ۔ یہ الگ اختلاف رہا ۔ لیکن کسی حنفی نے شوافع کے استدلال کی تردید میں یہ نہیں کہا کہ اِس حدیث میں "زکوٰۃ" مراد نہیں لیجا سکتی ۔ کیونکہ صحّتِ زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط تھی ۔ جو اِس حدیث میں نہیں پائی جارہی ۔

تیسری حدیث: انہی صحابیہ رضی اللہ عنہا کا ایک دوسرا واقعہ مروی ہے ۔ کہ انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے پاس بیس مثقال سونا ہے ۔ کیا اسکی زکوٰۃ ادا کروں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا ــــ ہاں ــــ مزید سوال کیا کہ میری پرورش میں میرے یتیم بھتیجے ہیں ۔ ان کو یہ زکوٰۃ دے سکتی ہوں ۔ ارشاد فرمایا ــــ ہاں دے سکتی ہو ۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۲۵)

اِس حدیث میں فرضِ زکوٰۃ کی بھی تصریح ہے کہ یتیم بھتیجوں کو یہ زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟ یہ صحابیہ رضی اللہ عنہا ادائیگی زکوٰۃ کے بارے میں مسئلہ دریافت فرما رہی ہیں ۔ سرکاری

لائسنس حاصل نہیں کر رہیں۔

چوتھی حدیث: حدیث معن بن یزید: ان اباہ اخرج صدقتہ فدفعہا الیہ لیلاً وھو لا یعرفہ فلما اصبح وقف علیہ فقال ما ایاک اردت واختصما الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ لک ما نویت یا یزید الحدیث۔ (بخاری وغیرہ واللفظ للجصاص رح)

امام ابوبکر جصاص اِس حدیث سے زیر بحث صورت میں فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولم یسئلہ انہ نویتہا من الزکاۃ او غیرہا بل قال لک ما نویت فدل علی جوازہا ان نواہا زکوٰۃ اھ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۸)

امام ابوبکر جصاص رح کے اِس استدلال سے جہاں عہدِ رسالت میں نجی ادائیگی زکوٰۃ کا صحیح و معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وہاں پر خود امام جصاص رح کے مذہب کا بھی علم ہوتا ہے کہ وہ بھی ایسی نجی ادائیگی کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔ اسی لئے تو مسئلہ ہٰذا کے لئے اِستدلال کر رہے ہیں اگر ان کے نزدیک "عہدِ رسالت" میں براہِ راست فقراء کو ادائیگی زکوٰۃ صحیح نہ ہوتی، تو حدیث معن رض سے استدلال کرنے کی بجائے اُلٹا اس کا کوئی جواب ذکر کرتے، کوئی توجیہ یا تاویل پیش کرتے۔

حضرت یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام "زکوٰۃ" کو خفیہ طور پر تقسیم کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ کان یامر بقسم الزکوٰۃ فی السر۔ (بحر محیط ص ۳۲۳ ج ۲)

امام زجاج رح فرماتے ہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خُفیہ طور پر زکوٰۃ دینا احسن و افضل ہوتا تھا۔ کان اخفاء الزکوٰۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل و احسن۔ (بحر محیط ص ۳۲۲ ج ۲)

یہ نہیں کہا جا سکتا: اِن آیات و احادیث و روایات کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سرکاری وصولی شروع ہونے سے پہلے دَور سے متعلق ہیں اور پھر منسوخ ہو گئی تھیں، اور بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "اموالِ باطنہ" کے بارے میں ان کو پھر بحال کر دیا۔ ایسی مضحکہ خیز رائے ان نصوص کے متعلق چودہ سو سال میں کسی نے ظاہر نہیں کی۔ بلکہ "اموالِ باطنہ" کے بارے میں ان کو مسلسل اور ہمیشہ معمول بہا سمجھا گیا ہے۔

واضح فیصلہ: امام ابوعبیدؒ ایسی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ہماری مذکورہ بالا تمام روایات جن کے بموجب زکوٰۃ حکّام کو دینا اور اسے اپنے طور پر بانٹ دینا دونوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔ لیکن یہ صورت نقدی کی زکوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس کا مالک مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں بھی زکوٰۃ دے وہ اپنے ذمہ عائد ہونے والے فرض کو ادا کر دے گا۔ (ترجمہ، کتاب الاموال ج ۲ ص ۳۴۷)

ملک العلماء امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ نے بالکل بات صاف کر دی کہ دورِ اوّل میں بعض لوگ زکوٰۃ خود ادا کرتے تھے، اور بعض لوگ امام کو لا کر دیتے تھے۔ "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کرنے کے لئے نہ کوئی محصل بھیجا گیا اور نہ سرکاری ادائیگی کے لئے کسی شخص سے مطالبہ کیا جاتا تھا۔

وذكر امام الهدى الشيخ ابو منصور الماتريدي السمرقندي لم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث في مطالبة المسلمين بزكاة الورق واموال التجارة ولكن الناس كانوا يعطون ذالك ومنهم من كان يحمل الى الائمة فيقبلون منه ذالك ولا يسئلون احداً عن مبلغ ماله ولا يطالبونه بذالك (بدائع ج ۲ ص ۳۵، ۳۶)

امام ہدیٰ شیخ ابو منصور ماتریدی سمرقندی فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں پہنچی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے چاندی اور اموالِ تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس کسی کو بھیجا ہو بلکہ کچھ لوگ از خود براہِ راست فقراء کو دے دیتے تھے اور کچھ لوگ ائمہ کے پاس لے آتے تو وہ اسے قبول کر لیتے اور کسی سے نہ اس کی مجموعہ مالیت کے بارے میں پوچھتے نہ اس کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرتے۔

اب تک چند آیات چند احادیث اور ان کے ذیل میں ضمنی طور پر بعض صحابہ کرامؓ کے آثار تابعین کے اقوال، فقہاء و محدثین و مفسرین کے فرمودات ذکر کئے گئے۔ مندرجہ بالا دلائل سے "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ میں عہدِ رسالت کا طرزِ عمل واضح ہے کہ سرکاری وصولی شرط نہ تھی۔ یہی طرزِ عمل بعد میں (شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں اور اس کے بعد) بھی جاری رہا۔

صدیقی دور: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کا معاملہ اسی طرح رہا جیسا کہ عہدِ رسالت میں تھا۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہ تھی۔ حکومت کو نہ دینے والوں سے باز پرس نہ ہوتی تھی۔

امام ابوعبیدؒ تحریر فرماتے ہیں :

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین ؓ وانصار ؓ کی موجودگی میں مویشیوں کی زکوٰۃ روکنے پر مُرتدین سے جنگ کی تھی لیکن سونے چاندی (کی زکوٰۃ نہ دینے) پر ایسا نہیں کیا۔ (ترجمہ کتاب الاموال جلد ۲ ص ۳۴۸)

حضرت فاروق اعظم رض : تفسیر مظہری میں ابن ابی شیبہ کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم جس کسی صحیح مصرف میں لگا دوگے، تمہاری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فی ایّ صنفٍ وضعتہٗ اجزاک ۔

(تفسیر مظہری جلد ۴ ص ۲۴۶)

اجماعِ صحابہؓ : یہ تنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی رائے نہیں، بلکہ کسی صحابیؓ سے بھی اس کے خلاف مروی نہیں، اور بہت سے صحابہؓ وتابعین کی رائے اس کے مطابق منقول ہے۔ بقول امام جصاصؒ اِس پر سلف کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس کے خلاف جائز نہیں۔

عن علی و ابن عباس رضی اللہ عنہما قالا اذا اعطی الرجل الصدقۃ صنفاً واحداً من الاصناف الثمانیۃ اجزاہٗ وروی مثل ذالک عن عمر بن الخطاب وحذیفۃ وعن سعید بن ابراھیم وعمر بن عبد العزیز وابی العالیۃ ولا یروی عن الصحابۃ خلافہٗ فصار اجماعاً من السلف لا یسع احد خلافہ ۔ اھ

(احکام القرآن ص ۱۳۹ ج ۳)

اِس سے ظاہر ہے کہ حضراتِ صحابہ وسلف کے اجماع کی روشنی میں فقیر یا مسکین کو براہِ راست دی جانے والی زکوٰۃ شرعاً ادا ہو جاتی ہے۔ عہدِ رسالت، اور خلافتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دَور میں یہی مسئلہ رہا ہے۔

حوالہ جات بالا سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضراتِ صحابہؓ، اور فقہاء محدثین اور مفسرین سب کے نزدیک براہِ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے معطی کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فرضیت زکوٰۃ اور زمانہ نزولِ قرآن سے لے کر اب تک مسئلہ یہی رہا ہے۔

پس جن احباب نے ایک بے دلیل دعویٰ کے تحفظ کے لئے ایسی ادائیگی کو فی الجملہ غیر معتبر قرار دیا تھا، ان کا خیال صرف بے بنیاد ہی نہیں بلکہ دلائل صحیحہ کے قطعاً خلاف ہے۔ اور ان کا یہ لکھنا بھی درست نہیں (کہ عہد رسالت اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانے میں) دونوں قسم (ظاہرہ باطنہ) کے اموال میں ادائے زکوٰۃ کا راستہ یہی تھا کہ وہ حکومت کو دی جائے۔ گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ تفصیلی دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مبارک دور میں "ادائے زکوٰۃ" کا صرف "یہی راستہ" نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد فرمایا ہوا ایک دوسرا راستہ یہ بھی تھا کہ مالک اپنی زکوٰۃ خود فقیر کو دیدے۔

یہ ساری بحث "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کے بارے میں تھی باقی "اموالِ ظاہرہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام کو حاصل ہے اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری طور پر بذریعہ محصلین وصولیٔ زکوٰۃ کا انتظام صرف "اموالِ ظاہرہ" میں فرمایا تھا۔

ہم یہاں تک لکھ چکے تھے تو اس کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت مِل گئی جس میں انہوں نے مندرجہ بالا مضمون کی واضح تصریح فرمادی ہے الحمدللہ حضرت مفتی صاحبؒ کی موافقت بھی ہمیں حاصل ہوگئی خاص زکوٰۃ ہی کے موضوع پر لکھے گئے "قرآن میں نظامِ زکوٰۃ" نامی اپنے رسالے میں، اسی آیت (خذ من اموالهم صدقة) کی تفسیر کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

> رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام صرف اِن اموال میں کیا جو فقہاء کی اصطلاح میں اموالِ ظاہرہ کہلاتے ہیں (ص۲۵)۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

> باقی "اموالِ باطنہ" نقد، سونا، چاندی، زیورات وغیرہ...... ایسے اموال کی زکوٰۃ خود اصحاب اموال ہی کے حوالہ کی گئی کہ وہ بطورِ خود ادا کریں، خواہ بیت المال کو دیدیں یا براہِ راست فقراء میں تقسیم کر دیں۔ (الی ان قال) ...صحابۂ کرامؓ کا عام معمول یہی رہا کہ وہ اپنے ایسے اموال کی زکوٰۃ بھی بیت المال ہی میں خود جمع کر دیتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ (ص۲۶ مختصراً)۔ اس سے بڑھ کر وضاحت یا صراحت اور کیا ہوسکتی ہے۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ عہدِ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالےٰ

عنہا کے زمانے میں بھی براہِ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی تھی۔ پس ایسی ادائیگی زکوٰۃ کو اِس مُبارک عہد میں غیر معتبر قرار دینا اور اسی بنیاد پر امام جصاصؒ رازی کے کلام کی توجیہ کرنا دلائل کی روشنی میں قابلِ قبول نہیں۔ بالکل لبعید از انصاف ہے۔

پس

امام جصاص رازی نے اعلانِ عثمانی کے بارے میں جو یہ لکھا تھا:

نجعل لهم اداءها الى المساكين وسقط من اجله حق الامام فى اخذها۔ (احکام القرآن)

یہ اپنے ظاہری وحقیقی معنی پر ہے۔ کہ (عام حالات) میں "اموالِ باطنہ" کی وصولیٔ زکوٰۃ کے متعلق حق امام ساقط ہو گیا ہے۔ امام کو یہ اختیار نہیں رہا کہ جب چاہے ان اموال کی وصولیٔ زکوٰۃ شروع کر دے۔

دین وقرض میں ادائیگی زکوٰۃ کی بحث
بینک اکاؤنٹس قرض ہیں

جبری کٹوتی زکوٰۃ کے عدمِ جواز کی ایک وجہ ہم نے یہ ذکر کی تھی کہ بینک میں جمع شدہ لوگوں کے اموال شرعی احکام کے لحاظ سے "قرض و دین ہیں"۔ اور کھاتہ داران دائن اور بینک ان کا مقروض ومدیون ہے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ تب واجب الاداء ہوتی ہے جبکہ ان کی وصولی ہو جائے۔ وصولی سے قبل وجوب ادا نہیں ہوتا۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی کا قولِ قدیم بھی یہی ہے جیسا کہ آگے مفصل آئے گا۔ اس حکمِ شرعی کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس پر وصولی سے قبل، زکوٰۃ فوری واجب الاداء نہیں تو مالکان کی رضامندی کے بغیر ان اموال کی زکوٰۃ کیلئے جبری کٹوتی جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ وجوب اداء اور انفرادی مطالبۂ زکوٰۃ معدوم ہونے کی صورت میں مالکان کو ادائیگی زکوٰۃ سے انکاری قرار نہیں دیا جاسکتا اور بدون تحقق انکار و امتناع، حکومت کو جبری وصولیٔ زکوٰۃ کے اختیارات حاصل نہیں۔

ہماری اس مختصر گزارش کے جواب میں "البلاغ" میں طویل بحث کی گئی جس کا خلاصہ چند نکات میں ہم یہاں پر پیش کرتے ہیں۔

(۱):۔ دین قوی، متوسط، اور دین ضعیف کی تقسیم ان کے مرجوّ الوصول ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے۔

(۲):۔ قدرے پس و پیش سے یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض ہیں۔

(۳):۔ لیکن قرض ودین کا حکم اصلی یہ ہے کہ ان میں قبضے سے پہلے ہی زکوٰۃ واجب الاداء ہے۔

(۴):۔ قبضہ تک وجوب اداء کے مؤخر ہونے کی سہولت امام ابوحنیفہ نے دی ہے (گویا کہ وہ اس مسئلہ میں متفرد ہیں۔)

(۵):۔ صرف متفرد ہی نہیں بلکہ ان کا یہ مذہب بے بنیاد و بے دلیل بھی ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رح

نے جس اثر سے (اس مسئلے کے لئے) استدلال کیا ہے اِس سے ان کا مذہب ثابت نہیں ہوتا (مختصراً ملتقطاً بالمعنی) (گویا کہ امام ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ کو اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔)

(۶) :- بینک اکاؤنٹس ایک جدید قسم کا قرض ہے لہٰذا اس پر قدیم حکم قرض لاگو نہیں ہوگا کیونکہ یہ حکم قدیم قسم کے قرضہ جات کے لئے ہے۔

(۷) :- حضرات فقہاء نے ہر دَین قوی کو (خواہ اسکی وصولیابی کتنی ہی یقینی کیوں نہ ہو) "دین ظنون" قرار دیا ہے۔

(۸) :- قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب متفق علیہ ہے۔

البلاغ کی اس بحث کے مندرجہ بالا نکات پر پورا غور و خوض کیا گیا۔ اہل علم سے مذاکرات بھی ہوئے دلائل کی روشنی میں ہم اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ۸ کو چھوڑ کر باقی سب نکات و دعاوی خلاف تحقیق اور بے بنیاد ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔

اجتہاد

واضح رہے کہ اس پوری بحث میں البلاغ نے کسی مستند و متداول فقہی کتاب سے استدلال نہیں کیا۔ حالانکہ زیر بحث مسئلہ پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ تقریباً تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔

مسئلہ ہذا سے متعلق بارہ تیرہ صدیوں کی محقق علمی کاوشوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بعض آثار سے استدلال کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس اجتہاد میں اتنے دُور نکل گئے ہیں کہ ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی استدلالی کمزوریاں بھی آشکارا ہو گئیں۔ صرف زیر بحث قرض کے مسئلے ہی میں نہیں بلکہ اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی ساری بحث میں بھی "البلاغ" کا طرزِ استدلال تقریباً یہی ہے۔

حضرات فقہاء کرام اور قانون شرعی کے مسلّمات کو یوں نظر انداز کرنا جو کم از کم ہم جیسے لکیر کے فقیر قسم کے لوگوں کے لئے سخت حیرانی اور تشویش کا موجب ہے۔ اور یہ تشویش تقریباً ایسی ہی ہے

جیسی کہ اپنے اکابر کو بعض جدید قسم کے اجتہادات پر ہوتی تھی اور یہ دیکھ کر مزید دکھ ہوتا ہے کہ یہ طرزِ عمل (جدید اجتہادات) اپنے حضرات علماءِ دیوبند کی طرف سے ظہور میں آرہا ہے۔ جن کے آباؤ اجداد کا طرۂ امتیاز تصلّب فی الدین سلف کی تحقیقات پر مکمل اعتماد اور جدید اجتہادات کی تردید ہے

ہمیں معلوم نہیں کہ اپنے اکابر نے حضرات ائمہ وفقہاء کی واضح متفقہ تصریحات کے مقابلہ میں کسی اجتہاد کے لئے جدید علتوں کا استخراج کیا ہو۔ اور مسلمات کی بعید از کار تاویلات کر کے انہیں معطل کرنے کی جرأت کی ہو۔ ان اکابر کا یہ موقف دینی استقامت کا نشان تھا کیونکہ اگر ماحول کے تاثر یا کسی دوسری وجہ سے طے شدہ مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھول دیا جائے تو کون سا مسئلہ ایسا ہے کہ جس کے بارے میں زمانۂ حال کے مجتہدین کے علم وفضل کی جولانیاں ہمت ہار سکتی ہیں، ہر مسئلے میں ایسے "اجتہاد" کی گنجائش موجود ہے ۔

تمہیدی تسامح

اب ہم ادارہ "البلاغ" بابت ماہ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ کے مندرجہ بالا نکات پر تفصیلی گزارشات پیش کرتے ہیں ۔

ابتدائے مضمون میں بطورِ تمہید کے لکھتے ہیں ۔

وجوبِ زکوٰۃ کے حق میں دین کے اندر اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ دائن کے لئے کس حد تک مرجوّ الوصول ہے اور دائن کا تصرف اس پر کس حد تک برقرار ہے، اسی بناء پر فقہاءِ کرام نے وجوبِ زکوٰۃ کے معاملے میں دینِ قوی اور دینِ متوسط اور دینِ ضعیف کی تقسیم فرمائی ہے۔ ص ۴۷

گزارش ہے کہ دین کی تقسیم بالا میں اس کے مرجوّ الوصول ہونے اور دائن کے اس میں تصرف پر قادر ہونے کو بنیاد قرار دینا صحیح نہیں ۔

حضراتِ فقہاءِ کرام نے دین کی تقسیم ہرگز اس بنیاد پر نہیں کی۔ یہ صریح تسامح ہے ۔

بلکہ شرعاً دین کی مندرجہ بالا تقسیم اس امر پر مبنی ہے کہ دین قرض اور مالِ تجارت کا بدل ہے یا مال کی بجائے غیر مالِ تجارت کا بدل ہے۔ جیسے اثاثۃ البیت وغیرہ کی بیع یا غیر مال کا بدل ہے جیسے مہر اور بدلِ خلع وغیرہ یہ دیون علی الترتیب۔ دینِ قوی۔ دینِ متوسط۔ دینِ ضعیف کہلاتے ہیں ۔

چنانچہ تمام فقہاء نے اسکی تصریح کی ہے۔ مبسوط میں ہے۔

ثم الدیون علی ثلث مراتب عند ابی حنیفہؒ دین قوی۔ هوما یکون بدلاً عن مال کان اصلهٗ للتجارة لوبقی فی ملکہ ودین متوسط وهو ان یکون بدلاً عن مال لا زکوٰة فیہ لو بقی فی ملکہ کثیاب البذلة والمهنة ودین ضعیف وهوما یکون بدلاً عما لیس بمال کالمهر وبدل الخلع والصلح عن...... دم العمد۔

(مبسوط سرخسی صہ $\frac{195}{2ج}$) (ومثلہ فی البدائع صہ $\frac{1}{2ج}$)

مندرجہ بالا فقہی تصریحات سے یہ امر ظاہر ہے کہ دین کی یہ تقسیم اسکی ذاتی حیثیت پر مبنی ہے مرجو الوصول ہونے کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اِس کے علاوہ عملی اور عدالتی اعتبار سے بھی ان دیون میں مرجو الوصول ہونے نہ ہونے کی بُنیاد پر فرق نہیں کیا جاتا۔ مدیون بھی کبھی ایسا نہیں کرتا کہ دین قوی کی تو فوری ادائیگی کر دیتا ہو اور دینِ متوسط اور ضعیف کی ادائیگی میں اِس بُنیاد پر تاخیر کرتا ہو کہ ان دونوں قسموں میں چونکہ وصولی کی اُمید کم ہی ہوتی ہے اس لئے تاخیر ادا ، یا عدم ادائیگی کا حق ہے۔ اور عدالت بھی یہ امتیاز نہیں کرتی کہ دینِ ضعیف کے مقدمات کی سماعت نہ کرے اور مدّعی کو یہ کہدے کہ دینِ ضعیف میں وصولی کی اُمید کم ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ الغرض عدالتی لحاظ سے دینِ قوی کے لئے مدعی کی امداد کے جو ضوابط ہیں دینِ متوسط اور ضعیف کے لئے بھی ویسے ہی قوانین ہیں۔

الحاصل علمی ۔عملی ۔آئینی ، عدالتی کسی لحاظ سے بھی دین قوی ۔متوسط اور ضعیف کی تقسیم مرجو الوصول ہونے نہ ہونے پر مبنی نہیں۔ پس" البلاغ " کا مندرجہ بالا تمہیدی ضابطہ دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ بے اصل اور خیال محض ہے۔ لہٰذا اس ضابطہ پر مبنی آئندہ تفریعات بھی بے بُنیاد ہیں۔

"۲۔ بینک اکاؤنٹس قرض ہیں امانت نہیں"

مجلس نے یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض سے زیادہ امانت

کے مشابہ ہے۔ حالانکہ جیسے اس کے قرض ہونے میں شبہ نہیں ایسے ہی اس کے امانت نہ ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ اس لیئے کہ امانت کی کچھ مخصوص شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نہ رہے تو پھر وہی مال امانت واجب فی الذمہ ہونے کی وجہ سے قرض ہو جاتا ہے امانت کی چار بنیادی شرائط یہ ہیں۔ نمبر ا:- مال بعینہٖ محفوظ رکھنا طے ہو نمبر ۲:- مودع اس میں تصرّف نہ کر سکے نمبر ۳:- نماء و نقصان مالک کا ہو نمبر ۴:- بصورت ضیاع مالک کا مال ہلاک ہو اور دین میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ یعنی نہ مال کا — بعینہٖ محفوظ رکھنا طے ہوتا ہے۔ ورنہ تو پھر دین کا کیا فائدہ۔ اسی طرح مدیون کو تصرّف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح نماء و نقصان مالک کی بجائے مدیون کا ہوتا ہے۔ اور بصورتِ ضیاع وہ چیز مدیون کی ہلاک ہوگی۔ اب مذکورہ بالا شرائط کی روشنی میں بنیک اکاؤنٹس کا جائزہ لیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس میں امانت کی کوئی بھی شرط نہیں پائی جاتی جبکہ دین کی تمام شرائط اس میں موجود ہیں۔ الغرض ان تصریحات کی روشنی میں یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ بنک اکاؤنٹس فقہی اعتبار سے صرف اور صرف قرض ہیں۔ ۔ باقی یہ فرمان کہ عام قرضوں میں محرّک مستقرض ہوتا ہے اور یہاں محرک مقرض ہوتا ہے اور اس کا اصل منشاء قرض دینے کی بجائے مال کی حفاظت ہوتی ہے مگر ارشاد ہے کہ اس سے بھی بنیک اکاؤنٹس کی "حیثیّت قرض" قطعاً متاثر نہیں ہوتی کیونکہ اول تو یہ بات صحیح نہیں کہ یہاں تحریک صرف ایک طرف سے ہوتی ہے۔ بلکہ دونوں محرّک ہوتے ہیں۔ البتہ تحریک کی نوعیّت میں فرق ہوتا ہے۔ نیز اگر بالفرض صرف کھاتہ دار ہی کو محرّک مان لیں تو بھی اعتبار نفس حقیقت اور واقعہ کا ہوگا نہ کہ ابتدائی عوامل اور اسباب کا۔

الحاصل : اس پوری بحث سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آ

۵ع اگر مال بعینہٖ محفوظ رکھنا طے نہیں ہوا یا ہوا مگر امین نے محفوظ نہیں رکھا یا امین نے کل یا بعض مال اس طرح سے خرچ کیا کہ متمیز نہ تھا تو ان تمام صورتوں میں مال، مالِ امانت نہ رہے گا۔ اگرچہ اس امین کو خیانت کا گناہ ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ شرعی اصطلاح میں جو مال اس کے ذمّہ ہے کیا اس کو امانت کہا جائے گا ؟ یقیناً نہیں۔

جاتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس شرعی احکام کی رُو سے قرض ہیں امانت نہیں۔
اب ہم آئندہ صفحات میں دین کا حکمِ شرعی وجوبِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں پیشِ خدمت کرتے ہیں۔

دَین کا حُکمِ شرعی

دین میں زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے؟

قرآن کریم، احادیث و آثار اور اُصولِ شرعیہ کی روشنی میں حضرات ائمہ مجتہدین کا مذہب یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ کی ادائیگی وصولیابی کے بعد واجب ہے، قبضہ سے پہلے نہیں۔

"مسلکِ احناف": امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ "دینِ قوی" کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں: "ولا خلاف فی وجوب الزکوٰۃ فیہ الا انہ لا یخاطب باداء شئی من زکوٰۃ ما مضٰی مالم یقبض اربعین درھما (بدائع ص ۱۰ ج ۲)

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"قال رجل لہ علی رجل الف درھم قرض او عن متاع کان للتجارۃ فحال علیہ الحول ووجبت الزکوٰۃ علیہ لا یلزمہ الاداء قبل القبض عندنا" (مبسوط ص ۱۹۴ ج ۲)

عندنا کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ائمہ احناف سب اس پر متفق ہیں۔

مسلکِ مالکیہ: موطا امام مالک میں ہے:
قال مالک: "الامر الذی لا اختلاف فیہ عندنا ان صاحبہ لا یزکیہ حتی یقبضہ" (اوجز ص ۱۴۷ ج ۳)

مسلکِ حنابلہ: اوجز میں الروض المربع سے نقل کیا ہے:
ومن کان لہ دین (من مغصوب او مسروق) من صداق وغیرہ کثمن المبیع علی ملیٍ او غیرہ ادّی زکوٰتہ اذا قبض لما مضٰی"
" قال الموفق الدین علی ضربین احدھما دین علی معترف بہ باذل لہ فعلی

صاحبه زکوٰۃ الا انه لا یلزمه اخراجها حتی یقبضه فیؤدی لما مضی روی ذلك عن علی وبهٰذا قال الثوری وابو ثور واصحاب الرأی۔"

امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی عدم وجوب کا ہے۔ (بیہقی صفحہ ۱۵۰ ج ۴)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ قبل القبض عدم وجوبِ اداء پر جمہور متفق ہیں۔ ائمہ ثلٰثہ امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ سب کا یہی مذہب ہے اور حضرات ائمہ کا یہ موقف احادیث و آثار اور اصولِ شرعیہ سے مُبرہن ہے۔

مسلکِ جمہور کے دلائل : وجوبِ زکوٰۃ کا مدار قدرتِ میسّرہ پر ہے۔ قدرت ممکنہ پر نہیں۔ ھدایۃ "صدقۃ الفطر" میں ہے۔

ولا یشترط فیه النمو۔ اسی پر محشی نے علّامہ عینیؒ سے نقل کیا ہے۔

لانها تجب بالقدرۃ الممکنۃ لا المیسّرۃ۔ بخلاف الزکوٰۃ فان وجوبها بالقدرۃ المیسرۃ۔

ہدایہ میں دُوسرے مقام پر ہے: وماشرط الحول الا للتیسیر۔ (ص ۱۷۵ ج ۱)

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا مدار قدرتِ میسّرہ پر ہے بہت سے احکامات اسی پر متفرّع ہیں مثلاً ہلاکتِ مال سے سقوطِ زکوٰۃ وغیرہ۔

بہرحال شریعت نے اِس سلسلہ میں مزکیؔ کی سہولت در سہولت کو مدّنظر رکھا ہے مثلاً آمدنی پر زکوٰۃ نہیں بچت پر ہے۔ پھر ہر بچت (مال) میں نہیں۔ بلکہ وہ بھی بقدرِ نصاب ہو پھر اس پر سال گزر جائے۔ اسی کی یہ فرع ہے کہ قبضے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں یعنی " انه لا یخاطب باداء شئی من زکوٰۃ ما مضی مالم یقبض۔"

اصولی طور پر جزء نصاب واجب ہے۔ لقوله علیه الصلاۃ والسلام " هاتوا من ربع عشر اموالکم"۔ اِس حدیث کے پیشِ نظر حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ میں اصل واجب نصاب کا ایک جُز ہے۔ چنانچہ عنایہ مع الھدایہ میں ہے:

ولنا ان الواجب جزء من النصاب عملاً بکلمۃ "فی" فی قوله علیه السلام فی کل اربعین شاۃ شاۃ وتحقیقاً للتیسیر فان الزکوٰۃ وجبت لقدرۃ میسّرۃ

علی ما عرف فی الاصول ومن التیسیر ان یکون الواجب من النصاب ص۱۵۳ ج۲

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں ولنا ان الواجب جزء من النصاب فاذا کان النصاب دیناً فیدہ

مقصورۃ عما ھو حق الفقراء فلا یلزمہ الاداء مالم تصل یدہ الیہ بالقبض

(مبسوط ص۱۹۵ ج۲)

یہ تصریحات دلالت کرتی ہیں کہ "زکوٰۃ واجب" کی حالت "اصل نصاب" کی حالت کے

تابع ہوگی۔ نصاب نقد ہے تو جزء نقد اور نصاب دین ہے تو یہ جزء بھی دین ہوگا العین فی العین

والدین فی الدین۔ یہی بات بالکل حضرۃ عطاءؒ نے فرمائی ہے۔

عن ابن جریج قال قلت لعطاء ۔ السلف یسلفہ الرجل قال فلیس

علی سید المال صدقۃ وھو حینئذ بمنزلۃ الدین فی الصدقۃ

(مصنف عبدالرزاق ص۹۸ ج۴)

جمہور کا مذہب آثار کی روشنی میں

۱:۔ عن نافع عن ابن عمرؓ قال لیس فی الدین زکوٰۃ۔ (عبدالرزاق ص۱۰۳ ج۴)

۲:۔ عن عائشۃؓ قالت لیس فی الدین زکوٰۃ حتی یقبضہ (عبدالرزاق ص۱۰۳ ج۴)

۳:۔ عن ابن جریج قال قال عمرو بن دینار ما اری الصدقۃ الا

فی العین۔ (عبدالرزاق ص۱۰۱ ج۴)

۴:۔ قال عکرمۃ لیس فی الدین زکوٰۃ وروی ذلک عن عائشۃؓ وابن

عمرؓ وروی عن سعید بن المسیب وعطاء بن ابی رباح وعطاء الخراسانی

وابی الزناد ین کلیہ اذا قبضہ لسنۃ واحدۃ (اوجز ص۱۶۳ ج۳)

۵:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں عمل مستقر ہوا کہ وصولیابی سے قبل

دین سے زکوٰۃ نہ لی جائے لیکن وصول ہونے پر گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ لی جائے

چنانچہ حمید بن عبدالرحمٰن کی روایت میں کچھ تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں ہے۔

فلم یکونوا یقبضون من الدین الصدقۃ الا ما نض منہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۵۰ ج۴)

اس روایت میں تفصیلی کلام ہے جسے بنظر اختصار حذف کیا جاتا ہے۔

۶:۔ عن عطاءؒ قال لیس فی الدین زکوٰۃ حتی یقبض (عبدالرزاق ص۱۰۴ ج۴)

۷:۔ عن جابر بن ابی جعفر قال لیس فیہ زکوٰۃ حتی یقبضہٗ (ابن ابی شیبہ ص۱۶۳)

۸:۔ عن حماد قال الزکوٰۃ علی من المال فی یدہٖ۔ (عبدالرزاق ص ۴/۱۰۴)

الحاصل: حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، ابوجعفرؒ، عطا بن ابی رباحؒ، عطا خراسانی، عمرو بن دینارؒ، عکرمہؒ، حمادؒ، ابراہیم نخعیؒ، سعید بن المسیبؒ احمد بن حنبلؒ، ابوالزنادؒ، حکمؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابو یوسف، امام محمد امام زفر، سفیان ثوری، ابوثور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، یہ سب حضرات دین میں وصولیابی سے قبل وجوبِ اداء کے قائل نہیں۔

کیا ابوحنیفہؒ کا استدلال غلط ہے؟

دلائل و آثار کی روشنی میں یہ بات پُورے طور پر واضح ہو چکی ہے کہ دین میں "عدمِ وجوبِ اداء" جمہور کا مسلک ہے لیکن بعض احباب نے جمہور کے اِس محقق مسلک کو صیغۂ راز میں رکھتے ہوئے یُوں فرمایا ——————— کہ قرضوں پر زکوٰۃ کا نفسِ وجوب تو متفق علیہ ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ نے مقروض کو یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر اسوقت واجب ہو گی جب قرضے کی رقم اُسے واپس ملے گی۔" (البلاغ ص۶)

اِس اقتباس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اِس مسئلے میں متفرد ہیں اور یہ سہولت دینا ان کی ذاتی نوعیت کی رائے ہے۔ گویا کہ ان کا یہ خیال کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں اور نہ ہی دین میں وجوبِ زکوٰۃ کا پس منظر ان کے سامنے ہے۔

"البلاغ" میں فقط یہ تأثر دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آگے چل کر اس کی تصریح بھی فرما دی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ نے اپنے مذہب کی بُنیاد جس اثر پر رکھی ہے اس کا مطلب وہ نہیں جو فقہاء حنفیہ نے سمجھا ہے۔ چُنانچہ رقمطراز ہیں کہ "امام ابوحنیفہ نے اِس مسئلے میں اپنے مسلک کی بُنیاد حضرت علیؓ کے ارشاد پر رکھی ہے۔" (ص۸) پھر آگے چل کر بطورِ نتیجہ لکھے ہے کہ:

"فقہاء حنفیہ نے اِس باب میں اپنے مسلک کی بُنیاد حضرت علیؓ اور ابنِ عمرؓ کے

اقوال پر رکھی ہے اور ان کے نزدیک اگرچہ قبضے کے بعد زکوٰۃ کا وجوب صرف اِس صورت میں ہے جبکہ دین کی وصولیابی مظنون ہو۔ جہاں وصولیابی کا وثوق ہو وہاں ان کے نزدیک بھی وجوب اداء قبضے سے پہلے ہی ہو جاتا ہے۔" (انتہیٰ صنا)

حاصل یہ ہوا کہ :

۱۔ انہوں نے جس اثر سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

" وجوبِ اداء بعد القبض ہر دین میں نہیں بلکہ دینِ ظنون میں ہے۔

۲۔ مگر امام ابوحنیفہؒ نے اِس سے یہ سمجھا کہ وجوبِ اداء بعد القبض مطلق دیون میں ہے۔

۳۔ تو گویا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک مذکورہ اثر سے ثابت نہیں۔ اور وہ اِس اثر کو سمجھ نہیں سکے۔" ؏ " شوخی سہی کلام میں لیکن نہ اِس قدر ؟

مذاہب و دلائل کی تفصیل آپ کے سامنے ہے کیا واقعی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بے دلیل اور تفرد پر مبنی ہے ؟ ہرگز نہیں ۔

اثرِ علی رضؓ کی تحقیق

اولاً گو ہمیں یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک پلڑے میں "البلاغ" کی رائے اور دوسرے پلڑے میں سراج الائمہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے استدلال کو رکھ کر ان میں موازنے کی کوشش کی جائے۔

ظاہر ہے کہ ابوحنیفہؒ کی جو استدلالی کمزوری پہلے پہل ۱۴۰۱ھ میں پکڑی گئی، بلاشبہ وہ ناقد ہی کی غلطی ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ امام محمد کی نہیں۔ خصوصاً جبکہ جمہور ائمہ و علماء بھی امام ابوحنیفہ کے ساتھ اِس مسئلے پر متفق ہوں لیکن بہرحال زمانہ تحقیق و ریسرچ کا ہے لہٰذا البلاغ کی تنقید پر سرسری نظر ہو جائے تو مناسب ہے۔ ذیل میں ہم دلائل کی روشنی میں اِس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی ابوحنیفہ امام محمد اور فقہائے حنفیہ کو اثرِ علیؓ کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام محمدؒ نے موطا میں اپنے اور مذہبِ جمہور کے مسلک پر استدلال کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر پیش کیا ہے۔

عن علی بن ابی طالب قال : اذا کان ذٰلك دین علی الناس فقبضه فزکاہ لما مضیٰ : قال محمد وبه نأخذ وھو قول ابی حنیفة۔

(کتاب الآثار ص۱۰۸)

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی کا دین لوگوں پر ہو اور وہ اس پر قبضہ کر لے تو زمانۂ ماضی کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

یہ اثر اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ یہ عام دیون کے بارے میں ہے۔ لیکن "البلاغ" نے اِس اثر کو حضرت علیؓ کے ایک دوسرے اثر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ اثر یہ ہے۔ عن علی... فی الدین الظنون قال ین کیه بما مضٰی اذا قبضه ان کان صادقاً۔ (بیہقی ص۱۵۰ ج۴)

ترجمہ: جس دین کی وصولیابی مشکوک ہو اس کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر دائن سچا ہے تو دین پر قبضہ کرنے کے بعد پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ادا کر دے۔

حالانکہ یہ اثر دین ظنون (مالِ ضمار) کے بارے میں ہے اسی لئے یہ دوسرا اثر، امام ابوعبید اور ابنِ قدامہ اور دیگر حضراتِ فقہاء نے مالِ ضمار کے حکم کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ دینِ ظنون مالِ ضمار کا ایک فرد ہے۔ اِس لئے کہ دینِ ظنون ایک ایسا دین ہے جس کی وصولیابی کی اُمید بہت کم ہو گویا کہ نا اُمیدی ہے۔

اب قارئین خود غور فرمالیں کہ عام دیون والے اثر کی تشریح مال ضمار سے متعلقہ اثر کے ساتھ کرنا کہاں تک صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ "البلاغ" میں کیا گیا ہے اور تاثر یہ دیا گیا ہے کہ "فقہائے حنفیہ سے یہ تسامح ہوا ہے فیا للعجب۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں اثر مستقل طور پر وارد ہوئے ہیں۔ پہلا اثر عام دیون سے متعلق ہے۔ اور دوسرا اثر دین ظنون (مالِ ضمار) کے بارے میں ہے اور دونوں کے احکامات جُدا جُدا ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی ایسی پابندی ہمیں معلوم نہیں کہ اگر وہ عام دیون کا مسئلہ بیان فرمادیں۔ تو دینِ ظنون (مالِ ضمار) کا حکم بیان کرنے کی انہیں اجازت نہیں۔

الغرض : دونوں آثار اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ایک اثر سے دوسرے اثر کی تشریح

کرنا تساہل ہے ۔

واضح رہے کہ حضرت علیؓ کے دوسرے اثر میں "دینِ ظنون" (مالِ ضمار) کا جو حکم ذکر کیا گیا ہے "کہ وصولیابی کے بعد گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ اِس میں واجب ہو" یہ مذہب حنفیہ کے خلاف ہے۔ بلکہ احناف کے نزدیک "مالِ ضمار" میں سرے سے زکوٰۃ واجب ہی نہیں[1]۔ اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو دینِ ظنون والا اثرِ علیؓ حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے جبکہ اوّل الذکر "اثرِ علیؓ" کے معمول بہ ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے۔ تو "البلاغ" کا "اثرِ متروک" کو معمول بہ اثر کی تشریح میں پیش کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ جو دینِ ظنون کی خلافِ واقعہ تشریح کرنے سے ناشی ہے۔ آئندہ اوراق میں دینِ ظنون کی بحث ملاحظہ کی جائے۔

"دینِ ظنون کی بحث"

نیز "البلاغ" میں ہے:

"لہٰذا اُنھوں (فقہاءِ حنفیہ) نے ہر "دین قوی" کو "دینِ ظنون" قرار دے کر یہ عام حکم لگا دیا کہ اِس پر نفسِ وجوب تو ہو جاتا ہے لیکن وجوبِ ادا قبضے کے بعد ہوگا۔" (ص۱)

گزارش ہے کہ:

"البلاغ" کا مندرجہ بالا الزام بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ حضراتِ فقہاءِ کرام تو کیا کسی ایک غیر فقیہہ عالم نے بھی ہر "دینِ قوی" کو "دینِ ظنون" قرار نہیں دیا۔ "البلاغ" کا یہ دعویٰ اِس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ ہر دین خواہ وہ کتنے ہی قابلِ اعتماد شخص کے پاس ہو اسکی عدمِ ادائیگی کا خطرہ ضرور ہوتا ہے۔ (البلاغ ص۱) اِس لئے وہ دینِ ظنون ہوتا ہے۔ حالانکہ دینِ ظنون کی یہ تعریف خود "البلاغ" ہی کی نقل کردہ تعریف کے خِلاف بلکہ برعکس ہے "البلاغ" ص۳ پر امام ابوعبیدؒ سے دینِ ظنون کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ

---

[1] امام لیثؒ قتادہؒ اسحٰقؒ ابوثورؒ اہلِ عراقؒ سبکا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کی ایک ایک روایت بھی یہی ہے امام مالک اور امام اوزاعی مالِ ضمار میں صرف یک سالہ زکوٰۃ کے قائل ہیں تو گویا کہ یہ اثرِ علیؓ ان سب کے نزدیک معمول بہ نہیں ۔

میں نقل کی گئی ہے۔

"ھو الذی لا یدری صاحبہ أیقضیہ الذی علیہ الدین ام لا کانہ الذی لا یرجوہ"۔ بیہقی صہ ۱۵۰ ج ۴)

دینِ ظنون کی تعریف بالا سے ظاہر ہے کہ دین ظنون وہ دین ہے کہ جس کی وصولی کی اُمید ختم ہوگئی ہو۔ تقریباً اسکی وصولی سے مایوسی ہو۔ ایسا دین مالِ ضمار کے ذیل میں آجاتا ہے۔ حضراتِ فقہاء نے مالِ ضمار کی بھی قریب قریب انہی الفاظ میں تعریف کی ہے۔

" الضمار بوزن حمار قال فی البحر وھو فی اللغۃ الغائب الذی لا یرجی" اھ (شامیۃ صہ ۹ ج ۲ جدید)

جب دینِ ظنون مالِ ضمار میں داخل ہے تو کوئی ادنیٰ علم رکھنے والا بھی ہر دینِ قوی کو دینِ ظنون قرار نہیں دے سکتا۔ دوسرے لفظوں میں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہر دینِ قوی، مالِ ضمار ہے، دوسرے دین تو اس سے بھی نیچے ہوں گے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے پس حضراتِ فقہائ کی طرف ایسی غیر معقول غلط بات کی نسبت کسی بھی طرح روا نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی غلط بُنیاد پر جو مسئلہ ہوگا وہ غلط تر ہوگا۔ اس پر بعض حضرات کو یہ شُبہ ہوا کہ " دینِ ظنون" اور " مالِ ضمار" کو ایک قرار دینا بظاہر کسی طرح دُرست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ " دین ظنون" میں زکوٰۃ کو واجب فرماتے ہیں اور ضمار میں عدمِ وجوب کے قائل ہیں؟ تو " گزارش" ہے کہ " دینِ ظنون" مالِ ضمار" میں شامل ہے یا نہیں اس کے فیصلہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں اموال کی تعریفات سامنے رکھتے ہوئے یہ دیکھا جائے کہ " مالِ ضمار" کی تعریف "دینِ ظنون" پر صادق ہے یا نہیں؟ ان دونوں اموال کی تعریفات ہم پہلے نقل کر چکے ہیں جن کی روشنی میں یہ امر صاف ظاہر ہے کہ "مالِ ضمار" کی تعریف کے تحت" دینِ ظنون بھی داخل ہے یہ تعریفات مزید اضافوں کے ساتھ دوبارہ نقل کی جاتی ہیں۔ قال ابن عبد البر" وقیل الضمار الذی لا یدری صاحبہ أیخرج ام لا وھو الاصح (اوجز صہ ۱۷۴ ج ۳)

اور تقریباً بالکل انہی الفاظ کے ساتھ " دینِ ظنون" کی تعریف، ائمہ لغت و حدیث سے منقول ہے۔ چنانچہ علّامہ مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

المظنونُ ... ومن المديون مالا يدري أيقضيه آخذه ام لا (قاموس ص۸۸۹) هكذا في المنجد و في مجمع البحار لا زكوٰة في الدين الظنون هو الذي لا يدري صاحبه أيصل اليه أم لا (ص۲۹۶/ ج۳)

مصباح اللغات ص۵۲۶ میں ہے : دینِ ظنون وہ قرض ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وصول ہوگا یا نہیں گویا کہ اِس (دینِ ظنون) کی وصولیابی کی اُمید نہیں رہی ۔جیسا کہ امام ابوعبیدؒ نے اسکی تصریح فرمادی ہے ۔ الظنون الذی لا یدری صاحبه ایقضیه الذی علیه ام لا كانه الذی لا یرجوه انتهٰی ۔اِسی نوعیت کی نااُمیدی " مالِ ضمار" میں بھی ہوتی ہے ۔اُنیس بیس کا فرق معتبر نہیں ۔احکام میں اعتبار غلبۂ ظن کا ہوتا ہے ۔ اگر ان تعریفات میں ائمۂ فقہ و حدیث نے غلط بیانی نہیں کی (اور یقیناً نہیں کی) تو انکی روشنی میں بلاشبہ یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ " دینِ ظنون " مالِ ضمار" کے تحت داخل ہے ۔لہٰذا اب تک اس کا تسامح ہونا ہم نہیں سمجھ سکے ہاں! اگر دینِ ظنون کی تعریف میں ائمہ نے غلطی کی ہے تو یہ الگ بات ہے ۔لیکن پھر بھی "البلاغ" کو ان حضرات کی تغلیط کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ خود "البلاغ" ہی میں ان حضرات سے یہ تعریف نقل کی جاچکی ہے ۔اگر یہ تعریف غلط تھی تو " البلاغ " نے اسے کیوں نقل کیا ۔عجیب بات ہے کہ اثرِ علی رضی اللہ عنہ کی تشریح ہی میں " دین ظنون " کی اس تعریف کو نقل کررہے ہیں ۔ اگر حضرت علیؓ کے اثر میں یہ دین ظنون مراد نہیں تو اس اثر کی تشریح میں اس تعریفِ ظنون کے نقل کرنے کا کیا فائدہ ؟ اور کیا جوڑ ؟ امام بیہقیؒ وغیرہ حضرات نے بھی ابوعبیدؒ کی اِس تعریفِ ظنون کو اثرِ علیؓ کی تشریح میں نقل کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات ائمۂ فقہ و حدیث کے نزدیک اثرِ علیؓ میں دینِ ظنون سے مراد وہی دین ہے جس کی وصولیابی کی اُمید (تقریباً) منقطع ہوچکی ہو اور مالِ ضمار بھی وہی ہوتا ہے جس کی وصولیابی سے نااُمیدی ہو ۔

الغرض حضرات ائمہؒ کی تصریحات سے " دینِ ظنون " کا "مالِ ضمار" کے تحت داخل ہونا بلاشبہ ثابت ہے ۔باقی رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دُوسرا اثر (لا زكوٰة في المال الضمار) تو یہ کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ۔امام زیلعیؒ فرماتے ہیں :

ا "غریب" - وفی البنایة اراد انه لم یثبت مطلقاً اھ - قال الحافظ ابن حجر فی الدرایة " لا زکوٰۃ فی مال الضمار لم اجدہٗ عن علی ص۱۵۴ ۔ برتقدیر ثبوت زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دونوں اثر اس مسئلہ میں متعارض ہیں جن میں ترجیح یا تطبیق تلاش کرنا اہل علم کی مشترکہ ذمہ داری ہے لیکن اس تعارض کا کوئی اثر "مال ضمار و دینِ ظنون" کے متعلق ائمۂ فقہ وحدیث کی نقل کردہ تعریفات پر نہیں پڑتا۔

علاوہ ازیں "مالِ ضمار" اور "دینِ ظنون" کی بحث ثانوی درجے میں ہے اصل بحث اس میں ہے کہ ہر "دینِ قوی" "دینِ ظنون" ہے یا نہیں؟ اور وہ کون سے فقہاء حنفیہ ہیں جنہوں نے ہر دین قوی کو "دینِ ظنون" قرار دیا ہے (نیز یہ کہ ہر دین خواہ وہ کتنے ہی قابلِ اعتماد شخص کے پاس ہو۔ الخ ۔ وہ دینِ ظنون ہے) یہ کس کتاب میں لکھا ہے۔ اولاً ان امور کی وضاحت ضروری ہے۔

عجیب تسامح : دینِ ظنون کی تعریف میں خط کشیدہ آخری جملہ (کانه الذی لایرجوہ) "البلاغ" میں نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ حاشیہ البلاغ میں تعریفِ ظنون کے ذکر کردہ حوالہ سنن بیہقی میں یہ جملہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ "البلاغ" کے اس مضمون کے اصل مسوّدہ میں بھی یہ جملہ مذکور ہے۔ مگر اس کے باوجود البلاغ میں سے حذف کر دیا گیا۔

اس خط کشیدہ جملہ کو غیر ضروری قرار دینا بھی مشکل ہے۔ جبکہ یہ دین ظنون کی تعریف کا ایسا جزء ہے کہ اس کے حذف کرنے سے تعریف کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو سکتی ہے

"اثر ابنِ عمر رضؓ وغیرہ کا جواب"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان آثار کا بھی جائزہ لیا جائے جنہیں "البلاغ" نے (بزعمِ خویش) اپنا مستدل سمجھا ہے۔ اثرِ علی رضؓ کے متعلق مفصل کلام گزر چکا ہے کہ اس سے ان حضرات کا استدلال درست نہیں۔ اس کے علاوہ ان حضرات نے مزید تین اثر پیش کئے ہیں۔ ان کا مضمون دو قسم پر ہے ..... ا۔ دینِ ثقہ پر ہر سال زکوٰۃ ہے۔

۲۔ ایسے دین کی ہر سال زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

جواب : یہ دونوں قسم کے الفاظ ائمۂ ثلٰثہ اور جمہور رحمہم اللہ کے مذہب کے خلاف نہیں اور نہ ہی یہ آثار ان حضرات سے پوشیدہ تھے۔ ان آثار کی موجودگی میں سابقہ دلائل کی بنا پر علی وجہ البصیرت حضرات ائمۂ ثلٰثہ اور جمہور علماء نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ دین میں ادائیگی زکوٰۃ قبضہ کے بعد واجب ہوتی ہے۔ پہلی قسم کا مضمون جمہور کے مسلک کے قطعاً خلاف نہیں کیونکہ وہ بھی ہر سال دین میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ دوسری قسم کے الفاظ بھی جمہور کے خلاف نہیں بلکہ یہاں امر احتیاط و استحباب پر محمول ہوگا تاکہ آثار کو جمع کیا جا سکے۔ خصوصاً جبکہ ایک ہی صحابی سے دو متعارض اثر منقول ہوں۔ مثلاً ابن عمرؓ سے منقول ہے "لیس فی الدین زکوٰۃ (مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۳ ج ۴)

دوسری جگہ منقول ہے۔ زکّوا ما کان فی ایدیکم الخ (بیہقی ص ۱۵۰ ج ۴)

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ عملی سہولت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے سال بسال ادائیگی زکوٰۃ کے لئے کہا گیا ہو۔ نہ اِس خیال سے کہ سال بسال ادائیگی واجب ہے ظاہر ہے کہ ہر سال ادائیگی میں جو سہولت ہے، وہ عند القبض پانچ سات سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں نہیں۔ مفتیانِ کرام اب بھی مستفتی کو ابتداً یہی حکم دیتے ہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ کے وقت دوسرے اموال کے ساتھ "دین کو بھی شمار کر لیا کرو۔ لیکن اِس پر اگر مستفتی یہ کہے کہ "ملنے کی امید کم ہے" یا کچھ اور عذر کرے تو پھر عند القبض ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے۔

الغرض سال بسال ادائیگی کا مسئلہ بتلانا اِس امر کی دلیل نہیں کہ مفتی دین کی وصولیابی سے قبل اِس میں وجوب ادا٫ زکوٰۃ کا قائل ہے۔ پس ایسے آثار سے "البلاغ" کا استدلال تام نہیں۔

حولانِ حول وجوبِ زکوٰۃ کی اجماعی شرط ہے۔ مگر امام زہریؒ سے منقول ہے کہ اگر سال مکمل ہونے سے پہلے کسی ضرورت میں مال خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اسکی زکوٰۃ ادا کر دے۔ قال الزھری "کان المسلمون یستحبون ان یخرج الرجل زکاتہ قبل ان یستنفقہ[1] – انتھی۔ جب حولانِ حول سے قبل ادائے زکوٰۃ کو مستحسن سمجھا جاتا ہے تو بعد الحول "دین" میں بھی ادائیگی زکوٰۃ کو اگر مستحب سمجھتے ہوں تو

[1] مصنف عبدالرزاق ص ۷۶ ج ۴ ۱۲

اِس میں کوئی بُعد نہیں۔

علاوہ ازیں حضرت سیّدنا امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق سب آثار جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اقوالِ صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

لهذا! یہ مسلک یقیناً راجح ہے۔ اور یہی مسلک حضرات ائمہ ثلثہؒ (والشافعی فی قول) اور جمہور رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے کہ قرض میں نفسِ وجوب تو بہر حال ہے لیکن وجوبِ اداء قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوگا۔

بینک اکاؤنٹس جدید قسم کا قرض نہیں: گزشتہ اوراق میں قرضہ جات کی زکوٰۃ اور اس کے دلائل کے بارے میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ قرآن، حدیث، آثارِ صحابہؓ اور اصولِ شرعیہ کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا کہ ائمہ ثلثہؒ اور جمہور سلف کے نزدیک قرضہ جات میں زکوٰۃ کا نفسِ وجوب تو سال بسال ہوتا رہتا ہے لیکن "وجوبِ اداء" قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ "البلاغ" نے بنک اکاؤنٹس کو قرضہ جات کے اس حکم سے مستثنیٰ رکھنے کے لئے بڑی زور دار بحث کی ہے اور اِس سلسلہ میں یہ نکتہ اُٹھایا ہے کہ "بینک اکاؤنٹس" بالکل نئی قسم کا قرض ہے۔ جس کی نظیر دورِ فقہاء وغیرہ میں شاذونادر ہی ملتی ہے لہٰذا حضراتِ ائمہ وفقہاء جب ایسے قرضوں ہی سے ناآشنا ہیں۔ تو ان کا حکم کیونکر بیان کر سکتے تھے۔ فقہاء نے قرضہ جات کی زکوٰۃ کا جو حکم بتلایا ہے۔ یہ پُرانے قسم کے قرضوں کا ہے جو ان کے دَور میں پائے جاتے تھے۔

بینک کے ان جدید قرضہ جات کا حکم یہ ہے کہ وصولیابی سے پہلے ہی ان میں وجوب ادا ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے لئے "البلاغ" نے کوئی مستند صریح حوالہ قانونِ اسلامی سے پیش نہیں کیا۔

گزارش ہے کہ بینک کا متعلقہ نظام اور اسکی عبارات تو یقیناً جدید ہیں لیکن "بینک اکاؤنٹس" کو جدید قسم کا قرضہ قرار دینا صحیح نہیں۔ عہدِ رسالت اور دَورِ فقہاء میں ایسے

لے مصنف عبدالرزاق ص ۷۶ ج ۴ ،

قرضے موجود تھے ۔

تفصیل آئندہ صفحات میں "خیرالقرون کے قرضے" کے تحت ملاحظہ فرمائیں ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "بینک اکاؤنٹس" کو جدید قرض جس بنیاد پر بنایا گیا ہے اس کا بھی جائزہ لیا جائے ۔

بینک اکاؤنٹس کو ایک نئی قسم کا قرضہ ثابت کرنے کے لئے جو چند وجوہ فرق بیان کی گئی ہیں ان کا حاصل صرف دو امر ہیں ۔

(۱) :- یہ مضمون ہے (۲) :- سہل الوصول ہے جیسے الماری اور تجوری میں رکھا ہوا مال ۔ تو اِس سلسلہ میں گزارش ہے کہ بینک اکاؤنٹس ہی نہیں ہر قرض مضمون ہوتا ہے اور مستقرض بنک ہو یا اور کوئی شخص ، وہ بہر صورت شرعاً قانوناً اس کا ذمہ دار اور اسکی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے ۔ لہذا یہ مضمون ہونا بینک اکاؤنٹس کی کوئی امتیازی خصوصیت نہیں ، رہا اس کا سہل الوصول ہونا ، تو اِس کے بیان میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ تصویر کا ایک ہی رُخ پیش کیا گیا ہے ۔ مناسب ہے کہ دوسرے رُخ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے ۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اگر بعض وجوہ سے سہل الوصول ہے تو کئی لحاظ سے یہ صعب الوصول بھی ہے مثلاً ۱ ۔ ایام تعطیل میں وصول نہیں ہو سکتا ۲ ۔ ایام کار میں بھی چھٹی کے اوقات میں اسکی وصولیابی ممکن ہی نہیں ۳ ۔ اوقات کار میں بھی صرف محدود وقت میں رقم نکلوا سکتے ہیں مثلاً بارہ بجے تک اگرچہ بینک چار بجے تک کھلا رہے ۴ ۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اگر اتفاقاً چیک بک پاس نہیں تو بھی رقم کا حصول بدون شناخت و ضامن کے ناممکن ہے ۔ اسکی وضاحت کے لئے یوں کہہ لیجئے کہ ایک شخص بینک سے اپنی رقم نکلوانے گیا ۔ لیکن وہاں پر معلوم ہوا کہ چھٹی کا وقت ہو جانے کی وجہ سے بینک بند ہو گیا ۔ اس کو ناکام واپس آنا پڑا ۔ دوسرے روز گیا تو بنک کو کھلا پا کر مطمئن و مسرور ہوا لیکن داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ ادائیگی رقوم کا وقت ختم ہو چکا ہے ۔ اب رقم نہیں مل سکتی ۔ یہ سن کر پریشان ہوا اور خالی ہاتھ واپس لوٹا ۔ اِس بے چارے کو رقم کی فوری اور شدید ضرورت تھی ۔ رات بھر انتظار میں گزری ۔ دن ہوا ۔ بنک گئے تو بتایا گیا کہ آج فلاں صاحب کا یوم پیدائش ہے ۔ یا وفات کی تعطیل ہے اور کل جمعہ کی چھٹی ہے ۔

اب ایسے شخص کی پریشانی کا عالم کیا ہوگا۔ اس کا صحیح اندازہ مبتلا بہ کو ہی ہو سکتا ہے۔ خدا خدا کر کے دِن پورا ہوا اور رات گزری اگلے روز علی الصبح نماز پڑھتے ہی یہ گھر سے چلا کیونکہ بنک اس کے گھر سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بنک پہنچ کر یاد آیا کہ جلدی میں چیک بُک گھر بھول آیا (شناختی کوئی بلا نہیں) اب وصولیابی سے محروم رہے گا مندرجہ بالا صورت میں۔ ذرا غور فرمائیں کہ مقرض بے تاب ہے اور مستقرض کے مطالبہ پر عام قرضوں میں یہ صعوبتیں عموماً نہیں ہوتیں جو بینک اکاؤنٹس میں ہیں ان صعوبات مولفات پر مزید یہ کہ سیونگ اکاؤنٹ میں سے ایک ہفتہ کے اندر پندرہ ہزار سے زائد نہیں لے سکتے اگر لینا ہو تو ایک ہفتہ قبل اطلاع دینا ضروری ہے۔ اور فکس ڈیپازٹ جس میں ایک معین مدت تک کے لئے رقم دی جاتی ہے مقررہ مدت مکمل ہونے سے پہلے اس میں سے یہ رقم وصول نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر بضرورت رقم وقت سے پہلے لینی پڑ گئی تو کل رقم میں دو فیصد سالانہ کے حساب سے بقیہ مدت کی کٹوتی ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے ایک لاکھ روپے کی رقم بارہ سال کے لئے جمع کرائی دو سال بعد اس کا مکان گر گیا یا کوئی اور فوری شدید ضرورت پیش آگئی اور اس کو اپنی رقم بنک سے لینی پڑی تو بارہ سال میں سے دو سال کو چھوڑ کر بقیہ دس سالوں کی کٹوتی دو فیصد سالانہ کے حساب سے کر لی جائے گی جس کی مقدار بیس ہزار کے قریب بنتی ہے۔ کل رقم کا ایک خمس (پانچواں حصہ) کاٹ کر باقی چار حصے اس کو واپس مل سکیں گے۔ تقریباً بیس ہزار روپے اصل رقم سے کٹ گئے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود "البلاغ" کا دعویٰ ہے کہ بنکی قرضہ کی وصولی متیقن ہے اور یہ قرضے ایسے ہی ہیں جیسے اپنی الماری میں پڑے ہوں۔ حالانکہ دوسرے عام قرضوں میں کٹوتی کا کوئی ظالمانہ قانون موجود نہیں۔ ایسا ظلم صرف بینک کے لعنتی نظام ہی کی خصوصیت ہے۔

الغرض تفصیلِ بالا سے معلوم ہوا کہ اگر بنک اکاؤنٹس بعض وجوہ سے سہل الوصول ہے تو بعض دیگر وجوہ سے صعب الوصول بھی ہے لہٰذا یہ دعویٰ کہ مقرض اپنی رقم جب چاہے فوراً بلا تکلف واپس لے سکتا ہے "قطعاً" درست نہیں۔ باقی آزادانہ تصرف میں یہ الماری اور تجوری میں رکھے ہوئے پیسوں کی طرح بھی ہرگز نہیں اِس لیے کہ الماری اور تجوری میں رکھی ہوئی رقم کے حصول میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں، نہ وقت کی نہ مقدار کی۔

حتیٰ کہ اگر چابی گم ہو جائے تو الماری اور تجوری توڑنے کا بھی یہ مجاز ہے۔ بخلاف بنک اکاؤنٹس کے کہ اس میں چیک پر دستخط ثبت کرنے کے باوجود آدمی اس کا مجاز نہیں کہ سامنے میز پر رکھی ہوئی رقم خود اُٹھالے بلکہ ایسا کرنے والا قانوناً مجرم سمجھا جائے گا۔

باقی یہ تسلیم ہے کہ یہ سب کچھ انتظامی اُمور کے طور پر ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سے دائن کا آزادانہ تصرف باقی رہا یا نہ رہا؟ نیز اپنے قرضے کی وصولی میں دشواری اور تاخیر بھی ہوئی اور ایک خطیر رقم بطورِ جُرمانہ بھی کٹ گئی۔

اب آیئے اس امر کا جائزہ لیں کہ کیا بینک اکاؤنٹس واقعی نئی قسم کا ایک ایسا قرض ہے جس کی نظیر خیرالقرون اور دورِ فقہاء میں نہیں پائی جاتی تھی۔

ہماری گزارش ہے کہ یہ دعویٰ دُرست نہیں کہ ایسا قرض فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہ تھا صحیح یہ ہے کہ عہدِ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم، خیرالقرون، اور دورِ فقہاء میں قرض کی یہ قسم موجود رہی ہے۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

خیرالقرون میں ایسے قرضے کی موجودگی پر قرآنی شہادت

قرآن کریم میں ہے۔ ومن اھل الکتاب من ان تأمنہ بقنطار یؤدہ الیک الآیۃ (اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر مال کا انبار ان کے پاس رکھ دو تو وہ ادا کر دیں) تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس کسی نے بارہ سو ۱۲۰۰ اوقیہ امانت رکھے تھے۔ بارہ سو اوقیہ چاندی کی قیمت آجکل کے حساب سے پانچ لاکھ روپے کے قریب بنتی ہے۔ مالک کے مطالبے پر اُنہوں نے فوراً ادا کر دیئے۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِس میں اللہ پاک نے ان کے اِس جذبۂ امانت کی مدح فرمائی ہے اور ان کے اندر اس جذبہ کی موجودگی کی شہادت دی ہے۔

قرض و امانت کی تفریق اتنی مؤثر نہیں اصل مسئلہ جذبۂ ادا ِحقوق و دیانت کا ہے کیونکہ اسی آیت کے اگلے جُز میں ایک دینار واپس نہ کرنے والے کی مذمت بھی مذکور ہے حالانکہ یہ دینار بھی امانت تھا۔

۲۔ جب یہودی معاشرہ جس کا بُخل و بنیا پن مشہور ہے اپنی تمام تر بداخلاقیوں

اور پستیوں کے باوجود ایسے قرض و امانت سے خالی نہ تھا۔ تو اس مسلم مثالی معاشرہ میں ایسے قرضہ جات کے وجود کو ناپید و مُعدوم کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ جو خُلاصۂ کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے وجود باجُود سے وجود میں آیا تھا۔ پس یقیناً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسے قرضہ جات عہدِ نبوی میں موجود تھے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ قرضے کی واپسی سے مانع ناداری ہوتی ہے یا بُخل و بدمعاملگی اور حضرات صحابہؓ میں نہ بخل و عیّاری ہے اور نہ حرص و مکّاری کہ دوسرے کے اداءِ حق سے مانع بنے۔ رہی ناداری۔ سو یہ زیرِ بحث نہیں کیونکہ زیرِ بحث ایسے قرضے ہیں جو ادائیگی میں قابلِ اعتماد اور مالدار لوگوں پر ہوں۔ مُفلس اور نادہند لوگوں پر قرضے زیرِ بحث نہیں۔

۳۔ صحابہ و تابعین کے سُنہری دَور میں کثرتِ صدقات کے جو واقعات تاریخ میں موجود ہیں، جس شخص کی نظر بھی ان تاریخی حقائق پر ہو گی۔ وہ قطعاً یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس دَور کے لوگ مُفت میں تو لاکھوں لُٹا دیتے تھے لیکن قرضوں کی اَدائیگی میں العیاذ باللہ پُورے بخیل تھے کہ ان میں شاذ و نادر ہی ایسا شخص ہو جو اپنا قرض بَروقت ادا کرتا ہو اور جس پر قرضخواہ کو یہ اعتماد ہو کہ جب چاہوں قرضہ وصول کر سکتا ہوں العیاذ باللہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص واقعی اِس عہد کے متعلق ایسے خیالات رکھتا ہے تو وہ نہ صِرف حقائق کا مُنہ چڑاتا ہے بلکہ اِس مبارک عہد پر ایک بڑی تہمت لگا رہا ہے مُناسب تھا کہ یہاں پر اس دَور کی کچھ جھلکیاں پیش کی جائیں لیکن بخوفِ طوالت ہم انہیں اختصار کی نذر کرتے ہیں۔

۴۔ صحابہ کرام میں سے ایک جماعت کا یہ طرزِ عمل تھا کہ لوگ ان کے پاس امانتیں رکھنے آتے تھے ـــــ اور وہ لبغرضِ حفاظت ان لوگوں سے کہتے تھے امانت نہیں قرض کر دو تاکہ لبصُورت ہلاک تمہارا نقصان نہ ہو مثلاً (الف) حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوگ امانتیں رکھنے آتے۔ حضرت فرماتے امانت کی بجائے قرض کر دو جب ضرورت ہو لے لینا۔

مندرجہ بالا صُورت میں قرض کی وصولی متیقن ہونے کے علاوہ یہ بھی واضح ہے کہ قرض کا محرک مستقرض نہیں بلکہ لوگ اپنے اموال لبغرض حفاظت خود لا کر دیتے تھے۔

ب:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ یتیموں کے اموال کو ہلاکت سے بچانے کے لئے انہیں اپنے ذمہ قرض کر لیتے تھے فیستسلف اموالھم لیحرزھا من الھلاک ۔ اسی صورت کے بارے میں "البلاغ" میں ہے یہ صورت موجودہ بینک اکاونٹس کی صورت سے بہت قریب ہے ۔ (ص۱۵)

۵۔ قرون اولیٰ میں ایسے قرضوں کی موجودگی پر خلیفۂ راشد کی شہادت

امام ابو عبیدؒ نقل کرتے ہیں ۔ حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے ایسے قرض پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ۔ جسے تم قرضدار سے جب چاہو مطالبہ کر کے لے سکو الخ (ترجمہ کتاب الاموال ص۱۸۴ ج۱)

(۶):۔ وظائف بیت المال کو "البلاغ" نے دینِ متیقن خود تسلیم کیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ جس دین کی وصولیابی اتنی متیقن ہو جتنی بینک اکاونٹس میں ہوتی ہے ۔

۷۔ ایسی وہ تمام روایات و آثار جن میں دین کی دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں ۔

۱۔ دینِ متیقن ۲۔ دین مشکوک و مظنون

قرونِ اولیٰ میں دینِ متیقن کی موجودگی پر شاہد عدل ہیں[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فرمان ۔ وما کان فی دین ثقۃ فھو بمنزلۃ ما فی أیدیکم ۔ سے واضح ہے کہ اُس دور میں قرض کی ایسی قابلِ اعتماد صورتیں بھی تھیں جن کے بارے میں یہ کہنا صحیح تھا کہ وہ اِس مال کی طرح ہے جو تمہارے قبضے میں ہے ۔ "البلاغ" میں بینک اکاونٹس کو بمنزلۃ ما فی ایدیکم کے قرار دیا گیا ہے اور اس جملہ کا مصداق عہدِ صحابہ میں بھی موجود تھا ۔ تو پھر یہ کہنا کہاں تک دُرست ہوگا کہ بینک اکاونٹس ایک بالکل نئی قسم کا قرض ہے ۔ جو فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہیں تھا ۔

---

[1] مندرجہ بالا تقسیم دین حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ کے آثار میں موجود ہے اور تعجب ہے کہ یہ آثار خود "البلاغ" نے نقل کئے ہیں ۔ لیکن اِس کے باوجود قرونِ اولیٰ میں "دینِ متیقن" کے وجود سے انکار ہے ۔ فیا للعجب ۔ بلکہ ان آثار سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ "قرون اولیٰ" میں یہی قسم اغلب اکثر تھی کیونکہ ان تمام آثار میں پہلے نمبر پر اسی "دین متیقن" ہی کا ذکر کیا گیا ہے ۔

دَورِ فقہاء میں بھی موجود تھا : خیرالقرون کے بعد حضرات فقہاء کرام رحؒ کے دَور میں بھی ایسا قرض موجود تھا ۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام رحؒ عبارات کے علاوہ عنوانات تک میں اس کا ذکر کرتے ہیں ۔ امام ابو عبیدؒ نے کتاب الأموال میں بیانِ مذہب کے لئے یہ عنوان قائم کیا ہے ۔ قرض دینے والے (مقرض) پر زکواۃ ادا کرنے کے سلسلے میں مختلف اقوال وہ قرضے جو قابلِ اعتماد لوگوں پر ہوں اور اُنکی وصولی کی اُمید ہو ۔ (کتاب الأموال ص۱۸۳ ج ۲)

اِسی کتاب میں آگے چل کر ص۱۸۸ پر اپنے نزدیک ایک مشروط مسئلہ بیان کرتے ہوئے اسکی شرط کا یوں ذکر کرتے ہیں ۔ بشرطیکہ قرض آسودہ حالوں اور بھروسہ والوں پر ہو کیونکہ اندریں صورت اِسں مال کی حیثیّت ہاتھ یا گھر میں موجود مال کی سی ہو جاتی ہے ۔

امام ابوعبیدؒ کی یہ عبارات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ حضرات فقہاء کرام کے دَور میں ایسے قرضہ جات موجود تھے جو با اعتماد لوگوں پر ہونے اور مرجوّ الوصول ہونے کی وجہ سے بمنزلہ اس مال کے ہوں جو گھر میں موجود ہوتا ہے اور قرضوں کی زکواۃ کے اَحکام لکھتے وقت ایسے قرضے فقہاء کرام کے پیشِ نظر تھے ۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک دین کی زکواۃ میں وجوب اداء قبضہ کے بعد ہوتا ہے ۔ البتہ امام شافعیؒ اپنے دوسرے قول میں ائمہ ثلٰثہ اور جمہور سے اختلاف کرتے ہوئے قبل القبض وجوبِ ادا کے قائل ہوئے ہیں ۔ واضح رہے کہ یہ دین جس میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے ایسا دین ہے جو "مقر" "حسنِ معاملہ" میں اچھی شہرت کے مالک ، دولت مند شخص پر ہو ۔ بنا بریں اِسں دین کی وصولیابی اور اِسں میں تصرّف پر دائن کو پُوری قدرت حاصل ہو کہ جب چاہے وصول کرسکے اور سہل الوصول ہونے کے اعتبار سے یہ دین مثل ودلیعت کے ہو ۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اِسں دین کے بارے میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں ۔ " الدين الحال على مليئ وفیّ الخ (اوجز ص۱۷۴ ج ۲) ابنِ قدامہ نے اِسی دین سے متعلّق لکھا ہے "دين على معترف به باذل له" اور آگے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اور اُنکی دلیل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ قال .... الشافعی .... عليه اخراج الزكوٰة فى الحال وان لم يقبضه لانهٗ قادر على اخذه والتصرّف فيه فلزمه اخراج

الزکوٰۃ فی الحال وان لم یقبضہ لانہ قادر علی اخذہ والتصرف فیہ فلزمہ اخراج زکوٰتہ کالمودلیعۃ .... (اوجز صہ ۱۴۲/۳)

مندرجہ بالا تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین کے زمانہ اور دورِ فقہاء میں ایسے دیون موجود تھے جو بقول "البلاغ" دین مستقن میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

الغرض؛ البلاغ میں بینک اکاؤنٹس کے جو خصوصی اوصاف شمار کئے گئے ہیں اور جن کی بنیاد پر ہی بینک اکاونٹس کے متعلق نئی قسم کا قرض ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ سب کے سب خیر القرون اور دورِ فقہاء کے دیون میں موجود نظر آتے ہیں۔ مثلاً وصولی پر ہر وقت قدرت، تصرف پر بھی اختیارات اور تصرف پر کامل قدرت ہونے کی وجہ سے امانت کے ساتھ مشابہت، با اعتماد جگہ پر ہونے کی بنا پر وصولیابی کا یقین۔ اور تقدیراً ایسا ہونا جیسے اپنے قبضے میں ہے۔ "بمنزلۃ ما فی ایدیکم، او غیر ذلک۔ یہ تقریباً وہی الفاظ ہیں، جو "البلاغ" میں "بینک اکاؤنٹس" کی مدح سرائی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ اور بالکل انہی صفات کی بناء پر امام شافعی رحمہ اللہ اس قسم میں قبل القبض " وجوب ادا " کے قائل ہوئے ہیں۔ اور یہ اس قسم کے قرض کی، اس عہد میں موجودگی پر بین دلیل ہے لیکن اس کے موجود ہونے کے باوجود جمہور حضرات ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ خصوصاً ائمہ احناف اس میں قبل القبض "وجوبِ ادا" کے قائل نہیں ہوئے ــــ اور خود امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی حضراتِ جمہورؒ کے موافق ہے۔

تفصیلِ بالا سے ثابت ہوا کہ "بینک اکاؤنٹس" قطعاً جدید قسم کا قرض نہیں۔ اور یقیناً "قرض" ہے۔ اور اس نوعیت کے دیون قرونِ اولیٰ اور دورِ فقہاء میں پوری شہرت کے ساتھ موجود تھے۔

بلکہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی اسکی بکثرت نظیریں موجود ہیں۔ اگرچہ غلبہ دوسری نوع کا ہے۔

عملی پیچیدگیاں : نیز البلاغ میں "بنک اکاؤنٹس" کو جدید قسم کا قرض ثابت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ....

اگر بنک اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کے وجوبِ ادا کے لیے دوسرے دیون کی طرح ان کے نقد ہونے کی شرط لگائی جائے تو اس سے اتنی عملی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی کہ زکوٰۃ کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ پھر امام ابو عبید رحمہ اللہ کی ایک عبارت مالِ مستفاد کے بارے میں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "بینک اکاؤنٹس" کے بارے میں تو اس قسم کا حساب کتاب تقریباً ناممکن ہے۔

گذارش : عملی پیچیدگی کا عذر بھی معقول نہیں اور مالِ مستفاد پر قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے۔ اس لئے کہ مالِ مستفاد کی ادائیگی زکوٰۃ آئندہ سال ہو گی۔ وصولیٔ دین کے بعد فوری ادائیگی ہے۔ اس تاریخ کو سال تک محفوظ رکھنے کی قطعاً کوئی حاجت نہیں۔ مزید سہولت کے لئے اپنے طور پر ہفتہ، عشرہ، مہینہ وغیرہ کی مدت مقرر کی جاسکتی ہے کہ ان ایام کی جتنی وصولی ہو گی اس کی ایک بار ہی زکوٰۃ نکال دی جائے گی۔ فوری ادائیگی اموالِ نقد میں بھی ضروری نہیں ہوتی حساب کر لیا جاتا ہے پھر ادائیگی حسبِ مصلحت ہوتی رہتی ہے اس کے لئے مزید کسی کلرک یا منشی کے رکھنے کی ضرورت نہیں۔ بینک سے برآمد ہونے والا ایک ٹیڈی پیسہ بھی چیک بک میں محفوظ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنی ہو یا نہ۔ کافر ہو یا مسلمان۔

باقی رہی یہ بات کہ نسبتاً اس میں تکلف ہے تو گزارش ہے کہ جب بھی کسی ضابطے کی پابندی کی جائے گی کچھ نہ کچھ تکلف تو ہو گا ہی۔ کیا یہ تکلف ساعی کے زکوٰۃ وصول کرنے کے تکلف سے بھی زیادہ ہے؟ جسے کھیتوں اور جنگلوں میں مارا مارا گھومنا پڑتا ہے۔

وجوبِ ادا کا تعلق بینک سے برآمد کی جانیوالی رقم کے ساتھ ہے بینک میں داخل کی جانیوالی کے ساتھ نہیں خواہ دن میں سو مرتبہ بھی داخل کرائے۔ چیک بک اور رجسٹرات میں نہ ہی یہ رقمیں خلط ہوتی ہیں۔ لہٰذا رقم جمع کرنے کی بات کرنا موضوع سے غیر متعلق ہے

لہٰذا معلوم ہوا کہ "بینک اکاؤنٹس" صرف اور صرف عام قرض ہے اور مسلکِ جمہور کے مطابق اس میں حساب و کتاب رکھنا کوئی ناممکن نہیں۔

"احکامِ قرض کے نفاذ سے گریز"

بینک اکاؤنٹس کو قرض تسلیم کرنے کے بعد اس پر احکامِ قرض کا نفاذ ضروری ہے یعنی قرض دینے والے کے ذمہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وجوب وصولیابی کے بعد ہو۔

مگر افسوس کہ "البلاغ" نے بینک اکاؤنٹس کو (بزعمِ خویش) نئی قسم کا قرض ایجاد کرنے کی بنا پر "کتبِ فقہ" میں موجود تقریباً جملہ مسلّم احکامات پر عمل سے گریز کیا ہے اور اپنے موقف کو فقہاء کرام کے بیان کردہ مسلّمہ ضابطوں کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے بذاتِ خود آثار و روایات سے اِستدلال شروع کر دیا۔

اسی ضمن میں جب دعویٰ کیا گیا ہے کہ حکومت کو مکمل اختیار ہے کہ بینک اکاؤنٹس سے (باوجودیکہ وہ مدیون ہے) زکوٰۃ کاٹ لیا کرے تو اس پر عرض کیا گیا کہ زکوٰۃ فرض ایک (دائن) پر ہے اور وصول دوسرے (مدیون) سے کی گئی تو اس کے جواب میں اِرشاد ہوا کہ "اگر دین متیقن ہو" جیسے بینک اکاؤنٹس کا ہے۔ تو حکماً دائن کا قبضہ قرار دے کر مدیون سے زکوٰۃ لیجا سکتی ہے۔ پھر اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے ایک اثر سے استدلال کیا ہے کہ تنخواہ لینے والا یہ بتاتا کہ اِس کے پاس ایسا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو حضرت صدیقِ اکبرؓ جو تنخواہ اُسے دینا چاہتے تھے اس میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتے تھے [ص۱۳]

گذارش : یہ اثر "کتبِ فقہ" میں لکھے گئے احکامِ قرض کے متعلق قطعاً نہیں۔ اور نہ ہی فقہاء سے یہ اثر پوشیدہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فعل دینے والے کی مکمل رضامندی اور موجودگی میں ہوتا تھا ———— ہم پیچھے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں کہ صدرِ اوّل میں "نظامِ زکوٰۃ طوع پر مبنی تھا۔ طوع سے ادائیگی محلِ نزاع نہیں زیرِ بحث امر یہ ہے کہ کیا اِس میں جبر و اکراہ دُرست ہے یا نہیں۔

"وصولیٔ زکوٰۃ کا نظام طوع و رغبت پر مبنی تھا"

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صدقِ دل سے اِسلام لائے صحبتِ نبویؐ سے ایمان و لیقین ان کے قلوب کی گہرائیوں میں اُتر چکا تھا۔ قال تعالیٰ اُولٰئک الذین کتب

فی قلوبھم الایمان وایدھم بروحٍ منہ۔ الآیۃ

حضرات صحابہ و تابعین کے بارے میں ان کے اخلاص و صداقت پر قرآنی شہادتوں کے بعد ہمارا غیر متزلزل یقین ہے کہ یہ حضرات ارکانِ اسلام، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ کامل طوع و رغبت اور بشاشتِ قلبی سے کرتے تھے۔ عہدِ صحابہؓ کا منظر جس کے سامنے ہو اُسے یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اِس مُبارک اور مثالی دَور میں جس طرح "نظامِ صلوٰۃ" جبر و اکراہ پر مبنی نہ تھا اسی طرح یہ نظامِ زکوٰۃ بلکہ نظامِ جہاد بھی اکراہ و جبر پر مَبنی نہ تھا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنی جان کی قربانی پُوری رضا و خوشی سے پیش کرتے تھے عیسائی سفیر کے یہ الفاظ یاد ہوں گے۔ "الموت عندھم احلی من شرب الخمر"۔ ایک صحابی رگِ جاں پر بَرچھا کھا کر کہتے ہیں "فزت ورب الکعبۃ"۔ جن حضرات کی تاریخ یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے "جان" کا "نذرانہ" بھی اِس خوشی سے پیش کرتے ہوں ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی کسی حکومتی "جبر و اکراہ" کے تحت کرتے ہوں گے قرونِ ثلٰثہ میں جبری کٹوتی کا شاید ایک واقعہ بھی پیش نہ کیا جاسکے۔ پس جبری کٹوتی وغیرہ کے لئے اثرِ صدیقی وغیرہ سے استدلال دُرست نہیں۔

علاوہ ازیں، ہمیں تعجب ہے کہ اثرِ مذکور کو اپنے دعویٰ کی دلیل کیسے بنا لیا گیا حالانکہ فقہاء نے قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ " ادائیگیٔ زکوٰۃ کے وقت مالک کا موجود ہونا درجۂ شرط میں ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اموالِ ظاہرہ میں اگر ساعی نے مالک کی عدم موجودگی میں مقدارِ زکوٰۃ وصول کرلی تو ادا نہ ہوگی۔ علّامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: ومنہا ظھور المال وحضور المالک"۔ اور مذکورہ اثرِ صدیقی میں بھی یہی کچھ ہوا کہ زکوٰۃ حاضر مالک سے وصول کی گئی بخلاف بینک اکاؤنٹس کے کہ اس میں مالک کی موجودگی تو کجا شاید اس کو خبر بھی نہ ہوتی ہو۔ نیز یہ اصول کہ دَینِ متیقّن میں تقدیراً دائن کا قبضہ قرار دے کر زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔ فقہ کے بے شمار مُسلّمہ ضوابط کے خلاف ہے۔

(۱) مسئلہ متون میں مصرح ہے۔ حاضر (دائن) کا قبضہ بھی ــــ بدونِ تخلیہ کے مُعتبر نہیں چہ جائیکہ غائب کا۔

(۲) اسی طرح متون میں ہے کہ " اگر دائن غائب ہو اور اس پر کچھ حقوق واجب ہوں تو اصحابِ حقوق مدیون سے علی الاطلاق اپنے حقوق براہِ راست وصول کرنے کے مجاز نہیں اور ان کے اِس استدلال کو قبول نہیں کیا جائیگا کہ مدیون چونکہ نہایت شریف آدمی ہے دائن کے مطالبہ پر فوراً اس کا دین ادا کر دیتا ہے لہٰذا مالِ مدیون اب دائن کے قبضہ وملک میں آچکا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے حقوق وصول کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

(۳) مستنبط اصول کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ جو حقوق بھی دائن پر واجب ہیں، مدیون بدُون اجازت و رضا ر دائن کے سب میں اس کا مال خرچ کرے پھر تو یہ مدیون نہ رہا بلکہ وکیل بن گیا۔ علاوہ ازیں یہ فرمان کہ دین متیقن کے قبضے سے پہلے ہی اس سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔

دین متیقن کی قید سمجھ میں نہیں آتی۔ مدیون اگر دائن کی طرف سے بغیر اسکی اجازت کے مال خرچ کردے اور دین میں سے وضع کرے تو مدیون کا یہ تصرّف اگر دینِ متیقن میں معتبر ہوسکتا ہے اور اسے دین میں سے وضع کرنے کی اجازت ہے تو دین غیر متیقن میں مدیون کو اس تصرّف کی کیوں اجازت نہیں؟ وجہ فرق دلیلِ شرعی کے ساتھ مطلوب ہے۔

علاوہ ازیں اسکی وضاحت بھی ضروری ہے کہ دینِ متیقن کی تعریف کیا ہے؟ کیا صرف بینک اکاؤنٹس اور حکومتی وظائف ہی اس کے ضمن میں آتے ہیں یا کوئی دوسرا دین بھی اِس میں داخل ہوسکتا ہے؟ اگر یہ دینِ متیقن صرف انہی دُو میں منحصر ہے تو حضرت ابن عمرؓ پر یتامیٰ کا جو دین تھا، وہ دینِ متیقن میں کیسے داخل ہوگیا اگر ثقاہت ابن عمرؓ کی بنا پر ان کے ذمّہ واجب الاداء دین کو دینِ متیقن قرار دیا جاسکتا ہے تو دیگر حضراتِ صحابہ خلفاء راشدین، ابنِ مسعودؓ، ابو عبیدہؓ امین ھذہ الامۃ اور حضرت زبیرؓ جیسے حضرات کے ذمّہ جو دیون ھیں یہ دینِ متیقن کا مرتبہ کیوں حاصل نہیں کرسکے؟ اگر یہ سب دیون انتہائی قابلِ اعتماد حضرات کے ذمّہ ہونے کی وجہ سے دینِ متیقن کے ذیل میں شمار کئے جاسکتے ھیں، تو بینک کی کیا خصوصیّت رہی؟ براہِ کرم اسکی بھی وضاحت ہونی چاہیئے ——— دین مدیون کا مملوک اور حقیقتاً اس کے قبضے میں ہوتا ہے اس پر صرف دائن کا تقدیری قبضہ کرا دینے سے کیا مدیون کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی خواہش

کے مطابق دائن کے ذمہ واجب ادائیگیوں میں خرچ کر سکے اور دین میں سے وضع کرتا رہے۔ مثلاً دائن نے کسی کو قرضہ دینا ہے یا دائن نے کسی سے سودا کیا ہوا ہے یا اس کے ذمہ کوئی اخراجات واجب ہیں تو کیا براہِ راست بغیر رضامندئ دائن کے اسے ان ادائیگیوں کا اختیار ہے؟ ہرگز نہیں!

تقدیری قبضہ: اس کی بھی تعریف ہونی چاہیئے کہ تقدیری و حکمی قبضہ کیا ہے؟ اہلِ علم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دین پر وصولی سے قبل دائن کا نہ حقیقی قبضہ ہے، اور نہ حکمی قبضہ ہے۔ حقیقی قبضہ کا انتفاء تو ظاہر ہے حکمی قبضہ بھی نہیں۔ کیونکہ مالک کا حکمی قبضہ اس مال میں تصور کیا جاتا ہے جس میں حقیقی قابض کو اپنی رائے سے آزادانہ تصرف کی اجازت نہ ہو جیسے ودیعت۔ اور جس مال میں قابض کو آزادانہ تصرف کے اختیارات ہوں۔ اس مال پر حقیقی اور حکمی قبضہ اس قابض کا ہی تصور کیا جاتا ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ بنیک اکاؤنٹس میں بنیک اپنی صواب دید کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ کھاتہ دار کی جزوی اجازت کا محتاج نہیں۔ تو دین خواہ کسی بھی قسم کا ہو صرف مدیون ہی کے حقیقی اور حکمی قبضہ میں ہوتا ہے۔ اس پر دائن کا حکمی قبضہ قرار دینا۔ دلائل کی روشنی میں درست نہیں۔

حضراتِ فقہاء نے عبد ماذون کی کمائی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مولیٰ کی مملوک ہے "کسبہ لمولاہ" لیکن مولیٰ جب تک عبد ماذون سے وہ مال وصول نہ کرلے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں۔ کیونکہ یہ مال غلام کے قبضہ میں ہے۔ اس مال پر مولیٰ کا حقیقی اور حکمی دونوں قسم کا قبضہ منتفی ہے حالانکہ عبد ماذون کی کمائی مولیٰ کے تصرف کے لحاظ سے دین کے بنسبت زیادہ اقرب ہے۔ مولیٰ جب چاہے بلا کسی دستاویزی تحریر یا شہادت کے براہِ راست اس کے مال پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اور دین میں یہ ضروری ہے۔ چنانچہ البحرالرائق صفحہ ۲۱۸ ج ۲ میں ہے۔

والاصح انه لا یلزمه الاداء قبل الاخذ لانه مال تجرد عن ید المولیٰ لان ید العبد ید اصالة عن نفسه لا ید نیابة عن المولیٰ بدلیل انه یملك التصرف فیه اثباتا وازالة فلم تكن ید المولیٰ ثابتة

علیہ حقیقۃ ولا حکماً فلا یلزمہ الاداء مالم یصل الیہ کالدیون ولا کذلک الودیعۃ انتھیٰ.....

حکم زکوٰۃ کے بارے میں مال ماخوذ کو دیون پر قیاس کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ دیون پر دائن کا نہ حقیقی قبضہ ہوتا ہے نہ حکمی۔ ورنہ دیون کو مقیس علیہ بنانا صحیح نہیں۔ دائن کے ذہنی اور تقدیری قبضہ سے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مال (دین) مدیون کی ملک سے نکل کر دائن کی ملک میں داخل ہوگیا ہے۔ چہ جائیکہ حضراتِ فقہاء نے دائن کے قبضۂ تقدیری اور حکمی کی بھی نفی کر دی ہے کہ دائن کا یہ قبضہ بھی نہیں ہوتا۔

پس —— اصل سوال باقی رہا کہ مدیون اپنے مال میں سے دائن کی زکوٰۃ، اجازت کے بغیر ادا، نہیں کر سکتا۔ نیز البلاغ میں ہے:

"اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما وغیرہ کے اس عمل کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

وفیہ دلالۃ علی انھم کانوا یاخذون زکوٰۃ العطاء لکونہ دیناً مستحقاً علی بیت المال والاّ لم یکن لاخذ الزکوٰۃ منہ معنیً"

گزارش ہے کہ مذکورہ بالا عبارتِ "البلاغ" دو وجہ سے مخدوش ہے۔

اولاً: بایں وجہ کہ حضرت صدیق اکبر رض کا یہ طرزِ عمل اعلاء السنن (ج ۱۲ ص ۲۳) میں اس مقام پر مذکور نہیں۔ لہٰذا حضرت صدیق اکبر رض کا نام ذکر کرنا صریح تسامح ہے۔

ثانیاً: اس لئے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق بلا تردید یہ نقل کرنا۔ کانوا یاخذون زکوٰۃ العطاء —— قابلِ اعتراض ہے کیونکہ وہ حضرات زکوٰۃِ عطاء وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکوٰۃ جو کہ گھر وغیرہ میں رکھا ہوتا تھا۔ اس مال کی زکوٰۃ عطاء میں سے وصول کرتے تھے۔ چنانچہ "البلاغ" میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے لکھتے ہیں:

"حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل تو یہ تھا کہ وہ تنخواہیں جاری کرتے وقت ان اموال کی زکوٰۃ تنخواہوں سے وصول فرمالیتے تھے۔ جو تنخواہ دار کے گھر، دکان یا کسی دوسرے مقام پر اسکی

ملکیت میں ہوتے تھے ۔"

پس اس تحقیق کا علم ہوتے ہوئے ایک خلافِ تحقیق عبارت سے استدلال کرنا قابلِ تعجب ہے ۔ خصوصاً جبکہ اقتباس بالا کے متصل پہلے اثرِ صدیق رضؓ "البلاغ" ہی میں مذکور ہے جس میں زکوٰۃ عطاء کی وصولی موجود نہیں ۔

" اثرِ ابنِ عمر رضؓ سے استدلال دُرست نہیں "

بعض حضرات نے اپنے مذکورہ دعویٰ کی دلیل میں اثر ابن عمر رضؓ سے استدلال کیا ہے ، ان حضرات نے اِس اثر سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

ابن عمر رضؓ اپنے زیرِ کفالت یتامیٰ سے مال قرض لے لیتے تھے ۔ پھر باوجودیکہ مدیون ہوتے تھے مگر ان کی طرف سے دین کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے ۔ یہ صُورت موجودہ بینک اکاؤنٹس سے بہت قریب ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ دین متیقّن کو تقدیراً" دائن کے قبضہ میں قرار دیکر اُس سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے ۔

گزارش یہ ہے کہ :

اوّلاً : تو مذکورہ بالا اثر کا زیرِ بحث مسئلہ " کہ بینک اکاؤنٹس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں "، سے کوئی تعلق نہیں ، کیونکہ حضرت ابن عمر رضؓ یتامیٰ کے شرعی ولی تھے جن یتامیٰ کے مال میں بیع وشراء ، اجارہ ، وصولی محصولات ، نفقۂ اقارب وغیرہ کے جیسے اختیارات حاصل ہیں ، ان کے ذمّہ جیسے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے ۔ اسی طرح زیرِ کفالت یتامیٰ کے مال سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے حتیٰ کہ یتیم کی نیت کی بھی حاجت نہیں بلکہ ولی کی نیّت ہی کافی ہے ۔

ثانیاً : نابالغ پر زکوٰۃ کے نفس وجوب ہی میں اختلاف ہے ۔ ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے احناف کے نزدیک نہیں ۔ قال فی الاوجز ص ۱۶۷ ج ۳ : اختلف اهل العلم فی هذا الباب فرأی غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم فی مال الیتیم زکوٰة منهم عمر وعلی وعائشة وابن عمر وبه یقول مالك والشافعی واحمد واسحٰق وقالت طائفة من اهل العلم لیس فی مال الیتیم

زکوٰۃ وبہ قال سفیان الثوری وعبداللہ بن المبارک قال العینی وبہ قال ابوحنیفۃ واصحابہ .... الیٰ ان قال ..... وحکی عنہ اجماع الصحابۃ ۔

پھر جن کے نزدیک واجب ہے وہ حضرات بھی نابالغ کو اس کا مکلف نہیں بناتے بلکہ اس کے ولی کو مکلف بناتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ زکوٰۃ نکالے چنانچہ مغنی میں ہے : والصبی والمجنون یخرج عنہما ولیہما ۔

آگے چل کر لکھتے ہیں :

"فکان علی الولی اداؤہ عنہما کنفقۃ اقاربہ وتعتبر الولی فی الاخراج ۔"

پس ولی کے ذمہ ان دونوں کی طرف سے ادائیگی واجب ہے ۔ نفقۂ اقارب کیطرح اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے خود ولی ہی کی نیت کا اعتبار ہے ۔ یتیم کی نیت بھی ضروری نہیں ۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن حضرات کے نزدیک نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے ان کے نزدیک وجوب ادا علی الولی ہے خواہ وہ نابالغ کا مدیون ہو یا نہ ہو ۔ اگر مدیون ہو بھی سہی تب بھی یہ وجوب ادا من حیث الولی ہوگا ۔ نہ کہ من حیث المدیون ۔ ورنہ تو لازم آئے گا کہ اگر ولی مدیون نہ ہو تو پھر ان حضرات کے نزدیک بھی وجوب ادا علی الولی نہ ہو تو پھر گویا وجوب ادا کی علت مدیون ہونا قرار پایا نہ کہ ولایت ۔ وھذا باطل" ـــــــ اب مذکورہ گزارش کی روشنی میں "اثر ابن عمرؓ" پر غور کیجئے ۔ تو واضح ہو جائے گا کہ وہ اپنی پرورش میں یتامیٰ کی زکوٰۃ من حیث الولی نکالتے تھے جس کا اخراج (ان کے مسلک کے مطابق) بہرحال ان پر واجب تھا ۔ باقی رہا یہ فرمان کہ یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس سے بہت قریب ہے ۔ شکر ہے کہ موصوف کو بینک اکاؤنٹس کی نظیر مل گئی ۔ ورنہ ابتداءً دور اوّل میں اسکی نظیر ملنے کا ہی انکار کر دیا تھا ۔

باقی رہا یہ فرمان کہ دین متیقن کو تقدیراً دائن کے قبضہ میں قرار دے کر اس سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے ۔ یہ درست نہیں ۔ ویسے اس کے متعلق مفصل کلام گزر چکا ہے ۔

نیت کی بحث : "البلاغ" میں بینک سے کٹوتی زکوٰۃ کے لئے مالک کی نیت کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے نفس وصولی اور کٹوتی کو مالک کی

نیّت کے قائمقام قرار دیدیا گیا تھا۔ حالانکہ یہ دُرست نہیں۔ اِس سلسلہ میں تفصیلی بحث ملاحظہ ہو۔

جملہ عبادات کی صحّت کے لئے نیّت ضروری ہے۔ زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے اسکی صحتِ ادا، نیّت مالک پر موقوف ہے۔ درمختار میں ہے۔

"وشرط صحة ادائها نية مقارنة له ای للاداء الخ۔"[1]

ھدایہ میں ہے۔

"ولا یجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیّة مقارنة۔"

زکوٰۃ کے لئے اشتراطِ نیت کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کان الزکوٰۃ عبادة فکان من شرطها النیة۔"[2]

عنایہ میں ہے:

"کان الزکوٰۃ عبادة فلا بدلها من نیة الخ" (صفحہ مذکور)

علامہ کاسانی رح صاحب البدائع لکھتے ہیں:

"اما الذی یرجع الی المؤدی فنیّة الزکوٰۃ۔" آگے چل کر فرمایا: "لان الزکوٰۃ عبادة مقصودة فلا تتأدّٰی بدون النیة کالصوم والصلوٰۃ الخ"[3]

صحّتِ عبادات کے لئے نیّت کا وجود ایک اجماعی شرط ہے۔ علامہ ابن رشد رح مالکی لکھتے ہیں: "اختلف علماء الامصار هل النیة شرط فی صحة الوضوء ام لا بعد اتفاقهم علی اشتراط النیة فی العبادات لقوله تعالٰی وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین ولقوله صلی الله علیه وسلم انما الاعمال بالنیات الخ (تعلیق صبیح)"[4]

علامہ ابنِ نجیم رح نے بھی صحّت اَدائے زکوٰۃ بلکہ تمام عباداتِ مقصودہ میں نیّت کو اجماعی شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ کتاب الزکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

"وهی (النیة) شرط بالاجماع فی العبادات کلها المقاصد۔"[5]

فقہائے کرام کی ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عام

---

[1] شامیہ ص ۱۱ ج ۲ [2] فتح القدیر ص ۱۲۵ ج ۲ [3] بدائع ص ۴۰ ج ۲ [4] ص ۱۱ ج ۱ [5] بحر ص ۲۱۷ ج ۲

حالات میں زکوٰۃ کی ادائیگی بدون نیّتِ مالک شرعاً صحیح نہیں خواہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ ہو یا اموالِ باطنہ کی۔ کیونکہ یہ دونوں قسمیں مطلق زکوٰۃ کا فرد ہیں۔ اور عبادات مقصودہ میں سے ہیں۔

(الف): اسی فقدانِ نیّت کی بنا پر ترکہ میں سے بدونِ وصیّتِ میّت زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ بحر میں ہے:

"لومات من علیه الزکوٰۃ لا تؤخذ من ترکته لفقد شرط صحتها وهو النیة۔"[1]

(ب): اگر خود فقیر ہاتھ بڑھا کر مال اٹھالے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ بدائع میں ہے:

"لو هدّیده واخذه من غیر اداء من علیه لا تسقط عنه الزکوٰۃ۔"

حضرات ائمہ وفقہائے کرام کی ان واضح تصریحات کی روشنی میں جب ہم بینک اکاؤنٹس سے کٹوتی زکوٰۃ پر غور کرتے ہیں تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ بدون رضامندی مالکان کے اسے شرعاً زکوٰۃ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ اور صحتِ عبادات کے لئے بنیادی اور اجماعی شرط نیّتِ مالک اس میں مفقود ہے جس پر زکوٰۃ کا زکوٰۃ اور عبادت ہونا موقوف تھا۔ پہلے ہم لکھ آئے ہیں زکوٰۃ سرکاری ٹیکس نہیں، بلکہ رکنِ اسلام اور اہم ترین عبادات مقصودہ میں سے ہے۔ ٹیکس میں صرف تحصیلِ مال مقصود ہوتی ہے اور عبادات میں ایسا نہیں۔ اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ اس وقت زیرِ بحث عام حالات میں سرکاری وصولِ زکوٰۃ کا مسئلہ ہے بحالت انکار و امتناع مالک، کا نہیں لیکن البلاغ میں اجماعی شرط نیّت کو کالعدم قرار دینے کے لئے جتنی عبارات پیش کی گئی ہیں[2] وہ سب کی سب ممتنع کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ ان عبارات کے الفاظ ان کے ممتنع سے متعلق ہونے پر صراحتاً دلالت کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"لو امتنع عن زکوٰۃ ماله واخذها الامام کرهاً" الخ (بحر وشامی)

"یاخذها الامام قهراً" (مغنی) "زکوٰۃ الممتنع" (نہایۃ المحتاج)

کہ اگر کوئی شخص حکومت کے مطالبہ کے باوجود ادائیگی زکوٰۃ نہیں کرتا، تو آخری اور انتہائی اقدام کے طور پر اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اور اس صورت میں نیّتِ سلطان کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ "لیکن" جو مسئلہ ہمیں درپیش ہے اور جو صورت

---

[1] بحر ص ۲۲۷ ج ۲ [2] سوائے ایک عبارت کے ۱۲

ہمارے زیرِ بحث ہے وہ ایسی نہیں۔ اِس میں نہ حکومت کی طرف سے محصل بھیج کر اَدائیگیٔ زکوٰۃ کا کوئی بھی وانفرادی مُطالبہ پایا گیا اور نہ ہی عوام الناس نے اَدائیگیٔ زکوٰۃ سے انکار کیا تو اندریں حالات امتناع سے متعلقہ جُزیات سے استدلال کرنا بے سُود ہے بمفید مُدعا نہیں۔

جزئیۂ شامی پر بحث : قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت شُدہ شرط کو ساقط کرنے کے لئے "البلاغ" ۱۴۰۱ھ میں شامی کا ایک جزیہ پیش کیا گیا ہے۔ جو زیرِ بحث صُورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ متفق علیہ بھی نہیں۔ کیونکہ یہ جزئیہ ممتنع کے بارے میں ہے اور بحث عام حالات کے بارے میں ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرے متعدد جُزئیات موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ساعی امتناع مالک کی صُورت میں بھی جبراً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا۔ اور اگر وصول کرلے تو زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی۔ بحر میں ہے۔

"لو امتنع من ادائها فالساعی لا یوخذ منه کرهاً ولو اخذ لا یقع عن الزکوٰة لکونها بلا اختیار ولکن یجبره بالحبس لیؤدی بنفسه۔"

علامہ ابن نجیمؒ نے بحوالہ مجمع مزید نقل کیا ہے۔

" ولا ناخذها من سائمة امتنع ربها من ادائها بغیر رضاه بل نامره لیئودیها اختیاراً۔" درمختار میں ہے: ولو اخذها الساعی جبراً لم تقع زکوٰة لکونها بلا اختیار ولکن یجبره بالحبس لیؤدی بنفسه۔" الخ

نیز شامیہ کا یہ جزیہ خلاف اصول بھی ہے اسی لئے صاحب قنیہ نے اِس پر عدم نیت کا شُبہ ظاہر کیا ہے۔ اور حضرات فقہاء نے اس شبہ کو برقرار رکھا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اگرچہ اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن انہیں خود اپنے جواب میں تردّد اور تامّل ہے جیسا کہ جواب کے آخر میں لفظ "تامّل" کہنے سے ظاہر ہے۔ علامہ شامیؒ کے الفاظ یہ ہیں: قلتُ قول الکرخی مقام اخذه الخ یصلح جواباً تامّل۔ نیز اس کو علامہ ابن نجیم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ فما ذکره القاضی الاسبیجابی ان من امتنع عن ادائها اخذها الامام کرهاً ووضعها فی اهلها وتجزیه لان للامام ولایة اخذها فقام اخذه مقام دفع المالک باختیاره ضعیف الاشباه والنظائر ج ص ۳۰ ۔

جس جواب میں خود علامہ شامیؒ کو تامل ہے ۔ اسے بلا تامل کیسے قبول کیا جا سکتا ہے علاوہ ازیں یہ جزیہ زیر بحث صورت پر منطبق بھی نہیں ۔ جزئیہ سے حضور مالک مفہوم ہوتا ہے کہ حاضر مالک سے زکواۃ لی گئی تو یہ حکم ہے اور کٹوتی بنک میں مالک غائب ہے اس کی عدم موجودگی میں ہی از خود اس کے کھاتے سے زکواۃ کاٹ لی جاتی ہے ۔ حالانکہ حضراتِ فقہاء نے حضور مالک کو سرکاری وصولی کے لئے شرط قرار دیا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

الحاصل : صحت ادائے زکواۃ کے لئے نیت ، جو ایک اجماعی شرط تھی اس کو ساقط کرنے کے لئے ایسے خلافِ اصول ، اختلافی جزئیہ کا سہارا لیا گیا ہے ۔ جو زیر بحث صورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ اس پر منطبق بھی نہیں ۔ فلیتامل ۔ بظاہر ایسی کمزور بنیاد پر کسی اجماعی شرط کو ساقط کرنا مناسب نہیں ۔

تطبیق داصل : ابتداءً جبری کٹوتی کسی مال سے بھی نہیں ہو سکتی ۔ اور بصورتِ امتناع شرع میں حبس وغیرہ کے ذریعے ادائیگی پر مجبور کیا جائے اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو جبری وصولی سے اموالِ ظاہرہ کی زکواۃ ادا ہو جائے گی ۔ اموالِ باطنہ کی پھر بھی ادا نہ ہوگی ۔ دونوں قسم کے جزئیات میں تطبیق کی یہ ایک صورت ہے جو اصول کے مطابق ہے ۔ آخری درجہ میں جبری وصولی ایک استثنائی صورت ہے ۔

"البلاغ" کا دعویٰ : (سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے) البلاغ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ ،

" جن اموال کی زکواۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے ان میں حکومت کی وصولی کا نیت کے قائم مقام ہونا ائمہ اربعہ کے نزدیک مسلم ہے ۔" الخ

"البلاغ" کا یہ دعویٰ بھی محلِ نظر ہے کیونکہ اس عموم کے ساتھ یہ قائم مقامی ائمہ اربعہ تو کجا کسی امام کے نزدیک بھی مسلم نہیں ۔ "البلاغ" میں اس عمومی قائم مقامی پر کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی گئی ۔ اسی سلسلہ میں جو چند عبارات نقل کی گئی ہیں وہ ممتنع کی زکواۃ کے بارے میں ہیں ، جیسا کہ خود ان عبارات میں اسکی تصریح موجود ہے ۔

پس ان عبارات سے عام حالات کے لئے استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا ۔ بلکہ انہی میں سے

بعض عبارات صراحتاً اس امر پر دال ہیں کہ امتناع کی استثنائی صورت کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں مالک کی نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے۔

" ولا یجوز اخراج الزکاۃ الا ان یاخذها الامام قهراً الخ"

گویا کہ نیت کی قائم مقامی صرف جبری وصولی کی استثنائی و اضطراری حالت کے ساتھ خاص ہے اور عام حالات میں خود مالک کی نیت ضروری ہے اور یہ امر کسی اہل علم پر مخفی نہیں کہ مستثنیات سے قواعد مرتب کرنا درست نہیں۔

البلاغ کے اس دعویٰ کی تردید ان جزئیات سے بھی ہوتی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مثلاً وَلا یجوز اداء الزکوٰۃ الّا بنیۃٍ مقارنۃٍ الخ نیز دیکھئے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ کی وصول حکومت کا حق ہے۔ لیکن عام حالات کے اندر اس میں نیت مالک کے سقوط کا کوئی قائل نہیں بلکہ بحالت امتناع بھی قائم مقامی نیت اکثر تصریحاتِ فقہاء کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۲۲۔

کیونکہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی مطلق زکوٰۃ کا فرد ہے۔ اور عبادات مقصودہ میں سے ہے جن کی صحت کے لئے بالاجماع مکلف کی نیت شرط ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دیا ہو۔ اضطراری و استثنائی حالت زیر بحث نہیں۔

وصولیٔ زکوٰۃ کے موجودہ سرکاری نظام میں ایک بنیادی خرابی یہ بھی ہے کہ مالکان کی غیبوبت ہی میں کھاتے سے بنام زکوٰۃ رقم کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ حضرات ائمہ و فقہاء نے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے لئے بغرضِ تحقیق نیت حضور مالک کو شرط قرار دیا ہے مالک کی عدم موجودگی میں بنام زکوٰۃ اگر مالِ ظاہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا گیا تو شرعاً یہ زکوٰۃ متصور نہ ہو گی۔ جس سے یہ قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ مالِ ظاہر میں بھی سرکاری وصولی علی الاطلاق نیتِ مالک کے قائم مقام نہیں مثلاً ساعی مالک کی عدم موجودگی میں ریوڑ سے بنام زکوٰۃ بکری پکڑ

واضح رہے کہ بحالت امتناع حکومت مالکان سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتی ہے (عند تحقق امتناع حکومت کو جبر کے اختیارات ہیں) یہ وصولی شرعاً فیما بینہ و بین اللہ " زکوٰۃ ہو گی یا نہیں۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب میں اس کے متعلق اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ نہیں بنتی اگرچہ دوسرا قول اسکے خلاف بھی موجود ہے۔

لائے یا خرمن سے غلہ اُٹھا لائے ... تو یہ زکوٰۃ نہیں کچھ اور بنے گا۔

وصولیٔ زکوٰۃ سے متعلقہ تمام احادیث و آثار میں یہ امر قدرِ مُشترک کے طور پر موجود ہے کہ حضراتِ خلفائے راشدینؓ وغیرہ نے مالک کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی ہے۔ کسی ایک حدیث یا اثر سے بھی ثابت نہیں کہ سرکاری محصل مالک کی عدم موجودگی میں بنامِ زکوٰۃ کسی کا مال اُٹھا لایا ہو حضراتِ فقہاء کی اِس کے متعلق واضح تصریحات موجود ہیں سرکاری وصولی کے لئے شرط کا ذکر کرتے ہوئے امام ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں :

"ومنها ظهور المال وحضور المالك۔ وكذا اذا ظهر المال ولم يحضر المالك ولا الماذون من جهة المالك كالمبتضع ونحوه لايطالب بزكوٰته الا[1]"

"وفي الايضاح يشترط للاخذ حضور المالك والملك جميعاً فلو مر مالك بلا مال لا ياخذ ولو مر مال بلا مالك لم ياخذ ايضاً[2]"

یہی وجہ ہے کہ باوجود کمالِ نصاب، حولانِ حول اور مال ظاہر ہونے کے عاشر، مضارب مستبضع اور عبد ماذون سے زکوٰۃ نہیں لے گا کیونکہ مالک یا اس کا نائب ادائیگی زکوٰۃ میں موجود نہیں اور زکوٰۃ کا شرعاً زکوٰۃ بننا مالک کی نیّت پر موقوف ہے۔ جو اندریں صُورت مفقود ہے ہدایہ وغیرہ تمام کتب معتبرہ میں یہ مسائل موجود ہیں۔

ولا يؤخذ ايضاً من مال في بيته مطلقاً ولا من مال بضاعة ولا من مال مضاربة ولا من كسب ماذون مديون[3]

اِس تفصیل سے ظاہر ہے کہ البلاغ کا ذکر کردہ کلیہ : " جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے " الخ

دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ خلافِ دلیل ہے۔

نیّت کے سلسلے میں آخری بات "البلاغ" نے یہ لکھی ہے کہ :

اگر کوئی فضولی کسی کے مال سے زکوٰۃ ادا کر دے تو جب تک مال فقیر یا اس کے وکیل کے

---

[1] ص ۳۶/۲ [2] شامیہ ص ۵۸ ، [3] تنویر مع شرحہ علی هامش رد المحتار ص ۴۳/۲ مصری جدید

قبضے میں ہو اُس وقت تک اصل مالک زکوٰۃ کی نیت کرکے اُس کی اجازت دے سکتا ہے، اسکی تصریح فقہاء حنفیہ کے کلام میں موجود ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

رجل ادّی زکاۃ غیرہ عن مال ذلک الغیر المالک، فان کان المال قائماً فی ید الفقیر جاز والا فلا کذا فی السراجیہ۔

گزارش یہ ہے کہ جزئیہ بالا اِس صورت کے بارے میں ہے جبکہ فضولی نے اصل مالک کے مال سے زکوٰۃ اَدا کی ہو۔ اور اگر فضولی نے دُوسرے کی زکوٰۃ اپنے مال سے اَدا کی ہے۔ تو صحتِ زکوٰۃ کے لئے پیشگی اجازت ضروری ہے۔ فقیر کو دینے کے بعد اصل مزکّی کی نیت معتبر نہیں ہے۔ البحر الرائق میں ہے۔

لو ادّی زکوٰۃ غیرہ لغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز لانہا وجدت نفاذاً علی المتصدق لانہا ملکہ ولم یصر نائباً عن غیرہ فنفذت علیہ

اور بینک سے کٹوتی زکوٰۃ دُوسری صُورت میں داخل ہے۔ کیونکہ یہ مال بینک کا مملوک ہے۔ بینک کھاتہ دار کی زکوٰۃ اپنے مال سے اَدا کرکے اُس کے نام ڈال دیتا ہے تقدیری قبضے کی مُفصل تردید پہلے گزُر چکی ہے۔

مالِ ضمار کی تحقیق

زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کے نفاذ کے بعد علمی حلقوں میں اس کے بعض حصّوں پر اشکالات پیدا ہو گئے تھے خصوصاً اموال ظاہرہ وباطنہ کی بحث، قرض سے وضع زکوٰۃ کا مسئلہ "صحت زکوٰۃ کے لئے نیت مالک کا ضروری ہونا" وغیرہ ——— اسی سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ "مالِ ضمار" اور "دین ظنون" کی تحقیق کا بھی ہے اسی مسئلہ کے متعلق ملک کی ایک نامور علمی شخصیت کی طرف سے ایک علمی تحریر موصول ہوئی جس کا اکثر حصّہ بندہ کے نزدیک محلِ نظر تھا اور مسائل زکوٰۃ پر چونکہ یہ مسئلہ اثر انداز ہو سکتا تھا اس لئے "مالِ ضمار" اور "دین ظنون" کی تحقیق افادۂ عام کے لئے پیشِ خدمت ہے۔

قرضہ جات کی زکوٰۃ

قابلِ وصولی قرضہ جات کی ادائیگیٔ زکوٰۃ کا محتاط طریقہ یہ ہے کہ سالِ زکوٰۃ پورا ہونے پر اپنے دوسرے اموالِ زکوٰۃ کے ساتھ ان قرضوں کو بھی شمار کر لیا جائے اور پھر اپنے ذمّہ واجب الادا قرضہ جات کو منہا کر کے باقیماندہ کُل مالِ زکوٰۃ کی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

۲۔ اور اگر کوئی شخص اپنے قابل وصول قرضہ جات کی زکوٰۃ، وصولی کے بعد ہی ادا کرے، تو یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ وجوب ادا، وصولی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

۳۔ اور اگر کسی قرضے یا مال کی بازیابی سے قریب قریب مایوسی ہے۔ تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ایسا مال وصول بھی ہو جائے تو بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں۔ شریعت میں اسے مالِ ضمار کہا جاتا ہے۔

مال ضمار کی پہلی تعریف

حضرات ائمہؒ نے مال ضمار کی متعدد تعریفات کی ہیں۔
المال الضمار ھوالغائب الذی لایرجیٰ فاذا رجیٰ فلیس بضمار۔
(لسان العرب صـ۴۹۲ ج۴۰۹۲ نہایہ فی غریب الحدیث صـ۲۷ ج۳)

ترجمہ: مالِ ضمار وہ مالِ غائب ہے جس کی امید نہ ہو پس جس مال کی امید ہو وہ مالِ ضمار نہیں" عرف، محاورات اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ تعریف ضمار کے مندرجہ بالا دونوں جملوں میں لفظ "امید" سے مراد" ذراسی امید نہیں بلکہ امید کا معتدبہ درجہ مراد ہے پس ضمار وہ مالِ غائب ہے جسکی بازیابی کی معتدبہ امید باقی نہ رہی ہو ——— اور اگر بالکل مایوسی ہوگئی ہو تو ایسا مال بطریق اولیٰ مالِ ضمار ہوگا۔

اسی طرح جس مال کی بازیابی کی معتدبہ یا مکمل امید ہے وہ مالِ ضمار نہیں ——— پس ذراسی امید بازیابی سے کوئی مال "ضمار" ہونے سے خارج نہ ہوگا۔ جبکہ مایوسی وناامیدی کا پہلو غالب ہو ——— اعتبار "ظن غالب" کا ہے اور اس کے مقابلے میں موہوم و مرجوح پہلو کو کالعدم تصور کیا جائے گا۔ ضمار بننے نہ بننے کا مدار اس پر نہیں۔

عرف عام اور احکام شرعیہ میں اس کے بہت سے نظائر ہیں۔ ا۔ قرآن کریم میں ہے:
اولٰئك یرجون رحمت اللّٰہ (البقرہ) اس آیت شریفہ میں رحمت خداوندی کی ذراسی امید مراد نہیں بلکہ اس کا ایسا درجہ مراد ہے جو ہجرت وجہاد کے لئے محرک بنا۔

۲۔ باب التیمم میں ہے ویستحب لعادم الماء وھو یرجوہ ان یؤخر الصلوٰۃ ھدایہ صـ۳۶ ج۱۔
اس جملہ میں پانی پانے کی ذراسی امید مراد نہیں بلکہ امید قوی مراد ہے۔

۔ درمختار میں ہے وندب لراجیہ رجاءً "قویا" الخ قال الشامی المراد بہ غلبۃ الظن ومثلہ التیقن (صـ۲۲۹) ۳۔ اسی باب میں ہے یخاف ان استعمل الماء اشتد مرضہ تیمم۔ پانی استعمال کرنے سے اگر زیادتی مرض کا خوف ہو تو تیمم کرلے ——— اس میں بھی زیادتی مرض کا ذراسا اندیشہ وخوف مراد نہیں کہ ذراسا اندیشہ بھی ہو تو تیمم کرلے بلکہ اس کا غلبۂ ظن مراد ہے۔ درمختار صـ

۴۔ صلوٰۃ مریض میں حضرات فقہاءؒ لکھتے ہیں اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے زیادتی مرض کا خوف ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے یہ مریض ہے اور اگر یہ خوف نہیں تو مریض نہیں۔
ان دونوں جملوں میں ذراسا خوف مراد نہیں۔ بلکہ معتدبہ خوف مراد ہے جو غلبۂ ظن سے ثابت

ہو۔ زیادتی مرض کا معتدبہ خوف ہے تو مریض ہے ورنہ مریض نہیں گو ذرا سا اندیشہ موجود بھی ہو۔
درمختار میں ہے او خاف زیادۃ المرض ——— قال الشامی لمغلب علی ظنہ بتجربۃ سابقۃ الخ (شامیہ ص۱۰۹ ج۱) لان غلبۃ الظن بمنزلۃ الیقین فاذا تحری وغلب علی ظنہ شیء لزمہ الاخذ بہ اھ (ص۱۰۷ ج۱ شامی)

ایک دُوسرے مقام پر علامہ شامی لکھتے ہیں لان غالب الرأی بمنزلۃ الیقین۔

حضرات فقہاءؒ نے بلامبالغہ سینکڑوں مقامات پر پوری قطعیت کے ساتھ یہ ضابطہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ ظنِ غالب کے مقابلے میں احتمال مرجوح وموہوم کا وجود وعدم برابر ہے۔ پس اگر وصولی میں ناامیدی ومایوسی کا پہلو غالب ہے تو یہ مال ضمار ہے اگرچہ ذرا سی امید وصولی بھی اس کے ساتھ موجود ہو۔ عقود رسم المفتی میں ہے والمرجوح بمقابلۃ الراجح بمنزلۃ المعدوم ص۳

انکاری دین

یہی حقیقت خود مال ضمار کے بعض افراد پر نظر کرنے سے بھی سامنے آتی ہے۔ دین مجحود (دینِ انکاری) کو بالاتفاق مالِ ضمار میں شمار کیا گیا ہے۔ بہت سے مشائخ نے اس کے ضمار بننے کے لئے اس قید کا اضافہ کیا ہے۔ کہ دینِ مجحود پر شہادت موجود نہ ہو۔ ——— اور امام محمدؒ نے شہادت یعنی بینہ ہوتے ہوئے بھی اسے مال ضمار قرار دیا ہے مشائخؒ کی ایک جماعت نے اسی کو صحیح کہا ہے:

ففی الدر والشامیۃ: وعن محمدؒ لا زکاۃ فیہ وھو الصحیح ذکرہ ابن ملک وغیرہ لان البینۃ قد لا تقبل صححہ فی التحفۃ کما فی غایۃ البیان وصححہ فی الخانیۃ ایضاً وعزاہ الی السرخسی بحر وفی باب المصرف من النہر عن عقد الفرائد ینبغی ان یعول علیہ قلت ونقل الباقانی تصحیح الوجوب عن الکافی وھو المعتمد والیہ مال فخر الاسلام اھ ص۱۲

قاضی خان کی تصحیح بہت زیادہ وزن رکھتی ہے۔ عقود رسم المفتی میں ہے قد قال العلامۃ قاسم ان قاضی خان من احق من یعتمد علی تصحیحہ (ص۳۳)

مبسوط (جو کتب ظاہر الروایۃ میں سے ہے) میں مالِ ضمار بننے کے لئے بیّنہ کو شرط قرار نہیں دیا گیا
قاضی خان فرماتے ہیں وفی الاصل لم یجعل الدین المجحود نصاباً ولم یفصل بین ما اذا کان لہ بینۃ عادلۃ اولا قال السرخسیؒ والصحیح جواب الکتاب ای الاصل اذ لیس کل قاض یعدل ولا کل بینۃ تقبل والجثو بین یدی القاضی ذلٌ وکل واحد لا یختار ذالک اھ (کذا نقلہ الشامیؒ ۸۵)

کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ میں بھی امام محمدؒ نے انکاری دین کو بلاکسی شرط کے مال ضمار قرار دیا ہے (مبسوط ۴۲؎) بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ پہلے مقر تھا لیکن ادائیگی نہیں کرتا دائن کے دعوی کرنے پر قاضی کے پاس مدیون منکر ہو گیا اس پر دائن نے بینہ سے دین ثابت کر دیا تزکیہ شہود میں کافی وقت گزر گیا تو ایسا دین یوم انکار سے مال ضمار شمار ہوگا خانیہ میں ہے : وان کان مقرا فلما قدمہ الی القاضی جحد فقامت علیہ البینۃ ومضی زمن فی تعدیل الشہود ثم عدلوا اسقطت عنہ الزکوٰۃ من یوم جحد عند القاضی الی ان عدل الشہود (ھامش ۱۳۱/۱ج)

حضرات فقہاء کی تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ انکاری دین ضمار میں شمار ہے اگرچہ اس پر بینہ موجود ہوں بلکہ شہادت ادا بھی کی جا چکی ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے دین کے بارے میں "ذرا سی امید" سے کئی گنا زیادہ امید وصولی ہوتی ہے مگر اس کے باوجود یہ مال ضمار ہونے سے خارج نہیں ہو سکا ـــــ یہ ایک قول مصحح کے مطابق کلام تھا ـــــ اور اگر انکاری دین پر بینہ موجود نہیں تو احتمال نکول کی بنا پر فی الجملہ امید وصولی ہے ـــــ اسلامی معاشرے میں انکاری مدیون اور غاصب کے تائب ہو جانے کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدیون کسی مجلس میں اقرار کر بیٹھے اور اقرار پر بینہ مہیا ہو جائے، یا مدیون کا کوئی مال دائن کے ہاتھ لگ جائے (جیسے کہ بات پرانی ہو جانے سے بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے) اور اس سے دائن اپنا مال وصول کر لے، اور قطعی بات ہے کہ ان احتمالات کی موجودگی میں "ذرا سی امید وصولی" کی نفی نہیں کی جا سکتی، حالانکہ ایسے دین کا مال ضمار میں شامل ہونا مذاہب اربعہ میں متفق علیہ ہے ـــــ ہاں اصل انکار پر نظر کرتے ہوئے وصولی کی معتد بہ امید یا غالب امید نہیں کیونکہ یہ احتمالات مذکورہ یقین یا غلبۂ ظن کو پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں۔

خلاف اجماع اگر ذرا سی امید سے مال کا ضمار ہونا منتفی ہو جاتا ہے تو "دین مجحود" تفصیل بالا کی روشنی میں قطعاً مال ضمار نہیں بن سکتا حالانکہ ائمۂ اربعہؒ کے نزدیک بالاتفاق یہ مال ضمار کا فرد ہے پس معلوم ہوا کہ "ذرا سی امید" کی موجودگی مال کو اس کے "ضمار ہونے" سے خارج نہیں کرتی۔

تصریح بندہ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ بحوالہ محیط فتاوی عالمگیری میں مال ضمار کی لعینہ یہ تعریف مل گئی کہ مال ضمار بننے کے لئے اتنا کافی ہے کہ عدم بازیابی کا "ظن غالب" ہو۔

عالمگیری میں ہے : وذلک مثل الضمار وھو کل ما بقی فی ملکہ ولکن زال عن یدہ

ذوالاً لایرجی عودہ فی الغالب (ص۸۹ ج۳)

اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ فتاویٰ عالمگیری سینکڑوں علماء کی اجتماعی کاوشوں کا ثمرہ ہے لہٰذا اس تعریف کو اجماعِ امت کے خلاف نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پس ان دلائل کی روشنی میں محقق ہوا ــــ کہ مالِ ضمار کی اوّل الذکر عربی تعریف کا یہ ترجمہ کرنا محض تساہل ہے کہ:

تحریرِ علمی کے مطابق ضمار کی تعریف

"مالِ ضمار وہ ہے جس کی وصولی سے بالکل مایوسی ہو گئی ہو ــــ اور اگر اس کے وصول ہونے کی ظاہر الاسباب میں ذرا بھی امید ہو تو وہ ضمار نہیں (تحریرِ علمی) یا یہ کہنا کہ جس کی وصولی سے مایوسی ہوچکی ہو اور اس کے وصول ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو" ص۱)

سب تسامح در تسامح ہے ــــ اور مالِ ضمار کی اپنی اس تعریف کو بلا کسی ادنیٰ شک کے ثابت کہنا اہلِ تحقیق کی شان کے خلاف ہے۔

الحاصل مالِ ضمار کی تعریف یہ ہے کہ جس کی عدمِ وصولیابی کا ظن غالب ہو ــــ اور دینِ ظنون بھی تقریباً یہی ہے کہ اسکی وصولیابی کا بھروسہ نہ ہو گویا دائن اسکی وصولیابی سے مایوس ہے۔ لما سیأتی مفصلاً

دوسری تعریف

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: وتفسیر مال الضمار ھو کل مال غیر مقدور الانتفاع به مع قیام اصل الملك" (بدائع الصنائع ج۲) ترجمہ: مالِ ضمار ہر وہ مال ہے باوجود قیامِ ملک کے اس سے انتفاع پر قدرت نہ ہو۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

معناہ مال یتعذر الوصول الیہ مع قیام الملک (مبسوط ص۱۷۱ ج۲)

علامہ ابن نجیمؒ مصری لکھتے ہیں:

وھو فی اللغة الغائب الذی لایرجی فاذا رجی فلیس بضمار، واصلہ الاضمار وھو التغیب والاخفاء . . . . وفی الشرع کل مال غیر مقدور الانتفاع بہ مع قیام اصل الملك

(البحر الرائق ص ۲۲-۲۷ ج۲)

اس کے علاوہ درمختار ص ۹ ج۲ عنایہ ص ۱۲۱ ج۲، کفایہ ص ۱۲۲ ج۲ عمدۃ الرعایہ ص ۲۷۰ ج۱ پر بھی مالِ ضمار کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

مالِ ضمار کی اس تعریف میں بالکل نا امیدی، مکمل مایوسی وغیرہ کا کوئی لفظ موجود نہیں متعدد حضرات نے اس تعریف کو بلفظِ قیل نقل کیا ہے علامہ عینی فرماتے ہیں: المال الضمار بالکسر هو مال غائب لا یرجی حصوله فان رجی فلیس بضمار...... وقیل هو ما یکون عینه قائماً ولا یکون منتفعاً به ماخوذ من قولهم بعیر ضامر وهو الذی یکون فیه اصل الحیوة ولا ینتفع به لشدة هزاله (کذا فی البنایہ ص ۲۴)

تیسری تعریف حافظ المغرب علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ نے مالِ ضمار کی تعریف ذیل نقل کی ہے۔

وفی اوجز المسالک فانه کان ضماراً لا یقدر علی اخذه وقال ابن عبد البر

وقیل الضمار الذی لا یدری صاحبه ایخرج[1] ام لا وهو اصح (ص ج ۱۴۴/۳)

مالِ ضمار وہ ہے کہ جس کے مالک کو معلوم نہ ہو کہ اس کی وصولی ہو سکے گی یا نہیں یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ مالک اس کی وصولی سے تقریباً نا امید ہے جیسے کہ امام ابو عبید کی آئندہ تشریح سے ظاہر ہے۔

واضح رہے کہ ائمۂ لغت نے تقریباً انہی الفاظ سے دین ظنون کی بھی تعریف کی ہے امام ابو عبید کے الفاظ یہ ہیں الظنون الذی لا یدری صاحبه أیقضیه الذی علیه الدین ام لا کانه الذی لا یرجوه :

(غریب الحدیث ص ۳۶ ج ۳)

حافظ ابن عبد البر مالکی اور امام ابو عبید کی ان تعریفات سے ایک بات تو یہ سامنے آئی کہ مالِ ضمار اور دین ظنون دونوں اموال ایک ہی نوعیت کے ہیں ان میں تباین نہیں کیونکہ دونوں کی تعریف میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ______ دوسرے یہ کہ امام ابو عبید کی تعریف کے آخری جملے سے اس تیسری تعریف کے معنیٰ کی وضاحت ہو گئی کہ "ضمار" ایسا مال ہوتا ہے جس کے متعلق مالک

[1] ایخرج ام لا کی تعبیر سے بعض حضرات کو شبہ ہوا کہ اس کا مطلب ہے کہ امید و عدم امید دونوں مساوی ہیں یہ درست نہیں اور محاورات میں قلت تدبر کا نتیجہ ہے آپ کسی سے پوچھیں کیا زید حافظ ہے وہ جواباً کہے کہ معلوم نہیں کہ وہ حافظ ہے یا نہیں تو کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ آدھے قرآن کا حافظ ہے آدھے کا نہیں قطعاً نہیں بلکہ اس کا مطلب عدم علم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم مفصل کلام آئندہ مجلس میں کریں گے۔

نہیں جانتا کہ وصول ہو گا یا نہیں گویا کہ وہ اس کی وصولی سے مایوس ہے۔

امام ابوعبید کی تشریح کی روشنی میں مال ضمار کی اس تعریف کا معنیٰ بھی تقریباً اول الذکر تعریفات کے مطابق ہو گیا ——— حاصل یہ ہوا کہ مکمل مایوسی ہو۔ یا مایوسی کی حالت ہو۔ دونوں صورتوں میں مال ضمار ہو گا۔

بعض حضرات نے ابن عبدالبر کی اس تعریف پر اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے اگر اس تعریف کو درست قرار دیا جائے تو جمہور فقہاء، وائمہ لغت بلکہ امت کے تمام علماء کے اقوال کو ترک کرنا پڑیگا۔ (ص۲ تحریر علمی) ——— گویا کہ یہ تعریف اجماع اُمت کے خلاف ہے۔

مگر حضرت مولانا نے اتنے بڑے دعویٰ پر کسی عالم کے قول سے کوئی سند پیش نہیں کی جس نے اس تعریف کو خلاف اجماع قرار دیا ہو۔

یہ بات بھی سمجھ نہیں آئی کہ علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ، علامہ زرقانی حضرت شیخ الحدیث رحمہم اللہ اجمعین، جو اپنے اپنے دور میں صف اول کے علماء راسخین میں سے ہیں انہیں علماء امت کی فہرست سے کیسے خارج سمجھ لیا گیا۔

علامہ زرقانیؒ اور حضرت شیخ الحدیث دونوں نے شرح مؤطا میں زیر بحث تعریف کو بلا کسی نکیر کے نقل کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن عبدالبر کی بیان کردہ یہ تعریف درست ہے اور دیگر ائمہ لغت وحدیث کی بیان کردہ تعریفات کے مخالف نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

دراصل جناب موصوف کو مال ضمار کی پہلی اور تیسری تعریف کا مطلب سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان کے نزدیک پہلی تعریف کے مطابق مال ضمار وہ ہے جس کی وصولیابی کی بالکل ذرا بھی امید نہ ہو اور تعریف ثالث کا معنیٰ ان کے نزدیک یہ ہے جس میں وصولی وعدم وصولی کے دونوں احتمال برابر ہوں یعنی کم از کم وصولی کی پچاس فیصد امید ہو۔

اور ظاہر ہے کہ مال ضمار کے متعلق ان دونوں ترجموں میں واضح تضاد پایا جاتا ہے اسی لئے تعریف ثالث کو خلاف اجماع قرار دے رہے ہیں ——— حالانکہ نہ پہلی تعریف کا یہ مطلب بیان کرنا درست ہے نہ

تیسری کا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

ایک اشکال

اس تعریف ثالث پر مولانا نے یہ اشکال کیا ہے۔ اگر ایک اجنبی معسر مجھ سے قرض مانگتا ہے جس کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں کہ وہ ادا کریگا یا نہیں ——— کیا اس پر حافظ ابن عبد البر کی یہ تعریف صادق نہیں؟ لیکن کیا اسے مال ضمار قرار دے کر اس پر عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ نہیں کیونکہ معسر اور مماطل پر جو دین ہو اس پر وجوب زکوٰۃ حنفیہ کے نزدیک مسلم ہے۔

گزارش ہے کہ اس تعریف کا اس پر صادق ہونا نہ ہونا بعد کی بات ہے۔ پہلے یہ سوچنا ہے کہ ایک اجنبی معسر جس سے وصولیابی کا یقین وبھروسہ تو کجا اندازہ بھی نہیں۔ ایسے اجنبی کو کوئی شخص قرض دیتا بھی ہے؟ خیرات کر کے حصول ثواب مقصود ہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ قرض تو ہمیشہ اعتماد ہی کی جگہ پر دیا جاتا ہے جہاں سے وصولی کی امید ہو، یہ الگ بات ہے کہ امید غلط نکلے جہاں پر وصولی مشکوک یا نا امیدی ہو وہاں کوئی قرض نہیں دیتا۔ لہذا ابن عبد البر کی یہ تعریف اس پر صادق نہیں، اسلئے یہ مال ضمار میں داخل نہیں **الحاصل**: معنیٰ کے لحاظ سے تعریف ثالث تعریف اول کے موافق ہے۔ ان میں کوئی واضح مخالفت موجود نہیں پس اسے خلاف اجماع امت قرار دینا درست نہیں۔

باقی اگر لفظ "رجاء" کی نفی پر مدار ہے تو یہ لفظ تعریف ثانی میں بھی موجود نہیں جس کا حضرات جمہور کی تعریفات کے موافق ہونا محترم مولانا کے نزدیک مسلم ہے۔ نیز غیر مقدور الانتفاع ہونا غیر مرجو الوصول ہونے کو مستلزم بھی نہیں۔

اصح تعریف اول وثانی میں سے علماء نے کسی کو اصح نہیں کہا۔ اور تعریف ثالث کے متعلق حافظ ابن عبد البر نے اصح ہونے کی تصریح کی ہے ——— تعجب ہے کہ موصوف اسی تعریف کو نعوذ باللہ اپنے خیال سے اجماع امت کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔

چوتھی تعریف امام فراء نے ضمار کی یہ تعریف فرمائی ہے۔

الضمار من الدین .... ما کان بلا اجل معلوم (لسان العرب ص۴۹۳)

ترجمہ: ضمار وہ دین ہے جس کی اجل معلوم نہ ہو۔

ضمار کی اس تعریف سے بھی ہمارے بیان کردہ معنیٰ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ کسی دین میں اجل کا

معلوم نہ ہونا اسکی وصولی سے "بالکل مایوسی" کے مترادف نہیں ۔

مالِ ضمار کی پانچویں تعریف

علامہ ابن منظور نے ضمار کی ایک یہ تعریف بھی نقل کی ہے ۔

"الضمار ما لا یرجیٰ من الدین والوعد وکل ما لا تکون علیٰ ثقة (لسان العرب ص ۴۹۳)

ترجمہ: ضمار وہ دین یا وعدہ ہے جو غیر مرجو الوصول ہو اور ہر وہ چیز جسکی وصولیابی کا پکّا بھروسہ نہ ہو۔
اس تعریف سے معلوم ہوا جیسے غیر مرجو الوصول دین "ضمار" ہے اسی طرح وہ بھی ضمار ہے جسکی وصولی کا بھروسہ نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وصولی کا بھروسہ نہ ہونا "مکمل مایوسی" یا امید کے بالکلیہ انقطاع پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ "دین ظنون" کی تشریح میں خود مولانا صاحب نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ :

"امید ہے لیکن بھروسہ نہیں" (تحریر علمی ص ۵)

الحاصل : "ضمار" بننے کے لئے بازیابی سے "بالکل مایوسی" یا "ذرا سی امید" کا نہ ہونا ضروری نہیں،

متفق ومتحد ہیں تحقیق بالا کے مطابق مالِ ضمار کی مذکورہ بالا تعریفات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ یہ سب تعریفات معنوی لحاظ سے متفق اور متحد ہو جاتی ہیں جبکہ "تحریر علمی" میں بیان کردہ تعریف ضمار ان تعریفات کے خلاف ہے ۔

واضح فیصلہ دین کی دو صورتوں کا حکم تو متفق علیہ ہے ۔
۱۔ وصولیٔ دین کی اگر سو فیصد امید ہے تو یہ بلاشبہ دین ثقہ ہے اسپر وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب الادا ہے ۔

۲۔ بازیابی سے اگر سو فیصد نا امیدی ہے تو یقیناً مالِ ضمار ہے ۔ وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب الادا نہیں اب ان کے علاوہ باقی دو صورتوں کا حکم قابلِ غور ہے ۔ جبکہ اکثر مروج بھی یہی صورتیں ہیں ۔

۳۔ اگر امید وصولی غالب ہے مثلاً نوے پچانوے فیصد امید ہے اور صرف ۱۰، ۵ فیصد نا امیدی ہے

۴۔ نا امیدی غالب ہے صرف ۱۰، ۵ فیصد امید ہے ۔

قابل تحقیق امر یہ ہے کہ یہ مال ضمار میں شامل ہیں یا دین ثقہ میں؟ ان دو صورتوں کے بارے میں چار احتمال ہیں۔

۱۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر کی کسی قسم میں داخل نہ ہوں یعنی یہ نہ دین ثقہ ہوں نہ مال ضمار یہ احتمال باطل ہے اس لئے کہ اس سے ان کے متعلق حکم زکوٰۃ سے جہالت اور اہمال شریعت لازم آتا ہے نیز ارتفاع نقیضین بھی ہے یعنی وجوب زکوٰۃ کی نہ نفی ہے نہ اثبات۔

۲۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر ہر قسم میں شامل ہوں۔ یہ بھی باطل ہے کیونکہ اجتماع نقیضین ہے کہ سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب بھی ہے اور واجب نہیں بھی۔

۳۔ مغلوب پہلو کو مدار حکم بناتے ہوئے یہ کہا جائے کہ تیسری صورت "مال ضمار میں" اور چوتھی صورت "دین ثقہ" میں داخل ہے اسلئے تیسری صورت میں زکوٰۃ ماضی واجب نہیں اور چوتھی صورت میں واجب ہے۔ یہ بھی بدیہی البطلان ہے کیونکہ پچانوے فیصد امید وصولی کے باوجود اگر زکوٰۃ واجب نہیں تو صرف پانچ فیصد امید وصولی کی صورت میں زکوٰۃ کیونکر واجب ہو سکتی ہے۔

۴۔ اکثر و اغلب پہلو کا اعتبار کرتے ہوئے تیسری صورت کو دین ثقہ اور چوتھی صورت کو "مال ضمار" میں شمار کیا جائے۔ دلائل عقلیہ، نقلیہ، شرعیہ، عرفیہ کی روشنی میں یہی احتمال حق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ موہوم دین کی ذرا سی امید کا ہونا مال ضمار بننے کے منافی نہیں اور مال ضمار وہ ہے جس کی بازیابی سے مایوسی ہو یا عدم بازیابی کا ظن غالب ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسک الختام | مسودہ کتابت کے لئے حوالے کیا جا چکا تھا کہ مال ضمار کی تعریف کے متعلق مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا بندہ کی موافقت میں ایک واضح فیصلہ وفتویٰ دستیاب ہو گیا فللہ الحمد والمنۃ الف الف مرۃ۔ اس موافقت سے بعید مسرت ہوئی ـــــ جن قرضہ جات میں امید وناامیدی ملی جلی ہوتی ہے۔ ایسے قرضوں پر وجوب زکوٰۃ اور سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں

الجواب

"اس میں اقوال مختلف ہیں اور ہر جانب تصحیح بھی کی گئی ہے جس کی تفصیل رد محتار ج ۲

ص ۱۴، وص ۹۹ مطبوعہ مصر میں موجود ہے .... بندہ کے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختار یہ ہے کہ جس قرض کے وصول ہونے کی امید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حولان حول آئندہ صرف اسی قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ومتمسکی فیہ ما فی رد المحتار بعد نقل عبارۃ النہر عن الخانیۃ قولہ قلت وقد قدمنا اول الزکوٰۃ اختلاف التصحیح فیہ ومال الرحمتی الی ھذا وقال بل فی زماننا یقر المدیون بالدین وبملاتہ ولا یقدر الدائن علی تخلیصہ منہ فھو بمنزلۃ العدم ج ۲ ص ۹۹ واللہ اعلم (یکم محرم ۱۳۲۹ھ تتمہ اولیٰ ص ۵۳)

(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۳)

اس فتویٰ سے ظاہر ہے کہ جس قرضے کی وصولی کی ضعیف امید بھی ہو وہ بھی مالِ ضمار میں شامل ہے ——— فقط واللہ اعلم بالصواب :

وصولئ زکوٰۃ کے موجودہ نظام میں درج ذیل مفاسد ہیں:

۱۔ موجودہ نظام میں بینک اکاؤنٹس کو اموالِ ظاہرہ قرار دیکر حکومت کو جبری وصولی کا اختیار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اموالِ باطنہ ہیں۔

۲۔ نیّتِ مالک جو زکوٰۃ اور جملہ عبادات کے لئے ایک اجماعی شرط ہے۔ اسے غیر ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔

۳۔ موجودہ نظام میں مالک کی غیبوبت ہی میں اسکی زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے حالانکہ حضرات فقہاءؒ نے سرکاری وصولئ زکوٰۃ کے لئے حضورِ مالک کو شرط قرار دیا ہے۔ ردالمحتار۔ بحر۔

۴۔ بینک کے اموال حکومت کے ذمہ کھاتہ داروں کا قرض ہیں اور دیون میں وجوب ادا بعد القبض ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ۔ امام مالکؒ۔ امام احمدؒ۔ امام شافعیؒ اور دیگر بڑے علماء اسی کے قائل ہیں۔ جب کھاتہ داروں کی طرف سے وصولی نہ پائی گئی۔ تو وجوب ادا ہی نہ ہوا لہٰذا امتناع متحقق نہ ہوا۔ اس لئے جبری کٹوتی کی حکومت مجاز نہیں ہے۔

۵۔ مصارف زکوٰۃ میں سخت بے احتیاطی ہو رہی ہے۔ کالجوں میں ایک ایک فرد کو ہزاروں روپے دیئے جاتے ہیں۔

۶۔ موجودہ نظامِ زکوٰۃ میں ایک بُنیادی خرابی یہ ہے کہ اہلِ تشیع اور غالباً احمدیوں کے کھاتوں کو وصولی زکوٰۃ سے الگ رکھا گیا ہے۔ اسطرح تشیع وارتداد کا دروازہ کھل گیا ہے۔ بعض مُسلمان کھاتہ داران شیعیت کا فارم پُر کر کے اپنے کھاتے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرا لیتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر یہ خاندان شیعیت اختیار نہ کر لے۔ یہ مسئلہ بھی قابلِ غور ہے، کہ اسطرح شیعیت کا فارم پُر کرنے سے وہ شخص کہاں تک مسلمان رہتا ہے۔

۷۔ شیعہ طلباء کو زکوٰۃ فنڈ سے امداد دی جاتی ہے اور وہ طلبہ تحریکِ فقہ جعفریہ کے دست و بازو بنتے ہیں۔ اور اہلِ اسلام کے خلاف اپنی منفی سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں، اسطرح سے زکوٰۃ فنڈ سے جو صرف اہلِ سنت والجماعت کا اسلامی فنڈ ہے اہلِ سنت اور اسلام کے خلاف استعمال ہو رہا ہے

۸۔ اس کے علاوہ بھی بعض دیگر مفاسد ہیں حضرات علماء نے انکی نشاندہی فرمائی ہے۔

موجودہ نظامِ زکوٰۃ باقی رکھا جائے مگر درج ذیل اصلاحات کے بعد

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں:

۱۔ موجودہ وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے کیا طریق کار اختیار کیا جائے؟ اور کیا اصلاحات روبہ عمل لائی جائیں؟ یہ مسئلہ قابلِ غور ہے اور اس سے پہلے اس امر کا فیصلہ ہونا چاہیئے کہ سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ کا موجودہ نظام باقی بھی رہنا چاہیئے یا نہیں؟

۲۔ موجودہ نظام کی صورت میں کھاتہ داران کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

۳۔ جب وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو باقی رکھا جائے گا تو اس میں شرعی نقطۂ نگاہ سے چند پیچیدگیاں پیدا ہوں گی جن کا حل ہمیں قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں مطلوب ہے بینک اکاؤنٹس جب اموالِ باطنہ قرار پائے تو حکومت کو اس سے وصولیٔ زکوٰۃ کا حق کیونکر حاصل ہوگا۔

۴۔ سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ میں ایک پیچیدگی یہ ہے کہ وجوب اداء وصولیٔ قرضہ کے بعد ہوتا ہے یہی اکثر ائمہ کا مسلک ہے لیکن فرض کیجئے کھاتہ دار بینک سے اپنی رقم وصول

ہی نہیں کرتا تاکہ امتناع کا تحقق نہ ہو اور جبری وصولی نہ کی جا سکے تو اس شخص سے وصولیٔ زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:

ا۔ موجودہ وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے ہماری رائے یہ ہے کہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی اہم رکن اسلام ہے۔ اسلامی معاشرے میں ان کا قائم کرنا ضروری ہے۔ لہذا اس کے مفاسد کی اصلاح کرتے ہوئے اسکو باقی رکھا جائے۔

۲۔ کھاتہ داران کو چاہیئے کہ حکومت کو وصولیٔ زکوٰۃ کیلئے اپنا وکیل بنادیں یا پھر اپنے اموال کی زکوٰۃ خود ادا کیا کریں۔ کیونکہ ادائیگی فرض کا معاملہ ہے۔ ایسی صورت اختیار کرنی چاہیئے جس سے یقیناً برأت ذمہ حاصل ہو جائے۔

۳۔ اسکی صورت یہ ہے کہ توکیل کا فارم کھاتہ دار کے لئے ضروری قرار دیدیا جائے اور تمام بینک اس کے پابند ہوں۔ اسطرح پر حکومت کو "وکالۃً" وصولیٔ زکوٰۃ کا حق حاصل ہو جائے گا۔ بینک میں کھاتہ کھولنے یا اسے باقی رکھنے کے لئے "ادائیگی" زکوٰۃ کی توکیل لازمی ہو، کھاتہ دار، مینیجر بینک یا صدر کو اس کا وکیل بنادے۔ ادائے زکوٰۃ میں وکیل اپنا وکیل بھی مقرر کر سکتا ہے۔

توکیل پر چند شبہات

پہلا شبہ: اس توکیل میں جبر ہے حالانکہ شرعاً توکیل میں جبر نہیں ہونا چاہیئے۔

جواب ۱: یہ جبر نہیں اس لئے کہ کھاتہ دار حساب رکھنے یا نہ رکھنے میں مختار ہے اپنے اختیار سے کھاتہ کھول رہا ہے۔

جواب ۲: اگر بالفرض اسے جبر تسلیم بھی کرلیں تو ادائے زکوٰۃ کے سلسلہ میں فی الجملہ جبر کی گنجائش ہے جیسے ایک شخص زکوٰۃ نہ دے تو حکومت اسے قید کر سکتی ہے اور تعزیر بھی لگا سکتی ہے۔

وفی التفاریق ان وقف علی اھل بلدۃ لا یؤدون زکوٰۃ اموال الباطنۃ طالبھم بھا وکذا من عرف بذلک ضرب وطولب بالاداء وفی الاشارات اذا امتنع عن اداء الزکوٰۃ یحبس حتی یؤدی (کفایۃ کتاب الزکوٰۃ ص۱۸۲)

اور ظاہر ہے کہ یہ توکیل اکراہ بالحبس سے بہت اہون ہے۔

دوسرا شبہ: موکل شرعاً جب چاہے توکیل ختم کر سکتا ہے۔ اس کے بعد حکومت کو وصولیٔ زکوٰۃ کا حق نہ رہے گا۔

جواب: توکیل ختم کرے گا تو کھاتہ بھی ختم ہوجائے گا۔ اس کے لئے تحریری اطلاع دینا ضروری ہوگا۔ وکذا لو کان غائباً فکتب الیہ کتاب العزل فبلغہ الکتٰب وعلم بما فیہ انعزل۔ (ھندیہ ص۲۸۵ ج۔۳)

تیسرا شبہ: کھاتہ دار وکیل کو معزول کر دیتا ہے لیکن رقم وصول نہیں کرتا، تو اس صورت میں عزل کی وجہ سے بینک کو وصولیٔ زکوٰۃ کا حق نہ ہوگا۔ نہ اس شخص سے قبل از وصول ادائیگی زکوٰۃ کا مطالبہ ہوسکے گا۔

جواب شبہ ①: کتاب الوکالۃ سے لزوم وکالت کی صورت تلاش کی جائے گی مثلاً ہندیہ میں ہے۔

کلما عزلتك فانت وکیلی۔ الخ ص۲۸۷ ج۔۳)

ان الفاظ سے توکیل کرائی جائے۔ تو فی الجملہ مفید لزوم ہوگا۔

جواب ②: اس کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے گی۔ مثلاً جبر بالحبس وغیرہ۔

۴۔ توکیل نامہ میں جب تصریح کر دی جائے گی کہ ہر سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو پھر جبر کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی یا اور کوئی حل تلاش کر لیا جائے۔

الغرض اشکال بالجبر کٹوتی پر ہے توکیل کے بعد یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔

فقط والسلام، بندہ عبدالستار عفی عنہ

تم بحمد اللہ الجزء الثالث من خیر الفتاویٰ ویتلوہ الجزء الرابع و اولہ کتاب الصوم ان شاء اللہ تعالیٰ والحمد للہ اولاً و آخراً

وقد فرغت من تبییضہ وترتیبہ یوم الجمعۃ ۳ رمضان س۱۴۱۳ھ۔

واسال اللہ التوفیق لإتمام بقیۃ اجزاءہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

العبد الفقیر ابوتراب **محمد انور** عفا اللہ عنہ

مقیم جامعہ خیر المدارس ملتان (پاکستان)

خیر الفتاویٰ

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے

علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

مرتبہ

مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہم

مکتبہ امدادیہ

ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان پاکستان

جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خیر الفتاویٰ

جلد چہارم

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ
ودیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاوی کا منتخب مجموعہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہٗ
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہٗ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

نام کتاب : خیر الفتاویٰ (جلد چہارم)

باہتمام : حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مرتب : مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ

کل صفحات : ۶۰۴ صفحات

ناشر : مکتبۂ امدادیہ ملتان ۲۸ ۷

(Phone No. 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ .... غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ .... آرام باغ کراچی

ضروری گزارش:

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اگر اس کے باوجود کہیں کتابتی اغلاط نظر آئیں تو
نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جاسکے۔
فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین ...... (ادارہ)

پیش لفظ

از حضرت مولانا مفتی فقیہ العصر عبد الستار صاحب رئیس دار الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ۔ اما بعد:

اسلام نور ہے اور کفر ظلمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دینِ اسلام کے ذریعہ کفر کی ظلمتوں سے نکال کر اسلام کے اُجالوں میں لانا چاہتے ہیں۔ اسلام ہدایت ہے۔ کفر گمراہی ہے۔ اسلام افراط و تفریط سے خالی' انسانیت کی معتدل اور سیدھی راہ ہے جبکہ کفر حیوانیت کی پُرخطر راہیں ہیں۔ اسلام خالق کائنات کی طرف سے انسانیت کے لئے دستورِ حیات ہے جبکہ کفر اندھی جذباتیت کی پیداوار ہے۔ اسلام انسانی ارتقاء کو اوجِ ثریا اور اسکی انتہائی منازل تک پہنچانے کا ضامن و کفیل ہے جبکہ کفر مالی جاہی باہی شہوت پرستوں کے ذریعہ انسان کو "قعرِ مذلت اور اسفل سافلین" میں دھکیلنے کا سبب ہے۔ اسلام اعزازِ انسانیت ہے جبکہ کفر انسانیت کی تذلیل ہے۔ ہر چیز کا تشخص اسکی شکل و صورت اور اسکے دیگر خصوصی اوصاف و امتیازات سے قائم ہے۔ اگر یہ خصوصی امتیازات باقی نہ رہیں تو ایک چیز دوسری چیز سے ممتاز و علیحدہ تصور نہیں کی جا سکتی۔ پھول اور کانٹے کے خصوصی امتیازات کو حذف کر دیا جائے تو نہ کانٹا، کانٹا رہے گا نہ پھول، پھول۔ آم اور لیموں کے درخت میں بھی ایسے ہی ہے، انکے امتیازات حذف ہو جانے کے بعد نہ آم، آم رہ سکتا ہے نہ لیموں، لیموں وغیرہ' اسلئے اشیاء اور کائناتی حقائق میں انکے خصوصی اوصاف اور امتیازات کا باقی رکھنا ضروری ہے۔ مادی کائنات کی طرح معنوی حقائق میں بھی انکے خصوصی امتیازات کا باقی رہنا لابدی اور ناگزیر ہے۔

اس میکانکی اور مادی دور میں ہر چیز کو نکھار نکھار کر مرصّع و مزیّن کر کے الگ الگ پیش کیا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس دین اسلام کے بارہ میں مادہ پرست ذہن یہ خواہش رکھتا ہے کہ اسلام کے سارے خصوصی امتیازات کو ختم کر کے کفر کے ساتھ اسے گڈمڈ کر دیا جائے۔ اسلامی افکار و نظریات اخلاق و اعمال معاشرت و معاملات کے امتیازات ختم ہو کر اسلام و کفر ایک ہی ہو جائیں۔ نہ کفر، کفر رہے نہ اسلام، اسلام، نہ حلال،

حلال ہے نہ حرام ،حرام جائز ناجائز کا امتیاز اُٹھ جائے ۔حلال وحرام ،جائز ناجائز اور اسلام وکفر کی باتیں اور بحثیں ختم ہو جائیں ۔اس اعتبار سے گویا انسان مکمل حیوانیت اختیار کرے اور محض اپنی خواہشات اور جذبات کا غلام بن کر زندگی گزارے۔

عالمی کفر مادیّت پرست اور دہریت پسند بین الاقوامی طاقتیں اپنے بے پناہ وسائل کو اسی مقصد کے لئے اسلام کے خلاف استعمال کر رہی ہے کہ اسلام کو اس کے امتیازاتِ آثار کو بسیط ارض سے العیاذ باللہ مٹا دیا جائے ۔یا تشکیکات سے ہر اسلامی اُصول کو مُشتبہ متزلزل کر دیا جائے ۔(اسلام العیاذ باللہ اُٹھ جائے گا تو کفر آئے گا جو پہلے سے موجود ہے ۔نُور کے اُجالے اُٹھ جائیں گے ۔تو اندھیروں کی ہلاکت پھیل جائے گی) کفر کی ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے ۔مگر بقول علامہ اقبال ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ! پھُونکوں سے یہ چراغ بجھُایا نہ جائیگا

حق جل شانہ کا ارشادِ عالی ہے یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون (الآیۃ) اس صورتِ حال کے پیشِ نظر تمام اُمتِ مسلمہ پر حفاظتِ دین اور اشاعتِ دین کا فریضہ عائد ہوتا ہے ۔خلافتِ راشدہ سے لیکر آج کے گئے گزرے زمانے تک اللہ تعالیٰ نے عُلمائے کرام ،مشائخ عظام اور مجاہدین وسلاطین اسلام کو حفاظتِ دین کا شرف بخشا ہے ۔اس آخری دَور میں خاندان ولی اللہی اور انکے سچے جانشینوں ہمارے اکابر عُلمائے دیوبند سے حفاظت واشاعتِ دین کا جو کام لیا پُوری تاریخ میں شاید اسکی نظیر نہ مل سکے ۔الفاظِ قرآنی کی حفاظت کے لئے مکاتیبِ قرآنیہ کا پُورے ملک میں جال پھیلا دیا گیا ،معانیٔ قرآن احادیث شریفہ ،اسلامی قانون اور علوم آلیہ کے لئے عربی مدارس دینیہ اور جامعات کا قیام عمل میں لایا گیا ۔جن کا سلسلہ پاک وہند سے متجاوز ہو کر سعودی عرب ،افریقہ ،امریکہ ،انگلستان ،فرانس وغیرہ تک پہنچ چکا ہے ۔تبلیغ ودعوت کے لئے دینی جماعتیں وجود میں آئیں ،جن کے ذریعہ سے پُورے عالم میں ہدایت کا نور پھیل رہا ہے ۔سینکڑوں گرجے مساجد میں تبدیل ہو رہے ہیں ۔رقص وسرود اور شراب کے رسیا محبتِ خداوندی کی شرابِ طہور میں مست ہو کر دین کے متوالے بن رہے ہیں ۔ادیانِ باطلہ اور قدیم وجدید عصری فتنوں کی سرکوبی کے لئے مستقل جماعتیں انہی مدارس اور جامعات سے نکلیں اور پوری علمی وعملی جدوجہد اور قربانیوں کے ساتھ ان فتنوں کا سدِباب کرتے ہوئے معاشرے کو ان سے تحفظ مہیا کیا ۔اگر خدانخواستہ حفاظت واشاعتِ دین کی یہ مساعی ظہور میں نہ آتیں تو شاید ہمارے نام بھی آج مسلمانوں والے نہ ہوتے جیسا کہ یورپین ممالک میں ایسا ہوا ہے ۔اس سے واضح ہے کہ علماء کرام مشائخ عظام مدارس دینیہ اُمت کی حفاظت

واشاعت دین کا ایک بڑا شعبہ ایک اہم بنیادی ضرورت ہے۔ فرد اور معاشرے کے انفرادی واجتماعی مسائل کے بارے میں قرآن وسنت اور اسلامی قانون کی روشنی میں انکی رہنمائی کرتا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں عبادات، معاملات نکاح، طلاق، میراث وغیرہ ہر دینی شعبے کے متعلق مختلف سوالات حوادث و واقعات اور نزاعات پیش آتے رہتے ہیں، دینی جامعات میں ایسے اُمور کے حل کے لئے دارالافتاء کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا جاتا ہے جس میں ایسے تمام سوالات کے مدلل جوابات سائلین کو زبانی یا تحریری طور پر دیئے جاتے ہیں فریقین کے نزاعات کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ سرکاری سطح پر اگر حکومت کو کسی مسئلہ میں دینی رہنمائی کی ضرورت ہو تو استفسار کرنے پر اسکے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں۔ اس طرح دارالافتاء اسلام اور کفر کے درمیان خط فاصل کھینچتا ہے، حلال وحرام کی حدیں قائم رکھتا ہے اور جائز اور ناجائز کے فاصلے برقرار رکھتے ہوئے انہیں خلط ملط ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔

خیرالمدارس ملتان کو ملک کی ایک اہم مرکزی دینی یونیورسٹی کی حیثیت ہمیشہ سے حاصل رہی ہے۔ اور یہاں سے صادر ہونے والے فتاویٰ اور شرعی فیصلوں کو ملک میں نہایت وقیع نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے افادہ عام کی غرض سے چند سالوں سے ان فتاویٰ کی اشاعت کا انتظام کیا گیا ہے۔ اب خیرالفتاویٰ کی چوتھی جلد قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس سلسلہ اشاعت کی تکمیل فرما کر اپنی رضائے عالی کا ذریعہ بنا دیں۔ آمین!

مبارک باد کے مستحق ہیں ہمارے حضرت مولانا محمد حنیف صاحب زیدمجدہم مہتمم خیرالمدارس ملتان جنہوں نے احباب کے مشورہ سے اس عظیم کام کا بیڑا اُٹھایا۔ اسی طرح جناب مولانا مفتی محمد انور صاحب زید فضلہم بھی مستحق تبریک ہیں جنہوں نے انتخاب فتاویٰ انکی ترتیب، کتابت تصحیح وغیرہ اُمور میں نہایت محنت شاقہ سے کام لے کر خیرالفتاویٰ کو زیور طبع سے آراستہ کیا۔ اللہ پاک انہیں اور انکے رُفقائے کار اور معاونین کو بیحد جزائے خیر عنایت فرما دیں۔ آمین فقط،

بندہ ناکارہ عبدالستار عفی اللہ عنہ،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

از حضرت مولانا محمد ازہر، مدیر "الخیر" و مدرس جامعہ خیرالمدارس ملتان۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد! ــــــــ

اللہ رب العزت نے حجۃ الوداع کے موقع پر الیوم اکملت لکم دینکم (مائدہ) کی بشارت کبریٰ سے جس دین کی تکمیل کا اعلان فرمایا وہ قیامت تک بنی نوع انسان کو پیش آنے والے تمام مسائل کا حل اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مبارک عہد سے لے کر عصر حاضر کے اس پرآشوب دور تک ہر زمانے میں ایسے علماء ربانیین اور راسخین فی العلم موجود رہے ہیں جنہوں نے زندگی کے مختلف میدانوں میں نئے پیدا ہونے والے معاشی، معاشرتی، طبی، سیاسی اور عائلی سوالات واستفسارات اور مسائل کے قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں مدلل وشافی جواب دے کر ملت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے جہاں ایک طرف عام لوگوں کو دینی رہنمائی کے لئے اہل علم سے رجوع کا حکم دیا اور فرمایا فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (تم لوگ اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو) تو دوسری جانب دین میں حکمت وبصیرت اور اجتہاد واستنباط کی اہلیت رکھنے والوں کو خیراً کثیراً کا حامل قرار دیا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ) قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں عوام امت کا فرض تو یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت میں خود رائی کی بجائے علمائے کرام کی طرف رجوع کریں اور حضرات علماء کے یہ ذمہ ہے کہ اگر وہ منصب اجتہاد پر فائز نہیں تو نئے اجتہاد کی بجائے "اقتدا بر رفتگان محفوظ تر" کے ضابطے پر عمل کرتے ہوئے علماء سابقین ومجتہدین کی مساعی اور کاوشوں سے صرف نظر یا بے اعتنائی نہ کریں ــ

دین کو جب تک صحابہ کرامؓ سمیت تمام اکابر واسلاف کے تعامل کی روشنی میں سمجھا جائے گا، ہدایت کی راہیں کھلتی اور سعادت کے چشمے پھوٹتے رہیں گے اور جب انہیں چھوڑ کر نئے نئے "مجتہد" پیشوا بنیں گے

تو یہ ملّت کے لئے تباہی کا نقطۂ آغاز ہوگا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

لایزال الناس صالحین متماسکین ما اتاھم العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ومن اکابرھم فاذا اتاھم من اصاغرھم ھلکوا۔ (المصنف لعبد الرزاق ص۲۴۶ ج۱۱)

(ترجمہ) جب تک علم، اصحاب رسولؐ سے اور اکابر اُمّت سے آئے گا لوگ نیک، اور اسلام پر قائم رہیں گے اور جب علم اُن اصاغر سے اُبھرنے لگے جو اُوپر والوں سے علم نہیں لیتے خود مسئلہ بنا لیتے ہیں تو یہ قوم کے لئے ہلاکت کی راہ ہے ___"

واضح رہے کہ بعض لوگ غلو کرتے ہوئے صحابۂ کرامؓ بالخصوص خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادات ومسائل مستنبطہ کو مسترد قرار دے کر "براہ راست" قرآن وحدیث "پر عمل کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان سابقین اُمّت پر دین میں اضافہ کا الزام عائد کرتے ہیں۔ ان حضرات کا یہ گمان غلط ہے۔ ائمہ مجتہدینؒ نے اجتہاد کی راہ سے جن مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت کیا ہے وہ شریعت میں اضافہ نہیں، دریافت ہیں۔ ایسی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو "ایجاد" اور "تنظیر" میں فرق کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی شخص زمین کھود کر پانی نکال لے تو وہ پانی کا "موجد" نہیں۔ "واجد" ہے۔ یعنی اُس نے پانی کو پیدا نہیں کیا۔ صرف اُسے ظاہر اور دریافت کیا ہے ___

اسی طرح بحرِ شریعت کے شناوروں نے قرآن وسُنّت کی تہہ میں چھپے ہُوئے موتیوں اور خزانوں کو باہر نکالا ہے انہوں نے وجُود عطا نہیں کیا۔ ان جواہر ریزہ اور درر کامنہ کی حفاظت اور ان کے گرد پہرہ دینا علماء اُمّت کا دینی فرض ہے۔ بہت ہی ناقدر شناس ہے وہ طبقہ، جو اِن اخیارِ اُمّت کے احسانات کا بدلہ انہیں "مبتدع" کہہ کر دیتا ہے اور تراویح اور جمعۃ المبارک کی اذان ثانی کے مسئلہ میں حضرت فاروقِ اعظمؓ اور شہیدِ مظلوم حضرت عثمانؓ پر دین میں اضافہ کا الزام عائد کرتا ہے ___

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

اس ضروری تمہید کے بعد گزارش ہے کہ اقتداء سابقین اور تقلید سلفِ صالحین کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علماء وفقہائے کرام اپنے زمانے کے بدلتے ہُوئے حالات وجُزئیات سے لاتعلق اور وقت کے تقاضوں سے بے خبر رہتے ہیں ایسا نہیں بلکہ کسی بھی وقت کسی فرد کو انفراداً یا اُمّت کو اجتماعاً کوئی مشکل یا نیا مسئلہ پیش آیا ہے تو نظریں انہی علماء وقت کی طرف اُٹھی ہیں اور بحمد اللہ علماء کرام، ملت کے اس اعتماد پر پُورے بھی اُترے ہیں

اس منصب کا تقاضا ہے کہ علماء اُمت خصوصاً ارباب فتویٰ اپنے زمانے کی ایجادات، اصطلاحات مقتضیات سے پُوری طرح باخبر ہوں اور خلق خدا کی رہنمائی کی نازک اور بھاری ذمہ داری کو للّٰہیت اور احساسِ مسئولیت سے اُدا کریں جو ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز رہا ہے ــــ

فقہ اور دین کے وہ مسائل جو دریافت کرنے والوں کے جواب میں ارباب افتاء کی طرف سے بتائے جاتے ہیں۔ اصطلاحاً "فتاویٰ" کہلاتے ہیں۔ یہ دینِ حق کا معجزہ اور اسلام کے کمال وجامعیت کی واضح دلیل ہے کہ آج کے مشینی دور میں بھی انسان کی زندگی سے متعلق کوئی ایسا سوال نہیں جس کا جواب ایک بالغ النظر عالم یا مفتی نہ دے سکے ــــ

جامعہ خیر المدارس ملتان برصغیر کی ممتاز اور معروف دینی درسگاہ ہے جس کی ۶۷ سالہ دینی و تبلیغی خدمات کا ایک نمایاں اور مہتم بالشان پہلو مسائل ونوازل میں عامۃ المسلمین کی رہنمائی کرنا ہے۔ جامعہ خیر المدارس کے "دارالافتاء" کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اُس سے جاری ہونے والا ہر فتویٰ افراط و تفریط سے مبرّا اور اہل سُنّت والجماعت کے مسلکِ اعتدال واحتیاط کا کھلا ثبوت ہے۔ آج سے ۱۱ سال قبل مہتمم جامعہ خیر المدارس حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدہم نے جامعہ کے مُفتی برادرِ مکرم حضرت مولانا مُفتی محمد انور صاحب مدظلہٗ سے فرمائش کی کہ وہ خیر المدارس سے جاری ہونے والے فتاویٰ سے "خیر الفتاویٰ" مُرتب فرمائیں تاکہ عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ فاضل اجل حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مُفتی عبد الستار صاحب زید مجدہم اور دیگر مُفتیانِ خیر المدارس کی نادر و نایاب تحقیقات کا مجموعہ اور مسائلِ فقہیہ کا یہ بے مثال ذخیرہ صرف اُوراق میں محبوس نہ رہے بلکہ طبع ہو کر اہلِ علم اور عام مسلمانوں تک پہنچے اور استفادۂ عام کا باعث ہو ــــ

محترم حضرت مُفتی صاحب مدظلہم نے اس مشکل فریضہ کو غیر معمولی جانفشانی اور تندہی سے انجام دیا، چنانچہ اَب تک "خیر الفتاویٰ" کی تین جلدیں منصہ شہود پر آکر عام قارئین و ناظرین کے علاوہ اہل علم اصحاب النظر و ارباب فتاویٰ سے خراجِ تحسین پا چکی ہیں اور اُن کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ "جلد رابع" کی طباعت کے موقع پر یہ سطور اللہ جل شانہٗ کے حضور اظہارِ تشکر اور اس دُعاء کے ساتھ لکھی جا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلۂ خیر کو قبول فرما کر تاقیامت اُمّت کے لئے رُشد و ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین ــــ

اس موقع پر جبکہ "خیر الفتاویٰ" کی جلد رابع مرتب صُورت میں ناظرین کے سامنے موجود ہے ــــ یہ عرض

کرنا بے جا نہ ہوگا کہ فاضل مرتب نے، جو خود بھی خیر المدارس کی مسندِ افتاء پر رونق افروز ہیں اس مستور علمی خزانہ کو منظرِ عام پر لانے کے لئے شبانہ روز محنت کی ہے، سلسلہ ترتیب میں انہیں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، بالخصوص ناقلوں کی غلط نویسی ــ نامکمل حوالے ــ غلط عبارات کی تصحیح اور اصل کتب سے مراجعت ایسے مسائل ہیں جن کا حل بہت محنت طلب ہے۔ بعض اوقات ملتے جلتے سوالات کے متعارض جواب یا مطبوعہ فتاویٰ کے خلاف جواب بھی وجہ تشویش بن جاتے ہیں۔ تاہم حضرت مفتی صاحب مدظلہ اور ان کے رفقاء کار نے یہ تمام مراحل طے کرتے ہوئے "خیر الفتاویٰ" کی جلد رابع قارئین تک پہنچادی ہے، جس کے مطالعہ سے قارئین اس حقیقت کا ادراک فرمائیں گے کہ "نکاح اور اس کے متعلقات" کے بارے میں جس قدر فتاویٰ اس جلد میں موجود ہیں، بالتحقیق اردو کے کسی اور مطبوعہ فتاویٰ میں موجود نہیں ــــ

لعض ایسے دقیق مسائل اور مخفی علمی گوشے بھی سامنے آئیں گے جو عام اہلِ علم سے مستور ہیں قارئین اس میں بعض ایسے فتاویٰ بھی پائیں گے جو خیر المدارس سے جاری ہوئے، بعض اہلِ علم کی رائے اُن کے خلاف تھی مگر بالآخر انہوں نے "خیر الفتاویٰ" کی صحت و اصابت کو تسلیم کرتے ہوئے رجوع فرمالیا۔

"خیر الفتاویٰ" جلد رابع میں بعض اہم مسائل پر مختصر جوابات کی بجائے مدلل و مفصل تحریریں بھی آپ کو ملیں گی جو مخالفین کی تشفی اور علمی تردید کے لئے ناگزیر تھیں لیکن بحمداللہ اس سے کتاب کے مطالعہ میں قارئین کبھی ثقل یا گرانی کی بجائے علمی فرحت اور چاشنی محسوس کریں گے۔ بالخصوص حرمتِ متعہ کے بارے میں مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب مدظلہم کا ایک دلچسپ مگر تحقیقی مضمون قابلِ داد ہے ــــ

انشاء اللہ العزیز "خیر الفتاویٰ" کی جلد رابع کی جامعیت و افادیت اور اس کی شانِ تحقیق و تدقیق کو اہلِ علم قارئین ضرور محسوس کریں گے اور وہ مرتب موصوف کی محنت شاقہ کی تحسین فرمائیں گے۔ فتاویٰ کا یہ گرانقدر مجموعہ عام مسلمانوں کے علاوہ طلباء و فضلاء بالخصوص شعبہ افتاء سے متعلق حضرات کے لئے ایک علمی تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جملہ مسلمانوں کے لئے نافع اور ذریعہ عمل بنائیں اور اربابِ فتاویٰ عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، جامع علم و عمل حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ، حضرت مولانا مفتی عبدالستار مدظلہ، جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری اور جامع و مرتب حضرت مولانا مفتی محمد انور حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ کیلئے تضاعفِ حسنات و سعادتِ دارین کا وسیلہ بنائیں۔ آمین!

طالبِ دعا:- محمد ازہر مدیر "الخیر" جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۰ / ۶ / ۱۴۱۸ھ

کلمۂ تشکر

از حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدہم مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ اما بعد :

"افتاء" ایک اہم ذمہ داری ہے جو دوسرے علمی سلسلوں کے مقابلہ میں زیادہ اہم، مشکل اور دقیق ترین ہے۔ فقہی جزئیات کے معمولی معمولی فرق سے حکم کے تفاوت کو محسوس کرنا وسیع تجربہ اور عمیق علم کا متقاضی ہے۔ جو شخص اسکی اہلیت نہ رکھتا ہو، اس کے لئے فتویٰ دینا ناجائز ہے منصب افتاء کی اہلیت ہر عالم بلکہ ہر مدرس بھی نہیں رکھتا ہے۔ لیاقت و قابلیت کے بغیر فتویٰ دینا باعث اجر نہیں بلکہ شرعاً جرم ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :

من افتی الناس و لیس باھل للفتویٰ فھو اٰثم عاص۔ (اعلام الموقعین ص ۲۵۶ ج ۲)

جو نااہل ہونے کے باوجود فتویٰ دینے لگے وہ گناہگار و نافرمان ہے۔

اس لئے "فتاویٰ" کو عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آج تک خصوصی اہمیت و حیثیت اور مقام حاصل رہا ہے۔

جامعہ خیر المدارس ملتان جو برصغیر کی ممتاز دینی درسگاہ ہے، نے دوسرے شعبوں کی طرح شعبہ "افتاء" میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اسکی ۶۷ سالہ زندگی میں ہزارہا افراد نے اس کے دارالافتاء سے مختلف و متنوع مسائل و نوازل اور حوادث کے احکام معلوم کئے اور ان پر عمل پیرا ہوئے۔

رجب ۱۴۰۵ھ سے جامعہ کے دارالافتاء سے جاری کردہ فتاویٰ کی اشاعت و طباعت کا سلسلہ جاری ہے۔ جس کی تین جلدیں "خیر الفتاویٰ" کے نام سے منصۂ شہود پر آکر اہل علم سے سندِ تحسین و توثیق پا چکی ہیں۔ اس سلسلۃ الذہب کی یہ چوتھی کڑی ہے جو کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح اور ان کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ پہلی تین جلدوں کی طرح "خیر الفتاویٰ" جلد رابع کی تالیف کی نگرانی و سرپرستی بھی جامعہ کے صدر مفتی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ نے فرمائی ہے۔

دارالافتاء خیر المدارس کا یہ اعزاز ہے کہ اسے فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ کی سرپرستی و نگرانی حاصل ہے۔ جو ملک و بیرون ملک ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی رائے کو علمی حلقوں میں سند سمجھا جاتا ہے اور آپ کی فقاہت

پر بڑے بڑے مفتی حضرات اعتماد اور رشک فرماتے ہیں۔ مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دقتِ نظر اور فقہی بصیرت اور افتاء کے وسیع تجربہ سے نوازا ہے۔ جبکہ "جلد رابع" کی ترتیب و تدوین، تحشیہ، تعلیق اور تصحیح و مراجعت کا سہرا حسب سابق جامعہ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدہم کے سر ہے۔ آں ممدوح بیس سال سے جامعہ کے شعبہ افتاء میں بحیثیت مفتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب زید مجدہم نے جامعہ سے جاری ہونے والے مسائل کے بیمثال ذخیرہ کو، جو اوراق میں محبوس اور عام نگاہوں سے اوجھل تھا، غیر معمولی جانفشانی و تندہی اور محنت شاقہ سے اس طرح مدون فرمایا کہ عوام و اہلِ علم کے استفادہ کے قابل ہو گیا۔ اس سلسلہ میں مفتی صاحب موصوف کو جن سخت ترین اور مشکل مراحل سے گزرنا پڑا۔ اس کا اندازہ اہلِ علم بخوبی لگا سکتے ہیں۔ نقلِ فتاویٰ کے رجسٹروں میں اکثر مسائل ایسے تھے جن کا حوالہ درج نہیں تھا حضرت مفتی صاحب نے ایسے تمام مسائل کے حوالہ جات نقل کئے اور ہر حوالہ مع نام کتاب باب و صفحہ تحریر فرمایا، تاکہ رجوع کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ کچھ مسائل ایسے تھے ان کے حوالے موجود تھے مگر کتاب کا نام اور صفحہ وغیرہ درج نہیں تھا۔ ایسے حوالے تلاش کرنا نسبتاً زیادہ مشکل ہے مگر حضرت مفتی صاحب نے محنت کر کے یہ حوالہ جات بھی مع باب و صفحہ درج فرما دیئے ہیں۔ اگر کسی جگہ کوئی آیت، حدیث یا فقہی عبارت نامکمل درج تھی تو اسے کتب حدیث و فقہ سے تلاش کر کے مکمل کر دیا گیا ہے۔ ناقل کی غلطی سے اگر حوالہ کی عبارت میں کوئی غلطی رہ گئی تھی تو اسے اصل سے ملا کر تصحیح کا فریضہ بھی انجام دیا گیا ہے۔ غرضیکہ اس باب میں حضرت مفتی صاحب کی مساعی ہر طرح سے مشکور و محمود ہیں اللہ تعالیٰ مقبول و ماجور فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اِس مجموعہ کو تمام مسلمانوں کے لئے نافع اور ذریعۂ عمل بنائیں اور تمام مفتیان کرام بالخصوص جدِ امجد استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ قدس سرہما کے لئے ذخیرۂ آخرت اور رفع درجات کا وسیلہ بنائیں۔ جن کے فتاویٰ سے اس مجموعہ کی افادیت دوچند ہوئی۔

ناظرین کرام سے التماس ہے کہ وہ اپنی مخلصانہ دعاؤں میں اربابِ افتاء، مرتب موصوف اور خدام جامعہ کو فراموش نہ فرمائیں۔

راقم السطور، محمد حنیف جالندھری
رئیس جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴۱۸/۶/۲۴ھ

اجمالی فہرست "خیر الفتاوی" جلد چہارم

کتاب الصوم

کتاب الحج

کتاب النکاح

فہرست مضامین "خیر الفتاویٰ" جلد چہارم

کتاب الصوم

اعتکاف کے مسائل

کتاب الحج

کتاب النکاح

حُرمتِ مصاہرہ کے مسائل

رضاعت کے مسائل

ولایت وکفاءۃ کے مسائل

مہر کے مسائل

قسم بین الزوجات حضانت نفقہ

متفرقاتِ نکاح

كتاب الصوم

قال اللہ تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا
كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرہ)

*

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وفی روایۃ فتحت ابواب الجنۃ
وغلقت ابواب جہنم وسلسلت الشیاطین وفی روایۃ فتحت ابواب الرحمۃ
متفق علیہ —— (مشکوۃ ص۱۷۳ ج ۱) ——

مرتبہ: مفتی محمد انور

شدّتِ پیاس سے جان پر بن آئے تو افطار کرنے کا حکم

ہمارے یہاں رمضان المبارک میں تین مختلف ایام میں مختلف اموات ہوئیں۔ مقامی مولویوں نے بغیر جنازہ کے دفن کرادیا۔ بقول ان کے جو حالتِ روزہ میں شدتِ پیاس کی وجہ سے فوت ہوجائے اور روزہ نہ توڑے تو گویا اس نے خودکشی کی اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب روزہ کی حالت میں اگر پیاس اتنی شدید لگے کہ جان خطرہ میں پڑ جائے تو روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔ اگر کوئی شخص روزہ افطار نہ کرے اور اسی وجہ سے فوت ہوجائے تو یہ خودکشی نہیں۔ بلکہ خود اس پر بھی اجر و ثواب ملے گا۔ اسے خودکشی کہنا جہالت ہے۔ بالفرض اگر یہ خودکشی بھی ہوتی تو بھی خودکشی کرنے والے پر عامۃ المسلمین کو نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیئے۔ اس پر نمازِ جنازہ سے روکنے والوں نے غلطی کی ہے۔ اب وہ اپنے لئے اور مرحومین کے لئے استغفار کریں۔

ویؤجر لو صبر ومثله سائر حقوقه تعالیٰ کافساد صوم وصلوة اھ۔(شامی: ج۲، ص۱۵۸)۔ من قتل نفسه ولو عمداً یغسل ویصلی علیه اھ۔ (شامی، ج۱، ص۸۱۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس، ملتان۔

روزے کی حالت میں سر کی مالش کروانا

زید بے خوابی کا مریض ہے حکیم نے روغنِ بادام کی مالش تجویز کی ہے۔ روزے کی حالت میں سر کی مالش کرنے سے روزہ میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا ؟

الجواب مالش کراسکتے ہیں اس سے روزے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

وما یدخل من مسام البدن من الدھن لا یفطر ھکذا فی شرح المجمع اھ۔ (عالمگیری ج۱ ص۲۰۳) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۸/۳/۱۴۰۷ھ

نصفِ نہار تک صوم و افطار کا فیصلہ کر لینا ضروری ہے

زید نے سحری کھائی ۔ اور یہ نیت کی کہ اگر مجھے فلاں مشقت والا کام پڑ گیا تو روزہ نہیں رکھوں گا ۔ اگر نہ ہوا تو روزہ رکھ لوں گا ۔ اگر ایسا کرنا ٹھیک ہے تو دن کے کس وقت تک ایسی نیت کر سکتا ہے ؟

الجواب اگر وہ کام ایسا ہو کہ اس کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہو تو نصفِ نہار شرعی یعنی تقریباً گیارہ بجے سے پہلے تک اسے اختیار ہے کہ اس صورت میں کوئی ایک فیصلہ کر لے ۔ اگر روزہ کا پختہ ارادہ کر لینے کے بعد افطار کرے گا تو رمضان کا روزہ ہونے کی صورت میں اس پر قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور یہ اجازت صرف نصفِ نہار شرعی تک ہے ۔ اس کے بعد بھی اسی حالت میں رہا تو روزہ نہیں ہو گا ۔

جاز صوم رمضان و النذر المعین و النفل بنیۃ ذالک الیوم او بنیۃ مطلق الصوم او بنیۃ النفل من اللیل الی ما قبل نصف النہار ۔ اھ ۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۵) ۔

فیصح اداء صوم رمضان و النذر المعین و النفل بنیۃ من اللیل فلا تصح قبل الغروب ولا عنده الی الضحوۃ الکبری لا بعدھا ولا عندھا اعتبارا لاکثر الیوم اھ (درمختار) ۔

قولہ الی الضحوۃ الکبری المراد بہا نصف النہار الشرعی والنہار الشرعی من استطارۃ الضوء فی افق المشرق الی غروب الشمس ۔ اھ (رشامیہ ج ۲ ص ۳۷۷) ۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲ / ۱۱ / ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔

امتحانات کی وجہ سے روزہ کو مؤخر کرنا

(۱) میں ایف اے کی سٹوڈنٹ ہوں ۔ میرے امتحانات ماہِ رمضان میں ہوں گے

میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ جس طرح انسان بیمار ہوتا ہے یا کسی سفر پر ہوتا ہے تو وہ ماہ رمضان کے روزے چھوڑ دیتا ہے اور پھر بعد میں رکھ لیتا ہے۔ کیا اس طرح ہو سکتا ہے کہ میں پیپرز کے دنوں میں روزے چھوڑ دوں اور امتحان کے بعد رکھ لوں۔ اس طرح گناہ تو نہیں ہو گا۔

الجواب جن اعذار کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی شرعاً اجازت ہے امتحان ان میں سے نہیں ہے۔ ترک روزہ گناہِ کبیرہ ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے بلا عذر ایک روزہ چھوڑ دیا ساری زندگی بھی روزہ رکھتا رہے وہ اجر و ثواب نہ پا سکے گا جو رمضان المبارک کا فرض روزہ رکھنے سے ہو گا۔ او کما قال۔ رمضان المبارک پر بلکہ اس کے ہر لمحہ پر پوری دنیا کو قربان کر دیا جائے تب بھی یہ سودا سستا ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد عبداللہ عفی عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی۔ ۶/۶/۱۴۰۸ھ

افطار کا وقتِ مستحب

افطار کا مستحب وقت اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کون سا ہے۔ اور افطار کے کتنی دیر بعد شام کی نماز پڑھنی چاہیئے۔

الجواب افطار کا وقت یہ ہے کہ جب سورج غروب ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی رات کی سیاہی چڑھ آئے تو افطار کا وقت ہو جاتا ہے۔ گھڑیوں کے لحاظ سے میقات الصیام چھپے ہوئے ہیں۔ افطار میں تعجیل مستحب ہے اور سحری میں تاخیر۔ لہذا جب مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق افطار کا وقت ہو جائے تو جلد از جلد افطار کرنا مستحب ہے افطار کے چار پانچ منٹ بعد جماعت کو کھڑی ہو جانا چاہیئے۔

اذا ادبر النهار من ههنا واقبل الليل من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم ۔ (الحدیث)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفرلہ
خیر محمد عفی عنہ مہتمم جامعہ ہذا	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷ رمضان ۱۳۶۹ھ

پاکستانی ایک روزہ رکھ کر سعودی عرب گیا تو وہاں دو روزے ہوچکے تھے اب یہ کتنے روزے پورے کرے

ہم پاکستان سے ۴ جولائی ۱۹۸۱ء کے رمضان المبارک کا پہلا روزہ رکھ کر سعودی عرب میں پہنچے جب کہ یہاں ۲ جولائی کا پہلا روزہ تھا۔ لہٰذا لازمی طور پر پاکستان سے سعودی عرب میں عید الفطر کا چاند بھی پہلے ہی نظر آنا تھا۔ اس لئے ہم نے بھی ان کے ساتھ عید منائی۔ جب کہ پاکستان میں ابھی رمضان کے ایام باقی تھے۔ اب ہمارے روزے جو پاکستان کے لحاظ سے باقی رہے ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ اگر ہم پاکستان میں ہوتے تو ان کے ساتھ عید کرتے۔ اور یہاں اگر ابھی تک ہمارے ۲۹۔ یا ۳۰ روزے پورے نہ ہوئے تھے اور ہم نے ان کے ساتھ عید بھی کرلی جب کہ ان کے تیس روزے ہوچکے تھے۔ (فضل الرحمٰن فیصل آبادی)

الجواب ایسے پاکستانی لوگ جن کے ۲۹ روزے بھی پورے نہیں ہوتے ان پر لازم ہے کہ وہ ایک یا دو روزے قضاء رکھ کر ۲۹ روزے پورے کرلیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ، ۱۳ ؍ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

شوال کے چھ روزے علیحدہ علیحدہ رکھنے مستحب ہیں

عید کے بعد کے چھ روزے عید کے بعد فوراً لگاتار رکھے جائیں یا کچھ وقفہ سے بھی رکھ سکتے ہیں ؟

الجواب دونوں طرح درست ہے۔ بہتر یہ ہے کہ متفرق رکھے جائیں۔ وندب تفریق صوم الست من شوال ولا یکرہ التتابع الخ۔ (شامی ج ۲ ، ص ۱۷۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ ؍ ۴ ؍ ۱۳۹۹ھ

روزے کی حالت میں آنکھ میں دوائی ڈالنا

ایک شخص نے رمضان المبارک میں آنکھوں میں بحالتِ روزہ مائع یعنی بہنے والی دوائی ڈالی۔ تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے یا نہیں۔ اگر ٹوٹ گیا ہے تو دلائل مع حوالجات تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب آنکھ میں بہتی ہوئی دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

" ولو اقطر شیأ من الدواء فی عینہ لا یفطر صومہ عندنا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۰) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷/۱۰/۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

صبح صادق کے بعد سفر کا ارادہ ہو تو روزہ رکھنا ضروری ہے

زید رمضان کے مہینہ میں سفر کا پختہ ارادہ رکھتا ہے۔ اور بوجہ درازیٔ سفر و تکالیف روزہ نہیں رکھ سکتا۔ مگر دن کے دس بجے تک گھر سے نہیں نکل سکتا۔ موٹر گاڑی نہ ملنے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔ اب اشکال یہ ہے کہ اگر روزہ رکھ کر روانگی کے وقت توڑ دے تو ابطالِ عمل لازم آتا ہے۔ اگر روزہ نہیں رکھتا تو روانگی تک اقامت ہے اور احکامِ سفر اس پر عائد نہیں ہوتے۔ اب اگر زید صبح سے روزہ کی نیت نہ کرے اور جب تک گھر میں رہے امساک کرے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب ایسے شخص کو روزہ رکھنا واجب ہے اور اس روزہ کا پورا کرنا بھی واجب ہے۔ لیکن اگر اس شخص نے روزہ رکھا اور مسافر ہونے کے بعد توڑ دیا۔ تو اس پر کفارہ نہیں آئے گا۔ صرف ایک روزہ قضا کا لازم آئے گا اور رات سے نیت نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا۔

لما فی الدر علی الشامیۃ کما یجب علی مقیم اتمام صوم یوم منہ ای رمضان سافر فیہ ای فی ذالک الیوم ولکن لا کفارۃ علیہ لو افطر فیھما اھ (ج ۲ ص ۱۲۸)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ لہ

بندہ محمد اسحاق عفر لہ
۲۸ / ۸ / ۱۳۸۷ھ

نوٹ! روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس کے لئے ہے جو صبح صادق سے پہلے سفر شروع کر چکا ہو۔ وھو (ای السفر) لیس بعذر فی الیوم الذی انشأ السفر فیہ اھ (عالمگیری، ص۲۱)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

صرف یوم عرفہ کا روزہ مکروہ نہیں

اکیلا عرفہ کے دن کا روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے کیا یہ مکروہ تو نہیں؟

الجواب مکروہ نہیں بلکہ مستحبات سے شمار کیا گیا ہے۔

والمندوب کایام البیض من کل شھر و یوم الجمعۃ ولو منفردا وعرفۃ اھ (درمختار علی الشامیۃ ج۲ ص۱۱۴)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مریض معسر استغفار کرتا رہے

ایک شخص بیمار ہے۔ بدن، دل، دماغ کمزور ہے فرض روزہ رکھنے کی طاقت نہیں۔ اگر روزہ رکھتا ہے تو اس کی حالت نہایت نازک ہو جاتی ہے۔ بلکہ جان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ دائم المرض ہے۔ دو تین سال سے متواتر بیمار رہتا ہے۔ اس لئے روزہ رکھنے سے قاصر ہے۔ اور غنی بھی نہیں بلکہ محتاج ومفلس ہے۔ تو کیا اس صورت میں فدیہ دینا لازم ہے؟ اور اگر وہ غنی ہوتا تو پھر کیا حکم ہے۔ آئندہ صحت کی توقع بھی نہیں۔

عبدالخالق متعلم مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب شرعًا ایسے مریض پر جس کو اپنی صحت سے مایوسی ہو لازم ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ فدیہ ادا کرے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ وہ موسر اور

ماللہ ارہو۔ ففی الشامیۃ ، ج ۲ : ص ۱۶۳ ۔

ومثلہ ما فی القہستانی عن الکرمانی المریض اذا تحقق الیأس من الصحۃ فعلیہ الفدیۃ لکل یوم من المرض اھ ۔

اگر وہ مسکین وفقیر ہے کہ فدیہ اداکرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو توبہ واستغفار کرتا رہے

" وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوبا ولو فی اوّل الشہر وبلا تعدد فقیر کالفطرۃ لو موسرا والا فیستغفر اللہ ۔ اھ (درمختار علی الشامیۃ ، ج ۲ ص ۱۶۳)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
بندہ عبداللہ غفر اللہ لہٗ مفتی جامعہ ہذا	نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸ / ۸ / ۱۳۷۸ھ

تعجیلِ افطار اور تاخیرِ سحور کے بارے میں اہم تحقیق

زید کہتا ہے کہ افطار کے وقت کی دو حدیں ہیں ایک ابتدائی حد جب افق مشرق پر رات کی تاریکی چھا جاتی اور افق مغرب سے دن کی روشنی زائل ہو جاتی اور آفتاب بھی قطعی طور پر غروب ہو جاتا ۔ آخری حد ستاروں کا انبوہ وہجوم ظاہر ہونا ہے ۔ جو یہود کے افطار کا وقت ہے ۔ ان دونوں حدوں کے درمیان تمام وقت مستحب ہے ۔ جیسا کہ حمید بن عبدالرحمٰن ابن عوف سے مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ

" ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یصلیان المغرب حین ینظران الی اللیل الاسود قبل ان یفطرا ثم یفطران بعد الصلوۃ وذالک فی رمضان "

علامہ زرقانی رح اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں ۔

وھو معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبل اللیل من

ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم ۔ (زرقانی ، ج ۴ ، ص۹۵ ، مطبوعہ مصر) ۔

—— علامہ عبدالوہاب شعرانی کشف الغمہ میں لکھتے ہیں ۔

" وكثيرا ماكان صلى الله عليه وسلم يفطر بعد الصلوة ثم قال وكان عمر وعثمان رضى الله تعالى عنهما لا يفطران الا بعد الصلوة وذالك فى رمضان "

اور صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت فرمائی ۔ اب نماز مغرب میں سورۂ طور تلاوت فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز مغرب کے بعد روزہ افطار کرنا اور اسی پر خلفائے راشدین یعنی عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تعامل دائمی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اشتباک نجوم اور ستاروں کے انبوہ سے پہلے پہلے افطار وقتِ مستحب کے دائرہ میں ہے ۔ یہ وقتِ تاخیر مکروہ میں داخل نہیں ۔ اور جن روایات میں تعجیل افطار کا حکم ہے اور تاخیرِ افطار سے ممانعت ہے ان تمام احادیث میں افطار کو اتنے تک مؤخر کرنے سے منع کیا گیا ہے جتنے تک کہ یہود و نصاریٰ مؤخر کرتے تھے ۔ یعنی اشتباک نجوم تک ۔

—— علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ۔ انما يكره تأخيره الى اشتباك النجوم ۔

(عینی ، ج ۲ ، ص۲۹۲) ۔

—— علامہ شامی رح نے "بحر" کے حوالہ سے نقل کیا ہے ۔ والتعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم ۔

—— علامہ بحرالعلوم ارکانِ اربعہ ، ص ۲۱۵ ۔ پہ تحریر فرماتے ہیں ۔

ثم تعجيل المغرب ايضاً مندوب كتعجيل الافطار فالصائم مخير فى تأخير المغرب على الافطار و بالعكس الخ

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز مغرب افطار کرنا ستاروں کے ہجوم و انبوہ سے قبل مکروہ نہیں ۔ اس کے بعد تاخیر ممنوع ہے اور وقتِ مکروہ شروع ہو جاتا ہے ۔

زید یہ بھی کہتا ہے کہ غروبِ شمس کے بعد جب تک سورج کے غروب کی جگہ بے نشان

نہ ہوجائے اور اس کی جگہ سے روشنی زائل نہ ہوجائے جس کی تخمینی مقدار غروب کے بعد دس منٹ تک ہے۔ اسوقت تک افطار کا وقت نہیں ہوتا۔ اور جب کہ وقتِ مستحب اشتباک نجوم سے قبل تک طویل ہے۔ تو پھر افطار میں جلدی کیوں کی جاتی ہے۔ غروب کے دس منٹ بعد روزہ افطار کرنا چاہیئے۔ زید کی تقریر مذکور کے پیشِ نظر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں۔

۱ : افطار کا وقتِ مستحب سورج غروب ہونے کے بعد کتنی دیر میں شروع ہوتا ہے اور سورج کا جب نظر آنا بند ہوجائے تو پھر افطار کے لئے کس نشانی کا انتظار ضروری ہے۔ روایتِ شیخین میں اقبالِ لیل وادبارِ نہار کے کیا معنی ہیں ؟

۲ : وقتِ مستحب افطار کی انتہاء کیا ہے۔ شامی اور ارکانِ اربعہ کی عبارتوں سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد افطار کرنا بھی وقتِ مستحب میں افطار ہے اور اشتباکِ نجوم سے قبل تمام وقت مستحب ہی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا یہ سارا وقت ایک درجہ کا مستحب ہے یا اس میں کچھ فرق ہے ؟

۳ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو نماز کے بعد افطار کیا کرتے تھے اس کی کیا توجیہ ہے۔ خصوصاً حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کا دائماً ایسا کرنا ؟

۴ : صحیحین کی جس روایت سے مغرب کی نماز میں سورۃ طور کا پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کیا اس میں کوئی قرینہ اس امر کا ہے کہ یہ مغرب کی نماز رمضان المبارک میں تھی یا کسی دوسری حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ رمضان المبارک میں یا جس روز روزہ تھا اس کی مغرب میں آپؐ نے سورۃ طور پڑھی ہے ؟ فقط والسلام

سید عبدالشکور ترمذی

مدرسہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

الجواب زید کی تقریر کا مبنیٰ چند امور ہیں۔

۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل کہ انہوں نے بعد از مغرب افطار کیا۔

۲ : دوسرا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب میں سورۃ طور یا اور بعض لمبی سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے۔

۳ : تیسرا یہ کہ زید ان دونوں باتوں کو دوام و استمرار پر محمول کر رہا ہے جیسا کہ تحریر میں ہے خصوصًا عمر و عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کا تو دائمی طور پر افطار بعد الصلوٰۃ پر عمل تھا۔ ان تینوں مقدمات کو ملانے سے تاخیرِ افطار کو ثابت کیا گیا ہے۔

لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد از نماز مغرب افطار فرمانا دائمی عمل نہیں ہے۔ بلکہ آپؐ نے احیانًا ایسا عمل فرمایا ہے بیانِ جواز کے لئے تاکہ کوئی شخص تعجیلِ افطار کو واجب نہ کہے اکثری عمل آپ کا افطار قبل الصلوٰۃ تھا۔

قال الزرقانی روی ابن ابی شیبۃ وغیرہ عن انس قال ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی حتی یفطر ولو علی شربۃ من ماء وفی روایۃ الترمذی و ابی داؤد عن انس رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن فتمیرات الحدیث قال القاری فیہ اشارۃ الی کمال المبالغۃ فی تعجیل الفطر۔ وایضا فی روایۃ البخاری عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر وھو صائم فلما غابت الشمس قال لبعض القوم یا فلان قم فاجدح لنا فقال یا رسول اللہ لو اَمْسَیْتَ قال انزل فاجدح قال ان علیک نہارا قال انزل فاجدح لنا فنزل فجدح لھم فشرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الحدیث)

یہ تینوں روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افطار قبل الصلوٰۃ پر نص ہیں اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کا عمل بھی بیانِ جواز پر محمول ہے کہ بعض اوقات افطار کو مؤخر کر دیتے تھے تاکہ تعجیلِ افطار کے وجوب کا گمان نہ ہونے لگے یہ بات بھی ملا علی قاری رحؒ نے ذکر کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

متعلقاً صح ان عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کانا برمضان یصلیان المغرب (الحدیث)۔ فھو لبیان جواز التأخیر لئلا یظن وجوب التعجیل (اوجز المسالک)

اسی طرح زید کے استدلال کا مقدمہ ثانیہ کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں سورۃ طور پڑھی" بھی اس کے دعوے کے لئے مفید و مثبت نہیں۔ تاوقتیکہ مقدمہ مذکورہ کے ساتھ امور ذیل کا ثبوت بہم نہ پہنچے۔

۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں "والطور" پوری پڑھی ؟

۲ : یہ رمضان المبارک میں ہوا ۔ ؟

۳ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دائمی اس پر تھا۔

حالانکہ علی حیثیت سے امور بالا میں سے کوئی امر بھی ثابت نہیں۔ نماز مغرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض طویل سورتیں پڑھنے کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ممکن ہے کہ آپؐ نے ان سورتوں کا کچھ حصہ پڑھا ہو۔

قالہ الکرمانی بحوالۂ عینی کذا فی حاشیۃ البخاری (ج ۱، ص۱۰۵) والیہ مال الطحاوی ۔

تقریر بالا سے زید کے استدلال کی نفی تو ہوگئی۔ اب مسئلہ استحباب تعجیل پر کچھ دلائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

۱ : عن سھل بن سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر (بخاری)۔

۲ : عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل احب عبادی الیّ اعجلھم فطرا۔ (ترمذی)۔

۳ : وہ تین روایتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افطار قبل الصلوۃ کے اثبات میں اوپر ذکر کی گئی ہیں ان روایات کے علاوہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

عن عمرو بن میمون الاودی قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرع الناس افطارا وابطائهم سحورًا۔

نیز صاحب اوجز المسالک نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی، ابن عباس اور ابو بردۃ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز سے قبل افطار فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول بھی تعجیلِ افطار کا بخاری وغیرہ کی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ تعجیلِ افطار کے استحباب پر اجماع ہے۔ اوجز المسالک میں ہے۔

واستحبابه مجمع علیه وقد حکی الاجماع علی ذالك غیر واحد من نقلة المذاهب قال الموفق وهو قول اکثر اهل العلم قال ابن عبد البر احادیث تعجیله وتاخیر السحور صحاح متواترة۔ (اوجز المسالك، ج ۵، ص ۱۵۱)۔

واضح رہے کہ تعجیل امرِ اضافی ہے غروبِ شمس کے بعد جتنی ہی تعجیل ہوگی اتنا ہی استحباب قوی ہوگا۔ اور اس میں جتنی تاخیر ہوتی جائے گی اتنا ہی استحباب میں ضعف اور کمی آتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ جب اشتباکِ نجوم ہوجائے تو استحباب ختم ہوکر وقتِ کراہت شروع ہو جائے گا۔

یہی مراد ہے ان فقہی عبارات کی جو بحر وغیرہ سے زید کی طرف سے اس سلسلہ میں نقل کی گئی ہیں کہ وقتِ استحباب اشتباکِ نجوم تک ہے۔ عقلاً بھی تاخیرِ سحور اور تعجیلِ افطار مستحسن معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں بندے کی طرف سے ضعف اور کمزوری کا اظہار ہے۔ اور تاخیرِ افطار میں اپنی جلادت وقوت کا دعویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ضعف اور عاجزی کا اظہار محبوب ہے، اس لئے تعجیلِ افطار جہاں تک ہوسکے مستحب ہوگی۔

مذکورہ بالا تفصیل کے ضمن میں آپ کے تمام سوالات کا جواب آگیا ہے۔ آسانی کے لئے جوابات کا خلاصہ مختصر طور پر نمبر وار دوبارہ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱: جب غلبۂ ظن ہو جائے کہ سورج غروب ہوگیا ہے تو افطار کا وقتِ مستحب فوراً بلا تاخیر شروع ہوجاتا ہے۔ "اقبالِ لیل" سے مراد ہے کہ افقِ مشرق پر رات کا اندھیرا قدرے

محسوس ہونے لگے۔ اور " ادبارِ نہار " سے مراد ہے کہ دن کی روشنی اور سفیدی کم ہونا شروع ہوجائے۔ اور یہ دونوں چیزیں غروبِ شمس کے فوراً بعد شروع ہوجاتی ہیں۔ احساسِ ظلمت اور اضمحلالِ بیاضِ نہار کے ساتھ غروبِ شمس لازم نہیں۔ لیکن غروبِ شمس کے ساتھ اقبالِ لیل اور ادبارِ نہار لازم معلوم ہوتے ہیں۔

۲ : افطار کے لئے وقتِ مستحب کی انتہاء اشتباکِ نجوم سے قبل تک ہے۔ لیکن یہ سارا وقت استحباب میں برابر نہیں۔ غروبِ شمس کے بعد جتنی جلدی افطار کیا جائے گا اتنا ہی پسندیدہ ہوگا۔

قال علیہ السلام قال اللہ عز وجل احبّ عبادی الیّ اعجلہم فطرا وفی الترمذی ج ۱ ص۸۸ وتعجیل الافطار افضل فیستحب ان یفطر قبل الصلوٰۃ ۱ھ۔ (عالمگیری)

۳ : اس کا مفصل جواب گزر چکا ہے اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحضراتِ شیخین رضہ کے افطار بعد الصلوٰۃ کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ روزہ افطار تو نماز سے پہلے ہی فرمالیا کرتے تھے لیکن افطاری کا کھانا نماز کے بعد تناول فرماتے تھے جس کو راوی نے " یفطران " سے تعبیر کیا ہے۔

۴ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مغرب میں " والطور " پڑھنا رمضان میں تھا یا غیرِ رمضان میں ؟ روایات سے ہم ایسا کوئی قرینہ معلوم نہیں کرسکے جس سے یہ معلوم کرسکیں کہ یہ واقعہ رمضان المبارک کا ہے یا آپؐ کم از کم اس دن روزہ سے تھے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ہٰذا	مفتی خیر المدارس ملتان ۱؍۱۲؍۸۷ھ

جس کے رمضان کے روزے رہتے ہوں نفل روزے رکھ سکتا ہے یا نہیں

زید کے رمضان شریف کے روزے رہتے ہیں تو کیا وہ محرم کی دسویں، گیارہویں کا روزہ رکھ سکتا

ہے ؟ یا پہلے رمضان کے قضاء کرنے ضروری ہیں ؟

المستفتی : سید نصرت علی ، نئی روشنی سکول وحدت کالونی : ملتان

الجواب زید محرم کے روزے رکھ سکتا ہے البتہ قضاء رمضان میں بلا عذر اتنی تاخیر مناسب نہیں۔

ولا یکرہ صوم التطوع لمن علیہ قضاء رمضان کذا فی معراج الدرایۃ۔ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۱)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۲/۱۴۰۲ھ

غروب سے پہلے چاند دیکھ کر افطار کیا تو قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں

ایک مولوی صاحب نے عید کا چاند غروب آفتاب سے قبل دیکھ لیا اور روزہ افطار کر لیا اسکو دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی افطار کر دیا۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ تو درست نہیں ہوا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ مجھ سے مغالطہ میں ہوا۔ میں نے کئی لوگوں کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔ تو اب مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں یا فقط قضاء ؟ ساٹھ روزوں کی بجائے کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جا سکتا ہے ؟

غلام یٰسین خطیب ریلوے مسجد بھکر میانوالی

الجواب امام صاحب اور ان کے متبعین مفطرین پر قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں۔ کیونکہ رمضان کا روزہ دن کو عمداً افطار کیا گیا ہے اور جہالت کوئی عذر نہیں۔

ورؤیتہ بالنہار للیلۃ الآتیۃ مطلقاً ای سواء رؤی قبل الزوال او بعدہ۔ اھ (شامی ج ۲ ص ۱۳۰)۔

اگر واقعۃً روزوں کی طاقت نہ ہو تو کھانا کھلایا جا سکتا ہے۔

فان لم یجد صام شہرین متتابعین فان لم یستطع أطعم ستین مسکینا۔ اھ (شامی ، ج ۲ ، ص ۱۵۰)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتار	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳ / ۱۱ / ۱۳۹۷ھ

روزہ دار کے منہ میں زبردستی لید ٹھونس دی

روزہ دار کے منہ میں گدھے کی لید ٹھونس دی اور بری طرح جلوس نکالا آیا اس پر قضاء آئے گی یا کفارہ آئے گا ؟

۲ : اسی روزہ دار کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ اس نے چار سالہ بچی کے ساتھ برا فعل کیا ہے اور مجرم کہتا ہے کہ میں نے یہ گندا کام نہیں کیا ۔ صرف ذاتی دشمنی اور مخالفت کی بنا پر میرے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے ۔ آیا ایک شریف آدمی کا ایسے جلوس نکالنا شرعاً کیسا ہے ۔ بینوا توجروا

الجواب اگر لید تر تھی تو ظاہر ہے کہ ٹھونسنے کی صورت میں کچھ پانی وغیرہ بھی حلق سے نیچے اترا ہوگا ۔ لہذا قضاء ضروری ہے ۔ اور خشک ہونے کی صورت میں اگر یقین ہو کہ حلق سے نیچے کچھ نہیں گیا تو قضاء ضروری نہیں ہے مگر احتیاط اسی میں ہے کہ قضاء کر لی جائے اور کفارہ بہر صورت نہیں ۔

۲ : اگر بغیر کسی جرم اور شرعی ثبوت کے یہ سلوک کیا گیا ہے ، تو انتہائی قابل مذمت اور نامناسب ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳ / ۱۲ / ۱۳۹۸ھ

کفارے کے روزے لگاتار رکھنا ضروری ہے

ایک آدمی نے رمضان شریف کا ایک روزہ جان بوجھ کر توڑا ۔ اس کا کفارہ اگر ساٹھ روزے رکھے تو کیا یہ ساٹھ روزے لگاتار رکھے یا وقفہ کے ساتھ ؟

الجواب کفارے کے روزے لگاتار رکھنا ضروری ہے ۔ اگرچہ کسی عذر سے بھی ایک دن روزہ نہ رکھا تب بھی نئے سرے سے شروع کر کے دوبارہ پورے

کرے۔ فان أفطر ولو بعذر غیر الحیض استأنف۔ (طحطاوی ص ۳۶۶)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

شیخ فانی سردیوں میں روزہ رکھ سکے تو روزہ کی قضاء کرے فدیہ نہ دے

والد صاحب بوجہ ضعف اور عمر رسیدگی رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھ سکتے۔ ادھر رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ اگر قبل از رمضان المبارک سارے ماہ صیام کے روزوں کا فدیہ والد صاحب کی طرف سے ادا کر دیا جائے تو کیا ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر ادا ہو جائے گا تو کس حساب سے پورے ماہ رمضان کے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ جبکہ وہ بعض اوقات جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور روزہ رکھ لیتے ہیں۔ لیکن اب کمزوری بہت زیادہ ہے اس مرتبہ شاید وہ کوئی روزہ بھی نہ رکھ سکیں۔ اس بارے میں مفصل جواب سے نوازیں؟

المستفتی: سیف اللہ خالد قادری: ۲۵۳/بی شاہجمال ٹاؤن لاہور ۵۴۷۷۰

الجواب اگر آئندہ چل کر سردیوں کے چھوٹے دنوں میں بھی روزہ رکھ سکنے کی توقع نہ ہو تو ہر روزے کے بدلے میں ایک صدقۂ فطر کے برابر فدیہ دے دیں سارے مہینے کا فدیہ شروع رمضان میں اکٹھا بھی دے سکتے ہیں مگر رمضان شروع ہونے سے پہلے دینا مناسب نہیں۔

وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوبا ولو فی اول الشهر وبلا تعدد فقیر کالفطرة لو موسرا والا فیستغفر الله اھ (در مختار)۔ وفی الشامیة (قوله العاجز عن الصوم) أی عجزا مستمرا کما یأتی أما لو لم یقدر علیه لشدة الحر کان له أن یفطر ویقضیه فی الشتاء (ج ۲ ص ۱۳۰)

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان: ۱۳/۸/۱۴۰۷ھ

قضاء رمضان کیلئے رات سے نیت کرنا ضروری ہے

ایک شخص کے ذمہ رمضان کے چند روزوں کی قضاء باقی ہے ان کے ادا کئے بغیر پہلے نفلی روزے رکھتا ہے۔ آیا اس کے وہ نفلی روزے ہوں گے یا رمضان شریف کی قضاء کے شمار ہوں گے۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں نفلی روزے ہوں گے۔ کیونکہ قضاء روزوں کے لئے تعیین شرط ہے۔ ہندیہ میں ہے۔ وشروط القضاء والکفارات

ان یبیت ویعین۔ (ج ۱، ص۱۹۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

جھوٹ بولنے کے بعد روزہ توڑ دیا تو کفارہ کا حکم

ایک شخص نے رمضان المبارک میں روزہ توڑا۔ اور روزہ توڑنے کی وجہ یہ بتائی کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ تو میں نے گمان کیا کہ جھوٹ بولنے سے روزہ نہیں رہتا۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولے اس کا روزہ باقی نہیں رہتا۔ اب یہ فرمائیں کہ اس پر کفارہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب شخص مذکور پر قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہیں۔

ولو اغتاب انسانا فظن ان ذالک یفطرہ ثم اکل بعد ذالک متعمدا فعلیہ الکفارۃ وان استفتی فقیہا او تأول حدیثا کذا فی البدائع وبہ قال عامۃ العلماء کذا فی فتاوی قاضی خان۔ (عالمگیری، ج ۱، ص۲۰۵)۔

اور حدیث میں یہ نہیں آتا کہ جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے بلکہ حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں۔

من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ۔ رواہ البخاری، مشکوۃ (ج ۱ ص۱۷۶)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان

بخار کی شدت کی وجہ سے رمضان کا روزہ توڑا تو صرف قضا آئیگی

زید نے رمضان شریف میں روزہ رکھا لیکن بخار کی شدت کی وجہ سے توڑ دیا کیا اس کا کفارہ ہوگا یا نہیں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں اگر مرض اور بخار کی زیادتی کا قوی اندیشہ تھا یا کسی طبیب نے ایسا کہا تھا اس بنا پر روزہ افطار کیا گیا ہے تو کفارہ واجب نہیں صرف قضاء واجب ہوگی۔

اذا احدث المرض فی نہار رمضان ویظن بالصوم الزیادۃ علی المرض یباح لہ الافطار اھ (رسائل الارکان کذا فی مجموعۃ الفتاوی ج ۱ : ص ۳۸۶) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲ / ۸ / ۱۴۰۰ھ

دوا موضع حقنہ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا

ایک آدمی کو خارش کی سخت بیماری ہے اگر وہ دوا کو انگلی پر لگا کر مقعد میں داخل کرے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر یہ دوا موضع حقنہ تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر اس سے پیچھے رہی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

أو أدخل اصبعہ الیابسۃ فیہ أی دبرہ أو فرجہا ولو مبتلۃ فسد اھ (درمختار) ۔ وھذا لو ادخل الاصبع الی

موضع الحقنة۔اھ۔(شامی، ج ۲، ص ۹۹)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵؍۹؍۱۴۰۱ھ

استمناء بالید میں قضاء ہے کفارہ نہیں

ایک شخص نے لواطت بالید کر کے کئی روزے افطار کر دیئے۔ کسی کے بتلانے پر اس نے بطور کفارہ دو ماہ کے روزے بھی رکھے۔ رات کو غلبۂ شہوت کی وجہ سے پھر اخراج منی کیا۔ کیا شخص مذکور کا کفارہ ادا ہو گیا یا نہیں؟

الجواب: شخص مذکور پر کفارہ واجب ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ جتنے روزے اس عمل سے توڑے ہیں اتنے روزوں کی صرف قضاء واجب ہے۔

وكذا الاستمناء بالكف وان كره تحريما لحديث ناكح اليد ملعون اھ (درمختار) وفي رد المحتار قوله وكذا الاستمناء بالكف أي كونه لا يفسد لكن هذا إذا لم ينزل أما إذا أنزل فعليه القضاء اھ (شامي ج ۲ ص ۱۳۶)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہ
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	معین مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی خیر المدارس ملتان	۶ - ۷ - ۱۳۹۶ھ

احتلام ہو جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

اگر رمضان میں حالتِ روزہ میں نیند کی حالت میں احتلام ہو جائے تو روزہ پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ في التنوير اذا اكل الصائم او شرب او جامع ناسيا الخ اوقبل او احتلم الخ لم يفطر اھ (شامی ج ۲ ص ۹۵) وهكذا في الهندية ج ۲ ص ۲۰۰)۔ فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

استنجاء کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ماہِ رمضان میں جو روزہ دار ہے اس کے لئے لازمی ہے کہ پاخانہ کرنے کے بعد استنجاء کرتے وقت پاخانہ والی جگہ کو استنجاء کرلے کے بعد انگلیوں سے بالکل خشک کر دے۔ اگر ہو سکے تو اس کے بعد کپڑا مار دے تاکہ کوئی قطرہ پانی کا وہاں نہ لگا رہے۔ اگر انگلیوں سے اچھی طرح صاف نہ کرے گا اور فوراً بعد اٹھ کھڑا ہوگا تو جو قطرات وہاں لگے ہوں گے وہ اوپر چڑھ جائیں گے اور روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح عورت اندام نہانی میں یہی عمل کرے۔ آپ اصل مسئلہ تحریر فرمائیں؟

الجواب والصائم اذا استقصی فی الاستنجاء حتی بلغ الماء مبلغ الحقنة یفسد صومه هکذا فی البحر الرائق۔ (عالمگیری، ج ۱، ص ۱۰۵) قال فی الفتح والحد الذی یتعلق بالوصول الیه الفساد قدر المحقنة۔ اھ (شامی، ج ۲، ص ۱۳۵)۔

جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں روزہ ٹوٹنے کے لئے ضروری ہے کہ پانی موضع حقنہ تک پہنچ جائے۔ اور استنجاء میں عادتاً ایسا نہیں ہوتا۔ جیساکہ درمختار میں مصرح ہے۔

وهذا قلما یکون ولو کان فیورث داء عظیما[1]۔

پس صورتِ مسئولہ میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	خیر محمد عفا اللہ عنہ ۳/۹/۱۳۸۸ھ

بوس وکنار سے انزال ہو جائے تو صرف قضاء واجب ہوگی

(۱) اگر صائم کو رمضان میں بیوی سے بوس وکنار کرنے سے انزال ہو جائے جب کہ نیت صحبت

---

[1] درمختار علی الشامیہ، ج ۲، ص ۹۹ - طبع بیروت۔ از احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

کی نہ ہو۔

۲ : اگر نیت صحبت کی ہو۔ اور صرف بوس وکنار سے انزال ہو جائے۔

۳ : اگر صائم کو رمضان میں مشت زنی سے انزال ہو جائے۔ تو مندرجہ بالا تینوں صورتوں میں صرف روزہ کی قضاء لازم آئے گی یا کفارہ بھی ؟ بینوا توجروا۔

الجواب مذکورہ تینوں صورتوں میں صرف قضاء لازم آئے گی۔ کفارہ واجب نہیں ہوگا اوقبل و لو قبلۃ فاحشۃ الخ اولمس فانزل ولو بحائل لا یمنع الحرارۃ او استمنی بکفہ الخ قضی فی الصور کلہا فقط۔ اھ (درمختار) وفی الشامیۃ تحت قولہ فقط ای بدون کفارۃ اھ (ج۲ ص۱۰۵)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۹/۱۴۰۲ھ

بغلگیری سے انزال ہو جائے تو قضا واجب ہے کفارہ نہیں

ایک آدمی اپنی منکوحہ بیوی سے بحالتِ شہوت بوس وکنار کرتا ہے۔ درحالتِ بغلگیری اس کو انزال ہو جاتا ہے تو کیا اس کا روزہ باقی ہے یا ختم ہو گیا ؟ اگر ختم ہو گیا تو کیا وہ دن کو کچھ کھا پی سکتا ہے ؟ نیز مشت زنی کرنے یا بے ریش لڑکے کو بغلگیر کرنے سے انزال ہو جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟

الجواب فی التنویر قبل او لمس فانزل قید للکل۔ قضی فقط وفی الشامیۃ قولہ اولمس ای لمس آدمیا لما مرّ انہ لو مس فرج بہیمۃ فانزل لا یفسد صومہ اھ۔ (شامیہ ج۲ ص۱۴۲)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ دونوں صورتوں میں شخص مذکور کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضاء کرنا ضروری ہے۔ جس شخص کا روزہ ٹوٹ جائے اس کو کھانے پینے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۹/۱۳۸۸ھ

غروب سے پہلے چاند دیکھ کر عالم کے کہنے سے روزہ توڑ دیا تو کفارہ کا حکم

تیس روزے پورے ہونے پر عید کا چاند دن ہی کو دیکھ لیا جائے تو روزہ افطار کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ اگر افطار نہیں کر سکتے تو ایک بے خبر شخص نے ایک عالم معتبر کے کہنے سے روزہ افطار کر دیا تو اس بے خبر انسان کا کیا حکم ہے ؟ اس پر قضاء واجب ہے یا کفارہ ؟ کیونکہ اس نے ایک معتبر عالم کے کہنے سے روزہ افطار کیا ہے ؟

الجواب فی البدائع فان احتجم فظن ان ذالك يفطره فاكل بعد ذالك متعمدا ان استفتى فقيها فافتاه بانه قد أفطر فلا كفارة عليه لان العامي يلزمه تقليد العالم فكانت الشبهة مستندة الى صورة دليل اھ بدائع الصنائع (ج ۲ ، ص ۱۰۰)۔

تفصیلِ مذکورسے عامی کے لئے معتبر عالم کا قول حجت اور موجب شبہہ ہونا معلوم ہوا۔ پس صورتِ مسئولہ میں بقولِ سائل جب کہ معتبر عالم کے کہنے پر روزہ افطار کیا ہے تو اس صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوگا بلکہ قضاء واجب ہوگی ۔

نوٹ :۔ بعض صورتوں میں فتویٰ فقیہ کے باوجود روزہ توڑنے میں وجوب کفارہ لکھا ہے لہٰذا احتیاطاً اگر کفارہ ادا کر دیا جائے تو بہتر ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱۱ / ۱۳۸۲ھ

کتنی عمر کے بچے سے روزہ رکھوایا جائے

رمضان شریف میں جب سحری کھانے کے لئے اٹھتے ہیں تو گھر کے نابالغ بچے دس بارہ سال کے بھی اصرار کرتے ہیں کہ ہم بھی روزہ رکھیں گے اب ہم انہیں منع بھی نہیں کر سکتے مگر ظاہر ہے کہ گرمیوں میں انہیں روزہ رکھنے سے تکلیف بھی ہوتی ہے تو شرعاً اس بارے میں کیا حکم ہے اگر وہ روزہ رکھ کر دوپہر کو توڑ دیں تو ان پر کوئی کفارہ تو نہیں ؟

الجواب جب بچے میں روزہ رکھنے کی طاقت ہوجائے تو اسے روزہ رکھوانا چاہیئے ۔ تاکہ ابھی سے اسے عادت ہو اور روزہ معمول بن جائے ۔ البتہ طاقت کے لئے کوئی خاص عمر متعین نہیں ۔کیونکہ یہ بنیادی صحت علاقہ اور موسم کے لحاظ سے کم وبیش ہوتی رہتی ہے ۔ البتہ دس سال کی عمر میں سختی سے روزہ رکھوایا جائے ۔ معہذا اگر وہ رکھنے کے بعد توڑ دیں گے تو ان پر قضاء واجب نہ ہوگی ۔

ویؤمر الصبی بالصوم اذا اطاقہ ویضرب علیہ ابن عشر کالصلوٰۃ فی الاصح اھ (درمختار) (قولہ اذا أطاقہ) وقدر بسبع والمشاھد فی صبیان زماننا عدم اطاقتھم الصوم فی ھذا السن ۔اھ قلت یختلف ذالک باختلاف الجسم واختلاف الوقت صیفا وشتاء والظاھر انہ یؤمر بقدر الاطاقۃ اذالم یطق جمیع الشھر اھ الصبی اذا افسد صومہ لایقضی لانہ یلحقہ فی ذلک مشقۃ اھ (شامی ج ۲ ص ۱۰۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۴/۹/۱۴۰۹ھ

حکومت کے اعلان کے باوجود کسی عالم کے یہ کہنے سے کہ چاند نہیں ہوا، روزہ توڑ دیا تو کفارہ کا حکم

رمضان کے چاند کا اعلان بذریعہ ریڈیو ، ٹی۔وی گیارہ بجے رات ہوا۔جس پر ہم سب لوگوں نے روزہ رکھا۔لیکن صبح آٹھ بجے خانقاہ سراجیہ مولانا خان محمد صاحب مدظلہ سے رابطہ قائم کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے مکمل تحقیق کی ہے ۔چاند کہیں نظر نہیں آیا۔اس لئے بعض لوگوں نے روزہ توڑ دیا۔جس پر علاقہ کے علماء نے کہا کہ اس کی قضاء اور کفارہ آئے گا۔کیونکہ رویت ہلال کمیٹی کا فیصلہ ہمارے لئے واجب العمل تھا ۔ توکیا صرف قضاء آئے گی یا کفارہ بھی ؟

الجواب صورت مسئولہ میں صرف قضاء واجب ہے کفارہ شبہ کی وجہ سے ساقط ہوگیا ہے ۔ مراقی میں ہے ۔ واذا استفتی فقیھا فافطر فلا

کفارۃ علیہ وان خطأ الفقیہ ۔ (ج ۲، ص۳۹۵)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

گدھے کیساتھ وطی کرنے سے قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں

ایک شخص روزہ رکھ کر کے ایک جانور یعنی گدھے کے ساتھ وطی کرتا ہے۔ پھر بغیر غسل کے نماز بھی ادا کرتا ہے اور اسی حالت میں دوسرے دن پھر روزہ رکھ کے گدھے کے ساتھ وطی کرتا ہے تو اب اس صورت میں اس پر روزہ توڑنے کی وجہ سے کفارہ واجب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب فی العالمگیریۃ (ج ۱، ص۲۰۵) واذا جامع بہیمۃ الی ان قال کان علیہ القضاء دون الکفارۃ ۔ اھ

اس سے معلوم ہوا کہ وطی صبح صادق کے بعد کی ہے تو اس شخص پر قضاء واجب ہے کفارہ نہیں حالتِ جنابت میں بھی روزہ ہو جاتا ہے ۔

وفی العالمگیریۃ ومن اصبح جنبا او احتلم فی النہار لم یضرہ اھ

البتہ جتنی نمازیں حالتِ جنابت میں پڑھی ہیں ان کی قضاء ضروری ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۹ / ۱۱ / ۱۳۷۵ھ	معین مفتی خیر المدارس ملتان

صرف نظر و فکر سے انزال ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا

زید نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ ان کے گھر ایک غیر محرم عورت مہمان ٹھہری ہوئی تھی وہ اس کی طرف بار بار شہوت سے دیکھتا رہا اور اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اور اسی دوران اس کو انتشار ہو کر انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں ؟

سید ممتاز احمد تجبر، کھڈہ ملتان

الجواب صرف نظر وفکر سے انزال ہوا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

و اذا نظر الی امرأة بشھوة فی وجھھا او فرجھا کرر النظر اولا لا یفطر اذا أنزل کذا فی فتح القدیر وکذا لا یفطر بالفکر اذا امنی اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲ / ۱۰ / ۱۴۰۸ھ

روزوں کی طاقت ہوتے ہوئے اطعام سے کفارہ جائز نہیں

۱: ایک آدمی نے جبراً حالتِ صوم میں رمضان المبارک میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔ تو کفارہ مرد پر ہوگا یا دونوں پر ؟

۲: روزوں کی طاقت ہوتے ہوئے کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہو جائے گا ؟

الجواب ۱: خاوند پر کفارہ لازم ہے۔ بیوی نے اگر بخوشی موافقت کی ہے تو اس پر بھی کفارہ لازم ہے۔

۲: روزوں کی طاقت ہوتے ہوئے اطعام سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔

وان جامع المکلف أو أکل أو شرب غذاء او دواء عمدا الی قولہ قضی وکفّر ککفارة المظاھر اھ (تنویر الابصار) وفی الشامیة فیعتق أولا فان لم یجد صام شھرین متتابعین فان لم یستطع أطعم ستین مسکینا۔ اھ (ج ۲ ص ۱۵۱)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳ / ۱۱ / ۱۳۹۹ھ

عمداً منہ بھر کر قے کی تو قضاء واجب ہوگی

ایک شخص کے پیٹ میں درد ہوا۔ اور بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہ قے پر مجبور ہوا چنانچہ

عمداً منہ بھر کے قے کی اور پھر دوا وغیرہ لی۔ اس پر کفارہ ہے یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں آئے گا۔

وان استقاء أی طلب القیٔ عامدا أی متذکرا لصومہ ان کان ملء الفم فسد بالاجماع مطلقاً اھ

(درمختار علی الشامیۃ : ج ۲، ص۱۵۲) - فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

عورت نصفِ قامت پانی سے گزر جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا

ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر عورت جاری پانی سے گزر جائے اور وہ پانی گہرائی کے لحاظ سے اتنا ہو کہ عورت کی ناف تک ہو کر گزرے تو اس عورت کا روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ اگلے راستے میں پانی رسائی کر جاتا ہے۔

الجواب جب تک پانی اندر پہنچ جانے کا یقین نہ ہو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

والصائم اذا استقصی فی الاستنجاء حتی بلغ الماء مبلغ الحقنۃ یفسد صومہ ھکذا فی البحر الرائق (ج ا ص۱۰۶)

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

نفلی روزہ توڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوگا

زید نے شبِ برأت کے دن باقاعدہ سحری کھائی اور نفلی روزہ کی نیت کی مگر فجر کی نماز سے تھوڑی دیر بعد طلوعِ آفتاب سے قبل اپنی عورت سے صحبت کر بیٹھا۔ حالانکہ اسے اچھی طرح یاد ہے کہ میرا روزہ ہے۔ کیا اسے کفارہ دینا پڑے گا ؟

الجواب رمضان کے مہینے میں روزہ توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔ رمضان کے علاوہ کوئی بھی روزہ توڑا جائے تو اس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا[1] پس صورتِ مسئولہ میں زید پر کفارہ واجب نہیں۔ صرف ایک روزہ قضاء کرنا پڑے گا۔ البتہ توبہ و استغفار بھی کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق عفر اللہ لہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۳ / ۹ / ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفر اللہ لہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان کے باوجود روزہ نہ رکھنے والے اس روزہ کی قضاء کریں

رات بارہ بجے کے بعد رؤیتِ ہلال کمیٹی نے اعلانِ رؤیتِ ہلال کر دیا۔ کیا شریعت کی روشنی میں جن حضرات نے روزہ رکھا ہے ان کا روزہ ہو گیا ؟

الجواب ظاہر یہی ہے کہ رؤیتِ ہلال کمیٹی نے شرعی ثبوت پر ہی اعلان کیا ہے لہذا جنہوں نے اس دن روزہ نہیں رکھا وہ ایک روزہ قضاء کریں۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۴/۹/۱۴۰۷ھ

اگر بتی کا دھواں مفسدِ صوم ہے

اگر کوئی شخص اگر بتی جان بوجھ کر سونگھے تو اس کا روزہ فاسد ہوگا یا نہیں ؟

---

[1] لأن الكفارة انما وجبت لهتك حرمة شهر رمضان فلا تجب بافساد قضائه ولا بافساد صوم غيره اھ (شامی ج ۲ ص ۱۳۷)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفتاویٰ

الجواب روزہ یاد ہوتے ہوئے دھواں قصداً حلق سے نیچے لے جانے کی صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا۔

لو أدخل حلقه الدخان أى بأى صورة كان الادخال حتى لو تبخر ببخور فآواه الى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لامكان التحرز عنه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس اھ۔ (شامی ج ۲، ص۱۰۶) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۹/۱۳۹۷ھ

حائضہ سحری سے پہلے پاک ہو گئی تو روزہ رکھ لے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت رمضان المبارک میں سحری کے وقت حیض سے پاک ہو گئی۔ غسل نہیں کیا۔ کیا یہ عورت بغیر غسل کے روزہ رکھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسمہ تعالیٰ۔ اگر منتہائے سحری سے کچھ دیر قبل پاک ہو گئی ہے تو اس پر روزہ رکھنا فرض ہو گیا ہے۔

فلو انقطع قبل الصبح في رمضان بقدر ما يسع الغسل فقط لزمها صوم ذلك اليوم...... وأما في حق بقية الاحكام فلا يشترط الغسل ففي مثل الصلاة أو الصوم يجب عليها وان لم تغتسل۔ (شامی ص۲۱۷ ج۱) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحٰق عفا اللہ عنہ،

ٹیلی فون کی خبر واجب العمل نہیں

دیہات میں چند آدمیوں نے چاند دیکھا یہ دیہات شہر سے بارہ میل دور ہے، وہ فون پر مفتی صاحب کو اطلاع دیتے ہیں۔ تو کیا اس شہادت پر عمل کرنا ضروری ہے۔

الجواب شہادت شرعیہ فون پر معتبر نہیں ہے کسی مفتی کو اگر صرف ٹیلی فون کے ذریعے خبر ملی ہے۔ تو اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ قال الزیلعی ولو سمع من وراء الحجاب لا یسعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیره اذ النغمة تشبه النغمة۔ (تبیین ص ۲۱۲ ج ۴)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۷ / ۱۰ / ۱۳۸۶ھ

صبح صادق کے بعد کھانے پینے کے جواز کے بارے میں تفہیم القرآن کی غلطی کی نشاندہی

اس بارے میں بھی لوگ ابتداءً غلط فہمی میں تھے کسی کا خیال تھا کہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ اور کوئی یہ سمجھتا تھا کہ رات کو جب تک جاگ رہا ہو کھا پی سکتا ہے۔ جہاں سو گیا پھر دوبارہ اٹھ کر وہ کچھ کھا پی نہیں سکتا۔ یہ احکام لوگوں نے خود اپنے ذہن میں سمجھ رکھے تھے۔ اور اسکی وجہ سے بسا اوقات بڑی تکلیفیں اٹھاتے تھے اس آیت میں ان ہی غلطیوں کو رفع کیا گیا ہے (تفہیم القرآن حاشیہ نمبر ۱۹۲) کیا واقعۃً صحابہ کو غلط فہمیاں تھیں اور اُن کے ازالہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی یا حقیقت کچھ اور ہے؟

۲۔ آج کل لوگ سحری اور افطاری دونوں کے معاملے میں شدتِ احتیاط کی بناء پر کچھ بے جا تشدد برتنے لگے ہیں۔ مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی حد بندی نہیں کی ہے۔ جس سے چند سیکنڈ یا چند منٹ اِدھر اُدھر ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہو۔ سحر میں سیاہیٔ شب سے سپیدۂ سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ایک شخص کے لئے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوعِ فجر کے وقت اسکی آنکھ کھلی

ہو۔ تو وہ جلدی سے اُٹھ کر کچھ کھا پی لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور اذان کی آواز آجائے تو فوراً چھوڑ نہ دے، بلکہ اپنی حاجت بھر کھا پی لے۔ (تفہیم القرآن حاشیہ ص۱۴۲ ج۱) فلہذا طلوعِ فجر کے بعد عمداً اکل و شرب کے بارے میں اور حدیث کا اصل مقصد بیان فرماکر ماجور و مشکور ہوں۔

الجواب: ا۔ مذکورہ بالا قصہ من گھڑت ہے مودودی صاحب کی غلط فہمی یا کج فہمی ہے۔ نعوذ باللہ حضرات صحابہ کرام کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے تھے بلکہ ابتداءً حکم شرعی یہی تھا۔ کہ افطار کے بعد کھانے پینے اور جماع کی اسوقت تک اجازت تھی، جب تک انسان سوئے نہ، سونے کے بعد یہ چیزیں حرام ہوجاتی تھیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں بروایت براء بن عازب مصرح ہے۔ (معارف القرآن ص۴۵۳ ج۱)

۲۔ جب صبح صادق کے وقت طلوع ہوجانے کا یقین ہوجائے۔ اس کے بعد کھانے پینے میں مشغول رہنا حرام اور روزے کے لئے مفسد ہے۔ اگرچہ ایک ہی منٹ کے لئے ہو (معارف القرآن ص۴۵۱ ج۱ مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندہلوی لکھتے ہیں۔ لفظ خیط کے لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ فجر کا ادنیٰ حصہ مثل دھاگے کے بھی ظاہر ہوجائے تو کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے۔ (معارف ص۲۹۱ ج۱)

مودودی صاحب نے حدیثِ پاک کو ناتمام اسلئے نقل کردیا تاکہ اپنی رائے کے لئے کوئی تائید و سہارا مہیا ہوسکے۔ پوری حدیث اسطرح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے مانع نہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وہ رات کو اذان دیدیتے ہیں۔ اسلئے تم بلال کی اذان سن کر بھی اس وقت تک کھاتے پیتے رہو۔ جب تک ابنِ ام مکتوم کی اذان نہ سنو۔ کیونکہ وہ ٹھیک طلوع صبح صادق پر اذان دیتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) حضرت مفتی صاحب اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ناتمام نقل کرنے سے بعض معاصرین کو یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ اذانِ فجر کے بعد بھی کچھ کھایا پیا جاتے، تو مضائقہ نہیں۔ (ص۴۵۵ ج۱)

الحاصل طلوع صبح صادق کے تیقن کے بعد کھانے پینے کی قطعاً گنجائش نہیں ورنہ روزہ نہ ہوگا ۔ فقط، واللہ اعلم ،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۶ / ۹ / ۱۴۰۷ ھ

رؤیت ہلال کمیٹی کا اعلان پورے ملک کے لئے قابلِ عمل ہے

کیا رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان پر پاکستان والے عید کرسکتے ہیں؟ یا شہر کے لوگوں کو اپنے اپنے شہر کی شہادت حاصل کرنا ضروری ہے ؟ اور ہلال کمیٹی کا اعتبار نہ کیا جائے ، شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا فیصلہ پاکستان کے ہر شہر کے لئے قابلِ عمل ہے مزید توثیق کے لئے اپنے طور پر بھی شہادتیں لینے کا انتظام کر لیا جاوے تو بہتر ہے ۔ فقط ، واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،
۶ / ۹ / ۱۳۹۹ ھ

روزہ کی پختہ نیّت نہ کرنے سے روزہ نہیں ہوگا

ایک آدمی سفر میں تھا رمضان کا مہینہ آگیا چاند کا ہونا مشتبہ ہوگیا ۔ بعض لوگوں نے روزہ رکھا ہوا تھا اس نے بھی اس نیّت سے سحری کھالی کہ اگر کل رمضان کا روزہ ہوا تو میرا بھی روزہ ہے اور اگر رمضان کا روزہ نہ ہوا تو میرا روزہ نہیں سحری کے بعد سفر شروع کیا دس بجے اپنے علاقہ میں پہنچ گیا ۔ وہاں روزہ نہیں تھا ۔ اس نے بھی افطار کر لیا تو کیا اس پر قضاء وکفارہ ہوگا ؟

الجواب اگر اس دن واقعۃً رمضان کی پہلی تھی تو اُس دن کے روزہ کی قضا اس کے ذمّہ لازم ہے اور اگر وہ دن رمضان کا نہ تھا تو کچھ قضاء وکفارہ

واجب نہیں کیونکہ اسطرح کی نیّت سے آدمی روزہ دار نہیں ہوتا ،

وان نوی ان یفطر غدا ان دعی الی دعوۃ وان لم یدع یصوم لا یصیر صائما بہذہ النیۃ فان اصبح فی رمضان لا ینوی صوما ولا فطرا وھو یعلم انہ عن رمضان ذکر شمس الائمۃ الحلوانی عن الفقیہ ابی جعفر عن اصحابنا رحمھم اللہ تعالیٰ فی صیرورتہ صائما روایتین والاظہر انہ لا یصیر صائما کذا فی المحیط ۔(ہندیہ ص۱۹۵ ج۱) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نسوار کا استعمال مُفسدِ صوم ہے ۔

ایک شخص کو بیڑہ استعمال کرنے کی عادت ہے اور سبز بیڑہ استعمال کرتا ہے ۔ ا ۔ وقتِ استعمال اتنی احتیاط کرتا ہے کہ لعاب اندر نہیں جاتا (ب) اگر کچھ جائے تو صرف کڑوا پن اور بہت معمولی (ج) دانتوں میں رکھا جاتا ہے زبان کے نیچے نہیں (د) معمولی مقدار میں تھوک خارج ہوتی ہے منہ میں زیادہ خرابی پیدا نہیں ہوتی ۔ چونکہ اب رمضان ہے سارا دن نہ دیے تو طبیعت خراب رہتی ہے برداشت سے معاملہ باہر ہو جاتا ہے ۔ بوجہ ضرورت استعمال کر لیتا ہے ۔ تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہ اگر فاسد ہو جاتا ہے تو کیوں جبکہ یہ چیزیں نہ غذا ہیں نہ دوا، تمباکو غذائیت اور دوائیت سے بالکل خالی ہے ؟

الجواب روزہ رکھ کر بیڑہ استعمال کرنا ہرگز درست نہیں احتمال غالب ہے کہ کچھ نہ کچھ ذائقہ اس کا حلق کے اندر ضرور چلا جاتا ہے ۔ جو یقیناً مفسدِ صوم ہے لہٰذا اس سے قطعاً احتراز کرنا چاہیئے ۔ فقط ، واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

۱۰/ ۹/ ۷۹ ء

وریدی انجکشن مفسدِ صوم نہیں؟

کیا وریدی انجکشن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب مفسدِ صوم وہ چیز ہے جو جوف معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے اور وریدی انجکشن کے ذریعے جو دوا پہنچائی جاتی ہے۔ وہ رگوں کے اندر رہتی ہے جوف معدہ یا دماغ تک نہیں پہنچتی اور اسکو ناک یا منہ میں ڈالی جانے والی دوا پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان میں ڈالی جانے والی دوا براہِ راست جوف تک پہنچ جاتی ہے

أو ادهن او اكتحل أو احتجم وان وجد طعمه فى حلقه وفى الشامية أى طعم الكحل أو الدهن كما فى السراج وكذا لو بزق فوجد لونه فى الاصح بحر قال فى النهر لان الموجود فى حلقه اثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على ان من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه انه لا يفطر اھ (رد المحتار ص۹۸ ج۲ مطبوعہ بیروت) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبد الستار
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

محمد انور نائب مفتی
خیر المدارس ملتان ۱۴/۹/۹۸ھ

مشقت نہ ہو تو سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے

اگر کوئی آدمی رمضان المبارک میں سفر کی حالت میں ہو تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ وہ سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھے اور جب سفر سے واپس آجائے تو گھر میں روزہ رکھے لیکن اگر کوئی آدمی سفر کی حالت میں روزہ رکھ لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جبکہ ٹی وی میں بتایا ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ اگر رکھ لے تو وہ گنہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی چھوٹ کے خلاف کیا ہے۔

برائے مہربانی جواب دلائل کے ساتھ نوازیں۔ سائل مولانا عبد الرحمٰن چوک وہاڑی ملتان

الجواب: سفر کی حالت میں روزہ رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے اور اس پر اجماعِ امت ہے احکام القرآن میں ہے۔ واتفقت الصحابة ومن بعدھم من التابعین وفقھاء الامصار علی جواز صوم المسافر (ص ۲۱۴ ج ۱)

سفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ رکھنا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے چنانچہ امام ابوبکر الجصاصؒ فرماتے ہیں۔ وقد ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالخبر المستفیض الموجب للعلم بانہ صام فی السفر (ص ۲۱۴ ج ۱)

اللہ پاک کے فرمان وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون اور متعدد احادیث سے حالتِ سفر میں روزہ کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ وقد روی عثمان بن ابی العاص الثقفی وانس بن مالک ان الصوم فی السفر افضل من الافطار (احکام القرآن ص ۲۱۶ ج ۱)

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ٹی وی کا فتویٰ غلط اور ٹی بی زدہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح،	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۱۴ / ۹ / ۱۴۱۱ھ

ساٹھ سالہ مریضہ فدیہ دے سکتی ہے

کیا فرماتے ہیں، مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مریضہ جسے ٹی بی کا مرض لاحق ہے اور عمر بھی تقریباً ساٹھ سال ہے اور نہایت کمزور ہے۔ صحت کے آثار نظر نہیں آتے۔ ڈاکٹروں نے بھی سختی سے منع کیا ہے، کہ روزہ نہ رکھیں اور اگر روزہ رکھیں گی تو پھیپھڑوں پر بُرا اثر ہوگا۔ ان حالات میں مریضہ بہت پریشان ہے کہ میں کیا کروں؟ اگر فدیہ وغیرہ دینا ہو تو کیسے ادا کیا جائے۔ اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ لے سال بھر صحت کا موقع دیں۔ تو اس صورت میں کیا کرنا ہوگا؟

محمد جمیل داد خیر دین ساکن موضع زنگیل پور۔ ملتان

الجواب اگر آئندہ زمانہ میں بھی تندرستی کے امکانات معلوم نہیں آتے تو فدیہ دینے کی شرعاً اجازت ہے۔ لقولہ تعالیٰ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین الآیۃ۔ فقط واللہ اعلم۔
ایک روزے کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اسکی قیمت ہے۔

الجواب صحیح بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار رئیس دارالافتاء نائب مفتی جامعہ خیر المدارس۔ ملتان

روزے کی حالت میں کان میں دوا ڈالنے کا حکم

ایک شخص نے رمضان المبارک میں روزہ رکھا اور اسکے کان میں تقریباً رات سے درد تھا نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر شدت درد کی وجہ سے بھول کر دوا ڈالتا ہے بعد میں دیگر شخص کے یاد کرانے سے فوری نیچے گرا دیتا ہے اور روئی وغیرہ سے صاف کرلیتا ہے تو آیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے یا کہ باقی ہے بصورت اوّل صرف قضاء ہوگی یا کفارہ بھی واجب ہوگا؟ (فضل الرحمٰن فیصل آبادی)

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کا روزہ فاسد نہیں ہوا۔ ادا ہوگیا ہے اس لئے اس پر اس روزہ کی قضاء ہے نہ کفارہ۔ فقط،

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
الجواب صحیح، عبد اللہ غفرلہٗ ۱۰/۶/۱۳۷۷ھ

روزہ کی حالت میں دانتوں پر دواء ملنے کا حکم

رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں دانتوں کے ڈاکٹر سے دانتوں کی سکیلنگ اور فلنگ کے ساتھ ساتھ دانتوں پر مختلف قسموں کی دوائی لگانے سے کیا روزہ برقرار رہتا ہے۔ یا اس کی قضاء لازم ہے اور کیا اس کا کفارہ بھی آئے گا۔

مزید براں ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ نے نمک والے پانی سے ۴، ۵ دفعہ غرارے بھی کرنے ہیں کیونکہ رمضان شریف کا مہینہ ہے. کیا اس بات پر بھی روزہ کی حالت میں عمل کیا جا سکتا ہے. براہ کرم مطلع فرمائیں۔

سائل محمد ظفر محمود ملتان پاکستان

الجواب رمضان شریف میں دن کو دانتوں پر دوائی لگانے سے پرہیز کرنا مناسب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
جامعہ خیر المدارس ملتان
۱۴ / ۱۰ / ۱۴۱۰ھ

روزہ نہیں ٹوٹتا اگر دوائی حلق کے اندر نہ گئی ہو، والجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے سال روزے رکھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے سال روزے رکھے ہیں ؟

الجواب رمضان کی فرضیت ۲ھ میں ہوئی اور دس ہجری تک، ہر رمضان کے روزے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے ہیں اور گیارہ ہجری ربیع الاول میں آپ کی وفات شریفہ ہوئی تو اس طرح سے نو برس ہر رمضان کے روزے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۱۲ / ۹ / ۱۴۰۰ھ

حاملہ طبی معائنہ کرائے تو روزہ کا حکم

روزہ دار حاملہ عورت کا دائی معائنہ کرتی ہے جیسا کہ ان کا طریقہ کار ہے یعنی فرج کے اندر ہاتھ داخل کرنا وغیرہ اس صورت میں روزہ باقی رہے گا یا نہیں ؟ قضاء

لازم ہے یا کفارہ ؟

الجواب روزہ میں اس سے احتیاط کی جائے اور اگر انگلی کو پانی یا تیل لگا ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ شامی میں ہے۔ اوادخل اصبعہ الیابسۃ فیہ ای دبرہ اوفرجہا ولو مبتلۃ فسد اھ (درمختار علی الشامیۃ ص ۹۹ ج ۲)

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
خیر المدارس ۔ ملتان ۹/۹/۱۴۱۴ھ

افطار کی دعار پہلے پڑھی جائے یا بعد میں ؟

روزہ افطار کرنے کی دُعا پہلے پڑھی جائے یا افطار کرنے کے بعد، اس کا کیا حُکم ہے ؟

الجواب افطار کرتے وقت قبل از افطار دعار افطار پڑھ کر روزہ کھولا جائے
فقط واللہ اعلم ، بندہ محمّد اسحاق عفر اللہ لہٗ ۲۹ / ۸ / ۱۴۱۵ھ

اپنے اختیار سے کھانے کو معدہ میں واپس کیا تو روزے کا حکم

ایک شخص کا اللہ تعالیٰ نے عجیب نظام ہضم بنایا ہے کہ جب وہ کھانا کھاتا ہے تو تھوڑا تھوڑا کھانا معدہ سے منہ کو آتا ہے اور بہائم کی طرح جگالی کرتا رہتا ہے جس سے اس کا کھانا ہضم ہوتا ہے اگر ایسا نہ کرے تو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ دُوسرا یہ کہ اس کا ایسا کرنا اس کے اختیار میں بھی نہیں ہے بلکہ از خود معدہ سے منہ کو کھانا آتا ہے اور بہائم کی طرح جگالی کرتے کرتے ہضم ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کے روزے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ وہ شخص روزہ کیسے رکھے ؟ کیا ایسا ہو جانے سے روزہ تو نہیں ٹوٹے گا یعنی معدہ سے کھانا آنے کے بعد دوبارہ معدہ میں جانے سے روزہ باقی رہ جائے گا۔ اگر روزہ ٹوٹ جائے تو ایسا شخص کیا کرے کیا یہ شخص روزہ کے

بارے میں معذور سمجھا جائے گا کیا صورت ہوگی ؟

الجواب ایسے شخص کو چاہیئے کہ جب کھانا معدے سے منہ میں واپس آئے تو اسے باہر پھینک دے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر اپنے اختیار سے کھانا معدے میں لوٹا دیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفی عنہ،
۲۸/ ۸/ ۱۴۱۴ھ

مریض خود روزہ نہ رکھ سکے تو کسی سے رکھوانے کا حکم

محترمی مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ۔ ملتان

السلام علیکم، مزاج گرامی ۔ بندہ نے اگست ۱۹۵۲ء میں اپریشن کر دایا تھا اور اب تک دوائی کھا رہا ہوں ۔ کیونکہ مذکورہ مرض کے خاتمے کے متعلق دل کو پورا اطمینان نہیں ہوا ڈاکٹروں کا فرمان ہے کہ بھوک پیاس کمزوری اس مرض کو دوبارہ لانے کا باعث بنتی ہے ویسے بھی بندہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ جب بھوک اور پیاس لگتی ہے تو کھانسی شروع ہو جاتی ہے ۔ پچھلے رمضان المبارک کے روزے کسی سے رکھوائے تھے، تراویح بھی نہیں پڑھی ۔ اس دفعہ روزے تو کسی سے رکھواتا ہوں لیکن تراویح پڑھنے کے لائق ہوگیا ہوں واللہ اعلم کہ کتنے سال تک روزے نہ رکھ سکوں، اتنے سالوں کے روزے کی قضائی کے متعلق دل کو بڑی پریشانی ہو رہی ہے ؟

الجواب کسی بیمار کا دوسرے سے روزے رکھوانا جائز نہیں بلکہ اگر صحت کی جلد توقع ہو تو بعد از صحت خود قضاء کرے ۔ اگر بیماری ممتد ہو اور صحت کی جلد توقع نہ ہو تو ہر روزے کے بدلہ میں ایک فطرانہ یعنی پونے دو سیر گہیوں یا اس کی قیمت کسی فقیر کو دیتا رہے لیکن اس صورت میں بھی جب تندرست ہو جائے گا ۔ تو قضاء لازم ہوگی ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد اللہ غفر لہ خادم دار الافتاء خیر المدارس
۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ

افطار کی وجہ سے جماعت میں کتنی تاخیر کی گنجائش ہے

رمضان شریف میں لوگ گھر میں روزہ افطار کرتے ہیں پھر نماز مغرب کی جماعت میں شریک ہوتے ہیں آیا ان کے لئے کچھ انتظار کرنی چاہیئے یا نہ اگر انتظار کریں تو زیادہ سے زیادہ کتنی؟ اگر آفتاب غروب ہوتے ہی اذان کہہ دی جائے تو پھر زیادہ سے زیادہ کتنی دیر انتظار کی جائے آفتاب غروب ہونے پر اذان کہی جائے یا ٹھہر کر اذان کہی جائے اور فوراً جماعت کھڑی ہو؟

الجواب جو لوگ گھر میں روزہ افطار کرکے مسجد میں آتے ہیں ان کے لئے پانچ چھ منٹ اذان کے بعد انتظار کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	الجواب صحیح، بندہ اصغر علی
۴ر رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ	معین مفتی خیر المدارس

بہت سے روزے ذمہ ہوں تو ان کی قضا کا طریقہ

ایک شخص نے گزشتہ پانچ رمضان میں کچھ روزے رکھے ہیں یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے رکھے ہیں اب وہ چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنا چاہتا ہے تو کس طرح کرے اور نیت کس طرح کرے؟

۲۔ اس شخص نے گزشتہ پانچ رمضانوں میں کچھ روزے رکھ کر توڑ دیئے ہیں مگر یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے توڑے اب اس کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے تو اب کفارہ ادا کرنے کی کیا صورت ہے۔ ایک کفارہ ہوگا یا کئی کفارے؟

الجواب ۱۔ کافی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کریں کہ کتنے روزے رکھے ہوں گے۔ اور کتنے رہ گئے ہوں گے ——؟ جتنے روزوں کے بارے میں یقین غالب ہو کہ اتنے روزے رہ گئے ہیں، وہ قضاء کریں اور مقدار مقرر کرلیں۔ زیادہ ہو جائیں تو حرج نہیں مثلاً سو یا پچاس، پھر قضا شروع کریں اور نیت کرتے جائیں کہ

میرے ذمہ جتنے روزے ہیں ان میں سے پہلا قضا کرتا ہوں۔
۲۔ روزہ توڑنے کی مختلف صورتیں ہیں بعض میں قضا، بعض میں کفارہ، لہذا توڑنے کا سبب بیان کریں تو جواب دیا جائے گا۔ فقط، بندہ محمد صدیق
الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ،
۶ / ۴ / ۱۲ ھ

کفارے کے روزوں میں نیابت دُرست نہیں

ایک بیچارہ ضعیف آدمی رمضان کے روزے رکھتے رکھتے بیوی سے صحبت کر بیٹھا۔ رمضان کے بعد جب کفارے کے روزے شروع کیے تو دوبارہ بیوی سے صحبت کرلی۔ پھر دوسرے رمضان میں بھی روزے کی حالت میں ہمبستری کرلی اب اسے کفارے کے کتنے روزے رکھنے پڑیں گے۔ کیا کوئی اور بھی اسکی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے اگر کفارے کے روزے رکھتے ہوئے بیمار ہو جائیں یا حیض یا حج کے ایام آجائیں تو کیا کریں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں ایک ہی کفارہ کافی ہے کہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے، مراقی میں ہے۔ وکفت کفارۃ واحدۃ عن جماع وا کل عمداً متعدد فی ایام کثیرۃ ولم یتخللہ ای الجماع او الا کل عمداً تکفیر لان الکفارۃ للزجر ولواحدۃ یحصل ولو کانت (لا یام من رمضانین علی الصحیح للتداخل (ص۳۶۷) حیض کے علاوہ کسی بھی عذر سے اگر ناغہ کر دیا، تو نئے سرے سے روزے رکھے۔ طحطاوی میں ہے۔

فان افطر ولو بعذر غیرا لحیض استأنف ویلزمہا الوصل بعد طہرھا من الحیض حتی لو لم تصل تستانف ذکرہ السید ص۳۶۶

عبادت بدنیہ میں نیابت درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

رجب کی پہلی جمعرات کے روزے کا حکم

کیا رجب کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھنا سنّت ہے۔ اور اس روزہ کو نمازِ عشاء تک افطار نہیں کرنا چاہیے؟

الجواب رجب کی پہلی جمعرات کے روزہ کو حضرات فقہاء نے مسنون یا مستحب نہیں فرمایا ہے پس یہ روزہ محض نفل ہوگا۔

الجواب صحیح　　　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ　　　　۲۴ / ۲ / ۸۷ھ

حضراتِ فقہاء نے جن روزوں کو مسنون یا مستحب فرمایا ہے رجب کی پہلی جمعرات کا روزہ ان میں سے نہیں ہے۔

(وھو) اقسام ثمانیہ (فرض) وھو نوعان معین (کصوم رمضان (اداءً) غیر معین کصومہ (قضاءً و) صوم (الکفارات) (وواجب) وھو نوعان معین (کالنذر المعین و) غیر معین کالنذر (المطلق) (ونفل کغیرھما) یعم السنۃ کصوم عاشوراء مع التاسع والمندوب کأیام البیض من کل شھر ویوم الجمعۃ ولو منفرداً وعرفۃ ولو لحاج لم یضعفہ والمکروہ تحریماً کالعیدین وتنزیھا کعاشوراء وحدہ وسبت وحدہ ونیروز ومھرجان۔

(درمختار علی رد المحتار ص ۸۹ ج ۲ مطبوعہ کوئٹہ)

فقط واللہ اعلم　　　　الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　　　　خیر محمد عفا اللہ عنہ
۲۴/۲/۸۷ھ

جان جانے کا اندیشہ ہو تو روزہ کھولنے کا حکم

میں نے معدے میں درد اور قے کے مرض کے باوجود سحری کھا کر روزہ رکھ لیا۔ سحری کے وقت مجھے قے ہوئی نہ معدے میں درد لیکن سحری کے بعد مجھے قے ہوگئی اور معدے میں درد بھی۔ میں نے اسے معمولی سمجھ کر روزہ کی نیت کر لی لیکن بعد میں مرض

شدت اختیار کرگیا اور میں نے نقصان کے خوف سے دوا کھالی۔ مہربانی فرماکر مجھے یہ بتایئے کہ اب صرف قضا روزہ رکھوں یا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

الجواب اگر درد شدید تھا نقصان کا شدید خطرہ تھا تو اس صورت میں صرف قضا واجب ہے۔ کفارہ واجب نہیں۔ لمن خاف زیادۃ المرض اوخاف بطء البرء بالصوم جاز لہ الفطر لانہ قد یفضی الی الہلاک۔ (مراقی ص ۳۷۳)۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ لہٗ ۴/۹/۱۳ ۱۴ھ

اذان پر افطار کیا جائے یا اعلان پر؟

ہمارے علاقے کی مسجد میں اس سال جو حافظ مولوی صاحب مقرر ہوئے ہیں، وہ روزہ افطار کرتے وقت بجائے اذان کے سپیکر پر اعلان کردیتے ہیں کہ روزے دار و روزہ افطار کرلو اس سے محلہ کے لوگوں میں جھگڑا ہو گیا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اذان ہونی چاہیئے اعلان کے چند منٹ بعد اذان کہہ کر جماعت فوراً کرادیتے ہیں۔ جس سے کافی لوگ جماعت سے رہ جاتے ہیں ورنہ پہلی رکعت تو ضرور چلی جاتی ہے کیونکہ لوگوں کی عادت اذان پر روزہ کھولنے کی ہے اگر یہ کہا جائے کہ پہلے زمانہ میں نقارہ بجا کر سحری اور افطاری کا اعلان کیا جاتا تھا تو جواب یہ بھی ہوسکتا ہے سپیکر نہ ہونے کی وجہ سے اذان کی آواز لوگوں تک نہیں جاتی تھی اسلئے نقارہ وغیرہ سے اعلان ہوتا تھا اب اذان کے علاوہ دوسرا طریقہ خلاف شرع معلوم ہوتا ہے اب آپ فرماویں کہ یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب خیر المدارس اور بہت سی دیگر مساجد میں افطار کا اعلان پہلے ہوجاتا ہے اور چند منٹ کے وقفے سے اذان ہوتی ہے اس کے متصل بعد جماعت کھڑی ہوجاتی ہے افطار کا وقت ہوجانے کے بعد اذان کی انتظار میں روزہ کھولنے میں تاخیر کرنا درست نہیں وقت ہوجانے کے بعد افطار میں جلدی مطلوب

ہے عن سھل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر متفق علیہ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ احب عبادی الیّ اعجلھم فطراً۔ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۱۷۵ ج ۱)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۵/ ۹/ ۱۴۰۹ھ

افطار کے وقت سے پانچ منٹ پہلے روزہ کھول لیا تو قضا لازم ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر ہم نے روزہ رکھا اور افطاری کے وقت سے ۵ یا ۶ منٹ پہلے سائرن ہوا اور اذان ہوئی اور ہم نے روزہ کھول لیا تو اس کا کفارہ کیا ہوگا۔؟

الجواب جن لوگوں نے افطاری کے صحیح وقت سے ۵، ۶ منٹ پہلے بجنے والے سائرن کی وجہ سے روزہ افطار کر لیا ہے۔ وہ اس روزہ کی قضاء کریں روزہ نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۸/ ۹/ ۱۴۱۵ھ

چھلکے سمیت سالم انڈہ نگلنے سے قضا واجب ہوگی

جو چیز غذا نہیں یا غذا تو ہے مگر غذا کے طور پر استعمال نہیں کی گئی (عمداً) اس سے روزہ ٹوٹتا ہے کہ نہیں۔ اگر کسی نے مرغی کا انڈہ چھلکے سمیت کھا لیا، مگر غذا یا دوا کے طور پر نہیں کھایا۔ تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے اور قضاء لازم ہے یا کفارہ؟

الجواب اگر انڈہ سالم نگل لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن کفارہ نہیں آئے گا۔

کما فی الشامیۃ فلا تجب فی ابتلاع الجوزۃ او اللوزۃ الصحیحۃ الیابسۃ لوجود الاکل صورۃ لامعنی لانہ لا یعتاد أکلہ فصار کالحصاۃ والنواۃ ولا فی اکل عجین او دقیق لانہ لا یقصد بہ التغذی والتداوی ص۱۱۲ ج۲ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر لہ
۲۲ / ۱۲ / ۱۴۰۹ھ

بے اختیار مکھی یا مچھر حلق میں چلا جائے تو روزہ کا حکم

چلتے چلتے مکھی منہ میں داخل ہو گئی۔ وہ نکالنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن نکل نہیں سکی۔ اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں ؟

الجواب اچانک مکھی یا مچھر پیٹ میں چلا جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے۔ وما لیس بمقصود بالاکل ولا یمکن الاحتراز عنہ کالذباب اذا وصل الی جوف الصائم لم یفطر کذا فی ایضاح الکرمانی۔ (ص۲۰۳ ج۱) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

بغیر شہادت شرعیہ کے چاند کا اعلان کرانے والا قابلِ تعزیر ہے

زید ایک شہر میں مجسٹریٹ لگا ہوا ہے اور عالم بھی نہیں دوسرے شہر میں جہاں اس کا وطن بھی نہیں ہے بغیر علماء اور مفتیان وقت کے فیصلے کے رؤیت ہلال کا اعلان کرا سکتا ہے یا نہ اگر جبراً کرائے تو شرعاً اسکی کیا سزا ہے ؟

الجواب بغیر شہادت شرعیہ رؤیت ہلال کا اعلان کرانے والا سخت گناہگار ہوگا جتنے روزے اس کے اعلان کی وجہ سے ضائع ہوں گے سب کا گناہ اس پر

ہوگا اور اس جرم کی سزا شرع میں مقرر نہیں ہے بلکہ تعزیری طور پر حاکم اعلیٰ مناسب سزا دے سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ محمد صدیق غفرلہٗ
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۳/ شوال ۱۳۹۲ھ
الجواب صحیح، خیر محمد ۲۴/ شوال المبارک

سورج کے پہاڑ کی اوٹ میں ہو جانے سے غروب متحقق نہ ہوگا

کہیں زمین کی سطح ہموار ہوتی ہے۔ سورج زمین سے نکلتا اور غروب ہوتا نظر آتا ہے اور کہیں زمین کی سطح ہموار نہیں ہوتی۔ سورج زمین سے اچھی طرح نکلتا اور غروب ہوتا نظر نہ آتا ہو اُونچے پہاڑ ہوتے ہیں جیسے کوہ سلیمان، کیا جب سورج پہاڑ سے پیچھے ہو جائے، سورج کو غروب سمجھ کر روزہ افطار کر سکتے ہیں یا نہیں۔ ایسی صورت میں شرعی طریقے سے سورج کے غروب ہونے کا کیسے علم ہوگا۔ تاکہ اطمینان سے روزہ افطار کریں۔ اگر کوئی آدمی پہاڑ کے پیچھے سورج کو غروب سمجھ کر روزہ افطار کر لے تو اس کے روزہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں سورج کے پہاڑ کی اوٹ میں چلے جانے سے غروب متحقق نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ مشرق کی جانب اندھیرا نہ ہو۔ پس اس سے پہلے روزہ افطار کرنا جائز نہ ہوگا۔ غروب شمس کی تعریف علامہ طحطاوی نے یہ نقل کی ہے

هو اول زمان بعد غيبوبة تمام جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة في جهة المشرق وفي البخاري عنه صلى الله عليه وسلم اذا اقبل الليل من هٰهنا فقد أفطر الصائم أي اذا وجدت الظلمة حساً في جهة المشرق فقد دخل وقت الفطر الخ (ص ۳۴۶ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ
۱۰/ ۱۰/ ۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
۱۶/ ۱۰/ ۱۳۹۲ھ

تنہا جمعہ کا روزہ رکھنے کا حکم

کیا جمعہ کے دن روزہ رکھنا افضل ہے خدام الدین میں مندرجہ ذیل احادیث درج ہیں جن کی وجہ سے جمعہ کا روزہ رکھنا منع معلوم ہوتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یصومن احدکم یوما لجمعۃ الا یوماً قبلہ او بعدہ۔ (بخاری ومسلم)۔

وعن محمد بن عباد قال سألت جابراً رضی اللہ عنہ نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الجمعۃ قال نعم۔

مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم ومغفور (نور اللہ مرقدہ) نے رسالہ تعلیم الاسلام میں جمعہ کے روزہ کو افضل قرار دیا ہے۔

نو ذوالحجہ کو جمعہ آجائے تو مندرجہ بالا احادیث کی رُو سے روزہ رکھنا منع ہوگا؟

الجواب ۱/۲۔ صرف ایک روزہ جمعہ کے دن کا رکھنا جائز ہے اور مذکورہ بالا احادیث میں نھی عن افراد الصوم یوم الجمعۃ تنزیہی ہے۔

کما فی فتح الملھم (ص۱۵۵ ج۳) وذھب الجمھور الی ان النھی فیہ للتنزیہ وعن مالک وابوحنیفہ لایکرہ۔ البتہ احتیاط اسمیں ہے کہ دو روزے رکھے جائیں۔ کما فی التجنیس عن ابی یوسف فکان الاحتیاط ان یضم الیہ یوماً آخر۔ (فتح الملھم ص۱۵۵ ج۳)

(۲) یوم الجمعہ اگر اتفاقاً یوم عرفہ بھی ہو تو ان احادیث کی رُو سے غیر حاجی کے لئے ممنوع یا مکروہ کہنا صحیح نہیں بلکہ اس دن بلا کراہت تنزیہہ روزہ رکھنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفرلہٗ

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ
۲۷/ ۶ / ۸۶ ھ

سحری کھاتے وقت نیت نہیں تھی تو روزہ کا حکم

رمضان میں سحری تیار ہونے پر زید کو اُٹھایا گیا اُس نے اُٹھ کر سحری کھائی اور پھر سو گیا اس وقت اس کے ذہن میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کے بارے میں کچھ نہ تھا تو کیا وہ دن کو روزہ رکھ سکتا ہے ؟

الجواب اگر روزہ نہ رکھنے کا ارادہ نہیں تھا تو یہ سحری کھانا ہی نیت ہے، اور روزہ درست ہوجائے گا۔

والتسحر فی رمضان نیۃ ذکرہ نجم الدین النسفی وکذا اذا تسحر لصوم آخر وان تسحر علی أنہ لا یصبح صائماً لا یکون نیۃ اھ (عالمگیری ص۱۹۵ ج۱)

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

اگر آدمی ایسے علاقے میں جہاں لوگ روزہ رکھے ہوئے ہیں اور اس کے علاقہ میں روزہ نہیں تو یہ کیا کرے؟

ایک آدمی کو سفر میں رمضان کا مہینہ آگیا ، دن بھی شک کا ہے بعض علاقے والے لوگ روزہ رکھتے ہیں اور بعض علاقے والے نہیں رکھتے یہ مسافر ایک ایسے علاقے میں ہے کہ وہاں کے لوگ روزہ رکھتے ہیں اس مسافر نے بھی سحری کی نیت سے سحری کھالی اور نیت یہ کرلی اگر کل رمضان کا روزہ ہوا تو میرا بھی روزہ ہے ورنہ نہیں ۔ اب سحری کے بعد اس نے سفر شروع کیا اور دس بجے اپنے علاقے میں آ گیا جہاں لوگوں کا روزہ نہیں تھا تو اس مسافر نے بھی افطار کرلیا ۔ کیا اس مسافر پر قضا یا کفارہ لازم ہے یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں اگر وہ دن واقعتاً روزہ کا تھا تو وہ روزہ اُس کے ذمہ باقی ہے اور مذکورہ نیّت سے آدمی صائم نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ رمضان کا روزہ تھا تو افطار کی وجہ سے قضاء اور کفّارہ لازم نہ ہوگا۔

وان ضجع فی أصل النیۃ بأن ینوی ان یصوم غدًا ان کان من رمضان ولا یصوم ان کان من شعبان ففی ھٰذہ الوجہ لا یصیر صائماً اھ (عالمگیری ص۲۰۰ ج۱) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور، غرہ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

روزوں کا فدیہ رمضان سے پہلے دینا

ایک شخص جو بوجہ ضعف اور عمر رسیدگی کے روزہ نہیں رکھ سکتا کیا وہ

۱۔ رمضان آنے سے قبل فدیہ دے سکتا ہے ؟

۲۔ یا وہ رمضان المبارک میں فدیہ دے یا

۳۔ رمضان المبارک گزرنے کے بعد فدیہ دے ؟

اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب اگر واقعۃً وہ اِس حالت کو پہنچ گیا ہو کہ روزہ کے بجائے فدیہ دینا اس کے لئے جائز ہو تو رمضان آنے سے پہلے تو فدیہ نہیں دے سکتا کیونکہ ابھی اس کا وجوب ہی نہیں ہوا۔ اور قبل الوجوب ادا صحیح نہیں ہاں رمضان آنے کے بعد چاہے شروع میں دے دے چاہے آخر میں۔ (قولہ ولو فی أوّل شھر) أی یخیر بین دفعھا فی أوّلہ أو آخرہ کما فی البحر۔ (شامیہ ص۱۳۰ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

سابقہ تجربہ کی بناء پر یا دیندار طبیب کی رائے کی وجہ سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو تو افطار جائز ہے

کسی کو بلغمی دمہ کی بیماری ہو اور اسکی حالت یہاں تک پہنچے کہ بغیر دوائی کے گزارہ نہ ہو۔ ضرورت کے وقت وہ چل پھر نہیں سکتا۔ نماز کے لئے وضوء کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کیا ایسی حالت میں وہ رمضان شریف کا روزہ رکھا کرے یا نہیں کیونکہ روزے کی حالت میں وہ دوائی نہیں کھا سکتا، جس سے آرام مل سکے؟

الجواب بیماری کی وجہ سے شرعاً روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے جبکہ بیماری کے بڑھنے یا لمبا ہونے کا اندیشہ خیال محض کا اعتبار نہیں بلکہ ماہر مسلمان، دیندار طبیب یا تجربہ کار کی شہادت ضروری ہے۔ مراقی میں ہے۔

والخوف المعتبر لا باحة الفطر طريق معرفته امران احدهما ما كان مستنداً فيه لغلبة الظن فانهما بمنزلة اليقين بتجربة سابقة والثاني قوله او اخبار طبيب مسلم حاذق عدل بدائع۔ صـ۳۷۴۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
۲ / ۹ / ۱۴۰۹ ھ

کسی بھی نیت کے بغیر سارا دن کھانے پینے سے روزہ نہیں ہو گا

۱۔ کسی شخص نے روزہ یا عدم روزہ کی نیت کے بغیر تمام دن کھانے پینے وغیرہ سے رکے ہوئے گزار دیا، کیا اس کا روزہ ہو گیا؟

۲۔ رمضان کے روزے کی نیت زیادہ سے زیادہ کب تک ہو سکتی ہے؟

۳۔ کوئی شخص کافی زیادہ کھانے کے بعد کھانے یا پانی کو منہ تک واپس لا سکتا ہے۔ یا کبھی بلا اختیار بھی آ سکتا ہے۔ تو کیا اسطرح کھانے یا پانی کے منہ تک آنے اور واپس کر دینے یا باہر پھینک دینے سے روزہ میں کوئی نقص تو نہیں۔ (بلا متلی)

۴۔ دیدہ دانستہ بحالت روزہ منہ کے علاوہ کان ناک کے ذریعہ پانی پہنچانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں۔ اگر ٹوٹتا ہے تو کفارہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب اگر کسی نے بغیر روزہ یا عدم روزہ کی نیت کے سارا دن بھوکے پیاسے گزار دیا تو اس کا روزہ نہیں۔

کما فی عالمگیریہ فان أصبح فی رمضان لا ینوی صوماً ولا فطراً وهو یعلم أنه عن رمضان ذکر شمس الائمة الحلوانی عن الفقیه أبی جعفر عن أصحابنا رحمهم الله تعالیٰ فی صیرورته صائماً روایتین والاظهر انه لا یصیر صائماً کذا فی المحیط۔

(ج ۱ ص ۱۹۵ کتاب الصوم)

۲۔ رمضان کے روزے کی نیت سورج غروب ہونے کے بعد سے لے کر اگلے دن ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے کر سکتا ہے۔ اسکی تفصیل عالمگیری میں موجود ہے۔

۳۔ بہشتی زیور تیسرا حصہ ص ۱۳ مسئلہ نمبر ۱۵ میں ہے "آپ ہی آپ قے ہو گئی تو روزہ نہیں گیا۔ چاہے تھوڑی سی قے ہوئی ہو۔ یا زیادہ البتہ اگر اپنے اختیار سے قے کی ہو اور منہ بھر کے قے ہو تو روزہ جاتا رہا۔ اور اگر اس سے تھوڑی ہو تو خود کرنے سے بھی نہیں گیا۔ مسئلہ نمبر ۱۶، تھوڑی سی قے آئی پھر آپ ہی آپ حلق میں لوٹ گئی تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ اگر قصداً لوٹا لیتی تو روزہ جاتا رہتا۔

۴۔ کان میں پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور ناک میں اگر اتنا پانی چڑھا دیا کہ پانی حلق میں پہنچ گیا۔ تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ اصغر علی، معین مفتی جامعہ خیر المدارس	الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ، ۱۳۷۳/۹/۲۴ھ

بیماری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو موت کے وقت وصیّت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت نے پندرہ سال کے پندرہ مہینے روزے نہیں رکھے۔ بیماری کی وجہ سے۔ اور ارادہ تھا کہ صحت کے بعد رکھوں گی۔ لیکن بیماری اور زیادہ لاحق ہوئی جس کی بناء پر وہ آئندہ کبھی بھی روزے نہیں رکھ سکے گی۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس کا کفارہ کتنا ادا کرے۔ رقم کی بناء پر اور یہ رقم کس کو دیں۔ رقم کی مقدار اور مصرف مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا درست ہے اور صحت آجانے کے بعد اسکی قضاء لازم ہے اور اگر اس بیماری میں مریض فوت ہو جائے تو بیماری کی وجہ سے جو روزے قضاء کر چکی ہے۔ ان روزوں کی نہ اس پر قضاء ہے اور نہ ہی اس پر ان روزوں کا فدیہ ادا کرنا لازم ہے۔ درمختار میں ہے۔

فان ماتوا فيه اى فى ذلك العذر فلا تجب عليهم الوصية بالفدية لعدم ادراكهم عدة من أيام أخر وفي موضع آخر منله وقضوا لزوما ما قدروا بلا فدية۔ درمختار على الشامية ج ۲ ص ۱۲۷ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحٰق غفرلہ ۱۸/۵/۱۴۱۵ھ

اگر بیماری کے بعد روزے رکھنے کی قوت حاصل نہیں ہوئی صحت کی بجائے بیماری بڑھتی چلی گئی تو ایسی صورت میں نہ قضاء واجب ہے نہ فدیہ۔ — والجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جماع بالخرقہ بھی موجب کفارہ ہے

ایک آدمی عاقل بالغ مسلمان ہے۔ اس کا پیشہ زمینداری ہے۔ ایک دن وہ کام

کرکے تھکا ماندہ گھر آیا اور چارپائی پر لیٹ گیا اور اپنی بیوی کو کہا ذرا میرے پاؤں دباؤ بیوی نے پاؤں دبانے شروع کئے اور تھوڑی دیر بعد مرد کو شہوت کا اثر ہوا۔ مرد اور عورت دونوں نے تمام کپڑے پہنے ہوئے تھے، مرد سیدھا چت لیٹا تھا، اور شہوت کے اثر سے اس کا عضو تناسل کھڑا تھا، اور بیوی نے قصد کیا کہ عضو تناسل کے اوپر بیٹھ جاؤں، اور مرد کے دل میں یہ بات تھی کہ مع کپڑوں کے دخول ہی نہیں ہوگا۔ دوسری یہ وجہ دل میں تھی کہ جس طرح حیض کی حالت میں مرد اکٹھے سو سکتا ہے، اسی طرح شاید روزہ کی حالت میں بھی سو سکتا ہے، اس مغالطہ میں آکر عورت کو منع نہیں کیا، اور عورت جب اوپر بیٹھ گئی تو بالکل دخول ہوگیا۔ لیکن دونوں میں سے کپڑا کسی نے نہیں اُتارا بلکہ جسم کا کوئی حصہ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ اب جو کچھ شریعت فرمائے گی عمل ہوگا، باقی مرد کو انزال بھی ہوگیا تھا۔

الجواب صورت مسئولہ میں اگر انزال ہوگیا ہو یا زوجین نے لذت محسوس کی ہو تو جماع متحقق ہوگیا۔ اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کفارہ اور قضا دونوں لازم ہیں، کیونکہ جماع بالخرقہ موجب تحلیل ہے فقیاساً علیہ نقول انہ یکون موجباً للکفارۃ بحر الرائق میں ہے ص ۶۱ ج ۴ وأشار بالوطئ الی ان شرط الایلاج بشرط کونہ عن قوۃ نفسہ وان کان ملفوفاً بخرقۃ اذا کان یجد لذۃ حرارۃ المحل فی فصل ما تحل بہ المطلقۃ۔ علاوہ ازیں احتیاط بھی کفارہ میں ہے۔

فقط واللہ اعلم، الجواب صحیح،
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، خیر محمد عفی عنہ ۱۲/۲/۱۳۷۴ھ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان، مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

خیالات پر انزال ہو جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

س: جو رمضان المبارک مہینہ گزر گیا ہے اس میں مجھ سے پانچ روزے ٹوٹ گئے، جس میں چار روزے اسطرح کہ میرے ذہن میں بہت گندے گندے خیالات آجاتے تو میں

کوشش کرتا کہ ایسا نہ ہو لیکن قابو نہ کر پاتا اور خود بخود ہی انزال ہو جاتا اس کے بعد میں سب سے چوری چھپے کھانا پینا شروع کر دیتا اور جب افطار کا وقت ہوتا تو مَیں بھی اس میں شامل ہو جاتا۔

۲۔ پانچواں روزہ بھی اسی طرح ٹوٹا، ہاتھ رُدم چلا گیا اور مَیں نے خود جان بوجھ کر مجبور ہو کر اپنے ہی ہاتھوں سے انزال کر کے روزہ توڑ دیا۔ اور پھر کھانا پینا شروع کر دیا اس کا کیا علاج ہے؟

الجواب خیالات پر انزال ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ عالمگیری میں ہے۔ واذا نظر الی امرأۃ بشہوۃ فی وجھھا أو فرجھا کرّر النظر او لا لا یفطر اذا انزل الی ان قال وکذا لا یفطر بالفکر اذا أمنی ص۲۰۴ ج۱

اور اگر مسئلہ کا علم نہ تھا کہ ایسے انزال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور پھر قصداً بعد میں کچھ کھا پی لے تو اس پر کفارہ نہیں ہے صرف قضاء لازم ہے کذا فی فتح القدیر واذا احتلم فظن أن ذلك فطرۃ فاکل بعد ذلك متعمداً لا کفارۃ علیہ ھکذا فی المحیط وان علم حکم الاحتلام کفر کذا فی الظہیریۃ۔ (ہندیہ ص۲۰۶ ج۱)

۲۔ الصائم اذا عالج ذکرہ حتی أمنی فعلیہ القضاء وھو المختار (ہندیہ ص۲۰۵ ج۱)۔

اس صورت میں قضاء واجب ہے کفارہ نہیں ہے۔ الحاصل۔ ان پانچ روزوں کی قضاء لازم ہے۔ کفّارہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

کفّارہ صوم کی رقم ایک ہی مسکین کو ایک دفعہ دینا جائز نہیں ہے

بکر نے رمضان المبارک کا روزہ بغیر شرعی مجبوری کے جان کر توڑ دیا۔ اب بکر ساٹھ روزے تو رکھ نہیں سکتا ساٹھ روزوں کا جو فدیہ بنتا ہے اسکی رقم زید کو دے دی

اور اکھٹی رقم دے دی اور زید خود بھی غریب ہے آیا زید اس رقم میں سے ہر روز ایک فدیہ کی رقم خود لیتا رہے ساٹھ روز تک جائز ہے یا نہیں؟

الجواب اگر بکر نے زید کو کفارہ کی رقم فقیر ہونے کی وجہ سے دیدی ہے کہ وہ اپنی ضروریات میں جہاں چاہے خرچ کرے تو اس صورت میں بکر کا کفارہ ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک فقیر کو پورے کفارہ کی رقم دینے کی اجازت نہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ ولو دفع جملة الی فقیر واحد جاز بخلاف کفارة الیمین وکفارة الظہار وکفارة الافطار (ص۹۵ ج۱)

اور اگر زید صرف وکیل تھا تو اس صورت میں محتاج ہے خود نہیں رکھ سکتا۔ ساٹھ دن ساٹھ مسکینوں پر پورے میں ہے، والوکیل اذا اعطی ولدہ الکبیر اتہ وھم محاویج جاز ولا یمسک شیئا کذا فی الخلاصۃ (ص۹۷ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۹/ ۷/ ۱۴۰۷ھ

رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان پر روزے رکھے جائیں

سیدی جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی! اُمید ہے حضرت کے مزاج بخیر ہوں گے حضرت والا ایک نئی صورت حال پیش آئی ہے، حضرت کے محققانہ جواب کی ضرورت ہے ا۔ میں ملازمت کے سلسلہ میں ۱۰ ماہ سے زائد پشاور میں رہ رہا ہوں۔ یہاں پر ۲۹ شعبان کی شب لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا کہ آٹھ آدمیوں نے چاند دیکھ لیا ہے۔ اس ضمن میں پشاور کے علماء نے متفقہ فیصلہ دے دیا کہ کل ماہِ مبارک کا پہلا روزہ ہوگا بحیثیت وہاں کے شہری

ہونے کے اُن علماء کرام کی اتباع میں روزہ رکھ لیا جبکہ حساب سے اس دن ۲۹ شعبان ہی تھی، اگلی رات مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا کراچی میں اجلاس ہوا۔ وہاں کے مشترکہ اعلان کے مطابق چونکہ کہیں سے گواہی موصول نہیں ہوئی لہٰذا بروز منگل کو ۳۰ شعبان ہو گی اور پہلا روزہ بروز بدھ ہو گا۔ جبکہ یہاں پشاور کے مقامی علماء کے فیصلہ کی رُو سے بدھ کو ہمارا تیسرا روزہ ہو گیا۔ اِس صورت حال کے بعد دریافت طلب اُمور درج ذیل ہیں

(الف) کیا مذکورہ صورت میں مقامی علماء کرام کا فیصلہ نافذ العمل ہو سکتا ہے جبکہ ملک میں مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا وجود بھی ہو اور انھوں نے فی الحال کوئی فیصلہ بھی نہ دیا ہو تو کیا روزہ ۲۹ شعبان کو رکھنا چاہیئے تھا یا نہیں؟

(ب) ۳۰ شعبان کی شب مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کی بات کو ترجیح دیتے اور ۳۰ شعبان کو روزہ چھوڑ دیتے جبکہ ۲۹ شعبان کا رکھ چکے تھے۔

(ج) مرکزی فیصلے کی رو سے اب تو ہمارے دو روزے زائد ہو گئے۔ یہ نفلی ہوئے یا فرض۔ نیت فرض کی کرتے تو ڈرتے تھے کہ مرکزی فیصلے کے مطابق ابھی شعبان ہے نفلی روزوں میں نیت فرض کی کیسے کریں۔ اگر نفل کی کرتے تو خیال آتا کہ جب پشاور کے علماء نے فیصلہ دے دیا ہے تو اب شرعی طور پر یہ فیصلہ نافذ العمل ہو کر فرض روزے شروع ہو گئے۔

(د) حضرت میں چونکہ عید پہ ڈیرہ اسماعیل خان جاؤں گا تو اپنے شہر میں کم از کم ۲۹ روزے تو ضرور ہی ہوں گے اور دو روزے میں نے اِدھر زائد رکھ لئے ہوں گے تو کل ۳۱ یا پھر ۳۰ روزے ہوئے تو میرے ۳۲ روزے ہو جائیں گے تو کیا ۳۰ روزے فرض باقی نفل یا سب فرض ہو جائیں گے۔ کیا ایسا ہو بھی سکتا ہے آیا ۳۰ روزوں کے بعد رکھنا ضروری نہیں ہو گا؟ جبکہ ڈیرہ اسماعیل خان میں فی الحال روزے رکھے جا رہے ہوں گے؟

(ح) پشاور کے جن احباب نے مقامی علماء کی بات تسلیم نہیں کی اور مرکزی کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق ہی روزے شروع کئے۔ کیا ان پر کوئی ملامت ہو گی۔ کیا جو دو روزے

زائد رکھ لئے گئے ان کی قضا انہیں رکھنا ہوگی یا نہیں؟

(ح) بعض احباب نے پشاور کے علماء کی بات تسلیم نہیں کی اور ۲۹ شعبان کو روزہ نہیں رکھا اور اگلے دن ۳۰ شعبان کو رکھ لیا جبکہ مرکزی کمیٹی والے فیصلہ بھی دے چکے تھے کہ چاند نظر نہیں آیا۔ ایسے لوگوں کا شرعی حکم کیا ہے۔ کیونکہ مرکز کے فیصلے کے مطابق اب بھی روزہ نہ رکھتے جبکہ پشاور کے حساب سے ایک روزہ چھوڑ بیٹھے تھے۔

فقط والسلام، محمد راشد،

الجواب آپ رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان کے مطابق روزے پورے کریں۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفی عنہ،

رئیس دارالافتاء بجامعہ خیر المدارس، ملتان

دل کے مریض کے لئے روزے کا حکم

گزارش ہے کہ میں مسمّی محمد صابر عرصہ ایک سال (عمر ۴۵ سال) سے دل کا مریض ہوں، تین وقت دوائی کھانی پڑتی ہے۔ اگر ایک وقت دوائی نہ کھاؤں تو طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ اور کسی چیز کی کوئی عادت یا نشہ وغیرہ نہ ہے بوجہ بیماری روزہ رکھنے سے بیماری بڑھتی ہے۔ اب آپ بتائیں کہ میرے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔ نیز ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق دوائی زندگی بھر کھانی پڑے گی۔

(محمد صابر بستی نیہ کہ، والانز دجنرل بس سٹینڈ ملتان)

الجواب برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں اگر ماہر دیندار ڈاکٹر یہ رائے دے کہ واقعی اس مریض کو روزہ رکھنے سے تکلیف زیادہ ہو جائے گی یا تکلیف زیادہ عرصہ تک بڑھ جائے گی تو افطار کی گنجائش ہے اور صحت یاب ہونے کے بعد اس پر قضا لازم ہے۔ المريض اذا خاف على نفسه التلف أوذهاب

عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادۃ العلۃ و امتدادہ فکذلک عندنا وعلیہ القضاء اذا أفطر کذا فی المحیط، ثم معرفۃ ذلک باجتہاد المریض أو باخبار طبیب مسلم غیر ظاهر الفسق کذا فی الفتح القدیر (ہندیہ ج ۱ ص۲۰۷) اور اگر صحت یابی کی بالکل امید نہ ہو تو صدقہ فطر کے بقدر ہر روزہ کے بدلہ میں فدیہ کسی مستحق کو دے دیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

۱۷/ ۸/ ۱۴۱۶ھ

گلے کی نالیوں کے لئے گیس پمپ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائیگا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص دمہ کا مریض ہے رمضان المبارک میں روزے رکھنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ایک پمپ جس کا نام انہیلر ہے جس میں گیس جیسی چیز ہوتی ہے۔ اسے منہ میں رکھ کر دباتے ہیں جس سے سانس کی نالیاں کھل جاتی ہیں اور تقریباً چھ گھنٹے تک آرام ہو جاتا ہے۔ اس کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہ نیز اگر ٹوٹ جاتا ہے تو ان روزوں کا فدیہ دیا جا سکتا ہے یا قضا رکھنے پڑیں گے جبکہ ایسا مریض دائمی ہے پوری وضاحت سے تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب انہیلر پمپ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

فی الدر المختار أو دخل حلقہ غبار أو ذباب او دخان ولو ذاکراً استحساناً لعدم امکان التحرز عنہ وفی رد المحتار وهذا یفید أنہ اذا وجد بدًّا من تعاطی مایدخل غبارہ فی حلقہ أفسد لو فعل شرنبلالیہ۔ وفی الدر ومفادہ أنہ لو أدخل حلقہ الدخان أفطر أی دخان کان ولو عوداً أو عنبراً لو ذاکراً لامکان التحرز عنہ فلیتنبہ لہ کما

بسطه الشرنبلالي وفي رد المحتار ومفاده أي مفاد قوله دخل أي بنفسه بلاصنع منه قوله أنه لو ادخل حلقه الدخان أي بأي صورة كان الادخال حتى لو تبخر ببخور فآواه الى نفسه واشتمه ذاكراً لصومه أفطر لامكان التحرز عنه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل الى جوفه بفعله الخ (ص ۱۰۶ ج ۲)

اگر دُوسرے ایام میں روزہ رکھ سکے تو قضا کرے اگر نہ رکھ سکے تو فدیہ دے۔

فان عجز عن الصوم لا يرجى برءه أو كبر أطعم أي ملك۔ (الدر المختار على رد المحتار ص ۶۳۲ ج ۲) ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور

شیخ فانی کے لئے روزے کا فدیہ کتنا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل کے بارے میں:

۱۔ میرے والد صاحب حاجی بشیر احمد قریشی جن کی عمر اسوقت ۸۵ سال ہے وہ پیشاب کی تکلیف میں مُبتلا ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا اپریشن بھی کروایا گیا تھا۔ مگر اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ انہیں ڈاکٹر ول نے روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ مگر وہ روزہ رکھنے پر مُصر ہیں۔ اس صورت میں انکے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

۲۔ روزہ کا فدیہ کتنا ہوگا؟

۳۔ اس کے علاوہ انہیں پیشاب کا عارضہ بھی ہے۔ وضو کر کے اُٹھتے وقت قطرہ خارج ہوجاتا ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں جاتے وقت بھی قطرہ خارج ہوتا ہے اس سے کپڑے بھی ناپاک ہوجاتے ہیں۔ اس حالت میں نماز اور تلاوت کے لئے وضو کے بارے میں کیا حکم ہے۔؟

۴۔ نیز یہ کہ کیا وہ مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں؟

ان سوالات کا تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

(المستفتی: سعید احمد قریشی المدینہ ٹاؤن۔ اولڈ شجاعباد روڈ ملتان)

الجواب ۱۔ ایسے مریض کو رمضان شریف میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے پھر جب تندرست ہوجائے اور قابل روزہ رکھنے کے ہوجائے اس وقت قضاء کرے۔ فدیہ دینا اسکو کافی نہیں ہے۔ البتہ ایسے مریض کو جس کا مرض دائمی ہوجائے اور صحت سے ناامید ہوگیا ہو، فدیہ دینا جائز ہے۔ درمختار علیٰ ہامش ردالمحتار میں ہے۔ مریض خاف الزیادة لمرضه وصحیح خاف المرض الفطر وقضوا لزوما ما قدروا بلا فدیة وبلا ولاء شامی ص ۱۶۶ ج ۲

المریض اذا تحقق الیاس من الصحة فعلیه الفدیة لکل یوم من المرض۔ ردالمحتار ص ۱۳۰ ج ۲

۲۔ فی روزہ دو سیر گندم یا اس کی قیمت مختار فدیہ ہے درمختار میں ہے:

ولا یجزئ غیر المراھق (بدائع) کالفطرة قدرًا ومصرفًا ... وفی ردالمحتار قوله کالفطرة قدرًا ای نصف صاع من بر او صاع من تمر او شعیر ... فیھما الخ الشامیہ ص ۲۳۲ ج ۲

۳۔ معذور شرعی ابتداءً اسوقت ہوتا ہے کہ تمام وقت نماز میں کوئی وقت ایسا اسکو نہ مل سکے کہ وضو کرکے نماز بدون اس عذر کے ادا کرسکے۔

بان لا یجد فی جمیع وقتھا زمنا یتوضأ ویصلی فیه خالیا من الحدث وھذا الشرط للعذر فی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت ولو مرة۔

پس اگر ایک دفعہ بھی تعریف مذکور اس پر صادق آگئی تو وہ معذور ہوگیا پھر اس وقت تک معذور ہی رہے گا جب تک وہ عذر منقطع نہ ہوجائے۔ ایسے معذور کو وقت میں ایک دفعہ وضو کرلینا کافی ہے۔ تمام وقت میں اس عذر کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔ پھر خروج وقت سے وہ وضو باطل ہوجاتا ہے۔ وقت کے

اندر اندر اس وضو سے تلاوت اور نوافل وغیرہ ادا کرنا درست ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ بیٹھے بیٹھے وضو کر کے ٹھہر کر باوضو اشارہ سے بھی نماز ادا نہ کر سکتے ہوں۔ اگر ایسی صورت میں قطرہ نہیں نکلتا تو وہ ایسے ہی نماز پڑھیں فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفر اللہ، جامعہ خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — ۵/۹/۱۴۱۰ھ

نوٹ: بہتر ہے کہ قطرہ خارج ہونے کے مسئلہ کو زبانی سمجھ لیا جائے۔

تیس ۳۰ سال کے روزوں کی قضا کیسے کریں؟

زید نے تیس سال تک فرض روزے کبھی رکھے اور کبھی نہ رکھے، اور کبھی رکھ بھی لئے تو گاہے گاہے خوراک سے جوانی کے اندھے پن سے توڑ دیئے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں تیس سالہ روزوں کا کفارہ اور قضاء دونوں لازم ہوئے یا نہ۔ روزوں کی مجموعی تعداد کیا ہوگی؟ ۲۔ زید مسلسل روزے قضاء نہیں رکھ سکتا، اس صورت میں وہ کیا طریقہ اختیار کرے؟ ۳۔ تیس سالہ روزوں کا کفارہ کیا ہوگا اور اس کی ادائیگی کس طرح ہوگی۔ یعنی یہ رقم ایک حق دار کو کتنی دی جا سکتی ہے کیونکہ زید کہتا ہے کہ روز روز کے حساب سے دشواری بھی ہے اور رقم خرچ ہونے کا خطرہ بھی ہے؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں صرف ایک ہی کفارہ واجب ہے، ساٹھ مساکین کو دو مرتبہ صبح شام کھانا کھلایا جائے (شام کو وہی فقراء ہونے چاہئیں جن کو صبح کھانا کھلایا تھا ورنہ ادائیگی درست نہیں ہوگی) یا دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہر ہر فقیر کو دے دیں۔ مذکورہ کفارہ کی رقم ایک شخص کو دینے کی اجازت نہیں۔ مراقی میں ہے۔ وکفت کفارۃ واحدۃ عن جماع واکل عمداً متعدد فی ایام لم یتخللہ تکفیر ولو کانت الایام من رمضانین علی الصحیح الخ ص۳۶۷

سابقہ روزوں کی حسبِ استطاعت قضا شروع کریں اور یہ عزم ہو کہ انشاء اللہ سب

روزوں کی قضاء کروں گا اور سابقہ کوتاہی اور غلطی سے توبہ کریں اگر پھر بھی روزے باقی رہ گئے تو انکی وصیت کر دی جائے ایک روزے کا فدیہ ڈو سیر گندم یا اسکی قیمت ہے، فدیہ کی رقم ایک فقیر کو بھی دی جا سکتی ہے۔ لیکن اتنی رقم ایک فقیر کو دے دینا کہ وہ سب اپنی ضروریات پوری کر کے غنی شمار ہونے لگے یہ اچھا نہیں۔ درمختار میں ہے۔

وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوبا ولو فی أوّل الشھر وبلا تعدد فقیر الخ (شامیہ ص ۱۱۹ ج ۲)

الجواب صحیح، فقط، واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مُتعدد روزے توڑے تو کفّارہ میں تداخل کا حُکم

ایک شخص نے رمضان شریف میں روزے کی حالت میں عورت سے جماع کیا ابھی اسکا کفّارہ ادا نہ کیا تھا کہ دُوسرے رمضان میں پھر جماع کیا۔ کیا اس پر علیحدہ علیحدہ کفّارہ ہوگا یا ایک کافی ہو گا؟

الجواب شخص مذکور کو دُو کفارے دینا پڑیں گے، اِن دونوں جنایتوں سے ایک کفّارہ کافی نہیں ہے (کما فی الشامیۃ ص ۱۵۱ ج ۲)

أی وان کان الفطر المتکرر فی یومین بجماع لاتداخل الکفارۃ وان لم یکفر للاوّل لعظم الجنایۃ الخ (ردالمحتار ص ۱۲۰ ج ۲) مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
۱۹ / ۵ / ۷۸ جو

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ غفرلہ ۱۹ / ۵ / ۷۸ جو

متعدد روزے توڑنے سے کفاروں میں تداخل ہوگا یا نہیں

گزارش ہے کہ متعدد رمضانوں کے متعدد روزے توڑنے کی صورت میں کفّارہ کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ کفاروں میں تداخل ہوگا اور ایک ہی کفارہ کافی ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفاروں میں تداخل نہیں ہوگا اور ایک کفارہ کافی نہیں ہے اس اُلجھن کا شافی جواب عنایت فرمائیں یہ اشکال آپ ہی کے دارالافتاء سے لئے گئے دو فتووں کی بناء پر پیدا ہوا۔

ا محمد طاہر بلوچستانی (معاون ترتیب خیر الفتاوی)

الجواب اگر جماع سے متعدد رمضانوں میں روزے توڑے ہیں تو ایک ہی کفارہ کافی ہوگا یا متعدد کفارے واجب ہوں گے اس کے بارے میں تصحیح کا اختلاف ہے۔ اگر ایسے روزوں کی مقدار کم ہے تو احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر روزے کا کفّارہ الگ الگ دینا مناسب ہے اور اگر اسطرح سے توڑے ہوئے روزوں کی تعداد زیادہ ہے تو دوسری تصحیح پر عمل کرنے کی گنجائش ہے یعنی سب کی طرف سے ایک ہی کفارہ دے دیا جائے۔ ظاہر یہ ہے کہ احوط پہلا قول ہے اور اسہل دوسرا قول ہے۔ اس دوسرے قول کے مطابق بھی فتویٰ دیا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

رؤیت ہلال کے متعلق علماء کا متفقہ فیصلہ

رؤیت ہلال کے سلسلہ میں ہر سال عجیب حال ہوتا ہے علماء کرام اس اجتماعی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کوئی متفقہ لائحہ عمل طے کرنے کے لئے جامعہ قاسم العلوم میں جمع ہوئے۔ اس جلسہ کی صدارت جامع المعقول والمنقول استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ نے فرمائی اس میں جو مسائل متفقہ طور پر طے ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔

سالہا سال سے دیکھا جا رہا ہے کہ عید و رمضان میں عامۃ المسلمین میں شدید اختلاف ہوتا ہے۔ ایک ہی شہر میں بعض روزے سے ہوتے ہیں اور بعض عید مناتے ہیں۔ پھر اس پر بس نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک اپنے مخالف فریق پر طعن و تشنیع کرنے میں پوری ہمت صرف کرتا ہے۔ سب سے زیادہ اختلاف کا موجب ریڈیو پر نشر شدہ خبریں ہوتی ہیں۔ ریڈیو کے ذریعہ جب کسی شہر میں خبر پہنچتی ہے تو بعض حضرات بغیر تحقیق کے اس پر عمل کرنے لگتے ہیں اور بعض اس کی شرعی حیثیت کو سمجھ کر مجتنب رہتے ہیں۔ اس شدید انتشار کے پیش نظر مدرسہ عربیہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان شہر کے مدیر محترم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے اس خالص علمی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے قدم اٹھایا۔ اور اطراف پاک و ہند میں اس بارہ میں سوالات بھیجے۔ جوابات آنے پر چونکہ بعض میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس کو رفع کرنے کے لئے ۱۶ ستمبر ۵۴ء کو مدرسہ قاسم العلوم ہی میں مفتیان پاکستان کا ایک اجتماع کرایا۔ دو دن مکمل بحث کے بعد جو فیصلہ ہوا۔ اس کو ہندوستان کے مشہور مدارس میں نیز پاکستان کے اُن علماء کی خدمت میں جو اجتماع میں بوجہ اعذار کے تشریف نہ لا سکے تھے، بذریعہ ڈاک روانہ کر دیا۔ سب کی تصدیقات حاصل کرنے کے بعد اب اس کو مسلمانوں کی

خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

نیز حکومت سے بھی گذارش ہے۔ کہ وہ متدین علماء دین کی جماعت کے فیصلہ کے بعد ہی اس کو نافذ کرنے کے لئے بذریعہ ریڈیو اعلان کرے۔ اور محکمہ اطلاعات کو پابند کرے۔ کہ وہ رؤیت کے بارے میں بغیر رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلہ کے کوئی خبر نشر نہ کرے۔ تاکہ عامۃ المسلمین کے فریضہ میں کوئی نقصان نہ آئے۔

(نوٹ :۔ حکومت سے اس بارہ میں گفتگو کی جارہی ہے۔)

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا

اجتماعِ علماء منعقدہ ملتان مورخہ ۱۶ ستمبر ۵۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی دعوت پر مسائل پیش آمدہ رؤیت ہلال پر غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد جو متفقہ مسائل طے ہوئے وہ بغیر اعادہ سوالات کے حسب ذیل ہیں۔ اس میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کہ متون معروفہ ومشہورہ کی مفتیٰ بہ روایات کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ اور اختلاف وخود رائی کی جو وباء عام پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا انسداد ہو سکے۔ ان جوابات اور طے شدہ مسائل کی ایک ایک کاپی تمام اطراف واکناف کے علماء کرام کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ اور اتفاق وتصدیق کے بعد جو بات حکومت سے متعلق ہے۔ اس کی منظوری کی استدعاء حکومت سے کی جائے گی۔ وَبِاللهِ التوفيق۔

۱:۔ ہلال رمضان بحالت علت خبر واحد سے خواہ وہ عادل ہو یا مستور الحال ہو ثابت ہو سکتا ہے۔ اس میں شہادت شرط نہیں۔ البتہ ہلال عیدینؑ شہادت بشرائطہا ہونا ضروری ہے یعنی کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ایسی ہوں جو

دیندار ہوں۔ اور اشہد سے حاکم یا جماعت مجاز کے سامنے باقاعدہ شہادت ادا کریں بحالتِ صحو دونوں ہلال میں جم غفیر کے ایسے اخبار جو موجب ظن غالب ہوں ضروری ہونگے۔ اور ان کا اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن اگر ہلال رمضان میں بستی سے باہر آئے ہوئے یا موضع مرتفع سے دیکھنے والے ایک عادل شخص کی یا بستی کے دو عادل کی شہادت سے بھی اطمینان حاصل ہو جائے۔ تو اس پر حکم دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ ریڈیو ٹیلیفون، تار برقی خط اور اخبار میں یہ فرق ہے کہ تار برقی اور اخبار سوائے صورت استفاضہ کے ہرگز معتبر نہیں ۔ البتہ خط بشرط معرفۃ الکاتب و عدالۃ اور ریڈیو و ٹیلیفون بشرط معرفۃ صاحب الصوت و عدالۃ درجہ اخبار میں معتبر ہوں گے۔ شہادت میں نہیں ہوں گے۔

۳۔ مجلس نے یہ بھی طے کیا ہے۔ کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو۔ تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ [۱]

---

[۱] حاشیہ :- (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی رائے)
یعنی جس علاقہ کے ریڈیو سے وہاں کے علماء کے فیصلہ کے مطابق اعلان ہو۔ وہ اس علاقہ کے حدود میں واجب التعمیل ہوگا دوسرے علاقوں میں جب تک شرعی ثبوت کے ذریعہ وہاں کے علماء فیصلہ نہ دیں یہ اعلان اثر انداز نہ ہوگا۔ مثلاً کراچی ریڈیو کا اعلان صرف سندھ بلوچستان پر اور لاہور ریڈیو کا اعلان صوبہ پنجاب پر اور راولپنڈی ریڈیو کا اعلان راولپنڈی ڈویژن پر اور آزاد کشمیر ریڈیو کا اعلان صرف آزاد کشمیر پر اور پشاور ریڈیو کا اعلان صوبہ سرحد و آزاد قبائل پر اور ڈھاکہ ریڈیو کا اعلان پورے مشرقی پاکستان پر اثر انداز اور واجب التعمیل ہوگا۔ ایک علاقہ کا اعلان دوسرے علاقہ کے لئے مؤثر نہ ہوگا۔

۴۔ ہلالِ صوم یا ہلال فطر دونوں میں دیہات و رساتیق کے لوگوں کو جہاں علماء یا قضاۃ نہیں ہیں صرف افواہوں پر اعتماد کر کے روزہ اور عید جائز نہیں۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ عادل اور ثقہ ذمہ داری کے ساتھ یہ بیان دے کہ فلاں جگہ میں نے علماء کا فیصلہ سنا ہے۔ یا وہاں متفقہ طور پر عید ہوئی۔ اور میں خود پڑھ کر آیا ہوں۔ یا میں نے مشاہدہ کیا ہے یا میں نے منادی سنی

ہے۔ اور اس کے ایسے بیان پر اہل قریہ کو غلبۂ ظن بھی حاصل ہو اس پر عمل کرنا درست ہوگا۔

۵:۔ رؤیت ھلال میں جہاں جہاں استفاضہ کا لفظ آیا ہے اس میں بھی بے سر و پا افواہوں یا مبہم اور غیر معروف لوگوں کے خطوط کا اعتبار نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وقت یا اس کے نائب مجاز (یعنی جماعت علماء یا عالم ثقہ) کے پاس متعدد خبر دینے والے خبر رؤیت ہلال کو بالشرائط المرقومہ فی الجواب السابق بیان کریں۔ اور اس سے مخبر الیہ کو یقینیت یا طمانیت قلب اور غلبۂ ظن حاصل ہو جائے تو اس صورت میں یہ طریق موجب عمل قرار دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ استفاضہ میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ حاکم یا نائب یا عالم ثقہ فی القریہ کے پاس متعدد خطوط یا ٹیلیفون یا تار توسط یا بغیر توسط کے ایسے اور اتنے آجائیں کہ اس کی طمانینت قلب ہو سکے۔

۶:۔ اگر ہلال رمضان میں خبر واحد عادل یا خط وغیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ کا حکم دیدیا گیا اور تیس روزے پورے ہو جانے کے بعد بھی رؤیت ہلال نہ ہوئی تو بحالت صحو عید کرنی جائز نہیں۔ اور بحالت علت عید کرنی جائز ہے۔

۷:۔ اگر کسی جگہ حاکم وقت یا اس کے نائب (جماعت علماء یا عالم ثقہ فی القریہ) نے رؤیت ہلال کے باب میں فاسق کی شہادت کا غلبۂ ظن کے بعد اعتبار کرتے ہوئے حکم دیدیا تو نتیجۃً وہ سب کے لئے قابل تسلیم سمجھا جائیگا۔ لیکن اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

۸:۔ اختلاف مطالع صوم و فطر میں بشرطیکہ دوسری جگہ ثبوت رؤیت بطریق موجب ہو معتبر نہیں ہوگا۔ ۱۸ محرم الحرام ۷۴ھ

۱۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۲۔ محمد شفیع عفرلہ مہتمم قاسم العلوم ملتان

۳۔ محمد عبد اللہ عفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان۔ مورخہ ۱۸ محرم ۷۴ھ

۴۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ، خیر المدارس، ملتان۔

۵۔ محمد صادق عفا اللہ عنہ ناظم امور مذہبیہ بہاولپور

۶۔ محمد ناظم ندوی شیخ الجامعۃ العباسیہ بہاولپور

۷۔ محمود الحسن عفی عنہ خطیب جامع مسجد مظفر گڑھ۔

۸۔ عبد الرحمن عفی عنہ مفتی دار الافتاء محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور

۹۔ محمد چراغ عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ

۱۰۔ احمد عفی عنہ مدرس جامعہ رشیدیہ دار الھدیٰ ٹھیڑی ریاست خیرپور میرس سندھ۔

۱۱۔ ۳ و ۴ جواب ہذا میں مجھے ابھی تک شرح صدر نہیں تحقیق کروں گا۔ باقی نمبرات میں متفق ہوں۔ ۔۔۔ لانا رحط محمد

۱۲۔ محمد ریاست کشمیری مدرس خیر المدارس ملتان شہر

۱۳۔ جمال الدین عفرلہ، مردانی۔

۱۴۔ لشرح صدر مولانا عطا محمد صاحب ۳ و ۴ میں طلمبان ہے باقی سے متفق ہوں۔ فقیر محمد شمس الدین ہزاروی

۱۵۔ الاجوبۃ صحیحۃ عندی واللہ تعالیٰ اعلم، ظفر احمد عثمانی تھانوی عفا اللہ عنہ ۲۳ رجب ۱۳۸۴ھ

۱۶۔ محمد امیر بقلم خود عفرلہ بنوں دینی۔

۱۷۔ علی محمد عفی عنہ (مدرس قاسم العلوم ملتان)

۱۸۔ احقر الانام احمد علی عفی عنہ (لاہور)

۱۹۔ عبد الحق عفی عنہ (مہتمم و شیخ الحدیث مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک سرحد)

۲۰۔ محمد یوسف عفی عنہ (مفتی مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک سرحد)

۲۱۔ مجھے جوابات بالا سے اتفاق ہے۔ محمد شفاق الرحمن مفتی دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہیار سندھ

۲۲۔ سعید احمد عفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور

۲۳۔ مظفر حسین مظاہری معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور

۲۴۔ محمد مجیب عفرلہ (مہتمم و شیخ الحدیث معراج العلوم بنوں۔

۲۵۔ محمد سراج الدین کاکاخیل مفتی مدرسہ اشاعت العلوم، لائل پور

۲۶۔ سعید احمد مفتی سراج العلوم سرگودہا

۲۷۔ صالح محمد مدرس سراج العلوم سرگودھا،

۲۸۔ محمد عفا اللہ عنہ انوری مدرس تعلیم الاسلام لائل پور۔

۲۹۔ عبد السمیع عفی عنہ مدرس مدرسہ سراج العلوم سرگودہا

۳۰۔ مسعود احمد نائب مفتی دار العلوم دیوبند

۳۱۔ سعید احمد سعید دار العلوم دیوبند۔

۳۲۔ عزیز الرحمن بجنوری دار العلوم دیوبند

محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (کراچی) نے باقی
جوابات سے اتفاق فرمایا ہے صرف اختلاف مطالع کے عدم اعتبار میں غلجان
کا اظہار کیا ہے۔ اس لئے ریڈیو کے اعلان سے متعلق جواب ۵۲ میں وہ الفاظ تحریر
فرمائے جو صفحہ ۵۳ کے حاشیہ پر درج ہیں۔ نیز شہادت فاسق کے بارے میں ذیل
کی تحریر ارسال فرمائی۔ جو بلفظہ درج ہے۔

فیصلہ ۵ میں یہ الفاظ کہ (لیکن اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے) محل تامل ہے۔ کیوں کہ جب شرعاً غلبہ ظن کی صورت میں قاضی کو یہ اختیار دیا گیا ہے۔ کہ فاسق کی شہادت قبول کرے تو پھر یہ کہنا کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ فی نفسہ بھی محل نظر ہے۔ اور موجودہ زمانے کے اعتبار سے تو یہ حکم شاید ناقابل عمل ہو جائے۔ کیونکہ اگر فاسق کی شہادت کو مطلقاً رد کرنا قرار دیا جائے تو ساری دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ کیونکہ معاملات کے لئے قابل قبول شہادت ہزار میں ایک جس ملیں آنا مشکل ہو جائے گا۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ قاضی کیلئے غلبۂ ظن بصدق مخبر ضروری ہے جو فاسق اس درجہ میں ہو اس کی شہادت رد کی جائے گی۔ ورنہ قبول کرنا چاہیئے۔ تاکہ حقوق ضائع نہ ہو جائیں معین الحکام باب الثانی والعشرین میں اس مسئلہ پر مفصل کلام کر کے اس کو ترجیح دی ہے۔

مسئلہ: قال القرافی فی باب السیاسۃ نص بعض العلماء علی انا اذا لم نجد فی جہۃ الا غیر العدول اقمنا اصلحہم واقلہم فجوراً للشہادۃ علیہم ویلزم ذلک فی القضاۃ وغیرہم لئلا تضیع المصالح قال وما اظن احداً یخالف فی ھذا فان التکلیف شرط فی الامکان وھذا کلہ للضرورۃ لئلا تہدر الاموال وتضیع الحقوق۔ قال بعضہم واذا کان الناس فساقاً الا القلیل النادر قبلت شہادۃ بعضہم علی بعض ویحکم بشہادۃ الامثل فالامثل من الفساق ھذا ھو الصواب الذی علیہ العمل وان انکرہ کثیر من الفقہاء بالسنتہم کما ان العمل علی صحۃ ولایۃ الفاسق ونفوذ احکامہ وان انکروہ بالسنتہم

وکذلک العمل علی صحۃ کون الفاسق ولیًّا فی النکاح ووصیًّا فی المال وھذا یؤید ما نقلہ القرافی. واذا غلب علی الظن صدق الفاسق قبلت شہادتہ وحکم بھا واللہ تعالیٰ لم یأمر بردّ خبر الفاسق فلا یجوز ردّہ مطلقاً بل یتثبت فیہ حتی یتبیّن صدقہ من کذبہ فیعمل علی ما تبیّن وفسقہ علیہ۔

محترم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے بھی نقطۂ اختلاف مطالع میں فیصلہ علماء سے اختلاف فرمایا ہے۔ آپ کی تحریر بھی بلفظہ درج ذیل ہے۔

گرامی قدر محترم مفتی صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ فتاویٰ متفقہ کو دیکھا۔ مجھے حسب ذیل امور میں اختلاف ہے۔

ع۲ ریڈیو میں صاحب الصوت کی معرفت وعدالت کی قید درست نہیں خصوصاً جب کہ وہ کسی اسلامی حکومت کا ریڈیو ہو۔ اور وہاں وکالۃً علماء یا جماعت علماء کی خبر وفیصلہ کو نشر کرتا ہو۔ ع۳ میں حدود ولایت میں عمل کرنے کا کلیہ صحیح نہیں بعض اوقات بلاد میں بُعد اتنا ہوتا ہے۔ کہ حقیقۃً مطلع مختلف ہو سکتا ہے جیسے پشاور ڈھاکہ۔ اس لئے اس میں یہ قید بڑھانا چاہیے۔ بشرطیکہ دونوں ملکوں میں اتنا فاصلہ ہو جہاں اختلاف مطلع حقیقۃً ہو سکتا ہو۔

بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع کا معتبر ہونا مسئلہ اجماعی ہے۔ کما صرح بہ ابن عبد البر وغیرہ بدایۃ المجتہد لابن رُشد۔ فتح الباری لابن حجر ملاحظہ ہوں حنفیہ کے ہاں بھی بلاد بعیدہ میں معتبر ہونا متعین ہے۔ راجعوا البدائع والاختیار شرح المختار وتبیین الحقائق للزیلعی۔ اور جب اجماع ثابت ہو جاتا ہے۔ دوسرا مرجوح قول خود بخود ختم ہو جاتا ہے ائمہ کا قول لا عبرۃ لاختلاف المطالع مخصوص ان بلاد کے ساتھ ہے جہاں وسط شہر یا آخر شہر تک اتنی مسافت طے نہیں ہو سکتی تھی۔ متاخرین حنفیہ نے جو توسع کر دی ہے۔ نہ ائمہ کی مراد ہے نہ حقیقۃً صحیح ہے۔ تفصیل کی اس وقت ہمت نہیں۔

والسلام

محمد یوسف بنوری عفی الرحمٰن

مولانا عطا محمد صاحب (ڈیرہ اسماعیل خان) اور مولانا شمس الدین صاحب ہزاروی نے نمبر ۳۳ میں اختلاف فرمایا ہے۔ وہ بھی ریڈیو کے اعلان کو پورے ملک میں نافذ ہونے کے مخالف ہیں۔

(بقیہ دستخط علمائے کرام تصدیق کنندگان فیصلہ مذکور)

۳۳۔ سید مسعود علی قادری، مفتی و مدرس مدرسہ انوار العلوم شہر ملتان۔

۳۴۔ ہذہ الصور صحیحۃ۔ احمد یار خان خطیب جامعہ چوک پاکستان گجرات۔

۳۵۔ اصاب من اجاب۔ ابو الحسنات قادری۔

۳۶۔ خادم حسین بقلم خود، صدر انجمن غلامانِ محمدؐ، مزنگ لاہور۔

۳۷۔ غلام محمد ترنم صدر جمعیۃ العلماء پاکستان صوبہ پنجاب، لاہور۔

۳۸۔ صح الجواب۔ محمد عبد المصطفیٰ الازہری عفرلہٗ۔

۳۹۔ اصاب من اجاب۔ فقیر عبد القادر عفرلہ خطیب جامع مسجد خانیوال۔ دہتمم مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن جامع العلوم خانیوال بقلم خود

۴۰۔ من اجاب فقد اصاب کتبہ نور احمد انور خطیب جامع مسجد مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان کچہری روڈ۔

۴۱۔ الجواب صحیح۔ فقیر محمد قاسم بقلم خود

۴۲۔ الجواب صحیح۔ کتبہ: خدا بخش فیضی فریدی خطیب جامع مسجد حکمڑ الزالی جام پور ضلع ڈیرہ غازیخان

رسالۃ زبدۃ المقال فی رؤیۃ الہلال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،

الحمد للہ الذی نور قلوبنا بعلم الیقین۔ وشرح صدورنا لقبول الحق المبین۔ و امرنا بالاعتصام بالحبل المتین۔ وجعل الہلال غرۃ للمستہلین۔ والصلوۃ والسلام علی سید الصائمین والمفطرین۔ الذی بعث مرداً لخصام المتنازعین۔ وجعل بدراً منیراً للعلمین وعلی آلہ واصحابہ الذین ہم مصابیح المہتدین۔ صلوۃ وسلاماً دائمین ما نبتت نجوم الارضین۔ وکانت النجوم فی السماء سابحین۔

امابعد فیقول العبد الضعیف المدعو بمحمود عفاعنہ ربہ الودود ووقاہ من شدائد الیوم الموعود۔ واعاذہ من شر الظلوم الحسود۔ لما اشتد اختلاف اہل الزمان فی ہلالی رمضان وشوال وکثر فیہما النزاع والجدال۔ وان العلماء منہم من یفرطون فیحکمون بلا حجۃ شرعیۃ لایراعون الشروط التی اشترطہا الفقہاء فی شہادۃ الشاہدین ولاینظرون فی الاخبار الی اوصاف المخبرین۔ ومنہم من یتوغلون فی ہذا الامر توغل المتعمقین حتی لاتطمئن نفوسہم دون الثلثین حتی ان عامۃ المسلمین کانوا فی اکثر البلاد والقری متشتتین اضطربت الامۃ المسلمۃ الی حل ہذہ العقدۃ وکشف ہذہ الغمۃ فانتہض لہذا مدیر المدرسۃ العربیۃ قاسم العلوم الواقعۃ فی بلدۃ ملتان۔ ورتب الاسئلۃ التی تتعلق بالرؤیۃ وارسلہا الی المفتیین فی نواحی پاکستان والہند لیرتبوا الاجوبۃ عنہا ثم بعد وصول الاجوبۃ جمع مدیر المدرسۃ المذکورۃ اکثرہم ھُنا۔ لیرتفع الخلاف من البین۔ فبحثوا عن تحقیق المسئلۃ یومین۔ واتفقوا علی امر فصل۔

وللہ الحمد وہو الذی جعلتہ ھدیتکم قبل ھذہ الرسالۃ۔ وقد کنت کتبت فی جواب تلک المسئلۃ اوراقاً عدیدۃ۔ فاردت ان اھدیہا للناظرین۔ لعل اللہ ینفع بہا المنصفین ویجعلہا وسیلتی یوم الدین۔ وہو الموفق والمعین ؛

ا۔ یکفی فی الصوم فی حالۃ الغیم وغیرہ من العلۃ خبر واحد عدل او مستور علی الاصح ولا یشترط فیہ شروط الشہادۃ من لفظۃ الشہادۃ ومجلس قضاء وعدد وحریۃ وغیرہا۔
لما فی الدر المختار وقبل بلا دعوی وبلا لفظ اشہد وبلا حکم ومجلس قضاء لانہ خبر لا شہادۃ للصوم مع علۃ کغیم وغبار خبر عدل او مستور علی ما صححہ البزازی (کتاب الصوم)۔

واما فی الفطر والحالۃ ہذہ فیشترط لہ ما یشترط لثبوت المال من العدد والعدالۃ ولفظۃ الشہادۃ وغیرہا من الشروط لما فی رد المحتار ج ۲ صفحہ ۹۹ للعلامۃ الشامی وشرط للفطر مع العلۃ والعدالۃ نصاب الشہادۃ ولفظ اشہد۔ واذا کان یوم صحو فیشترط لہا اخبار جمع عظیم یطمئن الیہ القلب ویسکن بہ البال۔ ولا یشترط ان یکون احادہا موصوفین بالعدالۃ والاسلام والحریۃ وسائر شروط اہلیۃ الشہادۃ ہکذا فی عامۃ الکتب۔ لکن قال العلامۃ الشامی وفی عدم اشتراط الاسلام نظر لانہ لیس المراد ہنا بالجمع العظیم ما یبلغ مبلغ التواتر الموجب للعلم القطعی حتی لا یشترط لہ ذالک بل ما یوجب غلبۃ الظن رد المحتار ج ۲ صفحہ ۱۰۰ (کتاب الصوم)۔

قلت نعلمکم بالاحتیاط مرۃ وبالتوسع اخری وذلک بحسب اختلاف الواقع۔

واما العدد الخاص فی الجمع العظیم فلم ارہ وینبغی ان یکون موکولاً الی الحاکم۔ قال العلامۃ ابن عابدین الشامی فی رد المحتار ج ۲ صفحہ ۱۰۰۔ والصحیح من ہذا کلہ انہ مفوض الی رائی الامام ان وقع فی قلبہ صحۃ ما شہدوا بہ وکثرت الشہود الخ ولکن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ فی حالۃ الصوم والفطر الکفایۃ بخبر عدلین کما قال العلامۃ ابن نجیم صاحب البحر وروی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ یقبل فیہ شہادۃ رجلین او رجل وامرأتین سواء کان بالسماء علۃ او لم یکن کما روی عنہ فی ہلال رمضان کذا فی البدائع آہ لکن ینبغی ان لا یعدل فی العمل عن ظاہر الروایۃ وہو اشتراط الجمع العظیم فی الفطر واما فی الصوم فہذہ الروایۃ ہی المعینۃ للفتوی کیف لا وقد قال صاحب الدر وعن الامام انہ یکتفی بشاہدین واختارہ فی البحر قال الشامی (واختارہ فی البحر) حیث قال ینبغی العمل علی ہذہ الروایۃ فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاہلۃ (الی ان قال العلامۃ) اقول انت خبیر بان کثیراً من الاحکام تغیرت لتغیر الازمان ولو اشترط فی زماننا الجمع

العظیم لزم ان لا یصوم الناس الا بعد لیلتین او ثلث لما ہو مشاہد من تکاسل الناس بل کثیرا مارأینا یشتمون من یشہد بالشہر ویؤذونہ وحینئذ فلیس فی شہادۃ الاثنین تفرد من بین الجمع الغفیر حتی یظہر غلطہما انتہی. فانتفت علۃ ظاہر الروایۃ فتعین الافتاء بالروایۃ الاخری اہ رد المحتار ج ۲ صفحہ ۱۰۱ـ فانظروا الی التعلیل المذکور للعمل بہذہ الروایۃ یتبین لکم ان العلۃ وہو التکاسل عن الترائی لم توجد فی الفطر بل یتوغلون فی ترائی ہذا الہلال حتی ان الفساق الذین لا یؤدون فریضۃ الصوم والعیاذ باللہ یتہیأون من نصف النہار الی الغروب لرؤیۃ ہلال الفطر ویتشوقون الیہ کل التشوق فلما انتفت علۃ الافتاء بروایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ فالعمل بظاہر الروایۃ ہو الواجب کما لا یخفی وینبغی ان یعلم انہ یجوز العمل فی ہلال الصوم بخبر واحد عدل جاء عن خارج العامرۃ او رأی علی مکان عال مرتفع وہو روایۃ عن الامام بل نقل العلامۃ الشامی فی رد المحتار عند قول الدر (وصحح فی الاقضیۃ الاکتفاء بواحد ان جاء من خارج البلد او کان علی مکان مرتفع واختارہ ظہیر الدین) انہا ایضا ظاہر الروایۃ وانہا قول ائمتنا الثلثۃ ثم وفق بین الروایتین الظاہرتین بان روایۃ اشتراط الجمع العظیم التی علیہا اصحاب المتون محمولۃ علی ما اذا کان الشاہد من المصر فی مکان غیر مرتفع ـ وروایۃ الاکتفاء بخبر واحد علی ما اذا جاء من خارج البلد او رأی علی مکان مرتفع من شاء مزید التفصیل فلیرجع الی رد المحتار ج ۲ـ واما الحکام المسلمون فی دیارنا دیار باکستان فکونہم فی حکم القضاۃ وکون حکمہم نافذا علی المسلمین ام لا موقوف علی النظر فی الامور الثلثۃ فبعد ذلک ینکشف الغطاء عن وجہ المسئلۃ ویتضح الامر

(الاول) ہل المتغلب القاہر الذی ما ارتضاہ ارباب الحل والعقد تصح سلطنتہ ویجوز التقلد منہ ـ

(الثانی) ہل الفاسق من اہل القضاء

(الثالث) ہل الجہل بالاحکام الشرعیۃ یفوت علی المرأ اہلیۃ القضاء ـ

اما الامر الاول فالاحادیث الکثیرۃ وعبارات الفقہاء رحمہم اللہ تدل علی ان الاصل وان کان فی الامارۃ ان تکون بمشاورۃ ارباب الحل والعقد لکن مع ہذا لو استولی احد وتولی امور المسلمین بلا مبایعۃ احد من ذوی علم ورأی یجب علی المسلمین ان یطیعوہ ما لم یروا فیہ کفرا بواحا عندہم علیہ برہان ویتقلدوا منہ الاعمال والولایات. قال العلامۃ الشامی فی

ردالمحتار ج ۱ باب الامامۃ (وتصح سلطنۃ متغلب للضرورۃ) ای من تولی بالقہر والغلبۃ بلا مبایعۃ اھل الحل والعقد۔ وقال صاحب الہدایۃ ویجوز التقلد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل۔ وقال صاحب الدر المختار ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً علی حاشیۃ الشامی صفحہ ۳۲۲ ج ۴۔ والشاھد علی ہذا ان سادۃ الامۃ من الصحابۃ والتابعین۔ تقلدوا العمالات من ملوک بنی امیۃ وحالہم لایخفی علی من طالع کتب التاریخ۔ قال بعد الخلافۃ الراشدۃ۔ قلما فاز المسلمون بامام عادل ثم ھذا لم یجوز احد منہم الخروج علی اولئک الملوک واطاعوہم ما استطاعوا فی معروف۔

لکن ینبغی ان نعلم ان حکمہم واجب الامتثال علی العامۃ مالم یکن مخالفاً للشرع وتقلد القضاء منہم جائز اذا امکنوا القضاۃ من القضاء بحق واما اذا لم یخلوہم وانفسہم فی انفاذ الحق المبین فحاشا من الطاعۃ۔ فانہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ قال صاحب الاشباہ امر السلطان ینفذ اذا وافق الشرع وقال صاحب الھدایۃ الا اذا کان لایمکنہ من القضاء بحق۔ قال فی الفتح فی شرح ہذہ العبارۃ استثناء من قولہ یجوز التقلد من السلطان الجائر لان المقصود لایحصل من التقلد وہو ظاہر (کتاب القضاء) والآن فی مملکتنا ان تولی الحکام المسلمون بعضاً من المسائل و حصل لہم التمکن من ان یحکموا فیہا بقوانین الشریعۃ الغراء فحکمہم ھذا یصح وینفذ۔ فان القضاء یتخصص۔ قال صاحب الدر المختار ان تولیۃ القضاء تتخصص بالزمان والمکان والشخص (الی ان قال) ولو نہاہ عن سماع بعض المسائل لم ینفذ حکمہ فیہا۔ (شامی قبیل کتاب الطہارۃ ج ۴ صفحہ ۵۷۵)

واما الامر الثانی فعبارات الفقہاء اعنات دالۃ علی ان العدالۃ فی القضاء شرط الاولویۃ لاشرط الجواز (قال العلامۃ الشامی بعد ان نقل قول من قال ان الفاسق لیس باہل للقضاء)

اقول لو اعتبر ہذا لانسد باب القضاء خصوصاً فی زماننا فلذا کان ماجری علیہ المصنف ہو الاصح کما فی الخلاصۃ وہو اصح الاقاویل کما فی العمادیۃ نہر وفی الفتح والوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکۃ وان کان جاہلاً فاسقاً وہو ظاہر المذہب عندنا۔ وحینئذ فیحکم بفتوی غیرہ شامی ج ۴ کتاب القضاء صفحہ ۳۲۲۔

واما الامر الثالث فعبارة الفتح المارة آنفا تدل صريحاً على ان الجاهل يصح قضاؤه وينفذ حكمه وهو ظاهر المذهب في الدر المختار. وينبغي ان يكون موثوقاً به في عفافه وعقله وصلاحه وفهمه وعلمه بالسنة والآثار ووجوه الفقه والاجتهاد وشرط الاولوية لتعذره على انه يجوز خلو الزمن عنه عند الاكثر فصح تولية العامي ويحكم بفتوى غيره. فبعد اتضاح الامور الثلثة تبين ان الحكام الباكستانيين وان كانوا جاهلين بالاحكام الشرعية وكانوا غير عدول فحكمهم نافذ اذا حكموا بفتوى العالم الثقة في ثبوت رؤية الهلال وراعوا فيه شروط الشهادة في موضعها وصفات الشاهد والمخبر. واذا حكموا بغير مشورة العلماء الثقات فلم ينفذ حكمهم لانه لا يمكن لهم ان يراعوا في الشهادة والاخبار جميع الشرائط لجهلهم ولو سلم علمهم بشروط الشهادة فبقلة مبالاتهم بحقوق الشرع وفقد عدالتهم لا يسلكون مسلك الاحتياط ولا يؤدون ما فرض الله عليهم من التثبت في امر الدين. كما هو مشاهد من حالتهم. والعالم الثقة من يعلم الاحكام الشرعية وبلغ في ذلك مبلغا يعتمد علماء العصر بفتواه وكان متيقظاً غير غافل عن عرف اهل زمانه وتفقه على استاذ ماهر.

(۲) اما الخبر التلغرافي فغير معتبر لانه لا يمكن معرفة المخبر فيه والا ان يعلم ان الذي اظهر نفسه مرسلاً هو هو فاذا لم يعلم شخص المرسل فكيف بعدالته وفسقه، والخبر المقبول يجب ان لا يكون من الفاسق وكذلك الخبر المكتوب في الجرائد فان مدير الجرائد كثيراً ما يحتاج الى تصحيح الاغلاط الشائعة ومعرفة انكا ايضاً ليست بسهلة الحصول هٰهنا حتى يجزم بعدالته ولكن لو كثرت الاخبار التلغرافية او اتت الجرائد المختلفة واطمئن اليها القلب وحصل الظن بصدقها فحينئذ يجوز الحكم بها وتكون في حكم الاستفاضة والعدالة ليست بمشروطة فيها حتى يحتاج الى معرفة المخبر.

واما العمل بالخط وخبر الراديو[*] والتلفون ففي موضع تكون الشهادة شرطاً فيه فغير صحيح لان الشاهد يجب ان يكون بحضور القاضي بلا حائل كاشفا عن وجهه كما هو مصرح في موضعه. واما المواقع التي يكفي فيها مجرد الاخبار بدون الشهادة فالعمل بالمذكور جائز صحيح في المعاملات والديانات كلها بشرط

---

[*] المراد منه نفس الخبر لا نشر حكم الحاكم كما سيأتي.

معرفۃ خط الکاتب وعدالتہ فی الخط. وصوت المخبر وعدالتہ فی خبر الراڈیو والتلفون. والدلیل علیہ ما فی الدر المختار ولا یعمل بالخط الا فی مسئلۃ کتاب الامان ویلحق بہ البراءات ودفتر بیاع وسمسار وحوزہ محمد لراو وقاض وشاہد ان تیقن بہ وبہ یفتیٰ. قال الشامی (ان تیقن بہ) ای بانہ خط من یروی عنہ فی الاول وبانہ خط نفسہ فی الاخیرین (قیل وبہ یفتیٰ) قال فی خزانۃ الاکمل اجاز ابو یوسف ومحمد العمل بالخط فی الشاہد والقاضی والراوی اذا رأی خطہ ولم یتذکر الحادثۃ قال فی العیون والفتویٰ علی قولہما اذا تیقن انہ خطہ سواء کان فی القضاء او الروایۃ او الشہادۃ علی الصک وان لم یکن الصک فی ید الشاہد لان الغلط نادر واثر التغییر یمکن الاطلاع علیہ وقلما یشتبہ الخط من کل وجہ فاذا تیقن جاز الاعتماد علیہ توسعۃً علی الناس صفحہ ۳۹۳ ج ۴. وقال الشامی تحت قول الدر (ودفتر بیاع وصراف وسمسار) فقد قال فی الفتح من الشہادات ان خط السمسار والصراف حجۃ للعرف الجاری بہ قال البیری ہذا الذی فی غالب الکتب حتی المجتبیٰ فقال فی الاقرار واما خط البیاع والصراف والسمسار فہو حجۃ وان لم یکن مصدراً معنوناً یعرف ظاہراً بین الناس وکذٰلک ما یکتب الناس فیما بینہم یجب ان یکون حجۃ للعرف الخ صفحہ ۳۹۲ ج ۴۔

واعلم ان نقل الحدیث وروایتہ من الدین وہو بالکتابۃ والرسالۃ جائز باجماع المحدثین ویقال لہذا التحمل المکاتبۃ فی عرفہم. قال فی مقدمۃ فتح الملہم صفحہ ۶۷ ومن اقسام التحمل المکاتبۃ بان یکتب مثلاً حدثنی فلان فاذا بلغک کتابی ہذا فحدث بہ عنی بہذا الاسناد (قال ابن الہمام) وہما ای الکتابۃ والرسالۃ کالخطاب شرعاً لتبلیغہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہما وعرفاً ویکفی معرفۃ خط الکاتب وظن صدق الرسول فی حل روایۃ المکتوب الیہ والمرسل الیہ عن الکاتب والمرسل کما علیہ عامۃ اہل الحدیث فاذا جاز الاعتماد علی الخط فی روایۃ الحدیث مع ان تاکد الصدق فیہ مطلوب شرعاً فوق ما یکون فی خبر رؤیۃ ہلال الصوم بدلیل ان ثبوت الصوم یکفی فیہ خبر مستور الحال علی القول المصحح کما مرّ سابقاً وفی نقل الحدیث المذہب الصحیح ان خبر المستور لیس بمقبول اصلاً. قال صاحب الکشف شارحاً لما قال الامام فخر الاسلام خبر الفاسق فی الدین ای نقلہ للحدیث غیر مقبول اصلاً سواء وقع فی قلب السامع صدقہ ام لا. نقلاً من مقدمۃ فتح الملہم صفحہ ۱۴. ثم قال فی صفحہ ۱۵۔

قال فی التحریر و شرحہ ومثلہ (ای الفاسق) المستور وھو من لم تعرف عدالتہ ولا فسقہ فی القول الصحیح فلا یکون خبرہ حجۃ حتی تظہر عدالتہ انتہی فکیف لا یجوز العمل بالخط فی ثبوت الصوم بالشرط المزبور وعلی ہذا القیاس خبر الرادیو والتلفون ۔

۳:۔ والبلدۃ التی لا والی فیہا ولا حاکم او کان ولا یحکم بحکم الشرع ولا یبالی بہ کما ھو مشاہد فی زماننا ۔ فالعالم الثقۃ الذی یعتمدہ المسلمون ہناک بمنزلۃ القاضی قال الشامی و فی الفتح اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ھو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبۃ الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منہم انتہی شامی ص ۳۰۰ ج ۴ ۔ فما لم یکن نظم المملکۃ بحسب قانون الشرع فی مسئلۃ رؤیۃ الہلال یؤخذ بقول عالم ثقۃ معتمد مرجع للعامۃ فی عامۃ المسائل ۔ قال مولانا عبد الحی اللکھنوی فی عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ والعالم الثقۃ فی بلدۃ لا حاکم فیہا قائم مقامہ صفحہ ۳۰۹ ج ۱ ۔

۴:۔ اذا ثبت الصوم او الفطر عند حاکم تحت قواعد الشرع بفتوی العلماء او عند واحد او جماعۃ من العلماء الثقات ولاہم رئیس المملکۃ امر رؤیۃ الہلال وحکموا بالصوم او الفطر ونشروا حکمہم ہذا فی ریڈیو یلزم علی من سمعہا من المسلمین العمل بہ فی حدود ولایتہم

واما فیما وراء حدود ولایتہم فلا بد من الثبوت عند حاکم تلک الولایۃ بشہادۃ شاہدین علی الرؤیۃ او علی الشہادۃ او علی حکم الحاکم او جاء الخبر مستفیضاً لان حکم الحاکم نافذ فی ولایتہ دون ما وراءھا ۔ ولہذا وجب العمل علی اہل الرساتیق الملحقۃ بالمصر اذا بلغ الیہم خبر ثبوت الشہر فی المصر بطریق موثوق کان بلغہم نداء مناد من قبل الحکمۃ او جاء الیہم رجل عدل حتی لو سمعوا صوت المدافع او ضرب الطبول وغیر ذلک من الامارات الموجبۃ لغلبۃ الظن لزمہم العمل فی الصوم والفطر بخبر الرادیو لان حکم الحاکم لا یکون اقل من ہذہ الامارات بحال وھو فی الحقیقۃ نداء مناد من جانب الحاکم وھو معتبر ولما لم یکن فی الزمان السابق ایجاد مثل الرادیو لیکون وسیلۃ الی وصول حکم الحاکم فی ولایتہ اقتصروا فی بیان ہذہ المسئلۃ علی الذرائع التی قد کانت عندہم حتی قال العلامۃ الشامی فی منحۃ الخالق علی البحر الرائق ما نصہ لم یذکروا عندنا العمل بالامارات الظاہرۃ الدالۃ

علی ثبوت الشهر کضرب المدافع فی زماننا. والظاهر وجوب العمل بها علی من سمعها ممن کان غائباً عن اهل المصر کاهل القری ونحوها کما یجب العمل بها علی اهل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شهادة الشهود. وقد ذکر هذا الفرع الشافعیة فصرح ابن حجر فی التحفة انه یثبت بالامارة الظاهرة الدالة التی لا تتخلف عادة کرؤیة القنادیل المعلقة بالمنائر قال ومخالفة جمع فی ذلک غیر صحیحة. صفحہ ۲۷۰ علی حاشیة البحر الرائق کتاب الصوم.

وقال رحمه الله فی رد المحتار علی الدر المختار قلت والظاهر انه یلزم اهل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیة القنادیل من المصر لانه علامة ظاهرة تفید غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل کما صرحوا به واحتمال کون ذلک لغیر رمضان بعید اذ لا یفعل مثل ذلک عادة فی لیلة الشک الا لثبوت رمضان. (کتاب الصوم من رد المحتار)

ولا یختلج فی قلبک ان عبارة رد المحتار صریحة فی الصوم فیختص هذا الحکم لان العلة التی علل هذا الحکم بها هی غلبة الظن وغلبة الظن هی التی علیها مدار الحکم کما قال صاحب الدر وقیل بلا علة جمع عظیم یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن بخبرهم وایضاً قال العلامة الشامی فی باب القضاء والکفارة انه لو افطر اهل الرستاق بصوت الطبل یوم الثلاثین ظانین انه یوم العید وهو لغیره لم یکفروا. وانت تعلم ان سقوط الکفارة یکون بعد غلبة الظن بالعید فی هذا المقام لا بالشک فقط. قال صاحب الدر او تسحر او افطر یظن الیوم ای الوقت الذی اکل فیه لیلاً والحال ان الفجر طالع والشمس لم تغرب [illegible] ویکفی الشک فی الاول دون الثانی عملاً بالاصل فیهما. وقال الشامی نقلاً عن الفتح ان المختار لزوم الکفارة عند الشک اذا ثبت حال غلبة الظن بالغروب بشبهة الاباحة لا حقیقتها ففی حال الشک دون ذلک وهو شبهة الشبهة وهی لا تسقط العقوبات صفحہ ۱۳۳ الخ. وقال فی بحث سقوط الکفارات صفحہ ۱۵۵ ج۲ تتمة. فی تعبیر المصنف کغیره بالظن اشارة الی جواز التسحر والافطار بالتحری.

فخلاصة هذه العبارات ان سقوط الکفارة من اهل الرستاق الذین افطروا بصوت الطبل ظانین انه یوم العید وهو لغیره انما یکون لغلبة ظنهم بالعید لا بالشک فقط. فعلم من هذا ان صوت الطبل وکذلک الامارات الاخر تفید غلبة الظن وغلبة الظن هی الحجة فی الفطر ایضاً. کما علمت تخصیص هذه الامارات بالصوم مع

افادتها غلبة الظن تخصیص بلا دلیل وایقاع الناس فی الحرج فانہ لا یتیسر لکل واحد وجود الشهادة عنده علی الرؤیة او علی الشهادة او علی حکم الحاکم ولا یمکن للحاکم ان یبعث فی اطراف ولایته لتنفیذ حکمه العام شاهدین یشهدان علی حکمه فان لم یعتبر هذه الامارات او نداء المنادی من المحکمة ومنه خبر الرادیو لادی ذلک الی حرج عظیم وتخطیة عبارات الفقهاء وایضاً قال مولانا عبد الحی المرحوم اللکھنوی فی جواب مثل هذا السؤال فی اللغة الاردیة ما ترجمته ان الافطار (بهذه الامارات) یصح لان صوت المدافع بحسب العادة الشائعة یوجب غلبة الظن بالعید وغلبة الظن یکفی للعمل و لهذا یلزم الصوم بهذه العلامات کما فی رد المحتار. قلت والظاهر انه یلزم اهل القری الخ من مجموعة الفتاوی. ولا نظن ان الناشر والمخبر بالرادیو مستور الحال بل الغالب انه یکون فاسقاً کما هو الشاهد فی ارباب الحکومة فکیف یکون خبره معتبراً لان ناشر حکم القاضی لا یشترط فیه العدالة فیجوز ان یکون المعلن والمنادی والناشر لحکم القاضی والوالی فاسقاً ویجب علی الناس اطاعة اعلانه ونداءه قال العلامة الشامی صفحه ۱۱۵/۲ وقد یقال ان المدافع فی زماننا یفید غلبة الظن وان کان ضاربه فاسقاً لان العادة ان الموقت یذهب الی دار الحکم آخر النهار فیعین له وقت ضربه ویعینه ایضاً للوزیر وغیره واذا ضربه یکون ذلک بمراقبة الوزیر واعوانه للوقت المعین فیغلب علی الظن بهذه القرائن عدم الخطاء وعدم قصد الافساد والا لزم تأثیم الناس وایجاب قضاء الشهر بتمامه علیهم فان غالبهم یفطر بمجرد سماع المدافع من غیر تحرٍ ولا غلبة ظن. وهذه العبارة وان کانت مسوقة للافطار الیومی لکن تدل علی ان الفاسق اذا کان ناشراً او منادیاً لحکم الحاکم وعاملاً بامره فیفید خبره غلبة الظن. وغلبة الظن هی الموجبة للعمل فی الافطار الیومی والعید کلیهما کما علمت ومن ادعی الفرق فعلیه البیان۔

۵ـ واعلم ان اختلاف المطالع واقع محسوس لا ینکره من له ادنی تعلق بعلم الهیئة کما قال العلامة الشامی فی رسالته تنبیه الغافل والوسنان علی احکام هلال رمضان ما نصه. اعلم ان المطالع تختلف باختلاف الاقطار والبلدان فقد یری الهلال فی بلد دون آخر کما ان مطالع الشمس تختلف فان الشمس قد تطلع ببلد ویکون اللیل باقیاً فی بلد آخر وذلک مبرهن علیه فی کتب الهیئة وهو واقع مشاهد اه. لکن مع ذلک نفی اعتباره فی الصوم والفطر اختلاف

قال المحقق الشیخ کمال الدین بن الہمام فی فتح القدیر واذا ثبت فی مصر لزم سائر الناس فیلزم اہل المشرق برؤیۃ اہل المغرب فی ظاہر المذہب وقیل یختلف باختلاف المطالع لان السبب الشہر وانعقادہ فی حق قوم لرؤیۃ لایستلزم انعقادہ فی حق آخرین مع اختلاف المطالع الخ وقال ابن عابدین فی ھذہ الرسالۃ لکن المعتمد الراجح عندنا۔ انہ لا اعتبار بہ وہو ظاہر الروایۃ وعلیہ المتون کالکنز وغیرہ وہو الصحیح عند الحنابلۃ کما فی الانصاف وکذا ہو مذہب المالکیۃ انتہی۔ فعلم ان ظاہر مذہب الاحناف ومذہب المالکیۃ والحنابلۃ ہو عدم الاعتبار واما مذہب الشافعیۃ فالمعتمد عندہم ہو الاعتبار علی ما صححہ النووی فی المنہاج۔

وقال العلامۃ ابن عابدین فی رسالتہ ھذہ نقلاً عن فتح القدیر والاخذ بظاہر المذہب احوط قال فی التتارخانیۃ وعلیہ فتوی الفقیہ ابی اللیث وبہ کان یفتی الامام الحلوانی وکان یقول لو رآہ اہل المغرب یجب الصوم علی اہل المشرق انتہی وفی الخلاصۃ وہو ظاہر المذہب وعلیہ الفتوی صفحہ ۲۵۲ مجموعہ رسائل ابن عابدین ۔قال الحافظ ابن حجر فی الفتح (فلا تصوموا حتی تروہ الحدیث). لیس المراد تعلیق الصوم بالرؤیۃ فی حق کل احد بل المراد بذلک رؤیۃ بعضھم (الی ان قال)۔ وقد تمسک بتعلیق الصوم بالرؤیۃ من ذہب الی الزام اہل البلد برؤیۃ اہل بلاد غیرہا۔ ومن لم یذہب الی ذلک قال لان قولہ علیہ السلام حتی تروہ خطاب لاناس مخصوصین فلا یلزم غیرہم ولکنہ مصروف عن ظاہرہ فلا یتوقف الحال عن رؤیۃ کل واحد فلا یتقید بالبلد (انتہی) فتح الباری صفحہ ۸۶/۴ ۔ وقال العلامۃ الشوکانی فی نیل الاوطار ج ۴ صفحہ والذی ینبغی اعتمادہ ہو ما ذہب الیہ المالکیۃ وجماعۃ من الزیدیۃ واختارہ المہدی منہم وحکاہ القرطبی عن شیوخہ انہ اذا رأہ اہل بلد لزم اہل البلاد کلہا ولا یلتفت الی ما قالہ ابن عبد اللہ من ان ہذا القول خلاف الاجماع۔ قال لانہم قد اجمعوا علی انہ لا تراعی الرؤیۃ فیما بعد من البلدان کخراسان والاندلس وذلک لان الاجماع لایتم والمخالف مثل ھؤلاء الجماعۃ (انتہی)

وقال الشامی فی رد المحتار وظاہر الروایۃ الثانی (عدم الاعتبار) وہو المعتمد عندنا۔ و عند المالکیۃ والحنابلۃ لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرؤیۃ فی حدیث صوموا الرؤیۃ بخلاف اوقات

الصلوٰۃ انتہی۔

۶:- اذا ثبت الفطر او الصوم فی بلدۃ عند حاکمہا او عالم ثقۃ قائم مقامہ وحکم والزم اہل البلدۃ حکمہ فانتقل ھذا الخبر الی بلدۃ اُخری فلا یخلوا اما ان تکون فی حدود ولایتہ اولا۔ فعلی الاول یلزم اھلہا العمل بہذا الخبر اذا کان موجباً لغلبۃ الظن لان الشہادۃ ہنا لیست بشرط کما علمت فی جواب السوال الرابع بالتفصیل وعلی الثانی فلا یجوز العمل بہذا الخبر ولا الحکم العام لقاضی ھذہ البلدۃ حتی یشہد عندہ شاھدان علی الشہادۃ بالطریق المعروف فی تحصیل الشہادۃ او علی حکم حاکم البلدۃ۔ الاولیٰ قال فی فتح القدیر ثم انما یلزم متاخری الرؤیۃ اذا ثبت عندہم رؤیۃ اولئک بطریق موجب حتی لو شہد جماعۃ ان اہل بلد کذا راٰوا ہلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وہذا الیوم ثلثون بحسابہم ولم یر ہؤلاء الہلال لایباح فطر غد ولا تترک التراویح ھذہ اللیلۃ لان ھذہ الجماعۃ لم یشہدوا بالرؤیۃ ولا علی شہادۃ غیرہم وانما حکوا رؤیۃ غیرہم ولو شہدوا ان قاضی بلدۃ کذا شہد عندہ اثنان برؤیۃ الہلال فی لیلۃ کذا وقضی بشہادتہما جاز لہذا القاضی ان یحکم بشہادتہما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شہدوا بہ انتہی۔ فتبین ان نفس الحکایۃ لاتکفی ہہنا مالم یکن خبراً مستفیضاً کما سیاتی۔

۷:- مما یوجب العمل استفاضۃ الخبر من بلد الی بلد ففی صورۃ الاستفاضۃ تکفی الحکایۃ ولا یشترط علی المخبرین فیہا ان یشہدوا علی الشہادۃ او علی حکم الحاکم۔

قال العلامۃ الشامی فی رسالۃ تنبیہ الغافل والوسنان بعد نقل العبارۃ المذکورۃ فی الجواب السادس من الفتح مانصہ۔ قلت لکن قال فی الذخیرۃ البرھانیۃ مانصہ قال شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ الصحیح من مذہب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اہل البلدۃ الاخری یلزمہم حکم ھذہ البلدۃ (انتہی) ونقل مثلہ الشیخ حسن الشرنبلالی فی حاشیۃ الدرر عن المنتقی وعزاہ فی الدر المختار الی المجتبیٰ وغیرہ مع ان ہذہ الاستفاضۃ لیس فیہا حکم ولا شہادۃ۔ لکن لما کانت الاستفاضۃ بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اہل تلک البلدۃ صاموا یوم کذا لزم العمل بہا لان المراد بہا بلدۃ فیہا حاکم شرعی کما ہو العادۃ فی

البلاد الاسلامیۃ فلا بد ان یکون صومہم مبنیاً علی حکم حاکمہم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور وہی اقویٰ من الشہادۃ بان اہل تلک البلدۃ راؤا الہلال یوم کذا وصاموا یوم کذا۔ فانہا مجرد شہادۃ لا تفید الیقین فلذا لم تقبل، الا اذا شہدت علی الحکم او علی شہادۃ غیرہم لتکون شہادۃ معتبرۃ شرعاً والا فہی مجرد اخبار۔ واما الاستفاضۃ فانہا تفید الیقین کما قلنا۔ ولذا قالوا اذا استفاض وتحقق الخ فلا ینافی ما تقدم عن فتح القدیر ولو سلم وجود المنافاۃ فالعمل علی ما صرحوا بتصحیحہ الامام الحلوانی من اجل مشائخ المذہب وقد صرح بانہ الصحیح من مذہب اصحابنا وکتبت فیما علقتہ علی البحر ان المراد بالاستفاضۃ تواتر الخبر من الواردین من تلک البلدۃ الی البلدۃ الاخری لا مجرد الاستفاضۃ لانہا قد تکون مبنیۃً علی اخبار رجل واحد فیشیع الخبر عنہ ولا شک ان ہذا لا یکفی بدلیل قولہم اذا استفاض وتحقق الخبر فان التحقق لا یکون الا بما ذکرنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (انتہیٰ)

فانظر فی ھذہ العبارۃ بنظر عمیق یظہر لک ان العلامۃ الشامی استدرک اولاً علی ما فی الفتح من عدم الکفایۃ بشہادۃ جماعۃ علی طریق الحکایۃ واورد قول شمس الائمۃ الحلوانی وغیرہ من الفقہاء دلیلاً علی ان الاستفاضۃ لیس فیہا نقل الحکم ولا الشہادۃ ثم وفق بین ما فی الفتح وقول شمس الائمۃ بان الاستفاضۃ وان کانت فی الحقیقۃ بطریق الحکایۃ لا تکون فیہا شہادۃ علی الشہادۃ ولا علی الحکم لکن لما کان صوم تلک البلدۃ مبنیاً علی حکم الحاکم اذ ہی العادۃ فی البلاد الاسلامیۃ فہذہ الحکایۃ بمعنی نقل حکم الحاکم فلا منافاۃ فو منح کل الوضوح ان نقل الحکم حقیقۃً لیس بشرط فی الاستفاضۃ عند احد ثم قال رحمہ اللہ ولو سلم وجود المنافاۃ بین القولین۔ ولم یوجد فی الاستفاضۃ نقل الحکم حقیقۃ ولا حکماً۔ او کان مراد صاحب الفتح نقل الحکم حقیقۃً فالعمل بما قال شمس الائمۃ الحلوانی فانہ ہو الصحیح من مذہب اصحابنا۔ ثم قال رحمہ اللہ انہ ان جاء واحد من البلدۃ الاولیٰ و شاع خبرہ فی ھذہ البلدۃ فلیس ھذا من الاستفاضۃ فی شیٔ بل یشترط ان تأتی جماعۃ من بلدۃ الرؤیۃ فتکون استفاضۃ موجبۃ للعمل۔

ثم انسلم ان الاستفاضۃ لیست بخبر متواتر بل ہی من اخبار الآحاد کما قال فی نخبۃ الفکر صفحہ ۱۷

والثانی وهو اوّل اقسام الآحاد ماله طرق محصورة باکثر من اثنین وهو المشهور عند المحدثین سمّی بذلک لوضوحه وهو المستفیض علی رأی جماعة من ائمة الفقهاء انتهی ۔ وقال صدر الشریعة فی التوضیح (ویفید) الثانی (ای المشهور) علم طمانینة وهو علم تطمئن به النفس وتظنه یقیناً لکن لو تامل حق التامل علم انه لیس بیقین۔

وقال العلامة التفتازانی فی التلویح فی شرح هذه العبارة فالطمانینة رجحان جانب الظن بحیث یکاد یدخل فی حد الیقین انتهی فعلم من هذا ان ما قال الشامی فی توفیق کلامی ابن الهمام وشمس الائمة مانصه واما الاستفاضة فانها تفید الیقین. فالمراد منه الطمانینة المستفاد بالخبر المستفیض المشهور لا الیقین بمعنی الاعتقاد الجازم الراسخ المستفاد من المتواتر لان بین المستفیض والمتواتر فرقاً ثابتاً فان المستفیض من الاحاد کما علمت. ولهذا قال الشامی فی ضمن ذلک التوفیق ان الاستفاضة بمنزلة الخبر المتواتر ولم یقل هی عین المتواتر. ویؤیده هذا ان صاحب الدر المختار صرح فی تفسیر الجمع العظیم بانه هو الذی یقع العلم الشرعی ای غلبة الظن بخبرهم. وقال الشامی فی شرح هذا المقام بالصراحة انه لیس المراد هنا بالجمع. ما یکون خبرهم یفید الیقین کالمتواتر. فاذا علمت ان الخبر المستفیض من الاحاد. ولیس من التواتر. فاعلم ان المستفیض یشترط فیه ان یکون رواته ثلثة فصاعداً کما مرّ من نخبة الفکر بالصراحة ویفهم من کلام المفتی عزیز الرحمن الدیوبندی الذی صوّبه وصحّحه استاذ الاستاذ شیخ الهند مولانا محمود حسن قدس سرهما مانصه وهو الصواب (ای عدم الاعتبار بالخبر التلغرافی) فی الصورة المسئولة الا ان یحصل غلبة الظن بالاخبار الکثیرة فحینئذ یجوز العمل به ولا یجب. وعدم اکتفاء الواحد والاثنین اظهر وهکذا احال الکتاب آه الماخوذ من البیان الکافی فی الخبر التلغرافی فما قال بعض الفقهاء کما قال الشامی نقلاً عن الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلک البلدة الخ صفحہ ۱۰۲ شامی ج ۲ ۔ محمول علی زیادة التاکد لا انه شرط جواز العمل. ولو سلم ان لفظة جماعات متعددون هی المنظور الیها هنا فنقول ان لفظ الجماعة فی اللغة والشرع یطلق علی اثنین فصاعداً. فاذا صارت بصیغة الجمع واقله ثلث فلفظة جماعات تصدق علی ستة من المخبرین کما لا یخفی. فالاستفاضة تتحقق بالستة ویؤیده ذلک

ما فی البیان الکافی فی الخبر التلغرافی من جواب المفتی الاعظم بالدیار الہندیۃ مولانا محمد کفایت اللہ وصوبہ ایضاً حضرۃ شیخ الھند قدس سرھما بالنصہ. واما اذا تعددت وزادت علی الحمۃ وتیقن المرسل الیہ انہا بخط المرسل نفسہ الی ان قال ینبغی ان یعتمد علیہا لکن الذی تطمئن الیہ النفس ہو ان لایقدر لہا عدد معین بل کلما حصل للحاکم. او عالم ثقۃ الطمانیۃ جاز لہ الحکم بہا.

ومما ینبغی ان یُعلم ان الاستفاضۃ لایشترط فیہا ان یتباین اماکن المخبرین بل یکفی فیہا ان تأتی جماعۃ من بلدۃ واحدۃ رأی فیہا الہلال فانہ لایشترط ہذا فی الخبر المتواتر فکیف فی الاستفاضۃ وہی دونہ.

قال صدر الشریعۃ فی التوضیح فی بیان المتواتر ان یکون رُواتہ فی کل عہد قوماً لایحصی عددھم ولایمکن تواطؤھم علی الکذب لکثرتھم وعدالتھم وتباین اماکنھم انتہی. فقال فی شرحہ العلامۃ فی التلویح واما ذکر العدالۃ وتباین الاماکن فتاکید لعدم تواطؤھم علی الکذب ولیس بشرط فی المتواتر. والیضاً یفہم ہذا من عبارۃ شمس الائمۃ الحلوانی التی نقلہا الشامی کما مر ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین البلدۃ الاخری یلزمہم حکم ہذہ البلدۃ. وکذا عبارۃ الرحمتی ان تأتی من تلک البلدۃ الخ فان ھذہ وتلک من اسماء الاشارۃ والموضوع لہ فیہما خاص کما ہو مبین فی موضعہ.

۵: ان حکم الحاکم او نائبہ من العلماء الثقات بالصوم بقول واحد او بخط. وصام الناس ثلثین یوماً فان کان فی السماء علۃ جاز الفطر بالاتفاق وان کانت السماء مصحیۃ فعند الشیخین لایجوز الافطار. وعند محمد یجوز. قال الشامی ج ۲ صفحہ ۱۰۲ (عن الذخیرۃ ان غم ہلال الفطر حل اتفاقاً) استدراک علی ما ذکرہ المصنف من ان خلاف محمد فیما اذا غُمَّ ہلال الفطر بان المصرح فی الذخیرہ وکذا فی المعراج عن المجتبیٰ ان حل الفطر ہنا محل وفاق وانما الخلاف فیما اذا لم یغم ولم یر الہلال فعندھما لایحل الفطر وعند محمد یحل کما قالہ شمس الائمۃ الحلوانی وحررہ الشرنبلالی فی الامداد. قال فی غایۃ البیان وجہ قول محمد وہو الاصح ان الفطر ماثبت بقول الواحد ابتداً بل بناءً وتبعاً وکم من شیئ یثبت ضمناً ولایثبت قصداً صفحہ ۱۰۳. فالاحتیاط فی الصحو العمل علی قول الشیخین. واما فی الغیم ونحوہ فیجاز الفطر. فان ثبوت الفطر وان لم یکن بدون شہادۃ

شاہدین لا نزید علی تحت الحکم لکن ہنا لما کان الثبوت ضمناً فیکفی فیہ قول الواحد. کما قال العلامۃ الشامی تحت قول الدر (ویثبت دخول الشہر ضمناً) ونظیرہ ما سنذکرہ فیما لو تم عدد رمضان ولم یر ہلال الفطر للعلۃ یحل الفطر وان ثبت رمضان بشہادۃ واحد لثبوت الفطر تبعاً وان کان لا یثبت قصداً الا بالعدد والعدالۃ ہذا ما ظہر لی انتہی۔

۹۔ خبر الفاسق غیر مقبول فی الصوم والفطر حتی یجب علی القاضی ان لا یقبلہ وان حکم بہ اثم۔ لکن مع ذلک لو قبلہ وحکم بہ نفذ حکمہ۔ ولزم سائر المسلمین العمل بہ۔ قال فی الفتاوی الھندیۃ ولو شہد فاسق وقبلہا الامام وامر الناس بالصوم فافطر ہو وواحد من اہل بلدہ قال عامۃ المشائخ تلزمہ الکفارۃ کذا فی الخلاصۃ۔ ج ۱ باب رؤیۃ الہلال۔ من کتاب الصوم۔ وفی الدر المختار ولو لہ ان یشہد مع علمہ بفسقہ۔ قال البزازی نعم لان القاضی ربما قبلہ (انتہی)

وقال مولانا عبد الحی المرحوم اللکھنوی فی رسائل الارکان ونحن نقول ان شرط العدالۃ فی امثال ہذا فی زماننا یخل باکثر الاحوال لاسیما فی الصیام فالاحری ان یفتی بما عن الامام ابی یوسف ان الشاہد اذا کان ذا مروۃ بحیث یغلب علی الظن صدقہ یقبل قولہ لئلا یختل امر الصائم (انتہی) وقال المفتی عزیز الرحمٰن الدیوبندی رحمۃ اللہ فی فتاواہ فی جواب ہذا السؤال ما ترجمتہ۔ ان تحققت قرائن صدق الشاہد عند القاضی فیسع لہ قبول شہادتہ جاز لہ ان یحکم بہ الحکم العام انتہی۔ فتبین من ہذہ العبارات ان القاضی وجب علیہ الاحتیاط البالغ لکن بعد قبول قول الفاسق لا یجوز للمسلمین ان یخالفوا امرہ۔ ولیفرقوا علی الناس شملہم۔ فان من حکم بہذا الحکم ہو ضامن لما حکم۔ ومسئول عما التزم۔

واللہ اعلم۔

ہذا ما تیسر لی فی الجواب بتوفیق ملہم الصواب والیہ المرجع والمآب۔ اللّٰھم تقبل منی انک انت السمیع العلیم۔

باب الاعتکاف

اعتکاف مسنون کو توڑ دے تو قضاء کا حکم ایک آدمی رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتا ہے۔ چار پانچ دن کے بعد اس مسجد سے اٹھ کر دو فرلانگ دور ایک اور مسجد میں وعظ و نصیحت کرنے کے لئے گیا۔ وہاں چار پانچ گھنٹے ٹھہرا رہا، راستہ میں باتیں بھی کیں، پھر اعتکاف والی مسجد میں آگیا تو کیا اس کا اعتکاف ہوا یا نہیں؟ اگر ٹوٹ گیا تو قضا لازم ہے یا نہیں؟

۲: اگر اعتکاف بیٹھنے سے پہلے نیت کرلی جائے تو درست ہے یا نہیں؟

حافظ عبدالحکیم اندرون مجنوں گیٹ جھنگ صدر

الجواب صورت مسئولہ میں ایک دن رات کے اعتکاف کی قضاء کی جائے۔ کما فی الشامی فی باب الاعتکاف الحی ان قال امر علی قول

غیر ابی یوسف فیقضی الیوم الذی افسدہ لاستقلال کل یوم بنفسہ۔ ج۲ ص ۱

۲: صرف نیت کرنا کافی نہیں بلکہ زبان سے تصریح کرنا بھی ضروری ہے اس کے بعد اس کا مسجد سے نکلنے کی جائز ہے۔ اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

لو شرط (فیہ ایماء الی عدم الاکتفاء بالنیۃ ابو السعود شامی) وقت النذر ان یخرج لعیادۃ مریض وصلوۃ جنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذالک فلیحفظ۔ (شامی: ج۲، ص ۱۴۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ | بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نفل اعتکاف بیٹھنے کی نیت کیسے کرے ؟

گرامی قدر جناب مفتی صاحب ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اعتکاف کے بارے میں چند مسائل دریافت کرنے ہیں مہربانی فرما کر جلد جواب سے نوازیں

۱۔ جب جماعتوں کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو جماعت والے کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلیں جبکہ یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کتنی دیر بیٹھنا ہے ۔ اور کب کسی ضرورت کے تحت مسجد سے نکلنا ہوگا ۔ تو کیا اس طرح یہ اعتکاف شمار ہوگا ؟

۲۔ عورت گھر میں اعتکاف بیٹھے تو وہ کتنی جگہ کو اعتکاف کی جگہ شمار کرے مثلاً پورا کمرہ یا پورا برآمدہ یا صحن وغیرہ اس سلسلہ میں کبھی تشفی نہیں ہوئی ؟

۳۔ عورت کو نفل اعتکاف کے لئے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے ؟

الجواب اس طرح اعتکاف درست ہے یہ نیت کرلیں کہ میں جب تک نہیں نکلوں گا اسوقت تک معتکف ہوں ۔

ولیس لاقلہ تقدیر علی الظاھر حتی لو دخل المسجد ونوی الاعتکاف الی أن یخرج منہ صح ھکذا فی التبیین اھ (عالمگیری ص۲۱۱ ج۱)

۲۔ گھر کے کسی مناسب کشادہ حصہ کو اپنی نماز کی جگہ بنالے پھر اسی میں اعتکاف بیٹھ جائے اس جگہ سے نہ نکلے ۔ ولو لم یکن فی بیتھا مسجد تجعل موضعاً منہ مسجداً فتعتکف فیہ اھ (عالمگیری ص۲۱۱ ج۱)

۳۔ خاوند سے اجازت لے کر اعتکاف بیٹھے ۔ فیصح من المرأۃ والعبد باذن المولی والزوج ان کان لھا زوج کذا فی البدائع اھ (عالمگیری ص۲۱۱ ج۱)

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے

مہینہ بھر کے اعتکاف کی منت مانی تھی تو ادائیگی شروع کی اور پورا مہینہ اعتکاف بیٹھا رہا۔ لیکن درحالتِ اعتکافِ منذور ایک دو روزے بلاقصد ٹوٹ گئے۔ تو کیا اعتکاف ادا ہوگیا یا دوبارہ ادا کرنا پڑے گا۔ جب کہ بعد میں وہ روزے قضاء رکھ لئے؟

الجواب اعتکافِ واجب کے لئے روزہ شرط ہے۔ کما فی الدر المختار وشرط الصوم لصحۃ الاول اتفاقاً اھ شامی (ج ۲ ص ۱۷۷)۔

پس صورتِ مسئولہ میں جس دن کا روزہ ٹوٹ گیا ہے اس دن کا اعتکاف بھی صحیح نہیں ہوا بلکہ اس روز کا اعتکاف فاسد ہوگیا۔ فسادِ اعتکاف کی صورت میں اگر غیر معین مہینے کی نذرِ اعتکاف مانی ہوئی تھی تو مہینہ بھر کا اعتکاف از سرِ نو کرنا ہوگا۔ صرف اتنے دن کے روزے قضاء کرلینا کافی نہیں۔ البتہ اگر نذر کسی معین مہینے کی مانی تھی مثلاً رجب وغیرہ کی تو صرف اتنے دن کا اعتکاف مع روزہ کے قضاء کرنا لازم ہوگا جتنے دن میں دراثناءِ اعتکاف روزہ نہیں رکھ سکا۔

قال فی الھندیۃ واذا فسد الاعتکاف الواجب وجب قضاءہ فان کان اعتکاف شھر بعینہ اذا افطر یوماً یقضی ذلک الیوم وان کان اعتکاف شھر بغیر عینہ یلزمہ الاستقبال۔ اھ (ج ۱ ص ۲۱۹)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ　　　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۳/۴/۱۳۸۷ھ

جنازہ کیلئے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا

۱: اعتکاف کی حالت میں داڑھی یا سر کو مہندی یا خضاب مسجد میں بیٹھ کر لگا سکتا ہے یا نہیں؟

۲: مہندی اتارنے اور غسل کے لئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے یا نہیں؟

۳: کسی خاص عزیز مثلاً بیٹا یا باپ یا بھائی کے فوت ہوجانے کی صورت میں معتکف نمازِ جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ۱: مسجد سے سر باہر نکال کر مہندی یا خضاب لگالے۔

۲: جائز نہیں اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔

۳: جنازہ پڑھنے کے لئے بھی معتکف مسجد سے باہر نہ جائے اور اگر گیا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔

کما فی العالمگیریۃ ولو خرج لجنازۃ یفسد اعتکافہ وکذا لصلوتھا

ولو تعینت علیہ اھ (ج ۲، ص ۱۹۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ۔ ۱؍ رمضان ۱۳۸۴ھ

آخری عشرہ کا اعتکاف فاسد کردیا تو ایک دن قضاء کرے

ایک شخص آخری عشرہ رمضان میں اعتکاف بیٹھا۔ بیماری کے عذر سے فاسد کردیا، قضاء لازم ہوگی یا نہیں ؟

الجواب والحاصل ان الوجه يقتضی لزوم كل يوم شرع فيه عندهما بناء على لزوم صومه بخلاف الباقی لان كل يوم بمنزلة شفع من النافلة الرباعية وان كان المسنون هو اعتكاف العشر بتمامه اھ

(شامی ج ۲، ص ۱۸۰)

عبارتِ ہذا سے معلوم ہوا کہ طرفین کے نزدیک ایک دن کا اعتکاف قضاء کرے گا۔ اور اس دن روزہ بھی رکھے گا۔ آئندہ رمضان میں بھی قضاء درست ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۴، ۱۲، ۱۳۹۴ھ

معتکف ہوتے زیرِ ناف صاف کرنے کیلئے مسجد سے نکل سکتا ہے یا نہیں

ایک آدمی اعتکاف واجب تین ماہ کے لئے بیٹھا ہے اگر وہ اتنے طویل عرصہ میں زیرِ ناف کے بال، بغل کے بال اور ناخن وغیرہ نہ کاٹے تو یہ جرم تو نہیں ؟ اگر ہے تو اب وہ شخص کیا کرے ؟

غلام مصطفےٰ : مرکزی مسجد اہل حدیث : جھنگ

الجواب روی مسلم عن انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه وقت لنا فی تقليم الاظفار وقص الشارب ونتف الابط ان لا نترك اكثر من اربعين ليلة۔ نقله فی الشامية وفی الدر المختار وكره تركه (ای تحريمًا) وراء الاربعين اھ

(شامیہ ج ۵، ص ۲۶۹)

حدیث ہذا اور فقہی جزئیہ سے معلوم ہوا کہ چالیس دن کے اندر اندر ناخن لینا اور بال وغیرہ بنانا ضروری ہے۔ پس یہ ضرورت

شرعیہ لازمہ سے ہوا۔ اور ایسی ضرورت جو مسجد میں ادا نہ کی جاسکے اس کے لئے خروج جائز ہے۔ پس معتکف اگر موئے زیرناف صاف کرنے کے لئے مسجد سے باہر آئے تو اجازت ہوگی۔ باقی ناخن اور دیگر بال وغیرہ مسجد کے اندر ہی صاف کئے جاسکتے ہیں۔ بال و ناخن کپڑے میں لیتا جائے اور باہر پھینک دے۔ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ ان بالوں کی صفائی کے لئے مستقل طور پر نہ نکلے بلکہ جب پیشاب یا پاخانہ کے لئے نکلے تو اس کے ضمن میں موئے زیرناف بھی صاف کرلے بلکہ اسی پر عمل کرے اور قصداً اس کے لئے نہ نکلے۔ کیونکہ صریح جزئیہ نہیں مل سکا۔ ضرورتِ طبعیہ کے لئے نکلنے کے بعد عیادت مریض کا جواز "بحر" ج ۲ میں بدائع سے منقول ہے اسی سے یہ حکم ماخوذ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱ ۔ ۶ ۔ ۱۳۸۳ھ

چالیس دن اعتکاف کی نذر مانی تو لگاتار اعتکاف کرے

یہ واجب اعتکاف صرف ایصالِ ثواب کے لئے یعنی غیر مشروط ہے کسی نیت کی وجہ سے نہیں۔ الفاظ یہ تھے کہ اگلے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغرضِ ثواب چالیس دن اعتکاف کروں گا اور پھر چالیس چالیس یوم کا بغرضِ ثواب فلاں فلاں کو۔ اب میں چاہتا ہوں کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہر ماہ کے درمیانی عشرہ میں گھر پر ہی اعتکاف کروں۔ کیا میں ایسا کرسکتا ہوں؟

الجواب مسجد میں چالیس روز لگاتار اعتکاف فرمائیں تفریق درست نہیں۔ مراقی میں ہے

"ولزمته الایام بنذر اللیالی متتابعة وان لم یشترط التتابع فی ظاهر الروایة لان مبنی الاعتکاف علی التتابع وتاثیره ان ما کان متفرقا فی نفسه لا یجب الوصل فیه الا بالتنصیص وما کان متصل الاجزاء لا یجوز تفریقه الا بالتنصیص (۳۸۵) ومنه ما لزم بنذر الاعتکاف وهو متتابع وان لم ینص علیه ص۳۷۵ مراقی۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

معتکف کا محفل قرآن مجید میں جانا

ایک شخص نے پورے رمضان المبارک کے مہینے کے اعتکاف کی نیت کرلی، چند روز گزرنے کے بعد چند احباب نے اس شخص کو محفل قرآن مجید

میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ اور وہ لوگ اس کی شرکت کو بہت ضروری سمجھتے ہیں بلکہ بعض احباب تو کہتے ہیں کہ اگر آپ نہ آئے تو اس سال محفلِ قرآن نہیں کرائیں گے۔ تو اب اگر وہ شخص اعتکاف کو توڑ دے تو قضاء تو یقیناً ہوگی لیکن قضاء بھی رمضان میں ضروری ہے یا غیرِ رمضان میں بھی ہو سکتی ہے؟

الجواب اگر یہ اعتکاف نفلی ہے یعنی نذر وغیرہ نہیں مانی تو اس کے قطع سے قضاء لازم نہیں ہوگی جس قدر ہو گیا وہ ہو گیا کیونکہ بربنا بر روایتِ اصل ادنیٰ مدتِ اعتکاف ایک ساعت ہے اور اس کے لئے صوم بھی شرط نہیں۔ بخلاف اعتکاف واجب کے کہ اس کے قطع کر دینے سے قضاء لازم آتی ہے اور صوم بھی اس کیلئے شرط ہے۔

فلو شرع فی نفله ثم قطعه لا یلزمه قضاءه لانه لا یشترط له الصوم علی الظاهر من المذهب وما فی بعض المعتبرات انه یلزم بالشروع مفرع علی الضعیف فانه المصنف وغیره۔ (تنویر مع الدر علی هامش رد المحتار، ج ۲، ص ۱۳۱)۔

نذر مع تسمیہ تنجیز و تعلیق کی زبان سے صراحت نہ کی ہو۔ بصورتِ دیگر یہ واجب ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

معتکف غسلِ تبرید کیلئے نہیں نکل سکتا

زید جو کہ معتکف ہے اپنے جسم کو ٹھنڈک پہنچانے کے لئے مسجد کے احاطہ میں غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب مذکورہ غسل کے لئے معتکف کا نکلنا درست نہیں اور مسجد سے مراد چھت والا حصہ اور آگے کا وہ صحن ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ معتکف کو غسل کے لئے ان حصوں سے نکلنا درست نہیں۔

" وحرم علیه ای علی المعتکف الخروج الا لحاجة الانسان طبیعیة کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنه الاغتسال فی المسجد اھ (شامی ج ۲، ص ۱۸۰)۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷۔ ۹۔ ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

معتکف نے بوقتِ نیت جنازہ وغیرہ کے لئے نکلنے کی تصریح کرلی تو نکلنا جائز ہے

زید رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھا ہے کیا وہ دورانِ اعتکاف وعظ و تبلیغ کے لئے دوسری مسجد جا سکتا ہے جب کہ وہ بوقتِ اعتکاف نیت کرلے کہ میں ان کاموں کے لئے جاؤں گا؟

حافظ عبد الحکیم لیلی مجنوں گیٹ جھنگ صدر

الجواب صرف نیت کرنا کافی نہیں بلکہ زبان سے تصریح کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اس کام کے لئے نکلنے کی گنجائش ہے اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

" لوشرط (فیہ ایماء الی عدم الاکتفاء بالنیۃ ابو السعود شامی) وقت لنذر ان یخرج لعیادۃ مریض وصلوۃ جنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذلک فلیحفظ۔ (شامی ج ۲ ص ۱۴۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

بحالت اعتکاف برائے غسل نکلنا

اعتکاف کی حالت میں معتکف کا غسل جنابت کے علاوہ غسل کے لئے مسجد سے باہر نکل کر غسل خانہ مسجد یا حمام میں جانا جائز ہے کہ نہیں؟

۲: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ کتنے دن اعتکاف کیا؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل فرمانا بحالت اعتکاف ثابت ہے؟ جواز و عدم جواز کی صورت میں احادیث و مستند کتب کا حوالہ لکھیں۔

۳: زید کہتا ہے کہ معتکف کا مسجد سے باہر نکل کر غسل کرنا حمام میں جائز ہے، عمرو کہتا ہے کہ جائز نہیں۔ آیا کون سچا ہے؟

از کریم الدین خان: مکان نمبر ا، گلی نمبر ۱۳، مجاہد آباد مغلپورہ لاہور

الجواب ۱: غسل فرض کے علاوہ کسی اور غسل کے لئے معتکف کا مسجد سے نکلنا درست نہیں۔

" وحرم علیہ الخروج الا لحاجۃ الانسان طبیعیۃ کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنہ الاغتسال فی المسجد۔ (در مختار علی الشامیۃ، ج ۲ ص ۱۸)۔

۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف پابندی سے کرتے تھے اور بیس دن کا اعتکاف بھی ثابت ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یعتکف کل عام عشرا فاعتکف عشرین فی العام الذی قبض الحدیث (مشکوۃ، ج ۱ ص ۱۸۳)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶/ ۱۲/ ۱۳۹۸ھ

معتکفہ کا درس دینے کیلئے اپنے کمرہ سے دوسرے کمرہ میں جانا

ایک عورت درس قرآن دینے کے لئے اعتکاف والے کمرے سے دوسرے کمرہ میں جاسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر اعتکاف بیٹھنے سے پہلے زبانی نیت کی تصریح کرلی جائے تو جانا جائز ہے ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادۃ المریض و صلوۃ الجنازۃ وحضور مجلس العلم یجوز له ذالک کذا فی التاتارخانیه ۔ (عالمگیری کتاب الصوم) فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح : محمد شریف جالندھری مہتمم جامعہ ہذا | محمد انور عفا اللہ عنہ

معتکف پیشی پر حاضر ہوسکتا ہے یا نہیں

میرا ارادہ اعتکاف مسنونہ کا ہے اور مجھ پر ایک معمولی ناجائز مقدمہ بنا ہوا ہے جس میں میری ضمانت ہوئی ہے ۔ مخالف نے میری ضمانت منسوخ کرانے کی درخواست دے رکھی ہے ۔ جس کی تاریخ عید سے دو روز قبل ہے جہاں حاضری بھی ضروری ہے ۔ صرف ایک گھنٹہ انشاء اللہ صرف ہوگا ۔ بہر حال کیا اعتکاف بیٹھنے کے بعد کچہری میں صرف تاریخ پیشی کے لئے حاضر ہوسکتا ہے کہ نہیں جب کہ اور کسی قسم کی حرکت نہ کرے اور شروع ہی سے اس حاضری کی نیت کرے ؟

ص۱۴۳

الجواب درمختار میں ہے ۔ اما النفل فله الخروج لانه منتهٍ له لا مبطل کما مر ۔ شامی میں ہے ۔ قوله اما النفل أی الشامل للسنة المؤکدة ۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اعتکاف مسنون میں نکلنا اعتکاف کو باطل نہیں کرتا ہے ۔ اگر شروع میں ہی اس کی نیت تاریخ پر حاضری کی ہو تو اتنے ٹائم تک باہر جانا درست ہوگا ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی ۔

معتکف اخبار نہ پڑھے

کیا معتکف اخبار پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب اخبار میں تصاویر ہوتی ہیں لہٰذا اسے مسجد میں لانا جائز نہیں ہرگز مسجد میں نہ لایا جائے ۔ ویسے بھی اکثر اخبار میں فضولیات ہوتی ہیں اس لئے احتراز لازم ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ : ۳۰ / ۹ / ۱۳۹۴ھ

معتکف وضو اور غسل کیسے کرے

۱ : معتکف وضو کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟
۲ : کیا معتکف کے مسجد میں باتیں کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جائیگا۔
۳ : کیا معتکف بوجہ گرمی غسل کیلئے مسجد سے نکل سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب ۱ : وضو کے لئے مسجد سے باہر نہ جائے بلکہ مسجد کے کسی کونے میں اس طرح بیٹھ کر وضو کرے کہ وضو کا پانی مسجد سے باہر گرے۔ اور یہی حکم غسل بوجہ گرمی کا ہے۔

" وحرم علیہ الخروج الا لحاجۃ الانسان طبیعیۃ کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنہ الاغتسال فی المسجد۔

(در مختار علی الشامیۃ - ج ۲ - ص - ۱۸۰) -

۲ : بے فائدہ باتوں سے اعتکاف میں کراہت آجاتی ہے۔ ویکرہ تحریما صمت وتکلم الا بخیر اھ - (شامیہ، ص۱۸۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان - ۱۵ شوال ۱۴۰۲ھ

معتکف بلا ضرورت طبعیہ مسجد سے نہ نکلے

احقر نے " مسائل اعتکاف " کے نام سے ایک رسالہ مرتب کیا ہے اس میں آنجناب کی راہنمائی کا احقر بے انتہا محتاج ہے۔ ایک استفتاء دار العلوم دیو بند بھی بھیجا تھا جس کی نقل منسلک ہے واضح رہے کہ آنجناب کی خدمت میں جو استفتاء مرسل ہے اس میں سوال نمبر ۳ بدل دیا ہے دیوبند والے استفتاء میں سوال نمبر ۳ کچھ اور ہے۔ یہ نیا سوال بعد میں ذہن میں آیا۔ قوی امید ہے کہ ان مسائل میں اس نالائق کی رہبری فرماکر ممنون فرمادیں گے۔

۱ : رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنے والے معتکف کو بحالتِ اعتکاف خاص غسلِ جمعہ کے لئے مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں ؟

۲ : اگر خاص غسلِ جمعہ کی نیت سے نکلنا جائز نہ ہو تو اگر معتکف کسی طبعی ضرورت جیسے پیشاب و پاخانہ کی غرض سے نکلے اور فراغت کے بعد غسلِ جمعہ بھی کرتا چلا آئے تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

۳ : بصورت جواز اس غسلِ جمعہ میں جلدی جلدی صرف فرائض پہ اکتفاء کرنا ضروری ہے یا اطمینان

سے جملہ آداب و سنن کی رعایت کے ساتھ بھی غسل کرنے کی اجازت ہے۔ (دار العلوم والے استفسار میں یہ سوال یوں ہے۔ کہ اگر معتکف کو وضو کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ ہر مرتبہ یا جب چاہے بجائے وضوء کے غسل کرکے آجایا کرے، تو آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟)

۴ : اب رمضان المبارک موسم گرما میں آنے لگے ہیں جس کی بنا پر معتکفین کو تبرید کے غسل کی روزانہ کم از کم ایک بار ضرور حاجت ہوتی ہے۔ ورنہ بدن میں پسینہ کی بدبو، گرمی دانوں کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اور بعض معتکف روزانہ کئی بار نہانے کے عادی ہوتے ہیں ان کو اور بھی تکلیف ہوتی ہے تو کیا ایسے حالات میں ٹھنڈک کی غرض سے نہانے کے لئے رمضان المبارک کے عشرۂ آخیرہ کا اعتکاف کرنے والا مسجد سے نکل سکتا ہے اس کے لئے نکلنا جائز ہے یا نہیں، اس سے اعتکاف فاسد تو نہیں ہوگا ؟

عبدالرؤف سکھروی معین مفتی دار العلوم کراچی نمبر ۱۴۔

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ۔

الجواب حامداً ومصلیاً۔

۱ : غسل جمعہ نہ ضروریاتِ طبعیہ میں سے ہے نہ ماموراتِ شرعیہ میں سے ہے۔ اس لئے معتکف اس کیلئے مسجد سے نہ نکلے۔

۲ : صراحۃً تو یہ مسئلہ کتبِ فقہ میں نہیں دیکھا لیکن ضرورتِ طبعیہ کے لئے نکلنے کی صورت میں عیادتِ مریض وصلوۃ جنازہ وغیرہ امور کی اجازت ہے غسل جمعہ کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

۳ : جب گنجائش ہی تبعاً دی گئی ہے تو اس میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ یہ غسل مسنون سنت کے مطابق کرے زوائد کو ترک کر دے۔

۴ : غسل تبرید کے لئے بھی مستقل نہ نکلے، ضرورتِ طبعیہ کے لئے نکلنا ہو تو بالتبع غسل تبرید بھی جلدی سے کر لے ہاں اگر گرمی کی وجہ سے دانے نکل آئیں اور بے چینی کی وجہ سے صبر دشوار ہو گیا ہو تو پھر اس کے لئے نکلنا درست ہو جائے گا۔ محض ٹھنڈک تو پنکھے وغیرہ سے مسجد میں بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور پنکھے پر پانی ڈال کر ہوا کرنے سے مزید راحت ملتی ہے۔ غرض جب تک مسجد میں رہتے ہوئے کام چل سکے باہر نہ نکلے۔ اعتکاف میں بڑا مقصود مالوفات کا ترک بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند

۲۷ : ۲ : ۱۴۰۱ھ

الجواب (۱) جائز نہیں۔

۲ : ۳ (۱) صراحۃً تو ملا نہیں البتہ اگر ضرورتِ طبعیہ کے لئے نکلے تو بعجلت غسل کر لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایسے نکلنے والے کے لئے عیادتِ مریض یا نمازِ جنازہ کی اجازت ہے۔ البتہ مالکیہ کے نزدیک غسلِ جمعہ کے لئے نکلنا جائز ہے۔ کما فی الاوجز

۴ (۱) غسلِ تبرید کے لئے اس تدبیرِ بالا سے بھی ٹھہرنے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے تولیہ بھگو کر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بدبو بھی پیدا نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳ / ۹ / ۱۴۰۱ھ

نوٹ : عیادتِ مریض کی مذکورہ بالا اجازت اس شرط سے مقید ہے کہ اس کے لئے ٹھہرے نہیں۔ بلکہ چلتے چلتے حال دریافت کرلے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے موقوفاً ومرفوعاً مروی ہے۔ کانت اذا اعتکفت لا تسئل عن المریض الا وھی تمشی ولا تقف (موطا امام مالک)۔ وقالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمر بالمریض وھو معتکف فیمر کما ھو ولا یعرج یسأل عنہ۔ (ابو داؤد) باب المعتکف یعود المریض ۳۳۵

اس سے معلوم ہوا کہ حاجتِ طبعیہ کے لئے نکلنے کے بعد بھی اپنے راستے سے ہٹ کر بقصدِ عیادت نہ جائے۔ بس راستے میں مل جائے تو عیادت کرلے۔ نمازِ جنازہ کے لئے بھی مالکیہ کے ہاں یہی شرط لکھی ہے کہ راستے میں بلا انتظارِ جنازہ کی نماز میں شامل ہو جائے تو گنجائش ہے۔ (اوجز) حنفیہ کے ہاں بھی یہ تفصیل ملحوظ رکھنی چاہیئے۔

پیسے دے کر اعتکاف بٹھانا : کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ محلہ کی مسجد میں کوئی آدمی اعتکاف میں نہ بیٹھا ایک باہر کا غیر متعلقہ آدمی تھا۔ مسجد کے متعلقہ آدمیوں نے یہ کہہ کر اس کو اعتکاف میں بٹھا دیا کہ ہم تیری خدمت کریں گے۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا اور مدتِ اعتکاف کے مکمل ہونے پر اس کو ایک صد روپے بطورِ خدمت دیدیئے اب سوال یہ ہے کہ اس غیر متعلقہ آدمی کا اعتکاف محلہ والوں کی طرف سے کفایت کر جائے گا۔ نیز اس کو جو رقم بطورِ خدمت دی گئی وہ مسجد کے فنڈ سے دی گئی ہے کیا یہ درست ہے۔ نیز یہ واضح فرمائیں کہ اجرت دے کر اعتکاف

میں بٹھانا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب اُجرت لے کر اعتکاف بیٹھنے سے نہ معتکف کو کوئی ثواب ملے گا اور نہ ہی بٹھانے والوں کو جنہوں نے مسجد کے مملوکہ فنڈ سے سَو روپیہ دیا ہے۔ ان پر لازم ہے۔ کہ وہ سو روپیہ مسجد کے فنڈ میں اپنی گرہ سے جمع کرائیں۔

قال العلامة النسفی النیابة تجری فی العبادات المالية عند العجز والقدرة ولم تجر فی البدنية بحال وفی المركب منهما تجری عند العجز فقط. قال ابن نجيم رحمه الله. بيان لانقسام العبادة (الى قوله) وبدنية محضة كالصلاة والصوم والاعتكاف والاذكار والجهاد ومركبة من البدن والمال كالحج والاصل فيه ان المقصود من التكاليف الابتلاء والمشقة وهی فی البدنية باتعاب النفس والجوارح بالافعال المخصوصة وبفعل نائبه لا تتحقق المشقة على نفسه فلم تجز النيابة مطلقا لا عند العجز ولا عند القدرة اھ (بحر الرائق ص$\frac{65}{ج2}$) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم،

الجواب صحیح — محمد انور غفرلہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ۔ — ۱۵ / ۱۰ / ۱۴۰۶ھ

اعتکاف مسنون میں روزہ ضروری ہے

رمضان المبارک میں معتکف بیمار ہونے کی وجہ سے روزہ چھوڑ سکتا ہے؟ اعتکاف فاسد ہوگا یا نہیں؟

۲۔ معتکف جب حاجت کے لئے گھر جاتا ہے تو چلتے ہوئے گھر اور راستے میں کسی سے بات کر سکتا ہے، یا جواب دے سکتا ہے؟

الجواب شامی ص$\frac{141}{ج2}$ میں ہے کہ اعتکاف مسنون (یعنی رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے۔ لہٰذا اگر روزہ چھوڑے گا تو اعتکاف

باقی نہ رہے گا۔ قلت و مقتضیٰ ذلک ان الصوم شرط ایضاً فی الاعتکاف المسنون لانہ مقدر بالعشر الاخیر حتی لو اعتکفہ بلا صوم لمرض او سفر ینبغی ان لا یصح عنہ بل یکون نفلاً فلا تحصل بہ اقامۃ سنۃ الکفایۃ اھ

۲۔ راہ چلتے ہوئے بات چیت کی جاسکتی ہے، ایسے ہی گھر جاکر، مگر رُکے نہیں رواں رہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، احقر محمد انور
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۷/۱۱/۱۳۹۷ھ

معتکف کے لئے اذان دینے کا حکم

زید اور خالد دونوں علم دین ہیں اور دونوں معتکف ہیں دوران اعتکاف (ان دونوں کا کئی مسئلوں میں اختلاف ہے) زید کہتا ہے کہ معتکف کو اذان کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ باہر سے آدمیوں کو بلانا ہے اور معتکف خارج از مسجد آدمی سے بات نہیں کرسکتا ورنہ اعتکاف فاسد ہو جائے گا جبکہ اذان کی جگہ مسجد کے اندر بھی ہے خالد ہر بات اس کے خلاف کہتا ہے خالد معتکف جب وضوء کرتا ہے تو مسجد کے صحن میں بیٹھ کر وضوء کرتا ہے ٹونٹیوں پر وضوء نہیں کرتا کہتا ہے اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور جمعہ کا غسل بھی مسجد میں کرتا ہے۔ لہٰذا ان میں نزاع ختم کرنے کے لئے ان کے جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب اعتکاف میں اختلافی بحثوں سے اجتناب چاہیئے۔ معتکف کے لئے اذان دینا بالکل جائز ہے خصوصاً جبکہ اذان کی جگہ مسجد کے اندر ہو (شامیہ) (عالمگیری) قاضی خاں) معتکف غیر معتکف سے جائز دینی باتیں کرسکتا ہے۔ اسکی ممانعت نہیں ہے۔

۲۔ خالد کی بات درست ہے اگر مسجد کے اندر وضوء کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں فرض وضوء کے لئے معتکف کو نکلنے کی اجازت ہے۔

فقط واللہ اعلم،
عبدالستار عفا اللہ عنہ،

اعتکافِ نفل میں نہانے کے لئے نکلنے کا حکم

زید پورے رمضان کا اعتکاف بایں صورت کرتا ہے دس یا پندرہ دن کے بعد باہر آکر غسل وصفائی کر کے دوبارہ اعتکاف شروع کر دیتا ہے کیا یہ صورت صحیح ہے اور اس صورت میں پورے ماہ کے اعتکاف کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب اگر ابتدائی بیس روز کا اعتکاف نفلی ہے تو غسل وغیرہ کے لئے نکلنا جائز ہے البتہ اگر اعتکاف واجب ہے تو پھر درمیان میں وقفہ جائز نہیں۔ من نذر باعتکاف رمضان صح نذرہ فان صام رمضان ولم یعتکف کان علیه ان یقضی اعتکاف شهر آخر متتابعًا ویصوم فیه (ہدایہ ص ۲۱۱ ج ۱) صورت مسئولہ میں اعتکاف درست ہے اور پورے ماہ مبارک کے اعتکاف کے ثواب کی امید رکھی جاتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ
۲۳ / ۱۰ / ۱۴۱۲ھ

معتکف دوسری مسجد میں تراویح پڑھانے جا سکتا ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اعتکاف میں بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہے اور جس مسجد میں بیٹھنا چاہتا ہے اسکی رہائش بھی وہیں ہے لیکن وہ تراویح دوسری مسجد میں پڑھاتا ہے اور ظاہر ہے ختم شریف بھی ہوگا اور اس میں زید کی حاضری لازمی ہے۔

اب آپ ہمیں قرآن وسنت وحدیث وفقہ کی روشنی میں بتائیں کہ وہ کون سے افعال ہیں جن سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور وہ کون سے افعال ہیں جن کے کرنے سے اعتکاف پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور تفصیل سے بتائیں کہ زید کو کیا کرنا چاہیئے جس سے

قرآن شریف کا ختم بھی ہو جائے اور زید کے اعتکاف پر بھی کچھ اثر نہ ہو۔ جبکہ ختم شریف میں بھی حاضری لازمی ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب اس کا طریقہ یہ ہے کہ اعتکاف بیٹھتے وقت یوں نیت کریں "میں اللہ تعالیٰ کے لئے آخری عشرہ کے اعتکاف کی نذر مانتا ہوں البتہ تراویح میں قرآن سنانے کے لئے جایا کروں گا" پھر تراویح کے وقت کے بالکل قریب جایا کریں اور فارغ ہوتے ہی اعتکاف والی مسجد میں آجایا کریں۔ راستہ میں آتے جاتے کسی جگہ کھڑے نہ ہوں۔

ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم یجوز له ذلک کذا فی التتارخانیة اھ (عالمگیری ص۱۹۹ ج۱) فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۷/۹/۱۴۱۱ھ

معتکف ووٹ ڈالنے جا سکتا ہے

معتکف ووٹ ڈالنے کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اعتکاف مسنون میں معتکف کے لئے ایسے کاموں کے لئے نکلنے کی اجازت باوجود منع کے نہیں ملی البتہ اگر اعتکاف منذور میں ابتداءً بوقت نذر کسی امر کے لئے نکلنے کی تصریح کر لی جائے تو اس کا جواز موجود ہے،

ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم یجوز له ذلک کذا فی التاتارخانیة

(عالمگیری ۱/۱۹۹)

چونکہ مآلاً اعتکاف مسنون بھی منذور ہی کی طرح ہے کہ اس میں التزام فعلاً ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ووٹ ڈالنے کے لئے نکلنا ہو وہ اعتکاف بیٹھتے وقت

یہ تصریح کر لیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے لئے آخری عشرہ کے اعتکاف کی نذر مانتا ہوں البتہ انتخاب والے دن ووٹ ڈالنے کے لئے پولنگ اسٹیشن پر جاؤں گا۔ پھر ایسے وقت نکلیں کہ جاتے ہی ووٹ ڈال سکیں اور پھر فارغ ہوتے ہی مسجد آ جائیں اور اعتکاف پورا کریں۔ عورتیں اعتکاف بیٹھی ہوں تو ان کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
رئیس دارالافتاء خیر المدارس۔ ملتان

محمد انور
۱۳ / ۹ / ۱۴۱۷ھ

معتکف کھانا لینے جائے تو راستہ میں کوئی چیز خریدنے کا حکم

ایک شخص حالتِ اعتکاف میں مسجد سے گھر کو رفع حاجت کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں سے برف کا ٹکڑا خرید کر لے گیا، یا سحری کے وقت رفع حاجت کے لئے گیا۔ ضمناً کھانا کسی روزہ دار کو دے دیا اور اپنا کھانا لا کر مسجد میں کھایا۔ ان دونوں صورتوں میں اعتکاف تو فاسد نہیں ہوا اگر فاسد ہو گیا تو قضاء لازم ہے۔؟

الجواب اگر ان دونوں صورتوں میں معتدبہ توقف کرنے کی نوبت نہیں آئی (جس سے کہ کوئی دوسرا شخص دیکھنے والا غیر معتکف کا کام نہ سمجھے) بلکہ چلتے چلتے یہ کام کئے گئے تو پھر اعتکاف فاسد نہیں ہوا۔ ورنہ فاسد ہوا اور قضاء لازم ہو گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ
۱۰ / ۱۰ / ۱۳۷۴ھ

عورت اعتکاف کیلئے جگہ متعین کر کے پھر اسے بدل نہیں سکتی

امام صاحب کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف کرے اس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو۔ صاحبین کے نزدیک شرعی مسجد ہو اگرچہ جماعت نہ ہوتی ہو تو سوال یہ ہے کہ بعض مساجد ایسی ہیں کہ جن میں جماعت نہیں ہوتی۔ لوگ نماز پڑھتے ہیں

تو اس صورت میں فتویٰ کس مسجد پر ہے صرف مسجد یا جس مسجد میں جماعت ہوتی ہو۔
۲۔ کیا ہر گھر میں عورت کو اعتکاف بیٹھنا چاہیئے یا محلہ میں ایک عورت اعتکاف بیٹھ جائے؟
۳۔ عورت گھر میں جگہ کا تعین کیسے کرے اگر اندر کرے تو رات کے وقت حبس اور گرمی ہوتی ہے اور باہر کرے تو دن کو دھوپ ہوتی ہے ؟
۴۔ کیا عورتوں کے لئے بھی مردوں کی طرح اعتکاف کی تاکید آئی ہے نہ بیٹھیں تو گنہگار ہوں گی ؟

الجواب ۱۔ بہتر یہی ہے کہ ایسی مسجد میں اعتکاف کیا جائے جس میں جماعت پنجگانہ ہو۔ اگر ایسی مسجد نہیں ہے تو پھر جس میں بیٹھا جائے اسی میں کوشش کی جاوے کہ نماز باجماعت پنجگانہ ادا ہو۔

۲۔ اعتکاف کے لئے جگہ متعین کرنے کے بعد تغیر و تبدیل جائز نہیں ہے۔ اندر ہو یا باہر ہو بہتر یہ ہے کہ برآمدہ وغیرہ کا تعین کیا جائے یا پنکھے وغیرہ کا انتظام کر لیا جاوے۔ اگر زیادہ تکلیف ہو تو ترک کی بھی گنجائش ہے۔ سرے سے اعتکاف ہی نہ بیٹھ
۳۔ عورتوں کے لئے بھی مسنون ہے اور اگر اسی بستی میں کوئی اور معتکف ہو تو گناہ نہیں

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم، فقیر محمد انور،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۸ / ۹ / ۱۳۹۷ ھ

اعتکاف میں حیض آجائے تو اعتکاف ختم ہو جاتا ہے

اگر ایک عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف بیٹھتی ہے اور چلتے چلتے حیض آگیا بتائیں اعتکاف فاسد ہوا یا نہیں ؟

الجواب اگر عورت اعتکاف کے دوران حائضہ ہو جائے تو حیض آتے ہی اعتکاف ختم ہو جائے گا بعد میں ایک دن اعتکاف کی قضاء مع روزہ کے ضروری ہے ہندیہ میں ہے۔ اذا فسد الاعتکاف الواجب وجب قضاؤہ فان کان اعتکاف شہر بعینہ اذا افطر یوماً یقضی ذلک الیوم وان کان اعتکاف

شهر لغیر عینه یلزمه الاستقبال سواء افسده بصنعه من غیر عذر کالخروج والجماع والاکل فی النهار أو لعذر کما اذا مرض فاحتاج الی الخروج أو لغیر صنعه کالحیض والجنون والاغماء الطویل (ص ۲۱۳ ج ۱)

آخری عشرہ میں اعتکاف کا ٹوٹ جانا بھی اسی حکم میں ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۷ / ۸ / ۱۴۱۰ھ

معتکف کے لئے مسجد کی چھت پر رات گزارنے کا حکم

س اگر کوئی شخص مسجد میں اعتکاف بیٹھے اور مسجد کے صحن میں ایک سیڑھی رکھی ہوئی ہو اور اس سیڑھی پر چڑھ کر پہلے مسجد کے وضوء خانے کی چھت سے گزر کر مسجد کی چھت پر جا کر رات گزار سکتا ہے یا نہیں یا سیڑھی سیدھی مسجد کی چھت پر جائے یعنی وضوء خانے سے نہ گزرنا پڑے تو اس صورت میں مسجد کے اوپر جا کر رات گزار سکتا ہے؟

الجواب دوسری صورت درست ہے اگر مسجد کا بالائی حصہ ابتداء ہی سے نماز کے لئے نہ بنایا گیا ہو تو محض سونے کے لئے اوپر چڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور

خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف بیٹھنا

س عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف رمضان المبارک میں بیٹھ سکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہ بیٹھے۔ شامیہ میں سراج سے نقل کیا ہے۔

ولا ینبغی لہا الاعتکاف بلا اذنہ (ص۱۲۹ ج۲ شامی) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

معتکف کا مسجد میں بیٹھ کر مطب چلانا

ایک حکیم صاحب ہر سال رمضان المبارک میں معتکف ہوتے ہیں اور مسجد کی کھڑکی میں بیٹھ کر ادویات مریضوں کو دیتے ہیں۔ وہیں پر ہی دام وصول کرتے ہیں۔ کیا شرعاً جائز ہے؟

الجواب حکیم صاحب مرض کی تشخیص اور ادویات تجویز کر سکتے ہیں۔ البتہ مسجد میں بیٹھ کر دوائیاں فروخت نہ کریں۔ لانہ منقطع الی اللہ فلا ینبغی لہ أن یشتغل بامور الدنیا (شامی ص۱۸۶ ج۲) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
عبداللہ عفر لہ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

اعتکاف ٹوٹ جائے تو اسکی قضا غیر رمضان میں بھی کر سکتا ہے

۱۔ ایک آدمی ایک ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہے جہاں نماز باجماعت ہوتی ہے اور جمعہ بھی ہوتا ہے تو آیا یہ شخص ادائیگی جمعہ کے لئے کسی دوسری مسجد میں جا سکتا ہے یا نہیں یا کسی شخص کی ملاقات کے لئے دوسری مسجد میں جا سکتا ہے۔؟

۲۔ اگر اعتکاف ٹوٹ جائے تو کتنے دنوں کی قضاء کرے اور کب کرے۔ رمضان میں قضاء کرے یا غیر رمضان میں؟

الجواب ولا یخرج من المسجد الا لحاجۃ الانسان والجمعۃ (ہدایہ ص۲۱۱ ج۱)۔ جزئیہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اعتکاف والی مسجد میں جب جمعہ ہوتا ہے تو دوسری مسجد میں جانے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور اگر

کسی کو ملنے گیا تب بھی اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ ولو خرج من المسجد ساعۃ بغیر عذر فسد اعتکافہ (ہدایہ ص ۲۱۱ ج ۱)

۲۔ رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کا سنت مؤکدہ اعتکاف اگر ٹوٹ جائے تو صرف اسی دن کی قضا آئے گی جس دن ٹوٹا ہے۔

اما علی قول غیرہ (ای علی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ) فیقضی الیوم الذی افسدہ لاستقلال کل یوم بنفسہ۔ (شامی ص ۱۴۳ ج ۲)

قضا چاہے رمضان میں کرے یا غیر رمضان میں دونوں میں جائز ہے۔ غیر رمضان میں نفل روزہ رکھ کر اعتکاف کی قضا کرنا ہوگی۔ فقط۔ واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ، محمد انور عفی اللہ عنہ،

معتکف کا سحری وافطاری کے لئے گھر جانا

ایک امام مسجد جس کا گھر مسجد سے دو صد قدم دور ہے حقہ نوشی کا عادی ہے اور معتکف ہونا چاہتا ہے صبح وشام بچوں کو قرآن پڑھاتا ہے۔ تقریر کرنے کے بعد جمعہ وغیرہ پڑھاتا ہے اس کا خیال ہے کہ سحری وافطاری کے وقت گھر آیا کرے اور سگریٹ نوشی مسجد سے باہر کرے اسیطرح جمعہ نکاح وغیرہ پڑھائے

الجواب معتکف کے لئے اگر مسجد میں کھانے پینے کا انتظام ہو سکتا ہے تو اسے کھانے کیلئے گھر جانا جائز نہیں۔

کما فی الدر المختار وخص المعتکف باکل وشرب ونوم وعقد احتاج الیہ (الی ان قال) فلو خرج لاجلہا فسد لعدم الضرورۃ (شامی ص ۱۸۴ ج ۲)

اگر دونوں فریق موجود ہوں۔ مجلس مسجد میں کی گئی تو معتکف نکاح پڑھا سکتا ہے نماز جمعہ تقریر خطبہ جمعہ اقامت بھی جائز ہے جبکہ اسی مسجد میں ہو نماز جنازہ کے لئے

معتکف کیلئے مکروہ تحریمی ہے ۔ لوخرج لجنازة یفسد اعتکافہ (وکذا لصلوٰتھا کذا فی الھندیۃ ص۲۱۲ ج ۱) سحری اور افطاری کے وقت اگر پیشاب وغیرہ کے لئے نکلے تو اسوقت سگریٹ پی سکتا ہے ۔ پھر منہ صاف کر کے مسجد میں آجائے مسجد میں سگریٹ پینا جائز نہیں ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

معتکفین کے لئے مسجد کے صحن کے کنارے پر ٹونٹی لگوانا

رشید آباد کالونی جامع مسجد رشیدیہ میں آخری عشرہ رمضان شریف کا اعتکاف کرنے والوں کے لئے مسجد کے صحن کے کنارہ پر ایک ٹونٹی لگائی گئی ہے اس سے صرف معتکف کو سہولت پہنچانا مقصد تھا ۔ جیسے وضو ۔ کلّی کرنا ۔ ہاتھ دھونا پانی پینا ۔ برتن دھونا وغیرہ وغیرہ ۔ اور اس ٹونٹی سے جو پانی آتا ہے وہ نہ تو مسجد کے صحن میں گرتا ہے اور نہ ہی ٹھہرتا ہے ۔ بلکہ نالی کے ذریعہ سے پانی حدودِ مسجد سے باہر چلا جاتا ہے ۔ یہ جگہ کچھ اسطرح ہے کہ مسجد کے صحن کے کنارہ پر پلاسٹک بچھا کر اور اینٹوں سے حوضی کی شکل بنا کر پانی باہر نکالا گیا ہے ۔ ایسا کرنے سے مسجد کے احترام میں یا معتکف کے اعتکاف میں کچھ کمی یا نقص پڑتا ہو تو قرآن و حدیث کی روشنی میں بتایا جائے ۔

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں علماء کرام ۔ وضاحت فرمائی جائے ۔

الجواب اگر مسجد کے صحن میں مستعمل پانی نہیں گرتا اور نہ ہی مسجد کی آلودگی ہوتی ہے ۔ تو شرعاً اسکی گنجائش ہے ۔ اعتکاف میں خلل کی بجائے اعتکاف کی تکمیل ہے کیونکہ صرف ہاتھ دھونے یا کلّی وغیرہ کرنے کے لئے معتکف مسجد سے نہیں نکل سکتا ۔ فقط ، واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۲۱ / ۹ / ۱۴۱۵ ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

معتکف کو کن اُمور میں مشغول رہنا چاہیئے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اِس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل بہت سارے نوجوان رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھ جاتے ہیں ، اور دوران اعتکاف باتیں اور ہنسی مذاق اور مسجد کے آداب کے خلاف حرکات کرتے رہتے ہیں لہٰذا آپ مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتائیں کہ کیا ایسی باتیں کرنا شرعاً کیسا ہے۔ نیز اعتکاف کے آداب سے مطلع فرمائیں ؟

(المستفتی: محمد طاہر زمانی)

الجواب اعتکاف کی روح اور حقیقت یہ ہے کہ معتکف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ کو مکمل طور پر عبادت کے لئے فارغ کرلیتا ہے اوران تمام دنیوی مشاغل کو چھوڑ دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے دُور کرنیوالے ہیں عالمگیری میں ہے :

فان فيه تسليم المعتكف كليته الى عبادة الله في طلب الزلفى وتبعيد النفس من شغل الدنيا التي هي مانعة عما يستوجب العبد من القربى اھ (ص ۲۱۲ ج ۱)

اس لئے معتکف کے لئے اعتکاف کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے فقہاء کرام نے جو عبادات لکھی ہیں وہ یہ ہیں قرآن حکیم کی تلاوت حدیث اور دیگر دینی علوم میں مشغولیت آنحضرت علیہ السلام کی سیرت طیبہ کا مطالعہ دوسرے انبیاء کرام سلف صالحین کے حالات کو پڑھنا ، دینی امور کی کتابت وغیرہ دورانِ اعتکاف دنیاوی باتیں ہنسی مذاق اعتکاف کے مقصد کے بالکل خلاف ہے اور اس میں بعض گناہ کی باتیں بھی ہوجاتی ہیں جو کہ مسجد میں اور پھر حالتِ اعتکاف میں بہت زیادہ نقصان دہ ہیں ۔ ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم والانبياء عليهم السلام واخبار الصالحين وكتابة امور الدين اھ

(عالمگیری ص ۲۱۲ ج ۱) فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ،

کتاب الحج

قال اللہ تعالیٰ

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ
مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینہما والحج المبرور لیس لہٗ
جزاءٌ الا الجنۃ متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۲۲۱ ج ۱)

مرتبہ: مفتی محمد انور

صرف آب زم زم پینے کیلئے مکہ مکرمہ گیا تو اس پر عمرہ لازم ہے

زید نے مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور اسی دن مکۃ المکرمہ پہنچ کر عمرہ کیا احرام کھول دیا سپہر کو کسی کام سے نجران چلا گیا چند روز کے بعد واپس مکہ مکرمہ آیا لیکن نہ تو احرام باندھ کر آیا نہ ہی عمرہ کرنے کی نیت تھی محض زم زم پینا مقصود تھا۔ نفلی طواف کی نیت تھی سلے ہوئے لباس میں نفلی طواف کر لیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہوگیا۔ نجران میقات سے باہر ہے واپس آکر عمرہ کرنا لازم تھا یا نہیں؟

۲۔ درج بالا نیت کے ساتھ میقات میں بلا احرام چلے جانے سے اور سلے ہوئے کپڑے سے طواف کرنے سے جنایت کا دم لازم ہے یا نہیں؟

الجواب ۲،۱: عمرہ کرنا لازم تھا مذکورہ نیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شخص مذکور پر ایک دم اور عمرہ لازم ہے۔

ویجب علی من دخل مکۃ بلا احرام لکل مرۃ حجۃ او عمرۃ الخ۔ان الواجب علیہ بدخول مکۃ بلا احرام أمران الدم والنسک الخ۔ (شامیہ مع الدر ص ۲۲۸ ج ۲)، فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

پہلے والدین کو حج کرانا ضروری نہیں

میں نے حج کی درخواست دی ہوئی ہے والدین ضعیف العمر ہیں عوام الناس اعتراض کرتے ہیں کہ اپنے سے پہلے والدین کو حج کرانا ضروری ہے جبکہ والدین نے اجازت بھی دے دی ہے کیا ایسی صورت میں میرا حج قبول ہوگا؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں جبکہ والدین نے آپ کو بخوشی حج کرنے کی اجازت دے دی ہے تو آپ شرعی طور پر حج کر سکتے ہیں۔ آپ کا اپنا حج کرنے سے پہلے والدین کو حج کرانا ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

حج کے لئے لوگوں سے چندہ کرنے کا حکم

ایک شخص حج کا شوق رکھتا ہے اور اس کے پاس زادِ راہ نہیں اور حج غیر فرض سمجھتے ہوئے اپنے متعلقین سے اظہار کر دے کہ میں حج کا بڑا شوق رکھتا ہوں کہ تم لوگ بطیب خاطر زکوٰۃ وغیرہ سے امداد کر دو تو میں حج پر جاتا ہوں ورنہ نہیں۔ اب اگر لوگ اپنی مرضی سے امداد کر دیں تو اس کا حج درست ہے یا نہیں ؟

الجواب بلا ضرورت شدیدہ سوال کرنا جائز نہیں اور جس شخص پر حج فرض نہ ہو اس کو حج کرنا ضرورت شدیدہ نہیں۔ اس لئے حج کرنے کے لئے لوگوں سے چندہ مانگنا جائز نہیں بلکہ ایسی حالت میں اگر لوگ از خود چندہ دینا چاہیں اس کا قبول کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ کما یفہم من الدر ولو وھب الاب لابنہ مالاً یحج بہ لم یجب قبولہ۔ ص ۱۹۶ ج ۲

رہی یہ بات کہ اگر لوگ از خود خوشی سے شخص مذکور کو اتنی مقدار روپیہ دے دیں کہ اس روپے سے حج فرض ہو جاتا ہے تو اس روپیہ سے اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ البتہ زکوٰۃ کا روپیہ اسوقت لینا جائز ہوگا شخص موصوف کو جب تک کہ وہ صاحبِ نصاب نہ ہو۔ اگر اس کے پاس اتنا روپیہ جمع ہو جائے جس سے وہ صاحبِ نصاب بن جائے۔ تو پھر جائز نہیں

فقط واللہ اعلم ، الجواب صحیح ،
بندہ محمد اسحٰق عفرلہ خیر محمد ، ۴ ، ذیعقد ۱۳۷۵ھ

حج بدل کے لئے دی گئی رقم واپس لے سکتا ہے یا نہیں ؟

زید ٹی بی کا مریض تھا جس کی وجہ سے سفر کرنے سے قاصر تھا اس نے عمرو کو حج بدل کے لئے رقم دی ابھی درخواست دینے کے دن باقی تھے کہ زید فوت ہو گیا۔ زید کے لڑکے محمد نواز نے عمرو سے مطالبہ کیا کہ وہ رقم واپس کر دو، عمرو نے کہا کہ زید یہ رقم مجھے حج کے لئے دے گیا تھا۔ اگر شریعت اجازت دیتی ہو تو واپس کر دوں گا۔ کیا شرعاً زید کا لڑکا یہ رقم واپس لے سکتا ہے۔؟

الجواب نعم لو کان المیت ھو الذی دفع للمأمور ثم مات کان فللوارث استرداد مافی ید المأمور ۔ (شامی ص ۲۴۳ ج ۲ مطبوعہ بیروت)

عبارتِ بالا سے ظاہر ہے کہ صورتِ مسئولہ میں محمد نواز اپنے حصہ کی رقم واپس لینے کا مجاز ہے۔ زید نے اگر الگ

حج کرنے کی وصیت بھی کی ہو تو دوبارہ سوال بھیج کر جواب حاصل کریں — فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۵/ ۹/ ۸۲ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ

۱۵/ ۹/ ۸۲ھ

سعودی حکومت کی حج فیس ادا نہ کی تو حج کا حکم

میں نے حج کیا جس میں میرے پاس چار صد روپیہ اپنا تھا اور پانچ صد روپیہ قرض لیا اور حج کو روانہ ہو گیا۔ کراچی جا کر معلوم ہوا کہ حج بیت اللہ کے لئے گیارہ صد روپیہ کی ضرورت ہے بعض حاجیوں نے مشورہ دیا کہ تم حج کے لئے چلے جاؤ اور جو ابن سعود کے ملک کی فیس ہوتی ہے وہ نہ دینا ویسے ہی داخل ہو کر حج کر لینا۔ چنانچہ میں نے ایسے ہی بلا فیس حج کر لیا جس کی رقم تقریباً چار صد روپیہ کے قریب ہوتی ہے آیا یہ حقوق العباد میں سے ہے یا نہیں اور اسکی ادائیگی میرے ذمہ لازمی ہے یا نہیں تاکہ عنداللہ کوئی گرفت نہ ہو اور ادائیگی کی صورت کیا ہے؟

الجواب شرعاً ایسے ٹیکس اور فیس لازم نہیں ہیں۔ لیکن موجودہ حکومت سعودی بعض مصالح کی بناء پر یا حاجیوں کے جان و مال کی حفاظت کی خاطر ٹیکس وصول کرتی ہے۔ اس لئے احتیاطاً ایک درخواست حکومت سعودی کو ارسال کر کے معاف کرالیا جائے یا ادائیگی کر دی جائے اس وقت سعودی حکومت کی فیس کل ۵۱ ریال (عربی روپیہ) ہے۔

فقط واللہ اعلم، محمد عبداللہ غفر لہٗ خادم الافتاء

۲۴ / محرم ۱۳۷۴ھ

الجواب صحیح،

خیر محمد عفا اللہ عنہ،

(۱) مامور مجبوراً فضائی راستہ اختیار کرے تو زائد خرچ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۱) ایک شخص نے حج کے لئے اپنا نائب مقرر کیا اور بحری جہاز پر سفر کرنے کے لئے نوصد روپیہ دیا ایک مہینہ تک نائب مامور نے کراچی میں رہ کر بحری جہاز کا انتظار کیا لیکن اسے جہاز میسر نہ آیا۔ آخر کار بلا اجازت آمر بحرین کے راستے سے ہوائی جہاز پر جدہ پہنچا

— اور افعال حج ادا کئے اور واپس آکر کہنے لگا کہ میرے اس سفر میں پندرہ سو روپے خرچ ہو گئے ۔ چھ سو مجھے دیا جائے، تو کیا نائب مذکور نیابت سے خارج تو نہیں ہوتا ۔ اگر ہو جاتا ہے تو نو سو روپے کی ضمان اس پر لازم ہوگی۔ یا نہ یا نائب رہتا ہے اور آمر کو بقیہ دینا پڑے گا۔؟

(۲) احرام وتلبیہ کے وقت آمر کا نام نہ لے تو حج بدل ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

(۲) نائب مامور نے احرام کے وقت آمر کی نیابت کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی تلبیہ کے وقت اور کہتا ہے کہ میرے دل میں آمر کی نیابت کا خیال تھا تو اس صورت میں نیابت باقی رہ جاتی ہے یا نہ ۔ ؟

الجواب

(۱) والمامور بالحج اذا أخذ طریقا اخر أبعد واکثر نفقة فان کان الحاج یسلکه فله ذلك ۔ عالمگیری ص۲۳۲ ج۱ ۔ البحر الرائق میں ہے ص۶۹ ج۳ ولو سلك طریقا البعد من المعتاد ان کان مما سلکه الناس ففی مال الآمر والا ففی ماله (قاضی خان ص۱۴۳ ج۱) المامور بالحج اذا ترك الطریق الاقرب واختار الابعد بان ترك البغدادی طریق الکوفة وذهب فی طریق البصرة ان کان الحاج یسلك ذلك الطریق لا یضمن لان الطریق الابعد عسی یکون أیسرذها بامن الاقرب ۔)

ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اگر مامور بالحج ایسا راستہ اختیار کرے جو دور ہو لیکن لوگ اس راستہ پر چلتے ہوں تو اس کے لئے جانا اور ایسے راستہ کو اختیار کرنا جائز ہے۔

(۲) فی العالمگیریة ص۲۳۱ ج۱ منها (ای من الشرائط) نیة المحجوج عنه عند الاحرام والافضل ان یقول بلسانه لبیک عن فلان (وفی الخانیة ص۱۴۴ ج۱) الحاج عن الغیر ان شاء قال لبیك عن فلان وان شاء اکتفی بالتلبیة۔

ان روایات سے واضح ہوا کہ اگرچہ اولیٰ مامور کے لئے یہی ہے کہ تلبیہ میں آمر کے لئے لبیک عن فلان کہے۔ اگر صرف نیت ہی کرے تو بھی کافی ہے — دوسری صورت میں جبکہ مامور لمبا راستہ اختیار کرے۔ بشرطیکہ وہ معتاد ہو۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خرچہ آمر کے ذمہ ہوگا۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ مامور نے مجبوراً سفر ہوائی اختیار کیا ہو بحری جہاز کی ٹکٹ نہ مل سکنے کی وجہ سے —

فقط واللہ اعلم بالصواب
بندہ محمد عبد اللہ عفر لہٗ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۱۱/۳/۱ھ

الجواب صحیح
خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان
۱۱/۳/۱ھ

شاذرواں سے ذرا ہٹ کر طواف کیا جائے

بیت اللہ شریف کے تین طرف کی دیوار کے نیچے (سوائے حطیم کی طرف کے) ایک ذراع کے برابر پشتہ بنا ہوا ہے۔ جس کو شاذرواں بھی کہتے ہیں۔ ہم حنفیوں کے نزدیک یہ بیت اللہ شریف کا حصہ ہے یعنی داخل ہے۔ اگر یہ جگہ داخل ہے تو رکن یمانی کو چلتے ہوئے ہاتھ لگانے سے اتنا حصہ بیت اللہ کے اندر طواف کرتے وقت ہوگا لہذا طواف ہی نہیں ہوگا۔ اگر عضو شاذرواں کے اُوپر سے گھوم گیا۔ تو اس قدر طواف میں نقص آگیا۔ لہذا رکن یمانی پر ٹھہر کر ہاتھ لگانا چاہیئے۔ اوپر سے طواف کرتے وقت نہیں گزرنا چاہیئے یا ہم حنفیوں کے لئے کوئی مضائقہ نہیں طواف کرتے وقت رکن یمانی پر چلتے ہوئے بھی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

الجواب مستحب ہے کہ شاذرواں سے ذرا فاصلہ سے طواف کیا جائے اور جب رکن یمانی کا استلام کرنا ہو تو کھڑا ہو کر ہی ہاتھ لگائے اور پھر ہاتھوں کو اسی طرح سیدھے واپس کرے، چلتے ہوئے استلام نہ کرے۔ (قرۃ العینین ص۱۱۱)

اگر چلتے ہوئے بھی استلام کرلیا تو بھی کراہت نہیں اور نہ ہی کچھ صدقہ وغیرہ واجب ہوتا ہے

لم یذکر الشاذروان وھو الافریز المسنم الخارج عن عرض جدار البیت قدر ثلثی ذراع قیل انہ من البیت بقی منہ حین عمرتہ قریش کالحطیم وھو لیس منہ عندنا لکن ینبغی ان یکون طوافہ وراءہ خروجا من الخلاف کما فی الفتح واللباب وغیرھما (شامی ص۱۸۲ ج۲)

الجواب صحیح، فقط، واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ بندہ محمد اسحاق غفرلہ

ربع رأس سے کم بال کاٹنے کی صورت میں احرام ختم ہو جائے گا یا نہیں؟

ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد اور دس ذی الحجہ کو رمی اور قربانی کرنے کے بعد احرام کھولنے

سے پہلے حلق کرانے کا مسئلہ ہے۔ لاکھوں آدمی صرف چند بال سر کے کٹوا لیتے ہیں اور احرام کھول دیتے ہیں۔ بہت سمجھایا مگر سمجھ میں انکی نہیں آتی۔ ہر جگہ ایسے نائی بھی نہیں ملتے جو تمام بال ایک انگلی یعنی انملہ کے برابر کاٹ دے۔ اور یہ لوگ بھی نہیں چاہتے صرف چند بال کٹوا لیتے ہیں، کیا یہ کسی امام کے نزدیک صحیح ہے کہ احرام کھل جائے گا تاکہ عمرہ اور حج ادا ہو جائے اور بیوی حلال ہو جائے۔

الجواب واقل ما یجزئ من الحلق والتقصیر عند الشافعی ثلاث شعرات وعند ابی حنیفۃ ربع الراس۔

(نووی شرح مسلم صفحہ ۴۲۱ ج ۱)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک تین۳ بال کاٹنے سے احرام اُتر جائے گا لیکن حنفیہ کو اس پر عمل کرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ انکے نزدیک چوتھائی سر کے بقدر انملہ بال کاٹنا واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ،

مرحوم بھائی کے پاسپورٹ پر اپنی تصویر لگا کر اسکے نام پر حج کرنا

ایک شخص چچا کے ساتھ حج کو جارہا تھا۔ دو۲ سال سے خرچہ دے رکھا تھا اس کا نام قرعہ اندازی میں نہ آتا تھا اس سال اس کا نام قرعہ اندازی میں آگیا ہے اور وہ خود حج کو روانہ ہونے سے قبل فوت ہو گیا ہے جو اسکے ساتھی تیار ہیں کہتے ہیں اسکی جگہ اس کا بھائی حج کر لے اور وہ مرحوم کا نام استعمال کرتے ہوئے حج ادا کریگا۔ ہم مرحوم کا فوٹو اُتروا کر اس کے بھائی کا فوٹو لگوا دیں گے اسطرح حج ادا کرنا جائز ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں متوفی کے بھائی کے لئے متوفی کا نام غلط استعمال کرتے ہوئے حج کرنا قانوناً ممنوع ہے اور عرفاً قبیح ہے لہٰذا شرعاً اسکی گنجائش معلوم نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ اس میں کذب بیانی و غلط بیانی سے کام لینا پڑتا ہے لہٰذا آئندہ سال صحیح طریقہ پر حج کے لئے درخواست دیں۔ فقط واللہ اعلم،

محمد عبد اللہ عفی عنہ،

حج فرض ہونے کے باوجود بغیر وصیت کئے مر گیا تو کوئی بھی وارث از خود اسکی طرف سے حج کر سکتا ہے؟

ایک شخص جس پر حج فرض تھا بغیر حج کئے انتقال کر گیا۔ اولاد میں صرف ایک لڑکا تھا جو تمام جائیداد کا وارث ہے۔ لاکھوں روپے کی جائیداد اور لاکھوں روپے نقد موجود ہے لیکن ہوتے اپنے والد کے لئے حج بدل کرانے کے لئے تیار نہیں۔

۱۔ کیا اس کا بھائی یا اور کوئی رشتہ دار اپنے خرچ پر اس کے لئے حج بدل کر سکتا ہے؟

۲۔ مرحوم کا بھتیجا، بھانجا جدہ میں ملازم ہیں کیا وہ اس کیلئے حج بدل کر سکتے ہیں؟

۳۔ اس کا کوئی رشتہ دار رمضان المبارک میں عمرہ اور بعد میں حج کے ارادہ سے حجاز اپنے خرچ پر جائے تو اس مرحوم کے لئے حج بدل کر سکتا ہے؟ والسلام

احقر غلام محمد، انصار کالونی۔ ملتان

الجواب جدہ میں مقیم یا پاکستان سے جانے والا کوئی بھی رشتہ دار مرحوم کے لئے حج کر سکتا ہے۔ من علیہ الحج اذا مات قبل أدائه فان مات عن غیر وصیة یأثم بلا خلاف وان أحب الوارث ان یحج عنه حج وارجو أن یجزئه ذلك ان شاء الله تعالی کذا ذکر ابو حنیفة رحمه الله اھ (ہندیہ ج ۱ ص۲۵۸)۔ فقط، واللہ اعلم،

محمد انور،

جس پر حج فرض ہو اُس کا حج بدل پر جانا مکروہ ہے

ایک شخص پر حج فرض ہے اسے کوئی عذر بھی نہیں مگر وہ اپنا حج کرنے کی بجائے ایک دوسرے عزیز کی طرف سے حج بدل پر جا رہا ہے کیا یہ جانا درست ہے؟

نیاز محمد نور پور۔ نور نگا۔ ڈیرہ نواب صاحب

الجواب ایسے آدمی کا جس پر حج فرض ہے اور کوئی مانع بھی نہیں اپنا فرض حج چھوڑ کر

دوسرے کے لئے حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے اور بھیجنے والے کے لئے بھی ایسے شخص کو بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے۔

والافضل احجاج الحر العالم بالمناسك الذی حج عن نفسه و ذكر فی البدائع كراهة احجاج الصرورة لانه تارك فرض الحج ثم قال فی الفتح بعد ما أطال فی الاستدلال والذی يقتضيه النظر ان حج الصرورة عن غيره ان كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم لانه تضيق عليه فی اول سنی الامكان فيأثم بتركه وكذا لو تنفل لنفسه ومع ذلك يصح لان النهی ليس لعين الحج المفعول بل لغيره وهو الفوات اذا لموت فی سنة غير نادر الخ قال فی البحر والحق انها تنزيهية على الآمر لقولهم والافضل الخ تحريمية على الصرورة المأمور الذی اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه لانه أثم بالتاخير اه قلت وهذا لاينافی كلام الفتح لانه فی المأمور ويحمل كلام الشارح على الآمر فيوافق ما فی البحر من ان الكراهة فی حقه تنزيهية وان كانت فی حق المأمور تحريمية۔ (شامی ص۲۶۲/ج۲) فقط۔ واللہ اعلم،

الجواب صحیح،	بندہ محمد انور،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۹/ ۷/ ۱۴۰۶ھ

لنگڑے کے لئے حج کا حکم ایک آدمی دیہات کا رہنے والا ہے۔ ایک پاؤں سے بھی لنگڑا ہے اور دمہ کا مریض ہے اس پر حج فرض تھا اس سال حج کے لئے درخواست دے دی مگر لوگوں سے بہت تنگ آچکا ہے کیونکہ لوگ اسے کہتے ہیں کہ تم پاؤں سے بھی معذور ہو اور دمہ کے مریض

ہو حج کرنے میں بہت زیادہ تکلیفیں درپیش ہو جائیں گی ہو سکتا ہے کہ تم سے حج کے فرائض اور واجبات رہ جائیں حج میں جانیوالا آدمی یہ کہتا ہے کہ اب تو کرائے کے مزدور ملتے ہیں جہاں کہیں بھی، ہجوم ہوا مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کرائے کے مزدور مل جائیں گے ان کے ذریعہ حج کے فرائض اور واجبات ادا کر لوں گا اس کے متعلق شرع شریف میں کیا حکم ہے۔

الجواب شخص مذکور کو چاہیئے کہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ سفر حج کرے جو کہ عالم دین بلکہ مفتی یا جو مسائل حج سے بخوبی واقف ہو اور تیمارداری بھی کر سکے بہرحال سفر حج ضرور کریں اور مسائل سیکھنا شروع کر دیں اللہ پاک غیب سے مدد فرمائیں گے۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،

ازدحام کی وجہ سے عورتوں کی طرف سے مرد رمی کریں تو دم واجب نہ ہوگا

جن عورتوں نے بوجہ ازدحام جمرات کو کنکریاں نہیں ماریں بلکہ ان کے مردوں نے ماریں یا وکیل نے ماریں ان کے لئے کیا حکم ہے دم واجب ہے یا نہیں؟ فتویٰ مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب صورت مسئولہ میں دم واجب نہیں کیونکہ بوجہ خوف زحام بجائے عورتوں کے ان کے مردوں نے رمی کی ہے۔ اگر بوجہ خوف زحام بالکل ترک رمی ہو جائے تب بھی دم نہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم ص۵۵۳ ج۶ میں شامی اور بحر سے نقل فرمایا ہے۔ لو ترک شیئاً من الواجبات بعذرٍ لاشئ علیہ علیٰ ما فی البدائع (شامی ص۲۰۰ ج۲) درمختار میں وقوف مزدلفہ کے بارے میں فرمایا ہے لکن لو ترکہ بعذرٍ کزحمةٍ لاشئ علیہ قال فی ردالمحتار عبارة اللباب الا اذا کان لعلةٍ او ضعفٍ او یکون

امن الا تخاف الزحام فلا شیء علیه الخ قلت وھو شامل لخوف الزحمة عند الرمی۔ شامی صفحہ ۱۷۸ ج ۲) فقط۔ واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

حلال وحرام مال مخلوط ہو تو حج فرض ہوگا یا نہیں ؟

آج کل بینکوں میں لوگ رقم رکھواتے ہیں اور بینک والے کہتے ہیں کہ اگر آپکا اتنا روپیہ مثلاً سات ہزار روپیہ اتنی مدت تک ہمارے پاس پڑا رہا تو وہ ہم آپ کو اتنی مدت کے بعد دُگنا ادا کریں گے یعنی سات ہزار کا چودہ ہزار تو کیا یہ صورت جائز ہے اگر جائز نہیں تو کیا اس رقم کے ساتھ حج ادا کرنا درست ہے یا نہیں۔ اس طرح ان کا استعمال دوسرے کاموں میں جیسے تجارت وغیرہ میں درست ہے

الجواب بینک میں جو رقم رکھوائی جاتی ہے وہ ایک طرح کا قرض ہوتا ہے اور قرض پر اسطرح متعین کرکے بیسہ لینا واضح طور پر سُود ہے ایسی رقم کا اصل حکم تو یہ ہے کہ مالک کو واپس کی جائے اگر مالکان کا پتہ نہ چل سکے تو بلا نیت ثواب بغرض ازالۂ نجس کسی فقیر ومسکین کو دے دی جائے ایسا مال جب اپنے حلال مال سے مخلوط ہو جائے تو دیگر شرائط وجوب حج پائے جانے کی صورت میں حج فرض ہو جائے گا لیکن حج کا فائدہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ وہ پاکیزہ اور طیب مال سے کیا جائے۔ درمختار میں ہے۔ وقد یتصف بالحرمة کالحج بمال حرام اور ردالمحتار میں ہے۔ فقد یقال ان الحج نفسه الذی هو زیارة مکان مخصوص الخ لیس حراما بل الحرام هو انفاق المال الحرام ولا تلازم بینهما کما ان الصلاة فی الارض المغصوبة تقع فرضا وانما الحرام شغل المکان المغصوب لا من حیث کون الفعل صلاة لان الفرض لا یمکن اتصافه بالحرمة وهنا کذلک فان الحج فی نفسه مأمور به وانما یحرم من حیث الانفاق وکأنه أطلق علیه

الحرمة لان للمال دخلا فيه فان الحج عبادة مركبة من عمل البدن والمال كما قدمناه ولذا قال في البحر ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فانه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع انه يسقط الفرض عنه معها ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج۔ ص۱۵۲/ج۲ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، عبدالستار عفی عنہ

محمد انور عفی عنہ ۱۴۰۹/۳/۱۶ھ

جسے ہر گھنٹہ کے بعد پیشاب کا تقاضا ہو وہ حج بدل کرا سکتا ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص پر حج فرض ہے، اسوقت انکی عمر تقریباً ستر سال ہے۔ پیشاب کی انتہائی تکلیف ہے ہر گھنٹہ بعد تقاضا ہوتا ہے۔ کینسر کی بھی تکلیف ہے بآسانی چل پھر بھی نہیں سکتے، مرض شوگر بھی ہے جب شوگر کا دورہ ہو تو اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ اس حال میں وہ چاہتے ہیں کہ میں حج بدل کراؤں، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب اس صورت میں آپ کو اپنی طرف سے دوسرے شخص سے حج کرانا جائز اور صحیح ہے، کیونکہ عاجز ہونا آپ کا سفر حج سے ظاہر ہے۔ درمختار میں ہے

والمركب منهما كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز الى الموت لانه فرض العمر اھ ص۲۵۸/ج۲ درمختار علی الشامیہ)

الغرض آپ اپنی طرف سے حج کرا سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج کراویں جو اپنا حج فرض پہلے کر چکا ہو اور احکام حج سے واقف ہو، شامیہ میں ہے۔

والافضل احجاج الحر العالم بالمناسك الذي حج عن نفسه ص۲۶۱/ج۲ اور اگر اس نے خود اپنی زندگی میں دوسرے سے حج نہ کرایا، تو پھر اسکو وصیت کرنا لازم ہے اس سے وہ سبکدوش ہو جائیگا۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ جامعہ خیر المدارس ملتان

عُذر کی وجہ سے وقوفِ مُزدلفہ رہ جائے تو دم واجب نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ معذور بیوی اور بوڑھے والدین ساتھ تھے جن کی وجہ سے عرفات سے جلدی چلنا ممکن نہ ہوا۔ آخری بسوں میں بیٹھے، بس مغرب کے تھوڑی دیر بعد عرفات سے چلی اور اس لائن میں چلی جس میں رش زیادہ تھا بس چلتی تو رہی۔ مگر رفتار اتنی کم تھی کہ رات کو مزدلفہ میں داخل نہ ہوسکی بس چھوڑنے کی ہمت اس لئے نہ تھی کہ بوڑھے والدین اور معذور بیوی ساتھ تھی۔ ان کو تکلیف ہوگی، شاید اتنا پیدل نہ چل سکیں۔ اسی کشمکش و پیچ میں صبح کی نماز بھی حدود مزدلفہ سے باہر پڑھی۔ اسطرح ہمارا وقوف مزدلفہ چھوٹ گیا۔ اب اس کا کیا حکم ہے اور معذور اور بوڑھے اور ساتھ والوں کا ایک ہی حکم ہے یا الگ الگ جبکہ جوان آدمی کا اُن معذور اور بوڑھوں کو چھوڑنا بھی ممکن نہ تھا کیونکہ اگر چھوڑ دیتے تو پھر ان سے ملاقات مشکل ہوتی اور تنگی ہوتی۔ بینوا توجروا

(المستفتی آفتاب احمد مدرسہ عربیہ رائے ونڈ)

الجواب حامداً ومصلیاً، اس عُذر کی بناء پر وقوفِ مُزدلفہ چھوٹنے سے دم وغیرہ نہیں آتا۔ شامی میں ہے۔

لکن لو ترکہ بعذر کزحمۃٍ لا شئی علیہ وکذا کل واجب اذا ترکہ بعذر لا شئی علیہ کما فی البحر (شامی ص۵۱۲ ج۲) اور بدائع الصنائع میں ہے واما حکم فواتہ عن وقتہ انہ ان کان لعذر فلا شئی علیہ (ص۱۳۶ ج۲) اور ہندیہ میں ہے۔ ولو ترک الجمار والوقوف بالمزدلفۃ لا یلزمہ شئی کذا فی محیط السرخسی (فتاوی عالمگیری ص۲۳۶ ج۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، | بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ،

جس کا کوئی محرم نہ ہو وہ کسی حج پر جانیوالے کیساتھ نکاح کرلے

کوئی عورت حج کرنا چاہتی ہے محرم ساتھ جانیوالا کوئی نہیں ہے یا وہ کسی مرد کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتی ، تو کیا وہ مستورات کی ایسی جماعت کے ساتھ حج پر جا سکتی ہے جن کے محرم مرد ساتھ ہوں ۔کیا کوئی صورت بغیر محرم مرد کے حج کرنے کی ہے اور اگر کوئی عورت بغیر محرم سفر حج کرے اس کا کیا حکم ہے ؟ جو محرم مرد ساتھ جائے اس کے کون کون سے اخراجات عورت برداشت کرے اور اخراجاتِ حج کے علاوہ اگر وہ ذاتی رقم ساتھ لے جاتا ہے تو اسکی کیا صورت اور حکم ہے ۔؟

الجواب جب اس عورت کے پاس محرم نہیں اور نہ ہی اتنی رقم ہے جس سے کسی محرم کو ساتھ لے جائے تو اس پر حج فرض ہی نہیں ہے ۔البتہ اگر کسی شخص کیساتھ نکاح کرے جو حج کو جا رہا ہو تو اس تدبیر سے حج پر جانا درست ہو جائے گا مگر ایسا کرنا واجب نہیں ہے ، کذا فی فتاوی قاضی خان ۔ اگر بغیر محرم کے ایسی عورت چلی گئی تو گنہ گار ہوگی اور فریضۂ حج ادا ہو جائے گا فقط ۔ واللہ اعلم ،

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

بیماری سے شفاء پانے پر حج کی نذر مانی تو حج لازم ہے

زید بیمار ہو گیا تھا ۔اُس کا کمر کے نیچے سے وجود شل ہو گیا اس میں کوئی حس و حرکت نہ تھی چھ سال تقریباً اسی بیماری میں مبتلا رہا اس بیماری کے دوران زید مذکور نے نذر مانی تھی یا اللہ مجھے شفاء کاملہ عطاء کر ، میں پیدل حج کروں گا اس وقت سے وہ شفایاب ہے ۔کیا شرعاً پیدل حج کر سکتا ہے یا نہیں ؟

۲ ۔ اسکے گھر سے تو اجازت ملتی ہے مگر اس کے بچے معصوم ہیں ۔ان بچوں کا خرچ بھی زید دیتا ہے اور اپنا خرچ بھی ہے ۔لہذا بچوں کا نابالغ ہونا اسکی نذر میں مزاحمت تو نہیں کرتا؟

الجواب صورت مسئولہ میں استحساناً نذر مذکورہ کا پورا کرنا ضروری ہے۔ حرف تعلیق مقدر ہے اگر یہ ظاہر ہوتا تو حج واجب تھا (کما فی الشامیہ ص ج ۲)

ولو قال ان فعلت کذا فأنا احج ففعل یجب علیہ الحج

پس بصورت تقدیر علیّ نذر لازم ہوگی البتہ اگر پیدل نہ جا سکتا ہو تو سواری پر چلا جائے اور ایک بکری منیٰ میں ذبح کر دے۔ فقط

الجواب صحیح
عبداللہ عفرلہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۵ / ۱۰ / ۸۲ ھ

خاوند کے روکنے کے باوجود عورت حج پہ جاسکتی ہے

میری بیٹی کو عرصہ سے خاوند نے لاتعلق کیا ہوا ہے بیٹی کے اپنے بیٹے جوان ہیں۔ وہ اپنی والدہ کو اپنے ماموں یعنی والدہ کے بھائی کے ساتھ حج پر بھیجنا چاہتے ہیں، خاوند نہ طلاق دیتا ہے نہ حج کی اجازت دیتا ہے۔ تو کیا وہ حج پر جا سکتی ہے۔

الجواب حج فرض ہونے کی صورت میں محرم میسر ہونے کی حالت میں جانا ضروری ہے خاوند کے روکنے کی کوئی حیثیت نہیں۔ ولیس لزوجھا منعھا عن حجۃ الاسلام (اھ درمختار) ای اذا کان معھا محرم والا فلہ منعھا کما یمنعھا عن غیر حجۃ الاسلام اھ (شامیہ ص ج ۲) فقط واللہ اعلم،
محمد انور

زمین بیچ کر حج کرنے کا حکم

زید دس ایکڑ زمین کا مالک ہے اس کے علاوہ نقد یا سامان وغیرہ کچھ نہیں، زمین کی آمدنی سے گزارہ ہوتا ہے اب ارادہ حج کا کیا ہوا ہے مگر بیوی نے منع کیا ہے کہ مجھے حج کرانے کے لئے زمین فروخت نہ کریں اور زید حج کراتا ہے کیونکہ بیوی سے وعدہ کیا تھا تو کیا یہ آدمی زمین فروخت کر سکتا ہے؟

الجواب زید کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی زمین کا حصہ فروخت کر کے خود بھی حج کرے اور بیوی کو بھی کرائے ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،
۲، محرم الحرام سنہ ۹۲ھ

نادار قرض لے کر حج کر آئے تو غنی ہو جانے پر دوبارہ حج کا حکم

غریب قرض لے کر حج پر چلا جائے پھر مالدار ہو جائے تو کیا پہلا حج کافی ہے یا دوسرا کرے ؟

الجواب اگر مذکور شخص نے حج نفل کی نیت نہیں کی تو صورت مسئولہ میں اس کا حج فرض ادا ہو گیا — أن الفقیر الآفاقی اذا وصل الی میقات فهو کالمکی فانه ان قدر علی المشی لزمه الحج ولا ینوی النفل علی زعم انه فقیر لانه ما کان واجبا علیه وهو آفاقی فلما صار کالمکی وجب علیه حتی لو نواه نفلاً لزمه الحج ثانیا اھ

(شامی ص ۳۳۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم
بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احرام کی چادریں میلی ہو جائیں تو دھونے کا حکم

۱۔ عید الاضحیٰ کا چاند نظر آنے کے بعد کون سے حج کی نیت سے احرام باندھے ؟
۲۔ حنفیہ کے نزدیک کونسا حج افضل ہے تمتع یا قران
۳۔ قران یا افراد میں باندھی ہوئی احرام کی چادریں میلی ہو جائیں تو دھونے یا بدلنے کے لئے کیا حکم ہے ؟
۴۔ قران یا افراد والا طواف قدوم کے بعد حج سے پہلے نفل طواف کر سکتا ہے ۔
۵۔ احرام کی حالت میں چادر کو سرف کے ساتھ دھونے کا کیا حکم ہے جبکہ سرف خوشبودار ہے

۶۔ احرام کی حالت میں مشروب روح افزا۔ سیون اپ کوئی دوسری ٹھنڈی بوتل اچار، سالن، ٹماٹر وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں؟

۷۔ قران یا افراد والا آٹھ ذوالحجہ کو احرام والی چادریں تبدیل کرے یا نہیں میلی ہوں یا صاف ستھری ہوں جو کہ زیرِ استعمال ہیں یا وہی باقی رکھے۔

الجواب ۱-۲۔ قران افضل ہے

۳۔ چادریں میلی ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں، دوران احرام دھونے کا تکلف نہ کریں۔

۴۔ مزید طواف کر سکتا ہے

۵۔ خوشبو والی برف سے نہ دھوئے ویسے دھولے۔

۶۔ خوشبودار مشروب استعمال نہ کرے، اچار، ٹماٹر، سالن وغیرہ کھانے کی اجازت ہے

۷۔ پہلے احرام باندھ چکا ہے تو احرام کی چادریں بدلنے کی حاجت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نابینا پر حج فرض نہیں ہے

س ایک شخص کی بینائی نہایت کمزور ہے حتیٰ کہ اکیلا سفر نہیں کر سکتا کیا اس شخص پر حج فرض ہے جبکہ حج کی باقی شرائط پائی جاتی ہیں اور کسی معاون کے ساتھ لے جانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

الجواب شخص مذکور پر بینائی کمزور ہونے سے پہلے حج فرض ہو گیا تھا تو اب اس پر واجب و لازم ہے کسی دوسرے آدمی کو حج پر بھیجے۔ بصورت [illegible] وصیت کرے اور اگر بینائی کمزور ہونے کے بعد اس کے پاس مال آیا ہے تو پھر اس پر حج فرض ہی نہیں ہوا اور نہ اس پر وصیت کرنی لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحٰق غفرلہٗ
۱۲/۸/۸۰ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبداللہ غفرلہٗ ۱۳/۸/۸۰ھ

والدین خدمت کے محتاج ہوں تو حج پر جانے کا حکم

بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنیوالا کوئی نہ ہو اور وہ اجازت بھی نہ دیں تو کیا حج فرض چھوڑ دیں؟

الجواب اگر حج پر چلے جانے کے بعد والدین کو ناقابلِ برداشت تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں نہ جانے کی گنجائش ہے۔ حج کو جائے گا تو گناہ ہوگا ویکرہ الخروج الی الحج اذا کرہ احد ابویہ ان کان الوالد محتاجاً الی خدمة الولد (عالمگیری ص۲۲۰ ج۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

نابالغ بغیر احرام کے میقات سے گزر سکتا ہے

نابالغ بچہ جب حدودِ حرم میں داخل ہو تو اسپر احرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں۔ نیز اگر وہ عمرہ یا حج کرے تو اس کا احرام کون باندھے وہ خود یا اسکے سرپرست کا احرام کافی ہے بچوں کی عمر ۲ سال، ۴ سال ہے۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں نابالغ بچہ بغیر احرام کے حدودِ حرم اور میقات سے تجاوز کرسکتا ہے اسکی وجہ سے کوئی جزا واجب نہیں۔ ہندیہ میں ہے۔

واما الکافر یدخل مکة ثم أسلم ثم یحرم فلا شئ علیه وکذلك الغلام یجاوز ثم یحتلم ویحرم بمنزلة الکافر (ص۲۵۳ ج۱)

نابالغ ممیز نے اگر احرام باندھ کر باقاعدہ حج کر بھی لیا تب بھی بالغ ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا ہوگا کیونکہ صحتِ حج کے لئے بلوغ شرط ہے۔ ہندیہ میں ہے

ومنها البلوغ فلا یجب علی الصبی۔ (ص۲۱۷ ج۱) فقط۔ واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
۱۴/ ۱۱ / ۱۴۱۲ھ

جدّہ میں رہنے والے کے لئے تمتع کا حکم

ایک پاکستانی آدمی جدّہ میں مع اہل وعیال نوکری کی وجہ سے مقیم ہے۔ چھٹی پر پاکستان آتا ہے ذی قعدہ کے ماہ میں جدہ چلا جاتا ہے اس کا ارادہ و نیّت ہے کہ جدہ چند دن قیام کے بعد عمرہ کریگا۔ کراچی سے بغیر احرام جاتا ہے جدّہ میں کچھ دن قیام کے بعد جدّہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرتا ہے حلال ہونے کے بعد پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ کر حج کے لئے جاتا ہے۔ ۱۔ یہ شخص آفاقی کے حکم میں آئے گا یا مکی کے ۲۔ کراچی سے روانگی کے وقت اسکی نیّت کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔ ۳۔ حل میں رہتے ہوئے اشہر حج میں عمرہ کیا اور اسی سال حج کیا اسطرح تو یہ تمتع ہو گیا۔ جس کی اہلِ حل کو اجازت نہیں، اب اس کے لئے کیا حکم ہے ۴۔ آئندہ اگر حج کرنا چاہے تو کیا یہ لازم ہے کہ وہ اشہر حج میں عمرہ کرے یا نہ کرے ؟

الجواب ۱۔ جس شخص نے میقات کے اندر تاھل کیا ہوا ہو وہ مکی کے حکم میں ہے والمکی ومن فی حکمہ یفرد فقط ای من أھل داخل المواقیت (درمختار علی الشامیۃ ص۱۵)

۲۔ جس شخص کا قصد دخول مکّہ نہ ہو وہ میقات سے بغیر احرام کے بھی تجاوز کر سکتا ہے۔ أما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدّۃ حل لہ مجاوزتہ بلا احرام۔ (درمختار علی الشامیہ ص۱۵۴ ج۲)

۳۔ حل میں رہنے والے شخص نے اشہر حج میں عمرہ کیا اور پھر حج کیا تو یہ متمتع ہو گیا۔ جس کی اہلِ حل کے لئے اجازت نہیں ہے۔ یہ شخص گنہگار ہوا اور دم جبر لازم ہو گیا۔
والمکی ومن فی حکمہ یفرد فقط ولو قرن او تمتع جاز وأساء وعلیہ دم جبر۔ (شامی ص۱۹۷ ج۲)

۴۔ آئندہ کے لئے اشہر حج میں عمرہ نہ کرے صرف حج کرے (حوالہ بالا) فقط واللہ اعلم۔
محمد انور

احرام کی حالت میں ٹیکہ لگوانے کا حکم

ایک شخص مرض ذیابیطس وشوگر میں سخت مبتلا ہونے

کی وجہ سے روزانہ ایک ٹیکہ لگواتا ہے اب وہ حج پر جا رہا ہے کیا احرام کی حالت میں ٹیکہ لگوانا اس کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب کوئی حرج نہیں ہے
فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح
عبداللہ عفرلہ ، ۸۲/۹/۱۹

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
۱۸ / ۹ / ۸۲ھ

زائد از ضرورت زمین بیچ کر حج کرنا ضروری ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین بندہ کے پاس سالم مربع زمین کا ہے اور میرے اخراجات کے لئے کافی ہے اور نہ ہی مقروض ہوں اور نہ ہی کوئی نقدی جمع ہے ایسی صورت میں قرضہ لے کر یا زمین فروخت کرکے جو سالانہ گذارہ سے زیادہ ہو حج کرنا فرض ہے یا نہیں ؟

(مولانا فضل احمد رائے پوری ربانی جامعہ رشیدیہ چک نمبر ۱۱/۱۱ ایل جیچہ وطنی)

الجواب وان کان صاحب ضیعۃ ان کان لہ من الضیاع مالو باع مقدار مایکفی لزادہ وراحلتہ ذاھبا وجائیا ونفقۃ عیالہ واولادہ ویبقی لہ من الضیع قدر ما یعیش بغلۃ الباقی یفترض علیہ الحج والا فلا۔ (فتاوی قاضی خان ص ۲۸۲ ج ۱)

جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ اگر زمیندار کے پاس اتنی جائیداد ہو کہ اس کے کچھ حصے کو بیچ کر اخراجات حج نیز واپسی تک گھریلو ضروریات کا انتظام ہو سکے اور باقی ماندہ جائیداد آئندہ گزارے کے لئے بھی کافی ہو تو ایسی صورت میں زمیندار مذکور پر حج واجب ہے ورنہ نہیں۔ عیال سے مراد وہ ہیں جن کا نفقہ لازم ہو۔ کما فی الدر المختار۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

حکومت کا سیاسی رشوت کے طور پر حج کرانا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ... ہو، حکومت اور سابقہ حکومتوں کا طریق کار رہا ہے کہ وہ اپنے پارٹی ورکروں کو سرکاری خرچ پر

حج پر بھیج دیتی ہیں نیز ان لوگوں میں قومی، صوبائی اور ممبران سینٹ بھی ہوتے ہیں جو سیاسی رشوت کے طور پر بھیجے جاتے ہیں صاحب استطاعت ہوتے ہیں کیا ان لوگوں کو حج کا ثواب ہو جاتا ہے (۲) کیا حکومت وقت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ قومی خزانے میں اسطرح کا تصرف کرے دلائل سے واضح فرمائیں۔ (السائل منظور احمد شاہ آسی موضع حدو بانڈی ضلع مانسہرہ)

الجواب صاحب استطاعت لوگوں کو اپنے خرچ پر حج ادا کرنا چاہیئے تاکہ مالی عبادت کا ثواب بھی حاصل ہو اگرچہ دوسرے کے خرچ پر ادا کرنے سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ ۲۔ حکومت کے لئے حج کرانے کی گنجائش ہے البتہ صرف اپنے ورکروں کو یا سیاسی رشوت کے طور پر حج نہیں کرانا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق غفرلہ

محرم کے لئے ہر وقت کندھا کھلا رکھنے کا حکم

جب آدمی عمرہ کا احرام باندھتا ہے اوپر والی چادر کندھے کے نیچے سے نکال لیتا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اوپر والا کندھا ڈھانکنا چاہیئے کچھ لوگ کہتے ہیں ہر وقت ننگا رکھنا چاہیئے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب اس کو عربی میں اضطباع کہتے ہیں اور یہ صرف عمرہ کے طواف کی حالت میں مسنون ہے یا ہر اس طواف میں جس کے بعد سعی مسنون ہے باقی اوقات میں نہ مسنون ہے نہ ممنوع البتہ نماز کے وقت کندھا ڈھکا ہوا ہونا چاہیئے۔

(ویسن أن یدخله تحت یمینه ویلقیه علی کتفه الایسر اه (درمختار)

ویسن أن یدخل هذا یسمی اضطباعاً وهو محالف لما نقل البحر والرد علی الظهر والکتفین والصدر وما عزاه القهستانی للنهایة وعزاه فی شرح اللباب للبرجندی عن الخزانة ثم قال وهو سوهم ان الاضطباع یستحب من اول احوال الاحرام وعلیه العوام ولیس کذلک فان محله المسنون قبیل الطواف الی انتهائه لاغیر اه قال بعض المحشین وفی شرح المرشدی علی مناسك الکنز انه الاصح

وأنه المسنة ونقله في المنسك الكبير للسندي عن الغاية و مناسك الطرابلسي والفتح وقال إن أكثر كتب المذهب ناطقة بأن الاضطباع يسن في الطواف لا قبله في الاحرام وعليه تدل الاحاديث وبه قال الشافعي اھ (شامی ص۱۷۱ ج۲) فقط ـ واللہ اعلم،

محرم کے لئے ہر وقت کندھا کھولے رکھنے کو ضروری سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ محمد انور

۲/۱۱/۱۴۰۶ھ

والجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

حجِ بدل فرض کے لئے آمر کے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے

تقریباً دو سال قبل میرا لڑکا ثناء اللہ سعودی عرب بغرض دُنیاوی کاروبار گیا۔ اس کے ویزا کی کچھ رقم میں نے اَدا کی اور باقی رقم اس نے محنت مزدوری کر کے پُوری کر دی۔ پہلے اس نے حج بیت اللہ خود کیا پھر باپ نے اس کو خط لکھا کہ میں بوڑھا ہوں اور بیمار ہوں اور زیادہ چل پھر نہیں سکتا تو لڑکے نے حج اکبر کے موقعہ پر میری طرف سے حج بدل کیا۔ قرآن وحدیث کی رو سے فتویٰ صادر فرمائیں کہ بوڑھے بیمار کی اجازت سے حج بدل ہو سکتا ہے۔ شخص مذکور مالدار ہے ـ

الجواب برتقدیر صحت واقعہ صورتِ مسئولہ میں حج بدل حج فرض کے قائم مقام نہ ہوگا۔ حج بدل کی صحت کے لئے علامہ شامیؒ نے بیس شرطیں بیان کی ہیں۔ اُن میں سے ایک شرط یہ ہے۔ مامور آمر کے پیسوں سے حج ادا کرے۔ اپنی رقم سے ادائیگی کی صورت میں آمر کا حج نہ ہوگا۔ غنیہ میں ہے۔

ومنها أن يكون حج المأمور بمال المحجوج عنه فان تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم يجز عنه حتى يحج بماله ص۲۵۷ ج۱۲

ایک شرط یہ بھی ہے کہ احرام میقات سے باندھا جائے۔ اگر احرام مکہ مکرمہ سے باندھا گیا تب حج آمر کی طرف سے نہ ہوگا۔ شامیہ ص۲۳۹ ج۲ میں ہے :۔

الثانی عشر أن يحرم من الميقات فلو اعتمر وقد أمره بالحج ثم حج من مكة لا يجوز

فقط واللہ اعلم محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بیوی ناراض ہو کر میکے بیٹھی ہو تو حج کرنے کا حکم

میری دو بیویاں ہیں جو باہمی لڑتی ہیں ایک غیر آباد ہے اب میرا حج کو جانے کا ارادہ ہے

وہ اجازت نہیں دیتی بعض لوگ کہتے ہیں پہلے گھر آباد کرو پھر حج کو جاؤ کیا حج کرنا ضروری ہے یا گھر آباد کرنا ضروری ہے۔

کافی مرتبہ گھر آباد کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حج اگر فرض ہے تو اسکی ادائیگی کیجئے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے نہ بیوی سے اور نہ کسی اور سے فرض کی ادائیگی ضروری ہے اور گھریلو معاملات کی درستگی کے لئے دوست احباب اور رشتہ داروں سے مشورہ کر کے صحیح صورتحال تک پہنچنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ فقط۔ واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حج بدل میں اکثر مال آمر کا ہونا ضروری ہے

بندہ نے حج بیت اللہ اور دو عمرے بھی کئے ہیں اب حج بدل کروانا چاہتا ہے۔ ایک شخص کو بحری جہاز کے ذریعے تیار کر لیا تو اب میری بیوی نے کہا کہ جو رقم اس حاجی کو دینا چاہتے ہو مجھے دے دو میں اپنا بیٹا محرم بنا کر ساتھ لے جاتی ہوں، اور ہوائی جہاز کے ذریعے بقایا کرایہ اپنی گرہ سے ادا کر کے تمہارے لئے حج بدل کر آتی ہوں۔ بیوی نے بھی پہلے حج کر رکھا ہے اور خاوند سے زیادہ مالدار بھی ہے تو کیا ایسا شخص اپنی ایسی بیوی سے حج بدل کرانے کا مجاز ہے اور اسکی بیوی اسکے لئے حج بدل کرے تو یہ حج درست ہوگا۔

۲۔ کیا کسی حدیث معتبر سے یہ ثابت ہے کہ دو عمروں کا ثواب ایک حج کے برابر ہے۔

الجواب ۱۔ حج بدل کے لئے ضروری ہے کہ اکثر یا کل اخراجات آمر کی طرف سے ہوں درمختار میں ہے۔ وبقی من الشرائط النفقة من مال الآمر کلھا او اکثرھا (ص۲۳۹ ج۲)۔

۲۔ ایسی حدیث نظر سے نہیں گزری البتہ رمضان المبارک کے عمرے کے بارے میں یہ فضیلت وارد ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کان رمضان اعتمری

فیہ فان عمرۃ فی رمضان حجۃ ۔ (الحدیث) بخاری ص۲۳۹ج۱)

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،

درخواست منظور نہ ہونے سے حج ساقط نہیں ہوگا

ایک شخص حج کے لئے درخواست دیتا ہے لیکن اس کا قرعہ اندازی میں نام نہیں نکلتا تو کیا اس کو حج کا ثواب مل جائے گا ۔ اور جتنی دفعہ ناکام رہا ہے اتنے حجوں کا ثواب مل جائے گا ؟

الجواب حج کی درخواست دینے سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا ۔ منظور نہ ہونے کی صورت میں مسلسل دیتے رہنا چاہیئے ۔ حج کرنے کا موقعہ مل گیا تو حج کرنے سے حج ساقط ہو جائے گا اور اگر خدانخواستہ منظوری کی نوبت نہ آئے تو وارثوں کو وصیت کر جانا ضروری ہے کہ میری جانب سے حج ادا کرا دیا جائے ۔ رہا صرف درخواست دینے سے حج کا ثواب ملنا تو یہ معاملہ حق جل شانہ کے فضل پر ہے پورا ثواب بھی ملا تو کوشش و نیت وغیرہ کا ثواب انشاء اللہ ضرور ملے گا ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ ،

جو دو تین میل چل سکتا ہے وہ خود حج کرے : حج عن البدل کے لئے کتنا عجز شرط ہے

کیا ایک آدمی جو باوجود بڑھاپے کے ایک دو میل بلا تکلف چل سکتا ہے ۔ نظر وغیرہ اور باقی اعضاء بھی درست ہیں کوئی بیماری بھی نہیں ایسا شخص حج بدل فرض کرا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب وفی الشامیۃ قولہ صحیح البدن ای سالم عن الآفات المانعۃ عن القیام بما لا بد منہ فی السفر فلا یجب علی مقعد ومفلوج وشیخ ،

کبیر لا یثبت علی الراحلة بنفسه اھ ص۱۴۲ ج۲ - اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور خود حج کر سکتا ہے لہٰذا اپنی جگہ کوئی اور آدمی بھیجنا درست نہیں۔

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ غفرلہ ۱۸/۷/۹۶ھ

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد اسحاق غفرلہ،

معتدہ حج پر نہیں جاسکتی

جو عورت عدّت گزار رہی ہو کیا وہ حج کے لئے سفر کر سکتی ہے؟

الجواب: معتدہ کو دورانِ عدّت کوئی سفر نہیں کرنا چاہیئے نہ حج کے لئے نہ کسی اور غرض کے لئے اگر روکنے کے باوجود چلی گئی تو فرض ادا ہو جائے گا البتہ اس معصیت پر استغفار لازم ہے۔

المعتدة لا تسافر لا للحج ولا لغیرہ اھ (عالمگیری ص۱۳۸ ج۲)

فقط، واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ،

فقیر میقات تک پہنچ جائے تو حج فرض ہو گیا

ایک شخص جو کہ فقیر ہے حج کے ارادے سے میقات سے احرام باندھ کر تلبیہ کہہ کر جدّہ شریف پہنچ گیا، لیکن وہاں اشتباہ کی وجہ سے محبوس ہوگیا اور واپس اپنے ملک بھیج دیا گیا۔ حج کی اجازت نہ دی گئی۔ مذکورہ آدمی نے اپنی زمین رہن کردی اور اس سے پیسے وغیرہ حاصل کرکے حج کے لئے تیار ہوا لیکن بعد میں بیمار ہوگیا اور زیادہ کمزوری کی وجہ سے اب سفر کرنے کے قابل نہیں اور نہ اتنا مالدار ہے کہ اس پر یہ حج فرض ہوتا۔ قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ مذکور کی جانب سے دوسرے آدمی کو یہ رقم دے کر حج کے لئے بھیجا جائے یا یہ رقم دے کر زمین فک کرالی جائے، نیز مذکور عمر رسیدہ بھی ہے۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ میں احرام باندھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ محصَر ہونے سے فرق ہوگا۔ آفاقی اگرچہ فقیر ہو لیکن میقات پر پہنچنے سے اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

فی اللباب المنقیر الآفاقی اذا وصل الی میقات فہو کالمکی ـــــ فلما صار کالمکی وجب علیہ ۱ھ شامی ج ۲ ص ۱۹۵ ۔

اگر تندرست ہو تو خود حج کرنا واجب ہوگا۔ اگر قادر نہ ہو تو مرتے وقت حج کرنے کی وصیت کرے، ورثاء پر حج اور عمرہ کرانا لازم ہوگا۔ جب کہ اس کے تہائی مال سے حج ہو سکے ورنہ ورثاء کو اختیار ہوگا۔ جیسا کہ وصیت نہ کرنے کی صورت میں ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقیر حج بدل کے لئے جائے تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا

ایک شخص اپنے باپ کی طرف سے

ایک غریب کو حج بدل کرانا چاہتا ہے اور وہاں حرمین شریفین پہنچنے کے بعد اس غریب پر اپنا حج فرض ہو جاتا ہے۔ آپ بتائیں کہ اگر وہ غریب اپنا حج ادا کرتا ہے تو خائن بنتا ہے۔ اگر حج بدل ادا کرتا ہے تو اپنی فرضیت فوت ہو جاتی ہے

۲۔ جو حج بدل کرتا ہے تو کیا متوفی کی طرف سے حج ادا ہوا یا نہیں ؟

الجواب ۱۔ من حیث الدلیل راجح یہی ہے کہ فقیر حج بدل کے لئے جائے تو اس وجہ سے اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔ (جواہر الفقہ ج ۱ ص ۵۰۰)

۲۔ جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے۔ اسکی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

فقط ۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

مقروض بدوں اجازت غرماء حج پر نہ جائے

ایک آدمی پہلے سینتیس ہزار ۳۷۰۰۰ روپیہ کا مقروض ہے

ـــــ اور جس آدمی کا اس نے قرضہ دینا ہے وہ بھی مقروض ہے۔ بے روزگار ہے اور پریشان رہتا ہے کئی بار قرض خواہوں نے اسے بہت تنگ کیا ہے جس شخص نے

قرض دینا ہے کئی بار وعدہ کر کے منحرف ہو گیا ہے اور اب وہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ جا رہا ہے جبکہ وہ حقوق العباد پورے نہیں کر رہا شریعتِ اسلام کی روشنی میں وضاحت فرما دیں کہ ایسے آدمی کیلئے حج پر جانے سے قبل اپنا معاملہ لوگوں سے صاف کرنا ضروری ہے یا نہیں۔؟

الجواب مقروض کو چاہیئے کہ قرض خواہوں سے اپنا معاملہ صاف کر کے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہو۔ بلکہ جن دوکانداروں سے اشیاءِ ضرورت خریدتا رہتا ہے۔ ان سے بھی حق کی ادائیگی یا معافی کی صورت ہو جانی چاہیئے۔ لمبا سفر ہے نہ معلوم دوبارہ واپس آنا نصیب ہی نہ ہو۔ حقوق العباد کا مسئلہ خود حل کر لیں۔ انشاء اللہ، اللہ پاک اپنے حقوق کا مسئلہ خود حل فرما دیں گے اور مغفرت سے نوازیں گے۔ ہندیہ میں ہے۔

ویکرہ الخروج الی الغزو والحج لمن علیہ الدین وان لم یکن عندہ مال مالم یقض دینہ الا باذن الغرماء ص۲۲۱ ج۱۔ الحاصل بدون ادائیگی و اجازت سفرِ حج مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

عمرہ پر گیا ہوا آدمی گرفتار کر کے واپس بھیج دیا گیا تو اس پر حج فرض ہوا یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو آدمی حج کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس پر حج فرض نہیں ہے

۱۔ لیکن ایک آدمی بغرض عمرہ یا سیر وسیاحت یا کاروبار مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے اور عمرہ بھی ادا کر لیتا ہے تو کیا اس پر اب حج فرض ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ یہ آدمی رمضان المبارک میں گیا اور پندرہ بیس روز کے بعد خود یا سعودی حکومت کے قانون کی زد میں آکر یہ آدمی پکڑا گیا اور انہوں نے واپس کر دیا۔ یا خود آگیا۔ تو کیا اس پر حج کی فرضیت باقی رہے گی یا بوجہ مجبوری حج ساقط ومعاف ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ آدمی بدستور سابق حج کی استطاعت نہیں رکھتا تو حج کی فرضیت باقی رہے گی یا بوجہ مجبوری حج ساقط ومعاف ہو جائے گا۔ —— تو اگر حج کی

فرضیت اس کے ذمہ ہے تو اس کو پُورا کرنے کی کیا صُورت ہوگی کہ یہ حج ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو سکے۔

۲۔ زید کہتا ہے کہ شوال سے ذو الحجہ کا زمانہ ایام حج کہلاتا ہے۔ ان ایام میں اگر کوئی چلا گیا تو اُس پر حج فرض ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی محرم سے رمضان شریف تک کے عرصہ میں جاتا ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔

۱۔ تو اب عرض یہ ہے کہ کیا اِس آدمی پر جو رمضان شریف میں مکہ مکرمہ گیا اور واپس آگیا حج فرض ہوا یا نہ ؟

۲۔ اگر حج فرض ہو گیا تو اس کے ادا کرنے کی کیا شکل ہے۔ یا بوجہ مجبُوری معاف ہے۔

۳۔ کیا زید کی یہ بات درست ہے کہ شوال سے ذوالحجہ تک کا زمانہ حج کی فرضیت کا ہے اور محرم سے رمضان شریف تک کے زمانہ میں جانے سے حج فرض نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا صُورتوں میں جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں باحوالہ تحریر فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ تاکہ اسی فتویٰ کے مطابق عمل کیا جائے۔ جزاکم اللہ احسن الجزا۔

المستفتی : عبدالحمید میو مدرسہ عربیہ رحیمیہ تعلیم القرآن ملتان

الجواب صُورتِ مسئولہ میں شخص مذکور پر حج فرض نہیں ہوا۔ یہ درست ہے کہ شوال ذوالقعدۃ اور ذوالحج اشہر حج ہیں۔ فقیر ان دنوں مکہ مکرمہ پہنچ جائے تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے بشرطیکہ زاد و راحلہ کا بندوبست بھی ہو۔

(کذا فی قرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین ص۴۰)

الجواب صحیح، فقط : واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور، ۱۸/۴/۱۴۱۱ھ

حدودِ حرم سے باہر حلق کیا تو دم واجب ہوگا :

ایک شخص نے عمرہ کا احرام باندھا اب حلال ہونا تھا اس شخص نے حدِ حرم سے باہر جا کر حلق کیا اور حلال ہوا تو کیا اس صورت میں دم آئے گا یا عمرہ قضاء کریگا اور اگر دم ہے تو دم وہاں جا کر دینا پڑے گا۔ یا یہیں

دے سکتے ہیں اگر عمرہ قضاء کرسکتا ہے تو مع الدلائل بحوالہ کتب تحریر کریں؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں حاجی صاحب پر دم واجب ہے اور یہ دم ادا بھی حرم کی حدود میں کرنا پڑے گا، شامی میں ہے ومن اعتمر فخرج من الحرم وقصر فعلیہ دم عندھما (ص۲۲۵ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

روضۂ اطہر پر سلام کے الفاظ

مسئلہ صرف اتنا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو یا دیگر حجاج کرام کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دینے کی توفیق بخشے اور آپ یا حجاج کرام جب روضۂ اقدس کے سامنے باادب عاجزی اور انکساری کے ساتھ کھڑے ہوں تو اسوقت آپ اپنے لئے یا دیگر اشخاص کے لئے کیا پڑھنا تجویز فرمائیں گے۔

الجواب جب مواجہت میں سامنے حاضر ہو کر کھڑا ہو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد شریف میں قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے لیٹے ہوئے تصور کرے اور یہ خیال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان رہے ہیں کہ فلاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا ہے۔ درمیانہ آواز سے نہ تو زیادہ بلند آواز ہو اور نہ ہی بالکل آہستہ بلکہ اچھا مؤدبانہ سلام کہے۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من خلق اللہ السلام علیک یا حبیب اللہ۔ السلام علیک یا سید ولد آدم۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یا رسول اللہ انی اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد انک عبدہ ورسولہ اشھد انک بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وکشفت الغمۃ فجزاک اللہ خیراً جزاک اللہ عنا افضل ما جزی نبیاً عن امتہ۔ اللھم اعط لسیدنا عبدک ورسولک محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاماً محمودن الذی وعدتہ

إنك لا تخلف الميعاد وانزله المنزل المقرب عندك انك سبحانك ذوالفضل العظيم ۔ (قرۃ العینین صفحہ ۴۰) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

حالتِ حیض میں طوافِ زیارۃ کرلیا تو سالم اونٹ ذبح کرنا ضروری ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک عورت طوافِ زیارت سے قبل حائضہ ہو گئی۔ ابھی پاک نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں روانگی کی تاریخ آگئی۔ طواف کئے بغیر ہی واپس وطن آگئی۔ اسکے حج کا کیا حکم ہے؟ اسکی شرعاً کوئی تلافی ہوسکتی ہے یا کہ نہیں؟ السائل، مقصود احمد جالندہری متعلم خیر المدارس۔ ملتان۔

الجواب یہ صورت کثیر الوقوع ہے۔ مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے بہت سی مستورات حج کی ادائیگی سے محروم رہ جاتیں ہیں۔ مصارف اور سفری صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود ان کا حج نہیں ہوتا ـــــ طوافِ زیارت چونکہ فرض ہے۔ جو حائضہ عورت طوافِ زیارت کئے بغیر واپس آگئی ہے اس کا حج نہیں ہوا۔ بلکہ خاوند کے پاس نہ جانے کے بارے میں اس کا احرام بھی باقی ہے اور اس پر لازم ہے کہ اسی احرام کے ساتھ واپس مکہ مکرمہ جاکر طوافِ زیارت کرے۔ درمختار میں ہے۔

وبترك اكثره بقى محرما ابداً فى حق النساء حتى يطوف الخ

(شامیہ صفحہ ۲۲۴ ج ۲ مطبوعہ رشیدیہ)

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں کہ: فان رجع الى اهله فعليه حتما أن يعود بذلك الاحرام ولا يجزى عنه البدل اور حج کی سعی نہیں کرچکی تھی، تو وہ سعی بھی کرے۔ اور ایسی حائضہ عورت سے پاک ہونے کے بعد اس کے خاوند نے مجامعت بھی کی تو ایک بکری بطورِ کفارہ حدودِ حرم میں ذبح کرنا واجب ہے اور اگر یہ فعل متعدد بار ہو چکا ہے تو کفارے بھی متعدد واجب ہونگے۔ الّا یہ کہ احرام توڑنے کی نیت سے مجامعت کی ہو۔

وفی اللباب واعلم ان المحرم اذا نوی رفض الاحرام فجعل یصنع ما یصنعہ الحلال من لبس الثیاب والتطیب والحلق والجماع وقتل الصید فانہ لا یخرج بذلک من الاحرام وعلیہ ان یعود کما کان محرماً ویجب دم واحد لجمیع ما ارتکب ولو اکل المحظورات وانما یتعدد الجزاء بتعدد الجنایات اذا لم ینو الرفض (شامی ص۲۸۱ ج۲)

ایسی صورت میں مستورات اور ان کے وارثوں کے لئے سخت مشکلات ہیں اس لئے حکومت پر لازم ہے کہ ایسی معذور عورتوں کے لئے سفر مؤخر کرنے کی مناسب ہدایات متعلقہ محکمہ کو جاری کرے۔ اور اگر بالفرض پاک ہونے تک عورت کا ٹھہرنا کسی طور پر ممکن نہ ہو تو ایسی حالت ہی میں اگر یہ عورت طواف کرے گی تو اس کا طوافِ زیارت ادا ہو جائے گا۔ مگر دوگانہ طواف پاک ہونے تک نہ پڑھے۔ اور اگر حج کے لئے سعی پہلے نہ کر چکی ہو تو اب طواف زیارت کے بعد سعی بھی کرے۔ حائضہ عورت نے چونکہ یہ طواف ناپاکی کی حالت میں کیا ہے اسلئے بطورِ کفارہ اس پر سالم گائے یا سالم اونٹ کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا لازم ہے تاکہ نقصان کی تلافی ہو سکے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے خوب استغفار کرے اور معافی بھی مانگے۔ شامیہ میں ہے۔

نقل بعض المحشین عن منسک ابن امیر حاج لوهمّ الرکب علی القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف ام لا قالوا یقال لها لا یحل لک دخول المسجد وان دخلت وطفت اثمت وصح طوافک وعلیک ذبح بدنة وهذه مسئلة کثیرة الوقوع یتحیر فیها النساء (ص۱۹۲ ج۲)

فقط: واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سعی طوافِ قدوم کے بعد افضل ہے

ایک شخص آٹھ ذوالحجہ کو احرام باندھ کر طواف کر کے پہلے سعی کر لیتا ہے اور طوافِ زیارۃ بعد میں۔ دس یا گیارہ یا بارہ ذوالحجہ کو کرتا ہے کیا اس سے حج باطل تو نہیں ہوتا

اگر نہیں جیسا کہ احناف کا مسلک ہے تو اس پر حدیث صحیح مطلوب ہے جو بطلان کا حکم لگانیوالوں پر حجت بن سکے۔ جزئیہ فقہیہ مطلوب نہیں؟

الجواب حج میں ایک مرتبہ سعی بین الصفا والمروۃ شافعیہ کے نزدیک فرض ہے اور احناف کے نزدیک واجب ہے اور اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سعی طوافِ زیارت کے بعد ہی کی جائے جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے اس پر یہ لازم ہے کہ کسی صحیح حدیث سے دلیل پیش کرے بلکہ یہ بھی جائز ہے بلکہ بقول علامہ نووی افضل ہے کہ سعی طواف قدوم کے بعد ہی کیجاوے۔ ہاں طواف زیارت کے بعد تک تاخیر جائز نہیں ہے۔

والافضل ان یکون بعد طواف القدوم ویجوز تاخیرہ الی ما بعد طواف الافاضۃ (شرح مسلم ص۴۱۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے طواف کے بعد ہی سعی فرمائی تھی اور طوافِ زیارت کے بعد سعی نہیں فرمائی۔

ففی حدیث جابر رضی اللہ عنہ فرمل ثلثا ومشی اربعا ثم تقدم الی مقام ابراھیم فقرأ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (الی ان قال) ثم خرج من الباب الی الصفا فلما دنا من الصفا قرأ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ اَبْدَأُ بما بدأ اللہ بہ فبدأ بالصفا (صحیح مسلم ص۳۹۵ ج۱)

وفی روایۃ لم یطف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا اصحابہ بین الصفا والمروۃ الا طوافاً واحداً (مسلم ص۴۱۳ ج۱)

وفیہ دلیل علی ان السعی فی الحج والعمرۃ لا یکرر بل یقتصر منہ علی مرۃ واحدۃ (نووی)

حضرت جابر کی طویل حدیث میں طوافِ زیارت بدیں الفاظ مذکور ہے۔

ثم رکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فافاض الی البیت فصلی بمکۃ الظہر الحدیث فیہ محذوف تقدیرہ فافاض

فطاف بالبیت طواف الاضافة ثم صلی الظہر (نودی ص ۳۹۹ ج ۱)

وفی روایة فصلی الظہر بمنیٰ ٭ بہر حال طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنا آنحضرت سے ثابت نہیں ۔ فقط ۔ واللہ اعلم ،   بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ ۱۰ رمحرم ۹۳/ ھج

طائف جاکر واپس آنے والے کے لئے عمرہ کا حکم

طائف حدِ میقات سے باہر ہے اس وجہ سے فقہ حنفیہ کے مطابق طائف سے مکہ مکرمہ جانے والے پر عمرہ کا احرام باندھ کر جانا ضروری ہے لیکن بسوں کی کثرت اور موٹروں کی بھرمار اور عمدہ سڑک کے بن جانے کی وجہ سے اب یہ سفر گھنٹہ سوا گھنٹہ کا ہوگیا ہے اور تاجروں سرکاری یا غیر سرکاری ملازموں ٹیکسی چلانے والے ڈرائیوروں کا روزانہ ایک دو مرتبہ آنا جانا ہوتا ہے اور دو مرتبہ احرام باندھ کر آنے میں حرجِ عظیم ہوگیا ہے اسی وجہ سے سبھی مکہ مکرمہ کو طائف سے بغیر احرام کے آنے لگ گئے کیا مفقود الزوج کی طرح یہ مسئلہ بھی اُمت کے لئے آسان ہوسکتا ہے ؟

الجواب مذہب حنفی میں تو اسکی گنجائش معلوم نہیں ہوتی الا یہ کہ بحالتِ مجبوری اس حیلہ کی اجازت دی جائے جو حضرات فقہاء نے ایسے لوگوں کے لئے لکھا ہے وہ یہ کہ آفاق سے آنے والے حل میں کسی مکان میں آنے کی نیت کرکے آئیں اور وہاں قدرے وقف کرلیں پھر مکہ مکرمہ بغیر احرام کے داخل ہوجائیں ۔ اہلِ حل جو داخلِ میقات رہتے ہیں ان کے لئے اپنے کام کاج کے لئے بدون احرام کے حدودِ حرم میں داخل ہونے کی اجازت ہے ۔ لیکن بعض محققین نے اس حیلہ پر بھی کلام کیا ہے جیساکہ شامی وغیرہ میں ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ بسوں والے میقات پر اڈہ بنالیں ۔ اور پھر بس کے لئے ملازم دو ڈرائیور رکھے گئے ہوں ایک ڈرائیور باہر سے میقات تک لاری لائے عین حدودِ میقات سے ذرا پہلے لاری بالکل آہستہ کرکے اُتر جائے لاری میقات کے اندر داخل ہوکر خود بخود رُک جائے گی اور پھر دوسرا ڈرائیور بس لے جائے اور اسی طرح لاریوں کا تبادلہ کرلیا کریں ۔ تاجروں کے لئے تو اتنا حرج بھی معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہفتہ دو ہفتہ میں ایک مرتبہ جانے کی ضرورت پڑتی ہے زیادہ سے زیادہ دن دو مرتبہ آنا جانا ہے جیساکہ عام معمول ہے شاذ و نادر ہی ایک دن دو مرتبہ ایک تاجر کو آنا جانا پڑے گا ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳/۹/۱۳۹۰ ھ

تمتع میں اضحیہ معروفہ کی نیت سے قربانی کی تو دم شکر ادا نہیں ہوگا

ایک مسئلہ میں حضرت کی رائے مطلوب ہے کہ مسلم کمرشل بینک نے حکومت کی طرف سے حجاج کرام کی رہنمائی کے لئے ایک کتابچہ جاری کیا ہے اور اس میں حج کے واجبات لکھے ہوئے ہیں تیسرے نمبر پہ یہ واجب ذکر کیا ہے "تیسرا واجب۔ قربانی"۔ اور اس کی تفصیل میں لکھا ہے کہ انکی اس سے مراد دم تمتع، دم قران ہے لیکن جو الفاظ لکھے ہیں یہ دم شکر کی بجائے اضحیہ پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس کتاب کو پڑھنے والا عامی شخص بظاہر جانور اضحیہ سمجھ کر اضحیہ کے ارادے سے ذبح کریگا۔ اب کتاب کی تصحیح کی کوشش کے علاوہ یہ مسئلہ قابلِ غور ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھ کر قربانی سمجھ کر جانور ذبح کریں گے ان کا دم شکر (دم تمتع، دم قران) ادا ہوگا یا نہیں؟ شامی کی درج ذیل عبارت کا ظاہر مقتضی یہ ہے کہ ان کا دم ادا نہیں ہوگا۔

"واما الأضحية فهي متعينة في ذلك الزمن كالمتعة فلا تقع الأضحية مع تعينها عن غيرها والمراد بتعينها تعين زمنها لا وجوبها حتى يرد عليه انها لا تجب على المسافر يعني أن الاضحية لاتسمى أضحية إلا اذا وقعت في ايام النحر وكذا دم المتعة فلما كان زمنها متعيناً وقد نواها أضحية فلا تقع عن دم المتعة بخلاف الطواف فان التطوع به غير مؤقت فاذا كان عليه طواف مؤقت ونوى به غيره ينصرف الى الواجب المؤقت لانه يمكنه التطوع بعده وكذا لو نوى طوافاً آخر واجبا ينصرف الى الذى حضر وقته ووجب فيه ويلغوا الآخر مراعاة للترتيب كما لو نوى القارن بطوافه الاول القدوم يقع عن العمرة.

واجاب الرحمتي بان الدم ليس من افعال الحج والعمرة ولذا لم يجب على المفرد باحدهما بل وجب شكراً على المتمتع

بہما نسلم یکن داخلاً تحت نیۃ الحج والعمرۃ فلا بدلہ من النیۃ والتعیین فلو نوی غیرہ لا یجزی کما لو اطلق النیۃ بخلاف الا طوفۃ فانہا من اعمالہما داخلۃ تحت احرامہما فتجزئ بمطلق النیۃ شامی ص ۱۹۶ ج ۲)

لیکن سرسری غور کے بعد بندہ کے ناقص فہم میں یہ بات آرہی ہے ا جو بغرض تصویب و استفادہ پیش ہے ، کہ چونکہ مذکورہ کتاب میں اس کو واجبات حج میں شمار کیا ہے اس لئے حاجی ذبح شاۃ کو واجب حج سمجھ کر ہی جانور ذبح کریگا ۔ اسکی نیت تو واجب حج ادا کرنے کی ہوگی لیکن غلطی سے یہ سمجھ رہا ہے کہ اسکا نام "قربانی" ہے ۔ اس غلطی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور دم ادا ہو جائے گا ۔ اور یہ صورت شامی کی مذکورہ صورت سے مختلف ہے ۔ شامی کی صورت کا حاصل یہ ہے کہ اس نے حقیقۃً اس اضحیہ کی نیت کی ہو جس میں اور دم تمتع و قران میں تغایر ہے گویا اس نے دم شکر کے غیر کی نیت کی ہے اور ظاہر ہے کہ غیر کی نیت کرنے سے دم شکر ادا نہیں ہو سکتا ۔ جبکہ زیر بحث صورت میں دم واجب کی نیت ہے اگر اس کو قربانی کہہ رہا ہے تو یہ سمجھ کر کہہ رہا ہے کہ اس دم واجب کا نام ہی قربانی ہے لہذا یہاں دم شکر کے مغایر کی نیت نہیں پائی گئی ۔ بعض واقعات سے بھی معلوم ہوا کہ عرف عوام دم تمتع کو قربانی اور تمتع کو قربانی والا حج کہتے ہیں لیکن اس کو اضحیہ سے الگ چیز سمجھتے ہیں ۔

حضرت والا سے گزارش ہے کہ اس مسئلے میں اپنی رائے گرامی کسی خادم کو بتا کر ان کو مامور فرما دیں کہ بندہ کو مطلع کر دے ۔ والسلام ،

احقر محمد مجاہد عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۱/۱۴۱۶ھ

الجواب یہ درست ہے کہ اگر حاجی اس ذبح شاۃ کو واجبات حج میں سے سمجھ کر ذبح کرے اور اضحیہ معروفہ کی نیت نہ ہو تو اسے دم شکر تصور کیا جائے گا کیونکہ دم شکر کی نیت پائی گئی ہے اس لئے کہ واجبات حج میں سے صرف یہی دم ہے اور واجبات حج ہی سمجھ کر ذبح کر رہا ہے اسے "قربانی" کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ ان ایام میں ذبح ہونیوالے جانوروں کو عموماً اسی قربانی کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے ۔

دُوسرے یہ کہ اضحیہ معروفہ کی نیت سے ذبح کرے تو اس سے دم شکر ساقط نہ ہوگا جیسا کہ فقہاء کرام نے اسکی تصریح کی ہے۔ عام حاجی شاید اسی نیت سے قربانی کرتے ہوں، کیونکہ ایام نحر میں معروف قربانی یہی ہے۔ نیز "کتابچہ حج" میں اس کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں "یہ قربانی اس عظیم قربانی کی یاد میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کی قربانی دی تھی"۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اضحیہ ہی اسکی یادگار ہے۔ اور اگر یہ دُونوں صورتیں نہ ہوں، نہ واجب حج کی نیت ہو نہ اضحیہ کی تو پھر بھی دم شکر ادا نہ ہوگا جیسا کہ رحمتی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ "فلو نوی غیرہ لا یجزئ کما لو اطلق النیۃ۔"

الغرض یہ تنقیح نفس مسئلہ کے لحاظ سے درست ہے کہ واجب حج کی نیت ہو اضحیہ کی نہ ہو تو اسے قربانی کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن خارج میں کیا ہوتا ہے یا اکثر جہلاء اس میں کیا سمجھتے ہیں اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔ گویا کُل چار صورتیں ہوئیں ۱۔ دم شکر کی نیت سے ذبح کیا ۲۔ واجبات حج کی نیت سے ذبح کیا ۳۔ دم قران یا دم تمتع کی نیت سے ذبح کیا۔ ان سب صورتوں میں دَم شکر ادا ہوگیا ۴۔ اضحیہ معروفہ سنت ابراہیمی سمجھ کر ذبح کیا یا کوئی خاص نیت نہیں کی تو ان دونوں صورتوں میں دم شکر ادا نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

قارن اور متمتع قُربانی کی نیت سے جانور ذبح کریگا تو دم شکر اَدا نہیں ہوگا

محترم المقام حضرت مفتی صاحب زید معالیکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف!

ھدیٰ دم تمتع اور "قربانی" کی غلط العوام بلکہ غلط العلماء بن چکی ہے اسپر راقم نے ایک خط وزیر حج اور متعلقہ محکمہ کے ذمہ داروں کو لکھا ہے اور ایک ایک خط ان کتب کی تصدیق کرنے والے مفتیان کرام کو بھی لکھا ہے "کتاب الحج" اور "سفر سعادت" جو کتب وزارت مذہبی امور

کی طرف سے تقسیم ہو رہی ہیں۔ ان میں تیسرا واجب قربانی کے ذیل میں لکھا گیا ہے کہ یہ قربانی اس عظیم قربانی کی یاد میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی دی تھی۔ اب ایک حاجی ایک تو لفظ "قربانی" ۔ دوسرا" ایام قربانی" تیسرا" مقام قربانی" اور چوتھا جب یہ تشریح پڑھے گا تو پھر وہ اسے دم تمتع یا دم شکر کیسے سمجھے گا میرا تجربہ ہے کہ اس دور میں شاید کوئی ایک آدھ حاجی ہو جو یہ فرق سمجھتا ہو۔ میں ہر سال اس غلطی پر تنبیہ کے لئے ایک اشتہار بھی شائع کرا کر تقسیم کراتا ہوں، وزارت حج میں جا کر ایک تقریر بھی مستقل ریکارڈ کرائی ہے۔ ایک مرتبہ کتاب سے عبارت کی تصحیح بھی کرائی لیکن پھر یہی غلطی دہرائی جا رہی ہے اور افسوس علماء کرام پر ہے جو یہ لکھ کر دے رہے ہیں کہ "حرفاً حرفاً" پڑھ کر تصدیق کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں خطوط اور اشتہار کی کاپی بھی ارسال خدمت ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس نے یہ "قربانی" دم شکر کی نیت سے نہیں کی، بلکہ سنت ابراہیمی والی قربانی کی نیت سے جانور ذبح کیا ہے۔ اس پر دم تمتع تو عمر بھر کے لیے واجب ہے۔ اب مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے لکھا ہے کہ اسے دم تمتع کیساتھ دو دم جنایت کے بھی دینے پڑیں گے۔ ایک دم تاخیر کا دوسرا دم ذبح سے قبل احرام کھول دینے کا راقم بھی اسی طرح بتاتا رہتا ہے۔ لیکن جی میں یہ آتا ہے کہ اگر انکی اس غیر اختیاری غلطی کی بناء پر صرف ایک دم تاخیر کا ہو اور ترتیب جو کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں ہے کہ دم تمتع سے قبل حجامت بنالی کیا وہ معاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط والسلام،

مولانا منظور احمد چنیوٹی۔

اشتہار منجانب مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ

پاک و ہند کے اکثر حجاج کرام حج تمتع کرتے ہیں۔ یعنی پہلے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں اور مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کرکے احرام کھول دیتے ہیں۔ پھر منیٰ جانے کے وقت حج کا احرام باندھتے ہیں۔ یہ حج تمتع کہلاتا ہے۔ ان کے لئے دس ذوالحجہ کو بڑے جمرہ (شیطان) کو کنکر

مارنے کے بعد ایک جانور ذبح کرنا واجب ہے کہ اللہ نے انہیں عمرہ اور حج دونوں کو جمع کرنے کا موقع دیا۔ اسے دمِ تمتع اور دمِ شکر کہتے ہیں۔ یہ دمِ شکر اس قربانی سے بہت مختلف ہے جو عیدالاضحیٰ کے دن مسلمان کرتے ہیں۔ حج تمتع اور قران کرنے والوں کے لئے دمِ شکر کا جانور دس ذوالحج کو کنکریاں مارنے کے بعد بارہویں کے سورج غروب ہونے سے قبل ذبح کرنا واجب ہے جب تک یہ جانور شکرانے کی نیت سے ذبح نہ کیا جائے اس وقت تک حاجی کو حجامت بنانا، کپڑے پہننا اور بیوی کے قریب جانا حرام ہے۔ یہ جانور مفرد پر نہیں جو شروع سے ہی صرف حج کا احرام باندھتا ہے اور حج سے قبل عمرہ نہیں کرتا۔ لیکن متمتع اور قارن (جو حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرکے اکٹھا احرام باندھے) ان پر یہ جانور شکرانے کے لئے واجب ہے کہ انہوں نے ایک ہی سفر میں دو عبادتیں عمرہ اور حج خواہ ایک احرام سے اکٹھے یا دو علیحدہ علیحدہ احراموں سے ادا کیے ہیں اس کے شکر میں یہ جانور دینا واجب ہے۔

حج کی عام کتب میں چونکہ لفظ قربانی لکھا ہوتا ہے اور وہ ایام سنت ابراہیمی والی قربانی کے بھی ہوتے ہیں اور پھر منیٰ کا مقام بھی سیدنا اسماعیل کی قربانی کا ہے بایں وجہ اکثر حجاج اس شکرانے کے جانور کو سُنّت ابراہیمی والی قربانی ——————
کی نیت سے ذبح کر دیتے ہیں دمِ تمتع یا شکرانے کی نیت کا نہ ہی انہیں علم ہوتا ہے اور نہ ہی اس شکرانہ کی نیت سے وہ ذبح کرتے ہیں۔

لہٰذا تمام حجاج پر واضح ہونا چاہیئے کہ جن کا حج افراد نہیں بلکہ حجِ تمتع یا حجِ قران ہے انہیں شکرانے کی نیت سے یہ جانور بارہویں کی شام سے قبل ذبح کرنا ہے جب تک اس نیت سے یہ جانور ذبح نہ ہوگا اس وقت تک حاجی حلال نہ ہوگا احرام سے نہ نکلے گا۔

باقی رہا سنتِ ابراہیمی والی قربانی وہ ان صاحبِ استطاعت حجاج کرام پر علیحدہ واجب ہے جن کا مکہ مکرمہ میں ۸، ذوالحجہ تک پندرہ روز کا قیام ہے۔

الحاصل: جس قارن یا متمتع حاجی نے شکرانہ کی نیت سے جانور بارہویں کی شام تک ذبح نہ کیا اور حلال ہوگیا اسے اب تین جانور ذبح کرنے ضروری ہوں گے ایک شکرانہ کا جانور ایک تاخیر کرنے کا دم اور ایک دمِ جنایت اگر شکرانہ کی نیت سے جانور ذبح کرنے سے قبل

حلال ہوگیا تھا۔

تمام حجاج کرام سے درخواست ہے کہ مسئلہ کو خوب ذہن نشین کریں اور جہاں تک ہوسکے اپنے رفقاء حجاج کو اس غلطی سے متنبہ کریں۔

الجواب حاصل یہ ہے کہ جو حاجی (متمتع، قارن) ایام نحر میں قربانی کی نیت سے جانور ذبح کرتا ہے تو اس قربانی سے اس کا دم تمتع یا دم قران ساقط نہیں ہوگا اور یہ اضحیہ دم شکر کے قائمقام نہیں ہے۔

واذا تمتعت المرأۃ فضحت بشاۃ لم یجزھا عن المتعۃ لانھا أتت بغیر الواجب ——— وکذلک الجواب فی الرجل " وانما خصت المرأۃ لان السائلۃ کانت امرأۃ فوضعت المسئلۃ علی ما وقع۔ واما لان الغالب من حالھن الجھل۔ ونیۃ التضحیۃ فی ھدی المتعۃ لا تکون الا عن جھل۔ ثم لما لم یجزھا عن دم المتعۃ کان علیھا دمان سوی ما ذبحت دم المتعۃ الذی کان واجبا علیھا ودم آخر لانھا قد حلت قبل الذبح (عنایۃ علی ھامش فتح القدیر ص ۴۲۶ ج ۲)

لیکن پھر اگر ایام نحر ہی میں دم شکر ذبح کرتا ہے تو اگر اس سے قبل حلق کراچکا ہے تو اس پر مزید ایک دم آئے گا اور اگر حلق نہیں کرایا تھا تو فقط ایک دم شکر ذبح کرنا ہوگا اور اگر ایام نحر کے بعد دم شکر ذبح کرے تو اس پر مزید دو دم آئیں گے۔ ایک تاخیر کا، دوسرا جنایت کا کہ ذبح سے قبل حلق کرایا تھا۔

ودمان لو حلق القارن قبل الذبح۔ ای یجب دمان عند أبی حنیفۃ رحمہ اللہ بتقدیم القارن او المتمتع الحلق علی الذبح وعندھما یلزمہ دم واحد وقد نص ضابط المذھب محمد بن الحسن فی الجامع الصغیر علی ان أحد الدمین دم القران والآخر لتأخیر النسک عن وقتہ وان عندھما یلزم دم القران

فقط الخ (البحر الرائق ص۲۶ ج۳) . فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیہ دمان عند أبی حنیفۃ رح دم بالحلق فی غیر أوانہ لان أوانہ بعد الذبح ودم لتأخیر الذبح عن الحلق . وعندھما یجب دم واحد وھو الاول الی قولہ فنسبہ صاحب غایۃ البیان الی التخبیط لکونہ جعل احد الدمین ھنا دم الشکر والاخر دم الجنایۃ وھو صواب . وفیما یأتی اثبت عند ابی حنیفۃ دمین آخرین سوی دم الشکر ونسبہ فی فتح القدیر ایضاً الی السھو . ولیس کما قالا بل کلامہ صواب فی الموضعین (بحر الرائق ص۳۸۹ ج۲)

البتہ صاحبین رح کے نزدیک فقط ایک دم شکر ہی ہوگا خواہ ایام نحر میں کرے یا ایام نحر کے بعد . فیجب دمان علی قارن ان حلق قبل ذبحہ . دم للحلق قبل أوانہ ودم لتأخیر الذبح عن الحلق وعندھما دم واحد وھو الاول فقط (شرح وقایہ ص۳۴۷ ج۱)

ومنھا ان من اخر اراقۃ دم المتعۃ او القران حتی مضت ایام النحر لزمہ دم لتاخیرہ عن وقت التقدیم لا التأخیر عند ابی حنیفۃ وعندھما لا دم علیہ (تاسیس النظر ص۵)

سوال میں ذکر کردہ دو دَم کسی بھی امام کا قول نہیں یا تو ایک دَم ہوگا یا تین . فقط واللہ اعلم .

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اس کے بعد حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ کا دوبارہ خط موصول ہوا وہ خط مع جواب درج ذیل ہے .

محترم حضرت قبلہ مفتی عبدالستار صاحب . زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، مزاج شریف !

جناب کا مرسلہ جواب موصول ہوا لیکن ابھی پوری تشفی نہیں ہوئی جیسا کہ راقم نے تحریر کیا تھا کہ حجاج کرام کی غالب اکثریت "ھدی" یعنی دم شکر کو نہیں جانتی وہ سنتِ ابراہیمی والی قربانی

کی نیت سے ہی جانور ذبح کرتے ہیں اب دم شکر تو اسپر بہر حال عمر بھر واجب رہے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ دم شکر کے علاوہ مفتی بہ قول کے مطابق اسپر دو دم جنایت کے واجب ہیں جیسا کہ بظاہر امام صاحب کے قول سے معلوم ہوتا ہے یا ایک دم جنایت ہوگا جیسا کہ صاحب غایۃ البیان اور صاحب فتح القدیر نے دو دم جنایت میں سہو اور تخبیط کا قول کیا ہے یا پھر فتویٰ صاحبین کے قول پر ہوگا کہ ایسے حاجی پر صرف دم شکر ہی واجب ہے اور کوئی دم جنایت واجب نہیں ہے۔

تاسیس النظر کی عبارت کے علاوہ جو عبارتیں نقل کی گئیں ہیں۔ ان میں یہ صراحت بھی نہیں ہے کہ یہ صورت مسئلہ ایام نحر گزرنے سے بعد کی ہے یا ایام نحر گزرنے سے قبل کی ہے پھر تاسیس النظر کی عبارت جس میں یہ تصریح ہے کہ ایام نحر اگر گزر گئے ہیں تو صرف ایک دم دم جنایت تاخیر کا امام صاحب کے نزدیک ہوگا۔ دو دم نہیں ہیں اور صاحبین کے نزدیک ہر دو صورتوں میں (ایام نحر گزرنے سے قبل یا بعد) اس پر کوئی دم جنایت نہیں بلکہ صرف دم شکر ہی واجب ہے۔

اب تین اقوال میں مفتی بہ قول کونسا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اس مسئلہ میں شدید قسم کا عموم بلوی ہے اور یہ غلط فہمی کتابوں والوں نے ڈالی ہے اس لئے اس میں ان "مظلوم" حجاج کی جس قدر رعایت ممکن ہو کرنی چاہیئے کیونکہ اس غلطی سے وہ کسی حد تک معذور ہیں۔ انہیں ایک تو لفظ "قربانی" سے غلطی لگتی ہے۔ دوسری "مقام قربانی" سے جو کہ منیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی جگہ ہے اور تیسری سب سے بڑی غلطی کہ جو کتابیں حج سے متعلقہ انہیں دی جاتی ہیں جن پر بڑے بڑے مفتی حضرات کی تصدیقات بھی درج ہیں۔ ان میں صراحت کر دی گئی ہے کہ "تیسرا واجب قربانی" "یہ اس عظیم قربانی کی یاد میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی دی تھی۔ اب بے چارہ حاجی ان تین اغلاط کی وجہ سے اس دم شکر کو سنتِ ابراہیمی والی قربانی سمجھتا ہے یہ علماء کا فرض ہے کہ وہ وضاحت سے یہ فرق ان کو سمجھائیں اور کتابوں میں اس غلطی کی درستگی کرائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم و مکرم حضرت مولانا منظور احمد صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، استفسار کا جواب ارسالِ خدمت ہے کوئی شبہ ہو تو تحریر

فرمادیں، دعاؤں کی درخواست ہے۔

مسئلے کی وضاحت تو کامل طور پر کردی گئی تھی نہ معلوم تشفی کیوں نہ ہوسکی۔ بہرحال زیرِ بحث صورت میں تین۳ دم واجب ہوں گے ایک دم شکر دوسرا دمِ جنایت (یعنی حلق قبل الذبح کا) تیسرا دمِ تاخیر کہ دم شکر کو ایام النحر سے مؤخر کردیا۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا قول ہے اور اصولی طور پر یہی راجح ہے۔ "لکونه قول الامام ولکونه فی المتون" علامہ ابن عابدینؒ عقود رسم المفتی ص۲۲ میں وجوہ ترجیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"او کان فی المتون او قول الامام او ظاهر المروی او جل العظام" اور اس کے مقابلے میں صاحبینؒ کا قول ایسا نہیں لیکن صاحبِ اجتہاد اس قول کو ترجیح دے تو اس کی ذمہ داری اس پر ہے۔ باقی رہا صاحب غایۃ البیان اور ابن ہمامؒ کا کلام سو اسکی تفصیل یہ ہے کہ ہدایہ کی عبارت درجِ ذیل ہے۔

فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیه دمان عند ابی حنیفة دم بالحلق فی غیر اوانه لان اوانه بعد الذبح و دم بتاخیر الذبح عن الحلق ص۱/۲۵۷

سے دم شکر کے علاوہ جنایت کے دو۲ دموں کا واجب ہونا معلوم ہوتا تھا اگرچہ حاجی نے دم شکر ایام نحر ہی میں ذبح کردیا ہو جبکہ ذبح سے قبل حلق کراچکا تھا یعنی صرف حلق قبل ذبح میں ہی دو جنایتیں پائی گئیں ایک تقدیم "حلق علی الذبح" اور دوسری تاخیر "ذبح عن الحلق" صاحبِ غایۃ البیان نے ہدایہ کے اس مسئلے میں تخبیط پر متنبہ کیا ہے کہ اس جنایت میں صرف ایک دم واجب ہوگا، دو دم واجب نہیں ہوں گے۔ (جبکہ دم شکر ایام نحر میں ذبح کردیا ہو۔ اور صاحبِ بحرؒ نے بھی یہی کہا ہے اور صاحبِ ہدایہ کی عبارت کا جواب یہ دیا ہے کہ ہدایہ کا یہ جزئیہ ایک دوسری مرجوح روایت پر مبنی ہے اس لئے تخبیط نہیں۔ گو راجح دوسری روایت ہے کہ حلق قبل الذبح کی صورت میں صرف ایک جنایت ہوگی نہ کہ دو۔

واضح رہے کہ ہمارے سابقہ فتویٰ میں دم شکر کے علاوہ جو دو۲ دم واجب کئے گئے یہ ہدایہ کے اس جزئیہ پر مبنی نہیں۔ مخفی نہ رہے کہ ہدایہ کے جزئیہ کے مطابق زیرِ بحث صورت میں چار دم واجب ہونے چاہیئے ۱۔ دم شکر ۲۔ جنایت حلق قبل الذبح ۳۔ جنایت تاخیر الذبح عن الحلق ۴۔ تاخیر دم شکر عن ایام النحر۔

بہر حال سابقہ فتویٰ میں تخبیط والے جزئیہ کو نہیں لیا گیا بلکہ اس کے مقابلے میں جو صحیح روایت تھی اسے لیا گیا تھا باقی رہا دمِ شکر کو ایام نحر سے مؤخر کرنے پر امام صاحبؒ کے ہاں مستقل ایک دم کا واجب ہونا صرف تاسیس النظر ہی میں نہیں بلکہ دوسری کتابوں میں بھی صراحتاً ایسے ہی منقول ہے اور واضح رہے کہ یہ دم تاخیر اس دم کے علاوہ ہے جو نفسِ تاخیر ذبح عن الحلق سے واجب ہوا تھا۔ یہ دونوں الگ الگ جنایتیں ہیں۔ عبارات درج ذیل ہیں:

ویتعین یوم النحر أی وقتہ وھو الایام الثلاثۃ لذبح المتعۃ والقران فقط فلم یجز قبلہ بل بعدہٗ وعلیہ دم۔ قولہٗ بل بعدہ أی بل یجزئہ بعدہ أی بعد یوم النحر أی أیامہ الا أنہ تارک للواجب عند الامام فیلزمہ دم للتأخیر۔ أما عندھما فعدم التاخیر سنۃ حتی لو ذبح بعد التحلل بالحلق لا شئ علیہ اھ

(شامی باب الھدی ص۲۷۱ ج۲)

ولا یجوز ذبح ھدی المتعۃ والقران الا فی یوم النحر کذا فی الھدایۃ حتی لو ذبح قبلہ لا یجوز اجماعا وبعدہ کان تارکاً للواجب عند الامام فیلزمہ دم ھکذا فی البحر الرائق (عالمگیری ص۲۶۱ ج۱)

نیز صورتِ مسئولہ میں تین دم کے واجب ہونے کے بارے میں درج ذیل عبارت بھی ملی ہے۔

وفی الکبیر اذا حلق القارن قبل الذبح وأخر اراقۃ الدم عن ایام النحر ایضا ینبغی ان یجب علیہ ثلاثۃ دماء۔ دم لحلقہ قبل الذبح ودم لتأخیر الذبح عن ایام۔ ودم للقران او التمتع۔

(غنیۃ الناسک ص۵۰ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص۲۳۱ ج۵) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۲۰ محرم ۱۴۱۷ھ

اُجرت لے کر کسی کی طرف سے حج کرنا:

زید پر حج فرض ہے۔ وہ معذور ہونے کی بناء پر جا نہیں سکتا۔

اس نے بکر کو کہا کہ آپ میری طرف سے حج بدل کر آئیں۔ بکر نے کہا کہ اتنے عرصہ میں اپنے کاروبار کو چھوڑوں گا، اور اہل وعیال سے دور رہوں گا۔ اس کا معاوضہ بھی آپ کو کچھ دینا ہوگا تو کیا اسطرح بکر کو حج پر بھیجنا درست ہے؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں بکر کے لئے معاوضہ لینا درست نہیں ہے کیونکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حج پر اُجرت لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا کسی ایسے صالح آدمی کو بھیجا جائے جو کہ محض اللہ کی رضا کے لئے یہ فریضہ سرانجام دے۔ یا بکر کو مسئلہ سمجھا دیا جائے البتہ زیر پر آنے جانے وغیرہ کا خرچ دینا لازم ہے۔

وذكر الاسبيجابي انه لا يجوز الاستئجار على الحج ولا على شئ من الطاعات (الى قوله) وله من الاجر مقدار نفقة الطريق في الذهاب والمجيئ اھ (بحر الرائق ص۷۳ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مدینہ منورہ سے واپسی پر عمرہ کے لئے جدہ سے احرام باندھا تو دم واجب نہیں ہوگا

کیا فرماتے علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی عمرہ کے لئے گیا ہوا ہے۔ عمرہ کرنے کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا۔ جب دن ختم ہو گئے تو واپسی کے لئے جدہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ جہاز میں کچھ تاخیر ہے۔ جی میں آیا کہ کچھ وقت ہے اس سے فائدہ اُٹھالوں۔ وہیں جدہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے آگیا عمرہ ادا کرنے کے بعد پھر جدہ آیا اور اس دوران اس کو کسی نے کہا کہ تیرے اوپر ایک دم لازم آگیا ہے کہ تُو نے جدہ سے احرام کیوں باندھا ہے۔ آیا اس پر دم ہے یا نہیں؟

الجواب برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں اگر جدہ سے عمرہ کے لئے احرام باندھا تو اس صورت میں دم واجب نہیں ہے، درمختار علی الشامیۃ میں ہے۔

ميقات الحل الذى بين المواقيت والحرم والميقات لمن بمكة للحج الحرم وللعمرة الحل ص۱۶۲ ج۲۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

کنکریاں جمرہ سے دُور جاگریں تودم کا حکم :

ایک شخص نے رمی کی مگر بعد میں پتہ چلا کہ کنکریاں جمرہ سے ایک گز کے فاصلے پر گرتی رہیں جمرہ کو نہیں لگیں، اس کے بعد ذبح کرنے کے بعد حلق بھی کرالیا۔کیا اس پر کوئی دم وغیرہ واجب ہوگا ؟

الجواب اگر کنکریاں ایک گز کے فاصلے پر جمرہ کے قریب جا کر پڑیں تو رمی صحیح ہوگی دم وغیرہ واجب نہ ہوگا۔ (کما فی الدر المختار صـ ۱۶۸ ج ۲)

ان وقعت بنفسہا بقرب الجمرۃ جاز والا لا و ثلٰثۃ اذرع بعید وما دونہ قریب جوھرۃ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ،
خیر محمد عفا اللہ عنہ،

بندہ عبداللہ غفرلہٗ
۲ / ۳ / ۱۳۷۵ ھ

عورت کے پاس محرم کا کرایہ نہ ہو تو حج واجب نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک عورت جس کی عمر ۷۵ سال ہے وہ حج کرنا چاہتی ہے مگر محرم کا کرایہ نہیں ہے کیا اس کے حج کرنے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے اگر ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب جس عورت کے ساتھ محرم نہ ہو یا محرم ہو لیکن اس کے کرایہ کی گنجائش نہ ہو تو اس عورت پر حج فرض نہیں ہے۔

اما شرائط وجوبہ فمنہا الاسلام ومنہا العقل الی قولہ ومنہا المحرم للمرأۃ شابۃ کانت او عجوزا اذا کانت بینہا و بین مکۃ مسیرۃ ثلاثۃ ایام ثم ذکر بعد اما شرائط صحۃ أدائہ فثلاثۃ الاحرام والمکان والزمان۔(ہندیہ صـ ۲۱۸ ج ۱ کتاب الحج)

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

بندہ محمد صدیق غفرلہٗ

مُحصَر نے ہدی بھیجے بغیر احرام کھول دیا تو حلال نہ ہوگا:

زید نے عمرے کا احرام باندھا اور حالت احصار میں بغیر ھدی بھیجے بجانب حرم احرام کھول دیا اب زید کے لئے کیا حکم ہے ؟ چونکہ احرام تو کھول چکا ہے کیا ہدی واجب ہے ؟ اور ہدی کو حرم میں بھیجنا ضروری ہے ؟ یا اپنے ملک میں ہی ذبح کردے ؟ بعد از ذبح یہ صدقہ ہوگا یا خیرات یعنی اس سے زید گوشت کھاسکتا ہے ؟

الجواب صورت مذکورہ میں زید پر لازم ہے کہ وہ ہدی حرم بھیج دے یا اس کی قیمت کسی کو دے تاکہ وہ اس سے ھدی خرید کر وہاں ذبح کر دے اور تاریخ متعین کرے اس کے بعد تحلیل کرے ویسے احرام کھولنے سے حلال نہ ہوگا اسی حالت احصار میں جو جنایت خلاف احرام کرے گا تو دم وغیرہ لازم ہوگا اور اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

فهو ان يبعث بالهدى او بثمنه ليشترى به هديا ويذبح عنه وما لم يذبح لا يحل وهو قول عامة العلماء سواء شرط عند الاحرام الاحلال بغير ذبح عند الاحصار أو لم يشترط ويجب أن يواعد يوما معلوما يذبح عنه فيحل بعد الذبح ولا يحل قبله حتى لو فعل شيأ من محظورات الاحرام قبل ذبح الهدى يجب عليه ما يجب على المحرم اذا لم يكن محصرا (عالمگیری۔ ص $\frac{۲۵۵}{ج}$)

ولا يجوز الاكل من بقية الهدايا كدماء الكفارات والمنذور وهدى الاحصار۔ عالمگیری ص $\frac{۲۶۲}{ج ۱}$)۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

متمتع عمرہ کے بعد حج سے پہلے جماع کرلے تو کچھ واجب نہ ہوگا

ایک مرد بیوی حج کرنے گئے اور دونوں نے عمرے کا احرام باندھا جب احکام عمرہ

ادا کرلئے اور سر کے بال کٹوا لینے کے بعد احرام کھولا اور حج کے احرام میں دن ابھی باقی رہتے تھے تو وہ مکہ مکرمہ میں پندرہ دن مقیم رہے اسی دوران مرد نے اپنی بیوی سے ہمبستری کی اسکے بعد پھر دوسرا احرام عمرے کا تنعیم سے باندھا وہ عمرہ بھی ختم ہوگیا بعد میں دونوں نے حج کا احرام باندھا اب بتائیں کہ ۱۔ ان دونوں میاں بیوی کا عمرہ اور حج ادا ہو گیا یا نہ تمتع ہوا یا نہ ۲۔ ان پر دم وغیرہ ہے یا نہ ؟

الجواب ۱۔ صورتِ مذکورہ میں دونوں کا حج تمتع ہوگیا جماع کرنے سے اس پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

واقام بمکۃ حلالاً ثم یحرم للحج وفی الشامی فاذا انہ یفعل ما یفعلہ الحلال فیطوف بالبیت ما بدا لہ ویعتمر قبل الحج۔ (ص ۱۹۵ ج ۲)

۲۔ ان پر دو دمِ شکر واجب ہیں۔ وفی الدر المختار وواجبہ نیف وعشرون..... الی قولہ وذبح الشاۃ للقارن والمتمتع اھ (شامیہ ص ۱۴۹ ج ۱ مطبوعہ بیروت)

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

میّت کی طرف سے حج کرنے سے اسکا اپنا فرض ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

المرام اینکہ حامل رقعہ ہذا کے پاس ایک کتاب ہے۔ "علم الفقہ" مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے کہ بیٹا اگر اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے تو اس کے والدین کا بھی حج ادا ہو جاتا ہے اور اس کا اپنا فریضہ بھی ادا ہو جاتا ہے۔ عبارت پر نشان لگے ہوئے ہیں۔

۲۔ ایک شخص کی بیوی فوت ہو چکی ہے۔ وہ اسکی طرف سے حج کرواتا ہے، حالانکہ متوفیہ پر اسکی زندگی میں حج فرض نہیں ہوا تھا اور نہ اس نے وصیّت کی تھی۔ کیا اسکی بیوی کو ثواب

ملے گا ۔یہ حج کون سا ہوگا نفلی یا فرض۔اور حج کروانے والے نے حج کرنے والے کو عام اجازت دے دی ہے، چاہے قران کرے یا تمتع یا افراد۔لہذا اب حج کرنے والے پر کوئی پابندی تو نہیں کہ فلاں قسم کا حج کرے اور فلاں قسم کا نہ کرے ،جب کہ یہ حج صرف ثواب پہنچانے کے لئے کرایا جاتا ہے۔

۳۔جس سے حج کروایا جارہا ہے کیا اس پر بیت اللہ جانے کے بعد حج فرض ہو جائے گا؟

الجواب ۱۔اگر والدین پر حج فرض تھا اور بدوں وصیت کئے فوت ہوگئے، اب کوئی وارث انکی طرف سے حج فرض ادا کرتا ہے تو انشاء اللہ میت کا حج فرض ساقط ہو جائے گا اور ظاہر یہی ہے کہ وارث سے حج فرض ساقط نہیں ہوگا۔ہاں میت پر حج فرض نہیں تھا تو وارث کا حج ہو جائے گا۔(کما فصلہ فی الشامیۃ ص ۳۲۷ ج ۲)

۲۔اس حج کا ثواب بیوی کو ملے گا۔

كما يظهر من هذه العبارة ومبناه على ان نيته لهما تلغو لعدم الامر فهو متبرع فتنفع الاعمال عنه البتة وانما يجعل لهما الثواب وترتيبه بعد الاداء فتلغو نيته قبله فيصح جعله بعد ذلك لاحدهما اولهما ولا اشكال فى ذلك اذا كان متنفلا عنهما (شامی ص ۳۲۶ ج ۲)

۳۔ایسے شخص پر حج فرض ہوگا یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے۔بعض فرضیت کے قائل ہیں اور بعض اس کی نفی کرتے ہیں (شامیہ ص ۳۲۲ ج ۲) اس لئے ایسے شخص کو چاہیئے کہ عملی لحاظ سے احتیاطاً حج کو اپنے ذمہ سمجھے۔

بحث کے آخر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خلاف قیاس سقوط عن الوارث کا بھی اعتراف کر لیا جائے تو فضل خداوندی سے کچھ بعید نہیں۔لیکن معاملہ ادائے فرض کا ہے، اس لئے احتیاط لازم ہے۔فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

احرام باندھ کر سیدھے مدینے جانا اور محظورات احرام کے ارتکاب کا حکم

میری والدہ صاحبہ کو ایک عورت کے ہمراہ کراچی سے ہوائی جہاز پر روانہ کر دیا گیا عمرہ کے لئے اور احرام بھی باندھ دیا گیا۔ مگر جدہ میں بجائے میرے والد صاحب کے ایک اور غیر محرم رشتے دار وصول کرنے آئے ہوئے تھے۔ جو دونوں عورتوں کو عمرہ کرانے کے لئے سیدھا مدینہ منورہ لے گئے۔ وہاں جاکر والدہ صاحبہ نے اپنے آپ کو احرام سے فارغ کر دیا۔ اپنے اوپر احرام تصور ہی نہیں کیا۔ منافی احرام افعال کرتی رہیں۔ پھر کچھ دنوں بعد نئے احرام کے ساتھ والد صاحب کے ہمراہ عمرہ کرنے گئیں۔ نئے عمرہ کی نیت تھی، قضاء کی نہیں کی۔ اس صورت میں عمرہ کی قضاء، دم وغیرہ جو حکم ہو تحریر کریں؟

الجواب اگر بیوی نے خاوند کی اجازت کے بغیر احرام باندھا تھا اور خاوند کے حکم سے محظورات احرام کا ارتکاب کیا ہے تو وہ عورت ہدی بھیجے بغیر ہی احرام سے فارغ ہو جائے گی اور اس کے لئے احرام سے نکلنے کے لئے افعال عمرہ شرط نہیں خاوند کے لئے اس تحلیل کی شرعاً اجازت ہے۔ حج فرض اور احرام بالاذن کی صورت میں حلال کرنے کی اجازت نہیں۔ درمختار میں ہے:

اشتری محرمة ولو بالاذن له أن يحللها الى ان قال وكذا لو نكح حرة محرمة بنفل بخلاف الفرض ان لها محرم والا فهي محصرة فلا تتحلل الا بالهدى ولو اذن لامرأته بنفل ليس له الرجوع لملكها منافعها الخ۔ اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں۔

وأفاد أيضا أنه لا يتوقف تحليلها على أفعال الحج بل تخرج من الاحرام بمجرد ماهو من المحظورات (ص ۳۴۷ ج باب الهدى)

عورت پر حلال ہونے کی وجہ سے عمرہ کی قضاء اور ایک ہدی بھیجنا واجب ہے۔

فقط واللہ اعلم۔
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

موجودہ دَور میں بھی عورت بلا محرم سفرِ حج نہ کرے

مکرمی محترمی جناب حضرت مولانا صاحب !

السلام علیکم۔ اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے۔ جب بھی حج کا زمانہ قریب آتا ہے عورتوں کے لئے حج کا مسئلہ ضرور زیرِ بحث آتا ہے کہ کیا اس زمانہ میں عورت بغیر محرم کے سفرِ حج کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بہت سی ایسی آسانیاں ہوگئی ہیں جن کا پہلے زمانہ میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً پہلے زمانہ میں سفر پیدل یا اونٹ اور گھوڑے پر ہوتے تھے۔ جن پر بیٹھنے اور اُترنے کے لئے عورت کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کو سہارا صرف محرم مرد ہی دے سکتا ہے۔ جس کی اس زمانے میں ضرورت نہیں ہے۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے مسائل ہیں جس میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آنجناب اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر میری معروضات پر غور فرما کر قرآن حدیث اور فقہائے اُمت کے فتاویٰ کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں گے۔

فقہائے امت نے حج کے لئے دو قسم کی شرائط متعین فرمائی ہیں — پہلی قسم کی شرائط کا تعلق حج کے واجب ہونے سے ہے۔ دوسری قسم کی شرائط کا تعلق ادائے ارکان حج سے ہے۔

ہر مسلمان مرد عورت جس پر بھی یہ شرائط پوری ہو جائیں گی اس پر حج فرض ہو جائیگا۔

ان شرائط پر تمام فقہائے اُمت متفق ہیں۔ یہ سات شرطیں ہیں۔

۱۔ مسلمان ہونا ۲۔ بالغ ہونا ۳۔ عاقل ہونا ۴۔ آزاد ہونا ۵۔ استطاعت اور قدرت ہونا ۶۔ وقت کا ہونا ۷۔ دار الحرب میں رہنے والے مسلمان کو حج کی فرضیت کا علم ہونا ان شرائط میں عورت کے لئے علیحدہ کوئی شرط نہیں ہے جو بھی ان شرائط پر پورا اُترے گا مرد ہو یا عورت اس پر حج فرض ہو جائے گا۔ اب یہ کہ عورت سفر فرض حج محرم کے ساتھ کرے یا بغیر محرم کے اکثر محدثین کرام نے فرض حج کے سفر میں عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی اجازت دی ہے ان محدثین کرام میں امام مالکؒ۔ امام ترمذیؒ۔ امام بخاریؒ امام احمد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ شامل ہیں۔ ان

محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ فرض حج ادا کرنے کے لئے عورت بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ عورت تنہا سفر نہ کرے بلکہ اس قافلہ کے ساتھ سفر کرے جس میں ثقہ مرد اور عورتیں شامل ہوں۔ اسلئے کہ جان بوجھ کر فرض حج ترک کرنے میں گناہ عظیم ہے۔

دوسری قسم کی شرائط کا تعلق حج کے واجبات ادا کرنے سے ہے اور یہ پانچ شرطیں ہیں ۱۔ تندرست ہونا ۲۔ راستہ کا پُرامن ہونا ۳۔ قید نہ ہونا یا حکومتِ وقت کی طرف سے پابندی نہ ہونا ۴۔ عورت کا عدت میں نہ ہونا ۵۔ ادائے واجبات حج کے وقت عورت کے ساتھ محرم کا ہونا۔ ان پانچ شرائط میں فقہاء کا سب سے زیادہ اختلاف عورت کے لئے محرم کے بارے میں ہے، کچھ فقہاء کہتے ہیں کہ عورت کے ساتھ محرم کا ہونا وجوب حج کی شرط ہے۔ لیکن قاضی خان نے تصریح کی ہے کہ یہ وجوب ادا کی شرط ہے۔ محقق ابن ہمام رحمہ نے فتح القدیر میں اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ وجوب ادائے حج کی شرط ہے اور اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ بزاز رحمہ نے اپنی مسند میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کی ہے کہ معبد جہنیؒ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ کوئی عورت اس وقت تک حج نہ کرے جبتک اس کے ساتھ اس کا خاوند یا محرم نہ ہو تو معبد جہنیؒ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عورت تو حج کے لئے گئی ہے اور میں یہاں جہاد میں آپکے ساتھ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جہاد چھوڑ دو اور اپنی عورت کو جاکر حج کراؤ۔

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوا کہ ادائے واجبات حج میں محرم کا ہونا ضروری ہے نہ کہ سفر حج میں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معبد جُہَنی سے یہ فرماتے کہ تم نے بغیر محرم کے اس کو حج کے سفر میں بھیج کر غلطی کی اب اس کو جاکر حج کراؤ بلکہ یہ فرمایا کہ تم جہاد چھوڑ دو اور جاکر واجبات حج اپنے ساتھ ادا کراؤ۔

اس حدیث کی روشنی میں اور شرائط واجبات ادائے حج کی روشنی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کا محرم اگر پہلے سے وہاں موجود ہے یا کسی اور جگہ سے وہاں آکر اس عورت کے ساتھ حج کرے گا تو یہ عورت بغیر محرم کے فرض حج کے لئے سفر کر سکتی ہے مگر اس شرط کے

ساتھ کہ قافلہ میں ثقہ مرد اور عورتیں شامل ہوں۔ تنہا مرد کے ساتھ یا ایسے قافلے کیساتھ جس میں عورتیں شامل نہ ہوں سفر نہیں کر سکتی اگرچہ ایک حدیث یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ پیغام بھیجا کہ تم کسی کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ بھیج دو اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے غیر محرم کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔

اس حدیث میں دو باتیں قابلِ غور ہیں پہلی بات یہ کہ وہ زمانہ ایسا شر و فساد کا نہ تھا دوسرے یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں جن کا احترام واکرام تمام اُمت کرتی تھی۔

ان معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۔ عورت فرض حج کے لئے بغیر محرم کے اس قافلہ میں سفر کر سکتی ہے کہ جس قافلہ میں ثقہ عورتیں اور مرد شامل ہوں تنہا سفر نہیں کر سکتی یا اس قافلہ میں شرکت نہیں کر سکتی جس میں ثقہ عورتیں شامل نہ ہوں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ عورت بغیر محرم کے واجباتِ حج ادا نہیں کر سکتی چاہے محرم وہاں پہلے سے موجود ہو یا کہیں اور جگہ سے وہاں پہنچ جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر حج فرض ہے تو سفرِ حج بغیر محرم کے ہو سکتا ہے مگر واجبات حج بغیر محرم کے ادا نہیں ہو سکتے۔ مجھے اُمید ہے کہ آنجناب قرآن وسُنّت اور فقہائے اُمت کے فتاویٰ کی روشنی میں میری رہنمائی فرمائیں گے۔ فقط، والسلام، مکرم علی

الجواب مذہبِ حنفی کے مطابق عورت خاوند یا محرم کے بغیر سفرِ حج نہیں کر سکتی، بلکہ مسافت شرعی سے کم سفر بھی اس فتنہ و فساد کے دور میں حضرات شیخین کے فرمان کے مطابق دُرست نہیں۔

ولذا قال ابوحنیفۃ وابو یوسفؒ مرۃ بکراھۃ خروجھا مسیرۃ یوم واحد واستحسن العلماء الافتاء بہ لفساد الزمان (اعلاء ص ۸ ج ۱۰)

اس قول کی تائید بخاری ومسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

لا تحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاخر تسافر مسیرۃ

یوم ولیلۃ الا مع ذی محرم (اعلاء) ص۸ ج۱۰
ایسے ہی دو یوم کے سفر میں ممانعت وارد ہے کما رواہ الشیخان عن ابی سعید الخدری لیکن اصل مذہبِ حنفی تین دن کے سفر کے بارے میں ہے کیونکہ اکثر روایات میں تین دِنوں کا ذکر ہے۔ جب عام سفر شرعی محرم و خاوند کے بغیر درست نہیں تو اِس سے سفرِ حج کو مستثنیٰ قرار دینے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں، خصوصاً جبکہ سفرِ حج کے بارے میں بالتخصیص یہ حکم مؤکد طور پر وارد ہوا ہے۔ حدیث ابن عباس بطریق ابن جریج عن عمرو بن دینار قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحجن امرأۃ الا ومعہا ذو محرم (اخرجہ الدارقطنی وصححہ ابوعوانہ)
اور اِس حکم کے خلاف کوئی روایت موجود نہیں۔ ازواج مطہرات نے جو سفرِ حج کیا اس کا جواب امام صاحب رح سے یہ منقول ہے کہ ازواج مطہرات چونکہ امہات المومنین ہیں اس لئے تمام لوگ ان کے لئے بمنزلہ محارم کے تھے کیونکہ محرم وہ ہی ہوتا ہے جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو۔

امام احمد رح کا مشہور قول حنفیہ کے مطابق ہے۔ وتمسک احمد لعموم الحدیث فقال اذا لم تجد زوجا او محرما لا یجب علیہا الحج ھذا ھو المشھور عنہ، وعنہ روایۃ اخریٰ کقول مالک رح وھو تخصیص الحدیث بغیر سفر الفریضۃ (اعلاء ص۹ ج۱۰)
نفلی حج میں سب حضرات محرم کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ جب یہ تخصیص کسی روایت سے ثابت نہیں تو معتبر نہیں ہونی چاہیئے۔ باقی جناب نے نفسِ وجوب اور وجوب ادا کی بحث چھیڑی ہے وہ یہاں چنداں مفید نہیں کیونکہ وجوب ادا کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ سفر تو بغیر محرم کے کرے اور ارکانِ حج کی اَدائیگی کے وقت محرم یا زوج ساتھ ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت پر زاد و راحلہ پر قدرت کے بعد نفس فرضیت ایک قول کے مطابق ہو جائے گی، لیکن گھر سے حج کی ادائیگی کے لئے روانگی کا وجوب محرم یا زوج مہیا ہونے کے بعد ہوگا، جبکہ دوسرے حضرات کا فرمان یہ ہے کہ زاد و راحلہ پر قدرت کے باوجود محرم کے بغیر حج فرض

ہی نہیں جس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آپ نے استدلال کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کے الفاظ درج ذیل نقل کئے ہیں۔

لا تسافر المرأة الا مع ذی محرم فقال رجل انی ارید ان اخرج فی جیش کذا وکذا وامرأتی ترید الحج فقال اخرج معها (اعلاء ج۱۰ فتح ج۴ ص۶۶)

حدیث پاک کے ان الفاظ سے اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ یہ صاحب ابھی جہاد میں شریک نہ تھے اور انکی بیوی کا بھی سفر شروع نہ ہوا تھا صرف پروگرام تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخرج معھا بظاہر واقعہ ایک ہی ہے۔ راوی یا مترجم نے مجاز سے کام لیا یا تسامح واقع ہوا ہے۔ تفسیر میں اس حدیث پاک کے الفاظ اس کے قریب قریب ہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سفر ہجرت کنانہ بن ربیع کے ساتھ کیا مقام بطن یا جج سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ان دونوں حضرات کو حضور علیہ السلام نے مقام بطن سے وصولی کے لئے بھیجا تھا مسئلہ ہجرت سے اس پر استدلال محل نظر ہے۔ اولاً اس لئے کہ بغیر محرم کے سفر کا ممنوع ہونا سابقاً ثابت نہیں۔

ثانیاً یہ سب کاروائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی آپ کا حکم خود شریعت ہے

ثالثاً حضرات نے حج اور ہجرت میں فرق بیان کیا ہے۔ حاشیہ ابی داؤد میں ہے۔

والفرق بینهما ان اقامتها فی دار الکفر حرام اذا لم تستطع اظهار الدین وتخشی علی دینها ونفسها ولیس کذلك التأخر عن الحج فانهم اختلفوا فی الحج هل هو علی الفور ام علی التراخی (ص۲۴۲ ج۱)

حضرات فقہاء ومحدثین کی ایک جماعت نے محرم کو استطاعت سبیل میں شمار کیا ہے

ذهب الحسن۔ والنخعی۔ وابو حنیفة واصحابه۔ واحمد واسحٰق وابو ثور الی ان المحرم او الزوج من السبیل فان لم تجد هما فلا حج علیها (اعلاء ص۱ ج۱۰)

علامہ ابن منذرؒ فرماتے ہیں امام مالک اور امام شافعی وغیرہ حضرات نے جو شرائط

ثقہ عورتوں وغیرہ کی لگائی ہیں۔ اس سلسلہ میں ان حضرات کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

قال ابن المنذر وظاهر الحديث اولى ولا نعلم مع هولاء حجة توجب ما قالوا (اعلاء ص۱۰ ج۱۰)

امام ابو بکر رازیؒ فرماتے ہیں:

اسقط الشافعي اشتراط المحرم وهو منصوص عليه وشرط المرأة ولا ذكر لها (اعلاء ص۱۱ ج۱۰)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحؒ فرماتے ہیں۔

لو جاز لها ذلك لقال عليه السلام امض انت فيما اكتتبت فيه فلا حاجة لها اليك (اعلاء ص۱۱ ج۱۰)

محرم کی شرطیں جو اُتارنے اور سوار کرنے میں سہارے کا تذکرہ کیا جاتا ہے یہ اس حکم کی حکمت تو ہو سکتی ہے۔ اسے علّت قرار نہیں دیا جا سکتا لہذا اسپر حکم کا مدار نہیں اصل علّت تو فرمانِ نبوی ہے۔ نفسِ سفر میں اگرچہ بہت سہولتیں میسر ہیں تاہم اس دور میں خطرات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ جہاز کا اغوار۔ بم دھماکوں کا سلسلہ نیز بیماری کا عذر بھی پیش آ سکتا ہے

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
بندہ عبدالستار عفی عنہ،	۱۲ / ۳ / ۱۴۱۷ھ

چند آدمیوں کا پیسے جمع کر کے کسی ایک کو قرعہ اندازی کے ذریعہ حج پر بھیجنا

بحوالہ جناب کے فتویٰ جس کی نقل لف ہے) عرض ہے کہ مسئلہ اصلاً غلط طور پر پیش کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ بازار تاجران پرانی سبزی منڈی روڈ ملتان ملکر ہر سال کچھ رقم اکٹھی کر کے بذریعہ قرعہ ایک شخص کو حج پر بھیجتے ہیں۔ اسی طرح اس سال ۲۰۰/ روپے فی کس کے حساب سے رقم اکٹھی کی۔ ہر معطی (عطیہ دینے والا) شخص کو قرعہ اندازی میں شامل کر کے ایک معطی کو حج پر بھیجنے کا یہ سلسلہ شرعاً کیسا ہے؟ محمد قاسم تو قیر،

الجواب قرعہ اندازی کے ذریعہ حج پر بھیجنے کا یہ طریقہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ کوئی شخص بھی ہدیہ، ھبہ یا تعاون کے طور پر رقم نہیں دیتا ہے بلکہ اس نیت سے دیتا ہے کہ شاید قرعہ اندازی میں اس کا نام نکل آئے۔ تو چونکہ اس صورت میں ہر شخص کا نفع نقصان علی الخطر ہے۔ اس لئے یہ عمل قمار (جوا) میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ الآیتہ۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

حج بیچا نہیں جا سکتا:

ایک عرب ہمارے پاس آیا اس نے کہا کہ میں نے چار حج کئے ہوئے ہیں اور میں ایک حج بیچنا چاہتا ہوں اگر کوئی شخص لینا چاہے تو میں اسکو ایک حج سو روپے کے بدلے دیدوں گا تو ہم سے ایک نے چاہا کہ میں یہ حج والدہ متوفیہ کی طرف سے خرید لوں لیکن بعض لوگوں نے کہا یہ جائز نہیں ہے آخر کار اس پر فیصلہ ہوا کہ ہم اس کو ایک سو روپیہ خدا کے واسطے دیدیں اور یہ ہمیں ایک حج خدا کے واسطے دیدے چنانچہ ایسا کیا گیا کیا ہمارا عمل درست ہے یا نہیں اگر اسطرح زندہ یا مُردہ کی طرف سے حج خریدا جائے تو انکی طرف سے حج ادا ہو جاتا ہے؟

الجواب حج کی خرید و فروخت اسطرح ناجائز ہے نہ ہی اس سے ثواب پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی فرض ادا ہو سکتا ہے فرض کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ کسی شخص کو روپیہ دے کر بہ نیت حج بدل روانہ کیا جائے اور اس کے لئے کافی شرائط ہیں جس کی تفصیل آپ علماء کرام سے دریافت فرما سکتے ہیں جو معاملہ آپ نے کیا ہے کہ اللہ کے واسطے آپ نے سو روپیہ دیدیا اور اس نے اللہ کے واسطے حج دے دیا اس سے بھی حج ادا نہیں ہو سکتا۔ دوبارہ کسی شخص کو یہاں سے روانہ کریں تب آپ کی والدہ کا فریضہ حج ادا ہو گا۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ

طوافِ زیارۃ سے پہلے میقات سے نکل گیا تو کیا کرے

دس ذوالحجہ کو میں احرام کھولنے کے بعد شام کو طواف زیارت سے پہلے غالباً غلطی سے میقات سے باہر چلا گیا پھر جلد ہی چند منٹ کے بعد واپس آگیا کیونکہ ۹ ، ذوالحجہ سے ۱۳ ر ذوالحجہ کے درمیان عمرہ جائز نہیں ہے تو اس صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے گیارہ ذوالحجہ کو طواف زیارت اور طواف وداع بھی کر لیا تھا میں آفاقی ہوں یعنی میقات سے باہر رہتا ہوں جس میقات سے خطرہ ہے کہ باہر چلا گیا تھا یقین نہیں کہ واقعی باہر چلا گیا تھا ۔ اب کیا حکم ہے ؟

الجواب صورت مسئولہ میں سائل پر عمرہ واجب ہے اسی میقات میں جا کر عمرہ کا احرام باندھے اور یہ نیت کرے کہ میں اسی عمرے کا احرام باندھتا ہوں جو صورتِ مسئولہ میں واجب ہو گیا تھا اس طرح عمرہ کر لینے کے بعد سائل بری الذمہ ہو جائے گا ۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

عورت کو حج بدل پر بھیجنا خلافِ اولیٰ ہے

زید پر حج فرض تھا مگر اس نے غفلت کی وجہ سے حج ادا نہیں کیا اب وہ ایسا بیمار ہو گیا ہے کہ گھر سے مسجد تک آنا بھی اس کے لئے مشکل ہے اس کے رشتہ داروں میں اسکی پھوپھی ہے جو بہت نیک ہے اور قرآن پاک پڑھاتی ہے زید اس کو حج بدل پر بھیجنا چاہتا ہے کیا اسے بھیجنا درست ہے ۔

محمد یونس واتقی خان پوری

الجواب افضل و بہتر تو یہ ہے کہ کسی ایسے مرد کو حج بدل کے لئے بھیجیں جو نیک ہو خوفِ خدا رکھتا ہو ، حج کے مسائل کو خوب جانتا ہو اور اپنا حج ادا کر چکا ہو ، مذکورہ عورت کو بھیجنے سے بھی فرض ادا ہو جائے گا ۔

فجاز حج الصرورۃ) بمهملة من لم يحج (والمرأة) ولو أمة

والعبد وغیرہ) کالمراھق وغیرھم أولی لعدم الخلاف. درمختار أی خلاف الشافعی فانہ لایجوز حجھم کما فی الزیلعی ح ولا یخفی ان التعلیل یفید ان الکراھۃ تنزیھیۃ لان مراعاۃ الخلاف مستحبۃ فافھم وعلل فی الفتح الکراھۃ فی المرأۃ بما فی المبسوط من أن حجھا أنقص اذلا رمل علیھا ولا سعی فی بطن الوادی ولا رفع صوت بالتلبیۃ ولاحلق وفی العبد بما فی البدائع من أنہ لیس أھلا لاداء الفرض عن نفسہ وأطلق فی صحۃ احجاج العبد فشمل ما اذا کان باذن مولاہ أو لغیر اذنہ کما صرح بہ فی المعراج فافھم وقال فی الفتح أیضا والافضل أن یکون قد حج عن نفسہ حجۃ الاسلام خروجا عن الخلاف ثم قال والافضل احجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسہ الخ ص۲۶۱، ۲۶۲ شامی ج۲۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور

۱۴۱۷/۴/۳ھ

حج کے فرائض و واجبات:

حج میں کتنی چیزیں فرض ہیں اور کتنے واجبات ہیں۔ اس بارے میں وضاحت فرمادیں۔

المستفتی، محمد اشرف وہاڑی،

الجواب اما رکنہ فشیئان۔ الوقوف بعرفۃ وطواف الزیارۃ لکن الوقوف أقوی من الطواف کذا فی النھایۃ۔ و أما واجباتہ فخمسۃ السعی بین الصفا والمروۃ والوقوف بمزدلفۃ، ورمی الجمار۔ والحلق أو التقصیر وطواف الصدر کذا فی شرح الطحاوی (ص۲۱۹ ج۱ ہندیہ)

حج کا رکن و فرض دو چیزیں ہیں۔ وقوف عرفہ اور طواف زیارۃ اور وقوفِ عرفہ اصل رکن ہے۔ واجباتِ حج پانچ ہیں ا۔سعی بین الصفا والمروۃ ۲۔ وقوفِ مزدلفہ ۳۔ رمیِ جمار ۴۔ حلق یا تقصیر ۵۔ طوافِ صدر۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور ۲/۸/۱۴۰۹ھ

آبِ زم زم سے پلید کپڑا دھونا جائز نہیں:

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران کسی مجبوری کے تحت زم زم کے پانی سے کپڑا پاک کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مراد ناپاک کپڑا ہے اور زم زم کے پانی میں کفن کا کپڑا تر کرکے لانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب آبِ زم زم متبرک پانی ہے کپڑے یا بدن سے نجاستِ حقیقیہ زائل کرنے کے لئے اسے استعمال کرنا جائز نہیں۔ ہاں برکت کے لئے اس میں کپڑا بھگو کر لانا درست ہے۔

قولہ یکرہ الاستنجاء بماء زمزم) وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ او بدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک ویستحب حملہ الی البلاد فقد روی الترمذی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا أنہا کانت تحملہ وتخبر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحملہ وفی غیر الترمذی أنہ کان یحملہ وکان یصبہ علی المرضی ویسقیہم وأنہ حنک بہ الحسن والحسین رضی اللہ عنہما من اللباب وشرحہ۔ (شامی ص ۳۵۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

کسی بیماری کی وجہ سے بال گریں تو کچھ واجب نہ ہوگا

ایک آدمی کے سر اور داڑھی کے بال نہاتے ہوئے وضو سے اور بے وضو بھی بے ارادہ ٹوٹتے رہتے ہیں۔

اس شخص کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہے۔ فرض حج کرنے کا ارادہ کرتا ہے احرام اور بغیر احرام میں کافی بال ٹوٹ جائیں گے، ہر بال کے بدلے میں قربانی دینے کی ہمت نہیں ہے بال بغیر اکھاڑے جھڑتے ہیں۔ اب اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب جو بال ہاتھ لگانے سے گرتے ہیں۔ ان کے گرنے پر کفارہ واجب ہے ہر بال پر مٹھی بھر گندم ہے۔

قال فی الشامیة ۔ أومسه بیده وسقط فهو کالحلق اھ ص۲۲۱ ج۲

قال فی الخانیة فبکل شعرة کف من طعام ص۱۳۵ ج۱ ۔

اگر بغیر ہاتھ لگائے مرض کی وجہ سے بال گرتے ہیں تو اس میں صدقہ نہیں۔ وفی الشامیة بخلاف ما اذا تناثر شعره بالمرض أوالنار بحر عن المحیط ص۲۲۱ ج۲ ۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

دس ذی الحج کو منیٰ اور مکہ میں نماز عید نہ پڑھنے کی وجہ

منیٰ میں اور ایسے ہی مکہ مکرمہ میں دس ذی الحجہ کو نماز عیدالاضحیٰ کیوں ادا نہیں کی جاتی ۔ جبکہ عید کی نماز ادا کرنا ضروری اور واجب ہے ۔

الجواب ۱۰ ذی الحج کو منیٰ میں حجاج کرام حج کے اہم امور رمی، ذبح حلق وغیرہ میں مصروف ہوتے ہیں اسلئے ان سے عیدالاضحیٰ کی نماز ساقط کر دی گئی ایسے ہی جنہوں نے مکہ مکرمہ میں عیدالاضحیٰ کا اہتمام کرنا ہوتا ہے وہ اس دن منیٰ میں امور حج میں مصروف ہوتے ہیں اسلئے وہاں بھی ادا نہیں کی جاتی ۔ شامیہ میں ہے ۔

وأما صلوة العید ففی شرح مناسک الکنز للمرشدی عن المحیط والذخیرة وغیرهما أنه لا یصلیها بها بخلاف الجمعة وفی شرح المنیة للحلبی أنه لا یصلیها بها اتفاقاً للاشتغال

فیه بامور الحج اھ أی لان وقت العید وقت معظم أفعال الحج بخلاف وقت الجمعة و لان الجمعة لا تقع فی ذلك الیوم الا نادراً بخلاف العید قال فی شرح اللباب وأراد بالاتفاق الاجماع اذ لاخلاف فی المسئلة بین علماء الامة اھ

وفی شرح الاشباہ للبیری من کتاب الصید أن منی موضع تجوز فیه صلوٰة العید الا أنها سقطت عن الحاج ولم نر فی ذلک نقلا مع کثرة المراجعة و لا صلوٰة العید بمکة یوم الاضحی لانا ومن أدرکناہ من المشایخ لم نصلها بمکة واللہ تعالیٰ اعلم ما السبب فی ذلک اھ (ص ۲۰ ج ۲ مطلب فی حکم صلوٰة العید و الجمعة فی منی) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور،

طواف کے اقسام اور ان کا حکم

عورت کو حج میں خانہ کعبہ کے طواف کے موقعہ پر حیض یا نفاس آجائے تو طواف نہیں کرے گی، اور طواف نہ کرنے کے عوض میں قربانی دینی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب طواف کی تین قسمیں ہیں ۔ ۱۔ **قدوم**: یہ سنت ہے واجب نہیں اگر عورت حیض و نفاس کی وجہ سے نہ کر سکے تو کچھ لازم نہیں۔

۲۔ **زیارت**: یہ فرض ہے حیض ونفاس کی وجہ سے معاف نہیں ہو سکتا طہارت تک انتظار کرنا ہوگا۔ بعد طہارت ادا کرنا ضروری ہے

۳۔ **طواف وداع**: یہ واجب ہے لیکن عورتوں کے حق میں اگر حیض و نفاس آجائے تو غیر واجب ہے ترک کی وجہ سے کوئی دم لازم نہ ہوگا (معلم الحجاج ص ۲۲۹) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفر لہ،
مفتی جامعہ خیر المدارس

حج نفل پر جانے والے ملازم کو نصف تنخواہ دینے کا حکم

مدارس عربیہ میں ایک اصول ہے کہ جو آدمی فریضۂ حج کے لئے پہلی بار تشریف لے جائے تو اہلِ مدرسہ اسکو نصف تنخواہ ایامِ حج کی ادا کرتے ہیں لیکن جس نے ملازمتِ مدرسہ سے قبل حج کیا ہوا ہے اور پھر دوران ملازمت مدرسہ حج کو جائے اسکی تنخواہ کا کیا حکم ہے جبکہ وہ دورانِ ملازمت مدرسہ پہلی بار حج پر گیا ہے اگرچہ اس کا یہ حج دوسرا ہے لیکن دورانِ ملازمت مدرسہ میں تو پہلی بار ہے ہمارے مدرسہ کے محاسب اعلیٰ الحاج مولانا فضل احمد صاحب اوکاڑہ والے اس سال حج پر تشریف لے گئے ہیں تو ہمیں یہ مسئلہ درپیش آیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انتظامیہ مدرسہ ان کو نصف مشاہرہ ایامِ حج کی رخصتوں کا دے یا وہ مستثنیٰ ہوں گے؟

حبیب اللہ فاضل رشیدی ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ۔ ساہی وال

الجواب منشاءِ رعایت ضرورت ہے اور وہ حج فرض میں ہے۔

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۲۳ / ۲ / ۱۴۰۶ ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

حکومت کی طرف سے حج پر جانیوالوں کا فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

ایک شخص کسی مل یا فیکٹری میں ملازم ہے۔ مل والے اپنی مل کی طرف سے رغبت بڑھانے کے لئے سال کے بعد کچھ لوگوں کو حج پر بھیجتے ہیں اگر کسی خوش قسمت کا نام نکل آیا قرعہ اندازی کے ذریعہ سے تو آیا اس ملازم کا فرض حج شمار کیا جائے گا یا نفل کیا حج فرض کے لئے دوبارہ جانا پڑے گا۔ اور اسی طرح اگر حکومت قومی اسمبلی وصوبائی اسمبلی کے ممبروں پر مشتمل ایک وفد بھیجے تو ان ارکان کا بھی حج فرض ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟

الجواب مالکان اپنی طرف سے پیسے دیں اور حج کرنے والا فرض کی نیّت کر لے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ استطاعت کے بعد دوبارہ فرض نہ ہوگا۔ ایسے ہی حکومت کی طرف سے ممبران اسمبلی کا فرض بھی ادا ہو جائے گا۔ لیکن یہ تحقیق ضروری ہے کہ بلا ضرورت قومی خزانہ سے ان حضرات کو سفرِ حج کرانا درست ہے یا نہیں؟ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۸ / ۳ / ۱۴۰۷ھ

طاقت کے ہوتے ہوئے بجائے دمِ شکر کے روزے رکھنے کا حکم

ایک شخص حج تمتع یا قران کرتا ہے اور ھدی خریدنے کی بجائے وہ اس رقم کو کسی اور مصرف میں لگاتا ہے مثلاً" مجھے کسی مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہدی وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ دس روزے رکھ لینا کافی ہے اور وہ رقم ہمیں دیدیں کہ ہم ایک ضروری اور اہم کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ پوری فقہ سے مسلک حنفیہ کو باقی تمام مجتہدین کے مسالک سے علیحدہ کریں گے اور چونکہ اس کے لئے کتب فقہ کی ضرورت ہے جو کہ خریدنی ہیں تو کیا قربانی جو کہ متمتع یا قارن پر واجب تھی، باوجود طاقت کے نہ کرنا درست ہے اور حج میں کوئی نقصان ہوا یا کہ نہیں۔

الجواب قارن اور متمتع اگر مکہ میں ہدی خرید سکتا ہے تو اسے ہدی ہی ذبح کرنی چاہیئے ہدی کی استطاعت ہوتے ہوئے روزے کا مشورہ دینا درست نہیں بلکہ جہالت ہے اور حاجی مذکور پر ذبح نہ کرنے کی صورت میں تین دم واجب ہیں۔ ایک وہی دم قران دوسرا ذبح سے پہلے حلق کرانے کا تیسرا ذبح کو ایام نحر سے مؤخر کرنے کا۔

(کذا فی قرۃ العینین ص۲۵) فقط واللہ اعلم، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ،

سعی بین الصفا والمروۃ واجب ہے

کیا صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت؟

۲۔ جو شخص یہ سعی نہ کرے تو کیا اس کا حج ہوگا؟

الجواب سعی بین الصفا والمروۃ واجب ہے چھوڑنے کی صورت میں دم واجب ہوگا۔

ومن ترك السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجه تام
كذا فی القدوری ۔ (عالمگیری ص ۲۴۷ ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم ،
محمد انور
۸ / ۱ / ۱۴۰۹ھ

احرام کی حالت میں سگریٹ پینے کا حکم

حالتِ احرام میں سگریٹ نوشی عموم بلویٰ میں شمار ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو کیا خلافِ سُنت یا خلافِ مستحب ہوگا ، اندریں صورت سگریٹ نوشی پر کفارہ ہوگا یا نہیں ؟ اگر کفارہ واجب ہے تو کتنا ؟

الجواب سگریٹ نوشی جبکہ اس میں خوشبودار چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔ احرام و حج کے منافی نہیں البتہ سگریٹ نوشی کا جو گناہ ہے وہ علی حالہٖ قائم ہے۔ اس لئے احرام میں حتی الامکان سگریٹ نوشی اور دیگر تمام منشیات سے بچنا لازم ہے
فقط واللہ اعلم ، بندہ عبداللہ غفرلہٗ ،
الجواب صحیح ،
خیر محمد ، ۱۸ / ۱۰ / ۱۳۷۶ھ

بیویوں کے تنہا رہ جانے کی بناء پر کسی کو حج پر بھیجنا

ایک شخص کی دو عورتیں ہیں اولاد نہیں ہے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں اور حقیقی بھائی بھی نہیں ہیں اور وہ شخص زمانہ کی رفتار کو دیکھ کر زوجتین کو اکیلے نہیں چھوڑ سکتا اور دنیا کا کاروبار نہ سنبھلنے کی وجہ سے کسی اور کو روانہ کرے تو فریضۂ حج ادا ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں شخص مذکور کے لئے اپنی جگہ حج پر دوسرا آدمی بھیجنا جائز نہیں ہے۔ خلیفہ بنانا حج میں اسوقت جائز ہوتا ہے۔ جب خود جانے سے عاجز ہو اور صورت مسئولہ میں عجز نہیں ہے کیونکہ دنیاوی کاروبار

کے لئے ملازم رکھ سکتا ہے اور اپنی عورت کو ان کے والدین کے ہاں چھوڑ جائے اگر توفیق ہو تو ان کو بھی ساتھ لے جائے۔ فقط واللہ اعلم،

خیر محمد عفا اللہ عنہ،
مہتمم خیر المدارس ملتان

نفل حج بدل کے لئے کوئی شرط نہیں

ایک شخص سعودی عرب میں ہے دوسرا ملتان میں ہے ملتان والا اگر سعودیہ والے کو پیغام بھیجے کہ میری طرف سے حج یا عمرہ کردیں یا سعودیہ والا آدمی اپنے کسی زندہ یا مُردہ آدمی کا حج یا عمرہ ادا کرے تو جائز ہے ؟

الجواب نفل حج یا عمرہ مُردہ کی طرف سے ہو یا زندہ کی طرف سے جائز ہے اور حج فرض دوسرے کی طرف سے کیا جائے تو اس کے لئے متعدد شرائط ہیں جن کی موجودگی میں یہ بھی درست ہے عام حالات میں جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سُودی کاروبار کرنے والے ادارہ کا حج پر بھیجنا

مَیں ایک ٹیکسٹائل مل میں ملازم ہوں مل والے ہر سال قرعہ اندازی کے ذریعہ آدمی کو حج پر بھیجتے ہیں ۔کیا ان کے خرچ سے حج درست ہے ۔جبکہ ان کی اکثر کمائی سود کی ہوتی ہے۔

۲۔ ایک آدمی عمرہ کے لئے جائے اور وہاں جاکر چھپ جائے اور حج کرلے تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب گنجائش ہے ۔

۲۔ جائز ہے یعنی حج وعمرہ ادا ہوجائے گا ۔فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفی عنہ،

بغیر محرم کے ہم عمر بوڑھی عورتوں کے ساتھ سفرِ حج پر جانا

زینب حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتی ہے۔ مگر اس کا خاوند زید ساتھ جانے سے انکاری ہے رضاء ورغبت سے زینب کو حج بیت اللہ کی اجازت دیتا ہے۔ زینب کی عمر پچپن سال کی ہے۔ ہم عمر عورتیں اور بھی اس کے ساتھ تیار ہیں مگر کوئی محرم ساتھ نہیں تو زینب بغیر محرم کے حج کر سکتی ہے؟

الجواب اگر زید ساتھ جانے سے انکاری ہے تو زینب کسی دوسرے محرم کو ساتھ لیکر فریضۂ حج ادا کر سکتی ہے۔ محرم کا خرچ بھی زینب کے ذمہ ہوگا۔ اگر کوئی محرم بھی نہیں جاتا اور زید بھی ساتھ جانے کے لئے تیار نہیں۔ تو ایسی صورت میں زینب کو سفرِ حج کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔

قال فی البحر بعد نقل الاحادیث فافادھذا کلہ ان النسوۃ الثقاۃ لا تکفی الخ

قال فی البدائع فی شرائط فرضیۃ الحج فاما الذی یخص النساء فشرطان احدھما ان یکون معھا زوجھا او محرم لھا فان لم یجد احدھما لا یجب علیہ الحج اھ ص۳۲۸ ج۲)

وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تحجن امرأۃ الا ومعھا محرم کذا فی البذل ص۹۷ ج۲ وفی الدر المختار ص۱۴۵ ج۲ ومع زوجٍ او محرم بالغ عاقل غیر مجوسیٍ ولا فاسقٍ لعدم حفظھما مع وجوب النفقۃ لمحرمھا اھ

محرم سے مراد وہ رشتہ دار ہے جس سے عمر بھر نکاح جائز نہیں جیسے بھائی باپ لڑکا وغیرہ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفی عنہ
خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
۱۵ / ۶ / ۱ے ھ

فدیۂ جنایت اپنے ملک میں بھی دے سکتے ہیں

حالتِ احرام میں قربانی کے بعد اور حلق سے قبل بازو کے دو تین بال جن پر کوئی چیز چپکی ہوئی تھی، اس کو اتارتے وقت بال اکھڑ گئے ہیں ، کتنے بال ٹوٹنے تک معافی ہے ۲۔ بالوں کے ٹوٹنے کا فدیہ کیا ہے ۳۔ فدیہ پاکستان میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے ۴۔ بالوں کا قصر کرانا کتنی مقدار تک جائز ہے ۵۔ ایک محرم قربانی سے فراغت کے بعد اپنا یا کسی کا حلق یا قصر کر سکتا ہے ۶۔ صحت مند زندہ یا مردہ کی طرف سے عمرہ کیا جا سکتا ہے

الجواب ۱-۲ :- ہر بال کے بدلے گندم کی ایک کف صدقہ کرے اگرچہ رمی کے بعد ہی بازو کے بال اکھڑے ہوں ۔

۳۔ جنایت کا فدیہ پاکستان میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ دم واجب کی ادائیگی صرف حرم میں ہی ہو سکتی ہے

۴۔ چوتھائی سر کا قصر واجب ہے جس میں کم از کم ہر بال انگلی کے پورے کے برابر کٹ جائے

۵۔ اپنے حلق و قصر سے قبل اگر کسی محرم یا غیر محرم کا سر مونڈا تو دو سیر گندم صدقہ کرے ۔ اور اگر رمی اور ذبح کے بعد اپنا سر مونڈا تو کچھ واجب نہیں ، ہاں اگر ناخن اتارے تو جنایت ہوگی ۔

حلق رأس محرم او حلال وهو محرم عليه صدقة (هنديه وفي الدر فلو تلم ظفره (اى قبل الحلق مثلاً) كان جناية لانه لا يخرج من الاحرام الا بالحلق اه ج۲ ص۲۵۱)

۶۔ دوسرے شخص زندہ یا مردہ کی طرف سے عمرہ کرنا درست ہے ۔ اس شخص پر حج واجب نہ ہوگا جس کی طرف سے عمرہ کیا جائے

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

طواف قدوم کے ترک پر کچھ واجب نہ ہوگا

ایک دوست نے اپنی والدہ کو حج کرایا ہے اس میں مندرجہ ذیل غلطیاں کیں، مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی ڈالیں ۱۔ سائل کی والدہ (ہندہ) نے ایام حج میں عمرہ

کیا تھا۔ پھر اس نے حج قران کیا۔ حج قران میں اُنہوں نے پہلے عمرہ کرتے وقت طواف کیا، پھر سعی کی پھر وہ منیٰ چلی گئی، وقوفِ عرفات کے بعد کنکریاں پہلے دو دن ماریں طوافِ زیارۃ ۱۲ تاریخ کو مغرب سے پہلے کیا اس کے ساتھ سعی بھی نہیں کی پھر واپس آتے ہوئے طواف وداع بھی نہیں کیا کیونکہ اس دن ان کو سخت بخار تھا۔ یہ بھی واضح ہو کہ سائل کی والدہ پاکستان سے حج کرنے کے لئے آئی تھیں ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر طوافِ قدوم علیحدہ ضروری ہے تو بھی نہیں کیا کیونکہ آتے ہی انہوں نے عمرہ کیا اور سعی کی، آیا ان کا حج ہو گیا ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب طوافِ قدوم سنت ہے اس کے ترک کرنے سے کسی چیز کا وجوب نہیں۔ ترک سعی کی وجہ سے دم واجب ہے

ومن ترک السعی بین الصفا والمروۃ فعلیہ دم وحجہ تام ہندیہ ص۲۴۷ ج۱

گیارہ تاریخ کو جمرات کی رمی نہ کرنے کی وجہ سے بھی دم واجب ہے۔ درمختار میں ہے۔

او الرمی کلہ او فی یوم واحد الخ شامی ص۲۲۵ ج۲ (جدید نسخہ)

طوافِ وداع بھی واجب ہے اس کے ترک سے بھی دم واجب ہو گا۔ درمختار میں ہے۔

أو ترک طواف الصدر ص۲۲۴ ج۲ شامی جدید نسخہ

الحاصل صورتِ مسئولہ میں ہندہ کا حج تو ہو گیا لیکن طوافِ وداع، سعی اور رمی کے ترک کرنے کی وجہ سے تین عدد بکریوں کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،	محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۴/۱/۱۴۰۸ھ

حج بدل میں آمر کے شہر سے روانگی کا حکم

۱۔ حجِ بدل کے لئے احرام تمتع قران۔ افراد، میں سے کس قسم کا باندھنا چاہیئے میں نے درخواست میں بعد ماہِ رمضان المبارک جانے کے لئے تحریر کیا ہوا ہے اگر احرام افراد باندھا جائے تو ۲½ ماہ تک باندھنا پڑتا ہے اس صورت میں بغل کے بالوں کی صفائی اور موئے زیرِ ناف کے متعلق کیا حکم ہے۔؟ ۲۔ مقامِ روانگی کون سا ہونا چاہیئے میں چچا جان کے

لئے حج پر جا رہا ہوں انکی ملکیتی اراضی چک نمبر ۲۷۷ ج ب ضلع لائل پور ہے لیکن وہ اکثر اپنے لڑکے کے پاس چک نمبر ۲۹۶ ج ب متصل گوجرہ رہتے تھے انتقال کے بعد انکی وصیت کے مطابق تدفین نہیں ہوئی۔ میں ساہیوال رہتا ہوں۔ حج بدل کے لئے روانگی کس مقام سے ہونی چاہیئے ؟ ۳۔ اگر کراچی میں عرب ایمبیسی سے سرٹیفکیٹ کلیہ لے کر جدہ شریف سے سیدھے مدینہ منورہ چلا جاوے وہاں قیام کر کے یکم ذوالحجہ کے قریب ذوالحلیفہ سے احرام افراد باندھ کر طواف وسعی کر لی جائے اگر یہ سرٹیفکیٹ کراچی سے حاصل نہ ہوا تو بغیر احرام جدہ شریف جا کر معلم کے ذریعہ تنازل میں کہا جاوے تو وہاں سے مدینہ منورہ روانگی ہو جائے اگر وہاں ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر حج بدل کر لیا جائے اگر میقات سے احرام نہیں باندھتے اور تنازل بھی جدہ سے نہیں ملتا تو اس کا کیا حل ہوگا ؟

الجواب ۱۔ حج بدل کے لئے احرام افراد کا باندھنا چاہیئے البتہ اگر آمر نے قران یا تمتع کی اجازت دیدی ہے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کا احرام باندھ سکتا ہے لیکن صورت دوم میں دم قران اور تمتع خود حج کرنے والے کے ذمہ ہے درمختار علی الشامی ص ۲۴۷ میں ہے

ودم القران والتمتع والجنایۃ علی الحاج ان اذن لہ الآمر اور شامی میں ہے

(قولہ علی الحاج) ای المامور اما الاول فلانہ وجب شکراً علی الجمع بین النسکین وحقیقۃ الفعل منہ وان کان الحج یقع عن الآمر

۲۔ اپنی جگہ یعنی ساہیوال سے بھی روانگی درست ہے شبہ سے بچنے کے لئے گوجرہ سے روانگی افضل ہے ۳۔ یہ صورت درست ہے لیکن جدہ سے مدینہ منورہ تک آنے جانے کے تمام اخراجات مامور پر ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
یکم رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

پہلے میقات سے احرام نہیں باندھ سکے تو دوسرے سے باندھ لیں

۱۔ کچھ لوگ مدینہ منورہ سے جدہ کی طرف روانہ ہوتے پندرہ دنوں سے زائد رہنے کی اقامت کی

نیّت کی حج تمتع کا ارادہ تھا۔ مدینہ منورہ سے چلتے وقت احرام کی نیت نہ کی بغیر احرام میقات سے گزر کر جدّہ سے احرام تمتع کا باندھا کیا اس پر دم واجب ہے۔؟

۲۔ ایک غیر ملکی شخص مکہ مکرمہ میں جانے سے قبل میقات سے احرام نہیں باندھتا اور میقات سے گزرتے ہوئے سویا رہا اسی طرح دوسری میقات سے بھی سوئے ہوئے گزرا کیا دم واجب ہوگا۔

۳۔ ایک آدمی نے مقام رابغ سے احرام باندھا سردی کی وجہ سے سوئے ہوئے سر کو کمبل سے ڈھانپ لیا آنکھ کھلنے پر ہٹاتا رہا۔ دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب (۱-۲) ولو مر بمیقاتین فاحرامه من الابعد افضل ولو اخره الی الثانی لا شئ علیه علی المذهب (الشامیہ ص۱۶۶ ج۲)

عبارت ہذا سے ظاہر ہے کہ اگر پہلی میقات سے گزر گیا احرام نہیں باندھا اور دوسری سے باندھ لیا تو دم وغیرہ واجب نہیں۔ اور اگر دوسری میقات سے بھی احرام نہیں باندھا تو اس پر دم واجب ہوگا۔ کما لایخفی۔

(۳) اگر رابغ سے احرام باندھا اور پھر سونے کی حالت میں سر کو پوری رات نہیں ڈھانپا تو ایسی صورت میں دم واجب نہیں بلکہ صدقہ تقریباً دو سیر گندم واجب ہے۔

أو ستر رأسه یوما کاملا أو لیلة کاملة وفی الاقل صدقة (الشامیہ ص۲۲۰ ج۲)

وحرم تأخیر الاحرام عنها کلها لمن أی لآفاقی قصد دخول مکة یعنی الحرم ولو لحاجة غیر الحج أما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام الخ (الشامیہ ص۱۵۴ ج۲)

عبارت بالا سے ظاہر ہے کہ آفاقی اگر جدہ میں ٹھہرنے کی نیت سے بلا احرام میقات سے گزر جائے تو اس پر دم واجب نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس ملتان	عبداللہ عفا اللہ عنہ،
	مفتی خیر المدارس ملتان

قارن کے مقیم اور غنی ہونے کی صورت میں دم قران کے علاوہ قربانی بھی اسپر واجب ہے

ایک حاجی مکہ میں حج سے پیشتر پندرہ یوم یا اس سے زیادہ قیام کرتا ہے تو اسپر کتنی قربانیاں ہیں؟
(ب) اگر وہ ایک ہی قربانی کرتا ہے تو کیا اسپر دم واجب ہوگا۔؟
(ج) اگر وہ دم ایام نحر میں نہ دے تو ایک دم اور واجب ہوگا یا نہیں ؟
(د) نیز یہ دم مکہ مکرمہ میں ہی دینا ہوگا یا وطن واپس آنے پر کر سکتا ہے یا یہ دم وہ کسی کی معرفت وہاں پر کرا سکتا ہے یا پھر خود جا کر کرے ؟

الجواب ا۔ اگر یہ حاجی غنی بھی ہے تو قربانی واجب ہے اور اگر تمتع یا قران کیا ہے تو مزید ایک دم واجب ہوگا۔

(ب۔ج۔د) اگر اس نے دم قران یا تمتع ایام نحر میں ذبح کر دیا ہے تو اس پر نیا دم واجب نہ ہوگا، ہاں قربانی اس کے ذمہ رہ گئی ہے جس کی ادائیگی ایک متوسط بکری کی قیمت صدقہ کرنے سے ہو جائے گی۔ جہاں کہیں بھی صدقہ کر دے کافی ہے اور اگر اس کے برعکس اس نے ایام نحر میں قربانی کی ہے اور دم تمتع یا قران ذبح نہیں کیا تو اسپر مزید ایک دم واجب ہوگا جس کا حرم میں ذبح کیا جانا ضروری ہے۔ یعنی دم تمتع یا قران اور اسی طرح دم جنایت دونوں کا حرم میں ذبح کیا جانا ضروری ہے۔ گو ایام نحر گزر گئے ہوں۔

ویتعین یوم النحر ای وقتہ وھو الایام الثلاثۃ لذبح المتعۃ والقران فقط فلم یجز قبلہ بل بعدہ وعلیہ دم ویتعین الحرم لا منی للکل اھ درمختار علی الشامی ص ۲۵۰ ج ۲) باب الھدی

حاجی کا جانا ضروری نہیں کسی کے ہاتھ رقم بھیج کر بھی حرم میں ذبح کرا سکتا ہے، جانور قربانی کی نیت سے ذبح کیا ہے تو دم تمتع یا قران ادا نہیں ہوگا اسیطرح اس کے برعکس بھی قال فی الدر ولم تنب الاضحیۃ عنہ لانہ اتی بغیر الواجب علیہ اذ لا اضحیۃ علی المسافر ولم ینو دم التمتع والتضحیۃ الی قولہ وعلی فرض وجوبہما لم تجز ایضا لان نیتہما غیر ان فاذا نوی عن احدھما لم یجز عن الاٰخر۔
معراج الدرایہ (شامیہ ص ۱۹۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رابغ سے تھوڑا آگے بلا احرام گزرنے پر دم واجب نہیں ہوگا

۱۔ دوسری میقات میں داخل ہونے کے دس پندرہ منٹ یا گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے بعد آنکھ کھلی جبکہ لاری کا سفر تھا یا داخل ہونے کے تقریباً پانچ منٹ بعد پھر احرام باندھا تمام صورتوں میں دم واجب ہوگا یا نہ احرام باندھنا دخول میقات کے بعد جائز ہے یا نہ ؟ مثلاً رابغ میں پہنچ کر کسی نے احرام باندھا اور لاری وہاں کھڑی رہی دم واجب ہوگا یا نہ ؟ صورتِ وجوب میں اپنے ملک میں بکرا یا ساتواں حصہ قابلِ قربانی بچھڑے کی موجودہ قیمت یا نادار ہونے کی صورت میں روزے رکھنے جائز ہیں یا نہ ؟ اور کتنے روزے کس طرح پر ؟

۲۔ مدینہ منورہ میں ایسے لوگ جن پر تمتع کا حج فرض تھا مستقل امیر کے حکم سے جو مکہ مکرمہ میں تھے فی الحال بنیت جدہ روانہ ہوتے، رابغ یا جدہ پہنچنے کے بعد امیر کا پیغام ملا کر سیدھے چلے آؤ یا دو تین دن جدہ میں ٹھہر کر چلے آؤ۔ جدہ میں قیام کی نیت نہ کرو جدہ تک جماعت بلا احرام آئی اپر دم واجب ہوگا یا نہیں ؟ اور اپنے ملک میں ادا کرنے کی یا روزہ رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب آخری میقات سے بلا احرام گزر جانے پر دم واجب ہوجاتا ہے (جب کہ دوبارہ واپس لوٹ کر میقات سے احرام نہ باندھے) گو میقات سے بلا احرام گزرے ہوئے پانچ منٹ ہی ہوئے ہوں لیکن لکھا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اصل میقات جحفہ ہے، جو کہ رابغ کے مقام سے میل یا زیادہ گزرنے کے بعد آتا ہے رابغ سے احتیاطاً احرام باندھا جاتا ہے پس اگر رابغ میں احرام باندھ لیا گیا ہے تو دم واجب نہیں یا اس کے بعد ایک میل کے اندر اندر

مسافر حرم اگر بدون احرام میقات سے گزر گیا واپس میقات پر آکر احرام باندھے اس صورت میں دم ساقط ہوجائے گا۔ (کما فی الشامیۃ ص ۳۰۹ ج ۲)

۲۔ جو شخص مدینہ منورہ سے بہ نیتِ اقامت جدہ روانہ ہوا، میقات سے گزرتے وقت اس پر احرام باندھنا واجب نہیں۔ گو یہ ارادہ کسی کے امر کی بناء پر کیا ہو۔ درمختار میں ہے۔ اما لو قصد موضعاً من الحل کخلیص وجدۃ حل له مجاوزته بلا احرام ص ۲۱۱ ج ۲)

امیر کا حکم اگر رابغ میں موصول ہو گیا اور جماعت نے مکہ مکرمہ کا ارادہ کر لیا تو فوراً جحفہ سے قبل

احرام باندھنا واجب تھا۔ اگر جحفہ سے بلا احرام صورتِ مذکورہ میں تجاوز کیا ہے تو دم واجب ہوگا۔ اور اگر امیر کا حکم جدہ میں پہنچا تو دخولِ مکہ کے لئے احرام باندھنا واجب ہے جبکہ حج یا عمرہ کا ارادہ ہو ورنہ نہیں، مذکورہ بالا جزئیہ کے بعد لکھا ہے۔

فاذا حلّ به (ای الآفاقی الذی من الحل) التحق باھله فله دخول مکة بلا احرام ای مالم یرد نسکا اھ (شامی ص ۲۱۱ ج ۲)

دم جنایت کی ادائیگی اور ذبح حرم کے ساتھ خاص ہے۔ وہاں پر ہی ذبح کیا جاسکتا ہے حرم سے باہر نہیں۔ ویتعین یوم النحر لذبح المتعة والقران فقط ویتعین الحرم لا منی للکل۔ درمختار علی ردالمحتار ص ۲۷۱ ج ۲

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح،
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

حج فرض کی طرح حج نفل بھی صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے

: میں سولہ سال سے بمع بال بچوں کے یہاں مقیم ہوں۔ ہر سال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بمع بچوں کے حج پر چلا جاتا ہوں مگر ہر بار جب بھی حج پر جانے کا ارادہ کرتا ہوں تو یہاں کے لوگ اور ساتھ کام کرنیوالے یہ بات اٹھاتے ہیں کہ جب آپ نے فریضۂ حج ادا کرلیا ہے تو بار بار کیوں حج پر جاتے ہو مت جاؤ تاکہ آنے والے حاجیوں کے لئے آسانی ہو۔ میں یہی جواب دیتا ہوں کہ ہمارے نہ جانے سے حاجیوں کی تکلیف یا آسانی میں اضافہ یا عدمِ اضافہ نہیں ہوتا۔ تو کیا انکے کہنے پر صرف ایک مرتبہ جو حج کرلیا کافی ہے یا ہر سال جائیں کیا حکم ہے؟ (السید محمد لطیف ص۔ب ۸۶۔ الریاض سعودی عرب)

الجواب حج فرض کی طرح حج نفل بھی بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے صحابہ کرام وتابعین سے بار بار حج وعمرہ ثابت ہے پس آپ برابر حج کرتے رہیں جبتک اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہے۔

فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۶/ ۱۲/ ۹۲۰ ھ

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

طوافِ زیارت سے پہلے سعی کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ایک شخص آٹھ ذی الحج کو احرام باندھ کر طواف کر کے پہلے سعی کر لیتاہے اور طوافِ زیارت بعلیں دس یا گیارہ یا بارہ ذی الحجہ کو کرتاہے کیا اس کا حج اس سے باطل تو نہیں ہوتا اگر نہیں جیساکہ مسلک احناف ہے اسپر حدیثِ صحیح مطلوب ہے جو بطلان کا حکم لگانے والوں پر حجت بن سکے۔

الجواب حج میں ایک مرتبہ سعی بین الصفا والمروہ شافعیہ کے نزدیک فرض ہے اور احناف کے نزدیک واجب ہے اور اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ سعی طواف زیارت کے بعد ہی کی جائے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے اسپر لازم ہے کہ کسی حدیث صحیح سے دلیل پیش کرے یہ بھی جائز ہے بلکہ بقول علامہ نووی انفضل ہے کہ سعی طوافِ قدوم کے بعد ہی کرلی جائے۔ ہاں طوافِ زیارت کے بعد تک تاخیر جائز نہیں۔ والافضل ان یکون بعد طواف القدوم ویجوز تاخیرہ الی ما بعد طواف الافاضۃ (شرح مسلم ص۴۱۲ ج۱)

آنحضرت نے بھی پہلے طواف کے بعد ہی سعی فرمائی تھی اور طوافِ زیارت کے بعد سعی نہیں فرمائی۔

ففی حدیث جابر رضؓ عن مسلم حتیٰ اذا اتینا البیت معہ استلم الرکن فرمل ثلثاً ومشی اربعاً ثم تقدم الی مقام ابراھیم فقرأ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی (الی ان قال) ثم خرج من الباب الی الصفا فلما دنا من الصفا قرأ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ ابدأ بما بدأ اللّٰہ بہ فبدأ بالصفا الحدیث (صحیح مسلم ص۳۹۵ ج۱)

وفی روایۃ لم یطف النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولا اصحابہ بین الصفا والمروۃ الا طوافا واحداً (مسلم ص۴۱۴ ج۱) وفیہ دلیل علی ان السعی فی الحج والعمرۃ لا یکرر بل یقتصر منہ علی مرۃ واحدۃ (نووی ص۴۱۴ ج۱)

حضرت جابر رضؓ کی طویل حدیث میں طوافِ زیارۃ کے بارے میں مذکور ہے۔

ثم رکب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فافاض الی البیت فصلی بمکۃ الظہر الحدیث فیہ محذوف تقدیرہ فافاض فطاف بالبیت طواف الافاضۃ ثم صلی الظہر

(نووی) وفی روایة فصلی الظهر بمنی۔ بہر حال طواف زیارت کے بعد سعی کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،
مفتی خیر المدارس ملتان

حائضہ حج کیسے کرے؟

ایک عورت اپنے محرم کے ساتھ حج کو جا رہی ہے عمرہ کا احرام باندھنے لگی تو اس کو حیض آگیا اب وہ احرام باندھے یا نہ؟ کیا وہ حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث کے تحت مکہ میں احرام کھول سکتی ہے۔ اگر کھول دے تو کب اس کا احرام باندھے اور کہاں سے؟

اگر وہ حضرت عائشہ کی حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے بغیر احرام عمرہ مکہؔ میں داخل ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ اگر بغیر احرام داخل ہونے پر دم واجب ہے تو اس دم سے بری ہونے کی کیا صورت ہے؟ اگر وہ مکہؔ سے مدینہ چلی جائے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر آجائے تو دم ساقط ہو جائے گا؟

الجواب حائضہ احرام باندھے گی اور حالتِ احرام ہی میں رہے گی اگر پاک ہونے سے پہلے ایامِ حج شروع ہو گئے تو اب عمرے کا احرام کھول دے اور حج کا احرام باندھ کر منیٰ کو چلی جائے اور افعالِ حج کو بجا لائے بعد از فراغت عن الحج عمرہ کر سکتی ہے احرام خواہ تنعیم سے باندھے یا دوسرے میقاتِ عمرہ سے البتہ پہلے عمرے کا احرام توڑنے کی وجہ سے اس پر دم لازم ہوگا حضرت عائشہ رضؓ احرام عمرہ باندھ کر مکہ میں داخل ہوئی تھیں بغیر احرام نہیں۔ پس یہ حائضہ بھی احرام باندھ کر داخل ہو ورنہ دم واجب ہوگا۔ اور اگر پاک ہونے کے بعد کسی میقات پر آکر دوبارہ احرام باندھ لے اور تلبیہ پڑھ لے تو دم ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ مکہؔ مکرمہ میں قبل ازیں عمرہ یا حج نہ کیا ہو۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان
۸ / ۷ / ۹۴ھ

آفاقی اشہرِ حج میں عمرہ کرکے میقات سے باہر چلا جائے تو تمتع کرنے کا حکم

جو لوگ حل یا حرم میں بسلسلہ ملازمت وغیرہ مقیم ہیں وہاں ان کا وطن اصلی نہیں اگر یہ اشہر حج سے قبل آفاق میں آجائیں خواہ وطن میں آئیں یا دوسری جگہ اسی سال یہ قران وتمتع کرسکتے ہیں؟۔ اگرچہ مکہ پہلے ہی سے ان کا وطن اقامت ہے۔ قران اس لئے کہ یہ اشہر حج سے قبل آفاق میں چلے گئے اور تمتع اس لئے کہ حرم یا حل میں انھوں نے وطن اصلی نہیں بنایا بخلاف متوطن اصلی کے کہ وہ قران کرسکتا ہے تمتع نہیں کرسکتا اس مسئلہ میں تو شرح صدر ہے مگر مندرجہ ذیل دو صورتوں میں تردد ہے ان سے متعلق اظہار رائے مقصود ہے۔

۱- اگر یہ لوگ اشہر حج شروع ہونے کے بعد وطن اصلی کے سوا کسی دوسری جگہ آفاق میں چلے جائیں تو عند الصاحبین رحمہما اللہ اسی سال قران یا تمتع کرسکتے ہیں یا کہ نہیں یعنی اس خروج سے حکم مکی سے خارج ہوجائیں گے یا نہیں جبکہ وہاں انکا وطن اقامت باقی ہے۔

۲- اگر اشہر حج میں وطن اصلی میں آجائیں تو حرم میں وطن اقامت باقی ہونے کے باوجود حکم مکی سے خارج ہوکر قران یا تمتع کرسکیں گے پہلی صورت میں یہ بھی داخل ہے کہ آفاقی حاجی نے مکہ میں مکان لیکر پندرہ روز کی نیت سے قیام کیا پھر اشہر حج میں سامان اسی مکان میں چھوڑ کر چاہی اپنے ساتھ لے کر یا کسی واقف کے سپرد کرکے مدینہ منورہ چلا گیا تو وہاں سے عند الصاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ قران یا تمتع کی اجازت ہے یا نہیں شاید تلاش کرنے سے اس بارے میں صریح جزیہ مل جائے اگر اس کا حکم مل جاتا ہے تو دونوں مسئلے حل ہوجائیں گے۔ غالباً مولانا شیر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب عمدۃ المناسک میں نظر سے گزرا ہے تلاش کروں گا۔

الجواب آفاقی اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بعد اگر میقات سے باہر چلا جائے خواہ وطن اصلی میں یا کسی دوسری جگہ صاحبین کے نزدیک اس کا تمتع باطل ہوجائے گا۔

اب اگر وہ تمتع کرے تو اس کے لئے جائز ہے۔ اسی طرح اس کے لئے قران بھی جائز ہوگا۔ قرۃ العینین میں ایسے ہی آفاقی کے بارے میں لکھا ہے اور صاحبین کے نزدیک پہلا عمرہ مفردہ ہوگیا بسبب دو سفر کے اور اب اس ثانی عمرہ سے تمتع منعقد ہوگا ص۲۵۷ نیز لکھتے ہیں کہ میقات کے باہر جانے سے صاحبین کے نزدیک تمتع باطل ہوجاتا ہے المسلک المتقسط ص۱۴۸ میں ہے۔

واما الآفاقی اذا دخل المیقات او دخل مکۃ بعمرۃ وحل منہا قبل اشہر الحج فان مکث بہا حتی یحج فہو کالمکی وان خرج الی الآفاق قبل الاشہر فکالآفاقی او فیہا فکالمکی عند ابی حنیفۃ وکالآفاقی عندھما۔ آفاقی کے لئے توطن بمکۃ تمتع سے مانع بنتا ہے مکہ میں مقیم ہونا مانع نہیں المسلک المتقسط میں ہے۔ ولان جواز التمتع للآفاقی مقید بعدم الاستیطان لا بعدم الاقامۃ اھ ص۱۴۵۔

یعنی بعض صورتوں کی جزئیات میں یہ تو تصریح ہے کہ آفاقی معتمر جو اشہر حج میں مکہ کے اندر رہائش رکھتا ہے اگر میقات سے باہر چلا جائے تو یہ شخص صاحبین کے نزدیک مکی کے حکم سے خارج ہو کر آفاقی کے حکم میں ہو جائے گا اور اس کے لئے تمتع جائز ہوگا اس حکم کو مطلق رکھا ہے مکہ میں اقامت شرعیہ کے بقا یا عدم بقا کے ساتھ مقید نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ حکم دونوں صورتوں میں عام ہوگا اور اگر نفس سفر شرعی سے بھی اقامت شرعیہ کو باطل کیا جائے تو بھی میقات سے باہر جانا بطلان اقامت کو مستلزم نہیں کیونکہ بعض مواقیت سفر شرعی سے کم پر واقع ہیں جیسے کہ مثلاً قرن جو کہ مکہ مکرمہ سے دو مرحلوں پر واقع ہے۔ الحاصل مثل آفاقی بننے کا مدار میقات سے باہر نکل جانے پر رکھا ہے اور میقات سے باہر نکل جانا بطلان اقامت بمکۃ کو مستلزم نہیں تو معلوم ہوا کہ مکہ میں اقامت شرعی باقی ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں عند الصاحبین یہ مثل آفاقی ہو جائے گا یہ بات ذہن میں آتی ہے لیکن لفظاً بقائے اقامت یا عدم بقاء کی تصریح نہیں دیکھی قرۃ العینین میں آفاقی حاجی والی صورت لکھی ہے لیکن اس میں مکہ کے اندر پندرہ روزہ اقامت کذائیہ کی تصریح نہیں۔

فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

تجدید ایمان کے بعد حج فرض دوبارہ کرنا ضروری ہے؟

ایک عورت نے چند کلمات کفر کہے، جس کے نتیجہ میں اُسے تجدید ایمان کرائی گئی ـــــ کیا سابقہ نمازیں،

روزے اور حج جو ادا کر چکی ہے دوبارہ کرنے پڑیں گے یا نہیں ؟ اور جو فرائض حالت اسلام میں رہ گئے ہیں، تجدیدِ اسلام کے بعد ان کی قضاء لازم ہے یا نہیں ؟

الجواب حالتِ اسلام میں جو فرائض ادا کئے ہوئے ہیں ان کی قضاء کی ضرورت نہیں لیکن اگر حج فرض ادا کیا تھا تو اُسے دوبارہ کرنا ضروری ہے ۔ اور حالتِ اسلام میں جو فرائض غفلت کی وجہ سے رہ گئے ہیں تجدید کے بعد ان کی قضاء لازم ہے ۔ درمختار میں ہے :

ویقضی ما ترکہ من عبادۃ فی الاسلام لان ترک الصلوٰۃ والصیام معصیۃ والمعصیۃ تبقی بعد الردۃ وما ادی منھا فیہ یبطل ولا یقضی الا الحج لانہ بالردۃ صار کالکافر الاصلی فاذا اسلم وھو غنی فعلیہ الحج فقط اھ (قولہ الا الحج) لان سببہ البیت المکرم وھو باق بخلاف غیرہ من العبادات التی اداھا لخروج سببھا ولھذا قالوا اذا صلی الظھر مثلاً ثم ارتد ثم تاب فی الوقت یعید الظھر لبقاء السبب وھو الوقت ولذا اعترض اقتصارہ علی ذکر الحج وتسمیتہ قضاء بل ھو اعادۃ لعدم خروج السبب اھ

(شامیہ ص ۳۱۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۸ / ۴ / ۹۶ھ

الجواب صحیح عبدالستار عفا اللہ عنہ

جو مدینہ منورہ میں چالیس نمازیں نہ پڑھ سکا اس کا حج مکمل ہوا یا نہیں ؟

۱ زید نے احکام حج پورے ادا کئے لیکن مدینہ منورہ میں دو یا تین ایام رہا۔ چالیس نمازیں پوری نہیں کیں عمرو کہتا ہے حج نہیں ہوا۔ لہٰذا حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حج مکمل ادا ہو گیا اس میں کوئی کمی نہیں رہی۔ البتہ مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے کی فضیلت و سعادت سے محرومی رہی۔ یہ بھی ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ مگر اس کا حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان

افضل یہی ہے کہ حج بدل پر اسکو بھیجا جائے جس نے حج کیا ہوا ہو،

جس آدمی نے اپنا حج نہ کیا ہوا ہو وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں حج بدل اس کو کرایا جائے جس نے پہلے اپنا حج کیا ہوا ہو۔ والافضل للانسان اذا أراد ان یحج رجلاً عن نفسه أن یحج رجلاً قد حج عن نفسه (عالمگیریہ ص ۲۵۷ ج۱) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

معذور عذر زائل ہونے کے بعد دوبارہ خود حج کرے

ایک شخص نے اپنی بیوی کی طرف سے حج کیا اور اب وہ اسے عمرے پر بلانا چاہتا ہے کیا اس عورت کو پہلا حج کافی ہے یا دوبارہ کرنا پڑے گا عمرہ کے ساتھ۔

(المستفتی، محمد طاہر مدرسہ جامعہ صدیقیہ تعلیم الفرقان شورکوٹ ضلع جھنگ۔)

الجواب اگر بیوی معذور نہ تھی تو اسکی طرف سے حج کرنا کافی نہ تھا اور اگر معذور تھی اور اب عذر زائل ہو گیا ہے اور اس پر حج فرض بھی ہے تو اسے خود جا کر حج ادا کرنا ضروری ہے ایسی صورت میں عمرے کو جائے تو حج کر کے آئے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

بوڑھی عورت بھی بغیر محرم کے عمرہ کا سفر نہ کرے

ایک عورت بیوہ جس کی عمر ۵۰ سال ہے وہ حجاز مقدس کا سفر برائے عمرہ بغیر محرم کے صرف قریبی ہمسایوں کے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب عورت مذکورہ کے لئے یہ سفر جائز نہیں۔ لما فی الصحیحین لاتسافر

امرأۃ ثلاثاً الا ومعہا محرم اھ (بحر کتاب الحج ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۵/۱۲/۹۵ھ

حج سے واپسی پر گھر والوں کو آمد کی اطلاع کر دینا مناسب ہے

آج کل طریقہ یہ ہے کہ حج سے واپسی پر تاریخ واپسی کی اطلاع کر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے دوست احباب اور عزیز و اقارب استقبال کے لئے جمع ہو جاتے ہیں کیا اسطرح مناسب ہے یا خاموشی کے ساتھ بلا اطلاع گھر آ جانا مناسب ہے؟ (عبدالرحیم بلاک عے جیچہ وطنی)

الجواب واپسی پر بلا اطلاع اچانک گھر آ جانا مناسب نہیں رشامی میں واپسی کی سنن میں لکھا ہے کہ پہلے اطلاع کر دینا مناسب ہے۔ البتہ مروجہ استقبال کئی مفاسد پر مشتمل ہے لہٰذا اس سے بچا جائے۔

ومن سنن الرجوع ان یکبر علی کل شرف ... الی قولہ ویرسل الی اہلہ من یخبرہم ولا یبغتہم فانہ منہی عنہ اھ (شامی ص ۳۵۴ ج ۲)

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
خیر المدارس۔ ملتان

جدہ میں مقیم بلا احرام مکہ جا سکتا ہے

ایک آدمی ملازمت کے سلسلہ میں جدہ رہتا ہے اور وہ ایک سال کے لئے وہاں مقیم ہے۔ ہفتہ میں ہر جمعرات کی شام کو وہ مکہ معظمہ جاتا ہے جمعہ کو حرم شریف میں رہ کر نماز مغرب کے بعد جدہ روانہ ہو جاتا ہے کیا یہ آدمی حرم پاک میں جا کر احرام باندھ کر طواف کر سکتا ہے؟

الجواب جدہ مواقیت کے اندر حل میں واقع ہے اہل حل کے لئے بدون احرام مکہ معظمہ میں داخل ہونا جائز ہے تاوقتیکہ حج وعمرہ کا ارادہ نہ رکھتے ہوں۔

کما فی الدر المختار وحل لاھل داخلھا دخول مکۃ غیر محرم مالم یرد نُسکاً للحرج فھذا میقاتہ الحل اھ (شامیۃ صفحہ ۲۱۱/۲)

اگر عمرہ کا ارادہ ہو تو حرمِ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حِل سے احرام باندھ لیں۔ فقط واللہ اعلم۔
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۳/۸/۸۲ھ

مکہ میں مقیم تمتع کرے تو دمِ اساءت دینا لازم ہے

ایک عزیز رمضان المبارک میں حج ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ مکہ ہی میں شوال کا چاند دیکھا۔ ایک مولوی صاحب نے ان سے کہا کہ اب تم حج کا احرام باندھ سکتے ہو۔ عمرہ کا نہیں مگر وہ شوال ہی میں مدینہ چلے گئے وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا۔ کیا ان پر دم لازم ہوگیا؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں بر تقدیرِ صحتِ واقعہ شخصِ مذکور مکہ والوں کے حکم میں ہوگیا ہے وہ صرف حج کا احرام باندھ سکتا ہے۔ قران یا تمتع اس کے لئے جائز نہیں اگر یہ شخص قران یا تمتع کرے گا تو اس پر دمِ اساءت دینا لازم ہوگا۔ (قرۃ العینین صفحہ ۲۵۴)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مُعلّم حضرات کی فیس کا حکم

حجاج کرام سے معلّمین اعلیٰ اور نائب معلّمین کے لئے جو فیس طلب کی جاتی ہے۔ وہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز جو نائب مُعلّمین کام کرتے ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں ۱۔ فارم درخواست برائے حج مہیا کرنا اور پُر کرنا ۲۔ تاریخ مُتعینہ پر درخواست دفتر میں بھیجنا ۳۔ بعد منظوری دفتر سے حالات کا جائزہ لینا اور حجاج کو آگاہ کرتے رہنا ۴۔ حجاج کو گھر سے بندرگاہ تک کے کاروبار ٹیکہ وغیرہ لگوانا اور انتظام کرنا۔

الجواب حامداً و مصلیاً۔ ان اعمال پر جو معلّمین حضرات انجام دیتے ہیں اور جن کی تفصیل

سوال کے اندر مذکور ہے اجرت لینا جائز ہے بوجہ عمل کے معلوم اور متعین ہونے کے۔

کذا یفھم من نظائر ھذا العمل من امداد الفتاوی ص۳۲۸، ص۳۲۴ ج۴

فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہٗ
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

پورا دن یا پوری رات سر ڈھانپے رکھا تو دم لازم ہوگا

۱. محرم سردی کی وجہ سے کپڑا اوڑھ سکتا ہے یا نہیں ۲. بوڑھا آدمی سعی بین الصفا والمروہ پر قادر نہ ہو تو کیا کرے؟ ۳. بوڑھا آدمی طواف آہستہ کر سکتا ہے ۴. بڑھاپے کی وجہ سے رمی نہ کر سکے تو کیا حکم ہے؟ ۵. طواف کی نیت کس طرح کی جائے؟

الجواب منہ اور سر ڈھانپنے کی اجازت نہیں ہے۔ باقی جسم کو لحاف اور کمبل وغیرہ سے چھپانا جائز ہے۔ رات بھر یا دن بھر منہ یا سر کو چھپا لیا تو دم واجب ہو جائے گا۔ تھوڑے سے وقت کے لئے چھپایا تو صدقہ واجب ہوگا۔

۲. آہستہ آہستہ چل کر یا کرایہ کی کرسی پر سعی کرلی جائے تو بھی واجب اتر جائے گا بالکل چھوڑ دینا جائز نہیں ورنہ دم دینا لازم ہوگا ۳. جائز ہے ۴. دم واجب ہوگا۔

۵. اے اللہ میں خالص تیری رضا کے لئے تیرے اس گھر کے سات چکر طواف کرنا چاہتا ہوں تو اس کو آسان فرما اور قبول فرما۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ
۱۹/۱۱/۹۴ھ

الجواب صحیح،
بندہ محمد اسحٰق غفرلہٗ

حج کے سفر میں پہلے بغداد جانے کا حکم

حج پر روانگی سے پہلے بغداد شریف حاضری دینا ضروری ہے؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ پہلے بغداد جایا جائے اس کے بعد جا کر حج کیا جائے؟

الجواب اللہ تعالیٰ کے گھر کی حرمت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی سے ابتداء کی جائے فقہاء بھی یہی فرماتے ہیں کہ حج کرنے والا پہلے مکہ مکرمہ جائے وہاں سے فراغت کے بعد مدینہ جائے اور ان دونوں جگہوں سے پہلے بغداد شریف کی حاضری کو ضروری سمجھنے والا غالی متبع نفس وھوٰی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ولا تتبع الھوٰی فیضلك عن سبیل اللہ الآیۃ الافضل ان یبدأ الحاج بمکۃ فاذا قضی نسکہ یمر بالمدینۃ وان بدأ بالمدینۃ جاز اھ (قاضی خان ص۱۴۵ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، | محمد انور عفا اللہ عنہ،

بارہویں کی رمی زوال سے پہلے کی تو دم دینا لازم ہے

ایک آدمی نے بارہویں کے دن قبل از زوال ایک گھنٹہ رمی جمار کی ہے آیا وہ رمی جائز ہے یا نہیں اس صورت میں اس شخص پر دم یا صدقہ لازم ہے یا صرف گنہگار ہوگا۔؟ شرعاً حکم بتائیں؟

الجواب بارہویں کو قبل از زوال رمی جائز نہیں اگر زوال سے پہلے ہی کی ہے تو دم لازم ہوگیا (زبدۃ ص۱۸۳) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، | محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر

دس ذی الحج کو جمرۂ عقبیٰ کی رمی نہیں کی تو دم دینا واجب ہے

زید کے ساتھ چند عورتیں ہیں علی الصبح دسویں ذی الحجہ کو ہجوم کی وجہ سے ظہر سے قبل جمرۂ عقبیٰ پر کنکریاں نہیں مار سکا۔ ظہر کے بعد اور عصر سے قبل بجائے جمرۂ عقبیٰ کے لاعلمی کی بناء پر جمرۂ

اولی جو مسجد خیف کے قریب ہے اسپر سات کنکریاں ماردیں۔ اس صورت میں زید پر کوئی کفارہ یا دم ہے یا نہیں؟

الجواب دس ذی الحج کو جمرۂ عقبیٰ کی رمی واجب تھی اور وہ نہیں کی گئی لہٰذا دم واجب ہے ولو ترک الجمار کلها أو رمی واحدة أو جمرة العقبة یوم النحر فعلیه شاة (عالمگیری ص ۲۴۷ ج ۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،
۲۴ / ۱۱ / ۱۴۰۷ھ

آبِ زم زم لانا مستحب ہے

گزارش ہے کہ اتفاق سے ہماری حج سے واپسی سعودی ایئر لائنز سے ہوئی ہم لوگوں نے حسبِ استطاعت آبِ زم زم ساتھ لیا ہوا تھا مگر سعودی ایئر لائنز والوں نے ہمیں ساتھ نہ لانے دیا اور کہا کہ اسکی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔ آبِ زمزم اپنے وطن لانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(المستفتی سیف اللہ خالد قادری۔ لاہور)

الجواب رد المحتار میں ہے کہ آبِ زم زم لانا مستحب ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی واپسی کے وقت لے جایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ بھی لے جایا کرتے تھے اور اسے بیماروں پر چھڑکا کرتے تھے اور انہیں پلاتے بھی تھے۔

یستحب حمله الی البلاد فقد روی الترمذی عن عائشة رضی اللہ عنہا أنها کانت تحمله وتخبر أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یحمله وفی غیر الترمذی أنه کان یحمله وکان یصبه علی المرضی ویسقیهم وأنه حنك به الحسن والحسین رضی اللہ عنهما من اللباب وشرحه (شامی ص ۲۵۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم،

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ،
۱۶ / ۹ / ۹۸ھ

صرف ازدحام کے خوف سے رمی ترک کردی تو دم دینا لازم ہے

ایک مرد اور اسکی بیوی دونوں حج کے لئے گئے تھے، مرد کی عمر تقریباً ۴۲ سال اور اسکی بیوی کی عمر تقریباً ۴۲ سال تھی۔ مرد و بیوی نے حج کے تمام ارکان پورے ادا کئے صرف رمی جمار کے وقت کثرتِ ہجوم کی وجہ سے مرد اپنی بیوی کو رمی جمار کے لئے اپنے ہمراہ نہ لے گیا اور نہ خود اسکی طرف سے رمی کی تو کیا حج جائز ہوگیا۔ بصورتِ عدم جواز اب کیا حکم ہے کیا کوئی صدقہ ادا کیا جائے؟

الجواب اگر صرف ازدحام کی وجہ سے خود عورت نے رمی نہیں کی تو دم (بکری) دینا لازم ہے بھی حج پر جانے والے کو پیسے دیدیں۔ وہ انکی طرف سے وہاں ذبح کردے (زبدۃ ص۱۵۸)۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

ٹی وی پر حج کا پروگرام دیکھنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ٹیلیویژن دیکھنا بوقت تلاوت کلام پاک یا کسی عالم کی تقریر یا حج کا پروگرام حج کے دنوں میں دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جاندار کی تصویر دیکھنا شرعاً جائز نہیں کاغذ پر ہو یا دیوار پر یا ٹی وی کی سکرین پر۔ اگر صرف مقاماتِ حج کی تصویر ہو تو دیکھنا درست ہے۔

"وهذا كله مصرح في مذهب المالكية ومؤيد بقواعد مذهبنا ونصه عن المالكية ما ذكره العلامة الدردير في شرحه على مختصر الخليل حيث قال يحرم تصوير حيوان عاقل اوغيره اذا كان كامل الاعضاء اذا كان يدوم وكذا ان لم يدم على الراجح كتصويره من نحو قشر بطيخ ويحرم النظر اليه اذ النظر الى المحرم حرام (از بلوغ القصد والمرام التصوير لاحكام التصوير ص۲۷)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

حج کے لئے تصویر کھنچوانے کا حکم

تصویر کھچوانا بالاتفاق حرام اور اشد حرام ہے بلاضرورتِ شدیدہ مجبوری کے جائز نہیں تو کیا نفل حج وعمرہ یا ویسے سیاحت کے لئے پاسپورٹ بنوانا جو بغیر تصویر کے ممکن ہی نہیں جائز ہے یا نہ ۔اور کاروبار کے لئے باہر جانا بھی تصویر پر موقوف ہے۔

الجواب شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے لئے انتظامی لحاظ سے فوٹو ضروری ہے' اور عامۃ الناس کے لئے اندرون ملک اور بیرون ملک ان دونوں سے چارہ نہیں پس اگر مواقع ضرورت میں مالکیہ کے مذہب کے مطابق نصف دھڑ کی تصویر کی اجازت دے دی جائے تو گنجائش ہونی چاہیئے ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ توبہ و استغفار بھی ضروری ہے ۔ فقط واللہ اعلم'

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ'

حج فرض ہونے کے بعد بیمار ہو گیا تو حج بدل کرانا فرض ہے

زید پر حج فرض تھا جبکہ باصحت تھا حج کرنے کا ارادہ بھی تھا مگر کسی وجہ سے کر نہ سکا پھر شدید بیمار ہو گیا ۔ آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے زیادہ چلنے پھرنے سے منع کر دیا اب زید پر حج فرض ہے یا نہیں ؟

الجواب زید پر حج تو ہر حال میں فرض ہے کیونکہ جب زید باصحت تھا تو اس پر حج فرض ہو چکا تھا ۔اس نے خود کوتاہی کی ۔ادا نہیں کیا حتیٰ کہ اب بیمار ہو چکا ہے تو اب اس پر حج بدل کرانا واجب ہے ۔ حج معاف نہیں ہو سکتا ۔

ولو ملك الزاد والراحلة وهو صحيح البدن ولم يحج حتى صار زمناً أو مفلوجاً لزمه الاحجاج بالمال بلاخلاف كذا في المحيط اھ

(عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۸ کتاب الحج) فقط واللہ اعلم '

بندہ محمد عبداللہ عفرلہ'

الجواب صحیح '

خیر محمد عفی عنہ'

۱۵/۴/۷۰ھ

جو جمرات تک نہ جا سکے وہ نیابۃً رمی کرا سکتا ہے

ایک شخص بیمار تھا۔ مخلوقات کے انبوہ اور جمگھٹ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسرے شخص کو اس نے رمی کے لئے وکیل بنایا۔ کیا یہ وکالت جائز ہے اور وہ مؤکل رمی سے سبکدوش ہو گیا یا نہیں؟

الجواب جو شخص اتنا بیمار ہو کہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو تو وہ معذور ہے اگر اس کو آنے میں مرض بڑھنے کا یا تکلیف ہونے کا اندیشہ نہیں۔ تو اب اس کو خود رمی کرنا ضروری ہے اور دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں۔ ہاں اگر سواری یا اٹھانے والا نہ ہو تو پھر معذور ہے۔ دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے (زبدۃ ص۱۶۰) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر
۲۶ / محرم ۱۴۰۲ھ

قیام مزدلفہ کا وقت دسویں کی فجر طلوع ہونے سے لیکر طلوع شمس تک ہے

مزدلفہ کا قیام کیا ہے کب تک ہے اور اس رات کو عبادت کون کون سی حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب وقوفِ مزدلفہ خواہ ایک لمحہ کے لئے ہو، واجب ہے اور طریقہ یہ ہے کہ غروبِ شمس کے بعد عرفہ سے چلے مغرب وعشاء مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں ادا کی جائیں پھر ساری رات عبادت میں مشغول رہے نوافل، دعاء، اذکار، تلاوت قرآن اور تلبیہ میں سے جس میں دلجمعی زیادہ ہو مشغول رہے۔ اسفار تک یہاں ٹھہرنا سنت مؤکدہ ہے فجر امام کے ساتھ منہ اندھیرے ادا کرے اس کے بعد پھر عبادت میں مشغول رہے طلوع شمس سے ذرا پہلے منیٰ کو روانہ ہو جائے (قرۃ العینین ص۱۵۲)

واضح رہے کہ دسویں کی رات مزدلفہ میں گزارنا سنتِ مؤکدہ ہے اور وقوف، واجب کا وقت طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس تک ہے۔

وصلی الفجر بغلس لاجل الوقوف ثم وقف بمزدلفة ووقته من طلوع الفجر الی طلوع الشمس اھ (درمختار علی الشامیۃ ص۲۴۴ ج۲)
(قولہ ثم وقف) ھذا الوقت واجب عندنا لا سنة والبیتوتة بمزدلفة سنة مؤکدة الی الفجر لا واجبة اھ (شامی ص۲۴۴ ج۲)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،
مفتی خیر المدارس ملتان نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۴/۱۳۹۷

وجوب سے پہلے ادا کئے گئے دم کا وجوب ساقط نہیں ہوا

ایک شخص اپنی بیوی ہندہ کو حج کے لئے ساتھ لے گیا لیکن اسکی بیوی نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی اور اُسے غلطی کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ جمرہ عقبیٰ کو آتے وقت خاوند نے دو دم ادا کر دیئے اور پہلا دم اپنی طرف سے یوں خیال کرتے ہوئے کہ اگر کوئی ماضی میں غلطی ہوئی تو دم ادا ہو جائے۔ اسوقت رمی جمرہ عقبیٰ سے پہلے قربانی کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا بعد میں گھر آکر خیال آیا۔ آیا وہی دم ہی کافی ہوگا یا دوسرا دیا جائے؟ (سائل مولانا عبدالشکور صاحب مدرس مدرسہ ہذا)

الجواب اگر ہندہ مفرد بالحج ہو تو ذبح کی تقدیم و تاخیر سے کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ جب خود ذبح بھی واجب نہیں تو اسکی ترتیب بھی واجب نہیں لیکن قران یا تمتع کی صورت میں وجوب ترتیب کی وجہ سے دم کا وجوب ہے مذکورہ دم کافی نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ سبب وجوب سے بھی پہلے دیا گیا ہے۔ شامیہ ص۱۶۲ ج۲ میں ہے:

والحاصل أن الطواف لا یجب ترتیبه علی شیٔ من الثلاثة ولذا لم یذکرها وانما یجب ترتیب الثلاثة الرمی ثم الذبح ثم الحلق لکن المفرد لا ذبح علیه فبقی علیه الترتیب بین الرمی والحلق۔

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم۔
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

طوافِ زیارت کو ۱۲ سے مؤخر کیا تو دم لازم ہو گا

ہم سے حج کے اندر کچھ واجب اور کچھ رکن ادائیگی سے رہ گئے ایک تو ۱۰ ذی الحجہ کو رمی نہیں کی، حالانکہ یہ واجب ہے دوسرے یہ کہ طوافِ زیارت ۱۲ ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے نہیں کیا اور یہ حج کا رکن ہے۔ اب آپ فرماویں کہ اس سلسلہ میں کیا کیا جائے۔ (صالح محمد۔ ڈی جی خان)

الجواب ۱۰ ذی الحجہ کی رمی کو ترک کرنے کی وجہ سے اور اسی طرح طوافِ زیارت کو ۱۲ ذی الحجہ سے مؤخر کرنے کی وجہ سے دونوں صورتوں میں دم لازم آتا ہے اور دم کے لئے ضروری ہے کہ وہ حرم مکہ کے اندر ذبح کیا جائے لہذا آپ کو اگر اپنے معلم پر اعتماد ہو تو اسکی طرف دو بکروں کی رقم روانہ فرما دیں کہ وہ بکرے خرید کر جناب کی طرف سے ذبح کر دیں اور گوشت فقراء حرم کو کھلا دیں لیکن عموماً معلم اس قسم کے کاموں میں تساہل کر جاتے ہیں لہذا اس سے بھی بہتر صورت یہ ہے کہ مدرسہ صولتیہ کے مہتمم کی طرف یہ رقم ارسال کی جائے اور انہیں لکھا جائے کہ دو بکرے بغرض فدیہ ہر دو جنایات آپ کی طرف سے ذبح کریں۔ یہ مدرسہ با اعتماد ہے

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

جس متمتع نے حج سے پہلے تین روزے نہ رکھے ہوں، اس پر تین دم لازم ہیں:

زید حج کے لئے روانہ ہوا پانچ ذی الحجہ کو مکہ پہنچا چھ کو رقم گم ہو گئی اور سفر حج پیدل کرنا پڑا نہ وغیرہ بیچ کر جو رقم موصول ہوئی وہ تقریباً دو سو ریال تھی مگر اس نے قربانی کا جانور نہ خریدا۔ روزوں کا مسئلہ معلوم نہ تھا بعد میں معلوم ہوا کہ ۷-۸-۹ کا روزہ رکھا جاتا ہے تو اس نے آٹھویں کا روزہ رکھا نو کو عرفات کا پیدل سفر درپیش تھا لہذا ۹ کو روزہ نہ رکھا۔ اس نے احرام باندھتے وقت حجِ تمتع کی نیت کی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سے قربانی کا وجوب ختم ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کتنے دم واجب ہوں گے؟ یہ دم کہاں دیئے جائیں؟ مکہ میں یا پاکستان میں؟

(پروفیسر محمد حمزہ نعیم ایم اے)

الجواب صورتِ مسئولہ میں تین دم لازم ہوں گے ایک دم تمتع ۔ دوم دم تحلل ۔ سوم دم تاخر فان فاتت الثلاثة تعین الدم فلو لم یقدر تحلل وعلیه دمان احد دم التمتع ودم التحلل قبل أوانه اھ (درمختار علی الشامیہ ص۲۶۵ ج۲)

یہ دم مکہ میں ادا کئے جائیں ۔

ویتعین الحرم لا منی للکل سواء کان دم شکر او جنایة اھ (الدر مع الشامیة) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قارن ذبح سے پہلے حلق کرلے تو دودم واجب ہوں گے

ایک آدمی زید نے ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کرنے سے قبل ہی سہواً سر منڈوا لیا اور بعد میں قربانی کی اس شخص زید پر دم واجب ہے یا نہیں ۔ اگر اس پر کفّارہ واجب ہے تو یہ کب ادا کرے ۔ شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب اگر زید نے قران یا تمتع کیا تھا اور دم تمتع یا قران دسویں ذی الحجہ کو سر منڈانے کے بعد ذبح کیا ہے تو زید پر متمتع ہونے کی صورت میں ایک دم واجب ہوگا ۔ اور قارن ہونے کی صورت میں دو دم واجب ہوں گے اور اگر صرف افراد کیا تھا تو کوئی دم واجب نہیں ۔ ویجب دمان علی قارن حلق قبل ذبحه (درمختار)

وفی الشامیة وانما یجب ترتیب الثلاثة الرمی ثم الذبح ثم الحلق لکن المفرد لا ذبح علیه فیجب علیه الترتیب بین الرمی والحلق (ص۲۸۶ ج۲)

ذبح سے پہلے سر منڈانے کی وجہ سے جو ایک یا دو دم واجب ہوں گے ۔ ان کو اب حرم میں ذبح کر دیا جائے تو بھی کافی ہے ۔ حدودِ حرم سے باہر ذبح کرنا درست نہیں ، اس ذبح کا منیٰ میں ہونا ضروری نہیں ۔

ففی الدر مع الرد ویتعین الحرم لا منیٰ للکل بیان لکون الهدی

موقتا بالمکان سواء کان دم شکر أوجنایۃ اھ ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

مکہ میں رہنے والا آفاقی کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے ؟

ایک بوڑھا آدمی ضعف اور پیرانہ سالی کی وجہ سے حج کے لئے نہیں جاسکتا اس کا بیٹا مکۃ المکرمہ میں رہتا ہے وہ اسکی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے ؟ کیا حج بدل کے لئے آمر کے گھر سے مامور کو اخراجات سفر ادا کرنا ضروری ہیں ؟ اگر مامور مکہ میں رہنے کی وجہ سے نہ اخراجات لے نیز نہ ہی اسکو سفر کی نوبت آئے کیا آفاقی کی طرف سے حج بدل ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب حج فرض میں نیابت چند شرطوں کے ساتھ درست ہے ۱۔ آمر پر حج فرض تھا اس کے بعد خود جانے سے معذور ہو گیا اور تا مرگ عاجز ہی رہا ۔ ۲۔ اپنی طرف سے حج کرنے کا حکم کرے اور راستے کا خرچ بھی دے اگر خرچ نہ دیا تو حج ادا نہ ہوگا ۳۔ مامور حج کا اہل ہو یعنی مسلمان ، عاقل و ممیز وغیرہ ۴۔ جس جگہ سے مامور حج کر رہا ہے آمر نے اس جگہ سے حج کرنے کا حکم کیا ہو ورنہ اس کے وطن کے علاوہ دوسری جگہ سے کرنے سے حج ادا نہ ہوگا لیکن قرۃ العینین میں یہ مسئلہ لکھا ہے اگر باوجود ملکیت مال رکھتے ہوئے اپنے وطن کے بغیر اگرچہ مکہ معظمہ کے نزدیک یا کسی دور جگہ سے حج کرائے تو جائز ہو جائے گا مگر گناہ گار ہوگا ۔ لیکن جائز ہونے کے لئے شرط ہے کہ میت نے خود وصیت کی ہو یا مریض خود کہے کہ فلاں جگہ سے میرا حج کرایا جائے تو جائز ہے اگرچہ داخل میقات سے یا مکہ مکرمہ شہر سے ہی کیوں نہ ہو جائز ہے مگر داخل میقات کے حج کرانے سے بسبب ترک میقات کے گناہگار ہوگا ۵۔ احرام کے وقت آمر کے حج کی نیت کرے ۶۔ خود مامور کرے کسی اور سے نہیں کرا سکتا ۔ وغیر ذالک من الشرائط ۔ بہرحال جو خرچہ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ آمر کو ادا کرنا ہوگا ۔ خواہ بعد میں کسی اور وقت کسی دوسرے نام سے واپس کر دے ۔ نیز حج میقات سے کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ ،

مُحرِمہ پردہ کیسے کرے؟

عورت حج میں احرام کے وقت چہرے کو ظاہر اور کھلا رکھے یا پردہ ضروری ہے اگر پردہ ضروری ہے تو پھر چہرے کو کپڑا مس کرے یا کوئی بھی چیز مس نہ کرے مثلاً چہرے کے اوپر گتہ یا چمڑا یا پلاسٹک وغیرہ غرضیکہ بغیر کپڑا کوئی چیز رکھ کر اوپر برقعہ ڈالدیا جائے تو آیا اس غیر کپڑا کا مس جائز ہے یا نہیں پھر اسکی کیا صورت ہوگی کہ کوئی چیز منہ کو مس نہ کرے اور پردہ شرعی بھی رہے بعض لوگ لوہے کی جالی سر پر باندھ کر جو منہ کے اوپر سے کچھ جدا ہوتی ہے اور پردہ کو اس کے اوپر ڈال لیتے ہیں رجالی درمیان میں حائل ہوتی ہے یہ صورت ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب جوان عورت کو پردہ کرنا واجب ہے لوہے کی جالی والی صورت درست ہے ضرورت کے درجہ میں کوئی چیز مثلاً لکڑی یا جالی وغیرہ چہرے سے مس کرے تو قدرے گنجائش ہے۔

لکنھا تکشف وجھھا لا رأسھا ولو سدلت شیئاً علیہ وجافتہ عنہ جاز بل یندب اھ وفی الشامیۃ فی الفتح وقد جعلوا لذلک أعواداً کالقبۃ توضع علی الوجہ ویسدل من فوقھا الثوب اھ قولہ جاز أی من حیث الاحرام بمعنی انہ لم یکن محظوراً لانہ لیس بستر وقولہ بل یندب ای خوفاً من رؤیۃ الاجانب وعبر فی الفتح بالاستحباب لکن صرح فی النھایۃ بالوجوب اھ (شامی ص ۱۸۹ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفی عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

طوافِ زیارت بلانیت بھی ادا ہو جاتا ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت حج کے لئے مکہ سے جب منیٰ اور عرفات کو روانہ ہونے لگی تو اس کو ماہواری شروع ہوگئی دسویں تاریخ کو اس نے قصر، قربانی اور رمی جمار سے فراغت کر لی اور آخر ایام تشریق میں اس

کا حیض بند ہو گیا۔ چنانچہ اس نے غسل کر کے طوافِ زیارت کر لیا۔ پھر منیٰ چلی گئی۔ لیکن منیٰ میں جا کر اس کو چند قطرے خون آگیا (پہلے بھی ایسے کبھی کبھی ہو جایا کرتا تھا) اس نے پھر غسل کر لیا اور مکہ آکر اس نے دو یا تین طواف کئے لیکن طوافِ زیارت کی نیت نہیں کی۔ طواف وداع بھی کر لیا کیا وہ طواف زیارت ادا ہو گیا۔ کیا دوسرے غسل سے بعد والا طواف جو بلا نیت طواف زیارت کیا گیا ہے طوافِ زیارت کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ دوسرے غسل کے بعد والے طوافوں میں صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی اس کا دم لازم آئیگا یا نہیں اور دم بکرے کا ہوگا۔ یا اونٹ اور گائے کا۔ کیا اس کو حج دوبارہ کرنا لازم ہوگا۔؟

الجواب مکہ شریف میں آنے کے بعد دوبارہ غسل کر کے جو پہلا طواف کیا ہے۔ یہ طواف زیارت بن جائے گا۔ اگرچہ نیت نہ کی ہو۔ طواف وداع چونکہ الگ کیا ہے۔ لہذا یہ بھی ادا ہو گیا ہے۔ البتہ سعی جو پہلے حالت حیض میں کر چکی تھی، وہ معتبر نہیں لہذا ایک بکری حرم میں ذبح کرنا واجب ہے۔

اگر یہ چند قطرے خون اکثر ایام حیض کے اندر ہے اور ایام نحر ختم ہونے سے پہلے منقطع ہو گیا تھا۔ اور اتنا وقت باقی تھا کہ غسل کر کے کم از کم چار شوط طواف کے کر سکتی تھی مگر آخر یوم نحر میں اس نے طواف نہیں کیا بلکہ بعد میں کیا ہے تو ایسی صورت میں ایک دم تاخیر طواف کی وجہ سے بھی واجب ہوگا۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان
۲۱ / ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

طوافِ صدر کر کے گئے، پھر دوبارہ مکہ مکرمہ آئے تو طواف کا حکم

۱۔ اگر مدینہ جا کر واپس آنے کا ارادہ ہو تو طوافِ صدر کر کے جائے یا آکر کرے؟
۲۔ اگر کر کے جائے اور پھر مکہ آجائے تو پھر نفل طواف کرے یا نہ کرے؟

۴۔ کیا متمتع قارن مفرد معتمر میں سے ہر شخص پہلے طواف تحیہ کر سکتا ہے ؟

الجواب طواف وداع کرکے مدینہ طیبہ جائے، واپسی پر جب دوبارہ مکہ سے روانہ ہونے لگے تو مستحب یہ ہے کہ پھر طواف کرے، لیکن واجب ادا ہو چکا ہے۔

۴۔ طواف تحیہ اس کے لئے ہے جو محرم نہ ہو اور جو محرم ہو اس کا طواف واجب ہی طوافِ تحیہ ہے۔

واذا دخل مكة بدأ بالمسجد ..... ثم ابتدأ بالطواف اهـ (تنویر) (قوله ثم ابتدأ بالطواف) فان كان حلالاً فطواف التحية أو محرماً بالحج فطواف القدوم الى ان قال او بالعمرة فطوافها ولا طواف قدوم لها اهـ (شامی ص ۱۷۹ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ،

۱۴-۷-۱۳۹۶ھ

تمتع یا قران فرض ہو یا نفل دم شکر ادا کرنا ضروری ہے

ہم سعودی عرب میں جو لوگ رہتے ہیں کیا ان کے لئے حج پر قربانی دینا واجب ہے کیونکہ پہلے حج پر تو قربانی دی جاتی ہے پہلا حج فرض ہوتا ہے اس کے بعد جو لوگ حج کرتے ہیں وہ تو نفل حج ہونگے تو جو دوسرا یا تیسرا حج ہوگا اس پر قربانی نہ بھی دی جائے تو کیا حج جائز ہے۔ اور یہاں پر رہنے والوں کے لئے حج کے بعد الوداعی طواف بھی کرکے آنا ضروری ہوتا ہے یا بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔

۲۔ جب ہم حج و عمرہ کی نیت سے احرام باندھتے ہیں ہم لوگ جدہ میں رہتے ہیں ہم مکہ مکرمہ جاتے

ہیں عمرہ کرنے کے لئے احرام یہاں سے ہی باندھ لیتے ہیں تو کیا دائیں بازو یعنی دائیں کندھے کو یہاں سے ہی ننگا کرنا چاہیئے ۔ حج عمرہ کرنے کے بعد احرام بندھا ہی رہتا ہے اور کندھا ننگا کرنے کی ضرورت اب تو نہیں ہے کیونکہ ہم نے جدہ آکر احرام کھولنا ہوتا ہے ۔

الجواب میقات سے باہر رہنے والا شخص جو آفاقی کے حکم میں ہے اشہر حج میں حج اور عمرہ دونوں ادا کرے تو اس پر شکرانہ کے طور پر ایک دم واجب ہے خواہ حج فرض ہو یا نفل دونوں صورتوں میں دمِ تمتع یا دمِ قران واجب ہے ، یہ دم قربانی کے علاوہ ہے **الحاصل** حج تمتع یا قران کرنے کی صورت میں ایک بکری ذبح کرنا واجب ہے ۔

۲۔ حالتِ احرام میں جو چادر کو کندھے کے نیچے سے گزارا جاتا ہے اسکو اضطباع کہا جاتا ہے یہ ہر ایسے طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی ہے ۔ اضطباع طواف شروع کرتے وقت کیا جائیگا اور طواف ختم ہوتے ہی اسے موقوف کر دیا جائے گا ۔

واعلم أن الاضطباع سنة فی جمیع اشواط الطواف کما صرح بہ ابن الضیاء فاذا فرغ من الطواف ترکہ (شامی ص ۱۶۷ ج ۲)

طواف سے قبل یا اس سے فراغت کے بعد سعی وغیرہ کی حالت میں اضطباع مسنون نہیں ۔

فقط ، واللہ اعلم ،

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفی عنہ	۲۶ / ۱ / ۱۴۰۹ ھ

متعدد عمروں میں صرف چند بال کاٹتے رہے تو کتنے دم ہوں گے

میں ابھی دو تین ماہ قبل عمرہ کے لئے گیا تھا ۔ مجھے بار بار عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی ہے مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ سعی کے بعد مجھے کم ازکم ایک چوتھائی سر منڈوانا چاہیئے تھا ۔ مگر چھوٹی قینچی سے ذرا سے بال ترشوا لئے ۔ اب مجھے عمرہ کی صحت کے لئے کیا کرنا چاہیئے ؟

الجواب گھر واپسی کے بعد اگر سر منڈوادیا تو بھی احرام سے نکل گیا لیکن ایک دم واجب ہے جو کسی کے ذریعے حدودِ حرم میں ذبح کرادیا جائے۔

أو حلق فی حل بحج فی أیام النحر فلو بعدها فدمان (أو عمرة اھ قوله فی أیام النحر) متعلق بحلق بقید کونه للحج ولذا قدمه علی قوله أو عمرة فیتقید حلق الحاج بالزمان أیضا وخالف فیه محمد و خالف أبو یوسف فیهما وهذا الخلاف فی التضمین بالدم لا فی التحلل فانه یحصل بالحلق فی أی زمان أو مکان فتح (شامی ص۲۵۷ ج۲)

اور سر منڈانے سے قبل اگر مجامعت کرلی یا سلے ہوئے کپڑے پہن لئے یا خوشبو لگالی، تو ان جنایات کی وجہ سے ایک دم اور واجب ہوگا۔

ووطؤہ بعد ارلبعة ذبح ولم یفسد وفی الشامیة وشمل کلامه ما اذا طاف الباقی وسعی أولاً لکن بشرط کونه قبل الحلق اھ (شامی ص۲۹۱ ج۲)

صورتِ مسئولہ میں یہ جنایات متعددہ ایک ہی جنایت متصور ہوگی۔ متعدد دم واجب نہ ہوں گے (شامیہ ص۲۸۳ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ عفرلہ	۴/۹/۱۴۰۶ھ

حج بدل میں باذن آمر تمتع بھی جائز ہے

ایک شخص جو خود بنفسہ حج سے عاجز ہے دوسرے آدمی سے حج کرانا چاہتا ہے۔ سنا ہے کہ مامور آمر کیطرف سے صرف حجِ مفرد کرسکتا ہے نہ قران نہ تمتع حکومت کی پابندیوں اور سفر کی وجہ سے مامور بھی مجبور رہوتا ہے حسبِ منشاء نہیں کرسکتا پس سوال یہ ہے کہ مامور بالحج کیا آمر کی اجازت سے تمتع یا قران کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب فقہاء کا حج بدل کرنے والے کو روکنا مبنی بر احتیاط ہے لہذا اگر بآسانی ممکن ہو تو احتیاط ضرور کیجاوے مگر اس زمانے میں حج وعمرہ کرنے میں

عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت جاسکیں اور طولِ احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں۔ ہر طرف حکومتی پابندیاں شدید ہیں۔ اس لئے اگر حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور واجبات احرام کی طویل پابندی مشکل نظر آوے تو اس کے لئے باذن آمر تمتع کر لینے کی گنجائش ہے کذا افادہ فقیہ العصر علامہ مفتی محمد شفیع قدس سرہ فی (منہج الخیر فی الحج عن الغیر ص۱۶) فقط واللہ اعلم،

محمد انور نائب مفتی خیر المدارس
۱۹/۵/۹۹ھ

الجواب صحیح،
بندہ محمد صدیق غفرلہ،

قیام مزدلفہ ترک کرنے سے دم واجب ہوگا

ہجوم کی وجہ سے عورتیں اور ضعیف مرد مزدلفہ کا قیام نہ کریں تو کچھ واجب نہیں ہوگا اب ظاہر ہے کہ عورتیں اور ضعیف مرد تنہا تو عرفات سے منیٰ نہیں جاسکتے تندرست مردوں کو بھی ان کے ساتھ جانا ہوگا لہٰذا اس صورت میں تندرست مردوں کو بھی ان کے ساتھ منیٰ آنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب تندرست لوگ اگر ترک قیام مزدلفہ کریں گے خواہ کسی وجہ سے ہو ان پر دم دینا لازم ہوگا۔ البتہ معذورین اور عورتیں بسبب مرض وضعف اور خوف ازدحام اگر وقوف مزدلفہ ترک کریں گے تو ان پر دم واجب نہیں۔ براہِ راست جانا درست نہیں۔ اجازت کی صورت یہ ہے کہ مزدلفہ میں اتریں اور مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھے مزدلفہ میں پڑھیں پھر آخر رات میں یہاں سے روانہ ہوجائیں۔

عن ابن عباسؓ قال بعثنی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسحر من جمع فی ثقل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وفیہ ان عبد اللہ بن عمرؓ کان یقدم ضعفۃ اھلہ فیقفون عند المشعر الحرام بالمزدلفۃ باللیل۔ الخ ثم یدفعون قبل ان یقف الامام وقبل ان یدفع فمنھم من یقدم منیً لصلوٰۃ الفجر ص۴۱۸ مسلم ج ۱۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، عبد الستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

نوافل اور تلبیہ کے بعد بھی سر ڈھانپے رکھا تو صدقہ لازم ہے

ایک شخص نے احرام باندھنے کے لئے دو رکعت نماز پڑھی بھولے سے ٹوپی پہنے پہنے احرام کی نیت کر لی اور تلبیہ کہہ دیا اور احرام کی چادریں پہلے سے باندھ لی تھیں ایک منٹ ٹوپی پہنی ہو گی یا اس سے کم وقت یاد آتے ہی اُتار دی پھر دوبارہ نیت کی اور تلبیہ کہا احرام قران کا تھا صدقہ یا فدیہ کس مقدار میں ادا کرے؟

۲۔ قران کے احرام کی حالت میں عمرہ سے قبل اور بعد چند بار وضو کرتے ہوئے کپڑے سے چہرہ پونچھا کئی بار اطمینان سے رومال سے ناک صاف کیا یہ سب اس حالت میں ہوا کہ اس طرف خیال نہ گیا کہ چہرہ پوچھنے کی وجہ سے احرام کے خلاف ہو گا۔ اس کا تدارک کیا ہو گا ——؟

الجواب ایک صاع گندم صدقہ کرے کما فی الدر المختار و دوام اللبس بعد ما احرم وھو لابسہ کانشائہ بعد ۱ھ (درمختار)

ای وجوب الدم ان دام یوما ولیلۃ (شامی ص ۲۷۹ ج ۲) اور بعد الاحرام سر ڈھانپنے میں تھوڑی دیر کے لئے نصف صاع تصدق لازم ہے پس دوام لبس کا بھی یہی حکم ہو گا چونکہ احرام قرآن کا ہے لہٰذا یہ صدقہ مضعف ہو گا۔ کما فی الدر ایضا وکل ما علی المفرد بہ دم بسبب جنایتہ علی احرامہ فعلی القارن دمان وکذا الحکم فی الصدقۃ فتثنی ایضاً لجنایتہ علی احرامیہ (ص ۲۰۷ شامی) ہر بال کے بدلے میں تقریباً دو مٹھی بھر صدقہ کرے ان نتف من رأسہ او أنفہ او لحیتہ شعرات فلکل شعرۃ کف من طعام وفی خزانۃ الاکمل فی خصلۃ نصف صاع (شامی ص ۲۸۷ ج ۲)

جنایات میں خطاء اور عمد برابر ہے۔ قران کی وجہ سے واجب دوگنا ہو گا ۲۔ چہرہ پونچھنے میں چونکہ کپڑے سے چہرہ چھپ گیا ہے لہٰذا یہ بھی جنایات موجب صدقہ ہوں گی احتیاطاً نصف صاع ایک مرتبہ کے لئے صدقہ کرے صریح جزئیہ اس کے بارے میں نہیں مل سکا۔ ذیل کے جزئیہ سے کچھ مفہوم یہ ہوتا ہے۔ ولا بأس بتغطیۃ اذنیہ وقفاہ ووضع یدیہ علی انفہ بلا ثوب (قولہ بلا ثوب) کذا فی الفتح والبحر والظاھر أنہ لو کان الوضع

بالثوب ففيه الكراهة التحريمية فقط لان الانف لا يبلغ ربع الوجه أفاده ط (درمختار على الشامية قديم ص۲۷۹/۲) ۔ دیگر علماء سے بھی اگر تحقیق کرلی جاوے تو مناسب ہوگی، ناک صاف کرنے میں کچھ نہیں ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
خیر محمد عفا اللہ عنہ،

تمتع حج کی سعی الگ کریگا نہ کرنے کی صورت میں دم لازم ہوگا

ایک شخص نے تمتع کا احرام باندھا اور عمرہ کرکے احرام کھول دیا پھر ایام حج میں حج کا احرام باندھا اور حج کے آخر میں فرض طواف زیارت کو اس طرح ادا کیا کہ اس میں سعی نہیں کی اس خیال سے کہ عمرہ میں سعی کی گئی تھی وہ ہی کافی ہوگی اور عمرے والے طواف کو طواف قدوم پر محمول کیا اس مسئلہ مشہورہ کی بناء پر کہ اگر طواف قدوم میں سعی کرلی جائے تو طواف زیارت بس فقط طواف کافی ہے۔ سعی ضروری نہیں ہے۔ آیا اس صورت میں اسپر دم واجب ہے یا نہیں اگر ہے تو اب کیا کرے جبکہ اب وطن واپس آچکا ہے دم جنایت حدود حرم میں دینا ضروری ہے یا یہاں بھی غرباء کو تصدق کرنے سے ادا ہوسکتا ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں ترک سعی کی وجہ سے شخص مذکور پر دم لازم ہے کیونکہ متمتع پر احرام بالحج باندھنے کے بعد ایک سعی ضروری ہے خواہ وہ سعی طواف زیارۃ میں ادا کی جائے یا طواف تطوع میں اور جبکہ صورت مسئولہ میں شخص مذکور نے احرام بالحج باندھنے کے بعد سعی نہیں کی ہے اس وجہ سے اس پر دم لازم ہے۔ کما فی الهداية ص۲۴۱ ج۱۔ وفعل مايفعل الحاج المفرد لانه مؤدٍ للحج الا انه يرمل فى طواف الزيارة ويسعى بعده لان هذا اول طواف فى الحج بخلاف المفرد لانه قد سعى مرة (وفى الشامية ص۲۶۹/۲ على قول الدرو يحج كالمفرد لكنه يرمل فى طواف الزيارة ويسعى بعده ان لم يكن قدمهما بعد الاحرام اى عقب طواف تطوع بعد الاحرام بالحج ۔ اور اس دم

کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ کے مہتمم کو اطلاع دیدیں کہ اس شخص پر دم ہے قربانی کر دیں اور قیمت ان کو بھیج دیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

بندہ محمد اسحٰق غفرلہ
۹ / ۲ / ۸۷ھ

مکہ میں پانچ دن قیام کے بعد منیٰ عرفات جانا ہو تو نیتِ اقامت درست نہیں،

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ میں انشاء اللہ اس دفعہ حج پر جا رہا ہوں۔ اور حج سے چند یوم قبل یعنی پانچ روز قبل مکہ مکرمہ پہنچوں گا اور پھر وہاں سے منیٰ عرفات اور مزدلفہ جانا ہوگا اور منیٰ واپسی پر طوافِ زیارت کے لئے مکہ مکرمہ جانا ہوگا جبکہ حج کے بعد مکہ مکرمہ میں پندرہ روز سے زائد قیام کرنا ہے تو یہاں سے سفر کے آغاز سے کب تک مجھے نماز قصر ادا کرنا ہوگی۔

۲۔ کیا اب منیٰ مکہ مکرمہ کے شہر کا حصہ بن چکا ہے تو ایسی صورت میں مزدلفہ سے منیٰ واپسی پر مجھے نماز پوری پڑھنا ہوگی؟ کیونکہ میرا مکہ مکرمہ کا قیام پندرہ روز سے زائد کا ہے۔

الجواب عرفات کے بارے میں زیادہ بحث کی حاجت نہیں ہے کیونکہ حجاج وہاں رات نہیں گزارتے اور دن میں کہیں چلے جانا یہ نیت اقامت پر اثر انداز نہیں البتہ مزدلفہ میں رات گزارنا یہ مکہ میں نیت اقامت کے لئے مبطل ہوگا۔ کیونکہ مزدلفہ نہ مکہ میں داخل ہے نہ ہی فناء مکہ میں داخل ہونے کی کوئی دلیل سوال میں مذکور ہے نیز مزدلفہ منیٰ کے ساتھ متصل نہیں بلکہ منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان وادی محسّر حائل ہے۔ درمختار میں ہے المزدلفة كلها موقف الا وادی محسر هو واد بين منى و مزدلفة۔ بالفرض متصل بھی ہو تو بھی پورے مزدلفہ کو جو تقریباً دو میل تک پھیلا ہوا ہے منیٰ کے تابع قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا مثلاً کسی شہر کے متصل دس میل کا طویل عریض میدان ہے تو اس پورے میدان کو شہری فناء تصور کرنا کیونکر درست

ہوگا؟ جب مزدلفہ نہیں تو عرفات بطریق اولیٰ فناء مکہ میں داخل نہ ہوگا جب کہ منیٰ اور عرفات کے درمیان تقریباً چھ میل کا فاصلہ ہے۔ فوجی انتظامی لحاظ سے حفاظتی چوکیوں کا عرفات سے آگے واقع ہونا یہ کچھ مفید نہیں کیونکہ شاید ایسی چوکیاں پورے راستے پر بنائی جاتی ہیں، جیسے طریقِ مکہ اور مدینہ پر چوکیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ منیٰ و مکہ یہ دونوں تو حسبِ تصریح فقہاء بلاشبہ دو مستقل مواضع ہیں ان میں سے ہر ایک کی مستقل حدبندی موجود ہے کہ یہ ابتدا منیٰ ہے مناسک حج کے اعتبار سے بھی یہ دونوں مواضع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شہر ہی تصوّر کئے جائیں گے جو احکام منیٰ سے متعلق ہیں۔ وہ اسی قطعہ میں ادا کئے جائیں گے مکہ میں ان کی ادائیگی متصوّر نہ ہوگی اور اسیطرح اس کے برعکس، علاوہ ازیں ایک شخص جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر منیٰ کی حدود میں داخل ہوا تو اس پر صادق آئے گا کہ وہ مکہ سے نکل گیا ہے اور یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ منیٰ میں ہے مکہ میں نہیں ہے ایک شہر کے مختلف محلّوں کے بارے میں ایسی نفی صحیح نہیں ہے یوں کہنا درست نہیں: ناظم آباد میں ہے کراچی میں نہیں ان وجوہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے جن دو مواضع کو مستقل قرار دیا ہے اور ان سے متعلق شرعی احکام بھی الگ الگ ہیں اور انکی واضح طور پر قطعی حدبندی موجود ہے تو انھیں سفر کے بارے میں دو الگ مواضع شمار کیا جائے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور حج سے قبل مقیم نہ ہوگا جیسا کہ تمام فقہاء نے اسکی تصریح کی ہے۔

ان الحاج اذا دخل مكة فى ايام العشر ونوى الاقامة نصف شهر لا يصح لانه لا بد له من الخروج الى عرفات فلا يتحقق الشرط (بحر ص۱۴۳ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مقدارِ شرعی سے کم قصر کرے تو دم واجب ہوگا یا نہیں

عمرہ کے بعد آیا سر کے بالوں کا ایک انگلی کے برابر کتروانا ضروری ہے؟ اور

چاروں کونوں سے ضروری ہے یا فقط ایک کونے کے بالوں کا قصر ہی کافی ہے۔ ایک صاحب بضد ہیں کہ صرف ایک طرف سے قینچی کے ذریعہ بال کٹوانے کی صورت میں دم لازم آتا ہے۔ چاروں کونوں سے بال کٹوانا ضروری ہے۔

المستفتی

قاری محمد طاہر مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب ربع رأس کا حلق یا قصر ضروری ہے۔ اگر اس سے پہلے محظورات کا ارتکاب کرے گا تو دم لازم ہوگا۔ لیکن مذکورہ قصر سے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

واذا لم يبق على المحرم غير التقصير فبدأ بقص أظفاره فعليه كفارة وذلك لان احرامه باق ما لم يحلق أو يقصر ففعله يكون جناية على الاحرام الى قوله ومما يؤيده ان هذا الاختلاف فى الحاج لان المعتمر لا يحل له قبل الحلق شئ مما مر اتفاقا على ما ذكره المصنف الى قوله واذا حلق أى المحرم رأسه أى رأس نفسه أو رأس غيره أى ولو كان محرما عند جواز التحلل أى الخروج من الاحرام باداء افعال النسك لم يلزمه شئ الاولى لم يلزمهما شئ وهذا حكم يعم كل محرم فى كل وقت اهـ المسلك المتقسط ص ۱۱۸

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جب اس وقت میں قصر کل جنایت نہیں تو قصر بعض کیوں موجب دم ہوگا۔ کما یفہم من قول الفتح ولذا ان ما یکون محللا یکون جنایۃ فی غیر اوانہ کالحلق۔

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۱/۳/۹۷ھ

زنا کی وجہ سے محرم بننے والے کے ساتھ سفرِ حج کا حکم

ایک شخص ناصر کسی عیسائی عورت خالدہ سے زنا کا مرتکب ہوتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد اس عورت کی بیٹی حمیدہ سے نکاح کر لیتا ہے۔ نکاح کے وقت وہ اس بات سے لاعلم ہے کہ مزنیہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں۔ جب اس کو اس بات کا علم ہوتا ہے۔ اس وقت دو، تین بچوں کا باپ بھی بن چکا ہوتا ہے۔ اور وہ عورت مسلمان بھی ہو گئی ہے۔ تو اب احکام شرعیہ کے مطابق زندگی کیسے گزارے۔ بچوں کے نان ونفقہ کا کیا اہتمام کیا جائے۔ بیوی یا ساس سے تعلقات کی نوبت کیا ہو سکتی ہے۔ نیز کیا بیوی اور ساس یا صرف ساس کے ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی بحیثیت محرم جائز ہے یا نہیں؟

الجواب مسمات حمیدہ مسمیٰ ناصر پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے اسے فوراً علیحدہ کر دے۔ ہندیہ میں ہے۔

فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت ص۲۷۴۔

بچوں کا نان ونفقہ واجب ہے۔ حمیدہ اور خالدہ سے میل جول ترک کر دے۔ اور بطور محرم کے ان کے ساتھ سفرِ حج نہیں کر سکتا۔

اذا کان محرماً بالزنا فلا تسافر معہ عند بعضہم والیہ ذہب القدوری وبہ ناخذ اھ۔ وھو الاحوط فی الدین والابعد عن التہمۃ۔ (الشامیہ ص۱۵۸ ج ۲)

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفی عنہ	فقط واللہ اعلم بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہے

کیا ایام حج میں عمرہ کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے؟ مفتی رشید احمد لدھیانوی

نے احسن الفتاوٰی میں لکھا ہے کہ شوال وہیں شروع ہوگیا اور اس کے پاس حج کے مصارف بھی ہوں تو حج فرض ہو جائے گا الخ چنانچہ اگر کسی شخص نے پہلے حج کر رکھا ہو تو کیا اس پر بھی حج فرض ہو جائے گا۔

ایک شخص کو کاروباری مقاصد کے لئے ایام حج میں متعدد بار مکہ مکرمہ آنا پڑتا ہے۔ تو ایسے شخص پر بھی ہر مرتبہ حج لازم ہوگا؟

الجواب جس شخص نے ایک مرتبہ حج ادا کر لیا ہے تو اس کو عمرہ ادا کرتے وقت اگر شوال شروع ہوگیا تو اس پر دوبارہ حج فرض نہیں ہوتا۔ کیونکہ حج کی فرضیت عمر میں صرف ایک مرتبہ ہی ہے۔ عالمگیری ص ۲۱۶ ج ۱ میں ہے۔

فالحج فريضة محكمة ثبتت فرضيتها بدلائل مقطوعة حتى يكفر جاحدها وان لايجب فى العمر الا مرة كذا فى محيط السرخسى۔

لیکن کاروبار کی صورت میں ایام حج میں جانے سے اس پر حج کرنا فرض نہیں ہوگا۔ البتہ میقات سے بدون احرام گزرنا ممنوع ہے۔ پس اگر کوئی آفاقی شخص مکہ مکرمہ میں جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو احرام باندھ کر عمرہ کر کے احرام کھول لے۔ اور پھر کاروبار میں مشغول ہو۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفی عنہ	بندہ محمد اسحاق غفرلہ
	۲۶ - ۱۲ - ۱۴۰۹ھ

کتاب النکاح

قال اللہ تعالیٰ

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ
مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (سورۃ النساء)

عن عائشۃ رضی قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :
انَّ أعظمَ النِّکاحِ برکۃً أیسرہ مؤنۃً
(مشکوۃ ص ۲۶۸ ج ۲)

مرتبہ : مفتی محمد انور

خطبہ ایجاب وقبول سے پہلے ہو

خطبۂ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے ہو یا بعد میں ؟

الجواب پہلے ہونا چاہیئے ۔ ویندب اعلانہٗ وتقدیم خطبۃ اھ (الدر المختار علی الشامیۃ ص۲۶۱ ج۲) فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

محمد انور عفا اللہ عنہٗ
۱۴۰۱/۵/۱۴ھ

پانچ سالہ بچے کا ایجاب وقبول معتبر نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع مبین اس صورت میں کہ لڑکا نابالغ تقریبا پانچ سال کا اس سے کسی غلطی کے ماتحت ایجاب وقبول کرایا گیا ہے ۔ لڑکا بالکل معصوم بچہ ہے ، کا نکاح صحیح ہے یا نہ ——— ؟ ویسے اس مجلس میں والد بھی موجود تھا ۔ عام لوگوں کو خبر نہیں ۔ آیا نکاح ہوگیا ہے ۔ والد نے یا مولوی صاحب نے ایجاب وقبول نہیں کیا صرف بچے سے کرایا گیا تھا ۔ بینوا وتوجروا (سائل خدا بخش جلالپور پیروالہ تحصیل شجاعباد ملتان)

الجواب اگر والد یا مولوی صاحب نے وکالۃً ایجاب وقبول نہیں کیا صرف بچے سے قبول کرایا گیا تھا تو شرعاً یہ نکاح منعقد نہیں ہوا ۔

اما شروطہ فمنہا العقل والبلوغ والحریۃ فی العاقد الا أن الاول شرط الانعقاد فلا ینعقد نکاح المجنون والصبی الذی لا یعقل ۔ (عالمگیریہ ص۲۶۷ ج۱) ۔ لڑکی شرعاً آزاد ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۴۱۱/۷/۲۳ھ

ایجاب وقبول تین دفعہ کرایا جائے یا ایک دفعہ کافی ہے ۔

بوقت نکاح ایجاب سے متعلق سوال کے جواب میں دلہن اپنی رضامندی کا اظہار

کرتے ہوئے جہری آواز سے اجازت دے دیتی ہے اور نکاح نامہ کے چار پرتوں پر دستخط بھی کر دیتی ہے اور پھر ایجاب و قبول بھی ایک دفعہ کرایا جاتا ہے آیا یہ نکاح جو ایک ہی ایجاب و قبول کے ہوا درست ہے یا کہ تین دفعہ ایجاب وقبول ضروری ہے ۔

الجواب نکاح ہو جاتا ہے۔ تین دفعہ مکرر ایجاب وقبول کرنے کرانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ وینعقد بایجاب من احدهما وقبول من الاخر ۔ (درمختار علی الشامیہ ص۲۸۵ ج۲) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

ایجاب وقبول کے وقت لڑکی کا نام نہیں لیا تو نکاح کا حکم

شمیم بی بی کا نکاح ابوبکر سے ہوا لڑکے کے سامنے لڑکی کا نام نہیں لیا گیا اس لڑکی کی اور بھی سات بہنیں ہیں یوں نہیں کہا گیا کہ شمیم خورشید کا نکاح تم سے کیا البتہ بات چیت بڑی لڑکی کی چل رہی تھی۔ شادی کا جوڑا بھی اسے ہی پہنایا گیا اور سب سمجھتے تھے کہ اسی کا نکاح ہو رہا ہے۔ اب اختلاف ہو گیا ہے کہ نکاح درست نہیں ہوا ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب ایجاب وقبول سے پہلے امور مثلاً رشتہ کی بات چیت ۔ رشتہ کی تعین اس بچی کے لئے ہدایا وتحائف کا تبادلہ، اور اسے شادی کا جوڑا پہنانا وغیرہ کی وجہ سے جب تقریباً سب کے ذہنوں میں (بشمول نکاح خواں گواہاں اور خاوند) یہ متعین تھا کہ نکاح اس بچی کا ہو رہا ہے تو یہ نکاح درست ہو گیا کوئی شبہ نہ کریں ۔

لو جرت المقدمات علی معینۃ وتمیزت عند الشهود ایضاً لیصح العقد وهی واقعۃ الفتوی لان المقصود نفی الجهالة وذلك حاصل بتعینها عند العاقدین والشهود وان لم یصرح باسمها کما اذا کانت احداهما متزوجة اھ (شامیہ ص۲۹۰ ج۲)

فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بھانجے کی مطلقہ سے نکاح کرنا

ایک شخص کے بھانجے نے راضی خوشی سے طلاق دے دی تھی کیا ماموں اس کی مطلقہ سے نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب اگر دوسرا کوئی رشتہ نکاح سے مانع نہیں تو ماموں کا اپنے بھانجے کی مطلقہ عورت سے نکاح جائز ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "واحل لکم ما وراء ذلکم الآیۃ" میں داخل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ، | بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

صرف ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح کا حکم

ایک عورت اور مرد نے صرف ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح کیا باقاعدہ ایجاب و قبول کیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟ (المستفتی: محمد اسماعیل بنوی)

الجواب نکاح میں دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور دونوں کا اکھٹے ایجاب و قبول کو سننا ضروری ہے لہٰذا مذکورہ نکاح درست نہیں ہے۔

ویشترط العدد فلا ینعقد النکاح بشاھدٍ واحد ھکذا فی البدائع اھ (عالمگیری ص۲۶۷ ج۱)

ومنھا سماع الشاھدین کلامھما معاً اھ (عالمگیری ص۲۶۸ ج۱)

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

سالی کی بیٹی سے زنا کا حکم

بخدمت اقدس جناب حضرت مفتی صاحب السلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی سگی سالی کی بیٹی (خالدہ) سے زنا کیا ہو تو اس صورت میں اس شخص کا اپنی بیوی سے نکاح برقرار رہیگا یا نہیں۔؟ (ریحان احمد یمن آباد کالونی۔ ملتان)

الجواب صورت مسئولہ میں نکاح برقرار ہے۔ البتہ خالدہ کو ایک ماہواری آنے تک خاوند کا اپنی بیوی کے قریب جانا حرام ہے۔

وفی الخلاصة وطئ اخت امرأته لا تحرم علیه امرأته۔

شامیہ میں ہے:

لو زنی باحدی الاختین لا یقرب الاخری حتی تحیض الاخری حیضة (ص۲۸۱ ج۲)۔

سالی کی لڑکی حکم میں سالی کی مثل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۶ / ۵ / ۱۴۱۱ھ

صرف رجسٹر پہ انگوٹھے لگا دینے سے نکاح نہیں ہوتا !

ایک بیوہ عورت اپنے بھائی کے پاس رہتی تھی رشتہ داروں نے زبردستی اغوا کر کے نکاح کرنے کی کوشش کی مگر لڑکی نے باوجود اس کے کہ اسے ہر طرح سے زدوکوب کیا گیا اس کے کان پھاڑ دیئے گئے پھر اسے زبردستی ایجاب قبول پہ مجبور کیا گیا مگر پھر بھی یہ انکار ہی کرتی رہی انھوں نے زبردستی اس کے انگوٹھے رجسٹر پر لگوائے۔ آیا یہ نکاح ہو گیا ہے؟ سائل سے زبانی معلوم ہوا کہ تین آدمیوں نے پکڑ کر زبردستی رجسٹر پر انگوٹھا لگوایا۔

الجواب اگر یہ درست ہے کہ عورت نے نکاح کو قبول نہیں کیا اور نہ اسکی اجازت دی تو نکاح نہیں ہوا صرف انگوٹھا لگانا نکاح نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بیوی کے فوت ہوتے ہی سالی سے نکاح کر سکتا ہے

زید کی بیوی فوت ہو گئی،

زید کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کیا وہ اپنی سالی سے فوراً نکاح کر سکتا ہے۔ یا کچھ انتظار کرنا ہوگا؟

الجواب خاوند کے ذمہ عدت نہیں ہوتی وہ فوراً سالی سے نکاح کر سکتا ہے۔
ماتت امرأته له التزوج باختها بعد يوم من موتها۔
(شامی ص۳۰۸ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

محض رجسٹر میں اندراج سے نکاح نہیں ہوتا تاوقتیکہ ایجاب و قبول نہ ہو

زید کی بیٹی معتدہ تھی وہ بکر کو رشتہ دینا چاہتا ہے بوجہ عدت کے ایجاب و قبول نہیں کیا گیا اور نہ رخصتی کی گئی صرف رجسٹر میں اندراج کر دیا گیا تو کیا صرف اندراج سے نکاح ہو جاتا ہے؟

الجواب نکاح گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کا نام ہے صرف رجسٹر پر اندراج نکاح نہیں مذکورہ عورت بدستور غیر منکوحہ ہے اور دورانِ عدت ایسا کرنا مناسب بھی نہیں۔
فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد بحر اھ (شامیہ ص۲۸۸ ج۲)
فقط واللہ اعلم،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

گونگے کا نکاح اشارے سے

محمد نواز ولد مانک قوم سہو گونگا اور بہرہ ہے مسماۃ قائم خاتون کے ساتھ اس کا نکاح ہوا محمد نواز نے اشارے کے ساتھ نکاح کیا کیا یہ نکاح درست ہوگیا اور لازم ہے؟

الجواب اگر محمد نواز لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تو اس کا اشارے سے نکاح قبول کرنا درست ہے وہ نکاح منعقد ہو چکا ہے اور لازم ہے۔

فان کان الاخرس لا یکتب وکان له اشارة تعرف فی طلاقه ونکاحه وشرائه وبیعه فهو جائز اهـ (شامی ص۴۶۱ ج۲ کتاب الطلاق)

فقط واللہ اعلم،
محمد انور

بیٹے کی منکوحہ باپ کے نکاح میں نہیں آسکتی

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین کہ ایک لڑکا پاگل ہوگیا ہے اس کے نکاح میں ایک لڑکی ہے انکی خلوت صحیحہ ثابت نہیں ہوئی۔ کیا یہ نکاح فسخ کرانے کے بعد یہ لڑکی اس کے والد کے نکاح میں آسکتی ہے؟ واضح ہو کہ پاگل اپنے والد کو بھی اینٹیں مارتا ہے؟

الجواب مذکورہ عورت عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ جس کا طریقہ عند الضرورۃ دریافت کرلیں۔

(۲) عدالت سے فسخ کرانے کے بعد مذکورہ عورت اپنے خاوند کے والد کے عقد میں نہیں ہو سکتی وزوجة أصله وفرعه مطلقا ولو بعیدا دخل بها أولا اهـ
(درمختار علی الشامیة ص۳۰۲ ج۲)

وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم ۔ الآیة والحلیلة الزوجة
(رد المحتار ص۲ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

میاں بیوی ساتھ ساتھ مسلمان ہوں تو تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں

ایک عورت کا خاوند جو کہ ایک ماہ پہلے دوسرے ملک میں مسلمان ہوچکا ہے اور اس

کے کہنے پر اسکی بیوی نے اسلام قبول کر لیا ہے انکار بھی نہیں کیا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان کا پہلا نکاح ہی درست ہے یا عقدِ ثانی کرنا پڑے گا۔؟

الجواب پہلا نکاح بدستور باقی ہے عقد ثانی کی ضرورت نہیں۔ ولو اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم والا فرق بینھما اھ (عالمگیری ص۳۲۸ ج۱)۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | فقط واللہ اعلم، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مجنونہ کے نکاح کا حکم

مجنونہ کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب مجنونہ کا نکاح باپ کی ولایت سے ہو سکتا ہے۔ وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ جبرا ولو ثیبا کمعتوہ ومجنون شھرا (الدر المختار ص۱۹۲ ج۱ شامیۃ ص۲۱۷ ج۲)

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۶ / ۶ / ۱۴۰۱ھ | فقط واللہ تعالیٰ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

قریبی رشتہ دار با اخلاق نہ ہوں تو انہیں رشتہ نہ دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین دریں مسئلہ کہ زید کے قریبی رشتہ دار ابناء عم اور ابناء خال دیندار اور با اخلاق نہیں ہیں اور نہ ضروریات دین سے واقف ہیں کیا زید اگر انکو نظر انداز کر کے اپنی لڑکی کا رشتہ اہل علم میں کر دے تو قطع رحمی تو نہ ہوگی۔؟

الجواب ان سے تعلقات رکھیں۔ خوشی وغمی میں ساتھ ساتھ رہیں ہر موقعہ پر خیر خواہی کریں۔ مذکورہ عذر کے ہوتے ہوئے رشتہ دینا ضروری نہیں۔ مصلحتِ دینی کو مقدم

رکھیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ،
۸/ ۱۱/ ۱۴۰۷ھ

جادوگر سے نکاح کا حکم

ایک شخص کے بارے میں معروف ہے کہ وہ جادوگر ہے کیا مسلمان عورت کا نکاح اس شخص سے ہوسکتا ہے؟

الجواب جادو کی مختلف اقسام ہیں، جس جادو میں کسی کفر کا ارتکاب کیا گیا ہو۔ مثلاً ستاروں کے متصرف بالذات ہونے کا اعتقاد رکھنا یا قرآن حکیم کی توہین کرنا یا کوئی کلمۂ کفر کہنا ایسا جادوگر کافر ہے اور اس کا حکم کفار جیسا ہے، مسلمان عورت کا اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا۔ فهذه انواع السحر الثلاثة قد تقع بما هو كفر من لفظ أو اعتقاد او فعل وقد تقع بغيره كوضع الاحجار وللسحرة فصول كثيرة في كتبهم فليس كل ما يسمى سحراً كفراً اذ ليس التكفير به لما يترتب عليه من الضرر بل لما يقع به مما هو كفر كاعتقاد انفراد الكواكب بالربوبية أو اهانة قرآن أو كلام مكفر ونحو ذلك اھ۔

(شامی ص۳۱ ج۱ مطبوعہ بیروت)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۴/ ۱۱/ ۱۴۰۷ھ

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

تفضیلی شیعہ کے ساتھ نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کہ تفضیلی شیعہ مرد کا نکاح اہل سنت والجماعت کی عورت کے ساتھ یا برعکس جائز ہے یا نہیں؟

تفضیلی شیعہ اُسے کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات خلفاء ثلاثہ

رضی اللہ عنہم پر صرف فضیلت دے بس ۔ حضراتِ خلفاء ثلاثہ کا پورا احترام کرتا ہو اور انکو خلیفہ برحق تسلیم کرتا ہو ۔ غاصب اور منافق وغیرہ خیال نہ کرتا ہو ۔ اور ان حضرات خلفاء ثلاثہ اور دیگر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی صحابی کی ذرہ بھر توہین یا تنقیص شان کو حرام سمجھتا ہو ۔ ایسے تفضیلی شیعہ کے ساتھ مناکحت فیما بین المسلمین جائز ہے ۔ لیکن چونکہ پاکستان میں عام طور پر ایسے شیعہ موجود نہیں ہیں ۔ عموماً غالی اور سبّی اور بدعقیدہ لوگ ہیں اور اس کے ساتھ تقیہ بھی کرتے ہیں ۔ لہذا موجودہ دور کے شیعوں کے ساتھ عقدِ مناکحت (نکاح لینا اور رشتہ دینا) دونوں ناجائز ہیں ۔ جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ۔ حتی الامکان اس سے احتراز کرنا لازم ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

وان كان يفضل عليا كرم الله تعالى وجهه على أبي بكر رضي الله تعالى عنه لا يكون كافرا إلا أنه مبتدع اهـ (عالمگیری ص ۲۸۳ ج ۲ باب احکام المرتدین) فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ غفر اللہ لہٗ

مفقود کی بیوی فسخ کے بعد دوسری جگہ نکاح کرلے اور پھر پہلا خاوند آجائے تو وہ کس کو ملے گی

ایک شخص تقریباً چار پانچ سال سے لاپتہ ہے دو بچے تھے جس وقت گھر والے ناامید ہو گئے تو گھر والوں نے حکومت میں دعویٰ دائر کیا ۔ اور طلاق حاصل کرلی حکومت نے نکاح فسخ کر دیا ' دوسرے شخص سے نکاح کر دیا اس سے دو بچے پیدا ہو گئے ہیں ۔ اب خاوند کا پتہ چل گیا تقریباً آٹھ نو سال کے بعد خاوند یہ کہتا ہے کہ جب میں نے طلاق نہیں دی میری اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کیوں کیا ؟ حکومت کی طلاق کو میں نہیں مانتا ۔ اب حکومت کی تنسیخ معتبر ہے یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں برتقدیر صحتِ واقعہ یہ عورت پہلے خاوند کو ملے گی لہذا دوسرے خاوند پر لازم ہے کہ فوراً یہ عورت پہلے خاوند کے سپرد کر دے لیکن شوہرِ اول کو عورت کے پاس جانا عدت گزرنے سے پہلے جائز نہیں اور عدت اس کی

تین حیض ہیں کمافی الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۷-۴۷ یہ حکم اسوقت ہے کہ حاکم نے اسے مفقود تصور کر کے اسکی بیوی کو مزید چار سال تک انتظار کا حکم کر دیا ہوا اور انتظار کے بعد اس کا نکاح فسخ کیا ہو۔

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ

منکوحہ مرتدہ کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی

کیا فرماتے ہیں علمار کرام ایک عورت مسلمہ نے ایک مرد مسلم کے ساتھ نکاح کیا کچھ مدت کے بعد خاوند اس عورت کا بقضائے الٰہی مرگیا. عدت گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح ہوا ۔ ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ ایک مسلم مرد نے اس عورت کو اغوا کر لیا اس کو مرتدہ بناکر پھر مسلمان کرکے اس کے ساتھ اپنا نکاح کیا ۔مرتدہ اس لئے بنایا تاکہ خاوند سے طلاق لینے کی ضرورت نہ پڑے ۔ایا نکاح اوّل باقی ہے یا نہیں اگر نکاح اوّل باقی ہے تو مرتد بنانے والے کی کیا سزا ہے ؟

الجواب فقہار متاخرین کے فتوے کی رُو سے عورت کے مُرتد ہوجانے سے اس کا پہلا نکاح نہیں ٹوٹتا بلکہ باقی رہتا ہے جیساکہ حیلۂ ناجزہ کے ملحقہ رسالہ میں موجود ہے. صورتِ مسئولہ میں عورت مذکورہ کا پہلا نکاح باقی ہے نکاح ثانی بعد الارتداد جائز نہیں ۔بلکہ نکاح علی النکاح ہے .لہٰذا خاوند ثانی سے علیحدگی و تفریق واجب ہے ،مرتد بنانے والے کو فہمائش کرکے توبہ واستغفار اور عورت کے علیحدہ کرنے پر مجبور کیا جائے ۔اگر باز نہ آئے تو اس سے قطع تعلق کیا جائے اور برادری کے لوگ اگر ڈرانے دھمکانے کی قدرت رکھتے ہوں اور کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اُسے کچھ دھمکانا بھی چاہیئے ۔فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۴/ ۵/ ۱۳۸۳

الجواب صحیح ، بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

بریلویوں سے نکاح کا حکم

وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاضر ناظر باذن الٰہی جانتے ہیں اور علم غیب عطائی کے قائل

ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نُور وبشر دونوں مانتے ہوں اور تصرّف اولیاء باذن الٰہی کے قائل ہوں اور استمداد اولیاء باذن الٰہی کے بھی قائل ہوں اور کفریہ عبارات بزعم جہلا جو علماء دیوبند کی کتابوں میں موجود ہیں ان کے لکھنے والوں کی تکفیر کرتے ہوں ایسے عقائد رکھنے والوں کی لڑکی یا لڑکے کا رشتہ لینا جائز ہے ؟

الجواب ایسے لوگوں سے ازدواجی روابط پیدا نہ کئے جائیں ۔
فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۲۶ / ۶ / ۱۴۰۶ھ

بیوی خاوند کو پیشاب پلادے تو نکاح کا حکم

اگر ایک عورت اپنے خاوند کو اپنے تابع کرنے کے لئے اپنا پیشاب پلائے اور تعویذ پلائے تو کیا ایسا فعل کرنیوالی عورت کا نکاح رہے گا یا نہیں اور اس پر شرعی حد کیا ہوگی کیا وہ عورت مسلمان رہے گی یا کافر ہوجائے گی ؟

الجواب صورت مسئولہ میں پیشاب پلانے سے نکاح تو نہیں ٹوٹا البتہ بہت بڑا گناہ کیا ہے توبہ واستغفار بہت ضروری ہے ، تعویذ بھی ایسا کرنا جس سے دوسرا بے اختیار تعویذ کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوجائے ناجائز ہے ہاں جائز محبت وتعلق کی حد تک بیوی خاوند کے لئے ایسا کرسکتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ،

جماعت اسلامی والوں کو رشتہ دینا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا حقیقی بھائی جماعت اسلامی کے خیال کا ہے اور بندہ کا مسلک دیوبندی ہے ہم آپس میں اپنے بچوں کے رشتے کرسکتے ہیں بھائی اور اس کے بچے نماز روزہ کے پابند ہیں ۔

الجواب اس بات کا ضرور انتظام کر لیں کہ جماعت اسلامی کے قابلِ اعتراض نظریات کے اثرات آپ کی اولاد تک نہ پہنچیں۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

۱۷ / ۱۰ / ۱۴۰۷ھ

صرف پانی پلانے سے نکاح نہیں ہوتا ہے

زید اور ہندہ کو چھوٹی عمر میں انکے والدین نے اپنے رسم ورواج کے مطابق پانی پلایا تھا، ان دونوں کے والدین نے ایجاب وقبول نہیں کیا تھا۔ اب اس لڑکی اور لڑکے کا نکاح سمجھا جائے گا یا نہیں، اب یہ لڑکی وہاں نکاح کرنے سے انکار کر چکی ہے؟

الجواب اگر واقعۃً صرف پانی پلایا گیا تھا، ایجاب وقبول نہیں ہوا تو صورتِ مسئولہ میں ہندہ آزاد ہے۔

نکاح کے انعقاد کے لئے ایجاب وقبول شرط ہے، تنویر الابصار میں ہے۔ وینعقد بایجاب وقبول وضعا للمضی الخ (شامی ص۲۶۳ ج۲) فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

حلالہ کے لئے دوسرے خاوند کا ہمبستری کرنا شرط ہے

کیا نکاح کے بعد دوسرے خاوند کا بیوی کے پاس جانا ضروری ہوتا ہے؟ اگر دوسرے خاوند سے ہمبستری نہ کی ہو تو پہلا خاوند نکاح کر سکتا ہے؟

الجواب دوسرے خاوند کا ہمبستری کرنا شرط ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں پہلا خاوند اس عورت سے نکاح جدید نہیں کر سکتا۔

أن عائشةؓ اخبرته ان امرأة رفاعةؓ القرظی جاءت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یارسول اللہ ان رفاعةؓ طلقنی فبت

طلاقی وانی نکحت بعدہٗ عبدالرحمٰنؓ بن الزبیر القرظی وانما معہٗ مثل الھدبۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلک تریدین أن ترجعی الی رفاعۃؓ لا حتیٰ یذوق عسیلتک وتذوقی عسیلتہؓ (الحدیث بخاری ص۷۹۱ ج۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۳/ ۱۰/ ۱۴۱۵ھ

کم از کم مدتِ بلوغ بارہ۱۲ سال ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکا اسکی پیدائش ۷۸/ ۹/ ۱۲ میں ہوئی اور کوئی علامت بلوغ نہیں ہے تو اس لڑکے کی طرف سے اس کا والد اگر اس کا نکاح کرنا چاہے تو ایجاب وقبول والد کا کافی ہے یا مذکور لڑکے سے ایجاب وقبول کرانا ضروری ہے۔ جبکہ اس لڑکے کا نکاح اسی ماہ میں ہوا ہے۔ (سائل اللہ بخش ملتانی)

الجواب مذکورہ لڑکا شرعاً نابالغ ہے اس کے والد کا اس کی طرف سے قبول کرنا درست ہے بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال الی قولہ وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین ھو المختار کما فی أحکام الصغار اھ (درمختار علی الشامیۃ ص۹۷ ج۵)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

محمد انور عفا اللہ عنہٗ
۱۶ رصفر ۱۴۱۰ھ

جبراً ایجاب وقبول کرایا جائے تو نکاح کا حکم

لڑکی نے پہلے تو کہا کہ میرے والد صاحب جیسے کریں گے میں بھی ویسے کرونگی۔ جب انہوں نے مجبور کیا تو لڑکی نے مجبوراً رضامندگی کا اظہار کیا چونکہ دادی اور دادے نے لڑکی کو خوب ڈرایا دھمکایا تھا۔

نوٹ ۔ لڑکی کے والد اور دادا کی آپس میں لڑائی ہے ۔ دادے نے ضد کی وجہ سے لڑکی کا نکاح کر دیا ۔ لڑکی کے نکاح کے وقت دادا نے لڑکی کے والد کو بلوایا لیکن لڑکی کا والد وہاں نہیں گیا ۔

الجواب اگر لڑکی نے خود ایجاب وقبول کیا ہے خواہ جبر سے ہو اس صورت میں نکاح منعقد ہو چکا ہے ۔ اَنّ نکاح المکرہ صحیح ۔ الی قولہ ولفظ المکرہ شامل للرجل والمرأۃ (ص۲۴ ج۲ شامیہ) بیروت ۔

اور اگر پیشگی اجازت یا توکیل تھی خواہ مجبوری سے ہو تو بھی نکاح ہو چکا ہے (شامیہ ص۲۱ ج۲)

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۱۵ / ۶ / ۱۴۱۵ھ

ماموں اور بھانجا اپنی اولاد کا باہم نکاح کر سکتے ہیں

ماموں یعنی زید اور بھانجا یعنی بکر کی اولاد جوان ہے کیا مذہبی لحاظ سے وہ "ماما" بھانجا اپنے بچّوں کا نکاح آپس میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب زید اور بکر کی اولاد کا باہمی نکاح جائز ہے ۔
قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذلکم الآیۃ

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ،

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۳ / ۷ / ۹۹ھ

مروجہ وٹے سٹے کا نکاح جائز ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام کہ ایک شخص دُوسرے شخص سے رِشتہ کرتے وقت یہ شرط عائد کرتا ہے کہ اگر آپ مجھے اپنی لڑکی کا رِشتہ دیں تو میں آپکو وٹہ میں اپنی لڑکی کا رِشتہ دوں گا ورنہ نہیں ۔ برتقدیر صحت سوال یہ رِشتہ خالص وٹہ کا رشتہ

قرار پایا۔ مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی میں درپیش مسئلہ کے متعلق شرعی حکم صادر فرمائیں۔

الجواب اگر دونوں لڑکیوں کا مہر علیحدہ علیحدہ ہو تو ایسا نکاح بالاتفاق صحیح ہے شرعاً اسکی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

قال زوجتك بنتي على أن تزوجني بنتك فقبل أو على ان يكون بضع بنتي صداقاً لبنتك فلم يقبل الاٰخر بل زوجه بنته ولم يجعلها صداقاً لم يكن شغاراً بل نكاحاً صحيحاً اتفاقاً اھ (شامیہ ص۳۶۱ ج۲) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۶ / ۳ / ۱۴۰۲ھ

سوتیلی ساس سے نکاح درست ہے

ہندہ زید کی بیوی کی سوتیلی والدہ ہے نیز پہلے خاوند کی وفات کے بعد دوسری جگہ نکاح بھی کر چکی ہے اب زید ہندہ کو بھگا کر لے گیا ہے اور نکاح کرنا چاہتا ہے کیا زید اس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں جبکہ زید کی بیوی بھی زندہ ہے۔ فقط (المستفتی بشیر احمد)

الجواب صورتِ مسئولہ میں زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ درست نہیں کیونکہ اس ہندہ کا دوسرے شخص سے پہلے بھی نکاح ہے اور نکاح پر نکاح حرام ہے، اگر یہ مانع نہ ہوتا تو ویسے سوتیلی ساس سے نکاح درست ہے۔

ویجوز بین امرأۃ وبنت زوجها فان المرأۃ لو فرضت ذکراً حلت له تلك البنت بخلاف العکس اھ (عالمگیری ص۲۷۷ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۵ / ۸ / ۹۸ھ

نکاح کے گواہ منحرف ہو جائیں تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ چار ماہ قبل تقریباً مسمی واحد بخش ولد غلام قاسم قوم کرڑا بلوچ کا شرعی نکاح مسماۃ منصب مائی کے ساتھ ہوا تھا۔

اس نکاح میں ۱۔ حاجی غلام محمد کرڑا بلوچ ۲۔ خدا بخش ولد نیاز علی خاں

۳۔ رحم علی ولد نہال خان قوم زندوانی بلوچ ۴۔ امیر بخش ولد غلام محمد کرڑا بلوچ ۵۔ غلام محمد سہرانی وغیرہم نکاح میں شریک تھے اور یہ پانچوں گواہ ہیں جن کے دستخط، نشان انگوٹھا وغیرہ رجسٹر میں موجود ہیں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ پہلے تینوں گواہ زمیندارہ دباؤ کی وجہ سے گواہی سے منحرف ہو رہے ہیں جبکہ چوتھا آدمی (امیر بخش) اس نے حلفاً نکاح کی تصدیق کر دی ہے اور گواہی دی ہے۔ جبکہ آخری پانچواں (غلام محمد سہرانی) فوت ہو گیا ہے اس صورت میں نکاح باقی ہے یا نہ؟

الجواب برتقدیرِ صحت سوال اگر واقعۃً گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہوا تو یہ نکاح باقی ہے۔ بعد میں کسی گواہ کے انحراف سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ومنها مجلس القضاء فلا عبرة بالرجوع عند غیر القاضی (بدائع الصنائع ص۲۸۵ ج۶)

ولا یصح الرجوع الا بحضرۃ الحاکم لانہ فسخ للشہادۃ فیختص بما تختص بہ الشہادۃ من المجلس وھو مجلس القاضی ای قاض کان (ہدایۃ ص۱۷۳ ج۲)

وشرط حضور شاہدین حرین ..... مسلمین (درمختار علی الشامیہ ص۲۹۵ ج۳)

فقط واللہ اعلم۔
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

باپ کی منکوحہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم

زید کے ہاں دو بیویاں پہلے سے تھیں پھر تیسری بیوی سے نکاح کیا جس کی بھانجی اسکے نکاح میں موجود تھی۔ منکوحہ ثالث اس نکاح سے راضی نہ تھی اسلئے دلی وغیرہ نہیں ہوئی۔ ایک مہینہ کی پوری کشمکش کے بعد جب مسئلہ کی حیثیت سے ناکح کو مجبور کیا گیا تو ناکح نکاح

سے دستبردار ہوگیا اور تیسری عورت کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیا۔ اس عورت نے دوسری جگہ نکاح کیا دوسرے ناکح سے اسکے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اب پہلے ناکح زید کا لڑکا جو اسکی دوسری بیوی یعنی اس عورت کی بھانجی کے بطن سے ہے۔ جسے اس نے زوجیت سے علیحدہ کر دیا تھا۔ چاہتا ہے کہ اس لڑکی سے شادی کرے کیونکہ لڑکی کی ماں سے صرف عقد ہوا تھا۔ وطی نہیں ہوئی تھی جس کی شہادت گھر والے بھی دیتے ہیں اور خود ناکح کا بیان بھی ہے کہ غلطی سے عقد ہوا تھا۔ صحبت، خلوت وغیرہ نہ ہوئی تھی جب شرعی مسئلہ معلوم ہوگیا تو اُسے علیحدہ کر دیا تھا۔

الجواب لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها كذا في محيط السرخسي (عالمگیری ص۲۶۱ مطبوعہ کانپور)

جزئیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ منکوحۃ الاب کی اولاد سے نکاح کرنا درست ہے پس صورتِ مسئولہ میں زید کے لڑکے کا نکاح اسکی سابقہ منکوحہ کی لڑکی سے درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح،	بندہ عبدالستار عفی عنہ
عبداللہ غفرلہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی خیر المدارس ملتان	۱۸/۵/۸۱ھ

بھانجی کے نکاح میں ہوتے ہوئے خالہ سے زنا کیا تو نکاح کا حکم

ایک شخص اپنی زوجہ کی حقیقی خالہ کو اغوا کر کے لے گیا اس کا جو پہلا نکاح اسکی بھانجی سے ہے ٹوٹ گیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ زوجہ کی خالہ کو اپنے سے الگ کر دے تو اس کا پہلا نکاح رہ جائے گا یا نہیں؟

الجواب اپنی زوجہ کی حقیقی خالہ کو اغوا کرنے سے شخص مذکور کا نکاح مغویہ کی بھانجی سے فاسد نہیں ہوا ہے بلکہ پہلا نکاح بدستور قائم ہے اور شخصِ مذکور پر لازم ہے کہ فوراً مغویہ کو اپنے گھر سے علیحدہ کر دے اور مغویہ عورت کو علیحدہ کرنے کے بعد جب تک مغویہ کو ایک حیض نہ آجائے اپنی منکوحہ عورت سے ہمبستری نہ کرے۔

كما في الشامية قوله لا تحرم أي لا تثبت حرمة المصاهرة فالمعنى لا تحرم حرمة مؤبدة — الى قوله ولو زنى باحدى الاختين

لا یقرب الأخریٰ حتی تحیض الاخریٰ حیضۃ ص۳۰۵ ج۲ . فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، خیر محمد بانی ومہتمم خیر المدارس ملتان | بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۱/۱۱/۸۶ھ

خطبہ کے بغیر بھی نکاح ہوجائے گا

ایک نابالغ لڑکی ہے اور ایک نابالغ لڑکا ہے۔ ان دونوں کا لڑکی کے باپ نے نکاح کر دیا ہے۔ گواہوں کی موجودگی میں اس کا ایجاب وقبول بھی کرایا گیا ہے اور مہر بھی مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس پر خطبہ نہیں پڑھا گیا ہے۔ اس کے بارے میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں دین کی روشنی میں۔ (محمد ادریس)

الجواب خطبہ نکاح کا جزء نہیں ہے اصل نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے لہذا اگر گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ شرعی قواعد کے مطابق ایجاب وقبول ہوا ہے تو وہ نکاح ہوگیا ہے۔ وینعقد أی النکاح أی یثبت ویحصل انعقادہ بالایجاب والقبول اھ (شامیہ ص۲۸۵ ج۲) وفی الدر المختار ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ وکونہ فی مسجد یوم جمعۃ بعاقد رشید وشہود عدول اھ (شامیہ ص۲۸۴ ج۲) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴/۷/۱۴۱۰ھ

قریبی جائز رشتوں سے نکاح کو نامناسب کہنے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بابت اس مسئلے کے کہ شرعی جائز رشتوں ماموں، چچا اور خالہ کی اولاد کے مابین نیز ننھیال اور ددھیال میں کسی بھی جگہ نکاح کو ناجائز کہنے والے اور ایسا نکاح کرنیوالوں سے بائیکاٹ کرنے والے نیز مذکورہ جائز شرعی نکاح کو ختم بلکہ جبراً ختم کروانے والے لوگ قرآن وسنت کی روشنی میں کس حیثیت میں ہونگے؟ ایسے لوگوں کی شرعی سزا کیا ہے؟ ایسے لوگوں کی ضد پر

اُن سے تعلقات رکھے جائیں یا اُن سے بائیکاٹ کرنا جائز ہوگا۔ جبکہ وہ کلمہ گو ہیں۔ جناب سے وضاحت بمطابق احکامِ شریعت مطلوب ہے۔ (سائل: تنظیم فلاحِ دارین۔ ملتان)

الجواب مذکورہ رشتوں کو ناجائز کہنا۔ اور اس قسم کے رشتہ کرنے والے لوگوں سے بائیکاٹ کرنا اور ایسے طے شدہ یا آباد شدہ رشتوں کو جبراً ختم کروانا محض جہالت ہے۔ اِن رشتوں کا جواز اللہ جل شانہ کے ارشاد واحل لکم ما وراء ذلکم (الآیۃ) سے ثابت ہے اور ایسے ہی اِن رشتوں میں سے بعض کا جواز صراحتاً سورۂ احزاب میں مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

یاایہا النبی انا احللنا لک ...... وبنات عمک وبنات عماتک و بنات خالک وبنات خالاتک التی ھاجرن معک (الآیۃ)

حکم شرعی معلوم ہو جانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں۔ تو ایسے لوگوں کو برادری سے خارج کر دیا جائے انہیں اپنی خوشی غمی میں شریک کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم،	الجواب صحیح،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۷/ ۲/ ۱۴۱۶ھ	

غلطی سے چھوٹی بہن کا نکاح بڑے بھائی سے ہوگیا اور بڑے کا چھوٹے سے تو کیا کیا جائے؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ دین متین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے اپنی دو لڑکیوں کا دو آدمیوں سے نکاح کرنا تھا یعنی بڑے لڑکے (خالد) سے بڑی لڑکی (خالدہ) کا، اور چھوٹے لڑکے (ناصر) سے چھوٹی لڑکی (جمیلہ) کا، مگر غلطی سے نکاح خواں نے چھوٹے لڑکے کو بلا کر یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بڑا لڑکا ہے نکاح بڑی لڑکی سے پڑھا دیا۔ حالانکہ رجسٹر میں نکاح کا اندراج بڑی لڑکی کا بڑے لڑکے سے ہوا جب لڑکیوں سے پوچھے گئے تھے تو اس میں بھی بڑی لڑکی نے بڑے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی نے چھوٹے لڑکے سے نکاح پر رضامندگی کا اظہار کیا تھا لوگوں کے بتلانے پر کہ یہ چھوٹا لڑکا ہے۔ نکاح خواں نے اسی مجلس

میں اصل صورت پر دوبارہ نکاح پڑھا دیا۔ اب صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہے یا نہ؟ دوسرے نکاح میں کوئی خلل تو واقع نہیں ہوا۔ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(المستفتی قاری خدا بخش عفا اللہ عنہ)

الجواب صورت مسئولہ میں مسمات خالدہ کا نکاح مسمی ناصر سے منعقد ہو چکا ہے اور مسمات جمیلہ کا نکاح ناصر سے نہیں ہوا۔ کیونکہ بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ولو کان لرجل بنتان کبری اسمہا عائشة وصغری اسمہا فاطمة وأراد أن یزوج الکبری وعقد باسم فاطمة ینعقد علی الصغری (ص۲۷ ج۱ ہندیہ)

اب مسمی ناصر کو چاہیئے کہ وہ مسمات خالدہ کو طلاق دیدے اور اسی مجلس میں خود جمیلہ سے اور مسمی خالد خالدہ سے نکاح کرے، عدت کی ضرورت نہیں۔ مسمی ناصر نصف مہر بھی ادا کرے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۲۶ / ۸ / ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قاتل کا پڑھا ہوا نکاح درست ہے

زید اپنی نابالغ بچی کا حقیقی باپ ہونے کی حیثیت سے اس کے نکاح کی اجازت دے دیتا ہے نکاح خواں حافظ قرآن ہے اور اپنی بیوی کو کسی شبہ کی بناء پر قتل کر کے کئی سال جیل میں بھی رہا ہے مذکورہ قاتل نے زید کی نابالغ بچی کا نکاح پڑھایا۔ اب زید کہتا ہے کہ قاتل کا نکاح پڑھایا ہوا غیر معتبر ہے۔ چنانچہ اب لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد زید نے سابقہ خاوند سے طلاق لئے بغیر مذکورہ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا کیا اسطرح کرنا درست ہے؟

الجواب نکاح خواں کی حیثیت محض ترجمان اور معبّر کی ہوتی ہے۔ گویا اصل نکاح خود باپ نے پڑھایا ہے اور باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔ بغیر طلاق لئے دوسری جگہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا اور مجامعت زنا کے حکم میں ہوگی نیز دوسرے

شے کی مجلس میں شرکت حرام اور سخت گناہ ہے۔ اگر کوئی شخص دیدہ دانستہ شرکت کرے گا تو احتیاطاً خود اس کے نکاح کے فسخ کا حکم کیا جاوے گا۔

فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما (عالمگیری ص۲۸۵ ج۱)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۷ / ۷ / ۹۸ ھ

ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری سے نکاح کیا تو دوسرا فاسد ہوگا

ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے پھر وہ اپنی منکوحہ کی بہن سے نکاح کر لیتا ہے یعنی بیک وقت دونوں بہنیں ایک نکاح میں جمع کر لیتا ہے۔ اب دونوں نکاحوں میں سے کون سا نکاح باقی ہے یا دونوں ختم ہو گئے۔ ہمارے علاقے میں مشہور ہے کہ دونوں نکاح ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ حیلہ کرتے ہیں کہ جس بچے سے طلاق لینی ہو تو اسکی منکوحہ کی بہن سے اسکا نکاح کر دیتے ہیں۔ اس حیلہ سے ان دونوں کو مطلقہ سمجھتے ہیں ــــــــ نیز کیا ان دونوں مطلقہ بہنوں میں سے پھر کسی ایک بہن کا اس بچہ سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں یا ان دونوں بہنوں کی کوئی اور بہن ہو جس سے اس بچے کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ اس سے اس بچے کا نکاح ہو سکتا ہے۔؟

الجواب پہلے جب ایک بہن نکاح میں ہو تو اس کے بعد جب اسکی بہن سے نکاح کیا جائے تو دوسرا نکاح فاسد ہے اور پہلا باقی ہے۔ البتہ اگر ایک ہی عقد میں دونوں سے کرے تو دونوں کا نکاح فاسد ہوگا۔ فان تزوج الاختين فى عقدة واحدة يفرق بينهما وبينه الخ وان تزوجهما فى عقدتين فنكاح الاخيرة فاسد اھ (عالمگیری ص۲۷۷ ج۱)

پہلا نکاح بدستور صحیح ہے۔ کوئی فکر نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ،

جن دو بہنوں کا جسم ایک دوسرے سے الگ نہ ہو ان کا نکاح کسی سے درست نہیں

دو جڑواں بہنیں پیدا ہوئیں جن کے کولہے آپس میں ملے ہوئے ہیں باقی تمام اعضاء جدا ہیں اب ان کا نکاح کسی ایک مرد سے ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں شرعی طور پر یہ دو عورتیں تصور ہوں گی ۔ نہ ایک مرد سے ان کا عقد نکاح درست ہے اور نہ ہی دو مردوں سے بلکہ جب تک ان دونوں کو آپریشن کے ذریعہ ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاتا ان کے نکاح کرانے کی کوئی جائز صورت نہیں ہے ۔ امداد الفتاویٰ ص ۲۲۵/۲ میں ہے کہ اگر وہ دونوں کسی ذریعہ سے الگ نہ ہوسکیں تو ان کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر دونوں کا ایک مرد سے نکاح کیا جاوے تب تو دو بہنیں ایک شخص سے نکاح نہیں کر سکتیں اور اگر ایک مرد سے ایک ہی کا کیا جاوے تو اس لئے جائز نہیں کہ اس سے تمتع بدوں دوسری سے تمتع ہوئے ممکن نہیں اور غیر منکوحہ سے تمتع حرام ہے ۔ پس موقوف علی الحرام بھی حرام ہے ۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ،

اجازت طلب کرنے پر چیخ چیخ کر رونا اجازت نہیں بلکہ نکاح کو رد کرنا ہے

گزارش ہے کہ میرا نام مسماۃ رقیہ بی بی ہے ۔ میں آپ حضرات سے اپنے نکاح کے بارے میں دینی لحاظ سے پوچھتی ہوں کہ میرا نکاح شریعت کی رو سے ہوا ہے یا نہیں ؟

میں تقریباً عرصہ تین سال سے سنِ بلوغت کو پہنچی ہوئی ہوں ، ہوش وحواس قائم ہیں ۔ میرے والد اور میرے بھائی نے میرے رشتہ کی بات چیت شروع کی تو جس آدمی کو میرا رشتہ دینا چاہا تو میں نے اپنی والدہ کو بول کر کہہ دیا کہ میرا رشتہ ہرگز اس شخص کے ساتھ نہ کرنا ۔ مجھے قبول نہیں ، میرے والد اور میرے بھائی کو آگاہ کر دو ۔ تو میری والدہ نے انہیں کہہ دیا ۔ تو میرے والد ، چچا ، بھائی وغیرہ نے مجھے سنانا شروع کیا کہ ہماری عزت کا سوال ہے تو میں نے بدستور انکار کیا

لیکن والد صاحب نے اپنی مرضی پوری کی۔ لڑکے والوں کو بلا کر میرا عقد نکاح کرنا شروع کر دیا۔ میرے پاس خود والد صاحب اور دو حقیقی چچے اور میرا بھائی میرے باپ کا دوست بھائی اور ایک دوسرا آدمی مسمی عبدالمجید اجازت کے لئے آئے تو میری والدہ اور چند عورتیں موجود تھیں میں نے انکار کا اظہار بلند آواز سے رونے سے کیا۔ اتنا بلند کہ کسی دوسرے کی بات بھی سنائی نہ دے اور کمرہ سے باہر بھی سنائی دے لیکن چاروں آدمی صبر کرنے اور بس بس کا جواب دے کر چلے گئے اور جاکر نکاح کر دیا۔ میں ابھی تک والد کے گھر ہوں۔ میری رخصتی نہیں ہوئی اور نہ میں رضامند ہوں۔ شرعاً میرا نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب اگر واقعی عورت اجازت نکاح مانگنے پر چیخ چیخ کر روئی ہے تو یہ اجازت نہیں بلکہ ردّ نکاح ہے۔ پس یہ عورت آزاد ہے۔

قال في الفتح الاوجه عدم الصحة، وان بكت اختلفوا فيه والصحيح أن البكاء اذا كان بخروج الدمع من غير صوت يكون رضا وان كان مع الصوت والصياح لا يكون رضا كذا في فتاوى قاضي خان وهو الاوجه وعليه الفتوى كذا في الذخيرة

(عالمگیری ص۲۸۷ ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
مفتی خیر المدارس ملتان ۸ صفر ۱۴۰۲ھ

○

نکاح فضولی کو لڑکی بھی رد کر سکتی ہے بشرطیکہ....

ایک لڑکا زید برطانیہ میں مقیم ہے۔ اس کے بڑے بھائی نے پاکستان میں فضولی کی حیثیت سے ایک پاکستانی لڑکی کا نکاح اس کے لئے قبول کیا جسے چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ابھی تک لڑکے نے علم ہو جانے کے باوجود اس نکاح کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ لڑکی کو برطانیہ بھیجیں تو اپنی ذمہ داری پر میرے ایک دوست عبدالمجید کے پاس بھیج دیں۔ میری ذمہ داری پر نہ بھیجیں۔

اس کے علاوہ اس نے بعض ایسی باتیں بھی کی ہیں، جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی زوجیت کی ذمہ داری قبول کرنے سے منکر ہے "ایسی صورت میں لڑکی شرعاً اسکی منکوحہ قرار پائے گی یا نہیں شریعت کا اب کیا حکم ہے ؟

الجواب اگر واقعی بڑے بھائی نے بحیثیت فضولی اس نکاح کو زید کے لئے قبول کیا تھا اور زید نے اب تک اس نکاح کو قبول نہیں کیا تو لڑکی منکوحہ کو اختیار ہے کہ وہ اس نکاح کو رَد کر کے دوسری جگہ نکاح کرے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ زید بھی اس نکاح کو رَد کر چکا ہے واضح رہے کہ حکم بالا اس صورت میں ہے کہ جبکہ بھائی نے وکالۃً قبول نہ کیا ہو، ورنہ زید سے طلاق حاصل کرنا ضروری ہوگا۔

ولو قبل فضولی عن الغائب فی الفصلین یتوقف علی اجازة الغائب فی قول أصحابنا کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان (عالمگیری ص ۲۹۹/ج۱) فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

۱۲ر رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

باپ نے بے بس ہو کر نابالغ بچی کا نکاح نامناسب جگہ کر دیا تو خیارِ بلوغ کا حکم !

کیا فرماتے ہیں علماء دین صورت مسئولہ میں: محمد حسین نامی آدمی کے لڑکے غلام محمد پر خود اس کے ماموں نے الزام عائد کیا کہ اس نے اسکی لڑکی سے بدفعلی کی ہے۔ غلام محمد مذکور نے ہر طرح سے اپنی برائت پیش کی۔ مگر ماموں نے اسکی کسی بات پر کان نہیں دھرا چنانچہ برادری کے چیدہ چیدہ لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ محمد حسین ولد غلام محمد برائی کے بدلہ (ڈن) دو معصوم بچیوں کا نکاح ہمراہ ماموں مذکور کے دو لڑکوں سے کر دیوے۔ چنانچہ محمد حسین نے

اپنی مظلومیت اور مرعوبیت کے پیشِ نظر اپنی دو لڑکیوں کا جو کہ نابالغہ ہیں، نکاح ماموں مذکور کے دو لڑکوں سے کر دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قتل و قتال تک سلسلہ پہنچ جاتا۔ نکاح کے بعد سے لیکر آج تک مسلسل دشمنی اور ناچاقی چلی آرہی ہے۔ دریں حالات کیا شرعاً نابالغہ بچیوں کا نکاح ہو جاتا ہے یا نہ۔ (السائل، محمد حسین، بھکر۔)

الجواب بظاہر اس نکاح میں یقیناً شفقت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ بچیوں کا مستقبل بھی مخدوش ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں بچیوں کو خیارِ بلوغ حاصل ہوگا۔

ومن زوج ابنتہ الصغیرۃ القابلۃ للتخلق بالخیر والشر فمن یعلم انہ شریر او فاسق فھو ظاھر سوء اختیارہ ولان ترک النظر ھھنا مقطوع بہ فلا یعارضہ ظھور ارادۃ مصلحۃ تفوق ذلک نظراً الی الشفقۃ الابوۃ ثم قال وقد وقع فی اکثر الفتاوی فی ھذہ المسئلۃ ان النکاح باطل فظاھرہ انہ لم ینعقد وفی الظھیریۃ یفرق بینھما ولم یقل انہ باطل وھوالحق ولذا قال فی الذخیرۃ فی قولھم فالنکاح باطل ای یبطل انتھی کلام البحر والمسئلۃ شھیرۃ اھ (فتاوی خیریہ ص۲۳)

(از جواہر الفقہ ص۶۷ ج۲) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

۱۱/۵/۱۴۱۶ھ

لڑکے کے باپ نے صرف اتنا کہا "قبول کی" تو نکاح اسکا ہوا یا بیٹے کا

نکاح کی مجلس میں نابالغ لڑکی کے باپ سے پوچھا گیا کہ اجازت ہے؟ لیکن یہ تصریح نہیں کی گئی۔ کس لڑکے کے لئے نکاح کی اجازت ہے پھر نکاح خواں نے لڑکے کے باپ کو متوجہ کیا۔ (فلاں کی فلاں لڑکی) تونے قبول کی اس نے کہا قبول کی۔ ایجاب وقبول دونوں میں لڑکے کا نام

نہیں لیا گیا۔ فقط ایجاب میں لڑکی کا نام تو لیا گیا۔ ویسے تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ فلاں لڑکی کا فلاں لڑکے کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے۔ یہ نکاح ہوا یا نہیں لڑکے کا نام لینا ضروری تھا یا صرف ارادہ کافی ہے ؟

الجواب (عالمگیری ص۲۷ ج۲) ولو قال لا مرءة كنت لی او صرت لی فقالت نعم او صرت لك كان نكاحاً سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت خط کشیدہ " فلاں کی فلاں لڑکی الخ ایجاب ہے اور والد کا کہنا قبول کی "قبول ہے" لیکن والد نے بوجہ لاعلمی کے بیٹے کی طرف اضافتِ قبول نہیں کی۔ لہذا نکاح بجائے لڑکے کے والد کے ساتھ منعقد ہو گیا۔ اور یہ لڑکی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اب اس لڑکے پر حرام ہو گئی اگرچہ باپ طلاق بھی دیدے۔

لو قال ابو الصغيرة لابی الصغير زوجت ابنتی ولم يزد عليه شيئاً فقال ابو الصغير قبلت يقع النكاح للاب هو الصحيح الی ان قال ناقلا عن الفتح يجوز النكاح علی الاب وان جری بينهما مقدمات النكاح للابن هو المختار لان الاب اضافه الی نفسه (شامی ص۲۷۸ ج۲)

اگر نکاح مذکور غیر مناسب ہو تو والد لڑکے کو طلاق دیدے اور لڑکی کسی دوسری جگہ نکاح کر لے لیکن اس کے لڑکے کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
خیر محمد عفی عنہ،
مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،
خادم الافتاء، مدرسہ خیر المدارس ملتان

تحلیل کے لئے آٹھ سالہ بچے سے نکاح کرنا

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ جبکہ بیوی کو پانچ ماہ کا حمل تھا۔ تقریباً تین ماہ بعد دوبارہ اسی نے اس عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہی تو ایک مولوی صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ میرے لڑکے جس کی عمر تقریباً آٹھ سال ہے اس سے شادی کر دی جائے چنانچہ شام کو نکاح کر دیا گیا اور صبح کو اس سے طلاق لے کر پہلے خاوند سے شادی کر دی گئی جو کہ اب راضی خوشی میاں بیوی ہو کر رہے ہیں۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے اور اس مشیر موصوف کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

سائل:

الجواب برتقدیر صحت سوال صورتِ مسئولہ میں اگر عورت کا لڑکے کے ساتھ نکاح وضع حمل کے بعد ہوا ہے تو یہ نکاح منعقد ہوگیا اور یہ اسکی منکوحہ ہے اسکی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی اسکی طرف سے اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے۔

قال فی الدر المختار واھله زوج عاقل بالغ مستیقظ انتھی وقال فی الشامیة (قوله واھله زوج عاقل الخ) احترز بالزوج عن سید العبد ووالد الصغیر (الی قوله) وبالبالغ عن الصبی ولو مراھقا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۵۳)

اور اگر وضع حمل سے قبل یہ نکاح ہوا ہے تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا اور عورت پر چونکہ تین طلاقیں واقع ہو چکی تھیں اس لئے سابقہ خاوند کا دوبارہ بغیر حلالہ کے آباد کرنا بہر حال ناجائز ہے اس لئے ان میں تفریق کرائی جاوے۔ نیز حلالہ کے لئے محض نکاح کافی نہیں بلکہ دخول بھی شرط ہے

لا یحل للرجل أن تتزوج حرة طلقھا ثلاثا قبل اصابة الزوج الثانی۔ (عالمگیری ص ۲۸۲ ج ۱)

اور ایسی رائے دینے والا سخت گنہگار ہے اسے توبہ کرنا لازم ہے اگر پہلی صورت ہو تو عورت کو اس کے خاوند سے علیحدہ کر کے لڑکے کے سپرد کر دی جائے۔ جب تک وہ بالغ ہو کر اسے طلاق نہیں دے گا۔ عورت اسکی منکوحہ ہو گی۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

انکار کے بعد خاموشی رضامندی کی دلیل نہیں

صغراں کا نکاح پہلوان ولد اللہ بخش کے ساتھ کرنے پر والد بضد تھا جب لڑکی سے پوچھنے گئے تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ مگر والد کو لالچ وغیرہ دیا گیا تو اس نے نکاح پڑھ دیا۔ لڑکی اسوقت خاموش ہوگئی مگر بعد میں پھر انکار کر دیا۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا۔؟

الجواب بالغہ کا نکاح اسکی مرضی کے بغیر جبراً نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ نکاح کر کے دینے والا باپ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ تمام کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لا نقطاع الولاية بالبلوغ (الدرالمختار)
بعض صورتوں میں اسکی خاموشی رضا شمار ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں رونا لیکن تنازع کی صورت میں خاموشی رضا متصور نہیں ہوسکتی۔ جب تک اس کا کوئی خاص قرینہ نہ ہو۔ رونے کی صورت میں بھی اگر رونا آواز کے ساتھ ہو تو وہ رضامندی کی دلیل نہیں۔ فلو بصوت لم یکن اذنا (ص۱۹۱ ج۱) اسی طرح جب بچی اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ نکاح میری مرضی کے بغیر کیا گیا ہے اور خاوند بننے والا اور اس کے وکلاء بچی کے اقرار رضا کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس صورت میں بھی جب تک اقرار کے سچے عینی گواہ نہ ہوں۔ لڑکی ہی کی بات کا اعتبار ہوگا۔
وفی الکافی للحاکم الشهید و اذا زوج الرجل ابنته فانكرت الرضى وشهد عليها ابوها و اخوها لم يعتبر (حاشیہ ابن عابدین) ص۳۰۲ ج۲
یعنی اگر باپ نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور بیٹی نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ رضامند تھی، تو ایسی صورت میں باپ اور بھائی کی گواہی کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ لہذا مذکورہ بالا صورت میں تمام دستاویزات کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی نکاح پر راضی نہ تھی، اس لئے نکاح نہیں ہوا

احقر عبدالمالک
مہر دارالافتاء
نائب مفتی مدرسہ اشاعت الاسلام فیصل آباد

صورتِ مسئولہ میں جبکہ لڑکی نے پہلوان کے ساتھ نکاح کر دینے سے انکار کر دیا ہے اور لڑکی کا آواز کے ساتھ رونا بھی اذنِ نکاح نہیں ہے بلکہ نکاح سے انکار ہے اور لڑکی عاقلہ بالغہ ہے۔ تو اس کے باپ کا یہ نکاح پہلوان کے ساتھ کر دینا شرعاً صحیح نہیں ہے۔ لہذا پہلوان کے ساتھ اس لڑکی کا شرعاً کوئی نکاح نہیں ہوا۔ لڑکی اپنی رضامندی سے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور مذکورہ بالا جواب صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

بندہ احمد عفا اللہ عنہ (دارالعلوم فیصل آباد)

جملہ بیانات بغور دیکھے گئے صغراں کا نکاح ہمراہ پہلوان ثابت نہیں۔ نکاح سے پہلے پہلوان کے بارے میں صراحۃً انکار ثابت ہے جو ہر فریق کو مسلم ہے۔ اس صریح انکار کے بعد زبردستی کئے گئے نکاح پر خاموشی علامت رضا نہیں بن سکتی۔

استأذنها فی معین فردت ثم زوجها منه فسکتت صح فی الاصح اھ الدر المختار (ص۱۹۲ ج۲) وفی الشامیة لا وجه عدم الصحة لان ذلك الرد الصریح یضعف کون ذالك السکوت دلالة الرضا اھ ص۳۲۵ ج۲

عدم صحت نکاح میں فتویٰ بالا سے ہمیں بھی اتفاق ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، محمد انور عفا اللہ عنہ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳ / ۹ / ۱۴۰۰ھ

عورت مسلمان ہو جائے تو بدون تفریق قاضی نکاح نہیں کر سکتی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ میں پہلے عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی تھی اب میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کو قبول کر لیا ہے اور کلمہ شریف پڑھ چکی ہوں۔ اس سے پہلے میں ایک عیسائی سے شادی شدہ تھی۔ میں مسلمان ہو چکی ہوں اس لئے مجھے فتویٰ دیا جائے تاکہ دوسری جگہ کسی مسلمان کے گھر نکاح کر سکوں آپکی بڑی مہربانی ہوگی میری عدت پوری ہو چکی ہے میں نے اپنا اسلامی نام سلمیٰ بی بی رکھا ہے۔

الجواب اگر مسمات سلمیٰ بی بی تہ دل سے اسلام قبول کر چکی ہے تو وہ شرعاً مسلمان متصور ہوگی۔ اب وہ کسی عیسائی کے گھر آباد نہیں ہو سکتی الایہ کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائے مسلمان حاکم سلمیٰ بی بی کے خاوند کو عدالت میں بلا کر اسلام پیش کرے اسلام لانے کی صورت میں سلمیٰ بی بی کا نکاح بدستور قائم رہے گا۔ اگر وہ خدانخواستہ اسلام سے انکار کرے تو عدالت نکاح فسخ کر دے عدالت کی تفریق سے قبل سلمیٰ بی بی دوسری جگہ شرعاً نکاح نہیں کر سکتی۔ درمختار میں ہے۔

وإذا أسلم أحد الزوجين المجوسيين أو امرأة الكتابي عرض الاسلام على الآخر فان أسلم فبها والا بان أبى أو سكت فرق بينهما۔ اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں ۔

وما لم يفرق القاضي فهي زوجته حتى لومات الزوج قبل أن تسلم امرأته الكافرة وجب لها المهر أي كماله (شامی ص۴۲۲ ج۲)

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،
۱۸ / ۹ / ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کنایات نکاح میں نیت ضروری ہے

اگر کسی مجلس میں جسے عام طور پر مجلس منگنی کہتے ہیں جبکہ ناکح و منکوحہ ہر دو نابالغ ہوں انکے ورثاء سے وہ الفاظ صادر ہو جائیں جن سے نکاح منعقد ہو جاتاہے اور صورۃً ایجاب قبول کا نمونہ ہوں مگر اس وقت فریقین کو اپنے عہد کی پختگی مقصود ہو اور نکاح کا ارادہ نہ ہو اور خواہ وہ الفاظ صریح نکاح کے ہوں یا دال علی التملیک ہوں، فریقین سے بصیغہ ماضی صادر ہوں تو کیا ان کے صدور سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے یا الفاظ مثل کنایات طلاق محتاج الی النیت ہونگے اور اس وقت مجلس میں یہ الفاظ کہے گئے ہیں کہ میرے چھوٹے بھائی نے اپنی فلاں لڑکی تیرے فلاں لڑکے کو شادی کرنے کے لئے دیدی ہے تیرا کیا خیال ہے اس نے کہا مجھے منظور ہے پھر بڑے بھائی نے کہا اگر منظور ہے تو پھر بحالت نابالغی شادی کر لو تاکہ حاسدین کوئی نقصان نہ دیں۔ لہذا ہم کو ہمارے مرشد کو بھی شادی میں شامل کرنا ہوگا اسکے بعد لڑکے کا باپ مرشد کو لینے گیا اور وہ نہ آسکا شادی میں دیر ہوگئی اب لڑکی بحالت بالغی کہتی ہے جو خاوند باپ نے مقرر کیا ہے یہ میں نہیں چاہتی، میں خود مختار ہوں، اب مذکور الفاظ میں نکاح کا ارادہ نہ تھا۔ ان الفاظ کے کہنے سے نکاح تو منعقد نہیں ہو گیا ہے۔؟

الجواب الفاظ مذکورہ فی السوال کنایات نکاح میں سے ہیں اور کنایات کے ساتھ بلا نیت نکاح منعقد نہیں ہوتا لہذا صورتِ مسئولہ میں یہ الفاظ جب بغرضِ

منگنی استعمال کئے گئے ہیں ان سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔ لڑکی مذکورہ دُوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے عالمگیری میں ہے فالصریح لفظ النکاح والتزویج وما عداهما وهو مایفید ملك العين في الحال كناية ص۲۷۰ ج۱ وفي الشامية انه لا بد في كنايات النكاح من النية مع قرينة الخ ص۲۹۲ ج۲ وصرح في الدرر ان العطية من الكنايات

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفرلہٗ
۱/۱/۹۷ھ

فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بالغ ہوتے ہی خیار بلوغ استعمال نہ کیا تو نکاح کا حکم

اللہ یار اور مسماۃ رحمت زوجہ اللہ یار یکے بعد دیگرے فوت ہو جاتے ہیں اور پیچھے ایک لڑکا محمد افضل اور چار لڑکیاں چھوڑ جاتے ہیں۔ جن کی پرورش انکا ماموں انور کرتا ہے۔ بعد میں افضل وکیل و شاہدان بھیج کر اپنی بہن بشریٰ کا نکاح اپنے ماموں کے بیٹے اسلم سے کر دیتا ہے۔ قبول انور کرتا ہے اپنے بیٹے کے لئے اور تین سو کنال زمین انور اپنے بھانجے افضل کو انتقال کرا دیتا ہے۔ افضل کی عمر بوقتِ نکاح ۱۷ سال ۸ ماہ ۱۷ دن ہے اور بشریٰ کی عمر بوقتِ نکاح دس سال کی ہے اور اسلم کی عمر بوقت نکاح آٹھ سال کی ہے۔ بعد میں بوجہ خانگی ناراضگی کے افضل جبکہ تبدیلیٔ پارچات نہیں ہوئے تھے اپنی ہمشیرہ بشریٰ سے عدالت میں دعویٰ خیارِ بلوغ کرا دیتا ہے جبکہ بشریٰ کی عمر بوقت دعویٰ ۲۵ سال کی ہے۔ جج مسلمان اس بناء پر تنسیخ نکاح کا حکم کرتا ہے کہ ابتداء سے نکاح ہوا ہی نہیں۔ کیونکہ افضل کی عمر ۱۸ سال سے کم اور بشریٰ کی ۱۲ سال سے کم ہے۔ اگر تنسیخ شرعاً نہ ہو اور باوجود منع کرنے کے اور جگہ وہ لڑکی نکاح کرلے یا اس کا بھائی افضل کر دے تو پھر شرعاً کیا حکم ہے۔ نکاح خواں اور مجلس نکاح میں شریک لوگوں سے قطع تعلقی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب لڑکی خیارِ بلوغ کی بناء پر اس صورت میں نکاح فسخ کرا سکتی ہے جبکہ اس نے بالغ ہوتے ہی یہ کہا ہو کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں اور چونکہ یہ شرط نہیں پائی

گئی، لہذا عدالت کے فیصلہ سے حقیقتاً نکاح فسخ نہیں ہوا۔ بلکہ بشریٰ بدستور اسلم کی بیوی ہے دوسری جگہ نکاح درست نہیں۔ نکاح کرانے والا اور دیدہ دانستہ اسمیں شریک ہونیوالے سخت گناہگار ہیں انہیں چاہیئے کہ توبہ و استغفار کریں اور آئندہ اس قسم کے گناہ کبیرہ سے پرہیز کریں۔ واللہ غفور الرحیم

وینبغی أن تقول فی فور البلوغ اخترت نفسی ونقضت النکاح فاذا قالت ذلك لا یبطل حقها بالتاخیر حتی یوجد التمکین۔ (قاضی خان علی عالمگیری ج۱ ص۱۶۱)

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی خیر المدارس ملتان	۲۶/ ۲/ ۹۷ ھ

خود خاوند بھی عورت کیطرف سے نکاح کا وکیل بن سکتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں مسماۃ ہندہ عاقلہ بالغہ بعمر اٹھارہ سال نادیدہ شوہر اس لحاظ سے کہ عنفوانِ جوانی کی وجہ سے اس سے بدکاری نہ ہوجائے اس وجہ سے اس کے والدین ایسے شخص کی طرف اسکی نسبت عقد کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے ہندہ کو سخت نفرت ہے حتیٰ کہ اس کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی اور شرم کی ناجائز رسم کے موافق اپنے ماں باپ کو کسی صورت روک بھی نہیں سکتی خود پسند شوہر بنانے کی خاطر ایک تحریری ایجاب بصورتِ وکالت زید کی طرف ان الفاظ کے ساتھ لکھتی ہے کہ اے زید من ترا اجازت مے دہم و وکیل مے سازم ترا درحق عقدِ نکاح من با خودے کہ در حضور گواہان معتبر عقدِ نکاح مُن با خود قبول کن و مہر من یکصد روپیہ است۔ زید نے ہندہ کی اس ایجابی تحریر کے موافق دو معتبر گواہ بُلا کر ہندہ کی یہ تحریر دکھا کر بایں الفاظ نکاح قبول کیا کہ من بحسب وکالت نکاح ہندہ با خود نکاح ہندہ بنت بکر بگواہی شما بحق مہر مبلغ یکصد روپیہ قبول کردم اور ان الفاظ کو تین بار دُھرایا اور پھر اسکی خبر ہندہ کو دی، تو کیا ہندہ کا نکاح مذکورہ بالا صورت میں زید کے ساتھ معتبر ہوگا یا نہ، کیا گواہان کی نامزدگی بھی ہندہ کے ذمے ہے کہ فلاں فلاں گواہ کے روبرو میرا نکاح قبول کرو، یا نہیں ہے۔؟

الجواب وفی العالمگیریۃ ص۲۵۱ ج۳ واذا وکل رجلاً غائباً واخبرہ رجل بالوکالۃ یصیر وکیلاً سواء کان المخبر عدلا او فاسقا اخبرہ من تلقاء نفسہ او علی سبیل الرسالۃ صدقہ الوکیل فی ذلک او کذبہ کذا فی الذخیرۃ وفی العالمگیریۃ ص۱۵ ج۲ امرأۃ وکلت رجلاً بان یزوجھا من نفسہ فقال زوجت فلانۃ من نفسی یجوز وان لم تقل قبلت ۔

ان دونوں روایتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہندہ کا زید کو نکاح کا وکیل بنانا صحیح ہے پس زید کا دو گواہوں کے سامنے ہندہ کا اپنے ساتھ کر دینا صحیح ہے اور ہندہ کی جانب سے گواہوں کا نام ذکر نا ضروری نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲/۷/۷۶ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

ھوالصواب ، الجواب صحیح ،

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ شخص اس عورت کا کفو ہو

محمود عفا اللہ عنہ ،

مفتی قاسم العلوم ملتان | ۲/۷/۷۶ھ

نکاح شغار کی تعریف میں "ولیس بینھما صداق" حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے ۔ صرف حضرت نافع کا قول نہیں !

وٹہ سٹہ کی شادی کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ۔ ان یزوج الرجل ابنتہ او اختہ علی ان یزوجہ ۔ ان احادیث میں تو مہر کے بارے میں کچھ ذکر نہیں ۔ اگر کوئی صاحب کہے کہ مہر ہو تو بھی وٹہ سٹہ کی شادی جائز نہیں ۔ اور کہے کہ " ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الآخر ابنتہ ولیس بینھما صداق " یہ عبد اللہ بن عمرؓ

سے منقول نہیں ۔ بلکہ صرف یہ نافع کا کلام ہے اور وہ سنڈ جائز نہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

الجواب ان یزوج الرجل ابنتہٗ علی ان یزوج الآخر ابنتہٗ ولیس بینھما صداق ۔ نکاح شغار کی اس تفسیر کو محض نافع کا کلام قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ حدیث جابرؓ اور حدیث ابی ریحانہ میں ایسے ہی موجود ہے ۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ۔ عن ابی الزبیر عن جابر مرفوعاً نھی عن الشغار والشغار ان ینکح ھٰذہ بھٰذہ بغیر صداق بضع ھٰذہ صداق ھٰذہ وبضع ھٰذہ صداق ھٰذہ واخرج ابوالشیخ فی کتاب النکاح من حدیث ابی ریحانۃ نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المشاغرۃ والمشاغرۃ ان یقول زوج ھٰذا من ھٰذہ وھٰذہ من ھٰذا بلا مھر (فتح ص۱۷۵ ج۲۱)

اور ان حدیثوں کی سند میں نافع بن سرجیس موجود نہیں اور لغۃً بھی شغار کا یہی مفہوم و معنیٰ ہے ۔ قال القرطبی تفسیر الشغار صحیح موافق لما ذکرہ اھل اللغۃ فان کان مرفوعاً فھوا لمقصود وان کان من قول الصحابی فمقبول ایضاً لانہ اعلم با لمقال واقعد با لحال (فتح ص۱۷۵ ج۱۱) ۔ قاموس میں ہے ۔ والشغار ان یزوج الرجل المرأۃ علی ان یزوجلک اخری بغیر مھر صداق کل واحدۃ بضع اخری ۔ بہرحال بغیر صداق یا اس تفسیر کو کلام نافع قرار دینا غلط ہے جبکہ لغۃً بھی شغار کی تفسیر یہی ہے تو حضرت نافع اور ان کے علاوہ دوسرے رواۃ یا بعض صحابہ نے اگر یہ تفسیر نقل کر دی تو بالکل درست ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قرآنِ پاک کو فرسودہ کتاب کہنے والے کے ساتھ نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ میری لڑکی نجمہ رفیق کی شادی تقریباً ۱۴ ماہ پہلے خضر حیات ولد محمد نواز قوم چاون چاہ بنگلے والا سے ہوئی ۔ کچھ عرصہ بعد لڑکی نے

ہمیں بتایا کہ میرا خاوند مجھے نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے۔ میں نے خضر حیات سے معلوم کیا تو اُس نے جواب دیا۔ نعوذ باللہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں بلکہ ایک سیاست دان تھے۔ قرآنِ پاک ایک فرسودہ کتاب ہے۔ زندگی، موت، قبر، حشر، بہشت، دوزخ کوئی حقیقت نہیں، سب جھوٹے ہے جو مرگیا ختم۔ پورا موضع اسکی ان باتوں کا گواہ ہے۔

اس کے بعد خضر حیات کے بھائیوں سکندر حیات، شوکت حیات، ڈاکٹر طاہر محمود سے بات کی تو تمام بھائیوں نے خضر حیات کے مطابق بیان دیا۔ میں اپنی لڑکی، نجمہ رفیق کو گھر لے آیا۔ قرآن و حدیث کے مطابق خضر حیات، اور اس کے تینوں بھائی مسلمان ہیں یا کافر۔ خضر حیات کا نکاح نجمہ رفیق سے باقی ہے، یا ختم ہو چکا۔ طلاق ہو چکی یا بالغیر طلاق دوسری جگہ نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں۔ قرآن و حدیث کے مطابق فتویٰ صادر فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب برتقدیرِ صحتِ سوال اگر نکاح کے وقت بھی شخصِ مذکور کے یہی عقائد تھے تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوا اور اگر نکاح کے بعد یہ عقائد اختیار کئے ہیں تو جب سے کئے ہیں اُسوقت سے وہ مُرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ بیوی کے ساتھ نکاح ختم ہو گیا۔ عدت کے بعد وہ آزاد ہے۔

سوال میں مذکور عقائد میں ضروریات دین کا انکار کیا گیا ہے اور ضروریاتِ دین کا انکار کفر ہے۔ خضر حیات کے علاوہ بھی جو اِن عقائد کے حامل ہیں ان کا بھی وہی حکم ہے جو اُوپر تحریر ہوا۔ اور جو ان کو مسلمان سمجھے وہ بھی کافر ہے۔

وایما رجل مسلم سبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أو کذبه اوعابه أو تنقصه فقد کفر باللہ تعالیٰ وبانت منه امرأته: (شامی ص ۲۹۱ ج ۳)

یکفر بانکار ..... عذاب القبر و بانکار حشر بنی آدم (عالمگیری ص ۲۷۴ ج ۲)

من انکر القیٰمة او الجنة او النار او المیزان .... یکفر (عالمگیری ص ۲۷۴ ج ۲)

اذا أنکر الرجل آیة من القرآن او تسخر بآیة من القرآن وفی الخزانة أو عاب کفر: (عالمگیری ص ۲۶۶ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خط کے ذریعے نکاح کا وکیل بنانے سے نکاح کا حکم :

ہندہ عاقلہ بالغہ بعمر اٹھارہ سال نادیدہ شوہر اس لحاظ سے کہ عنفوان جوانی کی وجہ سے بدکاری نہ ہو جائے اس وجہ سے اسکے والدین ایسے شخص کی طرف اس کا عقد کرنا چاہتے ہیں جس سے ہندہ کو سخت نفرت ہے اور شرم کی ناجائز رسم کے موافق اپنے ماں باپ کو روک بھی نہیں سکتی خود پسند شوہر کو ایک تحریری ایجاب بصورت وکالت زید کی طرف ان الفاظ کے ساتھ لکھتی ہے۔

" زید من ترا اجازت مے دہم و وکیل مے سازم ترا درحق عقد نکاح من با خودت کہ درحضور گواہاں معتبر عقد نکاح من باخود قبول کن و مہر من یکصد روپیہ است۔"

زید نے ہندہ کی اس تحریر کے موافق اور معتبر گواہ بلا کر ہندہ کی یہ تحریر دکھا کر بایں الفاظ نکاح قبول کیا کہ من بحسب وکالت نکاح ہندہ باخود نکاح ہندہ بنت بکر را گواہی شما بحق مہر مبلغ یکصد روپیہ قبول کردہ ام اور ان الفاظ کو تین بار دہرایا اور پھر اسکی خبر ہندہ کو دے دی تو کیا سند رجہ بالا صورت میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ معتبر ہو گا یا نہ گواہوں کی نامزدگی بھی ہندہ نے کرنی ہے کہ فلاں فلاں گواہ کے روبرو نکاح قبول کرو؟

الجواب وفی العالمگیریۃ ص ۲۵۱ ج ۳ واذ اوکل رجلا غائبا واخبرہ رجل بالوکالۃ یصیر وکیلا سواء کان المخبر عدلا او فاسقا اخبرہ من تلقاء نفسہ او علی سبیل الرسالۃ صدقہ الوکیل فی ذلک او کذبہ کذا فی الذخیرۃ وفی العالمگیریۃ ص ۹۵ ج ۲ امرأۃ وکلت رجلاً بان یزوجھا من نفسہ فقال زوجت فلانۃ من نفسی یجوز وان لم تقل قبلت کذا فی الھدایۃ۔

ان دونوں روایتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہندہ کا زید کو نکاح کا وکیل بنانا صحیح ہے پس زید کا دو گواہوں کے سامنے ہندہ کا اپنے ساتھ نکاح کر لینا صحیح ہے اور ہندہ کی جانب سے گواہوں کا نامزد کرنا ضروری نہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحٰق غفرلہ،
بندہ عبد اللہ غفرلہ ۲ / ۷ / ۷۶ ھ
۶ / ۷ / ۷۶ ھ ہو الصواب الجواب صحیح،

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ شخص اس عورت کا کفوء ہو۔ محمود عفا اللہ عنہ
مفتی قاسم العلوم ملتان

آغاخانیوں سے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح ایسے شخص سے کرنا چاہتا ہوں جو آغا خان کے فرقے سے تعلق رکھتا ہے ان کے بزرگوں سے بھی ملاقات کی ہے اور انہوں نے کہا کہ وہ چاروں خلفاء کو مانتے ہیں۔ لیکن بموجب حکم آغا خان ہم حضرت علیؓ کا خاص احترام کرتے ہیں اور تمام ہمارے تہوار اور رنج وغم کے موقعہ پر اہلسنت والجماعت کے طریقے ادا کرتے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر شریعت کی رُو سے فتویٰ صادر فرمائیے۔ تاکہ عمل کیا جائے۔

بمعہ تفصیل عقائد وطریقہ دعا تعلیم کردہ آغا خاں

الجواب آغا خانیوں کے عقائد کفریہ ہیں۔ علماء حقہ نے بعد از تحقیق انہیں کافر بتایا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آغا خان کے بارے میں ان کے عقائد مشرکانہ ہیں۔ لہٰذا اُن سے مناکحت جائز نہیں۔ مزید تفصیل مطلوب ہو تو لڑکے کے عقائد معلوم کر کے فتویٰ حاصل کریں۔ جس میں یہ وضاحت کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص احترام کرنے سے کیا مراد ہے۔

مندرجہ ذیل اُمور کی بناء پر آغا خانیوں کو علماء نے متفقہ طور پر کافر قرار دیا ہے کیونکہ آغا خانی ان اُمور کے مرتکب ہیں۔ ۱۔ سر آغا خان کی تصویر کی پرستش کرتے ہیں، ہندوؤں کے مشہور اوتار کرشن کی مورت اپنے عبادت خانے میں رکھ چھوڑی ہے ۲۔ دیوالی جو ہندوؤں کا مشہور تہوار ہے اس میں اپنے حساب کا کھاتہ تبدیل کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے اور بھی بعض مراسم مشرکانہ ادا کرتے ہیں ۴۔ اپنے کھاتہ کے ابتداء میں بجائے بسم اللہ کے لفظ ادم لکھتے ہیں ۵۔ سر آغا خان کے اندر خدائی حلول کے معتقد ہیں وغیر ذلک۔

نماز پڑھو۔ نماز پڑھو۔ نماز پڑھو۔ خدا تم کو برکت دے۔ خدا کا نام لو۔ خداوند شاہ علی تم

کو ایمان اور اخلاق دے۔ یا شاہ میری شام کی نماز اور دعا قبول کر۔ جو حق تم کو ملا ہیں اس کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے ہمارے آقا آغا سلطان محمد شاہ اس کے بعد سجدہ کرو اور اگر رات کی نماز ہو تو اسطرح کہو۔ میری شام کی اور رات کی دعائیں۔ اگر صبح کی نماز ہو تو اسطرح کہو میری شام کی رات کی اور صبح کی دعائیں۔ دوسری مرتبہ سجدہ کرو اور تسبیح پڑھو اور حسب ذیل طریقہ پر دعا و درود پڑھو۔ تسبیح میں اپنے گناہوں پر پچھتاتا ہوں۔ دو مرتبہ۔ میں سر سے پاؤں تک تیرا قصور وار اور گنہ گار ہوں۔ اے غفور، رحیم شاہ میرا گناہ معاف کر۔ پیر تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ بندہ دعا مانگتا ہے۔ اے سچے شاہ تو منظور کرنے والا ہے۔ میں شاہ کے اس فرمان کو سر اور آنکھوں پر رکھتا ہوں۔ جو پیر کے ذریعے مجھ کو ملا ہے یہ کہہ کر تسبیح زمین پر رکھ دو اور نیچے بتایا ہوا ورد کرو۔ اشہد سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ اکبر، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ الرحمٰن۔ ذوالجلال والاکرام۔ ان تمام صفتوں سے بنا ہوا قدوس رب پر طاقتور خدا۔ ایران کے ضلع چالدیا میں انسان کا جسم لے کر ستر باپ کی پیٹھ سے نکلا۔ انہتر۶۹ خدا ہو جانے کے بعد سترہویں اوتار کے نطفہ سے اڑتالیسواں امام۔ دسواں بے عیب اوتار، ہمارا خداوند آغا سلطان محمد شاہ داتا۔ اس کے بعد سجدہ کرو۔ حق۔ شاہ اچھا۔ دنیا اور زمین کا شاہ، خلیفہ اور گدی کے جانشینوں کے نام کا وظیفہ کرو دنیا اور زمین کے اچھوں کا نام یہ ہے۔ شاہ کے خلیفہ ابو طالب ولی کا نام حسب ذیل ہے۔

۱۔ ہمارا سچا خداوند شاہ علی ۲۔ ہمارا سچا خداوند شاہ حسین ۳۔ ہمارا سچا خداوند زین العابدین۔

۴۔ ہمارا سچا خداوند شاہ محمد باقر ۵۔ ہمارا سچا خداوند شاہ جعفر صادق الخ اور اسوقت کی امامت کا مالک خداوند زماں، امام شیخ المشائخ۔ امامت کی طاقت رکھنے والا جانو۔ آغا سلطان محمد شاہ داتا۔ بے شمار کروڑوں آدمیوں کا دستگیر۔ اس وقت کے امامت کا مالک۔ اے شاہ جو حق تم کو ملا ہے، بطفیل اس کے اپنے حضور میں میری دعا منظور کر۔ اے ہمارے خداوند آغا سلطان محمد شاہ۔ انتھی

لہٰذا تصویر کی پرستش کرنا۔ کرشن کی تصویر عبادت خانہ میں رکھنا۔ جو شعار کفار کا ہے یا بجائے بسم اللہ کے لفظ ادم لکھنا کہ یہ بھی ان کا شعار ہے یا حلول کا قائل ہونا۔ ان عقائد کی بناء پر حکم بالکفر ظاہر ہے اور دیوالی سے بھی کھاتہ کا حساب شروع کرنا یا مقتداؤں کو لفظ خداوند سے خطاب کرنا یا ان سے دعا مانگنا یہ سب ایسے امور ہیں کہ ان میں تاویل نہیں کی جاسکتی۔ پس ان کفریات کے ہوتے ہوئے

نہ ایسے شخص کا دعویٰ اسلام کافی۔ نہ اس کا نمازی اور روزہ دار ہونا کافی، نہ اس پر نماز جنازہ جائز ہے۔ نہ مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

(ملخص از امداد الفتاوی ص۱۰۴ ج۶ تا ص۱۰۸ ج۶)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

۱۷/۷/۹۸ھ

کیمونزم اور مارکسزم کا پرچار کرنے والوں کے ساتھ رشتہ کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ہمارے ملک پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں ایک تنظیم بنام بی ایس او، یعنی بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن ہے جو کہ روس کی آلہ کار ہے اس کے افراد نے اپنے جلسوں اور جلوسوں میں یہ نعرہ لگایا ہے کہ ملاؤں کا اسلام مردہ باد، ضیاء الحق کا اسلام مردہ باد، جماعت اسلامی کا اسلام مردہ باد اور یہ بھی اپنی تقریروں میں کہا ہے کہ یہ اسلام جو کہ ملا مسجدوں میں بانگ دھل بیان کرتے ہیں ہم اس سے بیزار ہیں اس اسلام نے نہ ماضی میں ہماری حفاظت کی ہے اور نہ مستقبل میں ہماری حفاظت کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی نعرہ لگایا ہے کہ مارکس نظام زندہ باد۔ افغان انقلاب زندہ باد اب ایک شخص مثلاً زید وہ اس سے منسلک ہے اور ان کے جلوسوں اور جلسوں میں شامل ہے نعرہ لگانے میں انکے ساتھ ہے اگر کوئی تنظیم کے خلاف بات کرے تو وہ لڑنے کے لئے تیار ہے اور تنظیم کی طرف سے ہر وقت دفاع کرتا ہے اور وہ اس تنظیم کو صحیح خیال کرتا ہے۔ نماز بھی کبھی کبھار پڑھتا ہے روزہ بھی رکھتا ہے اگر اس سے مندرجہ بالا اعتقاد کے بارے میں پوچھا جائے (جو کہ کفر ہے) تو وہ اپنی زبان سے کہتا ہے کہ میرا اعتقاد یہ نہیں ہے۔ دل کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ۱۔ کیا اس شخص کا نکاح ایک مسلمہ لڑکی کے ساتھ ہو سکتا ہے جب تک توبہ نہ کرے ۲۔ اگر قبل ازیں اس کے نکاح میں کوئی مسلمہ عورت ہے وہ بدستور اسکے نکاح میں رہ سکتی ہے ۳۔ کیا یہ شخص ایسی تنظیم میں شامل ہونے کی صورت میں مسلمان رہ سکتا ہے جبکہ یہ تنظیم اسلام سے بیزار ہے اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کی حق تلفی کی ہے

الجواب کیونزم اور مارکسزم کی بنیاد ہی خدا اور مذہب کے انکار پر ہے۔ لہٰذا جو اسے مکمل طور پر قبول کر لیتے ہیں، یہ لوگ درحقیقت دہریہ ہوتے ہیں۔ گو وقتی ضرورت کے تحت تہجد کیوں نہ پڑھنے لگیں۔ اور جو اس جماعت میں شامل ہوگا وہ آج یا کل ضرور اسلام سے نکل جائے گا۔ اسلام کو نامکمل سمجھنا کفر ہے اور ایسے ہی اسلام کے قانون کو ظلم قرار دینا بھی کفر ہے۔ صورتِ مسئولہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ رشتہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح　　　　محمد انور عفا اللہ عنہ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،　　　　۲۰ / ۱۲ / ۱۴۰۷ھ

جنیہ عورت سے نکاح کا حکم: مرد کا جنیہ عورت سے یا جن کا انسان کی لڑکی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے جبکہ ان کی جنس میں اختلاف ہے اس قسم کے شواہدات موجود ہیں کہ بعض خبیث جن انسانی شکل میں آکر عورتوں سے اپنی شہوانی خواہش پوری کرتے ہیں۔ اسی طرح خبیث جنیہ عورت کی شکل اختیار کرکے مردوں سے اپنی خواہش نفسانی پوری کراتی ہیں۔ ایک آدمی کو وہ کہتی ہے کہ تو میرے ساتھ نکاح کرلے تاکہ ہم زنا کی لعنت سے بچ جائیں۔ اگر تو نکاح نہیں کرے گا تو میں تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گی، وہ شخص جنیہ عورت کے ساتھ کئی بار جماع بھی کر چکا ہے وہ جنیہ اس مرد کو نہیں چھوڑتی وہ آدمی بہت پریشان ہے، شرعاً نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب جنیہ عورت سے نکاح درست نہیں اور اس سے بچنے کے لئے کوئی صورت اختیار کر لی جائے۔

كما فى الدر المختار فخرج الذكر والخنثى المشكل والوثنية لجواز ذكورته والمحارم والجنية وانسان الماء لاختلاف الجنس۔ قوله والمحارم۔ هذا خارج بالمانع الشرعي أيضا وكذا قوله والجنية وانسان الماء بقرينة التعليل باختلاف الجنس لان فى قوله تعالى والله جعل لكم من أنفسكم أزواجا بين المراد من قوله فانكحوا ما طاب لكم من النساء وهو الانثىٰ من بنات آدم فلا يثبت حل غيرها

بلا دلیل ولان الجن یتشکلون بصور شتی فقد یکون ذکرا تشکل بشکل انثی وما قیل من ان من سأل عن جواز التزوج بها یصفع لجهله وحماقته لعدم تصور ذلك بعید لان التصور ممکن لان تشکلهم ثابت بالاحادیث والآثار والحکایات الکثیرة ولذا ثبت النهی عن قتل بعض الحیات کما مر فی مکروهات الصلوٰة علی ان عدم تصور ذلك لا یدل علی حماقة السائل کما قاله فی الاشباه وقال الا تری ان ابا اللیث ذکر فی فتاویه ان الکفار لو تترسوا بنبی من الانبیاء هل یرمی فقال یسئل ذلك النبی ولا یتصور ذلك بعد رسولنا صلی اللہ علیه وسلم ولکن اجاب علی تقدیر التصور کذا هذا. اھ لا تجوز المناکحة بین بنی آدم والجن وانسان الماء لاختلاف الجنس. شامیہ ص۲۸۱ ج۲۔

الاصح انه لا یصح نکاح آدمی جنیة کعکسه لاختلاف الجنس فکانوا کبقیة الحیوانات اھ شامیه ص۲۸۲ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

خنثیٰ کو طلاق دینے کے فوراً بعد اسکی بہن سے نکاح کر سکتے ہیں؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید کی منکوحہ ہندہ ناعورت ہے یعنی خنثیٰ مؤنث ہے جس کی علامت ظاہرہ عورتوں کی ہے اور باقی راستہ حیض وغیرہ کا نہیں ہے۔ زید نے مطلقہ کر دی ہے اب اسکی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے فرمائیں کہ ہندہ کی عدت کب ختم ہوگی۔ اور اسکی عدت کی صورت کیا ہے؟

الجواب صورت مسئولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت مذکورہ جماع کے قابل نہیں ہے کیونکہ جب حیض کا راستہ ہی نہیں ہے تو جماع کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایسی عورت پر عدت نہیں ہے۔ کما یدل علیه عبارة الدر المختار ص۵۹۹ ج۲ وسبب وجوبها عقد النکاح المتأکد بالتسلیم وما جری مجراه من موت او خلوة ای صحیحة فلا

علاوۃ بخلوۃ الرتقاء۔
لہٰذا عورت مذکورہ کی بہن کے ساتھ بغیر کسی عدت کے انتظار کے نکاح کر سکتا ہے۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ
خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان ۲۲/۱۱/ھ

فقط واللہ اعلم،
بندہ اصغر علی عفا اللہ عنہٗ
معین مفتی خیر المدارس ملتان

عدت میں نکاح فاسد ہے بعد از عدت اس کو کوئی ترجیح نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے کسی عورت سے عدت میں نکاح کیا، مسئلہ معلوم کرنے سے پتہ چلا کہ عدت میں نکاح فاسد ہوتا ہے۔ پھر تفریق کر دی گئی عورت نے عدت گزار دی اب یہ عورت نکاح کرنا چاہتی ہے۔ آیا مذکورہ آدمی زیادہ حق دار ہے کہ اسی مذکورہ عورت سے نکاح کیا جائے یا عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب عورت آزاد ہے جہاں چاہے نکاح کرے اس شخص کو کوئی ترجیح حاصل نہیں۔ انه ليس احق بها من غيره بل هو خاطب من الخطاب فتنكح من شاءت (التعليق الممجد)۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہٗ،

نابالغ کا باپ مجلسِ نکاح میں موجود تھا مگر خاموش رہا تو نکاح کا حکم

ایک نابالغہ لڑکی کے باپ نے ایجاب کیا اور نابالغ لڑکے نے اس نکاح کو قبول کیا۔ لڑکے کا باپ پاس ہی بیٹھا تھا۔ لیکن وہ خاموش رہا۔ کیا شرعاً یہ نکاح منعقد ہو گیا۔

الجواب صبی ممیز ہونے کی صورت میں نکاح کے انعقاد میں کوئی شبہ نہیں۔ اور بظاہر مجلس نکاح کا انعقاد بھی باپ نے ہی اپنی رضاء سے کرایا ہوگا۔ تو دلالۃً اذن بھی پایا گیا۔ لہٰذا نافذ ہی متصور ہوگا۔ اور اگر باپ اس نکاح پر راضی نہ تھا بلکہ کسی اور غرض کے لئے شریک ہوا تھا۔ تو دوبارہ سوال کیا جائے۔

واذا باع الصبی شیئا من مالہ او اشتری لنفسہ شیئاً قبل الاذن وھو یعقل البیع والشراء ینعقد تصرفہ موقوفاً عندنا وینفذ باجازۃ الولی (عالمگیری ص ۶۳ ج ۳) قلت والنکاح ایضا کالبیع والشراء لو باع الصبی مالہ او اشتری او تزوّج الی ان قال توقف علی اجازۃ الولی اھ (شامیہ عن النہایۃ ص ۳۲۷ ج ۲) ویثبت الاذن دلالۃ اھ (درمختار علی الشامیۃ ص ۹۸ ج ۵) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نکاح پر نکاح پڑھانیوالے کو تجدید نکاح کا حکم دینا بطورِ احتیاط ہے

زید کہتا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے ایک منکوحہ کا نکاح دوسرے شخص سے کرایا، حالانکہ اسے پہلے نکاح کا علم تھا۔ اس نے نکاح کو نکاح پر حلال سمجھا، حالانکہ یہ حرام ہے۔ اس لئے اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ لہذا اسکی بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا، اور وہ اس پر حرام ہو گئی۔ لیکن بکر کہتا ہے کہ اس فعل کا مرتکب کافر نہیں ہوتا، البتہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ اس لئے اس فعل سے کافر نہ ہوگا اور نکاح بھی باقی رہے گا۔ اس بارے میں زید کا قول درست ہے یا بکر کا۔

الجواب ارتکابِ حرام سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ لہذا صورتِ مسئولہ میں بکر کا قول صحیح ہے الا یہ کہ یقین ہو جائے کہ اس نے حلال سمجھ کر ایسا کیا ہے۔

نعم سیذکر الشارح أن ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح وظاھرہٗ أنہ أمر احتیاط اھ (شامیہ ص ۲۹۷ ج ۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۴۰۱/۶/۱۴ ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
مفتی خیر المدارس، ملتان۔

نکاح میں ضروری اُمور

نکاح کیسے ہوتا ہے۔ شرعی ضوابط بمعہ حوالہ کتب تحریر فرمادیں؟

الجواب ایجاب وقبول نکاح کے رُکن ہیں۔ اور نکاح کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت گواہ موجود ہوں، گواہ ان دونوں کی بات سُن رہے ہوں۔ قبول ایجاب کے مطابق ہو، میاں بیوی متعین ہوں۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی بہت سی تفصیل ہے جس کے لئے ملاحظہ فرمائیں، بہشتی زیور، علم الفقہ اردو فتاویٰ مثلاً امداد الفتاوی، احسن الفتاوی وغیرہ۔

واما رکنه فالایجاب والقبول کذا فی الکافی واما شروطه فمنها الشهادة ومنها سماع الشاهدین کلامهما معاً اھ (عالمگیری ص ۲۶۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۲۵/۴/۱۴۱۱ھ

گواہوں کے سامنے یہ کہنا کہ یہ "میری بیوی ہے" اس سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

زید بیرون ملک جانا چاہتا تھا وہ ایک عورت کو ساتھ لے گیا اور لوگوں کے سامنے کہا کہ یہ میری بیوی ہے جبکہ نکاح کا کوئی ثبوت اس کے پاس نہیں ہے کیا لوگوں کی موجودگی میں یہ کہنے سے کہ یہ میری بیوی ہے وہ اسکی بیوی بن جائے گی۔

الجواب اگر بطورِ اخبار یہ کہا ہے کہ یہ میری بیوی ہے، حالانکہ پہلے کوئی نکاح نہیں کیا تھا۔ تو اس غلط کہنے سے وہ بیوی نہیں بنے گی .... ہاں اگر گواہوں کی موجودگی میں نکاح کے لئے مرد کہے کہ یہ میری بیوی ہے۔ عورت کہے کہ یہ میرا خاوند ہے۔ تو ایسے کہنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

قال قاضی خان وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان أقرا بعقد ماض ولم یکن بینهما عقد لا یکون نکاحا وان أقر الرجل انه زوجها وهی انها زوجته یکون نکاحا ویتضمن اقرارهما

الانشاء بخلاف اقرارھا بما مضیٰ لانہ کذب اھ (شامی ص ۲۸۸ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفی عنہ،
رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۵ / ۴ / ۱۴۱۱ھ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جبتک سکول میں رہیں گے میاں بیوی رہیں گے پھر نہیں یہ نکاح موقت ہے اور باطل ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک استاد اور استانی نے عقدِ نکاح رُوبرو گواہوں کے اس شرط پر کیا ہے جب تک اس اسکول میں پڑھائیں گے تو میاں بیوی ہوں گے جب اس اسکول سے چلے جائیں گے تو ان کا ایک دوسرے پر کوئی حق ازدواجیت نہ ہوگا۔ تو یہ نکاح ازروئے شرع شریف کے ہوگیا یا نہیں؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں برتقدیرِ صحت واقعہ استاد کا استانی کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

وبطل نکاح متعۃ ومؤقت وان جهلت المدۃ او طالت درمختار وفی ردالمحتار (قوله وان جهلت المدۃ) کان یتزوجها الی أن ینصرف عنها۔ (ص ۳۱۹ ج ۲) والنکاح المؤقت باطل کذا فی الهدایۃ۔ ولا فرق بین طول المدۃ وقصرها علی الاصح ولا بین المدۃ المعلومۃ والمجهولۃ۔ (عالمگیری ص ۲۸۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۷ / ۴ / ۱۴۱۷ھ

فضولی کے ذریعہ نکاح کی گنجائش کب ختم ہوتی ہے

ایک شخص کو گناہ کبیرہ کی عادت تھی جس کو چھوڑنے کے لئے اس نے کئی بار توبہ کی مگر توڑ دی۔ آخر کار اس نے تنگ آکر کہا کہ اگر پھر میں یہ گناہ کروں تو مجھ پر کلما کی طلاق ہے۔ اس کے بعد پھر اس سے وہی گناہ ہو گیا تو ایک مفتی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا فضولی کے ذریعے نکاح کرنے درست ہوگا۔ پھر اس نے ایک دن یہ کہہ دیا کہ اگر پھر بھی میں یہ گناہ کروں تو جس جبلہ سے ہر بار میرے نکاح میں جو عورت آئے اس کو طلاق ہے۔ اور یہ الفاظ تین مرتبہ کہے تو کیا اب بھی وہ فضولی کے ذریعے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ مفصل تحریر کریں؟

الجواب نکاح فضولی کی گنجائش ابھی موجود ہے۔ دوسری دفعہ اٹھائی جانیوالی یمین کے باوجود فضولی کے ذریعے نکاح ہو سکتا ہے۔

ومثلہٗ فی عدم حنثہٖ باجازتہٖ فعلاً اھ وانما یلسد باب الفضولی لو زاد أو أجزت نکاح فضولی ولو بالفعل فلا مخلص لہٗ اھ۔

درمختار علی الشامی صـ۴۲/۳ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

شادی شدہ عورت اگر زنا کرلے تو نکاح فاسد نہیں ہوتا ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے میں کہ: اگر شادی شدہ عورت زنا کرلے تو وہ اپنے خاوند پر حلال ہے یا حرام ہے؟ نیز اگر شادی شدہ مرد زنا کرلے تو وہ اپنی بیوی پر یا بیوی اس پر حلال ہے یا حرام ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ بتائیں عین نوازش ہوگی؟

الجواب اس حرکت سے نکاح ختم نہیں ہوتا۔ توبہ استغفار کرلے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کرلے۔ درمختار میں ہے کہ۔ لا یجب علی الزوج تطلیق

الفاجرة ولا علیها تسریح الفاجر. (درمختار ص۲۷۴ ج۲)

قال فی البحر بدلیل الحدیث أن رجلا أتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یارسول الله ان امرأتی لا تدفع ید لامس فقال علیه الصلوٰة والسلام طلقها فقال انی أحبها فقال علیه الصلوٰة والسلام استمتع بها (ردالمحتار ص۳۱۸ ج۲)

اور شامی میں ہے کہ: والمزنی بها لا تحرم علی زوجها (ردالمحتار ص۳۱۸ ج۲)

پس وہ حلال ہے نہ کہ حرام۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

دوسرے ملک میں رہتے ہوئے نکاح کا طریقہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کمترین انگلینڈ میں مقیم ہے جو کہ جلد پاکستان نہیں آسکتا اور میری منگنی ایک لڑکی کیساتھ پاکستان میں ہو چکی ہے جو کہ اپنے وارثوں کے پاس انکی سپردگی میں رہتی ہے ہم دونوں کی ابتدائی رسم یعنی منگنی کی رسم تو کی جا چکی ہے اب ہم دونوں حق نکاح (شادی) کرنا چاہتے ہیں میرے گھر والے لڑکی کے وارثوں کے پاس نہیں پہنچ سکتے تاکہ حق نکاح کیا جاوے۔ ایسی صورت میں حق نکاح کا کیا طریقہ ہے تاکہ ہمارے دونوں میں حق نکاح ہو جائے اور لڑکی کو ہم انگلینڈ منگوا سکیں۔

مولانا ابراہیم صاحب مہتمم مدرسہ
عربیہ اسلامیہ میاں چنوں

سائل پاکستان میں کسی ایسے شخص کو اپنا وکیل بنا دے جو لڑکی کے شہر میں رہتا ہو یا وہاں بآسانی پہنچ سکے یہ وکیل اپنے مؤکل کے لئے نکاح کو قبول کرے مہر کی مقدار وغیرہ کا تعین پہلے ہو جاوے مثلاً مقررہ تاریخ پر مجلس نکاح میں لڑکی کا والد وکیل کو کہے کہ میں نے اپنی لڑکی فلانہ کا نکاح اتنے مہر کے بدلے فلاں بن فلاں کے ساتھ کر دیا ہے۔ وکیل مذکور کہے کہ میں نے یہ نکاح اپنے مؤکل فلاں بن فلاں کے لئے قبول کیا۔ بس اس سے نکاح منعقد

ہو جائے گا اس کے بعد لڑکی کو خاوند کے پاس بھیجا جا سکتا ہے۔ وکیل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ سائل کسی خاص شخص کو پاکستان میں یہ لکھ بھیجے کہ تو اتنے مہر پر میرا نکاح فلاں عورت سے کر دے۔

فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

ماں کی پھوپھی سے نکاح کا حکم

قاسم کا نکاح زینب سے جو کہ اسکی نانی بنتی ہے۔ یعنی اسکی ماں کی حقیقی پھوپھی ہے. شرعاً درست ہے یا نہ؟ (سائل محمد ارشد اوکاڑوی)

الجواب زینب کا نکاح قاسم سے جائز نہیں۔ المحرمات بالنسب وهن الامهات والبنات والاخوات والعمات اھ واما العمات فثلث الى قوله وكذا عمات ابيه وعمات اجداده وعمات امه اھ

(عالمگیری ج۲ ص۲) فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نابالغ بچے کا خطبۂ نکاح پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ نکاح کے دیگر امور مثلاً ایجاب وقبول ایک عاقل بالغ عالم کراتا ہے اور خطبہ مسنونہ نکاح کا اس کا چھوٹا نابالغ بچہ پڑھتا ہے کیا یہ جائز ہے کہ نہیں اگر ہے تو کون سی۔؟

الجواب صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہو گیا ہے۔ صبی ممیز کی اذان جیسے معتبر ہے ایسے ہی خطبہ بھی صحیح ہونا چاہیئے۔ اگرچہ بہتر و اولیٰ یہی ہے کہ خطبہ بھی عاقل بالغ پڑھے۔ وينبغى ان يكون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقياً عالماً بالسنة (هنديه ج۱ ص۵۳) اذان الصبى العاقل صحيح من غير كراهة

فی ظاھر الروایۃ ولکن اذان البالغ افضل (ھندیہ ص۵۴ ج۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،
بندہ عبد الستار غفرلہٗ،

بیوی کا خاوند کے ہاں بطورِ بیوی آنا اور رہنا بھی اجازت ہے

زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہوا زینب بالغہ تھی مگر زینب سے پوچھا نہیں گیا باپ نے اجازت دے دی زینب سسرال والے کپڑے اور زیور پہن کر زید کے گھر آگئی بعد میں کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تو زینب سے اجازت لی گئی مگر زید کو دوبارہ قبول نہیں کرایا گیا ۔ تو کیا اس صورت میں نکاح منعقد ہو گیا ؟

الجواب زینب کا نکاح زید سے صحیح ہے کیونکہ زینب کا زید کے گھر جانا یہ اسکی طرف سے اجازت و اقرار سمجھا جائے گا۔ درمختار میں ہے :

او ماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضی کطلب مھرھا و نفقتھا وتمکینھا من الوطی اھ (درمختار علی ردالمحتار ص۳ ج۲) فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبد اللہ عفر لہ،
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۹/۶/۳ھ

مجنون کا نکاح نہیں ہو سکتا

ایک پاگل کا نکاح اس کو پکڑ کر کیا گیا۔ جہاں اس نے ایجاب و قبول خود کیا۔ لڑکی کی طرف سے اس کے باپ نے اجازت دی تھی ۔ آیا نکاح ہوا یا نہیں ۔ اگر نہیں ہوا تو آگے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب فلا ینعقد نکاح المجنون اھ (عالمگیری ص ج۱) معلوم ہوا کہ پاگل کا ایجاب و قبول معتبر نہیں اور اس قبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بس لڑکی آزاد ہے جہاں چاہے کفو میں نکاح کر سکتی ہے والد کی اجازت دینے سے کچھ نہیں ہو گا

کیونکہ انعقادِ نکاح ہی نہیں ہوا۔ اجازت کا اعتبار بعد الانعقاد ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار مفتی خیر المدارس ملتان

۱۸/ ۹ / ۱۴۰۱ھ

شافعی المسلک عورت سے حنفی کا نکاح کرنا

کیا شافعی عورت سے حنفی مرد کا نکاح جائز ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو جامع الرموز کی اس عبارت کا کیا جواب ہے؟

لا یصح نکاح الشافعیۃ لانہا صارت کافرۃ بالاستثناء علی ماروی عن الفضلی ومنہم من قال نتزوج بناتہم الکل فی المحیط ولعل ترک التعرض بمثلہ اولیٰ فانہم متأولون فی ذلک کما بین فی محلہ (جامع الرموز ص۳۰۱ ج۲ از علامہ شمس الدین محمد)

الجواب شافعی المسلک عورت سے حنفی المسلک مرد کا نکاح شرعاً جائز ہے۔ جامع الرموز کی ہی مذکورہ بالا عبارت اور مسئلہ اقتدا بالشافعی اس کی واضح دلیل ہے۔ فضلی رح کا یہ قول معتبر نہیں ہے خصوصاً جبکہ یہ قول بصیغہ مجہول ہے۔ شاید ضعف کی طرف مشیر ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق عفر اللہ لہٗ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

۲۸/ ۹ / ۱۴۱۲ھ

پستان نکل آنا عورت ہونے کی دلیل ہے لہٰذا اس سے نکاح درست ہے

ہمارے ہاں ایک عورت ہے جس کی عمر چھبیس ۲۶ سال ہے اسکے پستان وغیرہ بھی نکل آئے ہیں مگر تاحال ابھی تک اسے حیض وغیرہ نہیں آیا۔ وہ شادی کے قابل ہے کیا اسکی شادی کر دیجائے؟

الجواب پستان کا نکلنا عورت ہونے کی دلیل ہے لہٰذا اس کا نکاح کسی مرد سے درست ہے اور عمر پندرہ سال ہونے کے بعد شرعاً وہ بالغ ہے چاہے حیض وغیرہ نہ آئے۔

فان بلغ وخرجت لحیتہ او وصل الی امرأة او احتلم کما یحتلم الرجل (فرجل) وان ظہر لہ ثدی او لبن او حاض اوحبل اوامکن وطؤہ فامرأة (درمختار علی الشامی ج۵ ص۴۶۲)

والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل ولم یذکرا لانزال صریحا لانہ قلما یعلم منہا فان لم یوجد فیہما شئ فحتی یتم لکل منہما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی۔ (درمختار علی الشامی ج۵ ص۹۷ فصل فی بلوغ الغلام) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

زانیہ ہونے کی وجہ سے طلاق دی تو توبہ کے بعد دوبارہ نکاح کا حکم،

زید کی بیوی زینب تین دفعہ زنا کی مرتکبہ ہوئی جس کا وہ خود بھی اقرار کرتی ہے اسپر کسی مولوی صاحب نے ان کو یہ کہا کہ جس شخص کی بیوی اسقدر مرتکبہ زنا ہوئی اور اس نے بیوی کو طلاق نہ دی تو وہ شخص قیامت کے دن بے غیرت شمار ہوگا۔ یہ بات سن کر زید نے اپنی بیوی زینب کو ایک طلاق دیدی اب تک چھ ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ اب زینب دوبارہ زید کے ہاں جانا چاہتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ جرم کا اقرار کرتی ہوں، توبہ استغفار کرتی ہوں کہ آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گی۔ آیا زینب کو کس طریقے سے توبہ کرائی جائے کیا دوبارہ زینب سے بعداز توبہ نکاح کرے یا کہ نہیں؟

الجواب اگر زید کو یقین ہے کہ زینب صدقِ دل سے تائب ہوچکی ہے اور موجودہ حالت اسکی شہادت دیتی ہے اور طلاق صرف ایک دی تھی تو اب زید دوبارہ نکاح کرسکتا ہے توبہ کے لئے صرف یہ ہے کہ زینب ماضی پر سخت ندامت محسوس کرے اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے استغفار بھی پڑھتی رہے۔ مولوی صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں متعدد کتب دیکھی گئی ہیں، مگر کوئی ایسی بات نہیں ملی۔ ان سے دریافت کیا جاوے کہ انھوں نے کس کتاب سے یہ بات نقل کی ہے۔ ومن ادعی نعلیہ البیان اھ

ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ اھ (درمختار علی الشامیۃ ج۵ ص۲۷۴)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد صدیق غفرلہ
شیخ الحدیث جامعہ خیرالمدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
۹ / ۴ / ۱۳۹۹ھ
مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

مطلقہ باپ کی بیٹی سے نکاح کرنا درست ہے

س اکرم نے جنت بی بی سے نکاح کیا کچھ عرصہ کے بعد طلاق دے دی مطلقہ نے بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر لیا اکرم نے بھی دوسری عورت سے نکاح کر لیا نتیجۃً اکرم کو دوسری بیوی سے اور جنت کو دوسرے خاوند سے اولاد ہوئی کیا اکرم و جنت کی اس اولاد کا باہم نکاح ہو سکتا ہے؟

الجواب اکرم و جنت کی مذکورہ اولاد کا باہم نکاح جائز ہے۔ واما بنت زوجة ابيه او ابنه فحلال۔ (درمختار علی الشامیہ ص۳۰۲ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ،

سوتیلے بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز ہے

س عبدالحمید کی بیوی فوت ہوگئی تو اس نے ایک بیوہ عورت سے شادی کر لی اس بیوہ کے ساتھ ایک لڑکا تھا اسکی بھی شادی کر دی گئی۔ پھر یہ لڑکا بھی فوت ہو گیا۔ کیا عبدالحمید اس لڑکے کی بیوہ سے شادی کر سکتا ہے؟ عبدالحمید خان گڑھ

الجواب عبدالحمید کا اپنے سوتیلے بیٹے کی بیوہ سے نکاح جائز ہے۔ وحلائل ابناءکم الذين من اصلابكم الى ان قال وذكر الاصلاب لاسقاط حليلة الابن المتبنّٰى اھ۔ (فصل فی المحرمات شامیہ ص۳۰۲ ج۲)

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

بھتیجے کی بیوہ سے نکاح کا حکم

کیا بھانجے یا بھتیجے کی بیوی جو کسی غیر قبیلے یا خاندان سے تعلق رکھتی ہو اور بیوہ ہوگئی ہو۔ خاوند کے ماموں یا چچے کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب کوئی اور وجہ ممانعت نہ ہو تو نکاح ہوسکتا ہے۔ بھتیجے یا بھانجے کی بیوی ہونا نکاح سے مانع نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم،

لقوله تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذٰلکم (الآیۃ)

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ،

باپ بلا وجہ شادی میں تاخیر کرے تو اولاد کے گناہ میں باپ بھی شریک ہوگا

کیا حدیث شریف میں یہ آتا ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کی شادی نہ کرے اور اولاد کوئی گناہ کرلے تو باپ بھی اس گناہ میں شریک ہوگا ؟

الجواب اگر باپ نے بلا وجہ تاخیر کی اور اولاد نے کسی گناہ کا ارتکاب کرلیا تو اس کا گناہ باپ کے ذمہ ہوگا۔

عن ابی سعید و ابن عباس مرفوعاً من ولد له من ولد فلیحسن اسمه و ادبه و اذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثماً فانما اثمه علی ابیه (الحدیث)

عن عمر بن الخطاب وانس بن مالک رضؓ عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتا عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثماً فاثم ذٰلک علیه (الحدیث)

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱)

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

نومسلمہ جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے

ایک نومسلمہ عاقلہ و بالغہ خاتون نے اسلام قبول کیا اس کے عیسائی والدین اور رشتہ داروں نے اس سے نفرت ظاہر کرتے ہوئے اس سے قطع تعلق کرلیا اب وہ خاتون نکاح کرنا چاہتی ہے کیا وہ والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرسکتی ہے؟ نومسلمہ غیر شادی شدہ ہے۔ (محمد بلال نواں شہر ملتان)

الجواب مذکورہ نومسلمہ کو شرعاً اجازت ہے جہاں چاہے نکاح کرلے۔

وان لم یکن لها ولی فهو ای العقد صحیح نافذ مطلقا اھ (درمختار) (قوله مطلقا) ای سواء نکحت کفوءً او غیرہ (شامیہ ص ۲۲۳ ج ۲)

ولا ولایة للکافر علی المسلم لانه لا میراث بینهما اھ (بدائع ص ۲۳۹ ج ۲)

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ

فقط واللہ اعلم، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۹/۴/۱۴۱۱ھ

غیر ولی کے اجازت مانگنے پر صرف سر ہلا دینا کافی نہیں

۲۷ فروری ۱۹۷۸ کی شب کو چند آدمی زید کے گھر داخل ہوئے اور اسکی بیٹی زینت کو زبردستی اٹھا کر لے گئے لڑکی اور ورثاء چیخ وپکار کرتے رہ گئے لیکن کسی نے نہیں سُنی ملزمان لڑکی کو باندھ کر ٹرک میں ڈال کر لے گئے گاؤں میں پہنچ کر لڑکی سے کہا کہ نکاح خواں موجود ہے تم رضامندی ظاہر کرو، ورنہ تمہیں قتل کردیا جائے گا لڑکی نے بہت مِنّت سماجت کی کہ ایسا نہ کرو، بالآخر ایک عورت نے کہا کہ تم زبان سے نہیں کہتی تو رضامندی کے لئے سر ہلادو۔ لڑکی نے ڈر کے مارے سر ہلا دیا۔ پھر لڑکی نے دوسرے دن عدالت میں واضح طور پر کہہ دیا کہ میرے ساتھ زبردستی کی گئی ہے میں رضامند نہیں تھی کیا شرعاً یہ نکاح منعقد ہوا؟

الجواب برتقدیر صحت واقعہ یہ نکاح منعقد نہیں ہوا مسماۃ زینت بدستور غیر منکوحہ ہے فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبي أو ولي بعيد فلا عبرة لسكوتها بل لا بد من القول كالثيب البالغة اھ

(درمختار علی الشامیۃ) ص $\frac{۳۲۶}{ج ۲}$ باب الولی۔

فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ
۹۸/۵/۲ھ

الجواب صحیح،
بندہ محمد صدیق غفرلہ

ثیبہ کا چپ رہنا دلیلِ رضا نہیں

کنیز بی بی تین سال سے بیوہ ہے اور والدہ کے پاس ٹھہری ہوئی ہے اس کے وٹہ میں اس کے بھائی کے رشتہ کی بات چلی کنیز نے مخالفت کی، والدہ نے قرآن لاکر اسکی جھولی میں رکھ دیا کنیز خاموش رہی۔ والدہ اور چچا نے زبردستی انگوٹھے لگوا لئے بعد از رخصتی کنیز بی بی صرف پندرہ منٹ سسرال کے گھر ٹھہری اور واپس آگئی اور نکاح کو قبول نہیں کیا کنیز بی بی نے کسی وقت بھی اظہارِ رضا نہیں کیا بلکہ شادی کے کپڑے بھی نہیں پہنے۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا۔؟

الجواب برتقدیرِ صحتِ سوال یہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوا۔ لڑکی بدستور آزاد ہے ولو استأذن الثيب فلا بد من رضاها بالقول۔اھ

(عالمگیری ص $\frac{۲۸۹}{ج ۱}$) فقط واللہ اعلم۔
محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۹/۱۰/۹۹ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نکاح خواں فوت ہو جائے تو نکاح باقی رہتا ہے

ایک نکاح خواں نے ایک عورت

اور مرد کا باہمی نکاح پڑھایا ایک عرصہ کے بعد وہ نکاح خواں فوت ہوگیا۔ کیا صورت ہذا میں نکاح خواں کے فوت ہونے سے اِس نکاح پر کوئی اثر پڑے گا جبکہ لڑکی والے کہتے ہیں کہ نکاح پڑھانے والا فوت ہوگیا ہے تو نکاح بھی ختم ہوجانا چاہیئے؟

الجواب نکاح خواں کے فوت ہونے سے اس کے پڑھاتے ہوئے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے یہ لڑکی بدستور شخص مذکور کے نکاح میں ہے اس سے طلاق لئے بغیر اس کا دوسری جگہ نکاح درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحٰق غفرلہ،

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نکاح میں ایک صیغہ ماضی کا ہو دوسرا حال کا تو نکاح کا حکم

ایک نکاح خواں نے دو آدمیوں کے درمیان نکاح کیا اور لڑکے کو یوں کہا کہ میں تیرا نکاح فلاں بنت فلاں کے ساتھ کرتا ہوں، کیا تجھے منظور ہے۔ تو لڑکے نے کہا "ہاں" پھر اس نے لڑکی سے یوں کہا کہ میں تیرا نکاح فلاں بن فلاں کے ساتھ کرتا ہوں کیا تجھے منظور ہے۔ تو لڑکی نے کہا "ہاں" یعنی نکاح میں زمانہ حال کے الفاظ استعمال کئے۔ زمانہ ماضی کے الفاظ استعمال نہیں کئے کیا اس سے نکاح ہوجاتا ہے۔ یہ گفتگو نکاح کی تھی منگنی کی نہیں تھی باقاعدہ نکاح ہوا تھا۔ مہر کا بھی اس میں ذکر کیا گیا تھا۔

الجواب صورت مسئولہ میں نکاح خواں کے الفاظ ایجاب ہیں اور لڑکے اور لڑکی کا ہاں کہنا بمنزلہ قبلتُ ہے۔ لہذا نکاح منعقد ہوگیا۔

ینعقد بالایجاب والقبول وضعا للمضی أو وضع أحدهما للمضی والآخر لغیرہ مستقبلاً کان کالأمر أو حالاً کالمضارع فاذا قال لها اتزوجك بكذا فقالت قد قبلتُ يتم النكاح الخ عالمگیری ص۲۷۰ ج۱

الجواب صحیح فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ

ساڑھے گیارہ برس کی لڑکی بالغ ہونے کا دعویٰ کرے تو قبول ہے

ایک لڑکی جس کی عمر ساڑھے گیارہ برس تھی۔ اس کے والد نے بغیر لڑکی کی اجازت کے ایک شخص کے ساتھ نکاح کر دیا۔ بوقت نکاح مذکورہ لڑکی کا بھائی موجود تھا تو نکاح کے بعد بھائی نے گھر آ کر ہمشیرہ کو بتایا کہ والد صاحب نے تیرا نکاح فلاں سے کر دیا ہے۔ تو یہ سنتے ہی لڑکی نے اپنے دو بڑے بالغ بھائیوں اور والدہ کے سامنے کہہ دیا کہ یہ نکاح مجھے نامنظور ہے۔ میں بالغ ہوں اگر یہ لڑکی بعدہٗ نکاح دوسری جگہ کرے تو یہ نکاح شرعاً نافذ ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب اگر ظاہر حال لڑکی کے اقرار بلوغ کی تکذیب کرتا ہو۔ تو اس کا دعویٰ بلوغ معتبر ہے بناءً علیہ ردِّ نکاح بھی صحیح ہے۔

وادنی مدتہ لہٗ اثنتا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین ھو المختار کما فی احکام الصغار فان راھقا بأن بلغا ھذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبھما الظاھر۔اھ

(درمختار علی الشامیۃ طبع بیروت ص۹۷/۵۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

تحکیم سے معزولی کے بعد حکم کا نکاح کو فسخ کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ مسمی بہادر نے آج سے قبل بیس سال اپنی لڑکی دولت بی بی کا نکاح دل میر ولد سلطان کے ساتھ کر دیا۔ اس کے بعد اس کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور ایک پلان کے تحت ایسا کہا کہ جب نکاح ہوا تھا۔ تو نکاح والا بچہ نابالغ تھا۔ اس کو ایجاب و قبول کا علم نہ تھا لہذا نکاح ثابت نہیں۔ کچھ علماء نے اس بیان پر فتویٰ دے دیا کہ نکاح ثابت نہیں، چنانچہ بہادر نے دوسری جگہ دولت کا نکاح کر دیا۔

اہلِ علاقہ نے اس نکاح پر شور مچایا۔ تو آخر فیصلہ یہ ہوا کہ مولوی عبدالرشید مدرس پرانی عیدگاہ جھنگ صدر جو فیصلہ کر دے ہمیں قبول ہے۔ مولوی صاحب نے اس علاقہ کے معمر لوگوں کو بلا کر ایک سرکنی بورڈ بنوالیا۔ اور اسٹامپ پر دونوں فریقوں سے تحریر کر دایا کہ ہم جو فیصلہ کریں آپ کو منظور ہو گا۔ اس کے بعد دو ماہ گزر گئے تو لڑکی والے فریق نے مولوی صاحب کو تحکیم سے معزول کر دیا۔ اور کہا کہ آپ ہمارے حکم نہیں اور باقاعدہ تحریری نوٹس دیا۔ مولوی صاحب نے دونوں فریقوں کو کہہ دیا کہ آپ میرے سے کاغذ واپس لے لیں۔ کیونکہ میں آپ کا حکم نہیں رہا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد لڑکی والے کو ایک فتوی اور حکم دیا۔ کہ دلمیر کا نکاح ثابت ہے۔ لیکن چونکہ ان کو رشتہ کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا میں اس نکاح کو فسخ کرتا ہوں۔ بحیثیت حکم ہونے کے۔ اب سوال یہ ہے کہ تحکیم ختم ہو جانے کے بعد مولوی صاحب کو فسخ کرنے کا حق ہے۔ یا نہ ؟ (نور احمد بقلم خود)

الجواب ہدایہ میں ہے۔ ولکل واحدٍ من المحکمین ان یرجع مالم یحکم علیہما لانّہٗ ..... من جہتہما فلا یحکم الا برضاھا جمیعًا اھ باب التحکیم۔ اور کنز میں ہے۔ لکل واحدٍ من المحکمین ان یرجع قبل الحکم اھ۔ نیز درمختار میں ہے

وینفرد احدھما بلفظہ ای التحکیم بعد وقوعہ کما ینفرد احد العاقدین فی مضاربۃ وشرکۃ ووکالۃ بلا التماس طالب۔ (باب التحکیم)

عبارات بالا سے ظاہر ہے کہ فیصلہ سے قبل ہر فریق کو تحکیم سے رجوع کرنے اور حکم کو معزول کرنے کا اختیار ہے۔ پس صورت مسئولہ میں جب حکم کو ایک فریق نے معزول کر دیا۔ اور حکم نے اس معزولی کو تسلیم کرتے ہوئے متعلقہ کاغذات بھی واپس کر دیئے۔ تو اس حکم کی معزولی میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ لہٰذا معزولی کے بعد اس کا فیصلہ شرعًا کالعدم ہے کسی فریق پر اسکی پابندی لازم نہیں۔ دولت بی بی مذکورہ بدستور دلمیر کی منکوحہ ہے۔ علاوہ ازیں بظاہر تحکیم ثبوت نکاح وعدم ثبوت کے بارے میں تھی کہ متنازعہ فیہ نکاح ثابت ہے یا نہیں۔ ثابت شدہ نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ابتداء ہی سے حکم کو

حاصل تھا۔ یہ الگ بحث ہے کہ تحکیم کن امور میں جائز ہے اور کن میں نہیں۔ حق رجوع سے دستبرداری کے بعد بھی فریقین کو حق رجوع باقی رہتا ہے۔ جیساکہ باب عزل الوکیل سے ظاہر ہے کما فصّلہ فی الشامیۃ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

سمجھ دار بچّے کا ایجاب و قبول معتبر ہے

میاں نور نواز کی اجازت کے بغیر اس کی بیوی نے اسکی بالغ لڑکی کا نکاح کر دیا۔ نیز اس کے لڑکے کا نکاح وٹہ سٹہ میں اسکی اجازت کے بغیر کر دیا جبکہ وہ نابالغ تھا اور کوئی علامت بلوغ اس میں ظاہر نہ تھی اگر یہ نکاح باپ کی مرضی پر موقوف تھا تو اسکی اجازت کے بغیر کرنیوالے حضرات کا کیا حکم ہے۔ نور نواز کے لڑکے کی عمر بوقت نکاح نو سال تھی۔

الجواب باپ کی موجودگی میں نابالغ لڑکے کا نکاح دوسرے لوگوں کو کرنے کا حق نہیں ہے۔ باپ کو نکاح کرنے کا حق تھا۔ اس کی اجازت کے بغیر نکاح ہوا ہے اور نابالغ لڑکے کا ایجاب و قبول صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا یہ نکاح باطل ہے۔

فلو زوّج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ

(کذا فی شرح تنویر الابصار ص۳۱۲ ج۲)

ترجمہ: اگر قریب ولی کے ہوتے ہوئے دوسرے ولی نے نکاح کیا تو قریب ولی کی اجازت پر موقوف ہے اور موجودہ مسئلہ میں قریب ولی لڑکے کا باپ ہے اور باپ نے اجازت نہیں دی ہے۔ لہٰذا نکاح باطل ہے۔

وھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر (درمختار)

ترجمہ: صغیر یعنی نابالغ کے نکاح کے صحیح ہونے کی شرط ولی ہے یعنی اگر ولی کی اجازت ہو۔ تو نکاح درست ہوگا ورنہ نہیں کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۲۷ ج۱۴

وولی المرأۃ فی تزویجہا ابوھا وھو اولی الاولیاء ثم الجد کذا فی خلاصۃ الفتاوی ص۱۸ ج۲

فالحاصل صورت مسئولہ میں نکاح باطل ہے اور جو حضرات نکاح کرنے والے تھے

وہ عنداللہ مجرم ہوں گے

کتبہ عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ مدرسہ عربیہ احیاء العلوم

بمہر مدرسہ احیاء العلوم رجسٹرڈ ، ماموں کانجن ضلع فیصل آباد

جامع مسجد ماموں کانجن ضلع فیصل آباد۔

الجواب نورنواز کے اس لڑکے کا نکاح موقوف تھا، نورنواز کی اجازت پر اگر نکاح کی اطلاع ملنے پر اس نے اسے جائز قرار دیا ہے تو یہ نکاح لازم ہو چکا ہے اور اگر اس نے مسترد کر دیا ہے تو ختم ہو گیا ہے۔

فی الدر المختار وما تردد من العقود بین نفع وضرر الخ توقف علی الاذن فان اذن لھما الولی فھما فی شراء وبیع کعبد مأذون اھ۔ (درمختار علی الشامیۃ ص۱۱۰ ج۵)

اور جن لڑکیوں کے نکاح اس کے بعد کئے گئے ہیں وہ علی الاطلاق درست ہیں یعنی اس نکاح کی صحت وعدم صحت سے ان پر اثر نہیں پڑے گا۔ متعلقہ فتویٰ کی یہ عبارت "نابالغ لڑکے کا ایجاب قبول صحیح نہیں ہے" درست نہیں ہے کیونکہ یہ بات صبی غیر ممیز کے بارے میں ہے اور صورت مسئولہ میں صبی ممیز ہے۔ اذن ولی انعقاد نکاح کے لئے ضروری نہیں ہے۔ البتہ نفاذ نکاح کے لئے ضروری ہے۔ مذکورہ فتویٰ میں عدم اذن کو دلیل عدم انعقاد بنانا درست نہیں۔ واما شروطہ فمنھا العقل والبلوغ والحریۃ فی العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ینعقد نکاح المجنون والصبی الذی لا یعقل والاخیران شرطا النفاذ فان نکاح الصبی العاقل یتوقف نفاذہ علی اجازۃ ولیہ اھ (عالمگیری ص۲۶۷ ج۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح،	محمد انور
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	خیر المدارس۔ ملتان۔
مفتی خیر المدارس ملتان	۲۹ / ۶ / ۱۴۰۱ھ

گواہ منکوحہ کو ذاتی طور پر نہ جانتے ہوں تو اس کا اور اس کے باپ دادا کا نام ذکر کرنا کافی ہے۔

ہندہ مجلس نکاح میں نہیں گواہوں کے سامنے اس کا اس کے باپ اور اسکے دادے کا نام ذکر کیا جاتا ہے کیا اتنا ذکر کرنا کافی ہے؟ اور اس سے وہ معروفہ ہو جائے گی؟ یا شاہدین کا ذاتی طور پر اسے جاننا ضروری ہے؟

الجواب ہندہ اور اس کے باپ اور دادا کا نام ذکر کرنے سے وہ معروفہ ہو جائے گی۔ کما فی الشامیۃ صـ ۲۷۲/۲

والحاصل أن الغائبة لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وان كانت معروفة عند الشهود على قول ابن الفضل وعلى قول غيره يكفي ذكر اسمها ان كانت معروفة عندهم والا فلا وقال قبله بحوالة البحر ثم قال في البحر وان كانت غائبة ولم يسمعوا كلامها بأن عقد لها وكيلها فان كان الشهود يعرفونها كفى ذكر اسمها اذا علموا أنه أرادها وان لم يعرفوها لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها الى قوله وفي التاتارخانية عن المضمرات ان الاول هو الصحيح وعليه الفتوى الخ

اس سے معلوم ہوا کہ غائبہ مؤکلہ اس کا نام اور باپ دادے کا نام ذکر کرنے سے عند الشاہدین معروفہ ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،	بندہ محمد صدیق غفر لہ،
بندہ محمد عبد اللہ غفر لہ،	نائب مفتی خیر المدارس ملتان
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان	۲۱/ ۵/ ۷۳ھ

علاتی بھانجی سے نکاح کا حکم

ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں ایک بیوی کی ایک لڑکی ہے اسکی لڑکی کی ایک لڑکی ہے دوسری

بیوی کا ایک لڑکا ہے کیا لڑکا مسمی طارق اس تیسری لڑکی مسماۃ خالدہ کے ساتھ اس کا نکاح ہوسکتا ہے؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں مسمی طارق اور مسماۃ خالدہ کا آپس میں نکاح درست نہیں ہے کیونکہ خالدہ طارق کی علاتی بھانجی ہے اور علاتی بھانجی حقیقی بھانجی کی طرح حرام ہے ہندیہ میں ہے:

واما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت لام وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن الخ (ہندیہ ص۲ ج۲) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۷/۶/۱۴۰۹ھ

بھانجے کی لڑکی سے ماموں کا نکاح جائز نہیں

میرے نانا کی پہلی بیوی سے ۴ لڑکیاں تھیں۔ اس کے بعد میرے نانا نے دوسری بیوی کر لی اس بیوی سے لڑکے پیدا ہوئے، جو میرے ماموں لگتے ہیں۔ میں اپنے ماموں سے اپنی لڑکی کی شادی کر سکتا ہوں؟

الجواب آپ کی لڑکی کا نکاح آپ کے ماموں سے شرعاً جائز نہیں۔

وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن اھ (عالمگیری ص۲ ج۲)

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد اسحاق غفرلہ،

الجواب صحیح،
خیر محمد عفا اللہ عنہ،

خاوند نے کہا میں "مسلمان نہیں" تو تجدیدِ نکاح کا حکم،

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ ہم زوجین کے مابین گڑبڑ ہوگئی جس سے ہمارے دلوں میں نفرت کے آثار ظاہر ہوگئے اور پھر پہلے اس نے مجھے بطورِ مذاق سمجھو یا بلانے کی خاطر

السلام علیکم کہا لیکن میں نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اسیطرح اُس نے چند بار کیا لیکن میں بدستور خاموش رہا اب وہ مجھے کہتی ہے کہ تم مسلمان نہیں ہو جواب میں مَیں نے کہا کہ نہیں ہوں۔ اب اِس جواب سے نہ تو میرا یہ خیال تھا کہ مَیں واقعی مسلمان نہیں ہوں، اور نہ ہی بطورِ مذاق تھا بس اِس قسم کا خیال جس میں یہ جواب دیا گیا تو کیا نکاح ٹوٹ گیا ہے یا نہ۔ اگر نکاح ٹوٹ گیا ہے تو دوبارہ کرنا چاہیئے؟ اس صورت میں حق مہر بھی دوبارہ ادا کرنا ہوگا___؟ اگر نکاح ٹوٹ گیا ہے تو کتنی عِدّت گزارنی ہے؟

الجواب سائل کی کلام میں چونکہ تاویل ہوسکتی ہے لہذا کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا البتہ احتیاطاً تجدیدِ نکاح کر لینا چاہیئے_____ کم از کم مہر باندھ لیا جائے، تجدیدِ نکاح کے لئے عدۃ گزارنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
عبداللہ عفر اللہ لہٗ
خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفی عنہٗ

پھوپھی بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں

پھوپھی کے ہوتے ہوئے اسکی بھتیجی یا خالہ کے ہوتے ہوئے اسکی بھانجی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جائز نہیں۔ لقوله علیه السلام لا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها ولا علی ابنة اخیها ولا علی ابنة اختها اھ وھذا مشهور یجوز الزیادة علی الکتاب بمثله اھ (ہدایہ ص۳۰۹ ج۲)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۲/ ۶/ ۹۶ھ

نکاح کی شہادت بالتسامع بھی جائز ہے

خیر شاہ بیٹا ہے ہدایت شاہ متوفی کا اور اس کا نکاح نابالغی کی حالت میں مسماۃ مختار بی بی نابالغہ کے ساتھ ہوا تھا اور سردار بی بی بنت ہدایت شاہ کا نکاح محمد شاہ برادر مختار بی بی کے ساتھ بر تبادلہ ہوا تھا اور سردار بی بی کے گھر ایک لڑکا تولد ہوا لڑکے کا نام اقبال حسین عمر ایک سال کا موجود ہے اب فتح شاہ والد محمد شاہ کہتا ہے کہ نہ تو لڑکی سردار بی بی کا نکاح میرے لڑکے مسمّی محمد شاہ کے ساتھ ہوا ہے اور نہ ہی مختار بی بی کا نکاح خیر شاہ کے ساتھ ہوا ہے گواہ پھر چکے ہیں کیا مختار بی بی کا نکاح خیر شاہ کے ساتھ موجود ہے یا نہ؟

الجواب اگر وہ گواہان جو نکاح کے وقت موجود تھے وہ پھر چکے ہیں اور گواہی کیلئے تیار نہیں۔ تو ایسے گواہ جو مجلس میں حاضر تھے اور انکو باقاعدہ گواہ نہیں بنایا یا ایسے گواہ جو مجلس میں موجود نہیں تھے لیکن سن سنا کر انکو علم ہو چکا ہے کہ یہ دونوں نکاح واقعہ میں ہوئے ہیں۔ اگر گواہی دے دیں تو بھی نکاح ثابت ہو جائے گا۔ البتہ ان گواہوں کو یہ لفظ کہنے پڑیں گے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ انکے مابین نکاح ہے یوں نہ کہیں کہ یہ نکاح ہمارے سامنے ہوا۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص۶۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ عبداللہ عفرلہ

خیر محمد عفی عنہ

نکاح کی اجازت لینے کے وقت گواہوں کا ہونا ضروری نہیں

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ایک لڑکی بالغہ کے نکاح کے وقت لڑکی کی اجازت دو گواہوں کے سامنے ضروری ہے یا نہیں جواب بحوالہ کتاب فرمائیں؟

۲۔ مسلمان لڑکا اور مسلمان لڑکی کا نکاح ایک مرزائی کرائے تو نکاح ہوتا ہے یا نہیں؟

(فقط والسلام، از میاں جی دوست محمد امام مسجد چک ۲۲۸)

الجواب ۱۔ بالغہ لڑکی کے نکاح کی اجازت لینے کے وقت شرعاً گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ کما فی العالمگیریۃ ص۱۵۲ یصح التوکیل بالنکاح

وان لم یحضرہ الشھود کذا فی التاتارخانیۃ ناقلاً من التجنیس لخواھر زادہ لیکن ثبوت کے لیئے گواہ شرط ہیں۔

۲۔ مسلمان لڑکے اور لڑکی کا نکاح اگر مرزائی وکیل بن کے کرائے اور دو گواہ مسلمان موجود ہوں تو پھر نکاح تو ہو جائیگا لیکن ایسا کرنا اسلامی غیرت کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ اصغر علی غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ، ۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ

باپ کا ماموں بیٹی کے لئے محرم ہے

زید کی لڑکی کے لئے زید کا ماموں اور چچا محرم بنے گا یا غیر محرم ؟

قمر الدین احمد دفتر خیر المدارس ملتان

الجواب زید کی لڑکی کے لئے زید کا ماموں محرم ہے کیونکہ وہ لڑکی اسکی بہن کی اولاد ہے وبنات الاخ وبنت الاخت فھن محرمات نکاحاً ووطئاً ودواعیہ علی التابید الیٰ قولہ وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن اھ (ہندیہ ص ۲ ج ۲)

اور ایسے ہی زید کا چچا زید کی بیٹی کے لئے محرم ہے کیونکہ وہ بیٹی اسکی اولاد الاخ میں شامل ہے۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ۹/ ۹۶ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خاوند اگر ہندو ہو جائے تو نکاح باطل ہو جاتا ہے

ایک لڑکی کی بارہ سال کی عمر میں ہندوستان میں ایک لڑکے کے ساتھ شادی ہو چکی تھی ۱۹۴۷ء میں لڑکی مع والدین پاکستان آ گئی اور لڑکے نے ہندوستان میں ماں باپ کے ساتھ ہندو مذہب اختیار کر لیا اور وہ وہیں رہ گیا جب ہندو ہوا تو اسوقت بالغ تھا اور خوشی سے ہوا۔ وہاں کے مسلمان جب پاکستان آنے لگے تو اسکو بھی آنے کا کہا تو

اس نے کہا کہ میں ہندو ہو چکا ہوں۔ پاکستان نہیں جاؤں گا۔ اب لڑکی کی عمر ۲۲ سال ہو چکی ہے دوسری جگہ اسکی شادی کر دی گئی ہے۔ آیا یہ نکاح ثانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں لڑکا بالغ تھا اور طوعاً مذہب اسلام کو چھوڑ گیا۔ لہٰذا مُرتد ہو گیا اور مرتد کا نکاح فی الحال باطل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا لڑکی کا نکاح دوسری جگہ درست ہے۔ ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال (عالمگیری ص۳۳۹ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،
خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان
۴/۲/۷۴ھ

علاتی پھوپھی سے بھی نکاح جائز نہیں

میرا نام محمد اشرف ولد نواب دین ہے۔ میرا ایک لڑکا محمد تسلیم اختر جو کہ میری پہلی بیوی ارشاد بی بی جو کہ بہت عرصہ ہوا فوت ہو چکی ہے کا بیٹا ہے اب میں نے دس سال ہوئے دوسری شادی منیراں بی بی دختر اللہ دتہ سے کر لی۔ اس سے میرے دو بچے بلال عمر ۸ سال اور صدام ۴ سال پیدا ہوئے اور صرف دو ہی بچیاں پیدا ہوئیں۔ اب میرا لڑکا محمد تسلیم اختر میری موجودہ بیوی کی ہمشیرہ پروین دختر اللہ دتہ سے شادی کرنا چاہتا ہے دونوں بالغ ہیں اور شادی کرنے پر راضی ہیں آیا یہ شادی شرعی طور پر ہو سکتی ہے؟

دوسرا اس شادی سے اولاد ہونے کی صورت میں یہ اولاد اشرف کے لڑکے لڑکیوں سے شادی کر سکتے ہیں؟

الجواب ۱۔ مسمی محمد تسلیم اور مسمات پروین کا آپس میں نکاح شرعاً جائز ہے۔ لقولہ تعالیٰ واحل لکم ماوراء ذلکم (الآیۃ)
۲۔ مسمی محمد تسلیم کی اولاد کا نکاح اس کے والد محمد اشرف کی اولاد (جو دوسری بیوی سے ہے) سے شرعاً جائز نہیں۔ یہ دونوں اولادیں ایک دوسرے کے لئے ہمیشہ

ہمیشہ کے لئے حرام ہیں، کیونکہ صدف ۔ صدبا محمد تسلیم کی چونکہ علاتی بہنیں ہیں۔ تو یہ محمد تسلیم کی اولاد کی علاتی پھوپھی لگیں ۔حقیقی پھوپھی کی طرح علاتی پھوپھی بھی حرام ہے ۔

اما العمات فثلث عمة لاب وام وعمة لاب وعمة لام (ص ج ۲ ہندیہ)

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،
بندہ محمد اسحاق غفرلہ،

سیّدہ بلا رضائے اولیاء راجپوت سے نکاح نہیں کر سکتی

ایک عورت بارہ سال سے بیوہ ہے اور گزر کی کوئی صورت نہیں کیا وہ باپ کی اجازت کے بغیر خالہ زاد بھائی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے ؟ عورت قوم کے لحاظ سے سید شمسی ہے خالہ کا لڑکا راجپوت پنوار ہے ۔

(مفتی کلیم اللہ مدرسہ تعلیم القرآن ملتان روڈ میلسی)

الجواب غیر کفو میں مفتی بہ روایت عدم جواز ہی کی ہے باوجود تلاش کے کوئی جزئیہ مفیدہ نہیں ملا۔ لہٰذا یا تو کفو تلاش کیا جائے ۔ یا پھر اولیاء کو راضی کیا جائے ۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا الآیۃ. فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،
۸/ ۱/ ۹۸ ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نکاح معلق منعقد نہیں ہوگا

دادے نے اپنی حقیقی پوتی کا نکاح جس کی عمر پانچ سال تھی ایک نابالغ بچے سے کر دیا اور بچی کے والد سے اجازت نہیں لی لیکن نکاح مشروط طور پر کیا کہ اگر والد نے اجازت دی تو نکاح درست ہوگا ۔ دو روز گزرنے کے بعد جب لڑکی کے والد کو پتہ چلا تو اس نے انکار کر دیا اور روبرو گواہان کہا کہ میں اپنی بچی کا نکاح جو بچی کے دادا نے کیا ہے نامنظور کرتا ہوں ۔ کیا یہ نکاح باقی ہے ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں یہ نکاح باقی نہیں ہے اولاً اسلئے کہ یہ نکاحِ معلّق ہے اور وہ صحیح نہیں بلکہ باطل ہے ۔ کما فی الدر المختار والنکاح لا یصح تعلیقه بالشرط کتزوجتك ان رضی ابی لم ینعقد النکاح لتعلیقه بالخطر اھ (صفحہ ۳۲۰/۲ کوئٹہ) اور باپ نے علم ہوتے ہی اسے رَد بھی کر دیا ہے

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

دونوں گواہوں کا بیک وقت ایجاب و قبول کو سُننا ضروری ہے

میاں بیوی نے پہلے ایک گواہ کے سامنے ایجاب و قبول کیا پھر دُوسری مجلس میں دُوسرے گواہ کے سامنے تو کیا نکاح ہو گیا ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا۔ وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین سامعین قولهما معاً علی الاصح فاهمین انه نکاح علی المذهب اھ درمختار۔ ولو کان بحضرة الرجلین واحدهما اصم فسمع السمیع دون الاصم فصاح السمیع او رجل آخر فی اذن الاصم لا یجوز حتی یکون سماعهما معا اھ عالمگیری ص ۲۶۸/۱

الجواب صحیح | فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، | محمد انور عفا اللہ عنہ،

دو مختلف آدمی ایک عورت کے نکاح کے مُدعی ہوں اور دونوں کے پاس بینہ ہو!

ایک لڑکی کا نکاح اس کے والد نے ہندوستان میں کر دیا تھا اور ۱۵ راگست کے اختلافات میں وہ گم ہو گئی جن کے ہاتھ آئی انہوں نے بھی لڑکی سے اپنا نکاح کر لیا اور انہی کے ہاں رہی حتیٰ کہ اسکے

بطن سے لڑکا پیدا ہوا اب وہ پہلے نکاح والا مدعی ہے کہ یہ میری بیوی ہے اور دوسرے نکاح والا مدعی ہے کہ یہ میری بیوی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ لڑکی کس کو ملے گی۔؟

عبدالکریم مدرسہ نظامیہ علی پور مظفر گڑھ

الجواب لڑکی مذکورہ ناکح اول کو ملے گی اس لئے ناکح ثانی پر لازم ہے کہ فوراً اس لڑکی کو ناکح اول کے ہاں بھیج دے لیکن اول بھی جب تک فرقت کے بعد عورت مذکورہ کو ایک حیض نہ آجائے وطی نہیں کرسکتا۔

وفی العالمگیریۃ رجلان ادعیا نکاح امرأۃ واقاما البینۃ لا یقضی لواحد منھما الا اذا اقرت المرأۃ لاحدھما ھذا اذا لم یؤرخا او ارّخا واحداً وان ارّخا وتاریخ احدھما اسبق فھو اولیٰ۔ فقط واللہ اعلم!

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ، الجواب صحیح،

۱۱ / ۷ / ۷۶ھ بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

لڑکی مذکورہ شرعاً ناکح اول کی منکوحہ ہے ناکح ثانی کا نکاح جائز نہیں جب تک وہ ناکح اول سے طلاق حاصل کرکے عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح نہ کرے۔ راخیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

نابالغ کے خطبہ نکاح پڑھنے کا حکم:

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین وعلماء دین دریں مسئلہ کے حکم میں کہ:

نکاح کے دیگر امور مثلاً ایجاب وقبول تو ایک عاقل بالغ عالم کراتا ہے اور خطبہ مسنونہ للنکاح اس کا چھوٹا نابالغ بچہ پڑھتا ہے۔ آیا اس نابالغ بچے کا خطبہ مسنونہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کسی قسم کی کراہت تو نہیں اگر کراہت ہے تو کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی ہے؟ اس بچہ کی عمر دس سال ہے۔

الجواب صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہوگیا۔ صبی ممیز کی اذان جیسے معتبر ہے، ایسے ہی خطبہ بھی صحیح ہونا چاہیئے۔ اگرچہ بہتر اولیٰ یہی ہے کہ خطبہ بھی عاقل بالغ

پڑھے ۔ وینبغی ان یکون المؤذن رجلا عاقلا صالحا تقیا عالما بالسنة ھندیہ ص۵۳ ج۱
اذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراھة فی ظاھر الروایة ولکن
اذان البالغ افضل ص۵۴ ج۱ ھندیہ) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ،
بندہ عبد الستار غفرلہ ،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ،
۲۷ / ۶ / ۱۴۱۳ھ

اہلِ تشیع سے نکاح کرنیوالے سے بائیکاٹ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ ممتاز بی بی کے ایک شیعہ سبتی کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے اس عورت نے اپنے بھائیوں کو مجبور کر کے اپنا نکاح اس شیعہ کے ساتھ کرا لیا ۔ لیکن برادری اہلِ سنت والجماعت نے اس کے بھائیوں کو مجبور کیا کہ اس کا نکاح اپنے ہم فکر اہل سنت والجماعۃ میں سے کسی کے ساتھ کر دو انہوں نے کہا کہ ہمیں اہلسنۃ والجماعۃ کی کوئی ضرورت نہیں ہم اس کا نکاح اسی شیعہ سبتی مسمی اقبال شاہ سے کریں گے آخر کار برادری نے آئندہ ایسے غلط عمل کے سدِ باب کے لئے حلف قطع تعلق کر لیا ۔ کیا یہ حلف درست ہے یا نہیں ؟ (المستفتی حاجی جندوڈہ اوچ شریف ضلع بہاولپور)

الجواب : یہ حلف درست ہے اسکی پابندی کیجائے تاکہ آئندہ ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو ۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

غیر مقلدوں سے رشتہ کرنے کا حکم

مسئلہ یہ ہے کہ ایک لڑکا اہلِ حدیث خاندان سے تعلق رکھتا ہے کیا اس کا رشتہ اہل السنۃ خاندان سے ہو سکتا ہے اگر رشتہ ہو گیا تو کیا وہ نکاح درست ہوگا ؟

(فضل الرحمن فیصل آبادی)

الجواب بعض غیر مقلد متشدد ہوتے ہیں ۔ ان سے رشتہ کرنا خلافِ مصلحت ہے اگر ہو گیا ہو تو لڑکی کو تاکید کی جائے کہ وہ اپنے عقائد و اعمال میں پختہ رہے کسی کی باتوں سے متاثر نہ ہو ۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ ،

مطلقہ کی عدت میں اسکی بھتیجی سے نکاح کا حکم

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے اور انقضائے عدت سے قبل اپنی مطلقہ عورت کی بھتیجی سے نکاح کرنا چاہتا ہے آیا یہ نکاح شرعاً صحیح اور قابلِ قبول ہے

الجواب صورت مسئولہ میں مذکور آدمی اپنی مُطلقہ عورت کی عدت پُوری ہونے سے پہلے اس عورت کی بھتیجی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ عدت ختم ہونے پر جو نکاح ہوگا۔ وہ صحیح اور قابلِ قبول ہوگا۔

وحرم الجمع بین المحارم نکاحاً ای عقداً صحیحاً وعدۃً ولو من طلاق بائن۔ (درمختار ص۲۸۴ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

محمد انور عفی عنہ

مُرتد کسی سے نکاح نہیں کر سکتا

مسمّی رفیق رضیہ سے شادی کرنے کے لئے مرزائی بن گیا۔ شادی کے دو سال بعد مسماۃ رضیہ مرزائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوگئی اور مسمّی رفیق بدستور مرزائی ہے اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب مذکورہ مرد عورت کا نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا۔ کیونکہ مُرتد کا نکاح کسی صورت میں منعقد ہی نہیں ہوتا۔

اعلم ان تصرفات المرتد علی اربعۃ اقسام الیٰ قولہ ویبطل منہ اتفاقاً ما یعتمد الملۃ وھی خمس النکاح اھ درمختار قولہ النکاح ای ولو لمرتدۃٍ مثلہ اھ شامیہ ص۳۰۲۔ وفی العالمگیریۃ ومنہا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ لا حرۃ ولا مملوکۃ اھ ص۲۷۱ ج۲۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ،
عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

نومسلمہ کے ساتھ استبراء سے پہلے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص نے نومسلمہ سے قبل از استبراء ورسم نکاح کیا اور تقریباً دس سال کا عرصہ گزر چکا ہے، آیا اس کا پہلا نکاح صحیح ہے یا نکاح جدید کی ضرورت ہوگی ؟

۲۔ اگر عدم جواز ثابت ہو تو پھر کیا صورت ہونی چاہیئے اور جو عرصہ گزر چکا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے ؟

الجواب ۱۔ نومسلمہ عورت کے اسلام کے بعد جب تک تین حیض نہ گزر جائیں۔ اس وقت تک نکاح جائز نہیں۔

ولو أسلم أحدهما أى أحد المجوسيين او امرأة الكتابى ثمة أى فى دار الحرب وملحق بها كالبحر الملح لم تبن حتى تحيض ثلاثا أو تمضى ثلاثة أشهر قبل اسلام الآخر أقامة لشرط الفرقة مقام السبب وليست بعدة لدخول غير المدخول بها (الخ (درمختار على الشامى ص ۳۹۰ ج ۲) وهكذا فى فتاوى دار العلوم ص ۱۴۵ ج ۲)

۲۔ اب آئندہ کے لئے تجدید نکاح ضروری ہے اور گزشتہ کے لئے توبہ واستغفار کریں۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ اصغر علی عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفرلہ،

زوجۂ اوّل کی دل شکنی سے بچنے کے لئے دوسری شادی نہ کرنا

ایک شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے مگر پہلی بیوی رضامند نہیں ہے۔ کیا وہ دوسری شادی کرسکتا ہے ؟ (محمد زبیر قصبہ مڑل)

الجواب اگر یہ توقع ہے کہ دونوں بیویوں کے حقوق ادا کرسکے گا تو دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے اگر یہ توقع نہ ہو تو ایک پر اکتفا کرے۔ قال اللہ تعالیٰ

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ لیکن اگر انصاف پر قادر ہوتے ہوئے دوسری شادی صرف اسلئے نہ کرے کہ پہلی بیوی غمگین ہوگی تو انشاء اللہ اجر ملے گا۔

عہ دل بدست آور کہ حج اکبر است

مع انہم قالوا اذا ترک التزوج علی امرأتہ کیلا یدخل الغم علی زوجتہ التی عندہٗ کان ماجورا اھ (بحر ص ۱۱۳ ج ۳) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

محمد صدیق عفر لہ مدرس خیر المدارس ملتان ۱۹/۶/۹۶ھ

باپ معروف لسوء الاختیار ہو تو اس کا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں

میرے والد نے میرے ایام نابالغی میں میری منگنی میرے ماموں زاد برادر کے ساتھ کی، بعد ازاں ایک شخص محمد حیات قوم جٹ سکنہ ڈھڈی والا کے ہمراہ مبلغ تین صد روپیہ پر رشتہ کرنے کا وعدہ کیا۔ بعد ازاں غلام محمد قوم فقیر کے ساتھ چھ سو روپے میں ۔۔۔ کیا جو عملی صورت اختیار نہ کر سکا۔ پھر مجھے پیر محمد ولد رحیم بخش قوم کھوکھا کے ہاتھ مبلغ پانچ سو میں فروخت کر دیا۔ پیر محمد نے اپنے آپ کو غیر شادی شدہ ظاہر کیا حالانکہ وہ شادی شدہ بال بچے دار ہے۔ پیر محمد کے ساتھ نکاح کے وقت سائلہ نابالغہ تھی اور پیر محمد کی عمر ۴۵ سال تھی کیا سائلہ حسب منشاء کسی سے نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب بشرط صحت صورت مسئولہ میں چونکہ باپ کا معروف لسوء الاختیار ہونا اور فاسق متہتک ہونا ثابت ہو گیا ہے اور بعض معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ باپ ایسا ہی ہے لہذا نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا، جیسا کہ حیلۂ ناجزہ (ص ۱۴۳ فاروقی پریس) سے معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

احقر عبداللہ رائے پوری
رس رشیدیہ منٹگمری

الجواب صحیح،
بندہ عبداللہ غفر لہٗ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

عورت کے اپنے آپکو غیر منکوحہ بتانے پر اس سے نکاح کرنے والے کا حکم

سماۃ رشیداں نے آکر کہا کہ میں غیر منکوحہ ہوں اس کے تسلی دلانے پر اس کا نکاح حاجی قاسم سے کر دیا گیا پھر وہ عورت کہیں چلی گئی۔ اب حاجی قاسم کو شبہ ہے کہ وہ پہلے منکوحہ تھی کیا حاجی قاسم پر اور ان لوگوں پر کوئی گناہ تو نہیں جو نکاح میں شریک ہوئے ہیں۔

الجواب اگر ان حضرات کو تحقیق کے بعد اس کی بات پر یقین آ گیا تھا کہ سچ کہتی ہے اور اسوجہ سے نکاح کیا ہے تو شرعاً ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ خلافِ واقعہ ظاہر ہونے کی وجہ سے استغفار کرتے رہیں۔

لو قالت منکوحة رجل لآخر طلقنی زوجی وانقضت عدتی جاز تصدیقها اذا وقع فی ظنه عدلة کانت ام لا۔ (ردالمحتار باب الرجعة ج ۲ ص ۵۸۹)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، محمد انور عفا اللہ عنہ،

منکوحۂ غیر ہونے کا علم ہونے کے باوجود نکاح کیا تو نکاح باطل ہے

سماۃ بکھاں محمد بخش کی منکوحہ تھی نور محمد اسے اغواء کر کے لے گیا اور جا کر نکاح پڑھ لیا۔ کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ اور اگر پہلے خاوند کے پاس بھیجی جائے تو اس پر کوئی عدت وغیرہ آئے گی؟

الجواب سماۃ بکھاں مذکورہ کو جب کہ اس کے خاوند نے طلاق بھی نہیں دی اور نہ ہی عدالت سے فسخ کرایا گیا تو اس کا یہ نکاح ہرگز جائز نہیں بالکل حرام اور قطعاً باطل ہے نور محمد نے چونکہ اس کے منکوحہ ہونے کے علم کے باوجود اس سے نکاح کیا ہے۔ لہذا اس میں کوئی عدت وغیرہ بھی نہیں ہے۔

أما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم أنها للغیر اھ (شامیہ ص ۷۸۲ ج ۲ باب العدة) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

اہلِ تشیع کے ساتھ نکاح کا حکم

شیعہ کے عقائد تو بالکل واضح ہیں مثلاً قرآن مجید کو محرف مانتے ہیں، سب شیخین کرتے ہیں۔ اور قذف عائشہؓ کے قائل ہیں۔ اکثر صحابہ کو مرتد کہتے ہیں۔ ایسے شیعہ لڑکے سے سُنی لڑکی کا نکاح درست ہے یا نہ۔ اور ایسے لڑکے سے کئے گئے نکاح پر طلاق کی ضرورت ہے۔ یا بغیر طلاق عقد ثانی کیا جاسکتا ہے؟

الجواب ایسے عقائد رکھنے والے شخص کے ساتھ مسلمان سُنّی عورت کا نکاح ہرگز نہ کیا جاوے۔ اور اگر بوقت نکاح اسکے یہی عقائد ہوں تو شرعاً وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ وبهذا ظهر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوهیة فی علی أو ان جبریل غلط فی الوحی أو کان ینکر صحبة الصدیق أو یقذف السیدة الصدیقة فهو کافر (شامی ص۲۸۹ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

دس سالہ بچے کا ایجاب و قبول باپ کی اجازت سے نافذ ہو جائے گا

ایک لڑکے اور لڑکی کا نکاح پڑھا گیا لڑکے کی عمر دس سال تھی لڑکے کا باپ بھی مجلس میں موجود تھا اور وہ اس نکاح پر راضی تھا لیکن قبول لڑکے نے کیا ہے کیا یہ جائز ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں باپ کے اس نکاح پر راضی ہونے سے اور لڑکے کے قبول کو جائز رکھنے سے نکاح منعقد ہو گیا۔

فان نکاح الصبی العاقل یتوقف نفاذه علی اجازة ولیه هکذا فی البدائع۔ (عالمگیری ص ج۱)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح:
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۱/۷/۹۶ھ

لفظ "صدقہ" سے نکاح منعقد ہونے کا حکم

عورت نے گواہوں کی موجودگی میں مرد کو کہا کہ "میں نے اپنے وجود کو تجھ پر صدقہ کیا"۔ مرد نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح ہوگیا ہے یا نہیں؟

الجواب اگر لفظ صدقہ سے مراد نیت نکاح تھی اور یہ مرد اس عورت کا کفو تھا تو نکاح ہو گیا۔

وما عداهما كناية هو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة فلا يصح بالشركة في الحال خرج الوصية غير المقيدة بالحال كهبة وتمليك وصدقة وعطية اھ۔ (درمختار علی الشامیہ ص۲۹۱ ج۲)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

تجدیدِ ایمان کے بعد تجدیدِ نکاح ضروری ہے

ایک شادی شدہ عورت کی اپنی ساس سے لڑائی ہوئی۔ لڑائی کے دوران ساس نے کہا کہ کلمہ پڑھ لے غصّہ رفع ہوجائے گا اس نے کہا کہ میں کلمہ نہیں پڑھتی نہیں پڑھتی بس میں کافر ہوں۔ یہ بات اس نے غصّے میں کہہ دی تو آیا یہ کلمۂ کفر ہے کہ نہیں۔ اگر ہے تو نکاح ٹوٹا کہ نہیں اور تجدید نکاح کی کیا صورت ہے، حق مہر کا کیا طریقہ ہوگا؟ نیز وہ عورت بعد میں نادم ہوئی اور غصّے کے چلے جانے کے بعد اس نے توبہ کی تو سوال یہ ہے کہ اس بعد کی توبہ کا اثر پہلے کلمات پر پڑے گا یا نہیں۔ اور اگر پڑے گا تو صرف آخرت کا گناہ معاف ہوگا یا صرف دنیاوی معاملات پر ہی اس کا اثر مرتب ہوگا۔

الجواب احتیاطاً تجدید ایمان اور تجدید نکاح بحضور شاہدین اقل مہر پر کرلیا جائے۔

ما كان في كونه كفرا اختلاف فان قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذالك بطريق الاحتياط (عالمگیری ص۲۸۹ ج۲) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، محمد انور عفا اللہ عنہ،

ماموں کی بیوی سے نکاح کا حکم

ایک شخص نے اپنے حقیقی ماموں کے فوت ہونے کے بعد اسکی زوجہ یعنی اپنی سگی مامی کے ساتھ نکاح کیا، کیا یہ ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب مامی محرمات میں سے نہیں ہے اس لئے اس سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ مامی ہونے کے علاوہ اور کوئی وجہ حرمت موجود نہ ہو۔ لقولہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذلکم (الآیۃ)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۹ / ۱۰ / ۱۴۰۸ھ

خالہ اور اسکی بھانجی ایک نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں

زاہد نے مریم سے شادی کی اور اجازت نہ ہونے کی صورت میں زوجہ مریم نے اپنی سگی بھانجی سے زاہد کی دوسری شادی کر دی۔ آیا مریم اور اسکی بھانجی (یعنی خالہ بھانجی) ایک شخص کے نکاح میں بیک وقت جمع ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب زاہد کا نکاح اپنی منکوحہ مریم کی بھانجی سے صحیح نہیں کیونکہ خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

فلا یجوز الجمع بین امرأۃ وعمتها نسباً أو رضاعاً وخالتها كذلك ونحوها اھ (عالمگیری ص۲۷۷ ج۱)

أیتہ واحدۃ منهما فرضت ذكرا لم یحل للاخری كالجمع بین المرأۃ وعمتها أو خالتها۔ (رد المحتار ص۲۸۴ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۶ / ۲ / ۱۴۰۶ھ

نکاح، نکاح ہے خواہ ڈرامے کے طور پر کیا جائے

شرعاً اگر ہزلاً طلاق دیدی جائے تو واقع ہوجاتی ہے۔ آج کل بعض ڈرامے اور فلمیں ان کی کہانی اس طور پر بنائی جاتی ہے کہ مرد اور عورت کا باقاعدہ ایجاب و قبول کرواکر نکاح کردیا جاتا ہے اور اگرچہ یہ نکاح تمثیلاً ہوتا ہے۔ لیکن صورتِ مسئولہ یہ ہے کہ جس طرح ہزلاً طلاق واقع ہوجاتی ہے آیا اسی طرح ہزلاً کیا ہوا نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ڈرامے میں غیر محرم مرد اور عورت کا جبکہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں بھی نہ ہو اگر باقاعدہ شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب قبول ہو تو وہ نکاح منعقد ہوجائے گا وگرنہ نکاح نہیں ہوگا۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلث جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والرجعة۔ (الحدیث) ــــ (مشکوٰۃ شریف ص۲۸۴)

وینعقد ای النکاح ای یثبت ویحصل انعقادہ بالایجاب والقبول۔ (رد المحتار ص۲۸۵ ج۲)

فقط واللہ اعلم۔
محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہٗ

بالغہ نکاح کی اطلاع ملنے پر انکار کردے تو نکاح ختم ہوگیا

والد نے نکاح خواں کو بلاکر نکاح پڑھانے کے لئے کہا۔ والد نے پہلے لڑکی سے نہیں پوچھا کہ تیرا نکاح کردوں یا نہ کروں؟ لڑکی کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی۔ نکاح کے تھوڑی دیر بعد سب سے پہلے اس کو ایک چچا اور ایک چچازاد بھائی نے جاکر اطلاع دی کہ تیرا نکاح کردیا ہے۔ وہ دونوں حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ لڑکی نے انکار کردیا کہ یہ نکاح مجھے منظور نہیں واضح رہے کہ اس نکاح کی عام شہرت نہ تھی بلکہ کچھ برادری کے تنازعات تھے جن کو نمٹانے کے لئے یہ عقد کیا گیا۔ نکاح منعقد ہوا یا نہ؟

الجواب برتقدیر صحت جملہ سوال یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ لڑکی بدستور آزاد ہے اور جہاں چاہے عقد کر سکتی ہے۔

لا یجوز نکاح أحد علی بالغة اھ (عالمگیری ص۱۱ ج۲) ۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

اپنے ہی بیٹے نکاح کے گواہ ہوں تو نکاح کا حکم

ایک آدمی نے نکاح کرایا اور گواہ اس کے دونوں بالغ بیٹے تھے اور خطبہ خاوند نے خود پڑھا آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ گواہ اس کے بیٹے ہیں، اس لئے نکاح صحیح نہیں ہوا، اور نیز یہ کہ ان گواہوں کے اپنے نکاح بھی ٹوٹ گئے ہیں۔ شرعاً واضح فرمائیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں شرعاً نکاح صحیح ہوگیا ہے اور باقی ان گواہوں کے نکاح بھی برقرار ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لوگوں کا کہنا غلط ہے۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سوتیلی ماں کی اولاد سے نکاح کا حکم

زید نے ہندہ بیوہ سے شادی کی تو کیا زید کا لڑکا ہندہ کی پہلی بیٹیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے؟

الجواب زید کے بیٹے کا نکاح مذکورہ لڑکیوں سے درست ہے لا بأس بان یتزوج الرجل امرأۃً ویتزوج ابنه ابنتها أو أمها کذا فی محیط السرخسی اھ (عالمگیری ص۲۷۷ ج۱)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نہ ایجاب وقبول ہوا ہو اور نہ گواہ ہوں تو نکاح کا حکم

غلام حیدر شاہ سے اس کے دوست نے رشتہ مانگا اس نے کہا کہ ابھی بچی نابالغ ہے۔ بڑے ہونے پر دیکھیں گے ایک دن وہی دوست آیا صحن میں بیٹھے تھے کہ اس نے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ کوئی بات ایجاب وقبول کی نہیں ہوئی اور نہ ہی گاؤں کا کوئی آدمی پاس تھا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ دوست کہتا ہے کہ میں نے تو وہ نکاح پڑھا تھا۔ غلام حیدر شاہ کہتا ہے کہ مجھے تو نکاح کا کوئی پتہ ہی نہیں مجھے معلوم نہیں تم نے کیا پڑھا تھا۔ تو کیا یہ نکاح ہو گیا ہے؟

الجواب برتقدیر صحت سوال مذکورہ واقعہ کو نکاح قرار دینا بالکل غلط ہے۔ اول تو ایجاب وقبول ہی نہیں ہوا اور یہ نکاح کا رکن ہے۔ عالمگیری ص ۲۶۷ ج ۱ میں ہے

وأما ركنه فالايجاب والقبول كذا في الكافي

اور رکن کے نہ پائے جانے سے چیز کا نہ پایا جانا ظاہر ہے۔ نیز صورتِ مسئولہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غلام حیدر اور اس دوست کے علاوہ کوئی اور موجود نہ تھا تو گواہ بھی نہ ہوئے حالانکہ گواہوں کا موجود ہونا نکاح کے جائز ہونے کی شرط ہے۔ عالمگیری میں ہے۔

ومنها الشهادة قال عامة العلماء انها شرط جواز النكاح ص ۲۶۷ ج ۱

لہذا صورتِ مسئولہ کے واقعہ کو نکاح قرار دینا صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

بیوی کی بھانجی سے نکاح کر کے ہمبستری کر لی تو بیوی کے پاس جانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے پہلے ایک عورت سے نکاح کیا ہے پھر اس عورت کی موجودگی میں اس عورت یعنی اپنی اس بیوی کی بہن کی لڑکی سے نکاح کر لیا ہے۔؟ کیا شرعی لحاظ سے اپنی بیوی کی بہن کی لڑکی کو بیک وقت نکاح میں رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟ (السائل، عطاء محمد، رائیڈرز کالونی، ملتان)

الجواب بر تقدیر صحت واقعہ دوسرا نکاح جو بیوی کی بھانجی سے کیا ہے یہ نکاح صحیح نہیں اس شخص پر لازم ہے کہ دوسری بیوی کو چھوڑ دے۔ اگر دوسری بیوی سے ہمبستری بھی ہو گئی ہے تو اسپر عدت اور شوہر پر مہر واجب ہے جب تک اس دوسری بیوی کی عدت ختم نہ ہو اسوقت تک پہلی بیوی سے ہمبستری کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

كما في الهندية : في المحرمات والاصل ان كل امرأتين لو صورنا احداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح برضاع أو نسب لم يجز الجمع بينهما (وبعد سطر) وان تزوجهما في عقدتين فنكاح الاخيرة فاسد ويجب عليه أن يفارقها (الى قوله....) وان فارقها بعد الدخول فلها المهر.... وعليها العدة ويثبت النسب ويعتزل عن امرأته حتى تنقضي عدة أختها كذا في محيط السرخسي (عالمگیریہ ص ۲۷۸ ج ۱)

فقط واللہ اعلم۔
بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
۱۶/۴/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

فاسق نکاح خواں کا حکم

محمد کامل ایک علاقہ میں نکاح خواں اور امام ہے عرصہ ہوا اس نے ایک منکوحہ مسماۃ مریم سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے۔ اسے بہکایا کہ اپنے خاوند سے رہا ہونے کے لئے عیسائی مذہب اختیار کرے چنانچہ اس عورت نے بوساطت محمد کامل گرجا گھر میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ قانوناً اس کا خاوند اس سے دست بردار ہو گیا اور ادھر محمد کامل نے اس عورت کو بغیر دوبارہ مسلمان کئے اور بغیر نکاح کئے اپنے گھر بٹھا لیا اور آجتک علانیہ زنا کر رہا ہے علاوہ ازیں اپنی خواہشات کی تکمیل کی خاطر چند اور بھی عورتوں کو گھر میں رکھا ہوا ہے کیا ایسا شخص نکاح خوانی کے قابل ہے کیا اس عرصہ میں محمد کامل

کے پڑھائے ہوئے نکاح درست ہیں دیگر مسلمانوں کو اس سے تعلق رکھنا درست ہے یا نہیں کیا اسکی امامت درست ہے؟

الجواب کسی مسلمان کو کفر پر آمادہ کرنا کفر ہے اور غرضِ نفسانی کے لئے اسلام سے انحراف یا اسکی ترغیب موجب غضب خداوندی ہے اعاذنا اللہ من ذالک پس شخص مذکور ہرگز ہرگز لائق امامت نہیں فوراً الگ کر دیا جائے اور اسے نکاح خوانی سے بھی معزول کرنا ضروری ہے اور جبتک شخص مذکور اپنی ان حرکات سے تائب ہوکر تجدید اسلام اور تجدید نکاح نہ کرے اس سے قطعاً تعلقات قائم نہ کئے جائیں۔ اگر حکومت سے کوئی سزا دلوائی جاسکے تو مزید بہتر ہوگا۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،	بندہ عبدالستار عفی عنہ،
عبداللہ غفرلہ،	مفتی خیر المدارس ملتان

اہلِ تشیع مجلسِ نکاح میں شریک ہوں تو نکاح کا حکم

س زید نامی ایک شخص جو کہ مسلکاً اہلِ سُنت والجماعت سے تعلق رکھتا ہے، اس کے نکاح کے موقعہ پر کچھ لوگ شریکِ دعوت غیر سُنی بھی ہوئے لیکن لڑکا سُنی، بیوی سُنی، گواہ سُنی، اہلِ محفل سُنی۔ اہلِ تشیع صرف نکاح میں بیٹھے ہیں کیا انکی شرکت سے نفسِ نکاح میں نقص وارد ہوجائے گا یا نہیں؟

۲۔ ایسے ہی کچھ لوگ اہلِ تشیع جنازہ میں شریک ہوئے۔ امام بھی سُنی اور باقی مقتدی بھی سُنی تو نماز جنازہ میں کچھ خلل تو واقع نہیں ہوا۔

۳۔ ایک آدمی خود تو سُنی ہے لیکن عورت اور نابالغ اولاد شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں کیا ایسا آدمی اہلِ سنت کے ساتھ جماعت میں نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اہلِ تشیع اور دیگر فرقِ باطلہ سے خصوصی مراسم رکھنا اگرچہ درست نہیں لیکن مجلسِ نکاح میں انکی موجودگی صحتِ نکاح پر کوئی اثرانداز نہ ہوگی۔ لما فی الهداية النكاح ينعقد بالايجاب والقبول۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے۔ اما ركنه فالايجاب

والقبول کذا فی الکافی ص۱/۲ کتبِ فقہ میں صحتِ نکاح اور نفاذِ نکاح کی شرائط ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں کہیں اس کا ذکر نہیں کہ مجلسِ نکاح اہلِ تشیع سے خالی ہو۔ لہذا صورتِ مسئولہ میں نکاح بلاشبہ درست ہے

۲۔ کتبِ شیعہ میں لکھا ہے۔ اول تو سُنی کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ اگر بضرورت پڑھے تو بجائے دعائے میت پر بد دُعا کرے۔ چنانچہ تحفۃ العوام ص۱۳۸/ج میں ہے۔ اگر میت سُنی خلافِ مذہب ہو اور بضرورت نماز پڑھنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے کہے۔ اللھم اخز عبدک فی عبادک وبلادک اللھم اصلہ حر نارک اللھم اذقہ اشد عذابک۔

ترجمہ:۔ اے خدا اس بندے کی میت کو اپنے بندوں اور شہروں میں ذلیل و رسوا کر۔ اے خدا اس بندے کی میت کو نارِ جہنم میں جلا۔ اے خدا اسے سخت ترین عذاب دے۔

چونکہ یہ سُنی میت پر بد دُعا کرتے ہیں۔ اس لئے شرکت کی اجازت نہ دی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ۲۴/۱۱/۱۴۰۳ھ

عیسائیوں کی عورتوں سے نکاح کا حکم

دو آدمیوں میں بحث ہوئی۔ ایک کہتا ہے کہ مسیحی عورت سے نکاح جائز ہے جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ جائز نہیں جب اسکی توجہ اسطرف مبذول کرائی گئی کہ وہ اہلِ کتاب ہیں تو کہا اس وقت دُنیا میں کوئی اہلِ کتاب نہیں، سب مُشرک ہو چکے ہیں اور مُشرک سے نکاح جائز نہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ حالانکہ حضور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۵۰۰ سال بعد تشریف لائے ہیں اور یہ اعلان فرمایا کہ: الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم الآیۃ۔ اور قرآن پاک ہی کے مطابق عیسائی آنحضرتؐ کے وقت مُشرک ہو چکے تھے۔ جیسا کہ فرمایا، واذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم ء انت قلت الآیۃ۔ تو اب ان میں کونسی بات ہے جو بڑھ گئی ہے جس کی بناء پر مندرجہ بالا حکم میں ترمیم کریں؟

الجواب موجودہ دَور کے عیسائی اور یہودی فقط نام کے عیسائی یا یہودی ہوتے ہیں۔ در حقیقت دہریہ اور منکرِ خُدا ہوتے ہیں۔ اسلئے انکی عورتوں کا بھی

وہی حکم ہے، جو دیگر مشرکین کی عورتوں کا ہے۔ جو لوگ حقیقۃً یہودیت و نصرانیت پر قائم ہوں انکی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اگرچہ فی نفسہ حلال ہے۔ مگر بہت سے مفاسد اور خرابیوں کی بناء پر جمہور صحابہؓ و تابعینؒ انکی عورتوں کے ساتھ نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں دو تین صحابہؓ نے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو سخت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ ان کو طلاق دیں، چنانچہ طلاق دِلوا بھی دی۔ آج کا دَور اُس دَور سے بہت مختلف ہے۔ آج تو اور زیادہ شدت سے اجتناب کی ضرورت ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر معارف القرآن ج۲ ص۴ میں لکھتے ہیں۔ قرآن وسنّت اور اسوۂ صحابہؓ کی رُو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آجکل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلّی پرہیز کریں۔

قال فی الدر المختار وصح نکاح کتابیۃ وان کرہ تنزیھاً مؤمنۃ بنبیّ مرسل مقرۃ بکتاب منزل اھ قال فی الشامیۃ (قولہ وان کرہ تنزیھا) سواء کانت ذمیۃً اوحربیۃ فان صاحب البحر استظھران الکراھۃ فی الکتابیۃ الحربیۃ تنزیھیۃٌ فالذمیۃ اولیٰ قلت علل ذٰلک فی البحر بان التحریمیۃ لا بد لہا من نھی اوما فی معناہ لانھا فی رتبۃ الواجب وفیہ ان اطلاقھم الکراھۃ فی الحربیۃ یفید انھا تحریمیۃ والدلیل عند المجتھد علیٰ ان التعلیل یفید ذالک ففی الفتح یجوز تزوج الکتابیات والاولیٰ ان لا یفعل ولا یأکل ذبیحتھم الا للضرورۃ وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ اجماعا لانفتاح باب الفتنۃ من امکان التعلق المستدعی للمقام معھا فی دار الحرب وتعریض الولد علی التخلق باخلاق أھل الکفر وعلی الرق بان تسبی وھی حبلی فیولد رقیقا وان کان مسلماً اھ فقولہ والاولیٰ أن لا یفعل یفید کراھۃ التنزیھیۃ فی غیر الحربیۃ وما بعدہ یفید کراھۃ التحریم فی الحربیۃ تأمل.

(رد المحتار فصل فی المحرمات ص۳۱۴ ج۲) فقط واللہ اعلم، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ظنِ غالب ہو کہ خاوند فوت ہوگیا ہے تو دوسری جگہ نکاح درست ہے

بخدمت شریف پنچایت صاحبان دریا خان تحصیل بھکر ضلع میانوالی ۔

جناب عالی مؤدبانہ گزارش ہے کہ عرصہ سولہ ۱۶ سال سے میرا خاوند عبدالستار گُم ہے اور آج تک لاپتہ ہے لہٰذا بعد تحقیق میرا شرعی فیصلہ فرمایا جائے تاکہ حسبِ شرع نکاح ثانی کرکے گزر اوقات کرسکوں واجباً عرض ہے۔ (العارضہ : قریشہ بیگم دختر حافظ نور محمد)

پھر اس درخواست کی تصدیق کے لئے ممبران کے مطابق ممبران کے رُوبرو چار سے زائد گواہوں نے شہادت دی ہے کہ واقعی قریشہ بیگم کی درخواست واقعہ پر مبنی ہے اور سچی پکار ہے جن پر گواہوں اور ممبران کے دستخط بھی موجود ہیں۔ مثلاً فیض محمد، عبدالرحمان، عبدالعزیز رفیق احمد۔ عبدالمجید۔ ان سب کی طرف سے نقل آمدہ کارڈ مورخہ ۲۴/۶/۱۱ منجانب کریم الدین خانیوال بنام محمد یوسف مدرس دریا خان۔

مکرمی جناب ماسٹر محمد یوسف صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے بعد عرض یہ ہے خط آپکا آیا حال معلوم ہوا۔ دیگر احوال یہ ہے کہ آپ نے جو عبدالستار کی بابت لکھا ہے عرصہ ۱۷ سال ہوئے عبدالستار میرے پاس آیا تھا اور پاجامہ سفید پہن رکھا تھا اور اس کا بدن جلا ہوا تھا اور میرے پاس سے وہ آگے چلا گیا ہے اس کے بعد میرے پاس جاٹوں والوں کے گجر آئے اور انہوں نے ذکر کیا تھا کہ عبدالستار ہمارے پاس ٹھہرا اور صبح کو اُٹھتے ہی پہاڑ میں چلا گیا ہے اور جب ہم اپنے مویشی چرانے کے لئے گئے تو وہ پہاڑ میں مرا ہوا پڑا تھا۔ باقی سب خیریت ہے اور بچوں کو سلام و پیار اور کوئی پنچایت میں پوچھے تو بتانے کے لئے تیار ہوں۔

نوٹ: کریم الدین اور محمد یوسف مدرس آپس میں کوئی رشتہ نہیں رکھتے اور کریم الدین نے جو دیر سے اطلاع دی اس کی وجہ پہلے کریم الدین کی محمد یوسف مدرس سے ناواقفیت ہے بعد میں جاکر محمد یوسف کے بھائی سے کریم الدین ملا تو عبدالستار کے تذکرہ میں کریم الدین نے اسکی فوتگی کی خبر دی تو محمد یوسف کو اپنے بھائی کے ذریعہ پتہ چلا تو تحقیقات سے واقفیت نکلی اور نکالی تو یہ اطلاع آئی۔ ۱۲

الجواب اخبرها واحد بموت زوجها أو بردته أو بتطليقها حل لها التزوج ولو سمع من هذا الرجل آخر له ان يشهد لانه من باب الدين فيثبت بخبر الواحد۔ (شامی) صفحہ ۲/۲۶۸ مطبوعہ کوئٹہ) عن جامع الفصولین۔

جزئیہ بالا سے معلوم ہوا کہ اگر سائلہ کو اپنے خاوند کی موت کا غلبہ ظن ہو جائے اور اس کے نزدیک موت کی خبر مذکور درست ہو تو اسے دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے۔ واقعہ چونکہ قدیم ہے لہذا عدت گزر چکی ہے بلا انتظار نکاح ثانی کی اجازت ہے۔ در مختار میں جزئیہ مذکورہ کے ساتھ ان اکبر رأيها انه حق کی قید موجود ہے جس کی بناء پر جواب میں غلبہ ظن کی قید کا اضافہ کیا گیا فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
خادم دارالافتاء ۱۹/۱/۸۱ ھ

الجواب صحیح،
عبداللہ عفرلہ،

ایجاب کے جواب میں بجائے قبلت کے الحمد للہ کہنا

ایک جانب سے ایجاب ہونے کے بعد دوسری جانب سے بجائے قبول کہنے کے الحمد للہ کہنے سے نکاح منعقد ہو گا یا نہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ لفظ الحمد للہ تملیک عین پر دلالت نہیں کرتا اسلئے نکاح صحیح نہیں ہو گا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے علاقہ کے عرف میں لفظ الحمد للہ کو لفظ قبول سمجھا جاتا ہے۔ لہذا اس سے نکاح صحیح ہو جانا چاہیئے؟

الجواب صورت مسئولہ میں بجائے قبلت الحمد للہ کہنے سے نکاح منعقد ہو گیا جبکہ ارادہ نکاح کرنے کا ہو۔

امرأة قالت لرجل زوجت نفسي منك فقال الرجل بخدا دند کاری پذیرفتم يصح النكاح ولو لم يقل الرجل ذلك لكنه قال لها شاباش ان لم يقل بطريق الطنز يصح النكاح كذا في الخلاصة (عالمگیری صفحہ ۱/۲۷۲)

فقط واللہ اعلم احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

ایجاب وقبول دونوں کا تملیکِ عین کے لئے موضوع ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف ایجاب کا ایسا ہونا کافی ہے ورنہ "قَبِلْتُ" کہنے سے بھی قبول معتبر نہیں ہونا چاہیئے۔
ہاں آئندہ کے لئے احتیاط لازم ہے کہ قبول کے لئے لفظِ صریح استعمال کیا جائے کیونکہ معاملہ نکاح کا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفقود کے بارے میں غیر مقلدین کے فتوے پر عمل نہ کریں

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسماۃ ہندہ کا عقدِ نکاح زید کے ساتھ ہوا نکاح سے چند روز بعد ان کا آپس میں اختلاف ہوگیا جس کی وجہ سے ہندہ واپس اپنے میکے آگئی۔ اس کے بعد ہندہ کا خاوند عرصہ پانچ سال تک مفقود الخبر رہا۔ ہندہ کے والد نے ہندہ کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرنے کی کوشش کی مگر مقامی مولوی صاحب نے نکاح نہ پڑھایا۔ آخر ہندہ کے والد نے ہندہ کو بغیر نکاح کے رخصت کر دیا۔ اب عرصہ پندرہ سال سے ہندہ بغیر نکاح کے دوسرے آدمی کے گھر آباد ہے۔ دریں اثناء پہلے خاوند کے متعلق باوجود جستجو اور تلاش کے کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ اب سوال یہ ہے کہ جس آدمی کے ساتھ عرصہ پندرہ سال سے زندگی گزار رہی ہے کیا اس کا نکاح مذکور آدمی سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول (جسے امام مالک نے مؤطا میں نقل کیا ہے) کافی سمجھا جاسکتا ہے۔ عن سعید بن المسیب ان عمر رضی اللہ عنہ قال ایما امرأۃ فقدت زوجها فلم تدر این هو فانها تنتظر اربعة اشهر وعشراً ثم تحل یعنی جس عورت کا خاوند گم ہو جائے چار سال کے گزر جانے کے بعد مزید چار ماہ دس دن عدت گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ حافظ ابن حجر، حضرت عثمانؓ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال کو حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق نقل کرتے ہیں سعید بن المسیبؒ اور امام زہریؒ کا بھی یہی کہنا ہے عقل کا تقاضا بھی یہی ہے ہاں فقہاء کرام کا یہ کہنا ہے کہ عورت کو جب تک اس کے گم شدہ خاوند کے فوت ہو جانے

کا علم نہ ہو جائے نکاح ثانی نہیں کر سکتی۔ باقی عورت جس شخص سے خاوند کے گم ہو جانے کے بعد غیر شرعی طور پر تعلقات قائم کر چکی ہے اس کا اس شخص کے ساتھ نکاح کر دینا زیادہ موزوں ہے جیسے الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبٰت سے معلوم ہوتا ہے ۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

محمد حسین مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام

لقد اصاب من اجاب محمد صادق مدرس مدرسہ ہذا۔

مذکورہ بالا فتویٰ پر نکاح ثانی کر دیا گیا۔ مگر اب چند اشخاص اس نکاح کو ناجائز کہہ رہے ہیں یہاں تک کہ نکاح خواں و شرکاء مجلس نکاح کو کہا جا رہا ہے کہ اب تمہارے نکاح بھی ٹوٹ گئے ہیں۔ لہذا اب فتویٰ دیا جائے کہ کیا واقعی نکاح ناجائز تھا اور نکاح خواں اور شرکاء مجلس نکاح تمام کا نکاح فسخ ہو گیا؟ یا کہ نکاح صحیح تھا؟

الجواب عورت مذکورہ کا جو مذکورہ بالا فتویٰ کی بناء پر نکاح کیا گیا ہے یہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ اس نکاح سے پہلے پہلا نکاح فسخ کرانا ضروری تھا اور نکاحِ اوّل کو فسخ نہیں کرایا گیا ویسے ہی نکاح کر دیا تو گویا یہ نکاح علی النکاح ہو گیا یہ صحیح نہیں ہے لہذا اب بھی پہلے اول نکاح کو فسخ کرائیں پھر دوبارہ اس مرد کے ساتھ نکاح کریں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

نام چھوٹی کا لیا اور صفت کبریٰ کی ذکر کی تو نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک شخص مسمی کریم اللہ نے اپنی چھوٹی لڑکی نسیمہ بی بی کا عقدِ نکاح مسمی گاما سے کرانا تھا والد صاحب کی غلطی کی بناء پر نکاح جس جگہ ہوا۔ وہاں جھگڑا پڑ گیا کہ چھوٹی لڑکی کا نام نہیں لیا گیا بلکہ اس جگہ پر بڑی کا نام لیا گیا ہے کیونکہ والد جاہل ہے اس بناء پر والد چھوٹی اور بڑی کے نام میں تمیز نہ کر سکا۔ لہذا آپ شریعتِ حنفیہ سے حکم فرمائیں کہ آیا جس لڑکی کا جس لڑکے سے نکاح ہونا قرار پایا تھا وہ نہ ہوا لہذا بڑی لڑکی کا نکاح ہوا یا نہیں یا دونوں میں کسی کا ہوا یا نہیں؟

الجواب اگر کسی شخص کی دو لڑکیاں ہوں، مثلاً ایک بڑی اور ایک چھوٹی تو نکاح کے وقت والد بجائے چھوٹی کے بڑی کا نام لے دے یا برعکس تو جس کا نام لے گا اسی کا نکاح ہو گا خواہ اسکے ذہن میں تعیین دوسری کی ہو۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ صرف نام ہی لیا ہو نام کے ساتھ چھوٹی یا بڑی کا لفظ نہ کہا ہو مثلاً اگر نام چھوٹی کا لیا اور اس کے ساتھ لفظ بڑی کا کہا یا برعکس تو اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا کیونکہ اس نام کی اسکی بڑی لڑکی یا عکس کی صورت میں چھوٹی لڑکی کوئی نہیں ہے لہذا نکاح کسی کا بھی منعقد نہیں ہو گا بخلاف پہلی صورت کے۔

کما فی الدر المختار علی الشامیة ص۲۷۵ ج۲ ولو له بنتان أراد تزویج الکبری فغلط فسماها باسم الصغری الخ وفی الشامیة علی قوله ولو له بنتان الخ أی بأن کان اسم الکبری مثلا عائشة والصغری فاطمة فقال زوجتك بنتی فاطمة وقبل صح العقد علیها وان کانت عائشة هی المرادة وهذا اذا لم یصفها بالکبری اما لو قال زوجتك بنتی الکبری فاطمة یجب أن لا ینعقد العقد علی احداهما لانه لیس له ابنة کبری بهذا الاسم الخ شامی ص۲۷۵ ج۲

لہذا باپ نے جس لڑکی کا نام لیا اس کا نکاح ہو گیا، دوسری کا نہیں ہوا۔

فقط واللہ اعلم، محمد عبداللہ عفی عنہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

نماز پڑھنے کی شرط پر نکاح کر دینا اور پھر خاوند نماز نہ پڑھے

زید کے پاس اس کی برادری کے آدمی آئے کہ تم اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ کر دو زید نے جواب دیا کہ بکر کو نہ ایمان کی پرواہ ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے لہذا میں اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح کسی دیندار نمازی کے ساتھ کروں گا تم اگر مجھے مجبور کرتے ہو تو میں بکر کا نکاح کسی اور جگہ کرا دوں گا۔ برادری نے مجبور کیا کہ تم ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ اسی شرط پر کر دو کہ جس

دلا ہم بیاہ کریں گے تم نماز وغیرہ آپ ایمان سن لینا اور نماز پڑھنے کے متعلق تسلی کر لینا۔
چنانچہ اس شرط پر زید نے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا عرصہ تین چار سال کا گزر چکا ہے بکر کو نہ نماز آتی ہے اور نہ پڑھتا ہے بکر نے اس چیز کا اقرار ایک معتبر عالم کے رُو برو کیا ہے کیا نکاح اذا فات الشرط فات المشروط کے قاعدہ کے تحت ٹوٹ جائیگا یا نہ ترک نماز عمداً گناہ کبیرہ اور فسق ہے کیا ماتحت مسئلہ کفو کے آئیگا — اور مولانا عبدالحی صاحب اپنے فتاوی ص۲۲۴ کے اندر رقمطراز ہیں کہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ — ولا من یاتی بابا من الکبائر التی یتعلق بھا الحد للفسق۔ اسی عبارت ہدایہ سے معلوم ہوا کہ صرف ایک گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے فسق ثابت ہو جاتا ہے اور در مختار باب الکفاءۃ میں لکھا ہے۔

دیانۃ أی تقوی فلیس فاسق کفوٴ الصالحۃ أو فاسقۃ بنت صالح معلناً کان أولا علی الظاھر۔

اور شامی نے معلناً کان کے نیچے لکھا ہے۔

أما اذا کان معلنا فظاھر وأما غیر المعلن فھو بان یشھد علیہ بأنہ فعل کذا من المفسقات وھو لایجھر فیفرق بینھما بطلب الاولیاء۔ بینوا توجروا

الجواب صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح ہو چکا ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط والا قاعدہ نکاح کے باب میں نہیں چلتا بلکہ اس میں قاعدہ یہ ہے کہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور شرط خود فاسد ہو جاتی ہے۔ والنکاح لا یصح تعلیقہ بالشرط الی قولہ ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ (درمختار ص۳۲۰ ج۲) اور جو عبارۃ آپ نے نقل فرمائی ہے۔ اس کا انطباق اس صورۃ پر نہیں ہوتا کیونکہ جب شرط فاسد لغو ٹھہری تو گویا کہ نکاح بلا شرط برضاء الولی علی عدم کفاءت ہوا تو جب ولی یعنی والد یا دادا غیر کفو میں رضامندی کے ساتھ نکاح کر دے تو وہ نکاح صحیح اور درست ہو جاتا ہے بعد میں فسخ کا اختیار نہیں رہتا لہذا نکاح مذکور باقی اور صحیح ہے۔ عدم کفاءت کی بناء پر قابل فسخ نہیں۔ (بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ)

لہذا جب لڑکی بالغہ اور اس کے اولیاء فسق کو دیکھتے ہوئے نکاح پر راضی ہو چکے ہیں تو

اب بوجۂ عدم کفارت کے نکاح کا فسخ نہیں ہوسکتا۔ والجواب صحیح،
محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۴/ ۸/ ۷۶ھ

نکاح سے پہلے طے کی گئی شرائط کو اخلاقاً پورا کرنا لازم ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص قبل عقدِ نکاح چند شرائط کہہ دے کہ اگر میں مسماۃ فلانہ کے ساتھ نکاح کردوں تو تادم بقائے نکاح ان شرائط کا پابند رہونگا۔
ان میں سے یہ کہ تادم بقائے نکاح منکوحہ کو والدین کے گھر رہائش پذیر کرکے خدمت گزار رہونگا اور یہ کہ اگر بغیر رضائے والدین منکوحہ خود کو کہیں باہر لیجانے کا بلکہ میرا بغیر رضا چلے جانے کا مجھے حق نہ ہوگا پس بعد نکاح یہ بغیر رضا خود چلا جاتا ہے کبھی منکوحہ کو بغیر رضا ماں کے لے جاتا ہے باوجود تنبیہ کے اس حرکت سے باز نہیں آتا۔ آیا یہ شرعاً پابند ہے یا نہ؟ دیگر اس کے فیملی بچے ہیں چھوٹا شیر خوار بڑا لڑکا بارہ سالہ ہے۔ آیا انکی تربیت تعلیم مفروضہ اس کا فرض ہے یا غیر کا؟

الجواب شخص مذکور نے قبل از نکاح جن شرائط کی پابندی کا عہد کیا تھا ان کا ایفاء اس کے ذمہ اخلاقاً وشرعاً لازم ہے لقوله تعالیٰ واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولاً الآية۔ صیغہ امر مفید للوجوب ہے احادیثِ شریفہ میں بھی ایفائے عہد کی غایت درجہ تاکید موجود ہے۔ کما لا یخفی علی اهل العلم حتیٰ کہ وعدہ خلافی کو علامت نفاق بتایا گیا ہے کما فی قوله علیه السلام آیة المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان او کما قال علیه السلام۔ فقہاء کی کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی وعدہ اس طرح سے کر لیا جائے کہ اس سے احکام شرعیہ کی ممانعت لازم نہ آتی ہو تو اس وعدہ کا ایفاء لازم ہو جاتا ہے۔ بیع کی ایک صورت کے بارے میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔

قلت وفی الجامع الفصولین ایضاً لو ذكر البيع بلا شرط ثم ذكر الشرط على وجه العدة جاز البيع ولزم الوفاء بالوعد اذ المواعيد قد تكون

لازمۃ فیجعل لازما لحاجۃ الناس ج۱۳۷) مطلب فی الشرط الفاسد اذا ذکر بعد العقد او قبلہ

اور اس صورتِ مسئولہ میں منکوحہ کو گھر سے باہر نہ لے جانے اور اس کے خدمت گزاری کی جو شرطیں لگائی گئی ہیں یہ جائز اور درست ہیں جبکہ مہر مسمّٰی کے ساتھ ہیں کما یظہر من البحر الرائق ص۱۷۱ ج۳ تحت قول الماتن ولو نکحہا بالف علی أن لا یخرجہا أو علی ان لا یتزوج علیہا قال فی البحر بیان لمسئلتین الاولی ضابطہا أن یسمی لہا قدرا مہر مثلہا اکثر منہ ویشترط منفعۃ لہا او لابیہا او لذی رحم محرم منہا فان وفی بما شرط فلہا المسمی لانہ صلح مہرا وقد تم رضاہا بہ اھ بحر

اس جزئیہ سے ایسی شرائط کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ جو منکوحہ کی شخص مذکور کے ذمہ ہیں لیکن مواقع ضرورت بقدر حاجت کے مستثنیٰ ہوں گے عرفاً جانبین کو اس میں تنگی کی بجائے فراخدلی سے کام لینا چاہیئے تاکہ نبھاؤ کی صورت ہو سکے اولاد کی نگہداشت اور تربیت والدین کے ذمہ ہے، یہ ایک اجماعی امر ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کما فی الفصل الثالث من باب الولی فی النکاح من المشکوٰۃ عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ الحدیث۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح،
محمد عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

لقیط کی ولایت نکاح صرف حکومت کو ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین ذیل کے مسئلہ کے بارے میں (۱) ۴۷ء کے فسادات کے موقع پر ایک عورت ایک لاوارث لڑکی کو جبکہ اس کا کوئی وارث نہ ملا اپنے ہمراہ پاکستان لے آئی اور اسکی پرورش کی ابھی وہ بالغ نہیں ہوئی تھی کہ اس عورت نے اس لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے سے کر دیا آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔؟

نوٹ: بچی کی عمر چار سال کی تھی دودھ پلانے کی مدت گزر چکی تھی (۲) بعض کہتے ہیں کہ

بغیر ولی کے نابالغ کا نکاح درست نہیں ہے مگر اس لڑکی کا بوقت نکاح بھی کوئی اس کا خاندانی ولی یا وارث نہ مل سکا صرف پرورش کنندہ عورت نے اپنی رضامندی سے نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کر دیا، جواب سے مطلع فرمائیں۔؟

الجواب صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ کا لڑکی مذکورہ کا عقد نکاح اسکی نابالغی کی حالت میں اپنے لڑکے سے کرنا درست نہیں ہوا ہے کیونکہ لڑکی مذکورہ کی ولایت حکومت کو حاصل ہے۔ کما فی العالمگیریۃ واللقیط حر ولیہ السلطان وفی الملتقط اذا زوجہ امرأۃ او کانت جاریۃ فزوجہا من آخر لم یجز کذا فی خزانۃ المفتین ص۲۰۹ ج۲۔ اب لڑکی اگر بالغ ہو چکی ہے تو اسکی رضامندی سے لڑکے مذکور سے نکاح ہو سکتا ہے اور اگر نابالغ ہے تو حکومت سے اجازت حاصل کر کے نکاح جدید کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبداللہ غفرلہ،

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ، مفتی خیر المدارس ملتان

نکاح میں ذکر کردہ نام سے "کتیا" مراد لینے کے دعویٰ کا حکم

فتح محمد کا لڑکا شاہ محمد غلام محمد کے گھر رات کو دیر تک بیٹھا رہا جبکہ غلام محمد گھر میں نہ تھا رات کا کافی حصہ گذرنے کے بعد غلام محمد کی بیوی کو برائی کی دعوت دی اس نے انکار کیا معاملہ ہاتھا پائی تک پہنچا۔ آخر عورت کے شور مچانے پر وہ بھاگ گیا، خاوند کے آنے پر عورت نے اسے سارا واقعہ سنایا، دوسری رات غلام محمد کی برادری پڑوس میں اکٹھی ہوئی اور عزت کا بدلہ لینے کے لئے اس لڑکے کے والد فتح محمد کو بلوایا۔ اور کہا کہ تیرے بیٹے نے غلام محمد کی بیوی کی بے عزتی کی ہے اس لئے بدلہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ دو۔ اس پر فتح محمد راضی ہو گیا۔ اور مولوی صاحب کو بلایا گیا، اور ایک نابالغ لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا اب لڑکی جوان ہو چکی ہے۔ مطالبے پر فتح محمد کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تو نہیں کر دیا تھا بلکہ اس وقت میری ایک پالتو کتیا تھی جس

کا نام بلبنو تھا محض اپنی جان بچانے کے لئے نکاح میں اس کا نام لیا۔ اگرچہ اپنی بیٹی کہا تھا لیکن نام اسی کتیا کا لیا تھا۔ اب بعض کہتے ہیں کہ نام یاد نہیں کہ کیا لیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ امیر خاتون کا نام لیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں بنو کا۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب اگر بچی کا نام صحیح لیا گیا تھا تو عقد ہو گیا ورنہ بچی کا نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوا۔ اسکی تحقیق کر لی جائے۔ ہندیہ میں ہے۔

رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة قال لرجل زوجتك ابنتي عائشة ولم تقع الاشارة الى شخصها ذكر في فتاوى الفضلى انه لا ينعقد النكاح (ص۲۷۰ ج۱ جدید، قدیم ص۲ ج۲)

لیکن اگر مذکورہ گواہ قابلِ اعتبار ہوں تو پھر نکاح شرعاً منعقد ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مرزائی کو بیٹی کا رشتہ دینے والے کا حکم

زید نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح مرزائی سے کر رکھا ہے اور وہ بچی صاحبِ اولاد ہے اور زید کا مرزائیوں سے ملنا جلنا جاری ہے شنید میں ہے کہ ایک بچی کا رشتہ زید نے شیعہ سے کر رکھا ہے۔ براہِ کرم تحریر فرمائیں کہ زید جو خود مدعی اہلِ سنت والجماعت ہے اس کے بیٹے کے ساتھ کسی مسلمان بچی کا نکاح درست ہے؟

الجواب ایسے مرزائیت پسند لوگ بھی عجب نہیں کہ مرزائیوں کے زمرہ میں شامل کر دیئے جائیں قال تعالیٰ ومن یتولهم منکم فانه منهم یہودیوں اور نصرانیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے والوں کے بارے میں وعید فرمائی گئی ہے اور مرزائی بھی چونکہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ پس ان کے ساتھ یا مرزائیت پسند لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا یا رشتہ داری کے تعلقات پیدا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ لہٰذا زید کے بیٹے کے ساتھ کسی مسلمان بچی کا نکاح نہ کیا جائے تاوقتیکہ وہ قطعی طور پر اپنے والدین سے برأت و علیحدگی اختیار نہ کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح   محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ   بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سوتیلی بہن کی پوتی سے نکاح کا حکم

زید کا اپنی سوتیلی بہن کی پوتی سے عقدِ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں مفصلاً و مدللاً بیان فرمائیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں بر تقدیرِ صحتِ واقعہ زید کا عقدِ نکاح سوتیلی بہن کی پوتی سے شرعاً درست نہیں ہے ، رشتہ میں یہ لڑکی اولاد اخوات میں شمار ہے اور بہن (اگرچہ سوتیلی ہو) کی اولاد سے عقدِ نکاح درست نہیں ہے ۔ (عالمگیری ص ۲۷۲ ج ۱) میں ہے ۔

وهن الامهات والبنات والاخوات والعمات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخت فهن محرمات نكاحا ووطأ ودواعيه على التأبيد . فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ،
جامعہ خیر المدارس ملتان

دانستہ نام غلط لیا مگر اشارہ اسی لڑکی کی طرف کیا تو نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منظور احمد کی عمر اس وقت پانچ سال تھی لڑکی کا صحیح نام ظفراں بی بی ہے ۔ والد نے بتلایا کہ اگر تم شرعی نکاح کر سکتے ہو تو کر لو ، بستی والوں کو بلانے کی ضرورت نہیں ۔ والد کا ارادہ بالکل نہیں تھا ، اس لئے نام تبدیل کر کے گوساں بی بی کہا اور ساتھ ہی اشارہ کر دیا ، اور حافظ اللہ بخش کی لڑکی فقط ایک ہی ہے ۔ اب ہم جواب کے انتظار میں ہیں ؟

الجواب بر تقدیرِ صحت واقعہ صورتِ مسئولہ میں مسماۃ ظفراں بی بی کا نکاح مسمی منظور احمد کے ساتھ ہو گیا ہے جب تک منظور احمد بالغ ہونے کے بعد طلاق نہ دے مسماۃ ظفراں کا دوسری جگہ نکاح نہیں ہو سکتا ۔ جب کہ ایجاب و قبول کے وقت اسکی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہو ۔ ہندیہ میں ہے ۔

رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة قال لرجل زوجت منك ابنتی عائشة ولم تقع الاشارة الی شخصها ذکر فی فتاوی الفضلی أنه لاینعقد النکاح. (ج۲ ص۲۷ مصری)

کتبِ مذہب میں چونکہ مفہوم معتبر ہوتا ہے اسلئے اشارہ کرنے کی صورت میں نکاح ہوجائیگا۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۲۶ / ۱۰ / ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

نکاح خواں کے بغیر ایجاب وقبول کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص اگر اپنا نکاح خود پڑھے تو نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر دو گواہوں کے رُوبرو عورت اور مرد اپنا نِکاح کر دیں۔ تو ان کا عقد نکاح منعقد ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمّد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۸/۹/۸۶ھ

عورت پہلے زوجِ ثانی کی وطی کا انکار کرتی رہی اب اقرار کرتی ہے

زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ بعد ازاں عمرو سے حلالہ کرایا۔ تقریباً پانچ سال بعد جبکہ دو بچے اور ہو گئے ہیں۔ عمرو نے بتایا کہ اس نے ہمبستری نہیں کی تھی بلکہ یوں ہی باتوں میں رات گزار دی تھی۔ عمرو کے اچانک انکشاف سے قبل عورت نے زید کو کئی مرتبہ کہا شرعی رُو سے میرا زید سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ جبکہ حلالہ کے وقت عمرو نے مجھ سے ہمبستری نہیں کی تھی۔ عورت اب دوبارہ برادری کے خوف سے بیان بدل رہی ہے کہ عمرو نے ہمبستری کی ہے اس مسئلہ کے بارے میں آپ فیصلہ فرمائیں ؟

الجواب اگر اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ عورت نے زید سے کہا کہ "میرا نکاح تم سے درست نہیں۔ کیونکہ عمرو نے ہمبستری نہیں کی" تو یہ نکاح زید کے ساتھ فاسد ہے ان دونوں میں تفریق کر دی جائے۔ اگر ثبوت نہ ہو۔ مگر زید اعتراف کرتا ہے کہ مجھے عورت نے یہی بات کہی تھی تو بھی ان کا نکاح فاسد ہے۔ بدوں حلالہ اب بھی پہلے کے لئے حلال نہیں، زید اب اپنی زبان سے کہے کہ میں نے اس عورت کو "چھوڑ دیا"۔ عدت گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرے۔ زوجِ ثانی وطی کرے۔ یا توں میں رات گزارے، عورت پھر عدت گزارے پھر پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔

ولو قالت دخل بي الثاني والثاني منكر فالمعتبر قولها وكذا في العكس اھ (شامیہ ص $\frac{۵۴۲}{۲}$) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح،	العبد الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

باپ بیٹی کے نکاح کا کسی کو وکیل بنادے تو پھر بھی باپ کی ولایت ختم نہیں ہوئی

سوال زید نے اپنی زوجہ کو اس کے مطالبہ پر اشٹام لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ جو بیٹی تیرے پیٹ سے عرصہ پانچ سال کے اندر پیدا کرے تو اسکے نکاح کی تو مالک ہو گی مجھے اس پر کوئی اختیار نہ ہو گا لڑکی ہوئی مگر خاوند زید نے اس اشٹام کی خلاف ورزی کی اور اپنی بیوی کی مزاحمت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بچی کا بچپن میں اسکی ماں کی غیر موجودگی میں نکاح کر دیا۔ اب لڑکی بلوغ کی عمر میں پہنچ گئی ہے۔ والد نے جہاں نکاح کر دیا تھا انہوں نے رخصتی کا مطالبہ کیا ہے بیوی نے علماء سے مسئلہ پوچھ کر دوبارہ مزاحمت شروع کر دی ہے کہ جب تو نے مجھے حق نکاح دیا تھا تو تیرا نکاح کر دینا درست نہیں۔ از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب اول تو یہ تعلیق وتوکیل ہی محلِ نظر ہے۔ بالفرض صحیح بھی ہو تو باپ کے خود نکاح کر دینے سے یہ توکیل ختم ہو گئی۔

وينعزل الوكيل بلا عزل بنهاية الشئ المؤكل فيه كما لو وكله بقبض دين فقبضه بنفسه أو وكله بنكاح فزوج الوكيل الخ قوله وينعزل بتصرفه أى الموكل بنفسه فيما وكل فيه تصرفا يعجز الوكيل عن التصرف معه.

(درمختار علی الشامیۃ ص ۴۶۵ ج ۴) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفی عنہ،

معتبر ذرائع سے پتہ چلے کہ خاوند فوت ہوگیا ہے تو عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے

ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور کچھ عرصہ بعد وہ بیرون ملک چلا گیا پھر معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ وہ شخص اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے عورت نے عدت گزار کر دو سال بعد نکاح کرلیا۔ کچھ عرصہ بعد یعنی کل پانچ سال کے بعد پہلا خاوند واپس آ گیا اب پہلا خاوند کہتا ہے کہ یہ میری بیوی ہے دوسرا کہتا ہے کہ یہ میری بیوی ہے آیا دوبارہ نکاح منعقد ہوا تھا یا نہیں اگر ہوا تھا تو اب باقی ہے یا نہیں دوسرے خاوند کو پہلے نکاح کا قطعی علم نہیں ہے کیا اس عورت یا مرد پر زنا کی حد لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب نکاح پہلے ہی خاوند کا باقی ہے اور یہ اسی کی بیوی ہے البتہ دوسرے خاوند کی عدت گزارنا بھی لازم ہے اس عدت کے دوران پہلا خاوند اپنی عورت کے قریب نہیں جاسکتا۔ پہلے خاوند کو نئے نکاح کی ضرورت نہیں ہے دوسرا نکاح ہوگیا تھا مگر ختم ہوگیا۔ اس عورت اور مرد پر حدِ زنا نہیں لگائی جائے گی۔

اذا اخبرها ثقة ان الزوج طلقها وهو غائب وسعها ان تعتد وتتزوج ولم يقيده بانه بائنة (رد المحتار ص ۵۴۲ ج ۲)

فقط واللہ اعلم،
محمد انور غفرلہٗ

عورت کو خیارِ بلوغ تھا مگر اسے علم نہیں تھا کہ خیار ہوتا ہے تو خیار ساقط ہو گیا

سوال: مسماۃ بہاراں کا عقدِ نکاح تقریباً پانچ سال کی عمر میں اس کے چچا مسمی احمد نے کر دیا تھا۔ مسماۃ بہاراں نے بالغ ہونے کے ایک ماہ بعد چھ آدمیوں اور اپنی والدہ کے سامنے کہا کہ مجھے اپنے چچا کا کیا ہوا عقد منظور نہیں ہے، چونکہ عورت دیہات میں رہنے والی ہے، مسائل سے واقف نہیں اس لئے بعد از بلوغ فوراً رَد نہیں کر سکی اب کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر بالغ ہونے کے وقت مسماۃ بہاراں کو عقد نکاح کا علم تھا، پھر وہ جہالت کی بناء پر خاموش رہی تو خیارِ بلوغ باطل ہو گیا۔ اب اس کا نکاح کو رَد کرنا معتبر نہ ہو گا۔ اور نہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

کما فی الھندیۃ واذا علمت بالعقد ساعۃ ما بلغت لکن جھلت بثبوت الخیار فسکتت بطل خیارھا۔

اگر بوقتِ بلوغ نکاح کا علم نہ تھا تو خیار باطل نہ ہو گا۔ جب تک نکاح کا علم نہ ہو خیار باقی رہے گا۔ أما اذا لم تعلم بالعقد ساعۃ ما بلغت کان لھا الخیار (عالمگیری ص ج ۱/۲)

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

ایجاب و قبول، دونوں میں صرف لفظ قبول کہا گیا تو نکاح ہوا یا نہیں؟

سوال: زید کا نکاح فرزانہ سے ہوا۔ گواہ صرف دو آدمی تھے وہ دونوں آدمی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے رُوبرو نکاح اس طرح ہوا نکاح خواں نے فرزانہ بیگم کو کہا تُو نے زید کو قبول کیا؟ اس نے کہا قبول کیا۔ تیسرے دن نکاح خواں نے ایک گواہ عبدالقادر کو پیغام بھیجا کہ زید کو کہو اگر نکاح کو بالکل مکمل اور صحیح کرانا ہے تو مجھے مبلغ تیس روپے دیدے ورنہ جس طرح نکاح پڑھا گیا ہے میں اس کا ہرگز ذمہ دار نہیں تو کیا صورتِ مسئولہ میں نکاح ہو گیا؟

الجواب صورت مسئولہ میں زید کا نکاح فرزانہ کے ساتھ درست ہو گیا۔ کیونکہ لفظ قبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

قیل للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت ینعقد النکاح وان لم تقل المرأۃ دادم والزوج پذیرفتم اھ (عالمگیری ص۲۷۱ ج۱)

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

۱۲ / ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ

عورت کے معتدہ ہونے کا علم ہوتے ہوئے اس سے نکاح کیا جائے تو نکاح باطل ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت (غلام جنّت) کا خاوند فوت ہو گیا۔ اور وہ عورت بوقت وفات خاوند حاملہ تھی۔ خاوند کے دوسرے بھائیوں نے مشورہ کیا کہ یہ عورت اگر وضع حمل کے بعد چلی جائے تو ہم کیا کریں گے تو انہوں نے آپس میں مل کر بغیر حق المہر حالتِ حمل میں اس عورت کا نکاح ایک بھائی سے کرا دیا۔ نکاح کا ایجاب وقبول بھی عورت نے بذاتِ خود نہیں کیا، بلکہ ایک دوسری عورت جو اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی ہاں کہتی تھی۔ خاوند کا بھائی (ناکح) حالتِ حمل میں ہی اس عورت کے ساتھ مجامعت کرتا رہا ہے کیا اس صورت میں نکاح ہو گیا ہے۔

۲۔ اس عورت کے شکم سے بعد میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ تین سال تک وہ عورت اس مرد کے ساتھ رہی۔ اب دس سال ہو گئے ہیں کہ یہ عورت اپنے میکے بیٹھی ہوئی ہے۔ اور اب وہ حج کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس کو لوگ کہتے ہیں کہ جب تک تجھے خاوند اجازت نہ دے۔ آپ نہیں جا سکتی۔ اگر یہ عورت حج کو جائے تو کیا بغیر اجازت کے جا سکتی ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحتِ واقعہ یہ نکاح باطل ہے عورتِ مذکورہ اس نکاح سے آزاد ہے۔

کما فی الشامیۃ (ص۴۸۲ ج۲) ولکن فی البحر عن المجتبیٰ کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلاشہود فالدخول فیہ

موجب للعدة اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلاً۔
اس لئے اب اگر یہ عورت حج پر جانا چاہے تو دوسرے خاوند (جس نے عدت کی حالت میں اس سے نکاح کیا ہے) سے اجازت حاصل کئے بغیر بھی جا سکتی ہے۔ البتہ حج پر جانے کے لئے محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحٰق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان۔

نکاح خواں کو جس لڑکے کیساتھ نکاح کرنے کا کہا، اس نے اسکی جگہ دوسرے سے کر دیا تو نکاح نہیں ہوا

چند نکاح ایک مجلس میں ہوئے..... لڑکی اور لڑکے سب نابالغ ہیں، اور جس لڑکی کا نکاح بڑے لڑکے کے ساتھ ہونا قرار پایا تھا اس کا نکاح چھوٹے کے ساتھ ہو گیا۔ مولوی صاحب بتانے پر بھی بھول گئے اور بڑے کا چھوٹی لڑکی کے ساتھ اور چھوٹے کا بڑی لڑکی کے ساتھ کر دیا اور چھوٹا لڑکا نابالغ ہے۔ شرعی حکم بتلائیں کہ اس کے ماں باپ اس بڑی لڑکی کو طلاق دے سکتے ہیں یا نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ بڑی لڑکی کا بڑے لڑکے کے ساتھ اور چھوٹی کا چھوٹے کے ساتھ ہونا قرار پایا تھا لیکن ہو گیا اس کے برعکس؟

الجواب جہاں بھی نکاح خواں وکیل نے غلطی کی تھی یعنی اولیاء کے منشاء کے خلاف برعکس نکاح کر دیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا اور اب دوبارہ نکاح کیا جا سکتا ہے بڑے لڑکے کا بڑی لڑکی کے ساتھ، اور چھوٹے لڑکے کا چھوٹی لڑکی کے ساتھ
وکلہ ان یزوجہ من قبیلتہ فزوجہ من قبیلۃ اخریٰ لم یجز کذا فی الخلاصۃ اھ (عالمگیری ص ۲۹۶ ج ۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۲۶/۱۱/ھ

جس کو مذہب پیغمبر اور دین وغیرہ کا کوئی پتہ نہ ہو اُسکی نابالغی کی حالت میں کئے ہوئے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مرد ہو یا عورت کہ دنیاوی اُمور میں اس قدر ہوشیار ہیں کہ مشکل سے مشکل کام کو خواہ کتنی ہی تکلیف کرنی پڑے حاصل کر کے رہتے ہیں۔ رات و دن دنیاوی کاموں میں سرگرداں اور محو ہے انہی کاموں کے حاصل کرنے کے شوق میں رات دن گزار دیتے ہیں۔ دینی اُمور کے سیکھنے میں اسقدر سستی اور کوتاہی کی ہوئی ہے کہ اتنا بھی پتہ نہیں ہے کہ میں کس دین یا مذہب پر ہوں اپنے دین یا مذہب کا نام ہی نہیں جانتا اور نہ ہی جانتا ہے کہ میں کس پیغمبر کی اُمت سے ہوں اور ان کا نام کیا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد سے اس نے ابھی تک اپنے ایمان کی صفت اجمالی یا تفصیلی کو ہرگز کسی سے نہیں سیکھا ہے اور نہ ہی سیکھنے کی کوشش کی ہے اور نہ ہی اسکے سیکھنے کو ضروری سمجھا ہے اسکے ناواقف دین ہونے کی یہ حالت ہے۔ اب بتایئے جس شخص کی یہ حالت ہو بالغ ہونے کے بعد اگر وہ مر جائے تو مسلمانوں کو ایسے شخص کا نماز جنازہ پڑھنا شریعت کی رُو سے جائز ہے یا ناجائز، اگر صغر سنی کی حالت میں اس کا نکاح کسی شخص نے ولی بن کر باپ دادا وغیرہ نے کیا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد ایسی حالت میں وہ نکاح برقرار رہے گا یا نہیں؟

الجواب جو بچہ مسلمان کے گھر پیدا ہو کر جوان ہوا ہو تو بعد البلوغ جب تک وہ صراحتاً اپنی زبان سے کسی مذہب میں داخل ہونے کا اظہار نہ کرے یا کوئی کلمہ کفر کا نہ کہے معاذ اللہ تو اسوقت تک اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔

لقوله علیه السلام کل مولود یولد علی فطرته الخ

نیز اولاد دین میں والدین کے تابع ہوتی ہے اس لئے ایسے شخص پر جنازہ پڑھ لینا چاہیے اور اس کا بچپن کا کیا ہوا نکاح بعد البلوغ باقی رہتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہٗ

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

زنا سے پیدا شدہ لڑکی کی ولایت نکاح اسکی ماں کو ہوگی

۱۔ غیر منکوحہ مزنیہ اپنی حرام زادی لڑکی کی متولی نکاح بن سکتی ہے یا نہ؟
۲۔ کیا خیارِ بلوغ میں عین وقت بلوغ میں انکار ضروری ہے۔ اگر پہلے انکار کرتی رہے اور بوجہ لاعلمی کے عین وقت پر ساکت رہے۔ کیا یہ انکار معتبر ہوگا؟

(المستفتی: مولانا علی محمد صاحب دار العلوم عیدگاہ کبیر والا)

الجواب ۱۔ بن سکتی ہے۔ درمختار میں ہے۔

فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام (شامیہ ص۳۲۹ ج۲)

جیسا کہ ماں اپنی اس اولاد کے کل مال کی وارث بنے گی جن کی بابت اس نے خاوند سے لعان کیا ہو۔ شامیہ میں ہے۔

لماروی واثلۃ بن الاسقع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال تحرز المرأۃ ثلاث مواریث عتیقہا ولقیطہا وولدہا الذی لاعنت علیہ (شامی ج۵ ص۴۹۵)

جبکہ انکی ماں کے سوا کوئی وارث نہ ہو۔ ۲۔ جس وقت آثارِ بلوغ ظاہر ہوں۔ اسی وقت بلا کسی تاخیر کے زبان سے یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں۔ اگر عین اسی وقت میں ساکت ہو گئی اگرچہ پہلے انکار بھی کرتی رہی ہو تب بھی اس کا خیارِ بلوغ باطل ہوگا۔

ویبطل ھٰذا الخیار فی جانبہا بالسکوت اذا کانت بکرا ولا یمتد الی آخر المجلس حتی لو سکتت کما بلغت وھی بکر بطل الخیار۔ (عالمگیری ص۲۸۶ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ، ۱۵/۵/۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عدالت کے سامنے اقرار کرنا کہ ہمارا نکاح ہے حالانکہ نکاح نہیں تھا

زید کے ہندہ کے ساتھ عرصہ دو تین سال سے ناجائز تعلقات تھے اب ہندہ کے بھائیوں نے

اس کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہا اور اس غرض سے وہ ہندہ کو جبراً اس آدمی کے گھر بٹھا آئے تھے زید نے عدالت کو بیان دیا کہ میرا ہندہ سے پہلے کا نکاح ہے ہندہ کے بھائیوں نے جبراً بکر کے گھر بغرض نکاح بند کیا ہوا ہے ۔ عدالت نے دفعہ نمبر ۱۰۰ کے وارنٹ بکر کے خلاف جاری کر کے ہندہ اور بکر کو گرفتار کرالیا اور بیانات قلمبند کرنے کے لئے پولیس نے انہیں عدالت میں پیش کیا ہندہ سے مجسٹریٹ نے پوچھا کہ کیا تمہارا زید کے ساتھ نکاح ہے (زید وہاں حاضر تھا) ہندہ نے جواب دیا کہ ہاں میرا نکاح ہے اور میری بچی جو تقریباً ایک ماہ کی ہے وہ اس زید کے نطفہ سے ہے مجسٹریٹ نے یہ سوال تین مرتبہ کیا ہندہ نے وہی جواب دیا ۔ مجسٹریٹ نے ہندہ کا نکاح تسلیم کرتے ہوئے ہندہ کو زید (دعویدار) کے حوالے کر دیا عدالت میں بیان لینے کے وقت تین وکلاء ۔ دو سپاہی دو منشی ہندہ اور بکر موجود تھے ۔ کیا زید کو دوبارہ نکاح شرعی کی ضرورت ہے یا زید کا دعویٰ نکاح اور عورت کی تصدیق نکاح رُوبرو گواہوں کے نکاح کے لئے کفایت کر جائے گا ۔

۲ ۔ اگر یہ نکاح صحیح نہیں ہے دوبارہ پڑھانے کی ضرورت ہے تو کیا یہ نکاح پڑھانے والا اس صورت میں گنہگار یا موجب ملامت ہوگا ۔ وہ جانتا تھا کہ پہلے نکاح نہ تھا بلکہ ناجائز تعلقات تھے ۔

الجواب صورت مسئولہ میں چونکہ عورت نے نکاح سابق کی خبر دی ہے اور مقصود انشاء نہیں اور فی الواقع پہلے نکاح نہ تھا پس یہ نکاح عورت وغیرہ کے اقرار کرنے سے منعقد نہیں ہوا ۔ وقال فی الفتح قال قاضیخان وینبغی أن یکون الجواب علی التفصیل ان أقرا بعقد ماض ولم یکن بینہما عقد لا یکون نکاحا الخ (الشامیۃ ص ۲۸۸ ج ۲)

لہٰذا دوبارہ نکاح کی ضرورت ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح،
مفتی خیر المدارس	عبداللہ عفا اللہ عنہ
	مفتی خیر المدارس ملتان

نکاح فضولی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمی شیر احمد کوئٹہ بلوچستان کا باشندہ ہے یہاں بمقام ایبٹ آباد وارد ہوا یہ شخص اپنے فرزند

کی منکوحہ تلاش کر رہا تھا چنانچہ مسمی زید نے اپنی جوان لڑکی اس کے فرزند کو دے دی لیکن دولہا یہاں موجود نہ تھا اس کے والد شیر احمد نے ایجاب کے جواب میں قبول کلمہ تلفظ کیا ہے شاہدین کے سامنے یہ ایجاب و قبول ہوا ہے اور دونوں گواہ مقامی دو عاقل مسلمان ہیں۔ اب یہ دونوں فریق آپس میں ناراض ہو گئے ہیں شیر احمد کا دعویٰ ہے کہ میری قبولیت سے یہ نکاح منعقد قرار پایا ہے اور لڑکی کا والد مدعی ہے کہ شیر احمد نے وہاں کوئٹہ میں اپنے جوان فرزند سے گواہوں کے رُوبرو قبول ہی نہیں کرایا اور ایجاب کے مقرر گواہ یہاں موجود ہیں اور یہ شیر احمد مذکور اپنے فرزند کی طرف سے وکیل بھی مقرر نہ تھا صرف تلاش کے لئے اس علاقہ میں وارد ہوا تھا عند الشرع اس نزاع کو کیسے حل کیا جائے جب باپ بیٹے کی طرف سے وکیل مقرر نہ ہوا چانک رشتہ تلاش کرتے مل جائے اور بحضور شاہدین غائب فرزند کے لئے باپ قبول کرے تو ایسا نکاح درست ہے یا کہ نہیں۔ اس کے متعلق وضاحت سے جواب عنائت کریں؟

(المستفتی حکیم مولوی محمد زمان۔ ایبٹ آباد)

الجواب صورت مسئولہ میں مسمی شیر احمد کا گواہوں کے سامنے قبول کر لینے سے یہ نکاح منعقد ہو گیا۔ مگر موقوف ہے لڑکے کے قبول کر لینے پر اگر وہ قبول کرے گا تو لازم بھی ہو جائے گا اور اگر رد کر دے تو ختم ہو جائے گا لہٰذا اگر لڑکے نے اطلاع ملنے پر اس نکاح کو درست قرار دیا ہے تو اب یہ نکاح لازم و باقی ہے۔ اور لڑکے کا اس صورت میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے قبول کرنا کوئی ضروری نہیں۔ باپ فضولی کی حیثیت سے بھی قبول کر سکتا ہے۔

أمره بتزويج امرأة اھ شرع في بعض مسائل الوكيل والفضولي وذكرها في باب الولي لان الوكالة نوع من الولاية لنفاذ تصرفه على الموكل ونفاذ عقد الفضولي بالاجازة يجعله في حكم الوكيل اھ (شامی ص ۴۲۵ ج ۲)

اگر یہ مجلس نکاح کے لئے تھی تو مذکورہ الفاظ سے نکاح ہو گیا ورنہ صرف منگنی ہو گی۔ نکاح نہیں ہو گا۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

دو ولیوں نے مختلف جگہ نکاح کر دیا اور مقدم کا علم نہ ہو تو دونوں باطل ہیں:

مسمّی زید اپنے والد بکر کو اجازت دیتا ہے کہ میری لڑکی مسماۃ ہندہ نابالغہ یعنی اپنی پوتی کا نکاح کر دے جہاں چاہے چنانچہ ہندہ کے دادا نے اپنے لڑکے کی غیر حاضری میں مسماۃ ہندہ کا نکاح کر دیا اور دادا چونکہ کہیں باہر سفر میں گیا ہوا تھا اور ہندہ کا نکاح والد مسمی زید نے کسی اور شخص سے پہلے نکاح کے عدم علم ہونے کی وجہ سے کر دیا۔ کیا اب دادا کا نکاح کیا ہوا درست ہے ؟ یا دوسرا نکاح والد کا کیا ہوا درست ہے ؟

الجواب صورت مسئولہ میں دونوں نکاحوں کے لئے وجہ جواز موجود ہے دادے کے نکاح کے لئے وجہ جواز کہ اس کے لڑکے نے اسے اجازت کلی دے رکھی ہے دوسرا اس نے لڑکے کی غیر حاضری میں نکاح کیا۔ وللولی الابعد التزویج لغیبۃ الاقرب (درمختار ص ۳۱۵ ج ۲) اور والد کے نکاح کے لئے بھی وجہ جواز موجود ہے ولو زوجہا الاقرب حیث ھو جاز (درمختار ص ۳۱۵ ج ۲) جب دونوں نکاحوں کے لئے وجہ جواز موجود ہے تو ایسی صورت میں جو تاریخ کے لحاظ سے مقدم ہوگا۔ وہ واقع ہوگا اور اگر دونوں ایک ہی ساعت میں واقع ہوئے یا سابق کا علم نہیں ہو سکتا تو دونوں باطل ہو جائیں گے کما فی الدر المختار ص ۳۱۴ ج ۲ ولو زوجہا ولیان مستویان قدم السابق فان لم یدرأو وقعا معاً بطلا۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ، ۶/۴/۷۰ء

شہناز کی جگہ ممتاز کا نام لے دیا تو نکاح کس کا ہوگا

دو لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک کا نام شہناز بی بی اور دوسری کا نام ممتاز بی بی بڑی شہناز بی بی اور چھوٹی ممتاز بی بی ہے جب ان میں سے ایک کا نکاح کیا گیا تو شہناز کی عمر تقریباً تین سال اور ممتاز کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال تھی ان کے والدین نے جب ان میں سے ایک کا نکاح

کیا تو انہوں نے اپنی بڑی بیٹی شہناز بی بی کو نئے لال کپڑے پہنائے اور اس کو گود میں لے کر بیٹھ گئے اور جو کچھ مولوی صاحب یعنی نکاح پڑھانے والے نے پڑھایا وہ پڑھتے گئے، کیونکہ اس وقت لڑکی نابالغ اور ناسمجھ تھی، اور اس لڑکی کو جسے کپڑے پہنائے گئے تھے گود میں لے کر کلمہ بھی پڑھایا گیا یعنی کہ بظاہر بڑی لڑکی شہناز بی بی کا نکاح پڑھا گیا اور دعا خیر بھی کی گئی، لیکن جب کاغذات پر نام لکھوایا گیا تو اس شہناز بی بی کے بجائے ممتاز بی بی لکھوا دیا گیا اور کچھ سال گزرنے کے بعد شہناز بی بی بچپن میں انتقال کر گئی اور اب ممتاز بی بی جوان ہو گئی ہے اور جن کو شہناز بی بی کا نکاح دیا گیا اور نام اسکی بجائے ممتاز بی بی کا لکھوایا گیا تھا وہ شادی کرنے کے لئے آئے تو اس لڑکی کے والدین قسم دینے کے لئے تیار ہو گئے کہ ہم نے جس لڑکی کا نکاح دیا تھا۔ وہ انتقال کر گئی ہے اور اس لڑکی کا نکاح نہیں دیا ہے اور اب وہ ممتاز بی بی کا رشتہ ہم سے لینا چاہتے ہیں۔ اور اب ہم آپ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ نکاح اس لڑکی کا تھا جسے گود میں بٹھایا گیا کپڑے پہنائے گئے اور گود میں لیکر نکاح پڑھا گیا اور کلمہ پڑھا گیا۔ اور وہ وفات بھی پا گئی یا جس لڑکی کا صرف نام لکھوایا گیا تھا اس کا نکاح ہے اور جس لڑکے کا نکاح شہناز کے ساتھ ہوا تھا، اس نے دوسری جگہ شادی کر لی اور اب وہ صاحب اولاد ہے۔ ایجاب وقبول کے وقت نام بھی شہناز کا لیا گیا، ممتاز کا کوئی ایجاب وقبول نہیں ہوا؟

الجواب اگر واقعہ یہی ہے کہ شہناز کو سامنے بٹھایا گیا اور ایجاب وقبول کے وقت اسی کا نام لیا گیا تو وہی منکوحہ بنے گی۔ رجسٹر میں ممتاز کا نام درج کرنے سے وہ منکوحہ نہیں بنے گی۔ فانہا لو کانت مشارا الیہا وغلط فی اسم أبیہا أو اسمہا لا یضرّ لان تعریف الاشارۃ الحسیۃ أقوی من التسمیۃ لما فی التسمیۃ من الاشتراک العارض فتلغو التسمیۃ عندہا اھ

(شامی ص ۲۷۵ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم،

۱۴ / ۲ / ۱۴۱۰ھ محمد انور عفا اللہ عنہ،

۱

خنثیٰ اور دریائی انسان کے نکاح کا حکم

۱۔ نکاح خنثیٰ کا کیا حکم ہے اگر اس میں علامت مذکر موجود ہو تو کیا حکم ہے اور علاماتِ مؤنث ہوں تو کیا حکم ہے ؟

۲۔ دریائی انسان کا نکاح خشکی والی عورت سے ہو سکتا ہے یا نہیں اور اسیطرح انسان کا نکاح جنیہ سے ہو سکتا ہے ؟ (المستفتی، محمد طاہر بلوچستانی)

الجواب اگر کوئی آدمی بالغ ہو جائے تو اس میں مختلف قسم کی علامات پائی جا سکتی ہیں مذکر ہونے کی علامات یہ ہیں۔ ذکر سے جماع کرنا اور ڈاڑھی نکلنا اور مردوں کی طرح احتلام ہونا اور پستان کا نہ اُبھرنا۔

اور مؤنث ہونے کی علامات یہ ہیں پستان اُبھر آنا یا پستان میں دودھ اُتر آنا یا حیض آنا یا مرد کا اس سے فرج میں صحبت کر سکنا۔ لہٰذا جس میں جو علامات ہوں گی اس کا وہی حکم ہوگا، مردوں والی ہوں تو مرد کے حکم میں ہوگا۔ عورتوں والی ہوں تو عورت کے حکم میں ہوگا۔

كما فى العالمگيرية بعد ذكر هذه الاحتمالات قالوا انما يتحقق هذا الاشكال قبل البلوغ فاما بعد البلوغ والادراك يزول الاشكال فان بلغ وجامع بذكره فهو رجل وكذا اذا لم يجامع بذكره ولكن خرجت لحيته فهو رجل كذا فى الذخيرة وكذا اذا احتلم كما يحتلم الرجل او كان له ثدى مستو ولو ظهر له ثدى كثدى المرأة او نزل له لبن فى ثدييه او حاض او حبل او امكن الوصول اليه من الفرج فهو امرأة وان لم تظهر احدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل وكذا اذا تعارضت هذه المعالم كذا فى الهداية واما خروج المنى فلا اعتبار له لانه قد يخرج من المرأة كما يخرج من الرجل كذا فى الجوهرة النيرة قال وليس الخنثى يكون مشكلا بعد الادراك على حال من الحالات لانه اما ان يحبل او يحيض او يخرج له لحية

او یکون له ثدیان کثدی المرأة وبهذا یتبین حاله وان لم یکن له شیٔ من ذالك فهو رجل لان عدم نبات الثدیین کما یکون للنساء دلیل شرعی علی انه رجل کذا فی المبسوط شمس الائمة السرخسی جلد ۷ ص۲۸۵)

۲۔ شامی میں ہے لا تجوز المناکحة بین بنی آدم والجن وانسان الماء لاختلاف الجنس۔ (الشامیة ص۲۸ ج۲)

لہذا یہ نکاح شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفر اللہ لہ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
۲/۳/۱۴۱۳ھ

متعہ، شغار اور مؤقت کی تعریفات اور ان میں باہم فرق

نکاح متعہ، شغار، مؤقت،

حلالہ کی تعریفات شرعیہ کیا ہیں۔ ان میں کیا فرق ہے ؟

۲۔ شرعی حکم کیا ہے حرام یا حلال منعقد ہوں گے یا نہیں ؟

۳۔ ان میں جو شرطیں لگائی جاتی ہیں مثلاً مؤقت میں وقت متعین کیا نکاح متعہ میں اجل مقرر کی اور حلالہ میں شرط ایک بار دخول کے بعد چھوڑنے کی یہ شرطیں باطل ہیں یا مشروع اسی طرح نکاح شغار میں اپنی لڑکی کے عوض میں دوسرے کی لڑکی لینا اور شرط لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

۴۔ شرط باطل پر عاقدین عقد بیع یا عقد نکاح کو موقوف ٹھہرائیں بایں طور کہ اگر شرط فوت یا لغو کر دی جائے تو مشروط کو لغو اور کالعدم تصور کر لیا جائے اور یہی طریقہ لوگوں میں متعارف ہو تو اس عقد کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب نکاح شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی دوسرے شخص کو اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو اس کے بدلہ میں نکاح میں دیوے اور مہر مقرر نہ ہو بلکہ یہ لڑکی ہی دوسری لڑکی کا مہر ہو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس کا مرتکب گنہگار ہے لیکن

اگر کوئی کرے تو نکاح منعقد ہوگا اور مہر مثل واجب ہوگا ۔

قال فی النہر وھو (ای الشغار) أن یشاغر الرجل أی یزوجہ حریمتہ علی أن یزوجہ الاٰخر حریمتہ ولامھر الاھٰذا کذا فی المغرب (شامیہ ص۳۶۱ ج ۲)

نکاح متعہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کو کہے کہ میں اتنے روپوں کے بدلہ میں تجھ سے متعہ کرتا ہوں ، یا تو مجھ سے متعہ کر ، تو یہ نکاح باطل ہے ۔

نکاح مؤقت یہ ہے کہ گواہوں کے سامنے وقت مقررہ تک کے لئے نکاح منعقد کیا جائے یہ بھی باطل ہے ۔ (فی الدر المختار وبطل نکاح متعۃ ومؤقت) وفی الحاشیۃ قال فی الفتح قال شیخ الاسلام فی الفرق بینھما أن یذکر الوقت بلفظ النکاح والتزویج وفی المتعۃ أتمتع أو أستمتع اھ یعنی ما اشتمل علی مادۃ متعۃ والذی یظھر مع ذلک عدم اشتراط الشھود فی المتعۃ وتعیین المدۃ وفی المؤقت الشھود و تعیینھا (ردالمحتار ص۳۱۸ ج ۲)

صورتِ حلالہ یہ ہے کہ مطلقہ عورت کسی دوسرے آدمی سے عدت گزرنے کے بعد نکاح کرے اور جب وہ وطی کر کے از خود طلاق دیدے تو دوبارہ عدت گزار کر یہ عورت اس پہلے خاوند کے نکاح میں آسکتی ہے لیکن دوسرے نکاح کے وقت شرط لگانا کہ وطی کر کے طلاق دینا ہوگی یہ مکروہ تحریمی ہے ۔

وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحاً ویدخل بھا ثم یطلقھا أو یموت عنھا کذا فی الھدایۃ (عالمگیری ص۴۷۳ ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،

بندہ محمد صدیق غفر اللہ لہ ،
۲۳ / ۸ / ۱۳۷۱ھ

مطلقہ ثلاث سے بدوں حلالہ دوبارہ نکاح باطل ہے یا فاسد ؟

واقعہ درپیش ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ چار سال بعد نکاح کر لیا گیا ۔ یا اس خیال پر کر

تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔ یا اس خیال سے کہ طلاق بائن دی ہے، حالانکہ لوگوں کو کہتا رہا۔ کہ میں تین دے چکا ہوں اور مغلظہ کر چکا ہوں۔ جب اس کو کہا گیا کہ یہ نکاح باطل ہے۔ کالعدم ہے حلالہ ضروری ہے تو ایک حیض کے بعد نکاح کرا دیا اور محلل نے طلاق دے دی اور عدت گزار رہی تھی۔ ایک حیض باقی رہتا ہے۔ شبہ یہ ہوا کہ سابق نکاح کی عدت تھی یا نہ حلالہ ہو گیا یا دوبارہ نکاح کرا کر حلالہ کیا جائے۔ روایات فقہیہ کی طرف رجوع کیا گیا تو مختلف اقوال سامنے آئے یہ تو بالاتفاق مل گیا کہ تین طلاق مجمع علیہ ہیں۔ مبسوط نے اس کو محارم کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس سے معلوم ہوا کہ عدت نہیں کیونکہ محارم میں نفی عدت و نسب ہے۔ (شامی ص۲۸۷ ج۲ اور کتاب الفقہ للمذاہب الاربعہ ص۱۱۹) میں فاسد کی تقسیم کی ہے اور یہ لکھا ہے جس کے جواز پر کسی نے قول نہ کیا ہو۔ اس پر نہ عدت ہے نہ نسب کتاب الفقہ ص۱۲۴ پر شبہۃ العقد کی تفصیل کی ہے اور حد کو ساقط لکھا ہے لان العقد احدث عندہ شبہۃ المحل۔ بعض مفتی حضرات اس سے نکاح فاسد کا شبہ کرتے ہیں۔ شامی کی ذیل عبارت سے ایک فقیہ نے کہا جس سے باطل معلوم ہوتا ہے حلالہ صحیح ہو گیا ہے۔ قالت المطلقۃ الثلاث تزوجت غیرک وتزوجھا الاول ثم قالت کنت کاذبۃ فیما قلت لم اکن تزوجت فان لم تکن اقرت بدخول الثانی کان النکاح باطلا وان اقرت لم تصدق کتاب الفقہ ص۵۱۵ ج۴، اب عرض یہ ہے کہ آپ فرمائیں کہ کیا کیا جائے۔ حلالہ صحیح ہے یا دوبارہ حلالہ کیا جائے۔

(مولانا) علی محمد مہتمم دارالعلوم عیدگاہ، کبیر والہ

الجواب صورت مسئولہ میں نکاح بعد الطلقات الثلاثہ باطل ہے۔ اس پر ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کا اجماع ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ اہل حدیث حضرات کا اختلاف اس نکاح کے جواز کے بارے میں اسے باطل سے فاسد بنانے میں مؤثر نہیں اور فقہاء کرام کے اصول کے ماتحت "کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ" سے بھی یہ باطل ہے، کیونکہ اس نکاح کی حرمت تمام اہل علم ائمہ اربعہ وغیرہم کے نزدیک اجماعی ہے لہٰذا دخ زن کے اس نکاح ثانی پر عدت نہیں ہو گی، اور اس کو حد کے سقوط پر قیاس کر کے اقوال رد دینا ... مطلب معلوم نہیں ہوتا لہٰذا زوج محلل کا نکاح اور تحلیل صحیح ہے۔ خاوند اول

بعد از عدت گزرنے کے نکاح کر سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفر اللہ لہٗ
۱۳۷۸/۵/۲۴ھ

ایک گواہ کہتا ہے کہ میں نے لفظ قبول سنا ہے دوسرا منکر ہے تو نکاح کا حکم

ایک عورت باکرہ نابینی جس کا باپ دادا بھائی حقیقی نہیں ہیں صرف ابناء العم ہیں تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھ اس کا نکاح کر لیا اب وہ عورت نکاح کو نہیں مانتی بلکہ کہتی ہے کہ میں نے ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا صرف مار پیٹ کے ڈر سے کلمہ طیبہ پڑھا تھا انکار کرتی رہی نکاح خواں مولوی صاحب کا بیان ہے کہ رو برو دو گواہاں اس نے کلمہ طیبہ پڑھ کر قبول کیا تھوڑی دیر بعد پھر انکاری الفاظ کہنے لگی ایک گواہ کہتا ہے کہ پہلے مجلس میں انکار کرتی رہی تسلی دلانے پر کلمہ طیبہ پڑھا اور آہستہ سے قبول بھی کیا بعد میں انکاری ہو گئی دوسرا گواہ کہتا ہے کہ میں نے قبول کا لفظ نہیں سنا صرف کلمہ طیبہ پڑھا بعد میں آہ و فغاں اسی مجلس میں کرنے لگی جناب والا دیہات میں اس طرح مروج ہے کہ قبل از قبول کلمہ طیبہ پڑھاتے ہیں، اس کو رضا سمجھتے ہیں تو اندریں صورت نکاح ہوا یا نہ اگر ہوا تو خلاصی کی صورت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب صورت مسئولہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا کیونکہ لفظ قبول کے سننے پر ایک گواہ ہے اور دوسرا گواہ لفظ قبول کے صادر ہونے سے انکار کرتا ہے اس کے بیان میں صرف کلمہ طیبہ پڑھنا مذکور ہے البتہ اگر ناکح بھی علاوہ نکاح خواں اور دو گواہاں کے مجلس میں موجود تھا تب نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ لفظ قبول کے سننے پر ایک شاہد موجود ہے اور دوسرا شاہد نکاح خواں ہو جائے گا اور ناکح خود مباشر نکاح قرار پائے گا۔

یدل علیہ ما فی الدر المختار ص ۲۷۴ ج ۲ أمر الاب رجلا أن یزوج صغیرتہ فزوجہا عند رجل أو امرأتین والحال أن الاب حاضر صح لانہ یجعل عاقداً حکما والا لا والدلیل علی الاول ذکرہ

فی صفحۃ ۲/۲۷۲ وشرط حضور شاھدین حرین أو حر و حرتین مکلفین سامعین قولہما معًا الخ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، خیر محمد عفی عنہ ،

محمد عبداللہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان شہر

ولیٔ اقرب غائب بغیبتِ منقطعہ ہو تو ولی البعد کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ولی اقرب کو تھے

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد ولی اپنے بھائی شیر ولی کی عدم موجودگی میں اسکی دو نابالغہ لڑکیوں کا عقد نکاح کر دینا چاہتا تھا بوقت انعقاد نکاح مجلس میں سوال پیدا ہوا کہ نابالغہ لڑکیوں کا والد زندہ ہے اور غیر حاضر ہے نکاح کس طرح ہوگا۔ محمد ولی مذکور اور مولوی نواب علی نکاح خواں نے جواب دیا کہ لڑکیوں کا والد جرمن کا قیدی ہے ہم بوقت روانگی شیر ولی کے سیالکوٹ ملاقات کے لئے گئے تھے اس نے ہمیں کہا تھا کہ میری دونوں لڑکیاں محمد ولی جہاں چاہے دیکھ اپنی شادی کر لے اس جواب کے بعد مولوی نواب نے نکاح کر دیا۔ اور رخصتی بھی ہوگئی بعدہ طرفین میں نااتفاقی ہوگئی بالغ ناکح سے طلاق لی گئی اور نابالغ ناکح کا بعد از بلوغت طلاق دینے کا وعدہ کیا گیا شیر ولی قید سے رہا ہو کر آیا تو وہ اجازت کا منکر ہوگیا اب وہ ناکح بھی بالغ ہوگیا اور شیر ولی نے بغیر طلاق لئے مولوی نواب علی مذکور کے بھتیجے سے نکاح کر دیا اور وہی مولوی نواب علی نکاح خواں ہوا اب چند امور طلب تشریح ہیں ۱۔ کیا مندرجہ بالا صورتوں میں باجازت والد جیسا کہ مذکور ہے نکاح اول درست ہے یا کہ بلا اجازت بھی درست ہے (۲) اگر نکاح ہر دو صورتوں میں درست ہے تو متناکحین اور نکاح خواں اور جو ممد و معاون انکے ہیں ان کے ساتھ مسلمانوں کے برتاؤ کا کیا حکم ہے (۳) نکاح خواں مذکور کے پیچھے فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کی نماز درست ہے یا نہ ۴۔ ایسے لوگوں پر تعزیر طعام مساکین بحسب طاقت ہے یا نہ اگر پہلا نکاح درست ہی نہیں تو معاملہ صاف ہے ۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں نکاح اوّل جو محمد دلی نے اپنی بھتیجیوں کے بصورتِ قید ہونے لڑکیوں کے والد شیر ولی) کے کردیے صحیح ہوگئے کیونکہ والد شیر ولی کا قیدی ہونا جرمن کا غیبت منقطعہ ہے پھر اس کے ساتھ والد کی اجازت بھی بقول انکے برادر کے شامل ہے بہرحال نکاح صحیح ہوگیا اور لڑکیوں کو بوقتِ بلوغ خیار فسخ حاصل تھا جب ان لڑکیوں نے خیار فسخ استعمال نہ کیا تو برادر کے کئے ہوئے نکاح لازم ہوگئے بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح کرنا جرم ہے سو جس لڑکی کے خاوند سے طلاق حاصل کرکے دوسری جگہ نکاح کردیا گیا ہے وہ تو صحیح ہے اور جس لڑکی کا بغیر حصول طلاق نکاح کیا گیا وہ ناجائز ہے نکاح خواں اور شرکاء مجلس سب مجرم ہیں جو کہ اس نکاح ہیں ممد ومعاون ہیں ایسی صورت میں اہلِ قریہ اور دیگر مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان سے علیحدگی اختیار کرلیں یہاں تک کہ وہ اپنے فعل سے تائب ہوں اور ایسے امام کی امامت بھی جائز نہیں جو ایسے افعال کا مرتکب ہو فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح،	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ،	خادم الافتاء خیرالمدارس

۲۸ / ۶ / ۱۳۷۵ھ

باپ سے اکراہ کی حالت میں نابالغہ کا نکاح لے لیا تو نکاح کا حکم

سمی شیر محمد کا بیان ہے کہ میں موسم سردی میں رات کے وقت اکیلا کمرہ میں سویا ہوا تھا اور شدت کا بخار چڑھا ہوا تھا تو سمی بڈھا دروازے پر آیا اور کنڈی کھٹکھٹائی اور بولا کہ باہر نکل آؤ میں نے جواب میں کہا کیوں؟ اس نے کہا کہ تو اپنی لڑکی مسماۃ زینب کا جس کی عمر تقریباً ۶ / ۷ سال ہے سمی امام بخش کے لڑکے صغیر سے نکاح کردے تو میں نے کہا کہ یہ بات نہیں ہوگی۔ ہم امام بخش کو نہیں دینا چاہتے چنانچہ اس نے اندر سے کنڈی کھولی اور مجھ تک پہنچ گیا نہ میں لڑنے کا تھا اور نہ مزید جوابی کاروائی کا۔ بخار زوروں پر تھا۔ تو سمی بڈھا نے کہا اگر تو اپنی لڑکی مسماۃ زینب صغیرہ کا نکاح نہیں کرواتا تو میں تمہیں مار دوں گا۔ خدا کی قسم دونوں گھر تباہ ہوجائیں گے اگر پھانسی پر چڑھ جاؤں گا تو کوئی بات نہیں لیکن تجھے ختم کردوں گا۔ ڈر کے مارے میں بڑی مشکل سے ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں گیا۔ اس کمرہ میں ایک مولوی صاحب ناکح کا باپ اور دو اور آدمی شیر محمد کو مجبور کرنے والے ہیں اور کوئی مجمع عام

نہیں اور کوئی شیرینی وغیرہ نہیں بانٹی گئی اور گھر والوں کو کوئی پتہ نہیں جب صبح ہوئی تو شیر محمد نے اپنی بیوی کو اطلاع دی اسکی بیوی نے شور مچا دیا اور اپنے خاوند کو گالی گلوچ دینی شروع کر دی اور یہ بات آہستہ آہستہ پھیلتی گئی جو کوئی شیر محمد سے پوچھتا تو وہ کہتا کہ موت وحیات کا سوال تھا میں کیا کرتا اسطرح بھی کوئی نکاح پڑھا جاتا ہے جس طرح مجھ سے پڑھوایا گیا چنانچہ اسکی بیوی روٹھ کر میکے چلی گئی اب تک انہوں نے جبکہ وہ لڑکی بالغہ ہو چکی ہے امام بخش کے گھر سے کوئی عید برات نہیں لی جب گواہوں سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی کہا کہ اگر شیر محمد نکاح نہ کر دیتا تو اس کو جان سے ختم کر دیا جاتا مسمی بڈھا کا بیان ہے کہ میرے پاس لوڈ شدہ پستول تھا اور حلفیہ کہا کہ اگر وہ نکاح نہ کرتا تو میں اسے پستول مار کر ہلاک کر دیتا بھی امام بخش اور شیر محمد ایک ہی قوم کے ہیں کیا مذکورہ بالا صورت میں نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں۔ علاقہ کے علماء اور فضلاء فرماتے ہیں کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا؟
(السائل، شیر محمد)

الجواب اذا اکرہ الرجل ان یزوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل لیس بکفءٍ لھا او باقل من مھر مثلھا ففعل فان کان النکاح باقل من مھر مثل لا ینفذ الا ان یبلغ بہ مھر مثلھا وان لم یکن کفؤا لا یصح النکاح خانیہ ص۲۸۴ ج۴، وفی الدر المختار صح نکاحہ وطلاقہ وعتقہ لو بالقول لا بالفعل کشراء قریبہ (الی ان قال) وتوکیلہ بطلاق وعتاق الخ مقتضاہ انہ لو اکرہ علی التوکیل بالنکاح یصح وینعقد ولکن لم اَرَہٗ منقولاً۔
(شامی ص۹۶ ج۵ کتاب الاکراہ)

جزئیہ بالا سے یہ ظاہر ہے کہ صورتِ مسئولہ میں نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ جن اُمور میں ہزل مؤثر نہیں ان میں اکراہ بھی مؤثر نہیں اور نکاح انہیں اُمور سے ہے اور اگر یہ توکیل بالنکاح ہے تو بھی اکراہ مضر نہیں نوٹ واضح رہے کہ اگر اس نکاح میں مہر مہرِ مثل سے کم باندھا گیا تھا تو پورا مہر مثل دینا لازم ہوگا تب نکاح نافذ ہوگا ورنہ خیارِ فسخ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

فون پر ایجاب و قبول کا حکم

مکرم و محترم جناب حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بگزارش بخدمت آنکہ دو عدد مسئلوں کا جواب درکار ہے۔ مرحمت فرمادیں۔

۱۔ ٹیلیفون پر نکاح جائز ہے جبکہ لڑکا سعودیہ میں ہے۔ لڑکی پاکستان میں ہے تو پاکستان میں مجلسِ نکاح منعقد کی جاتی ہے۔ پھر لڑکے سے فون کے ذریعہ رابطہ کیا جاتا ہے نکاح کے گواہ اچھی طرح لڑکے کی آواز پہچانتے ہیں کہ یہ وہی مطلوبہ لڑکا ہے اور اس کے قبول کو اچھی طرح سنتے سمجھتے ہیں۔ آواز کی پہچان میں کسی قسم کا اشتباہ بھی نہیں۔ آیا مکتوب غائب عن المجلس کی طرح یہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔

۲۔ کوئی حافظ بیوی بچوں کے ساتھ گھر میں تراویح ادا کرتا ہے اور اس خیال سے فرض کی جماعت بھی گھر ہی کروالیتا ہے کہ اہلِ خانہ بھی جماعت کا ثواب حاصل کرلیں کیا اس کا یہ فعل درست ہے یا اُسے فرض مسجد میں ادا کرنے چاہئیے۔ (المستفتی، شیر محمد جامعہ دار العلوم ربانیہ)

الجواب ۱۔ نکاح کے انعقاد کے لئے مجلس کا ایک ہونا ضروری ہے۔ مجلس سے غائب ہونے کی صورت میں نکاح نہ ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔

ومنها أن یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحد حتی لواختلف المجلس۔لا ینعقد وکذا اذا کان أحدهما غائبا لم ینعقد الخ (ص۲ ج۲)

اگر ایسی ضرورت درپیش ہو تو خاوند کسی کو وکیل بنادے وہ وکیل اس کا نکاح کردے پھر فون پر خاوند کو مطلع کردے اور خاوند اجازت دیدے۔

۲۔ مسجد میں فرض ادا کرنا بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۷/۱۰/۱۴۱۷ھ

جوابِ مذکور پر تحریرِ ذیل موصول ہوئی۔

بحضور جناب مولانا مفتی عبد الستار صاحب دامت برکاتہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بگزارش بخدمت آنکہ،

۱۔ بندہ نے آپ کے نام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ غائب کا نکاح براہ راست فون کے ذریعہ درست ہے کہ نہیں۔ ارسال کیا جس کا جواب ۹/۹۰ دار الافتاء کی طرف سے یہ موصول ہوا کہ یہ نکاح درست نہیں اسلئے کہ ہندیہ کی تصریح کے مطابق اتحاد مجلس شرط ہے جو یہاں موجود نہیں۔ حالانکہ ہندیہ کی اتحاد مجلس کی شرط کی تفصیل بلا توکیل مکتوب غائب کی صورت میں نکاح کا جواز ذکر کیا ہے اور اسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ مجلس کا اتحاد معنوی کافی ہے ولو ارسل الیہا رسولاً او کتب بذلک الیہا......

جاز لاتحاد المجلس من حیث المعنیٰ ص۲۶۹ ج۱ ، اسی طرح درمختار کے اس قول ولا بکتابۃ حاضر بل غائب بشرط اعلام الشہود کے تحت صاحب ردالمحتار تحریر فرماتے ہیں فانہ ینعقد النکاح بالکتاب.... وصورتہ ان یکتب الیہا یخطبہا فاذا بلغہا الکتاب ص۲۶۲ ج۲ (وکذا فی فتاوی دار العلوم دیو بند) تو جب بلا توکیل کتابت کے ذریعہ غائب کا ایجاب معتبر ہے اور اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اس وجہ سے کہ اس میں مجلس کا اتحاد معنوی کافی ہے تو فون کے ذریعہ گواہ غائب کے ایجاب کو واضح طور پر پہچانیں اور اسکی آواز کی اچھی طرح شناخت کریں تو بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔

۲۔ ہمارے ہاں گوالوں کی یہ عادت ہے کہ شروع کا نکالا ہوا دودھ جو بہت پتلا اور روغن سے خالی ہوتا اور آخری حصہ جو بہت گاڑھا اور گھی سے بھرپور ہوتا ہے لیکن وہ اپنے خریداروں کو دھوکہ سے پہلے حصہ کا دودھ دیتے ہیں (گاہکوں سے یہ بات چھپاتے ہیں کہ ہم دودھ کا آخری حصہ خود رکھتے ہیں) اور قیمت صحیح دودھ کی لیتے ہیں آیا انکا فعل جائز ہے اور بیع الغرر کے زمرہ میں تو نہیں آتا۔

فقط جوابات کی نوازش فرمائیں (مشیر محمد مدرس جامعہ دار العلوم ربانیہ)

الجواب دراصل فون دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ اسکی آواز صرف وہی شخص سن سکتا ہے جس نے فون اٹھایا ہوا ہو۔ دوسرا فون وہ ہے جس کی آواز سب حاضرین کو سنائی دیتی ہے پہلی قسم کے فون پر نکاح منعقد نہ ہوگا۔ کیونکہ ایجاب و قبول کو معاً دونوں گواہوں کا سننا شرعاً ضروری ہے۔ اس فون پر معاً سننا نہ ہوگا بلکہ علی التعاقب ہوگا۔ درمختار میں ہے۔

وشرط حضور شاہدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولہما معاً (شامیہ ص۲۷۲ ج۲)

چونکہ عموماً فون ایسے ہی ہیں۔ اس لئے نکاح کے عدم انعقاد کا قول کیا گیا ہے مذکورہ قسم کے فون میں چونکہ مذکورہ شرط پائی جائے گی اس لئے نکاح منعقد ہوجائے گا۔ فون کے ذریعہ جو براہِ راست آواز آتی ہے اسے رسول کے پیغام ایجاب یا خط کے مضمون کے اعادہ کی طرح قرار دیں گے۔

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
۵/۱۱/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

عورت نکاح کے معاملہ میں کس حد تک آزاد ہے؟

اس میں شک نہیں کہ یہ رحمت کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین ہی ہے کہ جس نے انسان کو انسان کی قدر کرنا سکھلایا، عدل وانصاف کا قانون جاری کیا، عورت کو آزاد وخود مختار بنایا اور اس کو اپنی جان ومال کا ایسے ہی مالک قرار دیا جیسے کہ مرد اپنی جان ومال کا مالک ہے کوئی شخص خواہ وہ باپ دادا ہی کیوں نہ ہو زبردستی اسے نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا اگر وہ زبردستی نکاح کر بھی دے تو وہ اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

لیکن جیسے عورت کو اس کے حقوقِ مناسبہ نہ دینا ظلم وجور اور قساوت وشقاوت ہے اسی طرح اُن کو بالکل کھلی چھٹی دے دینا اور مردوں کی نگرانی وسیادت سے آزاد کردینا بھی بہت سے فتنوں و فسادات کا ذریعہ ہے۔ عورت کو مردوں کی سیادت ونگرانی سے بالکل آزاد کردیا جائے تو یہ پورے انسانی معاشرہ کے لئے خطرۂ عظیم ہے جس سے فساد وخون ریزی اور طرح طرح کے فتنوں کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ جیسا کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے اسلئے قرآن حکیم نے عورتوں کے حقوقِ واجبہ کے بیان کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وللرجال علیهن درجة جس کا معنی یہ بنتا ہے کہ مرد ان کے نگران اور ذمہ دار ہیں۔

عورتیں جب مردوں کی نگرانی وسیادت سے آزاد ہوتی ہیں تو ایسے ایسے نتائج بد سامنے آتے ہیں کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔ نکاح وشادی وغیرہ کے مسئلہ میں شریعت کا منشاء یہ ہے کہ یہ امور عورت کے اولیاء اور سرپرست انجام دیں۔ ارشادِ باری ہے۔

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو الخ قولہ و اماءکم الآیۃ (سورۃ نور آیت ۳۲) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس کے لائق ہوں۔

آیتِ مذکورہ کے طرزِ خطاب سے باتفاق ائمۂ فقہاء یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لئے کوئی مرد یا عورت بلاواسطہ اقدام کی بجائے اپنے اولیاء و سرپرستوں کے واسطے سے یہ کام سرانجام دے اس میں دین و دنیا کے بہت سے مصالح اور فوائد ہیں بالخصوص لڑکیوں کے معاملہ میں کہ لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے نہ کریں یہ ایک قسم کی بے حیائی بھی ہے اور اس میں فواحش کا راستہ کھل جانے کا بھی خطرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلاواسطۂ ولی کرنے سے روکا گیا۔

آیتِ کریمہ فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن کی تفسیر میں امام شافعیؒ لکھتے ہیں "ھذہ أبین آیۃ فی کتاب اللہ تعالیٰ تدل علی ان النکاح لایجوز بغیر ولی اھ (مبسوط سرخسی ص۱۱ ج۵)

کہ قرآن حکیم میں یہ آیت واضح ترین ہے جو یہ بتاتی ہے کہ نکاح ولی کے بغیر جائز نہیں،

ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت آتی ہے

"کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا ایسے ہی ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ ایما امرأۃ نکحت نفسها بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل" کہ جو عورت ولی و سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی وہ نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔

سنن ابن ماجہ میں تو اس سے زیادہ واضح لفظوں میں ارشاد فرمایا گیا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتزوج المرأۃ المرأۃ۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ ولا تزوج المرأۃ نفسها (ابن ماجہ)

کہ کوئی عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور کوئی عورت اپنا نکاح خود بخود نہ کرے۔

البتہ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ بالغہ کفو میں نکاح کر لے تو منعقد ہی نہیں ہوگا بلکہ مقصد یہ کہ ایسے نکاح مآلاً باطل ہو جاتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

ایجاب کے جواب میں دُولہا کے آمین کہنے سے نکاح کا حکم

نکاح خواں مولوی نکاح خوانی کے وقت دولہا کو کہتے ہیں فلاں دختر فلاں اتنے مہر کے بدلے میں آپ کی ملک کی، اور دولہا کو بجائے لفظ قبول کرنے کی تلقین کے لفظ آمین کہنے کی تلقین کرتا ہے اور اسی طرح نکاح خواں کی طرف سے لفظ ملک اور دولہا کی طرف سے لفظ آمین کہنے پر نکاح ہو جاتا ہے مزید برآں کہ نکاح خواں کو بروقت آگاہ بھی کیا گیا کہ آپ لفظ ملک کی بجائے لفظ نکاح استعمال کریں اور دولہا لفظ آمین کی بجائے لفظ قبول استعمال کرے لیکن وہ ضد پر مصر ہیں اور اسی طرح نکاح کر دیا گیا یہ نکاح مطابق شریعت ہے ؟

الجواب نکاح ہر ایسے لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے جو مفید تملیک ہو جبکہ یہ لفظ بنیت نکاح استعمال کیا جائے وانما یصح بلفظ تزویج ونکاح لانهما صریح وما عداهما كناية وهو كل لفظ وضع لتمليك عين فى الحال كهبة و تمليك اهـ درمختار ملخصاً ۔ پس صورت مسئولہ میں ایجاب تو درست ہے لیکن قبول کی بجائے آمین کہنا اس میں تردد ہے کہ قبول شرعی بنایا نہیں لغوی معنی کے اعتبار سے اس لفظ کا قبول نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ اس کا معنی استجب وغیرہ ہے جس کی حقیقت طلب شئی ہے اخبار واظہار عن تحقق الشئی نہیں چونکہ انعقاد نکاح کے لئے قبول بھی رکن ہے اور وہ بظاہر متحقق نہیں ہوا لہٰذا نکاح منعقد نہیں ہوگا ۔ تجدید نکاح ضروری ہے کم از کم احتیاطاً واجب ہے کیونکہ معاملہ نکاح کا ہے۔

نوٹ : ایسے ضدی نکاح خواں کو تنبیہ کی جائے کہ آئندہ ایسی بے احتیاطی نہ کرے ایجاب میں لفظ نکاح استعمال کیا کرے اور قبول میں یہ کہلوائے کہ میں نے قبول کیا فقط ۔ واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبداللہ غفرلہ ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،

جواب مذکور پر حسب ذیل تحریر موصول ہوئی ۔

ہمارے علاقہ میں ایک مفتی صاحب نے قبل ازیں ایک فتویٰ صادر فرمایا ہے جس میں انہوں نے بوقت نکاح دولہا کی طرف سے لفظ آمین کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا تھا اور کہا کہ لفظ آمین کے معنی معروف و مشہور ہیں

"میں قبول کرتا ہوں" ان معنوں کا ثبوت مانگنے پر انہوں نے دوسرا فتوی صادر فرمایا جس میں انہوں نے حسب ذیل دلائل پیش کئے ا۔ سب سے پہلی بحث یہ ہے کہ لفظ آمین کے معنی قبول کے ہیں کہ نہیں؟ اس بحث کے متعلق گزارش ۱۔ لغت کی مشہور کتاب فیروز اللغات کے صلا میں لفظ آمین کی بحث میں لکھتے ہیں کہ آمین کہنا ا۔ قبول کرنا ۲۔ ماننا ۳۔ ہاں میں ہاں ملانا۔ آمین کہنے والا ہاں میں ہاں ملانے والا ہے اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ آمین کا معنی صرف قبول کرنے کے ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ماننے وغیرہ کے بھی آتے ہیں دوسرے یہ کہ آمین کے صلات میں تغیر سے اس کے معنی بھی تبدل پذیر ہو جاتے ہیں مثلاً آمین کا صلہ اللہ آئے اور آمین اللہ کہا جائے تو اس کے معنی ہیں خدا کی پناہ ۲۔ خدا نہ کرے ۳۔ نعوذ باللہ وغیرہ جب اس کا متعلق لفظ ہونا ہو یعنی آمین ہونا کا لفظ بولا جائے تو اس کا معنی ۱۔ امن چین سے ہونا ۲۔ خوشیاں منانا ۳۔ مراد بر آنا آتے ہیں۔ جب آمین کا معنی ماننے اور ہاں میں ہاں ملانے اور قبول کرنے کے آتے ہیں تو مجھے آمین ہے کا معنی مجھے قبول ہے کیوں نہ ہوگا۔ پنجابی زبان کے مشہور قادر الکلام شاعر بلکہ تاج الشعراء پیر وارث شاہ اپنی معروف اور زبان زد خلائق کتاب ہیر وارث شاہ میں لکھتے ہیں

جنہاں شک کیتا او گمراہ ہوئے پڑھ کے ویکھ ولاالضالین قاضی
اک وار جے رانجھناں دید دیوے آکھاں مکھ تھیں لکھ آمین قاضی

یعنی قاضی صاحب جو کھیڑے کے ساتھ نکاح پڑھانے پر مجبور کرتے ہیں یہ میں کبھی تسلیم نہیں کروں گی لیکن میرا محبوب رانجھا ایک بار منہ دکھا دے تو لاکھ بار میں قبول و منظور کروں گی۔

۲۔ حکیم عبداللطیف المعروف عارف اپنی مشہور و معروف تصنیف کملی والے صلا پر لکھتے ہیں۔

ہو آزاد بلال نے آن ملی خدمت رحمۃ اللعالمین میاں
سر دین توں عار جانن کیونکہ جنہاں بولیا حرف آمین میاں

یعنی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا وہ حضور علیہ السلام کے در مقدس کو کیسے اور کیونکر چھوڑ سکتے ہیں ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ آمین کہنا بمعنی قبول کرنا نہ صرف لغتاً مستعمل ہے بلکہ اہل زبان بھی اسکو عام طور پر استعمال کرتے ہیں۔

دوسری بحث یعنی عقود میں معانی کا اعتبار ہے کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء کرام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ عقود کے انعقاد کے لئے ہر وہ لفظ یا چیز کافی ہے جو مقصود کو متعین کرنے

پر دال ہو مثلاً عقدِ بیع میں مبادلۃ المال بالمال بالتراضی مقصود ہے ۔ اس مقصد پر جو چیز بھی دلالت کرے گی وہی کافی ہے ۔ ایجاب کے لئے بعت اور قبول کے لئے قبلت یا اشتریت ضروری نہیں بلکہ جو چیز بھی مقصود پر دلالت کرے گی انعقادِ بیع کے لئے کفایت کرے گی حتیٰ کہ بعض اوقات ایجاب و قبول کے الفاظ سرے سے ناپید ہوتے ہیں یہ الفاظ بولے ہی نہیں جاتے بلکہ پھر بھی بیع شرعاً متحقق ہو جاتی ہے جیسے بیع بالتعاطی میں صرف مبیع اور ثمن کا لین دین ہوتا ہے فقہا کرام کے ارشادِ گرامی کا یہ مقصد لینا کہ عقد میں قبول کے لئے وہ لفظ معتبر ہوگا جس کا معنیٰ میں قبول کرتا ہوں ، ضروری ہے جہالت و نادانی پر مبنی ہے یہ بات اہلِ علم کی شان سے بعید ہے ۔

چند باتیں جواب طلب ہیں ا۔ مفتی صاحب نے جن کتب سے حوالہ جات دیئے ہیں خصوصاً ہیر رانجھا اور کملی والے کیا یہ علماء کرام کے نزدیک قابلِ قبول ہیں اور فقہ کی مشہور و معروف کتب کے مقابلے میں حجت ہیں ۲۔ اگر واقعتاً آمین کا معنیٰ میں قبول کرتا ہوں کے ہیں جیسا کہ مفتی صاحب نے سابقہ فتویٰ میں تصریح فرمائی ہے تو طلبِ ثبوت میں مفتی صاحب نے کیوں نہ عربی تفسیر یا فقہ کی کتاب کا حوالہ دیا ۳۔ کیا کسی مفتی دین کی شان کے لائق ہے کہ کتاب و سنت و فقہ کو چھوڑ کر ہیر رانجھا جیسی فحش کتاب اپنے فتویٰ میں بطورِ دلیل پیش کرے ان جملہ گزارشات کا جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں ؟

الجواب واضح رہے کہ سوال بدلنے سے جواب بدل جاتا ہے آپ نے جو سوال تحریر کیا تھا اس میں تھا کہ ناکح نے جواب میں کہا آمین چونکہ تنہا آمین کہہ دینا عرف میں قبول نہیں بنتا اس لئے نکاح کو غیر منعقد کہہ دیا گیا اب ہمارے ہاں دوسرا سوال مع جواب موصول ہوا ہے جس کے دلائل کو آپ ذکر کر کے تردید کر رہے ہیں اور ہم سے تصدیق کے طالب ہو رہے ہیں ۔ ہم نے اس دوسرے سوال جواب کو پورا دیکھا ہے اس میں ناکح کے یہ الفاظ مذکور ہیں کہ مجھے آمین ہے اس پورے جملے میں اور صرف آمین کہنے میں فرق ہے اس پورے جملے کہنے سے مجھے آمین ہے قبول ہو جاتا ہے اور نکاح منعقد ہو جاتا ہے لہذا ہم نے مفتی عبداللطیف صاحب کے جواب کی تصدیق کر دی ہے مفتی صاحب کے کلام میں جو اشعار پنجابی وغیرہ کے ہیں ۔ یہ قرآن و حدیث کے مقابلے میں استدلال کے طور پر پیش نہیں کئے گئے بلکہ محاورہ وغیرہ کے اثبات میں ہیں اس لئے آپ کے اعتراضات صحیح نہیں ہیں ، حاصل کلام یہ ہے کہ آپ تحقیق کر لیں کہ اگر ناکح نے کہا

ہے کہ مجھے آمین ہے تو نکاح منعقد ہے اور اگر صرف آمین کہا ہے تو نکاح غیر منعقد ہے یا کم از کم مشکوک ہے احتیاطاً تجدید ضروری ہے نیز ہم نے نکاح خواں کو تنبیہ لکھ دی ہے کہ قبول جیسے معروف لفظ کو چھوڑ کر مجھے آمین ہے کے الفاظ سے قبول نہ کرائیں اس میں فتنہ بر پا ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

باپ کا غیر کفو میں کیا ہوا نکاح بھی لازم ہوتا ہے

۱۔ ایک لڑکی کی عمر ۲۵ سال عاقلہ بالغہ قوم مسی مذہب شیعہ مفرور ہو کر دو میل کے فاصلہ پر ایک لڑکا عمر ۲۵ سال اہل السنۃ والجماعۃ قوم کمہار کے ساتھ بلا اجازت باپ کے نکاح کر لیا ہے آیا یہ نکاح غیر کفو میں جائز ہے یا نہ ؟

۲۔ لڑکی کے باپ نے زمینداروں کی امداد سے ایک ہفتہ کے اندر لڑکی کو واپس کر لیا ہے اب لڑکی کا باپ، دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتا ہے آیا بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے یا نہ؟

۳۔ ایک شخص نے جان بوجھ کر اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر دیا ہے اور اب لڑکی بالغ ہو گئی ہے تو باپ کے کئے ہوئے نکاح کو منظور نہیں کرتی اور کہتی ہے کہ میرے خاندان میں کیوں نہیں کیا گیا وہ لڑکی نہیں مانتی اور غیر کفو میں انکاری ہے۔ اسکی کوئی صورت ہو سکتی ہے ؟

۴۔ ایک شخص کی دو عورتیں ہیں ایک کا نام اللہ وسائی اور دوسری کا نام نور بی بی ہے۔ اللہ وسائی کی ایک لڑکی عطاء الٰہی ہے۔ اب عطاء الٰہی کا نکاح در محمد کے ساتھ ہو گیا ہے در محمد نور بی بی کے ساتھ ناجائز زناکاری کرتا رہا ہے کیا در محمد کا نکاح جائز ہو گا یا نہ ؟

الجواب ۱۔ اگر لڑکی اپنی مرضی سے بغیر اجازت غیر کفو میں نکاح کرے تو فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتویٰ درمختار صفحہ ۴۰۹/۲ پس اگر قوم مسی قوم کمہار کو پیشہ و درجہ میں کم سمجھتی ہے تو یہ دونوں کفو نہیں اور نکاح ان دونوں کا منعقد نہیں ہوا۔

۲۔ اور جب نکاح منعقد نہیں ہوا تو لڑکی کے والد کو اختیار ہے کہ لڑکی کی رضامندی سے دوسری جگہ اس کا عقد کر دے۔

۳۔ یہ نکاح صحیح اور لازم ہو گیا۔ لڑکی کا انکار غیر معتبر ہے درمختار میں ہے۔ وللولی الاٰنحٰ

انکاح الصغیر والصغیرۃ ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او زوجہا بغیر کفء ان کان الولی المتزوج بنفسہ بغبن ابا او جدا اھ صفحہ ۳۲۲ ج ۲ در مختار علی الشامیہ

۴۔ مستفتی در محمد نور بی بی سے ناجائز تعلق رکھنے کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے لیکن عطاء الٰہی سے اس کا نکاح باقی ہے کیونکہ نور بی بی عطاء الٰہی کی والدہ نہیں ہے فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، سید احمد علی سعید
سید مہدی حسن صدیقی نائب مفتی دار العلوم دیوبند ۷/۵
الاجوبۃ صحیحۃ،

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

عورتوں کی خرید فروخت کا کاروبار کرنیوالوں سے کوئی عورت خرید کر اس کے ساتھ نکاح کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض افغانی وغیرہ لوگ سندھ میں کچھ عورتوں کو اغواء کر کے لاتے ہیں اور یہاں ان کو فروخت کر کے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس تجارتی کاروبار کو منظم طریقہ سے چلا رہے ہیں۔ یہ لوگ بوقت فروختن مذکورہ عورتوں کو اپنی بیویاں اور بہنیں ظاہر کرتے ہیں لیکن بعد میں ساری زندگی کبھی نہ انکے پاس آتے جاتے ہیں اور نہ خط و کتابت جاری رکھتے ہیں۔ جن سے ان عورتوں کا مغویہ ہونا مبیّن طور سے معلوم ہوتا ہے۔ یہاں کے کچھ لوگ ان عورتوں کو ان سے قیمتاً خرید کرتے ہیں۔ کبھی اپنے پاس رکھتے ہیں اور کبھی دوسروں کو بیچ دیتے ہیں۔ پھر بعض لوگ تو ان سے نکاح بھی کر لیتے ہیں اور بعض لوگ بلا نکاح ان سے ازدواجی تعلقات قائم رکھتے ہیں اکثر حالات میں بالخصوص جبکہ افغانی ہو، دیکھا گیا ہے کہ عورت بالکل نہ سندھی زبان بول سکتی ہے اور نہ اُردو اور نہ ان دونوں کو سمجھ سکتی ہے لیکن باوجود اس کے لالچی مُلّا نکاح خواں ان عورتوں کا نکاح پڑھ دیتے ہیں جس کے باعث عورت جاہل لوگوں کے پاس ازدواجی زندگی پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اب آپ حضرات سے مندرجہ ذیل اُمور کا جواب مطلوب ہے۔ براہِ کرم کافی غور سے جواب باصواب سے ممنون فرمادیں۔

۱۔ آیا یہ کام ان لوگوں کا عند الشرع جائز ہے یا حرام و واجب الترک ۲۔ نیز ان عورتوں کا خریدنا

تعاون علی الاثم میں داخل ہے یا نہیں ۳۔ اور ان سے نکاح کرنا عندالشرع ناجائز ہے مکروہ ہے یا مشتبہ ہے یا حرام ہے اور جبکہ عورت ایجاب وقبول کے الفاظ کو نہ سمجھ سکتی اور نہ بول سکتی ہے۔ ایسی حالت میں ایجاب وقبول درست ہے یا نہیں اور صرف باہمی ازدواجی تعلقات کو علامتِ رضا قرار دے کر نکاح کے جواز اور صحت کا حکم دینا صحیح ہے یا غلط۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو ان میں اور اُس شخص میں جو بلانکاح ازدواجی تعلقات قائم رکھتا ہے۔ ان دونوں میں وجہ فرق کیا ہے۔ اگر ہر دو صورتیں حرمت سے خالی ہیں تو کیا یہاں کے جو وڈیرہ اور متمول لوگ جو کسی عورت غیر منکوحہ کو بلانکاح آشنائی کے طور پر اپنے پاس رکھتے ہیں اور ان سے جماع وغیرہ ہوتا رہتا ہے۔ تو کیا یہ عورت بھی باہمی ازدواجی تعلقات کی بناء پر ان کی منکوحہ زوجہ شمار کی جائے گی اور ان سے پیدا شدہ اولاد حلالی اور میراث کی حقدار ہوگی یا نہ۔ اگر جواب نفی میں ہے تو براہِ کرم وجہ فرق بیان کریں اگر کچھ مدت گزرنے کے بعد (جبکہ عورت زبان دانی پر قادر ہو جائے) اگر عورت یہ بیان دے کہ بوقتِ اغوا میرا خاوند اپنے وطن میں زندہ تھا اور میں اسکی منکوحہ ہوں۔ تو آیا اس کے اس بیان کو صحیح تصور کیا جاوے گا یا نہیں اگر جواب اثبات میں ہے تو یہاں جو اسکی اولاد ہوئی وہ ثابت النسب ہوگی یا نہیں، براہِ کرم جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں (المستفتی مولوی احمد خطیب جامع مسجد پڈعیدن)

الجواب اغوا اور مغویہ عورتوں کی خرید وفروخت دونوں امر ناجائز اور حرام ہیں۔ اگر بالفرض یہ عورتیں لانے والوں کی بیٹیاں وغیرہ بھی ہوں، تب بھی ان کی خرید وفروخت حرام ہے۔ ۳۔ احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی عورتوں کے نکاح سے احتراز کیا جائے، لیکن اگر لانیوالے کے قول پر اعتماد ویقین آجائے تو نکاح کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ وکذا لو قالت لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی فلا بأس ان یتزوجہا (ہدایۃ ص۴۵۳ ج۴)

ایسے امور میں خبر واحد کو فقہاء نے مقبول لکھا ہے جبکہ صدق کا غلبہ ظن ہو جائے اور اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ کما فی الھدایۃ ایضاً ومن علم بجاریۃ انہا لرجل فرأی آخر یبیعہا وقال وکلنی صاحبہا ببیعہا فانہ یسعہ ان یبتاعہا ویطأھا لانہ اخبر بخبر صحیح لا منازع لہ وقول الواحد فی المنازعات مقبول علی ای وصف کان لما مرّ من قبل الی ان قال وھذا

اذا کان ثقة وکذا اذا کان غیر ثقة واکبر رأیه انه صادق لان عدالة المخبر فی المعاملات غیر لازمة للحاجة علی ما مر وان کان اکبر رأیه انه کاذب لم یسع له ان یتعرض لشئ من ذلك الخ (الهدایة ص۴۶۶ ج۴) عبارت ہذا کے آخری حصہ سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اگر غلبۂ ظن شخص مذکور کے کذب کا ہو تو اس صورت میں ان عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔

لہ واذا کان احد العوضین او کلاهما محرما فالبیع فاسد کالبیع بالمیتة والدم والخمر والخنزیر وکذا اذا کان غیر مملوک کالحر (الهدایة ص۵۳ ج۳)

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۵/۱/۱۳۸۶ھ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

ایجاب وقبول عقد نامہ کی شکل میں لکھ لینے سے نکاح نہیں ہوتا تاوقتیکہ زبان سے نہ کہا جائے

ایک عورت غیر ملک میں جاتی ہے جہاں اس کا محرم نہیں اور وہ مطلقہ ہے اور وہاں کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرتی ہے اس کا علم صرف اسکی بہن اور اس کے تین دوستوں کو ہے شادی کے بعد شوہر اور بیوی کی طرح بدنامی کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوئے اور عورت کا شوہر کے ہاں قیام نہیں دونوں برتھ کنٹرول کے طریقے سے اولاد کا سلسلہ بھی ختم کر رہے ہیں چونکہ لوگوں کو ان کے عقد نکاح کا علم نہیں اس لئے بے باکی سے ملنے کو برا سمجھتے ہیں کیا یہ عقد جائز ہے اور ان کا اسی طرح زندگی گزارنا صحیح ہے؟

۲۔ مرد اور عورت کا آپس میں ارادہ نکاح کا ہوا مرد کسی شیخ کے پاس جاکر عقد نامہ لکھواتا ہے مہر مقرر ہوا عورت خود شیخ کے سامنے حاضر نہ ہوئی۔ شیخ کو مرد کے بتانے سے رضا، عورت کا علم ہوا دو گواہ جاتے ہیں مگر وہ عورت کو نہیں جانتے بلکہ صرف مرد کو جانتے ہیں، نکاح میں مہر مقرر کر کے شیخ عقد نامہ لکھ دیتا ہے یہ نکاح جائز ہے یا نہ؟

الجواب ۱،۲ عورت اگر کسی مرد سے کہے کہ تو مجھ سے نکاح کر تو شخص مذکور اگر اس عورت کو اس کے باپ دادا کیطرف منسوب کر کے دو گواہوں کے سامنے کہدے کہ

میں نے اپنا نکاح فلانہ بنت فلاں سے کر دیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح متصور ہوگا اور اگر الفاظ مذکورہ زبان سے نہیں کہے اور ویسے ہی عقد نامہ تحریر کرا لیا گیا تو محض تحریر عقد نامہ سے بدوں ایجاب و قبول کے نکاح منعقد نہ ہوگا گو تحریر میں انشاء عقد ہو کما فی الدر المختار ص۴۴۸ ج۲ ویتولیٰ طرفی النکاح واحد بایجاب یقوم مقام القبول (الیٰ قولہ) کان اصیلاً من جانب و وکیلاً او ولیاً من آخر..... لیس ذلک الواحد بفضولی من جانب وان تکلم بکلامین علی الراجح پس صورت مسئولہ میں چونکہ محض تحریر عقدنامہ ہی ہوا ہے ایجاب و قبول کرایا ہو تو دوبارہ سوال لکھ کر جواب حاصل کریں۔

واضح رہے کہ فقہاء نے کتابت کی جس مخصوص صورت میں نکاح کو منعقد سمجھا ہے وہ صورت یہاں موجود نہیں ہے۔

۱۔ عورت مذکورہ سے اگر نکاح صحیح ہوتا تو اس سے میل جول رکھنے کی گنجائش تھی مگر بہتر اظہار و اعلان ہی تھا لیکن اب چونکہ نکاح میں شبہ ہو گیا۔ لہذا سابقہ تعلقات فی الحال منقطع کرنا ضروری ہیں تاوقتیکہ نکاح کا وجود متحقق نہ ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح،

عبداللہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

نوٹ: آپکے سوال سے جو صورت ذہن میں آئی تھی اس کا حکم تو اوپر لکھ دیا گیا البتہ اگر یہ صورت ہوئی کہ شیخ کے پاس جاکر جب آپ نے اپنا قصد ظاہر کیا تو شیخ نے عورت کی طرف سے ایجاب زبانی کر دیا ہو کہ میں نے فلانہ کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا اور آپ نے اسے الفاظ آئندہ کے ساتھ قبول کر لیا تو اس صورت میں نکاح درست متصور ہوگا جبکہ بعد میں عورت مذکورہ اس پر راضی ہو گئی ہو اور تمکین دیدی ہو فقط، عبدالستار عفا اللہ عنہ،

مطلقہ مغلظہ مرتد ہو جائے تو بدوں حلالہ دوبارہ نکاح کا حکم

زید نے نومسلمہ عورت ساجدہ سے نکاح کیا۔ مگر برادری نے مجبور کر کے اسے تین طلاق دلوا دیں جو منسلکہ طلاقنامہ میں درج ہیں۔ ساجدہ پھر عیسائی ہو گئی۔ زید بہت پشیمان

ہے وہ چاہتا ہے کہ ساجدہ کو دوبارہ مسلمان کرے پھر اس سے نکاح کرلے۔
کیا بارون حلالہ کے نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب ساجدہ کے دین سے مرتد ہوجانے سے حرمت مغلظہ ختم نہیں ہوئی۔ وہ بدستور حرام ہے۔ اسلام لانے کے بعد بھی تاوقتیکہ دوسری جگہ نکاح اور وظیفۂ زوجیت ادا ہونے کے بعد طلاق نہ ہو زید کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

لو طلقها ثنتین وهی امة ثم ملکها او ثلاثا وهی حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت وملکها لا یحل له وطؤها بملك الیمین حتی یزوجها فیدخل بها الزوج ثم یطلقها اھ (شامیہ ص۶۱۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱ – ۹ – ۱۴۰۴ھ

صرف صبی غیر ممیز نے قبول کیا تو نکاح نہیں ہوا

سوال: دو بچوں کے نکاح اس طرح ہوئے۔ ایک بچے کی عمر ۸ سال اور لڑکی کی عمر ۶ سال، دوسرے بچے کی عمر ۵ سال لڑکی کی عمر ۴ سال۔ بچوں کے والدین کے اہتمام پر چند لوگوں کے مجمع میں مولوی صاحب نے بچے کو ایمان مجمل ومفصل، کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھائے اور نام لے کر کہ فلاں بن فلاں کی لڑکی بنام فلاں تمہارے نکاح میں دی جاتی ہے تمہیں قبول ہے پھر بچہ نے اپنے والد کی ترغیب پر اقرار قبولیت کیا۔ نیز لڑکی کے والدین سے مولوی صاحب نے رجوع نہیں کیا۔ بہر حال رضامند تھے۔ اور تذکرہ حق مہر بھی نہیں ہوا۔ دوسرے بچے کے نکاح کی صورت بھی یہی تھی کیا نکاح ہوئے یا نہیں؟ (المستفتی عبد الحق کلرک معرفت عبد العزیز شیر دائزر)

الجواب برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں ہر دو نکاح منعقد نہیں ہوئے لہٰذا دوبارہ کئے جائیں اور ایجاب وقبول لڑکے لڑکی کے والدین کریں۔

وانما شرط فمنها العقل والبلوغ الخ الا ان الاول (ای العقل) شرط الانعقاد فلا ینعقد نکاح المجنون والصبی الذی لا یعقل (عالمگیری ص۲۶۷ ج ۱) والشرط لصحة الاذن أن یعقل البیع سالبا للملك

عن البائع والشراء جالباً له الخ (درمختار علی ھامش رد المحتار ص۱۱ ج۵)

فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

ولی البعد کے نکاح کر دینے پر بالغہ کا سکوت کرنا رضامندی نہیں بلکہ اسے سکوت کے بعد بھی ردّ و قبول کا اختیار ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک لڑکی مسمات زینب باکرہ بالغہ جس کا باپ زندہ ہے اس کے چچا نے غائبانہ بغیر اذن لڑکی اور اطلاع دینے باپ کو زید کے ساتھ روبرو گواہان کے نکاح کر دیا چچا نے خود یا اس کے رسول نے لڑکی کو اطلاع دی کہ تیرا فلاں یعنی زید کے ساتھ نکاح کر دیا گیا تو لڑکی نے سکوت اختیار کیا کیا یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں صرف لڑکی کے سکوت سے نکاح کا انعقاد متصوّر نہیں ہوگا بلکہ ابھی تک لڑکی مذکورہ کے لئے اس نکاح کو ردّ کرنے یا قبول کرنے کا اختیار باقی ہے کیونکہ جب ولی اقرب کی موجودگی میں غیر ولی اقرب بلا اطلاع ولئ اقرب و لڑکی کے از خود لڑکی عاقلہ بالغہ کا کسی جگہ نکاح کر دے تو لڑکی اس نکاح کی خبر ملنے پر سکوت اختیار کرے تو یہ سکوت اسکی رضاء نہیں سمجھی جاتی ہے (کما فی العالمگیری ص۱۱ ج۲)

واذا قال لها الولی الخ قوله اذا كان المزوج هو الولی وان كان لها ولی اقرب من المزوج لا يكون السكوت منها رضاً ولها الخيار ان شاءت رضيت وان شاءت ردّت - فقط واللہ اعلم،

بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ،
نائب مفتی

الجواب صحیحٌ
محمد عبداللہ غفر اللہ لہ،
مفتی خیر المدارس ملتان

خُفیہ نکاحوں کا حُکم

زمانۂ حال میں یہ ہو رہا ہے کہ بیوہ عورت سے خفیہ نکاح کیا جاتا ہے اور اس نکاح کو صیغۂ راز میں رکھتے ہیں زانیوں کی طرح خفیہ شہوت رانی کرتے ہیں، بچہ پیدا نہیں ہونے دیتے بلکہ بذریعہ ادویہ نکالدیتے ہیں۔ مابین الزوجین ارث کا اجرا بھی نہیں ہوتا البتہ بوقتِ نکاح گواہ موجود ہوتے ہیں اور ان کو اخفاء نکاح کا کہا جاتا ہے۔ کیا اندریں حالات یہ نکاح صحیح ہے یا نہ؟ اور ایسے نکاح سے حلت بین الزوجین ثابت ہے یا نہ؟ بلکہ نکاح سر اور فاسد واجب التفریق ہے یا نہ، فتاوی نور الھدی معروف بجامع الفوائد ص۹۴ پر حسب ذیل جواب لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو عبارت مرقومہ فی الفتاوی:

ولا یجوز نکاح السر صورتہ ان ینکح امرأۃ سرا بحضور الشاھدین ویمنعھما عن الاعلان استحیاءً لا نھا لا ترضی باعتبارہ خوفاً او عاراً کما تفعلہ بعض النساء فان ھذا النکاح غیر جائز وھما زانیان ابداً وقد فعل ھذا النکاح بعض الکلبۃ وقتلوا علیہ وبعض القاصرین الذین لا یعلمون بحقیقۃ الروایات یحکمون بصحۃ ھذا النکاح من جھل الخ۔ اس کتاب میں بالتغلیظ اس نکاح کو فی حکم الزنا بیان کیا گیا ہے اور اکثر کتب فقہ میں دو گواہ موجود ہونے پر حلت اور صحتِ نکاح کا حکم دیا جاتا ہے۔ اب قابلِ استفسار یہ ہے کہ ایسے نکاح میں حلت کا حکم دیا جائے یا تفریق کا؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں جب شرائطِ نکاح موجود ہوں تو نکاح کو صحیح کہا جائے گا۔ البتہ گواہوں کو چاہیے کہ وہ اس نکاح کا اظہار کریں اور توارث بھی جاری ہوگا۔ البحر الرائق میں ہے:

ان النکاح بحضور الشاھدین یخرج عن أن یکون سرا ویحصل بحضورھما الاعلان اھ ص۹۴ ج۳)

بدائع میں ہے: ما روی انہ نہی عن نکاح السر فنقول بموجبہ لکن نکاح السر مالم یحضرہ شاھدان فاما ما حضرہ شاھدان فھو نکاح علانیۃ لا نکاح السر اذ السر اذا جاوز اثنین خرج من ان یکون سرا قال الشاعر... وسرک ما کان عند امرئٍ... وسر الثلاثۃ غیر الخفی وکذلک قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا النکاح لانھما اذا احضراہ شاھدین فقد اعلناہ اھ ص۲۵۳ ج۲۔ فتح القدیر میں ہے: وقول الکرخی نکاح السر مالم یحضرہ شھود فاذا حضروا فقد اعلن.... فالتحقیق انہ لا خلاف فی اشتراط الاعلان وانما الخلاف بعد

ذلک فی ان الاعلان المشترط هل یحصل بالاشهاد حتی لا یضرہ بعدہٗ توصیۃ للشہود

بالکتمان اذ لا یضر بعد الاعلان التوصیۃ بالکتمان اولا یحصل بمجرد الاشہاد

حتی یضر فقلنا نعم وقالوا لا اھ ــــــــ (ص۱۱۱ ج۳)

عبارت بالا سے ظاہر ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں کیا گیا نکاح سِر نہیں البتہ امام مالکؒ کے نزدیک ایسا نکاح، نکاح سِر ہے جو ان کے نزدیک حرام وبدکاری ہے۔ ولو حضرہ شہود وشرط علیہم الکتمان لم یجز (لایخفی عند مالکؒ) (بدائع ص۲۵۲ ج۲) فتاویٰ نورالھدیٰ میں غالباً امام مالکؒ کا مذہب نقل کیا گیا ہے۔

فقط واللہ اعلم ــــــــ

بندہ

عبدالستار عفااللہ عنہ

کیا ناخن پالش لگانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بعض خواتین ناخن پالش لگا کر وضو کر کے نماز ادا کر لیتی ہیں آیا اس طریقے سے نماز ادا کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور کفر صادر ہوجاتا ہے اگر یہ درست ہے تو نکاح جانے کی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب: ناخن پالش لگا کر وضو کرنے سے نماز ادا کرنا صحیح نہیں لیکن اس سے نہ کفر لازم آتا ہے اور نہ نکاح ٹوٹتا ہے کیونکہ بلا وضو نماز پڑھنا اس وقت موجب کفر ہے جبکہ بطورِ استخفاف ہو۔

وبحث فیہ فی الحلیۃ احدھما ما اشار الیہ الشارح ثانیھما ان الجواز بعذر لا یوثر الا فی عدم الاکفار فی ھذہ المسائل ھو الاستہانۃ فحیث ثبتت الاستہانۃ فی الکل تساوی الکل فی الاکفار وحیث انتفت منہا تساوت فی عدمہ وذلک لانہ لیس حکم الغرض لزوم الکفر بترکہ والا کان کل تارک لفرض کافرا وانما حکمہ لزوم الکفر بجحدہ بلا شبہۃ دارئۃ اھ ای والاستخفاف فی حکم الجحود (شامی کتاب الطہارۃ ص۶۰ ج۱)

أما لو کان بمعنی عدد ذلک الفعل خفیفا وھینا من غیر استہزاء ولا سخریۃ بل لمجرد الکسل أو الجھل فینبغی ان لا یکون کفرا عند الکل (رد المحتار ص۶۰ ج۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۵-۱۲-۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

خاوند مسلمان ہو جائے تو عیسائی بیوی بدستور منکوحہ رہے گی

عیسائیوں کے نزدیک بھی دو بیویاں جائز ہیں

محمد عبداللہ نو مسلم عیسائیت سے مسلمان ہوا اس کے ساتھ اس کی دوسری بیوی سکینہ بھی مسلمان ہوگئی۔ عیسائیوں نے اس کی دوسری بیوی پر قبضہ کر لیا اور اسے دوبارہ عیسائی بنا لیا۔ اور دلیل یہ پیش کی کہ عیسائیت میں دو شادیاں جائز نہیں۔ لہٰذا یہ عبداللہ کی منکوحہ ہی نہیں تھی اس مسئلہ میں شرعی حکم سے آگاہ فرماویں پہلی بیوی بدستور عیسائی ہے اس کا حکم بھی بیان فرماویں۔ عیسائی کتب سے چند حوالہ جات جمع کردہ مولانا محمد یوسف رحمانی مدظلہ ہمراہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے ہاں دو شادیاں جائز ہیں۔

محمد عبداللہ نو مسلم ساکن مکی مسجد میاں چنوں ضلع ملتان

عیسائیت کی مسلمہ کتاب مقدس یعنی بائبل کی رو سے ایک بیوی سے زائد بیویاں نکاح میں لانا کوئی جرم نہیں ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حوالہ جات بغور دیکھیں۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں۔ سارہ۔ ہاجرہ۔ قطورہ۔ (کتاب پیدائش باب ۱۱/۲۹ - ۱۶/۱تا۱۶ - ۲۵/۱)

۲۔ حضرت یعقوب کی چار بیویاں تھیں۔ لیاہ۔ راخل۔ بلہا۔ زلفہ۔

(کتاب پیدائش ۲۹/۲۲ ۲۹/۲۸ ۳۰/۳ ۳۰/۹)

حضرت یعقوب کی اولاد چار بیویوں سے ہوئی (کتاب پیدائش ۳۵/۲۳)

۳۔ حضرت عیسو کی تین بیویاں تھیں۔ عدہ۔ اُلیبامہ۔ بشامہ (کتاب پیدائش ۳۶/۲ ۳۶/۳ ۳۶/۴)

۴۔ حضرت داؤد کی ایک بیوی میکل کا ذکر (کتاب سموئیل اول ۱۸/۱۹)

۵۔ حضرت داؤد کی دو اور بیویوں ابیجیل اور اخینوعم کا ذکر (سموئیل اول ۲۵/۴۲ ۲۵/۴۳ ۲۷/۳)

۶۔ حضرت داؤد کی چھ اور بیویوں کا ذکر (سموئیل دوم ۳/۲تا۵)

۷۔ حضرت داؤد کی اور حرمیں اور بیویاں جن سے گیارہ بچے ہوئے (سموئیل دوم ۵/۱۳)

۸۔ حضرت داؤد کا اوریاہ کی بیوی سے نکاح (سموئیل دوم ۱۱/۲۷)

۹۔ حضرت داؤد نے یروشلم میں اور عورتوں سے بھی نکاح کیا جنکی تعداد معلوم نہ ہے (تواریخ اول ۱۴/۳)

۱۰۔ حضرت سلیمان کی سات بیویاں اور تین سو حرم میں تھیں (سلاطین اول ۱۱/۱) (تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)

بائبل مقدس کے مندرجہ بالا دس حوالہ جات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں نکاح میں لانا جرم نہیں۔ اس کے برعکس پوری کتاب مقدس بائبل سے ایک حوالہ بھی نہیں ملتا جس سے ثابت ہو سکے کہ ایک بیوی سے زائد بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے ہاں البتہ جو شخص پادری ہو یا کلیسیا کا سربراہ ہو۔ اس کے لئے پولوس کے خطوط سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ صرف ایک بیوی کا شوہر ہو۔ عام آدمی کے لئے کوئی شرط اور قید نہیں۔ وہ جتنی چاہے۔ ایک بیوی سے زائد نکاح کر سکتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا۔

چنانچہ پادری کے لئے صرف ایک بیوی کا شوہر ہونا مندرجہ ذیل حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے۔

(پولوس کا خط طیطس ۱/۶ تیمتھیس اول ۳/۲ دیکھئے)

انہی حوالہ جات کی بنا پر ایپسکوپل پاکستان مشن چرچ نے اپنی قرار دادوں میں لکھا ہے کہ دو بیوی کا شوہر کلیسیا میں تو مع خاندان شامل ہوگا مگر اس کو مذہبی عہدہ نہ دیا جائے گا نہ کلیسیا کے انتظامی امور میں شامل ہو سکتا ہے (مختصر ہسٹری ایپسکوپل چرچ پاکستان ص ـــ)

محمد عبداللہ کا نکاح کرنے والا بشپ بھی ایپسکوپل مشن چرچ آف پاکستان سے تعلق رکھتا ہے اس کے عقیدہ اور مذہب کے مطابق مسیحی دوسرا نکاح کر سکتا ہے

مخالفین کا تعلق چونکہ میتھوڈسٹ چرچ سے ہے۔ جو کہ غیر ملکی چرچ ہے جن کے ممبران اعلیٰ کنٹربری یارک وغیرہ نے برطانیہ میں فعل ہم جنسی کو تو جائز قرار دیا ہے مگر کسی عیسائی کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ فوا اسفا۔

میتھوڈسٹ چرچ کا فتویٰ ایپسکوپل پاکستان مشن چرچ کے لئے کوئی حجت دلیل نہیں ہے کیونکہ میتھوڈسٹ چرچ کے اصول و فروع اور ہیں۔ ایپسکوپل پاکستان مشن چرچ کے اصول و فروع اور ہیں۔ دونوں میں باہمی اصولی اختلافات پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کیلئے دلیل نہیں ہیں

مختصراً صرف دس حوالہ جات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اگر مزید تفصیل درکار ہو تو بندہ اس کی تفصیلات کے لئے بھی تیار ہے جب حکم ہو حاضر خدمت ہو کر پوری تفصیل عرض کر سکتا ہے۔

واللہ یہدی الی الحق والی صراط مستقیم حسبنا اللہ و نعم الوکیل

محمد یوسف بقلم خود

خطیب جامع مسجد مکی ٹی چوک ـــــ میاں چنوں ضلع ملتان

الجواب صورتِ مسئولہ میں دونوں میاں بیوی کے اکٹھے مسلمان ہوجانے سے ان کا پہلا نکاح بدستور باقی تھا۔ ولو اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم والا فرق بینھما کذا فی الکنز اھ (عالمگیری ص ۳۳۸ ج ۱) اور محمد عبداللہ نومسلم مذکور کی پہلی بیوی عیسائیت پر رہتے ہوئے بھی شرعی قوانین کے تحت بدستور محمد عبداللہ مذکور کی بیوی ہے عالمگیری میں ہے وان اسلم زوج الکتابیۃ بقی نکاحھما کذا فی الکنز اھ (ص ۳۳۸ ج ۱) محمد عبداللہ اور اس کی بیوی جب مسلمان ہوگئے تو ان پر مسلمانوں والے احکام ہی نافذ ہوں گے اور مسلمانوں کے لئے چار شادیوں کی اجازت ہے قال اللہ تعالیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و رباع الآیۃ سکینہ مرتد ہوجانے کے باوجود وہ کسی اور جگہ نکاح نہیں کرسکتی۔۔۔

حیلۂ ناجزہ میں مرتدہ عورت کے احکام بیان کرتے ہوئے بطور خلاصہ فتویٰ لکھا ہے۔

"اس مجموعہ سے خلاصہ اس فتویٰ کا یہ حاصل ہوا کہ عورت بدستور سابق اسی خاوند کے قبضہ میں رہے گی۔ کسی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں اور اسے اسلام لانے پر سختی سے مجبور کیا جائے گا۔ لیکن جب تک تجدید ایمان کرکے تجدید نکاح نہیں ہوجائے گا۔ خاوند اس سے استمتاع نہیں کرسکتا" (حیلۂ ناجزہ ص ۱۱۹)

واضح رہے کہ اسلامی ملک میں اسلام کے مطابق ہی فیصلے ہوں گے۔ عیسائیوں کو یہ حق نہیں کہ اپنی مرضی مسلمانوں پر مسلط کریں۔ اول تو عیسائیوں کے ہاں بھی ایک سے زائد شادیاں جائز ہیں۔ بالفرض نہ بھی ہوتیں۔ تو بھی جب وہ میاں بیوی مسلمان ہوگئے۔ تو اب عیسائیوں کو ان پر کسی قسم کا اختیار نہیں رہا۔ ان پر تمام احکام مسلمانوں والے نافذ ہوں گے۔

لہذا اربابِ اقتدار پر فرض ہے کہ مسمی محمد عبداللہ مذکور کی دونوں بیویاں اس کو دلانے پر پورا پورا تعاون کریں۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

معتدۂ بائنہ کو کنایۃً پیغامِ نکاح دینا

مطلقہ بائنہ کی عدۃ میں اس کو خطبہ کی تعریض کرنا جائز ہے یا نہیں

اس کے متعلق مختلف کتب کا مطالعہ کیا، شامی اور ہندیہ وغیرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ

معتدہ بائنہ کا حکم متوفی عنہا زوجہا والا نہیں یعنی اس کو تعریض کرنا بھی جائز نہیں لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس کا حکم متوفی عنہا زوجہا والا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو تعریض کرنا جائز ہے مختلف عبارات سامنے آنے سے بندہ متذبذب ہے بندہ کا زیادہ رجحان اس طرف ہے کہ تعریض جائز نہ ہونی چاہیئے جیسے فقہاء نے لکھا ہے آپ براہِ مہربانی اس مسئلہ میں بندہ کی راہ نمائی فرمائیں۔ وہ عبارات درج ذیل ہیں۔

وفی الدر المختار تحرم خطبتها وصح التعریض لو معتدة الوفاة لا المطلقة اجماعاً لافضائه الی عداوة المطلق وفی الشامیة تحت قوله لا المطلقة اجماعاً الخ نقله فی البحر والنهر عن المعراج وشمل المطلقة البائن وبه صرح الزیلعی وفی الفتح ان التعریض لا یجوز فی المطلقة بالاجماع فانه لا یجوز لها الخروج من منزلها اصلاً فلا یتمکن من التعریض علی وجه لا یخفی علی الناس ولا فضائه الی عداوة المطلق وینافی نقل الاجماع ما فی الاختیار حیث قال ما نصه وهذا کله فی المبتوتة والمتوفی عنها زوجها اما المطلقة الرجعیة فلا یجوز التصریح ولا التلویح لأن نکاح الاول قائم۔

(شامی باب العدة فصل فی الحداد ص۵۳۲ ج ۲ ایچ ایم سعید)

لا یجوز للاجنبی خطبة المعتدة صریحاً سواء کانت مطلقة او متوفی عنها زوجها کذا فی البدائع ثم اجمعوا علی منع التعریض فی الرجعی وکذا فی البائن عندنا وانما التعریض فی المتوفی عنها زوجها کذا فی غایة السروجی (هندیة ص۵۳۴ ج۱)

ولا تخطب معتدة الا تعریضا ولا تخرج معتدة الرجعی والبائن من بیتها اصلاً (شرح الوقایہ ص۱۵۳ ج۲)

قوله الا تعریضا ظاهره ان جوازه یعم کل معتدة لکن ذکر فی البحر

والشہر والمعراج والفتح وغیرھا ان التعریض لا یجوز فی مطلقة الرجعی لقیام نکاح الاول ولا فی مطلقة البائن فانہ لا یجوز لہا الخروج من منزلہا اصلاً فلا یتمکن من التعریض والافضاء الی عداوة المطلق فعلی ھذا یختص جواز التعریض بمعتدة الوفاة لکن ذکر فی الاختیار جوازہ فی المبتوتة ایضاً والتعریض الخ (حاشیہ شرح الوقایہ ص۱۵۲ ج۲)

اور حضرت تھانوی نے بیان القرآن میں ولاجناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبة النساء او اکننتم" کے تحت لکھا ہے۔

"مسئلہ جو عورت طلاق بائن کی عدۃ میں ہو اس کا بھی یہی حکم ہے ممکن ہے کہ حضرت تھانوی سے اس کے حکم بیان کرنے میں تسامح ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت کے نزدیک مختار یہی ہو کہ اس کا حکم متوفی عنھا زوجھا والا ہو کیونکہ ایک روایت اختیار میں اس کے متعلق بھی ہے جیسا کہ مذکورہ عبارات سے واضح ہے تو آپ برائے مہربانی اپنی رائے سے مطلع فرمادیں۔ بندہ محمد ادریس عفی عنہ

دارالافتاء جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

الجواب حامداً و مصلیاً۔ مندرجہ ذیل عبارات میں یہ تصریح ہے کہ مطلقہ بائنہ کی عدت میں اس کو تعریض کرنا جائز نہیں؟

۱۔ لا یجوز للاجنبی خطبة المعتدة صریحاً سواء کانت مطلقة او متوفی عنہا زوجھا کذا فی البدائع اجمعوا علی منع التعریض فی الرجعی وکذا فی البائن وانما التعریض فی المتوفی عنہا زوجھا کذا فی غایة السروجی۔ (عالمگیری ص۵۳۴ ج۱)

۲۔ ولا بأس بالتعریض فی الخطبة اراد المتوفی عنھا زوجھا اذ التعریض لا یجوز فی المطلقة بالاجماع۔ (فتح القدیر ص۱۶۵ ج۴)

۳۔ ولا ینبغی ان تخاطب المعتدة ولا باس بالتعریض فی الخطبة الی قولہ وھذا فی

المتوفی عنها زوجها۔ اما المطلقۃ فلا یجوز التعریض بخطبتها لانها لا تخرج من منزلها فلا یتمکن من ذلک۔ (الجوهرۃ ص ۱۵۹ ج ۲)

۴۔ المعتدۃ ولا باس بالتعریض هذا فی معتدۃ الوفاۃ واما فی معتدۃ الطلاق فلا یجوز التعریض سواء کان رجعیا او بائنا فعلی هذا لو قید المصنف بمعتدۃ الوفاۃ لکان اولیٰ۔

(مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر ص ۴۸۰)

۵۔ واما التعریض فلا یجوز ایضاً فی عدۃ الطلاق ولا بأس به فی عدۃ الوفاۃ (بدائع الصنائع ص ۲۰۴ ج ۳)

۶۔ ولا بأس بالتعریض للمتوفی عنها زوجها نحو انی ارید التزوج۔ الی قوله واما المطلقۃ فلا یجوز التعریض لها بالاجماع لافضائه الی عداوۃ المطلق الی قوله لکن فی القهستانی وفیه اشارۃ الی جواز التعریض لکل معتدۃ مع انه لا یجوز للمعتدۃ الرجعیۃ اصلاً وکذا فی معتدۃ البائن کما فی النهایۃ لکن فی المختار انه یجوز کالمتوفی عنها زوجها اتفاقاً (در المنتقی شرح الملتقی علی هامش مجمع الانهر ص ۴۸۰)

۷۔ وفی الدر مختار تحرم خطبتها وصح التعریض لو معتدۃ الوفاۃ لا المطلقۃ اجماعاً لافضائه الی عداوۃ المطلق۔ وفی الشامیۃ تحت قوله لا المطلقۃ اجماعاً الخ نقله فی البحر والنهر عن المعراج وشمل مطلقۃ البائن وبه صرح الزیلعی وفی الفتح ان التعریض لا یجوز فی المطلقۃ بالاجماع فانه لا یجوز لها الخروج من منزلها اصلا فلا یتمکن من التعریض علی وجه لا یخفی علی الناس ولافضائه الی عداوۃ المطلق وبنا فی نقل الاجماع ما فی الاختیار حیث قال ما نصه وهذا کله فی المبتوتۃ والمتوفی عنها زوجها اما المطلقۃ الرجعیۃ فلا یجوز التصریح ولا التلویح لان نکاح الاول قائم۔ (شامی ص ۶۴۲ ج ۲)

۸۔ (ویذرون ازواجا) ولا یمکن حملها علی الاستغراق لان من النساء من یحرم التعریض بخطبتهن فی العدة کالرجعیات والبائنات فی قول. والاظهر عند الشافعی رضی الله عنه جوازه فی عدتهن قیاساً علی معتدات الوفاة

(روح المعانی ص۱۵۰ ج۲)

۹۔ وظاهره ان التعریض جائز لکل معتدة ولیس کذلک بل لا یجوز الا للمتوفی عنها زوجها بالاجماع واما المطلقة فغیر جائز لما فیه من ایراث العداوة بین المطلق والخاطب بخلاف المیت فان النکاح قد انقطع فلا عداوة من المیت ولا ورثته (بحر الرائق ص۱۶۵ ج۴)

۱۰۔ ولا تخطب معتدة الا تعریضاً (شرح وقایہ ص۱۵۳ ج۲) اس کی تشریح حاشیہ کے اندر یوں ہے۔ قوله الا تعریضاً ظاهره ان جوازه یعم لکل معتدة لکن ذکر فی البحر والنهر والمعراج والفتح وغیرها ان التعریض لا یجوز فی مطلقة الرجعی لقیام نکاح الاول ولا فی مطلقة البائن فانه لا یجوز لها الخروج من منزلها اصلاً فلا یتمکن من التعریض ولافضائه الی عداوة المطلق فعلی هذا یختص جواز التعریض بمعتدة الوفاة لکن ذکر فی الاختیار جوازه فی المبتوتة ایضاً۔ (حاشیہ ۶ شرح وقایہ ص۱۵۳ ج۲)

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہے کہ معتدہ بائنہ کے لئے بھی تعریض جائز نہیں اسی پر حضرات فقہاء کا اتفاق نقل کیا گیا ہے اور اسے مدلل بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختیار کی روایت غیر مختار ہے۔ علامہ شامی راجح مرجوح کی بحث میں لکھتے ہیں ۔

کذا اذا ما واحد قد عللوا ❊ لهٗ وتعلیل سواه اهملوا

وفی شرحه قال (وکذا) لو ذکروا قولین مثلاً وعللوا لاحدهما کان ترجیحاً له علی غیر المعلل کما افاده الخیر الرملی فی کتاب الغصب من فتاواه الخیریة ونظیره ما فی التحریر وشرحه فی فصل الترجیح فی المتعارضین ان الحکم الذی تعرض فیه للعلة یترجح علی الحکم الذی

لم یتعرض فیہ لما لان ذکر علتہ یدل علی الاھتمام بہ والحث علیہ انتہی

(عقود رسم المفتی ص۳)

عقود کے اندر ایک اور جگہ ذکر ہے وفی شرح البیری علی الاشباہ ان المقرر عند المشائخ انہ حتی اختلف فی المسئلۃ فالعبرۃ بما قالہ الاکثر انتہی

(عقود ص۳۳) فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جب اور جس طرح میرے نکاح میں آئے اُسے طلاق کہنے کے باوجود فضولی کے ذریعہ نکاح کی گنجائش موجود ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بندہ نے زبان سے کہا ہے کہ کلما تزوجت وکالۃً اصالۃً طفیلیاً حلیمۃ بنت نور محمد فہی طالق۔ طالق۔ طالق۔ اور ہر آن وزمان ہر وقت میرے نکاح میں آئے جس طرح آئے مجھ پر حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔ بحوالہ جات تسلی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب صورت مسئولہ میں حالف جب بھی حلیمہ سے نکاح کرے گا۔ اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شخص از خود حلیمہ کا نکاح حالف سے کر دے اور اُسے آکر اطلاع دیدے اور حالف اجازت بالفعل دے تو حانث نہیں ہوگا۔ حالف کے الفاظ او طفیلیاً سے اجازت بالفعل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

حلف لا یتزوج فزوجہ فضولی فاجاز بالقول حنث وبالفعل لا اھ کل امرأۃ تدخل فی نکاحی اوتصیر حلالاً لی فکذا فاجاز نکاح فضولی بالفعل لا یحنث اھ درمختار

ومثلہ فی عدم حنثہ باجازتہ فعلاً ما یکتبہ الموثقون فی التعالیق من نحو قولہ ان تزوجت امرأۃ بنفسی اوبوکیلی اوبفضولی أودخلت فی نکاحی بوجہ ما تکن زوجتہ طالقاً لان قولہ اوبفضولی الخ عطف علی قولہ بنفسی عاملہ تزوجت وھو خاص بالقول وانما ینسد باب الفضولی لو زاد أو أجزت نکاح فضولی ولو بالفعل فلا مخلص لہ اھ رشامی ص۲/۱۲ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، محمد صدیق عفرلہ

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

زانی اور مزنیہ کی اولاد کے باہم نکاح کا حکم

زید نے عمرو کی منکوحہ ہندہ کے ساتھ زنا کیا۔ جبکہ عمرو حالتِ حیات میں ہے۔ اسی حالت نکاح میں ہندہ کی ایک بچی پیدا ہوئی۔ ہندہ کی اس لڑکی کے ساتھ زید کے لڑکے کا نکاح ہوا اور بچے بھی ہوئے تو نکاح درست ہے یا نہ؟

مودودی نے یہ جواب دیا۔ کہ فقہاء حنفیہ کے فتویٰ کے مطابق زانی جس سے زنا کرتا ہے۔ اس عورت کے اصول و فروع زانی پر حرام ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک زانی کی اولاد کا تعلق ہے اس میں اختلاف ہے کہ اس کے اور مزنیہ کے اصول و فروع میں بھی حرمت مصاہرہ واقع ہوتی ہے یا نہ؟ کتبِ احناف میں مندرجہ بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت مصاہرہ کا تعلق صرف زانی سے ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ اس کے بالمقابل انہی کتابوں میں دوسرے اقوال موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حرمت مصاہرہ زانی کے اصول و فروع میں بھی متعدی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مبسوط ص۲۰۸ ج۴ پر امام سرخسی نکاح کے علاوہ وطی مس بالشہوۃ اور نظر الی الفرج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وحرمة المصاهرة بهذه الاسباب تتعدى الى آبائه وان علوا وابنائه وان سفلوا من قبل الرجال والنساء۔

ان اسباب سے حرمۃ مصاہرہ زانی کے آباء اور اس کی اولاد کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔ صاحب درمختار فصل فی المحرمات میں فرماتے ہیں۔

حرم على المتزوج ذكرًا كان او انثى نكاح اصله و فرعه ان علا او نزل وبنت اخيه واخته وبنتها ولو من الزنا۔

نکاح کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ اس کا اپنے اصول و فروع سے نکاح حرام ہے۔ اوپر نیچے تک اپنی بھتیجی اور بہن اور بھانجی سے مرد کا نکاح حرام ہے۔ خواہ یہ زنا کے نطفہ سے ہی پیدا ہوئے ہوں۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ زانی نے جس عورت سے زنا کیا ہے اس عورت

کی اولاد بھی زانی کی اولاد پر حرام ہوگی۔ اور اس میں وہی حرمت ہے جو بہن بھائی میں ہے۔

اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ أما التحريم على آباء الزاني وأولاده فلاعتبار الجزئية (شامی ص ۳۸۴ ج ۲) مذکورہ بالا تحریم جو زانی کے آباء و اولاد پر وارد ہوتی ہے۔ وہ اس وجہ سے ہے کہ اولاد والدین کا جز ہوتی ہے۔ تجنیس کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

زنى بامرأة فولدت فأرضعت بهذا اللبن صبية لا يجوز لهذا الزاني تزوجها ولا لأصوله وفروعه۔ ایک مرد نے عورت سے زنا کیا پھر عورت کے ہاں ولادت ہوئی۔ اس عورت نے اس دودھ سے کسی بچی کو دودھ پلایا تو اس مرد کے لئے اس بچی سے نکاح جائز نہیں ہے اور نہ زانی کے اصول و فروع کے لئے اس بچی سے نکاح جائز ہے۔ ہمارے نزدیک یہی اقوال صحیح تر اور قابل ترجیح ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی کے علاوہ زانی کی اولاد اور مزنیہ اور اس کی اولاد کے مابین بھی حرمت مصاہرہ قائم ہوجاتی ہے۔

الجواب صورت مسئولہ میں زید کے لڑکے کا نکاح ہندہ کی لڑکی سے جائز ہے۔ کیونکہ مزنیہ کے فروع کے ساتھ اولاد زانی کا نکاح حلال ہے۔ ہاں خود مزنیہ کے ساتھ اصول زانی یا اس کے فروع کا نکاح درست نہیں۔

قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في الوطئ الحلال ويحل لأصول الزاني وفروعه أصول المزني بها وفروعها (شامی ص ۳۸۴ ج ۲)۔

۲۔ امام سرخسی نے ملک یمین نکاح اور زنا میں حرمت مصاہرہ کو مساوی قرار دیا۔ کہ تینوں صورتوں میں حرمات اربعہ لازم آئیں گے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں۔

اذا وطئ الرجل امرأة بملك يمين او نكاح او فجور يحرم عليه امها وابنتها وتحرم هي على آبائه وابنائه الخ (ص ۲۰۴ ج ۴)

اور نکاح میں بلاشبہ منکوحۃ الاب کی سابقہ لڑکی سے واطی کی اولاد کا نکاح جائز ہے۔ ایک شخص اپنی سوتیلی والدہ کی سابقہ لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو حرام نہیں ہے۔

جیسا کہ حوالہ جات ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ تو مزنیہ کی اولاد سے اولاد زانی کا نکاح کیونکر حرام ہوسکتا ہے۔ حوالہ جات۔

واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال قال الرملی ولا تحرم بنت زوج الام ولا امہ (شامی ص۳۸۳ ج ۲)

عالمگیریہ میں ہے لا بأس بان یتزوج الرجل امرأۃ و یتزوج ابنہ ابنتھا او امھا ص۶ ج ۲ کذا فی البحر۔

مبسوط سرخسی میں ہے۔ وکذلک لا بأس بان یتزوج المرأۃ و یتزوج ابنہ امھا او بنتھا فان محمد بن الحنفیۃ تزوج امرأۃ و زوج ابنتھا ابنہ وھذا لان بنکاح الام تحرم الام ھی علی ابنہ فاما ابنتھا وامھا تحرم علیہ لا علی ابنہ فلھذا اجاز لابنہ ان یتزوج امھا او ابنتھا۔ واللہ سبحانہ اعلم ص۲۱۱-۲۱۲ ج ۴۔

مسئلہ اور تعلیل سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ واطی پر موطوءۃ کے اصول و فروع حرام ہیں۔ مگر واطی کی اولاد پر حرام نہیں۔ بصورت نکاح و ملک یمین بالاجماع حرمت مصاہرہ ثابت ہے اور بصورت زنا اس کا ثبوت مختلف فیہ ہے۔

احناف کے نزدیک سفاح مثل النکاح ہے اور امام شافعیؒ اس کے منکر ہیں۔ پس جب اجماعی صورت میں فروع مزنیہ اولاد زانی پر حرام نہیں۔ کما مر۔ تو مختلف فیہ صورت میں یہ فروع اولاد زانی پر کیسے حرام ہوں گے اور خاندان نبوت میں قرن ثانی میں ایسا نکاح ہوا ہے۔ محمد بن الحنفیہ صاحبزادہ علیؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کی سابقہ لڑکی سے اپنے سابقہ لڑکے کا نکاح کر دیا۔ کما مر۔ قرن صحابہؓ و تابعین میں حلت نکاح کا جو مسئلہ خاندان نبوت میں موجود ہے۔ اس کی تردید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ استفسار کے ہمراہ لاہور کا فتویٰ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں ایسے نکاح کو ناجائز کہا ہے اور فقہاء کی تین عبارتوں سے استدلال کیا گیا ہے۔ ذیل میں بقدر ضرورت اس کی تردید کی جاتی ہے۔ فاضل مجتہد لکھتے ہیں۔ کہ حرمت مصاہرہ زانی کے اصول و فروع میں بھی متعدی ہوتی ہے۔ مبسوط ص۲۰۸ ج ۴ میں ہے۔ حرمۃ المصاھرۃ بھذا الاسباب

تتعدالی أبائه وان علوا وابنائه وان سفلوا من قبل الرجال والنساء۔

تردید فاضل مجتہد کو اس عبارت کے سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ امام سرخسیؒ وہی بات فرمارہے ہیں جو تمام فقہاء کرام نے لکھی ہے۔ حرمت مصاہرہ سے مراد حرمات اربعہ ہیں۔ یعنی مزنیہ زانی کے اصول وفروع کے لئے حرام ہوگئی اور مزنیہ کے اصول وفروع زانی کے لئے حرام ہوگئے اور منکوحہ موطوءۃ واطی کے اصول وفروع پر حرام ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ موطوءہ کے فروع واطی کے فروع پر حرام ہوگئے۔ امام سرخسیؒ کا اگر یہی مطلب ہوتا تو اس باب کے آخر میں سوتیلی والدہ کی لڑکی سے نکاح کو کیسے جائز قرار دیتے۔ امام سرخسیؒ کے یہ جملے اصل مسئلہ کی تشریح میں واقع ہوئے ہیں۔ اصل مسئلہ وہی ہے جو بحوالہ مبسوط پہلے ہم نقل کر آئے ہیں۔ اذا وطئ الرجل امرأۃ بملك يمين الخ جس میں صرف حرمات اربعہ کی تصریح ہے۔

۲۔ فاضل مجتہد نے دوسرے نمبر پہ اخت من الزنا کے ساتھ درمختار سے نکاح کا عدم جواز ثابت کیا ہے۔ اور اس طرح سے مسئلہ زیر بحث میں حرمت کے قائل ہوتے ہیں۔ یہ استدلال بھی غلط ہے۔ کیونکہ صورتِ مسئولہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ درمختار کا یہ جزئیہ ہر مزنیہ کی ہر اولاد کے بارے میں نہیں۔ بلکہ خاص مزنیہ کے ایک خاص بچے کے متعلق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی نے غیر منکوحہ باکرہ عورت سے زنا کیا اور اس کو اپنے گھر میں محفوظ رکھا۔ کسی دوسرے مرد کو اس کے قریب نہیں آنے دیا۔ اس مزنیہ سے جو بچی پیدا ہوگی زانی کے لئے بمنزلہ بیٹی کے سمجھی جائے گی۔ اس کا نکاح شاید زانی کی اولاد سے جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ بنت من الزنا صرف اسی صورت میں متصور ہوگی۔ ولد من الزنا پہ شامی نقل کرتے ہیں۔

أی بأن یزنی الزانی ببکر ویمسکها حتّی تلد بنتا بحر عن الفتح قال الحانوتی ولا یتصور کونها ابنته من الزنا الا بذلك اذ لایعلم کون الولد الا به الخ أی لانه لو لم یمسکها یحتمل أن غیره زنی بها لعدم الفراش النافی لذلك الاحتمال (شامی بیروت ص۲۲۲ ج۲)

امام سرخسی نے بھی یہی خاص صورت نقل کی ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے دوسرے

کی منکوحہ سے زنا کرنے کی صورت میں جو اولاد پہلے سے موجود ہے یا بعد الزنا پیدا ہوتی ہے۔ وہ زانی کے لئے بنت من الزنا قرار نہیں دی جاسکتی بلکہ یہ ناکح کی جائز اولاد متصور ہوگی۔ الولد للفراش وللعاهر الحجر (الحدیث) خصوصاً وہ اولاد جو قبل الزنا موجود ہے وہ یقیناً ناکح کی ہے اور زانی کی قطعاً نہیں۔ پس اولاد زانی کے لئے ان کی حرمت کا سوال قطعاً پیدا نہیں ہوتا۔

۴۔ تجنیس کا جزئیہ لبن من الزنا کے بارے میں ہے۔ اس سے حرمت رضاعت ثابت ہے یا نہ؟ واضح رہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ شامی نے کتاب الرضاع میں اس کے بارے میں دو روایتیں نقل کی ہیں۔ اور علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں۔ عدم ثبوت اوجہ ہے۔ علامہ شامی نے بھی۔ اس کو اختیار کیا ہے۔ پس تجنیس کا جزئیہ غیر اوجہ پر مبنی ہے۔ ثانیاً یہ ہے کہ لبن من الزنا کا تحقق اس خاص شکل میں ہوگا۔ جبکہ زانی باکرہ سے زنا کرکے گھر میں محفوظ رکھے۔ اور بچہ پیدا ہو۔ کما مر۔ اور صورت مسئولہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں منکوحہ سے زنا ہوا ہے جس کا فراش صحیح قائم و موجود ہے پس زیر بحث صورت میں لبن من الزنا کا تحقق متصور نہیں۔ ثالثاً یہ کہ زیر بحث صورت حرمۃ مصاہرہ کی ہے۔ اور جزئیہ تجنیس حرمت رضاعت کے بارے میں ہے اور دونوں کے احکامات الگ الگ ہیں۔ حرمت رضاعت رضیع کیلئے بھی ثابت ہوتی ہے اور اولاد رضیع کے لئے بھی ثابت ہوتی ہے۔ رضیع کی اولاد کا نکاح مرضعہ کی اولاد سے یا اولاد الاولاد سے جائز نہیں۔ اور اولاد زوج کا نکاح منکوحہ کی سابقہ اولاد سے جائز ہے۔ پس ایک حرمت کو دوسری حرمت پر قیاس کرنا ممنوع ہے۔

الغرض حرمۃ مصاہرہ حرمات اربعہ میں منحصر ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں زانی کے لڑکے کا نکاح مزنیہ کی لڑکی کے ساتھ درست ہوا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ ہرگز تردد نہ کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

باپ کے کیئے ہوئے جس نکاح کے بارے میں یقین ہو کہ بقصدِ اضرار کیا گیا ہے۔ وہ منعقد ہی نہیں ہوگا۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ حاجی اللہ وسایا اور مسمی پیر بخش کی آپس میں عداوت تھی۔ اللہ یار کے گھر حاجی اللہ وسایا کی لڑکی شادی شدہ گھر میں آباد تھی۔ پیر بخش نے اپنے عداوتی جذبہ کے ماتحت اللہ یار سے کہا کہ اگر میں تیری دوسری شادی فلانہ باکرہ بالغہ سے کرادوں تو کیا حاجی اللہ وسایا کی لڑکی کو گھر سے نکال دے گا۔ پھر نہ کبھی خرچ دینا ہوگا نہ کبھی طلاق۔ تادم زیست اس طرح کرنا ہوگا۔ اور یہ جو تیری لڑکی اس کے بطن سے ہے۔ جس کی عمر ایک دو ماہ ہے۔ میرے لڑکے سے نکاح کردے۔ العجب جس لڑکی کی طرف اللہ یار کی شادی کے واسطے اشارہ کیا گیا تھا۔ وہ اس کی والدہ کے ساتھ قصور وار تھا۔ مگر دوسری شادی کی خوشی اور لالچ میں آکر حرمت مصاہرہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تمام شرائط محظورہ منظور کرلیں۔ چنانچہ شادی ہونے کے بعد ایفاء شرائط ہوا۔ بائیس سال حاجی اللہ وسایا کی لڑکی اپنی لڑکی سمیت حاجی اللہ وسایا کے گھر رہیں۔ اس مدت میں اللہ یار سے اپنی لڑکی کے واسطے خرچ وغیرہ کا ایک جو تک وصول نہ ہوا اور نہ ہی عورت کو طلاق دی۔ اس وقت عورت فوت ہوگئی۔ لڑکی بالغہ ہونے کے وقت حالات سے آگاہی پاکر اس نکاح سے متنفر تھی۔ اب دریافت اس امر کی ہے کہ مسمی اللہ یار ان منہیات کے ارتکاب کرنے سے فاسق متہتک بے باک بے غیرت ہوسکتا ہے۔ وہ بھی سیئ الاختیار کے حکم میں ہے۔ کما فی اوائل باب الولی من الحیلۃ الناجزہ ص۹۵ اور پھر فرمایا ہے۔ کہ دونوں شرطوں کا حاصل یہ ہے۔ کہ جب اس نے نکاح کیا ہے۔ اس وقت اس کی ظاہری حالت سے کم از کم خیر خواہی کی توقع ہوسکتی ہو۔ اللہ یار مذکور بالا پر بہت آدمی شاہد ہیں۔ کہ جب اس نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا تو لوگوں نے ملامت کی تو اس نے جواب دیا کہ لڑکی صغیرہ ہے۔ پتہ نہیں مرے گی یا بچے گی۔ کیا یہ لڑکی اپنے باپ کے فاسق متہتک ہونے کی بنا پر خیار بلوغ استعمال کرسکتی ہے۔

عدالت مسلمہ حکومت پاکستان سے یہ لڑکی فسخ کرا چکی ہے۔

الجواب بشرط صحت سوال لڑکی مذکورہ کا والد فاسق متہتک ہے اس لئے اس کا اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دینا صحیح نہیں۔ یہ لڑکی اس شخص سے طلاق حاصل کیئے بغیر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ کذا فی الحیلۃ الناجزۃ ص۹۵۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبداللہ غفرلہ	بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ
مفتی خیر المدارس ملتان	۲ / ۵ / ۱۳۷۷ھ

جواب از دار الافتاء جامعہ قاسم العلوم ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقول وباللہ التوفیق ھذا الجواب غیر صحیح لان الفاسق المتہتک وان کان فی حکم سیئ الاختیار لکن صرح فی الشامیۃ ان المعروف بسوء الاختیار لو زوجہا من کفو بمھر المثل صح لعدم الضرر المحض انتہٰی وفی الصورۃ المسئولۃ علیٰ حسب بیان السائل الاب انما زوجہا نسبًا وحرفۃً ومالاً ودینًا فکیف یقال بعدم صحۃ النکاح ولو سلم فالشامی صرح بان المانع من النکاح ھو کون الاب مشہورًا بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشہورًا بذٰلک ثم زوجہا من فاسق صح وان تحقق بذٰلک انہ سیئ الاختیار واشتہر بہ عند الناس فلو زوج بنتًا اخریٰ من فاسق لم یصح الثانی لانہ کان مشہورًا بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبلہ الخ وفی الصورۃ المسئولۃ یقول السائل لم یکن ھذا الرجل قبلہ مشہورًا بسوء الاختیار ولم یکن زوج بنتا اخریٰ من فاسق بل لم یزوج ھٰذہ البنت ایضًا

من فاسق او غیر کفو فکیف السبیل الی القول بعدم جواز النکاح وقال مولانا التھانوی قدس سرہ فی الحیلۃ الناجزۃ لفظہ۔

اگر کوئی شخص لالچ یا ناعاقبت اندیشی میں مشہور و معروف ہو۔ وہ اگر نابالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح غیر کفو سے کر دے یا مہر میں غبن فاحش کرے الخ صفحہ ۸ وقال قبل ھذا بسطرتین۔ یعنی اس کے قبل کوئی واقعہ نہ ہوا ہو جس کی بنا پر الخ فبناءً علی ھذا القول ھذا النکاح صحیح بلاریب واما الفسخ من الحاکم فلیس لہ وجہ شرعی لان الزوج یقبلھا وھی ناشزۃ متنفرۃ عنہ بلا وجہ شرعی فیلزمھا الذھاب الی بیت الزوج لا محالۃ والمعاونون لھا علی النشوز ممن یتعاون علی الاثم والعدوان فقط واللہ اعلم ان الکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلا یضر زوالھا بعدہ فلو کان وقتہ کفوًا ثم فجر لم یفسخ (درمختار باب الکفاءۃ) وھما الزوجان وقت النکاح کانا صغیرین معصومین وابواھما کانا فاسقین واما الآن ای بعد البلوغ لو سلم فسق الزوج فلا یضر والنکاح صحیح کما کان۔

واللہ تعالیٰ اعلم
محمود عفا اللہ عنہ
مفتی قاسم العلوم ملتان

الجواب از خیر المدارس

جاننا چاہیے کہ نابالغ اولاد پر باپ کی ولایت نظریہ ہے۔ بچوں کا معاملہ اور نکاح کی باگ ڈور باپ کے ہاتھ اس لئے سونپی گئی ہے۔ تاکہ ان کے مصالح کی حفاظت ہو سکے۔ چنانچہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جا بجا اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ایک مقام پر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ ولنا ان ھذہ ولایۃ نظریۃ ولیس من النظر التفویض الیٰ من لا ینتفع برأیہ الخ ص ۲۹۹ ج ۲۔ اور ایک دوسرے مقام پر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ ومعنیٰ ھذا الکلام انہ لا یجوز العقد عندھما

لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر فعند فواتہ یبطل العقد ص۳۰۱ ج ۲
یہ آخری عبارت صاحب ہدایہ نے ایک مسئلہ خلافیہ کے ضمن میں صاحبین کے مسلک کی دلیل میں پیش فرمائی ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ باپ دادا اگر نابالغہ کا نکاح کریں۔ اور اس کا مہر کم کر دیں تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں۔ صاحبین نکاح مذکور کے عدم انعقاد کے قائل ہیں۔ دلیل مذکور سے صاف ظاہر ہے کہ صاحبین نے فوات نظر کے ساتھ کس طرح سے بطلان عقد کا حکم دے دیا۔ امام صاحب نکاح مذکورہ کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن وہ بھی اس کی وجہ یہ نہیں بتلاتے کہ باپ کو اپنی نابالغ اولاد پر ولایت مطلقہ حاصل ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ اس ظاہری ضرر سے بڑھ کر کوئی دوسری مصلحت باپ کے پیش نظر ہو۔ جب یہ ہے تو جن صورتوں میں نابالغ اولاد کا ضرر تحقق ہو۔ ان میں باپ کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ اور یقینی ضرر کے تحقق کی صورت میں باپ کی شفقت مظنونہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ نابالغ اولاد وغیرہ پر ولی کے نفاذ تصرف کے لئے یہ شرط ہے۔ کہ وہ تصرف مولیٰ علیہ کے لئے مضر نہ ہو۔ چنانچہ بدائع ص۲۴۵ ج ۲ میں ہے۔ واما الذی یرجع الی نفس التصرف فہو ان یکون التصرف نافعًا فی حق مولیٰ علیہ لاضارًا فی حقہ والاضرار لایدخل تحت ولایۃ الولی لان اطلاق التصرف لہٰؤلاء مقید بالنظر اس سے آگے چل کر سابق الذکر مسئلہ خلافیہ پر بحث کرتے ہوئے صاحبین کی دلیل میں صاحب بدائع فرماتے ہیں۔

وجہ قولہما ان ولایۃ الانکاح تثبت نظرا فی حق المولیٰ علیہ ولا نظر فی الحط بل فیہ ضرربہما والاضرار لایدخل تحت ولایۃ الولی لسوء الاختیار۔

اور سکران والد کا کیا ہوا نکاح عام حالات میں درست تسلیم نہیں کیا جاتا۔ (جبکہ وہ غیر کفو میں ہو) یا غبن فاحش سے ہو۔ اس کی علت صاحب بحر تحریر فرماتے ہیں۔
لظہور سوء الاختیار فلاتعارضہ شفقۃ المظنونۃ
(بحر بحوالہ در مختار علی الشامیۃ ص۴۱۹ ج ۲)

صاحب فتح القدیر اس قسم کے ایک مسئلہ کی تعلیل میں فرماتے ہیں۔

لان ترک النظر ھھنا مقطوع فلا تعارضہ شفقتہ المظنونۃ

انتہی بحاصلہ۔

عبارات بالا سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ ولی کا جو تصرف مولیٰ علیہ کے حق میں یقیناً مضر ہو۔ وہ تصرف مولیٰ علیہ پر نافذ نہیں ہوگا۔ تحریر بالا سے دو امر ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ باپ کی اپنی نابالغ اولاد پر ولایت نظریہ ہے۔ دوم یہ کہ تحقق ضرر کی صورت میں باپ کو مسلوب الولایۃ قرار دیتے ہوئے اولاد کے حق میں اس کے تصرف کو کالعدم قرار دیا جائے گا۔ امر دوم کی تحقیق و تفصیل یہ ہے۔ کہ باپ کی دو حالتیں ہیں۔ جن کا صراحۃً تذکرہ فقہاء کی کلام میں ملتا ہے۔

۱۔ باپ کی عام حالت یعنی غیر معروف بسوء الاختیار اور غیر سکران ہونے کی حالت جس کو فقہاء نے صاحی سے تعبیر کیا ہے۔

۲۔ معروف بسوء الاختیار یا سکران ہونے کی حالت ان دونوں میں کئے گئے تصرفات کے اندر تحقق ضرر کا معیار علیحدہ علیحدہ ہے۔ صاحی والد کا کیا ہوا نکاح امام صاحب کے نزدیک ہر صورت میں درست تسلیم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ غیر کفو میں ہو۔ یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کیا گیا ہو۔ گویا کہ اس صورت میں ان کے نزدیک ضرر متحقق ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ دلیل شفقت سکر اور سوء الاختیار سے خالی ہونے کی حالت میں موجود ہے۔ اور دلیل شفقت کا بدیں صفت موجود ہونا عقد مذکور کے بارہ میں یہ احتمال پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ کہ اگرچہ یہ عقد بظاہر مفید نہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ اس میں مضرت ظاہرہ سے بڑھ کر کوئی مصلحت خفیہ موجود ہو۔ لہٰذا یہ مضرت ظاہرہ ثبوت اضرار کے لئے کافی دلیل نہیں۔ لیکن معروف بسوء الاختیار یا سکران والد کے تصرف کا یہ حکم نہیں بلکہ غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ اس کا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دلیل شفقت اگرچہ یہاں موجود ہے۔ لیکن والد کی ظاہری حالت سے مطلوبہ مصلحت بینی اور عاقبت اندیشی کی توقع نہیں۔ بلکہ اس کی حالت اپنی سفاہت یا طمع کی وجہ سے عدم تامل کی ہے۔ وہ اس حالت میں نابالغ اولاد کی

مصلحت نہیں سوچ سکتا۔ لہٰذا ایک صورت میں اس کو مسلوب الولایۃ قرار دیا جائے گا، اور ایک صورت میں نہیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں۔

لان الظاهر من حال السكران انه لا يتأمل اذ ليس له رأي كامل فبقي النقصان ضررًا محضًا والظاهر من حال الصاحي انه يتأمل بحر عن الذخيرة۔

فقہاء کی عبارات کو بنظر غائر دیکھنے سے باپ کی ایک تیسری حالت بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ قصداً اضرار کی حالت ہے، ظاہر ہے کہ عدم تامل اور قصدِ اضرار دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور باہم ان میں بہت بڑا تفاوت ہے۔ تو جب باپ کو دوسری حالت میں صرف اس کے عدم تامل کی بناء پر مسلوب الولایۃ قرار دے دیا جاتا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ قصدِ اضرار کی حالت میں اسے مسلوب الولایت نہ قرار دیا جائے۔ ہاں یہ فرق لازماً ہونا چاہیئے کہ عدم تامل کی حالت چونکہ قصد ضرر کی حالت نہیں۔ (اس میں کئے ہوئے تصرف کے بارہ میں یہ امکان موجود ہے۔ کہ یہ تصرف حقیقت کے اعتبار سے اتفاقاً مفید پڑ جائے، یا کم از کم مضر نہ ہو۔ کیونکہ عدم تامل کی حالت میں احتمال نفع و ضرر دونوں بدرجہ مساوی موجود ہیں۔ اس لئے نفاذ تصرف اور عدم نفاذ کا معیار مفید اور مضر کی ظاہری علامات کو ٹھہرا دیا گیا) اس میں کیا گیا تصرف اگر بظاہر مضر نہیں تو نافذ ورنہ نافذ نہیں۔ بخلاف قصد ضرر کی حالت کے کہ اس میں کیا گیا تصرف کبھی نافذ نہ ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے قصد ضرر کیا تو ولایت کہاں رہی۔ اس لئے کہ اضرار ضد ہے شفقت کی اور یہ ولایت شفقت ہی پر مبنی تھی۔ جیسے کہ پہلے محقق ہو چکا ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ عدم تامل کے ساتھ ضرر لازم نہیں۔ لیکن اضرار کے ساتھ ضرر لازم و متحقق ہے۔ استفتاء متنازعہ فیہ میں ہمارے نزدیک باپ کی تیسری حالت ہے۔ لہٰذا اس حالت میں باپ مذکور کا کیا ہوا نکاح منعقد نہیں خصوصاً جب کہ تا ایندم بھی لڑکی اور سسرال والوں کے مابین عدوات موجود ہے۔ اور ظاہری حالات سے معاشرۃ بالمعروف کی قطعاً کوئی توقع نہیں۔ باپ مذکور کا قصد اضرار سیاق استفتاء کے علاوہ استفتاء کی خط کشیدہ عبارت سے ظاہر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نکاح مذکور کو ضرر محض تسلیم کرتے ہوئے لوگوں کی ملامت

کو ایک احمقانہ جواب کے ذریعے اپنے سے ٹالنا چاہا ہے تو اس صورت میں نکاح کے نفاذ کا فتوٰی دے دینا بہت مشکل اور تفقہ کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے (واضح رہے شامی وغیرہ سے جو جزئیہ نکاح مذکورہ کے جواز میں پیش کیا گیا ہے اس کا صحیح محمل وہی ہے ۔ جو ہم اوپر تفصیل سے بتلا چکے ہیں۔ یعنی یہ اس وقت ہے جب کہ باپ کی ظاہری حالت عدم تامل کی ہو نہ کہ قصد ضرر کی اور ان کا باہمی فرق اوپر واضح ہو چکا ہے) لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی مذکورہ کا نکاح باطل ہے۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان
۲۹ - ۱۲ - ۱۳۷۸ھ	

جمعہ کی اذان اول کے بعد کیے جانے والے نکاح کا حکم

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اذان جمعہ کے بعد نکاح یا دوسرے مشاغل جو سعی الی الجمعہ میں مخل ہوں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہیں اور احتیاطاً ان کا اعادہ ضروری ہے۔ ذیل میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن کریم میں جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کو مطلقاً منع فرمایا ہے لیکن اس سے دوسرے مشاغل کو نکالنا کہ وہ سعی کو مخل نہیں درست نہیں۔ بلکہ وہ بھی اگر سعی کو مخل ہوں تو بیع کی طرح منع ہیں۔ کیونکہ اصل میں مقصود سارے مشاغل کا منع کرنا تھا۔ جن میں زراعت، تجارت، مزدوری مجلس نکاح وغیرہ سب معاملات و عقود شامل تھے۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی مایہ ناز تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں۔

" اور باتفاق فقہاء امت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ کام ہے جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب مفہوم میں داخل ہے۔

اس لئے اذان کے بعد کھانا پینا، سونا، کسی سے بات کرنا یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں، صرف جمعہ کی تیاری سے متعلق جو کام ہوں وہ کیئے جا سکتے ہیں۔

(معارف القرآن ص۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۴ ج ۸)

علامہ ابن عربیؒ نے اپنی کتاب احکام القرآن میں اس کی صراحت کی ہے کہ بیع کی طرح نکاح وغیرہ تمام عقود منع ہو جاتے ہیں کیوں کہ بیع کی ممانعت سعی جمعہ میں مخل ہونے کی وجہ سے ہے تو عقود میں سے ہر وہ کام جو اس میں مخل ہوگا وہ حرام ہوگا۔

"والصحیح فسخ الجمیع لان البیع انما منع للاشتغال به فکل امر یشغل عن الجمعة من العقود کلها فهو حرام الخ"

(احکام القرآن لابن العربی ص۱۷۹۴ ج ۴)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں ابن عربی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرحوم کے نزدیک بھی اذان جمعہ کے بعد نکاح نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو احکام القرآن ص۴۴ ج ۶۔

مذہب شافعی کی تحقیق مذہب شافعی کے مشہور امام علامہ نوویؒ شرح المہذب میں لکھتے ہیں کہ جب ہم نے بیع کو حرام کیا ہے تو تمام عقود جو سعی الی الجمعہ میں مخل ہوں وہ بھی حرام ہوں گے، اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اور حرمت زائل نہیں ہوگی، یہاں تک کہ جمعہ سے فارغ نہ ہو جائیں۔

"حیث حرمنا البیع حرمت علیه العقود والصنائع وکل ما فیه تشاغل عن السعی الی الجمعة وهذا متفق علیه ولا یزال التحریم حتی یفرغوا من الجمعة الخ"

(شرح المہذب ص۵۰۱ ج۴ بحوالہ اعلاء السنن)

مذہب حنبلی کے مشہور امام ابن قدامہ اپنی تصنیف "المغنی" میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بیع کے علاوہ دوسرے عقود حرام نہیں ہوتے اور قیل کے ساتھ اپنے مسلک کے بعض حضرات کا مسلک نقل کرتے ہیں کہ دوسرے عقود وغیرہ بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

" وقیل یحرم لانہ عقد معاوضۃ یشبہ البیع الخ ص ۱۴۶ ج ۲)

مذہب مالکی کے مشہور امام علامہ ابن رشد اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سارے عقود میں احتمال ہے کہ ان کا الحاق بیع کے ساتھ کر دیا جائے کیونکہ ان میں بھی وہی علت ہے جو بیع میں ہے کہ یہ بھی سعی الی الجمعۃ میں مخل ہیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کو بیع کے ساتھ ملحق نہ کیا جائے کیونکہ یہ اس وقت میں بہت کم واقع ہوتے ہیں بخلاف بیوع کے۔

" واما سائر العقود فیحتمل ان تلحق بالبیوع لان فیها المعنی الذی فی البیع من الشغل بہ عن السعی الیها ویحتمل ان لا تلحق بہ لانها تقع فی هذا الوقت نادرًا بخلاف البیوع الخ ص ۱۶۲ ج ۲۔

مذہب مالکی کے ایک دوسرے امام ابی البرکات احمد بن محمد بن احمد شرح الصغیر میں لکھتے ہیں کہ بیع جیسے عقد کے حکم سے مفہوم ہوتا ہے کہ نکاح، ہبہ، صدقہ، کتابۃ فسخ نہیں ہوں گے اگر اذان کے وقت واقع ہوں۔ اگرچہ ایسا کرنا حرام ہے۔

" ومفهوم بیع ونحوه ان النکاح والهبۃ والصدقۃ والکتابۃ لا تفسخ ان وضعت عند الاذان الثانی وان حرم۔ ص ۵۱۴ ج ۱ "

مذہب حنفی کی تحقیق۔ مذہب حنفی کے مشہور امام علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق رقمطراز ہیں کہ بیع سے مراد ہر وہ کام ہے جو سعی الی الجمعۃ میں مخل ہو۔ اگر بیع کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہو جائے تو وہ بھی مکروہ ہوگا۔ مکروہ تحریمی کے ساتھ۔

والمراد من البیع ما یشغل عن السعی الیها حتی لو اشتغل بعمل آخر سوی البیع فهو مکروه ایضًا الی ان قال) وتصریح الوجوب یفید ان الاشتغال بعمل آخر مکروه کراهۃ تحریم الخ ص ۱۵۶ ج ۲۔

مذہب حنفی کے مشہور محدث حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اعلاء السنن میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ اذان جمعہ کے بعد بیع سے منع کی علت سعی الی الجمعۃ میں مخل ہونا ہے۔ اور یہ علت دوسرے عقود میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جہاں علت پائی جائے گی وہاں حرمت کا حکم آجائے گا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوگئی۔ کہ اذان جمعہ کے بعد بیع کی طرح دوسرے عقود ومعاملات مذہب شافعی میں حرام اور مذہب مالکی میں بھی منع بیع کے ساتھ ملحق کرنے کا احتمال ہے۔ اور مذہب حنفی میں بھی دوسرے عقود کراہت سے خالی نہیں۔ اور مکروہ تحریمی ہیں۔ جیسا کہ البحر الرائق کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نکاح اور دوسرے عقود کا اذان جمعہ کے بعد ہونا مکروہ ہے اور اس پر فقہاء امت کے اتفاق کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ہر وہ کام جو سعی جمعہ میں مخل ہو وہ نہی عن البیع کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ شرح المہذب کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ جن حضرات نے نکاح اور دوسرے عقود وغیرہ کو منع بیع کے حکم میں شامل نہیں کیا۔ ان کی دلیل ان عقود کا اذان جمعہ کے بعد واقع ہونا نادر بتایا گیا ہے۔ لیکن جب باوجود نادر ہونے کے منع کے وقت ان کا وقوع ہوگا۔ تو علت اصل منع کی طرف لوٹ آئے گی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان حضرات کے وقت کا زمانہ اور وہ لوگ آج کل کی بنسبت بہت نیک ہوتے تھے۔ وہ لوگ جمعہ کے دن تمام کام چھوڑ کر صبح سے جمعہ کی تیاری کر کے مساجد میں چلے جاتے تھے۔ جیسا کہ آج کل لوگ جمعہ کو اس طرح کاموں کے لئے غنیمت سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ تمام ملازمین بآسانی مجلس نکاح میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ جمعہ کے دن شادی کرنا منع تو نہیں۔ لیکن جمعہ کے دن ہونے والی مجلس نکاح اور دعوت طعام وغیرہ اذان جمعہ کے بعد ہوتی ہیں اور تقریباً ہمارے دیار کا عرف عام بن چکا ہے۔ اس ساری تفصیل سے اس پر فقہاء کا اتفاق نظر آتا ہے۔ کہ اذان جمعہ کے بعد اگرچہ نکاح پڑھانے سے منعقد ہو جاتا ہے لیکن کراہت اس میں باقی رہتی ہے۔ چونکہ نکاح جہاں ایک عقد ہے وہاں عبادت بھی ہے۔ لہٰذا عوام الناس پر لازم ہے کہ اذان جمعہ کے بعد نکاح کی مجلس منعقد نہ کریں اور آئمہ حضرات کو ضروری ہے کہ اذان جمعہ کے بعد نکاح پڑھ لیں تو اگرچہ نکاح ہو جاتا ہے۔ لیکن احتیاطاً بعد الجمعہ دوبارہ نکاح پڑھا لیں تا آنکہ عام لوگ، اس وقت مجلس نکاح منعقد ہی نہ کریں۔ لیکن اگر اذان جمعہ کے بعد پڑھائے ہوئے نکاح کا دوبارہ اعادہ نہ کیا جائے گا۔ اور اولاد ہو جائے۔ تو چونکہ اصلاً نکاح ہو گیا ہے۔ اس لئے اولاد ثابت النسب ہوگی۔

ھذا عندی واللہ اعلم بالصواب علمہ اتم واحکم۔

نوٹ:- حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم۔ اور حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ بعد اذان الجمعۃ نکاح بعد الجمعہ واجب الاعادہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالشکور عفا اللہ عنہ

دارالافتاء مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

جمعہ کی اذان اوّل کے بعد مجلس نکاح کا انعقاد منع ہے۔ لیکن ایسی مجلس میں پڑھا گیا نکاح فاسد نہیں اور اعادے کی بھی حاجت نہیں۔ پس اولاد صحیح النسب تصور کی جائے گی۔

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ولی اقرب کتنی مسافت پر ہو تو ولی البعد اس کے قائم مقام ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ صغیر یا صغیرہ کا ولی اقرب یعنی باپ مثلاً لاہور ہے اسکی عدم موجودگی اور اسکی اجازت کے بغیر ولی ابعد نے اسکی لڑکی یا لڑکے کا نکاح کیا۔ ولی اقرب کو جب اس نکاح کی خبر اور اطلاع ہوئی تو اس نے اس نکاح پر ناراضگی کا اظہار کیا اگر ولی اقرب کو نکاح کی پہلے خبر دیتے یا بلاتے تو وہ ضرور آ بھی سکتا تھا اور اس کے آنے تک کفو بھی زائل نہ ہوتی، اور نہ ہی اس کے آنے کے انتظار میں رشتہ کے نقصان اور فوت ہونے کا اندیشہ تھا۔ اب اس صورت میں ولی اقرب کا لاہور ہونا غیبۃ منقطعہ میں داخل ہے یا نہیں۔ اگر اس کا لاہور ہونا غیبۃ منقطعہ میں داخل نہ ہو تو ولی اقرب کی عدم اجازت کی صورت میں ولی بعید نے جو اسکی لڑکی یا لڑکے کا نکاح کیا ہے وہ شرعاً ناجائز قرار دیا جائے گا یا نہیں؟

۲۔ ولی اقرب کا لاہور رہنا اگر غیبۃ منقطعہ میں داخل ہے اور ولی بعید نے جو اسکی اجازت کے بغیر اور اسکی عدم موجودگی میں اسکی لڑکی یا اس کے لڑکے کا نکاح کیا ہے وہ اسکی اجازت پر موقوف تھا تو اس صورت میں جب اس کو نکاح کی خبر ہوئی اور اس نے نکاح رد کیا

ناراضگی اور عدم رضا کا اظہار کیا تو وہ نکاح شرعاً جائز قرار دیا جائے گا یا ناجائز ؟

(سائل مولوی محمد عالم جہلم)

الجواب ولی اقرب کا یہاں سے دُور ہونا اصح قول کے مطابق غیبۃ منقطعہ میں داخل نہیں جب ولی اقرب کا اتنے دور سفر پر غائب ہونا غیبۃ منقطعہ میں داخل نہیں تو اسکی عدم موجودگی میں اسکی لڑکی یا لڑکے نابالغ کا نکاح ولی بعید کرے تو شرعاً وہ نکاح ہرگز لازم نہ ہوگا جیسا کہ صاحب شامیؒ نے تصریح کی ہے شامی جلد دوم ص۳۴۲ پر مکتوب ہے۔ وقال فی الذخیرة الاصح انه اذا کان فی موضع لو انتظر حضوره او استطلاع رأیه فات الکفء الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشار فی الکتاب الیٰ ان قال فینبغی ان ینظر هنا الی الکفء ان رضی بالانتظار مدة یرجی فیها ظهور الاقرب المختفی لم یجز نکاح الابعد والا جاز پس شامی کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ اتنے سفر پر ولی اقرب کا غائب ہونا غیبتِ منقطعہ نہیں اور صُورتِ مذکورہ میں ولی بعید کا ولی اقرب کے لڑکے یا لڑکی نابالغہ کا نکاح کرنا ہرگز لازم نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۲۵/۵/۷۲ھ

مرزائی کے پڑھائے ہوئے نکاح کا حکم

زید نے اپنی لڑکی نابالغہ کے نکاح کے لئے مجلس منعقد کروائی اور ایک مولوی صاحب کو برائے عقد نکاح بُلایا۔ اس مولوی صاحب نے باپ سے اجازت لے کر نکاح کر دیا۔ اس وقت معلوم نہ تھا بعدہٗ معلوم ہوا کہ وہ مولوی مرزائی تھا۔ پھر نکاح بھی اسطرح کیا کہ گواہ وغیرہ بالکل متعین نہ کئے۔ ویسے اس مجلسِ نکاح میں باپ بھی موجود تھا اور سامعین ایجاب و قبول بھی موجود تھے فقط گواہوں کی تعیین نہیں کی گئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صُورت میں جبکہ ناکح و منکوحہ و متولیان وغیرہ مسلم ہیں تو اس مرزائی مُلاں کا باپ سے اجازت لے کر ایجاب

قبول کر دینے سے اور عدم تعیین گواہوں سے نکاح میں کوئی خلل آیا یا نہ یہ نکاح معتبر ہے، یا کالعدم ہے کہ دوبارہ کیا جاوے یا دوسری جگہ کر دیا جاوے۔

مستفتی: مولینا منظور الحق صاحب مدرس مدرسہ دار العلوم کبیر والہ

الجواب شامی میں ہے صفحہ ۲۹۷/۲ (قولہٗ لانہ یجعل عاقداً حکماً) لان الوکیل فی النکاح سفیر ومعبر ینقل عبارۃ الموکل فاذا کان الموکل حاضراً کان مباشراً لان العبارۃ تنتقل الیہ وھو فی المجلس ولیس المباشر سوی ھذا بخلاف ما اذا کان غائباً لان المباشر ماخوذ فی مفہومہ الحضور فظہر ان انزال الحاضر مباشرا جبری الخ اھ۔

صورتِ مسئولہ میں مذکور مرزائی مولوی زید کیطرف سے اسکی لڑکی مذکورہ کے نکاح کا وکیل تھا پس جب اس نے زید کی موجودگی میں نکاح پڑھایا ہے تو وہ سفیر محض تھا حقیقت میں نکاح پڑھانے والا زید خود ہی تھا (بحوالہ بالا) اس لئے اس کے نکاح پڑھانے سے نکاح کے انعقاد پر کوئی اثر نہیں پڑا اور نکاح کے لئے گواہوں کا مقرر اور متعیّن ہونا ضروری نہیں صرف مجلس نکاح میں دو گواہوں کی حاضری ضروری ہے اس لئے عدم تعیین گواہوں کی وجہ سے نکاح میں کوئی خلل نہیں آتا۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
۲۰ر محرم الحرام ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح،
عبد اللہ غفر اللہ لہٗ

صرف "میں نے بچہ دے دیا" کہنے سے نکاح منعقد نہیں ہوگا بوجہ عدم تعیین کے

سوال: خدا بخش نے اپنی لڑکیوں کا نکاح اور شادی کے دن مقرر کر دیئے لوگوں نے اسکی مخالفت شروع کر دی حتیٰ کہ خدا بخش کو زبردستی بال بچے سمیت گھر سے نکال دیا ان کا یہ مطالبہ تھا کہ خدا بخش اپنی لڑکیوں کے معاوضہ میں ہم کو رشتہ لے کر دے خدا بخش نے اپنا گھر چھوڑ دیا ہے۔ لیکن رشتہ دلوانے سے انکار کر دیا ہے۔ خدا بخش نے زید سے کہا کہ میری لڑکیوں کے معاوضہ میں

رات لوگ تجھ سے مطالبہ کریں گے اگر مجھ کو زبردستی لے کر آئیں تو میں بھی ساتھ آؤں گا، لیکن تم رشتہ دینے سے صاف انکار کر دینا سوموار کی رات، کو مخالف پارٹی نے علماء گھڑے تھے کو بھیج دیا خدا بخش کو بھی ساتھ لے گئے زید نے رشتہ دینے سے صاف انکار کر دیا ——— غلام حیدر نے کہا زید سے بھی منواؤ کہ جس طرح تم نے صدیق سے منوایا تھا اس بات کے جواب سے زیادہ شرارت ہو گئی خدا بخش نے زید سے کہا کہ ان لوگوں سے خطرہ ہے کہ بوقت نکاح کوئی شور شرابہ کریں تاکہ زید کوئی نہ کوئی تدبیر نکالے لیکن زید نے اپنی مصلحت تمام لوگوں سے چھپا رکھی تھی وہ مصلحت یہ تھی کہ ایسے الفاظ زبان سے نکالوں گا جس سے نکاح کا تعلق ہی نہ ہو گا اور نہ ہی نکاح ثابت ہو سکے، جب خدا بخش کی تین لڑکیوں کے نکاح مکمل ہو گئے تو زید نے نکاح پڑھنے والے پر رعب ڈالا تاکہ حافظ کی ضرورت باقی نہ رہے جو الفاظ نکاح سے تعلق رکھتے ہیں ان کا مطالبہ نہ کرے زید نے کہا کہ میں نے اپنا بچہ دے دیا بچے کے الفاظ سے زید بکر کا پتہ نہیں چل سکتا اپنے بچے کا نام مذکر یا مؤنث نہیں لیا مخالف پارٹی کو اپنے بچے کا نام بتایا اور نہ کسی نے ان سے پوچھا دونوں فریق اپنے داؤ پر تھے زید نے بچے کا لفظ اپنے منہ سے اس لئے نکالا ہے کہ فتنہ فساد ختم ہو جائے اور اس کے ساتھ نکاح کے تمام فرض ختم کر دیئے ہیں، دونوں فریق کے دو، دو چار چار یا کم و بیش بچے ہیں اپنے اپنے بچوں کے نام بتانے کی بات چیت نہیں ہوئی اب آپ اس کا جواب فرمائیں کہ بچے کے لفظ سے نکاح ہو گیا یا نہیں، سائل نے بتایا کہ مخالف پارٹی کی طرف سے نہ قبول ہوا اور نہ مہر کا ذکر ہوا نہ خطبہ مسنونہ پڑھا گیا۔ خلاصہ یہ کہ زید نے صرف یہی الفاظ کہے کہ میں نے بچہ دے دیا، فریقین نے نہ بچے کی تعیین کی نہ بچی کی نہ پہلے سے کسی قسم کی تعیین تھی مخالف پارٹی کے کئی بچے ہیں

(المستفتی: محمود احمد موضع بیٹ خاروالا تحصیل و ضلع لیہ)

الجواب برتقدیر صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں اگر زوجین کی یا کسی ایک کی تعیین نہیں کی گئی تو یہ نکاح شرعاً معتبر نہیں بلکہ صرف یہ لفظ (میں نے اپنا بچہ دے دیا) کہنے سے تعیین کی صورت میں بھی نکاح نہیں ہوتا صحتِ نکاح کی شرطیں بیان کرتے ہوئے عالمگیریہ میں لکھا ہے۔ ومنها ان يكون الزوج والزوجة معلومين الى قوله ابو الصغيرة اذا قال زوجت بنتي فلانة من ابن فلان وقال فلان قبلت لابني ولم

یسم الابن ان کان له ابنان لایجوز الخ (ہندیہ ص۲۷ ج۱) ، فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،

دوسری طرف سے قبول بھی نہیں پایا گیا لہٰذا حسب سوال نکاح نہیں ہوا ۔

دالجواب صحیح ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳/۱۰/۱۴۰۲ھ

لفظِ نکاح استعمال ہو تو نکاح ہی ہوگا خواہ مجلس منگنی کی ہو !

سمی زرداد خان فضل داد خان کے ہاں مہمان کی صورت میں آئے اور دو آدمیوں کو لے کر فضل داد خان کو کہنے لگے کہ زرداد خان کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے تم اپنی لڑکی زرداد خان کو دے دو اور زرداد خان کی لڑکی بلقیس اپنے لڑکے کے لئے لے لو چنانچہ وہاں زرداد خان مذکور نے کہہ دیا کہ میں نے اپنی لڑکی مسماۃ سکینہ جان آپکے لڑکے کے لئے دی فضل داد خان نے کہا کہ میں نے اپنے لڑکے کے لئے قبول کی فضل داد خان نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی تم کو نکاح میں دیدی مہر وغیرہ کچھ مقرر نہیں ہوا ۔ دوسرے دن زرداد خان گھر چلا گیا اور خط لکھا کہ میں نہ تمہاری لڑکی نکاح میں لیتا ہوں نہ اپنی لڑکی تمہارے لڑکے کے نکاح میں دیتا ہوں ۔ عرصہ تقریباً چار سال کا ہوگیا اب ایک مولوی صاحب نے کہا کہ فضل خان اپنی لڑکی کا جہاں چاہے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ یہ وعدہ ہے دوسرے مولوی صاحب نے کہا ہے کہ یہ نکاح ہے دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتا ۔ اب علماء سے استفسار ہے کہ صورت مذکورہ منگنی ہے یا نکاح ؟ دوسری جگہ عقد سکینہ اور بلقیس کا جائز ہے یا نہیں جو مسئلہ شرعاً ہو بحوالہ کتب مع عبارت تحریر فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے ؟

الجواب از دار العلوم دیوبند

یہ مجلس جس میں ایجاب و قبول ہوا مجلس نکاح نہیں تھی بلکہ یہ مجلس اور یہ گفتگو رشتہ کی تھی جو دراصل وعدۂ نکاح ہے لہٰذا اس صورت میں نکاح نہیں ہوا ، اس لئے مسماۃ سکینہ اور بلقیس کا دوسری جگہ نکاح جائز ہے جیسا کہ فتویٰ انقرویہ میں ہے ۔

قال له هل اعطیتها فقال اعطیت فان کان المجلس للوعد

نوعد وان کان لعقد النکاح فنکاح ۔ فقط واللہ اعلم ۔
مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیوبند

الجواب از جامعہ خیر المدارس ملتان

ہماری رائے میں دونوں نکاح لازم ہو گئے ہیں اسلئے کہ زرداد خان نے دو آدمیوں کے سامنے فضل داد سے درخواستِ نکاح کی اور اپنی لڑکی نکاح میں دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہاں تک یہ مجلس مجلسِ خطبہ تھی اس کے بعد فضل داد نے یہ کہہ کر میں نے اپنی بیٹی سکینہ جان تم کو نکاح میں دی۔ زرداد نے کہا کہ میں نے قبول کی۔ اب یہ مجلس، مجلس نکاح ہو گئی بوجہ صراحتِ نکاح کے اس کے بعد زرداد نے اپنی لڑکی فضل داد کے لڑکے کو دی اور فضل داد نے اپنے لڑکے کے لئے قبول کر لیا۔ یہ دوسرا نکاح ہو گیا۔ اور ھل اعطیتھا والا جزئیہ اسکے مطابق نہیں کیونکہ وہاں مجلس واحد ہے۔ اور اعطیتھا محتمل نکاح اور خطبہ دونوں کے لئے ہے۔ برخلاف صورتِ مسئولہ کے کہ اس میں مجلس میں تغیر آچکا ہے مجلس کا پہلا حصہ خطبہ کا ہے اور مجلس کا آخری حصہ مجلس نکاح بن گیا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے ایک شخص کھانا کھاتا ہے یہ مجلسِ اکل ہے اس کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر تلاوت، قرآن کریم شروع کر دیتا ہے اب یہ مجلس، مجلس تلاوت، ہو گی۔ نیز اس جگہ تصریح موجود ہے کہ میں نے اپنی لڑکی تمہارے نکاح میں دیدی زرداد خان نے کہا قبول کی اور اعطیتھا میں نکاح کی تصریح موجود نہیں وہاں وعدۂ نکاح کا احتمال ہے لہٰذا مجلس کو قرینہ بنایا جائے گا اور جہاں تصریح ہو وہاں قرینہ کی ضرورت نہیں صریح کے منطوق پر عمل کیا جائے گا نیز شامی ص۲۶۵ ج۲ میں مرقوم ہے۔

وانما یصح بلفظ التزوج والنکاح لانہا صریح ۲۔ وما ینعقد بہ النکاح نوعان صریح وکنایۃ فالصریح لفظ النکاح والتزویج۔

ان دو عبارات سے معلوم ہوا کہ تزویج اور نکاح کا لفظ انعقادِ نکاح کے لئے صریح ہے پس اب مجلس مذکور کا مجلسِ خطبہ ہونا اثر انداز نہیں ہو گا جیسا کہ طلاق صریح میں۔ پس نکاح اول بوجہ صراحت کے منعقد ہو گیا اور عقدِ ثانی اگرچہ اس میں لفظِ نکاح صریح نہیں ہے۔ لیکن یہ عقدِ اول کے بدلہ میں کیا جا رہا ہے، اس لئے یہ بھی منعقد ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم، محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بیوی کو ماں بہن کہنے سے بیوی نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔

کوئی آدمی بغیر ذکر حرف تشبیہ کے اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو میری ماں ہے یا تو میری بہن ہے۔ اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟

احسن الفتاویٰ میں ایک مفصل فتویٰ بعنوان " بیوی کو ماں کہنا طلاق بائن ہے " موجود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان الفاظ کے کہنے سے بلا نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔ احسن الفتاویٰ کا فتویٰ بھی پیش کرتا ہوں براہ کرم اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں کہ بیوی کو ماں، بہن کہنے سے بلا نیت طلاق ہو جائے گی یا نہیں۔؟ بینوا توجروا،

المستفتی ! احقر عبدالقدیر ٹانکوی
متعلم افتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

بیوی کو ماں کہنا طلاق بائن ہے :

سوال : ایک آدمی نے اپنی عورت کو کہا کہ تو میری ماں ہے، یا تو میری بہن ہے (انت امی وانت اختی) اور حروف تشبیہ میں سے کوئی حرف ذکر نہیں کیا، آیا طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب : طلاق واقع ہو جائے گی، قال فی شرح التنویر والا ینوشیئا او حذف الکاف لغا، وفی الشامیۃ (قولہ لغا) لانہ مجمل فی حق التشبیہ فما لم یتبین مراد مخصوص لا یحکم بشیء فتح (ردالمحتار ص۲۲۶ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ تعین ارادۂ طلاق کی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی، اس کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ "فتح القدیر" سے نقل فرماتے ہیں :۔۔۔۔

وفیہ حدیث رواہ ابوداود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لامرأتہ یا اخیۃ فکرہ ذلک ونھی عنہ ومعنی النھی قربہ من لفظ التشبیہ ولولا ھذا الحدیث لامکن أن یقال ھو ظھار لان التشبیہ فی أنت امی أقوی منہ مع ذکر الاداۃ ولفظ یا اخیۃ استعارۃ بلا شک وھی مبنیۃ علی التشبیہ لکن الحدیث أفاد کونہ لیس ظھارا حیث لم یبین فیہ حکما سوی الکراھۃ والنھی فعلم انہ لا بد فی کونہ ظھارا من التصریح بأداۃ التشبیہ شرعا۔ (ردالمحتار ص۲۲۶ ج۲)

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ حذف اداۃ تشبیہ کی صورت میں بمقتضائے قیاس بطریق اولیٰ وقوع طلاق یا ظہار کا حکم ہونا چاہیئے، مگر حدیث کی وجہ سے قیاس کے مطابق حکم نہیں لگایا جائے گا۔ ابن

ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ کے استدلال میں یہ اشکال ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے بارے میں قرآن سے یہ علم تھا کہ اس نے یہ الفاظ بنیت طلاق نہیں کہے اور اس وقت ان الفاظ سے طلاق کا عُرف عام بھی نہیں تھا، اس لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا حکم نہیں فرمایا، طلاق کی نیت یا عُرف کی صورت میں حدیث سے عدمِ وقوع ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا مقتضائے قیاس تشبیہ بلیغ سے بطریق اولیٰ طلاق بائن واقع ہوگی کما یدل علیہ ما نقلنا عن الشامیۃ عن قول ابن الھمام نفسہ فمالم یتعین مراد مخصوص لا یحکم بشیٔ اھ، وقال الشیخ الانور رحمۃ اللہ تعالیٰ قال العلماء لابد فی الظہار من التشبیہ، واذ قال انت امی لایکون ظہارا بل لغو، اقول لابدّ من ان یکون طلاقاً بائناً عند النیۃ، وقد روی عن ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ فی العمدۃ (العرف الشذی ص۳۸۰) ـــــــ

وقال الحافظ العینی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحت باب اذا قال لامرأتہ وھو مکرہ ھذہ اختی فلاشیٔ علیہ، قال ابن بطال اراد البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ بھذا التبویب رد قول من نھی ان یقول الرجل لامرأتہ یا اختی فمن قال لامرأتہ کذلک وھو ینوی مانواہ ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فلا یضرہ شیٔ، قال ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ ان لم یکن لہٗ نیۃ فھو تحریم وقال محمد بن الحسن ھو ظہار اذا لم یکن لہ نیۃ ذکرہ الخطابی ـــ (عمدۃ القاری ص۱۵ ج۲۰) ـــــــ

وقال ایضاً فی باب الظہار اعلم ان الالفاظ التی یصیر بھا المرأ مظاھرا علی نوعین، صریح نحو انت علیّ کظہر امی او انت عندی کظہر امی وکنایۃ نحو ان یقول انت علیّ کامی او مثل امی او نحوھما یعتبر فیہ نیتہ فان اراد ظہارًا کان ظہارًا وان لم ینو لا یصیر ظہارًا وعند محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ ھو ظہار وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ھو مثلہ ان کان فی الغضب وعنہ ان یکون ایلاء وان نوی طلاقا کان طلاقاً بائناً (عمدۃ القاری ص۲۸۱ ج۲۰) ـــــــ

عمدۃ القاری کی عبارتِ اُولیٰ میں اداۃ تشبیہ محذوف ہے اور عبارتِ ثانیہ میں مذکور ہے، معہذا دونوں میں حکم واحد ہے، اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دونوں صورتوں میں حُرمت تحریر فرمائی ہے۔ ونصہ تحت قولہ تعالیٰ (وان اللہ لعفو غفور) ای عما کان منکم فی حال الجاھلیۃ وھکذا ایضاً عما خرج من سبق اللسان ولم یقصد الیہ المتکلم کما رواہ ابوداؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لامرأتہ یا اختی فقال اختک ھی؟ فھذا انکار ولکن لم یحرمھا بمجرد ذلک لانہ لم یقصدہ ولو قصدہ لحرمت علیہ لانہ لا فرق علی الصحیح بین الام وبین غیرھا من سائر المحارم من اخت وعمۃ وخالۃ وما اشبہ ذلک (تفسیر ابن کثیر ص۳۲۲ ج۴ سورۃ المجادلۃ) غرضیکہ حذف اداۃ تشبیہ کی صورت میں بھی نیت یا عُرف طلاق

سے طلاق بائن ہوجاتی ہے، آج کل کے عُرفِ عام میں یہ الفاظ صرف طلاق ہی کے لئے متعین ہیں، لہٰذا بدوں نیت بھی طلاق بائن واقع ہوجائے گی بلکہ زوج کوئی دوسری نیت بتائے تو بھی طلاق ہی کا حکم دیا جائے گا، اس کا قول خلافِ ظاہر ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

العبارات المزیدة :

(۱) قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ تحت "باب اذا قال لامرأته وهو مكره هذه اختی فلا شیٔ علیه الخ" قال ابن بطال اراد بذلك رد من كره ان يقول لامرأته يا اختی وقد روی عبدالرزاق من طريق ابی تمیمة الهجیمی مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی رجل وهو يقول لامرأته يا اخیة فزجره قال ابن بطال ومن ثم قال جماعة من العلماء يصير بذلك مظاهراً اذا قصد ذلك فارشده النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اجتناب اللفظ المشكل ــــ

ــــ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ص۳۴۴ ج۹)

(۲) وقال الشيخ محمد زكريا رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الباجی ان قال انت علیّ كامی فقد قال مالك وهو مظاهر قال ابو القاسم كانت له نية اولا قال ابن القاسم وكذلك ان قال انت امی خلافاً لابی حنيفة والشافعی فی قوليهما ان لو ينوا الظهار فهو محمول علی البر والكرامة

انتهی ــــ (اوجز المسالك ص ۵، ج ۱۰)

(۳) وقال العلامة ابو الوليد الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ وان اثبت للجملة حكم الجملة فقال انت علیّ كامی فقد قال مالك رحمہ اللہ تعالیٰ هو مظاهر قال الشيخ ابو القاسم كانت له نية اولو تكن قال ابن قاسم وكذلك اذا قال لها انت امی قال القاضی ابو محمد خلافا لابی حنيفة والشافعی رحمهما اللہ تعالیٰ فی قوليهما ان لو ينوا الظهار فانه محمول علی البر والكرامة وهذا يقتضی ان يكون مظاهراً ان لم تكن له نية جملة واما ان كانت له نية الاكرام والبر فيجب ان لا يكون مظاهراً (المنتقی ص۳۸ ج۴)

(۴) وقال العلامة السهارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ تحت "باب فی الرجل يقول لامرأته يا اختی" ان يكون النهی عنه والكراهة سداً للباب فانه يحتمل انه اذا لو ينبه علی ذلك يحتدون فيه ويمكن ان يتكلموا بلفظ يؤدی الی الظهار فتحرم عليه وتجب الكفارة والفراق اذا نوی الظهار، قال الحافظ قال ابن بطال ومن ثم قال جماعة من العلماء يصير بذلك مظاهرا

اذا قصد ذلك فارشده النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اجتناب اللفظ المشكل، قال ولیس بین هذ الحدیث وبین قصة ابراهیم معارضة لان ابراهیم علیه السلام انما اراد بها اخته فی الدین فمن قال ذلك ونوی اخوة الدین لم یضره (بذل المجهود ص۲۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب وهو الموفق للصواب

الفاظ ظہار کی دو قسمیں ہیں (۱) صریح جیسے کہ انت علی کظہر امی او انت عندی کظہر امی۔ (۲) کنایہ جیسے کہ انت علی کامی او انت علی مثل امی۔ کنایہ میں نیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر نیت ظہار کی ہے تو ظہار ہوگا طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہوگی۔ عمدۃ القاری میں ہے:۔

اعلم ان الالفاظ التی یصیر بها المرء مظاهرا علی نوعین صریح نحو انت علی کظهر امی او انت عندی کظهر امی وکناية نحو ان یقول انت علی کامی او مثل امی او نحوهما یعتبر فیه نیة فان اراد ظهارا کان ظهارا وان لم ینو لا یصیر ظهارا وعند محمد بن الحسن هو ظهار وعن ابی یوسف هو مثله ان کان فی الغضب وعنه ان یکون ایلاء وان نوی طلاقا کان طلاقا بائنا۔ (عمدة القاری ص۲۸۱ ج۲۰)

عالمگیریہ میں ہے: لو قال لامرأته انت علی کظهر أمی کان مظاهرا سواء نوی الظهار او لا نیة له اصلا ولو قال لها انت علی مثل امی او کامی ینوی فان نوی الطلاق وقع بائنا وان نوی الکرامة او الظهار فکما نوی هکذا فی فتح القدیر (عالمگیریہ ص۵۰۷ ج۱)

اور بلا حرف تشبیہ انت امی کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی خواہ نیت طلاق سے کہے یا بلا نیت طلاق، کیونکہ یہ لفظ نہ طلاق و ظہار کے صریح الفاظ میں شامل ہے نہ کنایات میں بلکہ حضرات فقہاءؒ نے اسے الفاظ کنایہ کے مقابلہ میں ذکر کرتے ہوئے اس کی لغویت کی تصریح کی ہے ـــــــ

درمختار میں ہے:۔ وان نوی بأنت علی مثل أمی أو کامی وکذا لو حذف علی خانیة برا أو ظهارا أو طلاقا صحت نیته ووقع ما نواه لانه کنایة والا ینو شیئا أو حذف الکاف لغا وقال الشامی تحت قوله أو حذف الکاف بأن قال انت أمی ـــ

ـــــــ (درمختار مع الشامیة ص۹۳۶ ج۲)

اس تقابل اور لغویت کی تصریح کا بالکل واضح مطلب یہی ہے کہ نیت کرنے سے بھی اس لفظ کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی ـــــ

حضرات فقہاء کے علاوہ اکابر علماء جو مدارِ فتویٰ ہیں۔ ان اکابر نے بھی اس لفظ انت امی کے لغو ہونے کی تصریح کی ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ص۴۸۰ ج۲، مجموعۃ الفتاویٰ ج۲ ص۹۶، عزیز الفتاویٰ ص۶۲۹ ج۲، کفایت المفتی ص۴۲۰ ج۶، امداد المفتین ص۴۲۵) ـــــ

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:" اس لفظ کہنے سے نہ طلاق ہوئی نہ ظہار لغو اور مہمل لفظ تھا بیکار گیا" ـــــ اگر اس میں نیت کا اعتبار ہوتا تو یہ لفظ کنایات طلاق وظہار میں شامل ہوتا اور اسے لغو نہ قرار دیا جاتا ـــــ

الفاظ کنایات کو کسی نے لغو قرار نہیں دیا، لغو ہونے کا معنیٰ ہی یہی ہیں کہ نیت یا بلا نیت کسی طرح سے اس لفظ کے ساتھ طلاق وظہار نہ ہوگا۔ جیسے بیوی کی طرف سے ظہار لغو ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ قال فی الدرالمختار وظهارها منه لغو فلا حرمة ولا كفارة ـــ

لغو ہونے کے علاوہ حضرات فقہاء نے انت امی کے بطلان کی بھی تصریح کی ہے اگرچہ نیت بھی کی ہو۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے صاحب درمختار کے قول تشبیہ المسلم کے تحت ذکر کیا ہے واحترز به عن نحو أنت أمي بلا تشبيه فانه باطل وان نوى الخ (شامی ص۶۲۶ ج۲)

پس لغو اور باطل لفظ میں نیت طلاق کا معتبر نہ ہونا ظاہر ہے۔ جب تک حرف تشبیہ ذکر نہیں کیا جائے گا باوجود نیت کے بھی ان الفاظ سے ظہار یا طلاق واقع نہ ہوگی تقریباً سب فقہائے اس کی تصریح فرمائی ہے ـــ

علامہ شامیؒ ردالمحتار میں فرماتے ہیں۔ بأن قال أنت أمي ومن بعض الظن جعله من باب زيد أسد درمنتقى عن القهستانى قلت ويدل عليه ما نذكره عن الفتح من أنه لا بد من التصريح بالاداة ـــ (شامی ص۶۲۶ ج۲)

علامہ شامیؒ نے چند سطر بعد فتح القدیر سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ فعلم أنه لا بد فى كونه ظهارا من التصريح بأداة التشبيه شرعا ـــ (شامی ص۶۲۶ ج۲)

بحرالرائق میں بھی یہی الفاظ ہیں ـــ (بحرالرائق ص۱۰۷ ج۴)

الغرض انت امی میں معنوی تشبیہ سے انکار نہیں ـــــ لیکن یہ تشبیہ مؤثر نہیں۔ طلاق وظہار بننے کے لئے لفظی تشبیہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ جیسا کہ عبارات بالا سے ظاہر ہے ـــ

عبارات حضرات فقہاءؒ

(۱) درمختار میں ہے:۔ وان نوی بأنت علی مثل أمی أو کأمی وکذا لو حذف علی خانیۃ براً أو ظهاراً أو طلاقاً فاصحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والا ینو شیأ أو حذف الکاف لغا وتعین الادنی أی البر یعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ أنت أمی ویا ابنتی ویا أختی ونحوہ وقال الشامی تحت (قولہ ویکرہ) جزم بالکراھۃ تبعا للبحر والنہر والذی فی الفتح وفی أنت أمی لا یکون مظاهرا وینبغی أن یکون مکروھا فقد صرحوا بأن قولہ لزوجتہ یا أخیۃ مکروہ وفیہ حدیث رواہ أبو داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلاً یقول لامرأتہ یا أخیۃ فکرہ ذلک ونھی عنہ ومعنی النھی قربہ من لفظ التشبیہ ولولا ھذا الحدیث لامکن أن یقال ھو ظہار لان التشبیہ فی أنت أمی أقوی منہ مع ذکر الاداۃ ولفظ یا أخیۃ استعارۃ بلاشک وھی مبنیۃ علی التشبیہ لکن الحدیث أفاد کونہ لیس ظہارا حیث لم یبین فیہ حکما سوی الکراھۃ والنھی فعلم أنہ لابد فی کونہ ظہارا من التصریح بأداۃ التشبیہ شرعا ومثلہ أن یقول لھا یا بنتی أو یا أختی ونحوہ اھ ——— (شامی ص۶۳۶ ج۲)

(۲) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:۔ لو قال لھا أنت أمی لا یکون مظاهرا وینبغی أن یکون مکروھا ومثلہ أن یقول یا ابنتی ویا اختی ونحوہ ولو قال لھا أنت علی مثل أمی أو کأمی ینوی فان نوی الطلاق وقع بائنا وان نوی الکرامۃ أو الظھار فکما نوی ھکذا فی فتح القدیر وان لم تکن لہ نیۃ فعلی قول أبی حنیفۃ (رحمہ اللہ تعالیٰ) لا یلزمہ شئ حملا للفظ علی معنی الکرامۃ کذا فی الجامع الصغیر والصحیح قولہ ھکذا فی غایۃ البیان وان نوی التحریم اختلفت الروایات فیہ والصحیح أنہ یکون ظهاراً عند الکل قال لھا أنت مثل أمی ولم یقل علی ولم ینو شیأ لا یلزمہ شئ فی قولھم کذا فی فتاوی قاضی خان۔ (فتاویٰ عالمگیریہ ج۱)

(۳) صاحب بحر الرائق علامہ زین الدین ابن نجیمؒ انت علی مثل امی کے تحت فرماتے تھے۔ وقید بالتشبیہ لانہ لو خلا عنہ بان قال أنت أمی لا یکون مظاهرا لکنہ مکروہ لقربہ من التشبیہ وقیاسا علی قولہ یا اخیۃ المنھی عنہ فی حدیث أبی داؤد المصرح بالکراھۃ ولولا التصریح بھا لامکن القول بالظھار فعلم انہ لابد فی کونہ ظهارا من التصریح باداۃ التشبیہ شرعا ومثلہ قولہ یا بنتی یا أختی ونحوہ اھ

——— (بحر الرائق ص۱۰۱ ج۴)

فتاویٰ اکابرؒ

حضرت مولانا عبدالحیؒ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ظہار نہ ہوگا اگرچہ نیت بھی کی ہو ابوالمکارم شرح نقایہ میں لکھتے ہیں: ولو قال انت امی بدون اداۃ التشبیہ فالظاہر انہ مثل کامی علی ماعرف فی زید اسد لکن فی فتاویٰ صدر الاسلام انہ لونوی بہ الظہار فہو باطل لانہ کذب وھکذا یروی عن محمد رحمہ اللہ وفی العالمگیریۃ انت امی لایکون مظاہرا وینبغی ان یکون مکروھا ومثلہ ان یقول یا ابنتی ویا اختی ونحوہ الخ ——— (مجموعۃ الفتاویٰ ص۲۲ ج۲)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے محض لغو ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا"

(امداد الفتاویٰ ص۴۸۰ ج۲)

عزیز الفتاویٰ میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ قول اس شخص کا لغو ہے۔ طلاق کسی قسم کی واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ لفظ نہ کنایات طلاق سے ہے کہ نیت طلاق کی اس میں طلاق واقع ہوجائے اور نہ الفاظ ظہار میں سے ہے کہ ظہار ہوجائے اور نہ ایلاء ہے۔ شامی میں ہے ویدل علیہ ما ذکرہ عن الفتح من انہ لابد من التصریح بالاداۃ الخ وفیہ ایضا والذی فی الفتح وفی انت امی لایکون مظاہرا وینبغی ان یکون مکروھا ومثلہ ان یقول لہا یا ابنتی او یا اختی ونحوہ ——— (عزیز الفتاویٰ ص۶۲۹ ج۱)

کفایت المفتی میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی منکوحہ بیوی کو غصہ کی حالت میں یہ کہہ دیا۔ کہ میری ماں ادھر سے ادھر آجا ———

الجواب اس لفظ کے کہنے سے نہ طلاق ہوئی نہ ظہار، لغو اور مہمل لفظ تھا بیکار گیا۔ (کفایت المفتی ج۶ ص۲۱)

عبارات فقہا اور اکابر کے فتاویٰ سے انت امی کے بارے میں امور ذیل معلوم ہوئے ———

(۱) یہ طلاق یا ظہار کے صریح الفاظ میں سے ہے نہ کنایہ میں سے (۲) محض لغو ہے (۳) باطل ہے۔ (۴) اس میں نیت کا اعتبار نہیں ورنہ یہ کنایہ ہوتا (۵) صریح یا کنایہ بننے کے لئے حرف تشبیہ کا لفظ مذکور ہونا ضروری ہے۔ (۶) اگر حدیث ابی داؤد نہ ہوتی تو اس کا کنایہ بننا ممکن تھا۔ لیکن اس حدیث نے اس کے کنایہ بننے کا امکان بھی ختم کردیا ہے۔ ان امور کی روشنی میں یہ امر قطعی طور پر واضح ہوگیا کہ انت امی محض لغو ہے۔ اس کے کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگرچہ نیت طلاق کی ہو یا اس کا عُرف ہو ———

اس لئے احسن الفتاویٰ میں مذکور یہ فتویٰ صحیح نہیں کہ بدوں نیت طلاق کے طلاق بائن واقع ہوجائیگی بلکہ

زوج کوئی دوسری نیت بھی بتائے تو بھی طلاق ہی کا حکم کیا جائے گا۔ احسن الفتاویٰ کے مطابق انتِ امی کا لفظ گویا صریح الفاظ طلاق سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ طلاق صریح میں تو غیر طلاق کی نیت فی الجملہ معتبر ہے۔ لیکن انتِ امی میں بالکل معتبر نہیں جس لفظ کو تمام فقہاءؒ اور اکابرؒ نے بالکل لغو قرار دیا ہے احسن الفتاویٰ کے مطابق وہ طلاق صریح سے بھی زیادہ سخت ہے۔ یہ اَمر ناقابلِ فہم ہے ــــ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احسن الفتاویٰ کے ان دلائل کا بھی سرسری جائزہ لے لیا جائے جو فتویٰ بالا کے سلسلہ میں ذکر کیے گئے ہیں ــــ

احسن الفتاویٰ کا اہم استدلال

علامہ شامیؒ کی نقل کردہ تعلیل سے ہے۔ قولہ لغا لانہ مجمل فی حق التشبیہ فما لم یتعین مُراد مخصوص لا یحکم بشیء فتح تعلیل ہذا کے پیشِ نظر حضرت مُفتی صاحب لکھتے ہیں "کہ اس سے ثابت ہُوا کہ تعیین ارادہ طلاق کی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی"۔ (احسن الفتاویٰ ص۵/۱۸۵)

الجواب مذکورہ استدلال محلِ نظر ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کی مذکورہ تعلیل کو حرفِ تشبیہ اور عدم حرفِ تشبیہ والی دونوں صورتوں کے لئے عام سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس عموم کی کوئی دلیل نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس تعلیل کا تعلق صرف حرفِ تشبیہ والی صورت کے ساتھ ہے (اور اس صورت کا مُراد کے تعین کے بغیر غیر مؤثر ہونا متفق علیہ ہے) اور یہ تعلیل حذفِ تشبیہ والی صورت (انتِ امی) کو شامل نہیں۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔

(الف) لفظ لغا تنویر الابصار کی عبارت ہے جس کے اثبات کے لئے علامہ شامیؒ یہ تعلیل نقل کر رہے ہیں۔ اور تنویر الابصار میں صرف حرفِ تشبیہ والی صورتیں مذکور ہیں حذفِ تشبیہ والی صورت مذکور نہیں ــــ

(ب) علامہ شامیؒ نے یہ تعلیل بحوالہ فتح القدیر نقل کی ہے۔ اور فتح القدیر میں یہ تعلیل انتِ علی مثل امی (حرفِ تشبیہ والی صورت کے متعلق ذکر کی گئی ہے۔ انتِ امی کے بارے میں نہیں۔ انتِ امی کا مفصل حکم کراہت اور عدم وقوع ظہار وغیرہ ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں وفی مثل أمی أو کامی ینوی فان نوی الطلاق وقع بائنا کقولہ أنت علی حرام وان نوی الکراھۃ أو الظہار فکما نوی کما فی الکنایات وأفاد انہ کنایۃ فی الظہار فجعلوا ان صریحہ بکون التشبیہ لجضو وان لم یکن لہ نیۃ فلیس بشیء عندھما وھو ظہار عند محمد رحمہ اللہ (الی ان قال) فما لم یتبین مراد مخصوص لا یحکم بشیء خصوصا والحمل علی الظہار حمل علی المعصیۃ ولا یجوز الزام المسلم المعصیۃ من غیر قصد الیہا ولا لفظ صریح فیہا وما أمکن صرف تصرفاتہ عنہا وجب اعتبار ذلک فی حقہ وان

نوی به التحریم لا غیر ـــــ (فتح القدیر ج ۴ ص ۹۱)

معلوم ہوا کہ ابن الہمامؒ کے نزدیک اس تعلیل میں عموم نہیں ـــــ

ج ـــــ علامہ شامیؒ کے نزدیک اس تعلیل کو عموم پر محمول کرنا ممکن نہیں، ورنہ ان کی دو عبارتوں میں تناقض لازم آئے گا۔ علامہ شامیؒ پہلے تصریح کرکے آئے ہیں کہ انت امی نیت ظہار وغیرہ کرنے کی صورت میں بھی لغو ہے، اگر علامہ شامیؒ کے نزدیک یہ تعلیل (حرف تشبیہ اور حذف تشبیہ والی دونوں صورتوں کو شامل ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ انت امی سے بصورت نیت طلاق واقع ہوجائے گی حالانکہ خود پہلے اس کی صراحۃً نفی کرچکے ہیں اور یہ کھلا تناقض ہے ـــــ

الغرض اصل معلل ابن الہمامؒ اور اس کے ناقل علامہ شامیؒ دونوں کے نزدیک یہ تعلیل حذف تشبیہ والی صورت انت امی کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ پس مسئلہ زیر بحث کے لئے اس تعلیل سے استدلال کرنا درست نہیں ـ (د) اگر بالفرض اس تعلیل سے بصورتِ نیت وقوع طلاق مفہوم بھی ہوتا ہو۔ تو بھی استدلال محل نظر ہے کیونکہ صریح منطوق کے مقابلہ میں ضمنی مفہوم کو کسی طرح قابل عمل اور باعث ترجیح قرار نہیں دیا جاسکتا یا اُخَیَّۃ کہنے والے شخص کے متعلق یہ کہنا "کہ حضور علیہ السلام نے قرائن سے جان لیا تھا کہ اس کی نیت طلاق کی نہیں ہے" یہ دعوی خیالِ محض ہے جس کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی اور احتمال محض کافی نہیں خصوصاً جبکہ یہ خیال حضرات فقہاء کی واضح تصریحات کے خلاف بھی ہے ـــــ

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قائل سے نیت دریافت نہ کرنا یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ کراہت اور عدم وقوع طلاق کا حکم مطلق ہے خواہ نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ محل استفصال میں ترک تفصیل کو اطلاق حکم کی دلیل تصور کیا جاتا ہے، حضرت مفتی صاحب کا عدم عُرف کا دعویٰ کہ بیوی کو ماں بہن کے الفاظ سے طلاق دینے کا عُرف نہ تھا بلا دلیل ہے جو قابل قبول نہیں بظاہر عہدِ رسالت بلکہ زمانہ جاہلیت میں بھی اس نوعیت کے الفاظ کو طلاق کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اسلام نے اسے حرمت موقتہ ظہار سے بدل دیا ـــ

قال سعید بن جبیرؓ کان الایلاء والظہار من طلاق الجاہلیۃ فوقت اللّٰہ للایلاء اربعۃ اشہر وجعل فی الظہار الکفارۃ ـــــ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۲۱)

جبکہ حدیث شریف کی رو سے بلا تشبیہ یا اختی وغیرہ کے الفاظ لغو ہیں ـــ کما مر ـــــ

اگر عدم عُرف کو تسلیم کرلیا جائے تو گویا صاحب بحر، ابن الہمامؒ، علامہ شامی، حضرت تھانویؒ مولانا عزیز الرحمٰن مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ حضرات کے وقت تک یہ عُرف معدوم رہا ـــ اور احسن الفتاوی کے وقت یہ عُرف

یکبارگی تبدیل ہوگیا ـــــ

عرف شذی میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے صرف اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ انت امی سے وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ ہی عرف شذی کتب فتاویٰ میں شامل ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ بظاہر شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے اس قول کا ماخذ امام ابو یوسفؒ کی وہ روایت ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے عمدۃ القاری سے جس کا حوالہ دیا ہے اور عمدۃ القاری کی اس عبارت کا مفصل جواب آگے آرہا ہے جو یہ ہے ـــــ

عمدۃ القاری کی پہلی عبارت مجمل ہے بظاہر علامہ خطابی کی مذکورہ عبارت انت علی مثل امی حرف تشبیہ والی صورت پر محمول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ خطابیؒ نے اس صورت کے بارے میں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا اختلاف نقل کیا ہے کہ نیت نہ کرنے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ تحریم بن جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار بنے گا ـــــ

قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ان لم یکن لہ نیۃ فھو تحریم وقال محمد بن الحسن ھو ظھار اذا لم یکن لہ نیۃ ـــــ ذکرہ الخطابی (عمدۃ القاری صفحہ ۲۵۰ جلد ۲۰) ـــــ

اور صاحبینؒ کا باہمی اختلاف انت علی مثل امی کے بارے میں تو حضرات فقہاء نے ذکر کیا ہے۔ لیکن انت امی بلا حرف تشبیہ کے متعلق صاحبینؒ کا ایسا کوئی اختلاف کسی فقیہ نے قطعاً ذکر نہیں کیا کہ انت امی بلا نیت کہنے سے بھی ایلاء یا ظہار ہوجائے گا۔ امام قاضی خانؒ پہلے اختلاف کے بارے میں لکھتے ہیں: ولو قال انت علی کامی او مثل امی ونوی بہ البر والکرامۃ لا یلزمہ شیء

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علامہ خطابیؒ کو ان الفاظ کے بارے میں اشتباہ واقع ہوا ہے انت امی اور مثل امی کو برابر تصور کرتے ہوئے دوسرے لفظ کا اختلاف پہلے میں ذکر کردیا۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ جب انت امی کا مسئلہ کتب حنفیہ میں واضح طور پر مذکور ہے تو فتویٰ کے لئے اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔ کسی شافعی المذہب کی نقل غریب کو مفتیٰ بہ قرار دینا خلاف اصول ہے ـــــ

انت علی مثل امی اور انت امی چونکہ مفہوماً قریب قریب ہیں اس لئے علامہ خطابیؒ نے انت امی میں انت مثل امی کا حکم ذکر کردیا۔ چنانچہ تفسیر عثمانی میں حضرت خولہؓ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے بیوی کو ماں کہدینا نقل کیا ہے۔ اور حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں "اَلَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "اور وہ لوگ جو بیویوں کو ماں کہتے ہیں بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات ہے"۔ (صفحہ ۱۱۱)

حالانکہ اصل واقعہ انت علی کظہر امی کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں لفظ مفہوماً قریب ہیں۔ اس لئے علامہ خطابیؒ نے "انت مثل امی" والا حکم واختلاف "انت امی" میں ذکر کردیا ـ

عمدۃ القاری کی عبارت سے استدلال اس لئے بھی درست نہیں کہ اس میں بلانیت طلاق، تحریم کا حکم ذکر کیا گیا ہے۔ احسن الفتاوی کی تحریر کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نیت طلاق کرنے کی صورت میں انت امی کے الفاظ سے "طلاق بائن" واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

اگر کہا جائے کہ احسن الفتاوی میں بلانیت بھی وقوع طلاق کا حکم لگایا گیا ہے تو جواب یہ ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں کیونکہ احسن الفتاوی کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ عُرف عام کی وجہ سے ارادہ و نیت خود بخود متعیّن ہے اور اس میں نیّت طلاق خواہ مخواہ ہوتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص اکرام و احترام کی نیّت سے انت امّی کہے اور فی الواقع نیّت طلاق بالکل نہ ہو اور وہ قبل ازیں اس کے گواہ بھی بنا چکا ہو تو بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔ ہرگز ایسا نہیں ــــ اس لئے عمدۃ القاری کی عبارت سے استدلال صحیح نہیں ــــ

علاوہ ازیں خود عمدۃ القاری کی دوسری عبارت میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ صاحبینؒ کا یہ باہمی اختلاف کن الفاظ کے بارے میں ہے ــــ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں ــــ

اعلم ان الالفاظ التی یصیر بها المرأ مظاهرا علی نوعین، صریح نحو أنت علی کظهر أمی وکنایة نحو ان یقول أنت علی کامی أو مثل أمی أو نحوهما یعتبر فیه نیته فان اراد ظهارا کان ظهاراً وان لم ینو لا یصیر ظهارا وعند محمد بن الحسنؒ هو ظهار وعند ابی یوسف رحمہ اللہ هو مثله ان کان فی الغضب وعنه ان یکون ایلاء وان نوی طلاقا کان طلاقا بائنا (عمدۃ القاری ص۲۸۱ ج ۲۰)

تفصیل بالا سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ صاحبینؒ کا باہمی اختلاف انت علیّ مثل امّی کے بارے میں ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علامہ خطابیؒ یا ابن بطال کے کلام میں اشتباہ واقع ہوا ہے یا اختی کو حرف تشبیہ والی صورت کے مساوی سمجھتے ہوئے اس میں بھی صاحبینؒ کا باہمی اختلاف نقل کردیا ہے تو ایسی مبہم اور مشتبہ عبارت پر ہرگز فتویٰ نہیں دیا جاسکتا خصوصاً جب کہ فقہاء احناف کی واضح تصریحات اس کے خلاف ہیں۔ آخر اس کی کیا ضرورت پیش آئی کہ اپنے مذہب کی واضح تصریحات چھوڑ کر شافعیہ کی مبہم عبارات کو مدار فتویٰ بنایا جائے

دوسری بات یہ ہے کہ حنفی مسلک کا مسئلہ شافعیؒ حضرات یا دوسرے مسلک والوں سے پوچھنے کی بجائے حنفیوں سے پوچھنا چاہیئے، شامی، بحر، فتح القدیر وغیرہ کُتب مذہب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے علامہ خطابی شافعی المسلک ہیں ان کی نقل کُتب حنفیہ پر حجّت نہیں ہوسکتی

تیسرا حوالہ تفسیر ابن کثیرؒ کا ہے وہ بھی شافعی المسلک ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ بھی شافعی ہیں اور انہوں نے حکم طلاق یا ظہار کو حنفیہ کی طرف منسوب بھی نہیں کیا۔ تو ان کی عبارات مفید مدعیٰ نہیں اور نہ ہی احناف پر حجت

ہیں ـــــ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ کی نقل کردہ عبارت مفید مدعیٰ نہیں کیونکہ ان کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سدًا للباب یا اُختی کہنے سے منع فرمایا کیونکہ لوگ تجاوز کرتے کرتے کوئی ایسا لفظ نہ بول دیں جس سے عند البعض ظہار مُراد لیا جا سکتا ہو، پھر ظہار بن کر عورت حرام ہو جائے اور کفارہ دینے کی نوبت آئے ـــــ عبارت درج ذیل ہے ـــ

قال العلامۃ السہارنفوری رحمہ اللہ تحت " باب فی الرجل یقول لامرأتہ یا اختی" ویحتمل ان یکون النھی عنہ والکراھۃ سدًا للباب فانہ یحتمل انہ اذالم ینبہ علی ذلک یحتدون فیہ ویمکن ان یتکلموا بلفظ یؤدی الی الظہار فتحرم علیہ وتجب الکفارۃ او الفراق اذا نوی الظہار۔ (بذل المجہود ص۳۲ ج۳)

عُرف عام کی بات اس لئے بھی معتبر نہیں۔ اگر بالفرض ایسا عُرف ہو بھی تو بھی زیادہ سے زیادہ یہ تصوّر کیا جائے گا کہ " انت اختی" کہنے والے نے بظاہر نیت طلاق کی ہو گی کیونکہ لوگ اسی نیت سے یہ الفاظ کہتے ہیں۔ صرف "بظاہر" ہی نہیں بلکہ قائل نے جب قطعی طور پر طلاق کی نیت کی ہو ـــــ تو ایسی صورت میں بھی حسب تصریحات فقہاء رحمہم اللہ اجمعین، طلاق واقع نہیں ہوتی۔ تو "بظاہر نیت" کی صورت میں کیونکر طلاق واقع ہو جائے گی۔؟

هذا ما عندنا واللہ اعلم بالصواب ـــ

بندہ عبد الستار عفی عنہ

۲۶ / ۵ / ۱۴۱۷ھ

نابالغہ کا نکاح باپ کر دے تو اسے خیارِ بلوغ نہ ہونے کے حدیث سے دلائل۔

اگر باپ صغیرہ کا نکاح کر دے تو کیا بالغ ہونے کے بعد اسے فسخ نکاح کا اختیار ہے یا نہیں۔ شریعت مطہرہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں ـــــ (السائل، عبد الصمد لودھروی متعلم الافتاء)

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اما بعد! صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :۔

ویجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ اذا زوجھا الولی بکراً کانت الصغیرۃ او ثیبًا ـــــ	نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کا نکاح اگر ان کا وَلی کر دے تو جائز ہے خواہ وہ نابالغ لڑکا یا لڑکی بکر ہوں یا ثیب ـــ

بکر کا معنی کنواری ہے اور بکارت دوشیز گی اور کنوارے پن کو کہتے ہیں (مصباح اللغات ص۶۹) اور ثیب بکر کی ضد ہے یعنی شادی شدہ خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔ اور شرح وقایہ میں ہے :" جو عورت بکر ہے اور نابالغہ ہے تو اس پر

ولی جبر کرسکتا ہے۔ واسطے نکاح کے اتفاقاً اور اس پر اجماع ہے مجتہدین کا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر ولی کو نابالغہ کے نکاح کا حق ہے

اور شرح وقایہ میں ہی ہے کہ "اگر نکاح کردیا باپ یا دادا نے اپنے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا اگرچہ ثیب ہو تو یہ نکاح لازم ہوگیا۔" (ف) یعنی وقت بالغ ہونے کے ان کو اختیار نکاح کے فسخ کا نہیں (نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ ص۱۳ ج۲) اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ چنانچہ امام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: اما البکر الصغیرۃ فلا خلاف فیھا کہ نابالغہ، کنواری کے اس نکاح کے لازم ہونے اور فسخ کا اختیار نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اور امام ابن المنذر ۳۱۸ھ فرماتے ہیں: اجمع کل من نحفظ عنہ من اھل العلم ان نکاح الاب ابنتہ البکر الصغیرۃ جائز۔ یعنی تمام اہلِ علم جن کے مذاہب محفوظ ہیں کا اجماع ہے کہ باپ اپنی نابالغہ کنواری بیٹی کا نکاح کردے تو جائز ہے (اوجز المسالک ص۲۳۹ ج۴) اور امام مالکؒ ۱۷۹ھ "موطا مالک" میں روایت کرتے ہیں۔

مالک انہ بلغہ ان القاسم بن محمد وسالم بن عبد اللہ وسلیمان بن یسار کانوا یقولون من البکر یزوجھا ابوھا بغیر اذنھا ان ذالک لازم لھا۔ (موطا مع الاوجز ص۲۴۵ ج۴)	امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت قاسم بن محمد، سالم بن عبد اللہ اور سلیمان بن یسار فرمایا کرتے تھے کہ کنواری کی شادی اس کا باپ اس سے اجازت لئے بغیر کردے تو یہ نکاح اس کو لازم ہوجاتا ہے یعنی اب اسے فسخ نکاح کا اختیار نہیں رہتا۔

حضرت سالمؒ آپ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے اور مدینہ منورہ کے نامور فقیہ ہیں۔ آپکا قول حجت ہے۔ اور آپ کی ذات میں علم و عمل اور زہد و شرف جیسے صفاتِ عالیہ مجتمع ہیں۔ ۱۰۶ھ میں وصال فرمایا۔ (تذکرۃ الحفاظ اردو ص۸۸ ج۱) ———

حضرت سلیمان بن یسارؒ آپ مدینہ منورہ کے رہنے والے چوٹی کے فقیہ ہیں۔ آپ کا شمار آئمہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔ کوئی شخص حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس فتویٰ لینے جاتا تو فرماتے سلیمان بن یسارؒ کے پاس جاؤ۔ ۱۰۷ھ میں وصال فرمایا (تذکرۃ الحفاظ ص۹ ج۱) ———

حضرت امام قاسم بن محمدؒ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے ممتاز فقیہ ہیں۔ اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں پرورش پائی۔ انہیں سے فقہ اور حدیث سیکھی ۱۰۶ھ میں وصال فرمایا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرمایا کرتے تھے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ان کو خلیفۃ المسلمین نامزد کردیتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ص۹۵ ج۱) یہ تینوں حضرات مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے

ہیں مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳۶ ج۴ پر ان کے فتویٰ کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ وہ نکاح لازم ہے۔ وان کرھت اگرچہ وہ اس کو ناپسند کرے۔ ان تینوں کے فتویٰ کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ یہ تو مدینہ منورہ کے فقہاء کا اجماع ہوا مدینہ منورہ کے بعد خیر القرون میں کوفہ بہت بڑا علمی مرکز تھا ـــــ امام شعبیؒ جنہوں نے پانچصد صحابہ کرامؓ کی زیارت کی۔ فرماتے ہیں۔ لا یجبر علی النکاح الا الاب ۔ نکاح پر باپ کے علاوہ کوئی جبر نہیں کر سکتا۔ (مصنف عبدالرزاق ص۱۶۵ ج۶) یعنی کوئی اور ولی نکاح کرے تو نابالغہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا جیسا کہ اسی صفحہ پر عطاء اور طاؤس سے مروی ہے مگر باپ کے نکاح کے بعد خیار بلوغ نہ ہوگا۔ امام شعبیؒ کے بعد کوفہ میں امام حمادؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی فتویٰ تھا: عن ابی حنیفۃؒ عن حماد قال النکاح جائز ولا خیار لھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳۶) کہ نکاح جائز ہے اور اس صغیرہ کو خیار نہیں۔ اور کسی بھی فقیہ نے اس فتویٰ کی مخالفت نہیں کی۔ اسی طرح مرکز علمی بصرہ میں امام حسن بصریؒ بھی فتویٰ دیتے تھے۔ عن الحسن انہ کان یقول نکاح الاب جائز علی ابنتہ بکراً کان او ثیباً کرھت اولم تکرہ (ابن ابی شیبہ ص۱۳۶ ج۴) ـــــ امام حسنؒ فرماتے تھے کہ باپ کا نکاح بیٹی پر جائز ہے خواہ وہ کنواری ہو یا ثیبہ، وہ اس نکاح کو پسند کرے یا نہ کرے۔ اور یہاں بھی کسی فقیہ نے ان کے اس فتویٰ کی مخالفت نہیں کی، جس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں اس مسئلہ پر اجماع تھا۔ اسی لئے آئمہ اربعہ کا بھی اس مسئلہ پر اجماع ہی رہا۔ صاحب ھدایہ اس کی یوں وضاحت فرماتے ہیں کہ ولی کو ولایت نکاح حاصل ہے۔ اس لئے ولی جو نکاح نابالغہ کا کرے گا وہ نکاح ہو جائے گا۔ البتہ سب اولیاء میں وہ کامل شفقت نہیں ہوتی جو باپ اور دادا میں ہوتی ہے، اس لئے باپ اور دادا کے علاوہ کوئی اور نکاح کرے تو ان کو ولایت حاصل ہے اس لئے نکاح ہو جائے گا، لیکن قصور شفقت کی وجہ سے اس لڑکی پر جبر نہیں ہوگا جب وہ بالغ ہوگی تو اس کو خیار بلوغ کا حق ہوگا۔ اس کے برعکس باپ دادا میں جس طرح ولایت کامل ہے۔ شفقت بھی کامل ہے۔ اس لئے ولایت کے کامل ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اور چونکہ شفقت بھی کامل ہے۔ اس میں کوئی قصور نہیں اس لئے خیار بلوغ کا حق نہیں ہوگا (ہدایہ ص۳۱۶ ج۲)

البتہ اُمت کے اس اجماع کے خلاف غیر مقلدین نابالغہ کے نکاح میں اگرچہ باپ نے کیا ہو، خیار بلوغ دیتے ہیں اس بارے میں نہ تو ان کے پاس کوئی آیت قرآنی ہے۔ اور نہ ہی کوئی حدیث نبوی جس میں صراحت ہو کہ نابالغہ بیٹی کا نکاح اگر باپ نے بھی کیا ہو تو بالغ ہونے پر اسے فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ البتہ حضرت خنساء بنت خذامؓ کی روایت سے دھوکا دیتے ہیں۔ کہ ان اباھا زوجھا وھی ثیب فکرھت ذالک کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کیا حالانکہ وہ ثیبہ تھی۔ اس نے اس نکاح کو ناپسند اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا فرد نکاحھا تو آپ نے اس نکاح کو رد فرما دیا (بخاری ص۷۷۱ ج۲) حالانکہ اس حدیث میں ثیب کا لفظ ہے۔ اس سے ان کی مطلب براری نہیں ہوتی۔ تو کہتے ہیں کہ بخاری کی یہ روایت

غلط ہے، صحیح نسائی کی روایت ہے جس میں بکر کا لفظ ہے۔ اور بکر کا لفظ بالغہ اور نابالغہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے دونوں کا یہی حکم ہے تو عرض یہ ہے کہ یہ خالص دھوکا ہے۔ اس حدیث میں آپ نے کوئی عام قانون تو بیان نہیں فرمایا بلکہ یہ ایک خاص عورت کا واقعہ ہے اور وہ یقیناً ایک ہی وقت میں بکر اور ثیب دونوں نہیں ہو سکتی جب تک غیر مقلدین اُس کے نابالغہ ہونے کی صراحت نہ دکھائیں اُن کی دلیل نہیں بن سکتی۔ پھر حدیث کے مفہوم میں اگر فقہاء اور سفہاء میں اختلاف ہو تو فقہاء کے بیان کردہ مفہوم کا اعتبار ہے جیسا کہ حدیث مشہور "رب حامل فقہ غیر فقیہ" سے ثابت ہے۔ اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں :-

قال امام الحرمين الذى اليه ذهب اهل التحقيق ان منكرى القياس لا يعتدون من علماء الامة وحملة الشريعة لانهم معاندون مباهتون فيما ثبت استفاضة وتواترا لان معظم الشريعة صادرة عن الاجتهاد ولا تفى النصوص بعشر معشارها وهؤلاء ملتحقون بالعوام

امام الحرمین ؒ فرماتے ہیں۔ علماء محققین کا کہنا ہے کہ منکرین کا شمار علماء اُمت میں نہیں اور نہ ہی حاملین شریعت میں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ عناد و مُباھتہ پر اُتر کر مستفیض اور متواتر کا انکار کر رہے ہیں۔ کیونکہ احکام شریعہ کا بڑا حصہ اجتہاد سے صادر ہوا ہے اور نصوص سے تو دسویں کا دسواں حصہ مسائل میں ثابت نہیں اس لئے یہ منکرین قیاس عوام میں شامل کئے جائیں گے (نہ کہ علماء میں)۔"

علامہ نوویؒ کے ارشاد سے ثابت ہوا کہ قیاس پر عمل اُمت میں مستفیض اور متواتر ہے۔ اور متواتر و مستفیض کے انکار سے اکثر احکام شریعت کا انکار لازم آتا ہے۔

(۳) منکرینِ قیاس کا شمار علماء میں سرے سے ہی نہیں، اس لئے اُن کے اختلاف سے اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لہٰذا غیر مقلدین کے فتویٰ سے منکوحہ کا نکاح آگے کر دینے سے نکاح نہیں ہوتا ساری عمر کا گناہ ہے اور اجماع کی مخالفت کی وجہ سے آخرت میں جہنمی بنیں گے اور خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہوں گے، خُدا تعالیٰ فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ فقط محمد امین صفدر

۶ رجمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ

کسی عورت سے اس لئے نکاح کرنا کہ یہ پہلے کے لئے حلال ہوجائے۔

کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو غصہ میں آکر تین طلاقیں دے دی ہیں لیکن بعد میں دونوں میاں بیوی پریشان ہیں اور آباد ہونا چاہتے ہیں تو چونکہ بغیر حلالہ کے اب دوبارہ آباد نہیں ہوسکتے اس لئے شخص مذکور کا ایک دوسرا بھائی ہے جو چاہتا ہے کہ میں اس عورت کے ساتھ نکاح کرلوں اور پھر بعد میں طلاق دیدوں تاکہ میرے بھائی کا گھر آباد ہوجائے۔ اس شخص پر شرعاً کوئی گناہ ہے یا نہیں ۔؟

الجواب ایسی صورت میں حلالہ کی شرط لگا کر نکاح کرنا اور بعد میں ناکح کو طلاق دینے پر مجبور کرنا یہ تو مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث میں ایسے شخص پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ لعن المحلل والمحلل لہٗ ہاں البتہ اگر حلالہ کی شرط نہ لگائی جائے اور نہ ہی ناکح کو طلاق پر مجبور کیا جائے۔ بلکہ اپنی مرضی سے طلاق دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں خصوصاً جبکہ وہ اپنے بھائی کی خیرخواہی اور اصلاح کی غرض سے یہ کام کرے گا تو یہ اس کے لئے موجب اجر ہوگا۔ (کما فی الدر من الشامیہ ص۴۴ ج۲)

کرہ تحریماً بشرط التحلیل وان حلت للاول وأما اذا أضمر ذلک لایکرہ و کان الرجل مأجوراً ـــــــ

لہٰذا شخص مذکور واقعی اپنے بھائی کی خیرخواہی اور اصلاح کے لئے یہ کام کرنا چاہتا ہے کہ میرے بھائی کا گھر آباد ہوجائے تو اس پر اس کو کوئی گناہ نہیں بلکہ ثواب کی امید ہے بشرطیکہ نکاح میں حلالہ وغیرہ کی شرط نہ لگائی جائے ــــــ اور نہ بعد میں اس شخص کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے، بلکہ اس کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جائے اور اس شخص کے لئے بھی مناسب یہ ہوگا کہ اس بات کو ظاہر نہ کرے اور عورت کو پانچ دس دن اپنے پاس رکھ کر اپنی خوشی سے اصلاح کی نیت سے طلاق دے دے۔ یہ یاد رہے کہ عورت کے ساتھ زوج ثانی کا ہمبستری کرنا ضروری ہے خواہ ایک ہی مرتبہ ہو۔ ورنہ عورت پہلے کے لئے حلال نہ ہوگی ــــــ

فقط واللہ اعلم ــــــ

بندہ اصغر علی عفا اللہ عنہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ غفرلہٗ

خاوند نکاح کے گواہ پیش کرے اور عورت عدمِ نکاح کے تو کس کے گواہ معتبر ہونگے؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص (گودر خان) کہتا ہے کہ میرا نکاح شرع محمدی کی رُو سے سماۃ شفیعہ بیگم کے ساتھ پڑھا ہوا ہے اور سماۃ شفیعہ بیگم نکاح کی منکرہ ہے اور ہر دو فریق اپنے اپنے مُدعیٰ پر اگر مجلسِ قضاء میں شہادت پیش کریں اور قاضی بھی تراضیٔ طرفین سے مقرر کیا ہو تو قاضی کے نزدیک مُدعی کی شہادت معتبر ہے یا کہ مُدعیٰ علیہ کی۔ شرع محمدی کی رُو سے قاضی کو ہر دو فریق کی شہادت سے کس فریق کی شہادت سماعت کرکے فیصلہ کرنے کا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب صورت مذکورہ میں مسمیٰ گودر خان اثباتِ نکاح کا مدعی ہے اور سماۃ شفیعہ بیگم نکاح سے منکرہ ہے اور مدعیٰ علیہ ہے۔ از رُوئے قواعدِ شرعیہ اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر کے شہادت گودر خان مدعی کی جانب سے معتبر ہے نہ کہ شفیعہ بیگم کی طرف سے جو نکاح سے منکرہ اور مدعیٰ علیہ ہے۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہادت اثبات کے لئے مقرر کی ہے نہ کہ انکار ونفی کے لئے جیسا کہ مجمع الانھر ص ۱۶۲ ج ۲ پر مرقوم ہے لان البینۃ للاثبات لا للنفی یعنی شہادت اثبات کے لئے ہوا کرتی ہے نہ کہ نفی اور انکار کے لئے۔ نفی اور انکار کی شہادت شرعاً ہرگز قابلِ سماعت نہیں۔ جیسا کہ شامی ص ۱۱۵ ج ۲ پر مرقوم ہے۔

قولہ لان شہادۃ النفی لا تعارض الاثبات لان البینات للاثبات لا للنفی فتقبل شہادۃ المثبت لا النافی بحرأی لان المثبت معہ زیادۃ علم الخ

اور اسی طرح شامی ص ۳۲۹ ج ۲ پر مرقوم ہے۔

ان الشہادۃ علی النفی غیر مقبولۃ مطلقا احاط بہ علم الشاھد اولا۔

اور اسی طرح مجمع الانھر ص ۲۶۴ ج ۲ پر لکھا ہوا ہے۔

شارع علیہ السلام نے انکار کے لئے قسم اور اثبات کے لئے شہادت وضع اور مقرر کی ہے پس ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں قاضی کو گودر خان کی شہادت سماعت کرنے

کا حق حاصل ہے جو کہ نکاح کے اثبات کا مُدعی ہے اور شفیعہ بیگم کی شہادت اس مقام میں ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ اور نہ وہ غور کرنے کے قابل ہے۔ اس لئے کہ وہ نکاح کی نفی اور انکار کرنے والی ہے۔ اور نفی اور انکار پر جو شہادت قائم کی جائے۔ وہ شرعاً ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوسکتی ہے۔

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ،

مُتعہ کے بارے میں تحقیق انیق قائلین جواز کا مدلّل و مسکت جواب

متعہ کیوں جائز نہیں ہے جبکہ آج کل کے دور میں جائز ہونا چاہیئے؟ اور شیعہ متعہ کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں اور ہماری طرف سے ان کا جواب کیا ہے؟ وضاحت فرما کر مستفید فرمائیں ــــــ جزاکم اللہ خیراً ‏ المستفتی عبدالبصیر سول سیکرٹریٹ پشاور

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اما بعد۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس کی بنیادی ضرورتیں دو قسم کی ہیں جلب منفعت اور دفع مضرت۔ جلب منفعت کا مطلب ہے کہ انسان کو جن ضروریات سے چارہ نہیں اُن کو حاصل کیا جائے۔ اور دفع مضرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو نقصان پہنچانے والی یا حصول ضروریات میں رکاوٹ بننے والی چیزیں ہیں۔ اُن سے کس طرح بچا جائے۔ ان دونوں قسم کی ضروریات کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی قوتیں عطا فرمائیں۔ قوت شہویہ جلب منفعت کے لئے اور قوت غضبیہ دفع مضرت کے لئے۔ ان کو جذبات بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ قوتیں انسان کو دفع مضرت یا جلب منفعت کے لئے آمادہ کرتی اور کھینچتی ہیں پھر قوتِ شہویہ کی بھی دو قسمیں کر دی گئیں۔ ایک شہوتِ بطن جو انسان کی بقائے اصل کے لئے ہے۔ انسان کو بھوک لگتی ہے۔ پیاس لگتی ہے۔ وہ کھاتا پیتا ہے۔ اور اس سے اُس کی زندگی قائم رہتی ہے۔ دوسری شہوت شرمگاہ جو انسان کی بقائے نسل کے لئے رکھی گئی۔ انسان اس شہوت کی تسکین کے لئے نکاح کرتا ہے۔ اور اسی سے توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہو کر خدا کی زمین بھی آباد ہوتی ہے۔ ان جذبات میں افراط وتفریط اور بے راہ روی سے انسان بلکہ اس کا پورا معاشرہ برباد ہوتا ہے۔ اور ان جذبات کے فوائد پیچھے رہ جاتے

یاں اور مفاسد سے پورا معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس بے راہ روی کا بعض اوقات اتنا شدید رد عمل ہوتا ہے کہ دین و دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔ اخلاقیات تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان جذبات کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے عقل اور شریعت کی لگام دینا نہایت ضروری ہے۔

نکاح اس شہوت کی تسکین کے لئے شریعت نے دو طریقے بتائے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

والذین هم لفروجهم حافظون	اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں۔
الا علیٰ ازواجهم اوما ملکت	مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال
ایمانهم فانهم غیر ملومین	باندیوں پر۔ سو اُن پر نہیں کچھ الزام۔
فمن ابتغیٰ وراء ذلك فاولئك	پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا۔
هم العادون (المؤمنون ۵-۷، المعارج ۲۹ تا ۳۱)	سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے۔

یعنی اپنی منکوحہ عورت اور باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے۔ وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں متعہ، زنا، لواطت، استمناء بالید وغیرہ سب صورتیں آگئیں۔ خداوند قدوس نے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی راہ راستہ تلاش کرنے والے کو حد سے گذرنے والا فرمایا۔ مگر شیعہ نے علی الاعلان اس حد کو توڑ کر دو کو چار کر لیا۔ چنانچہ ابن بابویہ لکھتا ہے۔ اسباب حل المرأة عندنا اربعة النکاح وملک الیمین والمتعة والتحلیل (اعتقادات ابن بابویہ) ہمارے ہاں عورت کے حلال ہونے کے چار اسباب ہیں۔ ۱۔ نکاح ۲۔ ملک یمین یعنی باندی ہونا۔ ۳۔ متعہ۔ ۴۔ تحلیل۔ اس کو عاریۃ الفرج بھی کہتے ہیں۔ یعنی اپنی بہن، بیٹی وغیرہ کو ادھار کھاتے میں مفت بطور احسان کسی اور کے لئے حلال کر دینا۔ شیعہ نے اس مسئلہ میں قرآن پاک کی کھلی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے۔ وہ نہ تو بیوی ہے۔ کیونکہ نہ مرد پر اُس کا نان ونفقہ فرض ہے نہ ہی اس کے لئے طلاق نہ عدت اور نہ میراث۔ اور نہ وہ باندی ہے نہ اُس کی خرید و فروخت جائز نہ کسی کو ہبہ کرنا درست نہ اُس کو آزاد کرنا صحیح۔ جب یہ عورت نہ بیوی ہے نہ باندی۔ تو لامحالہ فمن ابتغیٰ وراء ذلك فاولئك هم العادون میں شامل ہوئی۔ اس لئے متعہ احکام شرعیہ سے تجاوز کرنا اور حلال کو چھوڑ کر حرام میں

پڑھتا ہے ۔اسی لئے متعہ کے حرام ہونے پر صحابہ کرام اور تابعین کا اجماع ہے ۔اور چاروں آئمہ مجتہدین اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں ۔دوسری جگہ خداوند لایزال فرماتے ہیں ۔ولاتکرھوا فتیٰتکم علی البغاء (النور ۳۳) اور نہ زبردستی کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے ۔عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں ۔جن سے بدکاری کراکر روپیہ حاصل کرتا تھا ۔اسی بدکاری کو جس کو قرآن نے بغا کہا ہے اس کا نام شیعہ کے ہاں متعہ ہے ۔اور قرآن پاک کے خلاف ان کا کہنا ہے کہ "متعہ سنت مؤکدہ ہے ۔مگر مخالفین نے ظلم و عناد سے منع کیا ۔اس بارہ میں احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں ۔منجملہ ان کے یہاں ایک حدیث کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے ۔جو حضرت سلمان فارسیؓ ،مقدادؓ بن اسود الکندی ۔اور عمار بن یاسرؓ رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے ۔راویان حدیث کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن خدمت باسعادت حضرت سرور اصفیار محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے ۔کہ آپؐ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا ۔حمد وثنا مخصوص خدائے پاک کے لئے ہے ۔پھر اپنے اوپر درود بھیج کر ازراہ التفات اپنا روئے مبارک ہماری طرف پھیر کر ارشاد فرمایا ۔اے گروہ مردم تحقیق کہ آیت فما استمتعتم الخ کا تحفہ لے کر پروردگار عالم کی طرف سے میرے بھائی جبریل مجھ پر نازل ہوئے ۔خدائے واحد نے ایسی نعمت سے ہمیں سرفراز کیا ۔جو پیغمبران ماسبق میں سے کسی کو نہیں بخشی گئی ۔میں تم کو متعہ کرنے کا حکم دیتا ہوں ۔تاکہ میرے بعد اور میرے زمانے میں میری سنت رہے ۔جو میرا قول قبول کر کے اس پر عامل ہوگا اور اسے رواج دے گا وہ مجھ سے ہے ۔جس نے امور متعہ میں اختلاف کیا اس نے حکم خداوندی کی مخالفت کی ۔جتنے لوگ اس مجلس میں ہیں ۔آگاہ ہو جائیں ۔کہ مجھ سے عداوت رکھنے کی وجہ سے جو اس کی تکذیب یا اُسے معطل اور برطرف کرے ۔میں اُس پر حضرت رب العزت کو گواہ کر کے کہتا ہوں ۔کہ وہ اہل جہنم سے ہے اور خدا کی لعنت اُس پر ہے ۔جس نے احکام متعہ میں میری مخالفت کی ۔گویا وہ خدا کا مخالف ہے اور دشمن خدا دوزخی ہے ۔واضح ہو کہ مخصوص کیا خدا تعالےٰ نے متعہ کرنا میرے اور میری امت کے لئے ۔اس شرف کی وجہ سے جو دوسروں کے مقابلہ میں مجھے حاصل ہے (عجالہ حسنہ ترجمہ رسالہ متعہ ملا باقر مجلسی صفا) شاید یہی روایت پڑھ کر کسی منچلے نے کہہ دیا تھا ۔

28

۵ منظور ہے کہ سیم تنوں کا وصال ہو مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حلال ہو

بات دور نکل گئی۔ اصل یہی تھا کہ اس شہوت کی تسکین کے لئے نکاح تمام ادیان میں رائج ہے۔ اور انسان کے لئے حیوانات سے مابہ الامتیاز۔ نکاح اور حفاظتِ نسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانچ چیزوں کی حفاظت کا اہتمام ہر ملت و مذہب میں ضروری ہے۔ ۱۔حفاظتِ نفس۔ ۲۔حفاظتِ دین۔ ۳۔حفاظتِ عقل۔ ۴۔حفاظتِ نسب۔ ۵۔حفاظتِ مال۔ تاہم اسلام چونکہ دین کامل ہے۔ اس میں ان کی حفاظت کا سب سے زیادہ اہتمام ہے۔ اس لئے حفاظتِ نفس کے لئے قصاص۔ حفاظتِ دین کے لئے حدِ ارتداد۔ حفاظتِ عقل کے لئے حدِ خمر حفاظتِ نسب کے لئے حدِ زنا۔ اور حفاظتِ مال کے لئے حدِ سرقہ مقرر کی ہے۔ اور انسان کی عزت کی حفاظت کے لئے حدِ قذف زائد کی ہے۔ نکاح کے بعد اب متعہ کا مطلب بھی سمجھنا چاہیئے۔

متعہ متعہ کا لفظ متاع سے مشتق ہے۔ جس کے معنی تھوڑا فائدہ حاصل کرنے کے ہیں۔ چنانچہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلہ میں اس دنیا کی چند روزہ زندگی کو قرآن نے متاع فرمایا ہے۔ "انما ھذہ الحیٰوۃ الدنیا متاع"۔ مطلقہ عورت کو جو کپڑوں کا جوڑا دیا جاتا ہے۔ اُس کو بھی متعہ اُسی لئے کہتے ہیں کہ بمقابلہ مہر کے وہ نفع قلیل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ومتعوھن۔ اور فرمایا وللمطلقات متاع بالمعروف اسی طرح نکاح جو زندگی کا معاہدہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں عورت سے تھوڑا نفع حاصل کرنے کو بھی متعہ کہتے ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ نکاحِ مؤقت کہ ایک مدتِ معینہ کے لئے گواہوں کے سامنے کسی عورت سے ازدواجی تعلق قائم کر لیا جائے۔ اور مدتِ معینہ گزرنے کے بعد بلا طلاق مفارقت ہو جائے۔ لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لئے ایک ماہواری کا انتظار کرے۔ تاکہ دوسرے کے نطفہ کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے۔ یہ نکاحِ مؤقت کا طریقہ عرب میں اسلام سے پہلے رائج تھا۔ لمبے سفر یا دوسرے ملک میں تجارت یا جنگ وغیرہ کی وجہ سے کچھ عرصہ قیام کے لئے یہ طریقہ استعمال کر لیتے تھے۔ جس طرح اسلام سے قبل لوگ سود لیتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ مگر ان کی حرمت اسلام میں بھی شروع میں ہی نازل نہ ہوئی۔ تو بعض لوگ اسلام لانے کے بعد بھی اُس

عادت پر رہے۔ بالآخر اسلام نے ان کو حرام قرار دے دیا۔ اسی طرح یہ متعہ یعنی نکاح مؤقت جو جاہلیت سے رائج تھا۔ اس سے ابتدائے اسلام میں ہی منع نہ کیا گیا۔ بلکہ بعد میں اس متعہ کی حرمت کا اعلان ہوا۔ اور اب باجماع امت یہ قیامت تک حرام ہے۔

دوسری قسم متعہ کی یہ ہے کہ جیسے آج کل بعض عورتیں متعہ کا لائسنس لے کر بازارِ حسن میں بیٹھ جاتی ہیں یا اپنا الگ کاروبار چلاتی ہیں۔ چونکہ اُن سے بھی لوگ منکوحہ کے مقابلہ میں بہت تھوڑا نفع اٹھاتے ہیں۔ اس لئے اس کو بھی متعہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ متعہ خالص زنا ہے۔ صرف نام کا دھوکا ہے۔ جیسے کوئی خنزیر کا نام بکرا۔ شراب کا نام شربت اور سود کا نام غنیمت رکھ لے۔ کیونکہ زنا اسی کو کہتے ہیں کہ ایسی عورت سے جنسی تسکین کرنا جو نہ بیوی ہو نہ باندی۔ اور متعہ والی عورت نہ بیوی ہے اور نہ باندی۔ متعہ کی یہ قسم جو زنا کا دوسرا نام ہے یہ کسی دین میں بھی جائز نہ تھی۔ اسلام نے سود۔ جُوا اور شراب کو تو کچھ مدت تک برداشت کیا۔ مگر اس متعہ کو اسلام نے کبھی بھی برداشت نہیں کیا۔

فضائلِ مُتعہ

اس متعہ سے سب دین بیزار ہیں۔ مگر روافض کے ہاں یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑی عبادت ہے۔ اور اس کے ثواب کو نہ نمازیں پہنچ سکتی ہیں نہ روزے نہ زکوٰتیں نہ حج۔ چنانچہ جناب ملّا باقر مجلسی نقل کرتے ہیں۔

"حضرت سلمان فارسی و مقداد بن اسود کندی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم حدیث صحیح روایت کرتے ہیں۔ کہ جناب ختم المرسلین نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی میں ایک دفعہ متعہ کرے گا وہ اہلِ بہشت میں سے ہے۔ جب متعہ والی عورت کے ساتھ متعہ کے ارادہ سے کوئی بیٹھتا ہے۔ تو ایک فرشتہ اترتا ہے۔ اور جب تک اس مجلس سے وہ باہر نہیں جاتے اُن کی حفاظت کرتا ہے۔ دونوں کا آپس میں گفتگو کرنا تسبیح کا مرتبہ رکھتا ہے۔ جب دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑتے ہیں تو اُن کی انگلیوں سے اُن کے گناہ ٹپک پڑتے ہیں۔ جب مرد عورت کا بوسہ لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر بوسہ پر اُنہیں ثواب حج و عمرہ کا بخشتا ہے۔ جس وقت وہ عیشِ مباشرت میں مصروف ہوتے ہیں ــــ پروردگارِ عالم ہر ایک لذّت اور شہوت پر اُن کے حصّہ میں پہاڑوں کے برابر ثواب عطا کرتا ہے۔ جب فارغ ہو کر غسل کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اِس کا بھی یقین رکھتے ہوں۔ کہ ہمارا

خدا حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ اور متعہ کرنا سنتِ رسول ہے۔ تو خدا تعالیٰ ملائکہ کی طرف خطاب کرتا ہے۔ کہ میرے اِن بندوں کو دیکھو۔ جو اُٹھے ہیں۔ اور اِس علم ویقین کے ساتھ غسل کر رہے ہیں۔ کہ میں اُن کا پروردگار ہوں۔ تم گواہ رہو۔ میں نے ان کے گناہوں کو بخش دیا ہے۔ وقتِ غسل جو قطرہ اُن کے موئے بدن سے ٹپکتا ہے ہر ایک بوند کے عوض دس دس ثواب عطا۔ دس دس گناہ معاف۔ اور دس دس درجہ مراتب اُن کے بلند کئے جاتے ہیں۔ راویانِ حدیث (حضرت سلمانؓ وغیرہ) بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی رضؓ بن ابی طالب نے متعہ کی فضیلتیں سن کر عرض کیا۔ اے حضرت ختمی مرتبت میں آپ کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ جو شخص اس کارِ خیر میں سعی کرے (کمیشن ایجنٹ) اُس کے لئے کیا ثواب ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب وہ فارغ ہو کر غسل کرتے ہیں۔ تو باری تعالیٰ عزّ اسمہ ہر قطرہ سے (جو اُن کے بدن سے جُدا ہوتا ہے) ایک ایک فرشتہ پیدا کرتے ہیں۔ جو قیامت تک خدا کی تسبیح وتقدیس کرتا ہے۔ اور اُس کا ثواب اِن (کمیشن ایجنٹوں) کو پہنچتا ہے۔ جناب امیر المؤمنین فرماتے ہیں جو اس سنت کو دشوار سمجھے اور اسے قبول نہ کرے۔ وہ میرے شیعوں سے نہیں ہے۔ میں اس سے بیزار ہوں۔ حضرت سیّد عالمؐ نے فرمایا۔ جس نے زنِ مؤمنہ سے متعہ کیا گویا اس نے ستّر مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کی۔ جناب سیّد البشر شفیع محشر نے فرمایا۔ اے علی۔ مؤمنین اور مؤمنات کو رغبت دلانی چاہیئے کہ دنیا سے اٹھنے سے پہلے متعہ کر لیں۔ اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو۔ خدائے پاک نے اپنے نفس کی قسم کھائی ہے۔ کہ آتشِ دوزخ سے اُس مرد اور عورت پر عذاب نہ کروں گا جس نے متعہ کیا ہو۔ پس ایک دفعہ متعہ کرنے والا نارِ جہنّم سے بے خوف رہے گا۔ جو دو مرتبہ کرے گا اُس کا حشر نیک بندوں کے ساتھ ہو گا۔ تین مرتبہ متعہ کرنے سے جنّت کی سیر نصیب ہو گی۔ جس نے اِس کارِ خیر میں زیادتی کی ہو گی۔ پروردگارِ عالم اُس کو مدارج اعلیٰ عطا کرے گا۔ اے علیؓ۔ قیامت کے دن اس مرد اور عورت کے لئے ایسی نورانی سواریاں لائی جائیں گی۔ جن کے پاؤں مروارید کے۔ کان زبرجد سبز۔ آنکھیں یاقوت شکم لولوٗ اور مرجان کے ہوں گے۔ یہ لوگ بجلی کی طرح پُل صراط سے گزر جائیں گے۔ اِن کے ساتھ ستر ستر صفیں فرشتوں کی ہوں گی۔ دیکھنے والے کہیں گے یہ لوگ

شاید خدا کے مقرب فرشتے ہیں۔ یا نبی اور رسول ہیں۔ فرشتے جواب دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سنتِ پیغمبرؐ (متعہ) کی اجابت کی ہے۔ اور وہ بہشت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ یا علیؑ۔ برادرِ مومن کے لئے جو (کمیشن ایجنٹ بن کر) کوشش کرے گا۔ اُس کو بھی انہیں کی طرح ثواب ملے گا۔ یا علیؑ جب وہ غسل کریں گے کوئی قطرہ اُن کے بدن سے جدا نہ ہوگا مگر یہ کہ خدا تعالےٰ ہر بوند کی تعداد میں ایسے فرشتے پیدا کرے گا۔ جو تسبیح تقدیس باری تعالیٰ بجا لا کر اُس کا ثواب انہیں بخشیں گے۔ (عجالہ نافعہ صفحہ ۱۴ تا صفحہ ۱۷)

ایک ذاکر نے یہ احادیث سنا کر کہا کہ لوگو غور کرو۔ سب نبی اور آئمہ معصومین میدانِ قیامت میں ہاتھ ملتے رہ جائیں گے اور ایران کی طوائفیں اور بھڑوے کس شان سے پُل صراط پار کر کے جنت میں داخل ہوں گے۔ دوسرے صاحب بولے انجیل سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ کسبیاں سب سے پہلے خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں گی۔ تیسرا بولا اس عمل کا نام متعہ کسی دشمن نے رکھا ہے۔ متعہ کے معنی تھوڑا فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ یہاں تو اتنا فائدہ ملا۔ کون ہے جو ایک ہی پیشہ ور طوائف کے حج اور عمروں کو شمار کر سکے۔ اور خانہ کعبہ کی ہر دفعہ ستر بار زیارت کے ثواب کا شمار کر سکے ایک طوائف جس نے اس کارِ خیر کے لئے زندگی وقف کر دی ہے۔ اُس کے عمر بھر کے غسلوں کے ہر قطرے سے جو فرشتے پیدا ہوئے۔ اُن کا شمار کون کر سکتا ہے۔ چوتھے صاحب بولے ابھی تو آپ نے وہ حدیث ہی سنی ہے۔ جس میں جناب نبیٔ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب وہ غسل کرتے ہیں۔ تو اُن کے جسم سے گرنے والے پانی کے ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر بعد میں آئمہ کرام کے زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے اِس ثواب میں مزید اضافہ فرما دیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص متعہ کرے پھر غسل جنابت کرے۔ پانی کے ہر قطرہ سے جو اُس کے بدن سے گرے۔ خدا تعالےٰ ستر ستر فرشتے پیدا کرتا ہے۔ جو اُس شخص کے لئے قیامت تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

(برہان المتعہ صفحہ ۵ مؤلفہ سید علی الحائری)

درجاتِ عالیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے درجہ امام حسنؑ کا پائے۔ جو دو دفعہ متعہ کرے تو درجہ

امام حسینؑ کا حاصل ہو، تین دفعہ متعہ کرنے سے علیؓ کا مرتبہ ملے، اور چار مرتبہ متعہ کرنے والا رسولِ پاکؐ کا ہم مرتبہ ہو جاتا ہے۔ (تفسیر منہج الصادقین ص۲۹۳ ج ۲)

یہ روایت سن کر ایک لطیفہ گو کہنے لگے۔ اس روایت میں ایک کمی رہ گئی۔ آخر میں یہ اضافہ ہونا چاہیئے تھا کہ جو پانچ مرتبہ متعہ کرے۔ اُس کا درجہ اللہ تعالیٰ جیسا ہوگا۔ تاکہ متعہ کی عظمت و شان پورے طریقے سے ثابت ہو۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص۱۵۷)

اس پہ دوسرے صاحب بولے کہ جو طوائف عمر بھر متعہ میں مصروف رہی وہ کب حضرت امام حسینؓ یا حضرت علیؓ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاطر میں لائے گی۔ یہ حضرات تو جنت میں اُس کا مقام دیکھنے کو ترس جائیں گے۔ خیر اس متعہ کا ثواب تو ختم ہونے والا نہیں۔ بس ایک حدیث اور سن لیں تفسیر منہج الصادقین میں ہے۔ کہ "جو اس دنیا سے فوت ہو گیا۔ اور اُس نے ایک دفعہ بھی متعہ نہیں کیا۔ تو روزِ قیامت وہ نہایت بدشکل اٹھایا جائے گا۔ اُس کے کان اور ناک کٹے ہوئے ہوں گے۔ (ص۲۹۴ ج ۲)

خدا معاف کرے روایات کی روشنی میں تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حضرات معاذ اللہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات آئمہ معصومین ہوں گے۔ جن سے یہ کارِ خیر ایک دفعہ بھی ثابت نہیں۔ ڈاکٹر تیجانی جس کی کتابیں آج کل شیعہ خوب پھیلا رہے ہیں کہ وہ پہلے سنّی مالکی تھا۔ اور اب بڑی تحقیق کے بعد شیعہ ہو گیا۔ اُس نے اپنے شیعہ ہونے کی اصل وجہ یہی لکھی ہے۔ کہ میں جب کالج میں پڑھتا تھا۔ اور وہاں مخلوط تعلیم تھی۔ شب و روز نوجوانوں کا میل جول۔ تو میرے دل میں یہ بات بار بار اٹھتی تھی۔ کہ ایسے معاشرے میں جنسی تعلقات پہ حدود وغیرہ اور پابندی ایک ظلم ہے۔ اُس کے دل میں یہ بات تھی۔ اب اس نے کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ اُسے اس جنسی آزادی کی اتنی کھلی چھٹی۔ اور اتنا اجر و ثواب نہ یہود کے ہاں ملا نہ ہنود کے ہاں۔ نہ سکھوں میں نہ عیسائیوں میں۔ اس سخاوت اور عبادت میں شیعہ مذہب دنیا میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر تیجانی صاحب فوراً شیعہ ہو گئے۔ اس پہ شیعہ حضرات نے متعہ زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اور سنیوں نے خس کم جہاں پاک کہے۔

شیعہ کی دلیل شیعہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن پاک میں متعہ کا حکم ہے۔ فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة (الآیۃ)

"کہ جن سے تم متعہ کرو اُن کو متعہ کی اُجرت دے دو۔ مگر اس استدلال میں شیعہ نے آیت کو سیاق و سباق سے بالکل کاٹ کر ایسا ہی استدلال کیا ہے۔ جیسے ایک بے نماز نے استدلال کیا تھا۔ کہ قرآن پاک میں صاف اور صریح آیت ہے کہ لاتقربوا الصلوٰة نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اور لفظ استمتاع سے خاص متعہ مراد لینا ایسا ہی ہے جیسے عیسائی قرآن پاک سے حضرت اسماعیلؑ کا غلام ہونا اس آیت سے ثابت کرتے ہیں۔ فبشرناه بغلام حليم۔ حالانکہ یہاں غلام بمعنی زرخرید کسی نے نہیں کہا اس آیت سے پہلے نکاح اور محرمات کا بیان چلا آرہا ہے۔ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ اُن کی تفصیل بیان کر کے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ واُحل لكم ما وراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو اُن کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں۔ "یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی۔ اُن کے سوا سب حلال ہیں۔ چار شرطوں سے اوّل یہ کہ طلب کرو۔ یعنی زبان سے ایجاب قبول دونوں طرف سے ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ اُن عورتوں کو قید میں لانا مقصود ہو۔ صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو۔ جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے۔ یعنی ہمیشہ کے لئے وہ اُس کی زوجہ ہو جائے۔ چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے۔ مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو۔ اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا۔ جس پہ اہل حق کا اجماع ہے۔ اور چوتھی شرط دوسری آیت (ولا متخذات اخدان) میں ہے۔ کہ مخفی طور پر دوستی نہ ہو۔ یعنی کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں۔ اگر بدوں گواہوں کے ایجاب و قبول ہو گا تو وہ نکاح درست نہ ہو گا زنا سمجھا جائے گا۔"

الغرض جب آیت سے پہلے نکاح کا ذکر اور متعہ جو صرف مستی نکالنے کے لئے کیا جاتا ہے اُس کی حرمت ہے تو اب استمتاع سے مستی نکالنے والا متعہ کیسے مراد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بیوی کا ذکر چل رہا ہے۔ فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة

یعنی جب بیویوں کو تم قید میں لا چکے ہو۔" پھر جن کو تم کام میں لائے اُن (منکوحہ) عورتوں میں سے تو اُن کو اُن کے حق (مہر) جو مقرر ہوئے ہیں" یعنی نکاح کے بعد جب ایک دفعہ ہی وطی یا خلوت صحیحہ ہوگئی تو اب اُس بیوی کا مہر پورا لازم ہوگیا۔ پھر اس حق مہر کی بات ختم کرکے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔" اور جو کوئی تم میں نہ رکھے مقدور کہ نکاح میں لائے بیبیاں مسلمان۔ تو نکاح کرلے اُن سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں۔ جو تمہاری آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان" یعنی جس کو اس بات کا مقدور نہ ہو کہ آزاد عورت سے نکاح کر سکے۔ اور اُس کے مہر اور نفقہ کا تحمل کر سکے تو بہتر ہے کہ ایسا شخص آپس میں کسی کی مسلمان لونڈی سے نکاح کرلے کہ اُس کا مہر کم ہوتا ہے اور نفقہ میں بھی یہ سہولت ہے کہ مالک نے اگر اُس کو اپنے یہاں رکھا جیسا کہ اکثر ہوتا ہے۔ تو زوج اُس کے نفقہ سے فارغ البال رہے گا۔ اور اگر زوج کے حوالہ کر دیا تو بھی بہ نسبت حرّہ کے تخفیف ضرور رہے گی۔

اس سے تو صاف معلوم ہوا کہ جو آزاد عورت کے مہر و نفقہ کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ اُس کے لئے ایک ہی طریقہ ہے کہ مسلمان لونڈی سے نکاح کرے۔ جس کا مہر و نفقہ کم ہے۔ اگر متعہ کی بھی گنجائش ہوتی تو اُس طرف رہنمائی ضروری تھی۔ جہاں سرے سے نفقہ کا بوجھ ہے ہی نہیں۔ اور اس سے آگے ان عورتوں سے منع کیا جو صرف مستی نکالنے والی اور چھپی یاریاں کرنے والی ہیں۔ اور سب جانتے ہیں۔ کہ متعہ والی عورت صرف مستی نکالنے والی اور چھپی یاریاں کرنے والی ہوتی ہے۔ جب آیت کے سیاق میں بھی متعہ کی حرمت ہے۔ اور سباق میں بھی تو درمیان سے ایک ٹکڑا کاٹ کر سیاق و سباق کے خلاف متعہ کا جواز نکالنا کلام الٰہی کی تحریف ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ یہود کی عادت تھی۔ اُسی عادت کی مشق یہ لوگ کر رہے ہیں۔ جب قرآن پاک کی اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے سیاق و سباق سے متعہ کی حرمت واضح ہوتی ہے۔ تو متواتر قرآن کو چھوڑ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک شاذ قراۃ کا سہارا لے کر متعہ کی حرمستیوں کا جواز نکالا جاتا ہے۔ حالانکہ امام نوویؒ ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

وقراۃ ابن مسعود ھذہ شاذۃ لا یحتج بھا قرآنا ولا خبرا (نووی ج ۱ صفحہ ۴۵۰)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ قرآت (جس میں لاجل مسمّی ہے) شاذ ہے نہ اس سے

بحیثیت قرآن دلیل لی جاسکتی ہے نہ بحیثیت حدیث" کیونکہ نہ شاذ قرأت بمقابلہ متواتر مقبول ہے۔ نہ ہی شاذ حدیث بمقابلہ قرآن و اجماع امت۔

قال محمد اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی متعۃ النساء قال انما رخصت لاصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی غزاۃ لھم شکوا فیھا العزوبۃ ثم نسختھا آیۃ النکاح والمیراث والصداق۔ (کتاب الآثار ص۲۶۳)

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے ہمیں خبر دی حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی اور انہوں نے ابن مسعودؓ سے کہ عورتوں سے متعہ کی رخصت صحابہ کے لئے ایک غزوہ میں ملی جس میں انہوں نے مجرد ہونے کی شکایت کی۔ تو آیت نکاح، آیت میراث اور آیت صداق نے اس کو منسوخ کر دیا۔

اس سے تو معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ قرآن پاک کی تین آیات سے متعہ کو منسوخ مانتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ متعہ سے نکاح کے مقاصد برباد ہوتے ہیں۔ کیونکہ نکاح کا مقصد حفاظتِ نفس کے ساتھ حفاظت نسب وحفاظت نسل بھی ہے۔ جب کوئی شخص محلہ محلہ بستی بستی۔ ملک ملک متعہ کرتا پھرے گا تو ظاہر ہے کہ اوّل تو اُسے پتہ ہی نہ چلے گا۔ کہ اس کے نطفہ کے گل بوٹے کہاں کہاں کھلے۔ پتہ چل بھی جائے۔ تو سب کو اپنی زیر تربیت رکھ کر اُن کی حفاظت کیسے کرے گا۔ لامحالہ ایسے بچے آوارہ گردوں کی طرح پلیں بڑھیں گے جو معاشرہ کے لئے مستقل ناسور ہوں گے۔ اور اُن میں یقیناً لڑکیاں بھی ہوں گی۔ تو اور بھی مصیبت کہ ان کے لئے ہم قوم۔ ہم نسل اور ہم کفو شوہر ملنا تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ نکاح میں اولاد کی تربیت کی ذمہ داری تھی۔ متعہ میں اولاد کی تباہی وبربادی ہے۔ پھر متعہ کی صورت میں خود نکاح بھی تو خراب ہوں گے۔ ایک آدمی سفر میں گیا ہر جگہ متعہ کرتا گیا۔ پندرہ بیس سال بعد وہ لڑکیاں جوان ہو چکی ہیں جو اُس کے نطفہ سے پیدا ہوئیں۔ لیکن کس کو یاد ہے یہ کون ہے۔ اُس کا بیٹا جا کر نکاح کرے۔ خود باپ ہی متعہ کے وسیلہ سے اُس سے جا ٹکرائے۔ اب باپ کی بیٹی سے بھائی کی بہن سے چچا کی بھتیجی سے ماموں کی بھانجی سے مڈبھیڑ ہو رہی ہے۔ محرمات کی حرمتیں پامال ہو رہی ہیں۔ نکاح برباد ہو رہے ہیں۔ یہ ہیں متعہ کے شگوفے۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ

آیت نکاح سے متعہ کو منسوخ مان رہے ہیں۔ اور عورت کا مہر بھی اس کی شرافت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ متعہ نے اس کا بھی ستیاناس کر دیا۔ اور میراث کا مسئلہ ہی ناقابل عمل ہو گیا۔ کیونکہ متعہ کی اولاد نہ وارث بن سکے گی نہ مورث۔ اُس کو معلوم ہی نہیں اُس کے باپ بھائی کون کون ہیں اور کہاں کہاں ہیں۔ اور جب تک تمام ورثار کی تعداد کا پتہ نہ چلے تو میراث کیسے تقسیم ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اُن وارثوں کی جنس کا حال معلوم نہیں کہ کون عورت ہے کون مرد۔ اور وہ کتنے ہیں۔ جب تک یہ تفصیل معلوم نہ ہو تو میراث کیسے تقسیم ہوگی۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس ارشاد میں متعہ کو نکاح۔ صداق اور میراث کا برباد کرنے والا قرار دے کر حرمت متعہ پر ایسی دلیل قائم فرمائی کہ سب کے سب بنون متعہ اور بنات متعہ مل کر بھی اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ اور حیرانی ہے کہ اس کے بعد بھی شیعہ دھوکا دیتے ہیں۔ کہ معاذ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جوازِ متعہ میں اُن کے ہمنوا ہیں۔

متعہ وطن میں یا سفر میں

انسان وطن میں رہتے ہوئے نکاح بھی کرتا ہے اور بوقت ضرورت ملک یمین سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ لیکن کسی صحابی سے ابتدار اسلام میں بھی ثابت نہیں کہ کسی نے وطن میں رہتے ہوئے متعہ کیا ہو۔ حالانکہ مکہ و مدینہ میں حالتِ قیام میں ابتدائے اسلام میں شراب پینا ثابت ہے۔

قال الامام ابوجعفر الطحاوی کل هٰؤلاء الذین رووا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اطلاقها اخبروا انها كانت فی سفر وان النهی لحقها فی ذالك السفر بعد ذلك فمنع منها ولیس احد منهم يخبر انها كانت فی حضر۔

(تفسیر قرطبی ص۱۳۱ ج ۵)

امام ابوجعفر طحاوی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں کہ جتنے لوگوں نے بھی متعہ کی رخصت کا بیان کیا ہے۔ سب نے بالاتفاق یہی بیان کیا ہے کہ یہ وقتی رخصت فقط حالت سفر میں پیش آئی ہے۔ اور پھر یہ بھی بیان کیا کہ پھر اسی سفر میں رخصت کے بعد متصل فوراً ہی متعہ کی ممانعت کا اعلان ہوا ہے۔ اور ایک راوی بھی ایسا نہیں کہ جو یہ بیان کرتا ہو کہ متعہ کا واقعہ حضر میں پیش آیا ہو۔

اسی طرح امام حازمی ۵۸۴ھ بھی بحث متعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

وانما کان ذلك فی اسفارھم ولم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اباحہ لھم و ھم فی بیوتھم۔
(کتاب الاعتبار ص۱۷۸)

متعہ کا جو واقعہ کبھی ہوا وہ جز این نیست کہ سفر میں ہوا۔ اور ہم کو کسی ایک راوی سے یہ خبر نہیں پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر اور وطن میں رہنے کی حالت میں بھی متعہ کی اجازت دی ہو یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وطن میں رہ کر کسی نے متعہ کیا ہو۔

حرمتِ متعہ کا بار بار اعلان

متعہ کی حرمت کی تاکید کے لئے اس کا بار بار اعلان کیا گیا۔

محمد قال اخبرنا ابو حنیفۃ قال حدثنا نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام غزوۃ خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ وعن متعۃ النساء وما کنا مسافحین۔
(کتاب الآثار ص۲۶۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے سال گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ اور عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمایا۔ حالانکہ ہم مستی نکالنے والے نہیں تھے۔ غزوۂ خیبر محرم ۷ھ میں واقعہ ہوا۔

حضرت علیؓ:- امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں باب باندھتے ہیں۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نکاح المتعۃ اخیراً۔ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ یعنی نکاح مؤقت سے منع فرما دیا۔ چنانچہ امام محمد بن حنفیہ سے روایت لائے ہیں۔

ان علیاً قال لابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المتعۃ وعن لحوم الحمر الاھلیۃ زمن خیبر۔ (بخاری ص۷۶۷ ج۲)

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے زمانۂ خیبر میں منع فرمایا تھا۔

اس کے بعد امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علیؓ نے وضاحت فرمادی کہ نبیؐ نے متعہ کو منسوخ فرمایا (بخاری ص۷۶۷ ج۲)

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ خیبر میں متعہ کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ البتہ خیبر میں

مالِ غنیمت بکثرت ہاتھ آیا۔ اور بہت سی لونڈیاں ہاتھ آئیں۔ تو احتمال وقوع متعہ کا تھا۔ اس لئے وقوع سے قبل ہی حرمت کا اعلان کروا دیا۔

عن علیؓ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المتعۃ قال وانما کانت لمن لم یجد فلما انزل النکاح والطلاق والعدۃ والمیراث بین الزوج والمرأۃ نسخت۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا۔ یہ تو اُس وقت تھا جب مقدرت نہ تھی۔ جب میاں بیوی کے درمیان نکاح۔ طلاق۔ عدت۔ میراث کی وضاحت ہوگئی۔ تو متعہ منسوخ قرار دے دیا گیا۔

(کتاب الاعتبار ص ۱۳۹)

ان احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ متعہ کو منسوخ مانتے تھے۔ لیکن متعہ کے شیدائی اپنی مستی کے جوش میں نہ علیؓ کی سنتے ہیں۔ نہ نبی کی۔ اور نہ ہی خداوند قدوس کی۔

عن ثعلبۃ بن الحکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی یوم خیبر عن المتعۃ رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

حضرت ثعلبہ بن الحکم سے روایت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ سے منع فرمایا۔ روایت کیا اس کو طبرانی نے اوسط میں۔

(مجمع الزوائد ص ۲۶۵ ج ۴)

عن ربیع بن سبرۃ الجہنی عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المتعۃ وقال الا انہا حرام من یومکم ہذا الی یوم القیامۃ۔

حضرت ربیع بن سبرۃؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا۔ اور فرمایا خبردار متعہ آج کے دن سے قیامت تک کے لئے حرام ہے۔

(صحیح مسلم ص ۴۵۲ ج ۱)

یہ اعلان آپؐ نے فتح مکہ کے دن رمضان ۸ھ میں باب کعبۃ اللہ اور رکن یمانی کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا۔ (صحیح مسلم ص ۴۵۱ ج ۲)

اور چونکہ اسی سال یکے بعد دیگرے غزوۂ حنین اور غزوہ اوطاس پیش آئے۔ تو

بعض راویوں نے اِن دونوں کا بھی ذکر کر دیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بار بار حرمت کا تاکیدی اعلان فرمایا ہو۔

غزوۂ تبوک رجب ۹ھ کے بارہ میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابرؓ سے احادیث مروی ہیں کہ آپؐ نے خیموں کے پاس کچھ عورتوں کو دیکھا۔ پوچھا یہ کون عورتیں ہیں۔ ہم نے عرض کیا۔ ہم نے ان سے متعہ کیا تھا (کبھی پہلے) قال فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتّٰی احمرت وجنتاہ وتغیر لونہ واشتد غضبہ وقام فینا خطیبًا فحمد اللہ واثنٰی علیہ ثم نہی عن المتعۃ (کتاب الاعتبار ص۱۷۹)

پس غصہ میں آگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک کہ آپؐ کے رخسار مبارک سرخ ہوگئے۔ اور غصہ سے آپؐ کا رنگ مبارک متغیر ہوگیا۔ اور غصہ میں بہت شدت آگئی تو آپؐ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد متعہ سے منع فرمایا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بھی متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ گویا ۷ھ سے ۱۰ھ تک ہر سال آپ بار بار متعہ کی حرمت کا اعلان فرماتے رہے۔ بعض راویوں کو تحریم متعہ کے اس بار بار اعلان سے یہ گمان ہوگیا کہ متعہ دو یا تین مرتبہ حلال کیا گیا اور دو تین مرتبہ حرام کیا گیا۔ حالانکہ دوبارہ اور سہ بارہ کوئی جدید تحریم نہ تھی۔ بلکہ تحریم قدیم اور نہی سابق کا اعادہ اور تاکید تھی۔ کیونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوتے تھے۔ تو اُس کی حرمت کو بار بار یاد دلایا جاتا تھا۔

بعد ازاں حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اسلام خوب پھیلا۔ بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ جو متعہ کی حرمت سے ناواقف تھے۔ اور بعض کے ناواقفیت کی وجہ سے جن کو تحریم متعہ کی خبر نہ پہنچی تھی۔ اس فعل کا ارتکاب کر بیٹھے تو حضرت فاروق اعظمؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو سخت ناراض ہوئے اور منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا اور متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ تاکہ اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہ رہے۔ اور فرمایا کہ میرے اِس اعلان کے بعد اگر کوئی متعہ کرے گا تو میں اُس پر زنا کی حد جاری کر دوں گا۔ اُس وقت سے متعہ بالکل موقوف ہوگیا۔ اور اسی پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہوگیا۔

چنانچہ علامہ حازمی ۵۸۴ھ فرماتے ہیں۔

فلم يبق اليوم في ذلك خلاف بين فقهاء الامصار وائمة الامة الا شيئاً ذهب اليه بعض الشيعة۔

اب تمام شہروں کے فقہاء اور اُمت کے اماموں میں متعہ کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سوائے چند شیعہ کے۔

(کتاب الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار ص۱۳۹)

حکایت جاء عبد الله بن عمير الليثي الى ابي جعفر فقال له ما تقول في متعة النساء فقال احل الله في كتابه وعلى لسان نبيه فهي حلال الى يوم القيامة فقال يا ابا جعفر مثلك يقول هذا. وقد حرمها عمرؓ ونهى عنه فقال وان كان فعل فقال اعيذك بالله من ذلك ان تحل شيئاً حرمه عمر قال فقال له فانت على قول صاحبك وانا على قول رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ فهلم الاعنك فان القول ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وان الباطل ما قال صاحبك قال فاقبل عبد الله بن عمير فقال ايسرك ان نساءك وبناتك واخواتك وبنات عمك يفعلن فاعرض عنه ابو جعفرؒ

عبداللہ بن عمیر لیثی امام باقر کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ متعہ کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ نے اپنی کتاب میں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے عورتوں سے متعہ کرنے کو حلال کیا ہے اور یہ قیامت تک حلال ہے۔ اس نے کہا حضرت آپ ایسا فرماتے ہیں جب کہ حضرت عمرؓ نے متعہ کو حرام فرمایا۔ اور منع کیا فرمایا اگرچہ اُس نے ایسا کیا۔ اُس نے کہا۔ میں تجھے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ تو اس چیز کو حلال کہے جسے عمرؓ نے حرام کیا ہے۔ امام نے فرمایا تو اپنے ساتھی کے قول پر ہے۔ اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر ہوں۔ آؤ مباہلہ کریں۔ بے شک بات وہی ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اور عمرؓ کا قول باطل ہے۔ تو عبداللہ بن عمیر امام کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا کیا آپ کو پسند ہے۔ کہ آپ کی عورتیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں یہ فعل کریں۔ تو امام باقر نے اس سے منہ پھیر لیا۔

حسین ذکر نساءہ وبنات عمتہ۔ (فروع کافی صفحہ ۱۹۰ ج ۲) جب اُس نے آپ کی عورتوں اور پھوپھیوں کا ذکر کیا۔

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ یہ قصہ یار لوگوں کی بناوٹ ہے اور محض غلط ہے۔ اگر امام باقرؒ معاذ اللہ متعہ کے اتنے قائل ہوتے کہ اِس کو سنتِ رسول اور قیامت تک جائز سمجھتے۔ تو پھر عورتوں کا ذکر آجانے پر کیوں خفگی آجاتی۔ کہ ایسے خاموش ہوئے کہ کوئی جواب بن نہ پڑا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو فعل اتنا بڑا ثواب کا ہو۔ وہ مردوں کے لئے قیامت تک حلال ہو اور باعث ثواب ہو۔ اور عورتوں کے لئے باعث شرم و عار ہو۔ کوئی حکم اسلام میں ایسا نہیں کہ مرد کے لئے مباح اور عورت کے لئے حرام ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ متعہ مرد و عورت کے لئے یکساں حرام ہے۔ نہ عقل اسے درست مانتی ہے اور نہ نقل سے اس کا ثبوت ہے۔ بہر حال امام باقرؒ ایسے لاجواب ہوئے۔ کہ اِس کا اثر اُن کے صاحبزادہ پر بھی رہا۔

چنانچہ مفضل روایت کرتے ہیں۔ کہ میں نے امام جعفر صادقؒ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ متعہ چھوڑ دو۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ کسی عورت کی شرمگاہ دیکھو اور اُس کا ذکر اپنے بھائیوں اور احباب سے جا کر کرو۔ (فروع کافی صفحہ ۱۹۲ ج ۲)

اور امام ابوالحسنؒ نے اپنے بعض خدام کو لکھا کہ متعہ پر اصرار نہ کرو۔ صرف سنت بجا لاؤ اور اس میں مصروف مت ہو جاؤ۔ تاکہ تم اپنی منکوحہ عورتوں اور کنیزوں سے ہٹ جاؤ۔ اور وہ معطل رہیں۔ اور وہ ہمارا گریبان پکڑیں اور ہم پر لعنت برسائیں (کیونکہ ہم نے متعہ کا حکم دے کر اُن پاکبازوں کے حقوق تلف کرائے (فروع کافی صفحہ ۱۹۲ ج ۲)

فطرتِ سلیمہ آپ نے پڑھا کہ حضرت باقرؒ اپنی عورتوں کے بارہ میں متعہ کا ذکر آتے ہی خاموش ہو گئے۔ امام جعفر صادقؒ بھی تسلیم فرماتے ہیں۔ کہ متعہ بے شرمی اور بے حیائی ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے الحیاء شعبۃ من الایمان۔ حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ اور امام ابوالحسن بھی اپنا تجربہ یہی بتاتے ہیں۔ کہ متعہ باز اپنی بیویوں کے حقوق تلف کرتے ہیں۔ اور وہ بیچاری تنگ آمد بجنگ آمد کے ماتحت شیعہ مقتیان کرام کا گریبان پکڑتی اور اُن پر لعن طعن کرتی ہیں۔

آج بھی آپ تجربہ کرکے دیکھ لیں۔ کہ ہر شریف الطبع سلیم الفطرت باغیرت انسان اپنی بیٹی اور بہن کے نکاح کے اعلان کو فخر سمجھتا ہے۔ اور غایت مسرت اور انبساط کے ساتھ ولیمہ نکاح پر اقارب اور احباب کو مدعو کرتا ہے۔ بخلاف متعہ کے۔ کہ اس کو چھپاتا ہے۔ اور اپنی بیٹی۔ بہن اور ماں کی طرف متعہ کی نسبت کرنے سے عار محسوس کرتا ہے۔ آج تک کسی ادنیٰ غیرت مند بلکہ کسی بے غیرت کے متعلق بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مجلس میں بطور فخر یا بطورِ ذکر ہی یہ کہا ہو کہ میری بیٹی اور بہن اور میری ماں نے اتنے متعے کرائے۔ نیز تمام عقلاء نکاح پر مرد عورت کو اور اس کے والدین کو مبارک باد دیتے ہیں۔ مگر متعہ کے متعلق کہیں مبارک باد دیتے نہیں سنا گیا۔ النجم رسالہ میں ایک واقعہ پڑھا کہ لکھنؤ میں ایک شیعہ لڑکی کی شادی تھی۔ بارات آئی۔ بہت تکلف کیا گیا تھا۔ نکاح پڑھا گیا۔ کھانے پینے سے فارغ ہوئے۔ بارات والوں نے کہا کہ دلہن کو جلد تیار کردیں تاکہ ہم جلد گھر پہنچ جائیں۔ کئی بار یہ کہا مگر وہاں کوئی تیاری نظر نہ آتی تھی۔ آخر بار بار کے اصرار پہ دلہن کے والد نے بارات والوں سے معذرت کی۔ کہ آپ حضرات آج واپس تشریف لے جائیں۔ کیونکہ دلہن متعہ کے مقدس حمل سے حاملہ ہے۔ جب وضع حمل ہو جائے پھر آکر لے جانا۔ یہ سنتے ہی بارات پہ تو سناٹا چھا گیا۔ اور دلہا میاں کے تو تن بدن کو آگ لگ گئی۔ اس نے کہا۔ کہ اب اُس کو متعہ ہی کے لئے رکھو۔ وہ نکاح کے قابل نہیں رہی۔ ایک دو ساتھیوں نے کہا۔ اتنا غصہ تو نہیں چاہیئے۔ آخر متعہ بھی تو سنّتِ رسول ہے۔ دولہا میاں نے کہا۔ میں ایسے مذہب پر لعنت بھیجتا ہوں۔ جس میں معاذ اللہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بے غیرت ثابت کیا جاتا ہے۔ اور اُس نے مذہب اہل سنت والجماعت قبول کرلیا۔ حقیقت یہی ہے کہ کسی کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اُس کی بیٹی، بہن، ماں متعہ کراتی پھرے۔

بحث و مناظرہ

ایک دفعہ ایک شیعہ ڈاکٹر نے متعہ پہ مناظرہ طے کرلیا۔ وہ اپنے ذاکر صاحب کو لے آیا۔ اُس نے کہا۔ میں تین دلیلیں دوں گا۔ ایک فرمان خداوندی سے دوسری عمل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور تیسری

فقہ حنفی سے۔ پہلی دلیل میں اُس نے قرآن کی وہی آیت پڑھی جس کی تفصیل گزر چکی۔ اور سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کی۔ جیسے کسی بھوکے سے پوچھا گیا تھا۔ دو اور دو کتنے اُس نے کہا چار روٹیاں۔ جب میں نے بتایا کہ اس آیت کے سیاق میں متعہ کی حرمت ہے اور سباق میں بھی اور یہ تو نکاح اور مہر کا ذکر ہے۔ تو سب لوگ سمجھ گئے کہ یہ قرآن پر جھوٹ بول رہا ہے۔ اب شیعہ صاحبان نے شور مچایا کہ اگر قرآن نے متعہ کو حرام کہا ہوتا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود متعہ کیوں کرتے۔ کیا حضور پاکؐ کو قرآن نہیں آتا تھا۔ یہ سن کر لوگ دم بخود ہو گئے۔ کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعہ کیا۔ ہم نے پوچھا کب کیا۔ کہاں کیا۔ کس سے کیا۔ کتنی دفعہ کیا۔ اُس نے کہا میں تمہاری صحاح ستہ سے دکھاؤں گا۔ چنانچہ اس نے حدیث پڑھی۔ تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بخاری۔ مسلم۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ہم نے کتابیں پیش کیں۔ کہ ذرا نکال کر پڑھیں۔ وہ کہنے لگا۔ پہلے لکھ کر دو۔ کہ یہ حدیث ان کتابوں میں نہیں ہے۔ اور اگر ہم نے دکھا دی تو تمہیں شیعہ ہونا پڑے گا۔ ہم نے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے کبھی متعہ نہیں کیا۔ نہ ہی صحاح ستہ میں کوئی ایسی حدیث ہے۔ اگر کوئی صاحب دکھا دیں تو ہم اُنکی بات مان لیں گے۔ آخر میں نے کہا بھئی یہ حدیث نکال کر نہیں دکھائیں گے۔ ہاں پورے علاقے میں شور مچائیں گے۔ کہ ہم صحاح ستہ کی حدیث سنا آئے ہیں۔ میں نے بخاری۔ مسلم۔ ترمذی سے کھول کر دکھایا۔ کہ یہ حدیث کتاب الحج میں ہے اور ابو داؤد اور نسائی میں کتاب المناسک میں ہے۔ خود قرآن پاک میں ہے۔ فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الھدی (۲۔۱۹۶) اور جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ۔ تو اُس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے۔ تو یہ تمتع حج کی ایک قسم ہے۔ آپؐ نے حج تمتع فرمایا تھا۔ نہ کہ کسی عورت کے ساتھ معاذ اللہ متعہ کیا تھا۔ اس پر تو ہر طرف سے لعنت لعنت۔ جھوٹے جھوٹے۔ دیکھو متعہ کی محبت میں نبی پاکؐ پر بھی جھوٹ بولنے سے نہیں شرمائے۔ میں نے کہا لوگو۔ متعہ کے شیدائی نے متعہ کے شوق میں خداوند قدوس پر جھوٹ بولا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولا۔ اب یہ فقہ حنفی پر بھی جھوٹ بولے گا۔ اب

وہ تو جان چھڑا رہا تھا۔ مگر ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ حوالہ بتاؤ۔ اُس نے کہا میں حوالہ صرف بتاؤں گا دکھاؤں گا نہیں۔ ہم نے کہا چلو بتا ہی دو۔ اس نے کہا فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے۔ کہ متعہ واجب ہے۔ میں نے ہدایہ شریف کھولی۔ اور سب کو مسئلہ دکھایا۔ کہ یہاں لکھا ہے کہ کسی عورت سے نکاح ہوا لیکن مہر مقرر نہیں تھا۔ اور رخصتی سے قبل اس کو طلاق ہو گئی۔ تو اس عورت کو ایک جوڑا کپڑوں کا دینا واجب ہے۔ اس جوڑے کو متعہ کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔ فمتعوھن۔ اس کا اُس متعہ سے کیا تعلق۔ بس اب کیا تھا۔ یہ جا وہ جا۔ اُنہوں نے اپنی خیر اسی میں سمجھی۔ اہل حق اُن کے دھوکوں سے اچھی طرح آگاہ ہو گئے۔ اور اُن کے پلّے ذلّت اور رسوائی کے سوا کچھ نہ رہا۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا کا نظارہ لوگوں نے آنکھوں سے کر لیا۔

آخری سہارا

چند روز بعد وہی ڈاکٹر صاحب آئے۔ کہنے لگے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تو جواز متعہ کے قائل تھے۔ میں نے کہا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی پیدائش ہجرت سے ایک یا دو سال پہلے کی ہے۔ اور آٹھ یا نو سال کی عمر تک وہ اپنے والدین کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہی رہے۔ فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں جب حضرت عباسؓ نے مع اہل وعیال ہجرت فرمائی تو ابن عباسؓ اپنے والدِ محترم کے ساتھ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ اور غزوۂ خیبر (جس میں حرمت متعہ کا اعلان ہوا تھا۔ وہ آپ کے مدینہ منورہ آنے) سے پہلے ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے متعہ کے بارہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا دوسرے صحابہ سے سنا۔ اور قرآن پڑھا۔ ترمذی شریف میں ہے۔

عن ابن عباسؓ قال انما کانت المتعۃ فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدۃ لیس لہ بہا معرفۃ فیتزوج المرأۃ بقدر ما یری انہ یقیم تحفظ لہ متاعًا وتصلح لہ شیئہٗ حتّٰی اذا	حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ متعہ شروع اسلام میں تھا۔ کوئی آدمی ایسے شہر میں جاتا۔ جہاں کوئی واقفیت نہ ہوتی۔ تو وہ عورت سے متعہ کر لیتا وہ اس کے سامان کی بھی حفاظت کرتی اس کی ضروریات بھی تیار کرتی پھر جب آیت نازل ہوئی۔ کہ بیوی یا

نزلت الآية إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم قال ابن عباس فكل فرج سواهما حرام (۱۵-۲۱۳)

باندی کے علاوہ زیادتی ہے۔ تو ابن عباسؓ نے فرمایا۔ ان دونوں کے علاوہ سب فرج حرام ہیں۔

توحضرت عبداللہ بن عباسؓ تو قرآنی حکم کے موافق متعہ کو حرام فرماتے تھے۔ البتہ وہ یہ قیاس کرتے تھے۔ کہ جس طرح قرآنی فیصلہ کے مطابق مردار حرام ہے۔ خنزیر کا گوشت حرام ہے۔ مگر جان بچانے کے لئے بوقت اضطرار بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت ان کا استعمال مباح ہے۔ اسی طرح متعہ بھی مردار اور خنزیر کی طرح حرام ہے۔ مگر حالت اضطرار میں مباح ہے۔ اس پر بھی حضرت علیؓ اُن کے خلاف تھے۔ یہاں تک کہ رجل تائہ تک فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے تو بہت ہی سخت جملے ارشاد فرمائے۔ جو صحیح مسلم میں ہیں۔ چنانچہ اُن کے اس قیاس کو کسی صحابی نے نہ مانا۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے تو فرمایا کہ بعد میں انہوں نے اس قیاس سے رجوع فرمالیا تھا۔ امام حازمی لکھتے ہیں۔

قال الخطابي فهذا يبين لك أنه سلك فيه مذهب القياس وشبهه بالمضطر الى الطعام الذي به قوام الانفس وبعدمه يكون التلف وانما هذا من باب غلبة الشهوة ومصابرتها ممكنة وقد تحسم مادتها بالصوم والعلاج وليس احدهما في حكم الضرورة كالآخر والله اعلم (كتاب الاعتبار ص۱۸۲)

خطابی نے کہا کہ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ (حضرت ابن عباسؓ) اس مسئلہ میں قیاس پر چلے ہیں اور اس کو مضطر الی الطعام کے ساتھ تشبیہ دی ہے حالانکہ طعام بقائے حیات کا ذریعہ ہے اور اس کے بغیر موت واقع ہوجاتی ہے۔ مگر یہ مسئلہ غلبۂ شہوت سے متعلق ہے۔ جس پر صبر بھی ممکن ہے اور اس غلبۂ شہوت کے مادہ کو روزہ اور علاج سے توڑا بھی جاسکتا ہے اس لئے ان دونوں مسئلوں میں فارق موجود ہے۔ ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ روافض میں رائج الوقت متعہ خالص زنا ہے۔ اس کی کسی دین اور کسی زمانہ میں اجازت نہیں رہی۔ یہ پوچھنا کہ متعہ کیوں جائز نہیں جبکہ آج کل کے

دور میں جائز ہونا چاہیئے؟ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ زنا کیوں جائز نہیں؟ جبکہ آج کل کے دور میں جائز ہونا چاہیئے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ بصیر نے زنا و متعہ کو حرام فرمایا ہے۔

فقط واللہ اعلم،
محمد امین صفدر،
۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

واضح رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بعد میں مضطر کے لئے بھی اس کے جواز سے رجوع کر لیا تھا۔

چنانچہ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و اما ما یحکی فیہا عن ابن عباس فانہ کان یتأول اباحتہا للمضطر الیہا بطول الغربۃ وقلۃ الیسار والجدۃ ثم توقف وامسک عن الفتوی بہا (نصب الرایہ ص۱۸۱ ج۳)

حضرت ابن عباس رض سے جو جوازِ متعہ کا قول منقول ہے وہ بھی مضطر کے لئے ہے اور بعد میں انہوں نے اس سے بھی رجوع کر لیا تھا اور اس کو جائز کہنے سے رک گئے تھے

والجواب صحیح،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

حُرمتِ مصاہرہ کے مسائل

بہت کمسن بچی کو ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرہ ثابت نہ ہوگی

۱۔ ہمبستری کے وقت جبکہ اپنی لڑکی شیر خوار چیخ رہی ہو اس کا باپ خاموش کرانے کے لئے تھپکیاں دے تو کیا اس صورت میں حرمت مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے۔

۲۔ عورت بچے کو دودھ پلا رہی ہو اور خاوند ہمبستری میں مشغول ہو جائے تو اس صورت میں حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائیگی؟ جبکہ شیر خوار بچی کو بوسہ دینا یا سونے کی وجہ سے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ تو اس صورت میں کیا حکم ہے۔

الجواب دونوں صورتوں میں حرمت مصاہرہ ثابت نہ ہوگی۔

كما في الدر المختار على هامش رد المحتار هذا اذا كانت حية مشتهاة ولو.... أما غيرها يعني الميتة وصغيرة لم تشته فلا تثبت الحرمة بها أصلاً اھ (ص۳۰۵ ج۲) فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

سُسر نے بہو کے بوسے لئے اور کہتا ہے کہ شہوت نہیں تھی

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شادی شدہ عورت کو اس کے حقیقی سُسر نے زبردستی دبوچ کر چھیڑ خانی کی۔ منہ پر دانتوں سے کاٹا اور پستانوں سے پکڑا۔ حتیٰ کہ اس کا بیٹا (یعنی عورت مذکورہ کا شوہر) اچانک آگیا اور اس نے بھی دیکھ لیا۔ از روئے شریعت اس عورت کے لئے کیا حکم ہے اور کیا اس کا نکاح برقرار ہے؟ سُسر کہتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ محبت میں کیا ہے۔ مجھے شہوت نہیں تھی۔

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحتِ واقعہ مذکورہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہو چکی ہے۔ خاوند کو چاہیئے کہ زبان سے بھی کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑا۔ تاکہ وہ عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکے۔

لومس أو قبل وقال لم أشته صدق الا اذا كان المس على الفرج والتقبيل في الفم ——— (شامیہ ص۴۰۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

سوتیلی ماں سے زنا کرنے والے کا اپنی بیوی کے ساتھ نکاح کا حکم

زید کو اس کی بیوی ہندہ نے اپنی سوتیلی ماں خالدہ کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پکڑا اور پھر حلفاً اس بات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ دوسری دفعہ بیوی کے علاوہ ہمسایہ اور پڑوس کے لوگوں نے بھی مذکورہ شخص کو اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ بدفعلی کا مرتکب پایا۔ پھر چیئرمین کے پاس لے گئے۔ جس نے مذکورہ شخص کو سرعام بھرے بازار میں رسوا کیا اور جوتے لگائے۔ اب مذکورہ شخص کا اپنی بیوی ہندہ کے ساتھ نکاح باقی ہے یا نہیں؟ جو کہ اس کی چچا زاد بہن بھی ہے۔

۲۔ اپنی سوتیلی ماں سے بدفعلی کرنے کی وجہ سے اب مذکورہ شخص کے والد بکر کا اُس کی سوتیلی ماں سے نکاح باقی ہے یا نہیں۔؟

الجواب ہندہ اور زید کا باہمی نکاح باقی ہے کیونکہ ہندہ خالدہ کے اصول فروع میں سے نہیں۔ لیکن خالدہ بکر کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔ بشرطیکہ بکر مذکورہ واقعہ کو تسلیم کرتا ہو۔ یا شہادت شرعیہ موجود ہو۔

قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا الخ (شامی ص۲۷۹ ج۲) قال في الفتح وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها الى قوله و على هذا ينبغي أن يقال في مسه اياها لاتحرم على أبيه وابنه الا أن يصدقاه الخ (شامی ص۲۸۰ ج۲)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۴/۶/۱۴۰۶ ھجری

بیٹی سے وطی کرنے سے اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے

ایک شخص بوجہ بدبختی اپنی آٹھ سالہ بچی کے ساتھ کئی بار مرتکب زنا ہوا اور اب نادم ہو کر صورت خلاصی چاہ رہا ہے۔ کوئی صورت ہے۔ کیا وہ حد شرعی کا سزاوار ہے یا نہیں؟ اس کی زوجہ اس کے لئے حلال ہے یا حرام اور کیا کوئی صورت توبہ ہے۔؟

الجواب بیٹی سے وطی زنا محض ہے اور موجب حد ہے۔ ثبوت شرعی کے بعد قاضی حد شرعی جاری کرے گا۔

ولو وطی أمة المحرمة علیه برضاع او نسب او صهرية كاخته و بنته منهما او امة من الرضاع وموطوءة ابيه او ابنته يجب الحد على الاظهر (فتح القدیر ص۵۸۸ ج۲) قاضی کے پاس مقدمہ جانے سے پہلے اگر اس فعل کو چھپا لے تو جائز ہے۔ مگر توبہ واستغفار ضروری ولازم ہے۔ امید ہے کہ عذاب اخروی سے بچ جاوے گا

وفی البحر عن الظهيرية رجل اتى بفاحشة ثم تاب واناب الى الله تعالىٰ عزوجل فانه لا يعلم القاضی بفاحشته لاقامة الحد عليه لان الستر مندوب اليه وفی شرح الاشباه للبيری عن الجواهر رجل شرب الخمر وزنی ثم تاب ولم يحد فی الدنيا هل يحد له فی الأخرة قال الحدود حقوق الله الا انه تعلق بها حق الناس وهو الانزجار فاذا تاب توبة نصوحاً أرجو ان لا يحد فی الأخرة اه (شامیہ ص۱۴۰ ج۳)

بیٹی سے وطی کرنے والے کی زوجہ یعنی بیٹی کی والدہ قطعی حرام ہو گی واطی پر۔

وتثبت بالوطئ حلالاً كان او عن شبهة او زناً كذا فی فتاوی قاضیخان فمن زنی بامرأة حرمت عليه امها وان علت اھ (عالمگیری ص۲ ج۲)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

ساس کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی حرام ہوگئی

بیوی نے خاوند کو اپنی ماں سے زنا کرتے دیکھ لیا۔ اور وہ آٹھ سال سے نہ اپنے خاوند کے گھر آباد ہوئی اور نہ ہی حقوق زوجیت ادا کئے۔ تو کیا اب دوبارہ آباد ہو سکتی ہے۔ یا بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ یا ویسے ہی بیٹھی رہے؟

الجواب اگر خاوند بھی اس کا اعتراف کرتا ہے تو اہل اثر ورسوخ کو چاہئیے کہ خاوند کو مجبور کریں۔ کہ وہ کہہ دے میں نے اس عورت کو چھوڑا۔ تاکہ وہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکے۔ اگر اس طرح دباؤ سے کوئی کامیابی نہ ہو۔ تو عدالتی چارہ جوئی کر لی جائے۔ بہر حال خاوند کے متارکہ یا عدالت کے فیصلے کے بغیر دوسری جگہ عقد صحیح نہ ہوگا۔

وأم زوجته وأن لم توطأ الزوجة لما تقرر أن وطئ الامهات يحرم البنات ونكاح البنات يحرم الامهات كذا فى الشامية ص۳۸۳ ج ۲ ۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

فعلِ بد سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک نابالغ لڑکے سے بدفعلی کی ہے۔ تو کیا مفعول کو فاعل مذکور اپنی لڑکی دے سکتا ہے یا نہیں۔

بینوا توجروا ــــ مستفتی حافظ عبد اللہ کریم بخش میانوالی۔

الجواب فعلِ بد سے حرمت مصاہرہ متحقق نہیں ہوتی۔ لہذا صورت مذکورہ میں عقد نکاح جائز ہے۔

اتى رجل رجلاً له أن يتزوج ابنته لان هٰذا الفعل لو كان فى الاناث لا يوجب حرمة المصاهرة ففى الذكر أولى اھ (شامی ص۳۸۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۲،۲۳ / ۹۸ھ

خاوند حرمۃ مصاہرہ کا اقرار کرے تو تفریق ضروری ہے

ایک عورت نے مشہور کیا کہ فلاں نے اپنی بہو کے ساتھ زنا کیا ہے جب کہ سسر اور بیوی انکار کرتے ہیں، شوہر نے صرف ایک مرتبہ اقرار کیا ہے۔ اب وہ بھی انکار کرتا ہے۔ خاوند کے اس اقرار پر تین گواہ موجود ہیں، عورت حاملہ ہے نکاح باقی ہے یا نہیں۔

الجواب برتقدیر صحت سوال صورت مسئولہ میں خاوند کے اقرار کی بنا پر عورت اس پر حرام ہو چکی ہے۔

رجل قبل امرأة أبيه بشهوة أو قبل الأب امرأة ابنه بشهوة وهي مكرهة وأنكر الزوج أن يكون بشهوة فالقول قول الزوج وان صدّقه الزوج وقعت الفرقة ويجب المهر۔ (عالمگیری ص ۵ ج ۲)

اقرار کے بعد خاوند کا انکار حکم مذکور پر اثر انداز نہیں ہوگا، خاوند پر لازم ہے کہ وہ زبانی طور پر کہہ دے کہ میں نے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ عدت گزرنے پر یعنی وضع حمل کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکے گی۔ اگر خاوند اس پر آمادہ نہ ہو۔ تو کسی عدالت سے تفریق کرالے۔ ان دونوں صورتوں کے بغیر عورت دوسری جگہ نکاح نہیں کرا سکتی۔ اگرچہ خاوند پر حرام ہو چکی ہے اور اس کے قریب نہیں جا سکتی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نو سال سے کم عمر بچی کو چھونے سے حرمۃ مصاہرہ ثابت نہیں ہوگی

زید نے اپنی بیوی کی اس لڑکی کو جو اس کے پہلے خاوند سے ہے۔ دو مرتبہ پشت پر ہاتھ لگایا۔ جب دوسری مرتبہ ہاتھ لگایا تو خیال پیدا ہوا کہ کہیں گناہ تو نہیں؟ لڑکی کی والدہ نے بتلایا کہ لڑکی کی عمر چار ماہ کم نو سال ہے۔ تو کیا اس چھونے سے حرمت ثابت ہوئی یا نہیں؟

میاں جند وڈہ قصبہ سمینہ

الجواب اگر لڑکی کی عمر نو برس نہیں ہوتی ہے یا درمیان میں کپڑا حائل تھا۔

تو حرمتِ مصاہرہ ثابت نہیں ہوتی ۔

وفیما بین الخمس والتسع اختلاف الروایۃ والمشائخ والاصح انہا لاتثبت الحرمۃ اھ (شامی ص۴۸۹ ج۲)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۶/۱/۱۴۰۰ھ

اپنی بیوی کی بھتیجی سے زنا کرنے کی وجہ سے اسکی بیوی اس پر حلال رہتی ہے

ایک شخص کے گھر اس کی بیوی کی حقیقی بھتیجی ملنے کے لئے گئی ۔ لیکن اس آدمی کا دل بے ایمان ہوگیا ۔ اس نے رات کے گیارہ بجے کے قریب اس کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنی خواہش ظاہر کی ۔ مگر اس لڑکی نے شور مچانا شروع کر دیا جس سے باقی عورتیں جو اس کے قریب سوئی ہوئی تھیں جاگ اٹھیں ۔ اس لئے وہ شخص اپنے ناپاک ارادے میں ناکام ہوگیا ۔ صبح کو لڑکی نے والدین کو بتایا اس نے اقرار بھی کر لیا ہے جس سے ان کے درمیان رنجش پیدا ہوگئی ہے ۔ الغرض اس آدمی کا نکاح بیوی کے ساتھ باقی ہے یا نہیں ۔

الجواب شخص مذکور کا فعل ناجائز اور خلافِ شریعت ہے ۔ اس سے توبہ استغفار کرنی چاہیئے ۔ لیکن اس فعلِ بد کی وجہ سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا ۔ بلکہ نکاح اس کا باقی ہے اور بیوی اس کی اس پر حلال ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ

بندہ اصغر علی غفرلہ
معین مفتی خیر المدارس ۔ ۲۷/۱۱/۹۳ھ

بیوی کی رضاعی ماں سے زنا کرنا بھی موجبِ حرمت مصاہرہ ہے

زید کی دو بیویاں تھیں ۔ اللہ وسائی اور مہر مائی ۔ مہر مائی کی دختر سرو مائی نے اپنی سوتیلی والدہ کا دودھ پیا ۔ پھر سرو مائی کا نکاح ایک شخص مسمّی حاجی سے ہوگیا ۔

اس کے بعد مسمی حاجی کا ناجائز تعلق سردرمائی کی سوتیلی و رضاعی والدہ سے ہوگیا یعنی اس نے زنا کیا گواہوں نے بھی تصدیق کر دی۔ اب سردرمائی بالغ ہو چکی ہے۔ لہٰذا ازروئے شریعت سردرمائی کا نکاح مسمی حاجی سے ہو سکتا ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں سردرمائی اپنے خاوند مسمی حاجی پر حرام ہوگئی ہے۔ کیونکہ اللہ دسائی حاجی کی بیوی کی رضاعی والدہ ہے اور اپنی بیوی کی رضاعی والدہ سے نکاح کرنا بھی موجب حرمتِ مصاہرہ ہے جیسے کہ نسبی کے ساتھ۔

قال فی البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا الخ (شامیہ صفحہ ۲۸ ج ۲)

لہٰذا صورت مسئولہ میں سردرمائی حاجی پر حرام ہو چکی ہے اور ان کی تفریق کسی مسلمان حاکم سے کرائی جائے۔ کیونکہ اس میں قضاء قاضی شرط ہے۔ هکذا فی الحیلة الناجزہ ص۸۸

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
خیر محمد عفی عنہ	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس ملتان	خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
	۷ محرم ۱۳۷۴ھ

محض جسم دیکھنے سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حامد نے اپنے بیٹے زید کی بیوی کو جب کہ وہ غسل خانہ میں غسل کر رہی تھی۔ جھانک کر ایک نظر سے دیکھ لیا۔ اور حامد کے بیٹے کی بیوی نے غسل کرتے ہوئے حامد کو دیکھ لیا۔ حامد نہایت دیندار صوم و صلوٰۃ کا پابند تہجد گزار ہے۔ وہ اپنے اس عمل پر نہایت پشیمان اور شرمندہ ہے۔ کہ یہ فعل مجھ سے کیسے ہوگیا۔ جبکہ اس کے دل میں کبھی بھی بہو کے متعلق برا خیال تک نہ آیا تھا۔ بلکہ وہ اپنی بیٹی ہی تصور کرتا آیا ہے۔ غیر اختیاری طور پر یہ فعل سرزد ہوگیا ہے۔ حامد اس وقت رُو رُو کر استغفار کر رہا ہے۔ کہ میری سابقہ زندگی برباد ہوگئی۔ اور میں ہلاک ہوگیا۔ دیگر یہ کہ اپنے بیٹے کی بیوی اور بیٹے سے معافی مانگی جائے اگر وہ معاف کر دیں پھر کیا صورت ہے؟

الجواب زید پر اسکی بیوی حرام نہیں ہوئی۔ کیونکہ حرمت کا ثبوت فرج داخل کی

طرف نظر کرنے سے ہوتا ہے۔ شامیہ میں ہے۔

انہم اتفقوا علی ان النظر بشہوۃ الی سائر أعضاءھا لاعبرۃ بہ ماعدا الفرج (الی قولہ) لان ھذا حکم تعلق بالفرج والداخل فرج من کل وجہ والخارج فرج من وجہ والاحتراز عن الخارج متعذر فسقط اعتبارہ۔ (فصل فی المحرمات ص۳۰۴ ج۲)

حامد کو چاہیئے توبہ کے ساتھ ساتھ حسبِ توفیق خیرات بھی کر دے۔ اللہ پاک معاف فرمانے والے ہیں۔ توبہ کے بعد ذھن کو اس گناہ کی طرف نہ لائیں۔ خالدہ اور زید سے تذکرہ کرنے سے کشیدگی ہو سکتی ہے اس لئے تذکرہ نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۱۸/ ۱۲/ ۱۴۰۶ھ

فرجِ داخل کو شہوت سے دیکھنے سے حرمتِ مصاہرہ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عورت کے اندام نہانی کو عمدًا دیکھا بلکہ دیکھنے میں ڈاکٹر کی طرح معائنہ کیا۔ لیکن زنا نہیں کیا۔ تو کیا اس عورت کی بچی سے نکاح کر سکتا ہے۔ مستفتی رحیم بخش منڈی یزمان

الجواب اگر شرم گاہ کا اندرونی حصہ شہوت سے دیکھا ہے یا شہوت سے بلاحائل جسم کو چھوا ہے۔ جیسا کہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہوا ہوگا تو حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوگی۔ مذکورہ عورت کی بچی سے نکاح درست نہیں ہے۔

وحرم أصل مزنیتہ وأصل ممسوستہ بشہوۃ والمنظور الی فرجہا الداخل ولو من زجاج او ماء ھی فیہ وفروعہن۔ (درمختار علی الشامیۃ ص۳۸۴ ج۲)

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۵/ ۱۲/ ۱۳۹۸ھ

ڈاکٹر یا حکیم کو مریضہ کی نبض دیکھتے وقت شہوت پیدا ہو جائے تو حرمت کا حکم

جناب محترم المقام حضرت مولانا مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع صاحب

اما بعد۔ مندرجہ ذیل مسئلہ کی وضاحت کا طالب ہوں۔

صورت حال یہ ہے کہ زینب جو عمرو کی خالہ زاد بہن ہے۔ اس نے عمرو خالہ زاد بھائی کو کوئی کھانے کی چیز بطور ہدیہ اپنے ہاتھ سے دی۔ محض صلہ رحمی کی بنا پر اور کسی قسم کی نیت اور برا ارادہ طرفین میں موجود نہیں تھا۔ جب عمرو نے ہاتھ بڑھایا ہدیہ پکڑنے کے لئے تو اچانک دل میں یہ تصور کر لیا کہ اگر یہ خالہ زاد بہن بنام زینب میرے نکاح میں ہوتی۔ اور اس طرح اشیاء اپنے ہاتھ سے بوجہ زوجیت دیتی تو کیا خوب ہوتا۔ اس تصور کے دوران طبع میں سرور پیدا ہوا۔ اور انتشار انگیزی بھی وجود میں آئی۔ اس وقت عمرو نے سوچا کہ زینب کے ہاتھ سے ہدیہ لوں۔ کیونکہ شہوت سے ہاتھ لگ جائے گا تو گناہ ہوگا۔ اور مصاہرت ثابت ہوگی۔ لیکن ماحول اور زینب کی رنجیدگی کی وجہ سے ہدیہ زینب سے عمرو نے وصول کیا اور کچھ ہاتھ کی انگلیوں کے سرے زینب کے ہاتھ کو لگ گئے۔ بس فوراً ہاتھ ہٹا لیا۔ شہوت اور سرور کی حالت بعد میں تدریجاً ہٹ گئی۔ کیا اتنے مس کرنے سے اور تصور کرنے سے زینب کے ساتھ حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے گی۔ اور زینب کی لڑکی کے ساتھ عمرو کا نکاح جائز ہو گا یا نہ۔ یا کوئی حکیم یا ڈاکٹر عورت کو نبض سے پکڑتے وقت شہوت کا خیال کرے اور اس سے انتشار پیدا ہو جائے تو اس ڈاکٹر کی بھی اس مریضہ عورت کے ساتھ حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے گی یا نہ۔

سائل کی زبانی معلوم ہوا کہ شخص مذکور کو لمس سے شہوت کا ازدیاد نہیں ہوا۔ البتہ تصور سے بتدریج شہوت کا بڑھتا گیا۔ شرم کے مارے مجھ کو وہ ہدیہ لینا نصیب نہ ہوا۔

الجواب (۱) فی الدر المختار (وحدّها) ای الشهوة (فيهما) ای المس والنظر (تحرك آلته او زيادته ... به يفتى وفي رد المحتار وفرع عليه ما لو انتشر وطلب امرأته الى قوله لا تحرم أمها ما لم يزدد الانتشار۔ ص ۳۵۸ ج ۲

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورۃ مذکورہ میں حرمۃ مصاہرہ نہ ہوگی۔

۲۔ حکیم یا ڈاکٹر کو اجنبیہ عورت کی نبض پکڑتے وقت ایسی شہوت ہوئی کہ جس میں تحرک آلہ اور انتشار میں ازدیاد تھا۔ تو حرمت مصاہرہ ثابت ہوگی۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
ولی حسن غفراللہ لہ	احقر العباد محمد صابر غفراللہ لہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی	نائب مفتی دارالعلوم کراچی

الجواب صحیح۔ بندہ عبداللہ غفراللہ لہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان شہر۔ $\frac{6}{6}$ ۵ھ

جواب دارالعلوم کراچی والا صحیح ہے۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ $\frac{6}{6}$ ۵ھ

محض شبہ سے حرمتِ مصاہرہ ثابت نہ ہوگی

ایک شخص موسم سرما میں پلنگ پر اس طرح سویا کہ پاؤں کی طرف اس کی بیوی اور لڑکی سو گئی۔ رات کے وقت نیند سے بیدار ہوا۔ تو بیوی کی پنڈلی کو پکڑا۔ بعد میں شبہ ہوا۔ کہ یہ لڑکی کی پنڈلی ہے۔ اس حادثہ کو چودہ ۱۴، پندرہ ۱۵ سال گزر گئے۔ اتنا یاد ہے کہ پنڈلی کے پکڑتے وقت شہوت کا درجہ میلان قلب تھا۔ اور ممکن ہے کہ حرکت قلب ہو یا نہیں۔ انتشار آلہ اور ازدیاد انتشار بالکل یاد نہیں ظن غالب ہے کہ انتشار کا درجہ نہ تھا۔ صرف میلان تھا۔ اس حادثہ کے بعد قریب زمانہ میں بیوی سے دریافت کیا۔ کہ فلاں رات تمہاری پنڈلی کو پکڑا تھا۔ اس نے کہا کہ میری پنڈلی تھی۔ الغرض یہ شبہ رہا کہ پنڈلی بیوی کی تھی یا کہ لڑکی کی۔ مس کے وقت شہوت کا درجہ غالباً میلان قلب تھا۔ اس سے زیادہ موہوم ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ لڑکی کی عمر اس وقت نو سال تھی۔ یا کم یا زیادہ۔ دریافت اب یہ ہے۔ کہ ان حالات میں حرمت مصاہرہ ثابت ہوگی یا نہیں۔ بیوی حرام ہوگی یا نہ۔ بیوی حرام ہونے کی صورت میں متارکت فرض ہے یا نہیں۔ یا احتیاطاً بیوی کو علیحدہ رکھے یا پاس رکھلے وہ صاحب اولاد ہے اور عمر رسیدہ ہے۔

المستفتی محمد حسن بانی ومفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور۔

الجواب صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔ بایں وجوہ کہ

شہوت کا درجہ میلان قلب ہے۔ اور اس سے زائد تو تہم کے درجہ میں ہے۔ شریعت میں موہوم کا اعتبار نہیں۔ غلبۂ ظن ہونا ضروری ہے۔

قال فی الفتح ثم هذا الحد فی حق الشاب أما الشیخ والعنین فحدهما تحرك قلبه أو زیادته ان كان متحركا لا مجرد میلان النفس فانه یوجد فیمن لا شهوة له أصلا كالشیخ الفانی (شامیہ ص۳۸۶ ج۲)

ثانیاً جب قریب زمانہ میں بیوی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پنڈلی بیوی کی تھی۔ تو اب شبہ کرنا موہوم اور وسواس ہے۔ شریعت میں وساوس اور توہمات کا اعتبار نہیں۔ بلکہ غلبۂ ظن کا اعتبار ہے۔ چنانچہ عورت کے مس کرنے میں لکھا ہے۔

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن یصدقها ویقع فی أكبر رأیه صدقها۔ (شامیہ ص۳۸۵ ج۲)

بہرحال صورت مسئولہ میں از روئے قواعد فقہیہ حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوئی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۳/۱۲/۱۳۷۶ھ

بیٹی سے متہم کو شرعاً کیا تعزیر لگائی جائے

ایک شخص پر ایک شخص نے شہادت دی۔ قرآن شریف کو سر پر رکھ کر کہا۔ کہ فلاں شخص نے اپنی لڑکی سے زنا کیا اور زنا کرتے خود میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ لیکن اس کی لڑکی اور وہ خود منکر ہے۔ اور نیز اس شخص پر اس کے پوتے کی زوجہ نے مجمع عام میں کہا اور خطیب شہر کے پاس شہادت دی کہ ایک رات میں اور میرے خاوند کے دادا اکیلے تھے۔ نصف رات مجھ کو کہا کہ چارپائی اندر ڈالو۔ اور جب مجھے کہا تو اس کا آلہ منتشر تھا اور مجھے اس کی بری نیت کا خیال ہوگیا تو میں نے انکار کیا۔ کہ اندر چارپائی نہیں ڈالتی۔ انکار پر اس نے مجھ پر گھونسے چلائے اور وہ شخص گھونسے مارنے اور چارپائی اندر ڈلوانے کا اقراری ہے۔ لیکن برے ارادے کا منکر ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں قلبہ رانی کے لئے جا رہا تھا۔ کوٹھا اکیلا تھا۔ حفاظت مال کے لئے

اندر سونے کے لئے کہا ۔میری نیت بد نہ تھی ۔اس کے علاوہ ایک عورت جو اس کی پڑوسی ہے وہ شہادت دیتی ہے کہ اس کی زوجہ مرگئی ہے ۔کئی مدت سے اس کی لڑکی اس کی حویلی میں اکیلی اس کے ساتھ رہتی ہے ۔اور کئی دن صبح کو اس شخص اور اس کی لڑکی کو غسل کرتے دیکھا ہے ۔ان شہادتوں کی بناپر اب اس شخص پر شہر کے مفتی نے بائیکاٹ کا حکم دیا ہے ۔اب سوال یہ ہے کہ آیا ان شہادتوں کی بناپر عدم برتاؤ کا حکم صحیح ہے یا نہ ۔اس مفتی کے خلاف اور مفتی ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک چار گواہ شہادت نہ دیں تو اس پر حد نہیں آسکتی ۔لہٰذا ان گواہوں کی شہادت نزدور ہے اور یہ قابل حد قذف ہیں ۔لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس سے عدم برتاؤ نہ کیا جائے ۔تو عوام کی جرأت اس قسم کے گناہ پر بڑھ جائے گی ۔اور اب صاف کہہ رہے ہیں کہ مولوی رشوت لے کر لڑکی کے ساتھ جماع کو جائز کہہ رہے ہیں ۔کیا ایسی صورت میں از روئے سیاست مفتی ایک یا دو سال کے لئے حکم عدم برتاؤ اور مالی جرمانہ کا کر دے ——— تو کیا لیا جا سکتا ہے ۔شخص مذکور نے سات لڑکیوں کو رقم لے کر فروخت کیا ہے ۔عام شہر کے لوگ اس سے بدظن ہیں ۔

الجواب حد اور تعزیر میں رات دن کا سا فرق ہے ۔اس میں شک نہیں کہ زنا کے معاملہ میں جب تک چار گواہ شہادتیں نہ دیں کسی پر حد نہیں آسکتی ۔لیکن تعزیر میں اتنی شہادتیں ضروری نہیں ہیں ۔بلکہ ایک شخص محض اتہام اور شبہ کی بناپر بھی قابل تعزیر ہو سکتا ہے ۔الاشباہ والنظائر ص۱۵۲ ۔التعزیر یثبت مع الشبھۃ درمختار علی ھامش ردالمحتار ص۱۹۳ ج۳ میں ہے ۔للقاضی تعزیر المتھم و ان لم یثبت علیہ اور تہمت کا اثبات ایک ہی عادل کی شہادت اور مستورین کی شہادتوں سے ہو سکتا ہے ۔ درمختار کے مذکورہ قول کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں ۔

ذکر فی کتاب الکفالۃ ان التھمۃ تثبت بشھادۃ مستورین او واحد عدل ۔نیز درمختار میں ہے ۔ وکل تعزیر للہ تعالیٰ یکفی فیہ خبر العدل لانہ فی حقوقہ تعالیٰ یقضی فیھا بعلمہ اتفاقاً بناء علیہ ۔

صورۃ مسئول عنہا میں جس شخص پر سنگین بدکاری کی تہمت مذکور ہے وہ

محض تہمت و شبہ کی بنا پر بھی لائق تعزیر ہو سکتا ہے۔ لیکن وہاں تو عینی شاہد بھی موجود ہے۔ جس نے حلف اٹھا کر شہادت دی ہے تو اب اس کے قابل تعزیر ہونے میں کون سا تردد ہو سکتا ہے۔ تہمت اتنی سنگین ہے کہ اس سے درگذر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا سوال میں جس تعزیر کو تجویز کیا گیا ہے وہ ہرگز شرعاً قابل اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ یہ تعزیر ایسے شخص کے لئے اقل درجہ کی تعزیر ہے۔ علاوہ ازیں عدم برتاؤ کی تعزیر ماثور بھی ہے۔ کتب حدیث و تفسیر میں اس سلسلہ کی ایک حدیث موجود ہے۔ جس کا مختصر مضمون بطور واقعہ کے یہ ہے کہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس آ کر ان کے لئے یہی عدم برتاؤ کی تعزیر مقرر فرمائی اور مسجد کے ستون سے باندھے بھی رہے (خازن زیر آیت واٰخرون اعترفوا بذنوبھم) تو اس مقام پر تفسیر خازن کے لفظ یہ ہیں۔ فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیھم فاطلقھم وعذرھم تو معلوم ہوا۔ کہ عدم برتاؤ کی تعزیر ایک ایسی تعزیر ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ تعزیر ہے۔ لیکن عدم برتاؤ کے لئے میعاد مقرر کرنا اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ عدم برتاؤ کا حکم اس وقت تک بحال رہنا چاہیئے۔ جب تک متہم کے اس جرم سے تائب ہونے کا بہمہ وجوہ یقین نہ ہو جائے۔ اگر ذرہ بھی اشتباہ اور اثبات کا ہو۔ کہ اس نے یہ جرم تا حال نہیں چھوڑا۔ اور اس نے جرم کے مطابق توبہ نہیں کی تو اس وقت تک اس پر تعزیر جاری رکھی جائے۔ بہرحال یہ تعزیر ماثور و شرعی تعزیر ہے۔ جس سے شرعاً انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ المسکین غلام فخر الدین گانگوی بمقام میانوالی

الجواب مالی تعزیر جرمانہ وغیرہ کرنا ناجائز ہے۔ شامی ص ۱۷۸ ج ۳ میں ہے۔ لا یاخذ مال فی المذھب قال فی الشرح ای رد المحتار والحاصل ان المذھب عدم التعزیر باخذ المال۔ باقی جواب صحیح ہے۔

فقط بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان مورخہ ۲/۱۲/۱۳۷۱ھ

حرمۃ مصاہرہ ثابت ہوجانے کی صورت میں حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے یا نہیں۔

زید شادی شدہ ہے۔ اس کی بیوی کو زید کے والد نے بشہوۃ مس کیا۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ اس صورت میں نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔ اور عورت خاوند پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے۔ اس نے اپنی بیوی سے یہ مسئلہ بیان کیا۔ تو وہ بہت روئی اور پریشان ہوئی۔ کیونکہ اس کو خاوند سے بے حد محبت ہے۔ ایسی صورت میں عورت کیا خاوند کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں۔ فقہ حنفی سے تو مسئلہ اسی طرح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن شوافع وغیرہ کے ہاں کچھ توسع معلوم ہوتا ہے۔ تو ایسی صورت تبلائی جائے کہ ان دونوں کی جدائی نہ ہو۔ اور دونوں خاوند بیوی بن کر رہیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں جب عورت مس بشہوۃ کی مدعیہ ہے اور خاوند کے نزدیک وہ جھوٹ بھی نہیں بول رہی بلکہ غلبۂ ظن اس کے صادق ہونے کے ساتھ متعلق ہے۔ تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی اور عورت دائماً حرام ہوگئی۔ اب خاوند کو لازم ہے کہ بیوی سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے اور زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا یا تجھے طلاق دے دی۔ اور اس مسئلہ پر آج تک کسی حنفی عالم نے فقہ شافعی پر فتویٰ نہیں دیا اور نہ ہی اس کو ضرورت تسلیم کیا گیا ہے۔ ایسی ضرورتیں تو ہر مستفتی کو پیش آتی ہیں۔ ایسی ضرورتوں کی بنا پر دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا دین کو لہو ولعب قرار دینا ہے۔ جو کہ حرام ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ خیر محمد | بندہ محمد عبد اللہ ۱۴ شوال ۱۳۷۷ھ

خاوند حرمۃ مصاہرہ کا اقرار کرنے کے بعد انکار کرتا ہے تو حرمۃ ثابت ہوگی یا نہیں

اللہ دسایا کاروبار کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ گھر میں بیوی والد اور بھائی تھے۔ رات کے وقت اللہ دسایا کا والد اور اس کی بیوی ایک مکان میں سوئے تو اس کے والد نے اللہ دسایا کی بیوی سے زنا کیا اور بھائی کو پتہ چل گیا۔ واپسی پر بھائی نے اس کو اطلاع دی۔ اللہ دسایا

نے اپنی زوجہ سے پوچھا۔ تو پہلے تو وہ خاموش رہی پھر اقرار کر لیا۔ اس پر اللہ دسایا ناراض ہو کر بیوی کو لے کر سسرال چلا گیا۔ اور اپنے سسر سے دونوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس واقعہ کی حاجی کریم بخش اور موسیٰ کو بھی اطلاع ہو گئی۔ اللہ دسایا کا باپ چالاک آدمی تھا وہ اپنے بیٹے کو واپس لانے کی کوشش کرتا رہا۔ تو برادری نے ایک عالم کو بلایا۔ اس نے بیوی سے بیانات لئے مگر کوئی فیصلہ نہ کیا۔ اب اللہ دسایا اپنے باپ کے پاس واپس آ گیا اب اللہ دسایا کا والد اس فعل سے منکر ہے اور لڑکی بھی اپنے خاوند کے پاس رہنا چاہتی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے۔

الجواب صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرہ ثابت ہونے کی وجہ سے عورت اپنے خاوند پر حرام ہو چکی ہے۔ خاوند کو چاہیئے کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ وہ دوبارہ اس کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد صدیق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۳ / ۴ / ۷۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
۲۵ / ۳ / ۷۲ھ

جواب مذکور پر حضرت مولانا فیض اللہ صاحب صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان کا شبہ

صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرہ کے ثبوت کی کوئی وجہ عبارت مرقومہ بالا سے ظاہراً معلوم نہیں ہوتی۔ لہٰذا نائب مفتی صاحب خیر المدارس کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے۔ کہ تحریر فرماویں وجہ ثبوت کی مدعی علیہ پر بینہ ہیں یا اس کا اقرار ہے یا کوئی اور وجہ ثبوت کی ہے۔ ناراضگی معاف۔

فیض اللہ صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان
۲۵ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ

مستفتی کے بیانات مستفتی سے معلوم ہوا کہ اللہ دسایا خاوند نے حاجی موسیٰ اور کریم بخش کے سامنے متعدد مرتبہ اقرار کیا کہ میرے والد نے میری زوجہ کے ساتھ زنا کیا ہے۔ لیکن اب والد کے سمجھانے کی وجہ سے منکر ہے۔ حاجی موسیٰ نے کہا کہ یہ لڑکی تمہارے اوپر حرام ہے۔

تم دوسرا نکاح کر لو۔ تو اس نے کہا کہ تم اس بات کو اخفا میں رکھو اور ایسے ہی رہنے دو۔
مستفتی اس شخص کو لانے کے لئے تیار ہے جس کے سامنے اس نے اقرار کیا ہے یعنی حاجی موسیٰ
نیز اس کے اقرار پہ دوسرا گواہ کریم بخش موجود ہے۔

باسمہٖ تعالیٰ

بجواب حضرت مولانا فیض اللہ صاحب صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان شہر۔
معروض ہے کہ اگرچہ اللہ دسایا اب اپنے اقرار سے منحرف ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے اقرار پہ دو گواہ موجود ہیں۔ حاجی موسیٰ، کریم بخش اور دوسرے لوگ بھی اور وہ خود بھی اپنے اقرار کو مانتا ہے۔ اگرچہ تاویل کرتا ہے کہ میں نے بہکانے سے اقرار کیا وغیرہ۔ بہرحال اقرار اللہ دسایا کا موجب حرمۃ مصاہرہ ہے۔

عالمگیری میں ہے ص ۴ ج ۲ لواقر بحرمة المصاهرة يواخذ به ويفرق بينهما الخ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ والاصرار على هذا الاقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلك وقال كذبت فالقاضى لا يصدقه ولكن فيما بينه وبين الله تعالىٰ ان كان كاذبًا فيما اقر لاتحرم عليه امرأته
نیز واضح رہے کہ اقرار سابق کے لئے علم یقینی شرط نہیں ہے بلکہ غلبۂ ظن بھی کافی ہے شامی میں ہے۔ تحت قوله شرى أمة أبيه لم تحل له ان علم انه وطئها اھ

قال العلامة الشامى فى شرح هذا القول المراد بالعلم ما يشمل غلبة الظن اذ حصول العلم اليقينى فى ذلك نادر ومنه اخبار الاب بانه وطئها وهى فى ملكه الخ (شامی مصری ص ۳۸۴ ج ۲ ۔ فصل فی المحرمات)

بحر الرائق میں ہے ص ۱۰۱ ج ۳ تزوج امرأة على انها بكر فلما أراد مجامعتها وجدها مفتضة قال لها من افتضك فقالت أبوك ان صدقها الزوج بانت منه ولا مهر لها وان كذبها فهى امرأته۔
اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ زوج کا اپنی بیوی کے قول کی تصدیق کر لینا اور اس کے کہنے پر اقرار کر لینا اقرار صحیح ہے۔ اور موجب حرمۃ مصاہرہ ہو جاتا ہے

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

حرمتِ مصاہرہ کے گواہوں کی گواہی ایک دفعہ رد کردی جائے تو دوبارہ انہی کی گواہی کی وجہ سے حرمت کا حکم نہیں لگا سکتے ۔

ایک اہم مفصّل فتویٰ

مسمّی دلمیر ولد محمد نے الزام لگایا ہے کہ مسمّی زید ولد عنایت کا ناجائز تعلق اپنی ساس کے ساتھ ہے ۔ یہ واقعہ پنچایت کے سپرد کیا گیا ۔ پنچایت کے اشخاص سات ہیں ۔ مذکورہ بالا اشخاص کی پنچایت کے سامنے واقعہ پیش ہوا ۔ پس پنچایت مذکور نے مسمّی دلمیر سے گواہ طلب کئے ۔ مسمّی دلمیر نے اس پر امیر ولد شاہ محمد قوم موچی مسمّی غلام رسول ولد شاہ محمد کو بطور گواہان پیش کیا ۔ پنچایت نے فیصلہ کیا کہ مدعی دلمیر پنچایت کے سامنے حلف اٹھائے کہ میرا الزام سچ ہے اور گواہان امیر اور غلام رسول قسم اٹھائیں کہ ہم الزام مذکور کے بچشم گواہ ہیں ۔ تو ہم پنچایت والے ملزم زید سے طلاق لیتے ہیں ۔ تو مدعی دلمیر اور گواہ غلام رسول اور گواہ امیر تینوں نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا ۔ تو پنچایت نے فیصلہ کیا ۔ کہ چونکہ دعویٰ شرعاً گواہوں سے ثابت ہوتا ہے ۔ اور نہ تم اور نہ تمہارے گواہ حلف اٹھاتے ہیں ۔ اس واسطے ہم پنچایت والے تجھے جھوٹا تصور کرتے ہوئے مقدمہ خارج کرتے ہیں ۔ یہ واقعہ ۲۶؍۱۰؍۷۸ کا ہے ۔ اب ایک سال گزر جانے کے بعد مدعی مذکور دلمیر دوبارہ کہتا ہے ۔ کہ میں قسم اٹھاتا ہوں کہ میرا الزام سچ ہے ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اب ایک سال گزر جانے کے بعد قسم اٹھانا شرع شریف میں قابل قبول ہے اور جائز ہے یا ناجائز ۔

تنقیح ۔ سائل سے زبانی معلوم ہوا کہ دلمیر اور اس کے گواہ چشم دید بات پر بیان نہیں دیتے ۔ بلکہ یوں ہی کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے ۔

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوئی ۔ کیونکہ حرمت مصاہرہ کے ثبوت کے لئے مدعا علیہ کا اقرار یا دو گواہ عادل کا ہونا ضروری ہے ۔ جو کہ صورت مسئولہ میں متحقق نہیں ہے ۔ اس لئے زید مذکور کی عورت بدستور اس کے نکاح میں ہے ۔ لیکن یہ معاملہ چونکہ حلت وحرمت

کلمہ ہے اگر زید مذکور سے حقیقت میں یہ گناہ سرزد ہوا ہے۔ تو پھر اس پر لازم ہے
کہ اس عورت کو طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کرے اور فعل مذکور سے توبہ تائب ہو۔

فقط واللہ اعلم الجواب صحیح
بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہٗ عبد اللہ غفر اللہ لہٗ

۲۱ر ۴ر ۱۳۷۸ھ

مذکورہ بالا جواب پر کچھ دنوں کے بعد ایک تحریر موصول ہوئی جو درج ذیل ہے۔
آج بتاریخ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۹ھ کو مسمی دلمیر قوم موچی ساکن حرمل پور
ضلع جھنگ اور مسمی زید ولد عنایت قوم موچی ساکن حرمل پور ضلع جھنگ مدعی علیہ
حاضر ہوئے۔ مدعی مذکور نے قسم کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے زید
مدعی علیہ کو دیکھا ہے۔ کہ مسماۃ عنایت، ساکنہ خسانہ ضلع جھنگ کے ساتھ زنا کر رہا تھا۔
جس پر میں نے زید کی ہمشیرہ کو (جو کہ مدعی کی عورت ہے) سارا قصہ بیان کیا اور
مسمی غلام رسول ولد شاہ محمد قوم موچی ساکن خسانہ ضلع جھنگ اور اللہ دتہ قوم موچی
ساکن نکھیانہ نے قسم اٹھا کر بلفظ اشہد کہا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ
مذکور عنایت مذکورہ کے ساتھ بدکاری کر رہا تھا۔ ہم نے دونوں کو خوب پہچانا۔
لہٰذا فیصلہ دیا جاتا ہے۔ کہ عنایت مذکورہ کی لڑکی زید مذکور پر ابداً حرام ہے۔
حرمتِ مصاہرہ کی وجہ سے اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی ہے۔
تحریر مذکور کا خیر المدارس کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

الجواب صورت مسئولہ کے بارے میں ایک دفعہ مقدمہ خارج ہو چکنے کے
بعد جناب مولانا قمر الدین صاحب کا دوبارہ اس کے متعلق گواہی لینا
اور فیصلہ کرنا شرعاً درست نہیں۔ کیونکہ پہلی مرتبہ دلمیر کے گواہوں کی گواہی رد کی جا
چکی ہے اور شہادت کے متعلق اصول ہے۔ کہ ایک دفعہ مردود ہونے کے بعد اس
حادثہ میں دوبارہ شہادت قابل سماعت نہیں ہوتی۔ قال صدر الشریعۃ

اذا ردت مرۃ فی حادثۃ لاتقبل فیہا ابداً (شرح وقایہ ص ۲۹۵ ج ۲)
نیز یہ حرمت مصاہرہ حقوق اللہ میں سے ہے۔ جس میں بلا دعویٰ شہادت

ممنوع ہے (شامی ص۳۸۶ ج۴) اور ان میں تقادم حادثہ ایک قول کے مطابق مسقط شہادت ہے۔ اور تقادم ایک شبہ کے ساتھ مقدر ہے۔ تو گواہان مذکور کی گواہی اگر قبل ازیں مردود نہ بھی ہوتی تو بوجہ تقادم کے ساقط ہو جانی چاہیئے تھی چہ جائیکہ وہ پہلے سے مردود ہے۔ لہٰذا جناب موصوف کا فیصلہ قواعد کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات اور غیر صحیح ہے اور ہمارا سابقہ فتویٰ بالکل درست ہے کہ حرمۃ مصاہرۃ ثابت نہیں۔ مخفی نہ رہے کہ ہمارے زمانہ میں استحلاف شہود جائز ہے

(صرح بہ فی البحر ص۶۹ ج۷)

وفی التہذیب للقلانسی وفی زماننا لما تعذرت التزکیۃ بغلبۃ الفسق اختار القضاۃ کما اختار ابن ابی لیلی استحلاف الشہود بغلبۃ الظن اھ قلت ولا یضعفہ ما فی الکتب المعتبرۃ کالخلاصۃ والبزازیۃ من انہ لا یمین علی الشاہد لانہ عند ظہور عدالتہ والکلام عند خفائہا خصوصاً فی زماننا الخ

اور پنچایت کا دلمیر کے گواہوں کی گواہی کو رد کرنا بوجہ انکار حلف درست متصور ہوگا۔ نیز واضح رہے کہ قضاءً یہی فیصلہ ہے۔ جو مذکور ہوا۔ لیکن اگر فی الواقع زید سے یہ فعل شنیع واقع ہوا ہے۔ تو دیانۃً اس پر واجب ہے کہ فوراً اپنی بیوی کو طلاق دے کر الگ ہو جائے۔ ورنہ سخت گنہگار ہوگا۔ گواہوں کو علم ہونا الگ بات ہے۔ لیکن خود زید تو اپنی حرکات کو خوب جانتا ہے اور حق تعالیٰ سبحانہ کو بھی پورا علم ہے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲ / ۷ / ۱۳۷۹ھ

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

اس کے بعد حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی دامت برکاتہم کی طرف سے پھر ایک تحریر موصول ہوئی۔ جو درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصورة النفس الامرية هذه انه لما جائتني جاء القرطاس الذى تمقت فيه اولاً قال ان المدعى نكل عن دعواه كما امتنع عن الحلف وكذ الشهود فبنكولهم كتب ان حكم پنچائت صحيح ولما ارسلوا الى المدعى ومن ادعى عليه والشهود وثبت ان المدعى امتنع عن الحلف فقط كما ان الشهود امتنعوا عن الحلف فقط واما عن الدعوى والشهادة فلانهم باقون مستبدون مستقلون عليها الى الآن وقد ادعى المدعى المذكور حسب ما ادعى عند پنچائت واشهد الشهود على المدعى عليه بعد انكاره حكم بثبوت حرمة المصاهرة هٰذا هو الواقع۔ واما من رد قولى فلا يعلم ان رد الشهادة لا يعتبر الا بوجه صحيح كما فى فتاوى الامام الغزى على صفحة ص۲۰۰ وامتناع المدعى والشهود عن الحلف ليس لله وجه شرعى حتى يرد الشهادات والدعوى بذلك وفى المناقب الكردرى اعلم ان تحليف المدعي والشاهد امر منسوخ بطلانه والعمل بالمنسوخ حرام وقد ذكر فى فتاوى القاعدى وخزانة المفتين ان السلطان اذا امر قضاته بتحليف الشهود يجب على العلماء ان ينصحوا السلطان ويقولوا له لا تكلف قضاتك امراً ان اطاعوك يلزم منه سخط الخالق وان عصوك يلزم منه سخطك الى اٰخر ما فيها (الاشباه والنظائر وشرحه للحموى ص۳۳۸ ج۲ ص۳۳۹ ج۲) فالعجب كل العجب بمن يجعل الامر الباطل الحرام الموجب سخط الخالق وجهاً شرعياً لرد الدعوى والشهادة الحق ان حرمة المصاهرة ثابتة قطعاً يقيناً ومن قال خلاف ذالك فلا يصغى اليه ولا يعبأ بما يقول۔

حرره المفتقر قمر الدين السيالوى

۲۹ رجب المرجب سنہ ۱۳۷۹ھ

الجواب ہمارے سابقہ فتوٰی کے بارے میں بعض علماء نے جو عربی میں رد تحریر فرمایا ہے وہ درست نہیں۔ کیونکہ اگر بالفرض گواہوں کو پنچایت کے رد کی بنا پر مردود الشہادۃ نہ بھی قرار دیا جائے تو بھی تقادم حادثہ کے سبب ان کی شہادت مردود ہو گی (جیسا کہ ہم اپنے سابقہ فتوٰی میں تحریر کر چکے ہیں) اس لئے کہ حرمت مصاہرت حقوق اللہ میں سے ہے (شامی ص ۳۸۶ ج ۴) اور تقادم حادثہ حقوق اللہ میں مسقط شہادت اور موجب تفسیق شہود ہے۔ خصوصاً جبکہ زوجین بدستور اکٹھے رہ رہے ہوں۔ اور شاہدین یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود عدالت میں پہنچ کر ان میں تفریق نہ کرائیں۔

کما صرح به غير واحد۔ علامہ ابن نجیم بحر الرائق میں فرماتے ہیں۔

وانما قيدنا بحقوق العباد لما في القنية اجاب المشائخ في شهود شهدوا با الحرمة المغلظة بعد ما اخروا شهادتهم خمسة ايام من غير عذر انها لا تقبل ان كانوا عالمين بانهما يعيشان عيش الازدواج ثم نقل عن العلاء الحماني والخطيب الانماطي و كمال الائمة البياضي شهدوا بعد ستة اشهر باقرار الزوج بالطلقات الثلاث لا تقبل اذا كانوا عالمين بعيشهم عيش الازدواج وكثير من المشائخ اجابوا كذلك في جنس هذا وان كان تاخيرهم بعذر تقبل مات عن امرأة وورثته فشهد الشهود انه كان اقر بحرمتها حال صحته ولم يشهدوا بذلك حال حياته لا تقبل اذا كانت هذه المرأة مع هذا الرجل وسكتوا لانهم فسقوا (البحر ص ۶۳ ج ۷)

۲۔ درمختار میں ہے۔ متى اخر شاهد الحسبة شهادة بلا عذر فسق فترد (درمختار علی حاشیۃ ابن عابدین ص ۳۸۶ ج ۴)

وجہ اس رد شہادت کی یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اب کسی دنیوی عداوت کے سبب مدعا علیہ کے خلاف گواہی دے رہے ہوں۔ ورنہ اتنی مدت تک تاخیر کی کیا وجہ۔ مخفی نہ رہے کہ بعض مقامات میں جو تقادم کو پندرہ سال وغیرہ سے محدود کیا گیا ہے یہ اس وقت

ہے کہ جب دعوٰی حقوق العباد کے بارے میں ہو۔جن میں سماعت شہادت کے لئے تقدم دعوٰی شرط ہے۔حقوق اللہ میں ایسا نہیں۔جیسا کہ بحر الرائق کی عبارت سے ظاہر ہے۔ اور دیگر کتب فقہ میں مصرح ہے۔نیز تنازعہ ہذا کا ایک دفعہ پنچایت میں پیش ہو جانا مانع تقادم نہیں۔جبکہ دوبارہ موصوف کے پاس پورے سال بھر کے بعد پیش کیا گیا۔ کیونکہ دونوں دعواجات کی درمیانی مدت ایک ماہ سے زائد ہے۔جس سے تقادم کو مقدر کیا گیا ہے۔

كما صرح به فى الشامى فى بحث الرابع عدم سماعها حيث تحقق تركها هذه المدة فلو ادعى فى اثنائها لا يمنع بل تسمع دعواه ثانيا مالم يكن بين دعوى الاولى والثانية هذه المدة (شامی ص۳۹۳ ج۴ بحث من الدعوى فى حقوق العباد خمس عشر سنة)

خواجہ قمر الدین صاحب نے تحلیف شہود کو جو امر ممتنع باطل اور اس پر عمل کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔سو اولاً تو گزارش ہے کہ اگر یہ صحیح ہے۔تو موصوف نے پنچایت کے فیصلہ کی تصدیق کیسے کی۔حالانکہ وہاں بھی امتناع عن الحلف تھا رجوع نہ تھا۔عربی تحریر میں نکول مدعی اور شہود کا تذکرہ بھی غلط ہے۔نیز بعد میں جو فریقین تنازعہ موصوف کے پاس لے گئے ہیں۔تو خود موصوف اس حرام یعنی تحلیف شہود کے کیوں کر مرتکب ہوئے۔اور کیا موصوف کے اس دانستہ ارتکاب حرام کے بعد متذکرہ فیصلہ پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ثانیاً یہ درست ہے کہ اصل مذہب میں تحلیف شہود نہیں۔جیسا کہ اصل کتب مذہب میں مسطور ہے۔البتہ تزکیہ شہود کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔لیکن جب بوجہ غلبہ فسق تزکیہ متعذر ہو جائے تو بعض فقہاء نے تحلیف شہود کو اختیار فرمالیا ہے۔جیسا کہ بحوالہ بحر سابقہ فتوٰی میں ہم لکھ چکے ہیں۔اور صاحب درمختار نے بھی اسے نقل کیا ہے اور فرمایا۔

اقره المصنف ثم نقل عنه عن الصيرفية تفويضه للقاضى قلت فلا تنافيه ما مر عن الاشباه (ص۳۸۸ ج۴)

شامی میں سابقہ فتوٰی میں خود صاحب بحر کی طرف سے دونوں لفظوں میں

تطبیق بھی ذکر کی گئی تھی تاکہ دوسری عبارات سے کسی کو دھوکہ نہ ہو کہ عدم تحلیف شہود ظہور عدالت کے وقت ہے اور تحلیف اس کے خفاء کے وقت۔ تو اب جو عبارات تحلیف شہود کے عدم جواز پر پیش کی گئی ہیں وہ ہمارے خلاف نہیں۔ پس ہمارے زمانے میں اگر کوئی قاضی وغیرہ کسی مقدمہ میں تحلیف شہود کو ضروری سمجھے تو شاہدین کو قسم کھانا ضروری ہوگا اور انکار حلف کی صورت میں اگر قاضی کا غلبہ گمان یہ ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں تو اسے گواہان مذکورکو رد کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔ تو پنچایت کی شہادت کو بوجہ انکار حلف رد کرنا درست متصور ہوگا۔ نیز موصوف نے جو عبارت اشباہ سے نقل کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطان کے لئے تحلیف شہود کا قانون بنانا درست نہیں۔ کہ ہر گواہ سے قسم لینا ضروری ہو اور حاکم اس کا مکلف ہو۔ اور یہ مطلب نہیں کہ کسی خاص مقدمہ میں اگر کوئی قاضی حلف لینا ضروری سمجھے تو اس کی بھی اجازت نہیں

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ	بندہ عبدالستار عفی عنہ
	۲۹/ ۸/ ۱۳۷۹ھ

ھذا الجواب وما اشبہہ حق والحق احق ان یتبع وما عارض الحق الا صاحب الفساد فلا یکون علی قولہ الاعتماد ربنا لا تزغ قلوبنا بالتعنت والالحاد وانا الاذقر الراجی الی رحمۃ ربہ الاحد۔

خیر محمد
مدیر المدرسہ خیر المدارس بملتان
۳۰/ ۸/ ۱۳۷۹ھ

جمہور فقہاء امّت حرمتِ مصاہرہ کے قائل ہیں اور اس کے حوالہ جات

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے سگے بیٹے کی بیوی کے پستان خواہشاتِ نفسانی کے ساتھ کھلیے یعنی مسلے۔ اور بیٹا خود اس عمل کو دیکھ کر اپنی بیوی کو گھر رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ کیا معافی کی کوئی صورت ہے؟ اور باپ کے اوپر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ عورت کے پانچ بچے ہیں۔ بڑے کی عمر سات سال ہے۔

الجواب یہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہو چکی ہے۔ خاوند کو چاہیئے کہ یہ کہہ دے میں نے اس عورت کو چھوڑا۔ تاکہ بعد از عدت وہ دوسری جگہ نکاح کر سکے۔ ولا تذروھا کالمعلقة کذا فی عامة کتب الفقه۔ ہر چند دلائل لکھنا ضروری تو نہیں۔ کیونکہ دلائل کو سمجھنا اور ان کے ضعف وقوت کو معلوم کرنا عام آدمی کا کام نہیں۔ لیکن چونکہ سوال کے متعلق کسی غیر مقلد کا فتوٰی بھی بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا ہم فتوٰی کی قابل جواب عبارتوں پر مختصر سا تبصرہ کرتے ہیں۔

(۱) مجیب مذکور نے حرمتِ مصاہرہ کے مسئلہ کو کوفی شریعت قرار دیا ہے ان کا دعوٰی ہے کہ اس کوفی مذہب کا جمہور علماء اسلام نے انکار کیا ہے۔ ہم یہ بدگمانی تو نہیں کرتے کہ مجیب مذکور کو پتہ ہونے کے باوجود کہ یہ مذہب احناف کے علاوہ کس کس کا ہے۔ پھر بھی اس کو صرف حنفیہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ بلکہ حسنِ ظن کی بناء پر یہی سمجھتے ہیں کہ مجیب مذکور کو چونکہ پتہ نہیں ہوگا۔ اس لئے اسے صرف حنفیہ کا مذہب کہا ہے۔ یہ بتانے سے قبل کہ جمہور امّت میں سے حرمت مصاہرہ کا کون کون قائل ہے یہ گزارش ضرور کریں گے۔ کہ اگر علمی معلومات اس درجہ کم ہوں تو شریعت کے ایسے اہم مسائل میں فتوٰی دینے اور بحث کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجرأکم علی الفتیا اجرأکم علی النار او کما قال۔

بہر حال یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ صحابہ کرام میں سے حضرت عمرؓ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ عمران بن حصین، جابرؓ، اُبیؓ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا یہی مسلک ہے۔

جمہور تابعین مثلاً حسن بصری، شعبی، نخعی، اوزاعی، طاؤس، مجاہد، سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، حماد، ثوری، اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ائمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ کی ایک روایت اور امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ مجیب مذکور کو ان اسمار گرامی سے اندازہ ہو جائے گا کہ جمہور فقہار کس مسلک کے پیرو کار تھے۔

(۲) مجیب مذکور فرماتے ہیں کہ شریعت محمدیہ میں ان مسائل کا نام ونشان ہی نہیں ہے اور ان پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہ لکھنے کے بعد کہ یہ مسلک اتنے جلیل القدر صحابہ وتابعین اور ائمہ کا ہے۔ کسی دلیل کی حاجت تو نہیں رہتی مگر پھر بھی فاضل مجیب کی علمیت میں اضافہ کرنے کے لئے چند دلائل لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ قولہ تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح آباءکم الآیۃ نکاح کا حقیقی معنیٰ وطی ہے۔ یعنی جن عورتوں سے تمہارے آبار نے وطی کی ہے۔ تم ان سے وطی نہ کرو۔ حاصل یہ ہے کہ باپ کی موطوئہ بیٹے کے لئے حرام ہے۔ باپ نے وطی حلال کی ہو یا حرام۔ کیونکہ اصل سبب حرمت وطی ہے نہ کہ نکاح۔ نکاح صحیح میں جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس کا سبب بھی وطی ہے نہ کہ نفس نکاح۔ اور اثبات حرمت کے لئے وطی کو مقید بحلال کرنا زیادۃ علی الکتاب ہے۔

۲۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے جاہلیت میں ایک عورت سے زنا کیا تھا۔ کیا میں اس عورت کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا (فتح ص ۱۱۹ ج ۳)

۳۔ عن ابن جریج ان النبی علیہ السلام قال فی الذی یتزوج المرأۃ فیغمز ولا یزید علی ذلک لا یتزوج ابنتہا۔ اھ

۴۔ روی الجوزجانی باسنادہ عن وھب بن منبہ قال ملعون من نظر الی فرج امرأۃ وابنتہا۔ اھ

۵۔ اخرج ابن ابی شیبۃ مرفوعًا من حدیث ام ھانی من نظر الی فرج امرأۃ لم تحل لہ امہا ولا ابنتہا اھ

۶۔ اخرج ابن ابی شیبۃ بسندہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ھکذا اھ

۷۔ بیہقی نے یہی روایت حجاج بن ارطاۃ کے واسطہ سے ام ہانی سے نقل کی ہے۔

اور حجاج مسلم کے رواۃ میں سے ہیں مزید احادیث و آثار کتب میں موجود ہیں۔ ہم خوف طوالت کی وجہ سے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ فاضل مجیب نے اتنے دلائل کے ہوتے ہوئے کیسے کہہ دیا۔ کہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ مسلک کے خلاف دلائل کا نقل نہ کرنا تو ایک بات بھی ہے گو انصاف کے خلاف ہے۔ مگر فریق مخالف کے دلائل کا سرے سے انکار ہی کر دینا یہ جرأت تو فاضل مجیب میں ہی دیکھی ہے۔

(۳) فاضل مجیب نے جن دلائل کی بنا پر فتویٰ دیا ہے۔ اب ذرا ان کی حقیقت بھی ملاحظہ ہو۔ سب سے پہلے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما نقل کی ہے۔ اس کی سند میں اسحق بن ابی خردہ موجود ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ حدیث ہی نہیں۔ بلکہ عراق کے کسی قاضی کا کلام ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے جو روایت نقل کی جاتی ہے۔ اس میں عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی موجود ہے۔ اس کے بارے میں یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ امام بخاریؒ امام ابوداؤدؒ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں۔ ھو لیس بشئی۔

فاضل مجیب نے جن دلائل کی بنا پر اتنا طویل و عریض فتویٰ لکھا ہے۔ ان میں سے سند کے اعتبار سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ اب بتائیں کہ دلائل ان کے پاس نہیں ہیں یا احناف کے پاس۔

الحاصل مذکورہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہو چکی ہے۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جبکہ مس بلا حائل ہوا ہو اور انزال بھی نہ ہوا ہو۔ اس غلط فتویٰ سے وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ فتویٰ میں جواب کم اور احناف پر اعتراضات زیادہ کئے گئے ہیں۔ ہم ایسی باتوں کو فتویٰ اور عالمانہ شان کے منافی سمجھتے ہوئے ان کے جواب سے گریز کرتے ہیں۔

ع۔ گفتگو آئین درویشی نبود۔ ورنہ با تو ماجراہا داشتیم۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲/۱۲/۱۳۹۸ھ

حرمتِ مصاہرہ میں گواہ نہ ہوں تو خاوند کا تصدیق کرنا ضروری ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس بارے میں ۔ کہ ایک عورت ہندہ مسمی زید کی منکوحہ مدخولہ ہے۔ اس کے بطن سے دو بچے بھی پیدا ہوئے ہیں۔ جو کہ بقید حیات ہیں۔ زید کے والد حقیقی نے ہندہ (اپنی بہو) کے ساتھ زنا بالجبر کیا۔ خدا اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آیا ہندہ زید کے حق میں رہ سکتی ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔ اس واقعہ میں زید اپنی بیوی کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اس کا غالب گمان یہ ہے کہ میرے باپ نے یہ فعل بد کیا ہے۔

اللہ بچایا ولد حاجی ملک وزیر احمد

الجواب برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مسمات ہندہ مسمی زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی ہے۔

قال فی الفتح وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع فی اكبر رأيه صدقها وعلی هذا ينبغی أن يقال فی مسه اياها لاتحرم علی ابيه وابنه الا أن يصدقاه اويغلب علی ظنهما صدقه ثم رأيت عن ابی يوسف مايفيد ذلك اھ (ص ۲۸ ج ۲ شامی)

زید کو چاہیے کہ وہ ہندہ کو فوراً علیحدہ بھی کر دے اور اسے کہہ دے کہ میں نے ہندہ کو چھوڑ دیا (طلاق دی) اس کے بعد ہندہ عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

درمختار میں ہے۔ وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح حتی لايحل لها التزوج بآخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة (ص ۲۸۳ ج ۲ شامیہ)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۷ / ۷ / ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ
خیر المدارس ملتان

رضاعت کے مسائل

بیوی کی رضاعی ماں سے نکاح کرلیا جائے تو دونوں حرام ہوگئیں دونوں کو چھوڑنا ضروری ہے

مسماۃ پیراں مائی میری سرپرستی میں ہے میری ماموں زاد بہن بھی ہے اب وہ جوان ہے۔ متوفی والد مسماۃ مذکورہ نے اپنے پیچھے دو بیوگان کو چھوڑا ہے متوفی نے مذکورہ کا نکاح بوقت نابالغی باز محمد سے پڑھ دیا۔ نکاح کے رجسٹر میں اس لڑکی کا انگوٹھا رضامندی کا ابھی تک نہیں لگا ہے۔ مسمّی باز محمد نے اس لڑکی کی رضاعی ماں سے شادی کرلی ہے۔ مذکورہ اپنی ماں کا دودھ بھی پی چکی ہے۔ تو مذکورہ لڑکی مسمیٰ باز محمد کے نکاح میں رہی ہے یا نہیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں پیراں جو کہ اپنی سوتیلی ماں کی رضاعی بیٹی ہے کا نکاح چونکہ اس کے باپ نے حالت نابالغی میں کردیا تھا اس لئے نکاح صحیح ہوا اور دوسرا نکاح جو کہ باز محمد نے اس کی سوتیلی ماں جو کہ اس لڑکی مذکورہ کی رضاعی ماں بھی ہے سے کیا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ رضاعی ماں اور رضاعی لڑکی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں۔ (والدلیل علیہ قول العالمگیریہ ص۲۷۷)

والاصل ان کل امرأتین لو صورنا احداھما من ای جانب ذکراً لم یجز النکاح بینھما برضاع او نسب ــــــ اور جن دو کو جمع کرنا جائز نہیں انہیں سے جس سے بعد میں نکاح کیا ہوا سے نکاح فاسد ہوتا ہے۔ والدلیل علیہ وان تزوجھما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسدۃ۔

نوٹ: باز محمد پر لازم ہے کہ دوسری بیوی کو علیحدہ کردے اور اس عورت پر عدت لازم ہے اور نسب اسی خاوند سے ثابت ہوگا اور عورت کے لئے مہر مقررہ اور مہر مثل میں سے جو اقل ہو وہ دینا پڑے گا۔ بشرطیکہ باز محمد دوسری عورت سے دخول کرچکا ہو۔ والدلیل علیہ قول العالمگیریہ ص۲۷۸ وان فارقھا بعد الدخول فلھا المھر و یجب الاقل من المسمیٰ ومن المھر المثل وعلیھا العدۃ و یثبت النسب۔ (نوٹ) صورت مسئولہ میں پہلی بیوی بھی حرام ہوگئی، حرمت مصاہرہ ثابت ہونے کی وجہ سے کیونکہ جب اس نے اس کی رضاعی ماں سے جماع کرلیا تو اب اس کی پہلی بیوی حرام ہوگئی۔ لہٰذا جس طرح دوسری بیوی کو چھوڑنا لازم ہے پہلی کو بھی چھوڑنا لازم ہے حرمت مصاہرہ کے لئے فسخ یا طلاق کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لئے خاوند کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ طلاق دے ورنہ عدالت سے فسخ کرالیا جائے ــــــ فقط واللہ اعلم بندہ محمد عبداللہ

رضاعت میں نفی کی گواہی قبول نہیں۔

زوجہ نے شہادت میں رضاع بین المتناکحین کو ثابت کیا اور زوج نفی رضاع پر شہادت پیش کرے تو کیا یہ شہادت شرعاً صحیح ومقبول ہے ۔؟

الجواب شہادتِ نفی غیر معلوم بالتواتر پر مقبول نہیں۔ شامی باب الیمین فی البیع میں ہے۔

(قولہ لو تقبل الخ) حاصلہ ان لا یفصل فی النفی بین ان یحیط بہ علم الشاھد فتقبل الشہادۃ والا فلا بل لا تقبل علی النفی مطلقاً۔

الجواب صحیح ، سراج محمد | حررہ عبدالواحد خانپوری

صورت مسئولہ میں اگر رضاع پر دو گواہ مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عادل ہیں تو رضاع ثابت ہو جائے گی اور نفی رضاع پر گواہی معتبر نہیں۔ والجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ

سفید پانی سے بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی

بڑی بہن اور چھوٹا بھائی ممتاز اکٹھے سوتے تھے جبکہ بڑی بہن کی لڑکی عرصہ تقریباً دو ماہ سے فوت ہو چکی ہے تو ممتاز نے اپنی بڑی بہن کے پستانوں کو چوسا جبکہ اس کی بڑی بہن کا بیان ہے میرا دودھ خشک ہو چکا تھا سفید پانی آتا تھا۔ مسمی ممتاز احمد کی عمر تقریباً دو سال تھی۔ کیا مسمی ممتاز احمد کی رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، اگر ہوتی ہے تو کیا ممتاز احمد کی لڑکی ناصرہ اس کی بڑی بہن کے لڑکے طارق کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، وضاحت فرمائیں۔

الجواب مسماۃ ناصرہ اور طارق کا آپس میں نکاح نہ کیا جائے۔ یہ سفید پانی درحقیقت دودھ ہے جو کسی وجہ سے متغیر ہو گیا ہے لہٰذا یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب الحدیث، فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔

اگر ممتاز نے دودھ ۲½ سال کے اندر پیا ہے تب تحریم ثابت ہو گی۔

فی الجوھرۃ انہ فی الحولین ونصف ولو بعد الفطام محرم وعلیہ الفتوی۔ (درمختار علی الشامی ص ۲/۴۲۴)

والجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفی عنہ

رضیعہ کا نکاح رضاعی باپ کی دوسری بیوی کی اولاد سے بھی درست نہیں

ہندہ، خالدہ کی رضیعہ ہے، خالدہ کے خاوند کی دوسری بیوی زینب ہے، کیا ہندہ کا نکاح خالدہ کے خاوند کی دوسری بیوی زینب کی اولاد سے ہوسکتا ہے۔

الجواب ہندہ کا نکاح خالدہ کے خاوند کی دوسری بیوی زینب کی اولاد سے بھی جائز نہیں۔

یحرم علی الرضیع أبواہ من الرضاع وأصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعاً حتی ان المرضعۃ لو ولدت من ھذا الرجل أو غیرہ قبل ھذا الارضاع أو ارضعت امرأۃ من لبنہ رضیعاً فالکل اخوۃ الرضیع وأخواتہ وأولادھم أولاد اخوتہ وأخواتہ الخ۔ (عالمگیری ص۳۴۳ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
۶/ ۲/ ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

رضاعت کے عادل گواہ موجود ہوں تو غیر مدخولہ ہونے کی صورت میں فسخ قاضی کی کوئی ضرورت نہیں

غیر شادی شدہ (غیر مدخولہ) عورت کے ہاں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت رضاعت گزری جس پر اس نے اپنا نکاح فسخ کر کے بذریعہ درخواست مجسٹریٹ سے تفریق کی طالب ہوئی جس نے گواہ نفی رضاعت مقدم رکھ کر فیصلہ عدم رضاع دیا۔ کیا شرعاً نکاح رہا یا نہ؟

الجواب بوجہ غیر مدخولہ ہونے کے تفرق ابدان سے نکاح فسخ ہوگیا۔ قضا۔ قاضی کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ رضاعت سے نکاح فاسد ہوا جس میں غیر مدخولہ کے فسخ نکاح کے لیے تفریق ابدان کافی ہے اور مدخولہ کے لیے قضاء قاضی ضروری ہے جبکہ زوج متارکہ نہ کرے، فیصلہ قانونی برخلاف فتویٰ شرعیہ ہونے کے کالعدم ہے مگر دفع جرم قانونی ازدواج مکرر سے بچنے کے لئے تجدید نکاح کی اجازت لینا ضروری ہے۔ شامی ص۵۶۹ ج۲ میں ہے:۔

قولہ وحجتہ حجۃ المال وھی شہادۃ عدلین او عدل وعدلتین لکن لا تقع الفرقۃ الا بتفریق القاضی لتضمنہا حق العبد الی الحاصل ان المذھب عندنا ان النکاح لا یرتفع بحرمۃ الرضاع والمصاھرۃ بل یفسد وفی الفاسد لابد من تفریق القاضی او المتارکۃ بالقول
واللہ اعلم ——— (از دار الافتاء سراج العلوم خان پور)

اگر رضاعت کا ثبوت عینی شہادت سے ہو جاوے اور شہادت میں تمام شرائط ملحوظ ہوں تو ثابت ہوا کہ عورت نکاح کے وقت محرمات میں سے تھی اور نکاح محارم باطل ہے کما ھو قولھما وھوالمفتی بہ تو تفریق کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر اس نکاح کو فاسد بھی کہا جائے ۔ کما ھو قول الامام تو بھی علیٰ وفق جواب المجیب، عورت مذکورہ کو فسخ نکاح اوّل اور تجدید نکاح کا اختیار حاصل ہے ـــــ

الجواب صحیح	واللہ اعلم
محمد عبداللہ غفرلہٗ	محمود عفا اللہ عنہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان	مفتی قاسم العلوم ملتان

تین سال کی عمر میں دودھ پینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک لڑکے نے کچھ دن اپنی نانی کا دودھ پیا اس وقت لڑکے کی عمر تین سال تھی اور اسکے ساتھ اسکی خالہ نے بھی دودھ پیا جس کی عمر ۵ یا ۶ دن تھی اس لڑکے کا نکاح بڑی خالہ کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں دودھ پینے والے لڑکے کا نکاح خالہ کی لڑکی سے شرعاً درست ہے کیونکہ تین سال کی عمر میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

فی وقت مخصوص ھو حولان ونصف عندہ وحولان فقط عندھما وھوالاصح ، فتح : وبہ یفتی کما فی تصحیح القدوری عن العون (درمختار علی الشامیۃ ص ۴۴۷ ج ۲) فقط واللہ اعلم ؛

محمد انور

رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے رضاعت کی گواہی دینا

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ میں اپنے لڑکے کا نکاح اپنی بھانجی سے کرنا چاہتا ہوں ایک شخص کچھ دنوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ اس لڑکے اور لڑکی نے اپنی نانی کا دودھ پیا تھا۔ اس بات کا قائل شخص مذکور کے علاوہ اور کوئی نہیں اور ان بچوں کی نانی بھی فوت

ہو گئی ہے اس شخص نے یہ باتیں اسوقت کہنی شروع کیں جب اِس کو یہ رشتہ مانگنے پر نہ ملا۔ آیا اس ایک شخص کے کہنے سے حُرمت ثابت ہو گی یا نہ ؟

الجواب برتقدیر صحت واقعہ اگر آپکے لڑکے اور بھانجی نے نانی کا دُودھ نہیں پیا تو ان کا عقدِ نکاح شرعاً درست ہے محض ایک آدمی کے کہنے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ والرضاع حجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین أو عدل وعدلتین (درمختار علی الشامیۃ ص۴۴۸ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور

مزنیہ کی رضیعہ سے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کے ہندہ سے ناجائز تعلقات تھے خالدہ نے ہندہ کا دُودھ پیا تھا تو کیا زید ہندہ کی رضیعہ خالدہ سے نکاح کر سکتا ہے؟

الجواب زانی مزنیہ کی رضاعی اولاد سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ مزنیہ عورت زانی کے اصول وفروع پر خواہ وہ نسبی ہوں خواہ رضاعی حرام ہے اسی طرح مزنیہ کے اصول وفروع خواہ نسبی ہوں یا رضاعی زانی پر حرام ہیں لہذا زید خالدہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ أراد بحرمۃ المصاھرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی أصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ أصولھا وفروعھا علی الزانی نسباً ورضاعاً کما فی الوطء الحلال (بحر الرائق ص۱۰۸ ج۳ فی فصل المحرمات)

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور
مفتی خیر المدارس ملتان

سوئے ہوئے بچے کے منہ میں پستان دے دیا تو حرمت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بچہ نیند کی حالت میں سویا ہوا تھا

کہ ایک عورت نے اسی حالت میں پستان اس کے منہ میں دے دیا بچے کی طرف سے دودھ چوسنے کے بارے میں کوئی حرکت نہیں ہوئی بچہ بدستور سویا رہا پستان منہ سے نکالنے کے بعد بھی بچہ سویا ہوا تھا۔ تو کیا اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟

الجواب حرمتِ رضاعت اسوقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک قطعی طور پر دودھ کے حلق تک پہنچنے کا یقین نہ ہو جائے۔

فلو التقم الحلمة ولم يدر أدخل اللبن في حلقه أم لا لم يحرم لان في المانع شكا (الدر المختار ص۴۳۹ ج۲)

لو أدخلت الحلمة في في الصبي وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك۔ (رد المحتار ص۴۳۹ ج۲) فقط واللہ اعلم، محمد انور ۱۱/۲/۱۴۰۶

دودھ پینے کے بعد قے کر دی تو بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میری والدہ نے میری پھوپھی زاد بہن کو دو مرتبہ دودھ پلایا اور اس نے قے کر دی اب میرے والدین اس لڑکی سے میرا نکاح کرنا چاہتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب برتقدیر صحت واقعہ جس بچی نے آپ کی والدہ کا دودھ پیا ہے اس سے آپ کا نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ دودھ پینے کی وجہ سے وہ لڑکی آپ کی رضاعی بہن ہے اور رضاعی بہن سے شرعاً نکاح درست نہیں قے کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ یہ دودھ پینا مدتِ رضاعت میں ہوا ہو۔

ويثبت به وان قل ان علم وصوله لجوفه من فمه أو أنفه (در مختار علی الشامیۃ ص۴۳۹ ج۲)

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور ۵/۱۲/۱۴۱۲ھ

ناک کان میں دودھ ڈالنے سے رضاعت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دریں مسئلہ کہ کسی مرض کی وجہ سے عورت کا دودھ بچے کے کان: ناک: آنکھ میں ڈالا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر استعمال کر لیا تو ایسا کرنے سے رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب بغیر کسی عذر کے عورت کا دودھ استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ بطور دواء اسوقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جب مسلمان حاذق حکیم تجویز کرے کہ اس کے علاوہ کوئی دواء کارگر نہ ہوگی۔

والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح (درمختار) ص ۴۳۸/۲

وفي الشامية وقيل يرخص اذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى۔ ص ج ۴۳۸/۲

اگر مدتِ رضاعت میں منہ اور ناک کے ذریعے دودھ استعمال کیا تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ مگر کان کے ذریعے استعمال کرنے سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ويثبت به وان قل ان علم وصوله لجوفه من فمه أو أنفه لا غير۔ (درمختار باب الرضاع) (ص ج ۴۳۹/۲)

ثم أجاب بان المراد بالمص الوصول الى الجوف من المنفذين

(شامی ص ۴۳۷/۲)

ولا الاحتقان والاقطار في أذن واحليل وجائفة وآمة

(در مختار ص ۴۴۴ ج ۲ على الشامية باب الرضاع) فقط واللہ اعلم،

محمد انور،

حرمت کے لئے وقتِ رضاعت ایک ہونا ضروری نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کیا حرمتِ رضاعت کے لئے ضروری ہے کہ لڑکی اور لڑکے نے اکٹھے دودھ پیا ہو اگر لڑکی نے بیس سال پہلے اور لڑکے نے بیس سال بعد

دُودھ پیا ہو تو کیا حرمتِ رضاعت پھر بھی ثابت ہو گی۔؟

الجواب جب دو بچوں نے ایک عورت کا دُودھ پیا ہے تو ان میں حرمتِ رضاعت ثابت ہوگئی تقدیم و تاخیر کا اعتبار نہیں۔

ولا فرق فی التحریم بین الرضاع الطارئ والمتقدم کذا فی المحیط (عالمگیری ص۳۴۵ ج۱)

قولہٗ وان اختلف الزمن کأن أرضعت الولد الثانی بعد الاول بعشرین سنۃ مثلاً وکان کل منہما فی مدۃ الرضاع (شامی ص۴۴۳ ج۲) فقط واللہ اعلم،

محمد انور ، ۱۱/۲/۱۴۰۷ھ

مُردہ عورت کا دُودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی

کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین دریں مسئلہ کہ ایک بچی کو مردہ عورت کا دودھ پلادیا جائے تو کیا اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ بدلیل جواب دیں۔

بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا" ، المستفتی ، محمد ارشاد جھنگوی

الجواب برتقدیرِ صحتِ واقعہ صُورتِ مسئولہ میں جس بچّی نے مُردہ عورت کا دودھ پیا ہے اُس کی حرمتِ رضاعت ثابت ہو گئی۔

ولبن الحیۃ والمیتۃ سواء فی التحریم کذا فی الظہیریۃ۔ (عالمگیری ص۳۴۴ ج۱ مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

واذا حلب لبن المرأۃ بعد موتہا فاوجر الصبی تعلق بہ التحریم (ہدایہ ص۳۳۲ ج۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور ۲۷/۱۲/۱۴۱۷ھ

از خود دودھ اُتر آئے تو حرمت صرف مرضعہ سے ثابت ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اصغر نے کبریٰ سے نکاح کیا ایک عرصہ تک کوئی اولاد نہ ہوئی بدون اولاد ہی کبریٰ کو دودھ اُتر آیا اور اس نے وہ دودھ ایک بچی کو پلایا کیا مذکورہ بچی کا نکاح اصغر کے اس لڑکے سے ہو سکتا ہے جو پہلی بیوی سے ہے۔

الجواب بدون ولادت دودھ اُتر آئے تو حرمت کا تعلق صرف مرضعہ سے ہوگا لہذا اس لڑکی کا نکاح خاوند کی پہلی بیوی کے لڑکے کے ساتھ جائز ہے

رجل تزوج امرأة ولم تلد منه قط ثم نزل لها لبن فارضعت صبیا کان الرضاع من المرأة دون زوجها (عالمگیری ص ۳۴۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴۱۱/۹/۲ھ

بیوی کا دودھ پینے سے بیوی حرام نہیں ہوئی

کوئی خاوند جوشِ محبت میں اپنی بیوی کی چھاتیوں کو چوسنے لگے۔ اور اس وجہ سے ان سے دودھ نکل کر خاوند کے منہ میں چلا جائے تو اس کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے کیا اس شخص کا نکاح ٹھیک رہے گا یا نہیں، برائے مہربانی اس مسئلے کے بارے میں جلد از جلد لکھیں۔

الجواب بیوی کا دودھ پی لینے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ اور بیوی حرام نہیں ہوتی۔ البتہ دانستہ بیوی کا دودھ پینا حرام ہے اور دودھ آنے کا اندیشہ ہو تو چوسنے سے بھی پرہیز کی جائے جو ہو چکا اس کے لئے استغفار کیا جاوے۔

مص رجل ثدی زوجتہ لم تحرم۔ (درمختار ص ۴۴۹ ج ۲)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، محمد انور ۱۴۰۱/۱۰/۸ھ

رضیعہ کا نکاح مرضعہ کے پوتے کے ساتھ

مسماۃ ساجدہ دختر غلام رسول نے سردار خاتون زوجہ اللہ بخش کا دودھ پیا ہے جبکہ اسوقت ساجدہ کی عمر ایک سال ہوگی سردار خاتون کا لڑکا اسلم اور مسماۃ ساجدہ دونوں نے ملکر مسماۃ سردار کا دودھ پیا ہے اب سردار خاتون مسماۃ ساجدہ کا رشتہ اپنے پوتے ارشد بن رضا حسین کے لئے مانگ رہی ہے کیا مسماۃ ساجدہ کا نکاح ارشد کے ہمراہ جائز ہے یا نہیں۔

طارق، محلہ قدیر آباد۔ ملتان

الجواب در مختار علی الشامیہ ص ۴۳۹ ج ۲ میں ہے۔ ویثبت به امومة المرضعة للرضیع الی قوله فیحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ مسماۃ ساجدہ کا عقد نکاح مسمی ارشد بن رضا حسین سے شرعاً درست نہیں ہے رشتہ میں ارشد مذکور مسماۃ ساجدہ کا رضاعی بھتیجا ہے جس سے عقد نکاح درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفی عنہ　　۱۱/۵/۱۴۱۵ھ

رضاعی ماموں اور بھانجی کا نکاح درست نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک عورت شرمن نامی کی ایک بہن حمیدہ ہے اور شرمن کا ایک بیٹا عبد الحمید ہے۔ ان دونوں نے شرمن کا دودھ پیا ہے۔ اب حمیدہ کی بھی شادی ہوگئی ہے۔ اور لڑکی پیدا ہوگئی ہے اور شرمن کی دوسری جگہ شادی ہوگئی ہے اور لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اب شرمن کے دوسرے گھر والے لڑکے سے حمیدہ کی لڑکی کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مذکورہ میں شرمن کے دوسرے گھر والے لڑکے سے حمیدہ کی لڑکی کا نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان بھانجی اور

ماموں کا رشتہ ہے۔ ولاحل بین الرضیعة و ولد مرضعتها أی التی أرضعتها وولد ولدها لأنه ولد الاخ " درمختار ص۲۱۳"

فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص۲۲۸ ج۸) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفرلہ،

رضاعت کے لئے کس طرح کی گواہی ضروری ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں صورت حال یہ ہے کہ اکرم کی شادی ہوئی ہاجرہ سے جس کو تقریباً پندرہ سال ہو گئے ہیں۔ ایک بچہ بھی اسوقت موجود ہے۔ دوسرا بچہ فوت ہو چکا ہے کندن ایک بوڑھی عورت ہے۔ جو کہ اکرم کی نانی اور ہاجرہ کی دادی ہے کہتی ہے کہ میں نے اکرم کو اکرم کے بچپن میں اپنی چھاتی پر لگایا ہے لیکن دودھ نہیں پلایا اور میں اس بارے میں قرآن اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ کیونکہ اسوقت میرا سب سے چھوٹا بچہ کئی سال کا تھا اور میرے پستانوں میں دودھ خشک ہو چکا تھا۔

لیکن ہاجرہ کے گھر والے کندن کے اس قول کی آڑ میں (کہ میں نے چھاتی پر لگایا) اپنا مقصد (ہاجرہ کو چھڑانا) پورا کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم زنا کروانا نہیں چاہتے آپ فرمائیں کہ کیا محض بچہ کو چھاتی پر لگانے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے؟

الجواب اوّل تو محض عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی پھر وہ بھی دودھ پلانے کی نفی کرتی ہے لہذا اس کو بنیاد بنا کر کوئی فیصلہ کرنا درست نہیں ہاں اس کے علاوہ کوئی ثبوت ہو تو ذکر کریں۔

والرضاع حجته حجة المال وهی شهادة عدلین أو عدل و عدلتین اھ (درمختار علی الشامیة ص۲۲۸ ج۲)، فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد انور

بندہ عبدالستار عفی عنہ، غرۃ رجب ۱۴۱۵ھ

مرضعہ حالتِ نیند میں دودھ پلادے تو رضاعت کا حکم

گزارش ہے ناصرہ کی والدہ اپنی بچی ناصرہ کے ساتھ سوئی ہوئی تھی ساتھ ہی اس کا بھتیجا سویا ہوا تھا اچانک وہ رونے لگا تو ناصرہ کی والدہ نے اس بھتیجے کو دودھ پلا دیا نیند کی حالت میں، اور اسی حالت میں سوئی رہی نہ معلوم بچہ نے کتنا دودھ پیا، کتنی دیر پیا کہ اس عورت کی بھابی یعنی لڑکے کی والدہ نے اس کو آکر جگایا۔ اب ناصرہ اور اس لڑکے کی شادی ہورہی ہے کیا نکاح کرنا مذکورہ صورت میں جائز ہوگا ؟ نیز اہلِ محلہ کے لئے اس بارے میں کیا حکم ہے ؟ کیا شرکت کریں یا کہ شرکت نہ کریں۔ والسلام،

قاری محمد عرفان

اقرأ مسجد محبوب آباد ملتان شہر

الجواب صورتِ مسئولہ میں ناصرہ مذکورہ لڑکے کی رضاعی بہن ہے لہذا شرعاً ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں اگر کریں گے تو جائز نہ ہوگا اور بدکاری کے مرتکب گردانے جائیں گے اہلِ محلہ کو چاہیئے کہ ان کی شادی میں شرکت نہ کریں۔

كما في الهندية يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعاً (ص۳۴۳ ج۱) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ محمد انور

رضاعت کی شہادت میں تناقض کا حکم

زید اور خالدہ کا آپس میں رشتہ ہو رہا ہے۔ عبد الغفور گواہی دیتا ہے کہ زید اور خالدہ آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں۔ جبکہ یہی عبد الغفور پہلے اس رشتہ کا حامی تھا اور جو لوگ رضاعت کا دعویٰ کرتے تھے ان کی تردید کرتا تھا۔ ویسے عبد الغفور کے علاوہ ایک عورت اور ایک مرد گواہ ہیں۔ (سائل: زین العابدین کرنالوی)

الجواب قاضی خان کے مطابق مسئلہ رضاع میں قبل النکاح ایک عادل معتمد شخص کی گواہی قابلِ قبول ہے اور نکاح کی شرعاً اجازت نہیں۔
لکن فی محرمات الخانیۃ ان کان قبلہ ای النکاح والمخبر عدل ثقۃ لا یجوز النکاح (صفحہ ۴۱۳ ج ۲)
صورتِ مسئولہ میں دو مردوں اور ایک عورت کی گواہی موجود ہے مسمی عبدالغفور کی شہادت شرعاً قابلِ قبول ہے تناقض کی وجہ سے رد نہیں کی جا سکتی کیونکہ فقہائے تصریح کی ہے کہ مسئلہ رضاعت میں تناقض مؤثر نہیں درمختار میں ہے۔
قال لزوجتہ ھذہ رضیعتی ثم رجع عن قولہ صدق لان الرضاع مما یخفی فلا یمنع التناقض فیہ (درمختار علی الشامیہ مطبوعہ کوئٹہ صفحہ ۴۴ ج ۲)
لہذا سابقہ مسئلہ ہی درست ہے۔ فقط واللہ اعلم،

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۲۲ / ۶ / ۱۴۰۶ھ

رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ خالدہ اور ساجد نے ہندہ نامی عورت کا دودھ پیا ہے۔ آیا خالدہ اور ساجد کا نکاح باہم جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: برتقدیر صحت واقعہ صورتِ مسئولہ میں خالدہ اور ساجد کا باہم نکاح جائز نہیں کیونکہ ہندہ کا دودھ پینے کی وجہ سے یہ رضاعی بہن بھائی ہیں۔
لقولہ تعالیٰ واخواتکم من الرضاعۃ (الآیۃ)
فقط واللہ اعلم، محمد انور

مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی

مسئلہ. ایک لڑکی نے تین یا چار سال کی عمر میں ایک اجنبیہ عورت کا دودھ پیا اور

وہ عورت ایک لڑکے کی بھی والدہ ہے اور لڑکا بعمر ڈیڑھ سال یا دو سال کا ابھی تک دودھ پیتا ہے۔ تو انکا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ کیا یہ آپس میں رضاعی بہن بھائی بن گئے یا نہیں۔ اور دودھ پلانے والی رضاعی ماں بن گئی؟ شرعاً کیا حکم ہے۔

الجواب اڑھائی سال کے بعد کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے تو بالاتفاق اُس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا جس لڑکی نے تین چار سال کی عمر میں اس عورت کا دودھ پیا ہے وہ عورت اس کے لئے رضاعی ماں نہیں بنی اس کے لڑکے کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح درست ہے۔

ویثبت التحریم فی المدۃ فقط ولو بعد الفطام والاستغناء

(درمختار علی الشامیہ) ص۴۲۵/۲ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ،

دوا سے اُترنے والے دودھ سے رضاعت کا حکم

گل محمد نے اپنی دادی کا دودھ پیا ہے اس حال میں کہ اسکی دادی کی آخری اولاد کی عمر دس بارہ سال تھی یعنی اس کا دودھ ختم ہوگیا تھا دوا، وغیرہ کرنے سے دودھ اُترا اب اس جدہ کی لڑکی کی بیٹی سے یعنی جدہ کی نواسی سے گل محمد کی شادی کرنا جائز ہے؟

الجواب اس صورت میں یہ نواسی گل محمد کے لئے بھانجی بن گئی ہے رضاعی بھانجی سے نکاح جائز نہیں ہے دوا وغیرہ کے ذریعے سے جو دودھ اُترے وہ بھی حرمت پیدا کرتا ہے۔ فقط محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ بانی و مہتمم خیرالمدارس ملتان ۸ / ۲ / ۷۱ھ

رضاعی بھتیجی سے نکاح درست نہیں

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ میرے چھوٹے

بھائی عبدالشکور کے بچے محمد مدنی نے میرے سب سے چھوٹے بھائی اقبال کے ساتھ مل کر میری والدہ کا دودھ پیا ہے۔ اب کیا میرے لئے عبدالشکور کے اس لڑکے (محمد مدنی) سے اپنی لڑکی کا عقدِ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ المستفتی عبدالعزیز۔ نیو ملتان

الجواب مذکورہ صورت میں یہ نکاح دُرست نہیں ہے۔ اس لئے کہ محمد مدنی ولد عبدالشکور دادی کا دُودھ پینے کی وجہ سے آپ کا رضاعی بھائی بن گیا ہے اور آپ کی لڑکی اسکی بھتیجی ہے

یحرم علی الرضیع أبواہ من الرضاع وأصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا ..... الی قولہ: فالکل اخوۃ الرضیع وأخواتہ وأولادھم أولاد اخوتہ وأخواتہ الخ عالمگیری ص۳۴۳ ج۱

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

نسبی بھائی کی رضاعی بھانجی سے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اور علماء شرع شریف کہ ایک شخص افضل نامی نے اپنی خالہ (ماسی) کے ساتھ ملکر دونوں نے ایک ہی عورت کا دُودھ پیا یعنی افضل نے اپنی نانی کا اور خالہ نے اپنی والدہ کا دودھ پیا تو ایسی صورت میں افضل خود تو خالہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا۔ افضل کا ایک حقیقی چھوٹا بھائی اصغر ہے۔ وہ اپنی خالہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں، مسئلے کا جواب جلدی عنایت فرماویں۔ شکریہ والسلام۔

المستفتی محمد رمضان غفرلہ خطیب جامع مسجد ربنرہ

الجواب رضاعت سے افضل کی رشتہ داری ثابت ہوگی اصغر کی نہیں، اصغر اپنے بھائی کی رضاعی بہن اور خالہ کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے۔

للقاعدۃ المعروفۃ وتحل اخت اخیہ رضاعًا اھ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ

مرضعہ کی نواسی سے نکاح جائز نہیں

دادی نے زید کو دودھ پلایا۔ یہ دودھ علاج معالجہ سے اُتارا گیا۔ کیونکہ دادی کا خاوند پندرہ سال سے فوت ہو چکا ہے۔ دُودھ مدتِ رضاعت کے اندر پلایا گیا۔ زید اپنی پھوپھی کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے؟

الجواب زید کا نکاح پھوپھی کی لڑکی سے جائز نہیں کیونکہ وہ رشتہ میں اسکی رضاعی بھانجی ہے اور رضاعی بھانجی کے ساتھ نکاح درست نہیں۔

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ بندہ اصغر علی غفرلہ،

بوجہ مجبوری ڈھائی سال کے بعد بھی دُودھ پلانا

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک بچہ بہت کمزور ہے حکماء کہتے ہیں ڈھائی سال کے بعد بھی اس کو دودھ پلاؤ۔ کیا شریعتِ مطہرہ میں اسکی گنجائش ہے؟

الجواب اگر عذر اور ضرورت شدیدہ ہو تو اڑھائی سال تک دُودھ پلایا جا سکتا ہے اس سے زیادہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

ولم یبح الارضاع بعد مدتہ لانہ جزء آدمی والانتفاع بہ لغیر ضرورۃ حرام علی الصحیح اھ درمختار (قولہ ولم یبح الارضاع بعد مدتہ) اقتصر علیہ الزیلعی وھو الصحیح کما فی شرح المنظومۃ بحر لکن فی القھستانی عن المحیط لو استغنی فی حولین حل الارضاع بعدھما الی نصف ولا تأثم عند العامۃ خلافا لخلف بن ایوب۔ اھ (ردالمحتار ص ۴۳۸ ج ۲)

فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ

بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

عبدالستار کے لڑکے منیر احمد نے منظور مائی کا دودھ مدت رضاعت میں پانچ چھ روز پیا۔ پھر منیر احمد چند دن کے بعد فوت ہوگیا عبدالستار منظور مائی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ لڑکی منیر احمد سے بڑی ہے۔ سائل نے بتایا کہ عبدالستار کا منظور مائی کے ساتھ یا اسکی لڑکی کے ساتھ اس کے علاوہ اور کوئی رشتہ محرم نہیں ہے۔

الجواب اگر کوئی اور شرعی مانع نہ ہو۔ تو عبدالستار کا نکاح منظور مائی کی لڑکی کیساتھ درست ہے۔ وقس علیہ اخت ابنہ وبنتہ اھ درمختار وفی الشامیۃ بان تقول انما حرمت علیہ اخت ابنہ وبنتہ نسباً لکونہا بنتہ او بنت امرأتہ وھذا المعنی مفقود فی الرضاع ۔ الخ ص۴۰۷ج۲ مطبوعہ بیروت

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ،

سوتیلے رضاعی ماموں سے نکاح کا حکم

سائلہ رفیعہ زہراں بی بی کا بیان ہے کہ میں دو تین ماہ کی تھی کہ میری والدہ فوت ہوگئی۔ میرے چچا ملک موسیٰ کی دختر مسماۃ لعل خاتون جو کہ میرے ماموں شیر محمد کی بیوی ہے نے مجھے اپنا دودھ پلایا یہاں تک کہ میں سات آٹھ برس کی تھی کہ میری رضاعی ماں فوت ہوگئی۔ میں اپنے والد کے گھر واپس آگئی۔ جب بالغ ہوئی تو میرے چچا نے میرا رشتہ اپنے بیٹے کیلئے طلب کیا تو مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا کہ زہراں ملک موسیٰ کی رضاعی نواسی ہے اس کی اولاد پر حرام ہے میرے ماموں شیر محمد نے دور سے ایک قوم کی جھنڈیرنی عورت خرید کے شادی کی اس سے احمد یار پیدا ہوا تو زہراں کی دختر مہر خاتون سے احمد یار کا نکاح کر کے شادی کر دی کہتے ہیں کہ احمد یار تو غیر عورت جھنڈیرن کے پیٹ سے پیدا ہوا زہراں رفیعہ کی دختر مہر خاتون اس کے لئے کیسے حرام ہوسکتی ہے۔ دودھ پینے کی بہت سی عورتیں اور بہت سے مرد بلکہ زہراں کا شوہر بھی چشم دید شہادت دیتا ہے۔

مسئلہ پوچھنے کا بہت ساری برادری کو انتظار ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے۔ رضاعت ثابت ہے یا نہیں، اور جو تسلیم نہ کریں ان پر شرعاً کیا جرم ہے۔ برادری اور مقامی مولویوں پر اور زمینداروں پر شرعاً کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب مہر خاتون، احمد یار کی رضاعی بھانجی ہے۔ ان کا نکاح باہم جائز نہیں۔ نکاح کرنے والوں نے سخت ترین غلطی کی ہے۔ سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ فوراً ان میں تفریق کرائیں۔

حتی أن المرضعة لو ولدت من هذا الرجل أو غيره قبل هذا الارضاع أو بعده أو أرضعت رضيعاً أو ولد لهذا الرجل من غير هذه المرأة قبل هذا الارضاع أو بعده أو أرضعت امرأة من لبنه رضيعاً فالكل أخوة الرضيع وأخواته وأولادهم أولاد أخوته وأخواته اھ عالمگیری ص ۳۴۳ ج ۱

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان ۲ صفر ۱۴۰۲ھ

محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان

پندرہ برس کی عمر میں دودھ پیا تو رضاعت کا حکم

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میرے کل پانچ بچے ہیں جب میرا بڑا بیٹا پانچ ماہ کا تھا تو میری چھوٹی بہن نسیم اختر جو تقریباً پندرہ برس کی کنواری تھی۔ دودھ کی زیادتی کی وجہ سے میرا دودھ تقریباً" ایک دو گھونٹ پیالی میں پی گئی۔ میں اپنے دوسرے نمبر کے بیٹے ندیم کا اس کی تیسرے نمبر کی بیٹی امینہ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ نہیں۔ الحاصل نسیم کی لڑکی مسمات امینہ کا نکاح مسمات زینب کے لڑکے ندیم سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ سائل ندیم اسحاق نواں شہر ملتان

الجواب صورت مسئولہ میں مسمی ندیم اور مسمات امینہ کا آپس میں نکاح شرعاً جائز ہے اس عمر میں دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں... ہوتی۔ درمختار میں ہے۔

ویثبت التحریم فی المدۃ (شامیہ ص۴۰۴ ج۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بھابی کی بھائی سے اولاد ہونے سے پہلے جس لڑکی نے بھابی کا دودھ پیا اس سے نکاح کا حکم

ایک عورت نے ایک جگہ نکاح کیا، وہاں سے طلاق کے بعد وہ میرے بھائی کے نکاح میں آئی۔ اس کی پہلے خاوند سے ایک لڑکی تھی۔ نکاح ثانی کے وقت لڑکی شیر خوار تھی اور نکاح کے کافی عرصہ تک شیر خوار رہی۔ اب اس لڑکی سے میرا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں نیز اسکی لڑکی نے میرے دوسرے بھائی کے لڑکے کے ساتھ ایک دو دفعہ دودھ بھی پیا ہے یعنی وہ لڑکی میرے حقیقی بھتیجے کی رضاعی بہن بھی ہے۔

۲۔ زید......... نے اپنی خالہ کا دودھ پیا ہے۔ کیا زید اپنی اس خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔؟

الجواب مذکورہ بھائی کے نطفہ سے اس بھابی کے اولاد ہونے سے پہلے پہلے اگر اس بچی نے دودھ پینا ختم کر دیا تھا۔ تو اس لڑکی کے ساتھ نکاح درست ہے۔ ایسے ہی دوسری وجہ بھی مانع نہیں۔ اذا طلق الرجل امرأته ولها لبن فتزوجت بزوج آخر بعد ما انقضت عدتها ووطئها الثانی أجمعوا انها اذا ولدت من الثانی فاللبن من الثانی وینقطع من الاول واجمعوا علیٰ انها اذا لم تحبل من الثانی فاللبن من الاول واذا حبلت من الثانی ولكن لم تلد منه قال ابو حنيفة اللبن یکون من الاول حتی تلد من الثانی۔ (عالمگیری ص۳۴۳ ج۱)

۲۔ زید مذکورہ خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

زرد رنگ کے پانی سے رضاعت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا بچہ پیدا ہوا اور وہ بچہ پیدا ہونے کے چھ مہینہ بعد فوت ہو گئی۔ تو اس بچے کی نانی جس کی عمر ۶۵ سال ہے وہ بچے کا دل بہلانے کے لئے اپنے پستان بچے کے منہ میں ڈالتی تھی تقریباً دو سال تک اور پستانوں سے دودھ کی بجائے پانی آتا تھا۔ وہ پانی گگے (زرد) رنگ کا تھا۔ کبھی کبھی کچھ پانی آتا تھا۔ اور اس عورت کے کئی سالوں سے بچہ بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ جس لڑکے کی والدہ فوت ہو گئی تھی اسکی عمر اب ۱۸ - ۱۹ سال ہے کیا وہ لڑکا اپنے ماموں یا خالہ کی اولاد سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں۔ العارض،

محمد حنیف ولد اللہ بخش

تحصیل منچن آباد ضلع بہاولنگر

الجواب اگر وہ پانی بچے کے حلق سے نیچے اتر گیا تھا تو وہ اپنے ماموں یا خالہ کی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اس کے رضاعی بھائی بہن ہیں۔ دخل فی فم الصبی من الثدی مائع لونہ أصفر تثبت حرمۃ الرضاع لانہ لبن تغیر لونہ اھ (عالمگیری ص۳۴۴ ج۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۱۰/۲/۲۵ھ

دادی کا دودھ پینے والی بچی کا نکاح باپ کے بھانجے سے درست نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ زید کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس لڑکی نے زید کی والدہ کا دودھ پیا یعنی اپنی دادی کا۔ اب زید اس اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھانجے سے کرنا چاہتا ہے کیا از روئے شرع یہ نکاح جائز ہے کہ نہیں بینوا توجروا۔

الجواب یہ نکاح جائز ہے کیونکہ صرف زید اپنی دادی کا رضاعی بیٹا ہے نہ کہ اسکی بہن لہذا زید کی رضاعت کا اسکی بہن پر کوئی اثر نہیں ہے تو قانون شریعت

کے مطابق یہ بھائی بہن ہیں اور بہن اپنے بھائی سے اپنے لڑکے کے لئے رشتہ لے سکتی ہے کما فی عامۃ الکتب
احمد سدیدی عفی عنہ
خادم الافتاء مدرسہ اسلامیہ جامعہ خیر المعاد ملتان

الجواب صورت مسئولہ میں مذکورہ بالا جواب درست نہیں۔ زید کی لڑکی کا نکاح زید کے بھانجے سے نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ دادی کا دودھ پینے کی وجہ سے یہ لڑکی اپنی پھوپھی کی رضاعی بہن ہو گئی اور اس لڑکے کی جس سے نکاح طے کیا جا رہا ہے رضاعی خالہ ہو گئی۔ اس لئے یہ نکاح نہیں ہو سکتا۔

ویثبت به وان قل أمومیتها لمرضعة للرضیع وابوة زوج مرضعة لبنها منه له فیحرم منه مایحرم من النسب (تنویر الابصار کتاب الرضاع) ویحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعاً حتی ان المرضعة لو ولدت من هذا الرجل او غیره قبل هذا الارضاع او بعده او ارضعت رضیعا او ولد لهذا الرجل من غیر هذه المرأة قبل هذا الارضاع أو بعده او ارضعت امرأة من لبنه رضیعا فالکل اخوة الرضیع واخواته واولادهم أولاد اخوته واخواته الخ ۔ (فتاوی عالمگیری ج ا ص ۳۴۳ کتاب الرضاع۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح،
بندہ عبد الستار غفر لہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس ملتان

دادی کا دودھ پینے والا چچا یا پھوپھی کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا

من فیض احمد ولد میاں حامد قوم لاہر یچ سکنہ محلہ پیرانوالہ جھنگ صدر کا ہوں۔
نمبر ۱ میں حلفا بیان کرتا ہوں۔ من حالف کے پسرم طارق جواد حسین کے پیدا ہونے کے

تین دن بعد اسکی والدہ بقضائے الہٰی فوت ہوگئی۔ پسرم مذکور کو من حالف کی والدہ پسرم کی دادی نے دُودھ پلایا۔ چونکہ اس وقت من حالف کی ایک ہمشیرہ پیدا ہوئی تھی۔ مگر بعد میں فوت ہوگئی۔

نمبر ۲:۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ من حالف کا پسرم مذکور اپنے چچا یا پھوپھی کی دختران سے نکاح کرسکتا ہے۔؟

الجواب طارق مذکور کا نکاح اس کے چچا یا پھوپھی کی کسی لڑکی کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ یہ لڑکی طارق کی رضاعی بھتیجی یا بھانجی بنتی ہے۔

یحرم علی الرضیع أبواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا۔ (حوالہ عالمگیری ص ۳۴۳ ج ۱) فقط واللہ اعلم

۱۲ / ۶ / ۱۴۰۲ھ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نانی کا دُودھ پینے والا خالہ زاد سے نکاح نہیں کرسکتا

مسئلہ:۔ ایک شخص نے اپنی نانی کا دودھ پیا۔

نمبر ۱:۔ اسکی خالہ رضاعی بہن بن جائے گی یا نہیں؟

نمبر ۲:۔ وہ شخص اپنی خالہ کی لڑکی سے شادی کرسکتا ہے؟

الجواب مدت رضاع میں ارضاع حرمت کا سبب ہوتا ہے۔ اگر مذکورہ شخص نے مدتِ رضاع میں دودھ پیا ہے تو نانی رضاعی والدہ ہوئی۔ اور خالہ رضاعی بہن بن جائے گی۔ لہٰذا مذکورہ خالہ کی لڑکی سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

ارضعت امرأۃ من لبنہ رضیعاً فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ (عالمگیری ص ۳۴۲ ج ۲) فقط واللہ علم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

رضاعی پھوپھی سے نکاح کا حکم

زید نے مسماۃ جمیلہ کا دودھ پیا ہے۔ اب وہ جمیلہ کے شوہر مسمی بکر کی حقیقی بہن مریم سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ کیا زید کا نکاح مریم سے درست ہے۔

الجواب زید کا نکاح اپنے رضاعی باپ بکر کی بہن سے درست نہیں۔
وأخو الرجل عمه وأخته عمته اھ عالمگیری (ص۳۴۳ ج۲)

الجواب صحیح ‏ ‏ ‏ ‏ محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ‏ ‏ ‏ ‏ ۳ر ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ

حقیقی بیٹے کی رضاعی ماں اور رضاعی بیٹے کی نسبی ماں سے نکاح کا حکم

زید کے بیٹے عیسیٰ نے عمرو کی بیوی کا دودھ پیا اور عمرو کے بیٹے مغیرہ نے زید کی بیوی کا دودھ پیا۔ بنا بریں چند صورتوں میں حکم کی وضاحت تحریر فرمادیں کہ کون سی صورتوں میں نکاح جائز ہے اور کون سی صورت میں ناجائز ہے۔؟

۱۔ زید کا نکاح عمرو کی بیوی سے۔ (جب کہ وہ مطلقہ یا بیوہ ہو جائے۔)
۲۔ عمرو کا نکاح زید کی بیوی سے۔ (جبکہ وہ مطلقہ یا بیوہ ہو جائے۔)
۳۔ زید کے بیٹے عیسیٰ کا نکاح عمرو کی بیٹی زینب سے۔
۴۔ عمرو کے بیٹے مغیرہ کا نکاح زید کی بیٹی طاہرہ سے
۵۔ زید کے بیٹے طاہر کا نکاح (جس نے عمرو کی بیوی کا دودھ نہیں پیا) عمرو کی بیٹی آسیہ سے
۶۔ عمرو کے بیٹے اسلم کا نکاح (جس نے زید کی بیوی کا دودھ نہیں پیا) زید کی بیٹی حفصہ سے

الجواب نمبر ۱، ۲: زید و عمرو کے لئے ایک دوسرے کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے میں مذکورہ رضاعت حرمت کا سبب نہیں بنے گی۔ کیونکہ ہر ایک کی بیوی دوسرے کے لئے اس کے حقیقی بیٹے کی رضاعی ماں اور رضاعی بیٹے کی حقیقی ماں ہے اور ان میں سے کوئی رشتہ بھی سبب حرمت نہیں۔ علامہ شامی رحمہ اللہ۔ جدۃ الولد من الرضاع

کی حلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واحترز بجدة الولد عن ام الولد لانها حلال من النسب وکذا من الرضاع اھ (شامی ص ۴۴۰ ج ۲)

الحاصل ہر طرح کے بیٹے کی ہر طرح کی ماں حلال ہے

نمبر ۳، ۴ : عیسیٰ کا نکاح زینب سے اور مغیرہ کا نکاح طاہرہ سے جائز نہیں، کیونکہ زینب عیسیٰ کی رضاعی بہن ہے اور ایسے ہی طاہرہ مغیرہ کی۔ ولا حل بین الرضیعة وولد مرضعتها اھ (شامی ص ۴۴۳ ج ۲)

نمبر ۵-۶۔ طاہر کا نکاح عمرو کی ہر بیٹی سے اور ایسے ہی اسلم کا نکاح زید کی ہر بیٹی سے جائز ہے۔ تا المعرفة وتحل أخت اخیه رضاعًا یصح اتصاله بالمضاف کان یکون له اخ نسبی رضاعیة وبالمضاف الیه کان یکون لاخیه رضاعًا اخت نسبًا وبهما وهو ظاهر اھ (الدر المختار علی رد المختار ص ۴۴۲ ج ۲)

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بلا ضرورت دوسرے کے بچے کو دودھ نہ پلایا جائے

ہمارے ہاں کپاس چننے کے وقت عورتیں اکٹھی ہوتی ہیں، بچوں کو اکٹھے ایک جگہ لٹا دیتی ہیں۔ کوئی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو تو دوسری کا بچہ بھی رو رہا ہو تو اسے بھی پلا دیتی ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ (مستفتی محمد ارشد اوکاڑوی متعلم افتاء خیر المدارس ملتان)

الجواب یوں بلا ضرورت شدیدہ دودھ نہ پلایا جائے اگر کبھی ایسا اتفاق ہو جائے تو اسے باقاعدہ یاد رکھا جائے بلکہ لکھ لیا جائے تاکہ آئندہ چل کر غلطی سے اس کا نکاح کسی ایسے شخص کے ساتھ نہ ہو جائے جو رضاعاً اس کے لئے حرام ہو۔

والواجب علی النساء ان لا یرضعن کل صبی من غیر ضرورة وان فعلن ذلک فلیحفظن او یکتبن اھ (عالمگیری ص ۳۴۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

رضاعی باپ کی بیٹی سے نکاح کا حکم

زید عمرو دونوں بھائی ہیں زید کی بیوی ہندہ سے زید کا ایک لڑکا بکر پیدا ہوا کچھ دن بعد ہندہ فوت ہوگئی تو اس لڑکے کو عمرو کی بیوی زینب نے دودھ پلایا اس کے بعد زینب بھی فوت ہوگئی تو عمرو نے دوسری شادی خالدہ سے کی اسکی اس خالدہ سے بچی ناصرہ پیدا ہوئی تو کیا زید کے لڑکے کا نکاح عمرو کی بیوی خالدہ سے جو بچی پیدا ہوئی اس سے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں بکر کے ساتھ ناصرہ کی شادی نہیں ہوسکتی جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولہما وفروعہما من النسب والرضاع جمیعاً الخ (عالمگیری ص۳۴۳ ج۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

رضاعی پھوپھی کی بیٹی سے نکاح کا حکم

زید اور بکر دو حقیقی بھائی ہیں۔ زید چھوٹا ہے اور بکر کا رضاعی بیٹا بھی ہے۔ کیا بکر کی نواسی کا نکاح زید کے لڑکے سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ زید نے چھ ماہ کی عمر میں بکر کی بیوی کا دودھ پیا تھا اور کئی بار پیا۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں بکر کی نواسی کا نکاح زید کے لڑکے سے درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفی عنہ

الجواب صحیح، عبدالستار عفی عنہ

مرضعہ کی جو اولاد دوسرے خاوند سے پیدا ہوا اس کا حکم

ایک عورت صفیہ خاتون نے اپنی چھوٹی بہن دلشاد بیگم کو جس کی عمر تقریباً ۸ یا ۹ ماہ

تھی مجبوری کی وجہ سے یعنی چُپ کرانے کے لئے اپنا پستان اس کے منہ میں ڈال دیا۔ جس سے وہ چپ ہو گئی۔ بعد میں صفیہ خاتون کا سابقہ خاوند مر گیا۔ بعد عدت کے دوسرا نکاح ہوا اور دوسرے خاوند سے اولاد پیدا ہوئی اور لڑکے بھی پیدا ہوئے کیا صفیہ خاتون کے ان لڑکوں کی شادی اس کی بہن دلشاد بیگم کی لڑکیوں سے ہو سکتی ہے؟

الجواب جب ایک دفعہ صفیہ خاتون کا دودھ دلشاد بیگم کے پیٹ میں پہنچ گیا تو وہ اسکی رضاعی بیٹی بن گئی۔ اب صفیہ کے کسی بھی لڑکے کا نکاح دلشاد بیگم کی کسی لڑکی کیساتھ درست نہیں۔ کیونکہ وہ ان لڑکوں کی رضاعی بھانجیاں ہیں۔

قلیل الرضاع وکثیرہ اذا حصل فی مدۃ الرضاع تعلق بہ التحریم اھ قال فی الینابیع والقلیل مفسر بما یعلم انہ وصل الی الجوف

(عالمگیری ص ۳۴۲ ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفی اللہ

الجواب صحیح، نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفی عنہ ۱۰ / ۵ / ۱۴۰۲ھ

مدتِ رضاعت دو سال ہے یا اڑھائی سال

صورتِ مسئولہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ بچہ کو دودھ دو سال (حولین کاملین) تک پلانا چاہیئے۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک اڑھائی سال تک پلا سکتے ہیں۔ امام صاحب کی دلیل، قرآن وحدیث سے واضح فرمائیں۔

الجواب حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول حولین کا ہے۔ اگرچہ امام صاحب کا قول اڑھائی سال کا ہے۔ عدم لزوم اجرت بعد الحولین پر صاحبین اور امام صاحب کا اتفاق ہے۔ آیت حولین کا ایک جواب یہی دیا گیا ہے۔ دوسرا جواب حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن کے حاشیہ میں دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حولین والی مدت تام ہے اور حولین ونصف اتم ہے۔ اگرچہ حنفیہ کا مفتی بہ قول یہی ہے لیکن اس کے باوجود امام

صاحب کا قول دلائل عقلیہ ونقلیہ سے مبرہن ہے صرف ایک دو دلیلوں پر اکتفا کیا جاتا ہے

نمبرا: قولہ تعالیٰ وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا (الآیۃ)

طریق استدلال ۔ اللہ پاک نے حمل اور دودھ چھڑانے کو ذکر کر کے ایک مدت بیان فرمائی ہے یہ مدت تیس ماہ ہے ۔ یہ ہر ایک کے لئے مستقل ہوگی ۔ جیسا کہ کسی نے کہا کہ لفلان علی الف درھم وخمسۃ اقفزۃ حنطۃ الی شھرین ۔ تو اس مثال میں شھرین دونوں چیزوں کی الگ الگ مدت ہوتی ہے دونوں پر تقسیم نہیں ہوتی ۔ اسی طرح آیۃ کریمہ میں ثلاثون شھراً بھی تقسیم نہ ہونا چاہیئے اور مدتِ حمل کے لئے حدیثِ عائشہ مخصص ہے ۔ لہذا وہ اس سے خارج ہو جائے گی ۔ اگر حمل سے مراد ہی حمل علی الید لے لیا جائے تو کوئی اشکال نہیں ۔

دلیل عقلی : دو سال تک دودھ پلانا یہ بچے کا حق ہے ، اور والدہ پر دیانۃً واجب ہے اگر دو سال کے بعد فوری طور پر دودھ چھڑا کر دوسری غذا شروع کی جائے تو یہ مفضی الی الھلاک ہوگی ۔ اسلئے عادت بالتدریج تبدیل کرائی جانے اس تبدیلی کیلئے چھ ماہ مدت مقرر کی گئی ہے حمل کی ادنیٰ مدت پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ جنین کی غذا خون تھی ۔ چھ ماہ کے بعد رضیع کے لئے لبن غذا بنی تو اسطرح رضیع کو فطیم بنانے کے لئے بھی یہی مدت مقرر کی گئی ہے ۔ بعض حضرات نے فان ارادا فصالا سے بھی استدلال کیا ہے ۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ،

بچی کے ناک میں دودھ ڈالنے سے بھی رضاعت ثابت ہو جائیگی

ایک عورت نے اپنی یک سالہ بھتیجی ہندہ کے ناک میں درد ہونے کی بنا پر اسکے ناک میں دودھ ڈالا ۔ اس سے وہ بچی ٹھیک ہو گئی ۔ اب مذکورہ عورت اس بچی ہندہ کا نکاح اپنے لڑکے زید سے کرنا چاہتی ہے ۔ کیا ان دونوں کا نکاح آپس میں درست ہے ؟

الجواب صورت مسئولہ میں زید اور ہندہ کا نکاح آپس میں درست نہیں وکما یحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب والسعوط والوجور۔ کذا فی فتاوی قاضی خان (عالمگیری ص ۳۴۲ ج ۲)

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ فقط واللہ اعلم

پیالی سے دودھ پیا تو رضاعت کا حکم

ایک لڑکی جس کی عمر ایک یا ڈیڑھ سال تھی اس عمر میں اس نے اپنی بہن کا دودھ پیالی کے ذریعہ پیا۔ کچھ عرصہ بعد اسکی بہن فوت ہو جاتی ہے۔ کیا اس لڑکی کا نکاح اسکی بہن کے خاوند کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ ایک عالم دین نے فتویٰ دیا کہ یہ نکاح جائز ہے۔ چنانچہ سائل نے اس فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے نکاح کر لیا۔ اس لڑکی سے تین ۳ بچے ہو چکے ہیں۔ اب پھر سائل کو کسی طریقہ سے یہ شبہ پیدا ہوا۔ اب پھر فتویٰ طلب کر رہا ہے کہ آیا یہ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، اور بصورت عدم جواز مذکورہ تین بچوں کا نسب ثابت ہو سکے گا یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں دودھ پینے والی بچی کا نکاح شخص مذکور کے ساتھ جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اسکی رضاعی بیٹی ہے۔ لہذا علی الفور اس سے یہ رشتہ ختم کردے۔ اور اس سے پہلے پیدا ہونے والے بچے ثابت النسب ہوں گے اور اسکی طرف منسوب ہوں گے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن بأولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفة (عالمگیری باب ثبوت النسب ج ۲ ص ۵۴۰) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح،	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اپنی بیوی کو رضاعی بہن کہنے پر مصر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی نے

رضا مندی سے ایک عورت سے شادی کر لی۔ بعد ازاں اس کو مارتا پیٹتا رہا۔ اور اس کے حقوق ادا نہیں کئے۔ نیز وہ آدمی کمیونسٹ خیال کا آدمی ہے اور خدا کی ذات پر گستاخانہ لہجہ میں بکواسات کرتا ہے۔ اور لڑکے کے والدین اور لڑکا خود بھی اس کا معترف ہے کہ میں نے اور اس نے بچپن میں اکٹھا دودھ پیا ہے۔ لہذا یہ میری رضاعی بہن ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب اگر لڑکا اپنے اس اقرار پر مصر ہے کہ یہ میری رضاعی بہن ہے تو آپ اسی کو بنیاد بنا کر عدالت سے نکاح فسخ کرالیں۔ اس کے بعد عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

ولو تزوج امرأة ثم قال بعد النكاح هي اختي من الرضاعة او ما اشبهه ثم قال او همت ليس الامر كما قلت لا يفرق بينهما استحسانا ولو ثبت على هذا المنطق وقال هو حق كما قلت فرق بينهما ولو جحد بعد ذلك لا ينفعه جحوده۔ (عالمگیری ص ۳۴۵ ج ۲)

اور اگر خاوند کمیونسٹ ہے تو کمیونسٹ ہونے کی وجہ سے اگر نکاح کے وقت بھی خیالات کافرانہ تھے تو نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان

محض پستان منہ میں لینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میری والدہ اسوقت فوت ہوئیں جب میری عمر ایک سال تھی۔ میں دودھ پی رہا تھا۔ والدہ کے بعد اور کوئی ایسی عورت نہیں تھی جو مجھے دودھ پلاتی۔ پھر نانی صاحبہ نے پرورش شروع کر دی۔ جب میں روتا تو میرے منہ میں پستان دے دیتی۔ دودھ وغیرہ کچھ نہ آتا۔ حتیٰ کہ بقول نانی صاحبہ میں دانتوں سے پستانوں کو کاٹتا۔ جب میں جوان ہوا تو میری شادی میرے سگے ماموں محمد خان کی لڑکی سے کر

دی گئی۔ جس سے تین بچے پیدا ہوئے۔ بیوی فوت ہوگئی۔ اب جب دوبارہ نکاح کا پروگرام بنا تو میرے بڑے ماموں سلطان خان کی لڑکی سے پروگرام بنا۔ اب مجھے شک ہوا ہے کہ شاید ماموں صاحب رضاعی بھائی نہ ہوں۔ نیز ریڈیو اسٹیشن کے پروگرام سے بھی مطلع ہوا ہوں۔ برائے مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب اگر واقعۃً دودھ نہیں آتا تھا اور کوئی زرد رنگ کا پانی وغیرہ خارج نہیں ہوتا تھا تو آپ اپنے ماموں کی لڑکی سے شادی کر سکتے ہیں۔ محض پستان منہ میں لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

امرأۃ کانت تعطی ثدیها صبیۃ واشتهر ذلك بینهم ثم تقول لم یکن فی ثدی لبن حین القمتها ولم یعلم ذلك إلا من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذہ الصبیۃ۔ (شامی ج ۲ ص ۴۰۵) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس۔ ملتان

رضاعی بھائی کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح کا حکم

گزارش ہے کہ ایک لڑکی نے ایک لڑکے کے ساتھ دودھ پیا ہے اور اس لڑکے کا جس نے دودھ پیا ہے ایک بڑا بھائی ہے یہ لڑکی اس بڑے لڑکے کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں اگر آسکتی ہے تو لکھ دیں اگر نہ آتی ہو تو بھی فتویٰ لکھ دیں۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں لڑکی کا نکاح اپنے رضاعی بھائی کے نسبی بھائی سے جائز ہے جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔

اخت اخیہ رضاعاً یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ۔ (درمختار علی الشامیۃ ص ۴۰۸ ج ۲) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد صدیق غفر لہ
بندہ محمد عبداللہ غفر لہ خیر المدارس ملتان

رضاعی بھانجی کی نسبی بہن سے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک لڑکی زید کی پدری بہن کی رضاعی بیٹی ہے جو کہ اس کے خاوند کی دوسری بیوی سے ہے۔ اسی بیوی سے اسکی ایک اور لڑکی ہے زید کا ارادہ ہے کہ وہ بہن کی رضاعی بیٹی کی دوسری حقیقی بہن سے نکاح کرے تو کیا یہ ہو سکتا ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب زید رضاعی بھانجی کی حقیقی بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

۳/ ۴/ ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح،

بندہ محمد صدیق غفرلہ، مدرس خیر المدارس

ولایت وکفاءت کے مسائل

بے نمازی صالحہ کا کفو نہیں ہو سکتا۔

ایک شخص نے اپنی نابالغہ چچازاد بہن کا نکاح اپنے بیٹے سے کر دیا۔ وہ خود اور اس کا بیٹا دونوں اس قدر مسکین تھے کہ اگر اس کا مکان سکنیٰ اور جائیداد کو فروخت کر دیتے۔ تو پھر بھی اس کے مہر مُعجل کے ادا کرنے پر قادر نہ تھے۔ لڑکی یتیمہ بڑی جائیداد کی مالکہ تھی۔ فقط دنیاوی لالچ اور جائیداد سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے سے کر دیا۔ اگر اس لڑکی یتیمہ سے نکاح اسی طریقہ سے نہ کرتے۔ تو قطعاً وہ نکاح نہ کر سکتا۔ اور نہ اب اس لڑکی کے سوا کر سکتا ہے۔ گذارہ کرتا رہتا ہے۔ مالیت میں لڑکی کا کفو نہیں۔ نیز لڑکا بسا اوقات نماز ترک کرتا رہتا ہے اور پہلے سے ہی ایسا ہے۔ اور لڑکی اس وقت نابالغہ تھی جس کی عدالت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صغر سنی سے اس وقت تک برابر نکاح سے انکار کرتی رہتی ہے۔ کیا شرعاً یہ نکاح ہو چکا ہے یا نہیں۔ لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.....

الجواب باسمہٖ تعالیٰ: سوال میں صرف چار ہی نکات ہیں۔ ۱ عدم قدرت بر نفقہ ۲ عدم قدرت بر مہر معجل ۳ انکار منکوحہ ۴ نکاح ثانی۔

سب کی تفصیل ۱ کفائت کے لئے مالاً قدرت کم از کم ایک مہینہ کے نفقہ پر ضروری ہے۔ جیسا کہ تقریباً فقہ کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ مگر یہ تب ضروری ہے کہ عورت جماع کی طاقت رکھتی ہو۔ اور چونکہ صورت مسئول عنہا میں عورت صغیرہ ہے۔ جماع کی طاقت نہیں رکھتی۔ لہٰذا قدرت نفقہ ایک ماہ بھر بھی ضروری نہیں۔ تو نکاح مذکورہ اس اعتبار سے صحیح ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارات سے صراحۃً ثابت ہے۔ (شامی ص۳۴۸ ج۲)

قولہ لوتطیق الجماع فلوصغیرۃ لاتطیقہ فھوکفؤ وان لم یقدر علی النفقۃ لانہ لانفقۃ لھا فتح ومثلہ فی الذخیرۃ (شرح الیاس ص۲۵ ج۲) قولہ فللغنیۃ وفی الذخیرۃ ھذا فی الکبیرۃ واما الصغیرۃ التی لاتطیق الوطئ فالعاجز عن النفقۃ کفؤ لھا لانھا لانفقۃ لھا وکذا لوکان یجد نفقتھا ولایجد نفقۃ نفسہ یکون کفوًا لھا ۱۲ شمنی (وفی مجمع الانھر ص۳۴۱ ج۱) ولوکانت الزوجۃ صغیرۃ لاتطیق الجماع فھوکفؤ وان لم یقدر علی النفقۃ وکذا لوکان یجد نفقتھا ولایجد نفقۃ نفسہ یکون کفوًا لھا کما فی التمنی یہ تو معلوم ہوا کہ قدرت مہر معجل پر بوقت نکاح ضروری ہے۔ نہ مہر مؤجل پر۔ اگرچہ کل مہر حالاً کیوں نہ ہو۔ لما فی الفتح القدیر وبین ان المراد من المھر ملک ما تعارفوا تعجیلہ وان کان کلہ حالا۔ اور اگر عُرف میں کل کا کل مہر مؤجل ہو۔ تو وہاں کسی قسم کی قدرت کی ضرورت نہیں، لما فی الفتح القدیر وفی المجتبیٰ قلت فی عرف اھل خوارزم کلہ مؤجل فلا تعتبر القدرۃ علیہ۔ اور صورت مسئول عنہا میں مہر پورے کا پورا شرعًا مؤجل ہے۔ اور عرفاً بھی شرعاً اس لئے کہ لڑکی صغیرہ یتیمہ ہے اور صغیرہ کا مہر سوائے باپ، دادا اور وصی کے کوئی قبض نہیں کرسکتا۔ لما فی فتاوی تنقیح الحامدیۃ ولیس لغیرالاب والجد من الاولیاء قبض المھر الاان یکون اوصیاء (من ادب الاوصیاء) اور شامی جلد ثانی میں مذکور ہے۔ للاب والجد والقاضی قبض صداق البکر صغیرۃ کانت اوکبیرۃ الا اذا نھتہ وھی بالغۃ صح النھی ولیس لغیرھم ذلک وشمل قولہ لیس لغیرھم الام فلیس لھا القبض الا اذا کانت وصیۃ۔ (شامی ص۴۲۲ ج۲) فعلم ان مھر تلک المرأۃ المسئولۃ عنھا مؤجل شرعًا حتی البلوغ لعدم وجود الاب والجد الوصی۔ وکذا مؤجل عرفا ایضًا لان عرف بلدتھا ھکذا ______ اور جو مٹھائی تقسیم کرنے کا رواج ہے، وہ ناکح مذکور نے بھی ادا کیا ہے۔ تو صغیرہ مذکورہ کا مہر شرعًا بھی مؤجل ہے۔ اور عرفاً بھی

اور عمدۃ الرعایۃ میں ہے قولہ واحترز بہ عن المؤجل فان العجز عن ادائہ فی الحال لا یخل فی الکفاءۃ وکذا فی فتح القدیر۔ تو ثابت ہوا کہ مرد مذکور عورت مذکورہ کا کفو ہے۔ اور نکاح از روئے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور مذہب حنفی بالکل صحیح ہے، رہا انکار منکوحہ اور فسخ نکاح بخیار بلوغ تو انکار منکوحہ غیر معتبر ہے۔ ہاں اسے خیار بلوغ ہے۔ لیکن بشرط غیر القضاء (۴) دوسری جگہ شادی کرنا اس عورت کے لئے جائز نہیں کیونکہ پہلا نکاح بالکل صحیح ہو چکا ہے۔ فقط واللہ اعلم ...

الجواب جواب مذکور بالکل غلط ہے۔ اور ہمارا اس سے اتفاق نہیں ہے۔ ایک تو اس لئے کہ لڑکا بے نمازی ہونے کی وجہ سے فاسق ہے۔ اور فقہاء نے تصریح کی ہے۔ والفاسق لا یکون کفوًا الصالحۃ (شامی ص۲۴ ج۳) اور لڑکی نابالغہ ہے جس کی صالحیت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ علاوہ ازیں سوال میں یہ تصریح نہیں۔ کہ لڑکی ایسی چھوٹی ہے جو کہ لا تطیق الجماع کا مصداق ہو۔ ہو سکتا ہے۔ لڑکی مراہقہ تطیق الجماع ہو۔ پھر خاوند اس کا بوجہ عدم قدرت علی النفقہ بھی غیر کفو ہوگا۔ بہر حال نکاح لڑکی مذکورہ کا غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے غیر صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

۲۰ / ۷ / ۱۳۷۶ھ

ولد الزنا صحیح النسب کا کفو نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کہ دو خواتین جن کا تعلق بازارِ حسن سے ہے ان دونوں نے توبہ کر لی ہے اور بازارِ حسن سے مکمل ناطہ توڑ دیا ہے اور دونوں بہنوں نے نکاح کر لیا ان میں سے ایک کے تین لڑکے ہیں اور دوسری کی اولاد نہیں ہے اور یہ تین لڑکے بازارِ حسن میں ہی پیدا ہوئے تھے نکاح سے پہلے۔ ان کے والد کا کچھ پتہ نہیں کہ کون ہے۔ دوسری بہن کی لڑکی پیدا ہوئی۔ نکاح کے بعد اس کے والد کا پتہ ہے۔ دونوں بہنوں نے بچوں کا رشتہ آپس میں کر دیا۔ کیا اب

وسنت کی روشنی میں یہ جواب دیں کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں ؟

(۲) دوسرے لڑکے کی شادی اسی بازار حسن کی ایک عورت کی بیٹی سے ہوئی ہے اس لڑکی کے والد کا بھی پتہ نہیں کہ کون ہے۔ اب ان دونوں سے جو اولاد ہوئی کوئی شریف آدمی ان سے اپنی بچی یا بچے کا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں ؟

(۳) ایک آدمی اپنی بیوی کو بار بار طلاق دے چکا ہے اور پھر وہ رجوع بھی کرلیتا ہے جبکہ اس نے تین چار مرتبہ ایسا کیا ہے۔ طلاق سے پہلے کی اولاد سے رشتہ کرسکتے ہیں یا نہیں اور طلاق کے بعد والی اولاد سے رشتہ کرسکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب (۱) صورت مسئولہ میں ابن الزنا کا صحیح النسب لڑکی سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ وہ لڑکی اور اس کا ولی اس نکاح پر رضامند ہوں۔ (امداد الفتاوی ص۳۳۷ ج۲) لیکن ابن الزنا صحیح النسب لڑکی کے کفو میں سے نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند عزیز الفتاوی مکمل ص۴۹۰ ج۲)

(۲) صورت مذکورہ میں ابن الزنا اور بنت الزنا میں نکاح ہوا پھر ان سے جو اولاد ہو ان سے نکاح کرنا جائز ہے۔ (۳) صورت مذکورہ میں جو اولاد طلاق سے پہلے کی ہے یہ ثابت النسب ہے لہذا یہ صحیح النسب کا کفو ہے اور اس سے نکاح کرنا بھی جائز ہے اور جو اولاد طلاق کے بعد پیدا ہوئی ہے ان سے نکاح کرنا تو جائز ہے لیکن یہ صحیح النسب کا کفو نہیں کیونکہ یہ زنا کی اولاد ہے

فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خاندانی مسلمان لڑکی کا نومسلم سے نکاح کرنے کا حکم

ایک مسلمان بچی جو کہ عاقلہ، بالغہ، بی اے پاس حنفی العقیدہ، اہل سنت والجماعت ہے۔ اس کا ناجائز تعلق کسی عیسائی لڑکے سے ہوجائے اور وہ لڑکی اس عیسائی لڑکے کو مسلمان ہونے کے لئے کہے۔ اور وہ مسلمان ہوجائے۔ لڑکی مذکورہ بغیر والدین کی رضامندی کے عدالت میں جاکر مذکورہ نومسلم لڑکے سے نکاح کرلے۔ جبکہ لڑکا محض نکاح کے لئے مسلمان ہوا ہو، عیسائی والدین کے گھر میں رہتا

ہو اور ارکانِ اسلام سے بھی واقف نہ ہو اور نماز و دیگر اسلامی اعمال سے بھی واقف نہ ہو۔ اس صورتِ حال میں والدین پر کیا فرض ہے؟ کیا والدین مذکورہ لڑکی کو اس نو مسلم لڑکے کے ساتھ رخصت کر سکتے ہیں؟ شرعی و قانونی حکم سے مطلع فرمائیں سیاق و سباق کے ساتھ تاکہ اگر عدالت سے رجوع کرنا پڑے تو آسانی ہو۔ شکریہ

الجواب صورتِ مسئولہ میں عند الاحناف مفتی بہ قول کے مطابق یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ لڑکی بدستور آزاد ہے کیونکہ عورت اولیاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو وہ منعقد نہیں ہوتا اور نو مسلم خاندانی مسلمان کا کفو نہیں نیز فاسق نیک اور نیکوں کی لڑکی کا کفو نہیں بن سکتا۔

واما فی العجم فتعتبر حریۃ واسلاما فمسلم بنفسہ او معتق غیر کفء لمن ابوھا مسلم اھ (درمختار علی الشامیۃ ص۳۴۷ ج۲) وتعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا لصالحۃ اھ (درمختار) والظاھر أن الصلاح منھا او من آبائھا کاف لعدم کون الفاسق کفوا لھا اھ۔ (شامیہ ص۳۴۷ ج۲) فقی العالمگیریۃ ومنھا اسلام الآباء من اسلم بنفسہ ولم یکن لہ اب فی الاسلام لایکون کفوا لمن لہ اب واحد فی الاسلام کذا فی فتاوی قاضی خان۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۶ / ۸ / ۱۴۱۱ھ

مغل اور اعوان تقریباً ہم کفو ہیں۔

ایک بیوہ بالغہ عورت نے بغیر اجازت اپنے بھائی کے غیر کفو میں نکاح کر لیا اس عورت کا باپ فوت ہو چکا تھا اور دو تین برس اپنے خاوند کے گھر آباد رہی پھر کسی رنجش کی وجہ سے بھائی کے گھر واپس آگئی تین برس کے بعد ایک مولوی صاحب سے غیر کفو میں بغیر اجازت ولی والے نکاح کے بطلان پر فتوی حاصل کر کے بغیر طلاق لئے اس بیوہ مذکورہ کا نکاح حامل رقعہ ہذا سے کر لیا اب وہ عورت

اس حامل رقعہ کے پاس ہے اور فتویٰ بھی حاضر ہے حدیث ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل باطل باطل الحدیث، اس مولوی نے کچھ لکھا ہے ملاحظہ فرما کر جواب عنایت فرمادیں کہ شرعاً کیا حکم ہے۔ نیز یہ بیوہ مغل خاندان سے ہے اور جس سے نکاح کیا تھا بلا اذن وہ اعوان خاندان سے ہے۔

المستفتی مولانا عبدالعزیز صاحب جامع مسجد توحیدیہ، چوک اعظم۔

الجواب مذکورہ عورت کا نکاح ثانی جائز نہیں ہے خاوند سے طلاق لینا ضروری ہے مغل اور اعوان تقریباً ہم کفو ہیں بہتر یہی ہے کہ نکاح ولی کرائے لیکن اگر بالفرض عورت بدون اذن ولی نکاح کرے تو منعقد ہوجاتا ہے۔ ینعقد نکاح الحرۃ العاقلۃ البالغۃ برضائھا وان لم یعقد علیہا ولی بکرا کانت او ثیبا... الخ۔ (ہدایہ ص۲۹۳ ج۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۹۷/۱۰/۲۱ جج

قصائی راجپوت کا کفو نہیں

مسئلہ، مسماۃ جعفری خانم کا والد فوت ہوچکا ہے۔ وہ لڑکی عاقل بالغ ہے۔ اس کا حقیقی بھائی بھی ہے جو کہ اس سے بڑا ہے۔ وہ بھی عاقل بالغ ہے۔ یہ لڑکا اور لڑکی مسلم راجپوت قوم سے ہیں۔ اس کے پڑوس میں ایک قصاب یعنی قصائی ذات سے متعلق ہے۔ اس قصائی لڑکے نے جعفری خانم لڑکی کو اپنے دام میں پھانس لیا اور اس سے خفیہ طور پر نکاح رجسٹر میں درج کرالیا۔ جب لڑکی کے بھائیوں اور ماں کو پتہ چلا۔ انہوں نے سخت برا منایا۔ اور لڑکی کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے کیونکہ یہ نکاح قصائی لڑکے نے بغیر ولی کی اجازت سے کیا۔ یہ نکاح ہی منعقد نہ ہوا جیسا کہ بہشتی زیور حصہ چہارم میں ولی کے بیان میں مسئلہ ۳ پر یوں درج ہے: بالغ یعنی جوان عورت خود مختار ہے چاہے نکاح کرے یا نہ کرے۔ خود اپنا نکاح کسی سے کرے تو نکاح ہوجائے گا۔ چاہے ولی کو خبر ہو چاہے نہ ہو۔ اور ولی چاہے خوش ہو یا نہ ہو۔ ہر طرح نکاح درست ہے۔ ہاں البتہ اگر نکاح اپنے میل میں نہیں کیا۔ اپنے کم سے ذات والے سے نکاح کیا۔ اور ولی

ناخوش ہے۔ فتویٰ اس پر ہے۔ کہ نکاح درست نہ ہوگا۔ ... بحوالہ عالمگیری صفحہ ۳۰۰ ج ۱، راجپوت ذات بڑی ہے، قصائی ذات چھوٹی شمار ہے۔ اس صورت میں اس راجپوت لڑکی کا نکاح قصائی لڑکے سے بغیر ولی کی رضامندی کے نکاح نہیں ہوگا۔ آیا یہ صحیح ہے۔ نکاح کے بعد کوئی تنہائی نہیں ہوئی۔

الجواب برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مسمات جعفری اور عبدالقدیر کا نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا۔ کیونکہ عبدالقدیر جعفری کا ہم کفو نہیں ہے۔ هندیہ میں ہے۔ روی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لاینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوی روایۃ الحسن (صفحہ ۲۹۳ ج ۱) لہٰذا حصول طلاق کے بغیر دوسری جگہ نکاح کی شرعاً اجازت ہے

فقط واللہ اعلم بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۳/ ۲/ ۱۴۱۲ھ

جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ، اپنا غیر کفو میں کیا ہوا نکاح بھی صحیح ہے

ایک عورت سیدہ ہاشمیہ عاقلہ بالغہ عمر ۲۵ سال نے اپنا نکاح غیر سید سُنّی مسلمان سے کیا ہے عورت کا باپ اور تمام خاندان شمسی شیعہ ہے جو کہ حضرت علی کو خدا کا رتبہ دیتے ہیں وہ اس پر راضی نہیں ہیں کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ (سائل محمد ارشد اوکاڑوی)

الجواب مذکورہ عورت کے اولیاء اگر واقعۃً کافر ہیں تو انہیں اس عورت پر ولایت حاصل نہیں اور سیّدہ کا نکاح غیر سید سے جائز ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ کی صاحبزادی ام کلثوم سے ہوا جس کا ثبوت شیعہ سنی سب کتابوں میں موجود ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا نکاح صحیح ہوگیا۔

وقد مرّ اول الباب ان من لاولی لہا فنکاحہا صحیح نافذ مطلقاً ولو من غیر کفء او بدون مہر المثل اھ (شامی صفحہ ۴۲۹ ج ۲)

الجواب صحیح فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲/ ۹/ ۱۴۰۰ھ

طویل عرصہ تک خبر گیری نہ کرنے سے حق ولایت ختم نہیں ہوتا

ایک شخص نے گھریلو جھگڑے کی بنا پر بیوی اور لڑکے لڑکی کو گھر سے نکال دیا اور ۱۶ سولہ سال تک خبر گیری نہ کی اور نہ طلاق دی اور دوسری شادی کرلی۔
اس نے سابقہ بیوی کی بچی کا نابالغی کی حالت میں ایک جگہ نکاح کردیا عدالت سے رجوع کیا گیا تو عدالت نے اس نکاح کو کالعدم قرار دیا کیا یہ درست ہے؟

الجواب اتنا طویل عرصہ بچوں کی خبر گیری نہ کرنا سخت گناہ ہے اس کے باوجود باپ کا حقِ ولایت ختم نہیں ہوا۔ لہٰذا اس نے بچی کا بحالتِ نابالغی جو نکاح کیا ہے وہ منعقد و لازم ہے۔ باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ نہیں ہوتا لہٰذا عدالت کا فسخ معتبر نہیں۔

ویجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ اذا زوجھما الولی بکرًا کانت الصغیرۃ او ثیبًا (الی قولہ) فان زوجھما الاب او الجد فلا خیار لھما بعد البلوغ اھ (ھدایہ ص ۲۹۶ ج ۲)

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

سیّدہ میو سے بدون اجازتِ اولیاء نکاح کرے تو نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی محمد اختر میو ساکن نیو ملتان۔ وزٹ ویزہ پر امریکہ گیا وہاں مسمّاۃ خرم شاہ سے دوستی لگالی۔ جب محمد اختر کے ایک دوست کو پتہ چلا تو اس نے محمد اختر کو گناہ سے بچانے کے لئے چار گواہ ساتھ لئے اور محمد اختر و خرم شاہ کو ساتھ لے کر امام مسجد کے پاس گئے اور شرعی طریقہ سے

نکاح کرا دیا۔ جبکہ محمد اختر کی عمر ۱۹ سال تھی اور خرم شاہ کی عمر ۱۷ سال تھی۔ لیکن مولوی صاحب اور چار گواہوں اور زوجین کے علاوہ کسی کو نکاح کا علم نہیں حتیٰ کہ زوجین کے والدین کو بھی علم نہیں۔ اور پھر جب محمد اختر کے والد کو پتہ چلا تو وہ ناراض ہوا اور لڑکی کی والدہ کو بھی بتا دیا۔ تو اس لڑکی کی والدہ نے کہا کہ ٹھیک ہے اگر نکاح ہو گیا ہے تو ہماری لڑکی چھ ماہ بعد سکول سے فارغ ہو جائے گی تو اس کو اپنے گھر (پاکستان) لے جانا۔ اب لڑکا (محمد اختر) جب واپس پاکستان آنے لگا تو اس نے ——— اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تو پاکستان آنا چاہتی ہے تو میرے بھائی جو یہاں امریکہ میں ہیں ان سے بات کر لینا وہ تجھے پاکستان پہنچا دیں گے۔ اب محمد اختر پاکستان آگیا اور لڑکی امریکہ میں ہے۔ نیز نکاح میں پچاس ہزار ڈالر مہر مقرر ہوا تھا مگر محمد اختر نے اپنی بیوی خرم شاہ سے کل مہر معاف کرا لیا اور وصول کے دستخط کروا لئے کہ خرم شاہ نے مہر وصول کر لیا ہے۔ اب لڑکی (خرم شاہ) نے امریکہ میں کسی مفتی سے مسئلہ پوچھا تو اس نے کہا کہ تمہارا نکاح نہیں ہوا تم نے گناہ کیا ہے۔ لہٰذا توبہ واستغفار کرو اور دوسری جگہ شادی کر سکتی ہو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً صورت مذکورہ میں نکاح ہوا یا نہیں اور بغیر محمد اختر کے طلاق دینے کے وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ نیز امریکہ کے مفتی کا جاری کردہ فتویٰ بھی ارسال خدمت ہے وہ بھی پڑھ لیں کہ صحیح ہے یا نہیں۔ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب صورت مسئولہ میں پیش کردہ نکاح نامہ کے مطابق چونکہ لڑکی سیدہ ہے اور لڑکا اس سے کم درجہ قوم کا ہے۔ لہٰذا مفتیٰ بہ روایت کے مطابق یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ بعد میں اولیاء کی اجازت سے بھی صحیح نہیں ہوا کیونکہ اجازت موقوف کے لئے ہوتی ہے۔ غیر منعقد کے لئے نہیں۔

كما في الهندية ثم المرأة اذا زوّجت نفسها من غير كفء صح النكاح في ظاهر الرواية عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى وهو قول ابي يوسف رحمه الله تعالى آخراً وقول محمد

رحمہ اللہ تعالیٰ اخرا ایضاً حتی ان قبل التفریق یثبت فیہ حکم الطلاق والظہار والایلاء والتوارث وغیر ذلک ولکن للاولیاء حق الاعتراض وروی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان النکاح لا ینعقد وبہ اخذ کثیر من مشایخنا رحمہم اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط۔ والمختار فی زماننا للفتویٰ روایۃ الحسن اھ ہندیہ ص۲۹۲ ج۱ الباب الخامس فی الاکفاء) فقط واللہ تعالیٰ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفی عنہ

عصبات کے ہوتے ہوئے نانا کو ولایت نہیں ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ غلام محمد و غلام سرور دونوں چچازاد بھائی تھے۔ غلام محمد فوت ہوا تو ایک نابالغہ لڑکی مسماۃ راجن مائی چھوڑ گیا جسکی عمر چھ سال ہے۔ غلام محمد کی بیوہ (رحمت مائی) اور خسر نے لڑکی کا نکاح ولی حقیقی غلام سرور کے اذن کے بغیر کر دیا بوقت نکاح غلام سرور چھ میل دور تھا۔ اس کو جب علم ہوا تو کئی آدمی لے کر لڑکی کی ماں و نانے کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں اور نہ ہی اجازت ہے آیا غلام سرور کی اجازت کے بغیر نکاح شرعاً جائز ہوا یا نہیں المستفتی مفتی محمد کلیم اللہ دہاڑی

الجواب عصبات کے ہوتے ہوئے والدہ اور نانا کو ولایت نکاح حاصل نہیں لہٰذا ان کا کیا ہوا نکاح موقوف ہوگا غلام سرور کی اجازت پر اور اس کے رد کر دینے سے ختم ہوگا۔

فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ درمختار علی الشامیۃ ص۳۴ ج۲۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ

زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کا زانی ولی نہیں بن سکتا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک عورت طوائف ہے۔ اس عورت کا تعلق ناجائز زید سے رہا۔ زید سے ہی اسے حمل حرام ٹھہر گیا۔ پھر زید نے اس طوائف سے قطع تعلق کر لیا۔ عورت نے پھر بکر سے ناجائز تعلق قائم کر لیا۔ عورت کے بطن سے ایک حرامی لڑکی پیدا ہوئی۔ سن صغر میں ہی بکر نے طمع نفسانی کی وجہ سے باوجود اس کی والدہ کے چیخنے چلانے کے اس لڑکی کا نکاح عمرو سے کر دیا۔ اب لڑکی جوان ہو گئی ہے۔ اب نہ تو لڑکی اس ناطہ پر رضامند ہے۔ اور اس کی والدہ کی پہلے سے ہی ناراضگی ہے۔ کیا ایسی صورت میں ولایت بکر جائز متصور ہو کر نکاح درست ہوگا۔ یا کالعدم۔ بینوا توجروا

الجواب شخص مذکور لڑکی مذکورہ کے نکاح کا متولی ہی نہیں تھا۔ اس لئے اس کا کیا ہوا نکاح لازم نہیں۔ پس یہ لڑکی اپنی صوابدید کے موافق دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہٗ	الجواب صحیح
۱۳ / ۹ / ۱۳۸۰ھ	بندہ عبداللہ غفرلہٗ

کیا ولایت میں چھوٹا بڑا بھائی برابر ہیں ؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی نابالغہ ہے اس کے دو بھائی ہیں چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کی عدم موجودگی میں نکاح کر دیا۔ اب بڑا بھائی اس نکاح پر راضی نہیں ہے کیا شرعاً چھوٹا بھائی اور بڑا بھائی ولایت میں برابر ہیں یا نہیں ؟

الجواب لڑکی کا بھائی جو نکاح میں شامل تھا اگر وہ اس وقت عاقل بالغ تھا تو پھر یہ نکاح منعقد ہو گیا کیونکہ چھوٹا اور بڑا بھائی ولایت میں مساوی ہیں ۔

ھٰکذا مفھوم من کتب الفقہ۔ لہٰذا بغیر طلاق حاصل کئے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنا درست نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

بندہ اصغر علی عفی عنہٗ
۱۳۷۲/۳/۳ھ

کوئی عصبہ نہ ہو تو ولایت نکاح کس کو ہوگی۔

محمد بخش ولد اللہ بخش جوکہ اللہ یار مرحوم کی خالہ زاد بہن کا بیٹا ہے۔ اس نے اللہ یار مرحوم کی نابالغ لڑکی مساۃ منظور الٰہی کا عقد مسمی محمد بخش ولد خدا بخش سے کر دیا۔ عقد کے وقت لڑکی کی والدہ کرم خاتون کو نکاح کے لئے راضی کیا تو اس نے کہا کہ اگر میری بڑی لڑکی اور داماد کو راضی کر لو تو میں راضی ہو جاؤں گی مگر محمد بخش ولد اللہ بخش انہیں رضامند کرنے میں ناکام ہوا۔ اس لئے اللہ یار کی بیوی نہ تو نکاح کے وقت راضی ہوئی نہ بعد میں، لیکن نکاح زبردستی کر دیا۔ اور لڑکی کی والدہ کو مارپیٹ کر الگ ایک کمرہ میں بند کر دیا۔ لڑکی کی والدہ کرم خاتون کہتی ہے کہ میں اس نکاح سے نہ راضی تھی اور نہ اس وقت راضی ہوں نہ اپنی لڑکی دینا چاہتی تھی اور نہ اب چاہتی ہوں اور نہ کبھی دوں گی۔ اسی طرح منظور الٰہی کا بھائی جو عقد کے وقت نابالغ تھا اب وہ بالغ ہے وہ بھی اس نکاح پر اپنی عدم رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ شرعاً نکاح ہو گیا ہے یا نہیں اگر نہیں ہوا۔ تو وہ لڑکی اپنا کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب محمد بخش ولد اللہ بخش کو مساۃ منظور الٰہی نابالغہ کے نکاح کی ولایت حاصل نہ تھی بلکہ نکاح مذکورہ کی ولایت شرعاً والدہ کو تھی پس محمد بخش کا کیا ہوا نکاح لڑکی کی والدہ کی اجازت پر موقوف تھا جب اس نے رد کر دیا تو یہ نکاح ختم ہو گیا۔ پس صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسری جگہ جہاں چاہے نکاح کرے۔ سابقہ نکاح کالعدم ہے۔

قال فی الدر المختار فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام... الخ (ص۴۲۹ ج۲)

ونکاح عبدٍ وامۃٍ بغیر اذن السید موقوفٌ علی الاجازۃ کنکاح الفضولی سیجیٔ فی البیوع توقف عقود ہ کلہا ان لہا مجیزٌ حالۃ العقد والا تبطل ص۴۴۹ ج۲ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عبداللہ غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفی عنہٗ
۷/۵/۱۳۸۱ھ

باپ نابالغہ کے نکاح کی ولایت نانا کو دے دے تو اس سے باپ کی ولایت ختم نہیں ہوتی (ایک اہم فتویٰ)

ہمارے بلوچستان کے اکثر خاص کر بلوچ پختون قبائل کے لوگ عورتوں کو بھیڑ بکری جیسے فروخت کرتے ہیں. اور اس کے ثمن کو اس عرف میں (لب) تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جو علماء دیانتدار متقی لوگ کہلائے جاتے ہیں یہ بجائے "لب" کے حق مہر مقرر کر کے وہ مال واقعی بچی کے حوالے کر دیتے ہیں. لیکن انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ایک تیسری صورت بھی اختیار کی ہے اور اسی کو مباح کا درجہ دے دیا. اور اس کا نفع صرف صرف باپ یعنی سسر کے حق میں ہے وہ مباح کی تیسری صورت یعبر فی عرفنا بلفظ "گٹکمی" یعنی پیٹ کا بچہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ بوقت منگنی لڑکی کا باپ اپنے داماد کے ساتھ حق مہر مقرر کرنے کے علاوہ یہ شرط بھی لگاتا ہے کہ جس وقت میری لڑکی کا نکاح یعنی خلوت صحیحہ وجود میں آجاوے تو چار لڑکیاں پیٹ والی میری ہیں. چاہے میری لڑکی کے بطن سے یا اس کی دوسری بیوی کے بطن سے یا آپ کے بھائی کی بیوی کے بطن سے جب بھی پیدا ہوں. تو میری ہیں یعنی چار لڑکیاں پیٹ والی آپ نے پیدا کر کے مجھے دینی ہیں. بغیر کسی عوض کے. پھر جب یہ بچیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو سسر اس کی یوم پیدائش کے چالیس دن کے بعد داماد کے گھر جا کر کہتا ہے

کہ آپ کی بچی اب میری ہے۔ یعنی میرا قبضہ ہوگیا۔ اور داماد کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور اس شرط کو ہمارے قومی رسم ورواج بلکہ صوبائی حکومت کی قانونی بالادستی حاصل ہے۔ اگر داماد یعنی باپ اپنی بچی کو حوالے کردینے سے انکار کرے تو عدالت کے ذریعے اس سے تسلیم کرایا جائے گا غرضیکہ بچیوں کے پیدا ہونے کے بعد باپ یعنی داماد کی رضا اور عدم رضا کا کوئی اعتبار نہیں۔ خلاصۃ الکلام داماد یعنی باپ کی ولایت من کل الوجوہ اپنی بچی سے منقطع ہوجاتی ہے۔ اور یہی ولایت بعینہٖ نانا یعنی بیوی کے باپ یا اسی کے خاندان کے کسی فرد کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ بچی کا نانا جہاں چاہے نکاح کرائے۔ یا فروخت کرے۔ حق مہر مقرر کرے یا نہ کرے۔ باپ کا کوئی اختیار نہیں۔ اب شق نمبر۱ "لب" کی حرمت، شق نمبر۲ حق مہر کی حلت پر کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن شق ۳ (گنگئی) بتفصیلہا ہیں مقامی علماء کا اختلاف ہے۔

الطبقۃ الاولی من العلماء الکرام والصلحاء جوکہ اس فعل کے عملی طور پہ مرتکب ہیں۔ وہ اس شرط کو جس کا نتیجہ گنگئی بن جاتا ہے۔ مباح قرار دیتے ہیں۔ بلکہ بوقت منگنی اس شرط کو مباح صرف وعدہ اور بوقت ولادت بچی اس حیلہ کو جائز اور واجب التسلیم ایفائے عہد بتاتے ہیں۔ اور خلاف وعدہ جرم ہے ممکن ہے الکریم اذا وعد وفی سے استدلال کرتے ہوں گے۔ غرضیکہ ان کے ہاں یہ تدبیر اختیار کرکے جبری طور پہ بھی ولایت باپ کو بچی کے حق میں سلب کرنے میں کوئی بڑا گناہ یا کراہت نہیں۔

الطبقۃ الثانیہ من العلماء الکرام اس شرط کو کہ جس کا نتیجہ صورت گنگئی والی بن جاتی ہے۔ ناجائز بتلاتا ہے وہ فیصلہ عدالت کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلکہ بلا رضائے باپ یعنی داماد کے نکاح منعقد نہیں ہوسکتا۔ اور ہر وہ وعدہ جو خلاف شرع ہو۔ اس کا ایفاء ضروری نہیں۔ اور یہ علماء، اس شرط گنگئی کی حرمت کو شق ۱ "لب" سے زیادہ حرام بتلاتے ہیں۔ بایں معنی کہ لب میں بیع الحر کی حرمت ہے۔ اور شق نمبر ثالث میں گنگئی میں بیع الحر کے ساتھ بیع المعدوم والی صورت بھی پائی جاتی ہے۔

جناب مفتی صاحب حوالہ کے ساتھ فتویٰ بتائیں کیونکہ ہمارے ہاں بااثر علماء کے ذریعہ شق

ثالث یعنی گٹکھی والی صورت کو مباح قرار دیکر اس پرعمل کیا جارہا ہے۔ گویا یہ ایک حیلہ شرعی بن چکا ہے۔ اگر یہ واقعی ناجائز ہے تو اوروں کے لئے قابل تقلید اور حامل نفع دنیوی پر مشتمل ہے۔ ورنہ ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے تفصیلی یا مختصر دلیل کی ضرورت ہے۔ اگر یہ صورت ناجائز ہے۔ تو کیا یہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ تو کیا داماد کے انکار پر خلاف وعدہ کا گناہ ہے یا نہیں کیا بصورتِ عدم رضا، داماد یعنی باپ کا نکاح جائز ہوگا یا نہیں۔ تو کیا یہ کوئی حیلہ شرعی ہے یا نہیں۔

الجواب اس قسم کے عقد کی جانوروں میں بھی ممانعت ہے چہ جائیکہ انسانوں میں اسے جائز کیا جائے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن بیع حبل الحبلۃ۔ قال النووی فی شرحہ واختلف العلماء فی المراد بالنھی عن بیع حبل الحبلۃ فقال جماعۃ ھو البیع بثمن موجل الی ان تلد الناقۃ ویلد ولدھا...... وقال آخرون ھو بیع ولد الناقۃ الحامل فی الحال........ وھذا البیع باطل علی التفسیرین اما الاول فلانہ بیع بثمن الی اجل مجھول......... واما الثانی فلانہ بیع معدوم ومجھول وغیر مملوک البائع وغیر مقدور علی تسلیمہ واللہ اعلم اھ (النووی ص۳ ج۲)

امام نوویؒ کی کلام کے مطابق اس بیع میں ممانعت کی کئی وجوہ پائی گئیں ہیں ا۔ بیع معدوم ہے۔ ۲۔ بیع غیرمملوک ہے۔ ۳۔ بیع غیر مقدور التسلیم ہے۔ اور صورت مسئولہ میں مزید دو وجہوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ بیع الحر ہے۔ نیز یہ کہ بوقت عقد حمل بھی معدوم ہے۔ تو جب حیوانات میں بیع الحمل ممنوع ہے۔ تو انسانوں میں ایسی بیع کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔ بلکہ یہ صریح البطلان ہے۔ لایشک فیہ عاقل منصف اور اسے صرف وعدہ قرار دینا لغو ہے۔ کیونکہ نفس وعدہ پر عدالتی کارروائی اور حکومتی

جبر جاری نہیں ہو سکتا پس ایسی لڑکیوں کی ولایت نکاح بدستور ان کے والد کو حاصل رہے گی۔ سلب ولایت غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کفاءۃ میں صرف اسلام کا اعتبار ہے یا باقی امور کا بھی ؟

کفو سے کیا مراد ہے اور مہر مثل سے کیا مراد ہے۔ زید کفو کی تفسیر یوں کرتا ہے کہ کفو مشتق ہے کفاءۃ بالفتح سے بمعنی مساوات اور کہا کہ الکفاءۃ معتبرۃ فی النکاح قال علیہ السلام الا لا یزوج النساء الا الاولیاء ولا یزوجن الا من الاکفاء۔ (ھدایہ اولین ص ۲۵) واذا تزوجت المرأۃ نفسہا من غیر کفو فللاولیاء ان یفرقوا بینہما اھ والاصل فیہ قولہ علیہ السلام قریش بعضھم اکفاء لبعض بطن ببطن الخ۔ تو زید نے کہا کہ کم قوم والا اعلیٰ قوم والے کا ہم نسب نہیں، جیسے غیر ہاشمی، ہاشمی کا کفو نہیں ہے البتہ عورت نیچی قوم والی ہو۔ اور مرد اونچی قوم والا ہو۔ تو یہ صورت کفو سے بھی اونچی ہے اس لئے یہ جائز ہے، لیکن بکر کہتا ہے کہ کفو اور غیر کفو کے الفاظ جہاں آتے ہیں وہاں اسلام اور غیر اسلام کا فرق ہے مسلمان سب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ لیکن زید کہتا ہے کہ کفو اور غیر کفو کا ذکر مسلمانوں کے اعتبار سے ہے کس کا قول صحیح ہے۔ نیز زید کہتا ہے کہ مہر مثل کی تشریح ھدایہ والی مہر مثلہا یعتبر باخواتہا وعماتہا وبنات اعمامہا۔ الخ صحیح ہے لیکن بکر کہتا ہے۔ یہ صحیح نہیں بلکہ مہر ہستی (طاقت) پر ہے، زید کہتا ہے درست ہے مگر دس درہم چاندی سے کم نہ ہو۔ کس کا قول صحیح ہے ———— (عبدالرشید علی پوری متعلم افتاء)

الجواب دونوں امور میں زید کا قول درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ : عبدالستار عفا اللہ عنہ

عالم باعمل سیّد زادی کا کفو ہے۔

واضح ہو کہ ایک سیّد زادی فواحش سے بچنے کے لئے بخواہش خود ایک نامزد اُمتی سے نکاح کرے تو کیا شرع شریف میں کوئی رکاوٹ تو نہیں۔ اس کا نکاح کر دیا جاوے یا نہ ——

الجواب اگر وہ غیر سیّد مرد عالم باعمل ہے۔ تو پھر وہ اس سیّد زادی کا ہم کفو ہے اور اس کا نکاح اس شخص کے ساتھ ہو سکتا ہے اور ورثاء میں سے بھی کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ عالم نہیں

ہے تو پھر اس سیدزادی کا کفوتو نہیں ہے لیکن نکاح پھر بھی اس شخص کے ساتھ صحیح ہے۔ مگر اس صورت میں ورثاء کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر اس شخص کے ساتھ وارث نکاح کرنے پر راضی نہ ہوں گے تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ کما فی الشامی ص۲۲۳ج۲ فالعالم العجمی یکون کفوًا للجاھل العربی والعلویۃ لان شرف العلم فوق شرف النسب۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہٗ ۱۴/۲/۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

غیر کفو میں نکاح کرنے سے رشتہ دار ناراض ہوں تو بھی کرسکتے ہیں۔

زید، اپنی اولاد کے رشتے غیر برادری اور غیر قوم میں اس بناء پر کرتا ہے کہ اپنی قوم میں نیک ذی علم نہیں ملتے اور اس بارے میں زید کے حقیقی بھائی اور بہن بھی اس کے ہمنوا ہیں لیکن حقیقی چچا اس بات کی وجہ سے ناراض ہوتا ہے اور قطع رحمی اختیار کرتا ہے اور بناء محض دنیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر زید ایسا کرے تو گنہگار تو نہیں ہوگا ــــ

الجواب ولو زوج ولدہ الصغیر من غیر کفو بان زوج ابنہ امۃً او ابنتہ عبدا .... جاز، وھذا عند ابی حنیفۃؒ کذا فی التبیین (ھندیہ ص۲۹۴ج۱)

بنا بریں جزئیہ مذکورہ والد کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی اولاد کا نکاح غیر کفو میں کردے اور والد کا یہ استحقاق کسی دیگر رشتہ دار کی رضامندی کے ساتھ مقید نہیں، جیسا کہ اطلاق جزئیہ سے ظاہر ہے۔ پس والد کا یہ اقدام دونوں صورتوں میں معصیت نہیں، دیگر رشتہ دار رضامند ہوں تو بھی، ناراض ہوں تو بھی۔ پس صورت مسئولہ میں اس جائز اقدام سے ناراض ہوکر اگر کوئی رشتہ دار چچا وغیرہ قطع تعلق کرے تو یہ قطع اسی رشتہ دار کی جانب سے تصور کیا جائے گا زید کی جانب سے نہیں ہوگا لیکن زید کو چاہیئے کہ رشتہ دار مذکور کے ساتھ سابقہ تعلقات بدستور رکھنے میں اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے۔ قال علیہ السلام صل من قطعک (الحدیث) نیز واضح رہے کہ ہر غیر قوم کا غیر کفو ہونا ضروری نہیں ــــــ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہٗ

فاسق، فاسقہ بنت صالح کا کفو بن سکتا ہے

ایک شریف خاندان کی عورت بغیر اجازت والد کے ایک جاہل اور رذیل خاندان میں نکاح کرلے تو کیا شریعت

مطہرہ اس نکاح کو (جو غیر کفوء میں ہوا ہے) جائز کرتی ہے یا نہیں جبکہ عورت کا خاندان علمی پیشہ اور ہر لحاظ سے اعلیٰ خاندان شمار ہوتا ہے۔ البتہ عورت مذکورہ کا چال چلن اچھا نہیں ہے۔ احکام دین کی پابندی نہیں کرتی وغیرہ ۔

الجواب صورت مسئولہ میں یہ نکاح بوجہ خیار کفائت کے قابل فسخ نہیں۔ کیونکہ یہ عورت خود فاسقہ ہے۔ اور فاسقہ بنت صالح فاسق شخص کی کفو ہوتی ہے پس عورت مذکورہ کا شخص مذکور سے اپنی رضا و رغبت سے نکاح کرنا کفوء میں ہے۔ والدلیل علیہ مافی الشامیۃ قلت والحاصل أن المفہوم من کلامھم اعتبار صلاح الکل وان من اقتصر علی صلاحھا أو صلاح آبائھا نظر الی الغالب من ان صلاح الولد والوالد متلازمان فعلیٰ ھذا فالفاسق لا یکون کفواً للصالحۃ بنت صالح بل یکون کفواً لفاسقۃ بنت فاسق وکذا الفاسقۃ بنت صالح کما نقلہ فی الیعقوبیۃ فلیس لا بیہا حق الاعتراض لان ما یلحقہ من العار ببنتہ أکثر من العار بصھرہ اھ (باب الکفارة ص ۳۲۸ ج ۲)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

نیک عالم دین اچھے خاندان کا کفوء ہے

ایک بیوہ نے اپنا نکاح ایک عالم دین دار آدمی سے کیا بیوہ نے کہا کہ اس نکاح کو میرے اولیاء سے مخفی رکھیں کیونکہ وہ کسی دنیا دار سے کر دیں گے۔ اس طرح میرے بچوں کا مستقبل خراب ہو جائے گا۔ اب اس بیوہ کے بھائی اس نکاح کو قبول نہیں کرتے، اس عالم دین دار کا تعلق ایک اچھے خاندان سے ہے جبکہ بیوہ کے خاندان کی کئی لڑکیاں اس عالم دین کے خاندان میں بیاہی گئی ہیں۔ مزید یہ کہ اکثر لوگ بیوہ کے خاندان کو قریشی تسلیم کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اس دین دار عالم کے پاس جائیداد بھی بیوہ سے زیادہ ہے۔ اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ ——— (عبدالرحمٰن میاں چنوی)

الجواب صورتِ مسئولہ میں یہ نکاح لازم ہو چکا ہے اور درست ہوا ہے، عورت کے اولیاء اسے فسخ نہیں کرا سکتے کیونکہ یہ کفوء میں ہوا ہے۔ فی جامع قاضی خان الحسیب یکون کفواً للنسیب فالعالم العجمی یکون کفوءً للجاھل العربی الی ان قال وزادوا العالم الفقیر یکون کفواً للغنی الجاھل والوجہ فیہ ظاھر لان شرف العلم فوق شرف النسب فشرف المال أولیٰ اھ (شامی ص ۳۲۷ ج ۲) فقط واللہ اعلم احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

کوئی شیعہ اپنے آپ کو سُنی ظاہر کرکے نکاح کرلے تو پتہ چلنے پر اولیاء فسخ کراسکتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنی لڑکی کا رشتہ دیتے وقت اُن کے مذہب شیعہ ہونے پر انکار کردیا مگر رشتہ لینے والے نے چند آدمیوں کے سامنے حلفاً اقرار کیا کہ میں شیعہ ہرگز نہیں ہوں اس کے بعد اس نے رشتہ کیا۔ دونوں طرف سے نکاح ہوگئے یعنی رشتہ دینے والے نے اپنی نابالغہ لڑکی کا رشتہ ان کو دیدیا، بعدہٗ کچھ عرصہ وہ زوجہ کو اپنے والدین کے پاس لے جانے کے بہانے سے اُسے گھر لے گیا اور پھر زوجہ کو بالکل محصور رکھا اور اُسے شیعیت پر بھی مجبور کیا اور صحابہ کرامؓ پر سب وشتم ولعنت کرنے لگے اور زوجہ کو کہنے لگے کہ تو بھی سب وشتم کر۔ چونکہ وہ اہل السُنّت والجماعت تھی وہ انکار کرتی رہی وہ لڑکی کو اس کے والدین سے کبھی نہیں ملنے دیتے تھے بہت کوشش سے اس کا باپ گھر لے آیا، ایک لڑکا اس کا تھا وہ بھی انہوں نے جبراً چھین لیا اب عورت مذکورہ خاوند کے پاس نہیں جانا چاہتی اور نہ باپ شیعہ سُنی ہونے کی وجہ سے بھیجنا چاہتا ہے تو اب شرعاً کیا حکم ہے۔

الجواب صورت مسئولہ میں اس شخص نے اپنے آپ کو سُنی ظاہر کرکے نکاح کیا ہے لڑکی اور اس کے وارثان کو اس کے شیعہ ہونے کا علم نہ تھا بلکہ اس نے حلفاً بیان کیا کہ میں سُنی ہوں لہذا یہ نکاح غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے فسخ ہوسکتا ہے۔ ہر وہ حاکم مجسٹریٹ یا ... جو مسلمان ہو اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔ اسی مضمون کی درخواست لڑکی کے والد کی طرف سے دینی لازم ہے بغیر قضا ... فسخ نہیں ... وفی ... المختار ولو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا لا خيار لاحد ... اذا شرط ... ءة او اخبر هو بها وقت العقد فزوجوها على ذلك ثم ظهر انه غير كفء كان لهم الخيار شامی ۳۴۵۔ فقط واللہ اعلم

سندہ، محمد عبد اللہ غفرلہٗ

مہر کے مسائل

حج کرانا بھی نکاح میں مہر بن سکتا ہے ۔ زید نے ہندہ کو نکاح کا پیغام دیا، ہندہ بیوہ تھی، ہندہ نے کہا کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میرا مہر یہ ہے کہ آپ مجھے حج کروادیں، چنانچہ نکاح ہوگیا تو کیا یہ نکاح صحیح ہے اور کیا زید کے ذمہ حج کرانا لازم ہے۔ مہر اس کے علاوہ اور کچھ مقرر نہیں ہوا۔ جبکہ حج کی قیمت میں کمی وزیادتی ہوتی رہتی ہے ۔۔۔۔ (المستفتی محمد اسماعیل سرحدی)

الجواب اگر حج کروادینے کی شرط پر نکاح کیا جائے اور اس حج کرانے کو مہر مقرر کیا جائے تو یہ نکاح ہوجائے گا اور خاوند کے ذمہ حج کی قیمت ہوگی اور حج کی قیمت کا کم وبیش ہوتے رہنا مفسد تسمیہ نہیں ۔۔۔۔

قال فی الدر المختار وکذا یجب مهر المثل فیما اذا لم یسم مهرا وفی الشامیة ص ۳۶۳ ج ۲ (قوله فیما اذا لم یسم) ای لم یسم تسمیة صحیحة او سکت عنه نهر (الی قوله) ولیس منه ما لو تزوجها علی عبد الغیر لوجوب قیمته اذا لم یجز مالکه او علی حجة لوجوب قیمة حجة وسط لا مهر المثل الوسط برکوب الراحلة الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔۔۔

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفی عنہ الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق عفر اللہ لہ

مہر مؤجل میں ادائیگی سے پہلے رخصتی کا مطالبہ

مسمّی اللہ وسایا کا نکاح فاطمہ سے ہوا، نکاح کے وقت حق مہر مکان کچی پختہ بمعہ حویلی نلکا، پانچ مرلے زمین زیورات قیمت تین ہزار مقرر ہوئی جو کہ نکاح نامہ میں درج ہے مسمّی اللہ وسایا یہ حق مہر ادا کرنے سے انکار کرتا ہے تقریباً ایک سال گزر چکا ہے۔ مسمی عیسیٰ نے کئی بار کہا ہے کہ حق مہر پہلے ادا کرے گا تو پھر رخصتی شادی وغیرہ ہوگی لیکن مسمی اللہ وسایا انکار کرتا ہے۔ اب شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ ۔۔۔۔

الجواب صورت مسئولہ میں اللہ وسایا حق مہر فی الفور ادا کئے بغیر اپنی بیوی فاطمہ مائی کی رخصتی کرا سکتا ہے ولم یذکر الوقت للمؤجل یقع ذلک علی وقت وقوع الفرقة بالموت او بالطلاق.

(عالمگیری ص ۲۹۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم ۔۔۔ محمد انور عفی عنہ

زنا کی اُجرت کو مہر بنانا

ایک مرد کسی عورت کو اُجرت پر لے کر اس سے زنا کرے اس اُجرت کو اس کا مہر ٹھہرا لے تو شرعاً اس کو حد لگائی جاوے گی یا نہیں ۔ اور اگر حد کا مستحق نہیں تو معلوم ہوا یہ فعل جائز ہے اگر ناجائز ہوتا تو شرعاً حد لگائی جاتی، کیا یہ متعہ نہیں ہے ؟ ۔

الجواب واضح رہے کہ حد شرعاً وہ سزا ہے جو من جانب اللہ مقرر ہو۔ یہ سزا بعض اوقات شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتی ہے یعنی سوڈرے لگانا یا سنگسار کرنا، اس کے ساقط ہونے سے آدمی جرم سے بری نہیں ہوتا بلکہ حکومت مختار ہے کہ وہ جو سزا مناسب سمجھے جاری کرے جیسا کہ کوئی بدمعاش آدمی جانور سے بدفعلی کرتا ہے یا لڑکے سے فعلِ بد کرتا ہے تو اس صورت میں بھی حد نہیں بلکہ حکومت وقت کو اختیار ہے کہ جو سزا از قسم قید یا ضرب وغیرہ مناسب سمجھے دے سکتی ہے تو ایسی سزا کو جو حکومت کے اختیار میں ہوتی ہے تعزیر کہتے ہیں تو کیا حد واجب نہ ہونے سے آپ لواطت بہیمہ کو جائز کہہ دیں گے جس طرح یہ دونوں فعل جائز نہیں ایسے ہی کسی عورت سے زنا پر مستاجری کرانا بھی ناجائز ہے اور متعہ شریعت میں حرام ہے ۔

نیز واضح رہے کہ عورت کو زنا پر مستاجری کرنے میں امام محمدؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک حد لازم ہے ، امام ابی حنیفہؒ کے نزدیک یہ سخت گناہ ہے اس میں حد لازم نہیں ہے لیکن تعزیر ہے یعنی حاکم کے اختیار میں ہے کہ ایسے مرد و عورت کو جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے۔ چنانچہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق ص ۱۹ ج ۵ میں یہ تفصیل موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۲/۴/۲ ھ

مکمل مہر دے دیا پھر قبل از دخول طلاق ہو گئی تو نصف مہر واپس لے سکتا ہے

زید نے اپنی لڑکی ہندہ نابالغہ کا نکاح عمر بن بکر سے پڑھا دیا بعوض حق مہر معجل پھر بعد از نکاح عمر کے والد بکر نے اپنا مکان اپنی خوشی و رضامندی سے ہندہ کو بعوض حق مہر بیع قطعی تحریر کر دیا اور قبضہ بھی دیدیا عرصہ سے ابھی تک ہندہ اس مکان میں رہائش پذیر ہے ابھی تک ہندہ کے تبدیل پارچات عمر کے ساتھ نہیں کئے گئے ہیں اور اب عمر کا والد بکر دعویٰ کرتا ہے کہ یہ مکان مجھ کو واپس کر دیا جائے کہ ہندہ قبل از

تبدیل پارچات حق مُہر نہیں لے سکتی ہے لہٰذا یہ بیع نامہ منسوخ کیا جاوے کیا واقعی یہ مکان واپس ہو سکتا ہے جو کہ والد عُمرؒ نے بعوض حق مُہر بیع کر دیا ہے یا نہیں ـــــ

الجواب: بکر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عورت قبل از تبدیلی پارچات مُہر کی حق دار نہیں ہوتی بلکہ نکاح ہوتے ہی عورت مُہر کی حقدار بن جاتی ہے۔ ہاں خدانخواستہ اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ قبل از وطی یا قبل از خلوت طلاق تک نوبت پہنچ جائے تو اس صورت میں عورت صرف نصف مُہر کی حق دار رہتی ہے اور دوسرا نصف مُرد کی مِلک میں واپس لوٹ آتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ـــــ

(۱) بوقتِ نکاح عورت کو مُہر ادا نہ کیا جائے بلکہ مؤجل رکھا جائے ـــــ

(۲) بوقتِ نکاح عورت کو پورا مُہر ادا کر دیا جائے تو دوسری صورت میں قبل از وطی طلاق کی نوبت پیش آجائے تو نصف مُہر مُرد، عورت سے واپس لے گا لیکن اس واپس لینے کی بھی دو صورتیں ہیں ـــــ

(۱) یا تو عورت اپنی رضا سے واپس کر دے ـــــ

(۲) اگر عورت اپنی رضا سے واپس نہ دے تو عدالت میں دعویٰ کر کے واپس حاصل کر لے۔ بلا واسطہ عدالت خود بخود زبردستی لینے کا حق نہیں ـــــ

کما فی الدر المختار علی الشامی ص ۴۵۶ ج ۲ ویجب نصفہ بطلاق قبل وطء او خلوۃ فلو کان نکحہا علی ما قیمتہ خمسۃ کان لہا النصف وفی در ھمان و نصف وعاد النصف الی ملک الزوج بمجرد الطلاق اذا لو یکن مسلما لہا وان کان مسلما لہا لم یبطل ملکہا منہ بل توقف عودہ الی ملکہ علی القضاء او الرضاء الخ ـــــ

لہٰذا صورت مسئولہ میں بکر کو مکان واپس لینے کا تو کسی صورت میں بھی حق نہیں کیونکہ اس کی تو بیع ہو چکی باقی رہا واپسی مُہر کا مطالبہ اس کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ خدانخواستہ اگر قبل از وطی طلاق کی صورت پیش آجائے تو چونکہ عورت مذکور کو بوقت نکاح پورا مُہر ادا کر دیا تھا۔ اس عورت کی رضا سے یا بذریعہ عدالت نصف مُہر واپس لے سکے گا۔ ورنہ واپسی مُہر کے مطالبہ کا بھی حق نہیں ـــــ

بندہ اصغر علی غفرلہٗ

خلاصہ یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں خاوند مکان کو تو بالکل نہیں لے سکتا کیونکہ وہ حق مُہر کی بیع میں آچکا ہے اور حق مُہر نقد کی شکل میں بھی نہیں لے سکتا جبتک طلاق قبل از دخول نہ دی ہو۔ اگر طلاق قبل از تبدیل پارچات دیدے

تو آدھا حق مہر لے سکتا ہے۔ والجواب صحیح

بندہ عبد اللہ غفر اللہ لہ

عورت بخوشی مہر معاف کردے تو باپ کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

زید نے اپنی بیوی کا حق مہر چار ہزار روپیہ مقرر کیا۔ مذکورہ مہر عورت شادی کے دو سال بعد چار گواہوں کے رو برو بخوشی معاف کرچکی ہے۔ اب دونوں میاں بیوی راضی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں مگر لڑکی کے والد صاحب کہتے ہیں کہ مہر معاف کرنا ٹھیک نہیں بلکہ ادا کرو، شرعاً کیا حکم ہے۔؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں بر تقدیر صحتِ واقعہ مہر معاف ہوچکا ہے اب عورت یا اس کا کوئی ولی مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

للمرأة ان تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أو لم يدخل وليس لاحد من أوليائها اب ولا غيره الاعتراض عليها. (كذا في شرح الطحاوي اھ (عالمگیری ص۲۷ / ج۲)

الجواب صحیح | فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ

والد، مہر کا ضامن ہو تو اسے دینا ضروری ہے،

محمد سلیم کا نکاح ہوا، اس وقت تیس ہزار روپے اور ایک مرلہ زمین حق مہر مقرر ہوا اب سلیم اپنے والد ابراہیم سے کہتا ہے کہ ایک مرلہ حق مہر زمین ادا کرو شریعت کے رو سے فرمائیں کہ آیا مہر خاوند کے ذمہ ہے یا اس کے والد کے ذمہ جبکہ والد نے زبانی طور پر کوئی شرط وقید نہیں لگائی کہ میں ادا کروں گا۔ البتہ نکاح نامہ میں والد کی اجازت سے ایک مرلہ مکان کی زمین بطور مہر کے لکھی گئی تھی ۲ محمد سلیم اپنے والد سے اس کی زندگی میں ہی جائیداد کی تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیا شریعت کی رو سے محمد سلیم اپنے والد سے جائیداد کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں والد کو چاہیئے کہ مکان کا جتنا حصہ بطور مہر لکھوایا تھا وہ یا اس کی قیمت وہ محمد سلیم کی زوجہ کو ادا کرے مہر کے خانہ میں لکھوانا ایک قسم کی ضمانت ہے اور ولی شرعاً مہر کا ضامن بن سکتا ہے۔ درمختار میں ہے:۔

وصح ضمان الولی مہرھا ولو صغیرۃ وتطالب أیاً شاءت من زوجھا البالغ أو الولی الضامن الخ

ص۲۵۷ ج۲ ۲۔ جبتک والد تندرست ہو اس کی جائیداد اس کی ملک ہے کسی لڑکے یا لڑکی کا اس میں کوئی حق نہیں لہذا لڑکے کا تقسیم جائیداد کا مطالبہ شرعاً غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفی عنہ
۱۴۰۸/۴/۳۰ھ

مہر کی کم از کم مقدار ۳۵ گرام چاندی ہے،

———— کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ مہر کی شرعاً مقدار کم سے کم ۱۰ درہم ہے تو موجودہ دور میں ۱۰ درہم کا وزن کلو اور گرام کے اعتبار سے کتنا بنتا ہے؟ ———

الجواب دس درہم کا وزن تولوں کے حساب سے دو تولہ ساڑھے سات ماشے بنتا ہے اور گرام کے لحاظ سے ۳۴ء۲ گرام بنتا ہے اگر کم از کم مقدار کو مہر بنانا ہو تو احتیاطاً ۳۵ گرام چاندی یا اس کی قیمت کو مہر بنا دیں ———

فقط واللہ اعلم — محمد انور غفرلہٗ

لڑکی والوں کا جہیز بنانے کے لئے رخصتی سے پہلے مہر وصول کرنا۔

ہمارے ہاں عرصہ دراز سے یہ رواج شادی بیاہ کے مواقع پر چلا آرہا ہے کہ لڑکی کا والد یا اس کے سرپرست حضرات لڑکی کا مہر نکاح سے قبل وصول کر لیتے ہیں، کیا شرعاً نکاح سے قبل اس طرح مہر وصول کرنا جائز ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں لڑکی کا والد یا سرپرست لڑکے والوں سے مہر کی رقم نکاح سے پہلے شادی کے اخراجات کے لئے لے سکتا ہے کیونکہ ولی مہر پر قبضہ کر سکتا ہے۔

کما فی رد المحتار وفیھا قبض الاب مھرھا وھی بالغۃ أولا وجھزھا أو قبض مکان المھر عیناً لیس لھا ان لا تجیز لان ولایۃ قبض المھر الی الآباء وکذا التصرف فیہ ———— (باب المھر شامی ص۳۰۴ ج۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مال کے بدلے طلاق حاصل کرنے کے بعد عورت کا مہر کا مطالبہ کرنا

ایک عورت نے طلاق کا مطالبہ کیا خاوند نے کہا اڑھائی ہزار روپیہ لے کر طلاق دوں گا، خاوند نے طلاق دیدی، جب پیسے مانگے گئے تو عورت نے مہر کا مطالبہ کر دیا ؟ کیا اس کا مطالبہ درست ہے ـــــ

الجواب صورت مسئولہ میں عورت مہر لینے کی حقدار ہے۔ وقیل الطلاق علی مال مسقط للمہر کالخلع والمعتمد لا۔ (درمختار علی الشامیہ ص ۵۶۷ / ج ۲)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۰ / ۸ / ۱۳۹۸ھ

مہر زیور کی شکل میں ادا کر دیا اور پھر بیوی نے معاف کر دیا تو وہ زیور ترکہ شمار ہوں گے یا نہیں۔

جمیلہ بی بی مرحومہ زوجہ عبدالحمید کو ہم نے اس کی زندگی میں مہر شریعت کی رو سے جو بنتا تھا وہ اس کو چاندی کے زیورات کی صورت میں مہر کی طرف سے ادا کر دیا تھا مکمل طور پر، بیوی کے مرتے ہوئے چند عورتوں نے مہر معاف کرنے کو کہا تو میں نے خود عورتوں کے سامنے اقرار کیا ہے کہ مہر زیور کی شکل میں ادا کر دیا ہے۔ اس پر عورتوں نے مرنے والی سے پوچھا تو مرنے والی بولی کہ میں نے مہر خوشی سے معاف کر دیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ جو زیور مہر کی شکل میں ادا کر دیا تھا میں اس کا حقدار ہوں یا کہ نہیں یا میرے بچے حق دار ہیں ـــــ (المستفتی، عبدالحمید جلالزئی)

الجواب اگر مہر بشکل زیور عورت کو ادا کر دیا تھا تو وہ زیور عورت کے مملوک ہو گئے؛ عورت کے زبانی معاف کرنے سے وہ خاوند کی ملک نہیں بنیں گے تاوقتیکہ وہ خاوند کو دے کر قبضہ نہ کرا دے، اگر ھبہ درست بھی ہو تو بھی مرض الوفات میں خاوند کو ہبہ کرنا درست نہیں لہٰذا وہ زیورات عورت کا ترکہ شمار ہو کر اس کے تمام ورثا میں تقسیم ہوں گے ان میں سے ۱/۴ خاوند کو بھی ملے گا۔ فقط واللہ اعلم ـــ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۱ / ۶ / ۱۴۰۳ھ

باپ لڑکی کا مہر معاف کر دے تو لڑکی مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں ؟

اگر کوئی شخص اپنی بالغہ بیٹی کی طلاق اس کے مہر کے عوض بلا اجازت ورضا اور موجودگی کے حاصل کرے

اور ضامن بھی نہ بنے تو کیا لڑکی اپنا مہر وصول کرنے کی مجاز ہے، آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ ظاہراً باپ لڑکی کی طرف سے وکیل ہے لہٰذا وصول کنندے کی مجاز نہیں تو عرض یہ ہے کہ:۔

الدر المختار مع رد المحتار ص ۶۱۵ ج ۲ کی مذکور ذیل عبارت:۔

خَلَعَ الأبُ صغيرته بمالها أو مهرها طلقت في الأصح كما لو قبلت هي وهي مميزة ولم يلزم المال لانه تبرع وكذا الكبيرة الخ۔ فان خالعها الاب على مال (مثل المهر) ضامناً له صح والمال عليه كالخلع مع الاجنبي فالاب أولى بلا سقوط مهر أي (سواء كان الخلع على المهر أو على ألف) لانه لم يدخل تحت ولاية الاب انتهى

ان عبارات میں اور احسن الفتاوی وفتاوی دار العلوم دیوبند میں اور جامعۃ الاسلامیہ کراچی سے مسائل مذکورہ کے متعلق حاصل کردہ فتاوی میں ظاہری وکالت کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ لڑکی کے لئے وصول مہر کا استحقاق ثابت کیا گیا ہے، جواب بالصواب سے نوازیں ۔

الجواب لانه لم يدخل تحت ولاية الاب الخ کی تعلیل سے ظاہر ہے کہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ والد کو اسقاط مہر وغیرہ کا اختیار نہیں پہلے جواب میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ بصورت وکالت ہے، ہمارے عرف وعادت کے لحاظ سے ایسے معاملات میں عموماً لڑکی کی طرف سے کلی تفویض ہوتی ہے اور وکیل کا طے کردہ قبول ومنظور ہوتا ہے۔ پوری دیانتداری سے فیما بینہ وبین اللہ غور کر لیا جائے اور صورت توکیل کی صوری طور پر بھی پائی گئی تھی تو سابقہ فتوی پر عمل کیا جائے۔ ورنہ دوسرے فتوی پر عمل کیا جائے، فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفی عنہ

عورت یا اس کے ورثاء کے پاس مہر کی مقدار کے گواہ نہ ہوں تو مہر مثل دیا جائیگا

ہمارے والد صاحب کی تین عورتوں کی اولاد موجود ہے۔ ایک عورت سے ایک ہی لڑکا ہے جو سب سے بڑا ہے۔ دوسری عورت سے دو لڑکے ایک لڑکی تیسری عورت سے دو لڑکے ایک لڑکی جملہ پانچ لڑکے دو لڑکیاں پہلی اور تیسری عورت زندہ ہیں۔ دوسری عورت فوت ہو چکی ہے دوسری عورت کی اولاد اور تیسری عورت کا آپس میں اتفاق ہے۔ پہلی عورت کے لڑکے کو عرصہ چار سال سے زمین کی پیداوار اور گھر کی ملکیت سے والد کے فوت ہونے کے وقت جو موجود تھی کچھ بھی نہیں ملا۔ والد کو فوت ہوتے عرصہ چار سال ہوا ہے۔ آخر تقسیم ملکیت کے لیے تین امین مقرر کیے گئے تو

ہر ایک حصہ دار کے مطالبات ظاہر ہوئے۔ زمین شرعی موجب تقسیم ہوئی۔ ہر ایک حصہ دار نے قبول کی۔ باقی نقدی ملکیت مبلغ ۱۷۵۰۰/ روپیہ (سترہ ہزار پانچ صد روپیہ) اور مبلغ دس ہزار کے زیورات موجود ہیں۔ دوسری اور تیسری کا حق مہر مبلغ پانچ پانچ ہزار روپیہ تھا تیسری عورت خود اور دوسری عورت کی اولاد طلب کرتے ہیں لیکن کسی کے پاس گواہ موجود نہیں ہیں اور نہ کوئی تحریری ثبوت ہے۔ تیسری عورت بذاتِ خود بھی کہتی ہے کہ پہلی عورت کو طلاق ملی ہوئی ہے۔ جس کا ثبوت بھی کوئی نہیں ہے۔ دوسری عورت کی اولاد اور تیسری عورت کے رشتہ دار مالدار ہیں۔ صرف اسی وجہ سے ان کی بات سچی مانی جاتی ہے۔ پہلی عورت کا صرف ایک بیٹا ہے اور کوئی اس کی طرف سے بات کرنے والا بھی نہیں۔ پہلی عورت اور اس کے لڑکے میں اتنی ہمت نہیں کہ سرکاری طور پر اپنا حصہ لے سکیں۔ اس لیے آپ کو یہ عرض پیش کی جاتی ہے کہ مندرجہ بالا حقیقت ذہن نشین فرما کر مندرجہ ذیل باتوں کا شرعی فیصلہ عنایت فرمادیں کہ بڑے لڑکے اور پہلی عورت کی حق رسائی ہوسکے جناب کا فتویٰ پنچایت میں پیش کر کے حق رسائی ہوسکے گی۔ کیونکہ چند اشخاص کہتے ہیں کہ جو زیور ہے وہ جو عورت موجود ہے اس کو ملنا چاہیئے۔ دوسری عورت کی اولاد کہتی ہے کہ زیور ہماری والدہ کو پہنایا تھا اس لیے ہمیں ملنا چاہیئے۔ پہلی عورت کا تو خیر نام ہی کوئی نہیں لیتا۔ والد صاحب نے زیور کسی عورت کو بھی حق مہر میں نہیں دیا اور ہر عورت کو یہی زیور پہنایا گیا ہے۔ اہنوں کا خیال ہے کہ زیور کی حقدار تیسری عورت ہے۔

سوالات: (۱) زیور کس کو ملنا چاہیئے یا کیسے تقسیم ہونا چاہیئے؛ (۲) حق مہر کا ثبوت کیا ہونا چاہیئے اور کس کو ملنا چاہیئے۔ جو حق مہر طلب کرتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ وہ طلب کرنے والے گواہ پیش کر سکتے ہیں۔ (۳) دوسری عورت جو کہ فوت ہو چکی ہے اس کی اولاد کو حق مہر ملنا چاہیئے یا نہ۔ (۴) عرصہ چار سال میں جیسا کہ بڑے لڑکے کو پیداوار سے حق اور حصہ نہیں ملا جو خرچ دوسری عورت کی اولاد یا تیسری عورت نے شادی غمی کے وقت کیا ہے وہ والد صاحب کی فوتگی کے وقت والی نقدی میں سے نکال کر باقی تقسیم کی جاوے یا کہ نہ نکالا جاوے۔ صرف بڑے لڑکے یا کہ پہلی عورت کو کچھ نہ دینے کے لیئے اس قدر زیادہ حق مہر کا مطالبہ کیا جارہا ہے کیونکہ ساری ملکیت دوسری عورت کی اولاد اور تیسری عورت کے قبضہ میں ہے۔ وہ پہلی عورت اور بڑے لڑکے کو نہیں

دینا چاہتے۔ صرف اسی وجہ سے یہ بے انصافی ہو رہی ہے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں دوسری بیوی کی اولاد اور تیسری بیوی کی خود ذات سے گواہوں کا مطالبہ کیا جاوے جو اُن کے دعویٰ کی تصدیق کریں۔ اگر ان کا دعویٰ پانچ پانچ ہزار کا گواہوں کے ذریعہ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو انہیں دے دیا جائے گا ورنہ مہر مثل دلایا جائے گا۔ مہر مثل کی تفصیل مقامی علماء سے دریافت کریں ۔۔۔۔ کما فی فتاوی قاضی خان ص۴۹ ج۲

ابن ادعی مہر امہ فی ترکۃ والدہ قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ ان کلفہ القاضی اقامۃ البینۃ علی ما ادعی جاز وان عجز عن اقامۃ البینۃ یقضی لہ بمہر مثل ۔۔۔۔

۲۔ وفی رد المحتار۔ رجل مات وترک اولاداً صغاراً فادعی رجل دینا علی المیت او ودیعۃ وادعت المرأۃ مہرھا۔ قال ابو القاسم لیس ان یؤدی شیئاً والودیعۃ مالم یثبت بالبینۃ واما المہر فان ادعت قدر مہر مثلہا دفعہ الیہا ان کان النکاح معروفاً ظاہراً ویکون النکاح شاھدًا لہا۔ پہلے، دوسرے، تیسرے سوال کا جواب آگیا۔

۴۔ دوسری عورت کے لڑکوں اور تیسری عورت کو بذاتِ خود جو کچھ خرچ کر چکے ہیں بشرطیکہ وہ خرچ کفن اور دفن کے معاملہ میں جائز ہو، ترکہ سے لینے کا حق ہے۔ باقی ترکہ تمام وارثوں پر حصہ رسدی تقسیم کیا جائے۔ بڑا لڑکا بھی لینے کا حقدار ہے۔ زیور، نقدی، زمین وغیرہ تمام وارثوں پر شرعی طور پر تقسیم کرنی چاہیئے۔ پہلی بیوی کی طلاق بحالت صحت کا اگر ثبوت نہ ہو تو وہ بھی حصہ رسدی جائیداد زیور، نقدی میں شریک ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمد ۱۸ بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۲/۶ ۴ھ

مہر معجل وصول کرنے کیلئے عورت خاوند کے مطالبہ کا انکار کر سکتی ہے

ایک آدمی حق مہر ادا نہ کرے تو عورت خاوند سے طلاق لے سکتی ہے اور خاوند کو وطی کرنے سے انکار کر سکتی ہے اور اگر خاوند طلاق نہ دے تو عورت کو کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے؟

الجواب: ایسا مہر اگر خاوند ادا نہیں کرتا جس کی ادائیگی فوری لازم ہو چکی ہو تو عورت کو حق حاصل ہے کہ خاوند کو اپنے قریب آنے سے روک دے۔

قال فی الدر ولها منعه من الوطئ ودواعيه شرح مجمع والسفر بها ولو بعد وطئ وخلوة رضيتهما الی ان قال لاخذ ما بين تعجيله من المهر كله او بعضه او أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا به يفتى لان المعروف كالمشروط اھ شامیہ ص۳۸۸ ج۲

اور اگر اس تنازع میں عورت کے مطالبہ پر خاوند طلاق دے گا تو یہ طلاق نافذ ہو جائے گی اور مہر خاوند کے ذمہ دین ہے۔ عورت کو اس کے وصول کرنے کا پورا استحقاق ہے۔ جیسے دیگر قرضہ جات وصول کرنے کا اسے استحقاق حاصل ہے۔ حتیٰ کہ عدالتی چارہ جوئی بھی کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر: محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۷/۱۴۰۸ھ

آزاد آدمی کو مہر بنانے کا حکم

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ بیوی سے زید کی ایک بچی ہے۔ مہر پچیس روپے مقرر ہوا تھا۔ زید نے طلاق نامہ میں لکھا کہ میں مہر میں یہی بچی بیوی کو دیتا ہوں۔ کیا یہ درست ہے اور وہ بچی مہر بن جائے گی؟

الجواب: مہر کے لیے مال ہونا ضروری ہے۔ آزاد آدمی مال نہیں کہ اسے مہر بنایا جائے۔ لہٰذا مقرر شدہ مہر ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اگر وہ اَقَلِّ مہر سے کم ہے تو اقل مہر پورا کرنا ضروری ہے۔

المهر انما يصح بكل ما هو مال متقوم اھ (عالمگیری ص۳۰۲ ج۱)

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | فقط واللہ اعلم احقر: محمد انور عفا اللہ عنہ

جنّت کی سفارش مہر نہیں بن سکتی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام دریں مسئلہ کہ ہندہ نے زید سے کہا کہ آپ قاری صاحب ہیں اور حفاظ و قراء حضرات کے بارے میں جو فضائل احادیث میں وارد ہوتے ہیں اس میں سے یہ

فضیلت بھی آئی ہے کہ ایک قاری صاحب ان دس آدمیوں کی سفارش کریں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔ لہٰذا میں آپ سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میرا مہر جنت کی سفارش کرنی ہوگی۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں۔ ۱۔ یہ نکاح صحیح ہے؟ ۲۔ جنت کی سفارش کو مہر مقرر کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا ــــ المستفتی مولانا قاری محمد اقبال صاحب

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہوگیا

وأما رکنه فالایجاب والقبول کذا فی الکافی (عالمگیری ص۲۶۷ ج۱)

البتہ جنت کی سفارش کو مہر مقرر کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ شریعت نے مال کی ایک مخصوص مقدار کو مہر مقرر کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ ثم المهر واجب شرعا ابانةً لشرف المحل الخ (ہدایہ ص۳۲۳ ج۲)

منها أن یکون المسمی مالا متقوما وهذا عندنا الی قوله ولنا قوله تعالیٰ وأحل لکم ما وراء ذلکم شرط أن یکون المهر مالا فما لا یکون مالا۔ لا یکون مهرا فلا تصح تسمیته مهرا وقوله تعالیٰ فنصف ما فرضتم أمر بتنصیف المفروض فی الطلاق قبل الدخول فیقتضی کون المفروض محتملا للتنصیف وهو المال اھ (بدائع الصنائع ص۲۷۸ ج۲)

جب جنت کی سفارش مہر نہیں بن سکتی تو مہر مثل لازم ہوگا۔

واذا فسدت التسمیة او تزلزلت یجب مهر المثل اھ (عالمگیری ص۳۰۳ ج۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور غفرلہ

گیارہ سالہ بچی سے خلوت صحیحہ ہو جائے تو وہ پورے مہر کی حقدار ہو جائے گی؟

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ بندہ غریب مہاجر ڈیرہ غازیخان میں آباد ہے۔ بندہ نوجوان ہے میرے پاس دو آدمی رشتہ لے کر آئے اور اپنے آپ کو بہت شریف بتلایا اور کہا کہ ہماری لڑکی نوجوان ہے۔ ہمیں رشتہ کرنا ہے۔ میرے بزرگوار قبلہ والد صاحب سے بات چیت ہوئی اور جو شرائط انہوں نے ٹھہرائیں ہم نے منظور کرلیں اور حق مہر ایک ہزار روپیہ عند الطلب باندھا گیا اور کاغذ نان ونفقہ کا بھی لکھایا گیا۔ لڑکی کی عمر انہوں نے پندرہ سولہ سال بتائی تھی۔ جب ہمارے گھر دلہن آئی تو معلوم ہوا

کہ انہوں نے دھوکہ دیا ہے اس کی عمر گیارہ بارہ سال ہے۔ ہم نے اس پر خاموشی اختیار کی۔ انہوں نے روانگی کر کے صرف دو دن ہمارے ہاں رہنے دیا اور اس کے بعد دوبارہ لایا گیا تو تین دن کے بعد فوراً ہی آ گئے اور پانچویں روز اس کا چچا ہماری بغیر رضامندی کے لے گیا اور زیور و کپڑا وغیرہ اور پینتالیس ہزار بھی نکال کر لے گئے ہیں۔ تین چار یوم کے بعد لینے گیا تو مجھے صاف جواب دے دیا اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ میں خاموش ہو کر چلا آیا۔ ان کے رشتہ داروں سے معلوم ہوا کہ انہوں نے زیورات بھی رہن رکھ دیئے ہیں اور لڑکی کی بھی طلاق لینا چاہتے ہیں۔ غریب مزدور ہوں۔ ان کا کنبہ بھی زیادہ ہے اور اب انہوں نے مجھ پر حق مہر کا نوٹس دیا ہے اور اس میں میعاد ایک ہفتہ دی کہ حق مہر ادا کرو ورنہ دعویٰ کیا جائے گا۔ تو اب جناب کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ قانون شرعی کے موافق فتویٰ عطا فرمائیں تاکہ بوقت ضرورت کام آوے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں لڑکی جب نکاح کے بعد خاوند کے گھر آئی تو اگر وہ مراہقہ یعنی قریب البلوغ تھی اور صحبت و جماع کے قابل تھی تب جماع کرنے سے یا صرف خلوۃ کرنے سے بھی مہر لازم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اتنی چھوٹی تھی کہ جماع کے قابل نہیں تھی یا کسی ایسے مرض میں مبتلا تھی جس کی وجہ سے جماع نہیں ہو سکتا تھا تو حق مہر لازم نہیں ہوا۔ لڑکی کے والدین کا مطالبہ کرنا قبل از بلوغ یا قبل اس حالت کے کہ وہ جماع کے قابل نہ ہو، صحیح نہیں ہے۔

قال فی العالمگیریۃ والمھر یتأکد باحد معان ثلثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین الخ (ص۳۰۳ ج۲)

ثم قال ولا تصح خلوۃ الغلام الذی لا یجامع مثلہ ولا الخلوۃ بصغیرۃ لا تجامع مثلھا۔

لڑکی کے قابل جماع ہونے نہ ہونے میں اس کی جسامت اور قد و قامت کا لحاظ کیا جائے گا۔ عورتوں سے تحقیق کی جائے۔ اگر عادل دو عورتیں شہادت دے دیں کہ جماع کے قابل ہے تب تو اس کی خلوۃ صحیحہ ہو گی اور مہر لازم ہو جائے گا۔

قال فی رد المحتار (ص۳۲۹ ج۲) وقدرت الاطاقۃ بالبلوغ وقیل بالتسع والاولیٰ عدم التقدیر کما قدمناہ۔ ولو قال الزوج تطیقہ وأراد الدخول وانکر الاب فالقاضی یریھا النساء ولم یعتبر

السن کذا فی الخلاصۃ۔

صورت مسئولہ میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی والوں سے مصالحت کرنی چاہیئے اگر وہ خلع کریں یعنی حق مہر چھوڑ کر طلاق پر راضی ہو جائیں اور زیورات و پارچات کُل یا بعض واپس کر دیں اور خاوند طلاق دیدے تو بہتر ہو گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ : محمد عبداللہ عفرلہٗ ۵ ۴/۲۷ھ

مہر مشروط طور پر معاف کیا ہو تو شرط نہ پائے جانے کی صورت میں معافی ختم ہو جائیگی

مسمّٰی عمر صدیق اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تھا۔ بیوی نے خوشامد کی کہ مجھے طلاق نہ دو۔ بچے ضائع ہو جائیں گے۔ خاوند نے کہا۔ پھر حق مہر معاف کر دو۔ عورت نے کہا۔ اس شرط پر معاف کرتی ہوں کہ طلاق نہیں دو گے۔ کچھ عرصہ کے بعد خاوند نے طلاق دے دی۔ خاوند نے معافی پر دو گواہ پیش کر دیئے جس کا حاصل بھی معافی معلق ہے۔ آیا شرعاً معاف ہوا یا نہیں۔ عورت لینے کی حقدار ہے یا نہیں۔

الجواب : اگر واقعۃً مہر کو طلاق نہ دینے کی شرط پر معاف کیا گیا تھا تو طلاق دینے کی صورت میں وہ معافی ختم ہو جائے گی۔

ولو وهبت مهرها بشرط فان وجد الشرط يجوز وان لم يوجد يعود المهر كما كان.. الخ (عالمگیری ص۲۷ ج۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ ۱/۱۰/۱۴۰۳ھ محمد انور عفرلہٗ

ایک دفعہ مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ نہیں ہو سکتا

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حسن جان دختر امراللہ خان مسمّی حیات اللہ ولد موسیٰ کے ساتھ نکاح کے بعد تقریباً آٹھ سال رہی۔ حق مہر میں دو کنال زمین بنام مسماۃ مذکورہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور انتقال نمبر ۱۷۹۱ مصدقہ ۶/۱۲/۷ - ۱/۸ حصہ بنام مسماۃ مذکورہ ہے جو تصدیق ہو گیا۔ بعد ازاں مسماۃ حسن جان نے محبت ولد رسلہ سے شادی کر لی۔ اس کو بارہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اور اب وراثت کا ۱/۸ حصہ

وصول کر کے مہر کا مطالبہ کرتی ہے جبکہ دو گواہوں کے رُو برو بقیہ معاف کر چکی ہے۔ تو کیا اب مطالبہ کر سکتی ہے۔ بینوا توجروا

اَلجَوَاب: اگر واقعۃً مسماۃ حسن جان نے مہر معاف کر دیا تھا تو اب اسے مطالبہ کا حق نہیں ہے

للمرأة ان تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أولم يدخل وليس لاحد من أوليائها اب ولا غيره الاعتراض عليها ۔اھ (عالمگیری ص۲۷ ج۲)

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۴/۳/۱۴۰۳ھ

جس مہر کے مؤجل یا معجل ہونے کی تصریح نہ کی گئی ہو

بعض اوقات نکاح کے وقت مہر تو مقرر کر دیا جاتا ہے مگر یہ تصریح نہیں کی جاتی کہ یہ معجل ہوگا یا مؤجل۔ تو ایسے مہر کی ادائیگی خاوند پر کب لازم ہوگی؟

اَلجَوَاب: جس مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی کوئی تصریح نہ کی جائے وہ عرف پر محمول ہوگا۔ اگر اس کو معجل سمجھتے ہوں تو معجل ہوگا اور اگر عرف میں وہ مؤجل سمجھا جاتا ہو تو مؤجل ہوگا۔

قال فی التنویر ولها منعه من الوطء والسفر ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما لاخذ ما بين تعجيله اوقدر ما يعجل لمثلها عرفا ان لم يؤجل وفی الشرح به يفتی لان المعروف كالمشروط

(درمختار ص۳۹۵ ج۲) فقط واللہ اعلم احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے مہر ادا کیا جائے

مسمّی محمد بخش فوت ہو گیا ہے۔ اس نے ابھی تک اپنی بیوی کا مہر ادا نہیں کیا ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ آیا اس کے ترکے سے پہلے مہر کی رقم ادا کی جائے گی یا نہیں۔ جیسے کہ باقی قرض خواہوں کو اس کے ترکے سے پہلے قرض ادا کیا جاتا ہے۔ ——— سائل محمد نعمان

اَلجَوَاب: حامدًا و مصلیًا مہر بھی چونکہ میت کے ذمے ایک قرض ہے لہٰذا جب تک

عورت معاف نہ کرے معاف نہیں ہو سکتا لہٰذا میت کے ترکے میں سے دوسرے قرضوں کی طرح مہر بھی ادا کیا جائے گا۔ پھر ترکہ تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ عالمگیری میں موجود ہے کہ خلوۃ صحیحہ کے بعد مہر لازم ہو جاتا ہے اور صاحب حق کے بری کرنے سے ختم ہوگا۔

ولا یسقط منہ شئ بعد ذلک الا با لا براء من صاحب الحق ۔ (عالمگیری ص ۳۰۲ ج ۱)

واللہ اعلم بالصواب بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۱۳/۵/۱۴۱۸ھ

عیسائی نے خمر یا خنزیر پر نکاح کیا پھر دونوں مسلمان ہو گئے

خاوند اور بیوی پہلے عیسائی تھے اور ان کا مہر اگر خمر یا خنزیر کی صورت میں طے کیا گیا ہو۔ بعد میں دونوں مسلمان ہو جائیں اور مہر ابھی تک ادا نہ کیا گیا ہو تو کیا اب مہر ادا کیا جائے گا؟ سائل: احترام الحق

الجواب: اگر تو نکاح کرتے وقت خمر یا خنزیر کو اشارہ کر کے متعین کر لیا گیا تھا پھر تو مسلمان ہونے کے بعد بھی وہی خمر یا خنزیر مہر کے طور پر ادا کیا جائے گا۔ لیکن چونکہ مسلمان کے لیئے دونوں چیزوں کا استعمال کرنا مکروہ ہے اس لیئے خنزیر کو چھوڑ دیا جائے گا اور خمر کو یا تو بہا دیا جائے گا یا اس کا سرکہ بنا لیا جائے گا۔ اور اگر خمر یا خنزیر متعین نہیں تھا تو اب خمر کی قیمت ادا کی جائیگی اور خنزیر کے بدلے مہر مثل ادا کیا جائیگا۔

وان نکحھا بخمر أو خنزیر عین ثم أسلما فلھا ذلک وفی غیر عین فقیمۃ الخمر فیھا ومھر المثل فی الخنزیر شرح وقایہ ص ۱۵ ج ۲ ، وأن کان حراماً للمسلم لکن ھھنا جعل مھراً فی حالۃ کان ذلک جائزاً لہ فیھا ویجب علی المسلم ان یخلل الخمر أو یریقہ ویرسل الخنزیر (حاشیہ ایضاً) واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۱۳/۵/۱۴۱۸ھ

جو عورت وطی کے قابل نہ ہو اس سے خلوت کے بعد نصف مہر لازم ہوگا

زید نے راشدہ سے شادی کی پہلی ہی رات جب اس کے قریب گیا تو پتہ چلا کہ یہ تو مجامعت کے قابل ہی نہیں۔ مقام دخول بہت ہی تنگ تھا۔ لیڈی ڈاکٹر سے معائنہ کرایا گیا تو پتہ چلا کہ یہ تو عورت ہی نہیں اور مرد کے لائق ہی نہیں ہے۔ زید اسے طلاق دینا چاہتا ہے تو کیا زید کو مہر بھی ادا کرنا ہوگا؟

سائل: محمد طاہر ربانی

الجواب: صورت مسئولہ میں زید طلاق دے دے گا تو نصف مہر دینا ہوگا۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شئ بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق۔ عالمگیری ص۳۰۳ ج۱

صورت مسئولہ میں خلوۃ صحیحہ نہیں ہے بلکہ خلوۃ فاسدہ ہے۔

والخلوة الصحيحة أن يجتمعا فى مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطء حسا أو شرعاً أو طبعاً كذا فى فتاوى قاضيخان والخلوة الفاسدة أن لا يتمكن من الوطء حقيقة كالمريض المدنف الذى لا يتمكن من الوطء ومرضها ومرضه سواء هو الصحيح كذا فى الخلاصة۔ عالمگیری ص۳۰۴ ج۱ ، فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مرض الموت میں بیوی سے مہر معاف کرانا

ہندہ بیمار تھی، مرنے سے قبل اس کے خاوند نے اس سے کہا مجھے کہا سنا معاف کردو اور جو مہر تمہارا میرے ذمہ واجب ہے اسے بھی معاف کردو۔ عورت نے کہا میں معاف کرتی ہوں۔ اس کے چند لمحات کے بعد وہ انتقال کرگئی۔ کیا اس کے اس وقت معاف کرنے سے مہر معاف ہوجائے گا؟

الجواب: مرض الوفات میں معاف کرنا وصیت کے حکم میں ہے اور وارث کے لیے وصیت بدون رضامندی ورثاء درست نہیں۔ لہٰذا اگر سارے وارث اس معافی پر رضامند نہ ہوں تو مہر خاوند کو دینا لازم ہے اور یہ اس متوفیہ کا ترکہ شمار ہوگا جس میں سے بحیثیت وارث خاوند کو بھی حصہ ملے گا۔

فقط واللہ اعلم: احقر محمد انور غفرلہ

بھینس یا بکری کو مہر بنایا تو کیا چیز دے؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ مسمیٰ محمد عبداللہ نے اپنی بیوی رخسانہ سے مطلقاً ۲ بھینسوں اور ۴ بکریوں کے مہر کے عوض نکاح کیا۔ اب مہر کیا ادا کیا جائے گا کیونکہ بھینسیں اور بکریاں متعین نہیں کی گئی تھیں۔ المستفتی محمد اسماعیل بنوی

الجواب: محمد عبداللہ کو اختیار ہے چاہے درمیانے درجے کی دو بھینسیں اور چار بکریاں دیدے یا ان کی قیمت دیدے۔ لو تزوجها على عبد او فرس او بقر او شاة او ثوب هروي يجب الوسط ان شاء اذى عينه وان شاء اذى قيمته كذا في الظهيرية اھ (عالمگیری ص ۲۳ ج ۲)

فقط واللہ اعلم ——— احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ا۔ نابالغ لڑکی کے والد نے خود آٹھ آدمیوں کے سامنے نکاح پڑھایا۔ ایجاب وقبول کیا۔ لیکن مہر کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ تو کیا نابالغ لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے۔ نیز مہر کے تذکرہ کے بغیر نکاح ہوسکتا ہے ۲۔ اب لڑکی بالغ ہے نہ خاوند نے طلاق دی اور نہ فسخ نکاح کیا۔ کیا اب دوسری جگہ اس کا نکاح ہوسکتا ہے ۳۔ نیز نکاح پر نکاح پڑھانے والے کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا کہ نہیں۔ جواب دیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب پائیں۔

الجواب: ا۔ والد کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہوگیا ۲۔ مہر کا ذکر کئے بغیر بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن اس صورت میں مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔

وكذا يجب مهر المثل فيما اذا لم يسم مهرا أو نفى (درمختار ص ۱۹۸ ج ۱)

۲۔ دوسری جگہ نکاح کرنے کے لئے پہلے خاوند سے طلاق حاصل کرنا ضروری ہے۔

۳۔ نکاح علی النکاح پڑھانے والا جب تک توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔

الجواب صحیح،	فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد صدیق عفر اللہ لہ	محمد انور عفا اللہ عنہ،
۱۲ / ۸ / ۱۳۹۹ھ	نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

مہر کے بدلے میں ایک چیز وصول کرکے دوسری کا مطالبہ کرنا

مسمی محمد شریف نے نکاح کیا عائشہ بی بی کے ساتھ تو مسمی محمد شریف کا ۸-۳۲ پر نکاح

منعقد ہوا تو اس رقم کی بجائے اس نے سونے کی انگوٹھی مہر میں ادا کر دی تو لڑکی والوں نے کہا کہ ہمیں سونے کی گانی دے دو تو انھوں نے اپنی مرضی سے گانی لے لی۔ اب کونسی چیز مہر میں ادا کرنی پڑے گی (انگوٹھی یا گانی)۔ (المستفتی محمد اسماعیل علی والہ تحصیل و ضلع ملتان)

الجواب اگر مہر کے بدلے لڑکی نے انگوٹھی وصول کر لی ہے تو بعد ازاں مزید کوئی دوسرا زیور مہر میں نہیں لے سکتی۔ مہر تو پہلے ادا ہو چکا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس دارالافتاء

بیوی عرصۂ دراز سے میکے بیٹھی ہو تو مہر کا حکم

زید کی بیوی کچھ عرصہ زید کے پاس رہی بعد میں زید کا رویہ بدل گیا۔ بیوی تنگ آکر میکے چلی گئی عرصہ گیارہ سال ہو گئے ہیں وہ میکے ہی ہے کیا وہ اب مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے؟
زید اس کے بعد دو شادیاں بھی کر چکا ہے؟

الجواب خلوتِ صحیحہ کے بعد مہر لازم ہو جاتا ہے۔ ادائیگی ضروری ہے دوسرے دیون کی طرح مہر بھی ایک دین لازم ہے نا اتفاقی اور ناچاقی سے یہ دین ساقط نہیں ہوتا عورت کا استحقاق بدستور باقی ہے۔

والمهر يتأكد بأحد معانٍ ثلثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيءٌ بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق اهـ

(عالمگیری ص۳۰۳ ج۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

اگر زیادتی خاوند کی ہو تو خلع میں مہر واپس لینا مکروہ ہے۔

عورت خلع کا مطالبہ کرتی ہے تو کیا خاوند خلع کر سکتا ہے اور اس صورت میں جو مال

کی پیش کش کی گئی ہو لینا جائز ہے ؟

الجواب درخواست میں مدعیہ نے جو خلع کی پیشکش کی ہے اگر خاوند اسے قبول کرلے اور خلع کرلے تو اس سے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور جو مال بطورِ بدل خلع طے ہوگا، خاوند اس کے لینے کا حق دار ہے۔ ہاں اگر خاوند کی بدسلوکی سے عورت خلع کرنے پر مجبور ہوئی تو خاوند کو کچھ لینا مکروہ ہے۔

وکرہ تحریما أخذ شئی ویلحق به الابراء عما لها علیه ان نشز وان نشزت لا ولو منه نشوز أیضا ولو باکثر مما اعطاها علی الاوجه فتح وصحح الشمنی کراهة الزیادة وتعبیر الملتقی لا بأس به یفید أنها تنزیهیة (درمختار علی الشامیة ص۶۰۹ ج۲)

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفی عنہ	فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

بہت زیادہ مہر مقرر کیا ہو تو ادا کرنے کا حکم

نکاح کے وقت مہر کی مقدار ڈیڑھ لاکھ رکھی گئی اور یہ اس لئے کیا گیا کہ انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں اگر طلاق وغیرہ ہوجائے تو لڑکی بقیہ زندگی آسانی سے گزار سکے تو کیا وہ سارا مہر دینا لازم ہوگا نہ دینے کی صورت میں آخرت میں سزا ہوگی یا نہیں ؟

الجواب جتنا مقرر ہوا ہے ادا کرنا ضروری ہے اِلّا یہ کہ بیوی خوشدلی سے معاف کردے۔ ویجب العشرة ان سمّاها أو دونها ویجب الاکثر منها ان سمّی الاکثر (درمختار) (قوله ویجب الاکثر) أی بالغاما بلغ اھ (شامیہ ص۳۵۸ ج۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

سوا بتیس روپے مہر مقرر کرنے کا حکم

عام مشہور ہے کہ مہر سوا بتیس روپے ہے اور یہی مقرر کرتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ (محمد عالم کھاد فیکٹری ملتان)

الجواب ۴/۱ ۳۲ روپے مہر کی شرعی حیثیت کی کوئی اصل نہیں مہر کی کم از کم مقدار میں اصل اعتبار وزن کا ہے اور وہ دس درہم ہے۔ دس درہم کی چاندی ہمارے مروجہ وزن کے اعتبار سے دو تولے ۱/۲ ۷ ماشے بنتی ہے۔ اتنی مقدار چاندی یا اس کے برابر کوئی بھی مالیت مہر شرعی کی کم از کم مقدار ہے اس سے مزید کم کرنا درست نہیں۔ قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ سے اتنی چاندی کی قیمت سوا بتیس روپے بنے تو اسے مہر شرعی کہہ سکتے ہیں ورنہ نہیں

(أقله عشرة دراهم) لحديث البيهقي وغيره لا مهر أقل من عشرة دراهم ورواية (الاقل تحمل على المعجل (فضة وزن سبعة) مثاقيل كما في الزكاة (مضروبة كانت أولا) ولو دينا أو عرضا قيمته عشرة وقت العقد اھ (درمختار) (قوله لحديث البيهقي وغيره) رواه البيهقي بسند ضعيف ورواه ابن أبي حاتم وقال الحافظ ابن حجر انه بهذا الاسناد حسن اھ (شامیہ ص ۳۵۷ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۴/ ۶/ ۱۴۱۳ھ

مہر اعیان کی صورت میں ہو تو زبانی معاف کرنے کے باوجود واجب فی الذمہ رہے گا:

بیوی حق مہر اپنی ملک میں لئے بغیر معاف کرے تو معاف ہو جائے گا یا نہیں یا عورت کی ملک میں آنا ضروری ہے؟

الجواب مہر دین ہو یعنی روپے پیسے کی شکل میں ہو تو بدون قبضہ کئے بھی عورت معاف کر سکتی ہے۔ اور اگر اعیان کی شکل میں ہو تو معاف کرنا درست نہیں

ہو گا یعنی اس کے باوجود واجب فی الذمہ رہے گا

وصح حطها لكله أو بعضه اھ (درمختار) وفى الشامية قيده في البدائع بما اذا كان المهر دينًا اى دراهم أو دنانير لان الحط فى الاعيان لا يصح اھ (شامیہ ص۳۶۶، ۳۶۷ ج۲) . نقلا داللہ اعلم.

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

نامرد کی بیوی پورے مہر کی حق دار ہو گی

ایک شخص کی شادی اب سے سات ماہ پہلے ۱۶ر مارچ ۹۰ء کو ہوئی، شادی کے بعد بیوی اپنے شوہر کے پاس رہی، لیکن شوہر مردانہ بیماری کی وجہ سے حقوقِ زوجیت ادا کرنے سے قاصر رہا، علاج معالجہ بہت کرایا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا، اندریں حالت بیوی اپنے شوہر موصوف سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے اور حقِ مہر کی حقدار ہے یا نہیں؟ (العارض: محمد اشرف ولد محمد اکرم، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان)

الجواب برتقدیرِ صحتِ واقعہ اگر شوہر مردانہ بیماری کی وجہ سے عورت کے حقوق ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو عورت کے لئے اس سے طلاق حاصل کرنے کا مطالبہ درست ہے خاوند کو چاہئے کہ اپنی زوجہ کو طلاق دیدے۔

فلو وجدته عنينًا أو مجبوبًا ولم تخاصم زمانا لم يبطل حقها وكذا لو خاصمته ثم تركت مدة فلها المطالبة (درمختار علی الشامیہ ص۵۹۶ ج۲)

اور مسماۃ مذکورہ پورے حق مہر کی حق دار ہے۔

والخلوة بلا مانع حسى كمرض لاحدهما يمنع الوطء الى قوله كالوطء فيما يجئ ولو كان الزوج مجبوبًا أو عنينًا أو خصيا أو خنثى ان ظهر حاله. (درمختار ص۱۹۹ ج۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
جامعہ خیر المدارس ملتان

مہر معجل کا مطالبہ عورت ہر وقت کر سکتی ہے

غیر معجل حق مہر کی خاوند پر یا اسکی وفات کے بعد ورثاء خاوند پر جو کہ مہر واجب الادا ہے. کس وقت اسکی ادائیگی شرعاً خاوند پر لازم آتی ہے یا جس وقت زوجہ اپنا غیر معجل حق مہر چاہے حاصل کر سکتی ہے؟

الجواب مہر معجل کا مطالبہ عورت ہر وقت کر سکتی ہے اور غیر معجل کا مطالبہ عرف کے مطابق موت یا طلاق کے وقت کیا جا سکتا ہے پس مہر مؤجل کا مطالبہ عورت اپنی اور شوہر کی حیات میں بدون طلاق دینے شوہر کے نہیں کر سکتی۔

(کذا فی فتاویٰ دار العلوم ج ۱۱ ص ۱) - فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ،

محمد عبد اللہ غفر لہ، خادم الافتاء
خیر المدارس۔ ملتان

نکاح کے بعد مہر میں زیادتی کا حکم

نابالغہ لڑکی کا نکاح خاندان کے کسی لڑکے سے برضامندی والد ہوا۔ حق مہر ۳۲ روپے مقرر ہوا۔ اب لڑکی بالغ ہے تو وہ اس مہر پر راضی نہیں بلکہ ۲۵۰۰/- روپے بڑھانا چاہتی ہے اور نکاح کو رجسٹرڈ کرانا چاہتی ہے اور لڑکے والے حق مہر بڑھانے پر تیار نہیں. شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب اگر خاوند یا اس کا ولی عقدِ نکاح کے بعد مہر میں زیادتی کر دیں تو شرعاً یہ زیادتی لازم ہو جاتی ہے لیکن اس زیادتی کا تاکد دخول، خلوت، صحیحہ اور موت میں سے کسی ایک سے ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔

فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزيادة.... سواء كانت من جنس المهر أولا من زوج أو من ولی ص ۳۱۲ ج ۱۔

اقل مہر شرعاً دس درہم ہیں جن کا وزن دو تولے ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے

بازار کے نرخ کے حساب سے لگانا چاہیئے۔ بتیس روپے مہر مقرر کرنا شرعاً درست نہیں۔

فقط واللہ اعلم، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، | الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

ایک بیوی کو مہر زیادہ دینا چاہے تو پہلی بیوی کو اعتراض کا حق نہیں

الف نے پہلے تین نکاح کئے ہوئے ہیں اوران کے حق مہر بھی مقرر ہوئے تھے اب الف چوتھی عورت سے نکاح کر رہا ہے اس کا حق مہر پہلی عورتوں سے زیادہ مقرر کر رہا ہے کیا پہلی عورتیں اس پر اعتراض کر سکتی ہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں اگر پہلی تین عورتیں چوتھی عورت کے حسب نسب وغیرہ میں برابر نہیں تو پہلی عورتوں کو زیادتی مہر پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کیونکہ چوتھی کا مہر پہلیوں سے زیادہ ہونا چاہیئے اور اگر حسب نسب میں برابر ہوں تب بھی خاوند کو حق ہے ایک عورت سے زیادہ مہر پر نکاح کرے کیونکہ تسویہ صرف ماکول و مشروب میں...... واجب ہے نہ کہ مہر میں بھی۔

کما یظہر ما نقلہ صاحب البحر (ص۲۳۴ ج۳) وفی البدائع یجب علیہ التسویۃ بین الحرتین او الامتین فی الماکول والمشروب والملبوس والسکنیٰ والبیوتۃ ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، خیر محمد مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان | بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۵ / ۱۲ / ۷۰ ھ

باپ لڑکی کا مہر وصول کر سکتا ہے

زید نکاح و شادی سے قبل اپنی لڑکی کا مہر بتیس ہزار داماد سے پیشگی وصول کر لیتا ہے اور زید کی لڑکی بالغہ ہے اور پھر زید اپنی لڑکی کی اجازت سے اپنی لڑکی کے

لئے اس بتیس ہزار کی رقم سے جہیز خریدتا ہے اور اسی رقم سے باراتیوں کے لئے کھانا تیار کراتا ہے یہ سب کچھ لڑکی کی مرضی سے ہوتا ہے اور زید کی اس کے جواز پر دو دلیلیں ہیں۔ ا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زرہ کی رقم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز تیار کرنا ۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دس سال بکریاں چروانا حاصل یہ کہ زید کا اپنی لڑکی کی مرضی سے پیشگی مہر کو خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب لڑکی کے باپ کا مہر لینا درست ہے لیکن اپنے صرف میں نہ لائے اور اگر صرف میں لایا تو وہ پھر لڑکی کو دینا پڑے گا۔

لابی الصغیرۃ المطالبۃ بالمھر الخ قال العلامۃ الشامی (قولہ لابی) والصغیرۃ غیر قید ففی الھندیۃ للاب والجد والقاضی قبض صداق البکر صغیرۃ کانت او کبیرۃ الا اذا نھتہ وھی بالغۃ صح النھی ولیس لغیرھم ذلک۔

(رد المحتار ص ۴۰۱ ج ۲)

پس اگر باپ نے اسمیں سے بالغہ لڑکی کی اجازت سے باراتیوں کے کھانے میں استعمال کیا تو پھر تو لڑکی کے لئے اس کا مطالبہ درست نہ ہوگا۔ البتہ جس قدر روپیہ اس کے لئے جہیز بنانے میں خرچ کیا ہے وہ مہر میں شمار ہو کر اسکی ملکیت میں آگیا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

نکاح باطل کے مہر کو نکاح جدید کا مہر بنانا

ا۔ ہندہ کا شرعی نکاح حامد سے ہوا تھا مگر اس کے والد اور دادا کے فوت ہو جانے کے بعد اسکے ماموں نے جاوید سے قانونی نکاح کر دیا۔ جس کے بطن سے دو بچے بھی ہو چکے ہیں تو اس کے بہی خواہوں نے کوشش کر کے حامد سے طلاق حاصل کی تاکہ جاوید کا نکاح دوبارہ کر کے دونوں کو گناہ سے بچا لیا جائے۔ تو صورت یہ ہوئی کہ جاوید ہندہ اور دو گواہوں نے توبہ کر کے دوبارہ نکاح کر لیا کہ گواہوں میں سے ہی ایک

اسکو الفاظ ذیل تلقین کرنے والا تھا کہ کہو کہ میں نے اپنے تن کو بعوض سابقہ حق مہر تیرے ملک کیا اور جاوید نے قبول کرلیا۔

کیا یہ نکاح ہوگیا یا نہ کیونکہ ایک گواہ اس کا رہنما بھی بنا رہا۔ ج، یہ نکاح اگر ہو گیا تو کیا سابقہ قانونی نکاح کے وقت لیا ہوا حق مہر جبکہ شرعاً ایک باطل کام تھا۔ اب حق مہر کا کام دے سکتا ہے یا نیا حق مہر دینا اور مقرر کرنا ضروری ہے۔

ایک شخص دو شادی شدہ عورتوں سے ناجائز تعلق رکھتا تھا اور اس کے احوال اور بچوں کے الوان و شکل وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اسکے بچے ہیں۔ اب دونوں عورتیں اپنی اولاد کا باہم نکاح کرنا چاہتی ہیں۔ کیا بوجہ حرمت مصاہرت ان بچوں کو بھائی قرار دیکر نکاح سے روکا جا سکتا ہے (یا الولد للفراش) کے حکم کے مطابق نکاح ہو سکتا ہے۔ وضاحت فرمائیں۔ (حافظ محمد بخش تحصیل و ضلع لیہ)

الجواب صورت مسئولہ میں سابقہ مہر کو عوض بنانا صحیح نہیں لہذا میاں بیوی اب کسی مقدار مہر پر اتفاق کرلیں جو کہ اقل مہر سے کم نہ ہو۔ اگر کسی مقدار پر اتفاق نہ ہو سکے تو مہر مثل واجب ہوگا۔

دوسرا نکاح عدت کے بعد ہوا ہے تو وہ نکاح صحیح ہے اور یہ کلام عورت کی طرف سے ہوگی۔ وہ دونوں گواہ بن جائیں گے۔

وكذا يجب مهر المثل فيما اذا لم يسم مهراً أو نفى ان وطئ الزوج أو مات عنها اذا لم يتراضيا على شئ يصلح مهراً والا فذالك الشئ هو الواجب (درمختار على الشامية ص۳۶۳ ج۲)

۲۔ مذکورہ عورتیں اپنی اولاد کا باہم نکاح کرسکتی ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ

وَاٹَہ مہر ہی ہے بعض علاقوں میں یہ ظالمانہ رواج ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو شخص کو نکاح میں دیتے ہیں اور ان سے کچھ رقم بطور زیور

..سی (ریت بھت) کے لیتے ہیں۔ اور لڑکی سے اذن کے وقت اس سے وکیل پوچھتا ہے کہ وہ اپنے نکاح اور حق مہر کا وارث یا ولی کس کو بناتی ہے وہاں سے کوئی جواب دیتا ہے کہ والد یا بھائی کو نکاح اور مہر کا ولی وارث بناتی ہے۔ بعدہ مولوی صاحب نکاح خواں نکاح پڑھنے سے پہلے اس کو یہ کہہ کر ایجاب وقبول کراتا ہے کہ فلاں بن فلاں۔ فلاں بنت فلاں کے ساتھ اتنی ولور پر نکاح کرتا ہے۔ یہاں چند سوال ہیں۔

۱۔ مہر اور ولور ایک چیز ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے ۲۔ وَلور اگر مہر نہیں تو کیا شوہر اس کو واپس لے سکتا ہے عدالت کے ذریعہ سے ۳۔ مہر لڑکی کا حق ہے یا اُس کے وارث کا۔ ۴۔ اگر وارث نکاح کے وقت یا قبل ازیں حیلۃً اس سے مہر بخشوا لیتا ہے تو پھر عورت طلب کر سکتی ہے یا نہیں ۵۔ اگر عورت کے وارث اس عورت کے نکاح کا عوض سانگ کی شکل میں لینے کا وعدہ لیں اور شوہر اور اسکے عزیز وغیرہ وعدہ کریں کہ اس کے بدلہ میں مہر کے علاوہ ہم آپ سے ایک لڑکی کا نکاح کریں گے بعدہ وہ اپنے اس عوض دینے سے پھر جائیں۔ تو کیا اب یہ معاملہ عدالتِ شرعی میں پیش ہو سکتا ہے۔

۱،۲ بظاہر ولور مہر معلوم ہوتا ہے ۳۔۴۔ لڑکی کا حق ہے۔ وارث کو مہر کے تملک کا حق نہیں۔ مہر لڑکی ہی کو ملنا چاہیئے ہاں لڑکی اگر اپنا حق سمجھتے ہوئے بطیبِ خاطر وارث کو دیدے تو پھر واپسی کا حق نہیں ۵۔ اگر مہر مثل مقرر کیا گیا تھا اور وٹہ اس کے علاوہ تھا تو عدالتی چارہ جوئی نہیں ہو سکتی۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

مہر کو مشروط طور پر معاف کرنے کا حکم

بیوی سے خاوند نے کہا کہ تم مجھے مہر معاف کر دو جو کہ تین ہزار ہے زوجہ نے کہا کہ اس شرط پر معاف کرتی ہوں کہ زیورات جو تم نے مجھے دیئے ہیں میری ملک ہوں گے اور اسکی زکواۃ تم اُدا کیا کرو گے شوہر نے یہ بات قبول کر لی زیورات کی مقدار ۷½ تولہ سونا اور ایک سیر چاندی ہے۔ شوہر کو یہ بات یاد نہ رہی اور ۲۲ سال کا عرصہ گزر گیا

شوہر نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اور زوجہ یہ سمجھتی رہی کہ شوہر زکوٰۃ ادا کر رہا ہے کیا اس شرط پر مہر معاف ہو گیا اور یہ جائز ہے کہ زیورات کی مالک عورت ہو اور زکوٰۃ مستقلاً شوہر ادا کیا کرے۔ نیز زکوٰۃ کا حساب کس طرح ہوگا اگر ۲۲ سال کی زکوٰۃ واجب ہے تو ہر سال پوری زکوٰۃ آئے گی یا پہلے سال کی زکوٰۃ منہا کر کے دوسرے سال کا حساب کیا جائے گا ۲۲ سال کے عرصہ میں سونے چاندی کے نرخ مختلف رہے ہیں۔ اس اثناء میں کچھ زیور فروخت بھی کیا گیا اور کچھ لڑکوں کی شادی کے موقع پر ان کو دے دیا۔ مگر اس عرصہ میں مقدارِ نصاب سے کم نہیں ہوا۔

الجواب اس صورت میں مہر معاف نہیں ہوا۔ ھ فی رد المحتار ص ۳۲۵ ج ۴ تحت قول الماتن ولا ابراء عن الدین ما نصہ۔ ومن فروعہ ما فی البحر عن المبسوط لو قال للخصم ان خلفت فانت برئ فھذا باطل لانہ تعلیق البرأۃ بخطر وھی لا تحتمل التعلیق الخ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امرِ محتمل کے ساتھ تعلیق ابراء درست و نافذ نہیں اور جو مواقع مستثنیٰ ہیں یہ ان میں سے نہیں ہے اور زکوٰۃ مالکۂ مال کے ذمہ تمام سالوں کی واجب ہے اور ابراء عن المہر درست بھی ہوتا تب بھی زکوٰۃ مالکہ کے ذمہ بدستور واجب تھی اور اس صورتِ مسئولہ میں ہر سال کی مقدارِ زکوٰۃ راس المال سے محسوب اور منہا ہوتی رہے گی۔

فلو کان لہ نصاب حال علیہ حولان ولم یزکہ فیھما لا زکوٰۃ علیہ فی الحول الثانی (الی قولہ) لاشتغال خمسۃ منہ بدین المستھلک الخ (تحت قول الماتن) فارغ عن دین لہ مطالب من جھۃ العباد سواءً کان للہ (شامیۃ ص ۵ ج ۲)

اور زکوٰۃ میں جزء مال واجب ہے لیکن اداء میں وہ قیمت ادا کی جا سکتی ہے جو زمانۂ اداء کی ہو۔ وفی المحیط یعتبر یوم الاداء بالاجماع وھو الاصح۔ (رد المحتار ص ۲۴ ج ۲ باب زکوٰۃ الغنم)

الجواب صحیح
محمد جمیل الرحمٰن نائب مفتی دار العلوم دیوبند

محمد عبداللہ غفرلہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مہر میں جو زمین مقرر کی گئی تھی وہی دینی ضروری ہے

عزیزہ حمیرا کا نکاح محمد اکمل سے ہوا۔ حق مہر میں 5 ایکڑ زرعی اراضی اور 5 ا ہزار روپے نقد کا اقرار ہوا۔ عزیزہ حمیرا اڑھائی سال محمد اکمل کے گھر آباد رہی اسی دوران سسرال والے اسکو ذہنی اذیت اور پریشان کرتے رہے۔ بالآخر لڑکی اپنے میکے آ گئی۔ تقریباً ایک سال تک لڑکی اپنے والد کے گھر رہی اور اسکو بھائی محمد اکمل اور اس کے گھر والوں میں کوئی بھی لینے نہیں آیا۔ ۹۶/۵/۱۱ کو بروز جمعہ بلاقصور زبانی ۳ تین طلاق دے دیں۔ اس بارے میں درج ذیل حقوق کے بارے میں شرعی وضاحت فرمائیں۔

۱۔ سسرال والے کہتے ہیں کہ محمد اکمل نے 5 ا ہزار روپے نقد حق مہر والے بیوی حمیرا سے معاف کروا لیئے تھے، کیونکہ اکثر سسرال والوں کی یہ عام عادت ہے کہ نئی نویلی دلہن کو بہلا پھسلا کر، ناتجربہ کاری کی وجہ سے حق مہر معاف کروا لیتے ہیں کیا اس قسم کی معافی قابلِ قبول ہے یا نہیں (وضاحت کریں) شکریہ۔

۲۔ دلہن کے والدین کی طرف سے جو زیورات دلہن کو ملے تھے۔ سسرال والوں نے بھی دلہن کو زیورات ڈالے تھے۔ وہ بطورِ تحفہ، ہدیہ، عطیہ، ہبہ تصور ہوتے ہیں۔ کیا دلہن سسرال والوں کے زیورات کی شرعاً مالک کامل ہے یا نہیں؟

۳۔ دلہن کا سامان سسرال والوں نے استعمال کر کے ناقابلِ استعمال کر دیا۔ اب اس کے بدلے عزیزہ نئے سامان کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

۴۔ 5 ایکڑ اراضی زرعی جو بوقتِ نکاح محمد اکمل کے والد کے نام تھی جس کا محمد اکمل کے والد نے اقرار کیا ہے کیا عزیزہ حمیرا اسی رقبے کے لینے کی مجاز ہے یا سسرال والے کہیں کہ ہم کسی اور گاؤں سے خریدیں گے جس کی قیمت اصل رقبہ کے برابر نہ ہو تو عزیزہ اپنی مرضی سے 5 ایکڑ زرعی اراضی بوقت نکاح والی کا مطالبہ کرنے کی حقدار ہے یا نہیں۔ (جواب عنایت فرماویں۔

المستفتی محمد ایوب سرگانہ

الجواب: ۱۔ اگر واقعی عورت نے نقد مہر ۱۵ ہزار روپیہ معاف کر دیا تھا تو وہ

ہوگیا۔ اب اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

وفی الهداية: وان حطت عنه من مهرها صح الحط لان المهر حقها والحط يلاقيه حالة البقاء (ص۳۰۵ ج۲)

۲۔ اگر آپ کے خاندان کے عرف و رواج میں لڑکے والے لڑکی کو زیورات بطور ملکیت نہ کہ ہبہ کے دیتے ہیں تو ان زیورات کی مالک لڑکی ہے۔

۳۔ جو سامان استعمال ہوگیا اس کا نقصان لڑکے والوں کے ذمہ نہیں ہے جبکہ یہ استعمال لڑکی کی اجازت سے ہوا ہو۔ البتہ اب جو بھی سامان موجود ہو وہ لڑکی والوں کو واپس کرنا ضروری ہے

۴۔ اگر نکاح کے وقت یہ تعیین کی گئی تھی کہ 5 ایکڑ زرعی اراضی جو لڑکے کے والد کے نام ہے وہی دینی ہوگی تب تو لڑکے والوں کو وہی دینی ہوگی اور اگر بوقت نکاح تعیین نہیں کی گئی، بلکہ مطلق پانچ ایکڑ زرعی اراضی دینا طے ہوا تھا تو اب متوسط (درمیانی) قیمت کی زرعی اراضی دینی ہوگی یا اس کی قیمت دینی ہوگی۔

كما في الشامية: أن المسمى اذا كان من غير النقود بان كان عرضاً أوحيوانا اما أن يكون معينا باشارة أو اضافة فيجب بعينه أولا يكون معينا (الى قوله) وان علم نوعه وجهل وصفه (الى قوله) صحت التسمية وتخير بين الوسط أو قيمته الخ (ص۳۴۸ ج۲)

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

انسداد مفاسد کے لئے یہ طے کرلینا کہ کوئی اس مقدار سے زائد مہر مقرر نہ کرے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

۱۔ ہمارے علاقے میں اکثر لوگ لڑکیوں کا مہر دو لاکھ یا ایک لاکھ پچاس ہزار کے لگ بھگ رکھتے ہیں اور مذکورہ رقم میں سے

تا چیس یا تیس ہزار لڑکی پر خرچ کرتے ہیں باقی رقم خود کھاتے ہیں ،لہذا اگرچہ یہ تعیین شرعی نہیں لیکن سدِ حرام کی خاطر ہمارے علاقے کے علماء کرام اور معتبرانِ قوم نے فیصلہ کیا کہ بند کے لئے پچاس ہزار سے زیادہ مہر ممنوع ہوگا ؟

مسئلہ نمبر۲:۔ اور یہ بھی فیصلہ کیا کہ جو دو لاکھ یا ایک لاکھ پچاس ہزار پر اپنی لڑکیاں بیچ چکے ہیں وہ بھی پچاس ہزار سے زیادہ نہیں لیں گے ۔

مسئلہ نمبر۳:۔ ہمارے علاقے کے لوگ دُور دَراز فاصلے پر واقع ہیں تو اگر کسی نیک کام کے لئے یا مذکورہ مسائل مثلاً لوگوں کو جمع کرنے کے لئے ڈھول استعمال کیا جاتے اور بغیر ڈھول کہ لوگ کم آتے ہیں اور ڈھول سے علاقہ کے رواج کے مطابق لوگ زیادہ جمع ہوتے ہیں تو کیا ڈھول کا استعمال اس صورت میں جائز ہے یا نہیں ۔

مسئلہ نمبر۴:۔ ایسے مذکورہ مسائل کے اتفاق سے طے ہونے کے باوجود اگر لوگوں نے اور علماء کرام نے فیصلہ کیا کہ اگر اس فیصلے کی کسی نے مخالفت کی تو سزاوار ہوگا تو اگر کسی عالم دین نے مخالفت کی تو اس عالم کو سزا دی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ (المستفتی محمد صالح شاہ قریشی)

الجواب ۱۔ قوم کا یہ فیصلہ امر مستحسن ہے کیونکہ بیع حر حرام ہے اور مہر میں زیادتی اگرچہ مشروع ہے لیکن مطلوبِ شرعی نہیں ہے ۔

اما المشروعیۃ فلقولہ تعالیٰ و آتیتم احدٰھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئاً (سورۃ النساء) واما عدم المطلوبیۃ فلقول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الا لا تغالوا صدقۃ النساء فانہا لو کانت مکرمۃ فی الدنیا او تقوی عند اللہ لکان اولاکم بہا نبیّ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی ص۱۲۹) باب مہور النساء

اور جب ایک مباح اور غیر مطلوب شرعی امر مفاسد کا ذریعہ بنتا ہے تو وہ بھی ممنوع ہوتا ہے کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا الآیۃ

اور کثرتِ مہر بسا اوقات استمناء بالکف، لواطت، زنا وغیرہ کی طرف مُفضی ہوتا ہے اسبب ہے کہ زائد نہ لیوے

۳۔ ڈھول آلات غیر مطربہ سے ہے بخلاف الکوبۃ (دو پڑی) ۴۔ ایسے عالم سے تعلقات قطع کرنا ضروری ہے۔ فقط۔ محمد فرید عفی عنہ الشیخ الحدیث ورئیس دار الافتاء حقانیہ اکوڑہ خٹک

امر المطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا فتویٰ کی آپ مفتیان تصدیق فرمادیں اور اس میں تمام جزئیات کا حوالہ کتاب سے درج فرمادیں۔ (نوٹ) خصوصی توجہ دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب آپ کے بڑوں کا یہ فیصلہ (بیع حرہ کے حرام ہونے کی وجہ سے) اس کے مقابلہ میں بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔ مہر میں زیادتی کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن اور طریقہ کار پر مر مٹنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان (عن عمر بن الخطاب قال الا لا تغالوا صدقة النساء فانه لو كانت مكرمة في الدنيا وتقوى عند الله لكان اولاكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيأ من نسائه ولا انكح شيأ من بناته على اكثر من اثنتي عشرة اوقية) سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ مہر زیادہ مقرر کرنا کوئی خوبی اور قابلِ دادِ عمل نہیں ہے بلکہ نکاح میں جس قدر تکلفات کم ہونگی اتنا ہی اس نکاح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی بابرکت قرار دیا ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت قال النبي صلى الله عليه وسلم ان اعظم النكاح بركة ايسره مؤنة (الحديث) (مشکوٰۃ ص ۲۶۸ ج ۲)

۲۔ زائد مہر عورت معاف کر سکتی ہے، نکاح میں جو مہر مقرر کیا گیا ہو۔ وہ تمام عورت کی ملکیت ہے اسکی رضامندی کے بغیر اس سے کچھ لینا حرام ہے۔

۳۔ جو ڈھول دونوں طرف سے چمڑے سے بند ہو، اسکی آواز میں طرب اور سرور موجود ہے لہذا اس کا بجانا جائز نہیں ہے۔

۴۔ ایسا عالم اس قابل ہے کہ دیگر اہلِ اسلام اس سے قطع تعلقات کرلیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار

الجواب صحیح
محمد انور
۲۱/۴/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
جامعہ خیر المدارس ملتان
۲۰/۴/۱۴۱۳ھ

خ ک ت ۶۲۱۱

قسم بین الزوجات : نفقہ : حضانت

اگر کوئی عورت اپنی باری خوشی سے چھوڑ دے تو جائز ہے

(۱) ایک شادی شدہ مرد کسی بیوہ عورت سے اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ رات کا قیام میری (خاوند) کی مرضی سے ہوگا اور نان نفقہ دینے کا کوئی پابند نہیں ہوں گا، عورت کہتی ہے کہ مجھے یہ شرائط منظور ہیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا مرد کو دونوں بیویوں میں برابر کے حقوق دینے پڑیں گے۔

(۲) تین طلاق دینے کے بعد مرد، عورت دوبارہ ملنا چاہیں تو کیا مل سکتے ہیں اور اس کی کیا صورت ہے

(۳) برتھ کنٹرول یعنی منصوبہ بندی کیا جائز ہے۔

الجواب اگر واقعۃً ایک بیوی خوشی سے اپنا حق ساقط کرتی ہے تو درست ہے۔

ولو ترکت قسمها ای نوبتها لضرتها صح ولها الرجوع فی ذلک اھ (درمختار علی الشامیہ ص۲۲۴ ج۲)

(۲) جس عورت کو تین طلاق ہو جائیں اسے بدوں حلالہ و نکاح جدید گھر آباد نہیں کر سکتے۔ لقولہ تعالیٰ:

فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ (الآیۃ)

(۳) بعض صورتوں میں مثلاً عورت حمل کی متحمل نہ ہو یا اور کوئی شرعی مجبوری ہو تو منع حمل درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ

گذشتہ راتوں کی تلافی کا حکم

زید نے دوسری شادی کی تو زیادہ تر دوسری بیوی کے پاس ہی رہنے لگا، پہلی بیوی کے پاس کبھی کبھی آتا اور کچھ خرچ دے کر چلا جاتا۔ اب وہ تبلیغی جماعت میں جانے لگا تو اسے احساس ہوا اور اس نے پہلی بیوی سے معافی مانگی اور وہ عہد کرتا ہے کہ اب وہ انصاف کرے گا دریافت یہ کرنا تھا کہ سابقہ عرصہ میں جو وہ پہلی بیوی کی حق تلفی کرتا رہا ہے تو کیا زید پر لازم ہے کہ اب وہ اتنی راتیں پہلی بیوی کے پاس گذارے جتنی کہ وہ دوسری کے پاس گذار چکا ہے؟

الجواب زید آئندہ کے لئے انصاف کرے سابقہ غلطی کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور پہلی بیوی کو بھی راضی کرلے، گذشتہ ایام کی تلافی ایام کے ذریعہ زید پر لازم نہیں ـــــــ

ولو اقام عند واحدة شهراً في غير سفر ثم خاصمته الاخرىٰ في ذلك يؤمر بالعدل بينهما في المستقبل وهدر ما مضى وان اثم به لان القسمة تكون بعد الطلب (قوله هدر ما مضى) فليس لها ان تطلب ان يقيم ------- عندها مثل ذلك ط عن الهندية والذي يقتضيه النظر ان يؤمر بالقضاء اذا طلبت لانه حق آدمي وله قدرة على ايفائه فتح واجاب في النهر بما ذكره الشارح من التعليل قال الرحمتي ولانه لا يزيد على النفقة وهي تسقط بالمضي اھ (شامیہ ص ۴۳۴ ج ۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۶ / ۹ / ۱۴۱۲ھ

کیا مجنونہ بیوی کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو صحیحہ کے ہیں۔

ایک شخص نے تقریباً تیس سال قبل ایک عورت سے شادی کی، شادی کے بعد دوسرے بچے کی پیدائش پر عورت کمزور ہوگئی۔ اور تیسرے بچے کو جنم دینے کے بعد عورت کی ذہنی حالت بالکل خراب ہوگئی اور وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی، اس کے خاوند مذکور نے حتی الامکان علاج معالجہ کی کوشش کی مگر عورت کے ذہنی طور پر ٹھیک نہ ہونے پر خاوند نے دوسری شادی کرلی اور مذکورہ عورت کو اپنے میکے بٹھا دیا۔ اس عورت نے تقریباً تیس سال کا عرصہ کسمپرسی بیچارگی اور ناداری کی حالت میں گذارا، اس کا خاوند کچھ عرصہ تو اس کی خبرگیری کرتا رہا۔ مگر پھر سب کچھ دینا اس نے بند کردیا۔ اس کی اولاد مذکور تین بچوں میں سے ایک لڑکا زندہ رہا۔ جب کہ دو بچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی فوت ہوگئے۔ وہ لڑکا اپنے والد کے پاس پلا بڑھا اور لکھا پڑھا، اس کے والد نے اس کی حتی الامکان پرورش تعلیم و تربیت کی، اسے لکھایا پڑھایا اور برسر روزگار کرایا۔ اس کے بعد عورت مذکور کے والدین کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا چونکہ خود مختار ہوچکا تھا، اس لئے وہ اپنی والدہ کو اپنے علیحدہ مکان میں لے آیا ـــــــ

۱۔ تیس سال کی جدائی کے بعد اور حق شوہریت اور حق زوجیت ادا نہ کرنے کے باوجود بھی نکاح باقی ہے؟

۲۔ نکاح باقی ہونے کی صورت میں اور تاحال مذکورہ کی دماغی معذوری کی حالت میں دونوں کے کیا حقوق و فرائض ہیں؟

۳۔ نکاح باقی ہونے کی صورت میں شوہر کے ذمہ کیا نان ونفقہ یا خرچ وغیرہ ہوگا ــــــ

۴۔ شوہر مذکور کے مطابق کہ اس نے اپنی سابقہ بیوی کے بیٹے کو پالا پوسا پڑھا لکھا کر برسر روزگار بنایا۔ لہٰذا اس کے ذمے اب یا قبل ازیں سابقہ بیوی کا کوئی حق نان ونفقہ واجب نہیں ہے، کیونکہ پہلے اس کے بیٹے کی پرورش کرتا رہا۔ اب اس کا بیٹا جوان ہوگیا ہے۔ اُس کی کفالت کرسکتا ہے۔ کیا اس کی یہ دلیل صحیح ہے۔ یا اس مرد کو اس کی موجودہ بیوی بچوں کی طرح اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے ــ

۵۔ عورت مذکورہ کے والدین کی وفات پر وراثت کے طور پر آئی ہوئی جائیداد مثلاً قطعہ زمین وغیرہ کا حقدار اس کے معذور ہونے کی وجہ سے کون ہے۔ اس کا خاوند (جو کہ بری الذمہ ہوگیا ہے) یا بیٹا جس کے پاس رہ رہی ہے یا اس کے بہن بھائی وغیرہ یا وہ خود اگر وہ خود ہے تو اس کی کیا صورت ہے کہ کس طرح استعمال کریں ــــــ

الجواب اب بھی نکاح باقی ہے نان ونفقہ میں خبر گیری نہ رکھنے کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ البتہ سابقہ خرچ کا قضاءً مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ قال فی الہندیۃ: اذا خاصمت المرأۃ زوجھا فی نفقۃ ما مضیٰ من الزمان قبل ان یفرض القاضی لھا النفقۃ وقبل ان یتراضیا علی شئ فان القاضی لا یقضی لھا بنفقۃ ما مضی عندنا کذا فی المحیط (عالمگیریہ ص۵۴۴ ج۱)

(۱)۔ جب تک مذکورہ عورت، مذکورہ خاوند کے نکاح میں ہے۔ اس وقت تک دونوں بیویوں میں نان نفقہ اور رات گزارنے میں مساوات کرنا واجب ہے بشرطیکہ رات گذارنے میں اپنے نفس پر خطرہ نہ ہو، صورت مسئولہ میں بظاہر یہ خطرہ نہیں ہے کیونکہ وہ ایک عرصہ تک اپنے اقرباء میں رہی ہے۔ اب بھی اپنے بچے کے ساتھ رہتی ہے عالمگیریہ ص۳۴۰ ج۱ پر ہے:۔ ومما یجب علی الازواج للنساء العدل والتسویۃ بینھن فیما یملکہ والبیتوتۃ عندھا ــــــ (الی ان قال) فیسوی بین الجدیدۃ والقدیمۃ والمجنونۃ التی لا یخاف منھا الخ

(۵)۔ جو زمین وغیرہ مجنونہ کو والدین کے ترکہ سے ملی ہے وہ اس کی مملوک ہے، دیکھ بھال، نگرانی کا حق اس کے لڑکے کو ہوگا۔ اقرب الاولیاء الی المرأۃ الابن الخ (عالمگیریہ ص۹ ج۲)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بیوی کھانا پکانے کی اجرت نہیں لے سکتی

ایک شخص کی دو بیویاں ہیں۔ دونوں الگ الگ مکان میں قیام پذیر ہیں۔ بچوں کی نسبت دونوں کو نان ونفقہ برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان دونوں بیویوں میں سے ایک خاوند کی خدمت از قسم روٹی پکا کر کھیت پہنچانا وغیرہ کرتی ہے جو صبح وشام کا پانچ میل سفر بن جاتا ہے اور کپڑے وغیرہ دھونا جبکہ دوسری بیوی کا اس خدمت میں کوئی حصہ نہیں۔ آیا خدمت گزار بیوی نان ونفقہ کے علاوہ کس قسم کے صلہ کی مستحق ہے؟ بچوں کی تعلیم اور علاج ومعالجہ بھی کیا نان ونفقہ کے علاوہ خاوند کے ذمہ ہے؟ بچوں کی شادی ونکاح بھی خاوند کے ذمہ ہے؟

الجواب: خاوند کی خدمت دیانۃً عورت پر لازم ہے پس روٹی وغیرہ پکانے کا معاوضہ لینا درست نہیں ہوگا۔ لہٰذا مساوی نفقہ دیا جائے۔ استاجر امراتہ لتخبز لہ خبزا للاکل لم یجز۔ اھ لان ہذا العمل من الواجب علیہا دیانۃً۔ اھ۔ وافاد المصنف آخر الباب ان استیجار المرأۃ للطبخ والخبز وسائر اعمال البیت لا ینعقد نقلہ عن المضمرات (الدر المختار مع الشامیہ ص ۱۲ ج ۶) (۲) ماں باپ کے ذمہ یہ سب اخراجات لازم ہیں جبکہ تعلیم بھی دلانا چاہیے۔ نکاح، شادی کے اخراجات بھی باپ اخلاقاً ادا کرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۶؍۱۰؍۱۳۹۵ھ

ناشزہ کے نفقہ کا حکم

اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی تو کیا اس کا خرچہ دینا پڑے گا؟

الجواب: صورت مذکورہ میں اگر بیوی خاوند کی نافرمانی کرتی ہے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے چلی گئی ہے تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ وان نشزت فلا نفقۃ لہا حتی تعود الی منزلہ۔ (ہدایہ اولین ص ۱۱۸) فقط واللہ اعلم؛ محمد انور غفرلہ۔ الجواب صحیح عبد الستار عفی عنہ

بچوں کی دینی تعلیم کا خرچہ خاوند کے ذمہ واجب ہے

کیا بچوں کی پڑھائی کا خرچہ خاوند کو الگ دینا پڑے گا؟

الجواب: بچوں کا دینی تعلیم کے دوران سارا خرچہ باپ کے ذمہ واجب ہے اور دنیاوی تعلیم کا خرچہ باپ پر نہیں ہے۔

وکذا طلبۃ العلم اذا کانوا عاجزین عن الکسب لا یھتدون الیہ لا تسقط نفقتھم عن آبائھم اذا کانوا مشتغلین با لعلوم الشرعیۃ لا با لخلافیات الرکیکۃ وھذیان الفلاسفۃ ولھم رشد والا لا تجب کذا فی الوجیز للکردری۔ (عالمگیری ص۵۶۳ ج۱) | فقط واللہ اعلم: محمد انور

بیوی سفر پر جائے تو نفقہ اور کرایہ کی مستحق ہو گی یا نہیں؟

بیوی سفر پر جائے تو نفقہ اور کرایہ کی مستحق ہو گی یا نہیں۔ حج کا سفر ہو یا کوئی اور۔ خاوند ساتھ ہو یا نہ ہو، تفصیل سے ارشاد فرمادیں۔ اگر ایک بیوی کے علاج پر کچھ خرچ کیا جاتے تو کیا اتنے پیسے دوسری بیوی کو دینے ضروری ہیں۔ ——— آفتاب احمد، جدّہ سعودی عرب

الجواب: واضح رہے کہ بیوی کا سفر کرنا کئی قسم پر ہے اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے۔ اس لیے تفصیل ضروری ہوئی۔ سفر۱ خاوند کی اجازت کے بغیر بلا عذر شرعی بیوی سفر کرے۔ ایسی بیوی ناشزہ ہے نان ونفقہ کی بھی مستحق نہیں، چہ جائیکہ کرایہ کی مستحق ہو۔ درمختار میں ہے۔ لا نفقۃ لاحد عشر مرتدۃ الی قولہ وخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود ولو بعد سفرہ (الی ان قال) وحاجۃ ولو نفلاً لا معہ ولو بمحرم لفوات الاحتباس ولو معہ فعلیہ نفقۃ الحضر خاصۃ لا نفقۃ السفر والکراء اھ قلت لا یخفی أن ھذا اذا خرج معھا لاجلھا امّا لو اخرجھا ھو یلزمہ جمیع ذالک (شامیہ ص۶۰۲ ج۲)

سفر۲: خاوند کی اجازت سے اپنے کام اور غرض کے لیے سفر کرے۔ جبکہ خاوند ساتھ نہ ہو۔ تو کرایہ کی بالاتفاق مستحق نہیں۔ اگرچہ یہ سفر عورت پر فرض ہی کیوں نہ ہو مثلاً حج فرض کے لیے کسی محرم کے ساتھ سفر کر رہی ہو اور سفر حج فرض میں استحقاق نفقہ کے بارے میں اختلاف ہے حضرت امام محمدؒ کے قول پر استحقاق نہیں۔ وھو الاظھر کذا فی السراج (ھندیہ ص۵۴۳ ج۱) اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک استحقاق ہے لیکن کرایہ کا بالاتفاق استحقاق نہیں۔ امام ابویوسفؒ کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب بدائع لکھتے ہیں۔ تفرض لھا نفقۃ الاقامۃ لا نفقۃ السفر لان الزوج لا یلزمہ الا نفقۃ الحضر فاما زیادۃ المؤنۃ التی تحتاج الیہ المرأۃ فی السفر من الکراء ونحو ذالک فھی علیھا لا علیہ اھ (بدائع ص۳۳ ج۴) اور حج تطوع ہو

یا کوئی دوسرا سفر ہو تو بھی بالاتفاق نفقہ کی مستحق نہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ اما اذا حجت للتطوع
فلا نفقة لھا اجماعاً اذا لم یکن الزوج معھا ھکذا فی الجوھرة النیرة (ہندیہ ص۳۳ ج۱)
پس کرایہ کا بطریق اولیٰ استحقاق نہیں ہوگا۔
سفر ۲: بیوی اپنے حج فرض یا تطوع وغیرہ کے لیئے خاوند کے ہمراہ سفر کر رہی ہے تو نفقہ حضر کی مستحق ہے۔ نفقہ سفر اور کرایہ کی پھر بھی مستحق نہیں۔ واما اذا حج الزوج معھا فلھا النفقة
اجماعاً وتجب علیہ نفقة الحضر دون السفر ولا یجب الکراء ھکذا فی
فتاویٰ قاضی خان (ہندیہ ص۱۷ ج۱) حج نفل کا بھی یہی حکم ہے۔ (ہندیہ بحوالہ بالا)
سفر ۳: خود خاوند بیوی کو سفر پر لے جائے یا اسے اپنے کام کے لیئے خاوند بھیجے تو اس سفر میں پورے اخراجات مع کرایہ خاوند کے ذمے واجب ہوں گے جیسا کہ پہلے بحوالہ شامی گذرا اور خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ جس بیوی کو چاہے سفر پر لے جائے۔
سفروں کی تفصیل بالا کے پیش نظر یہ محقق ہوا کہ اوّل قسم کے تین سفروں کا کرایہ خاوند کے ذمّے واجب نہیں پس اگر خاوند نے ایسے سفر کا کرایہ ایک بیوی کو دیا ہے تو یہ عطیہ ہے اتنی مقدار کی دوسری بھی مستحق ہے۔ پہلی سے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ البتہ دوسری کو اپنی جیب سے دے اور سفر ۲ میں ایک بیوی کو کرایہ دیا ہے تو دوسری اس کی مستحق نہیں۔ باقی جزئیات اس پر منطبق کر لی جائیں۔ اور "ذہاب وایاب زوجہ کا کرایہ ہر صورت میں خاوند کے ذمّے کہنا درست نہیں۔ بذل المجہود میں لکھا ہے کہ عطیہ میں عدل مطلوب ہے جیسا کہ خوراک و پوشاک وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ (۲) علاج بھی چونکہ شرعاً خاوند کے ذمہ نہیں لہٰذا علاج کے لیئے جو رقم ایک بیوی کو دی گئی ہے وہ شرعاً دوسری کو بھی دی جائے حکومت کی طرف سے ملنا یہ خاوند کا عطیہ شمار نہ ہوگا۔ علاج کے بارے میں اگر کسی قابل اعتماد مفتی کا فتویٰ یہ مل جائے کہ خاوند کے ذمّے واجب ہے تو اس فتویٰ کے مطابق برابری ضروری نہیں ہوگی بلکہ بوقت بیماری معالجہ کافی ہوگا۔ خواہ ایک پر زیادہ خرچ ہو اور دوسری پر کم ہو۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۶/۶/۱۴۰۲ھ

خاوند بیوی کو ہر قسم کی ملازمت سے روک سکتا ہے

بیوی ملازمت کرنا چاہتی ہے اور شوہر اجازت نہیں دیتا۔ تو کیا اجازت کے بغیر ملازمت کر سکتی ہے؟
الجواب: صورت مسئولہ میں بیوی کو ملازمت کرنا جائز نہیں ہے۔

وینبغی عدم تخصیص الغزل بل لہ أن یمنعہا من الاعمال کلہا المقتضیۃ للکسب لانہا مستغنیۃ عنہ، لوجوب کفایتہا علیہ۔ شامی ص ۶۶۳ ج ۲
فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

قانوناً بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ خاوند کے ذمہ نہیں

بہشتی زیور اور دوسری کتب فقہ میں زوجہ کے نان ونفقہ اور کسوۃ کو خاوند کے ذمہ واجب لکھا ہے ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ زوجہ بیمار ہو جائے تو اس کے علاج معالجہ کا خرچ شرعاً شوہر پر واجب نہیں۔ بلکہ اپنے مال سے کرے۔ ہاں شوہر متبرعاً علاج کا خرچہ برداشت کرے تو اس کا احسان ہے۔ بندہ نے طلبہ کو یہ مقام پڑھایا تو انہوں نے اشکال کیا کہ دکھ بیماری انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے بعض دفعہ علاج، ڈاکٹروں کی فیس اور آپریشنوں پر ہزاروں روپے لگ جاتے ہیں۔ تو بیچاری زوجہ کہاں سے خرچ کرے گی۔ خود بندہ کو بھی یہ اشکال تھا۔ گذشتہ سال یہی اشکال حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے بھی اپنا اشکال ظاہر فرمایا۔ اور یہ تحریر فرمایا۔ اس مسئلہ میں احقر کو بھی مدت سے تردد ہے۔ ایک مرتبہ اس مسئلہ پر دوسرے فقہاء کی کتابوں کی بھی مراجعت کا اتفاق ہوا اور عجیب بات نظر آئی کہ سب کے ہاں صورتحال یکساں ہی سی ہے یعنی علاج کے خرچ کو نفقہ کا حصہ قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن تلاش کے باوجود قرآن وسنت کی کوئی ایسی نص بھی نہیں ملی جس میں بصراحت ہو کہ علاج کا خرچ شوہر پر واجب نہیں اس لیئے احقر کو کچھ خیال یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں نفقہ کے ساتھ بالمعروف کی قید لگائی گئی ہے جس کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ نفقہ کا تعین عرف کے ساتھ ہے یعنی عرف پر مبنی ہوگا۔ پچھلے دور میں چونکہ علاج کا خرچ کچھ زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیئے شاید یہ عرف تھا کہ وہ نفقہ میں شامل نہیں۔ اگر یہ بات درست ہو تو عرف کی تبدیلی سے حکم بدل جاتا ہے۔ لہٰذا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دور میں عرفاً علاج نفقہ کا حصہ ہے یوں بھی عقلاً یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر شوہر پر علاج کا خرچہ واجب نہ ہو تو بیماری کی صورت میں عورت کیا کرے بجبکہ موجودہ دور میں علاج کا خرچہ اتنا ہوتا ہے کہ جس کا کوئی ذریعہ روزگار نہ ہو اس کا تحمل نہیں کر سکتی لیکن یہ ساری باتیں ابھی سوچ ہی کی حیثیت میں ہیں۔ چونکہ کہیں منقول نہیں دیکھیں اور نہ دوسرے اہل علم سے اس پر مشورہ ہوا اس لیئے احقر کو اس پر جزم نہیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ یہی سوال اور حضرات کو بھی بھیج دیں۔

الجواب: شریعت نے رشتہ ازدواج میں انسلاک کے باوجود زوجین میں سے ہر ایک کی مستقل حیثیت

کو برقرار رکھا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ تمام احکام شرعیہ میں مرد وزن دونوں برابر کے درجے میں مکلف ہیں۔ زکوٰۃ، قربانی، حج ان فرائض کو اگر باوجود استطاعت کے عورت ادا نہیں کرتی تو عورت گنہگار ہے مرد نہیں۔ اسی طرح مال کی ملکیت کے بارہ میں بھی زوجین مستقل حیثیت کے مالک ہیں۔ بیوی کی ملک الگ خاوند کی ملک الگ ہے۔ بیوی اپنے ہزاروں کی مالیت کے جہیز کی مالک ہے۔ بڑی مقدار مہر کی مالک ہے۔ والدین نے جو زیورات دیئے ہیں ان کی مالک ہے! اپنے رشتہ داروں کے میراث کا اسے باقاعدہ استحقاق ہے۔ علاوہ ازیں کسب واکتساب کی بھی اسے فی الجملہ اجازت ہے مثلاً سوت کاتنا، دستکاری سلائی کڑھائی۔ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کی دستکاری کتب حدیث میں مذکور ہے۔ خاوند کے کاروبار میں تعاون کے بدلے اس کو اجرت لینے کا بھی حق ہے مثلاً خاوند حلوائی ہے اور بیوی اسے مٹھائی تیار کر کے دیتی ہے۔ یا خاوند کے کاروبار میں اپنا حصہ بھی رکھ سکتی ہے جب شریعت نے مالی ملکیت اور فی الجملہ اکتساب کے بارہ میں بیوی کی مستقل حیثیت کو برقرار رکھا ہے تو دوائی، علاج کا خرچہ جو حوائج ضروریہ سے نہیں اس کے ذمے رکھنا بالکل معقول ہے کیونکہ اصولی طور پر مریض کے علاج کا خرچہ اس کے ذمے ہوتا ہے۔ تو بیوی بھی اصولاً اپنے علاج کی خود ذمہ دار ہے۔ تاوقتیکہ کسی واضح دلیل سے خرچے کا وجوب دوسرے کے ذمے ثابت نہ ہو جائے اور یہ ثابت نہیں بلکہ عورت ہی کے ذمے ہونا مصرح ہے آج کل عموماً عورتیں بیش بہا جہیز اور کافی زیورات مہر وغیرہ کی مالک ہونے کے باوجود ان میں سے کسی چیز کو فروخت کر کے اپنے اخراجات میں صرف کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتیں اور زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ بھی خاوند سے کراتی ہیں۔ تو یہ تنگی غلط عرف کی وجہ سے ناشی ہے۔ درحقیقت کوئی تنگی نہیں۔

(۲) اصولی بات یہ ہے کہ غلبۂ مادیات کی وجہ سے ہمیں علاج کی شرعی حیثیت سے ہی ذہول ہو رہا ہے۔ شرعاً خود علاج ہی واجب نہیں۔ اگر کوئی بیمار علاج کیے بغیر مرگیا تو وہ شخص گنہگار نہیں۔ ہندیہ میں ہے۔

الرجل اذا استطلق بطنہ او رمدت عینہ فلم یعالج واضعفہ ذالک حتی مات منہ لا اثم علیہ فرق ھذا وبینما اذا جاع فلم یاکل مع القدرۃ حتی مات حیث یأثم والفرق ان الاکل مقدار قوتہ لتشبع ولا کذلک المعالجۃ والتداوی۔ جب علاج ہی واجب نہیں تو بیوی کا علاج خاوند کے ذمہ کیسے واجب قرار دیا جاتا ہے؛ ہاں اگر کوئی شخص بھوک سے مرگیا باوجود قدرت کے نہیں کھایا تو گنہگار ہے کیونکہ یہ موت کا قطعی سبب ہے! اور ترک علاج اس کا سبب مظنون ہے۔ حوائج راتبہ ضروریہ خاوند کے ذمہ ہیں۔ حوائج غیر راتبہ یا غیر ضروریہ اس کے ذمہ نہیں۔ بیماری ایک ایسا عارض ہے جس کا وجود یومیہ ہفتہ وار،

ماہانہ یا سالانہ ضروری نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ برسوں انسان تندرست رہے اور ہوسکتا ہے کہ ہر ہفتے یا ماہ اس میں ابتلا رہو۔ اس لیئے علاج اور تداوی حوائج راتبہ ضروریہ میں سے نہیں۔

(۳) دوسرے فقہاء کی کتب سے مُراد بظاہر مذاہب اربعہ کی کتابیں ہیں پس جو مسئلہ مذاہب اربعہ میں منقول ہو اس میں بحث کرنا اپنے منصب سے تجاوز ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔ والبحث فی المنقول غیر مقبول ـــ علامہ ابن الہمام جیسے وسیع النظر جامع محقق کے بارے میں انہیں کے تلمیذ محقق قاسم بن قطلوبغا کا فیصلہ مشہور ہے۔ لاعبرۃ بابحاث شیخنا التی خالفت المذھب۔ جو کتب مذہب میں بلا کسی اختلاف کے ایک مسئلہ مصرح ہے تو اسے تسلیم ہی کرنا ہوگا۔ قرآن وحدیث سے اس کی دلیل صریح ہمیں مل جائے یہ ضروری نہیں، ورنہ مسائل کا ایک بڑا ذخیرہ کتابوں سے خارج کرنا پڑے گا حضرات فقہاء کی تصریحات قرآن وحدیث کی تشریحات ہی تو ہیں۔ قرآن پاک میں تصریح ہے۔ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف وقال تعالیٰ أسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم الآیۃ ان آیات سے رزق، کسوۃ اور سکنیٰ کا وجوب ازواج کے ذمہ ثابت ہوا۔ یہی حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ یہی تین چیزیں خاوند کے ذمہ واجب ہیں۔ درمختار میں ہے۔ ماینفقہ الانسان علی عیالہ شرعا ھی الطعام والکسوۃ والسکنیٰ وعرفا ھی الطعام۔ پہلی آیت کا ترجمہ تقریباً سب نے روٹی اور کپڑا یا کھانا کیا ہے اور حضرات فقہاءؒ اور اہل لغت کی تصریح کے مطابق دوا و علاج رزق میں داخل نہیں اور اصل عدم وجوب ہے پس تاوقتیکہ کوئی صریح دلیل اس کے خلاف نہ مل جائے۔ اسی مسئلہ پر حکم ہوگا۔ بالمعروف کا لفظ محل نظر ہے کیونکہ یہ مقدار کے بارے میں ہے نفقہ کے بارے میں نہیں۔ رزق، کسوۃ، سکنیٰ یہ انواع تو منصوص ہیں لیکن ان کی مقدار کیا ہوگی۔ خاوند کی حیثیت کے مطابق یا بیوی کی یا دونوں کی حیثیت کے مطابق ملحوظ ہوگی۔ حضرات مفسرینؒ اور حضرات فقہاءؒ نے مکمل تشریح فرمادی ہے۔ بیوی مالدار ہے تو اس کے بارے میں کوئی عقلی اشکال نہیں کہ اپنا علاج خود کرالے۔ البتہ تنگدست ہے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر اتفاق سے خاوند بھی فقیر ہے تو ایسی صورت میں خاوند کیا کرے؟

(۴) یہ ساری بحث ضابطہ اور قانون کے بارے میں تھی اخلاقی طور پر عموماً ایسے اخراجات خاوند ہی برداشت کرتے ہیں جیسے کہ اخلاقی طور سے بیوی بھی گھر کے بہت سے ایسے کام انجام دیتی ہے جو قانونی لحاظ سے اس پر واجب نہیں۔ الحاصل اصولی لحاظ سے ہر مکلف کا خرچہ وعلاج اس کے ذمہ ہے اگر کوئی اشکال ہو تو مطلع فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۸/۷/۱۴۱۲ھ

خاوند کی تنخواہ پر بیوی کا حق ہے یا نہیں

خاوند کی تنخواہ پر پہلا حق بیوی کا ہے یا والدین کا ہے؟ اگر بیوی کا جھگڑا خاوند کے والدین سے ہو جائے اور وہ بیٹے کو کہیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو ایسی صورت میں طلاق دینا کیسا ہے۔ اگر بیوی اپنے خاوند کے والدین کے ساتھ اکٹھا رہنا پسند نہ کرے اور خاوند کے والدین اس کو علیحدہ ہونے کی اجازت نہ دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: تنخواہ خاوند کی ملک ہے۔ خاوند پر بیوی کا نان ونفقہ ہر حال میں واجب ہے۔ خواہ بیوی غنیہ ہو یا فقیرہ۔ والدین اور چھوٹے بھائی بہنوں کا خرچہ بھی لڑکے پر واجب ہے جبکہ وہ تنگ دست ہوں۔ ہندیہ میں ہے

الاب اذا کان فقیرا معسرا وله اولاد صغار محاویج وابن کبیر موسر یجبر الابن على نفقة ابيه ونفقة اولاده الصغار ص۵۶۲ ج۱ غنی ذوی الارحام کا نفقہ شرعاً واجب نہیں۔ لیکن پھر بھی والدین کی مالی اور بدنی خدمت بچوں پر اخلاقاً فرض ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

لا یقضی بنفقة احد من ذوی الارحام اذا کان غنیا ص۵۶۲ ج۱

۲ ۳: والدین کے کہنے پر بے قصور زوجہ کو طلاق دینا شرعاً ضروری وواجب نہیں۔ بیوی کو سمجھا کر معافی پر آمادہ کریں۔ انشاء اللہ والدین طلاق کا مطالبہ خود ترک کر دیں گے اور بیوی علیحدگی کا مطالبہ چھوڑ دے گی نیز بیوی الگ مکان کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ ہندیہ میں ہے۔ تجب السکنى لها عليه فى بيت خال عن أهله واهلها الا ان تختار ذالك ص۵۵۶ ج۱ فقط واللہ اعلم محمد عبداللہ عفی عنہ ۱۵/۵/۱۴۰۸ھ

عورت پرورش کا نفقہ معاف کر سکتی ہے بچوں کا نہیں

میں نے زوجہ کو طلاق دے دی ہے۔ میرے بچے ہیں۔ وہ مطالبہ کرتی ہے کہ بچے مجھے دیں۔ وہ کچھ بد مزاج ہے اس لیے میں بچوں کی پرورش خود کرنا چاہتا ہوں۔ جب اس کا مطالبہ شدید ہوا تو میں نے یہ شرط لگائی کہ پھر بچوں کا نان ونفقہ میں ادا نہیں کروں گا۔ اس نے اسے تسلیم کر لیا۔ آیا اس صورت میں مجھ پر نفقہ شرعاً واجب ہے گا یا نہیں؟

الجواب: نابالغ بچوں کا نفقہ والد کے ذمہ واجب ہے اس لیے عورت کے تسلیم کر لینے سے بھی خرچہ آپ کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوا۔ عدم ادائیگی کی صورت میں آپ عنداللہ مجرم ہوں گے۔ ہندیہ میں ہے۔

نفقة الاولاد الصغار على الاب لا يشاركه فيها احد ص۵۶۰ ج۱ البتہ عورت پرورش کا حق الخدمت

نفقہ کی طرح معاف کر سکتی ہے کیونکہ یہ دونوں اس کے ذاتی حق ہیں۔ در مختار میں ہے۔

الابراء قبل الفرض باطل وبعدہٗ یصح مما مضیٰ ومن شہر مستقبل۔ اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ أی اذا کانت مفروضۃ بالاشہر فلو بالایام یبرأ من نفقۃ یوم مستقبل وکذا لو بالسنین۔ (شامیہ ص۶۵۳ ج۲) فقط واللہ اعلم۔ محمد عبد اللہ عفی عنہ ۸/۶/۱۴۰۸ھ، الجواب صحیح عبد الستار عفی عنہ

خاوند طلاق دے تو معتدہ بہر حال نفقہ کی مستحق ہے

اگر کسی شخص کی عورت فاحشہ ہو اور وہ مرد اس کو طلاق دیتا ہے تو اس مرد پر مہر اور عدت کا نان ونفقہ واجب ہے یا نہیں؟ سیکرٹری مجلس منتظمہ رشید آباد ملتان

الجواب: صورت مسئولہ میں مہر اور عورت کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب ہے۔

المعتدۃ عن الطلاق تستحق النفقۃ والسکنی کان الطلاق رجعیاً أو بائناً أو ثلاثاً۔ اھ (عالمگیری ص۱۳۸ ج۲)

قال فی البحر فالحاصل ان الفرقۃ اما من قبلہ أو من قبلھا فلو من قبلہ فلھا النفقۃ مطلقاً سواء کانت بمعصیۃ أو لا طلاقاً أو فسخاً۔ اھ (شامی ص۶۶۹ ج۲)

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴/۱۲/۱۴۰۰ھ الجواب صحیح: عبد الستار عفا اللہ عنہ

بیوی بلا وجہ میکے بیٹھ جائے تو نفقہ کی مستحق نہیں

میری بیوی میرے ہاں سے چلی گئی ہے۔ والدین کے گھر جا کر بیٹھی ہے۔ بار بار بلانے پر نہیں آئی۔ کیا وہ نفقہ کی مستحق ہے؟

الجواب: جب تک خاوند کے گھر نہ آئے نفقہ کی مستحق نہیں ہے۔

خارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ۔ اھ (شامی ص۶۴۶ ج۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷/۱۱/۱۷ھ

نفقۂ عدّت معاف کرنے کی شرط پر خاوند طلاق دے تو نفقہ معاف ہو جائے گا

میاں بیوی میں ناچاقی تھی مصالحت کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ آخر عورت نے طلاق کا مطالبہ کیا۔ خاوند نے کہا کہ مہر دیدوں گا، عدّت کا خرچہ نہیں دوں گا۔ عورت نے منظور کر لیا۔ خاوند نے طلاق دے دی۔ تو کیا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہوگا؟

اَلجَواب: اگر خاوند نے عورت کے مطالبۂ طلاق پر نفقۂ عدّت معاف کرالیا اور کرالینے کے بعد اسی مجلس میں طلاق دے دی تو خاوند کے ذمہ نفقہ واجب نہیں رہا۔ بلکہ وہ اس سے بری ہو گیا۔

فکذا اذا طلب ابرائها لهٗ عن المهر والنفقة صریحاً لیطلقها فابرأته وطلقها فوراً یصح الابراء لانه ابراء بعوضٍ۔ اھ (شامیہ صفحہ ۷۱۵ ج ۲ مطبوعہ کوئٹہ) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ | بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الگ کمرہ بیوی کا حق ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں۔ ہم ایک گھر میں اکٹھے رہتے ہیں۔ بہن بھائی والدین اور میری بیوی۔ لیکن میری بیگم کا اس بات پر اصرار ہے کہ اسے الگ مکان لیکر دوں۔ جب کہ میری مالی حیثیت اسقدر نہیں ہے کہ اس کے لیے الگ مکان خرید سکوں۔ کیا میری بیوی کا الگ مکان کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ کیا اس کے لیئے الگ مکان کا انتظام کرنا میرے لیئے ضروری ہے۔

اَلجَواب: بیوی کو ایک ایسے کمرے کے مطالبے کا حق ہے جس میں دوسرے گھر کے کسی فرد کا تصرف نہ ہو۔ لہٰذا یہ مطالبہ درست ہے پورا کیا جائے۔ باقی صحن، بیت الخلاء، باورچی خانہ وغیرہ مشترک ہوں جو کہ گھر کے دوسرے افراد بھی استعمال کرتے ہوں تو کچھ حرج نہیں اس سے زائد علیحدہ مستقل مکان کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

کما فی الدر المختار وبیت منفرد من دار له غلق (کفاها) لحصول المقصود و

فی الشامیة فان کانت دار فیها بیوت واعطی لها بیتاً یغلق ویفتح لم یکن لها ان تطلب بیتاً آخر۔ (شامی صفحہ ۶۰۱ ج ۳) ان عبارات کا حاصل بھی یہی ہے کہ عورت کے لیئے اگر گھر کے اندر الگ کمرہ ہو تو اس کیلئے الگ مکان کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

نفقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۲/۵/۱۴۱۸ھ

دونوں بیویوں کی اولاد کم وبیش ہو تو نفقہ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زوجتین میں اولاد کے ساتھ جبکہ ایک بیوی کی اولاد بالکل چھوٹی ہو۔ دوسری بیوی کی اولاد بالغ یا قریب البلوغ ہو تو ان میں مساوات کی کیفیت کیا ہوگی؟ یعنی کس تناسب سے خرچہ دیا جائے گا جبکہ ایک بیوی کی اولاد زیادہ ہے۔ سائل عبدالرشید علی پوری

الجواب: جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور دونوں کی اولاد ہو اس کو زوجتین میں مساوات اس طرح کرنا چاہیئے کہ ہر زوجہ کا نفقہ الگ الگ مقرر کر دے اور اس میں دونوں بیویوں کو برابر رکھے یعنی اولاد کا نفقہ الگ مقرر کرے دونوں کی اولاد کو فرداً فرداً حاجت کے لحاظ سے برابر رکھے یعنی اگر ایک کی ضروریات دس روپے میں پوری ہو سکتی ہوں تو اس کے دس روپیہ اگر ایک کی ضروریات پانچ روپے میں پوری ہو سکتی ہیں تو پانچ روپیہ مہیا کرے۔ گو مجموعہ ایک کی طرف زیادہ ہو مثلاً ہر بیوی کا خرچہ پندرہ روپے مقرر کرے اور ہر لڑکے لڑکی کا خرچہ دس روپے مقرر کرے۔ اس صورت میں زیادہ اولاد والی بیوی کی طرف جو رقم جائے گی وہ بیوی کی وجہ سے نہیں، زیادتی اولاد کی وجہ سے ہوگی اس پر اگر دوسری بیوی اعتراض کرے تو لغو ہے اور متفرق اخراجات شادی وغیرہ کے اس ضابطے سے الگ ہیں جس میں آپ خود مختار ہیں۔ کذا فی امداد الاحکام ص ۸۸۷ ج ۲ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہٗ

بدکردار عورت کو حق حضانت نہیں ملے گا

میری منکوحہ و مدخولہ بیوی دو مرتبہ اغوار ہو چکی ہے اس وقت بھی اغوار ہے مذکورہ کے بطن سے اور میرے نطفہ سے ایک بیٹا ۶ ۱/۲ سال کا ہے اور ایک بیٹی چار سال کی ہے دونوں مذکورہ بچے بوقت اغوار چھوڑ گئی تھی جن کی پرورش میں خود کر رہا ہوں۔ اب مذکورہ عورت بذریعہ پولیس بچے طلب کرتی ہے اگر بچے ان حالات میں مسماۃ میراں کو دیئے جائیں تو بچوں کے چال چلن پر بھی برا اثر پڑے گا۔ آیا ایک بچہ اس کو دیا جائے یا دونوں اس بارے میں کیا حکم ہے؟ حالانکہ میں اس شرط پر بچے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر مذکورہ عورت کا کوئی قریبی رشتہ دار بھائی۔ باپ۔ یا چچا ہمراہ آ کر مطالبہ کریں' مذکورہ عورت چونکہ اپنے آشنا کے پاس ہے ان حالات میں بچوں کی زندگی و تربیت کا بھی

مسئلہ ہے شریعت کی روشنی میں حکم واضح فرمائیں۔

الجواب تثبت (ای الحضانۃ) للام (الیٰ قولہ) أو بعد الفرقۃ الا أن تکون مرتدۃ أو فاجرۃ فجوراً یضیع الولد بہ کزنا وغناء وسرقۃ ونیاحۃ کما فی البحر والنھر.... الخ۔ (الشامیۃ ص۶۹۸ ج۲)

عبارت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں اگر فاجرہ ہے اور بدکاری جیسے افعال کی مرتکب ہے تو اسے اپنے بچوں پر حق حضانت حاصل نہیں کیونکہ ایسی صورت میں وہ بچوں کی پرورش نہیں کرسکتی۔ پس صورت مسئولہ میں اگر واقعی یہ عورت ایسی ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو اسے اپنی اولاد کا حق پرورش حاصل نہیں البتہ بچوں کی نانی ان کی پرورش کرسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

○

حقِ حضانت کب ساقط ہوتا ہے

مسمی محمد حنیف اور مسماۃ بی بی فاطمہ دونوں میاں بیوی کے درمیان کئی سال سے اختلاف موجود ہے اور عدالتوں تک جا پہنچے ہیں۔ یہاں تک کہ خاوند نے مارشل لاء تک دوڑ دغیرہ کی ہے۔ عدالت میں بیوی بچوں کے حصول کے لئے درخواست گزاری جو بعد از سماعت خارج کردی گئی۔ مسماۃ فاطمہ اپنے تین بچوں لڑکی کی عمر سات سال لڑکے کی عمر ساڑھے چار سال چھوٹے لڑکے کی عمر اڑھائی سال کے ساتھ اپنے ماں باپ کے ساتھ زندگی بسر کررہی ہے۔ لڑکی قرآن پاک اور مسائل کی تعلیم اور لڑکا معیاری تعلیم حاصل کررہا ہے۔ بچوں کا والد ان کی والدہ سے جدا کرکے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور بچوں کی والدہ کہتی ہے کہ میں اپنے پاس رکھوں گی بتائیں کہ بچے والد کی سرپرستی میں رہیں یا والدہ کی۔

المستفتی حیدر علی ہاشمی، شجاع آباد

الجواب بچہ سات سال تک اور بچی نو سال تک والدہ کے پاس رہے گی والد جبراً والدہ سے نہیں چھین سکتا خواہ طلاق ہو جائے لیکن اگر طلاق کے بعد والدہ بچہ یا بچی کے غیر محرم سے نکاح کر لے تو پھر والدہ صاحبہ کا حق تربیت ساقط ہو جائے گا۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أى بالغلام حتى يستغنى عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى (قوله حتى يستغنى عن النساء) بأن يأكل ويشرب ويستنجى وحده والمراد بالاستنجاء تمام الطهارة بأن يتطهر بالماء بلا معين وقيل بمجرد الاستنجاء وهو التطهير من النجاسة وان لم يقدر على تمام الطهارة زيلعى اى الطهارة الشاملة للوضوء (قوله وقدر بسبع) هو قريب من الاول الى قوله الا ترى الى ما يروى عنه صلى الله عليه وسلم انه قال مروا صبيانكم اذا بلغوا سبعًا والامر بها لا يكون الا بعد القدرة على الطهارة

شامی ص ۶۹۵ ج ۲

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

دورانِ پرورش عورت بچوں کو دور دراز نہیں لیجا سکتی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ مطلقہ عورت بچوں کو جن کی عمریں ۹ - ۵ - ۳ - ۲ سال ہے اپنے ساتھ علاقہ غیر میں لے جانا چاہتی ہے وہاں مقامی طور پر اس کا کوئی وارث نہیں ہے اب اگر وہ بچوں کو وہاں لے جائے تو ہمارا وہاں پہنچنا بڑا مشکل ہے اور نہ ہی ہمیں اپنے بچوں سے ملنے کی امید ہو سکتی ہے کیا شریعت اس کو بچے لیسے

دُور دراز علاقے میں جہاں ہماری پہنچ نہ ہو لے جانے کی اجازت دیتی ہے۔

الجواب لیس للمطلقۃ بائنا بعد عدتھا الخروج بالولد من بلدۃ الی اخری بینھما تفاوت (درمختار ص۶۹۷ ج۲ علی الشامیۃ)

جزئیہ ھٰذا سے ظاہر ہے مطلقہ بنا بر حق حضانت بچوں کو دُور دراز علاقے میں نہیں لے جاسکتی ایسے مقام پر رہے جہاں والد بچوں کی دیکھ بھال کرسکتا ہو۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

خیر محمد عفا اللہ عنہٗ

والدہ عیسائی ہو تو اسے پرورش کا حق ملے گا یا نہیں

ایک عیسائی نے اپنے دین عیسائیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کرلیا اس کی بیوی بدستور عیسائی ہی رہی اور اپنے ماں باپ کے گھر جا بیٹھی اور اپنے نابالغ بچوں کو بھی ساتھ لے گئی ایسی صورت میں بچوں کی پرورش کا حق شریعت محمدی کی رو سے کس کو حاصل ہوگا۔ جواب بحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب باپ کے تابع ہو کر اس نومسلم کے یہ بچے شرعاً مسلمان ہیں۔ والولد یتبع خیر الابوین دینا کذا فی الکنز۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۴۰ ج۲)

اور پرورش کا حق عام حالات میں والدہ کو ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان بچوں کے بارے میں عیسائیت کے ساتھ مانوس ہو جانے کا خوف ہو تو انہیں والدہ سے لے کر باپ کے حوالے کرنا ضروری ہوگا۔ ففی الدر المختار والحاضنۃ الذمیۃ ولو مجوسیۃ کمسلمۃ مالم یعقل دینا...... او الی أن یخاف أن یألف الکفر فینزع منھا وان لم یعقل دینا الخ بحر۔ درمختار ص۲۶۵ ج۱، اور صورۃ مسئولہ میں مندرجہ بالا اندیشہ ظاہر ہے۔ اسلام کی نظر میں جسمانی تربیت کی بہ نسبت بچے کے فکر و نظر کو محفوظ رکھنا مقدم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

والدہ کے بعد حق پرورش کس کو ہے

ایک عورت بقضائے الٰہی فوت ہوگئی ہے۔ ایک لڑکا بعمر پانچ سال اور ایک لڑکی بعمر چار سال چھوڑ گئی ہے۔ بچوں کے رشتہ داروں میں سگی نانی، خالہ غیر شادی شدہ اور پھوپھی موجود ہیں ان کی دادی بھی فوت ہوگئی ہے۔ بچوں کی پرورش کے بارے میں اختلاف ہوگیا ہے بچوں کے باپ نے دوسری شادی بھی کر لی ہے۔ اب ایک طرف باپ اور سوتیلی ماں ہے اور دوسری طرف نانی اور سگی خالہ ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچوں کی پرورش کا حق شرعاً کس کو ہے۔ ۲۔ مدت پرورش کتنی ہے۔ ۳۔ پرورش کے دوران اخراجات کس کے ذمے ہوں گے۔

الجواب صورت مسئولہ میں حق حضانت نانی کو ہے۔

ثم ای بعد الام بان ماتت أو لم تقبل أو أسقطت حقها او تزوجت باجنبی ام الام وان علت عند عدم اهلیة القربیٰ اھ (درمختار علی الشامیۃ ص ۶۹۳ ج ۲)

۲۔ لڑکا سات سال کی عمر ہونے تک اور لڑکی ۹ سال کی عمر ہونے تک نانی کے پاس رہیں گے (کذا فی الشامیہ ص ۶۹۳ ج ۲) ۳۔ پرورش کے اخراجات والد کے ذمہ ہوں گے۔

تستحق الحاضنة أجرة الحضانة اذا لم تكن منكوحة ولا معتدة لابيه وهی غير أجرة ارضاعه ونفقته كما فی البحر عن السراجية (درمختار علی الشامیۃ ص ۶۹۱ ج ۲) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

والدہ کو کب تک پرورش کا حق ہے

ملک عبد المجید فوت ہوگیا اس کے دو لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں۔ لڑکا ایک بارہ سال

اور ایک تین سال کا ہے لڑکیاں تین بالغ ہیں۔ اور تین نابالغ ہیں۔ ان لڑکے لڑکیوں کے چچا بھی موجود ہیں اور ماموں بھی۔ تو ان بچوں کی تربیت و پرورش کا حق کس کو ہے؟ اور ان کی ولایت نکاح کس کو حاصل ہے؟ حاجی احمد شہر سلطان

الجواب بچے کی عمر سات سال اور بچی کی ۹ سال ہونے تک ان کی پرورش کا حق والدہ کو حاصل ہے بشرطیکہ وہ ایسی جگہ نکاح نہ کرے جو ان بچوں کے لئے غیر محرم ہو

والحاضنة أما أوغيرها أحق به أى بالغلام حتى يستغنى عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى لانه الغالب... الخ والام والجدة احق بها حتى تحيض وغيرهما أحق بها حتى تشتهى وقدر بتسع وبه يفتى وعن محمد ان الحكم فى الام والجدة كذلك وبه يفتى لكثرة الفساد..اھ. (درمختار على الشامية ص ۶۹۵ ج ۲)

بالغ پر نکاح کی ولایت اجبار کسی کو حاصل نہیں بلکہ وہ خود مختار رہے اور نابالغ پر ولایت نکاح چچوں کو حاصل ہے۔ الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث والحجب۔ اھ (درمختار علی الشامیہ ص ۳۳۷ ج ۲) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

باپ بالغ اولاد کو مطلقہ بیوی سے ملنے سے نہیں روک سکتا

زید اپنی مطلقہ بیوی سے اپنی بالغ اولاد کو ملاقات سے روک سکتا ہے یا نہیں؟ (مولانا محمد اسلم تھانوی مہتمم جامعہ اشرفیہ ملتان)

الجواب اذا بلغت الجارية مبلغ النساء ان كانت بكرا كان للاب ان يضمها الى نفسه وان كانت ثيبا ليس له ذلك الا اذا لم تكن مأمونة على نفسها۔

والغلام اذا عقل واجتمع رأيه واستغنى عن الاب ليس للاب ان يضمه الى نفسه الا اذا لم يكن مأمونا على

نفسہ نکان لہ ان یضمہ.... انتہی۔ (قاضی خان ص۱۹۲ ج ۱)

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ باپ بالغ اولاد کو ماں سے ملاقات کرنے سے منع نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

متفرقاتِ نکاح

نکاح کرنا افضل ہے یا عبادت میں مشغول ہونا۔

بندہ فقیر ایک مسجد میں عرصہ دراز سے خدمتِ قرآن میں مصروف ہے اور مسجد کی خدمت بھی کرتا ہے اور بندہ نے ابھی تک شادی نہیں کی بعض لوگ اصرار کرتے ہیں کہ شادی کروالو اور جو شخص شادی نہ کروائے اس کا جنازہ نہیں ہوتا ہے اور بندہ الحمدللہ شب و روز عبادت میں مصروف رہتا ہے میرے لئے شادی کروانا ضروری ہے یا نہیں ؟ ——

الجواب مسلم شریف میں حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ اے نوجوانوں کی جماعت جو شخص تم میں سے نکاح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ یہ نظر کو جھکانے کا ذریعہ ہے اور شرمگاہ کی تحصین کے لئے ہے اور جو شخص طاقت نہ رکھے اس پر روزے لازم ہیں —— عن عبد اللہ قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (صحیح مسلم ص۴۴۹ ج۱)

ایک اور حدیث میں فرمایا۔ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں اور

افطار کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی کرتا ہوں اور جو شخص میری سنّت سے اعراض کرے تو وہ مجھ سے نہیں ۔

فقال ما بال اقوام قالوا کذا کذا لکنی اصلی وانام واصوم وافطر واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی ـــ (صحیح مسلم ص۴۴۹ ج۱)

ان دونوں حدیثوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نکاح کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے اور نکاح کرنے کی حضور نے ترغیب بھی دی ہے اور نکاح نہ کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے اور فقہاء نے تعلیم وتعلّم میں مشغولی اور نفلی عبادات میں مشغولی سے نکاح کو افضل قرار دیا ہے ۔

وهو افضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في الدر البحار وقدمنا انه افضل من التخلي للنوافل ۔ (شامی ص۲۹۳ ج۲) ـــــــ

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں :- قال النبي صلى الله عليه وسلم النكاح سنتي والسنن مقدمة على النوافل بالاجماع ولانه اوعد على ترك السنة بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني ولا وعيد على ترك النوافل ـــــ (بدائع الصنائع ص۲۲۹ ج۲)

جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح کرنا میری سنّت ہے اور سنّت نوافل پر مقدم ہے اور اس پر اجماع ہے اور ترکِ سنّت پر وعید بیان فرمائی ہے اور نوافل کے ترک پر وعید نہیں فرمائی، لہٰذا آپ اگر حقِ زوجیّت، مہر، نان نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو نکاح والی سنّت پر ضرور عمل کریں ۔

فقط واللہ اعلم محمد انور ـــــــ الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
۲۲ / ۵ / ۱۴۱۸ ھ

محرم میں نکاح کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ماہ محرم میں نکاح کرنا جائز ہے یا حرام ؟ بیّنوا توجروا

الجواب ماہِ محرم میں نکاح کرنے کی ممانعت یا قباحت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے ۔ سال کے دوسرے مہینوں کی طرح اس مہینہ میں بھی نکاح کرنا درست ہے بلکہ اس شیعی اور رافضی بدعت اور من گھڑت مسئلہ کو ختم کرنے کے لئے عملی کوششیں کرنا ان شاء اللہ موجبِ اجر ہونگی ۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار غفر اللہ لہٗ

تعلیم میں مشغول حقوقِ زوجیت کیسے ادا کرے

لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہیں والدین نے خوشی سے ان کا آپس میں نکاح کر دیا ہے لڑکا دینی تعلیم کا شائق ہے ابھی زیرِ تعلیم ہے۔ تعلیم تقریباً چار سال بعد پوری ہوگی۔ آیا یہ جائز ہے کہ لڑکی اپنے گھر والدین کے ہاں دُور دراز جگہ میں بیٹھے اور لڑکا تعلیم میں مشغول ہو، جو سال کے اندر گھر نہ آسکے۔ بعض کا خیال ہے کہ تعلیم کی بجائے اپنے گھر آباد ہونا ضروری ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ بعض کا خیال کس حد تک درست ہے ؟

الجواب یہ بات جائز ہے کہ لڑکی اپنے والدین کے گھر اور لڑکا اپنی تعلیم میں مشغول ہو اور یہ خیال کہ تعلیم کی بجائے گھر آباد ہونا ضروری ہے ورنہ گنہگار ہوگا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ گھر آباد کرنے کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لڑکا تیسرے چوتھے ماہ گھر آیا کرے اور بشرطِ ضرورت جب والدین نے نان و نفقہ برداشت کر رکھا ہو اور تعلیم کی اجازت دے رکھی ہو تو اس صورت میں تعلیم کو ترک کرنا ٹھیک نہیں، البتہ گھر کے حقوق پورے کرنا ضروری ہیں جس کے لئے آمد و رفت ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح | بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ

بلا عذر کب تک بیوی سے علیحدہ رہ سکتے ہیں ؟

۱ - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ دستور بنایا تھا کہ مرد اپنی بیوی سے صرف چار ماہ علیحدہ رہ سکتا ہے کیا اس سے زیادہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہ سکتے ہیں یا نہیں ائمہ میں سے کسی کا مذہب ہے یا نہیں ؟

۲ - هل یجوز النظر الی فرج امرأته وهکذا عکسها ؟

الجواب بلا عذر چار ماہ سے زائد علیحدہ نہیں رہنا چاہیئے مالکیہ کے ہاں اگر بقصدِ اضرار اتنی مدت بیوی سے علیحدہ رہا تو وہ بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرا سکتی ہے :-

۱ - قال علماؤنا اذا امتنع من الوطء قصد الاضرار بالزوجة من غیر عذر مرض او رضاع وان لم یحلف کان حکمه حکم المولی و ترفعه الی الحاکم اھ (احکام القرآن لابن العربی ج۱ ص۱۷۵)

۲ - یجوز لکن ترک النظر اولیٰ قال فی الهدایة الاولیٰ ان لا ینظر کل واحد منهما الی عورة صاحبه لقوله علیه السلام اذا اتی احدکم اهله فلیستتر ما استطاع ولا یتجردان تجرد العیر اھ (شامیہ ج۵ ص۲۴۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

لڑکی والوں کی طرف سے دولہا کو سونے کی انگوٹھی پیش کرنا۔

آج کل شادی کے موقعوں پر دلہن کے گھر والے دولہا کو سونے کی انگوٹھی پہناتے ہیں اور یہ انگوٹھی بطور تحفہ کے دولہا کو دی جاتی ہے اور یہ تقریباً ہر شادی کا جزء لازم ہے اس کے بغیر شادی کی تقریب نامکمل سمجھی جاتی ہے شرعاً دولہا کے لئے یہ انگوٹھی لینا اور استعمال کرنا کیسا ہے؟ —— المستفتی (محمد نعمان پسروری)

الجواب صورت مسئولہ میں اس انگوٹھی کو لینا تو درست ہے چونکہ انہوں نے اپنی خوشی سے دی ہے الا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه (الحدیث) البتہ اس کا پہننا خاوند کے لئے حرام ہے لقوله علیه السلام حُرّم لباس الحریر والذهب علی ذکور اُمّتی واُحِلّ لاناثهم (ص ۲۴۲ ج ۱ ترمذی) البتہ اسے بیچ کر اس کی قیمت کو کام میں لا سکتا ہے۔ شادی کی تقریب کے لئے اس کو لازم سمجھنا درست نہیں فقط واللہ اعلم —

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

۲۶ / ۵ / ۱۴۱۸ھ

بیوی کے والدین کو ملاقات سے نہیں روک سکتے،

والدہ کے کہنے سے بیوی کے والدین کو ملنے سے روک سکتا ہوں ۔؟

الجواب ہفتہ میں ایک بار مرد کا عورت کے والدین کو میل ملاقات سے روکنے کا حق نہیں البتہ مستقل اس کے پاس ٹھہر جانے سے روک سکتا ہے ——

قال بعضهم لا یمنع الابوین من الدخول علیها للزیارة فی کل جمعة وانما یمنعهم عن الکینونة عندها وبه أخذ مشایخنا وعلیه الفتوی۔ وکذا لو أرادت المرأة ان تخرج لزیارة المحارم الخ فهو علی هذه الاقاویل۔ الخانیہ علی الهندیہ (ص ۴۱۹ ج ۱) والدہ کا احترام کرتے رہیں، طلاق دینا اچھا نہیں جب والدہ کا آپ حق ادا کرتے رہیں تو بیوی کے ساتھ حسن معاشرت پر کوئی مؤاخذہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بھی مطالبہ ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

نِکاح پڑھانے کا طریقہ اگر نکاح پڑھایا جائے تو کن الفاظ کے ساتھ خاوند بیوی کو اقرار کرایا جائے وہ الفاظ عربی اور اُردو دونوں میں بیان فرمائیں ــــــ

الجواب بالغہ عورت کا ولی اوّلاً بالغہ عورت سے بایں الفاظ اجازت نکاح حاصل کرے کہ میں اتنے مہر کے معاوضہ میں تیرا نکاح فلاں بن فلاں کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں کیا اس پر تو راضی ہے؟ عورت کہے "ہاں" پھر عورت سے اجازت لینے کے بعد دُولہا کے پاس آکر خطبہ مسنونہ پڑھے اور یوں ایجاب وقبول کرائے کہ میں نے فلانہ بنت فلاں کا نکاح بمعاوضہ اتنے مہر تیرے ساتھ کردیا اور دُولہا کہے کہ میں نے قبول کرلیا بس نکاح ہوگیا۔ ایجاب وقبول کم ازکم دو مسلمان مردوں یا ایک مسلمان مرد اور دو عورتوں کے روبرو ہونا لازمی ہے۔

الجواب صحیح محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ	فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۹ / ۱ / ۱۳۸۰ھ

سُنّت یہ ہے کہ خُطبۂ نکاح لڑکی کا والد پڑھے ــــــ والد اپنی بیٹی کا نکاح خود پڑھائے اس کے علاوہ کسی قاضی یا عالم کا نکاح پڑھانا زیادہ بہتر ہے۔ بینوا توجروا

الجواب والد اپنی بیٹی کا نکاح خود پڑھائے یہ زیادہ بہتر بھی ہے اور مسنون بھی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح خود پڑھایا تھا جیسا کہ مذکور ہے:

"وسُنّت دریں باب آنست کہ ولی مخطوبہ خود خطبہ نکاح کہ مسنون است بخواند واز عاقدین ایجاب وقبول کناند زیراکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقت نکاح حضرت فاطمہ باحضرت علی رضی اللہ عنہما ایں چنیں بعمل آوردہ بودند۔"

(مسائل اربعین فی بیان سنۃ سید المرسلین ص۲۱)

لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ ولی نکاح خود اس کی صلاحیت ولیاقت رکھتا ہو لیکن اگر وہ خود اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ خطبہ نکاح پڑھے اور ایجاب وقبول کرلے تو ولی کی اجازت سے جو بھی نکاح پڑھادے جائز ہے ــــــ "اگر قاضی غیر وکیل مذکور باشد ودر برُئے آں وکیل ایجاب وقبول کناند نزد علمائے حنفیہ جائز ست" (مسائل اربعین ص۲۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہٗ

سہرا باندھنا ناجائز ہے خواہ پھولوں ہی کا ہو۔

آج کل شادی کی تقریبات میں دولھا کو سہرا باندھا جاتا ہے اور اس کو شادی کا ایک لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے آپ سے گذارش ہے کہ آپ شرعاً اس کا حکم بیان فرمادیں ــــ بینوا توجروا

الجواب سہرا باندھنا خالص ہندوؤں کی رسم ہے اس لئے یہ ایک غیر اسلامی فعل ہے اس سے احتراز از حد ضروری ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم اور تشبہ بالکفار ممنوع ہے جیساکہ حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مسائلِ اربعین میں لکھتے ہیں: ــــ

اما سہرہ کہ از گل طیار میکنند انہم بسبب مشابہت کفار جائز نیست بلکہ ہار گل کہ بر سر نوشہ وعروس وقتِ نکاح یا بعد ازاں می بندند بدعت است ومشابہ ست باگبراں وازمشابہت کافراں وگبراں احتراز لازم است ــــ (مسائل اربعین ص۱۹)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

حکومت کا نکاح پر ٹیکس لگانا ناجائز ہے

بلدیہ شہر سلطان پور نے شرعی نکاح پر ایک صد روپے شادی ٹیکس نکاح فیس عائد کی ہے جو کہ لڑکے اور لڑکی والوں سے وصول کی جاتی ہے جبکہ شریعت نے نکاح کی ترغیب دی ہے۔ یہ فیس شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب مذکورہ ٹیکس کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے ــــ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفی عنہ | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بوقتِ نکاح چھواروں کے علاوہ اور میوے تقسیم کرنا بھی ثابت ہے۔

نکاح کے بعد آج کل ایک پیکٹ تقسیم کیا جاتا ہے جس میں ۲ ٹافیاں، بادام اور اسی جیسی اور چند اشیاء ہوتی ہیں کیا ان کا تقسیم کرنا درست ہے یا چھوارے ہی تقسیم کرنے چاہئیں؟ (عبدالقدیر ٹانکوی متعلم افتاء)

الجواب صورت مسئولہ میں چھواروں کے علاوہ مذکورہ اشیاء کا تقسیم کرنا بھی درست ہے جیساکہ حدیث میں اخروٹ، بادام وغیرہ کے تقسیم کرنے کا ذکر بھی ہے۔

فی الحدیث: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضر فی املاک (أی نکاح فأتی بطباق علیہا جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا الی آخر الحدیث (اعلاء السنن ص ۱۱ ج ۱۱)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

چھوارے پھینکنا سُنّت ہے یا تقسیم کرنا۔

شادی کے موقعہ پر چھوارے پھینکنا سنت ہے یا تقسیم کرنا سُنّت ہے؟ (مستفتی: محمد زبیر قصبہ مڑل)

الجواب صورت مسئولہ میں شادی کے موقعہ پر چھوارے پھینکنا سُنّت ہے:

فی الحدیث: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضر فی املاک (أی نکاح فأتی بطباق علیہا جوز ولوز وتمر، فنثرت فقبضنا ایدینا فقال مابالکم لا تأخذون فقالوا لأنک نہیت عن النہبی فقال ما نہیتکم عن نہبی العساکر، خذوا علی اسم اللہ فجاذبنا وجاذبناہ۔

(اعلاء السنن ص ۱۱ ج ۱۱) واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
۲۰/۵/۱۴۱۸ھ

لڑکی والوں کا لڑکے والوں سے شادی کے اخراجات کے لئے رقم مانگنا۔

ہمارے علاقے میں رواج ہے کہ رشتہ کرتے وقت لڑکی والے لڑکے والوں سے کچھ رقم لیتے ہیں شادی وغیرہ کے اخراجات کے لئے شرعاً اس رقم کا لینا جائز ہے یا ناجائز ہے

الجواب ایسی رقم کا مطالبہ کرنا ناجائز ہے اور اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔

ومن السحت مایأخذہ الصہر من الختن بسبب بنتہ بطیب نفسہ حتی لوکان بطلبہ یرجع الختن بہ — (رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ ج ۵ ص ۲۷۲) بیروت

فقط واللہ اعلم — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نابالغہ کے نکاح پڑھانے کا ثبوت۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح خود پڑھایا تھا۔ حدیث ہو تو تحریر فرمائیں؟
الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عمر بن ابی سلمہ سے کیا جبکہ وہ نابالغہ تھی اور خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی سات سال کی عمر میں نکاح کیا۔

وزوج صلی اللہ علیہ وسلم امامۃ بنت عمہ حمزۃ رضی اللہ عنہما من عمر بن أبی سلمۃ وھی صغیرۃ (الی) وقال لھا الخیار اذا بلغت۔ (فتح القدیر ص۱۷۳ ج۳)

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تزوجھا وھی بنت سبع سنین وزفت الیہ وھی بنت تسع سنین واحبہا معہا ومات عنہا وھی بنت ثمان عشرۃ (مسلم ص۴۵۶ ج۱)

فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ۹/۱/۱۴۰۴ھ

زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا؟

حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخا سے ہوا تھا یا نہیں۔ مدلل بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا
الجواب: بعض مفسرین نے یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے نکاح اور اولاد کا تذکرہ کیا ہے۔ جلالین میں ہے:
فزوجہ امرأتہ زلیخا فوجدھا عذراء وولدت لہ ولدین۔ ص۱۹۷۔ حافظ ابن جریرؒ نے اسحاقؒ سے اور حکیم ترمذیؒ نے وہبؒ سے بھی نکاح کا ہونا نقل کیا ہے۔ یہ سب تاریخی قصہ ہے جو محدثین کے معیار تک نہیں پہنچتا۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے۔ وخبر تزوجھا ایضا مما لا یعول علیہ عند المحدثین (ص۵ ج۱۳) لہٰذا ہمیں اس جھگڑے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۴/۱۱/۱۴۰۵ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

نکاح پڑھانے کی اُجرت

زید نکاح خواں نے عمر کا نکاح بکر کی ہمشیرہ اور بکر کا نکاح عمر کی ہمشیرہ کے ساتھ پڑھایا۔ عمر اور بکر نے مل کر پانچ روپے نکاح خوانی کے دیئے۔ زید نے انکار کیا کہ دس روپے

لوں گا کم نہیں لوں گا۔ آخر بہ مجبوری انہوں نے دس روپے دیئے ۔ آیا اس کو لینا جائز تھا یا نہیں پھر وہ دس روپے ان دونوں کو نیوتہ کے طور پر دیئے گئے اگر ناجائز ہوں تو واپس کرنے چاہئیں جانہ ۔ ؟

الجواب نکاح خوانی کی اُجرت (جیسا کہ متعارف ہے) ناجائز ہے کیونکہ جواز اجارہ کے لئے ضروری ہے (۱) آزادی مستاجر جس سے چاہے کام لے جس قدر اُجرت دینا چاہے کہہ سکے (۲) آزادی اجیر یعنی جتنی اُجرت لینا چاہے لے سکے، سرکار کی طرف سے کوئی مقرر شدہ پابندی نہ ہو، مگر یہ چیزیں عمل متعارف میں مفقود ہیں۔ اس بنا پر موجود نکاح خوانی پر اُجرت لینے کا دستور ٹھیک نہیں ہے۔ البتہ اس طرح اس کا جواز ہو سکتا ہے کہ کسی شہر یا علاقہ میں چند ایک نکاح خواں ہوں جو مسائل نکاح سے واقف ہوں، لوگوں کو آزادی ہو کہ جس نکاح خواں کو چاہے بلالیں اور جو اُجرت فریقین طے کرنا چاہیں اپنے اختیار سے طے کریں اور نکاح خواں بھی آزاد ہو اسے کچھ فیس قاضی منیب کو نہ دینی پڑے اور جو بلاوے اُجرت بھی اس کے ذمہ ہو (نہ اس طرح کہ عادت ہے کہ نکاح خوانی کے لئے بلانے والا تو دلہن والا ہوتا ہے اور نکاح خوانی دلواتے ہیں دولھا والے سے) تو یہ اجارہ جائز ہو سکے گا۔ ان قواعد و شرائط کے اندر کمی و بیشی سے اجارہ فاسد ہو کر ناجائز ہو جائے گا۔ (کذا فی امداد الفتاویٰ ص۶۶ ج۲)

فقط واللہ اعلم ___ بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہٗ خادم الافتاء خیر المدارس، ۱ شعبان ۱۳۷۰ھ

دولھا کو نوٹوں کا ہار پہنانے کا حکم

شادی کے موقع پر دولہا کو اپنے احباب رشتہ دار پھولوں کا ہار گلے میں پہناتے ہیں اور بعض نوٹوں پر فوٹو ہوتے ہیں۔ (۲) اسی طرح حجاج صاحبان حج سے واپسی پر جب اسٹیشن یا اڈا پر اترتے ہیں تو رشتہ دار دوست احباب نوٹوں کے ہار گلے میں ڈالتے ہیں۔ حجاج صاحبان برضا خوشی یہ نوٹوں کے ہار اپنے گلے میں پہن لیتے ہیں۔ کیا دولھا میاں اور حاجی صاحبان کو نوٹوں کا ہار پہنا جائز ہے۔ یا ناجائز ہے یا مکروہ ہے اور مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی ہے نوٹوں کا ہار جس میں تصویر ہے یا جس میں تصویر نہیں اس میں بھی فرق ہے یا نہیں ___ (عبد المجید جلال آبادی متعلم ۔

الجواب دولھا اسی طرح حجاج کرام کو نوٹوں وغیرہ کا ہار پہنانا محض ایک رسم ہے اس سے احتراز لازم ہے۔ سلف صالحین میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ
بندہ عبد الستار عفی عنہ	خیر المدارس ملتان

ایک مجلس میں متعدد نکاح ہونے ہوں تو ایک ہی خطبہ کافی ہے

رائے ونڈ کے اجتماع کے موقعہ پر تیسرے دن ایک مجلس منعقد ہوتی ہے جس میں بہت سے لڑکے اور لڑکیوں کا نکاح ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ خطبہ نکاح پڑھ کر سب سے ایجاب وقبول کروا لیا جاتا ہے۔ آیا ایک ہی دفعہ خطبہ نکاح پڑھنا سب کیلئے کافی ہو جاتا ہے یا الگ الگ خطبہ پڑھنا ضروری ہے ؟

(مولانا شبیر احمد مدرس مدرسہ امینیہ جڑانوالہ)

الجواب صورت مسئولہ میں صرف ایک مرتبہ پڑھا ہوا خطبہ سب کے لئے کافی ہو جائے گا۔ الگ الگ سب کے لئے پڑھنا ضروری نہیں ——— (فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۱۴۸ ج ۷)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

مخطوبہ کو دیکھنے کی گنجائش ہے

لڑکا اپنی ہونے والی بیوی کو اپنی قلبی تسلی کے لیے کہیں ایک نظر دیکھ سکتا ہے۔ شرعاً اس کے بارے میں کیا حکم ہے ؟——— بینوا توجروا

الجواب مرد کو اپنی ہونے والی بیوی کو ایک نظر دیکھنا حدیث میں اس کی اجازت موجود ہے لیکن اس کے علاوہ شادی سے قبل دولوں کا ملاقات کرنا یا کسی بھی قسم کا تعلق رکھنا حرام ہے: لو اراد ان یتزوج امرأة فلا بأس ان ینظر الیها وان خاف ان یشتهیها لقوله علیه الصلوٰة والسلام للمغیرة بن شعبة حین خطب امرأة انظر الیها فانه احری ان یودم بینکما۔ (رواه الترمذی والنسائی شامی ص ۳۴۵ ج ۵) فقط واللہ اعلم محمد عبد اللہ عفرلہ

ایجاب وقبول سے پہلے کلمے پڑھوانا

آج کل نکاح پڑھاتے وقت نکاح خوانوں کے مختلف طرز دیکھنے کو ملتے ہیں بعض نکاح خواں مولوی صاحب دولہا کو کلمہ پڑھواتے ہیں اگرچہ دولہا صحیح العقیدہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اور بعض تو پورے چھ کلمے پڑھاتے ہیں اور بعض کلموں کی بجائے ایمان مفصل یا ایمان مجمل پڑھاتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کلمے پڑھوانا یا ایمان مفصل وغیرہ پڑھوانا دولہا اور دلہن کو کیا یہ ضروریات نکاح میں سے ہے ؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے ؟———

الجواب عقد نکاح کے وقت یہ طریقہ یعنی کلمے پڑھوانا وغیرہ احادیث سے اور صحابہ کرام اور مجتہدین کرام سے ثابت نہیں ہے اور جس شخص کے عقائد درست ہوں، صحیح العقیدہ ہونے کا یقین ہو تو پھر خطبہ مسنونہ پڑھ کر ایجاب وقبول کروا دینا چاہیئے۔ لیکن آج کل بعض اوقات نادانستگی میں زبان سے کلمہ کفر نکال دیا جاتا ہے

یا دین سے دوری کی بنا پر عقائد میں خرابی ہوتی ہے۔ اسی لئے اگر نکاح خواں کو شبہ ہو کہ شاید دولھا یا دلہن کے عقائد، خلافِ شرع ہیں تو ان کو تجدیدِ ایمان کیلئے کلمہ پڑھوا لینا ضروری ہے۔ ہر جگہ اس کا التزام کرنا غلطی ہے۔

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نکاح مسجد میں مستحب ہے بشرطیکہ......

موجودہ دور میں مسجد کے اندر نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے یا خارج مسجد کیونکہ شرکاء نکاح بعض اوقات آدابِ مسجد کو ملحوظ نہیں رکھتے ہیں۔

الجواب ترمذی شریف میں حدیثِ عائشہؓ میں مذکور ہے: عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد — جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نکاحوں کا اعلان کیا کرو اور ان کو مساجد میں کیا کرو۔

علامہ شامیؒ نے مسجد میں نکاح کرنے کو مستحب لکھا ہے اور دلیل کے طور پر اسی حدیث کو ذکر فرمایا ہے۔

للامر بہ فی الحدیث ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ وکونہ فی مسجد (کتاب النکاح ص۲۵۹ ج۲)

لیکن امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ شرکاء آدابِ مسجد کا لحاظ نہیں رکھیں گے تو پھر خارج مسجد بہتر ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص۲۵۲ ج۲)

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ

نکاح سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنے کا حکم

دولہا اور دلہن ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب جس عورت کی طرف پیغامِ نکاح بھیجنے کا ارادہ ہے اسے ایک نظر دیکھ لینا چاہیئے اور دیکھنے کا معاملہ خفیہ چھپے ہونا چاہیئے باقاعدہ زیب و زینت کے ساتھ پیش کرنا اور دیگر خرافات، غیرت و شرافت کے منافی ہے۔ اس سے احتراز واجب ہے۔ یا بالواسطہ معلوم کرلیا جائے۔ دیکھنے کے متعلق فرمانِ نبویؐ کے ناقل حضرت جابرؓ کا عمل ابوداؤد شریف میں مروی ہے۔ ایک لڑکی کے متعلق نکاح کا پیغام بھیجا اور چھپ کر اسے دیکھ لیا پھر اس سے نکاح کرلیا۔ عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احدکم المرأۃ فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل قال فخطبت جاریۃ

فکنت اتخبا لها حتی رأیت منها مادعانی الی نکاحها وتزوجها فتزوجتها۔ (بذل ۲/۳)

مرد کو دیکھنے کی اجازت متعدد روایات میں منقول ہے۔ عورت بھی دیکھ سکتی ہے یا نہیں اس کی تصریح نہیں البتہ ایک حدیث پاک میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کی علت ارشاد فرمائی ہے۔ وہ بظاہر عورت کو بھی شامل ہے۔ ارشاد ہے فانہ احری ان یؤدم بینکما (مشکوٰۃ ۲۶۹) الحاصل دیکھنے کی گنجائش ہے لیکن حیاء اور شرافت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے ____

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفی عنہ	بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہٗ

لڑکی معروف النسب نہ ہو تو بدوں تحقیق نکاح نہ پڑھایا جائے۔

ہمارے علاقہ میں یہ مرض پھیلا ہوا ہے کہ بیرونی واجنبی آدمی عورتیں لے آتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں ان کے متعلق نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کنواری دوشیزہ ہے یا مطلقہ ہے یا منکوحہ اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی اپنی ہیں یا کہیں سے اغوا کر کے لاتے ہیں۔ اور نکاح خواں حضرات بغیر تحقیق کے نکاح پڑھ دیتے ہیں۔ اکثر یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ منکوحہ ہوتی ہیں اور اغوا کر کے لائی جاتی ہیں۔ کیا ان کا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے۔؟

الجواب اگر عورت معتمد اور دیندار ہو یا حالات سے غالب ظن ہو جائے کہ یہ منکوحہ یا معتدہ نہیں تو اس سے نکاح جائز ہے اور اس کا نکاح کرانا بھی جائز ہے۔ لیکن صورت مسئولہ میں تو فاجر فاسق قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی عورتوں کا نکاح کراتے ہیں۔ جہاں معاشرہ کے حالات سے یہ بات واضح ہے کہ عورتیں اکثر منکوحہ ہوتی ہیں اس لئے ان کا لانا، ان کا بیچنا، ان سے نکاح کرنا، ان کا نکاح کرانا سب ناجائز اور حرام ہے معاشرہ کو ایسے فواحش سے نجات دلانا حکومت کا فرض ہے۔ لیکن مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کاروبار کے روکنے میں حتی الوسع سعی کریں ____

محمود عفا اللہ عنہٗ مفتی قاسم العلوم ملتان ۱۷/۲/۷۷ھ

جو امام مسجد لاابالی بے پرواہ ہو یا لالچی اور طماع ہو، پیسے وغیرہ لے کر ایسی عورتوں کے نکاح بغیر تحقیق کے پڑھاتا ہو۔ وہ فاسق و فاجر ہے اور امامت کے ہرگز لائق نہیں اور جو امام عمومی حالات میں نیک متقی ہو ایک آدھ مرتبہ غلطی سے ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جو منکوحۃ الغیر تھی۔ اس کے لئے توبہ کرنا لازم ہے۔ اور امامت سے نہ ہٹایا جائے۔

والجواب صحیح ____ بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۱/۲/۱۳۷۷ھ

خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر پڑھا جائے یا بیٹھ کر

خطبۂ جمعہ اور عیدین کے خطبے کھڑے ہوکر پڑھے جاتے ہیں، خطبۂ نکاح عموماً بیٹھ کر کیوں پڑھا جاتا ہے۔ خطبۂ نکاح کس طرح پڑھنا چاہیے کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر ۔۔۔؟ بینوا توجروا ۔۔۔

الجواب فقہائے کرام سے اس کے بارے میں کوئی جزئیہ صراحۃً نظر سے نہیں گزرا ہے ہمارے اکابر علمائے کرام کا طرز دونوں طرح رہا ہے لیکن کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا بہتر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت کھڑے ہوکر خطبات پڑھنے کی تھی۔ فقط واللہ اعلم ۔۔۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

بوقتِ رخصتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی ؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نکاح کے وقت عمر کیا تھی اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں اور اختلاف ہے۔ صحیح قول بیان فرماکر مشکور فرمائیں ۔۔۔ (المستفتی، عبدالقدیر ٹانکوی متعلم افتاء)

الجواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقتِ نکاح صحیح اور راجح قول کے مطابق ۶ سال تھی اور شبِ زفاف کے وقت آپؓ کی عمر ۹ سال تھی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸ سال تھی اور بہت ساری روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم بطور نمونے کے چند پر اکتفا کرتے ہیں (۱)۔۔۔ صحیح بخاری میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ حدیث عروہ باب من بنی بامرأۃ وھی بنت تسع سنین میں ذکر فرماتے ہیں: حدثنا قبیصۃ بن عقبۃ قال حدثنا سفین عن ھشام بن عروۃ عن عروۃ تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ وھی ابنۃ ست وبنی بھا وھی ابنۃ تسع ومکثت عندہ تسعا (بخاری ج ۲ ص ۷۷۵)۔ (۲) ۔ حافظ ابنِ کثیرؒ اپنی مشہور زمانہ کتاب البدایہ والنہایہ میں اسی موضوع پر مفصل گفتگو فرمانے کے بعد لکھتے ہیں: قولہ تزوجھا وھی ابنۃ ست سنین وبنی بھا وھی ابنۃ تسع مالا خلاف فیہ بین الناس۔ (البدایۃ والنھایۃ۔ ج۳ ص ۱۳۱)

حافظ کی بات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ۶ سال کی عمر میں ہونا اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہونا ایسی بات ہے جس میں لوگوں کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔ حافظ نے ایک اور روایت اسی صفحے پر امام بخاریؒ کے حوالے سے ذکر کی ہے جس سے بات اور واضح ہوجاتی ہے: ۔۔۔۔۔۔

وقد روی البخاری عن عبید بن اسماعیل وعن ابی اسامۃ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ

قال توفیت خدیجۃ قبل مخرج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بثلاث سنین فلبث سنتین او

قریباً من ذلک ونکح عائشۃ وھی بنت ست سنین ثم بنی بھا وھی بنت تسع سنین

اس روایت کا حاصل بھی یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے تین سال پہلے فوت ہوگئی تھیں اور اس کے دو سال بعد حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا اور ان کی عمر اس وقت ۶ سال تھی اور جب رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ مسند احمد میں امام احمدؒ نے مسند عائشہ میں یہ واقعہ بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ حضرت خولہؓ کے حوالے سے اور اس میں بھی یہ بات مذکور ہے۔

(۴) ۔ فزوجھا ایاہ وعائشۃ یومئذ بنت ست سنین .... فقالت عائشۃ .... اذا اراد الی

نسائہ وانا یومئذ بنت تسع سنین۔ (مسند احمد ص۲۱۱ ج۶)

حضرت عائشہؓ خود اپنا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ جب میری شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اس وقت میں ۶ سال کی تھی پھر ہم مدینہ منورہ آگئے۔ میرے سر میں درد تھا مجھے میری والدہ اُمِّ رومانؓ نے زور سے آواز دی۔ میں بھاگ گئی، میری سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے لے گئیں اور میرے منہ اور سر کو دھویا اور مجھے حویلی میں داخل کر دیا۔ اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا اور میں اس وقت ۹ سال کی تھی۔

(۵) ۔ عن عائشۃ قالت تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین فاسلمتنی

الیہ وانا یومئذ بنت تسع سنین۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۵۱)

امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں ذکر فرمایا ہے۔

عن عائشۃ قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابنۃ ست سنین وبنی بی وانا

ابنۃ تسع سنین ۔ (صحیح مسلمؒ ج۱ ص۴۵۶)

اس حدیث میں بھی حضرت عائشہؓ اپنا واقعہ خود بیان فرما رہی ہیں جس کا حاصل بھی یہی ہے کہ نکاح کے وقت میری عمر ۶ سال اور رخصتی کے وقت عمر ۹ سال تھی۔ ابوداؤد میں ہے۔

(۷) ۔ وعن عائشۃ قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت سبع قال

سلیمان او ست ودخل بی وانا بنت تسع ۔ (ابوداؤد ج۱ ص ۲۹۶)

سنن ابن ماجہ میں ہے۔ باب نکاح الصغار یزوجھن الآباء ۔

(۸) ۔ عن عائشۃؓ قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین ...

فاستمتنی الیہ وانا یومئذ بنت تسع سنین ۔ (ص۱۳۶) ——

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح ۶ سال ، بوقت رخصتی ۹ سال تھی ان روایات کے ہوتے ہوئے تاریخی روایات کو لے کر ان سے استدلال کرنا جہالت ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۲ / ۵ / ۱۴۱۸ھ

دوسری شادی کرنے کے لئے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں ۔

کیا دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی یا کسی ثالثی کونسل سے اجازت لینا ضروری ہے ؟ اور عدم اجازت کے باوجود دوسری شادی کر سکتا ہے جبکہ ملکی قانون کے تحت مذکورہ اجازت ضروری ہے ۔ شرعاً اس کی کیا حقیقت ہے ۔ بیان فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب باسمہ تعالیٰ ۔ شریعت مطہرہ نے مسلمان کے لئے چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع ۔ (الآیۃ) لیکن نان نفقہ قسم حسن معاشرۃ وغیرہ میں مساوات کو ضروری قرار دیا ہے ۔ اسی لئے جو شخص بیویوں کے درمیان میزان عدل قائم نہیں کر سکتا ، شریعت نے ایسے شخص کو صرف ایک نکاح کرنے کو کہا ہے : لقولہ تعالیٰ فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ (الآیۃ) پہلی بیوی سے ثانی کی اجازت شرعاً کوئی ضروری نہیں ۔ اس کو ضروری قرار دینا خلاف شرع ہے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۹ / ۱۰ / ۱۴۰۲ھ

مرزائی کو مسلمان سمجھنے والا نکاح کی تجدید کرے ۔

ایک سنی مسلمان شخص نے مرزائی کے جنازہ میں شرکت کی ، کیا مرزائی کے جنازہ میں شرکت سے اس کا نکاح باقی رہا ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر اس نے مرزائی کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہے تو وہ اپنے ایمان ونکاح کی تجدید کرے ،

قال خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ الکشمیری رئیس المحدثین بجامعہ دار العلوم دیوبند ۔

من ذب عنہ او تأول قولہ ، یکفر قطعاً لیس فیہ توان ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۱ / ۴ / ۱۴۰۳ھ

نکاح کے وقت منہ بولی بیٹی کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کیجائے

زید کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی " ھندہ " پیدا ہونے کے پانچ گھنٹے بعد میں نے اپنی گود میں لے لی ، چونکہ زید کی پہلے بھی اولاد موجود ہے ۔ میں نے خود جا کر دفتر پیدائش میونسپل کمیٹی میں اپنی ولدیت اور قومیت کا نام درج کروا دیا اور پرچی لے کر حقیقی بیٹی بنالی ہے ۔ جب وہ بالغ ہو گی اس وقت نکاح میں ہندہ کی ولدیت ، قومیت کیا لکھی جائے گی ، میری یا زید کی ، میری بھی اولاد موجود ہے اب وہ میری جائیداد و مال کی حقدار ہے یا نہیں ۔

الجواب : ہندہ کی نسبت اس کے والد کی طرف کی جائے ، غیر والد کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : ادعوا ھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ (الآیہ) رجسٹر نکاح میں بھی ولدیت صحیح درج کرائی جائے ، ہندہ اپنے والد کی جائیداد کی مستحق تو ہو گی ، آپ کی جائیداد کی وہ مستحق نہیں ، سابقہ اندراجات بھی درست کئے جائیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۲۷ / ۸ / ۱۴۰۶ھ

بالغہ ، باکرہ کا مسکرانا اجازت ہی ہے ۔

ایک کنواری بالغہ لڑکی کا نکاح ہوا اس سے جب اجازت لی گئی وہ خاموش رہی اور مسکرائی مگر زبان سے کچھ نہیں بولی تو ایسی صورت میں لڑکی کی رضا و اجازت سمجھی جائے گی یا نہیں ، نکاح ہو جائے گا یا نہیں ۔۔ ؟

الجواب صورت مسئولہ میں کنواری بالغہ لڑکی کا خاموش رہنا اور مسکرانا اور بغیر آواز کے رونا بھی اذن ہی ہے لہٰذا نکاح منعقد ہو جائے گا ۔ درمختار میں ہے ۔ فان استأذنھا ھو ای الولی وھو السنۃ او وکیلہ او رسولہ او فضولی عدل فسکتت عن ردہ مختارۃ او ضحکت غیر مستھزئۃ او تبسمت او بکت بلا صوت فھو اذن اھ ص۳۲۴ ج۲ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

لڑکی کے والد سے زبردستی صرف انگوٹھے لگوانے سے نکاح نہیں ہوگا۔

غلام قادر کو پولیس نے آٹھ دن تک تھانے میں رکھا اور مارنے کے بعد نابالغہ بچی جس کی عمر ۱۱ سال ہے کے نکاح کے لئے فارم پر انگوٹھے لگوائے، انگوٹھے لگاتے وقت غلام قادر نے یہ بھی کہا کہ یہ کام صحیح نہیں ہے میں قبول نہیں کرتا، اگر کل کو کوئی قانونی کاروائی ہوئی تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا کیونکہ شرعی نکاح نہیں ہوا جبکہ انگوٹھے لگوانے والا اقرار کرتا ہے کہ صرف انگوٹھے لگوائے ہیں نہ کہ شرعی نکاح ہوا اور نہ ہی ایجاب وقبول ہوا۔ کیا نکاح صحیح ہے؟

الجواب نکاح میں ایجاب وقبول کا ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے۔ اگر واقعۃً نکاح خواں نے صرف لڑکی کے والد کے انگوٹھے لگوائے ہیں اور کوئی ایجاب وقبول نہیں ہوا تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔ وہ لڑکی بدستور غیر منکوحہ ہے۔ النکاح ینعقد بالایجاب والقبول وضعا للمضی الخ (عالمگیری ص ج ۲) وفیہ واما رکنہ فالایجاب والقبول۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جس کے دونوں خاوند جنتی ہوں وہ کس کو ملے گی؟

ایک عورت نے دنیا میں یکے بعد دیگرے دو خاوند کئے اور وہ دونوں جنت میں داخل ہو گئے تو وہ عورت ان میں سے کس کو ملے گی؟

الجواب بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری کو ملے گی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اختیار دیا جائے گا تو وہ اچھے اخلاق والے کو پسند کرے گی: سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المرأۃ تزوج الرجلین والثلاثۃ مع من تکون منھم یوم القیامۃ فقال تخیر فیکون مع احسنھم خلقًا۔ (اعلام الموقعین ص ۲۷۶ ج ۲)۔

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	فقط واللہ اعلم محمد انور عفی عنہ

خاوند بیوی کو خون دے تو نکاح نہیں ٹوٹے گا۔

عورت بیمار ہوگئی تو خاوند نے اپنی بیوی کو خون دیدیا تو کیا نکاح میں کوئی خرابی تو نہیں ہوئی ؟ بینوا توجروا۔

الجواب انتقالِ خون کی وجہ سے نکاح میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۰۴ھ	

شادی بیاہ کے موقعہ پر باجوں کے بارے میں مفصّل فتویٰ

عقدِ نکاح میں مروّجہ سرود بجانا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو فقط جواز کے درجے میں ہے یا عقدِ نکاح کے لئے استحبابا طریقہ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ فصل مابین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح (اوکما قال) حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح شرعی کے لئے دف وغیرہ بجانا ضروری ہے تاکہ مابین الحلال والحرام تمیز ہو سکے نیز دوسری حدیث سے بھی اس کا جواز ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ بعض بچیوں کا گانا اور دف بجانا حضرت عائشہؓ کی روایۃ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ان کو منع کرنا اور آپ علیہ السلام کا مانعین کو روکنا اور سابقہ معمول کو قائم رکھنا وغیرہ۔ تقریرِ نبوی سے ثابت ہے جو کہ سنّت کے درجے میں ہے اور اگر جائز نہیں تو پھر اولاً یہ کہ احادیث مذکور کا کیا جواب ہوگا۔ اس قدر جواب کافی نہیں کہ فقط دف ہی کے استعمال کا جواز ہے اور باقی کا نہیں کیونکہ اس وقت عرب میں فقط دف ہی کا استعمال رائج تھا۔ نیز باقی مروّجہ سرود بھی اور دف بھی یکساں ہیں۔ ایک کا جواز دوسرے کے لئے حجت ہوگا۔

ثانیاً کہ شریعت نے جذباتِ انسانی کا لحاظ رکھا ہے۔ شادی یہ ایک خوشی کا موقعہ ہے۔ اس کے اندر بھی جذبۂ انسانی کو مدِنظر رکھ کر توسیع ہونی چاہیئے۔ **ثالثاً** یہ کہ اس کے جواز و عدمِ جواز میں ائمہ اربعہ کے کیا مذاہب ہیں اور جمہور اُمت کی اس بارے میں اگر عبارات مصرحہ ہوں تو زیبِ قرطاس فرمائیں۔ **رابعاً** ایسی شادی بیاہ میں علماء اور متقی حضرات کو شامل ہونا چاہیئے یا احتراز کرنا چاہیئے اور یہ احتراز فقط سرود والی شادیوں سے ہو یا تمام تقریبات سے جس کے اندر رسومِ جاہلیت ہوں اگرچہ ان سے عقیدۂ اسلامی پر زد نہ پڑتی ہو۔ نیز اگر شادی میں سرود کی اجازت کسی درجہ میں ہے تو وہ کس قسم کے سرود ہوں، آج کل کے انگریزی باجے یا قوالی یا طبل و مزامیر وغیرہ جائز ہیں یا نہیں، ان تمام امور کی تفصیل مطلوب ہے۔ برائے مہربانی ادلۂ واضحہ سے پُر رونق فرما کر مطمئن فرمائیں۔

الجواب شادی وغیرہ کے موقع پر ڈھول اور باجہ بجانا یا رنڈیوں کا گانا اور ناچنا اسی طرح بلند آواز سے عورتوں کا گانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ قرآن وحدیث اور کتب فقہ میں انکی حرمت کے دلائل اس قدر ہیں کہ ان کا احصار مشکل ہے۔ روح المعانی میں آیت ومن الناس من یشتری لھو الحدیث کے تحت بہت کثرت سے حرمت کی روایات منقول ہیں۔

وفی صحیح البخاری معلقاً قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتکونن من اُمتی یستحلون الحر والخمر والمعازف وفی سنن ابن ماجۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشترین ناس من اُمتی الخمر یسمونھا بغیر اسمھا یعزف علی رؤسھم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بھم الارض ویجعل منھم القردۃ والخنازیر وفی التاتار خانیۃ ان کان السماع غنا فھو حرام لان التغنی واستماع الغنا حرام وفی الھدایۃ دلت المسئلۃ علی ان الملاھی کلھا حرام حتی التغنی بضرب وتصفیق وفی النھایۃ التغنی والتصفیق والطنبور والبربط والدف وما اشبہ بذلک حرام ــــ

اور سوال میں تحریر کردہ حدیث مبارکہ سے دف کے بجانے کو عقد نکاح کے موقع پر ضروری سمجھنا بلا دلیل ہے بلکہ محض ذہنی اختراع ہے۔ دف بھی چونکہ باجا ہے لھذا حنفیہ نے تصریح کردی ہے کہ دف بھی حرام ہے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔ شامی میں ہے: ــــ

استماع ضرب الدف والمزمار والغناء وغیر ذلک حرام ــــ شرح نقایۃ میں ہے۔

اما الاستماع فکاستماع ضرب الدف والمزمار وفی فتاوی البیھقی التغنی واستماعہ وضرب الدف وجمیع انواع الملاھی حرام ومستحلھا کافر ــــ اور مالابد منہ میں ہے۔

ملاھی ومزامیر وطنبور۔ دھل ونقارہ ودف وغیرہا باتفاق حرام اند ــــ

یہ تمام حوالہ جات فتاوی امدادیہ ص۲۳۹ ج۲ سے منقول ہیں۔ البتہ امام شافعیؒ کے مذہب میں بموقع شادی وختنہ دف بجانا مباح ہے اور سوائے شادی وختنہ کے حرام کہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب "کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع" مطبوع ص۴۳۔ علی ہامش الزواجر میں لکھتے ہیں:-

القسم الرابع فی الدف المعتمد من مذھبنا انہ حلال بلا کراھۃ فی عرس وختان وترکہ افضل وھکذا حکمہ فی غیرھما فیکون مباحا ایضا علی الاصح وفی المنھاج وغیرہ فقال جمع من اصحابنا انہ فی غیرھما حرام ــــ

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تقریب نکاح وختنہ دف کا مباح ہونا لکھا ہے وہ مطلقاً مباح نہیں ہے بلکہ چند شرائط وقیود کے ساتھ مقید ہیں۔ ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے ورنہ اباحت نہیں رہے گی صاف حرمت آجائے گی۔ علامہ ابن حجر موصوف نے انہی شرائط کو اپنی کتاب "کف الرعاع" میں مفصلاً تحریر فرمایا ہے اس کا ضروری خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ احناف کے لئے بھی یہ شرائط قابل لحاظ ہیں۔

اوّل شرط یہ ہے کہ خاص عورتیں اور لڑکیاں دف بجانے والی ہوں اور اباحت کا حکم خاص انہی کے بجانے میں ہے نہ مردوں کے۔ پس اگر تقریب نکاح یا ختنہ میں مرد بجائے گا تو جائز نہ ہوگا اور وہ مرد بوجہ تشبہ بالنساء کے ملعون ہوگا کیونکہ سلف میں کسی مرد کا بجانا ثابت نہیں ہوا۔ دف بجانے میں جس قدر احادیث وآثار ثابت ہیں سب میں عورتوں یا لڑکیوں کا ذکر ہے۔ عبارت یہ ہے:۔۔۔۔۔

انا اذا ابحنا الدف فانما نبیحه للنساء خاصة اور منہاج کی عبارت یہ ہے۔ وضرب الدف لا یحل الا للنساء لانه فی الاصل من اعمالهن وقد لعن رسول الله صلّی اللہ علیہ وسلم المتشبهین بالنساء الی قوله لم یحفظ عن احد من رجال السلف انه ضرب به وبان الاحادیث والآثار انما وردت فی ضرب النساء والجواری به انتهی ۔۔۔۔۔

دُوسری شرط یہ ہے کہ جھانجھ نہ ہو اور بجانے میں کوئی تکلف اور تصنع نہ کیا جائے بالکل سادگی سے ہاتھوں سے پیٹا جائے، چنانچہ فرماتے ہیں: مخلا عن الصنج ونحوه وعن التانق والتصنع فی الضرب بان یکون الضرب بالکف پھر لکھتے ہیں کہ دف اسی طریقہ سے مباح ہے جیسا کہ عرفاً لوگ بجاتے ہیں کہ اس میں رقص و سرور نہ پایا جائے اور نہ انگلی کے پورے سے بجایا جائے: وانّما یباح الدف الذی تضرب به العرب من غیر زفن ای رقص فاما الدف یدفن وینقر ای برؤس الانامل ونحوها فلا یحل الضرب به ۔۔۔۔۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وقت نکاح یا وقت زفاف یا اس کے بعد تھوڑی دیر تک عورتیں دف بشرائط مذکورہ بجائیں، چنانچہ لکھتے ہیں:۔ والمعهود عرفا ان یضرب به وقت العقد وقت الزفاف او بعده بقلیل۔ پس اصل مذہب احناف کا وہی ہے جو میں پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ شادی وغیرہ خوشی کے مواقع میں باجہ عموماً اور خصوصاً دف بھی حرام ہے۔ چنانچہ علامہ تورپشتی نے فرمایا کہ دف اکثر مشائخ کے نزدیک حرام ہے اور اس حدیث کا جس میں اعلان کے واسطے دف بجانے کا ذکر آیا ہے۔ ہمارے مشائخ حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں دف بجانے سے مراد اعلان ہے نہ حقیقت میں دف بجانا۔ چنانچہ "شرح نقایہ" کی عبارت ملاحظہ ہو۔

قال التورپشتی أنه حرام علی قول أکثر المشائخ وما ورد من ضرب الدف فی العرس کنایة عن الاعلان ۔ جب حدیث میں ضرب الدف سے مُراد اعلان اور تشہیر ہے تو پھر متأخرین علماء حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں اور ضرب الدف سے اعلان و تشہیر کے مُراد ہونے پر بڑا زبردست قرینہ ہے وہ یہ کہ اب تک کسی ضعیف حدیث اور روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ زمانۂ رسالتؐ میں کسی صحابیؓ نے اعلانِ نکاح کے لئے دُف بجا کر اس حدیث کی تکمیل کی ہو۔ حالانکہ صحابۂ کرامؓ کو اتباعِ سُنّت میں جو شغف تھا وہ علماء پر مخفی نہیں اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح کئے اور اپنی صاحبزادیوں کا کیا، کبھی کسی نکاح میں آپ نے دُف بجانے کا حکم نہیں دیا۔ من ادعی فعلیہ البیان۔ زیادہ سے زیادہ بخاری کی حدیث ربیع بنت معوذ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ لڑکیوں نے بعد زفاف کے دُف بجایا تھا، اس حدیث سے بالغ کے دُف بجانے کا جواز سمجھنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اور اگر کسی روایات سے بالغ عورتوں کا بجانا بھی ثابت ہو جائے تو اس کے جواب میں حضرت علیؓ کی حدیث کافی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ضرب الدف ولعب الصنج وضرب الزمارة یعنی اس حدیث کی رو سے۔ یہ کہا جائے گا کہ اگر آپ نے اجازت دی ہو گی تو پھر منع فرما دیا جس کو حضرت علیؓ نے ظاہر فرمایا، علاوہ ازیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دُف کو مزمار الشیطان کہا اور حضورؐ نے سکوت فرمایا۔ پس اگر تنزل کے درجہ پر بعض علماء احناف متأخرین کا استدلال صحیح مان لیا جائے کہ اعلان نکاح کیواسطے دف بجانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مباح ہے تو ان شرائط وقیود کا لحاظ ضروری ہے جن کو مباح سمجھنے والوں نے بیان کیا۔ شرط اول جھانجھ نہ ہو (۲) تطریب نہ ہو۔ چنانچہ علامہ شامی اور فتاوی سراجیہ اور شرح ابوالمکارم اور شرح نقایہ چاروں میں ہے۔
ھذا اذا لم یکن لہ جلاجل ولم یضرب علی ھیئة التطریب (۳) بہت تھوڑی دیر تک بجایا جائے لمعات میں ہے دل الحدیث علی اباحة المقدار الیسیر مجمع البحار میں ہے۔ اقر علی قدر الیسیر فی نحو العرس والعید آج کل جو جائز سمجھا جاتا ہے کہ متعدد دُف بارات کے ساتھ لے کر چلتے ہیں اور بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں جو کچھ دنوں تک بجانا سیکھتے ہیں۔ جس میں صاف تطریب ہوتی ہے یہ کیونکر جائز ہو گا جائز ہونے کی صورت حسب تصریحات ان علماء کے صرف یہ ہو سکتی ہے کہ بعد نکاح کے چند مرتبہ ہاتھ سے دُف پیٹا جائے تاکہ معلوم ہو کہ نکاح ہو گیا، پس قبل نکاح کے بارات کے ساتھ دُف لے جانا اور اس کو شرعی بارات قرار دینا نہایت قبیح اور مذموم ہے

وکل ذالک من امداد الفتاوی ص۲۲۸ تا ص۲۴۴ ج۲ بتغیر فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جنّت میں جمع بین الاختین ناجائز نہ ہوگا ۔

اس دُنیا میں جمع بین الاختین ناجائز اور حرام ہے ۔ اگر کوئی آدمی دُنیا میں یکے بعد دیگرے دو بہنوں سے نکاح کرلے، دونوں بہنیں اور ان کا خاوند بفضل اللہ تعالیٰ آخرت میں جنّتی ہوں تو کیا جنّت میں دونوں ایک خاوند کے پاس جمع ہوسکتی ہیں یا نہیں ؟

الجواب اُمم سابقہ میں اس دُنیا میں بھی دو بہنوں کا جمع کرنا بیک وقت جائز تھا، جیساکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے دو بہنیں اکٹھی جمع کر رکھی تھیں ۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وقال عطاء والسدی معناه الاما کان من یعقوب علیہ السلام اذ جمع بین الاختین لیّا اُمّ یہودا و راحیل اُمّ یوسف علیہ السلام ولا یساعدہ التذییل لما ان ما فعلہ یعقوب علیہ السلام ان صح کان حلالا فی شریعتہ (روح المعانی ص۲۶۱ ج۵)

حکیم الاُمّت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :-

بخلاف الجمع بین الاختین فانہ قد ابیح فی بعض الشرائع کما ذکروا عن یعقوب علیہ السلام ۔ (حاشیہ بیان القرآن ص۱)

اسی طرح جنّت میں دو بہنوں کا ایک شخص کو ملنا ممنوع اور ناجائز نہ ہوگا ۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن ھذا اجاب الرملی الشافعی عن الجمع بین الاختین فی الجنۃ بانہ لا مانع منہ لان الحکم یدور مع العلۃ وجودا وعدما وعلۃ التباغض وقطعیۃ الرحم منتفیۃ فی الجنۃ الا لام والبنت اھ لعلۃ الجزئیۃ فیھا وھی موجودۃ فی الجنۃ ایضا بخلاف نحو الاختین (ردالمحتار ج۲ ص۱۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ

نیوتہ قبیح رسم ہے ۔ ہمارے علاقہ میں شادی کے موقع پر نیوتہ (نیندرہ) لیا جاتا ہے۔ یعنی شادی میں شریک ہونے والے لوگ علاقائی رواج کی وجہ سے اس بات کے پابند ہوتے ہیں کہ وہ اس موقع پر مروجہ شرح کے مطابق نیندرہ دیں جس کا باقاعدگی سے رجسٹر پر اندراج بھی کیا جاتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت اسے لوٹایا جائے ـــــ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس نیوتہ کی شرح وقتاً فوقتاً بڑھائی جاتی ہے، مثلاً اس کی شرح آج سے تقریباً ۲۰ سال پہلے ۲/- روپے بعد ازاں ۵/- روپے پھر ۱۰/- روپے اور آج عام آدمی کے لیے ۲۰/- روپے مقرر ہے یعنی جس آدمی نے آج سے ۲۰ سال قبل اپنی شادی کے موقع پر ۲/- روپے نیوتہ لیا، آج وہ ۲۰/- روپے کی شرح سے لوٹائے گا۔ نیز ایک آدمی کا ایک ہی بیٹا ہے جبکہ دوسرے کے چھ بیٹے ہیں۔ ایک بیٹے والا ایک بار ہی نیوتہ وصول کرے گا۔ اور چھ بیٹے والے کو چھ مرتبہ ان کی شادیوں کے موقع پر مقررہ شرح سے واپس ادائیگی کرے گا۔

اس بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں رہنمائی مطلوب ہے۔ کیا شریعت نے ہمیں اس طرح (درج بالا) کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ کیا یہ سود تو نہیں؟ ـــــ (محمد زبیر، قصبہ مڑل)

الجواب یہ رسم نہایت قبیح ہے، ناجائز اور بدعت ہے۔ چونکہ یہ رقم بطور ہمدردی کے نہیں دیجاتی بلکہ برادری کے دباؤ کی وجہ سے دیجاتی ہے اور نہ دینے والے کو ملامت کی جاتی ہے بلکہ برادری سے بھی نکال دیا جاتا ہے گویا یہ رقم جبراً وصول کی جاتی ہے اور جبراً کسی سے رقم وصول کرنا حرام ہے۔

قال النبی علیہ السلام ألا لا تظلموا ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ۔ او کما قال النبی علیہ السلام (الحدیث) مشکوٰۃ

(۲) اور یہ رسم قرض بھی ہے جس کو موقع پر واپس کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ صورت مسئولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا باقاعدگی سے اندراج بھی کیا جاتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت اسے لوٹایا جاسکے) اور شامی کی عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے: قال فی الشامیۃ عن الخیریۃ سئل فیما یرسلہ الشخص الی غیرہ فی الاعراس ونحوھا ھل یکون حکمہ حکم القرض فیلزمہ الوفاء بہ ام لا أجاب ان کان العرف بأنھم یدفعونہ علی وجہ البدل یلزم الوفاء بہ ان مثلیا فمثلہ وان قیمیا فبقیمتہ وان کان العرف خلاف ذالک بأن کانوا یدفعونہ علی وجہ الھبۃ (الی ان قال) فلا رجوع فیہ بعد الھلاک والاستھلاک (الی قولہ) نعم فی بعض القریٰ یعدّونہ قرضا حتی انھم فی کل ولیمۃ یحضرون الخطیب یکتب لھم ما یھدی فاذا جعل المھدی ولیمۃ یراجع المھدی الی الدفتر فیھدی الاول الی الثانی مثل ما أھدی الیہ (شامی ص ۵۱۳ ج ۴ کتاب الھبۃ)

اور بغیر ضرورت کے قرض لینا بھی درست نہیں کیا پتہ کہ ادائیگی کے وقت تک زندگی بھی ہو گی یا نہیں، خدانخواستہ قرض ادا کرنے سے پہلے موت آجائے تو پھر وعید شدید کا مستوجب ہو گا۔ حدیث میں تو یوں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک موقعہ پر فرمایا: والذی نفسی بیدہ لو ان رجلاً قتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم قتل ثم احیی ثم قتل وعلیہ دین ما دخل الجنۃ۔ (الحدیث، جمع الفوائد) اور پھر استطاعت کے باوجود بھی واپس نہیں کرتے جو کہ مستقل ظلم ہے۔ حدیث شریف میں ہے مطل الغنی ظلم (الحدیث) غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

لہٰذا سود لینے دینے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

بارات کو کھانا کھلانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ لڑکی والے بارات کو کھانا کھلا سکتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ لڑکی والوں کا بارات والوں کو کھانا نہیں کھلانا چاہیے۔

الجواب لڑکی والوں کا بارات کو مہمان ہونے کی بنا پر کھانا کھلانا درست ہے۔ بشرطیکہ مروجہ منکرات سے خالی ہو حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ "مسائل اربعین فی سنۃ سید المرسلین" میں لکھتے ہیں۔

"وآنچہ مروج است کہ بعد عقد نکاح والیان عروس بمردمان برات طعام میدہند آنہم بطریق ضیافت جائز است بشرطِ خلوّ آں از منکرات لہو وتغنی قال الامام محمد الغزالی فی کتابہ احیاء العلوم فی بیان منکرات الضیافۃ"

ومنہا سماع الاوتار او سماع القنیات ومنہا اجتماع النساء علی السطح تنظر الی الرجال مہما کان فی الرجال شاب تخاف الفتنۃ بینہم فکل ذلک محذور منکر یجب تغییرہ ومن عجز عن تغییرہ لزمہ الخروج ولم یجزلہ

الجلوس فلا رخصة له فی الجلوس فی مشاهدة المنکرات اھ (ص۱)

فقط واللہ اعلم
فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
خادم الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

جہیز لڑکی کی ملکیت ہے باپ واپس نہیں لے سکتا۔

زید نے اپنی لڑکی خالدہ کا نکاح بکر کے ساتھ کیا۔ رخصتی کے چند ماہ بعد خالدہ بقضائے الٰہی انتقال کرگئی کیا زید کے لئے جائز ہے کہ خالدہ کو دیا ہوا جہیز واپس لے؟

الجواب لڑکی کے والدین جو جہیز لڑکی کو دیتے ہیں وہ لڑکی کی ملک ہے۔ اس جہیز کو واپس نہیں لے سکتے اور اگر لڑکی مرجائے تو بقدر حصہ شرعی لے سکتے ہیں۔ اسی طرح مرنے والی عورت کا خاوند بھی وارث ہوگا۔

لو جهز ابنته و سلمه اليها ليس له فى الاستحسان استرداده منها وعليه الفتوى (عالمگیری ص۳۲۷ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ولیمہ کے لئے اکٹھے ہونا ضروری ہے؟

دعوتِ ولیمہ شب باشی کے بعد سنت ہے یا اس سے پہلے

الجواب ولیمہ میں اصل یہی ہے کہ شب باشی کے بعد ہو۔ گو بعض نے پہلے بھی لکھا ہے۔

قيل انها تكون بعد الدخول وقيل عند العقد وقيل عند هما اھ (مرقات الفاتح باب الولیمۃ ص۲۵۰ ج۶)

نقط واللہ اعلم۔
محمد انور

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
۱۴۰۱/۶/۹ھ

ولیمہ سُنّت ہے اور تیسرے دن تک اجازت ہے۔

ولیمہ شبِ زفاف کے بعد سُنّت مؤکدہ ہے یا مستحب ہے اگر کوئی چار یا پانچ دن یا تیسرے دن بعد ولیمہ کرے تو مُستحب ہے یا نہیں۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہفتہ عشرہ کے اندر ولیمہ کرے تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں اب بتائیں ولیمہ کا سُنّت وقت اور مُستحب وقت اور مکروہ وقت کون سا ہے ۔

الجواب ولیمہ سُنّت ہے۔ عالمگیری میں ہے: ولیمۃ العرس سنۃ وفیہا مثوبۃ عظیمۃ تین دن تک اجازت ہے قال فی الھندیۃ ولا بأس بان یدعو یومئذٍ من الغد وبعد الغد ثم ینقطع العرس والولیمۃ (کذا فی الظھیریۃ (عالمگیریہ) ص ۳۴۳ ج ۵) مشکوٰۃ کے حاشیہ میں بحوالہ مرقات نقل کیا ہے وفیہ ردٌّ صحیح علی اصحاب مالک حیث قالوا باستحباب سبعۃ ایام لذلک (ص ۲۷۸ ج ۲) اس سے اور عالمگیریہ سے معلوم ہُوا کہ سات دن کی اجازت نہیں —

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ ۱۰/۴/۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفی عنہٗ

تمّ بحمد اللہ الجزء الرابع من خیر الفتاویٰ ویتلوہ الجزء الخامس واوّلہ کتاب الطلاق إن شاء اللہ تعالیٰ والحمد للہ اوّلاً وآخراً وقد فرغت من تبییضہ وترتیبہ یوم الجمعۃ الرابع عشر من جمادی الاخریٰ سنۃ ۱۴۰۸ھ وانا العبد الفقیر ابو تراب محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی وخادم الحدیث بجامعہ خیر المدارس ملتان

خیر الفتاویٰ

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ
و دیگر مفتیان خیر المدارس کے

علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

مرتبہ
مولانا مفتی محمد انور زید مجدہم

مکتبہ امدادیہ
ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان پاکستان

جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خیر الفتاویٰ

جلد پنجم

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نوراللہ مرقدہٗ

ودیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہٗ

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہٗ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

نام کتاب : خیر الفتاویٰ (جلد پنجم)

باہتمام : حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مرتب : مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ

کل صفحات : ٦٦٠ صفحات

ناشر : مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۸۷
(Phone No. 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ .... غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ .... آرام باغ کراچی

ضروری گزارش

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اگر اس کے باوجود کہیں کتابتی اغلاط نظر آئیں تو
نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جاسکے۔
فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین ...... (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی
رئیس شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد :

دین اسلام خدا تعالیٰ کا کامل دین ہے اور آخری بھی ہے۔ اور صرف اور صرف ایک ہی دین ہے جو محفوظ ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ احکام شرعیہ کا کلی علم رسول اقدس ﷺ کو عطا فرمادیا گیا۔ ان ہی کلیات کی تعبیر و تشریح اور تفصیل آئمہ مجتہدین نے فرمائی۔ اور دین کی کاملیت کو آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر و باہر فرمادیا۔ اسلام کی کامل تعبیر و تشریح جو خیر القرون میں ہی مرتب ہوئی اور اسی دن سے آج تک شہرت عام بقائے دوام کی لازوال سعادت سے مشرف ہوئی' اس کا نام فقہ حنفی ہے۔ مشہور اور مسلم مقولہ ہے کہ وبضدھا تتبین الاشیاء چراغ تاریکی میں چمکتا ہے۔ دوسرے ادیان کو دیکھو آپ کو ایک جز بھی طہارت' عبادات' معاملات' سیاسیات' معیشت' معاشرت کی جزئیات پر نہیں ملے گا۔ ہر طرف ظلمات بعضھا فوق بعض کی طرح نہ ختم ہونے والی تاریکی ہے۔ لیکن اسلام میں ایک ایک کتاب کے سینکڑوں صفحات ملیں گے' جن میں ہزاروں جزئیات ہوں گی۔ آپ کوئی ٹیڑھی سے ٹیڑھی اور پیچیدہ سے پیچیدہ صورت مسئلہ بناکر پیش کریں۔ مفتی صاحبان اصول شریعت سے اس کا حکم آپ کو بتادیں گے۔

یہ خیر الفتاویٰ کی پانچویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ عبادات سے متعلق نہیں' معاملات سے متعلق ہے۔ اور تمام معاملات بھی نہیں صرف طلاق کے مسائل پر مشتمل ہے' جو معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ آپ دنیا بھر کی لائبریریوں کی سیر کرلیں۔ عیسائی' یہودی' ہندو' بدھسٹ' جین مت جیسے دین کے دعوے داروں کے ہاں تلاش کریں۔

اس جلد کا سوواں حصہ بھی کسی مذہب میں طلاق کی جزئیات نہیں ملیں گی۔

حضرات مجتہدین اور مفتیان کرام پورے دین کے محافظ اور پہرے دار ہیں۔ اور تفصیل و تشریح بھی فرماتے ہیں۔ جامعہ خیرالمدارس ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے۔ جہاں کئی ممالک کے طلباء فیض یاب ہوتے ہیں۔ جامعہ میں صرف تدریس کا شعبہ ہی نہیں' بلکہ عوام کے مسائل کے حل کے لئے دارالافتاء کا اہم شعبہ بھی ہے جس سے ہر سال سینکڑوں فتاویٰ جاری ہوتے ہیں۔ اس جامعہ کے بانی عارف کامل جامع بین الشریعۃ والطریقۃ استاذالعلماء حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ کے فتاویٰ کے علاوہ فاضل محقق جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کے فتاویٰ بھی ہیں۔ آجکل اس ادارہ کے رئیس الافتاء عالم اجل' فاضل کامل' پیکر اخلاص حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب لا زالت شموس فیوضہم بازغۃ علینا اور ان کے معاونین حضرت اقدس جامع علم و عمل حضرت مفتی محمد انور صاحب مدظلہ' ماہر شریعت حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہ' فاضل بے بدل حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب مدظلہ' فاضل نوجوان حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب مدظلہ عوام کے بدلتے ہوئے تمدن کے مسائل پر فتاویٰ جاری فرمارہے ہیں۔

عرصہ تک یہ فتاویٰ غیرمدون رہے۔ جامعہ خیرالمدارس کے حالیہ مہتمم صاحب فاضل اجل' واعظ شیریں بیان حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری حفظہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تدوین کا اہتمام فرمایا۔ اور رئیس الافتاء فقیہ العصر دام ظلہم کی سرپرستی میں یہ کام شروع ہوا۔ چار جلدیں پہلے چھپ کر علماء کرام اور مفتیان عظام سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ ان کی ترتیب و تدوین ایک اہم مسئلہ تھا۔ اور یہ ایک کٹھن اور مشکل ہے لیکن حضرت اقدس مولانا مفتی محمد انور صاحب کی شبانہ روز محنت' ہمت اور استقامت سے یہ مشکل حل ہوگئی۔ اس سے بھی مشکل ترین کام حوالوں کی تخریج و تصحیح کا تھا۔ اس میں سخت محنت اور عرق ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک حوالے کے تلاش کرنے میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں۔ حوالہ تلاش کرنا' عبارت کی تصحیح کرنا'۔ لیکن

حضرت مولانا مفتی صاحب موصوف نے جس دھن اور دھیان' لگن اور لگاؤ' ہمت اور اخلاص سے اس کو نبھایا۔ وہ جب اس کام میں لگ جاتے ہیں تو آرام تو آرام بعض اوقات طعام بھی یاد نہیں رہتا۔ ایک چشم دید گواہ نے بتایا کہ حضرت روزانہ رات کو تین بجے اٹھتے ہیں۔ دوسروں کو چائے پلائی اور کام میں لگ گئے۔ دوپہر کو معمولی کھانا تناول فرماتے ہیں۔ ایک دن دوپہر کو دو کیلے تناول فرمالئے' یہی کھانا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے آپ کو مزید ہمت عطا فرمائیں اور جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ کتنے لوگ میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب رات کو بھی بیدار ہیں اور ہمارے مسائل کی ترتیب اور تخریج فرما رہے ہیں۔ کھانا کھانے والے سکون سے بیٹھے ہیں کہ کھانا پکانے والے محنت اور ہمت سے کھانا تیار کر رہے ہیں۔ ہم جب چھوٹے ہوتے تھے تو ایک صاحب کھانا کھاکر ان الفاظ سے دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ! کمانے والوں کی خیر' پکانے والوں کی خیر' کھلانے والوں کی خیر اور کھانے والوں کی خیر۔ اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ حضرت مفتی صاحب جنہوں نے یہ دسترخوان ہمارے لئے چن دیا ہے اس سے استفادہ کے وقت ان کو بھی اور جن صاحبان کا کسی درجہ میں بھی اس تدوین میں حصہ ہے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔ ان ایام میں حضرت مفتی صاحب موصوف سے دو تین دفعہ ملاقات بھی ہوئی۔ ان کے چہرہ پر بھی تھکن اور محنت کے آثار نظر آرہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائیں۔ انہیں مزید ہمت' استقامت اور اخلاص کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہ دعائیہ کلمات بے ساختہ نوک قلم پر آگئے ہیں ورنہ کیا ہم اور کیا ہماری دعا۔ ہم تو رات دن ان حضرات کی دعاؤں اور علمی اور روحانی توجہات کے محتاج ہیں۔ ہمیں تو ان حضرات سے درخواست کرنا ہے کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ ہمیں ان علمی جواہرات سے خداوند قدوس استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

فقط'

ہیچمیرز محمد امین صفدر اوکاڑوی

۲- جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

اجمالی فہرست

خیر الفتاویٰ جلد پنجم

فہرست مضامین

"خیر الفتاویٰ" جلد پنجم

کتاب الطلاق

بَابُ النَّسَبِ

رِسالہ تین طلاق

۳۲۰

مجلۃ البحوث الاسلامیۃ

بسم الله الرحمن الرحيم

قال الله تعالى

الطلاق مرتان

فامساك بمعروف او تسريح باحسان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خیر الفتاویٰ

کتاب الطلاق

جلد پنجم

قَالَ اللّٰه تَعَالٰی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَان آیت نمبر ۲۲۹، البقرۃ

وَقَالَ تَعَالٰی فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ
حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه آیت نمبر ۲۳۰، البقرۃ

مرتبہ: مفتی محمد انور صاحب مدظلہ

الحافظ کمپوزرز

تاریخ طلاق ثلاثہ

از مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی
رئیس شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّابعد :

خالق کل کائنات نے رنگا رنگ مخلوق پیدا فرمائی۔

ع اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے۔

ان میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور اس میں دو قسم کی شہوت رکھ دی۔ ایک شہوت بطن' دوسری شہوت شرم گاہ۔ شہوت بطن بقاء اصل کے لئے ہے۔ تاکہ انسان کو بھوک لگے۔ وہ کھائے پیئے اور اس مشینری کے چلنے کے لئے خون کا پٹرول پیدا ہوتا رہے۔ اور شہوت شرمگاہ بقائے نسل کے لئے ہے۔ جس طرح پہلی شہوت میں انسان کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا گیا کہ جانوروں کی طرح جو چاہے کھاتا پھرے' بلکہ اس میں حلال اور حرام کی تقسیم فرمادی۔ حلال طریقے سے اس شہوت کی تسکین کرنے والا خدا کا فرمانبردار کہلاتا ہے۔ اور جو آدمی اس خواہش کو حرام طریقے سے پورا کرے' شراب پیئے' سود کھائے' کسی ناجائز طریقہ سے کسی کا حق ہڑپ کر جائے وہ خداوند قدوس کا نافرمان کہلائے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس خواہش کو حلال طریقے سے بھی پورا نہ کرے اور بھوکا مرجائے حالانکہ حلال چیز اس کے پاس موجود تھی وہ بھی خالق کائنات کا نافرمان کہلائے گا۔

اسی طرح دوسری خواہش کی تسکین کے لئے بھی قادر مطلق نے حلال' حرام کی تقسیم فرمادی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا :

والذین هم لفروجهم حٰفِظُوْنَ ○ الا علٰی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر	(کامیاب ہوگئے وہ لوگ) جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر۔ سو ان پر

ملومین○ فمن ابتغٰی وراء ذالك فاولٰئك هم العادون (۲۳:۵۔۷) نہیں کچھ الزام۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا' سو وہی ہے حد سے بڑھنے والا۔

یعنی اپنی منکوحہ عورت اور باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے' وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا' لواطت' استمناء بالید اور متعہ سب کی حرمت ثابت ہو گئی۔ اور دوسری جگہ فرمایا :

فانکحوا ما طاب لکم من النّساء مثنٰی وثلٰث وربٰع۔ فان خفتم الا تعدلوا فواحدةً او ما ملکت ایمانکم ذالك ادنٰی ان لا تعولوا(۴:۳) تو نکاح کرلو جو عورتیں تم کو خوش آویں۔ دو دو۔ تین تین۔ چار چار۔ پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے۔ اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔

اور نکاح کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا : ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین (۴:۲۴) طلب کرو ان (عورتوں) کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو۔ یعنی جن کی حرمت بیان ہو چکی ان کے سوا سب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ۔ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب و قبول دونوں کی طرف سے ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان عورتوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو۔ محض وقتی طور پر مستی نکال کے ان کو چلتا کر دینا مقصود نہ ہو۔ جیسا کہ زنا اور متعہ میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ کے لئے اس کی بیوی بن جائے۔ چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے۔ چوتھی شرط جو دوسری جگہ مذکور ہے کہ ان میں چھپی یاری نہ ہو' بلکہ کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں۔ ورنہ نکاح نہ ہوگا۔ زنا سمجھا جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا :

ومن آیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجًا لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودةً ورحمة۔ ان اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ بنا دیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین پکڑو ان کے پاس اور

فی ذٰلك لاٰیٰت لقوم یتفکرون O رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی۔ البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں (۲۱:۳۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی میں ایک عجیب محبت و پیار کی کیفیت رکھ دی۔ اسی بناءپر گھر بھی آباد ہوتا ہے اور اولاد کی تربیت بھی صحیح طریقے پر ہوتی ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے۔ اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ (۴:۱) اسی بات کو شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے :

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند که در آفرینش ز یک جوہر اند
چوں عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار

اور ارشاد فرمایا: "تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو (۲:۲۲۳) یعنی مقصود اولاد ہے۔ اس لئے اولاد پیدا ہونے کی جگہ آؤ جس طرح چاہو۔

الغرض نکاح ہی پر اس دنیا کی آبادی کا سارا دارومدار ہے۔ یہ نکاح ہی انسان کی عزت اور نسب اور نسل کا محافظ ہے۔ اس لئے اس کی تاکید بھی ہے اور ترغیب بھی۔ فرمایا رحمۃ للعالمین ﷺ نے جب بندہ نکاح کرتا ہے تو اس نے اپنا نصف ایمان مکمل کرلیا۔ اب باقی نصف میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے (احمد) فرمایا میاں بیوی جب آپس میں ہنسی مذاق کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اور ان دونوں کے لئے رزق حلال کا انتظام فرماتے ہیں۔ (ابن لال) فرمایا جس کو مقدور ہو وہ نکاح کرے جس سے نظر نیچی رہتی ہے۔ اور شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔ (ن) فرمایا نکاح میری سنت ہے۔ جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔ اور نکاح کرو تاکہ میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کرسکوں (ھ) فرمایا اللہ کے خوف کے ساتھ ساتھ اس دنیا کا سب سے قیمتی سرمایہ نیک بیوی ہے۔ اگر خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کو مسرور کردے۔ اگر خاوند کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔ اگر خاوند کوئی قسم کھالے تو اس کو

پورا کرے۔ اور اگر خاوند پردیس میں ہو تو اس کے مال اور عزت کی محافظ بنے (ھ) بلکہ ایک روایت میں تو ارشاد فرمایا کہ تیرا مسجد کی طرف جانا' اور مسجد سے اپنے گھر والوں کی طرف واپس آنا ثواب میں برابر ہے۔ فرمایا اولاد جنت کی خوشبو ہے۔ فرمایا قیامت کے روز نیکیوں کے پلڑے میں سب سے پہلے جو نیکی رکھی جائے گی وہ خرچہ ہوگا جو اس نے اپنے اہل و عیال پر کیا تھا۔ فرمایا جب جوان شادی کرتا ہے تو شیطان چیخ چیخ کر روتا ہے کہ ہائے ہائے اس نے اپنا دین مجھ سے محفوظ کرلیا۔ اور فرمایا شادی شدہ کا دو نفل پڑھنا غیر شادی شدہ کے ستر نفلوں سے افضل ہے۔ اور ایک روایت میں بیاسی نفلوں سے افضل فرمایا۔ اور بعض احادیث میں تو بے نکاحوں کو شرار تک فرما دیا۔ فرمایا نکاح کے بعد دنیا میں اللہ تعالیٰ اولاد اور رزق کی برکت عطا فرماتے ہیں۔ قبر میں اولاد کی دعا سے فائدہ پہنچے گا۔ اور چھوٹے بچے میدان قیامت میں والدین کو پانی پلائیں گے اور ان کی سفارش بھی کریں گے۔ یہ تمام احادیث کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال سے لی گئی ہیں۔ جب نکاح اتنے اہم ترین دینی اور دنیوی فوائد رکھتا ہے تو اس بندھن کو توڑنا جس کو طلاق کہتے ہیں' وہ ان سب دینی اور دنیوی فوائد سے محروم ہو جانے کا ذریعہ ہے۔ وہ کتنی ناپسندیدہ چیز ہوگی۔ اس لئے رحمت کائنات نے فرمایا خداوند قدوس طلاق کو ناپسند اور غلام آزاد کرنے کو بہت پسند فرماتے ہیں۔ اور فرمایا خالق کائنات کے ہاں تمام حلال چیزوں میں سے طلاق سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ فرمایا شیطان اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے شیطو نگڑوں کو فتنے برپا کرنے بھیجتا ہے۔ پھر سب سے ان کی کار روائی سنتا ہے۔ جس نے میاں بیوی کے درمیان فتنہ ڈالا ہو اس کو اپنے سب سے زیادہ قریب کرتا ہے۔ اور شاباش دیتا ہے کہ تو ہی ہے تو ہی (کنزالعمال ص۲۸۵-۲۸۶ ج۹) ان خرابیوں کی وجہ سے تو ضروری معلوم ہوتا تھا کہ عیسائیوں کی طرح طلاق سے بالکل منع کر دیا جاتا۔ لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے' اس لئے وہ خالق کائنات بندوں کی نفسیات سے پورا پورا آگاہ ہے کہ نکاح میں اگرچہ بہت سے فوائد ہیں' لیکن بعض اوقات میاں بیوی کی آپس میں ناراضگی اور عدم مناسبت اتنی

بڑھ جاتی ہے کہ اب ان کا ایک ہی بندھن میں بندھے رہنا ان کے لئے ' اولاد کے لئے اور دونوں خاندانوں کے لئے طلاق کی برائیوں سے بھی زیادہ برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ اس لئے ان بڑی برائیوں سے بچنے کے لئے اس ناپسندیدہ چیز کو حلال کردیا گیا۔ اور اس نفع نقصان کے فیصلے کا حق بھی اسی جوڑے پر موقوف کردیا گیا۔

تورات اور طلاق :

تورات میں ہے : "اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے۔ اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہو سکتی ہے۔ پھر اگر دوسرا شوہر بھی اس سے ناخوش رہے اور اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے یا وہ دوسرا شوہر جس نے اس سے بیاہ کیا ہو مرجائے تو اس کا پہلا شوہر جس نے اسے نکال دیا تھا' اس عورت کے ناپاک ہوجانے کے بعد پھر اس سے نکاح نہ کرنے پائے۔ کیونکہ ایسا کام خداوند کے ہاں مکروہ ہے۔ (استثناء (۲۴:۱-۴) دیکھئے یہاں نہ طلاق کی تعداد معیّن ہے اور نہ ہی طلاق کی کوئی عدت ہے جس میں دونوں کو سوچ بچار کا موقع ہو۔ یا برادری واحباب ان کو سمجھا سکیں۔ بلکہ تورات میں تو ہے کہ خدا بھی طلاق دیتا ہے۔ لکھا ہے: "خداوند یوں فرماتا ہے تیری ماں کا طلاق نامہ جسے میں نے لکھ کر اسے چھوڑ دیا کہاں ہے؟ دیکھو تمہاری خطاؤں کے سبب تمہاری ماں کو طلاق دی گئی (یسعیاہ ' ۵۰:۱) اور دوسری جگہ لکھا ہے: "پھر میں نے دیکھا کہ جب برگشتہ اسرائیل کی زناکاری کے سبب سے میں نے اس کو طلاق دے دی اور اسے طلاق نامہ لکھ دیا تو بھی اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری (یرمیاہ ۳:۸) اور کاہنوں کو حکم دیا کہ وہ طلاق والی عورت سے نکاح نہ کریں۔" وہ (کاہن) کسی فاحشہ یا ناپاک عورت سے نکاح نہ کریں۔ اور نہ اس عورت سے بیاہ کریں جسے اس کے شوہر نے طلاق دی ہو (احبار ۲۱:۷) یہ

طلاق کے احکام تورات میں ہیں۔

انجیل اور طلاق :

اور فریسیوں نے پاس آکر اسے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کیا یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے؟ اس نے ان سے جواب میں کہا کہ موسیٰ نے تم کو حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا موسیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ اس نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تمہارے لئے یہ حکم لکھا تھا۔ لیکن خلقت کے شروع سے اس نے انہیں مرد اور عورت بنایا۔ اس لئے مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا۔ اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔ اور گھر میں شاگردوں نے اس سے اس کی بابت پھر پوچھا۔ اس نے ان سے کہا جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے خاوند کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔" (مرقس ۱۰:۲-۱۲) جنابِ یسوع نے طلاق کا جواز ہی ختم کر دیا۔

اسلام اور طلاق :

یہود کے ہاں طلاق پر کوئی پابندی نہیں اور عیسائیوں کے ہاں طلاق جائز ہی نہ تھی۔ اسلام نے طلاق کو نہایت ناپسندیدہ تو فرمایا' بوقت ضرورت اس کو حلال بھی فرمایا۔ مگر یہ پابندی لگا دی کہ مرد کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق کا حق ہے۔ جب اس نے تین کی گنتی پوری کر دی تو اب اسے رجوع کا تو حق کیا ہوتا اس عورت سے نکاح کا بھی حق نہیں ہے۔ جب تک وہ عورت کسی اور سے نکاح نہ کرے عدت گزارنے کے بعد۔ اور پھر دوسرا خاوند فوت ہو جائے یا اسے طلاق دے دے تو اب عدت گزارنے کے بعد پہلا خاوند اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ الحمدللہ تمام اہل اسلام نے اس اسلامی حکم کے

سامنے سر جھکا دیا۔ مگر ایک رافضی فرقہ جن کا نسبِ دینی ابن سبا یہودی سے ملتا ہے' اس نے اسلام کی بجائے یہودی طریقہ کو ہی پسند کیا۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: " شعبیؒ (جنہوں نے پانصد صحابہ کرام کی زیارت کی) رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رافضیوں کی محبت یہودیوں کی محبت ہے۔ کیونکہ یہودیوں کا قول ہے کہ داؤد علیہ السلام کی اولاد کے سوا اور کوئی شخص امامت کے لائق نہیں۔ اور رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی اولاد کے سوا دوسرا کوئی بھی امامت کے لائق نہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ جب تک کانے دجال کا خروج نہ ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر زمین پر نہ آجائیں تب تک روا نہیں کہ کوئی آدمی خدا کی راہ میں جہاد کرے۔ یہودی مغرب کی نماز کو دیر کرکے پڑھتے ہیں کہ ستارو ں کی روشنی آجاتی ہے۔ اسی طرح رافضی بھی مغرب کی نماز دیر کرکے پڑھتے ہیں۔ یہودی جب نماز پڑھتے ہیں تو ادھر ادھر ہلتے ہیں' اور رافضی بھی اسی طرح کرتے ہیں...... تین طلاقوں کے دینے میں یہودیوں کے ہاں کوئی حرج نہیں اور رافضی بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں (غنیۃ الطالبین مترجم اردو ص۱۹۱) یہود میں بھی متعہ کا رواج ہے اور رافضی بھی ان سے پیچھے نہیں۔ بلکہ ان کے ہاں متعہ پر جو ثواب اور درجات ملتے ہیں یہود اس کے تصور سے بھی ناآشنا ہیں۔ افسوس کہ روافض نے جو مسائل یہود سے لئے تھے' ہمارے غیر مقلدین حضرات نے بھی بعض مسائل ان سے لے لئے۔ مثلاً آپ غیر مقلد کو نماز سے پہلے اور نماز کے بعد دیکھیں تو سکون سے بیٹھا یا کھڑا ہوگا۔ مگر جوں ہی نماز میں داخل ہوا بے چارے کے پورے جسم پر خارش شروع ہو جاتی ہے۔ کھڑا ہوا تو ٹانگیں خوب چوڑی کرلیں۔ سجدے میں گیا تو ٹانگیں اکٹھی کرلیں۔ پھر کھڑا ہوا تو پھر ٹانگوں کو چوڑا کرنا شروع کر دیا۔ الغرض وہ پوری نماز میں ہلتا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح تین طلاق دینا اس کے ہاں کوئی حرج نہیں۔ پھر اسی کو یہود کی طرح اور روافض کی تقلید میں گھر رکھ لیتا ہے۔ اور "متعہ کو تو اہل مکہ کا پاک عمل قرار دیتا ہے" (ہدیۃ المہدی ص۸۸' ج۱) اس لئے اس پر حد یا تعزیر تو کجا زبان سے انکار کا بھی روادار نہیں (ہدیۃ المہدی ص۱۱۸' ج۱)

ایک خاص سورت :

ہاں قرآن پاک نے ایک طلاق ایسی بتائی ہے جس کے بعد عورت پر عدت نہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدةٍ تعتدّونھا فمتعوھنّ وسرحوھن سراحًا جمیلا (۳۳:۴۹)	اے ایمان والو! جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو، پھران کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ۔ سو ان پر تم کو حق نہیں عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ۔ سو ان کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح سے۔

مرد کو جس طرح تین طلاقیں دینے کا حق ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے وہ عورت نکاح میں ہو خواہ عدت میں ہو۔ مگر یہ اس عورت کا ذکر ہے جس کا نکاح ہوا، مگر رخصتی سے قبل اسے خاوند نے طلاق دے دی۔ تو ایک طلاق کے بعد ہی آزاد ہوگئی۔ اب اس کو اگر خاوند دوبارہ دوسری طلاق دے تو وہ واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عدت میں نہیں ہے۔ اس لئے ایسی عورت کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے وضاحت فرمادی کہ ایسی عورت کو اگر خاوند الگ الگ تین دفعہ طلاق دے کہ تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے اور اس سے تین دفعہ طلاق کی بھی نیت کرے تو اسے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ ایک طلاق کے بعد اس پر عدت نہیں۔ اس لئے دوسری اور تیسری طلاق کے وقت وہ محلِّ طلاق ہی نہیں تھی۔ ہاں اگر خاوند یکبارگی کہے تجھے تین طلاق۔ تو چونکہ اس وقت وہ محلِّ طلاق تھی، اس لئے تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی (مصنف ابن ابی شیبہ)

دورِ نبوی ﷺ :

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابو درداءؓ، حضرت رفاعہ قرظیؓ، حضرت

عبادہ ؓ کے والد نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیں تو آنحضرت ﷺ نے اسلامی حکم کے مطابق یہی فرمایا کہ اب تم ان سے نکاح نہیں کرسکتے جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کریں۔ ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی مدخولہ عورت کو طلاق ہوئی ہو۔ اور اسے تین طلاق کہا گیا ہو اور پھر آنحضرت ﷺ نے اس بیوی کو رکھنے کی اجازت دی ہو جس سے یہود' روافض اور غیر مقلدین کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔

دورِ صدیقی رضی اللہ عنہ :

رسول رحمت کے بعد پیکر صداقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ خلیفہ بلا فصل بنے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بھی ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا کہ کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا ہو تجھے تین طلاق اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم بیوی کو پھر رکھ لو۔

دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ :

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے دوسرے تیسرے سال مسائل شرعیہ کے بارہ میں بھی اعلانات فرمائے۔ آپ ؓ نے حرمت متعہ کے حکم کا تاکیدی اعلان فرمایا۔ اور یہ کہ جس عورت کو کہا جائے تجھے تین طلاق وہ تین ہی شمار ہوں گی۔ اور بیس رکعت تراویح باجماعت پر لوگوں کو جمع فرمایا اور کسی ایک متنفس نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ کتاب و سنت کے ان احکام پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا اور کسی رافضی کو دم مارنے کا موقع نہ رہا۔

دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ :

سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ہے کہ تجھے سو طلاق۔ فرمایا تین طلاقوں سے وہ حرام ہوگئی اور باقی ۹۷ کا مزید گناہ ہوا (مصنف ابن ابی شیبہ) پورے دور عثمانی ؓ میں کسی نے اس فتویٰ و

اعلان خلافت کی مخالفت نہ کی۔ ایک اور صرف ایک نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو کہا تھا تجھے تین طلاق۔ یا تجھے سو طلاق یا تجھے ہزار طلاق اور حضرت عثمانؓ یا ان کے دور خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم رجوع کرلو۔ وہاں رافضیت کی دال کب گلتی تھی۔

دور مرتضویؓ :

اب اسداللہ الغالب' باب مدینۃ العلم کا دورِ خلافت آیا۔ آپ نے بھی یہی اعلانات فرمائے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے تجھے ہزار طلاق یا کہے تجھے تین طلاق' طلاق بتہ' طلاق حرج' خلیہ' بریہ' حرام' اونٹ کے بوجھ کے برابر طلاق۔ تو ان سب کے جواب میں تین طلاقوں کو نافذ اور عورت کو حرام فرمایا کہ اب وہ پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔ ان سب کے حوالہ جات میرے مضمون میں ہیں۔ اور دور مرتضوی میں ایک بھی نام نہیں لیا جا سکتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق یا سو طلاق وغیرہ کہا ہو اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا ان کی خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے۔ تم پھر بیوی کو رکھ لو۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ :

سیدنا امام حسنؓ کی چھ ماہ خلافت جس پر خلافت کے تیس سال مکمل ہونے پر خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہوگیا۔ آپ نے خود اپنی بیوی کو غصہ میں فرمایا کہ تجھے تین طلاق۔ پھر آپ اس پر پریشان ہوئے مگر کوئی مفتی نہ تھا جو یہ فتویٰ دیتا کہ جب آپ دونوں مل بیٹھنا چاہتے ہیں تو دوبارہ نکاح کرلیں۔ الغرض پورے دور خلافت راشدہ میں کوئی مفتی نہ تھا جو اس زنا کے کاروبار کا فتویٰ دیتا کہ تین طلاق کے بعد تم رجوع کرلو۔

دور صحابہ کرامؓ :

اس کے بعد بھی صحابہ کرام کے مفتی حضرات کے فتاویٰ میں اپنے مضمون میں درج

کر چکا ہوں کہ وہ تین طلاق کے بعد بیوی کو حرام کہتے تھے۔ اور کسی ایک مفتی کا فتویٰ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جو اس حرام کو جواز کی سند دے۔

دور تابعین :

اب خیرالقرون کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں بھی تمام تابعی مفتی حضرات کا متفقہ فتویٰ بھی یہی تھا کہ جس کو تین طلاق کہا جائے وہ حرام ہے۔ مگر اس دور میں رافضیوں نے ایک شرارت کی۔ ایک بوڑھے کو کہا کہ تو یہ حدیث لوگوں کو سنایا کر کہ حضرت علیؓ کو رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی دفعہ تین طلاق دے تو اس کو ایک قرار دیا جائے گا۔ وہ بوڑھا خفیہ خفیہ بیس سال تک اس کو بیان کرتا رہا۔ حضرت امام اعمشؒ کو اس کی بھنک لگی تو فوراً اس بوڑھے کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کیا۔ اس طرح پہلی صدی میں رافضیت کا ڈنک نہ چل سکا۔ اور کوئی حرام کو حلال نہ کر سکا۔ دور تابعین ۱۷۰ھ تک ہے۔ اسی دور میں ۱۴۵ھ سے ۱۵۰ھ تک مذہب حنفی مدون ہو گیا۔ جو کتاب و سنت کی پہلی جامع اور مکمل تعبیر و تشریح تھی۔ اور یہ مذہب اس دور میں تواتر سے پھیل گیا۔ اور آج تک متواتر ہے۔ اس میں بھی ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا۔ اور ایک آواز بھی کسی صحابی یا تابعی کی طرف سے اس کے خلاف نہ اٹھی۔ امام محمدؒ کتاب الآثار میں واشگاف الفاظ میں تحریر فرما رہے ہیں: لا اختلاف فیہ۔ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس زمانہ میں روافض کے حرام کے کاروبار کا تصور بھی محال تھا۔ پورے دور تابعین میں ایک مفتی کا فتویٰ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس نے ایسی عورت کو پہلے خاوند سے رجوع کا حق دیا ہو۔

دور تبع تابعین :

یہ دور ۲۲۰ھ تک ہے۔ اس دور میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مذاہب مدون ہوئے۔ ان تینوں مذاہب میں بھی بالاتفاق یہی مسئلہ لکھا گیا کہ ایک مجلس

میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ وہ عورت اب خاوند پر حرام ہو گئی۔ رجوع کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا' جب تک وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ ان چاروں مذاہب کی فقہ کے متون معتبرہ امت میں متواتر ہیں۔ کسی ایک مذہب کے متن متواتر سے کوئی یہ دکھادے کہ ایسی عورت سے رجوع کا حق ہے تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ اسی خیرالقرون میں حدیث کی کتابیں مسند امام اعظم' موطا امام مالک' موطا امام محمد' کتاب الآثار لابی یوسف' کتاب الآثار لامام محمد' کتاب الحجہ علیٰ اہل المدینہ' المدونۃ الکبریٰ مالکی' مسند الشافعی' ابوداؤد طیالسی' عبدالرزاق مسند الحمیدی' سنن سعید بن منصور' مسند ابی الجعد' مصنف ابن ابی شیبہ مرتب ہو چکی تھیں۔ ان میں سے ایک بھی حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش نہیں کی جا سکتی۔ نہ مرفوع' نہ موقوف' نہ مقطوع جس سے اس عورت سے رجوع کرنا ثابت ہوتا ہو۔

تیسری صدی :

اب مذاہب اربعہ کا چلن عام تھا۔ اگرچہ اِکّا دُکّا صاحب اجتہاد بھی ملتا تھا مگر اس کا اجتہاد اس کی اپنی ذات تک محدود تھا۔ ان چاروں متواتر مذاہب کے مقابلہ میں کوئی اہل سنت ان کی تقلید نہیں کرتا تھا۔ اور کسی غیر مقلد کا تو اس زمانہ میں تصور بھی نہ تھا کہ فلاں ملک میں کوئی ایک شخص ہے جو نہ خود اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اور نہ ہی مسائل اجتہادیہ میں کسی مجتہد کی تقلید کرتا ہے۔ بلکہ قیاس و اجتہاد کو کارِ ابلیس اور مجتہد کی تقلید کو شرک کہتا ہے۔ اور اپنے آپ کو غیر مقلد کہتا ہے۔ اگر کوئی صاحب ہمت کرکے تاریخ کے کسی مستند حوالہ سے ایسا آدمی تلاش کر دیں تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپے انعام دیں گے۔ اس دور میں بھی مذاہب اربعہ کا ہی چلن تھا کہ ایسی عورت سے رجوع کا کوئی حق نہیں۔ اسی صدی میں مسند امام احمد' دارمی' بخاری' مسلم' ابن ماجہ' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' کتب حدیث مدون ہوئیں۔ ان میں سے کسی ایک محدث نے بھی مذاہب اربعہ کے خلاف رافضیوں کی تائید میں کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اس صدی

تک تذکرۃ الحفاظ میں سات سو اکہتر (۷۷۱) جلیل القدر محدثین کا مفصل تذکرہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی نہ تو کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ وہ نہ مجتہد تھا نہ مقلد تھا بلکہ غیر مقلد تھا۔ اور نہ ہی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ وہ روافض اور غیر مقلدین کی طرح تین طلاق کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کے مخالف فتویٰ دیتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری :

اس صدی میں اہل سنت والجماعت میں کوئی مجتہد نہیں ہوا بلکہ سب کے سب اہل سنت مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرتے تھے۔ جو اس علاقے میں درساً و عملاً متواتر ہوتا' خواہ وہ فقیہ ہو یا قاضی' محدث ہو یا مفسر' اس صدی کے تقریباً ۲۰۲ جلیل القدر محدثین کا تذکرہ ذہبی نے کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک بھی سنی محدث کے بارے میں کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ غیر مقلد تھا۔ اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیتا تھا۔ اس صدی میں حدیث کی کتابیں مسند ابویعلی ' ابن الجارود' الکنی والاسماء للدولابی' طبری' ابن خزیمہ' ابوعوانہ' معانی الآثار طحاوی' مشکل الآثار طحاوی' معاجم ثلاثہ طبرانی' سنن دارقطنی وغیرہ لکھی گئیں۔ کسی نے کوئی ایسا باب نہیں باندھا جو مذاہب اربعہ کے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کو رد کر رہا ہو۔ بلکہ امام طحاوی نے اس مسئلہ پر کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں نہایت مفصل اور فیصلہ کن بحث فرمائی۔

پانچویں صدی :

اس صدی میں بھی اسلامی دنیا میں مذاہب اربعہ کا ہی چلن رہا اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے فتویٰ پر ہی سب کا عمل رہا۔ اس صدی میں بھی اہل سنت والجماعت میں بڑے بڑے فقیہ' محدثین' قضاۃ' مفسرین وغیرہ ہوئے مگر نہ تو کسی نے تقلید شخصی سے خروج کیا اور نہ ہی طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں روافض کی حمایت میں کوئی فتویٰ دیا۔

امام محمد بن احمد نسفیؒ' امام احمد قدوریؒ' ابو زید دبوسیؒ' حسین ابن علی صمیریؒ' شیخ محمد اسماعیل لاہوریؒ' شمس الائمہ حلوانیؒ' علی بن حسین سفدی' داتا گنج بخش لاہوری' امام بزدویؒ' محمد عبدالحمید سمرقندیؒ' شمس الائمہ سرخسیؒ' محمد بن عبدالحمیدؒ المعروف بہ خواہرزادہ' ابوسعد المالینی' البرقانی' اللالکائیؒ' احمد بن علی ابوبکر رازیؒ' ابو نعیم الاصبہانیؒ' ابو طاہر الخراسانیؒ' الصوری الساحلی الخلیلی ابو یعلی القزوینیؒ' ابن عبدالبر امام ابوبکر البیہقی' ابن مندہ الاصبہانی' الزنجانی' الباجی' الحسکانی' ابن ماکولا' ابن خیرون' محمد بن طاہر' البغوی' صاحب شرح السنہ اس صدی کے ممتاز علماء میں سے ہیں۔ سب کے سب مذاہب اربعہ میں سے کسی کے مقلد تھے۔ امام بیہقی نے السنن الکبریٰ جلد ہفتم میں تین طلاق کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ لیکن مذاہب اربعہ کے اجماعی مسئلہ طلاق ثلاثہ کے خلاف ایک فقرہ بھی کسی کے زبان و قلم پر نہ آیا۔

چھٹی صدی :

اس صدی میں بھی تمام عالم اسلام کے اہل سنت والجماعت فقہاء اور محدثین مذاہب اربعہ ہی میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے۔ اس صدی میں کسی غیر مقلد کا وجود کسی مستند تاریخ سے ثابت نہیں۔ جو نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور نہ تقلید کرتا ہو۔ فقہاء میں امام علامہ عبدالعزیز بن عثمان المعروف بہ فضلی۔ مفسرین میں علامہ جاراللہ زمخشری' مفتی عبدالرشید صاحب فتاویٰ ولوالجیہ' علامہ مسعود حسین مصنف مختصر مسعودی' امام عمر بن عبدالعزیز صدر الشہیدؒ' علی بن محمد سمرقندی اسبیجابی' عمر بن محمد مفتی الثقلین' امام عثمان بن علی بیکندی بخاری' احمد بن محمد عتابی' صاحب فتاویٰ عتابیہ' ابوبکر بن مسعود بن کاسانی' ملک العلماء صاحب البدائع الصنائع۔ ابن عدیم کا بیان ہے کہ میں نے امام ضیاء الحق حنفی سے سنا کہ جب ملک العلماء کاسانی کی وفات ہوئی تو میں ۱۰ رجب ۵۸۷ھ کو ان کے پاس تھا۔ آپ سورت ابراہیم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آیت کریمہ یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت پر پہنچے تو دم ہوا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ عبدالکریم بن یوسفؒ صاحب فتاویٰ دیناریؒ' امام

حسن بن منصور بن محمود اوزجندی المعروف بہ قاضی خان صاحب فتاویٰ۔ امام احمد بن محمد بن محمود بن سعد الغزنوی صاحب مقدمہ غزنویہ۔ امام علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل بن خلیل بن ابی بکر فرغانی مرغینانی صاحب ہدایہ' امام موفق الدین احمد خطیب خوارزمی۔ امام احمد بن محمد صاحب فتاویٰ حاوی قدسی۔ امام احمد بن موسیٰ صاحب مجموع النوازل۔ امام محمد بن احمد بن ابی احمد سمرقندی صاحب تحفۃ الفقہاء۔ امام محمود صاحب محیط برہانی۔ یہ حضرات آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب تھے اس صدی میں۔ اور محدثین میں امام ابوالفتیان رواسی' امام شجاع بن فارس سہروردی' امام محمد بن طاہر مقدسی' امام ابن مرزوق ہروی' امام موتمن بن علی بغدادی' امام ادیب اعمش ہمدانی' امام ابن مندہ اصفہانی' امام ابن مفوز شاطبی' امام فقیہ مجتہد بغوی شافعی' محدث امام شیرویہ محدث واسط امام حوزی' محدث بغداد امام ابن السمرقندی' مفید اصفہان امام ابن الحداد' امام سمعانی تمیمی مروزی' امام ابن عطیہ غرناطی اندلسی' محدث امام اسحاق دہان ہروی' محدث قرطبہ محقق شنترینی' امام علامہ عبدری اندلسی' امام عبدالغافل نیشاپوری' حافظ کبیر امام طلحی اصفہانی' محدث بغداد حافظ انماطی' امام محدث ابو سعد ابن البغدادی' امام یونارتی اصفہانی' محدث عراق امام محمد بن ناصر سلامی حنبلی' علامہ امام بطروجی اندلسی' قاضی علامہ ابن العربی اشبیلی' شیخ الاسلام امام سلفی اصفہانی' عالم المغرب قاضی عیاض سبتی' محدث ہرات امام فامی' امام ابن دباغ نحمی اندلسی' امام بجی مروزی' امام مفید کوتاہ اصفہانی' تاج الاسلام امام علامہ سمعانی مروزی' شیخ الاسلام امام ابوالعلاء حنبلی' فخرالائمہ حافظ کبیر امام ابن عساکر دمشقی شافعی' شیخ الاسلام امام ابو موسیٰ مدینی' امام زاغولی مروزی' امام ابن بشکوال اندلسی' امام علامہ ابن الجوزی حنبلی بغدادی' امام سہیلی اندلسی' امام عبدالحق اشبیلی' امام ابوالمحاسن قرشی' محدث اسلام امام حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی' امام باقداری بغدادی' امام مفید ابن الحصری حنبلی۔ میں نے اس صدی کے چند چنیدہ محدثین کے اسماء گرامی لکھے ہیں جو چھٹی صدی کے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی تین طلاق کے اجماعی اور اتفاقی مسئلہ کے خلاف نہ

تھا۔ حالانکہ یہی لوگ کتاب و سنت کے محافظ ہیں۔ اور انہی فقہاء اور محدثین کی محنتوں سے دین کی دولت ہم تک پہنچی ہے۔ اور دین پر خود رائی اور ناقص مطالعے کی بجائے تقلید سلف کے مطابق عمل کرنے سے ہی انسان وساوس سے بچ سکتا ہے۔

ساتویں صدی :

یہ دور بھی اسلامی ترقی اور عروج کا دور تھا۔ کسی کو خود رائی کی بیماری نہ تھی کہ اپنی ناقص رائے کو قرآن و حدیث کا نام دے کر امت میں انتشار اور افتراق کی آگ بھڑکائی جائے۔ علم و عمل اور اخلاص کا دور دورہ تھا۔ اختلاف' شرارت اور وسوسہ اندازی اسلامی حکومت میں جرم تھا۔ اس صدی میں بھی فقہاء کی گرفت مضبوط تھی۔ امام محمد بن احمد طبریؒ نے فتاویٰ ملخص تصنیف فرمایا۔ امام محمود بن عبیداللہ مروزیؒ نے اسلامی قانون پر عون نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ امام محمود بن احمدؒ نے کتاب خلاصۃ الحقائق تصنیف فرمائی۔ جس کی تعریف میں حافظ قاسم بن قطلوبغا رطب اللسان تھے۔ امام عبدالرحمٰن بن شجاع بغدادی' ناصر بن عبدالسید صاحب مغرب امام عبدالمطلب بن فضل البلخی' قاضی عسکر بن الابیض (رکن الدین عبید مصنف الارشاد' سعید کندی صاحب شمس المعارف فی الفقہ' صدر الافاضل خوارزمی' محدث عمر بن زید موصلی' صاحب مغنی محمد بن احمد بخاری صاحب فتاویٰ ظہیریہ بدلیع قزینی' عیسیٰ بن ملک العادل الخطیب امام محمد بن یوسف خوارزمی سکاکی امام یحییٰ زوادی صاحب منظومہ الفیہ و فصول' امام محمد بن عثمان سمرقندی' صاحب فتاویٰ کامل' امام عبیداللہ بن ابراہیم عبادی صاحب شرح جامع صغیر و کتاب الفروق' امام محمد بن محمود استروشنی صاحب کتاب جامع احکام صغار' امام طریقت قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ' امام یوسف بن احمد خاصی صاحب کتاب مختصر فصول۔ امام فاضل فقیہ متبحر محدث کامل محمد بن احمد بخاری حصیری' فقیہ اجل خلف ابن سلیمان قرشی خوارزمیؒ' جامع معقول و منقول شرف الدین داؤد ارسلان' عمادالدین احمد بن یوسف حلبی' شمس الآئمہ محمد بن عبدالستار کردری' فقیہ کامل حسام الدین اخسیکثی۔ آپ نے امام غزالیؒ کی کتاب منخول کا

قاہر رد تحریر فرمایا۔ امام کامل مرجع انام علاء الدین محمد بن محمود ترجمانی۔ امام و فقیہ نجم الدین حسین بن محمد رباعی' علامہ شیخ محی الدین محمد اسدی حلبی' امام اجل فقیہ کامل علم الدین قیصر بن ابی القاسم' ابوالفضائل رضی الدین حسن بن محمد صفانی' آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے حدیث میں "مشارق الانوار النبویۃ من صحاح الاخبار المصطفویۃ عرصہ تک شامل نصاب رہی۔ علامۃ العصرید رالدین محمد بن محمود المعروف بہ خواہر زادہ' امام فاضل فقیہ کامل محدث جید محمد بن احمد بن عباد خلاطی۔ آپ نے مسند الامام الاعظم کی تلخیص کی۔ فقیہ کبیر عارف بصیر نجم الدین بکیر ترکی ناصری' آپ نے فقہ میں کتاب حاوی تصنیف فرمائی۔ اور عقیدہ طحاوی کی شرح النور اللامع والبرہان الساطع تحریر فرمائی۔ عالم فاضل فقیہ محدث ابوالمظفر شمس الدین یوسف بن فرغلی بغدادی صاحب مرأۃ الزمان' فقیہ فاضل محدث کامل ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی' امام کبیر سراج الدین محمد بن احمد' ملک الناصر صلاح الدین داؤد بن ملک معظم عیسیٰ کرک صاحب فتاویٰ خیر مطلوب' عالم فاضل شمس الدین امام احمد بن محمد عقیلی شارح جامع صغیر عالم اجل فقیہ فاضل مختار بن محمود زاہدی صاحب قنیہ' فقیہ و محدث عمر بن احمد حلبی مؤلف تاریخ حلب' امام محقق' شیخ مدقق محدث ثقہ' فقیہ جید شہاب الدین فضل اللہ بن حسن بن حسین تورپشتی صاحب مطلب الناسک فی علم المناسک' عالم متبحر علی ابن السباک' امام کبیر فقیہ و محدث نجم العلماء علی بن محمد بخاری شارح جامع کبیر' امام فاضل جلال الدین محمد عیدیؒ' فقیہ' محدث مفسر محمد بن سلیمان المعروف بابن النقیب' آپ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر المسمٰی بالتحریر لاقوال ائمۃ التفسیر فی معانی کلام السمیع البصیر نہایت مفصل تحریر فرمائی۔ فقیہ و محدث محمود بن محمد لؤلوی بخاریؒ' فقیہ متبحر اصولی مناظر شجاع الدین ہبۃ اللہ طرازی' عالم جلیل القدر فاضل متبحر عمر کاخشتوانی صاحب ضوء السراج شرح سراجیہ۔ امام فاضل شمس الدین عبداللہ ادرعی' عالم فاضل فقیہ محدث عبدالرحمٰن کمال الدین حلبی' فقیہ محدث مفسر محمود رازی' ابوالفضل مجد الدین عبداللہ بن محمود موصلیؒ صاحب "مختار"

امام فاضل شیخ محقق عمادالدین داؤد بن یحییٰ قحفازی، جامع معقول و منقول عبدالعزیز خوارزمی، حافظ فنون صدر الصدور تقی الدین احمد دمشقی، امام فاضل مفسر محدث فقیہ اصولی متکلم محمد نسفی صاحب عقائد متن شرح عقائد تفتازانی، امام جامع علوم عقلیہ و نقلیہ شیخ برہان الدین محمود بلخیؒ، ابوالمعالی فقیہ مفسر احمد بن ناصر حسینیؒ، عالم فاضل جامع فروع و اصول جلال الدین عمر بن محمد بن عمر خبازیؒ، عالم فاضل فقیہ متبحر معزالدین نعمان بن حسن بن یوسف فطیبیؒ، ابوالفضل حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاریؒ، عالم ماہر فاضل بارع مجد الدین عبدالوہاب بن احمد بن سحنون الخطیب، ماہر باہر یگانہ زمانہ مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب بعلبکی، عالم دہر فاضل عصر بدرالدین یوسف بن عبداللہ بن محمد اذرعیؒ، امام فاضل فقیہ اجل نظام الدین احمد بخاری حصیری، امام کامل علامہ فاضل حسام الدین حسن بن احمد رازی، امام عالم مفسر فقیہ محدث ابو صابر بہاء الدین ایوب نحاس حلبیؒ، عالم فاضل جامع فروع و اصول شمس الدین محمد بن سلیمان دمشقیؒ، امام محدث محمود بن ابی بکر شمس الدین فرضیؒ جب کسی خوبصورت کو دیکھتے تو فرماتے کہ امام بخاریؒ کی شرط پر صحیح ہے۔ امام کبیر علاء الدین شیخ الاسلام سدید بن محمد حناطیؒ، امام جلیل القدر مجتہد یگانہ رکن الدین خوارزمی، فقیہ محدث جامع معقولات و منقولات برہان الاسلام زرنوجیؒ، غواص معانی دقیقہ ابوبکر رکن الدین محمد بن عبدالرشید کرمانیؒ صاحب جواہر الفتاویٰ و حیرۃ الفقہاء، امام فاضل فقیہ متبحر برہان الآئمہ و شمس الدین محمد بن عبدالکریم خوارزمی، عالم فاضل فقیہ کامل ابوالفضل شرف الدین اشرف بن نجیب کاشغری، شیخ فاضل فقیہ کامل فخرالدین محمد مایمرغی، ابوالفتح جلال الدین محمد بن صاحب ہدایہ، نظام الدین عمر بن صاحب ہدایہ شیخ الاسلام عمادالدین بن صاحب ہدایہ، فارس میدان بحث عدیم النظیر محمد بن عبدالعزیز بخاری، صدر جہاں، فاضل یگانہ محمود بن عابد دمشقیؒ، امام کبیر فقیہ بے نظیر شرف الآئمہ محمود ترجمانی مکی صدر الشریعۃ اکبر احمد بن عبیداللہ محبوبی، صدر القراء رشید الآئمہ یوسف خوارزمی، فرید العصر وحید الدہر نظام الدین شاشی صاحب اصول الشاشی، فقیہ ادیب محدث مفسر ابوالقاسم تنوخی، امام فاضل

ابوالمعین میمون بن محمد مکحولی نسفی ' ابوالفتح زین الدین عبدالرحیم صاحب فصول عمادیہ ' شیخ فقیہ ظہیرالدین محمد بن عمر نوحا بازی صاحب کشف الایہام لدفع الاوہام ' از ائمہ کبار اعیان فقہاء ابوالعباس احمد بن مسعود قونوی فقیہ فاضل ابو عاصم قاضی محمد بن احمد عامری نے تیس جلدوں میں مبسوط لکھی۔ امام کامل رضی الدین عبداللہ بن مظفر۔ یہ سب حضرات اس صدی میں فقہ کے آفتاب و ماہتاب تھے اور سب کے سب حنفی مقلد تھے۔ اب اس صدی کے محدثین پر بھی نظر ڈالئے۔ محدث بغداد شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلیؒ ' جلیل القدر حافظ حدیث محدث جزیرہ امام عبدالقادر بن عبداللہ رہاوی حنبلی ' حافظ حدیث احمد بن ہارون ابن عات نفری شاطبی ' شیخ القراء ابو جعفر احمد بن علی دانی اندلسی ' محدث مفید ابو اسحاق ابراہیم بن محمد شافعیؒ ' امام محدث جوّال ابو نزار ربیعہ بن حسن شافعیؒ ' مقری محدث ابو شجاع زاہر بن رستم بغدادی شافعیؒ ' مسند ہمدان ابوالفضل عبدالرحمٰن بن عبدالرب ہمدانی ' امام العربیہ ابوالحسن علی بن محمد آشبیلی ' محدث مسند ابوالفرج محمد بن علی حرانی ' حافظ حدیث شرف الدین علی بن مفضل مفتی اسکندرانی ' مسند اندلس ابوالقاسم احمد بن محمد بن مطرف فرضی ' شیخ الحنابلہ ابوبکر محمد بن معالی حلاوی ' حافظ حدیث امام ربیعہ بن حسن صفانی ' محدث تلسمان امام ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن تجیبی مرسیؒ ' تاج الامناء احمد بن محمد بن حسن ' شیخ اندلس خطیب قرطبہ ابو جعفر بن یحییٰ حمیری ' مسند جلیل ابوغالب بن مندویہ اصفہانی ' مسند موصل مہذب الدین علی بن احمد طیب عمر رسیدہ خاتون عین الشمس بنت احمد بن ابوالفرج ثقفیہ اصفہانیہ ' مفید محدث اصفہان ابو عبداللہ محمد بن مکی حنبلی ' امام مفید ابن القرطبی محدث خطیب مالقہ ' محدث اندلس امام ابن حوط اللہ ' نامور محدث عزالدین امام علامہ ابن الاثیر جزری ' امام ابن خلفون اندلسی ' مفید امام العز ابن الحافظ مقدسی ' امام ملاحی اندلسی غرناطی ' محدث مکین الدین ابو طالب احمد بن عبداللہ کنانی ' مسند ابو سعد ثابت بن مشرف بن ابی سعد ازجی ' مقری مسند القراء ابو محمد عبدالصمد بلوی ' مسند موصل مقری ابوبکر سمار بن عمر ' شیخ الیونسیہ یونس بن سعد شیبانی ' مفید الشام امام ابن

الانماطی مصری شافعی' محدث شام شیخ السنہ امام الضیاء المقدسی' امام ابن قطان کتامی فاسی' مسند ابو نصر احمد بن حسین نرسی مسند ابو الفضل عبدالسلام بن عبداللہ داہری' ابو الرضا محمد بن ابو الفتح مبارک بن عبدالرحمٰن کندی' شیخ العربیہ زین الدین یحییٰ بن عبدالمعطی زرادی' خطیب بدر الدین یونس دمشقی' امام ابو موسیٰ بن حافظ عبدالغنی' مسند شام محدث حلب امام ابن خلیل دمشقی' محدث اسکندریہ مسند ابو محمد عبدالوہاب ازدی' المسند العدل فخر القضاۃ احمد بن محمد بن عبدالعزیز تمیمی مصری' مسند بغداد محدث ابو محمد ابراہیم بن محمود ازجی حنبلی' مسند القاسم علی بن سالم یعقوبی ضریر' فقیہ مفتی ابو عبداللہ محمد بن ابو بکر دباس حنبلی' مسند ابو منصور مظفر بن عبدالمالک فہری' محدث عالم مجد الدین محمد بن محمد اسفرائنی صوفی' محدث عراق امام ابن نقطہ حنبلی بغدادی' ابو القاسم احمد بن محمد ابو غالب بغدادی' امام نظامیہ ابو المعالی احمد بن عمر بن بکرون نہروانی' قاضی شرف الدین اسماعیل بن ابراہیم شیبانی حنفی' امام مسند ابو علی حسن بن مبارک بغدادی حنفی' ابو محمد عبدالصمد بن داؤد بن محمد مصری غفاری' ابو محمد عبدالغفار بن شجاع ترکمانی شرطی' ابو محمد عبداللطیف بن عبدالوہاب طبری بغدادی' علامہ موفق الدین بن عبداللطیف بن یوسف بغدادی' مسند الوقت ابو حفص عمر بن کرم دینوری البغدادی الحنبلی' ابو القاسم عیسٰی بن عبدالعزیز نحمی' امام دبیثی واسطی شافعی' قاضی دمشق شمس الدین ابو العباس احمد بن خلیل الاصولی الشافعی' رئیس صفی الدین ابو العلاء احمد بن ابو الیسر شاکر بن عبداللہ تنوخی دمشقی' ابو البقاء اسماعیل بن محمد بغدادی' مسند شیراز علامہ علاء الدین ابو سعد ثابت بن احمد خجندی اصفہانی' مسند ابو علی حسین بن یوسف منہاجی شاطبی' العدل امین الدین ابو الغنائم' قاضی عبدالحمید بن عبدالرشید ہمدانی' مسند ابو القاسم عبدالرحمٰن بن یوسف دمشقی' امام ربوہ ابو محمد عبدالعزیز بن برکات خشوعی' شیخ بغداد مقری امام عبدالعزیز بن دلف بغدادی الناسخ' مفید امام ادیب شمس الدین محمد بن حسن بغدادی' شیخ تقی الدین محمد بن طرخان سلمی دمشقی' زاہد ابو طالب محمد بن عبداللہ سلمی دمشقی' محتسب دمشق رشید الدین ابو المفضل محمد بن عبدالکریم قسیبی' فخر الدین

ابو عبداللہ محمد بن محمد نوتانی' محدث و مؤرخ امام شرف الدین ابو البرکات مبارک بن احمد امام کلاعی بلنسی محدث اندلس' یمین الدین احمد بن سلطان صلاح الدین ایوبی' ابو محمد اسحاق بن احمد علثی زاہد' محدث مصر وجیہ الدین ابو الیمن برکات بن ظافر انصاری' فقیہ موفق حمد بن احمد بن صدیق حرانی' ابو طاہر خلیل بن احمد جوسقی صرصری' مسند ابو منصور سعید بن محمد یسین سفار' امام ناصح الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن بن نجم شیرازی حنبلی' فقیہ حران ناصح الدین عبدالقادر بن عبدالقاہر حنبلی' فقیہ شرف الدین بن عبدالقادر بغدادی مصری شافعی' مسند ابو نزار عبدالواحد بغدادی' مسند ابو الحسن علی بن محمد بغدادی' محدث مورخ مسند عراق ابو الحسن محمد بن احمد قطیعی' مسند ابو الحسن مرتضیٰ بن ابو الجود حاتم حارثی' مسند ابو بکر ہبۃ اللہ عمر حلاج' خاتون ام عبداللہ یاسمین بنت سالم بن علی بن بیطار' حافظ حدیث امام ابن دحیہ کلبی اندلسی' جمال ابو حمزہ احمد بن عمر مقدسی' فقیہ ملک ابو العباس بن الخطیب محمد بن احمد لخمی' مسندہ ام الحیاء زہرہ بنت محمد بن احمد' ابو الربیع سلیمان بن احمد شادی' مقری ابن المغربل' فقیہ وجیہ الدین عبدالخالق تنیسی' مسند شیخ عبدالرحمٰن بن عمر دمشقی نساج' خطیب زملکا' عبدالکریم بن خلف انصاری' مسند کبیر ابو الحسن علی بن ابو بکر بن روزبہ بغدادی قلانسی' مسند فخر الدین محمد بن ابراہیم اربلی' ابو بکر محمد بن محمد مامونی مقری ضریر' مسند ابو الفتح نصر اللہ بن عبدالرحمٰن انصاری دمشقی' قاضی القضاۃ عماد الدین نصر بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلی' ' محدث شام امام مفید برزالی' شبیلی ابو العباس احمد بن علی بن محمد زاہد قسطانی' ابو المعالی سعد بن مسلم بن مکی قیسی دمشقی' محدث ابو الخیر بدل بن ابو المعمر تبریزی' مسند مقری ابو الفضل جعفر بن علی ہمدانی' شیخ اسکندریہ امام کبیر جمال الدین ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبدالحمید صغراوی مالکی' محدث نصیبین شیخ عسکر بن عبدالرحیم عدوی' مسند ابو الفضل محمد بن محمد بن حسن سباک' شیخ الحنفیہ علامہ جمال الدین محمود بن احمد بخاری ابن الحصری' محدث اندلس امام ابن طیلسان قرطبی' صدر تاج الدین احمد' صدر نجم الدین حسن بن سالم' شیخ حاطب بن عبدالکریم حارثی مزی' محدث

مقری ابوالقاسم سلیمان بن عبدالکریم انصاری دمشقی' مسند ابوالمنصور ظافر بن طاہر' شیخ الشیوخ تاج الدین ابو محمد عبداللہ بن عمر جوینی' قاضی عبدالعزیز بن عبدالواحد حبیلی' شیخ قمر بن ہلال قطیفی' نفیس ابوالبرکات محمد بن حسین انصاری حموی ضریر۔ صدر جمال الدین ابوالفضل یوسف بن عبدالمعطی مقید عراق امام ابن النجار بغدادی۔

تاریخ اور اسماء الرجال کی بیسیوں کتابوں میں سے میں نے صرف دو کتابوں حدائق الحنفیہ اور تذکرۃ الحفاظ ذہبی سے ساتویں صدی کے ایک چوتھائی سے بھی کم مشاہیر فقہاء اور محدثین کے یہ نام جمع کئے ہیں۔ یہ تمام محدثین اور فقہاء مذاہب اربعہ کے پابند تھے۔ تین طلاق کے مسئلہ میں ان میں سے کسی نے بھی صحابہ کرام کے اجماع اور ائمہ اربعہ کے اتفاق کی مخالفت نہ کی۔ اسی ساتویں صدی میں ربیع الاول ۶۶۱ھ میں حافظ ابوالعباس احمد ابن تیمیہ حرانی پیدا ہوئے۔ اور ۲۰ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو ان کا وصال ہوا۔ انہوں نے اگرچہ وہ حنبلی کہلاتے تھے مگر کئی مسائل میں اہل سنت والجماعت سے تفرد اختیار فرمایا۔ ان کے شاگرد علامہ ذہبی بھی لکھتے ہیں: "آپ چند فتووں میں منفرد تھے جن کو آپ کی بے حرمتی کا بہانہ بنایا گیا۔ آپ پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ آپ کو پابند سلاسل بنا کر جیل میں ڈالا گیا (تذکرۃ الحفاظ ص۱۰۱۹) رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کی زیارت کی نیت سے سفر کو گناہ قرار دیا۔ وسیلے کا انکار کیا۔ روضہ اقدس پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کو ناجائز قرار دیا۔ اور تین طلاق کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر روافض کی اتباع اختیار کی۔ چونکہ اس وقت حکومت اسلامی تھی' وہ اس انتشار کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ اس وقت ان پر کیا گزری' یہ مولانا شرف الدین شاگرد میاں نذیر حسین دہلوی اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلدین سے سنیئے ۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے یہ لکھ دیا تھا کہ تین طلاق میں محدثین اور حنفیہ کے مسلک میں اختلاف ہے۔ اس پر مولانا شرف الدین صاحب لکھتے ہیں: "اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہے' یہ مسلک صحابہ" تابعین وتبع تابعین" وغیرہ

ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے اخیر یا اوائل آٹھویں صدی میں دیا تھا۔ تو اس وقت کے علماء اسلام نے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔ شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوئے۔ ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی۔ قید کئے گئے۔ اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ روافض کی علامت تھی۔ ص ۳۱۸ اور سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبع فاروقی دہلی ص ۹۸ جلد ۲ اور التاج المکلل مصنفہ نواب صدیق حسن خانؒ صاحب ص ۲۶۸ میں ہے کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف تھے۔ (التاج المکلل ۲۸۸-۲۸۹)..... یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا اور ائمہ اربعہ کی تقلید چوتھی صدی ہجری میں رائج ہوئی (اس مسلک کو محدثین کا مسلک قرار دینے) کی مثال ایسی ہے جیسے بریلوی لوگوں نے قبضہ غاصبانہ کر کے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت مشہور کر رکھا ہے اور دوسروں کو خارج یا جیسے مولوی مودودی کی جماعت نے اپنے آپ کو جماعت اسلامی مشہور کر دیا ہے' باوجودیکہ ان کا اسلام بھی خود ساختہ ہے جو چودھویں صدی ہجری میں بنایا گیا ہے۔ ولعل فیه کفایة لمن لهٗ درایة واللّٰه یهدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔ یستلونك احق هو قل ای وربی انه لحق (ابو سعید شرف الدین دہلوی (فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۲۰' ج ۲) مولانا شرف الدین نے یہ بات واضح کر دی کہ اسلام کی پہلی سات صدیوں میں کوئی صحابی' تابعی' تبع تابعی' مجتہد' فقیہ اور محدث ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد رجوع کا فتویٰ نہ دیتا تھا۔ بلکہ سات سو سال تک یہ بات مسلم تھی کہ یہ فتویٰ رافضیوں کا ہے۔ آٹھویں صدی

میں دو نام سامنے آتے ہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم۔ لیکن تمام علماء نے اس فتویٰ کو رد کر دیا اور اسلامی حکومت نے ان کو سزائیں دیں۔ اب چودھویں صدی کے غیر مقلدین جو ابن تیمیہ کی تقلید میں اس کو محدثین کا مذہب کہتے پھرتے ہیں' یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسے بریلویوں کا اپنی بدعات کو سنت کہنا' یا جس طرح مودودی کا اپنے خود ساختہ اسلام کو جماعت اسلامی کا نام دینا اور پھر مولانا قسم کھا کر فرماتے میرے رب کی قسم یہی بات حق ہے۔

آٹھویں صدی :

ابن تیمیہ کے اس تفرد میں ان کے کسی شاگرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ ان کے شاگرد ذہبی نے بھی سخت مخالفت کی۔ اور امام فرید عصر حافظ ذوالفنون شمس الدین احمد بن عبدالہادی نے ان کا قاہر رد لکھا۔ البتہ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم نے ان کی حمایت کا دم بھرا اور چار جلدوں میں ایک کتاب اعلام الموقعین لکھ ڈالی۔ لیکن وہ اپنے استاد کی حمایت میں بالکل ناکام رہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کو جو سزائیں ملیں اس کی بنیاد وہ محضر نامہ تھا جو علماء کے دستخطوں کے ساتھ ان کے خلاف لکھا گیا۔ عربی میں دستخط کو توقیع کہتے ہیں۔ اس محضر نامہ کے رد میں جو کتاب لکھی اس کا نام اعلام الموقعین رکھا کہ دستخط کرنے والوں کو خبردار کرنا۔ اس میں امام احمد بن حنبلؒ سے یہ تو نقل فرمایا کہ جو چار پانچ احادیث کا حافظ نہ ہو اسے اجتہاد کرنے اور فتویٰ دینے کا حق نہیں۔ گویا اس کا راستہ تو تقلید ہی ہے۔ ہاں جو ابن تیمیہ جیسا متبحر فی المذہب ہو' اس کو اپنے امام سے اختلاف کا حق ہے۔ مگر ابن قیم یہاں موضوع سے ہٹ گئے۔ انہیں ثابت تو یہ کرنا تھا کہ کیا ایسا شخص خرق اجماع کا حق رکھتا ہے اور ایسے شخص کو چاروں مذاہب چھوڑ کر روافض کی اتباع جائز ہے۔ اس بات کے ثابت کرنے میں وہ سو فیصد ناکام رہے۔ ابن قیم نے اس کتاب میں اجماع پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں سابقہ مجتہدین میں ان مذاہب کو مدار مانا جاتا ہے جن کے مذاہب تواتر اور یقین سے ثابت ہوں۔ اگر کسی مجتہد سے کوئی شاذ قول منقول ہے تو شاذ قرأتوں کی

طرح وہ تواتر اور اجماع سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ ابن قیم نے ایسے شواذ کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی اور روافض کی حمایت میں کسی اہل سنت مجتہد کا کوئی شاذ قول بھی پیش نہ کرسکے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن دقیق العید قشیری (۷۰۲ھ) شیخ الاسلام محی الدین نووی (۶۷۶ھ) وہ اس صدی کے تمام فقہاء اور محدثین صحابہ کرامؓ کے اجماع اور ائمہ اربعہؒ کے اتفاق پر ہی مضبوطی سے قائم رہے۔

نویں تا تیرھویں صدی آٹھویں صدی کے ابتداء میں ابن تیمیہ یا ابن قیم نے اجماع صحابہ کرامؓ اور مذاہب اربعہ سے ہٹ کر روافض کی اتباع میں ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد رجوع کا فتویٰ دیا۔ لیکن مذاہب اربعہ کے تمام علماء اور اسلامی حکومت نے اس کو مسترد کردیا اور ان کی توہین و تذلیل کے ساتھ ساتھ قید و بند کی سزا بھی دی۔ چنانچہ نویں، دسویں، گیارہویں، بارہویں صدی میں ایک مفتی بھی نہیں ملتا جس نے ابن تیمیہ کے اس غلط فتوے کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔ اور یہ صدیاں بھی اسلامی عروج کی صدیاں تھیں۔ ایک بھی مستند شخصیت کا نام کسی مستند تاریخ سے پیش نہیں کیا جاسکتا جو غیر مقلد کہلاتا ہو۔ تیرھویں صدی کے وسط میں جب متحدہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے پر پرزے پھیلا رہی تھی تو ایک رافضی عبدالحق بنارسی تقیہ کی چادر اوڑھ کر سُنّیوں میں داخل ہوا۔ وہ یمن سے شوکانی زیدی کی کتاب الدرر البہیہ لایا اور اس نے غیر مقلدیت کی بنیاد رکھی۔ یہاں سب اہل سنت والجماعت حنفی تھے۔ اب امام کی تقلید چھوڑنے کے بعد پہلا مسئلہ یہ تھا کہ پہلے مسائل فقہ حنفی سے لیتے تھے۔ اب کس فقہ کے مطابق نماز روزہ ادا ہوگا۔ تو زیدی فقہ الدرر البہیہ کا اردو ترجمہ کرکے اس کا نام فقہ محمدیہ رکھ کر شائع کردی گئی۔ اور اپنا نام محمدی رکھ لیا گیا۔ یعنی فقہ محمدیہ پر عمل کرنے والے جو یمن کے زیدی شیعوں کی لکھی ہوئی ہے۔ اب اسلامی حکومت کمزور تھی کہ کسی نئے فتنے کو ابھرنے نہ دے۔ البتہ برطانیہ کی ضرورت تھی کہ اسلاف سے بغاوت کرکے نئے نئے فتنے اٹھیں تاکہ مسلمانوں کی قوت آپس میں لڑ کر تباہ ہو۔ انگریز نے اس نومولود فرقے کی حمایت کی۔ ادھر علماء نے ان کے عقائد و اعمال لکھ کر مکہ مکرمہ اور

مدینہ منورہ کے علماء سے اس نوزائیدہ فرقہ کے بارہ میں فتویٰ طلب کیا۔ چنانچہ ۱۲۵۴ھ میں حرمین شریفین سے پہلا فتویٰ ان کے خلاف آیا جس میں وہاں کے علماء نے بالاتفاق اس فرقہ کو ایک گمراہ فرقہ قرار دیا۔ پھر دوسرا فتویٰ ۱۲۵۶ھ میں اور تیسرا ۱۲۸۴ھ میں حرمین شریفین سے آئے۔ متحدہ ہندوستان کے علماء نے بھی مفصل فتاویٰ تحریر فرمائے۔ نظام الاسلام' تنبیہ الضالین وغیرہ یہ فتاویٰ مولانا منیر احمد صاحب مدظلہ کی مرتبہ کتاب شرعی فیصلے میں موجود ہیں۔ لیکن ابھی تک اس فرقہ کا زور آمین' رفع یدین پر ہی تھا۔ حرام کو حلال کرنے کا کاروبار ابھی شروع نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ابھی ان کے سرپرست انگریز بھی پورے اقتدار کے مالک نہ تھے۔ اور ہر دارالافتاء کا مدار شامی اور عالمگیری پر تھا۔ شامی شریف میں بھی یہ لکھا تھا کہ اگر تین طلاق کے بعد کوئی قاضی رجوع کرنے کا فیصلہ دے تو وہ قاضی نہیں شیطان ہے۔ اور اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اور فتاویٰ عالمگیری ۵۰۰ علماء کی اجتماعی کوشش سے مرتب ہوا تھا۔ اس میں تو یہاں تک لکھا تھا کہ اگر تین طلاق کا لفظ بیوی نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے اور کسی قاضی نے رجوع کا فیصلہ دے دیا تو عورت ہرگز ہرگز اس کو اپنے قریب نہ آنے دے۔ اگر بالفرض اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو عورت اس زناکاری سے بچنے کے لئے اگر اسے زہر دے دے تو شرعاً گنہگار نہ ہوگی۔ اس لئے تیرہویں صدی میں غیر مقلدین کے بھی کسی فتوے کا ہمیں علم نہیں جس میں اس حرام عورت کو حلال کیا گیا ہو۔

چودہویں صدی :

اس صدی میں جب اسلامی حکومت ختم ہوگئی اور انگریز اقتدار مضبوط ہوگیا تو مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری' مولوی شمس الحق ڈیانوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی نے پھر اس حرام کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا۔ اب اسلامی حکومت نہیں تھی کہ ان کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو آٹھویں صدی میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ساتھ ہوا تھا۔ تاہم اس فتوے کو اہل سنت والجماعت تو کجا خود غیر مقلدین نے بھی قبول نہ کیا۔ اور ابو سعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد نے اس کا زبردست رد لکھا جو فتاویٰ ثنائیہ

ص ۲۱۶ تا ص ۲۲۰ جلد دوم پر مذکور ہے۔ اس کا جواب الجواب غیر مقلد نہ لکھ سکے۔ پھر ۳ رجب ۱۳۴۲ھ کو مولوی ثناء اللہ نے اجماع صحابہ اور مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ اسے بھی غیر مقلدین نے تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم جناب عبداللہ روپڑی صاحب نے اس کا رد تحریر فرمایا۔ اس کے بعد غیر مقلدین نے سوچا کہ یہ تو حنفی کو غیر مقلد بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین نے اس پر عمل درآمد شروع کردیا۔ اور اکثر غیر مقلد اسی وجہ سے بنے ہیں۔ الغرض کسی اسلامی حکومت میں اس فتوے کو کبھی بھی پذیرائی نصیب نہ ہوئی۔ چودھویں صدی کے غیر مقلدین نے اس کاروبار کو وسیع کیا۔ ان کی کوشش تھی کہ حرمین شریفین سے بھی ان کی تائید ہوجائے' مگر رابطہ عالم اسلامی نے پوری تحقیق اور کوشش کے بعد یہی فتویٰ دیا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک لفظ سے تین طلاقیں دیں وہ تین ہی واقع ہوں گی۔ اس کے بعد رجوع تو کیا نکاح کا حق بھی نہیں رہتا۔ جب تک وہ عورت دوسرے خاوند سے ہمبستر نہ ہو۔ جناب رسول اقدس ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ جس نے اپنے دین کی حفاظت کرنی ہے وہ شبہ سے بھی بچے۔ لیکن ہمارے غیر مقلد دوست کھلے کھلے حرام میں رات دن کوشاں ہیں۔ خداوند قدوس ہمیں حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں' آمین۔

کیا طلاق کے لئے لفظِ ماضی ضروری ہے؟

ایک شخص مندرجہ ذیل عبارت اپنے قلم سے لکھتا ہے۔ بندہ عبدالرحمٰن اپنی عورت کو اس وجہ سے طلاق دیتا ہے کہ یہ ہر کام میں مجھے بے عزت کرتی ہے اور میں ہمیشہ اس سے شرمندہ ہوں۔ اب میں تین طلاق دیتا ہوں۔ کیا اس تحریر سے طلاق ہو گئی؟

عبدالحمید منڈی یزمان ضلع بہاول پور

الجواب صورت مسئولہ میں طلاق کا ذکر دو دفعہ ہوا ہے۔ پہلی دفعہ سبب طلاق کے ذکر کے لیے اور دوسری دفعہ تین طلاق کا ذکر ہے لیکن اس لفظ میں معنی حال استعمال ہوا ہے حالانکہ لفظِ ماضی سے تعبیر کرنا چاہیے تھا۔ چنانچہ اسطرح کہنا چاہیے تھا کہ تین طلاقیں دی ہیں۔ جبکہ کہا ہے "میں تین طلاق دیتا ہوں" جس کے معنی ہو سکتے ہیں کہ میرا ارادہ تین طلاق دینے کا ہے۔ (۲) طلاق کی نسبت عورت کی طرف نہیں کس کو تین طلاق دیتا ہے جب نسبت نہیں تو تین طلاق واقع نہیں ہوئیں اور طلاق دہندہ کہتا ہے کہ اس تحریر سے میرا مقصد طلاق دینے کا نہ تھا بلکہ اپنی زوجہ کے خاندان کو ڈرانا مقصود تھا اس واسطے طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ نسبت اور اضافت نہیں۔

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

واحد بخش عفی عنہ — بندہ حبیب اللہ عفا اللہ عنہ

صدر مدرس مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ

دونوں حضرات علماء نے جو جواب تحریر فرمایا ہے ہمارے نزدیک ان حضرات سے غلطی واقع ہو گئی ہے۔ طلاق کے وقوع کے لیے لفظِ حال بھی اسی طرح مؤثر ہے جس طرح لفظ ماضی کا۔ البتہ صیغہ مستقبل سے طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا اب میں تین طلاق دیتا ہوں کے لفظ سے تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں اور عورت حرام بحرمتِ غلیظہ ہو گئی۔

درمختار جلد دوم صا۵۹ و شرح میں موجود ہے۔

(قوله وما بمعناها من الصریح) ای مثل ما سیذکرہ من نحو کونی طالقا واطلقی ویا مطلّقة بالتشدید و کذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلّقک اھ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
مہتمم خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
۱۵ محرم ۱۳۷۶ھ

عورت کو فسخ کا اختیار دینا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ حاکم کہے "میں نکاح کو فسخ کرتا ہوں"

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید نے ہندہ کو نکاح میں لائے تقریباً بیس سال کا عرصہ گذر گیا لیکن بوجہ نابالغی ہندہ باپ کے گھر رہی۔ زید دس سال غیر آباد رہا اور اپنی عورت کو آباد نہیں کیا۔ اس اثناء میں زید نے دوسری شادی زینب سے کر لی جو ابھی آباد ہے اور ملک بنگال میں ہے۔ ہندہ زوجہ زید نے حکومت پاکستان سے تنگ آکر درخواست کی کہ زید شوہر بیس سال کے عرصے سے مجھے نہ نان نفقہ دے رہا ہے اور نہ مجھے آباد کرتا ہے۔ میرا کوئی بندوبست کیا جائے۔ حکومت پاکستان نے معتبر گواہوں کی شہادت کے بعد زید کو مطلع کیا کہ تو اپنی زوجہ ہندہ کے بارے میں کیا کرے گا لیکن زید ایسا چپ چاپ ہے کہ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر حکومت پاکستان والوں نے تنگ آکر ہندہ کو اجازت دی ہے کہ تو اپنا ثانی نکاح کر سکتی ہے۔ آئندہ زید کوئی حقدار نہیں ہے۔ شرع شریف میں ہندہ کے لیے کیا حکم ہے۔ ہندہ کے پاس نقلیں عدالت کی موجود ہیں۔ الفاظ نقل یہ ہیں۔ شہادت مدعیہ کی طرف سے پیش کی ہوئی یہ ثابت کرتی ہے کہ مدعیٰ علیہ نے نہ حق زوجیت ادا کیا اور نہ مہیا کیا کسی قسم کا خرچہ اس کا۔ اس لیے مدعیہ کو تنسیخ نکاح کا حق پہنچتا ہے۔ میں اس کو یکطرفہ ڈگری دیتا ہوں برائے تنسیخ نکاح کھلی عدالت میں اعلان کیا گیا۔ ۱۰۔۱۲۔۱۹۵۱ء
دستخط فاروق احمد سول جج فسٹ کلاس جہلم

الجواب : صورت مسئولہ میں جج صاحب کے الفاظ شرعی فسخ نہیں اس لیے دوبارہ درخواست دے کر فسخ کروایا جائے۔ جج صاحب کو یہ الفاظ کہنے ضروری ہیں کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتا ہوں۔ اختیار دینے کو شریعت فسخ تسلیم نہیں کرتی۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمد مہتمم مدرسہ خیرالمدارس ملتان بندہ محمد صدیق غفرلہٗ نائب مفتی خیرالمدارس ۷۱/۹/۱۸ھ

۱۸، رمضان المبارک ۷۱ھ ۷۱/۹/۱۸ھ

اگر طلاق کا گواہ لڑکی کا باپ ہو تو وہ گواہی معتبر نہیں۔

ایک شخص کا جبراً گلا گھونٹ کر اور قتل کی دھمکی دے کر طلاق لی گئی۔ وہ شخص منکر ہے اور گواہ کہتے ہیں کہ طلاق دی ہے۔ طلاق کے گواہ صرف لڑکی کا باپ اور چچا ہیں تو کیا اس صورت میں طلاق ہو گئی؟

الجواب : لا تجوز شهادة الوالدين لولديهما (عالمگیری باب الشہادۃ)

چونکہ صورتِ مسئولہ میں گواہوں میں باپ بھی شامل ہے اور اس کی گواہی بیٹی کے حق میں معتبر نہیں لہٰذا فیصلہ مرد کی قسم پر ہو گا۔ اگر مرد قسم اٹھالے کہ میں نے طلاق نہیں دی تو عورت اس کے حوالہ کر دی جائے گی۔ اور اگر واقع میں طلاق دے دی تھی تو پھر خاوند اس عورت کو رکھنے میں گناہ گار ہو گا اور زانی ہو گا۔ فقط واللہ اعلم

عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان

۲۰ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ

جو یہ کہے "میں کسی مذہب سے متعلق نہیں" اس کی بیوی نکاح سے خارج ہو گئی

الاستفتاء۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب محمد اقبال جاوید کا سال ڈیڑھ سال گزرا نکاح ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے خطوط

سے مجھے اس کے ایمان کے متعلق شبہ ہوا تو اس بنا پر اس کے عقائد کے متعلق استفسار کیا گیا تو اس نے اپنے ایک انگریزی خط میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

میں نے پُرغور اور گہرا مطالعہ تمام مذاہب ان کے اصول اور مختلف جماعتی نظریوں کا شروع کر دیا ہے۔ محض وراثتاً کسی کا مسلمان ہونا میرے نزدیک اسلام کی حقانیت کا ثبوت نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ میرے باپ نے زندگی کی اصلیت کو سمجھنے میں فاش غلطی کی ہو۔ اب میں نے تحقیقات شروع کر دی ہیں اور اس کام کی تکمیل پر میں اپنے اس کام میں چھان بین کا نتیجہ ظاہر کروں گا۔ فی الحال میں مسلمان ہوں نہ خدا کا منکر۔ بلکہ ایک عام آدمی ہوں جس کا کسی مذہب سے کوئی علاقہ نہیں۔ میں خدا اور حضرت پیغمبر صاحب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت آپ سے کوئی بحث کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ مختلف مذاہب کے متعلق اپنا مطالعہ ختم نہیں کیا ہے۔ لیکن چونکہ میری شادی اسلامی رسوم کے مطابق عمل میں آئی تھی اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اپنے مستقر کو قرآن اور سنّت کے مطابق جائز رکھیں۔ ہر فیصلہ جو قرآن اور سنّت کے مطابق ہوگا وہ میرے لیے قابلِ قبول ہوگا۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا عقائد رکھنے والا آدمی مسلمان ہے یا نہیں۔

(۲) کیا اس کا سابقہ نکاح باقی ہے یا نہیں۔

(۳) تاحال نہ اس لڑکی کی رخصتی ہوئی اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تو کیا نکاح باقی نہ رہنے کی صورت میں لڑکی دوسری جگہ بغیر عدت گزارنے کے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: شخص مذکور نے تصریح کر دی ہے کہ میں کسی مذہب سے متعلق نہیں ہوں بلکہ مذاہب کی تحقیقات کر رہا ہوں۔ اس وقت خدا اور رسول ﷺ کے متعلق کوئی بحث کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں کیونکہ ابھی تک مطالعہ ختم نہیں کیا ہے اور یہ کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اس تصریح کے بعد اس شخص کو مسلمان ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ تقلیدی ایمان معتبر تھا مگر اس نے اس سے بھی انکار کر دیا ہے۔ لہٰذا اس کا نکاح نہیں رہا۔ اس کی

بیوی قرآن و سنت و فقہ کے مطابق بائنہ ہوچکی ہے۔ لہٰذا اسے اختیار ہے کہ جہاں چاہے نکاح کرے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

مطلقۂ ثلاث، حاملہ من الزنا سے نکاح کیا تو پہلے خاوند کیلئے حلال ہو جائیگی۔

ایک عورت اپنے خاوند کے گھر خوش و خرم آباد تھی۔ بوجہ آپس میں ناراضگی اس کو طلاق دے دی گئی۔ بوقت طلاق ہمراہ دو بچے موجود تھے۔ تین سال کے بعد وہ عورت اپنے خاوند کے پاس اپنی خوشی سے آکر آباد ہوئی اور اس کو حمل قرار تھا جو کہ اس وقت تقریباً تین ماہ کا ہوچکا تھا۔ اس کے بعد اس عورت کے بہنوئی اسے اپنے گھر لے گئے اور وہاں پر حمل کی صورت میں حلالہ کی شرط پوری کردی۔ بعد ازاں وہ عورت پھر اپنے خاوند کے گھر واپس آگئی ہے۔

(۱) آیا حمل کی صورت میں حلالہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر حلالہ جائز ہے تو کیا عورت اپنے پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے؟ کیونکہ ان دونوں میاں بیوی آپس میں بخوشی نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ شرعاً ان کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں

الجواب: صورت مسئولہ میں حلالہ درست ہے لیکن پہلے خاوند کے ساتھ بچہ پیدا ہونے سے پہلے نکاح جائز نہیں کیونکہ خاوند ثانی کی عدت وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونا ہے۔

وعدة الحامل ان تضع حملها الی قوله وسواء كان الحمل ثابت النسب ام لا ويتصور ذالك فيمن تزوج حاملاً بالزنا كذا فی السراج الوهاج۔ عالمگیری ص۱۳۵ ج۲

واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

یکم ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ

الجواب صحیح بندہ خیر محمد عفی عنہ

مہتمم خیر المدارس ملتان

طلاق صرف ایک دی لیکن اخبار کے طور پر کئی آدمیوں سے ذکر کیا تو طلاق ایک ہی رہے گی

صورت مسئولہ یہ ہے کہ زید نے بیوی کو ایک طلاق دی۔ پھر دوسروں کو اطلاع دینے کے لئے متعدد مجالس یا ایک مجلس میں بار بار کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں ظاہر ہے کہ فیما بینہٗ وبین اللہ تعالیٰ ایک ہی طلاق ہوئی لیکن اس کی بیوی اور مفتی بھی اس کو ایک ہی طلاق قرار دیں گے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر یہ یقین ہے کہ بعد میں اخبار واطلاع ہی کی غرض سے الفاظ طلاق کا تلفظ کیا ہے۔ تو دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ بیوی اور مفتی کو بھی اس پر اعتماد کرنا درست ہے۔

رجل قال لامرأته یا مطلّقة الیٰ ان قال وان کان لها زوج قبله وقد کان طلّقها ذٰلك الزوج ان لم ینو بکلامه الاخبار طلّقت وان قال عنیتُ به الاخبار دین فیما بینهٗ وبین اللہ تعالیٰ وهل یدیّن فی القضا اختلفت الرّوایات فیه والصحیح انّه یدیّن اھ (ہندیہ ص ۴۹ ج ۲)

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستّار عفا اللہ عنہٗ

۱۴ / ۴ / ۱۴۰۳ھ

اگر عورت طلاق کے اختیار کو اسی مجلس میں استعمال نہ کرے تو خیار ختم ہو جائے گا

ایک شخص نے کسی وقت اپنی بیوی کو ایک بائن طلاق دیکر پھر تجدید نکاح کرلیا پھر اس کو اپنی زندگی میں ایک حادثہ بھی خیال میں گزرتا ہے کہ اس نے بیوی کو طلاق رجعی

دی تھی مگر یہ حادثہ شک وظن کا ہے۔ کامل یقین نہیں ہے کہ اس نے طلاق رجعی دی تھی یا محض شک وظن ہے۔ پھر کافی عرصہ کے بعد اس نے بیوی کی بعض بدعنوانیوں سے پریشان ہو کر یہ کہا کہ اگر تو میرے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تو تجھ کو اپنے نفس پر اختیار ہے۔ اگر تو اپنے نفس کو اختیار کرنا چاہتی ہے تو کر سکتی ہے تیری مرضی ہے۔ عورت نے جواباً کہا کہ اس حالت سے تو میں آزادی چاہتی ہوں۔

(ب) خاوند نے کہا کہ جب تو نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا ہے۔ اب تجھ پر طلاق واقع ہو گئی اور تو مجھ سے مغلظہ ہو گئی جب تک تیرے ساتھ دوسرا آدمی نکاح وصحبت نہ کرے اور وہ تجھ کو طلاق دے، پھر تیری عدت نہ گزر جائے اس وقت تک تو میرے لیے حلال نہیں ہے۔ خاوند نے اس کو یہ اس لیئے کہا کہ اس کی نظر میں ایک طلاق بائنہ سابقہ تھی۔ دوسری طلاق رجعی مشکوک اور تیسری عورت کے اپنے نفس کو اختیار کرنے اور آزاد ہونے والی طلاق جنکی مجموعی تعداد تین ہو گئی۔ انشائے طلاق ثالثہ جدیدہ اس کی نیّت نہیں تھی۔ کیا طلاق میں شک کا اعتبار عدد طلاق میں ہو گا یا کالعدم ہو گا نیز خاوند کے کہنے سے وہ مغلظہ ہو جائے گی۔ طلاق ثلثہ جدیدہ کا حکم لگے گا یا اس کی نیّت کے مطابق وہی طلاق بائن قدیم وطلاق رجعی مشکوک اور طلاق تخییر یا تفویض کا حکم ہو گا۔ طلاق رجعی مشکوک کا اعتبار کیا ہو گا؟

(۲) خاوند نے اپنی بیوی کو اس کی جان کے بارے میں تخییر کی مرضی دیدی اور کہا کہ اگر تو میرے ساتھ موجودہ حالت میں خوش نہیں ہے تو تو اپنی جان کے بارے میں صاحب اختیار ہے۔ اگر آزاد ہونا چاہتی ہے تو آزاد ہو جا۔ کیونکہ تو نے مجھ کو بہت تنگ کیا ہے۔ کل تک سوچ کر جواب دیدے۔ عورت نے کہا کہ اگر میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہ کیا جائے تو پھر آزاد ہی اچھی ہوں۔ خاوند نے کہا کہ تیرا مطلب کیا ہے۔ عورت نے کہا کہ میرا مطلب جُدا ہونا نہیں۔ نہ اپنے نفس کو اختیار کرنا تھا بلکہ یہ کہ میرے ساتھ انصاف کیا جائے حق تلفی نہ کی جائے۔ اب کیا اس سے اختیار نفس مراد لیا جائے گا یا نہ؟ ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں۔ عورت کہتی ہے کہ میں صاحب اولاد ہوں جُدا ہونا کیسے پسند کر دوں یا جُدا ہونے کا مطالبہ کیسے کر دوں۔ لیکن حکم شریعت کی پابندی بھی ضروری ہے۔

مولوی صبغت اللہ شیرانی ضلع ژوب

الجواب: ۲ ان قال لہا انت طالق ان شئت فقالت شئت ان کان کذا فہو علی وجہین .... اما ان علقت مشیئتہا بشیئٍ لم یوجد بعد وفی ھٰذا الوجہ لا یقع الطلاق ویخرج الامر من یدھا وعن ھٰذا قلنا اذا قالت شئت ان شاء أبی کان ذٰلک باطلاً وان قال الاب بعد ذلک شئت لا یقع الطلاق ھٰکذا فی المحیط (عالمگیری ص ج ۲)

جزئیہ بالاسے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ عورت نے اپنے اختیار کو آئندہ انصاف نہ کرنے پر معلق کیا ہے کہ اگر میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہ کیا جائے اور بصورت تعلیق اختیار و مشیئت طلاق واقع نہیں ہوتی اور اختیار بھی باطل ہو جاتا ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ ۱ اگر یہ سوال اسی عورت کے متعلق ہے جس کا ذکر سوال ۲ میں ہے تو یہ آخری طلاق واقع نہ ہوگی جیسے ابھی ذکر ہوا اور خاوند کا اقرار غلط فہمی پر مبنی ہے لہٰذا اس سے بھی طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوئی۔

ظن انہ وقع الثلاث علی امرأتہ بافتاء من لم یکن اھلاً للفتوٰی وکلف الحاکم کتابتہا فی الصک فکتبت ثم استفتیٰ ممن ھو اھل للفتوٰی فافتی بانہ لا یقع والتطلیقات الثلاث مکتوبۃ فی الصک بالظن فلہ ان یعود الیہا دیانۃً ولکن لا یصدق فی الحکم (شامیہ ص ۴۲۹ ج ۲ مکتبہ امدادیہ)

پس تغلیظ ثابت نہیں اور اگر یہ الگ واقعہ ہے تو احتیاط پر عمل کیا جائے۔ حلالہ کیے بغیر نہ رکھے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۱۳۹۵/۳/۲۵ھ

تین کانے پھینکے اور زبان سے ایک دفعہ کہا "تجھے چھوڑا" تو ایک طلاق ہوگئی

ایک شخص نے اپنی بیوی سے جھگڑے کی صورت میں تین کانے اٹھا کر اس کی طرف پھینکے اور کہا کہ میں نے تجھے چھوڑا ہے۔ اس سے جب اس کی مراد پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ میری مراد اس سے تین طلاق دینا ہے۔ کیا اس صورت میں وہ عورت اس پر کلیۃً حرام ہوگئی ہے یا نہیں۔ مہر کی بابت کیا حکم ہے۔ جہیز کا سامان واپس کرنا ہوگا یا نہیں جو اس میں سے استعمال کر چکی ہے وہ بھی واپس

کرنا ہوگا یا نہیں، جو زیور مرد کے ہیں کیا وہ بیوی سے واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

محمد عبد اللہ، کندیاں، ضلع میانوالی

الجواب: ولو لم یقل ھٰکذا یقع واحدۃ لفقد التشبیہ ای بان قال انت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانہ فانھا تطلق واحدۃ (خانیۃ) قال القھستانی لانہ کما لا یتحقق الطلاق بدون اللفظ لا یتحقق عددہ بدونہ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار)

صورت مسئولہ میں اگر یہی خط کشیدہ الفاظ کہے ہیں تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی جیسا کہ جزئیہ بالا سے ظاہر ہے رجوع کر کے اور بعد از عدت نکاح جدید کر کے رکھ سکتا ہے۔ حلالہ کی حاجت نہیں۔ خاوند کے ذمہ کل مہر ادا کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳۹۵/۳/۲۳ھ | الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

طلاق کے بعد مجامعت کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو کس کا قول معتبر ہوگا

طلاق کے بعد میاں بیوی میں باہمی اختلاف ہو گیا۔ خاوند اس بات کا مدعی ہے کہ ہمبستری نہیں ہوئی۔ بیوی کہتی ہے کہ ہمبستری ہوئی ہے تو شرعاً کس کا قول معتبر ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: بیوی قسم اٹھا کر کہہ دے کہ ہمبستری ہوئی ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔

وفی القنیۃ افترقا فقالت افترقنا بعد الدخول فالقول قولھا لانھا تنکر سقوط نصف المھر اھ (بحر الرائق ص ۳۴۶ ج ۱)

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

طلاق کی جس یمین میں وقت مقرر نہ ہو انہیں موت سے کچھ پہلے طلاق واقع ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ شہر دریا خان ضلع بھکر چک ۲۸ چاہ گدارا میں علامہ عبدالستار تونسوی تقریر کے لئے تشریف لے گئے۔ تقریر سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص حافظ عبدالغفور نے حیات و ممات کا مسئلہ چھیڑ دیا اور کہا کہ آپ اس مسئلہ میں احمد سعید سے مناظرہ کرلیں۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ آپ برائے مہربانی میرے برابر کا آدمی لائیں۔ بات علامہ عنایت اللہ

شاہ پر بٹھیری ۔علامہ صاحب نے فرمایا کہ آپ نہ لائے تو، اس پر اس آدمی نے کہا کہ اگر میں نہ لایا تو میری بیوی کو طلاق ۔ اور اگر آپ نہ آئے تو حضرت نے جواب دیا کہ میں نہ آیا تو میری زن بھی طلاق ہے بشرطیکہ ان کی آمد سے مطلع مجھ کو آپ کریں گے اور مناظرہ کی تاریخ اور مقام تم تجویز کرو گے اور پھر مجھ کو پتہ دو گے ۔ نوٹ : طلاق کے الفاظ میں گواہوں کے بیانات متضاد ہیں بعض نے طلاق اور بعض نے حرام بعض تین طلاق کا لفظ بتاتے ہیں ۔بیانات ساتھ ہیں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں شکریہ

الجواب : صورت مسئولہ میں بیانات کے تضاد کی وجہ سے مسئلہ کا جواب علی التعیین نہیں لکھا جا سکتا ۔ بہرکیف جواب مسئلہ علی تقدیر الاختلاف یہ ہے کہ صاحب واقعہ عبدالغفور اور حضرت مولینا صاحب نے اگر تین کا لفظ استعمال کیا یا تین کی شرط کو عبدالغفور نے قبول کر لیا (گو کہ زبانی طلاق کا تلفظ نہ کیا ہو) تو حانث ہونے کی صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور حانث ہونے والے کی بیوی مغلظہ ہو جائے گی ۔ اور اگر حرام کا لفظ استعمال کیا ہے تو طلاق بائنہ ہو گی ۔ بعد تجدید نکاح کے بیوی دوبارہ زوجیت میں آسکے گی اور اگر صرف طلاق کا لفظ کہا ہے ۔تو طلاق رجعی واقع ہو گی اور رجوع کافی ہو گا ـــــ حانث ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ چونکہ مناظر کو لانے کی شرط میں وقت کی تعیین نہیں ہے اس لئے اس کا وقت شرط کرنے والے ہر دو شخص اور مناظر (مولینا عنایت اللہ شاہ) کی موت تک ممتد ہو گا ـــــ پس جب موت واقع ہو جائے تینوں میں سے کسی کی بھی تو موت سے تھوڑا پہلے یہ عورت مطلقہ سمجھی جائے گی محض مناظر کے انکار کرنے سے حانث نہیں ہو گا ۔

وان حلف لیأتین البصرة فلم یأتها حتی مات حنث فی آخر جزءٍ من اجزاء حیاته لان البر قبل ذلک مرجوّ (ہدایہ کتاب الایمان جلد ۲)

قال فی البحر ولاخصوصیة للاتیان بل کل فعل حلف انه یفعله فی المستقبل واطلقه ولم یقیده بوقت لم یحنث حتی تقع الیأس عن البر مثل لیضربن زیداً أو لیعطین فلانة أو لیطلقن زوجته وتحقق الیأس عن البر یکون بفوت احدهما فلذا قال فی غایة البیان واصل هذا ان الحالف فی الیمین المطلقة لا یحنث مادام الحالف والمحلوف علیه قائمین لتصور البر فاذا فات احدهما فانه یحنث .

بحرالرائق کتاب الایمان ص ۳۳۸ ج ۴ ـــــ وفی المبسوط ولوحلف بطلاق امرائته لیأتین البصرة فمات قبل ذالک طلقت عند الموت لان بموته فات شرط البر وھو اتیان البصرة ولا نقول انہ یحنث بعد موتہ ولکنہ کما اشرف علی الموت وتحقق عجزه عن اتیان البصرة حنث اھ المبسوط للسرخسی ص ۴۰ ج ۹ باب القضاء فی الیمین

فقط واللہ اعلم الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴/۶/۹/۷ ھ

اِختلافِ دارین کی وجہ سے خیارِ فسخ نہیں ہوگا۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تقسیم ہند کی کشت وخون میں مسماۃ ہندہ اپنے والدین کے ہمراہ پاکستان آگئی ہے اور مسماۃ ہندہ کا زوج مسمّیٰ زید ہندوستان میں ہے۔ خط وکتابت سے معلوم ہوا کہ زید پاکستان میں آنے کے لئے تیار نہیں۔ سوال یہ ہے کہ قرارداد مقاصد پاس ہوجانے کے بعد پاکستان اگر دارالاسلام کے حکم میں ہے تو کیا مسماۃ ہندہ دارالحرب (ہندوستان) میں جانے سے انکار کر سکتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں مع حوالہ تحریر کریں۔

اَلجواب: خاوند و بیوی کا ہندوستان و پاکستان میں الگ الگ ہونا موجب فسخ نہیں۔ کیونکہ اختلاف دارین مسلمانوں کے نکاح پر مؤثر نہیں۔ البتہ خاوند کا آباد کرنے کی کوشش نہ کرنا موجب فسخ ہو سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ خاوند سے طلاق یا خلع حاصل کرنے کی کوشش کی جائے پھر فسخ کے طرق دریافت فرمائے جائیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ   بندہ محمد صدیق غفرلہٗ

سوداوی دَورے کی حالت میں طلاق دینا

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ میرے بھائی محمد یامین کو عرصہ سے ایک دورہ پڑا کرتا ہے۔ جس میں وہ بالکل خاموشی بھی اختیار کر لیتا ہے اور بعض اوقات پاگلوں کی طرح واہی

تباہی بھی بکنے لگتا ہے۔ اپنے حالات یہ بتاتا ہے کہ میرے تمام بدن میں آگ لگ رہی ہے۔ اس دَورے کی مدت ایک ہفتے سے دس بارہ ہفتہ تک ہوتی ہے۔ جس وقت وہ دورے کی حالت میں ہو اس وقت اس کا دماغی توازن قائم نہیں رہتا ہے۔ ۱۴/۲/۵۵ کو اس کا دورہ شروع ہوا۔ وہ خاموش بھی رہا اور واہی تباہی بھی بکنے لگا۔ ۱۸/۲/۵۵ کو دورے نے شدت اختیار کرلی اور اب اس کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ ہم نے اس سے پیشتر اتنی خراب حالت نہیں دیکھی تھی۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ میں مر رہا ہوں۔ انہی الفاظ کو وہ بار بار دہراتا رہا کہ میں مر رہا ہوں میرا دم نکل رہا ہے ایک روز ۲۴/۲/۵۵ کو وہ اسی دورے کی حالت میں اٹھا اور کچہری جاکر عرضی نویس سے کہا کہ طلاق نامہ کا کاغذ کتنے کو آتا ہے۔ عرضی نویس نے کہا دس روپے کو۔ اس نے دس روپے کا کاغذ لاکر عرضی نویس کو دیا کہ طلاق نامہ تحریر کردے۔ عرضی نویس نے اس کی بیوی کا پتہ ولدیت اور نام دریافت کیا کہ کتنے بچے ہیں، پھر طلاق نامہ تحریر کر دیا۔ تحریر کے بعد اس نے عرضی نویس سے نہیں سنا کہ طلاق نامہ کا مضمون کیا ہے۔ عرضی نویس کے کہنے پر کہ دو گواہ ہونے چاہئیں۔ دو گواہ کرادیں اور خود بھی اپنے دستخط کر دیئے۔ ۲۶/۲/۵۵ کو جب دورے کے اثرات ہمیں کچھ کم معلوم ہوئے ہم نے اس سے پوچھا کہ تو نے اپنی بیوی کا طلاق نامہ کیوں تحریر کرایا تو اس نے برجستہ کہا کہ طلاق زوجہ کا ارادہ مجھے کبھی نہیں ہوا ہے۔ میں نے غیر ارادی طور پر طلاق نامہ تحریر کرایا ہے اور نہ ہی طلاق دینا چاہتا ہوں۔ ۲۳/۲/۵۵ کو وہ اپنی ساس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اور میری طبیعت بہت ہی خراب ہے۔ تم مہربانی کرکے اپنی بیٹی کو چند روز کے لئے اپنے گھر لے آؤ۔ چونکہ اس کی ساس اس کی حالت سے واقف تھی اس لیئے وہ بغیر حیل وحجت کے اپنے گھر لے آئی۔

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا بیان کے مطابق دس روپے کا اسٹامپ خرید کر طلاق تحریر کرانے سے طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

الجواب: اگر واقعی یہ بیان صحیح ہے تو ایسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال الشامی فی کتاب الطلاق مطلب طلاق المدهوش فالذی ینبغی التعویل علیه فی المدهوش ونحوه اناطة الحکم بغلبة الخلل فی اقواله وافعاله الخارجة عن عادته وکذا یقال فیمن اختل عقله لکبر أو لمرض أو لمصیبة فاجأته فما دام فی حال غلبة

الخلل فی الاقوال والافعال لا تعتبرا قواله وان کان یعلمها ویریدها لان ھذہ المعرفۃ والارادۃ غیر معتبرۃ لعدم حصولها عن ادراک صحیح کما لا تعتبر من الصبی العاقل[۲۵۱] الخ فقط واللہ اعلم بندہ محمود عفا اللہ عنہ ۵ ہجری

صورت مسئولہ میں عورت اور خوشدامن ہر دو کے بیانات سے اس شخص کے مبتلا بالجنون ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اگرچہ زوجہ کے بیان میں اس متنازعہ فیہا واقعہ میں جنون کے ہونے سے لاعلمی ظاہر کی گئی ہے لیکن اس سے قبل نفس جنون کا اقرار ہے۔ اب حکیم عطاء اللہ کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اس شخص کو خفقانِ سوداوی کے دورے ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اس شخص کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ کیونکہ یہ معاملہ اس کی ذات سے متعلق ہے جس پر عموماً بعض اوقات دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی۔ (نوٹ) حلفیہ بیان محمد یامین کے مطالعہ کے بعد جس کی تصدیق دستخط کنندگان (مورخہ ۲۵ رجب ۱۳۷۴ھ) نے کی۔ فیصلہ یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ ۲۵ رجب ۱۳۷۴ھ

ہر دو مفتی صاحبان کے فتوے صحیح ہیں کہ صورت مذکورہ میں محمد یامین کی اہلیہ کو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا محمد یامین اور اس کی بیوی ہر دو بدستور زن و شوہر کی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں اور آئندہ کے لئے متعلقین کو چاہیئے کہ محمد یامین کی نگرانی کریں کہ وہ پھر ایسی حرکت نہ کرنے پائے۔

فقط واللہ اعلم۔ احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۶ رجب ۱۳۷۴ھ

تیرے پاس آؤں تو اپنی بہن کے پاس آؤں

خدا بخش نے اپنی بیوی کو کہا کہ تیرے پاس آؤں تو اپنی بہن کے پاس آؤں، اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی لیکن ایسا کہنا بھی درست نہیں۔ توبہ کی جائے آئندہ بچا جائے۔

لو قال وان وطئتک وطئت امی فلا شئ علیہ کذا فی غایۃ السروجی (عالمگیری ص۱۳۶ ج۲)

فقط واللہ اعلم۔ | الجواب صحیح —
محمد انور عفا اللہ عنہ | بندہ عبد الستار
۲۳/۴/ ۱۴۰۱ ھجری | عفا اللہ عنہ

"نکاح والی ڈھیری ڈھائی" سے طلاق کا حکم

بکر نے اپنی عورت کو کہا کہ "تیرے نکاح والی ڈھیری ڈھائی" اس کے ساتھ تین طلاق کا ارادہ تھا آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گئی؟

الجواب ولو قال فسخت النکاح ونوی الطلاق یقع وعن ابی حنیفۃؒ ان نوی ثلاثاً فثلاث (ھندیہ ص ۳۷۵) ڈھانا ہدم کا ترجمہ ہے۔ ہدم نکاح اور فسخ نکاح کا مفہوم تقریباً ایک ہے پس صورت مسئولہ میں جزئیہ بالا کی بنا پر شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں، زوجین میں بدون حلالہ تجدید نکاح درست نہیں، عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

شہادت ناقص ہو تو قضاءً طلاق نہیں ہو گی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ ھندہ کو یہ خبر دی گئی ہے کہ تیرے خاوند بکر نے تجھے تحریری طور پر طلاق دیدی ہے تو مسماۃ نے بغرض تحقیق اپنے بھائی کو بھیجا چنانچہ واپسی پر اس نے مدعیہ کو یہ کہا کہ واقعی تجھے طلاق ہو گئی ہے۔ اس پر مدعیہ نے حاکم کے سامنے دعویٰ طلاق دائر کر دیا ہے اور ثبوت دعویٰ میں اپنے دونوں بھائیوں کی شہادتیں پیش کی ہیں اور وہ دونوں ایک ہی مجلس کے شاھد ہیں، ایک بھائی کی شہادت یہ ہے کہ طلاق دہندہ بکر نے ہمارے سامنے اقرار کیا ہے کہ واقعی زید نے مجھ سے لکھوایا ہے اور میں نے اس کے نیچے دستخط بھی کئے ہیں"، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی بکر (زوج ہندہ) نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو تین طلاقوں سے چھوڑ دیا ہے" اور دوسرے بھائی کی شہادت یہ ہے کہ جب مسمّی بکر مندرجہ بالا عبارت کو ذکر کرتے ہوئے لفظ "میں نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو تین طلاقوں سے" پر پہنچا تو میرا سر چکرا گیا اس سے آگے میں نے کچھ نہیں سنا اور مدعیٰ علیہ کا بیان یہ ہے کہ میں نے اس قسم کی کوئی تحریر نہیں کی بلکہ اس قسم کی تحریر زید نے میری طرف منسوب کی تھی میں واقعہ سنا رہا تھا کہ میری طرف زید نے جو اس قسم کی تحریر منسوب کی ہے کہ میں نے مسماۃ کو تین طلاقوں سے چھوڑ دیا ہے وہ غلط ہے اس پر مدعیٰ علیہ اپنے والد اور ماموں کو بطور شاہد پیش کرتا ہے۔ نیز زید بھی اس کا قائل ہے وہ تحریر جعلی تھی بکر سے میں نے کوئی تحریر نہیں کرائی۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ میں مدعیہ کی ان شہادتوں کے بعد طلاق ہو گئی ہے یا نہ؟ (۲) کیا شہادت ثانیہ تام ہے یا ناقص۔ (۳) بعد از شہادت مدعیٰ علیہ کا

انکار اور اس پر مذکورہ شہادتیں قابل اعتماد ہیں یا نہ جبکہ مدعی علیہ کا ایک شاہد اس کا والد ہے ـــ

(نوٹ) مدعیٰ علیہ کو مدعیہ کے شاہدوں پر کوئی اعتراض جرح نہیں ہے۔ جواب ازراہِ عنایت مفصّل اور لعبارۃ واضحہ مع حوالۂ کُتب تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا ـــ

الجواب صورت مسئولہ میں عورت مدعیہ طلاق ہے اور زوج منکر ہے۔ زوج سے شہادت لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ منکر ہے۔ البتہ مدعیہ کے لئے شاہدوں کی ضرورت ہے۔ اگرچہ بھائی کی شہادت بھائی اور بہن کے لئے معتبر ہے۔ لیکن یہاں شہادت ناقص ہے کیونکہ ایک شاہد نے تصریح کر دی ہے کہ لفظ "میں نے زوجہ مسماۃ ھندؔ کو تین طلاقوں سے" پر میرا سر چکرا گیا اور مجھے معلوم نہیں کہ آگے بکر نے مُنہ سے کیا الفاظ نکالے لہٰذا یہ شہادت تام نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ عبارت جُملہ بھی نہیں بنتی بلکہ اس صورت میں اس کو شہادت پر اقدام کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ فی البحر الرائق ملٹ تحت قولہ ھی اخبار عن مشاھدۃ وعیان لاعن تخمین وحسبان قال فی الخانیۃ اذا قرئ علیہ صک ولو یفھم ما فیہ لا یجوز لہ ان یشھد بما فیہ کما فی الحظر والاباحۃ وقال فی الخانیۃ اذا سمع صوت المرأۃ ولو یر شخصھا فشھد اثنان عندہ انھا فلانۃ لا یحل لہ ان یشھد علیھا الخ ـــ لہٰذا جب شہادۃ ایک گواہ کی معتبر نہ ہوئی تو دوسرے کی شہادت پر بوجہ نصاب پُورا نہ ہونے کے فیصلہ نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں قضاءً طلاق واقع نہیں ہوگی۔

الجواب صحیح — بندہ خیر محمد عفی عنہٗ ۱۱/۷/۸۴ھ

محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان ۱۰/۷/۸۴ھ

صرف لفظِ "طلا" کہنے سے طلاق نہیں ہوگی۔

زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تُو مجھے والدے روکے گی تو میں تجھے دفع کر دوں گا یعنی طلاق دوں گا تو بیوی چُپ رہی، اس کے فوراً بعد زید کے مُنہ سے یہ الفاظ صادر ہوئے کہ ایک، دو، تین طلا۔ اس کے بعد بندہ نے زبان روکی اور کچھ نہیں کہا۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوگی ـــ ؟

الجواب صورت مسئولہ میں جب لفظ طلاق سالم زبان سے نہیں نکلا تو طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ وقوعِ طلاق کے لئے ضروری ہے کہ لفظ طلاق کامل کہا جائے اگرچہ وہ محرّف و مصحّف ہی کیوں

نہ ہو۔ ویقع بہا ای بھذہ الالفاظ وما بمعناھا من الصریح ویدخل نحو طلاغ وطلاک وتلاک او ط ل ق (درمختار علی الشامیۃ ص۴۲۶ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ

۶ / ۱ / ۱۳۷۷ھ

میں نے زید کی بیٹی کو طلاق دی اور پھر دعویٰ کرے کہ میری مراد بیوی نہیں تھی۔

شاہنواز ولد حق نواز نے اپنے سسر یعنی اپنی بیوی کے والد احمد کو کہا کہ میں نے تیری بیٹی تین طلاق سے چھوڑی، تین طلاق سے چھوڑی، گاؤں کے لوگوں نے شاہنواز کو بلایا اور کہا کہ تم نے طلاق دے دی ہے تو اس نے اقرار کیا لیکن ساتھ یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کا نام نہیں لیا لہٰذا طلاق نہیں ہوئی اب شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں شاہنواز کی بیوی پر قضاءً تین طلاق واقع ہو چکی ہیں

وکذا لوقال بنت فلان طالق ذکراسم الاب ولویذکر اسم المرأۃ وامرأتہ بنت فلان وقال لم اعن بہ امرأتی لایصدق قضاءً وتطلق امرأتہ — اھ (قاضی خان ص۲۱۵ ج۲)

الجواب صحیح
بندہ محمد صدیق مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

تین طلاق کے بعد اکٹھے رہنے کی صورت

بیوی کو طلاق دینے کے بعد کسی صورت میں اپنے گھر میں رکھا جا سکتا ہے جبکہ شوہر بہت بوڑھا ہو اور اس کے ساتھ نامحرم جیسا سلوک اختیار کرے۔

الجواب حرمت کے بعد ساتھ رہنے کی اجازت ضرورت شدیدہ کی بنا پر ہے مثلاً بچے بہت چھوٹے ہیں علیحدگی کی صورت میں وہ کہیں کے نہیں رہیں گے، یا بہت زیادہ بڑھاپا ہو اور علیحدگی میں شدید تکلیف کا اندیشہ ہو تو کچھ گنجائش ہے اس میں بھی یہ خیال رکھیں کہ خلوت میں نہ بیٹھیں۔ نیز اجنبیہ کے جن حصوں کو دیکھنا جائز نہیں اسے بھی نہ دیکھیں نیز اسے بتا بھی دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو بیوی سمجھ کر آپ کی قیدی بنی رہے اور حقیقت اس کے خلاف ہو۔

وکأنہ أراد بنقل ھذا تخصیص مانقلہ عن المجتبیٰ بما اذا کانت السکنیٰ

معہا الحاجۃ کوجود أولاد یخشٰی ضیاعھم لوسکنوا معہ، أو معہا أو کونہما کبیرین لا یجد ھو من یعولہ ولا ھی من یشتری لہا أو نحو ذٰلک (شامی فصل فی الحداد ص۸۷۵ ج۲) ۔۔۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۴ / ۳ / ۱۴۱۷ھ

مجنون کی بیوی کیسے تفریق کرائے

ایک لڑکا پاگل ہوگیا ہے اس کے نکاح میں ایک لڑکی ہے ابھی تک انکی خلوتِ صحیحہ ثابت نہیں ہوئی؟ کیا یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے اور فسخ کرانے کے بعد اس کے والد کے نکاح میں آسکتی ہے؟ واضح ہو کہ پاگل اپنے والد کو بھی اینٹیں مارتا ہے ۔

الجواب نکاح فسخ ہوسکتا ہے صورتِ تفریق یہ ہے کہ زوجۂ مجنون قاضی کی عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا خطرناک مجنون ہونا ثابت کرے قاضی واقعہ کی تحقیق کرکے مجنون کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے، بعد اختتام سال زوجہ پھر درخواست کرے اور شوہر کا مرضِ جنون ہنوز موجود ہو تو عورت کو اختیار دیدیا جائے اس پر اگر عورت اسی مجلس تخییر میں فرقت طلب کرے تو قاضی تفریق کردے ۔ (حیلہ ناجزہ ص۵۴)

۲ ۔ والد اپنے بیٹے کی منکوحہ سے نکاح نہیں کرسکتا خلوت صحیحہ ہوچکی ہو یا نہ ہوئی ہو ۔ جیسا کہ عالمگیریہ میں لکھا ہے :۔۔۔۔۔

حلیلۃ الابن و ابن الابن وان سفلوا دخل بہا الابن ام لا ۔ (عالمگیریہ ص۲۷۴ ج۱)

فقط واللہ اعلم ۔۔۔۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بیوی میرے لئے مُردار ہے طلاق ہوگی یا نہیں ؟

ایک شخص اپنی بیوی کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہے ۔" میرے واسطے مُردار ہوگئی ہے"۔ کیا ان الفاظ سے طلاق ہوجاتی ہے ؟ ۔۔۔۔۔

الجواب ولو قال انت علی کالحمار أو الخنزیر او ما کان محرم العین فھو کقولہ انت علی حرام ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ص۹۶ ج۲) ۔۔۔۔۔

مذکورہ بالا جزئیہ سے معلوم ہوا کہ طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۲/۵/۱۳۹۸ھ

معتوہ بحالت افاقہ طلاق دے تو واقع ہو جائے گی

زید اور بکر آپس میں حقیقی بھائی ہیں ۔ زید نے اپنی نابالغ لڑکی ھندہ کا نکاح بکر کے نابالغ لڑکے فاضل سے کر دیا جب دونوں سنِ بلوغ کو پہنچے تو زید اور بکر نے فاضل میں ازدواجی صلاحیتیں کمزور دیکھیں کہ فاضل سے بعض اوقات افعالِ فاسدہ صادر ہوتے ہیں مثلاً نماز میں ریح بالصوت خارج ہونا، شلوار میں جاگتے ہوئے پاخانہ نکل جانا، برتنوں کو توڑ دینا ناقابلِ تصور کام کرنا ..... اور بعض اوقات بالکل صحیح سالم رہتا ہے ۔ مثلاً باپ کے کہنے پر بازار سے سودا وغیرہ لانا، رشتہ داروں کے ہاں سے ضرورت کی اشیاء وغیرہ لانا، لہٰذا زید اور بکر نے مشورہ کیا کہ فاضل سے طلاق حاصل کر لی جاوے ۔ پس فاضل سے ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں مفتی وقت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحیم صاحب بھی موجود تھے (اور زید اور بکر خود بھی خاصی علمیت رکھتے ہیں یہ بھی موجود تھے) اس کے باپ نے مندرجہ ذیل طریقہ سے طلاق دلوائی ۔ بکر نے کہا ھندہ تیری بیوی ہے فاضل نے سر کے اشارہ سے جواب دیا ہاں، بکر نے کہا طلاق دیدی ۔ فاضل نے سر کے اشارے سے ہاں کر دی، بکر نے دونوں ہاتھوں کے اشارہ سے طلاق دیدی ۔ فاضل نے سر اور دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا ہاں دیدی ۔ بعد ازاں ھندہ کا نکاح خالد سے کر دیا گیا جس کو تقریباً چار پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے جس میں سے ھندہ کی اولاد بھی ہے ۔ بکر خاموش رہا، بلکہ اپنے خصوصی رشتہ داروں سے کہتا رہا کہ میرے لڑکے فاضل نے طلاق دے دی ۔ لیکن اب چند دنوں سے بکر اس درپے ہو گیا کہ فاضل کی طلاق نہیں ہوئی کیونکہ وہ معتوہ ہے اور ہندہ مع اس کی اولاد کے فاضل کے حوالے کر دی جاوے لیکن زید کہتا ہے کہ چونکہ فاضل کے افعالِ صحت غالب ہیں اس لئے وہ معتوہ نہیں ہے اگر بالفرض معتوہ ہو بھی سہی لیکن جس وقت طلاق دی تھی وہ حالتِ افاقہ تھی اور پورے شعور سے اپنی بیوی سمجھتے ہوئے سر اور ہاتھ کے اشارہ سے فعلاً طلاق دی تھی اور اس فعل کو طلاق سمجھ بھی رہا تھا ۔ تو کیا زید اپنی بیٹی ھندہ کو بکر کے کہنے پر فاضل کے حوالے کر دے ۔؟

المستفتی : مولوی محمد شریف مہتمم مدرسہ شمس العلوم ضلع رحیم یار خان

الجواب فاضل کے بارے میں یقینی فیصلہ تو معائنہ کے بعد کیا جا سکتا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب فریقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فاضل معتوہ ہے اور طلاق بھی بحالت افاقہ دی ہے تو ظاہر ہے طلاق واقع ہوگئی ہے کما فی الجوھرۃ النیرۃ لہٰذا بکر کا اعادہ ہندہ کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۱۵/ ۶/ ۱۳۹۸ھ

نہ زبان سے طلاق دی، نہ لکھی اور نہ کسی کو وکیل بنایا تو طلاق نہیں ہوئی

السلام علیکم! آج میری نظروں سے ہفت روزہ "اخبارِ جہاں" گزرا، اس کے صفحہ ۴۴ پر حافظ مفتی محمد حسام اللہ شریفی صاحب قرآن و سنت کی روشنی میں سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ اس میں ایک سوال یہ ہے۔ میں نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کی جس پر ان کا اصرار تھا کہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ دوں۔ کچھ عرصہ قبل والد صاحب نے ایک سادہ کاغذ پر مجھ سے دستخط کرائے کہ فلاں پلاٹ کا مسئلہ ہے۔ والد صاحب کی بات پر یقین کرتے ہوئے میں نے دستخط کر دیئے، انہوں نے اس کاغذ پر طلاق کا مضمون بنا کر میرے سسرال بھیج دیا۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں۔

آپ نے سوال ملاحظہ فرمایا۔ میرے خیال میں طلاق نہیں ہوئی۔ مگر مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ طلاق ہوگئی، انہوں نے مندرجہ ذیل احادیث کا حوالہ دیا ہے (بخاری و مسلم) یہ ہفت روزہ ۹ دسمبر ۱۹۹۱ء کا ہے۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا کیونکہ اس مسئلہ کو پڑھ لینے کے بعد مجھے کچھ شک ہوگیا ہے۔ اُمید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے۔

فقط والسلام محمد اظہر افتخار مکان ۱۴۶ قذافی بازار پیراں منڈی مُرید کے

الجواب حامداً و مصلیاً۔ طلاق واقع ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ طلاق دہندہ خود اپنی زبان سے طلاق دے۔ قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ فرکن الطلاق ھو اللفظ جعل علامۃ علی معنی الطلاق (الی قولہ) واما اللفظ فمثل ان یقول فی الکنایۃ انت بائن او امنك او یقول فی الصریح انت طالق او طلقتك ــــ (بدائع الصنائع ص ۹۸ ج ۳)

دوسری صورت یہ ہے کہ لکھ کر دے۔ یا کسی سے لکھوا کر دے۔ واما الرسالۃ فھی ان یبعث الزوج

طلاق امرأتہ الغائبۃ علی ید انسان فیذھب الرسول الیھا۔ و یبلغھا الرسالۃ علی وجھہا فیقع علیھا الطلاق۔ (بدائع الصنائع ص۱۲۶ ج۳) و قال ابن عابدین رحمہ اللہ ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارًا بالطلاق وان لم یکتب (رد المحتار ص۴۲۹ ج۲)

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنا دے۔ تفویضہ (ای الطلاق) للزوجۃ او غیرھا صریحا کان التفویض او کنایۃ (الی قولہ) والانواع، تفویض و توکیل (رد المحتار ج۲ ص۴۷۵)

لہٰذا اگر تین صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں پائی گئی تو طلاق نہیں ہوئی۔ آپ کو "اخبارِ جہاں" کی جس عبارت سے شبہ ہوا ہے وہ پوری لکھ کر بھیجیں تاکہ تحقیق کر لی جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۶/۷/۱۴۱۲ھ

جو لڑائی میں مفقود ہوا ہو اس کے بارے میں تاجیل سنین کی ضرورت نہیں

عمل شاہ گل میرے ساتھ ۱۲/۱۳ کو مورچے میں موجود تھا کہ دشمن کا حملہ آ گیا، دشمن اور ہم لوگ آپس میں مل گئے، میں دیکھ رہا تھا کہ عمل شاہ گل اپنے مورچے سے نکل گیا اور توپ خانہ کی گولیوں میں آ گیا، اور پھر عمل شاہ گل کا کوئی پتہ نہیں چلا، حکومت نے میرے اس بیان پر پنشن بھی جاری کر دی۔ کیا عمل شاہ گل کی بیوی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے ——

الجواب صورتِ مسئولہ میں غالب گمان یہ ہے کہ عمل شاہ گل وفات پا چکا ہے۔ اس کی بیوی کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعوٰی دائر کرے اور پورا واقعہ عدالت کو بتایا جائے، حاکم کو چاہیئے کہ فیصلہ کر دے کہ عمل شاہ گل وفات پا چکا ہے بعد ازاں اس کی بیوی عدّتِ وفات چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے —— (حیلۂ ناجزہ ص۲۳)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۹/۲/۱۸ھ

بیوی کی بجائے سالی کا نام لے کر طلاق دی تو طلاق نہیں ہوگی۔

شبیر احمد کی شادی ہوئی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا چار پانچ سال کے بعد ناچاقی کی صورت آگئی، بیوی شمس النساء اپنے میکے چلی گئی بمع اپنے لڑکے بشیر احمد کے دوسری شادی کے لئے منگنی کی نئی منگنی والوں نے کہا کہ پہلے عورت کو طلاق دو، شبیر کا دل طلاق دینے پر ہرگز نہ تھا۔ دو گواہوں کے سامنے طلاق دینے کو کہا گیا لیکن شبیر گھر سے ارادہ کر کے چلا کہ اول طلاق نہیں دوں گا کیونکہ شرعاً چار عورتیں بھی جائز ہیں۔ تو مجھے کیوں کہا جاتا ہے۔ اگر مجھے مجبور کیا گیا تو میں اپنی عورت کے نام کی بجائے اپنی عورت کی چھوٹی بہن جو فوت ہو چکی ہے اس کا نام لے کر طلاق کا لفظ کہوں گا اور اگر کہا گیا تو لکھ کر بھی دے دوں گا دوسری جگہ منگنی والوں کو بھی پتہ نہیں کہ شبیر کے دل میں کیا خیال ہے۔ شبیر نے اپنے والدین کو کہا کہ یہی کام کیا ہے۔ شبیر نے اپنی عورت شمیم عبداللہ کی لڑکی کو تین طلاق دیدیں حالانکہ اس کی بیوی کا نام شمس النساء تھا۔ آیا شبیر کی پہلی بیوی شمس النساء کو طلاق ہوئی یا کہ نہیں؟

المستفتی مولوی محمد تاج الدین تاج چشتی ضلع کیمبل پور

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ طلاق واقع نہ ہوگی ولو قال امرأته الحبشية طالق ولا نية له في طلاق امرأته وامرأته ليست بحبشية لا يقع عليها وعلى هذا اذا سمى بغير اسمها ولا نية له في طلاق امرأته فان نوى طلاق امرأته في هذه الوجوه طلقت امرأته ..... (عالمگیری ص ۳۵۸ ج ۱)

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان | الجواب صحیح، محمد شریف، مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۶/۳/۱۳۹۸ھ

طلاق رجعی، بائن، مغلظہ دیتا ہوں۔

(طلاق نامہ) میں مسمی مسعود احمد ولد عزیز محمد ساکن راجن پور بسلامتی صحت و بدن بخوشی اپنی بیوی مسماۃ نیر سلطانہ دختر ملک محمد نواز کو ذاتی جھگڑے کے باعث طلاق رجعی، بائن مغلظہ دینے کا اعلان کرتا ہوں اور اپنے اوپر حرام حرام کرتا ہوں۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ عدت گزارنے کے بعد مطلقہ جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ میرا کوئی عذر اور اعتراض نہ ہوگا۔ اس واقعہ کی نقل چیئرمین بلدیہ کو روانہ کری

ہے. میرا کوئی لین دین نہیں ہے ـــــ

مستفتی: مسعود احمد، گواہ غلام عباس، شکور خان۔

الجواب اگر شخص مذکور نے بائن کے لفظ کے ساتھ دوسری طلاق کی نیت نہیں کی تو صورت مسئولہ میں صرف ایک بائنہ طلاق واقع ہوئی ہے۔ ویقع بقولہ انت طالق بائن او البتۃ... او اغلظہ او اعظہ واحدۃ بائنۃ ان لم ینوِ ثلثا الخ (درمختار علی الشامیۃ ص ۲۴۹ ج ۲) متعدد طلاقیں اس لئے واقع نہیں ہوں گی کہ طلاق بائنہ بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی. کما فی الشامیۃ الصریح یلحق الصریح والبائن والبائن یلحق الصریح لا البائن: ـــــ اس استفتاء کے ساتھ ایک ابطال نامہ بھی تھا جس میں سائل نے کہا کہ میں نے غصہ میں طلاق دی تھی اب اس پر نادم ہوں اور اپنی طلاق کو منسوخ اور باطل کرتا ہوں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق واقع ہونے کے بعد منسوخ نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہ تحریر شریعت مطہرہ کی نظر میں کالعدم ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۱۴ / ۱۰ / ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفی عنہ

دعویٰ رجعت بدون شہادت معتبر نہیں

زید نے اپنی بیوی کو بذریعہ ڈاک طلاق نامہ بھیجا جس میں بیوی کو یہ الفاظ تحریر ہیں. میں تمہیں آج سے طلاق، طلاق دیتا ہوں اور آخر میں تحریر ہے کہ آج کے بعد سے تم میری بیوی نہیں رہی ۔ طلاق نامہ مورخہ ۶/۷۳ کو ڈاک خانہ سے رجسٹری کرایا گیا، جبکہ طلاق نامہ پر تاریخ ۹/۷۲ ۱۰ دانستہ تحریر کی گئی بعد ازاں کوئی اطلاع نہیں آئی۔ کیا عدت گزرنے کے بعد زید کی بیوی زید کے نکاح سے خارج ہو گی اور وہ نکاح ثانی کر سکتی ہے ..؟ بینوا توجروا ـــــ

الجواب مطلقہ بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اگر عدت گزرنے کے بعد خاوند کہے کہ میں نے عدت میں رجوع کر لیا تھا تو اس کا قول بدون شہادت شرعیہ معتبر نہ ہوگا اور خاوند کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں عورت کا حلفاً کہنا کہ "مجھے رجوع کا علم نہیں" معتبر ہوگا۔ الحاصل قسم عورت

کی معتبر ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد صدیق عفرلہٗ
مدرس خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۶ / ۴ / ۱۳۹۸ھ

دو یا تین میں شک ہو تو دو سمجھیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید نے حالتِ غصہ میں اپنی بیوی کو صریح طلاق دی ہے لیکن اس کو یہ یاد نہیں کہ دو دی ہیں یا تین، اب زید اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے تو کیا یہ رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں بر تقدیرِ صحت واقعہ زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی ہے لیکن اگر عدد میں شک ہے کہ دو ہیں یا تین تو دو طلاق سمجھی جائیں گی اور دو طلاقِ صریح میں عدت کے اندر بغیر نکاحِ جدید کے رجوع کرنا صحیح ہے۔ اذا طلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ او تطلیقتین فلہ ان یراجعھا رضیت اولم ترض۔ (ھدایہ باب الرجعۃ ص ۳۷۴ ج ۲)

ولو شك أطلق واحدة او اکثر بنی علی الاقل (الدر المختار باب الصریح ص ۶۲۳ ج ۲)
البتہ اگر رجوع نہ کیا گیا ہو تو عورت کو آزاد کر دینا بہتر ہے تاکہ وہ کہیں اور جگہ نکاح کر لے۔
فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہٗ
۲۲ / ۱۰ / ۱۴۱۶ھ

تاک، تاک کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس نئی صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ میں اسے صرف ایک مرتبہ تو اونچے سے طلاق کا لفظ استعمال کروں اور دو مرتبہ صرف تاک، تاک کہدوں۔ ہماری ناقص فہم کے مطابق صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور بڑی بیوی کو اطمینان بھی ہو جائے گا۔ لہٰذا جب اس بات پر یعنی فیصلہ دینے پر عمل کا وقت آیا تو میں نے بڑی بیوی کو قدرے فاصلے پر چھوڑ کر میز

پر بٹھا دیا اور خود چھوٹی بیوی کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا اور دل میں خدا سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے خدا میں صرف ایک مرتبہ طلاق دے رہا ہوں ۔ —— اور پھر میں نے کہا کہ میں نے آپ کو طلاق دی تاک تاک دی اور فوراً اُٹھ کر ہم دونوں یعنی بڑی بیوی اور میں گھر واپس آ گئے ۔ براہ کرم اس سلسلے میں فتویٰ سے نوازیئے کہ واقعی ایسی صورت میں یہ نکاح باقی رہا یا نہیں ۔ کیونکہ یہ عمل میں نے انتہا مجبوری کی صورت میں اختیار کرنا پڑا کیونکہ بڑی بیوی کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ایک طلاق دے گا ۔ یہ واقعہ آج سے پانچ دن پہلے کا ہے ۔ یعنی ۲۴ ستمبر ۱۹۸۰ء کا ہے ——

الجواب صورت مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہوئی ہے ۔ مؤخر الذکر لفظ تاک تاک سے طلاق واقع نہ ہوگی ۔ درمختار میں الفاظ مصحفہ یہ لکھے ہیں ۔ طلاغ ، تلاغ ، طلاک ، تلاک اھ علامہ شامیؒ نے دو کا اور اضافہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں ۔ "تلاق" "تلال" اس کے بعد بطور ضابطہ لکھا ہے کہ ان جملہ الفاظ مصحفہ میں فا اور لام کلمہ کے مقابل حرف میں تبدیلی ہے ۔ اور عین کے مقابل ان سب الفاظ میں لام ہی ہے اور صورت مسئولہ میں لام سرے سے ہے ہی نہیں ۔ لہٰذا ان سے طلاق واقع نہ ہوگی ۔ بالخصوص جبکہ طلاق دینے والے نے بھی طلاق کی نیت نہیں کی ۔ وینبغی ان یقال ان فاء الکلمۃ اما طاء او تاء واللام اما قاف او عین او غین او کاف او لام اھ واثنان فی خمسۃ بعشرۃ تسعۃ منہا مصحفۃ اھ شامی ص ۴۳۰ ج ۲

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
۳ / ۱ / ۱۴۰۱ھ

عورت کہتی ہے کہ زوج ثانی نے وطی کی ہے زوج منکر ہے تو پہلے کے لئے حلال ہوگی یا نہیں ؟

ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا ہے ۔ کچھ عرصہ بعد عورت چاہتی ہے کہ میں اس کے گھر آباد ہوں اور یہ شخص چاہتا ہے کہ عورت میرے گھر آ جائے ۔ ان عورت اور مرد کے والدین سوچتے ہیں کہ حلالہ کرایا جائے ۔ آخر اس عورت کا نکاح طلاق دینے والے شخص کے چھوٹے بھائی کے ساتھ رات ۹ بجے کر دیا جاتا ہے ، صبح سات بجے نکاح والا طلاق دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بالغ ہوں کسی کے کہنے پر نہیں بلکہ خود طلاق دے رہا ہوں ۔ عدت گزرنے کے بعد اس عورت کا نکاح پہلے شخص کے ساتھ کر دیا

گیا، کچھ دن گذرنے کے بعد راز کھل گیا کہ حلالہ کرنے والا کہتا ہے کہ ہم نے اس عورت کو اپنی بھابھی سمجھ کر ہمبستری نہیں کی کیونکہ میری والدہ اور میرے بھائی نے روکا تھا۔ جو بیان میں نے پہلے دیئے تھے یہ سب میری والدہ نے سکھائے تھے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ حلالہ جائز ہے کہ نہیں ؟ ـــــ

خلاصہ آنکہ عورت کہتی ہے کہ میرے ساتھ سویا رہا اور ہمبستری بھی کی ہے۔ جبکہ مرد کہتا ہے کہ مجھے والدہ اور بھائی نے کہا تھا کہ ہمبستری نہ کرنا۔ لہذا میں نے نہیں کی ــــ اس مسئلے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت کا قول معتبر ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ مرد کا ؛ کس کا قول معتبر ہے ؟ ـــــ

الجواب صورت مسئولہ میں عورت کا بیان معتبر سمجھا جائے گا اور بعد از عدت عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہے اور اس سے نکاح کرنا جائز ہے ؛ ـــــ

قال الزوج الثانی کان النکاح فاسدًا أولم ادخل بھا وکذبته فالقول لھا الخ (درمختار)

وعبارۃ البزازیۃ ادعت أن الثانی جامعھا وأنکر الجماع حلت للاول وعلی القلب لا

اھ شامی ص ۵۱۸ ج ۲ ـــ فقط واللہ اعلم ـــ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان	مدرس خیر المدارس ملتان	مفتی خیر المدارس ملتان

تعلیقِ طلاق کو ختم نہیں کیا جاسکتا ـــ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی اپنے والدین کے ساتھ گھر سے کہیں اور جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کے والدین اسے اپنے ساتھ اپنے گھر اسلام آباد لے جانا چاہتے ہیں۔ لڑکی کی ماں فون کرکے اسے ساتھ لے جانے کی مجھ سے اجازت مانگتی ہے۔ میں اسے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دیتا وہ اس بات پر بضد ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اگر آپ کی بیٹی اسلام آباد گئی۔ میری طرف سے تین طلاقیں ہوں گی۔ لڑکی کی ماں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ کچھ دیر بعد اسلام آباد پہنچنے سے پہلے یا اسلام آباد اپنے گھر پہنچنے سے پہلے وہ پھر مجھے فون کرتے ہیں کہ اجازت دو گے یا نہیں۔ تو میں نے گواہوں کی موجودگی میں اپنے الفاظ واپس لے لئے اور کہا کہ تم جاسکتی ہو (بیوی نے کہا) میں نے جو اسلام آباد کا کہا تھا میرا مطلب اس کے والدین کا گھر تھا۔ مجھے

اس کی تفصیل چاہیئے تو اب میں نے جو شرط رکھی ہے وہ واپس لے سکتا ہوں یا نہیں جب میں نے فون پر شرط واپس لی، تو وہ میرے گھر آنے سے پہلے اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ مجھے اس مسئلہ کا تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں کہ میری بیوی مجھ پر حلال ہے یا حرام ــــــ

طالب دعا: ایچ اے اعوان۔ نیو عمر دواخانہ ٹینکی والی گلی بالمقابل مسجد حنفیہ مین بازار اٹک سٹی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً۔ صورتِ مسئولہ میں بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں، بدون حلالہ و تجدیدِ نکاح اس کو گھر آباد نہیں کر سکتے۔ چونکہ آپ نے طلاق کو معلق کیا اسلام آباد جانے پر اور یہ تعلیق ہے۔ تعلیق میں رجوع نہیں ہو سکتا، لھذا شرط پائے جانے کی صورت میں از خود طلاق ہو گئی۔ (الیمین) ــــــ

لغۃً القوۃ وشرعاً (عبارۃ عن عقد قوی بہ عزم الحالف عن الفعل أو الترک) فدخل التعلیق فأنہ یمین شرعاً الخ ــــ (الدر المختار علی رد المحتار ص۲ جلد ۳) ــــ

وفی رد المحتار قال فی البحر وظاھر ما فی البدائع ان التعلیق یمین فی اللغۃ أیضاً قال لان محمداً أطلق علیہ یمینا وقولہ حجۃ فی اللغۃ (ص۲۳ ج۳)

لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من حلف علی یمین وقال ان شاء اللہ فقد بر فی یمینہ الا انہ لا بد من الاتصال لانہ بعد الفراغ رجوع ولا رجوع فی الایمان ــــ (الھدایۃ ص۴۸۳ ج۲)

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جہاں حُسنِ سلوک کی توقع نہ ہو وہاں نکاح میں طلاق کا اختیار لینے کا حکم

ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح مشروط طور پر کرنا چاہتا ہے کہ اگر زوجین میں حُسنِ سلوک نہ ہو سکے اور پریشانی کا سبب بن جائے تو وہ اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ عرصہ ۲ سال بعد میں خود یا میرا وکیل چار آدمیوں کے سامنے دولھا کے گھر آکر اپنی دختر کو طلاق کر دیگا اس شرط کو نکاح نامہ میں تحریر کرانا ہے تو کیا یہ نکاح عند الشرع جائز ہے؟ شرط قابلِ عمل ہے؟ ــــــ

ــــــ (حُسین احمد شاہ امام مسجد ریلوے کالونی خانیوال)

الجواب: بوقتِ ضرورت اور بوجہِ اندیشۂ فساد نکاح میں اس قسم کی شرائط لگانا جائز ہے۔

بشرطیکہ عقد نکاح سے قبل یہ شرائط لگائی جائیں جیسے کہ آئندہ مثال سے واضح ہو جائے گا۔ بطور مثال ایک شرط نامہ لکھا جاتا ہے ــــــ

"منکہ مسمّی فلاں بن فلاں اگر مسماۃ فلانہ بنت فلاں سے نکاح کروں تو بعد از نکاح اختلافات کی صورت میں مسماۃ مذکورہ کو یہ حق حاصل ہے کہ اس وقت یا پھر جس وقت چاہے اپنے اوپر طلاق بائنہ واقع کرلے"۔ (کذا فی الحیلۃ الناجزۃ ص۲۷ دارالاشاعت کراچی) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

چلو فرض کیا میں نے دُوسری بیوی کو طلاق دے دی

ایک شخص کی دو بیویاں ہیں ایک بیوی روٹھ کر میکے چلی گئی جب اس کو وہ لینے گیا تو اس کے بھائیوں نے اصرار کیا کہ تم دوسری کو چھوڑ دو، تب اس کو ناراضگی لگی، باتوں باتوں میں جب اس کو غصہ آیا تو اس نے جواب دیا کہ میں دُوسری کو چھوڑ دُوں گا، اگر یہ بسنے لگ جائے تب اس نے کہا کہ یہ فلانی بات کرتی ہے اور فلاں بات کرتی ہے۔ اگر یہ کرنی چھوڑ دے تو اس کا اور میرا گزر ہو جائے گا۔ چلو فرض کیا میں نے دُوسری کو تین طلاق دیدی تب بھی اس نے کوئی بسنا نہیں۔ اس وقت اس کی حالت غصہ میں تھی وہ شخص کانپ رہا تھا اس وقت اس کا گواہ تو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور ایک سالے کے اور کوئی گواہ نہیں تھا اور اس نے اندر میعاد دُوسری عورت مذکور کے ساتھ جماع کرلیا اور اس کی دوسری بیوی کو کوئی عداوت نہیں اور وہ طلاق لینا چاہتی ہے ابھی تک دوسری عورت جس کا شبہ ہے اس کے گھر بستی ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے

الجواب صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور کی کلام (چلو فرض کیا) سے اسکی دوسری بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوئی، لہٰذا دُوسری بیوی بدستور اس کے نکاح میں ہے اور اس کے لئے حلال ہے ــــ فقط واللہ اعلم۔

بندہ اصغر علی عفرلہٗ ــــ

اس صورت میں طلاق واقع نہیں کی گئی بلکہ یوں کہا ہے کہ اگر بالفرض دوسری بیوی کو طلاق دوں تو یہ آباد نہ ہوگی۔ آباد نہ ہونے کو معلق بالطلاق کیا گیا ہے ــــ

والجواب صحیح ــــ بندہ عبداللہ عفرلہٗ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مجھ پر عمر طلاق، طلاق بائنہ ہے۔

کہ زید نے عمر کا ایک برتن ہنسی میں دبا رکھا بعد میں عمر نے زید سے مطالبہ واپس کرنے کا کیا۔ تو زید نے کہا کہ مجھ سے رقم لے لو لیکن برتن نہیں دیتا، عمر نے دو دفعہ اور واپسی کا مطالبہ کیا مگر زید نے (نہ) دیا اس کے بعد عمر زید کے مکان سے باہر نکلنے کو تیار ہونے لگا تو زید نے عمر کا اسکا برتن واپس کر دیا۔ جب برتن لے کر باہر نکلا تو کہنے لگا اگر میں اس مکان پر پھر آؤں تو مجھ پر عمر طلاق ہے اور یہ کہہ کر چلا گیا کچھ مدت کے بعد وہی عمر اس مکان پر دوبارہ آنے لگ گیا، طلاق اٹھانے والے عمر کی منکوحہ ابھی غیر مدخولہ اپنے میکے میں ہے۔ آیا شرعاً اس کی منکوحہ پر طلاق رجعی یا بائن یا مغلظہ واقع ہوگی ہے یا نہیں۔ نیز اس علاقہ میں عمر طلاق کا یہ معنی لیا جاتا ہے کہ یہ عورت مجھ پر ہمیشہ کے لئے حرام اور مطلقہ ہے۔

الجواب عمر طلاق کے لفظ سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی۔ کیونکہ مطلقہ غیر مدخولہ ہے اس کی رضا سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے اور اگر طلاق دہندہ کی نیت اس لفظ سے تین طلاق کی تھی تو تین واقع ہوجائیں گی اور بغیر حلالہ کے جائز نہ ہوگی فی الدر المختار ویقع بقوله انت طالق بائن او البتة او افحش الطلاق او طلاق الشيطان او البدعة او اشر الطلاق او كالجبل الى قوله واحدة بائنة ان لم ينو ثلثاً ——

—— (شامی جلد دوم باب الطلاق الصریح)

عمر طلاق کا لفظ معنی میں طلاق دائم کے ہے اس لئے اس کے معنی میں بینونت مراد ہوگی۔ چونکہ عورت غیر مدخولہ ہے اس کو رجعی بھی بائن ہو جاتی ہے بہرحال بائن تو یقینی ہے۔ اور ثلثہ نیت پر موقوف ہے فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہر کی واپسی کے وعدہ پر طلاق دی تو یہ خلع نہیں بنے گا۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فیض بخش کو اس کی زوجہ کے رشتہ داروں نے کہا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دے دو، ہم وہ مکان جو کہ حق مہر میں ہم نے لیا ہے واپس کر دیں گے تو اس بنا پر مسمّی فیض بخش نے تین طلاقیں دیدیں اب وہ عورت اور اس کے رشتہ دار مکان مذکورہ دینے سے انکاری ہیں تو مسمّی فیض بخش اور اس کے وارث اس مکان کو واپس لے سکتے ہیں یا نہ ——؟

الجواب فی العالمگیریة ص ۱۱۹ ج ۲ امرأة قالت لزوجها اخلعنی علی الف درهم فقال

الزوج انت طالق۔ اختلفوا فیہ قال بعضھم کلام الزوج یکون جوابًا و یتم الخلع وقال بعضھم یقع الطلاق ولا یکون خلعًا والمختار ان یجعل جوابًا ۔۔۔

صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے رشتہ داروں کا یہ کہنا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دے دو ہم وہ مکان جو حق مہر میں ملا ہے واپس کر دیں گے۔ مطالبۂ طلاق اور وعدۂ واپسی مہر پر مشتمل ہے۔ لفظ خلع کا ذکر بھی نہیں ہے اور نہ یہ ذکر ہے کہ مہر کے عوض طلاق دو صرف ایک وعدہ ہے کہ ہم مکان واپس کر دیں گے اور خاوند نے بھی جو طلاق دی ہے اس نے بھی یوں نہیں کہا کہ میں طلاق بعوض اس مکان کے دیتا ہوں۔ بلکہ مطلق تین طلاق واقع کر دیں پس اس صورت میں طلاق واقع ہو گئی اور عورت کے رشتہ داروں کو مکان واپس کرنا اخلاقاً ضروری ہے لیکن قضاءً واجب نہیں عالمگیری میں جو صورت ذکر کی ہے اس میں عورت نے صراحۃً لفظ خلع کا ذکر کیا تھا۔ اخلعنی علی الف درہم اس لئے اس کے جواب میں جو طلاق دی گئی وہ خلع بن گئی برخلاف صورتِ مسئولہ کے اس میں طلاق بلا خلع واقع ہو گئی ۔۔۔ واللہ اعلم ۔۔۔

بندہ محمد عبداللہ عفر لہٗ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ

دُوسرا خاوند تلاش کر لو، بلا نیتِ طلاق کہا تو طلاق نہ ہوگی۔

میاں بیوی کے درمیان رنجیدہ ماحول میں بیوی نے کہا میرا لکھا نہ ٹلا۔ خاوند نے یہ سمجھا کہ بیوی یہ کہنا چاہتی ہے کہ میری قسمت اچھی ہوتی تو میری تمہارے سے شادی نہ ہوتی۔ اس پر خاوند نے کہا کہ ابھی تم کو غصہ ہے جب غصہ دُور ہو جائے تو غور سے سوچنا کہ آپ نے کیا الفاظ کہے ہیں۔ یہاں تک اس مجلس کی بات ختم ہو گئی دُوسرے روز دوپہر کے بعد خاوند نے بیوی کی بات یاد دلا کر کہا کہ میری اس قدر خدمت کے باوجود میرے ساتھ زندگی بسر کرنے پر خوش نہیں ہو تو میں مجبور نہیں کرتا تم دوسرا خاوند تلاش کر کے دیکھ لو۔ ان پر بیوی رونے لگی اور کہا کہ میری کل کی بات کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں آپکے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے خوش نہیں ہوں بلکہ میرا مطلب یہ تھا کہ میں اپنی ہمت کے مطابق آپ کی خدمت کرتی ہوں اور میری اتنی خدمت کے

باوجود خوش نہیں ہو تو میں نے اس زندگی سے مایوس ہو کر یہ کہا تھا کہ میرا کھانا ٹلا اس پر دوسری مجلس ختم ہو گئی اور میاں نے رونے سے رکنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر بیوی بے حد مغموم رہی بالآخر رات تک دونوں خوش ہو گئے۔ ان حالات میں اللہ کریم کا حکم کیا ہے۔ اس پر خاوند قسم کھا کر بیان کرتا ہے کہ میرا مطلب طلاق دینے کا نہ تھا بلکہ یہ کہنا تھا کہ اگر (بیوی) میرے ساتھ رہنے کو خوش نہیں ہے تو میں مجبور کر کے رکھنا نہیں چاہتا۔ چونکہ بیوی نے ظاہر کر دیا کہ خوش ہوں مگر اس سے زیادہ مجھ سے خدمت نہیں ہونے پاتی تو اس لئے میں نے مایوس ہو کر یہ الفاظ کہے تھے۔ اب میں خوش ہوں ____

میاں بیوی کے حالات اچھے ہیں۔ اب دونوں ڈرتے ہیں کہ کہیں ان الفاظ سے طلاق نہ ہوئی ہو اگر ہوئی ہے تو کس قسم کی۔ اب ان کو کیا کرنا چاہیئے ___؟

الجواب خاوند کے یہ الفاظ کہ تم دوسرا خاوند تلاش کر کے دیکھ لو۔ کنایات میں سے ہیں بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ پس صورت مسئولہ میں چونکہ خاوند نے طلاق کی نیت نہیں کی اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(عالمگیری ص۳۷۶ ج۲) وبابتغی الازواج تقع واحدۃ بائنۃ ان نواھا۔ فقط واللہ اعلم ___

بندہ محمد صدیق غفرلہٗ
معین مفتی خیر المدارس ملتان
۲۷/۵/۱۳۱۷ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد
خیر المدارس ملتان ۲۷/۵/۱۳۱۷ھ

نابالغ کی یمین طلاق منعقد نہیں ہوگی۔

ایک گاؤں میں درس تھا ایک باہر کا لڑکا اس گاؤں میں قرآن شریف پڑھتا تھا۔ ایک دن استاد نے اس کو سخت مارا اور غصہ میں آکر کہا اس گاؤں سے چلا جا، آخر لڑکا گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اسٹیشن پر پہنچ گیا، گاڑی کو دیر تھی، لڑکا اسٹیشن پر بیٹھ کر گاڑی کا انتظار کرتا رہا۔ ادھر سے استاد نے لڑکے روانہ کئے کہ اس کو پکڑ کر لے آؤ، لڑکے اسٹیشن پر پہنچ گئے، اس لڑکے کو کہا کہ واپس چلو لڑکے نے انکار کیا کہ اب میں واپس نہیں جاتا، لڑکے اس کو گھسیٹنے لگے لڑکا انکار کرتا رہا آخر لڑکوں نے کہا کہ طلاق اٹھاؤ کہ میں پھر اس گاؤں میں نہیں آؤں گا اس لڑکے نے طلاق اٹھائی کہ مجھ پر طلاق ہے پھر میں چک میں نہیں آؤں گا، لڑکوں نے کہا یہ طلاق نہیں ہے اس طرح اٹھاؤ کہ جب بھی میں شادی کروں مجھ پر تین طلاق سے عورت حرام ہے

میں اس گاؤں میں نہیں آؤں گا، لڑکوں کے کہنے کے مطابق اور مجبور ہو کر اور جان چھڑانے کی خاطر یہ قسم اٹھائی گئی اور لڑکے کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ طلاق کیا چیز ہے اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس گاؤں میں شادی ہوئی ہے اور کب ہوئی ہے۔ سات سال کے بعد اس کی شادی دوسری جگہ ہوئی لڑکی اسی گاؤں کی تھی

الجواب صورت مسئولہ میں اگر لڑکا نابالغ تھا اس کی یمین منعقد نہیں ہوئی بالغ ہونے کے بعد اگر وہ نکاح کرے تو اس صورت میں عورت مطلقہ نہ ہوگی قال فی العالمگیریۃ واما ما یتمحض منہا ضررا کالطلاق والعتاق فانہ یوجب الاعدام من الاصل فی حق الصغیر والمجنون (ص ۵۹۹ ج ۴)

اور اگر لڑکا بالغ تھا تو اس صورت میں یمین منعقد ہو جائیگی اور بوقت نکاح تین طلاق واقع ہو جائیں گی اگر اس نے صرف یہ لفظ کہے ہوں "جب بھی شادی کروں مجھ پر تین طلاق اور بیوی حرام" اور اگر اس کے علاوہ اور کوئی لفظ بھی صادر ہوئے ہوں تو الفاظ کے تبدل سے حکم متبدل ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
مورخہ ۳ رجب سنہ ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
خیر المدارس ملتان

عورت کہتی ہے بیماری میں طلاق دی ہے، وارث اس کے خلاف کہتے ہیں تو کس کا قول معتبر ہوگا ؟

اما بعد، ہم خادمان اہل علم مولوی فیض احمد و پیر حبیب اللہ صاحبان میں اشتباہ واقع ہے کہ ایک عورت دعویدار ہوئی کہ خاوند نے بیماری میں مجھے بطلاق بائن طلاق کی اور میرے انقضائے عدت سے قبل فوت ہوا مورث کے میراث سے حق کی طلب گار ہوں، مولوی فیض احمد صاحب کی رائے ہے کہ ایسے واقعہ میں گواہ کی ضرورت نہیں صرف اس کے قول کا اعتبار ہے کہ عالمگیری وغیرہ میں تصریح ہے:۔

"ادعت انہ ابانہا فی مرض موتہ وانہ مات وہی فی العدۃ وقالت الورثۃ بل فی الصحۃ فالقول لہا۔ الخ

اور پیر حبیب اللہ جان صاحب کی رائے ہے کہ اس وقت متصور ہے جبکہ ایک دوسرے کے گواہ

نہ ہوں اور جب گواہ ثابت کر دیں کہ مریض مذکورہ فی الجملہ حوائج داخل بیت وخارج بیت مثل جانا بازار کو اور مسجد کو اور سواری کر کے کوسوں تک سفر کرتا رہا۔ پس یہ مریض مثل تندرست کے ہے لہٰذا مدعیہ میراث کی مستحق نہیں ہو سکتی کیونکہ کتب فن میں تصریح ہے :۔

من عجز عن القیام بحوائجہ خارج البیت کعجز الفقیہ عن الاتیان الی المسجد وعجز السوقی عن الاتیان الی دکانہ فامامن یذھب ویجیئ ویحم فلا وھو الصحیح ۔۔۔ آہ ۔۔۔ (البحر الرائق ص۴۶ ج۴)

اور عبارات فتاویٰ بمقابلہ متن مرجوح ہے، لہٰذا مولوی کی سند نامنظور ہے۔ برائے عنایت وشفقت تصریح بتصویب اور المجیبین معنیً والمتخاصمین صورۃً تحریر فرماویں ۔۔۔

(نوٹ) طلاق دہندہ کچھ علیل تھا بازار جا کر عورت مذکورہ کا طلاقنامہ معونہ بصحت بدن تحریر کرایا بوجہ ناسازگاری روزگار کے ، بعد طلاق کے ضلع میانوالی کو برائے علاج گیا اور تین چار میل پیدل سفر بھی کیا اور بعد از آنے والے ایک ماہ تندرست رہا پھر بیمار ہو کر فوت ہوا طلاق اور فوت ہونے کے درمیان تقریباً ۴ ماہ چند یوم زندہ رہا ۔۔۔

الجواب سابقہ فتویٰ سے رجوع کرتے ہوئے تحریر کیا جاتا ہے۔ واقعی عورت مبانہ فی حالۃ الصحۃ کا خاوند اگر عدت میں فوت ہو جائے تو وارث نہیں ہوتی یہ حکم مبانہ فی المرض کا ہے۔ یا طالبۃ الطلاق بالطواعیۃ والرضا کا ہے۔ اب ہم اصل سوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے علم میں عالمگیری کی اس عبارت میں ادعت انہ ابانھا فی مرض موتہ وانہ مات وھی فی العدۃ وقالت الورثۃ بل فی الصحۃ فالقول لھا الخ یہ عورت کا قول اسی وقت راجح ہوگا جب کہ ورثاء کے پاس گواہ نہ ہوں اور اسی طرح عورت کے پاس بھی گواہ نہ ہوں اگر کوئی فریق اپنے قول پر گواہ پیش کرے تو وہ قول اولیٰ اور اقدم ہوگا (کماقال صاحب الھدایۃ فی باب التحالف ص۹۳) واذا اختلف المتبایعان فی البیع (الی قولہ واقام احدھما البینۃ قضی لہ بھا لان فی الجانب الآخر مجرد الدعوی والبینۃ اقوی منھا الخ

جن جگہوں میں فریقین کے درمیان اختلاف ہو وہاں کسی ایک فریق کا قول مع الیمین اس وقت معتبر ہوگا جبکہ کسی ایک کے پاس گواہ موجود نہ ہوں۔ پس صورت مسئولہ میں اگر وارثین میت بینہ عادل یعنی دو عدد گواہ معتمد حسب شرائط شرعی اس امر پر قائم کر دیں کہ متوفی نے طلاق کے بعد صحت میں ایک ماہ کم وبیش کچھ عرصہ گذارا ہے اور مثل تندرست

لوگوں کے اپنا کاروبار کرتا رہا تو وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور عورت محروم ہوگی اور اگر اِس قسم کے گواہ وارث قائم نہ کرسکیں تو بصورتِ اختلاف عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوگا ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

جھوٹی گواہی پر عدالت نے عورت کو مطلقہ قرار دے دیا تو طلاق ہوئی یا نہیں ؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسمّی نور محمد کی بیوی انور خاتون ناراض ہوگئی میکے چلی گئی جب نور محمد اس کو اپنے گھر واپس لانے گیا تو میکے والوں نے خرچ کا اسٹام لکھوانا چاہا، نور محمد خرچ کا اقرار نامہ اسٹام خرید کر کے نیچے انگوٹھا نیلی سیاہی کا لگا کر اور باقی اسٹام خالی چھوڑ کر میکوں کے حوالے کرکے اپنی عورت کو ساتھ لے گیا۔ کچھ مدّت بعد نور محمد نے اور شادی کی، شادی کے بعد یہ انور خاتون اس کے گھر خوش راضی آباد رہی۔ کچھ مدت بعد انور خاتون میکوں کو ملنے آئی میکوں نے خالی اسٹام پڑا دیکھ کر طلاق نامہ کا مضمون لکھوالیا اور گواہ بھی بنائے بعد میں مسلمان جج کی عدالت میں انور خاتون کے مطلقہ ہونے کا دعویٰ کر دیا، گواہوں نے جھوٹی گواہی دے دی مگر مدعیٰ علیہ نے قرآن کی قسم پیش کی لیکن گواہوں نے قسم نہ اُٹھائی، پھر بھی جج نے انور خاتون کو مطلقہ کر دیا، گواہوں کے انگوٹھے اسٹام پر کالی سیاہی سے لگے ہوئے ہیں اسٹام خریدنے والے نور محمد کا انگوٹھا نیلی سیاہی کا۔ مگر جج نے غور نہ کیا اور انور خاتون کو آزادی کا فیصلہ دے دیا۔ غرض یہ ہے کہ اس مذکورہ بالا جج کا فیصلہ شرع میں نافذ ہو چکا ہے یا نہ وہی گواہ اگر مولوی صاحب کے پاس صحیح گواہی دیں تو کچھ فائدہ ہے یا نہ ـــــــ

اَلجواب اگر گواہ جھوٹے ہونے کا اقرار کرلیں عدالت میں۔ تو قضاءً جج پر لازم ہے کہ فیصلہ سابق کو بدل دے، چاہے یہ عدالت کسی اور جج کی ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ کسی عالمِ دین کے سامنے رجوع کرلیں تو ان کے رجوع کی وجہ سے نکاح کرنے سے منع کیا جاسکے گا۔ مگر یہ ممانعت بھی اسی قسم کی ہوگی کہ یوں کہا جائے گا کہ تیرا نکاح عند اللہ نہیں ٹوٹا اگر دوسری جگہ نکاح کرے گی تو زنا میں تمام عمر مبتلا رہے گی وغیرہ وغیرہ، ذکر فی الفتاویٰ العالمگیریۃ فی باب الرجوع عن الشھادۃ اما شرطہ فان یکون الرجوع عند القاضی ـــــــ

اور اگر واقع میں یہ گواہ جھوٹے ہیں تو فسخ معتبر نہیں ہے۔ دوسری جگہ عورت کے لئے نکاح حلال نہ ہوگا۔

اور اگر نکاح کر لیا تو ثانی زوج کے لئے وطی حلال نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
۴/ ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان ۴/ ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیارِ فسخ بالغہ کو دیا تھا یا کہ نابالغہ کو ؟

الجواب واللہ الموفق للصواب۔ شریعت مطہرہ کا یہ قانون ہے کہ جب نابالغی میں لڑکی کا نکاح کر دیا جائے اور بالغ ہونے کے بعد وہ اپنا نکاح ناپسند کرے تو اس کا نکاح حاکم وقت کی اجازت سے فسخ کر دیا جائے گا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک نوجوان لونڈی آپ کے پاس حاضر ہو کر درخواست کرتی ہے کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر دیا ہے اور وہ اسے پسند نہیں کرتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیان پر اسے اختیار دیدیا کہ یعنی اگر اپنے خاوند کے پاس رہنا چاہے تو رہے ورنہ کسی دوسری جگہ اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرالے۔ (بحوالہ بلوغ المرام، فتح الباری، نیل الاوطار، سبل السلام، فتاویٰ نذیریہ)

اب موجودہ مسئلہ میں لڑکی کو اختیار ہے کہ اگر اپنے خاوند کو پسند کرے تو خاوند کے ساتھ رہے اور اگر ناپسند ہو تو حاکم کی اجازت سے نکاح فسخ ہوگا عدت وغیرہ قطعاً نہیں ہوگی۔ المجیب مولوی عبدالحکیم مولوی فاضل رحمانی ندوی

الجواب مجیب نے غلط لکھا ہے والد کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے بغیر طلاق لئے فسخ نہیں ہو سکتا البتہ اگر خاوند بیوی کو آباد نہ کرے اور نہ ہی طلاق دے۔ تو حکومت سے فسخ کرایا جا سکتا ہے جس کے لئے چند شرائط ہیں اور یہ جو مولوی عبدالحکیم صاحب نے روایت نقل کی ہے اس میں اس مولوی صاحب نے خیال نہیں فرمایا کہ یہ عورت جس کا نکاح اس کے والد نے بغیر رضا کے کر دیا تھا بالغ عورت تھی اپنے نفس کی خود مختار تھی اس کا نکاح والد بغیر اجازت کے نہیں کرا سکتا تھا اور نابالغہ کا نکاح اگر سوچ سمجھ کر کرے یعنی معروف بسوء الاختیار نہ ہو تو لازم ہو جاتا ہے اور صورت مسئولہ میں جس لڑکی کا نکاح والد نے کر دیا ہے وہ نابالغہ ہے اس لئے اس صورت کو حدیث سے اخذ کرنا غلطی اور نادانی ہے۔

فقط واللہ اعلم ———— بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ۳۰ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

طلاقنامہ پر انگوٹھا خاوند کے بھائی نے لگایا تو طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے اور عورت کو ڈرانے کے ارادے سے اپنے دوسرے بھائی کو کہتا ہے کہ جا میری بیوی کا کاغذ یعنی (طلاقنامہ) لکھوا کر لے آ، کیونکہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ اب اس شخص کا بھائی طلاقنامہ کا کاغذ لکھوا کر لے آتا ہے اور اس پر انگوٹھا بھی خود ہی لگاتا ہے اور اپنے بھائی کو پکڑا دیتا ہے اور وہ اپنی بیوی کو پکڑا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جا تو اپنے میکے چلی جا، اب وہ عورت طلاقنامہ والا کاغذ لے کر میکے چلی گئی، مفتیانِ شرع سے گزارش ہے کہ آیا یہ طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہ پھر نکاح کرنا پڑے گا یا کہ پہلا ہی نکاح درست ہے ————

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت سوال و عبارت مذکورہ بالا جب خاوند نے اپنے بھائی سے کہا کہ طلاقنامہ لکھوا کر لے آ۔ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ————

ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب (شامی ص ۲۶۹ ج ۲)

چونکہ خاوند نے تین طلاق کا لفظ نہیں بولا۔ اور نہ ہی وہ کاغذ اسے سنایا گیا اور نہ ہی اس پر اسکے دستخط ہیں۔ بلکہ جو نشانِ انگوٹھا ہے وہ اس کے بھائی کا ہے (جیسا کہ اس کی زبانی معلوم ہوا) اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوئی چونکہ ابھی تک عدت نہیں گزری (کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے) اس لئے بچہ پیدا ہونے سے قبل دو گواہوں کے سامنے رجوع کر سکتا ہے۔ دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ اگر خاوند رجوع کرے تو وہ عورت اس کی بیوی ہے دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق نہیں ——— فقط واللہ اعلم ————

بندہ غلام رسول جامعہ رشیدیہ منٹگمری

الجواب صحیح ابو النصر منظور احمد عفی عنہ — اصاب من اجاب محمد عبد اللہ غفر لہٗ

الجواب صحیح مختار احمد غفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

طلاق کی قسم میں اعتبار حالف کی نیّت کا ہوگا

زید گروپ اور بکر گروپ میں لڑائی ہوئی زید نے بندوق سے بکر گروپ پر دو فائر کئے جب کہ بکر گروپ کی طرف سے کوئی فائر نہیں ہوا کیونکہ بکر گروپ کے آدمیوں میں سے صرف ایک کے پاس پستول تھا وہ بھی چھپائے ہوئے تھا، لڑائی ختم ہونے کے بعد تھانے میں رپورٹ درج کرائی گئی دونوں گروپوں نے ایک دوسرے پر پہلے اسلحہ لانے اور پہلے فائر کرنے کا الزام عائد کیا تھا، تھانیدار نے سچ معلوم کرنے کے لئے بکر پر طلاق اٹھانے کی شرط عائد کی اور یہ مضمون دیا گیا جو کہ جمع کے صیغے کے ساتھ تھا کہ بکر یوں کہے :۔

(۱) ہمارے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ (۲) ہم نے کوئی فائر نہیں کیا۔ (۳) زید کی فائرنگ سے پہلے ہمارے پاس اسلحہ نہیں تھا۔۔۔ زید نے طلاق سے بچتے ہوئے یوں کہا :۔

(۱) میرے پاس اسلحہ نہیں تھا (۲) میں نے فائر نہیں کیا (۳) میں نے اپنے گروپ میں سے کسی کے پاس اسلحہ نہیں دیکھا ۔۔۔ بکر نے جواب میں تمام جگہ مفرد کا صیغہ بولا تا کہ جھوٹ بھی نہ ہو اور طلاق بھی بچ جائے۔ نیز تین طلاق کے ساتھ متصل إن شاء الله بھی آہستہ سے کہا۔ کیا طلاق ہو گئی ؟۔۔۔

۔۔۔ (قاری عبد الرحیم رحیمی خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف)

الجواب برتقدیر صحت سوال صورت مسئولہ میں بکر کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ درمختار میں ہے۔

" النية للحالف لو بطلاق او عتاق اھ وفی الشامية قال فی الخانية رجل حلف رجلاً فحلف ونوی غير ما يريد المستحلف ان بالطلاق والعتاق ونحوه يعتبر نية الحالف اذا لم ينو الحالف خلاف الظاهر ظالماً كان الحالف او مظلوماً اھ (ص۹۹ ج۳)

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان	مفتی خیر المدارس ملتان

دورانِ تعلیم شاگرد سے "طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِی ثَلَاثاً" کہلوانے سے طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کہ زید جو کہ ناخواندہ ہے اس کو بکر نے سورۃ ملک پڑھانا شروع کیا

چند دنوں کے بعد دو آدمیوں کے رُوبرو اسے یہ الفاظ طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِی سَتَّان ثَلَاثاً تعلیم ایسے لب و لہجہ کی تھی کہ پڑھنے والے کو یہ آیت سورۂ مُلک کی معلوم ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج کا سبق یہی ہے جب کئی مرتبہ اس نے اس کو دُہرایا تو بکر نے خود بھی اور اس کے پاس بیٹھے ہُوئے دو آدمیوں نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا تو نے اپنی عورت ستان کو طلاق دیدی ہے۔ زید مارے تعجب کے حیران ہو گیا چنانچہ یہی مقدمہ بنا منکوحہ کے بھائی نے ایک مولوی کے پاس دائر کردیا، مولوی صاحب نے اس کو اور انہی دو گواہوں کو (جن کا ذکر اُوپر ہُوا ہے) بُلوا کر ان کے بیانات لئے اور طلاق مغلظہ کا فتویٰ بشکل فیصلہ سُنا دیا۔ فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں:۔

اس میں شک نہیں کہ مسمّی زید مذکور ان عربی الفاظ کا معنیٰ نہیں سمجھتا تھا اور اس سے یہ الفاظ دھوکہ دے کر کہلوائے گئے مگر اس کی عورت ستان مطلقہ مغلظہ ہو گئی ہے اور اس کے حق میں نکاح کے ساتھ بھی نہیں آسکتی کیونکہ الفاظ طلاق صریح کے ہیں اور طلاقِ صریح نیّت پر موقوف نہیں ہے۔

(قال فی العالمگیریۃ ۔ جلد ۱ ص۳۷۸)

واذا قال الرجل لامرأته انت طالق ولا یعلم معنی قوله انت طالق یقع الطلاق

وفی الدر المختار او مخطئا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانه الطلاق او تلفظ به غیر عالم بمعناه او غافلاً او ساهیا یقع قضاءً وهکذا فی بهار شریعت (ص۲۱ / ج۸)

وفی العالمگیریۃ واذا قال لامرأته انت طالق ولا یعلم ان هذا القول طلاق طلقت فی القضاء ولا تطلق فیما بینه و بین الله تعالیٰ ۔ ص۴۸ ج۲

اب قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ جب اس جُملہ کو قراءۃ تصور کر کے پڑھ رہا ہے اور معنیٰ سے بھی جاہل ہے تو اندریں حالات کیا مولوی صاحب مذکور کا فتویٰ درست ہو کر زید کی عورت کو مطلقہ مغلظہ کر دے گا یا اندریں حالات طلاق واقع نہ ہو گی ـــــــ

اَلجَوَاب مولوی صاحب کا فتویٰ دربارہ وقوعِ طلاق غلط ہے اور ایسا مولوی جو اس قسم کی فیصلہ سازیاں خلافِ شرع انجام دیتا ہے قابلِ اعتماد بھی نہیں ہے بلکہ قابلِ تعزیر بھی ہے فتویٰ مذکور اس لئے غلط ہے کہ طلاقِ صریح اگرچہ محتاجِ نیت نہیں ہے اور اس میں بلا نیّت وقوعِ طلاق ہوجاتا ہے۔ عامداً ہو یا خطاءً لیکن وقوعِ طلاق کے لئے یہ شرط لازمی ہے کہ اضافتِ طلاق عورت کی طرف بالقصد ہو اور معنیٰ کا عالم بھی ہو ورنہ لازم آئے گا کہ ایک طالب علم جو فقہ کی کتاب سے امرأتی طالق کا جُملہ پڑھے یا نقل کرے اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے ـــــــ

قال فی ردّ المحتار صہ ۵۹۳ ج ۲ ۔ ولکن لابد فی وقوعه قضاءً ودیانة من قصد اضافة لفظ الطلاق الیها عالماً بمعناه ولو یصرفه الی ما یحتمله کما افاده فی الفتح وحققه فی النهر احترازاً عما لو کرر مسائل الطلاق بحضرتها اوکتب ناقلا من کتاب امرأتی طالق مع التلفظ اوحکی یمین غیره فانه لا یقع اصلاً مالو یقصد زوجته وعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غیر عالم بمعناه فلا یقع اصلا علی ما افتی به مشائخ انتہی۔

فقط واللہ اعلم	ھٰذا ھوالحق والحق احق ان یتبع
بندہ عبداللہ غفرلہٗ	خیر محمد عفا اللہ عنہٗ
۲۵/۱۰/۱۳۷۶ھ	مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

"کلما تزوجت فھی طالق" میں یمین سے پہلے والی منکوحہ داخل نہیں ہوگی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید نے عمرو کے ساتھ تحریری یا تقریری عہد کیا ہے کہ میں ہمیشہ تیری مرضی اور منشا کے مطابق کام کروں گا اور ہمیشہ میرے تمام احوال افعال تیری مرضی کے مطابق ہوں گے اگر کوئی میرا فعل یا قول تیری مرضی کے خلاف صادر ہو تو کلما تزوجت اذا تزوّج فھی طالق اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر زید سے کوئی فعل یا قول عمرو کی مرضی کے خلاف صادر ہوجائے تو زید کے لئے وہ منکوحہ عورت جو اس تعلیق سے پہلے منکوحہ ہے حلال ہے یا حرام۔ اور اس تعلیق میں منکوحہ سابقہ عورت داخل ہے یا نہ اور اس منکوحہ عورت کی حلت کے لئے کوئی صورت جواز نکل سکتی ہے یا نہ اور دوسری عورت کے نکاح کے لئے بھی کوئی صورت جواز نکل سکتی ہے؟ نہایت ہی سوچ کر جواب تحریر فرمایا جاوے۔ اور کتب کی مزید تتبع اور تلاش فرمائی جاوے۔ تمام عورتوں کی عدم تزویج کے لئے ایک قول فعل خلاف مرضی کافی ہے یا جدید؟ زید کے عمرو کو راضی کرنے کی کیا صورت ہے؟——

الجواب صورت مسئولہ میں اگر زید خلاف مرضی عمرو کوئی قول وفعل کرے گا تو اس کی موجودہ بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ آئندہ بیوی پر واقع ہوسکے گی——

(کما فی العالمگیریة صہ ۴۴ ج ۲) ولو قال ان کلمت فلاناً فکل امرأة اتزوجها فھی طالق لا یقع الطلاق علی التی تزوجها قبل الکلام کانت الیمین مطلقة اوموقتة فان نوی——

وقوع الطلاق علی التی تزوجها قبل الکلام صحت نیتہ ... (کذا فی فتاویٰ قاضی خان)

البتہ اگر زید نے بوقت حلف کلما تزوجت کے لفظ سے سابقہ بیوی مُراد لی ہوئی تھی تو اُس پر بھی طلاق واقع ہوجائے گی (۲) اگر ایک قول یا فعل بھی عمرو کی رضا کے خلاف کرے گا تو یمین میں حانث ہوجائے گا کیونکہ شرط میں یہ کہا ہے کہ اگر کوئی میرا قول یا فعل تیری مرضی کے خلاف ہو۔ فقط واللہ اعلم ـــــ

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ
خیر محمد عفی عنہٗ	خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
۲/۷/۱۳۷۰ھ	۲۸ رجمادی الاخریٰ ۱۳۷۰ھ

میں نکاح کو فسخ کرتا ہوں کنایاتِ طلاق سے ہے،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ چراغ الدین شاہ نامی نے ایک معاہدہ تنسیخ نکاح بعد پڑھائے جانے نکاح کے تحریر کر دیا ہے کہ اگر مقر ناکح خدانخواستہ دوسری شادی کرے تو منکوحہ حال کا نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ اب ناکح معاہدہ کنندہ نے دوسری شادی کرلی ہے۔ بدیں صورت نکاحِ اوّل فسخ سمجھا جائے گا یا نہ؟ اگر فسخ سمجھا جائے گا تو طلاق کس نوعیّت کی ہوگی۔؟ بیّنوا توجروا۔

المستفتی: سعید احمد یزدانی

الجواب صورت مسئولہ میں فسخ نکاح کو معلّق کیا گیا ہے دوسری شادی کے وجود پر فسخ نکاح اور نفی نکاح ہر دو کنایات میں شمار کئے گئے ہیں۔ نیّت طلاق یا قرینہ کے موجود ہونے کی صورت میں موجب طلاق ہوجاتے ہیں۔ ففی العالمگیریہ ص۱۶ ج۲) ـــــ

ولو قال فسخت النکاح ونوی الطلاق یقع (وفی الصفحۃ ص۲۲ ج۲) ولو قال لہا لا نکاح بینی و بینک او قال لم یبق بینی و بینک نکاح یقع الطلاق اذا نوی (وفی فتاویٰ قاضی خان ص۲۱۲ ج۲) ولو قال لہا لا نکاح بینی وبینک او قال لم یبق بینی وبینک نکاح او قال فسخت نکاحک یقع الطلاق اذا نوی۔

کابین نامہ میں ایسی تحریرات کے اندر جب لفظِ فسخ واقع ہو تو سیاق وسباق کو مدّنظر رکھتے ہوئے معنی طلاق ہی ہوتا ہے۔ بناءً علیہ اگر ناکح نے دُوسرا نکاح کرلیا ہے تو اس کی پہلی بیوی پر طلاق بائنہ واقع ہوگئی۔ تجدید نکاح

کی حاجت ہوگی نہ حلالہ کی ــــــ

(نوٹ) کابین نامہ میں یہ لکھا کہ نکاح فسخ سمجھا جائے گا ترجمہ ہے کان النکاح مفسوخاً کا یا یفسخ النکاح کا اور فسخت النکاح معروف ہے اور یہ مجہول ہے صیغۂ مجہول کے اندر بھی اضافت الی الفاعل معنوی ہوتی ہے اور یہ فسخت النکاح کے معنیٰ میں ہے۔ پس نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد عبداللہ غفرلہ
خیر محمد عفی عنہ	خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
مدرسہ خیر المدارس ملتان ۲۱/۷/ھ	مورخہ ۱۱ رجب ۱۳۷۰ھ

خاوندِ ثانی کے طلاق نہ دینے کا اندیشہ ہو تو بچنے کا حیلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین مسئلہ ذیل میں۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی اب زید چاہتا ہے کہ دوبارہ اپنی بیوی سے نکاح کر لے، اب چونکہ طلاق مغلظہ ہو چکی ہے اب اسے حلالہ کی ضرورت ہے۔ بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ زید ایک دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ تو میری بیوی طلاق شدہ سے نکاح کرلے مگر اس شرط کے ساتھ کہ تو ہمبستری کر کے چھوڑ دے وہ آدمی قبول کر لیتا ہے۔ تو آیا اگر یہ طریقہ کیا جاوے تو اسلام میں جائز ہے یا نہیں۔ جواب سے سرفراز فرمادیں اور اگر طریقہ مذکورہ بالا کے ساتھ نکاح کر کے طلاق لے لی گئی ہو تو اب خاوندِ اوّل سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ــــــ

الجواب یہ حیلہ اگر ضرورت کی بناء پر کر لیا جاوے تو درست ہے حضرات فقہاءؒ نے بوقت ضرورت حیلہ کے استعمال کی اجازت دی ہے، صورت اس کی مناسب یہ ہے کہ خاوند سے یہ اقرار کرا لیا جاوے جسے وہ زبان سے کہہ دے کہ جب میں اس عورت سے نکاح کروں اور ایک دفعہ ہمبستری کر چکوں تو اس عورت کو تین طلاق واقع ہوں گی یا اس عورت کو میری طرف سے تین طلاق۔ تو اس صورت میں ہمبستری کے بعد تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ بعدہٗ عدت وہ عورت خاوندِ اوّل سے نکاح کر سکتی ہے۔ (کذا فی العالمگیریہ)

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس ملتان	خیر محمد عفی عنہٗ ۱/۷/ھ ۱۱

بیوی کے ساتھ برتاؤ سے مُراد "صرف ہمبستری لینا" خلافِ ظاہر ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مُفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص زید کہتا ہے کہ اگر میں اپنی عورت ہندہ کے ساتھ برتاؤ کروں تو مجھ پر تین طلاق ہے۔ یہ الفاظ عرفاً عام ہیں اور زید نے پہلے ایک عالم کے سامنے عام مُراد بیان کی ہے کہ میری مُراد عام بول چال تھی۔ اب زید کہتا ہے کہ میری مُراد مخصوص ہمبستری تھی اور اس بات کا اس نے حلف اُٹھادیا ہے۔ اب دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ زید کے ان الفاظ کی مُراد عام ہو گی۔ جیسے کہ پہلے وہ کہتا تھا ایک عالم کے سامنے اور گواہ بھی موجود ہیں یا یہ مخصوص ہمبستری مُراد ہو گی جس پر زید نے حلف اُٹھادیا ہے اگر عام مُراد ہو تو عام حیلہ جو کہ متون میں موجود ہے طلاق بائنہ کے ساتھ اس پر عمل کر سکتے ہیں یا نہ اور یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ زید کی طلاق کے وقت عورت موجود نہ تھی رُدھی ہُوئی تھی بعد میں منوا کر لے آئے اور پندرہ بیس دن خاوند کے گھر رہی اور ہمبستری نہیں ہوئی اور اگر زید کی مخصوص مُراد ہو اور ابھی تک ہمبستری نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں بھی کوئی شرعی حیلہ ہے کہ طلاق زائل ہو سکے ______؟

الجواب اگر میں ہندہ سے برتاؤ کروں تو مجھ پر تین طلاق کہنے کے بعد اگر وہ شخص ہندہ کو گھر لے آیا اور اس کے ساتھ کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا بات چیت کر لی، سلام کلام کر لیا ہو تو اگرچہ جماع کی نوبت نہ آئی ہو تب بھی اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی کیونکہ برتاؤ سے بھی معاشرت اور سلوک عرفاً مُراد ہوتا ہے اور یہ شخص گواہوں کے سامنے اقرار بھی کر چکا ہے کہ میری مُراد واقعتاً یہی تھی۔ اب اس کا دُوسری مُراد لینا معتبر نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفرلہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان شہر

لفظِ آزاد سے نیّت نہ کی ہو تو طلاق کا حکم

مُسمّی زید نے اپنے سسرال کی طرف بدیں مضمون لکھا کہ آپ کی لڑکی باہر سوتی تھی اور میں اندر اور میرے ساتھ سلوک نہیں کرتی تھی۔ (۲) میرے کہنے پر نہ چلتی تھی بلکہ مجھ کو اس نے کہا کہ میں نے تجھ کو مہر بخش دیا ہے کسی قسم کا دعویٰ نہ کروں گی، خاوند دُوسرا نہ کروں گی، اب والد کے گھر ہی جینا مرنا ہے۔ تو زید نے تحریر کیا تمہاری لڑکی میری طرف سے آزاد ہے، مختار ہے جو جی چاہے کرے تین دفعہ یہ الفاظ لکھ دیئے

دوسرے دن والد سسرال آیا اور کہا کہ اب میری لڑکی کو طلاق ہوگئی یہاں اپنے ہاتھ سے لکھ دو کہ تمہاری لڑکی میری طرف سے آزاد ہے مختار ہے جو جی چاہے کرے تو زید نے کہا میری نیت طلاق کی نہیں ہے۔ اگر آپ کا ارادہ طلاق کرانے کا ہے تو میں اپنے باپ سے مشورہ کر کے فیصلہ کا کاغذ دوں گا۔ اب اس صورت میں طلاق کنایہ ثابت ہے یا نہ۔؟ ——

الجواب صورت مسئولہ میں چونکہ خاوند نے طلاق کی نیت نہیں کی جیسا کہ اس کے مؤخر الذکر قول سے معلوم ہوتا ہے اس لئے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی ——

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد صدیق غفرلہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳ صفر ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان ۲۳ صفر ۱۳۷۰ھ

لفظِ طلاق مکرر کہنے کی صورت میں عوام کے دعویٰ تاکید کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید اور ہندہ کا گھریلو کام کاج کے بارے میں دو تین دن سے جھگڑا چل رہا تھا، آخر زید نے غصہ میں آکر دو گواہوں کی موجودگی میں حسب ذیل الفاظ سے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دی۔ میں نے طلاق دی میرے خدا نے طلاق دی۔ یہ الفاظ زید نے چار مرتبہ متواتر کہے اسی رات ہندہ نے اپنے شوہر سے جدائی کر لی اور الگ رہنے لگی، چار یا پانچ روز کے بعد زید نے اپنی عورت سے رجوع کرنا چاہا تو ایک عالم سے یہ مسئلہ دریافت کیا عالم صاحب نے فرمایا اگر زید نے پہلی طلاق، طلاق کی نیت سے دی ہے اور باقی میں اسی الفاظ کی تاکید کی ہے تو زید کا نکاح فسخ نہیں ہوا۔ توبہ کر کے رجوع کر سکتا ہے اور آئندہ زید کو دو طلاقوں کا حق باقی ہے۔ ——

چونکہ زید مذکور عالم صاحب کے پاس حاضر تھا تو انہوں نے دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں زید سے حلفیہ اس بات کو دریافت کیا تو زید نے خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر ان کے سامنے یہ کہا کہ میں نے غصہ میں آکر طلاق صرف ایک دفعہ دی تھی اور تین دفعہ اس کی تاکید کی تھی میری نیت تین طلاق دینے کی نہ تھی، تو عالم صاحب نے اس سے یعنی زید سے توبہ کرائی اور کہا کہ تمہارا نکاح فسخ نہیں ہوا اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا ——

الجواب صورت مسئولہ میں قضاءً اور دیانۃً تین طلاق واقع ہو چکی ہیں کیونکہ ظاہر حال عوام الناس

اور جہال کا یہی ہے کہ وہ لوگ تاکید کے معنیٰ کو بھی نہیں جانتے جب اپنی عورت کو تین مرتبہ طلاق دیں تو نیت تین کی ہی ہوتی ہے البتہ اگر ایک عالم (واقف مسئلہ تاکید وتاسیس) جو پہلے سے اس مسئلہ کو جانتا ہے تین مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق طلاق کہے اور پھر یہ کہے کہ میری مراد تاکید تھی تو قضاءً تین اور دیانۃً ایک واقع ہوگی۔ (درمختار علی الشامیہ صفحہ ۶۴ ج ۲) ——

کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین قال فی الشرح ای وقع الکل قضاءً وکذا اذا اطلق اشباہ ای بان لم ینو استینافاً ولا تاکیداً لان الاصل عدم التاکید۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ	الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸ صفر ۸۰ھ	مدرسہ خیر المدارس ملتان ۲۹ صفر ۱۳۸۰ھ

"ہمارا باہم رہنا دشوار ہے" سے طلاق کا حکم

میں نے اپنی ساس کو غصہ میں آکر یہ الفاظ کہے کہ اپنی بیٹی کو لے جاؤ ہمارا باہم رہنا دشوار ہے۔ ایسی بیوی سے دستبردار ہونا بہتر ہے، تو اس سے طلاق ہوگئی یا کہ نہیں؟ ——

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کی نیت جب ان کلمات سے طلاق دینے کی نہ تھی تو پھر اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور آئندہ کے لئے احتیاط کرتا رہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ	الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ

اس شرط پر طلاق دینا کہ تم فلاں سے نکاح نہیں کروگی۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے اور یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر تم عورت ان دو شخصوں فلاں اور فلاں سے شادی کروگی تو میری طرف سے تم پر طلاق نہیں ہوگی، اس کے علاوہ تم جس کے ساتھ چاہو نکاح کر سکتی ہو، تو کیا ان دو شخصوں میں سے کوئی ایک اس عورت سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں اور کیا اس طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں ——

مولوی نور نبی کوئٹہ (بلوچستان)

الجواب صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوگئی اور عورت جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کر سکتی ہے اور اس شخص کا یہ کہنا کہ اگر تو فلاں بن فلاں کے ساتھ نکاح کریگی تو طلاق نہیں ہوگی۔ اس کا کوئی اثر نہیں کیونکہ طلاق کا وقوع پہلے ہو رہا ہے اور شرط بعد میں لگا رہا ہے تو یہ تعلیق صحیح نہیں بلکہ اس شرط کا وقوع قبل از طلاق ناممکن ہے لہٰذا یہ تعلیق اس وجہ سے بھی صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم

فالجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ اصغر علی غفرلہٗ
الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

ہندوؤں سے جان بچانے کے لئے کہہ دیا کہ میں "ہندو ہوں" تو بیوی نکاح میں رہی یا نہیں؟

جب ہندو پاک میں فسادات شروع ہوئے تو مسمی بنیا کی منکوحہ مسماۃ جنوں دختر جمال الدین اپنے ماں باپ کے ساتھ کیمپ میں آگئی، پھر اس کا خاوند بنیا اس کو کیمپ سے لینے کے لئے آیا تو لڑکی والوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں بھیجتے کیونکہ تم ہندو ہو چکے ہو حالانکہ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے کہا کہ میں ہندو ہو گیا ہوں، اس کے ساتھ دو آدمی اور موجود تھے۔ اس کے بچے ہندوؤں کے گاؤں میں تھے ان ہندوؤں نے کہا اگر تم واپس نہ آئے تو تمہارے بچے قتل کر دیئے جائیں گے۔ اس خطرے کی وجہ سے اس نے ایسے الفاظ صادر کئے اور کہا واپس اپنے گاؤں جاؤں گا اس کو جواب نفی میں ملا لہٰذا واپس چلا گیا اور جمال الدین وغیرہ پاکستان چلے آئے۔ دو تین ماہ بعد بنیا بھی کسی طرح موقع پا کر پاکستان آگیا جب وہ جمال الدین کے پاس پھر آیا تو جمال الدین نے جواب دیا کہ ہم نہیں بھیجتے کیونکہ جمال الدین نے کسی مولوی سے سابقہ حال سنا کر معلوم کر لیا تھا کہ وہ مرتد ہو گیا۔ اس لئے اس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی اور سے کر دیا۔ حالانکہ بنیا نے جو کچھ کہا تھا وہ محض اپنی جان بچانے کے لئے کہا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مرتد ہو گیا یا نہیں ۔۔

الجواب سوال سے معلوم ہوا کہ مسمی بنیا نے محض اپنی اور بچوں کی حفاظت کے لئے جو کہ ہندوؤں کے قبضہ میں تھے یہ کہا کہ میں ہندو ہو چکا ہوں، لہٰذا ایسی صورت میں اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی کیونکہ اگر کوئی شخص جان بچانے کے لئے کلمۂ کفر کہہ دے مگر دل میں ایمان ہو تو اسلام سے خارج نہ ہوگا لہٰذا وہ لڑکا مرتد ہوا اور نہ اس کی بیوی نکاح سے خارج ہوئی ۔۔۔۔۔۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری ہے:۔

من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان (النحل)

محمد عبد اللہ غفرلہٗ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۱۱/۱۰/۱۴

الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہٗ
مہتمم خیر المدارس ملتان

مکمل طلاق، طلاقِ بائنہ ہے۔

زید اور زینب سفر کر رہے تھے وہیں جھگڑا ہو گیا زینب نے کہا مجھے طلاق دے، زید نے لکھ دیا میں نے تمہیں طلاق دی، زینب نے کہا یوں نہیں بلکہ لکھ دو میں نے تمہیں مکمل طلاق دی، زینب کے اصرار پر زید نے یہی لکھ دیا کہ میں نے تمہیں مکمل طلاق دی ـــــــ تو اس سے کونسی طلاق واقع ہوئی۔؟ ـــ

الجواب صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی دوبارہ تجدید نکاح کرلیں۔

قال فی البحر الحاصل ان الوصف بما ینبئ عن الزیادة یوجب البینونة اھ ج ۲

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۶/۷/۱۳۷۴ھ

بیوی نافرمان ہو اور والدین اصرار کریں کہ طلاق نہ دو تو کیا کرے۔

استفتاء:- میں نے ۱۹۶۶ء میں اپنے ماموں کی لڑکی سے شادی کی، میری ایک ہمشیرہ کی شادی میری شادی سے بہت عرصہ پہلے دوسرے ماموں کے لڑکے سے ہوئی ہے۔ میرے پاس ایک لڑکا بعمر ۵ برس اور ایک لڑکی بعمر ۸ ماہ اس وقت زندہ ہیں، کئی مرتبہ میری بیوی مجھ سے گستاخانہ طور پر پیش آئی حتیٰ کہ گالیاں بھی دیں میرے زدوکوب کرنے پر والدین نے بیچ میں پڑ کر مصالحت کرادی، گھر کا سلیقہ بالکل ٹھیک نہیں رکھتی جس پر میں نے انہیں چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر والدین نے کہا کہ تم ہماری مرضی کے خلاف چھوڑ کر زندگی خراب کردگے والدین میرے اس اقدام میں اس لئے حائل ہوتے ہیں کہ برادری ٹوٹ جائے گی اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ ضعیف والدین ہمیشہ تو بیٹھے نہیں رہیں گے۔ اگر ان کے بعد میں نے اسے چھوڑ کر اور شادی کی تو دنیا مجھے بے حیا کہے گی کہ والدین کی موجودگی میں تو ٹھیک تھا اب یہ گل کھلا رہا ہے۔ کئی مرتبہ بیوی سے بوجہ ناراضگی بول چال بند کی مگر والدین اسے مجبور کرتے کہ وہ مجھ سے معافی مانگے اور مجھے معافی دینے پر مجبور کرتے۔

اب عرصہ ڈیڑھ ماہ سے میں نے بول چال بند کی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یعنی میری بیوی مجھ سے اور میرے والد سے گستاخانہ طور پر پیش آئی۔ میں نے اپنی والدہ کو کہا کہ اگر آپ اسے بھتیجی بنا کر رکھنا چاہیں تو بے شک رکھیں مگر میں نہیں رکھنا چاہتا۔

۱ اب عرض ہے کہ میرا اس طرح سے بول چال بند کر دینا ایلاء میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ اور ایلاء کو کن مواقع پر کہا جاتا ہے؟

۲ میرے یہ الفاظ کہ اپنی بھتیجی کر کے رکھنا چاہیں تو رکھیں مگر میں نہیں رکھنا چاہتا طلاق میں شمار ہوتے ہیں یا نہیں ـ؟

۳ والدین میرے طلاق دینے کے ارادے سے متفق نہ ہونے کے باوجود اگر میں طلاق دے دوں تو کیا میرا یہ فعل خلافِ شرع ہوگا اور والدین کی نافرمانی میں شمار ہوگا ـ؟

الجواب (۱) بول چال بند کرنے سے ایلاء نہیں ہوتا۔ بلکہ ایلاء کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ ۴ ماہ صحبت نہ کرنے کی حلف اٹھائے:

فی العالمگیریۃ ج ۱ ص ۱۱۲ الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحۃ منعاً مؤکداً بالیمین باللہ او غیرہ من طلاق .... مطلقاً او مؤقتاً بار بعۃ اشہر۔

۲ ـ میں نہیں رکھنا چاہتا اس سے طلاق واقع نہ ہوگی ـــــ

فی العالمگیریۃ ص ۱۷۵ اذا قال لا ارید ک او لا احبک او لا اشتہیک او لا رغبۃ لی فیک فانہ لا یقع وان نوی فی قول ابی حنیفہؒ (کذا فی البحر الرائق) ـــــ

۳ ـ دیکھنا یہ چاہیئے کہ موجودہ بیوی اگر پریشان کُن ہے۔ کہ اس کے گھر میں ہونے سے مفسدہ دینی پیدا ہوتا ہے اور والدین کو بھی اس کے طلاق دینے میں چنداں تکلیف نہ ہوگی۔ اگرچہ طبعی تکلیف کچھ ہو اور خاوند سخت مجبور ہے۔ تو ایسی سخت مجبوری میں طلاق دے دینا والدین کی نافرمانی نہ ہوگی، گو اولیٰ پھر بھی یہی ہوگا کہ والدین کی اطاعت کرے اور طلاق نہ دے ـــــ اور اگر بیوی کے گھر میں ہونے سے کوئی خاص مفسدہ دینی نہیں ہوتا یا والدین کو بیوی کی طلاق سے بوجہ مخالفت برادری کے سخت تکلیف پہنچے گی اور پریشانی ہوگی تو ایسی صورت میں طلاق والدین کی نافرمانی میں داخل ہو کر گناہِ کبیرہ بن جائے گی ـــــ

کذا یفہم من التفصیل الواقع فی بہشتی گوہر ص ۱۴۳ ضمیمہ تعدیل حقوق الوالدین ـــــ

مشورہ :- حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورتیں بائیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اگر تم انہیں سیدھا کرنا

چا ہو گے تو توڑ ڈالو گے اور فرمایا: فاستوصوا بالنساء خیرًا ـــــــ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اھل وعیال کے ساتھ اچھا ہو، اس لئے صبر کرنا بہرحال بہتر ہے اور روایات میں آیا ہے کہ مباحات میں سے مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔ اکابر سے سُنا ہے کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کی بیوی سخت بد خلق تھی مگر آپؒ صبر کرتے تھے ـــــــ

فقط واللہ اعلم
بندہ عبداللہ عفرلہٗ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۲۸ رشعبان ۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح
خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

تیرا میرا معاملہ ختم نیّت کے ساتھ طلاق بائنہ ہے۔

(استفتاء) میری عورت اور بندہ کے درمیان کئی وجوہاتِ خاص کی بناء پر نا اتفاقی ہو گئی۔

۱۔ چونکہ ہمیشہ میری نافرمان رہی ہے اور خود مختار عورت ہے جتنا عرصہ بندہ کے گھر آباد رہی اپنی مرضی اور خود مختاری سے اپنے میکے چلی جاتی معمولی سی بات پر پندرہ بیس دن کے بعد یا مہینہ کے بعد اپنے میکے چلی جاتی اور پھر منانے پر واپس آجاتی۔ بہرکیف ہر لحاظ سے یعنی بلحاظ دیانت و امانت اور عزت وغیرہم ایک خائن عورت ثابت ہوئی پہلے بھی ایک جگہ سے مطلقہ ہو چکی ہے ـــــــ

۲۔ اب کچھ عرصہ سے وہ اپنی عادت کے موافق گھر سے بغیر اجازت خاوند کے روٹھ کر اپنے میکے پہنچ چکی ہے حالانکہ اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی ظلم اور تعدی نہیں ہوئی، گھر سے باہر دو فرلانگ کے فاصلہ پر اس کا خاوند اس کے پیچھے بھاگا اور اسے جا کر کہا کہ کس سے پوچھ کر جا رہی ہو۔؟ اور کس کے ساتھ جا رہی ہو؟ اکیلی کیوں جا رہی ہو کیا شریعت کا یہی حکم ہے! کہ تم بغیر اجازت میری گھر سے باہر نکل کر اکیلی دو، تین میل کے فاصلے پر چلی جاؤ۔ ان تمام باتوں کا جواب اس نے ایک ہی دیا کہ مجھے سفید گدے اور گھر مل جائیں گے اور ایسے مکانات بھی مل جائیں گے، چنانچہ یہ جواب سُن کر بندہ نے جواب دیا کہ آج سے تیرا اور میرا معاملہ ختم، آج کا دن یاد رکھنا میں کبھی تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا۔ چنانچہ عورت نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور اپنی گٹھڑی جو ہاتھ میں لے جا رہی تھی وہ برقعہ کے اندر کر لی اور بُڑبُڑ کرتی ہوئی تیزی سے قدم اُٹھا کر آگے چلی گئی۔ بندہ واپس آ گیا۔ اب میری عورت طلاق طلب کر رہی ہے اور خرچہ بھی۔ کیا مذکورۃ الصدر واقعات کے ہوتے ہوئے جب خاوند کے ذمہ کسی قسم کا کوئی قصور نہ ہو تو کیا شرعی طور پر خاوند کے ذمہ عورت کا خرچہ ہو سکتا ہے یا نہ۔؟

الجواب جو عورت اپنے گھر سے بلا اجازت حاصل کئے نکل جاوے وہ ناشزہ ہے اور نان و نفقہ کی مستحق شرعاً نہیں۔ عالمگیری میں ہے :۔

وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله والناشزة هى الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه۔ (الی آخرہ ص۱۴۳/۲)

باقی رہا معاملہ طلاق۔ سو اس بارے میں آپ کے الفاظ (آج سے تیرا میرا معاملہ ختم) اگر ان میں آپ نے نیت طلاق کی کی ہے تو طلاق بائنہ ہوگئی۔ ورنہ عورت کو آباد کرنے پر آمادگی ظاہر کریں اور طلاق دینا شرعاً لازم نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے :

وفى الفتاوى لم يبق بينى وبينك عمل ونوى يقع۔ (عالمگیریہ ص۶۲/۲) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

۲۴ شوال المکرم ۱۳۷۳ھ

بیماری کی حالت میں بیوی کو نقصان پہنچانے کے لئے طلاق دینا۔

۱۔ اگر کوئی بیماری کی حالت میں اپنی منکوحہ کو اس کے حقوق غصب کرنے کے لئے طلاق دے دے تو کیا یہ طلاق ہو جائے گی۔

۲۔ اس خاوند کے سرمایہ اور زمین میں اس کا حق بنتا ہے یا نہیں ؟

الجواب الرجل اذا طلق امرأته طلاقاً رجعياً فى حال صحته او فى حال مرض برضاها او بغير رضاها ثم مات وهى فى العدة فانهما يتوارثان بالاجماع وبعد اسطر ولو طلقها طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم مات وهى فى العدة فكذلك عندنا ترث ولو انقضت عدتها ثم مات لم ترث (فتاوى هنديه ص۱۰۵/۲) — وفى التنوير فلو ابانها طائعاً وهو كذلك ومات بذلك السبب ورثت هى۔ (ص۷۱۹/۲ شامی)

اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن اس سے عورت کے استحقاق وراثت پر اثر نہیں پڑتا۔ جبکہ اس کے خاوند کی موت دوران عدت واقع ہو جائے۔

پس صورتِ مسئولہ میں اگر شخص مذکور نے بحالتِ مرض اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور دورانِ عدت مر گیا تو اس کی بیوی میراث کی حق دار ہے۔ خاوند کی اگر اولاد موجود ہے تو بیوی کو ⅛ حصہ کل ترکہ سے ملے گا جبکہ کوئی دوسری بیوی موجود نہ ہو جیسا کہ حوالہ بالا سے ظاہر ہے ـــــــ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۶ / ۶ / ۱۳۸۳ ھ

مرتدہ کے اسلام لانے کے بعد پہلے خاوند سے تجدیدِ نکاح پر ایک اشکال کا جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی مسلمان عورت مذہب عیسائیت اختیار کر لے تو کیا از روئے شریعت اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں۔ کتاب اللہ و سنتِ نبوی اور احکامِ فقہ کی روشنی میں جواب دیں ـــــ

الجواب یہ عورت بدستور خاوند سابق کے قبضہ میں رہے گی کسی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں کیونکہ عورت کے مرتد ہو جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن جب تک تجدیدِ اسلام کر کے تجدیدِ نکاح نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع جائز نہیں۔ (کذا فی الحیلۃ الناجزۃ صـ۱۱۹)

اس پر اشکال کیا گیا کہ مرتدہ کا نکاح جب نہیں ٹوٹتا تو پھر تجدیدِ نکاح کی کیا ضرورت ہے نکاح کی تجدید تو ایک دوسری بار نکاح ہے۔ دوسری بار جب ہو کہ پہلا نکاح فسخ ہو۔ پہلا نکاح اگر فسخ نہیں ہوا تو تجدید چہ معنیٰ دارد۔ اگر نکاح میں تجدید درکار ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلا نکاح فسخ ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے فقہاء کے اقوال مختلف ہیں ـــــ

(۱) نکاح ٹوٹ جاتا ہے (۲) نکاح فسخ نہیں ہوتا بدستور سابق شوہر کے نکاح میں رہتی ہے حسب قول مشائخ سمرقند و بلخ و بعض مشائخ۔ (۳) یہ عورت مرتدہ اپنے خاوند کے پاس بحیثیت کنیز رکھی جائے۔

ان تینوں اقوال میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن اس بات میں تمام فقہاء متفق ہیں کہ عورت کو بنا بر ارتداد یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے پہلے خاوند سے علیحدہ ہو کر دوسری جگہ نکاح کرے کیونکہ اس سے بابِ ارتداد مفتوح ہوتا ہے جس کا انسداد شرعاً ضروری ہے۔ اب ان تینوں اقوال میں سے ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا ہے ـــــ

ہمارے ملک میں جہاں انگریزی قانون رائج ہے مشکل ہے کیونکہ فسخ نکاح کے بعد کوئی قوت عورت کو دوبارہ تجدید اسلام پر مجبور کرنے والی نہیں، اس لئے مشائخ بلخ کے قول پر فتویٰ ہے کہ نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ جماع اور دواعی جماع کے لئے ظاہر الروایۃ پر نظر کرتے ہوئے تجدید اسلام اور تجدید نکاح ضروری قرار دیا گیا۔ یوں سمجھیں کہ ہمارا فتویٰ روایاتِ اولیٰ اور روایاتِ دوم کی رعایت پر مبنی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ ۱۳۹۷ھ

کُلُّ حَلَالٍ عَلَیَّ حَرَامٌ سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کُلُّ حَلَالٍ عَلَیَّ حَرَامٌ تو اس لفظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں ہوتی ہے تو کون سی۔؟

الجواب صورت مسئولہ میں اگر خاوند نے یہ الفاظ کہے ہیں تو اس سے طلاق بائنہ واقع ہو گی جس میں عدت کے اندر اور بعد بھی برضامندی طرفین تجدید نکاح ضروری ہے اور عورت بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کرنے کی بھی مجاز ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ | الجواب صحیح عبداللہ عفرلہٗ ۳۰-۱۲-۹۷ھ

خاوند کے صرف شک و شبہ ظاہر کرنے سے عورت لعان کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بیس سال سے زید کے گھر آباد ہے، آٹھ بچے ہیں چھوٹے بچے کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے۔ دونوں خاندانوں کے اختلاف کافی عرصہ سے چلے آرہے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے بہکاوے میں آکر ہندہ طلاق حاصل کرنے اور بچوں سے محروم کرنے کے لئے دعویٰ پیش کرتی ہے کہ خاوند مجھ پر کافی عرصہ سے الزام لگاتا رہا ہے اور بچوں کے نسب پر شک و شبہ کرتا ہے خاوند کہتا ہے کہ عورت بالکل جھوٹ بول رہی ہے نہ میں نے کبھی الزام لگایا ہے اور نہ بچوں کے نسب پر شک و شبہ کیا ہے کیونکہ مجھے بچوں سے گہری محبت ہے اور بچوں کی تعلیم و تربیت دل لگی سے کر رہا ہوں۔ آیا ان صورتوں میں مرد کا قول معتبر ہے یا عورت کا نیز خاوند کے اظہار شک کی بناء پر عورت لعان کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب لعان اس وقت ہو گا جب کہ خاوند بیوی پر صراحۃً زنا کی تہمت لگائے یا ان بچوں کے

نسب کی نفی کرے صرف بلا وجہ شک شبہ سے جائز نہیں، اگر خاوند تہمت کا اقرار نہ کرے اور عورت کے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو محض عورت کے مطالبہ پر لعان نہ ہوگا۔

او نفی نسب الولد و طالبته به لاعن (در مختار ص۵۸۶ ج۲) ای ان اقر بقذفه او ثبت قذفه بالبینة فلو انکر ولا بینة لها ولم یستحلف وسقط اللعان۔ (در مختار علی ہامش الشامیہ ص۵۸۷ ج۲)

واضح رہے کہ لعان کے لئے قاضی کا ہونا شرط ہے۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفی عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خاوند نے تین طلاق کو نکاح پر معلق کیا، لڑکی والے کہتے ہیں ہم اہلحدیث ہیں اس تعلیق کا کوئی اعتبار نہیں تو نکاح کرے یا نہ؟

گذارش ہے کہ زید کی منگنی اپنے تایازاد بھائی کی لڑکی سے طے ہوئی تھی کچھ عرصہ آپس میں کشیدگی کی وجہ سے زید نے یہ لفظ کہے کہ اگر میں اس لڑکی سے شادی کروں تو اس کو تین طلاق اور یہ بھی کہا کہ اگر میں زندگی میں جس مرتبہ اس لڑکی سے شادی کروں تو اس کو تین طلاق ——— زید نے جب یہ لفظ کہے اپنی زبان سے تو اس وقت کوئی آدمی وہاں موجود نہیں تھا اس کے بعد زید نے اپنے والدین سے کہا کہ میں یہاں شادی نہیں کروں گا کیونکہ میرے تایازاد بھائی اہلِ حدیث ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان نظریہ کا اختلاف ہے اور میں نے یہ لفظ کہدیئے ہیں جو اُوپر بتا چکا ہوں اس پر زید کو اس کے والدین نے اسے گھر سے نکال دیا اور کہا کہ جہاں ہم نے تمہارا رشتہ کرنا تھا کر دیا ہے اگر تم کو یہ رشتہ منظور نہیں تو تم سے زندگی بھر کوئی واسطہ نہیں، اب زید عرصہ دراز سے گھر سے باہر ہے اور زید کے والدین اور تایازاد بھائی کے درمیان تعلقات بہت کشیدہ ہو چکے ہیں جس کی وجہ زید کا رشتہ ہے۔

دریں اثناء وہ لڑکی جس کا رشتہ زید سے ہونا قرار پایا تھا کہتی ہے کہ میرا رشتہ زید کے ساتھ ہی ہو اگر ایسا نہیں ہوتا تو میں ساری عمر کسی اور جگہ شادی نہیں کروں گی اس پر لڑکی کے والدین نے اپنی لڑکی سے کہا کہ ان حالات میں ہم تمہاری شادی زید کے ساتھ کیسے کر سکتے ہیں جبکہ وہ ایک مرتبہ اپنے مسلک کے تحت انکار کر چکا ہے ——— اب اس لڑکی کے والدین نے شادی کے بارے میں پھر سلسلہ جنبانی شروع کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ہماری لڑکی کے ساتھ زید کی شادی نہ ہوئی تو ساری عمر کے لئے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں گے۔ زید ان

سب حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس لڑکی سے شادی کیلئے برضا ورغبت تیار ہے. کیا اس مسئلہ میں کوئی شکل نکل سکتی ہے ۔ (ظہور واچ ہاؤس ۔ انار کلی لاہور)

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ زید مذکور جب بھی اس لڑکی سے شادی کریگا تو وہ فوراً بسہ طلاق حرام بحرمت مغلظہ ہو جائے گی پس صورتِ مسئولہ میں زید مذکور کے اس کہنے (اگر میں بجے مرتبہ اس لڑکی سے شادی کروں اس کو تین طلاق) سے لڑکی مذکورہ سے نکاح کرنے کی گنجائش نہیں ہے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ لڑکے کا نکاح اس جگہ نہ کیا جائے۔ (بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ)

لڑکی اور لڑکے کے والدین کو احتیاط کرنی لازم ہے اگرچہ لڑکی کے والدین اھل حدیث ہیں مگر انہیں بھی احتیاط پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ حنفیہؒ کے نزدیک نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی. لڑکی کا اصرار بے جا ہے. اللہ تعالیٰ ہر دو فریقین کو اچھا موقع مہیا کریں گے ۔۔۔

اور اس وجہ سے اپنے خاندانی تعلقات کو منقطع کرنا بھی ٹھیک نہیں. اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے. آمین. والجواب صحیح ۔ عبداللہ عفرلہٗ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۸/۱ھ

میں بیوی سے کبھی رجوع یعنی تعلق نہیں رکھوں گا ایلاء ہے ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ محمد اسلم اور سلمیٰ میاں بیوی ہیں. سلمیٰ (بیوی) محمد اسلم (خاوند) سے ناراض ہو کر میکے چلی گئی. ناراضگی بڑھ گئی. تعلقات زیادہ کشیدہ ہو گئے. چار ماہ دس دن قبل یعنی یکم اگست ۱۹۷ء کو محمد اسلم نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی. کہ اب وہ اپنی بیوی (سلمیٰ) سے رجوع نہیں کرے گا. قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے متعلق شرعی احکام واضح کریں. نیز فتویٰ بھی تحریر کریں ۔۔۔

۱ ۔۔۔ کیا اس قسم کی وجہ سے اسلم کی بیوی (سلمیٰ) کو طلاق ہو گئی ہے یا نہیں۔؟

۲ ۔۔۔ طلاق کی صورت میں کس تاریخ کو طلاق ہوئی ؟ کیا وہ طلاق بائن ہوئی یا رجعی ؟ ایک طلاق ہوئی یا دو، یا تین ۔۔۔

۳ ۔۔۔ کیا میاں بیوی کے درمیان ہمیشہ کے لئے رشتہ ٹوٹ گیا۔

۴ ۔۔۔ مہر کے متعلق کیا ارشاد ہے جبکہ ابھی تک خاوند کے ذمہ مہر کی رقم واجب الاداء ہے ۔

۵ ۔۔۔ نکاحِ ثانی سے اسلم اور سلمیٰ کا دوبارہ رشتۂ ازدواج قائم ہو سکتا ہے یا نہیں ۔۔۔

۶ ـــــ اگر میاں بیوی اب دوبارہ صلح کرنا چاہیں تو کیا شرعی طریقہ اختیار کریں جبکہ آج مورخہ دس دسمبر ۱۹۶۷ء کو قسم اٹھائے ہوئے پورے چار ماہ اور دس دن گذر چکے ہیں۔ بینوا توجروا ـــــ

الجواب وفی الدرر من الکنایۃ لا امسك ۔ لا اتیك لا اقرب فراشك ۔ لا ادخل علیك ـــ روایات بالا سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ وہ اپنی بیوی سلمیٰ سے رجوع نہیں کرے گا۔ ایلاء ہے۔ پس جب اس کہنے کے بعد چار ماہ گزر چکے ہیں تو اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ زوجین کی رضا مندی سے دوبارہ تجدید نکاح درست ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ہے اور یہ عورت بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم ـــــ

بندہ محمد اسحٰق عفر لہٗ

نائب مفتی خیر المدارس (ملتان)

خاوند سے دھوکہ سے خلع کے لفظ کہلوالئے تو بھی خلع ہو جائے گا۔

ایک عورت خالدہ نے اپنے خاوند سے کہا کہ میری مٹھی میں جو کچھ ہے اس کے عوض میں مجھ سے خلع کرلے جبکہ عورت نے اس کو یہ بھی کہا کہ خلع کا معنی صلح ہے اور خاوند خلع کے معنیٰ سے ناواقف ہے جبکہ گھریلو کشیدگی کی وجہ سے عورت اور اس کے والدین نے کئی بار خاوند کو کہا کہ اس کی جان چھوڑ دے لیکن خاوند بار بار انکار کرتا رہا ہے اس کے بعد عورت نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میری مٹھی میں جو کچھ ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کر خاوند نے جواباً تین بار یہ جملہ کہا کہ جو کچھ تیری مٹھی میں ہے اس کے بدلہ میں میں نے تجھ سے خلع کیا ـــــ

اس مجلس میں عورت نے جواباً کہا کہ مجھے قبول ہے خاوند فوراً سمجھ گیا کہ اس نے مجھ سے کوئی طلاق کے الفاظ کہلوائے ہیں جس کی وجہ سے اس نے کہا کہ میں نے صلح کا لفظ کہا ہے خلع کا نہیں کہا حالانکہ خاوند نے گواہوں کے روبرو عورت کے کہنے پر جواباً تین بار خلع کا لفظ کہا ہے آیا اس صورت میں خلع واقع ہو گی یا نہیں یعنی خلع کی صورت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں ـــــ

الجواب صورت مسؤلہ میں مسمات خالدہ مطلقہ ہو چکی ہے، عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کی شرعاً مجاز ہے الفاظ صریح میں نیت کی حاجت نہیں اور ایسے ہی جہالت بھی عذر نہیں۔ دس روپے بدل خلع بن سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے: لا بأس بہ عند الحاجۃ للشقاق بعدم الوفاق بما یصلح للمہر بغیر عکس

کلی لصحۃ الخلع بدون العشرۃ وبما فی یدھا۔ (الشامیۃ ص۶۶۱ ج۲)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

ظہار کے لئے حرفِ تشبیہ کا اظہار ضروری ہے!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بلا تشبیہ کسی عضو کے مطلق کہا ہے کہ تو میری ماں بہن ہے۔ کیا بغیر تشبیہ کے ظہار پڑجاتا ہے یا کہ نہیں۔ ثانیاً اگر مطلق الفاظ میں طلاق کی نیّت ہو، تو طلاق وغیرہ پڑتی ہے یا نہیں؟ بعض کُتب فقہ میں مطلق ماں بہن کہنے کے الفاظ کو لغو قرار دیا ہے لکھا ہے۔ جب تک تشبیہ نہ دی جائے ظہار نہیں بنتا اور حدیث پاک میں الفاظ مطلق ہیں تشبیہ کا ذکر نہیں ہے بعض ان الفاظ کو دیکھ کر فقہ کے حوالے کو نہیں مانتے تسلّی بخش جواب مطلوب ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب ظہار بننے کے لئے حرفِ تشبیہ کی تصریح ضروری ہے۔ جیسا کہ علّامہ شامیؒ نے محقق ابن ہمامؒ سے نقل کیا ہے۔ ایک طویل اقتباس کے اخیر میں ہے۔ فعلم انہ لا بد فی کونہ ظہارا من التصریح بأداۃ التشبیہ شرعًا۔ (شامی ص۹۴ ج۲) پس تو میری ماں بہن ہے کہنے سے ظہار نہیں ہوگا۔ ــــــ

کما فی الشامیۃ نقلا عن الفتح وفی انت امی لا یکون مظاھرا وینبغی ان یکون مکروھا

(ص۹۴ ج۲ کذا فی البحر ص۱۰۲ ج۴ والھندیۃ ص۱۲۶ ج۲) ــــــ

فتح القدیر البحر الرائق النہر الفائق فتاوی عالمگیری وغیرہ کُتب میں انت امی کا حُکم صرف کراہت لکھا گیا ہے اور نیّت وعدمِ نیّت کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی۔ اور درمختار میں اس کلمہ کو لغو قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہُوا کہ نیّت وعدمِ نیّت دونوں صورتوں میں اس کا حکم کراہت ہے۔ ظہار وغیرہ کچھ نہیں ــــ

پس یہ کلمہ اگر بنیّت ظہار بھی کہے گا۔ تب بھی ظہار نہیں ہوگا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص سے سُنا کہ اپنی بیوی کو یا اُخَیَّۃ کہہ کر پکار رہا ہے آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔ اور ایسا کہنے سے روک دیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شخص مذکور سے نہ نیّت وعدمِ نیّت دریافت فرمائی۔ نہ ظہار وطلاق وغیرہ کا حُکم فرمایا۔ جس سے معلوم ہُوا کہ ایسا کہنا مکروہ اور لغو ہے۔ کما فی الفتح ــ

پس اس حدیث سے فقہ کے مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔ آپ کے پیشِ نظر شاید کونسی حدیث ہے

جو اس جزئیہ کے خلاف ہو۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
۲۲/ ۱۰/ ۱۳۸۷ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اگر میں نے صبح تم کو طلاق نہ دی تو تم کو عمر طلاق۔

ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی عورت سے کہا کہ اگر میں نے تجھ کو کل صبح طلاق نہ دی تو پھر تجھ کو عمر طلاق ہوگی اور صبح کو اس نے طلاق نہیں دی تو اب شرع شریف میں اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کی عورت پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی جس کا حکم یہ ہے عدت کے اندر اور بعد زوجین کی رضامندی سے تجدید نکاح درست ہے۔ محض رجوع کرنا کافی نہیں ہے اور تجدیدِ نکاح کے لئے حلالہ کی بھی ضرورت نہیں ہے ـــــــ

کما فی العالمگیریہ ص۳۷۰ اذا قال انت طالق مثل عدد کذا الشئ لا عدد لہٗ کالشمس والقمر وما اشبہ ذلک فھی واحدۃ بائنۃ عند ابی حنیفۃ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفی عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ایک، دو، تین جا تو مجھ سے خلاص ہے،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا ایک، دو، تین جا تو مجھ سے خلاص ہے، جواب از مولوی گل صنم صاحب اس کی عورت پر صرف ایک طلاق بائن پڑی کیونکہ پہلے الفاظ میں نسبت نہیں ہے بغیر اضافت کے طلاق واقع نہیں ہوتی اور دوسرے جملہ سے ایک بائن واقع ہوئی۔ جواب از مولوی محمد یوسف صاحب، یہ عورت مغلظہ ہوگئی کیونکہ ایک دو تین کا موصوف طلاق ہے نسبت معنوی موجود ہے اور یہ کافی ہے اور تو خلاص ہے یہ قرینہ ہے اضافت کا اسمیں کس کا جواب صحیح ہے۔

الجواب دوسرا جواب جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا تحریر کردہ ہے صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ

مطلقہ ثلاث کو بطور بیوی رکھنے والے کے ساتھ قطع تعلق واجب ہے۔

ایک شخص نے اپنی عورت مدخولہ کو طلاق مغلظہ دی جس پر عرصہ دو سال کا ہوا ہے کہ پھر اس مطلقہ سے ایک بچہ تھا وہ اور طالق دونوں مطلقہ مغلظہ کو لے آئے اور طالق بغیر حلالہ کے اُسے زوجین والے حساب سے استعمال کر رہا ہے، اب وہ صریح زنا کر رہا ہے۔ کئی مسلمان حنفی شاہد ہیں اس پر، بس صرف ایک مکان ہے اکیلے جس میں رہتے ہیں اب مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ مطلقہ اس مکان میں نہیں رہ سکتی، کسی دوسرے مکان میں چلی جاوے کیونکہ حدیث ؟ اتقوا مواضع التہم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے طالق اب بچہ کو ہمراہ کر کے عورت مطلقہ مغلظہ کے ساتھ تعلقات جاری کر رہا ہے تو اس کے ساتھ کیا برتاؤ شرعاً کیا جاوے اس کو نماز میں شریک ہونے دیں جو کہ صرف نماز جنازہ رسم کے طور پر پڑھتا ہے، باقی نماز فرض ادا نہیں کرتا، آیا اس کو نماز جنازہ وغیرہ میں کس حد تک رکھ سکتے ہیں؟

وہ شخص توبہ کر لیتا ہے اور عورت کو باہر نکال دیتا ہے۔ ہفتہ کے بعد پھر وہیں آجاتا ہے اور بخوشی اس کو ایک مہینہ رکھا پھر چلی گئی۔ ہفتہ کے بعد پھر آگئی اس کی توبہ بھی ایسی ہے ایک مہینہ میں چار دفعہ ایسا کرتا ہے حلال کو حرام سمجھتا ہے اور اسے استعمال کرنا روا سمجھتا ہے حلالہ نہیں کرواتا؛ اگر اس کا بچہ اس کو رکھے تو اس مکان طالق والے سے کتنا دور ہونا ضروری ہے تاکہ ملاقات وغیرہ کا مسئلہ نہ آجاوے۔ قرآن و حدیث کا صاف انکاری ہے ____

الجواب صورت مسئولہ میں اگر یہ عورت واقعی مطلقہ مغلظہ ہے تو ایسے شخص مذکور کے ساتھ رہنا ہرگز ہرگز درست نہیں باوجود فہمائش کے اگر یہ شخص اس عورت سے کامل علیحدگی اختیار نہ کرے تو اس سے قطع تعلقات کرنا ضروری ہے۔ اہل اسلام اسے اپنے بیاہ و شادی وغیرہ میں شریک نہ ہونے دیں۔ لڑکا اگر چاہے تو اپنی والدہ کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے ___ الگ مکان میں جہاں اس کے والد کی رہائش نہ ہو مکانات کے فاصلہ کا اعتبار نہیں شخص مذکور اور مطلقہ میں کامل علیحدگی ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم ____

الجواب صحیح	بندہ عبد الستار عفی عنہ
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ	نائب مفتی جامعہ خیر المدارس
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲ ۴/ ۱۳۸۱ھ	ملتان شہر

"اگر یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو طلاق" اور خط نہیں بھیجا۔

زید نے بیوی کو لکھا "اگر یہ خط تیرے پاس پہنچنے کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اندر تم میکہ سے سسرال واپس نہ آئیں تو تین طلاق"۔ لیکن نہ یہ خط مکتوب الیہا کو بھیجا نہ کسی کو علم ہوا بلکہ کئی سال تک چھپائے رکھا اب اس خط کا انکشاف ہوا ہے۔ واضح رہے کہ بیوی سسرال نہیں گئی تو کیا طلاق ہوگئی ؟

الجواب مذکورہ تحریر جب تک مکتوب الیہا کو نہیں پہنچے گی مؤثر نہیں ہوگی۔

وان علق طلاقها بمجیئ الکتاب بان کتب اذا جاءک کتابی هذا فانت طالق فما لم یجیٔ الیها الکتاب لا یقع کذا فی (فتاوی قاضی خان (عالمگیری ص ۴۲۸ ج ۱)

فقط واللہ اعلم —

محمد انور غفرلہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفی عنہ

کسی مصلحت کے تحت طلاق کی جھوٹی خبر دینے کا حکم :

زید نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے چکا ہوں، فلاں رات شاید سو دفعہ طلاق کا لفظ کہہ چکا ہوں اور اس قسم کی اطلاع زبانی اور تحریری طور پر زید نے دوسرے بھائی اور والد کو بھیج دی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اب زید کہتا ہے کہ میرا یہ بیان غلط تھا۔ میں نے جھوٹ ہی کہا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے اب تک ایک دفعہ بھی طلاق کا لفظ زبان سے نہیں نکالا اور نہ ہی طلاق دی۔ مزید کہتا ہے کہ میری سابقہ غلط بیانی کا پس منظر یہ ہے کہ والد صاحب نے میری مرضی کے خلاف ہندہ کو اس کے والدین کے گھر بھیج دیا تھا۔ اس سے ناراض ہو کر میں نے اپنی بیوی ہندہ کو لکھا کہ تمہارا میری اجازت کے بغیر چلے جانا تمہاری آزادی پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا میں تمہیں مکمل آزادی دیتا ہوں۔ اس تحریر سے یہ شہرت ہوگئی کہ میں نے والد صاحب

سے ناراض ہوکر ہندہ کو طلاق دے دی ہے کہ والد صاحب نے ہندہ کو میکے کیوں بھیجا ہے۔ زید کہتا ہے کہ میں اپنی سابقہ غلط بیانی سے ایسا کہنے والوں کو اور والد صاحب کو یہ تأثر دینا چاہتا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے' والد صاحب کے فعل سے ناراض ہوکر نہیں کیا۔ تحریر بیوی کو بھی بعد میں بھیجی گئی۔ لیکن یہ تحریر غیر مؤثر اور لغو ہے' کیونکہ طلاق تو پہلے میں ایک رات دے چکا تھا اور شاید سو دفعہ طلاق کا لفظ کہا ہو اور اس رات ہندہ کے بھائی سے جھگڑا ہوگیا تھا جس سے ناراض ہوکر میں نے رات کو طلاق دے دی تھی۔ الغرض یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے یہ والد صاحب کے فعل سے ناراض ہوکر نہیں کیا بلکہ جو کچھ ہونا تھاوہ پہلے ہو چکا تھا اور اس کا سبب ہندہ کے بھائی کے ساتھ جھگڑا تھا۔ اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں' اگر ہوئی تو کونسی؟

الجواب :

فی الشامیة ص۵۸۱ / ج۲ امامافی اکراہ (الخانیة) لو اکرہ ان یقر بالطلاق فاقر لا یقع کما اذااقر بالطلاق ھازلاً او کاذبًا فقال فی البحر ان مرادہ بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدمہ دیانة الخ۔ نقل عن البزازیة والقنیة لو اراد بہ الخبر عن الماضی کذبا لا یقع دیانة وان اشھد قبل ذلك لا یقع قضاءً ایضًا

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر زید نے واقعی یہ خبر (کہ فلاں رات سو دفعہ طلاق کہہ چکا ہوں) اپنے بھائیوں اور والد کو جھوٹ موٹ دی تھی تو دیانتًا یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن اگر یہ معاملہ حاکم یا عدالت تک پہنچا تو فیصلہ وقوع طلاق کا کیا جائے گا اور حکم بھی طلاق مغلظہ ہونے کا دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر زید کی بیوی کو اس واقعہ کا علم ہوگیا تو اس کے لئے اس کے شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں ہوگا۔

لان المرأة كالقاضي قال في الشامية (ص ۵۹۴ ج ۲) والمرأة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه وايضا في العالمگيرية (ص ۴۹ ج ۲) المرأة كالقاضي لا يحل لها ان تمكنه اذا سمعت منه ذلك او شهد به شاهد عدل عندها۔

البتہ زید کا اپنی بیوی کو خط لکھنا (کہ تمہارا میری اجازت کے بغیر چلے جانا تمہاری آزادی پر دلالت کرتا ہے' لہٰذا میں تمہیں مکمل آزادی دیتا ہوں) "مکمل آزادی دیتا ہوں" یہاں کے عرف میں طلاق کے معنی میں مستعمل ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے امدادالفتاویٰ (ص ۳۷۰ ج ۲) میں آزادی کو طلاق صریح رجعی فرمایا ہے' مگر خط میں چونکہ مکمل آزادی کا لفظ ہے جو بدوں طلاق بائنہ کے حاصل نہیں ہوتی' لہٰذا خط کی تحریر سے زید کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی' جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر یا بعد میں زوجین میں تجدید نکاح درست ہو گی اور تجدید نکاح کے بغیر زید کے لئے اپنی بیوی ہندہ کو گھر رکھنا جائز نہیں ہو گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ الجواب صحیح

خیر محمد عفااللہ عنہ

اگر طلاق دہندہ کو معلوم ہو کہ بدوں اضافت طلاق نہیں ہوتی اور مدعی ہو کہ میں نے اسی لئے بلا اضافت کہی تھی تاکہ طلاق نہ ہو :

جناب عالی! قصہ اس طرح شروع ہوا کہ میرے خاوند کچھ دوا لے کر آئے تھے اور پلانے کے بعد کہا کہ دیکھ تیرے بھائی نے میری لڑکی کو گالیاں دی ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ اس پر میں نے کہا غلط ہے' لڑکی نے جھوٹ کہا ہے۔ وہ لڑکی کو گالیاں نہیں

دے سکتا۔ وہ آئیں گے تو پوچھ لینا۔ تھوڑی دیر بعد بھائی آ گئے۔ تو انہوں نے پوچھا تو بھائی نے کہا کہ میں نے لڑکی کو اس طرح نہیں کہا' تو ان میں تھوڑی دیر بعد ہاتھا پائی ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے مجھے کہا کہ تم اب چلو میں ابھی کار لاتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا۔ لیکن دیگر لوگوں نے کہا کہ دیکھو چار دن کا بچہ ہے (اور عورت زچہ ہے) جانا ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے کہا وہ غصہ میں ہیں' پھر ان کو سمجھاؤ۔ وہ اتنے میں کار لے کر آ گئے۔ اور کہا کہ چلو۔ لیکن دیگر لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ اچھا نہیں ہے اور میں خاموش رہی کہ اچھا چلتی ہوں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ اچھا اگر تم ایسے کہتی ہو (یعنی کہتی ہو کہ طلاق دینا جرم ہے وغیرہ سائلہ کا زبانی بیان) تو میں کہتا ہوں ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق اور چلے گئے۔ اور عورت زچگی میں اس وقت چار دن سے تھی۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟

نوٹ : بعد میں خاوند کا خط آیا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں طلاق دے کر نہیں آیا' میرے الفاظ صرف یہ تھے جو میں نے کہے تھے ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق۔ یہ تو نہیں کہا کہ کیسے طلاق اور کس کو طلاق۔ یہ میں نے سوچ لیا تھا۔ مسئلہ کے متعلق مجھے پتہ تھا کہ اس طرح طلاق نہیں ہوتی۔ الخ۔

الجواب :

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور کو واقعی یہ مسئلہ معلوم تھا کہ جب تک طلاق کی اضافت عورت کی طرف نہ کی جائے اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوتی اور مسئلۂ مذکور کو ملحوظ رکھتے ہوئے شخص مذکور نے اپنی عورت کی طرف نسبت کئے بغیر ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق کہا تو پھر اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہ ہو گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ غفرلہ' مفتی خیر المدارس
۲۱/۶/ ۸۱ھ

ماں بہن کے برابر کہنے سے طلاق کی نیت کرنا :

ایک شخص اپنی زوجہ کو میکے جانے سے روکتا ہے۔ اگر میکے گئی تو ناک کاٹوں گا۔ اگر رکھوں تو میری بہن ہے۔ اس کے بعد یہ الفاظ تحریر کئے: اقرار کرتا ہوں کہ یہ آئندہ کے لئے میری ماں بہن کی طرح برابر ہے۔ اس کاغذ کے عنوان میں شروع میں طلاق نامہ لکھا ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ یہ رسید گی طلاق نامہ ہے۔

نوٹ : ماں بہن کے الفاظ کہے ہوئے سال ہو چکا ہے' اور طلاق نامہ دیئے ہوئے ایک ماہ ہوا ہے۔ کیا ایسے الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے' اور کیا دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے؟

الجواب :

وفی الدر وان نوی بانت علی مثل امی او کامی و کذالو حذف علی خانیة براً او ظهاراً او طلاقاً صحت نیته وقع مانواه لانه کنایة وفی الشامیة علی قول الدر (لانهٔ کنایة) ای من کنایات الظهار والطلاق قال فی البحر واذانوی به الطلاق کان بائنا کلفظ الحرام (ص ۷۹۴' ج ۲)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور کے اس کلمہ سے (کہ یہ میری بیوی بہن کے برابر ہے) ایک طلاق بائن ہو گئی۔ حکم اس کا یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے تجدید نکاح درست ہے۔ اور عدت کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ اور یہ اس وقت سے مطلقہ تصور ہو گی جب سے اس کے خاوند نے تحریری طلاق نامہ دیا ہے۔

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ

الجواب صحیح

عبداللہ غفرلہ' مفتی خیرالمدارس ملتان

حلالہ کے لئے التقاء ختانین کافی ہے' انزال ضروری نہیں :

(۱) حلالہ کرنے کے لئے جب دوسرے شخص سے عورت کا نکاح کردیا اور دوسرا اس سے صحبت بھی کرلے تو اس صحبت میں تکمیل شہوت یعنی انزال بھی ضروری ہے' یا صرف ایلاج کافی ہے۔ کیا صرف ایلاج کے بعد اگر دوسرا شخص طلاق دیدے تو سابق خاوند کے لئے بعد از عدت عورت مذکورہ حلال ہوگی؟

(۲) حدیث میں جو محلل اور محلل لہ پر لعنت آئی ہے' اس سے کیا مراد ہے؟ تحلیل کا فعل جس صورت میں بھی پایا جاوے موجب لعنت ہے یا یہ موجب لعنت اس وقت ہے جب بوقت نکاح دوسرے شخص سے یہ وعدہ لیا جاوے کہ تم بعد میں طلاق دوگے۔ اگر محلل اور محلل لہ کے ارادے میں تو یہی ہے کہ عورت سابق خاوند کے لئے حلال ہوجاوے' لیکن بوقت نکاح اس کا کوئی تذکرہ نہ کیا جاوے تو حدیث بالا کے بموجب پھر بھی یہ فعل موجب لعنت ہے؟

الجواب :

(۱) صرف ایلاج کافی ہے' انزال ضروری نہیں۔ ویشترط ان یکون الایلاج موجبا للغسل وھو التقاء الختانین ھٰکذا فی العینی شرح الکنز اما الانزال فلیس بشرط للاحلال (عالمگیری ص ۴۷۳/ ج ۱)

(۲) محلل پر لعنت تب ہے کہ وہ اس پر اجرت لے کر آمادہ ہو۔ اگر اس کی نیت اصلاح کی ہے تو پھر اگرچہ اس سے وعدہ بھی لیا گیا ہو تب بھی موجب لعن نہ ہوگا۔

اما اذا اضمر ذٰلك لا یکرہ وکان الرجل مأجورا لقصد الاصلاح وتأویل اللعن اذا شرط الاجر ذکرہ البزازی' (شامیہ ص ۵۸۷' ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
۱۳۸۹/۴/۲۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ھزلاً لکھی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے پہلے نکاح کیا ہوا تھا اور اس نکاح کی اہلیہ بھی زندہ تھی کہ میں نے دوسری جگہ اور نکاح بھی کرلیا۔ تو اہلیہ اول میرے اس ثانی نکاح سے ناراض ہوئی اور مجھے کہنے لگی کہ اپنے بال بچے سنبھال' میں جاتی ہوں' کیوں تم نے نکاح ثانی کیا۔ ادھر میں نے حج کی درخواست دے رکھی تھی۔ حسن اتفاق سے وہ بھی منظور ہوگئی۔ تو جیسے میرے حج پر جانے کے دن قریب آنے لگے' اہلیۂ اول کا تقاضا زیادہ اصرار سے سامنے آنے لگا۔ تو میں نے خیال کیا کہ زیارت بیت اللہ کا موقع کہاں ہر دن نصیب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے جانا ضروری ہے۔ باقی رہا اہلیہ اولیٰ کا معاملہ تو اس کا کسی کے کہنے کے موجب یہ تدبیر و علاج کیا گیا کہ یہ راضی بھی ہوجائے اور کام بھی بن جائے۔ تو میں نے محرر طلاق سے جاکر کہا کہ میں اپنی ثانی اہلیہ کو حقیقتاً ہرگز طلاق نہیں دینا چاہتا۔ فقط اہلیہ اولیٰ کو راضی کرنے کے لئے طلاق لکھوانا چاہتا ہوں۔ تو محرر موصوف نے مجھے دوبارہ کہا کہ واقعی طلاق نہیں دینا چاہتے' محض اہلیہ اولیٰ کو راضی کرنے کے لئے لکھوانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ہاں' ایسا ہی کرنا مطلوب ہے' نہ کہ حقیقی طلاق علیٰ ہذا۔ اس نے تین دفعہ مجھ سے پوچھ کر پھر مجھے اپنے پاس سے ہٹا دیا اور دوسرے شخص کو بلا کر اس سے پوچھ کر کہ طلاق کس نے دینی ہے' کس کو دینی ہے تو اس ثانی شخص نے میرا نام لے کر کہا کہ اس نے فلاں کو طلاق دینی ہے۔ تو محرر نے ایک طلاق لکھ کر اسی ثانی شخص کا انگوٹھا اس پر ثبت کرا کر مجھے دیدیا۔ میں نے پہلی اہلیہ کو جاکر پکڑا دی کہ دیکھ اسے پڑھا لے۔ وہ پڑھا کر راضی ہوگئی۔ بس میں بغیر خوف کے حج پر چلا گیا۔ اب واپسی ہے تو چونکہ ہمارا خیال ہے کہ یہ چونکہ حقیقی طلاق ہی نہ تھی' لہٰذا میں اپنی اہلیہ ثانی کو اپنی بیوی تصور کرکے طلاق کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس بارے میں میرے لئے کیا شرعی حکم ہے؟

الجواب :

ہزل و اکراہ ایک باب سے ہیں : کما نقل الشامیؒ وفی التلویح وکما انه یبطل الاقرار بالطلاق والعتاق مکرھا کذالک یبطل الاقرار بھما ھازلاً لان الھزل دلیل الکذب کالاکراہ الخ (ص ۵۷۲' ج ۲) اور اکراہ میں صرف کتابت سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ پس ہزل میں بھی بشرط ثبوت ہزل کتابت طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور شامی کے ایک جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ بدون نیت کے کتابت طلاق سے دیانتاً طلاق نہیں ہوتی۔ ولا یحتاج الی النیة فی المستبین المرسوم ولا یصدق فی القضاء انه عنی تجربة الخط بحر۔ و مفھومه انه یصدق دیانتًا فی المرسوم رحمتی (شامی ص۵۸۹)

اور صورت مسئولہ میں سائل نے کاتب کو طلاق ھزل لکھنے کا حکم کیا۔ یعنی اس سے اس کی خواہش ظاہر کی تو اگر سائل خود طلاق ھزل لکھتا تو واقع نہ ہوتی دیانتًا کمامر۔ پس اس کے وکیل کاتب کے لکھنے سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ — الجواب صحیح

۲۹ / ۵ / ۸۱ھ — عبداللہ غفرلہ' مفتی خیرالمدارس ملتان

خاوند نے قسم کھائی کہ میں سسرال نہیں آؤں گا' اور چار ماہ تک نہ آیا تو یہ ایلاء نہیں بنے گا :

زید نے بیوی سے کہا اگر اب تو میرے ساتھ نہ گئی تو میں پھر کبھی بھی یہاں نہیں آؤں گا۔ بیوی نے کہا کہ قسم کھا کہ پھر نہیں آئے گا۔ میں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اگر

تو اب میرے ساتھ نہ گئی تو میں پھر کبھی بھی یہاں نہیں آؤں گا۔ آخرکار ساس نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے کہا کہ اب بیوی کو لے جانا۔ دوسرے دن واپسی کا پروگرام بنا۔ اچانک میرے برادر نسبتی نے بلاوجہ مجھ سے جھگڑا کیا۔ اس نے میری بیوی کو روک لیا اور میں واپس آگیا۔ دو مہینے کے بعد سسرال نے مجھے واپس بلایا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دیدو۔ میں نے چھ مہینے کی مہلت مانگی اور واپس چلا آیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ سسرال والوں نے مشہور کردیا ہے کہ ہماری لڑکی کو طلاق واقع ہوگئی ہے۔ کیونکہ آج سے چار مہینے پہلے اس نے قسم کھائی تھی کہ میں نہیں آؤں گا۔ اور اس نے چار مہینوں کے اندر اندر رجوع نہیں کیا۔ کیا واقعی طلاق ہوگئی ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں سائل کے قسم کھانے سے ایلاء شرعی متحقق نہیں ہوا' کیونکہ مولی وہ ہوتا ہے جسے وطی کرنے پر جزاءلازم آئے۔ فی الدر المختار والمولی ھوالذی لا یمکنہ قربان امرأتہ الا بشئ مشق یلزمہ اھ (شامیہ ص۵۹۲'ج۲)

اور سائل اگر قسم مذکور کھانے کے بعد بیوی سے مجامعت کرتا تو کچھ لازم نہ آتا' کیونکہ حانث نہ ہوا۔ اس لئے کہ اس نے فی الحال قسم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ نیز "کبھی یہاں نہ آنا" عدم وطی کو مستلزم نہیں۔ نیز سائل کی نیت بھی ایلاء کی نہیں۔ الحاصل ایلاء شرعی نہیں ہوا۔ بدستور نکاح باقی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ　　　　الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفراللہ لہ

۲۰/۴/۱۳۹۴ھ

خاوند بیوی والے تعلقات ختم کردینے سے طلاق کا حکم :

ولایت خان نے اپنی بیوی مسمات مقبول بنت ابراہیم کے بارے میں روبرو گواہان یہ الفاظ کہے کہ: "میں نے اس سے بایں وجہ کہ یہ اپنی نانی سے گفتگو رکھتی ہے عرصہ ایک سال سے خاوند بیوی والے تعلقات ختم کردیئے ہیں۔ کیاان الفاظ سے طلاق ہوگئی؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں عبارت خط کشیدہ کنایات کی قسم ثالث سے ہے۔ ای مالا یحتمل السب والرد ویحتمل الجواب۔

فقط اس صورت میں طلاق بغیر نیت کے صرف حالت مذاکرۂ طلاق یا حالت غضب میں واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا ان الفاظ سے ایک طلاق واقع ہوگئی' اگر حالت مذاکرۂ طلاق کی تھی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	الجواب صحیح
۲۹/۴/۷۰ھ	خیر محمد عفی عنہ

"میں نے تم کو تین مرتبہ لفظ طلاق ادا کئے" سے طلاق کا حکم :

زید نے اپنی بیوی کے سامنے یہ الفاظ کہے میں نے تم کو یعنی مقصودہ بنت محمد شفیع کو تین مرتبہ لفظ طلاق' طلاق' طلاق ادا کئے۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے پھر یہ کہا تم میرے پر حرام ہوچکی ہو اور میں تم کو طلاق طلاق طلاق دے چکا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ اوپر کے الفاظ میں طلاق دی کی بجائے لفظ طلاق ادا کئے۔ چونکہ ان الفاظ میں طلاق کے وقوع کا ذکر نہیں۔ توکیاان الفاظ سے یہ گنجائش نکل سکتی ہے کہ زید اپنی بیوی کو بدوں حلالہ اپنے گھر آباد رکھے۔

الجواب :

ادا کئے کے لفظ میں اگر کوئی احتمال وابہام تسلیم بھی کر لیا جائے تو نیت سے ایقاع کا احتمال متعین ہو جاتا ہے اور خط کشیدہ الفاظ دال علی النیۃ ہیں کہ زید نے پہلے الفاظ سے ایقاع ہی کا ارادہ کیا تھا۔ پس صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ لہٰذا بدوں حلالہ کے زوجین میں تجدید نکاح جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ — الجواب صحیح

۹۴/۲/۱۴ھ — محمد عبداللہ عفااللہ عنہ

صرف ”مجھے کلما ہے“ کہنے سے یمین طلاق منعقد نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے خالد کو کہا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا ہے۔ اس پر خالد نے زید کو کہا کہ مجھے کلما ہے میں نے یہ کام نہیں کیا۔ کیا ایسی صورت میں یمین منعقد ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی : محمد طاہر بلوچستانی، متعلم دارالافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان

الجواب :

صورت مسئولہ میں صرف اتنے لفظ ”مجھے کلما ہے“ کہنے سے یمین منعقد نہیں ہوگی، تاوقتیکہ مکمل لفظ کلما تزوجت فھی طالق نہ کہے۔

فتاویٰ شامی ص۴۶۵، ج۲ میں ہے : قال فی نور العین الظاهر انه لا یصح الیمین لما فی البزازیة من کتاب الفاظ الکفر انه قد اشتهر فی رساتیق شروان ان من قال جعلت کلما او علی کلما انه طلاق ثلث معلق وهذا باطل ومن هذیانات العوام، اھ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفااللہ عنہ

یمین کے جواب میں صرف ہاں کہنے سے یمین منعقد ہو جائے گی؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ہے مثلاً عمر۔ اس کو ایک اجنبی عورت پکڑتی ہے اور زنا پر مجبور کرتی ہے۔ عمر ابتداء میں تو مجبور کیا گیا' لیکن بعد میں خوشی سے اس عورت کے ساتھ زنا کیا۔ بعد میں وہ عورت عمر کو چار صد (۴۰۰) روپیہ دیتی ہے اور کہتی ہے تو میرے پاس تیسرے چوتھے روز ضرور آیا کر۔ اگر تو نہ آیا تو تجھ پر کلما کی طلاق ہے۔ اور عمر اس وقت کہتا ہے ہاں ٹھیک ہے۔ وہاں سے چلا آتا ہے۔ بعد میں عمر کو دل میں خوف خدا آتا ہے اور عورت کے پاس بالکل نہیں گیا۔ اور عورت نے جو الفاظ کہے تھے کہ اگر تو نہ آیا تو تجھ پر کلما کی طلاق ہے' عمر نے اس کی تائید تو کی مگر دل سے نہ تو کوئی ارادہ کیا اور نہ کوئی مراد لی۔ تو اب اس کا کیا حکم ہے طلاق واقع ہو گی یا نہیں۔ اگر واقع ہو جائے تو اس بیوی کا کیا حکم ہے جو اس سے پہلے عمر کے نکاح میں ہے۔ اور اس رقم کو کہاں خرچ کیا جائے' اور عمر کونسا کام کرے کہ اس کا یہ گناہ معاف ہو جائے۔

الجواب :

محض ہاں کر لینے سے یہ یمین منعقد نہیں ہو گی۔ اس لئے عورت کے پاس نہ جانے سے عمر کی عورت پر طلاق واقع نہیں ہو گی۔ پچھلے گناہ سے توبہ اور صدق دل سے استغفار کرتا رہے۔ بیوی حرام نہیں ہوئی محض ہاں کرنے سے' جبکہ اس کے ساتھ کوئی ارادہ یا مراد نہ ہو۔ اس سے یمین منعقد نہیں ہو گی۔

كذا في الهندية فصل في تحليف الظلمة۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۰/۴/۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح
عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلطی سے غلط درج کرایا تو بھی طلاق ہو جائے گی :

حسب ذیل فتویٰ بموجب احکام شرع محمدی دیا جائے : (۱) کہ میں نے غصہ میں اپنی زوجہ منکوحہ مسماۃ مانن دختر الٰہی بخش کی طلاق بروئے طلاق نامہ بمورخہ (۶۰/۵/۲۸) کو لکھائی' مگر طلاق نامہ میں مسمات مانن کے والد کا نام غلط درج کیا ہے۔
(۲) گواہان کے روبرو سہ بار طلاق نہیں دی۔ سہ بار وثہ جات طلاق نہیں پھینکے۔
(۳) گواہان کے دستخط طلاق نامہ پر نہیں ہوئے' صرف طلاق نامہ لکھا گیا ہے۔ (۴) طلاق ہونے کے روز مسمات مانن سے میں نے ہمبستری کی تھی' اب تک عورت مرد کے پاس ہے۔ عورت کو میں نے تین بار طلاق نہیں کہی۔ برادری کے جھگڑے پر فرضی طور پر طلاق نامہ ہوا ہے۔ آیا شرعاً طلاق ہو گئی یا نہیں؟

تنقیح : طلاق نامہ میں باپ کے نام کا غلط اندراج لاعلمی کی وجہ سے ہوا یا قصداً ایسا کیا۔ اور شق ثانی میں اس غلط اندراج کرانے سے کیا مقصود تھا۔ ذرا تفصیل لکھئے۔ نیز فرضی طور پر طلاق نامہ لکھنے کا کیا معنی ہے؟ واقعہ کی تفصیل مطلوب ہے۔

جواب تنقیح : طلاق نامہ میں باپ کا نام غصے کی حالت میں غلط اندراج کرایا۔ ویسے اس کے باپ کا نام درست جانتا ہے۔ مراد اپنی بیوی تھی۔ فرضی طور پر طلاق دینے کا مطلب یہ تھا کہ میری دو بیویاں تھیں۔ میں چھوٹی کو رکھنا چاہتا تھا اور بڑی کو طلاق دینا چاہتا تھا' مگر میرے والدین کہتے تھے کہ دونوں کو رکھو یا دونوں کو طلاق دیدو۔ تو میں نے دونوں کے بارے میں الگ الگ طلاق نامے تحریر کرائے۔ لیکن چھوٹی کے بارے میں میرا یہ ارادہ تھا کہ اس کو واپس کرلوں گا بخلاف بڑی کے۔ بس فرضی طلاق دینے سے میری مراد واپس کرلینا ہے۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی مانن پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ عدت کے اندر یا بعد میں زوجین میں برضائے طرفین تجدید نکاح جائز ہے۔ بدوں تجدید نکاح مسمات مانن اس کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ بعد از انقضائے عدت عورت جہاں چاہے نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ باپ کے نام کا غلط اندراج مانع وقوع طلاق نہیں جبکہ مراد اپنی بیوی ہی ہو۔

کما فی الھندیۃ ص۱۵۱ ج۲ قال امرأتہ عمرۃ بنت صبیح طالق وأمرأتہٗ عمرۃ بنت حفص ولا نیۃ لہ لا تطلق...... وان نوی امرأتہٗ فی ھذہ الوجوہ طلقت امرأتہٗ فی القضاء وفیما بینہ وبین اللّٰہ تعالٰی کذا فی خزانۃ المفتین۔

نیز طلاق دیتے وقت رجوع کر لینے کی نیت سے بھی وقوع طلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بہرحال ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

طلاق کی قسم اٹھاتے وقت جو چیز حالف اور مستحلف کے ذہن میں مستثنیٰ ہو، اس کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مثلاً زید ایک مدرسہ کا طالب علم ہے۔ مدرسہ میں ایک مرتبہ چوری ہو جاتی ہے جس کی تحقیق کے لئے مدرسہ کی انتظامیہ اور اساتذہ کرام نے طلبہ سے کلما کی قسم اٹھوائی۔ اس مذکورہ بالا چوری کے ساتھ ایک دوسری برائے نام چوری مثلاً عام حالات کے مطابق طلباء کا ایک کمرہ سے بلب نکال کر دوسری جگہ

استعمال کرنا' اس کو بھی کلما کی قسم کے تحت رکھا گیا۔ جب قسم اٹھوائی جا رہی تھی تو اسی دوران تینوں فریق مذکورہ بالا میں سے ہمارے ایک فریق نے بلب کی برائے نام چوری کو کلما کی قسم سے مستثنیٰ کرنے کو کہا۔ جبکہ دوسرے دونوں فریق اس پر خاموش رہے۔ قسم اٹھانے کی زید کی باری آئی تو اس نے فریق اول جنہوں نے بلب کی برائے نام چوری کو مستثنیٰ کرنے کے لئے فرمایا تھا ان کی اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف مذکورہ بالا اصل چوری کے متعلق کلما کی قسم اٹھائی۔ فتویٰ اس بات کا چاہئے کہ زید نے کلما کی قسم اٹھائی۔ کیا اس قسم کا اس پر اطلاق ہو گا یا نہیں' جبکہ سائل انہیں حضرات میں سے ہے جنہوں نے بلب ایک کمرہ سے نکال کر دوسری جگہ استعمال کیا۔ ساتھ میں یہ قسم بھی اٹھائی جس کی تفصیل مذکور ہو چکی ہے۔ بندہ نے صرف اصل چوری کی قسم کھائی نہ کہ بلب کے متعلق۔ قسم کے الفاظ یہ تھے: میں نے اگر چوری کی ہو یا اس کے متعلق علم تک بھی ہو تو میں جو بھی بیوی کروں گا وہ مجھ پر حرام ہو گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ سائل نے جبکہ نکاح اس قسم کے بعد کیا ہے' کیا اس کی زوجہ پر طلاق پڑے گی یا نہیں' اور طلاق پڑ جانے کی صورت میں اب اس کے لئے نکاح اور شادی کی کیا شرعی صورت ہو سکتی ہے؟

جواب تنقیح : محترم المقام حضرت مفتی صاحب' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ازاں آپ نے مستحلف کے اس بلبوں کے استثنیٰ کو برقرار رکھنے یا برقرار نہ رکھنے کے متعلق دریافت فرمایا ہے۔ محترم اس سلسلہ میں بندہ خود ان کے پاس جا کر اس کی تحقیق کر کے آیا ہے اور ساتھ ان کی طرف سے رقعہ مؤکدہ ساتھ لایا جو آپ کی طرف ارسال کیا جا رہا ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ فرما کر فتویٰ دیں۔ باقی آپ نے کلما کے الفاظ کے متعلق دریافت فرمایا' وہ آپ کو بندہ نے جیسے تحریر کر دیا ہے وہی الفاظ ہیں۔ باقی دوسری صورت میں مستحلف اپنے الفاظ اگر واپس نہ لے بلکہ بلبوں والی بات کو برقرار رکھنا چاہتا ہو تو اس صورت میں کیا فتویٰ ہو گا۔ ان دونوں صورتوں سے آگاہی فرمائیں۔

خیر اندیش : مختار احمد

جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ !

عرصہ دراز کی بات ہے کہ جامعہ عربیہ چنیوٹ میں ایک طالب علم کی چوری ہوگئی اور اساتذہ کرام جامعہ عربیہ نے تمام طلبہ سے حلف اٹھوایا اور کہا کہ جو طالب علم بھی چور ہوگا وہ "طلاق اضافی" کا مستوجب ہوگا۔ دوران حلف برداری مدرسہ کے بلبوں کی چوری ہوگئی۔ وہ بھی اس حلف میں شامل کردی گئی۔ ایک استاد مولانا عبدالخالق صاحب نے فرمایا کہ اسے مستثنیٰ رکھا جائے۔ تو میں نے کہا کہ چلو ٹھیک ہے۔ طلباء قسم اٹھاتے گئے اور چوری کی بات اصل میں صرف طالب علم کی چوری تھی۔ للذا بلبوں والی بات کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

خیراندیش : حافظ شیر محمد عفااللہ عنہ' جامعہ عربیہ چنیوٹ

الجواب :

اگر مستحلفین اور زید نے بلب کی چوری کو مستثنیٰ کرکے قسم کھائی تو متنازع فیہ چوری سے بری ہونے کی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی (اگر بلب مستثنیٰ نہ ہو یا دوسری قسم میں زید جھوٹا ہو تو صورت مسئولہ میں نکاح کرنے کے بعد صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ بعد ازاں اسی عورت سے اور دیگر عورتوں سے نکاح درست ہے' طلاق واقع نہ ہوگی۔

حتٰی لو قال ای امرأۃٍ اتزوجھا فھی طالق لا یقع الا علی امرأۃٍ واحدۃٍ کما فی المحیط بخلاف کل امرأۃٍ اتزوجھا (اھ شامی ص ۶۸۸' ج ۲)

سوال میں مذکور الفاظ "کلما" معروف کے لفظ نہیں ہیں' بلکہ وہ ای امرأۃٍ کا مصداق ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور
۲۳/۱۱/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

تو مجھ پر طلاق ہے ایک دفعہ کہنا یا دس دفعہ کہنا برابر ہے کا حکم :

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ مسمی زید نے اپنی منکوحہ کو تلخ کلامی کے دوران یہ الفاظ کہہ دیئے ہیں کہ "تو مجھ پر طلاق ہے جیسے ایک دفعہ کہنا یا دس دفعہ کہنا برابر ہے" اس لفظ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں' کیونکہ طلاق کو تشبیہ دے رہا ہے ایک دفعہ کی طلاق سے یا دس دفعہ کی طلاق سے اور دونوں تشبیہ سائل کے نزدیک برابر ہیں' کوئی فرق نہیں۔ تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

وتدل علیه عبارة العالمگیریة واذا قال لها انت طالق ...... کعدد الالف او کعدد ثلث او مثل عدد ثلث فهی ثلث فی القضاء وفیما بینه وبین اللّٰه تعالٰی' الخ (ص۵۸' ج ۲) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان	الجواب صحیح
یکم ذی قعدہ ۸۳ھ	خیر محمد عفا اللہ عنہ

غیر مدخولہ کو کہا "تجھے طلاق' طلاق' طلاق دیتا ہوں" تو تینوں واقع ہو جائیں گی

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے اپنی منکوحہ غیر مدخولہ مسمات ہندہ کو کہا کہ میں تجھے طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں' بلکہ یہی الفاظ لکھ کر دیئے۔ اب مسمات مذکورہ زید کے نکاح میں بغیر حلالہ کے آسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔ بدوں حلالہ زوجین میں تجدید عقد نکاح جائز نہیں۔ الفاظ مذکورہ انت طالق ثلثًا کے مشابہ ہیں'

کہ مجموعہ کا ایقاع ایک ہی لفظ آخر (دیتا ہوں) سے ہو رہا ہے۔ پس تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ
۱۳۸۰/۱/۱۸ھ

الجواب صحیح
عبداللہ غفراللہ لہ
خادم دارالافتاء خیرالمدارس ملتان

میں بیوی سے رہا طلاق کنایہ ہے :

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تھی۔ زید اپنی عورت سے لڑتا جھگڑتا تھا۔ آخر عورت تنگ آکر اپنے باپ عمر کے گھر چلی گئی۔ ایک دن داماد (زید) اور سسر (عمر) کی آپس میں لڑائی ہوئی' جس کی وجہ سے زید نے عمر سے کہا کہ میں تیری لڑکی سے رہا رہا اور لکھی لکھی۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر ہو جاتی ہے تو کونسی طلاق ہوئی۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں زید کا عمر کو یہ کہنا کہ "میں تیری لڑکی سے رہا" کنایہ طلاق ہے۔ از قسم ثالث۔ التی لا یحتمل الرد والسب وهو كقوله فارقتك وفيه يقع الطلاق فی حالة الغضب وحالة المذاكرة (ملخصا عن الشامیة ج ۲' ص ۵۰۴) اور صرف تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ حلالہ کی حاجت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایک طلاق بائن واقع ہوئی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ
خادم الافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان
۱۳۷۲/۱/۲۴ھ

طلاق سے بچنے کے لئے بیوی کے باپ کا نام قصداً غلط لکھوایا تو طلاق نہیں ہوگی

مسمی لعل محمد کو اپنی زوجہ مسمات پٹھانی دختر گلاب کو طلاق دینے کے لئے کہا گیا۔ لعل محمد مذکور کچھ رقم لے کر طلاق دینے پر آمادہ ہوا۔ فریقین طلاق نامہ لکھوانے کے لئے محرر کے پاس پہنچے۔ فریق ثانی نے محرر کو طلاق نامہ لکھنے کے لئے کہا۔ اس نے لکھنا شروع کیا۔ لعل مذکور نے مضمون تحریر میں کچھ نہ کہا' فقط ان سوالوں کا جواب دیا تیرے باپ کا کیا نام ہے؟ تیری بیوی کا کیا نام ہے؟ اور اس کے باپ کا کیا نام ہے؟ البتہ آخری سوال کا جواب اس نے قصداً غلط دیا اور سسر کا نام بہادر لکھوایا' کیونکہ طلاق لکھوانے والوں کو سسر کے نام کا صحیح پتہ نہیں تھا۔ اشام کی تحریر کے بعد زبانی طلاق کے لئے لعل مذکور کو طے شدہ رقم سے آدھی رقم دے کر طلاق کا اصرار کیا تو اس نے توریہ کے رنگ میں یوں طلاق دینے کا ارتکاب کیا۔ دبی زبان میں قصداً زوجہ کا نام ایک دو دفعہ پٹھان پٹھان کہنے پایا تھا اور تلفظ طلاق کی نوبت نہیں آئی تھی کہ مستطلق نے ٹوک کر کہا کہ سمجھ کر کہہ۔ اس پر لعل مذکور نے کہا میں نے بہادر کی لڑکی چھوڑ دی اور قصداً بیوی کے باپ کا نام غلط لیا اور صرف جملہ مذکورہ تلفظ کیا۔ جب رقم وصول ہوگئی تو لعل نے فریق ثانی کو کہا کہ نہ میں نے صحیح طور پر طلاق کہی ہے اور نہ ہی مجھ پر طلاق واقع ہوئی ہے۔ طلاق واقع ہوگئی یا نہ؟

الجواب :

طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کما یفہم من الرد (ص ۶۳۲' ج ۲) و کذا (یقع الطلاق علی امرأته) لو نسبها الی امها او اختها او ولدها وهی کذلك۔ قید کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر طلاق نامہ میں یہ الفاظ ہوں کہ میری بیوی فلاں بنت بہادر کو طلاق ہو تو ان الفاظ سے بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال امرأته طالق ولم یسم وله امرأة معروفة طلقت (تنویر) قال

الشامی فی شرحه اما لو سماها باسمها فکذلك بالاولٰی ویقع علی التی عناها ایضًا لو کانت زوجته (شامی ص۴۹۹ ج ۲) تو قید اخیر سے یہ مفہوم ہوا کہ اگر اس نام و نسب والی اس کی زوجہ نہ ہو تو طلاق نہیں ہوگی' اگرچہ پہلے امرأته کی اضافت موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ — الجواب صحیح بندہ عبداللہ غفراللہ لہ — الجواب صحیح خیر محمد غفرلہ

تجھے بداوا دے دیا' طلاق ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ناراضگی میں آکر اپنی بیوی کو کہہ دیتا ہے کہ میں نے تجھے بداوا دیا۔ تین دفعہ یہی لفظ کہہ دیتا ہے۔ ایسے شخص کی بیوی کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

(نوٹ: بداوا پنجابی میں طلاق کا نام ہے)

الجواب :

اگر شوہر کو معلوم ہے کہ بداوا طلاق کو کہتے ہیں اور وہاں کے اطراف میں بھی یہی معروف ہے تو صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

کیا لفظ فارغ میں ہر حال میں نیت ضروری ہے؟

حضرات مفتیان کرام! السلام علیکم! صورت مسئولہ کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ہے اگر طلاق دہندہ نے بہ نیت طلاق تین دفعہ فارغ ہے' فارغ ہے' فارغ ہے اپنی زوجہ کو کہا ہے تو اس صورت میں طلاق بائن واقع ہو گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ

جب خاوند نے فارغ ہے' فارغ ہے' فارغ ہے کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ایسے لفظ بھی کہہ دیئے ہیں جن سے مزید اس کی نیت دریافت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی' مثلاً اس نے کہہ دیا کہ تو جہاں چاہے اپنا نکاح کرسکتی ہے اور عورت کے وارث کو بھی کہا ہے کہ عورت مجھ سے فارغ ہے۔ اس کا جہاں بھی چاہے نکاح کردو۔ اب جواب میں نیت کو مشروط کرنا چہ معنی دارد۔

الجواب :

ان کلمات سے یقیناً یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ مندرجہ بالا کلمات طلاق کی نیت سے کہے گئے تھے۔ اس لئے نیت معلوم کرنے کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

البحر الرائق اذهبي وتزوجي لا يقع الطلاق الا بالنية وان نوى فهي واحدة بائنة كذا في الذخيرة ولو قال اذهبي فتزوجي وقال لم انوى الطلاق لم يقع شيء لان معناه ان امكنك كذا في شرح الجامع الصغير لقاضيخان (ص ۳۲۶ ج ۳) كذا في الشامية !

جزئیہ ھذا سے ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔

فالجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیرالمدارس ملتان

۸/۵/۹۰ھ

قسم کھائی کہ ہندہ کے ہاتھ کی روٹی کھائی تو طلاق۔ پھر دھوکے سے کھلا دی گئی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں نے طلاق اٹھائی ہے کہ اپنی بھاوج کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی نہیں کھاؤں گا' مگر ایک دفعہ مجھے کہا گیا کہ تیری ماں کی پکی ہوئی

روٹی ہے۔ حالانکہ بعد میں پتہ چلا کہ بھاوج کی پکی ہوئی روٹی تھی۔ اس لاعلمی میں کھا بیٹھا۔ اب سوال یہ ہے کہ مجھ پر طلاق لازم آئے گی یا نہیں۔

الجواب :

ولو الحالف مکرھا او مخطئًا او ذاھلا او ساھیا او ناسیا ...... فی الیمین او الحنث الخ کذافی الدر المختار (شامی ص ۵۳، ج ۳)

جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ اگر لاعلمی میں بھی کام کرلیا ہے تو بھی حانث ہو جائے گا۔ پس صورت مسئولہ میں سائل کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ — الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

علاج کے لئے کھائی گئی دوا سے نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم :

ایک شخص کی طبیعت خراب تھی تو اس نے اپنی بیماری دور کرنے کے لئے دوائی کھائی تو اس دوائی کی وجہ سے اس کو نشہ سا ہو گیا' یعنی اس کا دماغ الٹ پلٹ ہو گیا۔ جب وہ گھر آیا تو اس نے بیوی کو تین بار طلاق دی۔ یہ طلاق اس نے دوائی کے اثر کی وجہ سے دی۔ جب اس کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو اس نے کہا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں نے کیا کہا۔ ڈاکٹروں سے معلوم کرنے کے بعد پتہ چلا کہ یہ طلاق اس نے دوائی کے اثر سے دی ہے۔ واقعی اس دوائی میں اس قسم کا اثر تھا کہ جس سے مرد کو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ میں نے کیا کہا ہے۔ بتائیں کہ مذکورہ عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب :

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ لو زال عقله بالصداع او بمباح لم يقع۔ وفی الشامية تحت قوله او بمباح كما اذا سكر من ورق الرمان فانه لا يقع طلاقه الخ۔ (ردالمحتار ص ۴۶۰، ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

خاوند مبہم طلاق جس پر چاہے واقع کر سکتا ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ محمد بخش ولد رمضان کی دو عورتیں ہیں۔ پہلی زوجہ مہر اور دوسری آمنہ (۱/۳/۱۹۵۰) کو مولانا عبدالرحیم قاضی گرد آور لیہ کے سامنے موضع نوشہرہ تحصیل لیہ میں دعویٰ پیش کیا گیا کہ زوج محمد بخش کے باپ مسمی رمضان نے اپنے لڑکے کی پہلی عورت مسمات مہر کے ساتھ زنا کیا ہے۔ بعد از سماعت کے مولانا مذکور نے عدم حرمت مصاہرۃ کا فیصلہ کیا۔ کمی ثبوت کی وجہ سے لیکن بوجہ عام شہرت کے عورت کی علیحدگی کا حکم جاری فرمایا۔ اسی مسئلہ پر قاضی لیہ مولوی غلام نبی صاحب نے دستخط فرمائے۔ (نمبر۲) پھر (۱۵/۷/۵۰) کو موضع تھند کلاں میں مولانا محمد موسیٰ صاحب اور مولوی غلام نبی مذکور اور مولانا شیخ کلیم اللہ کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا گیا۔ ان سہ حضرات نے حرمت مصاہرہ ثابت کر کے پہلی زوجہ مسمات مہر کو نکال دینے کا حکم دیا۔ یہ فیصلہ تسلیم کر کے زوج نے پھر بھی قطع تعلق نہ کی۔ اب وہ پہلی زوجہ مسمات مہر فوت ہو چکی ہے۔ (نمبر۳) اب گذارش یہ ہے کہ زوجہ ثانیہ مسمات آمنہ کا باپ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد بخش ولد محمد رمضان مذکور نے جو میری لڑکی آمنہ کے گھر والا ہے ۵۰/۳/۲۹ فیصلہ اول کے وقت قاضی عبدالرحیم صاحب کے سامنے اپنے باپ رمضان کی صفائی کرتے ہوئے بیان کیا کہ اگر میں کاذب ہوں تو میری عورت تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے۔ یہ حلف اٹھایا۔ یہ حلف انہوں نے ۵۰/۳/۲۰ کو نوشہرہ میں پہلے فیصلے کے وقت اٹھایا تھا۔ زوجہ ثانیہ مسمات آمنہ کے باپ مدعی کا بیان۔ تین طلاق اور حلف اشہد کہہ کر بیان کیا کہ جہاں محمد بخش نے تین طلاق عورت کا لفظ کہا ہے' اس وقت کے گواہان نہیں ہیں۔ دیگر حلفاً بیان کر کے محمد بخش مجھ کو منت سماجت کر رہا تھا کہ فیصلہ کیا جائے۔ تین طلاق عورت کا لفظ میں نے کہا ہے۔ مگر مسمات مہر زوجہ پہلی کو کہا ہے' مسمات آمنہ زوجہ ثانیہ کو نہیں کہا ہے۔ باقی مدعی کے چار گواہ اس بات پر متفق ہیں کہ محمد بخش سے ہم نے سنا ہے کہ اس نے طلاق کا لفظ کہا ہے' لیکن پہلی عورت مسمات مہر کے متعلق نہ

کہ زوجہ ثانیہ مسمات آمنہ کے متعلق۔

مدعاعلیہ کابیان : محمد بخش ولد رمضان نے اشھد پڑھ کراور تین طلاق حلفاً اٹھاکر بتلایا کہ میں نے تین طلاق کالفظ نہیں کہا۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں اول تو ثابت نہیں کہ محمد بخش نے اپنی بیوی کے متعلق تین طلاق کے الفاظ کہے ہوں' کیونکہ سب گواہ محمد بخش کے اقرار کے ہیں اور محمد بخش اس سے منکر ہے۔ علیٰ تقدیر الثبوت طلاق مبہم کے درجہ میں ثابت ہیں جس کی تفسیر خاوند کے الفاظ سے ثابت ہے کہ میرے الفاظ اپنی بیوی مسمات آمنہ کے متعلق نہ تھے۔ لہٰذا مسمات آمنہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ (عالمگیری ص۱۵' ج۲)

ولو قال امرأته طالق وله امرأتان كلتاهما معروفتان كان له ان يصرف الطلاق الى ايتهما شاء كذا فى فتاوى قاضى خان۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ	الجواب صحیح	الجواب صحیح
نائب مفتی خیرالمدارس	بندہ محمد عبداللہ غفراللہ لہ	خیر محمد
	خادم الافتاء خیرالمدارس	بانی ومہتمم خیرالمدارس
		۲۷/۶/۷۱ھ

دو دفعہ لفظ طلاق کہہ دیا' تیسرا کہنے سے پہلے کسی نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ تجھے طلاق ہے کے الفاظ کہے۔ تیسری مرتبہ کہنے سے پہلے مرد کے باپ نے اس کے منہ پر ہاتھ دیدیا۔ پوچھنے پر مرد نے کہا کہ میرے دل سے لفظ طلاق آیا تھا' ابھی منہ سے ادا نہیں ہوا تھا۔ اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوئیں یا تینوں واقع ہوچکی ہیں۔ ہاتھ ہٹانے کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا۔ بیوی مدخولہ ہے۔ مستفتی : محمد عارف' ساکن احسان پور

الجواب :

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ اگر ہاتھ ہٹانے کے بعد واقعتاً خاموش رہا' کچھ نہیں کہا تو اس کی بیوی پر دو طلاق ہی ہوئی ہیں۔ عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور عدت کے بعد عورت کی رضا کے ساتھ تجدید نکاح کر سکتے ہیں۔ محض دل سے لفظ طلاق نکلنے سے طلاق نہیں ہوتی جب تک تلفظ نہ ہو۔ ولو مات الزوج او أخذ احد فمه قبل ذکر العدد...... لان الوقوع بلفظه لا بقصده (در مختار علی الشامیة ص۴۹۵' ج۲) وقعتا رجعیتین لو مدخولا بها کقوله انت طالق انت طالق (در مختار علی الشامیة ص۴۶۸' ج۲) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ایک کلام کے تنجیز یا تعلیق ہونے کی تحقیق :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو جھگڑا کرنے کی بناء پر کہا کہ مجھ پر طلاق ہے۔ تجھے یہاں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ دو دفعہ کہا یکے بعد دیگرے۔ اور ایک بار یہ کہا کہ مجھ پر عمر بھر طلاق ہے۔ تجھے یہاں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ جہاں میں رہوں گا تجھے نہیں رکھوں گا۔ پھر وہ عورت اس جگہ اور اس مکان سے نکل گئی۔ مرد مذکور کہتا ہے کہ میری نیت تعلیق کی تھی۔ مگر بعض علاقہ کے مولوی صاحبان اس کو تنجیز بنا کر مغلظہ طلاق کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اس صورت میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب :

بظاہر تعلیق مفہوم ہوتی ہے۔ وقد تعورف فی زماننا فی الحلف

الطلاق یلزمنی لا افعل کذا یرید ان فعلته لزم الطلاق ووقع (شامی ص ۴۳۳، ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفی عنہ مفتی خیرالمدارس
۲۹ / ۱۲ / ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

عدالت جبراً خلع نہیں کرسکتی :

ایک عورت نے تنسیخ نکاح کا عدالت میں دعویٰ دائر کردیا۔ شوہر کسی قیمت پر طلاق دینے پر رضامند نہیں ہے اور نہ ہی عورت کا یہ دعویٰ کسی معقول بناء پر مبنی ہے۔ بلاوجہ عدالت نے خلع کا فیصلہ صادر کردیا۔ آیا شرعی اعتبار سے عدالت کا یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟ اور عدالت کے فیصلہ سے خلع واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی : محمد یٰسین، قاسم بیلہ ملتان

الجواب :

خلع ایک ایسا عقد ہے جس کا تحقق بدون رضامندی فریقین نہیں ہوسکتا، جیسے کہ خود معاملہ نکاح بھی یہی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم خواہی نہ خواہی خاوند پر خلع کو لازم نہیں کرسکتا۔ قرآن وحدیث سے اس سلسلہ میں واضح ہدایات ملتی ہیں۔ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ (الآیہ) اور اس آیت میں خاوند کو بدل خُلع قبول کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور قبول ورد اختیاری معاملات میں ہوتا ہے۔ اگر خاوند پر خلع جبری طور پر لازم ہوجائے تو اس کے قبول کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔ (نمبر۲) اس آیت میں خلع کو افتداء سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ فریق مخالف کو کسی چیز پر رضامند کیا جائے۔ اگر عورت یا حاکم جبری طور پر خاوند سے علیحدگی حاصل کرسکے تو اس میں افتداء کی پوری حقیقت نہیں پائی جائے گی۔ علامہ ابن القیم زادالمعاد (ص ۲۳۸، ۲) میں لکھتے ہیں: وفی تسمیتہ صلی اللہ علیہ

وسلم الخلع فدية دليل على ان فيه معنى المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين اھ۔ آنحضرت علیہ السلام کا خلع کو فدیہ سے تعبیر کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس میں رضاء زوجین ضروری ہے۔

بخاری شریف ص ۷۹۴ ج ۲ اور نسائی میں حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا کے خلع کا ذکر ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کو فرمایا کہ بدل خلع لے کر طلاق دے دو۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ طلاق خاوند ہی دے گا۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر خلع کا حق حاکم کو ہوتا تو آنحضرتؐ کو خاوند سے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ طلاق دے دو یا خلع کرلو (احکام القرآن، ص ۴۶۸، ج ۱) امام شافعیؒ اپنی مشہور کتاب 'کتاب الام میں ارشاد فرماتے ہیں: وعلمنا ان لا خلع الا بايقاع الزوج (ص ۱۹۸، ج ۵) کہ ہماری معلومات کی حد تک خلع خاوند کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ نیز اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خلع طلاق ہے۔ (بداية المجتهد ص ۶۹، ۲، عالمگیری ص ۵۱۵، ج ۲) اور آنحضرت علیہ السلام کا طلاق کے مسئلہ میں واضح فیصلہ ہے کہ الطلاق لمن اخذ بالساق (الحدیث)

خلاصہ یہ کہ خاوند کی رضامندی کے بغیر عدالت خلع کو خاوند پر مسلط نہیں کرسکتی، اور اگر کہیں بلاوجہ عدالت ایسا کردے تو وہ عورت خاوند کے نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔ ہاں خاوند کے متعنّت ہونے کی صورت میں عدالت کو تفریق کا حق حاصل ہے اور یہ تفریق شرعاً بھی معتبر ہوگی۔ صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً بلاوجہ عدالت کی طرف سے خلع کرایا گیا ہے تو یہ عورت خاوند کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	بندہ محمد صدیق
۱۳۹۹/۴/۳ھ	مدرس خیر المدارس

جتنی بار بھی شرط کا ارتکاب کرے' طلاق ایک ہی ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے شادی سے پہلے کہا کہ میں نے اگر فلاں کام کیا تو میری پہلی بیوی جس سے میں نکاح کروں اس کو طلاق۔ پھر اس نے وہ کام کرلیا' پھر شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد اس عورت کو تو طلاق ہوئی' پھر اس سے نکاح کرلیا اور آباد بھی کیا۔ اس کے بعد پھر کہا کہ میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق۔ پھر اس نے وہ کام چند بار کرلیا۔ تو کیا اس کی بیوی کو ایک طلاق ہوگی یا دو یا تین؟

المستفتی : مولوی عبدالحمید' خطیب جامع مسجد کرنالوی' بھکر

الجواب :

پہلی طلاق چونکہ نکاح کے ساتھ ہی قبل الدخول واقع ہوگئی' لہذا بائنہ ہوگئی۔ البتہ اس کے بعد جو نکاح کے بعد واقع ہوگی وہ رجعی ہوگی۔ متعدد دفعہ کام کا ارتکاب کرنے سے طلاق ایک بار واقع ہوگی' لیکن اس دوسری طلاق ہو جانے کے بعد اب وہ عورت صرف ایک طلاق سے مغلظہ ہو جائے گی' خواہ ایک طلاق نئی تعلیق کے ذریعہ ہو یا بلا تعلیق۔ خلاصہ یہ کہ تاحال ایسے شخص کی بیوی پر صرف دو طلاق واقع ہوئی ہیں' خواہ کتنی بار فعل کا ارتکاب کیا ہو اور عدت کے اندر رجعت بھی درست ہے۔

والفاظ الشرط ان واذ واذا ما و کلما ومتی ومتی ما وفیها تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرة الا فی کلما اھ (تنویر الابصار علی الشامیة ص۶۸۸' ج۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفااللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیرالمدارس	بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ
۱۳۹۹/۵/۲۳ھ	مفتی خیرالمدارس

خاوند بیوی کی مرضی کے بغیر اس کا سامان خلع میں ضبط نہیں کر سکتا :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی بیوی زینب اپنے میکے چلی گئی اور تقریباً ایک ہزار کے زیور بھی ساتھ لے گئی۔ والدین نے اس کو خاوند کے ہاں واپس کرنے سے کلیۃً منع کر دیا اور وہ خود بھی والدین کی بات پر راضی ہے۔ غرضیکہ تین سال کا عرصہ ہونے والا ہے' وہ بھی واپس نہیں کرتی۔ اب قابل سوال بات یہ ہے کہ دریں صورت زینب کے کپڑے اور برتن وغیرہ تقریباً ۷۰۰/= روپے کا سامان ہے۔ کپڑے بوسیدہ اور برتن وغیرہ زنگ آلود ہوتے جا رہے ہیں۔ دریں اثناء زید کا خیال یہ ہے کہ زینب کو طلاق دیدے اور بچہ کو واپس کر لے اور مذکورہ سامان بھی ضبط کر لے۔ علاوہ ازیں جتنا مال بھی زینب کے والدین کا کسی بھی صورت میں ہاتھ آجائے خلع کے نظریہ سے ضبط کر لے (طلاق کے عوض میں) لیکن صورت حال یہ ہے کہ جب مذکورہ بات کچھ ان کے سامنے ذکر کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ہم طلاق لینا نہیں چاہتے بلکہ گھر بٹھائے رکھیں گے۔ البتہ زینب کے والدین کے طرز عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زید کے دوسری شادی کرنے کے بعد قانونی طور پر قانونی کاروائی سے طلاق لینا چاہتے ہیں۔ برادرانہ پنچائتی فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ غرضیکہ آپ جملہ صورت حال سامنے رکھتے ہوئے واضح فرمائیں۔ دریں اثناء نزاع میں کیا کرنا چاہئے؟ کپڑے اور برتن وغیرہ جو کہ بوسیدہ اور زنگ آلودہ ہوتے جا رہے ہیں زید زینب وغیرہ کی اجازت کے بغیر استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں مذکورہ بالا صورت جو زیر بحث ہے (یعنی خلع وغیرہ) مکمل واضح فرمائیں شرعی رو سے کیا کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :

خلع ایک عقد ہے۔ دیگر عقود کی طرح دونوں فریقوں کا اسے تسلیم کرنا

ضروری ہے۔ جب تک مسمات زینب مذکورہ سامان دے کر طلاق لینے پر آمادہ نہ ہو اس وقت تک آپ اس کے سامان میں کوئی تصرف کرنے کے شرعاً مجاز نہیں۔ اور بدون قبولیت کے طلاق دینے کی صورت میں یہ طلاق بغیر مال ہوگی۔ مسمات زینب جو زیور اپنے ساتھ لے گئی ہے اگر وہ زیور اسے والدین کی طرف سے دیئے گئے تھے یا آپ نے بطور مہر دیئے تھے یا شادی کے بعد بنوا کر اس کی ملکیت کر دیئے تھے تو پھر وہ ان کی مالک ہے' آپ کا اس میں کوئی حق نہیں۔ اور اگر وہ زیور آپ کے مملوک تھے تو پھر واپس لینے کے آپ حق دار ہیں۔ اس کے عوض میں بیوی کے سامان کو ضبط کر سکتے ہیں۔ جبکہ زیور کی وصولی ممکن نہ ہو۔ ہدایہ میں ہے: وان شرط الالف علیها توقف علی قبولها (ص۳۸۹' ج ۲) طلاق دینے کی صورت میں خالد سات سال کی عمر تک اپنی والدہ یا نانی کے پاس رہے گا۔ اس کے بعد آپ لے سکتے ہیں۔ ھندیہ میں ہے: والام والجدة احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین (ص۱۴۱' ج ۲) طلاق کی بجائے صلح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بیوی کی جائز شکایات کا ازالہ کر دیا جائے تو ان شاء اللہ طلاق تک نوبت نہ آئے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۱۴۰۸/۱/۱۱ھ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عورت کو کہا میں برسوں تیرے قریب نہیں جاؤں گا' ایلاء ہے اور چار ماہ بعد طلاق بائنہ ہو جائے گی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے ناجائز تعلق کر لیا اور پہلی بیوی سے کہہ دیا کہ میں تیرے پاس چھ مہینے کیا برسوں بھی مقاربت نہیں کروں گا کیونکہ میں تیرے سے ہمبستر نہ ہونے کی قسم کھا چکا ہوں۔ چنانچہ وہ شوہر نہ اس کے پاس گیا اور نہ ہمبستر ہوا۔ تقریباً ایک برس کا عرصہ گذر گیا۔ اس عورت کے عزیزوں نے اس کے

شوہر سے عورت مذکورہ کے آباد کرنے کے لئے کہا۔ مگر اس نے آباد نہیں کیا اور کہا کہ میں تو اس سے بیزار ہوں اور بری ہوں۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ کیا ایسی صورت میں عورت پر طلاق واقع ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب :

جب خاوند نے چھ ماہ سے زائد مدت تک اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ ایلاء ہو گیا۔ کیونکہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک عدم مقاربت کی قسم کھانے سے ایلاء ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ ص۳۷۶ ج ۲) میں ہے: واذا قال لامرأته واللّٰہ لا اقربك او قال لا اقربك اربعة اشهر فهو مول۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جائے تو چار ماہ گذرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر چار ماہ گذرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ اب عدت گذر جانے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ
معین مفتی خیر المدارس ملتان
۷۰/۸/۹ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

توں چھٹی ہیں میں کولوں، میں تیکوں چھوڑا، طلاق صریح ہے :

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف و فضلائے اشراف اس مسئلہ میں جو تحریر مفصل ذیل ہے۔ غلام قاسم بیان کرتا ہے کہ میرا اپنی عورت مسمات بخت بی بی اور نوہ کے بارے میں تنازع ہوا کہ تم دونوں دانے ضائع اور خراب کرتی ہو۔ اسی اثناء کے اندر میری نوہ کا بھائی مسمی غازی خان میرے گھر آگیا۔ میں نے غازی خان کو کہا کہ تیری بہن مسمات بانو بی بی میری عورت کا پکا ہوا نہیں کھاتی، اور میری عورت تیری بہن کا پکا ہوا

نہیں کھاتی۔ میں کیا کروں؟ یہاں پر میرا اور غازی مذکور کا جھگڑا ہو گیا۔ غازی خان نے کہا جب تیری عورت بڑی ہے اور میری بہن کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتی تو میری بہن کس طرح تیری عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاوے۔ حتیٰ کہ میں نے ایک مٹھ دانوں کی بھر کر اپنی عورت کی طرف بھکادی' یعنی پھینک دی۔ اور زبان سے یہ کہا: کہ ہک ڈو ترائے ونج توں چھٹی ہیں میں کولوں۔ پھر میں نے غازی کو کہا کہ تو ونج ہون خوش ہیں۔ میرے گھر کولوں پرے تھی۔ یہ بیان ہے غلام قاسم خان کا اور غازی خان کہتا ہے کہ مجھے پتہ نہ تھا کہ میرے ماموں اور مامی اور میری بہن کا جھگڑا ہے۔ میں تو ماموں کے گھر دانے سنبھالنے کے واسطے گیا تو ان کا آپس میں جھگڑا تھا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک دوسری کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتیں' اور میرا اور ماموں کا بھی تنازع ہو گیا۔ حتیٰ کہ میرے ماموں نے ایک مٹھ دانوں کی بھر کر اپنی عورت مسمات بخت بی بی کی طرف پھینک دی۔ اور کہا کہ ہک ڈو ترائے ونج توں میں کولوں چھٹی ہیں۔ پھر مجھے کہا کہ جا میرے گھر سے نکل جا اب تو خوش ہے۔ یہ بیان غازی خان نے کیا ہے۔ اور اسی واقعہ کو ایک اور شخص بھی سن رہا تھا۔ وہ بھی کہتا ہے کہ غلام قاسم نے ایک مٹھ دانوں کی بھر کر اپنی عورت کی طرف پھینک دی۔ اور کہا کہ ایک دو تین تیکوں چھوڑا ہے۔ پھر غازی کو کہا کہ ہن توں راضی ہیں۔ یہ بیان مہر گل نے کیا ہے' اور پھر بخت بی بی اپنے بھائیوں کے گھر چلی گئی۔ فقط بینوا و توجروا۔ عورت غلام قاسم مطلقہ بالثلاث ہوئی یا نہ؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ مطلقہ بسہ طلاق ہو گئی۔ "توں چھٹی ہیں میں کولوں" اور "میں تیکوں چھوڑا" ہر دو لفظ عرفاً صریح طلاق میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ شامی نے لفظ سرحتک کے متعلق تحقیق فرمائی ہے کہ اصل میں کنایہ ہے' لیکن عرف میں صریح طلاق بن چکا ہے۔ (کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۳۴' ج ۲)

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان
۱۷رمضان المبارک ۷۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد، مہتمم خیرالمدارس ملتان
۱۸رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

میرے تمہارے راستے جدا ہیں' مکمل فیصلہ میری طرف سے آزادی' طلاق بائنہ ہے :

خاوند نے بیوی کی طرف لکھا کہ یہ خط میں نہایت سکون اور سوچ سمجھ کر اصولی فیصلہ کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ خط کے آخری الفاظ یہ تھے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم ڈیرہ میں رہو گی مکمل طور پر۔ یہ الفاظ میں نے پہلی بار بھی لکھے تھے' لیکن وہ غصے میں لکھے تھے۔ لیکن اب یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر لکھ رہا ہوں۔ اگر تم ملتان آئی تو میرے اور تمہارے راستے ہمیشہ کے لئے جدا ہوں گے' یعنی مکمل فیصلہ میری طرف سے آزادی ہوگی۔ کیاان الفاظ کے لکھنے سے طلاق واقع ہوگئی ہے۔ اگر طلاق واقع ہوگئی تو طلاق کی کونسی قسم ہے بائن' رجعی یا مغلظہ ۔ جو بھی صورت ہو تحریر فرمائیں۔ کیا یہ طلاق یہاں ڈیرہ اسماعیل خان میں واقع ہوگی یا کہ میری بہن جب ملتان جائے گی تو واقع ہوگی۔

الجواب :

برتقدیر صحت سوال ان الفاظ کو تحریر کرنے والے کی مذکورہ بیوی جب ملتان آئے گی اسے طلاق ہو جائے گی۔ لکھنے والے نے تین کی نیت کی ہو تو تین' وگرنہ ایک بائنہ ۔ ایک کی صورت میں تجدید نکاح کرسکتے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفی عنہ مفتی خیرالمدارس

تق 'تق سے طلاق نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ غلام عباس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میرے کپڑوں کو صاف کریں اور دھولیں۔ تو بیوی نے گذارش کی کہ کل دھوؤنگی' آج نہیں ہو سکتا۔ تو خاوند نے مندرجہ ذیل الفاظ کہے **تق 'تق 'تق** میں نے دی۔ تو یہ الفاظ بیوی کو کہے۔ باقی زبان سے کچھ نہیں بولا۔ نیز غلام عباس کا والد بھی موجود تھا۔

نوٹ : یہ عورت آٹھ ماہ سے حاملہ بھی ہے۔ تو خاوند کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی' صرف مذاق کرتا تھا۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لما فی الھندیة و ان حذف اللام فقط فقال انت طاق لا یقع و ان نوٰی (ص۵'ج۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ　　　　الجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہ

۴ صفر ۹۳ھ

میری دونوں بیویوں کو طلاق ثلاثہ' سے دونوں کو تین تین طلاق ہوجائیں گی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی محمد اشرف نے میرے متعلق کچھ دوستوں سے کہا کہ فلاں نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔ اور کہا کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میری دونوں بیویوں کو طلاق ثلاثہ اور مسجد میں کلمہ پڑھ کر کہا کہ فلاں نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔ حالانکہ ایک لڑکا موقع کا گواہ ہے کہ فلاں نے فلاں کو کوئی گالی نہیں دی۔ تو اس صورت میں کیا طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اسے اپنی بیویوں سے علیحدگی

اختیار کرنی چاہئے یا نہیں۔

الجواب :

اگر واقعی سائل نے محمد اشرف کو گالی نہیں دی تو محمد اشرف کی دونوں بیویوں پر تین تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ ولو قال لثلث نسوة له انتن طوالق ثلاثا او طلقتکن ثلاثا یقع علٰی کل واحدة ثلث ولا ینقسم۔ عالمگیری (ص ۵۳ ج ۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
۲۲ صفر ۹۳ھ

"طلاق ہی سمجھو" کو طلاق نہ سمجھیں :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندریں مسئلہ کہ رخصتی ہونے کے بعد بیوی مروجہ طور پر تین دن کے بعد اپنے میکے واپس آئی تو مروجہ طور پر لے جانے سے انکار کردیا۔ لڑکی کے والد نے لڑکے کے والد کو بلوا کر کہا کہ یہ میری لڑکی تمہاری ہے' تم اس کو اپنے گھر لے جاؤ۔ اس نے جواب دیا ہم اس تیری لڑکی کو تھوک نہیں مارتے۔ مگر لڑکی کے والد نے لڑکی کو خود بخود اس کے گھر بھیج دیا۔ دو دن کے بعد اس لڑکی کا خاوند سسرال کے ہاں آیا اور کہنے لگا کہ تم اپنی لڑکی لے آؤ۔ سسر نے کہا کہ اگر میری لڑکی نالائق ہے تو اس کو مار کر سمجھالو۔ اس نے جواب دیا کہ تھوک نہیں مارتے۔ سسرال نے کہا کہ تیرے باپ نے بھی یہی الفاظ کہے ہیں اور تم بھی یہی الفاظ کہتے ہو۔ شاید یہ تمہارا لفظ طلاق نہ بن جائے۔ تو اس نے جواب دیا کہ طلاق ہی سمجھ لو۔ اب لڑکی کو اس گفتگو کے بعد پورے دو سال اپنے میکے بیٹھے ہوئے گذر گئے ہیں۔ کیا شرعاً یہ طلاق ہوگئی یا نہ ؟

الجواب :

امرأة قالت لزوجها مرا طلاق بده۔ فقال الزوج داده گیرو کرده گیر۔ ان نوی یقع ویکون رجعیًا وان لم ینو لم یقع ولو قال لها داده انگار لا یقع وان نوی۔ (عالمگیری ص ۶۴، ج ۲) طلاق ہی سمجھو داده انگار کے مشابہ ہے۔ لہٰذا عورت مذکورہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ بدستور اپنے خاوند کے نکاح میں ہے۔ واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ
۱۷/۱۲/۱۳۷۹ھ

الجواب صحیح
عبداللہ غفراللہ لہ
مفتی خیرالمدارس ملتان

خاوند بیوی میں وطی میں اختلاف ہو جائے تو کس کی بات مانی جائے گی؟

زوج ثانی سے ایک عورت کا نکاح بطور حلالہ کے ہوا۔ طلاق دینے کے بعد زوج ثانی گواہوں کے سامنے منکر ہے کہ عورت نے صحبت نہیں کرنے دی اور عورت کا بیان ہے کہ اس نے صحبت کی اور غسل کے لئے پانی بھی میں نے ہی دیا ہے۔ شرع میں کس کا قول معتبر ہو گا؟

الجواب :

فی الدر المختار ویقبل قول الفاسق والکافر والعبد فی المعاملات وشرط العدالة فی الدیانات کالخبر عن نجاسة الماء ویتحری فی خبر الفاسق وخبر المستور ثم یعمل بغالب ظنه وفی ردالمحتار تحت قوله ولو اخبر عدل بطهارة وعدل بنجاسة الخ ما نصه فقد اعتبروا التحری بعد تحقیق المعارض بالتساوی بین الخبرین۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مرد و عورت میں ایک عادل ثقہ اور

دوسرا غیرعادل و غیر ثقہ ہو تو عادل و ثقہ کا قول معتبر ہو گا خواہ وہ شوہر ثانی ہو یا عورت ہو۔ اور اگر دونوں عادل یا دونوں غیرعادل یا دونوں مجہول الحال ہوں تو دونوں کے قول میں تحری کرے۔ جس طرف قلب شہادت دے' مگر اس شہادت میں نفسانی غرض نہ ہو۔ خودبخود جس طرف دل جھکتا ہو اور جو سچا معلوم ہوتا ہو اس کے قول پر عمل کرے' کیونکہ حلت و حرمت دیانات سے ہیں اور دیانات کا یہی قاعدہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ (امدادالفتاویٰ' ص ۳۸۳' ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد اسحاق غفرلہ الجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہ

خاوند کچھ عرصہ بعد نامرد ہو جائے تو عورت کو فسخ کا حق نہیں :

ایک آدمی تقریباً عرصہ بیس سال سے شادی شدہ ہے اور اس کے چھ بچے ہیں۔ اب وہ آدمی تقریباً چار سال سے نامرد ہے اور اس نے علاج وغیرہ بھی کیا ہے' مگر وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ اس کی بیوی اس کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور وہ طلاق بھی نہیں دینا چاہتا۔ اس عورت کو شرعاً خیار فسخ حاصل ہو گا یا نہیں؟

المستفتی : عطاء الرحمٰن وہاڑی

الجواب :

اس عورت کو فسخ کا حق نہیں ہے۔ طلاق لے لے یا اس کی رضامندی سے خلع کرلے۔ کما فی الهندية ولو وصل اليها مرة ثم عجز لا خيار لها كذا في التبيين (عالمگیری ص ۵۲۴' ج ۱) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان
۷/ ۸/ ۱۴۰۳ھ

میں خالد کی روٹی نہیں پکاؤں گا' پھر بیوی نے اس کی اجازت کے بغیر خالد کی روٹی پکائی تو حانث ہو گا یا نہیں؟

زید کا اپنے بھائی خالد سے جھگڑا ہوا۔ اس نے قسم کھائی کہ مجھ پر میری عورت تین طلاق سے حرام ہے اگر میں نے تیری روٹی پکائی۔ پھر زید کی بیوی نے خالد کی روٹی پکائی۔ گواہ کہتے ہیں کہ اس وقت زید گھر میں موجود تھا اور چپ رہا۔ بیوی کو روٹی پکاتے دیکھا اور اسے منع نہیں کیا۔ تو کیا زید حانث ہو گیا اور اس کی بیوی پر طلاق ہو گئی؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں زید حانث نہیں ہوا' کیونکہ اس نے روٹی پکائی اور نہ بیوی کو روٹی پکانے کا کہا۔ پس عورت کا یہ فعل زید کی طرف منسوب نہیں ہو گا' خواہ زید اس پر راضی بھی ہو۔ جیسے کہ کنز الدقائق میں ہے: لا یخرج فاخرج محمولاً بامرہ حنث وبرضاہ لا اھ وفی العینی حلف لا یخرج فاخرج محمولاً بامرہ حنث وبرضاہ لا بامرہ لا یحنث علی الصحیح لان الفعل انما ینتقل بالامر ولم یوجد فی الھدایۃ فی کتاب الایمان ومن حلف لا یخرج من المسجد فامرا نسانا فحملہ فاخرجہ حنث لان فعل المأمور مضاف الی الاٰمر فصار کما اذا رکب دابۃً فخرجت ولو اخرجہ مکرھا لم یحنث لان الفعل لم ینتقل الیہ لعدم الامر اھ۔ اور شامی کتاب الایمان میں ہے: وحنث فی لا یخرج ان حمل واخرج مختارًا بامرہ وبدونہ لا یحنث ولو راضیًا بالخروج فی الاصح فی العینی وھذہ العلۃ فی مسئلۃ حیلۃ تزوج من (علق الطلاق) بکلمۃ کلما وھناك موجود ان کان برضاہ لا بامرہ لا یحنث قال الشامی فی تفصیل ھذہ الحیلۃ وینبغی ان یجئی الی عالم ویقول لہ ما حلف

واحتیاجه الی نکاح الفضولی فیزوجه العالم امرأةً ویجیز بالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعةٍ لی حاجةٌ الی نکاح الفضولی فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلاً (ص۴۹۷ ج۲)۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد موسیٰ	الجواب صحیح	الجواب صحیح
مفتی خانقاہ تھل کروڑ	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	خیر محمد مہتمم خیرالمدارس
	خادم الافتاء خیرالمدارس	۳۰ ذی الحجہ ۷۰ ۱۳ھ

غضب کے درجات ثلثہ میں سے دوسرے درجہ میں دی ہوئی طلاق کا حکم :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری طبیعت میں غصہ رہتا ہے۔ میں نے اپنی کافی بڑی عمر میں (تقریباً ۳۷ سال) شادی کرائی۔ قریباً چار سال کے عرصے میں لڑکی باوجود میری پریشانیوں کے بہت تھوڑا عرصہ میرے پاس رہی۔ گذشتہ سال جبکہ بچہ پیدا ہونے والا تھا میری بیوی اپنے میکے چلی گئی۔ رشتہ داروں کے مجبور کرنے پر میں نے اس کو جانے دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ جائے۔ میں نے اسے منع کیا' مگر وہ بغیر میری اجازت اور اطلاع چلی گئی۔ بچہ پیدا ہوگیا اور مرگیا۔ سنا ہے کہ لڑکی بیمار تھی اس لئے نہ آسکی۔ میں نے کئی خطوط لکھے کہ لڑکی بھیج دو مگر لڑکی کے والدین نے بھیجنے کا نام نہ لیا۔ چونکہ مجھے اپنی طبیعت کے خلاف دوسرے رشتہ داروں کے ہاں کھانا کھانا پڑتا تھا' میری طبیعت کا غصہ اور جنون بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ میں جن رشتہ داروں کی بہت عزت کرتا تھا بعض اوقات غصہ کی حالت میں ان کو صلواتیں سنا دیتا۔ گو کچھ وقت گذارنے کے بعد میں اپنے ہوش و حواس میں ہوتا تو مجھے اپنے کئے پر سخت پشیمانی ہوتی اور بے چینی بھی۔ پشیمانی بڑھتی تو طبیعت میں دوبارہ گرانی' غم و غصہ میں پھر

وہی حالت ہو جاتی۔ چونکہ میرے سسرال والے مجھے معقول جواب بھی نہ دیتے تھے' میں بعض اوقات غصے کی حالت میں اپنے کو قابو میں نہ پاتا تھا۔ اول فول جو منہ میں آتا بکتا۔ یہاں تک کہ فحش گالیاں بھی باواز بلند غائبین اور بعض اوقات حاضرین کو بھی دے دیتا۔ ایسے ہی موقع پر جبکہ میری تکالیف اور پریشانیاں میرے خیال کے مطابق حد سے تجاوز کر گئیں' غصہ کی حالت میں گالی گلوچ کرتے کرتے میں نے اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کر دیئے۔ "میں اس بیوی کو نہیں رکھوں گا' میں اس کو طلاق دوں گا۔ میں نے اس کو طلاق دی' دل سے ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق۔ میرا اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ اور بہت برا بھلا کہا۔ میرے ایک رشتہ دار جن کی میں قریباً پندرہ سال سے بہت عزت اور احترام کرتا ہوں' اور ان کی بات خلاف مزاج بھی تسلیم کرلیتا ہوں' بیٹھے تھے' مجھے منع کرتے رہے کہ ایسا نہ کہو۔ مگر میں ہوش میں کہاں تھا۔ غصہ سے تڑپ رہا تھا' کانپ رہا تھا اور جنون کی سی حالت تھی۔ میری زبان سے نہ جانے کیا کیا نکلا۔ جب یہ حالت دور ہوئی تو اس رشتہ دار کے کہنے پر جو کہ میرا پھوپھی زاد بھائی ہے' مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی اور پشیمان ہوا۔ پریشانی کی زیادتی سے مجھ پر اسی جنون کے دورے پڑنے لگے ہیں۔ میرے رشتہ دار کہتے ہیں کہ میں نے ظلم کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے تمام عمر پریشانی آئے گی۔ اور بقایا زندگی خراب ہوگی۔ براہ کرم احکام شریعت مطہرہ سے آگاہ فرمائیں۔ طالب دعا : سعید (۵۱/۹/۳)

میں عرصہ قریباً بیس سال سے سعید صاحب کو جانتا ہوں' ہمیشہ سے طبیعت میں غصہ' دوسروں کو حقارت سے دیکھنا اور بعد میں پریشان ہونا' زیادہ غصہ کی حالت میں جنون کی سی حالت پیدا ہونا۔ یہاں تک کہ نہ بڑے کا لحاظ نہ چھوٹے کا پاس۔ یہ امور منتج ہوئے اس بات پر کہ اپنی بیوی کے متعلق ایسے الفاظ کہہ دیئے۔ میرے نزدیک اس کے زیادہ غصہ میں فتور عقل کے باعث ایسی حالت ہوگئی تھی جیسے کہ ایک پاگل کی ہوتی ہے۔

(دستخط عبدالرحمٰن ولد حافظ رقم الٰہی مرحوم)

میں محمد سعید صاحب کو عرصہ پندرہ سال سے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ محترمی عبدالرحمٰن صاحب نے جو رائے ظاہر کی ہے مجھے اس سے اتفاق ہے۔ (دستخط محمد طاہر)

الجواب :

باسمہ تعالیٰ۔ واضح رہے کہ غضب کے تین درجات ہیں: (۱) ابتدائی درجہ میں کوئی تغیر نہیں آتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے' سمجھتا ہے۔ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (۲) اعلیٰ درجہ غضب کا جس میں بے ہوش ہو جائے' حتیٰ کہ جو کچھ منہ سے نکلے اس کو سمجھ نہ سکے۔ اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ (۳) درمیانی درجہ غضب جس میں مثل مجنون کے تو نہیں ہوا' لیکن پہلے درجہ سے متجاوز ہو گیا۔ تو اس صورت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس تیسرے درجہ میں ابن قیم حنبلیؒ کا اختلاف ہے۔ لیکن حنابلہ کے نزدیک بھی اور ہمارے نزدیک بھی اس میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کما فی الدر المختار لکن اشار فی الغایۃ الی مخالفتہ فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافا لا بن القیم اھ۔ وھذا الموافق عندنا الخ۔ اس تمہید کے بعد اب قابل غور بات یہ ہے کہ مسمی محمد سعید کو جو صورت پیش آئی وہ ان تین صورتوں میں کونسی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غضب کا اعلیٰ درجہ جو جنون اور مدہوش کے ساتھ ملحق ہے نہیں تھا۔ اس لئے کہ جو کچھ الفاظ غصہ کی حالت میں سرزد ہوئے ہیں وہ پوری طرح یاد ہیں۔ پس ہمارے نزدیک غضب کا درمیانہ درجہ ہے۔ اس صورت میں ہر سہ طلاق واقع ہو گئیں۔ حلالہ کی ضرورت ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
۲۱ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح والمجیب مصیب
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیرالمدارس ملتان

عمر قید کی بیوی رہائی کیسے حاصل کرے :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی خادم حسین کا پانچ سال سے مسمات عائشہ سے مسمات کے والد نے شرعی نکاح کر دیا۔ نکاح کے تین سال بعد مسمی خادم نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے، جس کی وجہ سے وہ قید ہو گیا ہے۔ اپیل پر ایک سال اور اضافہ ہو گیا ہے۔ اب پندرہ برس کے لئے وہ قید ہو گیا۔ لڑکی اس وقت چودہ سال کی ہے جو کہ پوری بالغ ہے، ناکح کو نوٹس دیا گیا کہ تم طلاق دے دو۔ اس کے عوض تجھے دوسری لڑکی نکاح میں دی جائے گی۔ اس نے انکار کر دیا ہے۔ والد بیچارہ فتنے کے خطرہ سے سخت پریشان ہے۔ علماء دین سے دریافت ہے کہ اس صورت میں کوئی فسخ نکاح کی صورت ہو سکتی ہے یا نہ؟ بینوا توجروا

الجواب :

صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ زوجہ غائب غیر مفقود الخبر ہے۔ اس کی رہائی کی صورت اول تو یہ ہے کہ اس کے خاوند کو خلع پر راضی کیا جائے۔ اگر وہ خلع پر راضی نہ ہو تو بصورت مجبوری مالکیہ کے مذہب پر قاضی کی عدالت میں درخواست دے کر گواہوں کے ذریعے سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے۔ پھر یہ ثابت کرے کہ وہ مجھ کو نفقہ نہیں دے گیا۔ اور نہ ہی اس نے وہاں سے نفقہ بھیجا اور نہ ہی یہاں کوئی انتظام کیا اور نہ میں نے معاف کیا۔ اور وہ اس واجب میں کوتاہی کر رہا ہے۔ ان باتوں پر حلف بھی کرے۔ اس کے بعد اس غائب کے کسی عزیز وغیرہ نے نفقہ اپنے ذمہ لے لیا تو خیر۔ ورنہ قاضی اس شخص کے پاس حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کا حق ادا کرو، یا بلا لو، یا وہیں سے کوئی انتظام کرو۔ ورنہ اس کو طلاق دے دو۔ اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی نہ کی تو ہم خود تم دونوں میں تفریق کر دیں گے۔ اس پر بھی اگر خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی ایک مہینہ انتظار کا حکم دے۔

اس مدت میں بھی اگر شکایت رفع نہ ہو تو عورت کو اس غائب سے جدا کردے۔ (کذا فی الحیلة الناجزة ص۱۷۶) واضح رہے کہ عمر بھر قید والے کے متعلق حیلہ ناجزہ میں لکھا ہے: اگر پتہ معلوم ہو تو غائب غیر مفقود کے حکم میں ہے' ورنہ مفقود کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	الجواب صحیح
خادم الافتاء خیرالمدارس	خیر محمد عفااللہ عنہ
ملتان	مفتی خیرالمدارس ملتان
	۱۲ شوال ۱۳۷۰ھ

نکاح فاسد کو عورت بھی فسخ کرسکتی ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء اس میں کہ ایک عورت شادی شدہ مطلقہ بطلاق مغلظہ ہوئی۔ جس وقت اس کو طلاق ملی اس وقت اس کو حیض تھا۔ ایک یہ حیض جس میں طلاق دی گئی اور ایک دوسرا گذار کر تیسرے حیض کے اندر جبکہ وہ ختم نہیں ہوا تھا اس عورت کا نکاح پڑھا گیا تھا۔ عورت کی اجازت سے۔ بعد میں تحقیق کی گئی تو وہ نکاح عدت کے اندر پڑھا گیا تھا جو زید کے ساتھ پڑھا گیا تھا۔ علماء دین نے حکم دیا تھا کہ یہ نکاح باطل ہے۔ دوبارہ نکاح پڑھا جائے۔ عدت گذار کر جب عورت نے یہ سنا تھا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہوا تو عورت مذکور نے بکر کے ساتھ نکاح پڑھالیا۔ دوبارہ زید سے نہیں پڑھایا تھا' عدت پوری کرکے بکر کے ساتھ پڑھا لیا تھا۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جو نکاح زید کے ساتھ پڑھا گیا غلطی سے وہی عدت پوری گذر جانے کے بعد صحیح ہوگیا۔ دوبارہ نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جو زید کے ساتھ نکاح پڑھا گیا تھا وہ باطل ہے۔ تو لہٰذا وہ اجازت بھی باطل ہوگئی تھی۔ بکر کے ساتھ جو نکاح پڑھا گیا تھا وہ صحیح ہے۔ مذکورہ عورت کا نکاح اول زید کے

ساتھ ہوا جو عدت کے اندر کیا گیا تھا۔ دوسرا بکر کے ساتھ جو عدت پوری ہونے کے بعد کیا گیا تھا۔ اس کا جواب بالدلائل عطا فرمائیں۔

مستفتی : مولوی غلام اللہ 'نواب شاہ

الجواب :

صورت مسئولہ میں دوسرے مولوی صاحب کا قول صحیح ہے' اور جو مولوی صاحب یہ دلیل دیتے ہیں کہ عدت پوری ہونے کے بعد صحیح ہو گیا وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ معتدہ کا نکاح فاسد ہوتا ہے اور دخول سے پیشتر نکاح فاسد کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور وہ علیٰ شرف البطلان ہوتا ہے' ادنیٰ عمل سے باطل ہو جاتا ہے۔ عورت ایسی صورت میں زبانی کہہ دے کہ میں اس نکاح کو ختم کرتی ہوں تو وہ نکاح فاسد ختم ہو جاتا ہے۔ جب عورت نے یہ سن کر کہ میرا نکاح صحیح نہیں ہوا' دوسری جگہ نکاح کرلیا تو پہلے نکاح کو فسخ کردیا۔ لہٰذا دوسرا نکاح صحیح ہے۔ فی البحر افاد بالتقیید بالوطء ان الفاسد لا حکم لہ قبل الدخول (ص ۱۸۳' ج ۳) وبعدہ بقلیل فی صفحہ ۱۸۵ لکن فی القنیۃ ان لکل واحد منہما ان یستبد بفسخہ قبل الدخول بالاجماع۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفراللہ لہ

خادم الافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان

۱۳۸۰/۵/۱۸ھ

میرا تیرا تعلق ختم ہے سے نکاح ختم ہوگیا :

کیا فرماتے ہیں علماء اس میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اپنی سالی کے ساتھ بد فعلی کی ہے۔ آیا اس فعل بد کے بعد اس شخص کا اپنی بیوی سے نکاح رہا۔ اسی مرد مذکور بالا کو خاندان والوں میں سے کسی نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو ہم تمہارا نکاح اسی سالی سے کردیں گے۔ اس مرد نے اس طمع میں آکر اپنی بیوی کو جاکر

ان الفاظ سے خطاب کیا کہ آج سے میرا اور تمہارا تعلق ختم ہوا۔ پھر اکثر لوگوں کے پوچھنے پر مرد یہی جواب دیتا رہا کہ میرا اپنی بیوی سے تعلق نہیں رہا۔ واقعہ کو ڈیڑھ سال گذر گیا۔ اس مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ ہر قسم کا تعلق ختم کردیا ہے۔ آیا اس صورت میں نکاح قائم رہا ہے۔ سائل کہتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ اس نیت سے کہے تھے کہ سالی سے نکاح کروں اور اپنی بیوی سے ختم کروں۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے۔ نیز برضاء طرفین تجدید نکاح جائز ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں۔ عدت گذرنے پر اگر عورت دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ تجدید نکاح نہ کرچکے ہوں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ الجواب صحیح

۱۳۸۰/۶/۲۵ھ عبداللہ غفراللہ لہ

طلاق مغلظہ طلاق بائنہ ہے :

مسمی عبداللطیف میری دختر کو طلاق دینے کی اطلاع بذریعہ پوسٹ کارڈ تحریر کرکے حسب ذیل دیتا ہے۔ نقل مصدقہ: "اگر آپ کو اپنی لڑکی کے ساتھ ہمدردی ہے تو آپ آکر لے جائیں۔ کیونکہ بندہ آپ کی لڑکی کو بتاریخ ۲۶/۱/۴۹ بروز بدھ طلاق مغلظہ دے چکا ہے' الخ۔" اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ کیا اس میں رجوع کرنے یا تجدید نکاح کی گنجائش ہے؟ کیا ہم دوسری جگہ نکاح کرسکتے ہیں؟ صورت مذکورہ میں ہمیں کیا اختیار ہے کہ اس طلاق دینے سے جہیز مثل زیور' ظروف و مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں اس تحریر سے کہ بندہ آپ کی لڑکی کو طلاق مغلظہ دے چکا

ہے۔ طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے' بشرطیکہ تین کا ارادہ نہ ہو' ورنہ تین طلاقیں واقع ہوں گی اگر تین کا ارادہ کرے۔ پس اگر اس شخص نے تین طلاق کا ارادہ کیا تھا تب تو تین طلاق پڑ جائیں گی اور بغیر حلالہ کے نکاح میں نہیں لا سکتا۔ اور اگر تین طلاق کا ارادہ نہیں تھا تو طلاق بائنہ پڑے گی۔ تجدید نکاح بغیر حلالہ کے ہو سکتی ہے اور بعد نکاح ثانی وہ اس عورت کو رکھ سکتا ہے۔ فی الدر المختار ویقع بقوله انت طالق بائن او البتة او افحش الطلاق او اکبره او اعرضه ...... او اغلظه .... واحدة بائنة ان لم ینو ثلاثا الخ۔

نوٹ : بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہے اور حق مہر بھی اور عورت کا جہیز وصول کرنے کا بھی اختیار ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ غفرلہ — الجواب صحیح

خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان — خیر محمد عفی عنہ

یمین میں کام خود نہیں کیا بلکہ کسی کو کرنے کا حکم دیا تو بھی حانث ہو جائے گا :

دو شاہد لفظ اشہد سے شہادت دیتے ہیں کہ مسمی شیر محمد نے ہمارے روبرو حلف اٹھایا کہ اگر میں نے تمہاری گائے ماری ہو تو مجھ پر اپنی بیوی تین طلاق سے حرام ہے۔ یا کہا کہ تین طلاق اور حنث کے متعلق کوئی گواہ نہیں۔ شیر محمد مذکور کا بیان ہے کہ گائے میرے کھیت سے سیر ہو چکی تھی۔ جب میں پہنچا تو میں نے اس کے منہ کو رسی کے ساتھ باندھ کر ہانک دیا۔ اور اس کو ایک پتھر بھی مارا جو کوکھ پر لگا۔ تھوڑی دور جا کر وہ گر گئی۔ میں نے جا کر اس کا منہ کھول دیا۔ وہ تھوڑی اٹھ کر بے ہوش ہو گئی۔ میں نے چھری کے لئے آواز دی۔ ایک آدمی نے دوڑ کر گائے کو ذبح کر دیا۔ گائے کو ذبح کرتے وقت اس

نے حرکت بھی کی ہے۔ مسمی مذکور کا بیان ہے کہ مجھے یہ بھی شک ہے کہ گائے کثرت نفخ سے بے ہوش ہوگئی اور یہ بھی شک ہے کہ تندرست ہو اور مکر کرکے گر گئی ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسمی مذکور حانث ہوگا یا نہیں۔ جبکہ شاہد اول کی شہادت میں دو لفظ تردد کے ہیں۔ ایک تو یہ کہ "میں اپنے بس تک سچ کہوں گا' دوسرا لفظ حرام اور طلاق کا اشتباہ۔ علاوہ ازیں شاہد اول فاسق ہے۔ بعض اوقات نماز بھی نہیں پڑھتا۔ اور اس بات کا وثوق بھی نہیں کہ گائے کس سبب سے مری ہے۔ اب زید کہتا ہے کہ چونکہ تردد شاہد اول کا مضر نہیں۔ اور عدالت فی زماننا مفقود ہے تو گائے کا مارنے والا یہی شخص سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ایک تو مستحلف کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ علاوہ ازیں اس کے حنث کے لئے یہی کافی ہے کہ اس نے ذابح کو بلاکر زندہ گائے ذبح کرادی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں دو باتیں قابل غور ہیں: (۱) تعلیق کا معاملہ۔ آیا شیر محمد نے تعلیق کی یا نہیں۔ (۲) بعد از تعلیق کیا ایسی صورت میں جب کہ گائے کو پتھر مارا اور ذبح کا امر کیا حانث ہوگا یا نہیں۔ پہلے معاملہ میں دو گواہوں کے بیان درست ہیں۔ اور "اپنے بس تک سچ کہوں گا" کے جملہ سے شہادت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ البتہ عادل ہونا ضروری ہے۔ اگر ایک گواہ غیر عادل ہے تو شرعاً تعلیق ثابت نہ ہوگی۔ ھذا فی القضاء وامر الدیانة مؤکل الی اللّٰہ' یعنی قضاء کے طور پر تعلیق ثابت نہ ہوگی۔

دوسرے معاملہ میں اگر کوئی تعلیق ثابت ہوجائے تو جو صورت پیش آئی ہے کہ شیر محمد نے گائے کے منہ کو رسی سے باندھ کر پتھر مارا اور وہ گر گئی۔ پھر کسی کو کہا چھری لاؤ اور ذبح کرو۔ اس صورت میں شیر محمد کا گائے کو مارنا ثابت ہوجاتا ہے۔ جس کی وجہ

سے وہ حانث ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کسی فعل کے متعلق نہ کرنے کی حلف اٹھائی ہو تو اس کا امر کرنے سے فعل کی نسبت آمر کی طرف ثابت ہو جاتی ہے۔ فی الهداية من كتاب الايمان حلف لا يخرج من المسجد فامر انسانًا فحمله فاخرجه حنث لان فعل المأمور مضاف الى الآمر فصار كما اذا ركب دابة الخ (کتاب الافتاء نمبر ۲۱۷ ج ۶) پس در صورت تعلیق اندریں حالت جبکہ اس نے گائے کو پتھر مارا اور ذبح کا امر کیا۔ حنث ثابت ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفراللہ لہ — الجواب صحیح

خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان — خیر محمد عفااللہ عنہ

۲۵/۲/۱۳۷۱ھ

خاوند کی مرضی کے بغیر خلع درست نہیں :

خیریت موجود' خیریت مطلوب۔ جامعہ خیرالمدارس کی شاخ مدرسہ عربیہ ضیاء الاسلام بستی سحر میں ایک فتویٰ آیا ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ حاملین فتویٰ کو جواب سے نوازیں۔ فتویٰ یہ ہے :

جناب فلک شیر صاحب نے اپنی بیوی منظوراں مائی کے متعلق عدالت میں یہ درخواست دی کہ میری بیوی نافرمان ہے۔ میرے پاس بسیرا نہیں کرتی' لہٰذا اسے میرے پاس رہنے پر مجبور کیا جائے۔ دریں اثناء منظوراں مائی نے بھی عدالت میں یہ درخواست دائر کردی کہ میں فلک شیر کے پاس نہیں رہنا چاہتی۔ میرا نکاح بطور خلع فسخ کیا جائے۔ چنانچہ عدالت نے منظوراں مائی کو پانچ ہزار روپیہ خلع کے بدلے جمع کرانے کا حکم دیا۔ فلک شیر فسخ و خلع پر راضی نہیں ہوا۔ وہ تو اپنی بیوی اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے' اسے رقم کی ضرورت نہیں۔ مگر عدالت نے شوہر کی مرضی کے بغیر فسخ و خلع

کا فیصلہ کردیا۔ خاوند نے نہ پانچ ہزار روپے لئے اور نہ ہی خلع و طلاق و فسخ پر راضی ہوا۔ عورت نے عدالت کی کاروائی پر دوسری شادی رچالی۔ از روئے شرع یہ بتائیں کہ عدالت کی کاروائی کے ذریعہ طلاق یا فسخ نکاح یا خلع وغیرہ معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ شرعاً یہ خلع معتبر نہیں۔ خلع میں زوجین کی رضامندی لازم ہے۔ شامی میں ہے: قالت خلعت نفسی بکذا ففی ظاهر الروایة لا یتم الخلع مالم یقبل بعده۔ (ص ۵۵۷' ج ۲) پس عورت مذکورہ کا خلع کے بعد دوسری جگہ عقد نکاح کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ عورت پر لازم ہے کہ پہلے شوہر سے طلاق حاصل کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ' جامعہ خیرالمدارس ملتان

۱۴۱۱/۳/۱۳ھ

خاوند ظالم ہو تو خلع کرنے میں کوئی حرج نہیں :

مؤدبانہ گذارش ہے کہ میرا شوہر مسمی محمد فاروق ولد عبدالحق ایک بے درد اور سفاک انسان ہے۔ مار پٹائی اور گالی گلوچ' طعنہ زنی اس کی روزمرہ کی عادت ہے۔ الزام تراشی اس کا معمول ہے۔ خطرناک قسم کی دھمکیاں دیتا ہے کہ قتل کردوں گا' زہر دے دوں گا یا تیزاب ڈال کر تمہیں بد صورت کردوں گا۔ ان حالات میں میرا ان کے ساتھ گذارا ممکن نہیں' نہ ہی وہ طلاق دینے کو تیار ہے۔ میں اپنے شوہر سے خلع چاہتی ہوں۔ مہربانی فرماکر قرآن و سنت کی رو سے اس مسئلہ کا حل بتائیں۔ جناب کی نوازش ہوگی۔

طالب فتویٰ : زاہدہ پروین ولد محمد عاشق' محلہ اسحاق پورہ خونی برج ملتان

الجواب :

اگر خاوند خلع کرنے کو تیار ہے تو صورت مسئولہ میں خلع کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ مسمات زاہدہ عنداللہ مجرم اور گناہ گار نہ ہوگی۔ فان خفتم ان لا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به' الآیہ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ الجواب صحیح

۱۴۱۴/۴/۵ھ بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ

جامعہ خیرالمدارس ملتان

والدہ اور بیوی کی خودکشی کی دھمکی سے ڈر کر طلاق صرف لکھ کر دی تو واقع ہوگی یا نہیں :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جس کی پہلی بیوی موجود ہے' گھر والوں سے پوشیدہ طور پر دوسرا نکاح کرلیا۔ جب گھر والوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس پر زور لگایا کہ زوجۂ ثانیہ کو طلاق دے دے۔ حتیٰ کہ شخص مذکور کی والدہ اور پہلی بیوی نے طلاق نہ دینے کی صورت میں اپنی خودکشی پر آمادگی ظاہر کی۔ اور شخص مذکور کو ظن غالب ہوگیا کہ اگر میں نے دوسری بیوی کے لئے طلاق نامہ نہ لکھا تو میری والدہ اور بیوی ضرور خودکشی کرلیں گی۔ لہٰذا اس نے ایک طلاق نامہ محض ان کو مطمئن کرنے کی وجہ سے انگریزی زبان میں لکھا۔ اور اس پر دستخط کرکے سپرد ڈاک کیا۔ لیکن طلاق نامہ بیوی کو ملنے سے قبل کسی نے اسے واپس کردیا۔ شخص مذکور کا خیال ہے کہ میں نے اپنی والدہ اور بیوی کی خودکشی سے مجبور ہو کر بغیر نیت طلاق کے تین طلاقیں لکھی تھیں۔ اور لکھنے سے قبل بعض لوگوں کو گواہ بنادیا تھا کہ میں بہ نیت طلاق طلاق نامہ نہیں لکھوں گا۔ نہ الفاظ طلاق بولوں گا۔ بلکہ اپنی والدہ اور اپنی بیوی کی خودکشی کے خطرہ سے مجبور ہو کر محض انہیں مطمئن کرنے کے لئے طلاق نامہ لکھوں گا۔ چنانچہ

ایسا ہی کیا گیا۔ شخص مذکور نے یہ سمجھ کر کہ اس صورت میں جب طلاق نہ ہوئی تو میرے لئے بیوی حلال ہے۔ اس خیال سے وہ اس کے ساتھ تعلقات زوجیت رکھتا رہا۔ جس سے کئی بچے بھی پیدا ہو گئے۔ اب مندرجہ ذیل امور قابل دریافت ہیں:

(۱) صورت مسئولہ میں اکراہ جو مسئلہ طلاق میں عندالفقہاء معتبر ہے پایا گیا یا نہیں؟

(۲) عربی زبان کا لفظ طلاق انگریزی زبان میں لکھنے سے مصحف قرار پائے گا یا نہیں؟ اگر یہ لفظ طلاق انگریزی زبان میں لکھنے کی وجہ سے مصحف قرار پائے تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ (۳) برتقدیر وقوع طلقات ثلاثہ جب خاوند کو یہی گمان تھا کہ بحالت مجبوری بغیر نیت طلاق کے طلاق لکھنے سے چونکہ طلاق نہیں ہوتی اس لئے میری بیوی مطلقہ نہ ہوئی۔ یہ سمجھ کر وہ اپنی بیوی سے وطی کرتا رہا۔ اور اس سے کئی بچے بھی پیدا ہو گئے۔ اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ وہ بچے بصورت مسئولہ اولاد الزناء قرار پائیں گے یا ثابت النسب جانے جائیں گے۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں جب اس کو اپنی بیوی اور والدہ کے خودکشی کرنے کا ظن غالب ہو گیا' کیونکہ اکثر عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں۔ وہ ایسے کام کرنے میں گریز نہیں کرتی ہیں۔ تو یہ صورت اکراہ کی ہوئی۔ اور اکراہ میں طلاق تحریر کی گئی۔ اکراہ شرع میں یہ ہے کہ کسی کے ساتھ ناحق ایسا فعل کرنا کہ وہ شخص ایسا کام کرے جس کو کرنا نہیں چاہتا۔ اکراہ کے محقق ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں: (۱) مکرِہ اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کی وہ دھمکی دیتا ہے۔ (۲) مکرَہ جس کو دھمکی دی گئی ہے' اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر میں اس کام کو نہ کروں گا تو جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے اسے کر گزرے گا۔ (۳) جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے وہ جان جانا ہے' یا عضو کاٹنا ہے' یا ایسا غم پیدا کرنا ہے جس کی وجہ سے وہ کام ہنسی خوشی و رضامندی سے نہ ہو۔ (۴) جس کو دھمکی دی گئی ہو وہ پہلے سے اس کام کو نہ کرنا چاہتا ہو' خواہ اپنے حق کی وجہ سے یا کسی

دوسرے کے حق کی وجہ سے' یا حق شرع کی وجہ سے۔ (درمختار مع الشامیہ ص۸۰'ج۵) الاکراہ ھو فعل یوجد من المکرِہ فیحدث فی المحل' معنًی یصیر بہٖ مدفوعًا الی الفعل الذی طلب منہ۔ صاحب ردالمحتار مدفوعا الی الفعل کی تشریح میں فرماتے ہیں: ای بحیث یفوت رضاہ بہٖ وان لم یبلغ حد الجبر اھ' وشرطہ اربعۃ امورٍ قدرۃ المکرِہ علی ایقاع ما ھدد بہٖ سلطانًا او لصًا والثانی خوف المکرہ بالفتح ایقاعہ ای ایقاع ما ھدد بہٖ فی الحال بغلبۃ ظنہٖ لیصیر ملجئًا۔ علامہ شامی تحت قولہ لیصیر ملجئًا تحریر فرماتے ہیں: ھذہ الشروط لمطلق الاکراہ لا للملجئی والثالث کون الشئ المکرہ بہ متلفًا نفسًا اوعضواً اوموجبًا غمًا یعدم الرضی وھذا ادنی مراتبہ الخ۔ والرابع کون المکرہ ممتنعًا عما اکرہ علیہ قبلہٖ اما لحقہ او لحق شخص آخر اولحق الشرع (درمختار مع الشامیہ ص۸۸'۵) منع امرأتہ المریضۃ عن المسیر الی ابویھا الا ان تھبہ مھرھا فوھبتہ بعض المھر فالھبۃ باطلۃ لانھا کالمکرہ الخ۔ یہ اکراہ صورت مسئولہ سے یقیناً کم درجہ کی ہے اور اس کو معدم رضا قرار دیدیا ہے اور ہبہ کو باطل تسلیم کیا گیا تو صورت مسئولہ میں بطریق اولیٰ اکراہ معدم رضا ہے۔ صورت مسئول عنہا میں اکراہ کی جمیع شروط متحقق ہیں۔ لہٰذا یہ تحریری طلاق معتبر نہ ہوگی' کیونکہ اس کو اپنی بیوی اور والدہ کی خودکشی کا ظن غالب پیدا ہو گیا تھا اور اس نے اس کو ایسا غم دیا جس نے رضامندی کو معدوم کردیا تھا۔ اگرچہ اس کا اختیار باقی تھا۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: فلو اکرہ علٰی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھٰھنا۔ (شامیہ ص۴۵۷'ج۲) صورت مسئولہ میں تصحیف و عدم تصحیف کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر بالفرض تین طلاقیں ثابت بھی ہو جائیں اور مرد یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میری نیت طلاق کی نہ تھی۔ اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی اور وہ اس

عورت سے وطی کرتا رہے تو جو اولاد اس سے پیدا ہوگی وہ ثابت النسب ہے۔ درمختار میں ہے: کما یثبت بلا دعوۃ احتیاطًا فی مبتوتۃٍ جاءت بہ لاقل منھما من وقت الطلاق لجواز وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیھا کمامر ولوبتمامھا لا یثبت النسب الا بدعوۃٍ لانہ التزمہ وھی شبھۃ عقدٍ ایضًا (ای کما انھا شبھۃ فعل) علامہ شامی وھی شبھۃ عقدٍ ایضًا کے تحت فرماتے ہیں: ای کما انھا شبھۃ فعل واشار بہ الی الجواب عن اعتراض الزیلعی بان المبتوتۃ بالثلاث اذا وطئھا الزوج بشبھۃٍ کانت شبھۃً فی الفعل وقد نصوا علٰی ان شبھۃ الفعل لا یثبت فیھا النسب وان ادعاہ واجاب فی البحر بان وطئی المطلقۃ بالثلاث او علٰی مالٍ لم تتمحض للفعل بل ھی شبھۃ عقدٍ ایضًا فلا تناقض ای لان ثبوت النسب لوجود شبھۃ العقد الخ (شامیہ ص۶۷۷' ج ۲) فقط واللہ اعلم

سید مسعود علی قادری' مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر' ۱۸ جولائی ۵۹ء

الجواب :

شریعت میں اکراہ کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے پر کوئی ایسا فعل واقع کرے کہ جس سے اس کی رضامندی یا اختیار فاسد ہوجائے۔ شرح وقایہ میں ہے: ھو فعل یوقع المکرِہ بغیرہ فیفوت بہ رضاہ او یفسد اختیارہ مع بقاء الاھلیۃ (ص ۳۳۷' ج ۳) اور عالمگیری میں ہے: واما تفسیرہ فی الشرع فھو اسم لفعل یفعلہ المرء بغیرہ فینتفی بہ رضاہ کذا فی الکافی۔ اور صاحب کنز رحمہ اللہ تعالٰی نے اکراہ کی تعریف ان الفاظ سے فرمائی ہے: ھو فعل یفعلہ الانسان بغیرہ فیزول بہ رضاہ۔ اور علامہ وطوری کے تکملہ بحر ص ۸۰' ج ۸ میں الفاظ تعریف یہ ہیں: لان الاکراہ اسم لفعل یفعلہ الانسان بغیرہ فینتفی بہ رضاہ۔ اور ہدایہ میں ہے: الاکراہ یثبت حکمہ اذا حصل ممن یقدر علٰی ایقاع ما یوعد بہ سلطانًا کان اولصًا۔ لان

الاکراہ اسم لفعل یفعله بغیره فینتفی به رضاه او یفسد به اختیاره مع بقاء الاهلیة (ص ۳۳۰' ج ۳) تو ان تعریفات بالا سے یہ امر قطعاً ثابت ہو رہا ہے کہ مکرِہ اور جس پر اس کا فعل مهدد بہ واقع ہوگا' ان میں غیریت ضروری ہے۔ تعریفات بالا کے اندر اس بارے میں قطعاً کوئی اجمال یا ابہام موجود نہیں ہے کہ جس شخص پر فعل مهدد بہ واقع ہو رہا ہے وہ اس کے علاوہ ہونا چاہیئے۔ جس سے کہ یہ فعل صادر ہو رہا ہے۔ یہ ایک مقدمہ ہوا جو منطوقِ تعریفات بالا ہے۔ اس کے علاوہ تحقق اکراہ کی شرائط کے سلسلہ میں حضرات فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کی دھمکی کو اکراہ اس وقت سمجھا جائے گا جبکہ مکرِہ ایقاع ماهدد بہ پر قادر بھی ہو۔ یعنی اسے اتنی قوت و غلبہ حاصل ہو کہ مکرَہ اس کے سامنے بے بس و مجبور محض ہو۔ اور مکرِہ اپنی دھمکی اس پر تغلبا جاری کر سکتا ہو۔ چنانچہ تکملہ بحر ص ۸۰' ج ۸ میں ہے: ولا یتحقق ذلك الا من القادر عند خوف المکره لانه یصیر به ملجئاً وبدون ذالك لا یصیر ملجئاً وماروی عن الامام ان الاکراه لا یتحقق الا من السلطان فذٰلك محمول علٰی ما شهد به فی زمانه من ان القدرة والمنعة منحصرة فی السلطان وفی زمانهما کان لکل مفسدٍ له قوة ومنعة لفساد الزمان فافتیا علٰی ما شهدا وبه یفتی لانه لیس فیه اختلاف یظهر فی حق الحجة وفی المحیط وصفة المکره وهوان یغلب علٰی ظنه انه یوقع ذلك به لولم یفعل ولوشك انه لا یفعل ما توعدبه لم یکن مکرها لان غلبة الظن معتبرة عند فقد الادلة۔

نیز یہ حقیقت اس سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ امام صاحب اکراہ کا تحقق صرف سلطان سے مانتے ہیں' کیونکہ سلطان کو ہی ایسی قوت و شوکت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی دھمکی کو جاری کر سکتا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اصولی طور پر تو غلبہ سلطان ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن غیر آئینی تغلب وقتی طور پر غیر سلطان ڈاکو چور وغیرہ کو بھی حاصل ہو سکتا ہے' جس کی بناء پر وہ کسی فرد کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے پر

مجبور کرسکتا ہے۔ الحاصل مکرہ کا غالب یا متغلب ہونا ضروری ہے۔ قاضی خان وغیرہ اختلاف ہذا کی تعبیر ان الفاظ سے کرتے ہیں: وھو لا یتحقق الا من السلطان فی قول ابی حنیفة وفی قول صاحبیه یتحقق من کل متغلب یقدر علی تحقیق ماہدد به وعلیه الفتوٰی۔

جب یہ دونوں امر ثابت ہوگئے تو لازمی طور پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک شخص کا اپنے کسی عزیز کے کسی غیر متوقع فعل پر ناخوش ہو کر اپنی بے چارگی' بے بسی اور مغلوبیت کی بناء پر خود کشی کی دھمکی دینا اکراہ کی شرعی تعریف میں قطعاً داخل نہیں' کیونکہ یہاں پر سابق الذکر دونوں امر مفقود ہیں۔ فعل مهدد بہ کا وقوع خود مکرہ پر ہو رہا ہے جو منطوق تعریفات کے خلاف ہے۔ دوسرا سائل کی والدہ کا یہ فعل مغلوبیت اور بے بسی کا مظہر اور آئینہ دار ہے اور اسے جبر و اکراہ (جس کا منشاء جابریت و استیلاء ہے) سے کوئی واسطہ نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ کو اکراہ میں داخل کرنا درست نہیں۔ خصوصاً جبکہ فاضل مجیب اپنے استدلال کی حمایت میں کوئی صریح جزئیہ بھی پیش نہیں کرسکے۔ ہم نے بھی اپنے طور پر کتاب الاکراہ کو سرسری نظر سے دیکھا ہے' لیکن ایسا کوئی جزئیہ نہ مل سکا جو صورت مسئولہ کی نظیر بن سکے۔

واضح رہے کہ فاضل مجیب نے تنویر الابصار سے جو جزئیہ نقل کیا ہے' مانحن فیه سے قطعاً مختلف ہے۔ اور صورت مسئولہ کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ مقیس علیہ میں مکرہ کے فعل منع کا متعلق اس کی زوجہ ہے۔ اور اس منع کا منشاء بھی غلبہ و قاہریت ہے۔ بخلاف مقیس کے کہ اس میں یہ دونوں امر مفقود ہیں۔ اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ تحقق اکراہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عاجل ہو۔ اور مکرہ کو فوری خطرہ لاحق ہو' جس کی وجہ سے وہ طبعاً اس فعل کے کرنے پر مجبور اور مدفوع ہو جائے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے: وفی المکرہ المعتبر ان یصیر خائفًا من جهة المکرہ فی ایقاع ماهدد به عاجلاً لانه لا یصیر به ملجئًا محمولا طبعًا الا بذالك۔ در مختار میں ہے: وشرعًا فعل یوجد

من المکرہ فیحدث فی المحل معنی یصیر بہ مدفوعًا الی الفعل الذی طلب منہ وفیہ بعد السطر الثانی خوف المکرہ بالفتح ایقاعہ ای ایقاع ما ھدد بہ فی الحال لغلبۃ ظنہ۔ اور صورت مسئولہ سے یہ قطعاً ظاہر نہیں ہوتا کہ سائل کی والدہ دھمکی دیتے وقت اپنے پاس کوئی آلہ ھدد یا پستول وغیرہ لئے ہوئے تھی اور فوراً اپنے نفس کو قتل کردینا چاہتی تھی۔ اگر اس وقت طلاق نامہ نہ لکھا جاتا یہ تو بجائے خود رہا سوال تو یہ ہے کہ مطالبہ طلاق کا فوری ہونا حیز خفا میں ہے۔ اگر یہ دھمکی فوری بھی تھی تو کیا سائل اپنی والدہ کو خودکشی سے باز رکھنے پر کسی دوسرے طریق سے قادر تھا یا نہیں۔ اور جواب میں تنویر الابصار کی یہ عبارت (او موجبًا غمًا یعدم الرضا) بھی فاضل مجیب کے لئے ہرگز مفید نہیں' کیونکہ ہرچیز جو موجب غم ہو اکراہ نہیں کہلاتی بلکہ اس پر اکراہ کی تعریف صادق آنے کے بعد اگر وہ فعل موجب غم ہو تب اکراہ ہوگا۔ والا فلا۔

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ (۹/۱/۲۳ھ

واضح رہے کہ اکراہ کی تعریف صادق آنے کے بعد اس کی تین قسمیں ہوجاتی ہیں: اتلاف جان و اتلاف عضو و احداث غم' جو کہ ادنیٰ مرتبۂ اکراہ ہے۔ بغیر صادق آنے حقیقت اکراہ کے ہر احداث غم اکراہ کے اندر داخل نہ ہوگا اور نہ اس پر احکامِ اکراہ صادق آئیں گے۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور برتقدیر وقوع طلاق جو بچے پیدا ہوئے ان میں کچھ تفصیل ہے۔ علی الاطلاق سب کو ثابت النسب کہنا جائز نہیں۔ اور یہ تفصیل اگر حاجت ہو تو دوبارہ الگ سوال کرکے معلوم کی جاسکتی ہے۔

والجواب صحیح

بندہ عبداللہ غفراللہ لہ

۹/۱/۲۳ھ

خاوند متعنت عدالت میں نہ آئے اور عدالت اس کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف فیصلہ دے دے تو نافذ ہوگا یا نہیں :

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ درج ذیل میں کہ زید کی منکوحہ نے اپنے خاوند کے خلاف موجودہ ملکی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا' جس کے حق میں عدالت نے مندرجہ ذیل فیصلہ صادر کیا ہے :

نقل یک طرفہ ڈگری تنسیخ نکاح' دفعہ ۳۴ مجموعہ دیوانی مقدمہ نمبر205 ۵۶ء' بعدالت جناب ملک لہراسپ خاں صاحب پی سی ایس ایڈیشنل سول جج درجہ دوئم ملتان۔ یہ مقدمہ آج واسطے فیصلہ کے روبرو ہمارے بذریعہ چوہدری محمد یسین وکیل منجانب مدعیہ سماعت ہوا' اور جب اطمینان سے عدالت میں یہ ثابت ہوگیا کہ مدعاعلیہ پر سمن کی تعمیل حسب ضابطہ ہوگئی اور باوجود اس کے نام پر دعویٰ کے وہ دعویٰ کی جواب دہی کے لئے حاضر نہیں ہوا۔ پس یہ حکم یک طرفہ صادر کیا جاتا ہے کہ ڈگری تنسیخ نکاح بحق مدعیہ برخلاف مدعاعلیہ صادر کی جاتی ہے' اور نیز مدعاعلیہ مدعیہ کی رقم مبلغ ۲۶/۱۰۱۰ بابت خرچ نالش ہذا ادا کرے۔

نقل حکم۔ ثبوت یک طرفہ پیش کردہ مدعیہ سے دعویٰ مدعیہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مدعاعلیہ آوارہ اور نکھٹو ہے اور اس نے عرصہ ساڑھے تین سال یا چار سال سے مدعیہ کو کوئی گذارہ خرچ نہیں دیا ہے۔ اور بلا وجہ معقول مدعیہ کے حقوق زوجیت ادا نہیں کئے ہیں۔ ان حالات میں مدعیہ مستحق ڈگری تنسیخ نکاح برخلاف مدعاعلیہ ہے۔ لہٰذا ڈگری تنسیخ نکاح یک طرفہ بحق مدعیہ مع خرچہ مقدمہ صادر کی جاتی ہے۔ فیس وکیل مبلغ ۱۵/۰۱۰ مقرر کی جاتی ہے۔ دستخط جج نقل مطابق اصل

(۱) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا فیصلہ کی روشنی میں زید کی منکوحہ کا نکاح فسخ ہوا کہ نہیں۔ اور اب وہ اپنا نکاح کسی اور شخص سے کرلے تو یہ نکاح

صحیح ہوگا یا نہ۔ (ب) اگر مسمات مذکورہ اپنا نکاح عدت گذارنے سے قبل ہی بکر سے کرلے اور اس فساد نکاح کی بناء پر بکر سے اس کا دوبارہ نکاح کرائیں تو کیا اب بھی پہلے عدت گذارنی پڑے گی۔ دراں حالیکہ وہ بکر کی تحویل میں ۵۶ء سے ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :

حامداً ومصلیًا۔ وعلیه یحمل ما فی فتاوٰی قاری الهدایة حیث سئل عمن غاب زوجها ولم یترك لها نفقةً فاجاب اذا اقامت بینة علٰی ذالك وطلبت فسخ النكاح من قاضٍ یراه ففسخ نفذ وهو قضاءٌ علی الغائب وفی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذهٖ یسوغ للحنفی ان یزوجها من الغیر بعدالعدة واذا حضر الزوج الاول وبرهن علی خلاف ما ادعت من تركها بلا نفقةٍ لا تقبل بینته لان البینة الاولٰی ترجحت بالقضاء فلا تبطل بالثانیة اھ۔ واجاب عن نظیره فی موضع آخر بانه اذا فسخ النكاح حاكم یری ذٰلك ونفذ فسخه قاضٍ آخر وتزوجت غیرهٗ صح الفسخ والتنفیذ والتزوج بالغیر فلا یرتفع بحضور الزوج وادعائه انه ترك عندها نفقة فی مدة غیبتهٖ الخ۔ فقوله من قاضٍ یراه لا یصح ان یراد به الشافعی" فضلاً عن الحنفی بل یراد به الحنبلی فافهم (شامی ص ۷۱۳، ج ۲) عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قضاء علی الغائب میں اختلاف ہے۔ مگر حضرات علماء نے اس کی گنجائش نکالی ہے، اور فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ مختلف فیہ میں اگر قاضی فیصلہ کردے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ فیصلہ نافذ ہوگیا اور شرعاً نکاح فسخ ہوگیا اور مسمات مذکورہ کو بعد عدت گزارنے کے دوسرا نکاح کرنا جائز ہے اور وہ نکاح صحیح ہوگا۔

(۲) عدت کا گذارنا بعد فسخ نکاح کے لازم ہے اور عدت میں نکاح کرنا فاسد ہے۔ اور ایسے نکاح کے بعد وطی کرنا زنا ہے۔ وہ عورت اس کی مزنیہ ہوگی۔ اگر پہلے عدت گذر چکی ہے تو زانی کا اس اپنی مزنیہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اب جدید عدت کی ضرورت نہیں' اور دوبارہ نکاح کے بعد اس مزنیہ منکوحہ سے اسی وقت سے وطی کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر مزنیہ زانی کے علاوہ دوسرے سے نکاح کرے تب بھی نکاح جائز ہے' مگر مزنیہ حاملہ سے قبل وضع حمل وطی کرنا جائز نہیں اور نہ تقبیل وغیرہ' اور اگر غیر حاملہ ہے' تب بھی ایک حیض کا گذارنا اولیٰ ہوگا۔ قال ابو حنيفة و محمد يجوز ان يتزوج امرءة حاملاً من الزنا ولا يطاء ها حتٰى تضع وقال ابويوسف لا يصح والفتوى علٰى قولهما وكما لا يباح وطئها لاتباح دواعيه كذا فى فتح القدير وفى مجموع النوازل اذا تزوج امرأة قد زنى هو بها وظهر بها حبل فالنكاح جائز عندالكل وله ان يطئها عندالكل وتستحق النفقة عندالكل كذا فى الذخيرة۔ واذا راى امرأة تزنى فتزوجها حل وطئها قبل ان يستبرئها عندهما وقال محمد لا احب له ان يطأها مالم يستبرئها كذا فى الهداية عالمگیری ص ۲۸۰ ج ۲۔ والله اعلم بالصواب

بندہ محمد وجیہ مدرس مدرسہ اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ

نوٹ : یہ دوسری عدت کا ہونا جب ہی ہے جبکہ واطی زانی سے یعنی نکاح فاسد کرنے والے ہی سے دوبارہ نکاح کیا جائے اور اگر دوسرے سے نکاح کرنا ہو تو دوسرے واطی کے وطی کے انقطاع سے دوسری عدت گذارنی ہوگی۔ فى الدر المختار مع الشامية ص ۶۶۱' ج ۲ اذا وطئت المعتدة بشبهةٍ وجبت عليها عدة اخرٰى وتداخلتا انتهٰى وفى البحر ان الدخول فى النكاح الفاسد موجب للعدة۔

الجواب صحیح	الجواب صحیح
ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ	عبد اللہ غفر اللہ لہ' مفتی خیر المدارس
۱۱ محرم ۱۳۷۹ھ	۲۰ صفر المظفر ۱۳۷۹ھ

عرضی نویس کو صرف اتنا کہنا کہ طلاق نامہ لکھ دو' اس سے طلاق ہو جائے گی یا نہیں :

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ! مزاج گرامی؟ پرسوں بعد ظہر خیرالمدارس آپ سے شامی کی عبارت ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارًا بالطلاق وان لم یکتب (شامی ص۲۸۹' ج۲) پر گفتگو ہوئی تھی۔ امید ہے کہ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہم سے رجوع فرمایا ہو گا۔ حاصل تحقیق سے احقر کو بھی مطلع فرماویں۔ کیا اس صورت میں زوج کا پہلے طلاق دینا ضروری ہے؟ اگر اس نے پہلے بالکل طلاق نہ دی ہو' بلکہ فقط اکتب الخ' ہی کہا ہو تو اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں۔ احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ اقرار طلاق کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ یہ توکیل نہیں ہے بلکہ اقرار ہے اور اس اقرار میں تقدم طلاق بالفعل کی ضرورت نہیں ہے۔ والعلم عنداللہ تعالٰی۔

شامی میں اس کو اقرار طلاق فرمایا گیا ہے' جبکہ الاشباہ میں اس کے توکیل ہونے کو مفتٰی بہ قرار دیا گیا ہے (انظر الاشباہ والنظائر ص۵۲۸' الفن الثالث) اس ظاہری تعارض کو بھی کسی طرح رفع فرمایا جائے۔ بخدمت حضرت مفتی صاحب مدظلہم سلام مسنون اور درخواست دعاء۔ فقط والسلام۔ احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۲۱ جون ۱۹۹۰ء جمعرات

الجواب :

طلاق لکھوانے کی دو صورتیں ہیں: (۱) توکیل طلاق بالکتابت' (۲) اقرار طلاق کو ضبطِ تحریر میں لانا۔ صورت اول میں کتابت سے قبل طلاق واقع نہ ہو گی' اور دوسری صورت میں بدون تحریر طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے: ان الامر بکتابة الاقرار اقرار کتب ام لا (بحر ص۲۷۲' ج۳) اکتب طلاق امرأتی دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔ (۱) اکتب کونها مطلقة لانی قد طلقت (۲) اکتب طلاق امرأتی فانی ارید ان اطلقها بهذا الصك'

واللہ اعلم۔ شامی کا جزئیہ اسی صورت ثانیہ پر محمول ہے۔ مذکورہ تقسیم بحر کے جزئیات سے واضح طور پر مفہوم ہوتی ہے' ملاحظہ ہو۔ اخبر ھاانھا طالق وقل لھا انھا طالق فتطلق للحال ولا یتوقف علی وصول الخبر ولا علی المأمور ذلک (بحر ص۲۷۱' ج۳) گویا پہلے جزئیہ میں صورت ثانیہ اقرار طلاق مذکور ہے' اور آخری جزئیہ میں توکیل ہے۔

اور ہمارے اس زمانہ میں عرضی نویس کے پاس جانے والے اکثر لوگ عرضی نویس کی تحریر سے ہی طلاق دینا چاہتے ہیں (اقرار طلاق کو ضبط تحریر میں لانا مطلوب نہیں ہوتا) چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ والنظائر میں یہی لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسی کا رواج ہے کہ تحریر سے طلاق دینا مقصود ہوتا ہے۔ اختلفوا فیما لو امر الزوج بکتابۃ الصک بطلاقھا فقیل یقع وھو اقرار وقیل ھو توکیل فلا یقع حتیٰ یکتب وبہ یفتی وھوالصحیح فی زماننا (ص۱۹۸' ج۲) مذکورہ تفصیل کے بعد شامی کا ولو استکتب الخ جزئیہ بلا تاویل درست ہو جاتا ہے۔ الحاصل مفتی بہ کو ہی مفتی بہ قرار دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۱۴۱۱/۱/۲۷ھ — بندہ عبدالستار عفی عنہ

مسئلہ ہذا کی مزید تحقیق

از قلم مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہم
نائب مہتمم و مفتی جامعہ حقانیہ ساہیوال' سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

کتب معتمدہ بزازیہ' تاتارخانیہ' شامیہ' بحر اور ہندیہ وغیرہ میں امر بکتابۃ الطلاق کو اقرار قرار دیا گیا ہے' چاہے کتابت نہ ہو۔ ارباب فتاویٰ کا اسی پر عمل ہے اور یہی صحیح ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے: ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب الخ (شامی ص۵۸۹' ج۲) شامی کتاب

الاقرار میں بھی تصریح ہے الامر بکتابۃ الاقرار اقرار حکمًا۔ یہ جزئیہ بھی اس بات کا مؤید ہے کہ امر بالکتابۃ میں کتابت کی ضرورت نہیں ہے۔ بغیر کتابت کے بھی محض امر بالکتابۃ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ امر بالکتابۃ خود اقرار ہے نہ کہ توکیل۔ صاحب بحرالرائق علامہ ابن نجیمؒ بھی اس امر کی ان الفاظ میں تصریح فرماتے ہیں: ولو قال للکاتب اکتب لہا طلاقہا فینبغی ان یقع الطلاق للحال (البحر ص ۲۷۲ ج ۳) پھر چونکہ یہاں اقتضاءً طلاق ثابت ہو رہی ہے' اس لئے قضاءً و دیانتاً دونوں طرح ہی نافذ ہو جائے گی۔ بہرحال جزئیہ اکتب طلاق امرأتی الخ چونکہ اقرار طلاق کو متضمن ہے' اس لئے یہ جملہ کہتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی' گو کتابت نہ پائی جائے۔ اس کو توکیل طلاق قرار دے کر طلاق کو کتابت پر موقوف کرنا درست نہیں ہے کمامر۔ ارباب فتاویٰ اکابر علماء دیوبند رحمهم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ چنانچہ بعض ان اکابر حضرات کے فتاویٰ سے متعلقہ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے جنہوں نے شامی کے اس جزئیہ کو اقرار طلاق پر محمول فرماکر بدون کتابت بھی طلاق کا حکم صادر فرمایا ہے۔

شامی میں ہے کہ اگر شوہر کاتب سے کہے کہ اکتب طلاق امرأتی۔ یعنی میری زوجہ کی طلاق لکھ دے تو اس کہنے سے اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ وہ لکھے یا نہ لکھے (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۵۳' ج ۹) اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۹ کا ص ۱۷۷' ص ۱۸۰ اور حاشیہ ص ۱۸۳ بھی قابل ملاحظہ ہے' جس سے اسی سابق مضمون کی صراحتاً تائید ہوتی ہے۔

فتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۰' ج ۸ میں ہے ولو قال للکاتب الخ۔ یہاں امر کتابت کو اقرار طلاق قرار دیا گیا ہے اور اس کے لئے کتابت کو شرط نہیں کہا گیا۔ نیز ص ۱۵۳' ج ۸ میں ہے اگر زید نے قاضی سے یہ کہا ہے کہ طلاق نامہ میری زوجہ کے لئے لکھ دو تو شرعاً طلاق واقع ہو گئی' اگرچہ تحریر طلاق نامہ کی نوبت نہ آئی ہو۔ ولو قال الخ (ص ۱۵۳' ج ۸)

احسن الفتاویٰ ص ۱۸۴، ج ۵ میں بھی اسی جزئیہ کی بنا پر اسے طلاق مستبین غیر مرسوم کی کتابت قرار دے کر بدون کتابت طلاق بھی طلاق واقع ہونے کی تصریح ہے۔

اب رہا جزئیہ ذیل جسے الاشباہ میں بحوالہ قنیہ نقل کیا گیا ہے۔ واختلفوا فیما لو امر الزوج بکتابۃ الصك بطلاقها فقیل یقع وقیل هو توکیل فلا یقع حتی یکتب وبه یفتی وهو الصحیح فی زماننا کذا فی القنیۃ۔ (الاشباہ ص ۵۲۸) تو وہ مرجوح ہے۔ اس کی بناء پر امر بکتابۃ الطلاق کو توکیل قرار دے کر بدون کتابت عدم طلاق کا حکم لگانا بچند وجوہ صحیح نہیں ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ یہ مرجوح ہے، کسی کتاب سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ثانیاً اس جزئیہ میں دونوں ہی قول علی قول سے ذکر کئے گئے ہیں۔ اگرچہ عدم وقوع کو مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر چونکہ اس کے ساتھ وهو الصحیح فی زماننا بھی موجود ہے، اس لئے اس کو ان کے زمانہ پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے تمام ارباب فتاویٰ اکابر نے اس کو اقرار پر محمول فرمایا ہے نہ کہ توکیل پر۔

ثالثاً خود مصنف الاشباہ کی تصریح اس کے خلاف موجود ہے۔ کما مر تحت قول البحر ولو قال اکتب کونها الخ۔

مزید برآں قنیہ اور الاشباہ پر فتویٰ میں انحصار نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ قنیہ میں اقوال ضعیفہ اور الاشباہ میں ایجاز فی التعبیر پایا جاتا ہے۔ (کما فی الشامیۃ ص ۶۰، ج ۱) نیز شامی میں تصریح ہے کہ جس مسئلہ میں صاحب قنیہ منفرد ہوں اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔ ذکرہ العلامۃ الشامی ثم لا یخفی ان ما ینفرد به صاحب القنیۃ لا یعتمد علیه (ص ۷۴۲، ج ۲)

رابعاً قنیہ کے دیکھنے سے واضح ہے کہ اس صورت میں وقوع طلاق کی جو وجہ انہوں نے بیان فرمائی ہے وہ افتاء بالشک ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لانهم قد یطلّقون ثم یامرون بکتابۃ الصك وقد یامرون بکتابۃ الصك قبل الطلاق فالافتاء بالوقوع قبل الصك افتاء بالشك فلا یفتی به۔ حالانکہ

اس وجہ کا غیر موجہ ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ کتابت سے قبل وقوع طلاق کا حکم شک پر مبنی نہیں ہے' بلکہ یہ حکم یقین پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ طلاق خود طالق کے اقرار سے ہو رہی ہے' اگرچہ اس نے اس سے قبل طلاق نہ دی ہو۔ لان المرء یوخذ باقرارہ کما قیل ان الامر بکتابة الاقرار اقرار حکمًا وان لم یقر قیل فالافتاء بالوقوع بالصك بعد الامر بالکتابة لیس افتاء بالشك بل هو افتاء بالیقین فالتوجیه الذی ذکره صاحب القنیة غیر موجه کما لا یخفی۔

ان وجوہات کی بناء پر قنیہ کے اس جزئیہ پر فتویٰ دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا' بلکہ امر بالکتابة سے ہی وقوع طلاق کا فتویٰ دینا ضروری ہے۔ هذا ما عندی ولعل عند غیری احسن من هذا۔

شامی میں خانیہ کے حوالہ سے نقل کردہ جزئیہ ثانیہ ولو استکتب کی مختلف توجیہات کتب فتاویٰ میں نظر سے گذری ہیں۔ ان میں سے اگر کسی توجیہ کو بھی اپنا لیا جائے تو ان دونوں عبارتوں کا ظاہری تعارض ختم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جزئیہ ثانیہ کو فضولی کے استکتاب پر محمول فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: ولو استکتب (ای غیر الزوج) (امداد الفتاویٰ) اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (ص ۱۵۳' ج ۹) اور کفایت المفتی ص ۵۰' ج ۸ پر بھی استکتاب کا فاعل فضولی کو قرار دیا ہے' جس کا مطلب واضح ہے کہ اگر کوئی غیر متعلق شخص بغیر زوج کی اجازت کے اس کی بیوی کی طلاق لکھوالے تو اس کے واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ خاوند کی تصدیق پائی جائے' ورنہ یہ طلاق واقع نہ ہوگی' کیونکہ فضولی کا یہ فعل اس وقت تک زوج کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا ہے جب تک زوج زبانی یا تحریری اس کی تصدیق نہ کردے۔ اور اس بات کا قرین عقل و نقل ہونا واضح ہے۔ یہی توجیہ زیادہ صاف اور واضح معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے جزئیہ اولیٰ سے طلاق مستبین غیر مرسوم اور جزئیہ ثانیہ سے طلاق مستبین مرسوم متعلق بوصول الکتاب مراد لی ہے۔ ویدل

علیہ قولہ عنونہ و بعث بہ الیہا فاتاھا۔ اس صورت میں جزئیہ اولیٰ و ثانیہ کا تعلق زوج سے ہی ہوگا' نہ کہ فضولی سے۔ تاہم بہرتقدیر چونکہ جزئیہ اولیٰ اقرار کو متضمن ہے اس لئے امر بکتابۃ الطلاق سے ہی بدون کتابت طلاق ہو جائے گی وان لم یکتب۔ اگرچہ بعض حضرات کاتب کی تحریر سے طلاق دینا چاہتے ہیں اس سے قبل اس لفظ سے ان کا ارادہ طلاق کا نہیں ہوتا' لیکن چونکہ امر بکتابۃ الطلاق اقرار ہے' اس لئے اس سے ہی طلاق واقع ہو جائے گی' کتابت پر موقوف نہیں ہوگی۔ لانہ اقرار لا توکیل ولا یلزم ان یکون الاقرار صادقًا ابدًا لانہ ان اقر کاذبًا یقع ایضًا کما یقع فی الاقرار الصادق و فتاوٰی الاکابر ایضًا تؤید ھذا المفھوم لانھم حملوا الامر بکتابۃ الطلاق علٰی الاقرار لا علی التوکیل فلذا احکموا وافتوا بوقوع الطلاق والا فکیف یصح حکمھم بوقوع الطلاق بمجرد (الامر بالکتابۃ مع التصریح عندھم من السائل ارادۃ عدم وقوع الطلاق بالامر بالکتابۃ فظھر انہ لا اعتبار لارادۃ الطلاق بعد ھذا الاقرار ھذا ما بدالی الاٰن۔ والعلم عند اللّٰہ المنان۔

اکتب طلاق امرأتی اور استکتب طلاقًا میں فرق

ایک دفعہ آپ شامی کے جزئیہ ولو استکتب الخ پر اشکال فرما رہے تھے کہ بظاہر اس کا تعارض دوسرے جزئیہ ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی الخ سے ہے۔ بندہ کو بھی شبہ رہا۔ ایک دفعہ امداد الفتاویٰ میں حضرت کی تفسیر بین القوسین لکھی ہوئی نظر پڑی۔ وہ اس طرح تھی: ولو استکتب (ای غیر الزوج) اس سے تعارض کا شبہ تو زائل ہوگیا مگر ایک بات اپنے ناقص فہم میں نہیں آتی۔ استفادتاً آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ ولو قال للکاتب الخ والے جزئیہ میں وقوع طلاق پر پرانے اور قریب کے اکابر متفق نظر آتے ہیں۔ خلاصۃ

الفتاویٰ میں غالباً کتاب الاقرار میں مذکورہ بالا جزئیہ کے ساتھ یہ جزئیہ بھی لکھا ہوا ہے:
ولو قال للکاتب اکتب ان لفلان علیّ الف درھم کان اقرارا بالالف وان لم یکتب اھ بمعناہ۔ یہ دوسرا جزئیہ تو بالکل سمجھ میں آتا ہے۔ پہلے کے متعلق یہ شبہ ہے کہ اس زمانہ میں اکثر عوام کے ہاں طلاق دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر لکھنے پر قادر ہو تو خود طلاق نامہ لکھ دے یا کسی پڑھے لکھے سے لکھوا کر اس پر انگوٹھا لگا دے۔ اس کو وہ پکی طلاق کہتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات غصہ سے مغلوب ہو کر زبانی طلاق بھی دے دیتے ہیں' تو جب طلاق دینے والا کسی کاتب کو کتابت طلاق کا امر کرتا ہے تو اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ مجھے طلاق دینے کا یا اس کے لکھنے کا طریقہ نہیں آتا۔ تم میری طرف سے لکھ دو۔ تو یہ طلاق کی توکیل ہوئی۔ جیسے کوئی شخص دوسرے کو کہے طلِّق امرأتی' تو محض کہنے سے طلاق نہیں ہوگی جب تک فعل تطلیق وکیل سے صادر نہ ہو۔ اسی طرح جب تک کاتب کتابت نہ کرے اس وقت تک طلاق نہ ہونی چاہیے۔ شوہر کا یہ مقصود بالکل نہیں ہوتا کہ میں پہلے سے طلاق دے چکا ہوں' اس کا اب اقرار کرتا ہوں۔ تم اس کو لکھ لو' نہ اس کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے۔ البتہ اگر الفاظ اقرار کو متضمن ہوں تو پھر وقوع طلاق میں کوئی شبہ نہیں' اگرچہ کاتب نہ لکھے۔ مثلاً یوں کہے: اکتب ان امرأتی طالق او مطلقة او حرام۔ صرف امر بکتابة الطلاق جو اقرار کو متضمن نہ ہو موجب طلاق نہ ہونا چاہیے۔ جیسے کہے اکتب الطلاق۔۔ یہ شبہ اور قوی ہو گیا جب اشباہ کے کتاب الاقرار میں یہ نظر سے گذرا کہ امر بکتابة الطلاق سے وقوع طلاق میں اختلاف ہے۔ مگر صحیح عدم وقوع ہے اور ہمارے زمانہ میں مفتٰی بہ یہی ہے (انتھٰی بمعناہ) اس وقت اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ استفادہ کا سلسلہ چلتا رہے۔ حاضر ہونے سے قاصر رہتا ہوں۔ اگر طبیعت میں نشاط ہو تو جواب سے مسرور فرمائیں' ورنہ طبیعت پر بوجھ ڈالنے کی زحمت نہ فرمائیں۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

مکرمی و مشفقی حضرت مفتی صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ !

ولو استکتب (ای غیر الزوج) یہ تاویل عبارت جزئیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں اضمار قبل الذکر لازم آ رہا ہے۔ اور یہ ان مواضع میں سے نہیں جن میں اضمار مذکور جائز ہوتا ہے۔ پورا جزئیہ یہ ہے: رجل استکتب من رجل آخر الی امرأتہ کتابًا بطلاقھا وقرأہ علی الزوج فاخذہ اھ۔ امرأتہ کی ضمیر کا مرجع پہلا رجل ہے۔ جو کہ اپنی بیوی کو طلاق لکھوا رہا ہے۔ اگر مرجع غیر زوج ہوتا تو عبارت یوں ہونا چاہئے تھی: الٰی امرأۃ فلان اھ۔ لہٰذا اب تک تعارض رفع نہیں ہوا۔ البتہ اشباہ سے جو آپ نے دو قول نقل کئے ہیں' تو ہو سکتا ہے کہ دونوں جزئیات ان دونوں اقوال پر متفرع ہوں۔ گو مفتٰی بہ عدم وقوع ہے۔ لیکن عبارات اکابر اس کے خلاف ہیں۔ بحر و شامی وغیرہ سب میں اسے اقرار بالطلاق ٹھہرایا گیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکتب طلاق امرأتی کے دو مفہوم ہیں: (ا) طلاق مصدر مجہول ہو تقدیر یہ ہو۔ اکتب کون امرأتی مطلقۃ۔ اس صورت میں وقوع طلاق ظاہر ہے۔ جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے کہ اکتب ان امرأتی طالق میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور حضرات فقہاء کے پیش نظر یہی معنی ہے' اس لئے وہ اسے اقرار بالطلاق قرار دے رہے ہیں۔ (ب) طلاق اپنے مصدری معنی میں ہو۔ یعنی میرا طلاق دینا لکھ۔ لانی اریدان اطلقھا بھذا الصک۔ پس اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور ہمارے عرف میں اسی معنی کے اعتبار سے ایسے الفاظ مستعمل ہیں۔ پس عدم وقوع ظاہر ہے۔ گو اس میں ایک مرجوح احتمال یہ بھی ہے کہ میرا طلاق دینا لکھ۔ لانی قد طلقتھا۔ لیکن یہ مرجوح ہے۔ اگر یہ دونوں احتمال بدرجہ مساوی بھی مان لئے جائیں تو بھی چونکہ اصل عدم وقوع ہے۔ وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جاوے گا۔ خصوصاً جبکہ اشباہ کے جزئیہ سے مفتٰی بہ عدم وقوع مل گیا ہے۔ دعا کی درخواست ہے۔ بندہ بھی دعاگو ہے۔ فقط والسلام

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۲۵ / ۱۴۰۰ھ

تین الگ الگ کاغذوں پر ایک ایک طلاق لکھی' ایک بھیج دیا دو گم ہو گئے تو کتنی طلاق ہوئیں :

لڑکے نے غصے میں آکر تین الگ الگ کاغذوں پر ہر ایک پر ایک طلاق لکھوائی اور ایک کاغذ بھیج دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد لڑکے ہی کے گھر میں باقی دو کاغذ گم ہو گئے۔ تو صورت مسئولہ میں کتنی طلاق واقع ہوئیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں بنیت تین طلاق طلاق نامہ لکھنے سے ہی تین طلاق ہو گئیں۔ طلاق نامہ گم ہو جانے سے طلاق ختم نہیں ہوتی۔ بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق و تلزمها العدة من وقت الکتابة (ص ۴۶۵ ج ۲ شامیة) واللہ اعلم۔

محمد انور الجواب صحیح
مفتی جامعہ خیرالمدارس بندہ عبدالستار عفی عنہ

ایسے جنون کی طلاق کا حکم :

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام دریں مسئلہ کہ میں' مسمی عبدالکریم ولد خیر محمد قوم بھون حلفاً بیان کرتا ہوں کہ آج سے قریباً ڈیڑھ سال قبل میں بیمار ہوا اور اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا۔ ایک مرتبہ علاج کرانے سے صحیح سالم تندرست ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ گذرنے کے بعد مجھے دوبارہ دورہ پڑا' اور اس حالت کو تمام گھر والے اور رشتہ دار جانتے ہیں کہ واقعی ہی میرا دماغی توازن خراب ہو گیا تھا۔ دماغ خراب ہونے کا سب کو علم ہے۔ جس وقت دوسری مرتبہ مجھے دورہ پڑا' واللہ مجھے کوئی ہوش و حواس نہ تھا۔ اس دوران میں نے اپنے بالکل نئے کپڑوں کا ایک جوڑا اور ایک جوتوں کا جوڑا جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیئے اور مجھے ان کے ڈالنے کا کوئی علم نہ تھا۔ بعد میں اہل خانہ نے

مجھے بتایا کہ تو نے اپنے کپڑے اور جوتے تنور میں ڈال دیئے تھے۔ اور تو نے ایک مرتبہ اپنی بیوی نسیم بی بی دختر حافظ اللہ داد بھون کو صرف ایک طلاق کہی تھی۔ اس کے بعد میں نے متعدد ڈاکٹرز سے علاج کروایا۔ بالآخر میں پروفیسر شفیق الرحمٰن، سپیشلسٹ پشاور ہسپتال کے علاج سے ذہنی طور پر بالکل تندرست ہوگیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے گھریلو ناچاقی کی وجہ سے اپنی بیوی نسیم بی بی دختر حافظ اللہ داد کو اپنے ایک بھائی محمد بلال اور اپنی والدہ کے روبرو اپنی زوجہ کو دو مرتبہ کہا جا تجھے طلاق ہے۔ اس دوران میں بالکل دماغی طور پر ٹھیک تھا۔ مجھے اپنی حالت کی پوری ہوش تھی۔ پھر اسی دن میں نے اپنے علاقے کے علماء کے بتانے پر پھر اپنی بیوی نسیم بی بی سے اپنے گھر والوں کے روبرو لفظاً رجوع کرلیا۔ اور متواتر میری زوجہ نسیم بی بی میرے پاس چار دن ٹھہری رہی۔ اس کے بعد لوگوں کے کہنے پر نسیم بی بی میری زوجہ اپنے میکے چلی گئی۔ اب آپ حضرات مفتیان کرام بتائیں کہ واقعی میری بیوی نسیم بی بی مطلقہ ہو چکی ہے یا میرے عقد نکاح میں باقی ہے۔ مہربانی فرماکر اس کو بروئے شریعت حل فرمادیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب :

اگر واقعتاً پہلی طلاق کے وقت ذہنی کیفیت ایسی تھی کہ اچھے برے کی تمیز نہ تھی اور کسی کام کے انجام کا علم نہ تھا تو ایسی جنونی کیفیت میں دی ہوئی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کے بعد جو ہوش کی حالت میں دو طلاق دی ہیں اور وہ صریح تھیں تو ان کے بعد رجوع درست ہے۔ ہاں اب صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے۔ لا یقع طلاق المولٰی علی امرأۃ عبدہٖ والمجنون والصبی اھ (در مختار) قال فی التلویح الجنون اختلال القوۃ الممیزۃ بین الامور الحسنۃ والقبیحۃ المدرکۃ للعواقب بان لا تظھر آثارھا وتتعطل افعالھا اھ (شامیہ ص ۴۶۲، ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور

۱۴۱۷/۱۱/۳ھ

یونین کونسل کو طلاق نامہ کی اطلاع نہ بھی دی جائے تو بھی طلاق ہو جائے گی :

میں نے مسمات "ک" کو مورخہ ۹۱-۶-۱۱ زبانی شرعی طور پر طلاق ثلاثہ دے دی تھی۔ اس کے بعد میں نے اس سے ہر قسم کا تعلق ختم کر لیا اور ہم کبھی اکٹھے نہ رہے ہیں۔ تاہم مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت چیئرمین یونین کمیٹی کو اطلاع نہ دی گئی۔ بمطابق شرع ایام عدت گزرنے کے بعد طلاق مؤثر ہو چکی ہے۔

مسمات مذکورہ زبانی طلاق کو تسلیم نہیں کر رہی ہے اور ہر جگہ یہ کہہ رہی ہے کہ اسے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔ اب میں ثبوت کے طور پر طلاق کو ضبط تحریر میں لانا چاہتا ہوں۔ بمطابق شرع میری رہنمائی فرمائی جائے کہ کیا اس وقت مورخہ ۹۱-۶-۱۱ کو دی ہوئی طلاق کا اعادہ کرنے سے مقصد پورا ہو جائے گا یا مجھے اب نئے سرے سے طلاق دینا ہوگی جو کہ تین ماہ بعد مؤثر ہوگی۔ مشکور ہوں گا۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ مسمات "ک" اپنے خاوند پر ۹۱-۶-۱۱ سے بسہ طلاق حرام بحرمت مغلظہ ہوگئی ہے۔ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کو اطلاع نہ دینے کی وجہ سے طلاق کے وقوع پر ہرگز کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نئے سرے سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی ہے۔ اور عدت بھی گذر گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفر اللہ لہ — الجواب صحیح

یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ — بندہ عبد الستار عفی عنہ

کل امرأۃ اتزوجہا فھی طالق میں تعلیق سے پہلے والی کو طلاق نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو مردوں نے مل کر ایک لڑکے کے ساتھ زیادتی کرنے کا پروگرام بنایا۔ زیادتی کرنے کے لئے گئے۔ ایک مرد اس لڑکے کے ساتھ زیادتی (شرارت) کرنے لگا۔ دوسرا مرد اس کا پہرہ دے رہا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ شور مچنے کی صورت میں دونوں مرد بھاگ گئے۔ جب ان کو سامنے لایا گیا تو ان میں سے ایک نے (جس نے زیادتی کی تھی) اقرار جرم کرلیا' اور دوسرے (پہرہ دینے والے) نے انکار کردیا کہ میں اس معاملے میں ملوث نہیں ہوں۔ جبکہ حقیقت میں وہ شامل تھا۔ اس نے قسم اٹھائی اور یہ الفاظ کہے کہ کلما کی قسم اٹھاتا ہوں کہ میں اس واقعہ میں شریک نہیں تھا' حالانکہ وہ واقعہ میں شریک تھا۔ لیکن جس نے اس کو قسم اٹھوائی ہے' اس نے کہا کہ اس قسم سے تیری بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ تو قسم اٹھانے والے نے جواب میں یوں کہا کہ اگر میری بیوی کو طلاق ہوتی ہے تو ہونے دو۔ اور پھر اس نے تین گواہوں کے سامنے قسم اٹھائی۔ اب حوالہ سے ثابت کریں کہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگی یا نہ ہوگی؟

نوٹ : دوسرا آدمی قسم کے وقت پہلے سے شادی شدہ تھا۔

المستفتی : مولوی محمد طارق' رحیم یار خان

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ چونکہ اس قسم کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے' زمانہ ماضی سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ ان کلم فلانا فکل امرأۃ یتزوجہا فھی طالق فھو علی التزوج بعد الکلام (بزازیہ ص۲۸۸' ج۱) کل امرأۃ یتزوجہا فھی طالق ان

کلمت فلانا فکلمه ثم تزوج لا تطلق ولو کلمه ثانیا بعد التزوج تطلق (بزازیه ص۲۸۸ ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۳/ ۲/ ۱۴۱۸ھ

تم میرے تن سے جُدا ہو طلاق بائنہ ہے:

ایک شخص نے غصے میں آکر تین ڈھیلے اٹھائے اور ایک ایک ڈھیلے پر کہا کہ تم میرے تن سے جُدا ہو اپنی بیوی کو کہا یہ طلاق ہو گئی ہے یا نہیں اِسی دن سے دونوں اکٹھے کھانا کھا رہے ہیں، ڈیڑھ سال کے عرصہ سے، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ طلاق ہو گئی یا نہیں ؟ اگر طلاق ہو گئی ہے تو اِس کا حل بتادیں۔ مذکورہ کلمات کے علاوہ طلاق سے متعلق کوئی لفظ نہیں کہا۔ یہ لفظ طلاق کی نیت سے کہے تھے۔

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ اپنے خاوند پر مطلقہ بائنہ ہو گئی ہے "دُور باش از من یقع اذا نوی" (عالمگیری ص۳۸۷ ج۱)

جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اور بعد زوجین کی رضامندی سے تجدیدِ نکاح درست ہے اور بعد از عدت دوسری جگہ عقدِ نکاح کر سکتی ہے۔ تجدید نکاح کے بغیر میاں بیوی کا اکھٹے رہنا جائز نہیں ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ،	الجواب صحیح،
جامعہ خیر المدارس ملتان	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
۸/ ۴/ ۱۴۱۲ھ	۸/ ۴/ ۱۴۱۲ھ

دو دفعہ حرام حرام کہہ کر ایک طلاق صریح دے دی:

ایک شخص نے اپنی بیوی کی طرف طلاق نامہ بھیجا جس میں تھا اپنے نفس تن پر تجھے حَرام حَرام کر دیا ہے اور عدت ہی میں دوسرا طلاق نامہ بھیجا۔ جس میں ایک طلاق صریح تھی۔ کسی نے محض رجوع کا فتویٰ دیا۔ کیا حکم ہے ؟

الجواب اگر لفظ حرام سے تین کی نیت نہیں کی تھی تو صورت مسئولہ میں دو طلاق بائنہ واقع ہوتی ہیں۔ اب صرف رجوع کافی نہیں۔ البتہ نکاح جدید ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

خلع دیتا ہوں طلاقِ بائنہ ہے:

حضرت مفتی صاحب! جاوید اقبال نے اپنی منکوحہ خالدہ سعید کو لکھ کر دیا۔ میں جاوید اقبال اپنی بیوی خالدہ سعید کو خلع دیتا ہوں۔ مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔ (المستفتی محمود احمد نور الٰہی)

الجواب تقوله لها خلعتكِ بلا ذكر مالٍ لا يسمى خلعاً شرعاً بل هو طلاقٌ بائنٌ غير متوقف على قبولها بخلافِ ما اذا ذكر معهُ المال او كان بلفظ المفاعلة او الامر فانه لابد من قبولها كما مر لانه معاوضةٌ من جانبها كما يأتي۔ (فتاویٰ شامی ص ۶۰۵ ج ۲)

مذکورہ صورت میں بنیت طلاق یہ الفاظ لکھے ہیں، تو طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

رئیس دارالافتاء

طلاق مکرہ واقع ہوجاتی ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے کر مجھے مارپیٹ کر جبراً طلاق لے لی میں نے تین بار طلاق کے لفظ کہہ دیئے کیا میں دوبارہ اس عورت کو رکھ سکتا ہوں کیا جبراً طلاق واقع ہوجاتی ہے جبکہ میرا خیال نہیں تھا طلاق دینے کا۔

الجواب برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مسمات ساجدہ پر شرعاً تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اب وہ بدوں حلالہ محمد فاروق کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔

لقولہ تعالیٰ فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ (الآیہ)

زوجین میں فوراً علیحدگی کی جائے تین طلاقوں کے بعد ان کا اکٹھا رہنا شرعاً حرام ہے زبانی طلاق خواہ جبر سے ہو شرعاً واقع ہو جاتی ہے۔

یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغاً عاقلاً سواء کان حراً او عبداً طائعاً او مکرهاً (ہندیہ ص ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میری طرف سے جواب ہے طلاق ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے غصّہ کی وجہ سے بیوی کو تین چار دفعہ کہا کہ میری طرف سے جواب ہے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب اگر اس کے علاوہ کوئی اور طلاق کا لفظ نہیں کہا تو ایک بائنہ طلاق واقع ہو گئی۔ کذا حققہ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی التھانوی فی امداد الفتاویٰ ص ۴۴۴ ج ۲ ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شریف جالندھری ۱۸ / ۹ / ۱۳۹۸ھ

خاوند نے تین ۳ دفعہ حرام کہا کاتب نے تین طلاق لکھ دیں۔

زید اپنی بیوی کو طلاق دینے کے ارادہ سے کاتب کے پاس جاتا ہے ۔ کاتب طلاق نامہ پورا یا

کچھ کم لکھ کر زید سے کہلواتا ہے کہ تو اپنی زبان سے یہ کہدے کہ فلاں میری بیوی، فلاں کی بیٹی رو برو گواہان میرے تن سے حرام میرے تن سے حرام، میرے تن سے حرام ہے۔ چنانچہ زید یہی الفاظ دہراتا ہے۔ مگر محرر نے یوں الفاظ لکھ دیئے کہ فلاں بن فلاں نے اپنی بیوی کو تین طلاق ٹھہر ٹھہر کر دے کر اپنے تن سے حرام کر دیا ہے۔ لہٰذا مرقومہ بالا صورت میں کونسی طلاق واقع ہوئی ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں چونکہ طلاق نامہ میں مذکورہ الفاظ طلاق سے مقصود انشاء طلاق نہیں بلکہ ان الفاظ کی حکایت ہے جو طلاق کے سلسلہ میں شخص مذکور سے کہلائے گئے تھے۔ لہٰذا اعتبار اس کے پہلے الفاظ کا ہوگا ———— پس شخص مذکور کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ ہوگئی ہے۔ عدت کے اندر اور بعد زوجین میں تجدید نکاح درست ہے عدت کے بعد عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفی عنہ،
عبداللہ عفرلہٗ	نائب مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

بوقت ضرورت طلاق دینے کا حکم

کیا مجبوری کی حالت میں طلاق دی جا سکتی ہے اور برادری طلاق دینے پر خاوند کو کوئی سزا دے سکتی ہے؟

الجواب بوقت ضرورت طلاق دینا جائز ہے لہٰذا برادری کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خاوند کو طلاق دینے پر کوئی سزا دے۔

وایقاعه مباح عند العامة لاطلاق الآیات اکمل وقیل قائله الکمال الاصح حظره ای منعه الا لحاجة کریبة وکبر والمذهب الاول کما فی البحر وقولهم الاصل فیه الحظر معناه ان الشارع ترک هذا الاصل فاباحه بل یستحب لو مؤذیة او تارکة صلاة (غایة) ومفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلی ویجب لو فات الامساک۔

بالمعروف۔ (درمختار علی الشامیۃ ص۴۵ ج۲) ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۳ / ۱۴۱۱ھ

پنجابی میں "طلاقیئے" کہنے سے بلانیت طلاق ہوجائے گی

زید نے اپنی بیوی کو یہ لفظ کہے "طلاقیئے" طلاقی ماں دی دھیئے، میرے گھر سے نکل جا۔ اس کے بعد اپنے لڑکے کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ مجھے اب مار، طلاقی ماں دیا پترا"۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں ایک ہوئی یا زیادہ ہوگئیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے نیت تھی یا نہیں۔ ولو قال لها كوني طالقاً او اطلقي او يا مطلّقة بالتشديد وقع (درمختار) قوله وقع، اى من غير نيته لانه صريح وفي التاتارخانية عن المحيط قال انت طالق ثم قال يا مطلقة لا تقع أخرى اھ۔ شامیہ ص۴۸۱ ج۲، فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

۱۷ محرم ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

مفتی خیرالمدارس ملتان

تو مجھ پر چار مذہب میں حرام ہے کہنے کا حکم

محمد اسلم نے اپنی بیوی کو تھپڑ لگائے تو اس کے رشتہ داروں نے محمد اسلم کو مارا محمد اسلم نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر چار مذہب میں حرام ہے اور تین دفعہ یہی لفظ کہے۔ اب وہ کہتا ہے کہ جب میں نے یہ لفظ کہے تھے میری نیت طلاق دینے کی نہ تھی۔ کیا طلاق واقع ہوگئی؟

(شاہ محمد عمر دندہ شاہ بلاول، تانہ گنگ ضلع اٹک)

الجواب صورتِ مسئولہ میں طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے بدون نکاح جدید کے محمد اسلم مذکورہ عورت کو اپنے گھر نہیں رکھ سکتا۔

قوله حرام من حرم الشئ بالضم حراماً امتنع أريد بها هنا الوصف ومعناه الممنوع فيحمل على ما سبق وسيأتي وقوع البائن به بلا نية في زماننا للتعارف لا فرق في ذلك بين محرمة وحرمتك سواء قال على اولا او حلال المسلمين على حرام وكل حل على حرام وانت معي في الحرام اھ (شامیہ ص ۵۰۳ ج ۲ / باب الکنایات۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۲۹ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

طلاق نامہ لکھ کر رکھ لیا تو طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مسمی شاہد محمود نے مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کر کے طلاق دی ہے اس کا کیا حکم ہے کہ میں شاہد محمود ولد فضل حسین آج مورخہ ۸/۹/۸۴ کو مغیرہ فرحت دختر ملک عطاء اللہ بھٹہ کو اپنے نکاح سے آزاد کرتا ہوں۔ میں مغیرہ فرحت کو طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ یہ فیصلہ میں نے مکمل ہوش وحواس میں رہ کر کیا ہے اور یہ کہ مجھ پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہے۔ شاہد محمود

نوٹ: یہ تحریر لکھ کر اس نے بیوی کو نہیں دی بلکہ اپنے پاس رکھ لی ہے۔ آیا طلاق ہو گئی ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور پر اسکی زوجہ بسہ طلاق حرام بحرمت مغلظہ ہوگئی ہے۔ اب دوبارہ زوجین میں بدوں حلالہ کے عقد نکاح درست نہیں ہے اور یہ عورت بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

الجواب صحیح، | فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، | بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

لفظِ طلاق سے ایک ہی طلاق ہوگی اگرچہ تین کا ارادہ ہو !

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے تحریر لکھی کہ میں اپنی بیوی زبیدہ کو جو میری منکوحہ مدخولہ ہے بے ادبی اور حد درجہ گستاخی کی وجہ سے طلاق دیتا ہوں "

عزم یہ تھا کہ طلاقِ ثلاثہ دے رہا ہوں تو کون سی طلاق واقع ہوئی ۔ ؟

(عبدالحمید توحیدی ۔ بیرون حرم گیٹ ۔ ملتان)

الجواب صورتِ مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے ۔ دورانِ عدت رجوع اور بعد از عدت نکاحِ جدید کیا جا سکتا ہے ؟

صریحہ مالم یستعمل الا فیہ کطلقتک وانت طالق ومطلقۃ ویقع بہا واحدۃ رجعیۃ وان نوی خلافہا اولم ینو شیئاً " اھ ۔

(الدر المختار ص ۲۱۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، | محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

طلاق نامہ جلا دیا تو طلاق کا حکم

حاملہ عورت جس کو پانچ ماہ کا حمل ہے ۔ اس کے خاوند نے ایک تحریر اس لڑکی کے چھوٹے بھائی (جس کی عمر تقریباً سات سال ہے) کے ہاتھ میں یہ کہہ کر دی کہ یہ سالگرہ کا کارڈ ہے ۔ لیکن جب وہ اپنی بہن کے پاس لے گیا ۔ تو وہ طلاق نامہ تھا ۔ اور تین مرتبہ طلاق درج تھی ۔ اور لڑکی نے طلاق نامہ کا کاغذ جلا دیا ۔ تو کیا طلاق ہو گئی ہے ۔ یا نہیں

ملک محمد شریف جوئیہ

الجواب برتقدیرِ صحتِ واقعہ طلاق ثلثہ واقع ہو گئیں ہیں ۔ دوبارہ زوجین میں بدون حلالہ کے عقدِ نکاح درست نہیں ہے ۔ طلاق نامہ جلا دینے سے طلاق کے وقوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ خیر المدارس ملتان
۲۵-۶-۱۴۱۳ھ

(کتب الطلاق إن مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی وقیل مطلقا) (درمختار) وفی رد المحتار (کتب الطلاق الخ) قال فی الھندیۃ الکتابۃ علی نوعین مرسومۃ وغیر مرسومۃ ... وان کانت مرسومۃ یقع الطلاق نوی اولم ینو ثم المرسومۃ لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب ھذا یقع الطلاق وتلزمھا العدۃ من وقت الکتابۃ الخ (شامی ص ۴۶۵ ج ۲) (محمد انور عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفتاویٰ)

طلاقِ قطعی دیدی آج سے مطلقہ آزاد ہے مجھ پر حرام ہے دوؔ طلاق بنتی ہیں

زید نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ بھیجا، جس کی تحریر حسبِ ذیل ہے میں نے اپنی زوجہ کو طلاق قطعی دے کر اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیا ہے ایسے حالات میں میں بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا آج سے وہ مطلقہ آزاد ہے اور راقم نے اپنے اُوپر اسے حرام کر لیا ہے صورتِ مسئولہ میں کتنی طلاق واقع ہوئیں کیا زوجین میں دوبارہ نکاح جائز ہے؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں اگر طلاق دہندہ نے "طلاق قطعی" کے لفظ سے تینؔ طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق نامہ ہذا کی رُو سے دوؔ طلاق بائن واقع ہوگئیں اب بدوں حلالہ نکاحِ جدید کیا جا سکتا ہے

ایک طلاق بائن طلاقِ قطعی کے لفظ سے واقع ہوئی اور دُوسری طلاق آج سے وہ مطلقہ ہے کے لفظ سے واقع ہوئی۔ آگے آزاد ہے اور حرام کے لفظ سے مزید طلاق واقع نہ ہوگی۔ "لا یلحق البائن البائن" شامی میں ہے:

ولا یرد انت علیّ حرام علی المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ مع انہ لا یلحق البائن ولا یلحقہ البائن لکونہ بائنا لما ان عدم توقفہ علی النیۃ امر عرض

لہٗ لا بحسب اصل وضعہ اھ ص۵۰۹ ج۲ - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۰ / ۱۲ / ۱۴۰۰ھ

میں ہندہ سے جس وقت نکاح کروں اسے طلاق تو صرف ایک دفعہ طلاق ہوگی

ایک شخص عاقل بالغ باہوش وحواس خمسہ ایک عورت کا نام لے کر کہتا ہے کہ جس وقت ہی میں اس عورت کے ساتھ نکاح کروں تو اس کو اسی وقت ہی طلاق ہے، کیا وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اگرچہ بعد از حلالہ بھی ہو؟

الجواب لفظِ جس وقت ترجمہ ہے اذا ما کا اور اذا ما کا حکم یہ ہے کہ جس وقت شرط پائی جائے تو یمین ختم ہو جاتی ہے لہذا اس عورت سے جب نکاح کریگا تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی ——— جب دوبارہ نکاح کریگا تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی" اور اگر یہاں لفظ کلما ہوتا اور الفاظ میں یوں ہوتے کہ میں جتنی بار بھی نکاح کروں گا تو طلاق تو جتنی بار بھی نکاح کرتا طلاق واقع ہو جاتی ـــ اگرچہ حلالہ کے بعد بھی نکاح کرتا۔

الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وكل وكلما ومتى ومتى ما ففي هذه الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لانها لا تقتضي العموم والتكرار فبوجود الفعل مرة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده الا في كلما لانها توجب عموم الافعال اھ عالمگیری ص۴۱۵ ج۱ (الباب الرابع فی الطلاق بالشرط)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱/۳/۹۸ھ

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

فلاں تاریخ تک پیسے نہ دیئے تو بیوی کو تین طلاق پھر اسکی جگہ کسی اور نے پیسے دے دیئے

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ عبدالرحمان نے غلام عباس سے ایک بھیڑ خریدی۔ بھیڑ کی قیمت نقد ادا نہ کی بلکہ کہا کہ میں اسکی قیمت فلاں تاریخ تک ادا کر دوں گا۔ اگر ادا نہ کر سکا تو میری بیوی کو تین طلاق۔ مگر عبدالرحمان نے فلاں تاریخ تک رقم ادا نہ کی۔ عبدالرحمان کے سسرال والوں کو علم ہوا تو انہوں نے آخری تاریخ سے ایک دو روز قبل غلام عباس کو قیمت ادا کر دی۔ واضح ہو کہ عبدالرحمان نے اس سلسلہ میں نہ تو سسرال والوں کو کوئی ہدایت کی اور نہ ہی غلام عباس سے کوئی رابطہ کیا۔ اب عبدالرحمان کا نکاح باقی رہا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب از جامعہ بنوریہ کراچی۔ صورتِ مسئولہ میں عبدالرحمان کے سسرال والوں نے مذکورہ بھیڑ کی قیمت ادا کر کے مقررہ تاریخ کے اندر اندر عبدالرحمان کو اطلاع کر دی تھی تو اس صورت میں عبدالرحمان کی بیوی پہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ البتہ اگر سسرال والوں نے بھیڑ کی قیمت ادا کر دی ہے اور وہ یوں ہی خاموش رہا اور خود بھی رقم ادا نہ کی تو اس صورت میں اسکی مقررہ مدت گزرتے ہی تین طلاق مغلظہ سے حرام ہو گئی جس کے بعد نہ رجوع کی گنجائش ہے اور نہ ہی حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ آپس میں نکاح ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ،
رئیس دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی

کتبہ، محمد عبدالقادر، دارالافتاء جامعہ بنوریہ۔ کراچی
۲۱ / ۱۲ / ۱۴۱۵ ھ

جواب : از جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے نزدیک بنوری ٹاؤن کے فتویٰ ہذا میں حانث نہ ہونے کے سبب میں جو توسع اختیار کیا گیا ہے وہ محلِ نظر ہے۔ اس لئے کہ قسم ٹوٹنے سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ خود ادائیگی کرتا یا کسی اور کو ادائیگی کا حکم کرتا۔ اس کے کہے بغیر سسرال والوں کا رقم ادا کر دینا اس کے خود ادا کرنے کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ خواہ اطلاع کریں یا نہ کریں، جیسا کہ مندرجہ ذیل تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔ بہرکیف

صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔

(قال فی البحر) حلف لایدفع الی فلان ماله فامر غیره فضمنه ونقد بضمانه فهو حانث لانه اذا انقده رجع به علیه فصار کانه دفع الیه وکذلک لو احاله علیه فاعطاه۔ ولو کانت الحوالة والکفالة بغیر امره لایحنث باداثه وکذا اذا تبرع رجل بالاداء

(ایضاً) حلف لیعطین فلاناً حقه فامر غیره، بالاداء او احاله فقبض بر ولو کان بغیر امره حنث (بحر الرائق ص ۳۸۰ ج ۴)

الجواب صحیح، ومثله فی الدر المختار ص ۳۲ ج ۴)

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

رئیس دارالافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان

فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفااللہ عنہ ۱۶/۲/۱۴۱۶ھ

جو بولنے پر قادر ہو اس کی طلاق تلفظ کے بغیر نہیں ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے دل میں اپنی بیوی پر طلاق واقع کرنے کی صرف نیت کی۔ اور نہ زبان سے لفظ کوئی نہیں بولا۔ ہاں ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کر دیا۔ توکیا اس سے زید مذکور کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں۔ جبکہ زید اخرس نہ ہو۔ یا کوئی اسم عدد خالی زبان سے بولا۔ مثلاً ایک اور دل میں نیت بیوی پر طلاق واقع کرنے کی ہے توکیا طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا اسم عدد کسی اور چیز کے ساتھ ملا کر بولا۔ مثلاً ایک کتاب اور اسم عدد ایک سے طلاق کی نیت کی۔ توکیا اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً۔ غیر اخرس کی طلاق بدون تلفظ کے محض نیت سے واقع نہیں ہوتی۔ تلفظ بالطلاق رکن ہے۔ قال فی الدر المختار ورکنه لفظ مخصوص خال عن الاستثناء قال فی الشامیة وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته

فاعطاها ثلثة احجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا لاصريحا ولاكناية لايقع عليه (ص۴۵۳ ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں محض نیت سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۱ - ۱ - ۱۳۸۶ھ

"تجھے چھٹی ہے" سے وقوعِ طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ کہ زید نے کسی کام میں بیوی کی طرف سے نافرمانی صادر ہونے پر بیوی سے کہا کہ تجھے چھٹی ہے۔ تجھے چھٹی ہے اور اس سے زید کا مقصود فقط بیوی کو تنبیہ کرنا تھا۔ نہ کہ طلاق۔ دو دن بعد بیوی نے زید سے کہا۔ آپ میرے ساتھ بولتے کیوں نہیں کیا میں آپ پر حرام ہوگئی ہوں۔ اس پر زید نے کہا نہیں نہیں۔ تو تو میری بیوی ہے میں تجھے کیسے چھوڑ سکتا ہوں میں نے تو صرف تجھے تنبیہ کرنے کے لئے کہا تھا۔ تاکہ تو مجھ سے معافی مانگے۔ اس کے بعد اسی وقت خاوند بیوی باہم بوس وکنار اور پیار ومحبت کرنے لگے۔ آیا اس سے طلاق تو نہیں ہوئی۔

السائل:۔ محمد عبداللہ

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ اگر زید کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی تو اسکی بیوی پر قضاءً طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کنایته عند الفقهاء مالم یوضع له ای الطلاق واحتمله وغیرہ فالکنایات لاتطلق بها قضاء الا بنیة اودلالة الحال۔ (ردالمحتار ص۵۰۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱ - ۲ - ۱۴۰۸ھ

تین طلاق کے وقوع کے بارے میں "مجموعۃ الفتاویٰ" کی عبارت سے دھوکہ نہ کھایا جائے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام دریں مسئلہ۔ کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اب احناف کے نزدیک مذکورہ عورت بغیر حلالہ کے زید کے گھر آباد نہیں ہوسکتی۔ کیا ضرورت شدیدہ کے وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ مجموعۃ الفتاوٰی میں مولانا عبدالحیٔ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔ کہ تین طلاقوں میں بوقتِ ضرورت کسی شافعی المسلک عالم سے پوچھ کر اس کے فتوے پر عمل کیا جائے اور اس کی نظیر مسئلہ نکاح زوجۂ مفقود و عدت ممتدۃ الطہر موجود ہے۔ کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کو درست کہتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب یہاں تین امور کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے

(۱) مذہب غیر پر عمل کرنا کس وقت جائز ہے؟

(۲) مسئلہ مذکورہ کو مسئلہ زوجۂ مفقود پر قیاس کرنا۔

(۳) مسئلہ مذکورہ میں امام شافعی کا مذہب کیا ہے؟ اب ہر ایک پر مختصراً کلام کیا جائیگا۔

الف۔ مذہبِ غیر پر فتوٰی کے جواز کے لئے علماء نے سخت شرائط بیان کی ہیں۔ محض اپنے فائدہ اور نفسانی خواہش کی خاطر اپنے مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ بلکہ دین اسلام کا مذاق اڑانا ہے۔ اور اسلام کو اپنی نفسانی خواہش کے تابع بنانا ہے۔ دنیا کی چند روزہ راحت وعیش کی خاطر مالکِ حقیقی کو ناراض کرنا اور جہنم کی راہ ہموار کرنا بہت بڑی حماقت اور بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے اس لئے اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ کہ نفسانی خواہشات کی بناء پر کسی مسئلہ میں غیر کے مذہب کو اختیار کرنا حرام ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں۔ حیث قال فمن

نکح عند شہود فسقۃ ثم طلقہا ثلاثا فارادا لتخلص من الحرمۃ بان النکاح کان فاسدا فی الاصل علی مذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فلم یقع الطلاق مانصہ وھذا القول یخالف اجماع المسلمین فانھم متفقون علی ان من اعتقد حل الشیٔ کان علیہ ان یعتقد ذلک سواء وافق

اوخالف ومن اعتقد تحریمہ کان علیہ ان یعتقد ذلک فی الحالین وھؤلاء المطلقون لا یقولون بفساد النکاح بفسق الولی الا عند الطلاق الثلاث لاعند الاستمتاع والتوارث یکونون فی وقت یقلدون من یفسدہ وفی وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والھوی ومثل ذلک لایجوز باتفاق الامۃ ولوقال المستفتی المعین انا لم اکن اعرف وانا التزم ذلک لم یکن من ذالک لہ لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین ویفتح الذریعۃ الی ان یکون التحلیل والتحریم بحسب الاھواء (فتاوٰی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۴۰)

(ب) اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر عمل کرنا اس وقت جائز ہے کہ اس کے اپنے مذہب کی روسے کوئی کراہت لازم نہ آوے۔ اور طلاق ثلاثہ میں مذہب غیر پر عمل کرنے سے کراہت تو درکنار حرمت لازم آتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں جائز نہ ہوگا۔ قال العلامۃ الحصکفی فی الدر المختار لکن یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن یشترط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذھبہ کذا فی فتاوٰی دارالعلوم ص۳۴۷ ج ۹

(۲) مسئلہ مذکورہ کا مسئلہ زوجۂ مفقود پر قیاس۔ علامہ لکھنوی نے مسئلہ مذکورہ میں خروج عن المذہب کی نظیر مسئلہ زوجۂ مفقود پیش کی ہے۔ ان کا یہ قیاس ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ وہاں مذہب مالکیہ اختیار نہ کریں تو اس کے سوا کوئی سبیل ہی نہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اس خاوند کے علاوہ دوسرے اشخاص سے نکاح کرسکتی ہے اس شخص پر کوئی ضرورت موقوف نہیں ــــ کذافی امداد الاحکام

(۳) مسئلہ مذکورہ میں امام شافعیؒ کا مذہب۔ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کی طرف جو اس قول کی نسبت کی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ائمہ اربعہ اور جمہور سلف و خلف کا صورت مذکورہ میں وقوع ثلاث پر اتفاق ہے قال العلامۃ النووی رحمہ اللہ تعالیٰ وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا فقال الشافعی ومالک وابوحنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث (شرح النووی علی مسلم ص۴۷۸ ج ۱)

(۲) علامہ بدر الدین العینی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں تحریر فرماتے ہیں حیث قال ومذھب جماھیر العلماء من التابعین ومن بعدھم منھم الاوزاعی

والنخعی والثوری وابوحنیفة واصحابه ومالک واصحابه والشافعی واصحابه واحمد واصحابه واسحاق وابوثور وابوعبیدة واخرون کثیرون علی ان من طلق امرأته ثلاثا وقعن ولکنه یأثم (عمدة القاری ص۲۳۲ ج ۲۱)

(۳) ومذهب جماهیر العلماء من التابعین ومن بعدهم وابوحنیفة واصحابه ومالک واصحابه والشافعی واصحابه علی ان من طلق ثلاثا وقعن ولکنه یأثم۔
(زجاجة المصابیح شرح مشکوٰة المصابیح ص۲۷ ج ۲)

(۴) اعلموا ان الائمة الاربعة اتفقوا علی وقوع الثلاث جملة سواء کان بلفظ واحد او بثلاث الفاظ (منہاج السنن ص۳۰۲ ج ۲)

(۵) قال النووی اختلفوا فی من قال لامرأته انت طالق ثلاثا فقال مالک والشافعی واحمد وابوحنیفة والجمهور من السلف والخلف یقع ثلاثا
(مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح ص۲۹۳ ج ۶)

(۶) وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث ——— فتح القدیر ص۳۳ ج ۳۔

حوالہ جات مذکورہ سے معلوم ہوا۔ کہ ائمہ اربعہ نیز تقریباً سب صحابہؓ اس پر متفق ہیں۔ کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ جب شوافع کا یہ مسلک ہی نہیں تو ایک طلاق کا فتویٰ کیسے دیں گے۔ اور خود علامہ موصوف کو بھی اس بات کا اعتراف ہے۔ کہ جمہور صحابہؓ وائمہ اربعہ کے مذہب کے موافق تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں۔ جیسا کہ مجموعة الفتاویٰ ص۵۹ ج ۲ پر مفصل فتویٰ درج ہے الغرض مجموعة الفتاویٰ کا یہ فتویٰ درست نہیں اور نہ اس پر عمل کرنا جائز ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ له ——— محمد انور عفا اللہ عنہ

لفظِ علاق سے طلاق نہیں ہوگی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ۔ کہ اگر خاوند بیوی کو کہے کہ میں تجھے علاق دیتا ہوں۔ بغیر نیت طلاق کے اور یہ لفظ مصحف بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس کے اپنے متعدد معانی ہیں۔ کذا فی کتب اللغات۔ تو اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں لفظ علاق چونکہ الفاظ مصحفہ میں سے نہیں ہے اس لئے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۵-۷-۱۴۰۸ھ

ایک گواہ لفظِ طلاق کی گواہی دیتا ہے ایک لفظِ حرام کی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوا ، جھگڑے کے بعد مشہور ہو گیا کہ اس نے طلاق دے دی ہے خاوند کہتا ہے کہ میں نے طلاق کے الفاظ یا حرام کے الفاظ نہیں کہے ، سننے والوں میں سے ایک کہتا ہے کہ مجھے کچھ یاد ہے کہ ایک دفعہ طلاق کہا ہے دوسرا کہتا ہے کہ مجھے تھوڑا یاد ہے کہ حرام کا لفظ ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیں صحیح معلوم نہیں ۔ اب شرع محمدیؐ میں طلاق ہو گئی یا کہ نہیں ۔ بینوا و توجروا ۔

الجواب شہادت کے نامکمل ہونے کی وجہ سے ۔ نیز اس میں اختلاف کی وجہ سے اس بناء پر تو طلاق کا حکم نہیں لگا سکتے ۔ البتہ احتیاطاً تجدید نکاح ضرور کر لی جائے ۔ لو شہد احدھما انہ طلقھا ثلاثا وشہد اٰخر انہ قال لہا انت حرام دنوی الثلاث لا تقبل اھ ۔ عالمگیری ص۵۰۳ ج۳ (باب فی الاختلاف بین الشاہدین) فقط واللہ اعلم محمد انور ۷-۱۰-۹۰ھ

عذر کی صورت میں عورت خاوند کو طلاق دے سکتی ہے ؟

اخبرنا مالک اخبرنا مجبّر عن سعید بن المسیّب انہ قال ایما رجل تزوج امرأۃ وبہ جنون او ضرّ فانھا تخیران شاءت قرت وان شاءت فارقت قال محمد اذا کان امراً لا یحتمل خیرت فان شاءت قرت وان شاءت فارقت والا لا خیار لھا الا فی العنین والمجبوب ۔ موطا امام محمد ص۲۴۵

اس کا جواب دیں کہ جیسے ہر حال میں مرد کو عورت رکھنے یا طلاق دینے کا اختیار ہے ۔ اگر مرد نامرد ہے ۔ اور عورت کو جدا ہونے کا اختیار بھی ہے ۔ وہ عورت مرد کو طلاق دے سکتی ہے ؟

الجواب: یہ بات غلط ہے کہ نکاح ہونے کے بعد کسی صورت میں بھی عورت کو اس نکاح سے علیحدہ ہوجانے کا حق نہیں۔ یہ کلیہ کسی کتاب میں بھی نہیں لکھا۔ بلکہ بعض صورتوں میں عورت نکاح کے بعد اپنے آپ کو علیحدہ کراسکتی ہے۔ جیسا کہ اگر خاوند عنین ہو یا مجبوب ہو۔

کما ھو ظاھر من الحوالۃ المذکورۃ ایضاً فی الدر المختار ص ۲۵۱-۲۵۲ ج ۲ ھو من لا یقدر علی جماع فرج زوجتہ الی قولہ فرق الحاکم بطلبھا لو حرۃ بالغۃ۔ لیکن اس کے لئے قضاء قاضی شرط ہے۔ عورت خود اپنے پر طلاق واقع نہیں کرسکتی۔ امام محمد کے اس قول "ان شاءت قرت وان شاءت فارقت" کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ ایسی صورت میں عورت حاکم سے تفریق کراسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	۵ — ۴ — ۱۳۸۵ھ

دورانِ عدت نکاح کرکے تین طلاق دیدیں تو بدوں حلالہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے

ایک شخص ۲۰ صفر کو فوت ہوا۔ ۲۳ ربیع الثانی کو اس کی بیوی نے نکاح ثانی کرلیا۔ اس دوسرے خاوند نے اسے تین طلاق دے دیں۔ کیا اب وہی خاوند اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب: عدت میں کیا ہوا نکاح فاسد ہے اب بدوں حلالہ اس سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں کیونکہ حرمت مغلظہ ثابت نہیں ہوئی۔

طلق المنکوحۃ فاسداً ثلاثاً لہ تزوجھا بلا محلل اھ (درمختار علی الشامیہ ص ۲۵۲ ج ۲)

فقط واللہ اعلم	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
	۲۲-۱-۹۷ھ

قتل کی دھمکی دیکر طلاق کے الفاظ کہلوانا

میرے بھائیوں نے قتل کی دھمکی دے کر مجھ سے دو مرتبہ مجبوراً کہلوایا کہ میں نے بیوی چھوڑ دی میں نے صرف ڈرتے ہوئے یہ لفظ کہے ہیں دل سے نہیں کہے تو کیا طلاق ہوگی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں بیوی کے مدخولہ ہونے کی صورت میں اس پر دو طلاق رجعی

واقع ہوگئی ہیں۔ دورانِ عدت رجوع اور بعد از عدت نکاح جدید کرسکتے ہیں۔

وکذا الواکرہ علی الطلاق والعتاق فطلق او اعتق یقع طلاقہ واعتاقہ عندنا اھ (قاضی خان، ص۴۲۱ ج۴) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

طلاق کے ساتھ ہی انشاء اللہ کہنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ اگر زید نے تین طلاقیں دے کر ساتھ ہی انشاء اللہ تعالیٰ کہدیا۔ کہ خدا چاہے تو تجھ کو طلاق۔ آیا عند الشرع کیا حکم ہے؟

الجواب ۔ اگر زید نے طلاق کے متصل بعد بدون کسی فصل کے انشاء اللہ کا تکلم کرایا تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ ہندیہ میں ہے۔

اذا قال لامرأتہ انت طالق انشاء اللہ تعالیٰ متصلا بہ لم یقع الطلاق۔ ہندیہ ص۴۵۴ ج۱

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴-۹-۱۴۰۸ھ

غیر مدخولہ کو الگ الگ تین طلاق دینے کا حکم

ایک شخص نے اپنی غیر مدخولہ بیوی کو بایں الفاظ ۳ بار رو برو گواہاں طلاق دی دریں نے فلانہ بنت فلاں کو طلاق دی" جسے عرصہ تین ماہ گذر چکے ہیں۔ کیا یہ شخص اس عورت سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب بر تقدیر صحت سوال دوبارہ بدون حلالہ نکاح درست ہے۔ اذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثا قبل الدخول بہا وقعن علیہا فان فرق الطلاق بانت بالاولی ولم تقع الثانیۃ والثالثۃ وذلک مثل ان یقول انت طالق طالق

طالق -اھ (عالمگیری ص۳۶ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح - بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲ر ۹ ر ۱۴۰۰ھ

چھوڑی کا لفظ تین دفعہ کہا تو تین طلاق ہونگی

خاوند نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے یوں کہا کہ "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا تین سے زائد مرتبہ -اور ایک مرتبہ یوں کہا - کہ تو میری بہن ہے -اور ایک مرتبہ یوں کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو از روئے شریعت کونسی طلاق ہوگی -شرعاً اس کا کیا حکم ہے (بلینوا توجروا)

الجواب "چھوڑی" کا لفظ اب صریح کا حکم رکھتا ہے اہذا صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں -اب بدون حلالہ اس عورت سے نکاح جدید بھی صحیح نہیں (امداد المفتیین ص۴۳۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان | ۲۵ - ۶ - ۱۴۰۲ھ

۱۱۱ طلاق تین طلاق ہیں

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس مضمون کا خط لکھا کہ میں سخت بیمار ہوں صحت مشکل ہے بچہ آپ کے پاس رہے گا نیچے یہ لکھا ہے ۱۱۱ طلاق

اب کیا حکم ہے - غلام اکبر چکوال

الجواب صورت مسئولہ میں بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں -اب وہ بدون حلالہ نکاح جدید نہیں کرسکتا -

کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی اھ (شامی ص۴۶۵ ج ۲)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

"مجھ پر طلاق ہے" کا حکم

میری باتوں سے بہنوئی غصہ میں آگئے ۔ اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ مجھ پر طلاق ہے ۔ مجھ پر طلاق ہے ۔ مجھ پر طلاق ہے صورت مسئولہ میں کتنی طلاق واقع ہوئیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوچکی ہیں فیکون حینئذ قولہ علیّ الطلاق بمنزلۃ انت طالق اھ ۔ قال ولسیدی عبدالغنی النابلسی رسالۃ فی ذلک سماہا رفع الانغلاق فی علیّ الطلاق ونقل فیہا الوقوع عن بقیۃ المذاھب الثلاثۃ اقول وقد رأیت (الی ان قال) وما افتی بہ فی الخیریۃ من عدم الوقوع تبعا لابی السعود آفندی فقد رجع عنہ وافتی عقبہ بعدۃ فیہ (شامیہ ص۴۳۳ ج ۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

اضافت صریحہ طلاق میں ضروری نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوجین کے مابین کسی امر میں جھگڑا پڑا اور مرد نے یوں کہا کہ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق ۔ جا تجھ کو چھوڑ دیا ہے ۔ کیا اس طریق سے طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہے یا نہیں ؟

الجواب مع الصواب ۔ مسئلہ مذکورہ نہایت ہی سنگین اور پیچیدہ ہے ۔ عام علمائے کرام اس مسئلہ کے جواب میں حیران و پریشان ہیں ۔ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں ۔ ان کے دماغ چکرا گئے ہیں ۔ اور لغزش بھی کھا گئے ہیں دراصل بات یہ ہے ۔ کہ مرد نے صورت مذکورہ میں تین چار جملے استعمال کئے ہیں پہلے جملے تین صریح طلاق کے ہیں ۔ یعنی ایک طلاق ۔ دو طلاق ۔ تین طلاق ان میں نیت کی کوئی ضرورت نہیں ۔ اگر یہ الفاظ اپنے محل پر استعمال کئے جائیں ۔ تو مرد نیت کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے ۔ باقی رہا جملہ چہارم ۔ جا تجھ کو چھوڑ دیا ہے ۔ یہ پنجابی زبان میں عربی زبان کے لفظ سرحتک کا معنی ہے یہ کنایہ طلاق کے الفاظ میں سے ایک لفظ ہے جس میں نیت کی ضرورت ہے ۔ اگر مرد اس لفظ سے طلاق کی نیت کرے ۔ تو طلاق واقع ہو

جاتی ہے۔ ورنہ نہیں۔صورتِ مذکورہ میں مرد نے جو صریح الفاظ (ایک طلاق۔ دو طلاق تین طلاق) بولے ہیں۔ان الفاظ سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی۔طلاق کے بارے میں ملفوظ بہ میں لفظ طلاق کی اضافت کا عورت کی طرف ہونا ضروری ہے ورنہ بدون اضافت کے طلاق واقع نہ ہوگی جیساکہ کتب فقہ اور خاص کر شامی ص۴۶۲ ج۲ پر مکتوب ہے (لترکہ الاضافۃ) ای المعنویۃ فانھا الشرط والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ وکذا الاشارۃ نحو ھذہ طالق وکذا نحو امرأتی طالق وزینب طالق الخ اور صورت مذکورہ میں مرد نے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق کہنے کے وقت نہ تو عورت کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور نہ ہی نام لیا ہے۔اور نہ ہی خطاب کیا ہے اور اضافت سے یہی تین معنی مراد ہیں۔اور اضافت ہی طلاق کے متحقق ہونے کا باعث ہے جب ایک طلاق دو طلاق تین طلاق میں مرد کی طرف سے عورت کی جانب طلاق کی اضافت ہی نہیں پائی گئی جو طلاق کے متحقق ہونے کی موجب تھی تو بدون اضافت کے طلاق کیسے متحقق ہوگی اس طرح بلا اضافت طلاق کے لفظ بولنے سے ہرگز طلاق واقع نہ ہوگی۔جیساکہ شامی میں ص۴۶۲ ج۲ پر مرقوم ہے (قولہ اولم ینو شیئاً) لما مران الصریح لایحتاج الی النیۃ ولکن لابد فی وقوعہ قضاءً و دیانۃً من قصد اضافۃ لفظ الطلاق الیھا عالماً الخ اسی طرح اسی کتاب کے ص۴۷۳ پر مسطور ہے فلا یقع الطلاق الا بالاضافۃ الی ذاتھا او الی جزء شائع منھا ھو محل للتصرفات الخ پس ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ طلاق کے تحقق کے لئے طلاق کی اضافت کا عورت کی جانب ہونا ضروری اور لازم ہے۔اور صورت مذکورہ میں مرد نے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق کی اضافت عورت کی طرف نہیں کی۔لہٰذا طلاق مغلظہ ثابت نہ ہوئی۔بلکہ یہ تینوں الفاظ ترکِ اضافت کے باعث لغو قرار دئے گئے۔باقی رہ جملہ چہارم۔جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔یہ لفظ کنایہ طلاق کے الفاظ میں سے ایک لفظ ہے۔جس میں مرد کی جانب سے طلاق کے متحقق ہونے کے واسطے طلاق کی نیت کرنا ضروری ہے اگر مرد نے اس لفظ سے نیت طلاق کی کی ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ورنہ نہیں۔طلاق کی نیت کرنے یا نہ کرنے میں مرد کا قول معتبر ہوگا۔

مسئلہ مذکورہ کے مطابق کتب فقہ میں میری نظر سے عام نظائر گزرے ہیں۔خاص کر فتاویٰ عالمگیری ص۳۸۲ ج۱ پر اس مسئلہ کی نظیر موجود ہے لو سنئے کذا فی الخلاصۃ فی جنس المتفرقات سئل شیخ الاسلام الفقیہ ابو نصر عن سکران قال لامرأتہ اترید ین ان اطلقک قالت نعم

فقال بالفارسیة - اگر تو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی واخرجی من عندی و هو یزعم انه لم یرد به الطلاق فالقول قوله - کذا فی المحیط۔ عالمگیری کی روایت میں بعینہٖ مسئلہ مذکورہ کی صورت مندرج ہے جس طرح صورت مذکورہ میں پہلے صریح طلاق کے الفاظ (ایک طلاق دو طلاق تین طلاق) بدوں اضافت کے مذکور ہیں ۔ اور بعد میں کنایہ طلاق کے الفاظ جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے مذکور ہے اسی طرح عالمگیری کی روایت میں بھی جو اوپر مسطور ہے پہلے ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق صریح طلاق کے الفاظ بدوں اضافت کے مذکور ہیں اور بعد میں کنایہ طلاق کے الفاظ قومی واخرجی من عندی مذکور ہیں عالمگیری کے مصنف صاحب نے صریح لفظ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق جو بدوں اضافت مذکور تھے اور جن میں نیت کی کوئی ضرورت تھی مرد نیت کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی تھی اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور نہ ہی طلاق ثلاثہ کا اس مقام میں حکم فرمایا ہے یہ ایک بدیہی اور مشہور بات تھی جس سے کسی کو انکار نہیں کہ صریح طلاق کے الفاظ نیت کے محتاج نہیں مرد نیت کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے صریح طلاق میں صرف لفظ طلاق کی اضافت کا عورت کی طرف ہونا ضروری ہے اور اس مقام میں گو صریح طلاق کے الفاظ موجود ہیں اور ان میں مرد کی جانب سے طلاق کی نیت کی بھی ضرورت نہ تھی بدوں نیت کے بھی ان الفاظ سے طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی تھی صرف طلاق کے لفظ کی اضافت کا عورت کی طرف ہونا ضروری تھا جو یہاں نہیں پائی گئی اسلئے مصنف نے ان الفاظ کو لغو قرار دے کر طلاق مغلظہ کا حکم صادر نہ فرمایا اگر ان الفاظ میں لفظ طلاق کی اضافت عورت کی جانب موجود ہوتی تو مصنف ضرور اس مقام میں طلاق مغلظہ کا حکم فرماتے اور یہ نہ فرماتے فالقول قولہٗ کہ اس میں مرد کے قول کا اعتبار ہے صریح الفاظ میں مرد کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی فالقول قولہ کہنا جائز ہے ۔ جب انہوں نے اس روایت میں فالقول قولہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس روایت میں جو صریح طلاق کے الفاظ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بدوں اضافت کے واقع تھے جن میں مرد کے قول کا اعتبار نہ تھا۔ ان کو نظر انداز اور لغو قرار دے کر کنایہ لفظ قومی واخرجی من عندی جو اس روایت میں مندرج ہے فالقول قولہ سے اس کی تشریح اور بیان کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بات مسلّمہ ہے کہ کنایہ الفاظ میں مرد کی نیت کا اعتبار ہے پس اسی روایت فالقول قولہ سے علمائے کرام دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ۔ کہ اگر مرد نے صورت مذکورہ میں طلاق کی نیت سے ایک طلاق ۔ دو طلاق تین طلاق کا لفظ بولا ہے تو طلاق مغلظہ واقع ہوگی ورنہ طلاق ثلثہ واقع نہیں ہوگی فالقول قولہ سے ان کا یہ سمجھنا کیسا ہی غلط در غلط ہے ۔ یہ تو صریح الفاظ ہیں ۔ صریح الفاظ میں نیت کی کیا ضرورت ہوتی ہے مرد نیت کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے ۔ نیت کی ضرورت لفظ کنایہ میں

ہوا کرتی ہے ۔ نہ کہ صریح میں فالقول قولہ میں مصنف نے لفظ کنایہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کا حکم بیان فرمایا ہے جو اسی روایت میں قومی واخرجی من عندی میں مذکور ہے ۔ نہ صریح الفاظ یک طلاق دو طلاق سہ طلاق کا حکم بیان کیا ہے کہ اس میں مرد کے قول کا اعتبار ہے ۔ یہ سمجھنا غلط فاحش ہے ۔ اگر صریح الفاظ میں بھی لفظ کنایہ کی طرح مرد کی نیت اور قول کا اعتبار کیا جائے ۔ تو پھر صریح صریح کیسے ہو ۔ اور کنایہ اور صریح میں فرق کیسے ہو ۔ علمائے کرام مصنف صاحب کی رمز اور اشارہ کو جو انہوں نے فالقول قولہ میں کیا ہے ۔ سمجھے ہی نہیں کہ یہ اشارہ کس طرف ہے ۔ یہ اشارہ لفظ قومی واخرجی کی طرف ہے نہ کہ صریح لفظ یک طلاق دو طلاق سہ طلاق کی طرف ہے پس ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جس عالمگیری کے مصنف صاحب نے صریح الفاظ یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی واخرجی من عندی میں بوجہ نہ ہونے اضافت کے طلاق مغلظہ ثابت نہیں کی اور عدم ثبوت طلاق مغلظہ کا پتہ بھی ہمیں انہی کی روایت فالقول قولہٗ سے ملتا ہے اگر وہ ان الفاظ سے طلاق مغلظہ ثابت کرنا چاہتے تو فالقول قولہٗ نہ فرماتے ۔ صریح الفاظ میں فالقول قولہٗ کا کچھ اعتبار نہیں اور نہ ہی یہ کہنا جائز ہے فالقول قولہ اس جگہ بولا جاتا ہے ۔ جہاں مرد کی طرف سے نیت کا اعتبار ہو ۔ مرد کی طرف سے نیت کا اعتبار لفظ کنایہ ہی میں ہوا کرتا ہے نہ کہ صریح لفظ میں ۔ صریح سے تو بدوں نیت اور ارادہ کے بھی طلاق متحقق ہو جاتی ہے اسی لئے صاحب عالمگیری نے فالقول قولہ کو کنایہ لفظ قومی واخرجی کے ساتھ ملحق کیا ہے کہ ان الفاظ میں مرد کی نیت اور قول کا اعتبار ہے ۔ اور اس مقام میں مرد نے طلاق نہ دینے کی نیت کا اظہار کیا ہے لہذا مصنف علیہ الرحمۃ نے فالقول قولہ کو ملحوظ رکھ کر لفظ کنایہ قومی واخرجی سے طلاق ثابت نہ کی اسی طرح صورت مذکورہ میں بھی ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے ان صریح الفاظ سے طلاق مغلظہ ثابت نہ ہوگی ۔ بوجہ نہ پائے جانے اضافت کے ۔ باقی رہا جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے ۔ یہ طلاق کنایہ کا لفظ ہے تمام کتب فقہ میں یہ لفظ طلاق کنایہ میں شمار ہے ۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی بہشتی زیور میں حصہ چہارم کے ص۲۵ پر اس لفظ کو کنایہ طلاق میں شمار کیا ہے ۔ اور اس میں مرد کی نیت کا اعتبار ہے اگر مرد نے اس لفظ سے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں ۔ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے بحوالہ کتب فقہ لکھا ہے علمائے کرام سے مستدعی ہوں کہ بنظر غور ملاحظہ فرما دیں ۔ فقط وما توفیقی الا باللہ ۔ راقم الحروف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

الجواب بظاہر الفاظ زوج ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق جا تجھے چھوڑ دیا ہے ۔ کلام

مرتبط اور متصل معلوم ہوتی ہے لہذا جا تجھے چھوڑ دیا ہے یہ کلمہ بوجہ تفسیر ہونے

کلام سابق کے طلاق میں اضافت پیدا کر دیتا ہے یعنی خاوند پہلے اپنی عورت کو تین طلاق دے رہا ہے

پھر کہہ رہا ہے کہ جا کیونکہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے لہذا اس عبارت میں عورت مطلقہ بسہ طلاق ہو گئی

ہے۔ اور اضافت کے لئے صراحۃً اضافت ہونا ضروری نہیں ہے کما فی الشامیۃ ولا یلزم کون الاضافۃ

صریحۃ فی کلامہ شامی ص۴۶۶ ج۲ مفتی صاحب نے جو عبارت شامیہ سے نقل فرمائی ہے لترکہ

الاضافۃ ای المعنویۃ فانھا الشرط والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ الخ ص۴۶۶ اس عبارت

کو آخر تک مطالعہ فرمادیں تو واضح ہوگا کہ خطاب اور اشارہ کے علاوہ بھی سیاق اور سباق اور

دیگر قرائن سے اضافت معنویہ ثابت ہو جاتی ہے اور اضافت معنوی بھی کافی ہے صراحۃً ہونا ضروری

نہیں ہے اور خود یہ لفظ بھی دلالت کر رہے ہیں۔ کیونکہ مصنف نے کہا تھا۔ الاضافۃ شارح نے المعنویۃ

سے وضاحت کر دی اور کہا کہ الخطاب من الاضافۃ یعنی خطاب بھی اضافت سے ہے۔ اور دیگر امور

بھی ہو سکتے ہیں۔ اور صورت مسئولہ میں تو جا تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ بوجہ ارتباط کے اور کلام واحد ہونے

کے خطاب پر بھی مشتمل ہو گیا ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبداللہ عفرلہٗ
خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان ۵/۴/۱۳۷۴ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ بانی و مہتمم خیرالمدارس ملتان

تین طلاق دینے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری رائے

مندرجہ ذیل عبارت کی تحقیق فرمائی جاوے کہ جس سے غیر مقلد اپنے مذہب پر استدلال کرتے

ہیں۔ کہ قال الحافظ ابوبکر الاسماعیلی فی مسند عمرؓ اخبرنا ابویعلی حدثنا صالح بن مالک

حدثنا خالد بن یزید بن ابی مالک عن ابیہ قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

ماندمت علی شیئٍ ندامتی علی ثلٰث ان لا اکون حرمت الطلاق وعلی ان لا اکون انکحت

الموالی وعلی ان لا اکون قتلت النوائح (اغاثۃ اللھفان فی مصائد الشیطان)

الجواب قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ماندمت علی شیئٍ ندامتی علی ثلاث

ان لا اکون حرمت الطلاق الخ) روایت ہذا سوال میں مذکور سند کے ساتھ

اغاثۃ اللھفان ص۱۸۱ میں موجود ہے لیکن غیر مقلدین کا اسے استدلال میں پیش کرنا درست نہیں کیونکہ روایت بالا میں اس امر کا تذکرہ قطعاً موجود نہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے وقوع کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے آخری عمر میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اور آپ اس پر پشیمان تھے اس قسم کا کوئی مفہوم روایت بالا سے ہرگز نہیں نکلتا۔ حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ لوگ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے کے ناجائز اور خلاف مشروع فعل سے باز رہیں۔ مگر آپ نے جب آخر عمر میں محسوس فرمایا۔ کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاق دینے کے واقعات میں اتنی کمی نہیں ہوئی جتنی ہونی چاہیے تھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس غیر مشروع کو میں نے حرام اور قابل مؤاخذہ قرار دیا ہوتا تو کیا اچھا ہوتا۔ اور نیز اسے جرم تصور کرتے ہوئے اس پر کوئی تعزیر مقرر کر دی ہوتی۔ ایسا نہ کرنے پر مجھے ندامت و افسوس ہے کیونکہ اسے جرم قرار دینے کی صورت میں ایسے واقعات کے انسداد اور کمی کی زیادہ توقع تھی۔ جبکہ ابن قیمؒ نے ایک سوال اور جواب میں اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے

فان قیل کان اسھل من ذلک ان یمنع الناس من ایقاع الثلاث ویحرمہ علیھم ویعاقب بالضرب والتادیب من فعلہ لئلا یقع المحذور الذی یترتب علیہ قیل نعم لعمر اللہ کان یمکنہ ذلک ولذلک ندم علیہ فی اخر ایامہ وود انہ کان فعلہ ص۱۸۱ (اغاثۃ اللھفان) پس جب روایت بالا کا مطلب صرف یہ ہوا۔ کہ آپؓ کو آخر عمر میں فعل مذکور کے جرم نہ قرار دینے پر ندامت تھی۔ تو اس سے یہ کیسے سمجھا گیا۔ کہ آپ کو اپنی سابقہ رائے میں تردد ہو گیا تھا۔ تو محض روایت بالا کی بنا پر وقوع طلاق ثلثہ مذکورہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا رجوع ثابت کرنا قطعاً غلط ہے خصوصاً جبکہ آپؓ سے وقوع کا قول یقینی طریق سے منقول و ثابت ہے اور صحابہؓ نے آپ کے ساتھ اس مسئلہ میں موافقت فرمائی ہے (اغاثۃ اللھفان ص۳۲۹ عن مسلم) ان میں سے بعض اکابر صحابہؓ کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت علیؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن زبیرؓ۔ حضرت عمران بن حصینؓ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ۔ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین توجب وقوع طلاق ثلثہ مذکورہ اس طرح سے ثابت ہے تو ایک روایت کو (جس کا ثبوت بھی محل نظر ہے) غلط معنی پہنا کر رجوع ثابت کرنا محض سینہ زوری ہے۔ روایت ہذا کے بعض راوی میزان الاعتدال وغیرہ میں مل نہیں سکے لہٰذا اس کی سند کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ خادم دارالافتاء
الجواب صحیح۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خادم دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

تو مجھ سے فارغ ہے طلاق بائنہ ہے:

میاں بیوی کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ میاں بیوی دونوں گھر جا رہے تھے راستہ کے اندر جھگڑا ہوا تیسرا آدمی اور کوئی نہیں تھا۔ تو خاوند نے چند کنکریاں اُٹھا کر اپنی عورت کی طرف پھینک دیں اور زبان سے کوئی لفظ نہیں بولا ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ طلاق دیتے وقت کنکریاں یا ڈھیلے پھینکتے ہیں۔

عورت کا بیان۔ کہ ہمارا جھگڑا ہوا تو میرے خاوند نے میری طرف تین کنکریاں پھینکیں اور مجھے کہا کہ جا تو مجھ سے فارغ ہے۔ مرد کا بیان۔ کہ میں نے عورت سے کہا کہ تو اپنے میکے (والدکے گھر) چلی جا اور کنکریاں بھی ماریں اور وہ عورت اپنے میکے چلی گئی۔ شریعت کی رُو سے اب میاں بیوی کے لئے کیا حکم ہے شرعاً طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟

الجواب بقول عورت اس نے کہا "تو فارغ ہے" اور فارغ ہے کا لفظ خلیّہ کے قریب قریب ہے خلیّہ کے لفظ میں مذاکرۂ طلاق میں بلا نیّت طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا ان کے مذکورہ جھگڑے میں اگر تو طلاق کا لفظ پہلے آچکا تھا تو بہرحال طلاق ہوگئی۔ خاوند جس لفظ کا اقرار کرتا ہے اس میں بھی بوقت نیّت طلاق ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان کو تجدیدِ نکاح کا حکم دینا چاہیے۔ احتیاط اسی میں ہے اور یہ احتیاط ضروری کے درجہ میں ہے۔ ونحو خلیۃ، بریۃ، حرام بائن (الدرالمختار ص ۲۲۴ ج ۲)

وفی الینابیع ألحق ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ بالخمسۃ ستۃ أخریٰ وھی الاربعۃ المتقدمۃ وزاد خالعتک والحقی باھلک ھکذا فی غایۃ السروجی۔ (عالمگیری ص ۳۷۵ ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیرالمدارس۔ ملتان
مفتی خیرالمدارس ملتان	۲۸ محرم ۱۴۰۲ھ

طلاق کا جھوٹا اقرار بھی طلاق ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ امام بخش نے اپنی لڑکی کا نکاح محمد اسلم سے کر دیا ___ کچھ عرصہ کے بعد برادری میں جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے محمد اسلم نے ایک ڈھیلا پھینک دیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ محمد اسلم کا صرف نکاح ہوا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی کئی دن کے بعد امام بخش اپنی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنے لگا تو محمد اسلم نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی میرا نکاح باقی ہے اور کہا کہ میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر ایمان کے ساتھ کہتا ہوں کہ بھائی نے مجھ کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا کہا تو میں نے انکار کر دیا لیکن اس نے گالیاں دی تو میں نے ایک ڈھیلا اٹھا کر پھینک دیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ رحیم بخش کا بھی یہی بیان ہے جبکہ عبداللہ کور کہتا ہے کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ محمد اسلم نے میرے سامنے تین ڈھیلے پھینک کر کہا کہ میں نے امام بخش کی لڑکی کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح اس نے مولوی غلام محمد کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ شرعاً طلاق ہو گئی یا نہیں؟

الجواب محمد اسلم کی مذکورہ بیوی کو قضاءً طلاق ہو چکی ہے۔ کیونکہ طلاق کا جھوٹا اقرار بھی طلاق ہے۔

قال العلامة الشامی (قوله او هازلا) ای فیقع قضاء و دیانة کما یذکره الشارح وبه صرح فی الخلاصة (الی قوله) واما ما فی اکراه الخانیة لو اکره علی ان یقر بالطلاق فاقر لا یقع کما لو اقر بالطلاق هازلا او کاذبا۔ فقال فی البحر مراده بعدم الوقوع فی المشبه به عدمه دیانةً۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۰/ ۸/ ۱۴۱۰ھ

جھگڑے کے دوران کہا تم آزاد ہو تمہیں طلاق ہے

کیا فرماتے ہیں علماء حق دریں مسئلہ کہ میرا شوہر مجھ سے لڑائی جھگڑا کرتا رہا اور لڑائی جھگڑے

کے دوران ایک دن غصے کی حالت میں میرے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ تم میری طرف سے آزاد ہو تمہارا دل چاہے جدھر جا سکتی ہو اور تمہارے ماں باپ سے کہوں گا کہ تمہاری بیٹی اب میرے کام کی نہیں رہی، جاکر اپنی بیٹی کو لے آؤ۔ اس واقعہ کے بعد لڑائی جھگڑا مسلسل جاری رہا اور تقریباً ایک ماہ بعد مجھے پھر کہا میں نے تجھے طلاق دی میں نے صرف ایک بار "طلاق دی" کا لفظ سنا اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کتنی بار طلاق کا لفظ استعمال کیا کیونکہ طلاق کا لفظ سنکر مجھ پر بے ہوشی کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں میرے شوہر نے مجھے اٹھا کر چارپائی پر ڈال دیا اور خود اپنی والدہ کے پاس جاکر سو گئے۔ ان واقعات کے بعد میرے شوہر نے مجھ سے رجوع نہیں کیا، بلکہ میرے ساتھ وہ سلوک کرتے رہے جیسے ایک غیر مرد ایک عورت کے ساتھ کرتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر مجھے اپنے شوہر سے انتہائی نفرت ہو چکی ہے آپ برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں کہ کیا یہ طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں ہوتی ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت سوال دو طلاق بائنہ ہو چکی ہیں، اور بائنہ طلاق میں رجوع نہیں ہوتا، عدت گزرنے کے بعد آزاد ہیں جہاں چاہیں نکاح کر لیں۔

ونحو اعتدی واستبرئی رحمک انت واحدة انت حرة اختاری امرک الخ لا یحتمل السب والرد ففی حالة الرضا ای غیر الغضب والمذاکرة تتوقف الاقسام الثلاثة تأثیرا علی نیة الی قوله وفی الغضب توقف الاولان اھ درمختار) قوله توقف الاولان) ای ما یصلح رداً وجوابا وما یصلح سبا وجوابا ولا یتوقف ما یتعین للجواب اھ (شامیہ ص ۵۰۴ ج ۲)

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۴، ربیع الاوّل ۱۴۱۱ھ

تین طلاق کے بعد غیر مقلدین کے فتویٰ کا سہارا لینا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص نے دُوسری شادی کا ارادہ کیا تو پہلی بیوی نے مخالفت کی چنانچہ اس شخص نے اسکی تسلی کے لئے یہ بات ٹیپ کر دی کہ اگر میں تجھے طلاق دوں تو اس کو بھی تین طلاق واضح رہے کہ یہ بات اُس نے دو کیسٹوں میں ٹیپ کی ایک میں اس شخص نے مذکورہ بالا کلام خود ہی کہی اور دوسری میں مذکورہ بالا الفاظ اسکی پہلی بیوی آگے کہتی گئی اور خاوند پیچھے کہتا گیا اول الذکر کیسٹ کے بارے میں خاوند کہتا ہے مجھے کچھ یاد نہیں واضح رہے کہ یہ کیسٹ خاوند نے توڑ دی تھی اور یہ قول کہ اس شخص نے از خود ٹیپ کی تھی اسکی بیوی کا ہے ۔ المختصر شخص مذکور نے دوسری شادی کر لی ۔ بعد ازاں ایک یوم دَورانِ جھگڑا اس شخص نے اپنی پہلی بیوی کو کہا کہ کیا تو طلاق لینا چاہتی ہے تو اس نے ٹیپ والی بات یاد دلائی کہ اگر مجھے طلاق دے گا تو اسپر بھی طلاق پڑ جائے گی چنانچہ اس شخص نے کہا کہ میں دونوں سے تنگ ہوں اس کے بعد اس نے بنیتِ طلاق پہلی بیوی کو کہا ایک ، دو ، تین ـــــ اس کے کچھ دیر بعد پہلی بیوی کی ماں نے دریافت کیا کہ معاملہ تو ختم ہو چکا ہے اس نے کہا ہاں اسلئے اس شخص کو پریشانی ہوئی مفتی " علماء سے استفسار پر اس کو اپنی دونوں بیویوں سے مخالفت ہوئی چنانچہ اس نے اہلِ حدیث علماء سے پوچھنے پر دونوں بیویوں کو رکھا ہوا ہے شخص مذکور کا مؤقف یہ ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت دوسرے مسلک پر عمل جائز ہے جیسا کہ دوران طواف مسّ مرأۃ کے مسئلہ میں شوافع احناف کے مسلک پر عمل کرتے ہیں ۔ ایسا ہی میں اپنے گھرانہ اور پانچ بچوں کی ماں کو آباد کرنے کے لئے مسلک اہلِ حدیث پر عمل کرتا ہوں شریعتِ مطہرہ کا اس شخص اور اسکی دونوں بیویوں کے بارہ میں کیا حکم ہے ؟

(المستفتی ، محمد عابد ۔ مدینہ منورہ السعودیہ)

الجواب صورت مذکورہ میں از رُوئے قرآن وحدیث واجماعِ اُمت تین طلاقیں واقع ہوگئیں ہیں ۔

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته انت طالق ثلثا فقال الشافعیؒ ومالکؒ وابوحنیفةؒ واحمدؒ وجماهير

العلماء من السلف والخلف یقع الثلث الخ۔ واحتج الجمهور بقوله تعالیٰ ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه۔ لاتدری لعل الله یحدث بعد ذالک امرا۔ الآیة قالوا معناه ان المطلق قد یحدث له ندم فلا یمکنه تدارکه لوقوع البینونة فلو کانت الثلاث لم یقع طلاقه هذا الا رجعیا فلا یندم الخ ۔واما الروایة التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلثاً فجعلها واحدة فروایة ضعیفة عن قوم مجهولین

(نووی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ باب طلاق الثلاث)

۲ لکنهم اجمعوا علی انه من قال لامرأته انت طالق ثلاثا یقع ثلاثا بالاجماع الخ والحجة لنا السنة والاجماع

(تفسیر مظہری تحت قوله تعالیٰ الطلاق مرتان)

۳ والبدعی ثلاث متفرقة وفی ردالمحتار وکذا بکلمة واحدة بالاولیٰ الیٰ قوله وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الیٰ انه یقع الثلاث (الشامیة ج ۲ ص ۳۵۵)

مذکورہ روایات صراحتاً اس بات کی دلیل ہیں کہ بیک وقت دی جانے والی تین طلاق کے وقوع پر جمہورِ اُمت کا اجماع ہے اور اس کے خلاف قول شاذ ومردود ہے ۔ واما قول الطالق بوقت ضرورت دوسرے کے مسلک پر عمل جائز ہے تو اس کا جواب روایات مذکورہ بالا سے واضح ہوگیا کہ عدم وقوع ثلاث کسی کا مسلک ہی نہیں لہذا یہ عمل بمسلک الغیر نہیں یہ عمل بالشاذ والمردود ہے ۔ اور اگر بالفرض والتسلیم یہ کسی کا مسلک بھی ہوتا تو بھی عمل بمسلک الغیر کے لئے چند شرائط ہیں جن میں سے بنیادی شرط یہ ہے کہ عمل ضرورتِ شدیدہ کی بناء پر ہو اتباعِ ھوٰی کے لئے نہ ہو اور صورتِ مسئولہ میں بجز اتباعِ نفس وھوٰی اور کچھ نہیں اس قسم کے اعذار واہیہ کی بناء پر تحلیل وتحریم کے فیصلے کرنا تلعب بالدین اور مفاسد کا دروازہ کھولنا ہے بلکہ اندیشۂ سلب ایمان ہے ۔

واما زماننا هذا فهو زمان اتباع الهوی واعجاب کل ذی رأی برأیه والتلاعب بالدین فتتبع الرخص متبین ومتیقن باعتبار الغالب الاکثر فلا یجوز الافتاء بمذهب الغیر الا بشرائط الضرورة الشدیدة وعموم البلوی والاضطرار کما ذکره العلامة ابن عابدین فی رسالة عقود رسم المفتی

(اتمام الخیر فی الافتاء بمذهب الغیر للعلامة المرحوم المفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

وقیل لمن انتقل الی مذهب الشافعی رح لیزوج له أخاف أن یموت مسلوب الایمان لاهانته للدین لجیفة قذرة إلی قوله وان انتقل الیه لقلة مبالاته فی الاعتقاد والجرأة علی الانتقال من مذهب الی مذهب کما یتفق له ویمیل طبعه الیه لغرض یحصل له فانه لا تقبل شهادته

(الشامیۃ صـ۳۸۲ ج۴) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،
۹۷/۵/۲۴ھ

محض طلاق کے تخیّل سے طلاق نہیں ہوتی

ایک آدمی کے ذہن میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کے تخیلات آتے ہیں اور منہ سے لفظِ طلاق نکل جاتا ہے اور اس آدمی کو پتہ نہیں چلتا کہ لفظِ طلاق منہ سے نکلا ہے یا کہ خیال تھا۔ تو آیا طلاق واقع ہو گئی یا کہ نہیں۔

(۲) تخیّلاتِ طلاق ایک آدمی کو آتے ہیں اور وہ اس بات کا خدشہ کرتا ہے کہ منہ سے لفظ طلاق نہ نکل جائے وہ خدا سے دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ میں اس میں مجبور ہوں کہ مجھے ہر وقت طلاق دینے کے خیالات آتے ہیں حالانکہ میرا طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اگر خیالات کی وجہ سے لفظ طلاق منہ سے نکل جائے تو طلاق واقع نہ ہو یا طلاق سے بچنے کے لئے کہتا ہے کہ جب منہ سے لفظ طلاق نکلے تو میری مراد طلاق کے ساتھ انشاء اللہ بھی متصل ہو تو کیا طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب ۱-۲- صرف تخیلات سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک زبان سے نہ کہہ دے اور اگر اس کو یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ میں نے طلاق کا لفظ کہہ دیا ہے۔ تو طلاق واقع ہو گئی۔ عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا مالم تعمل بہ او تتکلم۔ متفق علیہ مشکوٰة شریف باب الوسوسة ص ۱۸ ج ۱ ھو ما جعل دلالة علی معنی الطلاق.... ولو حکماً لیدخل الکتابة المستبینة واشارة الاخرس والاشارة الی العدد بالاصابع اھ رد المحتار ص ۵۳۴ ج ۲

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس دار الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

صرف ”ایک دو تین“ کہنے سے طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام دریں مسئلہ کہ عظمت نامی شخص نے بوقت مطالبہ نان ونفقہ زوجہ مسماة مرادبی بی غصہ میں آکر اپنی زبان (براہی) میں اپنی زوجہ کے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اَسِٹ۔ اِرٹ۔ مُسٹ۔ جن کا معنی یہ ہے کہ ایک دو تین۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی زوجہ کے بھائی اور والد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ سِخ مَستریے۔ جن کا معنی یہ ہے کہ کیا اب تم ٹھنڈے ہوگئے۔ عظمت نامی کے الفاظ مجلسِ عامہ میں صادر ہوئے۔ جن پر گواہ موجود ہیں۔

الجواب باسمہ تعالیٰ وھو اعلم بالصواب درصورت مسئولہ طلاق ثلاثہ از جانب مسمی عظمت بر زوجہ آں مسماة مراد بی بی واقع شد گو از ظاہر الفاظ اسٹ الخ اضافت الی زوجہ معلوم نمے شود لیکن از تنازعہ ہمراہ برادر و پدر زوجہ درباره خرچہ وحسن سلوک با زوجہ صادر شدن الفاظ مذکورہ الصدر از زبان زوج بایں مقدار کہ اضافت معنویہ کہ شرط صحت طلاق است ثابت مے شود کما فی الشامی ص ۵۸۱ ج ۲ باب صریح الطلاق۔ ومثلہ فی فتاوی دار العلوم مبوب جدید ص ۱۲۷ وفتاوی امدادیہ مبوب جدید۔ چونکہ ایں الفاظ درحالت غضب شوہر استعمال کردہ۔ لہذا بدوں نیت طلاق ثلاثہ براں واقع میشود۔ ولو قال انت بثلاث وقع ثلاث ان نوی ولو قال لم انو لا یصدق اذا کان فی حالة مذاکرة الطلاق والاصدق ومثلہ فی الفارسیة تو بسہ علی ما ھو المختار للفتوٰی کما فی العالمگیری ص ۳۵۷ قال لھا ترا یکے او ترا سہ او ترا یکے وسہ قال الفقہاء لا یقع شیٔ وقال صدر الشریعة تقع بالنیة وبہ نفتی وقال القاضی ان کان حال المذاکرة او الغضب یقع والا لا یقع بلا نیة ص ۲۲۵ قاضیخاں بر عالمگیری مصری فالکنایات لا تطلق بھا قضاءً الا بنیة

اودلالۃ الحال وھی مذاکرۃ الطلاق اوالغضب شامی باب الکنایات ص۶۳۶ ج۲ وکنایۃ مالا یوضع لہ واحتمل غیرہ فلا یطلق الابنیۃٍ اودلالۃ الحال کما فی شرح الوقایۃ ص۸۴ ج۲ ازعبارات مندرجہ معلوم شد کہ درحالت غضب ودلالت حال ضرورت نیت نیست خود ہمیں حالت قائم مقام نیت است لہذا صورت مسئولہ میں طلاق ثلاثہ واقع شد ہذا فی خاطری واللہ اعلم بالصواب صالح محمد غفرلہ

صورت مسئولہ میں زوجہ عظمت پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ مولٰنا صالح محمد صاحب کا جواب اور مؤیدین مصدقین کی تائیدات وتصدیقات صحیح ہیں۔ عبداللہ غفراللہ لہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۴/۷/۹ھ

مذاق مذاق میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے

ایک عورت نے اپنے خاوند کے سامنے کسی آدمی کا اپنی بیوی کوطلاق دینے کا ذکرکیا اورکہاکہ اس نے غلطی کی توبھی بھلا طلاق دے سکتا ہے تومرد نے فوراً تین دفعہ لفظ تلاخ تلاخ تلاخ کہدیا۔ عورت نے کہا کہ یہ لفظ طلاق کے نہیں تومرد نے فوراً تین دفعہ طلاق طلاق طلاق کہدیا اوراس کے بعد فوراً کہدیاکہ میں نے تجھے طلاق نہیں دی۔ اب اس سے طلاق واقع ہوگی یانہیں جبکہ یہ ہنسی مذاق میں ہوا ہے۔

الجواب: حالت مزاح میں طلاق دینے سے بھی طلاق ہوجاتی ہے لہذا اگرمزاح میں بھی اس نے یہ لفظ اپنی بیوی کوکہے ہیں توبھی تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔ درمختار میں ہے ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ الی قولہ اوھازلًا لایقصد حقیقۃ کلامہٖ وفی الشامیۃ بیان لمعنی الھازل ...... ففی التحریر وشرحہ الھزل لغۃ اللعب واصطلاحًا أن لایراد باللفظ ودلالتہ المعنی الحقیقی ولاالمجازی بل ارید بہٖ غیرھما وھومالاتصح ارادتہ منہ وضدہ الجد وھوان یراد بالشیٔ احدھما ص۴۵۹ ج۲۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ محمد صدیق عفااللہ عنہ　　　محمد انور عفااللہ عنہ

بطورِ گالی طلاقن کہنے سے طلاق کا حکم:

ہمارے ہاں بے علم لوگ لفظِ طلاقن کو گالی سمجھتے ہیں اوران کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اپنی عورت کوطلاقن کہہ دینے سے طلاق پڑجاتی ہے اورنہ ان کی طلاق کی نیت ہوتی ہے صرف بطورگالی اکسری۔ طلاقن۔ راندہ

کہہ دیتے ہیں تو کیا عورتوں کو طلاق ہو جاتی ہے۔

الجواب اپنی عورت کو طلاق کہنے سے ہر حال میں طلاق ہو جاتی ہے۔ ہنسی میں کہے یا غصہ میں گالی سمجھ کر کہے یا کچھ اور۔

قال لامرأته یا سارقة یا زانیة الی قوله وبخلاف یا طالق او هٰذه المطلقة نعت کذا حیث تطلق امرأته لتمکنه من اثباته شرعاً فجعل ایجاباً لیکون صادقاً بخلاف الاول اھ

شامی ص۴۵۷ ج۲ ، فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبد اللہ غفرلہٗ

جب میں تیرے ساتھ نکاح کروں تو تجھے طلاق

ایک شخص کسی اجنبیہ عورت کو کہتا ہے کہ جب میں تیرے ساتھ نکاح کروں، تو تجھے طلاق ہے اور تو مجھ پر حرام ہے۔ بعد ازاں وہ اسی عورت مذکورہ سے نکاح کرتا ہے، تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ بینوا بیاناً شافیاً توجروا اجراً وافیاً۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں یہ شخص جب بھی مذکورہ عورت سے نکاح کرے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ اس یمین کی وجہ سے ایک دفعہ طلاق واقع ہونے کے بعد دوبارہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

والفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما ومتی ومتی ما وفیها تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرة الا فی کلما اھ (تنویر الابصار علی ہامش رد المحتار ص۵۴۱ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۷ / ۵ / ۱۴۰۲ھ

الجواب الصحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

گونگے کی طلاق کیسے ہوگی؟

ایک آدمی گونگا ہے اور اس نے بیوی کو اشارہ سے طلاق دی ہے تو کیا طلاق ہو جائے گی جبکہ اس کا والد کہتا ہے جب تک میں طلاق نہیں دوں گا طلاق نہیں ہوگی۔

الجواب گونگا اگر ایسے اشارے سے طلاق دے جس سے طلاق ہی مفہوم ہو تو طلاق ہوگئی والد مانے یا نہ ملنے ، أو أخرس ولو طارئا باشارته المعهودة فانها تكون كعبارة الناطق استحساناً اھ (درمختار)

ويقع طلاق الاخرس بالاشارة يريد به الذى ولد وهو اخرس اوطرء عليه ذلك ودام حتى صارت اشارته مفهومة والا لم تعتبر اھ (شامیہ ص۴۶۱ ج۲) ۔ فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ،

بیوی کے خاندان کو طلاق دینے سے بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی

ایک شخص نے غصہ میں آکر اپنی بیوی کا نام لئے بغیر صرف زبان سے یہ الفاظ کہے میں طلاق دیتا ہوں ، طلاق دی ، سارے خاندان کو طلاق دی ، جیسے الفاظ استعمال کئے ۔ کیا طلاق ہوگئی ۔؟ (مستفتی ظہیر الدین ملتان)

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ تین طلاق واقع ہوگئیں بدوں حلالہ نکاح جدید بھی نہیں کر سکتا ۔ خاندان کو طلاق دینا کافی ہے ۔ صراحۃً اضافت الی المرأۃ ضروری نہیں ۔

ولو قال نساء هذه البلدة او هذه القرية طوالق وفيها امرأته طلقت كذا فى فتاوى قاضى خان (عالمگیری ص۳۵۷ ج۱)

فقط واللہ اعلم ،
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
۲۵ / ۶ / ۹۷ ھ

"مَیں نے نکاح توڑ دیا" طلاق بائنہ ہے:

بزبان سندھی بیوی کو خط محمد حسین نامی ایک شخص نے لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے جب سے مَیں آپ کے گھر سے آیا ہوں۔ اسوقت سے مَیں نکاح توڑ کے آیا ہوں آپ کو واضح طور پر معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نکاح توڑ کر آیا ہوں۔ واضح ہو کہ میں نکاح توڑ کر آیا ہوں۔ حضرت اس قسم کے الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوگی۔؟

الجواب اگر سندھی الفاظ ایسے تھے۔ واقعی جن کا معنیٰ نکاح توڑنے کا بنتا ہے تو بنیتِ طلاق ان الفاظ کو استعمال کرنے سے طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور اگر تین کی نیّت کی تو تین واقع ہوگئیں۔ ولو قال فسخت النکاح ونوی الطلاق یقع وعن ابی حنیفة رح ان نوی ثلاثاً فثلاث کذا فی معراج الدرایة (عالمگیری ص ۳۷۵ ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

تا زندگی والدین کے گھر رہو" کہنے سے طلاق کا حکم

زید نے اپنی منکوحہ بیوی کو ناراضگی کی حالت میں یہ لفظ کہے "تا زندگی تو اپنے والدین کے گھر رہ تیرے لئے مرد بہت ہیں اور میرے لئے عورتیں بہت ہیں"، کیا اس سے طلاقِ بائنہ ہو جائے گی؟

(عبدالرحمان گورنمنٹ ہائی سکول چشتیاں)

الجواب اگر زید نے یہ لفظ بنیّت طلاق کہے ہیں تو اس جملہ سے (تا زندگی تو اپنے والدین کے گھر رہ) اس کی زوجہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے۔

وفی الینابیع الحق ابو یوسف بالخمسة ستةً اخری وھی الاربعة المتقدمة وزاد خالعتک والحقی باھلک ھکذا فی غایة السروجی الی قوله وفی البزازیة وفی الحقی برفقتک یقع اذا نوی کذا فی البحر الرائق اھ (عالمگیریة ص ۳۷۵ ج ۱)

الجواب صحیح ،	فقط واللہ اعلم
خیر محمد عفا اللہ عنہ	بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ،

میرا ہمیشہ کے لئے بائیکاٹ ہے طلاق بائنہ ہے:

صابر نے نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے بیوی کے بارے میں کہا کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گا میرا ہمیشہ کے لئے بائیکاٹ ہے نہ رکھا ہے اور نہ رکھوں گا ۔ کیا ان الفاظ سے طلاق ہوگئی ؟

الجواب یہ لفظ طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو طلاق بائنہ واقع ہوگئی ۔ دفی الفتاویٰ لم یبق بینی وبینك عمل ونوی یقع اھ (عالمگیری ص ۳۷۶ ج ۱)

الجواب صحیح ،	فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ
	۹ / ۳ / ۱۴۰۲ھ

دو بیویوں والے نے طلاق طلاق طلاق کہا تو کس کو طلاق ہوگی ؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ۔ کہ فاطمہ منکوحہ عبدالرشید جس کو دس سال کا عرصہ ہوچکا ہے ۔ تین سال کے قریب قریب فاطمہ اپنے والدین کے گھر وقت گذار رہی ہے ۔ عبد الرشید کو جب کبھی کہا گیا ۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا ۔ اور اس نے بغیر کچھ بتلانے کے دوسری شادی بھی کرلی ۔ جسے تقریباً دو سال ہوچکے ہیں ۔ فاطمہ کے والدین نے پنچائیت منگوا کر اس کو بلایا ۔ اور طلاق دینے کا اصرار کیا ۔ اس نے پنچائیت سے بھاگتے ہوئے یہ الفاظ کہے ۔ طلاق طلاق ۔ طلاق اور کسی عورت کی تصریح نہیں کی قرینے سے یہی ثابت ہوتا ہے ۔ کہ یہ الفاظ متنازعہ فیہا کے متعلق ہیں ۔ لہذا ارشاد فرمایا جائے ۔ کہ یہ طلاق واقع ہوئی یا نہ ؟ پنچائیت کے بیس آدمیوں میں سے دو گواہ ان الفاظ کی تصدیق کے لیے سائل کے ہمراہ ہیں ۔

السائل :- ملک محمد حنیف مخدوم پور پیروالہ تحصیل کبیر والہ ضلع خانیوال

(۱) شاہد مسمی جاگو خاں ولد ہیرا خاں (۲) شاہد مسمی عبدالحمید ولد منگت علی

نوٹ :- پانچ روز ہوئے کہ عبدالرشید کی دوسری وہ بیوی جسکے ساتھ وہ رہائش پذیر تھا وفات پا چکی ہے

الجواب صورت مسئولہ میں عبدالرشید کی بیوی فاطمہ پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ عدت کے بعد عورت کا نکاح دوسرے شخص سے جائز ہے۔

اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں (۱) قرینہ موجود ہے کہ فاطمہ کو طلاق دی ہے کیونکہ نزاع اسی کے بارے میں تھا۔ چنانچہ مذاکرہ طلاق اور حالت غضب کو کنائی طلاق کا قرینہ فقہاء رحمہم اللہ بناتے ہیں۔

(۲) قاعدہ ہے السوال معاد فی الجواب۔ پنچائیت والے جس بیوی کی طلاق کا مطالبہ کر رہے تھے اسی کو عبدالرشید نے طلاق دی ہے۔ اور وہ فاطمہ ہے۔

(۳) بالفرض اس کو مبہم طلاق مان لیا جائے تو جب دوسری بیوی مر گئی ہے تو طلاق کے لئے زندہ بیوی متعین ہو گئی ہے نظیرہ ما قال النسفیؒ فی شرح اصول الکرخی ولو انقضت عدۃ احدھما بقیت الاخری لثلاث ص۸

(۴) عبدالرشید طلاق کے الفاظ کہنے کے بعد فاطمہ کی سوکن کے ساتھ رہائش پذیر رہا۔ اس سے متعین ہو گیا کہ طلاق فاطمہ کو دی تھی۔ ورنہ لازم آئیگا کہ ایک مسلمان کو زنا کا مرتکب قرار دیا جائے۔ حالانکہ امور مسلمین کو تاحد الامکان سداد اور صحت پر محمول کیا جاتا ہے۔

قال الکرخیؒ الاصل ان امور المسلمین محمولۃ علی السداد والصلاح حتی یظھر غیرہ ص۲

پس فاطمہ ہی مطلقہ ہوئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

عبدالقادر عفی عنہ مدرس دار العلوم کبیر والا
۲۳ — ۶ — ۱۴۱۳ھ

طلاق، تلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باغ علی ولد امام الدین نے اپنے گھریلو حالات کی بناء پر اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ اور یوں کہا کہ میں نسیم کو تلاق دیتا ہوں۔

تلاق۔ تلاق۔ تلاق۔ فوجی نسیم کو طلاق دیتا ہے۔ لیکن اس نے لفظ طلاق تحریر کرتے وقت بجائے طاء کے تاء تحریر کیا تو اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اگر واقع ہوگئی ہیں تو کتنی واقع ہوئیں۔ وقوع طلاق کے وقت عورت تقریباً تین ماہ کی حاملہ تھی بینوا توجروا

المستفتی خوشی محمد ولد نظام الدین چک ۱۲ فیض

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق ہوگئی ہیں۔ اب بدون حلالہ و نکاح جدید اس عورت کو گھر میں آباد نہیں کرسکتے۔ دیتی بھا ای بھذہ الالفاظ وما بمعناها من الصریح ویدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاک اھ (درمختار) ومنها الالفاظ المصحفة وهی خمسة فزاد علی ماهنا تلاق اھ (شامی ص۴۶۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور ۱۰ - ۴ - ۱۴۱۵ھ

طلاق دی، دی، دی سے تین طلاق ہوگئیں

ایک شخص نے اپنی بیوی کو ان الفاظ میں طلاق دی۔

میں نے طلاق دی، دی، دی۔ کیا یہ طلاق ثلثہ مغلظہ ہے جو کہ بغیر حلالہ کے پہلے شوہر کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

الجواب: صورت مسئولہ میں بیوی کے مدخولہ ہونے کی صورت میں تین طلاق ہوگئیں ولو قالت مرا طلاق کن، مرا طلاق کن، مرا طلاق کن۔ فقال کردم، کردم کردم تطلق ثلثاً وهو الاصح اھ۔ (عالمگیری ص۳۸۴ ج ۱)

وکذا فی امداد الفتاویٰ ص۳۷۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	۴ - ۶ - ۱۴۰۰ھ

مطلقہ ثلاثہ کا دوسرا نکاح فاسد ہو تو پہلے کیلئے حلال نہیں ہوگی

ایک شخص کا کئی سال سے نکاح تھا۔ رخصتی کا وقت آیا۔ تو بیوی نے انکار کر دیا۔

مرد نے اسی وقت طلاق دے دی۔ تو اس وقت اس کا نکاح زوج اول کے بھائی سے کردیا گیا۔ جسے یہ علم نہیں تھا کہ یہ معتدہ ہے۔ حالانکہ وہ منکوحہ ہونے کی حالت میں زنا کی وجہ سے حاملہ تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس عورت کا نکاح زوج ثانی کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں۔ اور یہ پہلے خاوند کے لئے اب حلال ہوجائے گی یا نہیں پہلے خاوند نے تین طلاق بکلمۃ واحدۃ دی ہیں۔

الجواب: جب بوقتِ طلاق وہ حاملہ تھی۔ تو اس کی عدت وضع حمل تھی اور حالت عدت میں کیا گیا نکاح، نکاحِ فاسد ہے، نکاح فاسد سے تحلیل نہیں ہوئی۔ لہذا دوبارہ نکاح صحیح کیا جائے۔ پھر وطی کے بعد طلاق ہو تو عدت گذرنے کے بعد پہلا خاوند نکاح کرسکتا ہے۔ لا ینکح مطلقۃ من نکاح صحیح نافذ کما سنحققہ بہا ای بالثلاث لو حرۃ ... حتی یطأھا غیرہ بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف، الدرالمختار علی الشامیہ ص ۵۸۲ ج ۲

(قولہ کما سنحققہ) ای فی باب العدۃ حیث قال ھناک والخلوۃ فی النکاح الفاسد لا توجب العدۃ والطلاق فیہ لا ینقص عدد الطلاق لانہ فسخ۔ (جوھرۃ (شامی ص ۵۸۲ ج ۲)

فقط واللہ اعلم احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ارتکاب شرط ناسیاً کیا تو بھی طلاق واقع ہوجائے گی

زید نے قسم کھائی کہ آج کے بعد سگریٹ پیوں تو بیوی کو تین طلاق۔ پھر ایک تقریب میں جانا ہوا۔ وہاں کھانے کے بعد سگریٹ پی لی۔ سگریٹ پیتے وقت یہ بالکل یاد نہ رہا کہ قسم اٹھائی ہوئی ہے۔ تو کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اب بدون حلالہ نکاح صحیح نہ ہوگا (قولہ فی الیمین او الحنث) متعلق بقولہ ولو مکرھاً او ناسیاً ای سواء کان الاکراہ او النسیان فی نفس الیمین وقد مر أو فی الحنث بان فعل ما حلف علیہ مکرھا او ناسیاً لان الفعل شرط الحنث وھو سبب الکفارۃ والفعل الحقیقی لا ینعدم بالاکراہ والنسیان (شامیہ ص ۵۰ ج ۳) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۴ — ۵ — ۱۴۰۰ھ

حاملہ پر بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی۔ زید کی بیوی حاملہ ہے۔ کیا یہ تین طلاق وضعِ حمل کے بعد پڑیں گی؟ نیز حمل کے دوران بھی طلاق پڑتی ہے یا نہیں؟

محمد انور شاہ پیرانوالہ ضلع فیصل آباد

الجواب بحالتِ حمل اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جس وقت سے طلاق دی ہے اسی وقت سے واقع ہو گئی ہے البتہ عدت وضعِ حمل سے ختم ہو گی۔ وحل طلاقهن ای الآيسة والصغيرة والحامل عقب وطی (تنویر الابصار مع الدر المختار ص ۱۹ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

میں اس گھر میں داخل ہوا تو بیوی کو طلاق پھر غلطی سے داخل ہو گیا

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنے گھر میں اپنی بیوی کو مار پیٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا شادی شدہ بیٹا گھر میں آیا تو اس حالت کو دیکھ کر باپ کے سامنے یہ الفاظ کہہ بیٹھا: "اگر میں آئندہ اس صحن میں داخل ہو جاؤں تو مجھ پر بیوی طلاق ہے۔" پھر اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر سے نکل کر پردیس میں چلا گیا۔ چند دن گزرنے کے بعد اس کو کسی نے کہا کہ "اگر باپ یہی گھر کسی کو ہبہ کر دے یا بیچ دے تو حالف داخل ہو سکتا ہے کیونکہ باپ کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔" اب وہ باپ تین لاکھ کا بنا ہوا گھر بیچنا نہیں چاہتا۔ البتہ اس نے ایک اپنے قریبی دوست کو وہی گھر اس نظریہ سے ہبہ کر دیا کہ کچھ دنوں بعد مجھے واپس کر دے گا (اور یقیناً ایسا ہے) پھر حالف کو گھر میں داخل کرا دیا۔ لہٰذا اب وہ باپ بھی اور حالف بھی اسی ایک ہی صحن میں رہتے ہیں۔ حالانکہ ہبہ کرتے وقت نہ گھر کو خالی کیا گیا نہ گھر کو چھوڑا گیا ہے۔ اب آپ سے پوچھنا ہے کہ اس حالف پر کتنی طلاق واقع ہو چکی ہیں؟ قرآن و حدیث کتب فقہ و کتب فتاویٰ سے حوالہ دے کر جواب سے نوازیں۔ شکریہ۔

مولوی عبدالخالق موسیٰ خیل ضلع میانوالی

الجواب برتقدیر صحت واقعہ جب یہ شادی شدہ لڑکا اس صحن میں داخل ہوا۔ تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔کیونکہ شرط پائی گئی ہے جیسا کہ قاضی خان میں ہے۔ حلف ان لا یدخل هذه الدار فدخلها راكبًا او ماشيًا او محمولًا بامره حنث في يمينه۔ قاضیخان ص۲۷ ج۲۔ لہذا اب حالف پر اس کی یہ بیوی حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوگئی ہے اور یہ حیلہ جو بنایا گیا تھا۔ وہ حیلہ صحیح نہیں ہے۔کیونکہ ہبہ کے لئے قبض شرط ہے اور یہاں انہوں نے موہوب لہ (جس کو یہ گھر ہبہ کیا تھا) کو قبضہ نہیں دیا ہے لہذا یہ حیلہ باطل ہے۔جیسا کہ جوہرۃ النیرۃ میں ہے۔ الهبة تصح بالايجاب والقبول الى قوله وتتم بالقبض قال في الهداية القبض لابد منه لثبوت الملك لان الهبة عقد تبرع وفي اثبات الملك قبل القبض الزام المتبرع شيئًا لم يتبرع به وهو التسليم فلا يصح الجوهرة النيرة ص۳ ج۲۔ وفيه لان القبض منصوص عليه في الهبة قال النبي عليه السلام لا تجوز الهبة الا مقبوضة فيشترط كمال القبض۔ الجوہرہ ص۳ ج۲۔ پس اس خاوند کو چاہیئے کہ اس بیوی سے قبل از حلالہ اجتناب کرے۔ ورنہ حرام میں مبتلا رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ

مجبوری کی طلاق کا حکم

عبدالرحمن نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ پہلے عبدالرحمن کی دو گھر والیاں موجود ہیں۔ تیسری شادی کرنے کے بعد گھر کے حالات بہت خراب ہوگئے۔ اس لئے عبدالرحمن کے بھائی نے تیسری بیوی کو تین طلاق لکھ کر عبدالرحمن کو مجبور کیا ہے۔ کہ یہاں دستخط کردو۔ عبدالرحمن نے دل میں یہ خیال کیا کہ دستخط کردیتا ہوں طلاق نہیں دیتا۔ اور یہ مجبوری باتوں کی تھی۔ کوئی قتل وغیرہ کی دھمکی نہیں دی گئی۔ جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں طلاق ہوگئی ہے۔ اب اس کو بطور بیوی رکھنا حرام ہے۔ فی الدر المختار ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او

مکرها فان طلاقه صحیح و فی الشامیة (قوله فان طلاقه صحیح) ای طلاق المکره

(رد المحتار ص ۴۲۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ | محمد انور ۲۵-۱-۱۴۱۲ھ

کنایہ کے بعد صریح الفاظ کہنا

زید نے اپنی بیوی کو کہا "میں اس کو اپنے نفس پر حرام کرتا ہوں" وہ میرے اوپر حرام ہوگئی، حرام ہوگئی۔ ہر سہ تین طلاق کے بعد میں کہتا ہوں۔ اس کی رسی اس کی گردن پر ہے۔ مذکورہ الفاظ سے کونسی طلاق ہوگی؟

الجواب صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئی ہیں اب بدون حلالہ نکاح جدید اس عورت کو گھر آباد نہیں کرسکتے۔ صورت مسئولہ میں الفاظِ بائن کے بعد صریح الفاظ کہے گئے ہیں۔ اور الفاظِ صریحہ بائن سے ملحق ہوتے ہیں کما فی الدر المختار الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن اھ۔ و فی الشامیة کما لو قال لها انت بائن او خالعها علی مال ثم قال انت طالق اوهذه طالق اھ (ص ۵۰۹ ج ۲) فقط واللہ اعلم

۳ صفر سنہ ۱۴۱۰ھ محمد انور

ہنسی مذاق میں طلاق دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

محمد اقبال ارائیں ولد جند وڈاتے مذاق اور تمسخر میں روبرو عبد المجید فیض رسول محمد عثمان کے کہا کہ میری زوجہ کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے یعنی تین مرتبہ لفظ طلاق کہا۔ اس صورت میں دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں اور کونسی طلاق واقع ہوئی ہے

گواہوں کے دستخط حاضر خدمت ہیں ——— یہ واقعہ تین رمضان المبارک کو ہوا۔

بینوا بالبرھان توجروا من الرحمان ۔

دستخط گواہاں ۔ محمد عثمان بقلم خود　فیض رسول

عبدالمجید بقلم خود

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئی ہیں ۔ اب بدون حلالہ و نکاح جدید اس عورت کو گھر آباد نہیں کرسکتے ۔ بخلاف الھازل و اللاعب فانہ یقع قضاءً و دیانۃ لان الشارع جعل ھزلہ بہ جدا ۔ اھ

(درمختار علی الشامیہ ص۶۱ ج ۲)　فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح　محمد انور

بندہ عبدالستار عفی عنہ　۱۲ - ۱ - ۱۴۱۵ھ

پتھر پھینکنے کے بعد بطورِ اخبار کہا "ہم نے چھوڑ دی ہے"

صورت مسئلہ یہ ہے کہ "زید" اور "بکر" نے ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں وٹہ سٹہ کے طور پر ایک دوسرے کے لڑکوں کو نکاح میں دی تھیں ۔ یعنی "زید" نے "بکر" کے بیٹے "عمرو" کو اور "بکر" نے "زید" کے بیٹے "شفیق" کو اپنی اپنی بیٹیاں نکاح میں دی تھیں ۔ مگر اکثر اوقات ان کا جھگڑا رہتا تھا ۔ زید اپنی بیٹی کی طلاق لینا چاہتا تھا ۔ چند رشتہ دار سرپنچ راضی نامہ کرانے کے لئے زید کے گھر آئے مگر "زید" اپنی لڑکی کی طلاق لینے اور اس کے وٹہ میں "بکر" کی بیٹی کو طلاق دینے پر مصر تھا (جن دونوں لڑکیوں کی رخصتی نہیں ہوئی) اب سرپنچ بمع زید اسی مسئلہ کو نمٹانے کیلئے بکر کے گھر چلے گئے یوں "بکر" کے گھر سرپنچ نے اپنی ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طریقہ سے ان دونوں کی صلح ہوجائے مگر جب سرپنچ کو صلح ہوتی ہوئی نظر نہ آئی اور زید کا بھی اپنی بیٹی کا طلاق لینے کا اصرار تھا تو سرپنچ نے کہا "ملومنہ کالا" یعنی ایک دوسرے کو طلاق دو ۔ اب سرپنچ نے "بکر" کے بیٹے عمرو کو کمرے کے اندر سے بلایا ۔ کہ زید کا بیٹا "شفیق" آپ کی بہن کو طلاق دینا چاہتا ہے لہٰذا تم (یعنی بکر کا بیٹا عمرو) بھی طلاق دینے کیلئے پتھر پھینکو تو یوں دونوں (یعنی زید کے بیٹے "شفیق" اور بکر کے بیٹے "عمرو") نے طلاق دینے کی غرض سے تین تین پتھر پھینکے (مگر منہ سے لفظ نہیں کہے) پتھر پھینکنے کے بعد بطور طنزاً ایک دوسرے کو مبارک باد دی ۔ تو پھر دونوں گالی گلوچ

پر اتر آئے۔ اب دوسرے دن صبح کو "بکر" کے بیٹے "عمرو" نے ایک مطالبے کا کاغذ اپنے سابقہ سسر "زید" کے نام بھیجا۔ کہ ہم نے تمہاری لڑکی کو اپنے پیسوں سے 500 روپے کا دودھ پلایا تھا۔ وہ پیسے دو" زید" نے جواباً کہا کہ ہم نے بھی تو آپ کی بہن پر فلاں فلاں خرچ اخراج کئے ہیں۔ لہٰذا وہ پیسے ہمیں دیں۔ تیسرے دن "بکر" کے بیٹے "عمرو" کی اور زید کی مذکورہ بالا لین دین پر غلام حسن عبدالکریم حافظ جعفر اور دیگر حضرات کے سامنے ہاتھا پائی ہوئی "زید نے کہا ایسا تیسا میں نے تمہارے کہنے پر چھوٹی لڑکی (جو پہلے نکاح میں تھی) کی طلاقیں لے کر بڑی لڑکی تیرے نکاح میں دی۔ مگر تو نے مجھے یہی صلہ دیا ہے۔ اب جیسے زید کے بیٹے "شفیق" نے تمہاری بہن کو طلاق دیدی ہے اور تو نے میری دوسری بیٹی کو بھی طلاق دیدی تو تمہارا ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے تو تب "بکر" کے بیٹے "عمرو" نے مذکورہ بالا افراد کے سامنے کہا کہ تیرے بیٹے نے ہماری ایک چھوڑی ہے اور میں (عمرو) نے تیری دو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ اب مسئلہ سوال طلب یہ ہے کہ کیا دونوں لڑکیوں کو طلاق ہوگئی ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب وفی الشامیۃ ص ۴۱۸ ج ۲ وبہ ظہر ان من تشاجر مع زوجتہ فاعطاھا ثلثۃ احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایۃ لایقع علیہ کما افتی بہ الخیر الرملی۔ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ نہ پتھر پھینکنے کے وقت اور نہ ہی بعد میں ان کلمات سے (کہ تیرے بیٹے نے ہماری ایک چھوڑی ہے اور میں نے تیری دو چھوڑی ہیں)عہ ان عورتوں پر طلاق واقع ہوگی۔ لہٰذا دونوں عورتیں مطلقہ نہیں ہیں۔ ہر ایک خاوند اگر اپنی بیوی کو نہیں رکھنا چاہتا۔ تو صریح طلاق دے کر علیحدہ کر دے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۳ / ۱۱ / ۱۴۱۵ھ

عہ یہ خط کشیدہ الفاظ بظاہر خبر ہیں۔ انشاء نہیں "پتھر پھینکنے" کو طلاق سمجھ کر یہ الفاظ کہہ رہے ہیں۔ اور پتھر پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی لہٰذا ان الفاظ سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی

والجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

صرف بول چال اور مجامعت چھوڑنے سے طلاق نہیں ہوگی

اگر بیوی نافرمان ہوجائے اور جھگڑا کرنے لگے۔ اس صورت میں خاوند یہ سوچتے ہوئے کہ بیوی راہِ راست پر آجائے۔ نافرمانی چھوڑ دے۔ وہ بیوی سے بولنا اور ہمبستری چھوڑ دیتا ہے۔

لیکن پھر بھی حالات صحیح نہیں ہونے پاتے۔ حتی کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہتے ہوں۔ بچے بھی ہوں۔ بول چال میں عرصہ بھی کافی ہوگیا ہو۔ تو کیا اس صورت میں طلاق عائد ہو جاتی ہے نیز ایسی صورت میں کوئی مدت تو درکار نہیں ہے؟ اسلام میں ایسی صورت میں کیا فتویٰ ہے۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ محض بول چال اور ہمبستری چھوڑنے سے (اگرچہ کافی مدت تک ہو) طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور یہ ترک شرعاً ایلاء شرعی میں داخل نہیں ہے۔ ایلاء شرعی کی تعریف یہ ہے الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحۃ منعا مؤکدا بالیمین باللہ ہندیہ ص۴۷۶ ج۱ پس صورتِ مسئولہ میں یہ عورت مطلقہ نہیں ہوگی فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ محمد انور ۲۵-۴-۱۴۱۲ھ | بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ جامعہ خیر المدارس ملتان

طلاق ہونے کے لئے منکوحہ ہونا یا اضافۃ الی النکاح ضروری ہے

زید کو مجبور کیا گیا کہ تم بکر کی لڑکی سے شادی کرلو زید نے انکار کیا اور کہا "بکر کی لڑکی کو طلاق ہے" اب بکر بھی چاہتا ہے کہ یہ نکاح ہو جائے۔ زید کے والدین کی خواہش بھی ہے۔ تو کیا زید اسی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے؟

الجواب زید مذکورہ لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت نکاح میں ہو یا نکاح کی طرف نسبت ہو کہ "جب وہ میرے نکاح میں آئے اسے طلاق" چونکہ صورتِ مسئولہ میں ان میں کوئی صورت نہیں پائی گئی۔ لہذا زید اس سے نکاح کر سکتا ہے شرطہ الملک حقیقۃ او حکما او الاضافۃ الیہ (درمختار ص۲۳ ج۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

دو طلاق کے بعد رجوع کر کے تیسری دے دی تو تین ہوگئیں

۱۔ بچہ پیٹ میں تھا۔ ایک طلاق لفظ رجعی کے ساتھ لکھ کر بیوی کو دی پھر میاں بیوی کی رضامندی سے رجوع ہوگیا۔ 2۔ تین سال کے بعد ایک طلاق لکھ کر دی ½ ۱ ماہ کے اندر پھر رجوع کیا گیا۔ میاں بیوی کی رضامندی سے۔ 3۔ سات سال کے بعد تین عدد طلاق بیک وقت لکھ کر دی گئیں

بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی تجدید کی گئی۔ آیا طلاق ہوگئی یا گنجائش ہے؟

الجواب تینوں طلاقیں بالفاظِ صریحہ تھیں تو تیسری کے بعد اب رجوع کا حق ختم ہوگیا اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی تاوقتیکہ حلالہ کے بعد نکاح جدید نہ ہو۔ تین کے بعد جو نکاح کیا گیا ہے شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ واذا طلقها ثم راجعها یبقی الطلاق وان کان لا یزیل الحل والقید فی الحال لانه یزیلهما فی المآل حتی انضم الیه ثنتان اھ (عالمگیری ص ۴۵۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفی عنہ محمد انور ۱۲-۸-۱۴۱۷ھ

صرف سر ہلا دینے سے طلاق نہیں ہوگی

اگر زید سے نکاح خواں بحضور شاہدین پوچھے کہ فلاں بنت فلاں بعوض اتنے روپے مہر تمہیں قبول ہے اس کے جواب میں اگر زید اقرار کے طور پر صرف سر ہلائے اور منہ سے کچھ نہ بولے تو نکاح نہیں ہوتا۔ اسی طرح طلاق کے بارے میں اگر ھندہ زید کو کہے کہ تمہاری طرف سے مجھ کو طلاق ہے اس کے جواب میں اگر زید اقرار کے طور پر اپنا سر ہلائے تو کیا طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب صرف سر ہلانے سے طلاق نہیں ہوگی در مختار میں ہے والایماء بالرأس من الناطق لیس باقرار بمال وعتق وطلاق وبیع ونکاح الخ

در مختار علی الشامیہ ص ۵۰۳ ج ۴۔ فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس۔

زبان سے طلاق کہا اور انگلیوں سے اشارہ کیا تو کتنی طلاق ہوں گی

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسمی دلاور حسین نے اپنی بیوی کو طلاق بایں طور دی کہ تجھے طلاق ہے اور ساتھ ہی تین انگلیوں کا اشارہ بھی کیا۔ زید کہتا ہے کہ اس سے ایک طلاق ہوئی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح تین طلاقیں ہوئی ہیں یا ایک؟ نیز دلاور حسین اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ مستفتی محمد طاہر یزمانی۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ مسمی دلاور حسین کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا بدون حلالہ دلاور حسین کے لئے یہ عورت

حلال نہیں۔ انت طالق ھکذا مشیرا بالاصابع المنشورة وقع بعددہ درمختار علی الشامیة (قولہ وقع بعددہ) ای بعدد ما اشار الیہ من الاصابع .... فان اشار بثلاث فھی ثلاث او بثنتین فثنتان او بواحدة فواحدة کما فی الھدایة (شامی ص۴۸۵ ج ۲) وقال اللہ تعالیٰ۔ فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ — محمد انور ۲۶-۲-۱۴۱۸ھ

حال کے صیغہ سے طلاق کا حکم

س ما قولکم ایھا العلماء الکرام۔ میں امان اللہ خاں ولد عبداللہ خاں مقبول بی بی دختر شیراز خاں کو شرعی لحاظ سے پہلی طلاق دیتا ہوں۔ دوسری طلاق دیتا ہوں، تیسری طلاق دیتا ہوں۔ آج مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کے بعد میرا اس سے کوئی لین دین نہیں ہے۔ اب قابل غور بات یہ ہے۔ کہ کیا طلاق کے واسطے لفظ ماضی کا ہونا ضروری ہے؟ طلاق دیتا ہوں۔ تو بظاہر لفظ حال معلوم ہوتا ہے۔ کیا اس لفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا نہ۔ نیز آج مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کا جملہ پہلے لفظ طلاق دیتا ہوں کا مؤید ہوگا۔ یا تعلیق طلاق کا فائدہ دے گا۔ پھر مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد کیا ہوگا۔ برائے مہربانی تمام شقوں پر غور فرما کر جواب مفصل و مدلل بحوالہ کتب دیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اور طلاق دہندہ کا لفظ "آج مورخہ الخ" مضمون سابق کی تاکید ہے۔ یہ لفظ تو صراحةً حال کے ہیں۔ صیغہ مضارع جو کہ حال و استقبال دونوں کا ہے۔ اس میں حال کا معنی غالب ہو۔ تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فھذا اولیٰ وفی الشامیة وکذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقک کما فی البحر ص۴۳۰ ج ۲

اب بدوں حلالہ مذکورہ عورت سے نکاح جدید صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱-۴-۱۴۰۲ھ

بیوی کو جھگڑے کے دوران لفظ طلاق کہا اور دعویٰ کرتا ہے کہ میری مراد دوسری بیوی تھی

کیا ارشاد ہے حضرات علماء کرام کا کہ زید کی دو منکوحہ بیویاں ہیں۔ ایک کئی سال سے راولپنڈی میں مقیم ہے۔ اور دوسری ملکوال میں زید کے ہاں رہائش پذیر ہے۔ زید کا مسمات ھندہ سے اکثر جھگڑا رہتا ہے۔ ایک روز دوران جھگڑا زید نے مسمات ھندہ کو کہا کہ " مجھ پر رن طلاق ہے کہ میں بلاواں" بعد ازاں گفتگو کے دوران زید نے ھندہ سے کہا کہ میں نے صرف تجھ پر رُعب ڈالنے کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں، اور میرے تصور میں دوسری بیوی تھی، چند روز بعد پھر زید کا ھندہ سے جھگڑا ہوا تو زید نے کہا کہ " مجھ پر رن طلاق ہے کہ میں تجھے بُلاواں" پھر زید نے کہا کہ اسی وقت ہماری بول چال ہوگئی ھندہ نے مجھے بُلا کر کہا کہ تو دو بار طلاق دے چکا ہے میں نے کہا کہ دوسری بیوی کی طلاق کہی ہے تیری نہیں، اس پر جھگڑا زیادہ ہوگیا۔ تو میں نے کہا کہ " اُس کی ترے ہوگیاں۔ ہوگیاں ہاں تے ہوگیاں"

ھندہ کا بیان ہے کہ پہلی طلاق نلکے کے پاس زید نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ اٹھائی اور دوسری بھی اُسی طرح برآمدے میں اٹھائی اور میرے پوچھنے پر اُس نے مذکورہ بالا ہی جواب دیا پھر کئی روز بعد جھگڑا ہوا، میں باہر کسی کام کے لئے جانا چاہتی تھی اور زید مجھے روکتا تھا۔ میرا اصرار تھا تو زید نے کہا کہ " مجھ پر رن طلاق ہے کہ تو واپس گھر آویں" ھندہ نے کہا کہ زید کہتا ہے کہ یہ آخری طلاق میرے ذہن میں نہیں آتی، جو کمرے میں ہوئی، پھر ہمارا جھگڑا ہوا اور میرے والدین آئے اور زید نے میری والدہ کے روبرو مجھے کہا کہ " اگر آج تو مجھے طلاق بھی کہے تو میں دینے کیلئے تیار ہوں" میری والدہ واپس چلی گئی۔ میں نے رات زید کو بلایا اور کہا کہ ایک طلاق تو نے نلکے کے پاس اٹھائی، دوسری برآمدے میں اٹھائی۔ ابھی تیسرا میں نے نام ہی نہیں لیا کہ زید نے یہ الفاظ کہے کہ " تریئی میں کمرے تے وچ چا اٹھائی ترے پوریاں تھی گیاں نوں، پوریاں تھی گیاں

نوں ہاں تے پوریاں لکھی گیاں نوں "میں یہ حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ تمام تر جھگڑے کے دوران میری طرف سے وجہ اختلاف دوسری بیوی کی طلاق نہیں تھی۔ بلکہ ہمارا جھگڑا صرف اور صرف اپنی ناچاقی کی وجہ سے تھا۔ دوسری بیوی کئی سال سے راولپنڈی میں مقیم ہے اس کا ہمارے پاس آنا جانا ختم ہے

بکر نے زید اور ہندہ کے بیان کے بعد زید سے کہا کہ آپ نے چند روز قبل مجھے کہا تھا۔ کہ جھگڑے کے دوران میں نے ہندہ کو کہا کہ تیرے پوریاں ہوگیاں نوں، پوریاں ہوگیاں نوں، بقول زید کے ہندہ کا جھگڑا تھا کہ تونے مجھے طلاق دی اور میں نے کہا کہ میں تے دوسری کو دی، بکر نے ہندہ سے پوچھا کہ کیا تم نے کوئی بات کہی جس کے جواب میں زید نے یہ الفاظ کہے تو ہندہ نے کہا کہ میں نے زید کو کہا کہ تونے ایک طلاق تلکے کے پاس اٹھائی، دوسری طلاق برآمدے میں اٹھائی اور تیسری کا اکھی میں تے نام نہیں لیا کہ زید نے کہا کہ "تریئی میں کمرے دسے وچ آکھی تیرے پوریاں لکھی گیاں نوں، پوریاں لکھی گیاں نوں، ہاں تے پوریاں لکھی گیاں نوں۔ بکر نے زید سے پوچھا کہ تم نے لفظ طلاق استعمال نہیں کیا جس کی تائید ہندہ کر رہی ہے مگر ہندہ کے بیان کردہ باقی جملے صحیح ہیں تو اس نے جواب میں کہا کہ "ٹھیک ہے جی" بعد ازاں بکر نے زید سے پوچھا۔ تو اس نے کہا۔ کہ ہندہ کا بیان ٹھیک ہے مگر میں نے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ "توں جے آکھنی ایں" پھر کہا کہ میں نے دو طلاق دوسری بیوی کو یکے بعد دیگرے دیں تجھ کو نہیں، ہندہ نے کہا کہ تونے تین کہی ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے "ترے نہیں آکھیاں" دو میں تے کہی ہیں تصور دوسری بیوی کا تھا، میں نے تجھ کو نہیں کہیں، جھگڑا بڑھ گیا تو کہا "تیرے پوریاں ہوگیاں نوں، پوری ہوگیاں نوں ہاں تے پوریاں ہوگیاں نوں" جھگڑا اسی طلاق کا تھا ہندہ کہتی تھی کہ تونے تین کہیں میں نے کہا کہ دو کہیں تصور دوسری بیوی کا تھا۔

بکر نے زید اور ہندہ کے روبرو کہا کہ زید نے طلاق کہی مگر تصور دوسری بیوی کا تھا۔ صرف ہندہ پر رعب ڈالنے کے لئے، اسی طرح دوسری طلاق بھی کہی گئی، دوسری بیوی کا تصور تھا، اور جھگڑا ہندہ سے، اب صرف اختلاف کمرے کے اندر کا ہے، ہندہ کہتی ہے کہ تونے تیسری طلاق کمرہ میں دی ہے زید نے اسی کے جواب میں کہا کہ "میں تے تیسری طلاق کمرہ میں نہیں دی، میں بولا ہی نہیں" پھر غصہ کی وجہ سے اختلاف بڑھ گیا، لڑائی تک نوبت گئی، اس وقت زید نے کہا کہ تیرے پوریاں

ہوگیاں نیں، پوریاں ہوگیاں نیں، پوریاں ہوگیاں نیں، تھوڑی دیر بعد زید نے پھر کہا کہ " اس وقت یہی کہا تھا کہ تیرے پوریاں ہوگیاں، ہوگیاں، تیرے پوریاں ہوگیاں نوں، ہاں تے ہوگیاں، بعد ازاں ہندہ نے کہا کہ زید نے کئی بار کہا کہ " بلا والد کو اور لے طلاقاں "

آخر میں بکر نے زید اور ہندہ کے سامنے کہا۔ کہ دو دفعہ کی طلاقوں پر اختلاف نہیں ہے۔ اور تیسری کے بارے میں ھندہ کے بولنے سے قبل ہی زید نے کہا کہ " میں نے تیسری طلاق نہیں کہی۔ اگر توں آکھنی۔ تیرے پوریاں ہوگیاں، پوریاں ہوگیاں۔ ہاں تے پوریاں ہوگیاں۔ بکر نے زید سے پوچھا کہ کیا یہی بات ہے؟ تو زید نے کہا کہ " ٹھیک ہے جی " اس کے بعد زید کے کہنے پر بکر نے اس مسئلہ کے بارے میں ایک تحریر لکھی اور زید کو سنائی تو زید نے " تیرے " کے لفظ سے انکار کر دیا، بکر نے زید کو وہ کیسٹ سنائی جس میں زید کے یہ الفاظ ریکارڈ تھے۔ تو زید سن کر خاموش ہوگیا۔ پھر ایک روز زید نے بکر سے کہا کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں۔ یہ " تیرے " کا لفظ نکال دیں، مگر بکر نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ یہی مسئلہ زید نے عمر سے بیان کیا۔ اور عمر نے زید کی باتیں ریکارڈ شدہ سنیں اور تصدیق کر دی۔ کہ واقعی یہ آواز زید کی ہے اور مسمات ھندہ کی ہے۔ زید بھی اعتراف کرتا ہے کہ یہ ریکارڈ شدہ بیان میرا ہے۔ اور میں نے خود ریکارڈ کرایا ہے۔ تاکہ شرعی صورتِ حال سے نہایت احتیاط کے ساتھ معلومات ہوسکے

اب حضرات علماءِ دین سے التماس ہے کہ بیان فرمائیں، ھندہ اور زید شرعی اعتبار سے میاں بیوی ہیں یا ان کے مابین طلاق واقع ہوچکی ہے؟ اگر طلاق واقع ہوئی ہے تو کس بیوی پر، براہِ نوازش شرعی حکم سے مطلع فرمایا جائے۔ فقط والسلام المستفتی محمد عبد اللہ فقیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــــ حامداً و مصلیاً

الجواب تحریری سوال اور میاں بیوی کی ریکارڈ شدہ گفتگو سے درج ذیل امور واضح ہوئے

(۱) زید کا اپنی بیوی ہندہ سے اکثر جھگڑا رہتا تھا اور اس جھگڑے میں دوسری بیوی کا کوئی دخل یا ذکر نہیں ہوتا تھا۔

(۲) طلاق کے الفاظ یہ ہیں " مجھ پر ترن طلاق ہے کہ میں بلاواں "

(۳) دوسری بار پھر زید کا اسی عورت ھندہ سے جھگڑا ہوا تو زید نے کہا "مجھ پر رن طلاق ہے"
(۴) تیسری بار جب جھگڑا ہوا تو اس کی صورت یہ ہے کہ زید برآمدہ میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور ھندہ قریب سے گذری تو زید نے ھندہ کو شلوار سے پکڑتے ہوئے اپنی طرف بلایا۔ تو ہندہ نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور اپنے کمرہ میں چلی گئی، زید اٹھ کر وہاں گیا اور پوچھا کہ کیا تو مجھ سے نفرت کرتی ہے؟ ھندہ نے جواب دیا کہ جب تونے مجھے تین بار طلاق دے دی تو تعلق ختم، تو زید نے کہا کہ میں نے دو بار یہ لفظ بولا کہ "مجھ پر رن طلاق ہے" اور اس طلاق سے مراد دوسری بیوی تھی جو راولپنڈی میں مقیم ہے۔ تجھے صرف ڈرانا مقصود تھا، تیسری بار میں نے لفظ طلاق استعمال نہیں کیا۔ پھر جھگڑا شروع ہوگیا۔ ھندہ نے کہا کہ تونے تین دفعہ الگ الگ مقام پر یہی لفظ استعمال کیا۔ ایک بار نلکے کے پاس، دوسری بار برآمدہ میں، تیسری بار کمرہ میں اور تمہارا خطاب میری طرف تھا۔ نہ کہ دوسری عورت کی طرف، تو زید نے اسی لڑائی جھگڑے میں کہا کہ اگر تو کہتی ہے کہ میں نے تین بار ایسا ہی کہا ہے تو پھر ترے پوریاں ہوگیاں نوں، ترے پوریاں ہوگیاں نوں، ہاں ترے پوریاں ہوگیاں نوں۔

(۵) ان دونوں کے جھگڑے کے درمیان طلاق کا بھی ذکر ہوتا رہتا تھا اور اس دن ھندہ کی والدہ کے سامنے بھی یہی ذکر ہوا کہ اگر تم طلاق چاہتی ہو تو ہوجائے گی۔

(۶) ھندہ کہتی ہے کہ زید نے طلاق مجھے ہی دی اور تین بار دی اور آخر کار کہا کہ ترے پوریاں ہوگیاں نوں اور زید کہتا ہے کہ میں نے دو بار یہ کہا اور طلاق سے نیت دوسری عورت کی تھی نہ کہ ہندہ کی۔ لیکن بیان ریکارڈ کرنے والے نے جب زید سے پوچھا کہ تونے ھندہ کے کہنے پر کہ طلاق مجھے ہی مقصود تھی اور تونے تین بار یہ لفظ کہے کہ ترے پوریاں ہوگیاں نوں، کہے تھے تو زید نے جواب دیا (آہستہ سے) کہ ہاں۔ ان چھ امور میں سے اب قابل غور بات زید کے دونوں جملے ہیں۔

(۱) مجھ پر رن طلاق ہے (۲) ترے پوریاں ہوگیاں نوں۔

کیا اس سیاق وسباق میں زید کی نیت معتبر ہوسکتی ہے؟

پہلا جملہ:- اب ہم کتب فقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، کہ کیا اس سیاق وسباق میں زید کی نیت معتبر ہے۔ ولو کان لہ زوجتان اسم کل واحدۃ منھما زینب احداھما صحیحۃ النکاح و الاخری فاسدۃ النکاح فقال زینب طالق۔ طلقت صحیحۃ النکاح وان قال

عنیت به الاخری لا یصدق قضاءً فتاویٰ قاضیخاں ص ۴۵۸/۱
بحر الرائق جلد سوم ص ۲۶۴

ولو قال امرأته طالق ولم یسم وله امرأة معروفة طلقت استحسانًا ولو قال لی امرأة اخری وایاها عنیت لا یقبل قوله الا ان یقیم البینة بحر الرائق جلد سوم ص ۲۷۲

ترجمہ:۔ اگر کسی مرد نے کہا کہ اس کی بیوی کو طلاق ہے اور اس کا نام نہ لے اور اس کی یہ بیوی مشہور و معروف ہو (یعنی یہی عورت اس کی بیوی ہے) (دوسری بیوی غیر معروف ہے) تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اب اگر وہ کہے کہ میری ایک اور بیوی بھی ہے اور وہی میرا مقصد تھا یعنی میں نے اسے طلاق دی تو اس کی یہ بات قابل قبول نہیں ہوگی۔ ہاں اگر وہ موقعہ کے اس بات پر گواہ قائم کر سکے، تو معلوم ہوا کہ زید کا جھگڑا ہندہ سے تھا تو ’’رن‘‘ یعنی بیوی سے مراد بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہر طلاق ہندہ کی طرف منسوب ہوگی قضاءً

دوسرا جملہ۔ ’’توں کہتی ہے تو‘‘ ’’ترے پوریاں ہوگیاں توں‘‘

اب اس جملہ میں دو الفاظ قابلِ غور ہیں (۱) ترے (۲) نُوں

(۱) کیا ترے یعنی تین سے مراد کیا ہوگی، لازمی بات ہے کہ جب سارے جھگڑے میں ایک بار نہیں بلکہ تین متفرق موقعوں پر جھگڑا ہوا تو بات طلاق کی ہی تھی تو تین سے مراد بھی تین طلاق ہی ہوگی

(۲) نوں ہماری پنجابی میں لفظ خطاب ہے اس جملہ کا ترجمہ اردو میں یہ ہوگا تجھے تین طلاق پوری ہوگئی ہیں۔ عربی میں ترجمہ یوں ہوگا۔ لو قال انت طالق ثلاثاً فقد طلقت طلاقاً ثلاثاً

ولو حذف القاف من طالق فقال انتِ طالِ فان کسر اللام وقع بلا نیة والا فان کان فی مذاکرة الطلاق والغضب فکذلک والا توقف علی النیة کذا فی الخانیة وفی الجوهرة

بحر الرائق جلد سوم ص ۲۷۴۔ فتاویٰ قاضی خاں ص ۴۶۳/۱

وفی المحیط لو قالت المرأة انا طالق فقال الزوج نعم کانت طالقًا ان نوی به طلاقًا مستقبلًا وان نوی به الخبر عما مضی وقع ۔ وفی البزازیة قالت له انا طالق فقال نعم طلقت ۔ (بحر الرائق جلد سوم ص ۲۷۴)

ان عبارات کا مطلب یہ ہے کہ مذاکرہ طلاق اور غصہ کی حالت میں طلاق کا جو لفظ بھی اس نے استعمال کیا۔ اس سے مراد طلاق ہی ہوگی۔ مرد کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اگر عورت اپنے خاوند

کو مخاطب کر کے کہے کہ میں طلاق ہوں یعنی تُو نے مجھے طلاق دے دی اس کے جواب میں خاوند نے کہا ہاں۔ تو عورت مطلقہ ہوجائے گی۔ زید نے مسئولہ صورت میں دو بار یہ کہا کہ "تیرے پوریاں ہوگیاں نوں"، پہلی بار ھندہ کے کہنے پر کہ تو نے مجھے ہی ہر بار مخاطب کیا اور تین بار ایسا کیا۔ تو اس نے کہا کہ "تیرے پوریاں ہوگیاں نوں" دوسری بار جب دونوں کی گفتگو ریکارڈ ہو رہی تھی تو ریکارڈر نے زید سے پوچھا کہ کیا تو نے ھندہ کے سوال پر یہ کہا تھا تو زید نے بہت مجبور ہو کر آہستہ سے ہاں کہا۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اس نے بعد میں ریکارڈر سے کہا کہ آپ کسی طرح تیرے کا لفظ نکال دیں۔

ان تمام قرائن اور سیاق وسباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید نے ھندہ کو ہی ہر بار مخاطب کیا اور اسے ہی طلاق دی اور پھر آخری جملے سے تو تمام شک وشبہ رفع ہوجاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے پہلے تجھے طلاق نہیں بھی دی تو اب تجھے تین یعنی طلاقیں پوری ہوگئی ہیں۔

ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ ۲۲-۱۱-۱۴۱۰ھ

عزیز الرحمٰن قاضی جسیال
7 - 3 - 90

نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید شراب نوشی کا عادی ہے اور ایک داشتہ سے تعلقات رکھتا ہے۔ بحالت نشہ اس کو بیوی نے لعن وطعن کی۔ تو اس نے بیوی کو سات مرتبہ کہا کہ "میں نے تجھے طلاق دی تو حرام ہے" صورت مسئولہ میں کونسی طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی۔ قاری عصمت اللہ متعلم خیر المدارس ملتان

الجواب حامداً ومصلیاً صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔ اب بدون حلالہ نکاح جدید صحیح نہیں۔ ویقع طلاق کل زوج بالغ الخ ولوسکرا ولو بنبیذ او حشیش او افیون او بنج زجراً بہ یفتی ص۴۵۶ ج۲ تصحیح القدوری اھ

(الدر المختار علی رد المحتار ص۴۲۴ ج ۲)

الجواب صحیح۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

محمد صدیق غفرلہٗ مدرس
خیر المدارس ملتان ۱۰-۱۰-۱۳۹۸ھ

اگر میں تمہارے قریب آؤں تو سؤر کا بچہ ہوں ایلاء نہیں

صورت مسئلہ یہ ہے۔ کہ مظفر علی نے اپنی زوجہ عطیہ کو کہا کہ میں سؤر کا بچہ ہوں اگر تیرے پاس آؤں۔ تو کیا ایلاء کی صورت ہو جائے گی؟

الجواب قال فی الفتاوی الشامیۃ ج ۳ ص۵۷ تحت قولہ وظاھر کلام الکمال لا حیث قال ان معنی الیمین ان یعلق الحالف ما یوجب امتناعہ من الفعل بسبب لزوم وجودہ ای وجود ما علقہ کالکفر عند وجود الفعل المحلوف علیہ کدخول الدار وھنا لا یصیر بمجرد الدخول زانیا او سارقا حتی یوجب امتناعہ عن الدخول بخلاف الکفر فانہ بمباشرۃ الدخول یتحقق الرضی بالکفر فیوجب الکفر۔ اس کلام سے مفہوم ہوا۔ کہ ان الفاظ سے ایلاء نہیں بنے گا۔ بلکہ اس قبیل کے اندر حلف کے لئے تعلیق بالکفر والیہودیۃ والنصرانیۃ وغیرہ ہونا موجب یمین ہوتا ہے۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ — ۹ — ۱۳۸۲ھ

بیوی والدین کو ایذاء دیتی ہو تو طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بیوی کا رویہ شوہر کے والدین کے ساتھ بہت نازیبا ہو۔ اور وہ ان کی اذیت کا باعث بن رہی ہو۔ تو اس کو اگر طلاق دے دی جائے تو شوہر کے اوپر کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ بینوا توجروا

المستفتی:۔ ریاض احمد ہال روڈ ہاسٹل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور

الجواب باسمہ تعالیٰ:۔ ایسی حالت میں طلاق دینا درست بلکہ مستحب ہے۔ اور طلاق دینے کی اچھی صورت یہ ہے۔ کہ جب وہ عورت حیض سے پاک ہو۔ اور اس پاکی کے عرصہ میں خاوند کی اس سے ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ اس وقت اس کو ایک طلاق دے دی جائے۔ اور یہ کہہ دیا جائے۔ کہ میں نے تجھ کو طلاق دے دی۔ رد المحتار میں ہے۔

(قولہ وایقاعہ) ای الطلاق مباح بل یستحب لو موذیۃ (قولہ لو موذیۃ) أطلقہ فشمل

الموذیۃ له أولغیرہ بقولہا اوبفعلہا (ردالمحتار ص۴۵۱ ج۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح | بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہٗ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ ۱۸-۴-۱۴۱۰ھ | ۱۸-۴-۱۴۱۰ھج

عدالتی فسخ صرف بعض صورتوں میں معتبر ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں۔ کہ مسماۃ سلمیٰ نے محمد بشیر خاں سول جج وہاڑی کی عدالت میں اپنے خاوند محمد حنیف کے خلاف، دعوٰی تنسیخ نکاح کیا ہوا تھا۔ اور خاوند نے بھی اعادۂ حقوق زن وشوہر کا دعوٰی کر رکھا تھا۔ جج صاحب نے ہر دو مقدمات کو ملا کر مندرجہ ذیل سات تنقیحات مرتب کیں (۱) مدعا علیہ کا سلوک مدعیہ کے ساتھ مسلسل ظالمانہ ہے (۲) مدعا علیہ بدنام عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے (۳) مدعا علیہ مدعیہ کو غیر اخلاقی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے (۴) مدعا علیہ مدعیہ پر بدچلنی کا جھوٹا الزام لگاتا رہا ہے (۵) مدعا علیہ نے مدعیہ کو ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ سے کوئی چیز، خرچہ وغیرہ نہیں دیا (۶) کیا اب فریقین حدود اللہ میں رہ کر میاں بیوی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں (۷) کیا مدعا علیہ اعادۂ حقوق زن وشوہر کا حقدار ہے؟

فاضل جج مجسٹریٹ نے ان تنقیحات پر علیحدہ علیحدہ بحث کر کے آخر عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری دیدی۔ جس پر خاوند نے اپیل کر کے اس ڈگری کو کالعدم قرار دینے کا دعوی کیا۔ تو اپیل کا فیصلہ اس کے حق میں ہوا۔ اور تنسیخ نکاح کا فیصلہ کالعدم قرار دے دیا گیا اس کے متعلق ہماری رہنمائی فرماویں۔ بینوا توجروا

المستفتی:۔ محمد حنیف ولد مہر دین ساکن کوٹ مظفر تحصیل میلسی ضلع ملتان

الجواب حامداً ومصلیاً، حاکم کے اختیارات شرعاً غیر محدود نہیں کہ اس کا ہر فیصلہ بہر حال نافذ اور واجب التسلیم ہی ہو۔ بلکہ قاضی اور جج کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔ اور اس کا وہی فیصلہ نافذ ہوگا۔ جو اپنے دائرہ اختیارات کے اندر رہتے ہوئے کیا گیا ہوگا۔ عقود رسم المفتی میں ہے والقاضی المقلد اذا قضی علی خلاف مذھبہ لاینفذ اھ وبہ جزم المحقق فی فتح القدیر وتلمیذہ العلامۃ قاسم (ص۲۶ ج۱) نیز شرعاً فریقین کو اپیل کا حق

بھی دیا گیا ہے اور مخصوص صورتوں میں ماتحت عدالت کے فیصلوں کو رد بھی کیا جا سکتا ہے درمختار میں ہے واذا رفع الیہ حکم قاضی ..... اٰخر ..... نفذ ..... الا ما عری عن دلیل مجمع او خالف کتابا لم یختلف فی تاویلہ السلف کمتروک تسمیۃ او سنۃ مشہورۃ کتحلیل بلا وطئ لمخالفتہ حدیث العسیلۃ المشہور او اجماعا کحل المتعۃ لاجماع الصحابۃ علی فسادہ وکبیع ام ولد علی الاظہر الخ (ردالمحتار ص۳۲۹ ج ۴) اور صورت مسئولہ میں چونکہ خاوند کا تعنّت ثابت نہیں جیسا کہ تفصیل شہادت کے فیصلے سے ظاہر ہے۔ اور خاوند اعادہ حقوق زن کا خواہاں ہے۔ پس ایسی صورت میں جج کو شرعاً فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ پس انفساخ نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے عورت خاوند اول کے نکاح میں ہے۔ بذریعہ خلع شرعی یا طلاق علیحدگی کی کوشش کی جائے۔ اگر عورت آباد نہیں ہونا چاہتی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۸-۱-۱۳۸۶ھ	خیر المدارس ملتان

ایک عبارت کے ایلاء یا تعلیق ہونے کی تحقیق

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ مسمی مولوی مہر علی نے حسب ذیل عبارت پر دستخط کئے کہ

میں مسمی مہر علی ولد میاں زین العابدین اپنے ہوش وحواس قائم رکھتے ہوئے تحریر کرتا ہوں۔ اگر عبدالحمید ولد غلام محبوب اپنی بیٹی رشیدہ بی بی مجھے نکاح کر دے تو اس کے بعد میں اپنی منکوحہ زہرہ بی بی کو آباد کر دوں یا گھر لے آؤں تو زہرہ بی بی میری منکوحہ مجھ پر تین طلاق حرام ہے۔ مندرجہ بالا مضمون لکھ دیا ہے کہ سند رہے اور تمام گواہوں کو یاد رہے۔ مذکورہ بالا مضمون پڑھ لیا ہے اور تصدیق کرتا ہوں۔ مہر علی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ ایلاء ہے یا تعلیق۔

سائل محمد امیر اترا

الجواب ایلاء میں ضروری ہے کہ ایلاء کنندہ یا حانث ہو جاتا ہے (جبکہ مدۃ ایلاء کے اندر جماع کر لے) یا مدۃ ایلاء گزرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جاتی

ہے۔ تیسری صورت ممکن نہیں ہوتی۔ اور زیر بحث صورت میں اس کا امکان موجود ہے کہ مولوی مہر علی مدۃ ایلاء میں جماع کرلے اور حانث نہ ہو جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ اگر مولوی صاحب۔ زہرہ بی بی کو اپنے گھر بھی نہیں لاتے اور کوئی دوسرا امکان ہے کہ اس میں اسے آباد بھی نہیں کرتے۔ کہ اس کے نان ونفقہ وغیرہ میں اس کا انتظام کردیں۔ اور خود بھی کبھی وہاں چلے جایا کریں۔ جسے عرف عام میں آباد کرنا کہا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں عمل میں نہیں لاتے۔ مگر دوسرے کسی مقام پر اتفاقاً میاں کا اجتماع ہو جاتا ہے اور جماع کرلیتے ہیں۔ تو اس صورت میں مولوی صاحب قطعاً حانث نہیں ہوں گے۔ ایسے اتفاقی اجتماع کو عرفِ عام میں قطعاً آباد کرنا تصور نہیں کیا جاتا ہے پس جب یہ احتمال موجود ہے۔ تو یہ ایلاء نہیں بلکہ تعلیق ہی ہے فقط واللہ اعلم بندہ عبدالستار عفی عنہ ۲۹ شعبان ۱۴۱۲ھ

طلاق کی قسم اُٹھوانے کا حکم:

زید پر چوری کا الزام ہے۔ زید کہتا ہے میں مدعی کو ہر طرح اطمینان دلانے کے لئے تیار ہوں۔ کیا مدعی زید سے طلاق کی قسم اٹھواسکتا ہے۔ عبدالحمید مدرسہ نعمانیہ ڈی۔ جی۔ خان

الجواب مدارِ فیصلہ وہی قسم ہے جو اسماء الٰہیہ کے ساتھ اُٹھائی جائے البتہ تخویف وغیرہ کے لئے طلاق کی قسم کی دھمکی دی جاسکتی ہے وظاھرہ ان القائل بالتحلیف بھما (بالطلاق والعتاق) یقول انہ غیر مشروع ولکن یعرض علیہ فلعلہ یمتنع اھ (شامی ص ۴۴۶ ج ۳) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷-۴-۱۴۰۱ھ

مرتد سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں

زید کمیونسٹ ہوگیا اسلامی احکام وعقائد سے نفرت وبیزاری کا علانیہ اظہار کرتا ہے۔ قرآن مجید کو پرانی کتاب ناقابل عمل کہتا ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں روسی نظام ونظریات وافکار کی تعریف کرتا ہے۔ اور دہریت کا اتنا دلدادہ ہے کہ اپنی منکوحہ مسماۃ ہندہ

کو نماز ادا کرنے اور رمضان میں روزے سے روکتا ہے۔ بلکہ روکنے سے زیادہ مار پٹائی کرتا ہے۔ اس صورت میں نکاح باقی ہے؟ اگر وہ تائب ہو جائے تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟

الجواب اگر واقعۃً صحیح ہے کہ زید اسلامی عقائد سے نفرت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ مرتد ہے اس کی بیوی اس دن سے جب سے اس نے یہ کلمات کفر منہ سے بکے ہیں آزاد ہے طلاق لینے کی ضرورت نہیں۔ بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور حکومت پاکستان کو لازم ہے کہ اس شخص کو صرف تین دن کی مہلت دے کہ اپنے شبہات اسلام کے بارہ میں علماء اسلام سے رفع کر لے۔ اگر شبہات ختم کر کے اسلام میں داخل ہو جائے تو فبہا ورنہ یہ شخص واجب القتل ہے حکومت اس کو قتل کر دے۔ دوسرے شخص کو اجازت نہیں۔ فقط

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بیوی خاوند کو طلاق دیدے تو ہو جائے گی یا نہیں؟

السلام علیکم۔ گذارش ہے میاں بیوی میں گھریلو مسائل پر آپس میں لڑائی ہوتی ہے جس کے بعد بیوی اپنے خاوند سے لڑ کر اس کے گھر کو چھوڑ کر علیحدہ اپنے بچوں کے ساتھ رہنے لگتی ہے لڑائی کی دجوہات شریک لوگوں کا عورت کو اکسانا ہے جب کہ خاوند ایسے لوگوں سے میل ملاپ کرنے سے منع کرتا ہے لیکن عورت خاوند کی بات نہیں مانتی۔ اور کہتی ہے کہ ہم ان کو ملیں گے جو رشتہ میں عورت کے ماموں کے لڑکے ہیں جو غیر محرم کی تعریف میں آتے ہیں اور پھر جب لڑ کر جاتی ہے تو کہتی ہے کہ مجھے طلاق دے دو۔ اور ایک دفعہ طلاق کا لفظ استعمال کرتی ہے۔ عرصہ پانچ سال سے علیحدہ چھوٹے لڑکے کے مکان میں رہ رہی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ چونکہ میں نے طلاق دے دی کہا ہے لہذا اب عورت اور خاوند کا رشتہ ساقط ہو گیا ہے۔ اس کے لئے شرعی احکام سے مطلع کریں۔ کیا شرعی لحاظ سے یہ ایسا ہی ہو سکتا ہے جبکہ خاوند نے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا۔ نہ ہی تحریری طلاق دی ہے محمد انور جمشید

2۔ اولاد کو بھی وہ ورغلاتی ہے اولاد کو کوئی جب کہے کہ والد کے حقوق کا خیال کرو تو لڑکے کہتے ہیں کہ رسول پاک نے تین دفعہ ماں کے قدموں میں جنت کہا ہے اور والد کے لئے ایک دفعہ کہا ہے لہذا والد کے لئے کوئی حقوق نہیں بتائے بلکہ والدہ ہی مقدم ہے جبکہ بیوی۔ لڑکا دو دفعہ حج کر آئے ہیں۔ لیکن اجازت نہ لی تھی اس کے لئے شرعی اسلامی احکام قرآن کے حوالہ سے

مفصل واضح کریں۔

الجواب صورت مسئولہ میں عورت کے الفاظ طلاق کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔ اگر واقعی خاوند نے زبانی یا تحریری طلاق نہیں دی۔ تو اس کا نکاح اپنی بیوی کے ساتھ بدستور باقی ہے نکاح ختم نہیں ہوا۔ تعظیم کے لحاظ سے باپ کا حق مقدم ہے۔ اولاد پر واجب ہے کہ دونوں (والدین) کی خدمت و احترام کریں۔ کسی کی بھی حق تلفی جائز نہیں فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ ۳-۵-۱۴۱۷ھ

میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو تفریق کی صورت

ایک عاقل و بالغ شادی شدہ عیسائی خاتون اپنی کامل رضامندی سے اسلام قبول کر لیتی ہے۔ لیکن اس کا غیر مسلم شوہر اسلام قبول نہیں کرتا ہے۔ اس کی تاحال کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ وہ خاتون حمل سے ہے اس صورت میں کافر شوہر کا نومسلمہ سے نکاح رہے گا یا فسخ ہو جائے گا۔ اگر نکاح فسخ ہوگا۔ تو عدت کے بارے میں کیا حکم ہے اور عدت گذارنے کے بعد وہ کن صورتوں میں کسی مسلمان شخص سے نکاح کر سکتی ہے! قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

سائل لئیق احمد طور

الجواب صورت مسئولہ میں مسلمان حاکم مذکورہ مسلمہ کے خاوند پر اسلام پیش کرے۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے یا سکوت کرے تو قاضی/حاکم ان میں تفریق کر دے تفریق کے بعد عدت گذارنے کے بعد عورت آزاد ہے ولو اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الاٰخر فان اسلم والا فرق بینھما کذا فی الکنز (عالمگیری ص ۳۹/۲) (حیلہ ناجزہ ص ۱۹۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفی عنہ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۵-۴-۱۴۱۱ھ

مخبوط الحواس کی طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندریں مسئلہ کہ ایک شخص شوکت نامی دماغی مریض ہے اسے گاہے بگاہے بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں اور شخص مذکور واپڈا میں ملازم بھی ہے اکثر اوقات ٹھیک رہتا ہے

شخص مذکور کو دورہ پڑا۔ تو اس کی بیوی اس کے پاس آئی۔ اس نے بیوی کو ڈانٹا کہ میرے پاس سے چلی جا۔ یہ معاملہ رات کا ہے صبح ہونے پر اس کی بیوی جب اس کے پاس آئی تو اس نے اپنی بیوی کو مخاطب کرکے پانچ چھ مرتبہ طلاق طلاق کے لفظ کہے۔ مذکورہ صورت میں شرعی آگاہی مطلوب ہے۔۔ مذکورہ شخص کے مخبوط الحواس ہونے کا ثبوت دماغی ماہرین کی رپورٹیں موجود ہیں۔ براہ کرم فتویٰ صادر فرمایا جائے طلاق واقع ہوئی یا نہ۔ اور اقسام طلاق میں سے کونسی طلاق واقع ہوئی ہے واسطہ اَن پڑھ لوگوں سے ہے مسئلہ مفصل تحریر فرماویں۔ العارض۔ حاجی ظفر اقبال مکان نمبر 266 بھکر میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ جس وقت شوکت اقبال نے یہ الفاظِ طلاق استعمال کئے۔ وہ حالتِ جنون میں تھا۔ اور میں موقع پر موجود تھا۔

الجواب اگر یہ بات درست ہے۔ کہ طلاق کہتے وقت **شخص** مذکور کو دماغی دورہ پڑا تھا۔ اور اس کی بیوی بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس وقت اس کی حالت دورے والی تھی تو پھر شخص مذکور کے اس طرح کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے والمغمی علیہ ھو لغۃ المغشی۔ وفی الشامیۃ وکذا یقال فیمن اختل عقلہ لکبر أو لمرض أو لمصیبۃ فاجأتہ فما دام فی حال غلبۃ الخلل فی الاقوال والافعال لا تعتبر أقوالہ وان کان یعلمھا۔ شامی ص۴۶۳ ج۲۔ البتہ مسئلہ حلال وحرام کا ہے۔ لہٰذا پورے سوچ سمجھ کیساتھ فیصلہ کرنا چاہئے فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۹/۱/۱۴۱۶ھ

خالی کاغذ دینے سے طلاق نہیں ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی بیوی کو خالی کاغذ دیا۔ اور اس نے نیچے پھینک دیا۔ اور میں نے زبان سے کچھ بھی نہیں کہا۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ بیوی کا بیان۔ یہ کاغذ میں نے ان سے نہیں لیا۔ ہم دونوں میاں بیوی کا حلفیہ بیان ہے کہ وہ کاغذ بالکل خالی تھا۔ اس میں کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا اور زبان سے بھی خاوند نے طلاق نہیں دی۔

الجواب برتقدیر صحتِ واقعہ خالی اور صاف کاغذ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ دونوں شرعاً ناکح ومنکوحہ ہیں۔ حسب سابق زوجین کے مانند رہ سکتے ہیں تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ۔ جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۹/۲/۱۴۱۴ھ

"میں اپنی بیوی سے سات طلاق ہوں" کہنے سے طلاق نہیں ہوگی

زید کا بیوی سے جھگڑا ہوا تو اس نے غصہ میں آکر کہا میں اپنی بیوی سے سات طلاق ہوں تو کیا ان الفاظ سے طلاق ہو جائے گی؟ عبدالقادر بزدار تونسہ شریف

الجواب: اگر خاوند نے خط کشیدہ الفاظ ہی کہے ہیں تو صورت مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی۔ انا منك طالق اوبریٔ لیس بشیٔ ولو نوی (درمختار ج۲ ص۲۳ شامی ج۲ ص۴۴۶) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۲-۱-۹۷ ھ

مکرہ نے صرف لکھ کر طلاق دی تو طلاق نہیں ہوئی

زید سسرال اپنی بیوی کو لینے گیا تو وہاں سالوں نے پکڑ لیا۔ اور اس کو جان سے مارنے لگے۔ مطالبہ یہ تھا کہ طلاق دے دو۔ چنانچہ زید نے جان بچانے کے لئے طلاق نامہ لکھ کر دے دیا۔ کیا طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید نے زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف طلاق نامہ لکھا ہے یا دستخط کئے ہیں۔ تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضیخان اھ (عالمگیری ج۱ ص۳۷۹) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰-۷-۹۶ ھ

سادے کاغذ پر دستخط کرنے سے طلاق نہیں ہوگی

غلام اکبر جیل میں تھا۔ اس کے سسر حمید خاں نے کہا کہ تمہارے لئے وکیل مقرر کرتے ہیں اس کاغذ پر دستخط کردو اور سادے کاغذ پر دستخط کرالئے۔ بعد میں اس پر طلاق لکھ لی جب غلام اکبر رہا ہو کر آیا تو اسے بتایا گیا کہ تو نے تو طلاق دے دی ہے تو کیا اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ غلام اکبر بلوچ ڈیرہ اسماعیل خاں۔

الجواب اگر واقعۃً سادہ کاغذ پر دستخط کئے تھے اور اس نے نہ خود طلاق دی نہ کسی کو طلاق کیلئے وکیل بنایا۔ تو طلاق نہیں ہوئی وکذا للشکل

کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لایقع به الطلاق اذالم یقر أنه کتابه اھ (عالمگیری ص۳۷۹ ج ۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۷ – ۵ – ۱۴۱۰ ھ

مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اپنے گھریلو جھگڑے کے دوران انتہائی غصہ کی حالت میں آگیا۔ جس کے حواس باختہ ہوگئے۔ اور بے خود ہو کر قابو سے باہر ہوگیا۔ جسے اپنے وجود کے سنبھالنے کی خبر بھی نہ رہی۔ دماغ میں زبردست فتور آگیا۔ اسے اتنا علم بھی نہ تھا کہ زبان سے کیا کلمات کہہ رہا ہوں۔ اور کیا انجام ہوگا۔ گویا اس کی حالت دیوانگی جیسی ہوگئی۔ اس حالت میں اس نے اپنی بیوی کے متعلق کہا کہ اسے طلاق ہے۔ طلاق ہے طلاق ہے۔ ان الفاظ کا اسے کوئی پتہ نہیں سننے والوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ آیا ایسی حالت میں شرعاً طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ المستفتی محمد اسلم شاہ ۹/۹۰ ''

جب میں شور سن کر آیا تو اس کی کیفیت ایسی تھی۔ کہ اس کو کوئی اپنی خبر نہ تھی چادر گر کر گھٹنوں تک پہنچ گئی۔ اس نے خود کو نہیں سنبھالا میں نے اس کو سنبھالا۔ پھر وہ اسی بیہوشی کے عالم میں چارپائی پر گر گیا۔ جب میں صبح کے وقت اس کے پاس گیا۔ تو اس نے کہا مجھے رات والے واقعہ کا کچھ علم نہ ہے کسی کے آنے جانے کا اور کچھ بولنے کا مجھے کوئی علم نہیں ہے محمد اسلم شاہ سنانواں

الجواب اگر مسمی محمد ارشد طلاق کے وقت ایسا مدہوش تھا۔ تو اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی ہندیہ میں ہے ولایقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمیٰ علیه والمدهوش (ص۳۵۲ ج۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفی عنہ | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۷-۱۱-۱۴۱۰ ھ

"میں نے نکاح نہیں کیا" کنایات سے نہیں

زید اور خالدہ کا نکاح ہوا یہ نکاح زید کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔ اب زید کہتا ہے کہ میرا کوئی نکاح نہیں میں نے یہ نکاح نہیں کیا اس لئے کہ مجھے یہ پسند نہیں تھا ایک دفعہ خالدہ کی بہن نے اسے بہنوئی کہا۔ تو کہنے لگا میں تمہارا بہنوئی نہیں بلکہ دیور ہوں۔ کیا ان الفاظ سے طلاق ہوگئی؟

الجواب یہ لفظ کنایات طلاق سے نہیں ہے لہذا اگر طلاق کی نیت ہو بھی تو ان لفظوں سے طلاق نہیں ہوئی وان قال لم اتزوجك ونوى الطلاق لا يقع الطلاق بالاجماع كذا في البدائع اھ (عالمگیری ص۳۷۵ ج۲) بخلاف لم اتزوجك لانه لا يحتمل الطلاق لانه نفي فعل التزوج اصلا ورأسا وانه لا يحتمل الطلاق فلا يقع به الطلاق اھ (بدائع ص۱۰۱ ج ۳)

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح ۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

میں اس شہر میں نہیں رہوں گا کہنے کے بعد چلا گیا پھر کبھی کبھی ملنے آئے تو حانث نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص طارق نے اپنے گھریلو تنازعے کی بنا پر غصے میں آکر یہ کہا کہ اگر میں یہاں کانجوالہ میں رہ جاؤں تو مجھ پر طلاق ہے دوبارہ بھی یہی الفاظ کہے کہ اگر میں یہاں کانجوالہ میں رہ جاؤں تو مجھ پر طلاق ہے یہ واقعہ آج سے پانچ برس قبل کا ہے پھر یہ شخص گھر والوں کو لے کر کسی اور دیہات میں چلا گیا تین سال تک خود مع بیوی بچے باہر رہا تین سال کے بعد بیوی بچے اسی موضع کانجوالہ میں آگئے۔ اور تقریباً عرصہ دو سال سے رہائش پذیر ہیں۔ یہ طلاق دینے والا شخص اب تک باہر ہے وہاں رہائش پذیر نہیں ہوا۔ البتہ ان دو سال میں دو تین مرتبہ گھر والوں اور بال بچوں کو ملنے کے لئے گیا ہے۔ مل کر اسی وقت واپس چلا آیا۔ رات نہیں ٹھہرا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب خود اپنی حلف پر یہ شخص قائم ہے۔ بیوی بچوں سے اس کی رہائش ہوگئی ہے یا نہیں اور جو دو مرتبہ لفظ طلاق کا کہا ہے اس کا کیا ہوگا طلاق پڑتی ہے یا نہیں؟ فقط۔ بینوا و توجروا

الجواب: برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مسمی طارق کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ کسی شہر یا بستی کے متعلق ترک سکونت کی قسم کی صورت میں خود نکل جانا کافی ہے۔ بیوی، بچوں اور سامان کو نکالنا ضروری نہیں ھندیہ میں ہے حلف ان لا یسکن هذا المصر فخرج بنفسه وترك اهله ومتاعه فيه لا يحنث۔ وان كانت اليمين على سكنى القرية فهي بمنزلة المصر (صـ۶۷ ج ۲) اگر طارق اس بستی میں بقصد ملاقات وزیارت آیا بنیت سکونت آمد نہیں ہوئی۔ تو قسم میں حانث نہ ہوگا۔ ھندیہ میں ہے ولو حلف وقال اندریں دہ نباشم فخرج باهله ومتاعه ثم عاد وسكن كان حانثا...... قالوا هذا اذا عاد للسكنى والقرار اما اذا عاد للزيارة لا يحنث في يمينه (صـ۶۷ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰-۱۱-۱۴۱۰ھ

بیوی کو ماں بہن کہنا ناجائز ہے مگر طلاق نہیں ہوگی

سوال: زید نے اپنی بیوی کو شدید مارا۔ وہ مظلومہ میکے چلی گئی۔ زید سسرال گیا اور کہا کہ اب اسے لے جاؤں تو ماں بہن کو لے جاؤں اور یہ بھی کہا کہ اب یہ میری ماں بہن ہے میرے دل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ان الفاظ سے طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورۃ مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی البتہ بیوی کو ماں بہن کہنا مکروہ اور ناجائز ہے لو قال ان وطئتك وطئت امی فلا شیء علیہ اھ (عالمگیریہ صـ۱۲۶ ج ۲) ویکرہ قوله انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوه (الی ان قال) وفیہ حدیث رواہ ابو داؤد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول لامرأته يا اخية فكره ذلك ونهى عنه اھ (شامی صـ۵۴۵ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

تو میری کچھ نہیں لگتی سے طلاق نہیں ہوگی

سوال: خالد نے اپنی بیوی جمیلہ کو ناراض ہو کر کہا کہ تو میری کچھ نہیں لگتی صرف ایک مرتبہ یہ الفاظ کہے۔ اور بعد اس کے جمیلہ نے دو مرتبہ پوچھا کہ اچھا میں تیری کچھ نہیں لگتی

تو دونوں ہی مرتبہ خالد نے جواب دیا کہ تو میری کچھ نہیں لگتی۔ بقول خالد کے کہ اپنی بیوی کو ڈرانے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے طلاق کی غرض نہیں تھی۔ آپ فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہ۔ اگر ہوئی تو کونسی واقع ہوئی ہے؟

الجواب اگر مسمی خالد نے صرف یہی کلمات زبان سے کہے ہیں۔ طلاق یا حرام وغیرہ کا کوئی لفظ زبان پر نہیں لایا تو صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی جبکہ طلاق کی نیت نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے لو قال لم یبق بینی وبینك شئ ونوی به الطلاق لا یقع ص۳۷۶ ج ۱ ولو قال لامرأته لست لی بامرأة ..... وان قال نویت الطلاق یقع الطلاق ہندیہ ص۳۷۵ ج ۱۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

صرف ڈھیلے پھینکنے سے طلاق نہیں ہوگی

احمد خاں کا اپنی بیوی سے تنازعہ ہوا وہ بھاگ کر اپنی مٹھی میں ڈھیلے لایا اور بیوی کو کہا کہ یہ ڈھیلے تم نے دیکھے ہیں مگر زبان سے بالکل کوئی لفظ نہیں کہا کیا طلاق ہوگئی

الجواب اگر واقعۃً صرف ڈھیلے اٹھائے ہی تھے اور زبان سے کوئی لفظ نہیں کہا۔ تو طلاق واقع نہیں ہوئی وبه ظهر ان من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلثة احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایة لا یقع علیه اھ (شامی ص۴۱۸ ج ۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸۔۵۔۱۴۰۰ھ

رجوع کیلئے بیوی کا رضامند ہونا ضروری نہیں رجوع قول سے بھی ہوسکتا ہے فعل سے بھی

میرے چچا نے اپنی بیوی کے کردار کو مشکوک سمجھتے ہوئے اُسے لکھ بھیجا۔ کہ میں نے بیوی کو طلاق دی بعد میں غلط فہمی رفع ہوگئی۔ اب وہ رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے لئے عورت کا رضامند ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ خادم حسین رنگپور ضلع مظفر گڑھ

الجواب صورت مسئولہ میں رجوع کرنا درست ہے۔بیوی رضامند ہو یا نہ ہو۔اور رجوع قول وعمل دونوں سے ہوسکتا ہے قول سے رجوع کرے تو اس پر گواہ بھی بنالے اور اسے اطلاع دے دے۔

(۱) اذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها رضيت بذلك او لم ترض اھ (ہدایہ ص۳۷۴ ج۲)

(۲) كما تثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل وهو الوطی واللمس عن شهوة اھ (عالمگیری ص۴۶۹ ج۱)

(۳) فالسنی ان يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها شاهدين ويعلمها بذلك اھ

(عالمگیری ص۴۶۸ ج۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴-۷-۱۴۰۷ھ

مطلقہ غیر مدخولہ سے رجوع کا حکم

مؤدبانہ گذارش ہے کہ ایک سال قبل بندہ کا نکاح ہوا تھا۔مگر اب تک رخصتی عمل میں نہ آئی تھی۔اور نہ ہی کوئی اس قسم کا رشتہ قائم ہوا تھا۔کہ چند روز پہلے بندہ نے کچھ ذاتی وجوہات کی بناء پر تحریراً طلاق نامہ لکھ دیا تھا۔مگر اب بندہ اس طلاق کو واپس لینا یا دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔اگر ایسا ممکن ہے تو تحریراً فتوی عنایت فرمایا جاوے۔آپ کی عین نوازش ہوگی

سائل۔ فیصل قدیر ولد ملک بشیر احمد 60 ولایت آباد نمبر 2 ملتان

جناب عالی۔میں یہ حلفاً بیان کرتا ہوں۔ عرضی نویس نے پہلے من مقر سے کہلوایا کہ میں نے نگینہ کو طلاق دی۔اور پھر لکھنا شروع کیا

یہ لفظ عرضی نویس نے صرف ایک مرتبہ کہلوایا کہ من مقر نے مسماۃ نگینہ کو طلاق دی'

الجواب اگر واقعۃً حقیقت یہی ہے کہ عرضی نویس نے پہلے ایک دفعہ زبانی کہلوایا تھا اور صرف ایک طلاق کا لفظ کہلوایا تھا تو مطلقہ غیر مدخولہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعد محل طلاق نہ رہی۔لہذا باقیماندہ تحریری طلاق لغو ہے۔مذکورہ عورت سے بدون حلالہ دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسئلۂ خُلع

قرآن و حدیث اور فقہائے اُمت کے ارشادات کی روشنی میں عدالت کی جبرًا خلع کرنے کی زبردست تردید وتغلیط !

محترم مفتی عبدالستار صاحب جامعه خیرالمدارس (ملتان)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک اہم سوال خلع کے حوالے سے

کررہاہوں آپ سے گذارش ہے اس بار جلدی جواب دیجئے کیونکہ جن نامور ایڈووکیٹ عالم کے سوال کے سبب خلع کا یہ سوال آپ سے کررہاہوں ان کا انٹرویو رسالے میں دے چکا ہوں ان کے انٹرویو میں بعض سوالات دینی حوالے سے بھی ہیں۔ میں چاہتا ہوں جب ان کا انٹرویو شائع ہو تو خلع سے متعلق آپ کا جواب یا فتوی آچکا ہو اور اس میں شائع ہو خدا کرے آپ فوراً جواب دے دیں۔

سوالات

س۔ مفتی صاحب ہمارے دینی اداروں اور جید علمائے کرام خلع کے حوالے سے جو فتوی دے چکے ہیں بعض اسکالرز اور اپنے طور پر دین کی تحقیق کرنے والے عالم حضرات اس سے مختلف فتوی دے رہے ہیں ملک کے نہایت نامور ایڈووکیٹ جو دینی علم کے حوالے سے بھی بڑا نام رکھتے ہیں انہوں نے ایک اخبار کو

انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ ان کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ خواتین کو سپریم کورٹ آف پاکستان سے خلع کا حق لے کر دیدیا ہے اور یہ کہ اب کوئی عورت جو کسی وجہ سے شوہر سے علیحدگی کی خواہاں ہو عدالت میں جاکر خلع حاصل کر سکتی ہے ان کے بقول قرآن کریم کی آیت اور حضور علیہ السلام کے دور سے وابستہ تین احادیث سے یہ ثابت ہے کہ عورت کو خلع کے لئے مرد سے کسی اجازت یا شرط وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں چونکہ ہم اب تک یہ سنتے اور پڑھتے رہے ہیں کہ خلع کے لئے مرد کی رضامندی بہر حال ناگزیر ہے اگر وہ کسی طور پر خلع دینے پر آمادہ نہ ہو تو خلع ہو تا ہی نہیں ہے اگرچہ عدلیہ نے دیا ہو آپ سے فتوی درکار ہے کہ حقیقی صورتحال کیا ہے یعنی اگر عدلیہ کسی عورت کو خلع دے دیتی ہے تو آیا وہ شرعی طور پر درست ہے یا نہیں۔ اگر درست نہیں تو پھر سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کی کیا کوئی حیثیت نہیں ہے؟ ان کے بقول یہ تو ہم نے قرآن اور احادیث سے سپریم کورٹ میں ثابت کیا ہے کہ خلع کے لئے عورت ہرگز مرد کی اجازت وغیرہ کو رہین منت نہیں اور یہ کہ اگر کسی ایک یا زائد علماء کرام کو اس سے اتفاق نہ ہو تو وہ سپریم کورٹ میں آکر دلائل دیں اور قرآن وسنت سے ثابت کریں کہ اس طرح خلع نہیں ہوتا ہے آپ سے گذارش ہے اس بارے میں واضح فتویٰ دیجئے اور قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں بتایئے بشکریہ!

والسلام

فیاض اعوان کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

آپ نے خلع کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے یہ لکھا ہے
کہ ایک نہایت نامور ایڈووکیٹ کا دعوی ہے کہ اس نے خواتین کو سپریم کورٹ پاکستان سے خلع کا حق لے کر دیا ہے۔ اور ان کا یہ بڑا کارنامہ ہے۔۔۔۔۔۔۔واقعی انکا یہ بڑا کارنامہ ہے لیکن گمراہی کے اعتبار سے نہ کہ ہدایت کے اعتبار سے۔ یہ اصلاح معاشرہ کے حق میں نہیں بلکہ فساد معاشرہ کیلئے ہے قرآن وسنت حضرات صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین اور تیرہ سو سال مسلسل عدالتی فیصلوں کے علی الرغم خلع کا یہ خانہ ساز حق دلانا اسے بڑا کارنامہ نہ کہا جائے۔ تو آخر کیا کہا جائے؟

عدالت اسلامی قانون سازی کا حق نہیں رکھتی بلکہ اسلامی قانون کو نافذ کر سکتی ہے۔ تیرہ سو سال تک جو حق عدالت کے پاس نہ تھا۔ چودھویں صدی میں وہ حق اس کے پاس کہاں سے آگیا؟ وہ خود تہید ست ہے۔ تو ایڈووکیٹ صاحب نے جو عدالت سے لیکر دیا ہے وہ شرعی حق نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہی ہے۔

باقی ایڈووکیٹ صاحب کا یہ کہنا کہ خلع کا یہ حق قرآن کریم اور تین احادیث سے ثابت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ تب قابل تسلیم تھا جبکہ قرآن کریم کا نزول اور احادیث شریفہ کا ورود ابھی ابھی ایڈووکیٹ صاحب پر ہوا ہوتا اور گزشتہ تیرہ صدیوں میں اہل اسلام قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے محروم ہوتے اگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو کیا یہ ممکن ہے۔ کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں ان آیات و احادیث شریفہ کے صحیح فہم سے اُمت محروم رہی ہو۔؟ یہ تو ایسی بات ہے جیسے مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا تھا۔ کہ خاتم النبیین کے معنی سمجھنے سے پوری امت قاصر رہی بقول مرزا صاحب اسکا یہ معنی نہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام آخری

نبی ہیں بلکہ اسکا یہ مطلب ہے کہ آپ نبیوں کیلئے مہر ہیں۔ جسکو نبوت ملے گی آپ ﷺ کی مہر سے ملے گی۔ اس زمانے میں دو مرزائی مبلغین افغانستان کی اسلامی حکومت میں گئے اور انہوں نے خاتم النبیین کا یہی قادیانی معنی بتلایا۔ قاضی القضاۃ نے یہ کہتے ہوئے۔ کہ خنزیر بچّہ آج تک امت کو یہ معنی سمجھ نہیں آیا اور مرزا پر یہ نازل ہوا ہے ؟ انہیں توپ کے سامنے رکھ کر اڑا دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ افغانستان میں قادیانیت اول روز ہی انجام کو پہنچ گئی۔ چنانچہ آجتک افغانستان میں قادیانیت کا نام و نشان نہیں ہے۔

واضح رہے کہ نقل دین میں جیسے سلف کا قول معتبر ہے۔ اسی طرح فہم دین میں بھی سلف کا قول حجت ہے۔ قرآن و حدیث اور اسلامی قانون کی متفقہ تشریح جو سلف سے منقول ہو۔ اس کے خلاف کسی دانشور کی بے جا اجتہادی کاوش کوئی وزن نہیں رکھتی۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے۔ کہ عصر حاضر کی خواہش کے علی الرغم دینی حقائق تغیر پذیر نہیں ------ جبکہ سائنس اور دیگر فنون و صناعات جدیدہ تغیر پذیر ہیں اور ہر لحظہ ان میں تغیرات کا امکان ہے۔ آجکل کے دانشور دینی حقائق کو ان فنون و سائنسی ترقیات پر قیاس کرتے ہوئے ان میں تغیر و تبدل اور ترقی کے خواہاں ہوتے ہیں ------ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ آج سے ہزار سال قبل جو دینی حقیقت تھی ------ اسے آج بھی ویسے ہی قبول کر لیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ زمانہ ترقی کا ہے ہر چیز میں ترقی ہو رہی ہے۔ تو دینی حقائق میں ترقی و تغیرات کا عمل جاری رہنا چاہیے۔

اسکی تائید ------ ان دانشوروں کو مسیحیت کے مختلف سیمیناروں سے مل گئی۔ انہوں مسیحیت کی تاریخ میں پڑھا۔ کہ معاشرے کو جب کسی حرام چیز کے حلال کرنیکی ضرورت پیش آئی۔ تو سیمینار منعقد کرا لئے

گئے ----- اور پادریوں نے زمانہ کی ہوسناکیوں کے مطابق فیصلے دیئے اور صحیح مسائل کو پس پشت ڈال دیا۔

دینی حقائق اور سائنسی انکشافات میں ایک بنیادی فرق ہے ----- دینی حقائق ایسے علم پر مبنی ہیں۔ جن میں جہالت کا شائبہ نہیں سائنسی انکشافات کا مدار ہی جہالت پر ہے ---- تجربات کرتے کرتے، جب کوئی تحقیق یا تھیوری سامنے آتی ہے تو گویا قبل ازیں یہ تحقیق و تھیوری جہالت کے پردے میں مستور تھی جہالت کا پردہ چاک ہوا تو یہ حقیقت منکشف ہو گئی۔ تو تمام سائنسی انکشافات جہالت سے جنم لیتے ہیں انسانی علوم کی یہی حقیقت ہے۔ جہالت زائل ہو ہو کر علم میں اضافہ ہو تا رہتا ہے۔ لیکن دینی حقائق اجماعیہ کا ماخذ علوم وحی ہیں۔ جو علم خداوندی سے ناشی ہیں اور علم خداوندی میں جہالت ہی نہیں۔ تو حقائق دینیہ میں تغیر پذیر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گذشتہ ایک صدی سے اسلام کے نادان دوستوں نے سود کو حلال کرنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن علماء حق اس اٹل حقیقت پر ڈٹے رہے جو تیرہ صدیوں سے مسلسل نقل ہوتی آرہی تھی۔ عصر حاضر کے شور و غوغا سے ہرگز متاثر نہیں ہوئے۔ متاثر بھی کیسے ہوتے جبکہ علماء کا منصب مسئلہ بتانا ہے نہ کہ نیا مسئلہ بنانا اور گھڑنا۔ حرمت سود کے احکام خداوند قدوس کے دربار سے جاری ہوئے ہیں۔ انکی تنسیخ خداوند جل وعلا سے کوئی بڑی اتھارٹی ہی کر سکتی ہے۔ بندوں کو اس میں ترمیم کا کیا حق ہے؟ اسی طرح سمجھئے۔ کہ حق خلع کا مسئلہ شریعت مقدسہ کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اس میں ترمیم کسی کے اختیار میں نہیں۔ اور ایڈووکیٹ صاحب کا کارنامہ شرعی مسئلہ کا اظہار نہیں بلکہ شرعی قانون میں ترمیم اور اسکی تبدیلی ہے۔ جس کے وہ مجاز ہیں نہ کوئی دوسری اتھارٹی۔ اشکال ہو سکتا ہے کہ ایسے واضح حقائق کی موجودگی میں پھر اس حق خلع کے مسئلے کو تبدیل کرنے کے اسباب کیا ہیں؟

جواب یہ ہے کہ اس کے تین اسباب ہیں

(۱) عورت کے حقوق کے متعلق مغرب اور ماحول کے غلط
پروپیگنڈے سے متاثر ہونا

(۲) اس مسئلے کو قرآنی وحدیثی نصوص کے الفاظ و معانی سے حل کرنے کی بجائے قرآن و سنت کی روح سے حل کرنیکی کوشش کرنا-------

(واضح رہے۔ کہ دانشوران عصر کسی مسئلے کے بارے میں اپنے دل پسند حل کو قرآن و سنت میں پانے سے جب مایوس ہو جاتے ہیں۔ تو وہ روح قرآن سے اسکا من بھاتا حل تلاش کر کے اسے قرآن و سنت کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ اسی تکنیک سے حق خلع کے مسئلہ میں کام لیا گیا ہے)

(۳) حقوق نکاح کے بارے میں مرد و عورت کی مساوات کا مفروضہ جو محترم جسٹس ایس اے رحمان صاحب نے پیش کیا۔ چنانچہ موصوف حق خلع کے فیصلے میں آیت شریفہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف

کہ جس طرح مرد کو عورت کی رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق دیا گیا ہے اسی طرح عورت کو بھی مرد کی رضامندی کے بغیر خلع کا حق ملنا چاہئے (پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۶۷ سپریم کورٹ صفحہ ۱۱۴) اب ہم ان تینوں اسباب کے متعلق لف ونشر غیر مرتب کے طور پر کچھ عرض کریں گے۔

اہل فہم پر مخفی نہیں کہ جناب موصوف کا یہ استدلال نا مکمل ہے۔ جب حقوق میں مساوات کا دعوی ہے تو یوں کہنا چاہئے تھا۔ کہ جیسے مرد کو عورت کی رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق حاصل ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی مرد کی رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق حاصل ہے۔

,حاصل ہے اور ملنا چاہئے میں بڑا فرق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عورت

کو اب تک یہ حق حاصل نہیں (بالکل درست) لیکن جناب جسٹس صاحب عورت کو یہ حق خلع عطا کرنا چاہتے ہیں؟ نیز مرد کیلئے حق طلاق اور عورت کیلئے حق خلع کی تجویز یہ بھی مثلیت اور مساوات کے خلاف ہے کیونکہ حق طلاق و حق خلع برابر نہیں اس لئے کہ خلع میں معاوضہ مالی ضروری ہے جبکہ طلاق میں یہ ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں اسی آیت شریفہ میں وللرجال علیهن درجة بھی موجود ہے۔ جو جناب جسٹس صاحب کی مزعومہ مساوات کی نفی کرتے ہوئے مرد کی فوقیت کو ثابت کر رہا ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ (شافعی) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ان الزوج قادر علی تطلیقها واذا طلقها فهو قادر علی مراجعتها شاء ت المرأة اولم تشاء اماالمرأة فلا تقدر علی تطلیق الزوج ولا تقدر علی المراجعة (تفسیر کبیر ص ۲۴۷ ج ۲)

اس سے مرد کی بالادستی ظاہر ہے الغرض انقطاع نکاح کے بارے میں مرد و عورت کی مزعومہ مساوات ثابت نہیں سبب دوم روح قرآنی سے فیصلہ کرنے کے متعلق بھی جناب ایس اے رحمان صاحب کا اقرار و اعتراف ملاحظہ کر لیجئے۔ چنانچہ موصوف محترم اپنے فیصلے میں لکھتے ہیں۔

میری ناقص رائے میں یہ بات قرآن کے الفاظ اور روح کے ساتھ (جو بیوی اور شوہر کو ایک دوسرے کے حقوق کے معاملے میں ایک ہی مقام دیتی ہے) زیادہ ہم آہنگ ہوگی۔ کہ ان واقعات کی تشریح اس طرح کیجائے کہ اولوالامر بشمول قاضی خلع کے ذریعہ خود بھی تفریق کا حکم دے سکے اگرچہ شوہر اس سے متفق نہ ہو۔ (پی۔ ایل۔ ڈی سپریم کورٹ ۱۹۶۷ ص ۱۲۰ ص ۱۲۱)

اس عبارت میں روح قرآنی کا سہارا لینے کی تصریح موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مختلف اشخاص کے زعم کے مطابق روح قرآنی میں اختلاف ہو سکتا

ہے۔ کیونکہ روح کیلئے مکتوب ہونا ضروری نہ محسوس و مشاہد ہونا ضروری ہے۔ دوسرا شخص بھی دعوی کر سکتا ہے کہ روح قرآنی یہ نہیں بلکہ یہ ہے چنانچہ بہت سے زائغین نے روح قرآنی کے حوالے سے عصر حاضر میں اپنے خلاف شریعت خیالات کی کیا کچھ اشاعت نہیں کی ؟ منکرین حدیث وغیرہ کے لٹریچر کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے

باقی شاید کسی کو خلجان ہو کہ فیصلہ بالا میں روح کے علاوہ قرآن کے الفاظ کا بھی حوالہ دیا گیا ہے ------سو واضح رہے کہ الفاظ قرآن کا اضافہ محض اپنی رائے میں جان ڈالنے اور اسے سہارا دینے کیلئے ہے قرآن کریم کے الفاظ سے وہ امر ہر گز ثابت نہیں

جسکا دعوی کیا گیا ہے۔ یعنی شوہر اور بیوی کے باہمی حقوق میں مساوات اور انہیں ایک ہی مقام دینا چنانچہ سابقہ نمبر میں تفصیل سے اس پر بحث گزر چکی ہے۔ کہ قرآن کریم میں جہاں پر ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف موجود ہے اسی کے ساتھ بالکل واضح طور پر وللرجال علیهن درجة بھی مذکور ہے۔ تو قرآن نے شوہر اور بیوی کو ایک ہی مقام نہیں دیا بلکہ مرد کو فوقیت دی ہے۔ پس یہ دعوی مساوات خلاف واقعہ ہے۔

پس اس مفروضہ مساوات کی بنیاد پر قاضی کو جو حق خلع دینے کا اختیار ثابت کیا گیا ہے اگر چہ شوہر اس پر راضی نہ ہو ---------- یہ سب بناء الفاسد علی الفاسد ہے قرآن کے الفاظ سے مفروضہ مساوات ثابت ہے نہ اس پر مبنی قاضی کا بغیر رضامندی شوہر کے فیصلہ خلع دینے کا حق خصوصاً جبکہ یہ حضرت جمیلہؓ کے واقعہ میں حضور پاک ﷺ کی تصریح کے بھی خلاف ہے ------ چنانچہ ان کے مقدمہ خلع میں آنحضرت ﷺ نے خود نکاح فسخ کر کے حضرت جمیلہؓ کو آزاد نہیں فرما دیا تھا------ بلکہ ان کے شوہر کو

ارشاد فرمایا---------کہ اپنا باغ (مہر) واپس لے لو اور اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔ تو شوہر سے طلاق دلوائی گئی آنحضرت ﷺ نے خود نکاح فسخ نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ خلع و طلاق دینے کا اختیار خاوند کو ہی ہے چنانچہ اس واقعہ کے متعلق حضور پاک ﷺ کے الفاظ یہ ہیں۔

فقال رسول اللّٰہ ﷺ اتردّین علیه حدیقته قالت نعم قال رسول اللّٰہ ﷺ اقبل الحدیقة وطلِقها

(صحیح بخاری شریف ص ۷۹٤ ج ۲ اصح المطابع)

سنن نسائی شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

فارسل الی ثابت فقال له خذالذی لها علیك وخلّ سبیلها قال نعم

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے واپسی مہر کیلئے جیسے حضرت جمیلہؓ سے رضامندی حاصل کی ایسے ہی حضرت قیسؓ خاوند سے بھی رضامندی لی۔ دونوں میاں بیوی نے نعم کہکر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ باقی آنحضرت ﷺ کا حکم دینا بطور ارشاد و اصلاح کے تھا نہ کہ ایجاب کیلئے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ علامہ عینیؒ اور علامہ قسطلانیؒ شراح بخاری نے اسکی تصریح کی ہے۔

بہر حال میاں بیوی میں برابری کا دعویٰ الفاظ قرآن و سنت سے ثابت نہیں سکانہ انکی روح سے اور بالکل عیاں ہے کہ میاں بیوی میں برابری کا نظریہ و خیال مغرب کی حیوانی تہذیب کی پیداوار ہے۔ جسے ہر ممکن طریقے سے مشرق پر مسلط کرنیکی انتہائی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلك ۔ المیہ یہ ہے۔ کہ ہم بری طرح مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ہماری زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی اسکے ہر شعبہ میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ہم مغرب سے مرعوب و متاثر ہیں۔

سلف کی تشریحات کے خلاف قرآن و سنت کی ایسی تشریح کرنے بیٹھ جانا جو آزادی نسواں اور مردوں کے ساتھ انکی مساوات کے نظریہ پر مبنی ہو۔ اس سے مغرب سے مرعوبیت کا واضح تاثر ملتا ہے۔ یہاں تک ان تینوں اسباب کا بیان ہے۔ جن پر عورت کو حق خلع دینے کا فیصلہ مبنی ہے۔

اہل علم پر مخفی نہیں اب تک تمام فقہاء اور مجتہدین کا اس پر اتفاق چلا آتا ہے کہ خلع شوہر اور بیوی کا باہمی معاملہ ہے جو فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے لہذا کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا۔ غیر منقسم ہندوستان اور پاکستان کی عدالتیں بھی مسلمانوں کے مقدمات میں اسی اصولوں کے مطابق فیصلے کرتی آئی ہیں۔ اس سلسلے میں عمر بی بی بنام محمد دین اور سعیدہ خانم بنام محمد سمیع کے دو مقدمات کافی مشہور ہیں۔ پہلے مقدمے میں جسٹس عبدالرحمٰن اور جسٹس ہارنس نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا تھا۔ کہ عورت شوہر کی مرضی کے بغیر خلع نہیں کرا سکتی۔ (عمر بی بی بنام محمد دین اے۔ آئی۔ آر ۱۹۴۵ لاہور)

اسی طرح سعیدہ خانم بنام محمد سمیع کے مقدمے میں جسٹس اے۔ آر کارنیلس، جسٹس محمد جان اور جسٹس خورشید زمان صاحبان نے بھی یہی فیصلہ دیا تھا کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع نہیں ہو سکتا محض اختلاف مزاج ناپسندیدگی اور نفرت کی بناء پر عدالت نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی۔ (سعیدہ خانم بنام محمد سمیع۔ پی ایل ڈی ۱۹۵۲ء لاہور ۱۱۳) (لیکن ۱۹۵۹ء میں پھر ۱۹۶۷ء میں سپریم کورٹ نے اس کے خلاف فیصلے دیئے) اب غور کر لیا جائے۔ کہ قرآن و سنت کی تصریحات کی روشنی میں تیرہ سو سال کے فقہاء مجتہدین اور ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ابن حزم ظاہری رحمھم اللہ اور انکے متبعین نے عورت کو یہ حق نہیں دیا بلکہ اس حق کی نفی کی ہے اور چودھویں صدی میں اگر کوئی شخص عورت کو یہ حق تفویض کرتا ہے تو یہ اسکی

طرف سے خاص ذاتی عطیہ ہی ہو سکتا ہے ----------- اسے شرعی مسئلہ ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا اب آگے ہم قرآن وسنت ائمہ مجتہدین اور مفسرین سے شرعی حق خلع کے بارے میں دلائل پیش کرینگے مسئلہ خلع شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں خلع کی تعریف علامہ ابن ہمامؒ نے خلع کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ازالةملك النكاح ببدل بلفظ الخلع خلع کے لفظ کے ذریعے معاوضہ لیکر ملک نکاح کو زائل کرنا

(ابن الہمام فتح القدیر ۱۹۹ر ج ر ۳)

اور خلع عورت کر سکتی ہے جبکہ خاوند راضی ہو۔

دلیل اول فرمان خداوندی ہے

ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة والله عزيز حكيم

ترجمہ :۔ اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو مثل انہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکیم ہیں

(ترجمہ ماخوذ از حضرت تھانوی)

وللرجال علهين درجة اس مسئلہ میں حضرات مفسرین کے چند اقوال درج ہیں

۱۔ حضرت ابو مالک فرماتے ہیں

وللرجال عليهن درجة قال يطلقها وليس لها من الا مرشئ ء فرمان الٰہی وللرجال عليهن درجة کا مطلب یہ ہے کہ مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے لیکن عورت کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں

(الدر المنثور للسیوطی ۲۷۷ر ج۔۱)

۲۔ امام فخر الدین رازی (شافعی) اس آیت وللرجال علیهن درجة کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں

ان الزوج قادر علی تطلیقها واذ اطلقها فهو قادرعلی مراجعتها شائت المرأ ة ام لم تشا ء اماالمرأة فلا تقدر علی تطلیق الزوج وبعد الطلاق لاتقدر علی مراجعة الزوج ولا تقدر ایضا علی ان تمنع الزوج من المراجعة (تفسیر کبیر ۲۴۷ / ج۔ ۲)

ترجمہ

بیشک خاوند عورت کو طلاق دینے پر قادر ہے اور جب عورت کو طلاق دیدے تو رجوع بھی کر سکتا ہے عورت چاہے یا نہ چاہے مگر عورت نہ خاوند کو طلاق دینے پر قادر ہے اور طلاق کے بعد شوہر سے رجوع کرنے پر بھی قادر نہیں ہے اور نہ خاوند کو رجوع کرنے سے روک سکتی ہے

۳۔ امام قرطبی (مالکی)

اپنی تفسیر میں اس جملے کی تشریح میں علامہ ماوردی کا قول نقل کرتے ہیں له رفع العقد دونها کہ نکاح ختم کرنے کا اختیار صرف مرد کو ہے نہ کہ عورت کو (القرطبی الجامع لا حکام القرآن ۱۲۵ / ج۔ ۳ دار الکتب مصریہ ۱۹۳۶)

آیت خلع

فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به تلك حدود الله فلا تعتدوها ومن یتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون البقرة

ترجمہ : سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی قائم نہ کر

سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس چیز میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جاوے ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں (ترجمہ: ماخوذ از حضرت تھانوی) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ خلع کا معاملہ زوجین اپنی رضامندی سے ہی کریں گے کیونکہ اس آیت میں آگے فیما افتدت بہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس میں بدل خلع کو فدیہ اور عورت کی ادائیگی کو افتداء کہا گیا ہے اور بقول علامہ ابن قیم یہ خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خلع ایک عقد معاوضہ ہے جس میں فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے

اس لیے کہ فدیہ عربی زبان میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو جنگی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے پیش کیا جاتا ہے اس مال کو پیش کرنا افتداء اور قبول کرنا فداء کہلاتا ہے دیکھیے امام راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن اصح المطابع کراچی وابن الا ثیر الجزری النهاية فی غریب الحدیث والاثر ۱۲۰٤ لمطبعة الخیر یة ابو ا لفتح مطرزی المغرب ۸۸ رج ۲ دکن (۱۳۲۸ھ) اور علامہ ابو الفتح مطرزی تحریر فرماتے ہیں وخالعت المرء ة زوجها اختلعت منه اذا افتدت منه بما لها فاذا اجابها الى ذلك فطلقها قيل خلعها (المطرزی المغرب في تر تیب المغرب ص١٦٥ دکن) ١٣٢٨ء

(**ترجمہ**) خالعت المرأۃ اوراختلعت المرأۃ کے الفاظ اس وقت استعمال کیے جاتے ہیں جب عورت اپنی آزادی کے لیے کوئی فدیہ پیش کرے پس اگر شوہر اس کی پیشکش کو قبول کرے اور طلاق دے دے تو کہا جاتا ہے کہ خلعها یعنی مرد نے عورت کو خلع کر دیا ۔اور حضرت ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں۔ و فی تسمیته ﷺ الخلع فدية دليل على ان فيه معنى

المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين ابن القيم (زاد المعاد ۲۳۸ ج ۔ ۲ المطبعة الميمنية مصر)

اور حضور علیہ السلام نے جو خلع کا نام فدیہ رکھا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں معاوضے کے معنی پائے جاتے ہیں اور اسی لیے اس میں زوجین کی رضامندی کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے

۳۔ لفظ فدیہ کے علاوہ آیت شریفہ میں فلا جناح علیهما بھی موجود ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلع یکطرفہ فعل نہیں بلکہ اس میں خاوند کی رضامندی بھی ضروری ہے کیونکہ ان الفاظ میں میاں بیوی دونوں سے گناہ کی نفی کی گئی اور گناہ کا احتمال کسی فعل اختیاری پر ہوتا ہے اگر بیوی خلع کر لینے میں مستقل ہوتی اور عورت کے خاوند کی طرف مہر پھینک دینے سے ہی خلع ہو جایا کرتا تو فلا جناح علیها کہ عورت پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہنا چاہیئے تھا ۔ فلا جناح علیهما فرمانے کا کوئی محل نہ تھا کیونکہ اس میں خاوند کا کوئی فعل اختیاری نہیں پایا گیا پس گناہ کی نفی بے محل قرار پاتی جیسے اگر کوئی مرد عورت کو طلاق دیتا ہے تو مرد کے متعلق گناہگار ہونیکی گفتگو ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ طلاق اسکا فعل اختیاری ہے عورت کے بارے میں طلاق ملنے سے گناہگار ہونیکا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ طلاق واقع ہونے میں اس کا کوئی دخل نہیں

۴۔ حديث شريف اور حدیث شریف (جو پیچھے گزر چکی ہے) جس میں حضرت جمیلہؓ کا واقعہ ہے اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ خلع زوجین کی رضامندی سے ہی ہوگا

حضرات فقہاء کی عبارتیں

۵۔ حنفی مسلک شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں

والخلع جائز عندالسلطان وغيره لا نه عقد يعتمد التراضى
ا لسرخسى المبسوط ۱۷۳ ج۔ ٦ مطبعة السعا دة مصر
ترجمہ اور خلع حاکم کے پاس بھی جائز ہے اور اس کے علاوہ بھی کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس کی بنیاد باہمی رضامندی پر ہے۔

٦۔ شافعی مسلک حضرت امام شافعی تحریر فرماتے ہیں

لان الخلع طلاق فلا يكون لا حد ا ن يطلق عن احد ابٌ ولا سيد ولا ولى ولاسلطان كتاب الام ۲۰۰ ج۔ ۵ مكتبه الكليات الا زهرية

اس لیے خلع طلاق کے حکم میں ہے لہذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے طلاق دے نہ باپ کو یہ حق ہے نہ آقا کو نہ سرپرست کو اور نہ حاکم کو۔

۷۔ مالکی مسلک علامہ ابن رشد مالکی تحریر فرماتے ہیں

واما مایر جع الى الحال التى يجوز فيها الخلع من التى لايجوز فان الجمهور على ان الخلع جائز مع التراضى اذا لم يكن سبب رضا هما بما تعطيه اضراره بها بداية المجتهد ۶۸ ج ۲ المصطفى البابى

رہی یہ بات کہ خلع کونسی حالت میں جائز ہوتا ہے اور کونسی حالت میں ناجائز تو جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ خلع باہمی رضامندی کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ عورت کے مال کی ادائیگی پر راضی ہونے کا سبب مرد کی طرف سے اسے تنگ کرنا نہ ہو

۸۔ حنبلی مسلک ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں

ولا نه معا وضة فلم يفتقرالى السلطان كا لبيع وا لنكاح ولا نه

قطع عقد بالتراضی اشبه الا قالة ابن قدامه المغنی ص۲۵ج۔۷

اور اس لیے کہ یہ عقد معاوضہ ہے لہذا اس کے لئے حاکم کی ضرورت نہیں جیسا کہ بیع اور نکاح نیز اس لئے کہ خلع باہمی رضامندی سے عقد کو ختم کرنے کا نام ہے لہذا یہ اقالہ فسخ بیع کے مشابہ ہے۔ اور علامہ ابن قیم جوزیہ تحریر فرماتے ہیں

وفی تسمیته ﷺ الخلع فدیة دلیل علی ان فیه معنی المعاوضة ولهذا اعتبر فیه رضا الزوجین ابن قیم زادالمعاد ص ۲۳۸ ج۔۲

۹۔ظاہری مسلک علامہ ابن حزم ظاہری تحریر فرماتے ہیں

الخلع وهوالافتداء اذا کرهت المرأة زوجها فخافت ان لا توفیه حقه او خافت ان یبغضها فلا یوفیها حقها فلها ان تفتدی منه ویطلقها ان رضی هو والا لم یجبر هو ولا اجبرت هی انما یجوز بتراضیهما ولا یحل الافتداء لا باحد الوجهین المذکورین او اجتماعهما فان وقع بغیرهما فهو باطل ویرد علیها ما اخذ منها وهی امرأته کما کانت ویبطل طلاقه ویمنع من ظلمها فقط ابن حزم المحلی ۲۳۵ ادارة الطباعة المنیریة

خلع فدیہ دیکر جان چھڑانے کا نام ہے جب عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرے اور اسے ڈر ہو کہ وہ شوہر کا حق پورا ادا نہیں کر سکے گی یا اسے خوف ہو کہ شوہر اس سے نفرت کرے گا اور اس کے پورے حقوق ادا نہیں کرے گا تو اسے یہ اختیار ہے کہ شوہر کو کچھ فدیہ دے دے اور اگر شوہر راضی ہو تو وہ اسے طلاق دے دے، اور اگر شوہر راضی نہ ہو تو نہ شوہر کو مجبور کیا جا سکتا ہے نہ عورت کو خلع تو صرف باہمی

رضامندی سے جائز ہوتا ہے اور جب تک مذکورہ دوصورتوں میں سے کوئی ایک یادونوں نہ پائی جائیں خلع حلال نہیں ہوتا لہذا اگر ان کے سوا کسی طرح خلع کرلیا گیا تو وہ باطل ہے اور شوہر نے جو کچھ مال لیا ہے وہ لوٹائے گا اور عورت بدستور اسکی بیوی رہیگی اور اس کی طلاق باطل ہوگی اور شوہر کو صرف عورت پر ظلم کرنے سے منع کیا جائے گا۔

تفسیری اور فقہی ان تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عورت خلع نہیں کرسکتی اور نہ ہی عدالت ایسے خلع کی مجاز ہے بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ

خلع کی دوقسمیں ہیں

(۱)۔باہمی رضامندی سے خلع کرنا

(۲)۔عدالت سے خلع حاصل کرنا اس دوسری قسم کیلئے شوہر کی رضامندی ضروری نہیں اس کا جواب یہ ہے ۔کہ خلع کی یہ دو قسمیں بیان کرنا اور پھر انکے احکام الگ الگ تجویز کرنا یہ سب خانہ زاد ہیں قرآن وحدیث اورذخیرہ تفسیر وفقہ میں انکا کوئی نام نشان نہیں اگر مسائل شرعیہ کی اختراع اپنے ذہن سے ہی کرنی ہے تو دوسرا کوئی شخص دانشور کچھ اور بھی گھڑ سکتا ہے اور ہر معاملے کی دوقسمیں بنا سکتا ہے بہر حال بغیر دلیل شرعی کے ایسی کوئی تقسیم قابل قبول نہیں

اسلام عدل وانصاف کا مذہب ہے خانگی زندگی میں عورت کی حق تلفی کی اجازت دیتا ہے نہ اسے شتر بے مہار بنا کر خانگی زندگی کے امن وسکون کو برباد کرتا ہے کہ روزروز طلاقوں کی بھر مار ہوجائے اور خانگی زندگی بازیچہ طفلاں بن جائے نکاح کا معاملہ مرد عورت کی رضامندی سے طے پاتا ہے اور شریعت نے نکاح سے قبل ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی اجازت دی ہے

نکاح ہو جانے کے بعد اگر عورت کو کوئی حقیقی مضرت پہنچ رہی ہو مثلاً نکاح کے بعد خاوند مفقود الخبر ہو گیا ہے کہ اسکی موت وحیات کا کوئی علم نہیں یا خاوند عنّین اور نامرد ہے یا بیوی کے نان نفقہ کا انتظام نہیں کرتا یا متعنت ہے کہ بیوی کو ادائیگی حقوق کے ساتھ آباد کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے یا خطرناک پاگل ہے تو ایسی صورتوں میں اسلام عدالت کو عورتوں کی داد رسی کا حق دیتا ہے کہ شرعی ہدایات کی روشنی میں عدالتیں ایسے نکاح کو فسخ کر کے عورت کو آزاد کر سکتی ہیں۔ لیکن خلع کی صورت اس سے قطعاً مختلف ہے عورت مندرجہ بالا تکالیف میں سے کسی تکلیف اور مضرت کی شکایت نہیں کرتی سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے لیکن عورت کا دعویٰ یہ ہے کہ میں اپنے اس شوہر کو پسند نہیں کرتی۔ جسے چند روز یا چند ماہ قبل پسند کر کے نکاح کیا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی حقیقی مضرت نہیں ہے کہ وہ بھوکی مرتی ہے یا اس کی جنسی خواہش پوری نہیں ہو سکتی بس ایک من مرضی ہے اس لیے شریعت نے عدالت کو اسمیں یک طرفہ طور پر مداخلت کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ تعلیم دی ہے کہ جیسے باہمی رضامندی سے عقد نکاح کیا گیا تھا ایسے ہی باہمی رضامندی سے اسے فسخ بھی کر لیا جائے تاکہ کسی فریق کی حتی الوسع حق تلفی یا دل شکنی نہ ہو کیسی معتدل تعلیم ہے۔

سبحن ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد للهِ رب العالمين .فقط والله اعلم

نوٹ

اس مضمون میں عربی عبارات اور عدالتی فیصلوں کے اقتباسات ہم نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے رسالہ حق خلع سے لئے ہیں

فقط بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲/۶/۱۴۲۰ھ

بَابُ العِدّتْ

معتدہ کو دیور سے عصمت کا خطرہ ہو تو مکان چھوڑ سکتی ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی عورت کو طلاق مل جائے یا اس کا شوہر مرجائے تو (دونوں صورتوں میں) اگر شوہر کے گھر میں بیوہ کے ساتھ رہنے والا کوئی محرم نہ ہو تو دیور وغیرہ جس سے نکاح جائز ہے اپنی عزت و عصمت کے خطرہ سے اس کے ساتھ نہ رہے اور اکیلی بھی نہ رہے بلکہ اپنے ماں باپ کے گھر جاکر عدت گذارے' کیا یہ جائز ہے؟

الجواب :

ایسی صورت میں عورت کا نکلنا درست ہے۔ والافضل ان یحال بینهما فی البینونة بستر الا ان یکون فاسقًا فیحال بامرأة ثقة وان تعذر فلتخرج هی وخروجه اولٰی اھ (شامیہ ص۶۷۵' ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس
۱۳۹۹/۷/۲ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

حیض میں طلاق دے تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دیدے تو وہ حیض عدت میں شمار ہوگا یا نہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (۲) دیگر یہ ہے کہ اگر خاوند نے طلاق بائنہ دیدی تو وہ اس خاوند پر حرام ہوگئی ہے۔ اب اگر دوبارہ اس خاوند کے پاس رہنا چاہے تو کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرنا پڑے گا۔ اور

یہ دوسرا خاوند اس عورت کو حق مہر مقرر کرکے دے گا یا نہیں۔ اگر حق مہر دینا پڑتا ہے تو کتنا؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور یہ بھی کہ کم سے کم شرعی حق مہر کتنا ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں خاوند اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دیدے تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا۔ ولا اعتداد بحیض طلقت فیہ ای اذا طلقھا فی الحیض لا یحسب من العدۃ (شامی ص۶۶۸' ج۲)

(۲) طلاق بائنہ اگر تین سے کم ہیں اور عورت پہلے خاوند کے پاس رہنا چاہے تو دوسرے خاوند سے نکاح کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ تجدید نکاح کرکے پہلے خاوند کے پاس آباد ہو سکتی ہے۔ البتہ اگر تین طلاقیں ہوں تو پہلے خاوند کے پاس آباد ہونے سے پہلے حلالہ کرنا ضروری ہے اور مہر ہر نکاح کے لئے ضروری ہے۔ واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

عدت واجب ہونے سے پہلے مستقل رہائش والد کے گھر تھی تو عدت بھی وہیں گذارے :

بخدمت محترم المقام مفتی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمتہ اللہ

ہمارے چچا فوت ہوگئے ہیں۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کی بیوی اپنے والد مرحوم کے گھر میں تھی اور کئی سال سے وہاں رہائش پذیر تھی۔ جونہی انہیں اپنے خاوند کی وفات کی اطلاع ملی تو وہ اپنے خاوند کے گھر آگئی ہے۔ اب مسئلہ ہے عدت کا۔ وہ اپنے والد کے گھر واپس جانا چاہتی ہے۔ کیونکہ ان کا والد فوت ہو چکا ہے۔ اور گھر میں صرف ضعیف والدہ موجود ہے اور کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں دو چار دن وہاں جاکر گزار آؤں۔ یہی عذر درپیش ہے۔ کیا والد کے گھر جانے کی گنجائش ہے۔ بعض کہتے ہیں صبح وہاں جائے۔ اور رات کو اپنے خاوند کے گھر واپس آجائے۔ مفصل جواب سے نوازیں۔ وہاں جاکر اپنی عدت پوری کر سکتی ہے۔

المستفتی : صاحبزادہ محمد حاکم خان عفی عنہ (خانقاہ سراجیہ)

الجواب :

حامدًا ومصلیاً۔ صورت مسئولہ میں بیوی کے ذمہ عدت اسی مکان میں گزارنی ضروری ہے جس میں وہ کئی سال سے رہائش پذیر تھی' یعنی والد کے گھر میں۔ اب بھی وہ وہیں منتقل ہو جائے۔ اور تاعدت وہیں قیام کرے۔ وتعتدان ای معتدۃ طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ اھ (درمختار) (قولہ وجبت فیہ) ھو ما یضاف الیھما بالسکنی قبل الفرقۃ ولو غیر بیت الزوج اھ (شامی ص۶۲۱' ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ ۱۴۱۸/۴/۸ھ

محمد انور عفا اللہ عنہ

نامرد سے خلوت صحیحہ ہو جائے تو عورت پر عدت واجب ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ تھی تقریباً پانچ چھ سال سے' اور اس کا نکاح ایک شخص نامرد کے ساتھ کیا گیا۔ اس شخص نے ایک ماہ تک اس عورت کو اپنے پاس گھر میں رکھا اور رات کو ایک ہی چارپائی پر دونوں عورت مرد سوتے رہے' یعنی خلوت تو ہوتی رہی لیکن صورت مباشرت یعنی جماع اس شخص نے بالکل نہیں کیا' کیونکہ طاقت جماع اس میں نہیں تھی اور وہ شخص نامرد اپنا علاج بھی کرتا رہا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تو پھر ایک ماہ بعد بوجہ اپنی کمزوری کے اور عورت کی ناسازی پر اس نے اپنی عورت کو روبرو دو گواہان اور دیگر چند آدمیوں کے سامنے تین طلاق دے دی ہے۔ تو کیا اب اس شوہر نامرد پر پورا مہر واجب ہوگا یا نہیں' اور اس مطلقہ عورت پر عدت واجب ہوگی یا نہیں۔ نیز ایک مولوی صاحب نے اس طلاق کے ایک ماہ بعد اس مطلقہ عورت کا نکاح بھی دوسرے شخص سے کر دیا ہے اور اس کی عدت نہ ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے دیا ہے۔ من قبل ان تمسوھن .... کو مد نظر رکھتے ہوئے دوسرا نکاح کر دیا تو پھر ایک دوسرے مولوی صاحب نے اس نکاح خواں مولوی کو بتایا کہ تم نے یہ نکاح غلط کیا ہے کہ اس عورت پر

تو عدت واجب تھی اور عدت کے بعد نکاح پڑھنا تھا۔ لہٰذا یہ نکاح نہیں ہوا۔ تم نے یہ غلطی کی ہے۔ تو یہ مسئلہ سمجھانے کے بعد اس مولوی نکاح خواں نے غلطی کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہے۔ تو پھر ایک تیسرے مولوی صاحب نے بتایا ہے کہ یہ نکاح بالکل نہیں ہوا۔ کیونکہ عدت گذرنے سے پہلے نکاح کرنا نکاح پر نکاح ہوتا ہے۔ اور نکاح پر نکاح کرنے سے نکاح خواں کا بھی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور جتنے لوگ اس نکاح میں بیٹھے ہیں ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا ہے اور یہ سب لوگ پھر نکاح خواں سے اپنا نکاح دوبارہ پڑھوائیں۔ تو کیا اس طرح ہونے سے واقعی نکاح خواں اور دیگر ان سب لوگوں کا نکاح ٹوٹ گیا ہے یا نہیں؟ اور سب لوگ بھی نکاح خواں سے ضروری اپنا نکاح دوبارہ پڑھوائیں یا نہیں؟

المستفتی : محمد اسمٰعیل ٬ضلع لکی مروت سرحد

الجواب :

فی العالمگیریة (ص ۵۲۴ ٬ج ۱) ان اختارت الفرقة امر القاضی ان یطلقها طلقة بائنة فان ابی فرق بینهما ھکذا ذکر محمد فی الاصل کذافی التبیین۔ والفرقة تطلیقة بائنة کذافی الکافی۔ ولھا المھر کاملا و علیھا العدة بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بھا۔ اس عبارت سے صراحةً معلوم ہوا کہ نامرد کی مطلقہ (جبکہ وہ اس کے ساتھ خلوت کرچکا ہو) کامل مہر کی مستحقہ ہوتی ہے اور اس پر دینا واجب ہوتا ہے اور اس کی عورت پر عدت بھی لازم ہے۔ البتہ یہ بات کہ اس عورت کا نکاح ایک ماہ بعد کردیا گیا ہے٬ تو اگر مولوی صاحب نے عدم علم کی وجہ سے دوسری جگہ نکاح کردیا ہے (جیسے سوال میں ظاہر کیا گیا ہے) تو پھر اس پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن عدم تحقیق کی وجہ سے اسے توبہ کرنی چاہئے اور نکاح خواں کا اور دوسرے بیٹھنے والوں کا اس فعل سے نکاح نہیں

ٹوٹتا۔ ہاں حق تعالیٰ سے تمام کو معافی مانگنی چاہئے۔ اور اس عورت مذکورہ کو اپنے اس دوسرے خاوند سے دوبارہ تجدید نکاح کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان

۹/۶/۷۳ھ

متوفیٰ عنھا زوجھا کی عدت مہینوں سے گذرے گی' خواہ اس دوران زنا سے حاملہ ہو جائے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا خاوند مرگیا تو خاوند کے مرنے کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد زید کا اس عورت کے ساتھ ناجائز تعلق ہو گیا' جس کا علم زید کے ماں باپ اور عورت کے بھائی کو بھی ہوا اور اس کو حمل بھی زید سے ہو گیا۔ تو پھر زید کے ماں باپ اور عورت کے بھائی نے بعد گذرنے عدت وفات کے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ حالانکہ اس کو حمل بھی تھا اور ان لوگوں کو معلوم بھی تھا۔ اور غالب گمان یہی ہے کہ حمل زانی کا تھا' کیونکہ نکاح ہونے کے ایک ماہ بعد دائی سے ملاحظہ کرایا گیا تو دائی نے بتلایا کہ حمل تقریباً تین ماہ کا معلوم ہوتا ہے' اور زید خود بھی اقرار کرتا ہے کہ حمل زنا کا تھا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ یہ حمل خاوند کا سمجھا جائے یا زانی کا اور یہ نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں اور نکاح خواں اور شرکاء نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں اس عورت کی عدت بعد وفات خاوند کے مہینوں سے گذرے گی اور چار ماہ دس دن کے گذارنے کے بعد اس عورت نے جو نکاح کیا ہے وہ نکاح صحیح ہے۔ اگر عدت کے ایام میں اس شخص سے زنا کیا تھا تو زنا کی وجہ سے حاملہ

ہو جانے سے عدت مہینوں سے وضع حمل کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ کما فی بدائع الصنائع (ص۲۰۱‘۳) وقد فصل محمد بینهما فانه قال فیمن مات عن امرأته وهو صغیر او کبیر ثم حملت بعد موته فعدتها الشهور فهٰذا نص علی ان عدة المتوفی عنها زوجها لا تنتقل بوجود الحمل من الاشهر الی وضع الحمل۔ یہ حکم متوفی عنها زوجها کا ہے اور اس کی عدت وضع حمل کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ پس صورت مسئولہ میں اس عورت کی عدت مہینوں سے گذرے گی اور اس کے بعد کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا۔ اور اگر بچہ بعد از نکاح چھ ماہ گذرنے کے بعد پیدا ہوا تو ثانی ناکح کا ہوگا اور مجلس نکاح میں شامل ہونے والوں اور نکاح خواں کا نکاح صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان

مورخہ ۲۲ صفر ۷۲ھ

مسلمان لڑکی کا لاعلمی سے عیسائی کے ساتھ نکاح ہو جائے تو علیحدہ ہونے پر عدت واجب ہوگی یا نہیں؟

ایک مسلمان بیٹی کی شادی اگر کسی عیسائی (یا یہودی‘ سکھ‘ شیعہ کافر‘ قادیانی) سے ہو جائے۔ مابعد علم ہونے پر کہ ان سے تو نکاح صحیح نہیں۔ وہ فوراً والدین کے گھر آجائے۔ کیا کسی مسلمان شخص سے شادی کے لئے اس پر اب عدت واجب ہوگی یا نہیں ہوگی؟ چونکہ خود ہمارے خاندان پر قیامت گذری ہے کہ بیٹی کی شادی دھوکے سے ایک فاسق و فاجر شیعہ سے ہوئی۔ جس سے بالآخر بذریعہ عدالت نجات ملی۔ تو سوال سامنے آیا کہ جن بیٹیوں کی شادیاں بے علمی یا دھوکے سے عیسائیوں‘ سکھوں‘

ہندوؤں' قادیانیوں وغیرہ سے ہوئی ہیں' وہاں علیحدگی پر آیا عدت لازم ہوگی یا نہیں؟ میرے ایک بھائی کے بقول عدت تو نکاح کے ساتھ ہے۔ جہاں نکاح ہی نہ ہو وہاں عدت کیسی۔ لیکن بہرحال مجھے آپ سے جواب درکار ہے' شکریہ۔

الجواب :

عدت پہلے خاوند یا شریعت کا حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ خاوند اگر یہودی' نصرانی اور سکھ جیسا کافر ہو جن کے ہاں عدت نہیں ہوتی تو ایسے کافر سے تفریق کے بعد عدت نہیں ہوگی۔ وظاهر كلام الهداية انه لا عدة من الكافر عندالامام اصلا وفيه اختلاف المشائخ فذهب طائفة اليه واخرى الى وجوبها عنده لكنها ضعيفة لا تمنع من صحة النكاح لضعفها كالاستبراء (بحر ص ۲۲۲' ج ۳) قال فى الهداية ولابى حنيفةؒ ان الحرمة لا يمكن اثباتها حقا للشرع لانهم لا يخاطبون بحقوقه ولا وجه الى ايجاب العدة حقا للزوج لانه لا يعتقده بخلاف ما اذا كانت تحت مسلم لانه يعتقده اهـ وظاهره انه لا عدة من الكافر عندالامام اصلاً واليه ذهب بعض المشائخ فلا تثبت الرجعة للزوج بمجرد طلاقها' ولا يثبت نسب الولد اذا اتت به لاقل من ستة اشهر بعد الطلاق وقيل تجب لكنها ضعيفة لا تمنع من صحة النكاح فيثبت للزوج الرجعة والنسب' الاصح الاول (ردالمحتار ص ۴۱۹' ج ۲ باب نكاح الكافر) البتہ استبراء ہے' یعنی عورت ایک حیض گذارے پھر نکاح کیا جاوے۔ وان كان لا اعتبار بماء الزنا الا انها يحتمل انها علقت منه فاذا جامعها الزوج واتت بولد لستة اشهر ينسب اليه مع انه فى الحقيقة علىٰ هذا الاحتمال من الزنا فيندب الاستبراء لدفع هذا الاحتمال اذ توهم الشغل بماء الزانى متحقق بل لو قال قائل بالوجوب لا يبعد (تقريرات

الرافعی ص ۱۸۴/ ج ا کتاب النکاح) شیعہ سے تفریق کے بعد عدت گذارنا احوط ہے' کیونکہ ان کے ہاں عدت ہوتی ہے (فروع کافی ص ۲۹۸ ' ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ

وطی کے بعد خاوند مرتد ہو جائے تو عورت پر عدت لازم ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میاں بیوی دونوں مسلمان تھے۔ خاوند مرتد ہو گیا اور بیوی مسلمان تھی۔ بیوی نے خاوند کے مرتد ہونے کے پندرہ دن بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا۔ کیا اس کا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس پر عدت لازم تھی یا نہیں؟

الجواب :

باسمہ تعالیٰ۔ عورت مذکورہ پر عدت گذارنا واجب ہے۔ عدت کے اندر اندر دوسری جگہ عقد نکاح صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا زوجین پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ کما فی الحیلة الناجزة ص ۱۱۲' عبارت (الحیلة الناجزة) کی یہ ہے۔ اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے تو پورا مہر لازم ہے۔ اور عورت پر عدت بھی واجب ہے۔ انتہی۔ لما فی الدر المختار وارتداد احدهما ای الزوجین (فسخ) فلا ینقص عددا (عاجل) بلا قضاء۔ وفی ردالمحتار (قوله بلا قضاء) ای بلا توقف علیٰ قضاء القاضی۔ (الحیلة ص ۱۰۶) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہ
جامعہ خیر المدارس ملتان
۱۴۱۵/۱/۲۳ھ

ایک ماہ چھبیس دن میں عدت گذر سکتی ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو ۱۷ شوال کو طلاق دی تو اس لڑکی کے والد صاحب نے مطلقہ عورت کا نکاح دوسری جگہ ۱۳ ذی الحجہ کو کردیا۔ یعنی اس کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی۔ یعنی کہ کل ایام ایک ماہ ۲۶ دن ہوئے۔ کیا یہ نکاح شریعت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اور لڑکی کی والدہ کا کہنا ہے کہ تین حیض آگئے ہیں۔ نیز اس کی والدہ اب بھی یہ کہتی ہے کہ لڑکی کو چار ماہ کی امید بھی ہے یعنی اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ جبکہ ۱۳ ذی الحجہ کو اس کا دوسری جگہ نکاح ہوا ہے۔ سابقہ طلاق کے مطابق اس کی عدت تین ماہ دس دن پورے نہیں ہوئے۔ کیا یہ بچہ پہلے خاوند کا ہے یا دوسرے خاوند کا ہے۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں اگر عورت مدعیہ ہے کہ نکاح کے دن تک عدت گذر چکی تھی تو اس کا قول معتبر سمجھا جائے گا' لہٰذا نکاح ثانی صحیح ہے۔ قالت مضت عدتی والمدة تحتمله وکذبها الزوج قبل قولها مع حلفها والا لا اھ (شامی ج ۲' باب العدت ص ۶۱۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ مدرس مدرسہ ہذا
۱۳۹۸/۴/۲۳ھ

نابالغہ کا خاوند فوت ہو جائے تو اس پر بھی عدت وفات لازم ہے :

ایک بچے بچی کا نابالغی میں نکاح کر دیا گیا۔ اتفاق سے بچہ نابالغی میں فوت ہو گیا تو اس بچی پر عدت واجب ہو گی یا دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب :

متوفیٰ عنہا زوجہا پر عدت چار ماہ دس دن گزارنا واجب ہے۔ خواہ اس کا خاوند بالغ ہو یا نابالغ اور رخصتی ہوئی ہو یا نہ۔ اس کا عدت کے اندر اندر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ عدة الحرة فی الوفاة اربعة اشهر وعشرة ایام سواء کانت مدخولاً بها اولا مسلمة او کتابیة تحت مسلم صغیرةً او کبیرةً الخ۔ (عالمگیری ص۵۲۹، ج۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ — الجواب صحیح

۱۲/۲/۷۷ھ۱۳ — بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ

جہاں دونوں دروازے کھلے ہوں وہاں خلوت صحیح نہیں :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مندرجہ ذیل صورت میں خلوت صحیحہ ثابت ہو جائے گی۔ خلوت کے متعلق میرا یہ بیان ہے کہ میں ایک دن ظہر کے وقت اپنے سسرال کے گھر گیا۔ میری منکوحہ بیٹھی تھی، بات چیت کرنے لگا۔ وہ نہ بولی، پھر پانی پینے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ میں صرف چھاتی پر ہاتھ لگا کر واپس چلا گیا۔ برآمدہ کے دونوں دروازے کھلے تھے، آمد و رفت کی رکاوٹ نہ تھی۔ پھر بغیر شادی کئے طلاق دیدی۔ اب یہ عورت دوسری جگہ بغیر عدت کے نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ بغیر انتظار کرنے ایام عدت کے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور خاوند اور بیوی کے درمیان مندرجہ بالا طریق کے ساتھ خلوت کو شرعاً خلوت نہیں کہا جا سکتا۔ شامی میں ہے: أن لِاِ قامة الخلوة مقام الوطء شروطا اربعة الخلوة الحقیقیة وعدم المانع الحسی او الطبعی او الشرعی فالاول للاحتراز عما اذا کان هناك

ثالث فلیست بخلوة وعن مکان لا یصلح للخلوة کالمسجد والطریق العام والحمام الخ (ص۳۳۸' ج۲۔ بیروت) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیرالمدارس ملتان	بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ
۱۰/۹/۱۳۸۰ھ	مفتی خیرالمدارس ملتان

نکاح فاسد میں عدت کا آغاز متارکۃ یا تفریق قاضی کے بعد ہو گا:

ایک شخص نے بھانجی سے نکاح کیا۔ اس سے کسی رشتہ دار نے جھگڑا کیا۔ لڑکی کو واپس لے آئے بوجہ جھگڑے کے' نہ کہ تفریق اور فساد نکاح کی وجہ سے۔ اس مسئلہ کا علم ان کو بعد میں ہوا کہ یہ نکاح فاسد ہوا۔ کیا یہ جدائی تفریق الحاکم والقاضی کے قائم مقام ہے یا نہ؟ کیا گذشتہ عدت کافی ہے یا حاکم مسلم اور قاضی کے فیصلہ کے بعد عدت کا اعتبار ہے؟

الجواب :

تفریق قاضی یا متارکۂ قولی سے قبل عدت گزر جانے کا اعتبار نہیں۔ کما فی الدرالمختار وغیرہ۔ ومبدأها من التفریق او المتارکة۔ اور جو تفریق سوال میں درج ہے یہ تفریق القاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ پس سابقہ عدت کا گذرنا نکاح ثانی کے لئے کافی نہیں۔ لازم ہے کہ خاوند سے متارکۂ قولی کرایا جائے' یعنی یہ کہلایا جائے کہ میں نے اس عورت کو اپنے سے الگ کردیا۔ اگر خاوند ایسا نہ کرے تو عورت کو بھی اس طرح متارکہ کا حق حاصل ہے کہ وہ الفاظ مذکورہ کہہ کر نکاح فاسد سے اپنے نفس کو الگ کرلے (کما حققه صاحب البحر وتبعه الخیر الرملی والمقدسی ومال الیه صاحب الشامیة) متارکۂ مذکورہ کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ

الجواب صحیح
عبداللہ غفرلہ
مفتی خیرالمدارس ملتان
۲۷/۱۱/۸۱ھ

عدت گذرنے سے پہلے خاوند مرجائے تو عورت وارث ہوگی :

شمس الدین ولد حبیب قوم بھٹی نے اپنی بیوی مسمات غلام جنت ولد غلام محمد کو مورخہ ۱۹/۸/۶۹ کو طلاق دی جو یونین کونسل میں بذریعہ رجسٹری دی گئی۔ بوقت طلاق شمس الدین ٹی بی کا مریض تھا جو عرصہ تین چار سال سے بیماری میں مبتلا تھا۔ بوقت تحریر طلاق گواہان کے انگوٹھے لگے ہوئے ہیں' لیکن عدت ۹۰ دن سے قبل فوت ہوگیا' لیکن بوقت تعمیل سمن یونین کونسل کی طرف سے طلاق دہندہ نے انکار کردیا تھا۔ شمس الدین مورخہ ۱۴/۱۱/۶۹ کو فوت ہوگیا ہے۔ وہ صاحب جائیداد ہے۔ طلاق دینے سے قبل تقریباً چار ماہ شمس الدین صاحب فراش ہوگیا تھا۔

الجواب :

وان ابانها فی المرض ان ابانها بسؤالها لا ترث ایضا وان ابانها بغیر سؤالها ثم مات وهی فی العدة ورثته عندنا خانیة (ص۶۶۲'۲)
صورت مسئولہ میں اگر عدت طلاق گذرنے سے پہلے شمس الدین فوت ہوگیا تھا تو مطلقہ مذکورہ متوفی مذکور کے ترکہ سے حصہ پائے گی' جیسا کہ حوالہ بالا سے ظاہر ہے مطلقہ مذکورہ اگر حاملہ اور آئسہ بھی نہیں تھی تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب
بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ

۱۲/۵/۹۱ھ

معتدۂ وفات مجبوری میں رات بھی باہر گذار سکتی ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں تپ دق کی مریض ہوں۔ خاوند نے علاج کرانا شروع کیا لیکن صحت یابی سے قبل ہی فوت ہوگیا۔ اب مجھے دوبارہ وہی تکلیف عود کرتی معلوم ہوتی ہے۔ اور میری عدت کے ایک مہینہ اور چند دن باقی ہیں۔ کیا میں عدت کے ایام میں علاج کے لئے گھر سے ایک دو دن کے لئے باہر جاسکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں متوفی عنہا زوجہا کے لئے تپ دق کے علاج کی خاطر بقدر ضرورت گھر سے باہر جانا جائز ہے۔ اگرچہ رات بھی باہر بسر کرنی پڑے۔ بشرطیکہ بغیر خروج علاج کرانا متعذر ہو۔ والدلیل علی ذلک هذه العبارات ففی الشامية وتعتدان ای معتدة الطلاق والموت فی بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه الا ان تخرج منه او ينهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها او لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات۔ وفی البحر (ص۱۶۷ ج۴) وفی القنية ولا وكيل لها فلها ذلك وفی قاضی خان (ص۲۶۶ ج۲) المعتدة اذا كانت فی منزل ليس معها احد وهی لا تخاف من اللصوص ولا من الجيران ولكنها تفزع من امر المبيت ان لم يكن الخوف شديداً ليس لها ان تنتقل من ذلك الموضع لان قليل الخوف يكون بمنزلة الوحشة وان كان الخوف شديداً كان لها ان تنتقل لانها لو لم تنتقل يخاف عليها من ذهاب العقل۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان شہر
۱۹ / ۱۲ / ۷۱ھ

جسے ۲½ سال بعد حیض آتا ہو تو اس کی عدت بھی حیض ہی سے ہوگی

زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں بعد میں زید کو پشیمانی ہوئی۔ اب وہ اس عورت کے ساتھ حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ عورت کو اڑھائی سال کے بعد حیض آتا ہے۔ اب اس کی عدت تین حیض ہوگی یا کہ تین ماہ اگر تین حیض کے ساتھ عدت پوری کی جائے۔ تو عدت بہت لمبی ہو جائے گی۔ اب کیا کریں۔

الجواب عورت مذکورہ کی عدت حیض کے ساتھ ہوگی یعنی اس کو تین حیض پورے کرنے ہوں گے۔ کیونکہ جس عورت کو حیض آتے ہوں اس کی عدت تین حیض ہی ہوتے ہیں۔ الشابة الممتدة بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحيض الى ان تبلغ سن الاياس درمختار علی الشامیة ص ۶۵۳ ج ۲۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ | بندہ اصغر علی عفی عنہ

طلاق بائنہ کی عدت میں میاں بیوی میں پردہ ضروری ہے

میرے لڑکے نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی جو کہ میری بھانجی بھی ہے ہمارے مکان کے دو کمرے ہیں۔ میں نے فوراً لڑکے کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا ہے کیا میری وہ بھانجی اس مکان کے دوسرے کمرے میں جس میں ہماری رہائش ہے عدت گزار سکتی ہے؟

الجواب عدت گزرنے تک مذکورہ مطلقہ اسی مکان میں رہے البتہ میاں بیوی میں پردہ ضروری ہے۔

وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه قال فی الجوهرة وهذا اذا كان الطلاق رجعيا فلو بائناً فلا بد من سترة اھ (شامی ص ۸۵۴ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، | محمد انور عفا اللہ عنہ، ۲۱/ ۱۰/ ۹۷ھ

حج کے موقع پر خاوند فوت ہوجائے تو عدت کہاں گزارے

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی حج کے دوران وفات پا جائے تو اس کی بیوی جو اس کے ساتھ حج پر گئی ہوئی تھی عدت کہاں گزارے گی۔ بینوا و توجروا۔

الجواب صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ کے لئے وہاں عدت گزارنا ضروری ہے لیکن اگر حکومتی قوانین کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا ممکن نہ ہو۔ تو وطن آکر عدت گزار سکتی ہے قال شارح التنویر ابانها اومات عنها فی سفر ولیس بینها وبین مصرها مدة سفر رجعت (الی قوله) او کانت فی مصر او قریة تصلح للاقامة تعتد ثمه ان لم تجد محرما اتفاقاً وکذا ان وجدت عند الامام ثم تخرج بمحرم ان کان اھ درمختار علی الشامیہ ص۶۲۷ ج۳

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خاوند کے طلاق سے انکار کے باوجود عدت وقتِ طلاق سے شمار ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ کہ خالد نے اپنی بیوی کو مورخہ دس شعبان ۱۴۱۷ھ کو طلاق دی۔ اور اس کا علم اس وقت کسی کو نہیں ہوا۔ چند دن بعد بیوی نے اپنے سسر کو بتایا۔ جب اس نے بیٹے سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔ کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ چنانچہ اس پر باپ نے بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔ تقریباً ایک ماہ بعد خالد نے والد سے معافی مانگی۔ اور طلاق کا اقرار بھی کیا دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ عورت کی عدت دس شعبان ۱۴۱۷ھ سے شمار کی جائیگی یا خالد کے اقرار کے بعد سے شمار کی جائیگی۔ بینوا و توجروا۔ سائل زاہد محمود کوٹ ادو۔

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ عورت کی عدت طلاق کے بعد سے ہی شمار کی جائے گی۔ ایک ماہ تک خاوند کے انکارِ طلاق سے عدة کے شروع ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ومبدأ العدة بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور۔ سواء اعترف بالطلاق او انکر فلو طلق امرأته ثم انکره واقیمت علیه بینة وقضی القاضی بالفرقة کان ادعته علیه فی شوال وقضی به فی المحرم فالعدة من

وقت الطلاق لا من وقت القضاء (در مختار علی الشامیہ ص ۶۶۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ رئیس دار الافتاء خیر المدارس ملتان

دورانِ عدت تعلیم کے لئے باہر جانا

میرے شوہر نے مجھے ۲۱/۹/۹۴ء کو طلاق دے دی۔ میں گرلنہ کالج ساہیوال میں ملازمہ ہوں۔ تو کیا میں دورانِ عدت شہر میں یا کالج میں جا سکتی ہوں۔

الجواب: عدت کے دوران آپ گھر سے باہر نہیں جا سکتیں۔ نہ تعلیم کے لئے اور نہ کسی اور مقصد کے لئے۔ فی الدر المختار ولا تخرج معتدۃ رجعی و بائن لحرۃ مکلفۃ من بیتھا اصلاً لا لیلاً ولا نھاراً اھ (شامیہ ص ۶۷۳ ج ۲)

(۲) ان کانت معتدۃ من نکاح صحیح وھی حرۃ مطلقۃ بالغۃ عاقلۃ مسلمۃ والحالۃ حالۃ الاختیار فانھا لا تخرج لیلا ولا نھاراً سواء کان الطلاق ثلاثا او بائنا او رجعیا کذا فی البدائع (عالمگیری ص ۵۳۴ ج ۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ایک عرصہ سے بیوی کو چھوڑا ہوا ہو تو بھی طلاق کے بعد عدت واجب ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام و مفتیانِ عظام دریں مسئلہ۔

کہ ایک شخص دو سال تک اپنی بیوی کے قریب نہیں گیا۔ اور پھر اس کو تین طلاق دے دی۔ تو اب اس عورت مطلقہ کے بارہ میں کیا حکم ہے کہ وہ فوری طور پر دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا عدت گزارنا لازمی ہے۔ بینوا و توجروا

الجواب: جب ایک دفعہ خلوت صحیحہ ہو جائے تو عدت واجب ہو جاتی ہے خواہ طلاق سے پہلے کتنا ہی عرصہ بیوی کے پاس نہ گیا ہو۔

وسبب وجوبھا عقد النکاح المتأکد بالتسلیم وما جری مجراہ اھ (در مختار علی الشامیہ ص ۶۵۰ ج ۲)

فقط واللہ اعلم

محمد انور
۱۸/۲/۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

معتدۂ موت کو سسرال کے ہاں عصمت کا خطرہ ہو تو منتقل ہو سکتی ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں ۔
کہ ہماری بھانجی ہے۔ اس کا خاوند انتقال کر گیا ہے۔ اس کے گھر والے یعنی ساس اور نند اس کے ہمراہ گھر کے اوپر والے پورشن میں رہتے ہیں۔ اور اکثر ان سے ناچاقی بھی رہتی ہے وہاں پر ان کی نند کے پاس غیر محرم لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اور وہ لوگ شراب نوشی بھی کرتے ہیں۔ جس کی شاہد بیوہ ہے۔ اس صورت حال میں بیوہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ کہ وہ اس گھر میں رہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ بیوہ کے ہاں دو بچے آپریشن سے ہوئے ہیں۔ اور ابھی بھی وہ تین ماہ کی حاملہ ہے وقتاً فوقتاً ان کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لئے بھی جانا پڑے گا اس صورت حال میں ہم یعنی بیوہ کے ماموں ہم اسے اپنے گھر لا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیوہ کے خرچہ کے لئے بھی اس گھر میں انتظام نہیں ہے۔ متوفی کے بھائی بھی کہتے ہیں کہ آپ لوگ اُسے گھر لے جا سکتے ہیں۔

محمد اسلم خاں عمر فاروق سٹریٹ نیو سبزی منڈی روڈ ملتان۔

الجواب: وفی العالمگیریۃ ص۵۳۵ ج۱ المعتدۃ اذا کانت فی منزل لیس معہا احد وھی لا تخاف من اللصوص ولا من الجیران ولکنہا تفزع من امر المیت ان لم یکن الخوف شدیدا لیس لہا ان تنتقل من ذلک الموضع وان کان الخوف شدیدا کان لہا ان تنتقل کذا فی فتاوی قاضیخان ۔

اگر واقعی عورت مذکورہ کو اس مکان میں رہتے ہوئے عصمت کا خطرہ ہے۔ تو پھر وہ اپنے ماموں کے گھر جا سکتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح - محمد انور — بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ جامعہ خیر المدارس

۲۰ ۶/۱۴۱۳ھ — ۲۰ ۶/۱۴۱۳ھ

معتدۂ موت معاشی ضرورت کیلئے دن کو باہر جا سکتی ہے ؟

علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ایک عورت کا خاوند فوت

ہوگیا ہے۔اور اب اس عورت کے نان و نفقہ کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ وہ خود کمائی کرے تو کیا وہ اپنے اخراجات کی کمائی کے لئے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں۔

محمد ارشاد بیرون حرم گیٹ نزد پرانا سی آئی اے سٹاف ملتان

الجواب : فی الدر ص ۶۲۳ ج ۲ ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلھا۔ اور شامی میں ہے واما المتوفی عنھا زوجھا فلانہ لا نفقۃ لھا فتحتاج الی الخروج نھارا لطلب المعاش ۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا۔ کہ عورت مذکورہ اپنے اخراجات کے لئے دن کو باہر جا سکتی ہے۔البتہ رات کے دس بجے سے اس مکان میں رہے جس میں خاوند کی موجودگی میں رہتی تھی۔اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس دن ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۸ - ۱۰ - ۱۴۱۲ھ

سارے رشتہ دار دوسرے شہر میں ہوں تو معتدہ وہاں جا سکتی ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں ۔

۱- ایک عورت کا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اب وہ عورت عدت میں ہے ان کی رہائش ملتان میں ہے اور خاوند بھی ملتان ہی میں فوت ہوا ہے لیکن اکثر کنبہ و قبیلہ کمالیہ میں ہے کیا یہ عورت کمالیہ ملنے کیلئے جا سکتی ہے کیونکہ اگر یہ اکیلی وہاں نہیں جاتی۔ تو وہاں سے سب لوگ تعزیت کیلئے یہاں ملتان آئیں گے اور پریشانی ہوگی۔اگر یہ اکیلی وہاں چلی جاتی ہے ۔تو ان سب کی پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن مدت عدت ملتان میں ہی گزارنی ہے تو اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ عورت اس عدت کے دوران اس مجبوری کی وجہ سے کمالیہ جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور خاوند کی قبر پر بھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ عورت بڑھیا ہے آنکھیں کمزور ہیں، ڈاکٹروں نے اپریشن کے لئے مشورہ دیا تھا۔لیکن یہ حادثہ ہوگیا۔کیا یہ علاج کے لئے اس عرصہ میں ہسپتال جا سکتی ہے یا نہ۔ اپریشن کروا سکتی ہے یا نہ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں تاکہ اسی پر عمل کیا جا سکے۔

بینوا و توجروا۔ المستفتی۔ چوہدری محمد رفیق نیو ملتان ۔

الجواب صورت مسئولہ میں عدت ملتان میں ہی گذاری جائے۔ مذکورہ عذر کی بنا پر کما لیہ جا کر عدت گذارنا درست نہیں۔ علی المعتدة ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیہا بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت کذا فی الکافی (عالمگیریہ ص۵۳۵ ج۱)

۲۔ عدّت کے بعد کرائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۱۸ - ۳ - ۱۴۱۱ھ

گواہوں کے بغیر پڑھے گئے نکاح میں عدت ہوگی یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درمیان اس مسئلہ کے کہ ایک عورت نے ایک مرد کے ساتھ مل کر اپنا نکاح گاؤں کے ایک امام صاحب سے پڑھوا لیا جبکہ نکاح کے وقت امام صاحب اور مذکورہ مرد و عورت کے علاوہ اور کوئی نہ تھا پھر ایک دن رات اکٹھے بھی رہے۔ غالباً مرد نے عورت کے ساتھ جماع بھی کیا۔ لیکن ایک دن رات گذرنے کے بعد عورت کہتی ہے کہ میں نے اپنا نکاح نہیں پڑھوایا۔ جبکہ امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے مذکورہ عورت کا نکاح پڑھایا ہے۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے۔ کہ آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور علیحدگی کی صورت میں عدت ہوگی یا نہیں بینوا وتوجروا۔ المستفتی محمد اشفاق ولد دیوان

الجواب اگر نکاح کے وقت دو گواہ ایجاب و قبول کے سننے والے موجود نہ ہوں۔ تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ لہذا مذکورہ صورت میں دو گواہوں کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا البتہ اگر مرد نے عورت کے ساتھ وطی کی ہے تو عورت پر عدت واجب ہوگی۔ وشرط حضور شاهدين وسيأتي في باب العدة انه لاعدة في نكاح باطل وذكر في البحر هناك عن المجتبى ان كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة (شامی ج ۲ ص۳۸۰) فقط واللہ اعلم بالصواب

بندہ عبدالستار عفی عنہ

طلاق نامہ پر پہلے کی تاریخ لکھ دی جائے تو عدت کب سے شمار ہوگی

زید نے بیوی کو طلاق نامہ بھیجا اور اس پر ۵ ماہ پہلے کی تاریخ ڈال دی۔ تو کیا بیوی اسی وقت سے مطلقہ شمار ہوگی یا جو تاریخ اس پر لکھی گئی ہے؟

الجواب: جس وقت طلاق نامہ لکھا گیا ہے اور اس پر دستخط ہوئے۔ بیوی اس وقت سے مطلقہ سمجھی جائے گی اور عدت بھی اس وقت سے شروع ہوگی قولہ لان الانشاء فی الماضی انشاء فی الحال اھ لانہ ما اسندہ الی حالۃ منافیۃ ولا یمکن تصحیحہ اخبارًا لکذبہ وعدم قدرتہ علی الاسناد فکان انشاءً فی الحال اھ (شامیہ ص۴۹۹ ج ۲) ثم المرسومۃ لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فلما کتب ھذا یقع الطلاق وتلزمھا العدۃ من وقت الکتابۃ اھ (شامیہ ص۴۶۵ ج ۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

معتدہ عدت کے دوران کسی قسم کے زیور نہ پہنے

معتدہ دورانِ عدت زیور پہن سکتی ہے یا نہیں؟

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ سونے کے زیورات عورت سے نہیں اتارتے۔

الجواب: عدت کے دوران عورت کسی قسم کے زیور نہیں پہن سکتی۔ جو پہلے پہنے ہوئے تھے وہ بھی اتار دیں زیورات کے علاوہ کسی قسم کی زیب و زینت بھی جائز نہیں۔ تحد بترک الزینۃ بحلی او حریر اھ (قولہ بحلی) ای بجمیع انواعہ من فضۃ او ذھب وجواھر اھ (بحر الرائق ص۵۳۱ ج ۳) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

عدت کم از کم کتنے عرصہ میں گذر سکتی ہے؟

امام صاحب (زید) نے ایک مطلقہ عورت سے اڑھائی ماہ بعد نکاح کر لیا اور چھ

ماہ دس دن کے بعد عورت مذکورہ کو بچہ پیدا ہوا۔ اب امام پر شبہ ہے کہ اس کی بیوی کو جو بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ اس کے حمل سے نہیں۔ بلکہ پہلے سے ہے۔ تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ طلاق اور نکاح کے درمیان مدت عدت گزرنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ عدت پوری ہونے کی کم از کم مدت انتالیس دن ہے (کما فی الشامیۃ ص۶۶۵ ج۲) وعندھما اقل مدۃ تصدق فیہا الحرۃ تسعۃ وثلاثون یوما ثلاث حیض بتسعۃ ایام وطہران بثلاثین۔

لہذا یہ نکاح صحیح ہو گیا ہے۔ اور وضع حمل بھی چھ ماہ کے بعد ہے اس لئے حمل کو نکاح سے پہلے کا قرار دینا درست نہیں۔

پس زید مذکور کوئی مجرم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۲/ ۱۳۸۵ھ

معتدہ خاوند کی قبر پر نہیں جاسکتی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے۔ وہ عورت سوگ کے دنوں میں اپنے خاوند کی قبر پر جاسکتی ہے یا کسی بھی قبرستان میں جاسکتی ہے یا نہیں علاوہ ازیں عام دنوں میں عورتوں کا قبرستان میں جانا کیسا ہے۔

الجواب معتدہ کے لئے خاوند کی قبر پر جانے کی اجازت نہیں درمختار میں ہے لوکان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لھا الخروج

فتح شامیہ ص۶۲۰ ج۲۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۵-۹-۱۴۰۹ھ

بَابُ النسبْ

وفات کے ساڑھے تین سال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا حکم

عبداللہ خان کا ایک بیٹا اور پانچ لڑکیاں ہیں وراثت شریعت کے مطابق تقسیم ہوگئی، ساڑھے تین سال بعد زوجہ سے ایک لڑکے کا تولد ہوا۔ زوجہ نے دعویٰ کیا کہ لڑکا عبداللہ خاں کا ہے کیا اس بچے کو بھی وراثت ملے گی؟ اور نسب ثابت ہوگا؟

الجواب حمل دو سال سے زیادہ پیٹ میں نہیں ٹھہر سکتا واکثر مدۃ الحمل سنتان الخ۔ اس لئے یہ بچہ عبداللہ خان کا بیٹا نہیں ہو سکتا نہ اس کا نسب عبداللہ خان سے ثابت ہے اور نہ اس کا وارث بن سکتا ہے۔ فقط، واللہ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح، المجیب مصیب، بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ ۱۷/۷/۷۶ھ محمد ابراہیم عفی عنہ،

خاوند کے لاپتہ ہونے کی وجہ سے عورت نکاح کر لیا بچے پیدا ہو گئے پھر پہلا خاوند بھی آگیا تو بچوں کا نسب دوسرے سے ہوگا

ایک آدمی اپنی عورت سے بے پرواہ ہوکر چلا گیا اور کسی دوسری عورت کو ساتھ لے گیا اسی اثناء میں پاکستان آنے کی صورت بنی اسکی عورت پاکستان آگئی اس نے یہاں آکر بھی پرواہ نہ کی اور نہ ہی پتہ کیا کہ میری عورت کہاں ہے آخر عورت نے خاوند کی بے توجہی کے پیش نظر دوسرے کسی مرد سے نکاح کر لیا جسے اس کے سابقہ نکاح کا علم نہ تھا اور اس سے ایک لڑکا لڑکی پیدا بھی ہوئے۔ پہلے خاوند سے کوئی نہ تھا پھر جب اس ثانی شخص کو پتہ چلا تو اس نے فوراً گھر سے نکال دی اور بچے اس کے ہمراہ کر دیئے اور کہا کہ تم سب کی مجھ کو ضرورت نہیں۔ اسی اثناء میں خاوند اول کا وردد ہوا اس سے طلاق کے مطالبہ پر طلاق حاصل کی گئی بعوض پھر عدۃ کے بعد دوسری جگہ نکاح باقاعدہ کر بیٹھی اور اپنے ثانی شخص سے بچوں کے متعلق اپنے بھائیوں کو کہتی ہے کہ ان کا نکاح اپنی حسب منشاء کر لو ورنہ جہاں اب آباد ہوں وہ اپنی حسب منشاء ان کا نکاح کہیں کر دادیں گے جس پر میں ناراض ہوں تو شرعاً عورت مذکورہ کے بھائی اسکے کہنے کے موجب نکاح کروا سکتے ہیں یا نہ یا کس بادر کی اجازت سے ان کا نکاح قابل انعقاد ہے یا نہیں۔

(سائل۔ نور الحسن، حاصل پور)

الجواب غاب من امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولاداً ثم جاء الزوج الاول فالاولاد للثانی علی المذهب الذی رجع الیہ الامام وعلیہ الفتوی کما فی الخانیۃ والجوہرۃ والکافی وغیرہ ۔ (درمختار ص ۲۶۳ شامی ج ۲)

صورت مسئولہ میں بچوں کا نسب چونکہ زوج ثانی سے ثابت ہے جیسا کہ جزئیہ بالا سے ثابت ہے پس انکے نکاح کی ولایت بھی اسی کو حاصل ہوگی ، زوج ثانی اگر ان بچوں کے نکاح کی اجازت دیدے تو اسکا کیا ہوا نکاح بھی درست ونافذ ہوگا ۔ فقط ، واللہ اعلم ،

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفی عنہ ،
محمد عبداللہ غفر اللہ لہ ،	نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۴/۹/۸۰ ھ

آٹھ سالہ بچے سے نسب ثابت نہیں ہوگا

زید کی عمر آٹھ سال ہے اسی دوران اس کا نکاح والد نے خالدہ کے ساتھ کر دیا ۔ خالدہ حاملہ ہوگئی بچہ بھی پیدا ہوگیا تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت ہوگا یا نہیں ؟

(المستفتی ۔ عبدالرشید علی پوری ـــــ خیر المدارس ملتان)

الجواب بارہ سال سے کم عمر کے بچے سے نسب ثابت نہیں ہوتا لہٰذا یہ بچہ زید کی طرف منسوب نہیں ہوگا ۔

نعم ینبغی ثبوتہ عن المراھق احتیاطاً ۔ الی قولہ اما المراھق فیجب ان یثبت النسب منہ (شامی باب العدۃ) ۔ وادنی مدتہ (ای البلوغ) لہ اثنتا عشرۃ سنۃً ولھا تسع سنین اھ (شامیہ) ۔ فقط واللہ اعلم !

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ	۲۵/۴/۱۴۱۸ ھ

نکاح فاسد میں نسب ثابت ہوگا یا نہیں ؟

جوانی میں خالد کے ہندہ سے ناجائز تعلقات تھے بعد میں خالد کی شادی

ہندہ کی لڑکی سے ہو گئی اب پتہ چلا کہ خالد ہندہ کی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا تھا اب خالد کیا کرے اور جو اولاد پیدا ہو چکی ہے اسکے نسب کا کیا حکم ہے ؟

الجواب خالد اس عورت کو فوراً علیحدہ کرے اور جو اولاد پیدا ہوئی ہے وہ خالد سے ثابت النسب ہے کیونکہ نکاح فاسد میں نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

(وعدة المنكوحة نكاحاً فاسداً) هى المنكوحة بغير شهود ونكاح امرأة الغير بلا علم بانها متزوجة ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافاً لهما فتح۔ (ردالمحتار ص۶۵۹ ج۲)

وفى الشامية قبيل الحضانة (قوله لانه نكاح باطل) اى فالوطء فيه زنا لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولذا تكون بالفاسد فراشا لا بالباطل (ردالمحتار ص۶۸۶ ج۲)

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ،

ساس سے نکاح کر لیا جائے اور اولاد پیدا ہو جائے تو نسب کا حکم

زید کی منکوحہ بیوی فوت ہو چکی ہے زید نے اپنی متوفیہ بیوی کی حقیقی ماں خالدہ (جو کہ زید کی ساس ہے) سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے حتیٰ کہ اغوا کر کے لے گیا کچھ عرصہ کے بعد مغویہ کے خاوندِ اصلی (جو کہ زید کا خسر تھا) نے مغویہ کو طلاق دیدی زید نے مغویہ کے ساتھ نکاح کر لیا اس مغویہ سے زید کے بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں تو دریافت طلب امور یہ ہیں۔

۱۔ زید کا نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟

۲۔ اگر نکاح صحیح نہیں تو اولاد کا کیا حکم ہے ؟

الجواب مسماۃ خالدہ زید پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ لقوله تعالى وامهات نسائكم۔ البتہ زید سے نسب ثابت ہے رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابى حنيفة خلافا لهما بناء على ان

النکاح فاسد عند ابی حنیفة باطل عند هما۔ کذا فی الظهیریة (ہندیہ ج۱ ص۵۲)

زید کے اقارب پر خصوصاً اور عوام الناس پر عموماً لازم ہے کہ زید اور خالدہ میں جدائی کرائیں۔

فقط واللہ اعلم، الجواب صحیح،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۴۱۱/۷/۲۳ھ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

زنا سے پیدا ہونیوالا بچہ والد کی طرف منسوب نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ——— ایک شخص غیر شادی شدہ ایک عورت غیر شادی شدہ سے زنا کرتا ہے کچھ عرصہ بعد زانی مزنیہ سے نکاح کر لیتا ہے پانچ ماہ اور پندرہ دن کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے زانی اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا ہے اور میرے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور قبل از نکاح زنا کا اقرار بھی کرتا ہے قابل دریافت امور یہ ہیں۔

۱۔ کیا مذکورہ زانی مزنیہ کا نکاح صحیح ہے؟ ۲۔ کیا بچہ ثابت النسب ہوگا؟ ۳۔ مستحق میراث ہوگا یا نہیں؟ ۴۔ زانی کا اپنے فعل کا علی الاعلان اقرار حد کو لازم کرتا ہے یا نہیں؟ ۵۔ ہم مسلمان ایسے شخص سے اچھے معاملات رکھ سکتے ہیں یا نہیں ۶۔ شخص مذکور پر ہم کوئی سزا مقرر کر سکتے ہیں یا وہ صرف توبہ کرلے؟

الجواب ——— زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا اسلئے یہ لڑکا زانی کیطرف منسوب ہوگا نہ اس کا وارث ہوگا۔

ولو زنى بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ان جاءت به لستة اشهر فصاعداً ثبت نسبه وان جاءت به لاقل من ستة اشهر لم يثبت نسبه الا ان يدعيه ولم يقل انه من الزنا اما ان قال انه مني من الزنا فلا يثبت نسبه ولا يرث منه (عالمگیری ج۱ ص۵۴۰)

یہ شخص ضرور سزا کے قابل ہے لیکن مسلمان حاکم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا جائے وہ جو سزا متعین کرے وہ نافذ کی جائے گی اور توبہ استغفار لازمی ہے۔ قبل از توبہ اس سے تعلقات ترک کیے جائیں۔ فقط، واللہ اعلم، بندہ محمد انور ۱۴۰۲/۳/۲ ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ

بحالتِ اغوا پیدا ہونیوالے بچے کا نسب فراش کی طرف منسوب ہو گا

ایک شخص مسمی فقیر بخش کی عورت مسماۃ سلمیٰ ایک دوسرے شخص مسمی محمد بخش کے ساتھ اغوا ہو گئی اور محمد بخش کے پاس مسماۃ سلمیٰ سے ایک لڑکی غلام زہراں پیدا ہوئی حالانکہ نکاح فقیر بخش کا قائم تھا پھر اس لڑکی مسماۃ غلام زہراں کی شادی ہو گئی اور اسے ایک لڑکا مسمی حضور بخش پیدا ہو گیا اور فقیر بخش نے ایک اور شادی کی جس سے کئی لڑکیاں پیدا ہوئیں کیا اس لڑکے مسمی حضور بخش کا نکاح فقیر بخش کی لڑکیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو سکتا ہے جو فقیر بخش کی دوسری بیوی میں سے ہیں یا نہیں ہو سکتا؟

الجواب صورت مسئولہ میں اس لڑکے کا نکاح فقیر بخش کی کسی لڑکی سے جائز نہیں اس لئے کہ حضور بخش کی ماں غلام زہراں بوجہ الولد للفراش (الحدیث) فقیر بخش کی بیٹی متصور ہو گی اور حضور بخش فقیر بخش کا نواسہ بنے گا اور فقیر بخش کی باقی لڑکیاں حضور بخش کی خالہ بنیں گی اور خالہ کے ساتھ نکاح حرام ہے ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

الجیب مصیب احقر الانام	سلطان محمود بقلم خود
غلام محمد بقلم خود	مدرس مدرسہ دار الحدیث محمدیہ
مدرس مدرسہ احسن المدارس جلالپور	الجواب صحیح،
الجواب صحیح والمجیب مصیب	عبداللہ غفر لہٗ، مفتی خیر المدارس ملتان
العبد الاحقر الا فتر خادم القوم	الجواب صحیح،
غلام رسول غفر لہ پونوٹی	محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مزنیہ کے اقرار کے باوجود کہ یہ بچہ زنا کا ہے خاوند سے نسب منتفی نہ ہو گا

زید نے ہمراہ ہندہ کے شادی کی چند ایام آبادگی کے بعد زید اپنے وطن سے دور دراز برائے ملازمت چلا گیا ایام مفارقت کے ۱۵ ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا۔ زید کو خبر ملی تو زید نے انکار کر دیا بلکہ حکومت مجاز میں رپٹ دی کہ یہ لڑکا میرا نہیں۔ فریقین کے قبائل کے معتبر لوگوں نے جمع ہو کر بصورت پنچایت

ہندہ سے تحقیق کی کہ زید اس لڑکے سے منکر ہے تم بتاؤ یہ لڑکا کس کا ہے جواباً ہندہ نے کہا کہ میرے ساتھ جبراً عمرو نے مداخلت کی تو یہ لڑکا عمرو کا ہے آخر یہ مقدمہ مفتی حکومت کے پاس دائر ہوا تو مفتی حکومت نے شہادت پنچائیت پر فیصلہ کیا کہ لڑکا والدہ کے حوالہ کر دو اور اسکی والدہ کو اپنے والدین کے حوالہ کر دو۔ اس فیصلہ کے بعد زید نے ہندہ کو طلاق دے دی تو ہندہ نے دوسری جگہ شوہر اختیار کیا۔ کیا اب بعد بلوغ وہ لڑکا ترکہ زید سے وارث ہو گا یا نہ ہو گا۔

(مستفتی، مولوی محمد زمان۔ آزاد کشمیر)

الجواب (فان لاعن لاعنت) ...... (والا حبست) حتی تلاعن أو تصدقه (فيندفع به اللعان ولا تحد) وان صدقته أربعا لانه ليس باقرار قصدا ولا ينتفي النسب لانه حق الولد فلا يصدقان في ابطاله: وفي الشامية ولا ينتفي النسب لأنه انما ينتفي باللعان ولم يوجد ...... وسيأتي ان شروط النفي ستة منها تفريق القاضي بينهما بعد اللعان (شامیہ ص ج ۲)

جزئیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ قطع نسب کے لئے لعان کے بعد تفریق قاضی شرط ہے پس صورت مسئولہ میں جبکہ لعان بین الزوجین ہی نہیں ہوا تو قاضی صاحب موصوف کا قطع نسب درست نہ ہوا لہذا بچہ مذکورہ شرعاً اپنے والد کی میراث کا مستحق ہے اور نسب ثابت ہے۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم،
عبداللہ عفر اللہ لہ،	بندہ عبدالستار عفی عنہ،
مفتی خیر المدارس۔ ملتان	۱۷ / ۱۱ / ۸۰ھ

بچہ پیٹ میں سوکھ جائے اور باپ کی وفات کے دس سال بعد پیدا ہو تو نسب کا حکم

س زید فوت ہوا اس وقت اسکی بیوی حاملہ تھی چار ماہ کا حمل تھا لیکن چند وجوہ کی بابت بچہ سوکھ گیا اور کم وبیش ۹½ برس تک بچہ پیٹ میں رہا کافی علاج معالجہ تعویذ گنڈے کراتے

رہے قدرتِ الٰہی سے بچہ پیدا ہو گیا بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا حقیقی دادا موجود تھا۔ اس نے اپنے پوتے کے نسب کو صحیح قرار دیا پانچ ماہ بعد بچے کا دادا وفات پا گیا۔ اب اس بچے کی والدہ اور حقیقی دادی موجود ہے دادی نسب کا انکار نہیں کرتی اور نہ کوئی اور رشتہ دار انکار کرتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً نسب ثابت ہو گا یا نہیں؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں بر تقدیر صحتِ واقعہ اس بچہ کا نسب عورتِ مذکورہ کے خاوند سے ثابت نہیں اسلئے اس بچے کو اس باپ کے ترکہ سے حصہ نہیں ملیگا۔

شامیہ ص ۶۷۶ ج ۲ میں ہے۔

اکثر مدۃ الحمل سنتان الی ان قال ولا یخفی ان قول عائشۃ رضی اللہ عنہا مما لا یعرف الا سماعاً فھو مقدم علی ھذا لانہ بعد صحۃ نسبتہ الی الشارع لا یتطرق الیہ الخطاء بخلاف الحکایۃ

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد اسحاق غفرلہ،

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، ۱۷/۱/۹۲ھ

بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے سالی سے نکاح کیا تو اس سے ہونے والی اولاد کے نسب کا حکم

زید نے پہلا نکاح زینب سے کیا دو ماہ بعد دوسرا نکاح سلمیٰ سے کیا۔ جو کہ زینب مذکورہ کی حقیقی بہن ہے۔ لوگوں نے منع کیا، کہ دو بہنیں بیک وقت نکاح میں نہیں آ سکتی۔ مگر زید نہ مانا۔ اب دونوں عورتوں سے زید کی اولاد ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح کونسا صحیح ہے اور کونسی اولاد ثابت النسب ہوگی۔

الجواب زید کا زینب کی زندگی میں اسکی حقیقی بہن سلمیٰ کے ساتھ نکاح کرنا حرام تھا۔ لیکن نکاح ہو چکنے کے بعد جب سلمیٰ کے پیٹ سے زید کے ہاں اولاد بھی ہوئی تو اس اولاد کو حرامی نہیں کہیں گے۔ بلکہ یہ اولاد بھی دوسری اولاد کی طرح صحیح النسب ہے۔ کیونکہ یہ دوسرا نکاح فاسد ہے باطل نہیں، اور نکاح فاسد میں دخول کے بعد نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

وان تزوج احداهما بعد الاخریٰ جاز نکاح الاولیٰ وفسد نکاح الثانیة (بدائع الصنائع صـ۲۶۱ ج۲)۔ وکذا فی الهندیة و زاد فیها عن المحیط فی هذه الصورة بعینها وعلیها العدة ویثبت النسب وقال فی البدائع صـ۳۳۵ ج۲۔ واما نکاح الفاسد فلا حکم له قبل الدخول واما بعد الدخول فیتعلق به احکام منها ثبوت النسب الخ۔

بعض فقہاء کی عبارات میں جو بیوی کی بہن سے نکاح کو باطل کہا گیا ہے اُس بطلان کی تاویل فساد سے کی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ لہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ
۶/۵/۱۳۷۹ھ

مطلقۂ ثلاث سے بدوں حلالہ دوبارہ نکاح کر لیا تو ثبوتِ نسب کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اِس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک شخص سے کیا۔ وہاں آباد ہو کر لڑکی کسی کے ساتھ اغوا ہو گئی۔ میں نے اس سے طلاق لے لی۔ اس کے بعد مغوی نے لڑکی سے نکاح کر لیا اور کچھ عرصہ بعد طلاق ثلثہ دیدی۔ مجھے اس نکاح ثانی اور طلاقِ ثانی کا علم نہ تھا تو میں نے اپنی لڑکی اور مغوی کو اب تک اکٹھے رہتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ تم آپس میں نکاح کر لو۔ تب رہو۔ ورنہ تمہارے خلاف کاروائی کریں گے انہوں نے میرے کہنے پر نکاح کر لیا بدوں حلالہ کے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہ۔ اور عورت بدوں طلاق حاصل کئے آگے کسی جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہ؟

الجواب ولو طلقها ثلثا ثم تزوجها قبل ان تنکح زوجا غیره فجاءت منه بولد ولا یعلمان بفساد النکاح فالنسب ثابت وان کان یعلمان بفساد النکاح یثبت النسب ایضاً عند ابی حنیفة کذا فی التاتارخانیة ناقلاً عن تجنیس الناصری عالمگیری صـ۱۴۰ ج۲۔ وهکذا فی المنحة علی البحر للعلامة الشامی

ناقلاً عن مجمع الفتاویٰ۔

جزئیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ طلاق ثلثہ دینے کے بعد خاوند اگر اسی عورت سے بدون حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح کرے تو اس نکاح میں پیدا ہونے والی اولاد صحیح النسب متصور ہو گی اور ثبوت النسب نکاح صحیح یا نکاح فاسد میں ہوتا ہے نہ کہ نکاح باطل میں۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ نکاح فاسد ہے باطل نہیں۔ نکاح ہذا سے عورت کی خلاصی کی صورت یہ ہے کہ خاوند یہ کہہ دے کہ میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا یا اس کو طلاق دی اس کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اگر خاوند چھوڑنے سے انکار کرے، مسلمان جج سے تفریق حاصل کر لی جائے۔ پھر عدت کے بعد آگے نکاح کرے۔ واضح رہے کہ موجودہ نکاح کو فسخ کرانا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح عبداللہ عفر اللہ لہ،

لاعلمی میں حقیقی بہن سے نکاح کر لیا تو اولاد کے نسب کا حکم

ہندوستان کی تقسیم کے وقت مختلف خاندان منتشر ہو گئے "نتیجۃً" خاوند اور بیوی کو ایک عرصہ کے بعد پتہ چلا کہ ہم دونوں بہن بھائی ہیں جبکہ ان دونوں سے اس وقت اولاد بھی موجود ہے دونوں ایک دوسرے سے شرمندہ ہیں اور آپس میں جدا ہو گئے ہیں۔ مطلوب یہ ہے کہ ان سے جو اولاد پیدا ہوئی شرعاً اُن کا نسب باپ سے ثابت ہو گا یا نہیں؟

الجواب شرعاً یہ بچے اسی باپ کی طرف منسوب ہوں گے۔ رجل مسلم تزوج بمحارمہ فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفة اھ۔

(عالمگیری صفحہ ۱۴۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

موطوءۃ بالشبہ کے بچے کا نسب واطی سے ثابت ہو گا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ہندہ

کے خاوند زید کو مفقود ہوتے تقریباً تیس برس گزر چکے تھے وہ مفقود ہو کر غائب بھی تھا ہندہ چونکہ جوان تھی، علاوہ ازیں اسکی وجہ معاش کا کوئی کفیل نہ تھا دوسرا خاوند کرنے کے لئے علماء دین کی طرف متوجہ ہوئیں۔ بنا بریں ایک عالم دین مدرس مستند از دارالعلوم دیوبند اور فن فتاویٰ میں بھی کسی قدر روشناس تھا، نے بلحاظ قولِ مالکیہ جو کہ ایسے خاوند کی عورت چار سال کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے فتاویٰ عبدالحیؒ کو دیکھ کر جس میں وہ شرائط درج نہیں جو الحیلۃ الناجزہ میں ہیں فتویٰ لکھ دیا کہ یہ عورت بغیر کسی مزید پابندی شرط کے نکاح کر سکتی ہے اور شاید وہ صاحب اس نکاح میں شریک بھی ہوں چنانچہ ہندہ نے بناء بر فتویٰ، بکر کے ساتھ نکاح کر لیا اور بعدِ نکاح اسے حمل بھی استقرار پکڑ گیا اور مدتِ حمل کے انقضاء کے بعد لڑکی پیدا ہوئی بعد ازاں انکو خبر ہوئی کہ یہ فتویٰ بناء بر مالکیہ مطلق نہیں ہے بلکہ اس میں شرائط ہیں بعد از شرائط عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے چنانچہ دوبارہ علماء کرام کی طرف توجہ کی گئی اور شرائط پورا ہونے کے بعد نکاح کیا گیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لڑکی جو قبل از نکاح صحیح پیدا ہوئی ہے اگرچہ وہ بناء بر فتویٰ تھی اس کے نکاح کا متولی کون ہوگا زوج اوّل مفقود کا بھائی جو کہ پابندِ عیال نہیں ہے اور جوگیانہ زندگی بسر کرتا ہے آئے دن اس کا کوئی مکان نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مسکن ہے گویا اس کا گھر اس کے اپنے وجود کے ساتھ ہے کسی وقت اپنے وطن میں آجاتا ہے لیکن اس کو اپنی برادری کے معاملات میں کوئی سروکار نہیں یہ متولی ہوگا یا ھندہ کا زوج بکر جس کے علوق سے بناء بر فتویٰ یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے یہ لڑکی ولدالزنا تصور ہوگی۔ بکر اور ھندہ کو فتویٰ کے لحاظ سے معذور عند الشرع ثابت کرتے ہوتے اس تہمت سے بری تصور کیا جائے گا، شرعاً یہ لڑکی بکر کی وارث ہوگی یا نہ؟

الجواب ـــــ صورت مسئولہ میں اس لڑکی کا نسب شخص مذکور زوج ثانی جس نے بناء بر فتویٰ نکاح کیا ہے سے ہوگا اور یہ لڑکی اس سے ہی وارث ہوگی۔

كما فى الشامية والقياس ان لا يرث لها لان النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد وبالوطء عن شبهة ص۸۴۶ ج۲

وفيه ايضاً ص۵۲۸ ج۵ تحت قول الدر المختار (ولا يرثون بانكحة مستحلة عندهم) الى قوله لان النسب يستحق الميراث ولو كان بسببٍ محظور كما فى النكاح الفاسد والوطئ بشبهة . فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
۲/ ۲۷/ ۱۹۷۸ء

خاوند کی وفات کے وقت غیر حاملہ تھی چھ ماہ بعد حاملہ ہوگئی تو نسب کا حکم

مسمی نور خان نے مرض الموت میں اپنی عورت مساۃ سرداراں کو طلاق دیدی۔ طلاق دینے کے تقریباً چھ سات گھنٹے بعد فوت ہوگیا اور عورتِ مذکورہ کے تعلقات پہلے ہی سے ایک شخص کے ساتھ خراب تھے تو عورت مذکورہ کو اس کے خاوند کے مرنے کے تقریباً چھ سات ماہ بعد حمل بالزنا ہوگیا کیونکہ جس وقت اس کا خاوند فوت ہوا ہے اس وقت عورت مذکورہ حیض کی حالت میں تھی اور اب عورت مذکورہ یہ کہتی ہے کہ یہ حمل میرے خاوند کا ہے تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ حمل بقول عورت کے اسکے خاوند کا متصور ہوگا یا حمل بالزنا ہی اسے قرار دیا جائے گا اور متوفی نور خان مذکور کی جائیداد کی عورت مذکورہ اور حمل شرعاً وارث ہونگے یا نہیں حالانکہ زانی خود مدعی ہے کہ یہ حمل میرا ہے اور عورت مذکورہ خاوند کے مرنے کے قبل تقریباً ڈیڑھ سال کے عرصہ سے اپنے والدین کے گھر رہتی تھی اس عرصہ میں خاوند کے پاس بالکل نہیں آتی تھی اور زانی کے ساتھ تعلقات وابستہ تھے اور خاوند کی موت کے بعد اسی دن زانی کے پاس چلی گئی اور عدت کے اندر ہی اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

الجواب فی العالمگیریۃ ص۱۲۹/ج۲ واذا کانت معتدۃ من طلاق بائن او من وفاۃ فجاءت بولد الی سنتین فانکر الزوج الولادۃ او الورثۃ بعد وفاتہ وادعت ھی فان لم یکن الزوج اقر بالحبل ولا کان الحبل ظاھراً لا یثبت النسب الا بشہادۃ رجلین او رجل وامرأتین فی قول ابی حنیفۃ

عبارت مذکورہ سے واضح ہوا کہ عورت اور وارثوں کے اختلاف کی صورت میں جبکہ موت کے وقت حمل ظاہر نہ ہو تو دو گواہوں کی ضرورت ہے ورنہ متوفی سے نسب ثابت نہیں ہوگا لہٰذا

صورت مسئولہ میں عورت خاوند کی جائیداد سے حصہ لے سکے گی کیونکہ عورت کی عدت میں خاوند فوت ہو گیا اور عورت سے بعد وفات خاوند کے جو لڑکا پیدا ہوا چونکہ دوسرے وارث اس کے انکاری ہیں اور وقت موت کے حمل بھی ظاہر نہیں تھا۔ اس لئے جب تک دو عادل گواہ ثبوت نسب کی گواہی نہ دیں نہ نسب ثابت ہوگا اور نہ ہی لڑکا وارث ہوگا۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۷/ ۹/ ۷۵ھ

ڈیڑھ سال سے عورت کے پاس نہیں گئے اور وہ حاملہ ہو تو اس بچے کا حکم

زید اپنے مقام سے کسی دوسری جگہ ملازمت کرتا تھا فرصت نہ ملنے کی وجہ سے ڈیڑھ سال بعد گھر آنا ہوا۔ آ کے پر پتہ چلا کہ بیوی کو ۵ ماہ کا حمل ہے۔ میں نے عورت سے دریافت کیا تو اس نے تسلیم کیا کہ واقعتاً میرے فلاں شخص سے تعلقات ہیں اور یہ حمل اسی کا ہے۔

میں نے پنچایت بلائی۔ پنچایت نے فیصلہ کیا کہ یہ بچہ میرا نہیں اور میں نے طلاق بھی دے دی اب لوگ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ یہ بچہ تیرا ہے اور تم اسکی کفالت کرو۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

(محمد سعید۔ آزاد کشمیر)

الجواب شرعاً یہ لڑکا آپ ہی کا ہے اور شرعاً اس کا نسب آپ سے ثابت ہے کیونکہ نسب منتفی ہونے کے لئے لعان شرط ہے۔ فی الشامیۃ ص۸۰۸ ج۲ (ولا ینفی النسب لانہ انما ینتفی باللعان ولم یوجد وبہ ظہر ان ما فی شرح الوقایۃ والنقایۃ من انہا اذا صدقتہ ینتفی غیر صحیح اھ (شامی)

وفی العالمگیریۃ ص۵۱۹ ج۱ ولو نفی ولد زوجتہ الحرۃ فصدقتہ فلا حد ولا لعان وھو ابنہما لا یصدقان علی نفیہ : اھ

اور واقعہ مذکورہ میں اب لعان بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ عورت مطلقہ ہو چکی ہے اور طلاق بائن کے ساتھ لعان ساقط ہو جاتا ہے اور پھر لوٹتا بھی نہیں خواہ بعد میں نکاح کر لے۔

فی الدر علی الشامیۃ ص۸۰۹ ج۲ ویسقط اللعان بعد وجوبہ بالطلاق البائن ثم لا یعود ولو تزوجہا بعدہ لان الساقط لا یعود۔

الحاصل اب لڑکے مذکور کا نسب آپ سے ہی ثابت ہوگا اور یہ آپ کا وارث بنے گا۔

صورتِ مسئولہ میں آپ کو پریشانی اُٹھانی پڑ رہی ہے کہ جو بچہ آپ کے نطفہ سے نہیں ہے اس کا نسب آپکی طرف کیا جارہا ہے اور وہ لڑکا آپ کا وارث بھی بنے گا مگر اس میں شریعت کا کوئی قصور نہیں جس وقت آپ کو علم ہوا تھا کہ میری عورت کے رحم میں جو نطفہ ہے میرا نہیں ہے آپ کو تحقیق کرنی چاہیئے تھی کہ میں کس طرح اس بچہ سے نجات حاصل کروں دیہات کے ائمہ ساجد بیچارے جن کو علم نہیں ہوتا وہ ایسے مسائل سے خود ناواقف ہوتے ہیں آپ کی رہبری کیا کریں گے آپ لڑکا کا وصول کر کے اسکی پرورش کریں کیونکہ لڑکا تو بے قصور ہے اور اگر عورت تائب و نادم ہے تو اس کو واپس دوبارہ نکاح کر کے رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ طلاق تین نہ دی ہوں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ

خادم الافتاء خیر المدارس ۔ ملتان

۲۲ / ۱۱ / ۷۵ھ

حاملہ کو خون آسکتا ہے اور پیدا ہونیوالا بچہ خاوند ہی کا ہو گا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی کی شادی ۱۱ر دسمبر ۱۹۸۰ئہ کو ہوئی اور وہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۰ئہ تک خاوند کے ساتھ آباد رہی ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۰ئہ کو اس کا خاوند بیرونِ ملک چلا گیا خاوند کی عدم موجودگی میں جنوری، فروری ۱۹۸۱ئہ میں ایک ایک ماہ کے باقاعدہ وقفوں سے لڑکی کو دو دفعہ خون آیا۔ مارچ میں خون اچانک بند ہو گیا جس پر لڑکی کے حاملہ ہونے کا انکشاف ہوا عموم کے خلاف اسی واقعہ پر رفع شکوک وتعجب کے لئے لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا جس کی رائے حاضر خدمت ہے۔ خاوند کی جدائی کے گیارہ مہینے بعد اسی لڑکی نے ایک بچی کو جنم دیا دونوں باتیں چونکہ ضابطۂ قدرت کی عمومی شکل کے خلاف ہیں لہذا سسرال والوں نے خاوند سے لڑکی کو بدچلن قرار دے کر طلاق دلوادی مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے ضمن میں راہنمائی فرمائیں۔

۱۔ کیا حالتِ حمل میں خون آنا مظہر قدرت کے خلاف ہے یعنی کیا شریعتِ مطہرہ کا فیصلہ طبی رائے سے اختلاف رکھتا ہے کیا حالت حمل میں خون آنا اور بچے کا عمومی مدت سے زیادہ عرصے بعد پیدا ہونا دیگر شواہد کی عدم موجودگی میں لڑکی کو بدچلن یا زانیہ قرار دینے کی کافی دلیل ہے کیا اس بچی کو حرامی قرار

دیا جائے گا ع۳ اگر سوال نمبر ۲ کی تمام جزئیات کا جواب اثبات میں ہے تو لڑکی کی سزا شریعت کی رُو سے کیا ہے اور پرورش بچی کی کس کے ذمے ہے اور اگر جواب نفی میں ہے تو لڑکی کو بدچلن اور زانیہ قرار دینا کیسا ہے اور کیا یہ بہتان کے ضمن میں نہیں آتا اور شریعت میں مقدمہ بہتان کی سزا کیا ہے اور اس حالت میں بچی کی پرورش کس کے ذمہ ہے اور شریعت کی نظر میں لڑکی کو بدچلن قرار دے کر طلاق دینا جائز فعل ہے یا نہیں ؟

الجواب حالتِ حمل میں خون آ سکتا ہے اور اس خون کو غیر حاملہ ہونے کا ثبوت قرار نہیں دے سکتے۔ ودم الحامل استحاضۃ کنز صلا ملا شریعت میں اکثر مدت حمل دو سال ہے لہذا جدائی کے گیارہ ماہ بعد پیدا ہونے کی صورت میں یا حالتِ حمل میں خون آنے کی وجہ سے لڑکی کو زانیہ قرار دینا سخت غلطی اور جہالت ہے اور بچی خاوند کی طرف منسوب ہو گی۔

لخبر عائشۃ لا یکون الحمل اکثر من سنتین (درمختار علی الشامیۃ ص ۶۲۳ ج ۲)

لڑکی پر جو زنا کی تہمت لگائی گئی ہے اسی سلسلہ میں اگر خاوند چار عینی گواہ پیش نہ کر سکے تو لڑکی اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے لعان کا مطالبہ کر سکتی ہے لیکن اگر لعان سے پہلے طلاق بائنہ یا رجعی ہو جائے مگر عدت گزر جائے تو لعان ساقط ہو جائے گا لہذا صورت مذکورہ میں لعان کے ساقط ہونے کی وجہ سے خاوند کو سزا تو نہیں دی جا سکتی البتہ اسے بلا وجہ الزام لگانے کا گناہ ضرور ہو گا۔ بچی اسکی ہے لیکن حق پرورش والدہ کو حاصل ہے نو سال کی عمر تک بچی والدہ کے پاس رہے گی بشرطیکہ کوئی امر ایسا پیش نہ آ جائے جو حق پرورش کو ختم کر دے۔

ویسقط اللعان بعد وجوبہ بالطلاق البائن ثم لا یعود (درمختار ص ۵۸۸ ج ۲)

متیٰ سقط اللعان بوجہ ما او ثبت النسب بالاقرار او بطریق الحکم لم ینتف نسبہ ابداً۔ (شامی ص ۵۹۲ ج ۲)

محض اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اور کم علمی کی وجہ سے بدچلن قرار دے کر تو طلاق دینا جائز نہیں ہاں اگر واقعۃً بیوی فاحشہ ہو تو طلاق دینا مستحب ہے واجب پھر بھی نہیں۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
محمد انور عفرلہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مزنیہ کی بچی سے نکاح کیا۔ تو اولاد کے نسب کا حکم

ایک عورت کو زید اغواء کر کے لے گیا ۔۲۵ دن بعد اسے واپس لایا گیا۔ عورت کا بیان ہے کہ جس وقت میں اغواء کی گئی تھی۔ اس وقت مجھے حمل تھا۔ بہر حال بچی پیدا ہوئی اس بچی کا نکاح مغوی کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اس اغواء کنندہ نے عورت کے ساتھ زنا بھی کیا تھا۔ ۲۔ اگر اس بچی کا نکاح اس مغوی کے ساتھ کر دیا گیا ہو تو جو اولاد پیدا ہو گی۔ ان کے ساتھ رشتہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب (۱) اغواء کرنیوالے کے لئے وہ بچی حرام ہے اس سے اس کا نکاح صحیح نہیں اب بھی فوراً اس کو چھوڑ دے اور اپنے سے علیحدہ کر دے۔

وحرم اصل مزنیته ومسوسته بشهوة الخ وفروعهن مطلقاً اھ درمختار علی الشامیۃ ص ۳۰ ج ۲

(۲) جو ان سے اولاد پیدا ہوئی ہے وہ ثابت النسب ہے اور ان کے ساتھ نکاح جائز ہے رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنيفة رحمہ اللہ تعالی ہندیہ ص ۵۴۰ ج ۱ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

طلاق کے آٹھ دن بعد پیدا ہونے والی بچی کے نسب کا حکم

ایک آدمی نے منظوراں بیگم سے شادی کی۔ وہ عورت عبد الستار سے شادی کروانے سے پہلے تین جگہ مطلقہ ہو چکی تھی۔ اس کے بعد آپس میں اختلاف ہو گیا۔ کیونکہ منظوراں بدچلن عورت تھی اس وجہ سے عبد الستار نے منظوراں کو طلاق دے دی۔ بوقت طلاق منظوراں حاملہ تھی اس کے آٹھ یوم بعد بچی پیدا ہوئی۔ اب عورت کے والدین اس بچی کو دینے سے انکاری ہیں دلائل سے جواب دیں

المستفتی چوہدری عبد الستار ولد ثناء اللہ مغل مکان ۱۵۲ کوٹ زیادہ سرگودھا

الجواب شرعاً یہ بچی عبد الستار کی ہے۔ اپنی والدہ کے پاس نو برس کی عمر تک رہے گی۔ جبکہ کسی غیر جگہ شادی نہ کرے نو برس کی ہونے کے بعد یہ لڑکی

والد کے حوالہ کر دی جائے گی۔ اس لڑکی کے نکاح کا اختیار والد کو ہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۶/۱۲/۹۸ھ

خاوند کی وفات کے پونے دو سال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا نسب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ کہ ایک عورت کی شادی ہوئی۔ اور دو ماہ کے بعد اس کا خاوند فوت ہو گیا۔ اور پھر وہ گھر میں ہی رہی۔ اور خاوند کی وفات کے پونے دو سال بعد اس کو بچہ پیدا ہو گیا تو یہ بچہ کس کی طرف منسوب ہو گا۔ بینوا توجروا۔
المستفتی۔ مولانا محمد الطاف صاحب راؤ خیر پور ٹامیوالی

الجواب برتقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ نے اگر اس دوران اپنی عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا تو یہ بچہ اس خاوند سے ہو گا جو فوت ہو چکا ہے۔

ویثبت نسب ولد المتوفی عنھا زوجھا ما بین الوفاۃ وبین السنتین واذا اعترفت المعتدۃ بانقضاء عدتھا ثم جاءت بالولد لاقل من ستۃ اشھر یثبت نسبه وان جاءت لستۃ اشھر لم یثبت (ہدایہ ص۴۱۲ ج۲) ویثبت نسب ولد معتدۃ الموت لاقل منھما من وقتہ ای الموت درمختار علی الشامی ص۶۲۹ ج۲ اکثر مدۃ الحمل سنتان لخبر عائشۃ رض کما فی الدارقطنی والبیھقی (درمختار علی الشامی ص۶۲۶ ج۲) ولو مات عنھا قبل الدخول او بعدہ ثم جاءت بولد من وقت الوفاۃ الی سنتین یثبت النسب منه وان جاءت به لاکثر من سنتین من وقت الوفاۃ لا یثبت النسب ھذا کلہ اذا لم تقر بانقضاء العدۃ (عالمگیریہ ص۵۳۶ ج۱) واللہ اعلم
الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲/۴/۱۴۱۶ھ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جس عورت کو بغیر نکاح گھر رکھے رکھا اس کی اولاد کا نسب

ایک عورت زینب حاملہ تھی۔ زید نے اسے بکر سے خرید لیا۔ اور اسے بغیر نکاح ہی گھر رکھا۔ اور کچھ عرصہ بعد اس سے اسی سابقہ حمل کی بنا پر بچہ پیدا ہوا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اب زید یہ دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر مر گیا ہے۔

واضح رہے۔ کہ آخر تک نکاح نہیں کیا تھا۔ آیا یہ زید کی وراثت میں حصہ دار ہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں بچے زید سے میراث نہیں پائیں گے۔ کیونکہ ان کا نسب زید سے ثابت نہیں۔ البتہ اپنی ماں کے وارث ہوں گے۔

یکون المرأة بحیث یثبت نسب الولد منها اذا جاءت به فان هذا الکون انما یثبت بعد العقد

فتح القدیر ص ج ۴ باب ثبوت النسب نقلاً عن (فتاوی دارالعلوم ج ۱۱) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

نکاح کے بعد چھ ماہ سے پہلے پیدا ہونیوالا بچہ ثابت النسب نہیں ہے

زید نے مورخہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ کو ہندہ کے ساتھ نکاح کیا اور مورخہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ کو ہندہ نے وضع حمل کیا۔ تو یہ مدت تقریباً پانچ ماہ دس یوم بنتی ہے کیا یہ بچہ ثابت النسب ہے ؟ کیا نکاح دوبارہ پڑھا جائے۔ یا وہی سابقہ نکاح باقی ہے ؟

الجواب یہ بچہ ثابت النسب نہیں ہے۔ اور پہلا نکاح باقی ہے دوسرا نکاح پڑھنے کی حاجت نہیں۔ واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من

ستة اشهر منذ یوم تزوجها لم یثبت نسبه لان العلوق سابق علی النکاح فلا یکون منه۔

ہدایہ ج ۲ ص ۴۱۲ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲ - ۶ - ۱۴۰۳ھ

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ

زید والد حقیقی نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک آدمی سے کر دیا۔ آدمی مزدوری کے لئے کہیں دور دراز چلا گیا۔ جب واپس آیا۔ تو اس کی بیوی حاملہ تھی۔ اس بات پر لوگوں نے شور مچایا۔ کہ حمل حرام کا ہے۔ اب بچہ پیدا ہوا ہے شرعاً وہ کس کا سمجھا جائے گا۔ آپ شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے وضاحت کریں۔

الجواب صورت مسئولہ میں مذکورہ لڑکا خاوند ہی کا سمجھا جائے گا۔ اسے ولد الحرام کہنے والے سخت مجرم اور قابل سزا ہیں۔ آپ کے علاقہ میں شرعی قوانین رائج ہوں تو مذکورہ افراد کے خلاف مقدمہ درج کرایا جاسکتا ہے تاکہ تحقیق واقعہ کے بعد ہر مجرم کو مناسب سزا دی جاوے۔ وان جاءت به لستة اشهر فصاعدا يثبت نسبه منه اعترف به الزوج اوسكت اه عالمگیری ص۵۳۶ ج۱ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۹۹/۶/۲۹ھ

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مرزائیہ سے نکاح کرلے تو اولاد کے نسب کا حکم

مرزائی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اس نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔ اولاد جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب صورت مسئولہ میں ان بچوں کا نسب ثابت ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ ولاحد ايضا بشبهة العقد اي عقد النكاح عنده اي الامام كوطء محرم نكحها الى ان قال وحرر في الفتح انها من شبهة المحل وفيها يثبت النسب اه درمختار علی رد المحتار ص۱۵۴ ج۳ قال الشامي صوابه في النهر فانه بعد ماذكر ما قدمناه عن الفتح قال وهذا انما يتم بناء على انها شبهة اشتباه قال في الدراية وهو قول بعض المشايخ والصحيح انها شبهة عقد لانه روى عن محمد انه قال سقوط الحد عنه لشبهة حكمية فيثبت النسب اه وهذا صريح بان الشبهة في المحل وفيها يثبت النسب على ما مر اه وفي مجمع الفتاوى يثبت النسب عنده خلافا لهما ص۱۶۸ ج۳ محرم کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی نے تزوج مجوسیہ کو بھی داخل کیا ہے۔ اور عالمگیری میں مجوسیہ و مرتدہ کا ایک حکم لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۸/۷/۹۹ھ

حالتِ عدت میں کئے گئے نکاح کے بعد اولاد پیدا ہو تو ثابت النسب ہوگی

زید نے شادی کی کسی وجہ سے منکوحہ کو طلاق دے دی مطلقہ نے فوراً بعد ۱۸ دنوں میں شادی رچالی۔ اس مدت میں مطلقہ کو حیض وغیرہ نہیں آیا جب تھا تو زوجِ اول سے مطلقہ ہوئی تو غیر حاملہ تھی۔ دوسری شادی کے تین سال بعد اولاد پیدا ہوئی۔ یہ اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہ؟ اور اس اولاد سے نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب مذکورہ صورت کا نکاح ثانی فاسد ہے۔ شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہر دو میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کی وجہ سے سخت مجرم ہیں۔ معہذا النکاح ثانی کے بعد پیدا ہونے والی بچیاں اس باپ سے ثابت النسب ہوں گی۔ انہیں ولد الزناء کہنا درست نہیں اور ان سے عقد نکاح درست ہے۔

واذا تزوجت المعتدة بزوج اخر ثم جاءت بولد الخ فان علم ذلك وقع النكاح الثاني فاسدا فجاءت بولد فان النسب يثبت من الاول ان امكن اثباته بان جاءت به لاقل من سنتين منذ طلقها الاول او مات ولستة اشهر فصاعدا منذ تزوجها الثاني لان النكاح الثاني فاسد ومهما امكن احالة النسب الى الفراش الصحيح كان اولى وان لم يمكن اثباته منه وامكن اثباته من الثاني فالنسب يثبت من الثاني بان جاءت به لاكثر من سنتين منذ طلقها الاول او مات ولستة اشهر فصاعدا منذ تزوجها الثاني لان النكاح الثاني وان كان فاسد الكن لما تعذر اثبات النسب من النكاح الصحيح فاثباته من الفاسد اولى من الحمل على الزناء هكذا في البدائع (عالمگیری ص ۵۲۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور ۲۴-۱۰-۹۹ھ

علامہ شامی نے نکاحِ معتدہ کا بعض صورتوں میں جو باطل ہونا اور موجب عدت نہ ہونا نقل کیا ہے۔ یہ بدائع وغیرہ کی اس تصریح کے مقابلہ میں مرجوح ہے۔

فالجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار مفتی خیر المدارس ملتان

زانی مزنیہ سے نکاح کرے اور چھ ماہ سے پہلے بچہ پیدا ہو تو نسب کا حکم

ایک کنواری بالغہ لڑکی سے زید نے زنا کیا۔ پھر برادری نے ان دونوں کا نکاح کر دیا اب بچہ پیدا ہوا ہے بچہ نکاح کے چار ماہ بعد پیدا ہوا ہے تو کیا یہ بچہ زید ہی کا کہلائیگا اور زید کی وراثت بھی لے گا۔ غلام محمد راجڑ ہارون آباد

الجواب: اگر زید یہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہی ہے تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ زید یہ نہ کہے کہ زنا سے پیدا ہوا ہے۔

ولو زنی بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ان جاءت به لستة اشهر فصاعدًا ثبت نسبه وان جاءت به لاقل من ستة اشهر لم یثبت نسبه الا ان یدعیه ولم یقل انه من الزنا اما ان قال انه منی من الزنا لا یثبت نسبه ولا یرث منه کذا فی الینابیع اھ (عالمگیری ص ۵۴۰ ج ۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

منکوحہ کا بیٹا خاوند ہی کا سمجھا جائے گا

بدوں لعان نسب منتفی نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے۔ زید اور بکر دو سگے بھائی ہیں۔ زید کی شادی ہوگئی۔ زید نے اپنی عورت (منکوحہ) کو طلاق دے دی بعد ازیں اس مطلقہ عورت کا نکاح بکر سے برتے شریعت ہوگیا۔ لیکن مطلقہ زید کے پاس ہی رہی۔ اور اب تک اسی کے پاس ہے تین لڑکے اور پانچ لڑکیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ بکر نے دوسری شادی کر لی۔ جس سے اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بکر نے اپنے لڑکے کی شادی اپنی ہمشیرہ کی لڑکی سے کر دی۔ اب وہ حاملہ ہے۔ لیکن زید نے بکر کے لڑکے شادی شدہ کو ورغلا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اپنی لڑکی (جو مطلقہ عورت سے ہے اور بکر سے اس کا نکاح ہے) سے شادی کر دی ہے اور پہلی عورت کو بذریعہ ڈاک رجسٹری طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ کیا یہ طلاق

اور شادی درست ہے۔ زید نے جس وقت طلاق دی اس کی اولاد نہیں تھی۔ بعد اغواء کرنے کے اولاد پیدا ہوئی۔

الجواب صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ چونکہ بکر کی منکوحہ ہے اور اس سے طلاق بھی حاصل نہیں کی گئی۔ لہذا عورت مذکورہ کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد بکر کی اولاد متصور ہوگی۔ تاوقتیکہ لعان کرکے ان کا نسب منقطع نہ کردے پس بکر کا لڑکا لڑکی کا علاتی بھائی ہوا۔ اور علاتی بہن بھائی میں نکاح درست نہیں لہذا نکاح مذکورہ باطل ہے۔ بکر کے لڑکے کی طلاق واقع ہوگئی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ	بندہ عبدالستار عفی عنہ
۹-۹-۷۹	مفتی خیر المدارس ملتان

مرزائی سے نکاح کیا تو اولاد ثابت النسب نہ ہوگی

مرزائی مرد اور مسلمان عورت کا نکاح ہو سکتا ہے؟

مرزائیوں سے تعلقات رکھنا کیسا ہے؟ مسمی دلاور نے اپنی بیٹی کا نکاح عنایت سے کیا جبکہ وہ گیارہ سال کی تھی دس سال آباد رہی پھر اس کو والد نے گھر بلایا اور دوسری جگہ بغیر طلاق لئے نکاح کردیا۔ یہ نکاح کیسے ہے؟ اس سے پیدا ہونے والی اولاد کے نسب کا حکم کیا ہے؟

الجواب: یہ نکاح ایسے ہے جیسے کسی عیسائی چوہڑے کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح کردیا جائے یہ بالکل کالعدم ہے اور یہ اولاد بھی ولد حرام ہے۔ نکح کافر مسلمۃ فولدت منہ لا یثبت النسب منہ ولا تجب العدۃ لأنہ نکاح باطل اھ (شامی ص ۶۳۳ ج ۲)

۲۔ ان سے تعلقات رکھنے جائز نہیں اور انکے جنازوں و نکاحوں میں شرکت کرنا بھی ممنوع ہے

۳۔ دوسرا نکاح جائز نہیں لہذا زوجین میں تفریق کرانا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۵/۴/۱۳۹۵ھ	بندہ عبدالستار عفی عنہ،

ثبوتِ نسب کی ایک نادر الوقوع صورت:

مسئلہ کے بارے میں کہ دو مریض ہیں جن میں سے ایک مریض کی قوۃ باہ یعنی مردانہ طاقت بالکل زائل ہوچکی ہے اور یہ مریض شادی شدہ ہے دوسرے مریض کی مردانہ طاقت تو ٹھیک ہے۔ لیکن کسی دوسرے مرض میں مبتلا ہے یہ دونوں مریض ایک لائق اور قابل سول سرجن کے زیر علاج ہیں، قدرت کو ایسا منظور ہوا کہ وہ مریض جسکی قوت مردانہ ٹھیک تھی، مرچکا۔ اب سول سرجن اس مریض سے ذکر کاٹ کر دوسرے مریض کو لگا دیتا ہے جس کی مردانہ طاقت ختم ہوچکی تھی۔ اور اس کا ذکر (آلۂ تناسل) کاٹ کر مردہ کو لگا دیا۔ اب یہ مریض جس کی قوت باہ زائل ہوچکی تھی ٹھیک ہوگیا۔ اسکی طاقت بحال ہوگئی۔ اور اس دوسرے ذکر (آلۂ تناسل) کے لگا دینے سے اسکی اولاد بھی پیدا ہونے لگی۔ اور یہ اپنی بیوی کی خواہش کو پورا کرنے کے قابل بھی ہوگیا تو کیا اس اولاد کا نسب اس سے ثابت ہوگا۔ کیا شریعت میں یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اگر سرجن ایسا عمل نہ کرتا تو یہ قوت باہ کی بیماری میں مبتلا مریض ٹھیک نہیں ہوسکتا تھا اور اسکی زندگی مفت میں تباہ ہو جاتی۔ نیز اگر شریعت میں یہ صورت جائز نہیں۔ تو کیا یہ مریض مذکور شادی شدہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ کیونکہ پھر وہ تو اپنی بیوی کی خواہش کو پورا نہیں کرسکتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ انسانی اعضاء سے انتفاع کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ عام ضروریات کے لئے استعمال کرنا ۲۔ عام حالات میں تداوی کی غرض سے استعمال کرنا ۳۔ علاج کی اضطراری حالت۔ پہلی اور دوسری حالت میں انسان کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں خواہ یہ جزء کسی زندہ انسان کا ہے یا مردہ کا۔ جیسا کہ فقہاء کرام کے کلام سے ظاہر و باہر ہے۔ انسانی بالوں سے انتفاع کے عدم جواز کا تذکرہ صراحۃً تمام کتب میں موجود ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع بہ لان الآدمی مکرم لا مبتذل فلا یجوز ان یکون شئی من اجزائہ مهانا مبتذلا۔ (ہدایہ ص۳۹ وقایہ ص۲۴ درمختار ص۲۴ ج۲)

اسی تعلیل پر اضافہ کرتے ہوئے ابن ہمام لکھتے ہیں۔

رتی بیعہ اهانة له وکذا فی امتهانه بالانتفاع جلد انسانی کی دباغت اور اس کے استعمال کے سلسلہ میں فقہاء کرام کی تصریحات بھی اسی پر دال ہیں چند عبارات یہ ہیں۔

واما جلد خنزیر و آدمی فلا یدبغ لکرامته ولو دبغ طهر وان حرم استعماله (درمختار) (ب) وحرمة الانتفاع باجزاء الآدمی لکرامته ج۲ (ج) اذا دبغ جلد انسان طهر لکن لا یجوز الانتفاع به کسائر اجزائه نهایة بحواله فتح القدیر ص۸۳ ج۱ نولکشوری (د) وجلد الآدمی لکرامته لئلا یتجاسر الناس علی من کرم الله بابتذال اجزاءه عنایة علی الهدایة ص۸۲ ج۱۔ اس محرم الانتفاع ہونے میں زندہ اور مُردہ دونوں انسان برابر ہیں جیسا کہ مؤخر الذکر عبارات سے ظاہر ہے کیونکہ جلد آدمی کی دباغت اور اسے استعمال کا سوال موت کے بعد ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں فقہاء کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ موت کے بعد بھی مُردے کا ویسا ہی احترام واجب ہے جیسا کہ زندگی میں تھا ابن الہمامؒ ایک مسئلہ کی تعلیل وتوضیح میں لکھتے ہیں۔

توضیحه الاتفاق علی ان حرمة المسلم المیت کحرمته حیاً اھ

بغرض تداوی کسی چیز کا استعمال یہ بھی ایک قسم کا انتفاع ہے اور عبارات بالا میں اجزائے انسانی سے انتفاع کو علی الاطلاق حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا بطور دوا بھی اجزائے انسانیہ کو استعمال کرنا درست نہیں ہوگا۔ چنانچہ امام محمد سے انسانی ہڈی کو دواءً استعمال کرنے کا عدم جواز منقول ہے۔

قال محمد فی السیر الکبیر لا بأس بالتداوی بالعظم اذا کان عظم شاة او بقرة او بعیر او فرس او غیره من الدواب الا عظم الخنزیر والآدمی فانه یکره التداوی بهما فقد جوز التداوی بعظم ماسوی الخنزیر والآدمی (فتاویٰ ہندیہ ص۱۱۱ ج۴)

دباغت جلد اور اسے استعمال کرنے کے سلسلے میں جلد انسان اور جلد خنزیر کو جیسے ایک ہی سطح پر رکھا گیا تھا تداوی کی بحث میں بھی ان کی ہڈیوں کو ایک ہی درجہ میں ممنوع ٹھہرایا گیا ہے اگرچہ علت الگ الگ ہو۔ تداوی ہی کی بحث میں عالمگیری میں یہ جزئیہ بھی موجود ہے۔

الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحیح کذا فی جواهر الاخلاطی۔

سابقہ عبارات سے اجزائے انسانی سے انتفاع کا عدم جواز گو انتفاع علاجاً ہی ہو ظاہر ہے کسی نابینا کو بینا کرنا یا کسی کی قوتِ مردمی کو بحال کرنا یا اسی قسم کے دوسرے عیوب کو دور کرنا۔ ہمارے نزدیک عدمِ تداوی میں داخل ہے۔ علاج کی اضطراری حالت میں اسے داخل نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ آئندہ اضطراری حالت کی تعریف سے خود ظاہر ہو جائے گا۔ پس ایسے معالجات میں کسی عضوِ انسانی کا دوسرے مریض کی طرف منتقل کر دینا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں اگر عام معالجات میں انسانی اجزاء کی اسطرح منتقلی کی اجازت دے دی جائے تو انسانی ڈھانچوں کی خرید و فروخت کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسا کہ ناکارہ موٹروں وغیرہ کے ڈھانچوں کے کارآمد پرزے اس میں سے نکال لئے جاتے ہیں۔ اور باقی کباڑ خانے میں پہنچ جاتا ہے اور ایسی صورت میں احکام شریعت کی جو خلاف ورزی ہوگی۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ بیع میتہ نعش کی بے حرمتی پوری کتاب الجنائز کے مسائل غسل۔ کفن دفن وغیرہ کا خاتمہ۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں نعش کا مثلہ ہونا لازم آتا ہے جو کہ بنصِ حدیث پاک ممنوع و حرام ہے نابینا کو بینا کرنا یا ازیں قسم دیگر معالجات فرض و واجب نہیں اور محظورات مذکورہ بالا کا ارتکاب حرام ہے۔ تو محض ایک مباح کے لئے ارتکاب حرام کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے۔ عدم جواز کی چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ باقی اشیاء کو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے متاع ہونے کی حیثیت میں پیدا فرمایا ہے اور انسان کو بلا تمیز کافر و مسلم کے متمتع اور استعمال کنندہ قرار دیا ہے۔ یہ اشیاء توڑ پھوڑ کر کوٹ چھان کر حسبِ ضرورت انسانی ضروریات میں کام آتی رہتی ہیں۔ باقی اشیاء میں متاعیت اور مالیت کے اعتبار فرق ہی کیا رہ جائے گا۔ اسی فرق اور حقیقت کو شریعت میں پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور انسان کی اسی خصوصیت کو فقہاء کرام نے تکریم انسانی کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے۔ **فائدہ**: اگر اپنا کوئی عضو کٹ جائے تو اسے اسکی جگہ پر لگا لینا جائز ہے بقول امام ابو یوسف وفی السراج الوھاج وان قطعت اذنہ قال ابو یوسف لا بأس بان یعیدھا الی مکانھا وعندھما لا یجوز (بحر ج ۱ ص ۱۱۳)

علماء کے لئے جزئیہ ہذا کے پیش نظر یہ امر قابلِ غور ہے کہ کیا اس سے اپنے بدن کے کسی ٹکڑے کو دُوسرے حصّے کی طرف منتقل کرنے کا جواز نکل سکتا ہے؟ بظاہر اسکی گنجائش معلوم ہوتی ہے

معالجہ کی اضطراری حالت : ثبوتِ اضطرار کے لئے اندیشہ موت کا وجود ضروری ہے اگر کسی مرض سے موت کا ظن غالب نہیں ہے ۔ تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مرض کے لئے کوئی دُوسری مُباح دوا ، نہ مل سکے اور موجود نہ ہو ۔ پھر یہ دُو حال سے خالی نہیں ہوگا ۔ اس دوا سے شفاء مظنون ہے ۔ جیسا کہ معالجات میں ہوتی ہے یا شفاء ایسی یقینی ہے جیسا کہ حالتِ مخمصہ میں کوئی چیز کھالینے سے جان کا بچ جانا تو یہ دُو صورتیں ہوئیں ۔

ا ۔ شفاء مظنون ۲ ۔ شفاء یقینی ۔ مؤخر الذکر صُورت میں تداوی بالحرام بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ یقینی شفاء ہو ۔

فی شرح الدرران قولہ لا للتداوی محمول علی المظنون والا فجوازہ بالیقینی اتفاقا کما صرح بہ فی المصفیٰ اھ وبعد اسطر وظاھر المذھب المنع محمول علی المظنون کما علمتہ وقال ایضا فی الشامیۃ مجیبا عن حدیث العرنیین من جانب الامام حتی لو تعین الحرام مدفعا للھلاک یحل کالمیتۃ والخمر عند الضرورۃ اھ کلہ فی الشامیۃ ص ۱۹۴ ج ۱ ۔

یہ بحث الگ رہی کہ اطباء کے قول سے تیقن شفاء ہوجاتا ہے یا نہیں لیکن لحم خنزیر کے ساتھ اس حالت پر بھی تداوی کی ممانعت ہے ۔ قال فی الشامیۃ ص ۱۹۴ ج ۱

ونقل الحموی ان لحم الخنزیر لا یجوز التداوی بہ وان تعین

مگر بظاہر یہ خلافِ نص ہے کیونکہ قرآن مجید میں مضطر کے لئے لحم خنزیر کی اجازت دی گئی ہے ۔ کما لا یخفیٰ ۔ پس غالباً یہ جزئیہ پہلی صُورت (یعنی شفاء مظنون) پر محمول ہوگا نیز اس صُورت میں اسکی بھی گنجائش معلوم نہیں ہوتی ۔ کہ انسانی عضوٗ کو کاٹ کر مریض کی جان بچانے کے لئے استعمال کیا جائے جیسا کہ خود حالتِ مخمصہ (جو کہ مقیس علیہ ہے) کی اضطراری حالت میں ایسا کرنا جائز نہیں نہ اپنے جسم کا کوئی ٹکڑا ۔ نہ دُوسرے انسان کا کوئی عضو ۔

مضطر لم یجد میتة، وخاف الهلاک فقال له رجل اقطع یدی وکلها او قال اقطع منی قطعة فکلها لایسعه ان یفعل ذلك ولا یصح امرہ به کما لا یسع للمضطر ان یقطع قطعة من لحم نفسه فیأکل اھ۔

البتہ ایسی حالت میں اگر کسی ایسے جزء انسانی کو استعمال کر لیا گیا جس کے حصول میں انسانی جسم کی قطع و برید لازم نہیں آتی تو اسکی گنجائش ہے جیسا کہ وجوہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے عورت کا دودھ دکھتی آنکھ میں استعمال کرنا عام حالات میں مختلف فیہ ہے۔ کما فی البحر بلکہ محقق ابن نجیم کے صنیع سے ترجیح جواز معلوم ہوتی ہے۔ پس جب آنکھ کے لئے اس کا استعمال جائز ہے تو جب اس کا دافع ہلاکت ہونا متعین ہو تو ایسی حالت میں بطریق اولیٰ جواز ہونا چاہیئے۔ عالمگیری کے اس جزئیہ سے صراحۃً اس کا جواز معلوم ہوتا ہے گو اضطراری حالت نہ ہو۔

ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرءة ویشرب به للدواء ص ۱۱۲ ج ۱

ولا یجوز للمرضعة دفع لبنها للتداوی ان اضر بالصبی (ہندیہ ص ۱۱۲ ج ۴)

ان مؤخر الذکر جزئیات سے اگر اضطراری حالت میں مریض کو خون دینے کی گنجائش کا استنباط کیا جائے تو قرین قیاس ہے کیونکہ دم ولبن استحقاق تکریم کے اعتبار سے مساوی ہیں اور یہی تکریم ہی مدار ممانعت ہے۔ وھو الاصح کما مر اور نجاست وطہارت کا فرق قابل لحاظ نہیں کیونکہ حالت اضطرار میں تداوی بالنجس والطاہر دونوں جائز ہیں۔ الحاصل علاج کے طور پر کسی عضو انسانی کو دوسرے مریض میں منتقل کر دینا جائز نہیں خواہ اضطراری حالت ہی ہو۔ البتہ ایسی حالت میں خون دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

فی الدر المختار وسیجئ فی الاستیلاد ان الفراش علی اربع مراتب و فی الشامیة (قوله علی اربع مراتب) ضعیف وھو فراش الامة لا یثبت النسب فیه الا بالدعوة ومتوسط وھو فراش ام الولد فانه یثبت فیه بلا دعوة لکنه ینتفی بالنفی وقوی وھو فراش المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیه لا ینتفی الا باللعان واقوی کفراش معتدة البائن فان الولد

لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان وشرط اللعان الزوجیۃ (رد المحتار ص۶۸۴ ج۲) وفی الہندیۃ ص۱۱۴ ج۴ رجل عالج جاریتہ فی مادون الفرج فانزل فاخذت الجاریۃ ماءہ فی شئی فاستدخلتہ فی فرجہا فعلقت عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان الولد ولدہ وتصیر الجاریۃ ام ولد لہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان انتہیٰ۔

جزئیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب اسی سے ثابت ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، بندہ عبدالستار عفی عنہ،

چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح کر لیا تو اس سے ہونے والی اولاد کے نسب کا حکم

اگر کسی شخص نے پہلے چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں بیوی سے نکاح کر لیا ہو اور اس پانچویں بیوی سے اولاد پیدا ہوئی ہو تو کیا پانچویں بیوی کی اولاد کا نسب اس شخص مذکور سے ثابت ہوگا یا نہیں اور اس شخص کے مرنے کے بعد پانچویں بیوی کی اولاد مرحوم باپ کی جائیداد سے حصہ لینے کی حق دار ہوگی یا نہیں رکیا پانچویں بیوی کی اولاد پہلی چار بیویوں کی اولاد کے برابر مرحوم باپ کی جائیداد میں حق دار ہے جبکہ شخص مذکور نے اس بیوی کی اولاد کا اندراج میونسپل کمیٹی میں درج رجسٹر کرایا ہو۔؟

الجواب فقہائے حنفیہ نے پانچویں شادی کا تذکرہ کتاب الحدود میں زنا کی حد بیان کرتے ہوئے کیا ہے جس سے مسئلہ ہذا میں فیصلہ کی بات سامنے آجاتی ہے

چنانچہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ حضرات فقہاء نے باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ میں تین قسم کے شبہات کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۔ شبہ فی الفعل جسے شبہ اشتباہ بھی کہا جاتا ہے ۲۔ شبہ فی المحل جسے شبہ حکمیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ۳۔ شبہ فی العقد۔ ان شبہات ثلثہ کو تمام مصنفین مثلاً قاضی خان صاحب فتاوی عالمگیری صاحب درمختار صاحب کنز الدقائق وغیرہ نے بیان فرمایا ہے نیز

ان عورتوں کی الگ الگ فہرست بھی دی ہے جن سے نکاح کے بعد مجامعت کرنے میں حلت کا کوئی شبہ پایا جاتا ہے اور اس امر کی وضاحت بھی بالاتفاق تمام فقہاء نے کر دی ہے کہ جن عورتوں کے بارے میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے اگر کسی شخص نے ان سے مجامعت کر لی اور اس سے اولاد پیدا ہوئی تو اسکی اولاد کا نسب مجامعت کنندہ سے ثابت ہو جائے گا۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

(۱) والشبهة مايشبه الثابت وليس بثابت وهى انواع شبهة فى الفعل وليسمى شبهة اشتباه وشبهة فى المحل وتسمى شبهة حكمية فالحد يسقط بالنوعين والنسب يثبت فى الثانى ان ادعى الولد ولا يثبت فى الاول وان ادعاه .... وشبهة فى العقد اھ ص۱۴۷ ج۲

صاحب تنویر الابصار لکھتے ہیں۔

(۲) الشبهة ثلاثة انواع شبهة حكمية فى المحل وشبهة اشتباه فى الفعل وشبهة فى العقد (درمختار ص۱۵۵ ج۳ شامی)

ان شبہات کی تفصیل کرنے کے بعد حکم بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۳) ان ادعى النسب يثبت فى الاولى شبهة فى المحل لا فى الثانية اى شبهة الفعل تنویر مع الدر ص۱۵۷ ج۳

(۴) کنز الدقائق میں ہے۔ لاحد بشبهة المحل .. وشبهة فى الفعل وان ظن حله.... والنسب يثبت فى الكل فقط ( ) يثبت النسب فى شبهة المحل بالدعوة الخ کنز مع بحر الرائق ص۱۵ ج۵

دیگر حوالہ جات بھی اس سلسلہ میں بہت ہیں لیکن بنظر اختصار انہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے حوالہ جات بالا سے یہ امر بالکل عیاں ہو گیا کہ جن عورتوں کے بارے میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے ان سے پیدا شدہ بچہ صحیح النسب تصور ہو گا اور مجامعت کنندہ سے ان کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اب قابل تحقیق یہ امر باقی ہے کہ چاروں بیویوں کی موجودگی میں پانچویں عورت کے بارے میں کونسا شبہ پایا جاتا ہے اس بحث سے فقہاء حضرات کی تصریح مل گئی ہے کہ ایسی صورت میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ایسی عورتوں کی

فہرست دیتے ہوئے لکھتے ہیں والشبهة فی المحل فی وطی امة ولده وولد ولده کذا فی الکافی ..... چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں وکذا لو تزوج خمساً فی عقد او تزوج الخامسة فی نکاح الاربع او تزوج باخت امرأته او بامها فجامعها وقال علمت انها علی حرام او تزوجها متعة لا یجب الحد فی هذه الوجوه وان قال علمت انها علی حرام ص۱۴۷ ج۲ ۔ قاضی خاں میں بھی ایسی عورتوں کی فہرست دی گئی ہے جن میں پانچویں شادی کا تذکرہ بھی ہے آخر میں لکھتے ہیں لا یجب الحد عند ابی حنیفة فی هذه الوجوه اس کے بعد لکھا ہے ۔ وان قال علمت انها علی حرام ص۸۲۱، ۸۲۰ ج۴

(نوٹ) واضح رہے کہ جن عورتوں میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے ان سے مجامعت کنندہ اگر یہ اقرار بھی کرے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ عورت مجھ پر حرام ہے اسکے باوجود میں نے مجامعت کی ہے تو بھی اس پر حد نہیں لگتی چنانچہ عبارت نمبر ۱ سے ظاہر ہے اور دیگر تمام کتابوں میں بھی مصرح ہے ۔ بخلاف شبہ فی الفعل کہ اگر ان عورتوں کے بارے میں یہی اقرار کرے تو حد ساقط نہیں ہوتی بلکہ حدِ زنا اس پر جاری کی جاتی ہے چنانچہ درمختار میں ہے ۔ لاحد بشبهة فی الفعل .....

ان ظن حله ۔ قال الشامی فنفی الحد هنا مشروط بظن الحل بخلاف ما مر درمع الشامی ج۳ ص۱۵۶، ۱۵۵) پس اسی تنبیہ کے پیش نظر عالمگیری اور قاضی خان کی عبارت میں جملہ " وان قال علمت " کے اضافہ نے یہ بات بالکل صاف کر دی مذکورۃ الصدر عورتوں (جن میں پانچویں شادی والی عورت بھی ہے) میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے ورنہ اقرار کے باوجود سقوطِ حد کا حکم نہ کیا جاتا ۔

الحاصل تفصیلِ بالا سے مسئلہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ جس نے چار عورتوں کی موجودگی میں پانچویں عورت سے شادی کی تو اس سے مجامعت کی صورت میں شبہ فی المحل کا تحقق ہو گیا ہے اور ہر ایسی عورت جس کے بارے میں ایسا شبہ پایا جائے مجامعت کنندہ خاوند سے اسکی اولاد کا نسب ثابت ہو جاتا ہے پس اس تحقیق کے پیش نظر صورت مسئولہ میں بھی یہی حکم کیا جائے گا کہ مسئولہ پانچویں بیوی سے پیدا شدہ اولاد خاوند کی صحیح النسب اور جائز اولاد ہے اور ثبوتِ نسب کے بعد میراث سے محرومی یا عدم استحقاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ میراث کا مدار ثبوت پر

ہے گو نسب کسی بھی طریق سے ثابت ہو یعنی گو اس کا نسب غیر مشروع اور ناجائز ہو چنانچہ علامہ شامی علامہ مقدسی سے نقل فرماتے ہیں ۔ لان النسب یستحق به المیراث ولو کان سببه محظوراً کما فی النکاح الفاسد والوطء بشبهة شامی ص ۵۲۸ ج ۵)

۲۔ علاوہ ازیں قانون میراث کا یہ ایک مستقل اصول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے بچے کے متعلق بصحت ہوش وحواس یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بچہ ہے اور اس کا نسب کسی دوسرے شخص سے ثابت نہ ہو تو یہ بچہ شخص مذکور کا بیٹا قرار دیا جائے گا دیگر جائز اولاد کے ساتھ یہ بچہ بھی مستحق میراث قرار پاتا ہے قال فی الشریفیة منہا اما الا ول فلان اقرارہ لمجهول النسب نسبه منه اذا لم یتضمن بتحمیل النسب علی غیرہ واشتمل علی شرائط صحته اوجب ثبوت نسب منه واندراجه فیما مرّ ذکرہ من الورثة النسبیة کان یقر له بانه ابنه وفی الحاشیة کما اذا قال انه ابنه ثبتت ابنیته منه و یکون داخلاً فی العصبات الخ وفی حاشیة السراجیة عن انوار السراج یشارک الورثة فی المیراث ۔ پس اسی ضابطہ کی بناء پر پانچویں بیوی کی اولاد مستحق میراث ہے جبکہ ناکح نے اسی بیوی کی اولاد کو اپنی اولاد ہونا ظاہر کیا ہو اور اسی سوال سے ظاہر ہے کہ ناکح نے اس بچہ کا اندراج اپنی ولدیت کے ساتھ کمیٹی کے کاغذات میں کرا دیا تھا ۔

الحاصل پہلی دلیل کی بناء پر بھی اور مؤخر الذکر ضابطہ کے تحت بھی مسئول عنہا پانچویں بیوی کی اولاد صحیح النسب اولاد ہے اور مستحق میراث ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۴ / ۱۰ / ۸۴ ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ تین طلاق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْد :

حق جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ کے مقتضاء کے مطابق ہر نوع میں زوجین پیدا فرمائے۔ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الذاریات آیت نمبر۴۹) نباتات کے علاوہ حیوانات میں بھی نر اور مادہ کے ذریعے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری فرمایا اور ہر نوع کی افزائش نسل اور بقاو نشوونما کے مختلف اسباب رکھے۔

بنی نوع انسان کو تمام کائنات پر فضیلت و شرافت سے نوازا گیا۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا○ (بنی اسرائیل' آیت ۷۰) دیگر حیوانات میں سلسلہ توالد و تناسل محض نفسانی خواہش اور اس کی تحریک کے تابع ہوتا ہے' جب کہ انسان کو نعمت نکاح سے امتیاز بخشا گیا۔ چنانچہ نکاح و ازدواج ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسے دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ نکاح کے ذریعے خاندانی نظام کی پہلی اکائی وجود میں آتی ہے جس کے بعد نسبی و صہری رشتوں کے جدا جدا سلسلے قائم ہو کر پھیلتے چلے جاتے ہیں اور انسانی معاشرہ محبت و اخوت' شفقت و ہمدردی کے جذبات سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ یہ حق جل شانہ کا عظیم احسان ہے جسے امتنان کے پیرایہ میں ارشاد فرمایا کہ : "وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَّكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا○" (الفرقان' آیت ۵۴) پھر ہر ایک کے لئے مختلف حدود و حقوق اور احکامات دیئے گئے۔ جبکہ حیوانات اس شرافت و کرامت' حدود و حقوق و احکامات سے یکسر محروم ہیں۔ نہ نکاح کی حاجت' نہ نسبی و سسرالی رشتوں کا احترام و تحفظ۔ ان میں

جوڑ محض شہوانی تحریک کی حد تک ہوتا ہے۔ قضائے شہوت کے بعد ان میں کوئی قانونی' اخلاقی رشتہ باقی نہیں رہتا جس پر احکام کا ترتب ہو۔ لیکن چونکہ بچوں کی پرورش ماں کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اس لئے خالق کائنات نے ماں کے دل میں بچوں کی پرورش کا بے لوث' ناقابل شکست' قوی و فطری جذبہ ودیعت فرمادیا تاکہ بچے ضائع نہ ہوں۔ مرغی انڈوں پر بیٹھنے سے لے کر چوزوں کے مستغنی ہونے تک ان کی خدمت پر مامور ہے۔ بڑے ہونے کے بعد نہ ماں ماں ہے نہ بچے بچے ہیں۔ اور وہ ماں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتے ہیں جو کہ دیگر افراد نوع اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ کتے' بلے' گائے' گدھے وغیرہ جانوروں کی حیوانی معاشرت ہے۔ جب کہ انسانی معاشرت اپنی شرافت و کرامت کے سبب اس سے یکسر مختلف ہے۔ جو نکاح' رشتوں کے تحفظ و احترام اور ان کے خصوصی و امتیازی احکامات پر مبنی ہے۔

یورپ اپنی شہوت پرستی کے جنون میں انسانیت کی فطری حدود کو توڑ کر حیوانیت کے قعر مذلت میں گر چکا ہے۔ خانگی امن و سکون اور نظام عصمت و عفت کی تباہی' کنواری ماؤں کی شرح میں سال بہ سال اضافہ کا ہونا اسی کا نتیجہ ہے۔

(امریکہ میں ہر سال دس لاکھ کم عمر لڑکیاں مائیں بن جاتی ہیں۔ ان امریکی لڑکیوں میں پچھتر فیصد کنواری ہوتی ہیں۔ ۸۳ء میں پچاس فیصد ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ امریکہ میں شادی کے بغیر میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے والوں کی تعداد ایک کروڑ ستر لاکھ ہوگئی۔ (نوائے وقت ص ۶' ۲۲-اکتوبر ۱۹۸۱ء)

اسلام انسانیت کی صلاح و فلاح کے لئے جامع مذہب ہے۔ اس میں انسان کی پیدائش سے لے کر وفات تک پیش آنے والے حالات کے احکامات دے کر رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات' مناکحات ہوں یا عقوبات' ترکات ہوں یا مواریث' ملکی امور ہوں یا خارجی' حقوق العباد ہوں یا حقوق اللہ' سب کے بارے میں مفصل احکام دیئے گئے ہیں۔

پھر نوع انسانی دو قسم کے افراد پر مشتمل ہے : مرد و عورت

اسباب کے درجے میں بقائے نوع کی ذمہ داری ان دونوں قسم کے افراد پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ بقائے نوع کے لئے دو امر ضروری ہیں : (۱) نئے انسانی افراد کی ایجاد و پیدائش' اور (۲) موجودہ انسانی افراد کی بقاو نشوونما کا نظام۔ اگر امر اول منتفی ہوجائے تو ظاہر ہے کہ موجودہ افراد فنا کی زد میں ہیں۔ ایک روز آئے گا کہ سب ختم ہوکر نوع انسانی سے یہ زمین خالی ہوجائے گی۔ اور اگر انسانوں کی پرورش' کھانے پینے وغیرہ کا کوئی نظام نہ ہو تو بھی نوع انسانی باقی نہیں رہ سکتی۔ بہرحال بقائے نوع کے لئے ہر دو امور بالا کا پایا جانا ضروری ہے۔ خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت فطری طور پر ان ہر دو امور کو مرد و عورت پر تقسیم فرمادیا ہے۔ امراول کی تمام تر ذمہ داری خلقی اور فطری طور پر عورت کے ذمہ ڈال دی گئی۔ جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل یا وارہ بندی نہیں ہوسکتی۔ اور امر ثانی کی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر لاد دی گئی کہ وہ خود اپنی روزی و معاش کا بھی فکر کرے اور عورت اور اس سے پیدا ہونے والے افراد انسانیہ کے تمام تر نان و نفقہ' لباس و مکان' غذا و دوا وغیرہ کا انتظام بھی کرے' تاوقتیکہ وہ خود کفالت کی عمر کو نہ پہنچ جائیں۔ اسی فارمولے کے مقتضاء کے مطابق عورت کو پرورش اولاد اور امور خانہ داری کی منتظمہ اور ملکہ بناکر گھر میں بٹھادیا گیا۔ اور مرد کو کسب معاش کے لئے شب و روز محنت کرنے' لمبے لمبے سفروں کی صعوبتیں جھیلنے' زراعت' تجارت' ملازمت کی مشقتیں برداشت کرنے کے لئے متعین کردیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی فطری اور نہایت معتدل و موزوں تقسیم ہے۔

یورپ عورت کو آزادی و مساوات کے سبز باغ دکھاکر اس پر ظلم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس کی فطری و خلقی ذمہ داری بالکلیہ اس کے ذمے رکھتے ہوئے (کیونکہ اس میں کوئی تقسیم یا وارہ بندی ممکن نہیں کہ ایک مرتبہ عورت بچہ جن لیا کرے اور دوسری مرتبہ یہ کام مرد کرلیا کرے) اسے بھی کسب معاش کے لئے بازار میں' فیکٹریوں میں' ریسٹورنٹوں میں' دفتروں میں ---- اور نمائش گاہوں میں بھی کھینچ لایا ہے۔ اب یہ

صرف خاوند ہی کے لئے محبت و مودت کی رانی نہیں بلکہ اب اسے شہوت پرستوں کی ہوس ناکیوں کا نشانہ بھی بننا پڑتا ہے۔ اب اسے نت نئے گاہکوں کی تلاش ہے جو کسی اچھے ہوٹل میں اس کے ساتھ شب باشی کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں' خانگی امن و سکون کا نام و نشان نہیں۔ عصمت کا دامن تار تار ہو چکا ہے اور طلاقوں کی بھرمار ہے۔ لاکھوں لاکھ غیر شادی شدہ جوڑے گناہ کی زندگی گزار رہے ہیں جنہیں ہر طرح کا قانونی تحفظ حاصل ہے۔ یہ سب حیوانی معاشرہ میں حیوانی زندگی گزار رہے ہیں اور ثم رددناہ اسفل سافلین (التین آیت ۵) کا مصداق بن رہے ہیں۔ اسلام انسانیت کو عصمت و عفت پر مبنی ایک پاکیزہ نظام معاشرت دیتا ہے۔ اور نکاح کے مقدس رشتے کی ضرورت و اہمیت واضح کرتے ہوئے فریقین کو باہمی حقوق کی ادائیگی کا پابند بناتے ہوئے اس رشتہ کو مضبوط اور دیرپا بنانے پر زور دیتا ہے۔ ایسے ہی معاشرہ کو فحاشی کی گندگی سے پاک رکھنے کے لئے نکاح کو عام کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ "وانکحوا الایامٰی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم۔ (النور آیت ۱۸) اگر آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو باندیوں سے ہی نکاح کر لیا جائے۔ "ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات۔" (نساء آیت ۲۵) اس سے نکاح کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ نیز بیوی کو خوش دلی سے خاوند کی اطاعت کرنے کی ترغیب دی گئی۔ حدیث میں آتا ہے کہ : "قیل لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای النساء خیر قال التی تسرہٗ اذا نظر وتطیعہٗ اذا امر ولا تخالفہ فی نفسہا ولا مالہا بما یکرہ۔" (مشکوٰۃ ص ۲۸۳' ج ۲) اسی طرح مردوں کو حکم دیا گیا کہ عورتوں کے حقوق کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔ ورنہ قیامت کے دن مدعی خود اللہ تعالیٰ ہوں گے۔ "عن حکیم بن معاویۃ القشیری عن ابیہ قال قلت یا رسول اللّٰہ ما حق زوجۃ احدنا

علیه قال ان تطعمها اذا طعمت۔ وتکسوها اذا اکتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت (مشکوٰۃ ص۲۸۱ ج۲) وعن ابی هریرۃؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ اکمل المؤمنین ایمانًا احسنهم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائهم۔" (ص۲۸۲ ج۲) دوسری جگہ فرمایا کہ عورتوں کو معلقہ کرکے نہ رکھو کہ نہ تو ان کے حقوق ادا کرو اور نہ انہیں طلاق دے کر فارغ کرو۔ "فلا تمیلوا کل المیل فتذروها کالمعلقة۔ (نساء آیت۱۲۹) پھر اس مقدس رشتہ نکاح کو باقی رکھنے کی ترغیب دی گئی۔ اسباب تفریق کو ختم کرنے کی بھی ہدایات جاری کی گئیں' لیکن مع ہذا بعض حالات میں زوجین کے مابین علیحدگی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے بہترین طریقے پر طلاق کی بھی اجازت دی ہے۔

طلاق کی اہمیت اور مسائل طلاق سے لاپرواہی :

دین کے دوسرے کاموں میں جیسے آجکل سستی ہو رہی ہے اور انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی' اسی طرح طلاق کے بارے میں ہمارے معاشرے کے اندر شعوری یا غیر شعوری طور پر بہت سی غلطیاں کی جاتی ہیں۔ عوام کی طرف سے یہ کوتاہی کی جاتی ہے کہ نکاح اور شادی کی تقریبات بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں' لیکن نکاح و طلاق کے مسائل کا اجمالی تعارف بھی نہیں ہوتا اور نہ انہیں سیکھنے سکھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے' حالانکہ ضروری مسائل کا سیکھنا فرض ہے اور بہت بڑی فضیلت کا حامل ہے۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : لان اغدو الی قوم اسألهم عن اوامر اللّٰه تعالٰی او یسألونی احب الی من ان احمل علی مائة فرس فی سبیل اللّٰه (تنبیہ الغافلین) یعنی صبح کے وقت میں لوگوں کے پاس جاؤں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں سوال کروں یا وہ مجھ سے سوال کریں۔ یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ سو گھوڑے اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے دوں۔

شادی ہو جانے کے بعد کبھی طلاق کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ مسائل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے عموماً تین طلاقیں ہی دی جاتی ہیں اور پھر غلط بیانی کر کے غلط فتوے حاصل کئے جاتے ہیں۔ نتیجتاً عمر بھر کے لئے حرام کاری میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک معزز خاندان میں طلاق کا واقعہ پیش آیا۔ لڑکی کے والد دین دار تھے۔ مفتیان کرام سے مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے طلاق کا فیصلہ فرمایا۔ خاندان میں بات چلی کہ لڑکی کو تین طلاقیں ہو گئی ہیں۔ اب یہ تجدید نکاح کر کے بھی خاوند کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔ اس فیملی کے اکثر لوگ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔ اکثر نے ان میں سے کہا کہ اس طرح کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ہم تو اس طرح روزانہ کہتے رہتے ہیں۔ گویا کہ پورا خاندان اس گناہ میں مبتلا ہے۔ اور ایک صاحب کہنے لگے کہ اس لڑکی کو بھیج دو' گناہ کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ کبھی اس قسم کی بات برادری کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ اللہ جل جلالہ کی حرام کردہ چیزوں کو کوئی برادری' کوئی فرد' کوئی عدالت یا کوئی پارلیمنٹ حلال نہیں کر سکتی۔

اور خواص کی طرف سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ خطبات جمعہ میں' اپنے مواعظ میں' بیانات میں اور تقریر و تحریر میں طلاق کا مسئلہ شدید ضرورت کے باوجود بھی بیان نہیں کیا جاتا۔ عوام خود تو ان مسائل کے سیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر علماء کی طرف سے بھی اس کی تبلیغ و سعی نہ کی گئی تو ان مسائل کا علم آخر کیسے ہو گا؟ اسی وجہ سے عوام میں بلکہ دین دار گھرانوں تک میں تین طلاق کے واقعات پیش آنے کے باوجود بھی انہیں ہضم کر لیا جاتا ہے اور شرعی احکام پر عمل درآمد نہیں ہو پاتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ طلاق کے مسائل کی تقریر و تحریر کے ذریعہ سے اشاعت کی جائے۔

طلاق کے اہم مسائل

طلاق کی تعریف :

نکاح کی قید کو مخصوص لفظ کے ذریعہ حالاً یا مآلاً ختم کرنا۔ (در مختار علیٰ ھامش ردالمحتار ص ۴۴۹، ج ۲)

طلاق کے ارکان :

مخصوص الفاظ جو استثناء سے خالی ہوں۔ (در مختار علیٰ ہامش ردالمحتار ص ۴۵۳، ج ۲)

طلاق کا حکم :

طلاق رجعی میں عدت کے بعد اور اس کے علاوہ (یعنی رجعی کے علاوہ) میں بغیر عدت کے جدائی کا واقع ہونا۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۳۴۸، ج ۱)

طلاق کی صفت :

اصل میں تو یہ ممنوع ہے، لیکن ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔ (ایضاً ص ۳۴۸، ج ۱) اور اگر عورت ضرر رساں ہے یا تارکہ صلاۃ ہے تو اسے طلاق دینا مستحب ہے۔ (در مختار علیٰ ہامش ردالمحتار)

شرائط طلاق :

خاوند کا عاقل بالغ ہونا (فتاویٰ ہندیہ ص ۳۵۳، ج ۱) اسی لئے مجنون اور نابالغ کی طلاق شرعاً معتبر نہیں۔ نہ وہ خود طلاق دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف سے اس کا باپ یا ولی طلاق دے سکتا ہے۔ یقع طلاق کل زوجٍ اذا کان بالغًا عاقلاً سواء کان حرًا اَو عبدًا (ایضاً)۔ ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون (ہندیہ ص ۳۵۳، ج ۱) وکذا لا تصح من غیرہ کابیہ ووصیہ

والقاضی للضرر۔ (ردالمحتار ص۱۲۱ ج۵)

البتہ اگر خاوند خطرناک مجنون ہے یا متعنت یا مفقود الخبر ہے تو شرعی ضوابط کے مطابق عدالت عورت کو آزاد کرسکتی ہے۔ قال محمدؒ ان کان الجنون حادثًا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعدالحول اذا لم یبرأ وان کان الجنون مطبقًا فھو کالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی القدسی۔ (عالمگیری ص۵۲۶ ج۱) وقد قال فی البزازیة الفتوٰی فی زماننا علٰی قول مالك وقال الزاهدی کان بعض اصحابنا یفتون بہ للضرورة (ردالمحتار ص۳۶۲ ج۳)۔ اختیار طلاق مرد کو ہے۔ طلاق دینا مرد کا حق ہے۔ عورت یا عدالت کو عام حالات میں طلاق دینے کے اختیارات حاصل نہیں۔ قرآن و سنت میں فعل طلاق کو صرف مرد کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن (طلاق آیت نمبر۱) اور فان طلقھا فلا تحل له من بعد حتٰی تنکح زوجًا غیرہ۔ اور حدیث میں ہے کہ الطلاق لمن اخذ بالساق (ابن ماجہ ص ۱۵۲ ج ۲) قرآن و سنت میں عورتوں کو مطلقہ قرار دیا گیا ہے نہ کہ طلاق دہندہ۔ "والمطلقات یتربصن۔" (بقرہ' آیت ۲۲۸)

یہ اختصاص بڑے مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہے۔ عدالتی طلاق میں مفاسد ہیں اور اس کے لئے بڑے مصارف کی حاجت ہوتی ہے۔ اور ضیاع وقت اور کچہریوں کے دھکے اور تذلیل الگ رہی۔ عورت کی طرف سے قبول طلاق ضروری نہیں۔ مرد کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ خواہ اسے عورت قبول کرے یا نہ کرے۔ طلاق نامہ وصول کیا جائے یا واپس کردیا جائے۔ ثم المرسومة لا تخلوا ما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب ھٰذا یقع الطلاق وتلزمھا العدة من وقت الکتابة۔ کذا فی الخلاصة۔ (ردالمحتار ص۴۶۵ ج۲)

زبانی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے :

جیسے تحریری طلاق نامے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، بہت سے جہلاء تحریری طلاق کو ہی طلاق سمجھتے ہیں۔ اور زبانی طلاق کو طلاق تصور نہیں کرتے۔ حالانکہ اصل طلاق زبانی ہی ہے۔ تحریری طلاق زبانی طلاق کے قائم مقام ہے۔ کما قال الشامیؒ : "لان رکن الطلاق اللفظ أو ما یقوم مقامہٗ" (ردالمحتار ص۴۶۵، ج۲)
غصے اور زبردستی کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ غصے یا کسی کے ڈرانے دھمکانے سے زبانی طلاق دے دی تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ عام لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم نے غصے میں طلاق دی ہے، لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ طلاق عموماً غصے میں ہی دی جاتی ہے۔ خوشی میں کون طلاق دیتا ہے۔ یقع طلاق کل زوجٍ اذا کان بالغًا عاقلاً سواءٌ کان حرًا أو عبدًا طائعا أو مکرھا۔ (ہندیہ ص۳۵۳، ج۱)
ویقع طلاق من غضب۔ (ردالمحتار ص۴۶۳، ج۲)

کتابت طلاق مکرہاً معتبر نہیں :

اگر زبان سے کچھ نہیں کہا، قتل یا اتلاف عضو کی دھمکی دے کر طلاق نامہ لکھوایا گیا تو بعض حالات میں یہ تحریری طلاق نامہ شرعاً معتبر نہ ہو گا۔ "فلو اکرہ علٰی ان یکتب طلاق امرأتہٖ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا کذا فی الخانیۃ۔" (ردالمحتار ص۴۵۷، ج۲)

طلاق نامہ لکھ کر پھاڑنے کا حکم :

طلاق نامہ لکھ کر اگر پھاڑ دیا تب بھی ویسے ہی طلاق واقع ہو جائے گی جیسے طلاق لکھی گئی تھی۔ "ثم المرسومۃ لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب ھٰذا یقع الطلاق وتلزمھا العدۃ من

وقت الکتابة کذافی الخلاصة۔" (ردالمحتار ص۴۶۵' ج ۲)

ہنسی مذاق کی طلاق بھی معتبر ہے :

بعض واقعات میں خاوند کہتا ہے کہ میں نے بطور ہنسی ومذاق کے طلاق دی تھی۔ یاد رہے کہ طلاق قصداً دی جائے یا ہنسی مذاق میں دی جائے' دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے : "ثلٰث جد ھن جِدٌّ وَھَزلھُنَّ جدالنکاح والطلاق والرجعة (مشکوٰة ص ۲۸۴' ج ۲) و طلاق اللاعب والھازل به واقع۔" (ہندیہ ص ۳۵۳' ج ۱)

ڈرامے کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے :

واضح رہے کہ ڈرامے کی طلاق بھی شرعاً واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ طلاق ہزل ہے اور ہازل کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ہزل کی حقیقت یہی ہے کہ الفاظ طلاق کا تلفظ کیا جائے اور اس کے حکم (یعنی وقوع طلاق) کا ارادہ نہ ہو۔ "او ھازلاً لا یقصد حقیقة کلامه۔" (الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار ص ۲۱۵' ج ۱)

طلاق کا حکم :

طلاق کا عمل حدیث پاک کی رو سے ابغض المباحات ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ابغض الحلال الی اللّٰہ عزوجل الطلاق۔" (ابوداؤد شریف ص ۲۹۶' ج ۱)

کیونکہ عقد نکاح بہت سے دینی و دنیاوی مصالح کو متضمن ہوتا ہے' مثلاً بقائے نسل انسانی' نظام عصمت و عفت کا قیام' نیز نسبی و صہری رشتوں کے ذریعے باہمی اخوت و محبت کا قیام وغیرہ۔ اور طلاق سے چونکہ ان مصالح کی نفی ہو جاتی ہے' اس لئے اصولی طور پر اسے محظور و ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

شیطانی قوتیں طلاق سے خوش ہوتی ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ شیطانِ

اعظم پانی پر اپنا دربار لگاکر شیاطین کی کارکردگی سنتا ہے۔ اور اس شیطان سے بہت خوش ہوتا ہے جو یہ بتلائے کہ میں نے میاں بیوی میں تفریق کرادی ہے۔ (مشکوۃ شریف ص۱۸' ج۱) خوشی کی وجہ ظاہر ہے کہ اس شیطان نے دو انسانوں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان عداوت کے بیج بو دیئے ہیں جو بہت سے چھوٹے بڑے گناہوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ اس لئے ہدایت فرمائی گئی کہ عورتوں کی معمولی کج خلقی برداشت کرلینی چاہیئے' کیونکہ عورت کی تخلیق ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے۔ اگر اسے سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ بیٹھو گے۔ (مسلم شریف ص۴۷۵' ج۱)

غرضیکہ اس مقدس رشتہ نکاح کو باقی رکھنے کی ترغیب دی گئی اور اسباب تفریق کو ختم کرنے کی بھی ہدایات جاری کی گئیں' تاہم بعض اوقات خانگی حالات ایسی نازک صورت اختیار کرلیتے ہیں جن میں امساک بالمعروف فوت ہوجاتا ہے اور زوجین کے درمیان ادائے حقوق اور محبت کی فضاء قائم نہیں رہ سکتی۔ تو ایسے حالات میں زوجین کا بذریعہ طلاق علیحدگی اختیار کرلینا ہی ان کے دین و دنیا کے اعتبار سے مصلحت مند و مفید ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے بہترین طریقے پر طلاق کی بھی اجازت دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر کام اچھی طرح سے کرو۔ یہاں تک کہ اگر جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کے لئے بھی تیز چھری استعمال کرو تاکہ اسے غیر ضروری تکلیف سے بچایا جا سکے۔ ان اللّٰه کتب الاحسان علی کل شیء واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة۔ (نسائی ص۱۸۳' ج۲) اسی طرح اگر بیوی کو آباد کیا جائے تو اعزاز و اکرام اور ادائے حقوق کے ساتھ آباد کیا جائے اور اگر چھوڑنے کی نوبت آئے تو بھی احسان کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ فامساك بمعروف او تسریح باحسان۔ (البقرۃ' آیت۲۲۹)

طلاق دینے کے طریقے

اسلام میں طلاق دینے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) احسن ' (۲) حسن ' اور (۳) بدعی۔ اس میں یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ طلاق کا کم از کم استعمال ہو ' اور مطلقہ کی عدت لمبی ہونے کا احتمال نہ ہو ' تاکہ اسے انتظار نکاح میں طویل مدت نہ گزارنی پڑے۔

طلاق احسن :

یہ ہے کہ ایسے طہر میں جو مجامعت سے خالی ہو ' ایک طلاق رجعی دے کر چھوڑ دیا جائے۔ (ردالمحتار ص ۴۵۳ ' ج ۲)

طلاق حسن :

یہ ہے کہ غیر مدخولہ کو ایک طلاق دینا یا مدخولہ کو تین طلاقیں ایسے تین طہروں میں جدا جدا کر کے دینا جن میں مجامعت نہ کی ہو۔ (ردالمحتار ص ۴۵۳ ' ج ۲)

طلاق بدعی :

یہ ہے کہ ایک طہر میں یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا ' یا حیض میں طلاق دینا ' یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مجامعت ہو چکی ہو۔ (ردالمحتار ص ۴۵۴ ' ج ۲) پہلی دو قسم کی طلاقوں کے وقوع کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ ایک طہر میں یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے بارے میں معمولی نوعیت کا اختلاف ہے۔ واضح رہے کہ حضرات فقہاء کرام کے فیصلے کے مطابق درحقیقت یہ اختلاف نہیں ہے ' محض خلاف ہے جس سے مسئلے کے اجماعی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (بحرالرائق ص ۲۵۷ ' ج ۳)

قرآن پاک ' احادیث مبارکہ ' آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ' اجماع امت اور ائمہ مجتہدین کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ مدخول بہا پر ایک مجلس

کی دی ہوئی تین طلاقیں اکٹھی ہوں یا جدا جدا تین ہی واقع ہوں گی۔ لیکن اس کے بر خلاف غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق واقع ہو گی' خواہ کلمہ واحدہ سے ہو یا کلمات متفرقہ سے' مجلس ایک ہو یا مختلف مجالس میں دی گئی ہوں' بلکہ دوران طہر اگر ہر روز سو طلاقیں بھی دیتا رہے تو بھی ایک طلاق ہی ہو گی۔ (دوسری طلاق کا وقوع دوسرے طہر سے پہلے ناممکن ہے) اس حساب سے ماہوار تین ہزار طلاقیں بنتی ہیں۔ اگر مطلقہ ممتدۃ الطہر ہو تو پھر اس سے بھی بڑھ جائیں گی۔

زمانہ جاہلیت میں طلاق کا حق محدود نہ تھا۔ سو طلاق کے بعد بھی حق رجعت باقی رہتا تھا۔ اس میں عورت کی تذلیل و ایذا رسانی ظاہر ہے کہ روز طلاقیں مل رہی ہیں' لیکن اس ظالم سے جان چھوٹنے کی کوئی سبیل نہیں۔ لیکن غیر مقلدین کا یہ مسئلہ زمانہ جاہلیت کی طلاقوں سے بھی زیادہ رسوا کن ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت کی تو سو طلاقوں کا ذکر آتا ہے اور اسے ظلم قرار دیا گیا' مگر غیر مقلدین کے نزدیک اس کی کوئی تحدید ہی نہیں۔ ایک طہر میں ہزار' دو ہزار جتنی چاہیں طلاقیں دی جائیں' مظلوم عورت کی جان نہیں چھوٹ سکتی' فیاللعجب۔

آج کل ابتلائے عام کی وجہ سے یہ مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہم قرآن مجید اور احادیث مبارکہ' آثار صحابہؓ اور اجماع امت' نیز عقلی دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک مجلس میں دی جائیں یا ایک طہر کی مختلف مجالس میں' وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک۔ واللّٰہ الموفق والمعین۔

قرآن مجید میں طلاق کے احکام

(۱) فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجًا غیره۔ (الآیة) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ عام ازیں کہ مختلف مجلسوں میں دی ہوں یا ایک ہی مجلس میں دی ہوں، ایک طہر میں ہوں یا کئی طہروں میں۔ چنانچہ امام ابوبکر رازی اپنی کتاب احکام القرآن میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: فحکم بتحریمها علیه بالثالثة بعد الاثنین ولم یفرق بین ایقاعهما فی طهر واحد او فی اطهار فوجب الحکم بایقاع الجمیع علی ای وجه اوقعه من مسنون او غیر مسنون ومباح او محظور وقال هذه الآیة تدل علی وقوع الثلاث معا مع کونه منهیا عنها۔ (احکام القرآن ص۳۸۶، ۳۸۷، ج۱) محلی ابن حزم میں ہے کہ فهذا یقع علی الثلاث مجموعة ومفرقة ولا یجوز ان یخص بهذه الایة بعض ذالك دون بعض بغیر نص۔ (محلی ابن حزم ص۱۷۰، ج۱۰)

(۲) یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن الٰی قوله ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدری لعل الله یحدث بعد ذالك امرًا (الطلاق آیت نمبر۱)

اس آیت مبارکہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک کرکے تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں تاکہ ایک طلاق دینے کے بعد اگر ندامت ہو تو اس کی تلافی ہوسکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اور جو ان سے تجاوز کرے گا فقد ظلم نفسه۔ یعنی جو تین طلاقیں اکٹھی دے گا تو یہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا، کیوں کہ پھر اگر اسے ندامت ہوئی تو یہ رجوع نہیں کرسکے گا اور تلافی ناممکن ہوگی۔ پس اگر تین طلاقیں دینے سے ایک ہی واقع ہوتی تو اس کی تلافی بھی ممکن ہوتی اور اس

کو ظلم نہ فرمایا جاتا۔

اور اگر تین طلاقیں بلفظ واحد دینے سے ایک ہی ہو تو پھر آیت مبارکہ میں اس تقویٰ سے کون سی صورت مراد ہوگی جس کو اختیار کرنے والے کے لئے "مَخْرَجْ اور آسانی" کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور پھر تین طلاق دے کر اور آیت مذکورہ کی خلاف ورزی کرکے اپنی جان پر ظلم کرنے والے اور اللہ کی حدود کو توڑنے والے کی سزا کیا ہوگی؟ اس لئے کہ جو آدمی ایسا قول مُنکرؔ کہے جس کا اثر اس پر مرتب نہ ہو، اس پر شارع نے اس کی سزا مقرر کی ہے جیسے جملہ ظہار کہنے والے پر "کفارۂ ظہار" کی سزا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دینے والے کو اس کی طلاقیں نافذ کرکے سزا دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے مخرج نہیں۔ بسبب اس کے حدود سے تجاوز کرنے کے، واللہ اعلم۔ اگر ایک ہی مان لیں تو نہ تقوے اور مخرج والی صورت نکلتی ہے اور نہ ہی اس ظالم کی سزا۔ چنانچہ جمہور علماء نے اسی آیت سے طلاق ثلثہ فی مجلس واحد کے وقوع پر استدلال کیا ہے۔ "واحتج الجمهور بقوله تعالٰی ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه۔ لا تدری لعل الله يحدث بعد ذالك امرًا۔ قالوا معناه ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تدارکه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لم تقع لم يقع طلاقه هذا الا رجعيًا فلا يندم (نووی علی مسلم ص۴۷۸، ج۱)

اور امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ فلولا انه اذا طلق لغير العدة وقع ما كان ظالمًا لنفسه بايقاعه ولا كان ظالمًا لنفسه بطلاقه وفی هذه الآية دلالة على وقوعها اذا طلق لغير العدة ويدل عليه قوله تعالٰی فی نسق الخطاب ومن يتق الله يجعل لهٗ مخرجًا والله اعلم انه اذا اوقع الطلاق على ما أمره الله كان له مخرجًا مما أوقع ان لحقه ندم وهو الرجعة وعلى هذا المعنى تأوله ابن عباسؓ۔

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لو أن الناس طلقوا نساءهم كما أمروا لما فارق الرجل امرأته وله اليها حاجة ان احدكم يذهب يطلق امرأته ثلثا ثم يقعد ثم يعصر عينيه مهلاً مهلاً بارك اللّٰه عليكم فيكم كتاب اللّٰه وسنة رسوله فماذا بعد كتاب اللّٰه وسنة رسوله الا الضلال ورب الكعبة۔ (حكم الطلاق الثلاث)

پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دفعتًا دینے سے واقع ہو جاتی ہیں' اگرچہ ایسا کرنا شریعت مطہرہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

(۳) "ومن يتق اللّٰه يجعل له مخرجًا" (الطلاق آیت ۲)

اس آیت کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں: لكنهم اجمعوا على ان من قال لامرأة انت طالق ثلثا يقع ثلثا بالاجماع الخ (تفسیر مظہری ص ۳۰۰' ج ۲)

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور ایک ایک کرکے طلاق دو۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے رجعت کا مخرج رکھا ہے۔ اور جو اللہ جل شانہ سے نہیں ڈرتا' اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا ہے اس کے لئے کوئی مخرج نہیں۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ قال ابن عباسؓ وانك لم تتق اللّٰه فلا اجد لك مخرجًا عصيت ربك وبانت منك امرأتك (ابوداؤد ص ۲۹۹' ج ۱) وقال لرجل آخر "ان عمك عصى اللّٰه فاثمه اللّٰه واطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجًا (طحاوی شریف ص ۳۷' ج ۲)

(۴) امام بخاریؒ نے اس آیت سے بھی طلاق ثلاثہ کے وقوع پر استدلال کیا ہے کہ "الطلاق مرتان الخ۔" پس فرمایا اپنی کتاب صحیح بخاری میں کہ باب من اجاز طلاق الثلاث لقول اللّٰه تعالىٰ۔ الطلاق مرتان فامساك

بمعروف او تسریح باحسان (بخاری ص۷۹۱ ج۲) اس آیت میں ترتیب طلاق کو نہیں بلکہ تعداد طلاق کو بیان کیا ہے۔

محلّٰی میں ہے کہ واما قولهم معنٰی قوله الطلاق مرتان ان معناه مرة بعد مرة فخطاء بل هذه الآية كقوله تعالٰى نؤتها اجرها مرتين اى مضاعفا معًا (محلّٰی ابن حزم ص۱۶۸ ج۱۰)

وايده الكرمانى لانهٗ لا يوجد من يفرق بين الاثنين والثلاث فى صحة الوقوع الخ (كتاب الاشفاق فى حكم الطلاق ص۳۸) وقال الامام الرازیؒ ان هذه الآية يدل على وقوع الثلاث مع كونه منهيًا عنها (احکام القرآن للجصاص ص۳۸٦ ج۱)

احادیثِ مبارکہ سے طلاق کے احکام

(۱) عن عائشة رضى الله عنها ان رجلا طلق امرأتهٗ ثلاثًا فتزوجت فطلق فسئل النبى ﷺ اتحل للاول قال لا حتّٰى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول۔ (بخاری ص۷۹۱ ج۲۔ مسلم ص۴٦۳ ج۱)

یہ حدیث طلاق ثلاثہ کے یک وقت نافذ ہونے میں ظاہر ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں ہے کہ : فالتمسك بظاهر قوله طلقها ثلاثا فانه ظاهر فى كونها مجموعة (فتح الباری ص۳۰۱ ج۹) اور عمدۃ القاری میں ہے : مطابقتهٗ للترجمة فى قوله طلق امرأته ثلثاً فانه ظاهر فى كونها مجموعة۔ (عمدۃ القاری ص۲۳۷ ج۲۰)

(۲) عن محمود بن لبيد قال اخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعًا فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم حتّٰى قام رجل فقال يا رسول الله الا

اقتله (نسائی ص ۸۲، مشکوٰۃ ص ۲۸۴، ج ۱)۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کو ایک آدمی کے بارے میں بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دی ہیں تو آپ ﷺ غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کو کھلونا بنایا جاتا ہے اس حال میں کہ میں تم میں موجود ہوں۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے اٹھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کردوں۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، ورنہ آپ ﷺ اس قدر غُصّے کا اظہار کیوں فرماتے؟ محض ایک لغو بات کرنے پر اس قدر شدید ناراضگی کا اظہار فرمانا کہ پاس والے اس آدمی کے قتل کے لئے تیار ہوجائیں یہ اس پر دال ہے کہ واقع میں تین طلاقیں نافذ ہوجاتی ہیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ناپسندیدہ اور لغو عمل ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک انصاری بچہ کے فوت ہونے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ عصفور من عصافیر الجنة۔ آپ ﷺ اس بات سے روکنا چاہتے تھے تو آپ نے صرف اتنا ہی فرمایا کہ "او غیر ذالك"۔ اس کے علاوہ نہ تو غُصے ہوئے، نہ ہی زجر و توبیخ کی۔ پس معلوم ہوا کہ ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اسی لئے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

(۳) وقال فی الطلاق الثلاث لا تحل له من بعد حتٰی تنکح زوجًا غیره وقال لیث عن نافع کان ابن عمرؓ اذا سئل عمن طلق ثلثاً قال لو طلقت مرة او مرتین فان النبی ﷺ امرنی بهذا فان طلقها ثلاثاً حرمت حتٰی تنکح زوجًا غیره۔ (بخاری ص ۷۹۲، ج ۲) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں، تو وہ فرماتے کہ اگر ایک یا دو طلاق دی ہو تو پھر وہ حلال ہوسکتی ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے اسی کا حکم دیا تھا۔ پس اگر تین طلاقیں دی ہوں تو پھر وہ حرام ہوجاتی ہے۔ جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرلے۔ پس اس حدیث سے بھی

معلوم ہوا کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۴) ابو داؤد میں حضرت عویمرؓ عجلانی کے واقعہ میں ہے کہ فلما فرغا قال عویمرؓ کذبت علیها یا رسول اللهؐ ! ان امسکتها فطلقها ثلاثا (ابو داؤد ص ۳۰۵' ج ۱۔ نسائی ص ۸۳' ج ۲) یعنی جب حضرت عویمرؓ اور ان کی بیوی لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ! اب اگر میں اس کو روکوں تو مطلب یہ ہو گا کہ میں نے اس پر جھوٹ بولا ہے۔ یہ کہہ کر پھر انہوں نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ آگے فرمایا : عن ابن شهاب عن سهل ابن سعد فی هذا الخبر قال فطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فانفذه رسول الله صلی الله علیه وسلم و کان ما صنع عند النبی ﷺ سنة (ابو داؤد ص ۳۰۶' ج ۱) یعنی آپ نے ان کی تین طلاقوں کو نافذ بھی کر دیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دفعتًا دینے سے واقع ہو جاتی ہیں۔ اس پر یہ اشکال نہیں ہو سکتا کہ "یہ تین طلاقیں امر زائد ہیں۔ جدائی تو لعان سے ہی ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا۔ لہٰذا آپ کا اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں' کیونکہ صرف لعان سے بغیر قاضی کی تفریق کے جدائی نہیں ہوتی۔ چنانچہ "فتح القدیر" میں ہے کہ : "واذا التعنا لا تقع الفرقة حتّٰی یفرق الحاکم بینهما (حتی لو مات احدهما قبل تفریق القاضی ورثه الآخر "وقال لو ظاهر منها فی هذه الحالة او طلقها او آلٰی منها صح لبقاء النکاح غیر ان وطأها محرم لان ثبوت الحرمة یفوت الامساك بالمعروف فیلزمه التسریح بالاحسان" فاذا امتنع ناب القاضی منابه دفعًا للظلم دل علیه قول ذلك الملا عن عند النبی ﷺ کذبت علیها یا رسول الله ان امسکتها هی طالق ثلثا قالهٗ بعد اللعان (فتح القدیر ص ۱۱۸' ج ۴) اور خصم کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ "عویمرؓ کو

مطلق لعان سے جدائی کے وقوع کا علم نہ تھا۔" اس لئے کہ انہوں نے یہ بات اگر بے علمی کی وجہ سے کہی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کی تقریر نہ فرماتے۔ چنانچہ نسائی شریف میں حدیث مذکور کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ : "ومن یقول بخلافه ویعتذر بان عویمرؓ ما کان عالما بالحکم وفیه انه لو کان عن جهل کیف قرره النبی ﷺ علی ذالك الخ (ص ۸۳، ج ۲)

(۵) عن عامر الشعبیؒ قال قلت لفاطمة بنت قیس حدثینی عن طلاقك قالت طلقنی زوجی ثلثا وهو خارج الی الیمن فاجاز ذلك رسول الله صلی الله علیه وسلم (ابن ماجہ ص ۱۴۷، ج ۱) یعنی عامر شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے فاطمہ بنت قیس سے ان کی طلاق کا قصہ پوچھا تو فرمایا کہ میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دیں جب کہ وہ یمن کو جا رہے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو نافذ کر دیا۔

(۶) اسی واقعہ کو نسائی نے (باب الرخصة فی ذالك ای الثلاث المجموعة) میں اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ قال حدثنی ابوسلمة قال حدثتنی فاطمة بنت قیس ان ابا عمروؓ بن حفص طلقها ثلثا. فانطلق خالد بن الولید فی نفر من بنی مخزوم الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله ان ابا عمروؓ بن حفص المخزومی طلق فاطمة ثلثًا فاجاز ذالك رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ (نسائی ص ۸۳، ج ۲) کہ آپ ﷺ نے ابو عمرو بن حفصؓ مخزومی کی دفعتًا دی ہوئی تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا تھا۔ آئندہ حدیث نمبر ۱۵ سے صراحتًا معلوم ہو رہا ہے کہ ابو عمرو بن حفصؓ نے فاطمہ کو ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ (ابوداؤد ص ۳۱۹، ج ۱)

(۷) حدثنا علی بن محمد بن عبید الحافظ قال نا محمد بن

شاذان الجوهری نا علی بن منصور نا شعیب بن زُریق ان عطاء الخراسانی حدثهم عن الحسن قال نا عبداللّٰہؓ بن عمر انه طلق امرأته تطليقة وهی حائض ثم ارادان يتبعها بتطليقتين اخرا وين عندالقرئين' فبلغ ذلك رسول اللّٰہ ﷺ فقال يا ابن عمرؓ ما هكذا امرك اللّٰہ انك قد اخطات السنة والسنة ان تستقبل الطهر فيطلق لكل قروءٍ قال فامرنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فراجعتها ثم قال اذا هی طهرت فطلق عند ذلك او امسك فقلت يا رسول اللّٰه الخ ارأيت لو انی طلقتها ثلثا اكان يحل لی ان اراجعها قال لا كانت تبين منك وتكون معصيةً (سنن دارقطنی ص۴۳۸' ج ۲۔ زادالمعاد ص۲۵۷' ج ۲)

یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی حالت حیض میں۔ پھر اس کے بعد دو اور طلاقیں دینے کا ارادہ کیا دو حیضوں میں۔ آگے فرمایا کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! بتایئے کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا اس سے رجوع کر سکتا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں' وہ تجھ سے بائنہ ہو جائے گی اور ایسا کرنا گناہ ہے۔

(۸) حدثنا احمد بن محمد بن سعيدنا يحيیٰ بن اسماعيل الجريری حسين بن اسماعيل الجريری سيدنا يونس بن بكيرنا عمرو بن شمر عن عمران بن مسلم و ابراهيم بن عبدالاعلی عن سويد بن غفلة قال لما مات علی رضی اللّٰه عنه جاءت عائشة بنت خليفة الختعمية امرأة الحسن بن علیؓ فقالت له لتهنك الامارة فقال لها تهنينی بموت امير المؤمنين انطلقی فانت طالق فتقنعت بثوبها وقالت انی لم ارد الا خيرًا فبعث اليها بمتعة عشرة آلاف وبقية صداقها فلما وضع بين يديها بكت وقالت متاع قليل من حبيب مفارق فاخبره الرسول فبكی وقال لولا انی ابنت الطلاق لها

لراجعتها ولٰکنی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول ایما رجل طلق امرأته ثلٰثا عند کل طهر تطلیقةً او عند رأس کل شهر تطلیقةً او طلقها ثلٰثا جمیعًا لم تحل له حتّٰی تنکح زوجًا غیره۔ (دارقطنی ص۴۳۸، ج۲۔ بیہقی ص۳۳۶، ج۷)

اس کی سند کے متعلق ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ "اسنادہ صحیح۔" (کتاب الاشفاق ورواہ الطبرانی واعلاء السنن ص۵۲۱، ج۱۱) یعنی حضرت حسن بن علیؓ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی: "انطلقی فانت طالق ثلٰثا۔" تو چلی جا، تجھے تین طلاقیں ہیں۔ عائشہ چلی گئیں۔ بعد میں حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا کہ عائشہ کو جدائی کا بہت غم ہے تو روئے اور فرمایا کہ اگر میں نے بائنہ طلاق نہ دی ہوتی تو رجوع کرلیتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق اس طرح دے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے یا ہر مہینہ کے شروع میں ایک طلاق دے یا تین طلاق ایک ساتھ دے دے تو جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے پہلے کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ پس اس حدیث سے صراحتًا معلوم ہوگیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

(۹) عن ذاذان عن علیؓ قال سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم رجلا طلق البتة فغضب وقال تتخذون آیات اللّٰہ هزوًا او دین اللّٰہ هزوا ولعبًا من طلق البتة الزمناه ثلٰثا لا تحل له حتّٰی تنکح زوجًا غیره۔ (سنن دارقطنی ص۴۳۳، ج۲) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ انہوں نے طلاق بتہ دی ہے (لفظ البتہ سے تین طلاق کی بھی نیت ہوسکتی ہے) آپ غضبناک ہوگئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو کھیل اور مذاق بناتے ہو۔ جو کوئی طلاق البتہ دے گا ہم اس کے ذمہ تین لازم کردیں گے۔ پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔ تو

آپ ؐ نے ناراضگی تو فرمائی، لیکن تین کو بھی لازم کردیا۔

(۱۰) حدثنا محمد بن مخلد الیٰ ان قال سمعت معاذ ؓ بن جبل یقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول یا معاذ ؓ من طلق للبدعۃ واحدۃ او اثنین او ثلاثًا الزمناہ بدعتہ۔ (دارقطنی ص ۴۴۳-۴۴۴، ج ۲۔ اغاثۃ اللہفان ص ۱۶۸) یعنی حضرت معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بدعی طریقے پر طلاق دے گا، چاہے ایک دے یا دو یا تین دے تو ہم وہ طلاقیں اس پر لازم کردیں گے۔ یہ بھی طلاق ثلاثہ کے وقوع پر صراحت ہے۔

(۱۱) عن ابراھیم بن عبیداللّٰہ بن عبادۃ بن الصامت عن ابیہ عن جدہ قال طلق بعض آبائی امرأتہ الفًا فانطلق بنوہ الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقالوا یا رسول اللّٰہ ان ابانا طلق اُمّنا الفًا فھل لہ من مخرجٍ فقال ان اباکم لم یتق اللّٰہ فیجعل لہ من امرہٖ مخرجًا بانت منہ بثلاث علی غیر السنۃ وتسع مائۃ وسبعۃ وتسعون اثم فی عنقہ۔ (دارقطنی ص ۴۳۳، ج ۲۔ زادالمعاد ص ۲۵۷، ج ۲)

(۱۲) مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت یوں ہے: عن داؤد بن عبادۃ ؓ بن الصامت قال طلق جدی امرأۃ لہ الف تطلیقۃ فانطلق ابی الیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فذکر ذٰلک لہ فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اما اتقی اللّٰہ جدک اما ثلاث فلہٗ واما تسع مائۃ وسبعۃ وتسعون فعدوانٌ وظلم ان شاء اللّٰہ تعالٰی عذبہ وان شاء غفرلہ۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۳، ج ۶۔ اغاثۃ اللہفان ص ۱۶۸، ج ۱۔ فتح القدیر ص ۳۳۰، ج ۳) یعنی حضرت عبادہ بن صامت ؓ کے والد نے اپنی زوجہ کو ہزار طلاقیں دیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان

کیاتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی بیوی تین طلاقوں سے بائنہ ہو گئی ہے۔ اور نو سو ستانوے ظلم اور عدوان ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ظلم کی سزا دے اور چاہے تو معاف کردے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دینے سے واقع ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) عن صفوان بن عمر الطائی ان امرأة كانت تبغض زوجها فوجدته نائما فاخذت شفرة وجلست علی صدره ثم حركته وقالت لتطلقنی ثلاثا او لا ذبحنك فناشدها الله فابت فطلقها ثلاثا ثم جاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فسأله عن ذلك فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم لا قیلولة فی الطلاق رواه محمد باسناده۔ (زجاجة المصابیح ص۲۷۶ ج ۲۔ انوار السنن ص ۱۸۲ ج۱) یعنی صفوان بن عمر سے روایت ہے کہ ایک عورت کو خاوند ناپسند تھا' ایک مرتبہ اس کو سوتا ہوا پاکر اس کے سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے سینے پر رکھ کر کہنے لگی کہ مجھے تین طلاقیں دو' ورنہ تمہیں ذبح کردوں گی۔ خاوند نے قسم دے کر کہا کہ میں تجھے بعد میں طلاق دے دوں گا۔ مگر اس نے انکار کردیا۔ مجبور ہو کر اس نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق میں فسخ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس سے بھی پتہ چلا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک۔

(۱۴) واحتجوا ایضا بحدیث ركانة رضی الله عنه انه طلق امرأته البتة فقال له النبی صلی الله علیه وسلم آلله ما اردت الا واحدة؟ فقال آلله ما اردت الا واحدة فهذا دلیل علی انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم یكن لتحلیفه معنًی۔ (مسلم شریف مع نووی ص۴۷۸ ج۱) یعنی حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ اب طلاق بتہ چونکہ

کنایات میں سے ہے اور اس کا یہ حکم ہے کہ اس میں طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہو گا۔ اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو تین ہی واقع ہوں گی اور اگر ایک طلاق کی نیت کی ہے تو ایک ہی واقع ہو گی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اللہ کی قسم دے کر پوچھا کہ کیا تم نے ایک طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے عرض کیا جی ہاں' اللہ کی قسم میں نے ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ تو جمہور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کا ارادہ تین کا ہوتا تو تینوں واقع ہو جاتیں۔ ورنہ تو قسم دینے کی کیا ضرورت تھی۔ قسم اس لئے دی کہ تین کا ارادہ ہو گا تو تین ہوں گی' ورنہ ایک ہو گی۔ اسی حدیث کی روشنی میں حدیث علیؓ کو سمجھنا چاہئے جس میں طلاق بتہ کا ذکر ہے۔ یعنی طلاق بتہ دینے سے اس وقت تین طلاقیں واقع ہوں گی' جب کہ ایک کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ تین کا ارادہ کیا ہو۔

(۱۵) حدثنا ابو عبید القاسم بن اسماعیل ..... ناسلمة بن ابی سلمة عن ابیه انه ذکر عنده ان الطلاق الثلاث بمرة مکروه فقال طلق حفص بن عمرو بن المغیرة فاطمة بنت قیس بکلمة واحدة ثلٰثا فلم یبلغنا ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عاب ذٰلك علیه۔ (سنن دار قطنی ص۴۲۹' ج۲) وفی روایة منها وطلق عبدالرحمٰن بن عوف امرأته ثلٰثا فلم یعب ذٰلك علیه۔ (ایضاً) یعنی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ بات ذکر کی گئی کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا مکروہ ہے۔ فرمایا حضرت حفص بن عمرو بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ ہمیں اس کی خبر نہیں ملی کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہو۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ پس ان تمام احادیث مرفوعہ سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے واقع ہو جاتی ہیں۔

مجموع فقہی (مسند زید) میں زید بن علی عن ابیہ عن جدہ کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش کے ایک آدمی نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو فرمایا کہ تین کے ساتھ اس سے بائنہ ہو گئی اور ستانوے طلاقیں ان کی گردن میں معصیت ہیں۔ (مسند زید ص۲۸۹)

آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

احادیث حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

(۱۶) عن انس ؓ قال کان عمر ؓ اذا اتی برجلٍ قد طلق امرأتهٗ ثلثًا فی مجلس او جعه ضربًا و فرق بینهما۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۱، ج ۵۔ سنن بیہقی ص ۳۳۴، ج ۷۔ بدائع الصنائع ص۹۶، ج ۳۔ طحاوی ص ۳۴، ج ۳) یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ اس کو سزا دیتے اور دونوں میں تفریق کر دیتے۔ اس حدیث سے بھی واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں کوئی دے تو واقع ہو جاتی ہیں۔

(۱۷) و کان عمر بن الخطاب ؓ اذا اتی برجل طلق امراته الفًا فقال لهٗ عمر ؓ اطلقت امرأتك؟ فقال انما کنت العب فعلاه عمرؓ بالدرة فقال انما یکفیك من ذٰلك ثلاث۔ (محلی ابن حزم ص ۱۷۲، ج ۱۰۔ سنن بیہقی ص ۳۳۴، ج ۷۔ زاد المعاد ص ۲۵۹، ج ۲۔ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲، ج ۵۔ مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۳، ج ۶) یعنی زید بن وہب ؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو حضرت عمر ؓ کے پاس لایا گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی تھیں۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: کیا تو نے اتنی طلاقیں دی ہیں؟ اس نے کہا میں تو مذاق

کر رہا تھا' تو حضرت عمرؓ نے اسے دُرّے سے سزا دی اور فرمایا کہ تجھ کو ایک ہزار میں صرف تین کافی تھیں۔

(۱۸) حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو خط میں لکھا تھا کہ "من قال انت طالقٌ ثلثًا فھی ثلٰث۔" یعنی جو شخص یوں کہے کہ "تجھے تین طلاق" تو تین واقع ہوں گی۔ (سنن سعید بن منصور ص۲۵۹' ج ۳۔ رقم الحدیث ص۱۰۶۹

حدیث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(۱۹) روٰی وکیع عن جعفر بن یرقان عن معاویۃ بن ابی یحیٰی انہ قال جآء رجل الٰی عثمانؓ بن عفان فقال طلقت امرأتی الفًا فقال بانت منك بثلاث فلم ینکر الثلاث۔ (محلی ابن حزم ص۱۷۲' ج ۱۰۔ زادالمعاد ص۲۵۹' ج ۲۔ فتح القدیر ص۳۳۰' ج ۳۔ طحاوی ص۳۰' ج ۲) یعنی ایک شخص حضرت عثمانؓ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں تو آپؓ نے جواب دیا کہ تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہوگئی۔ اس سے بھی وقوع طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد ثابت ہوتا ہے۔

حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ

(۲۰) روٰی وکیع عن الاعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن بعض اصحابہ قال جآء رجل الٰی علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ قال انی طلقت امراُتی الفًا فقال لہ علیؓ بانت منك بثلاثٍ واقسم سائرھن بین نسآئك فلم ینکر جمع الثلاث۔ (سنن بیہقی ص۳۳۵' ج ۷۔ زادالمعاد ص۲۵۹' ج ۲۔ محلی ابن حزم ص۱۷۲' ج ۱۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲۔۱۳' ج ۵۔ فتح القدیر ص۳۳۰' ج ۳)

ایک آدمی نے آکر حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا: وہ تجھ سے تین سے بائنہ ہوگئی۔ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ طلاق ثلاثہ کے وقوع کے قائل تھے۔ (نیل الاوطار ص ۱۹۷، ج ۶)

دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علیؓ کو آکر کہا کہ : "انی طلقت امرأتی عدد العرفج قال تأخذ من العرفج ثلاثًا وتدع سائرة۔ قال ابراھیم واخبرنی ابوالحویرث عن عثمانؓ بن عفان مثل ذٰلك۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۴، ج ۶)

یعنی یہ کہ میں نے اپنی بیوی کو عرفج کے درختوں کے برابر طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا ان میں سے تین لے لو، باقی چھوڑ دو۔

(۳۱) عن الاعمش انه کان بالکوفة شیخٌ.....الٰی قوله.....فاخرج کتابه فاذا فیه۔ بسم الله الرحمٰن الرحیم هٰذا سمعت علی بن ابی طالبؓ۔ یقول اذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا فی مجلس واحدٍ۔ فقد بانت منه ولا تحل له حتٰی تنکح زوجًا غیرہ قلت ویحك هٰذا غیر الذی تقول قال الصحیح هو هٰذا ولکن هولاء ارادونی علٰی ذٰلك (سنن بیہقی ص ۳۳۹، ج ۷) یعنی اعمش کوفی سے روایت ہے کہ کوفہ کے ایک بوڑھے شخص یہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو اس کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا۔ میں نے شیخ سے کہا کہ تم نے حضرت علیؓ سے یہ کہاں سنا ہے؟ اس نے کہا کہ میری کتاب میں موجود ہے۔ شیخ نے کتاب نکالی۔ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا تھا کہ یہ حدیث میں نے حضرت علیؓ سے سنی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔

جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے طلاق دینے والے کے لئے حلال نہ ہوگی۔ میں نے کہا کہ افسوس ہے کہ یہ تو تمہارے بیان کے خلاف ہے۔ تو شیخ نے کہا کہ صحیح یہی ہے۔ لیکن لوگوں نے مجھے مجبور کیا تھا' اس لئے میں نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔

احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۲۲) مالکؒ انه بلغه ان رجلاً جآء الی عبداللّٰہ بن مسعودؓ فقال انی طلقت امرأتی بمائتی تطلیقات فقال ابن مسعودؓ فما ذا قیل لك قال قیل لی انها قد بانت منی فقال ابن مسعودؓ صدقوا الخ۔ (موطا امام مالکؒ ص۵۱۱' ج۱۔ فتح القدیر ص۳۳۰' ج۳) امام مالکؒ تک یہ روایت پہنچی کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا کہ تم کو دوسروں (مفتیوں) کی جانب سے کیا جواب دیا گیا؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ جواب ملا کہ وہ عورت مجھ سے بائنہ ہوگئی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ لوگ صحیح کہتے ہیں۔ "یعنی حکم شرعی بھی یہی ہے۔"

(۲۳) عبدالرزاق عن معمر عن الاعمش عن ابراهیم عن علقمة قال جآء رجلٌ الی ابن مسعودؓ فقال انی طلقت امرأتی تسعة وتسعین وانی سألت فقیل لی قد بانت منی فقال ابن مسعودؓ لقد احبوا ان یفرقوا بینك وبینها قال فما تقول رحمك اللّٰه فظن انه سیرخص له فقال ثلٰث تبینها منك وسائرها عدوان (مصنف عبدالرزاق ص۳۹۵' ج۶) تین طلاقوں سے وہ بائنہ ہوگئی اور باقی سب زیادتی ہے۔

(۲۴) عن مطرف عن الحکم عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ قالا فی رجل طلق امرأته ثلثًا قبل ان یدخل بها لا تحل له حتّٰی تنکح زوجًا غیره۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص۲۱'۲۲' ج۶-۵) یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ وعبداللہ بن مسعودؓ تین کو نافذ کرتے تھے۔

احادیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(۲۵) ابوداؤد میں ہے کہ : عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس ؓ فجاءه رجلٌ فقال انه طلق امرأته ثلٰثا قال فسكت حتٰى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس ؓ وان اللّٰه قال "ومن يتق اللّٰه يجعل له مخرجًا۔ وانك لم تتق اللّٰه فلا اجدلك مخرجًا عصيت ربك وبانت منك امرأتك الٰى ان قال قال ابوداؤد' روٰى هٰذالحديث حميد الاعرج وغيره عن مجاهد عن ابن عباس ورواه شعبة عن عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس وايوب وابن جريج جميعًا عن عكرمة بن خالد عن سعيد بن جبير عن ابن عباس و ابن جريج عن عبدالحميد بن رافع عن عطاء عن ابن عباس ؓ ورواه الاعمش عن مالك بن الحارث عن ابن عباس ؓ وابن جريج عن عمرو بن دينار عن ابن عباس ؓ كلهم قالوا فى الطلاق الثلاث انه اجازها قال وبانت منك نحو حديث اسماعيل عن ايوب عن عبدالله بن كثير (ابوداؤد ص۲۹۹' ج۱۔ فتح القدیر ص۳۳۰' ج۳۔ بدائع الصنائع ص۹۶' ج۳۔ طحاوی ص۳۱' ج۲۔ دارقطنی ص۴۵۱'۳۰۷' ج۳'۵۔ سنن بیہقی ص۳۳۱' ج۷)

یعنی مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کے پاس تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو یک بارگی تین طلاقیں دے آیا ہوں۔ مجاہد کہتا ہے کہ ابن عباس ؓ چپ رہے۔ یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ رجعت کا حکم دے دیں گے۔ پھر فرمایا کہ لوگ پہلے حماقت پر سوار ہو جاتے ہیں' پھر کہتے ہیں کہ اے ابن عباس ؓ! اے ابن عباس ؓ۔ بے شک خدائے پاک نے فرمایا ہے کہ جو خدا سے ڈرے اس کے لئے چھٹکارے کی صورت ہوتی ہے۔ اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا۔

اس لئے تیرے واسطے کوئی مخلص نہیں ہے۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ اس کے بعد امام ابو داؤدؒ نے بیان فرمایا کہ ان حضرات نے متفقہ طور پر ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔

(۲۶) حدثنا ابراهيم بن مرزوق الى آخر السند عن مالك بن الحارث قال جآء رجلٌ الى ابن عباسؓ فقال ان عمى طلق امرأته ثلٰثًا فقال ان عمك عصى الله فاثمه الله واطاع الشيطٰن فلم يجعل له مخرجًا فقلتُ كيف ترٰى فى رجل يحلها لهٗ فقال من يخادع الله يخادعهٗ (طحاوی شریف ص ۳۷ ج ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱ ج ۵۔ فتح القدیر ص ۳۳۲ ج ۲۔ سنن سعید بن منصور ص ۲۵۸ ج ۳۔ اغاثۃ اللھفان ص ۱۴۶ ج ۱)

کہ میرے چچا نے اپنی عورت کو دفعتًا تین طلاقیں دی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیرے چچا نے خدا کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کی۔ اور آپ نے اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکالی۔ مالک بن حارثؓ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ آپ اس کے بارہ میں کیا کہتے ہیں جو اس عورت کو اس کے شوہر کے لئے حلال کرے تو فرمایا: ”کہ جو اللہ تعالیٰ سے چال بازی کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے گا۔“

(۲۷) عن محمد بن اياس بن بكير انه قال طلق رجلٌ امرأته ثلٰثًا قبل ان يدخل بها ثم بدأله ان ينكحها فجآء يستفتى قال فذهبت معهٗ فسأل اباهريرةؓ وابن عباسؓ فقالا لا ينكحها حتّٰى تنكح زوجًا غيره فقال انما كان طلاقى اياها واحدة قال ابن عباسؓ ارسلت من يدك ما كان لك من فضلٍ۔ (موطا امام محمد ص ۲۵۹۔ فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳۔ طحاوی ص ۳۷ ج ۲۔ سنن بیہقی ص ۳۳۵ ج ۷۔ موطا امام مالکؒ ص ۵۲۱ ج ۱)

یعنی ایک آدمی نے صحبت سے قبل ہی اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر چاہا کہ اس سے نکاح کرے۔ اس لئے فتویٰ دریافت کرنے کے لئے نکلا۔ محمد بن ایاسؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ ہوگیا۔ وہ ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ کے پاس گیا۔ دونوں نے فرمایا کہ اب تم اس سے نکاح نہیں کرسکتے' جب تک کہ دوسرے مرد سے وہ نکاح نہ کرے۔ اس نے کہا کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "انت طالقٌ ثلاثاً" کہہ کر وہ گنجائش ختم کردی جو تجھے حاصل تھی۔

احادیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

(۲۸) عن نافع عن ابن عمرؓ ..... اما انت طلقتها ثلاثًا فقد عصيت ربك فيما امرك به من طلاق امرأتك وبانت منك۔ (مسلم ص۴۷۶' ج۱۔ دارقطنی ص۴۳۶' ج۲۔ اغاثة اللهفان ص۱۶۸' ج۱) تین کو نافذ کردیا۔

(۲۹) حدثنا سعيد المقبري قال جآء رجلٌ الٰى عبدالله بن عمرؓ وانا عنده فقال يا ابا عبدالرحمٰنؓ انه طلق امرأته مائة مرة قال بانت منك بثلاث وسبعة وتسعون يحاسبك الله بها يوم القيامة۔ (مصنف عبدالرزاق ص۱۴' ج۵) ایک آدمی نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تین سے وہ بائنہ ہوگئی اور ستانوے کا اللہ تعالیٰ تجھ سے قیامت کے دن حساب لیں گے۔

(۳۰) عن علقمة عن عبداللهؓ انه سئل عن رجلٍ طلق امرأته مائة قال ثلٰث تبينها منك وسائرها عدوان۔ (طحاوی ص۳۷' ج۲) یعنی تین طلاقوں سے وہ تجھ سے بائنہ ہوگئی۔ پتہ چلا کہ تین اکٹھی واقع ہوجاتی ہیں۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

(۳۱) عن عطاء بن یسار ؒ انه جآء رجلٌ الی عبداللّٰه بن عمرو بن العاص ؓ فسأله عن رجلٍ طلق امرأته ثلٰثًا قبل ان یمسها قال عطاء فقلت له طلاق البکر واحدةٌ فقال عبداللّٰه ؓ انما انت قاص الواحدة تبینها والثلاث تحرمها حتّٰی تنکح زوجًا غیرهٗ۔ (طحاوی ص ۳۷ ج ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵۔ مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۴ ج ۶۔ موطا امام مالک ص ۵۲۱ ج ۱) کہ عطاء بن یسار ؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کے پاس آیا اور اس شخص کے متعلق سوال کیا جس نے صحبت سے قبل عورت کو تین طلاقیں دے دی ہوں۔ عطاء ؒ فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے کہا کہ غیر مدخولہ پر تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے فرمایا کہ تو نرا قصّہ گو اور واعظ ہے۔ پھر فرمایا کہ غیر مدخولہ ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔ اور تین طلاقوں سے ایسے حرام ہو جائے گی کہ جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے حلال نہ ہوگی۔

حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۳۲) عن محمد بن ایاس ؒ ان ابن عباس ؓ وابا هریرة ؓ وعبداللّٰه بن عمرو بن العاص ؓ سئلوا عن البکر یطلقها زوجها ثلاثًا فکلهم قالوا لا تحل له حتّٰی تنکح زوجًا غیره۔

(۳۳) ان رجلا من اهل البادیة طلق امرأته ثلٰثا قبل ان یدخل بها فماذا تریان فقال ابن الزبیر ؓ ان هٰذا الامر ما بلغ لنا من قول فاذهب الٰی ابن عباس وابی هریرة فسألهما ثم ائتنا فاخبرنا فذهب فسألهما فقال ابن عباس ؓ لابی هریرة ؓ افته یا ابا هریرة ؓ فقد جآء تک معضلة فقال

ابوهريرةؓ الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتّٰى تنكح زوجًا غيره۔ (طحاوی ص ۳۷ ج ۲۔ موطا امام مالک ص ۵۲۱ ج ۱۔ سنن بیہقی ص ۳۳۵ ج ۷۔ مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۴ ج ۶)

حدیث ام المومنین حضرت عائشہؓ

(۳۴) حدثنا ابوبكرؒ قال نا عبدة عن يحيٰىؒ بن سعيد عن بكير بن عبدالله الاشج عن رجل من الانصار يقال لهٗ معاويةؓ ان ابن عباسؓ واباهريرةؓ وعائشةؓ قالوا لا تحل لهٗ حتّٰى تنكح زوجًا غيره۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵) کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے (اس عورت کے بارے میں جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں) فرمایا کہ اب وہ شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرے۔

حدیث ام المومنین حضرت ام سلمہؓ

(۳۵) حدثنا ابوبكر قال نا عبدالله بن نمير عن اشعث عن ابی الزبير عن جابرؓ قال سمعت ام سلمةؓ سئلت عن رجل طلق امرأته ثلاثًا قبل ان يدخل بها فقالت لا تحل له حتّٰى يطأها زوجها۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵) یعنی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دی ہوں۔ آپؓ نے جواب دیا کہ اب اس شوہر کے لئے حلال نہیں کہ اس سے وطی کرے۔ پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

حدیث حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ

(۳۶) حدثنا ابوبكر قال حدثنا غندرؒ عن شعبة عن طارق عن قيس بن ابی حازمؒ انه سمعه يحدث عن المغيرة بن شعبةؓ انه سئل

23

عن رجل طلق امرأته مائة فقال ثلث تحرمها عليه وسبعة وتسعون فضلٌ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳ ج۵۔ اغاثۃ اللھفان ص۳۶۹ ج۱) طارق فرماتے ہیں کہ قیس بن ابی حازم حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہؓ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں تو فرمایا تین طلاقوں نے عورت کو شوہر پر حرام کردیا اور بقیہ ستانوے طلاقیں بے کار ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

(۳۷) حدثنا ابوبکر الی آخر السند قال سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلثًا فی مجلسٍ قال اثم بربه وحرمت عليه امرأته۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰ ج۵۔ احکام القرآن للجصاص ص۳۸۳ ج۱۔ اغاثۃ اللھفان ص۳۷۱ ج۱۔ سنن بیہقی ص۳۲۳ ج۷) حضرت عمران بن حصینؓ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں تو فرمایا کہ اس نے گناہ کا کام کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی ہے۔

حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۳۸) حدثنا سعيد قال حدثنا سفيانؒ عن شقيق سمع انس بن مالكؓ يقول فی الرجل يطلق امرأته ثلثًا قبل ان يدخل بها قال هی ثلاث لا تحل له حتّٰی تنكح زوجًا غيره وكان عمرؓ اذا اُتی به اوجعه۔ (سنن سعید بن منصور ص۲۶۰ ج۲۔ طحاوی ص۳۸ ج۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۴۵ ج۵) یعنی شقیق فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ اس شخص کے متعلق جو صحبت سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے فرماتے تھے کہ یہ تین

طلاقیں ہیں۔ اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں' الخ۔

حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۳۹) عبدالرزاق عن ابی سلیمان عن الحسن بن صالح عن مطرف عن الحکم ان علیًّا ؓ و ابن مسعود ؓ و زید بن ثابت ؓ قالوا اذا طلق البکر ثلاثًا فجمعها لم تحل لهٗ حتّٰی تنکح زوجًا غیرهٗ فان فرقها بانت بالاولٰی ولم تکن الاخریین شیئًا۔ (مصنف عبدالرزاق ص۳۳۶' ج۶۔ سنن سعید بن منصور ص۲۶۳' ج۳) حضرت علی ؓ' ابن مسعود ؓ اور زید بن ثابت ؓ فرماتے ہیں کہ جب مرد غیرمدخولہ عورت کو بیک لفظ تین طلاقیں دے دے تو وہ شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرلے الخ۔

حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہ

(۴۰) لولا انی ابنت الطلاق لها لراجعتها لکنی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول ایما رجل طلق امرأته ثلٰثًا عند کل طهر تطلیقةً او عند رأس کل شهر تطلیقةً او طلقها ثلاثًا جمیعًا لم تحل له حتّٰی تنکح زوجًا غیره۔ (دارقطنی ص۴۳۸' ج۲۔ سنن بیہقی ص۳۳۶' ج۷۔ اغاثہ ص۱۴۹' ج۱) اس کی سند کے بارے میں ابن رجب حنبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اسنادهٗ صحیح" یعنی حضرت حسن ؓ نے فرمایا کہ اگر میں نے اس کو طلاق بائنہ نہ دی ہوتی تو رجوع کرلیتا' لیکن میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیوے' ہر طہر میں ایک یا ہر ماہ میں ایک یا تینوں اکٹھی دے تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرلے۔

حدیث ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

(۴۱) لو ان الناس طلقوا نسآءهم كما امروا لما فارق الرجل امرأته وله اليها حاجة ان احدكم يذهب فيطلق امرأته ثلثاً ثم يقعد ثم يعصر عينيه مهلا مهلاً بارك الله عليكم فيكم كتاب الله وسنة رسوله فماذا بعد كتاب الله وسنة رسوله الا الضلال ورب الكعبة۔
(احسن الفتاویٰ ص ۳۲۱ ج ۵) کہ لوگ اگر اپنی بیویوں کو ویسے طلاق دیتے جیسے مامور ہیں تو کوئی بھی اپنی بیوی سے حاجت کے ہوتے ہوئے جدا نہ ہوتا۔ تم میں سے ایک جاکر بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیتا ہے' پھر گھر بیٹھ کر روتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر طلاق دو' اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے۔ تمہارے اندر قرآن و حدیث ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ ان کے بعد تو رب کعبہ کی قسم! سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا۔

حدیث عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

(۴۲) تاریخ خمیس میں ہے کہ شہادت سے قبل غزوۂ موتہ میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اے نفس! اب تجھے اترنا ہوگا۔ خوشی سے اترے یا ناگواری سے۔ اب تجھے کس چیز کا اشتیاق باقی ہے۔ اگر بیوی کا ہے تو اسے تین طلاق' غلاموں کا ہے تو سب آزاد الخ۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں ایک اور تین طلاق میں فرق تھا۔ اس لئے کہ اگر ان کے ہاں اس میں فرق نہ ہوتا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ یہ عبارت نہ بولتے۔ کیونکہ وہ غلاموں اور بیوی سب کو بالکلیہ اپنے سے آزاد کرنا چاہتے تھے تو بیوی کو تین طلاق کہا۔ ان کو معلوم تھا کہ بیوی کی بالکلیہ آزادی تین طلاق سے ہی ہوگی۔ جیسا کہ غلاموں کی بالکلیہ آزادی ایک مرتبہ "آزاد ہے" کہنے سے ہوجاتی ہے۔ اگر میں بیوی کو ایک ہی طلاق دوں گا تو میرا مقصد

مجھے حاصل نہ ہوگا۔ یعنی بیوی کی مکمل آزادی۔

لہٰذا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں ایک اور تین کا فرق معروف تھا اور تمام صحابہؓ کے نزدیک تین طلاقیں اکٹھی دینے سے تینوں واقع ہو جاتی تھیں۔ ان تمام مرفوع احادیث مبارکہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں' جب کہ غیر مقلدین ایک روایت بھی صحیح صریح اس بات کی نہیں دکھا سکتے کہ خیر القرون میں تین طلاقوں کو ایک مجلس میں ہونے کی وجہ سے ایک ہی شمار کیا گیا ہو۔

حدیث حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ

(۴۳) حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث حدثنا ابوبکر نا علی بن مسهر عن اسماعیل عن الشعبی عن ابن مغفل فی رجل طلق امرأته قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتّٰی تنکح زوجًا غیره (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳' ج ۵) کہ تین طلاقیں ہو جاتی ہیں۔

آثارِ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ

(۴۴) حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا وکیعٌ عن اسماعیل عن الشعبی عن شریح قال رجل انی طلقتها مائة قال بانت منك بثلاث وسائرهن اسراف و معصیة۔ ایک مرد نے پوچھا کہ میں نے بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا کہ تین سے وہ تجھ سے بائنہ ہو گئی ہے اور باقی سب اسراف اور گناہ ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴' ج ۵)

(۴۵) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا جریر عن مغیرة عن ابراهیم فی الرجل یتزوج المرأة فیطلقها ثلٰثًا قبل ان یدخل بها قال ان کان قال طالق ثلٰثًا کلمة واحدة لم تحل له

حتٰی تنکح زوجًا غیرہ واذا طلقھا طلاقًا متصلا فھو کذلك۔ حضرت مغیرہ رحمہ اللہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دے تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایک جملہ میں تین طلاقیں دی ہیں تو عورت اس کے لئے اب حلال نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے الخ۔ اس سے بھی صراحتًا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں نافذ ہوجاتی ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳' ج ۵)

(۴۶) حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثت عن جریر یعنی عن مغیرۃ عن حماد عن ابراھیم قال اذا خیرھا ثلاثا فاختارت مرۃً فھی ثلاث۔ فرمایا جب عورت کو تین طلاقوں کا اختیار دیا گیا تو پھر اس نے ایک ہی مرتبہ تینوں کو اختیار کرلیا تو تینوں واقع ہوجائیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۵' ج ۵)

(۴۷) حضرت مکحول رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا حاتم بن وردان عن مکحول فیمن طلق امرأته قبل ان یدخل بھا انھا لا تحل له حتٰی تنکح زوجًا غیرہ۔ مکحولؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو صحبت سے قبل طلاق دے دے تو وہ جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۴' ج ۵)

(۴۸) حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی حدیث عن معمر عن قتادۃ فی رجل قال لامرأته اعتدی اعتدی۔ اعتدی ھی ثلاثٌ۔ یعنی جب شوہر نے بیوی کو اعتدی' اعتدی' اعتدی تین مرتبہ کہا تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۶۴' ج ۶)

(۴۹) حضرت امام شعبی رحمہ اللہ کی حدیث عبدالرزاق عن معمر عن عطاء ابن السائب عن الشعبی قال فی الرجل یطلق البکر ثلاثا جمیعًا ولم یدخل قال لا تحل له حتٰی تنکح زوجًا غیرہ الخ۔ امام

شعبی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۳۳۶ ج ۶)

(۵۰) حضرت امام زہری رحمہ اللہ کی حدیث و کان عمرؓ و ابوھریرۃؓ وابن عباسؓ و ابن شھاب زھری وغیرھم یقولون من طلق امرأته قبل الدخول بھا ثلاثا لم تحل له حتیٰ تنکح زوجًا غیرہ۔ یہ سب حضرات طلاق ثلاثہ کے وقوع کے قائل تھے کہ اگر غیرمدخولہ کو صحبت سے پہلے اکٹھی تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی۔ (کشف الغمہ للشعرانی ص۱۰۱ ج۱)

(۵۱) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا سعید حدثنا حزم ابن ابی حزم قال سمعت الحسن وسأله رجلٌ فقال یا ابا سعید رجل طلق امرأته البارحة طلاقًا ثلاثًا وھو شارب فقال یجلد ثمانین وبرئت منه۔ حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا کہ ایک مرد نے گزشتہ رات اپنی بیوی کو نشہ کی حالت میں تین طلاقیں دیں۔ آپ نے فرمایا اس کو اسّی کوڑے مارو اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۴ ج ۵)

(۵۲) حضرت مصعب بن سعید ابی ملک اور عبداللہ بن شداد رحمہم اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال نا وکیعٌ عن سفیان عن منصور عن ابراھیم وعن جابر عن عامر وعن عمران بن مسلم عن ابن عفان عن مصعب بن سعید وابی ملك و عبداللّٰه بن شداد قالوا اذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا وھی حامل لم تحل له حتیٰ تنکح زوجًا غیرہ۔ یعنی جب کوئی حاملہ کو تین طلاق دے دے تو پھر اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے خاوند سے وہ نکاح نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۴۳ ج ۵)

(۵۳) حضرت عطاءؒ ابن ابی رباح کا اثر : عبدالرزاق عن ابن جریج قال

قلت لعطاء البتة قال یدین فان اراد ثلثاً فثلثٌ وان اراد واحدةً فواحدةٌ۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دے دے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اگر وہ تین طلاقوں کا ارادہ کرے گا تو تین ہوں گی۔ اگر ایک کا ارادہ کرے گا تو ایک ہی واقع ہوگی۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۵۵ ج ۶)

(۵۴) حضرت امام جعفر صادقؒ کی حدیث عن ابان ابن تغلب قال سألت جعفر بن محمد عن رجل طلق امرأته ثلاثا فقال بانت منه ولا تحل له حتی تنکح زوجًا غیره فقال أفتی الناس بهذا قال نعم۔ حضرت ابان ابن تغلبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام جعفرؒ صادق سے سوال کیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو کیا وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی؟ تو فرمایا کہ وہ اس سے بائنہ ہوگی۔ اب وہ اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ میں نے کہا کہ میں لوگوں کو اس کا فتویٰ دوں؟ تو فرمایا کہ ہاں دو۔ یعنی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ (سنن دارقطنی ص ۳۴۳ ج ۲)

(۵۵) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حدیث، قال عمر بن عبدالعزیز لو کان الطلاق الفاً ما ابقت البتة منه شیئًا من قال البتة فقد رمی الغایة القصوٰی۔ (موطا امام مالک ص ۵۱۱۔ سنن سعید بن منصور ص ۳۹۰ ج ۳۔ اعلاء السنن ص ۵۳۲ ج ۱۱) فرمایا کہ اگر مرد کو شریعت کی طرف سے ایک ہزار طلاق دینے کا اختیار ہوتا اور کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بتہ دیتا تو ایک بھی طلاق باقی نہ رہتی، ہزار ہی واقع ہو جاتیں۔

(۵۶) حضرت امام محمد بن سیرینؒ کی حدیث اخبرنا سعید قال نا هشیم قال ابو عون عن ابن سیرین انه کان لا یری بأسًا ان یطلق ثلاثاً۔ کہ حضرت محمد ابن سیرین رحمہ اللہ تین طلاقیں دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (سنن سعید

بن منصور ص ۲۶۰ ج ۳)

(۵۷) مروان بن الحکم رحمہ اللہ کی حدیث مالك عن ابن شهاب ان مروان ابن الحكم كان يقضى فى الذى يطلق امرأته البتة انها ثلاث تطليقات۔ ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق البتہ دیتا تو مروان اس کو تین قرار دیتے تھے۔

(۵۸) حضرت سلیمان اعمش کوفی رحمہ اللہ کی حدیث عن الاعمش انه كان بالكوفة شيخ يقول سمعت على ابن ابى طالب رضى الله عنه يقول اذا طلق الرجل امرأته ثلثًا فى مجلس واحد فانه يرد الى واحدةٍ والناس عنقا واحدا اذ ذاك يأتونه ويسمعون منه قال فأتيته فقرعت عليه الباب فخرج الى الشيخ فقلت له كيف سمعت على ابن ابى طالب رضى الله عنه يقول فيمن طلق امرأته ثلاثًا فى مجلس واحد فانه يرد الى واحدة قال فقلت له الحديث۔ (بیہقی ص ۳۳۹ ج ۷) اعمش فرماتے ہیں کہ کوفہ کے ایک شیخ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؓ سے سنا ہے کہ جو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے ایک کی طرف رد ہوگی۔ حدیث نمبر ۲۱ میں اس کی تفصیل گزر گئی ہے۔ اس واقعہ سے سلیمان اعمش کا مذہب بھی معلوم ہوگیا۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا سعيد عن شعبى عن مسروق فيمن طلق امرأته ثلثاً ولم يدخل بها قال لا تحل حتّٰى تنكح زوجًا غيره۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۴ ج ۵ كذا عن سعید بن جبیر فی مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۴ ج ۶۔ رقم الحدیث نمبر ۱۱۰۷۵ و سنن سعید بن منصور ص ۲۶۳ ج ۳ رقم الحدیث ص ۱۰۸۷ و طحاوی ص ۳۷ ج ۲)

سعید بن جبیرؒ، سعید بن المسیبؒ اور حمید بن عبدالرحمٰنؒ کی حدیث حدثنا ابوبكر قال نا عبدالاعلى عن سعيد عن قتادةؒ عن سعيد بن المسيب.

وسعید ابن جبیر و حمید بن عبدالرحمٰن قالوا لا تحل له حتّٰی تنکح زوجًا غیره الخ۔ (سنن سعید بن منصور ص ۲۶۲، ج ۳)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی حدیث وروٰی محمد بن الحسن فی الاثار بسندہٖ عن ابراهیم النخعی رحمه اللّٰه فی الذی یطلق واحدة وهو ینوی ثلثًا او یطلق ثلاثًا وهو ینوی واحدة قال ان تکلم بواحدة فهی واحدة ولیست نیتهٗ بشیءٍ و ان تکلم بثلاثٍ کانت ثلاثًا ولیست نیته بشیءٍ قال محمد رحمه اللّٰه بهٰذا کله نأخذ وهو قول ابی حنیفة رحمه اللّٰه۔ (اعلاء السنن ص ۵۲۲، ج ۱۱) یعنی ابراہیم نخعیؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی آدمی ایک طلاق دے کر تین کی نیت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اگر ایک طلاق کا تلفظ کیا تو ایک ہی ہوگی۔ تین کی نیت اس میں کرلینا غیر معتبر ہے۔ اور اسی طرح اگر تین طلاقیں زبان سے دیں تو وہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ان میں ایک کی نیت کرلینا بے کار ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں ہم لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

پس ان تمام احادیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ نیز چاروں ائمہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ کما سیاتی۔

اجماعِ ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ

(۱) احکام القرآن میں ہے کہ فالکتاب والسنة و اجماع السلف الصالحین توجب ایقاع الثلاث معًا وان کان معصیة۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۳۸۸، ج ۱) یعنی قرآن و سنت اور اجماع سلف کا یہی فیصلہ ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اگرچہ ایسا کرنا معصیت ہے۔

(۲) تفسیر مظہری میں ہے کہ لکنهم اجمعوا علی انه من قال لامرأته

انت طالق ثلثًا یقع ثلثًا بالاجماع۔ (تفسیر مظہری ص۳۰۰ ج۱) یعنی جمہور علماء قائل ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں مجتمعًا دے گا تو بالاجماع تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

(۳) عینی شرح بخاری میں ہے کہ : ومذهب جماهیر العلماء من التابعین ومن بعدهم منهم الاوزاعیؒ والنخعیؒ والثوریؒ وابو حنیفةؒ واصحابه ومالكؒ واصحابه والشافعیؒ واصحابه واسحاقؒ وابو ثورؒ وابو عبیدؒ وآخرون کثیرون علی ان من طلق امرأته ثلثًا وقعن ولکنه یأثم وقالوا من خالف فیه فهو شاذ مخالف لاهل السنة انما تعلق به اهل البدعة ومن لا یلتفت الیه لشذوذه عن الجماعة۔ (عینی ص۵۳۷ ج۹) یعنی جمہور علماء تابعین اور ان کے بعد کے علماء و فقہاء و محدثین اور امام اوزاعیؒ، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب و امام مالکؒ اور ان کے اصحاب، امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب، امام اسحٰقؒ، امام ابو ثورؒ، امام ابو عبیدؒ اور دیگر فقہاء قائل ہیں کہ "جو کوئی اپنی عورت کو تین طلاقیں دے گا وہ پڑ جائیں گی، لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہوگا اور ان حضرات نے کہا ہے کہ جو اس کی مخالفت کرے وہ اہل سنت کا مخالف ہے اور اہل بدعت میں داخل ہے۔ اس قول کو اہل بدعت نے اور ایسے لوگوں نے اختیار کیا ہے جن کا جماعت سے الگ ہونے کی وجہ سے کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۴) مرقاۃ المفاتیح میں ہے کہ وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلث۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ المصابیح ص۲۹۴ ج۶) یعنی جمہور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین قائل ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۵) زجاجۃ المصابیح میں ہے کہ ومذهب جماهیر العلماء من التابعین ومن بعدهم منهم الاوزاعی والنخعی والثوری وابو حنیفة

واصحابه ومالك واصحابه والشافعي واصحابه واحمد واصحابه واسحاق وابو ثور وابو عبيد رحمهم الله وآخرون كثيرون على ان من طلق امرأته ثلثاً وقعن ولكنهٗ يأثم وقالوا من خالف فيه فهو شاذ مخالف لاهل السنة والجماعة۔ (زجاجة المصابیح ص۴۶۹-۴۷۹،ج۲)
اس کا مطلب تقریباً وہی ہے جو نمبر تین پر گزرا ہے۔

(۶) بخاری شریف میں ہے کہ : قال اهل العلم اذا طلق ثلاثا فقد حرمت عليه فسمود حرامًا بالطلاق والفراق وليس هٰذا كالذى يحرم الطعام لانه لا يقال لطعام الحل حرامٌ ويقال للمطلقة حرام وقال فى الطلاق الثلاث لا تحل له حتّٰى تنكح زوجًا غيره۔ (بخاری شریف ص۷۹۲،ج۲)

(۷) نووی علی مسلم میں ہے کہ : وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته انت طالق ثلثًا فقال الشافعیؒ ومالكؒ و ابوحنیفةؒ واحمدؒ وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث۔ (نووی ص۴۷۸،ج۱) جو شخص اپنی بیوی کو کہے "انت طالق ثلاثا"۔ اس کے حکم میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور جمہور علماء سلفًا و خلفًا فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں ہو جاتی ہیں۔

(۸) زاد المعاد میں ہے کہ وهذا (اى وقوع الثلث بكلمة واحدة) قول الائمة الاربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين۔ (زاد المعاد ص۲۵۵،ج۲) یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کا وقوع ائمہ اربعہؒ اور جمہور تابعینؒ اور بے شمار صحابہؓ کا قول ہے۔

(۹) بذل المجہود میں ہے کہ : وايضا وقع فى الحديث ان عمر بن الخطاب رضى الله عنه امضاهن وهذا بمحضر من الصحابةؓ فى

زمن تو فرهم ولم ینکر علیه احد فاولاً لا یظن بعمر بن الخطابؓ ان یخالف رسول الله ﷺ فی الامر الصریح الشائع ثم لا یظن بالصحابة ان لا ینکروا علیه فیما یخالف فیه رسول الله ﷺ فصار الاجماع علیٰ ذٰلك ولا یمکن اجماعهم علی باطل فالحق الصریح انه اذا طلق الرجل امراتهٗ ثلٰثا مجموعًا او مضرقًا یکون ثلٰثًا لا واحدًا وهو الذی ادین الله به۔ (بذل المجہود ص ۲۷' ج ۳) اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین طلاقوں کو نافذ کیا تھا اور یہ صحابہ کی بڑی جماعت کی موجودگی میں ہوا تھا۔ اور حضرت عمرؓ پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ پس پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک امر صریح شائع میں حضور اقدس ﷺ کی مخالفت کرتے۔ پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہ کرتے۔ پس "صریح حق" یہ ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے اکٹھی یا جدا جدا تو تین ہوں گی' نہ کہ ایک۔

(۱۰) اعلاء السنن میں ہے کہ والحاصل ان وقوع الثلاث مجموعة موضع اتفاق بین جمیع من یعتد بقولهم کما قاله ابن التین ولم ینقل الخلاف الا عن غالط او عمن لا یعتد بخلافه۔ (اعلاء السنن ص ۵۲۳' ج ۱۱) کہ اکٹھی تین طلاقوں کا وقوع سب معتبر علماء میں موضع اتفاق ہے۔

(۱۱) اعلاء السنن میں ہے کہ : قال الخطابی القول بعدم وقوع الطلاق البدعی قول الخوارج والروافض وقال ابن عبدالبر لا یخالف فی ذٰلك الا اهل البدع والضلال۔ اس کے تھوڑا آگے فرمایا : فوصل الی نتیجة ان وقوع الثلاث مجموعة علی المدخول بها مسئلة اجماعیة کتحریم المتعة علی حدٍ سواءٍ۔ (اعلاء السنن

ص ۵۲۷ ‘ ج ۱۱) یعنی خطابی اور ابن عبد البر کے نزدیک تین طلاقوں کے واقع نہ ہونے کا قول صرف بدعتی اور گمراہ ‘ خارجی اور شیعہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مدخولہ عورت پر تین طلاقیں واقع ہونے کا مسئلہ اجماعی ہے۔ جیسے متعہ حرام ہے برابر درجے میں۔

(۱۲) اعلاء السنن میں ہے کہ : واما قولهم فی ایقاع الثلاث مجموعة علی المدخول بها فکقول الجمهور علی حدٍ سواءٍ و قال بعد ذٰلك ففی الروض النفیر ص۱۳۷ ج ۴ ان وقوع الثلاث بلفظ واحد هو مذهب جمهور اهل البیت الٰی ان قال فلا یصح نسبة الافتاء بعدم الوقوع الیهم بعد هٰذا البیان الصریح۔ (اعلاء السنن ص۵۲۹ ‘ ج ۱۱) کہ ایک لفظ سے تین طلاقوں کا وقوع جمہور اہل بیت کا بھی مذہب ہے۔ پس ان کی طرف یہ منسوب کرنا کہ وہ ان کے عدم وقوع کا فتویٰ دیتے تھے ‘ اس صریح بیان کے بعد جائز نہیں۔

(۱۳) المغنی میں ہے کہ : قال ابن قدامةؒ وان طلق ثلٰثًا بکلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت علیه حتٰی تنکح زوجًا غیره ولا فرق بین قبل الدخول وبعد روی ذٰلك عن ابن عباسؓ وابی هریرةؓ وابن عمرؓ وابن مسعودؓ وانسؓ وهو قول اکثر اهل العلم من التابعین والائمة بعدهم۔ (المغنی لابن قدامه ص۱۰۴ ‘ ج ۷) ان سب حضرات کے نزدیک دخول سے قبل یا بعد میں ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہو جاتی ہیں۔

(۱۴) فتح القدیر میں ہے کہ : وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الٰی انه یقع ثلٰث۔ (فتح القدیر ص۳۳۰ ‘ ج ۳)

(۱۵) بحر الرائق میں ہے کہ : ولا حاجة الی الاشتغال بالادلة علی ردّ

قول من انکر وقوع الثلث جملةً لانهٗ مخالف للاجماع کما حکاہ فی المعراج ولذا قالوا لو حکم حاکم بان الثلاث بفم واحدة واحدة لم ینفذ حکمه لانه خلاف لا اختلاف۔ (بحرالرائق ص ۲۵۷ ج ۳) یعنی جو مجموعی تین طلاقوں کے وقوع کا قائل نہیں اس کے قول کو رد کرنے کے لئے دلائل اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔ جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم فیصلہ کرے کہ ایک مرتبہ کی دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہیں تو اس کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ خلاف ہے (جو مذموم ہے) اختلاف نہیں (جو کہ رحمت ہے)

(۱۶) بدایة المجتہد میں ہے کہ : جمهور فقهاء الامصار علی ان الطلاق بلفظ الثلث حکمه حکم الطلقة الثلاثة۔ (بدایة المجتهد لابن رشد ص ۶ ج ۲)

(۱۷) فتاویٰ خیریہ میں ہے کہ : نعم یقعن ای الثلاث بقول عامة العلماء المشهورین من فقهاء الامصار ولا عبرة بمن خالفهم فی ذٰلك او حکم بقول مخالف والرد علی المخالف القائل بعدم وقوع شیءٍ او وقوع واحدة فقط مشهور۔ (فتاویٰ خیریہ ص ۴۳ ج ۱) کہ نہ ماننے والوں کا جواب مشہور ہے جو اکٹھی تین طلاقوں کے وقوع کے قائل نہیں ہیں۔

(۱۸) شامی میں ہے کہ : قال فی فتح القدیر بعد سوق الاحادیث الدالة علیه الی ان قال وقد اثبتنا النقل عن اکثرهم صریحًا بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال۔ (فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳) یعنی تین کے وقوع کی مخالفت کرنا سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔

(۱۹) شرح وقایہ میں ہے کہ : وعندنا الثلث دفعة سنی الوقوع ای وقوعها مذهب اهل السنة۔ (شرح وقایہ ص ۷۰ ج ۲)

(۲۰) کفایۃ المفتی میں ہے کہ : وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلث۔ (کفایت المفتی ص۳۲۹' ج۶)

(۲۱) وقال الکاسانی : واما حكم الطلاق البدعة فهو انه واقع عند عامة العلماء وقد ذكر منها الثلاث بلفظ واحد۔ (بدائع الصنائع ص۹۶' ج۳)

(۲۲) قال القرطبی : "قال علماء نا واتفق ائمة الفتوى على لزوم ايقاع الطلاق الثلاث بكلمة واحدة وهو قول جمهور السلف۔" (تفسیر قرطبی ص۱۲۹' ج۳) یعنی اس پر ائمہ فتویٰ کا اتفاق ہے کہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۲۳) قال المرداوی : وان طلقها ثلاثا مجموعة قبل رجعة مرة واحدة طلقت ثلاثا وان لم ينوها على الصحيح من المذهب نص عليه مرارًا وعليه الاصحاب بل الائمة الاربعة واصحابهم فى الجملة۔ (الانصاف ص۴۵۳' ج۸) یعنی اکٹھی تین طلاقیں دیں تو اگرچہ نیت نہ بھی ہو صحیح مذہب یہی ہے کہ تین واقع ہو جائیں گی۔ اسی پر ائمہ اربعہ ہیں۔

(۲۴) وقال شیخ الاسلام : "فى اثناء الكلام على بيان المذاهب فى ذالك الثانى انه طلاق محرم لازم وهو قول مالك وابى حنيفة واحمدؒ فى الرواية المتاخرة عنه واختارهم اكثر اصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين۔" (مجموع الفتاویٰ ص۳۳' ج۸) ان سب حضرات کے ہاں یہ طلاق محرم اور لازم ہے۔

(۲۵) اضواء البیان میں ہے کہ : وقال الشيخ محمد امين الشنقيطى وعلى هذا القول اى اعتبارها ثلاثًا جل الصحابة واكثر العلماء

منهم الائمة الاربعة وقد استدل لهٰذا المذهب بالكتب والسنة والاجماع والآثار والقياس۔ (اضواء البیان ص۱۷۶ ج۱)

(۲۶) قال ابن رجب حنبلیؒ : اعلم انهٗ لم يثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعين ولا من ائمة السلف المعتد بقولهم فى الفتاوٰى فى الحلال والحرام شيءٌ صريح فى ان الطلاق الثلٰث بعد الدخول يحسب واحدة اذا سيق بلفظ واحد۔ (احسن الفتاویٰ ص۳۶۶ ج۵)

(۲۷) المغنی میں ہے کہ : ان الرجل اذا قال لامرأته انت طالق ثلثًا فهى ثلٰث وان نوى واحدة لا نعلم فيه خلافًا لان اللفظ صريح فى الثلاث والنية لا تعارض الصريح لانها اضعف من اللفظ ولذلك لا تعمل بمجردها والصريح قوى يعمل بمجرده من غير نية فلا يعارض القوى بالضعيف كما لا يعارض النص بالقياس ولان النية انما تعمل فى صرف اللفظ الى بعض محتملاته والثلاث نص فيها لا يحتمل الواحدة بحال فاذا نوى واحدة فقد نوى ما لا يحتملهٗ فلا يصح كما لو قال له علىّ ثلاثة دراهم وقال اردت واحدة۔ (المغنی ص۲۳۶ ج۷)

(۲۸) تکملہ فتح الملہم میں ہے کہ : مذهب الائمة الاربعة وجماهير العلماء من السلف والخلف وهو انهٗ يقع به الثلاث جميعًا وتصير المرأة بها مغلظة لا تحل لزوجها الاول حتّٰى تنكح زوجًا غيره وهو مروى عن ابن عباس و ابى هريرة و ابن عمر و عبدالله بن عمرو وابن مسعود و انس وهو قول اكثر اهل العلم من التابعين والائمة بعدهم كما فى المغنى ص۱۰۴ ج۷۔ وهو مروى عن عمر و عثمان وعلى والحسن بن على و عبادة بن الصامت

رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تکملہ ص ۱۵۳ ج ۱) یعنی چاروں ائمہ، جمہور علماء سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ ایک لفظ سے ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک، اور عورت حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جاتی ہے الخ۔

(۲۹) (وقال نقلاً عن العرف الشذی ص۴۲ : قول العالم الجليل الشيخ انور شاه كاشميري نور الله مرقده)۔ "ان هولاء فقهاء الصحابة امثال عمر و علی و عثمان و ابن مسعود و ابن عمر و عبدالله بن عمرو و عبادة بن الصامت و ابی هريرة و ابن عباس و ابن الزبير و عاصم بن عمر و عائشة رضوان الله عليهم اجمعين كلهم مطبقون على وقوع الثلاث ولو نطق بها الرجل فی مجلس واحد و كفى بهم حجةً واستنادًا۔ (تکمله فتح الملهم ص۱۵۸ ج۱)

(۳۰) تبیان الفرقان میں ہے کہ : ثم انهم اجمعوا على انهٗ من قال لامرأته انت طالق ثلاثا يقع ثلاثًا بالاجماع وحكى ابن عبدالبر الاجماع قائلاً ان خلافهٗ لا يلتفت اليه۔ (تبیان الفرقان ص۹۱ ج۱) یعنی اس پر اجماع ہے کہ جس آدمی نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں تو بالاجماع تین ہی واقع ہوں گی اور اس کے خلاف کہنے والے کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ "کتاب الام" ص ۲۴۷ ج ۵ میں فرماتے ہیں : ولو رای امراءة من نسائه مطلعة فقال انت طالق ثلاثا وقال لواحدة منهن هی هذه وقع عليها الطلاق (اعلاء السنن ص ۵۲۲ ج۱۱)

سعودی علماء کرام کی سپریم کونسل کا فیصلہ

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے حرمین شریفین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے۔ جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے' بلکہ خود بادشاہ بھی اس کا پابند ہے۔ اس مجلس میں "طلاق ثلاثہ" کا مسئلہ پیش ہوا۔ مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر و حدیث کی سینتالیس (۴۷) کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد صاف اور واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ "ایک مجلس میں ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں۔" یہ بحث ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ میں ہوئی تھی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس مجلس میں یہ اکابر علماء موجود تھے جن کے نام یہ ہیں :

۱- الشیخ عبدالعزیز بن باز
۲- الشیخ عبداللہ بن حمید
۳- الشیخ محمد الامین الشنقیطی
۴- الشیخ سلیمان بن عبید
۵- الشیخ عبداللہ خیاط
۶- الشیخ محمد الحرکان
۷- الشیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ
۸- الشیخ عبدالرزاق عفیفی
۹- الشیخ عبدالعزیز بن صالح
۱۰- الشیخ صالح بن غصون
۱۱- الشیخ محمد بن جبیر
۱۲- الشیخ عبدالمجید حسن
۱۳- الشیخ راشد بن حنین
۱۴- الشیخ صالح بن الحیدان
۱۵- الشیخ محضار عقیل
۱۶- الشیخ عبداللہ بن غدیان
۱۷- الشیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع و دیگر علماء کرام اس میں شریک تھے۔

ان حضرات نے قرآن و حدیث اور اجماع امت کی روشنی میں اپنے اکثریتی فیصلے

میں یہی قرار دیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

قرآن کریم کی تین آیات، تقریباً ساٹھ احادیث مرفوعہ وموقوفہ اور اتفاق جمہور اور سلف صالحین کی تصریحات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مدخول بہا پر ایک مجلس کی تین طلاقیں، تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ سلف صالحین میں کوئی بھی قابل اقتداء ایسی شخصیت نہیں ہے جو اس کے خلاف کی قائل ہو۔ چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: اعلم انه لم يثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعين ولا من ائمة السلف ——— المعتد بقولهم فی الفتاوٰی فی الحلال والحرام شیءٌ صريح فی ان الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة اذا سبق بلفظ واحدٍ ذكره ابن عبدالهادی عن ابن رجب رحمه الله۔ (رسالہ "الطلاق الثلاث" ص ۳۶۶)

گزشتہ صفحات میں جو دلائل واحادیث ذکر کی گئی ہیں ان کی روشنی میں ہم یہاں پر ان حضرات کی مختصر فہرست ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے قائل ہیں۔

حق جل شانہ اور نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، حضرت مکحول رحمہ اللہ، حضرت قتادہ رحمہ اللہ، حضرت امام شعبی رحمہ اللہ، امام زہری رحمہ اللہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ، حضرت حمید بن

عبدالرحمن رحمہ اللہ ' حضرت مصعب بن سعید رحمہ اللہ ' حضرت ابومالک اور حضرت عبداللہ بن شداد رحمہما اللہ ' حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ ' حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ ' حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ' حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ ' حضرت مروان بن الحکم رحمہ اللہ ' حضرت سلیمان بن اعمش کوفی رحمہ اللہ اور حضرت مسروق رحمہ اللہ ' امام ابوحنیفہ ' امام قاضی ابویوسف ' امام محمد ' امام مالک ' امام شافعی رحمہم اللہ ' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ' حضرت امام اوزاعی و سفیان ثوری و اسحاق و نووی و بخاری رحمہم اللہ و دیگر علماء و فقہائے امت۔

اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق نقل کرنے والے حضرات کے اسماء گرامی

امام بخاری رحمہ اللہ ' امام نووی رحمہ اللہ ' علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ ' ملا علی قاری رحمہ اللہ ' امام قرطبی رحمہ اللہ ' شیخ زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ ' شیخ ابوبکر رازی المعروف بالجصاص رحمہ اللہ ' مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ ' مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فی اعلاء السنن ' قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ ' شیخ عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ فی کتابہ المغنی سید عبداللہ بن مظفر حسین حیدر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ' علامہ ابن رشد و علامہ محمد امین المعروف بابن عابدین و شیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید المعروف بابن ہمام الحنفی رحمۃ اللہ ' شیخ محمود بن صدر الشریعہ و عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ و شیخ محمد امین الشنقیطی رحمہم اللہ و مفتی تقی عثمانی صاحب مصنف تکملہ فتح الملہم ' علامہ حبیب الرحمن

الاعظمی و دیگر فقہائے امت۔

حضرات علماء کرام نے ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کے نفاذ والے مسئلے کو ان مسائل اجماعیہ میں شامل کیا ہے۔ جس کے خلاف قضاء قاضی بھی نافذ نہیں ہے' بلکہ قاضی کا اس کے خلاف کیا ہوا فیصلہ ایسے ہی ناقابل قبول ہو گا جیسے صریح قرآن و سنت یا اجماع امت کے خلاف قاضی کا فیصلہ مردود قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بحرالرائق میں ہے : "ولا حاجة الى الاشتغال بالادلة على رد قول من انكر وقوع الثلاث جملة لانه مخالف للاجماع كما حكاه فى المعراج ولذا قالوا لو حكم حاكم بان الثلاث بفم واحدة واحدة لم ينفذ حكمه لانهٗ خلاف لا اختلاف۔" (بحرالرائق ص ۲۵۷' ج ۳) کہ اگر قاضی یا حاکم اس اجماع کے خلاف فیصلہ کردے تو وہ نافذ نہیں ہو گا کیونکہ یہ خلاف ہے نہ کہ اختلاف۔

تفصیل بالا کے مطابق کسی اہل فہم و اہل دیانت کو اس میں شبہ نہیں رہنا چاہئے کہ یہی مسئلہ حق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

گزشتہ صفحات میں قرآن و سنت آثار صحابہ و تابعین فقہائے کرام و ائمہ مجتہدین مفسرین و محدثین اور اجماع امت کی تصریحات سے اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ (نیت تاکید کی صورت زیر بحث نہیں) اس مسئلہ کے اثبات کے لئے دلائل بالا صرف کافی ہی نہیں بلکہ اس سے بھی اوپر ہیں۔ البتہ اندھی تقلید تعصب و عناد اور "میں نہ مانوں" کی رٹ لگانے والوں کا کوئی علاج نہیں۔

دلائل کے اس انبار کو آخر کہاں پھینکا جا سکتا ہے اور اس سے اندھا پن کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کے مقابلہ میں ایک بھی صحیح غیر متکلم فیہ روایت موجود نہیں۔ نہ مرفوع نہ موقوف' نہ آثار تابعین اور نہ ہی ائمہ مجتہدین و مفسرین اور محدثین نے اسے قبول کیا ہے۔ اس سے زیادہ شذ و ذونکارت کیا ہو سکتی ہے۔ اس یتیمی اور لاوارثی کی کوئی حد بھی ہے کہ پورے ذخیرۂ احادیث و آثار صحابہ و تابعین میں اس کی کوئی گری پڑی اصل موجود نہیں۔ علامہ ابن رجب فرماتے ہیں کہ

میں ایک عرصہ تک اس کی اصل کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ انتہائی کوشش کے باوجود مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔ قال الجوز جانی" ھو حدیث شاذ قال ابن رجب وقد عنیت بھذا الحدیث فی قدیم الدھر فلم اجد لہ اصلا۔ غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں۔ مگر وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ کوئی صحیح دلیل نہ ہونے کے باوجود اہل سنت والجماعت کے اول الذکر ذخیرۂ دلائل کو محض اپنے جھوٹے پروپیگنڈے سے باطل کرنا چاہتے ہیں اور شریعت مقدسہ کی رو سے متفقہ حرام کردہ مطلقہ کو حلال کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ حضور پاک ﷺ نے تین طلاقیں دینے والے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ مگر غیر مقلدین ایسے شخص کا دل و جان سے استقبال کرکے اسے ہمیشہ کے لئے حرام کاری میں مبتلا کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اشاعت فاحشہ کی مردود سعی سے اللہ تعالیٰ حفاظت میں رکھے۔

قرآن و سنت اور اجماع کے دلائل سامنے آجانے کے بعد اگرچہ اس کی حاجت نہ تھی کہ کسی کے قیل و قال کی طرف توجہ کی جائے، مگر مخالفین کے دلائل کا سرسری جائزہ لینا بھی ابطال کے لئے ضروری ہے۔

شبہات کے جوابات

شبہ نمبرا :

غیر مقلدین نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے : عن ابن عباس قال کانت الطلاق علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ الی آخرہ (صحیح مسلم ص ۴۷۷، ج ۱)

اس روایت کے محدثین نے بہت سے جواب دیئے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں

جواب نمبرا :

یہ روایت سند اور متن کے اعتبار سے مضطرب ہے۔ کبھی یوں روایت کرتے ہیں کہ عن طاؤس عن ابن عباسؓ اور کبھی یوں روایت کرتے ہیں کہ عن ابی الجوزاء عن ابن عباسؓ۔ اور متن میں کبھی یوں نقل کرتے ہیں کہ : الم تعلم ان الرجل کان اذا طلق امراته ثلاثًا قبل ان یدخل بہا جعلوہا واحدۃ۔ اور کبھی یوں نقل کرتے ہیں کہ الم یکن الطلاق الثلاث علی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ابی بکرؓ وصدر خلافۃ عمرؓ واحدۃً۔ (الطلاق الثلاث ص۱۴۵)

لہٰذا اس مضطرب روایت کا صحیح احادیث کے مقابلے میں اعتبار نہ ہوگا' خاص طور پر جب کہ وہ خود راوی کے فتوے کے خلاف ہو۔

جواب نمبر۲ :

یہ حدیث منکر ہے' کیوں کہ اس روایت کو صرف طاؤس نے ہی ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور طاؤس کی مناکیر میں سے یہ روایت بھی ہے۔: قال القاضی اسماعیل فی کتابہ احکام القرآن طاؤس مع فضلہ وصلاحہ یروی اشیاء منکرۃ منہا ھذا الحدیث۔ (الطلاق الثلاث ص۱۴۵۔ ''نوٹ'': یہ وہ رسالہ ہے جس میں سعودی علماء کرام کی سپریم کونسل کا فیصلہ ہے)۔

جواب نمبر۳ :

یہ حدیث شاذ ہے۔ قال ابن عبد البر شذ طاؤس فی ھذا الحدیث (الطلاق الثلاث ص۱۴۵) وقال ابن رجب وکان علماء اھل مکۃ ینکرون علی طاؤس ما یتفرد بہ من شواذ الاقاویل۔ (ایضاً ص۹۸) یعنی طاؤس کے متفرد شاذ اقوال پر اہل مکہ انکار کرتے تھے۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (مشکل الاحادیث الواردۃ فی ان الطلاق الثلاث واحدۃ) میں امام احمدؒ، یحییٰ القطانؒ، یحییٰ بن معینؒ، علی بن مدینی وغیرہ سے اس کے شاذ ہونے کے اقوال نقل کئے ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ: کل اصحاب ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ رو واعنہ خلاف ماروی طاؤس وقال الجوزجانیؒ ھو حدیث شاذ قال ابن رجب وقد عنیت بھذا الحدیث فی قدیم الدھر فلم اجدلہ اصلاً قال المصنف ومتی اجمع الامۃ علی اطراح العمل بحدیث وجب اطراحہ وترک العمل بہ وقال ابن المھدی لا یکون اماما فی العلم من عمل بالشاذ۔ (الطلاق الثلاث ص۹۷) اور دیگر اہل علم نے بھی اس کو شاذ کہا ہے۔

جواب نمبر۴:

طاؤسؒ کی یہ روایت وہم اور غلط ہے اور ناقابل التفات ہے۔ چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے: عن ابن عبدالبر انہ قال روایۃ طاؤس وھم "وغلط" لم یعرج علیھا احدٌ من فقھاء الامصار بالحجاز والشام والمغرب۔ (ایضاً ص۹۸) وعن ایوب انہ کان یعجب من کثرۃ خطاء طاؤسؒ۔

جواب نمبر۵:

یہ حدیث خلاف اجماع ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایات جو تین کے وقوع کی ناطق ہیں وہ اجماع صحابہ اور جمہور امت کے موافق ہیں اور جن میں ایک طلاق کے واقع ہونے کا ذکر ہے۔ وہ روایات احادیث صحیحہ' اجماع صحابہؓ اور جمہور امت کے خلاف ہیں۔ لہٰذا تین طلاقیں واقع ہونے والی روایت معتبر ہوگی' اور ایک والی غیر معتبر۔

جواب نمبر۶ :

یہ حدیث منسوخ ہے : کما قال ابن رجب۔ اس لئے کہ خود حضرت ابن عباسؓ اس کے خلاف فتویٰ دیتے تھے کما مرّ۔ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے اور پھر وہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ نورالانوار میں ہے : امتناع الراوی عن العمل به مثل العمل بخلافه فیخرج عن الحجیة۔ (ایضاً ص۹۸) اور اس کے منسوخ ہونے پر اجماع صحابہ بھی دال ہے اور اجماع معصوم ہوتا ہے۔ پس وہی مقدم ہوگا اور اگر ناسخ موجود نہ ہوتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے خلاف کبھی فتویٰ نہ دیتے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس کو منسوخ کہا ہے اور فرمایا ہے : ویقویه ما اخرجه ابوداؤد من طریق یزید النحوی عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال کان الرجل اذا طلق امرأته فهو احق برجعتها وان طلقها ثلاثا فنسخ ذالك (فتح الباری ص۲۸۹، ج۹) لہٰذا یہ منسوخ ہونے کی وجہ سے متروک العمل ہے۔

جواب نمبر۷ :

اس میں تقریر نبی ﷺ ثابت نہیں ہے۔ اگر تقریر ہوتی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے خلاف فتویٰ کبھی نہ دیتے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بھی یہ نقل فرمایا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ اس میں تقریر ثابت نہیں۔ لہٰذا احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔ حافظ ابن حزمؒ نے محلیٰ میں کہا ہے کہ یہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے نہ فعل فلا حجة فیه۔ (محلیٰ ابن حزم ص۱۶۸، ج۱۰)

جواب نمبر۸ :

اس میں ثلاث سے مراد "البتہ" ہے، کیوں کہ اہل مدینہ کے ہاں "البتہ" تین

کے معنیٰ میں مشہور تھا تو اس شہرت کی وجہ سے کسی راوی نے روایت بالمعنیٰ کرتے ہوئے بتہ کی بجائے "ثلاث" کہہ دیا۔ اس توجیہ سے روایات میں جمع اور تطبیق ہو جائے گی۔ اور بتہ بول کر پہلے ایک مراد لی جاتی تھی' جیسا کہ رکانہ" نے کیا تھا۔ پھر جب لوگ بتہ بول کر تین ہی کا ارادہ کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین ہی لازم کر دیں نہ کوئی نیا حکم دیا اور نہ ہی شرعی حکم کو بدلا۔

جواب نمبر۹ :

روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ ایک ہی طلاق دیتے تھے۔ تین کا استعمال شاذ و نادر تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تین طلاقیں دینے لگے۔ اس لئے یہ حکم نافذ کیا۔ حافظ ابن حجر" نے اسے ابن عربی اور ابو زرعہ رازی کا پسندیدہ جواب بتلایا ہے۔ (فتح الباری ص۲۹۹' ج۹)

امام نووی" فرماتے ہیں کہ اس توجیہ کے اعتبار سے یہ روایت لوگوں کی عادت کے اختلاف کو بیان کر رہی ہے نہ کہ تغیر حکم کو۔

جواب نمبر۱۰ :

یہ حدیث غیر مدخولہ کو طلاق دینے کے بارے میں ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں لوگ غیر مدخولہ کو اس طرح طلاق دیتے تھے: انت طالق طالق طالق۔ اس کے بر خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں نے انت طالق ثلاثا سے طلاق دینا شروع کر دیا تو حضرت عمر" نے تینوں کے وقوع کا حکم لگایا اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ غیر مدخولہ کو انت طالق طالق طالق کہنے سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور دوسری لغو شمار ہوتی ہیں اور انت طالق ثلٰثًا کہنے سے تین طلاقیں واقع ہو کر وہ حرام ہو جائے گی۔ پس یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے نہ کہ اہل ظاہر و غیر مقلدین کی اور اس حدیث کے غیر مدخولہ کے بارے میں ہونے کی دلیل یہ ہے کہ امام نسائی" نے اپنی سنن میں روایت ابن عباس" اس ترجمہ کے تحت بیان کی ہے : باب الطلاق

الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة (نسائی ص ۸۳ ج ۲)

امام نسائیؒ نے قبل الدخول بالزوجہ کی قید کسی حدیث کی وجہ سے لگائی ہوگی۔ (یہ حدیث سنن ابی داؤد کتاب الطلاق میں باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث کے تحت موجود ہے) اس لئے کہ امام بخاری اور امام نسائی رحمہما اللہ کی عادت ہے کہ وہ جس روایت کو اپنی شرائط کے مطابق نہ پائیں اس کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ کردیتے ہیں۔ کما قال الحافظ ابن حجرؒ۔

جواب نمبر ۱۱ :

اصل میں طلاق کے الفاظ کو تین بار دہرانے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ ارادہ بھی تین طلاق دینے کا ہو اور دوسری یہ کہ ارادہ تو ایک ہی طلاق دینے کا ہو' مگر اس کو پختہ کرنے کے لئے تین بار لفظ طلاق دہرا دیا جائے' جیسا کہ بعض لوگ نکاح میں ایجاب و قبول کے الفاظ تین بار دہراتے ہیں۔ اب چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں پر امانت و دیانت کا غلبہ تھا' اس لئے یہ خیال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص طلاق دیتے وقت تین طلاق کے ارادے سے تین بار یہ الفاظ کہے اور بعد میں یہ کہنے لگے کہ میں نے تو ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ بعد میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگوں کی دیانت و امانت کا وہ معیار باقی نہیں رہا تو حکم فرمایا کہ آئندہ جو شخص طلاق کے الفاظ تین بار دہرائے گا ہم ان کو تین ہی سمجھیں گے اور کسی کا یہ عذر قابل قبول نہ ہوگا کہ میں نے ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تین کا نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی شرعی حکم کو نہیں بدلا۔ اور ظاہر ہے کہ دیانت و امانت کا جو معیار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا اب اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اگر انہوں نے تین کے تین ہونے کا فیصلہ فرما دیا تو ہمیں اس کی پابندی کرنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ حرام کے جس دروازے کو بند کرنے کے لئے تھا اب

اسے کھولنا مناسب نہیں۔ اسی جواب کو علامہ نوویؒ نے "اصح الاجوبہ" قرار دیا ہے۔ "صحیح مسلم ص۴۷۸ ج۱" اور دیگر مفسرین و محدثین نے بھی یہ جواب دیا ہے۔ جیسے علامہ قسطلانیؒ، قرطبیؒ اور ابن ہمام وغیرہ نے۔

جواب نمبر۱۲ :

اس روایت کے راوی صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود تین طلاقوں کے وقوع کا فتویٰ دیتے تھے اور ابن قدامہؒ نے اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ لا یسوغ لابن عباسؓ ان یروی ھذا عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ویفتی بخلافه۔ (مغنی ابن قدامہ ص۱۰۵ ج۷) اس لئے یہ حجت نہیں بن سکتی۔

جواب نمبر۱۳ :

حسین بن علی کرابیسی ادب القضا میں بطریق علی بن عبداللہ ابن المدینی عن عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاؤس اپنے والد طاؤس تابعیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو شخص تمہیں طاؤس کے بارے میں یہ بتائے کہ وہ تین طلاق کے ایک ہونے کی روایت کرتے تھے تو اسے جھوٹا سمجھو۔ (کتاب الاشفاق ص۳۰۹)

جواب نمبر۱۴ :

ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء تابعی سے کہا کہ آپ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات سنی ہے کہ بکر کی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں؟ تو فرمایا کہ مجھے تو ان کی یہ بات نہیں پہنچی اور عطاءؒ ابن عباسؓ کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (ایضاً ص۳۰۹)

جواب نمبر۱۵ :

اس روایت میں دور نبوی اور دور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک حالتِ اجتماعی کا

ذکر ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے معاصر بھی اس کو روایت کرتے اور کئی طرق سے یہ بات ملتی۔ حالانکہ یہ صرف ایک غریب اور شاذ روایت ہے۔ جس کو صرف طاؤس نے ہی نقل کیا ہے جو مختلف فیہ ہے اور جمہور علماء اصول کے نزدیک ایسے موقع پر جہاں تقاضا اخبار متواترہ کا ہو ایک ہی روایت کا ملنا اس کے صحیح نہ ہونے پر دال ہوتا ہے' چہ جائیکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا اس وقت تمام صحابہ کے سکوت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو بھی اس کے خلاف معلوم نہ تھا۔ (الطلاق الثلاث ص ۱۴۷) کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا۔ اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور صحابہ کرامؓ اس کے بعد بالاتفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔ یہاں تک کہ خود حضرت ابن عباسؓ بھی'اب پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی محال ہے کہ شرعی حکم کو بدلتے خاص طور پر جب کہ یہ مسئلہ فرج کے حلال یا حرام ہونے کا ہے۔ اگر بالفرض والمحال ایسا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی ان کی موافقت نہ کرتے اور اگر ابن عباسؓ کے پاس حدیث مرفوع ہوتی کہ تین ایک ہوتی ہیں' تو وہ کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت نہ کرتے' جیسا کہ مسئلہ عول میں اور حجب الام بالاثنین من الاخوۃ والاخوات اور حج تمتع اور بیع دینار بدینارین اور بیع امہات الاولاد وغیرہ مسائل میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی۔

حج تمتع کے بارے میں فرمایا کہ یوشك ان تنزل علیکم حجارۃ من السماء اقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وتقولون قال ابوبکر و عمر (الطلاق الثلاث ص ۱۴۷) ایسے متقی اور پختہ حضرات سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس روایت کو ظاہر پر ہی رکھا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ ہر صورت میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں۔ اگرچہ تین متفرق طہروں میں ہوں۔ اس لئے کہ اس میں فی طہر واحد کے الفاظ نہیں ہیں۔ فلا دلیل لھم۔ جب تخصیص کرنی

ہی ہے تو پھر جمہور کے موافق تاکید پر کیوں محمول نہ کریں۔

جواب نمبر۱۶ :

خود راویؒ حدیث ابوالصہباء کے اقرار و اعتراف کے مطابق یہ حدیث عجائبات اور مصائب میں سے ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ ابوالصہباء حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہا کرتے تھے : ھات من ھناتك الم یکن الطلاق الثلث علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم و ابی بکر واحدۃ الخ۔ اور "ھناتك" کا معنی آفت و مصیبت ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے : "فی فلان ھنات"۔ فلاں کے اندر بری خصلتیں ہیں اور اس کا استعمال خیر میں نہیں ہوتا (مصباح اللغات)۔

جب یہ حدیث بقول ابوالصہباء ھنات "مصائب" میں سے ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی راوی کے اس الزام کو قائم رکھا اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث ایسی ہی ہے۔ تعجب ہے غیر مقلدین کی کورانہ تقلید پر کہ وہ احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابلے میں اس ہنات کو اپنے گلے میں لٹکائے پھر رہے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے غالباً حدیث ابن عباسؓ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور اول تک کوئی صحابی زیر بحث تین طلاقوں کے وقوع کا قائل نہ تھا۔ گویا کہ عدم وقوع پر تمام صحابہ کا اجماع تھا۔

جواب نمبر۱۷ :

یہ مبالغہ آمیز دعویٰ محض خوش فہمی پر مبنی ہے' کیوں کہ اولاً تو یہ حدیث ہی ثابت نہیں جیسا کہ مفصلاً پہلے گزر چکا ہے۔ جب بنیاد ایسی حدیث ہے تو اس پر مبنی خوش فہمی کا محل بھی پارہ پارہ ہوجائیگا خصوصاً جب کہ خارج میں کسی متفق علیہ صحیح سند کے ساتھ ایک صحابی کا قول بھی اس کی تائید میں ثابت ہے نہ ہی کوئی صحیح غیر متکلم فیہ کوئی ایسی

حدیث مرفوع موجود ہے اور جن بعض صحابہ کی طرف اس مسئلے کی نسبت کی گئی ہے' حضرات علماء نے اسے صریح جھوٹ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو : "وما نسبوہ الی الصحابة کذب بحت لا اصل لهٗ فی کتاب ولا روایة له عن احد۔ الی ان قال واما حدیث الحجاج بن ارطاة فغیر مقبول فی الملة ولا عند احدٍ من الائمة۔ (الطلاق الثلاث ص ۱۴۵) کہ صحابہؓ کی طرف یہ نسبت کہ تین کے دفعتًا وقوع کے قائل نہ تھے بالکل خالص جھوٹ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ موصوف نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ زیر بحث طلاق ثلاثہ کے وقوع پر حضرات صحابہ کا جو اتفاق نقل کیا جاتا ہے یہ صحیح نہیں' کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ کے وقت تقریباً ایک لاکھ صحابہ موجود تھے تو ان کے عشر کے عشر کے عشرے بھی کیا یہ چیز صراحتًا منقول ہے کہ زیر بحث طلاق ثلاثہ واقع ہو جاتی ہیں۔

جواب نمبر۱۸ :

علامہ موصوف کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم سے لاکھوں صحابہ کی ایسی تصریح کا مطالبہ کیوں کیا جا رہا ہے' جبکہ آپ نے اپنے دعویٰ اجماع صحابہ کے لئے ایک صحابی کی بھی نقل پیش کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اگر یہ اتفاق لاکھ یا دس ہزار صحابہ کی تصریحات کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا تو آپ نے جس اتفاق کا دعویٰ کیا ہے وہ ایک صحابی کی طرف سے تصریح نقل کئے بغیر کیسے ثابت ہو گیا؟

(ب) کیا دوسرے مسائل اجماعیہ میں بھی لاکھ یا دس ہزار صحابہ کی تصریحات ضروری ہیں یا صرف مسئلہ وقوع طلاق ثلاثہ ہی میں خصوصیت سے اس کی ضرورت پڑ گئی؟ آخر وجہ فرق کیا ہے؟ حضرات صحابہ کے دیگر متفق علیہ مسائل میں کبھی کسی نے ہزاروں اور لاکھوں صحابہ کی طرف سے نقل صریح کا مطالبہ نہیں کیا تو کیا یہ کہا جائے گا کہ صحابہ کے مابین کوئی اجماعی مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں' ہرگز نہیں۔

جواب نمبر۱۹ :

ایسے مسائل میں اتفاق و اختلاف کا مدار مجتہدین صحابہ ؓ پر ہوتا ہے۔ صرف صحابہ ؓ پر نہیں تابعین، تبع تابعین اور ہر دور میں اتفاق و اختلاف کا مدار اس زمانہ کے علمائے مجتہدین پر ہوتا ہے۔ اگر کسی مسئلہ پر مجتہدین کا اتفاق ہے تو اسے متفق علیہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور کی پوری مسلم آبادی کے ہر ہر فرد سے اس پر اتفاق کا منقول ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح سمجھئے کہ زیر بحث وقوع طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر مجتہدین صحابہ کا اتفاق کافی ہے (لاکھ اور ہزاروں کی بات بے جا اور لغو ہے) اور گزشتہ صفحات میں تقریباً تمام اکابر صحابہ سے یہ گزر چکا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ : فان العبرة فی نقل الاجماع نقل ما عن المجتهدین لا العوام و المائة الالف الذین توفی عنهم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا تبلغ عدة المجتهدین الفقهاء منهم اکثر من عشرین کالخلفاء و العبادلة و زید بن ثابت و معاذ بن جبل و انس و ابی هریرة رضی اللّٰہ عنهم و قلیل و الباقون یرجعون الیهم ویستفتون منهم وقد اثبتنا النقل عن اکثرهم صریحًا بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا لو حکم حاکم بان الثلاث بفم واحد واحدة لم ینفذ حکمه لانه لا یسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف۔ (فتح القدیر ص ۳۳۰، ج ۳) خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ سب سنت نبوی اور منشاء نبوت کی تکمیل میں کیا۔ اسی لئے حضرات صحابہ نے بھی بلا کسی نکیر کے اس کو قبول کیا۔ پس اجمالی طور پر اتنا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ تفصیل اس کی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے اگر ایسا نہ کیا جائے تو خلافت راشدہ کے مقصد کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ خلفاء راشدین کا مقصد سنت نبوی اور دین متین کی تکمیل تھی، نہ کہ اس کا

ابطال۔ اب اگر مطلقہ ثلاثہ بلفظ واحد حلال تھی اور نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے اس کو حرام قرار دیا تو یہ منشاء نبوت کا ابطال ہے نہ کہ اس کی تکمیل' اور یہ بعینہ رافضیوں کا مذہب ہے کہ خلفاء راشدین نے دین نبوی کو باطل کر دیا اور اس میں تبدیلیاں کر دیں۔ جبکہ اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب اور عقیدہ ہے کہ خلافت راشدہ تکمیل دین کے لئے تھی۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی یہ تاویل کرنا عین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

چنانچہ حضرات علماء نے حدیث ابن عباس کی مختلف توجیہات کر دی ہیں' جنہیں امت نے تسلیم کیا ہے۔ بندہ کے ناقص خیال میں ایک توجیہ یہ بھی آ رہی ہے کہ بطریق عکرمہ حدیث ابن عباس میں حضرت رکانہؓ کی تین طلاقوں اور پھر رجوع کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ جو منکر ہے (ابن ہمام) دراصل یہ طلاق ثلاثہ کا واقعہ نہیں' بلکہ یہ طلاق بتہ کا قصہ ہے۔ اہل مدینہ کے عرف میں اسے طلاق ثلاثہ سے بھی تعبیر کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ رکانہ کے اہل بیت کی سند سے ظاہر ہے کہ یہ طلاق بتہ کا واقعہ تھا اور یہی اصح ہے (ابوداؤد) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پہلے اسے طلاق ثلاثہ سے تعبیر کیا اور پھر اسی جزئی واقعہ کو ایک عام کلیہ کی شکل میں ذکر فرما دیا۔ تساہلات ابن عباس رضی اللہ عنہما معروف ہیں اور ایسا دوسری بعض احادیث میں بھی ہوا ہے۔ حضرت زید مسواک اپنے کان کے اوپر رکھ لیا کرتے تھے۔ اور دوسرے راویوں نے اسی جزئی واقعہ کو یوں تعبیر کر دیا' گویا کہ یہ تمام صحابہ کی عادت تھی۔ کانت اسوکتھم عند اذنھم موضع القلم من الکاتب۔ نیز حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں : کنت اطیب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لحلہ قبل ان یطوف۔ حالانکہ حضورؐ نے ایک ہی حج کیا ہے تو ایک ہی مرتبہ خوشبو استعمال کی ہوگی۔ کان یصلی وھو حامل امامۃ بنت العاص' کان ینام وھو جنب۔ کان یباشر وھو صائم۔ ان سب مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "کان" استمرار کا فائدہ ہمیشہ نہیں دیتا۔ چنانچہ

نووی ؒ فرماتے ہیں : فان المختار الذی علیہ الا کثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظ "کان" لا یلزم منھا الدوام ولاالتکرار فانما ھی فعل ماض یدل علیٰ وقوعہٖ مرۃً فان دل دلیل علی التکرار عمل بہ والا فلا تقتضیہ بوضعھا۔

شبہ نمبر۲ :

عن محمد بن اسحاق عن داؤد بن الحصین عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال طلق رکانۃؓ امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلک واحدۃ فارجعھا ان شئت فراجعھا۔ (الطلاق الثلاث ص۱۴۹)

جواب نمبرا :

حضرت رکانہؓ کے طلاق کے واقعہ میں مختلف الفاظ احادیث میں ہیں۔ بعض میں طلق امرأتہ ثلاثا جیسا کہ مذکورہ روایت ہے۔ اور بعض میں "طلق امرأتہ البتۃ" کے الفاظ ہیں۔ اور امام ابوداؤد نے "بتہ" والی روایت کو دو وجہ سے ترجیح دی ہے۔ اول تو اس لئے کہ یہ روایت حضرت رکانہ کے اہل خاندان سے مروی ہے۔ وھم اعلم بہ۔ دوسرے اس لئے کہ "طلق ثلٰثا" والی روایات مضطرب ہیں۔ بعض میں طلاق دینے والے کا نام "رکانہ" ہے۔ کما فی روایت احمد اور بعض میں "ابو رکانہ" ہے۔ جب کہ "البتۃ" والی روایت اس اضطراب سے خالی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت رکانہ ؒ نے اپنی اہلیہ کو تین طلاقیں نہ دی تھیں بلکہ طلاق بتہ ہی دی تھی۔ اس زمانے میں چونکہ طلاق البتۃ کا اطلاق طلاق ثلاثہ پر بھی ہوتا تھا' اس لئے کسی راوی نے اس میں روایت بالمعنی کردی۔ اب طلاق بتہ میں تین کا ارادہ کرنا بھی صحیح ہے اور ایک کا بھی فلا اشکال۔

جواب نمبر۲ :

"طلق ثلاثاً" والی روایت ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ
اما الرواية التى رواها المخالفون ان ركانة طلق ثلاثًا فجعلها واحدةً فروايةٌ ضعيفةٌ عن قوم مجهولين۔ (شرح نووی علیٰ صحیح مسلم ص۴۷۸، ج۱)

اور علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ : وهٰذا لا يصح لانهٗ عن غير مسمى من بنى ابى رافع ولا حجة فى مجهولٍ وما نعلم فى بنى ابى رافع من يحتج به الا عبيدالله وحدهٗ وسائرهم مجهولون۔ (محلی ابن حزم ص۱۶۸، ج۱۰) اس روایت کا صحیح روایات کے مقابلہ میں اعتبار نہ ہو گا۔

جواب نمبر۳ :

محمد بن اسحاق اور اس کا شیخ مختلف فیہ ہیں عندالمحدثین۔ قال ابوداؤد احاديثهٗ عن عكرمة مناكير۔ اور عکرمہ کے بارے میں علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ : "عن عبدالله بن حارث قال دخلت علٰى على بن عبدالله فاذا عكرمة فى وثاق عند باب الحسن فقلت لهٗ الا تتقى الله فقال ان هٰذا الخبيث يكذب على ابى ويروى عن ابن المسيب انهٗ كذب عكرمة وقال كذبهٗ عطار الخ۔ (میزان الاعتدال ص۲۰۸، ج۲) غرضیکہ ایسے متکلم فیہ رواۃ کی سند کا احادیث صحیحہ کے مقابلے میں اعتبار نہ ہو گا۔ واللہ اعلم۔

جواب نمبر۴ :

یہ حدیث راوی صحابی کے فتوے کے خلاف ہے اور روایت سے سب سے زیادہ باخبر اس کا راوی ہوتا ہے۔ لہٰذا ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ یقیناً کسی مرجح کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ہو گا۔ کیونکہ راوی کا خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس کے نسخ کی دلیل

ہے۔

جواب نمبر۵ :

یہ شاذ مذہب ہے۔ اس لئے اس پر عمل نہ کیا جائے گا جمہور کو چھوڑ کر۔

جواب نمبر۶ :

حدیث رکانہؓ تو ہماری دلیل ہے۔ اس لئے کہ اگر کنایہ کے الفاظ میں صرف دل میں ارادے کی وجہ سے تین واقع ہو جاتی ہیں باتفاق امت جبکہ تین کا لفظ بھی زبان پر نہیں آتا تو زبان سے تین کہہ کر کیوں واقع نہ ہوں گی۔ اس لئے یقیناً یہ طلاق بتہ تھی جس میں ایک کا ارادہ معتبر ہے۔ یا جدا جدا کر کے تین دی ہوں گی اور ان میں ارادہ تاکید کا ہوگا نہ کہ تجدید کا۔

جواب نمبر۷ :

صحیح یہی ہے کہ حضرت ابو رکانہؓ نے طلاق بتہ دی تھی۔ اس لئے کہ اگر تین کا لفظ صریح ہوتا تو آپؐ یہ کیوں پوچھتے کہ ارادہ کتنی طلاقوں کا تھا؟ ہاں اگر طلاق' طلاق' طلاق کہا ہو تو اس میں دو احتمال ہوتے ہیں۔ ۱- عدد کا' ۲- تاکید کا۔ جیسے کوئی کہے کہ "چور چور چور" یا "سانپ' سانپ' سانپ" حالانکہ ہوتا ایک ہی ہے۔ اب چونکہ دو احتمال تھے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اس کو ایک طلاق قرار دینے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ ان کا ارادہ ایک کا تھا۔

جواب نمبر۸ :

حضور اکرم ﷺ کا ان کو قسمیں دے کر بار بار پوچھنا اس پر دال ہے کہ انہوں نے طلاق بتہ ہی دی تھی۔ کما رجحہ' ابوداؤد' وقال الترمذی' ھٰذا حدیث لا نعرفہٗ الا من ھٰذا الوجہ۔ (ترمذی ص۲۲۲' ج۱) وقال الدار قطنی ھٰذا حدیث صحیح۔ (دارقطنی ص۳۳' ج۳) وقال ابن ماجہؒ ما اشرف

ھٰذا الحدیث۔ (ابن ماجہ ص ۱۴۹ ج ۱)

ابن ابی شیبۃؒ نے بھی اسی کو بیان کیا ہے۔ اور علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ :

فھذا دلیل علی انہ لو ارادالثلاث لوقعن والا فلم یکن لتحلیفہ معنی (نووی علی مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

یعنی اگر تین کی نیت کی ہوتی تو تین ہی واقع ہو جاتیں ' ورنہ اس سے قسم لینے کا کوئی معنی نہیں۔

جواب نمبر ۹ :

مستدرک حاکم میں محمد بن ثور کی روایت میں صرف "طلقتھا" ہے۔ اور "ثلثا" کا لفظ اس میں نہیں ہے۔ اور علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے بھی محمد بن ثور کی روایت کو عبدالرزاق کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ اور کہا ہے کہ عبدالرزاق آخر عمر میں مناکیر سے اہل بیت کی فضیلت بیان کرتے تھے۔ نیز عبدالرزاق کی روایت میں "بکلمۃ واحدۃ" کے الفاظ بھی نہیں ہیں۔ عبدالرزاق شیعہ ہے اور اس کی جس روایت سے شیعوں کی طرف میلان ہو وہ معتبر نہیں۔ بعض جہلاء بعض حضرات صحابہ کرامؓ ' تابعین عظام اور علماء ربانیین کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں کہ تین طلاق ایک ہوتی ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ چنانچہ جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف تین طلاقوں سے ایک کے واقع ہونے کو منسوب کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ : وقال ابن العربی فی کتابہ الناسخ والمنسوخ ونقلہ عنہ ابن القیمؒ فی تھذیب السنن قال تعالٰی الطلاق مرتان زل قومٌ فی آخر الزمان فقالوا ان الطلاق الثلاث فی کلمۃ واحدۃ لا یلزم وجعلوہ واحدۃ ونسبوہ الی السلف الاول فحکوہ عن علیؓ والزبیرؓ و عبدالرحمٰن بن عوفؓ و ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ و عزوہ الی الحجاج بن ارطاۃ الضعیفُ المنزلۃ والمغموز المرتبۃ وروَوا فی

ذلك حديثا ليس لهٗ اصل۔ الٰی ان قال و ما نسبوہ الٰی الصحابة كذب بحت لا اصل له فی كتاب ولا رواية لهٗ عن احدٍ۔ الٰی ان قال واما حديث الحجاج بن ارطاة فغير مقبول فی الملة ولا عند احدٍ من الائمة۔ (تہذیب السنن۔ الطلاق الثلاث ص ۱۴۵)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کی طرف یہ نسبت کرنا بالکل جھوٹ ہے۔ اور کسی کتاب میں اس کا ثبوت نہیں ملتا' نہ ہی اس قسم کی کوئی روایت ان حضرات سے مروی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو صراحتاً صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار میں گزرا ہے۔ اور جن تابعین کرام رحمہم اللہ کی طرف تین طلاقیں دینے سے ایک واقع ہونے کا قول منسوب ہے وہ بھی کسی اصل اور تحقیق پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر حضرات سے اس کی صراحت موجود ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم نخعیؒ' قاضی شریحؒ' امام شعبیؒ حضرت سعید بن المسیبؒ' حضرت سعید بن جبیرؒ' امام زہریؒ' امام مکحولؒ' امام حسن بصریؒ' حمید بن عبدالرحمٰنؒ' حضرت قتادہؒ' عطاء ابن ابی رباحؒ' عبداللہ بن شدادؒ' محمد بن سیرینؒ' سلیمان اعمشؒ اور امام مسروق رحمہم اللہ کے آثار بروایات صحیحہ بیان ہوئے ہیں۔ ابن قدامہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے بھی اتفاق ائمہ نقل کیا ہے۔ امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قاضی ابن رشد کا فتویٰ پیچھے گزرا ہے۔ پس ان حضرات کی طرف جو کہ صراحتاً تین طلاقیں واقع ہونے کے قائل ہیں۔ ایک طلاق واقع ہونے کے قول کی نسبت کرنا بالکل غلط ہے۔

ان ناموں میں سے جن کی طرف غیر مقلدین ایک طلاق کے قول کی نسبت کرتے ہیں ان میں سے صرف حضرت ابوالشعثاء' طاؤس' اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ سے

ایک طلاق واقع ہونے کا قول ملتا ہے۔ لیکن ان کا یہ قول غیرمدخولہ کے بارے میں ہے۔ وھو مذھبنا فلا اختلاف۔ چنانچہ مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ : "وکان عطاء و طاؤس و سعید بن جبیر و ابوالشعثاء و عمرو بن دینار یقولون من طلق البکر ثلاثا فھی واحدۃ۔ تو ان کا یہ قول غیرمدخولہ کے بارے میں ہے۔ کیونکہ تین والی روایت بھی ان سے مروی ہے۔ اور غیرمدخولہ کو ہمارے نزدیک بھی اگر جدا جدا تین طلاقیں دی جائیں تو ایک ہی سے وہ بائنہ ہو جاتی ہے۔ باقی دو اس پر واقع نہیں ہوتیں۔ پس ان کی بات کو یہاں دلیل بنانا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ یہاں مدخولہ کے بارے میں بحث ہو رہی ہے کہ اس کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہو جاتی ہیں۔

غیرمقلدین حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی" کا فتویٰ بھی دکھاتے ہیں۔ بظاہر وہ جعلی ہے۔ اس لئے کہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ باوجود اپنی وسعت علمی و تبحر فقہی کے یہ نہیں فرماسکتے کہ شوافع کے مذہب پر یہ عمل کرلے' جب کہ شوافع کا مذہب بھی یہی ہے کہ تین طلاقیں ایک مجلس کی واقع ہو جاتی ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مولانا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب سے غافل ہوں۔ جب کہ ان کی تمام تصانیف میں اس بات کی تصریح ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کا واقع ہو جانا یہ ائمہ اربعہ کا متفقہ مذہب ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عبدالحیٔ (ص۵۹' ج۲) میں تفصیلاً علمی انداز میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں : "جمہور صحابہ' تابعین' ائمہ اربعہ' اکثر مجتہدین' امام بخاری اور جمہور محدثین کے مذہب کے موافق تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور شرح وقایہ میں حاشیہ "عمدۃ الرعایۃ" میں بھی حضرت نے یہی لکھا ہے۔

وایقاع الثلٰث دفعةً وان کان بدعیًا لکنه سنی الوقوع فاذا نوٰی بقوله للسنة ھذا المعنی صحت نیتهٗ ووقع الثلاث دفعةً وقال ان الثلاث تقع بایقاعه سواء کانت المرأۃ مدخولة او غیرَ مدخولةٍ وھو قول

جمهور الصحابة والتابعين والائمة الاربعة وغيرهم من المجتهدين و اتباعهم الخ۔ (عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ ص ۷۱' ج ۲) پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی ائمہ اربعہ کا مذہب یہی تھا۔ پھر وہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ اس صورت میں شافعی عالم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرلے۔ پس بظاہر یہ فتویٰ جعلی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اور غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ پوری امت کے مجتہدین و محدثین میں سے صرف امام ابو حنیفہ کا یہ قول ہے کہ تین طلاقیں تین ہوتی ہیں۔ یہ محض افتراء ہے اور بدترین جہالت ہے۔ گزشتہ تمام حوالہ جات سے ثابت ہوگیا ہے کہ یہ ائمہ اربعہ' جمہور صحابہ' جمہور تابعین و محدثین کا مذہب ہے۔

اسی طرح علماء دیوبند کی طرف تین طلاقوں سے ایک کے واقع ہونے کی نسبت بھی سفید جھوٹ ہے۔ جس سے مقصود صرف عوام کو گمراہ کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ کفایت المفتی میں ہے : "وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع الثلاث۔ (کفایت المفتی ص ۳۲۹' ج ۶)

دوسری جگہ فرمایا کہ "ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبل اور جماہیر اہل سنت والجماعت اس امر کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے تین پڑ جاتی ہیں۔ خواہ ایک لفظ سے دی ہوں یا ایک مجلس میں یا ایک طہر میں۔ (کفایت المفتی ص ۳۲۲' ج ۶) اس کے علاوہ بھی فتاویٰ میں یہی جواب منقول ہے۔

اسی طرح غیر مقلدین حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں تو اب وہ عورت اس مرد کے لئے حرام ہوگئی۔ اب اگر پھر سے نکاح کرے تب بھی عورت کا اس مرد کے پاس رہنا حرام ہے۔ (بہشتی زیور ص ۴۴' حصہ چہارم)

اسی طرح وہ فتاویٰ دارالعلوم کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ حالانکہ فتاویٰ دارالعلوم

میں ہے۔ یہ فتویٰ کہ ایک واقع ہوگی بالکل غلط اور خلاف نص قطعی ہے۔ اور جمہور ائمہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ مطلقہ ثلاثہ کو بدون حلالہ کے حلال کرنا گویا کلام اللہ کا مقابلہ کرنا ہے کہ یہ بات کلام اللہ کے صریح حکم کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۳۰۸، ۳۰۹، ج ۹)

اور اس کے علاوہ باقی فتاویٰ میں بھی تین کے وقوع کا حکم لگایا گیا۔ اسی طرح باقی جن حضرات اور فتاویٰ کی طرف یہ نسبت کی گئی ہے یہ کسی تحقیق پر مبنی نہیں ہے، محض غلط ہے۔ علماء دیوبند اور جمہور امت کا یہی فیصلہ ہے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ طلاق دہندہ نے تین طلاق کہا ہے، لیکن اس کی مراد ایک طلاق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے دوسرے امور میں ایک تین نہیں اور تین ایک نہیں، اسی طرح طلاق میں بھی تین ایک نہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے کو دس روپے دیئے تو وہ دس ہی سمجھے جاتے ہیں۔ معطی اگر یہ کہے کہ اسے ایک روپیہ تصور کیا جائے کیونکہ میں نے نیت ایک کی کی تھی تو اسے لغو اور ہذیان سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ میرے ذمے زید کے تین لاکھ روپے ہیں۔ تو وہ تین لاکھ ہی متصور ہوں گے۔ اس کے بعد اگر اقرار کرنے والا یہ کہے کہ میں نے تین لاکھ میں نیت ایک لاکھ کی کی تھی تو اسے کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں سمجھا جائے گا۔ شرعاً نہ اخلاقاً نہ عرفاً نہ قانوناً نہ دیانتاً۔ یہ تین لاکھ، ایک لاکھ کی نیت کے باوجود تین لاکھ ہی رہیں گے۔ کوئی کہتا ہے کہ میں پانچوں نمازیں پڑھتا ہوں۔ پھر کہتا ہے کہ اس سے میری مراد ایک نماز ہے تو اسے پہلے اقرار سے رجوع اور کذب تو کہا جا سکتا ہے لیکن پانچ ایک نہیں ہو سکتیں۔

وجہ یہ ہے کہ تین کا لفظ خاص عدد کے لئے موضوع ہے اور اپنے مفہوم میں قطعی ہے۔ جس میں کمی زیادتی کا احتمال نہیں۔ نور الانوار میں ہے کہ حکم الخاص ان یتناول المخصوص قطعًا ای الذی ھو مدلولہ قطعًا بحیث یقطع احتمال الغیر۔ یعنی خاص کا حکم یہ ہے کہ یہ مخصوص کو قطعاً شامل ہوتا ہے۔

مخصوص سے مراد اس خاص کا مدلول ہے۔ قطعاً سے مراد یہ ہے کہ اس میں غیر کا احتمال نہیں رہتا۔ (نور الانوار ص ۱۸)

لفظ صریح میں اس کے خلاف کی نیت کرنا معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ صریح دلالت میں نیت سے اقویٰ ہے۔ اقویٰ اور قوی کے مقابلے میں ضعیف کا کوئی اعتبار نہیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ نیت کا اعتبار اس لفظ میں ہوتا ہے جہاں پر لغةً وہ لفظ اس نیت کا محتمل ہو اور جو نیت ایسی ہو کہ لفظ کے مفہوم میں داخل ہی نہیں بلکہ لفظ کے مفہوم سے متباین ہے۔ اس نیت کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ مغنی ابن قدامہ کے حوالے سے واضح طور پر گزر چکا ہے کہ : ان الرجل اذا قال لامراته انت طالق ثلثًا فهی ثلاث وان نوٰی واحدةً لا نعلم فیه خلافًا لان اللفظ صریحٌ فی الثلاث والنیة لا تعارض الصریح لانها اضعف من اللفظ ولذٰلك لا تعمل بمجردها والصریح قوی یعمل بمجرده من غیر نیةٍ فلا یعارض القوی بالضعیف کما لا یعارض النص بالقیاس ولان النیة انما تعمل فی صرف اللفظ الی بعض محتملاته والثلاث نصٌ فیها لا یحتمل الواحدة بحالٍ فاذا نوی واحدةً فقد نوٰی مالا یحتمله فلا یصح کما لو قال له علی ثلاثة دراهم وقال اردت واحدًا۔ (مغنی ابن قدامہ ص ۲۳۶، ج ۷) غرضیکہ قلم بول کر گھوڑا مراد لینا، ہوائی جہاز بول کر چارپائی مراد لینا جیسے خلاف نقل ہے ایسے ہی خلاف عقل بھی ہے۔

۲- اس کے نامعقول ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایک ہی لفظ کو مؤثر مانا جائے گا یا غیر مؤثر۔ یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے ۱/۳ حصے کو مؤثر مانا جائے اور ۲/۳ کو غیر مؤثر۔ جب کہ لفظ ایک ہی ہے۔ مثلاً تین طلاق کے الفاظ اگر مؤثر ہیں تو تین طلاقیں ہونی چاہئیں۔ اگر کسی وجہ سے غیر مؤثر ہیں تو ایک بھی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ نامعقول بات ہے کہ اس کا ۱/۳ تو مؤثر ہے اور ۲/۳ حصہ غیر موثر ہے۔ یعنی تین

طلاقیں دینے سے ایک ہوگی' تین نہ ہوں گی۔ اگر بالفرض اس میں کچھ معقولیت ہو تو فریق ثانی سے دریافت کیا جائے کہ تین طلاق کے تین اجزاء کیسے قرار دیئے جائیں؟ مثلاً "ت" کو تین حصوں میں کیسے تقسیم کیا جائے۔ اور "ی" اور "ن" کو اور آگے طلاق کے الفاظ مفردہ کو تین تین حصوں میں کیسے تقسیم کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں سے ہر ایک کے تین تین جزو کرنے کے بعد یہ اجزاء محض لغو ہوں گے۔ اس میں سے کسی جزو کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ لہٰذا ایک طلاق بھی نہیں ہونی چاہئے۔ ایک کا ہونا اور تین کا واقع نہ ہونا یہ کس جزو کے عمل کرنے کے اعتبار سے ہوا؟

۳- اور ان اجزاء کے موثر ہونے کے سلسلے میں ترجیح بلا مرجح کا سوال بھی پیدا ہوگا۔ جب اجزاء یکساں ہیں تو بعض کو عمل دینا اور بعض کو نہ دینا یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ الغرض تین طلاق کے لفظ سے ایک طلاق کے وقوع کی منطق نامعقول در نامعقول ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ غیر مدخولہ کے لئے "انت طالق" "انت طالق" کہنے میں پہلا لفظ موثر ہے اور دوسرا لفظ موثر نہیں ہے۔ ایسا ہی تین طلاقوں کے بارے میں سمجھ لیا جائے تو جواب ظاہر ہے کہ یہ قیاس بھی نامعقولیت پر مبنی ہے۔

کیونکہ یہاں پر پہلا لفظ مکمل طور پر مؤثر ہے اور دوسرا بالکل غیر مؤثر ہے۔ تو مؤثر اور غیر موثر دو الگ الگ لفظ ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک ہی لفظ میں مؤثر اور غیر موثر کا اجتماع ہو جائے۔ دوسری مرتبہ انت طالق کہنا غیر مدخولہ کے حق میں لغو ٹھہرا۔ کیونکہ اب وہ محل طلاق نہیں رہی۔ بخلاف مدخولہ کے کہ وہ محل طلاق ہے۔ اسے دی جانے والی طلاق غیر مؤثر نہیں ہو سکتی۔ جب تک محلیت باقی رہے طلاق واقع ہوگی' جب محلیت ہی ختم ہو جائے تو زائد طلاقیں لغو ٹھہریں گی۔ مثلاً کسی شخص نے اپنی عورت کو کہا کہ تجھے سو طلاق تو تین طلاقوں کا عورت محل ہے۔ لہٰذا تین واقع ہو جائیں گی اور باقی کے لئے وہ محل نہیں۔ لہٰذا وہ لغو قرار پائیں گی۔ اس لئے مدخولہ کو تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوں گی۔ کیونکہ وہ تین کا محل ہے۔ ایک واقع نہ ہوگی۔

۴۔ عموماً تمام عقود و فسوخ میں ایک دفعہ کہنا تحصیل مقصد کے لئے کافی ہوتا ہے۔ جیسے بیع، شراء، اجارہ، شفعہ، نذر، غلام آزاد کرنا، ان سب عقود میں صرف ایک دفعہ ایجاب و قبول کرلینا یا کہنا عقد وغیرہ کے تحقق کے لئے کافی ہوتا ہے۔ جبکہ طلاق میں تین دفعہ طلاق دینے سے ہی جدائی کامل ہوتی ہے۔ اس میں بھی یہی راز ہے کہ طلاق چونکہ ابغض المباحات ہے۔ اس لئے اس میں اصل تو یہ ہے کہ طلاق دی ہی نہ جائے اور اگر سخت مجبوری ہو اور بے طلاق گزارہ نہ ہو تو شریعت مطہرہ نے اولاً ایک طلاق کی اجازت دی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ آدمی غصے میں طلاق دے دیتا ہے اور غصہ ٹھنڈا ہونے پر جب اس کے نتائج سامنے آتے ہیں تو پچھتاتا ہے۔ اگر باقی عقود کی طرح طلاق میں بھی ایک ہی سے بیوی حرام ہوجاتی تو عمر بھر پچھتانا پڑتا۔ اس لئے اللہ پاک نے یہ رعایت دی کہ ایک طلاق سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔ تاکہ ندامت کی صورت میں رجوع کرلے۔ لیکن جو آدمی اکٹھی تین طلاقیں دے رہا ہے تو گویا اس نے اللہ پاک کی دی ہوئی رعایت کو ضائع کردیا۔ لہٰذا اب تین اکٹھی دینے سے حرمت مغلظہ ثابت ہوجائے گی۔ چونکہ اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اس لئے اب اسے کوئی رعایت نہ ملے گی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا غزوہ موتہ میں یہ فرمانا کہ اے دل اگر تجھے غلاموں کا خیال ہے تو سب آزاد اور بیوی کا ہے، تو اس کو تین طلاق۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ غلام کو یہ کہنا کہ تو آزاد ہے، اس سے اس کو کامل آزادی حاصل ہوجاتی ہے۔ اس طرح کی کامل آزادی عورت کو ایک طلاق سے نہیں ملتی۔ اگر مل سکتی تو جیسے غلاموں کے آزاد کرنے کا انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا اسی طرح بیوی کو بھی ایک طلاق کا کہتے، کیونکہ ایک اور تین اگر برابر ہوتیں تو تین کا لفظ لغو ہوتا۔ معلوم ہوا کہ صحابہؓ میں بھی یہ بات معروف تھی اور ان حضرات کے ذہنوں میں ایک اور تین کا بین فرق موجود تھا کہ غلام کو ایک ہی مرتبہ "انت حر" کہنے سے کامل آزادی ملتی ہے۔ اور عورت کو کامل آزادی تین

طلاقوں سے ہی ملتی ہے۔

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں تو جمہور کے اس مسئلے میں اختلاف کرنے کی وجہ سے تین اور ایک ہونے میں شبہ ہو گیا اور حدیث میں شبہ سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔ اور یہ شبہ حلال اور حرام میں دائر ہے اور حرام سے بچنا واجب ہے۔ لہٰذا تین ہی واقع ہوں گی۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کی حجت عقلاً بھی خوب ظاہر ہے۔ اور وہ یہ کہ مطلقہ ثلاث خاوند کے لئے حرام ہے۔ حتٰی تنکح زوجًا غیرہ۔ اور اکٹھے یا الگ الگ دینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نہ لغت میں اور نہ شرعی طور پر۔ اور جو ظاہری فرق تھا' شریعت نے اس کو بھی لغو قرار دیا ہے۔ ولی اگر کسی کو کہے کہ میں نے ان تین کے ساتھ تیرا نکاح کیا ایک کلمے کے ساتھ تو منعقد ہو جائے گا۔ ایسے ہی جیسے وہ اگر الگ الگ جملوں سے اس کا نکاح ان تین سے پڑھاتا تو ہو جاتا۔ یہی حکم عتاق' اقرار اور طلاق کا بھی ہے۔

باقی رہا غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ایک طہر میں ایک ہی طلاق ہو گی۔ دوسری کا وقوع ناممکن ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اس لئے کہ خاوند کی اہلیت طلاق اور بیوی کی محلیت طلاق باقی ہونے کے باوجود خاوند کچھ بھی کر لے طلاق واقع نہیں ہو گی (فیا سبحان اللہ) اگر خاوند کی اہلیت یا مطلقہ کی محلیت کے باطل ہو جانے کا دعویٰ ہے تو اس کے لئے دلیل قطعی کی حاجت ہو گی۔ کیونکہ قبل ازیں یہ دونوں امر (اہلیت زوج اور محلیت زوجہ) یقیناً موجود تھے۔ اب کس دلیل قطعی سے اسے باطل کہا جائے گا۔ قطعی کے ابطال کے لئے دلیل قطعی ہی کی حاجت ہے۔ "الیقین لا یزول بالشك"۔ مسلمہ قاعدہ ہے۔ پھر اس میں قرآن کریم کی بھی صریح خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ دور جاہلیت کے اسی غیر محدود اختیارات طلاق کی تحدید کے لئے قرآن پاک کی آیت "الطلاق مرتان" (اصول کرخی ص۱) نازل ہوئی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خاوند کو

دو طلاقوں تک رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ بعد ازاں تیسری طلاق سے حرمت مغلظہ ثابت ہو جائے گی۔ اور مزید طلاق دینے کا اختیار باقی رہے گا نہ تجدید نکاح کا۔ تاوقتیکہ تحلیل کی صورت نہ پائی جائے۔ مگر "لامذہبیت" کے مطابق ہزار طلاق پر بھی یہ حق ختم نہیں ہوتا۔ ایک طہر میں ہزار دو ہزار طلاقیں بھی ۔۔۔ لے تو حرمت مغلظہ ثابت ہوگی نہ تجدید نکاح کی حاجت پڑے گی۔ بلکہ رجوع کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بس ایک مرتبہ رجوع ہو چکا۔ اب ادھر سے طلاقوں کی بوچھاڑ ہوتی رہے اور ساتھ ہی ساتھ عورت کے ساتھ بھرپور طریقے سے جنسی تعلقات بھی قائم رکھے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ طلاقیں دھڑا دھڑ۔ نہ بینونت' نہ حرمت مغلظہ' نہ تجدید نکاح' بلکہ نہ ایک مرتبہ کے بعد حاجت رجوع' حلال حرام سب ہضم۔ استغفراللہ عورت روزانہ طلاقوں کی بوچھاڑ بھی سنے اور خون کے گھونٹ پی کر مرد کی ہوسناکیوں کا تختہ مشق بھی بنے۔ عفت مآب خواتین کے لئے طلاق کے الفاظ سننا ہی ناقابل برداشت امر ہے۔ چہ جائیکہ روزانہ کی طلاقوں سے اسے تذلیل کی آخری حد تک پہنچانے کی گنجائش پیدا کی جائے۔

"لامذہبیت" کا یہ طرز عمل خواتین کے لئے زمانہ جاہلیت کی طلاقوں سے بھی زیادہ رسواکن اور ظالمانہ ہے=

ایک صاحب لکھتے ہیں کہ جیسے مثلاً وقت سے پہلے نماز ظہر معتبر نہیں' اسی طرح دوسرے طہر سے پہلے دوسری طلاق قابل اعتبار نہیں۔

جواب :

ابغض المباحات کو افضل العبادات پر قیاس کرنا "لامذہبیت" کے تفقہ کا شاہکار ہے۔ جو انہی کو مبارک ہو۔ لیکن کوئی اہل علم اس جاہلانہ قیاس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

(ب) نمازوں کے اوقات نمازوں کے لئے اسباب وجوب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جیسا کہ تمام فقہاء اور اہل اصول نے اس کی تصریح کی ہے اور طلاق کے لئے وقت محض ظرف ہے۔ اور اگر کسی صاحب کو وقت نماز اور وقت طلاق کی مماثلت پر ہی اصرار ہو تو اس سے معاملہ مزید خطرناک ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے مطابق ہر طہر میں طلاق دینا واجب قرار پائے گا۔ (جیسے نماز کا وقت داخل ہونے پر نماز واجب ہو جاتی ہے) تو "لامذہبیت" کے مطابق ہر طہر پر طلاق نہ دینے والے تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ ہر طہر پر کیا معنی؟ (یعنی ہر طہر میں طلاق دینا تو دور کی بات ہے) جبکہ مطلق طلاق دینے کو ہی شرعاً ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ نہ وجوب ہے نہ استحباب ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ طہر کو وقت نماز کی طرح تسلیم کر لینے سے ایک طہر میں متعدد طلاقیں دینے کا جواز ثابت ہوگا۔ جیسے کسی شخص کی متعدد نمازیں قضاء ہو جائیں۔ (جنہیں وہ ان کے اوقات میں ادا نہیں کر سکا تھا) تو وہ ان قضاء شدہ نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کر سکتا ہے۔ جن طہروں میں (بقول لامذہبیت) طلاقیں فوت ہو گئی ہیں، آئندہ طہر میں سب کو بیک وقت واقع کر سکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ طلاقوں کی قضاء نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ طلاق کے لئے طہر کی وہ حیثیت نہیں جو حیثیت نماز کے لئے اوقات صلوۃ کی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

غیر مقلدین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنے اس فیصلہ پر کہ "ایک مجلس میں تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔" بعد میں نادم ہو گئے تھے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ بالکل افتراء اور جھوٹ ہے۔ چنانچہ کتاب الاشفاق میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے تین طلاق والے فیصلے پر پشیمان ہونے کی روایت غلط اور باطل ہے۔ من گھڑت اور موضوع ہے۔ اس کی سند میں خالد بن یزید بن ابی مالک ہے جو اپنے والد کے بارے میں بھی جھوٹ بولتے تھے۔ یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ خالد بن یزید اپنے باپ پر جھوٹ

بولنے پر بھی اکتفا نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے صحابہ کرامؓ پر بھی جھوٹ باندھا ہے اور اس کی کتاب "الدیات" اس کے لائق ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے۔ (کتاب الاشفاق ص۵۸) قال احمد لیس بشیء قال النسائی غیر ثقة قال الدار قطنی ضعیف قال ابن ابی الحواری سمعت ابن معین بالشام کتاب ینبغی ان یدفن کتاب الدیات لخالد بن یزید بن ابی مالك لم یرض ان یکذب علی ابیه حتی کذب علی الصحابة ھٰکذا فی میزان الاعتدال۔ (میزان الاعتدال ص ۳۰۳' ج۱)

دوسرا جواب :

یہ ہے اگر یہ حدیث یا روایت مان بھی لی جاوے تو وہ مطلق ہے۔ اس میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ صرف یہ ہے کہ "طلاق کے مسئلے پر ندامت ہوئی۔" اب وہ کون سا مسئلہ تھا متعین نہیں۔ لہٰذا اسی مسئلے کو روایت کا مصداق بنانا ترجیح بلا مرجح ہے۔

تیسرا جواب :

حضرت عمرؓ کے دور میں اس فیصلے کو نقل کرنے والے حضرت ابن عباسؓ خود بھی تین طلاقوں کا فیصلہ فرماتے تھے۔ چاہے ایک مجلس کی ہوں۔ ایسے کئی فتاویٰ ان کی کتابوں میں منقول ہیں۔ حتیٰ کہ خود علامہ ابن قیم جوزیؒ نے بھی باوجود اس تشدد کے جو ان کو اس مسئلہ میں تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کے اس فتویٰ کا انکار نہیں کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہیں۔ اس کے بعد رجوع جائز نہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ : "فقد صح بلا شك عن ابن مسعودؓ و علیؓ و ابن عباسؓ الالزام بالثلاث ان اوقعها جملةً۔ (اغاثة اللهفان ص۱۷۹' ج۱) نیز اعلام الموقعین میں بھی ہے کہ ان حضرات سے بلا شک یہ بات ثابت ہے کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو تین ہی لازم ہوں گی۔

ایک اعتراض کا حل

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کے مذہب پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے مجبوری کی حالت میں امام شافعیؒ کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے جن کے نزدیک تین ایک ہیں؟

الجواب :

حضرات فقہائے عظام نے بدرجہ مجبوری اگر اس کی اجازت دی ہے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ ائمہ متبوعین میں سے کسی کا معتمد قول تو موجود ہو۔ یہاں تو سرے سے ائمہ متبوعین میں سے کسی کا یہ مذہب ہی نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور تینوں دوسرے اماموں اور مجتہدین کے نزدیک تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ تو اس اجماعی اور متفقہ مسئلے کو چھوڑ کر کسی شاذ، گرے پڑے مردود قول پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔

نیز قرآن و سنت کے تمام احکامات کو حضرات ائمہ مجتہدین اور ارباب مذاہب نے ایک خاص ترتیب کے ساتھ مدون کرکے امت تک پہنچا دیا ہے۔ اب اصل مسئلہ "شریعت کی تنفیذ" کا ہے، تعبیر کا نہیں۔ لیکن "لادین عناصر" تعبیر شریعت کے مخمصے میں الجھا کر قوم کو تنفیذ شریعت سے محروم کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ قرآن و سنت کے احکام کی تعبیر و تشریح کا حق کس کو حاصل ہے۔ اس میں اہل عقل و انصاف کے نزدیک دو رائے نہیں ہو سکتیں۔ "برٹش قوانین" کی تشریح کا حق اس کے ماہرین کو حاصل ہے۔ سائنسی امور میں سائنسدانوں کا قول معتبر ہے۔ طب قدیم اور جدید میں اس کے ماہرین کا فیصلہ تسلیم کیا جائے گا۔ پس بالکل واضح بات ہے کہ قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر میں ماہرین شریعت کا فیصلہ واجب التسلیم ہوگا۔

کسی بڑے سے بڑے انجینئر یا سائنس دان کو عدالت عالیہ میں بحیثیت قانون

دان پیش ہونے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اس کی تحقیق کوئی قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے ہی ائمہ مجتہدین کے مقابلے میں کسی اور غیر مجتہد کو قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

حلالہ

اللہ تعالیٰ نے شرعی احکام بیان کرتے ہوئے طلاق کے متعلق سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ ایک طلاق دے کر اگر ندامت ہو تو رجوع کرلے۔ وبعولتهن احق بردهن فی ذلك ان ارادوا اصلاحا۔ کہ ایک طلاق کے بعد رجوع کرسکتا ہے۔ پھر آگے اس کی حد کو بیان فرمایا کہ جتنی طلاقوں کے بعد رجوع ممکن ہے وہ دو ہیں۔ الطلاق مرتان۔ چاہے الگ الگ دی ہوں یا اکٹھی۔ اس کے آگے فرمایا: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجا غيره۔ اس میں "فا" تاخیر بلا مہلت کے لئے ہے کہ تیسری طلاق کے بعد رجعت کا خاوند کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اب وہ عورت اس خاوند کے لئے حلال نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر سے نکاح کرے (اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرے۔ اس کے بعد وہ مرجائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تب یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی۔ اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کرسکے گا) یہ حلالہ شرعی ہے۔

اور تین طلاقیں دینے کے بعد عورت کا کسی کے ساتھ اس شرط پر نکاح کرلینا "کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے" باطل ہے۔ اور حدیث شریف میں ایسا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ البتہ ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ مستدرک حاکم اور ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : "لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ۔" یہ حدیث غیر مقلدین پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو ہماری دلیل ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے باوجود لعنت کرنے کے ان کو حلال کرنے والا فرمایا۔ حرام کرنے والا نہیں فرمایا اور شوہر اول کے لئے بھی اسی قسم کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ لہٰذا یہ حدیث ہمارے مذہب کے عین مطابق ہے۔ ہم مکمل حدیث پر عمل کرتے ہیں اور غیر مقلد آدھی پر۔ اس لئے کہ یہ شرط لگانا ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اور موجب لعنت ہے۔ اس کے جواز کا قول فقہ حنفی کے کسی بھی معتمد عالم نے نہیں کیا اور نہ ہی فقہ حنفی کی کسی کتاب میں اس کو جائز لکھا گیا ہے۔ تو ہمارے نزدیک عدم جواز تو ہے مگر نفاذ ہو جاتا ہے۔ یعنی ایسا کرنا جائز تو نہیں' البتہ اگر کوئی ایسا کر دے تو شرط باطل ہوگی اور نکاح صحیح شمار ہو کر عورت زوج اول کے لئے حلال ہوگی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے' لیکن اگر کوئی دیدے تو واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی یہ شرط لگانا تو باطل ہے۔ اگر وہ خود ان کا گھر آباد کرنے کے لئے طلاق دے دے تو جائز ہے۔ اور حلالہ کے خلاف شور مچانے میں غیر مقلدین کا مقصد صرف۔اور صرف قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ اور اجماع سے بغاوت کے راستے کو ہموار کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت' اجماع کی صحیح تدوین و ترتیب اور تشکیل ائمہ اربعہ نے ہی دی ہے۔ اس لئے ان چاروں مذاہب سے امت کو بدظن کرنا اور ہٹانا ان کا نصب العین ہے۔ اور شور یہ مچاتے ہیں کہ معین امام یا فقہ کو ماننے کا حکم قرآن و حدیث میں دکھاؤ۔ اس کے علاوہ جتنی بھی روایات وہ پیش کرتے ہیں سب میں حلال کرنے والا فرمایا گیا ہے۔ غرضیکہ وہ عورت زوج اول کے لئے اگر حلال نہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کو یہ الفاظ ارشاد نہ فرماتے۔ آپ کا اس کو محلل کہنا ثبوت حل پر دال ہے۔ اور یہ چیز صحت نکاح کی مقتضی ہے۔ البتہ مرتکب حرام ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔ اور پھر غیر مقلد لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ حلالے کے یہ یہ نقصان ہیں۔ حالانکہ حلالے کو وہ

خود بھی مانتے ہیں۔ جبکہ کسی آدمی نے ۳ ماہ یا ۳ طہروں میں ۳ طلاقیں دی ہوں تو ان کے نزدیک بھی وہ عورت زوج اول پر حرام ہوجاتی ہے۔ اور حلال ہونے کی صورت ان کے ہاں حلالہ ہی ہے۔ جیسا کہ ان کے رسالہ "الدعوۃ" وغیرہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح بعض اور صورتوں میں بھی ان کے ہاں حلالہ جائز ہے' بلکہ ان کے ہاں حلالہ سنٹر بھی موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ حلالہ کے جواز و عدم جواز کا نہیں' بلکہ ایک طہر میں تین طلاقیں دینے کی صورت میں اس کے جواز و عدم جواز کا ہے۔ اور اس مسئلے کو ہم قرآن و حدیث' اجماع و قیاس سے ثابت کرچکے ہیں۔ پس ان کا یہ شور مچانا لغو ہوا۔

بعض غیرمقلدین کہتے ہیں کہ عورت تو حرام ہے' لیکن اگر ہم فتویٰ نہ دیں تو بھی لوگ اسی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ فتویٰ نہ دیتے تو لوگ گناہ سمجھ کر ایسا کرتے۔ ان فتووں کے حصول کے بعد وہ گناہ کو ساری عمر حلال سمجھ کر کر رہے ہیں' جس سے ایمان بھی رخصت ہوجاتا ہے۔

اور اگر دوسرے شوہر سے نکاح کے وقت طلاق دینے کی شرط نہ لگائی گئی لیکن اس کے دل میں ہو کہ صحبت کے بعد عورت کو طلاق دے دے گا' تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کی نیت ہو کہ دوسرے شوہر سے طلاق لے کر پہلے شوہر سے نکاح کرلوں تب بھی گناہ نہیں۔ ہاں بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کئے وہ عورت زوج اول پر قطعاً حرام ہے۔ اور پھر نکاح کے ساتھ پہلے کے لئے حلال ہونے کی صورت تب ہوگی جب زوج ثانی وطی بھی کرلے۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین کے ہاں آیت قرآنیہ میں نکاح بمعنی وطی کے ہے اور حضرت رفاعہ قرظیؓ کی بیوی کا واقعہ مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ "لا حتٰی یذوق عسیلتك و تذوقی عسیلتہٗ۔" (بخاری ص۷۹۱' ج ۲) اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔ اسی طرح نکاح صحیح کا ہونا شرط ہے۔ لان المطلق

ینصرف الی الکامل۔

اب اس مسئلے پر تو اجماع ہے کہ حلالہ سے زوج اول کو تین طلاقوں کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب کہ حرمت مغلظہ کے ثبوت کے بعد حلالہ کیا گیا ہو۔ البتہ اگر ایک یا دو طلاقوں کے بعد عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے تو اس کے فوت ہونے کے بعد یا از خود طلاق دینے اور عدت گزارنے کے بعد زوج اول سے دوبارہ نکاح کر لے۔ زوج اول کو اب بقیہ طلاقوں کا اختیار ہوگا یا مکمل تین کا' اس میں شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے ہاں تین سے باقی ماندہ کا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زوج ثانی کی وطی کو حرمت مغلظہ کے لئے منتہی اور غایت بنایا ہے۔ اور اس کے ثبوت سے پہلے انتہاء اور غایت کیسے بن سکتی ہے۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ زوج ثانی کی وطی زوج اول کے لئے محلل ہے۔ فلا جناح علیھما ان یترا جعا۔ اور آپ ﷺ نے بھی اس کو محلل کہا ہے اور حل میں اصل یہ ہے کہ حل کا مُحِلّ ہو۔ پس وہ تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ نیز جب وطی زوج ثانی حرمت غلیظہ کو ختم کر دیتی ہے تو حرمت خفیفہ کو تو بدرجہ اولیٰ ختم کر دے گی۔ لیکن زوج ثانی کے نکاح کے بعد وہ عورت زوج اول پر قطعاً حرام ہے۔

اور غیر مقلدین نے اس گناہ کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ وہ تین طلاقوں کے بعد بھی بغیر حلالہ کے زوج اول کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جو قرآن و سنت و اجماع کے بالکل خلاف ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حلالہ سے بے حیائی پھیلے گی۔ حالانکہ اگر اس حکم پر پختگی کے ساتھ عمل کیا جاوے تو پھر تین طلاقیں دینے کا کوئی نام نہ لے۔ جس طرح چوروں اور دیگر مجرموں کو حد نہ لگا کر ان کو جرأت دلائی جاتی ہے اسی طرح شریعت کی مقرر کردہ یہ سزا نہ لگا کر لوگوں کو تین طلاقیں دینے کی جرأت دلائی جاتی ہے۔

الغرض حلالے کے خلاف غیر مقلدین کا پروپیگنڈہ دراصل قرآن و سنت سے ثابت شدہ ایک اجماعی مسئلے کے خلاف شرمناک جھوٹی مہم ہے۔ اس مسئلے کا ماخذ قرآن

پاک کی یہ آیت ہے : فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجًا غیرہ۔ (البقرہ)۔

اور پھر بخاری شریف وغیرہ صحاح ستہ میں مروی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کا ماخذ ہے۔ جس میں حضرت رفاعہؓ کی بیوی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس پر اجماع بھی منعقد ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

سنگسار کیا جائے

امام زہری اور قتادہ رحمہم اللہ کا فیصلہ

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ اگر کسی شخص نے سفر میں اپنی بیوی کو دو گواہوں کے سامنے تین طلاقیں دے دیں اور وطن واپس آنے کے بعد اس نے اپنی بیوی سے وطی کی۔ اس پر گواہوں نے کہا کہ وہ ہمارے سامنے تین طلاقیں دے چکا ہے تو اس صورت میں زہری اور قتادہ نے کہا کہ اگر شوہر یہ حلف اٹھائے کہ ان دونوں نے مجھ پر جھوٹی گواہی دی ہے تب تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور مرد و عورت میں علیحدگی کر دی جائے گی۔ اور اگر مرد نے اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے طلاق دی ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۹، ج ۷)

مزید تائید :

فتاویٰ عالمگیری میں ہے : ولو طلقھا ثلاثا ثم راجعھا ثم وطئھا بعد مضی المدۃ یحد اجماعًا۔ یعنی اگر کسی شخص نے تین طلاقیں دیں، پھر رجوع کر لیا اور عدت گزارنے کے بعد مطلقہ سے جماع کیا تو اس پر بالاجماع حد زنا جاری ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۴۸، ج ۲)

تین طلاق کے بعد رجعت کا فتویٰ دینے والے کا حکم

امام زہریؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر کسی نے فتویٰ دیا کہ رجوع کرلو۔ اس بناء پر اس نے مطلقہ سے وطی کرلی تو جس نے فتویٰ دیا ہے اس کو عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ اور مرد و عورت کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔ اور اس ناجائز وطی کا تاوان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۴۰، ج ۷)

علامہ ابن حزم نے بھی اس مسئلے میں غیر مقلدین سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک بھی ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اور ان کے نزدیک بنیت تحلیل نکاح کرنا بھی صحیح ہے۔ حتی ان اشترط ذٰلك علیه قبل العقد فهو لغو من القول ولم ینعقد النکاح الا صحیحًا بریئًا من کل شرط۔ (محلی ابن حزم ص ۱۸۳، ج ۱۰)

مسئلہ :

تین طلاق کے بارے میں قرآن و سنت، آثار صحابہؓ و تابعین، مفسرین، محدثین، ائمہ مجتہدین، اجماع امت کی تصریحات پیش کی گئی ہیں۔ نیز غیر مقلدین کے عقلی و نقلی شبہات کے ازالے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازیں اور خطائیں معاف فرمائیں، آمین۔

یہود و نصاریٰ اسلام کے ازلی دشمن ہیں۔ صلیبی جنگوں میں شکست فاش کی ذلت اٹھانے کے بعد ان کے زعماء نے اسلام کے خلاف غلیظ جھوٹے پراپیگنڈے اور

تشکیکات کا محاذ کھول دیا۔ پیغمبر اسلام سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس شخصیت کے خلاف یورپ میں اتنا لٹریچر لکھا گیا' جس کی فہرست کے لئے کئی الماریاں درکار ہیں اور پھر تحقیق اور ریسرچ کے نام پر اسلامی مسائل کو تختۂ مشق بنایا گیا۔ ان کا طریقہ واردات ہے کہ ان "تحقیقات" میں حسب موقع تشکیک کے زہر کی خاص مقدار شامل کرکے اپنے بے پناہ وسائل کے' ذریعہ عالم اسلام میں پھیلا دیا جاتا ہے۔ فرنگیت زدہ ذہنی غلامی میں مبتلا طبقہ ان تشکیکات کو بڑی قدر دانی سے لیتا ہے اور دشمن کے مقاصد کی تکمیل میں اس کا دست و بازو بن جاتا ہے۔ ان کے علاوہ نام نہاد دین پسند لوگوں کی ایک جماعت اور ایک گروہ ہے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر دشمنان اسلام مستشرقین کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اور تحقیق کے نام پر تشکیک کے جراثیم چھوڑ کر عوام کو دین سے دور کر رہا ہے۔ تین طلاق جیسے دینی متفقہ مسائل کے بارے میں ابنائے زمانہ کی تشکیکی سرگرمیاں بھی بندہ کے نزدیک اسی زمرے میں آتی ہیں۔ جبکہ الحاد و زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ عوام کو عمل کی راہ پر ڈالا جاتا نہ یہ کہ "تشکیکات" کے ازالے کے لئے اہل حق کو مجبوراً جوابات لکھنے کی نوبت آتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشیں اور ہر قسم کی گمراہیوں اور فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھیں' آمین۔

مآخذ: قرآن پاک۔ بخاری شریف۔ مسلم شریف۔ ابوداؤد شریف۔ نسائی شریف۔ ابن ماجہ شریف
مؤطا امام محمد۔ مؤطا امام مالک۔ تفسیر مظہری۔ تفسیر قرطبی۔ احکام القرآن للجصاص۔ تبیان الفرقان۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ زجاجۃ
المصابیح۔ طحاوی شریف۔ اعلاء السنن۔ انوار السنن۔ سنن دارقطنی۔ سنن سعید بن منصور۔ مسند عبدالرزاق۔ مصنف ابن ابی شیبہ
مرقاۃ المفاتیح۔ فتح الباری۔ عمدۃ القاری۔ نووی۔ التہذیب۔ میزان الاعتدال۔ تکملہ فتح الملہم۔ سنن کبریٰ۔ زاد المعاد۔ اغاثۃ
اللھفان۔ اعلام الموقعین۔ محلی ابن حزم۔ رد المحتار۔ الاشفاق۔ بذل المجہود۔ فتح القدیر۔ عمدۃ الرعایۃ۔ نیل الاوطار۔ کشف الغمہ
نور الانوار۔ الانصاف۔ اضواء البیان۔ احسن الفتاویٰ۔ فتاویٰ خیریہ۔ درمختار۔ ہندیہ۔ تیسیر القاری۔ بحر الرائق۔ بدایۃ المجتہد
بدائع الصنائع۔ مغنی ابن قدامہ۔ اصول کرخی۔ بہشتی زیور۔ کفایت المفتی۔ مجموعۃ الفتاویٰ۔ فتاویٰ دار العلوم۔ فتاویٰ عبدالحئی۔

تین طلاق اور حلالہ

مناظر اہلسنت حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب مدظلہ

برادران اسلام! اسلام ایک برحق اور فطری دین ہے۔ اس میں اصل اور نقل کا امتیاز نہایت واضح ہے۔ جس طرح اس دنیا میں نور کے مقابلہ میں تاریکی ہے' اسی طرح ایمان کے مقابلہ میں کفر' توحید کے مقابلہ میں شرک' سنت کے مقابلہ میں بدعت' اجتہاد کے مقابلہ میں الحاد' تقلید سلف کے مقابلہ میں ذہنی آوارگی اور نفس پرستی ہے۔ باطل نے حق کا پہلے انکار اس انداز میں کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی نبوت کا ہی انکار کیا جائے' لیکن کفر کی تمام طاقتیں مل کر بھی حق کا راستہ نہ روک سکیں اور چار دانگ عالم میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور نبوت کا ڈنکا بجنے لگا۔ حق غالب آگیا اور باطل دب گیا۔ تاہم باطل نے ہمت نہ ہاری' البتہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر حملہ آور ہوا اور یہ طریقہ اختیار کیا کہ اب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر براہ راست حملہ نہ کیا جائے۔ اور اسلام سے کفر براہ راست بھی نہ ٹکرائے' بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بظاہر کلمہ پڑھ لیا جائے اور پھر آپؐ کی تعریف' مگر آپؐ کے صحابہؓ کی تکذیب کردی جائے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے راوی ہیں۔ ان ہی کی روایات سے دلائل نبوت یعنی معجزات پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ اور یہی مقدس جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کے راوی اور سنت نبویؐ کے عملی نمونے ہیں۔ اگر ان حضرات کو معاذ اللہ

جھوٹے ثابت کردیا جائے تو نہ ہی دنیا کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کا ثبوت ہو سکے گا اور نہ ہی دلائل نبوت اور تعلیمات نبوت کا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ کو باقی رکھ کر آپ کے پورے دین کو مشکوک کردیا جائے گا۔ لیکن خلافت راشدہ کے سنہری دور نے اس حیلے کی بھی کمر توڑ کر رکھ دی۔ جب باطل نے دیکھا کہ اس حیلے میں بھی ہمیں خاص کامیابی نہیں ہوئی' اس لئے ان کو "تقیہ" کا لحاف اوڑھنا پڑا۔ تاہم باطل نے ہمت نہ ہاری اور ایک قدم اور پیچھے ہٹالیا اور ہوچاکہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت سے مسلمانوں کے دل بھرپور ہیں۔ خدا کی کتاب اور نبیؑ کی سنت اس مقدس جماعت کی عظمت اور ان کے بے مثال کارناموں سے پر ہے۔ اس لئے کتاب و سنت کے ماننے والوں کو صحابہ کرامؓ سے بدظن کرنا بہت مشکل ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ آج جو دین مکمل طور پر مدون شکل میں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور ہر جگہ عملاً متواتر ہے' یہ براہ راست صحابہ کرامؓ کا مدون کردہ نہیں' کیونکہ ان کی مقدس زندگیاں اکثر میدان جہاد میں گذر گئیں۔

اس مکمل دین کی تدوین کا سہرا ائمہ اربعہ کے سر پر ہے۔ ان ہی حضرات کے مقدس ہاتھوں سے دین حنیف کی تدوین ہوئی اور اس کو ہر طرح سے عملی تواتر اور غلبہ نصیب ہوا۔ ان میں سے بھی خصوصاً سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تدوین کو جو شہرت عام اور بقائے دوام نصیب ہوئی اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کی فقہ تقریباً بارہ سو سال تک اسلامی دنیا میں بطور قانون نافذ رہی۔ عباسی خلافت میں قاضی القضاۃ یعنی وزیر قانون سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عظیم شاگرد قاضی ابویوسف کو بنایا گیا۔ عباسی خلافت میں اکثر قاضی حنفی تھے۔ بعض باقی تین مذاہب کے۔ پھر سلجوقی' خوارزمی اور عثمانی خلافتیں خالص حنفی خلافتیں تھیں۔ تمام فتوحات کا سہرا بھی ان کے سر رہا اور فقہ حنفی بحیثیت قانون اسلامی نافذ رہی اور یہی خلافتیں خدمت حرمین شریفین کے شرف سے مشرف رہیں۔ فقہ اسلامی جو عروج اسلام کے دور میں صدیوں تک ہر

زمان و مکان کے مسائل کے حل کی مکمل صلاحیت رکھتی تھی۔ اب اس کے بارہ میں یہ آواز اٹھنے لگی کہ عروج اسلام کے دور میں تو یہ کار آمد تھی' لیکن آج مسلمانوں کی پریشانی کے دور میں یہ کام نہیں دے سکتی۔ اس میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس کا تواتر اور اس کی کاملیت مسلمانوں میں مغربی قوانین کے نفوذ سے مانع اور اس کی سرایت میں بہت بڑی رکاوٹ ہے ۔ اس لئے باطل نے سوچا کہ مذاہب اربعہ جو کتاب و سنت کی صحیح اور جامع تعبیر ہے اور مراد وحی کی متواتر تشکیل ہے خاص طور پر حنفیت جو کتاب و سنت کی سب سے پہلی تعبیر و تفصیل ہے اور اپنی جامعیت اور حقانیت کی وجہ سے خیرالقرون سے آج تک درساً اور عملاً متواتر ہے ان کا انکار کر دیا جائے تو نہ ہی قرآن پاک کی کوئی متواتر تعبیر دنیا کے سامنے رہ جائے گی اور نہ ہی سنت کی کوئی متواتر تفصیل دنیا کے ہاتھ میں رہے گی' نہ ہی صحابہ کرامؓ کے اعمال کا متواتر نقشہ کسی کے سامنے رہے گا۔ اس طرح متواتر فقہ سے بغاوت کے بعد قرآن و حدیث کو بچوں کا کھلونا بنا دیا جائے گا۔ ہر شخص کو اپنی خواہش نفس کی تعمیل کے لئے قرآن و حدیث کا نام استعمال کرنے کی کھلی چھٹی ہو گی۔ ہر شخص کا مذہب الگ الگ ہو گا۔

اس مقصد کے لئے یہودی لابی نے مستشرقین کی ایک کھیپ تیار کی کہ ان متواتر مذاہب سے خروج و بغاوت کی راہ ہموار کی جائے۔ انہوں نے ان متواتر مذاہب کے خلاف شاذ و مردود اقوال کی تلاش میں دن رات ایک کر دیا۔ متواتر قرآن کے مقابلہ میں شاذ و متروک قرائتیں عوام کے سامنے لا ڈالی گئیں۔ قرآن و سنت کی متواتر تعبیرات کے مقابلے میں شاذ تعبیرات کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متواتر کارناموں کو سبوتاژ کرنے کے لئے شاذ اور بے سند قصوں کو تلاش کیا گیا۔ ائمہ مذاہب کے متواتر مذاہب کے خلاف شاذ اقوال کا جال بُن دیا گیا اور ایسے لوگ پیدا کئے گئے جو خود مجتہد بن کر اکابر کے خلاف استخفاف' بدگمانی' بدزبانی کو ہی دین کی خدمت سمجھتے ہیں۔

حنفیت :

چونکہ اہل اسلام میں سب سے بڑی جماعت اہلسنت والجماعت کی ہے اور ان کے چار ہی مذہب ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ ان میں بھی سب سے زیادہ تعداد احناف کی ہے۔ الحمدللہ! اسلام کے عروج کی تاریخ میں سب سے زیادہ ملک انھوں نے کافروں سے فتح کرکے اسلامی سلطنت میں شریک کئے۔ ساری اسلامی سلطنت میں اسلامی قانون کو نافذ رکھا۔ سب کافروں سے جزیہ وصول کیا۔ آج بھی مسلمانوں میں یہی ایک مؤثر طاقت ہے، اس لئے یہودی لابی نے سب فرقوں کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔ تاکہ ان کو رات دن پریشان رکھا جائے اور مستشرقین کے مواد کو سمیٹ کر ائمہ متبوعین کے خلاف خروج و بغاوت کے لئے ایسے شاذ اقوال کا سہارا لیا جاتا ہے جو بعض لوگوں سے سہو یا غلطی سے صادر ہوئے اور امت میں ہمیشہ شاذ و متروک رہے۔ ان لوگوں کو آپ سوچھائیں کہ "مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّار" کی وعید سے خود بچو اور امت رسول ﷺ کو بچاؤ۔ مگر یہودی لابی کی نوازشات کی وجہ سے یہ اپنے اکابر سے بدظن اور مستشرقین کے تلاش کردہ شاذ اقوال کو قرآن و حدیث کے نام سے پیش کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ متواتر مذاہب کے مٹانے میں سب سے زیادہ کردار حضرات غیر مقلدین ادا کر رہے ہیں۔ عام لوگوں میں یہ تاثر ہے کہ یہ لوگ صرف فقہ حنفی کو نہیں مانتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ کے متفقہ مسائل کو بھی مٹاتے ہیں اور ائمہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع تک کی مخالفت کو اپنا دین سمجھتے ہیں۔ قرآن و سنت کی تشریحات میں ارشادات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تعبیرات ائمہ کرام کی مخالفت کرکے مستشرقین سے برآمد شدہ شاذ مسائل کو پھیلانا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔

مسئلہ طلاق :

ایسے ہی مسائل میں سے ایک مسئلہ طلاق ہے۔ یہود کے ہاں طلاق کی کوئی تحدید نہیں۔ جتنی طلاقیں چاہے خاوند دیتا رہے اور رجوع کرتا رہے' نہ بیچاری کو بسائے نہ آزاد کرے۔ اس کے برعکس عیسائی مذہب کے ہاں طلاق جائز ہی نہیں۔ اسلام میں نہ ہی یہود کی طرح کھلی چھٹی ہے اور نہ ہی عیسائیت کی طرح بالکل ممانعت۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جو تعلقات خدا کے جوڑے ہوئے ہیں ان کو انسان توڑنے کا حق نہیں رکھتا' جیسے باپ بیٹے اور بھائی بہن کا تعلق۔ باپ سو مرتبہ کہے کہ تو میرا بیٹا نہیں' وہ پھر بھی بیٹا ہی رہتا ہے۔ بھائی سو مرتبہ کہے تو میری بہن نہیں' وہ پھر بھی بہن ہی رہتی ہے۔ لیکن جو تعلقات انسان خود جوڑتا ہے وہ جس مقصد کے لئے جوڑے اگر وہ مقصد حاصل نہ ہو رہا ہو' کوئی پریشانی ہو تو اس کے توڑنے کا بھی انسان کو اختیار ہے۔ مثلاً میاں بیوی کا تعلق انسان نے خود جوڑا ہے تاکہ زندگی کا سکون و چین نصیب ہو' لیکن اگر آپس میں بالکل نہ بنتی ہو تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں : اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَاللّٰہِ الطَّلَاقُ (ابوداؤد ا-۱۶۶) کہ حلال باتوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند طلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں : اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ (البقرہ:۲۲۹) طلاق دو مرتبہ ہے' پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے یا آزاد کردینا ہے اچھے طریقے سے۔

گویا دو طلاقوں کے بعد مرد کو دو اختیار رہیے۔ اگر وہ اس کو پھر اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے تو معروف طریق سے روک لے۔ مثلاً طلاق رجعی ہے اور عدت باقی ہے تو رجوع کرلے' اور اگر طلاق رجعی کی عدت ختم ہوگئی یا طلاق بائن ہے تو عورت کی رضامندی سے دوبارہ اس سے نکاح کرلے۔ اور اگر یہ نہ چاہے تو اس کو جانے دے۔ لیکن اگر مرد نے تین طلاقیں دے دیں تو ارشاد باری تعالیٰ ہے : فان طلقھا فلا تحل لہٗ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ پس اگر تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ

عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ اس لئے ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تین طلاق جس طرح بھی دی جائیں وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ اب جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پھر وہ طلاق دے تو اس کی عدت گزار کر یہ پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہودی مذہب میں تین طلاق کے بعد بھی بیوی سے رجوع کا حق ہے۔ یہود سے یہ مسئلہ روافض نے لے لیا (غنیۃ الطالبین) ہمارے غیر مقلدین حضرات نے ایک نئی تقسیم کر لی کہ اگر خاوند تین طہروں میں تین طلاقیں دے پھر تو حلالہ شرعی کے بغیر عورت پہلے خاوند کے پاس نہیں آسکتی۔ لیکن اگر تین طلاقیں ایک مجلس میں دے تو وہ ایک طلاق گنی جائے گی۔ خاوند کو رجوع کا حق ہے۔ اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ اہل اسلام کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ مگر مرزائیوں نے ایک تقسیم کر لی ہے کہ آپ کے بعد صاحب شریعت نبی تو نہیں آسکتا البتہ غیر تشریعی نبی آسکتا ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین نے تین طلاق کے مسئلہ میں تقسیم کر لی کہ بعض قسم کی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں' اور بعض قسم کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کا فرض ہے کہ اپنے دعویٰ کے دونوں حصوں پر وہ کتاب وسنت سے واضح دلیل دیں۔ وہ پہلے حصے میں ائمہ اربعہ سے متفق ہیں اور دوسرے حصے میں یہود اور روافض سے۔ ہم موضوع کی وضاحت کے لئے ان سے چند سوالات پوچھتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ ہر سوال کا جواب صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے دیں گے۔

(۱) طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یا ناپسند؟ ناپسند ہونے کے باوجود طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲) ایک عورت خدا اور رسول کے ساتھ خاوند کی بھی پوری تابعدار ہے' مگر خاوند کی نظر کسی اور طرف لگ گئی ہے۔ اب وہ اس بیوی کو محض بلا قصور طلاق دے دیتا

ہے۔ اس مرد کو اس طلاق دینے پر کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ اس گناہ پر کیا حد شرعی ہے اور اس گناہ کے باوجود طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

(۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس طہر میں صحبت کر چکا ہو اس میں طلاق دینی حرام ہے (دارقطنی ج ۴ ص ۵) کیا اس حرام طلاق دینے پر مرد کو گناہ ہو گا یا نہیں؟ اور یہ حرام طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی فرماتے ہیں کہ بیوی کو حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے (دارقطنی ج ۴ ص ۵) اب کسی نے حالت حیض میں طلاق دی تو یہ حرام طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۵) ایک مرد کو تین طلاقوں کا اختیار ہے۔ وہ کس طرح طلاق دے کہ تین ہی واقع ہو جائیں؟

(۶) ایک شخص نے تین طہروں میں عورت کو تین طلاقیں دیں۔ اب وہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو حالہ شرعی کے بغیر کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۷) وہ عورت غیر مقلدین کا "الدعوۃ" رسالہ پڑھ کر کہتی ہے کہ تین طلاقیں دینا مرد کا قصور ہے۔ میں حلالہ کیوں کرواؤں، مجھے سزا کیوں؟ دیکھو "الدعوۃ" والا بھی کہتا ہے تیسری طلاق کے بعد اب دونوں میاں بیوی کا معاملہ بالکل ختم ہو گیا۔ اب کبھی ملاپ نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک شکل باقی ہے۔ وہ یہ کہ طلاق یافتہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ حق زوجیت ادا کرے۔ اس کے ساتھ پہلے سے طے نہ ہو کہ ایک رات یا چند راتیں گزار کر یہ نیا خاوند اسے طلاق دے گا۔ ہاں البتہ اتفاق سے ان کی بھی آپس میں نہ بنے اور وہ مرد بھی اسے طلاق دے دے یا وہ خاوند ویسے ہی فوت ہو جائے تو پھر یہ عورت اور پہلا مرد اگر چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ رہنمائی ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن میں کر رہے ہیں۔ خط کشیدہ الفاظ کا ترجمہ ہمیں قرآن میں نہیں ملا۔ ایڈیٹر الدعوۃ نے قرآن پر جھوٹ بولا ہے۔ اسی طرح یا وہ خاوند ویسے ہی فوت ہو جائے، یہ

بھی قرآن پاک کی کسی آیت کا ترجمہ نہیں ہے۔ وہاں تو صرف طلاق دینے کا ذکر ہے۔

قیاس :

ہاں فقہاء اسلام نے قیاس سے یہ کہا ہے کہ اگر دوسرا خاوند فوت ہو جائے یا عورت اس سے نکاح فسخ کرالے یا خلع کرالے تو پھر وہ عدت گزارنے کے بعد پہلے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

طلاق کا بہترین طریقہ :

طلاق کا بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ مرد ایک طلاق رجعی دے دے' اس کے بعد رجوع کو دل نہ چاہے تو عدت کے بعد وہ عورت آزاد ہے۔ وہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو بھی درست ہے۔ اور ان دونوں میں کوئی صلح کی صورت ہو جائے تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو یہ گناہ ہے۔ عن محمود بن لبیدؓ قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجلٍ طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبانا ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهر كم حتى قام رجل وقال يا رسول الله الا اقتله (نسائی ۲:۲۹) "حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ ؐ سخت غصے کی حالت میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضرت! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں۔"

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ تین طلاق دینا خدا تعالیٰ کی پاک کتاب کے ساتھ کھیلنا اور آنحضرت ﷺ کو سخت ناراض کرنا ہے۔ مگر اس کے برعکس آپ تجربہ کر کے دیکھیں کہ جب غیر مقلدین سنتے ہیں کہ فلاں آدمی نے تین طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں تو ان کو عید سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں' اس کا استقبال کیا جاتا ہے :

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جو فرقہ خدا اور رسول کی ناراضگی میں اپنی خوشیاں تلاش کرتا ہو اس کا دین معلوم ہوگیا۔ اس حدیث سے تو پتہ چلا کہ اگر تین طلاقیں ایک ہی ہوتیں تو آپ ؐ اتنے ناراض کیوں ہوتے۔ آپ نہیں دکھا سکتے کہ حضور ﷺ نے کبھی ایک طلاق پر ناراضگی فرمائی ہو' یا اسے استہزاء بکتاب اللہ فرمایا ہو' بلکہ جب آپ کو خبر دی گئی کہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دی ہیں تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کو تین نہ کہو ایک کہو۔ جب آپ نے ان کے تین کہنے پر تین کو ہی برقرار رکھا تو اسی لئے امام قرطبی احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین کو ہی نافذ فرمایا۔

غیر مقلدین کا قرآن سے اختلاف :

غیر مقلدین اس بات پر تو آیت پڑھتے ہیں کہ طلاق طہر میں دینی چاہیئے فطلقوھن لعدتھن۔ اور اللہ تعالیٰ نے طلاق کی حد بیان کردی ہے اور وہ یہ کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے' دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے میں تیسری۔ ان کی اس بات سے ہمیں بھی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر کسی نے یہ حد توڑ دی اور ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہوں گی یا نہیں؟

حدیث :

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی (جو منع اور گناہ تھی) تو آنحضرت ﷺ نے انہیں فرمایا کہ اس طلاق سے رجوع کرلو (کیونکہ یہ گناہ ہونے کے باوجود طلاق نافذ ہوچکی) اور انتظار کر یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو' پھر اس کو دوسرا حیض آئے' پھر پاک ہو تو اس سے جماع کئے بغیر اس کو طلاق دے۔ یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی حیض میں طلاق کا مسئلہ پوچھتا تو فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا تھا' اور اگر تو ایک ہی حیض میں تین

طلاقیں دے چکا تو تو نے (تین اکٹھی طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی بھی کی اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہو گئی (مسلم، ج ا، ص ۴۷۶)

○ اس سے صاف معلوم ہوا کہ غیر شرعی طلاقیں بھی نافذ ہو جاتی ہیں۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید احادیث مطالعہ فرمائیں۔

غیر مقلدین کی قرآن وحدیث سے بغاوت :

امام بخاری نے ج ۲، ص ۷۹۱ پر ایک باب باندھا ہے: باب من اجاز طلاق الثلاث اور اپنی عادت کے موافق اس مسئلہ پر پہلے قرآن سے استدلال فرمایا ہے۔ الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان۔ طلاق دو مرتبہ ہوتی ہے، پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے یا آزاد کر دینا اچھے طریقے سے۔ یعنی جب دو طلاقوں کا جمع کرنا صحیح ہے، جبکہ مرتان کے لفظ کو دو پر محمول کیا جائے، جیسا کہ ارشاد خداوندی نؤتها اجرها مرتين میں ہے امام بخاری کی طرح ابن حزم اور کرمانی نے بھی یہی استدلال کیا ہے کہ جب اس کا معنی مرة بعد مرة ہے تو جب دو جمع ہو سکتی ہیں تو تین بھی جمع ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ آج تک کوئی شخص نہیں پایا گیا جس نے دو اور تین کے وقوع کی صحت میں فرق کیا ہو۔ اس کے بعد متصلاً امام بخاری نے حدیث لعان کا ذکر فرمایا ہے۔

ا- حدیث لعانؒ :

حضرت ابو درداء نے روایت کیا ہے فطلقها ثلاثا قبل ان يامره رسول الله صلى الله عليه وسلم (بخاری ج ۲، ص ۷۹۱) کہ آپ کے حکم سے پہلے ہی اسی ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ دور نبوت میں ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع میں شک نہیں رکھتے تھے اور کسی روایت میں نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نکیر فرمائی ہو۔ پس یہ حدیث تین طلاق بیک لفظ واقع ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ لوگ تین طلاق کا بلفظ

واحد واقع ہونا سمجھتے رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح نہ فرمائیں۔ اس حدیث سے پوری امت نے یہی سمجھا۔ امام بخاریؒ اور ابن حزم نے بھی یہی سمجھا ہے۔

۲- حدیث عائشہؓ :

امام بخاری نے اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق بتہ دی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ تین طلاقیں دیں (اس سے بظاہر یہی معلوم ہوا کہ جیسا کہ بتہ کا لفظ ایک ہی کلمہ ہے۔ اس نے ایک ہی کلمے سے تین طلاقیں دی تھیں)۔ اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن الزبیر قرظیؓ سے نکاح کر لیا، لیکن وہ ناکارہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا شاید تو دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ جب تک وہ تیری مٹھاس نہ چکھے اور تو اس کی مٹھاس نہ چکھے۔ (بخاری ج ۲، ص ۷۹۱) اب دیکھئے اس عورت نے دوسرا نکاح کیا، اس لئے تھا کہ پھر پہلے خاوند کے پاس جاسکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ مٹھاس چکھے بغیر نہیں جاسکتی۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اتفقوا علٰی ان تغیب الحشفة فی قبلها کاف فی ذلك (حاشیہ بخاری) کہ اس پر اتفاق ہے صرف دخول کافی ہے حلال ہونے کے لئے۔ ان زبان درازوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو ساری امت کو حلالی مولوی کہہ کر اپنے حرامی ہونے پر مہر لگاتے ہیں۔

۳- حدیث امام حسن بصریؒ :

روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایام ماہواری میں طلاق دے دی تھی۔ بعد ازاں انہوں نے دو طہروں میں دو مزید طلاقیں دینے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا : ابن عمر تجھے اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم نہیں دیا۔ تو نے سنت سے تجاوز کیا۔

سنت یہ ہے کہ تو طہر کا انتظار کرے' پھر ہر طہر میں طلاق دے۔ پس آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس سے رجوع کرلوں۔ چنانچہ میں نے رجوع کرلیا۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ جب وہ پاک ہو جائے تب تمہارا جی چاہے تو طلاق دے دینا اور جی چاہے تو روک رکھنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمایئے کہ اگر میں نے اسے تین طلاقیں دے دی ہوتیں تو میرے لئے اس سے رجوع کرنا حلال ہوتا؟ فرمایا نہیں' وہ تجھ سے بائنہ ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا۔ (کیونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے) (طبرانی بحوالہ الاشفاق)

نوٹ : یاد رہے طبرانی کی سند میں شعیب نے براہ راست امام حسن بصری سے اس کو روایت کیا ہے نہ کہ بواسطہ عطاء خراسانی' کیونکہ اس کی دونوں سے ملاقات ہے۔

۴۔ حضرت عبادہؓ :

روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جس نے ہزار طلاقیں دیں فرمایا کہ تین کا تو اسے حق حاصل ہے اور باقی ۹۹۷ عدوان اور ظلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس پر گرفت فرمائیں' چاہیں تو معاف فرمادیں (طبرانی بحوالہ الاشفاق)

۵۔ حضرت سوید بن غفلہؓ :

روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن بن علیؓ کی ایک بیوی عائشہ خثعمیہ نامی تھی۔ امام حسن نے اسے فرمایا : اذھبی فانت طالق ثلاثا جا تجھے تین طلاقیں۔ جب اس کی عدت ختم ہوگئی تو اس کو دس ہزار بھیجے۔ اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا : متاع قلیل من حبیب مفارق۔ امام حسن کو جب یہ بات پہنچی تو وہ رو دیئے اور فرمایا : "اگر میں نے حضور ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں' خواہ ہر پاکی میں یا اکٹھی تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ لَرَاجَعْتُھَا تو میں اس کو واپس کرلیتا (دارقطنی ۳:۱۳) امام حسنؓ تو رو دیئے ہیں۔ ان کے پاس اس کے رکھنے کا کوئی جواز

نہیں۔ اس زمانہ میں نہ غیر مقلدین تھے نہ ان کا دفتر الدعوۃ کہ وہ کسی عورت سے پوچھ کر وہاں حاضری دیتے اور شرعی حرام بیوی کو دوبارہ لے جاتے۔

۷- حدیث حضرت رکانہ ؓ :

فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی ہے (چونکہ بتہ میں ایک کی نیت بھی ہو سکتی ہے اور تین کی بھی اور نیت دل میں پوشیدہ تھی) تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیری نیت اس لفظ سے کتنی طلاقوں کی تھی؟ میں نے کہا ایک طلاق کی۔ آپ ؐ نے فرمایا کیا خداوند قدوس کی قسم کھا کر یہی کہہ سکتے ہو ؟ میں نے خداوند قدوس کی قسم کھا کر یہی کہا۔ آپ ؐ نے فرمایا پس وہی ہے جو تو نے نیت کی (ترمذی ۱-۲۲۲' ابوداؤد ۱-۳۰۰' وقال ابوداؤد هذا اصح من حديث ابن جريج ان ركانة طلق امرأته ثلاثًا لانهم اهل بيته وهم اعلم به (دارقطنی ۳-۳۲ قال صحیح) اس حدیث پاک سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر طلاق دینے والا زبان پر تین کا لفظ بھی نہ لائے۔ ایسا لفظ لائے جس کی دل میں تین کی نیت ہو سکتی ہو تو بھی تین کی نیت کرنے سے تین ہی واقع ہو جائیں گی۔ پھر جب زبان و قلم پر تین آجائیں تو وہ تین کیوں نہ ہوں گی۔

۷- حدیث امام اعمش ؒ :

فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے علی بن ابی طالب ؓ سے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا۔ لوگوں کی اس کے پاس ڈار لگی ہوئی تھی۔ آتے تھے اور اس سے یہ حدیث سنتے تھے۔ میں بھی اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم نے حضرت علی ؓ سے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا؟ میں نے کہا آپ نے یہ بات حضرت علی ؓ سے کہاں سنی ہے؟ بولا میں تجھے اپنی کتاب نکال کر دکھا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی

کتاب نکالی۔ اس میں لکھا تھا : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ تحریر ہے جو میں نے حضرت علیؓ سے سنی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو وہ اس سے بائنہ ہو جائے گی اور اس کے لئے حلال نہ رہے گی۔ یہاں تک کہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے۔ میں نے کہا تیرا ناس ہو جائے' تحریر کچھ اور ہے اور تو بیان کچھ اور کرتا ہے۔ بولا صحیح تو یہی ہے۔ لیکن یہ لوگ (شیعہ) مجھ سے یہی چاہتے ہیں (بیہقی)

۸- حدیث حضرت محمود بن لبیدؓ :

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارہ میں بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ سخت غصے کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے عرض کیا حضرت! کیا میں اسے قتل نہ کردوں (نسائی)۔

حضرات! قرآن وسنت آپ کے سامنے ہے کہ ایک دفعہ تین طلاقیں دینے والا' حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ظالم ہے۔ آیات اللہ سے استہزاء کرنے والا ہے۔ اللہ اور رسول اس سے سخت ناراض ہیں۔ اس لئے اللہ ورسول نے اس کے لئے کوئی مخرج نہیں رکھا۔ اس کو دنیا میں یہ سزا دی ہے کہ اس کی بیوی اب جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے یہ اس کو دوبارہ نہیں رکھ سکتا۔ اور آخرت میں بھی وہ اس گناہ' ظلم اور آیات الٰہی سے استہزاء کی سزا کا مستحق ہے۔ مگر ایسے شخص سے غیر مقلد خوش ہے۔ وہ اسے ترغیب دیتا ہے تو نے خدا کی حدیں توڑ دی ہیں' حنفی تجھے پسند نہیں کرتے۔ آ خدا کی حدیں توڑنے والے کی پناہ گاہ ہمارا ہی فرقہ ہے' تجھے خدا نے اپنی کتاب میں ظالم کہا' تجھ سے اللہ کا رسول ناراض ہو گیا۔ دل نہ چھوڑ ہمارا فرقہ ہی ظالموں کا ہے۔ جس سے اللہ کا رسول ناراض ہو جائے اسے ہمارے فرقے کے سوا کون قبول کرے گا۔ تو نے اگر اللہ کی آیات کا استہزاء اڑایا ہے تو کیوں

گھبراتا ہے؟ جلدی ہمارے فرقے میں آجا۔ ہمارا تو روز مرہ کا کام ہی اللہ کی آیات سے استہزاء ہے۔ یہ حنفی اللہ و رسول کی باتوں میں آگئے ہیں۔ ان کے ہاں تیرے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ تجھے وہی سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے جو اللہ و رسول نے تیرے لئے تجویز کی ہے کہ تیری بیوی حرام ہے' جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ لیکن قربان جایئے ہمارے فرقے کے کہ جس کو اللہ و رسول وہ بیوی نہ دیں ہم دیتے ہیں' کون ہے روکنے والا۔ اے ظالم جاؤ خدا بے شک تم سے ناراض رہے۔ رسول تم سے ناراض رہے' تم میاں بیوی راضی رہو۔ ساری عمر حرام کاری کرو اور ہمارے فرقے کے زندہ باد ہونے کے نعرے لگاتے رہو اور بھی کوئی ظالم حدود اللہ کو توڑنے والا' اللہ و رسول کو ناراض کرنے والا ملے فوراً اس کی رہنمائی کرو کہ اس فرقہ میں آجائے۔ ہاں ایک فقرہ گاتے رہنا کہ مذہب حنفی منزل من اللہ نہیں ہے۔ واہ رے جہالت! تیرا ستیاناس ہو۔ مذہب حنفی کیا ہے؟ اس کی بنیادیں کتاب اللہ' سنت رسول اللہ' اجماع اور قیاس ہیں۔ کیا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ منزل من اللہ نہیں؟ کیا حنفیت کی ضد نے تجھے کفر میں تو نہیں دھکیل دیا۔ اجماع منزل من اللہ ہی کی یقینی تشریح ہے۔ اجماع کے مخالف کو اللہ و رسول جہنمی فرماتے ہیں۔ ہائے حنفیت سے عناد نے تجھے جہنم رسید کر ہی دیا اور قیاس منزل من اللہ کی ہی ایسی ظنی تشریح ہے جس پر اللہ کے نبیؐ خوشی سے الحمدللہ پڑھتے ہیں۔ اس کے صواب پر دو اجر اور خطا پر ایک اجر کا وعدہ دیتے ہیں۔ اس کا مخالف معتزلی' خارجی اور بدعتی ہے۔ اب سوچ کیا تیرا یہ الحاد منزل من اللہ ہے؟ تیرا پوری امت سے شذوذ منزل من اللہ ہے؟ کیا من شذ شذ فی النار کی وعید بھول چکا ہے؟ تیرا یہ جہل مرکب منزل من اللہ ہے' آہ تو نے اپنا دین بھی خراب کیا اور کتنے اور لوگوں کا دین بھی برباد کیا۔ خدا سے ڈر اور توبہ کر۔

غیر مقلدین کی صحابہ کرامؓ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ اور ائمہ سے بغاوت :

۱- (سیدنا عمر فاروقؓ) : عن انس قال کان عمرؓ اذا اتی برجل قد طلق امرأته ثلاثًا فی مجلس او جعه ضربًا وفرق بینهما (ص ۱۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب کوئی ایسا آدمی لایا جاتا جس نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ اس آدمی کی پٹائی کرتے اور ان دونوں میاں بیوی کو الگ الگ کر دیتے۔

۲- عن زید بن وهب ان رجلاً بطالاً کان بالمدینة طلق امرأته الفًا فرجع الٰی عمر فقال انما کنت العب فعلا عمر رأسه بالدرة وفرق بینهما (ص ۱۲) زید بن وہب سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے ہزار طلاق' پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے تو کھیل کھیل میں ایسا کہا۔ حضرت عمرؓ نے مارنے کے لئے درہ اٹھایا اور دونوں میں جدائی کر دی۔

۳- (سیدنا عثمانؓ) عن معاویة بن ابی یحیٰی قال جاء رجل الٰی عثمان فقال انی طلقت امرأتی مائةً قال ثلاثًا تحرمها علیك وسبع وتسعون عدوانٌ (ص ۱۳) حضرت معاویہ بن ابی یحیٰ سے روایت ہے کہ ایک مرد حضرت عثمانؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین نے اس کو حرام کر دیا' باقی ستانوے عدوان ہیں۔

۴- (سیدنا علیؓ) عن حبیب قال جاء رجل الٰی علیؓ فقال انی طلقت امرأتی الفًا قال بانت منك بثلاث واقسم سائرها بین نسائك (ص ۱۳) حضرت حبیب سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی۔ آپ نے فرمایا تین طلاق سے وہ تجھ سے جدا ہوگئی' باقی طلاقیں دوسری بیویوں پر تقسیم کرلے۔

۵- عن علیؓ قال اذا طلق البکر واحدة فقد بتها واذا طلقها ثلاثًا

لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب غیر مدخولہ بیوی کو ایک طلاق دے تو بائن ہو گئی' اور جب اس کو تین طلاقیں دے (جو صرف ایک لفظ سے ہی دی جاسکتی ہیں کہ تجھے تین طلاق) تو اب وہ اس پر حلال نہیں' یہاں تک کہ اس کے غیر سے نکاح کرے۔

۶- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر بیوی کو یہ کہا کہ تجھے طلاق بتہ (یعنی ایک ہی کلمہ سے) تو وہ تین طلاقیں شمار ہوں گی۔ (ج ۵' ص ۶۶)

۷- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بیوی کو کہا تو خبیہ تو ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۶۹)

۸- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بیوی سے کہا تو البریہ' تو اس ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۶۹)۔

۹- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کسی نے اپنی بیوی کو کہا : اَنْتِ عَلَیَّ حَرَجٌ۔ تو اس ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۷۲)۔

۱۰- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب اپنی بیوی کو کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اس ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۷۲)۔

۱۱- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنی بیوی کو کہا تجھے اتنی طلاق جو اونٹ کے بوجھ کے برابر ہو تو اس کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۷۸)۔

۱۲- حضرت عمران ابن حصینؓ صحابی رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ فرمایا اس نے اپنے رب کا بھی گناہ کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی۔ (ایضاً)

۱۳- حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جس نے رخصتی سے پہلے بیوی کو تین طلاقیں دیں (جو ایک ہی کلمہ سے تین طلاق دی جاسکتی ہیں) تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہے جب تک کہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے)۔ (ایضاً)

۱۴- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے ننانوے طلاق۔ اب سب مفتی کہتے ہیں کہ بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ بیوی تو تین سے ہی حرام ہو گئی اور باقی ساری گناہ ہی گناہ رہیں۔ (ص ۱۲)

۱۵- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دیں۔ فلا تحل له حتى تنكح زوجا غيره۔ اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۲۲)

۱۶- حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں اگر بیوی کو اپنے اوپر تین طلاق ڈالنے کا اختیار دے دیا اور اس نے اپنے نفس کے لئے تین اختیار کرلیں تو تین ہی طلاقیں واقع ہوئیں۔ (ص ۶۴)

نوٹ : یہ تمام صفحات جو لکھے ہیں یہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد پنجم کے ہیں۔

۱۷- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اپنے رب کا بھی نافرمان ہوا کیونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے اور اس کی بیوی بھی اس سے جدا ہو گئی۔

۱۸- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ہے تجھے سو طلاق' فرمایا تین طلاقوں سے وہ تجھ سے جدا ہو گئی (یہ تو دنیا کی سزا ملی) اور باقی ۹۷ کا حساب تجھ سے اللہ تعالیٰ قیامت کو لیں گے۔ (ص ۱۴)

۱۹- حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا جس نے بیوی کو کہا کہ تجھے کاٹ دینے والی طلاق' تو ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۶۶)۔

۲۰- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس نے بیوی کو کہا انت برية' اس ایک کلمے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اب وہ کسی اور سے نکاح کے بغیر حلال نہیں۔

۲۱- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس نے بیوی کو بائن کہا' اس ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب وہ حلال نہیں' جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے (ص ۱۷)۔

۲۲- حضرت مغیرہؓ سے پوچھا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو کہا تجھے سو طلاق' فرمایا تین سے وہ حرام ہوگئی' باقی ۹۷ زائد رہیں۔ (ص ۱۳)

۲۳- حضرت محمد بن ایاس بن بکیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں دیں' پھر اس کا دل چاہا کہ اسی عورت سے نکاح کرلے۔ اب وہ فتویٰ لینے گیا اور میں بھی ساتھ تھا۔ اس نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا۔ دونوں نے کہا اب تیرے لئے حلال نہیں جب تک کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اس نے کہا میں نے تو ایک ہی دفعہ طلاقیں دی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اب تیرے لئے کچھ نہیں بچا۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی فتویٰ کو لیتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے عام فقہاء یہی کہتے ہیں' کیونکہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دیں اور اس پر اکٹھی ہی واقع ہوگئیں اور اگر وہ الگ الگ دیتا تو ایسی عورت جس کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی وہ ایک پہلی طلاق سے ہی الگ ہوجاتی اور دوسری اور تیسری طلاق اس پر واقع نہ ہوتی۔ کیونکہ ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں۔ تو طلاق کا محل ہی نہ رہی (موطا محمد' ص ۲۵۹)

۲۴- حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا تم میں سے ایک آدمی اپنے آپ کو گندگی سے بھرلیتا ہے (کیونکہ تین طلاقیں گناہ ہیں) تو نے اپنے رب کی بھی نافرمانی کی (جس کی سزا تجھے آخرت میں ملے گی اور دنیا میں اس گناہ کی سزا یہ ہے کہ) تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی۔ اب وہ تیرے لئے ہرگز ہرگز حلال نہیں جب تک وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی کو لیتے ہیں۔ یہی قول امام اعظم

ابو حنیفہؒ کا ہے اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ (کتاب الآثار)

۲۵- حضرت مالک بن الحویرثؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا کہ بے شک میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ فرمایا بے شک تیرے چچا نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی کی (جس کی سزا آخرت میں ملے گی اور دنیا میں بھی) اس پر ایسی ندامت ڈال دی جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

۲۶- امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہے' اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا تین طلاق سے وہ حرام ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے اور اکٹھی طلاقیں دے کر) ۹۷ بار مزید تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے استہزاء کیا۔ اس لئے آخرت میں اللہ ہی تجھ سے سمجھے گا۔ (موطا مالک ص ۵۱۰)

۲۷- حضرت عنترہؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ کہا کہ تجھے سو طلاق۔ اب وہ تین طلاق کی وجہ سے مجھ پر حرام ہو گئی ہے یا اس کو ایک ہی طلاق سمجھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا وہ تین طلاق کی وجہ سے تم سے جدا ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے) اور باقی ستانوے گناہوں کا بوجھ تم پر باقی رہا (جس کا عذاب آخرت میں ہو گا) (ابن ابی شیبہ ص ۱۳)

۲۸- حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ گیارہ سو طلاق۔ فرمایا ان میں سے تین کی وجہ سے وہ تجھ پر حرام ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے) اور باقی سب کا گناہ اور آیات اللہ سے جو استہزاء کیا اس کا عذاب آخرت میں ہو گا (ص ۱۳)

۲۹- حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آدمی کے بارہ میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو کہا تجھے ستاروں کی تعداد کے مطابق طلاق۔ تو آپؓ نے

فرمایا اس بارہ میں رأس الجوزاء ہی کافی ہے۔ (اس ستارے کے تین سینگ ہیں) (مصنف عبدالرزاق)

۳۰- امام حکمؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں نے اس شخص کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی (ایک کلمہ سے) تین طلاقیں دی تھیں کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۲۲)

۳۱- حضرت معاویہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس شخص کے بارہ میں یہی فرمایا (جس نے قبل رخصتی اپنی بیوی کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں) کہ وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۱۱)

۳۲- حضرت محمد بن ایاسؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس شخص کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دیں کہ وہ عورت ہرگز اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۲۳)

۳۳- حضرت عطاءؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی مرد نے اپنی ایسی بیوی کو جس کی رخصتی نہیں ہوئی تین اکٹھی طلاقیں دیں۔ اب وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ اور اگر بیوی کو رخصتی سے قبل الگ الگ الفاظ سے کہا تجھے طلاق، طلاق، طلاق۔ تو وہ پہلی طلاق سے ہی بائن ہوگئی (اس پر اب عدت بھی نہیں، اس لئے باقی دو لغو ہوگئیں کہ محل طلاق ہی نہ تھی) (ص ۲۵)

۳۴- حضرت منصورؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آدمی کے بارہ میں جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں طلاق کا اختیار تجھے دیتا ہوں۔ اس بیوی

نے فوراً کہا تین طلاق۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا عورت چوک گئی۔ اگر وہ کہتی مجھے تین طلاق تو تین ہی واقع ہو جاتیں۔ (ص ۵۸)

۳۵- حضرت نافع ؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اپنے ایک عزیز کو عاصم بن عمر ؓ اور عبداللہ بن زبیر ؓ کے پاس لائے کہ میرے اس عزیز نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی طلاق بتہ دے دی ہے۔ آپ دونوں اس بارہ میں کیا کہتے ہیں؟ یا آپ کے نزدیک اس کے لئے اس کے رکھنے کا کوئی طریقہ ہے؟ دونوں نے کہا نہیں، لیکن ہم ابھی حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کو حضرت عائشہ ؓ کے پاس چھوڑ کر آئے ہیں، ان سے پوچھ لو اور واپسی پر ہمیں بھی بتا دینا۔ پس وہ ان کے پاس آئے اور حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا اب یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت عائشہ ؓ نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ (ج ۵، ص ۶۵)

۳۶- حضرت مجاہد ؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں (اکٹھی) دی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ خاموش رہے۔ میں سمجھا کہ شاید اس کو رجوع کی اجازت دیں گے۔ لیکن آپ نے فرمایا تم حماقت پر سوار ہو کر (اکٹھی تین طلاقیں دے لیتے ہو) پھر آکر کہتے ہو اے ابن عباس ؓ! اے ابن عباس ؓ! بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی رہائی کی صورت نکال دیتے ہیں۔ بے شک تو اللہ تعالیٰ سے بالکل نہیں ڈرا، اس لئے میں تیرے لئے (اس بیوی کو رکھنے کی) کوئی صورت نہیں پاتا۔ تو نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) اپنے خدا کی نافرمانی کر کے (آخرت برباد کر لی) اور بیوی بھی تجھ پر حرام ہو گئی (جس سے دنیا میں برباد ہو کر تو پورا خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق بن گیا) (ابوداؤد ۱-۲۹۹، طحاوی ۲-۳۵، بیہقی ۷-۳۳۷)

۳۷۔ حضرت ابو سلمہؒ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ دونوں نے اس آدمی کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں (ایک ہی کلمہ سے) دے دیں' اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (طحاوی ۲۔۳۴)

۳۸۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دیں۔ فرمایا تین ہو گئیں اور ۹۷ زیادتی ہیں۔ (بیہقی ۷-۳۳۷)

۳۹۔ حضرت مقسمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ جب رمضان کا مہینہ آئے تو تجھے تین طلاق۔ اب میں بہت شرمسار ہوں۔ رمضان آنے سے چھ مہینے باقی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تم اب اس کو ایک طلاق دے دو' تاکہ رمضان سے پہلے اس کی عدت بھی ختم ہو جائے۔ اس کے بعد رمضان گزرنے کے بعد اس سے نکاح کر لینا۔ (بیہقی ۷-۳۱۷)

۴۰۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں میں نے کہا تیرے چچا نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی کی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو نادم کیا ہے۔ اس نے شیطان کی اطاعت کی ہے۔ اس کے لئے اس بیوی کو رکھنے کی کوئی صورت نہیں۔ (بیہقی ۷-۳۳۷)

۴۱۔ حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں تین طلاقیں دیں۔ پھر اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) تو خدا کا بھی نافرمان ہوا' عورت بھی جدا ہو گئی۔ اب وہ تیرے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (عبدالرزاق ۶-۳۱۱)

۴۲۔ حضرت ابو وائلؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس

عورت کے بارہ میں فرمایا جس کو رخصتی سے پہلے (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دی گئیں۔ اب پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ایضاً)

۴۳- امام حکمؒ روایت کرتے ہیں بیشک حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ تینوں نے فرمایا کہ بیوی کو رخصتی سے پہلے اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں اب وہ اس کے لئے حلال نہیں، یہاں تک کہ دوسرے سے نکاح کرے الگ الگ طلاق، طلاق، طلاق کہے تو وہ پہلی طلاق سے بائن ہو گئی، باقی دو بے محل رہ گئیں۔ (عبدالرزاق ۶-۳۳۶)

۴۴- سیدہ عائشہؓ اس آدمی کے بارے میں فرماتی ہیں جس نے بیوی کو کہا تجھے ایک طلاق ہزار جیسی کہ اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں، جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ (ابن ابی شیبۃ ۷۹۰)

۴۵- ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ سے اس عورت کے بارہ میں پوچھا گیا جس کو خاوند نے قبل رخصتی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دے دیں۔ انہوں نے فرمایا اب وہ اس خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک اور جگہ نکاح نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ ۵-۲۲)

○ برادران اسلام! یہ فقہاء صحابہ کرام کے فتاویٰ آپ کے سامنے ہیں جس میں بالاتفاق ایک کلمہ ں تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا گیا ہے اور دوسرے خاوند سے شادی کئے بغیر کسی نے بھی رجوع یا نکاح کا فتویٰ نہیں دیا۔ کسی ایک صحابیؓ سے بھی اس کا خلاف ثابت نہیں۔ اسی پر سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ ایک طرف صحابہ کرامؓ کا اجماع دیکھئے، دوسری طرف غیر مقلدین کے "الدعوۃ" کا جھوٹ کہ یہ صرف فقہ حنفی کا مسئلہ ہے اور اس کا یہ فتویٰ بھی پڑھیں۔ "غصے میں آکر ہزار طلاق دے دے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ فعل غلط ہے، مگر وہ طلاق ایک ہی ہے۔" خوف خدا کا ان کے ہاں

کوئی گزر نہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان اجماعی فتاویٰ کے ماننے والوں کو حلالی مولویوں کی پھبتی کس کر اپنے آپ کو مولویوں میں شامل کر رہے ہیں۔ اب تو بعض احباب کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہئے کہ یہ فرقہ صرف ائمہ کرام کا مخالف نہیں، اصل میں صحابہ کرام کا دشمن ہے اور ائمہ کی مخالفت کی وجہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کے دین کو محفوظ کرلیا۔ صحابہ کرامؓ کے اتنے فتاویٰ کے خلاف ایک آواز بھی نہ اٹھائی گئی۔ آج جو غیر مقلدین یہ آواز اٹھا رہے ہیں یہ کوئی دین اسلام کی خدمت نہیں، بلکہ یہودی لابی کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے کوشاں ہیں کہ اسلامی عدالتوں میں اسلام کے قانون کا جو تھوڑا سا بچا کھچا حصہ ہے اس کو بھی ختم کردیا جائے۔

○ محقق علی الاطلاق شیخ الاسلام والمسلمین علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ فقہاء صحابہ میں سے ہم اکثر کی نقل صریح پیش کرچکے ہیں کہ وہ تین طلاق کے وقوع کے قائل ہیں۔ اور ان کا مخالف کوئی ظاہر نہیں ہوا۔ اب حق کے بعد باطل کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟ اسی بناء پر ہم نے کہا کہ اگر کوئی حاکم یہ فیصلہ دے کہ تین طلاق بلفظ واحد ایک ہوگی تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، لہٰذا یہ مخالفت ہے اختلاف نہیں۔ اسی طرح حافظ ابن رجبؒ تحریر فرماتے ہیں : "جاننا چاہئے کہ صحابہ، تابعین اور ائمہ سلف سے جن کا قول حلال و حرام کے فتویٰ میں لائق اعتبار ہے کوئی صریح چیز ثابت نہیں کہ تین طلاقیں دخول کے بعد ایک شمار ہوں گی جب کہ ایک لفظ سے دی گئی ہوں۔"

اس مختصر مضمون میں زیادہ کی گنجائش نہیں، ورنہ امام زہریؒ، امام حسن بصریؒ، امام ابن سیرینؒ، امام ابراہیم نخعیؒ، علامۃ التابعین امام شعبیؒ، امام طاؤسؒ، امام عطاءؒ، امام قتادہؒ سب فقہاء تابعین کے فتاویٰ مصنف ابن ابی شیبہ جلد پنجم میں موجود ہیں کہ ایک دفعہ کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور فقہائے تابعین میں سے کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی، جس سے ثابت ہوگیا کہ تابعین اور تبع تابعین کا بھی اسی پر

اجماع تھا اور امام نووی نے صراحت فرمائی ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ کا بھی اسی پر اجماع ہے۔

غیر مقلدین کا پہلا خداع :

ایک شاذ روایت مسند احمد میں سعد بن ابراہیم عن محمد بن اسحاق' داؤد بن الحصین عکرمہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رکانہؓ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد ان کو سخت غم لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : تو نے کیسے طلاق دی تھی؟ اس نے کہا ایک مجلس میں طلاق' طلاق' طلاق کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب ایک ہے تو اس سے رجوع کرلے۔ چنانچہ رکانہؓ نے رجوع کرلیا۔ (مسند احمد ۱-۲۶۵' بیہقی ۷-۳۳۹)

یہ وہ شاذ روایت ہے جس پر الدعوۃ والے کو بڑا ناز ہے۔ یہ ایسا ناز ہے جیسے قادیانی متواتر حدیث "لا نبی بعدی" کے خلاف سیدہ عائشہؓ کی طرف منسوب شاذ قول قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہ پر ناز کرتے ہیں۔ یا جیسے روافض وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی ولایۃ علی کے آخری شاذ جملے پر ناز کرتے ہیں' لیکن پیتل کا ناز سونے کے مقابلے میں کیا؟ انجام منہ کالا ہے۔

۱- اس کے پہلے راوی امام احمد ہیں۔ کاش اس غیر مقلد میں ذرہ بھر بھی خدا کا خوف ہوتا تو بتاتا کہ امام احمد اس مسئلے کو ہرگز نہیں مانتے۔ چنانچہ انہوں نے جو خط مسدد بن مسرہد کو لکھا اس میں تحریر فرماتے ہیں : "اور جس نے تین طلاقیں ایک لفظ میں دیں اس نے جہالت کا کام کیا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی اور وہ اس کے لئے کبھی حلال نہ ہوگی' یہاں تک کہ دوسری جگہ نکاح کرے۔" (الاشفاق) اگر یہ بیوی خدا کے ہاں حلال تھی اور امام احمد نے حرام کردی تو کیا آپ ان کو احبار و رہبان میں شامل کریں گے؟

۲۔ "الدعوۃ" والے نے اس شاذ روایت پر بیہقی کا حوالہ بھی دیا ہے' لیکن خدا کا خوف اس کے قریب بھی نہیں پھٹکا۔ امام بیہقی اس کے بعد فرماتے ہیں : "یہ سند ہرگز حجت نہیں' کیونکہ آٹھ ثقہ راویوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے (ثقات کے مخالف اگر کوئی ثقہ راوی ہو تو بھی روایت شاذ و مردود ہوتی ہے اور جب ثقات کے مخالف کذاب اور بدعتی کوئی شاذ قراءت بیان کرے' جیسے : یاایھاالرسول بلغ ماانزل الیك فی ولایۃ علی والائمۃ (درمنثور) کا آخری فقرہ۔ ایسی شاذ روایت کوئی کذاب اور اہل بدعت ہی قبول کرسکتا ہے۔ پھر امام بیہقیؒ فرماتے ہیں اس روایت کے شاذ مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ "اولاد رکانہؓ نے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ رکانہؓ نے ایک طلاق دی تھی۔ لیجئے ساری بنیاد ہی ختم ہوگئی۔"

۳۔ امام ابوداؤد نے بھی یہی فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ رکانہؓ نے ایک طلاق دی تھی۔ رکانہؓ کے خاندان والے یہی بتاتے ہیں اور ایسے حالات خاندان والوں کو ہی صحیح یاد ہوتے ہیں' لیکن الدعوۃ والا شاید کہہ دے کہ رکانہؓ کا خاندان منزل من اللہ نہیں ہے۔

۴۔ دوسرا راوی سعد بن ابراہیم ہے۔ یہ گانا گانے والا تھا۔ حتیٰ کہ حدیث سنانے سے پہلے گانا گاتا اور ساز کے ساتھ۔ دیکھئے الدعوۃ والے بھی ہر درس حدیث گانے بجانے سے شروع کرتے ہیں یا نہیں۔ میزان الاعتدال کے ایک نسخہ میں تو یہ ہے' کان یجید الغناء۔ بہت اچھا گاتا تھا۔ ایک نسخہ میں ہے یجیز الغناء دوسروں کے لئے بھی گانا جائز جانتا تھا۔

۵۔ اس سند کا اگلا راوی محمد بن اسحاق ہے' جسے امام مالکؒ نے دجال کہا۔ عروہؒ نے کذاب کہا۔ یہ تقدیر کا منکر تھا' اس پر اس کو سزا بھی ملی۔ تشیع کی طرف بھی مائل تھا۔ تدلیس بھی کرتا تھا۔ کسی حرام' حلال کے مسئلے میں تو کوئی محدث اس کی حدیث قبول

نہیں کرتا۔ اگر یہ منفرد ہو' اس کی حدیث بالاتفاق مردود ہے۔ یہاں یہ منفرد ہی نہیں بلکہ دوسری صحیح حدیث کے مخالف اور عبداللہ بن عباس ؓ کے متواتر فتویٰ کے خلاف روایت کر رہا ہے۔ اس لئے اس کی روایت قطعاً منکر ہے۔ ہاں الدعوۃ والوں کے ہاں منزل من اللہ۔

۶- اس کا استاد داؤد بن الحصین ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں عکرمہ سے منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ یہ مذہباً خارجی بھی تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ حدیث بھی عکرمہ سے ہی ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے بھی اس کو مناکیر میں ہی ذکر کیا ہے۔ (میزان الاعتدال)

۷- اس کا استاد عکرمہ ہے۔ یہ بھی خارجی تھا۔ اس کو عبداللہ بن عباس ؓ کے صاحبزادہ ٹٹی خانہ کے پاس باندھ دیتے اور فرماتے یہ کذاب خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔ (عجیب بات ہے کہ یہ بھی اس نے ابن عباسؓ پر جھوٹ ہی بولا ہے) امام سعید بن المسیبؒ' امام عطا' امام ابن سیرینؒ سب اس کو جھوٹا کہتے ہیں۔ یہ خارجی مذہب کا تھا' کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متشابہات نازل کرکے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے۔ حاکم مدینہ نے اس کی طلبی کا حکم دیا تو یہ اپنے خارجی شاگرد داؤد بن الحصین کے پاس روپوش ہوگیا اور وہیں مرگیا۔ لوگوں نے اس کا جنازہ بھی نہ پڑھا (میزان الاعتدال ۳-۹۶)۔

۸- آخر میں یہ عبداللہ بن عباس ؓ کی طرف منسوب ہے' جن سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ اس شاذ بلکہ منکر روایت کو منزل من اللہ سمجھ کر کتاب و سنت اور اجماع سے بغاوت کرنا کہاں کا دین ہے۔

۹- جب حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کی قسم میری نیت ایک طلاق کی تھی تو اس کو بھی اس کے موافق کیوں نہ کرلیا جائے۔ ان دو فقروں میں غور فرمائیے۔ ایک آدمی کہتا ہے تین سانپ۔ وہ کبھی یہ قسم نہیں کھا سکتا کہ میری مراد

ایک سانپ تھا۔ ہاں دوسری جگہ دوسرا آدمی شور مچا رہا ہے سانپ سانپ سانپ۔ تو اس سے پوچھا جا سکتا ہے کہ بھئی کتنے سانپ ہیں۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ ایک سانپ ہے۔ باقی تو میں تاکید کے لئے بول رہا ہوں۔ اب کوئی یہ نہیں کہے گا کہ اس نے تین سانپوں کو ایک کر دیا' بلکہ یہی کہا جائے گا کہ اس نے ایک ہی سانپ کے بارے میں تاکید کے لئے بار بار کہہ دیا۔ اس طرح حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ اگر کہتے تجھے تین طلاق تو وہ بھی کبھی قسم نہ کھاتے کہ ایک طلاق مراد ہے۔ ہاں انہوں نے اتنا کہا کہ طلاق طلاق طلاق۔ اب ان سے پوچھا جا سکتا تھا کہ مراد کتنی طلاق ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ایک طلاق مراد ہے' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو ایک قرار نہ دیا' بلکہ ایک کو ہی ایک قرار دیا۔ اس شاذ و منکر روایت کو لے کر تین طلاقوں کو ایک کرنا اور حرام کو حلال کہنا اور ساری عمر کے لئے ان کو حرام کاری کی چھٹی دینا واقعی کسی حلالی کا کام نہیں ہو سکتا۔

غیر مقلدین کا دوسرا دھوکہ :

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں' حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے جس میں ان کے لئے سوچ بچار کی گنجائش تھی۔ پس اگر ہم ان تین طلاقوں کو ان پر نافذ کر دیں تو انہوں نے تین طلاق کو نافذ قرار دیا (صحیح مسلم ج ۱' ص ۴۷۸)

۱- اس قول میں تین طلاق سے کیا مراد ہے؟ اگر ہر قسم کی تین طلاقیں مراد ہوں تو پھر تو جس نے تین طہر میں تین طلاقیں دیں وہ بھی ایک شمار ہوں گی۔ اس کو غیر مقلد بھی نہیں مانتے۔ اس لئے غیر مقلدوں سے ہمارا یہی سوال ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں تین طہروں میں دیں۔ اس کے بعد پھر اپنی بیوی کو بغیر حلالہ شرعی کے رکھ لیا اور اسی قول کو وہ پیش کرتا ہے تو اس کو آپ کیا جواب دیں گے؟

۲- الدعوۃ والوں نے اکٹھی تین طلاقیں جو ترجمہ کیا ہے یہ کس لفظ کا ہے؟ نہ ہی اس میں ایک مجلس کا لفظ ہے' نہ ہی تین کا۔

۳- اکٹھی تین طلاقیں دینا اللہ تعالیٰ کی آیات سے استہزاء ہے۔ اللہ کے رسول کی ناراضگی ہے۔ کیا صحابہ کرامؓ بلا روک ٹوک دور نبوت' دور صدیقی اور دور فاروقی کے ابتدائی دو سالوں میں یہ گناہ کرتے رہے اور بدعی طلاق دے کر بدعتی بنتے رہے؟ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں یہ نظریہ روافض کا تو ہے۔ کیا غیر مقلدین کا بھی ہے؟

۴- زید کو ایک مفتی نے یہ سنایا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ اس نے اپنی بیوی کو کہہ دیا تجھے ۹ طلاق۔ اب زید اور مفتی صاحب میں جھگڑا ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ تین ہیں۔ مفتی صاحب کو حساب نہیں آتا۔ مفتی کہتا ہے ایک ہے۔ زید کہتا ہے کہ ۹ کے ایک ہونے کی حدیث دکھاؤ۔ آپ وہ حدیث دکھائیں۔

۵- زید کو مفتی غیر مقلد نے یہ حدیث سنائی کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں۔ زید نے ایک طلاق صبح' ایک دوپہر اور ایک شام کو دے دی۔ غیر مقلد مفتی کہتا ہے کہ یہ ایک ہے۔ زید کہتا ہے کہ صریح حدیث سناؤ کہ تین الگ الگ مجالس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔ آپ وہ حدیث پیش کریں۔

۶- زید نے ایک طلاق پیر کو' دوسری منگل کو' تیسری بدھ کو دی۔ کوئی ایسی حدیث پیش فرمائیں کہ تین دن میں الگ الگ دی گئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔

۷- زید نے ایک طلاق پہلے ہفتے' دوسری دوسرے ہفتے اور تیسری تیسرے ہفتے دی۔ وہ کہتا ہے کہ ایسی حدیث دکھاؤ کہ تین ہفتوں میں الگ الگ دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔

۸- زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق اس طہر میں دی جس میں وہ دو مرتبہ صحبت کر چکا تھا اور طلاق دینا حرام تھی۔ بیوی کو گھر سے نکال دیا۔ وہ اپنے ماموں کے ہاں چلی گئی۔ ایک ماہ بعد زید نے اس کو دوسری طلاق بھیجی۔ وہ اس وقت حائضہ تھی۔ اس کے بعد

جب تیسری طلاق بھیجی اس وقت بھی وہ حائضہ تھی۔ اس کے بعد دو سال گذر گئے۔ وہ ایک مفتی صاحب کے پاس گیا اس نے کہا کہ تینوں طلاقیں حرام تھیں' ایک بھی واقع نہیں ہوئی۔ اب وہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں۔ اگر یہ فتویٰ درست ہے تو بھی صریح حدیث پیش فرمائیں اور غلط ہے تو بھی صریح حدیث سے جواب ارشاد فرمائیں۔

۹- صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت کے ابتدائی دور میں متعہ کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں اس سے منع فرمادیا۔ اہل حدیث عالم کہتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں جواز متعہ پر سب صحابہ کا اجماع تھا۔ حضرت عمرؓ کا روکنا ایک سیاسی حکم تھا' کوئی شرعی حکم نہیں تھا۔ اس لئے ابن عباس وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا اور پہلے اجماع پر قائم رہے۔ اس لئے یہ جواز متعہ پر صحابہ کا اجماع ہے اور یہی اصل حکم شرعی ہے۔ تو اس عالم کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ **بہردوصورت صریح صحیح دلیل بیان کریں؟**

۱۰- غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاق کے بعد خدا و رسول کے نزدیک بیوی خاوند کے لئے حلال تھی۔ حضرت عمر نے خدا و رسول کے حلال کو حرام قرار دے دیا۔ خدا کے حلال کو حرام قرار دینے والے احبار و رہبان یہود کو قرآن نے "اربابًا من دون اللّٰہ۔" کہا ہے یا خلفائے راشدینؓ کو؟ جواب قرآن حدیث سے دیں قیاس سے نہ دیں۔

۱۱- کیا صدر مملکت کو حق ہے کہ سیاسی ضرورت کے ماتحت خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کردے؟

۱۲- جب حضرت عمرؓ نے یہ اعلان فرمایا تو کتنے صحابہ کرام اللہ و رسول کے حکم پر قائم رہے اور کتنوں نے اللہ و رسول کو چھوڑ کر عمرؓ کی شریعت کو مان لیا؟ جواب صحیح

سندوں سے دیں۔

۱۳۔ حضرت عمرؓ کے بعد دور عثمانی میں کتنے صحابہ کرام اللہ و رسول کے ارشاد پر فتویٰ دیتے تھے اور کتنے حضرت عمرؓ کے قول پر خود حضرت عثمانؓ کس کے ساتھ تھے؟

۱۴۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا اپنا فتویٰ اور ان کے مفتیوں کا فتویٰ اللہ و رسول کی شریعت پر رہا یا عمر کی؟

۱۵۔ اہلسنّت والجماعت کے چاروں امام اللہ و رسول کی شریعت پر فتویٰ دیتے رہے یا اس مسئلہ میں عمرؓ کی شریعت پر؟ ہمیں یقین ہے کہ الدعوہ والے ہرگز ہرگز ان سوالات کا جواب صرف قرآن و حدیث سے نہیں دے سکیں گے۔ کیونکہ اس شاذ قول کا جو مطلب غیر مقلد لیتے ہیں اس کے بعد صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کے بارہ میں وہی ذہن بنتا ہے جو روافض کا ہے۔ خود ابن عباس کا بھی متواتر فتویٰ اس شاذ قول کے خلاف ہے۔ الغرض روافض اور غیر مقلدین نے تو اس شاذ قول کا ایسا مطلب بیان کیا ہے جس سے ائمہ اور صحابہ کرام بلکہ خلفائے راشدین تک پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے اعتراضات اور سیاسی اغراض کے لئے احکام شرعیہ سے خروج ثابت ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

○ ہاں اہلسنّت والجماعت جو خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کو معیار حق مانتے ہیں۔ قرآن پاک، احادیث متواترہ اور اجماع قطعی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی عظمتوں کا نقش ان کے دلوں میں ثبت ہے۔ وہ ایسے شاذ اقوال کی یا تو تاویل کرتے ہیں یا رد کرتے ہیں۔

۱۔ اس شاذ قول کا مدار طاؤس پر ہے۔ امام حسین بن علی الکرابیسی اپنی کتاب "ادب القضاء" میں فرماتے ہیں: اخبرنا علی بن عبداللہ المدینی عن عبدالرزاق عن معمر عن طاؤس انه قال من حدثك عن طاؤس انه كان يروى طلاق الثلاث واحدة كذبه (الاشفاق) یعنی طاؤس نے خود

فرمایا کہ جو یہ کہے کہ طاؤس ایسی روایت کرتا ہے کہ تین طلاقیں ایک ہیں' اس کو جھوٹا جان۔ جب طاؤس نے خود ہی اس شاذ قول کو جھٹلا دیا تو اس کو الدعوۃ والوں کے سوا کون قبول کرسکتا ہے جن کی فطرت ہی جھوٹ پسند ہے۔

۲- اس شاذ قول کا دوسرا کردار ابوالصہباء ہے۔ یہ اگر مولیٰ بن عباس ہے تو ضعیف ہے' جیسا کہ نسائی نے کہا اگر دوسرا ہے تو مجہول۔ آخر حرام کاری کے بیوپاریوں کے پاس کتاب اللہ' سنت رسول اللہ' اجماع صحابہ اور ابن عباس کے متواتر فتویٰ کے خلاف ضعیف اور مجہول راویوں کے شاذ قول کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے؟ بے چاروں کا اوڑھنا بچھونا ہی شاذ اقوال کے سہارے ہے۔ اور کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ سے بغاوت ہے۔

۳- ابوالصہباء کے ان الفاظ پر بھی غور فرمالیں وہ ابن عباسؓ سے کہتے ہیں : هات من هناتك' یعنی اپنی قابل نفرت اور بری باتوں سے کچھ سنایئے تو ابن عباس یہ قول سنا دیتے ہیں جو ان کے نزدیک قبیح مردود اور قابل نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عباسؓ فتویٰ ہمیشہ اس کے خلاف ہی دیتے رہے جو قول ابن عباسؓ بلکہ سب صحابہ کے ہاں قبیح اور قابل نفرت ہے۔ اس کو اگر غیر مقلد قبول نہ کریں تو اور کون کرے گا؟ ان بے چاروں کے دسترخوان پر یہی کچھ ملتا ہے۔ ایسے شاذ اور قابل نفرت اقوال کے سہارے صحابہ کرام کو شریعت کا مخالف قرار دینا ایسی ہی شاذ پسند طبیعتوں کا کام ہے جو من شذ شذ فی النار سے نہیں ڈرتے۔

۴- امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ امام ابوبکر بن ابی شیبۃ' پھر امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے اس قول میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ یہ اس عورت کے بارہ میں ہے جس کی رخصتی نہیں ہوئی۔ امام نسائی نے بھی اس پر یہی باب باندھا ہے اور ایسی عورت کے بارہ میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وضاحت ابن ابی شیبۃ ۵-۲۵ پر موجود ہے کہ اگر اس کو یوں کہا جائے تجھے طلاق' طلاق' طلاق' تو اس کو ایک ہی طلاق پڑتی ہے۔

(اس صورت میں دوبارہ نکاح بغیر حلالہ شرعی کے جائز ہے اور سوچ بچار کی گنجائش ہے)
اور اگر یوں اس کو تین طلاقیں دی جائیں کہ تجھے تین طلاق' تو اس سے تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔ اب بغیر حلالہ شرعی کے اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ جلد بازی ہے جس میں سوچ بچار کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

☆ اب اس شاذ قول کا مطلب یہ بنا کہ رسول پاک ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اگر رخصتی سے پہلے کوئی طلاق دیتا تو وہ یوں کہتا طلاق' طلاق' طلاق۔ اس سے اس کو ایک ہی طلاق واقع ہوتی۔ بعد میں سوچ بچار کر کے نکاح کر سکتے تھے۔ اس کا حکم آج تک یہی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کثرتِ فتوحات سے بہت سے نو مسلم ہوئے' بہت سی لونڈیاں آئیں۔ نکاح طلاق کی کثرت ہو گئی تو بعض ناواقف لوگوں نے رخصتی سے قبل طلاق میں جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا۔ اور ان کو یوں طلاق دینے لگے تجھے تین طلاق۔ اب تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور وہ حرام ہو گئی۔ بغیر حلالہ کے اب نکاح نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا کہ جلد بازی کا طریقہ جو ہے اس کا حکم یہی ہے کہ تین طلاق نافذ ہو جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابی یا تابعی نے کوئی حکم شرعی نہیں بدلا۔ صرف طلاق دینے والوں نے طلاق کا طریقہ بدلا۔ جو پہلا طریقہ تھا اس کا آج بھی وہی حکم ہے۔ جو بعد والا طریقہ تھا اس کا پہلے بھی وہی حکم تھا۔ اب نہ کسی خلیفہ راشد پر اعتراض اور نہ ہی کسی صحابی پر۔

○ ہاں یہ بات ثابت ہو گئی کہ غیر مقلدوں نے یقیناً حکم شرعی بدل ڈالا اور حرام کو حلال کیا۔ یہی کام یہود کے احبار و رہبان کرتے تھے اور یہود ان کے کہنے سے خدا کے حرام کردہ کو حلال سمجھ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ یہود ان کو اربابا من دون اللّٰہ مانتے ہیں۔ اب بھی غیر مقلدین کی ہر مسجد اور ہر رسالے کے دفتر میں غیر مقلدین کے رب بیٹھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کرتے ہیں۔ ان کو جھوٹ کہہ کہہ کر

تین طلاقیں واقع نہیں ہوئیں۔ سمّٰعون للکذب کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اور ان سے اس حرام کاری کی دلالی کی فیس وصول کرکے اکّٰلون للسحت سے اپنے پیٹ کا جہنم بھرتے ہیں۔ آہ! ان لوگوں نے کتنی عصمتوں کو تار تار کرایا' کتنے ایسے جوڑے ہیں جو ساری عمر حرام کاری کرکے اپنی اور ان کی قبروں کو جہنم کے گڑھے بنا رہے ہیں۔ حرام کاری کا ایک دلال مجھے کہنے لگا اصل بات تو یہی ہے کہ وہ عورت حرام ہے' لیکن اگر فتویٰ نہ بھی دیں تو بھی لوگ اسی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ ہم فتویٰ دے کر کچھ فیس لے لیتے ہیں۔ میں نے کہا اگر تم حکم شرعی بدل کر فتویٰ نہ دیتے وہ پھر اکٹھے رہتے تو یقیناً گنہگار ہوتے اور اپنے کو گنہگار سمجھ کر ہی گناہ کرتے۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا گناہ ہی ہے۔ مگر آپ کے فتویٰ کے بعد وہ اس ساری عمر کے گناہ کو حلال سمجھ کر کر رہے ہیں' جس سے ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے' مگر غیر مقلدین کو ایمان کی کیا پرواہ؟ الحاصل تین طلاق کے مسئلہ میں نہ ان کے پاس قرآن ہے' بلکہ ان کا مسئلہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ "الطلاق مرتان" میں قرآن دو طلاقوں کو دو ہی کہتا ہے۔ جب دو دو ہیں تو تین تین ہی ہیں' مگر انہوں نے الطلاق مرتان کا مطلب یہ نکالا ہے کہ دو طلاقیں ایک ہیں' یہ بالکل جھوٹ ہے۔ قرآن کا انکار ہے' ان کے پاس صرف قیاس ہے کہ جب اس نے غلط طریقے سے طلاقیں دیں تو وہ واقع نہ ہوئیں' مگر ان کا قیاس قرآن کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمایا کہ جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ وہ خدا سے نہ ڈرا' اب اس کے لئے کوئی صورت اس ندامت سے نکلنے کی نہیں۔ یہ جب ہوگا کہ تینوں کو نافذ مانا جائے۔ غیر مقلدین کا یہ قیاس قرآن کے بھی خلاف ہوا اور وہ احادیث جو اوپر درج ہو چکیں اور اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہوا اور امام طحاوی نے ثابت کردیا کہ ان کا یہ قیاس بھی غلط ہے' کیونکہ روافض کہتے ہیں جس طرح نکاح غلط طریقے سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً عورت کسی کی عدت میں ہو اور نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا۔ اسی طرح طلاق بھی غلط طریقے سے نافذ نہ ہوگی۔ امام

طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ قیاس نصوص کے بھی خلاف ہے۔ حیض میں طلاق دینا گناہ ہے' مگر طلاق نافذ ہو جاتی ہے۔ ایسی پاکی میں طلاق دینا جس میں حقوق زوجیت ادا کرچکا ہو حرام ہے' مگر نافذ ہو جاتی ہے۔ جس طرح تمہارا قیاس نصوص کے خلاف ہے اسی طرح خود بھی غلط ہے۔ دیکھو نماز میں داخل ہونے کے لئے صحیح طریقہ سے داخل ہونا ضروری ہے کہ نماز کی شرائط مکمل ہوں' پھر نماز میں تحریمہ کہہ کر داخل ہو۔ لیکن نماز سے نکلنے کے لئے اگر صحیح طریقے سے نکلے گا سلام پھیر کر تو بھی یقیناً نماز سے نکل گیا اور کوئی گناہ نہ ہوا' لیکن اگر سلام کی بجائے بول چال شروع کردی' اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا' کچھ کھانا پینا شروع کردیا تو بھی یقیناً نماز سے نکل گیا۔ ہاں ساتھ گناہ بھی ہوا۔ اسی طرح اگر طلاق صحیح طریق سے دی تو ایسا ہی ہے جیسے شرعی طریقہ سے نماز سے نکل گیا۔ اور اگر طلاق غیر شرعی طریقے سے دی تو بھی طلاق ہو گئی۔ مگر ساتھ گناہ بھی ہوا' جیسے غیر شرعی طریقے سے نماز سے نکلنے والے کو گناہ ضرور ہوا مگر نماز سے نکل گیا۔ بہر حال غیر مقلدین کا یہ مسئلہ کہ شرعی طلاق ایک نافذ ہوتی ہے اور باقی دو نافذ نہیں ہوتیں' نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں' نہ کسی صحابی کا مسلک نہ مجتہد کا۔ یہود کے احبار و رہبان کی طرح خدا و رسول سے بغاوت کر کے ان لوگوں نے شریعت کے حرام کو حلال کر رکھا ہے۔

نوٹ : ان شاذ اقوال کے سہارے کے لئے ایک اور جھوٹی کہانی گھڑی گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر ندامت ہوئی تھی۔ اس کا گھڑنے والا خالد بن یزید ہے۔ امام ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ اپنے باپ پر ہی جھوٹ نہ بولتا تھا بلکہ صحابہ کرام پر بھی جھوٹ بولتا تھا (میزان الاعتدال ۱-۶۴۵) آخر حرام کاروں کو حرام کاری کے لئے ایسے کذابوں کے سہارے ہی ملیں گے۔

حلالہ شرعی :

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر

سے نکاح (صحیح) کرے (اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرے' پھر مرجائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تب یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی۔ اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکے گا) یہ حلالہ شرعی ہے۔

○ تین طلاق کے بعد عورت کا کسی سے اس شرط پر نکاح کر دینا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا یہ شرط باطل ہے' اور حدیث میں ایسا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ تاہم ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت کے بعد عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ اور اگر دوسرے مرد سے نکاح کرتے وقت یہ نہیں کہا گیا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا' لیکن اس شخص کا اپنا خیال یہ ہو کہ وہ عورت کو صحبت کے بعد فارغ کر دے گا۔ تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کی نیت ہو کہ وہ دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کر کے پہلے شوہر کے گھر میں آباد ہونے کے لائق ہو جائے گی تب بھی گناہ نہیں۔ ہاں بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کئے وہ عورت پہلے مرد پر قطعاً حرام ہے۔

○ غیر مقلدین نے اس حرام کاری کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ وہ تین طلاق کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کئے بغیر پہلے مرد کے سپرد کر دیتے ہیں' جو قرآن و سنت اور اجماع امت کے مطابق بالکل حرام ہے۔ آج اکثر جو لوگ غیر مقلد بن رہے ہیں وہ اسی لئے کہ مذاہب اربعہ میں اس حرام کاری کی کوئی گنجائش نہیں اور ان غیر مقلدین کے ہاں یہ ساری عمر کی حرام کاری پیشے کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ حرام کاری کے یہ دلال حلالہ کے خلاف خوب زور لگا رہے ہیں۔ تاکہ ہمارے کاروبار حرام کاری پر پردہ پڑا رہے۔ انہیں اگر باشرط حلالہ سے انکار ہے تو اس شرط کو احناف بھی ناجائز اور موجب لعنت کہتے ہیں۔ فقہ حنفی کو گالیاں دینے والے کیا اس کا جواز فقہ حنفی سے نکال سکتے ہیں۔ اور اگر وہ اس شرط والے حلالہ کے مخالف ہیں تو کیا وہ بلا شرط حلالہ کرواتے ہیں۔ ؟ کے کتنے سنٹر انہوں نے کھولے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے باوجود لعنت کرنے کے ان کو

حلال کرنے والا فرمایا' حرام کرنے والا نہیں فرمایا اور جس کے لئے حلال کی گئی فرمایا' اس کے لئے حرام کی گئی نہیں فرمایا۔ غیر مقلدو! کتاب و سنت سے بغاوت کر کے کب تک شریف گھرانوں کو ساری عمر حرام کاری پر لگائے رکھو گے۔ الدعوۃ میں یہ بھی تو مانا ہے' البتہ یہ طے کئے بغیر اگر وہ خاوند اپنی مرضی سے طلاق دے' تب پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اور یہی طریقہ قرآن میں جائز ہے۔ تم نے کہاں اس طریقے پر عمل کرایا۔ تم تو قرآن کے اس جائز طریقے کو توڑ کر ساری عمر کی حرام کاری پر لگا رہے ہو۔

○ اس مسئلہ میں یہ بغاوت تو قرآن و سنت اور صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ سے کر رہے ہیں' مگر شور مچاتے ہیں کہ اللہ نے کسی متعین فقہ کے ماننے کا حکم نہیں دیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کسی متعین فقہ کے ماننے سے منع فرمایا ہو تو وہ آیت یا حدیث ضرور پیش کریں۔ یہ دلائل نہیں' آپ کی بوکھلاہٹ کے آثار ہیں۔ آپ کے بڑے بھائی اہل قرآن بھی اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عربی قرآن نازل کیا تھا۔ یہ جو صحاح ستہ کے نام سے چھ عجمی قرآن بنا لئے گئے ان کے ماننے کا کہیں اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ اس فرقے کا حال یہی ہے کہ دلائل سے خالی ہونے کی وجہ سے اپنی پریشانی کو چھپانے کے لئے فقہ کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حلالہ کی شرط باطل ہے اور متعہ بھی حرام ہے' لیکن یہ لوگ جو بغیر دوسرے نکاح کے عورت کو پہلے مرد کے سپرد کر دیتے ہیں' یہ ان دونوں سے بڑا گناہ اور حرام ہے۔ ساری عمر کا گناہ اور ناجائز اولاد اتنے بڑے حرام پر عمل کرنا اور شرط حلالہ کے خلاف شور مچانا ایسا ہی ہے کہ کوئی بدکار عورت بر سرِعام زنا میں مشغول ہو اور کسی گھرہستن کو گالیاں دے رہی ہو کہ بڑی بے شرم ہے' دوپٹہ سرک گیا ہے اور اس کا کان غیر محرم کو نظر آ گیا ہے۔ یہی حال ان حضرات کا ہے۔ کبھی اپنے حرام کاروں کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ حلالہ سے بے حیائی اور بے شرمی پھیلے گی۔

○ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اگر چوروں کے ہاتھ کاٹنے

کی حد نافذ ہوگئی تو سارا ملک ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اصل بے شرمی اور بے حیائی کی ذمہ داری تو ان پر ہی عائد ہے جو بغیر دوسرے نکاح کے بیوی واپس کر دیتے ہیں۔ اس سے لوگوں میں تین طلاقیں دینے کی جرأت بڑھی ہے اور حرام کاری عام ہوگئی ہے۔ آپ تجربہ کرکے دیکھ لیں کہ ایک آدمی کو کہیں کہ قرآنی حکم کے مطابق دوسرے نکاح کے بغیر یہ (بیوی) تجھے نہیں مل سکتی اور اس عورت کا دوسرا نکاح ہو جائے تو اس ایک واقعہ کے بعد سالوں تک کوئی تین طلاق کا نام نہ لے گا۔ جس طرح چوروں پر حد نہ لگا کر چوروں کی جرأت بڑھائی گئی ہے اسی طرح اس مرد کو یہ سزا معاف کرکے مریض دلوں کو تین طلاقیں دینے کی آپ لوگوں نے جرأت دلائی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے تمام فتنوں کے شر سے محفوظ فرمائیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

مجلة البحوث الاسلامية

مجلة البحوث الاسلامية

رئاسة ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد

رئيس التحرير

عثمان الصالح

الاشراف الفنى
جمال النهرى

المجلد الاول العدد الثالث

سنة ١٣٩٧ هـ

الرياض - المكه العربية السعودية

حکم

الطلاق الثلاث

بلفظ واحد

هيئة كبار العلماء

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے علماء حرمین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے، بلکہ خود بادشاہ بھی اس کا پابند ہے، اس مجلس میں "طلاق ثلاث" کا مسئلہ پیش ہوا مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن وحدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر وحدیث کی سینتالیس کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد بالاتفاق واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ

ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں

یہ پوری بحث اور متفقہ فیصلہ حکومت سعودیہ نے زیر نظر رسالہ میں شائع کیا ہے۔ غیر مقلدین اکثر مختلف فیہ مسائل میں اہل حرمین کے عمل کو بطور حجت پیش کیا کرتے ہیں، یہ فیصلہ بھی علماء حرمین کا ہے اس لئے غیر مقلدین پر حجت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ غیر مقلدین اس رسالہ کو بنظر انصاف دیکھیں گے۔

الداعی الی الخیر: مفتی محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاویٰ

مجلة البحوث الاسلامية

لجنة الاشراف

سماحة الشيخ عبدالعزيز بن عبدالله بن باز
فضيلة الشيخ عبدالله بن سليمان بن منيع
فضيلة الشيخ محمد بن عوده
فضيلة الشيخ عثمان الصالح

اشرف على التحرير

جمال النهرى
عبدالله البعادى
محمد بن عبدالرحمن آل اسماعيل

تشكلت هيئة كبار العلماء بموجب الأمر الملكى رقم أ. ١٣٧ فى ٨-٧-١٣٩١هـ لتقوم بمزاولة الأعمال الآتية:

أ- إبداء الرأى فيما يحال إليها من ولى الأمر من اجل بحثه وتكوين الرأى المستند إلى الأدلة الشرعية فيه.

ب- التوصية فى القضايا الدينية المتعلقة بتقرير أحكام عامة ليسترشد بها ولى الأمر وذلك بناء على بحوث يجرى تهيئتها وإعدادها للهيئة.

ثم صدر الأمر الملكى رقم أ-١٣٨ فى ٨-٧-١٣٩١هـ بتعيين أصحاب المعالى والسماحة والفضيلة الآتية أسماؤهم أعضاء فيها على أن تكون رئاسة الدورات بالتعاقب بين خمسة من أكبر أعضاء الهيئة سنا وفيما يلى أسماء الأعضاء.

١- الشيخ عبدالعزيز بن باز
٢- الشيخ عبدالله بن حميد
٣- الشيخ محمد الأمين الشنقيطى
٤- الشيخ سليمان بن عبيد
٥- الشيخ عبدالله خياط
٦- الشيخ محمد الحركان
٧- الشيخ ابراهيم بن محمد آل الشيخ
٨- الشيخ عبدالرزاق عفيفى
٩- الشيخ عبدالعزيز بن صالح
١٠- الشيخ صالح بن غصون
١١- الشيخ محمد بن جبير
١٢- الشيخ عبدالمجيد حسن
١٣- الشيخ راشد بن خنين
١٤- الشيخ صالح بن لحيدان
١٥- الشيخ محضار عقيل
١٦- الشيخ عبدالله بن غديان
١٧- الشيخ عبدالله بن منيع

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله وبعد:

فقد عرض على مجلس هيئة كبار العلماء مسألة "حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد" وبناء عليه أعدت اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء، بحثًا فى الموضوع ونصه:

الحمدلله وحده، وبعد: فبناء على ما قرره مجلس هيئة كبارالعلماء، فى دورته الثالثة المنعقدة فى شهر ربيع الثانى، عام ١٣٩٣هـ من البحث فى الدورة الرابعة عن حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد. وبناء على ما تقتضيه لائحة عمل الهيئة، من قيام اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء بإعداد بحث علمى عن المسئلة التى تقرر عرضها على الهيئة. قامت اللجنة الدائمة باعداد بحث فى مسألة الطلاق الثلاث بلفظ واحد، اشتمل على ما يلى:

١- حكم الإقدام على جمع الطلاق الثلاث بلفظ واحد، مع الأدلة ومناقشتها.

٢ ـ مايترتب على إيقاع الطلاق ثلاثًا بلفظ واحد، مع الأدلة ومناقشتها.

وبالله التوفيق .... وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

حكم الطلاق الثلاث بلفظٍ وَّاحِدٍ فِي ضوءِ الْكِتَابِ وَالسنةِ

فتوى كبار العلماء والمحققين

المسألة الاولى حكم الاقدام على جمع الثلاث بكلمة واحدة وفيه قولان

القول الاول :

إنه محرم، وهو مذهب الحنفية والمالكية واحدى الروايتين عن احمد. وقول شيخ الاسلام و ابن القيم. اما المذهب الحنفى، فقال الكاسانى فى الكلام على طلاق البدعة (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۹۳/۳ وما بعدها) وأما الذى يرجع إلى العدد فهو ايقاع الثلاث او الثنتين فى طهر واحد لا جماع فيه. سواء كان على الجمع: بأن أوقع الثلاث جملة واحدة، أو على التفاريق واحدًا بعد واحد، بعد أن كان الكل فى طهر واحد. وهٰذا قول اصحابنا ..... ولنا الكتاب والسنة والمعقول:

أماالكتاب:

فقوله عز وجل (فطلقوهن لعدتهن.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱) أى فى اطهار عدتهن. وهو الثلاث فى ثلاثة أطهار كذا فسره رسول الله ﷺ على ما ذكرنا فيما تقدم الامر بالتفريق، والامر بالتفريق يكون نهيًا عن الجمع. ثم ان كان الأمر أمر إيجاب. كان نهيًا عن ضده، وهو الجمع نهى تحريم. وإن كان أمر ندب، كان نهيًا عن ضده. وهو الجمع نهى ندب. وكل ذٰلك حجة علىٰ المخالف. لأن الأول يدل على التحريم، والآخر يدل علىٰ الكراهة، وهو لا يقول بشىء من ذٰلك.

وقوله تعالى (الطلاق مرتان .... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹)
أى دفعتان، ألا ترى أن من أعطى آخر درهمين، لم يجز أن يقول أعطاه مرتين حتى يعطيه دفعتين.

وجه الاستدلال: أن هذا وإن كان ظاهره الخبر، فان معناه الأمر، لأن الحمل على ظاهره يؤدى إلى الخلف في خبر من لا يحتمل خبره الخلف، لأن الطلاق على سبيل الجمع قد يوجد، وقد يخرج اللفظ مخرج الخبر على إرادة الأمر. قال الله تعالى "والوالدات يرضعن اولادهن" (الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۳۳) أى ليرضعن ونحو ذلك، كذا هذا، فصار كأنه سبحانه وتعالى قال: طلقوهن مرتين إذا أردتم الطلاق، والأمر بالتفريق نهى عن الجمع، لأنه ضده، فيدل على كون الجمع حرامًا أو مكروهًا على ما بينا.

فإن قيل:

هذه الآية حجة عليكم، لانه ذكر جنس الطلاق، وجنس الطلاق ثلاث، والثلاث إذا وقع دفعتين، كان الواقع في دفعة طلقتان، فيدل على كون الطلقتين في دفعة مسنونتين.

فالجواب :

أن هذا أمر بتفريق الطلاقين من الثلاث لا بتفريق الثلاث، لأنه أمر بالرجعة عقب الطلاق مرتين أى دفعتين بقوله تعالى "فإمساك بمعروف" (الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) أى وهو الرجعة، وتفريق الطلاق وهو إيقاعه دفعتين لا يتعقب الرجعة، فكان هذا أمراً بتفريق الطلاقين من الثلاث، لا بتفريق كل جنس الطلاق وهو الثلاث، والأمر بتفريق طلاقين من الثلاث يكون نهيًا عن الجمع بينهما.

وأماالسنة : فما روى عن رسول الله ﷺ أنه قال: "تزوجوا ولا تطلقوا فان

الطلاق يهتزله عرش الرحمٰن" (رواه ابن عدى فى الكامل من طريق على بن ابى طالب، وقال السيوطى فى الجامع الصغير: ضعيف) نهى. ﷺ عن الطلاق، ولا يجوز أن يكون النهى عن الطلاق لعينه، لأنه قد بقى معتبراً شرعًا فى حق الحكم بعد النهى، فعلم أن ههنا غيرًا حقيقيًا ملازمًا للطلاق يصلح أن يكون منهيًا عنه، فكان النهى عنه لا عن الطلاق، ولا يجوز أن يمنع من الشرع لمكان الحرام الملازم له، كما فى الطلاق فى حالة الحيض، والبيع وقت النداء، والصلاة فى الأرض المغصوبة، وغير ذلك.

وقد ذكر عن عمر. رضى الله عنهٗ ـ : أنه كان لا يؤتى برجل طلق امرأته ثلاثًا إلا أوجعه ضربًا وأجاز ذلك عليه. وذلك بمحضر من الصحابة. رضى الله عنهم. فيكون إجماعًا.

وأما المعقول : فمن وجوه:

أحدها :

أن النكاح عقد مصلحة لكونه وسيلة إلى مصالح الدين والدنيا، والطلاق إبطال له، وإبطال المصلحة مفسدة، وقد قال الله عزوجل: (والله لا يحب الفساد...الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٠٥) وهذا معنى الكراهة الشرعية عندنا، أن الله تعالى لايحبه ولا يرضى به، إلا انه قد يخرج من أن يكون مصلحة لعدم توافق الأخلاق وتباين الطبائع، أو لفساد يرجع إلى نكاحها، بأن علم الزوج أن المصالح تفوته بنكاح هذه المرأة، أو أن المقام معها يسبب فساد دينه ودنياه، فتنقلب المصلحة فى الطلاق، ليستوفى مقاصد النكاح من امرأة أخرى، إلا أن احتمال أنه لم يتأمل حق التأمل، ولم ينظر حق النظر فى العاقبة قائم، فالشرع والعقل يدعوانه إلى النظر، وذلك فى أن يطلقها طلقة واحدة رجعية، حتى أن التباين والفساد إذا كان من جهة المرأة تتوب وتعود إلى الصلاح إذا ذاقت مرارة

الفراق، وإن كانت لا تتوب نظر في حال نفسه، أنه هل يمكنه الصبر عنها؟ فإن علم أنه لا يمكنه الصبر عنها يراجعها، وان علم أنه يمكنه الصبر عنها يطلقها في الطهر الثاني.

ثانيًا، : ويجرب نفسه، "ثم يطلقها فيخرج نكاحها من أن يكون مصلحة ظاهراً و غالبًا، لأنه لا يلحقه الندم غالبًا، فأبيحت الطلقة الواحدة أو الثلاث في ثلاثة أطهار على تقدير خروج نكاحها من أن يكون مصلحة، وصيرورة المصلحة في الطلاق، فإذا طلقها ثلاثًا جملة واحدة في حالة الغضب، وليست حالة الغضب حالة التأمل، لم يعرف خروج النكاح من أن يكون مصلحة فكان الطلاق إبطالا للمصلحة من حيث الظاهر، فكان مفسدة.

والثاني :

أن النكاح عقد مسنون، بل هو واجب لما ذكرنا في كتاب النكاح، فكان الطلاق قطعًا للسنة وتفويتًا للواجب، فكان الأصل هو الحظر أو الكراهة؛ إلا أنه رخص للتأديب أو للتخليص، والتأديب يحصل بالطلقة الواحدة الرجعية.

لأن التباين أو الفساد إذا كان من قبلها، فإذا ذاقت مرارة الفراق فالظاهر أنها تتأدب وتتوب وتعود إلى الموافقة والصلاح، والتخليص يحصل بالثلاث في ثلاثة أطهار، والثابت بالرخصة يكون ثابتًا بطريق الضرورة، وحق الضرورة صار مقضيًا بما ذكرنا فلا ضرورة إلى الجمع بين الثلاث في طهر واحد، فبقي ذلك على أصل الحظر.

والثالث :

أنه إذا طلقها ثلاثًا في طهر واحد فربما يلحقه الندم، وقال الله تعالى: (لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امراً .... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) قيل في التفسير: أى ندامة على ما سبق من فعله أو رغبة فيها، ولا يمكنه التدارك

بالنكاح، فيقع في السفاح، فكان في الجمع احتمال الوقوع في الحرام، وليس في الامتناع ذلك، والتحرز عن مثله واجب شرعًا وعقلًا، بخلاف الطلقة الواحدة لأنها لا تمنع التدارك بالرجعة، وبخلاف الثلاث في ثلاثة أطهار، لأن ذلك لا يعقب الندم ظاهرًا، لأنه يجرب نفسه في الأطهار الثلاثة فلا يلحقه الندم ... انتهى المقصود.

وقال السرخسي:

وعلى هذا الأصل. أي توجيه إيقاع الثلاث في ثلاثة أطهار. قال علماؤنا رحمهم الله: إيقاع الثلاث جملة بدعة (المبسوط ٦/٤ ومابعدها ويرجع أيضًا إلى فتح القدير ٣/٢٦ ومابعدها). وبعد أن ساق مذهب الشافعي في إباحته وأدلته، ساق الدليل على تحريمه، وهو قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٩) قال: معناه دفعتان، كقوله: أعطيته مرتين وضربته مرتين، والألف واللام للجنس، فيقتضي أن يكون كل الطلاق المباح في دفعتين ودفعة ثالثة في قوله تعالى: (فإن طلقها) أو في قوله عزوجل: (أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٩) على حسب مااختلف فيه أهل التفسير، وفي حديث محمود بن لبيد رحمه الله تعالى: أن رجلًا طلق امرأته ثلاثًا بين يدي رسول الله ﷺ فقام النبي صلى الله عليه وسلم مغضبًا. فقال: "أتلعبون بكتاب الله وأنا بين أظهركم".

واللعب بكتاب الله ترك العمل به، فدل أن موقع الثلاث جملة مخالف للعمل بما في الكتاب، وأن المراد من قوله: (فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) تفريق الطلقات على عدد أقراء العدة، ألا ترى، أنه خاطب الزوج بالأمر بإحصاء العدة؟ وفائدته التفريق، فإنه قال: (لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق:١) أي يبدوله فيراجعها، وذلك

عند التفريق لا عند الجمع.

وفي حديث عبادة بن الصامت رضى الله تعالى عنه أن قومًا جاء وا إلى رسول الله ﷺ . فقالوا: إن أبانا طلق امرأته ألفًا. فقال صلى الله عليه وسلم: "بانت امرأته بثلاث في معصية الله تعالى، وبقى تسعمائة وسبعة وتسعون وزراً في عنقه إلى يوم القيٰمة".

وإن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما لما طلق امرأته في حالة الحيض، أمره رسول الله ﷺ أن يراجعها.

فقال: أرأيت لو طلقتها ثلاثًا أكانت تحل لى؟

فقال ﷺ: "لا، بانت منك وهى معصية". وبعد أن بين وجه الرد على استدلال الشافعي رحمه الله بقصة لعان عويمر العجلانى، وأنه طلق ثلاثًا ولم ينكر عليه ﷺ.

قال: ولنا إجماع الصحابة رضى الله تعالى عنهم فقد روى عن على، و عمر و ابن مسعود و ابن عباس و ابن عمر، و أبى هريرة، و عمران بن حصين رضى الله تعالى عنهم كراهة ايقاع الطلاق الثلاث بألفاظ مختلفة.

وعن أبى قتادة الأنصارى رضى الله عنه قال: لو أن الناس طلقوا نساء هم كما أمروا لما فارق الرجل امرأته وله اليها حاجة، إن احدكم يذهب فيطلق امرأته ثلاثًا ثم يقعد فيعصر عينيه، مهلا مهلا بارك الله عليكم. فيكم كتاب الله وسنة رسوله، فماذا بعد كتاب الله وسنة رسوله إلا الضلال ورب الكعبة....

الكرخى:

لا أعرف بين أهل العلم خلافًا: أن ايقاع الثلاث جملة مكروه، إلا قول ابن سيرين، وإن قوله ليس بحجة ثم ساق الرد على مااستدل به الشافعي من الآثار، ثم ذكر بعد ذلك دليلًا من جهة المعنى، وقد سبق ما يوافقه عن الكاسانى.

وقال الطحاوى :

حدثنا ابن مرزوق قال: ثنا وهب، قال: ثنا شعبة عن ابن أبى نجيح، وحميد الأعرج، عن مجاهد، أن رجلًا قال لابن عباس: رجل طلق امرأته مائة فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك، لم تتق اللّٰه فيجعل لك مخرجًا، من يتق اللّٰه يجعل له مخرجًا. قال اللّٰه تعالىٰ: (يا أيها النبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن فى قبل عدتهن.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

المذهب المالكى

أما المذهب المالكى : فهذه بعض نقول عنه:

قال سحنون :

قلت لعبدالرحمٰن بن القاسم: هل كان مالك يكره أن يطلق الرجل امرأته ثلاث تطليقات في مجلس واحد، قال: نعم؟ كان يكره أشد الكراهية (المدونة ٦٦/٢).

وقال محمد بن احمد بن رشد :

وكذالك لا يجوز عند مالك أن يطلقها ثلاثًا في كلمة واحدة فإن، فعل لزمه ذلك بدليل قوله تعالى: (تلك حدود اللّٰه فلا تعتدوها ... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩). وقوله تعالى (ومن يتعد حدود اللّٰه فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل اللّٰه يحدث بعد ذٰلك امرًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١). وهى الرجعة فجعلها فائتة بإيقاع الثلاث فى كلمة واحدة، إذ لو لم يقع ولم يلزمه لم تفته الزوجة ولاكان ظالمًا لنفسه (المقدمات وهى مع المدونة ٧٨/٢) انتهى المقصود.

وقال الباجى : فأما العدد، فإنه لا يحل أن يوقع أكثر من طلقة واحدة، فمن أوقع

طلقتين أو ثلاثا فقد طلق بغير سنة .... والدليل على ما نقوله، قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ١) ولا يخلو أن يكون أمرا بصفة الطلاق والأمر يقتضي الوجوب أو يكون إخبارًا عن صفة الطلاق الشرعي، ومن أصحابنا من قال: إن الألف واللام تكون للحصر وهذا يقتضي أن لا يكون الطلاق الشرعي على غير هذا الوجه.

فإن قيل: المراد بذلك الإخبار عن أن الطلاق الرجعي طلقتان، وأن ما زاد عليه ليس برجعي، قالوا: يدل على ذلك، أنه قال بعد ذلك: (فإمساك بمعروف أو تسريح باحسان ... الآية الكريمة من سورة البقرة: ١) ثم أفرد الطلقة الثالثة لما لم تكن رجعية وفارق حكم الطلقتين فقال: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره ... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) وإذا كان المراد ما ذكرناه من الأخبار عن الطلاق الرجعي لم يدل ذلك على أن هذا هو الطلاق الرجعي دون غيره.

فالجواب: أن هذا أمر أضمر في الكلام مع استقلاله دونه بغير دليل، لأنكم تضمرون الرجعي وتقولون: معناه الطلاق الرجعي مرتان، وإذا استقل الكلام دون ضمير لم يجز تعديه إلا بدليل.

وجواب ثان: وهو أنه لو أراد الإخبار عما ذكرتم لقال: الطلاق طلقتان، لأن ذلك يقتضي أنه الطلاق الرجعي أو قعهن مجتمعتين أو متفرقتين، فلما قال مرتان، ولا يكون ذلك إلا لإيقاع الطلاق متفرقًا، ثبت أنه قصد الإخبار عن صفة إيقاعه، لا الإخبار عن عدد الرجعي منه.

فإن قالوا إن لفظ التكرار إذا علق باسم أريد به العدد دون تكرار الفعل، يدل على ذلك، قوله تعالى: (نؤتها اجرها مرتين ... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) . ولم يرد تفريق الأجر وإنما أراد تضعيف العدد.

. فالجواب: أن قوله: (نؤتها اجرها مرتين.. الآية الكريمة من سورة الاحزاب: ۳۱). حقيقة فيما ذكرناه من تكرار الفعل دون العدد، ولا فرق في ذلك بين أن يعلق على فعل أو اسم يدل على ذلك أنك تقول: لقيت فلانًا مرتين فيقتضي تكرار الفعل، وكذلك قوله: دخلت مصر مرتين. فاذا كان ذلك أصله وحقيقته. ودل الدليل في بعض المواضع على العدول به عن حقيقته واستعماله في غير ما وضع له، لم يجز حمله على ذلك في موضع آخر إلا بدليل.

وجواب آخر: وهو ان الفضل: قال: معنى (نؤتها اجرها مرتين... ايضاً) مرة بعد مرة في الجنة. فعلى هذا لم يخرج اللفظ عن بابه ولا عدل به عن حقيقته. وإن قلنا: إن معناه التضعيف في ماله وأجره: فالفرق بينهما أن قوله تعالى: (نوتها أجرها مرتين...ايضًا) يفيدالتضعيف ويمنع الاقتصار على ضعف واحد ولو كان معنى قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) يريد به التضعيف، لمنع من إيقاع طلقة واحدة، وإلا بطل معنى التضعيف، وهذا باطل باتفاقنا.

. ودليلنا من جهة السنة ماروى مخرمة بن بكير، عن ابيه قال: سمعت محمود بن لبيد، قال: أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعًا فقال: فعلته لاعبًا ثم قال "تلعب بكتاب الله وأنا بين اظهركم؟" حتى قام رجل فقال: يا رسول الله ألا أقتله؟

ودليلنا من جهة القياس أن هذا معنى ذو عدد يقتضي البينونة فوجب تحريمه كاللعان.

أما مذهب الحنابلة فقد قال ابن قدامة :

والرواية الثانية أن جمع الثلاث طلاق بدعة محرم، اختارها أبوبكر و أبو حفص، روى عن عمر و علي و ابن مسعود و ابن عباس و ابن عمر و هو قول

مالك و أبي حنيفة (المغنى و معه الشرح ٨/٢٤١)

قال على رضى اللّٰه عنه :

لايطلق أحد للسنة فيندم، وفى رواية قال: يطلقها واحدة ثم يدعها ما بينها و بين أن تحيض ثلاث حيض فمن شاء راجعها. وعن عمر رضى اللّٰه عنه: أنه كان إذا أتي برجل طلق ثلاثًا أو جعه ضربًا.

وعن مالك بن الحارث قال: جاء رجل إلى ابن عباس قال: إن عمى طلق امرأته ثلاثًا، فقال أن عمك عصى الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجا.

ووجه ذلك قول اللّٰه تعالى: (يا أيها النبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة... إلى قوله ... لا تدرى لعل اللّٰه يحدث بعد ذلك أمرًا.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) ثم قال بعد ذلك: (ومن يتق الله يجعل له مخرجا....الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢). (ومن يتق الله يجعل له من أمره يسرًا.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٤). ومن جمع الثلاث لم يبق له أمر يحدث، ولا يجعل الله له مخرجًا، ولا من أمره يسرًا، وروى النسائى باسناده عن محمود بن لبيد وقد سبق فى استدلال المالكية وفي حديث ابن عمر قال: قلت: يا رسول الله أرأيت لو طلقتها ثلاثًا؟ قال: "إذًا عصيت ربك وبانت منك امرأتك".

وروى الدارقطنى باسناده عن على قال: سمع النبى ﷺ رجلا طلق البتة فغضب وقال: تتخذون آيات اللّٰه هزواً، أو دين اللّٰه هزوًا ولعبًا. من طلق البتة الزمناه ثلاثًا لا تحل له حتّٰى تنكح زوجًا غيره".

ولأنه تحريم للبضع بقول الزوج من غير حاجة، فحرم كالظهار، بل هذا أولى، لأن الظهار يرتفع تحريمه بالتكفير، وهذا لا سبيل للزوج إلى رفعه بحال، ولأنه ضرر و اضرار بنفسه وبامرأته من غير حاجة، فيدخل فى عموم النهى، وربما كان وسيلة إلى عوده إليها حرامًا أو بحيلة لا تزيل التحريم، ووقوع الندم،

وخسارة الدنيا والآخرة، فكان أولى بالتحريم من الطلاق في الحيض الذى ضرره قاؤها في العدة أيامًا يسيرة، أو الطلاق في طهر مسهافيه، الذى ضرزه احتمال لندم بظهور الحمل، فإن ضرر جمع الثلاث يتضاعف على ذلك أضعافًا كثيرة، بالتحريم ثمّ تنبيه على التحريم.

ولأنه قول من سمينا من الصحابة رواه الأثرم وغيره، ولم يصح عندنا في عصرهم خلاف قولهم، فيكون ذلك إجماعًا.

وقال شيخ الاسلام: وأما جمع "الطلقات الثلاث" ففيه قولان:

حدهما: محرم أيضًا عند أكثر العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وهذا مذهب مالك وأبي حنيفة وأحمد في إحدى الروايتين عنه، واختاره أكثر أصحابه، وقال أحمد: تدبرت القرآن فإذا كل طلاق فيه فهو الطلاق الرجعي. يعنى طلاق المدخول بها. غير قوله: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتّى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) وعلى هذا القول فهل له أن يطلقها الثانية والثالثة قبل الرجعة بأن يفرق الطلاق على ثلاثة أطهار، فيطلقها في كل طهر طلقة؟ فيه قولان، هما روايتان عن أحمد "إحداهما" له ذلك، وهو قول طائفة من السلف و مذهب أبيَ حنيفة "والثانية" ليس له ذلك وهو قول أكثر السلف، وهو مذهب مالك و أصح الروايتين عن أحمد التي اختارها أكثر أصحابه كأبي بكر بن عبدالعزيز، والقاضي أبي يعلى و أصحابه.

القول الثاني:

أن جمع الثلاث ليس بمحرم، بل هو ترك الأفضل وهو مذهب الشافعي، والرواية الأخرى عن أحمد: اختارها الخرقي.

واحتجوا بأن فاطمة بنت قيس طلقها زوجها أبو حفص بن المغيرة ثلاثًا، وبأن امرأة رفاعة طلقها زوجها ثلاثًا، وبأن الملاعن طلق امرأته ثلاثًا ولم ينكر

النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ذلك.

وأجاب الأكثرون: بأن حديث فاطمة، وامرأة رفاعة، إنما طلقها ثلاثًا متفرقات، هكذا ثبت في الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات، لم يطلق ثلاثًا لا هذا ولا هذا مجتمعات: وقول الصحابي: طلق ثلاثًا يتناول ما إذا طلقها ثلاثًا متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها، وهذا طلاق سني واقع باتفاق الأئمة، وهوالمشهور على عهد رسول الله ﷺ في معنى الطلاق ثلاثًا وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا إنما كان منكرًا عندهم، إنما يقع قليلًا، فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق، ولا يجوز أن يقال: يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا، بل هذا قول بلا دليل، بل هو بخلاف الدليل.

وأما الملاعن فإن طلاقه وقع بعد البينونة، أو بعد وجوب الإبانة التي تحرم بها المرأة أعظم مما يحرم بالطلقة الثالثة، فكان مؤكدًا لموجب اللعان، والنزاع إنما هو في طلاق من يمكنه إمساكها، لا سيما والنبي ﷺ قد فرق بينهما، فإن كان ذلك قبل الثلاث لم يقع بها ثلاث ولا غيرها، وإن كان بعدها دل على بقاء النكاح. والمعروف أنه فرق بينهما بعد أن طلقها ثلاثًا. فدل ذلك على أن الثلاث لم يقع بها، إذ لو وقعت لكانت قد حرمت عليه حتى تنكح زوجًا غيره.

وامتنع حينئذ أن يفرق النبي ﷺ بينهما لأنهما صارا أجنبيين ولكن غاية ما يمكن أن يقال: حرمها عليه تحريمًا مؤبدًا فيقال: فكان ينبغي أن يحرمها عليه لا يفرق بينهما، فلما فرق بينهما دل على بقاء النكاح، وأن الثلاث لم تقع جميعًا بخلاف ما إذا قيل: إنه يقع بها واحدة رجعية، فإنه يمكن فيه حينئذ أن يفرق بينهما.

وقول سهل بن سعد: طلقها ثلاثًا فأنفذه عليه رسول اللّٰه ﷺ دليل على

أنه احتاج إلى انفاذ النبى ﷺ واختصاص الملاعن بذلك، ولو كان من شرعه انها تحرم بالثلاث، لم يكن للملاعن اختصاص ولا يحتاج إلى انفاذ. فدل على أنه لما قصد الملاعن بالطلاق الثلاث أن تحرم عليه أنفذ النبى ﷺ مقصوده، بل زاده، فإن تحريم اللعان أبلغ من تحريم الطلاق، إذ تحريم اللعان لا يزول وإن نكحت زوجًا غيره، وهو مؤبد فى احد قولي العلماء لايزول الا بالتوبة.

واستدل الأكثرون: بأن القرآن العظيم يدل على أن الله لم يبح إلا الطلاق الرجعى، وإلا الطلاق للعدة، كما في قوله تعالى: (يا ايها النبى اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة الى قوله لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا. فإذا بلغن اجلهن فأمسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وهذا إنما يكون فى الرجعى. وقوله: "فطلقوهن لعدتهن" يدل على أنه لا يجوز إرداف الطلاق للطلاق حتى تنقضى العدة أو يراجعها، لأنه إنما أباح الطلاق للعدة: أى لاستقبال العدة، فمتى طلقها الثانية والثالثة قبل الرجعة بنت على العدة، ولم تستأنفها باتفاق جماهير المسلمين. فإن كان فيه خلاف شاذعن خلاس و ابن حزم فقد بينا فساده في موضع آخر، فان هذا قول ضعيف: لأنهم كانوا فى أول الإسلام إذا أراد الرجل اضرار امرأته طلقها حتى اذا شارفت انقضاء العدة راجعها ثم طلقها ليطيل حبسها فلو كان اذا لم يراجعها تستأنف العدة لم يكن بحاجة إلى أن يراجعها، والله تعالى قصرهم على الطلاق الثلاث دفعًا لهذا الضرر، كما جاء ت بذلك الآثار، ودل على أنه كان مستقراً عندالله أن العدة لا تستأنف بدون رجعة سواء كان ذلك لأن الطلاق لا يقع قبل الرجعة، أو يقع ولا يستأنف له العدة، و ابن حزم إنما أوجب استئناف العدة بأن يكون الطلاق لاستقبال العدة. فلا يكون طلاق إلا يتعقبه عدة، إذا كان بعد الدخول، كما دل عليه القرآن، فلزمه على ذلك هذا القول الفاسد، وأما من أخذ بمقتضى القرآن

وما دلت عليه الآثار فإنه يقول: إن الطلاق الذى شرعه اللّٰه هو ما يتعقبه العدة، وما كان صاحبه مخيرًا فيها بين الإمساك بمعروف والتسريح بإحسان، وهذا منتف فى إيقاع الثلاث فى العدة قبل الرجعة فلا يكون جائزًا. فلم يكن ذلك طلاقًا للعدة.

ولأنه تعالى قال: (فإذا بلغن اجلهن فأمسكوهن بمعروفٍ أو فارقوهن بمعروفٍ.... الآية الكريمة من سورة الطلاق:٢) فخيره بين الرجعة وبين أن يدعها تقضى العدة فيسرحها بإحسان، فإذا طلقها ثانية قبل انقضاء العدة لم يمسك بمعروف ولم يسرح بإحسان.

وقد قال تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء. ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن ان كن يؤمن بالله واليوم الآخر، وبعولتهن احق بردهن في ذلك... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٨) فهذا يقتضى أن هذا حال كل مطلقة، فلم يشرع إلا هذا الطلاق ثم قال: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٤)

أى هذا الطلاق المذكور (مرتان) وإذا قيل: سَبِّحْ مرتين أو ثلاث مرات: لم يجزه أن يقول سبحان الله مرتين، بل لا بدأن ينطق بالتسبيح مرة بعد مرة، فكذلك لا يقال: طلق مرتين إلا إذا طلق مرة بعد مرة، فإذا قال: أنت طالق ثالثًا، أو مرتين لم يجزأن يقال: طلق ثلاث مرات ولا مرتين، وإن جاز أن يقال طلق ثلاث تطليقات أو طلقتين، ثم قال سبحانه بعد ذلك: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) فهذه الطلقة الثالثة لم يشرعها الله إلا بعد الطلاق الرجعي مرتين.

وقد قال الله تعالى: (وإذا طلقتم النسآء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن ازواجهن... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٣٢) وهذا إنما يكون فيما دون الثلاث، وهو يعم كل طلاق، فعلم أن جمع الثلاث ليس بمشروع. ودلائل

تحريم الثلاث كثيرة قوية من الكتاب والسنة والآثار والاعتبار، كما هو مبسوط في موضعه. وسبب ذلك أن الأصل في الطلاق الحظر. وإنما أبيح منه قدر الحاجة، كما ثبت في الصحيح عن جابر عن النبي ﷺ: "إن ابليس ينصب عرشه على البحر، ويبعث سراياه فأقربهم إليه منزلةً أعظمهم فتنةً فيأتيه الشيطان فيقول: ما زلت به حتى فعل كذا، حتى يأتيه الشيطان فيقول: ما زلت به حتى فرقت بينه وبين امرأته، فيدنيه منه، ويقول: أنت أنت، ويلتزمه". وقد قال تعالى في ذم السحر: (ويتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء وزوجه... الآية الكريمة من سورة البقرة: ١٠١) وفي السنن عن النبي ﷺ قال "إن المختلعات والمنتزعات هن المنافقات" وفي السنن أيضًا عن النبي ﷺ أنه قال: "أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة".

ولهذا لم يبح إلا ثلاث مرات، وحرمت عليه المرأة بعد الثالثة حتى تنكح زوجًا غيره، وإذا كان إنما أبيح للحاجة، فالحاجة تندفع بواحدة، فما زاد فهو باق على الحظر. اهـ

وقال ابن القيم رحمه الله:

فصل في حكمه ﷺ فيمن طلق ثلاثًا بكلمة واحدة. قد تقدم حديث محمود بن لبيد، أن رسول الله ﷺ أخبر عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعًا، فقام مغضبًا ثم قال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم" وإسناده على شرط مسلم، قال ابن وهب: قد رواه مخرمة بن بكير بن الأشج عن أبيه قال: سمعت محمود بن لبيد، فذكره، ومخرمة ثقة بلا شك. وقد احتج مسلم في صحيحه بحديثه عن أبيه.

والذين أعلوه، قالو: لم يسمع منه، وإنما هو كتاب. قال أبوطالب: سألت أحمد بن حنبل رحمه الله عن مخرمة بن بكير فقال: هو ثقة ولم يسمع من أبيه، وإنما هو

كتاب مخرمة، فنظر فيه كل شيء يقول: "بلغني عن سليمان بن يسار" فهو من كتاب مخرمة وقال أبوبكر بن أبي خيثمة سمعت يحيٰى بن معين يقول: مخرمة بن بكير وقع إليه كتاب أبيه ولم يسمعه، وقال في رواية عباس الدوري: هو ضعيف، وحديثه عن أبيه كتاب ولم يسمعه منه، وقال ابوداؤد لم يسمع من ابيه إلا حديثًا واحدًا حديث الوتر، وقال سعيد بن أبي مريم، عن خاله موسى بن سلمة، أتيت مخرمة فقلت: حدثك أبوك فقال: لم أدرك أبي ولكن هذه كتبه.

والجواب عن هذا من وجهين

احدهما : أن كتاب أبيه كان عنده محفوظ مضبوط، فلا فرق في قيام الحجة بالحديث بين ما حدثه به، أو رآه في كتابه، بل الأخذ عن النسخة أحوط، إذا تيقن الراوي أنها نسخة الشيخ بعينها، وهذه طريقة الصحابة والسلف، وقد كان رسول الله ﷺ يبعث بكتبه إلى الملوك، وتقوم عليهم بهاالحجة، وكتب كتبه إلى عماله في بلاد الاسلام فعملوا بها، واحتجوا بها، ودفع الصديق كتاب رسول الله ﷺ في الزكاة إلى أنس بن مالك فحمله وعملت به الأمة وكذلك كتابه إلى عمرو بن حزم في الصدقات الذي كان عند آل عمرو، ولم يزل السلف والخلف يحتجون بكتاب بعضهم إلى بعض، ويقول المكتوب إليه: كتب إلى فلان أن فلانًا أخبره.

ولو بطل الاحتجاج بالكتب لم يبق بأيدي الأمة إلا أيسر اليسير، فإن الاعتماد إنما هو على النسخ لا على الحفظ، والحفظ خوان، والنسخة لا تخون، ولا يحفظ في زمن من الأزمان المتقدمة أن أحدًا من أهل العلم رد الاحتجاج بالكتاب، وقال: لم يشافهني به الكاتب فلا أقبله، بل كلهم مجمعون على قبول الكتاب والعمل به إذا صح عنده أنه كاتبه.

الجواب الثاني :

أن قول من قال: "ولم يسمع من أبيه" معارض بقول من قال: "سمع منه"

ومعه زيادة علم و إثبات. قال عبدالرحمن بن أبى حاتم، سئل أبى عن مخرمة بن بكير؟ فقال صالح الحديث. وقال ابن أبي ذئب: وحدث في ظهر كتاب مالك. سألت مخرمة عما يحدث به عن أبيه سمعها من أبيه، فحلف لي ورب هذه البنية. يعني المسجد. سمعت من أبي.

وقال على بن المدينيؒ:

سمعت معن بن عيسىٰ يقول: مخرمة سمع من أبيه، وعرض عليه ربيعة أشياء من رأى سليمان بن يسار، وقال علي: ولا أظن مخرمة سمع من أبيه كتاب سليمان لعله سمع منه الشيء اليسير، ولم أجد أحدًا في المدينة يخبرني عن مخرمة بن بكير أنه كان يقول في شيء من حديثه "سمعت أبي" ومخرمة ثقة... انتهى. ويكفي أن مالكًا أخذ كتابه فنظر فيه واحتج به في مؤطئه. وكان يقول: حدثني مخرمة، وكان رجلًا صالحًا.

وقال ابو حاتمؒ:

سألت اسماعيل بن أبى اويس، قلت هذا الذى يقول مالك بن أنسؓ: حدثني ثقة من هو؟ قال مخرمة بن بكير، وقيل لأحمد بن صالح المصرى كان مخرمة من ثقات الرجال؟ قال نعم. وقال ابن عدى عن ابن وهب ومعن بن عيسىٰ عن مخرمة: أحاديث حسان مستقيمة وأرجو أنه لا بأس به.

وفي صحيح مسلم قول ابن عمرؓ للمطلق ثلاثًا: حرمت عليك حتى تنكح زوجًا غيرك، وعصيت ربك فيما امرك به من طلاق امرأتك. وهذا تفسير منه للطلاق المأمور به، وتفسير الصحابى حجة، وقال الحاكم هو عندنا مرفوع.

ومن تأمل القرآن حق التأمل تبين له ذلك و عرف أن الطلاق المشروع بعد الدخول، هو الطلاق الذى تملك به الرجعة، ولم يشرع الله سبحانه ايقاع الثلاث جملة واحدة البتة، قال تعالى: (الطّلاق مرّتان... الآية الكريمة من

سورةالبقرة: ۲۲۹) ولا تعقل العرب فی لغتها وقوع المرتين إلا متعاقبتين، كما قال النبی ﷺ "من سبح الله دبر كل صلاة ثلاثًا وثلاثين، وحمده ثلاثًا وثلاثين، وكبره ثلاثًا و ثلاثين" ونظائره، فإنه لا يعقل من ذلك إلا تسبيح وتكبير وتحميد متوال، يتلو بعضه بعضًا. فلو قال سبحان الله ثلاثًا و ثلاثين، والحمدلله ثلاثًا وثلاثين، والله اكبر ثلاثًا و ثلاثين بهذا اللفظ لكان ثلاث مرات فقط، واصرح من هذا قوله سبحانه: (والذين يرمون ازواجهم ولم يكن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات بالله... الآية الكريمة من سورة النور: ٦) فلو قال أشهد بالله أربع شهادات بالله إنی لمن الصادقين، كانت مرة، وكذلك قوله: (ويدرأ عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين.. الآية الكريمة من سورة النور: ٨) فلو قالت أشهد بالله أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين كانت واحدة.

وأصرح من ذلك قوله تعالى: (سنعذبهم مرتين... الآية الكريمة من سورة التوبة: ۱۰۱) فهذا مرة بعد مرة.

ولا ينقض هذا بقوله تعالى: (نؤتها اجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ۳۱) وقوله ﷺ: "ثلاثة يؤتون أجرهم مرتين".

فإن المرتين هنا: هما الضعفان، وهما المثلان، وهما مثلان في القدر، كقوله تعالى: (يضاعف لها العذاب ضعفين... الآية الكريمة من سورة الاحزاب: ۳۰) وقوله تعالى: (فآتت أكلها ضعفين... الآية الكريمة من سورةالبقرة: ۲۶۵) أی ضعف ما يعذب به غيرها، وضعف ما كانت نؤتی، ومن هذا قول أنس: "انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ مرتين". أی شقتين وفرقتين، كما قال فی اللفظ الآخر: "انشق القمر فلقتين" وهذا أمر معلوم قطعًا: أنه إنما انشق القمر مرة واحدة، والفرق معلوم بين ما يكون مرتين فی الزمان

وبين ما يكون مثلين وجزئين و مرتين فى المضاعفة، فالثانى يتصور فيه اجتماع المرتين فى آن واحد، والأول لايتصور فيه ذلك.

ومما : ، يدل على أن الله لم يشرع الثلاث جملة، أنه قال: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٨) إلى أن قال: (وبعولتهن أحق بردهن في ذلك ان ارادوا إصلاحًا... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٨) فهذا يدل على أن كل طلاق بعدالدخول، فالمطلق أحق فيه بالرجعة، سوى الثالثة المذكورة بعد هذا.

وكذلك قوله تعالىٰ: (يا ايها النبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورةالطلاق:١) إلى قوله: (فاذا بلغن اجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق:٢) فهذا هو الطلاق المشروع، وقد ذكر الله سبحانه أقسام الطلاق كلها فى القرآن، وذكر أحكامها فذكر الطلاق قبل الدخول وأنه لا عدة فيه، وذكر الطلقة الثالثة وأنها تحرم الزوجة على المطلق حتى تنكح زوجًا غيره، وذكر طلاق الفدا الذى هو الخلع وسماه فدية، ولم يحتسبه من الثلاث كما تقدم، وذكر الطلاق الرجعى الذى يحق للمطلق فيه الرجعة وهو ما عدا هذه الأقسام الثلاثة.

وبهذا احتج أحمد رح والشافعي رح وغيرهما، على أنه ليس فى الشرع طلقة واحدة بعد الدخول بغير عوض بائنة وأنه إذا قال لها: أنت طالق طلقة بائنة كانت رجعية ويلغو وصفها بالبينونة، وأنه لا يملك إبانتها إلا بعوض، وأما أبوحنيفة رح فقال: تبين بذلك، لأن الرجعة حق له وقد أسقطها، والجمهور يقولون: وإن كانت الرجعة حقًا له لكن نفقة الرجعية وكسوتها حق عليه، فلا يملك إسقاطه إلا باختيارها، وبذلها العوض، وسؤالها أن تفتدى نفسها بغير عوض فى أحد القولين، وهو جواز الخلع بغير عوض، وأما إسقاط حقها من الكسوة والنفقة بغير سؤالها

ولابذلها العوض فخلاف النصّ والقياس.

قالوا: وأيضًا فاللّٰه سبحانه شرع الطلاق على أكمل الوجوه وأنفعها للرجل والمرأة، فإنهم كانوا يطلقون في الجاهلية بغير عدد، فيطلق أحدهم المرأة كلما شاء ويرجعها، وهذا. وإن كان فيه رفق بالرجل. ففيه إضرار بالمرأة، فنسخ سبحانه ذلك بثلاث، وقصر الزوج عليها وجعله أحق بالرجعة مالم تنقض عدتها، فإذا استوفى العدد الذي ملكه حرمت عليه، فكان في هذا رفق بالرجل إذ لم تحرم عليه بأول طلقة، وبالمرأة حيث لم يجعل إليه أكثر من ثلاث. فهذا شرعه وحكمته وحدوده التي حدها لعباده، فلو حرمت عليه بأول طلقة يطلقها، كان خلاف شرعه وحكمته، وهو لم يملك إيقاع الثلاث جملة، بل إنما ملك واحدة، فالزائد عليها غير مأذون له فيه.

قالوا: وهذا كما أنه لم يملك ابانتها بطلقة واحدة إذ هو خلاف ما شرعه، لم يملك ابانتها بثلاث مجموعة إذ هو خلاف ما شرعه.. ونكتة المسألة: أن اللّٰه لم يجعل للأمة طلاقًا بائنًا قط إلا في موضعين: "أحدهما" طلاق غير المدخول بها، "والثاني" الطلقة الثالثة وما عداه من الطلاق فقد جعل للزوج فيه الرجعة. هذا مقتضى الكتاب كما تقدم تقريره. وهذا قول الجمهور منهم الإمام أحمدؒ والشافعيؒ وأهل الظاهر.. قالوا: لا يملك إبانتها بدون الثلاث إلا في الخلع، ولأصحاب مالكؒ ثلاثة أقوال فيما إذا قال: أنت طالق طلقة لا رجعة فيها. وساقها رحمه اللّٰه. هل هي ثلاث، أو خلع بدون عوض أو واحدة بائنة.

وقد: أجاب ابن حزم رحمه اللّٰه في كتابه المحلّى عن ذلك بقوله (انظر المحلّى الجزء العاشر ص۱۶۷-۱۶۸) أما الآيات فإنما نزلت فيمن طلق واحدة أو اثنتين فقط، ثم نسألهم عمن طلق مرة ثم راجع ثم مرة ثم راجع ثانية ثم ثالثة، أبدعة أتى؟

فمن قولهم: لا بل سنة فنسألهم أتحكمون له بما فى الآيات المذكورات؟ فمن قولهم: لا بلا خلاف فصح أن المقصود فى الآيات المذكورات، من أراد أن يطلق طلاقًا رجعيًا، فبطل احتجاجهم بها فى حكم من طلق ثلاثًا. وأما قولهم: معنى قوله: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) أن معناه مرة بعد مرة، فخطأ بل هذه الآية كقوله تعالى: (نؤتها اجرها مرتين....الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) أى مضاعفًا معًا وهذه الآية أيضًا تصلح لما دون الثلاث من الطلاق وهو حجة لنا عليهم، لأنهم لا يختلفون. يعنى المخالفين لنا. فى أن طلاق السنة هو أن يطلقها واحدة ثم يتركها حتى تنقضى عدتها فى قول طائفة منهم، وفى قول آخرين منهم: أن يطلقها فى كل طهر طلقة وليس شيء من هذا فى هذه الآية، وهم لا يرون من طلق طلقتين متتابعتين فى كلام متصل طلاق سنة، فبطل تعلقهم بقوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وأما خبر محمود بن لبيد فمرسل، ولا حجة فى مرسل، ومخرمة لم يسمع من أبيه شيئًا ويعنى ابن حزم بالإرسال ما قرره الحافظ بن حجر (أنظر فتح البارى الجزء التاسع ص٢٩٧) وهو أن محمود بن لبيد، ولد فى عهد النبى ﷺ ولم يثبت له منه سماع وإن ذكره بعضهم فى الصحابة فلأجل الرؤية... وقد ترجم له أحمد فى مسنده وأخرج له عدة أحاديث ليس فيها شيء صرح فيه بالسماع.

وقال الحافظ ذكره ابن سعد فى الطبقة الأولى من التابعين فيمن ولد على عهد النبى ﷺ وقال: سمع من عمر، وتوفى بالمدينة سنة ست وتسعين، وكان ثقة قليل الحديث (أنظر تهذيب التهذيب الجزء العاشر ص٦٦) كما ذكر الحافظ أن الترمذى قال فيه: "رأى النبى ﷺ وهو غلام صغير".

وقال ابن أبى حاتم : قال البخارى: له صحبة فسخط أبى عليه، وقال: لايعرف له صحبة، روى عن ابن عباس، روى عنه عاصم بن عمر بن قتادة سمعت أبى يقول

ذلك. سئل أبو زرعة عن محمود بن لبيد؟ فقال: روى عن ابن عباسؓ، وعنه الحارث بن فضيل، مدينى أنصارى ثقة، وفى رواية مخرمة عن أبيه كلام كثير. ا هـ

الثانى : من قولى العلماء فى الإقدام على جمع الطلاق الثلاث فى كلمة واحدة، أنه ليس بمحرم ولا بدعة، بل سنة، وهو قول الشافعى، وأبى ثور، وأحمد بن حنبل فى إحدى الروايات عنه، وجماعة من أهل الظاهر، كما فى زادالمعاد، ونكتفى بايراد كلام الشافعى فى الأم، و ابن حزم فى المحلّٰى. قال الإمام الشافعى: (الخلاف فى الطلاق الثلاث):

عن مالك بن أنس، عن عبداللّٰه بن يزيد مولى الأسود بن سفيان، عن أبى سلمة بن عبدالرحمن، عن فاطمة بنت قيس. أن أبا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب بالشام فبعث إليها وكيله بشعير فسخطته فقال: واللّٰه مالك علينا من شيء. فجاء ت النبى ﷺ فذكرت ذلك له فقال: "ليس لك عليه نفقة".

قال الشافعى رحمه اللّٰه: وأبوعمرو رضى اللّٰه عنهما طلق امرأته البتة وعلم ذلك النبى ﷺ فأسقط نفقتها لأنه لا رجعة له عليها، والبتة التى لا رجعة له عليها ثلاث، ولم يعب النبى ﷺ طلاق الثلاث، وحكم فيما سواها من الطلاق بالنفقة والسكنى. فإن قال قائل: مادل على أن البتة ثلاث فهو لو لم يكن سمى أبو عمرو رضى اللّٰه عنهما ثلاثًا البتة، أو نوى بالبتة ثلاثًا، كانت واحدة يملك الرجعة وعليه نفقتها.

ومن زعم أن البتة ثلاث بلا نية المطلق، ولا تسمية ثلاث، قال: إن النبى ﷺ إذالم يعب الطلاق الذى هو ثلاث، دل على أن الطلاق بيدالزوج، ما أبقى منه أبقى لنفسه، وما أخرج منه من يده لزمه غير محرم عليه، كما لا يحرم عليه ان يعتق رقبة، وألا يخرج من ماله صدقة، وقد يقال له: لو أبقيت ما تستغنى به عن النّاس كان خيرًا لك.

فإن قال قائل: ما دل على أن أبا عمرو لا يعدو أن يكون سمى ثلاثًا، أو نوى بالبتة ثلاثًا؟ قلنا: الدليل عن رسول الله ﷺ.

قال الشافعيؒ رحمه الله: أخبرنا عمي محمد بن علي بن شافع، عن عبدالله بن علي بن السائب، عن نافع ابن عجير بن عبد يزيد، أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة المزينة البتة، ثم أتى النبي ﷺ فقال: إني طلقت امرأتي سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة.

فقال النبي ﷺ لركانة: "والله ما أردت إلا واحدة؟" فردها إليه النبي ﷺ فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان رضي الله عنهما.

قال الشافعيؒ رحمه الله: أخبرنا مالك عن ابن شهاب، عن سهل بن سعد، أنه أخبره أنه تلاعن عويمر وامرأته بين يدي النبي ﷺ وهو مع الناس فلما فرغا من ملا عنتهما.

قال عويمر: كذبت عليها يا رسول الله إن امسكتها. فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره رسول الله ﷺ قال مالك: قال ابن شهاب فكانت تلك سنة المتلاعنين.

قال الشافعي رحمه الله: فقد طلق عويمر ثلاثًا بين يدي النبي ﷺ ولو كان ذلك محرمًا لنهاه عنه. وقال: إن الطلاق وإن لزمك فأنت عاص بأن تجمع ثلاثًا. فافعل كذا. كما أمر النبي ﷺ عمر أن يأمر عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، حين طلق امرأته حائضًا، أن يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر، ثم تحيض ثم تطهر، ثم إن شاء طلق و إن شاء أمسك، فلا يقر النبي ﷺ بطلاق لا يفعله أحد بين يديه، إلا نهاه عنه، لأنه العلم بين الحق والباطل، لا باطل بين يديه إلا يغيره.

قال الشافعي: أخبرنا ابن عيينة عن عمرو بن دينار. قال: سمعت محمد بن عباد بن جعفر يقول: أخبرني المطلب ابن حنطب، أنه طلق امرأته البتة ثم أتى عمر فذكر ذلك له.

فقال: ما حملك على ذلك؟ قال: قد فعلته فتلا: (ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به لكان خيرًا لهم واشد تثبيتا... الآية الكريمة من سورة النساء: ٦٦) ما حملك على ذلك؟ قال: قد فعلته. قال: أمسك عليك امرأتك فان الواحدة تبت.

أخبرنا الربيع، قال: أخبرنا الشافعي، قال: أخبرنا ابن عيينة، عن عمرو بن دينار، عن عبدالله بن أبي سلمة، عن سليمان ابن يسار أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. قال: للتوئمة مثل ما قال للمطلب.

قال الشافعي: أخبرنا الثقة، عن الليث بن سعد، عن بكير عن سليمان، أن رجلًا من بني زريق طلق امرأته البتة، قال عمر رضي الله عنه: ما أردت بذلك؟ قال: أتراني أقيم على حرام والنساء كثير؟ فأحلفه فحلف. قال الشافعي رحمه الله: أراه قال فردها عليه.

قال: وهذا الخبر في الحديث في الزرقي، يدل على أن قول عمر بن الخطاب رضي الله عنه للمطلب ما أردت بذلك؟ يريد واحدةً أو ثلاثًا؟ فلما أخبره أنه لم يرد به زيادة في عدد الطلاق، وأنه قال: بلا نية زيادة. ألزمه واحدة وهي أقل الطلاق، وقوله: (ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به... ايضًا) لو طلق فلم يذكر البتة، إذ كانت كلمة محدثة ليست في أصل الطلاق تحتمل صفة الطلاق وزيادة في عدده ومعنى غير ذلك، فنهاه عن المشكل من القول. ولم ينهه عن الطلاق، ولم يعبه ولم يقل له: لو أردت ثلاثًا كان مكروهًا عليك، وهو لا يحلفه على ما أراد إلا ولو اراد اكثر من واحدة ألزمه ذلك.

أخبرنا الربيع: قال أخبرنا الشافعيؒ قال: أخبرنا مالك عن ابن شهاب، عن طلحة بن عبدالله ابن عوف، وكان أعلمهم بذلك، وعن أبي سلمة بن عبدالرحمن، أن عبدالرحمن طلق امرأته البتة وهو مريض فورثها عثمان منه بعد انقضاء عدتها.

قال الشافعي رحمه اللّٰه أخبرنا عبدالوهاب، عن أيوب، عن ابن سيرين. أن امرأة عبدالرحمن نشدته الطلاق فقال: إذا حضت ثم طهرت فآذنيني، فطهرت وهو مريض فآذنته فطلقها ثلاثًا. قال الشافعي رحمه اللّٰه: والبتة في حديث مالك بيان هذا الحديث ثلاثًا، لما وصفنا من أن يقول طالق البتة ينوي ثلاثًا وقد بينه ابن سيرين فقطع موضع الشك فيه.

أخبرنا الربيع، قال: أخبرنا الشافعيؒ، قال: أخبرنا مالك، عن ابن شهاب، عن محمد بن عبدالرحمن ابن ثوبان عن محمد بن إياس بن بكير، قال: طلق رجل امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها، ثم بدا له أن ينكحها، فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له. فسأل أبا هريرة، وعبداللّٰه بن عباس رضي اللّٰه عنهما عن ذلك فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تنكح زوجًا غيرك. قال: إنما كان طلاقي إياها واحدة، فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل.

قال الشافعي رحمه اللّٰه: وما عاب ابن عباس ولا أبو هريرةؓ عليه أن يطلق ثلاثًا، ولو كان ذلك معيبًا، لقالا له: لزمك الطلاق وبئسما صنعت، ثم سمى حين راجعه فما زاده ابن عباس على الذي هو عليه أن قال له: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل، ولم يقل بئسما صنعت، ولا حرجت في إرساله.

أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعيؒ، قال: أخبرنا مالكؒ عن يحيى بن سعيد، عن بكير، عن النعمان ابن أبي عياش الانصاري عن عطاء بن يسار، قال: جاء رجل يستفتي عبداللّٰه بن عمروؓ: عن رجل طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يمسها، قال عطاء فقلت: إنما طلاق البكر واحدة. فقال عبداللّٰه بن عمرو: انما أنت قاص الواحدة تبينها، والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجًا غيره.

ولم يقل له عبداللّٰه: بئسما صنعت حين طلقت ثلاثًا. أخبرنا الربيع: قال اخبرنا الشافعيؒ قال: اخبرنا مالكؒ عن يحيى بن سعيدؒ، أن بكيرًا أخبره عن النعمان

بن أبي عياش أنه كان جالسًا عند عبدالله بن الزبيرؓ، وعاصم بن عمر فجاء هما محمد بن إياس بن البكير فقال: إن رجلا من أهل البادية طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها فماذا تريان؟ فقال ابن الزبيرؓ: إن هذا الأمر ما لنا فيه قول، اذهب إلى ابن العباسؓ وأبي هريرةؓ، فإني تركتهما عند عائشةؓ فسئلهما؟ ثم ائتنا فأخبرنا. فذهب فسألهما؟ فقال ابن عباسؓ لأبي هريرةؓ: أفته يا أبا هريرةؓ، فقد جاء تك معضلة، فقال أبوهريرة رضي الله عنه: الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجًا غيره.

وقال ابن عباسؓ مثل ذلك ولم يعيبا عليه الثلاث ولا عائشةؓ. أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعيؒ قال: أخبرني مالكؒ عن ابن شهابؒ عن عروةؓ أن مولاة لبني عدي يقال لها: زيراء اخبرته أنها كانت تحت عبد وهي يومئذ أمة، فعتقت فقالت: فأرسلت إلى حفصةؓ فدعتني يومئذ فقالت: إني مخبرتك خبرًا ولا أحب أن تصنعي شيئًا، إن أمرك بيدك مالم يمسك زوجك، فقالت: ففارقته ثلاثًا، فلم تقل لها حفصة: لا يجوز لك أن تطلقي ثلاثًا. ولو كان ذلك معيبًا على الرجل، إذًا لكان ذلك معيبًا عليها إذا كان بيدها فيه ما بيده.

أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعيؒ، قال: أخبرنا مالكؒ عن هشام، عن أبيه، عن جهمان، عن أم بكرة الأسلمية أنها اختلعت من زوجها عبدالله بن أسيد، ثم أتيا عثمانؓ في ذلك فقال: هي تطليقة، إلا أن تكون سميت شيئًا فهو ما سميت.

فعثمان رضي الله عنه: يخبره أنه إن سمى أكثر من واحدة كان ما سمى، ولا يقول له: لا ينبغي لك أن تسمي أكثر من واحدة، بل في هذا القول دلالة على أنه جائز له أن يسمي أكثر من واحدة. أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعيؒ، قال أخبرنا مالك، عن يحيى بن سعيد، عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، أن عمر بن عبدالعزيز رضي الله عنه قال: البتة ما يقول الناس فيها؟ فقال أبوبكرؓ،

فقلت له: كان أبان بن عثمان يجعلها واحدة، فقال عمرؓ: لو كان الطلاق ألفًا ما أبقت البتة منه شيئًا، من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى.

قال الشافعیؒ: ولم يحك عن واحد منهم على اختلافهم فى البتة أنه عاب البتة ولا عاب ثلاثًا. قال الشافعیؒ قال مالكؒ فى المخيرة: إن خيرها زوجها فاختارت نفسها فقد طلقت ثلاثًا: وإن قال زوجها: لم أخيرك إلا في واحدة فليس له فى ذلك قول، وهذا أحسن ما سمعت.

قال الشافعیؒ: فإذا كان مالك يزعم أن من مضى من سلف هذه الأمة قد خيروا وخير رسول الله صلى الله عليه وسلم. والخيار إذا اختارت المرأة نفسها يكون ثلاثًا، كان ينبغى بزعمهم أن الخيار لا يحل، لأنها اذا اختارت كان ثلاثًا، وإذا زعم أن الخيار يحل وهى إذا اختارت نفسها طلقت ثلاثًا فقد زعم أن النبى ﷺ قد أجاز الطلاق الثلاث ، واصحاب النبى صلى الله عليه وسلم.

قال الشافعى رحمه الله ـ أخبرنا سعيد بن سالم عن ابن جريج عن عكرمة بن خالد، أن سعيد بن جبير أخبره أن رجلًا أتى ابن عباس فقال: طلقت امرأتى مائة فقال ابن عباس رضى الله عنه تأخذ ثلاثًا وتدع سبعًا وتسعين.

قال الشافعیؒ: أخبرنا سعيد، عن ابن جريج، أن عطاء ومجاهدًا قالا: إن رجلًا أتى ابن عباس، فقال: طلقت امرأتى مائة، فقال ابن عباس: تأخذ ثلاثًا وتدع سبعًا وتسعين.

أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعى قال: أخبرنا مسلم بن خالد، عن ابن جريج، عن عطاء وحده، عن ابن عباس أنه قال: سبعًا وتسعين عدوانًا، اتخذت بها آيات الله هزوًا، فعاب عليه ابن عباس كل مازاد عن عدد الطلاق الذى لم يجعله الله إليه ولم يعب عليه ما جعل الله إليه من الثلاث، وفى هذا دلالة على أنه يجوز له عنده أن يطلق ثلاثًا ولا يجوز له ما لم يكن اليه. اهـ

المذهب الحنبلي

وأما المذهب الحنبلي فقد....

قال ابن قدامة: اختلفت الرواية عن أحمد في جمع الثلاث، فروى عنه أنه غير محرم اختاره الخرقي، وهو مذهب الشافعي، و أبي ثور وداؤد، وروى ذلك عن الحسن بن علي و عبدالرحمن بن عوف، والشعبي، لأن عويمرًا العجلاني لما لاعن امرأته قال. كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها مطلقها ثلاثا قبل أن يأمره رسول الله ﷺ متفق عليه ولم ينقل إنكار النبي ﷺ.

وعن عائشة : أن امرأة رفاعة جاءت الى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله إن رفاعة طلقني فبت طلاقي متفق عليه، وفي حديث فاطمة بنت قيس، أن زوجها أرسل إليها بثلاث تطليقات. ولأنه طلاق جاز تفريقه فجاز جمعه كطلاق النساء.

وقد أجاب ابن قدامة عن أدلة القائلين بالإباحة جوابًا اجماليًا:

فقال (المغني ومعه الشرح الكبير ٢٤٢/٨) وأما حديث المتلاعنين فغير لازم، لأن الفرقة لم تقع بالطلاق، فإنها وقعت بمجرد لعان الزوج فلا حجة فيه.

ثم إن اللعان يوجب تحريمًا مؤبدًا، فالطلاق بعده كالطلاق بعد انفساخ النكاح بالرضاع أو غيره.

ولأن جمع الثلاث إنما حرم لما يعقبه من الندم، ويحصل به من الضرر ويفوت عليه من حل نكاحها، ولا يحصل ذلك بالطلاق بعد اللعان لحصوله باللعان.

وسائر الأحاديث لم يقع فيها جمع الثلاث بين يدي النبي ﷺ فيكون مقرًا عليه، ولا حضر المطلق عندالنبي ﷺ حين أخبر بذلك لينكر عليه.

على أن حديث فاطمة قد جاء فيه: أنه أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها

من طلاقها، وحديث امرأة رفاعة جاء فيه أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات متفق عليه، فلم يكن في شيء من ذلك جمع الثلاث. ولا خلاف بين الجميع في أن الاختيار والأولى أن يطلق واحدة ثم يدعها حتى تنقضي عدتها، إلا ما حكينا من قول من قال إنه يطلقها في كل قرء طلقة، والأولى أولى، فإن في ذلك امتثالا لأمر الله ـ سبحانه ـ وموافقة لقول السلف، وأمنا من الندم، فإنه متى ندم راجعها فإن فاته ذلك بانقضاء عدتها فله نكاحها.....

وقال ابن حزم :

وجدنا من حجة من قال: إن الطلاق الثلاث مجموعة سنة لا بدعة، قول الله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۳۰) فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومفرقة ولايجوز أن يخص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغير نص.

وكذلك قوله تعالى: (إذا نكحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فمالكم عليهن من عدة تعتدونها... الآية الكريمة من سورة الاحزاب: ٤٩) عموم لإباحة الثلاث والاثنتين والواحدة.

وقوله تعالى: (وللمطلقات متاع بالمعروف... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١) فلم يخص تعالى مطلقة واحدة من مطلقة اثنتين ومن مطلقة ثلاثًا.

ووجدنا ما رويناه من طريق مالك، عن ابن شهاب، أن سهل بن سعد الساعدي أخبره عن حديث النعمان عويمر العجلاني مع امرأته، وفي آخره أنه قال: "كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره رسول الله ﷺ ثم قال: وأنا مع الناس عند رسول الله ﷺ.

قال ابو محمد ـ ابن حزم ـ لو كانت طلاق الثلاث مجموعة معصية لله تعالى، لما سكت رسول الله ﷺ عن بيان ذلك فصح يقينًا أنها سنة مباحة.

وقال بعض أصحابنا: لا يخلو من أن يكون طلقها وهى امرأته، أو طلقها وقد حرمت عليه ووجب التفريق بينهما، فإن كان طلقها وهى امرأته، فليس هذا قولكم، لأن قولكم إنها بتمام اللعان تبين عنه إلى الأبد، وإن كان طلقها أجنبية فإنما نحن فيمن طلق امرأته لا فيمن طلق أجنبية.

فقلنا: إنما طلقها وهو يقدر أنها امرأته هذا ما لا يشك فيه أحد، فلو كان ذلك معصية لسبقكم رسول الله ﷺ إلى هذا الاعتراض، فإنما حجتنا كلها فى ترك رسول الله ﷺ الإنكار على من طلق ثلاثًا مجموعة امرأة يظنها امرأته: ولا يشك أنها فى عصمته فقط.

فإن قالوا: ليس كل مسكوت عن ذكره فى الأخبار يكون ترك ذكره حجة. فقلنا: نعم، هو حجة لازمة إلا أن يوجد بيان فى خبر آخر لم يذكر فى هذا الخبر، فحينئذ لا يكون السكوت عنه فى خبر آخر حجة.

ومن طريق البخارى، نا محمد بن بشار، نا يحيى هو ابن سعيد القطان، عن عبيدالله بن عمر، ناالقاسم بن محمد ابن أبى بكر، عن عائشة أم المومنين رضى الله عنها. قالت: إن رجلا طلق امرأته ثلاثًا فتزوجت فطلق، فسئل رسول الله ﷺ أتحل للأول؟ قال: "لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول" فلم ينكر عليه الصلاة والسلام. هذا السؤال ولو كان لا يجوز لأخبر بذلك. وخبر فاطمة بنت قيس المشهور رويناه من طريق يحيى بن أبى كثير، أخبرنى أبو سلمة بن عبدالرحمن، أن فاطمة بنت قيس أخبرته أن زوجها ابن حفص بن المغيرة المخزومى طلقها ثلاثا ثم انطلق إلى اليمن فانطلق خالد بن الوليد فى نفر فأتوا رسول الله ﷺ فى بيت ميمونة أم المؤمنين فقالوا إن ابن حفص طلق إمرأته ثلاثا فهل لها من نفقة؟ فقال رسول الله ﷺ "ليس لها نفقة وعليها العدة" وذكر باقى الخبر.

ومن طريق مسلم، نامحمد بن المثنى، ناحفص بن غياث، نا هشام بن عروة، عن أبيه، عن فاطمة بنت قيس قالت: قلت: يا رسول الله إن زوجي طلقني ثلاثًا وأنا أخاف أن يقتحم علي قال: فأمرها فتحولت ومن طريق مسلم، نا محمد بن المثنى، نا عبدالرحمن بن مهدى، نا سفيان الثورى، عن سلمة بن كهيل: عن الشعبى عن فاطمة بنت قيس. عن النبى ﷺ فى مطلقة ثلاثًا قال: "ليس لها سكنى ولا نفقة". فهذا نقل تواتر عن فاطمة بأن رسول الله ﷺ أخبرها هى ونفر سواها بأن زوجها طلقها ثلاثًا (كذافى الأصل المنقول عنه) وبأنه عليه الصلاة والسلام حكم في المطلقة ثلاثًا ولم ينكر عليه الصلاة والسلام ذلك ولا أخبر بانه ليس بسنة. وفى هذا كفاية لمن نصح نفسه.

فان قيل: إن الزهرى روى عن أبى سلمة هذا الخبر. فقال فيه: أنها ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث طلقات وروى الزهرى عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة. أن زوجها أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها فذكر الخبر وفيه: فأرسل مروان اليها قبيصة بن ذؤيب فحدثته وذكر باقى الخبر.

قلنا: نعم. هكذا رواه الزهرى، فأما روايته من طريق عبيدالله بن عبدالله فمنقطعة، لم يذكر عبيدالله ذلك عنها ولا عن قبيصة عنها، إنما قال: إن فاطمة طلقها زوجها وأن مروان بعث اليها قبيصة فحدثته. وأما خبره عن أبى سلمة فمتصل، إلا أن كلا الخبرين ليس فيهما أن رسول الله ﷺ أخبرته هى ولا غيرها بذلك، إنما السند الصحيح الذى فيه أنه عليه الصلوة والسلام سأل عن كمية طلاقها؟ وأنها أخبرته، فهى التى قدمنا أولاً، وعلى ذلك الإجمال جاء حكمه عليه الصلاة والسلام. وكذلك كل لفظ روى به خبر فاطمة من (أبت طلاقها) و (طلقها البتة) و (طلقها طلاقًا باتًا) و (طلاقًا بائنًا) فليس فى شىء منه أن رسول الله ﷺ وقف عليه أصلاً فسقط كل ذلك وثبت حكمه عليه الصلاة والسلام على ما صح

أنه، أخبر به من أنه طلقها ثلاثًا فقط.

وأما الصّحابة رضى اللّٰه عنهم فإن الثابت عن عمر رضى اللّٰه عنه الذى لا يثبت عن غيره، ما رويناه من طريق عبدالرزاق، عن سفيان الثورى، عن سلمة بن كهيل، نا زيد بن وهب: أنه رفع إلى عمر بن الخطاب برجل طلق امرأته ألفًا فقال له عمر: أطلقت إمرأتك؟ فقال: إنما كنت ألعب فعلاه عمر بالدرة وقال: إنما يكفيك من ذلك ثلاث. فإنما ضربه عمر على الزيادة على الثلاث، وأحسن عمر فى ذلك، وأعلمه أن الثلاث تكفى ولم ينكرها.

ومن طريق وكيع، عن الأعمش، عن حبيب بن أبى ثابت، جاء رجل إلى على بن أبى طالب فقال: إنى طلقت إمرأتى ألفًا. فقال له على: بانت منك بثلاث، واقسم سائرهن بين نسائك. فلم ينكر جمع الثلاث.

ومن طريق وكيع، عن جعفر بن برقان، عن معاوية بن أبى يحيى قال: جاء رجل إلى عثمان بن عفان فقال: طلقت امرأتى ألفًا، فقال: بانت منك بثلاث ... فلم ينكر الثلاث.

ومن طريق عبدالرزاق، عن سفيان الثورى، عن عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير قال: قال رجل لابن عباس: طلقت إمرأتى ألفًا. فقال له ابن عباس: ثلاث تحرمها عليك، وبقيتها عليك وزرًا، اتخذت آيات اللّٰه هزوًا. فلم ينكر الثلاث، وأنكر مازاد.

والذى جاء عنه من قوله لمن طلق ثلاثًا ثم ندم. لو اتقيت اللّٰه لجعل لك مخرجًا، وهو على ظاهره، نعم إن اتقى اللّٰه جعل له مخرجًا، وليس فيه أن طلاقه الثلاث معصية.

ومن طريق عبدالرزاق، عن معمر، عن الأعمش، عن إبراهيم عن علقمة قال: جاء رجل إلى ابن مسعود فقال: إنى طلقت امرأتى تسعة وتسعين. فقال له ابن

مسعود: ثلاث تبينها، وسائرها عدوان.

وهذان خبران في غاية الصحة، لم ينكر ابن مسعود و ابن عباس الثلاث مجموعة أصلاً، وإنما أنكر الزيادة على الثلاث. ومن طريق أحمد بن شعيب، أنا عمرو بن علي، نا يحيى بن سعيد القطان، عن سفيان الثوري، عن أبي اسحاق السبيعي عن أبي الأحوص، عن عبدالله بن مسعود قال: طلاق السنة أن يطلقها طاهرًا من غير جماع، وهذا في غاية الصحة عن ابن مسعود، فلم يخص طلقة من طلقتين من ثلاث.

فإن قيل: قدروى الأعمش، عن أبي اسحاق، عن أبي الأحوص، عن ابن مسعود وفيه: فاذا حاضت وطهرت طلقها أخرى، فإذا حاضت وطهرت طلقها أخرى.

قلنا نعم، هذا أيضًا سنة، وليس فيه أن ما عدا ذلك حرام وبدعة. فإن قيل: قد رويتم من طريق حماد بن زيد، نا يحيى بن عتيق، عن محمدابن سيرين قال: قال علي بن أبي طالب: لو أن الناس أخذوا بأمرالله تعالى في الطلاق ما يبيح رجل نفسه في امرأة أبدًا يبدأ فيطلقها تطليقة ثم يتربص ما بينها وبين أن تنقضي عدتها فمتى شاء راجعها.

قلنا: هذا منقطع عنه، لأن ابن سيرين لم يسمع من علي كلمة، ثم ليس فيه أيضًا أن ما عدا ذلك معصية ولا بدعة لا يعلم عن الصحابة رضي الله عنهم غير ما ذكرنا. وأما التابعون فروينا من طريق وكيع عن اسماعيل ابن أبي خالد، عن الشعبي قال: قال رجل لشريح القاضي: طلقت امرأتي مائة. فقال: بانت منك بثلاث، وسبع وتسعون إسراف ومعصية.

فلم ينكر شريح الثلاث، وإنما جعل الإسراف والمعصية ما زاد على الثلاث. ومن طريق عبدالرزاق عن معمر عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، قال:

طلاق العدة أن يطلقها إذا طهرت من الحيضة بغير جماع.

قال أبو محمد: فلم يخص واحدة من ثلاث من اثنتين لا يعلم عن أحد من التابعين أن الثلاث معصية، صرح بذلك، إلا الحسن، والقول بأن الثلاث سنة هو قول للشافعي وأبي ذر وأصحابهما.

وقال ابن أبي شيبة (انظر المصنف بن ابی شيبة الجزء الخامس ص ١١) :
"من رخص الرجل أن يطلق ثلاثًا فی مجلس" حدثنا أبو أسامة، عن هشام قال: سئل محمد عن الرجل يطلق امرأته ثلاثًا في مقعد واحد. قال: لا أعلم بذلك بأسًا، قد طلق عبدالرحمن بن عوف امرأته ثلاثًا فلم يعب عليه ذلك.

حدثنا أبو اسامة، عن ابن عون عن محمد قال: كان لا يرى بذلك بأسًا. حدثنا غندر عن شعبة، عن عبدالله ابن أبي السفر، عن الشعبي، في رجل أراد أن تبين منه امرأته، قال: يطلقها ثلاثًا.

المسئلة الثانية

ما يترتب على ايقاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد

وفي ذلك مذاهب

"المسألة الثانية ما يترتب على إيقاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد وفي ذلك مذاهب".

المذهب الاول :

أن الرجل إذا طلق زوجته ثلاثًا بلفظ واحد وقعت ثلاثًا دخل بها أولا.

ذكر من قال بهذا القول:

١ـ وقال الكاساني :

وأما حكم طلاق البدعة: فهو أنه واقع عند عامة العلماء، وقد ذكر هذا بعد سياقه للألفاظ التي يقع بها طلاق البدعة وذكر منها الثلاث بلفظ واحد (بدائع الصنائع ٣/٩٦)

٢ـ وقال ابن الهمام :

وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاثًا (فتح القدير ٣/٢٥)

٣ـ وقال الطحاوى :

بعد سياقه لأدلة وقوعها ثلاثًا (شرح معانى الآثار ٣/٥٩) فهذا كله قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمة الله عليهم اجمعين.

٤ـ وقال سحنون بن سعيد التنوخي :

قلت : أرأيت إن طلقها ثلاثًا وهى حامل فى مجلس واحد أو مجالس شتى، أيلزمه ذلك أم لا؟ قال: قال مالك يلزمه ذلك (المدونة ٢/٦٨)

٥- وقال الحطاب:

(تنبيه) قال أبو الحسن في شرح كلام المدونة المتقدم صورته: أن يقول لها أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق في مجلس واحد، فإن كان على غير هذه الصفة كما إذا قال: أنت طالق ثلاثًا في كلمة واحدة، فقال عبدالحميد الصائغ: ثلاث تطليقات في كلمة اشد منه في ثلاثة مجالس، وفي ثلاثة مجالس أشد منه في ثلاثة أطهار، وكلما طلق يلزمه... انتهى... (مواهب الجليل ٤/٣٩)

٦- وقال الباجي:

إذا ثبت ذلك أى كلامه على تحريم إيقاع الثلاث بلفظ واحد، فمن أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء (المنتقى ٤/٣)

٧- وقال القرطبي:

قال علماؤنا: واتفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة، وهو قول جمهور السلف(تفسير القرطبي ٣/١٢٩)

٨- وقد سبق ادلة كثيرة عن الامام الشافعي رحمه الله:

في الكلام على المسألة الأولى وأنه يوقعها ثلاثًا (المهذب ٢/٨٤)

٩- وقال الشيرازي:

وإن قال لغير المدخول بها أنت طالق ثلاثًا وقع الثلاث لأن الجميع صادف الزوجية فوقع الجميع كما لو قال ذلك للمدخول بها.

١٠- وقال ابن قدامة:

وإن طلق ثلاثًا بكلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت عليه حتى تنكح زوجًا غيره، ولا فرق بين قبل الدخول وبعده، روى ذلك عن ابن عباس، وأبي هريرة، و ابن عمر، وعبدالله بن عمرو، و ابن مسعود، و أنس، وهو قول أكثر أهل العلم من

التابعين، والأئمة بعدهم (المغنى ٢٤٣/٨)

١١ـ وقال المرداوى :

وإن طلقها ثلاثًا مجموعة قبل رجعة مرة واحدة طلقت ثلاثًا وإن لم ينوها على الصحيح من المذهب، نص عليه مرارًا وعليه الأصحاب بل الأئمة الأربعة رحمهم الله وأصحابهم فى الجملة (الانصاف ٤٥٣/٨)

١٢ـ وقال شيخ الاسلام :

فى أثناء الكلام على بيان المذاهب في ذلك ـ الثانى أنه طلاق محرم لازم وهو قول مالك، و أبى حنيفة، و أحمد فى الرواية المتأخرة عنه، اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين (مجموع الفتاوى ٨/٣٣)

١٣ـ وقال ابن القيم :

فاختلف الناس فيها ـ أى وقوع الثلاث بكلمة واحدة ـ على أربعة مذاهب: أحدها: أنه يقع وهذا قول الأئمة الأربعة، وجمهور التابعين، وكثير من الصحابة... (زاد المعاد ١٠٤/٤)

١٤ـ وقال يوسف بن عبدالرحمن بن عبدالهادى :

الفصل الأول فى أن الطلاق الثلاث يقع ثلاثًا هذا هو الصحيح من المذهب، ولا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره كما سيأتى، وهذا القول مجزوم به فى أكثر كتب أصحاب الإمام أحمد كالخرقى والمقنع، والمحرر والهداية وغيرهم، من كتب أصحاب الإمام أحمد ولا يعدل عنه.

قال الأثرم: سألت أبا عبدالله عن حديث ابن عباس "كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر و عمر واحدة بأى شيء تدفعه؟ فقال برواية الناس عن ابن عباس أنها ثلاث" وقدمه فى الفروع وجزم به فى المغنى، وأكثرهم

لم يحك غيره والله اعلم بالصواب (سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ۷۰)

١٥ـ وقال أيضًا الفصل الثانى فيمن قال بهذا القول ومن أفتى به:

قال به ابن عباس غير مرة، و ابن عمر، و عبدالله بن عمرو، و عثمان، و على، و ابن مسعود وهو قول أكثر أهل العلم، وبه قال أحمد، والشافعى، و أبوحنيفة، و مالك، و أنس، و ابن أبى ليلى، و الأوزاعى، وقال به من أصحابنا الخرقى، والقاضى و أبوبكر، و ابن حامد، و ابن عقيل، و أبوالخطاب، والشيرازى، والشيخ موفق الدين، والشيخ مجدالدين ـ وليس مطلقًا كما سيأتى ـ والشريف حتى أكثر أصحاب الإمام أحمد على هذا القول.

وفى إجماع ابن المنذر ما يدل على أنه إجماع ليس بصريح فيه. وهذا القول اختاره ابن رجب. وقد صنف ردًا على من قال بخلافه، والله أعلم بالصواب (سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ۷۷)

١٦ـ وقال ابن عبدالمجادى :

قال ابن رجب: أعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم فى الفتاوى فى الحلال والحرام شيء صريح فى أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد.

١٧ـ وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطى :

وعلى هذا القول ـ أى اعتبارها ثلاثًا ـ جل الصحابة وأكثر العلماء منهم الأئمة الأربعة. اهـ. وقد استدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والاجماع والآثار والقياس (أضواء البيان ١/١٧٦)

أما الكتاب :

فأولاً قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح باحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩)

قال أبوبكر الرازی تحت عنوان "ذكر الحجج لإيقاع الطلاق الثلاث معًا" قوله تعالى: الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورةالطلاق: ۲) يدل على وقوع الثلاث معًا مع كونه منهيًا عنه. وذلك لأن قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۳۱) قد أبان عن حكمه إذا أوقع اثنتين بأن يقول: أنت طالق، أنت طالق فی طهر واحد وقد بينا أن ذلك خلاف السنة، فإذا كان في مضمون الآية الحكم بجواز وقوع الاثنتين على هذا الوجه دل ذلك على صحة وقوعهما لو أوقعهما معًا، لأن أحدًا لم يفرق بينهما.

وفيها الدلالة عليه من وجه آخر وهو قوله تعالى: فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورةالبقرة: ۲۳۰. فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد الاثنتين ولم يفرق بين إيقاعهما في طهر واحد أو فی أطهار، فوجب الحكم بإيقاع الجميع على أی وجه أوقعه من مسنون أو غير مسنون و مباح أو محظور.

فإن قيل: قد دللت فی معنى الآية أن المراد بها بيان المندوب إليه والمأمور به من الطلاق وإيقاع الطلاق الثلاث معًا خلاف المسنون عندك، فكيف تحتج بها فی إيقاعها على غير الوجه المباح والآية لم تتضمنها على هذا الوجه؟

قيل له: قد دلت الآية على هذه المعانی كلها من إيقاع الاثنتين والثلاث لغير السنة وأن المندوب إليه والمسنون تفريقها فی الأطهار، وليس يمتنع أن يكون مراد الآية جميع ذلك. ألا ترى أنه لو قال: طلقوا ثلاثًا فی الأطهار وإن طلقتم جميعًا معًا وقعن كان جائزًا، وإذا لم يتناف المعنيان واحتملتهما الآية وجب حملها عليهما.

فإن قيل: معنى هذه الآية محمول على ما بينه بقوله تعالى: فطلقوهن

لعدتهن... (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) وقد بين الشارع الطلاق للعدة، وهو أن يطلقها في ثلاثة أطهار إن أراد إيقاع الثلاث، ومتى خالف ذلك لم يقع طلاقه.

قيل له: نستعمل الآيتين على ما تقتضيانه من أحكامهما فنقول: إن المندوب إليه والمأمور به هو الطلاق للعدة على ما بينه في هذه الآية، وإن طلق لغير العدة وجمع الثلاث وقعن لما اقتضته الآية الأخرى وهي قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وقوله تعالى: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) إذ ليس في قوله: فطلقوهن ـ نفي لما اقتضته هذه الآية الاخرى، على أن في فحوى الآية التي فيها ذكر الطلاق للعدة دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة. وهو قوله تعالى: (فطلقوهن لعدتهن) إلى قوله تعالى: (وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) فلو لا أنه إذا طلق لغير العدة وقع ما كان ظالمًا لنفسه بإيقاعه، ولا كان ظالمًا لنفسه بطلاقه.

وفي هذه الآية دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة، ويدل عليه قوله تعالى في نسق الخطاب: (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) يعني ـ والله اعلم ـ أنه إذا وقع الطلاق على ما أمره الله كان له مخرجًا مما أوقع إن لحقه ندم وهو الرجعة، وعلى هذا المعنى تأوله ابن عباس حين قال للسائل الذي سأله وقد طلق ثلاثًا: إن الله تعالى يقول: (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجًا، عصيت ربك وبانت منك امرأتك، ولذلك قال علي بن أبي طالب ـ كرم الله وجهه: لو أن الناس أصابوا حد الطلاق ما ندم رجل طلق امرأته.

فإن قيل: لما كان عاصيًا في إيقاع الثلاث معًا لم يقع، إذ ليس هو الطلاق

المأمور به، كما لو وكل رجل رجلاً بأن يطلق امرأته ثلاثًا في ثلاثة أطهار لم يقع إذا جمعهن في طهر واحد.

قيل له: اما كونه عاصيًا في الطلاق فغير مانع صحة وقوعه لما دللنا عليه فيما سلف، ومع ذلك فإن الله جعل الظهار منكرًا من القول وزورًا، وحكم مع ذلك بصحة وقوعه، فكونه عاصيًا لا يمنع لزوم حكمه والانسان عاص لله في ردته عن الإسلام، ولم يمنع عصيانه من لزوم حكمه وفراق امرأته، وقد نهاه الله من مراجعتها ضرارًا بقوله تعالى: (ولا تمسكوهن ضرارًا لتعتدوا... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۳۱) فلو راجعها وهو يريد ضرارها لثبت حكمها وصحت رجعته.

وأما الفرق بينه وبين الوكيل فهو: أن الوكيل إنما يطلق لغيره وعنه يعبر وليس يطلق لنفسه ولايملك ما يوقعه. ألا ترى أنه لا يتعلق به شيء من حقوق الطلاق وأحكامه، فلما لم يكن مالكًا لما يوقعه، وإنما يصح إيقاعه لغيره من جهة الأمر إذ كانت أحكامه تتعلق بالأمر دونه لم يقع متى خالف الأمر، وأما الزوج فهو مالك الطلاق وبه تتعلق أحكامه وليس يوقع لغيره فوجب أن يقع من حيث كان مالكًا للثلاث وارتكاب النهي في طلاقه غير مانع وقوعه كما وصفنا في الظهار والرجعة والردة وسائر ما يكون به عاصيًا، ألا ترى أنه لو وطأ أم امرأته بشبهة حرمت عليه امرأته وهذا المعنى الذي ذكرناه من حكم الزوج في ملكه للثلاث من الوجوه التي ذكرنا يدل على أنه إذا أو قعهن معًا وقع إذ هو موقع لما ملك. اهـ.

وقال القـرطبي :

في تفسير قوله تعالى: (الطلاق مرتان): ترجم البخاري على هذه الآية باب من أجاز الطلاق الثلاث لقوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو

تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) وهذا إشارة منه إلى أن هذا التعديد إنما هو فسحة لهم فمن ضيق على نفسه لزمه. ١هـ (أنظر تفسير القرطبى الجزء الثالث ص۱۲۸)

وقال العينى :

وجه الاستدلال به أن قوله تعالى: (الطلاق مرتان) معناه مرة بعد مرة فإذا جاز الجمع بين اثنتين جاز بين الثلاث وأحسن منه أن يقال: إن قوله تعالى: (أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) عام متناول لإيقاع الثلاث دفعة واحدة. وقال ابن أبى حاتم: أنا يونس بن عبدالأعلى قراء ة عليه، أنا ابن وهب، أخبرنى سفيان الثورى، حدثنى اسماعيل بن سميع، سمعت أبا رزين يقول: جاء رجل إلى النبى ﷺ فقال: يا رسول الله أرأيت قول الله عزوجل: (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... أيضًا) أين الثالثة؟ قال: "التسريح بالإحسان". هذا اسناده صحيح، ولكنه مرسل ورواه ابن مردويه من طريق قيس بن الربيع عن إسماعيل بن سميع عن أبى رزين مرسلاً قال: حدثنا عبدالله بن أحمد بن عبدالرحيم، حدثنا أحمد بن يحيى حدثنا عبيدالله بن جرير بن خالد، حدثنا ابن عائشة، عن حماد بن سلمة عن قتادة، عن أنس ابن مالك رضى الله عنه. قال: جاء رجل إلى النبى ﷺ فقال: يا رسول الله ذكرالله الطلاق مرتين، فأين الثالثة؟ قال: "إمساك بمعروف أو تسريح بإحسان".. ١هـ (أنظر عمدة القارى الجزء التاسع ص۵۳۸)

وقد سبقت مناقشة ابن القيم لهذه الآية وبين أنها دليل على عدم وقوع الثلاث وذلك عندالكلام عليها فى المسألة الأولى.

وقال الشيخ جمال الدين الامام :

ردًا على الاستدلال بقوله تعالى: الطلاق مرتان... (الآية الكريمة من

سورةالبقرة: ٢٢٩) وبين انها لا تدل على وقوع الثلاث قال (بواسطة سيرالحاث لابن عبدالهادى ٩٣/ ٩٤): فصل: ومما يبين ويوضح بطلان تركيبهم شرعًا ولغة في الطلاق الثلاث وغيره: أن لفظ التعدد فيه منصوب نصب المصدر، فإن تقدير الكلام طلقتك طلاقًا، ومعنى المصدر فى الكلام طلقتك تطليقات ثلاث، ومعنى المصدر في الكلام إنما هو حكاية حال الفعل في صدوره عن الفاعل.

والفعل له حالتان فى صدوره عن الفاعل: حالة يكون فيها خبرًا عما صدر وقوعه من الفاعل فى الماضى وحالة يكون فيها أداة لما يستعمل فيه من إنشاء العقود والفسوخ استعارة أو اشتراكًا، فإذا أريد به الحكاية والخبر عن الماضى. فإن أريد به اخبار عن حقيقة الفعل ونفى المجاز عنه اتبع بالمصدر مطلقًا.

وأما إذا استعمل الماضى فى انشاء عقد أو فسخ سواء قيل إنه على وجه الاستعارة أو الاشتراك فإن أريد حقيقة العقد أو الفسخ اتبع المصدر مطلقًا مثل: طلقتها تطليقًا، وأما إن أريد تعدد العقد أو الفسخ بلفظ واحد فى مرة واحدة بمنزلة تعدده بالتكرار مرة بعد مرة وأتبع بالعدد وحده، أو مضافًا إلى المصدر المجموع، مثل طلقتك ثلاثًا وقصد به التعدد، أو قال فى اللعان أشهد بالله خمسًا، أو خمس شهادات، أو قال فى القسامة أقسم بالله خمسين يمينًا أو قال بعد الصلاة "سبحان اللّٰه" مرة ثم قال: "ثلاثًا وثلاثين" وكذا "الحمدللّٰه" وكذا "اللّٰه أكبر" وكذا لو قال فى اليوم مرة واحدة "سبحان الله وبحمده" وأتبعها مائة مرة لم يكن بتكراره فى الأيام والأوقات والعدد: فأما غير الطلاق فلا خلاف فيه، وأما الطلاق فوقع الغلط فيه من بعد الصحابة.

ثانيًا قال النووى :

واحتج الجمهور بقوله تعالى: (ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

قالوا: معناه أن المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لا تقع لم يقع طلاقه إلا رجعيًا فلا يندم.

قال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (اضواء البيان ١٧٦/١٧٥/١) ومما يؤيد هذا الاستدلال القرآني ما أخرجه أبوداؤد بسند صحيح عن طريق مجاهد قال: كنت عند ابن عباس، فجاء ه رجل فقال إنه طلق امرأته ثلاثًا، فسكت، حتى ظننت أنه سيردها إليه. فقال: ينطلق أحدكم فيركب الأحموقة ثم يقول: يا ابن عباس، الله قال: (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورةالطلاق: ٢) وإنك لم تتق الله، فلا أجد لك مخرجًا، عصيت ربك، وبانت منك امرأتك..

وأخرج له أبوداؤد متابعات عن ابن عباس بنحوه، وهذا تفسير من ابن عباس للآية بأنها يدخل في معناها ومن يتق الله، ولم يجعل الطلاق في لفظة واحدة يجعل له مخرجًا بالرجعة، ومن لم يتقه في ذلك بأن جمع الطلقات في لفظ واحد لم يجعل له مخرجًا لوقوع البينونة بها مجتمعة، هذا هو معنى كلامه الذى لا يحتمل غيره، وهو قوى جدًا في محل النزاع لأنه مفسر به قرآنًا، وهو ترجمان القرآن، وقد قال ﷺ: "اللّهم علمه التأويل".

ثالثًا قال ابن عبدالهادى :

نقلاً عن ابن رجب: قوله في سياق آية (ولا تتخذوا آيات الله هزوًا) قال الحسن: "وكان الرجل في عهد النبى ﷺ يطلق ويقول: كنت لاعبًا، ويعتق ويقول: كنت لاعبًا ويزوج ابنه ويقول كنت لاعبًا فقال رسول الله ﷺ: "ثلاث من قالهن لا عبًا جائزات عليهم: العتاق، والطلاق، والنكاح" فأنزل الله (ولا تتخذوا آيات الله هزوًا... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١)

وقال ابن عبدالهادى ردًا على ابن رجب في استدلاله بالآيات التي سبقت

(سیرالحاث ۸۹-۹۰) وأما استدلاله بقوله تعالى: (يا أيهاالنبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن - إلى قوله: ومن يتق الله يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱-۲) قال: فليس بمسلم، لأن فى حديث ركانة لما قال له "راجعها" تلا هذه الآية فهذه الآية دليل لنا لا لكم، لأن النبى ﷺ لما قضى له بهذا استدل بالآية، فلو كان فيها دليل عليه لم يستدل بها، واستدلاله بالآية بقول ابن عباس فإن ابن عباس قد صح عنه أنه كان يفتي بهذا القول - أى واحدة - كما تقدم فليس لكم فى الآية دليل.

وأما استدلاله بقوله تعالى: (ولا تتخذوا آيات الله هزوًا... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۳۱) - واستدلاله بالحديث - أى حديث الحسن وقد مضى مع الآية - فالآية والحديث ليس فيهما دليل له، لأنه لم يثبت طلاق الثلاث بالكلية وإنما كان يطلق ويقول كنت لاعبًا فنزلت هذه الآية، إن الطلاق لا لعب فيه فليس فى هذا دليل.

وأما استدلاله بالآية الأخرى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) فليس فيها دليل أيضًا، لأن الطلاق هنا لم يذكر أنه بلفظة واحدة، بل الآية فيها إذا أتى بالطلاق مرة بعد أخرى، وليس فى الآيات دليل له، بل كلها دليل عليه.

وأما السنة فقد استدلوا بالأدلة الآتية

الدليل الأول

ما ثبت فى الصحيحين (صحيح البخارى وعليه الفتح ۹/۳۹۱- وصحيح مسلم وعليه شرح النووى ۱۰/۱۲۳) فى قصة لعان عويمر وزوجته وفيه: "فلما فرغا قال عويمر: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثًا قبل أن يأمره

رسول الله ﷺ قال ابن شهاب فكانت سنة المتلاعنين. متفق عليه.

قال النووى (النووى على مسلم ۱۰/۱۲۲، ويرجع أيضًا إلى الفتح ۹/۳۶۷) واستدل به أصحابنا على أن جمع الطلقات الثلاث بلفظ واحد ليس حرامًا، وموضع الدلالة أنه لم ينكر عليه اطلاق لفظ الثلاث.

وقد يعترض على هذا فيقال: إنما لم ينكره عليه، لأنه لم يصادف الطلاق محلاً مملوكًا له ولا نفوذًا. ويجاب عن هذا الاعتراض، بأنه لو كان الثلاث محرمًا لأنكر عليه، وقال له: كيف ترسل لفظ الطلاق الثلاث مع أنه حرام، والله اعلم.

وقال ابن نافع من أصحاب مالك: إنما طلقها ثلاثًا بعداللعان، لأنه يستحب إظهار الطلاق بعد اللعان، مع أنه قد حصلت الفرقة بنفس اللعان. وهذا فاسد، وكيف يستحب للإنسان أن يطلق من صارت أجنبية.

وقال محمد بن أبى صفرة المالكى: لا تحصل الفرقة بنفس اللعان، واحتج بطلاق عويمر وبقوله: إن أمسكتها، وتأوله الجمهور كما سبق، والله اعلم. وأما قوله: وقال ابن شهاب فكانت سنة المتلاعنين. فقدتأوله ابن نافع المالكى على أن معناه استحباب الطلاق بعداللعان كما سبق، وقال الجمهور معناه حصول الفرقة بنفس اللعان.

وقال شيخ الإسلام (مجموع الفتاوى ۳۳/۷۷-۷۸ ويرجع أيضًا إلى ۴/۱۱۵ زادالمعاد وإغاثة اللهفان ۱/۳۱۴): وأما الملاعن فإن طلاقه وقع بعدالبينونة أو بعد وجوب الإبانة التى تحرم بها المرأة أعظم مما يحرم بالطلقة الثالثة، فكان مؤكدًا لموجب اللعان، والنزاع إنما هو طلاق من يمكنه إمساكها، لا سيما والنبى ﷺ قد فرق بينهما، فإن كان ذلك قبل الثلاث لم يقع بها الثلاث ولا غيرها، وإن كان بعدها دل على بقاء النكاح، والمعروف أنه فرق بينهما بعد

أن طلقها ثلاثًا، فدل ذلك على أن الثلاث لم يقع بها، إذ لو وقعت لكانت قد حرمت عليه حتى تنكح زوجًا غيره، وامتنع حينئذ أن يفرق النبي ﷺ بينهما لأنهما صارا أجنبيين.

ولكن غاية ما يمكن أن يقال: حرمها عليه تحريمًا مؤبدًا. فيقال: فكان ينبغي أن يحرمها عليه لا يفرق بينهما، فلما فرق بينهما دل على بقاء النكاح، وأن الثلاث لم تقع جميعا، بخلاف ما إذا قيل: إنه يقع بها واحدة رجعية فإنه يمكن فيه حينئذ أن يفرق بينهما.

وقول سهل بن سعد :

فأنفذه عليه رسول الله ﷺ دليل على أنه محتاج إلى انفاذ النبي ﷺ واختصاص الملاعن بذلك ولو كان من شرعه أنها تحرم بالثلاث لم يكن للملاعن اختصاص ولا يحتاج إلى إنفاذ، فدل على أنه لما قصد الملاعن بالطلاق الثلاث أن تحرم عليه انفذ النبي ﷺ مقصوده بل زاده، فإن تحريم اللعان أبلغ من تحريم الطلاق، إذ تحريم اللعان لا يزول وإن نكحت زوجًا غيره، وهو مؤبد في أحد قولي العلماء لا يزول بالتوبة.

وقال الشيخ محمد الامين الشنقيطي :

بعد ذكره استدلال البخاري بحديث عويمر، ووجه الدلالة والاعتراض عليها، والجواب عن الاعتراض من وجهين، وكل ذلك سبق نقله عن النووي إلا الوجه الثاني، وقال: (اضواء البيان الجزء الاول ص١٦٢ ومابعدها) وبأن الفرقة لم يدل على أنها بنفس اللعان كتاب ولا سنة صريحة ولا إجماع.

وبعد أن عرض بعض مذاهب العلماء وأدلتهم ومناقشتها في اللعان هل تحصل به الفرقة أم لا؟ قال: واختلف في هذا اللفظ - أي ما جاء في الحديث المتقدم من قوله: فكانت سنة المتلاعنين - هل هو مدرج من كلام الزهري فيكون

مرسلاً وبه قال جماعة من العلماء، أو هو من كلام سهل فهو مرفوع متصل. ويؤيد كونه من كلام سهل ما وقع في حديث أبي داؤد من طريق عياض بن عبدالله الفهري: عن ابن شهاب عن سهل قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فأنفذه رسول الله ﷺ وكان ما صنع عند رسول الله ﷺ سنة، قال سهل: حضرت هذا عند رسول الله ﷺ فمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق بينهما ثم لا يجتمعان أبدًا. هذا الحديث سكت عليه أبو داود والمنذري.

قال الشوكاني في نيل الأوطار ورجاله رجال الصحيح، قال مقيده عفاالله عنه: ومعلوم أن ما سكت عليه ابوداؤد فأقل درجاته عنده الحسن، وهذه الرواية ظاهرة في محل النزاع، وبها تعلم أن احتجاج البخاري لوقوع الثلاث دفعة بحديث سهل المذكور واقع موقعه، لأن المطلع على غوامض إشارات البخاري رحمه الله يفهم أن هذا اللفظ الثابت في سنن أبي داؤد مطابق لترجمة البخاري، وأنه أشار بالترجمة إلى هذه الرواية ولم يخرجها لأنها ليست على شرطه، فتصريح هذا الصحابي الجليل في هذه الرواية الثابتة بأن النبي ﷺ أنفذ طلاق الثلاث دفعة يبطل بإيضاح أنه لا عبرة بسكوته ﷺ وتقريره له، بناء على أن الفرقة بنفس اللعان كما ترى. وبعد سياقه لبقية المذاهب في الفرقة باللعان قال: وبهذا تعلم أن كون الفرقة بنفس اللعان ليس أمرًا قطعيًا حتى ترد به دلالة تقرير النبي ﷺ عويمرًا العجلاني على إيقاع الثلاث دفعة الثابت في الصحيح، لا سيما وقد عرفت أن بعض الروايات فيها التصريح بأنه ﷺ أنفذ ذلك. وبعد أن عرض مذاهب العلماء في نفقة البائن وسكناها قال:

فإن قيل: انفاذه ﷺ الثلاث دفعة من الملاعن على الرواية المذكورة لايكون حجة في غير اللعان، لأن اللعان تجب فيه الفرقة الأبدية، فإنفاذ الثلاث مؤكد لذلك الأمر الواجب بخلاف الواقع في غير اللعان، ويدل لهذا أن النبي ﷺ

غضب من إيقاع الثلاث دفعة في غير اللعان، وقال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين اظهركم" كما أخرجه النسائي من حديث محمود بن لبيد.

فالجواب من أربعة اؤجه

الأول : الكلام في حديث محمود بن لبيد، فإنه تكلم فيه من جهتين:

الأولى :

أنه مرسل، لأن محمود بن لبيد لم يثبت له سماع من رسول الله ﷺ وإن كانت ولادته في عهده ﷺ وذكره في الصحابة من أجل الرؤية، فقد ترجم له أحمد في مسنده وأخرج له عدة أحاديث ليس فيها شيء صريح فيه بالسماع.

الثانية :

أن النسائي قال بعد تخريجه لهذا الحديث: لا أعلم أحدًا رواه غير مخرمة بن بكير يعنى ابن الأشج عن أبيه، ورواية مخرمة عن أبيه وجادة من كتابه. قاله أحمد، و ابن معين وغيرهما، وقال ابن المديني: سمع من أبيه قليلاً. قال ابن حجر في التقريب روايته عن أبيه وجادة من كتابه. قاله أحمد و ابن معين وغيرهما، وقال ابن المديني: سمع من أبيه قليلاً، قال مقيده عفاالله عنه.

أما الاعلال الأول :

بأنه مرسل فهو مردود بأنه مرسل صحابي ومراسيل الصحابة لها حكم الوصل، ومحمود بن لبيد المذكور جل روايته عن الصحابة كما قاله ابن حجر في التقريب وغيره.

والأعلال الثاني :

بأن رواية مخرمة عن أبيه وجادة من كتابه فيه أن مسلمًا أخرج في

صحيحه عدة أحاديث من رواية مخرمة عن أبيه، والمسلمون مجمعون على قبول أحاديث مسلم إلا بموجب صريح يقتضى الرد، والحق أن الحديث ثابت إلا أن الاستدلال به يرده.

الوجه الثانى :

وهو أن حديث محمود ليس فيه التصريح بأنه ﷺ أنفذالثلاث، ولا أنه لم ينفذها، وحديث سهل على الرواية المذكورة فيه التصريح بأنه أنفذها، والمبين مقدم على المجمل كما تقرر فى الأصول، بل بعض العلماء احتج لإيقاع الثلاث دفعة بحديث محمود هذا.

* ووجه استدلاله به، أنه طلق ثلاثًا يظن لزومها، فلو كانت غير لازمة لبين النبى ﷺ أنها غير لازمة، لأن البيان لا يجوز تأخيره عن وقت الحاجة.

الوجه الثالث :

أن إمام المحدثين محمد بن إسماعيل البخارى رحمه الله أخرج حديث سهل تحت الترجمة التى هى قوله: "باب من أجاز الطلاق الثلاث" وهو دليل على أنه يرى عدم الفرق بين اللعان وغيره فى الاحتجاج بانفاذ الثلاث دفعة.

الوجه الرابع :

هو ما سيأتى من الأحاديث الدالة على وقوع الثلاث دفعة كحديث ابن عمر وحديث الحسن بن على، وإن كان الكل لا يخلو من كلام.... وبهذا كله تعلم أن رد الاحتاج بتقريره ﷺ عويمرًا العجلانى على إيقاع الثلاث دفعة، بأن الفرقة بنفس اللعان لا يخلو من نظر، ولو سلمنا أن الفرقة بنفس اللعان فإنا لا نسلم أن سكوته ﷺ لا دليل فيه بل نقول: لو كانت لا تقع دفعة لبين أنها لا تقع دفعة، ولو كانت الفرقة بنفس اللعان كما تقدم.

الدليل الثانى :

ثبت في الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها أن رجلا طلق امرأته ثلاثًا فتزوجت فطلقت فسئل النبي ﷺ أتحل للأول؟ قال: "حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول".

وجه الدلالة : ذكر البخارى هذا الحديث تحت ترجمة "باب من أجاز الطلاق الثلاث. وقال ابن حجر (فتح البارى ٩/٣٠١) والعينى (عمدة القارى ٩/٥٤١) هو ظاهر فى كونها مجموعة.

وقال ابن القيم :

في وجه استدلالهم بالحديث: فلم ينكر ﷺ ذلك وهذا يدل على إباحة جمع الثلاث وعلى وقوعها، إذ لو لم يقع لم يتوقف رجوعها إلى الأول على ذوق الثاني عسيلتها، وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بهذا الدليل (زادالمعاد ٤/١٠٨) فقال: وأما استدلالكم بحديث عائشة ـ وساق الحديث ـ فهذا مما لا ننازعكم فيه، نعم، هو حجة على من اكتفى بمجرد عقد الثاني، ولكن أين في الحديث أنه طلق الثلاث بفم واحد؟ بل الحديث حجة لنا، فإنه لا يقال: فعل ذلك ثلاثًا، وقال ثلاثًا إلا لمن فعل وقال مرة بعد مرة، وهذا هو المعقول في لغات الأمم عربهم وعجمهم، كما يقال: قذفه ثلاثًا، وشتمه ثلاثًا، وسلم عليه ثلاثًا.

وقال الشيخ محمد الامين الشنقيطى :

واعترض الاستدلال بهذا الحديث بأنه مختصر من قصة رفاعة وقد قدمنا قريبًا أن بعض الروايات الصحيحة دل على أنها ثلاث متفرقة لا مجموعة انتهى ... مقصوده (أضواء البيان ١/١٦٧) ببعض الروايات هى رواية مسلم "أنها طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات فلم يجعل لها رسول الله ﷺ نفقة ولا سكنى". ثم قال: ورد هذا الاعتراض بأن غير رفاعة قد وقع له مع امرأته نظير ما وقع لرفاعة فلا مانع من التعدد، وكون الحديث الأخير فى قصة أخرى كما ذكره الحافظ بن

حجر فی الكلام على قصة رفاعة. فإنه قال فيها ما نصه: وهذا الحديث إن كان محفوظًا فالواضح من سياقه أنها قصة أخرى، وأن كلا من رفاعة القرظی، ورفاعة النضری وقع له مع زوجة له طلاق فتزوج كلا منهما عبدالرحمن بن الزبير فطلقها قبل أن يمسها، فالحكم فی قصتهما متحد مع تغاير الأشخاص.

وبهذا يتبين خطأ من وحد بينهما ظنًا منه أن رفاعة بن سموء ل هو رفاعة بن وهب.. اهـ

الدليل الثالث

ثبت فی الصحيح فی قصة رفاعة القرظی وامرأته فإن فيه "فقالت: يا رسول الله إن رفاعة طلقنی فبت طلاقی ..." الحديث، وقد أخرجه البخاری تحت ترجمة (باب من أجاز الطلاق الثلاث).

وجه الدلالة: قال الشيخ محمد الأمين الشنقيطی (أضواء البيان ١/١٦٦) إن قولها: فبت طلاقی ظاهر فی أنه قال لها: أنت طالق البتة.

وأجاب عن ذلك فقال: قال مقيده عفا الله عنه الاستدلال بهذا الحديث غير ناهض فيما يظهر. لأن مرادها بقولها فبت طلاقی أی بحصول الطلقة الثالثة.

ويبينه، أن البخاری ذكر فی الأدب المفرد من وجه آخر، أنها قالت: طلقنی آخر ثلاث تطليقات. وهذه الرواية تبين المراد من قولها فبت طلاقی وأنه لم يكن دفعة واحدة.

وقال شيخ الاسلام (مجموع الفتاوی ٧٧/٣٣): وأجاب الأكثرون عن حديث فاطمة وامرأة رفاعة إنما طلقها ثلاثًا متفرقات، هكذا ثبت فی الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات، لم يطلق ثلاثًا، لا هذا ولا هذا مجتمعات. وقول الصحابی طلق ثلاثًا، يتناول ما إذا طلقها ثلاثًا متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها، وهذا طلاق سنی واقع باتفاق الأئمة وهو المشهور

على عهد رسول الله ﷺ في معنى الطلاق ثلاثًا، وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا كان منكراً عندهم إنما يقع قليلاً فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق، ولا يجوز أن يقال: يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا بل هذا قول بلا دليل، بل هو خلاف الدليل.

الدليل الرابع :

ثبت في الصحيحين من حديث أبي سلمة بن عبدالرحمن أن فاطمة بنت قيس أخبرته: أن زوجها أبا حفص بن المغيرة المخزومي طلقها ثلاثًا، ثم انطلق إلى اليمن، فانطلق خالد بن الوليد في نفر فأتوا رسول الله ﷺ في بيت ميمونة أم المؤمنين فقالوا: إن أبا حفص طلق امرأته ثلاثًا فهل لها نفقة؟ فقال رسول ﷺ: "ليس لها نفقة وعليها العدة".

وفي صحيح مسلم في هذه القصة قالت فاطمة: فاتيت رسول الله ﷺ فقال: "كم طلقك"؟ قلت ثلاثًا، فقال: "صدق، ليس لك نفقة".. وفي لفظ له قالت: يا رسول الله إن زوجي طلقني ثلاثًا وإني أخاف أن يقتحم علي. وفي لفظ له عنها.. أن النبي ﷺ قال: في المطلقة ثلاثًا: "ليس لها نفقة ولا سكنى".

وفي الصحيحين أيضًا عن فاطمة بنت قيس: أن أبا حفص بن المغيرة طلقها البتة وهو غائب، الحديث. وقد جاء تفسير هذه البتة بأنها ثلاث كما سبق.

وفي المسند أن هذه الثلاث كانت جميعًا "فروى من حديث الشعبي أن فاطمة خاصمت أخا زوجها إلى النبي ﷺ لما أخرجها من الدار ومنعها النفقة، فقال: "مالك ولابنة قيس" قال يا رسول الله إن أخي طلقها ثلاثًا جميعًا. وذكر الحديث:

وجه الدلالة: أن لفظ البتة جاء مفسرًا بأنه طلقها ثلاثًا وأنها مجموعة. فدل على اعتبار وقوع الثلاث مجموعة إذ لو لم يكن ذلك واقعًا لبين ﷺ بقاء ها

فی عصمة زوجها فتأخیر البیان عن وقت الحاجة لا یجوز فی حقه ﷺ

وقد أجاب ابن القیم عن الاستدلال بحدیث فاطمة بنت قیس فقال (اغاثة اللهفان: ۱/۳۱۳): أما حدیث فاطمة بنت قیس فمن أصح الأحادیث، مع أن أکثر المنازعین لنا فی هذه المسألة قد خالفوه. ولم یأخذوا به، فأوجبوا للمبتوتة النفقة والسکنی، ولم یلتفتوا إلی هذا الحدیث ولا عملوا به وهذا قول أبی حنیفة وأصحابه.

وأما الشافعی ومالک فأوجبوا لها السکنی، والحدیث قد صرح فیه بأنه لا نفقة لها ولا سکنی فخالفوه ولم یعملوا به، فإن کان الحدیث صحیحًا فهو حجة علیکم، وإن لم یکن محفوظًا بل هو غلط ـ کما قال بعض المتقدمین ـ فلیس حجة علینا فی جمع الثلاث فأما أن یکون لکم علی منازعیکم، ولیس حجة لهم علیکم فبعید من الإنصاف والعدل.

هذا مع أننا نتنزل عن هذا المقام، ونقول: الاحتجاج بهذا الحدیث فیه نوع سهو من المحتج به، ولو تأمل طرق الحدیث، وکیف وقعت القصة لم یحتج به، فإن الثلاث المذکورة فیه لم تکن مجموعة، وإنما کان قد طلقها تطلیقتین من قبل ذلک، ثم طلقها آخر ثلاث، هکذا جاء مصرحًا به فی الصحیح فروی مسلم فی صحیحه عن عبیدالله بن عتبة ـ أن أبا عمرو بن حفص بن المغیرة خرج مع علی بن أبی طالب رضی الله عنه إلی الیمن، فأرسل إلی امرأته فاطمة بنت قیس بتطلیقة کانت بقیت من طلاقها ـ الحدیث، فهذا المفسر یبین ذلک المجمل وهو قوله: "طلقها ثلاثًا".

وقال اللیث، عن عقیل، عن ابن شهاب، عن أبی سلمة، عن فاطمة بنت قیس، أنها أخبرته أنها کانت تحت أبی حفص بن المغیرة، وأن أبا حفص بن المغیرة طلقها آخر ثلاث تطلیقات، وساق الحدیث وذکره أبوداؤد ثم قال:

"وكذلك رواه صالح بن كيسان، و ابن جريج، وشعيب بن أبى حمزة، كلهم عن الزهرى.

ثم ساق من طريق عبدالرزاق، عن معمر، عن الزهرى، عن عبيدالله قال: أرسل مروان إلى فاطمة، فسألها فأخبرته أنها كانت عند أبى حفص بن المغيرة وكان النبى ﷺ أمّر على بن أبى طالب رضى الله عنه على بعض اليمن، فخرج معه زوجها، فبعث إليها بتطليقة كانت بقيت لها وذكر الحديث بتمامه، والواسطة بين مروان وبينها هو قبيصة بن ذؤيب، كذلك ذكره أبوداؤد فى طريق أخرى. فهذا بيان حديث فاطمة بنت قيس.

قالوا: ونحن أخذنا به جميعه، ولم نخالف شيئًا منه إذ كان صحيحًا صريحًا لا مطعن فيه ولا معارض له فمن خالفه فهو محتاج إلى الاعتذار. وقد جاء هذا الحديث بخمسة ألفاظ "طلقها ثلاثًا" و "طلقها البتة" و "طلقها آخر تطليقات" و "أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها"، و "طلقها ثلاثًا جميعًا" هذه جملة الفاظ الحديث.. وبالله التوفيق.

فأما اللفظ الخامس وهو قوله : "طَلقتها ثلاثًا جميعًا". فهذا:

أولاً : من حديث مجالد عن الشعبى ولم يقل ذلك عن الشعبى غيره، مع كثرة من روى هذه القصة عن الشعبى، فتفرد مجالد على ضعفه من بينهم بقوله: "ثلاثًا جميعًا" وعلى تقدير صحته، فالمراد به أنه اجتمع لها التطليقات الثلاث، لا أنها وقعت بكلمة واحدة، فإذا طلقها آخر ثلاث. صح أن يقال: طلقها ثلاثًا جميعًا، فإن هذه اللفظة يراد بها تأكيد العدد، وهو الأغلب عليها، لا الاجتماع فى الآن الواحد لقوله تعالى: (ولو شاء ربك لآمن من فى الارض كلهم جميعًا... الآية الكريمة من سورة يونس: ۹۹) فالمراد حصول الإيمان من الجميع، لا إيمانهم كلهم فى آن واحد سابقهم ولا حقهم.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي بعد سياقه بعض روايات الحديث وتوجيه الاستدلال ورد التوجيه.

قال (أضواء البيان ١/ ١٧٠): ورد بعضهم هذا الاعتراض بأن الروايات المذكورة تدل على عدم تفريق الصحابة والتابعين بين صيغ البينونة الثلاث ـ يعنون لفظ البتة ـ والثلاث المجتمعة، والثلاث المتفرقة، لتعبيرها في بعض الروايات بلفظ طلقني ثلاثًا، وفي بعضها بلفظ طلقني البتة، وفي بعضها بلفظ فطلقني آخر ثلاث تطليقات، فلم تخص لفظًا منها عن لفظ، لعلمهابتساوى الصيغ، ولو علمت أن بعضها لا يحرم لاحترزت منه.

قالوا: والشعبي قال لها: حدثيني عن طلاقك، أي عن كيفيته وحاله، فكيف يسأل عن الكيفية ويقبل الجواب بما فيه عنده من إجمال من غير أن يستفسر عنه؟ وأبو سلمة روى عنها الصيغ الثلاث، فلو كان بينها عنده تفاوت لاعترض عليها باختلاف ألفاظها، وتثبت حتى يعلم منها بأن الصيغ وقعت بينونتها، فتركه لذلك دليل على تساوى الصيغ المذكورة عنده، هكذا ذكر بعض الأجلاء والظاهر أن هذا الحديث لا دليل فيه لأن الروايات التي فيها اجمال بينتها الرواية الصحيحة الأخرى، كما هو ظاهر، والعلم عندالله تعالى. انتهى... وقد سبق في آخر الكلام على الدليل الثالث جواب مشترك لشيخ الاسلام عن الحديث الثالث، وعن هذا الحديث فيرجع اليه..

الدليل الخامس:

ما رواه الشافعي وأبوداؤد والترمذي و ابن ماجه و ابن حبان والحاكم عن ركانة بن عبد يزيد أنه طلق امرأته سهيمة البتة، فأخبر النبي ﷺ وقال والله ما أردت إلا واحدة.

فقال رسول الله ﷺ: "والله ما أردت إلا واحدة؟"

قال ركانة: والله ما أردت إلا واحدة. فردها اليه رسول اللّٰه ﷺ.

ووجه الاستدلال بهذا الحديث يتضح في أن النبي ﷺ حلف ركانة، أنه ما أراد بالبتة إلا واحدة، فدل على أنه لو أراد بها أكثر لوقع ما أراده ولو لم يفترق في الحال لم يحلفه، وممن استدل بهذا الحديث لمذهب الجمهور أبوبكر الرازى الجصاص قال: لو لم تقع الثلاث إذا أرادها لما استحلفه بالله ما أردت إلا واحدة. ١هـ (أحكام القرآن ٤٥٩/٨)

وكذلك ابن قدامة قال: ومتى طلقها ثلاثًا بكلمة واحدة أو بكلمات حرمت عليه حتى تنكح زوجًا غيره لما روى أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة ثم أتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله طلقت امرأتي سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة فقال رسول الله ﷺ "والله ما أردت إلا واحدة؟" فقال ركانة: والله ما أردت إلا واحدة فقال: "هو ما أردت" فردها اليه رسول الله ﷺ رواه الترمذي والدار قطني وأبو داؤد وقال: الحديث صحيح.

فلو لم تقع الثلاث لم يكن للاستحلاف معنى. ١هـ (الكافي ٧٨٦/٢)

وحديث ركانة هذا وإن تكلم فيه بعض أهل العلم فقد قبله غير واحد منهم. قال أبوالحسنؒ علي بن محمد الطنافسي: "ما أشرف هذا الحديث" (سنن ابن ماجه ٦٣٢/١)

روى ذلك عنه ابن ماجه في "باب طلاق البتة" من سننه بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيد عن عبدالله ابن علي بن يزيد بن ركانة، عن أبيه عن جده.

وقال الحاكم بعد روايته من طريق الزبير بن سعيد هذه (المستدرك ١٩٩/١-٢٠٠) قد إنحرف الشيخان عن الزبير بن سعيد الهاشمي في الصحيحين.

غير أن لهذا الحديث متابعًا من بيت ركانة بن عبد يزيد المطلبي، فيصح

به الحديث، حدثناه أبوالعباس محمد ابن محمد بن يعقوب، أنبأ الربيع بن سليمان، أنبأ الشافعي، أخبرني محمد ابن علي بن شافع، عن نافع بن عجير بن عبد يزيد، أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة، ثم أتى رسول الله ﷺ.

فقال: إني طلقت امرأتي سهيمة البتة والله ما أردت الا واحدة فردها اليه رسول الله ﷺ، فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان رضي الله عنهما فقد صح الحديث بهذه الرواية، فإن الإمام الشافعي قد أتقنه وحفظه عن أهل بيته. والسائب ابن عبد يزيد أبوالشافع بن السائب، وهو أخ ركانة بن عبد يزيد، ومحمد بن علي بن شافع عم الشافعي شيخ قريش في عصره. اهـ. كلام الحاكم، وصححه أيضًا ابن حبان كما في "التلخيص الحبير" للحافظ ابن حجر هذا بالنسبة لرواية الزبير بن سعيد.

أما رواية نافع بن عجير فقد صححها أبوداؤد كما جاء في سنن الدارقطني (سنن الدارقطني ٢/٤٣٩) فقد قال بعد أن ساقها: "قال أبوداؤد هذا حديث صحيح".

ونقل ذلك عن الدارقطني أبوبكر بن العربي (العارضة على الترمذي ٥/١٣٥) وجزم به في (العارضة) والمنذري في مختصر سنن أبي داؤد.

والقرطبي في تفسيره (تفسير القرطبي ٣/١٣٢) واعتمد عليه وتعقب به دعوى الاضطراب في هذا الحديث. وكذلك قال الحافظ ابن حجر في التلخيص الحبير "صححه أبوداود" وممن ارتضى مسلك الإمام أبي داؤد في هذه الرواية الحافظ أبوعمر بن عبدالبر رحمه الله فقد قال: كما في "تفسير القرطبي" (تفسير القرطبي ٣/١٣٢) رواية الشافعي لحديث ركانة عن عمه أتم، وقد زاد زيادة لا تردها الأصول فوجب قبولها لثقة ناقليها، والشافعي وعمه وجده أهل بيت ركانة كلهم من بني عبدالمطلب بن عبد مناف، وهم أعلم بالقصة التي عرضت لهم" اهـ

وأما الحافظ بن كثير فيرى: أن الحديث حسن حسبما نقله عنه الشوكاني في "نيل الأوطار" بهذا كله ظهرت قوة رواية نافع بن عجير ... وأما اعلال رواية نافع بن عجير. بدعوى جهالته فلا وجه له لأن نافعًا هذا بعيد من الجهالة إذ هو نافع بن عجير، بن عبد يزيد، بن المطلب، بن عبد مناف القرشي، فأخو ركانة ذكره ابن حبان في الثقات وذكره بعض من صنف في الصحابة. قال الحافظ بن حجر في تهذيب التهذيب: ذكره ابن حبان أيضًا في الصحابة، وكذا أبوالقاسم البغوى وأبو نعيم و أبوموسى في الذيل وغيرهم، وقد بينت أمره في مختصرى في الصحابة. ١هـ. ويعنى الحافظ مختصره في الصحابة "الإصابة في تمييز الصحابة" وقد ذكره فيه قال: "ذكره البغوى في الصحابة" وذكر له حديثه في "البتة" وتكلم على رواياته ثم قال: "وذكره ابن حبان في الصحابة" ١هـ.

وممن جزم بتصحيح أبي داؤد لهذا الحديث المجد بن تيمية في "المنتقى" بشرح نيل الأوطار إلا أنه عزا اليه التحسين والتصحيح معًا ونصه (نيل الأوطار ٦/٢٢٧) "قال ابوداؤد ـ أى في حديث نافع بن عجير ـ هذا حديث حسن صحيح" وفي جزمه هو و ابن العربي والمنذرى والقرطبي والحافظ بن حجر بتصحيح أبي داؤد لهذه الرواية الرد على من قال: بأن أبا داؤد لم يحكم بصحة حديث نافع ابن عجير. وإنما قال فيه: هذا أصح من حديث ابن جريج ... الخ، وهذا لا يدل على أن الحديث عنده صحيح، فإن حديث ابن جريج ضعيف، وحديث نافع بن عجير ضعيف، وإنما يعني أبوداؤد أنه أصح الضعيفين عنده" ١هـ.

ومما يقوى حديث نافع بن عجير في البتة صنيع الأئمة الذين أو ردوه في مصنفاتهم في الحديث. فقد قال الدارمي في مسنده: "باب في الطلاق البتة" وقال أبوداؤد ما جاء في "البتة" وقال الترمذى: باب ماجاء في الرجل يطلق امرأته البتة".

الجواب عن حديث ركانه :

أما حديث ركانة فقد ضعف الإمام أحمد بن حنبل جميع طرقه كما ذكره المنذرى، وكذلك ضعفه البخارى قال الترمذى في "باب ما جاء في الرجل يطلق امرأته البتة" من سننه بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيد بن عبدالله بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال (مختصر سنن أبي داؤد ۳/۱۲۲): "وسألت محمدا ـ يعنى البخارى ـ عن هذا الحديث فقال: فيه اضطراب، ويروى عن عكرمة عن ابن عباس أن ركانة طلق امرأته ثلاثا" اهـ. وذكر الترمذى في موضع آخر (جامع الترمذى ۵/۱۳۲) أن حديث ركانة مضطرب فيه، تارة قيل فيه "ثلاثا" وتارة قيل فيه "واحدة".

فعلى قول هٰذين الإمامين أحمد بن حنبل والبخارى لا احتجاج برواية "ثلاثا" ولا برواية "البتة" بل غاية ما في الأمر أن تتساقط الروايتان المتعارضتان فيرجع إلى غيرهما كما ذكره الزرقاني، وعلى غير ذلك المسلك الذى سلكه الإمامان أحمد بن حنبل والبخارى نقول: إن لهذا الحديث روايتين:

أحدهما : عند الإمام أحمد بن حنبل "ثنا سعد بن ابراهيم، ثنى أبى عن محمد بن إسحاق، قال: حدثنى داؤد ابن الحصين، عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بنى مطلب امرأته ثلاثا في مجلس واحد، فحزن عليها حزنا شديدا قال: فسأله رسول الله ﷺ "كيف طلقتها؟" قال طلقتها ثلاثا، فقال: "في مجلس واحد؟" قال: نعم. قال "فإنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت" قال: فراجعها فكان ابن عباس يرى إنما الطلاق عند كل طهر.

وقد أجيب عن هذه الرواية فقال البيهقى: "إن هذا الإسناد لا تقوم به الحجة مع ثمانية رووا عن ابن عباس رضي الله عنهما فتياه، بخلاف ذلك ومع رواية أولاد ركانة أن طلاق ركانة كان واحدة" يعنى البيهقى بأولئك الثمانية

الذين رووا فتيا ابن عباس، بخلاف ذلك سعيد بن جبير وعطاء بن أبى رباح، ومجاهد، وعكرمة، وعمرو بن دينار، ومالك ابن الحارث، ومحمد بن إياس ابن البكير، ومعاوية بن أبى عياش الأنصارى، وقد ذكر رواياتهم: عنه (السنن الكبرى البيهقى ۳۳۷/۷) فى "باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد فى خلاف ذلك" ويعنى برواية أولاد ركانة روايتهم أن ركانة إنما طلق امرأته البتة التى جزم أبوداؤد بأنها أصح، لأنهم أهله وهم أعلم بخبره كما سيأتى.

الثانية:

ما أخرجه أبوداؤد فى "سننه" قال: حدثنا أحمد بن صالح، نا عبدالرزاق بن جريج، أخبرنى بعض بنى أبى رافع مولى النبى ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة، ونكح امرأة من مزينة، فجاء ت النبى ﷺ فقالت: ما يغنى عنى إلا كما تغنى هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بينى وبينه فأخذت النبى ﷺ حمية فدعا بركانة وإخوته. ثم قال لجلسائه: "أترون فلانا يشبه منه كذا وكذا من عبد يزيد، وفلان يشبه منه كذا وكذا؟"

قالوا: نعم.

قال النبى ﷺ لعبد يزيد "طلقها" ففعل.

قال: "راجع امرأتك أم ركانة وإخوته" فقال: إنى طلقتها ثلاثًا يا رسول الله. قال: "قد علمت نراجعها" وتلا: (يا ايها النبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكويمة من سورة الطلاق: ۱) وقد أجيب عن هذه الرواية بما يلى:

اعلالها بجهالة بعض بنى أبى رافع: قال الخطابى (معالم السنن ۱۲٦/۳) "فى اسناد هذا الحديث مقال، لأن ابن جريج إنما رواه عن بعض بنى أبى رافع ولم يسمه والمجهول لا تقوم به الحجة.

وقال ابن حزم: هذا لا يصح لأنه من غير مسمى من بنى أبى رافع، ولا حجة فى مجهول، وما نعلم فى بنى أبى رافع من يحتج به إلا عبيدالله وحده، وسائرهم مجهولون (المحلى ـ ۱۰/۱٦۸)

وقال ابن القيم (تهذيب سنن ابى داؤد ۳/۱۲۱) إن ابن جريج إنما رواه عن بعض بنى أبى رافع مولى النبى ﷺ عن عكرمة، عن ابن عباس، ولأبى رافع بنون، ليس فيهم من يحتج به إلا عبيدالله بن أبى رافع، ولا نعلم هل هو هذا أو غيره، ولهذا ـ والله اعلم ـ رجع أبو داؤد حديث نافع بن عجير عليه..اهـ.

وقد يقال، بأن فى هذا الإعلال نظرًا، لأن كلام أبى داؤد فى غاية التصريح، بأن ترجيحه لحديث نافع ابن عجير إنما هو لأنهم أهل بيت ركانة وأهل بيت الشخص أعلم بخبره ... وقد استجاز الحافظ زين الدين العراقى أن يكون ذلك المجهول الفضل بن عبيدالله بن رافع (المستفاد من مبهمات المتن والاسناد: ٦٦) وتبعه فى ذلك ابن حجر فى "تقريب التهذيب" والخزرجى فى "الخلاصة" لكن ذكر الحافظ بن رجب فى "مشكل الأحاديث الواردة فى أن الطلاق الثلاث واحدة" أن ذلك الرجل الذى لم يسم فى رواية عبدالرزاق: هو محمد ابن عبيدالله بن أبى رافع، قال ابن رجب: وهو رجل ضعيف الحديث بالاتفاق، وأحاديثه منكرة، وقيل إنه متروك فسقط هذا الحديث حينئذ. اهـ.

وأورد له الذهبى فى "ميزان الاعتدال" عدة مناكير من روايته عن أبيه عن جده وقال: قال فيه يحيى بن معين: ليس حديثه بشىء، وقال أبوحاتم: منكر الحديث جدًا، وقال ابن عدى: هو فى عداد شيعة الكوفة. اهـ.

إن رواية محمد بن ثور الثقة العابد الكبير ليس فيها أنه طلقها ثلاثًا وإنما فيها "إنى طلقتها" وهى عندالحاكم فى تفسير سورة الطلاق قال الحاكم (المستدرك: ۲/۲۹۱): أخبرنا أبوعبدالله محمد بن على الصنعانى بمكة، ثنا

علی بن المبارك الصنعانی، ثنا یزید بن المبارك، ثنا محمد بن ثور، عن ابن جریج، عن محمد بن عبدالله ابن أبی رافع مولی النبی ﷺ عن عكرمة، عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: طلق عبد یزید أبو ركانة أم ركانة ثم نكح امرأة من مزینة فجاء ت إلی رسول الله ﷺ فقالت: یا رسول الله ما یغنی عنی إلا كما تغنی هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها، فأخذت رسول الله ﷺ حمية عند ذلك، فدعا ركانة و إخوته ثم قال لجلسائه: "أترون كذا من كذا"؟ فقال رسول الله ﷺ لعبد یزید "طلقها". ففعل فقال لأبی ركانة: "ارتجعها" فقال: یا رسول الله إنی طلقتها ثلاثًا فقال رسول الله ﷺ : "قد علمت ذلك فارتجعها" فنزلت: (یا ایها النبی إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق۱) ویری ابن رجب تقدیم روایة محمد بن ثور هذه علی روایة عبدالرزاق محتجًا بأن عبدالرزاق حدث فی آخر عمره بأحادیث منكرة جدًا فی فضائل أهل البیت وذم غیرهم، قال: وكان له میل إلی التشیع، وهذا الحكم ما یوافق هوی الشیعة.

أن فی حدیث ابن جریج غلطًا: لأن عبد یزید لم یدرك الاسلام، نبه علی ذلك الحافظ الذهبی فی كتابیه "تلخیص المستدرك" و "التجرید لأسماء الصحابة" وقال (تلخیص المستدرك ۲/۴۹۱) تعقیبًا لقول الحاكم فی حدیث محمد بن ثور عن ابن جریج المتقدم: "هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه" قال محمد أی ابن عبیدالله ابن أبی رافع: "واه، والخبر خطأ وعبد یزید لم یدرك الاسلام" وقال (التجرید ۳۸۸) عبد یزید بن هاشم بن المطلب بن عبد مناف: أبو ركانة طلق أم ركانة وهذا لا یصح والمعروف أن صاحب القصة ركانة. اهـ.

حصل الحدیث علی أنه من قبیل الروایة بالمعنی وذلك أن الناس قد اختلفوا فی البتة فقال بعضهم: هی ثلاثة، وقال بعضهم: هی واحدة، وكان الراوی

ممن يذهب مذهب الثلاث فحكى انه قال: "طلقتها ثلاثًا" يريد "البتة" التى حكمها عنده حكم الثلاث ذكر ذلك الخطابى (معالم السنن ۳/۱۲۲) ... وقال النووى فى شرح صحيح مسلم "ولعل صاحب هذه الرواية الضعيفة اعتقد أن لفظ "البتة" يقتضى الثلاث فرواه بالمعنى الذى فهمه وغلط فى ذلك" اهـ.

أن حديث عبدالرزاق لو صح متنه ليس فيه أنه طلقها ثلاثًا بكلمة واحدة، فيحمل على أنه طلقها ثلاثًا فى مرات متعددة، وتكون هذه الواقعة قبل حصر عدد الطلاق فى الثلاث، ذكر هذا المسلك الحافظ بن رجب فى كتابه: مشكل الأحاديث الواردة فى أن الطلاق الثلاث واحدة"....

أن قضية ركانة من باب خصائص النبى ﷺ فإن له أن يخص من شاء بما شاء من الأحكام، فقد قال ضمن الأحكام التى خص بها من شاء، قال: "وإعادة امرأة أبى ركانة اليه بعد أن طلقها ثلاثًا من غير محلل" اهـ.

أن رواية أهل بيت ركانة أن ركانة طلق امرأته البتة أولى بالتقديم على رواية من يروى أنه إنما طلقها ثلاثًا وهذا مسلك أبى داؤد و ابن عبدالبر والقرطبى. قال أبوداؤد فى "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" (سنن ابى داؤد ۱/۵۰۷، ۵۰۸) "من سننه" حدثنا أحمد بن صالح، ثنا عبدالرزاق، أخبرنا ابن جريج أخبرنى بعض بنى أبى رافع مولى النبى ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزينة. فجاء ت النبى ﷺ فقالت: ما يغنى عنى إلا كما تغنى هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها، ففرق بينى وبينه، فأخذت النبى ﷺ حمية.. إلى آخر الحديث المتقدم ثم قال: وحديث نافع بن عجير وعبدالله بن على بن يزيد ابن ركانة عن أبيه عن جده. أن ركانة طلق امرأته البتة فردها إليه النبى ﷺ أصح، لأنهم ولد الرجل وأهله أعلم به. إن ركانة إنما طلق امرأته البتة فجعلها النبى ﷺ

واحدة. اهـ.

وأوضح الأمر غاية الإيضاح في "باب في البتة" فقال: حدثنا ابن السرح، وابراهيم بن خالد الكلبي أبوثور في آخرين: قالوا ثنا محمد بن إدريس الشافعي، حدثني عمي محمد بن علي بن شافع، عن عبيدالله بن علي بن السائب عن نافع بن عجير بن عبد يزيد بن ركانة أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة، فأخبر النبي ﷺ بذلك وقال: والله ما أردت إلا واحدة، فقال رسول الله ﷺ: "والله ما أردت إلا واحدةً؟" فقال ركانة: والله ما أردت إلا واحدة". فردها إليه رسول الله ﷺ فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان. قال أبوداؤد أوله لفظ ابراهيم، وآخره لفظ ابن السرح... حدثنا محمد بن يونس النسائي، أن عبدالله بن الزبير حدثهم عن محمد بن ادريس، حدثني عمي محمد بن علي عن ابن السائب، عن نافع بن عجير، عن ركانة بن عبد يزيد، عن النبي ﷺ بهذا الحديث.

حدثنا سليمان بن داؤد العتكي، ثنا جرير بن حازم، عن الزبير بن سعيد، عن عبدالله بن علي بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده، أنه طلق امرأته البتة فأتى رسول الله ﷺ.

فقال: "ما أردت؟" قال: واحدة. قال: "آللّٰه؟" قال: آللّٰه. قال: "هو على ما أردت."

قال أبوداؤد: وهذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا لأنهم أهل بيته وهم أعلم به، وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس" اهـ.

وقال ابن عبدالبر في رواية الشافعي (تفسيرالقرطبي ۳/۱۳۱-۱۳۲) "رواية الشافعي لحديث ركانة عن عمه أتم، وقد زاد زيادة لا تردها الأصول

فوجب قبولها لثقة ناقليها، والشافعی وعمه وجده أهل بيت ركانة كلهم من بن المطلب بن عبد مناف وهم أعلم بالقصة التي عرضت لهم. ا ھ.

وقال القرطبی بعد أن ذكر رواية الدارقطنی حديث الشافعی من طريق أبی داؤد (تفسير القرطبی ۱۳۱/۳) فالذی صح من حديث ركانة أنه طلق امرأته البتة لا ثلاثًا، و طلاق البتة قد اختلف فيه علی ما يأتی بيانه فسقط الاحتجاج بغيره والله أعلم. ا ھ.: وممن قوی هذا المسلك الحافظ بن حجر قال (فتح الباری ۲۹۷/۹) "إن أبا داؤد رجح أن ركانة إنما طلق امرأته البتة كما أخرجه هو من طريق آل ركانة وهو تعليل قوی لجواز أن يكون بعض رواته حمل "البتة" علی الثلاث فقال "طلقها ثلاثًا" فبهذه النكتة يقف الاستدلال بحديث ابن عباس، ولشيخ الاسلام ابن تيمية مناقشة لحديث ركانة هذا، ذكرها فی كلامه علی المقارنة الاجمالية بين أدلة الفريقين تركنا ذكرها هنا وسنذكر فی آخر البحث.

وقد أجاب ابن القيم أيضًا عن حديث ركانة فقال (زادالمعاد ۱۱۵/۴-۱۱۶، واغاثة اللهفان ۳۱۵/۱-۳۱۶) : وأما حديث نافع بن عجير الذی رواه أبوداؤد أن ركانة طلق امرأته البتة فأحلفه رسول الله ﷺ ما أراد إلا واحدة، فمن العجب تقديم نافع ابن عجير المجهول الذی لا يعرف حاله البتة، ولا يدری من هو "ولا ما هو" علی ابن جريج ومعمر و عبدالله ابن طاؤس فی قصة أبی الصهباء، وقد شهد إمام الحديث محمد بن اسماعيل البخاری بأن فيه اضطرابًا. هكذا قال الترمذی فی الجامع، وذكر عنه فی مواضع أنه مضطرب، فتارة يقول: "طلقها ثلاثًا" وتارة يقول: "واحدة" وتارة يقول: "البتة" وقال الإمام أحمد: وطرقه كلها ضعيفة، وضعفه أيضًا البخاری حكاه المنذری عنه. ثم كيف يقدم هذا الحديث المضطرب المجهول رواته علی حديث عبدالرزاق عن ابن جريج لجهالة بعض بنی أبی رافع، وأبو رافع هذا وأولاده تابعيون وإن كان عبيدالله

أشهرهم، وليس فيهم متهم بالكذب."

وقد روى عنه ابن جريج ومن يقبل رواية المجهول، أو يقول رواية العدل عند تعديل له فهذا حجة عنده. فأما أن يضعفه ويقدم عليه رواية من هو مثله في الجهالة أو أشد فكلا. فغاية الأمر أن يتساقط روايتا هذين المجهولين ويعدل إلى غيرهما، وإذا فعلنا ذلك نظرنا في حديث سعد ابن ابراهيم فوجدناه صحيح الإسناد. وقد زالت علة تدليس محمد بن اسحاق بقوله: "حدثني داؤد بن الحصين" ولكن رواه أبو عبدالله الحاكم في مستدركه وقال اسناده صحيح فوجدنا الحديث لا علة له.

وقد احتج أحمد باسناده في مواضع، وقد صحح هو وغيره بهذا الاسناد بعينه "أن رسول الله ﷺ رد زينب على زوجها أبي العاص بن الربيع بالنكاح الأول ولم يحدث شيئا" وأما داؤد بن الحصين عن عكرمة فلم تزل الأئمة تحتج به، وقد احتجوا به في حديث "العرايا" فيما شك فيه ولم يجزم به من تقديرها بخمسة أو سق أو دونها، مع كونها على خلاف الأحاديث التي نهى فيها عن بيع الرطب بالتمر فما ذنبه في هذا الحديث سوى رواية ما لا يقولون به وإن قد حتم في عكرمة ولعلكم فاعلون جاء كم مالا قبل لكم به من التناقض فيما احتججتم به أنتم وأئمة الحديث من روايته، وارتضاه البخاري لإدخال حديثه في صحيحه.

الدليل السادس :

روى الدارقطني من حديث الحسن البصري قال: حدثنا عبدالله أنه طلق امرأته وهي حائض، ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين أخريين عند القرء ين فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال: "يا ابن عمر، ما هكذا أمرك الله تعالى، إنك قد أخطأت السنة والسنة أن تستقبل الطهر فتطلق عند ذلك أو أمسك"، فقلت يا رسول الله أرأيت لو طلقتها ثلاثا أكان يحل لي أن أراجعها؟ قال: "لا. كانت تبين منك

وتكون معصية".

وأجيب بمعارضته بما رواه الدارقطني في سننه: نا محمد بن أحمد بن يوسف بن يزيد الكوفي أبوبكر ببغداد، وأبوبكر أحمد بن دارم، قالا: نا أحمد بن موسى بن اسحاق، نا أحمد بن صبيح الأسدى، نا ظريف ابن ناصح عن معاوية، عن عمار الدهنى، عن أبي الزبير، قال: سألت ابن عمر عن رجل طلق امرأته ثلاثًا وهى حائض؟ فقال: أتعرف ابن عمر؟ قلت: نعم. قال: طلقت امرأتى ثلاثًا على عهد رسول الله ﷺ وهى حائض، فردها رسول الله ﷺ إلى السنة.

ففيه دليل على أنه طلقها ثلاثًا بالفعل وردت إلى الواحدة.

وأجاب القرطبى وابن رجب عن حديث تطليق ابن عمر امرأته ثلاثًا وهى حائض وردالنبى ﷺ ذلك إلى السنة. قال القرطبى(تفسير القرطبى ۳/۱۳۰): ما نصه: قال الدارقطنى أى فى رواته كلهم من الشيعة، والمحفوظ أن ابن عمر طلق امرأته واحدة في الحيض قال عبيدالله: وكان تطليقه إياها فى الحيض واحدة غير أنه خالف السنة، وكذلك قال صالح بن كيسان، وموسى بن عقبة، واسماعيل بن أمية، وليث بن سعد، و ابن أبى ذئب و ابن جريج، وجابر، واسماعيل بن ابراهيم بن عقبة، عن نافع، أن ابن عمر طلق تطليقة واحدة. وكذلك قال الزهرى عن سالم، عن أبيه، ويونس بن جبير، والشعبى، والحسن. اهـ كلام القرطبى.

وممن ذكر رواية الليث ابن سعد مسلم بن الحجاج في صحيحه قال: حدثنا يحيى بن يحيى وقتيبة بن سعيد، و ابن رمح، واللفظ ليحيى قال قتيبة: حدثنا ليث، وقال الآخران: أخبرنا الليث بن سعد، عن نافع عن عبدالله أنه طلق امرأة له وهى حائض تطليقة واحدة فأمره رسول الله ﷺ أن يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر، ثم تحيض عندة حيضة أخرى ثم يمهلها حتى تطهر من حيضتها، فإن أراد أن يطلقها فليطلقها حين تطهر من قبل أن يجامعها، فتلك العدة التى أمر الله أن

يطلق لها النساء. وزاد ابن رمح في روايته وكان عبدالله إذا سئل عن ذلك قال لأحدهم: أما أنت إن طلقت امرأتك مرة أو مرتين فإن رسول الله ﷺ أمرني بهذا، وإن كنت طلقتها ثلاثًا فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجًا غيرك وعصيت الله فيما أمرك من طلاق امرأتك.

قال مسلم: جود الليث في قوله "تطليقة واحدة" يعني مسلم بذلك كما بينه النووي أن الليث حفظ وأتقن قدر الطلاق الذي لم يتقنه غيره، ولم يهمله كما أهمله غيره، ولا غلط فيه وجعله ثلاثًا كما غلط فيه غيره.

وقد اطال الدارقطني في سرد الروايات عن الأئمة المذكورين وأتى في ذلك بما لا يدع مجالاً للشك في أن تطليقة ابن عمر لامرأته كانت واحدة. كما صرح النووي في شرح صحيح مسلم، بأن الروايات الصحيحة التي ذكرها مسلم وغيره أن ابن عمر إنما طلق امرأته واحدة.

وقال (جامع العلوم والحكم ـ ٥٦ـ٥٧ـ شرح حديث "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد") الحافظ ابن رجب في الرد على رواية الثلاث أيضًا: قد كان طائف من الناس يعتقدون أن طلاق ابن عمر كان ثلاثًا، وأن النبي ﷺ إنما ردها عليه لأنه لم يوقع الطلاق في الحيض، وقد روى ذلك عن أبي الزبير أيضًا من رواية معاوية بن عمار الدهني عنه. فلعل أبا الزبير اعتقد هذا حقًا فروى تلك اللفظة بالمعنى الذي فهمه، وروى ابن لهيعة هذا الحديث عن أبي الزبير فقال عن جابر أن ابن عمر طلق امرأته وهي حائض، وأخطأ في ذكر جابر في هذا الإسناد. وتفرد بقوله: "فإنها امرأته" ولا يدل على عدم وقوع الطلاق إلا على تقدير أن يكون ثلاثًا، فقد أختلف في هذا الحديث على أبي الزبير. وأصحاب ابن عمر الثقات الحفاظ العارفون به الملازمون له لم يختلف عليهم فيه.

فروى أيوب عن ابن سيرين قال: مكثت عشرين سنة يحدثني من لا

أتهمهم أن ابن عمر طلق امرأته ثلاثًا وهي حائض، فأمره النبي ﷺ أن يراجعها. فجعلت لا أتهمهم ولا أعرف الحديث حتى لقيت أبا غلاب يونس بن جبير وكان ذا ثبت، فحدثني أنه سأل ابن عمر فحدثه أنه طلقها واحدة. خرجه مسلم وفي رواية: قال له ابن سيرين: فجعلت لا أعرف للحديث وجهًا ولا أفهمه. وهذا يدل على أنه كان قد شاع بين الثقات من غير أهل الفقة والعلم. أن طلاق ابن عمر كان ثلاثًا ولعل أبا الزبير من هذا القبيل. ولذلك كان نافع يسأل كثيرًا عن طلاق ابن عمر. هل كان ثلاثًا أو واحدة؟ ولما قدم نافع مكة أرسلوا إليه من مجلس عطاء يسألونه عن ذلك.

واستنكار ابن سيرين لرواية الثلاث يدل على أنه لم يعرف قائلاً معتبرًا يقول: إن الطلاق المحرم غير واقع، وأن هذا القول لا وجه له. قال الإمام أحمد في رواية أبي الحارث، وسئل عمن قال: لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال: هذا قول سوء رديئي، ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه في الحيض وقال أبوعبيدة: الوقوع هو الذى عليه العلماء مجمعون في جميع الأمصار حجازهم وتهامهم ويمنهم وشامهم وعراقهم ومصرهم، وحكى ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم، إلا ناسًا من أهل البدع لا يعتد بهم.

وقد أجاب ابن القيم عن حديث ابن عمر من رواية الحسن فقال (إغاثة اللهفان ۱/۳۱۸): وأما حديث الحسن عن ابن عمر فهو امثل هذه الأحاديث الضعاف. قال الدارقطني: حدثنا علي بن محمد بن عبيدالحافظ، حدثنا محمد بن شاذان الجوهري، حدثنا يعلى بن منصور، حدثنا شعيب بن زريق، أن عطاء الخراساني حدثهم عن الحسن، قال: حدثنا عبدالله بن عمر فذكره وشعيب وثقه الدارقطني، وقال أبوالفتح الأزدي فيه لين وقال البيهقي وقد روى هذا الحديث،

وهذه الزيادات انفرد بها شعيب وقد تكلموا فيه.

ولا ريب أن الثقات الاثبات الأئمة رووا حديث ابن عمر فلم يأت أحد منهم بما أتى به شعيب البتة، ولهذا لم يرو حديثه هذا أحد من أصحاب الصحاح، ولا السنن.

الدليل السابع :

روى الدارقطني من حديث ابراهيم بن عبيدالله بن عبادة بن الصامت عن أبيه عن جده، قال: "طلق بعض آبائي امرأته ألفًا فانطلق بنوه إلى رسول الله ﷺ فقالوا يا رسول الله إن أبانا طلق امرأته ألفًا، فهل له من مخرج؟ فقال:"إن أباكم لم يتق الله فيجعل له مخرجًا، بانت منه بثلاثٍ على غير السنة وتسعمائة وسبعة وتسعون إثم في عنقه."

قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ۱/۳۱۷): وأما حديث عبادة بن الصامت الذى رواه الدارقطني فقد قال عقيب اخراجه: رواته مجهولون وضعفاء، إلا شيخنا و ابن عبدالباقي.

الدليل الثامن :

روى الدارقطني من حديث حماد بن زيد، حدثنا عبدالعزيز بن صهيب عن أنس قال: سمعت أنس بن مالك يقول، سمعت معاذ بن جبل يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول: "يا معاذ من طلق للبدعة واحدة أو اثنتين أو ثلاثًا الزمناه بدعته".

ورد بأن في إسناده اسماعيل بن أمية الذراع وهو ضعيف.

قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ۱/۳۱۷): وأما حديث معاذ بن جبل فلقد وهت مسألة يحتج فيها بمثل هذا الحديث الباطل، والدارقطني إنما رواه للمعرفة وهو أجل من أن يحتج به، وفي إسناده اسماعيل ابن امية الذراع، يرويه عن حماد قال الدارقطني بعد روايته: اسماعيل بن أمية ضعيف متروك الحديث.

الدليل التاسع :

روى الدارقطني من حديث زاذان عن علي رضي الله عنه قال: سمع النبي ﷺ رجلا طلق البتة فغضب، وقال: "أتتخذون آيات الله هزوًا، أو دين الله هزوًا أو لعبًا. من طلق البتة ألزمناه ثلاثًا، لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره".

ورد هذا (إغاثة اللهفان ١/٣١٧) الحديث بأن فيه اسماعيل بن أمية القرشي، قال فيه الدارقطني كوفي ضعيف. وقال ابن القيم: قلت وفي اسناده مجاهيل وضعفاء.

وأما الاجماع فقد نقله كثير من العلماء في مسألة النزاع وقالوا إنه مقدم على خبر الواحد، قال الشافعي: الاجماع أكثر من الخبر المنفرد، وذلك أن الخبر مجوز الخطأ والوهم على راويه بخلاف الاجماع فإنه معصوم... وممن حكى الإجماع على لزوم الثلاث في الطلاق بكلمة واحدة، أبوبكر الرازي، والباجي، و ابن العربي و ابن رجب.

قال أبوبكر الرازي (أحكام القرآن ١/٤٥٩): فالكتاب والسنة واجماع السلف توجب ايقاع الثلاث معًا و إن كان معصية.

وقال الباجي: من أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء وحكى القاضي أبومحمد في اشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلقة واحدة، وعن بعض أهل الظاهر لا يلزمه شيء وإنما يروى هذا عن الحجاج بن أرطاة و محمد بن اسحاق، والدليل على ما نقوله: اجماع الصحابة لأن هذا مروى عن ابن عمر و عمران بن حصين، و عبدالله بن مسعود و ابن عباس و أبي هريرة، و عائشة رضي الله تعالى عنهم ولا مخالف لهم وماروى عن ابن عباس في ذلك من رواية طاؤس، قال فيه بعض المحدثين وهم، وقد روى ابن طاؤس عن أبيه وكذا عن ابن وهب خلاف ذلك، وإنما وقع الوهم في

التأويل. ١هـ. (المنتقى ٤/٣)

وقال القاضي أبوبكر بن العربي في ضمن أجوبته عن حديث ابن عباس قال: إنه حديث مختلف في صحته فكيف يقدم على إجماع الأمة، ولم يعرف لها في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين وقد سبق العصران الكريمان، والاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم نقل العدل عن العدل، ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبدًا. ١هـ. (الناسخ والمنسوخ)

وقال بعد ما بين أن المراد بالطلاق في الآية الكريمة (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) المشروع قال: قد نقول بأن غيره ليس بمشروع لو لا تظاهر الأخبار (أحكام القرآن ١/٨١) وقال ابن رجب في "بيان مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة": "اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوٰى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد" ١هـ.

وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بالاجماع مبينًا وجوه نقضه فقال: وبيان هذا من وجوه:

احدها:

ما رواه أبوداؤد وغيره من حديث حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما "إذا قال: أنت طالق ثلاثًا بفم واحد، فهي واحدة" وهذا الإسناد على شرط البخاري ... وقال عبدالرزاق: أخبرنا معمر عن أيوب قال: دخل الحكم بن عيينة على الزهري بمكة، وأنا معهم، فسألوه عن البكر تطلق ثلاثًا؟ فقال: سئل عن ذلك ابن عباس، وأبوهريرة، وعبدالله بن عمرو، فكلهم

قالوا: لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره، قال: فخرج الحكم وأنا معه فأتى طاوسًا وهو في المسجد، فأكب عليه فسأله عن قول ابن عباس فيها، وأخبره بقول الزهرى، قال: فرأيت طاؤسًا رفع يديه تعجبًا من ذلك وقال: والله ما كان ابن عباس يجعلها إلا واحدة.

أخبرنا ابن جريج قال: وأخبرني حسن بن مسلم عن ابن شهاب أن ابن عباس قال: "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا، ولم يجمع، كن ثلاثًا، قال: فأخبرت طاؤسًا، فقال: أشهد ما كان ابن عباس يراهن إلا واحدة".

فقوله: "إذا طلق ثلاثًا ولم يجمع كن ثلاثًا" أى إذا كن متفرقات، فدل على أنه إذا جمعهن كانت واحدة. وهذا هوالذى حلف عليه طاؤس أن ابن عباس كان يجعله واحدة. ونحن لا نشك أن ابن عباس صح عنه خلاف ذلك، وأنها ثلاث. فهما روايتان ثابتتان عن ابن عباس بلا شك.

الوجه الثاني :

أن هذا مذهب طاؤس، قال عبدالرزاق: أخبرنا ابن جريج عن ابن طاؤس عن أبيه أنه كان لا يرى طلاقًا ما خالف وجه الطلاق. ووجه العدة، وأنه كان يقول: يطلقها واحدة، ثم يدعها حتى تنقضى عدتها. وقال أبوبكر بن أبى شيبة: حدثنا اسماعيل بن علية عن ليث عن طاؤس وعطاء أنهما قالا: "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها فهى واحدة".

الوجه الثالث :

أنه قول عطاء بن أبى رباح. قال ابن أبى شيبة: حدثنا محمد بن بشر، حدثنا اسماعيل عن قتادة عن طاؤس وعطاء وجابر بن زيد انهم قالوا: "إذا طلقها ثلاثًا قبل أن يدخل بها فهى واحدة.

الوجه الرابع :

أنه قول جابر بن زيد كما تقدم.

الوجه الخامس :

أن هذا مذهب محمد بن اسحاق عن داؤد بن الحصين، حكاه عنه الإمام أحمد في رواية الأثرم، ولفظه: حدثنا سعيد بن إبراهيم عن أبيه عن ابن اسحاق عن داؤد بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس "أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا، فجعلها النبي ﷺ واحدة" قال أبوعبدالله: "وكان هذا مذهب ابن إسحاق، يقول: يخالف السنة، فيرد إلى السنة".

الوجه السادس :

أنه مذهب اسحاق بن راهويه في البكر. قال محمد بن نصر المروزی فی كتاب "اختلاف العلماء" له: وكان اسحاق يقول: طلاق الثلاث للبكر واحدة، وتأول حديث طاؤس عن ابن عباس "كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر و عمر يجعل واحدة" على هذا، قال: "فإن قال لها ولم يدخل بها أنت طالق، أنت طالق، فإن سفيان وأصحاب الرأی، والشافعی، وأحمد، وأبا عبيد قالوا: بانت منه بالأولى، وليست الثنتان بشيء، لأن غير المدخول بها تبين بواحدة، ولا عدة عليها."

وقال مالك، وربيعة، وأهل المدينة، والاوزاعی، و ابن أبي ليلى إذا قال لها ثلاث مرات أنت طالق، نسقًا متابعة، حرمت عليه حتى تنكح زوجًا غيره. فإن هو سكت بين التطليقتين، بانت بالأولى. ولم تلحقها الثانية" فصار فی وقوع الثلاث بغير المدخول بها ثلاثة مذاهب للصحابة والتابعين، ومن بعدهم:

احدها : أنها واحدة، سواء قالها بلفظ واحد، أو بثلاثة ألفاظ.

الثانی : أنها ثلاث، سواء أوقع الثلاث بلفظ واحد، أو بثلاثة ألفاظ.

امام طحاوی کی عبارت سے استدلال درست نہیں ،

البلاغ ص۱۲ بابت رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ میں امام طحاوی کی ایک عبارت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ، مصدّق یعنی حکام کو اموالِ باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کے مکمّل اختیارات ہیں ۔ حالانکہ سیاق وسباق و دیگر قرائن کی روشنی میں یہ استدلال قطعاً درست نہیں ۔

امام طحاوی اس پورے باب میں جو احادیث لائے ہیں ان سے بلا کسی اشتباہ کے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ "حق وصولی" عام نہیں ۔ بلکہ یہ حق اُس سونے ، چاندی اور اموالِ تجارت کے بارے میں ہے جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گذرے ۔ اس باب میں امام طحاوی کی ذکر کردہ روایات یہ ہیں جو سب عاشر کے بارے میں ہیں :-

مثلاً ۱ : ليس على المسلمين عشور انما العشور على اهل الذمة ۲ لا يدخل الجنة صاحب مكس يعني عاشرا ۳ افأعشر المسلمين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔ انما يعشر اليهود والنصارى ۴ ان عمر بن عبد العزيز كتب الى ايوب بن شرحبيل ان خذ من المسلمين من كل اربعين دينار ديناراً ومن اهل الكتاب من كل عشرين دينار ديناراً اذا كانوا يديرونها ثم لا تأخذ منهم شيئاً حتى رأس الحول فاني سمعت ذلك ممن سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول ذلك ۔ ۵ " اثر عمر رضي الله عنه قال انس بن سيرين لانس بن مالك اكتب لي سنة عمر قال فكتب خذ من المسلمين من كل اربعين دراهم درهماً ومن اهل الذمة من كل عشرين دراهم درهماً وممن لا ذمة له من كل عشرة دراهم درهماً اه وغير ذلك من الروايات ۔

یہی روایات کتاب الاموال لابی عبید میں باب العاشر کے تحت مندرج ہیں ۔ بلکہ فقہاء و محدثین میں سے جس نے بھی عاشر کے مسائل بیان کئے ہیں انہی روایات سے استدلال کیا ہے ۔ آخر الذکر دو آثار یعنی اثرِ عمر بن عبد العزیز اور اثرِ عمر رضی اللہ عنہما کو تو مسائل عاشر میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو :- (بدائع ص۳۵ ج۲) (احکام القرآن ص۱۵۵ ج۳) (موطا امام مالک ، باب زکوٰۃ العروض ۔) موطا امام محمد (شرح نقایہ) (کتاب الآثار لمحمد) (شرح مختصر الکرخی) (مبسوط سرخسی) (البحر الرائق ص۲۴۹ ج۲) وغیرہ

اوّل الذکر احادیث سے بظاہر عاشر مقرر کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے ۔ امام طحاوی کے ان احادیث

کا صحیح محمل بیان کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کے لئے آخری دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کا قدر مشترک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے (دور دراز راستوں پر) عاشر مقرر کئے اور انہیں لکھا کہ جو مسلمان ذمی یا حربی تاجر تمہارے پاس سے گذرے اُس سے زکوٰۃ ٹیکس وصول کرو، بابُ العاشر میں دیگر فقہاء محدثین نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ مثلاً لاعید خل الجنۃ صاحبُ مکس کی توجیہ کرتے ہیں اور حدیثِ عمر سے تقرر عاشر کے جواز پر استدلال کرتے ہیں جس کا جی چاہے کتابیں کھول کر دیکھ لے۔ امام طحاویؒ دلیلِ نقلی پیش کرنے کے بعد حسب عادت اپنے دعویٰ کو قیاس و نظر سے مبرھن فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائمہ اور ثمار کی وصولیٔ زکوٰۃ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح ایسے سونے اور چاندی اور اموالِ تجارت کی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ جو بیرونِ شہر ہونے میں سائمہ کے مشابہ ہوں ــــ

جس دعویٰ کے لئے آثارِ عمر بن رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا ہے قیاس و نظر سے بھی اسی دعویٰ کی تائید کی جائے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ احادیث الباب سے تو مامرّ علی العاشر کی وصولیٔ زکوٰۃ کا جواز ثابت کریں اور "نظر" سے گھروں اور دکانوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ کا مسئلہ چھیڑ دیں اسی طرح وجہہ لطریق النظر کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ جو مسئلہ احادیث سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس کی دلیل نظری بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ مسئلہ مامرّ علی العاشر سے وصولیٔ زکوٰۃ کا مسئلہ ہے نہ کہ تمام اموالِ تجارت کا ــــ

امام طحاویؒ کی طرح دیگر حضرات فقہاء کرام نے بھی سفر پر لے جائے گئے اموالِ تجارت کو سائمہ پر قیاس کرتے ہوئے انہیں مالِ ظاہر قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ وجہ شبہ اور علّتِ جامعہ ان دونوں کا شہر سے باہر پایا جانا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں ــــ

وکذا المال الباطن اذا مرّ بہ التاجر علی العاشر کان لہ ان یاخذ فی الجملۃ لانہ لما سافر بہ واخرجہ من العمران صار ظاہرا والتحق بالسوائم (ص ۳۵ ج ۲)

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:ــــ

ثم المسلم حین اخرج مال التجارۃ الی المفازۃ فقد احتاج الی حمایۃ الامام فیثبت لہ حق اخذ الزکوٰۃ منہ کما فی السوائم ــــ

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں مویشیوں پر جس مالِ تجارت کو قیاس کیا گیا ہے وہ ایسا مالِ تجارت ہے جسے تاجر لے کر عاشر کے پاس سے گزرے۔ شہر مالِ تجارت نہیں اور وجہ قیاس اور علّت التحاق شہر سے باہر آکر ایسا مال کا امام کے زیرِ حمایت آجانا ہے اور اموالِ ظاہرہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کا حق امام کو حاصل ہی ہے امام طحاویؒ بھی یہی مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔ الغرض دلالتِ سیاق و سباق و دیگر قرائن کی بناء پر پورے

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ امام طحاویؒ کی اس عبارت سے مُراد" مامرّ علی العاشر" ہے۔ شہری اموالِ تجارت اور سونا چاندی نہیں۔ ـــــــ

احادیث الباب کی اس قطعی دلالت کے علاوہ زیرِ بحث عبارت کو مطلق سمجھنے میں ایک محظور یہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ وفقہاء کی تصریحات کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ شہری اموال کی وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے محصّل مقرر کرنے کا کوئی امام قائل نہیں۔ حتیٰ کہ عہدِ رسالت وخلافتِ شیخین میں بھی اس غرض کے لئے محصلین کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا۔ امام ابوبکر جصاص رازی امام الھدیٰ کے حوالے سے پہلے یہ بات ہم نقل کرچکے ہیں۔ امام طحاویؒ ان حقائق سے بے خبر کیسے ہوسکتے ہیں ؟ اور خلافِ اجماع بات کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر اپنے امام اعظم امام ابویوسفؒ اور امام محمد کا مذہب بھی قرار دے رہے ہیں۔ فیا سُبحان اللہ ـــــــ ان ائمہ ثلٰثہ کا مذہب روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ جسے تمام فقہاء نے نقل کیا ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ اندرونِ شہر حکومت وصول نہیں کرسکتی۔ اگر بالفرض امام طحاویؒ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو وہ اسے مذہب ائمہ ثلٰثہ قرار نہ دیتے بلکہ اپنی اختلافی رائے کی حیثیت سے پیش کرتے جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پر امام طحاویؒ ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔" بلکہ کسی اور فقیہ نے بھی اس مسئلہ میں امام طحاوی کا اپنے ائمہ ثلٰثہ سے اختلاف ذکر نہیں کیا! التعجّب ہے کہ اگر ان حضرات ائمہ ثلٰثہ کا مذہب وہی ہوتا جس کی نشاندہی بقول البلاغ امام طحاویؒ کر رہے ہیں تو کتب فقہ میں بالاتفاق جو نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ وہ کس کا مذہب ہے ـــــــ ؟

تو مؤدبانہ گذارش ہے کہ مندرجہ بالا سب محظورات زیرِ بحث عبارت کو مطلق سمجھ لینے سے لازم آتے ہیں لیکن جب اس اطلاق کو سیاق وسباق ودیگر قرائن کی روشنی میں " مامرّ علی العاشر" کے ساتھ مقید کردیا جائے۔ جیسا کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے۔ تو اس سے مخالفتِ اجماع لازم آتی ہے نہ اپنے ائمہ ثلٰثہ کے مذہب کا حوالہ غلط قرار پاتا ہے۔ نہ ہی کوئی دوسرا محظور لازم آتا ہے۔ اس صحیح وسلامتی کے راستے کو چھوڑ کر اپنی رائے اور سمجھ کو امام طحاویؒ کے ذمہ لگانا انصاف سے بعید ہے۔ سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر امام طحاویؒ کی عبارت کو شہری اموال کے بارے میں بھی عام رکھا جاتا ہے تو اس کے لئے امام طحاویؒ کا مستدل کیا ہوگا اور وہ کہاں ہے جبکہ احادیث الباب تو سب کی سب مامرّ علی العاشر کے بارے میں تقریباً صریح ہیں ـــــــ

خود امام طحاویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ باب عاشر اور ان کی یہ ساری بحث ان اموال کے متعلق ہے۔ جو عاشر کے پاس سے لے کر گذریں۔ حدیث : ـــــــ

لیس علی المسلمین عشو رانما العشور علی الیھود والنصاریٰ " کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :- ان المسلمین لایجب علیھم بمرورھم علی العاشر فی اموالھم مالم یکن واجبا

عليهم ولو لم يمر بها عليهم لان عليهم الزكوة على اى حال كانوا عليها واليهود والنصارى لو لم يمروا باموالهم على العاشر لم يجب عليهم فيها شئ فالذى رفع عن المسلمين هو الذى يوجبه المرور بالمال على العاشر ولم يرفع ذلك عن اليهود والنصارى :ــــــــ

امام طحاویؒ حدیث کی شرح کرتے ہوئے ایک ہی عبارت میں چار مرتبہ عاشر کے پاس سے مال لے کر گزرنے کی تصریح فرما رہے ہیں۔ اتنی واضح تصریحات ـــــــ کی موجودگی میں امام طحاویؒ کی پہلی عبارت کو مطلق سمجھ لینا باعثِ حیرانی ہے۔ مرور علی العاشر کی تصریح کے باوجود دعویٰ یہ کیا جا رہا ہے کہ خروج عن المصر کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی۔ تعجب پر تعجب ہے کہ عبارت طحاوی کو اس صریح قید سے مقید کرنے پر تو راضی نہیں لیکن ایک خیالی قید جو اپنی سمجھ میں آئی ہے (یعنی مضرتِ تفتیش) اس کے ساتھ طحاویؒ کی عبارت کو مقیّد فرما رہے ہیں۔ حالانکہ امام طحاویؒ نے اس باب بلکہ پوری کتاب الزکاۃ میں صراحۃً تو کُجا اشارۃً بھی اس خیالی قید کا ذکر نہیں کیا۔ یہ طرزِ عمل ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ سیاق و سباق میں مذکورہ صریح قید سے تو قطع نظر کیا جائے اور خارج سے ایک قید برآمد کر لی جائے۔ جس کا امام طحاوی رحمہ اللہ کی پوری کتاب میں کوئی نشان نہیں بلکہ اس قید کا وجود خارجی بھی اس وقت تک محلِ بحث بنا ہوا ہے ـــــــ

****

****

عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ میں

زکوٰۃ کی نجی ادائیگی بھی معتبر تھی،

ایک قول کے مطابق زکوٰۃ کی فرضیت مکی ہے۔ کیونکہ سورۃ مزمل کی آخری آیت میں وآتوا الزکوٰۃ کا حکم موجود ہے لیکن جمہور علماء قائل ہیں کہ زکوٰۃ ۲ھ میں صدقۂ فطر کے بعد فرض ہوئی (کما حققہ الحافظ فی الفتح) ابتداءِ اسلام میں لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ لاکر خدمتِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پیش کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے ان کے لئے بے ساختہ دعائیں نکلتی تھیں۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خدمتِ نبوی میں زکوٰۃ پیش کرنے کو اپنے لئے صلوات الرسول اور قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے ویتخذ ماینفق قربٰت عند اللہ وصلوات الرسول الا انھا قربۃ لھم الآیۃ (توبۃ آیت ۹۹)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خبردار بے شک وہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے۔

اسی طرح علانیہ زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک مصلحت یہ تھی کہ کوئی عمل اگر اجتماعی شکل میں معاشرے کے اندر رواج پا جائے تو اس کا ترک کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز باجماعت کے مصالح میں سے ایک بڑی مصلحت یہی تحریر فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ہجرت کرکے آنے والے نادار اور دیگر فقراء صحابہؓ کا ایک مجمع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام پذیر رہتا تھا۔ یہ لوگ مصارفِ زکوٰۃ تھے یہ اور اسی نوعیت کی دیگر مصالح کے پیشِ نظر حضرات صحابۂ کرام اپنے صدقات خدمتِ اقدس میں لاکر پیش کرتے تھے اور یہ سارا نظامِ زکوٰۃ طوع و رغبت پر مبنی تھا کسی پر کوئی جبر نہ تھا۔ صرف صدقاتِ واجبہ ہی نہیں بلکہ نفلی صدقات میں بھی ان حضرات کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ یہ بھی خدمتِ نبوی میں پیش کئے جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے جہاں مناسب ہو خرچ فرمائیں۔ "لن تنالوا البر" آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت طلحہؓ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ ان اللہ تعالیٰ یقول لَنْ تنالوا البر حتی تنفقوا مِمَّا تحبون وَاِنَّ اَحَبَّ مالی اِلَیَّ بَیْرَحاءُ وانہا صدقۃ لِلّٰہ تعالیٰ ارجو بِرَّہا وذخرہا عند اللہ تعالیٰ فضعہا یا رسول اللہ حیث اَرَاکَ اللہ الحدیث (مشکوٰۃ ص۱۷۲ ج ۱)

ترجمہ: یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَنْ تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحاء ہے اور وہ اللہ کے لئے صدقہ ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرے لئے اللہ کے ہاں ذخیرہ بنے گا پس اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اسے جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

اور غزوۂ تبوک سے تخلف کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولِ توبہ کی خوشخبری ملنے کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کا اعلان خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر کیا: "اِنَّ مِنْ توبتی اَنْ انخلعَ من مالی صدقۃً اِلی اللہ ورسولہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَمْسِکْ علیک بعض مالک فھو خیر لک (مسلم ص۳۶۲ ج۲)

اور حسبِ ضرورت اپنے طور پر بھی حضراتِ صحابہؓ زکوٰۃ ادا فرماتے تھے۔ فرضیتِ زکوٰۃ کے ابتدائی سالوں میں دونوں طرح سے زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی ہوتی رہی یعنی نجی طور پر بھی زکوٰۃ ادا کی جاتی تھی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھی پیش کر دی جاتی تھی کئی سالوں کے بعد ۹ھ میں آیت کریمہ خُذْ مِنْ اموالھم صدقۃ تطھرھم الآیۃ نازل ہوئی تو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوائم اور پھلوں کی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سرکاری سطح پر انتظامات کئے گئے محصلین کا تقرر ہوا اور انہیں وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے بیرونِ شہر جنگلوں اور کھیتوں میں بھیجا گیا لیکن اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اندرونِ شہر کسی محصل کا بھیجنا ثابت نہیں۔ امام جصاص رازی فرماتے ہیں:

"ولم یبلغنا انہ بعث سعاۃ علی زکوٰۃ الاموال کما بعثھم علی صدقاتِ المواشی والثمار نحو ذلک اھ"۔ (احکام القرآن ص۱۵۵ ج ۳)

خلافتِ راشدہ میں بھی اسی پر عمل جاری رہا تاآنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مالکان کو اپنے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ مالِ زکوٰۃ چونکہ محض فقراء ومساکین

وغیرہ کا حق ہے اور سرکاری سطح پر وصولی فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نہ بہ حیثیتِ رکن تھی نہ بحیثیتِ شرط۔ اس لئے حضراتِ صحابۂ کرام نے حضرتِ عثمانؓ کے اس اعلان کو بلا تردّد قبول کیا چنانچہ حضرات ائمہ و فقہاء نے لکھا ہے کہ اعلانِ عثمان سے امام کا وصولیٔ زکوٰۃ کا عرفی حق (جیسا کچھ تھا) ختم ہوگیا۔ اب عام حالات میں سرکاری سطح پر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا امام کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ اسقاطِ حق خلیفۂ راشد کا فیصلہ ہے۔ جس کی اتباع اُمّت پر لازم ہے۔ امام ابوبکر جصاص رحؒ لکھتے ہیں:

ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤده ثم ليزك بقية ماله فجعل لهم اداءها الى المساكين وسقط من اجل ذلك حق الامام فى اخذها لانه عقدٌ عقدهٗ امام من ائمة العدل فهو نافذ على الامة لقوله عليه السلام ويعقد عليهم ادنٰهم ۔ (احکام القرآن ج ۳ ص۱۵۵)

واضح رہے اِس حق سے مُراد ایسا عرفی استحقاق ہے جو عہدِ نبوّت سے لیکر خلافتِ عثمان کے وَسط تک کے مسلسل تعامل سے ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اِس عرصہ میں معطین اپنی زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ و نافلہ عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خُلفاءِ راشدین کے پاس جمع کراتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات اپنے طور پر بھی غُرباء و مساکین کو ادا کرتے تھے۔ کما سیأتی۔

حق ساقط ہوگیا: صِرف امام جصاص رحؒ ہی نے نہیں بلکہ تمام فقہاء نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا ہے کہ خلافتِ عثمانی کے بعد امام کو اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں رہا ہے۔ علّامہ ابنِ نجیم متعدد کُتُب کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

ليس للسلطان ولاية اخذ زكوٰة اموالِ الباطنة فلم يصح اخذه كذا فى الواقعات والتجنيس والولوالجية (البحر الرائق ۲۲۶/۲)

ترجمہ: بادشاہ کو اموالِ باطنہ سے وصولِ زکوٰۃ کا اختیار نہیں پس اس کا وصول کرنا صحیح نہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

إن السلطان لهٗ ولاية الجبر فى الاموال الظاهرة لا فى الاموال الباطنة ۔ (اعلاء السنن ص۳۹ ج ۹)

ترجمہ:۔ بادشاہ کو جبراً وصولی کا حق اموالِ ظاہرہ میں ہے اموالِ باطنہ میں نہیں۔

زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی: بلکہ حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ عام حالات میں اگر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ جبری طور پر وصول کرلیگا۔ تو اس سے زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی۔ امام ابو بکر کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولھذا قلنا انه ليس للامام ان يأخذ الزكاة من صاحب المال من غير اذنه جبراً ولو اخذ لا تسقط عنه الزكاة۔

(بدائع ج۔۲ ص۵۳ وھکذا فی البحر ص۲۲۷ ج۔۲)

ترجمہ:۔ امام کو یہ حق نہیں کہ صاحبِ مال سے جبراً اسکی اجازت کے بغیر زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ ایسے وصول کریگا تو اس کی زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی۔

آگے چل کر ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں امام موصوف لکھتے ہیں:

بخلاف الزكاة فان الامام لا يملك الاخذ جبراً وان اخذ لا تسقط الزكاة عن صاحب المال۔ (بدائع ص۵۶ ج۔۲)

ترجمہ: زکوٰۃ کا مسئلہ ایسا نہیں۔ کیونکہ امام جبراً وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا، اور اگر زبردستی وصول کریگا تو مالدار کی زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی۔

خود اربابِ مال کی ذمّہ داری ہے: شہر میں ہوتے ہوئے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ اَدا کرنا خود اربابِ مال کی ذمّہ داری ہے، امام کو ان میں وصولئ زکوٰۃ کا حق نہیں.... ہاں جب یہ اموال شہر سے باہر لائے جائیں۔ اس وقت وصولئ زکوٰۃ کے اختیارات امام کیطرف منتقل ہوجائیں گے۔ کیونکہ اب یہ "اموالِ ظاہرہ" میں شامل ہوجائیں گے۔

علّامہ محقق ابنِ ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ان ولاية الاداء بنفسه انما كان فى الاموال الباطنة حال كونها

ترجمہ: بذاتِ خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار "اموالِ باطنہ" میں صرف شہر میں موجود ہونے کی حالت میں ہے۔

فی المصر و بمجرد خروجه انتقلت الولایة الی الامام (فتح القدیر ص۸۲ ج۲)

ترجمہ: اور شہر سے نکلنے کے ساتھ ہی یہ اختیار امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(۲) امام قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح جامع صغیر میں تصریح فرماتے ہیں:

انما تثبت ولایة المطالبة للامام بعد الاخراج الی المفازة اھ

(بحوالہ شامی ج ۲ ص۵۳)

ترجمہ: (اموال باطنہ میں) امام کو مطالبۂ زکوٰۃ کے اختیارات تجارتی اموال کو صرف بیرون شہر لیجانے ہی کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر نہیں (کیونکہ ایسی صورت میں یہ "اموال باطنہ" نہیں رہتے بلکہ اموالِ ظاہرہ بن جاتے ہیں)

اجماعِ صحابہؓ: اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق امام کو نہ ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام کے وصول کرنے کو اجماعِ صحابہؓ کے خلاف قرار دیتے ہوئے امام کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اذا اراد الامام ان یأخذ بنفسه من غیر تهمة الترک من اربابها لیس له ذالک لما فیه من مخالفة اجماع الصحابة رضی الله عنهم۔ (بدائع ص ج ۲)

ترجمہ: جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مالداروں سے زکوٰۃ خود وصول کرے جبکہ ان پر ترکِ ادا، زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اجماعِ صحابہؓ کی مخالفت ہے۔

ازالۂ شبہ: امام کاسانیؒ کے دعویٰ اجماع کے بارے میں اگر کسی کو بعض صحابہؓ کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے کلام سے زائل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معنیٔ اجماع ایں نیست کہ ہمہ مجتہدین لایشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند بلکہ معنیٔ اجماع حکم خلیفہ است بخیر بعد مشاورۃ ذوی الرأی یا بغیر آں و نفاذ آں حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم متمکن گشت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی و

سنّۃ الخلفاء الراشدین من بعدی الحدیث (ازالۃ الخفاء صہ ۲۶)

ان تصریحات سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہوجاتا ہے کہ خلافت عثمانی کے بعد سے امام کا وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ عام حالات میں "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات اسے حاصل نہیں رہے۔ مگر اس کے باوجود بھی بعض حضرات کو شبہ ہوگیا ہے۔ کہ امام کا یہ وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ساقط نہیں ہوا۔ اور ایسا نہیں کہ وہ اب زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا۔ گویا کہ امام عملاً بھی وصولیٔ زکوٰۃ جب چاہے شروع کر سکتا ہے۔

حضرات ائمہ کرام اور فقہائے عظام، حضرت امام ابوبکر جصاص رازی رح۔ امام ابوبکر کاسانی رح علامہ محقق ابنِ ہمام رح۔ امام الفقہاء قاضی خان رح۔ علّامہ ابن نجیم رح وغیرہ اساطین اُمّت کی سابقہ عبارات کی روشنی میں اِس شُبہ کا بے دلیل اور غلط ہونا ظاہر ہے۔ ان حضرات نے تصریح فرمادی ہے کہ امام کا یہ حق ساقط ہو چکا ہے۔ امام کا اب اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔ عام حالات میں امام کو یہ اختیارات نہیں ہیں۔ اور وصول کرنے کی صُورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

تُہمتِ ترک :

واضح رہے کہ اِس وقت بحث صِرف اِس میں ہے کہ بغیر تہمت ترک عام حالات میں امام کو "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا اختیار ہے یا نہیں ؟ اس کے بارے میں حضرات ائمہ وفقہاء کی تصریحات ابھی نقل کی جاچکی ہیں کہ "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ بصورت وصولی مالکان کی زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی۔ وغیر ذالک۔ اور بعض فقہاء کی عبارات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کا حق بالکلیہ ساقط نہیں ہوا۔ اس کا ثمرہ صِرف یہ ہے کہ تہمت ترک کی صُورت میں امام اَدائے زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا امام کا یہ حق عام حالات میں ساقط ہو چکا ہے۔ اور تہمت ترک کی صُورت میں یہ حق عود کر آتا ہے۔ پس بالکلیہ ساقط نہ ہونے کا یہی معنی ہے۔ الغرض سقوطِ حق عام حالات میں ہے اور اس کا عود کر آنا ایک خاص حالت میں ہے۔ پس ان باتوں میں کوئی منافات ہے اور نہ ہی ان عبارتوں کو لیکر حکومت کے لئے عمومی حق ثابت کرنا دُرست ہے۔ چُنانچہ امام ابوبکر کاسانی رح نے ایک ہی مقام پر دونوں باتوں کی صراحت کر دی ہے۔ تہمت ترک کی صورت میں مطالبۂ زکوٰۃ کا حق بھی امام کے لئے تسلیم کیا ہے اور بدون اس کے وصولیٔ زکوٰۃ کو اجماعِ صحابہؓ کے خلاف بھی قرار دیدیا ہے۔ بدائع میں ہے :

ان الامام اذا علم من اهل بلدة انهم يتركون اداء الزكوٰة من الاموال الباطنة فانه يطالبهم بها لكن اذا اراد الامام ان يأخذ بنفسه من غير تهمة الترك من اربابها ليس له ذالك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة رضی اللّٰہ عنہم اھ (بدائع ج ۲ ص۳۶)

ترجمہ: کسی شہر والوں کے متعلق جب امام کو معلوم ہو جائے کہ اُنہوں نے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی ترک کر دی ہے تو وہ ان سے اس کا مُطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مال والوں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر ترکِ اداءِ زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں کیونکہ یہ اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔

قابلِ غور: لوگوں کے فریضۂ زکوٰۃ ترک کر دینے کی صورت میں امام کو مطالبۂ زکوٰۃ کا جو حق ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ کیا یہ وہی حق ہے جو ساقط ہو گیا تھا۔ یا یہ دُوسری نوعیت کا ایک عمومی حق ہے جو فرائض وشعائرِ اسلام کی توہین یا انہیں ترک کر دینے کی صورت میں امام کو حاصل ہوتا ہے۔ (بظاہر ترکِ زکوٰۃ کی صورت میں یہ حقِّ امام دوسری نوعیّت کا ہے) کیونکہ اگر کوئی شخص بے نماز ہے تو حکومت کو اس کی گرفتاری اور حبسِ دوام کی سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ الّا یہ کہ وہ توبہ کرلے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بلاعُذر علانیہ کھاتا پیتا ہے تو حکومت کو اُسے سخت ترین سزا دینے کے اختیارات ہیں۔ بلکہ امام محمدؒ نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ اگر امام کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے اذان کی سُنت ترک کر دی ہے تو تائب نہ ہونے کی صُورت میں ان لوگوں کے ساتھ قتال واجب ہے ۔۔۔۔ گویا کہ نماز۔ روزہ۔ اذان کی بحالی اور ان شعائرِ اسلام کو قائم کرنے کے لئے جبر و قتال تک کی اجازت ہے۔ بلکہ واجب ہے تو ترکِ فریضۂ زکوٰۃ کی صورت میں بھی اس فریضہ کو بحال کرنے کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا فرائض کی اقامت کے سلسلہ میں امام کو حاصل ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص حالات میں امام کے یہ اختیارات امر بالمعروف کے قبیل سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تارکِ زکوٰۃ کی زکوٰۃ امام خود وصول نہیں کریگا۔ بلکہ بذریعہ قید وبند اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود ادا کرے۔ اسی صورت کے بارے میں علامہ ابنِ نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

و (ارشاد) الحـ انه لوامتنع من ادائها فالساعی لا یأخذ منه کرھاً ولو اخذ لا یقع عن الزکاۃ لکونھا بلا اختیار ولکن یجبرہ بالحبس لیؤدّی بنفسه لان الاکراہ لا یسلب الاختیار بل الطواعیة فیتحقق الاداء عن اختیار کذا فی المحیط (بحر ج ۲ ص ۲۲۷)

مُطالبۂ امام : ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں امام لوگوں سے "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کا بھی مُطالبہ کرسکتا ہے۔ اس کا مطلب سمجھنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔

واضح رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صورتِ بالا میں امام کو جبری کٹوتی یا لوگوں کے اموال پر بنامِ زکوٰۃ زبردستی قبضہ کرلینے کے اختیارات حاصل ہوجاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام (عذابِ اخروی اور دنیوی سزا) یاد دلا کر اولاً فہمائش کرے گا۔

ابنِ عبدالبرّ فرماتے ہیں :

والواجب ان یعظ الامام من منع الزکاۃ ویؤبخه اھ۔

اگر فہمائش کے باوجود یہ شخص (یا لوگ) زکوٰۃ ادا نہ کریں تو تعزیراً اسے سزا دے اور جیل بھیج دے، تاوقتیکہ وہ ادائیگی زکوٰۃ نہ کردے۔ کفایہ میں ہے :

وفی التفاریق ان وقف علی اھل بلدۃ لا یؤدون زکاۃ الاموال الباطنة طالبھم وکذا من عرف بذالك ضرب وطولب بالاداء وفی الاشارات اذا امتنع عن اداء الزکاۃ یحبس حتّی یؤدی (ص ۱۸۲)

بحر الرائق میں بھی ایسے ہی ہے کہ ایسے ممتنع کے مال پر بغرضِ زکوٰۃ جبراً قبضہ کرلینا درست نہیں۔ بلکہ اسے قید کردیا جائے گا، تاوقتیکہ وہ خود زکوٰۃ ادا کرے۔ حوالہ ابھی گزر چکا ہے۔

ٹیکس اور زکوٰۃ : اور یہ مقصود شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ عبادات میں اصل یہ ہے کہ لوگ باختیار خود انہیں بجا لائیں۔ مخلوق کو صراطِ مستقیم پر چلانا مطلوب ہے۔ جمع مال مقصود نہیں۔ ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں یہ ایک بنیادی فرق ہے۔ ٹیکس میں مقصود صرف حصولِ مال ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں فعلِ مکلّف کا پایا جانا ضروری ہے۔ وصولیٔ مال ثانوی درجے میں ہے۔ بعض اُمرا بنواُمیہ نے نومسلموں سے

جزیہ کی وصولی کو بحال رکھا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عامل کو لکھا :

اما بعد فان اللہ تعالیٰ قد بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم داعیا ولم یبعثہ جابیاً فاذا اتاک کتابی ھذا فارفع الجزیۃ عمن اسلم من اھل الذمۃ۔ (اوجز ص۲۶۷ ج ۳)

اور لوگوں کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا عادی بنانا جبری کٹوتی کے اعلان سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالکان کا فعل پایا جانا ضروری ہے۔ گو اس فعل میں قدرے جبر ہو۔ جبر محض اہل سنت کا مذہب نہیں بلکہ وہ جبر و اختیار کے مابین کے قائل ہیں۔

کسی مال مسلم کے متعلق کلی یا جزوی ضبطی قرقی جبری کٹوتی کے احکام بالکل انتہائی اقدام تو ہو سکتے ہیں، نہ یہ کہ ابتداء اس سے کی جائے۔

بعید توجیہ : متعدد حوالہ جات سے پہلے یہ گزرا کہ "اموال باطنہ" میں امام کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ بعض احباب نے اس عبارۃ کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس سقوط حق سے مراد یہ ہے کہ اس اعلان عثمانی سے قبل اپنے طور پر ادا کی جانیوالی زکوٰۃ کی ادائیگی شرعاً معتبر نہ تھی۔ اگر کوئی شخص فقیر کو از خود زکوٰۃ دے دیتا تو اسکی زکوٰۃ ادا نہ ہوتی، اعلان عثمانی سے مالکان کو اتنا حق مل گیا کہ مالک کے خود کسی فقیر کو دینے کی صورت میں بھی اب زکوٰۃ ادا ہو جایا کرے گی۔ اور بس ــــ ! گویا کہ امام کا "حق وصول زکوٰۃ" اعلان عثمانی سے ساقط ہوا نہ متاثر ہوا۔

دعویٰ : توجیہ بالا کے ضمن میں ایک بڑا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ عہد رسالت سے لیکر خلافت عثمانی تک زکوٰۃ کی نجی ادائیگی معتبر نہ تھی، فقیر کو براہ راست خود دینے سے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی تھی۔ دلائل سے قطع نظر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ مال زکوٰۃ جس کی فرضیت کا ایک بنیادی مقصد ہی فقراء و مساکین کی حاجت برآری ہے اور شرعاً ایسے غرباء ہی کا حق تصور کیا جاتا ہے۔ اس مال زکوٰۃ سے اگر کوئی مالدار اپنے بھوکے پڑوسی، بیوہ اور مسکین، بہن، یتیم بچے، لاچار مریض کی کچھ مدد کر دے تو اسکی یہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ تاوقتیکہ یہ سرکاری خزانے میں جمع ہو کر حکومتی کارندوں کے ذریعہ تقسیم نہ ہو۔ شہر میں ہو یا دیہات میں۔

ناتمام استدلال : البلاغ نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ کی تائید میں امام جصاصؒ کی یہ عبارت پیش کی ہے :

قولہ تعالیٰ: خذ من اموالھم صدقۃ، یدل علی ان اخذ
الصدقات الی الامام وانہ متی ادّاھا من وجبت علیہ الی المساکین
لم یُجزہ لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل الی اسقاطہ
وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجہ العمال علی صدقات
المواشی ویأمرھم بان یأخذوا علی المیاہ فی مواضعھا (الی ان قال)
وکذالک صدقۃ الثمار۔

اور لم یجزہ کے لفظ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ استدلال دُرست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس جُزئیہ میں صرف اموالِ ظاہرہ کا حکم بیان کیا گیا ہو دیگر دلائل کے علاوہ جیسے کہ "فلا سبیل الی اسقاطہ" کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کیونکہ امام کے حقِ وصولی کا ناقابلِ اسقاط ہونا یہ اموالِ ظاہرہ کے صدقہ کے بارے میں ہی ہوسکتا ہے۔ اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کے متعلق تو امام کا حق ناقابلِ اسقاط نہیں بلکہ خود امام جصاص اس کے مُتصل اگلی عبارت میں اس کے ساقط ہوجانے کی تصریح فرمارہے ہیں کہ اموالِ باطنہ کی وصولی میں امام کا حق ساقط ہوچکا ہے۔ (پُورا حوالہ آگے آرہا ہے) ــــ اور اگر بالفرض فلا سبیل الی اسقاطہ کو دونوں قسم کے اموال کے لئے عام رکھا جائے اور اس حق امام کو بہرحال بنصِ قرآن ناقابلِ اسقاط تصوّر کیا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ اسے جُزوی طور پر کیسے ساقط کردیا۔ اور صحابۂ کرامؓ نے اس خِلاف قرآن اقدام کو کیسے قبول کرلیا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ" ناقابلِ اسقاط حقِ وصولی صِرف اموالِ ظاہرہ کے بارے میں ہے۔ اموال باطنہ سے متعلق نہیں۔ پس البلاغ کا استدلال اِس عبارت سے صحیح نہیں۔ چنانچہ سیاق وسباق اور دیگر قرائن کی روشنی میں یہ امر متعیّن ہے کہ امام ابوبکر جصاص رح اِس عبارت سے عموم مُراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ صِرف اموالِ ظاہرہ کے متعلّق لم یجزہ فرمارہے ہیں جیسا کہ یوجہ العمال علی صدقات المواشی وکذالک صدقۃ الثمار کے الفاظ اس پر صاف دلالت کررہے ہیں۔ اور اسکی تائید اِس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام موصوف نے دُوسرے دو مقامات پر مسئلہ بالامیں" اموالِ ظاہرہ" کی قید ذکر کی ہے۔ حق امام پر بحث کرتے ہوئے امام موصوف لکھتے ہیں:

ویدل ایضاً علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ لا یجزی ان یعطی رب الماشیۃ صدقتہا الفقراء فان فعل اخذہا الامام ثانیاً

(احکام القرآن صـ۱۲۳ ج ۳)

دُوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

ان من ادی صدقۃ مواشیہ الی الفقراء ان الامام لا یحتسب لہ بہا۔ (احکام القرآن صـ۸۳ ج ۳)

دیکھئے بالکل وہی الفاظ ہیں کہ وصولی صدقات کا حق امام کو ہے۔ لیکن اگلے جزئیہ میں "رب الماشیۃ" کی قید ذکر کرکے اِس کا اموالِ ظاہرہ کے متعلق ہونا بھی واضح فرمادیا ہے۔ اہلِ اُصول کے ہاں یہ مسلم ہے کہ ایک ہی حادثہ میں جب مطلق ومقید وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے پس اس ضابطے کی رُو سے زیرِ بحث "جزئیہ" اموالِ ظاہرہ" کے بارے میں تصور کیا جائے گا۔ کہ نجی ادائیگی صحیح نہ ہونے کا حکم امام جصاص رحؒ کے نزدیک مویشیوں کی زکوٰۃ کے متعلّق ہے۔ تمام اموالِ زکوٰۃ کے بارے میں نہیں۔ اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ زیرِ بحث عبارت کے متصل بعد آگے اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کی تفصیل مُستقل طور پر بیان کی ہے۔ چُنانچہ فرماتے ہیں :

واما زکاۃ الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ ثم خطب عثمان فقال ھذا شہر زکوٰتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیتہ فجعل لہم اداءھا الی المساکین وسقط من اجل ذالک حق الامام فی اخذھا۔

علاوہ ازیں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں امام جصاص رحؒ نے ایک دُوسری طرح سے بھی فرق کیا ہے۔ ۔ وہ یہ ہے کہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ" کے متعلّق "صدقات" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اموال باطنہ کی" زکوٰۃ "کے لئے لفظ" زکوٰۃ " استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق البلاغ کی زیرِ بحث عبارت۔ اور ہماری نقل کردہ اِس عبارت سے بھی واضح ہے۔ اِس سے بھی ظاہر ہے کہ مالک کی خود اَدائیگی معتبر نہ ہونے کا حکم اموال ظاہرہ سے متعلّق ہے۔ کیونکہ زیرِ بحث عبارت میں صدقات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ نہ کہ زکوٰۃ کا۔ اور ہمارے اِس دعوی کی ایک بَیّن

دلیل امام ابوبکر جصاصؒ کی ایک دوسری عبارت ہے جس میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ابتدائے اسلام سے ہی وصولیٔ امام کی شرط نہیں تھی، البتہ یہ شرط اموالِ ظاہرہ کے صدقہ میں ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں :

انہ (تعالیٰ) قال فی الزکوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ ولم یشترط فیھا اخذ الامام (الی ان قال) فلما خص الزکاۃ بالامر بالایتاء دون اخذ الامام وامر فی الصدقۃ بان یأخذھا الامام وجب ان یکون اداء الزکوٰۃ موکولاً الی اربابھا الا ما یمر بھم التاجر علی العاشر۔ (احکام القرآن ص۱۵۶ ج ۳)

امام جصاصؒ نے فیصلہ فرما دیا کہ فرضیتِ زکوٰۃ کے وقت سے ہی اموالِ باطنہ کی ادائیگی کا اصل اختیار مالکان کو بہ نصِ قرآنی حاصل تھا البتہ مالِ ظاہر کے صدقہ میں وصولیٔ امام شرط ہے۔ اس عبارت میں لفظِ زکوٰۃ اور لفظِ صدقہ کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایسی تصریحات کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھتے کہ اربابِ "البلاغ" اپنے ناقص استدلال پر اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر بیٹھے اور سیاق و سباق دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ الحاصل امام جصاص رازی کی زیرِ بحث عبارت سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کے اعلان سے قبل اگر کوئی شخص اپنے مالِ باطن کی زکوٰۃ خود فقیر کو دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔

امام موصوف نے تصریح کر دی ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں وصولیٔ امام شرط نہ تھی جیسا کہ وآتوا الزکوٰۃ کا صیغہ اس پر دال ہے اس کی مزید تحقیق آگے ملاحظہ فرمایئے :

ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہیں : امام جصاصؒ کی عبارت سے

قطع نظر دیگر دلائل قرآن پاک، احادیثِ مبارکہ، اجماعِ صحابہؓ، اقوالِ ائمہ تفسیر، تصریحاتِ فقہاء و محدثین سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں بھی اگر کوئی مالک اپنی نقدی کی زکوٰۃ براہِ راست فقیر کو دے دیتا تو اس کی یہ ادائیگی زکوٰۃ شرعاً معتبر تھی۔ اس سلسلہ میں مختصراً بطورِ نمونہ چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں ——— قرآن کریم میں ہے :

(۱) وآتوا الزکوٰۃ : زکوٰۃ کے متعلق لفظِ "ایتاء" وارد ہوا ہے اور عربی لغت

بمثل ذلك لكان أقوى لها.

وقال القرطبي (فتح الباری ۹/۳٦٥) وحجة الجمهور من جهة اللزوم من حيث النظر ظاهرة جدًا: وهو أن المطلقة ثلاثًا لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجًا غيره، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة وشرعًا، وما يتخيل من الفرق صوری ألغاه الشارع اتفاقًا فی النكاح والعتق والأقارير، فلو قال الولی: أنكحتك هؤلاء الثلاث فی كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه، وكذا فی العتق والإقرار وغير ذلك من الأحكام. نقله عنه ابن حجر العسقلانی (ایضًا).

ويرد عليه بأن (ایضًا) من قال: أحلف بالله ثلاثًا لا يعد حلفه إلا يمينًا واحدة فليكن المطلق مثله، وتعقب باختلاف الصيغتين فإن المطلق ينشیء طلاق امرأته وقد جعل أمر طلاقها ثلاثًا، فإذا قال: أنت طالق ثلاثًا فكأنه قال أنت طالق جميع الطلاق، وأما الحلف فلا أمد لعدد أيمانه، فافترقا اهـ.

المذهب الثانی

إن الرجل إذا طلق زوجته ثلاثًا بلفظ واحد وقعت واحدة دخل بها اولا.

قال ابن الهمام (فتح القدير ۳/٦۵): وقال قوم يقع به: واحدة وهو مروی عن ابن عباس رضی الله عنهما وبه قال اسحق، ونقل عن طاؤس وعكرمة أنهم يقولون خالف السنة فيرد إلى السنة.

قال الباجی (المنتقی شرح الموطا ۳/٤) : وحكی القاضی أبومحمد فی إشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلقة واحدة .... وإنما يروى هذا عن الحجاج بن أرطاة و محمد بن إسحق. انتهی المقصود.

قال شيخ الاسلام ـ فی أثناء الكلام على ذكر المذاهب فی ذلك (مجموع

الفتاوی ۸/۲۳) الثالث أنه محرم ولا يلزم منه إلا طلقة واحدة، وهذا القول منقول عن طائفة من السلف والخلف من أصحاب رسول الله ﷺ مثل: الزبير بن العوام، وعبدالرحمٰن ابن عوف، ويروى عن علي و ابن مسعود و ابن عباس القولان وهو قول كثير من التابعين ومن بعدهم مثل طاؤس: وخلاس بن عمرو، و محمد بن اسحق، وهو قول داؤد وأكثر أصحابه، ويروى ذلك عن أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين وابنه جعفر بن محمد، ولهذا ذهب إلى ذلك من ذهب من الشيعة، وهو قول بعض أصحاب أبي حنيفة ومالك و أحمد بن حنبل. اهـ.

قال ابن القيم (زادالمعاد ۴/۱۰۵): وهو اختيار شيخ الإسلام ابن تيمية. اهـ.

قال المرداوي (الانصاف ۸/۴۵۳): وحكى أي شيخ الإسلام ابن تيمية عدم وقوع الطلاق الثلاث جملة بل واحدة، في المجموعة أو المتفرقة عن جده المجد وأنه كان يفتي به سرًا أحيانًا. اهـ.

قال ابن القيم (أعلام الموقعين ۳/۲۴،۲۸،۲۹): المثال السابع: أن المطلق في زمن النبي ﷺ وزمن خليفته أبي بكر، وصدر من خلافة عمر كان إذا جمع الطلقات الثلاث بفم واحد جعلت واحدة ... وكل صحابي من لدن خلافة الصديق إلى ثلاث سنين من خلافة عمر كان على أن الثلاث واحدة فتوى أو إقرارًا أو سكوتًا، ولهذا ادعى بعض أهل العلم أن هذا إجماع قديم، ولم تجمع الأمة ولله الحمد على خلافه. بل لم يزل فيهم من يفتي به قرنًا بعد قرن إلى يومنا هذا.

فأفتى به حبر الأمة وترجمان القرآن: عبدالله بن عباس، كما رواه حماد بن زيد، عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس، إذا قال أنت طالق ثلاثًا بفم واحد فهي واحدة، وأفتى أيضًا بالثلاث، أفتى بهذا وهذا، وأفتى بأنها واحدة الزبير بن العوام، وعبدالرحمٰن بن عوف، حكاه عنهما ابن وضاح، وعن علي كرم الله وجهه و ابن مسعود روايتان كما عن ابن عباس.

وأمّا التابعون فأفتى به عكرمة رواه اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب عنه، وأفتى به طاؤس.

وأما اتباع التابعين فأفتى به محمد بن اسحق حكاه الإمام أحمد وغيره عنه، وأفتى به خلاس بن عمرو والحارث العكلى.

وأما أتباع تابعى التابعين فأفتى به داؤد بن على وأكثر أصحابه حكاه عنهم أبوالعكلى و ابن حزم وغيرهما. وأفتى به بعض أصحاب مالك حكاه التلمسانى فى شرح تفريع ابن الجلاب قولاً لبعض المالكية.

وأفتى به بعض الحنفية حكاه أبوبكر الرازى عن محمد بن مقاتل. وأفتى به بعض أصحاب أحمد حكاه شيخ الإسلام ابن تيمية عنه قال: وكان يفتى به أحيانًا.

وأما الإمام أحمد نفسه فقد قال الأثرم: سألت أبا عبدالله عن حديث ابن عباس كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر و عمر واحدة بأى شىء تدفعه، قال: برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه، ثم ذكر عن عدة عن ابن عباس أنها ثلاث، فقد صرح بأنه إنما ترك القول به لمخالفة راويه له.

وأصل مذهبه وقاعدته التى بنى عليها، أن الحديث إذا صح لم يرده لمخالفة راو يه، بل الأخذ عنده بما رواه كما فعل فى رواية ابن عباس وفتواه فى بيع الأمة، فأخذ بروايته أنه لا يكون طلاقًا وترك رأيه. وعلى أصله يخرج له قول: أن الثلاث واحدة، فإنه إذا صرح بأنه إنما ترك الحديث لمخالفة الراوى، وصرح فى عدة مواضع أن مخالفة الراوى لا توجب ترك الحديث. خرج له فى المسألة قولان، وأصحابه يخرجون على مذهبه أقوالاً دون ذلك بكثير. اهـ.

قال يوسف بن حسن بن عبدالرحمٰن بن عبدالهادى (سيرالحاث إلى علم الطلاق الثلاث ضمن مجموعة علمية:(۸۱): الفصل الرابع فى أنه إنما يقع بالثلاث للفظ الواحد واحدة، وهذه رواية عن أحمد، روايتها باطلة، لكنها قول فى

المذهب حكاه الشيخ شمس الدين ابن القيم في كتابه أعلام الموقعين. وذكره في الفروع، وقال: إنه اختيار شيخه، وهو اختياره بلا خلاف، وهو الذى إليه جنح الشيخ شمس الدين بن القيم فى كتبه "الهدى وأعلام الموقعين، وإغاثة اللهفان" وقواه جدنا جمال الدين الإمام وقد صنف فيه مصنفات وهو اختيار شيخه الشيخ تقي الدين بن تيمية وحكاه أيضًا عن جده الشيخ مجـد الدين وغيره. اهـ.

وقال أيضًا (سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ضمن مجموعة علمية ٨٢-٨٣): الفصل الخامس - فيمن قال بهذا القول وأفتى به - وبعد أن ذكر ما سبق ذكره عن ابن القيم من أعلام الموقعين قال: قلت وقد كان يفتى به فيما يظهر لى ابن القيم، وكان يفتى به شيخ الإسلام ابن تيمية رحمة الله عليه، بلا خلاف، وكان يفتى به جدنا جمال الدين الإمام، ولم يرو عنه أنه أفتى بغيره.

قلت وقد كان يفتى به في زماننا الشيخ على الدزاليبى البغدادى، وجرى له من أجله محنة ونكاية فلم يدعه، وقد سمعت بعض شيوخنا يقويه، وظاهر اجماع (قبله "وظاهر إجماع بن حزم... الخ" هكذا بالأصل المطبوع) ابن حزم أنه إجماع لكن لم يصرح به. اهـ.

وقد استدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والإجماع والأثر والقياس.

الدليل الأول : قال تعالى (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٨) إلى قوله تعالى: (حتى تنكح زوجًا غيره ... الآية الكريمة من سورةالبقرة: ٢٣٠)

وجه الاستدلال: قال ابن عبدالهادى (سير الحاث/ ٩٠ وما بعدها ويرجع إلى ما ذكره ابن القيم فى الإغاثة: ١/ ٣٠١): قال الشيخ جمال الدين الإمام في أول أحد كتبه: فقد حكم الله تعالى في هذه الآيات الكريمات فى هذه المسألة ثلاثة أحكام، فمن فهمها وتصورها على حقيقة ما هي عليه وقد أرادالله هدايته إلى

قبول الحق إذا ظهر له صح كلامه.

واعلم أن كتاب الله نص صريح ... أن الطلاق الثلاث واحدة شرعًا لا يحتمل خلافًا صحيحًا وهذا هو النص شرعًا، فإن كل كلام له معنى لا يحتمل غيره فهو نص فيه. فإن كان لا يحتمل غيره لغة فهو نص لغة، وإن كان لا يحتمل غيره شرعًا فهو نص شرعًا، وكتاب الله في هذه الآيات لا يحتمل شرعًا غير أن الطلاق الثلاث واحدة... والألف واللام في قوله (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) للعهد والمعهود هنا هو الطلاق المفهوم من قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٨) وهو الرجعي بقوله: (وبعولتهن أحق بردهن في ذلك(فصار المعنى: الطلاق الذي الزوج أحق فيه بالرد مرتان فقط، فقد تقيدالرد الذي كان مطلقًا في كل مرة من الطلاق بمرتين منه فقط فلم يعرف (قوله "يعرف" كذا في الأصل المطبوع)، ولا فرق في الآية بين قوله في كل مرة: طلقتك واحدة، أو ثلاثًا، أو ثلاثين ألفًا.

ثم قال فصل: الكلام هنا على معنى الآيات الكريمات في حكم الطلاق الثلاث جملة سواء كانت ثلاث مرات أو مائة مرة أو ثلاثين ألفًا.

ثم قال: وذلك أن ضمير الآيات في قوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) أي: إن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له بعدها، المفهوم من قوله: (الطلاق مرتان) لا يجوز فيه شرعًا غير ذلك وهذا الحكم مختص به شرعًا: أي بتحريم المطلقة عليه حتى تنكح زوجًا غيره، ويلزم أن يكون التحريم فيما بعد المرتين الأولَين فإن كل واحدة من الأوليين له فيها الخيار بين الإمساك والتسريح بنص الآية. فيكون التقدير: فإن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له، هذا لا يحتمل خلافًا.

قلت : هذه الآية صريحهاعلى هذا : أن الثلاث متفرقات والله اعلم.

ثم قال : ويدل على التقدير لزوم أنه لا يجوز في الآية أن يقال: فإن طلقها فلا تحل له لا يجوز أن يكون مستقلاً بنفسه، منفصلاً عما قبله، لما في ذلك من لزوم نسخ مشروعية الرجعة في الطلاق من دين الإسلام ولا قائل به. وذلك لما فيه من عود الضمير المطلق فيه إلى غير موجود في الكلام قبله، معين له، مختص بحكمه، فيكون عامًا في كل مطلق ومطلقة، ولا قائل به، وذلك أن قوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له... ايضًا) جملة مفيدة، والجملة نكرة، وهي في سياق شرط ونفي فتعم كل مطلق ومطلقة، فيكون ذلك ناسخًا لمشروعية الرد في الطلاق في دين الإسلام، ولا قائل به، فتعين أن يكون قوله: (فإن طلقها فلا تحل له... ايضًا) إتمامًا لما قبله أى متصلاً به، ويكون الضمير فيه عائدًا على موجود في الكلام قبله، ومعين له، مختص بحكم تحريمه في طلاقه إن طلق، وليس فيما قبله ما يصلح عود هذا الضمير إليه، واختصاصه بهذا الحكم من التحريم شرعًا إلا المطلق المفهوم من قوله: (الطلاق مرتان... الآيةالكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) لأنه لو عاد إلى من يطلق في صورة المفاداة المذكورة قبله كان التحريم مختصًا بطلاق المفادات، ولا قائل به، ولو عاد إلى من يطلق في صورة الإيلاء المذكورة قبل هذه الآيات كان التحريم مختصًا بطلاق المولى ولا قائل به، فتعين أن يكون الضمير عائدًا، إلى المطلق المفهوم من قوله: (الطلاق مرتان) وهو في نظم الكلام متعين له شرعًا، لا يجوز عوده إلى غيره شرعًا، وأن يكون تقدير الكلام: فإن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره، وقد تبين أن معنى هذا الكلام وتقديره: أن الطلاق الرجعي مرتان، فإن طلقها بعدهما مرة ثالثة فلا تحل له بعدهما حتى تنكح زوجًا غيره، فلم يشرع الله التحريم إلا بعد المرة الثالثة من الطلاق، والمرة الثالثة لا تكون إلا بعد مرتين شرعًا ولغة وعرفًا وإجماعًا، إلا

ما وقع في هذه المسألة بقضاء الله وقدره. انتهى.

وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في المسألة الأولى والإجابة عنه في كلام الباجي -ص٧- وما ذكر عن شيخ الإسلام في -ص١١- وكلام ابن القيم في -ص١٣-١٤.

الدليل الثاني :

قوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء - إلى قوله - فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

قال ابن القيم: الاستدلال بالآية من وجوه.

الوجه الاول :

أنه سبحانه وتعالى إنما شرع أن تطلق لعدتها أى لاستقبال عدتها فتطلق طلاقًا يعقبه شروعها في العدة، ولهذا أمر رسول الله ﷺ عبدالله بن عمر رضى الله عنهما لما طلق امرأته في حيضها أن يراجعها، وتلا هذه الآية تفسيرًا للمراد بها. وأن المراد بها الطلاق في قبل العدة وكذلك كان يقرأها عبدالله بن عمر. ولهذا قال كل من قال بتحريم جمع الثلاث أنه لا يجوز له أن يردف الطلقة بأخرى في ذلك الطهر، لأنه غير مطلق للعدة فإن العدة قد استقبلت من حين الطلقة الأولى فلا تكون الثانية للعدة، ثم قال الإمام أحمد في ظاهر مذهبه ومن وافقه: إذا أراد أن يطلقها ثانية طلقها بعد عقد أو رجعة لأن العدة تنقطع بذلك، فإذا طلقها بعد ذلك أخرى طلقها للعدة. وقال في رواية أخرى عنه: له أن يطلقها الثانية في الطهر الثاني، ويطلقها الثالثة في الطهر الثالث، وهو قول أبي حنيفة، فيكون مطلقًا للعدة أيضًا. لأنها تبنى على ما مضى والصحيح هو الأول، وأنه ليس له أن يردف الطلاق قبل الرجعة أو العقد لأن الطلاق الثاني لم يكن لاستقبال العدة بل هو طلاق لغير العدة فلا يكون مأذونًا فيه، فإن العدة إنما تجب من الطلقة الأولى لأنها

طلاق العدة، بخلاف الثانية والثالثة. ومن جعله مشروعًا، قال: هو الطلاق لتمام العدة، والطلاق لتمامها كالطلاق لاستقبالها وكلاهما طلاق للعدة.

وأصحاب القول الأول يقولون: المراد بالطلاق للعدة الطلاق لاستقبالها كما في القراء ة الأخرى التي تفسر القراء ة المشهورة: (فطلقوهن في قبل عدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

قالوا: فإذا لم يشرع إرداف الطلاق للطلاق قبل الرجعة أو العقد، فأن لا يشرع جمعه معه أولى وأحرى فإن إرداف الطلاق أسهل من جمعه ولهذا يسوغ الإرداف في الأطهار من لا يجوز الجمع في الطهر الواحد.

وقد احتج عبدالله بن عباس على تحريم الثلاث بهذه الآية. وساق الأثر عن ابن عباس وقد سبق.

الوجه الثاني :

من الاستدلال بالآية، قوله تعالى: (لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن...الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) وهذا إنما هو في الطلاق الرجعي، فأما البائن فلا سكنى لها ولا نفقة لسنة رسول الله ﷺ الصحيحة التي لا مطعن في صحتها الصريحة التي لا شبهة في دلالتها فدل على أن هذا حكم كل طلاق شرعه الله تعالى ما لم يسبقه طلقتان قبله، ولهذا قال الجمهور: إنه لا يشرع له ولا يملك إبانتها بطلقة واحدة بدون العوض.

وأبو حنيفة قال: يملك ذلك لأن الرجعة حقه وقد أسقطها.

والجمهور يقولون: ثبوت الرجعة وإن كان حقًا له، فلها عليه حقوق الزوجية فلا يملك إسقاطها إلا بمخالصة أو باستيفاء العدد كما دل عليه القرآن.

الوجه الثالث :

أنه قال: (وتلك حدود الله ومن يتعدد حدود الله فقد ظلم نفسه... الآية

الكريمة من سورة الطلاق: ١) فإذا طلقها ثلاثًا جملة واحدة فقد تعدى حدود الله فيكون ظالمًا.

الوجه الرابع :

أنه سبحانه قال: (لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا... ايضًا) وقد فهم أعلم الأمة بالقرآن وهم الصحابة أن الأمر ههنا هو الرجعة، قالوا: وأى أمر يحدث بعد الثلاث.

الوجه الخامس :

قوله تعالى: (فإذا بلغن اجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) فهذا حكم كل طلاق شرعه الله، إلا أن يسبق بطلقتين قبله، وقد احتج ابن عباس على تحريم جمع الثلاث بقوله تعالى: (يا ايها النبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن فى قبل عدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) كما تقدم قصده رحمه الله الأثر الذى أشرنا إليه سابقًا وهذا حق، فإن الآية إذا دلت على منع ارادف الطلاق الطلاق فى طهر أو أطهار قبل رجعة أو عقد كما تقدم لأنه يكون مطلقًا فى غير قبل العدة فلأن تدل على تحريم الجمع أولى وأحرى.

ومضى رحمه الله إلى أن قال: فهذه الوجوه ونحوها مما بين الجمهور أن جمع الثلاث غير مشروع هى بعينها تبين عدم الوقوع وأنه إنما يقع المشروع وحده وهى الواحدة. ١هـ. وقد سبقت مناقشة هذا الدليل فى المسألة الأولى.

وأما السنة : فقد استدلوا بالأدلة الآتية:

الدليل الأول : روى مسلم فى صحيحه من طريق ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: "كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر رضى الله عنه إن الناس ق.

استعجلوا فی أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم".

وفی صحيحه أيضًا عن طاؤس : أن أبا الصهباء قال لابن عباس "هات من هناتك ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبی بكر واحدة؟

فقال: قد كان ذلك فلما كان فی عهد عمر تتابع الناس فی الطلاق فأجازه عليهم وفی لفظ لأبی داؤد: أن رجلاً يقال له أبوالصهباء كان كثير السؤال لابن عباس قال: أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبی بكر وصدر من إمارة عمر رضی الله عنهما ـ فقال ابن عباس: بلى، كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبی بكر و صدر من إمارة عمر رضی الله عنهما فلما رأى الناس قدْ تتابعوا فيها قال:أجيزوهن عليهم ... هكذا فی هذه الرواية قبل أن يدخل بها.

وفی مستدرك الحاكم من حديث عبدالله بن المؤمل، عن ابن أبی مليكة، أن أباالجوزاء أتى ابن عباس فقال: أتعلم أن الثلاث كن يرددن على عهد رسول الله ﷺ إلى واحدة؟ قال: نعم "قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد وهذه غير طريق طاؤس عن أبی الصهباء، وقد أجاب القائلون بأن الثلاث بلفظ واحد تقع ثلاثًا عن حديث ابن عباس بأجوبة:

الجواب الأول : أنه منسوخ وهو قول الشافعی وأبی داؤد والطحاوی.

قال الشافعی :

بعد سياقه لحديث أبی الصهباء وأثر ابن عباس فی الذی طلق امرأته ألفًا وأفتاه بوقوع الثلاث، والذی طلق مائة وقد سبق، قال بعد ذلك: فإن كان معنى قول ابن عباس أن الثلاث كانت تحسب على عهد رسول الله ﷺ واحدة يعنی أنه بأمر النبی ﷺ فالذی يشبه والله اعلم. أن يكون ابن عباس قد علم أن كان

شيئًا فنسخ.

فإن قيل: فما دل على ما وصفت؟ قيل: لا يشبه أن يكون يروى عن رسول الله ﷺ شيئًا ثم يخالفه بشيء لم يعلمه كان من النبي فيه خلافه.

فإن قيل: فلعل هذا شيء روى عن عمر فقال فيه ابن عباس بقول عمر، قيل: قد علمنا أن ابن عباس يخالف عمر في نكاح المتعة، وبيع الدينار بالدينارين، وفي بيع أمهات الأولاد وغيره، فكيف يوافقه في شيء يروى عن النبي ﷺ فيه خلافه؟

فإن قيل فلم لم يذكره؟

قيل: فقد يسأل الرجل عن الشيء فيجيب فيه ولا ينقص فيه الجواب، ويأتي على الشيء ويكون جائزًا له كما يجوز له، لو قيل: أصلى الناس على عهد رسول الله ﷺ إلى بيت المقدس: أن يقول نعم، وإن لم يقل ثم حولت القبلة.

قال: فإن قيل فقد ذكر على عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر؟ قيل والله اعلم. وجوابه حين استفتى يخالف ذلك كما وصفت.

فإن قيل: فهل من دليل تقوم به الحجة في ترك أن تحسب الثلاث واحدة في كتاب أو سنة أو أمر أبين مما ذكرت؟

قيل: نعم. أخبرنا مالك عن هشام بن عروة عن أبيه قال كان الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنقضي عدتها كان ذلك له، وإن طلقها ألف مرة. فعمد رجل إلى امرأة له فطلقها ثم أمهلها حتى إذا شارفت انقضاء عدتها ارتجعها ثم طلقها وقال: والله لا آويك ... ولا تخلين بدًا، فأنزل الله تعالى: الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... (الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) فاستقبل الناس الطلاق جديدًا من يومئذ، من كان منهم طلق أو لم يطلق. وذكر بعض أهل التفسير هذا فلعل ابن عباس أجاب أن الثلاث والواحدة سواء، وإذا

جعل اللّٰہ عدد الطلاق إلی الزوج وأن یطلق متی شاء، فسواء الثلاث والواحدة وأكثر من الثلاث في أن يقضي بطلاقه.

قال الشافعی: وحکم اللّٰہ فی الطلاق أنه مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان. وقوله:(فإن طلقها) يعنی ۔ واللّٰہ اعلم ۔ الثلاث (فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۳۰) فدل حكمه أن المرأة تحرم بعد الطلاق ثلاثًا حتى تنكح زوجًا غيره، وجعل حكمه بأن الطلاق إلى الأزواج يدل على أنه إذا حدث تحريم المرأة بطلاق ثلاث وجعل الطلاق إلى زوجها فطلقها ثلاثًا مجموعة أو مفرقة حرمت عليه بعدهن حتى تنكح زوجًا غيره كما كانوا مملكين عتق رقيقهم، فإن اعتق واحدًا أو مائة فی كلمة لزمه ذلك كما يلزمه كلها، جمع الكلام فيه أو فرقه مثل قوله لنسوة له: أنتن طوالق، ووالله لا أقربكن، وأنتن علی کظهر أمي، وقوله: لفلان علی كذا، ولفلان علی كذا، ولفلان علی كذا، فلا يسقط عنه بجمع الكلام معنی من المعانی. جميعه كلام فيلزمه بجمع الكلام ما يلزمه بتفريقه.

فإن قال قائل: فهل من سنة تدل علی هذا قيل نعم. حدثنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي قال أخبرنا سفيان عن الزهری عن عروة بن الزبير عن عائشة أنه سمعها تقول:

جاء ت امرأة رفاعة القرظی إلی رسول اللّٰہ فقالت إنی كنت عند رفاعة فطلقنی فبت طلاقی فتزوجت عبدالرحمٰن بن الزبير وأنا معه مثل هدبة الثوب فتبسم رسول اللّٰہ وقال: أتريدين أن ترجعی إلی رفاعة، لا حتی يذوق عسيلتك وتذوقی عسيلته" قال وابوبكر عند النبی و خالد بن سعيد بن العاص بالباب ينتظر أن يؤذن له فنادی يا أبابكر ألا تسمع ما تجهر به هذه عند رسول اللّٰہ ﷺ.

قال الشافعی : فإن قيل: فقد يحتمل أن يكون رفاعة بت طلاقها فی

مرات. قلت: ظاهره في مرة واحدة (وبت) إنما هی ثلاث إذا احتملت ثلاثًا وقال رسول اللّٰه "أتريدين أن ترجعی إلی رفاعة لا حتی يذوق عسيلتك" ولو كانت عائشة حسبت طلاقها واحدة كان لها أن ترجع إلی رفاعة بلا زوج.

فإن قيل: أطلق أحد ثلاثًا علی عهد النبی ﷺ قيل: نعم. عويمر العجلانی طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يخبره النبی أنها تحرم عليه باللعان فلما أعلم النبی نهاه.

وفاطمة بنت قيس تحكی للنبی: أن زوجها بت طلاقها: تعنی واللّٰه اعلم. أنه طلقها ثلاثًا، وقال النبی: "ليس لك عليه نفقة" (الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) لأنه واللّٰه اعلم لارجعة له عليها، ولم أعلمه عاب طلاق ثلاث معًا، قال الشافعی: فلما كان حديث عائشة فی رفاعة موافقًا ظاهر القرآن، وكان ثابتًا، كان أولی الحديثين أن يؤخذ به واللّٰه اعلم. وإن كان ليس بالبين فيه جدًا.

قال الشافعی: ولو كان الحديث الآخر له مخالفًا كان الحديث الآخر يكون ناسخًا ـ واللّٰه اعلم ـ وإن كان ذلك ليس بالبين فيه جدًا. اهـ.

وقال ابوداؤد :

فی سننه "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" حدثنا أحمد بن سعيد المروزی حدثنی علی بن حسين بن واقد عن أبيه عن يزيد النحوی، عن عكرمة عن ابن عباس قال: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق اللّٰه فی أرحامهن...الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۸) وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعتها وإن طلقها ثلاثًا فنسخ ذلك فقال: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) ثم اورد أبوداؤد فی نفس الباب حديث ابن طاؤس عن أبيه أن أبا الصهباء قال لابن عباس: أتعلم أنما كانت الثلاث تجعل واحدة علی عهد رسول اللّٰه ﷺ وأبی بكر، وثلاثًا من إمارة عمر قال ابن عباس نعم.

وقال الطحاوی :

فی "باب الرجل یطلق امرأته ثلاثًا معًا" حدثنا روح بن الفرج، ثنا أحمد بن صالح قال: ثنا عبدالرزاق، قال: أخبرنا ابن جریج، قال: أخبرنی ابن طاؤس عن أبیه أن أبا الصهباء قال لابن عباس: أتعلم أن الثلاث کانت تجعل واحدة علی عهدالنبی ﷺ وأبی بکر وثلاثًا من إمارة عمر، قال ابن عباس: نعم.

وقال الطحاوی :

بعد استعراض بعض الآراء فی المسألة : وفی حدیث ابن عباس ما لو اکتفینا به کانت حجةً قاطعة، وذلک أنه قال: فلما کان زمان عمر رضی اللّٰه عنه قال: أیها الناس قد کانت لکم فی الطلاق أناة وأنه من تعجل أناة اللّٰه فی الطلاق ألزمناه إیاه. حدثنا بذلک ابن أبی عمران. قال: حدثنا اسحق بن أبی اسرئیل قال: أخبرنا عبدالرزاق ۔ ح ۔ وحدثنا عبدالحمید بن عبدالعزیز قال: ثنا أحمد بن منصور الرمادی قال: ثنا عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن أبیه عن ابن عباس مثل الحدیث الذی ذکرناه فی أول هذا الباب، غیر أنهما لم یذکرا أباالصهباء ولا سؤاله ابن عباس رضی اللّٰه عنهما وإنما ذکرا مثل جواب ابن عباس رضی اللّٰه عنهما الذی فی ذلک الحدیث، وذکرا بعد ذلک من کلام عمر رضی اللّٰه عنه ما قد ذکرناه قبل هذا الحدیث، فخاطب عمر رضی اللّٰه عنه بذلک الناس جمیعًا وفیهم أصحاب رسول اللّٰه ﷺ ورضی عنهم، الذین قد علموا ما تقدم من ذلک فی زمن رسول اللّٰه ﷺ فلم ینکره علیه منهم منکر، ولم یدفعه دافع فکان ذلک أکبر الحجة فی نسخ ما تقدم من ذلک لأنه لما کان فعل أصحاب رسول اللّٰه ﷺ جمیعًا فعلا یجب به الحجة کان کذلک أیضًا إجماعهم علی القول إجماعًا یجب به الحجة، وکما کان اجماعهم علی النقل بریئًا من الوهم والزلل کان کذلک إجماعهم علی الرأی بریئًا من الوهم والزلل، وقد رأینا أشیاء قد کانت علی عهد

رسول الله ﷺ على معانى فجعلها أصحابه رضى الله عنهم. من بعده على خلاف تلك المعانى، لما رأوا فيه مما خفى على من بعدهم، فكان ذلك حجة ناسخًا لما تقدمه. من ذلك تدوين الدواوين، والمنع من بيع أمهات الأولاد، وقد كن يبعن قبل ذلك، والتوقيت في حد الخمر ولم يكن فيه توقيت قبل ذلك، فلما كان ما عملوا به من ذلك ووقفنا عليه لا يجوز لنا خلافه إلى ما قد رأيناه مما تقدم فعلهم له، كان كذلك ما وقفونا عليه من الطلاق الثلاث الموقع معًا أنه يلزم لا يجوز لنا خلافه إلى غيره مما قد روى أنه كان قبله على خلاف ذلك. ا هـ. المراد من كلام الطحاوى.

وقال الطحاوى :

بعد كلامه فى النسخ (شرح معانى الآثار ۳۳/۳) "ثم هذا ابن عباس رضى الله عنهما قد كان من بعد ذلك يفتى من طلق امرأته ثلاثًا معًا أن طلاقه قد لزمه وحرمها عليه.

حدثنا ابراهيم بن مرزوق قال: ثنا أبوحذيفة قال: ثنا سفيان عن الأعمش عن مالك ابن الحارث قال: جاء رجل إلى ابن عباس فقال: إن عمى طلق امرأته ثلاثًا؟ فقال: إن عمك عصى الله فأثمه الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجًا. فقلت كيف ترى فى رجل يحلها له؟ فقال: من يخادع الله يخادعه. حدثنا يونس قال: أخبرنا ابن وهب أن مالكًا أخبره عن ابن شهاب عن محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير قال: طلق رجل امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكحها، فجاء يستفتى فذهبت معه أسأل له أبا هريرة و عبدالله بن عباس عن ذلك فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تتزوج زوجًا غيرك. فقال: إنما كان طلاقى إياها واحدة، فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل. حدثنا يونس قال أخبرنا ابن وهب أن مالكًا أخبره عن يحيى بن سعيد أن بكير بن

الأشج أخبر عن معاوية بن أبى عياش الأنصارى أنه كان جالسًا مع عبدالله بن الزبير وعاصم بن عمر فجاء هما محمد بن إياس بن البكير فقال: إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها فماذا تريان؟ فقال ابن الزبير إن هذا الأمر ما لنا فيه من قول، فاذهب إلى عبدالله ابن عباس و أبى هريرة رضى الله عنهم فاسألهما ثم ائتنا فأخبرنا. فذهب فسألهما فقال ابن عباس لأبى هريرة: أفته يا أبا هريرة: فقد جاء تك معضلة، فقال أبوهريرة: الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجًا غيره. حدثنا ربيع المؤذن، قال: ثنا خالد بن عبدالرحمٰن قال: أخبرنى ابن أبى ذئب عن الزهرى عن محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير، أن رجلاً سأل ابن عباس وأبا هريرة و ابن عمر عن طلاق البكر ثلاثًا وهو معه فكلهم قالوا: حرمت عليك. حدثنا يونس قال أخبرنا سفيان عن الزهرى عن أبى سلمة عن أبى هريرة و ابن عباس أنهما قالا فى الرجل يطلق البكر ثلاثًا: لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره. حدثنا أبوبكرة، قال ثنا مؤمل قال ثنا سفيان عن عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير أن رجلاً سأل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة فقال: ثلاث تحرمها عليه وسبعة وتسعون فى رقبته إنه اتخذ آيات الله هزوًا.

حدثنا على بن شيبة حدثنا أبونعيم قال ثنا اسرائيل عن عبدالأعلى عن سعيد بن جبير عن ابن عباس مثله.

حدثنا ابن مرزوق ثنا ابن وهب قال ثنا شعبة عن ابن أبى نجيح وحميد الأعرج عن مجاهد، أن رجلاً قال لابن عباس: رجل طلق امرأته مائة فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجًا "ومن يتق الله يجعل له مخرجًا". قال تعالى: يا أيهاالنبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن فى قبل عدتهن... (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) انتهى المراد من كلام الطحاوى.

وممن ارتضى هذا المسلك الذى هو مسلك النسخ. الحافظ بن حجر

العسقلانی فی نهایة بحثه الطویل فی هذه المسألة قال (فتح الباری ۹/۲۹۹):
وفی الجملة فالذی وقع فی هذه المسألة نظیر ما وقع فی مسألة المتعة سواء أعنی قول جابر أنها کانت تفعل فی عهدالنبی ﷺ وأبی بکر وصدر من خلافة عمر، قال: ثم نهانا عمر عنها فانتهینا، فالراجح فی الموضعین تحریم المتعة وإیقاع الثلاث للإجماع الذی انعقد فی عهد عمر علی ذلك، ولا یحفظ أن أحدًا فی عهد عمر خالفه فی واحدة منهما وقد دل اجماعهم علی وجود ناسخ وإن کان خفی عن بعضهم قبل ذلك، حتی ظهر لجمیعهم فی عهد عمر، فالمخالف بعد هذا الإجماع منابذ له، والجمهور علی عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعدالاتفاق. اهـ.

واعترض المازری علی ذلك قال: "زعم بعضهم أن هذا الحکم منسوخ وهو غلط فإن عمر لا ینسخ ولو نسخ وحاشاه لبادر الصحابة إلی انکاره. وإن أراد القائل أنه نسخ فی زمن النبی ﷺ فلا یمتنع لکن یخرج عن ظاهر الحدیث لأنه لو کان کذلك لم یجز للراوی أن یخبر ببقاء الحکم فی خلافة أبی بکر وبعض خلافة عمر قال: فإن قیل فقد یجمع الصحابة ویقبل منهم ذلك قلنا إنما یقبل ذلك لأنه یستدل بإجماعهم علی ناسخ واما انهم ینسخون من تلقاء انفسهم فمعاذالله لانه إجماع علی الخطاء وهم معصومون عن ذلك. قال: فإن قیل: فلعل النسخ إنما ظهر فی زمن عمر، قلنا: هذا أیضًا غلط لأنه یکون قد حصل الإجماع علی الخطأ فی زمن أبی بکر ولیس انقراض العصر شرطًا فی صحة الإجماع علی الراجع. هذا ما أورده المازری، وأجاب علیه الحافظ بقوله (فتح الباری ۹/۲۹۸): وهو متعقب فی مواضع:

احدها : أن الذی ادعی نسخ الحکم لم یقل إن عمر هو الذی نسخ حتی یلزم منه ما ذکر، وإنما قال ما تقدم "یشبه أن یکون علم شیئًا من ذلك نسخ" أی اطلع

على ناسخ الحكم الذى رواه مرفوعًا، ولذلك أفتى بخلافه، وقد سلم المازرى فى أثناء كلامه أن إجماعهم يدل على ناسخ وهذا هو مراد من ادعى النسخ.

الثاني : إنكاره الخروج عن الظاهر عجيب، فإن الذى يحاول الجمع بالتأويل يرتكب خلاف الظاهر حتمًا.

الثالث :

أن تغليطه من قال المراد ظهور النسخ عجيب أيضًا لأن المراد بظهوره انتشاره، وكلام ابن عباس أنه يفعل فى زمن أبي بكر محمول على أن الذى كان يفعله من لم يبلغه النسخ، فلا يلزم ما ذكر من إجماعهم على الخطأ، وما أشار إليه من مسألة انقراض العصر لا يجيء هنا لأن عصر الصحابه لم ينقرض فى زمن أبى بكر بل ولا عمر، فإن المراد بالعصر الطبقة من المجتهدين وهم فى زمن أبى بكر و عمر بل وبعدهما طبقة واحدة. اهـ. كلام الحافظ.

وقد أجاب ابن القيم عن دعوى النسخ فقال (زادالمعاد ٤/١١٧، ١١٨) وأما دعواكم لنسخ الحديث فموقوف على ثبوت معارض مقاوم متراخ فأين هذا"

وأما حديث عكرمة عن ابن عباس فى نسخ المراجعة بعد الطلاق الثلاث فلو صح لم يكن فيه حجة فإنما فيه "أن الرجل كان يطلق امرأته ويراجعها بغير عدد" فنسخ ذلك، وقصر على ثلاث فيها تنقطع الرجعة. فأين فى ذلك الإلزام بالثلاث بفم واحد؟ ثم كيف يستمر المنسوخ على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر لا تعلم به الأمة، وهو من أهم الأمور المتعلقة بحل الفروج؟ ثم كيف يقول عمر: "إن الناس قد استعجلوا فى شيء كانت لهم فيه أناة" وهل للأمة أناة فى المنسوخ بوجه ما؟ ثم كيف يعارض الحديث الصحيح بهذا الذى فيه على بن الحسين بن واقد وضعفه معلوم.

وقد أجاب عن ذلك الشيخ محمد الأمين الشنقيطى فقال (أضواء البيان

١/١٨٦-١٨٧): وأوضح دليل يزيل الإشكال عن القول بالنسخ المذكور وقوع مثله واعتراف المخالف به في نكاح المتعة، فإن مسلمًا روى عن جابر رضي الله عنه أن متعة النساء كانت تفعل في عهد النبي ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر، قال: ثم نهانا عمر عنها فانتهينا وهذا مثل ما وقع في طلاق الثلاث طبقًا... فمن الغريب أن يسلم منصف إمكان النسخ في إحداهما ويدعى استحالته في الأخرى مع أن كلا منهما روى مسلم فيها عن صحابي جليل أن ذلك الأمر كان يفعل في زمن النبي ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر في مسألة تتعلق بالفروج ثم غيره عمر. ومن أجاز نسخ نكاح المتعة وأحال جعل الثلاث واحدة، يقال له ما لبائك تجر وبائي لا تجر؟

فإن قيل: نكاح المتعة صح النص بنسخه؟ قلنا قد رأيت الروايات المتقدمة بنسخ المراجعة بعد الثلاث.

وممن جزم بنسخ جعل الثلاث واحدة الإمام أبوداؤد رحمه الله تعالى ورأى أن جعلها واحدة إنما هو في الزمن الذي كان يرتجع فيه بعد ثلاث تطليقات وأكثر قال في سننه: "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" ثم ساق بسنده حديث ابن عباس في قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٨) الآية وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعتها وإن طلقها ثلاثًا فنسخ ذلك. وقال (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٩)، وأخرج نحوه النسائي، وفي إسناده علي بن الحسين بن واقد، قال فيه ابن حجر في التقريب صدوق يبهم.

وروى مالك في الموطأ عن هشام بن عروة عن أبيه أنه قال: كان الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنقضي عدتها كان ذلك له، وإن طلقها ألف مرة،

فعمد رجل إلى امرأته فطلقها حتى إذا أشرفت على انقضاء عدتها راجعها، ثم قال: لا آويك ولا أطلقك، فأنزل اللّٰه (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) فاستقبل الناس الطلاق جديدًا من يومئذ من كان طلق منهم أو لم يطلق.

ويؤيد هذا أن عمر لم ينكر عليه أحد من أصحاب رسول اللّٰه ﷺ إيقاع الثلاث. دفعة مع كثرتهم وعلمهم وورعهم.

ويؤيده أن كثيرًا من الصحابة الأجلاء العلماء صح عنهم القول بذلك كابن عباس و عمر و ابن عمر و خلق لا يحصى. والناسخ الذى نسخ المراجعة بعد الثلاث قال بعض العلماء إنه قوله تعالى: (الطلق مرتان) كما جاء مبينًا فى الروايات المتقدمة، ولا مانع عقلاً ولا عادة من أن يجهل مثل هذا الناسخ كثير من الناس إلى خلافة عمر، مع أنه ﷺ صرح بنسخها وتحريمها إلى يوم القيامة فى غزوة الفتح وفى حجة الوداع أيضًا كما جاء فى رواية عند مسلم ومع أن القرآن دل على تحريم غير الزوجة والسرية بقوله تعالى: (والذين هم لفروجهم حافظون. إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم... الآية الكريمة من سورة المؤمنون: ٥،٦) ومعلوم أن المرأة المتمتع بها ليست بزوجة ولا سرية... والذين قالوا بالنسخ. قالوا معنى قول عمر: إن الناس استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة، أن المراد بالأناة أنهم كانوا يتأنون فى الطلاق فلا يوقعون الثلاث فى وقت واحد، ومعنى استعجالهم أنهم صاروا يوقعونها بلفظ واحد. على القول بأن ذلك هو معنى الحديث، وقد قدمنا أنه لا يتعين كونه هو معناه وامضاؤه له عليهم إذن هو اللازم، ولا ينافيه قوله فلو أمضيناه عليهم، يعنى ألزمناهم بمقتضى ما قالوا، ونظيره قول جابر عند مسلم فى نكاح المتعة فنهانا عنها عمر، فظاهر كل منهما أنه اجتهاد من عمر والنسخ ثابت فيهما كما رأيت، وليست الأناة فى المنسوخ وإنما

هی فی عدم الاستعجال بإيقاع الثلاث دفعة... أما كون عمر كان يعلم أن رسول الله ﷺ كان يجعل الثلاث بلفظ واحد واحدة فتعمد مخالفة رسول الله ﷺ وجعلها ثلاثًا ولم ينكر عليه أحد من الصحابة فلا يخفى بعده، والعلم عندالله تعالى. انتهى.

الجواب الثانی :

حمل الحديث على أن الناس اعتادوا فی عهد رسول الله ﷺ وأبی بكر وصدر من خلافة عمر إيقاع المطلق الطلقة الواحدة ثم يدعها حتى تنقضی عدتها ثم اعتادوا الطلاق الثلاث جملة وتتابعوا فيه. فمعنى الحديث على هذا كان الطلاق الذی يوقعه المطلق الآن ثلاثًا يوقعه المطلق على عهد رسول الله ﷺ وأبی بكر وصدر من خلافة عمر واحدة، فالحديث على هذا اخبار عن الواقع لا عن المشروع.

وهذا جواب أبی زرعة، والباجی، والقاضی أبی محمد عبدالوهاب، ونقل القرطبی عن الكيا الطبری أنه قول علماء الحديث ورجحه ابن العربی، وذكره ابن قدامة.

أما أبوزرعة الرازی فقد نقله عنه البيهقی بسنده إلى عبدالرحمٰن بن أبی حاتم قال (السنن الكبرىٰ: ۳۳۸/۷): سمعت أبا زرعة يقول: "معنى هذا الحديث عندی أن ما تطلقون أنتم ثلاثًا كانوا يطلقون واحدة فی زمن النبی ﷺ وأبی بكر وعمر رضی الله عنهما.

وأما الباجی فقال (المنتقى: ٤/٤): "معنى الحديث أنهم كانوا يوقعون طلقة واحدة بدل إيقاع الناس ثلاث طلقات. قال: ويدل على صحة هذا التأويل أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال: "إن الناس قد استعجلوا فی أمر كانت لهم فيه أناة" فأنكر عليهم أن أحدثوا فی الطلاق استعجال أمر كان لهم فيه أناة فلو

كان حالهم ذلك من أول الإسلام في زمن النبي ﷺ ما قاله وما عاب عليهم أنهم استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، ويدل لصحة هذا التأويل ما روى عن ابن عباس من غير طريق أنه أفتى بلزوم الطلاق الثلاث لمن أوقعها مجتمعة، فإن كان معنى حديث ابن طاؤس فهو الذى قلناه، وإن حمل حديث ابن طاؤس على ما يتأول فيه من لا يعبأ بقوله فقد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الإجماع... انتهى كلام الباجي.

وأما القاضي فقد نقل عنه القرطبي أنه قال (تفسير القرطبي:٣/١٣٠): "معناه أن الناس كانوا يقتصرون على طلقة واحدة ثم أكثروا أيام عمر من إيقاع الثلاث قال ـ قال القاضي: وهذا هو الأشبه بقول الراوى إن الناس في أيام عمر استعجلوا الثلاث فعجل عليهم معناه ألزمهم حكمها". انتهى.

وأما ما نسب إلى علماء الحديث فقد قال القرطبي بعد ذكره تأويل الباجي حديث ابن عباس وما أوله به أبوزرعة، قال: قلت ما تأوله الباجي هو الذى ذكر معناه الكيا الطبرى عن علماء الحديث أى أنهم كانوا يطلقون طلقة واحدة هو الذى تطلقون ثلاثًا أى ما كانوا يطلقون في كل قرء طلقة وإنما كانوا يطلقون في جميع العدة واحدة إلى أن تبين وتنقضى العدة. انتهى كلام القرطبي. وأما ترجيح ابن العربي فقد نقله عنه ابن حجر (الفتح ٩/٢٩٩).

وأما ذكر ابن قدامة له فقد قال (المغني ومعه الشرح ٧/٣٠٤): قيل معنى حديث ابن عباس أن الناس كانوا يطلقون واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وإلا فلا يجوز أن يخالف عمر ما كان في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر، ولا يسوغ لابن عباس أن يروى هذا عن رسول الله ﷺ ويفتي بخلافه.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (زادالمعاد ٤/١١٩): وأما قول من قال: إن معناه كان وقوع الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ واحدة، فإن

حقيقة هذا التأويل كان الناس على عهد رسول الله ﷺ يطلقون واحدة وعلى عهد عمر صاروا يطلقون ثلاثًا، والتأويل إذا وصل إلى هذا الحد كان من باب الألغاز والتحريف لا من باب بيان المراد ولا يصح ذلك بوجه ما، فإن الناس ما زالوا يطلقون واحدة وثلاثًا، وقد طلق رجال نساء هم على عهد رسول الله ﷺ ثلاثًا فمنهم من رد إلى واحدة كما في حديث عكرمة عن ابن عباس، ومنهم من أنكر عليه وغضب وجعله متلاعبًا بكتاب الله، ولم يعرف ما حكم به عليهم، وفيهم من أقره لتأكيد التحريم الذى أوجبه اللعان، ومنهم من ألزمه بالثلاث لكون ما أتى به من الطلاق آخر الثلاث. فلم يصح أن يقال: إن الناس ما زالوا يطلقون واحدة إلى أثناء خلافة عمر فطلقوا ثلاثًا، ولا يصح أن يقال: إنهم قد استعجلوا فى شيء كانت لهم فيه أناة فنمضيه عليهم ولا يلائم هذا الكلام الفرق بين عهد رسول الله ﷺ وبين عهده بوجه ما. فإنه ماض منكم على عهده بعد عهده، ثم إن فى بعض ألفاظ الحديث الصحيحة "ألم تعلم أنه من طلق ثلاثًا جعلت واحدة على عهد رسول الله ﷺ؟" ولفظ "أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر؟ فقال ابن عباس بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من أمارة عمر فلما رأى الناس يعنى عمر قد تتابعوا فيها قال اجيزوهن عليهم" هذا لفظ الحديث وهو بأصح إسناد وهو لا يحتمل ما ذكرتم من التأويل بوجه ما. ولكن هذا كله عمل من جعل الأدلة تبعًا للمذهب فاعتقد ثم استدل، وأما من جعل المذهب تبعًا للدليل واستدل ثم اعتقد لم يمكنه هذا العمل. ا هـ.

الجواب الثالث : حمل الحديث على غير المدخول بها :

فقد سلك أبو عبدالرحمٰن النسائى فى سننه فى الحديث مسلكًا آخر

وقوى جانبها عنده فقال: باب الطلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة، ثم ساقه فقال: حدثنا أبوداؤد حدثنا أبوعاصم عن ابن جريج عن ابن طاؤس عن أبيه أن أباالصهباء جاء إلى ابن عباس رضى اللّٰه عنهما فقال: يا ابن عباس، ألم تعلم أن الثلاث كانت على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. وأبى بكر وصدر من خلافة عمر ترد إلى الواحدة قال: نعم.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (إغاثة اللهفان: ۲۹۸): وأنت إذا طابقت بين هذه الترجمة وبين لفظ الحديث وجدتها لا يدل عليها ولا يشعر بها بوجه من الوجوه بل الترجمة لون والحديث لون آخر وكأنه لما أشكل عليه لفظ الحديث جملة على ما إذا قال لغير المدخول بها: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق طلقت واحدة، ومعلوم أن هذا الحكم لم يزل ولا يزال كذلك ولا يتقيد ذلك بزمان رسول اللّٰه ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافةعمر رضى اللّٰه عنه، ثم يتغير في خلافة عمر رضى اللّٰه عنه، ويمضى الثلاث بعد ذلك على المطلق فالحديث لا يندفع بمثل هذا البتة. اهـ.

وهناك توجيه آخر للحديث قال ابن حجر (فتح البارى: ۳٦۳/۹): وهو جواب اسحق بن راهويه وجماعة وبه جزم زكريا الساجى من الشافعية.

ووجهوه بأن غير المدخول بها تبين إذا قال لها زوجها: أنت طالق، فإذا قال ثلاثًا لغى العدد لوقوعه بعد البينونة.

وتعقبه القرطبى بأن قوله أنت طالق ثلاثًا كلام متصل غير منفصل فكيف جعله كلمتين؟ وتعطى كل كلمة حكمًا؟

وقال النووى أنت طالق معناه: أنت ذات الطلاق، وهذا اللفظ يصح تفسيره بالواحدة وبالثلاث وغير ذلك. انتهى كلام ابن حجر.

وأجاب ابن القيم عن الرواية التى فيها ذكر غير المدخول بها فقال (إغاثة

اللهفان: ١/٢٨٥/٢٨٦): ورواية طاؤس نفسه عن ابن عباس ليس فى شىء منها قبل الدخول، وإنما حكى ذلك طاؤس عن سؤال أبى الصهباء لابن عباس فأجابه ابن عباس بما سأله عنه ولعله إنما بلغه جعل الثلاث واحدة فى حق مطلق قبل الدخول، فسأل عن ذلك ابن عباس وقال: "كانوا يجعلونها واحدة؟" فقال له ابن عباس "نعم" أى الأمر ما قلت وهذا لا مفهوم له فإن التقييد فى الجواب وقع فى مقابلة تقييد السؤال ومثل هذا لا يعتبر مفهومه.

نعم لو لم يكن السؤال مقيدًا فقيد المسؤول الجواب كان مفهومه معتبرًا، وهذا كما إذا سئل عن فأرة وقعت فى سمن فقال "إذا وقعت الفأرة في السمن فألقوها وما حولها وكلوه" لم يدل ذلك على تعيين الحكم بالسمن خاصة، وبالجملة فغير المدخول بها فرد من أفراد النساء فذكر النساء مطلقًا فى أحد الحديثين وذكر بعض أفرادهن فى الحديث الآخر لا تعارض بينهما.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطى (أضواء البيان: ١/١٩٦-١٩٧-١٩٨): وحجة هذالقول أن بعض الروايات كرواية أبى داؤد جاء فيها التقييد بغير المدخول بها، والمقرر فى الأصول هو حمل المطلق على المقيد ولا سيما إذا اتحد الحكم والسبب كما هنا، قال فى مراقى السعود:

وحمل مطلق على ذاك وجب إن فيهما اتحد حكم والسبب

وما ذكره الأبى رحمه الله من أن الإطلاق والتقييد إنما هو فى حديثين، أما فى حديث واحد من طريقين فمن زيادة العدل فمردود بأنه لا دليل عليه وإنه مخالف لظاهر كلام عامة العلماء ولا وجه للفرق بينهما، وما ذكره الشوكانى رحمه الله فى نيل الأوطار من أن رواية أبى داؤد التى فيها التقييد بعدم الدخول فرد من أفراد الروايات العامة، وذكر بعض أفراد العام بحكم العام لا يخصصه، لا يظهر، لأن هذه المسألة من مسائل المطلق والمقيد، لا من مسائل ذكر بعض أفراد العام،

فالروايات التى أخرجها مسلم مطلقة عن قيد الدخول، والرواية التى أخرجها أبوداؤد مقيدة بعدم الدخول كما ترى، والمقرر فى الأصول حمل المطلق على المقيد، ولا سيما إن اتحد الحكم والسبب كما هنا.

نعم لقائل أن يقول: إن كلام ابن عباس في رواية أبي داؤد المذكورة وارد على سؤال أبي الصهباء و أبو الصهباء لم يسأل إلا عن غير المدخول بها فجواب ابن عباس لا مفهوم مخالفة له، لأنه إنما خص غير المدخول بها لمطابقة الجواب للسؤال.

وقد تقرر فى الأصول أن من موانع اعتبار دليل الخطاب أعنى مفهوم المخالفة كون الكلام واردًا جوابًا لسؤال، لأن تخصيص المنطوق بالذكر لمطابقة السؤال فلا يتعين كونه لإخراج المفهوم عن المنطوق، وأشار اليه فى مراقى السعود فى ذكر موانع اعتبار مفهوم المخالفة بقوله:

وجهل الحكم والنطق انجلب ‏ ‏ للسؤال أو جرى على الذى غلب

ومحل الشاهد منه قوله: أو النطق انجلب للسؤال.

وقد قدمنا أن رواية أبي داؤد المذكورة عن أيوب السختيانى عن غير واحد عن طاؤس، وهو صريح في أن من روى عنهم أيوب مجهولون، ومن لم يعرف من هو لا يصح الحكم بروايته، ولذا قال النووى فى شرح مسلم ما نصه: وأما هذه الرواية لأبى داؤد فضعيفة رواها أيوب عن قوم مجهولين عن طاؤس عن ابن عباس فلا يحتج بها، والله اعلم. انتهى منه بلفظه.

وقال المنذرى فى مختصر سنن أبى داؤد بعد أن ساق الحديث المذكور ما نصه: الرواة عن طاؤس مجاهيل. انتهى منه بلفظه. وضعف رواية أبي داؤد هذه ظاهر كما ترى للجهل بمن روى عن طاؤس فيها، وقال العلامة ابن القيم رحمه الله تعالى في زاد المعاد بعد أن ساق لفظ هذه الرواية ما نصه: وهذا لفظ الحديث

وهو بأصح إسناد. انتهى محل الغرض منه بلفظه فانظره مع ما تقدم. انتهى كلام الشيخ محمد الأمين الشنقيطي.

الجواب الرابع :

ليس في الحديث ما يدل على أن الرسول ﷺ هو الذى جعل ذلك ولا إنه علم به وأقر عليه وهذا جواب ابن المنذر و ابن حزم ومن وافقهما.

قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ۱/۲۹۱): وأما ابن المنذر فقال: لم يكن ذلك عن علم النبى ﷺ ولا عن أمره، قال: وغير جائز أن يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبى ﷺ شيئًا ثم يفتى بخلافه، فلما لم يجز ذلك دل فتيا ابن عباس رضى الله عنه على أن ذلك لم يكن عن علم النبى ﷺ ولا عن أمره، إذ لو كان ذلك عن علم النبى ﷺ مااستحل ابن عباس أن يفتى بخلافه أو يكون ذلك منسوخًا استدلا لاً بفتيا ابن عباس.

وقال ابن حزم (المحلى ۱۰/۱۶۸/۱۶۹): وأما حديث طاؤس عن ابن عباس الذى فيه أن الثلاث كانت واحدة وترد إلى واحدة "وتجعل واحدة" فليس فى شيء منه أنه عليه الصلاة والسلام هوالذى جعلها واحدة أوردها إلى واحدة ولأنه عليه الصلاة والسلام علم بذلك فأقره، ولا حجة إلا فيما صح أنه عليه الصلاة والسلام قاله أو فعله أو علمه فلم ينكره وإنما يلزم هذا الخبر من قال في قول أبى سعيد الخدرى "كنا نخرج زكاة الفطر على عهد رسول الله ﷺ صاعا من كذا وأما نحن فلا. انتهى كلام ابن حزم.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (زادالمعاد ۴/۱۲۰): سبحانك هذا بهتان عظيم أن يستمر هذا الجعل الحرام المتضمن لتغيير شرع الله ودينه وإباحة الفرج لمن هو عليه حرام وتحريم على من هو عليه حلال على عهد رسول الله ﷺ وأصحابه خيرالخلق وهم يفعلونه ولا يعلمونه ولا يعلمه هو، والوحى ينزل

عليه وهو يقرهم عليه، فهب أن رسول الله ﷺ لم يكن يعلمه، وأصحابه يعلمونه ويبدلون دينه وشرعه والله يعلم ذلك ولا يوحيه إلى رسوله ولا يعلمه به، ثم يتوفى الله رسوله والأمر على ذلك فيستمر هذا الضلال العظيم والخطأ المبين عندكم مدة خلافة الصديق كلها ويعمل به ولا يغيره إلى أن فارق الصديق الدنيا، واستمر الخطاء والضلال المركب صدرًا من خلافة عمر حتى رأى بعد ذلك رأيه أن يلزم الناس بالصواب، فهل بالجهل بالصحابة وما كانوا عليه في عهد نبيهم وخلفائه أقبح من هذا؟ وتالله لو كان جعل الثلاث واحدة خطأ محضًا لكان أسهل من هذا الخطأ الذى ارتكبتموه، والتأويل الذى تأولتموه، ولو تركتم المسألة بهيأتها لكان أقوى لشأنها من هذه الأدلة والأجوبة.

وذكر الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (أضواء البيان ١/١٩٦): ضعف هذا الجواب لأن جماهير المحدثين والأصوليين على أن ما أسنده الصحابى إلى عهد النبى ﷺ له حكم المرفوع، وإن لم يصرح بأنه بلغه ﷺ وأقره.

الجواب الخامس :

ما ذكره المجد قال: وتأوله بعضهم على صورة تكرير لفظ الطلاق بأن يقول: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق فإنه يلزمه واحدة إذا قصد التوكيد وثلاثًا إذا قصد تكرير الإيقاع، فكان الناس في عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر على صدقهم وسلامتهم وقصدهم في الغالب الفضيلة والاختيار، لم يظهر فيهم خب ولا خداع، وكانوا يصدقون في إرادة التوكيد فلما رأى عمر في زمانه أمورًا ظهرت وأحوالاً تغيرت وفشا إيقاع الثلاث جملة بلفظ لا يحتمل التأويل ألزمهم الثلاث في صورة التكرير إذ صار الغالب عليهم قصدها، وقد أشار إليه بقوله: ''إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة''. انتهى كلام المجد.

وهذا جواب ابن سريج كما قاله (معالم السنن ٣/٢٧) الخطابى

والمنذری (المختصر المنذری ۱۱۲۶/۳).

وقال ابن حجر (الفتح ۲۹۸/۹): هذا الجواب ارتضاه القرطبی وقواه بقول عمر: إن الناس قد استعجلوا فی أمر كانت لهم فيه أناة، وكذا قال النووی إنه أصح الأجوبة.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (زادالمعاد ۱۱۸/٤، ۱۱۹): وأما حملكم الحديث على قول المطلق: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، ومقصوده التأكيد بما بعد الأول فسياق الحديث من أوله إلى آخره يرده فإن هذا الذی أولتم الحديث عليه لا يتغير بوفاة رسول الله ﷺ لا يختلف على عهده وعهد خلفائه، وهلم جرًا ... آخر الدهر، ومن ينويه فی قصد التأكيد لا يفرق بين بر وفاجر وصادق وكاذب بل يرده إلى نيته، وكذلك من لا يقبله فی الحكم لا يقبله مطلقًا برًا كان أو فاجرًا.

وأيضًا فإن قوله: "إن الناس قد استعجلوا وتتابعوا فی شیء كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم" إخبار من عمر بأن الناس قد استعجلوا ما جعلهم الله فی فسحة منه وشرعه متراخيًا بعضه عن بعض رحمة بهم ورفقًا وأناة لهم لئلا يندم مطلق فيذهب حبيبه من يده من أول وهلة فيعز عليه تداركه فجعل له أناة ومهلة يستعتبه فيها ويرضيه، ويزول ما أحدثه الغضب الداعی إلى الفراق ويراجع كل منهما الذی عليه بالمعروف، فاستعجلوا فيما جعل لهم فيه أناة ومهلة وأوقعوه بفم واحد، فرأى عمر أن يلزمهم ماالتزموا عقوبة لهم فإذا علم المطلق أن زوجته وسكنه تحرم عليه من أول مرة بجمعه الثلاث كف عنها ورجع إلى الطلاق المشروع المأذون فيه وكان هذا من تأديب عمر لرعيته لما أكثروا من الطلاق الثلاث ... هذا وجه الحديث الذی لا وجه له غيره فأين هذا من تأويلكم المستنكر المستبعد الذی لا توافقه ألفاظ الحديث بل تنبو عنه وتنافره.

ویمكن أن يجاب عن جواب ابن القيم بما قاله الشيخ محمد الأمين الشنقيطي قال (أضواء البيان: ۱۸۰-۱۸۳): وللجمهور عن حديث ابن عباس هذا عدة أجوبة. الأول: أن الثلاث المذكورة فيها التي كانت تجعل واحدة ليس في شيء من روايات الحديث، التصريح بأنها دفعة بلفظ واحد، ولفظ كلامه الثلاث لا يلزم منه لغة ولا عقلاً ولا شرعًا أن تكون بلفظ واحد، فمن قال لزوجته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق ثلاث مرات في وقت واحد فطلاقه هذا طلاق الثلاث، لأنه صريح بالطلاق فيه ثلاث مرات، وإذا قيل لمن جزم بأن المراد في الحديث إيقاع الثلاث بكلمة واحدة من أين أخذت كونها بكلمة واحدة، فهل في لفظ من ألفاظ الحديث أنها بكلمة واحدة؟ وهل يمنع إطلاق الطلاق الثلاث على الطلاق بكلمات متعددة؟

فإن قال: لا يقال له طلاق الثلاث إلا إذا كان بكلمة واحدة، فلا شك في أن دعواه هذه غير صحيحة، وإن اعترف بالحق وقال: يجوز إطلاقه على ما أوقع بكلمة واحدة وعلى ما أوقع بكلمات متعددة وهو أشد بظاهر اللفظ، قيل له، وإذًا فجزمك بكونه بكلمة واحدة لا وجه له، وإذا لم يتعين في الحديث كون الثلاث بلفظ واحد سقط الاستدلال به من أصله في محل النزاع.

ومما يدل على أنه لا يلزم من لفظ طلاق الثلاث في هذا الحديث كونها بكلمة واحدة أن الإمام أبا عبدالرحمن النسائي مع جلالته وعلمه وشدة فهمه ما فهم من هذا الحديث إلا أن المراد بطلاق الثلاث لفظه أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق بتفريق الطلقات لأن لفظ الثلاث أظهر في إيقاع الطلاق ثلاث مرات ولذا ترجم في سننه لرواية أبي داؤد المذكوره في هذا الحديث وقد سبق في الوجه الثالث ثم قال: فترى هذا الإمام الجليل صرح بأن طلاق الثلاث في هذا الحديث ليس بلفظ واحد بل بألفاظ متفرقة ويدل على صحة ما فهمه النسائي رحمه الله

من الحديث ما ذكره العلامة ابن القيم رحمه الله فى زادالمعاد فى الرد على من استدل لوقوع الثلاث دفة بحديث عائشة، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثًا فتزوجت الحديث، فإنه قال فيه ما نصه، ولكن أين فى الحديث أنه طلق الثلاث بفم واحد؟ بل الحديث حجة لنا فإنه لا يقال فعل ذلك ثلاثًا، وقال ثلاثًا إلا من فعل وقال مرة بعد مرة وهذا هوالمعقول فى لغات الأمم عربهم وعجمهم، كما يقال قذفه ثلاثًا وشتمه ثلاثًا وسلم عليه ثلاثًا. ا هـ. بلفظه.

وهو دليل واضح لصحة ما فهمه النسائى رحمه الله من الحديث، لأن لفظ الثلاث فى جميع رواياته أظهر فى أنها طلقات ثلاث واقعة مرة بعد مرة كما أو ضحه ابن القيم فى حديث عائشة آنفًا. وبعد أن نقل كلام ابن سريح وأن القرطبى ارتضى هذا الجواب ونقل عن النووى جوابه عنه وقد سبقت الإشارة إلى ذلك كله فى أول الجواب ثم قال ـ قال مقيده عفاالله عنه: وهذا الوجه لا إشكال فيه لجواز تغيير الحال عند تفسير القصد لأن الأعمال بالنيات ولكل امرىء مانوى، وظاهر اللفظ يدل لهذا كما قدمنا.

وعلى كل حال فادعاء الجزم بأن معنى حديث طاؤس المذكور أن الثلاث بلفظ واحد ادعاء خال من دليل كما رأيت، فليتق الله من تجرأ على عز و ذلك إلى النبى ﷺ مع أنه ليس فى شىء من روايات حديث طاؤس كون الثلاث المذكورة بلفظ واحد، ولم يتعين ذلك من اللغة ولا من الشرع ولا من العقل كما ترى. قال مقيده عفاالله عنه ويدل لكون الثلاث المذكورة ليست بلفظ واحد ما تقدم من حديث ابن اسحق عن داود بن الحصين عن عكرمة، عن ابن عباس، عن أحمد و أبى يعلى، من قوله طلق امرأته ثلاثًا فى مجلس واحد وقوله ﷺ "كيف طلقتها؟" قال ثلاثًا فى مجلس واحد لأن التعبير بلفظ المجلس يفهم منه أنها ليست بلفظ واحد، إذ لو كان اللفظ واحدًا لقال بلفظ واحد ولم يحتج إلى ذكر

المجلس، إذ لا داعى لذكر الوصف الأعم وترك الأخص بلا موجب كما هو ظاهر. انتهى كلام الشيخ الشنقيطى.

الجواب السادس :

عن حديث طاؤس عن ابن عباس أن سائر أصحاب ابن عباس رووا عنه افتاءه بخلاف ذلك وما كان ابن عباس ليروى عن النبى ﷺ شيئًا ثم يخالفه إلى رأى نفسه، بل المعروف عنه أنه كان يقول: أنا أقول لكم سنة رسول الله ﷺ وتقولون قال أبوبكر و عمر قاله فى فسخ الحج وغيره، ولهذا اتجه الإمام أحمد بن حنبل إلى دفع حديث طاؤس هذا بما رواه سائر أصحاب ابن عباس عن ابن عباس، قال الأثرم: سألت أبا عبدالله عن حديث ابن عباس: كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر و عمر رضى الله تعالى عنهما. طلاق الثلاث واحدة بأى شىء تدفعه، قال: برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه وكذلك نقل عنه ابن منصور، ذكر جميع ذلك الإمام ابن القيم (إغاثة اللهفان ۱/۱۵۸-۱۵۹) وجاء فى مسودة آل تيمية ما نصه (السودة ۲۴۲):

"وفيه - أى معانى الحديث للأثرم - أيضًا فى حديث ابن عباس: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدرًا من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال أبو عبدالله: أدفع هذا الحديث بأنه قد روى عن ابن عباس خلافه من عشرة وجوه، أنه كان يرى طلاق الثلاث ثلاثًا" اهـ.

وقال البيهقى فى "باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد فى خلاف ذلك" (السنن الكبرىٰ ۷/۳۳۷-۳۳۸) هذا الحديث أحد ما اختلف فيه البخارى ومسلم فأخرجه مسلم وتركه البخارى وأظنه إنما تركه لمخالفته سائر الروايات عن ابن عباس ... ومنها ما أخبرنا أبوزكريا بن أبى اسحاق، نا أبوالعباس محمد بن يعقوب، أنا الربيع، أنا الشافعى، أنا مسلم و عبدالمجيد، عن ابن جريج قال:

أخبرني عكرمة بن خالد أن سعيد بن جبير أخبره، أن رجلاً جاء إلى ابن عباس فقال: طلقت امرأتي ألفًا، فقال: تأخذ ثلاثًا وتدع تسعمائة وسبعة وتسعين، ورواه عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس أنه قال لرجل طلق امرأته ثلاثًا حرمت عليك.

وأخبرنا أبوزكريا بن أبي اسحاق وأبوبكر بن الحسن قالا: نا أبوالعباس، نا الربيع، نا الشافعي، نا مسلم بن خالد و عبدالمجيد عن ابن جريج عن مجاهد قال: قال رجل لابن عباس طلقت امرأتي مائة قال: تأخذ ثلاثًا وتدع سبعًا وتسعين...

وأخبرنا أبوعبدالله الحافظ: نا أبوعمرو بن مطر، نا يحيٰى بن محمد، نا عبيدالله بن معاذ، نا أبي، نا شعبة عن ابن أبي نجيح وحميد الأعرج، عن مجاهد قال: سئل ابن عباس عن رجل طلق أمرأته مائة فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجًا (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا) يا أيها النبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن فى قبل عدتهن الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) وأخبرنا أبوعبدالله الحافظ وعبيد بن محمد بن محمد بن مهدى قالا: نا أبوالعباس محمد بن يعقوب، نا يحيى بن أبي طالب، أنا عبدالوهاب بن عطاء، أنا ابن جريج، عن عبد الحميد بن رافع، عن عطاء أن رجلاً قال لابن عباس طلقت امرأتي مائةً فقال: تأخذ ثلاثًا وتدع سبعًا وتسعين، وأخبرنا محمد بن عبدالله الحافظ وأحمد بن الحسن القاضي قالا: نا أبوالعباس محمد بن يعقوب، نا محمد بن اسحاق أنا حسين بن محمد، نا جرير بن حازم، عن أيوب عن عمرو بن دينار، أن ابن عباس سئل عن رجل طلق امرأته عددالنجوم فقال: إنما يكفيك رأس الجوزاء.

وأخبرنا أبوعبدالله الحافظ، نا أبوالعباس محمد بن يعقوب، نا الحسن بن علي بن عفان، نا ابن نمير عن الأعمش عن مالك بن الحارث عن ابن عباس قال: أتاني رجل فقال: إن عمي طلق امرأته ثلاثًا فقال: إن عمك عصى الله فأندمه الله

وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجًا. قال: أفلا يحللها له رجل؟ فقال: من يخادع الله يخدعه..

أخبرنا أبو أحمد المهرجاني، أنا أبوبكر بن جعفر المزكى، نا محمد بن ابراهيم البوشنجي، نا ابن بكير، نا مالك عن ابن شهاب، عن محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير أنه قال: طلق رجل امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها ثم بداله أن ينكحها فجاء يستفتى فذهبت معه أسأل له فسأل أبا هريرة وعبدالله بن عباس عن ذلك فقالا له: لا نرى أن ينكحها حتى تزوج زوجًا غيرك. قال: فإنما كان طلاقي إياها واحدة فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ماكان لك من فضل.

فهذه رواية سعيد بن جبير وعطاء ابن أبى رباح و مجاهد وعكرمة وعمرو بن دينار و مالك بن الحارث ومحمد بن إياس بن البكير، ورواية عن معاوية بن أبى عياش الأنصارى كلهم عن ابن عباس، أنه أجاز الطلاق بالثلاث وأمضاهن ... ١هـ. كلام البيهقى رحمه الله تعالى.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (أعلام الموقعين٣/ ٣١ ومابعدها): لا يترك الحديث الصحيح المعصوم لمخالفة راويه له فإن مخالفته ليست معصومة. وقد قدم الشافعى رواية ابن عباس فى شأن بريرة على فتواه التى تخالفها فى كون بيع الأمة طلاقها، وأخذ هو وأحمد وغيرهما بحديث أبى هريرة: من استقاء فعليه القضاء وقد خالفه أبوهريرة وأفتى بأنه لاقضاء عليه. وذكر جملة أمثلة نسبها إلى الحنابلة والحنفية والمالكية والشافعية إلى أن قال رحمه الله والذى تدين الله به ولا يسعنا غيره وهو القصد فى هذا الباب أن الحديث إذا صح عن رسول الله ﷺ ولم يصح عنه حديث آخر ينسخه، أن الفرض علينا وعلى الأمة الأخذ بحديثه وترك كل ما خالفه ولا نتركه لخلاف أحد من الناس كائنًا من كان لا راويه

ولا غيره، إذ من الممكن أن ينسى الراوى الحديث، أولا يحضره وقت الفتيا أو لا يتفطن لدلالته على تلك المسألة، أو يتأول فيه تأويلاً مرجوحًا، أو يقوم فى ظنه ما يعارضه، ولا يكون معارضًا فى نفس الأمر أو يقلد غيره فى فتواه بخلافه لاعتقاده أنه أعلم منه وأنه إنما خالفه لما هو أقوى منه. ولوقدر انتفاء ذلك كله ولا سبيل إلى العلم بانتفائه ولا ظنه لم يكن الراوى معصومًا ولم توجب مخالفته لما رواه سقوط عدالته حتى تغلب سيئاته حسناته، وبخلاف هذا الحديث الواحد لا يحصل له ذلك. اهـ.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطى تعليقًا على هذا الوجه (أضواء البيان ١/١٨٩-١٩١): قال مقيده عفاالله عنه: فهذا إمام المحدثين وسيدالمسلمين فى عصره الذى تدارك به الاسلام بعد ما كاد تتزلزل قواعده وتغير عقائده أبوعبدالله أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى قال للأثرم و ابن منصور: أنه رفض حديث ابن عباس قصدًا لأنه يرى عدم الاحتجاج به فى لزوم الثلاث بلفظ واحد لرواية الحفاظ عن ابن عباس ما يخالف ذلك، وهذا الإمام محمد بن إسماعيل البخارى - وهو هو - ذكر عنه الحافظ البيهقى أنه ترك الحديث عمدًا لذلك الموجب الذى تركه من أجله الإمام أحمد، ولا شك أنهما ما تركاه إلا لموجب يقتضى ذلك.

فإن قيل رواية طاؤس فى حكم المرفوع ورواية الجماعة المذكورين موقوفة على ابن عباس والمرفوع لا يعارض بالموقوف. فالجواب أن الصحابى إذا خالف ما روى ففيه للعلماء قولان وهما روايتان عن أحمد رحمه الله، الأولى: أنه لا يحتج بالحديث لأن أعلم الناس به راويه وقد ترك العمل به وهو عدل عارف وعلى هذه الرواية فلا إشكال.

وعلى الرواية الأخرى التى هى المشهورة عندالعلماء أن العبرة بروايته لا

بقوله فإنه لا تقدم روايته إلا إذا كانت صريحة المعنى أو ظاهرة فيه ظهورًا يضعف معه احتمال مقابله، أما إذا كانت محتملة لغير ذلك المعنى احتمالاً قويًا فإن مخالفة الراوى لما روى تدل على أن ذلك المحتمل الذى ترك ليس هو معنى ما روى، وقد قدمنا أن لفظ طلاق الثلاث فى حديث طاؤس المذكور محتمل احتمالاً قويًا لأن تكون الطلقات مفرقة كما جزم به النسائي وصححه النووى والقرطبى و ابن سريح.

فالحاصل أن ترك ابن عباس لجعل الثلاث بفم واحد واحدة يدل على أن معنى الحديث الذى روى ليس كونها بلفظ واحد ... واعلم أن ابن عباس لم يثبت عنه أنه أفتى بالثلاث بفم واحد أنها واحدة، وما روى عنه أبوداؤد من طريق حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة أن ابن عباس قال إذا قال أنت طالق ثلاثًا بفم واحد فهي واحدةً فهو معارض بما رواه أبوداؤد نفسه من طريق اسماعيل بن إبراهيم عن أيوب عن عكرمة أن ذلك من قول عكرمة لا من قول ابن عباس، وترجح رواية اسماعيل بن ابراهيم على رواية حماد بموافقة الحفاظ لإسماعيل فى أن ابن عباس يجعلها ثلاثًا لا واحدة. انتهى.

الجواب السابع :

حمل الثلاث فيه على أن المراد بها لفظ البتة، وكان يراد بها واحدة على عهد رسول اللّٰه ﷺ كما أراد بهاركانة ثم تتابع الناس فأرادوا بها الثلاث فألزمهم عمر إياها.

وهذا جواب الخطابى وقواه ابن حجر قال الخطابى (معالم السنن ۱۲۶/۳) ويشبه أن يكون معنى الحديث منصرفًا إلى طلاق البتة لأنه قد روى عن النبى ﷺ فى حديث ركانة أنه جعل البتة واحدة، وكان عمر بن الخطاب رضى اللّٰه عنه يراها واحدة، ثم تتابع الناس فى ذلك فألزمهم الثلاث وإليه ذهب غير

واحد من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم روی عن علی بن أبی طالب رضی الله تعالی عنه أنه جعلها ثلاثًا، وكذلك روی عن ابن عمر وكان يقول: أبت الطلاق طلاق البتة، وإليه ذهب سعيد بن المسيب وعروة و عمر بن عبدالعزيز والزهری، وبه قال مالك والأوزاعی و ابن أبی ليلی و أحمد بن حنبل، وهذا كصنيعه بشارب الخمر فإن الحد كان فی زمان النبی ﷺ وأبی بكر أربعين، ثم أن عمر لما رأی الناس تشايعوا فی الخمر واستخفوا بالعقوبة فيها قال: أری أن تبلغ فيها حد المفتری، لأنه إذا سكر هذی وإذا هذی افتری وكان ذلك علی ملأ من الصحابة فلا ينكر أن يكون الأمر فی طلاق "البتة" علی شاكلته. انتهی كلام الخطابی.

وقال ابن حجر (فتح الباری ۲۹۹/۹) هو قوی ويؤيده إدخال البخاری فی هذا الباب الآثار التی فيها "البتة" والأحاديث التی فيها التصريح بالثلاث كأنه يشير إلی عدم الفرق بينهما، وأن "البتة" إذا أطلقت حملت علی الثلاث إلا إن اراد المطلق واحدة فيقبل فكأن بعض رواته حمل لفظ (البتة) علی الثلاث لاشتهار التسوية بينهما فرواها بلفظ الثلاث وإنما المراد لفظ البتة وكانوا فی العصر الأول يقبلون ممن قال أردت بالبتة الواحدة فلما كان عهد عمر أمضی الثلاث فی ظاهر الحكم ... انتهی كلام الحافظ بن حجر.

الجواب الثامن :

حمل الحديث علی أنه شاذ وقد حمله علی ذلك جماعة من أهل العلم فقال ابن عبد الهادی قال ابن رجب فی كتاب "مشكل الأحاديث الواردة فی أن الطلاق الثلاث واحدة" وساق حديث ابن عباس ثم قال (سيرالحاث: ٧٤): فهذا الحديث لأئمة الإسلام فيه طريقان:

أحدهما وهو مسلك الإمام أحمد ومن وافقه ويرجع الكلام فی إسناد الحديث بشذوذه وانفراد طاؤس به، وأنه لم يتابع عليه، وانفراد الراوی بالحديث

وإن كان ثقة هو علة في الحديث يوجب التوقف فيه وأن يكون شاذًا ومنكرًا إذا لم يرو معناه من وجه يصح وهذه طريقة أئمة الحديث المتقدمين، كالإمام أحمد ويحيى القطان ويحيى بن معين وعلى بن المدينى وغيرهم، وهذا الحديث لا يرويه عن ابن عباس غير طاؤس قال الإمام أحمد فى رواية ابن منصور: كل أصحاب ابن عباس يعنى رووا عنه خلاف ما روى طاؤس.

وقال الجوزجانى: هو حديث شاذ، قال وقد عنيت بهذا الحديث فى قديم الدهر فلم أجد له أصلاً. قال المصنف ومتى أجمع الأمة على إطراح العمل بحديث وجب اطراحه وترك العمل به، وقال ابن مهدى لا يكون إماما فى العلم من عمل بالشاذ.

وقال النخعي: كانوا يكرهون الغريب من الحديث. وقال يزيد بن أبى حبيب: إذا سمعت الحديث فأنشده كما تنشد الضالة فإن عرف وإلا فدعه، وعن مالك قال: "شرالعلم الغريب" وخير العلم الظاهر الذى قد رواه الناس وفى هذا الباب شيء كثير لعدم جواز العمل بالغريب وغيرالمشهور... قال ابن رجب: وقد صح عن ابن عباس وهو راوى الحديث أنه أفتى بخلاف هذا الحديث ولزوم الثلاث المجموعة، وقد علل بهذا أحمد والشافعي كما ذكره فى المغنى وهذه أيضًا علة في الحديث بانفرادها فكيف وقد ضم إليها علة الشذوذ والإنكار وإجماع الأمة.

وقال القاضى إسماعيل فى كتاب "أحكام القرآن": طاؤس مع فضله وصلاحه يروى أشياء منكرة منها هذا الحديث، وعن أيوب أنه كان يعجب من كثرة خطأ طاؤس.

وقال ابن عبدالبر: شذ طاؤس فى هذا الحديث.

قال ابن رجب وكان علماء أهل مكة ينكرون على طاؤس ما ينفرد به من

شواذ الأقاويل. انتهى المقصود. الثاني: أنه منسوخ وقد سبق ما يغنى عن إعادته.

ونقل القرطبى عن ابن عبدالبر أنه قال (تفسير القرطبى ۱۲۹/۳): رواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار بالحجاز والشام والمغرب ـ قال ـ وقد قيل: إن أبا الصهباء لا يعرف فى موالى ابن عباس.

ونقل الشيخ محمد الأمين الشنقيطى عن ابن العربى المالكى ما يختص بحديث ابن عباس هذا فقال (أضواء البيان ۱۹۲): فإن قيل ففى صحيح مسلم عن ابن عباس وذكر حديث أبى الصهباء المذكور؟ قلنا هذا لا متعلق فيه من خمسة أوجه:

الأول :

أنه حديث مختلف فى صحته، فكيف يقدم على إجماع الأمة ولم يعرف لها فى هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين، وقد سبق العصران الكريمان والاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم نقل العدل عن العدل، ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبدًا.

الثانى :

أن هذا الحديث لم يرد إلا عن ابن عباس ولم يرو عنه إلا عن طريق طاؤس فكيف يقبل ما لم يروه من الصحابة إلا واحد ومالم يروه عن ذلك الصحابى إلا واحد، وكيف خفى على جميع الصحابة وسكتوا عنه إلا ابن عباس، وكيف خفى على أصحاب ابن عباس إلا طاؤس؟ انتهى محل الغرض من كلام ابن العربى. انتهى.

وقال ابن حجر (الفتح ۳٦۳/۹): الجواب الثانى دعوى شذوذ ورواية طاؤس وهى طريقة البيهقى فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث، ثم

نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بابن عباس أن يحفظ عن النبى ﷺ شيئًا ويفتى بخلافه، فيتعين المصير إلى الترجيح والأخذ بقول الأكثر أولى من الأخذ بقول الواحد إذا خالفهم. انتهى.

وقال ابن التركمانى و طاؤس بقول: إن أبا الصهباء مولاه سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافه ولو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه، وهم عمر و عثمان و على و ابن مسعود و ابن عمر وغيرهم، انتهى.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال بعد عرضه لهذا المسلك (إغاثة اللهفان ١/٢٩٥-٢٩٦): وهذا أفسد من جميع ما تقدم، ولا ترد أحاديث الصحابة وأحاديث الأئمة الثقات بمثل هذا، فكم من حديث تفرد به واجد من الصحابة لم يروه غيره وقبلته الأمة كلهم فلم يرده أحد منهم، وكم من حديث تفرد به من هو دون طاؤس بكثير ولم يرده أحد من الأئمة ولا نعلم أحدًا من أهل العلم قديمًا ولا حديثًا قال: إن الحديث إذا لم يروه إلا صحابى واحد لم يقبل، وإنما يحكى عن أهل البدع ومن تبعهم فى ذلك أقوال لا يعرف لها قائل من الفقهاء.

قد تفرد الزهرى بنحو ستين سنة، لم يروها غيره، وعلمت بها الأمة ولم يردوها بتفرده هذا مع أن عكرمة روى عن ابن عباس رضى الله عنهما حديث ركانة وهو موافق لحديث طاؤس عنه، فإن قدح فى عكرمة أبطل وتناقض، فإن الناس احتجوا بعكرمة، وصحح أئمة الحفاظ حديثه، ولم يلتفتوا إلى قدح من قدح فيه.

فإن قيل: فهذا هو الحديث الشاذ، و أقل أحواله أن يتوقف فيه ولا يجزم بصحته عن رسول الله ﷺ قيل: ليس هذا هوالشاذ، وإنما الشذوذ: أن يخالف الثقات فيما رووه فيشذ عنهم بروايته، فأما إذا روى الثقة حديثًا منفردًا به، لم يرو

الثقات خلافه فإن ذلك لا يسمى شاذًا. وإن اصطلح على تسميته شاذًا بهذا المعنى، لم يكن هذا الاصطلاح موجبًا لرده، ولا مسوغًا له.

قال الشافعي: "وليس الشاذ أن ينفرد الثقة برواية الحديث، بل الشاذ أن يروى خلاف ما رواه الثقات" قاله في مناظرته لبعض من ردالحديث بتفرد الراوى به ... ثم إن هذا القول لا يمكن أحدًا من أهل العلم، ولا من الأئمة، ولا من أتباعهم طرده، ولو طردوه لبطل كثير من أقوالهم وفتاويهم. والعجب أن الرادين لهذا الحديث بمثل هذا الكلام قد بنوا كثيرًا من مذاهبهم على أحاديث ضعيفة، انفرد بها رواتها لا تعرف عن سواهم وذلك أشهر وأكثر من أن يعد.

وبعد ما ذكر الشيخ محمد الأمين الشنقيطى كلامًا يتفق مع ما سبق ذكره عن ابن القيم قال (أضواء البيان ١/١٩٣-١٩٥): نعم لقائل أن يقول: إن خبر الآحاد إذا كانت الدواعى متوفرة إلى نقله ولم ينقله إلا واحد ونحوه، أن ذلك يدل على عدم صحته، ووجهه أن توفر الدواعى يلزم منه النقل تواترًا والإشتهار، فإن لم يشتهر دل على أنه لم يقع، لأن انتفاء اللازم يقتضى انتفاء الملزوم، وهذه قاعدة فى الأصول أشار اليها فى مراقى السعود بقوله عاطفًا على ما يحكم فيه بعدم صحة الخبر "وخبر الآحاد فى السنى."

حيث دواعى نقله تواتر نرى له لو قاله تقررا

وجزم بها غير واحد من الأصوليين، وقال صاحب جمع الجوامع عاطفًا على ما يجزم فيه بعدم صحة الخبر والمنقول آحادًا فيما تتوفر الدواعى إلى نقله خلافًا للرافضة. اهـ منه بلفظه.

ومراده أن مما يجزم بعدم صحته الخبر المنقول آحادًا مع توفر الدواعى إلى نقله، وقال ابن الحاجب فى مختصره الأصولى مسألة: إذا انفرد واحد فيما يتوفر الدواعى إلى نقله وقد شاركه خلق كثير، كما لو انفرد واحد بقتل خطيب

على المنبر فى مدينة فهو كاذب قطعًا خلافًا للشيعة ١هـ. محل الغرض منه بلفظه.
وفى المسألة مناقشات وأوجوبة عنها معروفة فى الأصول.

قال مقيده عفاالله عنه : ولا شك أنه على القول بأن معنى حديث طاؤس المذكور أن الثلاث بلفظ واحد كانت تجعل واحدة على عهد النبى ﷺ و أبى بكر وصدر من خلافة عمر ثم أن عمر غير ما كان عليه رسول الله ﷺ والمسلمون فى زمن أبى بكر وعامة الصحابة أو جلهم يعلمون ذلك، فالدواعى إلى نقل ما كان عليه رسول الله ﷺ والمسلمون من بعده متوفرة توافرًا لا يمكن إنكاره لأن (قوله "لأن" كذا بالأصل المطبوع) يرد بذلك التغيير الذى أحدثه عمر فسكوت جميع الصحابة عنه، وكون ذلك لم ينقل منه حرف عن غير ابن عباس، يدل دلالة واضحة على أحد أمرين:

أحدهما :

أن حديث طاؤس الذى رواه عن ابن عباس ليس معناه أنها بلفظ واحد بل بثلاثة ألفاظ فى وقت واحد كما قدمنا، وكما جزم به النسائى وصححه النووى والقرطبى و ابن سريج. وعليه فلا إشكال، لأن تغيير عمر للحكم مبنى على تغيير قصدهم، والنبى ﷺ قال: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرىء مانوى"، فمن قال: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، ونوى التأكيد فواحدة، وإن نوى الاستئناف بكل واحدة فثلاث، واختلاف محامل اللفظ الواحد لاختلاف نيات اللافظين به لا إشكال فيه لقوله ﷺ "وإنما لكل امرىء مانوىٰ".

والثانى :

أن يكون الحديث غير محكوم بصحته لنقله آحادًا مع توفر الدواعى إلى نقله. والأول أولى وأخف من الثانى، وقال القرطبى فى المفهم فى الكلام على حديث طاؤس المذكور: وظاهر سياقه يقتضى النقل عن جميعهم أن معظمهم

كانوا يرون ذلك، والعادة في مثل هذا أن يفشو الحكم وينتشر فكيف ينفرد به واحد عن واحد؟ قال: فهذا الوجه يقتضي التوقف عن العمل بظاهره إن لم يقتض القطع ببطلانه. ا هـ منه بواسطة نقل ابن حجر في فتح الباري عنه وهو قوي جدًا بحسب المقرر في الأصول كما ترى. انتهى...

الجواب التاسع :

أن الحديث مضطرب، نقل هذا الجواب ابن حجر عن القرطبي (فتح الباري ۹/۳٦٤) وذكر ابن القيم هذا الجواب وناقشه فقال: وسلك آخرون في رد الحديث مسلكًا آخر فقالوا هو حديث مضطرب لا يصح، ولذلك أعرض عنه البخاري، وترجم في صحيحه على خلافه فقال: "باب فيمن جوز الطلاق الثلاث في كلمة لقوله تعالى: (الطلاق مرتان): ثم ذكر حديث اللعان وفيه فطلقها ثلاثًا قبل أن يأمره رسول الله ﷺ ولم يغير عليه النبي ﷺ وهو لا يقر على باطل".

قالوا: ووجه اضطرابه: أنه تارة يروى عن طاؤس عن ابن عباس، وتارة عن طاؤس عن أبي الصهباء عن ابن عباس، وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس فهذا اضطرابه من جهة السند.

وأما المتن فإن أبا الصهباء تارة يقول: " ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة" وتارةً يقول: "ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة. فهذا يخالف اللفظ الآخر وهذا المسلك من أضعف المسالك وردالحديث به ضرب من التعنت ولا يعرف أحد من الحفاظ قدح في هذا الحديث ولا ضعفه، والإمام أحمد لما قيل له: بأي شيء ترده؟ قال: برواية الناس عن ابن عباس خلافه.

ولم يرده بتضعيف ولا قدح في صحته، وكيف يتهيأ القدح في صحته، ورواته كلهم أئمة حفاظ، حدث به عبدالرزاق وغيره عن ابن جريج بصيغة

الإخبار، وحدث به كذلك ابن جريج عن ابن طاؤس، وحدث به ابن طاؤس عن أبيه، وهذا إسناد لا مطعن فيه لطاعن، وطاؤس من أخص أصحاب ابن عباس، ومذهبه: أن الثلاث واحدة وقد رواه حماد بن زيد عن أيوب عن غير واحد عن طاؤس، فلم ينفرد به عبدالرزاق ولا ابن جريج، ولا عبدالله بن طاؤس فالحديث من أصح الاحاديث، وترك رواية البخارى له لا يوهنه وله حكم أمثاله من الأحاديث الصحيحة التى تركها البخارى لئلا يطول كتابه فإنه سماه: الجامع المختصر الصحيح، ومثل هذا العذر لا يقبله من له حظ من العلم.

وأما رواية من رواه عن أبي الجوزاء فإن كانت محفوظة فهى مما يزيد الحديث قوة وإن لم تكن محفوظة وهو الظاهر فهى وهم فى الكنية انتقل فيها عبدالله بن المؤمل عن ابن أبى مليكة من أبى الصهباء، إلى أبى الجوزاء، فإنه كان سيء الحفظ، والحفاظ قالوا " أبوالصهباء" وهذا لا يوهن الحديث، وهذه الطريق عندالحاكم فى المستدرك وأما رواية من رواه مقيداً "قبل الدخول" فإنه تقدم أنه لا تناقض رواية الآخرين على أنها عند أبى داؤد عن أيوب عن غير واحد ورواية الإطلاق عن معمر عن ابن جريج عن ابن طاؤس عن أبيه، فإن تعارضا فهذه الرواية أولى، وإن لم يتعارضا فالأمر واضح.

وحديث داؤد بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس عن النبى ﷺ صريح فى كون الثلاث واحدة فى حق المدخول بها وعامة ما يقدر فى حديث أبى الصهباء أن قوله: "قبل الدخول" زيادة من ثقة فيكون الأخذ بها أولى، وحينئذ فيدل أحد حديثى ابن عباس على أن هذا الحكم ثابت فى حق البكر، وحديثه الآخر على أنه ثابت فى حكم الثيب أيضاً، فأحد الحديثين يقوى الآخر ويشهد بصحته، وبالله التوفيق.

الجواب العاشر :

أن حديث ابن عباس معارض بالإجماع والإجماع أقوى من خبر الواحد كما ذكر ذلك الشافعي، وغيره وقد سبق استدلال الجمهور بالإجماع مع ذكر أدلتهم لمذهبهم وبيان من قال به ومناقشة ابن القيم له، فاكتفى بذلك عن الإعادة هنا.

الدليل الثاني :

ما رواه الإمام أحمد في المسند قال: حدثنا سعد بن ابراهيم حدثنا أبى عن محمد بن اسحاق قال حدثنى داؤد بن الحصين عن عكرمة ـ مولى ابن عباس ـ عن ابن عباس قال: "طلق ركانة ابن عبد يزيد ـ أخو بنى المطلب ـ امرأته ثلاثًا فى مجلس واحد، فحزن عليها حزنًا شديدًا، قال: فسأله رسول اللّٰه ﷺ "كيف طلقتها"؟ قال: طلقتها ثلاثًا قال فقال: "في مجلس واحدٍ؟" قال: نعم، فقال: "فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت" قال: فراجعها فكان ابن عباس يرىٰ الطلاق عند كل طهر.

قال ابن القيم (أعلام الموقعين ۳/۴۰) وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد وحسنه، فقال فى حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبى ﷺ رد ابنته على ابن أبى العاص بمهر جديد، ونكاح جديد" هذا حديث ضعيف أو قال واه لم يسمعه الحجاج عن عمرو بن شعيب وإنما سمعه من محمد بن عبداللّٰه العزرمى، والعزرمى لا يساوى حديثه شيئًا والحديث الذى رواه أن النبى ﷺ أقرها على النكاح الأول وإسناده عنده هو إسناد حديث ركانة بن عبد يزيد؟ هذا وقد قال الترمذى فيه ليس بإسناده بأس فهذا إسناد صحيح عند أحمد وليس به بأس عند الترمذى فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده ما هو نظيره أو أقوى منه؟ ثم ساق رواية أبى داؤد وستأتى وهى الدليل الثالث ثم قال ابن

القيم: قال شيخنا رضى الله عنه: وأبوداؤد لما لم يرو فى سننه الحديث الذى فى مسند أحمد يعنى الذى ذكرناه آنفًا فقال: حديث البتة أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا لأنهم أهل بيته ولكن الأئمة الأكابر العارفين بعلل الحديث والفقه كالإمام أحمد و أبي عبيد والبخارى ضعفوا حديث البتة وبينوا أنه رواية قوم مجاهيل لم تعرف عدالتهم وضبطهم وأحمد أثبت حديث الثلاث وبين أنه الصواب وقال حديث ركانة لا يثبت أنه طلق امرأته البتة وفي رواية عنه: حديث ركانة في البتة ليس بشيء لأن ابن اسحاق يرويه عن داؤد بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله عنه أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا وأهل المدينة يسمون الثلاث البتة. قال الأثرم: قلت لأحمد حديث ركانة في البتة فضعفه. انتهى.

وقد سبق الكلام على رواية الإمام أحمد لحديث ركانة وكذلك رواية الزبير بن سعيد، ورواية نافع بن عجير عند الكلام على الدليل الخامس لمذهب الجمهور فى المسألة الثانية.

الدليل الثالث:

قال أبوداؤد حدثنا أحمد بن صالح، قال حدثنا عبدالرزاق أخبرنا ابن جريج، قال أخبرنى بعض بنى أبى رافع، مولى النبى ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس، قال: "طلق يزيد أبوركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزينة فجاء ت النبى ﷺ فقالت: ما يغنى عنى إلا كما تغنى هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بينى وبينه فأخذت النبى ﷺ حمية فدعى بركانة وإخوته، ثم قال لجلسائه: "أترون فلانًا يشبه منه كذا وكذا من عبد يزيد وفلانًا لأبنه الآخر يشبه منه كذا وكذا؟" قالوا نعم. فقال النبى ﷺ لعبد يزيد "طلقها" ففعل فقال "راجع امرأتك أم ركانة وإخوته" فقال: إنى طلقتها ثلاثًا يا رسول الله، قال: وتلا "يا أيهاالنبى إذا

طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن"... (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

وقد سبقت مناقشة رواية أبى داؤد عند الكلام على الدليل الخامس لمذهب الجمهور فى المسألة الثانية فاكتفى بما هناك عن إعادته هنا.

الدليل الرابع :

ما جاء في بعض روايات حديث ابن عمر من أنه طلق امرأته فى الحيض ثلاثًا فاحتسب بواحدة وقد سبقت مناقشة حديث ابن عمر برواياته وأن الصحيح أنه إنما طلقها واحدة وذلك عندالكلام على الدليل السادس فاكتفى بما ذكر هنالك عن إعادته هنا.

وأما الاجماع فممن ذكره شيخ الاسلام ابن تيمية و ابن القيم وغيرهما من العلماء فقد بينوا أن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد واحدة فى عهد أبى بكر وثلاث سنين من خلافة عمر ويمكن أن يجاب عنه بما ورد من الآثار عن بعض الصحابة فى أن الثلاث بلفظ واحد تكون ثلاثًا وقد سبقت.

وأما القياس فقد قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ١ /٢٨٩): وأما القياس فإن الله سبحانه وتعالى قال: (والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء إلا أنفسهم فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله... الآية الكريمة من سورة النور: ٦). ثم قال: (ويدرأ عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله... الآية الكريمة من سورة النور: ٨) فلو قال: أشهد بالله أربع شهادات أنى صادق، وقالت أشهد بالله أربع شهادات أنه كاذب كانت شهادة واحدة ولم تكن أربعًا، فكيف يكون قوله أنت طالق ثلاثًا ثلاث تطليقات وأى قياس أصح من هذا؟ وهكذا كل ما يعتبر فيه العدد من الإقرار ونحوه ولهذا لو قال المقر بالزنا: إنى أقر بالزنا أربع مرات كان ذلك مرة واحدة، وقد قال الصحابة لما عز: "إن أقررت أربعًا رجمك رسول الله ﷺ". فلو قال: أقربه أربع مرات كان مرة واحدة فهكذا الطلاق سواء.

وقد أجاب الشيخ محمد الأمين الشنقيطى عن هذا القياس فقال (أضواء البيان ١/١٩٥-١٩٦): وقياس أنت طالق ثلاثًا على أيمان اللعان فى أنه لو حلفها بلفظ واحد لم تجز، قياس مع وجود الفارق، لأن من اقتصر على واحدة من الشهادات الأربع المذكورة فى آية اللعان أجمع العلماء على أن ذلك كما لو لم يأت بشيء منها أصلاً، بخلاف الطلقات الثلاث فمن اقتصر على واحدة منها اعتبرت إجماعًا وحصلت بها البينونة بانقضاء العدة إجماعًا.

وأما الآثار فما جاء عن الصحابة فى ذلك، فقد روى طاؤس وعكرمة عن ابن عباس الإفتاء بذلك ورواية طاؤس عند أبى جعفر النحاس فى الناسخ والمنسوخ ورواية عكرمة عند أبى داؤد من رواية حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس، وحكى ابن وضاح وعنه ابن مغيث الإفتاء بكون الطلاق الثلاث فى كلمة واحدة واحدة عن على و ابن مسعود والزبير و عبدالرحمٰن بن عوف، وجاء عن عمر بن الخطاب رضى اللّٰه عنه. ما رواه الحافظ أبوبكر الاسماعيلى فى مسند عمر قال: أخبرنا أبويعلى حدثنا صالح بن مالك، حدثنا خالد بن يزيد بن أبى مالك عن أبيه قال قال عمر رضى اللّٰه تعالى عنه: ما ندمت على شيء ندامتى على ثلاث أن لا أكون حرمت الطلاق، وعلّى أن لا أكون أنكحت الموالى، وعلى أن لا أكون قتلت النوائح، وكذلك ما نقل من الآثار عن أهل البيت.

ويضاف إلى هذه الآثار ما سبق ذكره من الآثار مما لم يذكر هنا وذلك فى الكلام على رد استدلال الجمهور بالإجماع.

وأجيب عن تلك الآثار بما يأتى:

أما ما روى طاؤس عن ابن عباس أن من قال لامرأته: أنت طالق ثلاثًا إنما تلزمه طلقةً واحدةً فقد اعتبره أبوجعفر النحاس من مناكير طاؤس التى خولف فيها

طاؤس (الناسخ والمنسوخ: ۷۱) قال: وطاؤس وإن كان رجلاً صالحًا فعنده عن ابن عباس مناكير يخالف عليها ولا يقبلها أهل العلم، منها أنه روى عن ابن عباس أنه قال في رجل قال لإمرأته أنت طالق ثلاثًا إنما تلزمه واحدة ولا يعرف هذا عن ابن عباس إلا من روايته، والصحيح عنه وعن على ابن أبي طالب رضى الله عنهما أنها ثلاث كما قال الله تعالى (فإن طلقها فلا تحل لهٗ من بعد... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۳۰) أى الثالثة.

وأما ما روي حمادى ابن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس أنه قال "إذا قال أنت طالق ثلاثًا بفم واحد فهى واحدة" فقد تعقبه أبو داؤد فى سننه بقوله: ورواه اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب عن عكرمة هذا قوله ولم يذكر ابن عباس وجعله قول عكرمة، وعلى فرض ثبوتهما فقد رجع ابن عباس عن ذلك كما صرح أبو داؤد قال (سنن أبي داؤد بشرح عون المعبود ۲/۲۲۶-۲۲۷) وصار قول ابن عباس فيما حدثنا أحمد بن صالح و محمد بن يحيى وهذا حديث أحمد قالا: نا عبدالرزاق عن معمر عن الزهرى عن أبى سلمة بن عبدالرحمٰن بن عوف و محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان عن محمد بن إياس أن ابن عباس وأبا هريرة و عبدالله بن عمر و بن العاص سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثًا فكلهم قال: لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره: قال أبو داؤد وروى مالك عن يحيى بن سعيد عن بكير بن الأشج عن معاوية بن أبي عياش أنه شهد هذه القصة حين جاء محمد بن إياس بن البكير إلى ابن الزبير وعاصم بن عمر فسألهما عن ذلك فقالا: إذهب إلى إبن عباس و أبى هريرة فإنى تركتهما عند عائشة رضى الله عنها ثم ساق هذا الخبر قال أبو داؤد وقول ابن عباس هو أن الطلاق الثلاث تبين من زوجها مدخولاً بها أو غير مدخول بها لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره. هذا مثل خبر الصرف قال فيه ثم إنه رجع عنه يعنى ابن عباس. اھ۔

وقد ساق في الباب الذى أورد فيه ذلك وهو باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث آثارًا عن سائر أصحاب ابن عباس بخلاف ما ذكر عن طاؤس وعكرمة حيث قال: حدثنا حميد بن مسعدة، نا اسماعيل أنا أيوب، عن عبدالله بن كثير عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال: إنه طلق امرأته ثلاثًا قال فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه ثم قال: ينطلق أحدكم فيركب الحموقة ثم يقول: يا ابن عباس! يا ابن عباس وإن الله قال: (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۲) وإنك لم تتق الله فلا أجد لك مخرجًا عصيت ربك وبانت منك امرأتك وإن الله تعالى قال: (يا أيها النبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱) قال ابوداؤد: روى هذا الحديث حميد الأعرج وغيره عن مجاهد عن ابن عباس ورواه شعبة عن عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، وأيوب و ابن جريج جميعًا عن عكرمة بن خالد عن سعيد ابن جبير عن ابن عباس و ابن جريج، عن عبدالحميد بن رافع عن عطاء عن ابن عباس، ورواه الأعمش عن مالك بن الحارث، عن ابن عباس و ابن جريج عن عمرو بن دينار عن ابن عباس كلهم قالوا في الطلاق الثلاث: إنه أجازها، قال: وبانت منك، نحو حديث اسماعيل عن أيوب عن عبدالله بن كثير... اهـ.

وقال الباجي بخصوص ما نقل عن ابن عباس من فتواه بأن الثلاث بفم واحد واحدة (المنتقى ٤/٤) ما نصه: قد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الاجماع. اهـ.

وأما ما نقله أبوجعفر أحمد بن محمد بن مغيث الطليطلي عن ابن وضاح، من أن علي بن أبي طالب والزبير ابن العوام وعبدالرحمن بن عوف و عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنهم قد أفتوا بأن من طلق ثلاثًا في كلمة واحدة لا يلزمه

سوى طلقة واحدة، فيتوقف الإستدلال به على ثبوت السند إليهم بذلك ولم يثبت.

وقد تعقبه أبوبكر بن العربى فى كتابه الناسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم قال (مختصر سنن ابى داؤد ومعه التهذيب والمعالم ج٣ص١٢٨). قال تعالى: الطلاق مرتان (الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٩) "زل قوم فى آخرالزمان فقالوا: إن الطلاق الثلاث فى كلمة واحدة لا يلزم وجعلوه واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن على والزبير و عبدالرحمن بن عوف و ابن مسعود و ابن عباس، وعزوه إلى الحجاج ابن أرطاة الضعيف المنزلة المغموز المرتبة ورووا فى ذلك حديثًا ليس له أصل، وغوى قوم من أهل المسائل فتتبعوا الأهواء المبتدعة فيه وقالوا: إن قوله أنت طالق ثلاثًا كذب لأنه لم يطلق ثلاثًا كما لو قال: طلقت ثلاثًا ولم يطلق إلا واحدة وكما لو قال: أحلف ثلاثًا كانت يمينًا واحدة. ومر أبوبكر بن العربى إلى أن قال: وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت لا أصل له فى كتاب ولا رواية له عن أحد وقد أدخل مالك فى موطئه عن على أن الحرام ثلاث لازمة فى كلمة فهذا فى معناها فكيف إذا صرح بها وأما حديث الحجاج بن ارطاة فغير مقبول بن ارطاة فغير مقبول فى الملة ولا عند أحد من الأئمة.

قال ابن العربى لم يعرف فى هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين وقد سبق العصران الكريمان بالاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم، نقل العدل عن العدل ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبدًا. اهـ.

فى الاصل فرجة مصححه :

ابن القيم ذلك فى إغاثة اللهفان ص١٧٩ بقوله: "لعله إحدى الروايتين عنهم وإلا

فقد صح بلا شك عن ابن مسعود وعلى و ابن عباس الإلزام بالثلاث إن أوقعها جملة وصح عن ابن عباس أنه جعلها واحدة ولم نقف على نقل صحيح عن غيرهم من الصحابة بذلك، فلذلك لم نعد ما حكى عنهم في الوجوه المبينة للنزاع وإنما نعد ما وقفنا عليه في مواضعه ونعزوه إليها، وبالله التوفيق" ١هـ. كلام ابن القيم.

وقال البيهقي في السنن الكبرىٰ في عز و ذلك إلى أمير المؤمنين على بن أبي طالب رضى الله تعالى عنه (السنن الكبرىٰ ج/٧/ض: ٣٣٩-٣٤٠) أخبرنا أبو سعد أحمد بن محمد المالينى، أنا أبو احمد عبدالله بن عدى الحافظ، ثنا محمد بن عبدالوهاب ابن هشام نا على بن سلمة اللبقى، ثنا ابو أسامة عن الأعمش قال: كان بالكوفة شيخ يقول سمعت على بن أبى طالب رضى الله تعالىٰ عنه يقول: اذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا فى مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة والناس عنقًا واحدًا إذ ذلك يأتونه ويسمعون منه قال فأتيته فقرعت عليه الباب فخرج إلى شيخ فقلت له: كيف سمعت على بن أبى طالب رضى الله تعالى عنه يقول: فيمن طلق امرأته ثلاثًا فى مجلس واحد؟ قال سمعت على بن أبى طالب يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا فى مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة، قال فقلت له: أين سمعت هذا من على رضى الله تعالىٰ عنه؟ قال: أخرج إليك كتابًا فاخرج فإذا فيه: بسم الله الرحمٰن الرحيم، هذا ما سمعت على بن أبى طالب رضى الله تعالى عنه يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا فى مجلس واحد فقد بانت منه ولا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره. قال: فقلت ويحك هذا غير الذى تقول، قال: الصحيح هو هذا ولكن هؤلاء أرادونى على ذلك" ١هـ.

وأما ما روى أبويعلى عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه من قوله: "ما ندمت على شيء ندامتى على ثلاث: أن لا أكون حرمت الطلاق" الخ فلا يصلح الاحتجاج به على أن عمر قد ندم آخر حياته على امضاء الثلاث لأمرين:

أحدهما أن يزيد بن أبى مالك لم يدرك عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه وقد قال الحافظ الذهبى فى (ميزان الاعتدال) في يزيد بن أبى مالك: صاحب تدليس وإرسال عمن لم يدرك. وذكره الحافظ بن حجر فى "تعريف أهل التقديس بالموصوفين بالتدليس" وقال وصفه أبو مسهر بالتدليس.

الثانى أن خالد بن يزيد أبى مالك وهاه ابن معين وقال أحمد: ليس بشيء، وقال النسائى: غير ثقة وقال الدارقطنى: ضعيف، وقال ابن عدى عن ابن عصمة عن أحمد بن أبى يحيى: سمعت أحمد بن حنبل يقول: خالد بن يزيد بن أبى مالك ليس بشيء، وقال ابن أبى الحوارى سمعت ابن معين يقول بالعراق: كتاب ينبغى أن يدفن: كتاب الديات لخالد بن يزيد بن أبى مالك، لم يرض أن يكذب على أبيه حتى كذب على الصحابة، قال أحمد بن أبى الحوارى: سمعت هذا الكتاب من خالد ثم أعطيته العطار فأعطى الناس فيه حوائج. وفى "تهذيب التهذيب" للحافظ بن حجر، قال ابن حبان: كان صدوقًا فى الرواية ولكنه كان يخطىء كثيراً وفى حديثه مناكير لا يعجبنى الاحتجاج به إذا انفرد عن أبيه، وقال أبوداؤد: ضعيف وقال مرة: متروك الحديث، وذكره ابن الجارود والساجى والعقيلى فى الضعفاء. ا هـ.

وأجيب عما نقل عن أهل البيت النبوى فى اعتبار الطلاق الثلاث فى كلمة واحدة، واحدة بما رواه البيهقى (السنن الكبرى ٧/٣٤٠) قال: أخبرنا أبوعبدالله الحافظ، نا أبو عمر و عثمان بن أحمد بن السمان ببغداد، انا حنبل بن اسحاق بن حنبل، نا محمد بن عمران بن محمد بن عبدالرحمٰن بن أبى ليلى، نا مسلمة بن جعفر الأحمسى، قال: قلت لجعفر بن محمد: إن قومًا يزعمون أن من طلق ثلاثًا بجهالة رد إلى السنة يجعلونها واحدة يروونها عنكم؟ قال معاذالله ما هذا من قولنا "من طلق ثلاثًا فهو كما قال" وأخبرنا أبوعبدالله، نا أبو محمد

الحسن بن سليمان الكوفى ببغداد، نا محمد بن عبدالله الحضرمى، نا اسماعيل بن بهرام، نا الأشجعى عن بسام الصيرفى قال: سمعت جعفر بن محمد يقول: من طلق امرأته ثلاثًا بجهالة أو علم فقد بانت منه. ۱هـ. ونقل السيافى عن صاحب الآمالى أنه قال (الروض النضير ۳۸۷/۴): حدثنا أبو كريب عن حفص بن غياث قال: سمعت جعفر بن محمود يقول: من طلق ثلاثًا فهى ثلاث وهو قولنا أهل البيت" ثم ذكر رواية البيهقى عن شيخه الحاكم المتقدمة. وقال السياغى من الروض النضير فى وقوع الطلاق بائنا بإرساله ثلاثًا بلفظ واحد قال (الروض النضير ۳۷۹/۴): وهو مذهب جمهور أهل البيت كما حكاه محمد بن منصور عنهم فى الأمالى بأسانيده، وروى فى الجامع الكافى عن الحسن بن يحيى قال رويناه عن النبى ﷺ وعن على رضى الله عنه وعلى بن الحسين، وزيد بن على، ومحمد بن على الباقر، ومحمد بن عمر بن على، وجعفر بن محمد وعبدالله بن الحسن، ومحمد بن عبدالله وخيار آل رسول الله ﷺ ثم قال الحسن أجمع آل الرسول على أن الذى يطلق ثلاثًا فى كلمة واحدة أنها قد حرمت عليه سواء كان قد دخل بها الزوج أو لم يدخل ورواه فى (البحر) عن ابن عباس و ابن عمر وعائشة و أبى هريرة و عن على رضى الله عنه والناصر والمؤيد بالله وتخريجه، والإمام يحيى والفريقين ومالك وبعض الأمامية، قال ابن القيم: وهو قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة ۱هـ. وذهب إليه ابن حزم فى المحلى وأطال الاحتجاج عليه. ۱هـ. المراد من الروض النضير.

المذهب الثالث :

يقع فى المدخول بها ثلاثًا وبغير المدخول بها واحدة، وذكر ابن القيم أنه أخذ بالحديث الوارد فى التفرقة: اسحاق بن راهويه وخلق من السلف جعلوا الثلاث واحدة فى غير المدخول بها.

وهذا المذهب مبنى على ما رواه أبوداؤد فى سننه أن رجلا يقال له أبوالصهباء وكان كثير السؤال لابن عباس قال: أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدةً على عهد رسول اللّٰه ﷺ وأبى بكر وصدر من إمارة عمر رضى اللّٰه تعالى عنهما فقال ابن عباس: بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدةً على عهد رسول اللّٰه ﷺ وأبى بكر وصدر من إمارة عمر رضى اللّٰه تعالى عنهما. فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال: أجيزوهن عليهم.

قال ابن القيم: رأى هؤلاء أن إلزام عمر بالثلاث هو فى حق المدخول بها، وحديث أبى الصهباء فى غير المدخول بها قالوا ففى هذا التفريق موافقة المنقول من الجانبين وموافقة القياس. انتهى.

وقد سبقت مناقشة هذا الدليل فى الجواب الثالث من الأجوبة على حديث ابن عباس وهو الدليل الأول للمذهب الثاني...

المذهب الرابع :

عدم وقوع الطلاق مطلقًا لأن إيقاع الطلاق على ذلك الوجه بدعة محرمة فهو مردود لحديث: "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهورد": وقد حكى هذا القول للإمام أحمد فأنكره وقال:هو قول الرافضة، كما نص عليه ابن القيم فى زاد المعاد وذكر بأن القول بعدم الوقوع جملة هو مذهب الإمامية، قال: وحكوه عن جماعة من أهل البيت وذكر شيخ الإسلام ابن تيمية فى رسالة الفرق بين الطلاق الحلال والحرام أن القول بعدم الوقوع محدث مبتدع، قاله بعض المعتزلة والشيعة ولا يعرف عن أحد من السلف. اهـ.

وقال ابن رجب فى كتابه جامع العلوم والحكم فى شرحه لحديث: "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد". قال الإمام أحمد فى رواية أبى الحارث وسئل

عمن قال لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال: هذا قول سوء ردى ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه فى الحيض، وقال أبوعبيد: الوقوع هوالذى عليه العلماء مجمعون فى جميع الأمصار حجازهم وتهامهم، ويمنهم وشامهم، وعراقهم، ومصرهم، وحكى ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم إلا ناسًا من أهل البدع لا يعتد بهم. ۱ھـ.

وفيما يلى كلام مجمل لابن تيمية فى المسألتين :

قال (مجموع الفتاوى ج۳۳/۸۱-۹۸): "الأصل الثانى" أن الطلاق المحرم الذى يسمى "طلاق البدعة" إذا أوقعه الإنسان هل يقع، أم لا؟ فيه نزاع بين السلف والخلف. والأكثرون يقولون بوقوعه مع القول بتحريمه. وقال آخرون: لا يقع مثل طاؤس، وعكرمة، وخلاس، و عمر، و محمد بن إسحاق، وحجاج بن ارطاة، وأهل الظاهر كداؤد وأصحابه. وطائفة من أصحاب أبى حنيفة ومالك و أحمد، ويروى عن أبى جعفر الباقر، وجعفر بن محمد الصادق، وغيرهما من أهل البيت، وهو قول أهل الظاهر: داؤد وأصحابه. لكن منهم من لا يقول بتحريم الثلاث. ومن أصحاب أبى حنيفة ومالك وأحمد من عرف أنه لا يقع مجموع الثلاث إذا أوقعها جميعًا، بل يقع منها واحدة.

ولم يعرف قوله فى طلاق الحائض ولكن وقوع الطلاق جميعًا قول طوائف من أهل الكلام والشيعة. ومن هؤلاء من يقول: إذا أوقع الثلاث جملة لم يقع به شيء أصلاً، لكن هذا قول مبتدع لا يعرف لقائله سلف من الصحابة والتابعين لهم بإحسان، وطوائف من أهل الكلام والشيعة، لكن ابن حزم من الظاهرية لا يقول بتحريم جمع الثلاث، فلذا يوقعها، وجمهورهم على تحريمها وأنه لا يقع إلا واحدة.

ومنهم من عرف قوله فى الثلاث ولم يعرف قوله فى الطلاق فى الحيض،

كمن ينقل عنه من أصحاب أبى حنيفة ومالك. و ابن عمر روى عنه من وجهين أنه لا يقع، وروى عنه من وجوه أخرى أشهر وأثبت أنه يقع. وروى ذلك عن زيد...

وأما "جمع الثلاث" فأقوال الصحابة فيها كثيرة مشهورة: روى الوقوع فيها عن عمر، وعثمان، وعلى، و ابن مسعود، وابن عباس، و ابن عمر، و أبى هريرة و عمران بن الحصين وغيرهم. وروى عدم الوقوع فيها عن أبى بكر، وعن عمر صدرا من خلافته، وعلى بن أبى طالب و ابن مسعود، و ابن عباس أيضًا، وعن الزبير، و عبدالرحمٰن بن عوف رضى اللّٰه تعالى عنهم اجمعين.

قال ابوجعفر أحمد بن محمد بن مغيث فى كتابه الذى سماه: "المقنع فى أصول الوثائق وبيان ما فى ذلك من الدقائق": وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثًا في كلمة واحدة، فإن فعل لزمه الطلاق... ثم اختلف أهل العلم بعد إجماعهم على أنه مطلق كم يلزمه من الطلاق؟ فقال على بن أبى طالب، و ابن مسعود رضى اللّٰه تعالى عنهما: يلزمه طلقة واحدة، وكذا قال ابن عباس رضى اللّٰه تعالى عنهما وذلك لأن قوله: "ثلاثًا" لا معنى له، لأنه لم يطلق ثلاث مرات: لأنه إذا كان مخبرًا عما مضى فيقول: طلقت ثلاث مرات، يخبر عن ثلاث طلقات أتت منه فى ثلاثة أفعال كانت منه، فذلك يصح. ولو طلقها مرة واحدة فقال: طلقتها ثلاث مرات لكان كاذبًا.

وكذلك لو حلف باللّٰه تعالى ثلاثًا يردد الحلف كانت ثلاثة أيمان، وأما لو حلف باللّٰه تعالى فقال: أحلف باللّٰه تعالى ثلاثًا لم يكن حلف إلا يمينًا واحدة، والطلاق مثله. قال: ومثل ذلك قال الزبير بن العوام، وعبدالرحمن بن عوف روينا ذلك كله عن ابن وضاح يعنى الإمام محمد بن وضاح الذى يأخذ عن طبقة أحمد بن حنبل و ابن أبى شيبة ويحيى بن معين، وسحنون بن سعيد، وطبقتهم قال، وبه قال من شيوخ قرطبة ابن زنباع شيخ هدى، ومحمد بن عبدالسلام الخشنى فقيه

عصره، و ابن بقى بن مخلد، وأصبغ بن الحباب، وجماعة سواهم من فقهاء قرطبة، وذكر هذا عن بضعة عشر فقيهًا من فقهاء طليطلة المتعبدين على مذهب مالك بن أنس.

قلت: وقد ذكره التلمسانى رواية عن مالك، وهو قول محمد بن مقاتل الرازى من أئمة الحنفية حكاه عن المازنى وغيره، وقد ذكر هذا رواية عن مالك، وكان يفتي بذلك أحيانًا الشيخ أبوالبركات ابن تيمية، وهو وغيره يحتجون بالحديث الذى رواه مسلم فى صحيحه وأبوداؤد وغيرهما عن طاؤس، عن ابن عباس أنه قال: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وسنتين من خلافة عمر رضى الله تعالى عنهما طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن الخطاب: إن الناس قداستعجلوا أمرًا كان لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم. وفى رواية: أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك ألم يكن طلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر واحدة؟ قال: قد كان ذلك، فلما كان فى عهد عمر تتابع الناس فى الطلاق فأمضاه عليهم وأجازه.

والذين ردوا هذا الحديث تأولوه بتأويلات ضعيفة، وكذلك كل حديث فيه: أن النبى ﷺ ألزم الثلاث بيمين أوقعها جملة، أو أن أحدًا فى زمنه أرقعها جملة فألزمه بذلك: مثل حديث يروى عن على، وآخر عن عبادة بن الصامت، وآخر عن الحسن عن ابن عمر، وغير ذلك، فكلها أحاديث ضعيفة باتفاق أهل العلم بالحديث، بل هى موضوعة، ويعرف أهل العلم بنقد الحديث أنها موضوعة، كما هو مبسوط فى موضعه.

وأقوى ما ردوه به أنهم قالوا: ثبت عن ابن عباس من غير وجه أنه أفتى بلزوم الثلاث. وجواب المستدلين أن ابن عباس روى عنه من طريق عكرمة أيضًا أنه كان يجعلها واحدة، وثبت عن عكرمة عن ابن عباس ما يوافق حديث طاؤس

مرفوعًا إلى النبى ﷺ وموقوفًا على ابن عباس، ولم يثبت خلاف ذلك عن النبى ﷺ فالمرفوع "أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا، فردها عليه النبى ﷺ" قال الإمام أحمد بن حنبل فى مسنده: حدثنا سعيد بن ابراهيم، حدثنا أبى: عن ابن إسحاق، حدثنى داؤد بن الحصين، عن عكرمة مولى ابن عباس، قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بن المطلب امرأته ثلاثًا فى مجلس واحد، فحزن عليها حزنًا شديدًا قال: فسأله رسول اللّٰه ﷺ : "كيف طلقتها؟" قال: فقال: طلقتها ثلاثًا، قال: "فى مجلس واحد"؟ قال: نعم قال: فإنها تلك واحدة فأرجعها إن شئت" قال: فراجعها، وكان ابن عباس يقول: إنما الطلاق عند كل طهر.

قلت وهذا الحديث قال فيه ابن اسحاق حدثنى داؤد، وداؤد من شيوخ مالك ورجال البخارى، و ابن اسحاق إذا قال. حدثنى، فهو ثقة عند أهل الحديث، وهذا إسناد جيد، وله شاهد من وجه آخر رواه أبوداؤد فى السنن، ولم يذكر أبوداؤد هذا الطريق الجيد، فلذلك ظن أن تطليقة واحدة بائنًا أصح، وليس الأمر كما قاله، بل الإمام أحمد رجح هذه الرواية على تلك وهو كما قال أحمد. وقد بسطنا الكلام على ذلك فى موضع آخر.

وهذا المروى عن ابن عباس فى حديث ركانة من وجهين، وهو رواية عكرمة عن ابن عباس من وجهين عن عكرمة، وهو أثبت من رواية عبداللّٰه بن على بن يزيد بن ركانة، ونافع بن عجير: أنه طلقها البتة، و "أن النبى ﷺ استحلفه، فقال: "ما أردت إلا واحدة؟" فإن هؤلاء مجاهيل لا تعرف أحوالهم، وليسوا فقهاء، وقد ضعف حديثهم أحمد بن حنبل و أبوعبيد و ابن حزم وغيرهم. وقال أحمد بن حنبل: حديث ركانة فى البتة ليس بشىء. وقال أيضًا: حديث ركانة لا يثبت أنه طلق امرأته البتة لأن ابن اسحاق يرويه عن داؤد بن الحصين، عن عكرمة، عن ابن عباس "أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا" وأهل المدينة يسمون "ثلاثًا" البتة. فقد

استدل أحمد على بطلان حديث البتة بهذا الحديث الآخر الذى فيه أنه طلقها ثلاثًا، وبين أن أهل المدينة يسمون من طلق ثلاثًا طلق البتة، وهذا يدل على ثبوت الحديث عنده، وقد بينه غيره من الحفاظ. هذا الاسناد وهو قول ابن اسحاق: حدثني داؤد بن الحصين، عن عكرمة، عن ابن عباس: هو إسناد ثابت عن أحمد وغيره من العلماء.

وبهذا الإسناد روى: أن النبى ﷺ "رد ابنته زينب على زوجها بالنكاح الأول" وصحح ذلك أحمد وغيره من العلماء و ابن إسحاق إذا قال: حدثني. فحديثه صحيح عند أهل الحديث إنما يخاف عليه التدليس إذا عنعن، وقد روى أبوداؤد فى سننه هذا عن ابن عباس من وجه آخر، وكلاهما يوافق حديث طاؤس عنه، وأحمد كان يعارض حديث طاؤس بحديث فاطمة بنت قيس أن زوجهاطلّقها ثلاثًا، ونحوه.

وكان أحمد يرى جمع الثلاث جائزًا، ثم رجع أحمد عن ذلك، وقال: تدبرت القرآن فوجدت الطلاق الذى فيه هوالرجعى. أو كما قال. واستقر مذهبه على ذلك، وعليه جمهور أصحابه، وتبين من حديث فاطمة أنها كانت مطلقة ثلاثًا متفرقات، لا مجموعة، وقد ثبت عنده حديثان عن النبى ﷺ: أن من جمع ثلاثًا لم يلزمه إلا واحدة. وليس عن النبى ﷺ ما يخالف ذلك، بل القرآن يوافق ذلك، والنهى عنده يقتضى الفساد. فهذه النصوص والأصول الثابتة عنه تقتضى من مذهبه أنه لا يلزمه إلا واحدة، وعدوله عن القول بحديث ركانة وغيره كان أولاً لما عارض ذلك عنده من جواز جمع الثلاث، فكان ذلك يدل على النسخ، ثم إنه رجع عن المعارضة، وتبين له فساد هذا المعارض، وأن جمع الثلاث لا يجوز: فوجب على أصله العمل بالنصوص السالمةعن المعارض، وليس يعل حديث طاؤس بفتيا ابن عباس بخلافه، وهذا علمه فى إحدى الروايتين عنه، ولكن ظاهر

مذهبه الذى عليه أصحابه أن ذلك لا يقدح فى العمل بالحديث، لا سيما وقد بين ابن عباس عذر عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه. فى الإلزام بالثلاث و ابن عباس عذره هو العذر الذى ذكره عن عمر رضى الله تعالى عنه، وهو أن الناس لما تتابعوا فيما حرم الله تعالى عليهم استحقوا العقوبة على ذلك فعوقبوا بلزومه، بخلاف ما كانوا عليه قبل ذلك، فإنهم لم يكونوا مكثرين من فعل المحرم.

وهذا كما أنهم لما أكثروا شرب الخمر واستخفوا بحدها كان عمر يضرب فيها ثمانين، وينفى فيها، ويحلق الرأس، ولم يكن ذلك على عهدالنبى ﷺ وكما قاتل على بعض أهل القبلة ولم يكن ذلك على عهد النبى ﷺ والتفريق بين الزوجين هو مما كانوا يعاقبون به أحيانًا: إما مع بقاء النكاح، وإما بدون. فالنبى ﷺ فرق بين الثلاثة الذين خلفوا وبين نسائهم حتى تاب الله عليهم من غير طلاق، والمطلق ثلاثًا حرمت عليه امرأته حتى تنكح زوجًا غيره عقوبة له ليمتنع عن الطلاق.

وعمر بن الخطاب ومن وافقه كما لك و أحمد فى إحدى الروايتين حرموا المنكوحة فى العدة على الناكح أبدًا، لأنه استعجل ما أحله الله فعوقب بنقيض قصده، والحكمان لهما عند أكثر السلف أن يفرقا بينهما بلا عوض إذا رأيا الزوج ظالمًا معتديًا، لما فى ذلك من منعه من الظلم ودفع الضرر عن الزوجة ودل على ذلك الكتاب والسنة والآثار، وهو قول مالك وأحد القولين فى مذهب الشافعي وأحمد، والزام عمر بالثلاث لما أكثروا منه: إما أن يكون رآه عقوبة تستعمل وقت الحاجة، وإما يكون رآه شرعًا لازمًا، لاعتقاده أن الرخصة كانت لما كان المسلمون لا يوقعونه إلا قليلاً.

وهكذا كما اختلف كلام الناس فى نهيه عن المتعة: هل كان نهى اختيار، لأن أفراد الحج بسفرة والعمرة بسفرة كان أفضل من التمتع، أو كان قد نهى عن

الفسخ، لاعتقاده أنه كان مخصوصًا بالصحابة؟ وعلى التقديرين فالصحابة قد نازعوه في ذلك، وخالفه كثير من أئمتهم من أهل الشورى وغيرهم: في المتعة وفي الإلزام بالثلاث. وإذا تنازعوا في شيء وجب رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول. كما أن عمر كان يرى أن المبتوتة لا نفقة لها ولا سكنى، ونازعه في ذلك كثير من الصحابة، وأكثر العلماء على قولهم. وكان هو و ابن مسعود يريان أن الجنب لا يتيمم، وخالفهما عمار و أبوموسى و ابن عباس وغيرهم من الصحابة، وأطبق العلماء على قول هؤلاء، لما كان معهم الكتاب والسنة. والكلام على هذا كثير مبسوط في موضع آخر. والمقصود هنا التنبيه على ما أخذالناس به.

والذين لا يرون الطلاق المحرم لازمًا يقولون: هذا هوالأصل الذى عليه أئمة الفقهاء: كمالك، والشافعي وأحمد، وغيرهم، وهو: أن إيقاعات العقود المحرمة لا تقع لازمة: كالبيع المحرم، والنكاح المحرم، والكتابة المحرمة، ولهذا أبطلوا نكاح الشغار، ونكاح المحلل، وأبطل مالك وأحمد البيع يوم الجمعة عند النداء، وهذا بخلاف الظهار المحرم، فإن ذلك نفسه محرم، كما يحرم القذف وشهادة الزور، واليمين الغموس، وسائر الأقوال التي هي في نفسها محرمة: فهذا لا يمكن أن ينقسم إلى صحيح وغير صحيح، بل صاحبها يستحق العقوبة بكل حال، فعوقب المظاهر بالكفارة، ولم يحصل ما قصده به من الطلاق، فإنهم كانوا يقصدون به الطلاق وهو موجب لفظه، فأبطل الشارع ذلك، لأنه قول محرم، وأوجب فيه الكفارة.

وأما الطلاق فجنسه مشروع: كالنكاح والبيع، فهو يحل تارة، ويحرم تارة فينقسم إلى صحيح وفاسد، كما ينقسم البيع والنكاح. والنهي في هذا الجنس يقتضي فساد المنهي عنه، ولما كان أهل الجاهلية يطلقون بالظهار فأبطل الشارع ذلك، لأنه قول محرم: كان مقتضى ذلك أن كل قول محرم لا يقع

به الطلاق، وإلا فهم كانوا يقصدون الطلاق بلفظ الظهار، كلفظ الحرام، وهذا قياس أصل الأئمة مالك، والشافعي وأحمد.

ولكن الذين خالفوا قياس أصولهم في الطلاق خالفوه لما بلغهم من الآثار. فلما ثبت عندهم عن ابن عمر أنه اعتد بتلك التطليقة التي طلق امرأته وهي حائض قالوا: هم أعلم بقصته، فاتبعوه في ذلك. ومن نازعهم يقول: ما زال ابن عمر وغيره يروون أحاديث ولا تأخذ العلماء بما فهموه منها، فإن الاعتبار بما رووه، لا بما رأوه وفهموه. وقد ترك جمهور العلماء قول ابن عمر الذي فسر به قوله: "فاقدروا له" وترك مالك و أبوحنيفة وغيرهما تفسيره لحديث "البيعين بالخيار" مع أن قوله هو ظاهر الحديث. وترك جمهور العلماء تفسيره لقوله تعالى: (فأتوا حرثكم أنى شئتم... الآية الكريمة من سورة البقرة:۲۲۳) وقوله نزلت هذه الآية في كذا. وكذلك إذا خالف الراوي ما رواه، كما ترك الأئمة الأربعة وغيرهم قول ابن عباس: أن بيع الأمة طلاقها، مع أنه روى حديث بريرة وأن النبي ﷺ خيرها بعد أن بيعت وعتقت، فإن الاعتبار بما رووه، لا ما رأوه وفهموه.

ولما ثبت عندهم عن أئمة الصحابة أنهم ألزموا بالثلاث المجموعة قالوا: لا يلزمون بذلك إلا وذلك مقتضى الشرع، واعتقد طائفة لزوم هذا الطلاق وأن ذلك إجماع، لكونهم لم يعلموا خلافًا ثابتًا، لا سيما وصار القول بذلك معروفًا عن الشيعة الذين لم ينفردوا عن أهل السنة بحق.

قال المستدلون: هؤلاء الذين هم بعض الشيعة وطائفة من أهل الكلام يقولون جامع الثلاث لا يقع به شيء هذا القول لا يعرف عن أحد من السلف، بل قد تقدم الإجماع على بعضه وإنما الكلام هل يلزمه واحدة؟ أو يقع ثلاث؟ والنزاع بين السلف في ذلك ثابت لا يمكن رفعه، وليس مع من جعل ذلك شرعًا لازماً للأمة حجة يجب اتباعها: من كتاب، ولا سنة، ولا إجماع، وإن كان بعضهم

قد احتج على هذا بالكتاب، وبعضهم بالسنة، وبعضهم بالإجماع، وقد احتج بعضهم بحجتين أو أكثر من ذلك، لكن المنازع يبين أن هذه كلها حجج ضعيفة. وأن الكتاب والسنة والاعتبار إنما تدل على نفى اللزوم، وتبين أنه لا إجماع فى المسألة، بل الآثار الثابتة عمن ألزم بالثلاث مجموعة عن الصحابة تدل على أنهم لم يكونوا يجعلون ذلك مما شرعه النبى ﷺ لامته شرعًا لازمًا، كما شرع تحريم المرأة بعد الطلقة الثالثة، بل كانوا مجتهدين فى العقوبةبإلزام ذلك إذا كثر ولم ينته الناس عنه..

وقد ذكرت أن الألفاظ المنقولة عن الصحابة تدل على أنهم ألزموا بالثلاث لمن عصى الله تعالى بإيقاعها جملة، فأما من كان يتقى الله فإن الله يقول: (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا. ويرزقه من حيث لا يحتسب... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢-٣) فمن لا يعلم التحريم حتى أوقعها، ثم لما علم التحريم تاب والتزم أن لا يعود إلى المحرم فهذا لا يستحق أن يعاقب، وليس فى الأدلة الشرعية: الكتاب، والسنة، والاجماع، والقياس، ما يوجب لزوم الثلاث له، ونكاحه ثابت بيقين، وامرأته محرمة على الغير بيقين، وفى التزامه بالثلاث إباحتها للغير مع تحريمها عليه وذريعة إلى نكاح التحليل الذى حرمه الله ورسوله.

و "نكاح التحليل" لم يكن ظاهرًا على عهد النبى ﷺ وخلفائه، ولم ينقل قط أنّ امرأة أعيدت بعد الطلقة الثالثة على عهدهم إلى زوجها بنكاح تحليل، بل: "لعن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم المحلل والمحلل له": و "لعن آكل الربا، وموكله، وشاهديه وكاتبه" ولم يذكر فى التحليل الشهود ولا الزوجة ولا الولى، لأن التحليل الذى كان يفعل كان مكتومًا بقصد المحلل، أو يتواطأ عليه هو والمطلق المحلل له. والمرأة ووليها لا يعلمون قصده ولو علموا لم يرضوا أن

يزوجوه، فإنه من أعظم المستقبحات والمنكرات عندالناس، ولأن عاداتهم لم تكن بكتابة الصداق في كتاب، ولا إشهاد عليه، بل كانوا يتزوجون ويعلنون النكاح، ولا يلتزمون أن يشهدوا عليه شاهدين وقت العقد، كما هو مذهب مٰلك وأحمد في إحدى الروايتين عنه وليس عن النبي ﷺ في الإشهاد على النكاح حديث صحيح. هكذا قال أحمد بن حنبل وغيره.

فلما لم يكن على عهد عمر رضي الله تعالى عنه تحليل ظاهر، ورأى في إنفاذ الثلاث زجرًا لهم عن المحرم: فعل ذلك باجتهاده ـ أما إذا كان الفاعل لا يستحق العقوبة، وإنفاذ الثلاث يفضي إلى وقوع التحليل المحرم بالنص وإجماع الصحابة، والاعتقاد وغير ذلك من المفاسد، لم يجز أن يزال مفسدة حقيقية بمفاسد أغلظ منها، بل جعل الثلاث واحدة في مثل هذا الحال كما كان على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر اولى، ولهذا كان طائفة من العلماء مثل أبي البركات يفتون بلزوم الثلاث في حال دون حال، كما نقل عن الصحابة. وهذا: إما لكونهم راوه من "باب التعزير" الذي يجوز فعله بحسب الحاجة، كالزيادة على أربعين في الخمر والنفي فيه، وحلق الرأس. وإما لاختلاف اجتهادهم: فرأوه تارة لازمًا وتارة غير لازم.

وبالجملة فما شرعه النبي ﷺ لأمته "شرعًا لازمًا" إنما لا يمكن تغييره لأنه لا يمكن نسخ بعد رسول الله ﷺ ولا يجوز أن يظن بأحد من علماء المسلمين أن يقصد هذا، لا سيما الصحابة، لا سيما الخلفاء الراشدون، وإنما يظن ذلك في الصحابة أهل الجهل والضلال: كالرافضة والخوارج الذين يكفرون بعض الخلفاء أو يفسقونه، ولو قدر أن أحدًا فعل ذالك لم يقره المسلمون على ذلك. فإن هذا إقرار على أعظم المنكرات والأمة معصومة أن تجتمع على مثل ذلك، وقد نقل عن طائفة: كعيسى ابن أبان وغيره من أهل الكلام والرأي من

المعتزلة وأصحاب أبي حنيفة ومالك: أن الاجماع ينسخ به نصوص الكتاب والسنة.

وكنا نتأول كلام هؤلاء على أن مرادهم أن الاجماع يدل على نص ناسخ، فوجدنا من ذكر عنهم أنهم يجعلون الاجماع نفسه ناسخًا، فإن كانوا أرادوا ذلك فهذا قول يجوز تبديل المسلمين دينهم بعد نبيهم، كما تقول النصارى من: أن المسيح سوغ لعلمائهم أ ن يحرموا ما رأوا تحريمه مصلحة، ويحلوا ما رأوا تحليله مصلحة، وليس هذا دين المسلمين ولا كان الصحابة يسوغون ذلك لأنفسهم. ومن اعتقد في الصحابة أنهم كانوا يستحلون ذلك فإنه يستتاب كما يستتاب أمثاله، ولكن يجوز أن يجتهد الحاكم والمفتي فيصيب فيكون له أجران، ويخطي فيكون له أجر واحد.

وما شرعه النبي ﷺ "شرعًا معلقًا بسبب" إنما يكون مشروعًا عند وجود السبب: كإعطاء المؤلفة قلوبهم، فإنه ثابت بالكتاب والسنة، وبعض الناس ظن أن هذا نسخ، لما روى عن عمر: أنه ذكر أن الله أغنى عن التألف، فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر، وهذا الظن غلط، ولكن عمر استغنى في زمنه عن إعطاء المؤلفة قلوبهم، فترك ذلك لعدم الحاجة إليه، لا لنسخه، كما لو فرض أنه عدم في بعض الأوقات ابن السبيل، والغارم ونحو ذلك.

و "متعة الحج" قد روى عن عمر أنه نهى عنها، وكان ابنه عبدالله بن عمر وغيره يقولون: لم يحرمها، وإنما قصد أن يأمر الناس بالأفضل، وهو أن يعتمر أحدهم من دويرة أهله في غير أشهر الحج، فإن هذه العمرة أفضل من عمرة المتمتع والقارن باتفاق الأئمة، حتى أن مذهب أبي حنيفة و أحمد منصوص عنه: أنه إذا اعتمر في غير أشهر الحج وأفرد الحج في أشهره: فهذا أفضل من مجرد التمتع والقرآن، مع قولهما بأنه أفضل من الإفراد المجرد ... ومن الناس من قال:

إن عمر أراد فسخ الحج إلى العمرة. قالوا: إن هذا محرم به لا يجوز، وأن ما أمره به النبي ﷺ أصحابه من الفسخ كان خاصًا بهم، وهذا قول كثير من الفقهاء: كأبي حنيفة، ومالك، والشافعي، وآخرون، من السلف والخلف قابلوا هذا، وقالوا بل الفسخ واجب، ولا يجوز أن يحج أحد إلا متمتعًا: مبتدئًا، أو فاسخًا، كما أمر النبي ﷺ أصحابه في حجة الوداع، وهذا قول ابن عباس وأصحابه ومن اتبعه من أهل الظاهر والشيعة. و "القول الثالث": أن الفسخ جائز وهو أفضل. ويجوز أن لا يفسخ، وهو قول كثير من السلف والخلف: كأحمد بن حنبل وغيره من فقهاء الحديث، ولا يمكن للإنسان أن يحج حجة مجمعًا عليها إلا أن يحج متمتعًا ابتداء من غير فسخ.

فأما حج المفرد والقارن: ففيه نزاع معروف بين السلف والخلف كما تنازعوا في جواز الصوم في السفر، وجواز الإتمام في السفر، ولم يتنازعوا في جواز الصوم والقصر في الجملة.

وعمر لما نهى عن المتعة خالفه غيره من الصحابة كعمران بن حصين، وعلي بن أبي طالب، وعبدالله ابن عباس، وغيرهم، بخلاف نهيه عن متعة النساء، فإن عليًا وسائر الصحابة وافقوه على ذلك، وأنكرعلي على ابن عباس إباحة المتعة. قال: إنك امرؤ تائه، إن رسول الله ﷺ حرم متعة النساء، وحرم لحوم الحمر الأهلية عام خيبر، فأنكر علي بن أبي طالب على ابن عباس إباحة الحمر، وإباحة متعة النساء، لأن ابن عباس، كان يبيح هذا وهذا. فأنكر عليه علي ذلك. وذكر له: أن رسول الله حرّم المتعة، وحرم الحمر الاهلية": ويوم خيبر كان تحريم الحمر الأهلية... وأما تحريم المتعة، فإنه عام فتح مكة، كما ثبت ذلك في الصحيح ، وظن بعض الناس أنها حرمت، ثم أبيحت، ثم حرمت فظن بعضهم أن ذلك ثلاثًا. وليس الأمر كذلك.

فقول عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالی عنه:إن الناس قد استعجلوا فی أمر كانت لهم فيه أناة " فلو أنفذناه عليهم فأنفذه عليهم: هو بيان أن الناس احدثوا ما استحقوا عنده أن ينفذ علهم الثلاث. فهذا إما أن يكون كالنهی عن متعة الفسخ، لكون ذلك كان مخصوصًا بالصحابة وهو باطل، فإن هذا كان علی عهد أبی بكر رضی اللّٰه تعالی عنه ولأنه لم يذكر مايوجب اختصاص الصحابة بذلك، وبهذا أيضًا تبطل دعوی من ظن ذلك منسوخًا كنسخ متعة النساء، وإن قدر أن عمر رأی ذلك لازمًا فهو اجتهاد منه اجتهده فی المنع من فسخ الحج لظنه أن ذلك كان خاصًا.

وهذا قول مرجوح قد أنكره غير واحد من الصحابة، والحجة الثابتة هی مع من أنكره. وهكذا الإلزام بالثلاث. من جعل قول عمر فيه شرعًا لازمًا قيل له: فهذا اجتهاده قد نازعه فيه غيره من الصحابة، وإذا تنازعوا فی شیء وجب رد ما تنازعوا فيه إلی اللّٰه والرسول، والحجة مع من أنكر هذا القول المرجوح.

وإما أن يكون عمر جعل هذا عقوبة تفعل عندالحاجة، وهذا أشبه الأمرين بعمر، ثم العقوبة بذلك يدخلها الاجتهاد من "وجهين" من جهة أن العقوبة بذلك: هل تشرع؟ أم لا؟ فقد يری الإمام أن يعاقب بنوع لا يری العقوبة به غيره، كتحريق علی الزنادقة بالنار، وقد أنكره عليه ابن عباس، وجمهور الفقهاء مع ابن عباس. ومن جهة أن العقوبة إنما تكون لمن يستحقها فمن كان من "المتقين" استحق أن يجعل اللّٰه له فرجًا ومخرجًا، لم يستحق العقوبة، ومن لم يعلم أن جمع الثلاث محرم، فلما علم أن ذلك محرم تاب من ذلك اليوم أن لا يطلق إلا طلاقًا سنيًا فإنه من "المتقين". فمثل هذا لا يتوجه إلزامه بالثلاث مجموعة بل يلزم بواحدة منها وهذه المسائل عظيمة وقد بسطنا الكلام عليها فی موضع آخر من مجلدين وإنما نبهنا عليها هنا تنبيهًا لطيفًا.

والذى يحمل عليه أقوال الصحابة أحد أمرين: إما أنهم رأوا ذلك من باب التعزير الذى يجوز فعله بحسب العادة: كالزيادة على أربعين فى الخمر. وإما لاختلاف اجتهادهم فرأوه لازمًا، وتارة غير لازم، وإما القول بكون لزوم الثلاث شرعًا لازمًا، كسائر الشرائع: فهذا لا يقوم فيه دليل شرعى. وعلى هذا القول الراجح لهذا الموقع أن يلتزم طلقة واحدة ويراجع امرأته، ولا يلزمه شيء لكونها كانت حائضًا، إذا كان ممن اتقى وتاب من البدعة.

الخلاصة

اتفق الفقهاء على أن طلاق السنة بالنسبة لعدد الطلاق، أن يطلق الرجل زوجته طلقة واحدة مدخولاً بها أم غير مدخول بها، ثم له أن يمسك المدخول بها فيراجعها ما دامت فى العدة وله أن يتركها، فلا يراجعها حتى تنقضى عدتها فتبين منه وهذا هوالتسريح لها بإحسان، واتفقوا أيضًا على أنه إذا عاد إلى مطلقته برجعة أو عقد ثم طلقها طلقة واحدة فطلاقه طلاق سنة، ولو فعل مثل هذا مرة ثالثة كان طلاقه طلاق سنة باتفاق.

واختلفوا فيما لو طلق امرأته ثلاثًا بأن قال لها: أنت طالق ثلاثًا مثلاً هل هو طلاق بدعة أو لا؟ واختلفوا أيضًا فيما لو طلق المدخول بها طلقة ثم أتبعها أخرى فى نفس الطهر أو الطهر الثانى أو الثالث قبل أن يراجعها، هل هو طلاق بدعة أولا؟

ومحل البحث ما لو قال لها فى لفظ واحد: أنت طالق ثلاثًا مثلاً، هل هو بدعة ممنوعة أو لا؟ وهل يعتد به أولا؟ فهاتان مسألتان فى كل منهما خلاف بين العلماء، وفيما يلى خلاصة القول فيهما:

المسألة الاولى :

فى حكم الإقدام على جمع الثلاث بكلمة واحدة "وفيه قولان".

١- القول الأول : أنه بدعة ممنوعة، وهو قول الحنفية والمالكية وإحدى الروايتين عن أحمد وقول ابن تيمية و ابن القيم، وقد استدلوا لذلك بأدلة من الكتاب والسنة والإجماع والمعنى والقياس.

اما القرآن :

فمنه قوله تعالى: (فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إلى قوله: فإذا بلغن اجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) قيل المراد الأمر بتفريق الطلقات الثلاث على أطهار العدة الثلاثة، والأمر بالتفريق نهى عن الجمع نهى تحريم أو نهى كراهة، فكان جمع الثلاث فى طهر واحد بدعة ممنوعة (ص من البحث).

وذكر ابن تيمية أن الله لم يبح فى هذه الآية إلا الطلاق الرجعى لقوله تعالى: (لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) والأمر هو الندم على الطلاق، والرغبة فى الرجعة، ولقوله تعالى: (فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) فخير سبحانه بين الرجعة قبل انقضاء العدة دون مضارة للزوجة وبين تركها حتى تنقضى عدتها فتبين منه، وأنه سبحانه لم يبح فيها إلا الطلاق للعدة، فإرداف الطلاق للطلاق في العدة ولو فى طهر آخر ممنوع لقوله تعالى (فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إذا المعنى الأمر بطلاقهن مستقبلات عدتهن، ومن طلق زوجته الطلقة الثانية فى طهرها الثانى، والثالثة فى طهرها الثالث بنت مطلقته على ما مضى من عدتها ولم تستأنف العدة للثانى ولا للثالث، فلم يكن طلاقًا للعدة، فكان غير مشروع (ص من البحث).

ومنه قوله تعالى: (الطلاق مرتان ... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) ووجه الاستدلال أن هذه الجملة خبرية لفظًا طلبية معنى، لئلا يلزم الخلف في خبره تعالى، ولهذا نظائر في الكتاب والسنة ولغة العرب، فالمعنى إذا عزمتم الطلاق فطلقوا مرة بعد مرة، إذ لا يقال لمن دفع درهمين لإنسان دفعة أنه أعطاه مرتين إلى غير هذا من النظائر، والأمر بالتفريق نهي عن الجمع فكان ممنوعًا (ص من البحث).

فإن قيل: إذا كان كل الطلاق في دفعتين كان الواقع منه في دفعة طلقتين، وفي الأخرى طلقة، فكان الجمع بين طلقتين مشروعًا، وإذًا يكون الجمع بين الثلاث مشروعًا، إذ لا فرق.

فالجواب أن الآية أمرت بتفريق الطلقتين من الثلاث لا بتفريق الثلاث بدليل ما ذكر بعد من مشروعية الرجعة (ص من البحث). وفي معناه ما قيل: من أن المراد أوقعوا الطلاق الرجعي المذكور في قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۸) مرة بعد مرة، ومن طلق ثلاثًا أو طلقتين دفعة لم يفعل ما أمر به فكان مبتدعًا في طلاقه، كما أن من قال: سبحان الله ثلاثًا وثلاثين والحمدلله ثلاثًا وثلاثين والله أكبر ثلاثًا وثلاثين عقب المكتوبات مكتفيًا بذكر اسم العدد عن تكرار كل من التسبيح والتحميد والتكبير ثلاثًا وثلاثين مرة لم يكن آتيًا بما أمر به كما أمر، فكان مبتدعًا.

وقيل في وجه الاستدلال بالآية: إن المراد الإخبار عن صفة الطلاق الشرعي، والألف واللام في الطلاق للحصر فيقتضي ذلك المنع من الطلاق على غير هذه الصفة، لكونه بدعة مخالفة للشرع.

فإن قيل: المراد الإخبار عن أن الطلاق الرجعي طلقتان، وما زاد فليس برجعي، يدل عليه قوله بعد ذلك (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية

الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) أجيب بأنه لو كان المراد ما ذكرتم لقال: الطلاق طلقتان، سواء أوقعهما الزوج مجتمعتين أم مفترقتين، فلما قال: مرتان اقتضى إيقاعه مفترقًا، وثبت أن المراد الإخبار عن صيغة إيقاعه.

فإن قيل: لفظ التكرار إذا علق باسم أريد به تضعيف العدد دفعة دون تكرار الفعل كما في قوله تعالى: (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) ونحوها، فإن المراد تضعيف العدد لا تفريق الأجر. أجيب بأن المراد نؤتها أجرها مرة بعد مرة كما روى عن بعض السلف، وعلى تقدير أن المراد في الآية تضعيف العدد دفعة يقال: إن الأصل فيما ذكر تكرار الفعل، إلا إذا دل دليل على إرادة تضعيف العدد فيعدل إليه استثناء، كما في آية (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) وما عداه يبقى على الأصل، على أنه لو أريد بقوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) تضعيف العدد دفعة، لمنع الزوج من إيقاع طلقة مفردة، وهذا باطل بإجماع (ص من البحث)

وأجيب أيضًا بأن الفرق معلوم بين ما يكون مرتين في الزمان، فلا يتصور فيه الجمع كآية الطلاق، وبين ما يكون مثلين وجزأين ومرتين في المضاعفة فيتصور فيه الجمع كما في آية (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) وآية (سنعذبهم مرتين... الآية الكريمة من سورة التوبة: ١٠١) ونحوهما.

ومنه قوله تعالى: (وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٢)، وهذا إنما يكون فيما دون الثلاث، وهو يعم كل طلاق، لوقوعه في حيز الشرط، فعلم أن جمع الثلاث غير مشروع (ص من البحث).

ومن السنة حديث "تزوجوا ولا تطلقوا" الخ. قيل نهى عن الطلاق لأمر ملازم له لا لعينه، لأنه بقي معتبرًا شرعًا في حق الحكم بعد النهي، والمراد والله أعلم الجمع بين طلقتين أو أكثر في طهر والطلاق في الحيض، ولكن هذا الحديث ضعيف فلا يشتغل بمناقشته (ص من البحث، ذكره السيوطي في الجامع الصغير وضعفه)

ومنها ما روى مخرمة بن بكير عن أبيه: قال سمعت محمود بن لبيد قال أخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعًا، فقال: "فعلته لاعبًا" ثم قال: "تلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم" حتى قام رجل، فقال يا رسول الله ألا أقتله؟ واسناده على شرط مسلم، ودلالة متنه على المنع ظاهرة. واعترض عليه أولاً: بأن مخرمة لم يسمع من أبيه وإنما هو كتاب، وعورض ذلك بقول من قال سمع من أبيه، ومعه زيادة علم وإثبات فيقدم، وعلى تقدير أنه لم يسمع من أبيه، وإنما رواه من كتابه وكان كتاب أبيه عنده محفوظًا مضبوطًا، فقد انعقد الإجماع على قبول الكتاب والعمل به إذا صح عند رواية أنه من كتاب شيخه، بل الرواية من الكتاب المصون أوثق، فإن الحفظ يخون والنسخة الثابتة المحفوظة لا تخون، وقد أطال ابن القيم الكلام على توثيق مخرمة واعتبار الرواية من الكتاب وصحة الاحتجاج بها (ص ـ من البحث)

واعترض ثانيًا بأن محمود بن لبيد وإن كان صحابيًا إلا أنه لم يثبت له سماع من النبي ﷺ فروايته عنه مرسلة، وأجيب بأن مرسل الصحابي مقبول، فصح الاحتجاج بالحديث.

ومنها حديث عبادة بن الصامت: أن قومًا جاء وا إلى النبي ﷺ فقالوا: إن أبانا طلق امرأته ألفًا فقال: "بانت إمرأته بثلاث في معصية لله وبقي تسعمائة وسبعة وتسعون وزرًا في عنقه إلى يوم القيامة" وأجيب بأن في سنده رجالاً

مجهولين وضعفاء، فلا يصلح للاحتجاج به (ص من البحث)

ومنها حديث على قال: سمع النبى ﷺ رجلاً طلق البتة فغضب، وقال "اتتخذون آيات الله هزوًا أو دين الله هزوًا أو لعبًا، من طلق البتة الزمناه ثلاثًا لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره" فدل غضبه على المنع من جمع الثلاث بلفظ صريح أو كناية، وأجاب الدارقطنى بأن فى سنده اسماعيل بن أمية القرشى، وهو ضعيف، وقال ابن القيم فى سنده مجاهيل وضعفاء، فلا يصح الاحتجاج به.

ومنها أن ابن عمر لما طلق امرأته فى الحيض وأمره النبى ﷺ بمراجعتها قال: أرأيت لو طلقتها ثلاثًا أكانت تحل لى، قال: "لا، بانت منك، وهى معصية" وأجيب بأن فى سنده شعيب ابن رزيق وقد تكلموا فيه، وتفرد فى هذا الحديث عن الثقات بزيادة قوله: أرأيت لو طلقتها ثلاثًا. الخ... فلم يأت أحد منهم فى روايته لهذا الحديث بما أتى به، ولذا لم يرو حديثه هذا أحد من أصحاب الصحاح ولاالسنن (ص ـ من البحث)

وأما الاجماع فقد أنذر عمر من يأتيه وقد طلق امرأته ثلاث تطليقات مجموعة بأن يوجعه ضربًا، وحكم كثير من الصحابة بأن من يطلق ثلاثًا مجموعة أو أكثر فقد عصى ربه واستنكروا ذلك من فاعله وجعلوه متعديًا لحدودالله، وانتشر ذلك عنهم دون نكير، فكان إجماعًا على المنع من جمع ثلاث طلقات فأكثر دفعة.

وأمــا المعنى فمن وجهين: الأول أن النكاح عقد مصلحة، والطلاق إبطال له، فكان مفسدة، والله لا يحب الفساد.

الثانى: أن النكاح عقد مسنون بل واجب، وفى الطلاق قطع للسنة أو تفويت للواجب، فكان الأصل فيه الحظر أو الكراهة، إلا أنه رخص فيه للدواعى الطارئة كتوقع مفسدة من استمرار النكاح أشد من مفسدة الطلاق. فيرتكب

أخف المفسدتين تفاديًا لأشدهما (ص ـ من البحث) لكن يقتصر من ذلك على طلقة واحدة، إذ بها تندفع المفسدة، وما زاد عليها فيبقى على الأصل، وهو المنع ويشهد لكون الأصل فى الطلاق الحظر حديث: "أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة".

رواه أحمد وأبوداؤد والترمذى وحسنه. وأما القياس فلأن التطليق ثلاثًا دفعة فيه تحريم البضع من غير حاجة فأشبه الظهار، فكان ممنوعًا، ولأن فيه ضررًا وإضرارًا بنفسه وبامرأته، فأشبه الطلاق فى الحيض فكان ممنوعًا.

القول الثانى : أن جمع الطلاق الثلاث فى كلمة ليس بمحرم ولا بدعة، وبه قال الشافعى وأبو ثور وأحمد فى أحدى الروايتين عنه، وجماعة من أهل الظاهر، واستدلوا لذلك بالكتاب والسنة والآثار والمعنى.

أما الكتاب فقوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره...الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠). وقوله تعالى: (إذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٤٩) وقوله تعالى: (وللمطلقات متاع بالمعروف... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١) فهذه تعم إباحة الثلاث والاثنتين فإنه تعالى لم يخص مطلقة طلقة واحدة من مطلقة ثلاثًا، فليس لأحد أن يخصها إلا بدليل. ويمكن أن يقال: إن المقصود فى الجمل الشرطية الحكم بما تضمنه الجواب على تقدير تحقق فعل الشرط، بقطع النظر عن كون فعل الشرط مطلوب الحصول أو مباحًا أو ممنوعًا، وعلى هذا يكون القصد من آية (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) الحكم بتحريم الزوجة على زوجها الذى طلقها المرة الثالثة حتى تنكح زوجًا غيره، وقد يكون طلاقها المرة الثالثة مأذونًا فيه كما لو طلقها فى طهر

لم يمسها فيه طلقة، وقد يكون محرمًا كما لو طلقها المرة الثالثة في حيض مثلاً، ويكون القصد من آية (إذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۴۱) عدم وجوب العدة على تقدير حصول الطلاق قبل الدخول، أما كون طلاقها مباحًا أو محرمًا فيفهم من أمر آخر، وأما آية (وللمطلقات متاع بالمعروف حقًا على المتقين... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۴۱) فالقصد منها إثبات المتعة للمطلقة، وجوبًا أو ندبًا، لا بيان حكم الطلاق، فقد يكون محرمًا وتثبت لها المتعة وقد يكون مباحًا كما تقدم.

وبهذا يتبين أن الآيات الثلاث ليست أدلة في محل النزاع.

وأما السنة فمنها حديث فاطمة بنت قيس، وفيه أن زوجها طلقها ثلاثًا أو طلقها البتة وهو غائب وبعث إليها وكيلة بشعير نفقة لها، فسخطته، فقال: والله ما لك علينا من شيء، فذكرت ذلك للنبي ﷺ فقال "ليس لك عليه نفقة". فلم يعب ﷺ الثلاث مع الإجمال فيما بلغه من خبر الطلاق ولم يستفسر عن كيفيته، ولفظ البتة هنا مراد به الثلاث، وإلا لم تسقط نفقتها ولا سكناها. وأجيب برواية الزهري هذا الخبر عن أبي سلمة وفيه ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات وبرواية الزهري أيضًا عن عبيدالله بن عبدالله بن مسعود أن زوجها أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها، فذكر الخبر وفيه. أن مروان أرسل إليها قبيصة بن ذؤيب فحدثته وذكر باقي الخبر، فكان هذا تفسيرًا لما في الثلاث أوالبتة من الإجمال، وأن ذلك لم يكن مجموعًا، وأعل ابن حزم الرواية الثانية بالانقطاع، لعدم التصريح بالتحديث أو السماع، ويمكن أن يقال: إن ظاهرها الإتصال، لأنها في حكم الرواية بها لمتعته ونحوها، فصلحت تفسيرًا للإجمال، وقال ابن حزم أيضًا: إن كلا الخبرين ليس فيهما أن النبي ﷺ اخبر بذلك،

ریمکن أن یقال: إن الأصل بیان السائل الثقة الورع لواقع أمره، وخاصة الصحابة مع النبی ﷺ وذلك لتطمئن النفس إلى موافقة الجواب للواقع، وعلى تقدیر الاحتمال فی حدیث فاطمة، فحمله على ما كان شائعًا كثیرًا، وهو إفراد الطلاق أولى من حمله على النادر وهو جمع الثلاث فی كلمة، ومنها حدیث تلا عن عویمر وامرأته، وفیه أنه طلقها ثلاثًا بعد اللعان قبل أن یأمره النبی ﷺ فلو كان جمع الثلاث ممنوعًا لبین له النبی ﷺ أنه عاص بجمع الثلاث، وعلمه الطلاق المشروع.

وأجیب بأنه لما لم یصادف طلاقه محلاً لم ینكر علیه، فإنها صارت أجنبیة منه لا تحل له أبدًا بتمام اللعان لا بالطلاق الثلاث وإلا لحلت له بعد أن تنكح زوجًا آخر، وقد أید ذلك فیما سبق فی حدیث محمود بن لبید من إنكاره ﷺ على من طلق امرأته ثلاث تطلیقات جمیعًا وبهذا یجمع بین خبری الإنكار والسكوت بحمل احدهما على طلاق صادف محلاً والآخر على ما إذا لم یصادف محلاً، وأما قول سهل: فأنفذه رسول الله ﷺ وقوله: فمضت السنة بعد فی المتلاعنین أن یفرق بینهما. فسیأتی الكلام علیه فی موضعه من المسألة الثانیة.

ومنها حدیث المرأة التی طلقها زوجها ثلاثًا، والأخرى التی بت زوجها طلاقها وقد تزوجت كلا منهما بعد ذلك ثم طلقت قبل أن یجامعها، وأرادت أن ترجع إلى زوجها الأول فقال النبی ﷺ "لا. حتى تذوقی عسیلته ویذوق عسیلتك" فدل عدم نقل الإنكار من النبی ﷺ طلاق الرجل امرأته ثلاثًا أو بت طلاقها على جواز الجمع بین الثلاث، إذ لو كان ممنوعًا لأنكره، ولو أنكره لنقل. أجیب أن اللفظ محتمل أن تكون الثلاث مجتمعة وأن تكون مفرقة، ولفظ البتة یعبر به عن الثلاث، وقد ثبت أن كلا منهما قد طلقها زوجها آخر ثلاث تطلیقات، فلیس فی ذلك دلیل لجواز جمع الثلاث.

وأما الآثار: فمنها ما روى أن عمر رضى الله عنه استفتى فيمن طلق امرأته البتة، فاستحلفه عما أراد فحلف أنه أراد واحدة فردها إليه، ولم يقل له لو أردت ثلاثًا لعصيت ربك. وأجيب بأن عمر أنكر عليه بقوله: ما حملك على هذا، وبتلاوة قوله تعالى: (ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به لكان خيرًا لهم وأشد تثبيتًا... الآية الكريمة من سورة النساء: ٦٦) ورد الجواب بأنه أنكر عليه عدوله فى الطلاق عن اللفظ الصريح إلى لفظ مشكل محتمل وهو البتة.

ومنها أن عثمان لم ينكر على عبدالرحمن بن عوف طلاقه امرأته ثلاثًا.

ومنها أن أبا هريرة و ابن عباس و عبدالله بن عمر، وعائشة و عبدالله بن الزبير لم ينكروا على من استفتى فى طلاق الثلاث ولم يعيبوا عليه ذلك ولم يقل أحد منهم لمن استفتاه فى ذلك بئس ما صنعت، وما روى من إنكار ابن عباس وغيره من الصحابة على من طلق امرأته مائة أو ألفًا فإنما إنكاره لما زاد عما جعل إليه من الثلاث، وروى ما يوافق ذلك عن شريح والشعبى وغيرهما من التابعين (ص ـ من البحث) وقد يقال: يرد هذا ما روى عن عمر و ابن عمر و ابن عباس و عمران بن حصين أنهم أثموا من طلق ثلاثًا، وقالوا: إنه عصى ربه، وتوعدوا من يطلق ثلاثًا فى مجلس واحد بالأذى كما روى عنهم ذلك فيمن تجاوز الثلاث فى طلاقه، وإذًا فليس الإنكار خاصًا بما زاد على الثلاث (ص ـ من البحث)

وأما المعنى فإن الشرع قد جعل الطلاق إلى الزوج يمضى منه ما شاء ويبقى ما شاء، دون أن يكون عليه فى ذلك حرج، كما أنه لا يحرم عليه أن يعتق ما شاء من عبيده ويتصدق بما شاء من ماله، ويبقى من ذلك ما شاء بل له أن يأتى على ذلك كله، وأجيب بأن الأصل فيما ذكر أنه من القربات، فله أن يفعل من ذلك ما شاء ويؤجر عليه ما لم يضر بنفسه، بخلاف الطلاق فإن الأصل فيه الحظر لما تقدم، ولأنه أبغض الحلال إلى الله وقد شرع على صفة معينة، فينبغى التزامها فى إيقاعه.

المسألة الثانية: فيما يترتب على إيقاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد وفيه مذاهب

المذهب الأول:

أنه يقع ثلاثًا، وهو مذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم. وقد استدلوا لذلك بأدلة من الكتاب والسنة والآثار والإجماع والقياس.

أما الكتاب:

فمنه قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) فإنه يدل على أنه إذا قال الزوج لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، في طهر لزمه اثنتان، وإذًا فيلزمه اثنتان إذا أوقعهما معًا في كلمة واحدة (ص - من البحث) لأنه لم يفرق بين ذلك أحد، وأيضًا حكم الله بتحريمها عليه بعدالثالثة في قوله: (فإن طلقها .... الآية) ولم يفرق أحد بين إيقاعها في طهر أو أطهار، فوجب الحكم بإلزامه بالجميع على أى وجه أوقعه، مباح أو محظور، واعترض بأن المراد بالآية الطلاق المأذون فيه، وإيقاع الثلاث معًا غير مأذون فيه، فكيف يستدل بها في الإلزام بطلاق وقع على غير الوجه المباح وهى لم تتضمنه؟

وأجيب بأنها دلت على الأمر بتفريق الطلاق، ولا مانع من دلالتها على الإلزام به من جهة أخرى إذا وقع على غير الوجه المأمور به.

واعترض أيضًا بأن قوله تعالى: (فطلقوهن لعدتهن) بين المراد من آية الاستدلال، وأن الطلاق إنما يكون للعدة، فمتى خالف ذلك لم يقع طلاقه.

وأجيب بأنا نثبت حكم كل من الآيتين فنثبت بآية (فطلقوهن لعدتهن) أن الطلاق المسنون ما كان للعدة، ونثبت بآية (الطلاق مرتان) أن من طلق لغير العدة

أو جمع بين الثلاث لزمه ما فعل، وبذلك نكون قد أخذنا بحكم كل من الآيتين؛ على أن آخر آية الطلاق للعدة وهو قوله تعالى: (وتلك حدود الله...الآية) يدل على وقوع الطلاق لغير العدة، فإنه لو لم يلزمه لم يكن ظالمًا لنفسه بإيقاعه ولا بطلاقه، كما أن قوله تعالى: (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) يدل على ذلك، وسيأتي لهذا زيادة بيان في الدليل الثاني إن شاء الله.

واعترض أيضًا بأن الزوج لو وكل من يطلق طلاقًا مفرقًا على الأطهار فجمع الثلاث في طهر لم يقع لكونه غير مأمور به فكذا الزوج. وأجيب بالفرق بينهما، فإن الزوج يملك الطلاق الثلاث، وإيقاعه على غير الوجه المشروع لا يمنع من الزامه به كالظهار والردة، أما الوكيل فلا يملك من الطلاق إلا ما ملكه موكله ولا يملك إيقاعه إلا على الوجه الذي وصفه له موكله، إذ هو معبر عن موكله وتلزمه حقوق ما يوقعه (ص ـ من البحث) وسيأتي لهذا مزيد بحث. واستدل أيضًا بعموم قوله تعالى في الآية: (أو تسريح بإحسان) على أنه يتناول إيقاع الثلاث دفعة، وأجيب عن وجوه الاستدلال بالآية:

أولاً : بأن تسريح المطلقة طلاقًا رجعيًا بإحسان تركها بلا مضارة لها حتى تنقضي عدتها، لا طلاقها مرة أخرى قبل رجعتها، وما روى مرفوعًا من تفسير التسريح بالإحسان بطلاقها الثالثة فمرسل.

ثانيًا : بأن من العلماء من فرق بين إيقاع الطلاق مفرقًا في طهر أو مجموعًا وبين إيقاعه مفرقًا في أطهار دون سبق رجعة، وإيقاعه مفرقًا في أطهار مع سبق كل برجعة، فدعوى عدم الفرق مخالفة للواقع.

ثالثًا : بأن الله جعل الطلاق إلى الزوج لكن على أن يوقعه مفرقًا مرة بعد مرة على صفة خاصة، ولم يشرع سبحانه إيقاع الطلاق ثلاثًا جملة حكمة في تشريعه ورحمة بعباده، فإيقاعه ثلاثًا مجموعة مخالف لأمر الله وشرعه، وأما قياس

الثلاث مجموعة على الظهار فيبطل قولكم ويثبت قول مخالفيكم، فإن الله لم يلزم المظاهر بما التزم من تحريم زوجته وجعلها كأمه أو أخته مثلاً بل لم تزل زوجته، وعاقبه بشيء آخر على جريمة الظهار هو الكفارة، فإذا أدى ما شرع من الكفارة حلت له مماستها، فمقتضى قياسكم أن لا يلزم بشيء من الثلاث ويعاقب بامر آخر على جريمة الجمع بين الثلاث، وكذا القول في قياسكم جمع الثلاث على الردة، وإذا ليست الآية دليلاً على إلزام الثلاث أو الثنتين إذا وقعها مجموعة، بل تدل على خلافه.

ومنه قوله تعالى: (ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱) ومن طلق ثلاثًا مجموعة فقد تعدى حدودالله، لإيقاعه الطلاق على غير الوجه المشروع، وظلم نفسه بتعجله فيما كانت له فيه أناة، وحرمانه من رجعة زوجته، إذ لو لم يلزم بالثلاث من طلق ثلاثًا مجموعة لم يكن ظالمًا لنفسه ولا محرومًا من زوجته، لتمكنه من رجعتها.

ويؤيده أن ابن عباس أفتى بإلزام الثلاث من طلق ثلاثًا. وعاب على من جمع الثلاث ورماه بالحماقة، واستشهد بالآية، وأجيب بمنع دلالة الآية على الإلزام بالثلاث، لأن ركانة لما طلق امرأته ثلاثًا أمره النبي ﷺ أن يراجعها، وتلا هذه الآية، ولو كانت دليلاً على إلزام الثلاث من طلق ثلاثًا مجموعة لما استدل بها ﷺ، وستأتي مناقشة حديث ركانة.

وكما روى عن ابن عباس الإلزام بالثلاث والاستشهاد بالآية روى عنه اعتبارها واحدة (ص ـ من البحث)

ويمكن أن يقال: بحمل تعدى حدودالله في الآية وظلم المطلق لنفسه على الطلاق لغير العدة وإخراج الزوج مطلقته طلاقًا رجعيًا من بيتها الذي كانت

تسكنه قبل الطلاق وخروجها منه أيام العدة، دون الطلاق الثلاث، وقد يساعد على هذا سابق الكلام ولا حقه، وفي هذا أيضًا جمع بين الأدلة.

ومنه قوله تعالى: (ولا تتخذوا آيات الله هزوًا... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١) ذكر عن الحسن أنها نزلت فيمن كان يطلق ويزوج ابنته ويعتق عبده، ويدعي أنه كان لاعبًا، فقال رسول الله ﷺ "ثلاث من قالهن لا عبًا جائزات: العتاق والطلاق والنكاح" وأجيب بأنه لا دليل في الآية ولا في الحديث على المطلوب، لأنه لم يذكر فيهما طلاق الثلاث أصلاً، وإنما فيهما النهي عن اللعب في الطلاق ونحوه على أن ما ذكر من مراسيل الحسن.

وأما السنة فأولا :

حديث تلاعن عويمر العجلاني وامرأته، فإن النبي ﷺ فرق بينهما بإنفاذ الطلاق الثلاث لا باللعان، يؤيد هذا قول سهل: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فأنفذها رسول الله ﷺ ... الخ. وبهذا يعلم أن طلاق عويمر اعتبر ثلاثًا، وبانت منه امرأته بذلك، ثم أكد ذلك بتأبيد تحريمها عليه في اللعان خاصة، وقد يقال: بأن إنفاذ الطلاق الثلاث دفعة على الملاعن خاص باللعان لما فيه من تأبيد التحريم بخلاف غيره، بدليل حديث محمود بن لبيد. ويجاب بأن حديث محمود بن لبيد وإن صح ليس فيه إنفاذ الثلاث ولا عدم إنفاذها، وحديث اللعان فيه إنفاذها فيقدم بل قيل إن حديث محمود بن لبيد دليل على اعتبار إيقاع الثلاث دفعة ثلاثًا، لأن الزوج طلق ثلاثًا يظنها لازمة له فلو كانت غير لازمة لبين له ﷺ لعدم جواز تأخير البيان عن وقت الحاجة (ص ـ من البحث).

وقد أجيب عن أصل الاستدلال بأن النبي ﷺ أنفذ تطليقات عويمر على الوجه الذي كان معروفًا في عهده من اعتبارها واحدة رجعية، ثم حرمها عليه تحريمًا أبديًا بدليل قوله في الحديث: فمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق

بينهما، فإن التفريق يتأتى مع بقاء النكاح بخلاف ما إذا اعتبرت تطليقات عويمر ثلاثًا فإنها تكون أجنبية منه بذلك محرمة عليه حتى تنكح زوجًا غيره (ص ـ من البحث)

وكذلك يقال فيما أمضاه على المطلق في حديث محمود بن لبيد، فإن حمله على ما كان معروفًا في عهده ﷺ أقرب من حمله على الثلاث بل هو المتعين.

ثانيًا :

حديث من طلقها زوجها ثلاثًا و أبى النبي ﷺ أن يبيحها لزوجها الأول حتى يطأها الثاني، قالوا: الظاهر أنه طلقها ثلاثًا مجموعة فأمضاها عليه النبي ﷺ وإلا لحلت للأول دون أن تذوق عسيلة الثاني، وأجيب بأنه ورد في بعض الروايات أن الأول طلقها آخر ثلاث تطليقات، وعلى تقدير تعدد القصة وأن هذه الرواية كانت في إحداهما فكل منهما ليس فيها ما يدل على أن التطليقات كانت مجموعة، لجواز أن تكون متفرقة، بل في الحديث ما يدل على تفرقها فإنه لا يقال طلق ثلاثًا إلا لمن فعل ذلك مرة بعد مرة كما يقال: سلم ثلاثًا، وسبح ثلاثًا، ومع هذا فقد كان المشهور في عهد النبي ﷺ إيقاع الطلاق متفرقًا، أما إيقاعه مجموعًا فقد كان قليلاً ومنكرًا، وحمل اللفظ على الكثير الحق أقرب من حمله على القليل المنكر (ص ـ من البحث)

ثالثًا :

حديث فاطمة بنت قيس، فإن زوجها طلقها ثلاثًا مجموعة، وقد تقدم الكلام فيه وفي مثله توجيهًا وإجابة ، إلا أنه ذكر هنا زيادة في رواية مجالد بن سعيد عن الشعبي أن زوجها طلقها ثلاثًا جميعًا، وأجيب عنها بأنها قد تفرد بها مجالد عن الشعبي وهو ضعيف، وعلى تقدير الصحة فكلمة جميع في الغالب لتأكيد العدد فالمعنى حصول الطلاق الذي يملكه جميعه لا اجتماعه كما في قوله تعالى: (ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعًا... الآية الكريمة من سورة

يونس: ٩٩) فالمراد حصول الإيمان من جميعهم لا حصوله منهم في وقت واحد (ص ۔ من البحث) وذكر بعضهم أن تعبير فاطمة بنت قيس عن كيفية طلاقها مختلف الصيغة ولم يفرق بينهاالصحابة في الحكم وإلا لا ستفسروا عما فيها من إجمال، وأجيب بأن الأجمال زال برواية طلقها آخر ثلاث تطليقات، ورواية أرسل إليها بطلقة كانت بقيت لها (ص ۔ من البحث)

رابعًا :

حديث ركانة فإنه طلق امرأته سهيمة البتة، واستفسره النبي ﷺ عما أراد، واستحلفه عليه فحلف ما أراد إلا واحدة، فردها عليه، فدل على أنه لو أراد أكثر لأمضاه عليه، إذ لو لم يفترق الحكم لما استفسره ولا استحلفه، وهذا الحديث وإن تكلم فيه من أجل الزبير ابن سعيد فقد صححه بعض العلماء، وحسنه بعضهم وذكر الحاكم له متابعًا من بيت ركانة.

وأجيب بأن الإمام أحمد ضعف حديث طلاق ركانة زوجته البتة من جميع طرقه، وضعفه البخاري وقال مضطرب فيه، تارة قيل فيه ثلاثًا، وتارة قيل فيه واحدة، وعلى ذلك تترك الروايتان المتعارضتان، ويرجع إلي غيرهما. هذا وقد روى حديث تطليق ركانة امرأته ثلاثًا وجعلها واحدة من طريقين إحداهما: عندالإمام أحمد من طريق سعد بن ابراهيم بسنده إلى ابن عباس مرفوعًا، والثانية: في سنن أبي داؤد من طريق ابن صالح بسنده إلى ابن عباس مرفوعًا فوجب المصير إلى ذلك، وأجيب عن الأولى بأنها لا تقوم بها الحجة لمخالفتها فتيا ابن عباس وستأتي مناقشة ذلك، وأجيب عن الثانية بأن في سندها مقالاً لأن ابن جريج روى هذا الحديث عن بعض بني أبي رافع، ولأبي رافع بنون ليس فيهم من يحتج به إلا عبيدالله، وسائرهم مجهولون وقد رجح أبوداؤد في سننه رواية نافع بن عجير في طلاق ركانة زوجته البتة على رواية بعض بني أبي رافع أن عبد يزيد طلق امرأته

ثلاثًا لذلك، ولفظ ابن جريج في تسمية المطلق عبد يزيد مع أن عبد يزيد لم يدرك الإسلام، ولأن أهل بيت ركانة أعلم بحاله.

وقد أجاب ابن القيم بما خلاصته: سقوط رواية كل من نافع بن عجير وبعض بني أبي رافع لجهالة كل منهما، أما أن يرجع أحدالمجهولين أو من هو أشد جهالة على الآخر فكلا، ويعدل إلى رواية الإمام أحمد من طريق سعد بن ابراهيم بسنده إلى ابن عباس لسلامته، فإن أحمد وغيره احتجوا به في مسائل النكاح والعرايا وغيرها، وقد ذكر فيه أن ركانة طلق امرأته سهيمة ثلاثًا فجعلها ﷺ واحدة (ص ـ من البحث) وستأتي لهذا زيادة بحث ان شاء اللّٰه.

خامسًا :

حديث ابن عمر في تطليق زوجته في الحيض وفي آخره "فقلت يا رسول اللّٰه أرايت لو طلقتها ثلاثًا أكان يحل لي أن أراجعها، قال: "لا، كانت تبين منك وتكون معصيةً". فإنه ظاهر في إمضاء الثلاث مجموعة، وأجيب أولاً: بأن في سنده شعيب بن زريق الشامي عن عطاء الخرساني وقد وثق الدارقطني شعيبًا، وذكره ابن حبان في الثقات وحكى عنه ابن حجر أنه قال: يعتبر بحديثه من غير روايته عن عطاء الخرساني، وقال الأزدي: فيه لين، وقال ابن حزم: ضعيف، أما عطاء الخرساني فقد ذكره البخاري في الضعفاء، وقال ابن حبان كان رديء الحفظ يخطيء ولا يعلم فبطل الاحتجاج به. ووثقه ابن سعد و ابن معين و أبوحاتم، ومع ذلك فقد انفرد شعيب عن الأئمة الأثبات بهذه الزيادة فإنه لم يعرف عن أحد منهم ذكرها.

سادسًا :

حديث عبادة بن الصامت في تطليق بعض آبائه امرأته ألفًا، فلما سأل بنوا النبي ﷺ قال: "بانت منه بثلاث على غير السنة وتسعمائة وسبعة وتسعون إثم

فی عنقه" وأجيب بأن فی سنده رواة مجهولين وضعفاء.

سابعًا :

بحديث : "من طلق للبدعة واحدة أو اثنتين أو ثلاثًا الزمناه بدعته" وأجيب بأن في سنده اسماعيل بن أمية الذراع، وقد قال فيه الدارقطني بعد روايته لهذا الحديث ضعيف متروك الحديث.

ثامنًا :

حديث على أن النبی ﷺ سمع رجلاً طلق امرأته البتة فانكر ذلك وقال: "من طلق البتة ألزمناه ثلاثًا لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره" وأجيب بأن فی سنده اسماعيل ابن أمية القرشي، قال فيه الدارقطني: كوفی ضعيف، وقال ابن القيم فی إسناد هذا الحديث مجاهيل وضعفاء (ص ـ من البحث).

وأما الإجماع : فقد نقل كثير من العلماء الإجماع على إمضاء الثلاث فی الطلاق الثلاث بكلمة واحدة منهم: الشافعی و أبوبكر الرازی و ابن العربی والباجی و ابن رجب وقالوا: إنه مقدم على خبر الواحد، قال الشافعي: الإجماع أكثر من الخبر المنفرد، وذلك أن الخبر مجوز الخطأ والوهم على راويه بخلاف الإجماع فإنه معصوم، وأجيب بأنه قد روی عن جماعة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم القول برد الثلاث المجموعة إلى الواحدة منهم: أبوبكر و عمر صدر من خلافته، وعلى و ابن مسعود و ابن عباس، والزبير، و عبدالرحمن بن عوف، وطاؤس، والحسن البصری، وسعيد بن جبير، و عطاء بن أبی رباح، و محمد بن اسحاق، و ابن تيمية المجد، وأصبغ بن الحباب، و محمد بن بقی، و محمد بن عبدالسلام الخشنی، وعطاء بن يسار و ابن زنباع، وخلاس بن عمرو، و أهل الظاهر، وخالفهم فی ذلك ابن حزم، وغاية الأمر أن يقال: أن بعض من نقل عنهم الإلزام بالثلاث إذا كانت مجموعة نقل عنهم أيضًا جعلها واحدة فيكون لهم

في المسألة قولان. والقصد أن الخلاف في الإلزام بها مجموعةً لم يزل قائمًا ثابتًا، وممن حكى الخلاف في ذلك عن السلف والخلف أبوالحسن علي بن عبدالله اللخمي، و أبوجعفر الطحاوي في تهذيب الآثار وغيرهم، وبهذا يتبين أنه ليس في المسألة إجماع (ص ـ من البحث).

وأما الأثار : المروية عن الصحابة وغيرهم في إمضاء الثلاث على من طلق زوجته ثلاثًا في مجلس واحد فكثيرة منها: ما روى عن عمر و عثمان و علي و ابن عباس و ابن مسعود و ابن عمر و عمران بن الحصين و أبي هريرة وغيرهم، فإن سلم اعتبارها في الاحتجاج لكونها أقوال صحابة ثبت المطلوب، وخاصة أن فيهم ثلاثة من الخلفاء: عمر الملهم وعثمان و علي وحبرالأمة ابن عباس رضي الله عنهم وإلا فالحجة في إجماعهم، فإن فتواهم اشتهرت عنهم، ولم يعرف عمن لم يفت بذلك إنكار لفتواهم به، فكان إجماعًا وقد تقدم.

وأجيب بان عمر رضي الله عنه أمضى عليهم الثلاث عقوبة لهم لما رآه من المصلحة في زمانه ليكفوا عما تتابعوا فيه من جمع الطلاق الثلاث، ويرجعوا إلى ما جعل الله لهم من الفسحة والأناة رحمة منه بهم، ولما علم الصحابة منه حسن سياسته لرعيته وافقوه على ذلك وأفتوا به رعاية لما رآه من المصلحة، ولذا صرحوا لمن استفتاهم في هذا الأمر بأنه عصى ربه ولم يتقه فلم يجعل له مخرجًا، ولم يجعل ذلك الإمضاء شرعًا لازمًا مستمرًا لأنه مما تتغير الفتوى به بتغير الزمان والأحوال بل جعل العقوبة به تقريرًا لمن خالف ما أمر به كالنفي، ومنعه ﷺ المخلفين الثلاثة من نسائهم مدة من الزمن، والضرب في الخمر، ونحو هذا مما يختلف التعزير فيه باختلاف الزمان والأحوال وكان هذا من الخليفة اجتهادًا (ص من البحث)

وأماالقياس : فهو أن النكاح ملك للزوج فتصح إزالته مجتمعًا كما صحت إزالته متفرقا وأن الله جعله بيده يزيل منه ما شاء ويبقى ما شاء، كالعتق

وعقد النكاح. وأجيب بأنه قياس مع الفارق فإن الطلاق جعل إليه ليوقعه متفرقًا على كيفية معينة، ومنعه من جمعه لما تقدم في المسألة الأولى فلا يصح قياس جمعه على تفريقه، ولا على العتق، ولا عقد النكاح على أكثر من واحدة وما أشبهها، مما شرع له إيقاعه مجتمعًا ومتفرقًا (ص ـ من البحث)

المذهب الثاني

أن الطلاق الثلاث دفعة واحدة يعتبر طلقة واحدة، دخل بها الزوج أم لا.

وهو قول أبي بكر و عمر، صدر من خلافته، وعلى و ابن مسعود و ابن عباس والزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف، وكثير من التابعين ومن بعدهم كطاؤس وخلاس بن عمرو و محمد بن اسحاق، وداؤد الظاهرى، وأكثر أصحابه، وهو اختيار ابن تيمية، و ابن القيم (ص ـ من البحث)، واستدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة و الآثار، والإجماع، والقياس.

أما الكتاب فأولاً قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٨) إلى قوله تعالى: (حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٩) وبيانه أن الألف واللام في قوله: (الطلاق مرتان.... ايضًا) للعهد والمعهود هو الطلاق المفهوم من قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٨) وهو رجعي لقوله تعالى: (وبعولتهن أحق بردهن في ذلك... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٨) فالمعنى الطلاق من الذى يكون للزوج فيه حق الرجعة مرتان، مرة بعد مرة، ولا فرق في اعتبار كل مرة منهما واحدة بين أن يقول في كل مرة... طلقتك واحدة أو ثلاثًا أو ألفًا. فكل مرة منهما طلقة رجعية لما سبق، ولقوله تعالى بعد: (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان.... الآية الكريمة

من سورة البقرة: ۲۲۹) وأما قوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره.... أيضًا) فالضمير المرفوع والمنصوب فيه عائدان إلى المطلق والمطلقة فيما سبق لئلا يخلو الكلام عن مرجع لهما، ولأن الطلاق وقع بعد الشرط والحل بعد النفي فدل على العموم، فلو كانت هذه الجملة مستقلة عما قبلها للزم تحريم كل مطلقة ولو طلقة أو طلقتين حتى تنكح زوجًا آخر، وهو باطل بإجماع. وإذًا فمعنى الآية: فإن طلقها مرة ثالثة بلفظ واحد طلقة أو ثلاثًا فلا تحل له حتى تتزوج غيره. وبهذا يدل عموم الآية على اعتبار الثلاث بلفظ واحد طلقة، وقد سبقت مناقشة هذا الدليل (ص ـ من البحث).

ثانيًا : قوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن ... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱) إلى قوله: (فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۲) وبيانه أن الجمهور استدلوا بها من وجوه على تحريم جمع الثلاث، وإذًا فلا يقع منها مجموعة إلا ما كان مشروعًا وهو الواحدة (ص ـ من البحث) وأجيب بأن التحريم لا يناقض إمضاء الثلاث فكم من عبادة أو عقد مشروع ارتكب فيه مخالفة فقيل لصاحبه عصى وصحت عبادته ومضى عقده وعلى تقرير المناقضة فهو يمنع من إمضاء الواحدة أيضًا، لوقوع الطلاق على خلاف ما شرع الله وذلك ما لا يقول به أحد من الجمهور.

وأما السنة : فمنها ـ أولاً ما رواه مسلم في صحيحه من طريق ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ: وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً فقال عمر رضي الله عنه: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم. وأجيب عن الاستدلال به بما يأتي:

أولاً: أنه حديث منسوخ، لأن ابن عباس أفتى بخلافه، فدل ذلك على أنه علم ناسخًا له فاعتمد عليه في فتواه، ونوقش بأنه يمكن أن يكون اجتهد فوافق اجتهاده اجتهاد عمر رضى الله عنهما في إمضاء الثلاث تعزيرًا للمصلحة كما تقدم، وأيضًا لو علم ناسخًا لذكره، مع وجود الدواعي إليه ولم يكتف بمثل ما كان يعلل به في فتواه، وأيضًا الصواب أن العبرة بما رواه الراوى لا بقوله، قالوا أيضًا يدل على نسخ الحديث ما ذكر في سبب نزول قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) من أن المطلق كان له الحق في الرجعة ولو طلق ألف مرة، ما دامت مطلقته في العدة. فأنزل الله الآية منعًا لهم من الرجعة بعدالمرة الثالثة حتى تنكح زوجًا آخر، ونوقش أولاً: بأنه روى مرسلاً من طريق عروة بن الزبير ومتصلاً من طريق عكرمة عن ابن عباس لكن في سنده على بن حسين بن واقد وهو ضعيف، وثانيًا: بأنه استدلال في غير محل النزاع فإنه ليس فيه الإلزام بالثلاث في لفظ واحد.

وقالوا أيضًا يدل على نسخه حديث امرأة رفاعة و حديث اللعان، وحديث فاطمة بنت قيس وقد سبق الاستدلال بها ومناقشتها (ص ـ من البحث)

وقالوا أيضًا: يدل على نسخه إجماع الصحابة زمن عمر رضى الله عنهم على إمضاء الثلاث، فإنه لا يكون إلا عن علم بالناسخ، ونوقش بأنه لا يتأتى مع قول عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم، فلو كان اعتمادهم على العلم بالناسخ لذكروه ولم يعلل عمرؓ بذلك. وأيضًا كيف يستمر العمل بالمنسوخ في عهده ﷺ وفي عهد أبى بكر و صدر من خلافة عمر رضى الله عنهما؟ مع كون الأمة معصومة في إجماعها عن الخطأ، ونوقش استمرار العمل بالمنسوخ في العهود الثلاثة بأنه إنما فعله من لم يبلغه النسخ، فلما كان زمن عمر انتشر العلم بالناسخ فأجمعوا على إمضاء الثلاث كما حصل في

متعة النكاح سواء (ایضًا). ونوقش بأن متعة النكاح كان الخلاف فيها مستمرًا بين الصحابة لعدم معرفة بعضهم بالناسخ المنقول نقلاً صحيحًا إلى أن أعلمهم به عمر في خلافته، ونهاهم عنها، بخلاف جعل الثلاث في لفظ واحد طلقة واحدة فإنه ثابت في عهده ﷺ ولم يزل العمل عليه عند كل الصحابة في خلافة الصديق إلى سنتين أو ثلاث من خلافة عمر رضی اللّٰه عنهما إما فتوى أو إقرارًا أو سكوتًا ولهذا ادعى بعض أهل العلم أنه إجماع قديم، لم تجمع الأمة على خلافه بعد، بل لم يزل في الأمة من يفتي بجعل الثلاث واحدة (أيضًا). ولم ينقل حديث صحيح يصلح أن يعتمد عليه في نسخ حديث ابن عباس ويكون مستندًا لما ذكر من الإجماع بل الذى روى في ذلك إما في غير الموضوع وإما في الموضوع لكنه ضعيف أو مكذوب، ومع هذا فقد ثبت عن عكرمة عن ابن عباس ما يوافق حديث طاؤس مرفوعًا وموقوفًا على ابن عباس، فالمرفوع هو أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا فردها عليه النبي ﷺ ولم يثبت ما يخالفه مرفوعًا، وقد سبقت مناقشة حديث ركانة وستأتي بقيتها (أيضًا) ولا نكارة في إمضاء عمر للثلاث باجتهاده، ولا على غيره من الصحابة ممن وافق اجتهادهم اجتهاده في إمضائها، وقد بين عمر و ابن عباس وغيرهما وجه ذلك بأن الناس لما تتابعوا فيما حرم اللّٰه عليهم من تطليقهم ثلاثًا مجموعة وكثر منهم ذلك على خلاف ما كانوا عليه قبل الزموا بالثلاث عقوبة لهم، ونظير هذا كلما تتغير فيه الفتوى بتغير الأحوال والأزمان والأمكنة كالعقوبة في الخمر، والتفريق بين الذين خلفوا ونسائهم، وقتال عليؓ لبعض أهل القبلة متأولاً، ولم يكن الإمضاء شرعًا مستمرًا إنما كان رهن ظروفه (ص ـ من البحث).

والجيب ثانيًا: بتاويل حديث طاؤس عن ابن عباس بأن الطلاق الذى كان الناس يوقعونه واحدة في عهده ﷺ وعهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر اعتادوا إيقاعه بعد ذلك ثلاثًا، ويشهد لهذا قول عمر رضی اللّٰه عنه: إن الناس قد

استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة. الخ.

ونوقش بأنه تأويل يخالف الواقع فى العهود الثلاثة الأولى، فإن الطلاق ثلاثًا جملة قد وقع فيها من الصحابة كما تقدم فى حديث محمود بن لبيد، وحديث اللعان، وكما يأتى فى حديث ركانة، وأيضًا يمنع منه ما ورد فى بعض روايات الحديث من أنها جعلت واحدة أو ردت إلى الواحدة (ص ـ من البحث)

وأجيب ثالثًا: بحمل الحديث على غير المدخول بها بدليل ذكر ذلك فى الرواية الأخرى فإن الزوج إذا قال لها: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، بانت بالأولى، فكان الثلاث واحدة ونوقش هذا ولم يزل ماضيًا ولم يتقيد بعهد ولا زمان، وما نحن فيه تغير حكمه فى أيام عمر رضى الله عنه عما كان عليه قبل، وقد وجه بعضهم الجواب بتوجيه آخر، وهو أن زوجها إذا قال لها: أنت طالق ثلاثًا بانت بقوله أنت طالق، ولغى قوله: ثلاثًا، ونوقش بأنه كلام متصل، فكيف يفصل بعضه من بعض ويحكم لكل بحكم؟

ونوقش أصل الجواب بأن حديث طاؤس نفسه عن ابن عباس مطلق ليس فيه ذكر لغير المدخول بها، وجواب ابن عباس فى الرواية الأخرى وارد على سؤال أبى الصهباء عن تطليق غير المدخول بها ثلاثًا، فخص ابن عباس غير المدخول بها ليطابق الجواب السؤال، ومثل هذا ليس له مفهوم مخالفة (ص ـ من البحث)

وأجيب رابعًا : بأن جعل الثلاث واحدة لم يكن عن علم منه ﷺ ولا عن أمره وإلا ما استحل ابن عباس أن يفتى بخلافه.

ونوقش بأن جماهير المحدثين على أنه ما أسنده الصحابى إلى عهده ﷺ له حكم، فإنه على تقدير أن النبى ﷺ لم يحكم بذلك يستبعد أن يفعله الصحابة وهم خير الخلق، ولا يعلمه ﷺ والوحى ينزل، ثم كيف يستمر العمل من الأمة على خطأ فى عهد أبى بكر وصدر من خلافة عمر، والأمة معصومة من

إجماعها على الخطأ (ص ـ من البحث).

وأجيب خامسًا : بحمل الحديث على صورة تكرير لفظ الطلاق فإنه يعتبر واحدة مع قصد التوكيد، وثلاثًا مع قصد الإيقاع، وكان الصحابة خيارًا أمناء فصدقوا فيما قصدوا فلما تغيرت الأحوال وفشا إيقاع الثلاث جملة بلفظ واحد ألزمهم عمر الثلاث في صورة التكرار إذ صار الغالب عليهم قصدها.

ونوقش بأن حمل الحديث على ذلك خلاف الظاهر، فإن الحكم لم يتغير في صورة التكرار فيما بعد عما كان عليه في حياة النبي ﷺ وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر، بل الأمر لم يزل على اعتباره واحدة في هذه الصورة عند قصد التوكيد، ومن ينويه لا يفرق بين بر وفاجر وصادق وكاذب، ومن لا ينويه في الحكم لايقبل منه مطلقًا برًا أم فاجرًا، وأيضًا قول عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة. الخ. يرد حمل الحديث على هذه الصورة، فإن معناه أن الناس استعجلوا فيما شرعه الله لهم متراخيًا بعضه عن بعض رحمة منه بهم، فأوقعوه بلفظ واحد، فهذا يدل على أن لفظ الثلاث في الحديث مراد به جمع الثلاث دفعة، وإن كان في نفسه محتملاً (ص ـ من البحث).

وأجيب سادسًا : بمخالفة فتوى ابن عباس لروايته، فإنه لم يكن ليروى حديثًا ثم يخالفه إلى رأى نفسه، ولذلك لما سئل أحمد بأى شيء تدفع حديث ابن عباس قال برواية الناس عنه من وجوه خلافه، ونوقش بأن الصواب من القولين في مخالفة الراوى لروايته أن الحديث الصحيح المعصوم لا يترك لمخالفة روايه، وهو غير معصوم، إذ من الممكن أن ينسى الراوى الحديث أو أنه لا يحضره الحديث وقت الفتيا، أو لا يتفطن لدلالته على المسألة التي خالفه فيها أو يتأول فيه تأويلاً مرجوحًا، أو يقوم في ظنه ما يعارضه ولا يكون معارضًا له في الواقع، أو يقلد غيره في فتواه بخلافه، لثقته به واعتقاد أنه إنما خالفه لدليل أقوى منه، وعلى هذا

الأصل بنى المالكية والشافعية والحنابلة فروعًا كثيرة حيث قدموا العمل برواية الراوى على فتواه، وأيضًا كما نقل عن ابن عباس إمضاء الثلاث، وروى عنه اعتبار الثلاث مجموعة طلقة واحدة، وإذا تعارضت الروايتان عدل عنهما إلى الحديث، لكن هذه المناقشة مردودة بأمرين الأول أن رواية الراوى إنما تقدم على قوله إذا كانت صريحة أو ظاهرة فى معنى قال بخلافه، وإلا قدم قوله، لأنه يدل على أن الاحتمال الذى خالفه قوله غير مراد من الحديث، وحديث ابن عباس هنا محتمل أن يكون فى الطلاق ثلاثًا بلفظ واحد، وأن يكون مفرقًا كما فى الصورة التى فى الجواب الخامس عن الحديث، فدلت فتواه على إرادة صورة التفريق لا صورة الإجتماع. الثانى: أن ما رواه حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة أن ابن عباس قال: إذا قال أنت طالق ثلاثًا بفم واحد فهى واحدة معارض بما رواه اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب عن عكرمة أن ذلك من قول عكرمة لا من قول ابن عباس، ورواية اسماعيل مقدمة لموافقته الثقاة فى أن ابن عباس يجعلها ثلاثًا لا واحدة. (ص ـ من البحث)

وقد يقال فى الأمر الأول: إن لفظ الطلاق الثلاث فى الحديث ظاهر فيها مجموعة، وإلا لم يقل عمر رضى الله عنه. إن الناس استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة. الخ ـ اعتذارًا منه فى الحكم على خلاف ظاهره، وبه اعتذر ابن عباس وغيره فى إمضاء الثلاث، وقد سبق الكلام فى هذا عند مناقشة الجواب عن الحديث بالنسخ.

ويقول فى الأمر الثانى: أنه لا مانع من ثبوت القول بجعل الثلاث بلفظ واحدة عن كل من ابن عباس وعكرمة. وعلى تقدير تعارض الروايتين بالنفى والإثبات، فالمثبت مقدم على النافى، على أن حماد بن زيد اثبت فى أيوب من كل من روى عن أيوب كما قال يحيى بن معين، فيقدم على اسماعيل بن إبراهيم

(تهذيب التهذيب).

واجيب سابعًا: بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث لفظ البتة لاشتهارها في الثلاث عند أهل المدينة، فرواه بعض رواته بالمعنى فعبر بالثلاث بدلاً من البتة وفي هذا جمع بين الروايات، وكان يراد بها واحدة كما أراد بها ركانة، فلما تتابع الناس في إرادة الثلاث بها ألزمهم إياها عمر رضي الله عنه ونظيره زيادته الضرب في شرب الخمر حين تتابع الناس فيه (ص ـ من البحث).

وقد يقال: إن هذا تأويل على خلاف الظاهر بلا دليل، وأيضًا تقدم في كلام الشافعي أن كلمة البتة مستحدثة (ص ـ من البحث).

وعلى ذلك لا يجوز حمل لفظ الطلاق الثلاث في الحديث عليها.

وأجيب ثامنًا: بأنه حديث شاذ، لانفراد طاؤس به عن ابن عباس، وانفراد الراوي بالحديث وإن كان ثقة ـ علة توجب التوقف فيه إذا لم يرو معناه من وجه يصح (ص ـ من البحث).

ونوقش بأن مجرد انفراد الثقة برواية الحديث ليس علة توجب رده أوالتوقف، ولا يسمى هذا شذوذًا عند علماء الحديث إنما الشذوذ الذي يكون علة في ردالحديث هو أن يخالف الثقة الثقاة مخالفة لا يمكن معها الجمع ولم يخالف طاؤس في رواية هذا الحديث أحدًا من الرواة الثقاة عن ابن عباس في هذا الموضوع، وإنما وقعت المخالفة بين ما رواه وما أفتى به، وقد مضى الكلام في ذلك (ص ـ من البحث). لكن لقائل أن يقول: إن استمرار العمل في زمن النبي ﷺ وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر بجعل الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة وتغيير عمر لذلك على علم من الصحابة مما تتوفر الدواعي على نقله، فنقله آحادًا يوجب رده، اللهم إلا أن يحمل الحديث على ما تقدم من أن الطلاق كان على وجه التكرار مع قصد التأكيد أو قد كان بلفظ البتة فاختلف

الحكم فيه لاختلاف النية (ص ـ من البحث).

وقد يناقش ألا يراد بمنع أن يكون ما ذكر مما تتوفر الدواعي على نقله، وانه على تقدير أن يكون من ذلك، فللمستدل أن يقول: إن الحديث قد اشتهر نقله وصح سنده ولم يجرؤ أحد على تكذيبه أو تضعيفه بوجه يعتبر مثله كما اشتهر نقل مخالفة فتوى عمر و ابن عباس لظاهره، ويشهد لهذا اشتغال العلماء سلفًا وخلفًا بالأمرين، فبعضهم يؤول الحديث ليتفق مع الفتاوى، وبعضهم يذهب إلى بيان وجه مخالفة الفتاوى له ويبقيه على ظاهره، ويعتذر عن الفتوى بخلافه، وبعضهم يعارضه بفتوى ابن عباس ويقدم العمل بها عليه، إلى غير هذا مما يدل على شهرة النقل للأمرين، وعلى تقدير عدم الشهرة فكم من أمر تتوفر الدواعي على نقله قد نقل آحادًا وعمل به جمع من أئمة الفقهاء ورده آخرون بهذه الدعوى.

وأجيب تاسعًا : بأن الحديث مضطرب سندًا ومتنًا، أما اضطراب سنده فلروايته تارة عن طاؤس عن ابن عباس، وتارة عن طاؤس عن أبي الصهباء عن ابن عباس، وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس، وأما اضطراب متنه فإن أباالصهباء تارة يقول: ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة ؟ وتارة يقول: ألم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله ﷺ وصدر من خلافة عمر واحدة؟

ونوقش بأن الإضطراب إنما يحكم به على الحديث إذا لم يمكن الجمع ولا الترجيح وكلاهما ممكن فيما نحن فيه، فإن الرواية عن أبي الجوزاء وهم فيها عبدالله بن المؤمل، حيث انتقل في روايته الحديث عن ابن أبي مليكة من أبي الصهباء إلى أبي الجوزاء، وقد كان سيء الحفظ فلا تعارض بها رواية الثقاة عن أبي الصهباء، وأما روايته عن طاؤس عن ابن عباس و عن طاؤس عن أبي الصهباء

وعن ابن عباس فكلا هما ممكن فلا تعارض ولا اضطراب، وأما اختلاف المتن فتقدم بيان الجمع بين الروايتين فلا اضطراب (ص ـ من البحث).

وأجيب عاشرًا: بمعارضته بالإجماع والإجماع معصوم فيقدم. وقد تقدمت مناقشة ذلك (ص ـ من البحث). ومن السنة أيضًا ما رواه الإمام أحمد في مسنده عن سعد بن ابراهيم، حدثنا أبي عن محمد بن اسحاق قال: حدثني داؤد بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثًا في مجلس واحد فحزن عليها حزنًا شديدًا، قال: فسأله رسول الله ﷺ "كيف طلقتها"؟ قال: طلقتها ثلاثًا، قال: فقال: "في مجلس واحد؟" قال: نعم، قال: "فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت"، قال: فراجعها، فكان ابن عباس يرى الطلاق عند كل طهر. وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد واستدل بما روى به في رد ابنته ﷺ على زوجها ابن أبي العاص بالنكاح الأول وقدمه على ما يخالفه فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده نظيره أو ما هو أقوى منه، ودلالة متنه ظاهرة في اعتبار الطلاق ثلاثًا في مجلس واحد واحدة.

ونوقش بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث لفظ البتة لاشتهارها في الثلاث عند أهل المدينة فرواه بعض رواته بالمعنى فعبر بالثلاث بدلاً من البتة، وفي هذا جمع بين الروايات، وكانت يراد بها واحدة أولاً، فلما تتابع الناس في إرادة الثلاث ألزمهم أياها عمر رضي الله عنه، ونظيره زيادة الضرب في شرب الخمر ونحوه. مما تغير فيه الحكم لتغير أحوال الناس وقد تقدم هذا في الجواب السابع عند الاستدلال بحديث طاؤس عن ابن عباس في جعل الثلاث المجموعة واحدة مع مناقشة.

ونوقش أيضًا بأن لفظ طلقتها ثلاثًا يحتمل أن يكون بلفظ واحد، وأن

يكون مفرقًا، وأجيب بأن احتمال تفريقه خلاف الظاهر، لقوله في الحديث في مجلس واحد، والغالب فيما كان كذلك أن يكون بلفظ واحد.

ونوقش أيضًا بمعارضته للإجماع، وقد تقدم مناقشة الإجماع عند الكلام على الاستدلال به على إمضاء الثلاث.

ونوقش أيضًا بمعارضته لحديث نافع بن عجير في إمضائه ثلاثًا، وأجيب بترجيح هذه الرواية على رواية نافع بن عجير لسلامتها وضعف نافع، وقد سبق شرح ذلك، إلى غير هذا من المناقشات التي سبقت عند الإجابة عن الاستدلال بحديث ابن عباس في اعتبار الثلاث واحدة.

ومن السنة أيضًا حديث بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس أن يزيدًا أبا ركانة وإخوته طلق أم ركانة وتزوج امرأة أخرى فشكت ضعفه إلى رسول الله ﷺ فأمره بطلاقها فطلقها، وقال له "راجع أم ركانة"، فقال: إني طلقتها ثلاثًا، فقال: "قد علمت، راجعها". وقد سبق نص الحديث مع مناقشته.

ومن السنة أيضًا حديث ابن عمر وفيه أنه طلق امرأته ثلاثًا وهي حائض فردها النبي ﷺ إلى السنة. ورد أولاً: بأن رواة هذا الحديث شيعة، وثانيًا: بأن في سنده ظريف بن ناصح وهو شيعي لا يكاد يعرف، وثالثًا: بأنه مع ما ذكر مخالف لما رواه الثقات الأثبات: أن ابن عمر طلق امرأته في الحيض تطليقة واحدة، فهو حديث منكر (ص ـ من البحث).

واستدلوا بالإجماع، قالوا: إن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد واحدة، إلى ثلاث سنين من خلافة عمر.

ويمكن أن يجاب بما ورد من الآثار عن بعض الصحابة من أن الثلاث بلفظ واحد تمضي ثلاثًا (ص ـ من البحث). وقد سبق ذكرها في استدلال من يقول بإمضاء الثلاث. لكن للمستدل أن يقول: إن الآثار التي وردت فيها الفتوى

بخلاف هذا الدليل بدأت في عهد عمر بضرب من التأويل، يدل على تأخير بدئها ظاهر حديث طاؤس عن ابن عباس، وقد تقدم مع المناقشة.

واستدلوا بالقياس، قالوا: كما لا يعتبر قول الملاعن وقول الملاعنة: أشهد بالله أربع شهادات ـ بكذا، أربع شهادات ـ لا يعتبر قول الزوج لامرأته: أنت طالق ثلاثًا بلفظ واحد ثلاث تطليقات وكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول أو الفعل من تسبيح وتحميد وتكبير وتهليل وإقرار.

ونوقش بأنه قياس مع الفارق، للإجماع على اعتبار الطلقة المفردة في الطلاق، وبينونة المعتدة منها بانتهاء العدة، وعدم اعتبار الشهادة الواحدة من الأربع في اللعان (ص ـ من البحث).

وللمستدل أن يقول: هذا الفارق مسلم، ومعه فوارق أخرى بينهما، انفرد كل من الطلاق واللعان بشيء منها، لكنها ليست في مورد قياس المستدل هنا، فإنه وارد فيما يعتبر فيه تكرار الفعل أو القول، ولا يعتد فيه بالاكتفاء بذكر اسم العدد، وليس من شرط سلامة القياس اشتراك المقيس والمقيس عليه في جميع صفاتهما، بل إن اعتبار هذا لا يتأتى معه قياس، لأن كل شيئين لا بدأن ينفرد كل منهما عن الآخر بخاصة أو خواص، وإلا كان عينه.

واستدلوا بما روى من الآثار في الإفتاء بذلك عن ابن عباس و علي و ابن مسعود والزبير وعبدالرحمن ابن عوف وغيرهم من الصحابة ومن بعدهم (ص ـ من البحث).

ونوقش بأن ما روى من ذلك عن طاؤس عن ابن عباس مردود، فإن لطاؤس عن ابن عباس مناكير منها روايته هذه الفتوى عن ابن عباس، وأجيب بأن طاؤس بن كيسان قد وثقه ابن معين، وسئل أيهما أحب إليك طاؤس أم سعيد بن جبير؟ فلم يخير بينهما، وقال قيس بن سعد: كان طاؤس فينا مثل ابن سيرين

بالبصرة، وقال الزهري: لو رأيت طاؤسًا علمت أنه لا يكذب، وروى له أصحاب الكتب الستة في أصولهم (تهذيب التهذيب).

فعلى من ادعى روايته للمناكير عن ابن عباس أن يثبت ذلك بشواهد من رواياته عنه في غير هذه المسألة أما فيما رواه في هذه المسألة فهو مجرد دعوى في محل النزاع، وما ذكر من مخالفة غيره له في هذه المسألة فغايته أن يكون لابن عباس فيها قولان، روى كل من الفريقين عنه قولاً منهما، ولذلك قدرتم رجوعه عنها على تقدير صحة روايتها، ثم أن عكرمة تابع طاؤسًا في روايته هذا الأثر عن ابن عباس وهو من رجال السنة.

ونوقش بأن رواية حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس معارضة برواية اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب أن هذا الأثر من قول عكرمة وأجيب أولاً: بانه لا معارضة لجواز أن يكون روى عن كل منهما وثانيا: أنه على تقدير المعارضة فرواية حماد بن زيد مقدمة على رواية اسماعيل ابن ابراهيم، فإن حمادًا أثبت في الرواية عن أيوب من كل من روى عنه (تهذيب التهذيب).

المذهب الثالث :

أن الطلاق الثلاث يمضى ثلاثًا في المدخول بها وواحدة في غير المدخول بها، واستدلوا لمذهبهم في المدخول بها بما استدل به الجمهور، وقد تقدم مع مناقشته، واستدلوا لمذهبهم في غير المدخول بها بحديث أبي الصهباء الذي قال فيه لابن عباس: أماعلمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدةً على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من إمارة عمر، قال: بلى. وقد تقدم الحديث قالوا: إن التفصيل بين المدخول بها وغيرالمدخول بها فيه جمع بين الروايات وإثبات حكم كل منها في حال، وقد سبقت مناقشة هذا الدليل (ص ـ من البحث)

المذهب الرابع :

أنه لا يعتد به مطلقًا، لأن إيقاعه ثلاثًا بلفظ واحد بدعة محرمة، فكان غير معتبر شرعًا، لحديث "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهورد" ورد بأنه لا يعرف القول به عن أحد من السلف، وأن أهل العلم في جميع الأمصار مجمعون على اعتباره والاعتداد به، وإن اختلفوا فيما يمضى منه، ولم يخالف فيه إلا ناس من أهل البدع ممن لا يعتد بهم في انعقاد الإجماع.

وقد يستدل لهم أيضًا بأنه كالظهار فإنه لما كان محرمًا لم يعتبر طلاقًا مع قصد المظاهر الطلاق فكذاالطلاق ثلاثا مجسوعة. وأجيب بالفرق، فإن الظهار محرم في نفسه على كل حال، فكان باطلاً ولزمت فيه العقوبة على كل حال. بخلاف الطلاق فإن جنسه مشروع كالنكاح والبيع، ولذا امتنع في حال دون حال، وانقسم إلى صحيح وباطل أو فاسد (ص ـ من البحث).

هذا ما تيسر إعداده، وبالله التوفيق، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم...

حرر في ١٩/٩/١٣٩٣هـ

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو	عضو	نائب الرئيس	رئيس اللجنة
عبدالله بن سليمان بن منيع	عبدالله بن عبدالرحمن بن غديان	عبدالرزاق عفيفي	ابراهيم بن محمد آل الشيخ

مصادر بحث الطلاق الثلاث بلفظ واحد

١ ـ تفسير القرطبي طبع مطبعة دار الكتب المصرية عام ١٣٥٤هـ.
٢ ـ أحكام القرآن لأحمد بن على الرازى "الجصاص" طبع بمطبعة البهية المصرية سنة ١٣٤٧هـ.
٣ ـ أضواء البيان.
٤ ـ صحيح البخارى و معه فتح البارى طبع المطبعة السلفية بترقيم عبدالباقى وإشراف محى الدين الخطيب.
٥ ـ عمدة القارى للعينى طبع المطبعة المنيرية.
٦ ـ صحيح مسلم وعليه النووى الطبعة الأولى طبع بالمطبعة الأزهرية سنة ١٣٤٧هـ.
٧ ـ مختصر سنن أبى داؤد ومعها المعالم للخطابى وتهذيبها لابن القيم طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية عام ١٣٦٧هـ.
٨ ـ جامع الترمذى.
٩ ـ عارضة الأحوذى على الترمذى لابن العربى.
١٠ ـ شرح الزرقانى على الموطأ طبع بمطبعة الاستقامة بالقاهرة سنة ١٣٧٣هـ.
١١ ـ مسندالإمام أحمد بتعليق أحمد شاكر طبع دار المعارف سنة ١٣٦٩هـ.
١٢ ـ مستدرك الحاكم وعليه تلخيصه للذهبى الطبعة الأولى سنة ١٣٤٠هـ. طبع بمطبعة حيدر آباد.
١٣ ـ نيل الأوطار طبعة حلبية الطبعة الثانية عام ١٣٧١هـ.
١٤ ـ جامع العلوم والحكم طبعة حلبية عام ١٣٨٢هـ الطبعة الثالثة.
١٥ ـ سنن ابن ماجه الطبعة الأولى بالمطبعة النازية.
١٦ ـ سنن سعيد بن منصور.
١٧ ـ سنن الدارقطنى طبع دارالمحاسن للطباعة طبع عام ١٣٨٦هـ.

١٨ـ السنن الكبرى للبيهقى الطبعة الأولى بمطبعة حيدر آباد.

١٩ـ المنصف لعبد الرزاق الطبعة الاولى.

٢٠ـ شرح المواهب اللدنية للزرقانى المالكى الطبعة الأولى بالمطبعة الأزهرية سنة ١٣٢٥هـ.

٢١ـ شرح معانى الآثار طبع مطبعة الأنوار المحمدية.

٢٢ـ المنتقى للباجى طبع مطبعة السعادة الطبعة الأولى عام ١٣٣٢هـ.

٢٣ـ الجرح والتعديل الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن عام ١٣٧١هـ.

٢٤ـ تهذيب التهذيب الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن عام ١٣٢٧هـ.

٢٥ـ خلاصة تهذيب تهذيب الكمال الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية عام ١٣٢٣هـ.

٢٦ـ الإصابة ومعها الاستيعاب طبع بمطبعة مصطفى محمد.

٢٧ـ المستفاد من جهات المتن والإسناد طبع مطابع الرياض.

٢٨ـ بدائع الصنائع للكاسانى طبع بمطبعة الجمالية بمصر الطبعة الأولى عام ١٣٢٨هـ.

٢٩ـ المبسوط للسرخسى طبع بمطبعة السعادة بجوار محافظة مصر الطبعة الأولى.

٣٠ـ فتح القدير لابن الهمام الطبعة الأولى بالمطبعة الكبرى الأميرية عام ١٣١٥هـ

٣١ـ المدونة الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية سنة ١٣٢٤هـ ومعها المقدمات.

٣٢ـ المقدمات لابن رشد ومعها المدونة.

٣٣ـ مواهب الجليل للحطاب ملتزم الطبع مكتبة النجاح: ليبيا.

٣٤ـ الأم الطبعة الاولىٰ بالمطبعة الخيرية عام ١٣٣١هـ.

٣٥ـ المهذب الطبعة الحلبية.

٣٦ـ المغنى والشرح الكبير الطبعة الأولى بمطبعة المنار سنة ١٣٤٦هـ)

٣٧- الكافي الطبعة الأولى سنة ١٣٨٢ هـ طبع المكتب الاسلامي.

٣٨- الإنصاف طبع بمطبعة السنة المحمدية عام ١٣٧٧هـ.

٣٩- مجموع فتاوى شيخ الإسلام.

٤٠- زادالمعاد طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية.

٤١- أعلام الموقعين الطبعة المنيرية.

٤٢- إغاثة اللهفان طبعة حلبية عام ١٣٥٧هـ.

٤٣- مسودة آل تيمية.

٤٤- سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ليوسف بن حسن بن عبدالرحمٰن بن عبدالهادي طبعه محمد نصيف ضمن مجموعة رأس الحسين.

٤٥- المحلى لابن حزم الطبعة الاولى.

٤٦- التجريد في أسماء الصحابة للذهبي الطبعة الأولى في مطبعة دائرة المعارف النظامية بحيدر آباد الدكن.

٤٧- الناسخ والمنسوخ لابن النحاس الطبعة الأولى.

القرار

بعد الأطلاع على البحث المقدم من الأمانة العامة لهيئة
كبار العلماء والمعد من قبل اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء .
في موضوع "الطلاق الثلاث بلفظ واحد".

وبعد دراسة المسألة وتداول الرأى واستعراض الأقوال التى قيلت فيها ومناقشة ما على كل قول من إيراد توصل المجلس بأكثريته إلى اختيار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثًا، وذلك لأمور أهمها ما يلى:

أولاً :

لقوله تعالى (يا أيها النبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱) إلى قوله تعالى: (وتلك حدوداللّٰه ومن يتعد حدوداللّٰه فقد ظلم نفسهٗ. لا تدرى لعل اللّٰه يحدث بعد ذلك أمرا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۲). فإن الطلاق الذى شرعه اللّٰه هو ما يتعقبه عدة وما كان صاحبه مخيرًا بين الإمساك بمعروف والتسريح باحسان، وهذا منتف فى إيقاع الثلاث فى العدة قبل الرجعة فلم يكن طلاقًا للعدة وفى فحوى هذه الآية دلالة على وقوع الطلاق لغير العدة إذ لو لم يقع لم يكن ظالمًا لنفسه بإيقاعه لغيرالعدة ولم ينسد الباب أمامه حتى يحتاج إلى المخرج الذى أشارت إليه الآية الكريمة (ومن يتق اللّٰه يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۲) وهو الرجعة حسبما تأوله ابن عباس رضي اللّٰه عنه حين قال للسائل الذى سأله وقد طلق ثلاثًا. أن اللّٰه تعالى يقول: (ومن يتق اللّٰه يجعل له مخرجًا) وإنك لم تتق اللّٰه فلم أجد لك مخرجًا عصيت ربك وبانت منك امرأتك ولا خلاف فى أن من لم يطلق للعدة بأن طلق ثلاثًا مثلاً فقد ظلم نفسه فعلى القول بأنه اذا طلق ثلاثًا فلا يقع من طلاقه إلا واحدة فما هى التقوى التى بالتزامها يكون المخرج واليسر وما هى

عقوبة هذا الظالم نفسه المتعدى لحدودالله حيث طلق بغيرالعدة فلقد جعل الشارع على من قال قولاً منكرًا لا يترتب عليه مقتضى قوله المنكر عقوبة له على ذلك كعقوبة المظاهر من امرأته بكفارة الظهار فظهر والله أعلم أن الله تعالى عاقب من طلق ثلاثًا بانفاذها عليه وسد المخرج أمامه حيث لم يتق الله فظلم نفسه وتعدى حدود الله.

ثانيا ما في الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثًا فتزوجت فطلقت فسئل النبي ﷺ أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". فقد ذكره البخارى رحمه الله تحت ترجمة "باب من أجاز الطلاق ثلاثًا" واعترض على الاستدلال به بأنه مختصر من قصة رفاعة بن وهب التي جاء في بعض رواياتها عند مسلم أنها طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات، ورد الحافظ بن حجر رحمه الله الاعتراض، بأن غير رفاعة قد وقع له مع امرأته نظير ما وقع لرفاعة فلا مانع من التعدد. فإن كلا من رفاعة القرظي ورفاعة النضرى وقع له مع زوجة له طلاق فتزوج كلا منهما عبدالرحمن بن الزبير فطلقها قبل أن يمسها ثم قال: وبهذا يتبين خطأ من وحد بينهما ظنًا منه أن رفاعة بن سموء ل هو رفاعة بن وهب. ١ هـ.

وعند مقابلة هذا الحديث بحديث ابن عباس الذى رواه عنه طاؤس "كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة الخ فإن الحال لا تخلوا من أمرين: إما أن يكون معنى الثلاث في حديث عائشة و حديث طاؤس أنها مجتمعة أو متفرقة، فإن كانت مجتمعة فحديث عائشة متفق عليه فهو اولى بالتقديم وفيه التصريح بأن تلك الثلاث تحرمها ولا تحل إلا بعد زوج، وإن كانت متفرقة فلا حجة في حديث طاؤس على محل النزاع في وقوع الثلاث بلفظ واحد واحدة. وأما اعتبار الثلاث في حديث عائشة مفرقة وفي حديث طاؤس مجتمعة فلا وجه له ولا دليل عليه.

ثالثًا :

لما وجه به بعض أهل العلم كابن قدامه رحمه الله حيث يقول: ولأن النكاح ملك يصح إزالته متفرقًا فصح مجتمعًا كسائر الأملاك. والقرطبي رحمه الله حيث يقول: وحجة الجمهور من جهة اللزوم من حيث النظر ظاهرة جدًا وهو أن المطلقة ثلاثًا لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجًا غيره، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة و شرعًا وما يتخيل من الفرق صوری ألغاه الشارع اتفاقًا في النكاح والعتق والأقارير. فلو قال المولى أنكحتك هؤلاء الثلاث في كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه، وكذلك في العتق والإقرار وغير ذلك من الأحكام. اهـ، وغاية ما يمكن أن يتجه على المطلق بالثلاث لومه على الإسراف يرفع نفاذ تصرفه.

رابعًا :

لما أجمع عليه أهل العلم إلا من شذ في إيقاع الطلاق من الهازل استنادًا إلى حديث أبي هريرة وغيره مما تلقته الأمة بالقبول، من أن ثلاثًا جدهن جد وهزلهن جد: الطلاق والنكاح والرجعة. ولأن قلب الهازل بالطلاق عمد ذكره كما ذكر ذلك شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله في تعليله القول بوقوع الطلاق من الهازل حيث قال: ومن قال لا لغو في الطلاق فلا حجة معه بل عليه لأنه لو سبق لسانه بذكر الطلاق من غير عمدالقلب لم يقع به وفاقًا وأما إذا قصداللفظ به هازلاً فقد عمد قلبه ذكره. اهـ. فإن مازاد على الواحدة لا يخرج عن مسمى الطلاق بل هو من صريحه، واعتبار الثلاث واحدة إعمال لبعض عدده دون باقيه بلا مسوغ، اللهم إلا أن يكون المستند في ذلك حديث ابن عباس ويأتي الجواب عنه إن شاء الله.

خامسًا :

إن القول بوقوع الثلاث ثلاثًا قول أكثر أهل العلم فلقد أخذ به عمر و.

عثمان و علي والعبادلة ابن عباس و ابن عمر و ابن عمرو و ابن مسعود وغيرهم من أصحاب رسول الله ﷺ وقال به الأئمة الأربعة: أبوحنيفة ومالك والشافعي وأحمد و ابن أبي ليلى والأوزاعي و ذكر ابن عبدالهادى عن ابن رجب رحمه الله بقوله: اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد. ١هـ. وقال شيخ الإسلام ابن تيمية في معرض بحثه الأقوال في ذلك: الثاني ـ أنه طلاق محرم ولازم وهو قول مالك و أبي حنيفة و أحمد في الرواية المتأخرة عنه، اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين. ١هـ. وقال ابن القيم: واختلف الناس فيها، أى في وقوع الثلاث بكلمة واحدة ـ على أربعة مذاهب أحدها: أنه يقع وهذا قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة. ١هـ. وقال القرطبي: قال علماؤنا ـ واتفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة وهو قول جمهور السلف. وقال ابن العربي في كتابه الناسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم رحمه الله في تهذيب السنن: قال تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) زل قوم في آخر الزمان فقالوا إن الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يلزم، وجعلوه واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن علي والزبير وعبدالرحمن بن عوف و ابن مسعود و ابن عباس، وعزوه إلى الحجاج ابن أرطاة الضعيف المنزلة والمغموز المرتبة ورووا في ذلك حديثًا ليس له أصل ـ إلى أن قال: وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت لا أصل له في كتاب ولا رواية له عن أحد. إلى أن قال: وإما حديث الحجاج بن أرطاة فغير مقبول في الملة ولا عند أحد من الأئمة. ١هـ.

سادسًا:

لتوجه الإيرادت على حديث ابن عباس رضي الله عنه كان الطلاق على

عهد رسول الله ﷺ وخلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً إلى آخر الحديث مما يضعف الأخذ به والاحتجاج بما يدل عليه. فإنه يمكن أن يجاب عنه بما يلي:

ما قيل من أن الحديث مضطرب سنداً ومتناً أما اضطراب سنده فلروايته تارة عن طاؤس عن ابن عباس وتارة عن طاؤس عن أبي الصهباء عن ابن عباس وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس، وأمااضطراب متنه فإن أبا الصهباء تارة يقول: ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة. وتارة يقول: ألم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة.

قد تفرد به عن ابن عباس طاؤس و طاؤس متكلم فيه من حيث روايته المناكير عن ابن عباس قال القاضي اسماعيل في كتابه "أحكام القرآن" طاؤس مع فضله وصلاحه يروي أشياء منكرة منها هذا الحديث. وعن أيوب أنه كان يعجب من كثرة خطأ طاؤس. وقال ابن عبدالبر شذ طاؤس في هذا الحديث. وقال ابن رجب وكان علماء أهل مكة ينكرون على طاؤس ما ينفرد به من شواذ الأقاويل. ونقل القرطبي عن ابن عبدالبر أنه قال: رواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار بالحجاز والشام والمغرب.

ما ذكره بعض أهل العلم من أن الحديث شاذ من طريقين: أحدهما تفرد طاؤس بروايته وأنه لم يتابع عليه. قال الإمام أحمد في رواية ابن منصور: كل أصحاب ابن عباس رووا عنه خلاف ما روى طاؤس. وقال الجوز جاني هو حديث شاذ: وقال ابن رجب ونقله عنه ابن عبدالهادي: وقد عنيت بهذا الحديث في قديم الدهر فلم أجد له أصلاً.

الثاني ما ذكره البيهقي فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم

نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبى ﷺ شيئًا ويفتى بخلافه، وقال ابن التركمانى وطاؤس يقول إن أباالصهباء مولاه سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافه، ولو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه وهم عمر و عثمان و على و ابن مسعود و ابن عمر وغيرهم. ا هـ.

فلما في هذا الحديث من الشذوذ فقد أعرض عنه الشيخان الجليلان أبو عبدالله أحمد بن حنبل فقد قال للأثرم و ابن منصور بأنه رفض حديث ابن عباس قصدًا لأنه يرى عدم الإحتجاج به في لزوم الثلاث بلفظ واحد، لرواية الحفاظ عن ابن عباس ما يخالف ذلك، والإمام محمد بن اسماعيل البخارى ذكر عنه البيهقى أنه ترك الحديث عمدًا لذلك الموجب الذى تركه من أجله الإمام أحمد ولا شك أنهما لم يتركاه إلا لموجب يقتضى ذلك.

إن حديث ابن عباس يتحدث عن حالة اجتماعية مفروض فيها أن تكون معلومة لدى جمهور معاصريها، وتوفر الدواعى لنقلها بطرق متعددة مما لا ينبغى أن يكون موضع خلاف، ومع هذا لم تنقل إلا بطريق آحادى عن ابن عباس فقط ولم يروها عن ابن عباس غير طاؤس الذى قيل عنه بأنه يروى المناكير. ولا يخفى ما عليه جماهير علماء الأصول من أن خبر الآحاد إذا كانت الدواعى لنقله متوفرة ولم ينقله إلا واحد ونحوه أن ذلك يدل على عدم صحته. فقد قال صاحب جمع الجوامع عطفًا على ما يجزم فيه بعدم صحة الخبر: والمنقول آحادًا فيما تتوفر الدواعى إلى نقله خلافًا للرافضة. ا هـ. وقال ابن الحاجب في مختصره الأصولى: إذا انفرد واحد فيما تتوفر الدواعى إلى نقله وقد شاركه خلق كثير كما لو انفرد واحد بقتل خطيب على المنبر في مدينة فهو كاذب قطعًا خلافًا للشيعة. ا هـ. فلا شك أن الدواعى إلى نقل ما كان عليه رسول الله ﷺ والمسلمون بعده في خلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر من أن الطلاق الثلاث كانت تجعل

واحدة متوفرة توافرًا لا يمكن إنكاره. ولا شك أن سكوت جميع الصحابة عنه حيث لم ينقل عنهم حرف واحد في ذلك غير ابن عباس يدل دلالة واضحة على أحد أمرين: إما أن المقصود بحديث ابن عباس ليس معناه بلفظ واحد، بل بثلاثة ألفاظ في وقت واحد، وإما أن الحديث غير صحيح لنقله آحادًا مع توفرالدواعي لنقله.

ما عليه ابن عباس رضي الله عنه من التقى والصلاح والعلم والاستقامة والتقيد بالاقتداء والقوة في الصدع بكلمة الحق التي يراها، يمنع القول بانقياده إلى ما أمر به عمر رضي الله عنه من إمضاء الثلاث والحال أنه يعرف حكم الطلاق الثلاث في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر من أنه يجعل واحدة.

فلا يخفى خلافه مع عمر رضي الله عنهما في متعة الحج وبيع الدينار بالدينارين وفي بيع أمهات الأولاد وغيرها من مسائل الخلاف فكيف يوافقه في شيء يروى عن النبي ﷺ فيه خلافه، وإلى قوته رضي الله عنه في الصدع بكلمة حق التي يراها، تشير كلمته المشهورة في مخالفته عمر في متعة الحج وهي قوله: يوشك أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول قال رسول الله وتقولون قال أبوبكر و عمر.

وعلى فرض صحة حديث ابن عباس فإن ما عليه أصحاب رسول الله ﷺ من التقى والصلاح والاستقامة وتمام الاقتداء بما عليه الحال المعتبرة شرعًا في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر يمنع القول بانقيادهم إلى أمر عمر رضي الله عنه في إمضاء الثلاث، والحال أنهم يعرفون ما كان عليه أمر الطلاق الثلاث في ذلك العهد. ومع هذا فلم يثبت بسند صحيح أن أحدا منهم أفتى بمقتضى ما عليه الأمر في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر حسبما ذكره ابن عباس في حديثه.

ز ۔ ما في حديث ابن عباس من الدلالة على أن عمر أمضى الثلاث عقوبة

للناس لأنهم قد استعجلوا أمرا كان لهم فيه أناة، وهذا مشكل ووجه الإشكال كيف يقرر عمر رضي الله عنه وهو هو تقي وصلاحًا وعلمًا وفقها ـ بمثل هذه العقوبة التي لا تقتصر آثارها على من استحقها وإنما تتجاوزه إلى طرف آخر ليس له نصيب في الإجرام، ونعني بالطرف الآخر الزوجات حيث يترتب عليها إحلال فرج حرام على طرف ثالث، وتحريم فرج حلال بمقتضى عقدالزواج، وحقوق الرجعة، مما يدل على أن حديث طاؤس عن ابن عباس فيه نظر، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

وجهة نظر المخالفين

نرى أن الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة، وقد سبقنا إلى القول بهذا ابن عباس في رواية صحيحة ثابتة عنه، وأفتى به الزبير بن العوام و عبدالرحمن بن عوف وعلى بن أبي طالب وعبدالله بن مسعود من الصحابة في رواية عنهم وأفتى به عكرمة وطاؤس وغيرهما من التابعين وأفتى به ممن بعدهم محمد بن اسحاق وخلاس ابن عمرو والحارث العكلي، والمجد بن تيمية، وشيخ الإسلام أحمد بن عبدالحليم بن تيمية، وتلميذه شمس الدين ابن القيم وغيرهم...

وقد استدل على ذلك بما يأتي:

الدليل الأول :

قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) وبيانه: أن الطلاق الذى شرع للزوج فيه الخيار بين أن يسترجع زوجته أو يتركها بلا رجعة حتى تنقضي عدتها فتبين منه. مرتان مرة بعد مرة، سواء طلق في كل مرة منهما طلقة أو ثلاثا مجموعة. لأن الله تعالى قال (مرتان) ولم يقل طلقتان. ثم قال تعالى في الآية التي تليها: (فإن طلقها فلا

تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) فحكم بان زوجته تحرم عليه بتطليقه إياها المرة الثالثة حتى تنكح زوجًا غيره، سواء نطق في المرة الثالثة بطلقة واحدة أم بثلاث مجموعة، فدل على أن الطلاق شرع مفرقًا على ثلاث مرات، فإذا نطق بثلاث في لفظ واحد كان مرة واعتبر واحدة.

الدليل الثانى :

ما رواه مسلم في صحيحه من طريق طاؤس عن ابن عباس رضى الله عنه قال: كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ و أبى بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً، فقال عمر رضى الله عنه: إن الناس قد استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم "وفى صحيح مسلم أيضًا عن طاؤس عن ابن عباس أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك، ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر واحدة، قال: قد كان ذلك، فلما كان فى عهد عمر تتابع الناس فى الطلاق فأجازه عليهم". فهذا الحديث واضح الدلالة على اعتبار الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة وعلى أنه لم ينسخ لاستمرار العمل به فى عهد أبى بكر وسنتين من خلافة عمر، ولأن عمر علل إمضاءه ثلاثًا بقوله: "إن الناس قد استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة" ولم يدع النسخ ولم يعلل الإمضاء به، ولا بظهوره بعد خفائه، ولأن عمر استشار الصحابة في إمضائه ثلاثًا، وما كان عمر ليستشير أصحابه في العدول عن العمل بحديث علم أو ظهر له أنه منسوخ... وما أجيب به عن حديث ابن عباس فهو إما تأويل متكلف، وحمل للفظه على خلاف ظاهره بلا دليل، وإما طعن فيه بالشذوذ والاضطراب وضعف طاؤس وهذا مردود بأن مسلمًا رواه فى صحيحه وقد اشترط ألا يروى فى كتابه إلا الصحيح من الأحاديث. ثم إن الطاعنين فيه قد احتجوا بقول عمر فى آخره "إن الناس قد استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة فلو

أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم" فكيف يكون آخره حجة مقبولة ويكون صدره مردودًا لاضطرابه وضعف راويه، وأبعد من هذا ما ادعاه بعضهم من أن العمل كان جاريًا على عهدالنبي ﷺ بجعل الطلاق الثلاث واحدة لكنه ﷺ لم يعلم بذلك، إذ كيف تصح هذه الدعوى والقرآن ينزل والوحي مستمر، وكيف تستمر الأمة على العمل بالخطأ في عهده وعهد أبي بكر وسنتين أو ثلاث من خلافة عمر، وكيف يعتذر عمر في عدوله عن ذلك إلى إمضائه عليهم بما ذكر في الحديث من استعجال الناس في أمر كانت لهم فيه أناة، ومن الأمور الواهية التي حاولوا بها ردالحديث معارضته بفتوى ابن عباس على خلافه، ومن المعلوم عند علماء الحديث وجمهور الفقهاء أن العبرة بما رواه الراوي متى صحت الرواية لا برأيه وفتواه بخلافه لأمور كثيرة استندوا إليها في ذلك، وجمهور من يقول بأن الطلاق الثلاث بلفظ واحد يعتبر ثلاثًا يقولون بهذه القاعدة، ويبنون عليها الكثير من الفروع الفقهية وقد عارضوا الحديث أيضًا بما ادعوه من الإجماع على خلافه بعد سنتين من خلافة عمر رضي الله عنه مع العلم بأنه قد ثبت الخلاف في اعتبار الثلاث بلفظ واحد ثلاثًا واعتباره واحدة بين السلف والخلف، واستمر إلى يومنا، ولا يصح الاستدلال على اعتبار الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثًا بحديث عائشة رضي الله تعالى عنها في تحريم الرسول ﷺ زوجة رفاعة القرظي عليه حتى تنكح زوجًا غيره لتطليقه إياها ثلاثًا، لأنه ثبت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات، كما رواه مسلم في صحيحه فكان الطلاق مفرقًا ولم يثبت أن رفاعة بن وهب النضري جرىٰ له مع زوجته مثل ما جرى لرفاعة القرظي حتى يقال بتعدد القصة، وأن إحداهما كان الطلاق فيها ثلاثة مجموعة ولم يحكم ابن حجر بتعدد القصة بل قال: إن كان محفوظًا يعني حديث رفاعة النضري فالواضح تعدد القصة، واستشكل ابن حجر تعدد القصة في كتابه الإصابة حيث قال: لكن المشكل

اتحاد اسم الزوج الثاني عبدالرحمن بن الزبير.

الدليل الثالث :

ما رواه الإمام أحمد في مسنده، قال: حدثنا سعد بن ابراهيم حدثنا، أبي عن محمد ابن إسحاق، قال حدثنى داؤد بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق ركانة ابن عبد يزيد أخو بنى المطلب امرأته ثلاثًا فى مجلس واحد، فحزن عليها حزنًا شديدًا، قال: فسأله رسول الله ﷺ: "كيف طلقتها"، قال: طلقتها ثلاثًا قال: فقال: "فى مجلس واحد" قال: نعم، فقال: "فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت"، قال: فراجعها، قال: فكان ابن عباس يرى أن الطلاق عند كل طهر قال ابن القيم فى كتابه أعلام الموقعين: "وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد و حسنه"، وضعف أحمد و أبو عبيد والبخارى ما روى من أن ركانة طلق زوجته بلفظ البتة.

الدليل الرابع :

بالإجماع، وبينه ابن تيمية و ابن القيم وغيرهما بأن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة فى عهد أبى بكر وسنتين أو ثلاث من خلافة عمر، وأن ما روى عن الصحابة من الفتوى بخلاف ذلك فإنما كان من بعضهم بعدما أمضاه عمر ثلاثًا تعزيرًا وعقوبة، لما استعجلوا أمرًا كان لهم فيه أناة، ولم يرد عمر بإمضاء الثلاث أن يجعل ذلك شرعًا كليًا مستمرًا وإنما أراد أن يلزم به ما دامت الدواعى التى دعت إليه قائمة كما هو الشأن فى الفتاوى التى تتغير بتغيرالظروف والأحوال وللإمام أن يعزر الرعية عند إساء ة التصرف فى الأمور التى لهم فيها الخيار بين الفعل والترك بقصرهم على بعضها ومنعهم من غيره، كما منع النبى ﷺ الثلاثة الذين خلفوا من زوْجاتهم مدة من الزمن عقوبة لهم على تخلفهم عن غزوة تبوك مع أن زوجاتهم لم يسئن، وكالزيادة فى عقوبة شرب

الخمر، وتحديد الأسعار عند استغلال التجار مثلاً للظروف وتواطئهم على رفع الأسعار دون مسوغ شرعي إقامة للعدل، وفي معنى هذا تنظيم المرور، فإن فيه منع الناس من المرور في طرق قدكان مباحًا لهم السير فيها من قبل محافظة على النفوس والأموال، وتيسيرًا للسير مع أمن وسلام.

الدليل الخامس :

قياس الطلاق الثلاث على شهادات اللعان قالوا كما لا يعتبر قول الزوج في اللعان: أشهد بالله أربع شهادات أني رأيتها تزني إلا شهادة واحدة لا أربعًا، فكذا لو قال لزوجته: أنت طالق ثلاثًا لا يعتبر إلا طلقة واحدة لا ثلاثًا، ولو قال: أقربالزنا أربعًا مكتفيا بذكر اسم العدد عن تكرار الإقرار لم يعتبر إلا واحدة عند من اعتبر التكرار في الإقرار، فكذا لو قال لزوجته: أنت طالق ثلاثًا مكتفيًا باسم العدد عن تكرار الطلاق لم يعتبر إلا واحدة، وهكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول لا يكفي فيه عن التكرار ذكر اسم العدد كالتسبيح والتحميد والتكبير عقب الصلوات المكتوبة، والله ولي التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وسلم...

حرر في ١٢/١١/٩٣هـ

قدتم الجزء الخامس من خير الفتاوى والحمد لله اولاً وآخراً وقد فرغت من تبييضه وترتيبه في يوم الجمعة ١٣-٦-١٤٢٠ من الهجرة النبوية واسأل الله من صميم قلبي ان يتقبله الله مني ومن كل من اعانني فيه في ترتيبه وجميع اموره واسأل الله ان يرزقني شهادة في سبيله ودفنا ببلدة حبيبه والله على كل شئ قدير وبالاجابة جدير وانا العبد الفقير الى التراب ابو المساكين محمد انور عفا الله عنه مفتي وخادم الحديث بجامعة خير المدارس-ملتان

خیر الفتاویٰ

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے

علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

مرتبہ

مولانا مفتی محمد انور زید مجدہم

مکتبہ امدادیہ

ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان پاکستان

1A

جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خیر الفتاویٰ

جلد ششم

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ
ودیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی وتحقیقی فتاوی کا منتخب مجموعہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہٗ
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ مدظلہٗ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

1B

نام کتاب : خیر الفتاوی (جلد ششم)

باہتمام : حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مرتب : مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب مدظلہ

کل صفحات : ۷۲۸ صفحات

ناشر : مکتبہ امدادیہ ملتان

(Phone No. 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ ....غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ .... آرام باغ کراچی

ضروری گزارش:

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اگر اس کے باوجود کہیں کتابتی اغلاط نظر آئیں تو
نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اُن کی تصحیح کی جا سکے۔
فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین ...... (ادارہ)

اجمالی فہرست مضامینِ ''خیر الفتاویٰ'' (جلد ٦)

فہرست مضامینِ ''خیر الفتاویٰ'' (جلد ٦)

باب الایلاء

باب الظہار

﴿باب فسخ النکاح﴾

﴿مایتعلق بالتعنّت﴾

﴿مایتعلق بالجنون﴾

﴿مایتعلق بالمفقود﴾

﴿مایتعلق بالعنین﴾

﴿باب الحضانة﴾

﴿کتاب النفقة والسکنیٰ﴾

مایتعلق بنفقة الزوجة

﴿مایتعلق بالسکنیٰ﴾

﴿مایتعلق بنفقة المعتدة﴾

﴿مایتعلق بنفقة الاولاد﴾

﴿مایتعلق بنفقة ذوی الارحام﴾

مسائل شتّٰی

باب النذور

﴿باب الایمان﴾

ماینعقد به الیمین وما لاینعقد به

﴿مایتعلق بالحنث﴾

﴿مایتعلق بالکفارة﴾

﴿کتابُ اللّقطة﴾

﴿کتاب الوقف﴾

مایتعلق بتولیة الوقف

احکام المساجد

مایتعلق ببناء المسجد وتعمیرہ وتوسیعہ

مایتعلق بصرف مال الکافر والمال الحرام فی المسجد

مایتعلق ببیع ارض المسجد واستبدالها واخراجها من المسجد

مایتعلق بانتقال المسجد و امتعته

مایتعلق باموال المسجد

ما یتعلق بتزیین المساجد والکتابة علیها

مایتعلق بالتدریس فی المساجد

واقامة المدرسة فیها

﴿مایتعلق بآداب المساجد﴾

مسائل شتّیٰ

احکام مصلیٰ العید والجنازۃ

﴿احکام المقابر﴾

﴿احکام المدارس﴾

مایتعلق بتعمیر المدرسة وتوسیعها

﴿مایتعلق بوظائف المدرسین﴾

﴿مایتعلق باوقاف المدرسة﴾

مسائل شتّٰی

باب الایلاء

ایلاء کے انعقاد کیلئے قسم کا ہونا ضروری ہے:

ایک شخص کی اپنے برادر نسبتی کے ساتھ کاروبار میں شراکت تھی، چند وجوہ کی بناء پر شراکت کو ختم کرنا پڑا، لیکن اس شخص کی کچھ رقم برادر نسبتی کے پاس رہ گئی، بارہا مطالبہ کرنے پر بھی اس برادرِ نسبتی نے رقم واپس نہ کی، چنانچہ اس شخص نے اپنی بیوی سے کہا ''اپنے بھائی سے پیسے لے کر دو ورنہ میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا'' اور اس بات کو ساڑھے پانچ ماہ ہو گئے اور ابھی تک رقم کی واپسی نہیں ہوئی اور اس دوران شوہر بیوی کے پاس نہیں گیا۔ کیا اس طرح ایلاء ہو جاتا ہے یا اس طرح طلاق ہو جاتی ہے؟

سائل ...... محمد احمد، دہلی گیٹ

الجواب

صورت مسئولہ میں نہ طلاق واقع ہوئی اور نہ ہی ایلاء ہوا ہے۔ اس لئے کہ شرعاً ایلاء بننے کیلئے قسم کا ہونا ضروری ہے۔

لما فی الهندیه: الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحة منعاً مؤکداً بالیمین بالله او غیره من طلاق او عتاق (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۴۷۶) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۵/۱۰ھ

بغیر قسم کے دس سال بھی بیوی کے قریب نہ جائے تو بیوی حرام نہیں ہوتی:

خاوند اور بیوی کا باہم جھگڑا ہوا، جھگڑے کے بعد خاوند نے غصے کی وجہ سے بیوی سے چھ ماہ تک تعلقات ختم رکھے بیوی کے قریب نہیں گیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ غصے میں چار ماہ تک بیوی کے قریب نہ جانے کی وجہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ اس کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد اعظم، ملتان

الجواب

دس سال تک بھی بیوی کے قریب نہ جائے تو نہ طلاق ہوگی اور نہ ایلاء۔ کیونکہ ایلاء بننے کیلئے قسم وغیرہ کے الفاظ ضروری ہیں۔

لما فی تنویر الابصار: هو الحلف علی ترک قربانها......وحكمه وقوع طلقة بائنة ان برّ والكفارة او الجزاء ان حنث (الدر المختار، جلد۵، صفحہ۶۴۔۶۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۰/۴/۱۴۲۸ھ

قسم کی بجائے اگر خاوند ایلاء کا لفظ بولے تو اس سے ایلاء متحقق ہوگا یا نہیں؟

اگر خاوند قسم کے الفاظ تو نہیں بولتا البتہ یہ کہتا ہے کہ میں ایلاء کرتا ہوں۔ ان الفاظ سے ایلاء ہوگا یا نہیں؟

سائل ......محمد اویس، شاہ رکن عالم، ملتان

الجواب

ایلاء کا معنی چونکہ قسم کھانے کا ہے اس لئے ان الفاظ سے بھی ایلاء منعقد ہو جائیگا۔

علامہ ابن نجیمؒ (صاحب بحر الرائق) ایلاء حقیقی کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: هو ما اشتمل

علی القسم کقولہٖ الیت ان لااقربکِ ...... او مایؤل الیہ کقولہٖ انا منکِ مول قاصداً بہ الایجاب (الخ) (البحر الرائق، جلد۴، صفحہ۱۰۰)............ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۴/۲۰ھ

قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا، لیکن زبان سے قسم کے الفاظ نہیں کہے تو ایلاء نہیں بنے گا:

ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ایک بیوی نے خاوند سے قرآن پر ہاتھ رکھوا کر یہ لفظ دوسری بیوی کے حق میں کہلوائے ''میں اس نو نہ رکھنا تے نہ ای نیڑے جانا'' (یعنی نہ اس کو رکھونگا اور نہ ہی اس کے قریب جاؤں گا)۔ آیا جس بیوی کے حق میں یہ لفظ کہے گئے ہیں، وہ ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہوگئی یا نہیں یا مؤقت طور پر ایلاء ہے یا کچھ اور شکل۔ اب خاوند کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی اور نہ ہی ایلاء کی۔

سائل ...... محمد رفیق، جامع مسجد میانی، سرگودھا

الجواب

اگر اتنے الفاظ زبان سے قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہے ہیں اور زبان سے قسم نہیں اٹھائی تو قسم نہیں بنی، نہ ہی ایلاء ہوا، اور نہ ہی طلاق واقع ہوئی ہے۔ اگر قسم کھاتا تو ایلاء بن جاتا۔ کذا فی کتاب الایمان من الدر المختار و شرحہ۔[1] لہٰذا دوسری بیوی کے قریب جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۷۵/۱۲/۳۰ھ

التخریج: (۱)......فی الشامیة: لو حلف بالمصحف أو وضع یدہ علیه وقال وحق هذا فهو یمین ولاسیما فی هذا الزمان الذی کثرت فیه الایمان الفاجرة ورغبة العوام فی الحلف بالمصحف (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۰۳، ط: رشیدیہ جدید)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

''اللہ کی قسم میں تمہارے بستر کے قریب نہیں آؤں گا'' کہنے کا حکم:

بندہ نے اپنی بیوی کو جھگڑا ہونے پر یہ الفاظ کہہ دیے ''اللہ کی قسم میں اب تمہارے بستر کے قریب نہیں آؤں گا'' بندہ اس وقت وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اور بندہ کی بیوی بھی ایک دن بعد اپنے میکے چلی گئی۔ اب تین چار دن بعد غلطی کا احساس ہونے پر بندہ اپنی بیوی کو واپس لانا چاہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ کہنے کی وجہ سے طلاق یا ایلاء واقع ہوا یا نہیں؟ اگر واقع ہو گیا تو بندہ پر کسی قسم کا کفارہ ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی راہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل ...... حامد محمود، پل براراں، ملتان

الجواب

اگر شوہر نے مذکورہ الفاظ سے ایلاء کی نیت کی تھی تو شرعاً ایلاء واقع ہو جائے گا۔

لما فی الهندية: واما الكناية فكل لفظٍ لايسبق الى الفهم معنى الوقاع منه ويحتمل غيره فمالم ينو لايكون ايلاءً ا كقوله ...... لايقرب فراشها (ہندیہ، جلد۱، صفحہ۴۷۷)

پس اگر شوہر چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ گیا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور اگر چار ماہ گزرنے سے پہلے بیوی کے پاس چلا گیا تو ایلاء ساقط ہو جائیگا، البتہ اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔

لما فی الهندية: فانٍ قربها فی المدة حنث وتجب الكفارة فی الحلف باللّٰه سواء كان الحلف بذاته او بصفةٍ من صفاته يحلف بهاعرفاً، وفی غيره الجزاء، ويسقط الايلاء بعد القربان وان لم يقربها فی المدة بانت بواحدة (عالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۴۷۶) ...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۸/۱۴۲۸ھ

وقتی طور پر جماع سے رکنے کی قسم کھائی تو ایلاء نہیں بنے گا:

میں اس وقت ایک تربیت کیلئے سرگودھا میں مقیم ہوں جبکہ میری بیوی اپنے میکے بہاولپور میں ہے میں سرگودھا سے چند چھٹیوں پر اپنی بیوی کے پاس گیا، میرا اور میری بیوی دونوں کا مشترکہ خیال تھا کہ جماع نہ کیا جائے کیونکہ میری بیوی بچے کی پیدائش پر بیمار ہو جاتی ہے اور بچہ بھی مرجاتا ہے خیال تھا کہ پہلے علاج کرائیں پھر مباشرت کریں گے۔

ایک رات میں نے اپنی بیوی کو صرف پیار اور محبت کیلئے قریب بلایا، وہ قریب آ کر اس ڈر سے جلدی واپس جانا چاہتی تھی کہ شاید خاوند جماع کا ارادہ رکھتا ہو، میں نے اس کے ڈر کو دور کرنے کیلئے اس سے کہا ''قسم نال میں اوکم نئیں کراں گا'' (قسم سے میں وہ کام نہیں کروں گا) یہ الفاظ بالکل وہی ہیں جو میں نے منہ سے نکالے قسم کے ساتھ خدا یا کسی اور کا نام نہیں لیا اور مدت یا وقت منہ سے بول کر مقرر نہیں کیا، البتہ نیت صرف اسی وقت کی تھی جس وقت میں بلا رہا تھا۔ اس کے بعد ہم ایک بستر پر لیٹے رہے تمام رات، مگر جماع نہیں کیا، دو دن بعد میں جماع کئے بغیر سرگودھا چلا گیا۔ اب آٹھ ماہ بعد جانے کا ارادہ ہے، کیا یہ ایلاء ہوگا یا نہیں؟

سائل ...... احمد علی، شاہ پور سرگودھا

الجواب

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ ایلاء منعقد نہیں ہوا بلکہ یہ قسم ''یمین فور'' کے قبیل سے ہے۔ جس سے زوج اسی وقت کیلئے عورت کو اطمینان دلانا چاہتا تھا، اس کا یہ مطلب لینا ہرگز درست نہیں کہ خاوند آئندہ کیلئے بھی اپنے آپ کو اس فعل سے روکنا چاہتا ہے اور وقتی طور پر خاوند کا اپنے آپ کو مجامعت سے روکنا ایلاء نہیں کہلاتا۔

کما یفهم من الشامية: فی الشرع هو الیمین علیٰ ترک قربان الزوجة اربعة اشهر فصاعداً باللّٰه تعالیٰ .... لان مجرد الحلف یتحقق فی نحو ان

وطئتکِ فللّٰہ عليَّ ان اصلی .... لایکون بذالک مولیاً لانہ لیس مما یشق فی نفسہ (شامیہ، جلد۵، صفحہ ۶۱، ط: رشیدیہ جدید) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۳/۷/۱۳۷۴ھ

''اگر بیوی کے ساتھ لیٹا تو مجھے قرآن کی مار پڑے'' نہ یہ حلف ہے اور نہ ہی ایلاء ہے:

زید نے اپنی زوجہ کو کہا کہ ''اگر میں تمہارے ساتھ چار پائی میں لیٹا تو اللہ تعالیٰ کا قرآن مجھے مارے'' اس میں مندرجہ ذیل امور مطلوب ہیں!

(۱)...... مذکورہ بالا کلمات شرعاً یمین ہیں یا نہیں؟

(۲)...... بادی النظر میں مذکورہ کلمات فقدان اداۃ الیمین کی وجہ سے یمین نہیں ہو سکتے لیکن کیا یہ عرفاً یمین ہے؟

(۳)...... نیز اگر چار مہینے زوجہ کے ساتھ نہ لیٹا چار پائی پر تو پھر یہ ایلاء ہے یا نہیں؟

سائل ...... بندہ عبداللہ، ڈیرہ غازیخان

الجواب

فی الخانیۃ: ولو قال علیہ لعنۃ اللّٰہ ان فعل کذا او قال علیہ عذاب اللّٰہ او قال امانۃ اللّٰہ ان فعل کذا لایکون یمیناً (الخ) (خانیہ علی ہامش الہندیہ، جلد۲، صفحہ۴)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں شخص مذکور کے یہ کلمات نہ یمین ہیں اور نہ ہی ایلاء، بلکہ لغو ہیں۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۷/۲/۱۴۱۹ھ

باب الظہار

"انت امی" پر ایک تحقیقی فتویٰ جس میں احسن الفتاویٰ کی تحقیق پر محققانہ رد ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے کہ: ایک شخص نے اپنی بیوی کو دورانِ بحث ومباحثہ بدوں کسی نیت کہا کہ "تو میری ماں ہے" سوال یہ ہے کہ اگر وہ یوں کہتا کہ "تو میرے لئے میری ماں کی طرح ہے" پھر تو یہ ظہار تھا، لیکن کیا صورتِ مسئولہ میں ذکر کیے گئے جملہ سے بھی ظہار واقع ہو جائے گا؟

واضح رہے کہ مسئلہ کی تحقیق کیلئے اردو فتاویٰ کی طرف رجوع کیا گیا، لیکن دو متضاد رائے سامنے آئی ہیں مثلاً امداد الفتاویٰ میں ہے کہ "یہ لغو ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا" جبکہ احسن الفتاویٰ میں ہے کہ "قائل کی اگرچہ کوئی نیت نہ ہو طلاقِ بائنہ واقع ہو جائے گی بلکہ اگر زوج کوئی دوسری نیت بتائے تو بھی طلاق کا حکم لگایا جائے گا" الغرض قرآن وسنت کی روشنی میں بتایا جائے کہ صحیح رائے کون سی ہے؟ یہ ظہار ہے یا طلاق ہے یا لغو؟

سائل......حبیب الرحمٰن

الجواب

ظہار سے متعلقہ الفاظ تین قسم پر ہیں۔ صریح، کنایات، لغو۔

صریح: وہ الفاظ ہیں جن میں ظہار کا لفظ استعمال کیا گیا ہو، یعنی بیوی یا اس کے کسی جزو شائع کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کی ظہر یا ایسے جزو کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو جسکا دیکھنا حرام ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ عدم نیت لغو ہو گی اور ظہار واقع ہو جائیگا خواہ مشاجرت نہ ہو کما فی صریح الطلاق، جیسے انت علیّ کظھر امی۔

کنایات: وہ الفاظ ہیں جن میں حرف تشبیہ تو ہو لیکن ظہر، ظہار یا ایسا جزو مذکور نہ ہو جس کو دیکھنا حرام ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نیت وقرینہ کا اعتبار ہوگا، جیسے انت علیّ کامی۔

لغو: وہ الفاظ ہیں جن میں نہ تو ظہر اور ظہار کا لفظ ہو اور نہ ہی حرف تشبیہ مذکور ہو، صرف محرمات ابدیہ کا ذکر ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ بلانیت ومع نیت ظہار نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ''انت اختی'' یا ''انت امی'' کہا تو ظہار نہ ہوگا، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: عن ابی تمیمة الهجیمیؒ ان رجلاً قال لامرأته یا اُخَیَّة فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اختک هی فکره ذالک ونهی عنه (ابوداؤد، جلد۱، صفحہ۳۱۹، ط: رحمانیہ، لاہور)

علامہ شامیؒ مذکورہ بالا حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: افاد کونه لیس ظهاراً حیث لم یبین فیه حکماً سوی الکراهة والنهی، فعلم انه لابد فی کونه ظهاراً من التصریح باداة التشبیه شرعاً (شامیہ، جلد۵، صفحہ۱۳۳)

فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب درمختار میں ہے: وان لا ینو شیئاً او حذف الکاف لغا و تعین الادنی: ای البر، (جلد۵، صفحہ۱۳۲)

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: ففی انت امی لایکون مظاهراً وینبغی ان یکون مکروها ...... فعلم انه لابد فی کونه (الخ) (فتح القدیر، جلد۴، صفحہ۹۱)

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: وقید بالتشبیه لانه لو خلا عنه بان قال انت امی لایکون مظاهراً لکنه مکروه لقربه من التشبیه وقیاساً علی قوله یااُخَیَّة ...... فعلم انه لابد فی کونه ظهاراً من التصریح باداة التشبیه شرعاً (البحر الرائق، جلد۴، صفحہ۱۶۵)

ہندیہ میں ہے: لو قال لها انت امی لایکون مظاهراً. (جلد۱، صفحہ۵۰۷)

حاشیہ طحطاوی میں ہے: لانه لو خلا عنه بان قال انت امی لایکون مظاهراً (الخ) (جلد۲، صفحہ۱۹۷) جوہرہ میں ہے: وان قال انت امی فهو کذب (الخ) (جلد۲، صفحہ۱۴۲)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "یہ کہنا کہ "تو میری ماں ہے" محض لغو ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا" (امداد الفتاویٰ، جلد۲، صفحہ ۴۸۰) دوسری جگہ تحریر فرمایا: "اس روایت سے معلوم ہوا کہ تفصیل نیت کی اس صورت میں ہے کہ جب حرف تشبیہ بھی مصرحاً مذکور ہو، ورنہ لغو ہوگا اور مسئول عنہا میں تصریح حرف تشبیہ کی نہیں ہے اس لئے باوجود نیت کے لغو ہوگا" (امداد الفتاویٰ، جلد۲، صفحہ ۴۸۲)

مولانا ظفر احمد تھانویؒ صاحب فرماتے ہیں: قلت وقوله: "ان دخلت بيتك دخلت بيت امي" اهون من قوله "انت امي" فلما لغا هذا لعدم اداة التشبيه فالغاء ذالک اولیٰ والسِّرُّ فيه ان بحذف اداة التشبيه لايفيد اللفظ معنى التحريم شرعاً وهو المدار لصحة الظهار و الطلاق (امداد الاحکام، جلد۲، صفحہ ۸۱۹)

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ غصہ کی حالت میں ماں کہنے کا جواب تحریر فرماتے ہیں:

"اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی ظہار ہوا، مگر آئندہ ایسا نہ کہنا چاہیے کہ مکروہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، جلد۱۰، صفحہ ۲۱۲) اسی طرح فتاویٰ دار العلوم جلد ۱۰، صفحہ ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۶ اور ۲۰۹ پر بھی ہے۔

جبکہ احسن الفتاویٰ جلد ۵، صفحہ ۱۸۵ میں لکھا ہے: طلاق واقع ہو جائے گی ...... بلکہ زوج کوئی دوسری نیت بتائے تو بھی طلاق ہی کا حکم دیا جائے گا (الخ) ...... یہ درست نہیں ہے۔

ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ اب عرف ہو گیا ہے .... جس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اول تو عرفِ عام طلاق کا تسلیم نہیں ہے، اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تب بھی عرف کا اعتبار الفاظ لغو میں نہیں بلکہ الفاظ کنایات میں ہوگا۔

اور احسن الفتاویٰ میں جو حدیث کا جواب دیا گیا ہے، وہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ سب حضرات فقہاء نے اس کو اپنے اطلاق اور ظاہر پر رکھا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو نیت نہ ہونے پر محمول کرنا حضرات فقہاء کی مخالفت ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ہمیں آج تک کسی فقیہ کا یہ قول

معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابیؓ کے ارادے پر مطلع ہونے کے بعد یہ فرمارہے ہیں اور ہمیں کوئی ایسی حدیث بھی معلوم نہیں جس میں تصریح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی نیت نہ ہونے کا علم تھا۔ جب حضرات فقہاء کو تیرہ صدیوں تک اس کا علم نہیں ہوسکا تو چودھویں صدی میں اچانک یہ بات کیسے منکشف ہوگئی؟

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بدستور اپنے اطلاق پر ہے جس سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ ایسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

احسن الفتاویٰ کے شبہ کی بنیاد تنویر الابصار کی یہ عبارت ہے: ''**وان نوی بانت علی مثل امی براً او ظهاراً او طلاقاً صحت نیته والا لغا**'' اس سے حضرت مفتی صاحب زید مجدھم سمجھے کہ علامہ شامیؒ کی بیان کردہ فتح القدیر کی عبارت میں لغا سے پہلے ذکر کردہ تمام الفاظ کے بارے میں ہے، حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ اس عبارت کا تعلق صرف کنایاتِ ظہار کے ساتھ ہے، کیونکہ علامہ شامیؒ نے یہ عبارت فتح القدیر سے نقل فرمائی ہے اور انہوں نے اس کو کنایات میں ذکر کیا ہے۔ (جلد۴، صفحہ۹۱) نیز علامہ شامیؒ اور صاحب فتح القدیر نے حرف تشبیہ نہ ہونے کی وجہ سے ''انت امی'' کے ظہار نہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ (شامیہ، جلد۵، صفحہ۱۳۳) (فتح القدیر، جلد۴، صفحہ۹۱)

استدلال میں العرف الشذی اور عمدۃ القاری کی عبارت پیش کی گئی ہے ان کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں فتویٰ کی کتابیں نہیں ہیں، نیز العرف الشذی میں حضرت کشمیریؒ نے خود فرمایا ہے ''قال العلماء'' جس سے فقہاء حنفیہ مراد ہیں یعنی فقہاء حنفیہ کا مسلک بیان کرنے کے بعد اپنی ذاتی رائے نقل فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ جمہور فقہاء کے مقابلے میں حضرت کشمیریؒ کی ذاتی رائے کو مذہب حنفی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

دوسری طرف عمدۃ القاری کی پہلی عبارت میں علامہ عینیؒ نے اپنا مسلک بیان نہیں کیا بلکہ امام خطابی شافعیؒ کا قول نقل فرمایا ہے، نیز امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف الفاظِ کنائی میں ہے،

اگر لغو کے بارہ میں اختلاف ہوتا تو فقہ حنفی کی کسی کتاب میں ضرور موجود ہوتا۔

اس کے علاوہ علامہ ابن کثیرؒ، علامہ ابن حجرؒ، علامہ باجیؒ اور علامہ ابن بطالؒ کی عبارات سے استدلال کیا گیا ہے۔ ان حضرات میں سے کوئی بھی حنفی نہیں ہے، اور نہ ہی یہ فتویٰ کی کتابیں ہیں۔ لہٰذا ایسی کوئی ضرورت شدیدہ نہیں ہے کہ اپنا مذہب معلوم کرنے کیلئے فقہ حنفی کی معتبر کتب کی بجائے ان کی طرف مراجعت کی جائے۔

احسن الفتاویٰ کا موقف درست نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لغو ہونیکا مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں قرینہ ونیت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

جیسا کہ صاحب درمختار نے دوسری جگہ لکھا ہے: وظهار ها منه لغو فلاحرمة عليها ولا كفارة، اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: بيان لكونه لغواً اى: فلاحرمة عليها اذا مكنته من نفسها ولا كفارة ظهار ولا يمين (شامیہ، جلد۵، صفحہ ۱۲۹، ۱۲۸)

یہاں ہرگز یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ قرینہ ونیت ہو تو طلاق واقع ہو جائیگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۱/۲۵ھ

”اگر تجھ سے جماع کروں تو اپنی ماں بہن سے جماع کروں“ کہنے کا حکم:

محمود کی شادی اس کے والد نے ایسی جگہ کی جہاں وہ راضی نہ تھا لڑکی محمود کو پسند نہیں تھی کچھ ہی عرصہ بعد میاں بیوی میں جھگڑا ہوا تو شوہر نے بیوی سے کہا ”اگر میں تجھ سے جماع کروں تو اپنی ماں بہن کے ساتھ جماع کروں“ آیا ایسا کہنے سے ان کا نکاح تو ختم نہیں ہوا برائے مہربانی حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

سائل ...... فقیر محمد جلالپوری

الجواب

صورت مسئولہ میں شوہر نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے نہ ہی نکاح پر کوئی اثر پڑا ہے اور نہ ہی ان الفاظ سے ظہار منعقد ہوا ہے۔ لما فی الهندية: لو قال ان وطئتکِ وطئت امی فلا شیء علیه کذا فی غاية السروجی (جلد ۱، صفحہ ۵۰۷)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۱۱/۱۰ھ

”تجھے اپنی بہن کے برابر سمجھوں گا“ کہنے سے ظہار واقع نہ ہوگا:

ایک شخص (زبیر) کی شادی ہوئی پہلی رات جب اپنی بیوی (کلثوم) کے پاس گیا تو اس کو مانوس کرنے کیلئے اس سے محبت کی باتیں کرنے لگا اسی دوران اس نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ ”میں تجھے اپنی بہن کے برابر سمجھوں گا“ لیکن شوہر کہتا ہے کہ میری طلاق وظہار کسی کی نیت نہیں تھی۔ اس صورت کا شریعت اسلامی میں کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد احمد، گوجرانوالہ

الجواب

صورت مسئولہ میں زبیر کی زوجہ پر نہ طلاق واقع ہوئی ہے اور نہ ہی ظہار ہوا ہے لہٰذا کلثوم بدستور زبیر کے نکاح میں ہے اور اس کیلئے حلال ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے: ویکره قوله انت امی ویاابنتی ویااختی ونحوه (جلد ۵، صفحہ ۱۳۳)...................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۵/۱۰ھ

"خالدہ کو اپنے گھر رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں" نہ طلاق ہے نہ ظہار:

خالدہ کا نکاح اللہ بخش کے ساتھ چار سال پہلے ہوا دونوں کی زندگی خوشی سے گزر رہی تھی پھر اس کے بعد کچھ امور کی وجہ سے دونوں میں ناچاقی ہوئی اور خالدہ اپنے والد کے گھر چلی گئی خاندان والوں نے صلح کرانے کی کوشش کی اسی دوران اللہ بخش نے کہا کہ "اگر میں خالدہ کو اپنے گھر رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں" آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

سائل ...... شہزاد احمد، حافظ آباد

الجواب

اللہ بخش کا کہنا کہ "اگر میں خالدہ کو اپنے گھر رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں" حرف تشبیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے لغو ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے: **وان لا ینو شیئاً او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة** (جلد۵، صفحہ۱۳۲)

حضرت اقدس تھانویؒ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ (ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ، جلد۲، صفحہ۴۸۱)

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۵/۱۰ھ

"تو میری خالہ اور ماں کی طرح حرام ہے" کہنے کا حکم:

ایک شخص (خالد) نے اپنی بیوی (زینب) سے جھگڑے کے دوران طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے "تو میری خالہ اور ماں کی طرح ہے"۔ آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا ظہار ہوگا؟ اگر طلاق ہوگی تو کونسی طلاق واقع ہوگی؟

سائل ...... محمد اختر، وہاڑی

الجواب

صورت مسئولہ میں مسماۃ زینب پر شرعاً ایک طلاق بائنہ واقع ہو چکی ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے: وان نوی بانت علیّ مثل امّی او کامّی......... براً او ظہاراً او طلاقاً صحت نیته ووقع مانواه لانه کنایة (جلد۵، صفحہ۱۳۲)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

''میری بیوی مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے'' کہنے کا حکم:

ایک شخص سعید احمد کا اپنے سالے محمد نواز سے جھگڑا ہوا سعید احمد غصہ میں محمد نواز کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ غلطی سے اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے ''میری بیوی مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے'' آیا ان الفاظ سے بیوی پر طلاق ہوگی یا ظہار ہوگا؟

سائل ...... سعید احمد، ملتان

الجواب

الفاظ مذکورہ طلاق اور ظہار دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔ شوہر کی اگر طلاق کی نیت تھی تو طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور اگر ظہار کی نیت کی تھی تو ظہار ہوگیا، اور اگر کوئی نیت بھی نہیں کی تھی جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو بھی ظہار متعین ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے: وبانتِ علیّ حرام کامی صح مانواه من ظهار او طلاق وتمنع ارادة الکرامة لزیادة لفظ التحریم، وان لم ینو ثبت الادنی وهو الظهار فی الاصح (جلد۵، صفحہ۱۳۳)...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱/۷/۱۴۲۹ھ

کفارۂ ظہار کی ادائیگی کئے بغیر بیوی سے وطی کرنا جائز نہیں، خواہ طلاق دینے کے بعد دوبارہ نکاح کرے:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر اس کو ایک طلاق بائنہ دیدی، اس عورت نے دوسری جگہ شادی کر لی لیکن دوسرے شوہر سے نبھا نہ ہو سکا، اس نے تین طلاقیں دیدیں۔ اب عدت کے بعد اسی عورت نے پہلے شوہر سے شادی کر لی، لیکن شوہر نے ابھی تک ظہار کا کفارہ ادا نہیں کیا۔ آیا اس کیلئے اس عورت سے بدوں ادائے کفارہ وطی کرنا جائز ہے؟

سائل ...... صوفی محمد مدثر قاسم، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں بھی بدوں ادائے کفارۂ ظہار پہلے خاوند کیلئے وطی کرنا شرعاً جائز نہیں۔

چنانچہ درمختار میں ہے: فیحرم وطؤها عليه ودواعيه ...... حتى يكفر وان عادت اليه بملك يمين او بعد زوج آخر لبقاء حكم الظهار (جلد ۵، صفحہ ۱۳۰)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۵/۶/۱۴۲۹ھ

کفارۂ ظہار ادا کرنے سے پہلے ہمبستری کر لی تو مزید کوئی کفارہ لازم نہیں:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا ابھی تک کفارہ ظہار ادا نہیں کیا تھا کہ شوہر نے بیوی سے ہمبستری کر لی۔ شرعاً اس کی کیا سزا ہے؟

سائل ...... محمد ساجد علی پوری

الجواب

صورت مسئولہ میں کفارۂ ظہار کے علاوہ شخص مذکور پر مزید کوئی کفارہ لازم نہیں، تاہم

اپنے فعلِ بد پر توبہ واستغفار کرے اور کفارۂ ظہار ادا کرے۔ لما فی الدر المختار: فان وطیٔ قبله تاب واستغفر وکفر للظهار فقط (جلد۵، صفحہ۱۳۰)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

کفارۂ ظہار کی ادائیگی میں ترتیب قرآنی واجب ہے، تخییر ثابت نہیں:

ظہار کا کفارہ ادا کرنے کیلئے ترتیب قرآنی واجب ہے یا تخییر ہے یعنی روزوں کی طاقت کے ہوتے ہوئے اطعام ستین مسکینا کی اجازت ہے یا نہیں؟

سائل ...... حبیب الرحمٰن رحیمی

الجواب

کفارۂ ظہار اداء کرنے کیلئے ترتیب قرآنی واجب ہے اس میں تخییر نہیں ہے۔

لما فی البدائع الصنائع: اما تفسير ها:فما ذكره الله عز وجل فى كتابه العزيز من احد الانواع الثلاثة لكن على الترتيب. الاعتاق ،ثم الصيام ،ثم الاطعام (جلد۳، صفحہ۲۳۵).. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان
۱۰/۶/۱۴۲۹ھ

باب فسخ النکاح

بدوں کسی شرعی وجہ کے عدالتی تنسیخ شرعاً معتبر نہیں:

مسلمان جج جو خلع کے تحت نکاح فسخ کر دیتے ہیں کہ زوج اپنی زوجہ کے فرائضِ زوجیت ادا نہیں کرتا، اس صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے نکاح فسخ کرتے ہیں اور بعض عورتیں اپنے زوج کے گھر ہونے کے باوجود اور خاوند کے طلب کئے بغیر دعویٰ فسخ نکاح کر دیتی ہیں اور ان کو اور جگہ شادی کرنے کا اختیار مل جاتا ہے۔ شرعاً اسکی کیا حیثیت ہے؟

زید نامی ایک شخص نے اپنی زوجہ کے مقابلے میں اپنی ہمشیرہ کا نکاح اپنی زوجہ کے حقیقی چچا سے کر کے تبدیل پارچہ جات کر دیئے۔ اور وہ اس وقت آباد ہے، اور پھر زید نے کئی دفعہ اپنی زوجہ کے پارچہ جات تبدیل کرنے کے واسطے زوجہ کے والدین کو کہا لیکن وہ ہر بار انکار کرتے رہے، پھر زید کی طلب کے باوجود پھر بھی تنسیخِ نکاح کرا کر دوسری جگہ شادی کر لی ہے۔ کیا شرعی طور پر اسطرح نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا کہ نہیں؟ اور جس شخص نے اس تنسیخ شدہ نکاح والی عورت سے نکاح کیا ہے اس شخص سے برتاؤ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے ناکح اور گواہوں کی شرعاً کیا سزا ہے؟

سائل ...... غلام اکبر خان، میانوالی

الجواب

خاوند جب تک اپنی زوجہ کے حقوقِ زوجیت پوری طرح اداء کرنے پر قادر ہو اور نان و نفقہ کا بھی انتظام کرتا ہو اس وقت تک اس کی زوجہ کا نکاح شرعاً قابل فسخ نہیں ہوتا، اگر جج اپنے کسی قانون کے تحت فسخ بھی کر دے تو بھی شریعت میں وہ فسخ معتبر نہیں ہوتا بلکہ شریعت میں وہ قائم رہتا

ہے، اور شرعاً عورت کا دوسری جگہ نکاح درست نہیں ہوتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید نامی شخص اپنی زوجہ کے ہر طرح کے حقوق ادا کرنے پر آمادہ تھا اور بغیر کسی وجہ شرعی اس کے سسرال نے اس کی عورت کا نکاح فسخ کرا کر دوسری جگہ نکاح کرا دیا ہے تو انہوں نے یہ بالکل غلط کیا ہے؛ کیونکہ اس صورت میں زید کی عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوا اور نہ ہی دوسری جگہ اس کا نکاح درست ہوا ہے بلکہ یہ بدستور زید کے نکاح میں ہے۔ اور جن لوگوں نے یہ کام کیا ہے وہ شریعت کے سخت مجرم ہیں ان کو توبہ کرنی چاہیے۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان — ۲۱/۴/۱۳۷۸ھ

اسبابِ فسخ میں سے کوئی سبب بھی نہ پایا جائے تو عدالتی تنسیخ شرعاً معتبر نہیں:

صوفی محمد رشید ہوشیار پوری کی بڑی لڑکی کا نکاح تین سال پہلے ان کے اعزہ میں ایک لڑکے سے ہوا جو راقم نے ہی پڑھایا، اب چند دن کے بعد رخصتی کی تیاری ہونے والی تھی، درمیان میں آپس میں تعلقات خراب ہو گئے، اور رخصتی کرنے سے انکار کر دیا۔ اب صوفی موصوف کچہری کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس نکاح کے فسخ و تنسیخ کی کیا صورت ہوگی، اور شرعاً لڑکی کے دعویٰ فسخ و تنسیخ کیلئے کیا مؤیدات اور قانونی سہارے مل سکتے ہیں مزید یہ کہ پاکستان میں چونکہ غیر اسلامی حکومت قائم ہے البتہ یہ ہر نوع کے مقدمات کے فیصلے کرتے ہیں، اگر کوئی مسلم جج (جو تا حال شرعی قاضی کی حیثیت نہیں رکھتا) اگر کسی کا نکاح فسخ کر دے تو کیا از روئے فقہ حنفی اسے حقیقۃً فسخ تسلیم کر لیا جائے گا یا نہیں؟

سائل ...... سید ابو معاویہ ابو ذر غفاری، ملتان

الجواب

اصل تو یہی ہے کہ فصل خصومات کیلئے قاضی شرعی کی ضرورت ہے لیکن بد قسمتی سے یہ انتظام اکثر ممالک میں عموماً اور ہندو پاک میں خصوصاً مفقود ہے، اندریں حالات بدرجۂ مجبوری علمائے محققین نے موجودہ مسلم ججوں کے فیصلوں کو بھی معتبر مانا ہے۔ چنانچہ حیلۂ ناجزہ میں ہے:

''اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام، جج، مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ لما فی الدرالمختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً، ذکرہ مسکین وغیرہ لیکن اگر فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ غیر معتبر ہوگا'' (حیلہ ناجزہ، صفحہ ۴۳)

یہ غیر منقسم ہندوستان کے بارے میں ہے پاکستان کے حکام کی حیثیت اس سے کم قرار نہیں دی جاسکتی، الغرض موجودہ مسلم عدالتوں کا فسخ قابل عمل ہے لیکن جبکہ شرعی قاعدہ کے تحت فسخ کیا گیا ہو مثلاً فسخ کے جو اسباب شرعاً متعین ہیں انہی اسباب کی بناء پر دیگر ضروری شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے فسخ کیا گیا ہو ورنہ یہ فسخ معتبر نہ ہوگا، اسبابِ فسخ یہ ہیں! خیار بلوغ، خیار کفائت، جنونِ زوج، زوج کا عنین ہونا، یا مجبوب ہونا یا مفقود الخبر ہونا یا متعنت ہونا وغیرہ، پھر ہر سبب کیلئے خاص شرائط ہیں پس اصل سبب و شرائط دونوں میں شرعی قواعد کا لحاظ ضروری ہے، اگر بغیر سبب شرعی کے فسخ کر دیا گیا تو ایسا فسخ شرعاً کالعدم متصور ہوگا، اور اگر سبب شرعی تو موجود ہے لیکن دورانِ مقدمہ شرائط پر عمل نہیں ہوا تو بھی فسخ کالعدم (غیر معتبر) ہونا چاہیے۔

تفصیلِ بالا کے بعد صورت مسئولہ میں شرعی اسبابِ فسخ میں سے کوئی سبب فسخ موجود نہیں، لہٰذا عدالت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے باہمی مصالحت ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو

طلاق لے لی جائے یا خلع کی صورت کی جائے۔......................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۴/۱/۱۸ھ

ضررِ قولی اور مطلق شقاق موجب فسخ نہیں:

ہم ایک ایسے مُلک میں رہائش پذیر ہیں جہاں ہم شریعت کے قوانین کو لاگو نہیں کر سکتے۔اسی بنیاد پر صاف ظاہر ہے کہ ہمیں بہت سی مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔مثال کے طور پر ایک شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ زیادتی کرنے اور تشدد سے روکنے کیلئے فقہاء نے چند اُصول بنائے ہیں، جن کے مطابق وہ (شوہر) قابل تعزیر ہوتا ہے۔جب ان اصولوں پر عمل نہ کیا جائے تو ہمیں بہت سے گھریلو مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مثلاً بیوی اپنے شوہر کے قتل کا منصوبہ بنا رہی ہے، یا نعوذ باللہ کفریہ کلمات کہہ رہی ہے، یا زنا کی مرتکب ہو رہی ہے یا خودکشی کر رہی ہے۔ انہی وجوہات کے پیش نظر مشہور کتاب "الحیلة الناجزة" ترتیب دی گئی ہے۔

ہم نے جمعیت میں کام کرتے ہوئے کئی ایسے کیسوں کا سامنا کیا ہے جہاں بیوی ناموزوں حالات، آپس میں عدمِ مطابقت، پیار و محبت نہ ہونے کی وجہ سے شادی کو علی الاعلان ختم کرنا چاہتی ہے، کیا صلح کا پہلو ختم ہو جاتا ہے جبکہ شوہر طلاق نہ دینے پر بضد ہے اور نہ ہی وہ خلع کے بارے فیصلہ کرتا ہے۔ایسے صورت حال سے نمٹنے کیلئے درج ذیل امور قابل دریافت ہیں!

(۱)......کیا عدالتی کمیٹی "ضررِ قولی یا شقاق" کی بنیاد پر شادی کے غیر مؤثر ہونے کا اعلان کر سکتی ہے؟

(۲)......کیا ہم ایسی شادی کے مسئلہ کے حل کیلئے دوسرے مذاہب کا سہارا لے سکتے ہیں؟

(۳)......اگر دوسرے مذاہب میں ضررِ قولی یا شقاق جیسی کوئی چیز ہو تو کیا ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو تفصیل سے اس کی وضاحت کریں۔

(۴)......"الفقه الاسلامی وادلّته" اور "الاحوال الشخصية" کی درج ذیل عبارات کس حد تک درست ہیں؟

(الف)......عبارة الاحوال الشخصية، تحت قوله "التفريق للضرر"

وخلاصة ماجاء بذلک القانون خاصاً بالتفريق للاذى بالقول او الفعل بما لايليق بامثالهما، انها اذا ادعت الزوجة اضرار الزوج بما لايستطاع معه دوام العشرة بين امثالهما ومن هما فی طبقتهما يجوز لها ان تطلب من القاضی التفريق بينها وبينه، فان اثبتت دعواها وعجز القاضی عن الاصلاح بينهما طلّقها عليه طلقةبائنة وان عجزت عن اثبات دعواها رفضها، فاذا تكررت الشكوىٰ والعجز عن الاثبات بعث القاضی حكمين رجلين عدلين من اهلهما ان امكن (الخ) (صفحہ ۳۶۱، الطبعۃ الثالثۃ)

(ب)......عبارة الفقه الاسلامی وادلّته، تحت قوله "التفريق للشقاق او للضرر اوسوء العشرة"

رأى الفقهاء فی التفريق للشقاق: لم يجز الحنفية والشافعية والحنابلة التفريق للشقاق او للضرر مهما كان شديداً لانه دفع الضرر عن الزوجة يمكن بغير الطلاق عن طريق رفع الامر الىٰ القاضی، والحكم علىٰ الرجل بالتأديب حتى يرجع عن الاضرار بها، واجاز المالكية التفريق للشقاق او للضرر منعاً للنّزاع حتى لاتصبح الحياة الزوجية جحيماً وبلاءً، لقوله عليه السلام "لاضرر ولاضرار" وبناءً عليه ترفع المرأة امرها للقاضی فان أثبتت الضرر أو صحة دعواها طلقها منه، وان

عجزت عن اثبات الضرر رفضت دعواها، فان كررت الادعاد بعث القاضي حكمين (الخ) (الفقہ الاسلامی وادلّتہ صفحہ ۷۰۶۰)

(ج)......وایضاً تحت قوله "نوع الفرقة للشقاق"

"الطلاق الذي يوقعه القاضي للشقاق طلاق بائنٌ لان الضرر لايزول الا به (الفقہ الاسلامی وادلّتہ، صفحہ ۷۰۶۳)

(۵)......اگر حکمین کے مقرر کرنے کی کوئی گنجائش ہو تو کیا جج کمیٹی کس شخص کو مقرر کر سکتی ہے اور کس سلسلے میں؟

نوٹ: ایک کیس کی چیدہ چیدہ تفصیل ساتھ لف ہے۔ جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

والسلام

جمعیت العلماء (کے. زیڈ. این)

فتویٰ ڈیپارٹمنٹ

زید اور ہندہ کے معاملہ کا خلاصہ:

(۱)......زید جمعیت کے پاس مدد کیلئے پہنچتا ہے تا کہ جمعیت اس کی بیوی کو قانونی کاروائی سے روک سکے، جو کہ وہ طلاق کیلئے شروع کر رہی ہے۔

(۲)......ہندہ کو ایک عرصہ تک صلح کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شروع ہی سے صلح کے خلاف ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہوئے بتاتی ہے کہ اس کا دل مردہ ہو چکا ہے اسے اپنے شوہر سے کوئی محبت نہیں۔

(۳)......دوسری شادی کا مسئلہ بھی ہے۔

ہندہ نے مندرجہ ذیل نکات کی بنیاد پر شادی کو توڑنے کا مطالبہ کیا:

(الف) حقوق کی عدم ادائیگی

(ب)......عدم توجہ (نان ونفقہ کی عدم فراہمی)

(ج)......گالیاں دینا

(د)......وقت جو صرف کیا جاتا ہے

(ء)......اس کا سخت رویہ

(ہ)......شوہر کا بیوی پر مالی انحصار۔ بیوی کو ادائیگی پر مجبور کرنا

(ی)...... جذبات کا ختم ہونا، کیونکہ بات چیت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ نیز اس کے ساتھ صبح کے بالکل آغاز میں آنا، اُس کی (بیوی کی) نیند میں خلل پیدا کرنا اور ازدواجی تعلقات کا مطالبہ کرنا۔ جوئے میں رقم لگانا اور خواہ مخواہ (غصے سے) کوئی مسئلہ کھڑا کرنا، تاکہ وہ اس کا مالی طور پر خیال رکھے۔ اُسے (بیوی کو) بچوں کا بھی خیال رکھنا پڑتا تھا۔

(۴)...... ہم نے زید کی طرف سے مکمل تعاون پایا۔ اس نے پرسکون انداز میں تمام مسئلہ ہمیں بتایا۔ تاہم جب اس سے خاندان کو مالی سپورٹ کرنے کا وعدہ کرنے کیلئے کہا گیا تو وہ بات کا رخ پھیر گیا۔

نوٹ: اس موقع پر ہندہ نے نا چاہتے ہوئے بھی مکمل تعاون کا وعدہ کیا، جبکہ وہ ابھی دعویٰ کر رہی تھی کہ ازدواجی زندگی مکمل ناکام ہو چکی ہے۔

گھر کو چلانے کیلئے مرد کی جانب سے کیا کیا ضروریات پوری ہونی چاہئیں مثلاً خوراک، پانی، بجلی، ٹیلی فون اور کرایہ وغیرہ، اور کچھ اس کی بیوی کی بنیادی ضروریات (جبکہ مرد اقرار نامہ یا معاہدہ کے مطابق گھر چاہتا تھا)۔ مفتی صاحب سے مشورہ کے ساتھ یہ چیزیں زیر بحث تھیں۔

دونوں میاں بیوی کے طرزِ زندگی کے مطابق ان کو کم وبیش 3000 روپے ماہانہ کی ضرورت ہے۔ تاہم اس موقع پر زید کا جمعیت کی طرف رویہ سخت ہوگیا۔

نوٹ: اس موقع پر ہندہ کے علم میں لائے بغیر زید کی مالی مدد کرنے کیلئے جمعیت نے اسے ایک نوکری کی پیشکش کی جو کہ کمیونٹی کے ایک معزز رکن کی طرف سے تھی۔ وہ ایک سینئر اور ایماندار مرد کی تلاش میں تھا وغیرہ۔ زید نے بغیر کسی تحقیق اور دلچسپی کے انکار کر دیا۔

مفتی صاحب نے اس کے بعد معاملے کو حل کرنے کیلئے ٹیلی فون کالز اور ملاقاتوں کے ساتھ بھی مزید کوشش کی۔

جمعیت صلح کے ہر ممکن راستے سے اُکتا چکی تھی، تاہم زید کا ہر موقع پر اور ذاتی سطح پر اپنی بیوی کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی کوشش نہ کرنا صلح کے عمل کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ مزید برآں اس نے اپنی بیوی کے جذبات کو بھی ٹھیس پہنچانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ نیز وہ بہت سے لوگوں سے مشورہ کے ذریعے اس صلح کے عمل کو ختم کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا تاکہ وہ اپنے آپ کو تکنیکی طور پر صحیح ثابت کر سکے، جبکہ وہ بنیادی حقائق اور ازدواجی زندگی کی ضروریات کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا۔

(۵)......زید کے ساتھ ہندہ کے جذبات کے پہلو پر بھی غور کیا گیا جبکہ وہ (ہندہ) دعویٰ کر رہی تھی کہ شادی ناکام ہو چکی ہے۔ مندرجہ ذیل نکات نوٹ کیے گئے!

یہ حالیہ بات نہیں بلکہ ہندہ کے جذبات کئی سالوں سے مر چکے ہیں۔ ہندہ نے شکایت کی کہ شادی کے آغاز سے ہی مسائل تھے۔ اس نے برے رویّے کا مظاہرہ کیا اور اس میں جذباتی ٹھہراؤ نہ تھا۔ یہ ایک مستقل زوال کی صورت تھی۔ اس نے شکایت کی کہ شوہر کی جانب کوئی گفتگو نہ ہوتی تھی بلکہ اس کے صرف مطالبات اور برا رویّہ تھا۔ وہ بائیس سال تک کسمپرسی کی زندگی گذارتی رہی۔ تاہم زید نے کبھی بھی اس کے ساتھ اور خاندان کے ساتھ وقت نہیں گذارا۔ وہ ہمیشہ گھر سے باہر رہا، بقول ہندہ کے وہ عیش وعشرت کرتا رہا، وہ رات کو دیر سے گھر آتا اور ازدواجی حقوق کا مطالبہ کرتا جبکہ وہ گہری نیند سوئی ہوتی، یہ اس کا معمول تھا۔ زید نے جمعیت اور علماء کے ایماء پر پچھلے سال اپنا رویّہ تبدیل کرنے اور اس کا پیار جیتنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اس کے باوجود زید جو بھی کرتا ہندہ اُس کا خیال کرتی۔ حالانکہ ہندہ کے دل مین اس کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ اس نے زور دیا کہ وہ اُسے برداشت نہیں کر سکتی۔ اس نے (ہندہ نے) استخارہ کیا اور اس کا جواب منفی میں آیا۔ اس نے زور دیا کہ اس کے دل میں اس کیلئے کوئی روشنی نہیں، ذرّہ بھر بھی نہیں۔

کیونکہ وہ صورتِ حال کو کنٹرول نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے کمرے علیحدہ کر لئے، ایک ہی گھر میں گیارہ سال تک علیحدہ علیحدہ کمروں میں رہے تاہم بقول اس کے (ہندہ کے) جب اس نے (شوہر نے) بلایا، یا ازدواجی ضرورت کیلئے اس کے کمرے میں آیا تو اس نے اپنے دل کے ناچاہتے ہوئے بھی اپنے جذبات اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کیا۔ حتیٰ کہ اس نے دومرتبہ گھر بھی چھوڑا۔ وہ کہتی ہے کہ ایک مولانا صاحب نے پچھلے بارہ سالوں میں ان کے گھر کو بنانے کی کوشش میں ایک اہم ذریعے کا کام کیا۔

(۶)......اس کی اپنے شوہر سے ناراضگی شادی کے چار سال بعد ہوئی۔ چونکہ شوہر اپنا وقت جوئے اور دوسری عورتوں کے ساتھ صرف کرتا تھا، جبکہ وہ گھر پر اپنے بچوں کے ساتھ اکیلی ہوتی تھی۔

اس سلسلہ میں دیگر علماء نے بھی مداخلت کی۔ اس نے حال ہی میں ہمیشہ کیلئے گھر چھوڑ دیا۔ کیونکہ اب وہ اُسے مزید برداشت نہیں کرسکتی۔ اس گھر میں وہ بہت ٹینشن میں تھی، نفرت بڑھتی جارہی تھی، اس وجہ سے اس کی عبادات پر بھی اثر پڑ رہا تھا۔ غصہ، نفرت اور مایوسی کی وجہ سے وہ اس پر چلاّیا کرتی، وہ اکثر پریشانی اور مایوسی کی وجہ سے چلاّتے ہوئے جمعیت کے پاس آتی۔ کیونکہ اب وہ مزید اپنے شوہر کو اور اس کے سرد مہرانہ رویّوں اور اس کے گندے مطالبات کو برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ جب اس نے گھر چھوڑا، تو اس کی صحت بحال ہوگئی، اس کی چھاتی کے درد میں کمی ہوئی۔ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ امن اور قناعت کا سامنا کیا اور اپنی زندگی اللہ کے راستے میں وقف کر دی اور جماعت کے کاموں میں مصروف ہوگئی وغیرہ۔ اب وہ شادی کی بحالی کا کوئی خیال نہیں کرتی وہ صورت حال کو کنٹرول نہیں کرسکتی، یہ مکمل ناکامی ہے۔

نوٹ: یہ کیس ایک سال سے زیادہ عرصے سے چل رہا ہے اور بہت سے علماء اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے شامل ہوئے مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔

ججز کمیٹی کی سماعت کا نتیجہ

ہندہ علیحدگی پر بضد ہے، جبکہ زید محسوس کرتا ہے کہ صلح کی گنجائش باقی ہے۔

یہاں ایک خط لف ہے جو زید کی طرف سے ججز کمیٹی کو سماعت کے دن پیش کیا گیا۔

زید کا خط

معزز علماء کرام .... السلام علیکم

درخواست برائے حکم مسئلہ شادی:

آپ کے خط کا حوالہ جو 11/2/2002 کو لکھا گیا۔

اس خط کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے جو کہ میرے لئے ایک غمناک خبر تھا میں اپنی بیوی سے علیحدگی کے سلسلہ میں جمعیت سے کوئی خیال نہیں رکھتا۔ یہ صرف مفتی صاحب کی گفتگو کے ذریعے معلوم ہو سکا کہ میری بیوی مالی سطح پر سپورٹ نہ کرنے کی وجہ سے علیحدگی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں مَیں اپنے دفاع میں کچھ تفصیل جمع کراتا ہوں!

بیوی کو سپورٹ کرنا:

میں نے شریعت کے قوانین کے مطابق 96-1975ء تک 21 سال کے عرصہ میں اپنی بیوی اور بچوں کو مکمل سپورٹ کیا۔ اب 2001-1996ء کے دوران میں اس کو سپورٹ نہیں کر سکا، کیونکہ میں نے کاروبار میں کچھ رقم کھو دی ہے، (اس کی تفصیل بھی بیان کی جا سکتی ہے)

اب میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اپنے وسائل کے مطابق اپنی بیوی اور اپنی بیٹی کو سپورٹ کرنے کے قابل ہو گیا ہوں، جبکہ اس لمحے موضوع یہ ہے!

اس کا (بیوی کا) کام:

میں نے تین مواقع پر اس کے گھر سے جانے اور مرد ڈاکٹروں کے ساتھ کام کرنے پر اعتراض کیا، لیکن اس نے میری درخواست رد کر دی اور غرور کے انداز میں کام پر چلی گئی۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ''وائے بینک سرجری'' میں کام بند کر دے اور اس کے متبادل میں وہ گھر پر صرف خواتین مریضوں کی خدمت کرے۔

میں مزید وضاحت کرتا ہوں کہ اس نے (بیوی نے) کل ہی کسی اور سے شادی کا انکار کیا ہے۔ اسی لئے میرا خیال ہے کہ جمعیت کو میرے ازدواجی جھگڑے کا جو کہ مارچ 2001ء میں ہوا، میں دخل دینے کا مقصد ہمارے ازدواجی تعلقات کی بہتری اور دین اور آخرت کی بھلائی ہونا چاہیے۔

میرے خیال کے مطابق ہماری پسند کے خودمختار علماء کرام کے ایک گروہ کو ہم دونوں سے ملاقاتیں کرنی چاہییں اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے خاص مقصد کے تحت اس مسئلہ پر ہمیں مشورہ دیں اور اس میں موجود ''دلدل'' (پریشان صورتِ حال) سے باہر نکالنے کیلئے کوئی راستہ نکالیں۔

والسلام

الجواب

جب فقہ حنفی میں کسی مسئلہ کا کوئی قابل عمل حل موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں دوسرے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ شرح عقود رسم المفتی میں ہے: **وبه علم ان المضطر له العمل بذالک لنفسه...... وان المفتی له الافتاء به للمضطر** (ص ۴۵)

لیکن ایسے فتویٰ کیلئے محقق علماءِ اہلِ فتویٰ سے مشاورت ضروری ہے۔ نیز دوسرے مسالک کے علماء سے اس مسئلہ کے بارے میں متعلقہ شرائط کا معلوم کرنا اور اس کی روشنی میں فیصلہ کرنا لازم ہے۔

"الفقه الاسلامی"، "الاحوال الشخصية" کتب فتاویٰ میں سے نہیں ہیں۔ لہٰذا صرف ان کو دیکھ کر فتویٰ یا فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اور ان کے مصنف کا ہمیں علم نہیں ہے۔

ارسال کردہ کیس کی جو تفصیلات سوال نامہ میں درج ہیں اس کی روشنی میں کوئی ٹھوس وجہِ فسخ موجود نہیں، کیونکہ خاوند کا تعنت بھی متحقق نہیں اور نان ونفقہ میں جو کوتاہی سرزد ہوئی ہے اس کے تدارک کیلئے وہ تیار ہے۔ جس ضرر کی بناء پر حضرات مالکیہ نے فسخ کی اجازت دی ہے وہ ضرر قولی نہیں۔ بلکہ اس سے مراد ایسی پٹائی ہے جس سے جسم پر نشانات پڑ جائیں۔

چنانچہ فقہ مالکی کی کتاب شرح الخطاب میں ہے: **ولها التطليق بالضرر، ش، قال ابن فرحون**

فی شرح ابن الحاجب من الضرر قطع کلامہ عنھا وضربھا ضربا مولما (۴/ ۱۷)
وفی مواھب الجلیل ولھا التطلیق بالضرر اور ضرر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے
فرمایا: وضربھا ضربا مولما (۴۔۱۷)

معمولی پٹائی کو ضرر شمار نہیں کیا گیا۔ وفی شرح الصغیر: ولیس من الضرر منعھا
من الحمام والنزھۃ وضربھا غیر مبرح (۵۱۲/۲)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ضررِ قولی اور مطلق شقاق موجب فسخ نہیں بلکہ ہر پٹائی بھی موجب فسخ نہیں۔ ضربِ شدید کے تحقق پر مالکیہ کے ہاں فسخ کا حق ہے۔

عورت نے اتنے لمبے عرصے کی جو شکایات کی ہیں ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ہر ایسے مقدمہ میں فراغت کیلئے درج ذیل صورت اختیار کی جائے۔

زوجین میں اختلاف کے وقت سب سے زیادہ اور صحیح حل یہ ہے کہ حکمین یا کمیٹی مقدمہ کی سماعت سے قبل خاوند سے طلاق اور بیوی سے خلع کا حق حاصل کریں۔ اگر مصالحت کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں حکمین یا کمیٹی ایقاع طلاق یا فیصلہ خلع کی شرعاً مجاز ہوگی اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ لایجوز ایقاع الطلاق من جھتھما من غیر رضی الزوج وتوکیلہ ولا اخراج المھر عن ملکھا من غیر رضاھا فلذلک قال اصحابنا انھما لایجوز خلعھما الا برضا الزوجین فقال اصحابنا لیس للحکمین ان یفرقا الا برضی الزوجین لان الحاکم لایملک ذلک فکیف یملکہ الحکمان (احکام القرآن للجصاص، جلد ۲، صفحہ ۱۹۱)...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۹/۵/۱۴۲۳ھ

﴿مایتعلق بالتعنت﴾

خاوند بیوی کو نہ آباد کرے اور نہ طلاق دے تو عورت کیا کرے؟

غلام رسول ولد حافظ حسن بخش نے مسماۃ غلام صدیقہ بنت حاجی جان محمد سے چند شرائط پر عقد نکاح کیا!

اب غلام رسول ان تمام شرائط کا انکاری ہے نان ونفقہ نہیں دیتا، اور آوارہ عورتوں سے تعلقات رکھتا ہے منشیات کا عادی ہے، نماز روزہ کا بھی پابند نہیں، حقوقِ زوجیت ایک عرصہ سے ادا نہیں کر رہا۔ الغرض نہ طلاق دیتا ہے اور نہ ہی اچھے طریقے سے آباد کرتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں فسخِ نکاح بذریعہ عدالت ہوسکتا ہے؟

سائل ...... مولانا عبدالعزیز، مہتمم مدرسہ عزیز العلوم، شجاع آباد

الجواب

اگر غلام رسول شرعی احکام کے مطابق اپنی بیوی کو آباد کرنے سے انکاری ہے تو اس کی بیوی کو بناء بر تعنتِ خاوند مسلم عدالت میں دعویٰ دائر کر کے شریعت کے مطابق تنسیخِ نکاح کا حق حاصل ہے۔ ورنہ باہمی رضامندی سے خلع کرلیا جائے۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۷/۳/۲۳ھ

(۱) جو عورت خود ناشزہ ہو اسے شرعاً حق فسخ حاصل نہیں:

(۲) نکاح فسخ کرنے کیلئے ولایت شرعیہ کا ہونا ضروری ہے:

زوجین میں اس قدر باہمی کشیدگی ہوگئی کہ بیوی شوہر کے ہاں آباد ہونے کیلئے کسی طرح

بھی تیار نہیں۔ اسی طرح شوہر نہ طلاق دیتا ہے اور نہ خلع کرتا ہے اور نہ ہی اسے بسانے پر کسی طرح رضامند ہے۔ عرصہ گزر گیا ہر چند مؤثر تدابیر کے ذریعے صلح کی کوشش کی گئی لیکن ناکامی مقدر رہی۔ مقدمہ بازی ہوئی عدالت نے غیر شرعی طور پر (حق بلوغ بولایتِ اب وغیرہ) نکاح فسخ بھی کر دیا۔ کیا ایسی مظلومہ شرعاً کسی حیلہ سے اپنی جان اس شوہر سے چھڑا سکتی ہے؟

سائل ...... نور محمد، خطیب مسجد شیخ لاہوری، جھنگ

الجواب

ایسی صورت میں جبکہ عورت بھی ناشزہ ہے فسخ نکاح جبراً بذریعہ عدالت نہیں ہو سکتا۔ فسخ نکاح بذریعہ عدالت تب ہو سکتا ہے جبکہ عورت کی طرف سے نشوز نہ ہو صرف مرد کا تعنت ہو۔ چونکہ صورت مسئولہ میں فریقین سے نشوز ہے اس لئے فریقین کے باہمی چند آدمی بطورِ حکم فیصلہ کرا دیں تو بہتر ہوگا۔ .... فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۱/۹/۱۳۷۳ھ

(مذکورہ بالا صورت کے متعلق سائل کا مزید سوال اور اسکا جواب)

استفتاء نمبر ۶۴۳/۱۱ مذکورہ بالا صورت کا حکم جو مولوی نور محمد نے لکھا تھا وہ درج ذیل ہے!

الجواب ”اول شوہر کو طلاق کے متعلق کہا گیا، لیکن شوہر نے انکار کر دیا، اور اس کے بعد خلع کیلئے کہا گیا، لیکن اس پر بھی آمادہ نہیں ہوا، اس کے بعد ایک مجمع کے سامنے ہم نے اس کا نکاح فسخ کر دیا ہے۔ عورت کو حق ہے کہ جس جگہ چاہے نکاح ثانی کر لے“۔ فقط نور محمد

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مولوی نور محمد کا مندرجہ بالا صورت میں فسخ جائز ہے یا نہیں؟ سائل: نامعلوم

الجواب

مولوی نور محمد صاحب کا فسخ شرعاً صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ مولوی صاحب نہ تو حاکم ہیں اور نہ ہی قاضی، انہیں ولایت حاصل نہیں، فسخ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ولایتِ شرعیہ حاصل ہو۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ انہوں نے خاوند کو کہا کہ طلاق دو اس نے انکار کیا پھر خلع کیلئے کہا گیا اس پر بھی رضامند نہ ہوا، پھر فسخ کیسے کر دیا گیا؟ حالانکہ اولاً اسے کہنا چاہیے تھا کہ ''آباد کرو'' اگر آباد کرنے سے انکار کرتا پھر طلاق اور خلع کا مطالبہ کیا جاتا، پھر فسخ ہو سکتا تھا اور وہ بھی حاکم کے ذریعہ سے یا با اختیار و با اقتدار جماعت کے ذریعہ سے جہاں مسلمان حاکم نہ ملے جیسا کہ ملک ہندوستان میں، پاکستان میں تو مسلمان حاکم موجود ہیں پھر دوسرے لوگوں کو فسخ کرنے کا کیا حق ہے جن کو ولایتِ فسخ حاصل نہ ہو۔ (کذا فی الحیلۃ الناجزہ، صفحہ ۳۴) .... فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۷۶/۱/۲۵ھ

خاوند کا تعنت ثابت نہ ہو تو عدالت نکاح فسخ کرنے کی شرعاً مجاز نہیں۔ اور عدالت کا اس طرح کا فیصلہ شرعاً کالعدم ہوگا:

مسماۃ سلمٰی نے محمد بشیر خان سول جج دہاڑی کی عدالت میں اپنے خاوند محمد حنیف کے خلاف دعویٰ تنسیخِ نکاح کیا ہوا تھا اور خاوند نے بھی اعادہ حقوق زن شوئی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ جج صاحب نے دونوں مقدمات کو ملا کر مندرجہ ذیل سات تنقیحات مرتب کیں!

(۱)...... مدعیٰ علیہ کا سلوک مدعیہ کے ساتھ مسلسل ظالمانہ ہے۔

(۲)...... مدعیٰ علیہ بدنام عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے۔

(۳)...... مدعیٰ علیہ مدعیہ کو غیر اخلاقی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

(۴)...... مدعیٰ علیہ مدعیہ پر بدچلنی کا جھوٹا الزام لگاتا رہا ہے۔

(۵)...... مدعیٰ علیہ نے مدعیہ کو دو سال سے زیادہ عرصہ تک کوئی خرچ وغیرہ نہیں دیا۔

(۶)...... کیا اب فریقین حدود اللہ میں رہ کر میاں بیوی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں؟

(۷)...... کیا مدعیٰ علیہ اعادہ حقوق زنِ شوئی کا حقدار ہے؟

فاضل جج مجسٹریٹ نے ان تنقیحات پر علیحدہ علیحدہ بحث کر کے آخر تنسیخ نکاح کی ڈگری دیدی ہے۔ جس پر خاوند نے اپیل کر کے اس ڈگری کو کالعدم قرار دینے کا دعویٰ کیا تو اپیل کا فیصلہ اس کے حق میں ہوا، اور تنسیخ نکاح کے فیصلے کو کالعدم قرار دیدیا۔ اس صورت کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد حنیف ولد مہر دین جو یہ کوٹ مظفر میلسی، ملتان

الجواب

حاکم کے اختیارات شرعاً غیر محدود نہیں کہ اس کا ہر فیصلہ بہر حال نافذ اور واجب التسلیم ہی ہوگا، بلکہ قاضی و جج کے اختیارات محدود ہوتے ہیں اور وہی فیصلہ نافذ ہوگا۔ جو اپنے اختیارات کے اندر رہتے ہوئے کیا گیا ہوگا۔ عقود رسم المفتی میں ہے: **والقاضی المقلد اذا قضیٰ علی خلاف مذھبہ لاینفذ انتھی وبہ جزم المحقق فی فتح القدیر وتلمیذہ العلامۃ قاسم** (صفحہ ۴۵)

نیز شرعاً فریقین کو اپیل کا حق بھی دیا گیا ہے اور مخصوص صورتوں میں ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کو رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ درمختار میں ہے: **واذا رفع الیہ حکم قاض ...... آخر .... نفذہ الا ما عری عن دلیل مجمع او خالف کتاباً لم یختلف فی تاویلہ السلف کمتروک تسمیۃ او سنۃ مشھورۃ کتحلیل بلا وطئ لمخالفتہ حدیث العسیلۃ المشھورۃ او اجماعاً کحل المتعۃ** (جلد ۸، صفحہ ۹۷۔۸۷)

اور صورت مسئولہ میں چونکہ خاوند کا تعنت ثابت نہیں، جیسا کہ تفصیلِ سوال سے ظاہر ہے اور خاوند اعادۂ حقوقِ زنِ شوئی کا خواہاں ہے۔ پس ایسی صورت میں جج کو شرعاً فسخِ نکاح کا اختیار

نہیں۔عورت خاوندِ اول کے نکاح میں ہے۔بذریعہ خلعِ شرعی یا طلاق علیحدگی کی کوشش کی جائے،
اگر عورت آباد نہ ہونا چاہتی ہو۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان ۱۳۸۶/۱/۱۸ھ

اگر خاوند جوابدہی کیلئے حاضر نہ ہو تو کیا اس کے خلاف عدالت کا فیصلہ درست ہے؟

زید کی منکوحہ نے اپنے خاوند کے خلاف موجودہ ملکی عدالت میں تنسیخِ نکاح کا دعویٰ دائر کیا جس کے حق میں عدالت نے مندرجہ ذیل فیصلہ صادر کیا ہے!

نقل یک طرفہ ڈگری تنسیخِ نکاح مقدمہ نمبر۲۰۵ : سنہ ۵۶ء

بعدالت جناب ملک سہراب خان صاحب پی،سی،ایس ایڈیشنل سول جج درجہ دوئم ملتان،

یہ مقدمہ آج واسطے آفیسر کے روبرو ہمارے بذریعہ چوہدری محمد یٰسین وکیل منجانب مدعیہ سماعت ہوا اور حسب اطمینانِ عدالت یہ ثابت ہوگیا ہے کہ مدعیٰ علیہ پر سمن کی تعمیل حسب ضابطہ ہوگئی، لیکن وہ دعویٰ کی جوابدہی کیلئے حاضر نہیں ہوا۔پس یہ حکم یک طرفہ صادر کیا جاتا ہے ''کہ ڈگری تنسیخِ نکاح بحقِ مدعیہ برخلاف مدعیٰ علیہ صادر کی جاتی ہے اور نیز مدعیٰ علیہ رقم مبلغ 26.10 روپے بابت خرچہ معاش ہذا ادا کرے۔سو نقل حکم ثبوت یک طرفہ پیش کردہ مدعیہ سے دعویٰ مدعیہ کی تائید وتصدیق ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مدعیٰ علیہ آوارہ نکھٹو ہے اور اس نے عرصہ ساڑھے تین یا چار سال سے مدعیہ کو کوئی گزارہ خرچ نہیں دیا ہے اور بلاوجہ بقول مدعیہ کے حقوقِ زوجیت ادا نہیں کئے ہیں۔ان حالات میں مدعیہ مستحق ڈگری تنسیخِ نکاح برخلاف مدعیٰ علیہ ہے'' لہٰذا ڈگری تنسیخِ نکاح یک طرفہ بحق مدعیہ مع خرچہ مقدمہ صادر کی جاتی ہے، فیس وکیل مبلغ / 15 روپے مقرر کی جاتی ہے۔.............. دستخط جج.............. نقل مطابق اصل ہے۔

اب دریافت طلب امور مندرجہ ذیل ہیں!

(الف)......مندرجہ بالا فیصلہ کی روشنی میں زید کی منکوحہ کا نکاح فسخ ہوا کہ نہیں، اور اب وہ اپنا نکاح کسی اور شخص سے کرلے تو یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

(ب)......اگر مسماۃ مذکورہ عدت گزرنے سے قبل ہی بکر سے اپنا نکاح کرلے اور اس فسادِ نکاح کی وجہ سے بکر سے اس کا دوبارہ نکاح کرائیں تو کیا اب بھی پہلے عدت گزارنی پڑے گی درآنحالیکہ وہ بکر کی تحویل میں ۵٦ء سے ہے؟

سائل ...... عزیز دانش، حیدرآباد

الجواب

فی الشامیة:وعلیه یحمل ما فی فتاویٰ قاریٔ الهدایة حیث سئل عمن غاب زوجها ولم یترک لها نفقة، فاجاب اذا قامت بینة علیٰ ذالک وطلبت فسخ النکاح من قاض یراه ففسخ نفذ وهو قضاء علیٰ الغائب، وفی نفاذ القضاء علیٰ الغائب روایتان عندنا، فعلیٰ القول بنفاذہٖ یسوغ للحنفی ان یزوجها من الغیر بعدالعدة،واذا حضر الزوج الاول و برهن علیٰ خلاف ما ادّعت من ترکها بلانفقة لاتقبل بیّنته لان البینة الاولیٰ ترجّحت بالقضاء، فلاتبطل بالثانیة اه، واجاب عن نظیرہٖ فی موضع آخر بانه اذا فسخ النکاح حاکم یری ذالک ونفذ فسخه قاض آخر وتزوجت غیره صح الفسخ والتنفیذ والتزوج بالغیر، ولایرتفع بحضور الزوج وادعائہٖ انه ترک عندها نفقة فی مدة غیبتہٖ (الخ) فقوله "من قاض یراه" لایصح ان یراد به الشافعی فضلاً عن الحنفی، بل یراد به الحنبلی فافهم (شامیہ، جلد۵، صفحہ۳۱۱، ط: رشیدیہ جدید)

عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قضاء علی الغائب میں اختلاف

ہے۔ مگر حضرات علماء کرام نے اس کی گنجائش دی ہے اور فقہاء فرماتے ہیں کہ ”کسی مسئلہ مختلف فیہ میں اگر قاضی فیصلہ کردے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوجاتا ہے“۔ لہٰذا یہ فیصلہ نافذ ہوگیا اور شرعاً نکاح فسخ ہوگیا اور مسماۃ مذکورہ کو بعد عدت گزارنے کے دوسرا نکاح کرنا جائز ہے اور وہ نکاح صحیح ہوگا۔

(۲)......عدت کا گزارنا بعد فسخ کے لازم ہے اور عدت میں نکاح کرنا فاسد ہے اور ایسے نکاح کے بعد وطی کرنا زنا ہے۔ وہ عورت اس کی مزنیہ ہوگی۔ اگر پہلی عدت گزر چکی ہے تو زانی کا اس اپنی مزنیہ سے نکاح کرنا جائز ہے، اب جدید عدت کی ضرورت نہیں، اور دوبارہ نکاح کے بعد اس مزنیہ منکوحہ سے اسی وقت سے وطی کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر مزنیہ زانی کے علاوہ دوسرے سے نکاح کرے تب بھی نکاح جائز ہے مگر مزنیہ حاملہ سے قبل از وضع حمل وطی کرنا جائز نہیں، اور نہ تقبیل وغیرہ۔ اور اگر غیر حاملہ ہے تب بھی ایک حیض کا گزارنا اولیٰ ہوگا۔ قال ابو حنيفة ومحمد يجوز ان يتزوج امرأة حاملاً من الزنا ولايطأها حتى تضع وقال ابويوسف لا يصح والفتوىٰ على قولهما وكما لايباح وطؤها لاتباح دواعيه كذا في فتح القدير، وفي مجموع النوازل اذا تزوج امرأة قد زنىٰ هو بهاوظهر بها حبل فالنكاح جائز عندالكل وله ان يطأها عندالكل وتستحق النفقة عندالكل كذا في الذخيرة (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۸۰)

وفيه ايضاً: واذا رأى امرأة تزني فتزوجها حل وطؤها قبل ان يستبرأها عندهما وقال محمد لا احب له ان يطأها مالم يستبرأها ، كذا في الهداية (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۸۱)......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد وجیہ، مدرس مدرسہ اسلامیہ

ٹنڈوالایار، حیدرآباد (سندھ)

(نوٹ) اس دوسری عدت کا نہ ہونا جب ہی ہے جبکہ واطی ثانی سے یعنی نکاح فاسد کرنے والے ہی سے دوبارہ نکاح کیا جائے، اور اگر دوسرے سے نکاح کرنا ہو تو دوسرے واطی کے

انقطاع وطی سے دوسری عدت گزارنا ہوگی۔ لما فی الدر المختار: واذا وطئت المعتدة بشبهة وجبت علیها عدة اخریٰ (جلد۵، صفحہ۲۰۲)

وفی الشامیة: وتقدم فی باب المهر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة. (شامیہ، جلد۵، صفحہ۱۹۹)..............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۹/۲/۲۰ھ

والجواب صحیح
ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۷۹/۱/۱۱ھ

”متعنت“ اگر جوابدہی کیلئے عدالت میں حاضر نہ ہو تو اس کے خلاف عدالت کا فیصلہ درست ہے، بشرطیکہ فسخ خلع کی بنیاد پر نہ ہو:

مسماۃ زینب کو اس کے خاوند (خالد) نے چار پانچ سال تک غیر آباد رکھا۔ اس عرصہ میں نہ خبر گیری کی اور نہ خرچہ دیا اور نہ معاف کرایا۔ زینب کے باپ نے کئی دفعہ رجسٹری بھی روانہ کی کہ ”میری لڑکی کو آباد کرو ورنہ ہم خرچہ کا دعویٰ کر دیں گے“ لیکن پھر بھی پرواہ نہ کی آخر زینب کی طرف سے اس کے باپ نے یونین کونسل میں خرچہ کا دعویٰ دائر کر دیا، تاریخِ مقررہ پر خالد اور اس کا باپ محمود حاضر ہوئے۔ خالد نے چیئرمین صاحب کو کہا کہ مجھے دو ماہ کی مہلت دی جائے، تو چیئرمین نے کہا کہ دو ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی اور بچوں کو لے جاؤ ورنہ تم پر ڈگری صادر کی جائے گی، اس صورت پر خاوند نے دستخط کر دیئے اور یہ بھی لکھ دیا کہ میں نے اپنے باپ سے مشورہ کیا ہے، لیکن دو ماہ کی بجائے تین ماہ گزر گئے لیکن خالد نے عہد پورا نہ کیا زینب کی اجازت سے اس کے باپ عمرو نے درخواست دی کہ خالد نے عہد پورا نہیں کیا تو چیئرمین نے رجسٹری روانہ کی، پھر خالد کے باپ نے حاضر ہو کر ایک ماہ کی مہلت طلب کی، جو دے دی گئی، لیکن پھر بھی انہوں نے وعدہ پورا نہیں کیا

تین دفعہ حکم گئے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی حاضر نہیں ہوا، تو چیئرمین صاحب نے/360 روپے کی ڈگری کا حکم صادر کیا، جو ادا نہ ہوا آخر زینب کی طرف سے اس کے باپ عمرو نے عدالت سول جج (جو مسلمان اہلسنت والجماعت تھے) میں دعویٰ تنسیخ نکاح کر دیا سول جج صاحب نے تقریباً چھ سات مرتبہ حکم بھیجے، مگر خالد حاضر نہ ہوا، چنانچہ اخبار میں نوٹس جاری کیا کہ فلاں تاریخ کو اگر تم حاضر نہ ہوئے تو یکطرفہ کاروائی کی جائے گی تو عمرو (زینب کا باپ) نے خود ایک رجسٹری بنام محمود روانہ کی کہ آپ یا آپ کا لڑکا عدالت میں حاضر ہو کر مقدمہ کی پیروی کریں وگرنہ یکطرفہ فیصلہ ہو جائے گا، مگر دونوں میں سے کوئی بھی حاضرِ عدالت نہ ہوا، تو سول جج صاحب نے حکمِ طلاق دیدیا۔ عمرو نے فیصلہ کی نقل کر کے ایک نقل بنام مفتی محمد شفیع صاحب، کراچی بھیجی اور دوسری نقل دارالعلوم دیوبند بھیج دی کہ آیا طلاق ثابت ہے یا نہیں؟ بہت سے مفتیوں نے لکھا کہ طلاق ثابت ہے بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ چنانچہ دو سال گزرنے کے بعد اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا۔ لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ حنفی المذہب ہیں لہٰذا عدالت کا فسخ صحیح نہیں ہے، اور یہ نکاح حرام ہے۔ اب دریافت طلب امور درج ذیل ہیں!

(۱)......آیا یہ حرام ہے یا نہیں؟

(۲)......اگر شرعاً طلاق ثابت ہے اور نکاح ثانی جائز ہے تو اس نکاح ثانی کو حرام کہنے والے کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا نہ؟ جو حکم ہو تحریر فرمائیں۔

سائل ...... شفیق احمد، چک نمبر۱۴/۳۹ کسووال، ساہیوال

الجواب (۱)

(از دارالافتاء دارالعلوم، کراچی)

(۱)......صورت مسئولہ میں مسلم جج نے شوہر کے (باوجود اطلاع یابی کے) تاریخ مقررہ کو پیشی پر

جواب دہی کیلئے حاضر نہ ہونیکی وجہ سے اور عورت کا دعویٰ ثابت ہونے کی بناء پر نکاح فسخ کیا ہے تو شرعاً فسخ صحیح ہے اور بحکمِ طلاق ہے اور تاریخ فسخ سے عدت گزار کر عورت نے جو دوسری جگہ نکاح کیا ہے وہ بھی صحیح اور بلاشبہ جائز ہے۔

(۲)......صورت مذکورہ میں جو شخص اس نکاح ثانی کو حرام کہتا ہے سخت گنہگار اور مجرم ہے، اس کو توبہ واستغفار کر کے ناکح اور منکوحہ سے معافی مانگنی چاہیے ورنہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ مسماۃ زینب زوجہ متعنت ہے اور علماء حنفیہ نے اس کی تفریق کیلئے مذہب مالکیہ پر فتویٰ دیا ہے۔...................................... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	احقر محمد صابر عفی عنہ
مفتی محمد شفیع، کراچی	یحیٰ عفی عنہ	۱۳۸۸/۵/۲۲ھ

الجواب (۲)

(از دارالافتاء لائل پور)

(۱)......جو تفصیل آپ نے سوال میں درج کی ہے کہ ایک مسلمان جج نے فیصلہ دیا ہے اور زوج کو متعنت اور ظالم قرار دیدیا ہے اور نکاح فسخ کر دیا ہے تو شرعاً بھی اس سے نکاح فسخ ہو گیا ہے، اور عورت مرد کے نکاح سے آزاد ہو گئی ہے اور جب شرعی طور پر باقاعدہ عدت گزارتے ہوئے اس نے دوسری جگہ نکاح کر دیا ہے اور اس نکاح ثانی میں کوئی اور شرعی خرابی کسی قسم کی نہیں ہے تو یہ نکاح شرعاً جائز اور درست ہے اور دونوں پر گناہ نہیں ہے۔

(۲)......اب ایسی صورت میں کوئی شخص اگر اس نکاح ثانی کو حرام کہتا ہے اور اس تعلق کو ناجائز بتلاتا

ہے تو وہ ظلم اور زیادتی کر رہا ہے اور بلا وجہ ایک مسلمان مرد اور عورت کی عزت و آبرو کو داغدار کرتا ہے اور ان کو بدنام کرتا ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: **الا ان دمائکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم** (الحدیث) اس حدیث کی رو سے اس ناجائز امر کا اس نے ارتکاب کیا ہے تو وہ اپنی اس غلط بات سے رجوع کر کے اعلان کر دے اور دونوں سے معاف کرائے اور جن جن حلقوں میں اس نے یہ بات کہی ہے اب انہی حلقوں میں یہ اعلان بھی کر دے کہ "مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں نے غلط بات کہی تھی اب مجھے مسئلہ معلوم ہو گیا ہے اس لئے میں اپنی غلطی سے رجوع کرتا ہوں" تا کہ اس سابقہ غلطی کا تدارک ہو جائے اور ان کی بدنامی کا ازالہ ہو جائے اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی محض ضد اور عناد کی بناء پر اپنی غلطی پر ڈٹا ہوا ہے اور فتویٰ کی رو سے حلال کو حرام قرار دیتا ہے تو تنبیہاً اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور تنبیہاً ایسے ضدی اور معاند کو امام مقرر نہ کیا جائے۔............ فقط واللہ اعلم

احقر سید مصباح الدین کاکاخیل

مدرس مدرسہ اشاعت العلوم لائل پور

۱۹۶۹/۲/۲ء

(تصدیق، از مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی، بہاولنگر)

مذکور الصدر دونوں جواب درست ہیں نصوص قطعیہ کے مطابق ہیں کسی کا یہ کہنا حنفیوں کے نزدیک یہ فسخ درست نہیں محض ہٹ دھرمی اور ضد پر مبنی ہے اور فقہاء حنفیہ کی تصریحات سے غفلت یا جہالت کا ثمرہ ہے۔ صورت مسئولہ میں یہ وہ قضاء علی الغائب نہیں جس کو فقہاء نے منع کیا ہے جس غائب کے خلاف قضاء ممنوع ہے وہ وہ ہوتا ہے جو شہر میں بھی نہ ہو اور اس کو اطلاع بھی نہ

کی گئی ہو (ونحوذالک) کیونکہ اس صورت میں معلوم نہیں کہ وہ مدعی کے حق کا اقرار کرتا ہے یا انکار اس لئے قاضی کا فیصلہ گواہی سن کر بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ شہادت انکار کی صورت میں ہوتی ہے اور یہ معلوم نہیں کہ وہ انکار کرتا ہے یا اقرار، جبکہ موجودہ صورت میں مدعیٰ علیہ نے جان بوجھ کر روپوش ہو کر جان بچانے کی کوشش کی ہے اس کو غائب نہیں کہتے۔ لہٰذا یہ متعنت ہے اس کے خلاف گواہی کے صحیح ہونے کی سب فقہاء تصریح کرتے ہیں۔ چنانچہ شامیہ میں ہے: لایجوز القضاء علیٰ الغائب الا اذا رأی القاضی مصلحة فی الحکم له وعلیه، فحکم، فانه ینفذ لانه مجتهد فیه اه قلت: وظاهره ولو کان القاضی حنفیاً ولو فی زماننا ولاینافی مامرّ لان تجویز هذا للمصلحة والضرورة (شامیہ، جلد۸، صفحہ۱۲۰)

یعنی ضرورت کے موقعہ پر حنفی قاضی غائب مدعیٰ علیہ کے خلاف فیصلہ سنا سکتا ہے۔

اسی طرح علامہ شیخ ابن الہمام ''فتح القدیر'' میں فرماتے ہیں: لاینبغی للقاضی ان یقضی علیٰ الغائب، الا ان مع هذا لو وکل وکیلاً وانفذ الخصومة بینهم فهو جائز وعلیه الفتویٰ (فتح القدیر، جلد۶، صفحہ۴۰۲)

یعنی فقہاءِ حنفیہ کا فتویٰ اس پر ہے کہ ''ضرورت کے وقت قضاء علی الغیب درست ہے'' اور تنسیخ نکاح بھی ضرورت پر مبنی ہے۔

نیز قضاء علی الغائب کو حنفی مذہب کے خلاف کہنا بھی غلط ہے امام ابویوسفؒ کا آخری قول یہی ہے کہ قاضی عند الضرورت قضاء علی الغائب کرسکتا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے: وکان ابویوسفؒ یقول اوّلاً لایقضی بالبینة والاقرار علیٰ الغائب جمیعاً ثم رجع لمّا ابتلی بالقضاء وقال یقضی فیهما جمیعاً (فتح القدیر، جلد۶، صفحہ۴۰۲)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: اما اذا حکم الحنفی بمذهب ابی یوسفؒ او محمدؒ او

نحوهما من اصحاب الامام فليس حكماً بخلاف رأيه (شامیہ، جلد۸، صفحہ۱۰۸)

اسی بنا پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ خاوند بیوی کا خرچہ ادا نہ کرے اور روپوش ہو جائے تو امام احمدؒ کے مذہب کے مطابق عورت کو اجازت ہے کہ قاضی کی عدالت میں دعویٰ کر کے نکاح فسخ کرائے:

اذا قامت بينة علىٰ ذالک وطلبت فسخ النكاح من قاض يراه ففسخ نفذ وهو قضاءً علىٰ الغائب، وفي نفاذ القضاء علىٰ الغائب روايتان عندنا، فعلى القول بنفاذه يسوغ للحنفي ان يزوجها من الغير بعد العدة (شامیہ، جلد۵، صفحہ۳۱۱، ط: رشیدیہ جدید)

(۲)..... جب معلوم ہو گیا کہ قاضی مجسٹریٹ کی قضاء خلاف مذہب نہیں اور اگر امام صاحب کا قول بھی لیا جائے تب بھی یہ اجتہادی چیز بن جائے گی اور اجتہادیات میں قاضی کی قضاء معتبر ہو جاتی ہے۔ درمختار میں ہے: ينفذ القضاء بشهادة الزور (ظاهراً وباطناً حيث كان المحل قابلاً والقاضي غير عالم بزور هم) في العقود كبيع ونكاح والفسوخ كاقالة وطلاق (الدر المختار، جلد۸، صفحہ۱۰۴)

قاضی کی قضاء کے بعد حل وحرمت کا حکم تابع قضاء ہو جاتا ہے خواہ نکاح کا حکم کیا گیا ہو یا طلاق یا فسخِ نکاح کا بشرطیکہ محل قابلِ حکم ہو اور موجودہ صورت میں محل قابلِ حکم ہے، کیونکہ متعنت کی بیوی نفقہ کی ضرورت کیلئے تنسیخِ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے اور قاضی کے فیصلے کے بعد نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور دوسرے نکاح کی اجازت مل جاتی ہے۔ اب پہلے کیلئے حرام اور دوسرے کیلئے حلال ہو جائے گی، اس حل وحرمت کو ظاہراً وباطناً کہنا چاہیے، کسی کو اختیار نہیں کہ قضائے صحیح کے بعد اول کیلئے حلال اور ثانی کیلئے حرام کہے۔ اس طرح کہنے والا حکم شرعی سے منہ پھیرنے والا ہے۔ اسلامی قواعد کے مطابق مستحق تعزیر ہے۔ یقیناً فاسق ہے جیسا کہ اوپر کے جواب میں لکھا جا چکا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہو گی۔ اس پر واجب ہے کہ کھلے طور پر توبہ کرے اور آئندہ اس شر سے باز آ جائے اور اس کے اس فعل میں حقوق العباد کا تلف کرنا بھی پایا گیا، اس لئے زوجین

جن کے بارے میں اس نے غلط الفاظ بولے ہیں ان سے بھی معافی طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ سب کو عمل صالح کی توفیق عطاء فرمائے۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالقدیر، فقیر والی

مدرسہ قاسم العلوم، فقیر والی، بہاولنگر

۱۳۸۸/۶/۲۷ھ

(تصدیق از دارالافتاء خیر المدارس، ملتان)

دونوں جواب درست ہیں۔ .... بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

ہر دو جواب درست ہیں۔ .... خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم خیر المدارس، ملتان

۱۳۸۸/۱۱/۲۴ھ

﴿مایتعلق بالجنون﴾

زوجۂ مجنون کو شرعاً تفریق کا حق حاصل ہے جبکہ اسکا جنون خطرناک ہو:

کیا زوجۂ مجنون کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ تفریق کا مطالبہ کرے اور مجنون کی زوجیت سے نکل جائے؟

سائلہ...... مسماۃ مزمل بی بی، تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

الجواب

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ مسلمان حاکم (جج یا مجسٹریٹ) کی عدالت میں درخواست دے اور بذریعہ شہادت شرعیہ اپنے خاوند کا خطرناک مجنون ہونا ثابت کرے جس حاکم کے پاس مقدمہ پیش ہو وہ واقعہ کی پوری تحقیق کرے اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو تو حاکم اس مجنون کو علاج کیلئے ایک سال کی مہلت دیدے اور پھر اگر سال ختم ہونے پر بھی یہ عورت دوبارہ درخواست کرے اور خاوند کا مرضِ جنون ہنوز موجود ہو تو عورت کو اختیار دیدیا جائے اس پر اگر عورت اسی مجلسِ تخییر میں فرقت طلب کرے تو حاکم اس کا نکاح فسخ کردے۔ حاکم کیلئے لازم ہے کہ ان الفاظ کی تصریح کرے کہ ''میں نے ان کا نکاح فسخ کردیا'' اس کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرنے کی شرعاً مجاز ہوگی۔ (الحیلۃ الناجزۃ، صفحہ ۵۴)...................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان	خیر محمد عفا اللہ عنہ
۱۳۸۸/۲/۲۲ھ	مہتمم خیر المدارس، ملتان

شادی کے بعد خاوند پاگل ہو جائے تو عورت کو حق فسخ کب حاصل ہو گا، اور اس کی شرائط اور طریقہ کیا ہے؟

ایک شخص جو کہ شادی شدہ ہے، مگر دماغی طور پر مخبوط الحواس ہے، عرصہ چھ سال گزر چکا ہے ڈاکٹروں و حکیموں سے بہت علاج کرایا، مگر آج تک ذرہ برابر فائدہ نہیں ہوا پاگل پن کی یہ حد ہے کہ کسی سے کوئی بات نہیں کرتا، گرمی سردی کا احساس تک نہیں، بھوک سے بھی نا آشنا ہے، اس کا نام لے کر پکارا جائے تو دیکھتا تک نہیں، ہر وقت لغو باتیں کرتا ہے، گالیاں بکتا ہے، اس کی بیوی جوان ہے اس کی پرواہ نہیں، گھریلو اخراجات کا کوئی بندوبست نہیں، بیوی کا والد ضعیف العمر ہے، آنکھوں کی بینائی سے محروم ہے، وہ بھی بیٹی کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا شریعت کی رو سے بتائیں کہ وہ بیوی ایسے پاگل خاوند سے خلع کے ذریعے طلاق حاصل کر سکتی ہے یا نہیں؟

(سائل سے تنقیح کرائی گئی جس کا جواب درج ذیل ہے)

جواب تنقیح

(۱)......جنون کی کیفیت عرصہ سات سال سے ہے اور یہ شادی کے تین سال بعد ہوئی۔

(۲)......یہ کیفیت ہر موسم میں اور لگاتار ہے۔

(۳)......نکاح کے وقت درست تھا اور لڑکی کی رخصتی بھی ہوئی اور تین سال تک آباد رہی۔

(۴)......لڑکی قولاً، فعلاً اور عملاً شخص مذکور کے ساتھ رہنے پر رضامند نہیں۔

(۵)......لڑکی نہایت شریف ہے اور مذکور آدمی لڑکی کو مارتا ہے۔

سائل ...... احمد دین، سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

الجواب

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں اگر زینب نے زید کے مکمل پاگل ہونے کے بعد زبان سے یا اپنے عمل سے اس کے ساتھ رہنے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو تو شرعاً زینب کیلئے فسخ

نکاح کا حق حاصل ہے۔ عملی رضامندی یہ ہے کہ پاگل ہو جانے کے بعد ہمبستری یا اس کے توابع (بوس و کنار) پر بخوشی قدرت دے، قولی یا عملی رضامندی کے بعد حق فسخ باقی نہیں رہتا۔ فسخ کا طریقہ یہ ہے کہ زینب عدالت میں درخواست دے۔ عدالت مجنون کی حالت پر غور کرے اگر اس کے ساتھ رہنا دشوار ہو تو علاج کیلئے ایک سال کی مہلت دیدے سال کے بعد بھی اگر ٹھیک نہ ہو تو پھر دوبارہ درخواست دے اس کے بعد عدالت عورت کو علیحدگی یا ساتھ رہنے پر اختیار دے گی۔ اگر علیحدگی کو اسی مجلس میں اختیار کرے تو حاکم ان میں تفریق کر دے پھر عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکے گی۔ (کذا فی الحیلۃ الناجزۃ، صفحہ ۵۴۔۵۵)

سابقہ علاج اور مدت قابل التفات نہیں معاملہ اللہ پاک کے ساتھ ہے جعل سازی نہ ہو۔............................ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۳/۵/۱۴۰۶ھ

اگر دیندار ڈاکٹر کی رائے میں مجنون خاوند کا تندرست ہونا ممکن نہ ہو تو عدالت بلا مہلت بھی نکاح فسخ کر سکتی ہے:

ایک لڑکی کا نکاح اس کے والد صاحب نے بعالم شیر خوارگی بعمر پانچ ماہ ایک لڑکے سے اپنی برادری میں کر دیا تھا، اب وہ لڑکی 20 سال کی ہو گئی ہے، اور وہ لڑکا بھی بتدریج بڑا ہو کر بالغ ہو چکا ہے اور وہ لڑکا شروع سے ہی عقل سے بالکل پاگل لاعقل ہے، بلکہ اس سے بھی ڈر ہے کہ مارنے بھی لگ جاتا ہے، سارا سال اسی پاگل حالت میں رہتا ہے اور اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہے، لڑکی اس سے شادی کرنے اور آباد ہونے سے انکاری ہے اور لڑکا نہ کسی سے بول کر مطلب ادا کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کی بات سن کر سمجھ سکتا ہے نہ جواب دے سکتا ہے، اس لڑکے کو اپنے کپڑے

پہننے کا بھی ہوش نہیں ہے بلکہ اس کے والدین اس کو کپڑے پہناتے ہیں، یہ سب گاؤں والوں کو معلوم ہے۔اب اس حالت میں شریعت کے فیصلہ سے مطلع فرمائیں۔

سائل ...... سید بہاول شاہ، کوٹ غلام قادر، وہاڑی

الجواب

صورت مسئولہ میں اس مجنون کی زوجہ عدالت مسلمہ میں درخواست دے کہ "میرا خاوند مجنون ہے اور میرا گزارہ اس کے ساتھ مشکل ہے اور مجھے اس مجنون سے ایذاء رسانی کا اندیشہ ہے" اس پر یہ عورت ثبوت بھی پیش کرے حاکم تحقیقِ واقعہ کے بعد مجنون کے وارثوں کو ایک سال کی مہلت بغرضِ علاج دیدے، اگر وہ ایک سال کے اندر اندر علاج کرا کے عورت کو آباد کرنے کے قابل بنالیں تو فبہا، ورنہ اگر اس کی حالت وہی ہو جو سابقہ تھی تو عورت کے دوبارہ درخواست دینے پر حاکم (جج) عورت کو اختیار دیدے پھر عورت اسی مجلس میں فرقت (جدائی) اختیار کرے، اگر حاکم کو یہ اندازہ ہو کہ مجنون کو سال بھر کی مہلت دینا بھی فضول ہے اور اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے سے یہ معلوم ہو کہ یہ شخص لاعلاج ہے تو فی الفور فسخ کر دینا بھی جائز ہے۔

(کذا من الحیلۃ الناجزۃ، صفحہ ۵۴ تا ۵۹)..............فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

١٧/٥/١٣٧٨ھ

مایتعلق بالمفقود

مفقود کی بیوی اگر گناہ میں مبتلا ہو جائے تو عدالت بلا مہلت اسکا نکاح فسخ کر سکتی ہے:

میں ایک لمبا عرصہ یعنی گیارہ بارہ سال سے بغیر خاوند کے گزر اوقات کرتی رہی ہوں، میرا خاوند لاپتہ ہے، اب چھ ماہ ہوئے ہیں کہ اس کا پتہ چلا ہے کہ وہ زندہ ہے، مگر یہ نہیں معلوم کہ کہاں رہتا ہے یا کہاں نہیں شنیدہ باتیں ہیں، میں علمائے کرام سے اس مسئلہ کو حل کرانا چاہتی ہوں کہ مجھے شریعتِ محمدی کیا حکم دیتی ہے، کیونکہ میرا گزارہ اب نہیں ہو سکتا ہے۔ نیز ایک لڑکا اور ایک لڑکی اس کے نطفہ سے وہ بھی اس کے ساتھ لاپتہ ہیں اور ایک لڑکا میرے پاس ہے گویا یہ تین بچے ہوئے، اب ناجائز صورت کے دو لڑکے میرے اور ہیں اب میں یہ نہیں چاہتی کہ میں برائی کرا کر پیٹ پالوں میرے لئے جو حکم شریعت صادر فرمائے میں اس پر کاربند ہو جاؤں گی۔

ایک سائلہ

الجواب

صورت مسئولہ میں جبکہ یہ عورت عرصہ گیارہ بارہ سال سے بغیر خاوند کے بسر اوقات کر رہی ہے، تو چاہیے کہ یہ عورت مسلم عدالت میں دعویٰ کرے کہ میرا فلاں شخص سے نکاح ہوا تھا، اور وہ عرصہ گیارہ بارہ سال سے غائب ہے اور اس نے میرے لئے نہ کوئی نان ونفقہ کا انتظام کیا ہے اور نہ ہی کسی کو وکیل بنایا ہے، اس نکاح پر اپنے گواہ پیش کرے اور حلف بھی اٹھائے اس کے بعد حاکم معاملہ کی تحقیق کرے جب حاکم کو یقین ہو جائے کہ واقعی اس کے خاوند نے اس عورت کیلئے نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا اور غائب ہو گیا تو اس خاص صورت میں ''جبکہ یہ عورت گناہ میں مبتلا ہو چکی ہے'' بوجہ

عدم نفقہ کے فوراً نکاح کو فسخ کر دے۔(کمافی الحیلۃ الناجزۃ)............... فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۸/۴/۱۴ھ

جو شخص ہندوؤں یا سکھوں کا مکمل شعار اختیار کر لے اور ہجرت کر کے پاکستان نہ آئے اسکی بیوی کیلئے کیا حکم ہے:

گزشتہ فسادات میں ایک لڑکی کا خاوند ہندوستان میں سکھوں کے ساتھ برضا ورغبت مل گیا ہے، اور اس نے سکھوں والا شعار بھی اختیار کر لیا ہے اور صراحۃً کلمۂ ارتداد کا ثبوت نہیں۔تو اب اس کی بیوی کے متعلق کیا حکم ہے؟ جبکہ وہ ابھی جوان ہے اور بیچاری نان ونفقہ سے تنگ ہے۔ آیا اس کا نکاح دوسری جگہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... مستری عزیز الدین، منٹگمری

الجواب

صورت مسئولہ میں کسی طرح سے اس شخص کا حال معلوم کیا جائے اور تحقیق کی جائے کہ اگر اس شخص نے جبکہ تمام لوگ وہاں سے ہجرت کر کے آ رہے تھے اور وہ شخص باوجود قدرت کے نہیں آیا اور یہ کہا کہ ''میں ان کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں'' اور ان کے شعار وغیرہ اختیار کر لئے تب تو یہ شخص مرتد ہو گیا اس کی بیوی کا نکاح فسخ ہو گیا ہے۔وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرنے میں مختار ہے، اور قضائے قاضی اور حکمِ حاکم کی بھی ضرورت نہیں ہے۔(کذافی حیلۃ الناجزۃ، صفحہ ۱۰۶، نقلاعن الشامیہ)

اور اگر وہ شخص کسی دباؤ کی بناء پر نہ آسکا اور دباؤ کی وجہ سے ہی شعار بدل لیا تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوا، پھر وہ شخص غائب مفقود ہے جس کی عورت کی رہائی کی جدا صورت ہے اس کے

متعلق مزید تحقیق کرا کے دوبارہ استفتاء کیا جائے............ فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۶۹/۱/۲ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

مفقود کی بیوی نے عدالتی تنسیخ کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا بعد ازاں مفقود بھی واپس آ گیا تو یہ عورت کسے ملے گی؟

مسمّٰی شیر محمد ولد صدر الدین کی شادی مسماۃ خاتون دختر رحیم بخش سے فروری ۱۹۶۰ء میں ہوئی تھی۔ اس کے دو سال کے بعد مسمّٰی شیر محمد گھر سے کہیں چلا گیا، اور اس پر کوئی ایسی آفت آ پڑی کہ وہ کسی کو اطلاع بھی نہ دے سکا، لڑکی کے والدین نے ۱۹۶۴ء یعنی چار سال کے بعد عدالت میں تنسیخِ نکاح کا دعویٰ کر دیا، اور ۱۹۶۷ء میں عدالت سے نکاح فسخ کر دیا گیا، اور مسماۃ خاتون کی شادی شفیع محمد سے کر دی گئی، حالانکہ جس فتویٰ کے تحت تنسیخِ نکاح کرائی گئی ہے اس میں صراحۃً درج ہے کہ اس کے بعد بھی ایک سال چار ماہ دس دن مسماۃ خاتون انتظار کرے، مگر لڑکی کے والدین نے دو ماہ بعد ہی خاتون کا نکاح شفیع محمد سے کر دیا۔

(۱)......کیا از روئے شرع عدالتی کاروائی سے تنسیخِ نکاح کرانا درست ہے؟ اور شرعاً مسلک حنفی کے مطابق خاتون کا نکاح فسخ ہو گیا؟

(۲)......اور پھر کیا اس کے فوراً بعد ہی بلا کسی انتظار کے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳)......دریں صورت کیا از روئے شرع مسمّٰی شیر محمد کا نکاح فسخ ہو گیا تھا؟ اب عرصہ ایک ماہ سے یعنی دسمبر ۱۹۶۷ء خود مسمّٰی شیر محمد ولد صدر الدین واپس گھر آ گیا ہے اور اب وہ بھی مسماۃ خاتون کا دعویدار ہے۔ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ از روئے شرع تفصیلاً جواب عنایت فرمایا جائے۔

سائل ...... محمد سعید، بہاولنگر

الجواب

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ مسماۃ خاتون دختر رحیم بخش شوہر اول مسمّٰی شیر محمد ولد صدر الدین کو ملے گی، لہٰذا عورت مذکورہ کا فوراً دوسرے خاوند مسمّٰی شفیع محمد سے جدا ہونا لازم ہے، البتہ اگر شفیع محمد اور مسماۃ خاتون کے درمیان خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو مسماۃ خاتون پر تین حیض عدت گزارنا لازم ہے اور وہ ایام عدت میں شوہر اول کے گھر رہے گی، اور عدت کے دوران شوہر اول کو ہمبستری جائز نہیں بلکہ پوری احتیاط لازم ہے۔ کما فی الحیلۃ الناجزۃ۔ (صفحہ ٦٩۔٦٨)............ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١٣٨٧/١٠/٢١ھ

مفقود کا مال اس کے ہم عمر لوگوں کے ختم ہونے تک محفوظ رکھا جائے گا البتہ اسکی بیوی حسب ضابطہ فسخ کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے:

ایک بیوہ مسماۃ گلزاراں مائی جو تقریباً پانچ سال سے لاپتہ ہے اس کے نام پر انتقال اور رجسٹری پلاٹ تقریباً ٨/ ٩ مرلہ موجود ہے جو اس وقت محلہ داران کے مشورہ پر میرے قبضہ میں امانتاً ہے بیوہ گلزاراں کا آج تک کوئی پتہ معلوم نہیں ہو سکا، محلہ داران چاہتے ہیں کہ مذکورہ پلاٹ مسجد کے امام کی رہائش کیلئے وقف کر دیا جائے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں امام مسجد کیلئے اس پلاٹ پر مکان بنا کر دے سکتا ہوں یا نہیں؟ یا محلہ داروں کے حوالہ کر سکتا ہوں؟

سائل ...... حاجی نذر حسین، گلی نمبر ٧ سمیجہ آباد چوک دین پورہ، ملتان

الجواب

عورت مذکورہ مفقود الخبر ہے اور مفقود الخبر کو باتفاق جمہور ائمہ اپنے مال کے بارہ

میں اس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ پائے جائیں، جس وقت اس کی بستی میں اس کے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اس وقت اس کی موت کا حکم دیا جائے گا[1]۔ لہٰذا عورت مذکورہ کے مال کو نہ تقسیم کیا جائے، اور نہ ہی اس کو رفاہ عامہ کے کاموں (مثلاً امام مسجد کیلئے مکان وغیرہ تعمیر کرنا) میں صرف کیا جائے، بلکہ اسے امانت رکھا جائے۔ کذا فی الحیلۃ الناجزۃ۔ (صفحہ ۵۹)................ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۷۵/۸/۶ھ

التخریج: (۱)......ولا یقسم ماله حتی یعلم موته او یاتی علیه من الزمان مالا یحیٰ الی مثله فی قول اصحابنا کلهم(حیلۂ ناجزہ، صفحہ ۶۳، بحوالہ مدونہ جلد ۲، صفحہ ۱۵۷) المفقود حیٌ فی ماله حتی لایرث منه احد ...... ویوقف ماله حتی یصح موته او تمضی علیه مدة واختلف الروایات فی تلک المدة، ففی ظاهر الروایة انه اذا لم یبق احد من اقرانه حُکِم بموته (السراجی فی المیراث، صفحہ ۵۶)(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

﴿مایتعلق بالعنین﴾

اگر خاوند کا عضو مخصوص برائے نام ہو تو وہ شرعاً کالعدم شمار ہوگا اور عدالت کا فسخ درست ہوگا:

رحیم بخش ولد گھسیٹا پیدائشی خسرہ ہے، جس سے مسماۃ سرور مائی کی والدہ نے سروری کا نکاح بے خبری میں کر دیا تھا، اور لڑکی کی عمر اس وقت سات سال تھی، اب لڑکی کی عمر بیس سال ہے اور لڑکی نے تنسیخِ نکاح کا دعویٰ بھکر ضلع میانوالی کے جج صاحب کے سامنے کیا تھا، جس میں جج صاحب نے لڑکی آزاد کر دی ہے اور لڑکی کو ڈگری مورخہ ٢٢/٣/١٩٥٨ء کو مل چکی ہے اور ڈاکٹروں کو بھی دکھایا تو انہوں نے پیدائشی خسرہ بتلایا ہے اور خسروں کو بھی دکھایا تو اس کو انہوں نے بھی پیدائشی خسرہ بتلایا ہے اور بھی کئی آدمیوں کو دکھایا تو انہوں نے بھی پیدائشی خسرہ بتلایا ہے، اور ان آدمیوں کی حلفیہ تصدیق نامہ بمع دستخط ونشانِ انگوٹھا لف ہے۔ آپ برائے مہربانی یہ فتویٰ دیں کہ مسماۃ سرور مائی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... ولی محمد زرگر دریا خان، بھکر

تنقیح:

(١)...... پیدائشی خسرہ کا کیا مطلب ہے، کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اس شخص کے مردمی اعضاء ہی نہیں ہیں یا ہیں مگر بالکل چھوٹے ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ پیدائشی نامرد ہے وضاحت کریں پھر جواب دیا جائے گا۔

(٢)...... نیز وہ تنسیخ نکاح جو عورت کے حق میں جج صاحب نے کر دی ہے کیا وہ معتبر دارالافتاء کے

فتویٰ کے مطابق کر چکے ہیں یا فتویٰ حاصل کئے بغیر انہوں نے تنسیخ کر دی ہے۔فقط

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ،

از دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

جواب تنقیح:

(۱)...... پیدائشی خسرہ کا مطلب ہے یعنی مخنث ہے جس کا عضو تناسل بالکل معمولی پیشاب کی جگہ ہے اور ماں کے بطن سے اسی طرح پیدا ہوا ہے، اور خصیہ بالکل معمولی عضو تناسل کے اوپر کی طرف چنے کے برابر ہے جیسے کہ خسروں کے ہوتے ہیں عضو تناسل اندازاً انگلی کا چوتھائی حصہ ہے یعنی بالکل نشانی ہے۔

(۲)...... جج صاحب نے خسرہ ہونے کی وجہ سے لڑکی کو آزاد کر دیا ہے اور فتویٰ وغیرہ نہیں لیا۔

الجواب

اگر شخص مذکور کا عضو تناسل خلقۃً بالکل چھوٹا ہے نہ ہونے کی مثل ہے تو پھر حاکم یعنی جج کا نکاح فسخ کرنا صحیح ہے اور عورت مذکورہ اس تنسیخ کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔(۱)

(کذا فی الحیلۃ الناجزۃ، صفحہ ۱۵۳)...................... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ اصغر علی غفر لہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۱/۳/۱۳۷۸ھ

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریۃ: ویلحق بالمجبوب من کان ذکرہ صغیراً جداً کالزر (ہندیہ، جلد۱، صفحہ ۵۲۵)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

باب الحضانة

دادی اور نانی میں سے احق بالحضانۃ کون ہے؟

مسماۃ جنت بی بی گذشتہ ماہ بقضاء الٰہی فوت ہو چکی ہیں اور ایک اڑھائی سالہ بچی چھوڑ گئی ہیں، اس بچی کا والد اور اس کی دادی زندہ ہے۔ لیکن اس بچی کی نانی بچی کو اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔ بار ہا والد نے مطالبہ کیا کہ بچی کو ہمارے ساتھ بھیج دو لیکن وہ کہتی ہے کہ میری نواسی ہے اور میری بچی ہے جس کی میں دیکھ بھال کروں گی اور یہ میرا حق ہے۔ کیا بچی کی نانی کا یہ فعل درست ہے؟ جبکہ والد زندہ ہے اور مطالبہ کر رہا ہے اور دیکھ بھال کیلئے بچی کی دادی بھی موجود ہے۔

سائل ...... عبدالمجید، ساہیوال

الجواب

صورت مسئولہ میں نوسال کی عمر تک بچی کی پرورش کا حق نانی کو ہے۔ دادی کا حق نانی سے مؤخر ہے نوسال کی عمر کے بعد بچی والد کو ملے گی۔ لما فی العالمگیریه: وان لم یکن له امٌ تستحق الحضانة ......او ماتت فام الام اولیٰ من کلِ واحدةٍ وان علت (جلد ۱، صفحہ ۵۴۱)

وفیه ایضاً: وبعد ما استغنی الغلام وبلغت الجاریة فالعصبة اولیٰ یقدم الاقرب فالاقرب (عالمگیریہ جلد ۱، صفحہ ۵۴۲)............ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۹/۸

خالہ اور پھوپھی میں سے احق بالحضانۃ کون ہے؟

ایک نابالغہ بچی کے والدین کسی حادثے میں جاں بحق ہو گئے اور بچی کے والد کی طرف سے رشتہ داروں یعنی چچا و پھوپھی وغیرہ کا مطالبہ ہے کہ بچی کی پرورش ہم کریں گے۔ جبکہ بچی کی والدہ کی طرف سے رشتہ داروں یعنی بچی کی خالہ و ماموں وغیرہ کا مطالبہ ہے کہ پرورش ہم کریں گے۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ بچی کی پرورش کا حقدار کون ہے؟

سائل ...... محمد عمران، پشاور

الجواب

صورت مسئولہ میں پرورش کا حق خالہ کو ہے کیونکہ حضرات فقہاء نے ترتیب میں پھوپھی کو خالہ سے مؤخر کیا ہے۔ ہندیہ میں ہے **والترتیب فی العمات علی نحو ما قلنا فی الخالات ...... ثم یدفع الی خالة الام لاب وام، ثم لام، ثم لاب، ثم الی عماتها علی هذا الترتیب** (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۲/۱۰ھ

خالہ اور دادی میں سے احق بالحضانۃ کون ہے؟

مسّماۃ آسیہ بی بی کسی حادثے میں فوت ہو گئیں۔ جس کی دو نابالغ بچیاں، رخسانہ اور میمونہ موجود ہیں اور بچیوں کے ورثاء میں اُن کا باپ، دادا اور دادی موجود ہے اور اُدھر بچیوں کی سگی خالہ بھی موجود ہے۔ اب بچیوں کی خالہ کی خواہش یہ ہے کہ بچیوں کی پرورش میں کروں جبکہ بچیوں کے والد اور دادی کی خواہش یہ ہے کہ پرورش ہم کریں۔ شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ پرورش کا زیادہ حقدار کون ہے؟

سائل ...... ملک محمد اقبال، بہاول پور

الجواب

صورت مسئولہ میں شرعاً خالہ کی بہ نسبت دادی زیادہ حقدار ہے۔ ہندیہ میں ہے: فان لم یکن للام ام فام الاب اولیٰ ممن سواها وان علت (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۱)

خالہ کا درجہ کافی بعد ہے۔ لہٰذا مذکورہ دونوں بچیاں دادی کے حوالے کی جائیں گی۔

....فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۸/۱۵

والدہ یا اس کے "اقرباء" بچوں کے والد کو ملاقات سے روکنے کے شرعاً مجاز نہیں:

زید اور ہندہ باہم مزاج کے اختلاف اور ناچاقی کی وجہ سے نباہ نہ کر سکے اور زید نے ہندہ کو طلاق دے دی۔ زید کی ہندہ سے ایک بچی اور ایک بچہ ہیں۔ قانون شرع کے مطابق یہ بچہ اور بچی نابالغ ہونے کی وجہ سے ماں کی پرورش میں ہیں۔ لیکن زید کے سسرال زید کو اپنے ان بچوں سے ملنے کی اجازت نہیں دیتے۔ بارہا بچی کے نانا وغیرہ سے اجازت مانگی گئی، لیکن وہ قطعاً ملنے نہیں دیتے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیا زید کو اپنے بچوں سے ملنے کی اجازت ہے؟ نیز زید اگر ایک دو دنوں کیلئے اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟

سائل ...... محمد عامر عمران، منڈی یزمان

الجواب

والد کو بچوں سے ملنے نہ دینا ظلم ہے۔ وقتاً فوقتاً بچوں سے ملاقات کرنا والد کا قانونی، شرعی اور اخلاقی حق ہے۔ لما فی العالمگیریہ: الولد متیٰ کان عند احد الابوین لایمنع الآخر عن النظر الیه وعن تعاهده کذا فی التتار خانیه (جلد ۱، صفحہ ۵۴۳)

(وکذا فی الشامیۃ، جلد۵، صفحہ۲۸۲، ط: رشیدیہ جدید)..........................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۲/۵ھ

ولد الزنا کی پرورش بھی جائز بلکہ باعث اجر ہے بالخصوص جبکہ اس کی والدہ فوت ہوگئی ہو:

ایک مطلقہ عورت کے کسی سے ناجائز تعلقات ہو گئے۔ اور زنا سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ بعد ازاں مذکورہ عورت فوت ہوگئی اب اس بچے کے ننھیال اس کی پرورش کرتے ہیں۔ لیکن لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ زنا سے پیدا شدہ بچے کی پرورش کر رہے ہیں۔ شرعاً ایسے بچے کی پرورش کا کیا حکم ہے؟ سائل ...... محمد طارق، ملتان

الجواب

ایسے بچے کی پرورش بھی باعث اجر ہے لوگوں کے طعن و تشنیع کی وجہ سے حضانت ختم نہیں کرنی چاہئے۔ (کذا فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند، جلد۱۱، صفحہ۵۸)

وفی البذل المجهود: عن عمران بن حسين ان امرأة اتت النبیّ صلی اللّٰه علیه وسلّم فقالت انها زنت وهی حبلیٰ فدعا رسول اللّٰه صلیٰ اللّٰه علیه وسلّم ولیاً لها فقال له رسول اللّٰه صلیٰ اللّٰه علیه وسلّم "احسن الیها" لان معصیتها غیر مستلزم للاسائة بها (بذل المجهود، باب الرجم، جلد۶، صفحہ۱۴۵)..........فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۷/۱/۵ھ

والدہ کا دیہاتی ماحول میں رہنا حق حضانۃ کو ساقط نہیں کرتا:

میری بیوی کو عرصہ ایک سال ہوا ہے فوت ہو گئی ہے۔ جس سے میرا ایک لڑکا بھی تھا۔ اب وہ لڑکا اپنے نانا، نانی کے ہاں رہائش پذیر ہے، جبکہ وہاں کا ماحول بالکل دیہاتی ہے ساتھ رہنے والے بچوں کی اخلاقی حالت اور ماحول ٹھیک نہیں اس لئے خطرہ ہے کہ وہاں بچے کی تربیت ٹھیک نہ ہوگی اور بری عادات اور برے اخلاق سیکھے گا۔ اس لئے میں نے بارہا مطالبہ کیا کہ بچے کو میری پرورش میں دیا جائے تا کہ اس کی تعلیم و تربیت ٹھیک طور پر ہو سکے۔ لیکن وہ اس کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ میرا مطالبہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عامر، علی پور

الجواب

صورت مسؤلہ میں پرورش کا حق نانی کو ہے۔ بچہ سات سال کی عمر تک اس کے پاس رہے گا۔ اسکے بعد بچہ والد کے حوالے ہوگا۔ ہندیہ میں ہے: **وان لم یکن له ام تستحق الحضانة بان کانت غیر اهل للحضانة او متزوّجة بغیر محرم او ماتت فام الام اولیٰ من کل واحدۃ** (عالمگیریہ جلد ۱، صفحہ ۵۴۱)

دیہاتی ماحول میں لوگوں کے بچے پرورش پاتے رہتے ہیں اس لئے بری تربیت کا عذر مسلّم نہیں اور اگر کسی درجہ میں اسے تسلیم بھی کر لیا جائے، تو سات سال کی عمر کے بعد کا اچھا ماحول ان اثرات کو ختم کر دے گا۔ لہٰذا اس عذر کی بناء پر نانی سے بچہ لینے کا سائل مجاز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۸/۱۴۲۵ھ

کیا گذشتہ مدتِ حضانۃ کا "نفقہ" نانی وصول کر سکتی ہے؟

مسمّٰی احمد حسن کی بیوی چند سال قبل فوت ہو گئی جس سے احمد حسن کی ایک لڑکی تھی۔ جس کو

لڑکی کی نانی (خالدہ) نے اپنی پرورش میں لے لیا۔ اور اس خیال سے کہ احمد حسن لڑکی کا خرچہ وغیرہ خود دے گا مطالبہ نہ کیا۔ اب چند سال کے بعد نانی نے احمد حسن سے گذشتہ کیے ہوئے خرچ کا مطالبہ کیا ہے۔ لیکن احمد حسن زمانہ گذشتہ کا خرچہ دینے سے انکاری ہے اور کہتا ہے کہ "مجھ سے لینا تھا تو مجھے پہلے سے بتاتے اب میں نہیں دے سکتا" البتہ مستقبل میں حسب توفیق خرچہ دینے پر آمادہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ نانی نے جو اتنے سال خرچ کیا اس کی ادائیگی احمد حسن پر لازم ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد خالد، کبیر والا

الجواب

صورت مسئولہ میں مسماۃ خالدہ گذشتہ مدت کا نفقہ لینے کی شرعاً حقدار نہیں۔ کیونکہ گذشتہ مدت کا خرچہ صرف دو صورتوں میں لیا جا سکتا ہے۔ (۱): قاضی (عدالت) نے نفقہ طے کیا ہو۔ (۲): باہمی رضامندی سے فریقین نے کسی مقدار کا تعین کر لیا ہو۔

درمختار میں ہے: والنفقة لا تصير ديناً الا بالقضاء او الرضاء (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۳۱۶)

جبکہ صورت مسئولہ میں مذکورہ دونوں صورتیں مفقود ہیں۔ ......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۵/۱۰ھ

اگر والدہ بچے کا تسلی بخش علاج نہ کرا سکے تو علاج کی مدت تک بچہ والد کے پاس رہے گا۔

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اور اس کا ایک پانچ سالہ بچہ اکثر بیمار رہتا ہے۔ اور بچے کی والدہ کی مالی حیثیت اس قدر نہیں کہ وہ بچے کا علاج کرا سکے، اس لئے ڈر ہے کہ اگر بچہ اس کے حوالے کر دیا گیا تو بچے کی جان کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ کیا ایسے حالات میں والد کو حق ہے کہ

بچے کو والدہ کے سپرد، نہ کرے اور خود اپنے پاس رکھے۔

سائل ...... عمر فاروق ماچھیوال

الجواب

بچے کے علاج معالجہ کا خرچ والد کے ذمہ ہے۔لقوله تعالى: لينفق ذوسعة من سعته (الآیه) اگر والدہ کے پاس رکھتے ہوئے علاج ممکن ہو تو بچہ کو والدہ سے جدا نہ کیا جائے کیونکہ شرعاً حق حضانۃ اسے حاصل ہے اور اگر والدہ کے ہاں علاج معالجہ کی سہولتیں مہیا نہیں اور بچے کی جان کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں علاج کی مدت تک بچہ والد کے پاس رہے گا۔

درمختار میں ہے: الحضانة تثبت للام ...الا ان تكون مرتدة ......او فاجرة......او غير مأمونة ذكره فى المجتبى بان تخرج كل وقت وتترك الولد ضائعاً وقال العلّامه ابن عابدينؒ: المراد كثرة الخروج لان المدار على ترك الولد ضائعاً والولد فى حكم الامانة عندها ومضيّع الامانة لا يستأمن (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۲۵۹)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا مدار حکم ضیاع ولد ہے۔ ....فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۴/۲ھ

"مرتدہ" شرعاً پرورش کا حق نہیں رکھتی:

سائل نے اپنی بیوی کو روزانہ کے جھگڑوں سے تنگ آ کر طلاق دے دی۔ جس سے سائل کا ایک بچہ بھی ہے جو کہ ابھی شیر خوارگی کی عمر میں ہونے کی وجہ سے اپنی ماں کے پاس ہے لیکن اس عورت نے قادیانی عورتوں کے لیکچرز سے متاثر ہو کر قادیانی مذہب اختیار کر لیا۔ اس لئے خطرہ ہے کہ بچہ اس کی پرورش میں رہا تو یہ بھی قادیانی مذہب اختیار کر لے گا۔ کیا سائل کو حق ہے کہ بچہ کو

اپنی پرورش میں لے آئے۔

سائل ...... عمر فاروق، ملتان

الجواب

قادیانی جمہور علماء کے متفقہ فتویٰ اور آئین پاکستان کی روشنی میں دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔لہٰذا صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ مرتد ہو چکی ہے لہٰذا اسے حق پرورش حاصل نہیں۔لما فی الدر المختار: **الحضانة تثبت للام النسبية ولو بعد الفرقة الا ان تكون مرتدة فحتى تسلم** (درمختار، جلد۵، صفحہ۲۵۹) ......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۸/۱

غیر منکوحہ اور غیر معتدہ عورت، بچے کی پرورش کا معاوضہ بھی لے سکتی ہے؟

شادی کے بعد زوجین کے ہاں دو بچے (ایک لڑکی اور ایک لڑکا) پیدا ہوئے بعد میں زوجین کے درمیان بصورت طلاق ثلاثہ علیحدگی ہو چکی ہے اب بچے ماں کے پاس ہیں جبکہ جہیز کا سامان بچوں کے باپ کے پاس ہے۔اب صورت حال یہ ہے کہ عورت سامان کا مطالبہ کرتی ہے اور مرد بچوں کی حوالگی کا مطالبہ کرتا ہے۔مذکورہ بالا صورت میں طرفین کیلئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

(نوٹ) بچی کی عمر تقریباً ساڑھے تین سال ہے اور بچے کی عمر تقریباً اڑھائی سال ہے، اور طلاق کی عدت ختم ہو چکی ہے۔

سائل ...... محمد نواز، شورکوٹ

الجواب

صورت مسؤلہ میں لڑکا سات سال اور لڑکی نو سال کی عمر ہونے تک بچوں کی پرورش کا حق

والدہ کو ہے۔ بشرطیکہ بچوں کے غیر محرم سے شادی نہ کرے غیر محرم سے شادی کرنے کی صورت میں والدہ کا حق حضانۃ (پرورش) ختم ہو جائے گا۔ ہندیہ میں ہے: الام و الجدۃ احق بالغلام حتیٰ یستغنی وقدر بسبع سنین (الخ) (جلد۱، صفحہ۵۴۲) وفیہ ایضاً: انما یبطل حق الحضانۃ لھؤلاء النسوۃ بالتزوّج اذا تزوّجن باجنبیّ الخ (عالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۵۴۱)

مذکورہ بالا مدت کے بعد بچے والد کو ملیں گے۔ ہندیہ میں ہے: وبعد ما استغنی الغلام وبلغت الجاریۃ فالعصبۃ اولیٰ یقدم الاقرب فالاقرب (جلد۱، صفحہ۵۴۲)

اس مدت کا خرچہ والد کے ذمّہ ہے۔ بلکہ والدہ بھی حق الخدمت لے سکتی ہے۔

لما فی الهندیة: ذکر فی السراجیة ان الام تستحق اجرة علی الحضانة اذالم تکن منکوحة و لا معتدة لابیه (ہندیہ، جلد۱ صفحہ۵۴۳)

تاہم بچوں سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرنا والد کا حق شرعی ہے۔ اس کا بھی باہمی رضامندی صلح سے کوئی طریق کار طے ہو جانا چاہیے۔ لما فی العالمگیریة: الولد متیٰ کان عند احد الابوین لایمنع الآخر عن النظر الیه وعن تعاهده (جلد۱، صفحہ۵۴۳) وکذا فی الشامیة: (جلد۵، صفحہ۲۸۲، ط: رشیدیہ جدید)............ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۲/۱۱ھ

بلوغ کے بعد بچہ، بچی والدہ یا والد کے پاس رہنے کے سلسلہ میں شرعاً خود مختار ہیں:

مسمّٰی کلیم اللہ نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دی کہ اس وقت اس کی دو بچیاں موجود تھیں۔ طلاق کے بعد شخص مذکور نے بیوی بچوں کی کوئی خبر نہ لی اور بچیوں کو کوئی خرچہ نہ دیا۔ مسماۃ رشیداں مائی محنت مزدوری اور گھروں میں اجرت پر کام کر کے بچیوں کا پیٹ پالتی رہی، حتیٰ

کہ بچیاں جوان ہوگئیں، اوران کی ماں نے ان بچیوں کے رشتے بھی کر دیئے رخصتی قریب ہے اور بچیوں کا والد مطالبہ کر رہا ہے کہ بچیوں کو میرے حوالے کردیں میں خود ان کی شادی جہاں چاہوں گا کراؤں گا۔ اس لئے خطرہ ہے کہ کہیں بچیوں کو زبردستی اغواء کر کے نہ لے جائے۔ جبکہ بچیاں اس کے ساتھ جانے کیلئے ہرگز تیار نہیں کیونکہ اس نے آج تک ان کی خبر نہ لی اوراب خیال آیا۔ اس لئے پنچائتی فیصلے کیلئے فتوی درکار ہے۔ کہ آیا اب والد بچیوں کے مطالبے میں حق بجانب ہے، جبکہ بچیاں ہرگز تیار نہیں۔ وہ والدہ کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں۔

سائل ...... شفقت رسول، ملتان

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ اگر بچیاں بالغ اور سمجھدار ہیں تو اب ان کو شرعاً اختیار ہے خواہ والدہ کے پاس رہیں یا والد کے ساتھ جائیں۔ ان پر جبر کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔

لما فی الدر المختار: ولا خیار للولد عندنا مطلقاً ذکراً کان او انثیٰ ...... قلت: وھٰذا قبل البلوغ، اما بعدہ فیخیّر بین ابویہ، وان اراد الانفراد فلہ ذالک (الدرالمختار جلد ۵، صفحہ ۲۷۶) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۵/۱۰/ ۱۴۲۸ھ

مدت حضانت تک طے شدہ خرچہ واجب الاداء ہے:

خرچہ طے کرنے میں والد کی حیثیت کالحاظ رکھا جائے گا:

طلاق کے بعد بچے کا خرچ باپ کے ذمہ کتنے عرصہ تک ہے جبکہ بچے کا خرچ ایک ہزار روپے ماہانہ ہے۔

سائل ...... راؤ الیاس، ملتان

الجواب

جب تک بچہ، ماں کی پرورش میں ہے اس کا خرچہ باپ پر لازم ہے[۱] لیکن خرچ کی کوئی حد نہیں ہے باپ کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔.................فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۶/۲۲/۶ھ

ایک عیسائیہ ممیّزہ نابالغہ مسلمان ہوگئی اس کے والدین عیسائی ہیں اور اس کی ایک شادی شدہ بہن مسلمان ہے پرورش کا حق کس کو حاصل ہے؟

دو بہنیں اکٹھی مسلمان ہوئیں پہلے عیسائی تھیں، ایک (جمیلہ) کی عمر تقریباً پندرہ/سولہ سال ہے۔ جوان، بالغہ ہے مسلمان سے شادی بھی کر لی ہے، دوسری کی عمر تقریباً گیارہ/ بارہ سال ہے عدالت میں مقدمہ زیر سماعت ہے عیسائی والدین کا اصرار ہے کہ چھوٹی لڑکی (خالدہ) واپس کی جائے اور بڑی بہن مسلمان شدہ کا اصرار ہے کہ میرے ساتھ رہے اس لئے کہ والدین کی طرف سے تشدد کا خطرہ ہے جج صاحب کا کہنا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ بطور مثال پیش کیا جائے کہ چھوٹی عمر کا اسلام قبول ہے مزید یہ کہ عیسائی والدین کے حوالے نہ کیا جائے نیز یہ کہ مسلمان عورت عیسائی کے ساتھ شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... چوہدری محمد طاہر، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان

التخریج (۱)......لما فی الدرالمختار :ولستحق الحاضنة اجرة الحضانة...... وهی غیر اجرة ارضاعه ونفقته قوله "وهی غیر اجرة ارضاعه ونفقته":قال فی البحر : فعلی هذا یجب علی الاب للاثة : اجرة الرضاع، واجرة الحضانة، ونفقة الولد (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد۵، صفحہ۲۶۶) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، (اکمال فی اسماء الرجال، صفحہ ۶۰۶) اوران کے اسلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معتبر قرار دے کران کو نماز میں شریک کیا (سیرت مصطفیٰ، جلد ۱، صفحہ ۱۵۵)

صبی ممیز جو عقل وشعور رکھتا ہو اس کے اسلام یا انکار اسلام کو شریعت مطہرہ نے معتبر قرار دے کراس پر احکامات نافذ کئے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ "اگر نابالغ بچے کی بیوی مسلمان ہوگئی، بچہ سمجھدار ہے تاہم ابھی تک بالغ نہیں ہوا تو اس بچے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر مسلمان ہوگیا تو ٹھیک ورنہ عدالت اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی کردیگی"

ہندیہ میں ہے: **ثم لافرق بین ان یکون المصر صبیاً ممیزاً اوبالغاً حتیٰ یفرق بینهما بآبائه وهذا علی قول ابی حنیفة ومحمد رحمهماالله تعالیٰ ولو کان احدهماصغیراً غیر ممیز ینتظر عقله کذا فی التبیین فاذا عقل عرض علیه الاسلام فان اسلم والا یفرق ولاینتظر بلوغه** (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۳۳۸)

مذکورہ بالا جزئیات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ صبی ممیز غیر بالغ کا اسلام شرعاً معتبر ہے، اور جب مسمّاۃ خالدہ کا ایمان شرعاً معتبر ہوا تو اب کسی کافر غیر مسلم کو اس پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ جلّ شانہ کا ارشاد ہے: **ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلاً** (سورۃ نساء) فتاوی ہندیہ میں ہے: **لاولایة لصغیر ولامجنون ولاللکافر علی مسلم ومسلمة** (جلد ۱، صفحہ ۲۸۴)

جن لوگوں کو شریعت مطہرہ نے پرورش ودیکھ بھال کا حق دیا ہے ان میں سے ایک بہن بھی ہے اور کچھ لوگ بہن سے مقدم ہوتے ہیں جبکہ وہ لوگ مسلمان ہوں، جبکہ صورت مسئولہ میں غیر مسلم ہونے کی بناء پر ان کا حق ختم ہو چکا ہے۔ ہندیہ میں ہے: **فان ماتت او تزوجت**

فالاخت لاب وام (الخ) (جلد ا، صفحہ ۵۴۱)

الحاصل: صورت مسئولہ میں مسماۃ خالدہ مسماۃ جمیلہ کے ساتھ رہے گی غیر مسلم والدین کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۱/۸/۱۴۲۹ھ

کتاب النّفقة والسكنىٰ

﴿مايتعلق بنفقة الزوجة﴾

بیوی جب تک خاوند کے گھر میں ہے نفقہ کی مستحق ہے خواہ نافرمان ہی کیوں نہ ہو:

مشتاق احمد کی بیوی نافرمان اور غافل قسم کی عورت ہے شوہر کی خدمت واطاعت کا خیال نہیں کرتی، مشتاق احمد نے تنگ آ کر دوسری شادی کر لی ہے۔ پہلی بیوی کے نفقہ وغیرہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ ایسی صورت حال میں بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ خاوند کے گھر میں ہی رہائش پذیر ہے۔

سائل ...... احمد علی قصبہ مڑل، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں خاوند کے ذمہ پہلی نافرمان بیوی کا خرچہ اور دونوں بیویوں میں شب باشی اور اخراجات میں برابری کرنا شرعاً واجب ہے، نافرمانی کی وجہ سے اس کے حقوق شرعاً ختم نہیں ہوئے۔ النفقة واجبة للزوجة على زوجها ... اذا سلمت نفسها الى منزله.

(ہدایہ، جلد۲، صفحہ۴۴۱، ط: رحمانیہ) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۵/۱۰ھ

بدوں کسی شرعی وجہ کے روٹھ کر بیٹھنے والی نان ونفقہ کی شرعاً حق دار نہیں:

بندہ کی بیوی معمولی سی بات پر بندہ سے ناراض ہوکر والدین کے گھر چلی گئی ہے۔ بار ہابلانے پر نہیں آئی۔اب سسرال والے بندہ سے نان ونفقہ کے طلبگار ہیں۔کیا شرعاً بندہ کے ذمہ بیوی کا خرچہ لازم ہے جبکہ وہ میری مرضی کے خلاف والدین کے گھر میں ہے۔

سائل ...... غلام محمد، جام پور

الجواب

جوعورت خاوند کی اجازت کے بغیر بدوں کسی شرعی وجہ کے والدین کے ہاں روٹھ کر بیٹھ جائے وہ شریعت مطہرہ کی نظر میں ناشزہ ہے، ناشزہ نان ونفقہ کی شرعاً حق دار نہیں۔وان نشزت فلا نفقة لها حتىٰ تعود الى منزله والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه (الخ) (ہندیہ، جلد١، صفحہ٥٤٥)...............................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان
١٤٢٨/٢/٤ھ

کسی شرعی عذر کی وجہ سے خاوند کے علاقہ میں نہ رہنے والی شرعاً ناشزہ نہیں، لہٰذا نفقہ کی حقدار ہے:

محمد ریاض کا گھر ایسے گاؤں میں ہے جو شہر سے کچھ فاصلے پر ہے اور وہاں پر آئے روز چوری، ڈاکہ اور کسی کی عزت پر حملہ کا معمول ہے، اکثر کہیں نہ کہیں واردات ہو جاتی ہے، یعنی ڈاکوؤں اور چوروں کا آنا جانا وہاں کثرت سے ہے، حکومت کی طرف سے رات کے وقت حفاظت کا کوئی

بندوبست نہیں۔ ایسی صورت حال میں ریاض کی بیوی (خالدہ) ایسے علاقے میں رہنے سے گھبراتی ہے اور والدین کے گھر قیام پذیر ہے۔ ریاض کے سسرال ریاض سے بیوی کا خرچہ مانگتے ہیں جبکہ ریاض کا کہنا ہے کہ میرے گھر آ کر آباد ہو تو پھر خرچہ دوں گا ورنہ نہیں۔ کیا شرعاً ریاض پر خرچہ لازم ہے؟

سائل...... محمد عبداللہ، گوجرانوالہ

الجواب

صورت مسئولہ میں مسماۃ خالدہ شرعاً ناشزہ نہیں۔ کیونکہ فتاویٰ شامی میں ہے ''وہ عورت جس کے شوہر کی رہائش ملحدین کے علاقے میں ہو پھر وہ عورت جان کے خطرہ کی وجہ سے وہاں جانے سے رک جائے اور نفقہ طلب کرے تو میری رائے (علامہ شامیؒ) میں اسے نفقہ ملے گا''۔

وسئلت عن امرأۃ اسکنها زوجها فی بلاد الدروز الملحدین ثم امتنعت وطلبت منه السکنیٰ فی بلاد الاسلام خوفاً علیٰ دینها ویظهر لی ان لها ذالک (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۲۹۰، ط: رشیدیہ جدید) (کذا فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند، جلد ۷، صفحہ ۷۸)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۵/۴ھ

(۱) بیوی کا علاج و معالجہ کرانا صرف تبرع ہے خاوند کے ذمہ شرعاً لازم نہیں:

(۲) بیوی اگر خاوند کی اجازت سے میکے جائے تو ان دنوں کا خرچہ خاوند کے ذمہ ہے:

خاوند نے اپنی بیوی کو C-M-H جہلم سے فیملی ٹریٹمنٹ کارڈ بنوا کر دیا جس کے ذریعے وہ پاکستان کے کسی بھی C-M-H (کمبائنڈ ملٹری ہسپتال) سے اپنا مکمل علاج فری کروا سکتی ہے۔ اس کے باوجود بیوی، نے خاوند کو مطلع کیے بغیر اپنا علاج پرائیویٹ ڈاکٹر سے کروا کر خاوند سے بذریعہ عدالت خرچہ کا مطالبہ کر رہی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ آیا بیوی مذکورہ خرچہ کی مستحق ہے جبکہ وہ خود بھی

صاحب استطاعت ہے، سرکاری ملازمت کرتی ہے۔ نیز بوقت علاج خاوند کے پاس بھی نہ تھی، بلکہ اپنے میکے چلی گئی تھی۔ کیا اس کے اخراجات اس کے والدین کے ذمہ ہوں گے، خود اس کے ذمہ ہوں گے یا خاوند کے ذمہ؟

سائل...... محمد ریاض، بستی لاڑ ملتان

الجواب

خاوند کی طرف سے بیوی کا علاج ومعالجہ محض تبرع اور احسان ہے۔ شرعاً خاوند کے ذمہ واجب نہیں۔ لایجب الدواء للمرض ولااجرۃ الطبیب ولاالفصد ولاالحجامۃ کما فی سراج الوھاج. (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۹)

لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی خاوند سے علاج معالجہ کا خرچ وصول کرنے کی حقدار نہیں۔ البتہ بیوی اگر خاوند کی رضامندی سے میکے گئی تھی، تو ان ایام کا نفقہ خاوند پر لازم ہے۔

کما یفھم من العالمگیریۃ: الکبیرۃ اذا طلبت النفقۃ وھی لم تزف الیٰ بیت الزّوج فلھا ذالک اذالم یطالبھا الزوج بالنقلۃ. (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۵) (کذافی حاشیہ امدادالاحکام، جلد ۲، صفحہ ۸۸۷)

اور اگر خاوند کی رضامندی کے بغیر گھر سے چلی گئی تھی، تو ان ایام کے نفقہ کی مستحق نہیں۔

وان نشزت فلا نفقۃ لھا حتیٰ تعود الی منزلہٖ والناشزۃ ھی الخارجۃ عن منزل زوجھا. (الخ) (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۵) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۹/۷/۱۴۲۴ھ

تراضی یا قضائے قاضی کے بغیر سابقہ مدت کا نفقہ عورت وصول نہیں کرسکتی:

عبدالقرار نے ماہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں اپنی بیوی انوری بیگم کو مارا، کوسا، اور گھر سے نکال

دیا، اور اس کی شیر خوار بچی کو اس سے چھین لیا اور اس کا سامان اور جہیز عبدالقرار نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس وقت انوری بیگم اپنے والدین کے پاس چلی آئی۔ پھر گیارہ فروری ۱۹۹۹ء میں عبدالقرار نے انوری بیگم کو تحریری طلاق دیدی اور اکتوبر ۱۹۹۲ء سے لے کر ۱۱/فروری ۱۹۹۹ء تک انوری اپنے والدین کے پاس رہ رہی ہے یہ عرصہ تین ماہ چھ سال کا بنتا ہے کیا انوری بیگم اس مذکورہ مدت کا خرچہ نان ونفقہ وسامانِ جہیز عبدالقرار سے لینے کی شریعت کی رو سے حقدار ہے؟

سائل ...... عبداللطیف

الجواب

اگر انوری کا نفقہ باہمی رضامندی یا عدالت کی طرف سے طے نہیں ہوا تھا تو انوری گذشتہ چھے سال تین ماہ کے نفقہ کی شرعاً مستحق نہیں ہے۔ والنفقة لاتصیر دیناً الا بالقضاء او الرضاء (الدرالمختار، جلد ۵، صفحہ ۳۱۶، ط: رشیدیہ جدید)

اور جو سامان انوری جہیز کا لائی تھی وہ انوری کی ملک ہے شرعاً اس کی واپسی ضروری ہے۔

..........فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس، ملتان
۱۴۲۳/۱۲/۲۵ھ

اگر خاوند نفقہ نہ دے تو عورت کیا کرے؟

طارق کا اپنی بیوی جمیلہ سے کسی بات پر اختلاف اور جھگڑا ہو گیا۔ طارق نے غصہ میں اپنی بیوی کا خرچہ بند کر دیا۔ کئی کئی دن تک گھر سے غائب رہتا ہے۔ کبھی کبھار گھر آتا ہے اور پھر خرچہ دیئے بغیر چلا جاتا ہے۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ جمیلہ اب کیا کرے۔

سائل ...... ناصرالدین، احمد پور شرقیہ

الجواب

صورت مسئولہ میں مسماۃ جمیلہ عدالت کی طرف رجوع کرے۔عدالت اسے خرچہ ادا کرنے یا طلاق دینے پر مجبور کرے گی۔درمختار میں ہے۔ ویجب (الطلاق) لوفات الامساک بالمعروف (الدرالمختار،جلد۴،صفحہ۴۱۷)

اور اگر خاوند غائب ہے گھر نہیں آتا تو ایسی صورت میں عدالت عورت کو خاوند کے نام پر قرض لے کر خرچ کرنے کی اجازت دیدے، یہ خرچ خاوند کے ذمہ واجب الاداء ہوگا۔اگر خاوند ادائیگی سے پہلے مر گیا تو یہ خرچہ اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا۔

لما فی الھندیة:ان کان القاضی بعد ما فرض نفقة الاولاد امرھا بالاستدانة فاستدانت حتیٰ یثبت لھا حق الرجوع علی الاب فمات الاب قبل ان یؤدی لھا ھذہ النفقة ھل لھا ان تاخذ من مالہ ان ترک مالاً ذکر فی الاصل ان لھا ذالک وھو الصحیح (ھندیة، جلد۱، صفحہ۵۶۲)

اور اگر عورت نے قاضی کی اجازت کے بغیر قرض لے کر خرچ کرنا شروع کر دیا اور خاوند ادائیگی سے پہلے فوت ہوگیا۔تو اس صورت میں خاوند کے ترکہ سے یہ قرضہ وصول کرنے کی بیوی شرعاً مجاز نہیں۔اما اذا لم یامرھا بالاستدانة فاستدانت ثم مات الزوج قبل ان یؤدی الیھا ذالک لیس لھا ان تاخذ من مالہ ان ترک مالاً بالاتفاق (عالمگیریہ،جلد۱،صفحہ۵۶۲)........................ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۱۰/۱۴۲۸ھ

بیوی اگر سفر میں ساتھ جانے سے انکار کردے تو بھی نفقہ کی مستحق ہے:

مسمّٰی محمد ارشد کا ذاتی مکان اور جگہ پنجاب میں ہے اور وہ ملازمت اور کاروبار کے سلسلہ میں کراچی چلا جاتا ہے۔ اب وہ بیوی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ بھی کراچی میں اس کے ساتھ رہائش اختیار کرے، لیکن بیوی کراچی کے حالات، آب وہوا اور ماحول کی وجہ سے اور گھر سے کافی دور ہو جانے کی وجہ سے کراچی جانے سے گھبراتی ہے، اور کہتی ہے کہ جو کام کراچی جاکر کرنا ہے وہ پنجاب میں کرلو۔ لیکن محمد ارشد کا کہنا ہے کہ اگر تم میرے ساتھ کراچی رہائش اختیار نہیں کروگی تو تمہیں خرچہ وغیرہ نہیں دوں گا۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورتحال میں بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ خاوند کوئی سرکاری یا پرائیوات ملازم نہیں بلکہ خود کاریگر ہے اور وہ کام پنجاب میں رہ کر کرسکتا ہے صرف اجرت کا معمولی فرق ہے۔

سائل ...... احمد حسن، چوک کمہاراں، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں مسمّٰی محمد ارشد کا بیوی کا خرچہ بند کرنا ظلم ہے، کراچی جانے سے انکار کے باوجود وہ نفقہ کی شرعاً حقدار ہے۔ درمختار میں ہے: اوابت الذهاب اليه او السفر معه...... فلها النفقة وفی الشامیة: قوله"او السفر معه" بناء اً علىٰ المفتىٰ به من انه ليس له السفر بها لفساد الزمان، فامتناعها بحق (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد۵، صفحہ۲۹۰)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

اگر فاحشہ عورت کو طلاق نہیں دیتا تو اسے نان ونفقہ دینا لازم ہے:

طارق کی بیوی (خالدہ) کے ایک غیر شخص (ناصر) سے ناجائز تعلقات ہوگئے اور حرام

کاری کے مرتکب ہو گئے۔ اب خالدہ کی خواہش ہے کہ طارق اسے طلاق دیدے اور یہ ناصر سے نکاح کر لے اسی وجہ سے وہ اپنے خاوند کو مختلف بہانوں سے تنگ کرتی ہے اور ستاتی ہے لیکن طارق اس کو طلاق نہیں دیتا تاکہ وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن خالدہ کو خرچہ وغیرہ بھی نہیں دیتا۔ شرعاً کیا طارق پر خالدہ کا نان ونفقہ لازم ہے؟

سائل ...... محمد احمد، وہاڑی

الجواب

زانیہ وفاحشہ کو طلاق دے دینا شرعاً مستحب ہے۔ بل یستحب لو مؤذیة او تارکة صلوة (الدر المختار، جلد ۴، صفحہ ۴۱۶)

تاہم جب تک نکاح میں ہے اور اس کے گھر میں موجود ہے اس کے نان ونفقہ کا طارق ذمہ دار ہے۔ لما فی الهداية: لنفقة واجبة للزوجة على زوجها...... اذا سلمت نفسها الى منزله (ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۴۴۱، ط: رحمانیہ)

بلکہ نان ونفقہ نہ دینے کی صورت میں وہ عدالت سے تنسیخ نکاح کی شرعاً مجاز ہوگی۔

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۵/۱۰ھ

بیوی کے کن کن اخراجات کو پورا کرنا لازم ہے؟

خاوند کے ذمہ بیوی کے کون کون سے اخراجات لازم ہیں؟ آیا بناؤ سنگھار کا سامان، مثلاً مہندی، کریم، پوڈر، سرخی، سرمہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ خاوند کے ذمہ شرعاً لازم ہے؟ نہ خریدنے

کی صورت میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ بعض اوقات گنجائش بھی نہیں ہوتی۔

سائل ...... عبدالرحمن، سمیجہ آباد ملتان

الجواب

کھانا، کپڑا، مکان، صابن، تیل، کنگھی، وغیرہ جو ضروری اخراجات ہیں وہ شرعاً خاوند کے ذمہ ہیں۔ **والنفقة الواجبة الماکول والملبوس والسکنی اما الماکول فالدقيق والماء والملح والحطب والدهن كذا فى التتارخانية وكما يفرض لها قدر الكفاية من الطعام كذالک من الادام كذا فى فتح القدير ويجب لها ما تنظف به وتزيل الوسخ كالمشط والدهن ......وما تزيل به الدرن كا لاشنان والصابون علىٰ عادة اهل البلد** (عالمگیریہ، جلد ١، صفحہ ٥٤٩)

مہندی، سرخی، پاؤڈر، کریم، سرمہ، ان چیزوں کا مہیا کرنا شرعاً واجب نہیں، خاوند کی چاہت پر موقوف ہے۔ **اما ما يقصد به التلذذ والاستمتاع مثل الخضاب والكحل فلايلزمه بل هو على اختياره ان شاء هيأه لها وان شاء تركه فاذاهياه لها فعليها استعماله** (ھندیہ، جلد ١، صفحہ ٥٤٩) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٠/٧/١٤٢٨ھ

مہنگائی کے لحاظ سے نفقہ کی مقدار میں اضافہ کرنا ضروری ہے:

مسمیٰ خلیل الرحمن کاروبار کے سلسلے میں گھر سے باہر دوسرے شہر میں رہتا ہے۔ اور بیوی کو خرچہ وغیرہ دینے میں ٹال مٹول کرتا ہے۔ کبھی تھوڑا دیتا ہے اور کبھی نہیں دیتا۔ بیوی تنگ تھی، آخر پنچایت بلائی گئی اور ماہانہ خرچہ کی ایک مقدار بذریعہ پنچایت مقرر کی گئی۔ لیکن ان دو سالوں کے اندر

مہنگائی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے نفقہ کی وہ مقدار جو متعین ہوئی تھی وہ ناکافی ہے۔ اب خلیل الرحمٰن سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ خرچہ بڑھاؤ کیونکہ مہنگائی بڑھ گئی ہے، لیکن وہ اس کیلئے تیار نہیں اور کہتا ہے کہ میں پنچایت کے پہلے فیصلے پر قائم ہوں۔ مزید کسی فیصلے کیلئے تیار نہیں۔ شرعاً اس کیلئے کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد خالد، نزد شاہ شمس دربار، ملتان

الجواب

نفقہ میں بقدر ارزانی وگرانی کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے: **ویقدر ها بقدر الغلاء والرخص ای: یراعی کل وقت او مکان بما یناسبه وفی البزازیة اذا فرض القاضی النفقة ثم رخص تسقط الزیادة.....وبالعکس لها طلب الزیادة** (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۵، صفحہ۲۹۹) **وفیه ایضاً : صالحت زوجها عن نفقة کل شهر علی دراهم ثم قالت لاتکفینی زیدت** (الدر المختار، جلد۵، صفحہ۳۱۴)

الحاصل: مسمّٰی خلیل الرحمٰن کی بات غلط ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے خرچہ میں اضافہ کرے۔...................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۲/۱۰ھ

کیا امیر زادی اور غریب زادی کے نفقہ میں تفاوت کی شرعاً گنجائش ہے؟

سائل کی دو بیویاں ہیں۔ ایک بیوی اچھے خاصے مالدار گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور دوسری عام متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ دونوں کو علیحدہ علیحدہ مکان دیا ہوا ہے۔ جو عورت

مالدار گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، اس کا کھانے پینے کا اور اسی طرح لباس وغیرہ کا خرچہ نہ چاہتے ہوئے بھی بہ نسبت دوسری عورت کے کافی بڑھ جاتا ہے جب کہ دوسری کا خرچہ اس سے بہت کم ہے۔ اس طرح دونوں کو جو خرچ دیا جاتا ہے وہ برابر نہیں ہوتا بلکہ تفاوت کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسؤلہ میں خرچ دینے میں خاندانی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے تفاوت کی گنجائش ہے، یا برابر خرچہ دینا ضروری ہے؟

سائل ...... خالد محمود، ملتان

الجواب

عالمگیریہ میں ہے کہ: اذا کان زوج المرأة موسرا ولها خادم فرض علیه نفقة الخادم (عالمگیریہ، جلد١، صفحہ٥٤٧) فان کان لها خادمان او اکثر لایفرض لاکثر من خادم عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ (الخ) (عالمگیریہ، جلد١، صفحہ٥٤٧)

مذکورہ بالا جزئیات سے معلوم ہوا کہ مالدار بیوی اور تنگدست بیوی کے نفقہ میں شرعاً فرق ہے۔..................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

١٠/٥/١٤٢٧ھ

نکاح کے بعد رخصتی میں اگر خاوند بلا وجہ تاخیر کرے تو بیوی نان ونفقہ کی شرعاً حقدار ہے:

ہمارے ایک عزیز صوفی محمد خالد کی بیٹی کا عقد مسمّٰی محمد آصف سے ہو چکا ہے لیکن نکاح کو ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہے مگر محمد آصف ابھی تک رخصتی کیلئے تیار نہیں کہ گھریلو حالات ٹھیک نہیں

ابھی شادی کرنے کے قابل نہیں ہیں کچھ عرصہ ٹھہر جاؤ، مگر صوفی محمد خالد صاحب تنگدست اور غریب ہیں اس لئے انکا مطالبہ ہے کہ ’’یا رخصتی کراؤ یا اپنی بیوی کا ماہانہ خرچہ دو‘‘ سوال یہ ہے کہ کیا صوفی صاحب کا مطالبہ درست ہے؟

سائل ...... محمد خالد، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں جب خاوند خود رخصتی میں بلا شرعی عذر کے تاخیر کر رہا ہے تو صوفی محمد خالد کا مطالبۂ نفقہ درست ہے اور خاوند پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کا خرچہ وغیرہ ادا کرے۔

لما فی العالمگیریة: الکبیرة اذا طلبت النفقة وهی لم تزف الی بیت زوج فلها ذالک اذا لم یطالبها الزوج بالنقلة ومن مشائخ بلخ رحمهم الله تعالی من قال لاتستحقها اذا لم تزف الی بیته، والفتویٰ علی الاول کذا فی الفتاویٰ الغیاثیة (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۵) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۶/۵/۱۴۲۸ھ

سال میں بیوی کتنے جوڑوں کی شرعاً حقدار ہے؟

آج کل فیشن کا دور ہے اور مہنگائی روز بروز بڑھ رہی ہے لیکن اس کے باوجود ہر تقریب، عید یا خوشی کا کوئی بھی موقع آجائے تو گھر والوں کا مطالبہ ہو جاتا ہے نئے کپڑے بنوا کر دو اس طرح سال میں کئی جوڑے خرید کر دینے پڑتے ہیں اگر خرید کر نہ دیں تو طعن و تشنیع کا سامنا کرنا پڑتا

ہے۔سوال یہ ہے کہ سال میں کتنے جوڑے بیوی کو دینا لازم ہیں؟

سائل ...... محمد احمد، لاہور

الجواب

عورت سال بھر میں صرف دو جوڑوں کی حقدار ہے۔قانوناً اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ ہندیہ میں ہے: انما تفرض الکسوۃ فی السنۃ مرتین فی کل ستۃ اشھر مرّۃ کذا فی المبسوط (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۵۵)

اگر کپڑا اس سے پہلے پھٹ گیا اور پھٹنے میں عورت کو کوئی دخل (قصور) نہیں تو وہ دوسرے جوڑے کی حقدار ہوگی۔فان تخرقت قبل مضیھا ان کانت بحیث لو لبستھا لبساً معتادا لم تتخرق لم یجب علیہ والا وجب (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۵۶)

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۵/۱۰ھ

زوجِ غائب کی زمین کو نفقہ کیلئے بیچنا جائز نہیں:

امّ جمیل کا خاوند اسے چھوڑ کر چلا گیا اور نفقہ وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں کیا، اور عرصہ دراز تک کوئی خبر نہیں لی۔اب امّ جمیل نے بذریعہ عدالت نفقہ کا مطالبہ کیا تو اس شخص نے کہا کہ میں نے تمہیں تین طلاقیں دے دی تھیں۔اب دریافت طلب امور یہ ہیں!

(۱)......ام جمیل کب مطلقہ ہوئی اور عدت کا کیا حکم ہے؟

(۲)......ام جمیل کے نفقہ کا کیا حکم ہے عند الشرع؟

(۳)......خاوند کی زمین جو گاؤں میں موجود ہے اس کو ام جمیل کا نفقہ بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟
سائل ..... محمد جمیل، گوجرانوالہ

الجواب

(۱)......ام جمیل اس وقت مطلقہ ہوئی جب خاوند نے طلاق کا اظہار کیا ہے خاوند کے اس اقرار کے بعد سے اس کی عدت شمار ہوگی۔ لما فی الدر المختار: لو اقر بطلاقها منذ زمان ماض فان الفتوىٰ انها من وقت الاقرار مطلقاً نفيا للتهمة (جلد۵، صفحہ۲۰۵)

وفي البزازية: اقر انه طلق امرأته منذ خمسين سنة ان كذبته في الاسناد او قالت لا ادرى يقع الطلاق من وقت الاقرار .... كذا اختاره المتأخرون (بزازیہ علی ہامش الہندیہ جلد۴، صفحہ۲۵۷)

(۲)......اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ گذشتہ نفقہ صرف دو ہی صورتوں میں واجب ہوتا ہے نفقہ حاکم نے مقرر کیا ہو یا خاوند اور بیوی نے باہم رضامندی سے نفقہ کی مقدار متعین کر لی ہو۔ لما في الدر المختار: والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء او الرضاء

وفي الشامية: اى اذا لم ينفق عليها بان غاب عنها او كان حاضرا فامتنع فلايطالب بها بل تسقط بمضى المدة (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۵، صفحہ۳۱۶۔۳۱۵)

وفي الهندية: اذا خاصمت المرأة زوجها في نفقة ما مضى من الزمان قبل ان يفرض القاضي لها النفقة وقبل ان يتراضيا على شئ فان القاضي لايقضى لها بنفقة ما مضى عندنا كذا في المحيط (عالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۵۵۱)

(۳)......خاوند کی زمین کو اس عورت کا نفقہ نہیں بنایا جا سکتا۔ البتہ اگر خاوند کے مال میں روپے پیسے یا طعام وغیرہ موجود ہوں تو اسے بیوی کے نفقہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔

لمافي الدر المختار: وتفرض النفقة بانواعها الثلاثة لزوجة الغائب الى قوله في مال له من جنس حقهم كتبر او طعام اما خلافه (كعروض وعقار) فيفتقر للبيع

ولا یباع مال الغائب اتفاقاً (جلد ۵، صفحہ ۳۳۳) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۹/۱۱/۱۴۲۴ھ

اگر عورت میکے سے جانور لائے تو اس کے اخراجات کس کے ذمہ ہوں گے؟

سائل کی بیوی اپنے والدین کے گھر سے دو عدد بکریاں لے آئی ہے، جس کو چارہ وغیرہ ڈالنے کیلئے مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔ سائل خود یہ انتظام نہیں کر سکتا اور بیوی کا مطالبہ ہے کہ بکری کیلئے چارہ خرید کر دو، حالانکہ بکریوں کے بڑھنے سے بندہ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بیوی خود بیچ کر اپنی ذاتی جائیداد زیور وغیرہ بنائے گی اگر مجھے دے دے پھر تو میں خرچ کرنے کیلئے تیار ہوں۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ کیا بیوی کی ذاتی بکریوں کے چارے کا بندوبست کرنا شرعاً سائل پر لازم ہے؟

سائل ...... عبدالاول، شجاع آباد، ملتان

الجواب

جو شخص جانور کا مالک ہو اس کے منافع اور فوائد جسے حاصل ہوں اس کے اخراجات کا وہی ذمہ دار ہوتا ہے۔ ان بکریوں کا دودھ اور بچے گھریلو ضروریات کیلئے ہیں تو ان کے اخراجات اور چارے کا ذمہ دار خاوند ہوگا۔ جو مفادات ان سے حاصل ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں چارے کے اخراجات کافی کم ہوتے ہیں۔ اس لئے خاوند کو حوصلہ رکھنا چاہئے۔ لقولہ علیہ السلام "الغرم بالغنم" (الحدیث)

بصورت دیگر ان کے اخراجات بیوی پر ہوں گے۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۵/۸/۱۴۲۸ھ

حاملہ من الزنا کا نفقہ بچے کی پیدائش تک اسکے خاوند کے ذمہ لازم نہیں:

مسماۃ جمیلہ کو شادی سے قبل ہی حمل ظاہر ہو گیا، تحقیق کرنے پر ایک لڑکے پر شک ہو گیا، چنانچہ برادری والوں کے مشورے سے لڑکی کے والد نے اس لڑکے کا نکاح ڈرا دھمکا کر اور دباؤ ڈال کر اس لڑکی سے کر دیا، حالانکہ وہ لڑکا اب تک اسی بات پر قائم ہے کہ یہ حمل مجھ سے نہیں ہے اب شادی کے بعد وہ اپنی اس زوجہ کو کوئی خرچہ وغیرہ نہیں دیتا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب عقد نکاح ہو چکا ہے اور رخصتی بھی عمل میں لائی جا چکی ہے اب خاوند پر اس کا خرچہ وغیرہ لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو بچہ پیدا ہوگا اس کا خرچہ کس پر لازم ہوگا جبکہ خاوند نے حمل کا اقرار نہیں کیا۔

سائل ...... محمد حسن، فیصل آباد

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسؤلہ میں خاوند، مذکورہ لڑکی سے استمتاع (بوسہ، ہمبستری وغیرہ) کا شرعاً مجاز نہیں۔ لہٰذا بچے کی پیدائش تک اس کا نان ونفقہ خاوند پر شرعاً لازم نہیں۔

ہندیہ میں ہے: رجل اُتُّهِم بامرأة بها حبل فزوّجها ابوها منه والزوج ينكر ان يكون الحبل منه جاز النكاح ولا نفقة على الزوج لانه ممنوع من استمتاعها بمعنى من قِبَلِها (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۶) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

جب عورت محرم یا خاوند کے ساتھ سفر حج پر جائے تو ان ایام کے نفقہ کی حقدار ہے یا نہیں؟

سائل کی دو بیویاں ہیں، ایک بیوی قدرے مالدار والدین کی لڑکی ہے سائل نے ہر دو

بیویوں کا ماہانہ خرچہ مقرر کر رکھا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا عورت اپنے والدین کے ساتھ اس سال حج پر جا رہی ہے اور اس کا مطالبہ ہے کہ جتنے دن حج پر لگ جائیں گے ''ڈیڑھ ماہ یا دو ماہ'' ان کا ایڈوانس خرچہ دے جبکہ سائل کا مؤقف یہ ہے کہ جب تم نے میرے گھر رہنا ہی نہیں تو خرچہ کس چیز کا۔ سوال یہ ہے کہ آیا حج کے دنوں کا خرچہ سائل پر لازم ہے؟

سائل ...... محمد احمد، بہاؤالدین

الجواب

اگر عورت کی ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی اور وہ بھائی یا والد وغیرہ کسی محرم کے ساتھ حجِ فرض کیلئے سفر کر رہی ہے اس صورت میں وہ بالاتفاق نان ونفقہ کی حقدار نہیں اور اگر حج کا سفر، رخصتی کے بعد ہو تو مفتی بہ قول کے مطابق وہ نان ونفقہ کی حقدار نہیں جبکہ سفر محرم کے ساتھ ہو۔

وان حجت مع محرم لها دون الزوج فلانفقة لها فی قولهم جمیعاً وان کانت انتقلت الی منزل الزوج فقد قال ابویوسف لها النفقة وقال محمدٌ لانفقة لها کذا فی البدائع وهو الاظهر کذا فی السراج الوهاج (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۶)

البتہ جو عورت خاوند کے ساتھ سفر حج کرے تو حج کی مدت کا نان ونفقہ خاوند کے ذمہ واجب الاداء ہے لیکن اسے حضر کا نفقہ ملے گا سفر والا نفقہ نہ ملے گا۔ اما اذا حج الزوج معها فلها النفقة اجماعا، وتجب علیه نفقة الحضر دون السفر (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۶)

حج کے اخراجات خاوند کے ذمہ واجب نہیں۔ ولایجب الکراء (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۶)

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۷/۱۴۲۸ھ

﴿ما یتعلق بالسکنیٰ﴾

ہر بیوی کو علیحدہ علیحدہ رہائش دینا لازم ہے:

اسلام کی رو سے اگر مرد، دوسری شادی کر لے تو کیا پہلی عورت کو علیحدہ گھر اور مکمل خرچہ دینے کا ذمہ دار ہے؟ کیونکہ لڑکی والدین کے گھر بیٹھنے کو بوجھ سمجھتی ہے۔

سائل ...... راؤ محمد الیاس، نیو ملتان

الجواب

شوہر پر لازم ہے کہ ہر بیوی کو علیحدہ علیحدہ رہائش دے خواہ کمرے کی صورت میں ہو اور اس کا تمام ضروری خرچہ بھی اس کے ذمہ ہے[1]۔.................فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۶/٦/۲۴ھ

خاوند کے ذمہ سکنیٰ کے طور پر الگ کمرہ مہیا کرنا کافی ہے جس میں مرد کے متعلقین موجود نہ ہوں:

زید کی دو سال قبل شادی ہوئی۔ اہلیہ کچھ عرصہ تک اپنے والدین کے ہمراہ رہی۔ بعد میں

التخریج: (۱)......وکذا تجب لها السكنى في بيت خال عن اهله ...... واهلها ...... وبيت منفرد من دار له غلق........ومرافق ومفاده لزوم كنيف ومطبخ .... فلكل من زوجتيه مطالبة بيت من دار على حدة (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۳۲۷-۳۲۴، ط: رشیدیہ جدید) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

زید نے اپنی اہلیہ کو اپنی والدہ کے ساتھ رہنے کو کہا اور والدہ کے پاس چھوڑ کر ملازمت کے سلسلہ میں اسلام آباد چلا آیا۔ واضح رہے کہ زید کے تین بھائی اور ایک بہن بھی ہے یہ سب ایک بڑے مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ سب چیزیں مشترکہ ہیں اور کھانا، پینا بھی مشترکہ ہے۔ زید کی بیوی کا مطالبہ ہے کہ مجھے الگ مکان لے کر دیں اور مکان بھی شہر میں ہو اور اس میں سوئی گیس کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اب جس مکان میں وہ رہ رہی ہے سب کے باقاعدہ الگ الگ کمرے بنے ہوئے ہیں۔ زید کا کہنا یہ ہے کہ جب اپنا مکان موجود ہے تو پھر الگ مکان کا مطالبہ کیسا؟ بہر کیف قرآن وحدیث کی روشنی میں ارشاد فرمائیں کہ زید اس کو الگ مکان دینے کا پابند ہے یا یہ کہ زید کے مشترکہ مکان، زمین اور دوکان کی تقسیم ہو۔ اس وقت تک تو زید وغیرہ نے تمام چیزوں کا سرپرست والدہ کو بنایا ہوا ہے۔

سائل ...... عبدالرحمٰن، اسلام آباد

الجواب

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ خاوند کے ذمہ اپنی استطاعت کے موافق زوجہ کیلئے الگ رہائشی کمرہ جس میں بیت الخلاء اور باورچی خانہ الگ موجود ہو، مہیا کرنا ضروری ہے۔ وکذا

تجب لها السكنى في بيت خال عن اهله...... بقدر حالهما كطعام وكسوة وبيت منفرد من دار له غلق زاد في الاختيار والعيني: ومرافق، ومفاده لزوم كنيف ومطبخ وينبغي الافتاء به (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۳۲۵۔۳۲۴، ط: رشیدیہ جدید)

لہٰذا اس حد تک عورت اپنے مطالبہ میں حق بجانب ہے۔ البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے مطالبہ ترک کرے تو یہ اس کی رضامندی پر موقوف ہے۔..................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۱/۴/۹ھ

الگ مستقل مکان دینا ضروری نہیں۔ والجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

اگر بیوی کی والدین سے نہ بنے اور الگ مکان دینے کی ہمت نہ ہوتو کیا کرے؟

اگر والدہ اور بیوی کا جھگڑا ہو اور بیوی کہتی ہے کہ میں علیحدہ ہونا چاہتی ہوں اور والد صاحب کوئی کام نہیں کرتے خرچ سارا بیٹے پر ہے اگر علیحدہ ہو جائے تو دوگھر کا خرچہ برداشت کرنا مشکل ہے۔ اب دونوں کے حقوق ہیں کس کو ترجیح دینی چاہیے صلح کی کوشش کی لیکن نہیں بن سکتی محال ہے لہٰذا بیوی کو ڈانٹ کر دبایا ہوا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد عمر

الجواب

اسی گھر کے درمیان میں دیوار وغیرہ سے پردہ کرلیں ایک طرف آپ کی بیوی رہے اور دوسری طرف آپ کے والدین رہیں اور دونوں کا کھانا پکانا بھی الگ الگ ہو اور حسب استطاعت ان کو خرچہ دیتے رہیں۔ لما فی الدر المختار: وکذا تجب له السکنی فی بیت خال عن اهله، وفی الشامیة: فان کانت دار فیها بیوت واعطیٰ لها بیتاً ...... یغلق ویفتح لم یکن لها ان تطلب بیتاً آخر وفی البدائع لو کان فی الدار بیوت وجعل لبیتها غلقاً علیٰ حدة، قالو...... لیس لها ان تطالبه بآخر اھ (جلد۵، صفحہ۳۲۵، ط: رشیدیہ جدید)..................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیرالمدارس، ملتان

۱۴۲۶/۱/۱۰ھ

﴿ مایتعلق بنفقة المعتدة ﴾

طلاق کی صورت میں عدت کا نفقہ شرعاً واجب ہے:

لڑکی کو طلاق دیدی تو اسلام کی رو سے کتنے عرصے تک لڑکی کا خرچ لڑکے کے ذمہ ہے؟

سائل ...... راؤ الیاس، ملتان

الجواب

طلاق کے بعد عورت کی عدت جس کو حیض آتا ہو تین حیض ہے اور عدت میں وہ شوہر کے گھر رہے گی اور خرچہ شوہر پر لازم ہوگا۔ وتجب لمطلقة الرجعي والبائن ...... النفقة والسکنی والکسوة ان طالت المدة (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۳۴۱۔۳۴۰، ط: رشیدیہ جدید)

.... فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۶/۲۴/۱۴۲۶ھ

بدچلنی کی وجہ سے اگر طلاق دے تب بھی عدت کا نفقہ واجب ہے:

زید کی بیوی آوارہ اور بدچلن تھی اس وجہ سے زید نے بیوی سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اس کو طلاق دے دی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اب زید کے ذمہ عدت کے دنوں کا خرچہ لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح طلاق دینے سے پہلے بھی دو ماہ زید نے اسی وجہ سے خرچہ نہیں دیا ان

دنوں کا خرچہ بھی لازم ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عدیل، خان بیلہ

الجواب

معتدۃ الطلاق نفقہ اور سکنی کی شرعاً حقدار ہے خواہ جس وجہ سے بھی طلاق دے۔ ھندیہ میں ہے، المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا او بائنا او ثلاثا حاملا كانت المرأة او لم تكن (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۵۷)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۲/۱۰ھ

معتدہ اگر خاوند کی اجازت کے بغیر والدین کے ہاں عدت گذارے تو نان ونفقہ کی حقدار نہیں:

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دی، لیکن ہندہ اپنی عدت خاوند کے گھر میں نہیں گذار رہی بلکہ اپنے والدین کے گھر عدت گذار رہی ہے۔ اس کے باوجود وہ عدت کے دنوں کا خرچہ مانگ رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں ایام عدت کا خرچہ خاوند کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟

سائلہ ...... خالدہ، قادر پور، راواں، ملتان

الجواب

ہندہ اگر خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے میکے میں عدت گذارے تو شرعاً عدت کا خرچہ خاوند کے ذمہ نہیں۔ شامیہ میں ہے: ان الحرة اذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقة والسكنى اذا عادت الى بيت الزوج (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۳)

وفی الدر المختار: لانفقة لاحد عشر، مرتدة، مقبلة ابنه...... وخارجة من بيته من

غیر حق وھی الناشزۃ (جلد۵، صفحہ ۲۸۸، ط: رشیدیہ جدید)........... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۲/۲ھ

نکاح فاسد کی عدت کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں:

زید نے ایک عورت (ہندہ) سے نکاح کیا۔ جبکہ اس سے قبل ہندہ کی ماں خالدہ کے ساتھ بھی زید کے ناجائز تعلقات تھے۔ بعد میں مسئلہ معلوم ہوا کہ زید کا نکاح ہندہ سے صحیح نہیں ہوا اس لئے زید نے ہندہ کو چھوڑ دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ نیز ایام عدت کا نفقہ زید پر لازم ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد احمد، چنیوٹ

الجواب

نکاح فاسد میں ہم بستری کر لی تو اس صورت میں علیحدگی کے بعد عدت واجب ہے۔ لیکن عدت کا خرچہ زید پر واجب نہ ہوگا۔ لما فی الشامیة: فلا نفقة علی مسلم فی نکاح فاسد لانعدام سبب الوجوب وھو حق الحبس الثابت للزوج علیھا بالنکاح وکذا فی عدتہ .... و لان حال العدة لایکون اقویٰ من حال النکاح، بدائع (شامیہ، جلد۵، صفحہ ۲۸۳، رشیدیہ جدید) وفی الدرالمختار: لانفقة لاحد عشر، مرتدة...... ومنکوحة فاسداً وعدتہ (الخ) (جلد۵، صفحہ ۲۸۸) وفی الھندیة: لانفقة فی النکاح الفاسد ولافی العدة منه (جلد۱، صفحہ ۵۴۷).................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۶/۵/۱۵ھ

متوفی عنہا زوجہا کا نان ونفقہ نہ ورثاء کے ذمہ ہے اور نہ ہی ترکہ سے لے سکتی ہے:

دوران عدت بیوہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے؟ اگر خاوند کے ورثاء (والدین، بھائی وغیرہ) نہ دیں تو کیا وہ خاوند کے ترکہ میں سے خرچہ لے سکتی ہے؟

الجواب

متوفی عنہا زوجہا کو عدت کا خرچہ خاوند کے ترکہ سے نکالنا درست نہیں [1]۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۷/۹/۱۵ھ

عدت وفات کے اخراجات کا میت کے ورثاء سے مطالبہ خلاف شریعت ہے:

ایک شخص مسمّٰی احمد علی فوت ہو گیا۔ احمد علی کے والدین اور بیوی زندہ ہیں۔ اب تقسیم میراث کے وقت متوفی احمد علی کے سسرال والے بیوہ کے حق میراث کے علاوہ ایام عدت کے نفقہ کے طلبگار بھی ہیں کہ ترکہ سے ایام عدت کا نفقہ بھی دیا جائے۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ ایام عدت کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟

سائل ...... خالد انور، خانیوال

الجواب

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے۔ اس کیلئے شرعاً عدت کا خرچہ نہیں ہے۔

ہندیہ میں ہے: لانفقة للمتوفی عنها زوجها سواء كالت حاملاً او حائلاً (جلد ۱، صفحہ ۵۵۸)

التخریج: (۱)...... لما فی الدر المختار: لاتجب النفقة بانواعها لمعتدة موت مطلقاً ولو حاملاً (جلد ۵، صفحہ ۳۴۲)

وفیہ ایضاً: لا نفقة لاحد عشر: مرتدة، ومقبلة ابنه، ومعتدة موت (الخ) (جلد ۵، صفحہ ۲۸۸)

وفی العالمگیریہ: لا نفقة للمتوفی عنها زوجها سواء كانت حاملاً او حائلاً (جلد ۱، صفحہ ۵۵۸)

(مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

وفی الدرالمختار: لا نفقة لاحد عشر: مرتدة، ومقبلة ابنه، ومعتدة موت (الخ) (جلد۵، صفحہ ۲۸۸، ط: رشیدیہ جدید) وفیه ایضاً: لاتجب النفقة بانواعها لمعتدة موت مطلقاً ولو حاملاً (جلد۵، صفحہ ۳۴۲، ط: رشیدیہ جدید)

لہٰذا بیوہ کے اولیاء کا ایام عدت کے خرچہ کا مطالبہ شرعاً غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۷/۱۴۲۵ھ

مطلقہ بیوی شرعاً صرف ایام عدت کے نان ونفقہ کی حقدار ہے:

ایک شخص محمد ساجد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد دوران عدت محمد ساجد اپنی مطلقہ کو خرچہ دیتا رہا۔ عدت پوری ہونے پر ساجد نے خرچہ بند کر دیا لیکن بیوی کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ جب تک لڑکی کی دوسری جگہ شادی نہیں ہو جاتی اس وقت تک لڑکی کا خرچہ ساجد برداشت کرے۔ کیا عدت گذرنے کے بعد بھی سابقہ شوہر پر بیوی کا خرچہ لازم ہے؟

سائل ...... افضل جاوید، ملتان

الجواب

طلاق دینے کے بعد خاوند پر صرف ایام عدت کا نفقہ لازم ہے۔ عدت گذرنے کے بعد خاوند سے نفقہ کا مطالبہ شرعاً درست نہیں۔ لما فی الهدایه: واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنی فی عدتها رجعیاً کان او بائناً (جلد۲، صفحہ ۴۴۶)

"فی عدتها" کی قید سے معلوم ہوا کہ عدت کے بعد خرچہ لازم نہیں۔

درمختار میں ہے: ونفقة الغیر تجب علی الغیر باسباب ثلاثة زوجیة، وقرابة،

وملک (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۲۸۳)

جبکہ صورت مسؤلہ میں ان میں سے کوئی سبب بھی متحقق نہیں۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۳/۴ھ

کیا ''معتدہ'' بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے؟

زید نے اپنی بیوی (ہندہ) کو طلاق دے دی۔جس سے زید کا ایک بچہ بھی ہے، جو کہ ابھی شیر خوارگی کی حالت میں ہے۔ہندہ ابھی حالت عدت میں ہے اور بچے کو دودھ پلانے کی اجرت مانگ رہی ہے۔کیا حالت عدت میں بچے کو دودھ پلانے کی اجرت مانگنا ہندہ کیلئے شرعاً جائز ہے؟

سائل ...... محمد خالد، کلور کوٹ

الجواب

اگر زید نے ہندہ کو طلاق بائنہ یا طلاق مغلظہ دی ہے۔تو ایسی صورت میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق اجرت لینے کی شرعاً مجاز ہے۔**المعتدة عن طلاق بائن او طلقات ثلاث فی روایة ابن زیاد تستحق اجر الرضاعة وعلیه الفتویٰ** (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۱)

طلاق رجعی کی معتدہ اجرت نہیں لے سکتی۔**وان استأجر ھا وھی زوجته او معتدته عن طلاق رجعی لترضع ولدھا لم یجز** (جلد ۱، صفحہ ۵۶۱)............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۵/۲ھ

﴿مایتعلق بنفقة الاولاد﴾

کیا بچے کی ولادت کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہیں؟

بچے کی پیدائش پر ڈاکٹر ودوائی وغیرہ کے جو اخراجات ہوتے ہیں۔ کس کے ذمہ ہوتے ہیں جبکہ پیدائش کے زمانہ میں عام طور پر عورت اپنے والدین کے گھر چلی جایا کرتی ہے یہ خرچ والدین پر ہے یا خاوند پر؟

سائل ...... محمد خادم، ملتان

الجواب

ہندیہ میں ہے: واجرة القابلة عليها ان استأجرتها ولو استأجرها الزوج فعليه، وان حضرت بلا اجازة فلقائل ان يقول على الزوج لانه مؤنة الوطئ ويجوز ان يقال عليها كأجرة الطبيب (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۹)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ اجرت اور اخراجات کے وجوب میں تفصیل ہے تاہم خاوند کو ادا کرنے چاہئیں کیونکہ یہ مؤنتِ وطی ہیں .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۵ھ

اگر نابالغ بچے کا ذاتی مال ہو تو نفقہ اس کے مال میں سے ہوگا والد پر شرعاً لازم نہیں:

ایک عورت نے اپنی پوتیوں کو کچھ رقم دی اور وہ کسی کاروبار میں (بطور مضاربت) لگا دی

گئی تا کہ اس میں اللہ تعالیٰ منافع دیں تو بچیوں کے کام آئے۔ بیٹے کی آمدنی (بچوں کے باپ کی آمدنی) بہت معمولی ہے جو گھر کے اخراجات کیلئے ناکافی ہے۔ کیا ان بچیوں کی رقم پر آمدہ منافع میں سے کچھ رقم گھر کے اخراجات کیلئے باپ لے سکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: بچیاں نابالغ ہیں اور رقم جو ان کے منافع میں سے آئے گی زیادہ تر ان ہی کے اخراجات خورد ونوش وغیرہ میں خرچ ہو گی؟

سائل ...... غلام نبی، ملتان

الجواب

اگر بچوں یا بچیوں کا اپنا مال ہو تو والد، ان کے مال میں سے ان پر خرچ کرے گا والد کے ذمہ ان کا خرچ نہیں۔ونفقة الصبی بعد الفطام اذا کان له مال فی ماله (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۲)

و فیه ایضاً: ونفقة الاناث واجبة مطلقاً علی الآباء مالم یتزوجن اذالم یکن لهن مال (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۳)

ان کے مال سے دوسرے بچوں یا ان کی والدہ وغیرہ پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔..............................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۱۸/۳/۲۵ھ

بچیوں کا نفقہ نکاح تک والد پر لازم ہے، البتہ بالغ لڑکوں کا نفقہ شرعاً لازم نہیں:

جو بالغ لڑکا ہنر سیکھنے کے مراحل میں ہو اس کا خرچہ والد کے ذمہ ہے:

ہندہ اپنے خاوند زید سے ناچاقی کے باعث اپنے بہنوئی کے گھر رہائش پذیر ہے اس کے

ساتھ ساتھ اس کی چار بالغ بیٹیاں اور ایک بالغ بیٹا بھی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ زید ان کے وہاں رہنے پر ناخوش ہے کیونکہ وہاں دینی ماحول نہ ہونے کی وجہ سے پردے کا انتظام نہیں ہے۔ اب یہ وضاحت فرمائی جائے کہ اٹھارہ سال کی عمر کے بعد تعلیم وتربیت کی ذمہ داری والد پر عائد ہوتی ہے یا والدہ پر یا اولاد ہر لحاظ سے آزاد اور خود مختار ہے؟

سائل ...... محمد اقبال ولد میاں ہدایت اللہ، ملتان

الجواب

بالغ لڑکیوں کا نفقہ وخرچہ باپ کے ذمہ ہے جب تک ان کا نکاح نہ کیا گیا ہو البتہ بالغ لڑکے اگر کمائی پر قادر ہوں تو ان کا خرچہ باپ پر واجب نہیں ہے۔ البتہ جو بالغ لڑکے کام کرنے پر قادر تو ہیں لیکن ابھی تک وہ کام اچھی طرح نہیں کر سکتے تو ان کا خرچہ بھی باپ کے ذمہ ہوگا۔(۱)

البتہ نافرمان بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ نہیں ہے۔(۲) ...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۵/۱۲ھ

دینی مدرسہ کے طالب علم کا نفقہ بعد البلوغ بھی والد کے ذمہ ہے:

زید ایک دینی مدرسہ کا طالب علم ہے اور بالغ ہے اور زمانہ طالب علمی میں وہ کسب وغیرہ

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریہ: ونفقة الاناث واجبة مطلقاً علی الآباء ما لم یتزوجن اذا لم یکن لهن مال...... ولا یجب علی الاب نفقة الذکور الکبار الا ان یکون الولد عاجزاً عن الکسب لزمانة او مرض، ومن یقدر علی العمل لکن لا یحسن العمل فهو بمنزلة العاجز (عالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۵۶۳)

(۲)......لما فی الهندیه: وان نشزت فلانفقة لها حتی تعود الی منزله (عالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۵۴۵)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

نہیں کرسکتا۔ تو کیا اس کا نفقہ والدین کے ذمہ لازم ہے یا خود اس طالب علم پر لازم ہے۔

سائل ...... محمد احمد، سمندری، فیصل آباد

الجواب

غریب طالب علم اگرچہ بالغ ہو اس کا ضروری خرچ والد کے ذمہ ہے، بشرطیکہ پڑھتا ہو وقت ضائع نہ کر رہا ہو۔ وکذا تجب (النفقة) لولده الکبیر العاجز عن الکسب ...... وطالب علم لایتفرغ لذالک (الخ) (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۳۴۸، ط: رشیدیہ جدید)

اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: اقول الحق الذی تقبله الطبائع المستقیمة ولا تنفر منه الاذواق السلیمة القول بوجوبها لذی الرشد لاغیره (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۹)

وفی العالمگیریة: وکذا طلبة العلم اذا کانوا عاجزین عن الکسب لایهتدون الیه لاتسقط نفقتهم عن آبائهم اذا کانوا مشتغلین بالعلوم الشریعة (جلد ۱، صفحہ ۵۶۳)

اگر وہ ذی استطاعت ہے تو اس کا خرچہ اس کے مال میں سے ہے۔ ان کان للصغیر عقارٌ واردیةٌ اولیاب واحتیج الی ذالک للنفقة کان للاب ان یبیع ذالک کله وینفق علیه (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۲) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۵/۱۴۲۵ھ

جو بالغ بچہ کسب سے عاجز ہو اس کا خرچہ وعلاج معالجہ حسب حیثیت والدین کے ذمہ ہے:

بندہ ایک مرض میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے کمائی وغیرہ کے قابل نہیں اور بیماری کی وجہ سے قریب المرگ ہے۔ بندہ کے علاج معالجہ کا مسئلہ بنا ہوا ہے، والد صاحب کے پاس ایک گاڑی

ہے جو ذریعہ آمدن ہے اور والدہ کے پاس کچھ زمین ہے جو ماموں کے قبضے میں ہے اور وہ زمین کا گذشتہ ٹھیکہ بھی نہیں دیتے، والدہ بھی ان سے ٹھیکہ کے معاملہ پر راضی نہیں اگر والد صاحب گاڑی بیچ کر علاج پر لگائیں تو گھر کے ذرائع آمدنی ختم ہوتے ہیں۔ تو شرعاً کیا والدہ کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ماموں سے زمین واپس لے یا ٹھیکہ لے کر علاج معالجہ پر لگائیں، کیا ماں پر واجب ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے علاج پر خرچ کرے یا والد صاحب پر واجب ہے؟

سائل ...... محمد ارشد، گلزیب کالونی، ملتان

الجواب

اگر آپ واقعی اس قدر بیمار ہیں اور کمانے پر قدرت نہیں رکھتے تو آپ کے والدین پر آپ کا خرچہ اور علاج کرانا لازم ہے دونوں خرچ کریں اگر والدہ زیادہ وسعت والی ہیں تو وہ خرچ کریں۔

لما فی الدر المختار: وکذا تجب لولدہ الکبیر العاجز عن الکسب...... لا یشارکہ احد فی ذالک ...... مالم یکن معسراً فیلحق بالمیت فتجب علی غیرہ وفی الشامیہ: ولو لھم ام موسرۃ امرت ان تنفق علیھم (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۹_۳۴۸)......................................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۱/۳ھ

کیا بچوں کی شادی کے اخراجات والد کے ذمہ واجب ہیں؟

بالغ صحت مند اولاد کا نفقہ تو والدین پر لازم نہیں لیکن اولاد کی شادی پر جو کافی سارے اخراجات ہوتے ہیں یہ اخراجات کس کے ذمہ ہیں؟ آیا والدین پر لازم ہیں یا اولاد خود یہ اخراجات

برداشت کرے گی؟

سائل ...... ضیاء الحسن، منڈی بہاؤالدین

الجواب

جولڑکا اپاہج وغیرہ نہ ہوکسب پر قادر ہواور عاقل بالغ ہو اس کے اخراجات والد کے ذمہ نہیں الا یہ کہ معذور ہو یا طالب علم ہو۔ ہندیہ میں ہے: **لایجب نفقة الذکور الکبار الا ان یکون الولد عاجزاً عن الکسب لزمانة او مرض** (عالمگیریہ، جلد ا، صفحہ ۵۶۳)

شادی کے جملہ اخراجات مہر، نان ونفقہ، ولیمہ والد کے ذمہ نہیں یہ تمام انتظامات بیٹا خود کرے، البتہ رشتہ کی تلاش، انتخاب وغیرہ میں والدین خوب تعاون کریں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۵/۱۴۲۵ھ

والد کے فوت ہو جانے کے بعد بچوں کا نفقہ شرعاً دادا پر بھی لازم ہے:

ایک شخص مسمّٰی عبدالقادر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی جس سے شخص مذکور کے دو بچے بھی تھے طلاق کے بعد شخص مذکور چھ ماہ تک زندہ رہا اور بچوں کا خرچہ بچوں کی والدہ کو دیتا رہا، لیکن چھ ماہ بعد مسمّٰی عبدالقادر فوت ہو گیا اور بچوں کو ترکہ سے معمولی سی رقم ملی جو ختم ہو چکی ہے۔ بچوں کی والدہ خود تنگدست ہے حسب توفیق خرچ کرتی رہتی ہے۔ مگر بچوں کے دادا سے بچوں کے خرچہ کا مطالبہ کیا گیا کہ تم بھی بچوں کیلئے ماہانہ خرچہ دیا کرو۔ لیکن وہ اس پر نہیں آتا۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ کیا بچوں کے دادا پر صورت مسئولہ میں خرچہ لازم ہے یا نہیں؟

سائل ...... عبدالرحمٰن، حرم گیٹ ملتان

الجواب

اگر بچوں کا اپنا مال نہیں تو صورت مسئولہ میں بچوں کے دادا پر نابالغ بچوں اور دونوں قسم کی بچیوں کا خرچہ شرعاً واجب ہے عدالت اخراجات ادا کرنے کا اسے پابند بنائے گی۔ اعلم انه اذا مات الاب فالنفقة علیٰ الام والجد علیٰ قدر میراثهما اثلاثاً فی ظاهر الروایة، وفی روایة علی الجد وحده (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۸).................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

اگر والد تنگدست ہو اور دادا مالدار ہو تو دادا پر خرچہ لازم ہے:

مسمّٰی غلام یٰسین ایک غریب اور فقیر شخص ہے، جس کے تین چار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جبکہ غلام یٰسین کی کمائی اس قدر قلیل ہے کہ اس مہنگائی کے دور میں ان بچوں کیلئے ناکافی ہے۔ اس لئے بچے بہت ہی تکلیف اور مشقت سے وقت بسر کر رہے ہیں بسا اوقات اِدھر اُدھر سے مانگ کر گذارہ کرتے ہیں کبھی بھوکے رہتے ہیں، بچوں کی والدہ بھی فوت ہو چکی ہے جبکہ بچوں کا دادا ایک صاحب استطاعت آدمی ہے بچوں کو ماہانہ کچھ خرچ دے دیا کرے تو اس سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن وہ اس سے غافل ہے۔ کیا شرعاً دادا پر یہ لازم نہیں کہ وہ اپنے پوتوں کو جو کہ معصوم اور چھوٹے ہیں خرچ دے دیا کرے۔

سائل ...... احمد حسن، شبہ سلطان پور

الجواب

صورت مسئولہ میں جب بچوں کا والد اس قدر تنگدست ہے کہ بچوں کا نان ونفقہ برداشت

کرنے سے قاصر ہے تو بچوں کے دادا پر شرعاً لازم ہے کہ اس تنگدستی کے زمانہ میں بچوں کا نان ونفقہ برداشت کرے۔لما فی الشامیہ: **ولو کان للفقیر اولاد صغار وجد موسر یومر الجد بالانفاق صیانۃ لولد الولد** (شامیہ، جلد۵، صفحہ۳۴۹)(کذا فی العالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۵۶۲)

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۸/۱۴۲۸ھ

اگر والد تنگدست ہو اور ماں اور دادا دونوں مالدار ہوں تو شرعاً نفقہ کس پر لازم ہے؟

مسمّی محمد علی کسی حادثے کا شکار ہو کر معذور ہو گئے اور ساری جائیداد علاج ومعالجہ پر خرچ ہوگئی اب اس قدر تنگدست ہیں کہ بچوں کو خرچہ وغیرہ دینے کے قابل نہیں، جبکہ بچوں کا دادا صاحب حیثیت ہے اور والدہ بھی کافی مالدار ہے لیکن اس کے باوجود وہ بچوں کے دادا سے بچوں کے خرچہ کی طلب گار ہے کہ یہ تمہاری بھی اولاد ہے لہٰذا ان کو ماہانہ خرچہ دیا کرو لیکن دادا کو اس بارے میں کوئی احساس نہیں معاملہ پنچایت تک آ پہنچا ہے۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا دادا پر خرچہ لازم ہے؟

سائل ...... محمد ناصر، جھنگ

الجواب

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں بچوں کا نان ونفقہ صرف والدہ پر لازم ہے۔ **لما فی العالمگیریہ: الام اولیٰ بالتحمل من سائر الاقارب حتیٰ لو کان الاب معسراً والام موسرۃ وللصغیر جد موسر تؤمر الام بالانفاق من مال نفسها...... ولا یؤمر الجد بذالک** (عالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۵۶۲ کذا فی الشامیہ، جلد۵، صفحہ۳۴۸)

مذکورہ بالا حکم اس وقت ہے جب بچوں کا کوئی ذاتی مال نہ ہو اگر ان کا کوئی ذاتی مال موجود ہے تو نفقہ ان کے اپنے مال سے ہوگا۔ لما فی الدر المختار: وتجب النفقة بانواعها على الحر لطفله ...... الفقير الحر فان نفقة المملوک على مالكه والغنى فى ماله الحاضر (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۳۴۵) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۷/۷/۱۴۲۹ھ

والد، دادا اور بھائی کی عدم موجودگی میں نابالغ بچوں کا خرچہ چچا کے ذمہ ہے:

مسماۃ فاطمہ کا خاوند فوت ہو گیا جس سے فاطمہ کی چھوٹی چھوٹی اولاد ہے۔ فاطمہ خود ایک سادہ دیہاتی عورت ہے جو خود روزی کمانے کے قابل نہیں اور اس دور میں باپردہ رہ کر عورت کیلئے روزی کمانا مشکل ہے اور شوہر کا ترکہ بالکل معمولی ہے جس سے گذر بسر ناممکن ہے جبکہ ادھر فاطمہ کے خاوند کا بھائی اور خود فاطمہ کا بھائی بھی زندہ موجود ہیں اور کمانے کے قابل ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ خود فاطمہ اور فاطمہ کی چھوٹی اولاد کا خرچہ وغیرہ شرعاً کس پر لازم ہے؟

سائل ...... محمد ندیم، چشتیاں

الجواب

صورت مسئولہ میں نابالغ بچوں کا نان و نفقہ بچوں کے چچا پر ہے جبکہ وہ غنی ہو۔ کمایفهم من العالمگيرية: واذا كان للاب المعسر اخ موسر يؤمر الاخ بالانفاق على الصغير (عالمگیریہ، جلد ا، صفحہ ۵۶۲) وفی الشامية: اذالم يكن للاب مال، والجد او الام او الخال او العم موسر يجبر على نفقة الصغير (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۷)

اورمسمّاۃ فاطمہ کاخرچ اس کے بھائی کے ذمہ ہے جبکہ وہ بھائی غنی ہو۔

ہندیہ میں ہے: وتجب نفقة الاناث الكبار من ذوى الارحام وان كن صحيحات البدن اذا كان بهن حاجة الى النفقة (جلد۱،صفحہ۵۶۶)۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۵/۳/ ۱۴۲۷ھ

زنا سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟

زید کی بیوی (ہندہ) کے زید کی عدم موجودگی میں خالد سے ناجائز تعلقات ہو گئے۔جس سے ناجائز لڑکا پیدا ہو گیا۔اس بات کا علم خود زید اور علاقے والوں کو ہے اس لئے زید اس بچے کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اٹھانے سے انکاری ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا نفقہ ہندہ خود برداشت کرے۔سوال یہ ہے کہ آیا زید پر مذکورہ بچے کا نفقہ شرعاً لازم ہے یا نہیں؟ اگر زید پر نفقہ لازم نہیں تو نفقہ کس پر ہے؟

سائل ...... محمد عامر، منڈی یزمان

الجواب

اگر زید اور ہندہ لعان کریں اور قاضی بچے کے نسب کو منقطع کر دے تو ایسی صورت میں اس بچے کے نفقہ کی ذمہ داری ہندہ پر ہوگی زید پر اس کا خرچہ واجب نہیں۔لقوله تعالى: وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف (الآیہ)

نفقہ کے وجوب کے لئے مولود لہ ہونا شرط ہے جو صورت مذکورہ میں مفقود ہے۔بدوں لعان یہ بچہ زید کا شمار ہوگا۔لقوله عليه السلام: الولد للفراش وللعاهر الحجر (مسلم شریف، جلد۱، صفحہ ۴۷۰، بخاری شریف، جلد۲، صفحہ ۶۱۶)

اس صورت میں نفقہ زید پر واجب ہوگا۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۵/۱۰ھ

زوجہ زنا کا اور غیر زوج سے حمل کا اقرار کرلے تب بھی بچے کا نسب خاوند سے ہی ہوگا اور نفقہ خاوند کے ذمہ ہوگا:

معتدہ کو بچہ پیدا ہوا، فی الحال وہ پونے دو ماہ کا ہے۔ معتدہ کا خاوند انکار کرتا ہے کہ یہ میرا نطفہ نہیں ہے لہٰذا میں اس کو نہیں رکھتا اور تفتیش کے بعد عورت نے بھی اقرار کرلیا ہے کہ یہ بچہ میرے خاوند کا نہیں ہے۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ یہ بچہ اگر کسی دوسرے آدمی کو دیا جائے تو اس بچے کو ماں سے چھڑانے کا جرم کس پر ہوگا؟ اور دودھ کا خرچہ خاوند پر آئے گا یا نہیں؟ نیز معتدہ کا خاوند ولادت سے پہلے سے ہی انکار کر رہا ہے اور معتدہ بھی ولادت سے پہلے سے اقرار کر رہی ہے کہ یہ میرے خاوند کا نطفہ نہیں ہے۔ سائل ...... یامین، ملتان

الجواب

بچے مذکور کا نسب خاوند مذکور سے ثابت ہے اگرچہ وہ دونوں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ حمل خاوند کے نطفہ سے نہیں، لہٰذا اس بچہ کا خرچہ خاوند پر لازم ہے، البتہ اگر کوئی دوسرا آدمی والدین کی رضامندی سے اس بچے کو اپنی پرورش میں رکھے تو یہ بھی درست ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۴/۵/۲ھ

التخریج: (۱)......لما فی الھندیہ: ولو نفی ولد زوجتہ الحرۃ فصدقتہ فلاحد ولا لعان وھو ابنھما لایصدقان علی نفیہ کذا فی الاختیار شرح المختار (جلد۱، صفحہ۵۱۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مفلس باپ بچوں کی مملوکہ اشیاء ان کے اخراجات کیلئے فروخت کرسکتا ہے:

ایک شخص محمد اجمل تنگدست آدمی ہے جبکہ اس کی بیوی فوت ہو چکی ہے جس سے شخص مذکور کے دو لڑکے ہیں مرحومہ چونکہ مالدار عورت تھی اس وجہ سے بچوں کو والدہ کے ترکہ سے بہت سارا سامان منقولی وغیر منقولی ملا ہے۔ اب بچوں کا والد خود تنگدست ہے اس لئے خود تو بچوں پر خرچ نہیں کرسکتا البتہ بچوں کی منقولی وغیر منقولی جائیداد کو فروخت کر کے ان کا نان ونفقہ پورا کر رہا ہے۔ کیا مسمّٰی محمد اجمل کا یہ فعل شرعاً درست ہے؟

سائل ...... محمد فاروق، کشمیر

الجواب

بچوں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے مفلس باپ بچوں کی مملوکہ منقولی وغیر منقولی اشیاء کو فروخت کرنے کا شرعاً مجاز ہے۔ چنانچہ ہندیہ میں ہے: وان کا ن للصغیر عقار او اردیة او ثیاب واحتیج الی ذالک للنفقة کان للاب ان یبیع ذالک کله وینفق علیه کذا فی الذخیرة (عالمگیریہ، جلد ا، صفحہ ۵۶۲) اور درمختار میں ہے: وتجب النفقة بانواعها علی الحر لطفله...... الفقیر الحر فان نفقةالمملوک علی مالکه والغنی فی ماله الحاضر، وفی الشامیة: قوله :فی ماله الحاضر، یشمل العقار والاردیة والثیاب فاذا احتیج الی النفقة کان للاب ان یبیع ذالک کله وینفق علیه؛ لانه غنیٌّ بهٰذه الاشیاء، (درمختار مع الشامیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۵)............ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۶/۵ھ

طے کئے بغیر گذشتہ مدت کا نفقہ اولاد لینے کی حقدار نہیں:

میرے شوہر ابوالحسن نے مجھے بیس سال سے پہلے طلاق دی تھی اس وقت میرے پاس ایک لڑکی تھی اور مجھے حمل بھی تھا خاوند نے وعدہ کیا تھا کہ زندگی تک خرچہ وغیرہ دیتا رہے گا لیکن اس نے کچھ خرچہ وغیرہ نہیں دیا میں نے اپنی لڑکی کی شادی کرائی اس پر بھی خاوند کے رشتہ داروں نے میری امداد نہیں کی، اب میرے خاوند کے رشتہ داروں نے میری لڑکیوں پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا ہے اور ابوالحسن کی جائیداد میں سے حصہ مانگ رہے ہیں جبکہ میرے خاوند کا کوئی لڑکا اور بہن بھائی وغیرہ نہیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ میں لڑکیوں کے خرچہ لینے کی حقدار ہوں جو کہ پرورش اور شادی پر ہوا؟

سائل ...... محمد اسلم

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ سائلہ بچیوں کا سابقہ خرچہ وصول نہیں کر سکتی۔

لما فی الشامیة: ولو قضیٰ القاضی للولد والوالدین وذوی الارحام بالنفقة فمضت مدة سقطت لان نفقة هؤلاء تجب كفاية للحاجة حتى لاتجب مع اليسار وقد حصلت بمضی المدة (شامیہ، جلد۵، صفحہ۳۷۷)

جب قضائے قاضی کے بعد بھی مضی مدت سے خرچہ ساقط ہو جاتا ہے تو قضائے قاضی کے بغیر بدرجہ اولیٰ ساقط ہو جائے گا۔ ایسے ہی تایازاد بھائی پر آئندہ کیلئے بھی خرچہ واجب نہیں ہے۔

قال العلامة عبدالحیؒ فی حاشية الهداية: قوله: "لكل ذی رحم محرمٍ" ولو كان رحماً غير محرمٍ نحو ابن العم، او محرماً غيرذی رحمٍ نحو الاخ من الرضاع او الاخت من الرضاعة، او رحماً محرماً لا من قرابةٍ نحو ابن عمٍ هو الاخ من الرضاع

لاتجب النفقة .عينى، (حاشیہ ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۴۳۹، ط: رحمانیہ لاہور)

وفي العالمگيرية: ان شرط وجوب النفقة هو ان يكون ذوالرحم من اهل الميراث (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۶) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۰۳/۴/۲۳ھ

﴿ما یتعلق بنفقۃ ذوی الارحام﴾

اگر والدین تنگدست ہوں تو ان کے ضروری اخراجات بالغ اولاد کے ذمہ واجب ہیں:

زید اور اس کی بیوی خود غریب، نادار اور کمانے کے قابل نہیں ہیں، جبکہ زید کے دو بیٹے کمانے والے موجود ہیں زید ان کو کہتا ہے کہ اپنی کمائی سے ماہانہ کچھ ہمارے خرچ کے لئے مقرر کر دو لیکن بیٹوں کا کہنا یہ ہے کہ ہماری ذاتی کمائی میں سے آپ کا کوئی حصہ نہیں ہم جب چاہیں گے اپنی مرضی سے فرصت کے مطابق امداد کر دیا کریں گے۔ شرعاً ضعیف و کمزور والدین کا خرچہ اولاد کے ذمہ ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد یٰسین، قاسم بیلہ

الجواب

اگر والدین غنی اور صاحب استطاعت ہیں تو ان کا خرچہ ان کے اپنے مال میں ہے، بچوں پر شرعاً واجب نہیں۔ ہندیہ میں ہے: **لایقضی بنفقة احد من ذوی الارحام اذا کان غنیاً** (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۶)

البتہ نادار ہونے کی صورت میں ان کے اخراجات کا انتظام کرنا بچوں پر لازم ہے۔ ہندیہ میں ہے: **ویجبر الولد الموسر علی نفقة الابوین المعسرین مسلمین کانا او ذمّیین** (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۴)

اگر کسی کی بچیاں غنی و مالدار ہیں اور والدین مفلس ہیں تو وہ بھی خرچہ دینے کی پابند ہیں لیکن اپنے ذاتی مال سے دیں بلا اذن، خاوند کے مال سے دینا خیانت اور چوری ہے۔

ہندیہ میں ہے: **واذا اختلطت الذکور والاناث فنفقة الابوین علیهما علی السویة**

فی ظاهر الروایة وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وبه یفتی (الخ) (جلد ا، صفحہ ۵۶۴)

..................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۵/۳ھ

مالدار والدین کا بیٹے سے نان ونفقہ کا مطالبہ شرعاً درست نہیں:

میرے والد صاحب نے مجھ سے اور میری والدہ سے لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔اس وقت میری عمر پانچ سال تھی یہ لاتعلقی بغیر طلاق کے تھی جناب میں نے اور میری والدہ نے بڑے کٹھن حالات میں زندگی گذاری میری والدہ نے گھر چلانے میں بڑی محنت کی۔اس دوران میں نے ایک ویلڈنگ کی دوکان پر کام سیکھنا شروع کر دیا پھر کام مکمل سیکھ لینے کے بعد میں نے اپنے استاد صاحب کے پاس ملازمت اختیار کر لی اور اپنی قلیل ماہانہ آمدنی سے کچھ بچاتا رہا۔عرصہ دس بارہ سال کے بعد میں نے محدود وسائل کے ساتھ اپنا کام شروع کیا اور آج میں بتیس سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں اس وقت میری آمدنی معقول ہے جس سے میں اپنے پانچ بچوں، بیوی، اور والدہ کا پیٹ پال سکتا ہوں جبکہ میرے والد صاحب نے ہمیں چھوڑنے کے بعد کبھی بھی ہماری خبر گیری نہیں کی بلکہ ہمیں چھوڑنے کے بعد خانپور سے راجن پور منتقل ہو گئے اور وہاں دوسری شادی کر لی۔اس بیوی سے ان کے پانچ چھ بچے ہیں جو کہ جوان ہیں۔اور میرے والد صاحب صاحب حیثیت انسان ہیں اور علاقے کے کونسلر بھی منتخب ہوئے ہیں ان کی آمدنی نہایت معقول ہے۔اب میرا اپنا کاروبار بھی راجن پور میں ہے جبکہ میرے بیوی، بچوں کی رہائش میری والدہ کے ساتھ خانپور میں ہے میرے والد صاحب شروع سے لے کر اب تک مجھ سے الگ ہیں کبھی انہوں نے میرے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعاون نہیں کیا لیکن اب وہ مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میں ان کو اپنے ذاتی کاروبار سے حصہ دوں اور اپنے سوتیلے بھائیوں کو بھی دوں جبکہ کبھی بھی انہوں نے ہمارے ساتھ تعلق قائم نہیں کیا حتی کہ

دوسری بیوی عرصہ دو سال سے وفات پا چکی ہے اس کے باوجود انہوں نے میری والدہ کو باوجود طلاق نہ ہونے کے اپنے پاس نہیں بلایا۔تو کیا میں اس بات کا پابند ہوں کہ اپنے والد صاحب کے مطالبہ پر ان کو اور اپنے سوتیلے جوان بھائیوں کو اپنے ذاتی کاروبار میں سے حصہ دوں اور اگر میں انکار کر دوں تو کیا میں گنہگار قرار پاؤں گا جبکہ میں حسب توفیق اپنے والد صاحب کی خدمت کرتا رہتا ہوں۔

سائل ...... محمد ایاز، راجن پور

الجواب

صورت مسئولہ میں والد صاحب کا آپ سے حصے کا مطالبہ شرعاً درست نہیں اور نہ ہی اس سلسلہ میں ان کی اطاعت لازم ہے والد کا خرچہ (نان ونفقہ) صرف اس صورت میں اولاد پر لازم ہوتا ہے جبکہ اس کا اپنا مال نہ ہو۔ الاب اذا کان فقیراً معسراً وله اولاد صغار محاويج وابن كبير موسر يجبر الابن على نفقة ابيه ونفقة اولاده الصغار (عالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۵۶۵)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ باپ اگر فقیر ہو تو پھر اس کا خرچہ واجب ہے، والد صاحب سے میل جول رکھیں .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفرلہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۲/۱۲/۵ھ

اگر والدین تنگدست ہوں تو لڑکوں کی طرح مال دار بالغہ لڑکیوں پر بھی والدین کا خرچہ واجب ہے:

خالد اور اس کی دو بہنیں خالدہ اور جمیلہ تینوں شادی شدہ ہیں صاحب حیثیت ہیں اور ان کے والدین کمزور اور کمائی وغیرہ کے قابل نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے اخراجات کھانا، پینا، علاج

معالجہ وغیرہ سب خالد برداشت کرتا ہے اور بارہا بہنوں سے مطالبہ کر چکا ہے کہ تم بھی والدین کو خرچہ وغیرہ دیا کرو تمہارا بھی حق بنتا ہے لیکن بہنوں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا اس لئے خالد پریشان ہے۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ خالد کا مطالبہ درست ہے؟ کیا والدین کا سارا خرچہ صرف بیٹے کے ذمہ لازم ہے یا بیٹیوں پر بھی والدین کا کچھ حق ہے؟

سائل ...... احمد حسن، مظفر گڑھ

الجواب

صورت مسئولہ میں مسماۃ خالدہ اور جمیلہ پر بھی والدین کا نان ونفقہ واجب ہے جبکہ وہ دونوں خود مالدار ہوں خاوند کے مالدار ہونے کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر کسی پر خرچ کرنے کی شرعاً مجاز نہیں۔ ہندیہ میں ہے: **واذا اختلطت الذکور والاناث فنفقة الابوین علیهما علی السویة فی ظاهر الروایة** (جلد ۱، صفحہ ۵۶۴)

لہٰذا خالدہ اور جمیلہ کو بھی والدین کے اخراجات میں حصہ لینا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۱۲/۱۰

تنگدست والد کا خرچہ تمام لڑکوں پر لازم ہے البتہ جو لڑکا جس قدر زیادہ مالدار ہو نفقہ کا زیادہ تر حصہ اُسی کے ذمہ ہے:

والدین بھی گذشتہ زمانے کا خرچہ وصول نہیں کر سکتے:

میرے چار بیٹے ہیں، بڑے کا نام کلیم اللہ اس سے چھوٹے کا نام حفیظ اللہ پھر حبیب اللہ اور سب سے چھوٹے بیٹے کا نام سلیم اللہ ہے۔ میرے بڑے دو بیٹے کلیم اللہ اور حفیظ اللہ دونوں

سرکاری ملازم ہیں ایک کی تیس ہزار اور دوسرے کی بیس ہزار ماہوار تنخواہ ہے۔ان دونوں نے مجھے بیس سال سے روٹی خرچہ نہیں دیا اور نہ ہی کسی دکھ سکھ میں مدد کی اس وقت مجھے صرف میرا تیسرا بیٹا حبیب اللہ سارا خرچہ دیتا ہے اور میری کفالت کرتا ہے یہ بھی سرکاری ملازم ہے اس کی تنخواہ دس ہزار ہے لیکن اس کے ساتھ یہ اپنے دوگھروں کے اخراجات بھی ادا کرتا ہے اس کی دوشادیاں ہوئی ہیں اور میرے چوتھے اور سب سے چھوٹے بیٹے سلیم اللہ کا کوئی کاروبار یا ملازمت نہیں ہے۔

مولانا! فرمائیں شرعی طور پر میں اپنے بڑے بیٹوں کلیم اللہ اور حفیظ اللہ جنہوں نے مجھے کبھی خرچہ نہیں دیا اور نہ ہی دیتے ہیں میں ان سے خرچہ کا دعویٰ کرسکتا ہوں۔آنکھیں بند ہوچکی ہیں گردے کا آپریشن کرایا ہوا ہے۔اس وقت میری عمر پچاسی سال ہے فالج کے خطرے سے چلنا پھرنا بند ہوگیا ہے۔

سائل ...... حافظ رحیم بخش، مظفر گڑھ

الجواب

اگر آپ کی ذاتی جائیداد اس قدر ہے کہ آپ اپنے نفقہ میں خود کفیل ہیں تو کسی بھی لڑکے پر آپ کا خرچہ شرعاً لازم نہیں۔کیونکہ اولاد پر خرچہ اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ والد تنگدست اور محتاج ہو۔ چنانچہ شامی میں ہے: **وتجب علی موسر......النفقة لاصوله الفقراء ...... قوله الفقراء قيد به لانه لاتجب نفقة الموسر الا الزوجة** (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد۵، صفحہ۳٦١_٣۵٨)۔

وفی العالمگیریة: لايقضى بنفقة احد من ذوی الارحام اذا كان غنياً (جلد١، صفحہ۵٦٦)

البتہ اگر اپنی ذاتی جائیداد نہیں اور تنگدست ہیں تو پھر آپ کی اولاد پر آپ کے اخراجات و علاج معالجہ کا انتظام کرنا لازم ہے۔ **لما فی الدرالمختار: وتجب علی موسر ولو صغيرا ...... النفقة لاصوله الفقراء ولو قادرين على الكسب** (الدرالمختار، جلد۵، صفحہ۳٦١_٣۵٨)

وفی العالمگیریة: ويجبر الولد الموسر علی نفقة الابوين المعسرين مسلمين

كانا او ذميين (الخ) (عالمگیریہ، جلد ١، صفحہ ٥٦٤)

اور یہ نفقہ تمام لڑکوں کے ذمہ ہے البتہ جولڑکا جس قدر زیادہ مالدار ہے مفتیٰ بہ قول کے مطابق اسی حساب سے نفقہ کا زیادہ تر حصہ اسی کے ذمہ ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے: لو كان للفقير ابنان احدهما فائق في الغنى والاخر يملك نصاباً فهي عليهما سوية. خانية ...... ثم نقل عن الحلواني قال مشائخنا: هذا لو تفاوتا في اليسار تفاوتا يسيراً فلو فاحشاً يجب التفاوت فيها، بحر (شامیہ، جلد ٥، صفحہ ٣٦١)

وفي العالمگيرية: قال الشيخ الامام شمس الائمة : قال مشائخنا رحمهم الله تعالى انما تكون النفقة عليهما على السواء اذا تفاوتا في اليسار تفاوتاً يسيرا واما اذا تفاوتا تفاوتا فاحشا فيجب ان يتفاوتا في قدر النفقة (عالمگیریہ، جلد ١، صفحہ ٥٦٥)

اور جولڑکا خود محتاج اور فقیر ہے اس پر والد کا نفقہ شرعاً لازم نہیں۔

لما في الشامية: لاتجب على الابن الفقير نفقة والده الفقير حكماً (جلد ٥، صفحہ ٣٥٩)

تاہم گذشتہ زمانے کے نفقہ کا مطالبہ اور دعویٰ شرعاً درست نہیں بلکہ عدالت، پنچائت یا باہمی رضامندی سے آئندہ نفقہ کی جو مقدار متعین ہو جائے اس کی ادائیگی لازم ہے۔

لما في الدر المختار: والنفقة لاتصير دينا الا بالقضاء او الرضاء اى اصطلاحهما على قدر معين اصنافاً او دراهم (الدر المختار، جلد ٥، صفحہ ٣١٦)

وفي الشامية: قوله: "والنفقة لاتصير دينا" الخ اى: اذا لم ينفق عليها بان غاب عنها او كان حاضرا فامتنع فلايطالب بها بل تسقط بمضى المدة ...... ثم اعلم ان المراد بالنفقة نفقة الزوجة، بخلاف نفقة القريب فانها لاتصير دينا ولو بعد القضاء او الرضاء (شامیہ، جلد ٥، صفحہ ٣١٥)

وفيه ايضاً: قضى بنفقة غير الزوجة ومضت مدة اى شهرفاكثر سقطت لحصول

الا ستغناء فیما مضی (الدرالمختار، جلد۵، صفحہ ۳۷۷)

وفی الشامیة: قوله: "غیر الزوجة" یشمل الاصول والفروع والمحارم......

......وفی الهدایة: ولو قضی القاضی للولد والوالدین وذوی الارحام بالنفقة فمضت مدة سقطت، لان نفقة هؤلاء تجب کفایة للحاجة حتی لاتجب مع الیسار وقد حصلت بمضی المدة (شامیہ، جلد۵، صفحہ ۳۷۷)...........فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۸/۴ھ

تنگدست والدین اگرچہ کاروبار کے قابل ہوں ان کو خرچہ دینا لازم ہے:

سائل کے والد محترم کا اپنا ذاتی کاروبار نہیں ہے اس لئے والدین کا روٹی خرچہ سائل خود برداشت کرتا ہے، سائل نے والد محترم کو بار بار کہا ہے کہ میں کوئی چھوٹی موٹی دوکان کھلوا دیتا ہوں اس پر بیٹھ جایا کرو چار آنے آجایا کریں گے میرے لئے بھی سہولت ہو جائے گی لیکن والد محترم اس پر آمادہ نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ تم خرچہ نہیں دے سکتے تو نہ دو، حالانکہ ان کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے اگر خرچہ وغیرہ نہ دیں تو لوگوں کی نظر میں نافرمان شمار ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ کیا والدین کاروبار کرنے کے قابل ہوں اور نہ کریں تو پھر بھی ان کو خرچہ دینا لازم ہے؟

سائل......عمر فاروق، مظفر گڑھ

الجواب

اگر آپ کے والدین تنگدست ہیں اور ان کا کوئی ذاتی مال اس قدر نہیں کہ وہ اپنے نان و نفقہ میں خود کفیل ہو سکیں تو پھر آپ پر ان کا خرچہ شرعاً لازم ہے خواہ وہ خود کاروبار پر قادر ہی کیوں نہ ہوں۔ لما فی الدرالمختار: وتجب علی موسر .... النفقة لاصوله الفقراء ولو

قادرین علی الکسب (جلد۵،صفحہ۳۶۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

تنگدست شخص پر والدین کا خرچہ لازم نہیں:

میں ایک شادی شدہ شخص ہوں میرے ماشاء اللہ پانچ چھ بچے ہیں اور محنت مزدوی کر کے ان کا اور اپنا پیٹ پالتا ہوں کوئی مستقل ملازمت نہیں ہے اس لئے اکثر مقروض رہتا ہوں جبکہ میرے بھائی صاحب سرکاری ملازمت کرتے ہیں اور ماشاء اللہ خوشحال ہیں میرے والد صاحب بھی ان کے ساتھ رہتے ہیں میری اس صورتحال کے باوجود بھائی صاحب کا مجھ سے مطالبہ رہتا ہے کہ تم بھی والد صاحب کے خرچ کے لئے ماہانہ کچھ رقم دیا کرو۔ سوال یہ ہے کہ کیا مجھ پر فرض ہے کہ میں ماہانہ خرچہ والد صاحب کا مقرر کروں جبکہ یہ میرے لئے بہت مشکل ہے؟

سائل...... خورشید احمد

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً آپ تنگدست ہیں تو شرعاً آپ پر والدین کا خرچہ لازم نہیں۔ لما فی الشامیة: لاتجب علی الابن الفقیر نفقة والده الفقیر حکماً (جلد۵،صفحہ۳۵۹) وفیه ایضاً: لاتجب علی فقیر الا للزوجة والولد الصغیر کما فی کافی الحاکم (شامیہ، جلد۵، صفحہ۳۶۸) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

والد کے نکاح ثانی کے اخراجات بیٹے کے ذمہ ہیں جبکہ باپ تنگدست ہو:

مسمّٰی غلام محمد کی زوجہ فوت ہو چکی ہے اور دوسرے نکاح کا خواہشمند ہے لیکن تنگدستی کی وجہ سے نکاح وغیرہ کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا ہے جبکہ مسمّٰی غلام محمد کا ایک بیٹا (ناصر) مالدار ہے اور خوشحال ہے اس لئے اس کا والد اس سے نکاح کے اخراجات کا طلبگار ہے لیکن اس کا بیٹا محمد ناصر ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ بیٹے کے ذمہ والد کے نکاح وغیرہ کا خرچہ لازم ہے یا نہیں جبکہ والد تنگدست ہے۔

سائل ...... محمد عبداللہ، بستی ملوک

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بیٹے پر لازم ہے کہ وہ والد کے نکاح کا انتظام کرے یا اسے خرچہ مہیا کرے۔ ہندیہ میں ہے: ان احتاج الاب الی زوجة والابن موسر وجب علیه ان یزوجه (الخ) (جلد۱، صفحہ۵۶۵) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۸/۱۴۲۹ھ

سوتیلی والدہ کے خرچہ کا حکم:

مسمّٰی محمد شفیع صاحب مرحوم کی دو بیویاں تھیں ایک بیوی سے اولاد ہوئی اور ایک سے نہ ہوئی، اب محمد شفیع صاحب کی وفات کے بعد جس بیوی کی اولاد تھی وہ تو پرسکون ہے کیونکہ ان کی اولاد کمانے والی ہے اس کو خرچہ وغیرہ دیتی ہے جبکہ دوسری بیوی جو بے اولاد تھی وہ پریشان حال ہے محمد شفیع کے لڑکے اس کو کوئی خرچہ وغیرہ نہیں دیتے حالانکہ وہ بھی ان کی ایک طرح سے والدہ ہے کیا

شرعاً ان لڑکوں پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی سوتیلی والدہ کے نان ونفقہ کا بھی خیال رکھیں۔

سائل ...... عبدالحکیم، شورکوٹ

الجواب

سوتیلی والدہ کا نان ونفقہ نہ والد کی زندگی میں واجب تھا اور نہ والد کی وفات کے بعد واجب ہے اگر وہ خرچ کردیں تو یہ محض تبرع واحسان ہوگا۔

ہندیہ میں ہے: وان کا ن للرجل المعسر زوجة لیست ام ابنه الکبیر لم یجبر الابن علی ان ینفق علی امراة ابیه (الخ) (عالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۵۶۵)۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۵/۵/۱۴۲۸ھ

شیعہ والدین کا خرچہ واجب ہے جبکہ وہ تنگدست ہوں:

ایک شخص مسمّٰی محمد ساجد کا تعلق مسلک اہلسنت والجماعت سے ہے جبکہ اس کا والد شیعہ کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے کفریہ عقائد رکھتا ہے اور ہے تنگدست، لوگوں سے مانگ کر کھاتا ہے جبکہ محمد ساجد کو لوگ طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں کہ والد کو بھی کچھ خرچ وغیرہ دیا کرو لیکن اس کا کہنا یہ ہے کہ میں نے بارہا اس کو دعوت دی ہے کہ مسلک باطل کو چھوڑ کر مسلک حق پر آجاؤ سارا خرچ میں برداشت کروں گا عیش سے زندگی گذارو گے لیکن وہ اس پر آمادہ نہیں ہوتا، لہٰذا اس کی اس حالت کی وجہ سے خرچہ نہیں دیتا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صورت مسئولہ میں محمد ساجد پر والد کا خرچہ وغیرہ شرعاً لازم ہے یا نہیں؟

سائل ...... عبدالرحیم، ملتان

الجواب

والدین اگر چہ کافر ہوں ان کا خرچہ بچوں پر واجب ہے بشرطیکہ وہ تنگدست ہوں عدالت صورت مسئولہ میں بیٹے کو خرچ دینے پر مجبور کریگی۔ ہندیہ میں ہے: **ویجبر الولد الموسر علی نفقة الابوین المعسرین مسلمین کانا او ذمیین قدرا علی الکسب او لم یقدرا** (عالمگیریہ، جلد۱، صفحہ۵۶۴) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۱۰/۱۴۲۷ھ

بیوی اور والدہ کا آپس میں اتفاق نہ ہو اور دونوں کو الگ الگ خرچ نہ دے سکے تو کس کا خرچ لازم ہے؟

زید کی بیوی اور والدہ کی آپس میں لڑائی اور ناچاقی رہتی ہے دونوں میں صلح واتفاق کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوئی اس لئے کھانا پکانا الگ الگ ہو گیا ہے۔ زید کی والدہ کا مطالبہ ہے کہ ماہانہ خرچہ مقرر کر دے جبکہ زید کی آمدنی اتنی نہیں کہ والدہ اور بیوی ہر دونوں کو الگ الگ خرچہ دے سکے جبکہ زید کی والدہ کی اس قدر جائیداد بھی موجود ہے جس سے وہ نفقہ برداشت کر سکتی ہے یعنی تنگدست نہیں ہے۔ ایسی صورت حال میں زید کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل ...... خالد محمود، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں بیوی کا پورا نفقہ واجب ہے۔ **النفقة واجبة للزوجة علی**

زوجها ...... اذا سلمت نفسها الی منزله (ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۴۴۱، ط: رحمانیہ)

والدہ چونکہ مالدار ہے اس لئے ان کا نفقہ شرعاً واجب نہیں۔ شامیہ میں ہے: قوله: "الفقراء" قید به لانه لاتجب نفقة الموسر الا الزوجة (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۶۱)

والدہ صاحبہ کی حسب حیثیت خدمت کرتا رہے، نفقہ واجب نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۸/۹ھ

والدین میں سے احق بالنفقہ کون ہے؟ جبکہ بیٹا صرف ایک کا خرچہ برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو:

ایک شخص مسمّی محمد کلیم اللہ ایک شادی شدہ صاحبِ اولاد آدمی ہے اور اس کے والد نے اس کی والدہ کو طلاق دیدی ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ والدین دونوں نفقہ کے محتاج ہیں اور بیٹا دونوں کو طلاق کی وجہ سے اکٹھے گھر میں نہیں رکھ سکتا اور اگر والدین میں سے ایک کو گھر میں رکھے تو دوسرے کو علیحدہ خرچہ وغیرہ نہیں دے سکتا کیونکہ خود تنگدست ہے اور تنگدستی کی وجہ سے کوئی قرض بھی نہیں دیتا کہ واپس کہاں سے کرے گا۔ لیکن اس کیلئے یہ مسئلہ بنا ہوا ہے کہ آیا والدہ کے خرچہ کی ذمہ داری اٹھائے یا والد کے خرچہ کی ذمہ داری اٹھائے۔ شرعاً کس کا زیادہ حق ہے؟

سائل ...... کلیم اللہ، کوٹ قیصرانی

الجواب

جو شخص تنگدستی کی وجہ سے والدین میں سے صرف ایک کے نان ونفقہ کا انتظام کرسکتا ہو دونوں کے خرچہ کو برداشت کرنا اس کی وسعت میں نہ ہو تو ایسی صورت میں والدہ، والد کی بہ نسبت

احق ہوگی۔ ہندیہ میں ہے: واذا کان الابن یقدر علی نفقة احد ابویه ولا یقدر علیهما جمیعاً فالام احق (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۵)............................ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۳/۱۴۲۹ھ

والد یا دوسرا کوئی رشتہ دار گذشتہ مدت کا خرچہ لینے کا شرعاً مجاز نہیں:

مسمّٰی منظور احمد ایک ضعیف، کمزور اور تنگدست آدمی ہے اس کا ایک بیٹا بھی ہے جو کہ صاحب حیثیت، کمائی کرنے والا ہے لیکن باپ کو خرچہ وغیرہ نہیں دیتا بارہا اس کو متنبہ کیا گیا حتی کہ ایک مرتبہ پنچائت میں اس کو بلا کر فیصلہ کیا گیا کہ ماہانہ دو ہزار روپے والد کو دیا کرو وہ اس پر راضی بھی ہو گیا لیکن اس فیصلے کو چھ ماہ گذر گئے ہیں اس پر عمل درآمد نہیں ہوا مسمّٰی منظور احمد ''ہدایا'' وغیرہ سے اپنا گذر بسر کرتا رہا اب کیا منظور احمد کو یہ حق حاصل ہے کہ عدالت میں مقدمہ دائر کر کے ان چھ ماہ کا خرچہ وصول کرے؟

سائل ...... محمد عاصم تونسوی

الجواب

صورت مسئولہ میں مسمّٰی منظور احمد گذشتہ چھ ماہ کا خرچہ بذریعہ عدالت بھی وصول کرنے کا شرعاً مجاز نہیں۔ اذا فرضت علیه نفقة المحارم فاکلوا من مسئلة الناس لا یرجع علی الذی فرضت علیه النفقة بشئی (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۲)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۰/۸/۱۴۲۹ھ

تنگدست باپ بیٹے کے مال سے بلا اجازت کب خرچ کرسکتا ہے؟

اگر باپ تنگدست ہے اور بیٹا مالدار ہے اس کے باوجود بیٹا باپ پر خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں، تو کیا باپ بیٹے کے مال میں سے چوری اس کی اجازت کے بغیر مال لے سکتا ہے؟ اس صورت میں وہ گنہگار تو نہ ہوگا۔

سائل ...... احمد حسن، منڈی یزمان

الجواب

اگر اس علاقہ میں عدالت موجود ہے تو عدالت میں مقدمہ دائر کرے، عدالت بیٹے کو خرچہ دینے کا پابند بنائے گی اس صورت میں چوری اٹھانے کی اجازت نہیں اگر بیٹے کے مال میں سے بلا اجازت اٹھائے گا تو گنہگار ہوگا۔ بصورت دیگر بیٹے کے مال سے بقدر کفایت لینے کا شرعاً مجاز ہے۔ ہندیہ میں ہے: اذا کان الاب محتاجاً وابی الابن ان ینفق علیه ولیس ثمّه قاض یرفع الامر الیه له ان یسرق مال ابنه و بوجود قاض ثمّة یاثم بسرقة ماله......وبسرقة فوق الکفایة یاثم، (عالمگیریہ، جلد ا، صفحہ ۵۶۷)......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۵/۸/۱۴۲۸ھ

عورت کے اعزہ پر نفقہ علیٰ قدر المیراث ہوگا:

خالدہ ایک ایسی عورت ہے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود مطلقہ کی طرح ہے یعنی خاوند نے اس کے ساتھ ترک تعلق کر رکھا ہے اور کوئی خرچہ وغیرہ نہیں دیتا اور خالدہ خود بذریعہ عدالت یا پنچائت خاوند سے نفقہ وصول کرنے کی طاقت نہیں رکھتی بلکہ اپنی ماں کے ساتھ رہائش پذیر ہے اور

خالدہ کے بھائیوں میں ماں شریک بھائی بھی موجود ہیں اور حقیقی بھائی بھی موجود ہیں۔ ایسی صورتحال میں خالدہ کا نفقہ وغیرہ صرف اس کے حقیقی بھائیوں پر ہے یا ماں شریک بھائیوں پر بھی ہے جبکہ ماں خود نفقہ کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی۔

سائل ...... خدا بخش، چشتیاں

الجواب

اگر خاوند کے ترک تعلقات کا سبب والدہ کے یہاں قیام ہے تو خالدہ کو خاوند کے ہاں منتقل ہو جانا چاہیے تا کہ وہ نان ونفقہ کی حقدار ہو۔ ہندیہ میں ہے: **واذا ترکت النشوز فلها النفقة** (جلد ۱، صفحہ ۵۴۵)

اور اگر والدہ کے ہاں قیام کا سبب آباد نہ کرنا ہے اور خرچہ نہ دینا بلا وجہ مارنا پیٹنا ہے تو پھر عدالت سے علیحدگی اور فسخ نکاح کروالیا جائے بیوی رہتے ہوئے اس کا خرچہ خاوند کے ذمہ ہے۔ کوئی بھائی خاوند کے ساتھ ادائے نفقہ میں شریک نہ ہوگا۔ ہندیہ میں ہے: **لایشارک الزوج فی نفقة زوجته احد** (جلد ۱، صفحہ ۵۶۶)

بلکہ خاوند کے مفلس ہونے اور والدین اور بھائیوں کے غنی ہونے کی صورت میں بھی ان لوگوں پر کوئی نفقہ واجب نہیں۔ ہندیہ میں ہے: **حتی لو کان لها زوج معسر وابن موسر من غیر هذا الزوج او اب موسر او اخ موسر فنفقتها علی الزوج لاعلی الاب والابن** (الخ) (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۶)

اگر طلاق یا آبادی اور فسخ کی کوئی صورت نہ بن پائے تو ایسی صورت میں نفقہ علی قدر المیراث ہوگا پانچ حصے حقیقی بھائی ادا کریں گے اور چھٹا حصہ ماں شریک بھائی ادا کرے گا جبکہ وہ اخیافی بھائی ایک ہو، ایک سے زائد ہونے کی صورت میں نفقہ اثلاثا ہوگا ایک تہائی اخیافی

بھائیوں پر ہے اور دو تہائی حقیقی بھائیوں کے ذمہ ہوگا۔

ولو كانت له ثلاثة اخوة متفرقين فالنفقة على الاخ لاب وام وعلى الاخ لام على قدر الميراث اسداساً (ہندیہ، جلد ا، صفحہ ۵۶۶)........................ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۵/۱۰ھ

مسائل شتیٰ[1]

کیا روٹی پکانا، کپڑے دھونا وغیرہ عورت کی ذمہ داری میں داخل ہے؟

خالدہ کے ذمہ خاوند کیلئے روٹی پکانا، برتن دھونا، کپڑے دھونا اسی طرح گھر کے دوسرے کام کاج کرنا شرعاً لازم ہے یا نہیں؟

سائل ...... احمد حسن، ملتان

الجواب

اگر مسماۃ خالدہ کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جس کی مستورات اپنی خدمت بھی خود نہیں کرتیں یا کسی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مذکورہ خدمات سے عاجزہ ہے تو ان صورتوں میں خاوند کے ذمہ پکا پکایا کھانا مہیا کرنا یا ان خدمات کیلئے خادمہ مہیا کرنا لازم ہے۔ بصورتِ دیگر خاوند کے ذمہ ضروری اشیاء آٹا، سبزی وغیرہ مہیا کرنا تو لازم ہوگا البتہ تیار شدہ کھانا مہیا کرنا شرعاً اس کی ذمہ داری نہیں۔ ان قالت لااطبخ ولا اخبز قال فی الکتاب لاتجبر علی الطبخ والخبز وعلی الزوج ان یاتیها بطعام مهیأ او یاتیها بمن یکفیها عمل الطبخ والخبز قال الفقیه ابو اللیثؒ ان امتنعت المرأة عن الطبخ والخبز انما یجب علی الزوج ان یأ تیها بطعام مهیّأ اذا کانت من بنات الاشراف لا تخدم بنفسها فی اهلها او لم تکن من بنات الاشراف لکن بها علة تمنعها من الطبخ والخبز اما اذا لم تکن کذالک فلا یجب علی الزوج ان یأتیها بطعام مهیّأ کذا فی الظهیریة (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۸)

بعض فقہاء کا فرمان ہے کہ کھانا پکانا، کپڑے دھونا، جھاڑو دینا وغیرہ عورت پر دیانۃً واجب ہے قضاءً واجب نہیں۔ قالوا ان هذه الاعمال واجبة عليها ديانة وان كان لايجبرها القاضي كذا في البحر الرائق (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۸) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۵/۸/۱۴۲۹ھ

بیوی کھانا پکانے یا گھریلو دوسرے کاموں پر اجرت نہیں لے سکتی:

سائل کی زوجہ (جمیلہ) ایک پڑھی لکھی خاتون ہے۔ وہ گھر کے کام کاج مثلاً کھانا پکانا، کپڑے دھونا، برتن دھونا وغیرہ اس سے کتراتی ہے وہ کہتی ہے کہ میرے ذمہ یہ کام لازم نہیں ہیں خواہ کسی سے پوچھ لو البتہ وہ یہ کہتی ہے کہ اگر مجھے ان کاموں کی اجرت دے دی جائے تو میں یہ کام کر دیا کروں گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایک بیوی کا یہ مطالبہ درست ہے؟

سائل محمد عبداللہ، ہارون آباد

الجواب

مسماۃ جمیلہ کا مذکورہ کاموں پر اجرت کا مطالبہ کرنا خلافِ شرع ہے۔ اس کیلئے ان گھریلو کاموں پر اجرت لینا شرعاً جائز نہیں۔ ہندیہ میں ہے: لواستأجرها للطبخ والخبز لم يجز ولا يجوز لها اخذ الاجرة على ذالک كذا في البدائع (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴۸) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۵/۱۰/۱۴۲۸ھ

منکوحہ عورت بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے یا نہیں؟

نوید کی بیوی (ہندہ) نے بار ہا زید سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ میں جو بچے کو دودھ پلاتی ہوں مجھے اس کی اجرت دی جائے وگرنہ اجرت کے میں دودھ نہیں پلاتی خرید کر پلایا جائے۔ شریعت کی روشنی مین بتایا جائے کہ آیا ہندہ کا مطالبہ شرعاً درست ہے۔ کیا شریعت میں عورت کے ذمہ یہ لازم نہیں کہ وہ بچے کو دودھ پلائے؟

سائل ...... عبدالقدیر، ڈی جی خان

الجواب

اگر بچہ دوسری عورت کا پستان لیتا ہے یا خشک دودھ سے گذارہ ہوسکتا ہے اور بچے کا مال ہے یا بچے کے والد صاحب استطاعت ہیں تو ایسی صورت میں بیوی کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کریں۔ **الولد الصغیر اذا کان رضیعاً فان کانت الام فی نکاح الاب والصغیر یاخذ لبن غیرھا لاتجبر الام علی الارضاع** (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۰)

اور اگر بچہ دوسری عورت کا پستان نہیں لیتا تو ایسی صورت میں مفتی بہ قول کے مطابق والدہ کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ **وان لم یاخذ الولد لبن غیرھا قال شمس الائمہ الحلوانی فی ظاھر الروایۃ لاتجبر ایضاً وقال شمس الائمۃ السرخسی تجبر ولم یذکر فیہ خلافاً وعلیہ الفتویٰ** (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۰)

ایسے ہی اگر بچہ دوسری عورت کے پستان کو لیتا ہے یا باہر کے دودھ سے گذارہ ہوسکتا ہے لیکن بچے کا اپنا مال نہیں اور والد کے اندر بھی استطاعت نہیں تو ایسی صورت میں بھی والدہ کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔ **وان لم یکن للاب ولاللولد مال تجبر الام علی الارضاع عند الکل** (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۰)

اگر دودھ پلانے والی عورت مہیا نہ ہو اور تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملتی تو ایسی صورت

میں بھی عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔اما اذا لم توجد من ترضعه فتجبر الام علی الارضاع وقیل لا تجبر الام فی ظاهر الروایة والی الاول مال القدوری وشمس الائمة السرخسیؒ (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۵۶۰)

البتہ بیوی رہتے ہوئے اجرت کی مستحق نہیں ہوسکتی۔ہندیہ میں ہے:وان استاجرها وهی زوجته او معتدته عن طلاق رجعی لترضع ولدها لم یجز (عالمگیریہ جلد ۱، صفحہ ۵۶۱)

..........فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۱۲/۱۰ھ

(۱) تنگی پیدا کرنے والے شوہر کے مال سے بلا اجازت لینے کا حکم:

(۲) شوہر کے کپڑے سینے کی اجرت لینا:

(۳) شوہر کے دیئے ہوئے خرچ میں سے کچھ رقم مشکل وقت کیلئے بچا کر رکھنا:

(۴) اگر والدین بیمار ہوں تو عورت ان کی خدمت کیلئے روزانہ جاسکتی ہے:

(۱)......کیا بیوی شوہر کے مال سے ضرورت کے اخراجات لیلے تو اس کی شرعاً اجازت ہے؟ جبکہ شوہر خرچ میں تنگی رکھتا ہو صاحب حیثیت ہونے کے باوجود شوہر کنجوس ہو ایک ایک پائی کا حساب لیتا ہو۔

(۲)......کیا بیوی شوہر کا کام کپڑے سینا وغیرہ کی مزدوری لے سکتی ہے تاکہ گھر میں بچوں کی خدمت اچھی ہو سکے جو مزدوری وہ دوسروں کو دیتا ہے وہ اپنے گھر میں آئے گی؟

(۳)......بیوی شوہر کی دی ہوئی رقم کو برے وقت کیلئے چھپا کر رکھ سکتی ہے۔کیا اس کاروبار سے حاصل ہونے والی رقم سے اپنے بچوں یا کسی عزیز کی مدد کرسکتی ہے؟

(۴)...... بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر والدین سے ملنے آ سکتی ہے؟ جبکہ وہ بیمار ہوں دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو اور شوہر ملنے نہ دیتا ہو۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سائل ...... مولوی محمد فاروق، سمیجہ آباد، ملتان

الجواب

(۱)...... عورت ضرورت کے مطابق خاوند کے مال سے خرچ کرنے کی شرعاً مجاز ہے۔

عن عائشۃ انّ هنداً بنت عتبة قالت یا رسول الله ان ابا سفیان رجل شحیح، ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت منه وهولایعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف (بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۸۰۸)

(۲)...... اجرت لے سکتی ہے کیونکہ اس پر خاوند کی یہ خدمت کرنا لازم نہیں ہے۔

(۳)...... اگر خاوند خرچہ دے کر مالک بنا دے تو تھوڑا تھوڑا بچا کر رکھ سکتی ہے اور پھر جہاں چاہے خرچ کرے۔ بصورت دیگر اجازت نہیں۔

(۴)...... عمومی طور پر ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ والدین کے گھر جا سکتی ہے لیکن اگر والدین بیمار ہوں اور کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے تو ضرورت کی وجہ سے روزانہ جا سکتی ہے۔ **ولایمنعها من الدخول علیها فی کل جمعة** (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۳۳۰) **ولایمنعها من ا لخروج الی الوالدین .... ولو ابوها زمناً مثلاً فاحتاجها فعلیها تعاهده ولو کافراً وان ابی الزوج .... قوله زمنا ای مریضاً مرضاً طویلاً قوله فعلیها تعاهده ای بقدر احتیاجه الیها** (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۳۲۹۔۳۲۸)...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۸/۲/۲۴ھ

کتاب الایمان والنذور

باب النذور

نذر کے انعقاد کیلئے تلفظ ضروری ہے صرف ارادہ کافی نہیں:

زید ایک دوکاندار ہے اس نے ایک دن یونہی ارادہ کیا اور نیت کرلی کہ میں روزانہ منافع کا تین فیصد فقیروں محتاجوں اور ضرورت مند رشتہ داروں کو دیا کروں گا لیکن کبھی دے دیتا ہے اور کبھی نہیں دیتا کبھی خود کو رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی سستی ہو جاتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح نیت اور ارادہ کرنے سے زید پر لازم ہے کہ وہ روزانہ تین فیصد منافع فقراء کو دے۔ اگر نہ دے تو کیا حکم ہے اسی طرح کم دے تو کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد قاسم، سکھر

الجواب

اگر صرف ارادہ کیا، زبان سے کچھ نہیں کہا تو یہ منت یا نذر نہیں بنی، کیونکہ نذر بننے کیلئے نذر کے صیغوں میں سے کسی کا تلفظ ضروری ہے تاہم یہ ایک نیکی کا ارادہ ہے اسے پورا کرنا چاہیے۔

الحاصل: نذر نہیں بنی اس لئے غرباء اور فقراء پر خرچ کرنا ضروری نہیں۔البتہ اگر زبان سے اس کا تلفظ کر کے اپنے ذمہ لازم کرلیا تو یہ نذر بن گئی اسے ضرور پورا کیا جائے۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۲/۱۰ھ

کیا نذر پوری کرنے پر بھی اجر ملتا ہے؟

(۱)......زید اور اکبر کا جھگڑا ہے زید کہتا ہے کہ نذر ماننے سے جب حاجت پوری ہوگئی خواہ دنیاوی حاجت ہو یا دینی مفاد ہو،عندالاداء ناذر کو ثواب ملے گا لیکن بکر کہتا ہے کہ دینی مفاد کا ثواب اور اجر ملے گا لیکن دنیاوی کام جو ناذر کا ہوگا وہی بدلہ ہوگا ثواب وغیرہ کچھ نہیں۔وہی کام ہو جانا اس کی جزاء ہے۔مثلاً مجھے ہزار روپے تجارت میں نفع ملے ایک صد روپے مدرسہ یا مسجد میں دونگا،یا گائے بھینس بیمار ہے اگر آرام آجائے تو اتنے پیسے خیرات کروں گا۔ان کے ثواب کا بکر سختی سے منکر ہے اور حدیث ''انّما الاعمال بالنیات'' پیش کرتا ہے۔آیا بکر حق پر ہے یا زید جو اس کے ثواب کا قائل ہے؟

سائل...... عمر خان،شاہی مسجد، کہروڑ پکا

الجواب

زید جو اس کے ثواب کا قائل ہے حق پر معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ نذر خود ایک عبادت ہے

كما يدل عليه تعريفه ''وهو عبادة مقصودة'' نیز شامی میں ہے:واعلم ان النذر قربة مشروعة اما كونه قربة فلما يلازمه من القرب كالصلوة والصوم والحج والعتق ونحوها، واما شرعيتهٗ فللاوامر الواردة بايفائه (جلد ۵،صفحہ ۵۳۷،ط:رشیدیہ جدید)

اور عبادت نفلیہ اگر کوئی اپنے اوپر واجب کرے مثلاً یوں کہے "کہ اگر میں اس مرض سے تندرست ہو گیا تو میں ایک ہزار نفل پڑھوں گا" اور تندرست بھی ہو گیا تو یقیناً یہ نذر پوری کرتے وقت ثواب بھی ملے گا۔ اور اس سے سقوطِ واجب بھی ہوگا۔ کما یکون ذٰلک فی اداء الفرائض۔........................ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان ۔ ۱۳۸۶/۵/۲۵ھ

ایفاءِ نذر موجب اجر ہے:

زید اور بکر کا اختلاف ہے، زید کہتا ہے کہ نذر ماننے سے کام ہو جانے پر ادائیگی واجب ہے اور جب نذر ادا کرے گا تو قرب اور ثواب ضرور ہوگا کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت پر ثواب کا قرآن وحدیث میں وعدہ ہے۔ لہٰذا ناذر کو ادائیگی نذر پر ثواب ملے گا۔ مثلاً اگر کوئی نذر مانے کہ "اگر میرا لڑکا پیدا ہوا تو مسجد بنواؤں گا یا مدرسہ قائم کروں گا یا نوافل ادا کروں گا" تو جب لڑکا پیدا ہوا تو مسجد بنوانے یا مدرسہ قائم کرنے یا نوافل ادا کرنے سے ناذر کو علاوہ نذر ادا کرنے کے ثواب بھی ملے گا، لیکن بکر کہتا ہے ایسا نہیں بلکہ کام ہو جانا یہی اس کا بدلہ ہے نیکی کا ثواب وغیرہ نہیں ملے گا جو نیک کام ناذر کرتا ہے ایسا ہے جیسے بخیل کی جان سے کچھ نکالا جائے، لہٰذا بدلہ وہی ہوا جو کام کیا گیا۔ اب صرف نذر قرض کی صورت میں ادا کرے گا حالانکہ زید کہتا ہے کہ قرض کی ادائیگی میں بھی ثواب ملتا ہے، لہٰذا بیان فرمائیں کہ زید سچا ہے یا بکر یا کچھ تفصیل ہے کہ بعض میں ثواب ملتا ہے اور بعض میں نہیں یعنی دنیاوی طلب برآری مثلاً اس تجارت سے اتنا نفع مل جانے پر میں یہ کام کروں گا یا میرے اس مقدمے میں کامیاب ہونے پر روزے رکھوں گا تو اس نذر کے پورا کرنے پر آخرت میں ناذر کو ثواب ملے گا یا نہ ملے گا؟ دینی منّت جیسے "مدرسہ بنواؤں گا" تو اس منت کی ادائیگی کے

بعد ناذر کو ثواب ملتا رہے گا یا وہی کام جو ہو گیا وہی بدلہ ہے؟ آگے ثواب وغیرہ کچھ نہیں؟

سائل ...... توصیف امجد، خان بیلہ

الجواب

نذر اداء کرنے سے ثواب ہوگا۔ قد مدح اللّٰہ الایفاءَ بالنَّذر وقال: "یوفون بالنذر" (الآیۃ) والمدح یستوجب الرضاء والثواب......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۶/۲/۲۲ھ

اولیائے کرام کے نام کی منت ماننا کیسا ہے؟

(۱)......اللہ کے سوا کسی بزرگ کی نذر و نیاز دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)......کیا اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو طاقت دی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں؟

(۳)......کیا اولیاء اللہ کے نام پر منت ماننی جائز ہے؟

سائل ...... عبداللہ، لودھراں

الجواب

(۱۔۳)......اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بزرگ کے نام کی نذر اور منت ماننا جائز نہیں اور اس منت کی چیز کا کھانا حرام ہے۔لما فی الدرالمختار: واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام...... وقد ابتلی الناس بذالک۔(جلد۳،صفحہ۴۹۱)
وفی الشامیۃ: تحت قولہ: "مالم یقصدوا" واقبح منہ النذر بقرأۃ المولد فی المنابر

مع اشتماله على الغناء واللعب (الخ) (جلد۳، صفحہ۴۹۱، ط: رشیدیہ جدید)

(۲)......"فعّال لما یرید" صرف ذات باری تعالیٰ ہیں بزرگوں اور اولیاء اللہ میں کوئی طاقت نہیں۔................................ فقط واللہ اعلم

بجز اللہ کے اذن کے کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۹/۲/۱۸ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

کیا کسی بزرگ کے نام کی منّت ماننا جائز ہے؟

کیا کسی بزرگ وغیرہ کے نام کی نذر ماننا جائز ہے؟ اس کا کھانا کیسا ہے؟

سائل ...... صوفی عمران الحق، ساہیوال

الجواب

نذر عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی حرام ہے، لہٰذا نذر کسی بزرگ کی ماننا جائز نہیں۔ البتہ ایصال ثواب بزرگوں کی ارواح کو کرنا جائز ہے مثلاً یوں کہے کہ "اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو تیرے نام پر اتنا صدقہ کروں گا اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کو بخشوں گا" یا بدوں نذر کے کچھ صدقہ و خیرات کر کے اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو بخش دے۔ لما في البحر: واما النذر الذی ینذره اکثر العوام علی ماهو مشاهد کان یکون للانسان غائب او مریض او له حاجة ضروریة ، فیاتی بعض مزارات الصلحاء فیجعل ستره علی رأسه فیقول یا سیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذهب کذا او من الفضة کذا او من الطعام کذا ...... فهذا النذر باطل بالاجماع لوجوه، منها: انه نذر مخلوق والنذر للمخلوق لایجوز؛لانه عبادة والعبادة لاتکون

للمخلوق (جلد ۲، صفحہ ۵۲۰، ط: رشیدیہ)..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۶/۷/۱۷ھ

پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے تقرب والا کھانا کھانے کا حکم:

زید نے برائے ایصال ثواب "سیدنا عبد القادر جیلانیؒ" کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا تھا بکر کو جب معلوم ہوا تو اس نے کہا یہ کھانا ایسا ہے جیسا کہ سور کھالیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لفظ کہنے والے کیلئے از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد عامر

الجواب

اگر یہ کھانا اللہ کے نام پر خیرات کیا تھا اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے ایصال ثواب کے لئے کھلایا تھا تب تو اس کا کھانا جائز ہے لیکن اغنیاء کو پرہیز لازم ہے اور اگر اس کھانے سے مقصود حضرتؒ کا تقرب ہے جیسا کہ بعض جہلاء کا مقصود ہوتا ہے تو اس کا کھانا ناجائز ہے۔[1] .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۰/۴/۲۷ھ

التخریج: (۱)...... واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ومایؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفھا لفقراء الانام، وقد ابتلی الناس بذالک (الدر المختار، جلد ۳، صفحہ ۴۹۱) (مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

غیر اللہ کی نذر و نیاز کا کھانا شرعاً حرام ہے:

غیر اللہ کے نام کی نیاز وغیرہ کا کھانا شرعاً کیسا ہے اور دن مقرر کر کے ہر ماہ میں جو گیارہویں شریف کا کھانا کھلایا جاتا ہے وہ کیسا ہے؟ اور ''طعام'' سامنے رکھ کر ختم پڑھنا کیسا ہے؟ اور اگر ''طعام'' سامنے نہ ہو تو پھر ختم کا پڑھنا کیسا ہے؟

سائل ......حافظ محمد شفیع مدرسہ قاسم العلوم سارو کی وزیر آباد، گوجرانوالہ

الجواب

نذر لغیر اللہ جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت صرف حق تعالیٰ شانہ کی ہی ہونی چاہیے۔ اور نذر لغیر اللہ کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ کما فی الدرالمختار: واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام (جلد۳، صفحہ۴۹۱)۔[1]

اور نذر لغیر اللہ کی صورت یہ ہے کہ یوں کہے کہ ''اے فلاں بزرگ اگر میرا یہ کام ہو جائے تو تیرے نام پر یہ خیرات کروں گا'' اور اگر کھانا اللہ کے نام پر پکائے اور غریبوں میں تقسیم کر دے اور اس کا ثواب کسی بزرگ کو بخش دے تو یہ جائز ہے۔ گیارہویں کی تاریخ مقرر کر کے ختم وغیرہ دلانا بدعت ہے شرعاً اس کا ثبوت نہیں ''کھانا سامنے رکھ کر ختم مروج پڑھنا'' نہ شریعت میں اس کا ثبوت ہے اور نہ ہی حضرات صحابہ نے ایسا کیا اور نہ حضرات ائمہ مجتہدین سے بھی اس کا ثبوت ہے، پس

التخریج: (۱)......وفی الشامیة: قوله "باطل وحرام" لوجوه: منها: انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز، لانه عبادة والعبادة لاتکون لمخلوق، ومنها: ان المنذور له میت والمیت لایملک (جلد۳، صفحہ۴۹۱، ط: رشیدیہ جدید)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اسے چھوڑ دینا ضروری ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۷/۶/۱۳۷۸ھ

تبلیغی جماعت میں نکلنے کی نذر ماننا:

ایک شخص نے منت مانی کہ میرے دل کا آپریشن کامیاب ہوگیا تو میں چار ماہ تبلیغ میں لگاؤں گا۔ اس کا آپریشن کامیاب ہوگیا تو وہ ایک سال تک ٹھیک رہا اس کے بعد پھر اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور ٹانگ ٹوٹ گئی، علاج کے بعد ٹانگ جڑ تو گئی مگر وہ ٹانگوں پر بیٹھ کر پیشاب نہیں کرسکتا بلکہ بڑا پیشاب چارپائی پر کرتا ہے، اور اب ایسی حالت پر ہی کرتا رہے گا رائے ونڈ والوں سے اس کے چار ماہ کے بارے میں رجوع کیا گیا تو انہوں نے اس کی اس حالت کی وجہ سے جماعت میں لے کر جانے سے انکار کردیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب وہ اس منت کو کس طرح پورا کرے؟

سائل ...... محمد ایوب، بستی نواں شہر لاڑ، ملتان

الجواب

صحت نذر کیلئے شرط یہ ہے کہ منذور (جس چیز کی نذر مانی گئی ہے) عبادت مقصودہ ہو۔ تبلیغی جماعت میں جانا عبادت مقصودہ نہیں ہے اس لئے یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوئی اس کا پورا کرنا واجب نہیں۔[1] ومن نذر نذرا مطلقاً او معلقاً بشرط وکان من جنسه واجب......

التخریج: (۱)......وفی الشامیة ناقلاًعن البدائع: ومن شروطه ان یکون قربة مقصودة فلایصح النذر بعیادة المریض (الخ) (جلد۵، صفحہ۵۳۷) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

وهو عبادة مقصودة ......ووجد الشرط...... لزم الناذر (درمختار، جلد ۵، صفحہ ۵۳۷)
(ہکذا فی احسن الفتویٰ جلد ۶، صفحہ ۴۹۱)............................... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۱۱/۱۴ھ

مسجد پر رقم خرچ کرنے کی نذر ماننے کا حکم:

ایک انسان مَنّت مانتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچہ دیا تو اتنی رقم مسجد پر خرچ کرونگا اب وہ کہتا ہے کہ میں ابھی رقم خرچ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بچہ دیدیں گے۔ آیا وہ رقم کسی اور کارِ خیر میں مثلاً دارالقرآن وغیرہ پر خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... عبدالقدوس، مانکوٹ

الجواب

(از دارالافتاء جامعہ قاسم العلوم، ملتان)

اگر شخص مذکور بچہ کے پیدا ہونے سے قبل نذر کی مطلوبہ رقم مدرسہ و مسجد یا کسی کارِ خیر پر خرچ کرے گا تو نذر پوری نہ ہوگی یعنی شرطِ تعلیق پائے جانے کے بعد نذر کا ایفاء اس کو لازم ہوگا اور قبل از وجودِ تعلیق صرف کردہ رقم صدقہ تصور ہوگا جیسا کہ ہدایہ میں ہے: وان علق النذر بشرط فوجد الشرط فعليه الايفاء بنفس النذر (الخ) (جلد ۲، صفحہ ۲۶۲)۔ فقط واللہ اعلم

منظور احمد
خادم الافتاء قاسم العلوم، ملتان

الجواب ...... (از دارالافتاء جامعہ خیر المدارس، ملتان)

یہ نذر (مَنّت) لازم نہیں ہاں کام ہونے پر خرچ کردیں تو بہتر ہے اور مسجد ہی پر

ضروری نہیں دوسرے کارِ خیر پر بھی خرچ کی جاسکتی ہے۔فلایصح النذر بعیادۃ المریض ...... والوضوء والاغتسال، ودخول المسجد، ومس المصحف، والاذان، وبناء الرباطات، والمساجدوغیر ذ لک، وان کانت قرباً الا انہا غیر مقصودۃ (شامیہ، جلد۳، صفحہ۸۳) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

تعمیرِ مسجد کی نذر شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر مقروض نے میرے پیسے واپس کر دیئے تو میں اپنی مسجد کا برآمدہ بنواؤں گا جبکہ مسجد کے برآمدہ کو بنانے سے مسجد کا صحن باقی نہیں رہتا۔اب قابل دریافت امور یہ ہیں!

(۱)...... کیا برآمدہ بنانا ہی ضروری ہے یا اسی مسجد کی کسی اور ضرورت مثلاً الماری بنانا، پنکھے لگوانا، پلستر وغیرہ کرانے میں بھی یہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

(۲)...... کسی اور قریبی مسجد کی ضروریات پر بھی یہ رقم لگا سکتے ہیں؟

سائل...... حاجی غلام اکبر، ڈیرہ غازیخان

الجواب

(۱)......ومنہا:ان یکون قربۃ مقصودۃ فلایصح النذر بعیادۃ المرضیٰ وتشییع الجنائز والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف والاذان وبناء الرباطات والمساجد وغیر ذالک وان کانت قرباً لانہا لیست بقرب مقصودۃ (بدائع الصنائع، جلد۴، صفحہ۲۲۸)

وفی الشامیۃ:ولذا صححوا النذر بالوقف، لان من جنسہ واجباً وھو بناء

مسجد للمسلمین کما یأتی مع انک علمت ان بناء المساجد غیر مقصود لذاتہ (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۴۷)

روایاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ مذکورہ نذر شرعاً صحیح نہیں۔ تاہم اس رقم کو تمام ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں۔

(۲)......بہتر یہ ہے کہ مذکورہ رقم اسی مسجد پر خرچ کی جائے تاہم دوسری مسجد پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔ ولو قال: للّٰہ علیَّ ان اطعم ھٰذا المسکین ھٰذا الطعام بعینہ فاعطیٰ ذٰلک الطعام غیرہٗ اجزأہ لان الصدقۃ المتعلقۃ بمالٍ متعینٍ لایتعین فیھا المسکین لانہ لمّا عیّن المال صار ھو المقصود فلا یعتبر تعیین الفقیر والافضل ان یعطی الذی عیّنہٗ (بدائع الصنائع، جلد ۴، صفحہ ۲۳۵، ط: رشیدیہ جدید)۔.................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۸/۱۴۲۷ھ

''اگر اللہ پاک نے بیٹا دیا تو حضرت تھانویؒ کا فلاں وعظ چھپواؤں گا'' نذر ہے یا نہیں:؟

ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرے گھر لڑکا پیدا ہو گیا تو میں حضرت تھانویؒ کا فلاں وعظ ایک ہزار روپے کے خرچ سے چھپواؤں گا، اس کے علاوہ اس کا ذہن خالی تھا لڑکا پیدا ہو گیا۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(الف)......آیا ایک ہزار روپے کے خرچ سے کتابچۂ وعظ چھپوا کر اسے عام لوگوں (امیر و غریب) کو مفت دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اکثر غریب لوگ خواندہ نہیں ہوتے۔

(ب)......اگر اس کتابچہ کی کچھ قیمت رکھ دی جائے اور اس سے حاصل شدہ رقم کو آئندہ تبلیغی اشاعت میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(ج)......اس کتابچہ پر ایک صفحہ کتابت سے بچ گیا تو کیا اس پر اپنے دینی مدرسے کا جس میں مفت تعلیم دی جاتی ہے ''اعانت طلب'' اشتہار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... اکرام الحق، راولپنڈی

الجواب

(۱)......عبادت مقصودہ کی نذر صحیح ہے اور غیر مقصودہ کی نذر صحیح نہیں۔[۱] اور کسی دینی کتاب کی طباعت ظاہر ہے کہ عبادات مقصودہ میں سے نہیں ہے، البتہ اگر چھپوانا بغرض تقسیم وتصدق تھا تو نذر صحیح ہو جائے گی کیونکہ تصدق عبادات میں سے ہے۔ پس وعظ چھپوا کر غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ اغنیاء کو دینا جائز نہیں ہوگا۔

(ب)......یہ رقم پھر واجب التصدق ہوگی، الغرض نذر سے ذمہ اس طرح بری ہوگا جبکہ ہزار کی مالیت کا تصدق ہو جائے گا ورنہ ذمہ مشغول رہے گا۔

(ج)......گنجائش ہے، کیونکہ طباعت کے بعد اس کتابچہ کی مالیت ہزار سے زائد ہو جائے گی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
۱۳۹۲/۱۲/۷ھ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

دوسرے کی مملوکہ چیز صدقہ کرنے کی نذر ماننے کا حکم:

ایک عورت (ہندہ) نے نذر مانی کہ اگر میں بیماری سے صحت یاب ہوگئی تو میں فلاں بکرا

التخریج: (۱)......وفی الدرالمختار: ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وکان من جنسه واجب...... وهو عبادة مقصودة ووجد الشرط...... لزم الناذر...... کصوم وصلوة وصدقة ووقف واعتکاف وفی الشامیة: تحت قوله" وهو عبادة مقصودة": ومن شروطه ان یکون قربة مقصودة فلایصح النذر بعیادة المریض (الخ) (جلد ۵، صفحہ ۵۳۷، ط: رشیدیہ جدید) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اللہ کے نام پر ذبح کروں گی اور صدقہ کروں گی اور جس بکرے کا نذر میں اس نے نام لیا ہے وہ اس کے بیٹے کا مملوک ہے اللہ نے ہندہ کو شفاء دیدی۔ اب صورت حال یہ ہے ہندہ چاہتی ہے کہ میں یہ بکرا بیٹے سے لے کر صدقہ کردوں لیکن بیٹا یہ بکرا دینے کیلئے تیار نہیں اب ہندہ کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی بکرے کو صدقہ کرنا لازم ہے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا بکرا خرید کر صدقہ کرسکتی ہے؟

سائلہ ...... خدیجہ، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں ہندہ کی مذکورہ نذر شرعاً صحیح نہیں ہوئی لہٰذا اس پر نہ اس بکرے کا تصدق ہے اور نہ اس کی قیمت کا تصدق واجب ہے۔ ولو قال للّٰہ علیّ ان اھدی ھٰذہ الشاۃ وھی مملوکۃ الغیر لایصح النذر ولایلزمہ شیٔ (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۶۵)

اگر ہندہ کا مقصد ان الفاظ کے کہنے سے قسم تھی تو پھر قسم کا کفارہ ادا کرے۔

ہندیہ میں ہے: وان عنی الیمین تنعقد یمیناً وتلزمہ الکفارۃ بالحنث (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۶۵)..............................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱/۱۰/۱۴۲۸ھ

ماتم کرنے کی منت ماننے کا حکم:

ایک آدمی نے منت مانی ہے کہ میرا یہ بیٹا اتنی عمر کا ہو کر ماتم کرے گا اور اب یہ لڑکا اتنی عمر کا ہو چکا ہے اور اس کا والد فوت ہو چکا ہے۔ اب اس لڑکے کی منت کا پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

سائل ...... عمر فاروق ملتانی

الجواب

شرعاً یہ نذر ہی نہیں ہوئی۔ اس لیے یہ لڑکا ہرگز اس گناہ کے کام کو نہ کرے اگر کرے گا تو گنہگار ہوگا۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۲/۱۲/۲۸ھ

دس محرم کو دربار پر جا کر منت ماننا اور نذر و نیاز پکانا:

زید اور اس کی بیوی خالدہ مسلمان ہیں اور سنی عقیدہ رکھتے ہیں اور خالدہ کی نانی شیعہ ہے وہ ان کو دس محرم کو دربار پر جا کر منت ماننے اور نذر و نیاز وغیرہ پر مجبور کرتی ہے۔ اب ان کیلئے شریعت کیا حکم صادر کرتی ہے؟

سائل ...... محمد بخش، ملتان

الجواب

قبروں پر چڑھاوے چڑھانا اور منتیں ماننا شرعاً گناہ ہے۔

لما فی الدرالمختار: واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ

التخریج: (۱)......لما فی الدرالمختار: وفی البحر شرائطه خمس فزاد: ان لا یکون معصیة لذاته، وفی الشامیة: واما کون المنذور معصیة یمنع انعقاد النذر (الدرالمختار مع الشامیہ: جلد۵، صفحہ۵۳۹، ط: رشیدیہ جدید)

وفی العالمگیریة: الاصل ان النذر لایصح الا بشروط.........والرابع ان لا یکون المنذور معصیة باعتبار نفسه (جلد۱، صفحہ۲۰۸)

وفیه ایضاً: ان نذر بما هو معصیة لا یصح، فان فعله یلزمه الکفارة (جلد۲، صفحہ۶۵)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم فهو بالاجماع باطل وحرام (الخ) (جلد ۳، صفحہ ۴۹۱)

اور گناہ کی نذر شرعاً منعقد نہیں ہوتی۔ لما فی الدرالمختار: وفي البحر شرائطه (صحة النذر) خمس فزاد: ان لا يكون معصية لذاته، وفي الشامية: واما كون المنذور معصية يمنع انعقاد النذر (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۳۹)

ان کا پورا کرنا شرعاً جائز نہیں، لہٰذا کسی کے مجبور کرنے پر بھی ان افعال شنیعہ کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق (رواہ "احمد" فی مسندات علی ابن ابی طالب، حدیث نمبر ۱۰۹۸، جلد ۱، صفحہ ۲۱۲، ط: بیروت) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۱/۸ھ

حضرت امام حسینؓ کے نام کی سبیل لگانا اور اس سے پانی وغیرہ پینا کیسا ہے؟

محرم کے عشرۂ اول میں پانی کی جو سبیلیں لگائی جاتی ہیں ان کا پانی پینا جائز ہے یا ناجائز؟ نیز بعض لوگ ان ایام میں اپنے گھر چولھا نہیں چڑھاتے، نہ کوئی چیز پکاتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز، حضرت امام حسینؓ کے نام کی سبیلیں لگانا کیسا ہے؟

سائل ...... محمد امیر قریشی، بیرون دہلی گیٹ، ملتان

الجواب

شرعاً راستوں پر سبیلیں قائم کرنا جائز اور موجب ثواب ہے لیکن محرم کے عشرۂ اول میں سبیلوں کا بنانا اور اس کے بعد بند کرنا بدعت ہے جائز نہیں، نیز یہ سبیلیں جبکہ حضرت امام حسینؓ کے

نام نذر مان کر قائم کی جائیں۔ تو ان کا پانی بوجہ نذر لغیر اللہ ہونے کے جائز نہ ہوگا۔(۱)

البتہ اگر پینے پلانے والوں کی یہ نیت نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو تو پھر اس پانی کا پینا جائز ہوگا۔(۲) ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۲/۱/۲۰ھ

بسوں میں پانی پلانے کی نذر ماننے کا حکم:

زید نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے مجھے پوتا دیا تو میں تین ماہ بسوں میں لوگوں کو پانی پلاؤں گا۔ زید نے سولہ دن پانی پلایا پھر مر گیا جب زید فوت ہوا اس وقت پوتے کی عمر چار سال تھی اب اس کی منت کے بارے میں کیا کیا جائے؟

سائل ...... محمد عمر

الجواب

مذکورہ نذر شرعاً لازم نہیں ہے۔ لما فی الشامیة: ومن شروطه ان یکون قربة مقصودة فلایصح النذر بعیادة المریض وتشییع الجنازة .... وان کانت قربا

التخزیج(۱)......لما فی الدر المختار: واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل وحرام (جلد۳، صفحہ۴۹۱)
وفی الشامیة: قوله" باطل وحرام" لوجوه: منها: انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز، لانه عبادة والعبادة لاتکون لمخلوق، ومنها: ان المنذور له میت والمیت لایملک (الخ) (جلد۳، صفحہ۴۹۱، ط: رشیدیہ جدید)
(۲): لما فی الشامیة: واخذه ایضا مکروه مالم یقصد الناذر التقرب الی الله تعالی وصرفه الی الفقراء، ویقطع النظر عن نذر الشیخ (جلد۳، صفحہ۴۹۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الا انها غير مقصودة اھ (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۳۷) وفيه ايضاً : المنذور اذا كان له اصل في الفروض لزم الناذر كا لصوم والصلوة والصدقة والاعتكاف، ومالا اصل له في الفروض فلا يلزم الناذر كعيادة المريض.......... ودخول المسجد ...... وهذا هو الاصل الكلي (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۳۹) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۱۰/۸ھ

قرآن کریم لکھنے کی منت مانی تو شرعا یہ نذر بنے گی یا نہیں؟

میرا ایک چچازاد بھائی پروفیسر ہے آج سے کافی عرصہ پہلے اس نے ایک نذر مانی تھی کہ ''اگر میری فلاں جگہ پر شادی ہو جائے تو میں اپنے ہاتھ سے قرآن پاک کا نسخہ لکھوں گا'' ملازمت اور گھریلو مصروفیت کی وجہ سے اسے فرصت نہیں مل سکی آئے دن وہ کسی نہ کسی مشکل میں پھنسا رہتا ہے ہم نے سوچا کہ یہ باتیں اس کی منت پوری نہ کرنے کی وجہ سے ہو سکتی ہیں کوئی آسان طریقہ بتائیں کہ جس کے اپنانے سے اس کے ذمہ سے منت والا بوجھ اتر جائے۔

سائل ...... محمد انور، خوشاب

الجواب

شرعاً اس طرح کہنے سے نذر نہیں بنتی۔ لہٰذا اس کا پورا کرنا اس پر لازم نہیں ہے۔ (۱) البتہ

التخريج: (۱) ......لما في الشامية: المنذور اذا كان له اصل في الفروض لزم الناذر كالصوم والصلوة والصدقة والاعتكاف، ومالا اصل له في الفروض فلا يلزم الناذر كعيادة المريض...... ودخول المسجد...... وهذا هو الاصل الكلي (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۳۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

گھریلو پریشانیوں کے لئے حسب استطاعت خیرات وصدقات کرے۔ ان شاء اللہ تمام حالات درست ہو جائیں گے۔............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۱/۵/۶ھ

جلسہ کرانے کی نذر مانی تو اس کو پورا کرنا لازم ہے یا نہیں؟

ایک آدمی نے یہ منت مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا دے گا تو میں جلسہ کراؤں گا اور فلاں خطیب کو دعوت دوں گا اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا دیا۔ اب وہ کسی عذر کی وجہ سے جلسہ نہیں کرا سکتا۔ آیا اس کیلئے وہ پیسے مسجد یا مدرسہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... عزیز اللہ، میانوالی

الجواب

جلسہ کرانا چونکہ عبادت مقصودہ نہیں ہے اس لئے یہ نذر (منت) منعقد ہی نہیں ہوئی، البتہ ویسے کسی نیک کام میں پیسے خرچ کر دے تو صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔ ومن نذر نذرا مطلقاً او معلقاً بشرط وكان من جنسه واجب.....وهو عبادة مقصودة ......ووجد الشرط ...... لزم الناذر (درمختار، صفحہ ۵۳۷، جلد ۵)

وفي الشامية ناقلاً عن البدائع: ومن شروطه ان يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر لعيادة المريض وتشييع الجنازة والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف...... وغير ذالک (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۳۷)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبد الحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۶/۱/۲ھ

ختم قرآن کی رات چاول تقسیم کرنے کی نذر مانی تو کیا کسی دوسرے موقع پر تقسیم کرسکتا ہے؟

ایک آدمی کی اولاد نہیں ہے اس نے یہ منت مانی کہ اگر میرے گھر کوئی بچہ ہوگا تو میں رمضان میں ختم کی رات کو چاول تقسیم کروں گا۔ آیا یہ منت پوری کرنا ضروری ہے؟ اور ایسا بھی کر سکتا ہے کہ مسجد میں تقسیم نہ کرے کسی غریب کو دیدے چاہے نقد دیدے یا پکا کر غریبوں میں تقسیم کر دے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے دن تقسیم کرے یا رمضان کی قید ضروری ہے؟ ....سائل ...... محمد اسحاق، مسجد سراجاں حسین آگاہی، ملتان

الجواب

یہ منت پوری کرنا ضروری ہے جبکہ بچہ پیدا ہوگیا ہو چاول، مسجد میں، شب ختم، رمضان میں، ان میں سے کوئی قید ضروری نہیں۔(۱) البتہ چاول یا ان کی قیمت صرف غرباء کا حق ہے اغنیاء کو نہ دے کذا فی الشامیۃ۔(۲) .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۸/۹/۵ھ

التخریج: (۱)......والمراد انه یلزمه الوفاء باصل القربة التی التزمها لابکل وصف التزمه، لانه لو عین درهما او فقیرا او مکانا للتصدق اوللصلوٰة فالتعین لیس بلازم (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۳۸)

وفیه الدرالمختار: والنذر من اعتکاف او حج او صلوٰة او صیام او غیرها غیر المعلق، ولو معینا لایختص بزمان ومکان ودرهم وفقیر (الدرالمختار، جلد۳، صفحہ۴۸۶)

وفی التتارخانیة: رجل قال ان نجوت من هذا الغم الذی انا فیه فعلیّ ان اتصدق بعشرة دراهم، فاشتری بعشرة دراهم خبزا فتصدق بعین الخبز او بثمن الخبز یجزئه وفی نسخة: وان قال علیّ ان اتصدق بعشرة دراهم خبزا فتصدق بغیر الخبز مکان الخبز یجزئه (تاتارخانیہ، جلد۵، صفحہ۳۲)

(۲)......لمافی الشامیة: ولایجوز ان یصرف ذالک لغنی ولا لشریف منصب او ذی نسب او علم مالم یکن فقیرا ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف للاغنیاء (شامیہ، جلد۳، صفحہ۴۹۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اولاد کو قرآن کریم کیلئے وقف کرنے کی نذر ماننے کا حکم:

راقم الحروف نے اپنی اولاد کو بذریعہ نذر معین وقف لخدمت القرآن وحفظ قرآن کیا ہوا ہے اور عبدالاحد (سولہ سال کا ہے) نو پارے حفظ کر کے بھلا بیٹھا ہے قرآن مجید کے حفظ سے گریز کرتا ہے اس کی عمر کے لحاظ سے اس کو کہاں تک پابند کرسکتا ہوں اور میری نذر معین کا کیا ہوگا؟

سائل ...... عبدالواحد، بیرون دہلی گیٹ، ملتان

الجواب

نذرِ معین جو سوال میں مذکور ہے، شرعی نذر نہیں ہے، حضرتِ اقدس تھانویؒ حواشی بیان القرآن میں عمران کی بیوی کے قصہ میں تحریر فرماتے ہیں "(ف) اس زمانے میں ایسی نذر ماننا مشروع تھا بخلاف ما فی شرعنا لقوله علیه الصلوة والسلام "لا نذر ولا یمین فی ما لا یملک ابن آدم" (ابوداؤد، جلد۲، صفحہ۱۱۷) ولیس فی اختیار الناذر ان یفعل غیره فعلاً فلا ینعقد النذر، فافهم" (حواشی بیان القرآن، جلد۲، صفحہ۱۳، ط: ایچ، ایم، سعید کمپنی)

اپنے طور پر امکانی حد تک اللہ سے کئے گئے اس وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کریں زیادہ تشویش کو راہ نہ دیں واضح رہے کہ احکام القرآن للجصاصؒ میں قصہ مذکور کے تحت اپنی اولاد کے بارے میں ایسی نذر کو صحیح لکھا ہے اس کا محمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ سن بلوغ ورشد تک پہنچنے سے پہلے پہلے ناذر مذکور کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بیٹے کو تعلیم قرآن وحفظ قرآن میں لگائے رکھے بچہ جب سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اس پر وہ نذر لازم نہیں ہوگی والد اخلاقی طور پر اپنے اثر سے اگر بیٹے کو وفاءِ نذر پر آمادہ کرے تو الگ بات ہے اس تقیید کی چند وجوہ ہیں!

(۱)......قواعد شرعیہ سے ظاہر ہے کہ بالغ ہونے کے بعد ہر انسان ہر کاروبار حدود کے اندر رہتے ہوئے کرسکتا ہے اور عام حالات میں اس پر حجر کا حق نہیں اور بچے کے بارے میں نذر کو مطلقاً صحیح کہنا حجر کے مترادف ہے۔

(۲)......اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود احکام القرآن میں " ابنه الصغیر " کے

الفاظ موجود ہیں۔

(۳)...... بنی اسرائیل میں نذر مذکور کا جو رواج تھا مفسرین نے اس کا معنی بھی یہی لکھا ہے کہ ''بچے کو بالغ ہو جانے کے بعد اختیار دے دیا جاتا تھا چاہے تو بیت المقدس کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کردے اور چاہے تو آزاد ہو جائے'' والدین کی پہلی نذر لازم نہیں ہوتی تھی۔ کما فی الکشاف۔[1]

(۴)...... ایجاب اپنے نفس پر ہوتا ہے نہ کہ غیر پر نابالغ اولاد والدین کے تابع اور ان کے بمنزلہ جزء کے سمجھی جاتی ہے نہ کہ بلوغ کے بعد، پس نذر کا تعلق بھی اولاد سے بلوغ سے پہلے پہلے ہوگا۔

(۵)...... حدیث مذکور جو جواب میں سابقاً مذکور ہے.................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۲/۵/۳۲ھ

بیٹے کو مجاہد بنانے کی نذر ماننا شرعاً نذر ہے یا نہیں؟

ہمارے شہر میں (حرکۃ الانصار) جہادی تنظیم کا جلسہ تھا تو میں نے منت مانی تھی کہ میں اپنے بیٹے کو مجاہد بناؤں گا اور کوئی کام نہیں کراؤں گا۔ اب اس نے تعلیم کچھ مکمل کرلی ہے اور کچھ باقی ہے اب میں منت کس طرح پوری کروں کوئی کہتا ہے کہ فوج میں بھرتی کراؤ اور کوئی کہتا ہے کہ عالم بناؤ تو منت پوری ہوگی۔ تو آپ بتائیں کہ شرعاً کیا کرنا چاہیے؟

سائل ......حکیم حافظ محمد ہاشم، ڈیرہ غازیخان

التخریج: (۱)...... "رب انی نذرت مافی بطنی محررا" ای معتقا لخدمة بیت المقدس لایذ لی علیه ولا استخدمهٔ ولااشغلهٔ بشئی، وکان هٰذا النوع من النذر مشروعا عندهم، وروی انهم کانوا ینذرون هٰذا النذر واذا بلغ الغلام خیّر بین ان یفعل وبین ان لایفعل (الکشاف للزمخشریؒ، جلد۱، صفحہ۳۵۵)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ منت شرعاً سرے سے درست ہی نہیں ہوئی کیونکہ مذکورہ نذر کا تعلق ناذر سے نہیں بلکہ غیر سے ہے اور غیر کے فعل کی شرعاً نذر نہیں ہوتی۔

چنانچہ بیان القرآن میں ہے: ولیس فی اختیار الناذر ان یفعل غیرہ فعلاً فلا ینعقد النذر (حاشیہ بیان القرآن، جلد۲، صفحہ۱۳) اور احادیث مبارکہ میں ہے: لیس علیٰ ابن آدم نذر فیما لایملک (مشکوٰۃ، جلد۲، صفحہ۲۹۶) لاوفاء لنذر فی معصیۃ ولافیما لایملک العبد (مشکوٰۃ شریف، جلد۲، صفحہ۲۹۷)

البتہ اگر ناذر اپنے اوپر کسی کام کے بجالانے کی ذمہ داری لیتا اور وہ کام عبادت مقصودہ میں سے بھی ہوتا تو اس صورت میں نذر بن جاتی اور اس کا ایفاء لازم ہوتا جبکہ مذکورہ مسئلہ میں یہ شخص اپنے بیٹے کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ اسے مجاہد بناؤں گا خود اپنے اوپر جہاد کو لازم نہیں کر رہا۔ لہٰذا یہ نذر منعقد نہیں ہوئی۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۶/۲۶ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بچے کو حافظ قرآن بنانے کی منت ماننے کا حکم:

نذر معلق بالشرط میں وجود شرط سے پہلے نذر کی ادائیگی معتبر نہیں:

نذر کی ادائیگی ناذر پر ہی لازم ہے غیر ناذر کے ادا کرنے سے ادائیگی نہ ہوگی:

(۱)......ایک عورت نے نذر مانی کہ ''اگر اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اسے حافظ قرآن بنائے گی'' چنانچہ بچی پیدا ہوئی جو کہ اب اٹھارہ سال کی ہوگئی ہے لیکن وہ عورت منت پوری نہ کرسکی اس کا کیا

کفارہ ہے؟

(۲)......ایک عورت نے نذر مانی کہ ہمارا بیمار صحیح ہو جائے تو میں سات روزے رکھوں گی فوراً سات روزے رکھ لئے جب بیمار صحیح ہوگیا تو پھر وہ خود روزے نہیں رکھ سکی بلکہ سارے گھر والوں نے سات روزے رکھ لئے تو منت پوری ہوگئی یا نہیں یا وہ خود روزے رکھے؟

سائل ...... محمد عاصم تونسوی

الجواب

(۱)......صورت مسئولہ میں خط کشیدہ الفاظ کہنے سے شرعاً نذر (منت) نہیں بنی کیونکہ نذر بننے کی کچھ شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کی جنس سے واجب موجود ہو۔

لما فی العالمگیریة: الاصل ان النذر لایصح الا بشروط احدھا ان یکون الواجب من جنسہ شرعاً (الخ) (ہندیہ، جلد۱، صفحہ۲۰۸)

حفظ قرآن شرعاً واجب نہیں صرف مستحب ہے اس لئے کفارہ وغیرہ شرعاً واجب نہیں تاہم اپنے طور پر ممکن حد تک اللہ تعالیٰ سے کئے گئے وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کریں، زیادہ تشویش کی ضرورت نہیں۔

(۲)......جب تک شرط نہ پائی جائے اس وقت تک نذر واجب نہیں ہوتی اگر وجود شرط سے پہلے ادائیگی کردی تو وہ معتبر نہیں لہٰذا وجود شرط کے بعد دوبارہ روزے رکھنے لازم ہیں۔

لما فی العالمگیریة: اذا علق النذر بالصوم بشرط واداہ قبل وجودہ لایجوز اجماعاً (جلد۱، صفحہ۲۱۰) وفی الدرالمختار: بخلاف النذر المعلق فانہ لایجوز تعجیلہ قبل وجود الشرط (جلد۳، صفحہ۴۸۸) وکذا فی الشامیة: (جلد۵، صفحہ۵۴۶)

نیز ''ناذر'' کا روزے رکھنا شرعاً ضروری ہے، دوسرے گھر والوں کے روزہ رکھ لینے سے نذر مکمل نہ ہوگی۔ لما فی الدرالمختار: ومن نذر..........ووجد الشرط لزم

الناذر (الخ) (جلد۵،صفحہ۵۳۷) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۳/۱۶ھ

اگر صدقہ کی منت کو کسی گناہ کے کام کے ساتھ معلق کیا تو کیا یہ نذر بن جائے گی؟

بندہ نے ایک کام کیلئے منت مانی تھی کہ ''اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں پچاس روپے فلاں مستحق کو دونگا'' حالانکہ وہ فعل برا تھا، بعد میں کسی نے بتایا کہ برائی کیلئے منت ماننا برا ہے اور اس کو پورا کرنا گناہ ہے۔ تو میں پریشان ہو گیا۔ اب میرا کام ہو گیا ہے اور وہ بد فعلی ہے تو اب میں منت مانی ہوئی رقم مسجد کو یا کسی مدرسہ کو دوں یا کیا کروں؟

سائل ...... عمران انجم، ساہیوال

الجواب

صورت مسئولہ میں اگرچہ برائی کے کام پر نذر مانی گئی ہے لیکن جس چیز کی نذر مانی گئی ہے (کہ پچاس روپے فلاں مستحق کو دونگا) وہ ایسی عبادت ہے جس کے ساتھ نذر منعقد ہو جاتی ہے۔

لما فی الشامیة: المنذور اذا کان له اصل فی الفروض لزم الناذر کالصوم والصلوٰة والصدقة والاعتکاف۔ (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۳۹)

لہٰذا صورت مسئولہ میں نذر منعقد ہو گئی ہے اور وجود شرط کے بعد نذر کا ایفاء لازم ہے۔

چنانچہ شامی میں ہے: لو کان فاسقا یرید شرطا ھو معصیة، فعلق علیه، کما فی قول الشاعر:

ع علیَّ اذا ما زرت لیلیٰ بخفیةٍ زیارة بیت اللّٰه رجلان حافیاً

فھل یقال: اذا باشر الشرط یجب علیه المعلق ام لا؟ ویظھر لی الوجوب، لان

المنذور طاعة، وقد علق وجوبها على شرط، فاذا حصل الشرط لزمته، وان كان الشرط معصية يحرم فعلها..........ولذا صح النذر في قوله: ان زنيت بفلانة (الخ) (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۴۲، ط: رشیدیہ جدید) ...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۲/۷ھ

مقررہ تاریخ سے پہلے نذر کی ادائیگی کا حکم:

ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ میں ہر ماہ کی پانچ تاریخ کو اتنی رقم فقراء کو دونگا۔ اگر اس مقررہ تاریخ سے پہلے مثلاً تین کو یا چار کو کسی فقیر کے مل جانے کی وجہ سے اسی نذر کی ادائیگی کی نیت سے رقم دیدے تو نذر ادا ہو جائے گی یا نہیں یا مقررہ تاریخ کو دوبارہ دینا لازم ہوگی؟

سائل ...... محمد ناصر، ساہیوال

الجواب

مقررہ تاریخ سے پہلے صدقہ کرنے سے نذر پوری ہو جائے گی اعادہ کی ضرورت نہیں۔

لما في الشامية: فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذاالدرهم على فلان فخالف جاز، وكذا لو عجل قبله، فلو عين شهرا للاعتكاف او للصوم فعجل قبله صح، (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۴۵) ....فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۵/۱۰ھ

نذر معلق بالشرط بدون تحقق شرط شرعاً لازم نہیں:

ایک آدمی نے منت مانی ''یا اللہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ۵۰ نفل پڑھوں گا'' اگر اس کا یہ کام ہو جاتا ہے تو وہ پچاس نفل ادا کرے گا مسئلہ یہ ہے اگر اس کا کام کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں ہوتا تو اس کیلئے اسے کیا کرنا چاہیے کیا وہ نفل ادا کرے یا نہیں؟

سائل ...... عمیر ولد محمد رفیق، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں منت والے نفل ادا کرنا شرعاً واجب نہیں بلکہ اگر اس کا کام ہونے سے پہلے نفل پڑھ لئے اور وہ کام بعد میں ہو بھی گیا تو اس صورت میں وہ سابقہ نفل کافی نہیں، کام ہونے کے بعد دوبارہ ادا کرنے ہوں گے۔ لما فی الهندیة: اذا علق النذر بالصوم بشرط واداه قبل وجوده لایجوز اجماعاً (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۱۰)

ولما فی الدرالمختار: بخلاف النذر المعلق، فانه لایجوز تعجیله قبل وجود الشرط (جلد ۳، صفحہ ۴۸۸) وکذا فی الشامیة: (جلد ۵، صفحہ ۵۴۶)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۱/۸/۳۰ھ

نذر معلق بالشرط میں وجود شرط سے پہلے نذر ادا کرنے سے ذمہ فارغ نہ ہوگا:

زید نے نذر مانی کہ مقدمہ سے بری ہونے پر بکرا صدقہ کروں گا فتصدق قبل البرأة هل یجزئه من الواجب؟ یعنی پھر مقدمہ میں براۃ سے پہلے بکرا صدقہ کر دیا۔ تو کفایت کر جائے گا؟

سائل ...... منظور احمد مدرس دارالعلوم مدنیہ، وہاڑی

الجواب

لایجزیه من الواجب وعلیه ان یوفی النذر وتصدق ثانیاً۔

لما فی الشامیة: بخلاف النذر المعلق فانه لایجوز تعجیله قبل وجود الشرط (جلد ۵، صفحہ ۵۴۶، ط: رشیدیہ جدید) .... فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۹۸/۱۰/۲۴ھ

معین جانور کے صدقہ کو شرط کے ساتھ معلق کیا اور وجود شرط سے پہلے جانور کا گوشت خراب ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

زید کا لڑکا اور بھائی جنگی قیدیوں میں سے ہیں، زید نے نذر مانی کہ جب وہ آئیں گے میں فلاں بچھڑا اللہ کے نام پر ذبح کروں گا۔ وہ اب تک نہ آئے اور نہ معلوم ہے کہ کب آئیں گے "بچھڑا" جوان ہے اور دوسرے جانوروں کو کاٹتا ہے اور اس کا گوشت خراب ہونے کا بھی خطرہ ہے۔ لہٰذا اب کیا کرنا چاہیے کیا ذبح کرنے سے نذر پوری ہو جائے گی یا نہیں یا اس کی قیمت کو رکھ لیا جائے بوقت آمد جانور خرید لیا جائے یا وہ پیسہ خیرات کر دیا جائے؟

سائل ...... نذیر احمد، شجاع آباد، ملتان

الجواب

بخلاف النذر المعلق فانه لایجوز تعجیله قبل وجود الشرط (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۴۶)

جزئیہ بالا سے معلوم ہوا کہ قیدی چھوٹنے اور ان کے آنے سے قبل ذبح کرنا کافی نہیں ہے نیز ذبح کا ثواب ہو جانا مکہ مکرمہ کے ساتھ خاص ہے گویا کہ یہ امر تعبدی ہے اور نذر مذکور کی صحت کا

مدار بظاہر تصدق ہونے پر ہے اس لئے اگر اس کٹے کو فروخت کر دیا جائے اور قیدیوں کے آنے پر یہ قیمت غرباء میں تقسیم کر دی جائے یا اس قیمت کا جانور لے کر گوشت تقسیم کر دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔.............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۲/۱۰/۲۰ھ

معین بکرے کی نذر مانی تھی تو کیا اس کو بیچا جا سکتا ہے؟

ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میں فلاں مقدمہ میں بری ہو گیا تو اپنا فلاں بکرا صدقہ کروں گا، لیکن مقدمہ سے برأت نامعلوم کب ہوتی ہے جبکہ بکرا کافی بڑا ہو گیا ہے، اس لئے خیال ہے کہ اس کو بیچ دیا جائے جب مقدمہ سے برأت ہو جائے گی تو اور بکرا خرید کر صدقہ کر دیں گے۔ کیا شرعاً اس طرح کرنے کی گنجائش ہے؟ سائل ...... محمد خالد، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر فروخت کرنے سے پہلے مقدمہ سے بری ہو گیا تو یہ بکرا چاہے زندہ صدقہ کر دے یا ذبح کر کے گوشت صدقہ کر دے یا اس کی قیمت صدقہ کر دے اور فروخت کرنے کے بعد بھی یہی اختیارات حاصل ہوں گے۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''اسی جانور کو خواہ ذبح کر کے صدقہ کر دے یا بکرے کی قیمت کا تصدق کر دے اور بیچ ڈالنے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں کہ خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح و تصدق کر دے یا وہ قیمت تصدق کر دے۔'' (امداد الفتاویٰ، جلد ۲، صفحہ ۵۵۸).............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۴/۱۰ھ

اگر کسی معین دن روزہ رکھنے کی نذر مانی تو کیا اسی دن کا روزہ رکھنا لازم ہے؟

ایک شخص نے یوں نذر مانی کہ اگر میرے بیٹے کا رشتہ فلاں جگہ پر ہو جائے تو میں ہر جمعہ کے دن روزہ رکھوں گا اب اس کی یہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب مذکورہ شخص پر خاص جمعہ کے دن کا روزہ لازم ہے یا کسی اور دن بھی رکھ سکتا ہے اگر کسی جمعہ کو کسی عذر وغیرہ کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... اسد اللہ، شجاع آباد، ملتان

الجواب

اگر نذر میں جمعہ کے دن کی تخصیص کی ہے اور یوم مخصوص ہی مراد تھا تو ایسی صورت میں جمعہ کا روزہ رکھنا شرعاً ضروری ہے اگر کبھی کسی عذر کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو دوسرے دنوں میں قضاء کرے۔

لما فی العالمگیریہ: اذا نذر بصوم کل خمیس یأتی علیہ فافطر خمیساً واحداً فعلیہ قضائہٗ (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۰۹) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

روزے رکھنے کی نذر مانی تو کیا روزں کی بجائے فدیہ دے سکتا ہے؟

ایک حافظ قرآن جس کی منزل بزعم خود اتنی کمزور تھی کہ رمضان شریف میں تراویح میں قرآن سنانے کے قابل نہیں تھا، جب رمضان شریف آیا تو اس نے نذر مانی کہ ”اگر میں نے مصلّٰی سنا دیا تو دو ماہ روزے رکھوں گا“ پھر اسی سال الحمد للہ پورا قرآن تراویح میں سنا دیا پھر اگلے سال اسی طرح ایک ماہ روزے رکھنے کی نذر مانی۔ اب حافظ صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح تین ماہ

روزے رکھنا بوجہ مشقت مشکل ہے۔ تو کیا کفارہ کی ادائیگی کی کوئی آسان صورت ہو سکتی ہے؟

سائل ...... حافظ عبدالولی خان

الجواب

صورت مسئولہ میں حافظ صاحب پر نذر کو پورا کرنا ضروری ہے اس پر لازم ہے کہ تین ماہ کے روزے رکھے خواہ وقفہ سے تھوڑے تھوڑے کر کے رکھے۔

لمافی الدر المختار: نذر صوم رجب فدخل وھو مریض افطر وقضیٰ کرمضان وفی الشامیة: قولہ "کرمضان" ای بوصل اوفصل (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۳، صفحہ ۴۸۹)

البتہ اگر بالکل بوڑھا ہے یا سخت بیمار ہے اور صحت کی امید بھی نہیں ہے تو پھر فدیہ دے سکتا ہے۔

لمافی الدر المختار: نذر صوم رجب......اوصوم الابد فضعف لاشتغالہ بالمعیشة افطر و کفر کمامر (الدر المختار، جلد۳، صفحہ ۴۸۹)[1] .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۲/۶/۳۱ھ

زندگی بھر روزے رکھنے کی نذر مانی تو اسے کیسے پورا کیا جائے؟

ایک شخص (ناصر) نے دوران گفتگو کسی سے کہہ دیا کہ اگر یہ کام اس طرح ہو گیا تو میں ساری زندگی روزے رکھوں گا اور اس کو یہ یقین تھا کہ یہ کام اس طرح نہیں ہوگا لیکن اللہ کی شان وہ

التخریج: (۱)......وفی الشامیة: المریض اذاتحقق الیأس من الصحة فعلیه الفدیة لکل یوم من المرض، و کذا ما فی البحر: لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعیشة له ان یطعم ویفطر لانه استیقن انه لایقدر علی القضاء (شامیہ، جلد۳، صفحہ ۴۷۱) (بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کام ہو گیا۔ اب مذکورہ شخص پریشان ہے کہ ساری زندگی روزے رکھنا بہت مشکل ہے ایک مہینے کے روزے بڑی مشکل سے رکھے جاتے ہیں اور زندگی بھر کے روزے کس طرح رکھے جائیں گے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً یہ روزے رکھنا زندگی بھر لازم ہے یا نہیں؟ اگر لازم ہے تو پھر اس سے بچنے کی صورت کفارہ یا فدیہ وغیرہ کے ذریعے ہو سکتی ہے؟ ناصر ذہنی طور پر یہ چاہتا تھا کہ کام ہو جائے۔

سائل ...... احمد حسن، میاں چنوں

الجواب

اگر ناصر بوڑھا ہے یا اس کا کاروبار ایسا مشقت والا ہے کہ جس کے ساتھ روزہ رکھنا مشکل ہے تو ایسی صورت میں ہر روزے کا فدیہ دو سیر گندم یا اس کی قیمت کسی فقیر کو دیتا رہے۔

ولو اخر القضاء حتی صار شیخاً فانیاً وکان النذر بصیام الأبد فعجز لذالک او باشتغاله بالمعیشة لکون صناعته شاقة فله ان یفطر ویطعم لکل یوم مسکیناً علی ما تقدم (ہندیہ، جلد۱، صفحہ۲۰۹)

وفی الشامیة: فی البحر: لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعیشة له ان یطعم ویفطر لانه استیقن انه لایقدر علی القضاء (شامیہ، کتاب الصوم، جلد۳، صفحہ۴۷۲)

بصورت دیگر کہ نہ بوڑھا ہے اور نہ ہی کاروباری سلسلہ مشقت والا ہے تو ایسی صورت میں فدیہ کافی نہ ہوگا روزے رکھنا ضروری ہے۔ قد روی عن محمد رحمه الله تعالیٰ قال: ان علق النذر بشرط یرید کونه کقوله: "ان شفی الله مریضی او ردّ غائبی" لایخرج عنه بالکفارة...... ویلزمه عین ماسمیٰ (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۶۵)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۴/۲ھ

نذر کا مصرف صرف فقراء ہیں:

نذر کو یک بارگی پورا کرنا ضروری نہیں:

(١)......زید نے بوقت بیماری یہ نیت کی یا منت مانی ''کہ اگر مجھے اس مرض سے شفاء ہو جائے تو میں ایک دیگ چاولوں کی جس کی مقدار دس سیر چاول ہو پکوا کر غریبوں میں تقسیم کراؤں گا'' بعد از صحت اگر تقسیم کرائے تو اس کو کون کون کھا سکتا ہے غریب امیر کا پتہ لگانا مشکل ہے

(٢)......اگر دس سیر مقدار کی بجائے ایک دیگ کی مقدار تھوڑے تھوڑے کر کے گھر میں پکوا کر غریبوں کو کھلا دے تو منت پوری ہو جائے گی یا نہیں؟

سائل ...... مولوی شفیق احمد، بہاولپور

الجواب

بحرالرائق میں ہے: اذ مصرف النذر الفقراء .... ولایجوز ان یصرف ذالک لغنی غیر محتاج ولا لشریف منصب لانه لایحل له الاخذ مالم یکن محتاجاً فقیراً، ولالذی النسب مالم یکن فقیراً لاجل نسبه ولا لذی علم لاجل علمه مالم یکن فقیراً ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف للاغنیاء (جلد ٢، صفحہ ٥٢١)

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ اغنیاء کو نہ کھلا وے، غرباء کو تلاش کرنا مشکل بات نہیں۔

(٢)......اگر تھوڑے تھوڑے پکوا کر غرباء کو کھلا دے تو بھی جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	١٣٨٦/١/٢٧ھ

نذر کا کھانا جس قدر فقیر نے کھایا وہی صدقہ شمار ہوگا:

آج کل جو رواج ہے کہ نیاز پکانے والے اغنیاء کو بھی مدعو کر لیتے ہیں تو اس کے متعلق

کیا تحقیق ہے؟

سائل ...... محمد اقبال لائلپوری متعلم جامعہ ہٰذا

الجواب

مذکورہ بالا کھانا اور طعام کا اتنا حصہ جو فقراء پر خرچ ہوا صدقہ ہوگا اور ثواب کا موجب ہوگا جو اغنیاء اور رشتہ داروں کے حصہ میں آیا وہ صدقہ شمار نہ ہوگا۔ بلکہ ہدیہ ہوگا یا صلہ رحمی میں تصور کیا جائے گا اگر خیرات کرنے والے کی نیت بخیر ہو تو اس امر ثانی پر ثواب ہدیہ اور صلہ رحمی کا ہوگا۔ لقوله عليه السلام: تهادوا تحابوا (الخ) (مشکوٰۃ، جلد ۱، صفحہ ۴۰۳)

لیکن اس قسم کی خیراتیں اگر نام نمود یا رسوم برادری کے طریق پر ہوں جیسا کہ عام طور پر اموات کی خاطر کی جاتی ہیں تو ممنوع ہیں اور بدعات قبیحہ میں داخل ہیں جن سے احتراز لازم ہے اور اگر لوجہ اللہ اخلاص اور رضا الٰہی کے لئے ہوں اور ان میں منکرات سے بچا جائے تو جائز ہے اور موجب ثواب و برکت ہے.................. فقط واللہ اعلم

الجواب صواب	الجواب صحیح	بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ	خیر محمد عفا اللہ عنہ	صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
مدرس مدرسہ خیر المدارس، ملتان	مہتمم خیر المدارس، ملتان	۱۳۶۷/۱۰/۲۷ھ

وکیل اگر مستحق ہو تو نذر کی رقم خود بھی استعمال کر سکتا ہے؟

میں ایک بالغ طالب علم ہوں میری بڑی ہمشیرہ جس نے اللہ کے نام پر کوئی نذر مانی تھی وہ پوری ہوئی اور میری وہ ہمشیرہ اپنے بال بچوں سمیت علیحدہ ہے یعنی ان کے اور ہمارے اخراجات علیحدہ علیحدہ ہیں اس نے کچھ رقم منت کی میری طرف بھیجی اور یہ کہا کہ یہ رقم ہے آپ کو آزادی ہے جن لوگوں پر خرچ ہو سکتی ہے انہیں جلد از جلد دے دیں تا کہ واجب ادا ہو جائے۔ اب میں جو کہ اس

کا بھائی ہوں اس رقم سے اپنے لئے کتابیں خریدنا چاہتا ہوں یہ میرے لئے جائز ہے یا ناجائز؟

سائل ...... عبداللہ، مظفر گڑھ

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر سائل صاحب نصاب نہیں تو مذکورہ رقم کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے کی گنجائش ہے۔لما فی الدرالمختار: للوكيل ان يدفع لولده الفقير وزوجته لالنفسه الا اذا قال ربها ضعها حيث شئت (الدرالمختار، جلد۳، صفحہ۲۲۴) ......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۴/۳ھ

منذور اشیاء کی جگہ ان کی قیمت دینا کیسا ہے؟

شیٔ منذور فقیر کو دینے کے بعد دوبارہ خریدنا مکروہ ہے

ایک شخص نے ایک معیّن چیز کی اللہ کے نام پر نذر مانی پھر اس کا وہ کام ہو گیا۔اب وہ اس چیز کی جگہ پر اس کی قیمت دے سکتا ہے اور وہ چیز اپنے پاس رکھ سکتا ہے؟ وہ چیز مثلاً کوئی جانور ہے یا اس کے مصرف کو دے کر پھر اس سے لے سکتا ہے؟ سائل......عبدالکریم، بلوچستان

الجواب

صورت مسئولہ میں مذکورہ معیّن چیز کی قیمت دینا درست ہے۔

لما فی الشامية: نذر ان يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز ان ساوى العشرة كتصدقه بثمنه (جلد۵، صفحہ۵۴۶، ط: رشیدیہ جدید)

شیٔ منذور کسی فقیر وغیرہ کو دے کر دوبارہ قیمت وغیرہ کے ذریعے واپس لینا مکروہ تنزیہی ہے، چنانچہ حاشیۂ مشکوٰۃ میں ہے: قوله: "فی صدقته" قال ابن الملک: ذهب بعض العلماء

الی ان شراء المتصدق صدقته حرام لظاهر الحديث والاكثرون على كراهة تنزيهيّة لكون القبح فيه لغيره وهو ان المتصدق عليه ربما يسامح المتصدق في الثمن بسبب تقدم احسانه، فيكون كالعائد في صدقته في ذالک المقدار الذی سومح . مرقات (حاشیہ مشکوۃ شریف، جلد ۱، صفحہ ۱۷۳)..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ — مفتی خیر المدارس، ملتان

مفتی خیر المدارس، ملتان — ۱۴۲۴/۱/۲۲ھ

دیگ پکانے کی نذر اتنی مقدار نقد روپیہ خرچ کرنے سے ادا ہو جائیگی:

ایک شخص نے اللہ کے نام کی منت مانی کہ "تیس دیگیں پکوا کر غرباء و مساکین میں تقسیم کروں گا"۔ اب ان کا خیال ہوا کہ بجائے دیگوں کے رقم نقدی غرباء و مساکین میں تقسیم کر دی جائے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ سائل ...... میاں انعام اللہ

الجواب

دیگوں کے عوض اگر ان کی رقم نقدی غرباء و مساکین کو دے دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ بہر حال دونوں طریق پر ادائیگی نذر کر سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے: نذر ان يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز ان ساوىٰ العشرة كتصدقه بثمنه (درمختار جلد ۵، صفحہ ۵۴۶،)

یعنی کسی نے دس روپے خیرات کرنے کی نذر مانی اور دوسری چیز خیرات کی تو جائز ہے اگر دس روپے کے مساوی ہو جیسے اس کی قیمت خیرات کر دینا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — مفتی خیر المدارس، ملتان

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان — ۱۳۹۴/۲/۱۷ھ

ایک معین رقم سے کئی فقیروں کو کھانا کھلانے کی نذر مانی پھر وہ رقم ایک ہی فقیر کو دیدی تو اس کا کیا حکم ہے؟

زید نے منت مانی کہ غریبوں کو دس روپے کا کھانا کھلائے گا زید نے کئی فقیروں کو کھانا کھلانے کی بجائے دس روپے اکیلے ناصر کو دے دیئے۔ کیا نذر کی ادائیگی صحیح ہوگئی۔؟

سائل ...... عبداللہ، لیاقت پور

الجواب

اذا زوجت بنتی فالف درهم من مالی صدقة لكل مسكين درهم فزوج ودفع الالف الى مسكين جملة جاز (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۴۶) وکذا فی العالمگیریة: (جلد۲، صفحہ۶۶)

جزئیہ بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں ایک مسکین کو ساری قیمت دے دینا درست ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۷/۱۱/۱۳۸۷ھ

دس فقیروں میں سے ہر ایک کو "سو روپیہ" دینے کی نذر مانی پھر "ہزار" روپیہ ایک ہی فقیر کو دے دیا تو کیا حکم ہے؟

ایک آدمی (طارق) نے نذر مانی کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہوگیا تو ایک ہزار روپے دس فقیروں کو دونگا اور ہر فقیر کو ایک ایک سو روپے دونگا۔ بعد میں کامیاب ہونے کے بعد پورا ایک ہزار روپیہ ایک ہی فقیر کو دے دیا، تو آیا اس سے نذر کی ادائیگی ہوگئی؟

سائل ...... محمد خادم، ملتان

الجواب

رجل قال ان زوجت ابنتی فالف درهم من مالی صدقة لکل مسکین درهم فزوج ابنته ودفع الالف جملة الی مسکین واحد جاز (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۶۶)۔

وکذا فی الشامیة: نقلاً عن الخانیة. (جلد۵، صفحہ۵۴۶، رشیدیہ جدید)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں مسمّٰی طارق کی نذر پوری ہوگئی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔......................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۶/۱۰/۱۰ھ

ایک معین مدرسہ کو رقم دینے کی نذر مانی تو کیا دوسرے مدرسہ کو دی جاسکتی ہے؟

ایک شخص نے ایک مدرسہ میں بیٹھ کر یہ کہا کہ ”اگر میں فلاں مقدمہ جیت گیا تو اس مدرسہ کو دس ہزار روپے دونگا“ یعنی مدرسہ متعین کر دیا، اب مقدمہ جیت جانے کے بعد صورتحال یہ ہے کہ اس مذکورہ مدرسہ کے ذرائع آمدن بہت زیادہ ہیں جبکہ قریب ہی دوسرا مدرسہ ہے جس کے ذرائع آمدن نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے ان کو ضرورت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس نذر کو پورا کرنا لازم ہے؟ اور کیا نذرِ معلق کی اس رقم سے کچھ اس دوسرے مدرسہ کیلئے لگا سکتے ہیں جس کو ضرورت ہے؟

سائل ......حافظ عبدالرحمٰن، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں نذر منعقد ہوگئی ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے: ولذا صحّحوا النذر بالوقف، لان من جنسه واجباً وهو بناء مسجدٍ للمسلمین (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۲۷)

لہٰذا وجود شرط کے بعد مذکورہ رقم کی ادائیگی شرعاً لازم ہے، البتہ خاص طور پر اسی مذکورہ معین مدرسہ کو دینا ضروری نہیں، خواہ جس مدرسہ کو دیدے نذر کی ادائیگی ہو جائے گی، کیونکہ نذر خواہ معلق ہو یا غیر معلق اس میں مکان اور مصرف متعین کرنے سے شرعاً متعین نہیں ہوتا۔

چنانچہ شامی میں ہے کہ: والنذر من اعتكاف او حج.........غير المعلق ولو معيناً لايختص بزمان ومكان ودرهم وفقير.........بخلاف النذر المعلق فانه لايجوز تعجيله قبل وجود الشرط.........ويظهر من هذا ان المعلق يتعين فيه الزمان بالنظر الى التعجيل.........وكذا يظهر منه انه لايتعين فيه المكان والدرهم والفقير...... ولذا اقتصر الشارح فى بيان المخالفة على التعجيل فقط.

(شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۴۵) (وکذا فی الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۳، صفحہ ۴۸۸-۴۸۶)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۵/۶/۱۴۲۹ھ

خدام روضۂ اقدس کو رقم بھیجنے کی نذر مانی کیا یہ رقم ادارۂ دینیہ میں خرچ کی جا سکتی ہے؟

زید نے نذر مانی ہے کہ ایک سو روپے خدام روضۂ نبوی کیلئے کسی حاجی کے ساتھ بھیج دے گا، اب وہ پوچھنا چاہتا ہے کہ ادارۂ دینیہ میں یہ رقم صرف کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... حاجی اللہ دتہ، شورکوٹ

الجواب

فی العالمگیریة: رجل قال مالى صدقة على فقراء مكة ان فعلت كذا فحنث وتصدق على فقراء بلخ او بلدة اخرىٰ جاز ويخرج عن النذر (جلد ۲، صفحہ ۶۵)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر اس رقم کو یہاں کسی دینی ادارہ کے مساکین پر خرچ کیا

گیا تو بھی نذر اداء ہو جائے گی .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۰/۱۲/۱۹ھ

مسجد میں دیگ تقسیم کرنے کی نذر مانی تو گھر پر بھی تقسیم کرسکتا ہے:

ایک شخص نے نذر مانی کہ خیرات فی سبیل اللہ کی دیگ فلاں درس یا مسجد یا فلاں جگہ غرباء کو تقسیم کروں گا۔ تو کیا یہ دیگ پکا کر اپنے گھر غرباء کو کھلا سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... بشیر احمد، تحصیل نور پور ضلع خوشاب

الجواب

گھر پر غرباء کو بھی تقسیم کرسکتا ہے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۳/۵/۲۸ھ

مسجد نبوی میں دو رکعت ادا کرنے کی نذر مانی، تو کیا کسی اور مسجد میں ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا؟

ایک شخص نے اس طرح نذر مانی کہ "اگر میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں مسجد نبوی میں دو

التخریج: (۱)......والنذر من اعتكاف او حج او صلوة اوصيام او غير ها غير المعلق ولو معينا لايختص بزمان ومكان ودرهم وفقير فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهٰذا الدرهم على فلان فخالف جاز (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۴۵) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

رکعت نماز ادا کروں گا'' اس وقت حج یا عمرہ کرنے کے آثار تھے اس لئے اس طرح نذر مانی، اب لڑکا تو پیدا ہو گیا ہے لیکن حج وعمرہ ادا کرنے کے بظاہر کوئی آثار نظر نہیں آتے محض خواہش اور دعا ہے، تو ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر دو رکعت گھر میں ادا کر لے تو نذر ادا ہو جائے گی یا وہاں جا کر پڑھنا ضروری ہے؟

سائل ...... مولوی غلام یٰسین

الجواب

صورت مسئولہ میں محض دو رکعت نماز نفل کی ادائیگی سے ذمہ فارغ ہو جائے گا خواہ جس مسجد میں بھی پڑھ لے خاص طور پر مسجد نبوی میں جانا ضروری نہیں۔

چنانچہ عالمگیریہ میں ہے کہ: اختلف اصحابنا رحمهم اللّٰه تعالیٰ فیمن نذر صوماً او صلوٰة فی موضعٍ بعینهٖ : قال ابو حنیفة و محمد رحمهما اللّٰه تعالیٰ له ان یصوم ویصلی فی ایّ موضع شاء (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۶۵) وفی الشامیة: قال فی الفتح: و كذا اذا نذر ركعتین فی المسجد الحرام فاداها فی اقل شرفاً منه او فیما لاشرف له اجزأه (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۴۶) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۵/۷/۱۴۲۹ھ

جہاد فنڈ میں رقم خرچ کرنے کی نذر مانی تو کسی غریب کو دے سکتا ہے؟

ایک شخص منت مانتا ہے کہ'' اگر ملازمت میں ترقی ہو جائے تو وہ ایک ہزار روپے جہاد فنڈ کیلئے دیگا''۔ ترقی کے بعد وہ پانچ سو روپے جہاد فنڈ والوں کو دیتا ہے جبکہ پانچ سو روپے غریب

انسان کو دے دیتا ہے کیا اس کی منت ادا ہوگئی؟

سائل ...... شبیر احمد، لیاقت پور

الجواب

کسی شہید مجاہد کی غریب بیوہ کو دینے سے منت پوری ہو جائے گی، لیکن صورت مسئولہ میں پانچ سو روپے کی دوبارہ ادائیگی مناسب ہے کیونکہ نوع جہاد متحقق نہیں ہوئی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴/۷/۱۴۲۸ھ

نذر کے مال سے مسجد کی چٹائیاں خریدنے کا حکم؟

ایک شخص نے نذر مانی کہ مجھے جتنا منافع ہوگا اس میں سے فی روپیہ ایک آنہ خیرات کرونگا، اب اس پیسے سے مسجد کی چٹائیاں وغیرہ خریدی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

سائل ...... حافظ محمد اسحاق، مسجد سراجاں حسین آگاہی، ملتان

الجواب

اگر خیرات سے نیت عام تھی خاص غرباء کو دینا ہی پیش نظر نہیں تھا تو اس رقم سے چٹائیاں خریدی جا سکتی ہیں، ورنہ صرف غرباء پر تصدق ہی لازم ہوگا۔[1] .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۵/۹/۱۳۸۸ھ

التخریج: (۱)...... ولا یجوز ان یصرف ذالک لغنیّ ولا لشریف منصب اوذی نسب اوعلم مالم یکن فقیرا ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف للاغنیاء (شامیہ، جلد ۳، صفحہ ۴۹۱، ط: رشیدیہ جدید) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مدرسہ میں بکرا دینے کی نذر مانی تو کسی دوسرے مستحق کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

ایک آدمی نے یہ نیت کی کہ میرا بھائی ٹھیک ہوگیا تو میں ایک بکرا مدرسہ میں دونگا۔ اب اسی بکرے کے پیسے کا محلّہ کے اندر زیادہ حقدار نکل آیا تو اب یہ پیسے اس کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد امین انصاری، خونی برج ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں بکرا یا بکرے کی قیمت اسی مدرسہ میں دینا شرعاً لازم نہیں۔ بلکہ دوسرے کسی مستحق کو بھی دینے کی گنجائش ہے۔ والنذر من اعتكاف او حج او صلوة او صيامٍ او غيرها غير معلق ولو معيناً لايختص بزمان ومكان ودرهم وفقير .... بخلاف النذر المعلق فانه لايجوز تعجيله قبل وجود الشرط ...... اما تأخيره فالظاهر انه جائز اذلامحذور فيه وكذا يظهر منه انه لايتعين فيه المكان والدرهم والفقير (الخ) (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۴۵) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۵/۱۰/۱۴۲۸ھ

کیا پانچ یا سات بکریاں ذبح کرنے کی نذر میں ایک گائے کفایت کر جائے گی؟

ایک شخص نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ایک بکری ذبح کروں گا مزید منتیں مانیں حتی کہ پانچ تک پہنچ گئیں اور اس کے تمام کام ہوگئے۔ کیا ان بکریوں کے مقابلے میں گائے ذبح کرسکتا ہے؟

سائل ...... غلام اکبر، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں پانچ بکریوں کو ذبح کرنا ہوگا، بکریوں کی جگہ گائے ذبح کرنا درست نہیں، البتہ اگر گائے کی قیمت پانچ بکریوں کے برابر ہوتو گائے ذبح کرنا جائز ہوگا۔(۱)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۹۰/۸/۲۸ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

نذر اور قربانی میں تداخل نہیں بلکہ دونوں کا وجوب مستقل ہے:

ایک شخص کی چودہ پندرہ بکریاں تھیں اور وہ کسی بیماری کی وجہ سے بچتی نہیں تھیں، اس آدمی نے نذر مانی کہ یہ ہلاک نہ ہوں تو میں ایک بکری سال کی دیا کروں گا۔ اب وہ شخص اپنی اس نذر کو تو پورا کرتا ہے لیکن قربانی نہیں کرتا اس کے بارے میں کیا حکم ہے کہ قربانی کرے یا اپنی نذر پوری کرے اس نذر کو ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

سائل ...... محمد احمد، خانپور، ضلع رحیم یارخان

الجواب

صورت مسئولہ میں شخص مذکور پر نذر کا پورا کرنا بھی واجب ہے اور اگر وہ صاحب نصاب

التخریج: (۱) ......لما فی الدر المختار: الشاة افضل من سُبع البقرة اذا استویا فی القیمة واللحم، قال ابن عابدینؒ: قوله: "اذا استویا" فان کان سبع البقرة اکثر لحماً فهو افضل (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۹ صفحہ ۵۳۴)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

ہے تو قربانی بھی واجب ہے کسی ایک کی وجہ سے دوسرے کا ترک کرنا جائز نہیں۔[1]

لمافی الدرالمختار: ومن نذر نذرا مطلقاً او معلقاً بشرط وکان من جنسه واجب.....وهو عبادة مقصودة.....ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحديث"من نذر وسمّى فعليه الوفاء بما سمّى"(جلد۵،صفحہ۵۳۷،ط:رشیدیہ جدید)۔فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

مفتی خیر المدارس، ملتان ۲۴/۴/۱۴۲۷ھ

''جب بھی کوئی ترش چیز کھاؤں یا پیوں تو ایک روزہ رکھوں گا'' کہنے کا حکم:

(۱)......زید بیمار تھا ترش اشیاء اس کے لئے نقصان دہ تھیں اس بناء پر اس نے ترش اشیاء سے بچنے کے لئے یہ کہا کہ ''میں جب بھی ترش چیز کھاؤں یا پیوں تو ایک روزہ رکھوں گا'' پھر زید نے ایک وقت میں ایک ہی مجلس میں تین ترش پھل اور ہر ایک پھل کے تین اجزاء بنا کر کھا لئے۔کیا زید تینوں پھلوں کے عوض میں صرف ایک روزہ رکھے یا تین پھلوں کے عوض میں اس پر تین روزے لازم ہونگے یا ہر جزو کے بدلے روزہ رکھنا پڑے گا؟

(۲)...... زید مذکور نے ترش مشروب کا ایک گلاس گھونٹ گھونٹ کر کے پیا۔زید پر ہر گھونٹ کے عوض ایک روزہ واجب ہوگا یا کل مشروب سے فقط ایک ہی صوم واجب ہوگا؟

(۳)......بکر نے کہا کہ اگر آج تہجد کے وقت میں نہ اٹھوں تو مجھ پر ایک روزہ لازم ہوگا بشرطیکہ بیدار

التخریج:(۱)...... وفی الشامية:لو نذر ان يضحى شاة، وذالك فى ايام النحر وهو موسر فعليه ان يضحى بشاتين عندنا، شاة للنذر، وشاة بايجاب الشرع ابتداءً ....ولو قبل ايام النحر لزمه شاتان بلاخلاف (شامیہ،جلد۵،صفحہ۵۴۰)(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

بھی ہو جاؤں پھر وہ اذان فجر سے تقریباً دو گھنٹے قبل بیدار ہو گیا وہ اس خیال سے کہ ابھی وقت کافی ہے تھوڑی دیر بعد اٹھوں گا پھر سو گیا، جب دوبارہ آنکھ کھلی تو اذان ہو رہی تھی۔ اس کیلئے کیا حکم ہے؟

سائل ...... غلام مصطفیٰ متعلم دار العلوم ربانیہ، لائل پور

الجواب

(۱)...... ہر لقمہ کے بدلہ میں ایک روزہ واجب ہوگا۔[1]

(۲)...... ہر سانس اور وقفہ پر ایک روزہ واجب ہوگا۔ لما فی الخانیة: لو قال "کلما شربت الماء فعلیّ درهم" یلزمه بکل نفس درهم (خانیہ علی ہامش الہندیہ، جلد۲، صفحہ ۶۰)

(۳)...... روزہ واجب ہو گیا۔[2] ...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۶/۴/۳۰ھ

آمدنی کا ایک حصہ اللہ کے نام پر خرچ کرنے کی نذر مانی تھی مشکلات کی وجہ سے آیا اس میں تخفیف ہو سکتی ہے؟

کچھ عرصہ قبل ۱۹۹۴ء میں کاروباری معاملات میں کمی بیشی پر ہم نے منت مانی کہ اگر کاروبار صحیح طور پر چل جائے تو اپنے کاروبار سے حاصل شدہ کا پچیس فیصد اللہ کے نام پر خرچ

التخریج: (۱)...... لما فی الخانیة: رجل قال "کلما اکلت اللحم فللّٰه علیّ ان اتصدق بدرهم" عن ابی یوسف ان علیه فی کل لقمة درهماً (خانیہ علی ہامش الہندیہ، جلد۲، صفحہ ۶۰)

(۲)...... لما فی الدر المختار: ومن نذر نذرا مطلقاً او معلقاً بشرط وکان من جنسه واجب ای فرض ...... وهو عبادة مقصودة ...... ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحدیث "من نذر وسمّی فعلیه الوفاء بما سمّی" (جلد۵، صفحہ ۵۳۷، ط: رشیدیہ جدید) (مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

کریں گے اس وقت ۱۹۹۴ء سے لے کر اب تک (۲۰۰۰ء) ہم اس معاملہ میں پوری دیانت داری سے حق ادا کرتے رہے حالات موجودہ میں عروج وزوال کی وجہ سے کبھی اس کا ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا اس کا وجوب کسی شرعی دلیل کی رو سے ختم ہو سکتا ہے کہ اچھے حالات اور اپنی ترتیب دیکھ کر اپنی مرضی سے یہ حق ادا کریں اور اس پر شرعی وجوب بھی نہ ہو؟

سائل ...... طارق اقبال

الجواب

یہ نذر درست ہے، آپ پر اس نذر کا ایفاء (پورا کرنا) لازم ہے اور جتنی آپ نے نذر مانی ہے اتنی ہی لازم ہے۔ ولو جعل علیه حجة او عمرة او صوماً او صلوة او صدقة او ما اشبه ذالک مما هو طاعة ان فعل کذا، ففعل لزمه ذالک الذی جعله علی نفسه (الخ) (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۶۵) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۱/۱/۶ھ

نذر کی ایک مخصوص صورت اور اس کا حکم:

ایک شخص مسمّٰی مولوی محمد شفیع نے اپنی بیمار گابھن بکری کے متعلق یہ کہا کہ اگر بکری نے بچہ جنا اور دونوں بعد از پیدائش صحیح وسالم رہے تو میں /500 روپے اللہ کے نام پر صدقہ دوں گا، پھر کچھ دنوں بعد ایک شخص نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بکری کے پیٹ میں دو بچے ہیں، چنانچہ شخص مذکور نے دوبارہ اس طرح کہا کہ ''اگر بکری نے دو بچے دیئے تو میں ایک بچہ قربانی کے موقع پر قربان کروں گا'' الغرض بکری نے دو بچے دیئے اور دونوں بچے بکری سمیت ماشاء اللہ صحیح وسالم ہیں۔ اب

دریافت طلب امر یہ ہے کہ فقط ایک بچہ قربان کر دینے سے مولوی محمد شفیع صاحب نذر سے بَری ہو جائیں گے یا 500/ روپے بھی صدقہ کرنا لازم ہے؟

سائل ...... حافظ محمد شریف، اُوچ شریف ضلع بہاولپور

الجواب

صورت مسئولہ میں مولوی محمد شفیع صاحب پر لازم ہے کہ قربانی کرنے کے ساتھ ساتھ پانچ سو روپے بھی اللہ کے نام پر صدقہ کر دیں، کیونکہ ہر ایک مستقل نذر ہے۔

چنانچہ عالمگیریہ میں ہے: سئل عبدالعزیز بن احمد الحلوانی عن رجل قال ان صلّیت رکعة فللّٰه علیّ ان اتصدق بدرهم وان صلیت رکعتین فللّٰه علیّ ان اتصدق بدرهمین وان صلیت ثلاث رکعات فللّٰه علیّ ان اتصدق بثلاثة دراهم وان صلّیت اربع رکعات فللّٰه علیّ ان اتصدق باربعة دراهم فصلّی اربع رکعات قال یلزمه عشرة دراهم (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۶۶)۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۱۱/۱۲ھ

نذر مانی اور ادائیگی سے پہلے فوت ہو گئے تو اب اولاد کا کیا فرض بنتا ہے؟

نذر کی ادائیگی زندگی میں نہ کر سکے تو وصیت کرنا لازم ہے:

میرے والد محترم سلطان محمد نے رقبہ الاٹ سکیم کے تحت دو مربعہ اراضی کی الاٹ لی اور منت مانی کہ ''پاس ہو گئی اور ملکیت ہو گئی تو ایک بیگہ زمین درس پر لگاؤں گا'' گورنمٹ سکیم کا حل ہو گیا اور منت اپنی حیات میں پوری نہ کر سکے اور فوت ہونے سے قبل وصیت بھی نہ کر سکے کیا اب

اس کی اولاد کو وہ منت پوری کرنا ضروری ہے؟ منت پوری نہ کرنے کی صورت میں والد صاحب اللہ کے ہاں جوابدہ ہوں گے؟ اگر جوابدہ ہیں تو اولاد میں سے ہم وہ منت پوری کرنے کو تیار ہیں۔

سائل ...... مقبول احمد و پیر عبدالرحمٰن ضلع جھنگ

الجواب

صورت مسئولہ میں مسمّٰی سلطان محمد پر مذکورہ منت کو پورا کرنا یا اس کی وصیت کرنا ضروری تھا، لقوله تعالیٰ: وليوفوا نذورهم (الآيه) اس حکم کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے وہ عنداللہ جوابدہ ہیں بلکہ مجرم و گنہگار ہیں، لہٰذا اولاد کا اخلاقی فرض ہے کہ والد کی رہائی کی صورت اختیار کریں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ: عن ابن عباسؓ قال اتى رجل النبى صلى الله عليه وسلم فقال ان اختى نذرت ان تحج وانها ماتت فقال النبى صلى الله عليه وسلم لو كان عليها دين اكنت قاضيه، قال: "نعم" قال فاقض دين الله فهو احق بالقضاء (مشکوٰۃ شریف، جلد ۱، صفحہ ۲۲۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۱۲/۲۳ھ

باب الایمان

﴿ماینعقد به الیمین وما لاینعقد به﴾

قرآن کریم کی قسم بھی شرعاً قسم ہے:

ایک یونین کمیٹی کے ممبران نے متفقہ طور پر قرآن مجید کو درمیان میں رکھ کر عہد کیا کہ ہم موجودہ چیئرمین کو ہٹانے کیلئے اور نئے چیئرمین کو منتخب کرنے کے لئے اکٹھے رہیں گے اور نئے چیئرمین کے انتخاب کے لئے فلاں صاحب کو ثالث مقرر کرتے ہیں ثالث کے فیصلے کو ہم سب بلا چوں وچراں تسلیم کریں گے۔

(۱)......کیا اس فیصلے کی پابندی ہر حال میں شرعاً ضروری ہے؟

(۲)......اگر اب کسی ممبر کو فیصلہ کے صحیح ہونے کا گمان باقی نہ رہے اور وہ معاہدہ کی پابندی نہ کرے تو اسکا کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد ذاکر اختر، ملتان

الجواب

فی الدرالمختار: قال العینی وعندی ان المصحف یمین لاسیما فی زماننا، وعند الثلاثة المصحف والقرآن وکلام اللّٰہ یمین (جلد۵، صفحہ۵۰۴۔۵۰۳)

ونقل فی الھندیة عن المضمرات "اما فی زماننا فیکون یمیناً وبه نأخذ ونأمر و

نعتقد ونعتمد وقال محمدابن مقاتل الرازی لوحلف بالقرآن قال یکون یمیناً وبه اخذ جمهور مشائخنا رحمهم اللّٰه تعالیٰ کذا فی المضمرات" (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۵۳)

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں قسم منعقد ہوگئی ہے، پس اگر کوئی ممبر اسکے خلاف کرے گا تو کفارہ لازم ہوگا۔......................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۶/۳/۲۸ھ

نابالغ بچے کے قرآن کریم پر قسم دینے سے شرعاً قسم نہ بنے گی:

ایک نابالغ بچے نے چوری کر لی والدین نے مناسب ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اس سے قرآن مجید پر ہاتھ رکھوا کر حلف لیا کہ آئندہ وہ چوری نہیں کرے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ بچہ اگر آئندہ چوری کر لے تو کوئی کفارہ وغیرہ لازم ہوگا؟ اگر لازم ہوا تو کس کے ذمہ لازم ہوگا۔ الغرض نابالغ کی قسم کا کیا حکم ہے؟ قسم لینے والا گنہگار تو نہ ہوگا؟

سائل ...... امجد علی، علی پور

الجواب

قسم کے صحیح ہونے کیلئے عقل، بلوغ، اسلام وغیرہ شرط ہے۔ ہندیہ میں ہے: اما شرائطها فی الیمین باللّٰه تعالیٰ ففی الحالف ان یکون عاقلاً بالغاً فلایصح یمین المجنون والصبی وان کان عاقلاً (الخ) (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۵۱)

الحاصل: قسم کھانے والا اور لینے والا شرعاً گنہگار نہیں۔ اور اس قسم کی خلاف ورزی پر کفارہ لازم نہ ہوگا کیونکہ یہ شرعاً قسم ہی نہیں بنی......................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۵/۲۷ھ

قرآن کریم پر صرف ہاتھ رکھنے سے جبکہ قسم کے الفاظ نہ ہوں شرعاً قسم نہیں بنتی:

زید اور عمرو دونوں الیکشن کے امیدوار ہیں زید اپنے ووٹ زیادہ حاصل کرنے کے لئے اپنے ووٹروں سے جبراً قسمیں اور وعدے لیتا ہے۔ اور قرآن پر ہاتھ رکھواتا ہے جبکہ ووٹر، عمرو کو اخلاقی اور مفاد عامہ کے لحاظ سے ووٹ کا صحیح مستحق سمجھتا ہے اور قرآن کو ہاتھ لگانے کی وجہ سے اپنے ووٹ کو صحیح استعمال کرنے سے جھجکتا ہے۔ اگر ووٹر مذکورہ وعدے کو چھوڑ کر صحیح اور مستحق کو ووٹ دے تو ازروئے شریعت اس کو قرآن پاک پر ہاتھ لگانے کی وجہ سے کفارہ ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟

سائل ...... علی محمد، رحیم یارخان

الجواب

اگر قرآن مجید پر ہاتھ لگانے کے ساتھ قسم بھی کھائی ہے تو خلاف قسم کرنے کی صورت میں کفارہ دینا پڑے گا دس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے (۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۶/۷/۱۳۸۴ھ

بغیر زبانی حلف کے صرف ہاتھ لگانے سے قسم نہیں ہوتی۔......الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

”قرآن سامنے رکھا ہے“ کہنے سے یا قرآن کی طرف اشارہ کرنے سے قسم نہیں بنتی:

زید نے عمرو سے کسی کام کے نہ کرنے پر عہد کیا اور قرآن مجید کی طرف اشارہ کر کے یوں

التخریج: (۱): وقال العینی: وعندی لو حلف بالمصحف او وضع یدہ علیہ وقال: وحق ھذا فھو یمین ولاسیما فی ھذا الزمان الذی کثرت فیہ الایمان الفاجرۃ ورغبۃ العوام فی الحلف بالمصحف اھ (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۰۴۔۵۰۳، ط: رشیدیہ، جدید) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کہا کہ دیکھو سامنے قرآن پڑا ہے میں یہ کام نہیں کروں گا۔ بعد میں اگر زید نے یہ کام کرلیا تو کفارہ لازم آئے گا یعنی اس طرح کہنے سے قسم بن جائے گی؟ سائل.....محمد رفیق، ملتان

الجواب

قرآن کریم کی طرف اشارہ کرنے سے یا سامنے قرآن پڑا ہے کہنے سے شرعاً قسم نہیں بنی کیونکہ قسم کے مخصوص الفاظ ہیں جبکہ یہ صورت ان میں سے نہیں..........فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
٣/١٢/١٤٢٨ھ

قرآن کریم پر لکھ دینے سے شرعاً قسم نہیں بنتی:

ایک شخص تندرست و باہوش وحواس قرآن مجید پر لکھ دیتا ہے کہ میں کسی قسم کا برا فعل نہیں کروں گا۔ کیا قرآن پر لکھ دینے سے قسم ہوئی یا نہیں؟ قسم کے توڑنے پر کفارہ عائد ہوگا یا نہیں؟ اور کفارہ کی تشریح فرمادیں۔ سائل ...... منظور احمد، ملتان

الجواب

محض اس طرح زبان سے عہد کرنے یا قرآن پاک پر لکھ دینے سے قسم کا انعقاد نہیں ہوگا جب تک اس کے ساتھ اس طرح کے کلمات نہ کہے اللہ کی قسم یا قرآن کی قسم ایسا نہیں کروں گا۔.......................... فقط واللہ اعلم

جن افعالِ قبیحہ سے بچنے کا عہد کیا ہے اور قرآن کریم پر لکھ دیا ہے اس سے بچنا لازم ہے ورنہ سخت وبال آئے گا۔.....والجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
٢٨/٣/١٣٩٣ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

''مجھے قرآن پاک کی مار پڑے'' کہنے کا حکم:

زوجین کے درمیان تلخ کلامی ہوئی، بیوی سورہی تھی تو شوہر نے غصہ میں آکر کہا کہ ''جاؤ فلاں شہر میں'' تو آگے سے بیوی نے کہا ''اگر میں اس شہر میں جاؤں تو مجھے قرآن کی مار پڑے'' تو اب بیوی اس شہر میں جانا چاہتی ہے۔اب کفارہ ادا کرے یا شریعت کی روشنی میں کوئی اور صورت ہے؟

سائل ...... محمد آصف، وہاڑی

الجواب

صورت مسئولہ میں بیوی کی کلام مہمل ہے۔ لہٰذا اس سے یمین منعقد نہ ہوگی۔(۱)

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۲/۱۱/۱۹ھ

قرآن کریم پر رقم رکھ کر فیصلہ کرنا:

مسمّٰی محمد ارشد نے احمد علی کا قرض دینا تھا احمد علی نے محمد ارشد سے قرض کا مطالبہ کیا جبکہ محمد ارشد کا خیال اور غالب گمان یہ تھا کہ احمد علی قرض پہلے وصول کر چکا ہے۔کافی بحث کے بعد محمد ارشد نے کہا کہ اگر تمہارا حق بنتا ہے اور تم سچے ہو تو میں قرآن پر رقم رکھ دیتا ہوں تم اٹھا لو۔ چنانچہ محمد ارشد نے قرآن پر رقم رکھ دی اور احمد علی نے اٹھا لی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جھگڑے کو ختم

التخریج: (۱) ...... وان فعله فعليه غضبه او سخطه او لعنة الله ...... لايكون قسما لعدم التعارف (الخ) (درمختار، جلد۵، صفحہ ۵۱۷، مکتبہ رشیدیہ جدید) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کرنے کیلئے ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے؟

سائل ...... عبدالرحمٰن، کوٹ ادو

الجواب

قرآن کریم پر رقم رکھنا اور اٹھانا قرآن کریم کے ادب کے خلاف ہے، تاہم رفع نزاع کے لئے مدعیٰ علیہ اگر قرآن کریم پر رقم رکھ کر کہہ دے اگر واقعی یہ تمہارا حق ہے تو قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر یہ رقم اٹھالو تو اس کی گنجائش ہے اگر اٹھانے والا جھوٹا ہوا تو اس پر وبال آئے گا۔ اس لئے جھوٹا شخص ہرگز نہ اٹھائے۔ (آپ کے مسائل جلد ۴، صفحہ ۲۷۶) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۲/۱۰ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانے کا حکم:

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانے کے ساتھ قسم ہو جاتی ہے؟ اور خلاف ورزی کرنے والے پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قسم کھانا شرعاً جائز ہے؟

سائل ...... احمد الرحمٰن، لاہور

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانا شرعاً جائز نہیں، اور اس سے قسم منعقد نہیں ہوتی، کیونکہ یہ بھی غیر اللہ کی قسم ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من کان حالفا فلیحلف باللّٰہ او لیصمت (مشکوٰۃ شریف، جلد ۱، صفحہ ۲۹۶)

وفی العالمگیریة: من حلف بغیر اللّٰه لم یکن حالفاً کالنبی علیه السلام والکعبة، کذافی الهدایه، (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۵۳) وفی الشامیة: ومن حلف بغیر اللّٰه تعالیٰ لم یکن حالفاً کالنبی والکعبة، لقوله علیه السلام: "من کان منکم حالفاً فلیحلف باللّٰه او لیذر" (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۰۳، ط: رشیدیہ جدید) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۶/۵/۲ھ

"تجھے خدا کی قسم" کہنے سے قسم نہ بنے گی البتہ اگر مخاطب تسلیم کر لے تو قسم بن جائے گی:

زید نے اپنی بیوی کو کسی واقعے کی خبر دی اور خبر دینے کے بعد اسے یوں کہا کہ "تجھے طلاق کی قسم یہ بات کسی کو بھی نہ بتانا" دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے قسم منعقد ہو جائے گی اور اگر زید کی بیوی نے اس معاملہ کی خبر کسی کو بتا دی تو کیا اسے طلاق ہو جائے گی؟

سائل......عبدالوہاب، رحیم یار خان

الجواب

اگر خاوند کے مذکورہ قول کے جواب میں بیوی نے کہا کہ ٹھیک ہے تو اس صورت میں شرط کی خلاف ورزی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور اگر بیوی نے سکوت اختیار کیا تعلیق کو قبول نہیں کیا تو مذکورہ بالا الفاظ کسی کے حق میں بھی تعلیق نہ ہوں گے۔

درمختار میں ہے: لو قال علیک عهد اللّٰه ان فعلت کذا فقال: "نعم" فالحالف المجیب (درمختار، جلد ۵، صفحہ ۷۲۱) اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ولا یمین علی المبتدئ وان نوی الیمین خانیة وفتح، ای: لاسناده الحلف الی المخاطب فلا یمکن ان یکون

الحالف غیرہ (الخ) (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۷۲۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۵/۳۰ھ

''خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزار ہوں'' کہنے کا حکم:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ'' آئندہ اگر میں تیرے میکے گیا تو میں خدا اور رسولؐ سے بیزار'' پھر اگر یہ شخص اس کے خلاف کر لے یعنی بیوی کے میکے چلا جائے تو کوئی کفارہ وغیرہ لازم ہوگا؟ سائل ...... محمد نافع، گڑھا موڑ

الجواب

جن چیزوں سے برأت شرعاً کفر ہے ان صورتوں میں حلف بن جائے گی۔

ہندیہ میں ہے: ولو قال ان فعلت کذا فانا بریٔ من القرآن او القبلة او الصلوة او صوم رمضان فالکل یمین هو المختار و کذا البرأة عن الکتب الاربعة و کذا کل ما یکون البرأة عنه کفراً کذا فی الخلاصة (جلد ۲، صفحہ ۵۳)

لہٰذا صورت مسئولہ میں قسم منعقد ہوگئی ہے .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۵/۵ھ

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا بھی قسم ہے:

زید ایک امام مسجد تھا ایک بداخلاق نمازی نے اس کے سامنے سخت الفاظ استعمال کیے

زید کو رنج وغم ہوا اور امامت چھوڑ دی۔ مقتدیوں نے مل کر امام سے معافی چاہی اور امامت کی درخواست کی زید نے امامت سے انکار کر دیا اور یہ الفاظ بھی کہے کہ ''میرے لئے اس مسجد میں امامت کرنا حرام ہے، اور جہاں مرضی چاہوں گا امامت کروں گا'' لوگ اب بھی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا زید کیلئے اس مسجد میں امامت کرنا جائز ہے؟

سائل ...... عبدالسلام، سکھر

الجواب

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کو شریعت میں قسم کہتے ہیں۔ تو شخص مذکور نے جب مسجد کی امامت کو اپنے اوپر حرام کیا تو یہ اس کی قسم بن گئی، تو جب یہ اپنی اس قسم کے خلاف کرے گا یعنی مسجد مذکور میں امامت کرے گا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر قسم توڑنے کا کفارہ آئے گا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے، اور اگر اتنی ہمت نہ ہو تو تین روزے رکھ لے۔ لما فی العالمگیریة: تحریم الحلال یمین کذا فی الخلاصة، فمن حرم علی نفسه شیئاً ممّا یملکه لم یصر محرما ثم اذا فعل مما حرمه قلیلا او کثیرا حنث و وجبت الکفارة کذا فی الهدایة (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۵۵)...... فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۸/۶/۵ھ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

قسم سے رجوع نہیں ہوسکتا:

ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ اگر میں زنا کروں تو میری بیوی کو تین طلاق اور اگر نماز جان بوجھ کر قضاء کروں تو میری عورت کو تین طلاق۔ اب یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ اگر وہ زنا کرے یا جان

بوجھ کر نماز چھوڑے تو اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی اس لئے اب ''قاسم مذکور'' شدید پریشان ہے اور اس کا خیال یہ ہے کہ میں نے اس طرح کی قسم اٹھا کر بہت بڑی غلطی کی ہے کیونکہ کبھی نہ کبھی انسان سے ایسا جرم ہو ہی جاتا ہے کبھی نہ کبھی نماز چھوٹ ہی جاتی ہے۔ اس لئے ''قاسم مذکور'' اس قسم کو واپس لینا چاہتا ہے خواہ ''کفارے'' کے ذریعے ہو یا کسی بھی اور طریقے سے ہو یہ قسم اس سے ہٹ جائے۔ واضح رہے کہ قاسم مذکور کا ارادہ ان جرائم کے ارتکاب کا نہیں بلکہ وہ ان جرائم سے پکی توبہ کر چکا ہے کہ وہ کبھی نماز نہیں چھوڑے گا اور زنا کا مرتکب نہیں ہوگا لیکن اس کو یہ خطرہ دامن گیر ہے کہ کبھی نہ کبھی نماز چھوٹ جائے گی مجبوری کی وجہ سے اور بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اس لئے شدید پریشان ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ قسم اسکے سر سے اتر جائے۔

سائل ...... محمد حسین، بہاولنگر

الجواب

قسم کھانے کے بعد اسے واپس نہیں لیا جا سکتا[1]۔ سائل قسم کا بوجھ خواہ مخواہ اپنے ذمہ محسوس کر رہا ہے اس میں کوئی بار نہیں ہونا چاہیے کہ جب ترک نماز اور زنا کا ارادہ ہی نہیں، جیسا کہ ایک مسلمان کی شان ہے تو اس قسم کا بقاء کیونکر مضر ہے۔ نماز اگر بھول کر قضاء ہو جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ قصداً ترک نہیں۔ اور زنا کوئی بھول کر ہونے والی چیز ہی نہیں کہ غیر اختیاری طور پر اس کا صدور ہو جائے۔ پس حالف کو خواہ مخواہ پریشانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ ......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۰/۴/۱۷ھ

التخریج: (۱)......لا رجوع فی الیمین (ہدایہ، جلد۲، صفحہ۴۸۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

قسم اٹھاتے وقت متصلاً ''انشاء اللہ'' کہہ دیا تو یمین منعقد نہ ہوگی:

بعض اداروں میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی نیا ملازم رکھتے ہیں تو اس سے ایک حلف نامہ پر دستخط کرا لیتے ہیں کہ میں قوانین کی خلاف ورزی نہ کروں گا اور کام میں سستی نہیں کروں گا وغیرہ وغیرہ، اب سوال یہ ہے کہ اس طرح حلف لینا درست ہے حالانکہ کام میں سستی وغیرہ ہو جانے کا احتمال ہر حال میں ہوتا ہے، اس کے باوجود بھی اس طرح کا حلف دے دینا چاہیے؟

سائل ...... محمد خالد، ملتان

الجواب

اگر ایسے ادارے مذکورہ حلف نامہ کے بغیر ملازم نہیں رکھتے اور اس ملازم کی نیت مذکورہ حلف کو نبھانے کی ہے تو ایسی مجبوری کی صورت میں حلف نامہ تحریر کرنے کی گنجائش ہے تاہم ملازم کو چاہیے کہ زبانی یا تحریری طور پر متصلاً انشاء اللہ کہہ دے تاکہ خلاف ورزی سے گنہگار نہ ہو۔

لقوله عليه السلام :من حلف على يمين فقال ان شاء الله فلا حنث عليه (مشکوٰۃ شریف، جلد ۱، صفحہ ۲۹۷) ولما في الشامية: ويشترط خلوّها عن الاستثناء بنحو انشاء الله (الخ) (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۴۹۰) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۶/۹/۸ھ

''ایمان سے ایسا نہیں کروں گا'' کہنے کا حکم:

''بحق ایمان'' کہنے سے قسم نہیں بنتی:

(۱)......عام طور پر لوگ دورانِ گفتگو مخاطب کو یقین دلانے کے لئے ایمان کی قسم اٹھاتے ہیں کہ ''ایمان سے ایسا نہیں کروں گا'' شرعاً ایمان کی قسم اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)......بحق ایمان بحق رسول ایسا نہیں کروں گا۔ کیا اِن الفاظ سے قسم بنے گی؟
سائل ...... محمد عدنان، فیصل آباد

الجواب

(۱)......یہ قسم بھی غیر اللہ کی قسم ہے اور غیر اللہ کی قسم سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔
مشکوٰۃ شریف میں ہے: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من كان حالفاً فليحلف باللّٰه اوليصمت (مشکوۃ، جلد ا،صفحہ ۲۹۶) وفيه ايضاً: عن ابن عمر رضى اللّٰه عنه قال سمعت رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم من حلف بغير اللّٰه فقد اشرك، رواه الترمذى (مشکوۃ،صفحہ ۲۹۶)

مذکورہ الفاظ بدوں نیت، یمین شمار نہ ہوں گے، ہندیہ میں ہے: لو قال لا اله الا اللّٰه لافعلنّ كذا فليس بيمين الا ان ينوى يميناً وكذالك سبحان اللّٰه واللّٰه اكبر لافعلن كذا، كذا فى السراج الوهاج (جلد ۲،صفحہ ۵۵) وكذا فى الشاميه: (جلد ۵،صفحہ ۵۲۱)
(۲)......اگر کسی نے بحق رسول یا بحق ایمان وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے تو یہ صورت شرعاً قسم شمار نہ ہوگی۔ ہندیہ میں ہے: لو قال بحق الرسول او بحق الايمان او بحق القرآن ...... لايكون يميناً (جلد ۲،صفحہ ۵۵)......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۵/۲۷ھ

''اللہ کے نزدیک یہ بات اس طرح ہے'' کہنے کا حکم:

ایک شخص اسطرح قسم اٹھاتا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہ بات یوں ہے آیا یہ الفاظ کہنے سے قسم ہوجاتی ہے یا نہیں؟ سائل ...... فیض اللہ

الجواب

صورت مسئولہ میں اس طرح کہنے سے قسم منعقد نہیں ہوئی۔

لما فی الجوهرة النيرة: وعلم الله فانه لايكون يمينا (جلد۲،صفحہ۲۷۴)

وفی الخانية: ولو قال وعلم الله لاافعل كذا عندنا لايكون يميناً (خانیہ علی ہامش الہندیہ، جلد۲، صفحہ۳) وهكذافی البدائع الصنائع: كذا وعلم الله لايكون يميناً استحساناً (جلد۳،صفحہ۱۲)......................فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۰/۶/۲۵ھ

''اگر میں فلاں کام کروں تو شفاعت سے محروم رہوں'' کہنے کا حکم:

ایک شخص نے اپنے آپ کو ایک فعلِ ناپسندیدہ سے روکنے کے لئے یوں قسم اٹھائی کہ ''اگر میں فلاں کام کروں تو مجھے قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو، میں شفاعت سے محروم رہوں'' کیا اس طرح قسم بن جائے گی اگر اس نے وہ کام کرلیا تو کیا شفاعت سے محروم ہو جائے گا؟ نیز کیا ''کفارہ'' بھی ادا کرنا پڑے گا؟

سائل ...... محمد طارق، فیصل آباد

الجواب

اس قسم کے الفاظ زبان پہ لانا ہرگز مناسب نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا تو ہمیں سہارا ہے ہمارے عمل نہ تو قبولیت کے لائق ہیں اور نہ ہی بخشش کا ذریعہ بننے کے قابل ہیں لہٰذا اس قول سے ضرور توبہ کریں۔ باقی ان الفاظ سے قسم بنے گی یا نہیں تو درمختار میں تصریح ہے کہ یہ الفاظ قسم نہیں ہیں۔ وفی انا بریئ من الشفاعة ليس

بیمین (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۱۵) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۱۲/۱۰ھ

"اگر میں فلاں کام کروں تو نبی کا امتی نہیں" کہنے کا حکم:

مسمّٰی احسن اقبال کی بات بات میں گالی دینے کی عادت تھی اس سے کسی نے عہد لیا کہ آئندہ تم گالی نہ دو گے اس نے ان الفاظ سے وعدہ کیا "آئندہ اگر میں گالی دوں تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نہیں" دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اس کے بعد وہ کوئی گالی دیدے تو شرعاً کوئی کفارہ وغیرہ اس پر لازم ہے؟ اور کیا وہ امت سے خارج ہو جائے گا؟

سائل ...... محمد ساجد، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں قسم منعقد ہوگئی ہے لہٰذا خلاف ورزی پر قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

لما فی الدر المختار: ولو تبرأ من احد هما (ای من النبی والقرآن والقبلة) فیمین اجماعاً (الخ) (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۵۰۴)............................ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۷/۲۲ھ

"اگر میں فلاں گھر کی چیز کھاؤں تو ایسے ہے جیسے سور کھاؤں" کہنے کا حکم:

محمد عبدالغفار کی اپنے بھائی منظور احمد سے رنجش تھی، ایک مرتبہ منظور احمد کے گھر سے کوئی

چیز آئی ہوئی تھی۔ عبدالغفار کو کھانے کی دعوت دی گئی تو اس نے یوں کہا کہ ''اگر اس گھر کی کوئی چیز کھاؤں تو میرے لئے ایسے ہے جیسے سور کھاؤں'' بعد میں صلح نامہ ہو گیا ہے۔ اب کیا عبدالغفار منظور احمد کے گھر سے کوئی چیز کھا سکتا ہے؟

سائل ...... احمد فہیم، کوئٹہ

الجواب

خط کشیدہ کلمات کہنے سے شرعاً قسم نہیں بنی۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے: وکذا (لایکون یمیناً) اذا قال ان فعلت کذا فانا زان او سارق او شارب خمر او اکل ربوا (جلد ۲، صفحہ ۴۷۹) لہٰذا منظور احمد کے گھر سے آنے والی ہر جائز اور حلال چیز استعمال کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔.................................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۸/۱۴۲۶ھ

''اگر میں فلاں کام نہ کر سکا تو اپنے آپ کو کافر سمجھوں گا'' کہنے کا حکم:

اگر کوئی شخص اسطرح قسم اٹھائے کہ ''اگر یہ کام وقت پر نہ کرسکوں تو اپنے آپ کو کافر سمجھوں گا'' تو اس بارے میں کیا رائے ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا یا قسم کا کفارہ دے کر اسے برأت حاصل ہو جائے گی؟ یا اس کی کوئی اور صورت ہے؟

سائل ...... عبداللطیف، جھنگ

الجواب

فی العالمگیریۃ: ولو قال ان فعل کذا فھو یھودی او نصرانی او مجوسی او بریٔ من الاسلام او کافر اویعبد من دون اللّٰہ اویعبد الصلیب او نحو ذالک مما یکون اعتقادہ

کفراً فهو يمين استحساناً كذا في البدائع حتى لو فعل ذالك الفعل يلزمه الكفارة، وهل يصير كافراً؟ اختلف المشائخ فيه قال شمس الائمة السرخسي والمختار للفتوىٰ انه ان كان عنده انه يكفر متى اتى بهٰذا الشرط ومع هذا اتى يصير كافراً لرضاه بالكفر وكفارته ان يقول "لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه" .... اذا حلف بهٰذه الالفاظ على امر في المستقبل (الخ) (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۵۴)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ حلف منعقد ہو جائے گی اور حانث ہونے کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا اور کفارہ یہ ہے کہ احتیاطاً تجدید ایمان کرے اور دس مساکین کو صبح و شام کھانا کھلائے۔

.... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۳/۳/۱۵ھ

صرف خیالی پلاؤ سے قسم نہیں بنتی جب تک کہ زبان سے تکلم نہ کرے:

زید نے دل ہی دل میں قسم اٹھائی کہ "اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق" لیکن زبان سے کوئی لفظ ادا نہیں کیا۔ تو اس سے قسم منعقد ہو جائے گی یا نہیں؟ اور کیا خلاف ورزی کرنے پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

سائل ...... حبیب احمد، فیصل آباد

الجواب

خیالی پلاؤ کا کوئی اعتبار نہیں۔ قسم یا تعلیق اس وقت بنے گی جب تلفظ ہوگا۔

ہندیہ میں ہے: واما ركن اليمين باللّٰه تعالى فذكر اسم اللّٰه وصفته .... واما في

الیمین بغیر اللّٰہ تعالیٰ ففی الحالف..........وفی نفس الرکن ما ذکرفی الیمن باللّٰہ تعالیٰ (جلد ۲، صفحہ ۵۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۱۱/۱۴۲۸ھ

''فلاں چیز سے میری توبہ'' کہنے سے شرعاً قسم نہیں بنتی:

ایک آدمی گھی کے ساتھ روٹی کھا رہا تھا دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ گھی کھاتا ہے کام نہیں کرتا تو گھی کھانے والے شخص نے کہا کہ میری گھی کھانے سے توبہ ہے اب یہ گھی کھانے والا کہتا ہے کہ میں نے توبہ صرف اس ڈبہ میں موجود گھی سے کی تھی نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور گھی سے اور اس معین ڈبہ والے گھی سے دوبارہ اس نے گھی نہیں کھایا۔ اب اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سائل ...... فیاض احمد، تونسہ شریف

الجواب

لفظِ ''توبہ'' الفاظِ حلف میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں وہ گھی معین اور غیر معین کھا سکتا ہے۔..........................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۲/۵/۱۴۲۵ھ

کلمہ پڑھ کر کوئی بات کہنے سے قسم بنے گی یا نہیں؟

اگر کوئی انسان کسی کام کو نہ کرنے کے بارے میں کلمہ پڑھ لے اور بعد میں وہ کام اس

سے ہو جائے تو کیا اس کا کفارہ دینا لازم ہوگا؟

سائل.....عمر فاروق منچن آبادی

الجواب

حلف کی نیت سے کلمہ شریف پڑھ کر کوئی بات کہی تو یہ شرعاً حلف بن جائے گی لہٰذا خلاف ورزی کی صورت میں کفارہ دینا لازم ہوگا۔لما فی الھندیۃ:لو قال لاالٰہ الااللّٰہ لافعلنّ کذا فلیس بیمین الا ان ینوی یمیناً(عالمگیریہ،جلد۲،صفحہ۵۵)..... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس،ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس،ملتان
۱۴۲۴/۲/۲۳ھ

''بخدا میں فلاں کام نہیں کروں گا'' کہنے سے قسم بن جائے گی:

ایک شخص نے دوران گفتگو ایسے کہہ دیا کہ ''بخدا میں فلاں کام نہیں کروں گا'' حالانکہ اس کا قسم کا ارادہ اور نیت بھی نہیں تھی۔کیا بخدا کہنے سے قسم بن جائے گی اور اگر مذکورہ شخص نے وہ کام کرلیا تو کفارہ لازم ہوگا؟

سائل .....عبدالرحمٰن،سمیجہ آباد ملتان

الجواب

بخدا کہنے سے قسم بن جائے گی کیونکہ یہ واللہ کے مترادف ہے۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس،ملتان
۲۵/۷/۱۴۲۸ھ

کیا قبلہ کی طرف منہ کر کے کوئی بات کہنے سے شرعاً قسم منعقد ہو جائے گی؟

زید نے عمرو سے کسی کام کے چھوڑنے پر عہد لیا اور یوں کہا کہ تم خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے کہو کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا۔ عمرو نے قبلہ کی طرف منہ کر کے کہہ دیا کہ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً اس طرح قسم بن جائے گی؟ اور خلاف ورزی پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم ہوگا؟

سائل ...... سیّد عبدالرحمٰن شاہ، سرگودھا

الجواب

قبلہ کی طرف منہ کر کے کہنے سے شرعاً قسم نہیں بنتی۔ کیونکہ جب کعبہ کی قسم کھانا شرعاً قسم نہیں تو اس کی طرف منہ کر کے صرف کہہ دینے سے کیسے قسم بنے گی۔ ہندیہ میں ہے: من حلف بغیر اللہ لم یکن حالفاً کالنبی علیہ السلام والکعبۃ کذا فی الھدایہ (جلد۲، صفحہ۵۳)

لہٰذا خلاف ورزی کرنے پر کفارہ واجب نہیں ہوگا .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۷/۷/۷ھ

بچوں کی قسم کھانا شرعاً قسم ہے یا نہیں؟

زید نے ایک مرتبہ دوران گفتگو یہ کہہ دیا کہ مجھے بچوں کی قسم میں فلاں کاروبار نہیں کروں گا۔ لیکن اب وہ یہ کاروبار کرنا چاہتا ہے لیکن پریشان ہے کہ اس ''قسم'' کے خلاف کرنے سے بچوں کو کوئی نقصان تو نہیں ہوگا۔ اس کے کفارے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

سائل ...... احمد حسن، ملتان

الجواب

بچوں کی قسم کھانا شرعاً گناہ ہے لہٰذا توبہ استغفار کریں مذکورہ قسم شرعاً قسم نہیں۔

لما في الدر المختار: لايقسم بغير الله تعالى كالنبي ...... والكعبة، وفي الشامية: ومن حلف بغير الله تعالى لم يكن حالفاً كالنبي والكعبة، لقوله عليه السلام "من كان منكم حالفاً فليحلف بالله او ليذر" (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد۵، صفحہ۵۰۳)

لہٰذا خلاف ورزی پر کچھ واجب نہیں ہوگا جو کاروبار کرنا چاہتے ہیں کریں انشاء اللہ نقصان نہ ہوگا.................................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۷/۵/۱۰ھ

''تمہارے گھر جاؤں تو خنزیر کھاؤں'' کہنے کا حکم:

اگر خالد نے ناراضگی کی حالت میں بکر سے کہا ''اگر تمہارے گھر جاؤں تو خنزیر کھاؤں'' آیا ان الفاظ سے قسم بن گئی اگر خالد، بکر کے گھر چلا گیا تو کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد ناصر، رحیم یار خان

الجواب

مذکورہ الفاظ زبان پر لانے سے قسم نہیں بنی۔ ہندیہ میں ہے: لو قال هو ياكل الميتة ان فعل كذا، لايكون يميناً وكذالك اذا قال هو يستحل الميتة اويستحل الخمر والخنزير لايكون يميناً الخ (جلد۲، صفحہ۵۵).................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۵/۲۷ھ

کسی کے دباؤ یا جبر کی وجہ سے جو قسم کھائی تو وہ بھی شرعاً قسم ہے:

اگر کوئی آدمی کسی عظیم گناہ (چوری) کرنے میں مبتلا ہو اور عرصہ دراز سے ایسے کر رہا ہو اور پھر کسی جابر شخص کو علم ہونے پر اس گنہگار آدمی کو کہے کہ تو ایسا گناہ چھوڑ دے ورنہ میں آپ کی شہرت کر کے آپ کو بدنام کروں گا۔ تو اس ڈر کی وجہ سے ایک دفعہ بلکہ دو دفعہ قرآن مجید اور اللہ کی چار قسمیں زبانی کھائیں اور دل سے اس گناہ کی توبہ نہیں کی اور جابر شخص کو مطمئن کرنے کیلئے چار دفعہ کئی کئی مہینوں کے وقفے سے قسمیں کھاتا رہا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان قسموں کا کفارہ کیا ہوگا؟ (نوٹ) توبہ کرنے کے بعد بھی وہ گناہ کرتا رہا۔

سائل ...... احسان احمد، جھنگ

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں قسم کا کفارہ دینا ہوگا کہ غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلائے یا ان کو اتنا کپڑا پہنائے کہ اکثر بدن ڈھک جائے۔ اور اگر اتنی رقم نہ ہو تو لگا تار تین روزے رکھے۔ لما فی الدرالمختار: وکفارته...... تحریر رقبة او اطعام عشرة مساكين...... او كسوتهم بما ...... يسترعامة البدن ...... وان عجز عنها كلها وقت الاداء...... صام ثلاثة ايام ولاء (الدرالمختار جلد ۵، صفحہ ۵۲۳، ط: رشیدیہ)

نیز صورت مسئولہ میں جتنی قسمیں کھائی ہیں اتنے ہی کفارے واجب ہوں گے۔

فی التجرید: عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ اذا حلف بایمان علیه لکل یمین کفارة والمجلس والمجالس سواء (فتح القدیر، کتاب الایلاء، جلد ۴، صفحہ ۴۹)

وفی الدرالمختار: وتتعدد الکفارة لتعدد الیمین (جلد ۵، صفحہ ۵۰۵)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ: محمد ابوالدرداء عفی عنہ
متخصص فی الفقہ
۱۴۱۹/۹/۲۲ھ

احتیاط اسی میں ہے کہ کفارے متعدد ادا کئے جائیں۔...... والجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

"اگر زنا کروں تو کافر ہو جاؤں" کہنے کا حکم:

ایک آدمی نے قسم کھائی کہ "اگر میں دوبارہ زنا کروں تو کافر ہو جاؤں" اس کے بعد اس نے دوبارہ زنا کرلیا۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے آیا وہ کافر ہو جائے گا یا قسم کا کفارہ آئے گا؟

سائل ...... محمد عاصم

الجواب

اگر قسم کھاتے وقت اس کے ذہن میں یہ تھا کہ اگر میں نے زنا کیا تو واقعۃً کافر ہو جاؤں گا تو اب تجدید ایمان بھی ضروری ہے اور اگر یہ بات تھی کہ اگر کر بھی لیا تو کافر تو نہیں ہوں گا بلکہ صرف سختی کے لئے ایسا کہہ رہا ہوں۔ تو اس صورت میں تجدید ایمان کی ضرورت نہیں البتہ کفارہ ضرور اداء کرنا ہوگا۔ ولو قال ان فعل كذا فهو يهودي او نصراني او مجوسي او برئ من الاسلام او كافر او يعبد من دون الله او يعبد الصليب او نحو ذالك مما يكون اعتقاده كفراً فهو يمين استحساناً كذا في البدائع، حتى لو فعل ذالك الفعل يلزمه الكفارة وهل يصير كافراً؟ اختلف المشائخ فيه قال شمس الائمة السرخسيؒ والمختار للفتوى انه ان كان عنده انه يكفر متى اتى بهذا الشرط ومع هذا اتى يصير كافراً لرضاه بالكفر وكفارته ان يقول لا اله الا الله محمد رسول الله وان كان عنده انه اذا اتى بهذا الشرط لايكون كافراً لايكفر (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۵۴) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۰۱/۵/۹ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

"اگر میں نے فلاں کام کیا تو دین واسلام سے خارج" کہنے کا حکم:

زید نے قسم اٹھائی کہ "آئندہ اگر میں فلاں کام کروں تو دین واسلام سے خارج ہو

جاؤں'' سوال یہ ہے کہ زید اگر آئندہ وہ کام کرلے تو کافر تو نہیں ہو جائے گا اگر نہیں تو کفارہ وغیرہ لازم ہوگا؟ سائل ...... احمد بخش، ملتان

الجواب

لوقال ان فعل كذا فهو يهودى ...... او برئ من الاسلام...... او نحو ذالک مما يكون اعتقاده كفر فهو يمين استحساناً (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۵۴)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں یمین بن جائے گی اور کفارہ واجب ہوگا۔ مذکورہ بالا کلمہ کہنے پر تکفیر ہوگی یا نہیں اس کا مدار اس پر ہے کہ قائل کا اعتقاد اگر یہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے پھر تو کفر کا حکم لگے گا بصورت دیگر تکفیر نہ ہوگی۔

ہندیہ میں ہے: هل يصير كافراً؟ اختلف المشائخ فيه قال شمس الائمة السرخسيؒ: والمختار للفتوى انه ان كان عنده انه يكفر متى اتى بهٰذا الشرط ومع هٰذا اتى يصير كافراً لرضاه بالكفر وكفارته ان يقول لا اله الا الله محمد رسول الله وان كان عنده انه اذا اتى بهٰذا الشرط لايصير كافراً لايكفر (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۵۴) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۹ھ

جذباتی آدمی کی قسموں کا حکم:

زید ایک جذباتی آدمی ہے معمولی سی بات پر جذبات میں آجاتا ہے اور قسم کھالیتا ہے۔ کبھی وہ کہتا ہے کہ '' خدا کی قسم فلاں نے جو مجھ پر ظلم کیا ہے میں اس کو ثابت کروں گا'' کبھی کہتا

ہے ''خدا کی قسم فلاں کو اس کا حق دلاؤں گا'' کبھی کہتا ہے ''خدا کی قسم چور کو ڈھونڈ کر چھوڑوں گا'' وغیرہ وغیرہ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح قسم کھانا جائز ہے؟ حالانکہ بعض اوقات زید وہ کام پورا بھی نہیں کرسکتا۔ کیا اگر کام پورا کرنہ سکے تو کفارہ دینا لازم ہوگا؟

سائل ...... محمد انور، ملتان

الجواب

نیک مقصد کیلئے سچی قسم اٹھانا شرعاً جائز ہے چونکہ مذکورہ امور کا تعلق مستقبل سے ہے اور کسی وقت کا تعین ہے نہیں، اس لئے حنث کا حکم زندگی کے آخری لمحات میں جاری ہوگا۔

شامیہ میں ہے: کل فعل حلف ان یفعله فی المستقبل واطلقه ولم یقیده بوقت لم یحنث حتی یقع الیأس عن البِرّ مثل لیضربن زیدا او لیعطین فلانة او لیطلقن زوجته وتحققُ الیأسِ عن البِرّ یکون بفوت احدهما (الخ) (شامیہ جلد ۵، صفحہ ۵۷۲)

ایسے شخص کو چاہیے کہ ایسی قسموں کو شمار کر کے ان کے کفارے کی وصیت کردے اور آئندہ بغیر کسی سخت مجبوری کے قسم نہ اٹھائے۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۲/۱۰ھ

دو گھروں سے نہ کھانے کی قسم کھائی تو یہ دو قسمیں ہوں گی یا مجموعہ ایک قسم بنے گی؟

زید نے ناجائز رسموں کی بناء پر دو گھروں کے بارے میں یہ قسم اٹھائی ''کہ ان دو گھروں سے کچھ کھاؤں پیوں گا نہیں جب تک کہ آئندہ اس قسم کی کسی ہونے والی تقریب پر مخصوص رسموں سے اجتناب نہ کیا جائے'' بعد میں زید نے ایک گھر سے کچھ کھا پی لیا اور دوسرے گھر سے اب تک کچھ

نہیں کھایا۔ قابل دریافت امور یہ ہیں!

(الف)......زید کی دو قسمیں ہوئیں یا ایک ہوئی؟

(ب)......صورت مسئولہ میں زید کی قسم ٹوٹ گئی یا دوسرے کے گھر سے کھانے کے بعد ٹوٹے گی؟

(ج)......اگر زید اب کفارہ دیدے تو یہ کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اور دوسرے گھر سے کھانے کے بعد دوسرا کفارہ دینا پڑے گا؟

(د)......زید اگر دوسرے گھر والوں سے بھی کھا پی لے اور ایک کفارہ دیدے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

سائل......محمد یونس، ہزارہ

الجواب

اگر حرف نفی کو مکرر ذکر کیا ہے اس طرح سے کہ ''میں نہ فلاں کے گھر سے کھاؤں گا نہ فلاں کے گھر سے کھاؤں گا'' تو یہ دو قسمیں ہوں گی۔ اور اگر حرف نفی کو مکرر نہیں کیا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو ایک قسم ہو گی۔ پھر اگر ان میں سے ایک گھر سے بھی کھا لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور دوسرے کے گھر سے کھانے سے قسم دوبارہ نہیں ٹوٹے گی۔ كذا في رد المحتار: وفي مجموع النوازل وكذا كلام فلان وفلان عليَّ حرام يحنث بكلام احدهما وكذا كلام اهل بغداد الى قوله: واذا كرر ''لا'' فانه يصير يمينين كما سنذكره في بحث الكلام عن الواقعات (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۵۳۲)...............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

مہتمم خیر المدارس، ملتان ۱۳۸۸/۸/۴ھ

پنچائیت یا عدالت میں جھوٹی قسم اٹھانے کا حکم:

اگر کوئی شخص عدالت یا پنچائیت وغیرہ میں جھوٹی قسم اٹھا کر گواہی دے اور بعد میں گناہ کا

احساس ہوتو اس جھوٹی قسم کا شرعاً کوئی کفارہ لازم ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عبداللہ، ملتان

الجواب

جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھانا ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے جو انسان کو تباہ کرنے والے ہیں اس لئے بارگاہ الٰہی میں رو رو کر توبہ کرتا رہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن عبداللّٰہ ابن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الکبائر الاشراک باللّٰہ ...... ویمین الغموس رواہ البخاری (جلد ۱ صفحہ ۱۷)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں حدیث پاک "اجتنبوا السبع الموبقات" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقال الشیخ ابوطالب المکی الذی هو اصل احیاء العلوم للغزالی قد جمعت جمیع الاحادیث الواردة فی هذا الباب فوجدت سبعة عشر، اربعة فی القلب......... واربعة فی اللسان شهادة الزور، وقذف المحصن والیمین الغموس و السحر (الخ) (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۲۳)

ایسی قسم کو یمین غموس کہا جاتا ہے غموس کا معنی غوطہ لگانے کا ہے جھوٹی قسم کھانے والے نے گویا گناہ کے سمندر میں غوطہ لگالیا۔ اس قسم کا علاج توبہ استغفار ہے کفارہ شرعاً واجب نہیں۔

ہندیہ میں ہے: هو الحلف علی اثبات شئ او نفیه فی الماضی او الحال یتعمد الکذب فیه فهٰذہ الیمین یأثم فیها صاحبها وعلیه فیها الاستغفار والتوبة دون الکفارة (جلد ۲، صفحہ ۵۲) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۱۰/۱۰ھ

جھوٹی شہادت کی ایک خاص صورت کا حکم:

تین شخصوں نے طلاقیں اٹھائیں کہ زید نے سحری کے وقت عمرو پر گرنیڈ پھینکا اور ہم نے بچشم خود دیکھا اگر اس بات میں ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر اپنی عورتیں تین تین طلاق سے حرام ہوں ملزمان کے ان طلاقوں کے بعد چالان ہو گئے لیکن بالائی عدالت میں وہ بری ہو گئے۔ اب کئی اشخاص ہیں جو گواہی دینا چاہتے ہیں کہ ان اشخاص نے جھوٹی طلاقیں اٹھائی ہیں مثلاً گرنیڈ پھینکنے کے وقت یہ اشخاص محل وقوع میں نہ تھے اور انہوں نے بچشم خود دیکھنے کی طلاق غلط اٹھائی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ عرصہ تین سال گذر گیا وہ ہر سہ اشخاص زوجیت کے تعلقات اپنی عورتوں سے رکھتے ہیں اور یہ گواہ جو بوجہ ''ڈر'' یا ''لاعلمی'' خاموش رہے اور اب گواہی دینا چاہتے ہیں۔ کیا ان کی گواہی قبول ہوگی یا رَد ہو جائے گی اور کیا ان کی عورتوں پر طلاق پڑے گی یا نہیں؟

سائل ...... غلام زین الدین، میانوالی

الجواب

جب تک یہ تینوں اشخاص اپنے آپ کو خود نہیں جھٹلاتے اور یہ اقرار نہیں کرتے کہ ہم نے جھوٹی گواہی دی ہے تب تک یہ جھوٹے متصور نہیں ہوتے اور ان کی عورتوں پر طلاق نہیں پڑتی لیکن اگر ان کی عورتوں کو یقین ہو جائے کہ ان کے خاوندوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر طلاقیں دیدی ہیں تو شرعاً ان کو یہ اجازت ہے کہ وہ ان کے پاس نہ رہیں اور اپنے اوپر ان کو جماع کی قدرت نہ دیں۔

من ظهر انه شهد بزور بان اقر على نفسه ولم يدع سهواً او غلطاً كما حرره ابن الكمال لايمكن اثباته بالبينة لانه من باب النفى (درمختار، باب الشہادۃ علی الشہادۃ، جلد ۸، صفحہ ۲۶۲، ط: رشیدیہ)............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۸/۶/۱۳ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بن دیکھے قسم اٹھانا گناہ کبیرہ ہے خواہ واقعہ کا یقین ہی کیوں نہ ہو:

ہمارے ایک پڑوسی نے ایک چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور یقیناً وہ چور تھا لیکن معاملے کو میں نے آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا تاہم عدالت میں مجھے گواہی دینی پڑی اور میں نے حلفاً کہہ دیا کہ میں نے اسے چوری کرتے دیکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک مجرم کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لئے اور برائی کے خاتمے کیلئے جھوٹی قسم کھانا جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو اس کا کفارہ وغیرہ لازم ہے؟

سائل ...... محمد یٰسین، خانیوال

الجواب

صورت مسئولہ میں بن دیکھے قسم اٹھانا گناہ کبیرہ ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے: الکبائر الاشراک باللّٰہ وعقوق الوالدین...... والیمین الغموس، رواہ البخاری (صفحہ ۱۷ جلد ۱)

مجرم کو انجام تک پہنچانے اور برائی کے خاتمے کی نیت اسے جائز نہیں کر سکتی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

جان بچانے کیلئے جھوٹی قسم اٹھانے کی گنجائش ہے:

ایک آدمی کے بچوں کی عزت اور گھر کی عزت کا سوال ہے اور اس کو ان سب چیزوں کی عزت، تحفظ اور بھلائی کے لئے قرآن کی جھوٹی قسم اٹھانی پڑے اس صورت میں کہ اس طرح سے اس کی جان اور گھر کی عزت بچ جائے۔ تو کیا اس چیز کا کفارہ ہے یا نہیں؟

سائل ...... توصیف امجد، خان بیلہ

الجواب

اپنی یا بیوی بچوں کی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنے کی شرعاً اجازت ہے۔ واعلم ان الکذب قد یباح وقد یجب ...... وواجب ان وجب تحصیله کما لورأی معصومًا اختفیٰ من ظالم یرید قتله او ایذائه فالکذب هنا واجب (شامیہ، جلد۹، صفحہ۷۰۵،)

تاہم مذکورہ قسم یمین غموس ہے اس پر شرعاً کفارہ نہیں۔ وهی غموس ان حلف علی کاذب ......ویاثم بها فتلزمه التوبة اذ لاکفارة فی الغموس یرتفع بها الاثم فتعینت التوبة للتخلص منه (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد۵، صفحہ۴۹۳۔۴۹۱)

......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۱/۲۳ھ

﴿مایتعلق بالحنث﴾

بدوں کسی شرعی وجہ کے قسم توڑنا جائز نہیں:

والدین کے کہنے پر قسم توڑنا کیسا ہے؟

کیا بغیر کسی وجہ شرعی کے قسم توڑنے کا کوئی گناہ ہوتا ہے، جبکہ کفارہ بھی ادا کر دیا جائے؟ نیز اگر کوئی شخص قسم کی خلاف ورزی کرنے پر مجبور کرے مثلاً والدین قسم توڑنے کا حکم دیں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیا قسم توڑ دینی چاہیے؟

سائل ...... محمد مدثر، ملتان

الجواب

والدین کے کہنے پر قسم توڑنے کی شرعاً گنجائش ہے۔ چنانچہ حدیث ابی ہریرہؓ میں وارد ہے: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من حلف علی یمین فرأی خیراً منھا فلیکفر عن یمینہ ولیفعل رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف، جلد ٢، صفحہ ٢٩٦)

تاہم کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ بدوں کسی شرعی وجہ کے قسم توڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ قسم توڑنا اللہ پاک کے نام مبارک کی عظمت کے خلاف ہے .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

١٠/٥/١٤٢٨ھ

قطع رحمی کی قسم کھائی تو اس کو توڑنا شرعاً ضروری ہے:

اپنی چھوٹی ہمشیرہ سے جھگڑے کے دوران مَیں نے طیش میں آ کر یہ قسم کھائی کہ ''قرآن ضامن ہے میں آج کے بعد تجھ سے نہیں بولوں گا'' اب میں یہ قسم توڑنا چاہتا ہوں۔ قرآن وشریعت کی روشنی میں بتائیں کہ اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

سائل ...... محمد انور انصاری، قاسم بیلہ ملتان

الجواب

مذکورہ قسم میں چونکہ قطع رحمی ہے، لہٰذا شرعاً اس کا توڑنا ضروری ہے۔

لما فی الدرالمختار: ومن حلف علیٰ معصیة کعدم الکلام مع ابویه......وجب الحنث و التکفیر لانه اهون الامرین. اس پر علامہ رافعیؒ لکھتے ہیں: قول المصنفؒ: ''کعدم الکلام مع ابویه'' اوغیر هما؛لان هجر المسلم معصیة (شامیہ، جلد۵، صفحہ ۵۲۷)

ولما فی الحدیث: من حلف علی یمین فرأی غیرها خیراً منها فلیأت الذی هو خیر ولیکفر عن یمینه (مسلم شریف، جلد۲، صفحہ ۴۸)

پہلے آپ ہمشیرہ سے کلام کر لیں پھر کفارہ ادا کر دیں، قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائیں یا فی کس دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کریں یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائیں، اور مفلس شخص تین روزے رکھ لے۔ فکفارتهٗ اِطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهما وتحریر رقبةٍ فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام ذٰلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم (الآیہ) (مائدہ)...................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۶/۷/۱۴۲۲ھ

شادی پر نہ جانے کی قسم کھائی اور بیٹا شریک ہوگیا تو حانث ہوگا یا نہیں؟:

مسمّی محمد اجمل نے یوں قسم اٹھائی کہ ''خدا کی قسم میں تو اقبال کی شادی پر نہیں جاؤں گا'' بعد میں برادری والوں کی منت سماجت سے مجبور ہوگیا اور شادی میں خود تو شریک نہیں ہوا لیکن اس کے بیٹے اور اس کے گھر والے شادی میں شریک ہوگئے محمد اجمل نے نہ منع کیا اور نہ ہی جانے کا کہا۔ کیا شرعاً محمد اجمل پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم ہے؟

سائل ...... محمد اجمل

الجواب

بیٹے کی شرکت سے باپ قسم میں حانث شمار نہ ہوگا۔ لقوله تعالى: ولاتزر وازرة وزر اخرى (الآیہ) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

مخصوص گائے کا دودھ نہ پینے کی قسم کھائی تو لسی، مکھن، دہی اور گھی وغیرہ استعمال کرنے سے حانث ہوگا یا نہیں؟

مسمّی محمد عمار کو ایک گائے نے ٹکر مار کر گرا دیا عمار نے غصے میں یہ قسم اٹھائی کہ واللہ میں اس گائے کا دودھ نہیں پیئوں گا۔ سوال یہ ہے کہ عمار اس گائے کے دودھ سے بنی ہوئی لسی، چائے، مکھن یا گھی وغیرہ استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد بخش، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں قسم کا تعلق صرف دودھ سے ہے دودھ کے علاوہ مکھن، بالائی، گھی وغیرہ

استعمال کرنے سے حانث نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے: ولا یحنث فی حلفه لا یأکل من هذا البسر او الرطب او اللبن باکلِ رُطبهٖ وتمرهٖ وشیرازه لان هذه صفات داعیة الیمین (الخ) اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: اذ لاخفاء ان صفة البسورة والرطوبة واللبنية مما قد تدعوا الی الیمین بحسب الامزجة فاذا زالت زال ما عقدت علیه الیمین فاکله اکل ما لم تنعقد علیه الیمین (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۵، صفحہ ۵۸۹)۔۔۔۔۔۔۔۔۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۵/۵/۱۰

جمعہ کے دن کوئی چیز واپس کرنے کی قسم کھائی لیکن جمعہ سے پہلے واپس کردی تو حانث ہوگا یا نہیں؟

ایک شخص نے کسی سے کوئی چیز عاریۃً استعمال کرنے کے لئے لی ہوئی تھی لیکن واپسی میں ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا جبکہ چیز کا مالک جب بھی اس سے ملتا مطالبہ کرتا آخر اس نے یوں کہا ''خدا کی قسم اس جمعۃ المبارک کے دن واپس کردوں گا'' لیکن ہوا یہ کہ جمعہ کے دن سے پہلے بروز بدھ چیز واپس کردی۔ کیا اس قسم کی خلاف ورزی سے کوئی کفارہ لازم ہوگا۔ حالانکہ حالف کا مقصد یہ تھا کہ اس جمعہ کے دن سے مزید تاخیر نہ ہوگی اور تاخیر ہوئی بھی نہیں بلکہ جلدی ادائیگی کردی ہے۔

سائل ...... عطاء الٰہی، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں وقت مقررہ سے پہلے عاریت والی چیز واپس کرنے کی صورت میں کفارہ واجب نہ ہوگا۔ حلف لیعطینه رأس الشهر فاعطاه قبله او ابرأه او مات الطالب

سقط الیمین عند ابی حنیفة ومحمدؒ (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۱۳۵)...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۶ھ

فلم نہ دیکھنے کی قسم کھائی تو مفاجاتی نظر پڑ جانے سے حانث نہ ہوگا:

زید نے قسم کے طور پر کہا کہ میں آئندہ فلم نہیں دیکھوں گا، قسم کھاتے وقت اس کی نیت میں سینما اور ویڈیو سینٹر تھے قسم کھاتے وقت اس نے کہا کہ "مجھ پر میری بیوی کو تین طلاق ہوں میں آئندہ فلمیں نہ دیکھوں گا" اتفاقی طور پر وہ کسی کھانے پر اپنے دوستوں کے ہمراہ گئے جب وہ دعوت خانے میں داخل ہوئے تو ادھر ٹیلی ویژن پر فلم لگی ہوئی تھی یہاں پر ایک ساتھی پہلے سے بیٹھا ہوا تھا جو اس کو دیکھ رہا تھا تو اس نے ہمارے احترام کے واسطے اس کو بند کر دیا تو کیا اس طرح مذکورہ صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہ؟ اور غلطی سے اس طرف نظر کی ہو اور پھر نگاہ کو نیچی کر لیا ہو تو کیا اس صورت میں بھی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہ؟

سائل: محمد ساجد علی پور

الجواب

مفاجاتی نظر چونکہ شرعاً معاف ہے اس کے بعد اگر فوراً نظر پست کر لی تو اس صورت میں حانث نہ ہوگا۔ نیز غلطی سے مفاجاتی نظر کرنے والا عرف میں فلم دیکھنے والا شمار نہیں ہوتا ایمان کا مبنی عرف پر ہے۔ الحاصل مفاجاتی نظر سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

(نوٹ) اگر فلم دیکھنے کا سلسلہ کچھ وقت رہا ہو تو دوبارہ سوال کریں۔...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۱/۵/۱۴۲۸ھ

(۱) کلما کی قسم سے سابقہ نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا:

(۲) مظلومین کیلئے کلما کی قسم سے بچنے کا ایک عمدہ طریقہ:

(۱)......بعض اوقات امریکی فوجی یا امریکہ نواز حکومت کے کارندے مجاہدین کو پکڑ لیتے ہیں اور دوران تفتیش یہ قسم لیتے ہیں کہ "اگر مجھے ملا عمر یا اسامہ کے بارے میں کوئی علم ہو (اور میں چھپاؤں اور نہ بتاؤں) تو جس عورت سے میں نکاح کروں اسے تین طلاق" یعنی کلما کی قسم دیتے ہیں حالانکہ بعض مجاہدین کو مذکورہ معلومات ہوتی ہیں۔ تو ایسی صورتحال میں بھی وہ قسم اٹھا لیتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلے سے جو عورت نکاح میں ہے اس کا کیا حکم ہے اس کو طلاق ہوگی یا نہ؟

(۲)......جن کا پہلے کوئی نکاح نہیں ہوا اگر وہ آئندہ کسی عورت سے نکاح کرنا چاہیں تو کسی طریقے سے ان کا نکاح ہو سکتا ہے؟ یعنی جو قسم وہ اٹھا چکے ہیں اس کی تاثیر سے بچنے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟

سائل ...... محمد حسن، منڈی یزمان

الجواب

(۱)......قسم کا تعلق چونکہ مستقبل سے ہوتا ہے اس لئے پہلے سے جو عورت نکاح میں ہے اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ **ومنعقدة وهو ان يحلف على امر فى المستقبل ان يفعله او لا يفعله** (الخ) (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۵۲)

جو لوگ ان الفاظ سے قسم اٹھا چکے ہیں وہ تزوج فضولی اور اجازت فعلی پر عمل کریں اس کا طریقہ کسی جید عالم یا مفتی سے زبانی معلوم کریں۔

(۲)......اور جن مجاہدین وغیرہ کو اس قسم کی تفتیش اور کلما کی قسم کا اندیشہ ہو ان کے لئے ایک حیلہ اور تدبیر یہ ہے کہ وہ حلف کے وقت ایک مخصوص عورت کی نیت کریں۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ "حالف اگر مظلوم ہو تو اس کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے" لہٰذا اس صورت میں قسم صرف اسی مخصوص عورت سے متعلق ہوگی۔ ہندیہ میں ہے: **ذكر عن ابراهيم النخعیؒ انه قال اليمين على نية**

الحالف اذا کان مظلوماً وان کان ظالماً فعلی نیة المستحلف وبه اخذ اصحابنا مثال الاوّل اذا اکره الرجل علی بیع عین فی یده فحلف المُکره باللّٰه انه دفع هذاالشئ الی فلان یعنی به بائعه حتی یقع عند المُکره ان مافی یده ملک غیره فلا یکرهه علی بیعه یکون کما نوی ولایکون ما حلف یمین غموس لاحقیقةً ولا معنیً (الخ) (جلد۲، صفحہ۵۹) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۰/۵/۱۱ھ

''کلمّا'' کی قسم سے بچنے کی ایک اور تدبیر:

احمد نامی ایک لڑکا ایک مدرسہ کا طالب علم ہے کچھ عرصہ پہلے مدرسہ میں صفائی کے دوران چند کتابوں کی چوری ہوئی جس میں سے ایک رسالہ احمد نے بھی اٹھایا تھا۔ مدرسہ کی انتظامیہ نے اس پر شک کر کے اس سے ''کلما'' کی قسم ان الفاظ کے ساتھ اٹھوائی ''جب بھی میں خود کسی عورت سے شادی کروں یا کوئی دوسرا شخص میری شادی کرے تو اس عورت کو طلاق ہے'' اب احمد نے قسم اٹھائی اور رسالہ کی چوری کا منکر ہوا ہے لیکن جھوٹی قسم اٹھائی ہے لہٰذا کوئی حیلہ بتایا جائے جس سے شادی بھی ہو جائے اور طلاق بھی نہ ہو۔ اگر احمد صرف شق اول کا تکلم کرتا تو نکاح فضولی والا حیلہ موجود تھا لیکن شق ثانی کی تعمیم کی وجہ سے ممکن نہیں۔ اگر فقہ حنفیہ میں ''کلمّا'' کی قسم کا اس خاص صورت میں کوئی حیلہ نہیں ہے تو احمد اس خاص مسئلہ میں کسی دوسرے امام کے مسلک پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

اگر عمل نہیں کر سکتا تو اس کا تجرد عنِ النکاح کی صورت میں زندگی گذارنا کیسا ہوگا؟ حالانکہ آج کل فتنے کا دور ہے۔ نیز اس مسئلہ میں ''کلمّا'' کی قسم کے بارے میں ائمہ اربعہ کا مذہب

واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل ...... منور احمد، بہاولپور

الجواب

صورت مسئولہ میں احمد شرعاً نکاح کر سکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ فضولی نکاح کرے اور یہ شخص عملی طور پر اجازت دے دے مثلاً مہر روانہ کر دے اس صورت میں طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ کیونکہ جب غیر نے نکاح کیا تو قسم کا انحلال ہو گیا لیکن طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ خاوند کی اجازت سے پہلے وہ اس کی منکوحہ نہ تھی کہ طلاق واقع ہوتی اور نکاح خاوند کی اجازت سے مکمل ہونا تھا۔ انحلال یمین کے بعد خاوند کی اجازت فعلی سے کچھ نہ ہوگا۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: وهذه الحيلة انما يحتاج اليها اذا قال: "او يزوجها غيرى لاجلي واجيزه" اما اذا لم يقل "واجيزه" قال النسفيّ: يزوج الفضولي لاجله فتطلق ثلاثاً اذِالشرط تزويج الغير له مطلقاً ولكنها لا تحرم عليه لطلاقها قبل الدخول في ملك الزوج ، قال صاحب جامع الفصولين: فيه تسامح؛ لان وقوع الطلاق قبل الملك محال اه.قلت انما سماه تسامحا لظهور المراد وهو انحلال اليمين لا الي جزاء؛ لان الشرط تزويج الغير له وذالك يوجد من غير توقف علي اجازته (الخ) (شامیہ، جلد ۵، صفحہ ۷۱۸، مطلب قال كل امرأة تدخل في نكاح)

حضرت امام شافعیؒ یمین مضافہ کے قائل نہیں ہیں ان کے مسلک کے مطابق گویا یہ یمین بنی ہی نہیں۔ لیکن دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کی بہت سی شرائط ہیں اہل فتویٰ کی اجازت سے ایسا ممکن ہے۔........................ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۷/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

قسم میں حالف کی نیت کا بھی اعتبار ہوتا ہے:

ایک طالب علم مدرسہ سے نکل آیا بعدہ کسی نے اس کو کہا کہ تو مدرسہ میں داخل ہو جا یعنی پڑھائی شروع کر دے، اُس نے غصہ میں آ کر یہ الفاظ کہے کہ ''مجھے کلما کی قسم ہے اگر میں مدرسہ میں جاؤں تو'' (بلفظہٖ) ویسے اس وقت اس کی مراد اور بحث پڑھائی کی ہو رہی تھی، تو کیا ان الفاظ سے وہ فقط مدرسہ میں جانے سے حانث ہو جائے گا یا نہیں؟ یا پڑھائی کرنے سے اور کیا اس میں کسی قسم کی کوئی تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... احمد بخش، مدرسہ عطاء العلوم، ڈیرہ غازیخان

الجواب

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ طالب علم مذکور فقط مدرسہ میں جانے سے حانث نہ ہوگا، بشرطیکہ اس کی نیت وہی ہو جو سوال میں تحریر ہے اور اگر اس کی کچھ نیت نہ ہو یا جانے سے مراد صرف ''چار دیواری'' میں قدم رکھنا مقصود ہو تو مجرد دخول سے حانث ہوگا [1] ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۴/۲/۲۸ھ

''کلما کی قسم میں شرابی اور زانی نہیں ہوں'' کہنے کا حکم:

ایک علوم فقہیہ سے واقف شخص شرابی اور زانی تھا برادری والوں نے اسے زدوکوب کیا تاکہ وہ اقرار کر لے اور اس علاقے میں رہنے کے قابل نہ رہے یا صفائی پیش کرے، تو اُس نے

التخریج: (۱)......لما فی الدر المختار: حلف لایضع قدمه فی دار فلان حنث بدخولها مطلقاً ولو حافیا او راکبا (جلد ۵، صفحہ ۵۷۸) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اپنی صفائی میں کلما کی قسم ان الفاظ سے اٹھائی ''کلما کی قسم میں شرابی وزانی نہیں ہوں'' اب وہ حلفاً کہتا ہے کہ میں حقیقتاً مذکورہ بالا رذائل کا حامل تھا، لیکن قسم اُٹھانے سے پندرہ بیس دن پہلے توبہ کر چکا تھا، اور قسم اٹھاتے وقت میری نیت یہ تھی کہ میں فی الحال زانی نہیں ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم سے اس کی بیوی کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

سائل ...... نذر محمد، مہتمم مدرسہ احیاء العلوم، خانپور

الجواب

اس طرح کہنے سے شخص مذکور کی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ یمین منعقد ہی نہیں ہوئی۔[1] .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۱/۵/۱۳۹۳ھ

---

(۱)......مذکورہ الفاظ حال پر دال ہیں جبکہ قسم کا تعلق ماضی سے ہوتا ہے۔ اگر بالفرض اسے قسم مان بھی لیا جائے پھر بھی طلاق واقع نہ ہونی چاہیے کیونکہ فی الحال نہ وہ زانی ہے اور نہ ہی وہ شرابی ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (رواہ ابن ماجہ صفحہ ۳۲۳، باب ذکر التوبہ) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

﴿مایتعلق بالکفارة﴾

یمین منعقدہ کی خلاف ورزی پر کفارہ واجب ہے:

مسمّٰی محمد ارشد اور محمد رفیق نے مشترکہ بجلی کا میٹر لگایا ہوا ہے بل مشترکہ ادا کرتے ہیں ایک مرتبہ محمد ارشد کے پاس بل ادا کرنے کے لئے پیسے نہیں تھے تو ارشد نے محمد رفیق کو یہ کہا کہ خدا کی قسم اس مرتبہ بجلی کا بل تمہیں ادا کرنا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح قسم منعقد ہوگئی ہے؟ اگر محمد رفیق بجلی کا بل ادا نہ کرے تو کیا محمد ارشد پر کفارہ وغیرہ لازم ہوگا؟

سائل ...... شفیق الرحمٰن، لیاقت پور

الجواب

صورت مسئولہ میں محمد رفیق کے بل ادا نہ کرنے کی صورت میں محمد ارشد پر قسم کا کفارہ ادا کرنا شرعاً ضروری ہے قال لغیرہ واللّٰہ لتفعلن کذا فھو حالف، فان لم یفعلہ المخاطب حنث مالم ینو الاستحلاف (درمختار ج۵، صفحہ۷۱۹)

کیونکہ مذکورہ "قسم" یمین منعقدہ ہے اور یمین منعقدہ کی خلاف ورزی پر شرعاً کفارہ واجب ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے کہ: ومنعقدۃ وھی حلفہ علیٰ مستقبل آتٍ یمکنہ......وھذا القسم فیہ الکفارۃ ؛ لآیۃ "واحفظوا ایمانکم" ولایتصور حفظ الا فی المستقبل (الخ) (درمختار، جلد۵، صفحہ۴۹۶) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۵/۱۰/۱۴۲۷ھ

اگر قسم کی خلاف ورزی جبر سے ہو تب بھی کفارہ واجب ہے:

ہندہ نے قسم کھائی کہ میں زندگی بھر فلاں کے گھر نہ جاؤں گی اور نہ فلاں گھر کا کھانا کھاؤں گی لیکن بعد میں ہندہ کا خاوند ہندہ کو مجبور کر کے لے گیا جبکہ ہندہ بالکل نہیں جانا چاہتی تھی۔ اب ہندہ کا خیال یہ ہے کہ چونکہ میں اپنی مرضی اور خوشی سے نہیں گئی بلکہ خاوند مجبور کر کے لے گیا ہے۔ لہٰذا میں نے قسم کی خلاف ورزی نہیں کی، لہٰذا کوئی کفارہ وغیرہ لازم نہیں اگر میں اپنی مرضی سے جاؤں تو کفارہ لازم ہوگا۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ قسم کی خلاف ورزی ہوئی یا نہیں؟ نیز کوئی کفارہ وغیرہ لازم ہے یا نہیں؟

سائل ...... جلیل احمد، ڈیرہ غازی خان

الجواب

صورت مسئولہ میں قسم کا کفارہ واجب ہے۔ قسم کی خلاف ورزی اگر چہ جبراً ہو پھر بھی کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ ہندیہ میں ہے: ومن فعل المحلوف علیه عامداً او ناسیاً او مکرھاً فھو سواء (جلد۲، صفحہ۵۲) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۲/۴/۴ھ

ماضی کے متعلق جھوٹی قسم اٹھانا گناہ کبیرہ ہے، تاہم کفارہ لازم نہیں:

پانچ دوستوں نے ایک بات پر عہد کیا کہ ''ہم میں سے جو کوئی سگریٹ پیئے گا تو اس کو پانچ سو روپے جرمانہ ہوگا'' اس کے بعد یہ ہوا کہ دس دن کے بعد ان دوستوں نے مسجد میں جا کر وضوء کر کے بیان حلفی دیا ان میں سے چار دوستوں نے کہا کہ ہم سگریٹ پیتے ہیں اور ایک دوست

نے یہ کہا کہ ''میں سگریٹ نہیں پی رہا'' اس کے بعد مسجد سے باہر آکر کہا کہ میں نے اس وقت ''سگریٹ نہیں پی رہا'' کہا ہے لیکن میں سگریٹ پیتا ہوں یہ کام اس نے صرف جرمانے سے بچنے کے لئے کیا، اب اس کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد اصغر، کھل حمزہ، لیاقت پور ضلع رحیم یار خاں

الجواب

صورت مسئولہ میں کفارہ شرعاً واجب نہیں کیونکہ کفارہ اس قسم پر واجب ہوتا ہے جو مستقبل سے متعلق ہو، ''میں سگریٹ نہیں پیتا یا نہیں پی رہا'' یہ مستقبل نہیں یہ گویا یمین غموس ہے۔ باقی جھوٹ کی وجہ سے اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں اس لئے حسب استطاعت صدقہ، خیرات کر دیں اور توبہ واستغفار بھی کریں۔لما فی الدر المختار: **وهي اى اليمين ......غموس تغمسه في الاثم ثم النار وهي كبيرة مطلقاً ...... ان حلف على كاذب عمداً كوالله ما فعلت كذا عالماً بفعله .... ويأثم بها فتلزمه التوبة اذ لا كفارة في الغموس يرتفع بها الاثم فتعينت التوبة للتخلص منه** (الدر المختار مع الشامیہ: جلد۵، صفحہ ۴۹۳ _ ۴۹۱)

باقی مالی جرمانہ عندالاحناف جائز نہیں۔لما فی الشامیة: **وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الاسلام ثم نسخ ا ه والحاصل ان المذهب عدم التعزير بأخذ المال** (الخ) (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۹۸، ط: رشیدیہ جدید)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۸/۸/۱۴۲۵ھ

جتنی قسمیں توڑی ہیں اتنے کفارے لازم ہوں گے ایک کفارہ کافی نہ ہوگا:

ایک آدمی قسم اٹھاتا ہے پھر توڑ دیتا ہے اسی طرح کئی قسمیں توڑ چکا ہے تو اس کے ذمہ

ایک ہی کفارہ ہے یا ہر قسم کا علیحدہ علیحدہ کفارہ ہے؟

سائل ...... محمد نسیم، میانوالی

الجواب

جتنی قسمیں توڑی ہیں اتنے کفارے ادا کرنے ہوں گے۔ وتتعدد الكفارة لتعدد اليمين و المجلس و المجالس سواء (الدر المختار، جلد ۵، صفحہ ۵۰۵)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد انور عفی عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۲/۱۱/۱۳ھ

مجبور ہو کر قسم توڑنا بھی موجب کفارہ ہے:

ایک ہی نوع کی متعدد قسمیں کھانے سے ایک کفارہ کافی نہ ہوگا:

ایک آدمی چرس پیتا ہے چار پانچ دفعہ اس نے بغیر دباؤ کے ارادۃً قسم کھائی کہ خدا کی قسم اب یہ فعل نہیں کروں گا مگر پھر مجبور ہو کر چرس پی لیتا ہے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا کفارہ ادا کرے؟ نیز بیوی کے پاس جا سکتا ہے یا کفارہ ادا کئے بغیر نہیں جا سکتا؟

سائل ...... محمد منور پاشا، چشتیاں

الجواب

ہر قسم کا کفارہ ادا کرے ایک قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلائے۔ وتتعدد الكفارة لتعدد اليمين (درمختار، جلد ۵، صفحہ ۵۰۵)

بیوی کے پاس جانا جائز ہے کفارہ سے پہلے بھی اور کفارہ کے بعد بھی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۰۱/۳/۲ھ

ایک یا متعدد قسمیں بننے کے بارے میں ایک ضابطہ:

ایک آدمی اس طرح قسم اٹھاتا ہے ''کہ اللہ کی قسم میں جھوٹ نہیں بولوں گا اور زنا بھی نہیں کروں گا اور چوری بھی نہیں کروں گا'' اب وہ جھوٹ بولتا ہے اور حانث ہونے پر کفارہ ادا نہیں کرتا پھر زنا کرتا ہے یا چوری کرتا ہے۔ تو کیا ایک دفعہ کفارہ ادا کرنے سے حنث ختم ہو جائے گا یا متعدد کفارے ادا کرنے ہوں گے؟

سائل ...... افتخار احمد، بہاولپور

الجواب

اگر حرف نفی کو مکرر ذکر کیا جائے اس طرح کہ ''میں نہ فلاں کام کروں گا اور نہ فلاں کام کروں گا اور نہ فلاں کام کروں گا'' تو جتنا زیادہ نفی کا تکرار ہوگا اتنی ہی قسمیں بنیں گی۔ واذا کرر "لا" فانه يصير يمينين (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۳۲) لانه اذا كرر النفى تكرر اليمين حتى لو قال لا اكلمك اليوم ولا غدا ولا بعد غد فهى ايمان ثلاثة (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۳۳)

وفى الخانية: ولو قال والله لا اكلم فلاناً اليوم ولا غداً ولا بعد غد كان له ان يكلمه فى الليالى لانها ايمان ثلاثة (خانیہ علی ہامش الہندیہ، جلد۲، صفحہ۷)

لہٰذا اگر ایک قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دیا تو اگر باقی قسمیں توڑے گا تو ان کا مستقل کفارہ دینا پڑے گا۔[1] ولو قال ان فعلت كذا فهو برئ من الله وبرئ من رسوله فهما يمينان ان حنث يلزمه كفارتان (خانیہ علی ہامش الہندیہ، جلد۲، صفحہ۵)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۶/۱/۱۳ھ

التخریج: (۱)...... وتتعدد الكفارة لتعدد اليمين (الدر المختار، جلد۵، صفحہ۵۰۵) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

قسم توڑنے پر کیا کفارہ لازم ہوتا ہے؟

مسجد میں اعتکاف والوں کے لئے ایک لیٹرین بنائی گئی۔ زید اس مسجد میں اعتکاف بیٹھا اور اس نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ میں اس لیٹرین میں پیشاب نہیں کروں گا آیا اس لیٹرین میں پیشاب کرنے سے حانث ہوگا یا نہیں؟ اگر حانث ہوگا تو اس پر کیا کفارہ ہے؟

سائل ...... عزیز اللہ، میانوالی

الجواب

مذکورہ صورت میں زید حانث ہو جائے گا۔ اور اس پر کفارہ یہ ہے کہ دس مساکین کو کپڑے پہنائے یا دس مساکین کو کھانا کھلائے ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز واجب ہے، اور اگر ان دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز پر بھی قادر نہ ہو تو متواتر تین روزے رکھے۔

لما فی الهداية: كفارة اليمين عتق رقبة يجزى فيها مايجزى فى الظهار وان شاء كسا عشرة مساكين كل واحد ثوباً فما زاد وادناه مايجوز فيه الصلوة وان شاء اطعم عشرة مساكين كالاطعام فى كفارة الظهار والاصل فيه قوله تعالى: "فكفارته اطعام عشرة مساكين" (الآية) فان لم يقدرعلى احد الاشياء الثلاثة صام ثلاثة ايام متتابعات (ہدایہ، جلد ٢، صفحہ ٤٨١) .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

٢٤/٥/١٤٢٥ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا:

زید نے قسم کھائی کہ وہ اپنے بھائی سے بات نہیں کرے گا بعد میں معلوم ہوا کہ ایسی قسم

اٹھانا ٹھیک نہیں ہے توقسم کوتوڑنے کے خیال سے ایک موقع پر فقراء جمع تھے ان کوقسم کے کفارے کی نیت سے دووقت کا کھانا کھلا دیا، حالانکہ ابھی تک اس نے اپنے بھائی سے بات نہیں کی تھی بعد میں بھائی سے بات چیت کی۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح قسم توڑنے سے پہلے اگر کفارہ ادا کر دیا جائے تو شرعاً کفارہ ادا ہو جاتا ہے؟

سائل......محمد شکیل، ملتان

الجواب

حنفیہ کے نزدیک صحت کفارہ کے لئے حنث (قسم کا توڑنا) ضروری ہے۔

لما فی البحر: لایصح التکفیر قبل الحنث فی الیمین (البحر الرائق جلد۴، صفحہ۴۸۹)

ولما فی العالمگیرة: ان قدم الکفارة علی الحنث لم یجزئه (عالمگیریہ جلد۲، صفحہ۶۴)

لہٰذا صورت مسئولہ میں کفارہ ادا نہیں ہوا قسم توڑنے کے بعد دوبارہ کفارہ ادا کریں۔.........................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۱۱/۱۴۴۸ھ

صاحب استطاعت کے تین روزے رکھنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا:

زید نے کسی بات پر قسم کھائی اور پھر قسم کی خلاف ورزی کر لی یعنی حانث ہو گیا اور پھر کفارے میں تین روزے رکھ لئے حالانکہ زید مالدار شخص ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کا کفارہ ادا ہو گیا؟

سائل ...... اعجاز ندیم، مروٹ

الجواب

روزہ سے کفارہ ادا ہونا عدم استطاعت کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، لہٰذا جو شخص کھانا کھلانے یا کپڑے دینے پر قدرت رکھتا ہو اس کا کفارہ تین روزے رکھنے سے ادا نہیں ہوگا۔

لقولہٖ تعالٰی: فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام (الآیہ) ہندیہ میں ہے: فان لم یقدر علی احد هذه الاشیاء الثلاثة صام ثلاثة ایام متتابعات وهذه كفارة المعسر (جلد ٢، صفحہ ٦١)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

١٠/٥/١٤٢٦ھ

کفارہ بالصوم کی ادائیگی کب درست ہے؟

(١)..... زید شرعی معنی کے اعتبار سے غریب ہے یعنی صدقات واجبہ میں سے کوئی چیز اس پر واجب نہیں البتہ اپنی گذراوقات اس کی اچھی ہے تو کیا قسم کے کفارے میں اس کو روزے رکھنا جائز ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو آیت میں عدم استطاعت سے کیا مراد ہے؟

(٢)..... ایک شخص کی گذراوقات اچھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ کم وبیش پانچ سو روپے کا قرض دار ہے اور فی الحال اس کو قرض کی ادائیگی کی بھی گنجائش نہیں۔ تو کیا ایسے شخص کو بھی کفارۂ یمین میں روزے رکھنے جائز ہیں یا روٹی کپڑا دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز دینی ضروری ہے؟

سائل ..... حافظ محمد عبدالغفار، لیاقت پور

الجواب

(١)..... نہیں۔ اور عدم استطاعت سے استطاعت ممکنہ مراد ہے اور استطاعت میسرہ کی نفی مقصود

نہیں۔شامی میں ہے:قوله:"وان عجز" قال في البحر:اشار الى انه لو كان عنده واحد من الاصناف الثلاثة لايجوز له الصوم وان كان محتاجاً اليه، ففي الخانية لايجوز الصوم لمن يملك ما هو منصوص عليه في الكفارة او يملك بدله فوق الكفاف، والكفاف منزلة يسكنه وثوب يلبسه ويستر عورته وقوت يومه ولوله عبديحتاجه للخدمة لا يجوز له الصوم (الخ)(شامیہ،جلد۵،صفحہ۵۲۶)

(۲)......وفي العالمگيرية: ولو كان له مال وعليه ديون كثيرة مثل ماله او اكثر جاز الصوم بعد ما يقضي دينه من ذالك المال هكذا ذكر محمد في الاصل وهو ظاهر فاما قبل قضاء الدين فهل يجزئه الصوم اختلف المشائخ فيه كذا في المحيط والاصح انه يجزئه التكفير بالصوم كذا في المبسوط(جلد۲،صفحہ۶۲)

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ کفاف نکالنے کے بعد اس کا مال وگھریلو سامان اور غلّہ ونقد روپیہ وغیرہ سارا کا سارا ادائیگی قرض میں ختم ہو جائے تو پھر اس کا کفارہ بالصوم ادا کرنا درست ہے۔............................ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	۲۲/۷/۱۳۸۸ھ

کفارۂ یمین کے تین روزوں میں تتابع شرط ہے:

زید نے قسم کھائی تھی لیکن اس پر برقرار نہ رہ سکا اور قسم توڑ دی زید کی مالی حالت اتنی کمزور ہے کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا نہیں کھلا سکتا۔سوال یہ ہے کہ زید اگر تین روزے رکھے تو لگاتار رکھنے ہوں گے یا درمیان میں وقفہ کر سکتا ہے؟

سائل ...... محمد خالد، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں کفارہ کی نیت سے تین روزے لگا تار رکھے۔

لقولہٖ تعالیٰ: فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام (الآیہ) بعض قرات میں "متتابعات" کے الفاظ ہیں، چنانچہ حاشیہ جلالین میں ہے کہ: وعندنا یشترط فی الصوم التتابع لقرأة عبداللّٰہ ابن مسعود وعبداللّٰہ ابن عبّاس وابیّ ابن کعب "ثلثة ایام متتابعات" کما فی التفسیر الزاهدی وغیرہ (حاشیہ جلالین شریف، صفحہ ١٠٦)

وفی الدرالمختار: وان عجز عنها...... صام ثلثة ایامٍ ولاء ای: متتابعة لقرأة ابن مسعود وابیّ "فصیام ثلثة ایام متتابعات" فجاز لتقییدبها لانها مشهورة فصارت کخبرہ المشهور (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ٥، صفحہ ٥٢٦) وفی الهندیة: فان لم یقدر علی احد هذه الاشیاء الثلاثة صام ثلاثة ایام متتابعات (جلد ٢، صفحہ ٦١)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٠/٥/١٤٢٩ھ

کفارہ یمین میں کھانا کھلانے اور کپڑے دینے میں اگر جمع کیا تو کفارہ ادا ہوگا یا نہیں؟

ایک آدمی کے ذمہ قسم کا کفارہ تھا اس نے ایک دن کفارہ کی ادائیگی کی نیت سے پانچ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلا دیا اور پھر ایک دن دوسرے پانچ مسکینوں کو کپڑے دے دیئے۔ کیا اس طرح قسم کا کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

سائل ...... محمد احمد، احمد پور شرقیہ

الجواب

اگر کھانا فقراء کے حوالے کر دیا گیا تھا یعنی تملیک کی صورت تھی اباحت والی صورت نہیں تھی تو ایسی صورت میں کفارہ ادا ہو جائے گا۔ ولو اطعم خمسة مساکین وکسی خمسة

مساکین فان کان الطعام طعام تملیک جاز ویکون الا غلی منهما بدلاً عن الارخص ایّهما کاناغلیٰ (عالمگیریہ جلد ۲، صفحہ ۶۳)

اور اباحت کی بعض صورتوں میں بھی کفارہ ادا ہو جائیگا۔ وان کان الطعام طعام الاباحة ان کان الطعام ارخص جاز وان کان اغلی لایجوز لان فی الکسوۃ تملیکاً ولیس فی الاباحة تملیک فاذا کان الطعام ارخص جاز ان یجعل الکسوۃ بدلاً عن الطعام بخلاف ما اذا کان علی العکس (الخ) (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۶۳) ...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۱۲/۱۰ھ

اگر ایک ہی وقت میں بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو کیا "کفارہ" ادا ہو جائے گا؟

زید نے قسم توڑ دی۔ اب کفارہ کی ادائیگی میں اگر دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانے کے بجائے بیس یا اس سے زائد مسکینوں کو ایک ہی وقت میں دعوت کر کے کھانا کھلا دے تو اس طرح کفارہ ادا ہو جائے گا؟

سائل ...... محمد شعیب، ساہیوال

الجواب

صورت مسئولہ میں کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ دس مساکین کو دو وقت کھانا کھلانا شرط ہے مساکین دوسرے وقت میں بھی وہی ہوں جن کو پہلے وقت میں کھلایا تھا۔ وطعام الاباحة اکلتان مشبعتان غداء وعشاء او غداء ان او عشاء ان (الخ) (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۶۳)

لہذا اگر بیس مساکین کو ایک ہی وقت میں کھلایا یا دو وقتوں میں الگ الگ مساکین کو کھلایا

تو کفارہ ادا نہ ہوگا۔ لما فی البدائع: حتی لو غدی عدداً وعشی عدداً آخر لم یجزہ لانہ لم یوجد فی حق کل مسکین اکلتان (جلد٤، صفحہ٢٦١)

وفی العالمگیریۃ: لو غدی عشرۃ وعشیٰ عشرۃ غیرھم لم یجزیٔ وکذا اذا غدیٰ مسکیناً وعشی آخر عشرۃ ایام لم یجزیٔ (جلد٢، صفحہ٦٥)..........فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

٢٠/٥/١٤٢٩ھ

(١) پانچ مساکین کو چار وقت کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہوگا یا نہیں؟

(٢) اگر دوسرے وقت کھانا کھلانے کے لئے وہی فقراء نہ ملیں تو کیا کیا جائے؟

(١)...... بندہ نے قسم کھائی تھی کہ میں آئندہ فلاں شخص سے بات نہیں کروں گا لیکن اس قسم کو پورا نہ کر سکا اور قسم توڑ دی ہے۔ اب قسم کا کفارہ تو دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے لیکن دس مسکینوں کو ڈھونڈنا مشکل کام ہے کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ پانچ مسکین مل جائیں تو ان کو چار وقت کا کھانا کھلا دیا جائے۔ اس طرح کفارہ ادا ہو جائے گا؟

(٢)......اسی طرح اگر ایک وقت دس مسکین مل جائیں لیکن دوسرے وقت وہی دس مسکین نہ ملیں دوسرے دس مسکین مل جائیں ان کو بھی ایک وقت کا کھانا کھلا دیا تو جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد خالد، ملتان

الجواب

(١).....صورت مسئولہ میں قسم کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ ہندیہ میں ہے: رجل اعطی کفارۃ یمینہ مسکیناً واحداً خمسۃ اصوع لم یجز الا اذا اعطی مسکیناً واحداً فی

عشرة ایام فیقوم عدد الایام مقام عدد المسکین (جلد۲، صفحہ ٦۳)

اوقات یا ایام کی تعداد فقراء ومساکین کی گنتی کے قائم مقام ہوجائے گی۔

(۲)......اس مذکورہ صورت میں کفارہ ادانہیں ہوا۔ ہندیہ میں ہے: ولو غدیٰ عشرة وعشی عشرة غیرهم لم یجزئ (جلد۲، صفحہ ٦۳) وفیه ایضاً: وکذا الرجل اذا اوصیٰ ان یطعم عشرة مساکین کفارة لیمینه فغدی الوصی عشرة مساکین فمات المساکین قبل ان یعشیهم یلزمه الاستقبال (الخ) (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ٦۳)

وفی البدائع: لو غدی عدداً وعشی عدداً آخر لم یجزه لانه لم یوجد فی حق کل مسکین اکلتان (الخ) (جلد۴، صفحہ ۲٦۱، ط: رشیدیہ جدید)............ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

پانچ صاع گندم کو اگر دس مساکین لوٹ لیں تو کیا کفارہ ادا ہوجائے گا؟

زید نے کسی کام کے چھوڑنے پر قسم کھائی تھی لیکن پوری نہ کرسکا اور قسم توڑ دی، اور پھر قسم کے کفارے کی نیت سے گندم کی ڈھیری دس فقراء کے سامنے کردی اور ان فقراء نے اس گندم کی ڈھیری کو لوٹ لیا لیکن برابر تقسیم نہیں کیا جس کے جو ہاتھ لگ گیا وہ لے گیا کسی نے زیادہ گندم لے لی اور کسی نے تھوڑی لی البتہ ہر ایک کو مل گئی۔ کیا اس طرح کفارہ ادا ہوجائے گا؟

سائل ...... محمد رفیق، میلسی

الجواب

من علیه کفارة الیمین اذا وضع خمسة اصوع من طعام بین یدی عشرة مساکین فاستلبوها وانتهبوها اجزأه عن مسکین واحد لاغیر (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ٦۳)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ صرف ایک فقیر کی ادائیگی صحیح ہے باقی نو فقیروں کو دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔.................................. فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۱۱/۱۰ھ

فقیر کو قرض سے بری کر دینے سے قسم کا کفارہ ادا نہ ہوگا:

کسی مسکین پر حانث فی الیمین کا قرضہ ہو اور اس قرضہ کی تملیک اس کو کفارۂ یمین کی نیت سے کر دی جائے تو اس سے کفارۂ یمین ادا ہو جائے گا؟ خدشہ کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ تو دین کی تملیک سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ادا نہیں ہوتی تو کیا کفارہ بھی تملیک دین سے ادا نہیں ہوتا؟

سائل ...... دین محمد اظہر، مظفر گڑھ

الجواب

تلاش کے باوجود جزئیہ نہیں ملا، لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ''کفارہ'' ابراء دین سے ادا نہیں ہوتا، کیونکہ ادائیگی کفارہ کی دو ہی صورتیں لکھتے ہیں، ایک اباحت طعام کی کہ مساکین کو صبح و شام پیٹ بھر کر کھلائیں، اور دوسری تملیک کی کہ مخصوص شرائط کے تحت نصف صاع ہر مسکین کو دے دیا جائے اور ابراء دین ان میں سے کسی کے تحت داخل نہیں.........فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۲/۱/۱۹ھ

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

کتاب اللُّقطة

''تبلیغی جماعت'' والوں کا سلنڈر دوسرے سلنڈر سے تبدیل ہوجائے تو اس کا کیا کیا جائے:

میں نے اپنے ذاتی برتن اور سلنڈر (جماعت کے برتن) ایک دوسری جماعت کو دیئے تا کہ وہ ان کو تشکیل میں جا کر استعمال کرلیں اور پھر واپس کردیں، جب تشکیل کے بعد اس جماعت نے برتن واپس کئے تو سلنڈر جو میں نے انہیں دیا تھا وہ انہوں نے مجھے نہیں دیا (کیونکہ برتن میرے تھے ان کو پہچان نہیں تھی تو وہ کسی دوسری جماعت کا سلنڈر دے گئے) اب یہ معلوم نہیں کہ پہلے ان لوگوں نے غلطی سے دوسری جماعت کا سلنڈر اٹھایا ہے یا اس دوسری جماعت نے ان سے پہلے غلطی سے اٹھایا ہے، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ سلنڈر کوئی چوری لے گیا، اور ان کو چونکہ پہچان کامل نہیں تھی اس لئے یہ قریب پڑا ہوا کوئی دوسرا سلنڈر اٹھا کر لے آئے۔ الغرض تبدیلی کی کوئی صورت معلوم نہیں۔ اب اس سلنڈر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جو میرے پاس آیا ہے۔

سائل ...... محمد عدیل

الجواب

اس سلنڈر کا حکم لقطہ کا ہے۔ جس مقام پر سلنڈر تبدیل ہوا ہے وہاں اس سلنڈر کی تشہیر کرلیں، جب مالک ملنے سے مایوسی ہوجائے تو اگر آپ فقیر ہیں تو خود اس سلنڈر کو استعمال کرلیں اور اگر آپ غنی ہیں تو اس سلنڈر کو کسی فقیر پر صدقہ کردیں۔ درمختار میں ہے: فینتفع الرافع بها لو فقیرا و الا تصدق بها علیٰ فقیر (الخ) (جلد ٦، صفحہ ٤٢٧) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس

بندہ عبد الحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١٦/٧/١٤٢٢ھ

کتنی مالیت کی چیز فقیر کیلئے بلا تشہیر استعمال کرنے کی اجازت ہے؟

میری ایک کزن بازار گئی، وہاں کسی کے سامان میں سے لَیس گر گئی، کزن نے اسے دینے کیلئے اٹھائی، لیکن اتنے میں جس کی لَیس تھی وہ آگے نکل گئی، پھر وہ لَیس کزن نے اپنے قمیص کی آستین پر لگالی، اور مسجد کے چندہ والے بکس میں لَیس کی قیمت کے بقدر روپے ڈال دیئے۔ کیا اس نے صحیح کیا؟ کم از کم کتنے روپے کی چیز لقطہ کے حکم میں آتی ہے؟

سائل ...... محمود بشیر، میلسی

الجواب

اس کا اٹھانا تو درست تھا لیکن اس کے پیسے مسجد کے غلہ میں ڈالنا درست نہیں تھا، بلکہ کسی غریب کو وہ لَیس یا اس کے پیسے صدقہ کرنا ضروری تھا، اور اگر وہ خود مستحق تھی تو اس سے خود بھی نفع حاصل کر سکتی تھی۔ فینتفع الرافع بها لو فقيراً والا تصدق بها على فقير (درمختار، جلد ۶، صفحہ ۴۲۷)

اگر تو وہ اتنی معمولی اور اس قسم کی چیز ہے کہ اس کا مالک اسے تلاش نہیں کرے گا تو اسے اٹھا کر استعمال کرلیں، بصورت دیگر اس کی تشہیر ضروری ہے۔

لما في الهندية: نوع يعلم ان صاحبه لايطلبه كالنوى ...... في هذا الوجه له ان ياخذ وينتفع بها (الخ) (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۲۹۰) .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۹/۸/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

التخريج: (١)......ثم ما يجد الرجل نوعان نوع يعلم ان صاحبه لايطلبهُ كالنوىٰ.........في هذاالوجه له ان يأخذوينتفع بها.........ونوع آخر يعلم ان صاحبهُ يطلبهُ كالذهب والفضة وسائر العروض واشباههما، وفي هذاالوجه له' ان يأخذها ويحفظها ويعرفها حتىٰ يوصلها الى صاحبها. (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۲۹۰)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اگر بڑی رقم ملے تو اخبارات ورسائل کے ذریعہ کم ازکم سال بھر وقفہ وقفہ سے تشہیر کی جائے:

بازار، گھر، جنگل اور کسی بھی موقع پر سونا، چاندی، مال اسباب مل جائے تو کیسے حلال ہوگا؟

سائل ...... لیاقت علی، ڈیرہ اسماعیل خان۔

الجواب

اگر گری پڑی چیز مل جائے تو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہے، اخبارات وغیرہ میں اعلانات کئے جائیں، بڑی رقم ہونے کی صورت میں کم ازکم ایک سال تک تشہیر کی جائے۔ اگر پھر بھی مالک معلوم نہ ہوسکے تو کسی غریب مستحق کو دیدے۔ثم بعدالتعریف المذکور الملتقط مخیّر بین ان یحفظھاحسبة وبین ان یتصدق بھا. (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۲۸۹)

وفی الھندیة: فان لم یعرفوا اربابه تصدقوا به (ہندیہ، جلد۵، صفحہ۳۴۹)

اگر خود مفلس ہو تو خود بھی استعمال کرسکتا ہے۔لمافی الدرالمختار: فینتفع الرافع بھا لو فقیراً والا تصدق بھا علیٰ فقیر (الدرالمختار، جلد۶، صفحہ۴۲۷)

البتہ اگر مالک بعد میں آجائے تو اسے ضمان لینے کا حق حاصل ہوگا۔

لمافی الدرالمختار: فان جاء مالکھا بعد التصدق خیّر بین اجازۃ فعله ولو بعد ھلاکھا وله ثوابھا او تضمینه (جلد۶، صفحہ۴۲۸) ....فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۴/۷/۱۴۰۳ھ	رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

اگر اسپیکر اور ریڈیو میں اعلانات کے باوجود مالک نہ آئے تو ملنے والی رقم کا کیا کیا جائے؟

تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل مورخہ پانچ دسمبر کو مجھے اپنی دوکان کے پھٹے کے قریب بازار میں کچھ رقم ملی، جو کہ ہزاروں میں ہے، میں نے اپنے شہر لیہ کے انجمن تاجران کے اسپیکروں کے ذریعے تقریباً

تین دن اعلان کرایا، اس کے بعد اپنے شہر کے ریڈیو اسٹیشن جو کہ F-M کے نام سے ہے کے ذریعے بھی اعلان کرایا، لیکن کوئی آدمی رقم لینے والا ابھی تک نہیں آیا اور نہ ہی اس رقم کے مالک کا پتہ چل سکا۔ برائے مہربانی یہ ارشاد فرمائیں کہ مزید کتنا عرصہ انتظار کروں یا اس رقم کو کسی بھی دینی ضرورت، مثلاً اشاعتِ دین وغیرہ یا اپنی جائز ضروریات مثلاً عمرہ وغیرہ پر خرچ کرسکتا ہوں یا نہیں؟

سائل ...... محمد عبداللطیف، سبحان جنرل سٹور، لیہ

الجواب

صورت مسئولہ میں ملتقط پر لازم ہے کہ ایک سال اعلان وتشہیر کرے، یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ مالک نے تلاش چھوڑ دی ہوگی۔ چنانچہ بدائع میں ہے: امّا مدّة التعريف فيختلف قدر المدّة لاختلاف قدر اللقطة ان كان شيئاً له قيمة تبلغ عشرة دراهم فصاعداً يعرفه حولاً وان كان شيئاً قيمته اقل من عشرة يعرفه اياماً على قدر مايرى، وروى الحسن بن زياد عن ابى حنيفة انه قال: التعريف على خطر المال، ان كان مائة ونحوها عرفها سنة، وان كا عشرة و نحوها عرفها شهراً، وان كان ثلاثة ونحوها عرفها جمعة اوقال عشرة. (بدائع، جلد ۵، صفحہ ۲۹۸، ط: رشیدیہ)

ایک سال کے بعد اگر وہ خود فقیر ہے تو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، اگر وہ غنی ہے تو اس لقطہ کو فقراء پر صدقہ کرے۔ کما فی الدر المختار: فينتفع الرافع بها لو فقيراً والا تصدق بها على فقير ولو على اصله وفرعه وعرسه (جلد ۶، صفحہ ۴۲۷)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴/۱/۱۴۲۸ھ

گاڑی سے ملنے والا سامان بلا تشہیر خود استعمال کرنا:

چند ماہ قبل ایک جاننے والے کو چند چیزیں گاڑی سے ملی ہیں جو کسی حاجن کی لگتی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے: دو عدد عربی قلمیں دوربین والی، چار عدد ٹافیاں، چار عدد لاٹو، پانچ عدد عطر کی شیشیاں چھوٹی، ایک بڑی شیشی، ایک عدد تسبیح، کپڑے، چوڑیاں، سفید رومال، دسترخوان، ایک عدد گفٹ ہار اور آٹھ عدد سرمہ کی شیشیاں، ان تمام چیزوں کی مجموعی قیمت ایک ہزار روپے بنتی ہے، یہ تمام چیزیں کافی دنوں سے میرے پاس پڑی ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ہمارا بچوں اور بچیوں کا مدرسہ بھی ہے، آیا میں ان چیزوں کو طلباء اور طالبات میں تقسیم کر سکتا ہوں، اگر کوئی چیز بطور تحفہ کسی صاحبِ حیثیت کو دیدی جائے تو کیا جائز ہے، اگر کوئی چیز خود رکھ لوں اور اس کی قیمت اندازے کے حساب سے ادا کر دوں تو کیا یہ صحیح ہے؟

سائل ...... قاری محمد امین، مدرسہ تحسین القرآن، اٹک

الجواب

مذکورہ اشیاء لقطہ ہیں ان کی تشہیر اور مالک کو تلاش کرنا ضروری ہے مایوسی کی صورت میں مالک کی طرف سے غرباء اور مستحقینِ زکوٰۃ میں تقسیم کر دی جائیں، اگر اٹھانے والا غریب ہو تو خود استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ اللقطة امانة اذا اشهد الملتقط انه ياخذها ليحفظها او يردها علىٰ صاحبها فان كانت عشرة فصاعداً عرّفها حولاً فان جاء صاحبها فبها والا تصدق بها (ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۵۹۶) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۲/۶/۱۶ھ

چوری کے قرآن مجید برآمد ہوئے اور چور بھاگ جائے تو ان کا صحیح مصرف کیا ہے؟

ایک اجنبی شخص ناواقف نے ایک مسجد میں سوال کیا کہ میں پردیسی ہوں میرے پاس پیسے نہیں ہیں مجھے روٹی کھلاؤ بعد میں جب کافی نمازی موجود تھے، اس کے پاس سے گیارہ عدد قرآن شریف مترجم بمعہ غلافوں کے پکڑے گئے، نمازیوں اور امام صاحب نے کہا کہ شبہ ہے کہ یہ قرآن مجید چوری کے ہیں، چار قرآن مجید سندھی زبان میں ترجمہ شدہ ہیں اور باقی تاج کمپنی کے عمدہ استعمال شدہ ہیں، وہ تمام قرآن مجید امام صاحب نے اپنے پاس رکھ لیے اور اس کو کہا کہ ان کی رسیدیں دکھاؤ، ورنہ پولیس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے، رات کو مسجد میں رہا اور صبح وہ چائے ناشتہ کے بعد روپوش ہو گیا، اب تک وہ واپس نہیں آیا اور نہ ہی اس کا پورا پتہ ہے کہ کس گاؤں کا رہنے والا ہے، ہاں اتنا پتہ ہے کہ وہ آزاد کشمیر کا مسافر تھا، اب وہ قرآن مجید بمعہ غلافوں کے امانت پڑے ہیں۔ کیا وہ استعمال کر سکتے ہیں یا کسی درس میں دے دیویں یا کوئی خاص عابد پرہیزگار جو پڑھنے والا ہو اس کو دیدیں، کیا کیا جائے کیا امام صاحب بھی استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... راجہ محمد عباس خان عباسی، چھکا گلی، مری

الجواب

غالب گمان یہ ہے کہ یہ قرآن مجید مسروقہ ہیں اور مالک ان کا معلوم نہیں، تو لقطہ کے حکم میں ہوں گے اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ اولاً اس کی خوب تشہیر کی جائے کہ ''ہمیں اس طرح قرآن مجید ملے ہیں جس کے ہوں وہ نشانی بتلا کر وصول کر لے''۔ مناسب ہے کہ بعض دینی رسائل میں بھی یہ اعلان کرا دیا جائے۔ جب مالک ملنے سے مایوسی ہو جائے تو مالک کی طرف سے غرباء پر صدقہ کر دیئے جائیں، اور اگر اس کے بعد مالک مل جائے تو اس کو ان قرآن مجیدوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، یا اس سے معاف کرالیا جائے، امام صاحب اگر خود غریب ہوں تو وہ بھی ان میں سے ایک رکھ سکتے ہیں، کسی دینی مدرسہ کو اگر یہ قرآن مجید دیئے جائیں تو اہل مدرسہ کو پوری تفصیل بتا دی جائے کہ یہ قرآن مجید اس

طرح ہمارے پاس پہنچے ہیں تاکہ وہ انہیں صحیح مصرف پر خرچ کرسکیں (١)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	١٦/٣/١٣٧٩ھ

اگر چور کو مالک کا علم نہ ہو یا مالک دور ہو تو ادئیگی کیسے کرے؟

زید میں یہ بری عادت تھی کہ وہ لوگوں کی گری پڑی چیزیں اٹھا کر کھالیتا تھا، اور کبھی کبھار چوری بھی کر لیتا تھا، اب اس کیلئے گم شدہ چیز اور سرقہ کردہ چیز کا تعین بھی مشکل ہے اور یہ بھی علم نہیں کہ ایسی مشتبہ چیزیں کتنی کھا چکا ہے پس اب وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ چیزیں اتنی رقم کی ہوں گی سرقہ کردہ اکثر چیزوں کے ایک ایک مالک کے پاس گیا اور ان کو اپنے اندازے کے مطابق رقم دے چکا ہے، اکثر چیزوں کے مالک فوت ہو چکے تھے، مگر ان کی ذریت کو یہ ادائیگی کی، مگر ایک شخص معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا اور رہتا بھی بہت دور ہے، اس کی کوئی اولاد بھی نہیں، اور رشتہ داروں کا بھی علم نہیں، سرقہ شدہ چیز کی قیمت زیادہ سے زیادہ بیس پچیس روپے ہے جبکہ وہاں جانے کا کرایہ آٹھ سو روپے سے زائد ہے، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ شخص حیات ہے یا فوت ہو چکا

التخریج: (١)......لما فی الهندیة: واذا رفع اللقطة یعرّفها فیقول التقطت لقطة او وجدت ضالة او عندی شیٔ فمن سمعتموه یطلب دلّوه علیّ ، کذا فی فتاوىٰ قاضی خان ویعرّف الملتقط اللقطة فی الاسواق والشوارع مدة یغلب علی ظنه ان صاحبها لایطلبها بعد ذالک .... ثم بعد تعریف المدة المذکورة الملتقط مخیّر بین ان یحفظها حسبة وبین ان یتصدق بها فان جاء صاحبها فأمضی الصدقة یکون له ثوابها وان لم یمضها ضمن الملتقط او المسکین ان شاء لو هلکت فی یده (عالمگیریہ، جلد٢، صفحہ٢٨٩)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

ہے۔اب حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا صورتوں میں یہ شخص کس طرح آخرت کے مؤاخذہ سے بچ سکتا ہے، جن چیزوں کے مالکوں کو وہ رقم دے چکا ہے ان کا تو زید کو علم تھا اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اس کے ذہن سے محو ہو چکے ہوں گے۔

سائل ...... حافظ عبدالرؤف، عربی ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول، گوجرانوالہ

الجواب

شخص مذکور کا اگر صحیح پتہ معلوم ہو تو منی آرڈر کے ذریعے بھیج دے یا کسی آنے جانے والے دیانت دار کے ہاتھ بھیج دے۔اگر رسائی ممکن نہ ہو یا مالک معلوم نہ ہو تو اس صورت میں مالک کی طرف سے صدقہ کردے۔فان لم یعرفوا اربابه تصدقوا به (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۹)۔فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۷/۱۴۲۴ھ

گھڑی ساز کے پاس جو گھڑیاں سالوں سے پڑی ہیں اور مالک معلوم نہیں ان کا کیا، کیا جائے؟

میں گھڑی ساز ہوں میرے پاس لوگ گھڑیاں مرمت کرنے کیلئے رکھ دیتے ہیں اور بعض مرتبہ واپس لینے کیلئے نہیں آتے اور ان گھڑیوں کی قیمت ۸۰ روپے سے لے کر ۸۰۰ روپے تک ہوتی ہے۔اب میرے لیے کیا حکم ہے کہ میں کتنی دیر تک مالک کا انتظار کروں؟

سائل ...... محمد عارف

الجواب

جب مالک کے ملنے کی امید باقی نہ رہے تو آپ یہ گھڑیاں یا ان کی قیمت فقراء پر ان کے مالک کی طرف سے صدقہ کردیں، اس طرح کرنے سے آپ بری ہو جائیں گے، آپ پر اخروی کوئی پوچھ گچھ

نہ ہوگی۔فان لم یعرفوا اربابہ تصدقوا بہ (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۹)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان ۱۴۲۲/۲/۸ھ

تاہم آئندہ کیلئے نام پتہ لکھنے کا اہتمام کیا جائے تا کہ آئندہ ایسی صورت پیش نہ آئے، نیز اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک واپس آجائے اور ضمان کا مطالبہ کرے تو اس کو ضمان دینا لازم ہے۔

لما فی الدر المختار: فانجاء مالکھا بعد التصدق خیر بین اجازۃ فعلہ ولو بعد ھلاکھا ولہ ثوابھا او تضمینہ (جلد ۶، صفحہ ۴۲۸) .... والجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں لقطہ کا ایک مصرف مدرسہ بھی ہے:

قیام پاکستان سے قبل ہندوستان میں ایک مسلمان ہندوؤں سے تجارت کرتا تھا، اس سلسلے میں مسلم نے ہندو کے ہاں سات سو روپے دینے تھے، پھر مسلم پاکستان چلا آیا، اب ہندو لاپتہ ہے۔اس صورت میں اس رقم کا کیا کرنا چاہیے؟ شرعی فیصلہ سے مطلع فرمائیں۔

سائل ...... منیر احمد، پاکستان بک سنٹر، گھنٹہ گھر ملتان

الجواب

کسی دینی مدرسہ کو یہ روپیہ دیدیا جاوے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

یہ لقطہ میں شمار ہوگا۔والجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

مہتمم جامعہ خیر المدارس، ملتان ۱۳۸۶/۴/۳۰ھ

التخریج: (۱) ...... لما فی الھندیۃ: فان لم یعرفوا اربابہ تصدقوا بہ (جلد ۵، صفحہ ۳۴۹)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

لقطہ والی انگوٹھی میں مزید سونا شامل کرلیا تو اس زیور کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

ایک شخص کے پاس ایک لڑکا کام کرتا ہے، ایک دن اس نے آکر کہا، کہ میں کسی شادی سے آرہا ہوں، وہاں میں نے جب وہ پیسے لوٹے (جو عموماً لوگ دولہا وغیرہ پر لُٹاتے ہیں) تو اس جگہ مجھے ایک انگوٹھی گری ہوئی ملی، اس آدمی کو وہ انگوٹھی اچھی لگی، تو اس نے وہ انگوٹھی لڑکے سے خرید لی، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ انگوٹھی سونے کی ہے۔ اب اس آدمی نے کچھ سونا مزید شامل کر کے اس سونے سے زیور بنوایا ہے۔ کیا اس شخص کے اہل خانہ کیلئے اس زیور کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو وہ شخص اس سونے کا کیا کرے؟

سائلہ ...... بنت محمد اشرف، جامعہ تعلیم النساء خیر المدارس، ملتان

الجواب

مذکورہ انگوٹھی لقطہ تھی، اسے مالک تک پہنچانے کا حکم تھا، اگر مالک تشہیر (سال بھر اعلانات) کے بعد بھی نہ ملتا تو اسے صدقہ کرنے کا حکم تھا، جبکہ پانے والا غنی ہو فقیر ہونے کی صورت میں اپنے استعمال میں بھی لا سکتا ہے۔ اسے خریدنا اور اس میں مزید سونا شامل کر کے دوسرا زیور بنوالینا غصب کے حکم میں ہے، اس خلط کی وجہ سے سائل سونے کا مالک بن گیا ہے۔

ہندیہ میں ہے کہ: فما لایمکن التمییز بینهما بالقسمة كخلط دهن الجوز بدهن البذر......فالخالط ضامن و لاحق للمالك في المخلوط بالاجماع. (ہندیہ، جلد۵، صفحہ۱۳۲)

لہٰذا زیور استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور سونے کی قیمت مالک تک پہنچائیں اور مالک نہ ملنے کی صورت میں اس کی قیمت صدقہ کردی جائے............ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس، ملتان	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
۸/۱/۱۴۲۸ھ	مفتی خیر المدارس، ملتان

لقطہ کی ایک عجیب صورت کا حکم:

میں مسمّٰی فقیر شاہ کراچی میں رہتا ہوں تقریباً ۱۹۹۰ء سے کراچی، کلفٹن کے ایک سکول میں چوکیداری کرتا ہوں، اور یہ سکول عیسائی لوگوں کا ہے جس میں صرف لڑکیاں پڑھتی ہیں اور صرف استانیاں پڑھاتی ہیں، اوراس سکول میں پڑھنے والی اور پڑھانے والی نہایت ہی مالدار ہیں اگران طالبات سے کوئی پین، سیاہی، کاغذ، کاپی، پنسل، پیمانے، برتن، کپڑے، پانی پینے کے کولر یا دیگر کوئی شئے وغیرہ رہ جائے یا ہاتھ سے گر جائے تو یہی لڑکیاں دوبارہ اٹھانے کو عار اور شرم محسوس کرتی ہیں اور دوبارہ ان چیزوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتیں اور خواہ وہ چیز کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو اور نہ ہی ان چیزوں کے متعلق پوچھتی ہیں، کہ میری فلاں چیز کہاں ہے؟ اگران مذکورہ اشیاء کو سکول کے چوکیدار لے لیں اور اپنے استعمال میں لائیں تو کیا چوکیدار کیلئے مذکورہ اشیاء استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اگرسکول میں کوئی چیز اِدھر اُدھر سے جمع ہو جائے تو سکول کی پرنسپل وہ چوکیداروں پر تقسیم کر دیتی ہیں اوراس کے بعد بھی بچ جائیں تو یہی پرنسپل اپنے ماتحت کم درجے والے عیسائی سکول میں بھیج دیتی ہیں تاکہ عیسائی لوگ ترقی کریں اور مسلمانوں کے سکول میں نہیں بھیجتیں، اشیاء کو بھیجنا یعنی مذہب عیسائیت کو تقویت دینا ہے۔

اگر مذکورہ اشیاء کے استعمال میں خدانخواستہ چوکیدار کیلئے شبہ ہو تو پھر چند سوالات کے جواب مطلوب ہیں!

(۱)............ میں ۱۹۹۰ء سے چوکیدار ہوں تو میں نے مذکورہ اشیاء سے اکثر چیزیں لی ہیں اور استعمال بھی کی ہیں۔ تو ان میں سے اکثر چیزیں میرے پاس موجود ہیں اور زیادہ نہیں اگر میں ان تمام کے بدلے قیمت لگا کر رقم دیدوں تو کیا میرے ذمہ سے جو حق ہے وہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

(۲)............ اگر یہ رقم مدرسہ کے طالب علم کو دے دوں جس سے وہ دینی کتب لے لیں تو کیا یہ جائز

ہے یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ کسی دینی ادارے میں یہ رقم دیدی جائے؟

سائل ...... محمد فقیر شاہ، حال مقیم کلفٹن کراچی

الجواب

ہماری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی کہ وہ لوگ گری ہوئی چیز کو اٹھانے میں عار محسوس کریں اور پتہ ہونے کے باوجود نہ اٹھائیں، تاہم اگر واقعی ایسا ہو اور ان اشیاء کو مالک تلاش نہ کرے تو آپ کا ان چیزوں کو اٹھا کر استعمال کرنا جائز ہے۔ ثم ما یجد الرجل نوعان: نوع: یعلم ان صاحبه لایطلبه کالنوی فی مواضع متفرقة ...... فی هذاالوجه له ان یاخذها وینتفع بها (الخ) (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۲۹۰)............ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۴/۱۱/۱۱ھ

لاوارث ملنے والی بچی کی پرورش کا تو حق ہے لیکن نابالغی کی حالت میں نکاح کرنے کا حق نہیں:

(۱)...... ۱۹۴۷ء کے فسادات کے موقع پر ایک عورت ایک لاوارث لڑکی کو جبکہ اس کا کوئی وارث نہ ملا، اپنے ہمراہ پاکستان لے آئی اور اس کی پرورش کی، ابھی وہ بالغ نہیں ہوئی تھی کہ اس عورت نے اس لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے سے کردیا۔ آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

(نوٹ): بچے کی عمر چند سال کی تھی، دودھ پلانے کی مدت گذر چکی تھی۔

(۲)...... بعض حضرات کہتے ہیں کہ بغیر ولی کے نابالغ کا نکاح درست نہیں ہے، مگر اس لڑکی کا بوقت نکاح بھی کوئی خاندانی ولی یا وارث نہ مل سکا، صرف پرورش کنندہ عورت نے اپنی رضامندی سے نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کردیا۔ جواب بالصواب سے مطلع فرمائیں۔

سائل ...... عبدالرحیم

الجواب

صورت مسئولہ میں لڑکی مذکورہ کا عقد نکاح اس کی نابالغی کی حالت میں عورت مذکورہ کے لڑکے سے درست نہیں ہوا، کیونکہ لڑکی مذکورہ کی ولایت حکومت کو حاصل ہے۔

كما في العالمگيرية: واللقيط حرٌ ووليّه السلطان حتى ان الملتقط اذا زوّجه امرأة او كانت جارية فزوّجها من آخر لم يجز كذا في خزانة المفتين (عالمگیریہ جلد ۲، صفحہ ۲۸۵)

اب لڑکی بالغ ہو چکی ہے تو اس کی رضامندی سے لڑکے مذکور سے نکاح ہو سکتا ہے، اور اگر نابالغ ہے تو حکومت سے اجازت حاصل کر کے نکاح جدید کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
معین مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۵/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

رحمۃ اللہ علیہ

﴿ کتاب الوقف ﴾

صرف ارادۂ وقف شرعاً وقف نہیں ہے:

پانچ سال قبل قرعہ اندازی میں میری امی کے نام حیدرآباد میمن ٹاؤن میں ایک زمین ۱۲۰ گز ملی تھی اور میری امی نے کہا تھا کہ میں یہ زمین مسجد کو دوں گی اس وقت لوگوں نے ہمیں کہا کہ آپ کے حالات صحیح نہیں ہیں اس لئے یہ زمین فروخت کر کے اپنے لئے ایک فلیٹ خرید لو، مگر میری امی نے کہا کہ میں نے نیت کر لی ہے کہ زمین مسجد کو دینی ہے اور اس وقت بھی زمین مسجد کو دینے کا ارادہ ہے لوگوں نے میری امی کو سمجھایا کہ اس زمین کے قریب دوسری مسجد ہے اس لئے یہاں مسجد بنانا صحیح نہیں تم اس زمین کو فروخت کر کے زمین کی قیمت کا ایک حصہ قریب والی مسجد کو چندہ دے دو تا کہ اس میں چھت کا کام اور دوسرے ضروری کام ہیں وہ مکمل ہو جائیں، مگر میری امی نے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ اس جگہ مسجد بنے اور اس مسجد کا نام میرے مرحوم شوہر کے نام پر ہو، حالات کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس وقت ہمیں پریشانی کا سامنا ہے۔ میرے شوہر سے میری نہ بن سکی اس وجہ سے میں گھر بیٹھی ہوئی ہوں، میرا اور میری چھوٹی بہن کا بوجھ امی جان پر ہے جبکہ میری امی کی آمدنی ۲۲۰۰ روپے ہے اور پنشن ۱۳۰۰ روپے ہے اس کے علاوہ کوئی آمدنی نہیں۔ اب آپ ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا حل بتائیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کہ زمین کو مسجد کے لئے وقف کر دیں یا اس کو فروخت کر کے اس کی رقم کا کچھ حصہ مسجد میں چندہ دے دیں اور باقی رقم اپنی ضرورت میں استعمال کر لیں۔

سائلہ......انیلہ بنت عثمان مرحوم، کراچی

الجواب

مذکورہ پلاٹ چونکہ فی الحال وقف نہیں ہوا اس لئے آپ کی والدہ ہر قسم کے تصرف کی

شرعاً مجاز ہے، اپنا مکان بنانے کی بھی شرعاً اجازت ہے، فروخت کر کے رقم اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔لما فی الاشباہ: منہا: الوقف، ولو مسجد الجامع لابد من التلفظ الدال علیہ (صفحہ ۵۲)............................ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۹/۳ھ

زمین کے کنارے کھڑے ہو کر کہا "یہاں سے مسجد کے لئے دونگا" کیا زمین وقف ہوگئی؟

ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اپنی مملوکہ زمین میں سے پانچ مرلے زمین مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں ابھی بنیاد نہیں رکھی تھی، پھر وہ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو فروخت کر کے کسی مسجد یا مدرسے کو رقم دے دوں، کیونکہ وہاں نمازی نہیں ہیں۔کیا یہ جائز ہے ان پانچ مرلوں کو باقی زمین میں سے علیحدہ نہیں کیا گیا ہے، اور نہ ہی ابھی وہاں کسی نے نماز وغیرہ پڑھی ہے مگر اس نے بیگھے کے کنارے پر کھڑے ہو کر یوں کہا تھا کہ یہاں سے دوں گا؟

سائل ...... فریاد علی ککڑ ہٹہ، کبیر والا

الجواب

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ یہ وقف تام نہیں ہوا۔(۱) لہٰذا مالکِ زمین اس کو

التخریج: (۱)......لمافی الدر المختار: وشرطہ شرط سائر التبرعات وان یکون منجزاً لا معلقا الا بکائن ولا مضافا ولا موقتا (الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۵۲۲)

ولما فی الاشباہ: منہا: الوقف، ولو مسجد الجامع لابد من التلفظ الدال علیہ (صفحہ ۵۲)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد یا مدرسے پر خرچ کر سکتا ہے۔......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۴/۳/۳۰ھ

دوکان کو مسجد کے نام کرنے کا حکم دیا ابھی عمل درآمد نہیں ہوا تھا کہ انتقال ہوگیا، کیا یہ دوکان وقف ہوگئی؟

ہماری والدہ نے بیماری کی حالت میں اور بیماری کی حالت کے بعد یہ ذکر کیا کہ "یہ دوکان مسجد کے نام کردیں" اور بیماری کے بعد تقریباً ایک سال زندہ رہیں مگر اس پر عمل درآمد نہیں کروایا گیا بات زبان پر ختم ہوگئی، اب والدہ فوت ہوچکی ہیں۔ اب شریعت اس کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے؟

سائل ...... محمد سعید، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں صرف خط کشیدہ الفاظ کہنے سے محض ارادہ معلوم ہوتا ہے اس لئے یہ دوکان وقف نہیں ہوئی (۱)۔ اس میں تمام ورثاء کا شرعاً حصہ ہے۔ البتہ اگر تمام ورثاء اپنی والدہ کے اس ارادے پر راضی ہو جائیں اور وہ دوکان مسجد کے نام کردیں تو ان کو اختیار ہے اور ان کو ثواب ملے گا۔.. فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۹/۱۱/۱۹ھ

التخریج: (۱)......لما فی الدر المختار: وشرطه (ای شرط صحة الوقف)......ان یکون منجزا مقابله المعلق والمضاف (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۶ صفحہ ۵۲۲)

ولما فی الاشباه: منها: الوقف، ولو مسجد الجامع لابد من التلفظ الدال علیه (صفحہ ۵۲)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

''یہ مکان مسجد کو دیتی ہوں'' کہنے سے مکان وقف نہیں ہوا:

مسمّاۃ وزیراں مائی نے میاں غلام رسول ومیاں عبداللطیف کو گھر بلا کران کو کہہ دیا کہ میں ''اپنا یہ مکان مسجد کو دیتی ہوں کیونکہ میرے گذارے کیلئے اور مکان ہے یہ مکان فارغ ہے اس لئے یہ مکان میں مسجد کو دیتی ہوں'' اس مکان میں ایک شخص مائی کی اجازت سے بیٹھا ہوا تھا، غلام رسول وعبداللطیف مائی کے پاس سے اٹھ کر اس شخص کے پاس آئے کہ یہ مکان مائی نے مسجد کو دے دیا ہے اب یہ مکان مسجد کا ہے، شخص مذکور نے کہا کہ ''مکان اگر مسجد کو مل گیا ہے تو کہو تو ابھی فارغ کر دوں چاہو تو قیمت لے لو'' انہوں نے کہا کہ اچھا مشورہ کر کے تمہیں بتادیں گے۔

پنچائت کے فیصلہ سے مکان کی قیمت ایک سو پچاس روپے مقرر ہوئی، دس بارہ دن کے بعد کہنے لگی کہ میں مکان مسجد کو نہیں دیتی، جمعہ کے دن فروخت کرنے کا ارادہ تھا لیکن مائی اس سے پہلے منحرف ہوگئی۔ جناب یہ تحریر فرمادیں کہ یہ مکان مسجد کا حق ہے یا نہیں؟

سائل ...... حافظ محمد یوسف، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ مائی مذکورہ جب دس بارہ دن کے بعد اپنی بات سے منحرف ہوگئی اور مکان پر اس وقت تک اہل محلّہ کا قبضہ نہیں ہوا تھا کیونکہ اہل محلّہ نے اس آدمی سے (جو کہ مائی کی اجازت سے اس میں بیٹھا ہوا تھا) فارغ کرا کر حاصل نہیں کیا، لہٰذا یہ ہبہ تام نہیں ہوا اس لئے یہ مکان مسجد کا نہیں بلکہ مائی ہی کا ہے۔

كما في العالمگيرية: ولو قال وهبت داري للمسجد او اعطيتها له صح ويكون تمليكاً فيشترط التسليم (جلد۲، صفحہ۴۶۰) وفيه ايضاً: ويعتبر في التسليم ان يكون المبيع مفرزاً غير مشغول بحق غيره (جلد۳، صفحہ۱۶)...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۶/۴/۲۰ھ

''آئندہ میری ملکیت میں جوزمین بھی آئے وہ وقف ہوگی'' کہنے کا حکم:

زید نے ایک تحریر لکھی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آئندہ جوزمین میری ملکیت میں کسی طریقے سے بھی آئے وہ وقف ہوگی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح لکھنے سے یا کہنے سے وہ زمین وقف ہوجائے گی جو بعد میں ملکیت میں آئے گی؟

سائل ...... محمد خادم، قادر پورراں

الجواب

وقف کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جائیداد واقف کی ملک ہو۔

لما فی الشامیة: قوله:''شرطهٗ شرط سائرالتبرعات'' افاد ان الواقف لا بد ان یکون مالکاً لهٗ وقت الوقف ملکاً باتاً (شامیہ، جلد۶، صفحہ۵۲۲، ط: رشیدیہ جدید)

صورت مسئولہ میں مذکورہ شرط مفقود ہے لہٰذا مذکورہ بالا مضمون لکھنے یا زبان سے کہنے کی وجہ سے آئندہ حاصل ہونے والی جائیداد شرعاً وقف نہیں ہوگی، اس پر عمل کی صورت یہ ہے کہ مِلک میں آنے کے بعد وقف کردے۔...................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیرالمدارس، ملتان

۱۴۲۸/۵/۱۰ھ

''اگر فلاں زمین میرے نام پر آگئی تو مسجد کو وقف کردوں گی'' کہنے کا حکم:

ہندہ کے نام کچھ انتقال شدہ زمین ہے لیکن وہ اس کی مِلک میں نہیں ہے ہندہ یہ کہتی ہے کہ جب وہ زمین میرے نام پر آئے گی تو میں مسجد کو وقف کردوں گی، لیکن اب اس کا خیال ہے کہ وہ اپنی زمین چھوٹی ہمشیرہ کو جو کہ شادی شدہ ہے دیدے اور اس کی چھوٹی ہمشیرہ کا خاوند غریب بھی

نہیں ہے۔آیا وہ اپنی زمین چھوٹی ہمشیرہ کو دے سکتی ہے یا نہیں؟

سائل مولوی محمد اکرم، متعلم خیر المدارس، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر ہندہ صرف ارادہ رکھتی ہے تو وہ ارادہ بدل سکتی ہے اور اگر اس نے یوں کہہ رکھا ہو کہ اگر میں مالک ہو جاؤں یا زمین میری ملک میں آ جائے تو مسجد کو دوں گی تو محض اس طرح کہنے سے وقف نہیں ہوتی البتہ نذر منعقد ہو گئی ہے اب اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔(۱)..............................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد صدیق عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	مدرس خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۲/۹/۲۸ھ

وقف کے لئے تحریر ضروری نہیں:

ایک شخص نے کچھ زمین خریدی اور اس کی زمین پر تقریباً اسّی سال پرانی مسجد تعمیر تھی اب دوبارہ زمین خریدنے والے نے کئی آدمیوں کے رو برو کہا کہ "میں یہ زمین مسجد کو وقف کرتا ہوں" اور اس مسجد کے امام نے درس دیا اور ان کے لئے دعا بھی کی کہ اے اللہ ان کی یہ زمین قبول فرمالے۔ اب وہ آدمی دوبارہ چند رشتہ داروں کے ساتھ زمین پر آ گیا اور کہا کہ یہ جگہ میں آباد کرتا ہوں اپنی زمین کے ساتھ اور اس نے مسجد کی چار دیواری بھی گرادی اور مسجد کی لیٹرینیں بھی گرادیں

التخریج: (۱)......لما فی الهندیه: ولو قال اذا قدم فلان او اذا کلمت فلاناً فارضی هذه صدقة فان هذا یلزمه وهو بمنزلة الیمین والنذر واذا وجد الشرط وجب علیه ان یتصدق بالارض ولایکون وقفاً کذا فی المحیط (عالمگیریہ جلد ۲، صفحہ ۳۵۶) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

جس پر لڑائی جھگڑا شروع ہوگیا، اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے جب مسجد وقف کردی ہے تو دوبارہ آپ کیوں لیتے ہیں مگر وہ بضد ہے کہ یہ جگہ جس پر لیٹرینیں بنی ہوئی ہیں میں نہیں دیتا میں آباد کرونگا جو جگہ گرائی ہے اس جگہ بچے بھی پڑھتے ہیں اور غسل خانے بھی ساتھ بنے ہوئے ہیں مگر یاد رہے کہ وقف صرف زبانی ہے کوئی تحریر اس پر موجود نہیں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن لوگوں نے مسجد کی دیواریں یا لیٹرینیں گرائی ہیں ان کا شرعاً کیا حکم ہے؟ انہوں نے زبانی طور پر وقف کی ہے اس صورت میں شرعاً دوبارہ واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... غلام ربانی

الجواب

صورت مسئولہ میں اس شخص نے جتنے حصے کے وقف ہونے کا اقرار کیا اتنا حصہ وقف ہو گیا، وقف کے لئے تحریر ہونا ضروری نہیں وجعله ابویوسفؒ کالاعتاق واختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسهل، بحر (درمختار، جلد ۶ صفحہ ۵۳۶، ط: رشیدیہ جدید)

وفي الشامية: واختاره المصنف تبعاً لعامة المشائخ وعليه الفتویٰ وكثير من المشائخ اخذوا بقول ابي يوسفؒ وقالوا ان عليه الفتویٰ (شامیہ، جلد ۶ صفحہ ۵۳۶، ط: رشیدیہ جدید) .... فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲/۷/۱۴۲۱ھ

انتقال کے بغیر صرف زبانی وقف کرنے سے بھی شرعاً زمین وقف ہو جاتی ہے:

ہمارے شہر میں عرصہ بیس پچیس سال سے ایک مدرسہ عربیہ صدیقیہ قائم ہے اور ابھی تک یہ جگہ مدرسہ کے نام انتقال نہیں ہے جب بھی اس جگہ کے مالک ناصر کو کہتے ہیں کہ مدرسہ کے نام

انتقال کروائیں تو یہ شخص تیار نہیں ہوتا اور کہتا ہے یہ جگہ میری ذاتی ملکیت ہے اور میں اس کا مالک ہوں جب تک شہر والے چلائیں یہ مدرسہ ہے اور جب چھوڑ دیں گے یہ جگہ میری ذاتی ملکیت ہے۔ حالانکہ پہلے شروع سے یہ جگہ مدرسہ کے لئے زبانی اقرار کرتے ہوئے وقف کر دی تھی اور یہ شخص مدرسہ کا مہتمم بھی ہے اور فخریہ انداز میں کہتا ہے کہ میں مہتمم رہوں گا اور میرا مدرسہ ہے حالانکہ تمام شہر والے اس شخص کو مدرسہ کا مہتمم ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں بار بار اسے جگہ کے انتقال کے بارے میں کہا گیا لیکن آمادہ نہیں ہے، نیز اس شخص نے اپنی تمام جائیداد اپنی تمام اولاد کے نام انتقال کر دی ہے وہ (ان کی اولاد) بھی انتقال کے لئے تیار نہیں، آیا شرعی لحاظ سے اس مدرسہ (جگہ) پر خرچ کرنا کیسا ہے؟ اسے قائم رکھیں یا چھوڑ دیں، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات اور عشر قابل قبول ہے یا نہیں؟

سائل ...... سلمان، مظفر گڑھ

الجواب

اگر شہادت شرعیہ سے مسمّٰی ناصر کا زبانی وقف کرنا شرعاً ثابت ہے تو وہ جگہ شرعاً وقف ہو چکی ہے کیونکہ مفتی بہ قول کے مطابق صرف زبان سے کہنے سے بھی وقف ہو جاتی ہے۔

ہندیہ میں ہے: اذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند ابى يوسف وهو قول الائمة الثلاثة وهو قول اكثر اهل العلم وعلى هذا مشائخ بلخ وفي المنية وعليه الفتوىٰ (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۱)

اگر مسمّٰی ناصر یا اس کی اولاد کی طرف سے مدرسہ کی عمارت وغیرہ پر قبضہ کا کوئی خطرہ نہ ہو تو مدرسہ بدون انتقال کے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ بصورت دیگر مدرسہ دوسری جگہ منتقل کرنے کی فکر کی جائے مدرسہ کا تمام سامان کتب وغیرہ دوسری جگہ منتقل ہو جائیں اور تعمیر کی اگر صحیح قیمت ناصر ادا کر دے تو اس کے ہاتھ فروخت کر دی جائے بصورت دیگر تعمیر بھی اکھیڑ لیں اور اسی نام سے مدرسہ قائم ہو جائے۔ جید علماء پر مشتمل مجلس شوریٰ بنائی جائے جو مدرسہ کا نظام چلائے اور

تعلیم کی نگرانی کرے.................................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۸/۸/۱۴۲۵ھ

بدوں قبضۂ متولی بھی شرعاً وقف صحیح ہے:

ایک شخص نے ایک دینی درسگاہ کے لئے ایک دوکان اور ایک مکان وقف کیا اور یہ کہا کہ میں تازیست اس مکان میں رہوں گا وقف سرکاری کاغذات میں مکمل کر دیا گیا اور قبضہ بھی کاغذات میں تحریر کروا دیا گیا محکمہ مال کے کاغذات میں اندراج بھی ہو چکا ہے۔ اب کچھ ایسے حالات پیش آئے ہیں کہ مالک دوبارہ رجوع کرنے کا مقدمہ کر چکا ہے، اب درسگاہ کے متولی کیا کریں؟ مقدمہ کی پیروی کرتے ہیں تو رشوت دینی پڑتی ہے۔ کیا وقف بغیر قبضۂ خارجیہ کے تام ہو چکا ہے، مالک کو حق رجوع ہے یا نہیں؟

سائل ...... مولانا محمد ظریف مدرس دار العلوم، فیصل آباد

الجواب

صورت مسئولہ میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق وقف تام ہو چکا ہے کیونکہ امام ابو یوسفؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر علماء کے نزدیک صرف زبانی وقف کرنے سے بھی وقف صحیح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہندیہ میں ہے: اذا کان الملک یزول عندھما یزول بالقول عند ابی یوسفؒ وھو قول الائمة الثلاثة وھو قول اکثر اھل العلم وعلی ھذا مشائخ بلخ، وفی المنیة "وعلیه الفتویٰ" کذا فی فتح القدیر وعلیه الفتویٰ کذا فی السراج الوھاج (جلد۲، صفحہ۳۵۱)

حضرات فقہاء نے وقف کی تعریف (جو صاحبین نے کی تھی اسے) نقل کر کے وقف کو

لازم قرار دیا ہے۔ وعندهما حبس العین علی حکم ملک الله تعالی علی وجه تعود منفعته الی العباد فیلزم ولایباع ولایوهب ولایورث كذا فی الهدایه وفی العیون والیتیمة ان الفتویٰ علی قولهما (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۳۵۰)

نیز وقف تصدّق کی ایک اعلیٰ قسم ہے اور صدقہ میں رجوع کی اجازت نہیں۔

ہدایہ میں ہے: لارجوع فی الصدقة لان المقصود هو الثواب وقد حصل (جلد۳، صفحہ ۲۹۵)

اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ موقوفہ اراضی میں رجوع کی اجازت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۹/۱۱/۳ھ

معلق بالشرط وقف صحیح نہیں:

مسمّی زید لاولد ہے اور اپنی جائیداد وقف کرنا چاہتا ہے لیکن یہ شرط کرتا ہے کہ "اگر میری اولاد پیدا ہوگئی تو وقف نہیں بلکہ میری اپنی اولاد وارث ہوگی اگر اولاد نہ پیدا ہوئی تو پھر یہ وقف ہے" تو آیا اس شرط کے ساتھ وقف کرسکتا ہے یا نہیں؟ سائل ...... غلام حسین

الجواب

اس طرح وقف صحیح نہیں۔[1] .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

اصغر علی عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۵/۸/۱۱ھ

التخریج: (۱)...... لما فی الشامیة: قوله: "لامعلقاً" كقوله: اذا جاء غد او اذا جاء رأس الشهر ...... يكون الوقف باطلاً لان الوقف لايحتمل التعليق بالخطر لكونه مما لايحلف به كما لايصح تعليق الهبة (شامیہ، جلد۶، صفحہ ۵۲۳، ط: رشیدیہ جدید) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اپنی مملوکہ دوکانیں ایک خاص شرط کے ساتھ وقف کرنے کا حکم:

تبلیغی مرکز وہاڑی والوں کے پاس ایک بھائی آیا اور اس نے بتایا کہ "میں نے اپنی ساری جائیداد اپنے بچوں اور اپنی بچیوں کے نام کردی ہے اور اپنے لئے "دو" دوکانیں رکھی ہیں ان دوکانوں کا کرایہ مبلغ ۳۰۰۰ روپے مجھے ملتا ہے میرے بچے میرے ساتھ تعاون نہیں کررہے کیونکہ وہ اس لئے ناراض ہیں کہ بچیوں کے نام جائیداد کیوں کرائی، میں ان دوکانوں کو ذخیرۂ آخرت بنانا چاہتا ہوں لیکن میں یہ دوکانیں اس شرط پر مرکز کی ضروریات کے لئے مرکز کے نام وقف کرتا ہوں کہ مجھے آپ ماہانہ تین ہزار روپے میری زندگی تک دیتے رہیں" ہم نے اس بھائی کی شرط منظور کر لی اور ان دوکانوں کو فروخت کردیا اور ان کی رقم سے ہم نے مرکز کی مسجد مقروض تھی وہ قرض ادا کردیا اور اب ہم مرکز کی طرف سے عطیات کی مد سے اس بھائی کا ماہانہ تین ہزار روپیہ دے رہے ہیں کیونکہ اس کے بغیر اس بھائی کے پاس گذارہ اور خرچہ کی کوئی صورت نہیں ہے اور اب وہ صاحب جائیداد بھی نہیں ہیں۔ اب یہ بتلایا جائے کیا یہ سارا معاملہ شرعاً جائز ہے؟ اس کے بارے میں مکمل وضاحت فرمادیں۔

سائل ...... محمد بشیر، کارخانہ بازار، وہاڑی

الجواب

مذکورہ شرط کے ساتھ وقف شرعاً جائز نہیں حضرات فقہاء نے اس کی جو صورت تجویز فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ "واقف وقف کے وقت یہ کہے کہ میں یہ دوکان وقف کرتا ہوں مدرسہ یا مسجد کے لئے اس شرط پر کہ اس کی آمدنی زندگی بھر میں لوں گا اور میرے مرنے کے بعد فلاں مسجد یا مدرسہ کے طلباء پر خرچ کی جائے" اذا وقف ارضا او شیئا آخر وشرط الکل لنفسہ او شرط البعض لنفسہ مادام حیاً وبعدہ للفقراء قال ابویوسف الوقف صحیح ومشائخ بلخ رحمهم الله اخذوا بقول ابی یوسف وعلیہ الفتویٰ (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۹۷)

اپنے گذارے کے لئے موقوف علیہ پر گذارہ الاؤنس کی شرط لگانا جائز ہے، یہ بھی سابقہ

شرط کے قریب قریب بن جاتی ہے

ہندیہ میں ہے: وقف ضيعة له على رجل على ان يعطى له كفايته كل شهر وليس له عيال فصار له عيال يعطى له ولعياله كفايتهم (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۹۹)

وقف ایک مد میں اور ماہوار عطیہ کی شرط دوسرے پر جائز نہیں کیونکہ یہ شرط فاسد ہے جیسا کہ خود موقوف پر قرض کی شرط فاسد ہے۔ لو وقف ارضا على رجل ان يقرضه دراهم جاز الوقف ويبطل الشرط (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۹۹)

باقی بیع اور مسجد کے قرض کی ادائیگی سب درست ہے کیونکہ مالک کی اجازت سے سب کچھ ہوا تھا مسجد کے فنڈ یا عام عطیات سے دینے کی بجائے اس مقصد کے لئے مستقل چندہ کرلیا جائے۔ ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۲/۷/۱۴۲۴ھ

وفات تک خود کرایہ وصول کرنے کی شرط کے ساتھ دوکان وقف کرنے کا حکم:-

ایک شخص نے بحالت صحت ایک دوکان بنام مدرسہ جامعہ قاسمیہ وقف کی اور گواہان کے سامنے اقرار نامہ اسٹام پر لکھ دیا اور شرائط یہ طے پائیں۔

(۱)...... جب تک مقرر زندہ رہیگا کرایہ دوکان کا لیتا رہے گا اور وفات کے بعد کرایہ کی وصولی کا ذمہ دار مدرسہ ہوگا۔

(۲)...... یہ دوکان علی الدوام وقف ہوگی اس کا مالک خرید وفروخت کا مجاز نہ ہوگا کرایہ صرف مدرسہ میں خرچ ہوتا رہے گا۔

(۳)......مقر کی وفات کے بعد مقر کے وارثوں کو مداخلت کا حق نہ ہوگا اگر کوئی وارث دعویٰ کرے تو وہ باطل ہوگا۔

اب ''مقر'' وفات پا چکا ہے۔کیا اس کے ورثاء کو کسی قسم کا حق شرعاً ہے؟

سائل ...... عدیل امجد، خان بیلہ

الجواب

اگر اقرار کنندہ بوقت اقرار تندرست تھا تو پھر دوکان مدرسہ کے نام وقف ہوگئی ہے۔

ہدایہ میں ہے: والوقف فی الصحة من جمیع المال (جلد۲، صفحہ۶۱۶، ط: رحمانیہ)

عالمگیریہ میں ہے:اذار وقف ارضاً اوشیئاً آخر وشرط الکل لنفسه او شرط البعض لنفسه مادام حیاً وبعده للفقراء قال ابویوسفؒ الوقف صحیح ومشایخ بلخ رحمهم الله اخذوا بقول ابی یوسفؒ وعلیه الفتویٰ (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۳۹۷)

البتہ اگر وہ بوقت اقرار مریض تھا تو پھر یہ اقرار وصیت ہے جس کا حکم یہ ہے کہ متوفی کے تہائی مال میں نافذ ہوگی۔ اگر یہ دوکان تہائی ترکہ سے کم ہے تب بھی یہ دوکان مدرسہ کے نام وقف ہوگئی ہے اور اگر تہائی ترکہ سے اس کی قیمت زیادہ ہے اور متوفی کے ورثاء اس وصیت سے راضی نہ ہوں تو ایک تہائی سے زائد ورثاء واپس لے سکتے ہیں۔

ففی الهدایة: ولووقف فی مرض موته قال الطحاوی هو بمنزلة الوصیة بعدالموت والصحیح انه لایلزمه عندابی حنیفة وعندهما یلزمه الا انه یعتبر من الثلث (جلد۲، صفحہ۶۱۶، ط: رحمانیہ)......................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۴/۱۱/۱۳ھ

اگر واقف مشترکہ پلاٹ میں سے اپنا حصہ الگ کر کے متولی کے حوالے کر دے تو اس صورت میں بالاتفاق یہ وقف درست ہے:

ایک پلاٹ چار بھائیوں میں مشترکہ ہے تین نے یہ پلاٹ مدرسہ کے لئے وقف کر دیا جبکہ چوتھے بھائی نے وقف کرنے سے انکار کر دیا آیا یہ پلاٹ وقف ہو گیا یا نہیں؟ اگر وہ پلاٹ وقف ہو گیا ہے تو ایسی جگہ پر مسجد بنانا ضروری ہے یا پلاٹ بیچ کر مختلف مدرسوں یا کسی ایک مدرسہ میں وہ رقم خرچ کر سکتے ہیں؟

سائل ...... محمد امیر خان، مدرسہ جواہر القرآن، سیالکوٹ

الجواب

مشاع کے وقف میں اختلاف ہے کہ امام محمدؒ قابل تقسیم موقوفہ اشیاء میں غیر مشاع ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں اور دونوں قولوں کی تصحیح کی گئی ہے تاہم متاخرین نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، چنانچہ ہندیہ میں ہے، والمتأخرون افتوا بقول ابی یوسفؒ انه یجوز وهو المختار، (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۶۵)

لہٰذا اگر چوتھا ساتھی وقف کرنے کے لئے آمادہ نہیں تو باقی تینوں ساتھی اپنا حصہ الگ کر کے متولی کے سپرد کر دیں، اس صورت میں وقف بالاتفاق صحیح وتام ہو جائے گا، کیونکہ امام محمدؒ غیر مشاع عند القبض کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامیؒ ایک مسئلہ کی تفصیل میں ارشاد فرماتے ہیں: لان المانع من الجواز عند محمدؒ هو الشیوع وقت القبض لا وقت العقد (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۳۵، ط: رشیدیہ جدید)

جب یہ وقف درست ہو جائے گا تو اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں بلکہ یہاں ایک ایسا مدرسہ قائم کیا جائے جو اصحاب صفہ کے اوصاف اور علوم کا پرتو ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۰/۱۲/۴ھ

مشاع زمین میں سے اپنے حصے کا وقف شرعاً جائز ہے:

بکر اور زید کی کچھ زمین مشترک ہے زید کا حصہ دو آنے اور بکر کا حصہ چودہ آنے ہے زمین کا بٹوارہ نہیں ہوا اور زمین کا مال گذاری زید نے کبھی نہیں ادا کیا زید کی زمین کی قیمت زیادہ سے زیادہ دوسو روپے اور بکر کی زمین کی قیمت چودہ سو روپے ہوگی زید نے انجمن اسلام نامی ایک دینی ادارہ کو وہ زمین وقف کر دی زمین انجمن والوں کے مکان کے قریب ہے انجمن والے اگر زبردستی کچھ حصہ داخل کرنا چاہیں تو بکر کچھ بھی نہیں کر سکتا اور واقف کا حاصلِ کلام بھی یہی ہے کہ انجمن بکر کی ناراضگی کے باوجود پورا حصہ یا کچھ حصہ زمین کا اگر داخل کرلیں تو بکر کچھ بھی نہیں کر سکتا اس طرح کے فاسد خیال کی بناء پر وقف کرنا یا بکر کی اراضی کی آمدنی کسی نیک کام میں خرچ کرنا کیا جائز ہے؟ زید اگر چاہتا تو اس کو بٹوارہ کر کے وقف کر سکتا تھا لیکن جھگڑا کرنا مقصد ہے اور خود جھگڑے سے علیحدہ ہو کر ادارہ کے سر جھگڑا سپرد کرنا چاہتا ہے۔

سائل ...... عبدالرحمٰن، لیاقت پور

الجواب

زید کا اپنے حصہ کی زمین کو بلا تقسیم کرائے کسی انجمن کے لئے وقف کرنا درست ہے امام ابو یوسفؒ وقف مشاع کے جواز کے قائل ہیں، والمتأخرون افتوا بقول ابی یوسفؒ انه یجوز وھو المختار کذا فی خزانة المفتیین (الخ) (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۳۶۵)

اگرچہ مشائخِ بخارا نے امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے جو ایسے وقف کے عدم جواز کا ہے۔ وقف المشاع المحتمل للقسمة لایجوز عند محمدؒ وبه اخذ مشائخ بخاریٰ وعلیه الفتویٰ کذا فی السراجية (ہندیہ جلد۲، صفحہ ۳۶۵)

واقف کے فسادِ نیت سے وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ حصولِ ثواب نیت پر موقوف ہے، اہل انجمن پر لازم ہے کہ وہ صرف زید کے موقوفہ حصے سے منتفع ہوں بکر کو نقصان پہنچانا یا اس

کے حصے کو بھی غصب کرنا حرام اور صریحاً ظلم ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
عبد اللہ عفا اللہ عنہ	معین مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۷۸/۱۲/۳۰ھ

وقف میں رجوع یا واپسی جائز نہیں:

زید نے اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ بقائمی ہوش وحواس بلا اجبار واکراہ بصمیم قلب ایک مسجد کے نام وقف کر دی اس کے کچھ عرصہ بعد زید اس موقوفہ جائیداد کی واپسی کا مطالبہ کسی بہانے سے کرتا ہے۔ کیا شرعاً اس کو حق پہنچتا ہے کہ جائیدادِ مذکورہ مسجد سے واپس لینے کا مطالبہ کرے اور کیا کوئی شخص اس وقف شدہ جائیداد کو واپس کر سکتا ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائی جائے؟

سائل ...... حاجی رحیم بخش، خانیوال

الجواب

وفی الدرالمختار: وعند هما هو حبسها علی حکم ملک اللّٰه تعالیٰ وصرف منفعتها علی من احب ولو غنیاً فیلزم، فلایجوز له ابطاله ولایورث عنه، وعلیه الفتویٰ، (الدرالمختار، جلد ۶، صفحہ ۵۱۸)

وفیه: الملک یزول عن الموقوف (الدرالمختار، جلد ۶، صفحہ ۵۲۶)

وفیه: لایتم الوقف حتی یقبض.......... ویفرز فلایجوز وقف مشاع یقسم خلافاً للثانی، ویجعل آخره لجهة قربة لاتنقطع .... واختلف الترجیح، والاخذ بقول الثانی احوط واسهل. بحر. وفی الدرر وصدر الشریعة: "وبه یفتیٰ" واقره المصنف (الدرالمختار، جلد ۶، صفحہ ۵۳۹-۵۳۴)

وفی ردالمحتار: تحت قوله "وجعله ابویوسف کالاعتاق" فلذالک لم یشترط

القبض والافراز (الخ) ح، ای فیلزم عنده بمجرد القول کالاعتاق بجامع اسقاط الملک، قال فی الدرر : والصحیح ان التأبید شرط اتفاقاً لکن ذکره لیس بشرط عند ابی یوسفؒ (شامیہ، جلد ۶ ،صفحہ ۵۳۶)

عباراتِ بالا سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مفتی بہ قول یہی ہے کہ ملکِ واقف شی موقوف سے زائل ہو جاتی ہے محض قول کے ساتھ، اس پر اکثر فقہاء نے فتویٰ دیا ہے پس صورت مسئولہ میں شخص مذکور کا اس جائیداد کو واپس لینے کا مطالبہ درست نہیں۔..........فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۵/ ۷/ ۱۳۸۸ھ

واقف کے ورثاء وقف زمین واپس لینے کے شرعاً مجاز نہیں:

ایک شخص نے بقائمی ہوش وحواس اپنی زندگی میں عیدگاہ کے لئے کچھ اراضی زبانی اعلانیہ وقف بحق جماعت اہل سنت والجماعت حنفی کر دی۔ اب یہ اراضی عرصہ تیس سال سے عیدگاہ اور جنازہ گاہ چلی آرہی ہے۔ مہتمم صاحب نے فوری طور پر حد بندی قائم کرنے کے لئے اسکی دیوار بھی دیدی تھی تا کہ اس کا محراب بنا کر عیدگاہ کی شکل بن جاوے جو کہ اب ویسے ہی قائم ہے۔

اب یہ عیدگاہ ریکارڈ میں بھی عیدگاہ مقبوضہ اہل اسلام شروع ہی سے چلی آرہی ہے اس شخص نے اپنی بقیہ ساری زندگی عیدگاہ میں نمازیں ادا کیں۔ اس کی وفات کے پندرہ برس بعد اس کے ورثاء اب تک عیدگاہ میں حسبِ معمول نمازیں ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ اب یہ اراضی واپس اپنے استعمال میں لے کر اس میں مارکیٹ وغیرہ بنانا چاہتے ہیں۔

(۱)......کیا یہ ورثاء پندرہ بیس برس بعد یہ اراضی واپس اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں؟

(۲)......کیا اس اراضی کو عیدگاہ کے علاوہ کسی اور مصرف میں لا سکتے ہیں؟

(۳)......کیا عیدگاہ، جنازہ گاہ اور مسجد کی زمین قابل تقسیم ورثاء ہے؟

(۴)......کچھ اراضی برلب سڑک ہے اس شخص کے ورثاء وہاں پر دوکانیں وغیرہ بنانے کے حقدار ہیں؟

سائل ...... عبدالحمید، مہتمم مدرسہ نورالہدیٰ، پھلن شریف

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق مذکورہ زمین وقف ہو چکی ہے اور واقف کی ملک سے خارج ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملک ہو چکی ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف زبان سے کہہ دینے سے واقف کی ملک سے نکل جاتی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک وقف کے الفاظ کہنے کے بعد متولی کے حوالے کرنے سے وقف تام ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ زمین واقف کی ملک سے نکل چکی ہے۔ اب اس کے ورثاء کا اپنے استعمال میں لانا اور مارکیٹ وغیرہ بنانا شرعاً جائز نہیں، نیز اس میں وراثت بھی جاری نہ ہوگی۔ عندهما حبس العين على حكم ملكِ اللّٰه تعالى على وجه تعود منفعته الي العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث......وفي العيون و اليتيمة "انَّ الفتوىٰ على قولهما" (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۰)

وفيه ايضا: واذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند ابي يوسفؒ وهو قول الائمة الثلاثة ...... وقال محمدؒ لايزول حتى يجعل للوقف وليًا ويسلم اليه وعليه الفتوىٰ (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۱) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۱/۴/۱۶ھ

خود واقف بھی رجوع کرنے کا شرعاً مجاز نہیں:

ایک شخص نے بارہ کنال زمین مدرسہ کے نام کرادی قانونی طور پر یہ مدرسہ کے نام ہوگئی اور اس پر مدرسہ کا خرچہ بھی ہوا اور کچھ وقت مدرسہ کا قبضہ بھی رہا، اب وہ واقف ارض موقوفہ واپس لینا چاہتا ہے۔ آیا شرعی طور پر واپس لے سکتا ہے؟

سائل ...... محمد رفیق، جامعہ مظاہر العلوم، قصور

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق مذکورہ زمین وقف ہوچکی ہے اور واقف کی ملک سے خارج ہوکر اللہ تعالیٰ کی ملک ہوچکی ہے۔

ہندیہ میں ہے: **عندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته الى العباد فيلزم ولايباع ولايورث ولايوهب كذا في الهدايه، وفي العيون واليتيمة ان الفتوىٰ على قولهما** (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۰)

واقف کی ملک کا زوال امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف زبان سے کہہ دینے سے ہو جائیگا اور امام محمدؒ کے نزدیک وقف کے الفاظ کہنے کے بعد متولی کے حوالے کرنے سے وقف تام ہوگا۔ **اذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند ابى يوسفؒ وهو قول الائمة الثلاثة .... وقال محمدؒ لايزول حتىٰ يجعل للوقف ولياً ويسلم اليه وعليه الفتوىٰ** (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۱)

الحاصل: یہ زمین واقف کی ملک سے خارج ہوچکی ہے اور یہ عقد لازم ہو چکا ہے لہٰذا رجوع کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۶/۴/۱۴۲۱ھ

وقف زمین کسی قیمت پر واپس نہیں ہوسکتی:

زید نے ایک دینی مدرسہ مظاہر العلوم کو کچھ رقبہ وقف کیا جو مشترک اور غیر منقسم ہے ابھی تک اس کے بھائیوں کا قبضہ ہے کچھ حصہ واقف کے اجداد نے گیارہ جون ۱۸۹۶ء کو بغیر قبضہ دیئے رہن رکھا تھا ابھی تک قرض کی ادائیگی نہیں ہوئی، مرتہن کی اولاد نے زائد از میعاد ہونے کی بناء پر بے دخلی کا دعویٰ (بعد از انتقال مدرسہ) کیا ہوا ہے معاشی حالات سے مجبور ہو کر واقف رجوع کرنا چاہتا ہے، کیا وہ شرعاً رقبہ واپس لے سکتا ہے؟ بعض کاغذات میں وقف کے بجائے ہبہ لکھا ہے کیا مدرسہ ومسجد میں ہبہ بھی وقف کے حکم میں ہوتا ہے؟ وقف نامہ مدرسہ کے پاس تحریری طور پر موجود ہے ایک اور دار العلوم کو کچھ رقبہ وقف کیا ہوا ہے وہ رقبہ رہن نہیں ہے۔ یہ رقبہ بھی مشترک غیر منقسم بھائیوں کے قبضے میں ہے اس رقبہ کو بھی واپس لینا چاہتا ہے۔ شرعی حکم مطلوب ہے یہ واضح رہے کہ قابضین نے ایک ہزار روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ابھی تک دیا کچھ نہیں انتقال اور وقف نامہ تحریری طور پر مدرسہ کے پاس ہے

سائل ...... حضرت مولانا محمد مسعود صاحب، مدرسہ عربیہ، کوٹ ادو

الجواب

صورت مسئولہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق یہ وقف درست اور لازم ہو چکا ہے، پس اس کا واپس کرنا جائز نہیں قبضہ لینے کی کوشش کی جائے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۱۴/۳/۲۳ھ

التخریج: (۱)...... واذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند ابی یوسفؒ وهو قول الائمة الثلاثة وهو قول اكثر اهل العلم وعلى هذا مشائخ بلخ (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۳۵۱)

وفی الشامية: قوله "وجعله ابويوسف كالاعتاق": فلذلك لم يشترط القبض والافراز ای: فيلزم عنده بمجرد القول كالاعتاق بجامع اسقاط الملك (شامیہ، جلد۶، صفحہ ۵۳۶) (مرتب بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

تعمیر مسجد کے لئے وقف کردہ رقم واپس نہیں ہوسکتی:

ایک مائی صاحبہ نے تقریباً اڑھائی سال پہلے مبلغ ۹۰،۰۰۰ روپے مسجد کی تعمیر کے لئے وقف کئے اور مسجد کی تعمیر مسجد کی جگہ کرایہ داروں کے خالی نہ کرنے کی وجہ سے شروع نہ ہوسکی، اب امید ہے کہ چند دنوں میں یہ جگہ انتظامیہ کو مل جائیگی اور انتظامیہ کا مسجد تعمیر کرانے کا پروگرام ہے لیکن گذشتہ رات مائی صاحبہ نے اپنی وقف شدہ رقم کی واپسی کا اصرار کیا ہے کہ وہ اس رقم سے کسی کی شادی کرائے گی اور ایک مریض کا علاج کرائے گی۔

علاوہ ازیں اس رقم میں سے ۲۷۰۰۰ روپے ابتداء میں وہ جگہ خالی کرانے اور تعمیر کرانے میں صرف ہوچکے ہیں وہ اس رقم کا بھی مطالبہ کررہی ہے۔ اس مسئلہ پر راہنمائی فرمائیں۔

سائل ...... عابد حسین، محلہ اعوان پورہ، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں شرعاً مذکورہ رقم واپس لینا جائز نہیں کیونکہ تعمیر مسجد میں رقم دینا تصدق علی المسجد ہے اور صدقہ میں رجوع جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے: **لارجوع فی الصدقة لان المقصود هو الثواب وقد حصل** (ہدایہ، جلد ۳، صفحہ ۲۹۰، ط: امدادیہ ملتان)

مسجد کی انتظامیہ مذکورہ رقم صرف تعمیر مسجد پر خرچ کرسکتی ہے کیونکہ معطی (واقف) کی شرط کا لحاظ رکھنا شرعاً ضروری ہے۔ درمختار میں ہے: **قولهم شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به** (جلد ۶، صفحہ ۶۶۴، ط: رشیدیہ جدید)

دوسرے مصرف پر خرچ کرنا موجب ضمان ہوگا۔ ...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

مملوکہ جگہ میں گلی بنانے کے بعد اسے بند کرنا:

ایک شخص اپنی زمین مملوکہ میں کوچہ گذرگاہ برائے ہمسایگان چھوڑتا ہے اور ہمسائے اس کوچہ میں اپنے دروازے بھی نکال لیتے ہیں اور گذرگاہ بھی بنالیتے ہیں اس کے بعد وہ مالک اس کوچہ کو بند کرنے یا اس کی اولاد اُسے بند کرنے کی شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟ یا وہ کوچہ وقف کے حکم میں آ کر ''الوقف لایملک ولایملک'' کے حکم میں آجاتا ہے؟

سائل ...... عنایت اللہ، اوچ شریف

الجواب

فی العالمگیریة: اما تعریفه فهو فی الشرع عند ابی حنیفة حبس العین علٰی ملک الواقف والتصدّق بالمنفعة علی الفقراء او علی وجه من وجوه الخیر بمنزلة العواری کذافی الکافی، فلایکون لازماً وله ان یرجع ویبیع...... ولایلزم الا بطریقین احدهما قضاء القاضی بلزومه، والثانی ان یخرج مخرج الوصیة فیقول اوصیت بغلة داری هٰذه فحینئذ یلزم الوقف کذا فی النهایة...... وعندهما حبس العین علی حکم ملک اللّٰه تعالیٰ علی وجه تعود منفعته الیٰ العباد فیلزم ولایباع ولایوهب ولایورث کذا فی الهدایة، وفی العیون والیتیمة ان الفتویٰ علیٰ قولهما (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۳۵۰)

اس عبارت کے دیکھنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شخص مذکور کے اس طرح کرنے سے یہ جگہ وقف کے حکم میں نہیں آئی بلکہ بدستور اس کی ملک میں ہے اس لئے اب یا تو اس کو راضی کرلیا جاوے کہ وہ اس کو بند نہ کرے یا کچھ پیسے دے کر اس سے وہ جگہ حاصل کر لی

جاوے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۲/۵/۱۴۰۶ھ

کسی زمین کے وقف کرنے سے اس میں موجود تعمیر اور درخت بھی وقف ہو جائیں گے:

ہم پانچ بھائی اور پانچ بہنیں ہیں میرے (احمد سعید) کے کہنے پر والد صاحب نے ہوش وحواس میں خوشی کے ساتھ ایک کنال رقبہ مسجد کے نام کیا تھا جس میں اس وقت سے دو کمرے بنے ہوئے ہیں اور ایک میں ایک بھائی کی رہائش ہے۔ اب والد صاحب وفات پا چکے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جگہ کا اب کیا حکم ہے کیا ان کے وقف کرنے سے وہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟

سائل ...... احمد سعید خان

الجواب

جب مکمل کنال وقف کی تو وہ کمرے بھی ضمناً وقف ہو گئے۔(۲) وہ کمرے خالی کر کے مسجد

---

(۱)......تاہم شخص مذکور یا اُس کے ورثاء کو گلی بند کرنے کا شرعاً اختیار نہیں۔ شامیہ میں ہے: وان یکون المراد ما اذا کان لہ حق المرور فی ارض غیرہ الی ارضہ فباع ارضہ مع حق مرورھا الذی فی ارض الغیر (شامیہ، جلد ۷، صفحہ ۲۷۷)

(۲)......لما فی الشامیۃ: قال فی الاسعاف ویدخل فی وقف الارض ما فیھا من الشجر والبناء دون الزرع والثمرۃ کما فی البیع (جلد ۶، صفحہ ۵۵۴، ط: رشیدیہ جدید)

وفی العالمگیریۃ: ذکر الخصاف اذا وقف الرجل ارضاً فی صحتہ علی وجوہ سماھا......فانہ یدخل فی الوقف البناء والنخیل والاشجار کذا فی المحیط (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۶۳)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کے حوالے کر دیں .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

محمد انور عفی عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۱/۱۲/۷ھ

(۱): منقولی اشیاء وقف کرنے کا حکم:
(۲): وقف کو موت کے ساتھ معلق کرنے کا حکم:
(۳): مرض الموت اور تندرستی میں وقف کرنے میں فرق:

(۱)...... کن کن چیزوں کا وقف کرنا جائز ہے؟

(۲)...... وقف کو موت کے ساتھ معلق کرنا مثلاً یہ کہنا کہ زندگی میں تو زمین وغیرہ میری ملکیت رہے گی اور مرنے کے بعد وقف ہو گی جائز ہے یا ناجائز؟

(۳)...... مرض الموت اور اس سے پہلے کی حالت میں وقف کرنے میں کوئی فرق ہے یا نہیں یعنی مرض الموت سے پہلے کتنی جائیداد وقف کر سکتا ہے اور مرض الموت میں کتنی کر سکتا ہے؟

سائل ...... فیاض الرحمٰن، خیر پور

الجواب

(۱)...... اشیاء غیر منقولہ جیسے زمین، گھر، دوکان وغیرہ ان کا وقف کرنا جائز ہے اسی طرح وہ اشیاء منقولہ جو ان اشیاء غیر منقول کے تابع ہیں جیسے زمین کے لئے آلاتِ حرث اور بیل، ٹریکٹر وغیرہ ان کا وقف بھی جائز ہے۔ اور اشیاء منقولہ میں سے گھوڑے اور جنگی ہتھیاروں کا وقف کرنا بھی جائز ہے۔ اور ان کے علاوہ جن اشیاء منقولہ کے وقف کرنے کا عرف ہو جیسے جنازہ کے لئے چارپائی مدرسہ کے لئے کتابیں، قرآن مجید، ان کا وقف کرنا بھی جائز ہے اور جن اشیاء منقولہ کا عرف نہیں جیسے حیوان، کپڑے وغیرہ ان کا وقف جائز نہیں۔ لما فی العالمگیریة: یجوز وقف العقار مثل

الارض والدار والحوانیت ...... وکذا یجوز وقف کل ماکان تبعاً له من المنقول کما لووقف ارضاً مع العبید والثیران والآلات للحرث (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۳۶۰)
واما وقف المنقول مقصوداً فان کان کراعاً او سلاحاً یجوز وفیما سوی ذالک ان کان شیأً لم یجر التعارف بوقفه کالثیاب والحیوان لایجوز عندنا وان کان متعارفاً کالفأس والقدوم والجنازة وثیابها وما یحتاج الیه من الاوانی والقدور فی غسل الموتیٰ والمصاحف لقرأة القرآن قال ابویوسفؒ انه لایجوز وقال محمدؒ یجوز والیه ذهب عامة المشایخ منهم الامام السرخسی...... وهو المختار والفتویٰ علی قول محمدؒ (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۳۶۱)

(۲)...... جائز ہے۔لما فی العالمگیریه: ولو علق الوقف بموته بان قال اذامتّ فقد وقفت داری علی کذا ثم مات صح ولزم اذا خرج من الثلث وان لم یخرج من الثلث یجوز بقدر الثلث (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۳۵۱)

(۳)...... حالت صحت میں تو جتنا چاہے وقف کرسکتا ہے ثلث مال کی مقدار ہو یا اس سے زیادہ ہو، لیکن اگر وقف کو موت کے ساتھ معلق کیا ہے کہ ''میں جب تک زندہ ہوں یہ میری زمین ہے اور میرے مرنے کے بعد وقف ہے'' تو پھر اگر زمین موقوفہ کل مال کے ثلث کے برابر ہوگی تو ٹھیک ہے اور اگر زیادہ ہے تو مقدار ثلث وقف ہوگی اور باقی ورثاء کی ہوگی اور حالت مرض الموت میں فقط ثلث مال کا وقف کرنا جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں۔متی صح الوقف بان قال جعلت ارضی هذه صدقة موقوفة مؤبدة او اوصیت بها بعد موتی فانه یصح حتی لایملک بیعه ولایورث عنه لکن ینظر ان خرج من الثلث یجوز وان لم یخرج عن الثلث یجوز بقدر الثلث (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۳۵۲)

یہ تو ضابطہ ہے ورنہ مناسب یہ ہے کہ حالت صحت ہو یا حالت مرض الموت ہو ثلث سے

زائد وقف نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے: انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالة یتکففون الناس ،(ترمذی شریف، جلد ۲، صفحہ ۴۷۶)

ترجمہ: تحقیق چھوڑے تو اپنے ورثاء کو مالدار یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو چھوڑے تنگدست کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں............................ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۲۷/۴/۱۴۱۷ھ

خانقاہ کے سامان کو دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ہے؟

منقولی اشیاء کا وقف بھی صحیح ہے:

ایک روحانی پیشوا (پیر صاحب) کا انتقال ہوگیا، اب خانقاہ کا سامان جو مہمانوں اور اہل ذکر کے لئے وقف تھا، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۱)......سامان، دیگیں، غلہ، گندم، چاول، مرچ، مصالحہ، بستر، کمبل اور لحاف مویشی وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲)......اس بزرگ کے کتب خانہ کا کیا حکم ہے؟

(۳)......سامان مستعملہ میں سے بعض پر بعض لوگوں کا دعویٰ ملکیت ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت کے ہاں تبرعاً استعمال ہوتا تھا نہ کہ وقفاً و تملیکاً ان صاحب کے پاس گواہ بھی موجود ہیں؟

(۴)......مرحوم کے بعد سامان وقف کا متولی کون ہوگا؟ متولی کے لئے متوفی کا تعین ضروری ہے یا بعد از وفات دوسرے اصحاب بھی اس کا تعین کر سکتے ہیں یا ان کو متعین من جانب المتوفی کے ردوبدل کا اختیار ہے یا نہیں؟

(۵)......ان سامان وقف کی منتقلی دوسری خانقاہ میں ہو سکتی ہے جہاں اس خانقاہ کا متولی منتقل ہوگیا ہو؟

سائل ...... فقیر محمد معصوم، غریب آباد، ڈیرہ غازی خان

الجواب

(۱)......دیگیں، بستر اور کمبل کا وقف صحیح ہوسکتا ہے جبکہ مالکان نے ان کو وقف کر دیا ہو جیسا کہ امام محمدؒ نے جنازہ اور اس کے کپڑے کلام پاک وغیرہ کے وقف کو صحیح کہا ہے اور یہی مختار ہے،

ففی الهندية: واما وقف المنقول مقصوداً .... وان كان متعارفاً كالفأس والقدوم والجنازة وثيابها وما يحتاج اليه من الاواني والقدور في غسل الموتىٰ والمصاحف لقرأة القرآن قال ابويوسفؒ انه لايجوز وقال محمدؒ يجوز واليه ذهب عامة المشائخ .... وهو المختار والفتوىٰ على قول محمد رحمه الله تعالىٰ (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۶۱)

البتہ لنگر میں جو غلہ، گندم، چاول، مرچ مصالحہ وغیرہ موجود ہے یہ اسی مصرف میں صرف کیے جائیں جس میں اس بزرگ کی زندگی میں صرف کئے جاتے تھے، بظاہر یہ اشیاء دینے کا مقصد تملیک نہیں بلکہ لنگر کی اعانت ہے۔

(۲)......کتب خانہ اگر مملوک تھا تو اب ترکہ بن کر سب وارثوں میں تقسیم ہوگا اور اگر موقوف تھا تو اب بھی وقف تصور کیا جائے گا۔

(۳)......ان اشیاء کے وقف ہونے کا اگر کافی ثبوت موجود نہ ہو تو مدعیوں کا دعویٰ اس وقت مسموع ہوگا جب ان کے اس دعویٰ پر شرعی شہادت موجود ہو۔

(۴)......اہل خانقاہ کسی دیانتدار کو متولی بنالیں جو کہ کام سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہو، (كذا في الهندية[1]) جبکہ متولی نے کسی اہل کو یہ کام سپرد نہ کیا ہو۔

التخریج: (۱)......وفي الاسعاف: لايولي الا امين قادر بنفسه او بنائبه (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۰۸)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

(۵)...... تاوقتیکہ خانقاہ آباد ہے اس کے موقوفہ سامان کو دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا۔

عالمگیری میں ہے کہ: رباط یستغنی عنہ ولہ غلۃ فان کان بقربہ رباط صرفت الغلۃ الی ذالک الرباط (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۴۷۸)...................... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۹/۸/۵ھ

سوال مثل بالا:

تقریباً ۳۵ سال سے ایک جگہ مسجد میں ایک خانقاہ بنائی گئی، ایک بزرگ خلیفۂ حضرت اقدس رائے پوریؒ نے اپنا خلیفہ وہاں بٹھایا اور آپ خود سرپرستی فرماتے رہے خانقاہ میں دینی دوست احباب برتن، بستر، گدے، پنکھے، کولر، فریزر اور استعمال کی چیزیں دیتے رہے، اب ایک سال سے وہ خلیفہ اپنے پیر بھائیوں کے حسد وعناد کی وجہ سے رائے ونڈ منتقل ہو گئے اور خانقاہ کا سامان بھی ساتھ لے آئے، اب خانقاہ مستقل رائے ونڈ میں بنا لی ہے۔ اب یہ حکم فرمائیں کہ سامان اور چیزیں شرعاً نئی خانقاہ میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ خلیفہ صاحب اس سامان کو اپنی ملکیت نہیں سمجھتے بلکہ خانقاہ ہی کی ملکیت سمجھتے ہیں۔ اب جو شرعی فیصلہ ہو بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔

سائل ...... بندہ ظفر احمد، رائے ونڈ

الجواب

اگر اب پہلی خانقاہ بے آباد ہے تو جن افراد نے یہ سامان دیا تھا ان کی اجازت سے یہ سامان آپ نئی خانقاہ میں استعمال کر سکتے ہیں۔ (۱) اور اگر پہلی خانقاہ آباد ہے تو پھر یہ سامان واپس

التخریج: (۱)......رباط یستغنی عنہ ولہ غلۃ فان کان بقربہ رباط صرفت الغلۃ الی ذالک الرباط (ہندیہ ۲/۴۷۸) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کرنا ضروری ہے، اگر چہ پہلی خانقاہ والوں نے نیا سامان ہی کیوں نہ بنالیا ہو۔ قوله "ومثله حشيش المسجد" ...... قال الزيلعي وعلى هذا حصير المسجد وحشيشه اذا استغنى عنهما يرجع الى مالكه عند محمدؒ وعند ابي يوسفؒ ينقل الى مسجد آخر ...... وصرح في الخانية بان الفتوىٰ على قول محمدؒ قال في البحر وبه علم ان الفتوىٰ على قول محمدؒ في آلات المسجد......والمراد بآلات المسجد نحو القنديل والحصير (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ۵۵۱) ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبد الحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۲/۹ھ

کتنا مال وقف کرنا چاہیے؟

کیا ساری جائیداد وقف کرنا صحیح ہے؟

ہمارے والد نے دس سال پہلے چودہ مرلے جگہ ایک مسجد کے لئے چھوڑی ہوئی ہے، اب جو رقم ان کے پاس موجود ہے اس ساری رقم سے دوسری مسجد کے لئے جگہ خریدنا چاہتے ہیں، جبکہ ان کی اولاد کو رقم کی سخت ضرورت ہے، اب آپ شرعی حکم بتلائیں کہ کیا وہ تمام رقم مسجد میں لگا سکتے ہیں؟

سائل ......محمد عبد اللہ، ملتان

الجواب

سارا مال وقف نہیں کرنا چاہیے خصوصاً جبکہ پہلے بھی جگہ مسجد کے لئے چھوڑی ہوئی ہے زیادہ سے زیادہ ثلث تک اللہ کے راستے میں خرچ کرلیا جائے اور باقی ورثاء کے لئے چھوڑ دیا جائے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے پوچھنے پر ایسا ہی فرمایا: عن عامر ابن سعد عن ابيه قال مرض مرضاً اشفى فيه فعاده رسول اللّٰه

صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال" یا رسول اللّٰہ ان لی مالاً کثیراً ولیس یرثنی الا ابنتی افا تصدق بالثلثین" قال "لا" قال "فبالشطر" قال "لا" قال "فبالثلث" قال "الثلث والثلث کثیر" (الحدیث) (ابوداؤد شریف، جلد۲، صفحہ ۴۷)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

کیا شاملاتِ دِہ کا وقف شرعاً درست ہے؟

موضع سجاول پور میں دیہی شاملات ہیں اور اس میں تقریباً سات سو افراد کی آبادی ہے یہ شاملات دراصل ایک زمیندار مسمّٰی رحیم خان کی ہے جس میں آبادکاری کا اذن عام ہے موضع مذکورہ میں سائل حبیب الرحمٰن کے والد نور محمد اور ان کے آباؤ اجداد آباد ہیں، اب سائل حبیب الرحمٰن کے والد اپنے لڑکوں سے ناراض ہو چکے ہیں اور وہ اپنے لڑکوں کو ان دیہی شاملات سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ سائل کے والد اپنے لڑکوں کو ان دیہی شاملات سے نکالنے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں جبکہ مذکورہ شاملات سرکاری کاغذات میں موصوف کے نام پر نہیں ہے صرف قبضہ کا حق ان کو حاصل ہے جیسا کہ عام لوگ اسی جگہ آباد ہیں اسی طرح سائل اور ان کے بھائی بھی آباد ہیں۔ اب سائل کے والد نے ارادہ کیا ہے کہ میں اپنی اولاد کو نافرمانی کیوجہ سے اپنی اس جائیداد سے محروم کرتا ہوں اور مسجد میں بطور وقف دیتا ہوں۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

سائل ...... حبیب الرحمٰن، شجاع آباد، سجاول پور

الجواب

فی الشامیة: افاد ان الواقف لابد ان یکون مالکاً لہ وقت الوقف ملکاً باتاً ولو

21B

بسبب فاسد (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۲۲، ط: رشیدیہ جدید)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ واقف کی اس شئی پر (جس کو وقف کرنا چاہتا ہے) ملکیت لازم ہے جب ہی وقف صحیح ہوگا پس صورت مسئولہ میں جبکہ وہ زمین از قبیلۂ شاملاتِ دِہ ہے اس لئے شخص مذکور کا اس کو مدرسہ یا مسجد کے نام پر وقف کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح | بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ | نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان | ۱۰/ ۷/ ۱۳۹۲ھ

کیا منقولی اشیاء اور ایسے ہی روپیہ پیسہ کا وقف صحیح ہے؟

غیر منقولہ جائیداد کے علاوہ جو منقولہ اشیاء مثلاً کتابیں وغیرہ وقف کی جاتی ہیں یا بطور چندہ جو رقوم ملکی ادارے یا کسی شخص کو مساجد آباد کرنے کے لئے یا مدرسوں کو چلانے کے لئے یا کسی انجمن کو چلانے کے لئے یا کسی اور شرعی مقاصد کے لئے دی جاتی ہیں کیا یہ وقف ہیں؟

سائل ...... محمود خان، سیکرٹری اوقاف بورڈ لاہور

الجواب

غیر منقولہ جائیداد کے علاوہ منقولہ اشیاء کا وقف بھی ہوسکتا ہے جن کے متعلق مسلمانانِ اہل علاقہ کا تعامل ہو۔ چنانچہ علماء احناف کی مشہور و معروف کتاب درمختار میں ہے: وکما صح ایضاً وقف کل منقول قصداً فیہ تعامل للناس کفأس وقدوم بل و دراھم و دنانیر (جلد ۶، صفحہ ۵۵۷)[1]

مذکورہ بالا عبارت سے صاف واضح ہوا کہ کتابیں اور الماریاں اور دوسرا سامان (میزیں، کرسیاں، مہمانوں کیلئے لحاف، چارپائیاں وغیرہ) وقف ہو سکتے ہیں اور جو رقوم بطور چندہ کے انجمنوں اور اداروں کو امداد کے لئے دی جائیں وہ اگر کسی مدِ تعمیر یا مدِ اطعام وغیرہ کے لئے مخصوص

کردی جائیں تو یہ بھی جائز ہے اور وہ رقم اسی مد میں صرف کرنا ارباب انجمن کو لازم ہوگا زکوٰۃ کا روپیہ اگر انجمن یا مدارس میں دیا جائے تو شرعی مصارف حسب تفصیل فقہاء بمع شرائط تملیک کا لحاظ کرتے ہوئے صرف کرنا لازم ہوگا اور اگر دراہم اور دنانیر کو وقف کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔[1] پھر اس میں وہ روپیہ بطور مضاربت کسی شخص کو دے کر اسکا منافع اس انجمن یا مدرسہ کے اوپر صرف ہوگا اور رأس المال کو محفوظ کرنا لازم ہوگا۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے: لماجری التعامل فی زماننا فی البلاد الرومية وغيرها فی وقف الدراهم والدنانير دخلت تحت قول محمدؒ المفتی به فی وقف كل منقول فيه تعامل (جلد ۶، صفحہ ۵۵۷)

وفیہ ایضاً: و عن الانصاری (وكان من اصحاب زفرؒ) فيمن وقف الدراهم او مايكال او يوزن: أيجوز ذلک؟ قال" نعم" قيل: وكيف؟ قال يدفع الدراهم مضاربة ثم يتصدق بها فی الوجه الذی وقف عليه، وما يكال او يوزن يباع ويدفع ثمنه لمضاربة او بضاعة انتهىٰ (جلد ۶، صفحہ ۵۵۸)...........فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	۲/۷/۱۳۷۶ھ

وقف کی بیع یا استبدال جائز نہیں:

"بابو نیاز احمد" نے تحصیل وہاڑی ضلع ملتان میں ایک قطعہ اراضی مدرسہ "خیر المدارس"

التخريج: (۱)......وفی العالمگيرية: رجل اعطىٰ درهماً فی عمارة المسجد او نفقة المسجد، او مصالح المسجد صح (جلد ۲، صفحہ ۴۶۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کے نام وقف کی ہے۔ جس کی رجسٹری لف ہے۔ ملاحظہ فرماویں کہ ایسی صورت میں اس زمین کو:
(۱)...... مدرسہ کے کسی مفاد کے تحت فروخت کیا جا سکتا ہے؟
(۲)...... مہتمم صاحب مدرسہ کے مفاد کے لئے کسی اور زمین کے ساتھ تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟
سائل ...... دفتر مدرسہ خیر المدارس، ملتان

الجواب

یہ اراضی حسب دستاویز ھٰذا وقف ہے اور تمامیت وقف کے بعد اراضی موقوفہ میں تصرف (انتقال ملکیت، بیع، ہبہ وغیرہ) منع ہے تاوقتیکہ واقف نے وقف میں اس کا اختیار نہ دیا ہو۔
قال فی الدر المختار: لایملک ولایملّک ولایعار ولایرهن (جلد ۶ صفحہ ۵۴۰)
وفی العالمگیریة: ولو کان الوقف مرسلاً لم یذکر فیه شرط الاستبدال لم یکن له ان یبیعها ویستبدل بها وان کانت ارض الوقف سبخة لاینتفع بها کذا فی فتاویٰ قاضیخان (جلد ۲ صفحہ ۴۰۱)

اور دستاویز ھٰذا میں چونکہ اس قسم کا کوئی اختیار متولی کو نہیں دیا گیا ہے، لہٰذا عام حالات میں متولی اراضی موقوفہ ھٰذا کو فروخت کرنے یا تبدیل کرنے کا شرعاً مجاز نہیں ہاں بعض خاص صورتوں میں دیندار قاضی و حاکم استبدال کی اجازت چند شرائط کے ساتھ دے سکتا ہے جو بظاہر صورت مسئولہ میں موجود نہیں۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۰/۶/۶ھ

وقف زمین کو کب بیچا جا سکتا ہے؟

ایک شخص نے مدرسہ کے لئے اپنی زرعی زمین سے دس مرلے یہ کہہ کر وقف کئے کہ اس میں مدرسہ کی تعمیر کر کے قرآن مجید اور دیگر دینی علوم کی تعلیم شروع کر دی جائے ارض موقوفہ تک

پہنچنے کے لئے راستہ کی سہولت نہیں باوجود کوشش کے ہمسائیگان معاوضہ لے کر بھی ارض موقوفہ تک آمدورفت کا راستہ دینے کے لئے تیار نہیں راستہ کے بغیر یہ وقف ناکارہ ہے۔ کیا اس کو بلا استعمال پڑا رہنے دیں یا اس کو بیچ کر اس کے متبادل موزوں قابل انتفاع جگہ خرید کر مدرسہ کی تعمیر شروع کر دی جائے جبکہ موجودہ وقف کے ناقابل انتفاع ہونے کی وجہ سے واقف اس کو بیچنے پر بھی راضی ہے از روئے شرع شریف اس مسئلہ میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

سائل.....عبدالغفار، جامعہ عثمانیہ شاہ صدر دین ڈیرہ غازیخاں

الجواب

ہندیہ میں ہے: ولو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له ان يبيعها ويستبدل بها ...... ولو صارت الارض بحال لاينتفع بها والمعتمد انه يجوز للقاضى بشرط ان يخرج عن الانتفاع بالكلية وان لايكون هناك ريع للوقف يعمر به وان لايكون البيع بغبن فاحش (عالمگیریہ، جلد ٢، صفحہ ٤٠١)

وفى الشامية: اعلم ان الاستبدال على ثلثة اوجه: الاول ......والثانى: ان لايشرطهٗ سواء شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بان لايحصل منه شئ اصلا او لايفى بمؤنته فهو ايضاً جائز على الاصح اذاكان باذن القاضى ورأى المصلحة فيه (شامیہ جلد ٦، صفحہ ٥٨٩)

مذکورہ بالا جزئیات سے معلوم ہوا کہ اگر اسے قابل انتفاع بنانے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں قاضی (انتظامیہ کمیٹی) اسے بیچنے یا استبدال کا مجاز ہے۔ لہٰذا اگر عدالت کے ذریعے سے راستہ نہ مل سکتا ہو تو پھر فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
٢٥/٢/١٤٢٦ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

وقف میں تبدیلی کی اجازت نہیں:

ایک آدمی نے مسجد کے لئے کچھ زمین وقف کی ہے لیکن آبادی سے کچھ دور ہونے کی وجہ سے ویران پڑی ہے مسجد بھی تعمیر نہیں ہوئی ہے صرف مٹی ڈال کر باقی زمین سے کچھ اونچی کر رکھی ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ آبادی کے قریب زمین خرید کر مسجد بنائی جائے تاکہ آبادی بھی ہو اور مسلمانوں کی ضرورت بھی پوری ہو۔

سائل ...... مختار احمد، تحصیل کہروڑپکا، ضلع لودھراں

الجواب

شخص مذکور کے زبانی وقف کر دینے سے یہ زمین وقف ہوگئی ہے اب اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔(١) اسی جگہ مسجد بنائی جائے اور اس کو آباد کیا جائے۔ واذا کان الملک یزول عندھما یزول بالقول عند ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ وھو قول الائمة الثلاثة وھو قول اکثر اھل العلم وعلی ھذا مشائخ بلخ وفی المنیة وعلیه الفتوی کذا فی فتح القدیر (ہندیہ، جلد ٢، صفحہ ٣٥١)...................... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
٢٧/٧/١٤٢٣ھ

مدرسہ کی وقف دوکان کو دوسری دوکان سے بدلنے کا حکم:

ایک دوکان بنام مدرسہ وقف ہے کچھ حضرات اس وقف شدہ دوکان کو دوسری دوکان

التخریج: (١)......ولو کان الوقف مرسلاً لم یذکر فیه شرط الاستبدال لم یکن له ان یبیعها ویستبدل بها وان کانت ارض الوقف سبخة لاینتفع بها (عالمگیریہ، جلد ٢، صفحہ ٤٠١) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

سے بدلنا چاہتے ہیں۔لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ وقف جائیداد کا تبادلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... مقبول احمد، لودھراں

الجواب

یہ تبادلہ جائز نہیں ہے مدرسہ پر جو دوکان وقف ہے اس کو نہ فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی تبدیل کر سکتے ہیں۔(۱)......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۹/٦/۱۴ھ

موقوفہ زمین کے بدلے اگر دوگنی زمین بھی ملتی ہو تب بھی اسکو بیچنا یا تبادلہ کرنا جائز نہیں:

ہمارے گاؤں چک نمبر 88/12-L میں مسجد کو کسی شخص نے ایک ایکڑ زمین وقف کر دی تھی، اب وہ زمین آبادی سے ملحق ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت دو ایکڑ کے برابر ہوگئی ہے اگر ہم اس مسجد والے ایکڑ کو پلاٹوں میں فروخت کریں تو ہمیں دو ایکڑ زمین دوسرے مربع سے ملتی ہے، اب مسجد کو ایک ایکڑ کا ٹھیکہ ملتا ہے، اگر دو ایکڑ ہو جائیں گے تو مسجد کا سالانہ ٹھیکہ دوگنا ہو جائے گا، لہٰذا اگر ایک ایکڑ کے بدلے میں دو ایکڑ زمین ہو جائے گی تو مسجد کا دوگنا فائدہ ہوگا۔قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

سائل ...... بابا صدی محمد چک 88/12-L

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریۃ: ولو کان الوقف مرسلاً لم یذکر فیہ شرط الاستبدال لم یکن لہ ان یبیعھا ویستبدل بھا وان کانت ارض الوقف سبخۃ لاینتفع بھا کذا فی فتاوی قاضیخان (جلد۲،صفحہ۴۰۱)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

صورت مسئولہ میں مسجد کے لئے موقوفہ زمین کو نہ ہی بیچنا جائز ہے اور نہ ہی کسی دوسری زمین کے ساتھ اس کا تبادلہ جائز ہے۔لما فی الدرالمختار: فاذا تم ولزم لایملک ولا یملک، ای لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالة تملیک الخارج عن ملکہ (الخ) (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ٦، صفحہ ٥٤٠)

وفی الشامیة : اعلم ان الاستبدال علی ثلثة اوجه:الاول ان یشرطهٗ الواقف لنفسہٖ اولغیرہٖ فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً ...... والثالث: ان لا یشرطهٗ ایضاً ولکن فیه نفع فی الجملة، وبدله خیرہ منه ریعاً ونفعاً، وھذا لایجوز استبداله علی الاصح المختار (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٥٨٩، ط: رشیدیہ جدید)

وفی العالمگیریة: ولو کان الوقف مرسلاً لم یذکر فیه شرط الاستبدال لم یکن له ان یبیعها ویستبدل بها وان کانت ارض الوقف سبخة لاینتفع بها (جلد ٢، صفحہ ٤٠١)

وفیه ایضاً: ولیس للقیم ولایة الاستبدال الا ان ینص له ذالک (عالمگیریہ، جلد ٢، صفحہ ٤٠٠)......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
٢/١١/١٤٢٨ھ

وقف کے بعد خود واقف بھی ردوبدل کا شرعاً مجاز نہیں:

ایک مسلمان بھائی نے مسجد کے لئے پانچ مرلہ جگہ کارنر کی تقریباً چار پانچ ماہ قبل وقف کی اور خود آ کر باپ بیٹے نے پیمائش کر کے بھائی محمد لطیف کے سپرد کر دی کہ آپ مسجد بنالیں، بھائی محمد لطیف نے مسجد کی بنیادیں وغیرہ نکلوالیں اور اس میں بجری وغیرہ اور کچھ اینٹیں وغیرہ بھی بھر دیں۔اب یہ شخص

مسجد کی جگہ میں ردو بدل کرنا چاہتا ہے اس جگہ کے بدلہ میں دوسری جگہ دینا چاہتا ہے حالانکہ نئی جگہ کہیں گھٹیا ہے اور کارنر کی نہیں ہے مسجد کی بنیادوں پر تقریباً دس ہزار روپے خرچ آ چکے ہیں کیا وہ مسجد کی جگہ وقف کرنے کے بعد ردو بدل کر سکتا ہے اور اس کے بدلے میں گھٹیا جگہ دے سکتا ہے؟

سائل ...... محمد لطیف، ٹوبہ ٹیک سنگھ

الجواب

یہ جگہ مسجد کے لئے وقف ہو چکی ہے اس لئے اس میں تبادلہ جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس ملتان

۱۴۲۲/۷/۲

وقف کے وقت زبان سے استبدال کی شرط لگائی لیکن وقف نامہ میں لکھنا بھول گیا تو کیا حکم ہے؟

ایک شخص نے ایک مدرسے کے لئے تقریباً ساڑھے سات ایکڑ زمین وقف کی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر اس بستی سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہونا پڑا تو یہ زمین فروخت کر کے اس رقم سے دوسری جگہ مدرسہ بنایا جائے گا اس کے بارے میں ایک وصیت نامہ بھی لکھا گیا لیکن اس میں تبدیلی کی نیت کے بارے میں لکھنا بھول گیا پھر یہ زمین اپنے ایک لڑکے اور تین پوتوں کے نام فرضی بیع کر کے لگا دی حالانکہ یہ حقیقت میں وقف ہے۔ کیا اب اس کو بیچ کر دوسری بستی میں اس کے بدلے

التخریج: (۱)......لما فی الدرالمختار: واما الاستبدال بدون الشرط فلا یملکه الا القاضی وشرط فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة......والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل (الدرالمختار، جلد ۶ صفحہ ۵۹۱)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

زمین لینا صحیح ہے؟ سائل ...... عبداللہ، نواب شاہ

الجواب

اگر واقعۃً وقف کے وقت تبدیلی کا تذکرہ کیا تھا تو تبدیلی جائز ہے۔

ہندیہ میں ہے: وکذا (ای یجوز) لو شرط ان یبیعها ویستبدلها بثمنها مکانها وفی واقعات القاضی الامام فخرالدین قول هلال مع ابی یوسف وعلیه الفتویٰ (جلد۲، صفحہ۳۹۹).......................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۱/۱۱/۱۴۰۴ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

مدرسہ کی زمین اور عمارت کو تبلیغی مرکز کیلئے مختص کرنا اور مدرسہ بند کرنے کا حکم:

ایک شخص نے ایک قطعہ اراضی بغرض مسجد و مدرسہ وقف کیا چنانچہ وہاں مدرسہ قائم ہو گیا اور مسجد کا سنگ بنیاد رکھ کر تعمیر شروع کر دی اور اس جگہ پر تبلیغی مرکز بھی قائم کر لیا گیا اب تبلیغی جماعت کے بااختیار احباب نے مدرسہ مذکورہ کو حکماً بند کر دیا ہے اور قطعہ اراضی بمع تعمیرات کے صرف تبلیغی مرکز کے لئے مختص کر لیا گیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدرسہ کے لئے وقف شدہ اراضی جس پر مدرسہ قائم بھی ہے کو مدرسہ بند کر کے اس کو کسی اور مصرف میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

سائل ...... صوفی حفیظ الدین، میاں چنوں

الجواب

جماعت والوں کو اس طرح کی تبدیلی کرنا ہرگز جائز نہیں ہے واقف کے منشاء کے مطابق

اس کو استعمال میں لانا لازم ہے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۷/۷/۱۴۲۴ھ

مدرسہ کی وقف زمین تبلیغی مرکز کو دینا:

ایک مدرسہ کی ضرورت کے لئے یعنی مدرسہ کے مدرسین کے مکانات کے لئے ایک قطعہ اراضی مدرسہ کی رقم سے قیمتاً خریدی گئی اور باقاعدہ قانونی طور پر مدرسہ کے نام ہوگئی اور انتقال بھی مدرسہ کے نام ہوگیا آٹھ سال تک یہ زمین مدرسہ کے نام رہی جس کے لئے یہ جگہ خریدی وہ مدرسہ جاری اور ترقی پذیر ہے اور اس زمین کی مدرسہ کو شدید ضرورت بھی ہے لیکن زید (جو کہ اس مدرسہ کی انجمن کا رکن ہے) نے مدرسہ کے متعلق بعض افراد سے ذاتی رنجش ہونے کی وجہ سے انتہائی خاموشی اور راز داری سے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے یہ قطعہ اراضی مقامی تبلیغی مرکز کے نام منتقل کرادیا ہے۔ دریافت طلب امور یہ ہیں!

(۱)......شرعاً صورت مذکورہ کا کیا حکم ہے؟

(۲)......جن کو یہ زمین منتقل کی گئی ہے ان کو یہ زمین قبول کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... ذوالفقار، فیصل آباد

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: انهم صرّحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (جلد۶ صفحہ۶۸۳)

وفی الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به (جلد۶ صفحہ۴۶۴)

مدرسہ وہیں رکھا جائے اور مرکز کو منتقل کرنے کی فکر کی جائے۔ (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

(۱)......مذکورہ تصرف شرعاً جائز نہیں یہ قطعہ اراضی مدرسہ کو واپس کرنا لازم ہے۔(۱)

(۲)...... جائز نہیں۔.................................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۴/۱/۴ھ

ایک مدرسہ کے نام زمین وقف کرنے کے بعد اقرأ والوں کو دینا جائز نہیں؟

قصور شہر میں ایک جگہ خرید کر مدرستہ البنات کے لئے وقف کی گئی ہے عرصہ دراز سے وہ جگہ پڑی رہی مختلف وجوہات کی بناء پر کام کی کوئی شکل نہ بن سکی اب مسئلہ درپیش یہ ہے کہ کراچی کی ایک تنظیم اقرأ والوں نے اس شخص سے بات کی جس نے وہ جگہ خرید کر دی تھی تو وہ شخص ان کو دینے پر رضا مند ہو گیا جبکہ اس کی رجسٹری مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات کے نام ہو چکی ہے اور ہمارے پاس موجود ہے، اور اب وہ اس وقف کو تنظیم اقرأ کے نام منتقل کر رہے ہیں اور شوریٰ کے سارے ارکان اس اقرأ کے نام منتقل کرانے پر رضا مند ہو چکے ہیں اور دستخط بھی ہو چکے ہیں سوائے ایک شخص ناصر کے وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میں اس کے متعلق شرعی مسئلہ پوچھوں گا اگر شرعاً کوئی قباحت نہ ہو تو میں دستخط کروں گا ورنہ نہیں اگر اس کے دینے میں کوئی شرعی قباحت ہے تو واضح فرمائیں، دوسرے یہ کہ اس شخص کا دستخط نہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عمر، مدہانی والا

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة (جلد۶ صفحہ۶۸۳)

وفی الدر المختار: وقف ضیعة علی الفقراء وسلمها للمتولی ثم قال لوصیّه اعط من غلتها فلانا کذا وفلانا کذا، لم یصح لخروجه عن ملکه بالتسجیل (درمختار، جلد۶، صفحہ۵۵۱) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

برتقدیر صحت سوال اس جگہ کو مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات کے لئے وقف کرنے کے بعد اسی مقصد کے لئے استعمال کریں کسی اور تنظیم وغیرہ کے حوالے نہ کریں، نیز مسمّٰی ناصر کا دستخط نہ کرنا بالکل صحیح ہے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	محمد انور عفی عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۲/۴/۱۷ھ

ایک مسجد کے لئے پلاٹ وقف کرنے کے بعد دوسری مسجد کو دینا درست نہیں:
وقف کے مصرف میں تبدیلی نہیں ہوسکتی:

ایک چوہدری صاحب نے دس مرلہ کا پلاٹ ایک زیر تعمیر مسجد ''جامعہ خلفاء راشدین'' کو وقف کر دیا اور مہتمم کو اختیار دیا کہ اس کو فروخت کر کے قیمت جامعہ کی مسجد پر لگا دیں، کچھ عرصہ بعد ایک اور مہتمم اس کو ملا اور کہا کہ اس کو میرے مدرسہ پر لگائیں چنانچہ وہ اس پلاٹ کو اونے پونے میں بیچ کر ہضم کرنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کو منع کیا اور مسئلہ بتایا کہ ایک مسجد کو وقف کر دیں تو پھر کسی اور کو نہیں دے سکتے چنانچہ وہ رک گئے پھر چونکہ مذکورہ پلاٹ کی مناسب قیمت نہیں لگ رہی تھی اس لئے ہم نے ابھی تک اس کو فروخت نہیں کیا تھا کہ چوہدری صاحب نے پھر کسی اور مسجد کو دینے کا وعدہ کرلیا ہے کہ اس کو فلاں مسجد پر لگا دیں۔ شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ کیا وہ ایک مسجد کو

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: ولایجوز له ان یفعل الا ما شرط وقت العقد......وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییره ولا تخصیصه بعد تقرره ولاسیّما بعد الحکم (جلد ۶ صفحہ ۷۰۴، ط: رشیدیہ جدید)

وفی الدر المختار: وقف ضیعة علی الفقراء وسلمها للمتولی ثم قال لوصیّه اعط من غلتها فلانا کذا وفلانا کذا لم یصح لخروجه عن ملکه بالتسجیل (درمختار، جلد ۶، صفحہ ۵۵۱) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

دینے کے بعد دوسری مسجد کو دے سکتے ہیں؟

سائل ...... محمد اسلم شاد، مدرسہ خلفاء راشدین، فورٹ عباس

الجواب

پہلے جس مسجد کی تعمیر کے لئے پلاٹ وقف کیا ہے اسی مسجد کے لئے وقف ہو گیا اس کے بعد کسی دوسری مسجد کو دینے کا شرعاً حق نہیں۔ کیونکہ وقف کے بعد وہ قطعہ واقف کی ملک سے خارج ہو گیا ہے، لہٰذا وہ تصرف کا مجاز نہیں۔ لما فی الدرالمختار: وقف ضیعة علی الفقراء وسلمها للمتولی ثم قال لوصیه اعط من غلتها فلاناً کذا وفلاناً کذا لم یصح لخروجه عن ملکه بالتسجیل (درمختار، جلد ۶، صفحہ ۵۵۱)

وفی الشامیة: ولایجوز له ان یفعل الا ما شرط وقت العقد .... وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییره ولاتخصیصه بعد تقرره ولاسیّما بعد الحکم (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۷۰۴) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۲/۴ھ

مصارفِ وقف پر اگر بینہ نہ ہوں تو استصحاب حال سے بھی فیصلہ درست ہے:

چند آدمیوں کی شہادت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زید نے اپنی زمین سے کچھ وقف کیا ہے جس کا تعین شاہدوں کی شہادت سے تقریباً تین ایکڑ کم وبیش ہے واقف تقریباً سو سال پہلے فوت ہو چکا ہے وقف کے متولی واقف کی اولاد میں سے ہیں، اب بعض متولیان اور شاہدوں کا بیان ہے کہ وقف قبرستان کے لئے تھی لیکن بعض کہتے ہیں کہ قبرستان اور عیدگاہ دونوں کے لئے تھی، اب اس وقت کچھ قبرستان ہے اور کچھ حصہ میں مسجد اور متولی کی جگہ ہے جن کو تقریباً سو سال گذر چکے ہیں

ر کچھ حصہ جس میں عمر رسیدہ لوگوں کی شہادت کے مطابق پہلے کوئی قبر نہ تھی اور نہ اب ہے متولیان نے اس ٹکڑے کو عید گاہ کے لئے متعین کر دیا تھا جس کو تقریباً اٹھارہ برس ہو چکے ہیں۔ اب مسئول نہ بات یہ ہے کہ یہ تصرف متولیان کا عید گاہ والا صحیح ہے یا نہیں؟

سائل ...... صوفی اللہ دتہ

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر شرعی بیّنہ اس امر پر موجود ہیں کہ اراضی مذکورہ قبرستان اور عید گاہ دنوں کے لئے وقف کی گئی تھی تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جانا ضروری ہے بیان جہت کے لئے ہادت بالتسامع بھی کافی ہے جیسا کہ اصل وقف کے لئے ایسی شہادت کو معتبر مانا جاتا ہے۔

ما فی تنویر الابصار: وبیان المصرف من اصلہ، قال فی ردالمحتار: مبتدأ وخبر ای قبل الشهادة على المصرف بالتسامع كالشهادة على اصله. (شامیہ، جلد ۶ صفحہ ۶۳۴)

اور جن لوگوں کا یہ بیان ہے کہ یہ صرف قبرستان کے لئے تھی بیّنہ شرعی کے مقابلے میں ان ا یہ قول قابل التفات نہ ہوگا کیونکہ بیّنہ مثبتہ شرعاً راجح ہوتے ہیں۔ اور اگر بیّنہ موجود نہیں تو بھی ا ہر بدلیل استصحاب حال متولیوں کے سابقہ تصرف کو باقی رہنے دینا چاہیے تاوقتیکہ اس کے لاف دلیلِ شرعی سے کوئی امر محقق نہ ہو جائے خصوصاً جبکہ تقریباً بیس برس سے یہ صورت موجود ہے ر متولیان نے اس پر اتفاق کیا تھا .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۸/۴/۱۹ھ

طلق دینی مصالح کے لئے وقف کردہ زمین کا مصرف مساجد و مدارس وغیرہ ہیں:

ایک محلّہ میں ایک آدمی نے ایک جگہ مسجد کے لئے وقف کر دی اور وقف شدہ جگہ پر کوئی چار

دیواری وغیرہ نہیں بنائی گئی پہلے وقف کرنے والے کے رشتہ دار نے کہا کہ تمہاری جگہ کم ہے میں اپنی جگہ جو کہ اس سے زیادہ ہے وقف کرتا ہوں۔اب سوال یہ ہے کہ پہلی وقف شدہ جگہ اب بیچی جاسکتی ہے یانہیں؟اور دوسری جگہ جہاں مسجد بنائی جارہی ہے اس کی تعمیر پر اس پہلی وقف شدہ کی رقم لگ سکتی ہے یا نہیں؟اور پہلی وقف شدہ جگہ پر کوئی نماز ادا نہیں کی گئی اور نہ ہی مسجد وغیرہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

سائل ...... محمد اسحاق، متعلم جامعہ ہٰذا

الجواب

اگر واقف نے جائیداد مطلق دینی مصالح کے لئے وقف کی تھی اگر چہ زبانی کہا تو یہ وقف صحیح ہوگیا اور اس کے بعد اس موقوفہ جائیداد کو مسجد و دینی مدارس اور دوسرے دینی مصرف میں خرچ کرنا درست ہے اور اگر وقف کرتے وقت تخصیص مسجد کی کردی تو اب اس موقوفہ زمین میں مسجد ہی بنائی جائے۔**وفی الاسعاف ولا یجوز له ان یفعل الا ما شرط وقت العقد ......وفی فتاویٰ الشیخ قاسم:"وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییره ولا تخصیصه بعد تقرره ولا سیّما بعد الحکم" فقد ثبت ان الرجوع عن الشروط لا یصح** (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ۷۰۴)(فتاویٰ محمودیہ، جلد ۱۲، صفحہ ۲۸٦)......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۶/٦/۱۴۱۷ھ

وقف جائیداد کی آمدنی کو واقف کی منشاء کے مطابق خرچ کرنا ضروری ہے:

ایک شخص نے کسی دینی ادارے کو اپنی کچھ جائیداد اس شرط پر وقف کی تھی کہ اس کی آمدنی اس ادارے کے طلباء پر خرچ کی جائے گی۔تو کیا اس موقوفہ جائیداد کو اس دینی ادارے کی انتظامیہ

فروخت کرسکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... عبداللہ مظفرگڑھ

الجواب

وقف کی جائیداد کو فروخت کرنا ناجائز اور حرام ہے۔[1] اس کی آمدنی واقف کی منشاء کے مطابق خرچ کرنا ضروری ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ

مفتی خیرالمدارس، ملتان

۵/۷/۱۴۲۸ھ

حکومت وقف زمین کسی کو الاٹ کرنے کی شرعاً مجاز نہیں:

حکومت کسی زمین کی وقف والی حیثیت ختم نہیں کرسکتی:

زمین کا ایک حصہ جو سینکڑوں برسوں سے قبرستان کہلاتا ہے اور اس زمین میں قبرستان بھی واقع ہے اور کچھ زمین قبروں سے فاضل ہے لیکن پتہ نہیں کہ واقف کون ہے اور کن شرائط پر وقف کیا گیا ہے لیکن بعد میں علاقے کے بعض لوگوں نے بطور شفعہ انگریز سرکار کے دور میں اس زمین کو حاصل کرنے کی درخواست کی تھی لیکن حکومت نے درخواست دہندگان کو بتایا کہ یہ پورا رقبہ قبرستان کے لئے وقف ہے بعد میں ایک آدمی نے اس رقبہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ہائی کورٹ نے اس کو بطور وقف قبرستان کے بحال رکھا اور علاقہ کے چند معزز لوگوں کو بطور متولی ممبر مقرر کردیا اب چند لوگوں نے موجودہ حکومت کو درخواست دی ہے کہ یہ زمین ہمیں دی جائے ابتدائی کاغذات ان

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریة: وعندهما حبس العین علی حکم ملک الله تعالیٰ علی وجه تعود منفعته الی العباد فیلزم ولا یباع ولا یوهب ولا یورث کذا فی الهدایة (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۳۵۰)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کے نام تیار کئے گئے ہیں لیکن ابھی تک کاغذات ان کے نام منتقل نہیں ہوئے علاقہ کے عوام اور ممبروں نے ان کے خلاف اپیل دائر کر دی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک حکومت اس زمین کو کسی خاص مقصد کے لئے وقف قرار دیتی ہے تو دوسری حکومت اس کی وقف والی حیثیت کو ختم کر سکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... اللہ بخش، سندھ

الجواب

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ جب ابتداء سے ہی یہ زمین قبرستان پر وقف چلی آ رہی ہے اور ہائی کورٹ نے بھی اس زمین کے بارے میں وقف کا فیصلہ بحال رکھا تو اب کسی کو اس پر ملکیت کا دعویٰ کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۲/۱۰/۱۳۹۳ھ

اسی طرح حکومت بھی شرعاً مجاز نہیں کہ قبرستان کی وقف فالتو زمین کسی جماعت کو یا فرد کو الاٹ کرے۔(۲) .... والجواب صحیح

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۲/۱۰/۱۳۹۳ھ

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: فاذا تم ولزم لایملک ولا یملک، ای لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالة تملیک الخارج عن ملکہ (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۴۰)

(۲)......لما فی البحر الرائق: والحاصل ان تصرف القاضی فی الاوقاف مقید بالمصلحة لا انه یتصرف کیف شاء فلو فعل ما یخالف شرط الواقف فانه لایصح (جلد ۵، صفحہ ۳۷۹) (مرتب بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

غاصب سے مسجد کی وقف زمین کی قیمت وصول کرنا:

ایک شخص محمد ابراہیم نامی نے اپنی زندگی کے اندر اپنے گھر والی زمین ایک مسجد کے نام انتقال کرادی کچھ عرصہ کے بعد اس کی بیوی بھی فوت ہوگئی۔ اب وہ زمین قانونی طور پر مسجد کے نام ہے لیکن اب اس عورت کا بھانجا ''ناصر'' اور بھتیجا اس زمین پر قابض ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ ''ہم اس زمین کی قیمت مسجد کے متولی کو دیں گے'' لیکن متولی مسجد کہتا ہے کہ ''ہم قیمت نہیں بلکہ زمین ہی لیں گے'' آیا اب وہ اس زمین کی قیمت کو مسجد پر صرف کرکے زمین اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد احمد، میاں چنوں

الجواب

وقف تام ہوجانے کے بعد موقوفہ زمین کی بیع، ہبہ وغیرہ سب ناجائز ہے۔

ہدایہ میں ہے: لایباع ولا یوھب ولا یورث (جلد۲، صفحہ۶۱۵، ط: رحمانیہ)

بلکہ مذکورہ زمین کا کسی دوسری زمین سے تبادلہ بھی جائز نہیں۔

درمختار میں ہے: واما الاستبدال بدون الشرط فلایملکه الا القاضی (درمختار، جلد۶، صفحہ۵۹۱)

لہٰذا ناصر پر لازم ہے کہ وہ فوراً مسجد کی زمین انتظامیہ کے حوالے کردے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۲/۸/۱۵ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

وقف زمین کے بدلے پیسے لے کر صلح کرنے کا حکم:

ایک شخص نے پانچ ایکڑ اراضی ایک مدرسہ کے لئے وقف کی لیکن اس کے بھتیجوں و دیگر رشتہ داروں نے مذکورہ پانچ ایکڑ اراضی پر قبضہ کرلیا اور عدالت میں مدرسہ کے خلاف دعویٰ دائر کردیا

مدرسہ جوابِ دعویٰ کی صورت میں خرچ کرتا رہا، اب باہمی فیصلہ سے ان لوگوں نے اراضی مذکورہ پانچ ایکڑ کا عوض اور عدالت میں خرچ شدہ رقم کی واپسی کے لئے ایک لاکھ روپیہ دیا ہے جو کہ مدرسہ کی کمیٹی کے پاس ہے مدرسہ کی آمد زکوٰۃ وعشر وغیرہ تعمیرات پر خرچ تو نہیں ہوسکتی کیا مذکورہ رقم ایک لاکھ روپیہ ازروئے شریعت مدرسہ ومسجد کی تعمیر پر خرچ ہوسکتا ہے یا طلباء کرام پر خرچ کیا جائے؟

سائل ...... اراکین کمیٹی مدرسہ عربیہ دارالعلوم، کہروڑپکا

الجواب

اگر مذکورہ پانچ ایکڑ کا وقف شرعی طریقہ سے مکمل ہو چکا تھا تو اس کی واپسی یا اس سے کسی رقم پر مصالحت کرنا شرعاً جائز نہیں، وقف زمین تا قیامت وقف رہتی ہے اس کی بیع، شراء وہبہ وغیرہ ہرگز جائز نہیں۔ ہندیہ میں ہے: **فیلزم لا یباع ولا یوھب ولا یورث کذا فی الھدایہ،** (جلد۲، صفحہ ۳۵۰)

مدرسہ کی انتظامیہ پر لازم ہے کہ وہ مذکورہ قابضین کا قبضہ چھڑا کر زمین مدرسہ کے قبضہ میں لیں۔..........................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۴/۱/۸ھ

محکمۂ ہاؤسنگ والوں سے وقف زمین چھڑانا ناممکن ہو جائے تو اس کے بدلے میں زمین لینے کی گنجائش ہے:

ایک مدرسہ کی وقف شدہ زمین میں محکمہ ہاؤسنگ والوں نے سیوریج لائن بچھا دی اور سڑک بنا دی تقریباً اٹھارہ سال سے کیس چلا آ رہا ہے اب محکمہ ہاؤسنگ والے اہل مدرسہ سے صلح

کرنا چاہتے ہیں اس شرط پر کہ مدرسہ والے جگہ چھوڑ دیں اور اس سے متصل پیچھے پلاٹ لے لیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مدرسہ والوں کے لئے ایسا کرنا درست ہے یا نہیں محکمہ سے مدرسہ کی زمین فارغ کرانا ناممکن ہے۔

سائل ...... محمد خالد، ڈیرہ غازیخان

الجواب

محکمہ ہاؤسنگ کا مدرسہ کی وقف شدہ زمین پر قبضہ کرنا ایک جرم وگناہ ہے محکمہ کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس کی تلافی کرے تلافی کی ایک صورت اس کے معاوضہ میں زمین دینا بھی ہے اگر محکمہ اس کے بدلے میں کوئی متبادل جگہ دے تو عند الضرورت لینے کی شرعاً اجازت ہے۔

لما فی الدرالمختار: لایجوز استبدال العامر الا فی اربع وفی الشامیة: الاولیٰ: لو شرطه الواقف، الثانية: اذا غصبه غاصب واجرىٰ عليه الماء حتى صار بحراً فيضمن القيمة ويشترى المتولى بها ارضاً بدلاً، والثالثة: ان يجحده الغاصب ولا بينة، اى واراددفع القيمة، فللمتولى اخذها ليشترى بها بدلها (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۹۴) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳/۲/۱۴۲۴ھ

وقف زمین فروخت کر کے شہر میں مدرسہ کھولنا:

متوفی خان حبیب اللہ خان نے اپنی زندگی میں گاؤں کی مسجد و مدرسہ کی آبادی کے لئے ستائیس ایکڑ رقبہ وقف کیا تھا، اور اپنی زندگی میں مسجد و مدرسہ کو وہ خود ہی چلاتے رہے ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سعید اللہ خان نے مسجد و مدرسہ کو چلایا لیکن غلط انتظام ہونے کی وجہ

سے مدرسہ مقروض ہوگیا جس کی وجہ سے تقریباً ایک سال تک بند کردیا گیا، اب سال کے بعد کھول دیا گیا ہے اب متولئ وقف اور کچھ دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ مدرسہ دیہات میں ہے اس لئے نہیں چل سکتا جبکہ آمدنی کافی ہے لہٰذا وقف شدہ رقبہ کچھ بیچ کر شہر میں مدرسہ بنایا جائے جو مذکورہ گاؤں والے مدرسہ کی شاخ کہلائے گا اور باقی رقبہ کی آمدنی کچھ یہاں خرچ کی جائے اور کچھ شہر میں۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں!

(۱)...... مذکورہ صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا وقف شدہ رقبے کو بیچنا جائز ہے؟

(۲)...... اگر متولی موقوفہ رقبے کو بیچ کر مذکورہ گاؤں کی مسجد و مدرسہ تعمیر کرادے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳)...... کیا موقوفہ اراضی کا تبادلہ بالاراضی جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... مولوی ریاض احمد، بورے والا

الجواب

(۱۔۲)...... صورت مسئولہ میں نہ بیع کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی تبادلہ جائز ہے کیونکہ تبادلہ کی اجازت صرف دو صورتوں میں ہے!

(الف)...... وقف کرتے وقت تبادلہ کی شرط لگادی جائے۔

(ب)...... وقف زمین کسی لحاظ سے بھی قابل انتفاع نہ رہے۔

جبکہ صورت مسئولہ ان میں سے نہیں ہے۔

شامیہ میں ہے کہ: اعلم ان الاستبدال علی ثلثة اوجه: الاول: ان یشرطه الواقف لنفسه اولغیره...... فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً والثانی: ان لایشرطه سواء شرط عدمه او سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه شیء اصلا او لایفی بمؤنته فهو ایضاً جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأی المصلحة فیه، والثالث: ان لا یشرطه ایضاً ولکن فیه نفع

فی الجملة وبدله خیر منه ریعاً ونفعاً، وهذا لایجوز استبداله علی الاصح المختار (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۹، ط: رشیدیہ جدید) ولما فی الهدایة: اذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه (جلد ۲، صفحہ ۶۱۹) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۱۱/۵ھ

وقف شدہ مکان پر نہ غاصبانہ قبضہ جائز ہے اور نہ ہی فروخت کرنے کی اجازت ہے:

ایک شخص جس کا نام حاجی ابراہیم ہے اس نے اپنی زندگی میں اپنا مکان ایک مسجد کے نام وقف کروادیا تھا عدالتی کاغذات بھی ہمارے پاس ہیں اور اس کی ایک بیوہ تھی وہ اس مکان میں رہتی تھی وہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئی، اب حاجی ابراہیم کے بھانجے نے اس مکان پر قبضہ کرلیا ہے وہ کہتا ہے یہ مکان میرا ہے، اس کی وضاحت کریں کہ یہ مکان مسجد کو ملنا چاہیے یا حاجی صاحب کی بیوی کے بھانجے کو ملنا چاہیے اور اس بات کی بھی وضاحت کریں کہ بعض آدمی کہتے ہیں کہ یہ مکان کم قیمت پر حاجی صاحب کی بیوی کے بھانجے کو فروخت کردو جبکہ مسجد والے کہتے ہیں کہ ہم یہاں مدرسہ بنائیں گے یا مسجد کی دوکانیں بنائیں گے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس مکان کو فروخت کرکے اس شہر کی تمام مساجد میں اس کی قیمت کو تقسیم کیا جائے۔ یہ صحیح ہے یا غلط حاجی صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ جب تک میری بیوی زندہ رہے گی وہ اس میں رہائش رکھے گی۔ سائل ...... محمد افضل

الجواب

مذکورہ مکان مسجد کے لئے وقف ہو چکا ہے اب وہ مسجد کی ملک ہے۔

ہندیہ میں ہے: واذا کان الملک یزول عندهما یزول بالقول عند ابی یوسف وهو قول الائمة الثلاثة وهو قول اکثر اهل العلم وعلی هذا مشائخ بلخ وفی المنیة

وعلیه الفتویٰ كذا في فتح القدير (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۳۵۱)

جب مکان مسجد کے لئے وقف ہو چکا ہے تو اس کو فروخت کرنا یا کسی کا اس پر ناجائز تسلط شریعتِ مطہرہ کی نظر میں جرم ہے اسے صرف مسجد کی ضروریات میں استعمال کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۹/۸/۱۴۱۱ھ

مغصوبہ زمین کے بدلے میں غاصب کو زمین دے کر مغصوبہ زمین میں مدرسہ بنانے کا حکم:

ایک شخص نے دو لڑکیوں کی زمین غصب کی ہے دوسرا شخص غاصب کو زمین کے بدلے میں زمین دے کر غصب شدہ زمین کو مدرسہ کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔ از روئے شریعت وضاحت فرمائیں کہ آیا اس زمین کے ساتھ تبادلہ کر کے اس زمین کو مدرسہ کے لئے وقف کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد صادق، خانیوال

الجواب

ان دونوں لڑکیوں کی رضامندی حاصل کیے بغیر مغصوبہ اراضی کو حاصل کر کے اس میں مدرسہ بنانا اور وقف کرنا شرعاً جائز نہیں۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۶/۱۱/۱۴۲۴ھ

التخريج: (۱)......لما في الشامية: قوله: وشرطه شرط سائر التبرعات، افاد ان الواقف لا بد ان يكون مالكا له وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد وان لايكون محجوراً عن التصرف، حتى لووقف الغاصب المغصوب لم يصح وان ملكه بعد بشراءٍ او صلح (شامیہ، جلد۶، صفحہ ۵۲۲، ط: رشیدیہ جدید)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد یا مدرسہ کے لئے خریدی ہوئی زمین وقف کرنے سے پہلے فروخت ہوسکتی ہے:

ایک قطعہ اراضی کو مسجد بنانے کے لئے خریدا گیا ہے لیکن اس پر ابھی تعمیر نہیں ہوئی لیکن اب قریب دوسری جگہ تعمیر مسجد کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے نیز اس کا رقبہ بھی وسیع ہے اس لئے خیال ہے کہ پہلی جگہ کو فروخت کر کے دوسرا رقبہ خرید لیا جائے جو زیادہ موزوں ہے۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ سائل ...... احمد نواز، لودھراں

الجواب

اگر زمین خریدنے کے بعد مسجد کے لئے وقف نہیں کی تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً گنجائش ہے کیونکہ "لایباع ولایوھب ولایورث" وقف کا حکم ہے چونکہ یہ زمین وقف نہیں صرف مسجد کی نیت سے خریدی گئی ہے مسجد کی نیت سے خریدنا شرعاً وقف شمار نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کی بیع کی اجازت ہے۔ ....فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۵/۲۰ھ

مسجد کے لئے زمین وقف کرتے وقت اس میں اپنے لئے دروازہ کھولنے کی نیت کرنا:

(۱)...... ایک آدمی زمین وقف کرتا ہے بنام مسجد و مدرسہ اور چاردیواری کھینچتا ہے اور اس میں نگرانی کے لئے دروازہ رکھنے کی نیت کرتا ہے۔ کیا یہ نیت اس وقت کرسکتا ہے؟

(۲)...... اسی مذکور شخص نے ایک شاہراہ وقف کی تھی اب کسی مصلحت کی بناء پر اسے بند کرسکتا ہے؟

سائل ...... محمد دین، ملتان

الجواب

(۱)...... یہ نیت کرنا درست ہے۔ عالمگیریہ میں ہے: اذا وقف ارضاً او شیئاً آخر وشرط

الکل لنفسہ او شرط البعض لنفسہ مادام حیاً وبعدہ للفقراء قال ابویوسف الوقف صحیح......وعلیہ الفتویٰ ترغیباً للناس فی الوقف (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۳۹۷)

(۲)...... اس شاہراہ کو بند کرنا درست نہیں تاکہ واقف کو اس پر آمد ورفت کا ثواب ملتا رہے۔

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۳۹۴/۱۱/۴	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

واقف کی شرائط نص شارع کی طرح واجب العمل ہیں:

میرے بھائی نے وصیت کی تھی کہ اسکی جائیداد میں سے ''سواچھ'' ایکڑ رقبہ مدرسہ کے طلباء کے لئے وقف ہے ان کا خورد ونوش اس رقبہ سے حاصل کیا جائے۔ دوسرا اس نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ اس رقبہ کو فروخت نہیں کرنا صرف طلباء کے خورد ونوش کی اجازت ہے۔ لیکن اب مدرسہ والے اس رقبہ کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کے لئے اس رقبہ کو فروخت کرنا جائز ہے؟

سائل ...... رفیق احمد، مکان نمبر ۲۴۱، لیہ

الجواب

موقوفہ زمین کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔ ہندیہ میں ہے: لایباع ولا یوھب ولا یورث کذا فی الھدایہ (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۳۵۰)

نیز واقف کی شرائط پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے۔ درمختار میں ہے: شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفھوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ (درمختار، جلد۶، صفحہ ۶۶۴)

لہٰذا اس رقبہ کی آمدنی کو طلباء پر خرچ کیا جائے رقبہ فروخت کرنے کی ہرگز اجازت

نہیں۔.......................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۵/۱/۳ھ

مسجد کی وقف زمین میں سرکاری سکول بنانا اور ایک مفتی صاحب کا غلط فتویٰ:

مسجد کے لئے وقف شدہ زمین شہر کے کچھ بڑوں نے سرکاری پرائمری سکول کے لئے دے دی اور اس پر سکول بنا دیا گیا ہے ایک مفتی صاحب نے کہا کہ اگر وہ سکول کبھی کبھار تمہارے کام آتا ہے تو جائز ہے لیکن ہم نے اس سکول کو صرف ایک مرتبہ جلسہ پر علماء کو بٹھانے کے لئے استعمال کیا ہے جبکہ ہماری ضرورت اس کے علاوہ بھی پوری ہو جاتی ہے۔

سائل ...... محمد احمد، رحیم یار خاں

الجواب

مسجد کے لئے وقف اراضی پر سکول بنانا جائز نہیں ہے۔[1]...........فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۶/۵ھ

وقف مال بطور قرض دینے کا حکم:

متولی مدرسہ چرم وغیرہ یا عطیات میں سے کسی کو رقم بطور قرض دے سکتا ہے یا نہیں؟

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة (جلد ۶، صفحہ ۶۸۳)
مذکورہ مفتی صاحب کا یہ قول محل نظر بلکہ غلط ہے۔ (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

نیز اس بارے میں بھی مفصل تحریر فرمائیں کہ متولی مال میں وکیل ہے یا نہیں؟

سائل ...... حافظ محمد عباس، جنڈ والہ، بھکر

الجواب

قیمت چرمہائے قربانی کسی سے تملیک کرانے سے قبل اس میں کوئی قرض وغیرہ کا تصرف کرنا مہتمم کے لئے جائز نہیں ہے اور دیگر عطیات، چندہ میں اس زمانے کے اندر اصل تو یہی ہے کہ قرض نہ دیا جائے کیونکہ وصولی دشوار ہو جاتی ہے اور رقم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن اگر کسی معتمد کو جہاں ضیاع کا اندیشہ نہ ہو قرض دیا تو اس کی بھی فی الجملہ شرعاً گنجائش ہے۔

اراد المتولی ان یقرض ما فضل من غلۃ الوقف ذکر فی وصایا فتاوی ابی اللیث رجوت ان یکون ذالک واسعاً اذا کان اصلح واجریٰ للغلۃ (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۹۰)

جزئیہ ہٰذا سے معلوم ہوا کہ اسمیں یہ بھی شرط ہے کہ قرض فاضل آمدنی سے دیا جائے نیز یہ کہ اس میں وقف کا فائدہ بھی ہو۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۶/۱/۹ھ

مسجد یا مدرسہ کا چندہ گم ہو جائے تو وجوب ضمان میں تفصیل:

زید انجمن کا تنخواہ دار سفیر ہے اس کے پاس فراہم کی ہوئی چندہ کی رقم ہے جو اس نے اپنی جیب میں رکھی ہوئی ہے تاکہ انجمن تک پہنچا دے راستے میں رقم کسی جیب کترے نے اڑا لی تو بحوالہ کتب بتلائیں کہ ایسی رقوم سفیروں کے پاس امانت ہوتی ہیں یا نہیں؟ کیا انجمن کو شرعاً اختیار ہے کہ اس سفیر کی درخواست پر یہ رقم معاف کر دے؟

سائل ...... عمر فاروق

الجواب

سفیر کو جو روپیہ چندہ کا ملتا ہے وہ اس کے پاس امانت ہوتا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر سفیر نے اس چندہ والے روپے میں کسی قسم کا ذاتی تصرف نہیں کیا تھا سوائے اس کے کہ اتنا خرچ کیا جتنی اس کو ضرورت تھی باقی روپیہ اس نے بعینہٖ محفوظ رکھا نہ اس کو ذاتی ضروریات میں خرچ کیا اور نہ اس کو ذاتی روپیہ کے ساتھ ملایا تب تو وہ شخص امین ہی رہا اس پر ضمان نہیں ہے۔ لیکن اگر اس نے کچھ روپیہ اپنی ذاتی ضروریات میں خرچ کر لیا تھا کہ گھر پہنچ کر واپس دیدونگا یا ذاتی روپیہ سے خلط کر دیا تب یہ شخص مستقرض ہو گیا اب چندہ کا روپیہ اس پر قرض ہو گیا دریں صورت اس پر ضمان واجب ہوگی۔[۱] ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	۱۳۶۹/۱/۱ھ

مشترکہ طور پر بنایا گیا مہمان خانہ وقف کی تصریح کے بغیر وقف شمار نہ ہوگا:

میرے والد محترم (مرحوم) محمد صدیق (قوم راجپوت سکنہ کلور کوٹ ضلع بھکر) نے ایک عدد پلاٹ محکمہ بحالیات کو قیمت ادا کر کے حاصل کیا اس کے کچھ عرصہ بعد ہماری برادری کے کچھ لوگوں کو یہ ضرورت پیش آئی کہ محمد صدیق مذکور کے پلاٹ پر مہمانوں کے قیام کے لئے مشترکہ خرچہ سے ایک کمرہ تعمیر کریں۔ پس نو (۹) افراد (جس میں محمد صدیق بھی شامل ہے) نے مشترک طور

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریة: رجل جمع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق من تلک الدراهم فی حاجته ثم ردّ بدلها فی نفقة المسجد لایسعه ان یفعل فان فعل ...... اما الضمان فواجب کذا فی الذخیرة (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۴۸۰) وکذا فی البحر الرائق: (جلد۵، صفحہ ۴۲۰) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

پر یہ کمرہ تعمیر کرا دیا اور اس طرح یہ کمرہ مہمان خانہ کے طور پر استعمال ہونے لگا، برادری کے جن لوگوں نے کمرے کی تعمیر میں حصہ ڈالا تھا اب ان میں سے سات افراد بشمول میرے والد صاحب مرحوم وفات پا چکے ہیں اس مرحلہ پر میں اپنی اولاد کیلئے میں اپنے والد مرحوم کے ملکیتی پلاٹ پر رہائشی کمرے تعمیر کرانا چاہتا ہوں اور میرے والد مرحوم نے برادری کے لوگوں کے جو نام لکھوائے تھے کہ وہ بطور بیٹھک اس جگہ کو استعمال کرتے رہیں ان کو میں ایک کمرے کی موجودہ قیمت تقریباً ''چون ہزار روپے'' (۵۴۰۰۰) ادا کرنے کے لئے تیار ہوں اس وقت پلاٹ پر مکمل میرا قبضہ ہے اب میں چاہتا ہوں کہ ان افراد کو جن کے نام لکھے ہوئے ہیں یا ان کے ورثاء جو موجود ہیں ان کو اس پلاٹ پر تعمیر کیے گئے کمرے کی موجودہ قیمت چون ہزار روپے برابر تقسیم کر دوں جو کہ فی کس ''چھ ہزار'' روپے بنتا ہے۔ اب اس معاملہ میں شرعی فتویٰ صادر فرما دیں۔

سائل ...... محمد یامین، محلّہ مبارک کلور کوٹ، بھکر

الجواب

فقہاء کرام نے وقف کی صحت کے لئے جن شرائط والفاظ کا ذکر کیا ہے ان کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مذکورہ کمرہ وقف نہیں ہوا، لہٰذا مذکورہ کمرہ کی قیمت کی ادائیگی کے بعد سائل کمرہ کا مالک ہوگا اور تصرف کرنے میں خود مختار ہوگا۔

لما في البدائع: ومنها ان يخرجه الواقف من يده ويجعل له قيماً ...... ومنها ان يجعل اخره بجهة لاتنقطع ابداً (الخ) (جلد۲، صفحہ۲۳۰)

وفي الدر المختار: وركنه الالفاظ الخاصة كارضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ونحوه من الالفاظ كموقوفة الله تعالى او على وجه الخير او البرّ واكتفى ابويوسف بلفظ موقوفة فقط (جلد۶، صفحہ۵۲۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۱۴/۲۲ھ

مدرسہ کے لئے وقف لاؤڈ اسپیکر کو مسجد کے لئے بلا معاوضہ استعمال کرنا:

ایک لاؤڈ سپیکر جو ایک اسلامی درسگاہ کے نام وقف ہے اس کو بلا معاوضہ دوسری جگہ (شہر کی جامع مسجد) میں لگانا جس کے لگانے سے درسگاہ کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے حالانکہ اسلامی درسگاہ خود مالی مشکلات میں پھنسی ہوئی ہے ایسی حالت میں بلا معاوضہ لاؤڈ اسپیکر شہر کی جامع مسجد میں لگا کر درسگاہ کو نقصان پہنچانا جائز ہے یا ناجائز؟

(نوٹ) درسگاہ اور جامع مسجد کی انتظامیہ کمیٹی ایک ہی ہے۔

سائل ...... ہیڈ ماسٹر مدرسہ عربیہ دار العلوم الاسلامیہ اشاعت القرآن ڈگری

الجواب

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت سوال جبکہ یہ لاؤڈ سپیکر اسلامی درسگاہ کے نام وقف ہے اور واقف نے بوقت وقف اسے جامع مسجد میں استعمال کرنے کا ذکر نہیں کیا تو اب اسے اسلامی درسگاہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ میں بلا معاوضہ استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔[1] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۱/۱/۱۳۷۹ھ

محکمہ اوقاف میں ملازمت کا حکم:

پاکستان کے اندر جتنے مزارات ہیں ان کے اوپر غیر اللہ کے نام کا پیسہ جمع ہوتا ہے نیز یہ

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۸۳)

وفی البحر: وفی القنية: سبل مصحفاً فی مسجد بعينه للقرأة ليس له بعد ذالک ان يدفعه الی آخر من غير اهل تلک المحلة (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۳۸۲) (مرتب بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

پیسہ تمام اوقاف کے اندر کام کرنے والے ملازمین کو دیا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے نیز اس کے اندر اوقاف کی مساجد کے علماء بھی شریک ہیں؟

سائل ...... فیاض ندیم، بہاول نگر

الجواب

چونکہ محکمہ اوقاف کی بہت سی مدات ہیں اور اکثر آمدن ناجائز بھی نہیں ہے اس لئے اوقاف کے محکمہ میں ملازمت جائز ہے اور تنخواہ لینا بھی جائز ہے، کما فی احسن الفتاویٰ (جلد ۶، صفحہ ۴۱۶) ....فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۶/۶/۲۷ھ

پڑھنے کے بعد وقف کرنے کی نیت سے خریدی گئی کتب وقف نہیں جب تک کہ زبان سے وقف نہ کرے:

اگر کوئی شخص دینی کتب اس نیت سے خریدے کہ پڑھنے کے بعد انہیں وقف کر دوں گا یہ نیت اس نے زبان سے بھی کی ہو لیکن بعد میں ان کو بیچ کر قیمت اپنے استعمال میں لے آیا ہو ایسا کرنا جائز ہے؟

سائل ...... محمد فہیم بستی خداد، ملتان

الجواب

اس نیت کے ساتھ خریدنے سے وہ کتب وقف نہیں ہوں گی۔[1] لہٰذا ان کتابوں کو فروخت

التخریج: (۱)...... لما فی الشامیة: وان یکون منجزاً مقابله المعلق والمضاف (جلد ۶، صفحہ ۵۲۳)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کر کے ان کی قیمت کو اپنے استعمال میں لانا درست ہے۔...........فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۳/۱/۳ھ

مدرسہ کی زائد از ضرورت کتب کا دوسرے مدرسہ کے ہاتھ فروخت کرنا یا مفت ہبہ کرنا:

مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے کتب خانہ میں وقف کی کتابیں ہیں اب ان میں سے کچھ کتب مدرسے کے استعمال کے قابل نہیں بوجہ قدیم ہونے کے یا غیر درسی ہونے کے یا ایسی کتب ہیں جن پر حاشیہ ہے اور اب وہ طلبہ کو نہیں دی جاتیں بلکہ بلا حاشیہ والی کتب (نحو کی ابتدائی) دی جاتی ہیں اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ آیا اب ان کو بیچنا یا کسی دوسرے مدرسے کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... حبیب الرحمٰن، مدرسہ عربیہ رائیونڈ

الجواب

ایسی کتب جو قدیم اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے بالکل نا قابل انتفاع ہیں تو ان کو بیچنا یا کسی کو ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے۔حشيش المسجد اذا خرج من المسجد ايام الربيع ان لم يكن له قيمة لابأس بطرحه خارج المسجد ولا بأس بدفعه والانتفاع به (خلاصۃ الفتاویٰ، جلد۴، صفحہ۴۲۵)

اور ایسی کتب جو اگرچہ غیر درسی ہیں لیکن قابل انتفاع ہیں تو ان کو بیچنا یا کسی کو ہبہ کرنا یا کسی مدرسے کو دینا جائز نہیں۔اذا وقف كتباً وعين موضعها فان وقفها على اهل ذالك الموضع لم يجز نقلها منه لالهم ولالغيرهم (شامیہ، جلد۶، صفحہ۵۶۱)۔فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۹/۱۱/۲۸ھ

مسجد کیلئے وقف کتبِ حدیث کو صندوق میں بند کر کے رکھنا اور کسی کو مطالعہ کیلئے نہ دینا کیسا ہے؟

ہمارے چک نمبر 123/10-R جدید میں تقریباً ۱۹۷۴ء سے احادیث کی متعدد کتب کسی شخص نے ہماری مسجد کو دے دیں وہ کتب اس وقت سے ایک صندوق میں مقید ہیں ایک آدمی نے اس صندوق کو تالا لگایا ہوا ہے۔ ان کتبِ احادیث کا شرعی رو سے کیا حل ہے اور ان کتبِ احادیث کو مقید کرنے کا گناہ کس پر لازم ہوگا۔ آیا یہ کتب کسی درس میں دے دی جائیں یا ان کو عام پڑھنے کے لئے رکھ دیا جائے ان کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

سائل ...... محمد عبداللہ

الجواب

ان کتب کو بند کر کے نہ رکھا جائے بلکہ عام افراد کے مطالعہ کے لئے باہر رکھ دیں۔(۱)

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۷/۱۱/۱۴۲۰ھ

اقوام متحدہ کے تیار کردہ تالابوں سے نفع اٹھانا کیسا ہے؟

قبل از قیامِ پاکستان کچھ غیر مسلموں نے خلقِ خدا کو نفع پہنچانے کے لئے کچھ رفاہی کام کئے مثلاً کنویں، چشمے، تالاب وغیرہ اور آج کل پرائیویٹ غیر مسلم تنظیمیں اقوام متحدہ کے فنڈ سے یا

التخریج: (۱)......لمافی الشامیة: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٦٨٣)

وفیه ایضاً: وان وقفها علی طلبة العلم فلکل طالب الانتفاع بها فی محلها (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٥٦١)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اپنے ممالک کی گرانٹ سے آب نوشی کی سکیمیں بناتے ہیں ہمارے مسلمان بھائی ان سے پانی پیتے ہیں اور کچھ لوگوں نے اس کے لئے اپنی زمینیں وقف کر رکھی ہیں۔ اب پہلا سوال یہ ہے کہ ان کا پانی پینا حلال اور جائز ہے یا نہیں؟

(۲)......جن لوگوں نے اپنی زمینیں وقف کی ہیں وہ عنداللہ ماً جور ہوں گے یا نہیں؟

(۳)......ان غیر مسلموں سے اظہار تشکر از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

سائل......حاجی عبدالغفار، ملتان

الجواب

(۱)......کافر ذمی کا وقف شرعاً درست ہے۔ ہندیہ میں ہے: امّا الاسلام فلیس بشرط فلو وقف الذمی علی ولدہٖ ونسلہٖ وجعل آخرہٗ للمساکین جاز ویجوز ان یعطی المساکین المسلمین واهل الذمة (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۳۵۲)

مذکورہ بالا جزئیہ سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے وقف سے مسلمان منتفع ہو سکتے ہیں، لہٰذا مذکورہ تالابوں وغیرہ سے پانی پینے کی گنجائش ہے لیکن ان کی سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

(۲)......زمین کا وقف بھی جائز ہے اور ان شاء اللہ عنداللہ ماً جور ہوں گے۔

(۳)......غیر مسلم کا شکریہ ادا کرنے کی گنجائش ہے تاہم حد سے تجاوز نہ کرے۔ نیز علماء اور دوسرے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ وہ رفاہی ادارے عوام الناس کے ایمان سے نہ کھیلیں۔......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۳/۱۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

کیا وقف زمین کی پیداوار سے عشر نکالنا ضروری ہے؟

(۱)......رائے ونڈ مرکز کی تقریباً دس مربع زمین ہے جہاں ہر سال سالانہ اجتماع منعقد ہوتا ہے۔ اس زمین پر ہر سال دو فصلیں کاشت کی جاتی ہیں جبکہ یہ زمین ٹیوب ویل کے ذریعے سینچی جاتی ہے یہ وقف شدہ زمین ہے اور اس کا ایک متولی بھی مقرر ہے۔ آیا اس وقف شدہ زمین کا عشر نکالنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲)......اس کے عشر کا مصرف کیا ہوگا؟

سائل ......مولوی حبیب الرحمٰن، مدرسہ عربیہ رائیونڈ

الجواب

(۱)......وقف شدہ زمین کی پیداوار سے بھی عشر نکالنا شرعاً واجب ہے۔

لمافی الدر المختار: ویجب (العشر) مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب ومأذون ووقف وفی الشامیة: قوله "ووقف" افاد ان ملک الارض لیس بشرط وانما الشرط ملک الخارج لانه یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکه له وعدمه سواء، بدائع (درمختار مع الشامیہ، جلد ۳، صفحہ ۳۱۴)

اور چونکہ یہ زمین ٹیوب ویل کے پانی سے سینچی جاتی ہے، لہٰذا اس میں نصف عشر نکالنا واجب ہے۔ لما فی الدر المختار: ویجب نصفه فی سقی غرب ای دلو کبیر ودالیة ......لکثرة المؤنة، وفی کتب الشافعیة: او سقاه بماء اشتراه، وقواعدنا لا تأباه (جلد ۳، صفحہ ۳۱۶)

(۲)......اس عشر کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔

لما فی الدر المختار: باب المصرف ای مصرف الزکوٰة والعشر..........هو فقیر (الخ) (درمختار، جلد ۳، صفحہ ۳۳۳)

وفی الشامیة: قوله "ومصرف الجزیة والخراج" قید بالخراج لان العشر مصرفه

مصرف الزکاۃ (شامیہ، مطلب فی مصارف بیت المال، جلد۶، صفحہ ۳۳۵)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

کتبہ: محمد ابو الدرداء عفی عنہ
متخصص فی الفقہ
۱۴۱۸/۳/۲۳ھ

وقف ووصیت کی ایک عجیب صورت:

زید نے (جو غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے لاولد ہے) اپنی جائیدادِ منقولہ اور غیر منقولہ کے متعلق روبرو گواہان یہ لکھ دیا کہ ''اگر کسی جگہ میری شادی ہو جائے اور اولاد پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں صرف چوتھا حصہ اس کا ہوگا اور باقی تین حصے منقولہ وغیر منقولہ کو وقف بنام فلاں ادارہ کرتا ہوں جائیدادِ موقوفہ سے میرا تعلق صرف تازیست آمدنی وفرد ختگی سے ہوگا اور اگر شادی اور اولاد نہ ہوئی تو سالم جائیداد وقف تصور ہوگی'' پھر اس زید نے جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ اپنے قبضے میں رکھی۔ اب چند سوال ہیں!

(۱)......شرعاً زید کے بیان مذکورہ کی حیثیت وصیت نامہ کی ہے یا وقف نامہ کی؟

(۲)......اس بیان کے بعد زید اپنی تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ یا اس کا کچھ حصہ فروخت کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ زید نے اس بیان کے بعد اپنی زندگی میں جائیداد کا کچھ حصہ فروخت کر دیا تھا اور رقم وغیرہ اپنی ذات پر صرف کرتا رہا نیز بعض دینی اداروں کو چندہ بھی دیتا رہا۔

(۳)......کیا وہ اپنی ''جائیداد'' ادارۂ مذکورہ کے بجائے کسی دوسرے دینی ادارہ کے نام وقف کر سکتا ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ زید نے جس ادارے کے نام جائیداد وقف کی تھی اس ادارے کے منتظم کو قبضہ بھی دے دیا تھا۔ سائل ...... حافظ محمد بلال، لوہاری گیٹ، لاہور

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مذکورہ تحریر کی حیثیت وصیت نامہ کی ہے کیونکہ زید

نے تازیست فروختگی اور آمدنی کا حق اپنے لئے رکھا ہے اور حق فروختگی صحتِ وقف سے مانع ہے۔

ہندیہ میں ہے: ومنها ان لایذکر معه اشتراط بیعه وصرف الثمن الی حاجته فان قاله لم یصح الوقف فی المختار کما فی البزازیة (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۳۵۶)

وفیه ایضاً: ان کان الواقف قال فی اصل الوقف علی ان ابیعها ...... قال هلال: "هذا الشرط فاسد یفسد به الوقف" (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۳۹۹)

مذکورہ بالا جزئیات سے معلوم ہوا کہ فروختگی کا حق رکھنے کی صورت میں وقف درست نہیں ہوتا۔ البتہ خط کشیدہ الفاظ سے وارث شرعی ہونے کی صورت میں تیسرا حصہ (۱/۳) وقف سمجھا جائے گا ورثاء کی اجازت یا وارثِ شرعی نہ ہونے کی صورت میں کل جائیداد موت کے بعد وقف ہوگی۔

ہندیہ میں ہے: ولو علق الوقف بموته بان قال اذا مت فقد وقفت داری علی کذا ثم مات صح ولزم اذا خرج من الثلث وان لم یخرج من الثلث یجوز بقدر الثلث ویبقی الباقی الی ان یظهر له مال آخر او تجیز الورثة فان لم یظهر له مال آخر ولم تجز الورثة تقسم الغلة بینهما اثلاثاً ثلثها للوقف والثلثان للورثة (جلد۲، صفحہ ۳۵۱)

الحاصل: مذکورہ تحریر گویا وقف کی وصیت ہے لہٰذا زندگی میں فروختگی کا حق حاصل ہے مذکورہ بالا حکم تحریرِ وقف کا ہے اور اگر زید کسی دوسرے ادارے کو اس تحریر سے پہلے وقف کر چکا ہے اور منتظم کو قبضہ بھی دے چکا ہے تو سابقہ وقف صحیح ولازم ہو جائے گا زید کی بیع وشراء اور مذکورہ تحریر کالعدم ہو گی۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف زبان سے کہہ دینے سے وقف صحیح ہو جاتا ہے۔ اذا کان الملک یزول عندهما یزول بالقول عند ابی یوسفؒ ...... وقال محمدؒ لایزول حتی یجعل للوقف ولیاً ویسلم الیه (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۳۵۱) ...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۷/۲/۲۴ھ

مسجد کے لئے زمین وقف کر دینے کے بعد اُس سے خود منتفع ہونا جائز نہیں خواہ ابھی تک مسجد نہ بنائی گئی ہو:

مسجد کی جو زمین وقف شدہ ہے اور واقف نے ابھی تک اس میں مسجد نہیں بنوائی تو اس وقف شدہ زمین سے منفعت اٹھانا جائز ہے (مثلاً گندم بونا یا چارہ وغیرہ کاشت کرنا)؟

سائل ...... محمد ابراہیم

الجواب

واقف کی مِلک چونکہ اس سے زائل ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب جو منفعت بھی اس زمین سے حاصل کرے گا وہ مصالح مسجد میں استعمال ہوگی۔ والملک یزول عن الموقوف باربعة بافراز مسجد (الخ) (درمختار، جلد ۶، صفحہ ۵۲۶)...............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

کتبہ: محمد ابوالدرداء
متخصص فی الفقہ
۱۴۱۸/۱۱/۱۲ھ

اگر وقف پر شہادتِ شرعیہ موجود ہو تو اُسے وقف شمار کریں گے اگرچہ کوئی تحریر موجود نہ ہو:

حاجی محمد اکبر مرحوم نے تقریباً پچیس بیگھے رقبہ بمعہ باغ بحق مدرسہ مبارک العلوم (قادر پور، راواں) وقف کیا تھا جس کی تحریر نہیں ہے، مگر گواہان موجود ہیں۔ آیا وارثانِ واقف میں سے کوئی ایک اپنا حصہ اس رقبہ میں سے لے سکتا ہے کہ نہیں؟

سائل ...... محمد اصغر عرف محمد سعید قادر پور، راواں، ملتان

الجواب

برتقدیرِ صحت واقعہ یہ اراضی بحق مدرسہ مبارک العلوم وقف ہوگئی ہے۔[1] اور اب اس موقوفہ اراضی سے متوفی کے ورثاء کو شرعاً کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۱/۹/۲۰ھ

التخریج:(۱)...... وتقبل فيه الشهادة على الشهادة، وشهادة النساء مع الرجال، والشهادة بالشهرة لاثبات اصله (الدر المختار، جلد ۶ صفحہ ۶۲۹)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

﴿مایتعلق بتولیت الوقف﴾

مسجد کا متولی اور خزانچی کیسا ہونا چاہیے؟

خائن اور فاسق کو متولی نہ بنایا جائے:

کمیٹی والے خزانچی سے حساب کتاب کا جائزہ لیتے رہیں تا کہ وہ خیانت کا مرتکب نہ ہو:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مسجد کا خزانچی مسجد کی رقم کھا جائے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ انتظامیہ پر شرعاً کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے مسجد کی تولیت کا اہل کون ہے اور خزانچی کس طرح کا ہونا چاہیے؟

سائل ...... عبدالرحمٰن، فیصل آباد

الجواب

مسجد کی رقم کھانا اور اس میں خیانت کرنا سخت گناہ کا کام ہے، خدانخواستہ مسجد کا خزانچی مسجد کی رقم میں خیانت کرے اور اس کا شرعی ثبوت بھی ہو جائے تو ایسے شخص کو معزول کرنا ضروری ہے ایسا شخص مسجد کی تولیت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ لقولہ تعالیٰ: انما یعمر مساجد اللّٰہ من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر واقام الصلوۃ واٰتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللّٰہ (توبہ)

ولما فی الدرالمختار: وینزع وجوباً ......لو الواقف ...... (فغیرہ بالاولی) غیر مأمون او عاجزاً وقال ابن عابدینؒ تحت قولہ "وینزع وجوباً" مقتضاہ اثم القاضی بترکہ والاثم بتولیۃ الخائن لاشک فیہ (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۳)

۲......متولی اور مسجد کا خزانچی ایسے شخص کو بنائیں جو متقی اور پرہیز گار ہو صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانت

داراور وقف کے احکام سے واقف ہو، خائن اور فاسق کو مسجد کا متولی اور خزانچی ہرگز نہ بنائیں۔

لمافی الشامیة: قال فی الاسعاف ولا یولی الا امینٌ .... لان الولایة مقیّدة بشرط النظر، ولیس من النظر تولیة الخائن (الخ) (شامیہ، جلد۶، صفحہ۵۸۴)

اور کمیٹی والوں کو چاہیے کہ خود حساب کتاب کا جائزہ لیتے رہیں تاکہ وہ خیانت کا مرتکب نہ ہو۔

لما فی البحر الرائق: وینبغی للقاضی ان یحاسب امنائه فیما فی ایدیهم من اموال الیتامیٰ لیعرف الخائن فیستبدله، وکذا القوّام علی الاوقاف (جلد۵، صفحہ۴۰۶)

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۹/۱۷ھ

جو واقف یا متولی خائن ہو اُسے تولیت سے معزول کر دیا جائے:

ایک شخص نے عربی مدرسہ بنوایا اور ایک دوکان اور خالی پلاٹ زرعی اراضی اس کے متعلق وقف کر دی۔ وقف نامہ میں اس کے خاندان کا جو آدمی اہل علم دیانت دار ہو اس کو تولیت سپرد کر گیا۔ محکمہ اوقاف نے مدرسہ کو اپنی تحویل میں کر لیا اور مدرسہ ویران ہو گیا۔ مدرسہ سے متصل جامع مسجد کے خطیب اور نمازیوں نے اس کو حکومت سے آزاد کرالیا پھر کمیٹی نے واقف مرحوم کے پوتے کو اس کا نگران مقرر کر لیا، مگر ایک عرصہ ہو گیا ہے نگران نے پوری جائیداد اپنی ذات کے لئے استعمال کرنا شروع کر دی۔ اگر جائیداد، محکمہ مال کے کاغذات میں مدرسہ کے نام انتقال کا اس کو کہا جاتا ہے تو سیخ پا ہو جاتا ہے اور وہ اس کوشش میں ہے کہ مدرسہ کی ساری جائیداد اپنے نام منتقل کرالے۔ سوال یہ ہے کہ اس کو تولیتِ ادارہ سے ہٹانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... مولانا الٰہی بخش، خطیب جامع مسجد ارائیاں، احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور

الجواب

متولی وقف کو لازم ہے کہ شریعت کے موافق نہایت امانت وانتظام وخیر خواہی اور دلسوزی سے وقف کا بندوبست کرے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے کچھ اپنی ملکیت نہیں ہے کہ ہر طرح کا اختیار حاصل ہو پس اگر متولی یا نگران (عرفاً دونوں کے ایک ہی معنی ہیں) کچھ خیانت یا بدانتظامی یا کوئی تصرف خلاف شرع کرے اس کو معزول کرنا ضروری ہے بلکہ اگر وقف کرنے والا خود ہی متولی ہے اور اس سے کوئی خیانت ظاہر وثابت ہو جائے وہ بھی قابل معزولی ہے غیر تو بدرجہ اولیٰ سزاوارِ عزل ہوگا۔لما فی الدر المختار : وینزع وجوباً لو الواقف (ای لو کان المتولی هو الواقف) فغیره بالاولیٰ، غیر مأمون او عاجزاً او ظهر به فسق. (درمختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۲، ط: رشیدیہ جدید)۔فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۱/۱۱/۱۴۱۱ھ

اس دور میں متولی کا تقرر حکومت سے نہ کروایا جائے:

احق بالتولیت واقف کی اولاد ہے بشرطیکہ اہلیت موجود ہو:

زید نے چند ایکڑ اراضی دو مسجدوں کے نام وقف کی انتقالِ اراضی میں صرف یہ درج کرایا کہ احاطہ نمبر ۴۳ والی مسجد کے حصہ جات چودہ اور احاطہ نمبر ۲۷ والی مسجد کے پانچ، کل حصے انیس ہیں زمین نہری ہے، اس نظریہ سے اس نے ہر دو مساجد کے ایکڑوں یعنی کھیتوں کے نمبر علیحدہ علیحدہ درج نہیں کرائے کہ آمدنی حصہ وار تقسیم ہو جایا کرے واقف نے باشندگان میں سے کسی کو تحریری اختیار نہیں دیا کہ گاؤں والے جیسے چاہیں تقسیم کر لیا کریں، اور نہ ہی اپنی اولاد کے بارے میں کچھ لکھا کہ میری اولاد متولیٔ ہر دو مساجد رہے گی، پہلے یہ اراضی بینک میں تھی اور اب

واگذار ہوئی ہے۔ دریافت طلب امور مندرجہ ذیل ہیں!

(۱)...... باشندگان میں سے اس وقف کا متولی کس کو بنایا جائے، اگر واقف کی اولاد بھی موجود ہو اور وہ اہتمام کے اہل بھی ہوں۔

(۲)...... اس وقف کی آمدنی باشندگان اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ واقف کی اولاد موجود ہے۔

(۳)...... جائیداد علیحدہ علیحدہ ہر دو مساجد کی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ جائیداد نہری ہو اس صورت میں دونوں مساجد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

(۴)...... اگر حاکم کی طرف رجوع کیا جائے کہ باشندگان میں سے کسی شخص کو متولی منتخب کرے حاکمِ وقت اپنی مرضی سے فیصلہ دے یا شرعی امور کا خیال رکھے؟

سائل ...... جلیل احمد، سمندری، ضلع لائلپور (فیصل آباد)

الجواب

(۱)...... واقف کی اولاد میں جبکہ ایسے صالح اور دیانتدار موجود ہیں جو کہ موقوفہ زمین کا انتظام بھی اچھی طرح کر سکتے ہیں تو وقف کا متولی انہی میں سے کسی شخص کو بنایا جائے۔

تنویر الابصار میں ہے: وما دام احد يصلح للتولية من اقارب الواقف لايجعل من الاجانب لانه اشفق (الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۶۵۰، ط: رشیدیہ جدید)

(۲)...... وقفِ مذکورہ کی آمدنی سب سے پہلے خود موقوفہ زمین کی اصلاح کے لئے صرف کی جائے اس کے بعد متولی ہر دو مساجد کی اہم ضروریات میں خرچ کرے گا بہتر یہ ہے کہ اس کی تفصیل سوال کر کے دریافت کی جائے۔

(۳)...... موقوفہ زمین کو ہر دو مساجد کے لئے تقسیم کرنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے: فلا يقسم الوقف بين مستحقيه اجماعاً درر، كافي، خلاصة وغيرها؛ لان حقهم ليس في

العین وبه جزم ابن نجیم فی فتاواہ (درمختار، جلد ۶، صفحہ ۵۴۵، ط: رشیدیہ جدید)

نیز یہ تقسیم اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ ایسا کرنا خود غرضِ واقف کے خلاف ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے اور غرضِ واقف کی رعایت کرنا شرعاً ضروری ہے۔

(۴)......اس زمانے میں انتخابِ متولی کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ گاؤں کے نیک اور معزز لوگ مل کر مشورہ کیساتھ واقف کی اولاد میں سے کسی ایک شخص کو وقفِ مذکور کا متولی بنالیں اور حاکم کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ شامیہ میں ہے: ان اهل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متولیاً لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح، ولکن الافضل کونه باذن القاضی، ثم اتفق المتأخرون ان الافضل ان لایعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاة فی اموال الاوقاف (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۴۵، ط: رشیدیہ جدید)

اور اگر اس معاملہ میں کسی مجاز حاکم کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پڑے تو حاکم کو شرعی امور کا خیال کرنا لازم ہے، اپنی مرضی سے نہیں کرسکتا۔..........فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	معین مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۷۸/۱۲/۲۰ھ

تولیت کے لئے واقف کی اولاد کو ترجیح دی جائے گی بشرطیکہ اہل ہوں:

مسمّی حاجی غوث بخش صاحب مرحوم نے عرصہ زائد از پچاس سال قبل "۴۸ کنال اور ۱۲ مرلے" زرعی اراضی ایک مدرسہ "حفظ القرآن" کے لئے وقف کی اور ایک مکان جو حاجی صاحب اور تین دیگر افراد میں مشترک تھا تمام شرکاء نے یہ مکان مدرسہ کے لئے وقف کیا۔ مدرسہ اس مکان میں قائم رہا اور گراں قدر خدمات انجام دیتا رہا، اراضی موقوفہ کی آمدنی اسی مدرسہ پر صرف ہوتی رہی۔ مدرسہ کے انتظام کے لئے ایک نئی کمیٹی تشکیل دی گئی جو حاجی غوث بخش صاحب

کے علاوہ متعدد دیگر متدینین اور معاملہ فہم اہل علم اور صلحاء پر مشتمل تھی۔تولیت کے سلسلہ میں حاجی صاحب نے یہ شرط عائد کی کہ ''تاحیات وہ خود متولی رہے گا اور اس کی وفات کے بعد اس کے جدی ورثاء میں سے جو شخص اس منصب کے قابل ہوگا ممبرانِ انتظامیہ اسے مقرر کریں گے، بجز جدی رشتہ دار کے دوسرا کوئی متولی مقرر نہ کیا جائے گا'' اب صورت حال یہ ہے کہ قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد حاجی غوث صاحب فوت ہوگئے۔اسی دوران میں سابق ریاست بہاولپور میں محکمہ امور مذہبیہ قائم ہوگیا جس نے اوقاف کو اپنی تحویل میں لے لیا۔مدرسہ ھٰذا کی اراضی پر بھی محکمہ نے قبضہ کرلیا بعد میں اس محکمہ کا ریکارڈ مغربی پاکستان کے پاس چلا گیا، مگر محکمہ نے نہ تو اغراضِ واقف کو ملحوظ رکھا اور نہ ہی زمین کی آمدنی مدرسہ پر صرف کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدرسہ اجڑ گیا نہ معلم رہے اور نہ متعلم، اور ادھر انتظامیہ کمیٹی کے ممبران بھی ایک ایک کرکے فوت ہوگئے۔زمین کی آمدنی کا کچھ پتہ نہیں حاجی غوث بخش صاحب (واقف) کی اولاد میں ایسے افراد موجود ہیں جو مدرسہ کو بخوبی چلا سکتے ہیں۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ شرائطِ واقف اور اغراضِ واقف کی رو سے اس اراضی اور جائیدادِ مدرسہ کا متولی بننے کا کون حقدار ہے؟

سائل ...... مولانا محمد اکبر، مدرسہ اشرفیہ نزد قباء والی مسجد، احمد پور شرقیہ

الجواب

واقف کی شرائط واجب العمل ہیں، بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں، علامہ شامیؒ نے ''فتح'' کے حوالے سے نقل کیا ہے: **فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية،** (شامیہ، جلد ٦ صفحہ ٥٢٦، ط: رشیدیہ جدید)

فقہاء نے متولی کے لئے چند شرطیں بیان کی ہیں، امین ہو، خود یا نائب کے ذریعے سے کام کرنے پر قادر ہو، ظاہر الفسق نہ ہو، عاقل وبالغ ہو وغیرہ۔لما فی الشامیة: **ولا يولى الا امين قادر بنفسه او بنائبه لان الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن**

لانه يخل بالمقصود، و كذا تولية العاجز (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۴، ط: رشیدیہ جدید)

وفي العالمگيرية: الصالح للنظر من لم يسأل الولاية وليس فيه فسق يعرف .... ويشترط للصحة بلوغه وعقله (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۰۸)

اگر مذکورہ شرائط کا حامل واقف کی اولاد میں موجود ہو تو اسے ترجیح دی جائے گی۔

لما في الدر المختار: وما دام احد يصلح للتولية من اقارب الواقف لا يجعل المتولي من الاجانب لانه اشفق وتحته في الشامية: ومفاده تقديم اولاد الواقف وان لم يكن الوقف عليهم بان كان على مسجد او غيره (جلد ۶، صفحہ ۶۵۰)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۰۶/۵/۱۴ھ

واقف کے اقارب احق بالتولیت ہیں:

ایک مسجد ہمارے خاندان میں ایک سو سال سے زیر تولیت چلی آرہی ہے موجودہ متولی عبدالرحمٰن ہے جو باشرع اور دیندار ہے اور اس میں تولیت کی لیاقت بھی ہے نماز باجماعت کا پابند ہے اور مسجد میں حاضر رہ کر مسجد کی ضروریات کا تکفل کرتا ہے وغیر ذلک امام مسجد نے آہستہ آہستہ اس مسجد پر قبضہ جما لیا ہے اور اسے لاوارث قرار دیتے ہوئے چند فرضی ممبر لکھوا کر اپنے نام رجسٹرڈ کرا دی ہے۔ کیس مارشل لاء میں مسجد کے متولی نے بھیج دیا ہے۔ اب شرعاً متولی کون ہے؟

سائل ...... محمد عامر

الجواب

بر تقدیر صحت واقعہ صورتِ مسئولہ میں شرعاً حق تولیت مسمّٰی عبدالرحمٰن کو حاصل ہے دوسرے کی

فرضی کاروائی سے اس کی تولیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔[1] شرعاً کسی وقف کے لاوارث ہونے کی صورت میں بھی تولیت کے حقدار اولاً واقف کے اقارب ہوتے ہیں چہ جائیکہ وہ پہلے ہی سے متولی بنا ہوا ہو، الحاصل مسمّٰی عبدالرحمٰن ہی بدستور متولی ہے۔[2] ....فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۰۵/۱۰/۵ھ

اگر واقف بوقت وقف کسی کو متولی مقرر نہ کرے تو وہ خود ہی متولی شمار ہوگا:

ایک شخص نے ایک رقبہ مدرسہ کیلئے وقف کر دیا اور واقف نے بوقتِ وقف کسی کو متولی اور نگران نہیں بنایا تھا صرف وقف کیا تھا۔ کیا اب خود متولی بن سکتا ہے؟

سائل ...... عبدالقیوم

الجواب

اگر واقف نے وقف کے وقت کسی کو متولی نہیں بنایا تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واقف خود متولی شمار ہوگا وہ اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کر سکتا ہے تاہم مہتمم صاحب سے مشورہ کر لینا چاہیے۔ **رجل وقف وقفاً ولم یذکر الولایة لاحد قیل الولایة للواقف**

التخریج: (۱)......اذا کان للوقف متول من جهة الواقف او من جهة غیره من القضاة لایملک القاضی نصب متول آخر بلا سبب موجب لذالک وهو ظهور خیانة الاول او شیٔ آخر (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۶، ط: رشیدیہ جدید)

(۲)...... لما فی الدرالمختار: وما دام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب (الدرالمختار، جلد ۶، صفحہ ۶۵۰)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

وھذا علی قول ابی یوسفؒ لان عندہ التسلیم لیس بشرط (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۴۰۸)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۵/۱۳ھ

متولی کا بیٹا قاضی یا انتظامیہ کمیٹی کے انتخاب کے بغیر خود متولی نہ بنے گا:

(۱)...... شریعت کی نظر میں مسجد کے متولی کی کیا صفات ہونی چاہییں؟

(۲)......مسجد کی جگہ کسی شخص نے وقف کی، اور محلے کے لوگوں کے تعاون سے مسجد تعمیر ہوئی۔ اہل محلّہ نے باکردار باشرع نمازی کو مسجد کا متولی منتخب کیا نظام چلتا رہا، اب متولی کا انتقال ہوگیا ہے تو اس کے بیٹے کے اندر مذکورہ صفات بھی نہیں پائی جاتیں اسکے باوجود اس نے باہر کے چند بے نمازیوں کو ساتھ ملا کر اپنے آپ کو عدالت سے ''متولی'' رجسٹرڈ کروالیا ہے جبکہ مسجد کے اکثر نمازی اس سے اتفاق نہیں کرتے کیا اس صورت میں ایسا آدمی شریعت کی روشنی میں مسجد کا متولی بن سکتا ہے؟

سائل ...... عبدالکریم و دیگر نمازیانِ مسجد مذکورہ

الجواب

متولی مقرر کرنے کا اختیار واقف یا قاضی (عدالت) کو ہے متولی درج ذیل صفات کا حامل ہونا چاہیے عاقل ہو، بالغ ہو، انتظام کرنے کی اس میں اہلیت ہو، دیانت دار ہو، فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو، وغیر ذالک۔ ہندیہ میں ہے: لایولی الا امین قادر بنفسہ او بنائبہ......ویشترط للصحۃ بلوغہ وعقلہ (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۴۰۸)

متولی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا خود بخود متولی نہ بنے گا بلکہ مسجد کی انتظامیہ جسے مقرر کرے

گی وہی متولی بنے گا۔ شامیہ میں ہے: انهم (اهل محلة) اذا اجتمعوا علی رجل وجعلوه متولیاً بغیر امر القاضی یکون متولیاً. بحرونهر. (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۱۶، ط: رشیدیہ جدید)

الحاصل: متولی کا بیٹا از خود شرعاً متولی نہیں بن جاتا بالخصوص جبکہ اس میں متولی کی شرائط بھی مفقود ہوں، لہٰذا کسی اہل کو متولی مقرر کیا جائے ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۶/۲/۲۳ھ

جب تک متولی اور منتظم کی خیانت ثابت نہ ہو جائے اسے معزول کرنا جائز نہیں:

ایک جامع مسجد مع ملحقہ درس گاہ کا زید متولی و منتظم چلا آ رہا تھا، عرصہ دس سال تقریباً ہوئے بکر پارٹی نے حملہ کر دیا اور آمادۂ فساد ہوئے زید نے عدالت دیوانی میں استقرارِ حق کا دعویٰ کیا عرصہ تقریباً دس سال میں ابتدائی عدالت دیوانی سے لے کر عدالت عالیہ تک زید کے حق میں فیصلہ ہوتا چلا گیا کہ زید ہی متولی و منتظم ہے اور حکم امتناعی بھی عطاء ہوا کہ بکر پارٹی زید کے حقوقِ تولیت و نظامت میں دخل اندازی سے تادوام باز رہیں۔ استدعا ہے کہ شرعی فتویٰ صادر فرمایا جاوے کہ بموجب شرع محمدی کون جامع مسجد مع ملحقہ درسگاہ کا متولی و منتظم ہے اور کس کو امام، خطیب اور مدرسین وغیرہ مقرر کرنے اور انتظام کرنے کا حق ہے؟

سائل ...... حاجی محمد

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ جامع مسجد مذکور اور اس کے ساتھ ملحقہ درسگاہ کا جب پہلے سے ہی زید متولی اور منتظم چلا آ رہا ہے اور عدالت کی جانب سے بھی تولیت اسی کے سپرد ہے اور تاحال اس میں

کوئی خیانت وغیرہ بھی ظاہر نہیں ہوئی تو شرعاً بھی بلاوجہ اس کو تولیت سے معزول نہیں کرنا چاہیے۔ (۱)

لہٰذا زید بدستور اس وقف کا متولی ہے اور امام، خطیب اور مدرسین کی تقرری کا اسی کو اختیار ہے۔.................... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۷/۱۰/۲۶ھ

بدون کسی شرعی وجہ واقف کے مقرر کردہ متولی کو نہیں ہٹایا جا سکتا:

ایک عالم دین نے مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کے نام کچھ زمین خود خرید کر کے وقف کی، بعد اس کے ایک اور شخص نے اسی مسجد کے نام کچھ زمین وقف کر دی۔ اس کے بعد وہ عالمِ دین ومتولی وبانی مسجد ھٰذا اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قبل از انتقال، مرحوم اپنے درمیانے صاحبزادے کے لئے امامتِ مسجد اور اس کی متعلقہ جائیداد کی تولیت کی وصیت کر گئے۔ اس کا جو دوسرا شخص واقف تھا اس نے درمیانے صاحبزادے کے خلاف بیان دیئے کہ متولیٔ مسجد بڑا صاحبزادہ ہونا چاہیے، حالانکہ اس شخص نے وقف کرتے وقت کوئی شرط نہیں لگائی بلکہ اس شخص نے رجسٹری میں یہ تحریر کروایا ہے کہ بعد متوفی پیش امام صاحب موصوف جو کوئی پیش امام ہوگا وہ متولی ہوگا۔ کیا اس شخص کو حق حاصل

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: اذاکان للوقف متول من جهة الواقف اومن جهة غیره من القضاة لایملک القاضی نصب متول آخر بلاسبب موجب لذالک، وهو ظهور خیانة الاول او شی آخر (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۶)

وفی البحر: وقدمنا انه لایعزله القاضی بمجرد الطعن فی امانته ولا یخرجه الا بخیانة ظاهرة (جلد ۵، صفحہ ۴۱۱)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

ہے کہ اپنی وقف شدہ زمین کا متولی کسی اور کو بنائے جو غیر موصی لہ ہے؟

سائل ...... مولانا حافظ عبدالحی ،شجاع آباد، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ متولی وبانی مسجد مذکور نے جس لڑکے کو مسجد کا متولی بنادیا ہے وہی اس مسجد کا متولی رہیگا، دوسرے شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ متولی وبانی مسجد کے بنائے ہوئے امام کو ہٹادے؛ کیونکہ اس نے رجسٹری میں یہ تحریر کردیا ہے کہ ''بعد وفات پیش امام صاحب جو کوئی پیش امام ہوگا وہی متولی ہوگا'' پس متولی مرحوم کا یہ تصرف واقف مذکور کی شرط کے موافق ہے، لہٰذا اس کو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔(۱) ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۸/۳/۳۰ھ

متولی تولیت سے دستبردار ہوسکتا ہے، البتہ بدوں حقِ تفویض دوسرے کو متولی نہیں بنا سکتا:

ایک شخص نے کچھ زمین فی سبیل اللہ وقف کر کے ایک آدمی کے نام رجسٹری کردی اور اس کو مسجد اور مدرسہ کا متولی اور مہتمم بنادیا۔ اب وہ آدمی بلا کسی عذر، کسی دوسرے کو رجسٹری کر کے

التخریج: (۱)......لما فی الدر المختار :شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به (جلد۶، صفحہ۶۶۴) وفیه ایضاً: ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه (جلد۶، صفحہ۶۴۵)

وفی الشامیة :اذا کان للوقف متول من جهة الواقف او من جهة غیره من القضاة لایملک القاضی نصب متول آخر بلاسبب موجب لذالک وهو ظهور خیانة الاوّل (شامیہ، جلد۶، صفحہ۵۸۶)

ولما فی البحر الرائق: وفی جامع الفصولین من الثالث عشر، القاضی لایملک نصب وصیّ وقیم مع بقاء وصی المیت وقیمه الا عند ظهور الخیانة منها (البحر الرائق: جلد۵، صفحہ۳۷۹) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

دے سکتا ہے یا نہیں، جبکہ پہلے بخوشی یہ ذمہ داری قبول کی؟

سائل ...... منور پاشا، چشتیاں

الجواب

اگر متولی، مسجد کے ضروری کام کرنے سے عاجز ہو اور مسجد سے متعلقہ امور کی نگرانی نہ کر سکتا ہو تو وہ تولیت سے دستبردار ہو سکتا ہے مگر کسی دوسرے کو متولی بنانے کا حق واقف یا قاضی کو ہے۔ درمختار میں ہے: ولاية نصب القيم الى الواقف ثم لوصيه......ثم للقاضي (جلد ۶، صفحہ ۶۴۵)

البتہ اگر واقف نے متولی کو متولی مقرر کرنے کا اختیار بھی سپرد کیا تھا تو اس کا تولیت منتقل کرنا جائز ہے۔ درمختار میں ہے: اراد المتولي اقامة غيره مقامه في حياته وصحته ان كان التفويض له عاماً صح والا لا (الدرالمختار، جلد ۶، صفحہ ۶۵۰، ط: رشیدیہ جدید)

وفي الشامية: وفي القنية: للمتولّي ان يفوّض فيما فوّض اليه ان عمّم القاضي التفويض اليه، والافلا (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۵۱، ط: رشیدیہ جدید)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۶/۱۱/۱۴۲۴ھ

سود خور کو مسجد کمیٹی کا ممبر یا صدر بنانا کیسا ہے؟

کیا سود خور، سودی رقم سے کاروبار کرنے والا شخص مسجد کا ممبر یا چیئر مین بن سکتا ہے، اور ''سود خور'' مسجد کی تعمیر یا انتظامی اخراجات کے لئے چندہ مٹیریل وغیرہ دے تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد افضل

الجواب

ایسے شخص کو مسجد کی انتظامیہ کا ممبر یا چیئرمین بنانا شرعاً جائز نہیں۔[1] مسجد کی انتظامیہ کے تمام ارکان نیک اور متقی ہونے چاہییں۔ اسی طرح ناجائز آمدنی بھی مسجد پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔[2] ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۴/۱۱/۲۸ھ

متولی یا نگران تعمیر مسجد میں بطور مزدور (اُجرت کے ساتھ) کام نہیں کرسکتا:

مسجد کا متولی اگر مسجد کی تعمیر میں بطور مزدور کام کرے یا مزدوروں کے کام میں تعاون کرے تو کیا یہ متولی شرعاً اجرت کا مستحق ہوگا؟

سائل ......عبدالرحمٰن شاہ، سرگودھا

الجواب

بحرالرائق میں ہے: قالوا اذا عمل القیم فی عمارة المسجد والوقف کعمل الاجیر لایستحق الاجر لانه لایجتمع له اجر القوامة واجر العمل، (جلد۵، صفحہ۳۶۳)

وفیه ایضاً: والمتولی اذا أجر نفسه فی عمل المسجد واخذ الاجرة لم یجز فی ظاهر الروایة، وبه یفتی، وفی جامع الفصولین: اذلایصلح مؤاجراً ومستأجراً

التخریج: (۱)......لما فی الدرالمختار: وینزع وجوباً لوالواقف غیر مامون او عاجزاً او ظهر به فسق کشرب خمر ونحوه (الخ) (جلد۶، صفحہ۵۸۳، ط: رشیدیہ جدید)

(۲)......اما لو انفق فی ذالک مالاً خبیثاً او مالاً سببه الخبیث والطیب فیکره، لان اللّٰه تعالیٰ لایقبل الا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله، (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۰) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

وصح لو امره الحاکم بعملٍ فیه (جلد۵، صفحہ۴۰۲)

وفی الشامیة: لو عمل المتولی فی الوقف باجرٍ جاز، ویفتیٰ بعدمه اذ لایصلح مؤجراً ومستاجراً (شامیہ، جلد۶، صفحہ۵۶۶)

مذکورہ بالا جزئیات سے معلوم ہوا کہ وہ اجرت کا مستحق نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۶/۵/۶ھ

مسجد کی تولیت اور انتظامی امور کے متعلق ایک تفصیلی فتویٰ:

مکرمی جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ ''جامع مسجد عبداللہ اورنگی ٹاؤن نمبر/۴/ میرے تایا ذکر الرحمٰن صاحب نے قائم کی تھی اور میرے والد صاحب کو اس کا متولی بنایا تھا'' بندہ اس کے متعلق ایک استفتاء آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہے جو دراصل میرے بھائی حافظ ذکاء الرحمٰن کی طرف سے پوچھا گیا ہے لیکن مضمون اس کا میرا تیار کردہ ہے اس لئے کہ بھائی صاحبان اور خود والد صاحب بھی تحریری کاموں میں کمزور ہیں بلکہ مفتیانِ کرام اور فیصلہ کرنے والے حضرات کے سامنے اپنے مقدمے کی صحیح وکالت بھی نہیں کر پاتے جو جامعہ بنوریہ کراچی میں زیر تصفیہ ہے میں چونکہ حیدرآباد میں ملازم ہوں اور کراچی میں صحیح حقائق پیش کرنے اور سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہوں جبکہ فریق مخالف پوری طرح چوکس ہے، لہٰذا اپنے طور پر یہ استفتاء آپ کی خدمت میں اپنی جانب سے پیش کر رہا ہوں اخیر میں میرے تایا ذکر الرحمٰن صاحب کا مؤقف بھی منسلک ہے جو انہوں نے فیصل حضرات کے سامنے پیش کیا ہے۔

سوالات کا مختصر خاکہ یہ ہے!

(۱)...... مسجد کے انتظامی امور میں بانیانِ مسجد کا حق زیادہ ہے یا کمیٹی والوں کا جبکہ ان حضرات کا

تعلق اہل محلّہ سے بھی نہیں، نیز یہ کمیٹی خود بانیان کی قائم کردہ ہے؟

(۲)...... بانیانِ مسجد کو گھر گھر بدنام کرنا، جھوٹے مقدمات میں ملوث کرنا اور اپنی مرضی سے اذان واقامت نیز تقرری امام پر قابض ہو جانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳)...... مسجد و مدرسہ جو ملحقہ دارالعلوم کراچی سے منسوب ہے اس کا الحاق ''اپنی مرضی سے کسی اور ادارہ سے کرنا'' کیا حکم رکھتا ہے کیا یہ الحاق مؤثر ہوگا؟

(۴)...... متولی کا زائد پیسہ بغرض حفاظت تجارت میں لگانا جبکہ اس میں نقصان کا اندیشہ نہ ہو کیا یہ عمل غبن کہلائے گا؟

(۵)...... متولی اگر خدمت کا اہل نہ رہے تو کیا واقف کو اختیار ہے کہ دوسرا متولی اپنی صوابدید سے مقرر کر دے؟

(۶)...... احاطۂ مسجد میں ایک حجرہ قائم ہے جس میں دادا جان حاجی عبداللہ صاحب قیام پذیر ہیں یہ حجرہ مسجد بنانے سے قبل ہی اس پلاٹ پر قائم ہے ابا جان نے ان کی سہولت کے لئے باقی حصہ کو مسجد بنا دیا تا کہ نزدیک رہے اب موجودہ اراکین (فریق مخالف) اس کو بالجبر شاملِ مسجد کرنا چاہتے ہیں اور جگہ کی تنگی کا عذر کرتے ہیں کیا یہ عذر قبول اور یہ عمل جائز ہے؟

(۷)...... قیام مسجد سے اب تک رمضان کی تراویح ہمارے گھر کے حفاظ نے ہی پڑھائیں لیکن اس دفعہ خطرہ ہے کہ ہمیں اس کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ کیا یہ استحقاق ترجیحاً ہمیں حاصل ہے یا نہیں؟

(۸)...... فریق مخالف کے پاس سب سے بڑا ہتھیار یہ ہے: اول یہ کہ متولی نے مسجد کی رقم کو کاروبار میں لگایا اور ثانی یہ ہے کہ آئین میں ترمیم کر دی، اول کی حقیقت یہ ہے کہ متولی نے ایسا کیا تا کہ رقم محفوظ ہو جائے اور جب ضرورت ہو وہ پلاٹ جو مسجد کی اس رقم سے بغرض تجارت خریدا گیا ہے بیچ کر مسجد میں صرف کر دی جائے اس کی ذمہ داری لوگوں کے سامنے متولی کے بڑے لڑکے

یعنی مستفتی نے بارہا اٹھائی مگر فریق مخالف اس پر مطمئن نہیں اس لئے کہ خود متولی بننا چاہتا ہے۔

ثانی کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے مرتکب خود یہ لوگ ہوئے ہیں اس لئے کہ والد صاحب نے آئین بنا کر انگریزی کروانے کے لئے انہیں دیا تو انہوں نے والد صاحب کو ان پڑھ سمجھ کر آئین کا حلیہ تبدیل کر دیا۔ والد صاحب نے مجھے لا کر دکھایا اور میں نے مطالعہ کیا تو وہ ششدر رہ گئے اور ان کی خیانت ظاہر ہوئی بہر حال ہم نے دوبارہ آئین کو اس کی اصلی حالت کے مطابق انگریزی میں لکھ کر رجسٹرڈ کروالیا جب انہوں نے بھی اس کا مطالعہ کیا تو اپنی ترمیمات نہ پا کر مشتعل ہوئے اور پہلی بات کو بہانہ بنا کر غبن کا الزام لگایا اور اس الزام کے ثبوت کے لئے امام مسجد (جو انہوں نے ہمارے امام کو ہٹا کر خود رکھا) سے حلفیہ بیان دلوایا حالانکہ وہ ان واقعات کے بہت بعد رکھے گئے ہیں انہوں نے اس حلفی بیان میں والد صاحب کے ساتھ مجھے بھی شامل کیا حالانکہ انہوں نے مجھے اس سے پہلے دیکھا تک نہیں ہے۔ امید ہے کہ مہربانی فرما کر ان تمام سوالات کا جواب حضرات اساتذہ کرام وعلماء کرام کے دستخطوں کے ساتھ عنایت فرمائیں گے۔

سائل ...... نائب متولی، عطاء الرحمٰن ولد ضیاء الرحمٰن

الجواب

(۱)......واقف اگر اپنے وقف کے لئے کچھ شرائط مقرر کر دے تو ان شرائط کی تعمیل بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں واجب ہے اور ان کے خلاف قاضی کا فیصلہ بھی معتبر نہ ہوگا مثلاً متولی کا تقرر، کسی ادارہ سے الحاق، تعمیری امور وغیرہ اوقاف کی ولایت کا حق اولاً واقف کو ہے خواہ خود سنبھالے یا اپنے کسی نائب کے توسط سے کرے بعدہ یہ حق اس کی اولاد کو اور اہل خاندان کو ہوگا ان کی موجودگی میں کسی اور کو ترجیح نہیں ہوگی الا یہ کہ نااہل ہوں ایسی صورت میں کسی اہل کو یہ انتظام سونپا جائے گا تاوقتیکہ اہل خاندان میں سے کوئی اہلیت حاصل کر لے۔

(۲)......امور انتظام میں سے کسی امر میں اگر اشتباہ واقع ہو تو واقف کی طرف رجوع کیا جائے گا

اوراس کی توضیح کے مطابق عمل کیا جائے گا اوراس کی عدم موجودگی میں اگراس کی کوئی واضح تحریر موجود ہوتو وہ قابل عمل ہوگی بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوجیسا کہ گذر چکا۔

(۳)......مسجد کی تعمیر، اس میں امام ومؤذن کا تقرر اور دیگر انتظامی امور میں بانی مسجد سب سے مقدم ہے، البتہ امام کے تقرر میں اختلاف ہونے کی صورت میں اس امام کو ترجیح ہوگی جو منصب امامت کے زیادہ لائق ہو جس کا فیصلہ اہل علم پر موقوف ہے۔

(۴)......بصورت اہلیت امامت واذان کا زیادہ حقدار بانی مسجد خود ہے یا اس کی اولاد واہل خاندان۔

(۵)......عبداللہ صاحب کا حجرہ اگر امام ومؤذن کے لئے یا دیگر امورِ مسجد کے لئے ہے تب تو وہ مسجد کا حجرہ ہے جس کا استعمال غیر متعلق شخص کے لئے جائز نہیں اور اگر بانی مسجد نے اس کو شامل مسجد نہیں کیا تو یہ بدستور انہی کی ملکیت ہے لہٰذا بانی مسجد کا بیان اس بارہ میں فیصلہ کن ہوگا۔

(۶)...... بصورت شاملِ مسجد نہ ہونے کے دیکھا جائے گا کہ اگر مسجد تنگ ہورہی ہے اوراوپر نیچے سے بھر جاتی ہے، نیز علاقہ میں کوئی اور مسجد بھی نہ ہو جس سے بوقت ازدہام یہ تنگی دفعہ ہوسکے تو پھر دائیں بائیں یا آگے پیچھے کی جگہیں بقدر ضرورت بالاصرار خرید کر شامل مسجد کر دی جائیں گی اگرچہ یہ حجرہ اس کی زد میں آجائے۔ اوراگر ایسی صورت نہیں تو پھر جائز نہیں کہ اس حجرہ کو اور نہ ہی کسی اور جگہ کو زبردستی خرید کر شاملِ مسجد کیا جائے البتہ پڑوسیوں کے لئے اولی ہے کہ سخت مجبوری کے بغیر بھی متوقع تنگی سے نمازیوں کو بچانے کے لئے اپنی جگہ مسجد کو فروخت کرنے میں مانع نہ بنیں جبکہ متولی خریداری میں دلچسپی رکھتا ہو۔

(۷)......سوال میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق امام مسجد کا غیر واقعی یا غیر معلوم احوال کی واقفیت کا دعوی اوراس پر حلفیہ بیان موجبِ فسق ہے اندریں صورت ان کا امامت پر برقرار رہنا مکروہ تحریمی ہے اِلّا یہ کہ توبہ کریں، صاحب واقعہ سے معافی مانگیں اور آئندہ کیلئے ان امور سے مجتنب رہیں۔قولهم شرط الواقف كنص الشارع اى فى المفهوم والدلالة ووجوب

العمل به (درمختار، جلد ۶، صفحہ ۶۶۴)

فما كان من عبارة الواقف من قبيل المفسر لايحتمل تخصيصاً ولاتأويلاً يعمل به ، وما كان من قبيل الظاهر كذالک وماحتمل وفيه قرينة حمل عليها، وما كان مشتركاً لايعمل به ...... وان كان حياً يرجع الى بيانه (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۶۶)

وفيه ايضاً: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۸۳)

وفيه ايضاً: ان القضاء ينقض عندالحنفية اذا كان حكماً لادليل عليه وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حكم لادليل عليه (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۷۶۰)

وفي الهداية: ان المتولى انما يستفيد الولاية من جهته (اى الواقف) بشرطه فيستحيل ان لايكون له الولاية، وغيرهٗ يستفيد الولاية منه، ولانه اقرب الناس الى هذا الوقف فيكون اولىٰ لولايته كمن اتخذ مسجداً يكون اولى بعمارته ونصب المؤذن فيه (ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۲۲۳، کتاب الوقف) قال ابن الهمامؒ :قوله"ولانه اقرب الناس الى الوقف" فان القاضي ليس اقرب منه اليه (فتح القدیر، جلد ۵، صفحہ ۴۴۲)

وفيه ايضاً: واما نصب المؤذن والامام فقال ابو نصر: فلاهل المحلة، وليس البانى احق منهم بذالک وقال ابوبكر الاسكاف: البانى احق بنصبها من غيره كالعمارة قال ابو الليث: "وبه ناخذ" الا ان يريد اماماً ومؤذناً والقوم يريدون الاصلح فلهم ان يفعلوا ذالک كذا فى النوازل (فتح القدیر، جلد ۵، صفحہ ۴۴۲)

وفي البحر: تنازع اهل المحلة والبانى فى عمارته او نصب المؤذن او الامام فالاصح ان البانى اولىٰ به الا ان يريد القوم ما هو اصلح منه ...... والبانى احق بالامامة والاذان، وولدهٗ من بعده وعشيرته اولىٰ بذالک من غيرهم وفى المجرد عن ابى حنيفة رضى الله عنه انّ البانى اولى بجميع مصالح المسجد

ونصب الامام والمؤذن اذا تأهل للامامة (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۲۱۸، ط: کوئٹہ)

ومادام احد يصلح للتولية من اقارب الواقف لايجعل المتولى من الاجانب لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف اليهم (تنویر الابصار مع الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۶۵۰)

وفى الشامية: فان لم يجد فيهم من يصلح لذالك فجعله الى اجنبى ثم صار فيهم من يصلح له صرفه اليه ومفاده تقديم اولاد الواقف (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۵۰، ط: رشیدیہ جدید)

وفى الدرالمختار: تؤخذ ارض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرهاً (الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۵۸۱)

وفى الشامية: قال فى نورالعين: ولعل الاخذ كرهاً ليس فى كل مسجد ضاق بل الظاهر ان يختص بما لم يكن فى البلد مسجد آخر اذ لو كان فيه مسجد آخر يمكن دفع الضرورة بالذهاب اليه نعم فيه حرج لكن الاخذ كرهاً اشد حرجاً منه ويؤيد ما ذكرنا فعل الصحابة اذ لامسجد فى مكة سوى المسجد الحرام (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۱)

(۸)..... مسجد کے مال کو تجارت میں لگانا اس طریق پر کہ پیسہ کی حفاظت بھی ہو اور آمدن کا ذریعہ بھی جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ مسجد کی رقم سے خرید کردہ چیز کی فروخت اصل قیمت سے کمی کے ساتھ نہ ہو زیادتی کے ساتھ ہو، چنانچہ اس غرض سے اس رقم کو قرض میں دینا بھی جائز کہا گیا ہے جبکہ اپنے پاس حفاظت اتنی نہ ہو جتنی کہ قرض میں، البتہ مالِ مسجد کو تجارت میں لگانا فی زماننا خلافِ احتیاط ہے۔ اشترى المتولى بمال الوقف داراً للوقف لاتلحق بالمنازل الموقوفة ويجوز بيعها فى الاصح، قوله بمال الوقف ، اى بغلة الوقف (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۳۸)

وللمتولى ان يشترى بما فضل من غلة الوقف اذا لم يحتج الى العمارة مستغلا ولايكون وقفاً فى الصحيح حتى جاز بيعه (فتح القدیر، جلد ۵، صفحہ ۴۴۹)

وفیه ایضاً: وفی النوازل: فی اقراض ما فضل من مال الوقف قال ان کان احرز للغلة ارجوا ان یکون واسعا (فتح القدیر، جلد۵، صفحہ۴۵۱) وبمثله فی البحر (جلد۵، صفحہ۴۰۱)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ امداد المفتین میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ''دوکانوں کی آمدنی سے جو حاصل ہوا اگر وہ ضروریات سے زائد ہو تو مسجد کے نفع کے لئے اس کو تجارت میں لگانا جائز ہے .... بلا نفع کسی کو نہ دیا جائے اس خرید وفروخت کی غرض مسجد کا نفع ہونا چاہیے'' (امداد المفتین، جلد۲، صفحہ۶۰۵ کتاب الوقف) ....فقط واللہ اعلم

بندہ رفیع احمد
متخصص جامعہ خیرالمدارس ملتان
خادم انجمن مکہ مسجد ریشم بازار، حیدرآباد
۴، شعبان المعظم /۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیرالمدارس، ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیرالمدارس، ملتان

احکام المساجد

مایتعلق ببناء المسجد وتعمیرہ وتوسیعہ

ضرورت کے موقع پر مسجد بنانا مسلمانوں کا شرعی حق ہے حکومت یا کسی محلّہ دار کو رکاوٹ بننے کا حق نہیں:

ایک شخص اپنی ذاتی ملکیت کے ایک عدد مکان کو فی سبیل اللہ وقف کر کے مسجد تعمیر کرانا چاہتا ہے اہل محلّہ میں سے ایک دو آدمی حکومت کی آڑ لے کر مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ کیا انہیں یا کسی اور آدمی کو مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ بننے کا حق حاصل ہے؟ اگر نہیں تو ایسے لوگوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(نوٹ) واضح رہے کہ واقف سنی مسلک کے ہیں اور روکنے والے شیعہ مسلک کے ہیں۔

سائل ...... محمد ساجد رفیق

الجواب

ضرورت کے موقعہ پر مسجد بنانا مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے: امر عمرؓ ببناء المسجد (جلد ۱، صفحہ ۶۴)

مسجد بنانا اور اُن کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے گویا یہ ایمان کی علامت ہے۔

لقولہ تعالیٰ: انما یعمر مساجد اللّٰہ من آمن باللّٰہ (الآیہ) (توبہ، پارہ۱۰، آیت نمبر۱۸)

مسجد کی تعمیر میں تعاون کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کی سنت ہے۔

بخاری شریف میں ہے: حتی اتی علی ذکر بناء المسجدفقال کنا نحمل لبنۃ لبنۃ وعمار لبنتین لبنتین (الحدیث) (بخاری شریف، جلد۱، صفحہ۶۴)

مسجد سے روکنے والے کو اللہ جل شانہ نے سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔ ومن اظلم ممّن منع مساجد اللّٰہ (الآیہ) (بقرہ، پارہ۱، آیت نمبر۱۱۴)

الحاصل: جب اکثر آبادی اہل سنت والجماعت کی ہے تو عندالضرورت انہیں مسجد بنانے کا پورا حق حاصل ہے نیز جو جگہ مسجد کے لئے وقف ہو جائے اسے بیچنا یا کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں۔

اذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولاتملیکہ (ہدایہ، جلد۲، صفحہ۶۱۹، ط: رحمانیہ، لاہور)

لہٰذا وقف کے بعد اس جگہ مسجد بنانا ضروری ہے اسے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے اگر ان حضرات کو مسجد کا قرب گوارہ نہیں تو انہیں نقل مکانی کا سوچنا چاہیے، مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ ڈالنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۶/۱۰ھ

مسجد شرعی بننے کیلئے نہ تعمیر شرط ہے اور نہ ہی نماز پڑھنا شرط ہے:

(ا)...... مسجد شرعی کی تعریف کیا ہے؟

(ب)...... ہمارے علاقے میں چند لوگوں نے مل کر زمین مسجد کے لئے وقف کی، انتظامیہ مسجد نے موقوفہ جگہ میں مسجد کی نیت سے صرف دو تین فٹ اونچی بنیاد رکھ دی اور یہ بنیاد صرف ہال کمرے کی

رکھی گئی پھر کئی سال تک کام رکا رہا،لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ انتظامیہ مسجد بوجہ ضرورت اس موقوفہ جگہ (جہاں بنیاد رکھی گئی تھی) کی بجائے ساتھ دوسری جگہ پر مسجد منتقل کرنا چاہتی ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ''صرف کسی جگہ کو مسجد کے لئے وقف کرنے سے یا موقوفہ جگہ میں صرف بنیاد رکھنے سے وہ شرعی مسجد بن جاتی ہے؟یا شرعی مسجد بننے کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ اذان واقامت سے اس جگہ باجماعت نماز ادا کی جائے یا صرف وقف کی نیت ہی شرعی مسجد بننے کے لئے کافی ہے'' واضح رہے کہ یہ پروگرام باہم مشورے سے طے پایا ہے اور دوسری جگہ جہاں مسجد منتقل کرنے کا ارادہ ہے پہلی موقوفہ جگہ کے بدلے میں لی ہے یعنی موقوفہ جگہ دوسری جگہ کے مالک کو دیدی اور ان کی زمین مسجد کے لئے بدلے میں لے لی،اور مسجد منتقل کرنے کی ضرورت یہ پیش آئی کہ پہلی جگہ مدرسہ سے دور تھی انتظامیہ نے سوچا کہ مدرسہ کے قریب مسجد بنا کر مدرسہ سے اٹیچ کر لی جائے ویسے مسجد مدرسہ سے خارج ہی ہے ایک راستہ باہر گلی سے بھی مسجد کو جاتا ہے۔آیا یہ جگہ شرعی مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟

سائل ......ابومعاویہ،سرگودھا

الجواب

جب مسجد کے لئے وقف زمین پر متولی یا انتظامیہ نے مسجد کی بنیاد رکھ دی تو وہ جگہ مسجد شرعی بن گئی اگرچہ وہاں ایک نماز بھی ادا نہ کی گئی ہو۔اذا سلم المسجد الی متول یقوم بمصالحه یجوز وان لم یصل فیه هو الصحیح كذا فی الاختیار شرح المختار وهو الاصح كذا فی المحیط السرخسی (عالمگیریہ،جلد۲،صفحہ۴۵۵)

مسجد شرعی کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ وقف شدہ زمین کا تبادلہ بھی تب ہو سکتا ہے جبکہ عندالوقف تبادلہ کی شرط لگائی ہو ورنہ نہیں۔ففی الشامیة: والثالث:ان لایشرطه ایضاً ولكن فیه نفع فی الجملة، وبدله خیر منه ریعاً ونفعاً وهذا لایجوز استبداله

علی الاصح المختار، (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۹) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۱۱/۵ھ

نئی مسجد کی تعمیر سے اس لیے روکنا کہ اس کی وجہ سے دوسرے محلے کی مسجد بے رونق ہو جائے گی:

بندہ کا اپنے محلے میں مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے محلّہ کی مسجد کے نمازی کم ہو جائیں گے، اگر اسطرح وہ مسجد بے آباد ہوگئی تو اسکے ذمّہ دار تم ٹھہرو گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا دوسرے محلے کی مسجد کو بھرنے یا آباد رکھنے کی ذمّہ داری دور والے محلے والوں پر عائد ہو سکتی ہے؟

سائل ...... عبدالسلام ساہیوال

الجواب

صورت مسئولہ میں آپ ارادہ کے مطابق جگہ مذکور میں مسجد کی تعمیر شروع کر دیں۔

من بنی للّٰہ مسجداً صغیراً او کبیراً بنی اللّٰہ لہ بیتاً فی الجنۃ (ترمذی شریف، جلد ۱، صفحہ ۱۸۲)

حدیث شریف کے تحت آپ ثواب کے مستحق ہونگے آپ پر مسجد بنانے کی وجہ سے پہلی مسجد کو بے آباد کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۲/۳/۱۶ھ

کیا اس وقت مسجد ضرار کا وجود ہے:

آج کل کے دور میں روئے زمین پر کوئی مسجد ضرار ہے یا نہیں؟ کیونکہ اگر کوئی مسلمان مسجد بناتا ہے تو بعض علماء فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ مسجد ضرار ہے دلائل سے جواب دیں؟

سائل ...... محمد اسحاق، مردان

الجواب

شرعاً تعمیرِ مساجد میں کوئی تحدید نہیں بلکہ ضرورت وحاجت ونیک نیّتی پر اس کا دارومدار ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اخلاص ونیک نیّتی سے ایک مسجد کے قرب میں دوسری مسجد بنائے تو وہ شرعاً مستحق اجر ہے اور جب یہ بات معلوم ہوئی کہ شرعاً کوئی تحدید مساجد کے بارے میں نہیں بلکہ مدار ضرورت ونیک نیّتی پر ہے تو جملہ مساجد بنا کردہ مؤمنین مساجد شرعیہ ہیں مسلمانوں کی بنائی ہوئی مساجد پر مسجدِ ضرار کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ مسجد ضرار کفار ومنافقین کی بنائی ہوئی تھی اور ان کی بدنیّتی اور فساد وتفریق کے لئے بنانا نص قطعی سے معلوم ہو گیا تھا پس مسلمانوں کی بنا کردہ مساجد پر یہ حکم کیسے جاری ہو سکتا ہے جبکہ بناء مساجد کو حق تعالیٰ نے علامت ایمان قرار دیا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: انما یعمر مساجد اللّٰہ من آمن باللّٰہ (الآیہ) (توبہ، پارہ ١٠، آیت نمبر ١٨)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من بنی للّٰہ مسجداً صغیراً او کبیراً بنی اللّٰہ له بیتاً فی الجنة (ترمذی شریف، جلد ١، صفحہ ١٨٢) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان	٢٣/٣/١٣٩١ھ

دوسری مسجد کتنے فاصلے پر بنائی جائے:

ایک مسجد کے آس پاس دوسری مسجد بنانے کے لئے کسی رقبے یا آبادی کی تعیین وتحدید شرع شریف میں موجود ہے کہ کتنے فاصلے پر دوسری مسجد بنائی جائے یا کتنی آبادی کے بعد دوسری مسجد بنائی جائے؟ عام طور پر لوگ اگر ایک مسجد سے کچھ فاصلے پر دوسری مسجد بنائی جائے تو اس کو مسجد ضرار کا نام دیدیتے ہیں اور دوسری مسجد بنانے والوں پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے۔

سائل ...... محمود احمد، اقبال نگر

الجواب

قرآن کریم، حدیث پاک، حضرات صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین سے اس سلسلہ میں کوئی تحدید ثابت نہیں اس کا مدار ضرورت پر ہے ضرورت کے وقت ایک محلہ میں دو تین مساجد بھی بن سکتی ہیں، جبکہ محلّہ بڑا ہو پہلے سے تعمیر شدہ مساجد نمازیوں کے لئے ناکافی ہوں اور نیک نیّتی اور اخلاص سے بنائی جائیں۔

جب شریعت مطہرہ میں فاصلہ کی کوئی تحدید نہیں تو دوسری مسجد کو مسجد ضرار سے تعبیر کرنا ہرگز جائز نہیں جبکہ نیک نیّتی سے بنائی گئی ہو کیونکہ مسجدِ ضرار کفار ومنافقین کی بنا کردہ تھی ان کی بدنیّتی نص قطعی سے معلوم ہوگئی تھی، جبکہ مسلمانوں کے بارے میں "ظنوا المؤمنين خيرًا" کا حکم ہے۔..................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۶/۵/۱۰ھ

مغصوبہ زمین میں بنائی گئی مسجد کو گرانا درست ہے:

ایک شخص نے دوسرے کے مکان پر ناجائز قبضہ کرلیا ہے کیس عدالت میں چل رہا ہے

قابض اس مکان سے ایک حصہ مسجد کے نام بیچ کر مسجد بنانا چاہتا ہے۔کیا یہ حصہ مسجد کے حکم میں آ جائیگا اور اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عارف، ملتان

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ جب تک قابض شخص اس کا مالک نہیں قرار دیا جاتا اس وقت تک اس کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اس مکان کا کچھ حصہ مسجد کو فروخت کرے اگر وہ اس طرح کرے گا تو وہ حصہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوگا اس کا گرانا جائز ہوگا(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۱/۹/۲۰ھ

جعل سازی سے مدرسہ کا پلاٹ مسجد کے نام منتقل کرنے سے مدرسہ کا استحقاق ختم نہ ہوگا:

مدرسہ اشاعت العلوم (رجسٹرڈ) چشتیاں جامع مسجد چشتیاں کے قریب واقع ہے تقریباً بیس سال سے بتصدیق بلدیہ، بلدیہ کے پلاٹ پر مدرسہ قائم ہے، اس کی صورتِ حال یوں ہوگئی ہے کہ جس پلاٹ پر مدرسہ قائم ہے اس کا انتقال غیر آئینی طور پر مسجد کے نام محکمہ اوقاف نے کر دیا ہے اب جب ہمیں پتہ چلا تو اس غیر آئینی انتقال کو ختم کرنے کے سلسلے میں ہم نے تگ ودو شروع کر دی، ادھر محکمہ اوقاف والے مدرسہ کو گرا کر مارکیٹ بنا کر مسجد کی توسیع کرنا چاہتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ والے اپنے قبضہ کی بنا پر انتقال مدرسہ کے نام پر کروانا چاہتے ہیں جبکہ صدر مملکت

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریة: وان غصب داراً فجعلها مسجداً لایسع لاحد ان یصلی فیه ولا ان یدخله (الخ) (جلد۵، صفحہ۳۲۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

سے حکام بلدیہ کو چٹھی آ چکی ہے کہ سرکاری اراضی پر قابض مدارس کو قبضہ ملکیت دیدیا جائے اور اوقاف والے اپنے غیر آئینی انتقال کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ مدرسہ کو گرا کر مارکیٹ بنا کر مسجد کی توسیع کر دی جائے۔ لہٰذا آپ تحریر فرماویں کہ اس سلسلہ میں حق بجانب کون ہے مدرسہ والے یا مسجد والے؟ واضح رہے کہ انتقال کرواتے وقت پلاٹ کو خالی ظاہر کیا گیا تھا۔

سائل ...... عبدالعزیز، بہاولنگر

الجواب

اگر واقعۃً عرصہ بیس سال سے مذکورہ پلاٹ پر مدرسہ قابض ہے اور آئینِ حکومت بھی یہی ہے کہ اتنے عرصہ سے مقبوضہ جگہیں مدارس کو منتقل کر دی جائیں تو صورت مسئولہ میں مدرسہ ہی اس پلاٹ کا جائز اور آئینی مستحق ہے دروغ بیانی کے ذریعے سے مسجد کے نام منتقل کرا لینے سے مدرسہ کا استحقاق ختم نہیں ہوا۔ لقوله عليه السلام: لاضرر و لاضرار في الاسلام او كما قال عليه السلام

آباد دینی مدرسہ کو گرا کر بازار و مارکیٹ بنانا (جبکہ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: ابغض البلاد الى الله اسواقها (مسلم شریف، جلد ا، صفحہ ۲۳۶) کسی طرح بھی دین اسلام کی خدمت نہیں گو یہ مارکیٹ برائے مسجد ہو۔..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۹/۳/۱۸ھ

سرکاری کاغذات میں جگہ اگر چہ کسی کے نام ہو جب اس کی اجازت سے مسجد بن گئی تو وہ مسجد شرعی ہے:

ایک مسجد کے لئے زمین خریدی گئی تو وہ زمین دو آدمیوں کے نام کر دی گئی کہ چلو جب

تک مسجد نہیں بنے گی اس وقت تک یہ زمین انہی دو آدمیوں کے نام پر رہے گی تا کہ کوئی قبضہ نہ کرلے جب مسجد بن گئی تو ایک فریق تو کہتا ہے کہ میں وقف کرنے کے لئے تیار ہوں اور دوسرا شخص (ناصر) کہتا ہے کہ ''میں تیار نہیں ہوں کیونکہ لوگ قبضہ کرلیں گے لہٰذا مسجد میرے نام پر رہے'' کیا ایسی مسجد میں نماز وغیرہ جائز ہے؟

سائل ...... محمد عنایت اللہ، اوکاڑہ

الجواب

مذکورہ مسجد، مسجد شرعی بن چکی ہے خواہ سرکاری کاغذات میں کسی کے نام پر بھی ہو کیونکہ اگر کوئی شخص ذاتی زمین پر مسجد تعمیر کرے اور لوگوں کو باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت دیدے تو یہ جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے خواہ وقف کرنے کا زبان سے یا تحریر سے تذکرہ نہ کرے۔

لما فی الشامیة: اذا بنیٰ مسجداً واذن للناس بالصلوٰة فیه جماعة فانه یصیر مسجداً (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۴۶)

اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے مسجد کا ثواب ملے گا ہمارے ملک میں ایک مخصوص گروہ نے باقاعدہ منظم طور پر مسجدوں پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا ہے کئی مساجد پر وہ قابض بھی ہو چکے ہیں خدانخواستہ ایسی صورت حال پیش آجانے پر اگر زمین کاغذات میں کسی کے نام پر ہو تو قبضہ ختم کرانا سہل ہوتا ہے اس لئے قانونی طور پر ناصر کی بات شاید درست ہو اس کے بعد اس کے ورثاء سے بھی کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ تعمیر شدہ مسجد کا گرانا کوئی آسان کام نہیں۔ ...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۴/۲/۲۶ھ

ناصر کے ورثاء سے یہ تحریر کرا لیا جائے کہ یہ قطعہ ہمارے والد کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ مسجد کے لئے وقف ہے ہمارا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ ...... والجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

کسی تالاب کے نزدیک تعمیر شدہ مسجد کا حکم:

ایک پرانے زمانے کے کنویں کے ساتھ نماز پڑھنے کی جگہ ہے جس کی کوئی چار دیواری نہیں اور نہ ہی مسجد کے نام سے وقف ہے، صرف نشان لگایا ہوا ہے۔ اب جبکہ کنواں ختم ہو چکا ہے اور وہ جگہ ویران پڑی ہے اس جگہ کو اپنے استعمال میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عاشق، پاک گیٹ ملتان

الجواب

جو جگہ کسی کنویں یا تالاب کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے بنائی جائے وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی جگہ کو اپنے استعمال میں لانا درست ہے۔(1) ....فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۴/۱۲/۲۳ھ

اگر قبلہ کی طرف قبرستان ہو تو وہاں مسجد بنانے کا حکم:

ہم مسجد بنا رہے ہیں اور مغرب کی جانب قبرستان ہے کیا مسجد بنانا درست ہے؟

سائل...... محمد ایوب، احمد پور سیال

الجواب

مذکورہ جگہ پر مسجد بنانا شرعاً درست ہے کیونکہ محراب کی دیوار کی وجہ سے قبروں کو سجدہ کرنا

التخریج: (۱)......لما فی الدر المختار: فحل دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد ورباط ومدرسة ومساجد حياض واسواق وفي الشامية: قوله "ومساجد حياض" مسجد الحوض مصطبة يجعلونها بجنب الحوض حتىٰ اذا توضا احد من الحوض صلى فيها (درمختار مع الشامیہ، جلد۲، صفحہ ۵۱۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

لازم نہیں آئے گا۔[1] ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
جامعہ خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۴/۱/۲۳ھ

عارضی مسجد شرعی مسجد نہیں اسے ختم کرنا شرعاً درست ہے:

ایک سکول کا ایک کمرہ چوکیدار کے لیے تھا تو محلے والوں کے کہنے پر سکول کے ہیڈ ماسٹر نے اس مکان میں نماز پڑھنے کے لئے عارضی طور پر اجازت دی تھی جب تک کہ دوسری مسجد نہیں بن جاتی اب جبکہ ساتھ والے دوسرے سکول میں بڑی مسجد تعمیر ہوگئی ہے تو مذکورہ کوارٹر جس میں تعمیر ہونے تک عارضی طور پر نماز پڑھتے تھے یہ جگہ مسجد کے لئے وقف یا مقرر نہیں کی گئی تھی تو اس جگہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کا سامان اسپیکر الماری اور پنکھے وغیرہ نئی مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں؟

سائل ...... ماسٹر محمد شریف، وہاڑی

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مذکورہ کوارٹر کی حیثیت سکول کی دوسری عمارت کی

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریة: وتکلموا ایضاً فی معنی الکراهة الی القبر قال بعضهم لان فیه تشبُّهاً بالیهود وقال بعضهم لان فی المقبرة عظام الموتی، وعظام الموتی انجاس وارجاس، وهذا کله اذالم یکن بین المصلی وبین هذهٖ المواضع حائط او سترة اما اذا کان، لایکره، ویصیر الحائط فاصلا (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰)

وفی البحر الرائق: ویکره ان یکون محراب المسجد نحو المقبرة او المیضاة او الحمام، اس پر محشی لکھتے ہیں: هذا اذا لم یکن حائل کجدار، اما معه فلاکراهة کما ذکره فی شرح منیة المصلی (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۴۲۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

طرح ہے وہ مسجد شرعی نہیں۔[1] چندہ دہندگان اور انتظامیہ کی اجازت سے یہ اشیاء دوسری مسجد میں لگانے کی گنجائش ہے۔..................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۱/۵/۱۴ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

افغان مہاجرین کی بناء کردہ مسجد کو گرانے کا حکم:

قبائلی علاقوں میں آج سے پندرہ یا اٹھارہ سال پہلے افغانستان کے مہاجرین نے ایک شخص سے ایک وسیع مکان کرایہ پر لیا اور اس میں اپنی ضروریاتِ دین کے لئے ایک مسجد اور ایک مدرسہ قائم کیا جبکہ مالک مکان نے نہ تو وہ زمین مسجد کیلئے وقف کی اور نہ ہی مدرسہ کے لئے اب جبکہ وہ مہاجرین یہ مکان چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور ہم نے وہ مکان مالکِ مکان سے خرید لیا ہے جب ہم نے مالکِ مکان سے کہا کہ اس میں تو مسجد اور مدرسہ ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ فتویٰ حاصل کر لیں میں اس کو گرادوں گا کیونکہ میں نے نہ تو مسجد کے لئے یہ زمین وقف کی تھی اور نہ ہی مدرسہ کے لئے بلکہ وہ تو انہوں نے عارضی طور پر بنائی تھی۔ اب آیا وہ مسجد اور مدرسہ شہید کر دیا جائے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

سائل ...... گل شیرین، وزیرستان

الجواب

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں جب مالک اراضی نے اس کو وقف نہیں کیا بلکہ کرایہ داروں نے عارضی طور پر اپنے لئے اس میں مسجد و مدرسہ بنالیا تھا، لہٰذا اس مسجد و مدرسہ کو

التخریج: (۱)......مندوب لکل مسلم ان یعدّ فی بیته مکاناً یصلی فیه، الا ان هذا المکان لایأخذ حکم المسجد علی الاطلاق لانه باق علی حکم ملکه، (عالمگیریہ، جلد۵، صفحہ۳۲۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

وقف کے احکام حاصل نہیں ہیں۔[1] اب جبکہ خریدار نے اس اراضی کو مکانات بنانے کے لئے خرید لیا ہے اس لئے اس مسجد اور مدرسہ کو ختم کرنا شرعاً درست ہے اور اس جگہ پر ذاتی رہائش کیلئے مکان تعمیر کرنا جائز ہے۔ ......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۳/۴/۳ھ

سرکاری زمین میں تعمیر شدہ مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے:

کوئی سرکاری رقبہ گورنمنٹ کی جانب سے برائے رفاہ عامہ وقف شدہ ہو اور اس پر سن ۱۹۳۵ء سے انسان اور حیوانات کے لئے پانی پینے کا کنواں تعمیر شدہ ہو اور عوام الناس کے آرام کرنے کے لئے مخصوص جگہ ہو ان سب چیزوں کو زبردستی گرا کر اور مسمار کر کے بلا ادائے رقم اس جگہ میں مسجد تعمیر کر دی جائے حالانکہ یہ جگہ مسجد کے لئے منظور نہیں ہے۔ تو کیا اس تعمیر شدہ مسجد میں نماز درست ہے؟ سائل ...... ارشد کلاتھ ہاؤس، ٹوبہ ٹیک سنگھ

الجواب

نماز اس مسجد میں جائز ہے سرکاری کاغذات کی تکمیل کرالی جائے۔[2] فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۴/۷/۲۴ھ

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریة: واما شرائط (ای شرائط صحة الوقف) فمنها العقل...... ومنها الملک وقت الوقف (جلد۲، صفحہ ۳۵۲، ۳۵۳) ولما فی الشامیة: قوله: "وشرطه شرط سائر التبرعات" افاد: ان الواقف لا بد ان یکون مالکاً له وقت الوقف ملکاً باتاً (جلد۶، صفحہ ۵۲۲)

(۲)......لان الطریق للمسلمین والمسجد لهم ایضاً (البحر الرائق، جلد۵، صفحہ ۴۲۸)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

سرکاری زمین پر مسجد کے غسل خانے تعمیر کرنے کا حکم:

آج سے تقریباً ۲۵ سال قبل مسجد سے ملحقہ کچھ سرکاری زمین سفید ٹکڑا تقریباً ۹۰۰ مربع فٹ پڑی ہوئی تھی زید نے اس کو بلا اجازتِ سرکار مسجد کے فوائد کے لئے استعمال کیا یعنی غسل خانے، کنواں، دوکانات اور حجرہ تعمیر کرائے کچھ حصہ خالی چھوڑ دیا گیا جس وقت مسجد کے فوائد کے لئے زمین مذکورہ پر قبضہ کیا گیا تھا اس وقت یہ علاقہ ایک ریاست تھی اور حکومت ایک والئی ریاست کی تھی اب والئی ریاست کا اقتدار ختم ہو چکا اور وَن یونٹ بن چکا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسی زمین پر مسجد کے فوائد کے لئے قبضہ کرنا جائز ہے؟ اگر قبضہ کرنا ناجائز ہے تو زید کے ذمہ جو حق العباد باقی ہے اس کی ادائیگی کی شرعاً کیا صورت ہے؟ اور اس جگہ جو لوگ نماز پڑھتے رہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سائل...... حاجی احمد بخش، احمد پور شرقیہ

الجواب

شارع عام حکومت یا بادشاہ وقت کی ذاتی مملوک نہیں ہوتی بلکہ عام اہل اسلام کے لئے ہوتی ہے، اس لئے اگر مسلمان شارع عام میں سے کچھ حصہ مسجد کی توسیع کے لئے شامل کریں تو راستہ تنگ نہ ہونے کی صورت میں اس کی شرعاً اجازت ہے۔

لما فی الخانیة: طریق للعامة ھی واسع فبنی اھل المحلة مسجداً للعامة ولا یضر ذالک بالطریق قالوا لا بأس به وھکذا روی عن ابی حنیفة لان الطریق للمسلمین والمسجد لھم ایضاً (خانیہ علی ہامش الہندیہ، جلد ۳، صفحہ ۲۹۲)

پس صورت مسئولہ میں اگر قطعہ مذکورہ بھی اسی نوعیت کا تھا تو ضروریات مسجد اور عامۃ المسلمین کے لئے غسل خانے وغیرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں حضرت تھانویؒ ایسے ایک استفتاء کے

جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''ان روایات سے ثابت ہوا کہ طریقِ عام بادشاہِ وقت کا مملوک نہیں بلکہ حقِ عامہ ہے اور اگر مسجد میں حاجت ہو اور راہگیروں کو تنگی نہ ہو تو اہل محلہ کے اکثر یا افضل لوگوں کی رائے سے طریق کو مسجد میں ملا لینا جائز ہے۔'' (امداد الفتاویٰ، جلد ۲، صفحہ ۶۸۹)

البتہ اگر اس قطعہ اراضی کی نوعیت اس سے مختلف ہو یعنی والی ریاست کی ذاتی ملکیت ہو تو ایسی صورت میں یہ غصب ہوگا اور والئی ریاست سے معاف کرانے کی صورت میں برأت ذمہ ہو جائیگی۔ ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱/۷/۱۳۸۳ھ

مسجد کو فراخ کرنے کے لئے شارع عام کو تنگ کرنا:

ایک مسجد تعمیرِ جدید کے لئے منہدم کی گئی تعمیر جدید میں بقدر ایک فٹ زمین شارع عام پر اور پانی کی نالی پر دیوارِ مسجد و دوکانات ملحقہ مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی اہل محلّہ نے گلی کے تنگ ہو جانے کا کمیٹی کو اعتراض کیا اور بعدالتِ سول جج صاحب حکم امتناعی بابت تعمیر حاصل کر لیا۔ جواب طلب امور یہ ہیں!

(۱)......کیا گلی وسیع کرنے کے لئے مسجد کی دیوار منہدم کی جائے گی؟

(۲)......کیا مغصوبہ زمین پر مسجد کی تعمیر جائز ہے؟

(۳)......کیا اس مسجد میں اور مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے؟

(۴)......مسجد کو فراخ کرنے کے لئے شارع عام کو تنگ کرنا جائز ہے؟

الجواب

شارع عام عوام الناس کا حق ہے اگر مسجد میں ضرورت ہو اور گزرنے والوں کو تکلیف اور تنگی کا موجب نہ ہو تو محلّہ کے بااثر لوگوں کی رائے لے کر راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں ملا لینا جائز ہے۔[1] کمیٹی کی اجازت کی ضرورت بمصلحت ہے یہ تو نفس مسئلہ ہے، رہا یہ کہ صورت مسئولہ میں جو کچھ کیا گیا ہے یہ درست ہے یا نہیں، اب دیوار گرائی جائے یا نہ، یہ زمین مغصوبہ ہے یا نہیں ان سوالوں کا جواب مکمل تفصیل معلوم ہونے کے بعد دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۸/۸/۶ھ

کس مسجد کیلئے جبراً زمین لینا درست ہے؟

قصبہ مخدوم عالی میں لوگ ایک مسجد کی توسیع کر رہے ہیں کیونکہ رمضان شریف میں جمعہ کے دن لوگ سما نہیں سکتے قریب ہی لوگوں کے مکان ہیں وہ نہیں دیتے، باوجود اس کے کہ ان کو معاوضہ بھی دیا جا رہا ہے۔ کیا از روئے شریعت ان لوگوں سے جبراً زمین لے سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... حافظ شبیر احمد، ملتان

التخریج: (۱)...... لما فی العالمگیریة: ذکر فی المنتقیٰ عن محمدؒ فی الطریق الواسع بنی فیه اهل المحلة مسجداً وذالک لایضر بالطریق فمنعهم رجل فلاباس ان یبنوا کذا فی الحاوی، (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۴۵۶)

وفیه ایضاً: قوم بنوا مسجداً واحتاجوا الی مکان لیتسع المسجد واخذوا من الطریق وادخلوه فی المسجد ان کان یضر باصحاب الطریق لایجوز وان کان لایضربهم رجوت ان لایکون به باس (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۴۵۶)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

اگر صرف رمضان المبارک کے جمعہ میں لوگوں کو تنگی ہوتی ہو تو اس کے رفع کرنے کا کوئی دوسرا انتظام کرنا چاہیے پڑوسیوں کے مکانات جبراً لے کر مسجد میں شامل کرنا درست نہیں ہوگا، البتہ انہیں رضامند کر لیا جائے تو جواب ظاہر ہے، مسجد کے لئے ''جبراً'' اراضی حاصل کرنے کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ شہر میں دوسری مسجد نہ ہو۔ **قال فی نور العین: ولعل الاخذ کرھاً لیس فی کل مسجد ضاق، بل الظاھر ان یختص بما لم یکن فی البلد مسجدآخر اذلو کان فیه مسجدآخر یمکن دفع الضرورة بالذھاب الیه نعم فیه حرج لکن الاخذ کرھاً اشد حرجاً منه** (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۱)

''نعم فیه حرج'' سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ یہ جزئیہ اس مسجد کے بارے میں ہے جس کے اندر پانچ وقت نماز کے لئے تنگی ہوتی ہے کیونکہ جمعہ اور عیدین کے لئے جامع مسجد یا عیدگاہ میں جانا باعث حرج نہیں۔ مطلوب مامور شرعی ہیں۔..........فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۸/۱/۱۳۸۷ھ

مسجد کی دوکانوں میں کچھ سرکاری جگہ شامل کرنے کا حکم:

کوٹ ادو شہر میں ایک مسجد ''مسجد قاسمیہ'' عرصہ ۵۰ سال سے آباد چلی آ رہی ہے آج کل نقشہ جدید کے مطابق مسجد زیر تعمیر ہے متولی مسجد اور انتظامیہ نے محراب کی جانب (مسجد کے مغربی جانب) دیوار کے ساتھ سرکاری زمین پر چند فٹ تجاوز کر کے دوکانیں تعمیر کر دی ہیں جبکہ مسجد جدید نقشہ پر بھی سابقہ جگہ پر ہی تعمیر کی گئی ہے اور مسجد کی جگہ دوکانوں میں شامل نہیں ہوئی، دوکانیں

صرف اس غرض سے تعمیر کی گئی ہیں کہ ان کی آمدنی سے مسجد کا انتظام چلایا جا سکے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا شرعاً واخلاقاً درست ہے؟ کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے؟ کیا اس غیر شرعی حرکت پر مسجد کی انتظامیہ اور متولی عنداللہ مسئول اور گنہگار ہوں گے؟

سائل ...... اظہر ضیاء شوز، مین بازار کوٹ ادو

الجواب

مذکورہ مسجد میں نماز پڑھنا شرعاً درست ہے کیونکہ مسجد اپنی پہلی جگہ پر ہے مسجد کی جگہ مغصوبہ نہیں ہے حضرات فقہاء کی کلام سے دوکانوں کے لئے تجاوز کا حکم صراحتاً نہیں ملا، البتہ مسجد میں راستے کا کچھ حصہ شامل کرنے کا حکم لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں تنگی ہو اور اس تجاوز کی وجہ سے راستہ تنگ نہ ہو ان دو شرطوں کے ساتھ اس کی گنجائش ہے۔

قوم بنوا مسجداً واحتاجوا الی مکان لیتسع المسجد واخذوا من الطریق وادخلوہ فی المسجد ان کان یضر باصحاب الطریق لا یجوز وان کان لایضرّ بھم رجوت ان لایکون به باس (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۵۶)

بہر حال مذکورہ تجاوز مناسب نہیں۔...............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۳/۱۲/۶ھ

ہندوؤں کی زمین میں بلا اجازتِ حکومت مسجد کی تعمیر درست نہیں:

ہندوؤں کی زمین میں مسجد بنانا بلا اجازت حکومتِ پاکستان اور بلا اجازتِ مالکان کیسا ہے؟

سائل .... صوفی اللہ دتہ موچی

الجواب

ہندوؤں کی زمین میں بغیر اجازت تحریری حکومت پاکستان یا بغیر اجازت مالکان مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالرحمٰن غفر اللہ لہ	صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم مدرسہ ھٰذا	مدرس مدرسہ خیر المدارس، ملتان	۲۷ رجب/ ۱۳۶۸ھ

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو مسمار کر کے مسجد بنانے کا حکم:

ایک غیر مسلم کی عبادت گاہ کو مسمار کر کے مسجد بنانا چاہتے ہیں اگر اس کو مسمار کر کے مسجد تعمیر کی جائے گی تو شرعاً وہ مسجد بن جائے گی؟

سائل ......عبدالحمید، گوجرانوالہ

الجواب

اگر حکومت نے ایسے مقامات کے باقی رکھنے کا معاہدہ نہ کر رکھا ہو تو صورت مسئولہ میں اس جگہ شرعی مسجد بن جائے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وفد کو فرمایا تھا کہ ''اذا اتیتم ارضکم فاکسروا بیعتکم وانضحوا مکانها بهٰذا الماء واتخذوها مسجدا'' (مشکوٰۃ شریف، جلد ا، صفحہ ۶۹) .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۲/۲/۲۶ھ

چونکہ ہر دو حکومتوں کا معاہدہ عبادت گاہوں، مسجدوں اور مندروں کی حفاظت کا ہو چکا ہے، لہٰذا ان کو مسمار کر کے مسجد بنانے کی اجازت ''بنابر معاہدہ'' نہیں دی جا سکتی۔ والجواب صحیح

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۲/۲/۲۶ھ

غیر مسلم کی متروکہ زمین پر مسجد و مدرسہ تعمیر کرنا:

سائل کے گاؤں میں ایک قطعہ اراضی متروکہ غیر مسلم کا ہے جس پر عرصہ ١٥/١٦ سال سے شہر کے بااثر اور اعلیٰ خاندان کے ایک فرد کا قبضہ چلا آ رہا ہے، پرانے وقت میں ہندو لوگ انہی کے خاندان کی رعایا تھے۔ قابض کا دعویٰ ہے کہ یہ رقبہ اس کی اپنی ملکیت ہے کیونکہ اس کے آباء واجداد نے ہندو رعایا کو دیا تھا اس لئے قابض نے وہ رقبہ سائل کو بیع قطعی کر کے زر بیع نقد وصول پا لیا ہے اور قبضہ حوالے کر دیا ہے۔ اب سائل اپنے محلّہ میں ایک مسجد اور ایک اسلامی مدرسہ تعمیر کرنا چاہتا ہے کیا ایسی اراضی میں مسجد یا اسلامی مدرسہ تعمیر کرنا شرعاً جائز ہے؟

سائل ...... ماسٹر محمد نواز، خوشاب

الجواب

اگر یہ زمین فی الواقع بائع کی ملکیت تھی تو یہ بیع صحیح ہوگئی مشتری اس میں مسجد وغیرہ جو چاہے تعمیر کر سکتا ہے اور اگر یہ زمین کسی ہندو کی مملوکہ تھی موجودہ قابض نے ہی اس کو ہبہ کی ہوئی تھی تو اس جگہ مسجد وغیرہ بنانے کے لئے حکومت سے اجازت بھی حاصل کر لینا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
٧/٨/١٣٨٨ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

وقف قبرستان میں مسجد بنانا جبکہ قبروں کیلئے جگہ کی تنگی بھی ہو:

ہمارے ہاں ایک قبرستان ہے اس کی صورتحال یہ ہے کہ جگہ بہت تنگ ہے قبروں کے لئے مزید جگہ کی ضرورت ہے اس قبرستان کے درمیان تھوڑی سی جگہ باقی ہے جبکہ ارد گرد قبریں ہیں۔ آیا اس جگہ پر مسجد بنانا درست ہے کہ نہیں جبکہ قبرستان کے باہر دو مسجدیں موجود ہیں اور

بنانے کا پس منظر یہ ہے کہ بنانے والے کو کسی پیر کی زیارت ہوئی ہے کہ یہاں پر مسجد بنائیں۔اب اہل علاقہ کا آپس میں جھگڑا ہو گیا ہے کہ مسجد بنائی جائے یا نہ بنائی جائے تو معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ اگر علماء یہ فرمادیں کہ مسجد بنانا درست نہیں تو ہم مسجد نہیں بنائیں گے۔

سائل ...... حافظ نذیر احمد، لودھراں

الجواب

اگر یہ جگہ قبرستان کے لئے وقف ہے اور قبروں کے لئے ضرورت بھی ہے تو اس جگہ مسجد بنانا درست نہیں خصوصاً جبکہ ضرورت بھی نہیں ہے قریب آس پاس مساجد موجود ہیں۔[1] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

مفتی خیر المدارس، ملتان ۱۴۲۸/۱/۷ھ

مجبوری کے وقت قبرستان کی زمین مسجد میں شامل کرنا باذن قاضی درست ہے:

ایک مسجد جس کے مغرب اور جنوبی طرف متصل قبرستان کی جگہ ہے البتہ قبریں صرف مغربی طرف ہیں اور وہ بھی مسجد سے تقریباً ۸۰ یا ۱۰۰ فٹ دور ہیں۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب اس مسجد کو توسیع کی اشد ضرورت ہے۔تو آیا قبرستان کی جگہ میں مسجد کی توسیع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز مسجد کے مشرق اور شمال کی جانب شارع عام ہے اس طرف سے ایک فٹ کی بھی گنجائش نہیں ہے فقط توسیع قبرستان کی طرف ہی ہو سکتی ہے۔

سائل ...... سیف الرحمٰن طارق

التخریج: (۱)......انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد۶، صفحہ ۶۸۳)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں تنگیٔ مسجد کے وقت وقف کی زمین قاضی کی اجازت سے مسجد میں شامل کرنا درست ہے۔ لما فی الشامیة: فی الفتح: ولو ضاق المسجد وبجنبه ارض وقف علیه .... جاز ان یؤخذ ویدخل فیه زاد فی البحر عن الخانیة بامر القاضی۔ (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۱)۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۹/۲/۱۵ھ

مسجد یا مدرسہ کی وقف زمین میں متولی وغیرہ کی قبر بنانا کیسا ہے؟

سندھ اور پنجاب کے دیہاتوں میں بہت سے لوگ مسجدوں میں قبریں بنا دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اس طرح وہ شخص یقیناً جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ برائے مہربانی بتائیں کہ اسلام میں اس فعل کی کیا حیثیت ہے؟

سائل ...... محمد عاصم تونسہ شریف

الجواب

مسجد کی وقف زمین میں قبر بنانا شرعاً جائز نہیں ۔ کیونکہ واقف کی شرائط کو ملحوظ رکھنا شرعاً واجب ہے۔ حضرات فقہاء فرماتے ہیں: شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم

التخریج: (۱) ......وفی الشامیة: وتقییده بقوله "وقف علیه" ای: علی المسجد یفید انها لو کانت وقفاً علی غیره لم یجز لکن جواز اخذ المملوکة کرهاً یفید الجواز بالاولی لان المسجد لله تعالیٰ والوقف کذالک ولذا ترک المصنف فی شرحه هذا القید وکذا فی جامع الفصولین (جلد ۶، صفحہ ۵۸۱)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

والدلالة ووجوب العمل به (الخ) (درمختار، جلد۶، صفحہ ۶۶۴)

واقف نے مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کی ہے، لہٰذا زمین اسی مصرف پر لگنی چاہیے اسے قبر کے لئے استعمال کرنا واقف کی غرض کے خلاف ہے۔..............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۸/۸/۲۰۰۶

واقف، متولی یا امام صاحب کی قبر مسجد میں بنانا جائز نہیں:

میری والدہ نے ایک قطعہ دو کنال کا رقبہ مسجد کو وقف کر دیا ہے اب اس پلاٹ کو قبرستان یا دوسرے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... چوہدری نذیر، ساہیوال

الجواب

یہ پلاٹ صرف مسجد کے مصارف کے لئے استعمال کرنا ضروری ہے اس میں کسی کو دفنانا درست نہیں، خواہ وقف کرنے والی عورت کی میت ہو یا کسی قریبی رشتہ دار کی ہو یا خود امام صاحب کی میت ہی کیوں نہ ہو۔ (۱) ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۶/۶/۱۴۱۴ھ

التخریج: (۱)......انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد۲، صفحہ ۶۸۳)
وفي العالمگيرية: ولا يجوز تغيير الوقف عن هيئته فلا يجعل الدار بستانا ولا الخان حماما (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۴۹۰)
(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

قبروں کے اوپر چھت ڈال کر مسجد کی توسیع جائز ہے:

(۱)...... مسجد کے گرد قبریں ہیں جو مسجد کی توسیع میں مانع ہیں آیا قبروں پر چھت ڈال کر مسجد وسیع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲)...... مسجد کا نچلا حصہ مدرسہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... مسعود احمد

الجواب

(۱)...... ایسا کرنا جائز ہے۔ عینی شرح بخاری میں ہے: قال ابن القاسم: لو ان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجداً لم ار بذلک بأساً، وذلک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضاً وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملکه لاحد فمعناهما علی هذا واحد (عمدۃ القاری، جلد۴، صفحہ ۲۶۵، ط: رشیدیہ کوئٹہ)

(۲)...... مسجد کے نچلے حصے کو مدرسہ بنانا درست نہیں اس میں مسجد کے آداب کی رعایت نہیں ہوتی خصوصاً چھوٹے بچوں کا مسجد میں جانا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے: ویحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره (جلد۲، صفحہ ۵۱۸)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۴/۴/۲۱ھ

سوال مثل بالا:

ایک مسجد کی شمالی دیوار کے ساتھ قبریں ہیں چونکہ مسجد مذکور بہت تنگ ہے اس لئے

متولیان مسجد کا خیال ہے کہ اگر قبروں کے ورثاء کی اجازت سے ان قبروں پر ایک گز اونچی پختہ دیوار بنا کر اس کو چھت بنا دیا جائے اور چھت نہایت مضبوط ہو پھر اس پر مسجد کا ایک کمرہ بنا کر مسجد کو بڑھا دیا جائے تو کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟

سائل ...... گل محمد، مظفر گڑھ

الجواب

جائز ہے۔[1] بشرطیکہ قبروں کو پورے طریق سے بند کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۷۸/٦/۱۳ھ

مسجد کے صحن میں موجود قبر کو مسمار کر کے مسجد کی توسیع کرنا:

''بلال مسجد'' بستی مانگا نزد لنگر سرائے جھنگ روڈ مظفر گڑھ میں واقع ہے مسجد کے صحن میں نامعلوم فرد کی قبر ہے جو کافی پرانی ہے جعلی پیر اس قبر پر دربار بنانا چاہتا ہے، اور ہم مسجد کی توسیع کرنا چاہتے ہیں کیا قبر کو مسمار کر سکتے ہیں؟ قرآن سنت کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

سائل ...... قاری محمد ریاض، بستی مانگا

الجواب

اگر قبر اتنی پرانی ہے کہ اس میں میت بالکل مٹی بن چکی ہے تو مسجد کی توسیع کرتے ہوئے

التخریج: (۱)...... لوضاق المسجد وبجنبه ارض وقف علیه ...... جاز ان یؤخذ ویدخل فیه وتقییده بقوله ''وقف علیه'' ای علی المسجد یفید انها لو کانت وقفاً علی غیره لم یجز لکن جواز اخذ المملوکة کرهاً یفید الجواز بالاولی لان المسجد للّٰه تعالیٰ والوقف کذالک ولذا ترک المصنف فی شرحه هذا القید وکذا فی جامع الفصولین (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ۵۸۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اس قبر کو مسمار کر سکتے ہیں اس قبر کا نشان باقی رکھنا کوئی ضروری نہیں۔ درمختار میں ہے: جاز زرعه والبناء عليه اذ ابلى وصار ترابا (درمختار، جلد ۳، صفحہ ۱۷۱)............ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۵/۱۰/۱۴۲۵ھ

سوال مثل بالا

ایک ولی کامل کی میت کو پندرہ برس ہو گئے ہیں بجائے قبرستان کے مسجد کے صحن میں دفن کیا گیا اب بستی والے ان کی آل واولاد کو تنگ کرتے ہیں جبکہ آل واولاد تقریباً دو میل دور رہتی ہے کیا اب وہ بستی والوں سے تنگ آ کر اپنے والد یا دادا جی جن کو فوت ہوئے پندرہ برس گذر چکے ہیں ان کی ہڈیاں وغیرہ نکال کر عام قبرستان میں دفن کر دیں؟

نیز اس اللہ کے ولی نے دو مسجدیں بنائی تھیں دوسری مسجد میں ان کی اولاد مقیم ہے تو کیا اجازت ہو سکتی ہے کہ دوبارہ وہاں لے جا کر دفن کر دیں اور کچی قبر کی شکل دیدیں۔ ورنہ کوئی بڑا نقصان ہونے کا خدشہ ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا حل بتلا کر ممنون فرمائیں۔

سائل...... محمد احمد نعیم، بہاولنگر

الجواب

اگر یہ قبریں مسجد کی وقف زمین میں ہوں اور متولیان کو تعمیر وغیرہ کی ضرورت ہو تو ان کو برابر کر کے ان پر تعمیر کر سکتے ہیں۔ ويخير المالك بين اخراجه ومساواته بالارض كما جاز زرعه والبناء عليه اذا بلى وصار ترابا (الدر المختار، جلد ۳، صفحہ ۱۷۱، ط: رشیدیہ جدید)

اس قبر کو کھولا نہ جائے قبر کا نشان ختم کر کے تعمیر کی اجازت ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد انور عفی عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ — مفتی خیر المدارس، ملتان

مفتی خیر المدارس، ملتان — ۱۴۲۰/۵/۲۸ھ

نیچے مارکیٹ اور اوپر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

مسجد کے نیچے مکمل مارکیٹ بنادی جائے تاکہ مسجد کے لئے مستقل آمدنی ہو اور اوپر چھت پر مسجد بنادی جائے کیا اس طرح مسجد بنائی جاسکتی ہے جبکہ تمام زمین مسجد کے لئے خریدی گئی ہو یا واقف نے تمام زمین مسجد کے لئے وقف کی ہو؟

سائل ...... ابوتراب، سندھ

الجواب

جائز تو ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ درمیان میں اگر ہو سکے تو کچھ جگہ خالی چھوڑ دی جائے جس پر کلیۃً مسجد ہو اور اردگرد مارکیٹ بن جائے اور اوپر مسجد بنا دی جائے۔(۱) ...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	بندہ اصغر علی عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان	صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۷۸/۶/۱۳ھ

التخریج: (۱)...... لما فی الدر المختار: واذا جعل تحته سرادبا لمصالحه ای المسجد جاز کمسجد القدس ولو جعل لغیرها...... لا یکون مسجداً (جلد ۶ صفحہ ۵۴۸)

وفی الشامیة: واذا کان السرادب او العلو لمصالح المسجد او کانا وقفاً علیه صار مسجداً ...... قال فی البحر حاصله: ان شرط کونه مسجداً ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ "وانّ المساجد للّٰه" بخلاف ما اذاکان السرادب و العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو کسرادب بیت المقدس (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۴۹) (مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنانے کا حکم:

بھائی شیر محمد صاحب نے ایک پلاٹ خریدا اور اسے مدرسہ اور مسجد کے نام وقف کر دیا اور وقف کرتے وقت نیت کی کہ بیسمنٹ اور گراؤنڈ فلور پر مدرسہ بناؤں گا اور فرسٹ فلور پر مسجد بناؤں گا، وقف نامہ تحریر کر دیا اور اس میں یہ بھی تحریر کیا کہ ''میں یعنی شیر محمد تاحیات مسجد و مدرسہ کا متولی رہوں گا اور آئندہ میری وصیت کے مطابق متولی مقرر ہوگا'' اب بھائی شیر محمد صاحب مسجد کا انتظام اپنے پاس رکھ کر مدرسہ کا انتظام کسی عالم دین کے حوالے کرنا چاہتے ہیں اور عالم دین کو مدرسہ کا متولی بنانا چاہتے ہیں۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں!

(۱)...... کیا شرعاً بیسمنٹ اور گراؤنڈ فلور پر مدرسہ بنانا جائز ہے؟

(۲)...... کیا شیر محمد صاحب مدرسہ کا متولی مقرر کرنے کا اختیار رکھتے ہیں؟

(۳)...... مسجد کے متولی خود رہیں اور مدرسہ کا انتظام کسی اور کے حوالے کر دیں کیا یہ جائز ہے؟

(۴)...... مدرسہ تقویٰ (مذکور) کو دوسرے مدرسہ حقانیہ کی شاخ بنا دینا کیسا ہے؟

سائل ...... عبدالشکور حقانی

الجواب

صورت مسئولہ میں نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنانے کی گنجائش ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق مذکورہ مسجد مسجد شرعی بھی ہوگی۔ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: وان بنی علی السطح مسجداً وسکن اسفله فهو میراث عندهما وقال ابویوسف یکون مسجداً (جلد ۲، صفحہ ۲۵)

جب مسجد کے نیچے ذاتی مکان باقی رہ سکتا ہے تو دینی مصالح کے لئے مدرسہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ نیز مساجد میں مدارس قائم کرنے کا عرف بھی ہے اور ابتداءً مسجد کے مصالح کے لئے مسجد کے نیچے تہہ خانہ یا دوکانیں بنانے کی شرعاً اجازت ہے۔

چنانچہ ہندیہ میں ہے: ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی مسجد

بیت المقدس كذا في الهدايه، (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۵۵)

الحاصل: حضرت امام ابو یوسفؒ کی تحقیق کے پیش نظر علو وسفل میں دو الگ الگ جہتیں ممکن ہیں لہٰذا ان دونوں (مسجد اور مدرسہ) میں تولیت تقسیم کرنے کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مدرسہ کا نیا متولی تحریر کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اور کسی دوسرے ادارے سے الحاق کی بھی گنجائش ہے۔ ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۵/۷/۱۴۲۳ھ

تعمیر جدید میں مسجد کے نیچے دوکانیں وغیرہ بنانا شرعاً ممنوع ہے:

ہماری مسجد "الفاروق" عنایت محلہ میں عرصہ پچاس سال سے بنی ہوئی تھی ہائی وے والوں نے سڑک کی دوطرفہ اونچائی کی جس سے مسجد نیچے ہوگئی اور بارش وغیرہ کا پانی مسجد کو گندا کر دیتا ہے اس مسجد کو ہم اونچا کرنا چاہتے ہیں۔ اب اگر ہم مسجد کو یوں اونچا کریں کہ نیچے دوکانیں بنادیں جس سے مسجد کی آمدنی بھی ہوگی اور مسجد بھی اونچی ہوجائے گی تو کیا دوکان کی چھت پر نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

سائل ...... صوفی احمد دین

الجواب

اگر مسجد بنانے سے پہلے نیچے دوکانیں وغیرہ بنا کر اوپر مسجد بنائی جائے تو اس کی گنجائش ہے لیکن ایک مرتبہ مکمل مسجد بنا کر پھر اس کو منہدم کر کے نیچے دوکانیں، تہہ خانہ، گودام وغیرہ بنانا اس کی شرعاً گنجائش نہیں۔ لوبنى فوقه بيتا للامام لايضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدية ثم اراد البناء منع (درمختار، جلد ۶، صفحہ ۵۴۹) وقال الشاميؒ تحت قوله: "اما

لو تمت المسجدية" وعبارة التاترخانية وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذالک يبنی لايترک (جلد ۶، صفحہ ۵۴۹، ط: رشیدیہ جدید)......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۵/۵/۱۹ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

مسجد کے نیچے بنی ہوئی دوکانیں بھی مسجد پر وقف کر دی جائیں تو وہ مسجد شرعی بن جائے گی:

ایک شخص کی دوکانیں ملکیت ہیں اور دوسری منزل پر مسجد بنائی ہے، اب اگر یہ شخص دوکانیں وقف بشرط کردے یعنی اس طرح کہ مسجد کا انتظام میرے ہاتھ میں رہے گا، تازندگی میں خود متولی رہوں گا اور دوکانوں سے کرایہ میں خود وصول کروں گا وغیرہ۔ کیا اس طرح وقف باشرط جائز ہے؟ اور یہ مسجد وقف ہوگی یا نہیں؟ اور نماز پڑھنے والوں کو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

سائل ...... حاجی نصیر الدین

الجواب

جب دوکانیں بھی مسجد پر وقف کردی جائیں گی تو اب سابقہ مسجد شرعاً مسجد بن جائیگی کیونکہ علو وسفل سب مسجد کے لئے ہوگیا اس کے کسی جزو میں کسی انسان کی ملکیت نہیں رہی (۱)۔ اور اس طرح اپنے لئے تولیت اور آمدنی کی شرط کر لینا بھی جائز ہے۔ وجاز جعل غلة الوقف اوالولاية

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: واذا كان السرادب او العلو لمصالح المسجد او كانا وقفاً عليه صار مسجداً (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۴۹)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

لنفسه عند الثانی وعلیه الفتویٰ (درمختار، جلد ٦، صفحہ ۵۸۸)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح | بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ | نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان | ۱۳۹۴/۲/۷ھ

تعمیر جدید میں سابقہ مسجد کی جگہ میں وضوء خانہ یا بیت الخلاء بنانے کا حکم:

ہم نے چھوٹی سی مسجد بنائی تھی اب نمازیوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اس لئے کچھ اور زمین مسجد کے لئے خرید لی ہے تو پرانی مسجد کو وضوء خانہ یا طہارت خانہ بنا سکتے ہیں؟

سائل ...... سعید احمد، ملتان

الجواب

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد شرعی بن جائے وہ تا قیامت مسجد ہی ہے، اسے مسجد سے خارج کرنا شرعاً جائز نہیں۔ لہٰذا مسجد کی جگہ کو نماز کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں نہیں لا سکتے۔[1] بیت الخلاء یا وضوء خانہ کے لئے استعمال کرنے سے تلویث مسجد لازم آئیگی ...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ | مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان | ۱۴۱۴/۴/۷ھ

التخریج: (۱)...... لما فی الدر المختار: ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الامام والثانی ابداً الی قیام الساعة وبه یفتی (الدر المختار، جلد ٦، صفحہ ۵۵۰)

وفیه ایضاً: وکره تحریماً الوطئ فوقه والبول والتغوط لانه مسجد الی عنان السماء وکذا الی تحت الثری کما فی البیری (الخ) (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۱٦، احکام المساجد) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد کے سابقہ صحن میں بیت الخلاء بنانا اگرچہ جگہ کی تنگی ہو جائز نہیں:

ہمارے گاؤں کی مسجد کو گرا کر اسے وسیع کیا گیا ہے ایک طرف جگہ بچ گئی تھی جو کہ پہلے والی مسجد کا صحن تھی جہاں نماز پڑھی جاتی تھی اب اس صحن میں لیٹرینیں بنائی جا رہی ہیں ایک آدمی کہتا ہے کہ اس جگہ پر بیت الخلاء بنانا درست نہیں اور دوسرا آدمی کہتا ہے کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے مجبوراً بیت الخلاء بنانا درست ہے جس طرح روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہے اب جو اس آدمی نے روضۂ رسول کے ساتھ تشبیہ دی ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے جبکہ پنچایت کے روبرو اس نے مذکورہ الفاظ کا انکار کیا لیکن دوسرے دن پنچایت کے روبرو اقرار کر لیا اور معذرت کی اور مسجد میں معافی مانگی۔

سائل ...... حافظ نور احمد

الجواب

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد شرعی بن جائے وہ تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اسے مسجد سے خارج کرنا ہرگز جائز نہیں وہاں بیت الخلاء بنانا گویا مسجد میں لوگوں کو پیشاب پاخانہ کی اجازت دینا ہے کیونکہ وہ جگہ مسجد ہے مسجد کے کوڑا کرکٹ کا بھی احترام ضروری ہے عام گندگی کی جگہ پر اس کا ڈالنا جائز نہیں۔ چنانچہ ہندیہ میں ہے: **لاترمیٰ برایة المستعمل لاحترامه کحشیش المسجد و کناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم** (عالمگیریہ، جلد۵، صفحہ۳۲۲)

جس شخص کے بدن پر نجاست ہو وہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ **لایدخل الذی علی بدنه نجاسة المسجد** (ہندیہ، جلد۵، صفحہ۳۲۱)

ناپاک پانی سے بنائے ہوئے گارے سے مسجد کی لپائی جائز نہیں۔ **ویکرہ ان یطین المسجد بطین قد بل بماء نجس** (ہندیہ، جلد۵، صفحہ۳۱۹)

الحاصل: کسی بھی غرض کے لئے مسجد سے کسی حصہ کو خارج کرنا جائز نہیں قرآن و حدیث میں کہیں بھی اس کی اجازت نہیں ہے باقی مذکورہ صورت کے جواز میں روضۂ اقدس (علی صاحبہا الف الف

التحیۃ والسلام) کو پیش کرنا جہالت اور حماقت کا مظاہرہ ہے۔............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۳/۲/۲۵ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

تعمیر جدید میں نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد تعمیر کرنا:

(۱)......ایک قدیم مسجد کو شہید کر کے برابر سے ایک اور جگہ خریدی تا کہ مسجد بڑی بن جائے اب منتظمین کا ارادہ ہوا کہ اس مسجد کے نیچے زمین کی کھدائی کر کے نیچے زمین دوز مدرسہ بنایا جائے اور اس کے اوپر چھت ڈال کر مسجد بنا دی جائے اور مدرسہ بھی قائم ہو جائے گا۔ کیا شرعاً پرانی مسجد کو شہید کر کے اس کے نیچے مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور منتظمینِ مسجد گنہگار تو نہیں ہوں گے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲)......اگر نیچے زمین دوز بھی مسجد کی نیت کر لیں اور پھر اوپر مسجد بنا لیں اور دونوں جگہ نماز و جمعہ وعیدین بھی ہو اور نیچے دینی تعلیم بھی بچوں کو دی جاتی ہو جبکہ استاد تنخواہ لیں گے۔ کیا تنخواہ لیکر بچوں کو مسجد میں دینی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟ سائل ......محمد کاشف ملک

الجواب

(۱)......جائز نہیں ہے، جو جگہ ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو جائے وہ اوپر نیچے تحت الثریٰ تک مسجد کا حکم رکھتی ہے، لہٰذا مدرسہ کے لئے الگ جگہ حاصل کریں۔[1]

(۲)......یہ بھی تجویز صحیح نہیں کیونکہ یہ اوپر نیچے تک تمام مسجد ہی بن گئی ہے اور مسجد میں باتنخواہ آدمی کے لئے پڑھانا درست نہیں البتہ بدرجہ مجبوری جب تک متبادل جگہ کا انتظام برائے مدرسہ نہ ہو جائے

التخریج: (۱)......شامی میں ہے: و کرہ تحریما الوطئ فوقہ والبول والتغوط لانہ مسجد الی عنان السماء و کذا الی تحت الثریٰ (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۲، صفحہ ۵۱۶)۔

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

قاری صاحب بانتخواہ مسجد میں بیٹھ کر پڑھا سکتے ہیں جونہی متبادل انتظام ہو جائے مدرسہ وہاں منتقل ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے۔(۲) مسجد بنانے کی دوسری تجویز قابل عمل ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۵/۵/۶ھ

وضوء خانہ اور استنجاء خانہ وغیرہ کے اوپر قرآن کریم کی درسگاہ بنانا کیسا ہے؟

ایک مکان مسجد، ایک حجرہ و استنجاء خانہ و غسل خانہ اور برآمدہ برائے ٹوٹیاں (وضوخانہ) کے اوپر ایک درسگاہ برائے تعلیم قرآن درج ذیل نقشہ کے مطابق بنانے کا خیال ہے تاکہ بجائے مسجد شریف کے قرآن کی تعلیم وہاں دی جائے اس کا راستہ بھی مسجد سے باہر ہوگا۔ کیا ایسے برآمدہ میں قرآن کی تعلیم دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سائل ...... احمد یار، مظفر گڑھ

(نقشہ برائے درسگاہ)

درسگاہ برائے تعلیم قرآن			
استنجا خانے	غسل خانے	برآمدہ برائے ٹوٹیاں (وضوخانہ)	مکان (حجرہ)

الجواب

مندرجہ بالا نقشہ میں جو درسگاہ برائے تعلیم قرآن بنانے کا خیال ہے وہ درست اور صحیح ہے

(۲)......ولو جلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسه فلاباس به لانه قربة وان کان بالاجرة یکره الا ان یقع لهما الضرورة کذا فی محیط السرخسی (ہندیہ، جلد۵، صفحہ۳۲۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اور بلا شبہ اس میں تعلیم قرآن دینا شرعاً جائز ہے مکان کے اوپر کے حصے کا حکم شرعاً نیچے والے حصے سے علیحدہ ہے نیچے استنجاء خانہ اور غسل خانہ وغیرہ ہوں اور اوپر قرآن کی تعلیم کی درسگاہ ہو اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔[۱] ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ احمد عفا اللہ عنہ
نائب مفتی قاسم العلوم، ملتان
۱۳۸۳/۳/۱۳ھ

مسجد کی چھت پر ڈاکخانہ اور اس کے دفاتر بنانا کیسا ہے؟

کیا ایک نئی تعمیر شدہ مکمل پختہ دو منزلہ مسجد کو شہید کر کے اسی جگہ پر نیچے ایک منزلہ مسجد اور مسجد کے اوپر گیارہ منزلہ ڈاک خانے کے دفاتر کے لئے بلڈنگ تعمیر کی جاسکتی ہے؟ مفصّل اور مدلّل جواب مع حوالہ جات تحریر فرمائیں۔

سائل ...... محمد ایوب، کراچی

الجواب

مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اس کے اوپر کسی دوسری عمارت کو تعمیر کرنا جائز نہیں۔

قال فی الدرالمختار: اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع، وفی الشامیة: وان کان حین بناه خلیٰ بینه وبین الناس ثم جاء بعد ذالک یبنی لایترک (جلد ۶، صفحہ ۵۴۹)

التخریج: (۱)......لایکره ما ذکر (ای من الوطیٔ والبول والتغوط) فوق بیت جعل فیه مسجد (ای موضع اعد للسنن والنوافل) لانه لیس بمسجد شرعاً ...... فهو کما لوبال علی سطح بیت فیه مصحف وذالک لایکره کما فی جامع البرهانی (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۱۹، ۵۱۷) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

پس عمارت مذکورہ ہرگز تعمیر نہ کی جائے اور مسجد کو بحال رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم 27

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١/٨/١٣٨٧ھ

مسجد کی جگہ میں درسگاہ، وضوء خانہ یا امام کیلئے حجرہ یا مکان بنانا:

حکومت کی طرف سے سات مرلہ سکیم میں دو پلاٹ مسجد کے لئے رکھے گئے ہیں اس میں ایک پلاٹ میں مسجد اور دوسرے پلاٹ میں وضوء کی جگہ، لیٹرین اور ایک درسگاہ بچوں کی تعلیم کے لئے بنائی گئی ہے کیا یہ درست ہے؟ اور یہ پلاٹ مدرسہ کے کام میں لگا سکتے ہیں یا موجودہ پلاٹ مسجد کا ہی رہیگا جبکہ مدرس صاحب کو تنخواہ دی جاتی ہے۔

سائل ...... اللہ وسایا، خیر پور ٹامیوالی

الجواب

مسجد کے ساتھ وضوء خانہ اور مدرسہ بنانا صورت مسئولہ میں جائز ہے[1]۔ کیونکہ ان چیزوں کا مساجد کے ساتھ ہونے کا تعامل ہے اور یہ بھی ضروریات اور مصالح مسجد میں شمار ہیں۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبد الحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
٢٥/١١/١٤٢٤ھ

التخریج: (١)......واذا جعل تحته سردابا لمصالحه ای المسجد جاز کمسجد القدس ، وفی الشامیة: قوله سردابا هو بیت یتخذ تحت الارض لغرض تبرید الماء وغیره (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ٦، صفحہ ٥٤٨)

(مرتب: مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

مدرسہ کی زمین میں طلباء کی ضرورت کیلئے مسجد بنانا:

ایک شخص نے دینی ادارہ ''فتح العلوم'' کے لئے زمین دی اس پر مدرسہ بنایا گیا پھر اس پر عملہ اور طلباء کے لئے مسجد بنائی گئی، آبادی کے بڑھنے کے بعد اس مسجد میں خود واقف کی زندگی میں توسیع کی گئی اب واقف فوت ہو گیا ہے تو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جتنے حصہ میں مسجد بنائی گئی ہے اتنے حصہ کی قیمت مسجد کے فنڈ سے مدرسہ کو دینی چاہیے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... مولوی نور محمد، چنیوٹ

الجواب

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقف نے مدرسہ کو خود مختار بنا دیا ہے جس کی دلیل خود سوال سے ظاہر ہے کہ واقف کی زندگی میں مسجد بنائی گئی اور واقف نے نکیر نہیں کی لہٰذا یہ مدرسہ کی مصالح میں شامل ہے اس لئے مسجد کے فنڈ سے مدرسہ کو قیمت ادا کرنا ضروری نہیں[1]۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۶/۴/۲۹ھ

مسجد کی دو کانوں کو کشادہ کرنے کیلئے مسجد شرعی کے کسی حصہ کو شامل کرنا جائز نہیں:

ایک مسجد جسے دوبارہ تعمیر کرنے کے لئے شہید کر دیا گیا ہے اس مسجد کی تین دوکانیں ہیں انہیں بھی گرایا گیا ہے تاکہ نئے سرے سے دوکانیں بنائی جائیں۔ اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کی زمین کے حصے سے دو دو فٹ جگہ دوکانوں کو دیدی جائے تاکہ دوکانیں وسیع ہو جائیں اور مسجد کی

التخریج: (۱) ......والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته .... ثم ما هو اقرب الی العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدرس للمدرسه .... ثم السراج والبساط کذٰلک الیٰ آخر المصالح (البحر الرائق، جلد ۵ صفحہ ۳۵۶) (مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

آمدنی میں اضافہ ہوجائے۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

سائل ......اہلیانِ محلّہ، ملتان

الجواب

صورتِ مسئولہ میں مسجد کی حدود میں دوکانیں بنانا شرعاً ناجائز ہے شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ لما فی الهندیه: قیم المسجد لایجوز له ان یبنی حوانیت فی حدّ المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتاً و مسکناً تسقط حرمته وهذا لایجوز (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۴۶۲)[1] ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۲۲/۸/۱۴۲۸ھ

مسجد کے ہال میں مسجد کی ضروریات کیلئے کمرہ بنوانا کیسا ہے؟

ہمارے گاؤں میں مسجد کے اندر ایک طرف دو دیواریں تعمیر کر کے مسجد کی ضرورت کیلئے ایک کمرہ بنادیا گیا ہے، جس میں مسجد کا سامان وغیرہ رکھا جاتا ہے۔ آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد اشفاق، چیچہ وطنی

الجواب

مسجد کے ہال کے اندر ایسا کمرہ نہ بنایا جائے کیونکہ امام کا محراب کے وسط میں کھڑا ہونا ضروری ہے۔ لمافی الشامیة: السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصف یکره (شامیہ، جلد۲، صفحہ۳۷۱)

وفیه ایضاً: الاتری ان المحاریب ما نصبت اِلّا وسط المساجد وهی قد عینت لمقام الامام (شامیہ، جلد۲، صفحہ۳۷۲)

ہال کے کونے میں کمرہ بنانے سے محراب درمیان میں نہ رہے گا یہ خرابی برآمدہ یا صحن میں کمرہ بنانے سے لازم نہیں آتی، لہٰذا برآمدے یا صحن میں عند الضرورت بنانے کی گنجائش ہے۔ و لا بأس بان یتخذ فی المسجد بیتاً توضع فیه البواری (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۱۰)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱/۴/۱۴۲۷ھ

مسجد کی وقف زمین میں طلباء کیلئے رہائشی کمرے تعمیر کرنے کا حکم:

ایک قطعہ زمین جو کہ وقف ہے اس کے کچھ حصے میں مسجد تعمیر ہو چکی ہے اور کچھ حصہ مسجد کی دیواروں سے باہر خالی ہے۔ تو آیا اس وقف زمین کے خالی حصہ میں دینی مدرسہ کے طلباء اور امام مسجد کی اقامت کے لئے حجرے بنانا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد نذیر، ملتان

الجواب

اگر قطعہ زمین جو اس وقت فارغ ہے اسی تعمیر شدہ مسجد کے لئے وقف نہیں ہے تو پھر اس میں دینی مدرسہ کے طلباء کے رہنے کے لئے کمرے بنانا جائز ہے اور اگر اسی مسجد کی ضرورت کیلئے اس زمین کو وقف کیا گیا ہے تو پھر اس میں امام مسجد کے لئے مکان بنانا تو جائز ہے۔[1] لیکن طلباء

التخریج: (۱)......لما فی البحر الرائق: والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف او لا، ثم ماهو اقرب الیٰ العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة یصرف الیهم الیٰ قدر کفایتهم (جلد ۵، صفحہ ۳۵۶)

(مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

کے رہنے کے لئے کمرے بنانا درست نہیں۔(۲)............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۸/۵/۳ھ

مسجد کی دیوار پر درسگاہ کا شہتیر رکھنا:

(۱)......ایک زمین مدرسہ کے نام وقف ہے اب اس میں طلباء کی ضرورت کے لئے مسجد بنائی جا رہی ہے اور مسجد کے ساتھ ہی درسگاہ اور کمرے وغیرہ ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد اور درسگاہ وغیرہ کی دیوار مشترک ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲)......نیز اگر مسجد پہلے سے تعمیر شدہ ہے اب اس کے متصل درسگاہ تعمیر ہو رہی ہے تو کیا درسگاہ وغیرہ کا شہتیر یا گارڈر مسجد کی دیوار پر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳)......درسگاہ پہلے سے تعمیر شدہ ہے اب مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے تو کیا مسجد کے شہتیر وغیرہ درسگاہ کی دیوار پر رکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر مذکورہ بالا تینوں صورتیں ایسی صورت میں ہوں کہ مدرسہ اور مسجد کی زمین علیحدہ علیحدہ وقف ہو تو ان کا کیا حکم ہوگا؟ اسی طرح اگر مسجد کی زمین کے ساتھ ذاتی زمین ہو اور اس میں مذکورہ بالا تینوں صورتیں پیش آئیں تو ان کا کیا حکم ہوگا؟

سائل...... صوفی احمد دین

الجواب

مسجد کی دیوار کو کسی صورت میں درسگاہ یا کمروں کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں خواہ مسجد

(۲)......لما فی البحر الرائق: واذا کان اصل البقعة موقوفا علی جهة قربة، فبنی علیها بناءً ووقف بنائها علی جهة قربة اخریٰ اختلفوا فیه وظاهره ان الصحیح عدم الجواز مطلقاً (البحر الرائق، جلد۵، صفحہ ۳۴۰)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

پہلے سے ہو یا اب بنائی جارہی ہو کیونکہ دونوں الگ الگ وقف ہیں اور دونوں کے مصرف الگ الگ ہیں ،لہٰذا ایک دوسرے کیلئے ان کو استعمال نہ کیا جائے۔ **ولایوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه** (شامیہ،جلد ٦،صفحہ ٥٥٠)..........فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤٢٥/١/٤ھ

مسجد کی جگہ میں لوگوں کے عام استعمال کیلئے ٹینکی یا جانوروں کو پانی پلانے کیلئے تالاب بنانا:

مسجد شریف کی خالی اور سفید زمین پر عملہ کے لوگوں کی سہولت کے لئے پانی کی ٹینکی اور جانوروں کو پانی پلانے کے لئے تالاب اور اس کے علاوہ عام لوگوں کے استعمال کے لئے لیٹرین بنائی گئی ہیں۔اگر ان تینوں چیزوں سے ہمسائے کو تکلیف پہنچے تو کیا ہمسائے کی تکلیف دور کرنے کے لئے ان تینوں چیزوں کو یا کسی ایک یا دو کو اپنی جگہ سے ہٹایا یا بالکل ختم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... اللہ نواز

الجواب

(از دارالافتاء مرکزی عیدگاہ ڈیرہ غازی خان)

اگر ٹینکی یا بیت الخلاء مسجد کے مصالح اور عوام الناس کے فائدے کی خاطر تیار کئے گئے ہیں اور وہ عارضی بنائے گئے ہیں پھر تو کوئی حرج نہیں۔اگر کسی ہمسائے کو اس سے تکلیف ہو رہی ہو یا مسجد کے مصالح کے خلاف ہیں تو ان کو منہدم کر سکتے ہیں۔............ فقط واللہ اعلم

قاضی شمس الدین علوی
مفتی مرکزی عیدگاہ ڈیرہ غازی خان

الجواب

(از دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

اگر مذکورہ زمین مسجد کے لئے باقاعدہ وقف شدہ ہے تو مسجد کی ضروریات کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں۔ شامیہ میں ہے: شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعه کما صرح به فی شرح المجمع للمصنف (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۷۰)

قاضی صاحب کا فتویٰ محل نظر ہے کیونکہ وہ جزئیہ مصالح مسجد سے متعلق ہے جبکہ مذکورہ ٹینکی اور بیت الخلاء مسجد کی ضروریات میں سے نہیں۔............ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۴/۴/۲۶ھ

مسجد کے وقف مکان کا مسجد کی طرف دروازہ کھولنا:

مسجد کے متصل خادم یا خطیب صاحب کی رہائش گاہ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رہائش گاہ کا دروازہ مسجد کی طرف کھل سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل ...... صفدر رمضان، اوکاڑہ

الجواب

مسجد کے وقف مکان کا دروازہ مسجد کی طرف کھولنے کی شرعاً گنجائش ہے بشرطیکہ اسے صرف نماز کے لئے استعمال کیا جائے۔ ہندیہ میں ہے: لو کان الی المسجد مدخل من دار موقوفة لابأس للامام ان یدخل للصلوٰة من هذاالباب کذا فی

القنیۃ (عالمگیریہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۰)............ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۰/۷/۱۴۲۰ھ

نزاع کو ختم کرنے کیلئے مسجد کو تقسیم کرنے کا حکم:

ایک علاقہ میں ایک مسجد ہے اور اس میں نماز پڑھنے والوں کے دو گروہ ہیں ایک اہلسنت والجماعت اور دوسرے غیر مقلد ہیں اور دونوں میں باہم منافرت اور مخالفت ہے چونکہ دونوں گروہ ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اس لئے آپس میں لڑائی جھگڑے کی نوبت کئی مرتبہ آ چکی ہے اور بارہا معاملہ پولیس اور عدالت تک چلا گیا ہے لیکن اب دونوں فریق روزانہ کے جھگڑوں سے تنگ آ گئے ہیں اور اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ ہر دو فریق کے لئے علیحدہ علیحدہ حصہ متعین کر دیا جائے اور اپنی مسجد میں محدود رہے تا کہ روزانہ کا جھگڑا اور فساد ختم ہو جائے کیونکہ دونوں فریق ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو جھگڑا اور فساد ہوتا ہے جب علیحدہ علیحدہ مسجد متعین ہو جائے گی تو اس کا احتمال ختم ہو جائے گا۔ کیا شرعاً اس طرح کرنے کی گنجائش ہے؟

سائل ...... عبدالستار، شیخوپورہ

الجواب

فساد کو ختم کرنے کیلئے مسجد کو الگ الگ کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ لقولہ تعالیٰ: ان اللہ لایحب الفساد وقولہ تعالیٰ: لاتتبع سبیل المفسدین وقولہ تعالیٰ: لاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا (الآیۃ) ولما فی البحر الرائق: اہل المحلۃ قسموا المسجد وضربوا فیہ حائطاً ولکل منہم امام علی حدۃ ...... لابأس بہ ...... کما

یجوز لاھل المحلة ان یجعلوا المسجد الواحد مسجدین (جلد۵،صفحہ۴۱۹)

اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ دونوں مسجد کی تعمیر میں شریک رہے ہوں بصورت دیگر مسجد واقفین یا متولیان کو دینی چاہیے دوسرے فریق کو اپنی علیحدہ مسجد بنانے کا پابند کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۱/۱/۱۴۲۸ھ

تعمیر مسجد کیلئے جو قرضہ حاصل کیا گیا اس کے ذمہ دار قرض لینے والے ہیں:

ایک گاؤں کے چند آدمیوں نے مسجد کی تعمیر کے لئے بستی کے چند ایک آدمیوں سے اس شرط پر قرض لیا کہ مسجد کے بھٹہ سے اینٹیں فروخت کر کے ان کا قرض ادا کریں گے چنانچہ اس رقم سے مسجد کے لئے اشیاء خرید لی گئیں۔ بعد ازاں اچانک فسادات کی وجہ سے سب کچھ وہیں رہ گیا۔ اب وہ لوگ پاکستان میں آکر اپنا قرض طلب کرتے ہیں تو کیا یہ قرض لینے والوں کے ذمہ ہوگا یا تمام گاؤں والوں پر عائد ہوگا؟

(نوٹ) قرض لینے والے اشخاص میں سے ایک فوت ہوگیا ہے۔

سائل ...... حکیم حمید اللہ، خانیوال

الجواب

ضابطہ اور قانون کی بات تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرض اٹھایا ہے چاہے وہ مسجد کے لئے تھا اور ادائیگی کا بھی مسجد کی اینٹوں کو فروخت کرنے کے بعد وعدہ تھا۔ وہ لوگ اپنے مال سے ادا کریں، کیونکہ قرض ابتداءً عاریت اور صلہ ہے اور انتہاءً معاوضہ ہے، اور معاوضات وغیرہ میں حقوق عاقد اور مباشر کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ کما فی الهداية: لانه اعارة وصلة فی الابتداء .... ومعاوضة فی الانتهاء (جلد۳،صفحہ۵۳)

پس اندریں صورت قرضہ اٹھانے والوں پر ادائیگی قرض واجب ہے البتہ اخلاقاً ومروۃً تمام اہل قریہ کو حتی کہ قرض دینے والوں کو بھی چندہ کر کے ادائیگی کی سبیل کرنی بہتر ہے۔..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۶۸/۱۰/۲۱ھ

غیر مسلم مستری سے مسجد بنوانا کیسا ہے؟

ہمارے گاؤں چک نمبر ۱۴۳ میں مسجد شہید کر کے دوبارہ بنانی ہے برائے کرم یہ بتائیں قرآن وحدیث کے مطابق اگر مسلمان مستری نہ ملتا ہو یا مسلمان مستری صحیح کام نہ کرتا ہو تو غیر مسلم مستری مسجد کا کام کرسکتا ہے؟ قرآن وحدیث کے مطابق اسکی اجازت ہے؟

سائل ...... مولوی افتخار احمد

الجواب

کوشش تو یہی کریں کہ کوئی صحیح مسلمان مستری مل جائے اگر نہ ملے تو پھر غیر مسلم مستری سے اگر اس کے مذہب میں یہ قربت ہو اور وہ پاکی کا بھی خیال رکھتا ہو تو اس سے تعمیر کرا سکتے ہیں۔[1] (کذا فی امداد المفتیین واحسن الفتاویٰ)..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبد الحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۱/۱۰ھ

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: فی البحر عن الحاوی: ولابأس ان یدخل الکافر واهل الذمة المسجد الحرام وبیت المقدس وسائر المساجد لمصالح المساجد وغیرها من المهمات (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۰)
(مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد شرعی کو اگر کوئی گرادے تو اس پر دوبارہ تعمیر کرنا شرعاً لازم ہے:

ایک گاؤں میں ایک مسجد تھی اس گاؤں کے بڑے مالکان نے اس کو وقف کیا تھا۔تقریباً ایک صدی سے اس مسجد میں باجماعت نماز پڑھی جارہی تھی اور اس میں کئی ختم قرآن بھی ہوئے لیکن اس بارے میں معلوم نہیں کہ سرکاری کاغذات میں اس زمین کو مسجد کے نام کرایا گیا تھا یا نہیں، لیکن اس گاؤں کے دو بڑے بزرگوں نے اس جگہ کو وقف کر دیا اور خود بھی پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور مسجد کا مکمل نظام انہیں کے ذمہ تھا۔اب کچھ لوگ انہی کی اولاد میں سے اس مسجد کو شہید کرنا چاہتے ہیں اور اس جگہ کو اپنے استعمال میں لانا چاہتے ہیں۔آیا ان کا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح نہیں اور انہوں نے مسجد کو شہید کر دیا ہو تو ان پر اس کی تعمیر کا خرچہ لازم ہے یا نہیں؟

سائل ...... رب نواز، جلال پور

الجواب

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد کے لئے وقف ہو جائے وہ تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اسے شہید کر کے اپنے استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

اگر اس کو گرا دیا گیا ہو تو ان پر لازم ہے کہ اس کی تعمیر کریں۔وقال ابو یوسف هو مسجد ابداً ابداً الی قیام الساعة لایعود میراثاً ولایجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه اولا (البحر الرائق، جلد۵، صفحہ۴۲۱)...... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۱/۱۴ھ

مسجد کی اینٹیں بیت الخلاء میں استعمال کرنا خلاف ادب ہے:

ایک مسجد کے فرش کو اکھیڑا گیا ہے آیا اس کی اینٹیں بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بیچنا جائز ہے تو مشتری اس سے لیٹرین وغیرہ بنا سکتا ہے؟ یا مشتری ان اینٹوں کو کسی اچھی جگہ پر لگائے؟

سائل ...... حافظ محمد اسلم، جہانیاں، خانیوال

الجواب

صورت مسئولہ میں مسجد کے فرش کی اینٹوں کو مسجد ہی پر لگایا جائے اگر اس کی ضرورت ہو، اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو پھر ان کو رکھ دیا جائے ہوسکتا ہے کہ بعد میں کام آ جائیں اگر وہ ایسی ہوں کہ دوبارہ ان کا مسجد میں لگانا متعذر ہو تو اس صورت میں ان کا بیچنا جائز ہوگا پھر ان کی قیمت کو مسجد کے مصارف پر خرچ کیا جائے۔ وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف ان احتاج اليه وان استغنى عنه امسكه حتى يحتاج الى عمارته فيصرفه فيها لانه لابد من العمارة ليبقى على التأبيد فيحصل مقصود الواقف........... وان تعذر اعادة عينه الى موضعه بيع وصرف ثمنه الى المرمة صرفا للبدل الى مصرف المبدل (ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۶۲۰، ط: رحمانیہ)

بیت الخلاء اور لیٹرین وغیرہ چونکہ ناپاک جگہیں ہیں، لہٰذا ایسے مقام میں مسجد کی اینٹوں وغیرہ کو لگانا خلاف ادب ہے بلکہ بہتر یہی ہے کہ ان کو کسی اچھی جگہ لگایا جائے۔ ولا ترمى براية القلم المستعمل لاحترامه كحشيش المسجد وكناسته لايلقى فى موضع يخل بالتعظيم اى ما ذكر من الحشيش والكناسة (درمختار، جلد ۱، صفحہ ۳۵۵)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۶/۷/۷ھ

مسجد کی پرانی اینٹوں کو مسجد کے غسل خانوں میں استعمال کرنا:

ہمارے ہاں ایک مسجد کو شہید کر کے دوبارہ نئی تعمیر کی جارہی ہے اور اس کے لئے نئی اینٹیں منگوائی گئی ہیں مسجد کی تعمیر چونکہ نئی اینٹوں سے ہوگی اس لئے پرانی اینٹوں کے بارے میں پوچھنا ہے کہ ان کا کیا کیا جائے آیا ان کو غسل خانہ ولیٹرین وغیرہ کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... رب نواز، حافظ والہ

الجواب

اصل تو یہ ہے کہ مسجد کی اینٹیں مسجد میں ہی استعمال ہوں تاہم اگر مسجد والی پرانی اینٹیں تعمیر مسجد میں لگنے سے رہ گئیں تو انہیں غسل خانوں میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔تاہم ادب کے خلاف ہے۔لما فی البحر: لاحرمة لتراب المسجد اذا جمع وله حرمة اذا بسط (جلد ۵، صفحہ ۴۱۹) (کذا فی عزیز الفتاویٰ، جلد ۱، صفحہ ۲۵۹)........... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۶/۴/۲۰ھ

قبرستان کے درختوں کی قیمت بعض صورتوں میں مسجد پر خرچ ہوسکتی ہے:

قبرستان میں جو درخت موجود ہوں ان کو فروخت کر کے کہاں کہاں رقم خرچ کر سکتے ہیں؟ مسجد یا مدرسہ یا عیدگاہ کی مرمت یا قبرستان کی کسی ضرورت کے لئے مثلاً اینٹیں وغیرہ کے لئے اگر کوئی آدمی ذاتی استعمال میں لانا چاہے تو لاسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... حافظ محمد عثمان، سرگودھا

الجواب

قبرستان کے درختوں کی رقم صرف قبرستان میں خرچ کرنا ضروری ہے مسجد، مدرسہ یا عیدگاہ

میں خرچ کرنا جائز نہیں قبرستان کے لئے کچی اینٹیں بنانا یا اس کی مرمت کرنا وغیرہ میں خرچ کرنا ضروری ہے بلا قیمت خود استعمال کرنے یا دوسری جگہ دینے کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۹/۱۰/۱۴۱۳ھ

چندہ کی شرط پر الیکشن سے دستبردار ہونا

بلدیاتی انتخابات کے موقع پر ہم نے سوچا کہ اختلاف بھی نہ پڑے اور مسجد کی تعمیر بھی ہو جائے اس سلسلہ میں یہ طے ہوا کہ جو سب سے زیادہ رقم دے گا اس کے مقابلے پر کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہوگا چنانچہ ایک شخص نے سب سے زیادہ پانچ ہزار روپے کی پیشکش کی اور کہا کہ یہ میں نمبردار کے پاس رکھتا ہوں میرے مقابلے کے لئے کوئی اور درخواست نہ دے اور میں ممبر بن جاؤں اس کے بعد یہ رقم مسجد کے میناروں پر خرچ کر دیں اور وہ آدمی بلا مقابلہ ممبر بن گیا۔ اب اس رقم کو مسجد پر لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... ملک محمد عمران

الجواب

بہتر صورت یہی ہے کہ یہ رقم مالک کو واپس کر دی جائے اور پھر اس کو چاہیے کہ اپنی خوشی

(۱)...... تاہم اگر قبرستان میں اس رقم کا کوئی صحیح مصرف نہ ہو تو پھر اس رقم کو مسجد پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

لما فی العالمگیریة: سئل ابن نجیم فی مقبرة فیها اشجار هل یجوز صرفها الی عمارة المسجد؟ قال "نعم ان لم تکن وقفاً علی وجه آخر" قیل له: فان تداعت حیطان المقبرة الی الخراب یصرف الیها او الی المسجد؟ قال "الیٰ ماهی وقف علیه" (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۷۶) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

سے مسجد کے لئے دیدے اور اپنے پاس ہرگز نہ رکھے۔........... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۰۰/۱۱/۱۱ھ

سوالِ مثلِ بالا

اگر دست بردار ہونے والا ممبر یہ شرط کرے کہ تم اتنا روپیہ مسجد پر خرچ کردو تو میں دست بردار ہو جاؤں گا۔ آیا یہ شرط لگانا جائز ہے یا نہیں؟

سائل...... عبداللطیف، ملتان

الجواب

الیکشن سے دست بردار ہونے والے کا دست برداری کے عوض میں مسجد پر خرچ کرانا ناجائز ہے۔.............................. فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۸۴/۶/۱۸ھ

مایتعلق بصرف مال الکافر والمال الحرام فی المسجد

غیر مسلم کی تعمیر کردہ مسجد مسجد شرعی نہیں، شیعہ سے چندہ لینا منع ہے:

اگر شیعہ سنیوں کی مسجد تعمیر کرے یا سنی کسی مسجد کی تعمیر پر شیعوں سے رقم لے کر خرچ کریں تو کیا یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ حالانکہ باتفاق علماء اہلسنت شیعہ کافر ہیں تو کیا کفار مساجد تعمیر کر سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللّٰہ شاھدین علی انفسھم بالکفر اولٰئک حبطت اعمالھم وفی النار ھم خلدون (پ۱۰، سورۃ توبہ، آیت نمبر۱۱)

تو کیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو قرآن مجید اور حدیث کے حوالوں سے جواب دیکر مطمئن فرمائیں۔

سائل ...... محمد منظور الزمان

الجواب

غیر مسلم کی تعمیر کردہ مسجد، مسجدِ شرعی نہیں۔ ہندیہ میں ہے: لو جعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین وبناہ کما بنی المسلمون واذن لھم بالصلوۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثاً لورثتہ وھذا قول الکل (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۳۵۳)

شیعہ حضرات سے اپنی مسجد کے لئے چندہ لینا بھی مناسب نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۱/۱۲/۴ھ

قادیانیوں کی تعمیر کردہ مسجد کو اگر خرید کر وقف کر دیا جائے تو وہ مسجد شرعی بن جائے گی:

کیا فرماتے علماءِ دین درج ذیل واقعات کے بارے میں:

(۱)...... بستی جلّہ ارائیں کے بشیر احمد قادیانی نے مسلم و قادیانی مشترکہ قطعہ اراضی پر قادیانی عبادت گاہ بصورت مسجد تعمیر کی۔

(۲)...... مسلمانوں نے تھانہ میں رپورٹ درج کرائی۔

(۳)...... تھانہ کے ذریعے یہ مسئلہ پنچایت میں رکھا گیا پنچایت نے فیصلہ کر دیا کہ تعمیر کا کوئی ماہر ٹھیکیدار بشیر احمد قادیانی کی تعمیر کردہ مسجد نما عمارت کا تخمینہ لگائے، اور اہلِ اسلام بشیر احمد قادیانی کو تعمیر کا خرچہ ادا کریں۔

(۴)...... چنانچہ مسلمانوں نے قادیانی کو تعمیر کا خرچہ دینا مان لیا اور مسجد نما قادیانی عمارت میں نماز ادا کرنا شروع کر دی۔

از روئے شریعت بتایا جائے کہ مذکورہ واقعات میں کیا پنچایت کا فیصلہ صحیح اور درست ہے یا نہیں؟ کیا خرید کردہ مسجد میں ادا کی جانے والی نمازیں صحیح ہیں؟

سائل ...... سید سبطین شاہ صاحب، جلہ ارائیں، لودھراں

الجواب

کسی غیر مسلم کے مسجد بنانے سے اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دینے سے بلکہ مسلمانوں کے اس میں نماز ادا کرنے سے بھی وہ شرعاً مسجد نہیں بنتی۔ لو جعل ذمی داره مسجداً للمسلمين وبناه كما بنى المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فيه فصلوا فيه ثم مات يصير ميراثاً لورثته وهٰذا قول الكل (الخ) (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۳۵۳)

لہٰذا قادیانی کی تعمیر کردہ مسجد شرعی مسجد نہیں بلکہ اس کی مِلک ہے۔ البتہ اگر کوئی اسے خرید کر مسجد کے لئے وقف کر دے تو وہ مسجد شرعی بن جائے گی۔

الحاصل: مذکورہ فیصلہ شرعاً درست ہے۔.....................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۱۰/۲۶ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

تعمیر مسجد میں غیر مسلم سے چندہ لینا:

کیا نصرانی کا چندہ مسجد کو لگ سکتا ہے یا نہیں؟ جو ''امام'' مسجد کے لئے چندہ نصرانی سے لیتا ہے اس کا کیا حکم ہے اور کیا اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

سائل...... مولوی غلام مصطفیٰ عابد، بستی ملوک

الجواب

مسجد ایک خالص مذہبی معاملہ ہے اور خالص دینی اور مذہبی معاملے میں ان سے چندہ نہ لیا جائے اگر نصرانی کا چندہ وصول ہو چکا ہو اور واپس کرنا مناسب نہ ہو تو بادلِ نخواستہ بیت الخلاء اور غسل خانے وغیرہ میں استعمال کر لیا جائے۔ وصولِ چندہ کی وجہ سے امامت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (کذا فی فتاویٰ رحیمیہ، جلد ۹، صفحہ ۱۰۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
جامعہ خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۰/۱۲/۴ھ

غیر مسلم کا چندہ مسجد میں کن شرائط کے ساتھ قبول کیا جا سکتا ہے؟

غیر مسلم، عیسائی وغیرہ کا چندہ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ہمارے ہاں مسجد تعمیر ہو رہی ہے یہاں کے عیسائی لوگ چندہ دیتے ہیں، مگر ہم نے ابھی تک

استعمال نہیں کیا آپ کے فرمان کا انتظار ہے۔

سائل ...... محمد دین، نوشہرہ

الجواب

قال فی الهندية: واما شرائطه (ای الوقف) .... واما الاسلام فليس بشرط (جلد۲، صفحہ۳۵۲) وفی كتاب الوقف من شرح التنوير: بدليل صحته من الكافر، وفی الشامية: حتیٰ يصح من الكافر، (جلد۶، صفحہ۵۱۹، ط: رشیدیہ جدید)

روایاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اگر کافر ثواب کی نیت سے مسجد کے لئے چندہ دے تو جائز ہے، البتہ اگر اس چندہ سے مسلمانوں پر کفار کے افتخار اور اظہار منت کا اندیشہ ہو تو ان کے اس چندہ کو قبول کرنا جائز نہ ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ کفار کا چندہ اہل اسلام کو اس شرط سے قبول کرنا جائز ہے کہ کل کو وہ اہل اسلام پر احسان نہ رکھیں اور نہ ہی اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت کرنے لگ جائیں۔............................ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۸/۷/۵ھ

مسلم، غیر مسلم، شیعہ کے مشترکہ چندہ کو مسجد کی ضروریات کیلئے استعمال کرنا:

ایک مسجد کے باہر چندہ کے لئے گلّہ لگا ہوا ہے جس میں مختلف قسم کے لوگ چندہ ڈالتے ہیں جس میں یہودی، نصرانی اور شیعہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔ کیا اس چندہ کو استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ صورتحال واضح فرمائیں۔

سائل ...... نوید احمد

الجواب

کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد کے لئے چندہ دے تو جائز ہے۔

قال فی الهندیة :واما سببه فطلب الزلفیٰ ...... واما الاسلام فلیس بشرط (جلد۲،صفحہ۳۵۲)

وفی الدر المختار :لانه مباح بدلیل صحته من الکافر، (جلد۶،صفحہ۵۱۹)

وفی الشامیة: حتیٰ یصح من الکافر ...... بخلاف الوقف فانه لابد فیه من ان یکون فی صورة القربة وهو معنی ما یأتی فی قوله "ویشترط ان یکون قربة فی ذاته" اذلو اشترط کونه قربة حقیقة لم یصح من الکافر (جلد۶،صفحہ۵۱۹)۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیرالمدارس، ملتان
۱۴۲۶/۶/۲۲ھ

(۱) مسجد کا امام کسی غیر مسلم سے تنخواہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ہندو مسجد کا فرش لگوانا چاہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

(۱)......ایک امام مسجد کو ہندو سے تنخواہ وغیرہ لینی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس بستی والے مسلمان کوئی چیز نہ دیں۔

(۲)......مسجد کا فرش بنانے کا ارادہ بھی ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد بخش، ضلع نواب شاہ

الجواب

(۱)...... ہندو کی جب دوسری ملازمت جائز ہے تو اگر وہ امام کو متعین کر کے تنخواہ دے تو اس کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ دین میں مداخلت نہ کرے اور مسائل شرعیہ تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کا

احتمال بھی نہ ہو۔

(۲)...... مذکورہ ہندو، رقم کسی مسلمان کی ملک کردے اس کے بعد اس رقم سے فرش لگوالیا جائے۔

...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۴/۱/۳۰ھ

سنی ائمہ کرام کا مرزائی مِل مالک سے تنخواہ وصول کرنا کیسا ہے؟

بھکر شہر میں کپڑا بنانے کی ایک مِل ہے اس مِل سے ملحقہ جتنی مساجد ہیں ان کے اماموں کی تنخواہیں مِل کی طرف سے مقرر ہیں۔ امام صاحب کو مِل میں روزانہ صرف حاضری دینے کے لئے جانا پڑتا ہے کیا امام صاحب کا حاضری کیلئے جانا اور تنخواہ حاصل کرنا درست ہے؟ جبکہ مالکِ مِل مرزائی ہو، ہاں اتنا ضرور ہے کہ مالکِ مِل جمعہ وعیدین ہماری مسجد میں پڑھتا ہے حالانکہ قریب میں مرزائیوں کی مسجد بھی ہے اور نہ ہی کسی مرزائی کو امام مسجد مقرر کرنے پر زور دیتا ہے۔ اب مِل کی رقم سے بڑی مسجد زیرِ تعمیر ہے۔ آپ مفصل تحریر فرماویں کہ اس رقم کو حاصل کریں یا نہ؟

سائل...... محمد شریف نائب مدرس، مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ، بھکر

الجواب

یہ بڑی بے حمیتی کی بات ہے کہ مسلمان اپنے امام کو تنخواہ نہیں دے سکتے اور اس کی تنخواہ مرتدین سے وصول کی جاتی ہے۔ اہل مساجد کو چاہیے کہ ایسے ائمہ کی تنخواہیں اپنی جیب سے ادا کریں اور ائمہ کو مِل سے تنخواہ وصول کرنے پر مجبور نہ کریں۔ خود ائمہ کو بھی اس سے احتراز لازم ہے۔ اہل باطل اپنے روپے پیسے کو تالیفِ قلب کے لئے اکثر اسی طرح خرچ کرتے رہتے ہیں، لیکن ایسی امداد حاصل کرنے والے مسلمانوں کو بالآخر اس کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے یعنی اپنے ایمانوں

سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا مرتدین اور اہل باطل سے اس قسم کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔

(نوٹ) اگر یہ صورت ہو کہ امام مذکور واقعہ میں مِل کا ملازم ہے جیسے دوسرے مزدور ہوتے ہیں لیکن مِل والوں نے اس کے نماز پڑھانے کی وجہ سے اس کی ڈیوٹی معاف کر دی ہے اور امام مذکور کو مِل کا ملازم تصور کرتے ہوئے تنخواہ دی جاتی ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۲/۱۱/۱۳۷۹ھ

امام کا مرزائی شخص یا انجمن سے تنخواہ لینے کا حکم:

مرزائی کا پیسہ مسجد کی تعمیر وغیرہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی مسجد کی تعمیر میں مرزائی کا پیسہ لگایا جائے تو اس مسجد کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے، نیز جو امام مسجد امامت کی تنخواہ مرزائی سے لیتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ عدم جواز کی صورت میں مقتدیوں کی سابقہ نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عبداللہ، مدرس مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ بھکر، میانوالی

الجواب

غلام احمد قادیانی کے متبع خواہ لاہوری پارٹی کے ہوں یا قادیانی جماعت کے ہر دو علی السویہ دائرہ اسلام سے خارج اور قطعاً کافر ہیں۔ اہل اسلام کو ان کے ساتھ میل جول اور تعلقات قائم رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی ان لوگوں سے مسجد کی تعمیر میں امداد لینا جائز ہے کیونکہ یہ لوگ اس طرح اعانت اور چندہ کے ذریعے سے اہل ایمان کو بڑی ہوشیاری کے ساتھ عقائدِ سلف صالحین سے متنفر اور بدظن کر دیتے ہیں، البتہ جن مسجدوں کی تعمیر میں ان کا روپیہ لگ چکا ہو آئندہ احتیاط کو مدِ نظر

رکھتے ہوئے ان مسجدوں میں نماز جائز ہے اور ان کے لئے مسجد کا ہی حکم ہے۔

نیز اسی خطرہ کے پیش نظر کسی امام کو بھی مرزائی انجمن یا فرد سے تنخواہ قبول کرنی جائز نہیں جو امام ان کا تنخواہ دار ہوا گر وہ تائب ہو کر آئندہ کے لئے ان سے قطع تعلق نہ کرے تو اسے امامت سے الگ کر دیا جائے، سابقہ نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں .... فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۷/۳/۱۳۸۰ھ

کیا سودی کاروبار کرنے والا امام وخطیب کو تنخواہ دے سکتا ہے؟

ایک جامع مسجد کا ایک خطیب اور امام ہے اور وہ جس سے تنخواہ لیتا ہے وہ آدمی سود کا کاروبار کرتا ہے۔ کیا امام کیلئے اس سود والے شخص سے تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو کیا اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ دونوں صورتوں کی وضاحت فرمائیں۔

سائل ...... محمد عامر

الجواب

سودی رقم سے امام کو تنخواہ دینا شرعاً جائز نہیں۔ (محمودیہ، جلد ۱۳، صفحہ ۳۷٦)

منتظم کو چاہیے کہ اپنی جائز کمائی سے تنخواہ دے یا پھر کسی سے قرض لے کر تنخواہ دے۔ ان الشیخ ابا القاسم الحکیم کان یأخذ جائزة السلطان و کان یستقرض لجمیع حوائجه و ما یأخذ من الجائزة یقضی بها دیونه (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۲)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۷/۱/۱۴۲۷

ہسپتال، پُل یا دیگر رفاہی کاموں میں غیر مسلم سے تعاون لینا جائز ہے جبکہ مسلمانوں کیلئے ابتلاء کا باعث نہ ہو:

کسی غیر مسلم شخص کی رقم مسجد کی تعمیر یا مسجد کے کسی سلسلے میں (اخراجات میں) یا کسی اسلامی کار خیر کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... بقاء اللہ، نشتر ہسپتال، ملتان

الجواب

مسجد کی تعمیر میں کسی غیر مسلم سے چندہ لینا مناسب نہیں ویسے کسی کار خیر میں جو ہمارے نزدیک اوران کے نزدیک بالاتفاق باعث قربت ہو اس میں غیر مسلم کا وقف وغیرہ جائز ہے۔

شامیہ میں ہے: ان شرط وقف الذمّیّ ان یکون قربة عندنا وعند هم کالوقف علی الفقراء او علی مسجد القدس (شامیہ، جلد ۶ صفحہ ۵۲۲، ط: رشیدیہ جدید)

الحاصل: ہسپتال، پُل، سڑک اور دوسرے رفاہی کاموں میں غیر مسلم حصہ شامل کر سکتا ہے............ فقط واللہ اعلم

غیر مسلم سے چندہ لینے کی صورت میں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ وہ چندہ دے کر کمزوریٔ ایمان و مسلمانوں کے لئے ابتلاء کا باعث نہ بن سکے۔ فقط۔ والجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۱/۱۲/۲۵ھ

متولی حرام مال کو مسجد کے لئے قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے:

مشتبہ مال کو مسجد پر خرچ کرنے کے لئے ایک حیلہ:

ایک عورت کا انتقال ہو گیا فوت ہونے سے پہلے اس نے اپنے ترکہ کا ایک حصہ نقدی مسجد

کیلئے وقف کرنے کی وصیت کی کہ اتنی رقم مسجد میں دے دینا،لیکن بعد میں متولی مسجد نے اس رقم کے لینے سے انکار کر دیا کہ متوفیہ کی آمدنی حرام مال کی تھی اس لئے مسجد میں اس کو نہیں لگایا جا سکتا،شرع شریف کی روشنی میں بتایا جائے کہ اس وقف رقم کا کیا کیا جائے کسی حیلہ سے یہ رقم مسجد وغیرہ میں لگ جائے،تا کہ متوفیہ کو ثواب پہنچتا رہے۔اطلاع یہ ہے کہ یہ عورت طوائف میں سے تھی۔

سائل ...... محمد اکبر،کبیر والہ

الجواب

متولی نے حرام کمائی لینے سے جو انکار کیا وہ مستحسن ہے مسجد میں پاکیزہ مال ہی لگنا چاہیے۔لقوله عليه السلام:لايقبل الله الا الطيب (الحدیث)(مشکوٰۃ شریف،صفحہ ۱٦۷)

شامیہ میں ہے:قال تاج الشريعة: اما لو انفق فى ذالك ما لاً خبيثاً او مالاً سببهٗ الخبيث والطيب فيكره ؛لان الله تعالىٰ لايقبل الا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله (شامیہ،جلد۲،صفحہ ۵۲۰،ط:رشیدیہ جدید)

ایسی رقم مسجد میں لگانے کی صرف ایک صورت ممکن ہے کہ قرض لے کر مسجد میں لگا دیا جائے پھر وہ قرض مذکورہ حرام یا مشتبہ مال سے ادا کر دیا جائے۔ ہندیہ میں ہے: ان الشيخ اباالقاسم كان يأخذ من جائزة السلطان و كان يستقرض لجميع حوائجه وما يأخذ من الجائزة يقضى بها ديونه ، والحيلة فى هذه المسائل ان يشترى نسيئةً ثم ينقد ثمنه من اىّ مالٍ شاء، وقال ابويوسفؒ سألت ابا حنيفة عن الحيلة فى مثل هذا فاجابنى بما ذكرنا، كذا فى الخلاصة (عالمگیریہ،جلد۵،صفحہ ۳۴۲)۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس،ملتان
۱۴۲۵/۳/۲ھ

ہیروین کا کاروبار کرنے والوں کا چندہ مساجد اور مدارس کیلئے قبول نہ کیا جائے:

(۱)...... ہیروین کی تجارت سے حاصل کی گئی رقم سے زکوٰۃ کی ادائیگی اور حج بیت اللہ کی سعادت کا حصول کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟

(۲)...... ہیروین کے کاروبار اور تجارت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۳)...... کیا خالصتاً ایسی تجارت سے وابستہ لوگوں کو اپنی کمائی ہوئی دولت سے امور خیر جیسے مساجد اور دیگر دینی تعلیمی ادارے تعمیر کرا کے اور پھر ان کی جملہ دیگر ضروریات کو پورا کر کے ثواب دارین کی امید رکھنی چاہیے؟ نیز اپنے طور پر پارسا اور متقی کہلانے والے حضرات کی نمازیں ایسی مساجد یا ان میں بچھے ہوئے قالینوں پر درست ہوسکتی ہیں؟ اور کیا عام نمازی اس ضمن میں اپنے شکوک وشبہات کا ازالہ کیونکر کر سکتے ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

سائل ...... ''پیر محمد'' ہیڈ ماسٹر چاغی، بلوچستان

الجواب

ہیروین کا کاروبار کرنے والے کا پیسہ مساجد اور مدارس میں قبول نہ کیا جائے۔ ایسے قالین بھی مساجد سے اٹھوا دیئے جائیں۔ لما فی الشامیة: قال تاج الشریعة، اما لو انفق فی ذالک مالاً خبیثاً او مالاً سببهٗ الخبیث والطیب فیکرہ، لان اللّٰہ تعالیٰ لایقبل الا الطیب فیکرہ تلویث بیته بمالا یقبله (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۰، احکام المساجد)

ایسی رقم سے حج ادا کرنے سے گو فرض ذمہ سے ساقط ہوجائیگا لیکن اجر وثواب سے محرومی رہے گی۔

قال فی البحر: ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال؛ فانه لایقبل بالنفقة الحرام کما ورد فی الحدیث، مع انه یسقط الفرض عنه معها (شامیہ، جلد۳، صفحہ۵۱۹)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۹/۲۵ھ

اگر مسجد کی انتظامیہ نے مسجد کیلئے سود پر قرضہ لیا تو سود کی ذمہ دار کمیٹی ہے مسجد کے فنڈ سے ادائیگی جائز نہیں:

مسجد کی ضروریات واخراجات کے لئے سود پر قرض لینا اور پھر مسجد کے جمع ہونے والے چندہ سے سود کی ادائیگی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... عبدالقادر، ڈیرہ غازیخان

الجواب

سود شرعاً حرام ہے اس پر سخت وعیدیں ہیں اس لئے مسجد کیلئے سودی قرضہ کی ہرگز اجازت نہیں مذکورہ سود کی ذمہ دار انتظامیہ کمیٹی ہے وہ اپنی جیب سے ادا کریں، مسجد کے چندہ سے سود کی ادائیگی ہرگز جائز نہیں۔لقولہٖ تعالیٰ: واحل اللّٰہ البیع وحرم الرّبوا (الآیۃ)

وفی الشامیۃ: فیکرہ تلویث بیتہٖ بما لایقبلہ (جلد۲، صفحہ۵۲۰)...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۵/۲۰ھ

حرام کمائی والے شخص کے عطاء کردہ پنکھے مسجد میں ہرگز نہ لگائے جائیں:

ایک محلّہ کی مسجد کے لئے پنکھوں کی ضرورت تھی، اس کیلئے چندہ کیا گیا، لیکن ایک شخص نے کہا کہ پنکھے میں لگوا کر دیتا ہوں لیکن اس شخص کا مال سارا حرام کا ہے سود کا کاروبار کرتا ہے۔کیا اس کی طرف سے خریدے گئے پنکھے مسجد میں لگائے جاسکتے ہیں یا واپس کر دیئے جائیں؟

سائل ...... محمد جنید، مظفر گڑھ

الجواب

حرام مال سے خرید کردہ پنکھے مسجد میں ہرگز نہ لگائیں ایسے پنکھے مسجد میں نصب کرنے سے انتظامیہ گناہ گار ہوگی: حدیث پاک میں ہے: ان اللّٰہ طیب لایقبل الا طیبا (مشکوۃ، صفحہ ۲۴۱) شامیہ میں ہے: اما لوانفق فی ذالک مالا خبیثا او مالا سببه الخبیث والطیب فیکرہ، لان اللّٰہ تعالیٰ لایقبل الا الطیب فیکرہ تلویث بیته بما لایقبله شرنبلالیه. (شامیہ، جلد۲، صفحہ ۵۲۰).................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۳/۱۵ھ

جس مسجد میں مندر یا ہندو کے مکان کی اینٹیں استعمال کی گئی ہوں اس میں نماز پڑھنے کا حکم:

کیا مسجد میں مندر کی اینٹیں یا ہندو کے مکانات کی اینٹیں لگانا جائز ہے؟ کیا اس مسجد میں نماز ہو جائیگی؟ سائل ...... ولی محمد، اوکاڑہ

الجواب

اس مسجد میں نماز درست ہے۔.................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۹۲/۷/۵ھ

الجواب صحیح

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

ہندوؤں کے پرانے کنوئیں کی اینٹیں مسجد میں استعمال کرنے کا حکم:

ایک کنواں جو کہ ہندوؤں کے وقت کا بنا ہوا ہے، اب اس میں پانی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ

کیلئے خشک ہوگیا ہے۔ آیا اس کی اینٹیں مسجد میں استعمال کی جاسکتی ہیں؟

سائل ...... محمد اقبال، مدرسہ خیر المدارس، ملتان

الجواب

مسلمان حاکم کی اجازت سے ان اینٹوں اور اسباب کا استعمال مسجد میں درست ہے۔(١)

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١٣٩١/٦/٢ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

التخریج: (١)......سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد او حوض خرب ولایحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی ان یصرف اوقافه الیٰ مسجد آخر او حوض آخر؟ قال: نعم (عالمگیریہ، جلد٢، صفحہ ٤٧٨)

وفیه ایضاً: حوض فی محلة خرب فصار بحیث لاتمکن عمارته واستغنی اهل المحلة عنه ان کان یعرف واقفه یکون له ان کان حیاً ولورثته ان کان میتاً وان کان لایعرف واقفه فهو کاللقطة فی ایدیهم یتصدقون به علیٰ فقیر ثم یبیعه الفقیر فینتفع بالثمن (عالمگیریہ، جلد٢، صفحہ ٤٧٩)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مایتعلق ببیع ارض المسجد واستبدالها واخراجها من المسجد

مسجد کے وقف راستہ کی بیع کرنا:

ایک شخص نے مسجد کے لئے اپنی زمین سے راستہ وقف کیا ہے لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ راستہ ہمیں دیدو ہم مسجد کو اور راستہ دینا چاہتے ہیں۔ تو کیا مسجد کا وقف شدہ راستہ کسی کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... غلام مصطفیٰ بستی رام کلی، ملتان

الجواب

مسجد کی جگہ کو راستہ کے لئے لینا جائز نہیں کیونکہ یہ جگہ مسجد کیلئے وقف ہے۔ اور جب ایک راستہ مسجد کے لئے وقف کر دیا جائے تو وقف کرنے والے کے لئے بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ وقف شدہ راستہ کو تبدیل کر سکے۔ ان ارادوا ان یجعلوا شیئاً من المسجد طریقاً للمسلمین فقد قیل لیس لهم ذالک وانه صحیح (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۵۷)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۸/۱۰/۲۴ھ

مسجد کی جوزمین آبادی سے دور ہواس کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں؟

ایک آدمی نے زمین کا کچھ حصہ اپنی زندگی میں مسجد کے نام وقف کر دیا اور وہ زمین مسجد سے اور آبادی سے دور ہے اس کو مسجد کا حصہ بنانا ناممکن ہے اور نہ ہی اس پر آبادی ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں اس زمین کو فروخت کر کے اس کی رقم کو مسجد کی تعمیر کے لئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... چوہدری عطاء الحق

الجواب

اگر مذکورہ بالا زمین سے کھیتی باڑی کی صورت میں نفع اٹھایا جاسکتا ہو تو اس وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا ناجائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ علىٰ وجه تعود منفعته الىٰ العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث كذا في الهدايه وفي العيون واليتيمة ان الفتوىٰ علىٰ قولهما كذا في شرح الشيخ ابي المكارم للنقاية.** (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۰)

وفيه ايضاً: في الفتاوىٰ النسفية سئل عن اهل المحلة باعوا وقف المسجد لاجل عمارة المسجد قال لايجوز بامر القاضي وغيره كذا في الذخيرة (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۶۳)

تاہم اس زمین سے حاصل شدہ منافع کو مسجد کی تعمیر پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر اس زمین پر کھیتی باڑی ممکن نہ ہو تو اس کو بیچ کر حاصل شدہ رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامیؒ میں ہے: **والثاني ان لايشرطه سواء شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بان لايحصل منه شئ اصلاً او لايفي بمؤنته فهو ايضاً جائز على الاصح اذا كان باذن القاضي ورأى المصلحة فيه** (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۹)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۱۲/۲۰ھ

مسجد کے غسل خانوں کی بیع جائز نہیں:

مسجد کی شمالی جانب مسجد کا غسل خانہ ہے اور اس غسل خانہ کے متصل شمالی جانب گھر ہیں اور دیہاتی ماحول ہونے کی وجہ سے گھر والوں کی عزت مجروح ہوتی ہے۔ اس وجہ سے مالکانِ گھر یہ غسل خانہ خریدنا چاہتے ہیں۔ تو کیا خرید سکتے ہیں؟

سائل ...... محمود احمد

الجواب

اگر غسل خانوں کی جگہ وقف ہے تو ان کی بیع شرعاً جائز نہیں۔[1] بلکہ باطل ہے اس لئے اس کا خریدنا جائز نہیں۔ بے پردگی سے بچنے کے لئے گھر کی دیواریں اونچی کر لیں۔

لما فی الشامیة: ولو قضی الحنفی بصحة بیعه فحکمه باطل...... ولذا قال فی القنیة فالبیع باطل (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۰۵، ط: رشیدیہ جدید) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۴/۳/۲۵ھ

مسجد کے لئے وقف زمین کی قیمت کے برابر رقم مسجد پر خرچ کر کے زمین کو اپنی ملکیت میں داخل نہیں کیا جا سکتا:

ایک شخص (طارق) نے ۱۹۸۰ء میں مسجد کے لئے جگہ وقف کی تھی، اور اس پر ایک نگران

التخریج: (۱)...... فاذا تم ولزم لایملک ولایملک، ای: لایقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۴۰)

(مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)۔

مقرر کیا، اب نگران (ناصر) نے وقف شدہ زمین پر اپنے گھر کی تعمیر شروع کر دی ہے اور نگران نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ وقف شدہ زمین کی مالیتی رقم (یعنی جس قدر اس کی قیمت ہے اس کے) برابر رقم ہم نے فلاں مسجد کی تعمیر میں خرچ کر کے اس کو ہم نے اپنی ملکیت میں داخل کر دیا ہے، جبکہ سرکاری کاغذوں میں بھی وہ جگہ وقف ہی ہے اور وقف کرنے والے نے بھی مسجد کی تعمیر کے لئے ہی وقف کی تھی کہ مذکورہ زمین میں مسجد بنائی جائے لیکن واقف دنیا سے رحلت فرما گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ وقف شدہ زمین کی اس طرح بیع اور اس پر مکان کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ اور موجودہ قابض شخص اس کا شرعی طور پر مالک ہے یا نہیں؟

سائل ...... شاہد مسعود

الجواب

وقف شدہ زمین کی بیع یا دوسری زمین سے تبادلہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ واقف نے وقف کرتے وقت اس کی اجازت دی ہو اور شرط لگائی ہو۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ زمین کے وقف نامہ میں ایسی کوئی شرط نہیں۔ لہٰذا اس زمین کی قیمت دوسری مسجد میں خرچ کرنے کا نگران (ناصر) شرعاً مجاز نہ تھا، لہٰذا وہ اداشدہ رقم مسمّٰی ناصر کی طرف سے صدقہ شمار ہوگی۔

درمختار میں ہے: اما الاستبدال......بذون الشرط فلایملکه الا القاضی (جلد ٦، صفحہ ۵۹۱)

وفی العالمگیریة: ولو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له ان يبيعها ويستبدل بها وان كانت ارض الوقف سبخة لاينتفع بها (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۰۱)

ناصر پر لازم ہے کہ مسجد کے وقف پلاٹ سے فوراً اپنی تعمیر اکھیڑے اور اسے مسجد کے لئے فارغ کر دے، تعمیرِ مسجد کے لئے کوئی کمیٹی بن جائے تو مناسب ہوگا۔

نیز نگران کا مذکورہ عمل خیانت کے مترادف ہے، لہٰذا اسے تولیت سے بھی فارغ کر دینا چاہیے۔ درمختار میں ہے: وينزع وجوباً لو الواقف درر فغيره بالاولىٰ غير

مامون ...... وان شرط عدم نزعه (جلد ۶، صفحہ ۵۸۳، ط: رشیدیہ جدید)

وفی الشامیة: قال فی البحر: واستفید منه ان للقاضی عزل المتولی الخائن غیر الواقف بالاولیٰ (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۴، ط: رشیدیہ جدید)......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۶/۱۳ھ

مسجد کی وقف جگہ سے گلی دینے کا حکم:

زید کے والد نے یا دادا نے مسجد کی وقف زمین میں اپنے مکان کا دروازہ اس غرض سے لگایا تھا کہ کنوئیں سے پانی لینے اور مسجد میں آنے جانے کے لئے سہولت رہے۔ واضح رہے کہ زید کے مکان کا اصلی دروازہ دوسری گلی میں موجود ہے۔ اب مسجد کی جدید تعمیر کے باعث زید مسجد کی وسعت کی راہ میں حائل ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ''ہمارا یہ دروازہ مسجد کے لئے نہیں بلکہ راستہ کے لئے ہے اور یہ ہمارا قدیمی حق ہے اس لئے ہمیں گلی دی جائے'' زید اور اس کے بعض ساتھی گلی کے لئے اصرار کر رہے ہیں سرکاری کاغذات میں یہ وقف ہے۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں!

(۱)......کیا از روئے شریعتِ حقہ، وقف کی زمین میں سے ہم گلی دینے کے مجاز ہیں؟

(۲)......کیا گلی کی حمایت کرنے والوں میں سے کوئی حق پر ہے؟

سائل ...... حماد القادری، محلہ سادات، ملتان

الجواب

وقف زمین صرف اسی غرض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے جس غرض کے لئے وقف کی گئی ہے، نیز تکمیلِ وقف کے بعد موقوفہ زمین کسی شخص کی ملکیت کو قبول نہیں کرتی اور نہ ہی اسے عاریت کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔ لما فی الدر المختار: فاذا تم ولزم لایملک

ولا یملک ولا یعار (الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۵۴۰، ط: رشیدیہ جدید)

پس صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت سوال زید کو موقوفہ زمین سے الگ گلی ہرگز نہیں دی جا سکتی نہ تملیکاً نہ عاریتاً اور اہل محلّہ ہرگز گلی دینے کے مجاز نہیں۔۔۔۔۔۔فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۴/۴/۹ھ

نماز والے حصے کو مسجد سے خارج کرنا کسی صورت میں بھی درست نہیں:

جو جگہ مسجد کے احاطہ میں آ گئی اور اس پر نمازیں پڑھی جانے لگیں ایسی جگہ کا استعمال کسی اور مقصد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً راستہ بنا دینا، جوتے رکھنا اور وضوء کے لئے جگہ بنا دینا وغیرہ؟

سائل ...... محمد مسعود

الجواب

جو جگہ مسجد کے صحن میں آ گئی اس کو اور کسی مقصد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

کما فی العالمگیریة: ان ارادوا ان یجعلوا شیئاً من المسجد طریقاً للمسلمین فقد قیل لیس لهم ذالک وانه صحیح کذا فی المحیط (جلد ۲، صفحہ ۴۵۷)۔[1] فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۸/۸/۷ھ

التخریج: (۱)...... وفی الشامیة: قوله: "لاعکسه" یعنی لا یجوز ان یتخذ المسجد طریقاً ....لو جعل الطریق مسجداً یجوز لاجعل المسجد طریقاً لانه لاتجوز الصلوة فی الطریق فجاز جعله مسجداً ولایجوز المرور فی المسجد فلم یجز جعله طریقاً (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۸۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد کے ایک حصہ کو گرا کر راستہ بنانے کے جواز پر استدلال اور اس کا محققانہ جواب:

''نوتک محمد'' گاؤں میں عمومی سڑک نکالی جارہی ہے ابتدائی سروے میں مسجد کا ایک حصہ تقریباً چھ گز سڑک میں آتا ہے اگر مسجد کا یہ حصہ سڑک کو نہ دیا جائے تو دوسری صورت میں یہ سڑک نہ بن سکے گی یا تین میل کا چکر پڑے گا جس میں مسلمانوں کی زمینیں ضائع ہو جائیں گی۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ مسجد اوقاف کی ہے اور سڑک بھی وقف زمین ہے اس کا استفادہ عام مخلوق کے لئے ہوگا۔ لہٰذا ایسا کرنا جائز ہے اور کنز الدقائق باب الاوقاف کی عبارت بھی جواز پر دال ہے ''کعکسہ'' کا لفظ موجود ہے۔ براہ کرم مفصل جواب ارسال فرمایا جائے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... عبدالحی، چوٹی زیریں، ڈیرہ غازی خان

الجواب

مسجد بہر حال مسجد ہی رہے گی اور اس کا کوئی حصہ بھی راستہ یا سڑک میں داخل کرنا جائز نہیں ہے۔ موجودہ زمانے میں جو سڑکیں لمبی چوڑی بنائی جاتی ہیں ان کی وجہ سے احکام شریعہ میں تغیر و تصرّف جائز نہیں ہے، بلکہ لوگوں نے یا حکومتوں نے از خود ضرورتیں بنالی ہیں۔ یہ ضرورتیں شرع شریف کی نظر میں ضرورتیں ہی نہیں ہیں اور '' کعکسہ'' کا معنی وہ نہیں ہے جو ظاہر عبارت سے مراد لے رہے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مسجد میں مرور کے لئے راستہ بنایا جائے۔

کما فی البحر: ومعنی قوله ''کعکسہ'' انه اذا جعل فی المسجد ممرّاً فانه یجوز لتعارف اهل الامصار فی الجوامع وجاز لکل احد ان یمرّ فیه حتی الکافر الا الجنب والحائض والنفساء لما عرف فی موضعه ولیس لهم ان یدخلوا فیه الدوابّ کذا ذکره الشارح، (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۴۲۸)

بہر حال ''کعکسہ'' کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں گزرنے کے لئے بوقت ضرورت راستہ بنانا

جائز ہے نہ یہ کہ مسجد کو ہدم کر کے اس کو راستہ بنانا اور اس میں داخل کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۴/۶/۲۵ھ

مسجد کی زمین کا دوسری زمین سے تبادلہ کرنا:

ایک گاؤں میں مسجد کا احاطہ ہے جس کے نشانات اب مٹ چکے ہیں صرف لوگ بتاتے ہیں کہ یہاں مسجد تھی یہ جگہ راستہ سے کچھ دور ہے اور اس کے اردگرد ایک شخص کی زمین ہے زمیندار کہتا ہے کہ چونکہ یہ مسجد راستے سے دور پڑے گی اس لئے میں دوسری جگہ دے دیتا ہوں وہاں نئی مسجد بنا لی جائے۔ تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور اگر دوسری مسجد بنا بھی لی تو اس پہلی جگہ کا کیا حکم ہوگا؟

سائل ...... حافظ رحیم بخش، ابدالی مسجد، ملتان

الجواب

دوسری جگہ مسجد بنانے کی بجائے اسی جگہ (مسجد قدیم) کو آباد کیا جائے اس لئے کہ مسجد ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے اس کا احترام اور آبادی بہت ضروری ہے اور تبادلہ جائز نہیں۔

لمافی الدر المختار: ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الامام والثانی ابداً الى قيام الساعة وبه يفتیٰ، حاوی القدسی. قال فی ردالمحتار: فلايعود ميراثاً ولايجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه او لا، وهو الفتویٰ (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۵۰) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۵/۶/۳۰ھ

مسجد کی جگہ پر مرغی فارم بنا دیا گیا ہے کیا اس کی متبادل جگہ پر مسجد بنا سکتے ہیں؟

حاجی عبدالعزیز مرحوم نے کچھ زمین مسجد کے لئے وقف کی تھی اور ابھی تک مسجد نہیں بنائی گئی۔ اس مسجد کی جگہ پر ایک صاحب نے مرغی فارم بنا دیا ہے۔ اب وہ صاحب اس کے متبادل جگہ دینا چاہتے ہیں۔ کیا متبادل جگہ پر مسجد بنا سکتے ہیں یا اسی وقف کی ہوئی زمین پر بنائیں؟

سائل ...... غلام اکبر، روہیلانوالی

الجواب

زمین کا جو قطعہ مسجد کے لئے وقف کیا گیا ہے مسجد اسی جگہ بنائی جائے اس کا تبادلہ دوسری زمین سے جائز نہیں کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی بیع ہے جبکہ وقف کی ہوئی زمین کی بیع اور ہبہ سب شرعاً منع ہے۔ ہندیہ میں ہے: لا یباع و لا یوھب و لا یورث (الخ) (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۰)

وفیہ ایضاً: ولو کان الوقف مرسلاً لم یذکر فیہ شرط الاستبدال لم یکن لہ ان یبیعھا ویستبدل بھا وان کانت ارض الوقف سبخۃ لاینتفع بھا (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۰۱)

مسجد کی وقف جگہ پر مرغی خانہ یا کچھ اور بنانا شرعاً حرام ہے اسے فوراً مکمل طور پر فارغ کیا جائے اور مسجد کا کل رقبہ واپس لیا جائے .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۱۱/۲۹ھ

حکومت نے مسجد کی زمین کا جو معاوضہ دیا ہے اس سے مسجد کے لئے زمین خریدنا ضروری ہے:

ایک مسجد کا کچھ حصہ حکومت نے سڑک میں شامل کر کے روڈ بنا دیا ہے اور اس حصہ کا معاوضہ ادا کر دیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو معاوضہ حکومت کی طرف سے متولی کو ملا ہے اس کا کیا کرنا چاہیے آیا زمین خرید کر وقف میں شامل کر دی جائے یا دوسرے مصارف میں اس

کا استعمال کرنا جائز ہے؟

سائل ......محمد احمد، چیچہ وطنی

الجواب

مسجد و مدرسہ کی وقف زمین روڈ میں شامل کرنا ہرگز جائز نہیں واپس لینے کی کوشش کی جائے مساجد کو نقشوں کے تابع کرنے کی بجائے نقشوں کو مساجد کے تابع کیا جائے نقشہ بناتے وقت اوقاف اور مساجد کو باقی رکھنے کی پوری کوشش کی جائے تاہم اگر واپسی ممکن نہ ہو تو اس رقم سے زمین خرید لی جائے۔الثانیة: اذا غصبه غاصب واجری علیه الماء حتی صار بحراً فیضمن القیمة ویشتری المتولی بها ارضاً بدلاً، والثالثة: ان یجحده الغاصب ولا بینة: ای: واراد دفع القیمة، فللمتولی اخذها لیشتری به بدلاً (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۹۴)

دوسرے مصارف میں یہ رقم خرچ نہ کریں۔.................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۱/۲۰ھ

مسجد کے قطعہ کا کلیم اپنے نام سے حاصل کرنا:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہندو پاک کی تقسیم سے پیشتر ایک مسجد کی توسیع کے لئے ایک غیر مسلم کے مکان کو مسجد کے جمع شدہ چندہ سے خرید کر ایک شخص زید کے نام رجسٹری کرائی گئی۔ بعد از تقسیم زید پاکستان منتقل ہو گیا اور جب حکومتِ پاکستان نے ہندوستان کی جائیداد کے لئے لوگوں سے درخواستیں طلب کیں تو زید نے باوجودیکہ اس کی ہندوستان میں کوئی جائیداد نہ تھی اور اسی مسجد کی رجسٹری کی بناء پر سولہ مرلہ کی درخواست دیدی جو کہ قبول کر لی گئی۔ کیا زید کے لئے یہ جائز ہے اور اب وہ رقم جو منظور ہو گئی ہے کیا زید کے مصرف میں آسکتی ہے یا

نہیں، اوراب رقم کا مصرف کیا ہے؟

سائل ...... محمد عمران ملک

الجواب

زید کے لئے اس رقم کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ رقم اس نے اس زمین کے عوض وصول کی ہے جو کہ مسجد کے لئے خریدی گئی تھی۔ زید کے مقدمہ کی صورت یہ ہے کہ وہ اس زمین یا کلیم کا پورا معاوضہ کسی مستحق مسجد یا مساجد میں صرف کرے یا مسجد کے لئے زمین خریدے۔[۱] اور حکومت کو اپنی محتاجی اور ضرورتمندی ظاہر کردے سچائی کے ساتھ کچھ قطعہ اراضی الاٹ کرالے۔............................ فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۸۴/۳/۱۵ھ

مسجد کے لئے مخصوص زمین میں کمی کرنا غلط اور خلاف شریعت ہے:

ساہیوال شہر میں محکمہ ہاؤسنگ پنجاب نے سکیم نمبر ۲ میں تین پلاٹ شروع سکیم سے ہی مسجدوں کے لئے مخصوص کردیئے۔ گذشتہ تقریباً دس سال کے عرصہ سے یہ پلاٹ مخصوص رہے ہیں۔ اب حال ہی میں ڈسٹرکٹ مسجد کمیٹی نے ۲ پلاٹ تو پورے پورے تقسیم کردیئے جبکہ تیسرا مرکزی پلاٹ برائے جامع مسجد جس کا رقبہ ۴ کنال اور سات مرلہ ہے اس کیلئے ہماری انجمن اسلامیہ نے درخواست الاٹمنٹ دائر کررکھی ہے یہ درخواست ۱۹۸۰ء سے زیر فیصلہ چلی آرہی ہے۔ اس

التخریج: (۱)......اذا غصبه غاصب او اجری علیه الماء حتیٰ صار بحراً فیضمن القیمة ویشتری المتولی بها ارضاً بدلاً (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۹۴)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

تیسرے پلاٹ میں جامع مسجد کے لئے ڈسٹرکٹ مسجد کمیٹی نے تجویز کیا ہے کہ اس کے سات مرلہ چار کنال رقبہ میں سے صرف دو کنال رقبہ مسجد کے لئے تقسیم کیا جائے اور بقایا سات مرلے دو کنال رقبہ یوٹیلٹی سٹور یا کسی دوسری غرض کے لئے استعمال یا الاٹ کر دیا جائے۔ حالانکہ شروع سے یعنی دس سال سے یہ سالم چار کنال سات مرلہ رقبہ جامع مسجد کے لئے نامزد اور مخصوص ہے اور خود محکمہ نے تجویز کی ہے بلکہ ایک مرتبہ ۶ جنوری ۱۹۸۹ء کو سالم رقبہ کی تجویز اس وقت کی مسجد کمیٹی نے ہماری انجمن اسلامیہ کے حق میں کر دی تھی ایک دباؤ کے تحت اس فیصلہ کا اعلان اور اس پر عمل درآمد روک دیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اب شرعاً پلاٹ میں سے صرف دو کنال رقبہ مسجد کو دینا اور سات مرلہ اور دو کنال رقبہ مسجد کے سوا کسی اور غرض کے لئے استعمال یا الاٹ منٹ جائز ہے؟ قانوناً ڈسٹرکٹ کمیٹی یہ کام نہیں کر سکتی بلکہ انہوں نے محکمہ ہاؤسنگ کو تحریک کی ہے۔ اب اس کی شرعی حیثیت دریافت طلب ہے کیونکہ جب رقبہ اتنے سال سے مسجد کے لئے سرکار اور محکمہ نے مخصوص کر رکھا ہے تو کیا اب وہ اسے کم کر کے بقایا رقبہ مسجد کے سوا کسی دوسری غرض کے لئے الاٹ یا استعمال کر سکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد فضل کریم، فرید ٹاؤن، ساہیوال

الجواب

محکمہ ہاؤسنگ پنجاب نے جتنی زمین مسجد کے لئے متعین کر دی ہے اس میں کمی نہ کی جائے وہ جگہ مسجد کو ہی ملنی چاہیے۔.................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۲/۹/۱۰ھ

مسجد کی جگہ سابقہ امام صاحب کو بحق الخدمت دینا جائز نہیں؟

ایک قطعہ اراضی شروع آبادی (تقریباً ۱۹۱۸ء) سے مسجد کے لئے وقف ہے۔ اب کچھ

لوگ یہ زمین سابقہ امام صاحب کو بطور حق الخدمت مستقل طور پر ذاتی ملکیت میں دینے کیلئے مصر ہیں جبکہ کچھ لوگ یہ زمین مسجد کیلئے واگزار کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ از روئے شرع شریف کیا حکم ہے کیا مسجد کی یہ زمین سابقہ امام صاحب کو بطور حق الخدمت دی جاسکتی ہے؟ اور فریقین میں سے کون حق پر ہے؟

سائل ...... محمد عمر، منچن آباد

الجواب

جو جگہ ایک دفعہ وقف ہو جائے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، لہٰذا مسجد کے لئے وہ جگہ صحیح طور پر وقف ہو چکی ہے تو اب وہ تا قیامت وقف ہی رہے گی۔ کسی کو بطور حق الخدمت و بطور تملیک دینا جائز نہیں (۱) امام صاحب کے لئے مناسب سمجھیں تو چندہ کر کے خرید لیں جو لوگ مسجد کو مسجد کا حق دلانے میں سعی کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۹/۹/۱۴۰۸ھ

(۱) ''امام مسجد'' مسجد کی وقف زمین کو اپنے نام نہیں کرا سکتا:

(۲) مسجد کا پانی، بجلی ذاتی مکان میں استعمال کرنے کا حکم:

(۱)...... ایک پلاٹ مسجد کے لئے وقف شدہ ہے جس کی حد برآری ہو چکی ہے اس پلاٹ کے

التخریج: (۱)...... لما فی الدر المختار: فاذا تم ولزم لایملک ولا یملک، ای لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالة تملیک الخارج عن ملکہ (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۴۰)

و فی العالمگیریة: وعند ھما حبس العین علی حکم ملک اللہ تعالیٰ علی وجہ تعود منفعتہ الی العباد فیلزم ولا یباع ولا یوھب ولا یورث (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۰) (مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

نصف حصہ پر مسجد تعمیر ہے کچھ حصہ پر امام کے لئے ایک مکان تعمیر کیا گیا تھا جس میں سابقہ امام کی رہائش تھی اس کے بعد دوسرے امام کو مقرر کیا گیا انہوں نے مسجد سے ملحقہ مکان کو گرا دیا اور اس قطعہ زمین کو کنٹونمنٹ بورڈ سے اپنے نام کرا لیا اور اپنے ذاتی خرچہ سے مکان تعمیر کرایا جبکہ جگہ، مسجد کے نام وقف ہے کیا ان کے لئے ایسا کرنا اسلامی ضابطہ کے مطابق درست ہے؟

(۲)...... امام مسجد مذکور اپنے گھر پر ذاتی استعمال کے لئے پانی اور بجلی مسجد سے استعمال کرتے ہیں۔ کیا ان کے لئے یہ درست ہے؟

سائل ...... رؤف احمد، شورکوٹ، جھنگ

الجواب

(۱)...... برتقدیر صحت واقعہ وقف ہونے کے بعد کنٹونمنٹ بورڈ سے اپنا نام کرانا جائز نہیں ہے اور اس طرح سے یہ زمین اس کی ملکیت نہ ہوگی۔ یہ زمین بدستور موقوفہ رہے گی۔[1]

(۲)...... متولیان کی اجازت اور رضامندی سے جائز ہے۔ ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۱۱/۵/۱۱ھ

التخریج: (۱)......فاذا تم ولزم لایملک ولایملک، وفی الشامیة: ولایملک ای لایقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۴۰)

وفی العالمگیریة: عند ابی حنیفة حکمة صیرورة العین محبوسة علی ملکہ بحیث لاتقبل النقل عن ملک الی ملک (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۲) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مایتعلق بانتقال المسجد و امتعته

ویران مسجد کا ملبہ دوسری قریبی مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

ہمارے گاؤں سے چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا جو ڈاکوؤں کی زیادتی کی وجہ سے ویران ہو چکا ہے۔ جس میں ایک مسجد بھی تھی گاؤں کے ویران ہونے کی وجہ سے مسجد بھی شہید ہو گئی جس کا ملبہ ویسے ہی پڑا ہے۔ اجڑے ہوئے گاؤں والے کہتے ہیں کہ آیا اس شہید شدہ مسجد کا ملبہ دوسری مسجد کی تعمیر میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ لوہے کو زنگ لگ جانے کی وجہ سے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

سائل ...... خیر محمد پٹھان، ضلع دادو، سندھ

الجواب

اصل یہ ہے کہ اسی مسجد کو تعمیر کر کے آباد کیا جائے اور اگر مستقبل میں اس کی امید نہ ہو تو اس کا ملبہ دوسری قریبی ضرورتمند مسجد میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔(۱) اللہ تعالیٰ ان ڈاکوؤں کو ہدایت دے

التخریج: (۱)...... لما فی الشامیة: والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل .... ولاسیما فی زماننا ، فان المسجد او غیره من رباط او حوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد .... وفی فتاوی النسفی، سئل شیخ الاسلام عن اهل قریة رحلوا وتداعی مسجدها الیٰ الخراب ، وبعض المتغلبة یستولون علی خشبة وینقلونه الی دورهم هل لواحد لاهل المحلة ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه الیٰ بعض المساجد او الیٰ هذا المسجد؟ قال "نعم" (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۵۲، کذا فی العالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۷۸) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اگر ان کے لئے ہدایت مقدر نہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی ایسے ہی برباد کردے جیسے کہ انہوں نے مسجد کو بے آباد کیا۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان
١٤١٤/٤/١٤ھ

جنات کی وجہ سے جو مسجد ویران ہو جائے اس کے سامان کا حکم:

ایک مسجد کے قریب جنات وغیرہ کی شکایت معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں لوگ نماز پڑھنا چھوڑ گئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس مسجد کا سامان وغیرہ دوسری مسجد میں لگا دیں کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

سائل ...... محمد انور، ملتان

الجواب

جانوروں وغیرہ سے اس مسجد کی حفاظت ضروری ہے اگر مسجد کا سامان چوری ہونے کا خوف ہو تو وہ سامان منتقل کر کے دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤١٤/١/٣٠ھ

---

(۱) ...... اگر واقعۃً جنات کی شکایت ہو تو کسی ماہر عاملِ جنات کی خدمات حاصل کی جائیں۔ جنات کے تسلط کو ختم کر کے اسے آباد کیا جائے۔ علاج معالجہ سے فائدہ ہو جاتا ہے اسلئے ابتداءً اسکی کوشش کی جائے۔ بصورتِ دیگر سامان منتقل کیا جائے۔

لما في الشامية: ونقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني انه سئل عن مسجد او حوض خرب، ولا يحتاج اليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي ان يصرف او قافه الى مسجد او حوض آخر؟ فقال: "نعم" ومثله

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مسجد کا سامان اگر ضائع ہو رہا ہو اسے قریبی ضرورت مند مسجد کی طرف منتقل کرنے کی گنجائش ہے:

ویران مسجد کی جگہ کا احترام باقی ہے اس میں زراعت جائز نہیں:

''رودکوہی'' کے رخ بدلنے کی وجہ سے نصف قریہ اور ایک مسجد تباہ و منہدم ہو چکے ہیں اب نصف قریہ کے منہدم شدہ مکانات کو دوسری جگہ تعمیر کیا جا رہا ہے اسی واسطے اہل قریہ دوسری مسجد تیار کرنا چاہتے ہیں کیونکہ پہلی مسجد نصف بلکہ اکثر گر چکی ہے اور باقی بھی گرنے کے قریب ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگایا جا سکتا ہے یا نہیں اگر ویسے رہنے دیا جائے تو ضائع ہونے کا خطرہ ہے نیز اول مسجد کی جگہ مسجد کے حکم میں ہی رہے گی یا حکم بدل جائیگا؟

(۲)......ایک آبادی دوسری جگہ منتقل ہو چکی ہے مکانات وغیرہ گرائے گئے ہیں صرف وہاں ایک مسجد رہ گئی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں اس کا سامان ضائع ہو رہا ہے۔ کیا اس مسجد کا سامانِ دوسری مسجد پر لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر سامان دوسری جگہ لگانا جائز ہے تو پہلی مسجد کی جگہ کاشت و زراعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... حاجی اللہ بخش، تونسہ شریف

الجواب

ہر دو سوالوں کا جواب ایک ہی ہے یعنی اگر یہ دونوں مسجدیں گر رہی ہیں اور ان کا سامان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فی البحر عن القنیة.........ولاسیما فی زماننا ، فان المسجد او غیره من رباط او حوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد.....وفی فتاوی النسفی، سئل شیخ الاسلام عن اهل قریة رحلوا وتداعی مسجدها الیٰ الخراب ، وبعض المتغلبة یستولون علی خشبة وینقلونه الی دورهم هل لواحد لاهل المحلة ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه الیٰ بعض المساجد او الیٰ هذا المسجد؟ قال "نعم" (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۵۲، کذا فی العالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۷۸)۔ فقط بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بوجہ رود کوہی یا کسی اور وجہ سے ضائع ہونے والا ہے تو اس سامان کو منتقل کر کے قریب والی مسجد محتاج میں خرچ کیا جائے۔ وہ جگہ جہاں پہلے مسجد واقع تھی وہ قابل احترام ہے اس میں کاشت وغیرہ کرنا جائز نہیں نشانات وغیرہ لگا کر بقدر استطاعت ان کی حفاظت کی جائے۔[۱]

لما فی الشامیة: والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل ...... ولاسیما فی زماننا، فان المسجد او غیرہ من رباط او حوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد ...... ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج الیٰ النقل الیه، (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ۵۵۲)............ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۷٦/۴/۱۸ھ

مسجد کی زائد از ضرورت مٹی کو فروخت کرنا یا فقراء کو ہبہ کرنا درست ہے:

ایک مسجد پختہ گنبد دار جو کہ آبادی بستی ''کھاول'' میں عرصہ ڈیڑھ سو سال سے بنی ہوئی ہے جس میں نماز جمعہ باقاعدگی سے ادا ہوتی ہے اس وقت قابل مرمت ہے جس کے فرش سے بقدر ڈیڑھ فٹ گہری شور آلود مٹی اٹھا کر دوسری نئی مٹی ڈالی جانی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس مٹی کو کہاں ڈالا جاوے کیونکہ احاطہ مسجد میں اس قدر مٹی کی گنجائش نہیں ہے آیا یہ مٹی آبادی سے دور زرعی اراضی میں گڑھا کھود کر دفن کی جاسکتی ہے؟ سائل ...... غلام علی متولی مسجد بستی کھاول

التخریج: (۱)......سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود الازوجندی عن مسجد لم یبق له قوم وخرب ما حوله واستغنی الناس عنه ھل یجوز جعله مقبرة؟ قال "لا". (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۷٠)

وفی الدر المختار: ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عندالامام والثانی ابداً الیٰ قیام الساعة، (جلد ٦، صفحہ ۵۵٠) (مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

اس تکلیف کی (کہ مٹی نکال کر گڑھا کھود کر دفن کیا جائے) کوئی ضرورت نہیں (۱) مسجد کی مٹی نکال کر اگر فروخت ہو سکے تو اس کو بیچ دینا چاہیے اور اس کے پیسے مسجد کی ضروریات میں صرف کئے جائیں اگر فروخت نہ ہو سکے تو مفت فقراء کو دے دی جائے (۲) مسجد کی مٹی اکٹھی کر لینے کے بعد محترم نہیں رہتی۔ قاضی خان میں ہے: وان مسح بتراب فی المسجد ان کان ذالک التراب مجموعاً فی ناحیةٍ غیر منبسط لاباس به وان منبسطاً مفروشاً یکره لانه بمنزلة ارض المسجد (خانیہ علی ھامش الہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۶۵)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۹/۲/۱۸ھ

مسجد کی مٹی اور پرانی اینٹیں فروخت کرنے کی اجازت ہے:

مسجد کا کوڑا کرکٹ کہاں پھینکا جائے؟

ایک مسجد کا گنبد گرایا گیا اس کے ملبے کی مٹی اور اینٹیں وغیرہ ضرورت سے زائد ہیں مٹی میں دو حصے روڑیاں ہیں وہ مٹی مسجد کے کسی کام کی نہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس مٹی کو فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص اس مٹی کو خریدے تو کیا وہ اسی مٹی کو اپنے مکان وغیرہ کے کام میں لا سکتا ہے یا نہیں اور مسجد کے پیچھے جگہ پست ہے اور بارش وغیرہ کا پانی کھڑا ہو

التخریج: (۱)...... لما فی العالمگیریة: لاحرمة لتراب المسجد اذا جمع (جلد ۵، صفحہ ۳۲۱)

(۲)...... وفی البحر الرائق: اذا رأی حشیش المسجد فرفعه انسان جاز ان لم یکن له قیمة فان کان له ادنی قیمة لایاخذه الا بعد الشراء (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۴۲۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

جاتا ہے تو کیا اس مٹی کو اگر وہاں ڈال دیا جائے تو از روئے شریعت یہ جائز ہے یا نہیں جبکہ وہ شارع عام ہے اور لوگ جانور وغیرہ وہاں سے گذارتے ہیں نیز مسجد کا کوڑا کرکٹ وغیرہ کسی اچھی جگہ پر ڈالنا مستحب ہے یا نہیں اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو کوئی گناہ تو نہیں؟

سائل ...... عبدالرحمٰن، ضلع ملتان

الجواب

جو شخص اس مٹی کو خریدے گا وہ اس کو اپنے مکان میں اور صحن وغیرہ میں استعمال کر سکتا ہے (۱)۔ اور اگر اس مٹی کو اس پست جگہ میں بچھا دیا جائے تو یہ بھی درست ہے (۲)۔ اور مسجد کے کوڑا کرکٹ وغیرہ کو جو جھاڑو دینے سے جمع ہوتا ہے ایسی جگہ پر نہیں پھینک دینا چاہیے جہاں اس کی بے حرمتی ہوتی ہو۔ لہٰذا کوئی گڑھا وغیرہ کھود کر اس میں ڈال دینا چاہیے۔ (۳) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۱/۲/۲۲ھ

مسجد کا پرانا اسپیکر بیچ کر نیا اسپیکر خریدنے کی اجازت ہے:

ایک مسجد کے لئے مسجد کے فنڈ سے لاؤڈ سپیکر خریدا گیا جو کہ دو تین سال سے چل رہا ہے آواز کچھ کم ہے اگر اس کو بیچ دیا جائے اور اس کی قیمت لے کر زائد رقم شامل کر کے نیا لاؤڈ سپیکر خرید

التخریج: (۱)......فی البحر الرائق: اذا رأی حشیش المسجد فرفعه انسان جاز ان لم یکن له قیمة فان کان له ادنی قیمة لایاخذه الا بعد الشراء (جلد۵، صفحہ۴۲۰)

(۲)......لاحرمة لتراب المسجد اذا جمع وله حرمة اذا بسط (البحر الرائق، جلد۵، صفحہ۴۱۹)

(۳)......لاترمی برایة القلم المستعمل لاحترامه کحشیش المسجد و کناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۱، صفحہ۳۵۵) (کذا فی العالمگیریہ، جلد۵، صفحہ۳۲۴) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

لیا جائے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ سائل صدر الدین شاہ، خانگڑھ

الجواب

متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتاً او داراً ثم باعها جاز اذا کانت له ولایة الشراء (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۱۷)

اس جزئیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس متولی یا کمیٹی کو مسجد کے فنڈ سے کوئی چیز خریدنے کا اختیار ہو اُسے فروخت کرنے کا بھی اختیار ہے، پس صورت مذکورہ میں لاؤڈ سپیکر ایسے متولی یا مجلسِ منتظمہ کی جانب سے فروخت کر دیا جائے تو گنجائش ہے البتہ بلاضرورت فروخت نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس کی قیمت کم وصول ہوگی اور نیا پوری قیمت میں خریدا جائے گا۔......... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

مہتمم خیر المدارس، ملتان ۷/۲/۱۳۸۹ھ

مسجد میں رکھے گئے ضرورت سے زائد قرآن کریم کو فروخت کرنا:

لوگ مسجدوں میں قرآن کریم لا کر جمع کراتے ہیں اور لوگ پڑھتے کم ہیں ویسے ہی پڑے رہتے ہیں کیا ان کو فروخت کر کے اس کے پیسوں کو مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں یا کسی مسجد میں یہ قرآن دے سکتے ہیں؟

سائل ...... سراج احمد، غلہ منڈی، شجاع آباد ملتان

الجواب

ان قرآنوں کو دوسرے کسی مدرسہ میں دینا جائز نہیں اور نہ ہی ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت کو مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔ اس لئے موجودہ قرآن پاک کو مسجد میں رکھنا اور اُن کی

حفاظت کرنا لازمی ہے۔[1] اور آئندہ کے لئے دہندگان کو سمجھایا جائے کہ وہ مسجد میں قرآن پاک جمع نہ کروائیں اور یہ اعلان ضرور کریں کہ "جو آدمی قرآنِ پاک دیگا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں استعمال کی جائے گی" تو پھر اس کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا درست ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۳/۳/۱۸ھ

مسجد کی پرانی دریاں اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسجد کا کچھ سامان ایسا ہے جو مسجد کے کسی کام نہیں آ سکتا مثلاً مسجد کی دریاں پرانی ہوگئی ہیں اور وہ مسجد کے کسی کام نہیں آ سکتیں۔ اب اگر ان دریوں کو مسجد کا متولی یا کوئی اور شخص اپنے ذاتی کاموں کے لئے استعمال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو رقم بھی دے یا نہیں؟

سائل ...... غلام حسین، ملتان

الجواب

ایسی چیزیں جو مسجد کی تعمیر میں داخل نہیں یعنی دریاں چٹائیاں وغیرہ جس وقت مسجد میں کام نہ آئیں پرانی ہو جائیں تو وہ معطی کی ملک ہو جاتیں ہیں، لہٰذا ان کی اجازت سے فروخت کر کے مسجد میں اس کا پیسہ لگایا جا سکتا ہے، اگر وہ نہ ہو تو وارث کی اجازت سے فروخت ہو سکتی ہیں۔ اگر وارث معلوم نہ ہو تو پھر اگر ایسی چیزیں مالِ وقف سے ہوں تو منتظمین مسجد فروخت کر کے مسجد پر

التخریج: (۱)...... لما فی الشامیة: لو وقف المصحف علی المسجد ای: بلا تعیین اهله قیل یقرأ فیه: ای یختص باهل المترددین الیه وقیل لا یختص به ای: فیجوز نقله الیٰ غیره وقد علمت تقویة القول الاول بما مر عن القنیة، (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۶۱، ط: رشیدیہ جدید) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

صرف کر سکتے ہیں۔

لما فی الهندية: ذکر ابو الليث فی نوازله ، حصير المسجد اذا صار خلقا واستغنى اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان كان الطارح حياً فهو له وان كان ميتاً ولم يدع له وارثاً ارجوان لاباس بان يدفع اهل المسجد الى فقير او ينتفعوا به فی شراء حصيرٍ آخر للمسجد (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۴۵۸)............... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۸/۲/۲۵ھ

(۱) مسجد کی نا قابل انتفاع اور نا قابل فروخت اشیاء پھینکنے کی اجازت ہے:

(۲) ایک مسجد کی اشیاء دوسری مسجد میں استعمال کرنا:

(۱)......زید مسجد کے بوسیدہ شہتیر لینا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب نئی مسجد تعمیر ہوگی تو میں شہتیر لے کر دوں گا۔ آیا اس صورت میں زید کے لئے مسجد کے بوسیدہ شہتیر لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)......ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... مختار احمد

الجواب

(۱)......اگر وہ شہتیر وغیرہ مسجد کے کام کے نہ ہوں تو ان کو فروخت کر کے ان پیسوں کو مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر مسجد کی کوئی چیز قابل فروخت بھی نہ ہو تو اس کو ویسے بھی پھینک سکتے ہیں۔ حشيش المسجد اذا اخرج عن المسجد ايام الربيع ان لم يكن له قيمة لاباسِ بطرحه خارج المسجد. ولاباس بدفعه

والانتفاع به (خلاصۃ الفتاویٰ، جلد ۴، صفحہ ۴۲۵)

(۲)......جائز نہیں ہے۔ قال الشامیؒ: الفتویٰ علیٰ انّ المسجد لایعود میراثاً، ولایجوز نقله ونقل ماله الیٰ مسجد آخر (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ۵۵۱)...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۵/۱/۳۰ھ

مسجد کی چٹائیاں قوالی کی محفل کیلئے لے جانا:

ایک شخص نے مسجد کی چٹائیاں بلا اجازت اٹھا کر قوالی کے لئے فرش بنایا اور ان پر حقہ سگریٹ نوشی کی اور کھینچا تانی سے ان کو خراب کر دیا گیا۔ کیا اس پر شرعاً مواخذہ ہے؟ نیز ان چٹائیوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عباس

الجواب

مسجد کی چیز کو مسجد کے علاوہ دوسرے کاموں میں استعمال کرنا خصوصاً ایسے منکرات جس میں قوالی، حقہ اور سگریٹ نوشی بھی ہوتی ہو اور ایسی صورت میں جبکہ ان کو خراب بھی کر دیا گیا ہو حرام اور گناہ ہے[۱] جس سے روکنا ضروری ہے شریعت میں اس پر ضمان واجب ہے چٹائیاں اگر نجس ہو چکی ہوں تو ان کو دھونا بھی ضروری ہے اور اگر نجس نہ ہوئی ہوں تو ان کو اسی طرح استعمال کر سکتے ہیں

التخریج: (۱)......متولی المسجد لیس له ان یحمل سراج المسجد الیٰ بیته (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۶۲)
وفیه ایضاً: لایحمل الرجل سراج المسجد الی بیته (جلد ۱، صفحہ ۱۱۰) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مگر احتیاط دھو لینے میں ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج مدخل جلد ۲، صفحہ ۱۵۴ میں لکھتے ہیں: قالت الحنفية الحواشي يرقص عليها لايصلىٰ عليها .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۶۹/۱/۱ھ

ما یتعلق باموال المسجد

مسجد کے چندہ میں تبدیلی کرنا، یا اپنی ضرورت میں خرچ کر کے لوٹا دینا کیسا ہے؟

مسجد کے متولی کے پاس اگر چندہ کے پیسے ہوں اور روپیہ کو تبدیل کرے تو کیسا ہے؟

سائل ...... مولوی شیرزادہ

الجواب

متولی کیلئے مسجد کا چندہ اپنے استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں، البتہ اگر کسی مجبوری کی بناء پر مالِ مسجد صرف کرلے پھر اپنے مال سے اس میں جمع کرے تو ضمان سے بری ہوگا۔

لمافی فتح القدیر: ولو انفق دراھم الوقف فی حاجۃ نفسہٖ ثم انفق من مالہٖ .... فی الوقف جاز ویبرأ عن الضمان (جلد۵، صفحہ۴۵۰)(۱) ....فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیرالمدارس، ملتان

۱/۳/۱۴۱۶ھ

التخریج: (۱)...... ولما فی العالمگیریۃ: ولو اراد ان یصرف فضل الغلۃ الی حوائجہ علی ان یردّہ اذا احتیج الی العمارۃ فلیس لہ ذالک وینبغی ان یتنزہ غایۃ التنزۃ فان فعل مع ذالک ثم انفق مثل ذلک فی العمارۃ اجزت ان یکون ذالک تبرینا لہ عما وجب علیہ وفی فتاویٰ الفضلی انہ یبرأ عن الضمان مطلقاً (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۴۹۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد کے فنڈ سے تجارت کرنا یا بطور قرض لینا، دینا کیسا ہے؟

زید ہماری مسجد کا خزانچی اپنے پاس مسجد کی رقم بطور امانت رکھنے کیلئے تیار نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ''میں سرکاری آدمی ہوں پیسہ ادھر اُدھر استعمال ہوتا رہتا ہے میرے لئے رقم بطور امانت رکھنا مشکل ہے ہاں اگر مسجد کی کمیٹی یہ رقم بطور قرض دیدے تو مسجد کو جب اور جتنی ضرورت ہو گی دیتا رہوں گا'' مسجد کی انتظامیہ کو زید پر اعتماد ہے ایسی صورت میں انتظامیہ کمیٹی مسجد کی رقم زید کو بطور قرض دے سکتی ہے؟ اگر ایسا کرنا جائز نہ ہو تو متبادل صورت کیا ہو سکتی ہے؟ کیونکہ عموماً ہر ساتھی یہ رقم بطور امانت رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

سائل ...... غلام مصطفیٰ، ڈیرہ غازی خان

الجواب

مسجد کا فنڈ بینک میں جمع کیا جائے، کھاتہ دو یا تین معتمد ساتھیوں کے نام ہو۔ عند الضرورت بینک سے نکلوالیا جائے۔ لمافی الهداية: **وان اقرض الوصی ضمن لانه لایقدر علی الاستخراج** (ہدایہ، جلد۳، صفحہ۱۴۳)

خزانچی کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ **ولو اراد ان یصرف فضل الغلة الی حوائجه علی ان یرده اذا احتیج الی العمارة فلیس له ذالک وینبغی ان یتنزه غاية التنزه** (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۴۹۰)

اور مضاربت پر دینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ نقصان اور ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۸/۵/۱۴۲۱ھ

(۱) : متولی مسجد کی رقم بطور قرض نہیں دے سکتا:

(۲) : مسجد کے چندہ سے امام وخطیب کو تنخواہ دینا جائز ہے:

(۱)......ایک آدمی کے پاس مسجد کا فنڈ ہے اور مسجد کا انتظام بھی اس کے پاس ہے کیا مسجد کے فنڈ سے بطور قرضہ اپنی ضروریات میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور کسی ضرورت مند کو مسجد کے فنڈ سے قرضہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲)......جمعۃ المبارک اور عیدین کے موقع پر مسجد کے نام پر جو چندہ کیا جاتا ہے آیا اس چندہ میں سے خطیب صاحب کی خدمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں

سائل ......مسعود الرحمٰن، ملتان

الجواب

(۱)......مسجد کا متولی یا خزانچی مسجد کے فنڈ سے نہ خود بطور قرض خرچ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور کو بطور قرض دے سکتا ہے۔ لما فی البحر الرائق: لیس للمتولی ایداع مال الوقف والمسجد .... ولا اقراضه فلو اقرضه ضمن، وکذا المستقرض (جلد۵، صفحہ۴۰۱)

(۲)......مسجد کا چندہ مسجد کی ضروریات کے لئے ہوتا ہے اور امام اور خطیب مسجد کی ضرورت ہیں، لہٰذا ان حضرات کی خدمت کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ لما فی البحر الرائق: لو وقف علی مصالح المسجد یجوز دفع غلته الی الامام والمؤذن والقیم (جلد۵، صفحہ۳۵۴)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۱/۱۴ھ

اگر متولی نے مسجد کا مال قرض پر دیا تو اس کی ضمان متولی پر ہے:

انتظامیہ مسجد کا قرض معاف کرنے کی شرعاً مجاز نہیں:

ایک متولی مسجد نے ایک شخص کو مسجد کی رقم سے کچھ قرض دیا، لیکن اب وہ شخص قرض ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا متولی مسجد نے کمیٹی سے درخواست کی ہے کہ چونکہ یہ شخص غریب ہے اور ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا اس لئے اس کو مسجد کی رقم معاف کر دی جائے۔ کیا شرعاً متولی اور کمیٹی کے ممبر متفقہ طور پر یہ قرض معاف کرنے کے شرعاً مجاز ہیں یا نہیں؟

سائل ...... محمد اشرف، ٹبہ سلطان پور

الجواب

اولاً تو مسجد کی رقم کسی کو قرض دینا غیر قاضی کے لئے درست ہی نہیں، ثانیاً عدم استطاعت کی وجہ سے انتظامیہ کمیٹی معاف کرنے کی شرعاً مجاز نہیں۔ لما فی البحر الرائق: لیس للمتولی ایداع مال الوقف والمسجد .... ولاإقراضه فلواقرضه ضمن، وکذا المستقرض (جلد ۵، صفحہ ۴۰۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۱/۳ھ

متولی مسجد کا فنڈ بطور قرض نہ خود خرچ کر سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو قرض دینے کا مجاز ہے:

مسجد کا خزانچی مسجد کے فنڈ سے کسی معتمد علیہ شخص کو قرض اس شرط پر کہ "جب بھی مسجد کی تعمیر ہوئی واپس دیگا" دے سکتا ہے؟ یا اسی طرح خود خرچ کر سکتا ہے؟

سائل ...... احمد حسن خان، رشید آباد، ملتان

الجواب

خزانچی مسجد کے فنڈ میں سے اپنی ضرورت کے لئے قرض نہیں لے سکتا اور نہ ہی کسی دوسرے شخص کو مسجد کی رقم سے قرض دے سکتا ہے خزانچی کو شرعاً یہ اختیار نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۲/۱۰/۱۴ھ

اگر متولی اپنی ذاتی رقم مسجد کی ضروریات میں رجوع کی نیت سے خرچ کرے تو مسجد کے فنڈ سے لینے کا شرعاً مجاز ہے:

زید مسجد کا متولی ہے بعض اوقات مسجد کی ضروریات کے لئے کوئی چیز خریدنی پڑتی ہے یا بجلی کے بل کی ادائیگی کرنی پڑتی ہے یا تعمیر وغیرہ پر خرچ کرنا ہوتا ہے، لیکن مسجد کا چندہ اس کے لئے ناکافی ہوتا ہے تو زید اپنی جیب سے اس خیال سے خرچ کر دیتا ہے کہ آئندہ مسجد کے چندہ سے واپس لے لوں گا۔ شریعت کی رو سے بتایا جائے کیا زید کا یہ عمل صحیح ہے اور کیا زید وہ رقم واپس لے سکتا ہے جس قدر اس نے اپنی جیب سے شامل کی ہے؟

سائل ...... محمد اشرف، وہاڑی

الجواب

اگر متولی نے واپس لینے کی غرض سے اپنا ذاتی روپیہ خرچ کیا تو اس صورت میں رجوع

التخریج: (۱)...... لما فی البحر الرائق: ان القیم لیس له اقراض مال المسجد ، قال فی جامع الفصولین: لیس للمتولی ایداع مال الوقف والمسجد...... ولا اقراضه فلو اقرضه ضمن وکذا المستقرض (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۴۰۱) (مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔لما فی الشامیة: ان الناظر اذا انفق من مال نفسه علی عمارة الوقف لیرجع فی غلته له الرجوع دیانة (الخ) (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۷۵، ط: رشیدیہ جدید)

وفیه ایضاً: اما لو کان فی یده شئ فاشتری للوقف من مال نفسه ینبغی ان یرجع ولو بلاامر قاض (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۷۵)........................ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۰/۵/۱۴۲۴ھ

مسجد یا مدرسہ کا قرض عمومی چندہ سے اتارنا:

(۱)......ایک شخص قرض لے کر مسجد کے لئے زمین خریدتا ہے اور مسجد کے لئے زمین کو وقف کر دیتا ہے۔اب آئندہ مسجد کے لئے جو چندہ جمع ہوگا اس سے قرض ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)......ایسے ہی اگر کوئی شخص زمین رہن رکھ کر مسجد کی زمین خرید لے بعد میں مسجد کے چندہ سے مرہونہ زمین کو چھڑوا سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد رشید احمد، میاں چنوں

الجواب

(۱)......صورت مسئولہ میں شخص مذکور نے اگر انفرادی طور پر قرض لے کر مسجد کے لئے زمین وقف کی ہے تو اب جو آئندہ چندہ جمع ہوگا اس سے یہ قرض ادا کرنا جائز نہیں۔البتہ اس صورت میں کہ مذکور شخص چندہ جمع کرتے وقت چندہ دہندگان سے یہ بات ظاہر کر دے کہ میں نے قرض لے کر مسجد کے لئے زمین خریدی ہے اب میں مقروض ہو چکا ہوں آپ حضرات مجھے چندہ دیں تاکہ میں قرض کے بوجھ سے سبکدوش ہو سکوں۔اس تصریح کے ساتھ جو چندہ ملے اس سے ادائیگی قرض جائز ہے اور اگر اس

شخص نے انفرادی طور پر بذات خود قرض نہیں لیا بلکہ ایک انجمن اور شوریٰ کے ماتحت اس نے سب کی رائے سے یہ کاروائی کی کہ قرض لے کر زمین خرید کر وقف کر دی تو بھی انجمن کو اس تصریحات کے ساتھ چندہ جمع کرنا چاہیے کہ انجمن تعمیر مسجد کے سلسلہ میں مقروض ہے، لہٰذا انجمن کو لوگ چندہ دیں تاکہ انجمن کے تعمیری کاموں میں ترقی ہو اور قرضہ مرتفع ہو۔ واضح رہے کہ بغیر ان تصریحات کے جو چندہ تعمیر کے لئے جمع ہوگا اس سے سابقہ قرضہ ادا کرنا جائز نہ ہوگا۔[1]

(٢)...... اس باب میں بھی اسی تصریح اور تفصیل کے ساتھ مرہونہ زمین کو فک کروایا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۰/۴/۲۱ھ

جس مقصد کے لئے چندہ کیا گیا ہے اسی مقصد پر خرچ کیا جائے:

مسجد کے لئے برآمدہ تعمیر کرنے کے لئے بعض احباب نے رقم دی، مگر بعد میں تعمیرِ برآمدہ کی رائے بدل گئی، لہٰذا وہ رقم ایک صاحب کے پاس بطور امانت ابھی تک موجود ہے، رقم دینے والے حضرات انتقال کر چکے ہیں۔ آیا یہ رقم مسجد کے لئے وقف مکان کی تعمیر میں خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... بشیر احمد، ملتان

التخریج: (۱)...... لمافی الشامیة: ان الناظر اذا انفق من مالِ نفسه علیٰ عمارة الوقف لیرجع فی غلته، له الرجوع دیانةً، لکن لو ادّعیٰ ذٰلک لایقبل منه، بل لابدان یشهدانه انفق لیرجع (شامیہ، جلد ٦ صفحہ ٦٧٥)

وفی العالمگیریة...... المتولی اذا اراد ان یستدین علی الوقف لیجعل ذالک فی ثمن الرهن فان کان بامر القاضی یملک ذالک والا فلا (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۲۴) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

جس مقصد کے لئے چندہ لیا گیا ہے اور دینے والوں نے دیا ہے اسی مقصد میں وہ روپیہ خرچ کیا جائے دوسرے مقصد میں اس کو خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔ (١) لہٰذا اس روپیہ سے مسجد کا ہی کوئی کام کیا جائے۔ مکان یا کسی اور کام میں روپیہ خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، جلد ١٢، صفحہ ٢٦٣)

البتہ اگر چندہ دہندگان معلوم ہوں تو ان کی اجازت سے مذکور فی السوال کاموں میں ان کا خرچ کرنا درست ہے۔.................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤٢٤/٤/١٤ھ

کسی خاص مقصد کے لئے جمع شدہ چندہ کو دوسرے مصرف میں خرچ کرنے کیلئے چندہ دہندگان کی اجازت ضروری ہے:

شامیانہ کے لئے چندہ کیا گیا لیکن تھوڑا ہے۔ کیا اس کو کسی اور ضرورت میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا مزید ملا کر شامیانہ ہی خریدا جائے؟

سائل ...... محمد حسین، موتی مسجد، لیہ

الجواب

مزید چندہ جمع کر کے شامیانہ خریدا جائے۔ دوسری جگہ خرچ کرنے کے لئے تمام چندہ

التخریج: (١)......انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٦٨٣)

وفي فتح القدير: واذا كان (الوقف) على عمارة المسجد لايشترىٰ منه الزيت والحصير ولايصرف للزينة والشرفات ويضمن ان فعل (جلد ٥، صفحہ ٥٤٠) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

دہندگان سے اجازت لینا ضروری ہے۔(۱)..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۴/۱۲/۲۷ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

مسجد کو رنگ روغن کرنے کیلئے لیا گیا چندہ متولیوں نے بیت الخلاء پر لگا دیا تو ان پر ضمان واجب ہے:

مسجد کے رنگ کے لئے چندہ جمع کیا گیا اور معاونین حضرات نے بھی خاص مسجد کے رنگ وروغن کے لئے چندہ دیا تھا پھر مسجد کے متولی حضرات نے اس جمع شدہ رقم سے مسجد کے بیت الخلاء تعمیر کرائے۔ کیا معاونین حضرات نے جو رقم خاص رنگ کے لئے دی ہے اس کا استعمال متولی حضرات کے لئے بیت الخلاء کی تعمیر میں خرچ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اس کی ضمان متولی حضرات پر آئے گی یا نہیں؟

سائل ...... مولوی شکیل احمد، جلہ آرائیں

الجواب

صورت مسئولہ میں چندہ جس مصرف کے لئے دیا گیا ہے اس میں استعمال کرنا چاہیے۔ غیر مصرف میں اس چندہ کے استعمال کرنے کی وجہ سے متولیان پر ضمان آئے گا۔ اگر چندہ دینے والوں کی اجازت سے کیا ہو تو گنجائش ہے۔ ان الوقف علیٰ عمارة المسجد ومصالح المسجد

التخریج: (۱)......انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٦٨٣)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

سواءً، واذا كان علىٰ عمارة المسجد لايشترى منه الزيت والحصير ولايصرف منه للزينة والشرفات ويضمن ان فعل (فتح القدیر، جلد ۵، صفحہ ۴۵۰)...........فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤٢٦/٤/١ھ

مسجد کے فنڈ سے جلسہ کروانا کیسا ہے؟

مسجد کے فنڈ سے دینی جلسہ کیلئے اشتہار چھپوا سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح جس عالم کو بلا رہے ہیں اس کو فیس یعنی تقریر کرنے کا معاوضہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل......علی فراز، ڈیرہ غازی خان

الجواب

جلسہ کی ضرورت کیلئے مستقل چندہ کیا جائے، مسجد کا وقف مال خرچ نہ کیا جائے، بالخصوص جبکہ جلسہ کا مسجد کو کوئی مفاد نہ ہو۔ لما فی الشامیہ: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (جلد ٦، صفحہ ٦٨٣)

مدارس کیلئے تو جلسہ مفید ثابت ہوتا ہے اسلئے تملیکِ شرعی کے بعد بقدرِ ضرورت خرچ کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔..........................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤٢٦/٢/٢٤ھ

مسجد کے فنڈ سے جلسہ کروایا گیا تو منتظمین پر اسکی ضمان لازم ہے:

ایک علاقے میں مسجد کے اندر ایک جلسہ منعقد ہوا، بڑے بڑے واعظ اور نعت خواں بلائے گئے اور جلسہ میں روشنی اور سپیکر وغیرہ کا انتظام مسجد کے فنڈ سے کیا گیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا مسجد کے فنڈ سے کسی اصلاحی جلسے وغیرہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟ اور مسجد کی بجلی استعمال کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... سید عبدالرحمٰن، سرگودھا

الجواب

مسجد کا فنڈ ضروریات مسجد کے لئے وقف ہوتا ہے اسے کسی دوسری غرض کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۸۳)

غیر مصرف پر خرچ کرنا موجب ضمان ہوتا ہے، لہٰذا اس جلسہ پر مسجد کے فنڈ سے جو کچھ خرچ کیا گیا اس کی ضمان منتظمین اپنی جیب سے ادا کریں۔ وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض (شامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۲۰)

وفي فتح القدير: واذا كان (الوقف) علىٰ عمارة المسجد لايشترىٰ منه الزيت والحصير ولايصرف للزينة والشرفات ويضمن ان فعل (جلد ۵، صفحہ ۵۴۰)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۹/ ۷/ ۱۴۲۹ھ

مسجد کے فنڈ سے مسجد کے غسل خانے بنانے کا حکم:

مسجد کی رقم سے مسجد کے صحن، فرش اور غسل خانے وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... حافظ جلیل احمد، فیصل آباد

الجواب

مسجد کی رقم سے مسجد کا صحن وفرش بنانا جائز ہے کیونکہ یہ بھی مسجد ہے۔

لما فی البحر: والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته..........ثم ما هو اقرب الیٰ العمارة (الخ) (البحر الرائق، جلد۵، صفحہ ۳۵۶)

البتہ غسل خانے وغیرہ بنانے کو ''فتاوی محمودیہ'' میں جائز لکھا ہے۔ (جلد ۱۵، صفحہ ۲۲۶)

مگر ''احسن الفتاویٰ'' میں اس کو ناجائز لکھا ہے۔ (جلد ٦، صفحہ ۴٦۴)

لہٰذا اس کے لئے مستقل چندہ کیا جائے۔.................. فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۱/۱۱/۱۴۲۲ھ

مسجد کے عمومی چندہ سے بیت الخلاء بنانے کی اجازت ہے:

مسجد کے چندہ سے مسجد کی لیٹرینیں اور غسل خانے وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک آدمی کہتا ہے کہ مسجد کی لیٹرینیں اور غسل خانے کسی حرام کے پیسے سے بنانے چاہییں۔ مثلاً سود کا پیسہ ہو یا اور کوئی حرام آمدنی کا پیسہ ہو مسجد کے پیسے میں یہ لیٹرینیں وغیرہ نہیں بنا سکتے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

سائل ...... محمد خاں، کوٹ ادو

الجواب

بعض علماء کے نزدیک مسجد کے چندہ سے مسجد کے لئے بیت الخلاء بنانا جائز

ہے۔[1] (فتاوی محمودیہ، جلد ۱۵، صفحہ ۲۲۶)

اور آدمی کا یہ کہنا کہ حرام مال سے لیٹرین اور غسل خانے بنانا چاہیے یہ درست نہیں ہے۔[2] .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۹/۷/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

مسجد کے فنڈ سے گندے پانی کو کھپانے کیلئے کنواں بنانا:

مسجد کے غسل خانوں اور طہارت خانوں اور وضوء کا پانی نکل کر باہر جمع ہوتا ہے اور راستے کے متصل ہی پینے کا تالاب ہے اس پانی سے راستہ چلنے والوں کے کپڑوں کے آلودہ ہونے کا اور اس سے چھینٹے اڑ کر اس تالاب میں پڑنے کا خطرہ ہے۔ کیا اس صورت میں مسجد کے چندہ سے اس گندے پانی کو ختم کرنے کیلئے کنواں بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ سائل ...... خلیل احمد

الجواب

اسی مقصد کیلئے مستقل چندہ کر کے یہ کام سرانجام دیا جائے۔[3] فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۱/۱/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

التخریج: (۱)......ویبدأمن غلته بعمارته، ثم ماهو اقرب لعمارته كامام مسجد ومدرس ...... ثم السراج والبساط كذالک الى آخر المصالح (الدر المختار، جلد ٦، صفحہ ۵٦۲، کذا فی البحر الرائق، جلد ۵، ۳۵٦)

(۲) ......قال تاج الشريعة: اما لوانفق فى ذالک مالا خبيثا .... فيكره لان الله تعالىٰ لايقبل الاالطيب (شامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۲۰)۔

(۳)......انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٦۸۳) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد کی ضروریات سے زائد فنڈ کو مدرسہ کے اخراجات میں استعمال کرنا:

چند سال ہو چکے ہیں کہ ایک شخص نے ساڑھے چھ ایکڑ زمین زرعی مسجد کے لئے وقف کی اور بعد میں وہ فوت ہو گیا جس کی آمدنی سے بفضلہٖ تعالیٰ وہ مسجد شریف ہر لحاظ سے تیار ہے۔ اب کوئی قابل ذکر خرچ نہ ہوگا علاوہ ازیں متفرق آمدنی بھی ہوتی ہے اس وقت مبلغ ۳۵ ہزار روپے بچت ہے اور سالانہ اس زمین کی آمدنی ۷۰ ہزار روپے آتی ہے جبکہ اس مسجد کی جماعت نے ایک دینی مدرسہ کی تعمیرات وغیرہ کا کام شروع کر رکھا ہے جس کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے اور اخراجات لاکھوں تک ہوں گے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ باتفاقِ انتظامیہ مسجد، مذکورہ مدرسہ کے اخراجات کے لئے مسجد کی رقم خرچ کرنا کیسا ہے؟

سائل ...... محمد عبدالکریم نیاز، اشرف المدارس، رحیم یار خان

الجواب

جن صاحب نے مسجد کے لئے زرعی زمین وقف کی تھی اگر وقف کے وقت انہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ جو روپیہ مسجد کے خرچ سے زائد ہو وہ کسی اسلامی مدرسہ میں یا کسی اور مصرفِ خیر میں صرف کیا جائے تب تو یہ زائد روپیہ مدرسہ پر صرف ہو سکتا ہے اور اگر بوقتِ وقف یہ شرط نہیں کی گئی تو پھر مسجد کا فاضل روپیہ کسی مدرسہ پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ وفی النوازل سئل ابوبکر عن رجل وقف داراً علی مسجد علی ان ما فضل من عمارته فهو للفقراء فاجتمعت الغلة والمسجد لایحتاج الیٰ العمارة هل تصرف للفقراء؟ قال: لاتصرف الی الفقراء وان اجتمعت غلة كثيرة لانه يجوز ان يحدث للمسجد حدث والدار بحال لاتغل قال الفقيه سئل ابوجعفر عن هذه المسئلة فاجاب هكذا ولكن الاختيار عندی انه اذا علم انه قداحتيج من الغلة مقدار ما لو احتاج المسجد والدار الی العمارة امكن العمارة

منها صرف الزيادة على الفقراء على ما شرط الواقف انتهى (الاشباہ، صفحہ۲۵۳)

(ماخوذ از امداد المفتیین، جلد۲، صفحہ۴۶۱)............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء، خیر المدارس، ملتان ۱۴۱۸/۴/۱۴ھ

مسجد میں قائم مستقل مدرسہ پر مسجد کے فنڈ سے خرچ نہ کیا جائے:

(۱)......ایک مدرسہ میں ایک استاذ اور ایک استانی کو حفظ قرآن کے لئے رکھا گیا ہے اور ان دونوں کی تنخواہ مسجد کی آمدنی سے دیجاتی ہے یہ روپیہ بطور قرض کے لیا جاتا ہے لیکن اس قرض کی ادائیگی کے اسباب نہ تو فی الحال مدرسہ کی انتظامیہ کے پاس موجود ہیں اور نہ ہی آئندہ انتظامیہ والے قرض کو ادا کرنے کی کوئی صورت یا کوئی سبب اپنانے والے ہیں بلکہ اس ادائیگی کے بارے میں شاید کبھی سوچا بھی نہیں ہے یہ بات بھی یاد رہے کہ ناظرہ قرآن پڑھانے کے لئے مسجد کے امام وخطیب الگ موجود ہیں، لہٰذا یہ بتائیں کہ یہ روپیہ لینا ان صورتوں کے ہوتے ہوئے جائز ہے یا ناجائز؟

(۲)......مدرسہ کے مدرس اور استانی کو بھی علم ہے کہ گاؤں والے ہماری تنخواہ مسجد ہی کے پیسے سے ادا کرتے ہیں اور یہ بھی علم ہے کہ انتظامیہ والوں کے پاس مدرسہ کی آمدنی کا ذریعہ سوائے اس کے کوئی نہیں کہ وہ مسجد کا روپیہ پیسہ ہم پر خرچ کرتے رہیں۔ آیا ان دونوں کو ایسے روپے پیسے سے تنخواہ لینا کیسا ہے، اور یہ بات بھی یاد رہے کہ آس پاس شہر میں بے شمار مدرسے ہیں وہاں بخوبی حفظِ قرآن کی تعلیم کا کام ہو رہا ہے۔ تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں۔

سائل...... شہزاد احمد

الجواب

جب مدرسہ مستقل ہے تو اس میں مسجد کا چندہ صرف کرنا شرعاً جائز نہیں۔

لما فی الدرالمختار: وان اختلف احد هما بان بنیٰ رجلان مسجدین اورجل مسجداًومدرسة ووقف علیهما اوقافاً لایجوزله ذلک (ای لا یجوزله ان یصرف من فاضل غلة احدهما علی الآخر) (درمختار، جلد۶، صفحہ۵۵۳)

ایسے ہی مسجد کی انتظامیہ کا مسجد کی وقف رقم سے قرض دینا بھی درست نہیں بالخصوص جبکہ وصولی کا امکان بھی معدوم ہو اسی وجہ سے مسجد اور مدرسہ کے فنڈ سے کسی کو قرضہ دینا جائز نہیں۔

لما فی البحرالرائق: ان القیم لیس له اقراض مال المسجد .... لیس للمتولی ایداع مال الوقف والمسجد ...... ولااقراضه، فلو اقرضه ضمن، وکذا المستقرض (البحرالرائق، جلد۵، صفحہ۴۰۱)

مدرسہ کی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ مدرسہ کے لئے الگ فنڈ قائم کریں اور اس سے تنخواہ دیں مدرسہ میں حفظ کا کام جاری رہنا چاہیے سب مل جل کر مدرسہ چلائیں اور مدرسہ کے فنڈ کو مستحکم کریں۔.............................. فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۱۲/۲۶ھ

جو مدرسہ مسجد کے تابع ہو حساب کتاب الگ نہ ہو اس پر مسجد کے فنڈ سے خرچ کر سکتے ہیں:

مدرسہ اگر مسجد کے تابع ہو تو مسجد کی اشیاء اور فنڈ مدرسہ میں استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اور اگر مسجد مدرسہ کے تابع ہو تو مدرسہ کی اشیاء اور فنڈ مسجد میں استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... کریم بخش، احمد پور شرقیہ

الجواب

اگر مسجد و مدرسہ کا حساب کتاب الگ الگ نہیں بلکہ ایک دوسرے کے تابع ہیں اور چندہ بھی مشترکہ ہوتا ہے تو ایک کا فنڈ دوسرے پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۹/۱/۲۸ھ

ذیلی مدرسہ پر مسجد کے فنڈ سے خرچ کرنا کیسا ہے؟

مسجد کمیٹی کی رائے ہے کہ مسجد کی آمدنی سے کچھ حصہ مسجد انتظامیہ کے زیر انتظام جو مدرسہ ہے اس پر خرچ کر دیا جائے۔ کیا اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... توصیف امجد، خان بیلہ

الجواب

لوگوں کو مطلع کر دیا جائے کہ یہ مسجد و مدرسہ ایک ہی ہیں یعنی مدرسہ مسجد کا جزو ہے ان کی آمدنی و خرچ ایک ہی ہے اس کے بعد جو چندہ آئے وہ حسب ضرورت دونوں پر استعمال کرنا جائز ہے[1]......................... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۱/۳/۲۸ھ

التخریج: (۱)......انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۸۳)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد کے درختوں سے مدرسہ کے اخراجات پورے کرنا:

مسجد کے اندر درخت ہیں ان کو فروخت کر کے مدرسہ کے اخراجات پر لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد زاہد، جان محمد کالونی، ملتان

الجواب

سئل نجم الدين عن رجل غرس تالة في مسجد فكبرت بعد سنين فاراد متولي المسجد ان يصرف هذه الشجرة الى عمارة بئر في هذه السكة والغارس يقول هي لي فاني ما وقفتها على المسجد قال الظاهر ان الغارس جعلها للمسجد فلايجوز صرفها الىٰ البئر ولايجوز للغارس صرفها الىٰ حاجة نفسه كذا في المحيط (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۴۷۷)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ یہ درخت اگر فروخت کر دیئے گئے تو ان کی قیمت مدرسہ کی کتب اور طلباء کرام کے لباس وخوراک میں خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۵/۷/۳ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

مسجد کے فنڈ سے مدرسہ کیلئے اور مدرسہ کے فنڈ سے مسجد کیلئے قرض لینا کیسا ہے؟

کسی مدرسہ دینیہ کا ملک شدہ روپیہ مسجد پر یا مسجد کا روپیہ مدرسہ پر بطور قرض حسنہ کے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عباس، میانوالی

الجواب

مسجد کا روپیہ مدرسہ پر اسی طرح مدرسہ کا روپیہ مسجد پر بطور قرضِ حسنہ جبکہ قرض کی ادائیگی یقینی

ہو استعمال کرنے کی گنجائش ہے [۱]..................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۳/۱۱/۱۳۸۸ھ

خطیب یا امام اگرچہ خود متولی ہو تنخواہ لے سکتا ہے:

ہماری جامع مسجد میں ایک خطیب مقرر ہے لیکن وہ اسی مسجد کا متولی بھی ہے اور تنخواہ وغیرہ بھی نہیں لیتا، نیز مسجد کا چندہ بھی اس کے پاس ہوتا ہے، ہماری اس مسجد کی کوئی کمیٹی وغیرہ نہیں ہے اگر وہ خطیب اس چندہ میں سے کچھ رقم بطور جمعہ پڑھائی حاصل کرلے تو اس کے لئے یہ جائز ہے یا نہیں اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟

سائل ...... قاضی غلام مصطفیٰ، ڈیرہ غازی خاں

الجواب

خطیب و امام اگرچہ متولی ہو وہ تنخواہ لے سکتا ہے۔ لما فی البحر: لو وقف علی مصالح المسجد یجوز دفع غلته الیٰ الامام والمؤذن والقیم (جلد ۵، صفحہ ۳۵۴)

وفیه ایضاً: وقوله "الیٰ آخر المصالح" ای مصالح المسجد فیدخل المؤذن والناظر لاناقد منا انهم من المصالح، وقدمنا ان الخطیب داخل تحت الامام لانه امام الجامع (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۳۵۹)

لیکن تنخواہ کا تعین کسی اور سے کرایا جائے جو خدمات اور آمد کا جائزہ لے کر تنخواہ متعین

التخریج: (۱)......وذکران القیم لو اقرض مال المسجد لیأخذ ہ عندالحاجة وھو احرز من امساکه فلاباس به (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۴۰۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کرے، نیز مالیات کے شعبہ میں ایک دو مخلص ساتھیوں کو ساتھ رکھنا چاہیے تا کہ تہمت اور نفس کی شرارت سے حفاظت رہے۔............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۶/۲۸ھ

مسجد کے عمومی چندہ سے امام وخطیب کو تنخواہ دینا جائز ہے:

(۱)......مسجد کی وقفِ املاک کی آمدنی سے امام مسجد، مدرس، خطیب، کو تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲)......آیا چندہ سے حاصل شدہ فنڈ سے مذکورہ حضرات کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عبداللہ، خانیوال

الجواب

جس چندہ کے متعلق دینے والے نے مسجد کی خاص مد میں خرچ کرنے کی قید نہ لگائی ہو اس چندہ اور اوقاف مسجد میں سے امام مسجد و مدرس کو تنخواہ دینا جائز ہے۔ الذی یبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف ام لا، ثم ما هو اقرب الی العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة، یصرف الیهم قدر کفایتهم. (الاشباہ والنظائر، صفحہ ۱۹۸) ....فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۶/۳/۱۱ھ

مسجد کیلئے وقف زمین کی آمدنی سے امام کو تنخواہ دینا جائز ہے:

ایک آدمی لاولد نے اپنی زمین کا چوتھائی حصہ مسجد کے لئے دیا تا کہ اس سے مسجد کے اخراجات پورے کئے جاسکیں۔ اب امام ایک غریب آدمی ہے جس کو مقتدی کچھ نہیں دیتے۔ کیا اس رقبہ کی آمدنی سے امام لے سکتا ہے؟

سائل ...... عبدالمجید کراڑی، کوٹ میانوالی

الجواب

اہلِ محلہ اگر اس زمین کی آمدنی امام مسجد کو دینا چاہیں تو امام اس کی آمدنی اپنے استعمال میں لاسکتا ہے(۱)......................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳/۳/۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

امام و مؤذن کی تنخواہ کا معیار مقرر کرنے میں کن چیزوں کو ملحوظ رکھا جائے؟

(۱)...... ایک مسجد کی کمیٹی جس کو سال کے اختتام پر امام اور مؤذن کی تنخواہ بڑھانی پڑتی ہے چونکہ کمیٹی بھی اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ کسی کی حق تلفی نہ کرے اور نہ ہی مسجد کے مال کا اسراف کرے اس لئے از روئے شریعت اس کے کسی اصول، ضابطہ اور معیار سے آگاہ فرمائیں تا کہ اس کی روشنی میں یہ فرض ادا کیا جاتا رہے۔ بعض دفعہ اہل کمیٹی دوسری مساجد کے امام اور مؤذن کی تنخواہوں کو معیار قرار دیتے ہیں حالانکہ خود ان کی کمیٹیاں بھی کسی شرعی ضابطہ سے واقف نہیں ہوتیں۔ اس طرح اگر اہل

التخریج: (۱)...... لما فی البحر الرائق: لووقف علیٰ مصالح المسجد یجوز دفع غلته الیٰ الامام والمؤذن والقیم (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۳۵۴) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کمیٹی اپنی دوکانوں کے ملازمین کی تنخواہوں کو معیار قرار دیں تو کیسا ہے؟

(۲)......بعض دفعہ وہ امام کسی اور جگہ مدرسہ وغیرہ میں ملازم ہوتے ہیں وہاں سے بھی تنخواہ پاتے ہیں، تو کیا یہ تنخواہ مسجد سے ملنے والی تنخواہ میں محسوب کی جائے گی؟

(۳)......نیز مہنگائی کی بناء پر تنخواہ میں اضافہ کرنا کیسا ہے؟

سائل ...... عبدالمجیب، مدرس جامعہ اشرفیہ، سکھر

الجواب

(۱)......تنخواہ کے بارے میں کمیٹی کو یہ ضابطہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اسراف اور حق تلفی سے بچتے ہوئے امام اور مؤذن کے حالات کو پیش نظر رکھ کر ان کو تنخواہ دینی چاہیے اور اتنی ہونی چاہیے کہ ان کا گذر اوقات اچھی طرح ہو جائے اور اس تنخواہ کا معیار دوسری مساجد کے امام اور مؤذن کی تنخواہ کو نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی اہل کمیٹی اپنی دوکانوں کے ملازمین کی تنخواہ کو معیار قرار دے سکتے ہیں۔

(۲)......اگر امام اپنے اوقاتِ امامت پورے کرتا ہے تو اس کی دوسری تنخواہ کو اس تنخواہ میں محسوب نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ دوسرا کام فارغ اوقات میں کرتا ہے۔

(۳)......مہنگائی کے تناسب سے اس کے اخراجات بھی بڑھیں گے۔ لہٰذا امام و مؤذن کی تنخواہ ضرور بڑھائی جائے۔.. فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۶/۲/۱۹ھ

امام کی بیٹی اور داماد جو پانی، گیس اور بجلی استعمال کریں اس کا بل جمع کروائیں:

ایک امام اور خطیب کو مسجد کے ساتھ مکان ملا ہوا ہے اس میں بجلی، پانی اور گیس کے کنکشن بھی مسجد سے ملے ہوئے ہیں مسجد محکمہ اوقاف کے تحت ہے مذکورہ چیزوں کے بل محکمہ اوقاف ادا

کرتا ہے اور عملاً تمام مساجدِ اوقاف میں ایسا ہی ہوتا ہے اگرچہ تحریراً آپس میں تعاقد کوئی بھی نہیں ہے ایسی صورت میں ایک امام وخطیب نے اپنے بچوں کی شادیاں کر کے اکثر کو علیحدہ کر دیا ہے ایک لڑکی شادی کے بعد مجبوراً بمعہ شوہر باپ کے گھر پر ہے اور انہوں نے مسجد کے امام وخطیب کے مکان کے صحن میں اپنے خرچ سے ایک عدد کمرہ بنایا اور ساتھ ایک عدد باورچی خانہ بنایا اور ایک عدد بیت الخلاء بنایا حالات کی مجبوری سے کہیں جگہ نہ ملنے پر اس طرح کیا، اب امام وخطیب کے مکان ہی سے گیس، بجلی اور پانی کے کنکشن لیے ہیں ایسے حالات میں ان کے بل امام خطیب مسجد کے ساتھ محکمہ اوقاف ادا کر رہا ہے۔ آپ شرعی حکم بتائیں کہ اس کا کیا حکم ہے جبکہ اوقاف والوں سے اس کی صراحتاً اجازت بھی نہیں ہوئی اور نہ اس کی طرف سے مصرّح طور پر ممانعت ہے اور نہ ان کے ہاں اس طرح کے واضح قوانین ہیں اور نہ اس کے آفیسران کے ایسے اختیارات ہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اگر افسران امام وخطیب سے خوش ہوں تو اجازت دیدیں گے اور اگر ناراض ہوں تو اجازت نہ دیں گے۔ فلھذا ان تک معاملہ پہنچایا نہیں گیا آپ مہربانی فرما کر شرعی حکم بتلائیں کہ امام وخطیب کا اپنی شادی شدہ لڑکی کو اس طرح جگہ دینا اور پھر مذکورہ چیزوں کی سہولت جو کہ امام وخطیب کو ملی ہوئی ہے اس کو بھی دینا شرعاً کیسا ہے؟

سائل ...... محمد عبداللہ، مہتمم جامعہ فریدیہ اسلام آباد

الجواب

بیٹی جو بجلی اور گیس وغیرہ استعمال کرے اس کا بل محکمہ اوقاف کو دینا چاہیے۔[1] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۱۵/۸/۱۲ھ

التخریج: (۱)...... لو سکن بلا اذن او اسکنه المتولی بلا اجر کان علی الساکن اجر المثل ولو غیر معد للاستغلال، به یفتی صیانة للموقف (الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۶۲۵) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد کے تیل کی آمدنی سے امام مسجد کے لئے مکان تعمیر کرنا:

ایک چک کی مسجد کا امام مقرر کیا گیا اور چک والے امام کو رہائش کا مکان بنا کر نہیں دیتے۔ اب اگر امام مسجد سے چلا جائے تو مسجد کے ویران ہونے کا خطرہ ہے اور امام کے پاس اتنی رقم نہیں کہ رہائش کے لئے مکان بنائے۔ اس حالت میں مسجد میں جو لوگ تیل ڈالتے ہیں وہ تیل ضرورت سے زیادہ ہو تو کیا اس تیل کو فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم کو امام مسجد کی رہائش کے لئے صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ سائل …… محمد ضیاء الحق، یزمان

الجواب

اگر تیل ڈالنے والے حضرات کو یہ معلوم ہے کہ زائد تیل فروخت کر کے اس سے امام مسجد کی خدمت کی جاتی ہے تو پھر یہ رقم امام مسجد پر صرف کرنا درست ہوگا۔ …… فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۱/۹/۱۶ھ

مسجد کے فنڈ سے امام مسجد کے مکان کا بجلی بل ادا کرنا:

ایک بستی میں مسجد کے امام کی رہائش کے لئے مکان نہیں تھا بستی والوں نے چار ایکڑ دور مسجد کے فنڈ سے پلاٹ خرید کر مکان بنایا کیونکہ مسجد کے قریب کوئی پلاٹ نہیں اور جو مکان بنایا گیا ہے اس پر تمام خرچہ مسجد کے فنڈ سے کیا گیا ہے اور وہ مکان مسجد کی ملکیت ہے، آٹھ سال سے امام اس مکان میں رہائش پذیر ہے اور امام کی بجلی کا بل مسجد کے فنڈ سے ادا ہو رہا ہے۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کہ بجلی کا بل مسجد ادا کرے یا امام ادا کرے جبکہ امام کی ماہانہ تنخواہ نہیں ہے فصل کے موقع پر یا کوئی بارات دے جاتی ہے جو طے شدہ ہے لیکن وہ بھی پوری امام صاحب کو نہیں

دی جاتی۔ قرآن وسنت کی روشنی میں بتایا جائے کہ امام کے مکان کی بجلی کا بل مسجد کے فنڈ سے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز امام کے لئے مسجد کے فنڈ سے جو مکان بنایا گیا ہے درست ہے یا نہیں؟

سائل ...... رانا سراج دین، خزانچی مسجد ھٰذا

الجواب

مسجد کی انتظامیہ کی اجازت سے یہ بل مسجد کے فنڈ سے ادا کرنے کی گنجائش ہے جیسے مکان کی سہولت دی گئی ہے اسی طرح بجلی کے مصارف بھی مسجد کے فنڈ میں سے دیئے جاسکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۹/۲/۲۰ھ

تبلیغ میں جانے والے امام کو تنخواہ دی جائے یا نہ؟

اگر مسجد کی انتظامیہ ایسا کرتی ہے کہ امام کو اس کی غیر موجودگی میں تنخواہ دے اور باقی ملازمین جب تبلیغی جماعت کے ساتھ جائیں تو ان کو تنخواہ نہ دے۔ تو کیا انتظامیہ کا یہ عمل جائز ہوگا یا نہیں؟

سائل ...... فیاض ندیم، مروٹ، بہاولنگر

الجواب

اگر چندہ دہندگان کی طرف سے تبلیغ میں جانے والے کو بلا عمل تنخواہ دینے کی اجازت ہو تو

التخريج: (۱)...... لما في البحر الرائق: والذى يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف او لا، ثم ماهو اقرب الى العمارة واعم للمصلحة كالامام للمسجد والمدرس للمدرسة، يصرف اليهم الى قدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك الى آخر المصالح، وظاهره تقديم الامام والمدرس على جميع المستحقين (الخ) (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۳۵۶)

وفيه ايضاً: لو وقف على مصالح المسجد يجوز دفع غلته الى الامام والمؤذن والقيم (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۳۵۴)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اس صورت میں تنخواہ دینے کی اجازت ہے تاہم اس صورت میں امام وغیرہ کی تفریق محل نظر ہے سب کے لئے ایک ہی اصول ہونا چاہیے، ورنہ عام وقف مال سے تنخواہ دینے لینے کی شرعاً اجازت نہیں۔

لما فی الهندية: غاب المتفقه شهراً او شهرين يحرم عليه اخذ المرسوم بلاخلاف ان كان مشاهرة (الخ) (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۸۴)

وفی الدر المختار: ليس للقاضي ان يقرر وظيفة في الوقف بغير شرط الواقف (جلد ۶ صفحہ ۶۶۸)

وفی الشامية: ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض او حج بحيث لايمكنه المباشرة لايستحق المعلوم (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۴۲)..........فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۵/۵/۱۴۲۴ھ

مسجد کی آمدنی سے امام مسجد کا مکان مرمت کروانا جائز ہے:

ایک مسجد کی چند دوکانیں ہیں اسی مسجد کے نام ایک مکان ہے امام صاحب اس میں رہائش پذیر ہیں۔ اب کیا اس مکان کی مرمت عطیہ مسجد سے کرا سکتے ہیں؟

سائل ...... حافظ اللہ داد، رحیم یار خاں

الجواب

مسجد کی مجموعی آمدنی سے اس مکان کی مرمت کرانا درست ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

التخريج: (۱)...... لما في البحر الرائق: والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف او لا، ثم ماهو اقرب الى العمارة واعم للمصلحة كالامام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف اليهم الى قدر كفايتهم (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۳۵۶) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد کے فنڈ سے امام مسجد کے مکان کی مرمت کروانا اور بیت الخلاء تعمیر کرانا جائز ہے تاہم علیحدہ چندہ کرنا بہتر ہے:

امام مسجد کا مکان مسجد کے تھوڑے فاصلہ پر ہے جو امام مسجد کے لئے خریدا گیا ہے کہ جو بھی امام مسجد آئے گا اس میں رہے گا۔ آیا اس کی مرمت پر مسجد کا فنڈ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ فنڈ امام مسجد کے لئے اکٹھا نہیں کیا گیا نیز مسجد کا فنڈ امام مسجد کے مکان میں لیٹرین بنوانے اور بجلی کی فٹنگ کروانے پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... حافظ عبدالستار، سرگودھا

الجواب

گنجائش ہے کیونکہ امام ضروریات مسجد میں سے ہے۔ لما فی الدر المختار: ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو اقرب لعمارته کامام مسجد ومدرس مدرسة، (جلد۶، صفحہ۵۶۲)

وفی الشامیة: فان انتهت عمارته وفضل من الغلة شئ یبدأ بما هو اقرب للعمارة وهو عمارته المعنویة التی هی قیام شعائره .... کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة یصرف الیهم الیٰ قدر کفایتهم (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۶، صفحہ۵۶۳، ط: رشیدیہ جدید، کذا فی البحر الرائق، جلد۵، صفحہ۳۵۶ وکذا فی الاشباہ، الفن الثانی، صفحہ۱۹۸)

لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کے لئے الگ چندہ کر لیا جائے۔۔۔۔۔فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۵/۳/۱۴۰۷ھ

مسجد کے فنڈ سے امام صاحب کو حج کیلئے رقم بطور امداد دینا جائز نہیں:

مرکزی جامع مسجد کے امام صاحب حج پر تشریف لے گئے ہیں انہیں حج پر جاتے ہوئے انجمن اسلامیہ رجسٹرڈ لورالائی (جو جامع مسجد کا کام چلاتی ہے) نے دو ہزار روپے مسجد کے فنڈ میں سے امداد کے طور پر دیئے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ رقم اس طرح دینا جائز ہے کیونکہ یہ مسجد کی ضرورت کے لئے وقف ہوتی ہے؟

سائل ...... محمد صدیق، پاپولر کلاتھ ہاؤس، لورالائی

الجواب

مسجد کے فنڈ میں سے امام صاحب کو یہ رقم دینا جائز نہیں [1] لہٰذا انجمن کے حضرات یہ رقم امام سے لے کر یا اپنی طرف سے مسجد کے فنڈ میں جمع کروائیں اور آئندہ ایسا کرنے سے بچیں۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۴/۱۲/۲۸ھ

سابقہ امام کی خدمات کی وجہ سے اسکی بیوہ یا یتیم بچہ کیلئے مسجد کے مال سے وظیفہ مقرر کرنا کیسا ہے؟

ایک عالم ۳۰/۴۰ سال اوقاف مسجد سے تنخواہ حاصل کرتا رہا اور دینی خدمات انجام دیتا رہا۔

التخریج: (۱) ...... انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٦٨٣)

وفی الدرالمختار: ليس للقاضى ان يقرر وظيفة فى الوقف بغير شرط الواقف يعنى وظيفة حادثة لم يشرطها الواقف (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ٦، صفحہ ٦٦٨)

وفی الشامية: ان المتولى ليس له ان يزيد للامام (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٦٧٠) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کیا اس کی بیوہ کو اوقاف مسجد سے وظیفہ وغیرہ بطور امداد دیا جا سکتا ہے یا نہیں، جبکہ مسجد کے اوقاف کی مالی حالت بہت اچھی ہو۔ سائل ...... محمد احسن، خطیب ریلوے مسجد، بہاولپور

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر واقف نے اس قسم کی کوئی اجازت تحریر کی ہوئی ہے کہ امام مسجد کی وفات کے بعد اس کی بیوہ کو وظیفہ دیا جائے تب تو دینا جائز ہے ورنہ نہیں (١) کیونکہ اس قسم کا کوئی جزئیہ باوجود تلاش کے فقہ کی کتابوں میں نہیں مل سکا، البتہ اہل اسلام چندہ دہندگان اگر مسجد کو چندہ دیتے ہوں تو وہ اپنے چندہ میں سے کچھ سابقہ امام کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی بیوہ کیلئے مخصوص کردیں یا مستقل نئے سرے سے چندہ مقرر کر کے کچھ خدمت بیوہ کی کردی جائے۔ ہاں اگر امام مذکور کا یتیم بچہ ہو یا بالغ لیکن دینی مدرسہ کا طالب علم ہو تو اس کا وظیفہ وقف سے مقرر کرنا جائز ہے۔ کما یظهر من الشامية (٢).................. فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
٣/٢١/١٣٨٨ھ

التخریج: (١) ...... لما فی الدر المختار: شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به (الدر المختار، جلد ٦، صفحہ ٦٦٤)

(٢) ...... ففی الشامية: قال الحموی فی رسالته: وقد ذکر علماؤنا انه یفرض لاولادهم تبعاً ولایسقط بموت الاصل ترغیبا اه، وذکر العلامة المقدسی: ان اعطائهم بالاولیٰ لشدة احتیاجهم، سیّما اذا کانوا یجتهدون فی سلوک طریق آبائهم .... قال البیری اقول: هذا مؤید لما هو عرف الحرمین الشریفین ومصر والروم من غیر نکیر من ابقاء ابناء المیت ولو کانوا صغارا علی وظائف آبائهم مطلقا من امامة وخطابة وغیر ذالک عرفا مرضیا لان فیه احیاء خلف العلماء ومساعدتهم علی بذل الجهد فی الاشتغال بالعلم، وقد افتیٰ بجواز ذالک طائفة من اکابر الفضلاء الذین یعوّل علیٰ افتائهم (شامیہ، کتاب الجہاد، مصارف بیت المال، جلد ٦، صفحہ ٣٣٧)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

سابقہ امام صاحب کی بیوہ کو مسجد کے فنڈ سے بطور امداد کچھ رقم دینا کیسا ہے؟ اس کے جواز کی کوئی صورت ہے؟

ہماری مسجد میں ماہواری چندہ برائے اخراجاتِ مسجد جمع کیا جاتا ہے اس میں عشر، زکوٰۃ وصدقہ فطر نہیں ہوتا، البتہ مسجد کے فنڈ سے امام مسجد کو ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ اب دو سال ہو گئے سابقہ امام وفات پا چکے ہیں ان کے رشتہ دار حافظ صاحب جو کہ سرکاری محکمہ میں ملازم بھی ہیں ان کی وفات پر اپنے آپ کو پیش کر کے تنخواہ وصول کرتے ہیں امام کے مرنے کے دو تین ماہ بعد اپنی تنخواہ میں اضافہ کرا لیا تھا چونکہ مسجد کا رجسٹر بھی حافظ صاحب کے پاس تھا لہٰذا بجائے اپنی تنخواہ کے اس میں ''تنخواہ بیوہ مرحوم'' لکھتا رہا اب وہ رجسٹر دوسرے شخص کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اب دریافت طلب امور درج ذیل ہیں:

(١)...... کیا صورتِ مسئولہ میں مسجد کے امام کے فوت ہو جانے کے بعد مسجد کے فنڈ سے اس کے پسماندگان کو ماہانہ رقم بطور ''امداد'' دینی چاہیے؟

(٢)...... اگر کسی صورت میں بھی جائز نہیں تو پھر کیا اہل محلّہ کو نجی طور پر چندہ جمع کر کے ہر ماہ اس کی امداد کرنی چاہیے؟

(٣)...... اگر اہل محلّہ اس کو قبول نہ کریں اور از خود کہیں کہ امام تنخواہ لے یا نہ لے ہم اس کو مسجد کے فنڈ سے بیوہ اور اس کے بچوں کو امداد دینے کے حق میں ہیں۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو کیا گنہگار تو نہ ٹھہریں گے؟

(٤)...... اگر منتظم جس کے پاس فنڈ ہوتا ہے ان کے اس ناجائز فیصلہ پر عمل کرنے میں لیت ولعل کرے تو کیا وہ حق بجانب ہوگا؟

سائل ...... ماسٹر عبداللہ، محلّہ خٹک، ڈیرہ اسماعیل خاں

الجواب

(۱)......یہی صورت متعین ہے کہ نئے امام صاحب اپنے لئے تنخواہ مقرر کرا کر وصول کر لیں اور پھر وہ ساری یا جتنی مناسب سمجھیں بیوہ وغیرہ کو دیدیں۔اس سے امام صاحب کو زیادہ ثواب ہوگا براہ راست بیوہ وغیرہ کو دینا جائز نہیں [۱]۔

(۲)......اگر اس طرح امداد کریں گے تو باعث اجر ہوگا۔

(۳)......جدید چندہ میں اگر سب چندہ دہندگان اس پر راضی ہو جائیں تو جائز ہوگا[۲] قدیم فنڈ سے دینا جائز نہ ہوگا۔...................... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۴/۱۰/۷ھ

مسجد کے بیت الخلاء کی فیس مسجد کے فنڈ میں جمع کروانا اور اس سے امام صاحب کو تنخواہ دینا کیسا ہے؟

مسجد کی چند لیٹرینیں ہیں ان کے پانی اور بجلی کا بل مسجد ادا کرتی ہے جیسا کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے۔اب ان لیٹرینوں کے پاس ایک آدمی کو ماہانہ تنخواہ پر بٹھایا ہے وہ ہر پیشاب کرنے والے سے مسجد کے نام (کہ بھئی مسجد کی خدمت کرتے جائیں اور اگر کوئی پیسے نہ دے تو بعض کو سخت سست کہا جاتا ہے اور بعض سے نرمی بھی برتی جاتی ہے) پر پیسے اکٹھے کیے جاتے ہیں۔اب دریافت

التخریج: (۱)......لیس للقاضی ان یقرر وظیفۃ فی الوقف بغیر شرط الواقف (الدر المختار، جلد۶، صفحہ ۶۶۸)

(۲)......شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفھوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ (الدر المختار، جلد۶، صفحہ ۶۶۴)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

طلب امور یہ ہیں!

(۱)......آیا یہ رقم مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲)......انہی پیسوں سے امام مسجد اور خادم مسجد کو تنخواہ دینا کیسا ہے؟

(۳)......اگر ان کا استعمال مسجد میں درست نہیں تو کیا امام مسجد اور خدام وغیرہ میں سے کوئی شخص بغیر اجازتِ متولیانِ مسجد استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۴)......اور جو پیسہ اس طریقے سے مسجد کے اکاؤنٹ میں جمع کیا گیا اس کو کہاں خرچ کیا جائے؟

سائل ...... شہزاد فہیم، کوٹ چھٹہ

الجواب

مذکورہ آمدن حرام نہیں لہٰذا امام، مؤذن اور خادمِ مسجد کی تنخواہوں میں اس کا استعمال کرنا درست ہے۔...............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۲/۲ھ

مسجد کی لائٹ کب تک جلتی رہنی چاہیے؟

ایک مسجد میں ایک ہی ٹیوب لائٹ ہے عشاء کے وقت وہ ٹیوب لائٹ بند رکھی جاتی ہے ایک آدمی نے اعتراض کیا کہ لائٹ جلانی چاہیے کیونکہ اس کے کئی فوائد ہیں، اور دوسرے فریق نے کہا کہ ''نہیں، لائٹ نہیں جلانی چاہیے'' انہوں نے اپنی بات پر دلائل دیئے اور معاملہ جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا۔ اب آپ شرعاً اس مسئلہ میں راہنمائی فرمائیں کہ کون حق پر ہے؟

سائل ...... سید عبدالرحمٰن شاہ، سرگودھا

الجواب

مغرب کے بعد سے لیکر عشاء تک ضرورت کے تحت اگر مسجد میں بجلی کو بند نہ کریں تاکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو تو یہ افضل ہے۔(۱) البتہ بلا ضرورت بجلی کو کھلا چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

پھر نمازیوں کا اس مسئلہ کے بارے میں جھگڑا کرنا انتہائی بری بات ہے روشنی کرنا صرف راحت کی خاطر ہے ہر ایک مقتدی کا اپنی بات پر اڑنا سخت غلطی ہے..... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۵/۵/۱۵ھ

مسجد میں پوری رات زیرو کا بلب جلانا اسراف نہیں بالخصوص جہاں اس کا معمول ہو:

رات کو نماز کے اوقات کے علاوہ مسجد میں معمولی وولٹ یعنی زیرو وغیرہ کا بلب جلانا تعظیم مسجد کے لئے کیسا ہے آیا جائز ہے یا اسراف میں داخل ہے؟

سائل ...... محمد عبید اللہ خطیب جہانیاں منڈی، ملتان

الجواب

نصف یا ثلث لیل تک اگر نمازیوں کی آمدورفت رہتی ہے تو بجلی جلانا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں ہاں اگر وہاں پہلے سے یہی عادت ہے کہ معمولی روشنی رات بھر رکھی جاتی ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

في الهندية: ولايجوز ان يترك فيه كل الليل الا في موضع جرت العادة فيه

التخریج: (۱)...... ولاباس بان يترك سراج المسجد فيه من المغرب الى وقت العشاء (البحر الرائق، جلد۵، صفحہ۴۲۰)

وفي العالمگيرية: لو وقف علىٰ دهن السراج للمسجد لايجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين ويجوز الىٰ ثلث الليل او نصفه اذا احتيج اليه للصلاة (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۴۵۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

بذالک کمسجد بیت المقدس ومسجدالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم والمسجد الحرام (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۵۹)

یہ تفصیل چراغ مسجد کے بارے میں ہے زیر و کا قصہ اس کی بظاہر اجازت و گنجائش ہونی چاہیے۔ ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۷/۷/۱۳۸۸ھ

مسجد کی حدود میں جو پھل دار درخت ہوں ان کے پھلوں کا مصرف کیا ہے؟

عام طور پر دیہات وغیرہ میں احاطۂ مسجد میں جو پھلدار درخت ہوتے ہیں ان کے پھل مسجد کے نمازیوں کے لئے کھانا جائز ہے یا ان کو بیچ کر رقم مسجد پر خرچ کرنا لازم ہے؟ یا فقراء و غرباء کو دے دیئے جائیں؟ سائل......عبدالشکور، ملتان

الجواب

اگر غارس کی غرض یہ ہے کہ لوگ اس کا پھل کھائیں اس صورت میں نمازیوں کے لئے پھل استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور اگر مسجد کی آمدنی کے لئے لگائے ہیں یا نیت معلوم نہیں تو ایسی صورت میں اس پھل کو فروخت کر کے ان کی قیمت ضروریات مسجد میں صرف کی جائیگی۔

درمختار میں ہے: غرس فی المسجد اشجاراً تثمر ان غرس للسبیل فلکل مسلم الاکل، والا فتباع لمصالح المسجد (الدرالمختار، جلد ۶، صفحہ ۶۶۴)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۰/۴/۱۴۲۳ھ

کیا تعمیرِ مسجد کیلئے چندہ کرنے والا اپنی خدمت کا معاوضہ وصول کر سکتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ''مسجد حمزہؓ'' بوسن روڈ کی نئی تعمیر کے لئے عوام سے چندہ کرتا ہوں کیا میں اپنی ضرورت کے لئے اس چندہ سے کچھ معاوضہ لے سکتا ہوں؟

سائل ...... عبداللہ، بند بوسن ملتان

الجواب

جتنا وقت فراہمی چندہ پر صرف ہوتا ہے اس کی اجرتِ معروفہ برضامندیٔ متولیان اور کارکنان لینا درست ہے۔(۱)........فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۹۸/۱۰/۲۶ھ

مسجد کا پانی ملحقہ مدرسہ میں استعمال کرنے کا حکم:

ہمارے گاؤں میں چھوٹی سی مسجد سے ملحقہ ایک دینی مدرسہ ہے مدرسہ میں اپنا الگ پانی و بجلی کا کوئی بندوبست نہیں ہے مدرسہ میں پانی و بجلی مسجد سے ہی جاتی ہے اور بجلی کے بل کی ادائیگی، بھی مسجد کے فنڈ سے ہی ہوتی ہے جبکہ مدرسہ کے ایک مدرس کی رہائش گاہ میں بھی بجلی مسجد سے ہی

التخریج: (۱)......لما فی البحر الرائق: لو وقف علی مصالح المسجد یجوز دفع غلته الی الامام والمؤذن والقیم (الخ) (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۳۵۴)

لیکن یہ اجرت تنخواہ کے طور پر مقرر ہو خواہ چندہ قلیل ہو یا کثیر، چندہ سے کوئی حصہ مشروط نہ ہو ورنہ اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد شمار ہوگا۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ پورا مہینہ چندہ مانگتا رہے اور وصول کچھ بھی نہ ہو۔

ہندیہ میں ہے: اما شرائط الصحة (ای صحة الاجارة) فمنها رضاء المتعاقدین......ومنها ان تکون الاجرة معلومة (ہندیہ، جلد ۴، صفحہ ۴۱۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

جاتی ہے۔ اور مدرسہ کے قاری صاحب اس مسجد میں بغیر تنخواہ کے امامت بھی کرواتے ہیں۔ کیا اس طریقے سے مسجد سے مدرسہ کا پانی و بجلی استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سائل ......ابوطلحہ محمد اشرف، چک نمبر ڈبلیو۔ بی/ ٥٧، وہاڑی

الجواب

انتظامیہ والے چندہ دینے والوں سے عام اعلان کر دیں کہ ہم اس چندہ سے ملحقہ مدرسہ میں بھی پانی و بجلی کا استعمال کریں گے تو اس اطلاع کے بعد ایسا کرنا جائز ہوگا۔ [1] فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

١٦/٦/١٤٢٥ھ

شادی و غمی کے موقع پر مسجد کا پانی اور دیگر اشیاء استعمال کرنا:

مسجد کی کوئی چیز دنیاوی کام میں لانا جیسے مسجد سے پانی بھرنا، یا مسجد کی پانی نکالنے والی موٹر کو استعمال کرنا، وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ یا شادی بیاہ کے لئے یا مرگ ہو جاتی ہے اس کے لئے یا نہانے پکانے کیلئے مسجد کا پانی لینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... منور، چشتیاں

الجواب

مسجد کا پانی مسجد کے ساتھ مخصوص ہے مخصوص مواقع میں استعمال کر سکتے ہیں، شادی، غمی یا

التخریج: (١)......انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٦٨٣)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

دوسری کسی تقریب وغیرہ میں مسجد کی ٹینکی سے پانی حاصل کرنا جائز نہیں۔[۱] (کذا فی فتاویٰ رحیمیہ، جلد ۹، صفحہ ۱۰۲)............... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۲/۲/۲۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

غیر نمازیوں کیلئے مسجد کے غسل خانوں میں نہانا اور پیشاب کرنا کیسا ہے؟

ہر نمازی کا الگ الگ پنکھا چلانا کیسا ہے؟

(۱)...... ایک شخص مسجد میں آیا نماز وغیرہ پڑھ کر یا ویسے ہی مسجد میں لیٹ گیا، ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲)...... ایک شخص ایک پنکھا چلا کر نماز پڑھتا ہے اور دوسرا نمازی دوسرا پنکھا چلا کر نماز پڑھتا ہے جبکہ ایک پنکھے کے نیچے دو آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں، ایسا کرنا کیا اسراف تو نہیں؟

(۳)...... بعض لوگ صرف نہانے یا پیشاب وغیرہ کیلئے مسجد میں آتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

سائل ...... نعیم اللہ تفہیمی، جھنگ

الجواب

(۱)...... صورت مسئولہ میں بلا ضرورت مسجد میں سونا مکروہ اور احترامِ مسجد کے خلاف ہے۔ **ویکرہ**

التخریج: (۱) ......لما فی العالمگیریة: لایحمل الرجل سراج المسجد الیٰ بیته ویحمل من بیته الی المسجد، کذا فی الخلاصة (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۱۰)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

النوم والاکل فیه (ای فی المسجد) لغیر المعتکف (عالمگیریہ، جلد۵، صفحہ۳۲۱)

(۲)......اس میں اسراف ہے اور مسجد کے مال کا ضیاع ہے۔

(۳)...... چندہ دہندگان، متولی اور اہل محلّہ کی اجازت سے درست ہے۔[1] فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیرالمدارس، ملتان

۱/۲/۱۴۱۶ھ

(۱)...... بیت الخلاء اور غسل خانوں کے استعمال پر معاوضہ مقرر کرنے کی بھی گنجائش ہے اس سے بھی استعمال میں معتد بہ کمی آجائے گی۔ (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مایتعلق بتزیین المساجد والکتابة علیها

مسجد کی تعمیر پر سونے چاندی کا پانی پھرانا کیسا ہے؟

ایک شخص نے مسجد کا دروازہ بنایا ہے اور ایک اینٹ پر "اللہ اکبر" لکھ کر سونے کا پتّر چڑھوانا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے؟

سائل ...... عبدالرحمٰن، سمیجہ آباد

الجواب

اس طرح اللہ اکبر پر سونے کا پتّر چڑھانا جائز تو ہے تاہم کارِ ثواب نہیں ہے اس لئے احتراز اولیٰ ہے[1]۔................................. فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۴/۷/۱۳۹۴ھ

التخریج: (۱)...... لما فی العالمگیریة: لاباس بان یجعل المصحف مذهبا او مفضضا او مضببا وعن ابی یوسف انه یکره جمیع ذالک (جلد۵، صفحہ۳۲۳)

ولما فی الحلبی الکبیر: لاباس بتحلیة المصحف یعنی انه لایأثم بفعله لکن ترکه اولیٰ (صفحہ۶۱۵)

(مرتب بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد پر لکھی ہوئی قرآنی آیات میں اگر غلطی واقع ہو جائے تو اس کی تصحیح لازمی ہے:

مسجد کے اندر محراب کے اردگرد "آیۃ الکرسی" ٹائلوں پر پختہ طور پر تحریر ہے مگر کاتب کی غلطی سے یا کسی اور وجہ سے ایک جگہ حرف "الف" زائد ہے جبکہ ساتھ ہی دوسری جگہ پر "الف" چھوڑ دیا گیا ہے، چنانچہ اس طرح لکھا ہوا "واھو لعلیُّ العظیم" حالانکہ اس طرح ہونا چاہیے "وھو العلیّ العظیم"۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ غلطی ھٰذا کا درست کرنا ضروری ہے یا نہیں جبکہ خوبصورتی متاثر ہو یا فی الحال درست کرنا مشکل ہو۔

سائل ...... بندہ محمد امیر بھٹہ

الجواب

مذکورہ غلطی چونکہ ایک قرآنی آیت میں ہے اس لئے اس کی تصحیح شرعاً ضروری ہے اگر نئی ٹائل بنوانا یا حاصل کرنا مشکل ہو تو کاغذ یا ٹیپ وغیرہ کے ذریعے تصحیح کر لی جائے۔

ہندیہ میں ہے: وینبغی لمن اراد کتابة القرآن ان یکتبه باحسن خط و ابینه علی احسن ورقةٍ وابیض قرطاس بافخم قِلم وابرق مداد ویفرّج السطور ویفخم الحروف (الخ) (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۳) ......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۳/۵/۲۴ھ

مسجد کے فنڈ سے مسجد کی تزیین کرنے والے متولی پر خرچ کردہ رقم کی ضمان واجب ہے:

اپنے ذاتی اور حلال مال سے اگر کوئی شخص مسجد میں اس کی تزیین و خوبصورتی کے لئے سامان لگائے، مثلاً فانوس وغیرہ اسی طرح دیواروں کی اور میناروں کی تزیین و نقش و نگار بنائے تو شرعاً اس کا کیا

حکم ہے جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد اشرف، اشرف آباد، ملتان

الجواب

ذاتی حلال مال سے مسجد کی زیبائش وتزیین کی شرعاً اجازت ہے، چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی خوب تزیین کی اور سارے اخراجات خود برداشت کیے۔

بخاری شریف میں ہے کہ: ثم غيَّره عثمان، فزاد فيه زيادةً كثيرةً وبنىٰ جدارهُ بالحجارة المنقوشة والقصة، وجعل عمدهُ من حجارةٍ منقوشةٍ وسقفهُ بالسَّاج (بخاری شریف، جلد ۱، صفحہ ۶۴)

البتہ مسجد کے وقف مال سے مسجد کی تزیین اور زیبائش جائز نہیں۔

لما فی الدر المختار: لاباس بنقشه خلامحرابه .... بجص او ماء ذهب لو بماله، لامن مال الوقف فانه حرام وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض (الخ) (الدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۵۱۹) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۵/۱۰ھ

مسجد کی دیواروں پر اشعار لکھنا:

ایک مسجد میں اس کے تیار کنندہ نے اپنی مرضی سے کچھ فارسی واُردو "اشعار" لکھ دیے تھے صفائی میں وہ سب اشعار مٹ گئے تو کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ مسجد کی صفائی کا بہانہ بنا کر سب تحریریں مٹا دی گئیں لوگوں نے جب دوبارہ لکھنا چاہا تو ان کو دیوبندی حضرات نے کہا کہ اب لکھنا

ضروری نہیں کیونکہ اس کا لکھنا تو پہلے بھی جائز نہ تھا۔ جواب دیں دوبارہ لکھیں یا نہ لکھیں؟

سائل ...... محمد اکرم، خانیوال ضلع ملتان

الجواب

یہ بات درست ہے کہ ان اشعار اور آیات کا دوبارہ لکھنا ضروری نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔

لما فی فتح القدیر: تکره کتابة القرآن واسماء الله تعالیٰ علیٰ الدراهم والمحاریب والجدران ومایفرش (فتح القدیر، جلد ۱، صفحہ ۱۵۰) کذا فی الشامیة [1] ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۰/۱۲/۲۵ھ

مسجد سے "یارسول اللہ" و "یاعلی مدد" مٹانا نہ توہین رسالت ہے اور نہ ہی توہین صحابی ہے لکھنے والا مجرم ہے:

اہلسنت والجماعت حنفی دیوبندی مسلک کی مسجد جس میں شروع سے لے کر آج تک دیوبندی امام وخطیب چلا آ رہا ہے اس مسجد میں چند دن پہلے کسی شرپسند نے "یارسول اللہ" اور "یاعلی مدد" لکھ دیا ہے نمازیوں میں سے ایک نمازی نے ان دونوں جملوں کو مٹا دیا ہے اور اس نیت سے مٹایا

التخریج: (۱)...... ولاینبغی الکتابة علی جدرانه، (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۲۸)

وفی البحر الرائق: والاولیٰ ان تکون حیطان المسجد ابیض غیر منقوشة ولامکتوب علیها، ویکره ان تکون منقوشة بصور او کتابة (جلد ۵، صفحہ ۴۲۰)

وفی العالمگیریة: ولو کتب القرآن علی الحیطان والجدران بعضهم قالوا یرجیٰ ان یجوز وبعضهم کرهوا ذالک مخافة السقوط تحت اقدام الناس (جلد ۵، صفحہ ۳۲۳) (مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

کہ یہ الفاظ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شرکیہ ہیں اور اہل تشیع کے مذہب کی ترجمانی کرتے ہیں تو اس پر بعض نے کہا کہ یہ فعل اس کا توہین رسالت اور توہین صحابی کو مستلزم ہے۔ آیا شریعت مطہرہ میں اس بارے میں کیا حکم ہے؟

سائل ...... عبدالغفار، لیہ

الجواب

شخص مذکور نے درست کیا ہے اس کا یہ عمل توہین رسالت اور توہین صحابیؓ کے تحت داخل نہیں ہے۔[1] جن لوگوں نے شخص مذکور کے بارے میں الزام لگایا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۴/۱۱/۲۷ھ

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریة: ولو کان فیه (الکاغذ) اسم اللّٰه تعالی او اسم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یجوز محوه ......ولو محا لوحاً کتب فیه القرآن واستعمله فی امر الدنیا یجوز (عالمگیریہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۲)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مایتعلق بالتدریس فی المساجد واقامة المدرسة فیها

ضرورت کے وقت تنخواہ دار معلم بھی مسجد میں تعلیم دے سکتا ہے:

آج کل دیہی اور شہری سینکڑوں مساجد میں حفظ و ناظرہ اور دینی کتابوں کے درس و تدریس کے مراکز (مدارس) قائم ہو چکے ہیں جہاں ہزاروں بچے قرآن وسنت کے علوم سے بہرہ ور ہوتے ہیں ان مدارس میں پڑھانے والے اکثر حضرات یا تو انتظامیہ سے یا کسی اور مخیر حضرات سے ماہانہ تنخواہ بھی لیتے ہیں بعض مساجد کے اندر ہال کے دائیں اور بائیں جانب گیلریاں بنی ہوتی ہیں ان گیلریوں کو عام دنوں میں بطور درسگاہ جبکہ جمعہ کے دن نماز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ بعض اوقات ان گیلریوں کو طلباء کی رہائش کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے بعض فقہاء کی کتابوں سے عدم جواز کے حوالے مل جاتے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ دور حاضر میں ملک کو درپیش لادینیت کے طوفان میں ان مساجد والے مدارس کو ممنوع قرار دے کر بند کر دینا کس حد تک صحیح ہوسکتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی کے حالات سے تو ہمیں جو نظام نظر آتا ہے اس میں مسجد صرف عبادت خانہ ہی نہیں بلکہ بیک وقت وہ مسجد بھی مدرسہ بھی اور خانقاہ بھی اور مجاہدین کے آنے جانے کا مرکز بھی نظر آتی ہے اور باہر سے آئے ہوئے مسلم وغیر مسلم ضیوف کو بھی ٹھہرایا جاتا ہے نیز اگر فقہاء کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ بند کیا جائے تو دور حاضر کی ضروریات کی بناء پر "الضرورات تبیح

المحظورات" کے قاعدے سے نظامِ مدارس کو مساجد میں باقی رکھنے کی گنجائش نکلتی ہے کہ نہیں؟ امید ہے کہ آپ محترم قرآن وحدیث کے حوالہ جات کے ساتھ حکم سے مطلع فرمائیں گے۔

سائل ...... احمد عمر، کامونکی

الجواب

تنخواہ دار مدرس کا بلا ضرورت مسجد میں تعلیم دینا مکروہ ہے، البتہ الگ جگہ مہیا نہ ہونے کی صورت میں مسجد میں تعلیم کی اجازت ہے۔ لو جلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسہٖ فلاباس به لانه قربة وان کان بالاجرة یکرہ الا ان یقع لهما الضرورة کذا فی محیط السرخسی (عالمگیریہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۱)

وفیه ایضاً: وامّا المعلِّم الذی یعلم الصبیان باجرٍ اذا جلس فی المسجد یعلِّم الصّبیان لضرورة الحرِّ اوغیرہٖ لایکرہ (جلد ۱، صفحہ ۱۱۰)

وفیه ایضاً: یجوز الدرس فی المسجد وان کان فیه استعمال اللبود والبواری المسبلة لاجل المسجد (عالمگیریہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۰، کذا فی البحر، جلد ۵، صفحہ ۴۱۹)

مسجد میں عند الضرورت سونے کی بھی اجازت ہے خصوصاً مسافر طلباء کے لئے۔ لاباس للغریب ولصاحب الدار ان ینام فی المسجد فی الصحیح من المذهب والاحسن ان یتورع فلاینام (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۱)

وفی الشامیة: ان اهل الصفة کانوا یلازمون المسجد وکانوا ینامون، ویتحدثون (الخ) (شامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۲۷)

الحاصل: جو مدارس مساجد میں قائم ہیں ان کو ممنوع قرار دے کر بند کرنا ہرگز درست نہیں اگر

ممکن ہوتو ان کے لئے درس وتدریس اور رہائش کے لئے الگ انتظام کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۹/۷/۱۳۹۶ھ

(۱): متبادل جگہ کی موجودگی میں تنخواہ دار معلم مسجد میں تعلیم نہیں دے سکتا:

(۲): مسجد کی حدود میں انگریزی مدرسہ قائم کرنے کا حکم:

(۱)...... مسجد میں تنخواہ دار مولوی یا قاری بچوں کو تعلیم قرآن دے سکتے ہیں؟ جبکہ چھوٹے بچوں کی وجہ سے صفوں اور دریوں کے ناپاک ہونے کا خطرہ ہوتا ہے بچے مسجد میں بغیر پاؤں دھوئے آجاتے ہیں کودتے ہیں وغیر ذالک۔

(۲)...... مسجد میں انگریزی تعلیم دینا کیسا ہے؟

سائل ...... حافظ محمد رفیق، وزیر آباد

الجواب

(۱)...... بہتر یہ ہے کہ خارج مسجد بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے بلا اجرت قرآن مجید پڑھانے والا مدرس مسجد میں تعلیم دے سکتا ہے البتہ معاوضہ وتنخواہ لینے والا متبادل انتظام نہ ہونے کی صورت میں مسجد میں تعلیم دے سکتا ہے اگر آلودگی کا خطرہ ہو تو تعلیم کے لئے الگ چٹائیاں مہیا کی جائیں۔

قال في الهندية: لو جلس المعلم في المسجد والوراق يكتب فان كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلابأس به لانه قربة وان كان بالاجرة يكره الا ان يقع لهما الضرورة كذا في محيط السرخسي (ہندیہ، آداب المساجد، جلد۵، صفحہ۳۲۱)

(۲)...... حدودِ مسجد میں انگریزی مدرسہ جاری کرنے کی اجازت نہیں۔ قال في الشامية: وفي الاسعاف ولايجوز له ان يفعل الا ما شرط وقت العقد. (شامیہ، جلد۶، صفحہ۷۰۴)

وفيه ايضاً: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (جلد ٦، صفحہ ٦٨٣)

کذا فی عزیز الفتاویٰ (صفحہ ٢٦٩)

واقف نے ارض مسجد کو مسجد اور ضروریات مسجد کے لئے وقف کیا ہے، لہٰذا کسی دوسرے مصرف میں لانے کی اجازت نہیں اس کی ضرورت مسلّم ہے لیکن اس کا انتظام حدودِ مسجد سے خارج ہونا چاہیے۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٠/٨/١٤٠٤ھ

سکول کی مسجد میں کلاس لگانا کیسا ہے؟

سکول کی مسجد میں کبھی کبھی نماز باجماعت ہوتی ہے اور سردیوں میں نماز ظہر مستقل طور پر باجماعت ہوتی ہے کیا اس مسجد میں سکول کے طلباء کی جماعت بٹھانا اور تعلیم سکول کے متعلق مضامین پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

سائل ...... عمران الحق رشیدی

الجواب

صورت مسئولہ میں چند وجوہ سے مساجد میں اردو کی تعلیم دینا درست نہیں ہے۔

(١)...... بالکل چھوٹے بچوں کا مسجد جانا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے: ويحرم ادخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره (الدرالمختار، جلد ٢، صفحہ ٥١٨)

(٢)...... مسجد، نماز، تلاوت اور ذکر اللہ کے لئے ہے دنیوی تعلیم کے لئے نہیں۔ ان المسجد مابني لامور الدنيا (ہندیہ، آداب المسجد، جلد ٥، صفحہ ٣٢١، کذا فی الشامیہ، جلد ٢، صفحہ ٥٢٧)

(۳)...... نیز سکول کی کتب میں عام طور پر تصاویر ہوتی ہیں اور تصاویر مسجد میں لانا جائز نہیں۔

.... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۶/۴/۱۹ھ

مسجد کی چھت پر بنات کا مدرسہ بنانا:

ہمارے شہر جام پور میں ایک جامع مسجد ہے اور ہم جامع مسجد کی چھت پر بنات کا مدرسہ بنانا چاہتے ہیں جس میں صبح وشام قرآن کی تعلیم دی جائے گی اور ہمارے قرب وجوار میں بنات کا کوئی مدرسہ نہیں ہے، کافی لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کی دوسری منزل میں خواتین کا مدرسہ نہیں بنا سکتے۔ مہربانی فرما کر شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ یہ مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... الحسیب ٹریڈرز، جام پور ضلع راجن پور

الجواب

مسجد کی چھت بھی مسجد ہے۔ لانه مسجد الیٰ عنان السماء (درمختار، جلد۲، صفحہ۵۱۶)

اور مسجد میں حائضہ اور نفاس والی عورت کا داخل ہونا شرعاً حرام ہے جبکہ مذکورہ عارضہ استانیوں اور بچیوں کو یقیناً پیش آتا ہے۔ ہندیہ میں ہے: منها انه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول في المسجد (ہندیہ، جلد۱، صفحہ۳۸)

نیز عورتوں کا فرض نماز کے لئے مسجد میں آنا شرعاً ممنوع ہے تو غیر فرض کے لئے کیوں ممنوع نہ ہوگا۔ مسجد سے باہر جگہ مہیا ہونے کی صورت میں تنخواہ دار معلم بچوں کو مسجد میں بیٹھ کر تعلیم نہیں دے سکتا۔ ولو جلس المعلم في المسجد والوراق يكتب فان كان المعلم

يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلابأس لانه قربة وان كان بالاجرة يكره الا ان يقع لهما الضرورة كذا في محيط السرخسي (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۱)

لہٰذا بچیوں کے لئے مدرسہ کا انتظام مسجد سے باہر کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۶/۱۳ھ

مسجد کی گیلری میں مدرسۃ البنات قائم کرنا:

ہم اپنی مسجد کی گیلری میں بچیوں کے لئے مدرسۃ البنات بنانا چاہتے ہیں۔ راستہ اس کا مسجد کے راستے سے الگ ہوگا۔ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

سائل ...... محمد احمد

الجواب

مسجد کی گیلری یا دوسری منزل پر مدرسۃ البنات کا قیام شرعاً جائز نہیں کیونکہ بعض طالبات ومعلمات ناپاک بھی ہوسکتی ہیں۔ جبکہ حائضہ کا مسجد میں داخل ہونا شرعاً حرام ہے۔

لما في المراقي: ويحرم بالحيض والنفاس دخول المسجد لقوله عليه السلام: "لااحل المسجد لجنب ولاحائض" (مراقی الفلاح، صفحہ ۱۴۴)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۱۰/۱۹ھ

مسجد کو درسگاہ بنانے کا حکم:

ضلع خانیوال میں مسجد کے احاطہ میں بجانب جنوب مسجد تعمیر ہے مگر نمازیوں کی کثرت کے باعث مسجد میں توسیع کرنے کی اشد ضرورت ہے، مگر اس مسجد کے مشرق میں بالکل گنجائش نہیں ہے اس لئے طے پایا ہے کہ اسی احاطہ میں بجانب شمال خالی جگہ پر مسجد تعمیر کی جائے جہاں جگہ کی کافی گنجائش ہے۔ کیا اگر مسجد سابقہ کو بطور مدرسہ استعمال کیا جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... عمران الحق رشیدی، 142/9-L ساہیوال

الجواب

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن چکی ہو وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی اس کی مسجد والی حیثیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عندالامام والثانى ابداً الى قيام الساعة، وبه يفتى (الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۵۵۰، ط: رشیدیہ جدید)

درسگاہ نہ ہونے کی صورت میں مسجد میں تعلیم دینے کی گنجائش ہے۔

لمافى الهندية: واما المعلِم الذى يعلم الصبيان بأجرٍ اذا جلس فى المسجد يعلِم الصبيان لضرورة الحرِّ اوغيرهٖ لايكره (جلد ۱، صفحہ ۱۱۰)

وفيه ايضاً: ويجوز الدرس فى المسجد وان كان فيه استعمال اللبود والبوارى المسبلة لاجل المسجد، (عالمگیریہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۰) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۸/۱۰/۷ھ

مایتعلق بآداب المساجد

مسجد میں آتے اور جاتے ہوئے سلام کہنے کا حکم:

ایک آدمی مسجد میں آتا ہے اور السلام علیکم بلند آواز سے کہتا ہے اور جب جاتا ہے تو بھی بلند آواز میں کہتا ہے۔ کیا مسجد میں السلام علیکم کہنا بوقت دخول وخروج جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ آدمی مختلف صورتوں میں ہوتے ہیں، کوئی نماز میں ہوتا ہے اور کوئی ذکر وفکر میں مصروف ہوتا ہے۔

سائل ...... مولوی محمود الحسن، خانیوال

الجواب

مسجد میں آتے اور جاتے سلام کرنا شرعاً جائز نہیں۔ السلام تحیة الزائرین والذین جلسوا فی المسجد للقرأة والتسبیح او لانتظار الصلوة ما جلسوا فیه لدخول الزائرین علیهم فلیس هذا اوَانُ السلام فلایسلم علیهم ولهذا قالوا لو سلم علیهم الداخل وسعهم ان لایجیبوه ، کذا فی القنیة (عالمگیریہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۵)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۶/۶/۵ھ

تبلیغی جماعت کا مسجد میں رہنا اور سونا کیسا ہے؟

اکثر لوگ مسجد میں آ کر راتیں گذارتے ہیں حالانکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود حجرے میں سوتے تھے مسجد میں نہیں سوتے تھے۔ ہم نے کئی علماء سے سنا ہے کہ مسجد میں نہیں سونا چاہیے؛ کیونکہ مسجد پاک جگہ ہے اور انسان کے ذہن میں شیطان ہر طرح کے خیالات پیدا کرتا ہے اور جو لوگ اعتکاف بیٹھتے ہیں وہ تو ٹھیک ہے لیکن جماعت والے اکثر مسجد کے اندر ڈیرہ ڈال لیتے ہیں حالانکہ حجرہ اور رہائش کی جگہ علیحدہ مسجد میں ہوتی ہے اس کے باوجود وہ مسجد کے اندر سوتے ہیں۔ قرآن سنت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد یوسف، کچا کھوہ، خانیوال

الجواب

معتکف اور مسافر کے لئے مسجد میں کھانے پینے اور سونے کی گنجائش ہے، لہٰذا تبلیغی جماعت کا یہ دستور جائز ہے اس لئے کہ تبلیغ والے اکثر مسافر ہوتے ہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اعتکاف کی بھی نیت کر لیا کریں اور اس کا بھی اہتمام کریں کہ مسجد سے ملحق کوئی ایسا حجرہ وغیرہ ہو کہ جس میں تمام ساتھی مع ضروری سامان کے سما سکتے ہوں تو مسجد میں نہ سوئیں۔ ویکره النوم والاکل فیه (ای فی المسجد) لغیر المعتکف واذا اراد ان یفعل ذالک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیه ویذکر اللّٰه تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء ولاباس للغریب ولصاحب الدار ان ینام فی المسجد فی الصحیح من المذهب والاحسن ان یتورع فلاینام (عالمگیریہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۱) ...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۷/۱۲/۲۳ھ

مسجد صلوٰۃ کی حدود میں تعمیر کردہ مکان میں بچوں سمیت رہنے کا حکم:

ایک حجرہ نما باپردہ مکان جو کہ لینٹر کی مدد سے مسجد کے صحن پر بنایا گیا ہے اس میں امام مسجد مع اہل وعیال قیام پذیر ہونا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ وہاں مجامعت کی نوبت بھی آئے گی۔ از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد اشرف، انگلش ٹیچر گورنمنٹ سکول، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحتِ واقعہ اس حجرہ میں بیوی بچوں کے ساتھ رہائش رکھنا جائز نہیں تاہم اس میں مسجد کا سامان رکھنا درست ہوگا۔[1] ....فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١٧/٤/١٣٩٤ھ

اتنا حصہ جو مسجد کے صحن کو گھیرے ہوئے ہو استعمال کرنا جائز ہے باقی حصہ احتیاط کے ساتھ استعمال ہوسکتا ہے اور راستہ بھی کسی اور طرف سے بنایا جائے۔ والجواب صحیح

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
١٧/٤/١٣٩٤ھ

مسجد کے حصہ کو امام مسجد کا رہائش کیلئے استعمال کرنا:

مسجد کے لئے خرید شدہ زمین جس میں مسجد کے نام پر بلڈنگ بنائی گئی ہو اس مسجد کا ایک

تخریج: (١) ......لما فی الدر المختار: وکرہ تحریماً الوطئ فوقه والبول والتغوط لانه مسجد الی عنان سماء (الخ) الدر المختار، جلد ٢، صفحہ ٥١٦، احکام المساجد)

(مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

حصہ مسجد کے پیش امام صاحب کے گھر کے ساتھ ملایا جائے اس کی سکونت کے لئے۔ تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

سائل ...... عبداللہ حیدری

الجواب

جتنا حصہ نماز کے لئے مختص کر دیا گیا ہو خواہ وہ چھتا ہوا ہو یا صحن کی شکل میں ہو اس میں رہائش کے لئے مکان نہیں بنا سکتے اور باقی جگہ میں مکان بنانے کی گنجائش ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۴/۱۸ھ

چودہ سال کے بچے کو مسجد سے روکنا جائز نہیں:

سائل (محمد کاشف) نے اپنی بیٹھک میں درجہ قرآن کا مدرسہ بنایا ہوا ہے نماز کے لئے مسجد میں اسی مدرسہ کے بچے بھی جاتے ہیں جن کی عمر ۱۴/۱۵ سال سے زائد نہیں اب مسجد والوں (متولی) نے بچوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا کہ ان بچوں پر نماز فرض نہیں یہ نماز پڑھنے مسجد میں نہ آئیں تم بڑے آدمی ہو تم آجایا کرو دو چار مرتبہ اسی طرح ہوا بعد میں ہم نے بیٹھک میں جماعت کرانی شروع کر دی ہے اور ہم سب لوگ بیٹھک میں کئی روز سے نماز با جماعت ادا کر رہے ہیں ہمارا یہ بیٹھک میں نماز پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور ہم کیا کریں؟

سائل ...... محمد کاشف، وہاڑی

التخریج: (۱)......شامیہ میں ہے: وکرہ تحریماً الوطئ فوقه والبول والتغوط لانه مسجد الیٰ عنان السماء وکذا الیٰ تحت الثریٰ (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۱۷، ۵۱۶) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

١٤/ ١٥ سال کی عمر کے بچوں کو متولی کا مسجد سے روکنا درست نہیں اتنی عمر کے بچے بلا کراہت مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں[1]۔ اسی طرح آپ کا مسجد کی جماعت کو چھوڑ کر بیٹھک میں جماعت کروانا درست نہیں۔ مسجد ہی میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کریں۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
٢٦/١٠/١٤٢٤ھ

مسجد کے وضوء خانے میں کپڑے دھونے کا حکم:

اگر کوئی مسافر طالب علم کسی مسجد میں جہاں عام طور پر وضوء کرنے کی جگہ بنی ہوتی ہے کپڑے دھوئے اور کپڑے دھونے کے چھینٹے مسجد میں پڑتے ہوں تو اس سے کوئی دینی جرم تو نہ ہوگا؟

سائل ...... محمد قاسم متعلم خیر المدارس، ملتان

الجواب

ناپاک کپڑے ایسی جگہ پر دھونا جہاں ان کے چھینٹے مسجد میں پڑتے ہوں جائز نہیں[2]۔

لتخریج: (١) ......فاذا كانوا مميزين ويعظمون المساجد بتعلّم من وليهم فلاكراهة فى دخولهم (تقریرات الرافعی علی الشامیہ، جلد ٢، صفحہ ٥١٨) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

لتخریج: (٢)......لما فى الهندية: والرابع عشر ان ينزهه عن النجاسات (جلد ٥، صفحہ ٣٢١)

فى الدرالمختار: وكره تحريماً الوطئ فوقه والبول والتغوط ......واتخاذه طريقاً بغير عذر...... وادخال نجاسة فيه (جلد ٦، صفحہ ٥١٦) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

البتہ اگر چھینٹے مسجد میں نہ پڑیں ان کی آواز اگر چہ اندر پہنچے تو کوئی حرج نہیں۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۹/۵/۱۳۸۸ھ

مسجد کے نماز والے حصہ میں جوتوں سمیت جانا جائز نہیں:

ایک مسجد کو شہید کر کے اس کے سامنے نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے دوسری مسجد پہلی سے اتنا دور ہے کہ پہلی مسجد اس کے صحن میں بھی نہیں آتی بالکل الگ ہے اور اب لوگ اس پر سے جوتے سمیت گذرتے ہیں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ پہلی مسجد کی تعمیر والی جگہ اس کا صحن کہلائے گی یا مسجد؟ اور اگر ایسا کرنے پر کوئی وعید ہو تو وہ بھی ضرور تحریر فرمائیں؟

سائل ...... حافظ عبدالرحمٰن، ملتان

الجواب

مسجد کی جگہ کو گزرگاہ کے لئے استعمال کرنا درست نہیں۔لما فی العالمگیریہ: ان ارادوا ان یجعلوا شیأ من المسجد طریقاً للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذالک وانہ صحیح کذا فی المحیط (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ۴۵۷) ......فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۷/۱۱/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

مسجد کے اندر جوتے لے جانے کا حکم:

ہم جس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اس کے صحن میں (جو مسجد میں شامل کیا ہوا ہے) جوتیاں اتارتے ہیں اور پھر جو لوگ باہر سے آتے ہیں وہ اس جگہ پر جہاں جوتے رکھے ہوتے ہیں تھوک دیتے ہیں اور پھر ہم اس جگہ پر مغرب، عشاء اور صبح کی نماز ادا کرتے ہیں۔ واضح فرمائیں کہ یہاں ہمیں مسجد کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ اور یہاں پر جوتے اتارنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

سائل ...... عمران الحق رشیدی، ساہیوال

الجواب

اگر صحن کو مسجد میں شامل کیا گیا ہے تو باہر سے آنے والوں کا اس جگہ جوتے اتارنا اور اس مقام پر بلغم وغیرہ تھوکنا مسجد کے ادب کے خلاف ہے[1] جوتیوں کے لئے اس سے باہر علیحدہ کوئی جگہ مقرر کردیں یا جوتیوں کے لئے لکڑی کے تختوں سے ڈبے بنائے جائیں اور تھوکنے کی ضرورت کے لئے مسجد سے باہر والے حصے کو استعمال کریں۔ حاصل یہ ہے کہ اس جگہ پر مغرب، عشاء اور صبح کی نماز ادا کرنے سے مسجد کا ثواب ملے گا۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۴/۲ھ

التخریج: (۱)......لما فی الشامیة: ان دخول المسجد متنعلاً من سوء الادب (جلد۲، صفحہ۵۱۸)

وفیہ ایضاً: یجب تنزیهه عن المخاط والبلغم (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۵)

وفی العالمگیریة: والثانی عشر ان لایبزق فیه (جلد۵، صفحہ۳۲۱)

وفیہ ایضاً: ودخول المسجد متنعلاً مکروہ کذا فی السراجیه (جلد۵، صفحہ۳۲۱)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

(۱) مسجد میں تعویذ فروشی کا کیا حکم ہے؟

(۲) نسوار استعمال کر کے مسجد میں جانا:

(۱)..... پیش امام صاحب مسجد میں دن کے تقریباً گیارہ بجے تشریف لاتے ہیں ان کی آمد کے ساتھ ہی ان کا مسجد کے حجرے میں تعویذ وغیرہ دینے کا کاروبار شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ نماز عشاء تک جاری رہتا ہے تعویذ وغیرہ لینے کے لئے زیادہ تر عورتیں مسجد میں آتی ہیں کیونکہ امام صاحب مسجد کے حجرے میں بیٹھتا ہے اور حجرے تک جانے کے لئے مسجد کو راستہ بنانا پڑھتا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ وہ عورتیں پاک ہوتی ہیں یا ایام میں، اور ان کی موجودگی اور باتیں کرنے سے نماز میں خلل آتا ہے کیا مسجد میں تعویذ وغیرہ کا کاروبار درست ہے؟

(۲)..... پیش امام صاحب بیڑا استعمال کرتے ہیں اور اکثر بیڑا ان کے منہ میں ہوتا ہے اور اگر نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو امام صاحب منہ سے بیڑا نکال کر پھینک دیتے ہیں اور کلی کر کے نماز پڑھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں وضوء سے ہوں۔ کیا ایسی حالت میں امام صاحب کے پیچھے ہماری نماز ہو جاتی ہے؟

سائل ...... عبدالخالق، شمس آباد، ملتان

الجواب

تعویذ لکھنے کے لئے مسجد سے باہر انتظام کیا جائے۔ کیونکہ یہ نماز میں خلل کا موجب ہے اور اس میں مسجد کو گزرگاہ بنانا پڑتا ہے اور لوگ مسجد کو انتظار گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں جبکہ مسجد کی تعمیر اس مقصد کیلئے نہیں اسی لئے مسجد میں تدریس تنخواہ دار مدرس کے لئے جبکہ دوسری جگہ مہیاً ہو مکروہ ہے۔ ولو جلس المعلم فی المسجد والورّاق یکتب ...... وان کان بالاجرۃ یکرہ الا ان تقع لهما الضرورۃ (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۱)

اسی طرح فقہاء نے مسجد میں تعویذ فروشی کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔

رجل یبیع التعویذ فی المسجد الجامع ویکتب فی التعویذ التوراۃ والانجیل والفرقان ویأخذ علیہ المال ویقول ادفع الیّ الھدیۃ لایحل لہ ذالک (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۱)

الحاصل: مسجد میں یہ سلسلہ مناسب نہیں۔ بیڑے میں چونکہ ایک بدبو سی ہوتی ہے اس لئے نماز سے پہلے مسواک وغیرہ کر لینی چاہیے کیونکہ بدبودار چیز استعمال کرنے کے بعد مسجد میں آنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اکل من ھٰذہ الشجرۃ المنتنۃ فلایقربن مسجدنا فان الملائکۃ تتأذی مما تتأذی منہ الانس، (بخاری ومسلم) (مشکوۃ، جلد ۱، صفحہ ۶۸)

وفی الشامیۃ: قال الامام العینی فی شرحہٖ علیٰ صحیح البخاری: قلت: ...... ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحۃ کریھۃ مأکولاً او غیرہ وانما خص الثوم ھنا بالذکر وفی غیرہٖ ایضاً بالبصل والکراث لکثرۃ اکلھم لھا (شامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۲۶) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۸/۷/۱۴۲۴ھ

مسجد میں پھول اور جھنڈیاں لگانا:

رمضان المبارک میں ختم قرآن کے موقع پر مسجد کو مختلف چیزوں سے سجانا مثلاً چونا وغیرہ کرنا اور کاغذی پھول پتیاں وغیرہ لگانا اور جھنڈیاں لگانا اور چراغاں کرنا کیسا ہے؟

سائل ...... محمد شریف معاویہ

الجواب

جو چیز مسجد کو مستحکم اور پختہ کرنیوالی ہو بحسب ضرورت اسراف سے بچتے ہوئے جائز ہے زائد جھنڈیاں اور پھول پتیاں وغیرہ لگانا میلاد یا ختم قرآن کے موقع پر جائز نہیں۔(۱)

لما ورد فی الدرالمختار: ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فی جدار القبلة (الدرالمختار، جلد۲، صفحہ ۵۲۰)..........................فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۸/۱۲/۴ھ

ختم قرآن کی رات مسجد میں جھنڈیاں لگانے کا حکم:

رمضان المبارک میں ختم قرآن والی رات مساجد کو جھنڈیوں سے یا مختلف برقی ذرائع سے سجایا جاتا ہے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

سائل ......محمد کاشف ملک، ملتان

الجواب

مسجد کو جھنڈیوں سے یا اور دوسری برقی آلات سے سجانا جائز نہیں کیونکہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے اور حدیث مبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت

التخریج: (۱)...... لما فی البحر الرائق: ولایجوز ان یزاد علی سراج المسجد لان ذالک اسراف سواء کان ذالک فی رمضان او غیرہ ولایزین المسجد بهذه الوصیة.......... واسراج السرج الکثیرة فی السکک والاسواق لیلة البرأة بدعة، وکذا فی المساجد، ویضمن القیم، وکذا یضمن اذا اسرف فی السرج فی رمضان ولیلة القدر (جلد۵، صفحہ ۴۶۰۔۴۵۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اختیار کرے تو وہ انہیں میں سے شمار ہوگا: من تشبہ بقوم فھو منھم (ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۲۰۳)

نیز یہ اسراف مال ہے جو شرعاً حرام ہے۔[1] .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح　بندہ محمد عثمان عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　معین مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان　۱۴۲۵/۱۱/۱ھ

معتکف کا حالت اعتکاف میں ڈاکخانے سے متعلق کام کرنا کیسا ہے؟

زید ایک مسجد کا امام ہے اور ساتھ ہی ڈاکخانہ کا کام بھی سرانجام دیتا ہے، ماہ رمضان شریف میں مذکور امام مسجد کا اخیر عشرہ میں اعتکاف بیٹھنے کا ارادہ ہے۔ کیا امام مسجد ڈاکخانہ کا ضروری سامان جو روزمرہ کے کام میں لایا جاتا ہے اعتکاف کی حالت میں اعتکاف کی جگہ پر رکھ کر ڈاکخانے کا کام پندرہ یا بیس منٹ سرانجام دے سکتا ہے یا نہیں؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ اگر اس طرح کیا جاوے تو اعتکاف صحیح ہوگا یا نہیں؟

سائل ...... محمد رفیق، چک نمبر ۱۴/ا خوشاب، سرگودھا

التخریج: (۱)......لما فی البحر الرائق: ولایجوز ان یزاد علی سراج المسجد لان ذالک اسراف سواء کان ذالک فی رمضان او غیرہ ولایزین المسجد بھذہ الوصیۃ..........واسراج السرج الکثیرۃ فی السکک والاسواق لیلۃ البرأۃ بدعۃ، وکذا فی المساجد، ویضمن القیم، وکذا یضمن اذا اسرف فی السرج فی رمضان ولیلۃ القدر (جلد ۵، صفحہ ۴۶۰، ۴۵۹)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

مسجد کے اندر بحالت اعتکاف ڈاکخانے کا کام کرنا مکروہ ہے۔[1] لہٰذا اس کے آلات وغیرہ بھی مسجد میں نہ رکھے جائیں احضار مبیع کو فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے اسی طرح خیاطت، تدریس اور کتابت کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔[2] .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۸۸/۸/۲۱ھ

مسجد کی چھت بھی مسجد کا ہی حکم رکھتی ہے:

ہمارا گھر مسجد کے اوپر ہے اور ایک کمرہ بھی مسجد کی چھت کے اوپر ہے اور ایک کمرہ ایسی جگہ پر واقع ہے جو مسجد تو نہیں لیکن مسجد کے صحن سے گذر کر جانا پڑتا ہے۔ آیا حائضہ عورت کسی کام کی غرض سے ان کمروں میں جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... ایوب صابر، منچن آباد

الجواب

حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی خواہ گذرنے کے ارادہ سے ہی کیوں نہ ہو اور مسجد کی چھت بھی مسجد کے حکم میں ہے۔ **ومنها انه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول في المسجد**

التخريج: (۱)..........لمافي الخانية: ويكره ان يخيط في االمسجد لانهٔ اعد للعبادة دون الاكتساب (خانیہ علیٰ ہامش الہندیہ، جلد۱، صفحہ۶۵)

(۲)......ويكره.....كل عقد الا لمعتكف بشرطه، وهو ان لايكون للتجارة بل يكون ما يحتاجه لنفسه او عياله بدون احضار السلعة (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۶)

وفيه ايضاً: لان المسجد ما بني لامور الد نيا (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۷) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

سواء کان للجلوس او للعبور، فی التهذیب لاتدخل الحائض مسجد الجماعة ......

وسطح المسجد له حکم المسجد (ہندیہ، جلد ا، صفحہ ۳۸)............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح　　　بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　　　نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء خیر المدارس ملتان　　　۱۴۲۶/۶/۹ھ

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے:

نماز جنازہ پڑھنا مسجد میں کیسا ہے؟ جبکہ میت مسجد کی حدود سے باہر ہو لیکن امام اور مقتدی مسجد کے اندر ہوں۔

سائل ......محمد اقبال، محلّہ غریب آباد، حاصل پور

الجواب

صورت مسئولہ میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ ابوداؤد شریف میں ہے: من صلیٰ علیٰ جنازة فی المسجد فلاشئ له (جلد ۲، صفحہ ۱۰۱، ط: رحمانیہ لاہور)

ہندیہ میں ہے: وصلاة الجنازة فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة سواء کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد او المیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد هو المختار کذا فی الخلاصة (عالمگیریہ، جلد ا، صفحہ ۱۶۵)............ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۱۲/۲ھ

مسجد کی دیوار پر پڑوسی کا شہتیر رکھنا جائز نہیں:

ایک شخص مسجد کی چار دیواری کے ساتھ مکان بنانا چاہتا ہے اس کا ارادہ ہے کہ مسجد کی دیوار جو کہ پہلے سے تیار کھڑی ہے اس کو مکان کی پچھلی دیوار بنا کر اس کے اوپر چھت کا ملبہ ڈال دے۔ کیا اس طرح کرنے کی شریعت میں رخصت ہے؟ سائل.....عمر حیات، میانوالی

الجواب

مسجد کی دیوار پر نہ اپنے مکان کا شہتیر ڈال سکتا ہے اور نہ ہی اپنے مکان کی چھت کا دوسرا ملبہ ڈال سکتا ہے۔ ایسا کرنا جائز نہیں۔ لما فی الشامية: ولایوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه وبه علم حکم ما یصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جداره فانه لایحل ولو دفع الاجرة (جلد۶ صفحہ ۵۵۰)........... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ اصغر علی غفرلہ	معین مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۷۸/۱۲/۲ھ

کیا مسجد میں سوال کرنے والے کو خیرات دینا گناہ ہے؟

کوئی شخص مسجد میں سوال کرے تو اس کو خیرات دینی چاہیے یا نہیں؟ سنا ہے کہ مسجد میں سوال کرنے والے کو خیرات دینا گناہ ہے؟

سائل ...... ضیاء الدین، شیخوپورہ

الجواب

مسجد میں بھیک مانگنا اور سوال کرنا مطلقاً حرام ہے اور سائل کو خیرات دینے میں تفصیل ہے کہ اگر وہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہے تو منع ہے ورنہ جائز ہے اور بعض کے نزدیک دینا بھی

مطلقاً مکروہ ہے۔ لما فی الدرالمختار: ویحرم فیه السوال ویکرہ الاعطاء مطلقاً وقیل: ان تخطی (الدرالمختار، جلد۲، صفحہ ۵۲۳، ط: رشیدیہ جدید)...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۱۱/۱۳۷۵ھ

گم شدہ چیز کا اعلان مسجد میں جائز نہیں:

مسجد کے لاؤڈ سپیکر کے ذریعے دنیاوی اعلانات کرنا گاؤں کے لوگوں کی ضرورت کے لئے شرعاً کیسا ہے؟ جبکہ مقابل دوسری مسجد میں ''اٹھارہ آنے'' لے کر اعلان کرتے ہیں اُدھر بھی مجبوراً کیا جاتا ہے، کہ بجلی کا بل ادا ہو جاتا ہے۔

سائل ...... عبدالرشید امام مسجد چک نمبر گ۔ب/۶۴۴، جڑانوالہ

الجواب

اگر اعلان کی ضرورت ہو تو اعلان کی جگہ مسجد کے باہر بنائی جائے وہاں سے اعلان جائز ہو گا، مسجد کے اندر سے اعلان گمشدگی درست نہیں کیونکہ حدیث شریف میں صراحۃً ممانعت آئی ہے۔(۱)

التخریج: (۱)...... عن ابی هریرة یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا اداها الله الیک فان المساجد لم تبن لهذا (ابوداؤد شریف، جلد۱، صفحہ۷۹)

واخرجه الترمذی فی سننه ولفظه: '' واذا رأیتم من ینشد فیه ضالة فقولوا لارد الله علیک'' (ترمذی، باب النهی عن البیع فی المسجد، جلد۱، صفحہ۲۷۸)

وفی الدرالمختار: ویحرم فیه السوال...... وانشاد ضالة او شعر (جلد۲، صفحہ۵۲۳)

وفی الشامیة: قوله ''انشاد ضالة'' هی الشیٔ الضائع وانشادها السوال عنها وفی الحدیث: ''اذا رأیتم من ینشد ضالة فی المسجد فقولوا لاردّ الله علیک'' (الدرالمختار مع الشامیہ، کتاب الصلوۃ، جلد۲، صفحہ۵۲۳)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

البتہ دینی قسم کے اعلانات درست ہیں۔..................فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۳/۱۲/۱۹ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

اجرت لے کر مسجد کے اسپیکر سے دنیاوی اعلانات کرنا:

(۱)......کیا جامع مسجد کے اندر دنیاوی کاروبار کا اعلان کیا جا سکتا ہے؟

(۲)......قاری صاحب (امام مسجد) کاروباری اعلان مبلغ ۱۰ روپے فی اعلان مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر کرتے ہیں۔ کیا یہ رقم کاروباری اعلان والی مسجد کے اخراجات پر جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... جمال الدین، چک نمبر ۶۷ رحیم یار خان

الجواب

(۱)......مسجد کے اندر دنیاوی کاروبار کا اعلان جائز نہیں ہے[1]۔

لقوله تعالىٰ: وانّ المساجد للّٰه فلاتدعوا مع اللّٰه احداً (الآیۃ)

ولقوله عليه السلام: من سمع رجلاً ينشد ضالة فى المسجد فليقل لاردها اللّٰه عليك فان المساجد لم تبن لهٰذا (مسلم شریف، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵)

ويدخل فيه كل مالم يبن له المسجد (مجمع بحار الانوار، جلد ۴، صفحہ ۷۰)

(۲)......اگر سپیکر کی مشین، مائیک اور ہارن وغیرہ مسجد کے اندر ہو تو اعلان جائز نہیں۔ نہ پیسوں کے

التخريج: (۱)...... والسابع ان لايتكلم فيه من احاديث الدنيا (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۲۱)

وفى الخانية: انهٗ اعد للعبادة دون الاكتساب (خانیہ علیٰ ہامش الہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۶۵)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

ساتھ اور نہ بغیر پیسوں کے۔ اور اگر سپیکر کی مشین وغیرہ مسجد سے باہر ہوں تو اجرت کے ساتھ اعلان کرنا جائز ہے۔..................... فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۶/۵/۱۹ھ

(۱) گم شدہ چیز کے اعلان کیلئے ایک حیلہ:

(۲) دینی امور کا اعلان مسجد میں جائز ہے:

(۱)...... اگر کوئی بچہ یا کوئی بڑا آدمی گم ہو جائے تو کیا مسجد کے سپیکر پر اعلان کیا جائے یا نہیں؟

(۲)...... گھریلو کوئی بھی چیز گم ہو جائے تو کیا مسجد میں اعلان کر سکتے ہیں؟

سائل ...... محمد صدیق، لیاقت پور

الجواب

گم شدہ چیز کا اعلان یا دوسرے دنیاوی امور کے اعلانات مسجد میں جائز نہیں، اگر عوام کا مطالبہ شدید ہو تو سپیکر اور ہارن خارجِ مسجد رکھ کر بالمعاوضہ اعلان کرنے کی گنجائش ہے البتہ دینی اعلانات مثلاً جنازہ وعظ وغیرہ کی اجازت ہے۔

ہندیہ میں ہے: والخامس ان لا يطلب الضالة فيه (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۱)

وفی الدر المختار: ويحرم فيه السوال ...... وانشاد ضالة او شعر (جلد ۲، صفحہ ۵۲۴)

وفی الشامية: قوله "انشاد ضالة" هی الشی الضائع وانشادها السوال عنها

وفی الحديث: "اذا رأيتم من ينشد ضالة فی المسجد فقولوا لاردّ الله

علیک" (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۲، صفحہ ۵۲۳)............... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان | ۹/۱۰/۱۴۰۸ھ

مساجد، مدارس، جہادی یا مذہبی تنظیموں کیلئے مسجد میں اعلان کرنے کا حکم:

عام طور پر مسجد میں سوال کرنے سے منع کیا جاتا ہے اور اسی طرح گمشدگی کا اعلان کرنے سے بھی منع کیا جاتا ہے لیکن یہ جو معمول ہے کہ مسجد میں کسی اسلامی مدرسہ وغیرہ کے لئے اسی طرح کسی تنظیم کے لئے مسجد میں اپیل کی جاتی ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل ......حبیب الرحمٰن، رحیم یار خان

الجواب

یہ بات محقق ہے کہ مسجد میں فقیر کا سوال کرنا منع ہے تخطی رقاب اور ایذا کی صورت میں اسے دینا شرعاً ناجائز ہے۔ درمختار میں ہے: ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء مطلقاً وقیل: ان تخطی (الدر المختار، جلد۲، صفحہ ۵۲۳، ط: رشیدیہ جدید)

مسجد، مدارس، جہاد وغیرہ کے لئے مسجد میں چندہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ کسی نمازی کے لیے تشویش کا باعث نہ بنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں چندہ کرنا اور اور حضرات صحابہ کرام کا چندہ دینا ثابت ہے۔ عن المنذر بن جریر عن ابیہ قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صدر النهار قال فجاءہ القوم حفاۃ عراۃ مجتابی النمار او العباء متقلدی السیوف عامتهم من مضر، بل کلهم من مضر فتمعر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما رأی بهم من الفاقۃ فدخل ثم خرج فامر بلالاً فأذن

واقام فصلی ثم خطب.......... تصدق رجل من دیناره، من درهمه، من ثوبه من صاع بره، من صاع تمره حتی قال ولوبشق تمرة قال فجاء رجل من الانصار بصرّة کادت کفه تعجز عنها بل قد عجزت قال ثم تتابع الناس حتی رایت کومین من طعام وثیاب حتی رایت وجه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یتهلل کانه مذهبة (الحدیث) (مسلم شریف، جلد ا، صفحہ ۳۲۷)

عن عبدالرحمن بن خباب قال شهدت النبی صلی اللّٰه علیه وهو یحث علیٰ جیش العسرة فقام عثمان فقال علیّ ماة بعیر...... فانا رایت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ینزل عن المنبر وهو یقول(الحدیث) (مشکوۃ شریف، صفحہ ۵۶۱).......... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۷/۴/۱۰ھ

(۱) بلا ضرورت شدیدہ طلباء کو مسجد میں نہ ٹھہرایا جائے:

(۲) مسجد میں مدرسہ کیلئے چندہ کرنا جائز ہے:

(۳) مدرسہ کا چندہ مسجد کے چندہ میں شامل نہ کیا جائے:

(۱)...... مسجد میں کسی قسم کی دنیاوی تعلیم دینا یا سکول کے طور پر اسے استعمال میں لے آنا از روئے شریعت جائز ہے؟ نیز نابالغ چھوٹے بچوں کو مسجد میں قرآن کی تعلیم دینا جائز ہے؟ جبکہ یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ بچے مسجد کے احترام کو ملحوظ نہیں رکھتے اور بلا خوف وخطر آمد ورفت جاری رکھتے ہیں اور پاکی پلیدی کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔

(۲)...... مسجد میں مدرسہ کی صورت ہو اور چوبیس گھنٹے کچھ بیرونی طلباء رہائش کی خاطر سونے اور خورد ونوش وغیرہ سے مسجد کے احترام کو ملحوظ نہ رکھتے ہوں کیا سب کچھ از روئے شریعت جائز ہے

مسجد کی اہمیت، عصمت اور اقدار کو ملحوظ خاطر رکھ کر تحریر فرمائیں؟

(۳)..... کیا مسجد میں مسجد کے ذاتی استعمال سے قطع نظر ایسی امداد بصورت چندہ کی جائے کہ جو مسجد پر تو استعمال نہ ہو لیکن ایک غیر ادارہ پر استعمال ہو اور اسی غیر ادارہ کے لئے مسجد کو استعمال میں لایا جار ہا ہو کیا یہ صورت جائز ہے اور مسجد میں مسجد سے لاتعلق ادارے کے لئے چندہ سے مسجد کے حقوق ومفادات کے خلاف کوئی مباحانہ پہلو نکل سکتا ہے جبکہ ایک مسجد کی کوئی چیز دوسری مسجد میں استعمال کرنا منع ہے تو ادارہ غیر اگر چہ دینی ہی کیوں نہ ہو مسجد کی چار دیواری میں اس کے لئے چندہ کرنا از روئے شریعت جائز ہے؟ مثلاً میں ایک مسجد کا صرف پیش امام ہوں، اور میں نے ایک مدرسہ بھی جاری کر رکھا ہے اور اس مدرسہ کے لئے میں ہر جمعہ کو عوام سے چندہ وصول کروں اور اسی چندہ کو مدرسہ پر استعمال کی خاطر رکھ لوں اور چندہ مسجد کے حساب میں جمع نہ ہو اور نہ ہی مسجد کے مفاد کی خاطر خرچ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں کیا فیصلہ ہے اور اس چندہ کی کیا نوعیت ہونی چاہیے اور یہ چندہ مسجد کے ماسوا کسی بھی اور مقصد کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے؟

الجواب

(۱)..... طلباء کی رہائش کے لئے الگ کمرہ ہونا چاہیے ایسا انتظام نہ ہو تو مسجد میں رہنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ مسجد کا احترام پورا پورا بجالایا جائے۔(۱)

(۲)..... دنیوی تعلیم کے لئے مسجد کو استعمال نہ کیا جائے۔(۲)

التخریج: (۱)..... ولاباس للغریب ولصاحب الدار ان ینام فی المسجد فی الصحیح من المذھب، والاحسن ان یتورع فلا ینام کذا فی خزانۃ الفتاوی (عالمگیریہ، جلد۵، صفحہ۳۲۱)

وفی الشامیۃ: ان اھل الصفۃ کانوا یلازمون المسجد وکانوا ینامون، ویتحدثون (الخ) (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۷)

(۲)..... لان المسجد ما بنی لامور الدنیا (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۷)

وفی الھندیۃ: والسابع ان لایتکلم فیہ من احادیث الدنیا (جلد۵، صفحہ۳۲۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

(۳)...... مسجد میں چونکہ قرآن مجید کی تعلیم دینا سخت ضرورت کے وقت جائز ہے دوسری جگہ مہیا ہو سکتی ہو تو ایسی جگہ تعلیم کا انتظام کرنا لازم ہے یہ اس وقت ہے جبکہ مدرس تنخواہ دار ہو[1] استاد کو چاہیے کہ بچوں کی نگرانی کرتا رہے اور مسجد کے احترام کا حکم دیتا رہے۔

(۴)...... مسجد میں مدرسہ کیلئے چندہ کی اپیل کرنے میں کوئی حرج نہیں[2] جو چندہ مدرسہ کے لئے جمع کیا جائے اسے مدرسہ ہی میں خرچ کرنا چاہیے مسجد میں صرف نہ کیا جائے[3]...... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۴/۳/۲ھ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

مساجد میں سحری کے وقت وقفے وقفے سے اعلانات کرنا:

دو رمضان گزر گئے میری عادت ہے کہ سحری کے وقت مسجد میں اعلان کرتا ہوں کہ ''بھائی روزہ والو اتنے منٹ باقی رہ گئے ہیں جلدی سحری کھالو'' دوسرا جب سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو روزہ بند کرلو فوراً ورنہ روزہ نہیں ہوگا، دو سال ہو گئے میری یہی عادت ہے اس سال میں نے ایسا

التخریج: (۱)...... لو جلس المعلم فی المسجد...... فان کان المعلم یعلم للحسبة ...... فلا بأس به لانه قربة وان کان بالاجرة یکره الا ان یقع لهما الضرورة (عالمگیریہ، جلد۵، صفحہ۳۲۱)

وفیه ایضاً: واما المعلم الذی یعلم الصبیان باجر اذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر اوغیره لایکره (جلد۱، صفحہ۱۱۰)

(۲)...... عن عبدالرحمن بن خباب قال شهدت النبی صلی الله علیه وهو یحث علیٰ جیش العسرة فقام عثمان فقال علیّ ماة بعیر .... فانا رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینزل عن المنبر وهو یقول (الحدیث) مشکوٰۃ شریف، جلد۲، صفحہ۵۶۱)

(۳)...... انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة (شامیہ، جلد۶، صفحہ۶۸۳)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کیا تو ایک تبلیغی ساتھی نے کہا کہ مسجد ہے یا کوئی کلب گھر ہے ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ بزرگ اس سے منع کرتے ہیں میں نے اس دن سے اعلان کرنا چھوڑ دیا ہے کہ واقعی بات تو درست ہے تو کچھ محلے والوں نے کہا کہ یار، تو اعلان کرتا تھا بڑا فائدہ ہوتا تھا کیونکہ بعض جاہل ان پڑھ ہیں گھڑی کا پتہ نہیں چلتا اذان کے انتظار میں رہتے ہیں اور ہم اذان تقریباً سات منٹ سحری کے وقت کے ختم ہونے کے بعد دیتے ہیں اب تو ہم کھاتے رہتے ہیں پتہ نہیں چلتا میں نے کہا بھائی ابھی مجھے شک پڑ گیا ہے کہ جائز بھی ہے کہ نہیں پوچھ کر شروع کرونگا۔ آپ مسئلہ بتائیں۔

سائل ......صوفی اللہ رکھا، بیٹ کھترہ

الجواب

مساجد میں سحری کے وقت وقفے وقفے سے اعلانات کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔

عن سالم عن ابیه ان النبیّ صلی اللّٰه علیه وسلم قال ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ تسمعوا تأذین ابن ام مکتوم (ترمذی شریف، جلد ۱، صفحہ ۱۴۹)

اس پر محشی لکھتے ہیں: ان التکرار کان للتسحیر کما فی کتاب الحج وهو المتبادر من الفاظ الصحیحین "لیرجع قائمکم وینتبه نائمکم" (ترمذی شریف، جلد ۱، صفحہ ۱۴۹، ط: رحمانیہ لاہور)

لیکن صرف وقت بتایا جائے تلاوت، نعت خوانی وغیرہ کی بالکل اجازت نہیں کیونکہ اس سے نماز تہجد میں خلل واقع ہوتا ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
(۱۴۲۲/۱۱/۱۰ھ)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

مسجد میں محفل مشاعرہ کا انعقاد کیسا ہے؟

ہم نے اپنی مسجد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں ایک محفل منعقد کی جس میں چند علمائے کرام اور چند شعراء نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ مسجد میں مشاعرہ منعقد نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔ آپ تفصیل بتائیں کہ کیا ایسا مشاعرہ مسجد میں منعقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... مولوی سعید احمد سعیدی، میلسی، وہاڑی

الجواب

شعر کا مضمون اگر قواعد شرعیہ کے مطابق ہو تو شرعاً ایسے شعر پڑھنے کی اجازت ہے حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مشہور شاعر ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے واقعہ افک کی وجہ سے حضرت حسان بن ثابتؓ کو برا بھلا کہا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ: **لا تسبه فانه كان ينافح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم** (بخاری شریف، جلد۲ صفحہ ۹۰۹)

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی ہجو کا جواب دینے کا حکم صادر فرمایا تھا اور ان کے لئے دعا بھی فرمائی: **یاحسان: اجب عن رسول الله: اللهم ايده بروح القدس** (بخاری شریف، جلد۲، صفحہ ۹۰۹) **وعن البراءؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لحسانؓ: اهجهم اوقال: هاجهم وجبرئيل معك** (بخاری شریف، جلد۲، صفحہ ۹۰۹)

سورۂ شعراء کی آخر آیات انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

مسجد میں مضمونِ صحیح پر مشتمل اشعار پڑھنے کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ حاشیہ ترمذی شریف میں ہے: **وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم فى غير**

حدیث رخصة فی انشاد الشعر فی المسجد .... وحمل احادیث الرخصة علیٰ شعر حسن مأذون فیه کهجاء حسان الکفرة ومدحه صلی اللّٰه علیه وسلم (قوت المغتذی حاشیہ ترمذی شریف، جلد ۱، صفحہ ۱۸۲، ط: رحمانیہ لاہور)

جن بعض احادیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے ان کا محمل ایسے اشعار ہیں کہ جن کا مضمون قواعد شریعہ کے مطابق نہ ہو۔ المنع من انشاد الشعر بالمسجد محمول علی ما به هجاء او مدح بغیر حق (قوت المغتذی حاشیہ ترمذی شریف، جلد ۱، صفحہ ۱۸۲، ط: رحمانیہ لاہور)

وفی الشامیة: فما کان منه فی الوعظ والحکم وذکر نعم اللّٰه تعالیٰ وصفة المتقین فهو حسن (شامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۲۴، ط: رشیدیہ جدید) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۹/۷/۱۴۰۷ھ

35

مسائلِ شتّٰی

متولی کسی محلّہ دار کو مسجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتا، جبکہ باعث فتنہ نہ ہو:

ایک آدمی کی ایک مسجد کے متولی سے کچھ ذاتی کاوش تھی اس کاوش کی بناء پر اس متولی نے اس آدمی کو اپنے بندوں سے پکڑوا کر باہر نکلوا دیا اور کہا کہ ''آپ مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتے کیونکہ مسجد محلّہ یا شہر کی نہیں بلکہ میں اس کا مالک ہوں'' تو کیا کسی آدمی کا یہ کہنا جائز ہے؟ اور ایسے شخص کو پیر بنانا جائز ہے؟

سائل ...... عبدالرشید، بہاولپور

الجواب

متولی کو یہ حق نہیں کہ محلّہ کے کسی آدمی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دے، البتہ اگر کوئی شخص فتنہ پرداز ہو تو اسے مسجد سے روکا جا سکتا ہے[1]۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۲/۸/۲۳ھ

التخریج: (۱)......لما فی الدر المختار: ویمنع منہ وکذا کل موذ ولو بلسانہ، وفی الشامیۃ: والحق بالحدیث کل من آذی الناس بلسانہ، وبہ افتی ابن عمر وھو اصل فی نفی کل من یتاذی بہ (شامیہ، جلد ۲، صفحہ ۵۲۶)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

جو شخص باعث شر وفساد ہو اُسے مسجد سے روکنا:

ہمارے ہاں محلّہ میں ایک شخص فتنہ وفساد کی جڑ ہے خصوصاً مسجد کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے آنے والے ہر امام صاحب پر اعتراض، اس کے ساتھ بدتمیزی اور بدکلامی کرتا ہے جس کی وجہ سے کوئی بھی امام زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکتا نمازیوں کے لئے تکلیف اور پریشانی کا باعث ہے بعض اوقات وہ لوگ بھی اس کو بھڑکاتے ہیں جو خود تو مسجد میں نہیں آتے لیکن ان کو وہ امام پسند نہیں ہوتا۔ تو کیا ان حالات میں فتنہ وفساد ختم کرنے کے لئے ایسے شخص کو مسجد اور جماعت سے روکا جا سکتا ہے؟

سائل ...... حبیب، اللہ ایم، ڈی، اے، چوک ملتان

الجواب

جو شخص حفظ وامن میں خلل انداز ہو، باعث شر وفساد ہو اور عام نمازیوں کو ایذا رساں ہو اسے مسجد و جماعت سے روکنا قانونِ شرع کے عین مطابق ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من اكل من هذه الشجرة فلا يقربن مسجدنا ولا يؤذينا بريح الثوم (اخرجہ مسلم، جلد ۱، صفحہ ۲۰۹)۔

حضرات فقہاء کرام نے کوڑھی اور جس شخص کی بغل وغیرہ سے نا قابل برداشت بدبو آتی ہو اسے بھی مسجد سے روکنے کی اجازت دی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں: والحق بعضهم بذالک من بفيه بخر او به جرح له رائحة، وزاد بعضهم فالحق اصحاب الصنائع كالسماک والعاهات كالمجذوم ومن يؤذی الناس بلسانه (جلد ۲، صفحہ ۴۳۷، ط: قدیمی کتب خانہ کراچی)

درمختار میں ہے: واكل نحو ثوم ويمنع منه وكذالک كل موذ ولو بلسانه (الخ)

وفی الشامية: والحق بالحديث كل من آذی الناس بلسانه وبه افتی ابن

عمر (الخ) (درمختار مع الشامیہ، جلد۲، صفحہ ۵۲۵)....................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۵/۳/۱۴۲۷ھ

ایک مسجد میں بیک وقت دو جماعتوں کا حکم:

ایک مسجد میں امام متعین ہے اذان اور جماعت باقاعدہ وقت پر ہوتی ہے جس وقت جماعت ہورہی ہو چند آدمی اسی وقت اسی مسجد میں اذان ثانی کہہ کر سابقہ جماعت کے ہوتے ہوئے ایک طرف نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا یہ دوسری اذان اور نماز علیحدہ پڑھنا جائز ہے؟

سائل ...... چوہدری رحمت علی، میاں چنوں

الجواب

ایک ہی مسجد میں ایک ہی وقت میں دو اذانیں کہنا اور دو جماعتیں کرنا شرعاً اور اخلاقاً بہت ہی بری بات ہے (۱) یہ تو ایک قسم کا نماز کے ساتھ تمسخر ہے اگر عقائد کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایک فریق دوسرے فریق کے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہے تو یہ دونوں فریق انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کر کے ایک فریق کے لئے کوئی دوسری علیحدہ جگہ کا انتظام کر دیں یعنی دوسری جگہ کا انتظام کرنا فریقین کے ذمہ ہوگا، اس کی صورت یہ ہوگی کہ جو فریق مسجد میں رہنا چاہے وہ دوسرے فریق کے لئے مسجد بنانے میں امداد کرے تا کہ دوسرا فریق بھی اپنی علیحدہ مسجد بنا سکے، بہر حال جس طرح بھی ہو جھگڑا

التخریج: (۱)......وقد علمت ان تکرارھا مکروہ فی ظاھر الروایۃ (شامیہ، جلد۲، صفحہ ۸۰)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کی موجودہ صورت اختیار کرنا جائز نہیں اس کا تدارک بہت جلد کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ غفر اللہ لہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ اصغر علی غفر لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۸/۱۱/۱۳۷۵ھ

محلے دار یا دوکان دار مسجد کا پانی استعمال نہ کریں:

مسجد کی موقوفہ اشیاء جیسے گھڑی پنکھے وغیرہ تو اپنے گھر یا دوکان پر ذاتی استعمال میں نہیں لائے جاسکتے ۔ کیا اسی طرح نلکا یا ٹینکی وغیرہ کا پانی اپنے گھر یا ہوٹل میں لے جا کر استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد عارف، کبیر والہ

الجواب

مسجد کی وقف اشیاء کو مسجد سے باہر لیجا کر ذاتی ضرورت میں استعمال کرنا گناہ ہے اسی طرح پر مسجد کی ٹینکی کا پانی غیر نمازیوں کو استعمال کرنا اور محلہ داروں اور دوکانداروں کو اپنے گھر اور دوکان میں لانا درست نہیں ہے ۔(۱) البتہ مسجد کا نلکا کو خود چلا کر پانی بھرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۷/۴/۱۴۱۳ھ

التخریج: (۱)...... لمافی الهندیة: متولی المسجد لیس له ان یحمل سراج المسجد الیٰ بیته (جلد ۲، صفحہ ۴۶۲)
وفیه ایضاً: واذا وقف للوضوء لایجوز الشرب منه (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۶۵) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اگر مسجد کا محراب درمیان میں نہ ہو تو امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے:

ہم نے مسجد کی لمبائی میں دس فٹ دائیں جانب اضافہ کیا ہے جس کی وجہ سے محراب درمیان میں نہیں رہا۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱)..........موجودہ صورت میں محراب میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)..........کیا موجودہ محراب میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

(۳)..........کیا موجودہ محراب میں نماز بالکل نہیں ہوتی؟

(۴)..........کیا موجودہ محراب میں نماز پڑھنا درجاتِ نماز کو گھٹاتا ہے؟

(۵)..........کیا اس محراب کو گرا کر نیا محراب درمیان میں بنانا ضروری ہے؟

سائل ...... محمد اسلم، بھکر

الجواب

اگر یہ محراب آسانی سے درست کیا جا سکتا ہے تو بہتر ہے ورنہ ویسے ہی رہنے دیا جائے البتہ اگر امام محراب چھوڑ کر صف کے درمیان میں کھڑا ہو تو یہی صورت بہتر ہے۔[1] فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۶/۳۰ھ

التخریج: (۱)......اس لئے کہ محراب صف کے درمیان کو متعین کرنے کے لئے ہی بنایا جاتا ہے تا کہ امام کی دونوں جانب صف برابر ہو جائے۔ السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصف یکره .... السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الا ترى ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وهی قد عینت لمقام الامام (شامیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۷۱، ۳۷۲، کتاب الصلاۃ) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد میں گیس کے ہیٹر دائیں بائیں لگائے جائیں یا انسانی قد سے اوپر لگائے جائیں:

موسم سرما میں ہمارے علاقے ایبٹ آباد کی مساجد میں گیس ہیٹر جلائے جاتے ہیں جن میں سے بعض ہیٹر قبلہ کی دیوار کی جانب ہوتے ہیں اور دوران نماز جل رہے ہوتے ہیں۔ اب جواب طلب بات یہ ہے کہ اس صورت میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور نماز میں کوئی کراہت لازم آئے گی یا نہیں؟

سائل ...... محمد عبداللہ خان، ایبٹ آباد

الجواب

مسجد میں گیس کے ہیٹر جلانے کی بہتر صورت یہ ہے کہ قبلہ کی جانب ہیٹر جلانے سے احتراز کیا جائے، البتہ بدرجۂ مجبوری ہیٹر جلانے میں ایسی صورت اختیار کی جائے کہ ہیٹر کھڑا ہونے کی حالت میں نمازی کے قد سے بلند ہو۔ من توجه في صلاته الیٰ تنور فيه نار تتوقد او كانون فيه نار يكره ولو توجه الیٰ قنديل او الیٰ سراج لم يكره كذا في محيط السرخسي، وهو الاصح، (ہندیہ، جلد ا، صفحہ ۱۰۸)[1]۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۳/۱۴ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے:

محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے یا جامع مسجد میں جو دوسرے محلے میں واقع ہے؟

سائل ...... محمد خالد، ملتان

التخريج: (۱)......وفي المراقي: ويكره ان يكون بين يديه(اى المصلى) تنور او كانون فيه جمر لانه يشبه المجوس في حال عبادتهم (مراقی الفلاح، صفحہ ۳۶۲) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

محلّہ کی مسجد میں نماز کی ادائیگی شرعاً افضل ہے بشرطیکہ محلّہ کا امام بدعتی، فاسق وغیرہ نہ ہو بصورت دیگر صحیح العقیدہ متقی امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں۔ درمختار میں ہے: ومسجد حيّه افضل من الجامع (جلد۲، صفحہ۵۲۳) وفی الشامية: ومسجد حيّه وان قل جمعه افضل من الجامع وان كثر جمعه (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۲، ط: رشیدیہ جدید)

بلکہ اگر اپنے محلے والی مسجد ویران ہو اور اس میں جماعت نہ ہوتی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اسی ویران مسجد میں جائے اور اذان دے اگر کوئی نمازی نہ آئے تو اکیلے نماز پڑھے۔

لما فی الشامية: لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن فانه يذهب اليه ويؤذن فيه ويصلی ولو كان وحده لان له حقاً عليه فيؤديه (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۳)...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۱۱/۲۵ھ

بدوں کسی وجہ ترجیح کے دور والی مسجد میں نماز کیلئے جانا پسندیدہ نہیں:

ہمارے محلے میں دو مسجدیں ہیں ایک ہمارے گھر کے قریب ہے اور دوسری کچھ فاصلے پر ہے تو کونسی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہوگا بعض کا خیال ہے کہ جو مسجد دور ہے اس میں جانا چاہیے کیونکہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے قدم زیادہ ہوں گے اور ثواب زیادہ ہوگا۔

سائل ...... محمد احسن، علی پور

الجواب

مسجد بعید میں اگر شرعی وجہ ترجیح نہیں اور قریبی مسجد میں کوئی مانع شرعی نہیں تو ایسی صورت

میں قریبی مسجد میں نماز ادا کی جائے کیونکہ اس مسجد کا اہل محلّہ پر حق بھی ہے اور ثواب بھی زیادہ ہے۔

لما فی الشامیة: ثم الاقدم افضل لسبقه حكماً الا اذا كان الحادث اقرب الیٰ بيته فانه افضل حينئذ لسبقه حقيقة وحكماً .... ومسجد حيه وان قل جمعه افضل من الجامع وان كثر جمعه .... بل فی الخانية لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن فانه يذهب اليه، ويؤذن فيه ويصلي ولو كان وحده لان له حقاً عليه فيؤديه (شامیہ، جلد ۲، صفحہ ۲۳، ۵۲۲) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

کیا مسجد کا حجرہ کرایہ پر دینا جائز ہے؟

مسجد کی انتظامیہ نے ایک شخص کو مسجد کا حجرہ کرایہ پر دیا ہے جو کسی پرائیویٹ کوٹھی پر چوکیدار ہے سارا دن کوٹھی پر رہتا ہے کھانا وغیرہ ادھر ہی کھاتا ہے اس نے مسجد انتظامیہ سے بات کی کہ میرا مختصر سا سامان ہے آپ مجھے مسجد کا حجرہ پانچ سو روپے ماہوار کرایہ پر دیدیں مسجد کی انتظامیہ نے حجرہ کرایہ پر دیدیا کہ حجرہ تو ویسے بھی خالی پڑا رہتا ہے، لہٰذا کرایہ پر دینے سے مسجد کی آمدنی کا ایک ذریعہ بن جائے گا لیکن مجھے اس سے اختلاف ہے کہ انتظامیہ نے ایک غلط قدم اٹھایا ہے۔ شرعاً اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد افضل، پل براراں، ملتان

الجواب

بلا ضرورت مسجد کا حجرہ کرایہ پر دینا مناسب نہیں کیونکہ مسجد کے احاطہ میں جو حجرے ہوتے ہیں وہ عموماً امام مسجد اور خدام مسجد کے لئے ہوتے ہیں، لہٰذا ان کو اسی کام میں لایا جائے تاہم

اگر امام ومؤذن وغیرہ کو حجرے کی بالکل ضرورت نہ ہو تو بوقت ضرورت کرایہ پر دینے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس میں مسجد کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو، نمازیوں کو حرج اور تشویش نہ ہو اور کرایہ دار کی آمدورفت کا راستہ الگ ہو۔..................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۱۰/۲۴ھ

مسجد کا مکان کرایہ پر دینا جائز ہے:

ہم نے اپنی مسجد سے ملحق، امام مسجد کے لئے مسجد کی آمدنی سے مکان تعمیر کرایا مگر امام مسجد کچھ مجبوریوں کی وجہ سے اس مکان میں بچوں کی رہائش سے گریزاں ہے اس صورت میں انتظامیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ مکان کو کرایہ پر لگایا جائے تا کہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کی آمدنی سے بنا ہوا مکان کرایہ پر لگ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لگ سکتا تو بنے ہوئے مکان کا مصرف کیا ہوگا؟ سائل ...... انتظامیہ مسجد قباء، مسلم کالونی علی پور

الجواب

صورت مسئولہ میں مکان کرایہ پر دینا شرعاً جائز ہے۔ اذا وقف داره علیٰ الفقراء فالقیم یؤاجرها (الخ) (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۴۱۸، الباب الخامس)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ وقف مکان کا اجارہ جائز ہے لیکن کرایہ مناسب ہونا چاہیے۔..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۳/۲/۲۳ھ

غیر مسلم اگر کرایہ کافی زیادہ دے تو مسلم کرایہ دار سے مسجد کی دوکان لے کر غیر مسلم کو دینے کا حکم:

ایک قطعہ موقوفہ ایک شخص (زید) کو کرایہ پر دیا ہوا ہے جبکہ عمرو کا مطالبہ ہے کہ یہ زمین مجھے کرایہ پر دیدی جائے میں زید کی بنسبت زیادہ کرایہ ادا کروں گا۔ کیا متولی کو یہ حق ہے کہ زید سے اجارہ ختم کر کے عمرو کو دیدے؟ جبکہ ''عمرو'' غیر مسلم ہے اور ''زید'' جسکو پہلے سے زمین کرایہ پر دی ہوئی ہے وہ مسلمان ہے۔

سائل ...... محمد اکرم، جتوئی

الجواب

اگر غیر مسلم اور مسلمان کے کرایہ میں تفاوت فاحش ہو اور مسلمان کرایہ دار اتنا کرایہ دینے کے لئے آمادہ نہیں جتنا غیر مسلم دینا چاہتا ہے تو مسلمان سے اجارہ ختم کر کے غیر مسلم کو دینا ضروری ہے کیونکہ وقف کی رعایت مقدم ہے۔ لما فی الدر المختار: وکذا یفتی بکل ما ھو انفع للوقف فیما اختلف العلماء فیہ حتی نقضوا الاجارۃ عند الزیادۃ الفاحشۃ نظرا للوقف وصیانۃ لحق اللّٰہ تعالیٰ (درمختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۲۶، ط: رشیدیہ جدید)

وفیہ ایضاً: فاذا کانت اجرۃ دار عشرۃ مثلاً وزاد اجر مثلھا واحداً فانھا لاتنقض بخلاف الدرھمین فی الطرفین (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۱۸)

البتہ اگر سابقہ کرایہ دار زائد مقدار دینے کے لئے آمادہ ہو جائے تو پھر سابقہ مسلم کرایہ دار اولیٰ ہے۔ المستأجر الاول اولیٰ من غیرہ اذا قبل الزیادۃ ای الزیادۃ المعتبرۃ عند الکل. (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۱۹)

الحاصل: اگر معمولی فرق ہو یا زیادتی کو مسلم کرایہ دار تسلیم کرلے تو پھر وہ قطعہ زمین یا

دوکان اسی کے پاس رہنے دیں گے۔.................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۰/۵/۱۴۲۶ھ

سردی یا گرمی کی وجہ سے کسی ایک مسجد سے نماز باجماعت کا سلسلہ منقطع کرنا جائز نہیں:

کوہاٹ کے نواح میں پتی نامی گاؤں ہے جس میں محلہ شیخاں میں دو مسجدیں ہیں۔ ایک بڑی ہے جو جامع مسجد ہے۔ دوسری چھوٹی مسجد ہے چھوٹی مسجد میں پانی گرم کرنے کا انتظام ہے اور چھوٹی مسجد بند ہونے کی وجہ سے گرم بھی ہے۔ تو سردیوں میں احباب محلہ چھوٹی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ صرف ظہر کی نماز اور جمعہ بڑی مسجد میں پڑھتے ہیں۔ جبکہ موسم گرما میں چھوٹی مسجد کو تالا لگا دیا جاتا ہے۔ اور روز مرّہ پانچ نمازیں نیز جمعہ کی نماز بڑی مسجد میں پڑھی جاتی ہیں۔ اب لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ دونوں مسجدیں سارا سال آباد رہنی چاہئیں۔ جبکہ کچھ احباب کا اصرار ہے کہ اس طرح اہل محلہ میں بے اتفاقی ہو جائیگی۔ لہٰذا دو جگہ جماعت نہیں ہونی چاہیے۔

سائل ...... عبدالحمید کوہاٹی

الجواب

دونوں مسجدوں کو آباد رکھا جائے کسی بھی مسجد کو تالا لگانا درست نہیں۔ جو لوگ بڑی مسجد کے قریب ہیں وہ بڑی مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں، اور جو لوگ چھوٹی مسجد کے قریب تر ہیں وہ اس میں نماز پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ مسجد کا ان پر حق ہے۔[1] اور جمعہ سب لوگ بڑی مسجد میں ادا کر لیا

التخریج: (۱)......درمختار میں ہے: ومسجد حيه افضل من الجامع (درمختار، جلد۲، صفحہ۵۲۳)

وفي الشامية: بل في الخانية: لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن فانه يذهب اليه ويؤذن فيه ويصلي ولو كان وحده، لان له حقا عليه فيؤديه (شامیہ، جلد۲، صفحہ۵۲۳) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

کریں، کوئی بھی شخص کسی کو کسی بھی مسجد سے روک نہیں سکتا، نیز لوگوں کے دل اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اگر ہم شریعت کے احکام پورے کریں گے تو اللہ تعالیٰ سے امید کامل ہے کہ اس کو دلوں کے جوڑنے اور اخوت کا ذریعہ بنائیں گے، اور اگر شریعت کے احکام کی لاپرواہی کریں گے تو خطرہ ہے کہ اتفاق کے اسباب ہوتے ہوئے بھی نا اتفاقی ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۲/۷/ ۱۴۱۸ھ

بڑی مسجد میں دو صفوں کی مقدار چھوڑ کر نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے:

مسجد کے صحن اور برآمدہ کا ایک ہی حکم ہے یا الگ الگ ہے یعنی اگر کوئی نمازی صحن کی پہلی صف میں کھڑا ہو اور اس سے اگلی صف برآمدہ کی ہو تو برآمدہ کی اس صف میں اس صحن میں کھڑے ہوئے نمازی کے سامنے سے گذرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... عبدالرحمٰن، سمیجہ آباد، ملتان

الجواب

مسجد کے صحن اور برآمدہ کا حکم ایک ہی ہے، تاہم اگر بڑی مسجد ہو (جس کا کل رقبہ ۶۰ ہاتھ کا ہو)[1] تو نمازی کے سامنے سے دو صف چھوڑ کر گذرنا جائز ہے اور اگر چھوٹی مسجد ہو تو نمازی کے سامنے سے

التخریج: (۱)...... قوله في المسجد الكبير، هو ان يكون اربعين فاكثر، وقيل ستين فاكثر، والصغير بعكسه (الطحطاوی علی مراقی الفلاح، صفحہ ۳۴۲)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

گذرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ (کذا فی احسن الفتاوی، جلد۳، صفحہ۴۰۹) ۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۵/۵/۲۴ھ

(۱) بڑی یا چھوٹی مسجد میں کوئی شرعی تحدید نہیں:

(۲) بڑی مسجد میں بھی فصل مانع اقتداء نہیں:

مسئلہ نمبر (۱)...... اگر مسجد بہت بڑی ہو یا مکان بہت بڑا ہو یا جنگل ہو تو امام اور مقتدیوں کے درمیان دو صفوں کے چھوٹنے سے بعد والوں کی اقتداء درست نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر (۲)...... مسجد میں جہاں بھی اقتداء کی جائے نماز ہو جائے گی مندرجہ بالا مسائل کی رو سے دو سوال قابل دریافت ہیں!

(۱)...... جس بڑی مسجد کا ذکر مسئلہ اولیٰ میں کیا گیا ہے اس کی حد کیا ہے اس میں کم از کم کتنی بڑی مسجد کو مسجدِ کبیر کہا گیا ہے اور کتنی بڑی مسجد میں دو صف کا فاصلہ چھوڑنا مفسد نماز نہیں؟

(۲)...... مسئلہ میں مذکورہ مسجد زیادہ سے زیادہ کتنی بڑی ہو کہ اس میں باوجود درمیان میں دو صف کا فاصلہ چھوٹ جانے سے مقتدی کی نماز ہو جائے گی دونوں قسم کی مسجد میں جو فرق ہے اس کی وضاحت مطلوب ہے۔ ''امداد الفتاویٰ'' سے یہ تحقیق نہ ہو سکی۔

سائل ......اکرام الحق لنڈا بازار، راولپنڈی

الجواب

(۱۔۲)......فقہائے کرام سے بڑی مسجد کی کوئی مشخص تعریف منقول نہیں، البتہ جس مقام پر انہوں نے اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے تو بڑی مسجد کی مثال بیت المقدس اور جامع مسجد قدیم خوارزم بتلائی ہے

پھر ان دونوں مسجدوں کی پوری تعریف اور تحدید نہیں کی لیکن ان دونوں مسجدوں کے متعلق علامہ شامیؒ نے مندرجہ ذیل بات نقل کی ہے۔ والمسجد وان کبر لایمنع الفاصل الا فی الجامع القدیم بخوارزم، فان ربعه کان علی اربعة آلاف اسطوانة وجامع القدس الشریف اعنی ما یشتمل علی المساجد الثلاثة: الا قصیٰ، والصخرة، والبیضاء، کذا فی البزازیة (الخ) (شامیہ، جلد۲، صفحہ۴۰۰)

پس مذکورہ تحدید کے موافق پاکستان بھر میں اس قسم کی کوئی مسجد نہیں۔ نیز عالمگیری میں جب یہ جزئیہ مل جاتا ہے کہ مسجد خواہ کتنی ہی بڑی ہو اس میں فاصلہ مانع از اقتداء نہیں[1]۔ اس لئے مسجد میں مطلقاً فاصلہ کو اقتداء سے مانع نہ کہا جائے، خواہ صفیں متصل ہوں یا نہ، لہٰذا اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔...........................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۰/۶/۲۶ھ

اگر مسجد کا رخ قبلہ سے کافی ہٹا ہوا ہو تو جہت قبلہ پر نماز پڑھی جائے:

ایک مسجد قبلہ کے رخ سے ہٹ کر تعمیر کی گئی ہے کیا اب نماز قبلہ کے رخ کا لحاظ کر کے پڑھی جائے، یا مسجد کی رعایت کی جائے؟

سائل ...... محمد امین، چشتیاں

التخریج: (۱)......ہندیہ میں ہے: والمسجد وان کبر لایمنع الفاصل فیه کذا فی الوجیز الکردری (جلد۱، صفحہ۸۸)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

نماز جہت کعبہ کی طرف پڑھی جاوے مسجد کی دیوادوں کی رعایت کرنا جائز نہیں۔ اگر وہ رخ کعبہ سے ٹیڑھی تعمیر ہو چکی ہو تو اس صورت میں مسجد کے اندر رخ کے مطابق لکیریں کھینچ کر ان پر نماز پڑھی جاوے مسجد کی تعمیر کو چاہے سیدھا کریں یا ویسے رہنے دیں ان کی مرضی پر ہے لیکن نماز جہت کعبہ ہونی لازم ہے۔ عالمگیریہ میں ہے: ومن کان خارجاً عن مکة فقبلته جهة الکعبة وهو قول عامة المشائخ (ہندیہ، جلد ا، صفحہ ٦٣)۔........... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صواب	عبداللہ غفر اللہ لہ
بندہ خیر محمدؒ	بندہ عبدالرحمٰن کامل پوری	مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم مدرسہ ھذا	مدرس مدرسہ خیر المدارس، ملتان	۱۰/۷/۱۳۶۸ھ

جائے نماز پر بنی ہوئی "بیت اللہ اور مسجد نبوی کی تصویر" کا حکم:

جائے نماز یعنی مصلّٰی پر بنائی گئی خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی تصویر کا کیا حکم ہے یعنی اس کی وہی حرمت اور عزت ہو گی جو اصلی کعبہ اور مسجد نبوی کی ہے جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر بیٹھنا اور پاؤں رکھنا جائز ہے۔

سائل..... محمد یاسین ربانی، چوک اعظم (لیہ)

الجواب

تصویر کا حکم اصل والا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تصاویر اور مجسموں کو بھی گرا دیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بتائے جاتے تھے۔ عن ابن عباسؓ ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لمّا قدم مکة ابیٰ ان یدخل البیت وفیه

الآلهة(اى:الاصنام) فامربها،فاخرجت،فاخرج صورة ابراهيمؑ واسماعيلؑ فى ايديهمامن الازلام. (بخاری شریف، جلد۲، صفحہ۶۱۴)

تاہم روضہ پاک اور بیت اللہ شریف کی تصویر پر پاؤں نہ رکھیں اور نہ ہی اس پر بیٹھیں ادب کا تقاضا یہی ہے۔.................................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس، ملتان	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
۱۳/۸/۱۴۲۵ھ	مفتی خیر المدارس، ملتان

احکام مصلّٰی العید والجنازۃ

قبرستان کی وقف زمین میں عیدگاہ بنانا:

''عیدگاہ بھکر'' یہ قبل از ۱۹۶۹ء جنازہ گاہ تھی بعد میں اس پر عیدگاہ بنالی گئی ہے ہر سال دریا چڑھتا رہتا ہے اس لئے عیدگاہ کو خطرہ لاحق ہو چکا ہے اور اس دفعہ بارش کی وجہ سے اس کی شمالی دیوار بالکل تباہ ہو چکی ہے صحن میں بھی کھنڈرات بن گئے ہیں اب اگر اس کو قابل استعمال بنائیں تو ہزاروں روپے کا خرچ ہوگا حالانکہ گنجائش نہیں ہے، نیز نزدیک قبرستان قدیم ہے جس کے ایک حصہ میں ایک قبر کے سواء باقی قبریں منہدم ہیں صرف جگہ ہموار ہے اور لوگوں نے اس میں دفن کرنا ترک کر دیا ہے اب کیا سابقہ عیدگاہ کو ترک کر کے ایک قبر کو عیدگاہ کی چار دیواری سے باہر چھوڑ کر یہاں پر نئی عیدگاہ بنا سکتے ہیں؟

سائل ...... عبدالمجید، مدرسہ صدیقیہ بھکر

الجواب

پرانی عیدگاہ آباد کرنا ضروری ہے قبرستان کی زمین پر نئی عیدگاہ تعمیر کرنا جائز نہیں۔ (۱)

...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۳/۱۲/۱۴ھ

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

التخریج: (۱)......لما فی الهندية: سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود الاوزجندی عن مسجد لم يبق

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مغصوبہ زمین کو عیدگاہ میں شامل کرنے کا حکم:

ایک امام مسجد اوران کے دیگر معاون اشخاص نے عیدگاہ میں کچھ رقبہ کے اضافہ کا فیصلہ کیا ہے اور وہ رقبہ مسماۃ رحموں کا ہے اور مسماۃ رحموں اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کا رقبہ عیدگاہ میں ملایا جائے پس اگر فریق اول نے زبردستی مسماۃ رحموں کا رقبہ عیدگاہ میں ملادیا تو کیا اس میں نماز پڑھنی جائز ہوگی یا نہیں؟ سائل ...... محمد شریف، مظفر گڑھ

الجواب

مسماۃ رحموں (مالکہ) کی اجازت کے بغیر یہ زمین عیدگاہ میں ملانا درست نہیں[1] اور ایسی صورت میں اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے[2].................. فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۰/۱۲/۲۴ھ

له قوم وخرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة؟ قال: "لا" وسئل هو ايضاً عن المقبرة فى القرىٰ اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتى لاالعظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال "لا، ولها حكم المقبرة" (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۴۷۰)

وفيه ايضاً: ولايجوز تغيير الوقف عن هيئته فلايجعل الدار بستاناًو الخان حماماً (الخ) (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۴۹۰)

(۱)......لما فى الهندية: ومنها (اى من شرائط الوقف) الملك وقت الوقف (جلد۲، صفحہ ۳۵۳)

وفيه ايضاً: ولو استحق الوقف بطل (جلد۲، صفحہ ۳۵۴)

وفى الشامية: وشرطه شرط سائر التبرعات افاد ان الواقف لابد ان يكون مالكاً له وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد وان لايكون محجوراً عن التصرف حتىٰ لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح (جلد۶، صفحہ ۵۲۲)

(۲):......لمافى الدر المختار: وكذا تكره فى اماكن كفوق كعبة وطريق ...... وارض مغصوبة. (جلد۲، صفحہ ۵۲)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

شاملات میں عیدگاہ یا مدرسہ بنانا کن شرائط کے ساتھ درست ہے؟

ایک شہر کے اردگرد کچھ زمین شہر کے لئے بطور شاملات چھوڑی گئی تھی اس میں مسلم و ہندو دونوں حق دار سمجھے جاتے تھے جس ٹکڑا پر کوئی قابض ہو جائے تو وہ ٹکڑا اس کا ہے خواہ مسلم ہو یا ہندو، گویا یہ وہ شاملات ہیں جس کو وقف کہتے ہیں جو کبھی تقسیم نہ ہوگی صرف مکانات کیلئے ہے۔ آیا اس زمین میں عیدگاہ یا مسجد یا مدرسہ عربی قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... حکیم محمد مطیع اللہ، شجاع آباد

الجواب

ایسی شاملات میں اکثریت لوگوں کی رضاء اور حکومت کی اجازت کے ساتھ مسجد اور عیدگاہ اور مدرسہ بنانا جائز ہے۔............................ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۷۵/۸/۵ھ

الجواب صحیح

بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بلاضرورت عیدگاہ کے احاطہ میں مدرسہ قائم کرنے کا حکم:

ایک شخص نے عیدگاہ کے لئے کچھ زمین وقف کی ہے جس پر قبضہ ہو گیا ہے اور عیدگاہ کا احاطہ بن گیا ہے بعد ازاں وقف کنندہ فوت ہو گیا ہے۔ پھر ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ اس عیدگاہ کے احاطہ کے اندر شمال کی جانب سے یا جنوب کی جانب سے یا کسی ایک جانب سے دو تین کوٹھے بنا لیے جائیں جو مدرسہ تعلیم القرآن بن جائے اور ان کوٹھوں میں سے ایک کوٹھہ میں معلّم القرآن رہائش کرے باقی میں متعلمین رہائش کریں اور مدرسہ کا سامان و مصاحف وغیرہ رکھے جائیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی وقف کنندہ تو فوت ہو گیا، وہ تو فقط عیدگاہ کے لئے زمین دے گیا تھا

اب اس کے بعد اہل اسلام اس کے وارثوں کی اجازت سے یا بلا اجازت ان کے عیدگاہ کے احاطہ کے اندر کسی جانب میں مدرسِ تعلیم القرآن یا مدرسِ کتب عربیہ کیلئے مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... عبدالغفار، موضع بیٹ سیال، مظفر گڑھ

الجواب

ایک وقف کو دوسرے وقف کے لئے بلاضرورت استعمال کرنا عام حالات میں جائز نہیں یہ تو کتب فقہ میں مصرح ہے۔[1] جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں عیدگاہ میں مدرسہ وغیرہ کے لئے تعمیر کرنا جائز نہیں احسن الفتاویٰ میں مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے بھی ایسے ہی تحریر کیا ہے مناسب سمجھیں تو کراچی میں ہی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب زید مجدھم سے دریافت کرلیں۔............فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

١٣٨٨/٢/١٥ھ

عیدگاہ کی زائد از ضرورت زمین میں مدرسہ بنانا:

ایک شہر میں ایک وسیع وعریض قطعہ زمین عیدگاہ کے لئے وقف کیا گیا ہے اور اس میں عرصہ دراز سے عیدین کی نماز ادا ہوتی ہے اس قطعہ زمین کا مشرقی حصہ عیدین کے نمازیوں کی

التخریج: (١)......لمافی الدرالمختار: شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به (جلد٦، صفحہ٦٦٤، ط: رشیدیہ جدید)

وفی الشامیة: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة (جلد٦، صفحہ٦٨٣)

وفی العالمگیریة: ولایجوز تغییر الوقف عن هیئته فلایجعل الدار بستانا. (جلد٢، صفحہ٤٩٠)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

ضرورت سے زائد ہے اس لئے اس میں کاشت ہوتی ہے اور متولیوں کی طرف سے وہ جگہ اجارہ پر دی جاتی ہے اس شہر میں ایک ہی جامع مسجد ہے جس کے متولی وہ ہیں جو عیدگاہ کے متولی ہیں جامع مسجد کے ملحقہ مکانات میں عرصہ تیس سال سے ایک مدرسہ عربیہ قائم ہے جس میں درسِ نظامی کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور طلباء کے لئے جگہ کی قلت اور دوسری تکالیف کے پیش نظر اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ یہ مدرسہ جامع مسجد کے ان مکانات سے کہیں اور منتقل کردیا جائے اس لئے متولیوں کا یہ خیال ہے کہ عیدگاہ کا وہ مشرقی حصہ جو، اب تک زیر کاشت رہا ہے ضرورت سے بھی زائد ہے وہاں اس مدرسہ کی عمارت بنادی جائے نیز حالت یہ ہے کہ مدرسہ کیلئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے مگر کوئی اور جگہ نہیں مل سکی جبکہ عیدگاہ والی جگہ مدرسہ کے لئے موزوں ہے۔ تو کیا عیدگاہ کے زائد حصہ میں مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے؟ مسئلہ کی توضیح فرما کر مطمئن فرمائیں۔

سائل ...... محمد رمضان، مدرسہ اشاعت العلوم، لائل پور

الجواب

عیدگاہ کی موقوفہ زمین میں مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں کیونکہ بتصریح فقہاء کرام موقوفہ زمین کو اس جہت پر صرف کرنا لازم ہے جہاں اسے وقف کیا گیا ہو۔[1] اور موقوفہ زمین کو نہ ہی بیچنا اور نہ اس کے بدلے میں اور زمین لینا جائز ہے۔ **ولو کان الوقف مرسلاً لم یذکر فیہ شرط الاستبدال لم یکن لہ ان یبیعھا ویستبدل بھا وان کانت ارض الوقف سبخۃ لاینتفع بھا کذا فی فتاوی قاضی خان** (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۴۰۱)

اور طویل مدت کے لئے اجارہ پر دینا بھی جائز نہیں۔ **فالمختار ان یقضیٰ بالجواز فی**

التخریج: (۱) ......الھم صرّحوا بان مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ (شامیہ، جلد۶، صفحہ۶۸۳)

وفی العالمگیریۃ: ولایجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ فلایجعل الدار بستانا (الخ) (جلد۲، صفحہ۴۹۰)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الضیاع فی ثلاثِ سنین الا اذا کانت المصلحة فی عدم الجواز وفی غیر الضیاع یقضیٰ بعدم الجواز اذا زاد علیٰ السنة الواحدة الا اذا کانت المصلحة فی الجواز (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۱۹)

مصلحت سے مراد مصلحتِ وقف ہے اور ایسے ہی وقف زمین کو اعارہ اور اسکان کیلئے دینا بھی جائز نہیں ہے۔ عالمگیریہ میں ہے: ولاتجوز اعارة الوقف والاسکان فیه کذا فی محیط السرخسی. (جلد ۲، صفحہ ۴۲۰)

الحاصل: بلحاظِ قواعدِ فقہاءِ حنفیہ وتصریحات، مسئولہ صورتوں میں جواز کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبداللہ غفرلہ
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ	خادم الافتاء خیر المدارس، ملتان
مہتمم مدرسہ ھذا	۱۳۷۴/۳/۳ھ

عیدگاہ کی حفاظت کے لئے عیدگاہ میں مدرسہ قائم کرنا:

اراضی وقف برائے عیدگاہ بایں صورت ہے کہ کچھ اراضی (تقریباً دو کنال) قبل ازیں عیدگاہ کے نام تھی اور کچھ اراضی (تقریباً ۱۴ کنال) عیدگاہ کا نظم ونسق چلانے والی انجمن نے عوامی چندے اور عطیات کی رقم سے خرید کر شامل کی ہے اور اس تمام رقبہ کو عیدگاہ کا نام دیا گیا ہے جہاں عیدین کی نماز بھی ہر سال باقاعدگی سے ہوتی ہے اب مذکورہ انجمن عیدگاہ کی حفاظت اور اہلیان محلہ کی سہولت کے لئے عیدگاہ مذکورہ میں برائے تعلیم قرآن مجید درسگاہ بنانے کا ارادہ رکھتی ہے کیا انجمن از روئے شرع ایسا کرنے کی مجاز ہے؟ مزید برآں یہ کہ درسگاہ کے علاوہ وہاں کوئی مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے جبکہ مسجد کی تعمیر اہل محلہ کی ضرورت بھی ہے۔

سائل ...... محمد نواز، کہروڑپکا

الجواب

عیدگاہ کی حفاظت اور آبادکاری کے لئے مسجد یا درسگاہ بنانے کی گنجائش ہے۔[1] بشرطیکہ عیدگاہ میں تنگی واقع نہ ہو لیکن یہ جگہ عیدگاہ کے لئے وقف رہے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۲/۱۰/۲۳ھ

آبادی سے دور ویران عیدگاہ میں مدرسہ قائم کرنا:

ایک آدمی نے کچھ زمین عیدگاہ کے لئے وقف کی پانچ چھ دفعہ اس میں عید کی نماز پڑھی گئی مگر وہ جگہ آبادی سے چار فرلانگ دور ہے اب وہاں لوگ نماز پڑھنے نہیں جاتے عرصہ پندرہ سال سے بے آباد ہے۔ اب مالک اس جگہ کا کیا کرے؟ سائل ...... محمد عارف، ضلع رحیم یار خان

الجواب

اس جگہ کوئی دینی مدرسہ قائم کر دیا جائے۔[2] .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۰۱/۳/۲۸ھ

التخریج: (۱)......عن محمدبن سلمة اذا اقعدالرجل فی المسجدخیاطایخیط فیه،ویحفظ المسجد عن الصبیان والدوابّ لاباس به ...... لان فیه ضرورة (خانیہ علی ہامش الہندیہ، جلد۱، صفحہ ۶۶)

وفی فتح القدیر: الخیاط اذاجلس فیه (ای: المسجد) لمصلحة من دفع الصبیان وصیانةالمسجد لاباس به للضرورة (جلد۱، صفحہ ۳۶۹)

(۲)......لایجوزتغییر الوقف عن هیئته فلایجعل الدار بستاناً ولاالخان حماماً .... الا اذا جعل الواقف الیٰ الناظر مایریٰ فیه مصلحة الوقف (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۴۹۰) (مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

عید گاہ کیلئے وقف پلاٹ میں سکول بنانا جائز نہیں:

(۱)...... نعیم ماڈل سکول کو ضلع کونسل میانوالی کی طرف سے ایک قطعہ اراضی برائے تعمیر الاٹ ہوا عمارت تعمیر کی گئی لیکن علاقہ کے ایک بااختیار آدمی کو یہ بات پسند نہ تھی وہی پلاٹ وزیر اعلیٰ سے منسوخ کروا کر ٹاؤن کمیٹی برائے جنازہ گاہ منتقل کروا دیا اور سکول کی عمارت کو گروا دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی سکول کو جبراً گرا کر وہاں جنازہ گاہ کی تعمیر اور میت کا جنازہ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں جبکہ سکول مذکور میں دینی و دنیاوی تعلیم ہوتی ہے۔

(۲)...... پلاٹ مذکورہ ایک گہرے گڑھے پر مشتمل تھا جسے سکول انتظامیہ نے اپنی جیب سے کافی حد تک بھرا، عمارت کی تعمیر اور اینٹوں کا خرچ اس کے علاوہ ہے اور اس بھاری نقصان کی تلافی بھی نہ کی گئی۔

(۳)...... جنازہ گاہ مذکورہ ضد، حسد، ہٹ دھرمی اور بدنیتی سے محض سکول کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے بنائی گئی ہے کیونکہ اگر جنازہ گاہ کی تعمیر کا ارادہ ہوتا تو پلاٹ مذکور ایک عرصہ دراز سے خالی پڑا تھا اس پر پہلے کیوں جنازہ گاہ نہیں بنائی گئی سکول بن جانے کے بعد اور پھر سکول کو گرا کر ایسی جگہ جنازہ گاہ تعمیر کرنے کا خیال کیوں آیا، حالانکہ پلاٹ مذکور سے ملحق کافی سرکاری زمین بغیر استعمال کے موجود ہے جہاں یہ جنازہ گاہ بنائی جا سکتی تھی، موجودہ جنازہ گاہ قصبہ کے وسط میں ہے قصبے سے باہر قبرستان میں بھی اس مقصد کے لئے وافر زمین موجود ہے۔

سائل ...... پرنسپل نعیم ماڈل سکول کمر شانی

الجواب

اگر حکومت نے جنازہ گاہ کی تعمیر کیلئے اس جگہ کو وقف کر دیا ہے تو یہ وقف صحیح ہے اس پر جنازہ گاہ تعمیر کی جائے اور سکول کیلئے دوسری سرکاری زمین کا مطالبہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۱۳/۴/۱۵ھ

عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

عیدگاہ کے اردگرد خالی جگہ موقوفہ ہونے کے باوجود عیدگاہ کی چاردیواری میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟

سائل ...... حافظ عبدالرحیم، تلہ گنگ کیمل پور

الجواب

اما المتخذ لصلٰوۃ جنازۃ او عید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء...... لا فی حق غیرہ، بہ یفتیٰ، نھایۃ، فحل دخولہ لجنب وحائض (درمختار، جلد۲، صفحہ۵۱۹)

عبارت ھذا سے ظاہر ہے کہ عیدگاہ مسجد حقیقی نہیں، اور کراہت مسجد میں ہے پس عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں۔ یہ علیحدہ امر ہے کہ جنازہ گاہ الگ ہونی چاہیے۔

شامیہ میں ہے: ویؤید المسئلۃ ما ذکرہ العلامۃ قاسم فی رسالتہٖ من انہ روی "ان النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لما نعی النجاشی الیٰ اصحابہٖ خرج فصلی علیہ فی المصلّی" (شامیہ، جلد۳، صفحہ۱۵۰) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۲/۶/۲ھ

وقف عیدگاہ میں فٹ بال کھیلنے کا حکم:

عیدگاہ جھنگ میں لوگ انتظامیہ کمیٹی کی سستی کیوجہ سے والی بال اور فٹ بال کھیلتے ہیں اور اس بارے میں کئی دفعہ جھڑپیں بھی ہوئی ہیں۔ کیا عیدگاہ میں فٹ بال اور والی بال کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... ممبران عیدگاہ، انتظامیہ، محلہ چنداں والہ، جھنگ صدر

الجواب

موقوفہ عیدگاہ میں فٹ بال وغیرہ کھیلنا جائز نہیں۔ کیونکہ عیدگاہ بعض احکام میں مسجد کا حکم رکھتی ہے۔لما فی الدر المختار: واما المتخذ لصلاۃ جنازۃ او عید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء (جلد۲،صفحہ۵۱۹،احکام المساجد)

اور جب مسجد میں کھیلنا جائز نہیں تو عیدگاہ میں بھی کسی کھیل کی اجازت نہ ہوگی۔

ففی الشامیۃ: واما مصلّی العید .... یعطی لہ حکم المسجد فی صحۃ الاقتداء بالامام .... ویجنب ھذا المکان عما یجنب عنہ المساجد احتیاطاً، خانیہ و اسعاف (جلد۶،صفحہ۵۴۶،ط:رشیدیہ جدید)

وفی البحر الرائق: ویجنب ھذا المکان کما یجنب المسجد احتیاطاً (جلد۵،صفحہ۴۱۷)

واقف نے یہ جگہ جس مقصد کے لئے وقف کی ہے اسی میں اسے صرف ہونا چاہیے اس کی خلاف ورزی شرعاً جائز نہیں۔ شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفھوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ (درمختار، جلد۶،صفحہ۶۶۴)

انتظامیہ کو چاہیے کہ کھیل کا میدان بچوں کے لئے الگ مہیا کریں اور عیدگاہ میں کھیل فوری بند کریں۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۱۴/۶/۲۶ھ

عیدگاہ کی وقف جگہ پر دوکانیں بنانا تاکہ آمدنی حاصل ہو:

ہمارے شہر کی عیدگاہ شہر کے ایک کنارہ پر واقع ہے اور اس کے گرد چاردیواری ہے عیدگاہ

میں سوائے عیدین کے اور کوئی نماز ادا نہیں کی جاتی۔کیا اس عیدگاہ کی بعض زمین پر عیدگاہ کی آمدنی کیلئے دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... انتظامیہ مرکزی عیدگاہ، خیرپور ٹامیوالی

الجواب

عیدگاہ کی جگہ پر دوکانیں بنانا جائز نہیں، کیونکہ یہ شرط واقف کے خلاف ہے اور جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں۔[1] فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية وله ان يخص صنفاً من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربة (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ۵۲٦)

(کذا فی احسن الفتاویٰ جلد ٦) .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیرالمدارس، ملتان

۱۹/۵/۱۴۲۵ھ

قبرستان کیلئے وقف خالی زمین میں عیدگاہ بنانا:

جو زمین خالص قبرستان کے لئے وقف کی گئی ہو اور قبریں بھی بنائی جارہی ہوں اس زمین کے خالی کونے میں عیدگاہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... حافظ عبدالرحیم، تلہ گنگ، کیمل پور

التخریج: (۱)......لایجوز تغییر الوقف عن هیئته فلایجعل الدار بستاناً ولا الخان حماماً (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۹۰)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

موقوفہ قبرستان کی زمین میں عیدگاہ تعمیر کرنا درست نہیں، واقف کی شرائط کی رعایت کرنا ضروری ہے[1]۔..........................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیرالمدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیرالمدارس، ملتان
۱۳۸۲/۶/۲ھ

آبادی سے دور مسجد کو عیدگاہ کے لئے مقرر کرنے کا حکم:

ہمارے علاقے میں مسجد آبادی سے کچھ فاصلے پر ہے اور اہلِ محلّہ کا نماز عید کیلئے علیحدہ عیدگاہ بنانے کا ارادہ ہے۔ اس لئے خیال ہے کہ مسجد چونکہ کچھ دور ہے اس لئے اس کو عید کی نماز کیلئے مخصوص کر دیا جائے یعنی عیدگاہ بنا دیا جائے شریعت کی روشنی میں کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ مسجد قریب ہو جائیگی اور نمازیوں کیلئے سہولت رہے گی۔

سائل ...... محمد احمد کمالیہ

الجواب

مذکورہ تجویز پر عمل کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔(عزیز الفتاویٰ، صفحہ ۲۵۸)۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس، ملتان
۱۴۲۴/۲/۲۲ھ

التخریج: (۱) ......لما فی الدرالمختار: قولھم شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفھوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ (جلد ۶، صفحہ ۶۶۴)

وفی الشامیۃ: الھم صرحوا بان مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ (جلد ۶، صفحہ ۶۸۳) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

عیدگاہ کیلئے وقف زمین کا دوسری زمین سے تبادلہ جائز نہیں:

ایک آدمی نے عیدگاہ کے لئے زمین وقف کی تھی اس وقف شدہ زمین میں تقریباً تین سال تک نمازِ عید ہوتی رہی اور ابھی تک اس عیدگاہ کی زمین کا انتقال نہیں ہوا، زمین وقف کرنے والا وفات پا چکا ہے، اب اس کی اولاد مطالبہ کر رہی ہے کہ ہم اس عیدگاہ کی زمین کے بدلے سرکاری روڈ کے اوپر اور بستی کے بالکل قریب زمین دیتے ہیں، ہم سے نئی جگہ لے لو اور سابقہ عیدگاہ کی جگہ ہمیں واپس کر دو ہم اس جگہ کو اپنے استعمال میں لانا چاہتے ہیں، سابقہ عیدگاہ کے متعلق درج ذیل مسائل ہیں:

(۱)..........عیدگاہ بستی سے کافی دور ہے۔

(۲)..........سرکاری راستہ وغیرہ نہیں جاتا۔

(۳)..........چھوٹی سی سڑک ہے اب اس کے بند ہونے کا خطرہ ہے۔

(۴)..........اگر بارش آجائے تو کئی دنوں تک عیدگاہ کی طرف جانے کا مسئلہ ہے۔

(۵)..........لوگ عید کی نماز ادا کرنے کے لئے فصلوں سے گزر کر جاتے ہیں۔

(۶)..........ضعیف العمر لوگوں کا جانا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۷)..........سب بستی والوں کی خواہش ہے کہ عیدگاہ بستی کے قریب اور سرکاری سڑک پر ہونی چاہیے۔

(۸)..........سابقہ عیدگاہ کی دیواروں کا نام ونشان باقی نہیں ہے صرف دروازہ باقی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عیدگاہ ہے۔

(۹)..........عیدگاہ کی زمین ابھی تک مالک کے نام ہے اس کا انتقال نہیں ہوا۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر اگر سابقہ عیدگاہ کی زمین مالکِ زمین کو واپس کر دی جائے اور اس کے متبادل زمین بستی کے قریب اور سرکاری سڑک کے پاس لے لیں تو کیا مالکِ زمین سابقہ عیدگاہ کی زمین کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے اگر گنجائش ہو، جبکہ اس کی شرط ہے کہ میں نئی عیدگاہ کی

زمین تب دوں گا جب مجھے سابقہ عیدگاہ کی جگہ استعمال کرنے کی اجازت ہو مہربانی فرما کر ہمارا یہ مسئلہ حل فرمائیں۔

سائل ...... اہلیان ہری چند

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ زمین ایک مرتبہ عیدگاہ کیلئے وقف ہو چکی ہے اس کو دوسری جگہ مثلاً زراعت وغیرہ میں استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ **قال فی البحر: وما اتخذ لصلوة العید لایکون مسجداً مطلقاً وانما یعطی له حکم المسجد فی صحة الاقتداء بالامام وان کان منفصلاً عن الصفوف واما فیما سویٰ ذالک فلیس له حکم المسجد وقال بعضهم: له حکم المسجد حال اداء الصلوة لاغیر وهو والجبانة سواء ویجنب هذا المکان کما یجنب المسجد احتیاطاً** (البحر الرائق، جلد۵، صفحہ ۴۱۷)

نیز نماز عید کے علاوہ میں استعمال کرنا غرضِ واقف اور تعظیم و تکریم کے بھی خلاف ہے۔ (کذا فی امداد المفتین) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۴/۱۰/۲۹ھ

قبرستان میں جنازگاہ تعمیر کرنا:

کیا حدودِ قبرستان میں جنازہ گاہ کی تعمیر درست ہے اور کیا اس جنازہ گاہ میں جنازہ پڑھنا درست ہوگا؟ ایک قبرستان (جو قدیم زمانے سے قائم شدہ ہے) کی چاروں طرف کی حدود سرکاری کاغذات میں درج ہیں یہ جنازہ گاہ ان حدود کے اندر بن رہی ہے، جس جگہ جنازہ گاہ بن رہی ہے

۱۹۵۸ء میں اس جگہ کی قبروں کے اوپر سے جھیل، سیلاب کا پانی بہتا اور چلتا رہا اور اس قبرستان کی قبروں کی بالائی زمین کو منہدم کر کے ملیا میٹ کرتا رہا حتی کے کوئی نشان ان قبروں کا نہ رہا۔

سائل ...... حافظ عبدالرحمٰن، ملتان

الجواب

جب یہ امر محقق ہے کہ اراضی ھٰذا قبرستان کے لئے وقف ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے اور اس وقت تک اپنی اموات کو اس میں دفن کرتے رہے ہیں تو ایسی صورت میں اس اراضی پر جنازہ گاہ تعمیر کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ تاوقتیکہ کہ کسی وقف کا مصرف باقی ہو اسے کسی دوسرے مصرف میں مشغول کرنا درست نہیں۔ شرط الواقف کنص الشارع مشہور ضابطہ ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۰/۸/۲۴ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

جنازگاہ کیلئے وقف جگہ پر بلاضرورت مسجد تعمیر کرنا:

مسماۃ آمنہ بیوہ فتح محمد نے اپنی زندگی میں ایک کنال رقبہ وقف برائے جنازگاہ بذریعہ انتقال نمبر ۲۱۴۲ مورخہ ۱۷/ جنوری ۱۹۹۳ء کو وقف قطعی کر کے موقع پر قبضہ دیدیا اس کے بعد اہلِ علاقہ چاردیواری کر کے جنازہ پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ اب کچھ لوگ رقبہ مذکورہ پر اپنی مسلکی مسجد بنانا چاہتے ہیں جبکہ مذکورہ جنازہ گاہ سے ڈیڑھ ایکڑ کے فاصلے پر مسجد موجود ہے وہاں لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور جمعہ بھی ہوتا ہے جبکہ اس علاقہ میں کوئی اور جنازہ گاہ نہیں ہے، جو لوگ مسجد بنانا چاہتے ہیں اکثر دور کے رہائشی ہیں اور ان کی رہائش گاہوں پر مسجدیں موجود ہیں، جنازہ گاہ کے لئے وقف شدہ جگہ پر مسجد بنانے سے اہل علاقہ میں اشتعال پایا جاتا ہے، کیونکہ بستی ھٰذا اور اس

کے اطراف میں دیگر مساجد موجود ہیں اور دوسری جنازہ گاہ چار کلو میٹر دور ہے اور مذکورہ جنازہ گاہ کی اہل علاقہ کو اشد ضرورت ہے اس جنازہ گاہ کے ساتھ ایک چھوٹا قبرستان بھی موجود ہے۔

وقف جنازہ گاہ کے کاغذات منسلک ہیں موجودہ صورت میں اس جنازہ گاہ کو مسجد بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

سائل ...... نذیر احمد، قصبہ مڑل

الجواب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مذکورہ وقف جنازہ گاہ میں مسجد شرعی بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے جس کی مختلف وجوہ ہیں۔

(۱)......واقف جس مقصد کے لئے وقف کرے اسی میں صرف کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ واقف کی تصریح نص شارع کی طرح واجب العمل ہوتی ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۲۶)

وفیه ایضاً: شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعه (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۷۶۰)

(۲)......کل ایک کنال رقبہ ہے یہ نمازِ جنازہ کے لئے بھی بمشکل کافی ہوتا ہوگا۔

(۳)..........اس جگہ مسجد کی چنداں ضرورت بھی نہیں کیونکہ صرف ڈیڑھ ایکڑ کے فاصلے پر مسجد موجود ہے جبکہ قرب وجوار میں کوئی جنازہ گاہ موجود نہیں۔

(۴)..........مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا شرعاً مکروہ ہے۔ وصلاة الجنازة فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۵)

ایک حدیث پاک میں وارد ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے اس کے لئے کوئی اجر نہیں۔ عن ابی هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلىٰ على

جنازۃٍ فی المسجد فلا شئ له. (ابوداؤدشریف، جلد۲، صفحہ۹۸) 37

الحاصل: یہ جگہ جس مقصد کے لئے واقف نے وقف کی تھی صرف اسی استعمال میں لائی جائے۔انھم صرحوا بان مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ. (شامیہ، جلد۶، صفحہ۶۸۳)

............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۲/۸/۱۴۲۸ھ

مسجد کے فنڈ سے جنازگاہ تعمیر کرنا کیسا ہے؟

وقف جنازگاہ کو شادی وغیرہ کیلئے استعمال کرنا:

مسجد کے پیسوں سے بنی ہوئی جنازہ گاہ میں گاؤں کے لوگ شادی کے موقع پر مہمان ٹھہراتے ہیں یا دیگر کاموں کے لئے اس کو استعمال کرتے ہیں (مثلاً دیگیں وغیرہ پکانا) آیا یہ جائز ہے؟

سائل ...... لقمان، ہارون آباد

الجواب

مسجد کی رقم کو جنازہ گاہ پر خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے جن لوگوں نے اس کو خرچ کیا ہے ان پر ضمان لازم ہے کیونکہ انہوں نے اس رقم کو غیر مصرف میں خرچ کیا ہے وہ اتنی رقم مسجد کے فنڈ میں جمع کرائیں واقف نے جس کام کے لئے جنازہ گاہ کو وقف کیا وہی کام اس میں ہونا چاہیے۔

درمختار میں ہے: شرط الواقف کنص الشارع (جلد۶، صفحہ۶۸۳)

شادی کے موقع پر مہمان ٹھہرانا یا اس کے علاوہ دیگر کاموں کے لئے جنازہ گاہ کا استعمال اس کے مقصد کے خلاف ہے گاؤں کے لوگ مستقل شادی ہال بنائیں۔

المتخذ لصلوۃ الجنازۃ حکمه حکم المسجد حتیٰ یجنب ما یجنب المسجد

کذا اختاره الفقیه (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۵۶)................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۶/۱ھ

عندالضرورت جنازگاہ میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے:

ایک جنازگاہ جو کہ قبرستان میں واقع ہے اور اس کے علاوہ قریب کوئی مسجد نہیں اور نہ ہی کوئی اور جنازہ ادا کرنے کی جگہ ہے۔ تو کیا مذکورہ حالت میں مذکورہ جنازگاہ میں پانچ وقت نماز ادا کرنے کی از روئے شریعت اجازت ہے یا نہیں؟

(نوٹ) جنازہ گاہ کی چاردیواری ہے اور سامنے سے قبریں دکھائی نہیں دیتی۔

سائل ...... فضل احمد

الجواب

جنازگاہ میں عندالضرورت نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

لما فی المراقی: وتکره الصلاة فی المقبرة الا ان یکون فیها موضع اعد للصلاة لانجاسة فیه ولا قذر (مراقی الفلاح، صفحہ ۱۹۶)................ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۵/۵/۱۵ھ

احکام المقابر

قبر کی زمین کا ذاتی ملک ہونا ضروری نہیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کہا جاتا ہے کہ ''جس جگہ پہ مردہ دفن کیا جائے وہ جگہ اس مردہ کی ملکیت ہونی چاہیے'' یہ بات درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کسی حوالہ سے نوازیں۔ عین نوازش ہوگی

سائل ...... محمد انور، جہانیاں

الجواب

قبر کی زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہاں کسی غیر کی ملکیتی زمین نہ ہو بلکہ وقف شدہ قبرستان ہو تو اس میں دفنانا درست ہے۔ثم لا فرق فی الانتفاع فی مثل هذه الاشیاء بین الغنی و الفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان ...... و الدفن فی المقبرة کذا فی التبیین، (ہندیہ جلد ۲، صفحہ نمبر ۴۶۶)

اور افضل یہ ہے کہ صالحین کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔و الافضل الدفن فی المقبرة التی فیها قبور الصالحین (ہندیہ جلد ۱، صفحہ نمبر ۱۶۶)۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۱۰/۲۹ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

وقف قبرستان میں قبر سے زیادہ جگہ کو مشغول کرنا:

قبر پر چار دیواری بغیر چھت کے بنانا ٹھیک ہے یا نہیں؟

سائل...... بشیر احمد، بلوچستان

الجواب

بنا علی القبر ممنوع ہے لیکن چار دیواری کو بنا علی القبر قرار دینا مشکل ہے۔ لہٰذا گنجائش ہے جبکہ قبرستان موقوفہ نہ ہو، ورنہ زائد جگہ کا مشغول کرنا چار دیواری سے جائز نہ ہوگا۔(۱) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۶/۷/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

موقوفہ قبرستان میں اپنے خاندان کے افراد کی تدفین کیلئے جگہ مخصوص کرنا صحیح نہیں:

بعض لوگ وقف شدہ قبرستان میں خالی جگہ پر ایک قبر بنا کر دس قبروں کا تھڑا یا چار دیواری بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جگہ صرف ہمارے خاندان کی اموات کیلئے ہے، دوسرا کوئی مردہ اس جگہ میں دفن نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ انکی خواہش ہوتی ہے کہ ہم اس دنیا میں بھی اکھٹے رہے ہیں اور مرنے کے بعد بھی اکھٹے رہنا چاہتے ہیں۔ کیا شریعت میں اسطرح کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اور اسطرح کرنے سے گناہ ہوگا یا نہیں؟

سائل ...... علی نواز، دھلی گیٹ ملتان

التخریج: (۱)......لما فی العالمگیریہ: ثم لا فرق فی الا نتفاع فی مثل هذه الا شیاء بین الغنی والفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان ...... والدفن فی المقبرة (جلد نمبر ۲، صفحہ ۴۶۶)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

قبرستان کیلئے وقف شدہ زمین کا کچھ حصہ اپنے خاندان کیلئے اس طور پر مختص کر لینا کہ کوئی دوسری میت اس میں دفن نہ ہو سکے ایسا قبضہ شرعاً جائز نہیں۔

لمافی الهندية : ثم لا فرق فی الانتفا ع فی مثل هذہ الا شیا ء بین الغنی والفقیر، حتی جا ز للکل النزول فی الخان والرباط والشرب من السقا یة والدفن فی المقبرة (عالمگیریہ، صفحہ نمبر ۴۶۶، جلد نمبر ۲)......................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان
۱۴۲۸/۴/۲۲ھ

اپنی مخصوص قبور کے اردگرد چار دیواری کرنے کا حکم:

تیس، چالیس قبروں کے اردگرد چار دیواری بنانا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

سائل......محمد عمر فاروق قریشی، جتوئی

الجواب

موقوفہ قبرستان میں ایسا تصرف منع ہے۔ (۱)......................فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۹/۲/۱۶ھ

التخریج: (۱)......لما فی العا لمگیر یة : ثم لا فر ق فی الا نتفا ع فی مثل هذه الا شیاء بین الغنی والفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان والربا ط والشرب من السقا یة والد فن فی المقبرة کذا فی التبیین (جلد نمبر ۲، صفحہ ۴۶۶)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسجد کی وقف زمین میں قبرستان بنانے کا حکم:

ایک آدمی کے پاس دس ایکڑ زمین تھی اور اس کے کوئی اصول وفروع نہیں تھے۔ اور اس آدمی نے وفات سے قبل ساری زمین مسجد کے نام کر دی۔ اب اہل قریہ اس وقف شدہ زمین میں سے دو ایکڑ زمین قبرستان کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اہل قریہ ایسا کرنے کے مجاز ہیں؟ جبکہ قبرستان کیلئے مطلوبہ زمین کی رقم مسجد کو ادا کر دیں۔

سائل ...... محمد عبداللہ یوسف، ٹوبہ ٹیک سنگھ

الجواب

مصرفِ وقف میں تبدیلی جائز نہیں۔ لہٰذا اس وقف میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ ساری زمین کی آمدنی مصارفِ مسجد میں صرف کی جائے۔[1] ....فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۴/۹/۳ھ

قبرستان میں اگرچہ تدفین بند ہو جائے تب بھی وہ قبرستان ہی رہے گا:

(۱)...... قبرستان کی زمین کتنے عرصے کے لئے ناقابلِ استعمال ہوتی ہے؟

(۲)...... کسی کی ملکیت میں بغیر اجازت کے میت کو دفن کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ زمین وقف نہیں کی گئی۔

سائل ...... حافظ عبدالرحمٰن، ملتان

التخریج:(۱)......لما فی الشامیہ:وفی الاسعاف ولا یجوزله ان یفعل الا ما شرط وقت العقد ...... وفی فتاوی الشیخ قاسم: وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییره ولا تخصیصه بعد تقرره ولا سیما بعد الحکم(شامیہ،جلد۶،صفحہ۷۰۴)وفیه ایضاً: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة(شامیہ،جلد۶،صفحہ۶۸۳)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

(١)......في العالمگيرية: وسئل هو ايضاً عن المقبرة في القرى اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتىٰ لاالعظم ولاغيره هل يجوز زرعها واستغلالها قال "لا، ولها حكم المقبرة" (عالمگیریہ، جلد٢، صفحہ ٤٧٠)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جو زمین قبرستان کیلئے وقف ہوگئی ہے اس میں لوگ اگرچہ اموات دفن نہ کرتے ہوں اور دفن شدہ قبریں مٹ گئی ہوں تب بھی وہ زمین قبرستان کے حکم سے نہیں نکلتی اس کو کاشت کرنا اور کرایہ وغیرہ پر دینا شرعاً جائز نہیں۔

(٢)......دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر دفن کرنا جائز نہیں اگر اجازت کے بغیر دفن کیا گیا تو یہ مالک کی اجازت پر موقوف ہے اگر وہ راضی ہو جائے تو فبہا ورنہ میت اس جگہ سے نکال دی جائے۔[1] لما في العالمگيرية: ميت دفن في ارض انسان بغير اذن مالكها كان المالك بالخيار ان شاء رضي بذالك وان شاء امر باخراج الميت (عالمگیریہ، جلد٢، صفحہ ٤٧٢)......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١٣٩٢/٩/١٦ھ

قبرستان کی زمین پر قبضہ کر کے رہائشی مکانات بنانے کا حکم:

بستی "گل شاہ" میں ایک رقبہ مسجد کے لئے مخصوص تھا اور عرصہ تقریباً ایک صدی سے زیادہ چلا آ رہا ہے اس میں مسجد اور قبرستان بنے ہوئے ہیں، مگر اب کچھ لوگ اسی رقبہ میں رہائشی

(١)......میت کو نکالنے کی بجائے مالک زمین کو زراعت وغیرہ میں استعمال کی اجازت دیدی جائے۔ (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مکان تعمیر کر رہے ہیں اوران میں جانور بھی رکھ رہے ہیں جو کہ مسجد اور قبرستان کی بے حرمتی ہے ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہم اس قبرستان اور مسجد کے حصہ دار ہیں۔ آیا کہ وہ اس مخصوص شدہ رقبہ برائے قبرستان و مسجد میں رہائشی مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... محمد اسحاق بستی خیر شاہ، ملتان

الجواب

مسجد و قبرستان کے لئے وقف شدہ زمین پر قبضہ کرنا ناجائز ہے اہل علاقہ پر لازم ہے کہ اس جگہ کو خالی کرائیں۔ لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاھم لایجوز لاحد ان یملکھا (الخ) (عمدۃ القاری، جلد ۴، صفحہ ۲۶۵، ط: رشیدیہ کوئٹہ)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۶/۱۱/۱۴۲۰ھ

قبرستان کی وقف زمین پر گھر یا مسجد تعمیر کرنا:

کسی سرپرست یا ادارے کی منظوری کے بغیر قبرستان کی زمین پر یا قبریں مسمار کر کے مسجد بنانا یا مدرسہ بنانا یا رہائش کے لئے مکان بنانا جائز ہے؟ فتویٰ عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

سائل ...... رفیق احمد سبحانی

الجواب

قبریں مسمار کر کے گھر بنانا شرعاً جائز نہیں ہے۔(1) اسی طرح قبرستان کی زمین پر مسجد

التخریج: (۱)......وکرہ القعود علیٰ القبور..........لقولہ علیہ السلام "لان یجلس احدکم علیٰ جمر فتحترق ثیابہ فتخلص الیٰ جلدتہ خیر لہ من ان یجلس علیٰ قبر" وکرہ وطؤھا بالاقدام لما فیہ من عدم الاحترام واخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحنفی بانھم یتأذون بخفق النعال (مراقی الفلاح، صفحہ ۶۲۳)

بنانا درست نہیں ہے۔[1] ....فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۸/۲۲ھ

قبرستان کیلئے وقف زمین میں مسجد بنانا درست نہیں:

ایک قبرستان پرانا ہے اور اس میں قبریں بھی موجود ہیں یہ زمین قبرستان کے لئے وقف ہے اور ابھی تک یہاں پر میتوں کو دفن بھی کیا جاتا ہے۔ کیا ان قبروں کو گرا کر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں اور اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد نواز، محلہ نبی شیر خان، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ جب یہ زمین قبرستان کے لئے وقف ہے اور ابھی تک لوگ اس میں اموات دفن کرتے ہیں تو ان قبروں کو مسمار کر کے وہاں مسجد بنانا درست نہیں۔[2] (کذا فی فتاویٰ دار العلوم، جلد ۱، صفحہ ۱۴۶) ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۸/۱۰/۲۹ھ

التخریج: (۱)......انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۸۳)

(۲)......لما فی الهندیه: وسئل هو ايضا عن المقبرة فی القرى اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتىٰ لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال "لا، ولها حكم المقبرة" (جلد ۲، صفحہ ۴۷۰)

(مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

قبرستان کیلئے وقف زمین میں مسجد و مدرسہ بنانے کا حکم:

ایک شخص نے کچھ رقبہ قبرستان کے لئے وقف کیا تھا جس میں تین یا چار قبریں بھی ہیں وہاں اب آبادی ہوگئی ہے اور وہاں کے لوگ اب مردوں کو دفن نہیں کرنے دیتے، جبکہ واقف زندہ ہے۔ آیا اب وہاں درس یا مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائل ......میاں بشیر احمد، عارف والہ، ساہیوال

الجواب

اگر آئندہ بھی اسے بطور مقبرہ استعمال کرنے سے مایوسی ہو تو وہاں مسجد و مدرسہ تعمیر کر سکتے ہیں۔

قال ابن القاسم: لو ان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجداً لم ار بذلک بأساً، وذلک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضاً وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملکه لاحد فمعناهما علی هذا واحد (امداد الفتاویٰ جلد۲، صفحہ۵۷۹، عن شرح البخاری للعینیؒ، جلد۴، صفحہ۲۶۵، ط: رشیدیہ کوئٹہ) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۹/۱۱/۱۲ھ

مسجد و مدرسہ کی جگہ میں واقف کی قبر بنانا:

الحاج فضل حسین اور ان کی بیوہ صاحبہ نے تقریباً دو کنال سے زائد زمین مسجد کے لئے وقف کر دی اور کچھ اور زمین لے کر وہ بھی وقف کر دی تا کہ ایک مدرسہ، ایک مسجد اور دو میاں بیوی

کی قبریں بن جائیں۔کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... الحاج فضل حسین، راولپنڈی

الجواب

اگر تو پوری زمین مسجد کے لئے وقفاً کرنے کے بعد قبریں بنانے کا کہا ہے تو اب وقف کے بعد انہیں اس کا حق نہیں۔[1] اور اگر قبروں والا حصہ وقف ہی نہیں کیا اور اس کو اپنی قبروں کے لئے مخصوص رکھا تو وہاں قبریں بنانا درست ہے۔گو عام قبرستان میں تدفین اولیٰ ہے۔فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر العباد محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۱۴/۲/۴ھ

قبرستان کے درختوں کی قیمت مسجد پر خرچ کرنے کی بعض صورتوں میں گنجائش ہے:

ہمارے گاؤں میں ایک قبرستان ہے اس قبرستان میں بے حد گھنے درخت تھے ان درختوں میں موذی جانوروں نے ڈیرے جمائے ہوئے تھے ان موذی جانوروں نے بعض قبروں میں سے مردوں کے اعضاء نکالنے شروع کر دیئے۔جس پر ہمارے گاؤں کے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ یہ درخت کاٹ دیئے جائیں اور گاؤں میں اعلان کیا گیا کہ جو بھی چاہے درخت کاٹ سکتا ہے، لیکن بعد میں فیصلہ ہوا کہ یہ درخت فروخت کر دیئے جائیں اور دو تین بیوپاریوں نے ان درختوں کے ریٹ لگائے اور ایک ریٹ پر درخت فروخت کر دیئے گئے اس رقم سے قبرستان کی چار دیواری بھی نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی دوسرا کام ہو سکتا تھا اگر ادھر نلکا وغیرہ لگایا جاتا تو وہ بھی چوری ہو جاتا اس

التخریج: (۱)......فاذا تم ولزم لایملک ای لایکون مملوکا لصاحبہ (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۳۹)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

دوران مسجد کا کام زوروں پر تھا گاؤں کے معزز لوگوں نے فیصلہ کیا کہ یہ رقم مسجد کے کاموں پر لگا دی جائے تب ہمارے گاؤں کے امام صاحب میلسی گئے اور وہاں کے مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مشورہ کریں اگر تمہارے گاؤں کے تمام لوگ راضی ہو جائیں تو یہ رقم مسجد کے کاموں پر لگائی جاسکتی ہے ایک دو جمعہ مشورہ ہوا اور فیصلہ مسجد کے حق میں ہوا اور وہ تمام رقم مسجد کے کاموں پر لگا دی گئی۔

سائل ...... نامعلوم

الجواب

اگر قبرستان میں اس رقم کا کوئی صحیح مصرف موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں درختوں سے حاصل شدہ رقم مسجد پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے، بصورت دیگر جائز نہیں۔

ہندیہ میں ہے: سئل نجم الدین فی مقبرة فیها اشجار هل یجوز صرفها الیٰ عمارة المسجد؟ قال: "نعم ان لم تکن وقفاً علیٰ وجه آخر" (الخ) (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۴۷۶)

الحاصل: صورت مسئولہ میں مسجد انتظامیہ پر شرعاً اس رقم کی واپسی ضروری نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۷/۱۷ھ

قبرستان کی زائد از ضرورت آمدنی مسجد میں صرف ہوسکتی ہے:

ایک عورت نے کچھ زمین قبرستان بنانے کے لئے وقف کر دی، مگر اس میں دو چار سال سے قبریں بنانے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ اس لئے اس زمین میں فی الحال کاشت کی جارہی ہے اس کاشت کی آمدنی مسجد پر خرچ کی جاسکتی ہے؟ اگر یہ آمدنی مسجد کے مصارف میں خرچ نہ کی

جاسکے تواس آمدنی کا کیا کیا جائے؟

سائل ...... منظور احمد، جہلم

الجواب

مذکورہ آمدنی کو قبرستان میں صرف کیا جائے مثلاً اگر دیوار بنانے کی حاجت ہو تو وہ بنادی جائے اور اگر قبرستان میں اس کے خرچ کرنے کی حاجت نہ ہو تو مسجد میں بھی خرچ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔لما فی العالمگیریة: سئل نجم الدین فی مقبرة فیها اشجار هل یجوز صرفها الی عمارة المسجد؟ قال: "نعم ان لم تکن وقفاً علی وجه آخر" قیل له فان تداعت حیطان المقبرة الی الخراب یصرف الیها او الی المسجد؟ قال" الیٰ ماهی وقف علیه"(عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۴۷۶)......فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۶/۱/۲۶ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

قبرستان کے درختوں کو بیچ کر کنواں بنوانا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ھذا کے بارے میں کہ ایک آدمی نے زمین قبرستان کیلئے وقف کردی اس زمین میں درخت بھی ہیں، اب وقف کرنے کے بعد ان درختوں کو کاٹ کر ،ان کی آمدنی سے گاؤں والوں کی سہولت کیلئے کنواں لگانے کا ارادہ ہے۔کیا وقف کے بعد ان درختوں کی آمدنی کو استعمال کیا جاسکتا ہے؟

سائل ...... عمر فاروق، قاسم بیلہ ملتان

الجواب

اگر یہ درخت وقف کے وقت موجود تھے تو یہ درخت بھی اسی قبرستان کیلئے وقف ہونگے۔(۱)
قبرستان کی ضرورت کیلئے ان کو خرچ کیا جائے، البتہ اگر قبرستان کی ضرورت سے زائد ہوں تو پھر ان کو فروخت کر کے کنواں بنوایا جا سکتا ہے۔.................. فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۰/۱۱/۸ھ

قبرستان سے گھاس و جھاڑیاں وغیرہ کاٹنا کیسا ہے؟

(۱)......موقوفہ قبرستان میں بعض اوقات گھاس وغیرہ اگ آتی ہے اگر اس کو کاٹ کر استعمال میں نہ لایا جائے تو خشک ہو کر گل سڑ جاتی ہے اور ضائع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص گھاس کاٹ کر اپنے جانوروں کو ڈال دے تو کیا شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

(۲)......اسی طرح قبرستان میں جو کانٹے دار جھاڑیاں (انگریزی کیکر وغیرہ) اُگ آتے ہیں تو ان کو کوئی شخص اپنے گھریلو ایندھن کے لئے کاٹ سکتا ہے؟

سائل ...... محمد ناصر، چوک منڈا

التخریج: (۱)...... قال فی الاسعاف: ویدخل فی وقف الارض ما فیها من الشجر والبناء دون الزرع والثمرة کمافی البیع (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۵۴، ط رشیدیہ جدید)

وفی العالمگیریة: ذکر الخصاف فی وقفه اذا وقف الرجل ارضاً فی صحته علی وجوهٍ سماها ...... فانه یدخل فی الوقف البناء والنخیل والاشجار کذا فی المحیط (جلد ۲، صفحہ ۳۶۲)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

(۱)......قبرستان سے خشک گھاس اور خشک شاخیں کاٹنا بلاشبہ درست ہے۔ تر گھاس اور شاخیں کاٹنے سے حضرات فقہاء کرام منع کرتے ہیں اس کی "علت" مُردوں کو تر گھاس کی تسبیحات سے جو نفع ہوتا ہے اس سے محرومی ہے۔ لہٰذا اس کی روشنی میں قبور کے درمیان یا راستوں پر موجود گھاس کو کاٹنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، البتہ قبور کے اوپر جو گھاس ہو اسے کاٹنے سے احتراز کیا جائے الا یہ کہ وہ بہت زیادہ بڑھ جائے تو ایسی صورت میں اوپر سے اس کے کاٹنے کی گنجائش ہے۔

ویکرہ قطع النبات الرطبة من اعلاہ دون الیابس (کبیری، صفحہ ۶۰۷)

وفی العالمگیریة: ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرة، فان کان یابساً لاباس به، (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۷)

وفی المراقی: وکرہ قلع الحشیش الرطب وکذا الشجر من المقبرة لانه ما دام رطباً یسبح اللّٰہ تعالیٰ فیؤنس المیت وتنزل بذکر اللّٰہ تعالیٰ الرحمة (مراقی الفلاح، صفحہ ۶۲۳)

(۲)......صفائی کی نیت سے جھاڑیاں کاٹ کر استعمال کرنے کی اجازت ہے کیونکہ ان کی موجودگی میں قبور تک پہنچنا اور تدفین مشکل ہو جاتی ہے، اس لئے ان کا حکم یابس کا ہونا چاہیے۔

لاباس بقلع الیابس منها (مراقی الفلاح، صفحہ ۶۲۴)......فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۸/۹/۵ھ

قبرستان کیلئے وقف زمین میں کھیلنا شرعاً جائز نہیں:

زید نے دس (۱۰) مرلہ زمین اپنے ذاتی خاندان کے قبرستان کے لئے وقف کی ہے اور اس زمین کے اردگرد رہائش ہے اور اس زمین میں صرف ایک قبر بنی ہے تو پوچھنا یہ ہے کہ اس زمین کو

جس پر ابھی قبریں نہیں بنیں کھیل کے لئے یا کسی دینی یا دنیاوی جلسہ کے لئے استعمال کرنا درست ہے یا نہیں ایک مولانا صاحب کا کہنا ہے کہ اس دس مرلہ زمین جو قبرستان کے لئے وقف ہے اس کو کسی دوسرے کام کے لئے استعمال کرنا قبرستان کے احترام کے منافی ہے لہٰذا اس کو کسی بھی دوسرے مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں۔ سائل ...... سید وجاہت الحسن

الجواب

وقف مال، وقف اشیاء، وقف زمین صرف انہی مصارف میں استعمال کرنا شرعاً ضروری ہے۔ جن مقاصد کے لئے ان کو وقف کیا گیا تھا۔ ان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع (شامیہ، جلد ۶ صفحہ ۵۲۶) مراعاة غرض الواقفین واجبة (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۸۳)

نیز کھیل اور دینی یا دنیاوی جلسہ کرنے کی صورت میں قبور کی بے حرمتی ہوگی، قبور کو روندنا شرعاً ممنوع ہے۔ ویکرہ الجلوس علیٰ القبر ووطؤہ ...... وعن ابی حنیفة لایوطأ القبر الا لضرورة (شامیہ، جلد ۳، صفحہ ۱۸۳، باب الجنائز)

نیز ایک مرتبہ کھیل شروع ہو جانے کے بعد روکنا مسئلہ بن جائے گا، اس لئے اسے کھیل وغیرہ کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۹/۲/۲۹ھ

عورتوں کا قبرستان میں جانا کیسا ہے؟

عورتوں کو قبروں کی زیارت کے لئے جانا درست ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر اس حدیث یعنی لعن اللّٰہ علیٰ زائرات القبور کا کیا مطلب ہے؟ اس کی مکمل وضاحت قرآن و

حدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

سائل ...... مولانا قاری محمد یعقوب

الجواب

قوله: " ولو للنساء" وقيل تحرم عليهن والاصح ان الرخصة ثابتة لهن.بحر، وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مرّ في اتباعهن الجنازة وقال الخيرالرملي: ان كان ذالک لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن فلاتجوز، وعليه حمل حديث "لعن الله زائرات القبور" وان كان للاعتبار والترحم من غيربكاء والتبرک بزيارة قبور الصالحين فلابأس اذا كن عجائز ويكره اذا كنّ شوابّ كحضور الجماعة في المساجد.وهو توفيق حسن (شامیہ، جلد۳،صفحہ۱۷۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے زیارت قبور میں علماء کا اختلاف ہے لیکن درست قول یہ ہے کہ اگر زیارت سے مقصود جزع فزع اور نوحہ کرنا ہے تو اس وقت عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کرنا درست نہیں، اور سوال میں ذکر کردہ حدیث اسی کے بارہ میں ہے، لیکن اگر قبور کی زیارت سے مقصود عبرت حاصل کرنا اور نیک لوگوں کی قبور کی زیارت سے برکت حاصل کرنا ہے تو بوڑھیوں کے لئے جائز ہے اور جوان عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۶/۳/۴ھ

مسلمانوں کے قبرستان میں غیر مسلم کو دفن کرنے کی اجازت نہیں:

ایک گاؤں میں قبرستان کا رقبہ دو ایکڑ ہے جس میں مسلمان اور عیسائی مشترکہ طور پر اپنے

مُردوں کو دفناتے ہیں عیسائیوں کیلئے علیحدہ کوئی جگہ نہیں ہے، کیا مسلمانوں کے قبرستان میں عیسائی مُردوں کو رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پہلے جو عیسائی مُردے مسلمانوں کے ساتھ رکھے جا چکے ہیں، ان کو وہاں سے نکالا جائے یا نہ، آئندہ کیلئے کیا صورت اختیار کی جائے؟

سائل ...... حافظ عبدالستار آزاد، خطیب جامع مسجد، میاں چنوں

الجواب

کسی کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ غیر مسلم کو عذاب، کفر کے سبب یقینی ہے۔ وضغطة القبر حق لكن ان كان كافراً فعذابهٗ يدوم الىٰ يوم القيامة. (شامیہ، جلد ۳، صفحہ ۴۹، ط: رشیدیہ جدید)

اور یہ مسلمانوں کی اموات کیلئے باعث ایذاء ہے۔ عیسائی اپنے لئے الگ قبرستان حکومت سے الاٹ کرائیں۔ آئندہ کسی غیر مسلم عیسائی یا مرزائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے ....فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۶/۵/۱۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

قبرستان میں قرآن کریم کی تلاوت جائز ہے:

عشرہ محرم میں قبروں کی لپائی کا حکم:

دیکھنے میں آیا ہے کہ عشرہ محرم میں لوگ جوق در جوق قبرستان میں جاتے ہیں اور قبروں کی صرف ماہِ محرم میں لپائی، صفائی اور درستی کرتے ہیں اور بعد میں مسور کی دال قبر پر بکھیرتے ہیں،

قرآن مجید قبرستان میں ساتھ لے جاتے ہیں، اور قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں، کیا قرآن پاک کو قبرستان میں لے جا کر پڑھنا صحیح ہے؟

سائل ...... عبدالعزیز، مظفر گڑھ

الجواب

(۱)......قبروں کی لپائی بے حرمتی سے بچانے کیلئے امر مستحسن ہے، لیکن عشرہ محرم کی تخصیص درست نہیں، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۲)......قرآن کریم کی تلاوت قبرستان میں جائز ہے۔ ہندیہ میں ہے: قرأة القرآن عند القبور عند محمدؒ لاتکره ومشائخنا اخذوا بقوله (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۶)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۹/۱۱/۱۲ھ

احکام المدارس

مایتعلق بتعمیر المدرسة وتوسیعها

مدرسہ میں سرکاری زمین شامل کرنے کا حکم:

ایک مدرسہ کے ساتھ سرکاری زمین پڑی ہے مدرسہ والوں کو ایک مرلہ زمین درکار ہے مدرسہ والوں نے جب سرکاری ملازمین سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو مدرسہ کے لئے ضرورت ہے تو مدرسہ میں ایک مرلہ زمین شامل کرلو۔ آیا یہ زمین مدرسہ والوں کو لینی جائز ہے یا نہیں قیمت سے لے سکتے ہیں یا بلا قیمت بھی؟ گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ ارشاد فرمائیں۔

سائل...... محمد معاویہ مدنی، شالیمار کالونی ملتان

الجواب

مدرسہ ایسی جگہ بنانا چاہیے جو کسی مسلمان کی مِلک ہو اور اس نے وہ جگہ برائے مدرسہ وقف کی ہو یا برائے مدرسہ وہ جگہ خریدی ہو اگر ایسی جگہ میسر نہ ہو اور سرکاری زمین ہو تو اوّلاً وہ جگہ سرکار سے حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جائے اگر سرکار سے باقاعدہ اجازت نہ مل سکے تو اس تاویل سے کہ سرکاری جگہ سے عوام کو بھی فائدہ حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے اور مدرسہ سے عوام کو فائدہ ہوتا ہے اور سرکار ایسے کاموں میں جس میں عوام کا فائدہ ہوتا ہو مخل نہیں کرتی اکثر منظوری

دے دیتی ہے تو اس امید پر وہاں مدرسہ جاری کریں کہ سرکار اجازت دیدے گی یا قیمتاً مل جائے گی۔بعدہ اگر سرکار اجازت دیدے یا قیمتاً مل جائے تو وہ جگہ مدرسہ کے لیے وقف کرسکتے ہیں۔

(فتاوی رحیمیہ جلد نمبر ۹ صفحہ نمبر ۱۳۵)............ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۴/۱۱/۶ھ

اہل اسلام کی مقبوضہ جگہ میں مدرسہ اور دوکانیں بنانا کیسا ہے؟

حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کی طرف سے ایک سوال:

ایک رقبہ زمین جو کہ قدیم عرصہ سے ہندو قوم سے مقدمہ کر کے حاصل کیا گیا ہے اس وقت سے وہ مقبوضہ اہل اسلام ہے۔اس کے متولی کھوکھر قوم سے چلے آرہے ہیں، اس کے ایک حصہ میں قبریں تھیں اور ایک حصہ اس کا ویران پڑا تھا جس میں ایک چھوٹی سی مسجد اور حجرہ تھا جس میں ایک عالم دین درس و تدریس کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔موجودہ متولی نے ضرورت کی بنا پر مسجد کی توسیع کردی۔اور اس ویران جگہ کو آباد کر کے اس میں مزید حجرے بنا دیئے اور اسے باقاعدہ دینی ادارے کی شکل دیدی۔جو الحمد للہ اس وقت عظیم الشان بلڈنگ میں ایک بہت بڑا دینی ادارہ ہے۔عرصہ بیس سال سے یوں ہمہ وجوہ خدمت کررہا ہے۔متولی مذکور نے اس خالی جگہ کی چار دیواری بنا کر اسے قبروں سے علیحدہ کرلیا۔قبروں کی شمالی جانب جس طرف شارع عام ہے۔ایک کچی دیوار تھی۔جو ۱۹۵۰ء میں سیلاب کی نذر ہوگئی۔اس کے بعد وہ جگہ خالی ویران پڑی تھی۔پی،ڈبلیو،ڈی والوں نے اس جگہ پر ناجائز تصرف شروع کردیا اور سڑک کیساتھ ملحقہ جگہ جو خالی پڑی تھی۔اس پر کھوکھے اور دکانیں بنوانا شروع کردیں۔متولی صاحب نے اس جگہ کی

حفاظت اور حرمت کی خاطر اس شمالیٰ جانب ایک پختہ دیوار بنا دی۔ اور جو جگہ خالی پڑی تھی جس پر پی، ڈبلیو، ڈی والوں کا ناجائز تصرف ہو چکا تھا، اس پر پختہ دکانیں بنوانا چاہتے ہیں اس جانب بالکل اس جگہ کے متصل پہلے چند دوکانیں اس مدرسہ کی موجود ہیں۔ جنکی آمدنی اسی دینی مدرسہ پر خرچ ہوتی رہی ہے۔ اب بعض حضرات متولی مذکور اور اس کے ساتھیوں سے ذاتی اور مذہبی عداوت کی بنا پر ان دوکانوں کے بنانے میں مخل ہیں اور انہوں نے عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ عدالت کو شرعی اور دینی نقطہ نگاہ سے درج ذیل امور کی وضاحت مطلوب ہے!

(۱)...... متولی مذکور کا خالی جگہ میں تصرف کر کے وہاں دینی ادارہ قائم کرنا اور مسجد کی توسیع کرنا کیسا ہے؟

(۲)...... مدرسہ اور ان کی حدود جو کہ ایک عرصہ سے قائم ہو چکی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

(۳)...... متنازعہ جگہ میں دیوار اور دوکانیں تعمیر کرنے کا کیا حکم ہے؟ مدرسہ اور دوکانات کی تعمیر کرنے سے کسی قبر کو منہدم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور نہ ہی بلا ضرورت ایسا فعل کیا گیا۔ متولی مذکور اپنے اس اقدام کے جواز میں علامہ عینی کی درج ذیل عبارت پیش کرتا ہے:

فان قلت هل يجوزان تبنى المساجد على قبو ر المسلمين؟قلت: قال: ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابرالمسلمين عفت فبنى قوم عليهامسجداً لم ار بذلك بأساً (عمدۃ القاری، جلد ۴، صفحہ ۲۶۵، ط: رشیدیہ کوئٹہ)

اور اس پر قیاس کرتے ہوئے جبکہ پرانی قبروں کو مسمار کر کے مسجد یا کوئی اور عمارت بنانا جائز ہے، تو جو جگہ خالی اور ویران ہو اگرچہ اسکے ساتھ قبریں ملحق ہوں۔ وہاں پر دینی مفاد کی خاطر ایسی تعمیر بطریق اولیٰ جائز ہونی چاہیے۔ آپ پوری صورت کو سامنے رکھتے ہوئے از روئے شرع واضح فرمائیں کہ متولی مذکور کے اس اقدام کے لیے کوئی وجہِ جواز ہو سکتی ہے؟

سائل ...... منظور احمد چنیوٹی، پرنسپل جامعہ عربیہ، چنیوٹ

الجواب

(۱)......عینی شرح بخاری میں ہے: قال ابن القاسم :لو ان مقبرة من مقابرالمسلمین عفت فبنی قومٌ علیها مسجداً لم اَربذٰلک بأساً،وذالک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیهاجازصرفهاالیٰ المسجدلان المسجدایضاوقف من اوقاف المسلمین لایجوزتملکه لاحد فمعنا ها علیٰ هٰذا واحد (عمدۃ القاری، جلد۴، صفحہ۲۶۵، ط:رشیدیہ)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ متولی مذکور کا اس خالی اور ویران جگہ پر دینی ادارہ قائم کرنا جائز ہے۔

(۲)......یہ مدرسہ وقف علی المسلمین ہے اس کا گرانا جائز نہیں ہے۔

(۳)......اس متنازعہ جگہ پر مدرسہ کے مفاد کے لئے دوکانوں کا بنانا جائز ہے، اور دوکانیں بھی وقف علی المدرسہ ہونگی۔..فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۶/۱/۱ھ

سودی رقم سے مسجد یا مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

سود کی رقم سے مدرسہ بنانا یا مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ......خالد محمود طاہر، فورٹ عباس

الجواب

نہیں۔ بلکہ مسجد و مدرسہ کے لیے پاک وطیب مال ہونا چاہیے۔ان اللّٰہ طیب لایقبل

الاطیباً ، (مشکوٰۃ، جلد ا، صفحہ نمبر ۲۴۱)............................ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۹/۲/۶ھ

مسجد کی توسیع کے لیے خرید کردہ زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ زید نے عرصہ ایک سال سے ساڑھے چار مرلے زمین مسجد کی توسیع کے لئے ایک شخص سے ادھار خرید کر اس پر قبضہ کرلیا، صحیح طریقہ پر چندہ نہ ملنے کی وجہ سے مسجد کی توسیع روک لی گئی اور اس پر ایک حجرہ برائے قیامِ امام و مدرس تعمیر کیا جس میں مدرس کی رہائش ہے، اب چونکہ اس مسجد میں ۳۵/۴۰ کے قریب بچے زیر تعلیم ہیں، اس لیے انتظامیہ کا ارادہ یہ ہے کہ اس جگہ پر مدرسہ تشکیل دیا جائے، اس طرح زکوٰۃ سے زمین کی رقم کی بھی ادائیگی ہوجائے گی۔ شرعاً حکم صادر فرمائیں۔

سائل ...... محمد ضیاء اللہ، ناظم جامع مسجد کمالیہ

الجواب

یہ زمین مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔[1] اس لئے اس پر تعمیر مدرسہ درست ہے لیکن اس کی قیمت زکوٰۃ کے علاوہ دوسری رقوم سے ادا کی جائے گی، کیونکہ زکوٰۃ کا روپیہ تملیک کے بغیر تعمیر پر

التخریج: (۱)...... ومنها الوقف ولو مسجدالجامع لابد من التلفظ الدال عليه (الاشباہ، صفحہ ۵۲)

وفيه ايضاً: اشترى المتولى بمال الوقف داراًللوقف لاتلحق بالمنازل الموقوفه ويجوز بيعها فى الاصح (درمختار، جلد ۶، صفحہ ۶۳۸)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

صرف کرنا جائز نہیں۔................ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۴/۳/۲۵ھ

مسجد کے حجرہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کرنا:

آج سے تقریباً ۷۰/۸۰ سال قبل ایک مسجد تعمیر کی گئی اور دس قدم پر اس کا حجرہ تعمیر کیا گیا ہے۔ ۴۰ سال تک وہ حجرہ امام مسجد، مسافر طلبہ، مؤذن اور خادم مسجد کی تحویل میں رہا، اور اس کو مسجد کا حجرہ کہا جاتا ہے۔ پھر امام صاحب نے اس حجرہ کے قرب و جوار میں دینی مدرسہ قائم کیا اور حجرہ کو مدرسہ کے تصرف میں لائے، اب وہ حجرہ مدرسہ کی طرف منسوب ہونے لگا۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ شرعاً وہ حجرہ مسجد کا ہے یا مدرسہ کا؟ اگر مدرسہ کا ہو تو وہاں مدرسۃ البنات یا قیام گاہ برائے طلباء بنائی جائے، اور مسجد کا ہو تو مسجد کی دو کانیں بنائی جائیں، اگر شرعی اجازت ہو تو اس حجرہ کو فروخت کر کے اس کی رقم مسجد کی تعمیر پر خرچ کر دی جائے۔

سائل ...... خلیل احمد صدیقی، خادم مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن، مونڈکا

الجواب

اگر یہ مدرسہ مستقل نہیں ہے بلکہ مسجد کے تابع ہے، تو اس حجرے کو مدرسہ کی ضروریات میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ مساجد میں محلے کے بچوں کیلئے درسگاہ بنانے کا عرف ہے، اور اگر مدرسہ مسجد سے الگ ہے تو اسے مسجد کے استعمال میں لایا جائے فروخت نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۱/۱۰/۹ھ

مدرسۃ البنات کیلئے وقف زمین پر مدرسۃ البنین بنانا:

ایک آدمی نے ۸ کنال اراضی وقف کی ہے اس میں سے ۴ کنال برائے مسجد، ۲ کنال برائے مدرسہ للبنین اور ۲ کنال مدرسۃ البنات کے لئے مختص کی، لیکن اب مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر مدرسۃ البنات کا بنانا اس مقام پر مناسب نظر نہیں آ رہا:

(۱)...... شہر کی آبادی سے فی الحال دور ہے۔

(۲) ...... مدرسۃ البنات، مدرسۃ البنین اور مسجد کا راستہ ایک ہی ہو جاتا ہے اس لیے بوقتِ آمدورفت ''اختلاط مع النساء بالازدہام'' نقصان سے خالی نہیں۔

(۳)...... مسجد اور مدرسہ للبنین کی عمارت (دارالاقامہ ہو یا دارالتعلیم) کا مدرسۃ البنات سے متصل و ملحق ہونا بھی خطرے سے خالی نہیں۔

کیا ان وجوہ کی بناء پر مدرسۃ البنات کی جگہ فروخت کر کے رقم دوسری جگہ پر زیر تعمیر مدرسۃ البنات کی تعمیر یا توسیع میں لگائی جاسکتی ہے یا زمین کے بدلے میں زمین لے لیں؟

سائل ...... عبدالرحمٰن تونسوی، ڈیرہ غازیخان

الجواب

صورت مسئولہ میں وقف شدہ زمین کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں۔ البتہ اگر مدرسۃ البنات اس جگہ مناسب نہ ہو تو مدرسۃ البنین بنالیں اور مدرسۃ البنات کے لئے دوسری جگہ خرید کر وہاں بنالیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس جگہ کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ وقف ہونے کے بعد یہ زمین بندوں کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی گئی ہے۔ وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب

ولا یورث كذا فی الهداية (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۰) ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان — ۱۴۲۲/۶/۲۷ھ

مدرسہ کی وقف زمین میں طلباء کیلئے مسجد تعمیر کرنا:

مدرسہ کیلئے وقف کی گئی زمین پر واقف کے مشورے سے مدرسہ ہی کیلئے مسجد بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد قاسم، متعلم خیر المدارس، ملتان

الجواب

مدرسہ کی وقف زمین پر مدرسہ کے لئے مسجد بنانے کی گنجائش ہے، کیونکہ وہ ضروریات مدرسہ میں داخل ہے۔ والذی يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف او لا، ثم ما هو اقرب الىٰ العمارة واعم للمصلحة كالامام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف اليهم الىٰ قدر كفايتهم، ثم السراج، والبساط ، كذالك الىٰ آخر المصالح. (البحر الرائق، جلد ۵، صفحہ ۳۵۶) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان — ۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

سوال مثل بالا:

(۱)......ایک دینی درسگاہ کے لئے کسی نے ایک قطعۂ زمین وقف کیا ہے اور ایک قطعہ عوام الناس کے چندہ سے خریدا گیا ہے تا کہ اس جگہ دینی درسگاہ بن جائے چونکہ زمین کافی ہے اس لئے مدرسہ میں طلباء و مدرسین کے لئے مسجد کی ضرورت ہے اور آس پاس کے لوگوں کیلئے بھی ضرورت ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ تم اس جگہ مسجد نہیں بنا سکتے کیونکہ یہ مدرسہ کے لئے وقف کی گئی ہے اگر تم اس جگہ مسجد تعمیر کرو گے تو اس کی قیمت مدرسہ میں داخل کرو، اور بعض حضرات نے کہا کہ چونکہ یہ مسجد مدرسہ کے طلباء اور مدرسین کیلئے ہے اس لئے اس کی قیمت داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا از روئے شریعت اس کا حکم تحریر فرمادیں۔

(۲)......زید نے ایک قطعۂ زمین مدرسہ کے لئے وقف کیا اور زید کی زمین کے ساتھ عوام الناس نے چندہ کر کے دوسرا قطعہ مدرسہ کیلئے خریدا، عوام الناس کے چندہ سے حاصل شدہ زمین مسجد کیلئے موزوں ہے اور زید کی موقوفہ زمین مدرسہ کیلئے، اب زید کہتا ہے کہ ''میری مدرسہ کیلئے موقوفہ زمین مسجد کی زمین کے عوض لے لو اور مسجد بنالو حالانکہ وقف کے وقت زید نے تعمیر مسجد کے بارے میں کوئی نیت نہیں کی تھی، بلکہ وہ صرف مدرسہ کے لئے تھی۔ کیا یہ تبادلہ صحیح ہے؟

سائل ...... محمد احمد

الجواب

(۱)......زمین موقوفہ یا خرید شدہ برائے مدرسہ میں طلباء اور اساتذہ کے نماز پڑھنے کیلئے مسجد بنانا جائز ہے۔ وہ مسجد مدرسہ کی ہوگی مہتمم مدرسہ اس مسجد کا متولی ہوگا اس کیلئے مسلمان اگر الگ چندہ دیں تو بہتر ہوگا تا کہ مدرسہ کو فائدہ ہو جائے اور اگر الگ چندہ نہ مل سکے تو مدرسہ کی اراضی میں ایک قطعہ اس کے لئے مخصوص کر کے مدرسہ کے فنڈ تعمیر سے مسجد بنائی جائے، مگر زکوٰۃ و صدقات واجبہ

کا چندہ تعمیرِ مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں۔

(٢)...... یہ دونوں قطعہ اراضی (خرید شدہ وموقوفہ) مدرسہ کیلئے ہیں ان میں جو جگہ مسجد کے لئے موزوں ہو مشورہ کر کے اس میں مسجد بنالی جائے، باقی جگہ میں درسگاہیں وغیرہ تعمیر کریں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
١٣٨٣/٩/١٢ھ

مدرسہ کیلئے وقف کردہ کوارٹر کو فروخت کرنا:

محمد اسلم نے اپنے بنے ہوئے چار کوارٹر جامعہ خیر المدارس کو وقف کر دیئے ہیں۔ کیا جامعہ خیر المدارس ان چار تعمیر شدہ کوارٹروں کو فروخت کر سکتا ہے؟ وقف نامہ منسلک ہے۔

سائل ...... قاری محمد حنیف صاحب جالندھری
(مہتمم خیر المدارس، ملتان)

الجواب

ان وقف شدہ کوارٹرز کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ جو جگہ وقف ہو جائے وہ بندہ کی ملک سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملک میں چلی جاتی ہے۔

لما فی العالمگیریة: وعندهما حبس العين على حكم ملكِ الله تعالىٰ على وجه تعود منفعتهٗ الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا فی الهداية (عالمگیریہ، جلد٢، صفحہ ٣٥٠)...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤٢٢/١٠/٢٨ھ

اگر کوئی مدرس اپنی ذاتی ملکیت سے مدرسہ کی جگہ پر رہائشی مکان تعمیر کرائے تو آیا مدرسہ اس تعمیر اور ملبہ کو اس سے خرید سکتا ہے؟

ایک دینی ادارہ جو قیامِ پاکستان کے بعد جالندھر سے ملتان میں آیا اور اس کے لئے متروکہ غیر مسلم اوقاف کی عمارت اور ملحقہ پلاٹ الاٹ ہوئے جس پر مہتممِ ادارہ نے دینی کام شروع کر دیا اور اس کے مکانات رہائشی طور پر قبضہ میں لے لئے اسی دوران ادارہ کے ملازم اور اپنے بیٹے کو الاٹ شدہ مکانات کے قریب رہائش کے لئے مکان تعمیر کرنے کی اجازت دیدی، جو کہ انہوں نے اپنے خرچہ پر تعمیر کیا اور رہائش رکھی بعدازاں انہوں نے اپنا رہائشی مکان ممتاز آباد میں تعمیر کیا اور وہیں رہائش پذیر ہوگئے، مگر ادارہ میں تعمیر شدہ مکان اپنے قبضہ میں رکھا حضرت مہتمم صاحب کی وفات کے بعد انہوں نے وہ مکان کرایہ پر دیدیا، کرایہ ۲۵ پیسے ماہوار خود وصول کرتے رہے، جب وہ ۱۳۹۱ھ میں خود اللہ کو پیارے ہو گئے، تو مکان کا کرایہ بیوہ ہی وصول کرتی رہی، بعض اہل ادارہ نے اعتراض کیا کہ کرایہ ادارہ وصول کرے، چنانچہ بیوہ نے درخواست پیش کی کہ ادارہ مکان کا قبضہ بھی لے لے اور کرایہ بھی خود وصول کرتا رہے، مگر ملبہ اور تعمیر کے اخراجات بیوہ کو ادا کر دے، جیسا کہ سابقہ باورچی عبدالحق نے اس ملحقہ پلاٹ پر اپنی رہائش کے لئے باجازت مہتممِ ادارہ مکان تعمیر کیا اور کافی عرصہ اس میں رہنے کے بعد اس کا ملبہ ادارہ کو فروخت کر کے قبضہ ادارہ کو دیدیا، اور کرایہ ادارہ وصول کرتا رہا اور اس کے ہم مثل اور بھی کئی اشخاص موجود ہیں جنہوں نے باجازتِ مہتمم صاحب مکانات تعمیر کئے اور اس میں رہائش پذیر ہوئے بعد میں ملبہ مکان ادارہ کو فروخت کر کے قبضہ دیدیا، اور ادارہ خود کرایہ وصول کرتا رہا۔ کیا ان حوالہ جات کے پیشِ نظر ادارہ ملازم کے تعمیر شدہ مکان کا قبضہ لے کر اور ملبہ خرید کر اس کا کرایہ خود وصول کرے، تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... نامعلوم

الجواب

صورت مذکورہ میں مذکورہ عمارت کی قیمت حافظ رشید احمد مرحوم کے ورثاء کو ملنی چاہیے، جیسا کہ استفتاء میں ذکر کردہ نظائر سے معلوم ہوتا ہے، اور جزئیہ ذیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ **ولاباس ببیع بناء بیوت مکة ویکرہ بیع ارضھا .... بخلاف البناء لانه خالص ملک البانی** (الخ) (ہدایہ، جلد۴، صفحہ ۴۷۱)

لیکن ملبہ استعمال شدہ کی قیمت موجودہ نرخ کے مطابق لگائی جائے گی ملبہ جدید کی نہیں۔

(۲)......اس قیمت میں سے سفید زمین کا کرایہ از وقت استعمال تا وقت بیع ملبہ منہا کیا جائے گا، کیونکہ کرایہ مکان جو حافظ رشید احمد صاحب اور ان کے ورثاء وصول کرتے رہے وہ دو چیزوں کے مقابلے میں ہے زمین اور ملبہ، ملبہ حافظ صاحب مرحوم کا ہے لہٰذا اس کا کرایہ مرحوم کو ملنا چاہیے اور حصہ زمین کا کرایہ مدرسہ کا حق ہے، لہٰذا یہ مقدار مدرسہ وصول کرے گا۔

(۳)......ملبہ کی قیمت اور زمین کا کرایہ دو تجربہ کار عادل اشخاص سے تجویز کرالیا جائے۔ **یحکم به ذوا عدل منکم** (الآیہ)

(۴)......ابتداء سے کرایہ کی تشکیل میں اس بات کو مدنظر رکھا جائے جو مدرسہ کے کارکنان اور مدرسین و ملازمین کیساتھ یہاں مدرسے کا عرف ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۳/۳/۲۱ھ

مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے بعد پہلی جگہ کو کرایہ پر دینا کیسا ہے؟

ہم نے تھوڑی سی جگہ قرآن مجید کا مدرسہ بنانے کے لئے وقف کر کے مدرسہ کی شکل میں

کام شروع کیا، چند سال بعد وہ جگہ طلباء کے لئے ناکافی ہوگئی پھر ہم نے دوسری جگہ ذاتی زمین تقریباً ۴ کنال مدرسہ کو دے کر مدرسہ کی توسیع کی اور کام شروع کردیا ہے، اب وہ پہلی جگہ مدرسہ ہٰذا کے استعمال میں نہیں آسکتی اس پہلی جگہ کے متعلق سوال یہ ہے کہ اس کو کرایہ پر دیکر کرایہ کی رقم مدرسہ میں استعمال کریں یا کسی استاد یا مہتمم صاحب کی رہائش گاہ بنائیں۔ شرعی لحاظ سے اس کا صحیح استعمال بیان فرمائیں؟

سائل ...... خالد محمود، حافظ کلاتھ ہاؤس سکول بازار، رحیم یار خاں

الجواب

پہلی جگہ بھی ہمیشہ وقف ہی رہے گی۔ ہاں اس کو مدرسہ کی جس ضرورت کے لئے چاہیں استعمال کرلیں۔(۱)........................ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۱۲/۱۰/۲۳ھ

مدرسہ کی آمدنی کیلئے مارکیٹ بنانا جائز ہے لیکن اسے فحاشی کا اڈا نہ بننے دیا جائے:

"جامعہ اسلامیہ بہاولپور" کی انتظامیہ نے تھری سٹار، فورسٹار ہوٹلز بنانے کی اجازت دی ہے کیا وہ شرعی طور پر اس کے مجاز تھے کہ وقف اراضی برائے علوم دینیہ کو اس طرح غیر شرعی کاموں کیلئے اجازت دیں عرصہ آٹھ سال سے یہ اڈے چلتے رہے ان کا جو کرایہ کمائی اس ادارے کے

التخریج: (۱)......اذا وقف دارۃ علی الفقراء فالقیم یؤاجرھا (عالمگیریہ، جلد۲، صفحہ ۴۱۸)

وفی الدر المختار: ویوجر باجر المثل (جلد ٦، صفحہ ٦١٦) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

طلباء کرام پر اور علماء کرام پر خرچ ہو چکی ہے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

آئندہ کے لئے ان ہوٹلز کا کیا مصرف ہونا چاہیے اور موجودہ انتظامیہ اور شوریٰ جامعہ ہذا کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

سائل ...... ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، رکن مجلس شوریٰ جامعہ ھذا

الجواب

وقف جگہ میں مسجد یا مدرسہ کے لئے دوکانیں وغیرہ بنانا تاکہ اس کی آمدنی سے مدرسہ کے اخراجات پورے کئے جائیں ایسی تعمیر کی شرعاً گنجائش ہے۔

لما فی البحر الرائق: ولو کانت الارض متصلة ببیوت المصر یرغب الناس فی استیجار بیوتها وتکون غلة ذالک فوق غلة الزرع والنخل کان للقیم ان یبنی فیها بیوتاً فیؤاجرها لان الاستغلال بهٰذا الوجه یکون انفع للفقراء (الخ) (جلد۵، صفحہ۳۶۱)

وفی العالمگیریة: قیم المسجد لایجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتاً وسکنا تسقط حرمته (ہندیہ، جلد۲، صفحہ۳۴۹)

ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ مسجد یا فناء مسجد سے خارج دوکانیں بنانے کی اجازت ہے لیکن ان دوکانوں اور ہوٹلوں کو فحاشی کا مرکز نہ بننے دیا جائے یہ انتظامیہ اور مجلس شوریٰ کا فرض ہے۔ مذکورہ کرایہ سے مدرسہ اور طلباء پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔ ...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۲/۴/۱۲ھ

ذاتی رقم سے مدرسہ کیلئے خرید کردہ پلاٹ وقف کے بعد نا قابلِ فروخت ہے:

ایک مولوی صاحب نے مدرسہ کے ساتھ ایک پلاٹ اپنی ذاتی رقم سے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے میں خرید کر مدرسہ کے لئے وقف کر دیا تھا آیا کہ مولوی صاحب اس پلاٹ کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ محلّہ کے چند افراد پلاٹ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں جبکہ پلاٹ پر قبضہ کرنے کی صورت میں یہ لوگ مولوی کی رقم واپس کرنے کے پابند ہونگے یا نہیں؟ جبکہ خرید شدہ پلاٹ خالی پڑا ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں بتلائیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد عمر، یزمان

الجواب

اگر مولوی صاحب نے یہ پلاٹ خرید کر مدرسہ کیلئے وقف کر دیا تھا تو اب یہ ان کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملک میں چلا گیا ہے۔اب اس پلاٹ کو فروخت کرنا مولوی صاحب کیلئے جائز نہیں ہے اور نہ ہی کسی اور کو اس پر قبضہ کرنا جائز ہے یہ پلاٹ وقف ہی رہے گا۔

چنانچہ ہندیہ میں ہے: وعندهما حبس العين علىٰ حكم ملك الله تعالىٰ علىٰ وجه تعود منفعة الىٰ العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث[1] (جلد ۲، صفحہ ۳۵۰)۔فقط واللہ اعلم

البتہ اس وقف کا یہی شخص متولی ہوگا۔فقط والجواب صحیح

بندہ عبد الحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۷/۴/۱۴

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

التخريج: (۱)......وفي الدرالمختار: فاذا تم ولزم لايملك ولايملك، اى: لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه (الخ) (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ٦، صفحہ ۵۴۰) (مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

مہتمم اگر مدرسہ کو آباد نہ کرے تو کیا واقف زمین واپس لے سکتا ہے؟

امی جان نے ۱۹۹۶ء میں مدرسہ ''سید المرسلین'' کے نام رقبہ ۳۰ مرلہ انتقال کرا دیا تھا اس شرط پر کہ اس مدرسہ کو آباد کریگا لیکن آج تک صرف تین ماہ آباد ہوا ہے اور اس مولانا صاحب نے تین مدارس کے رقبہ جات اپنے نام کرار کھے ہیں جن میں سے صرف ایک آباد ہے۔ اب ہمارے کہنے پر نہ چھوڑتا ہے اور نہ آباد کرتا ہے اور دوسرے بزرگوں کے کہنے پر بھی نہ چھوڑتا ہے نہ واپس کرتا ہے۔ اب آپ صاحبان ہمارا مسئلہ حل فرمائیں:

(۱)......کیا ہم واپس لے سکتے ہیں؟

(۲)......یا یوں ہی غیر آباد رہنے پر خاموش رہیں؟

(۳)......اگر ہم شرعی صورت پر واپس لے سکتے ہیں تو کیا کرنا چاہیے؟

(۴)......اگر وہ مولانا صاحب واپس نہ دے تو واقعی امی جان کو ثواب ملتا رہے گا؟

(۵)......اگر مولانا صاحب واپس دیدے تو کیا اس جگہ کو فروخت کر کے دوسرا مدرسہ چلا سکتے ہیں؟

(۶)......ہم شرعی صورت میں مدرسہ واپس لے کر کسی اور مولانا صاحب کو مہتمم بنا سکتے ہیں؟

سائل ...... حافظ محمد سلیم ولد غلام محمد ارائیں، ڈیرہ غازیخاں

الجواب

یہ اراضی مدرسہ کے نام وقف ہوگئی ہے۔ اب اس کا نہ واپس کرنا جائز ہے اور نہ ہی بیچنا درست ہے۔[۱] مہتمم صاحب پر اہل محلّہ کی طرف سے دباؤ ڈالا جائے کہ اس کو آباد کرے اور اہل محلّہ

التخریج: (۱)...... فاذا تم ولزم لایملک (ای لا یکون مملوکا لصاحبه) ولایملک ای: لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه (الدر المختار مع الشامیہ، جلد ۶ صفحہ ۵۴۰)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

بھی اس کے ساتھ اس کے آباد کرنے اور تعمیرات وغیرہ میں تعاون فرمادیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
٩/٥/١٤٢٢ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

غیر آباد مدرسہ کی زمین کو فروخت کر کے کسی دوسرے مدرسہ کو وہ رقم دینا:

زید نے اپنی مملوکہ زمین میں سے ایک حصہ ایک دینی عربی مدرسہ کے لئے وقف کیا تھا اور کچھ دیر تک اس جگہ پر تعلیم ہوتی رہی، لیکن اب کافی عرصہ سے نہ تو وہاں قرآن پاک کی تعلیم ہوتی ہے اور نہ ہی عمارت اور درسگاہ باقی رہی ہے بلکہ سب گر کر تباہ ہوگئی ہے اور نہ ہی پھر آئندہ وہاں درسگاہ تعمیر ہونے اور از سر نو مدرسہ قائم ہونے کی امید ہے۔ اگر زید اسی قطعہ زمین کو فروخت کر کے اس کی رقم کسی دوسرے عربی مدرسہ کو دیدے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ کاغذات میں ابھی تک وہ قطعہ زمین اسی زید کی ملکیت ہے۔ سائل ...... عبداللطیف، قصبہ مڑل ملتان

الجواب

موقوفہ زمین کی بیع وشراء کی شرعاً اجازت نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی ایک زمین وقف کرنے کا ارادہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تصدق باصلها لايباع ولايورث ولايوهب (ہدایہ، جلد٢، صفحہ ٦١٥)

علاقہ والوں پر لازم ہے کہ وہ اس کی تعمیر اور آبادکاری کیلئے ہر ممکن کوشش کریں۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١١/٤/١٤٠٦ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

مدرسہ کی زمین میں مدرس کا اپنے لئے سبزی کاشت کرنا:

مدرسہ کے درختوں سے شاخیں کاٹ کر جلانا کیسا ہے؟

کیا مدرس کے لیے مدرسہ کی اشیاء مثلاً درختوں کی لکڑیاں یا اسی طرح مدرسہ میں سبزی اگا کر استعمال کرنا درست ہے؟ جبکہ وہ تنخواہ بھی لیتا ہو اور مہتمم کی طرف سے اجازت ہو۔

سائل ...... محمد نواز، سلطان گھی ملز، ملتان

الجواب

مدرسہ کی انتظامیہ کی اجازت کے ساتھ یہ چیزیں مدرس استعمال کرسکتا ہے۔[1] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفی عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۰۳/۹/۲ھ

مدرس کیلئے مدرسہ کا کمرہ استعمال کرنے کا حکم:

دیہات میں ایک مدرسہ کے لیے دو کمرے درسگاہ کے طور پر بنائے گئے مقامی بچے دونوں کمروں میں کچھ عرصہ پڑھتے رہے اب بچوں کی تعداد کی کمی کے باعث ایک کمرہ فارغ پڑا ہے۔ مدرسہ کے مدرس جو کہ ناظم مدرسہ بھی ہیں۔ اس فارغ کمرہ کو بطور ذاتی رہائش استعمال کر رہے ہیں اس نیت سے کہ جب بچے زیادہ ہو جائیں گے فارغ کر دونگا۔

یہ رہائش مجبوری کی وجہ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ خاندان بڑا ہے مزید انتظام کی قدرت

التخریج:(۱)......تجوز الزیادہ من القاضی علی معلوم الامام اذاکان لایکفیه وکان عالما تقیا (الدرالمختار، جلد۶، صفحہ۶۶۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

نہیں۔آیا بطور رہائش استعمال کرنا مذکورہ صورت میں جائز ہے یا نہیں۔جبکہ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں۔

سائل ......حافظ محمد رمضان، چک نمبر/۴۶ بہاولنگر

الجواب

مدرس عند الضرورت مدرسے کا مکان یا کمرہ رہائش کے لیے استعمال کرسکتا ہے شرعاً اسکی گنجائش ہے۔...................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۸/۷/۱۴۱۴ھ

مدرسہ کی آمدنی کیلئے مدرسہ میں ویگن اسٹینڈ بنانا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ ایک صاحب نے مدرسہ کے لیے کچھ زمین وقف کردی اور زمین موقوفہ میں مسجد اور مدرسہ تعمیر کیا گیا جو کہ آٹھ کمروں پر مشتمل ہے۔جس میں سے دو کمرے واقف صاحب نے خود تعمیر کرائے دو کمرے عوام الناس نے اور باقی چار کمرے متولی مدرسہ نے تعمیر کرائے۔الحمد اللہ مدرسہ میں دین متین کی تعلیم عرصہ تیس سال سے جاری ہے جس میں قرآن مجید کی تعلیم کے علاوہ درجہ کتب بھی جاری ہے اب اس مدرسہ کے منتظمین مدرسہ کے کچھ حصہ میں ویگن اسٹینڈ بنانا چاہتے ہیں جس کی آمدنی کا کچھ حصہ مدرسہ کے لیے خرچ ہو گا۔ویگن اسٹینڈ کے قیام کی وجہ سے مدرسہ میں درج ذیل پریشانیاں عیاں نظر آتی ہیں۔

(۱)......ویگن اسٹینڈ بنانے کی وجہ سے مسجد میں آنے کے لیے جو متبادل راستہ تجویز کیا گیا ہے اس میں قلت جماعت کا قوی اندیشہ ہے کیونکہ وہ راستہ تنگ ہونے کی وجہ سے صاف ستھرا نہیں ہے۔

خصوصاً بارش کے دنوں میں وہ راستہ بہت خراب ہو جاتا ہے۔
(۲)......ویگن اسٹینڈ کی وجہ سے مسجد میں آنے والے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے اور تعلیم میں حرج کا قوی اندیشہ ہے اور نماز جمعہ اور نماز پنجگانہ میں خلل واقع ہوگا۔ آیا ان حالات میں مدرسہ کی حدود میں ویگن اسٹینڈ بنانے کی گنجائش ہے؟ دلائل کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل ...... غلام احمد مدرسہ جامعہ محمودیہ عیدگاہ چوٹی زیریں

الجواب

منتظمین کا یہ تصرف (ویگن اسٹینڈ بنانا) جبکہ تعلیم میں خلل کا باعث ہے اور نمازیوں کی قلت کا اندیشہ ہے درست نہیں ہے لہٰذا منتظمین پر لازم ہے کہ اس طرح کے تصرف سے اجتناب فرمادیں۔.................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۶/۳/۲ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

ما يتعلق بوظائف المدرسين

عمرہ یا حج کیلئے جانے والا مدرس اِن ایام کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

ایک شخص اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ عمرہ کے لئے جانا چاہتا ہے اور وہ مدرس بھی ہے۔ کیا وہ عمرہ کے دنوں کی تنخواہ مدرسہ سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... حاجی فیض بخش، بوہڑ گیٹ، ملتان

الجواب

نہیں لے سکتا۔(۱) البتہ جو رخصتیں دوران سال ملازم کو لینے کا حق ہے ان میں عمرے کیلئے جائے تو استحقاقی رخصت کے ایام کی تنخواہ ملے گی۔(۲) اور زائد ایام کی نہیں ملے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۳/۲/۱۳ھ

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

التخریج: (۱)......لما فی الشامية: اذا غاب عن المدرسة فاما ان يخرج من المصر او لا فان خرج مسيرة سفر ثم رجع ليس له طلب ما مضى من معلومه بل يسقط وكذا لو سافر لحج او نحوه (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۴۱)

وفيه ايضاً: ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض او حج بحيث لايمكنه المباشرة لايستحق المعلوم (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۴۲، ط: رشیدیہ جدید)

(۲)......وهل ياخذ ايام البطالة كعيد و رمضان؟ لم اره، وينبغى الحاقهٗ ببطالة القاضى واختلفوا فيها،

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

جو مدرس رمضان میں حج کے لئے چلا جائے وہ سات شوال تک تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

زید کی مدرسہ ھذا سے سالانہ امتحان کے بعد سے افتتاح تعلیم یعنی چھ یا سات شوال تک سالانہ رخصت منظور ہے زید اپنی رخصتوں کے درمیان حج کے لئے چلا گیا اور محرم میں آ کر اپنے کام میں لگ گیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شوال کے شروع میں سات دن کے بعد مدرسہ ھذا میں تعلیم شروع ہوئی۔ سات دن جن میں زید بھی تمام مدرسین کے ساتھ تھا جیسے تمام مدرسین ان ایام کی تنخواہ لے رہے ہیں آیا زید بھی ان ایام کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

سائل ...... بندہ رحیم بخش، رئیس شعبۂ تجوید وقرأت خیر المدارس، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں زید ایام مذکورہ کی تنخواہوں کا مستحق ہے کیونکہ مدرسہ کی جانب سے ان ایام کی عام رخصت ہوتی ہے لہٰذا ان کی تنخواہ وضع کرنا ضابطہ رخصت کے خلاف ہوگا۔[1] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۳/۱/۲۴ھ

والاصح انه یاخذ لانها للاستراحة اشباه من قاعدة "العادة محكمة" (الدر المختار، جلد ۶ صفحہ ۵۷۰، ط، رشیدیہ جدید)

وفی الشامیة: فحیث كانت البطالة معروفة فی یوم الثلاثاء والجمعة وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ (شامیہ، جلد ۶ صفحہ ۵۷۱)

(۱)......وهل یاخذ ایام البطالة كعید و رمضان؟ لم اره، وینبغی الحاقه ببطالة القاضی واختلفوا فیها، والاصح انه یاخذ لانها للاستراحة، اشباه من قاعدة "العادة محكمة" (الدر المختار، جلد ۶ صفحہ ۵۷۰)

وفی الشامیة: فحیث كانت البطالة معروفة فی یوم الثلاثاء والجمعة وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ (شامیہ، جلد ۶ صفحہ ۵۷۱)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

تبلیغ کے چلہ پر جانے والا مدرس تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب مدرسہ کے کسی ایک استاد کو یہ اجازت دیتے ہیں کہ آپ مدرسہ کی جانب سے تبلیغی جماعت میں جاسکتے ہیں یا حکماً کہتے ہیں کہ جائیں آپ کی تنخواہ مدرسہ کی جانب سے بدستور جاری رہے گی۔ اب مہتمم صاحب کی یہ اجازت یا حکم دو حال سے خالی نہیں مجلس شوریٰ کے مشورہ سے ہوگا یا بدوں مشورہ کے، ہر صورت میں شرعی حکم بیان فرمادیں کہ تنخواہ جائز سمجھی جاوے گی؟ اگر جائز ہے تو کیوں؟ چندہ دینے والے چندہ دیتے ہی اسی لئے ہیں کہ مدرسہ میں تدریسِ قرآن یا کتب کا کام ہو رہا ہے نہ کہ تبلیغی جماعت کے لئے، خصوصاً جبکہ چندہ دینے والوں میں سے اکثر افراد تبلیغی جماعت کی ماہیت سے بھی واقف نہیں اور اگر جائز نہیں تو کیوں؟ کیا یہ تبلیغی سلسلہ بقائے دین کا ذریعہ نہیں مثل تدریس کے، نیز لوگوں کی بھلائی اس میں ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو پر محققانہ انداز سے بالتفصیل روشنی ڈالیں۔

سائل ...... خدا بخش، مدرس مدرسہ خدام القرآن، ملتان

الجواب

بہتر تو یہی ہے کہ پڑھائی کے دوران مہتمم صاحب کسی مدرس کو پورے چلے کیلئے نہ بھیجیں لیکن اگر پڑھائی کو حرج نہیں ہوتا تو پھر اس مدرس کی تنخواہ مدرسہ کے فنڈ سے نہیں دینی چاہیے۔[1] مدرس اپنے ذاتی خرچہ پر جائے۔ اگر وہ اس طرح کرنے پر آمادہ نہ ہو تو مہتمم صاحب کسی سے خاص اس کی مدد کے لئے چندہ کریں پھر اس چندہ سے اس مدرس کو بمقدار تنخواہ یا کم وبیش دیدیں اور اگر یہ صورت بھی نہیں ہوسکتی تو اگر شوریٰ کی طرف سے مہتمم کو مدرسہ کے فنڈ میں ایسا تصرف کرنے کی

التخریج: (۱)......لمافی الشامیة: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة (جلد٦، صفحہ٦٨٣)

وفیه ایضاً: ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض او حج بحیث لایمکنه المباشرة لایستحق المعلوم (شامیہ، جلد٦، صفحہ٦٤٢، ط: رشیدیہ جدید) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اجازت اور اختیار ملا ہوا ہو اور چندہ دہندگان کو بھی یہ معلوم ہو کہ مہتمم صاحب مدرس کو تبلیغی جماعت میں بھیجا کرتے ہیں اور ان کو تنخواہ بھی دیتے ہیں تو اس صورت میں مدرسہ کی طرف سے تنخواہ دینا درست ہوگا[1]............ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم مدرسہ خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۶/۶/۲ھ

جو معلّمہ بغیر اطلاع حج یا عمرہ پر چلی گئی وہ تنخواہ کی مستحق نہ ہوگی:

ہمارے مدرسہ میں بچیوں کی قرآن پاک حفظ وناظرہ کی تعلیم کے لئے ایک قاریہ صاحبہ رکھی ہوئی ہیں جب کہ ان کی ایک جوان بیٹی بھی ان کے ساتھ رہائش پذیر ہے جو کہ کالج میں پڑھتی ہے، قاریہ صاحبہ خود مطلقہ ہیں، رمضان المبارک سے ایک دو روز قبل قاریہ صاحبہ نے بتلایا کہ وہ کل یا پرسوں عمرہ کے لئے بیٹی کے ساتھ جارہی ہے اور یہ ان کا اچانک پروگرام بن گیا ہے۔ ان کے جانے کے بعد بچیوں سے معلوم ہوا کہ قاریہ صاحبہ حج کر کے آئیں گی ہم نے سمجھا کہ بچیاں عمرہ کو حج سمجھ رہی ہیں لیکن رمضان المبارک کے بعد اطلاع ملی کہ قاریہ صاحبہ وہاں حج کے لئے رک گئی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ قاریہ صاحبہ کا بغیر اجازت عمرہ کے لئے جانا اور وہاں غیر قانونی طور پر حج کے لئے رک جانا جوان بچی کے ساتھ اور بغیر محرم کے اور انتظامیہ کو آخر تک لاعلم رکھنا، سعودی عرب میں غیر محرموں کے ساتھ قیام کرنا اور ان کے ساتھ حج کرنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سائل ...... محمد انور، ممبر مجلس شوریٰ، وہاڑی

(۱)......والمعروف عرفا کالمشروط شرطا (الاشباہ والنظائر صفحہ ۹۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

مدرسہ والوں کو اطلاع دیئے بغیر اتنی لمبی چھٹی کرنا درست نہیں۔ اسی طرح بغیر محرم کے ان کا سفر پر جانا شرعاً حرام ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عورت کے ساتھ محرم نہ ہو تو اس پر حج فرض ہی نہیں ہوتا۔ قال فی البدائع فی شرائط فرضیۃ الحج: فاما الذی یخص النساء فشرطان: احدھما: ان یکون معھا زوجھا او محرم لھا فان لم یوجد احدھما لایجب علیھا الحج (بدائع، جلد۲، صفحہ۲۹۹، ط: رشیدیہ کوئٹہ)

وعن النّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: الا لاتحجن امراۃ الا ومعھا محرم (کذا فی البذل، جلد۳، صفحہ۷۹)..................فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۸/۱۲/۱۴۲۴ھ

صورت مسئولہ میں وہ تنخواہ کی شرعاً حقدار نہیں۔

فان خرج مسیرۃ سفر ثم رجع لیس لہ طلب ما مضی من معلومہ بل یسقط، وکذا لو سافر لحج ونحوہ (شامیہ، جلد۶، صفحہ۶۴۱).......... فقط والجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

مدرسین کو شعبان ورمضان کی تنخواہ دینا جبکہ انہوں نے ان دو مہینوں میں کام نہیں کیا:

مسلسل بیمار مدرس یا ملازم تنخواہ کا استحقاق رکھتا ہے یا نہیں؟

(۱)...... ہمارے دینی مدارس میں جو مدرسین یا ملازمین کو چھٹیاں ایک ماہ یا کم وبیش ملتی ہیں اور ان کی تنخواہ باقاعدہ دی جاتی ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ ہمارے ہاں اکثر و

بیشتر یہی صدقات وزکوۃ کی رقوم ہی استعمال کی جاتی ہیں جبکہ کام نہ کیا ہو تو تنخواہ وغیرہ میں ایسی رقوم خرچ کرنا کس طرح جائز ہے؟

(۲)...... مسلسل بیماری کی حالت میں مدرسین یا ملازم تنخواہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ آپ کے ہاں اس کا ضابطہ کیا ہے؟

(۳)...... شعبان سے لے کر شوال تک جو ہمارے مدارس میں چھٹیاں ملتی ہیں ان کی تنخواہیں باقاعدہ دی جاتی ہیں، حالانکہ اندازاً دو ماہ مسلسل مدرس نے کام نہیں کیا اس کی کیا صورت ہے؟ مفصل جواب سے مطلع فرماویں۔

سائل ...... سراج دین، مدرسہ رحیمیہ کلورکوٹ، میانوالی

الجواب

(۱-۲-۳)...... ظاہراً یہ سوال چندہ کے متعلق ہے سو اصل یہ ہے کہ ایسے اموال میں کسی تصرف کا جواز وعدم جواز چندہ دہندگان کے اذن ورضاء پر موقوف ہے اور مدرسہ کا مہتمم ان چندہ دہندگان کا وکیل ہوتا ہے اور وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے وہ تصرف اس وکیل کے لئے جائز ہے پس جس مہتمم نے مدرسین کو مقرر کیا ہے اگر اس مہتمم کو چندہ دہندگان نے اس صورت کے متعلق کچھ اختیارات دیدیئے ہیں اور مہتمم نے ان مدرسین وملازمین سے ان اختیارات کے موافق کچھ شرائط طے کر لی ہیں تو ان شرائط کے موافق تنخواہ دینا جائز ہے[1] اور اگر صراحۃً اختیارات وشرائط مقرر نہیں ہوئے ہیں لیکن مدرسہ کے قواعد مدوّن ومعروف ہیں تو وہ بھی مثل مشروط کے ہونگے[2] اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معروف ومدوّن تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کی

التخریج: (۱)...... فی الدر المختار: شرط الواقف کنص الشارع (جلد ٦ صفحہ ٦٦٤)

(۲)...... المعروف عرفا کالمشروط شرعا (الاشباہ صفحہ ۹۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اتباع کی جائے گی۔ (کذا فی امداد الفتاویٰ، جلد ٣، صفحہ ٣٤٧)

ہمارے مدرسہ ''خیر المدارس'' کا ضابطہ یہ ہے کہ تعطیلات رمضان کی تنخواہ بھی دیتے ہیں اور ایک ماہ کی بیماری بھی با تنخواہ شمار ہوتی ہے۔

اس تفصیل میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب آ گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

مہتمم خیر المدارس، ملتان — ١٣/٧/١٣٨٦ھ

(١) جمعہ اور رمضان کی تعطیلات کی تنخواہ کا مدرس مستحق ہے:

(٢) اگر جمعرات اور ہفتہ کی غیر حاضری کی ہو تو جمعہ کے دن کی تنخواہ کا کیا حکم ہے؟

(١)...... مدارسِ اسلامیہ کے مدرسین کو ماہِ رمضان کی تعطیلات کی تنخواہ دینی چاہیے کہ نہیں؟

(٢)...... جمعہ کے روز کی تنخواہ کاٹ سکتے ہیں یا نہیں بالفرض اگر کوئی مدرس جمعرات کو مدرسہ نہ حاضر ہوا اور ہفتہ کو بھی نہ آیا تو پھر جمعہ کے روز کی تنخواہ کاٹ سکتے ہیں؟

سائل ...... عبد المجید ڈاکیا، ڈونگہ بونگہ، بہاولنگر

الجواب

(١)...... رمضان کی تعطیلات کی تنخواہ مدرسین کو دینی چاہیے، تمام مدارس اسلامیہ کا عرف یہی ہے۔

لما فی الدرالمختار: وهل یاخذ ایام البطالة کعید و رمضان؟ لم ارهٗ، وینبغی الحاقة ببطالة القاضی واختلفوا فیها، والاصح انه یاخذ لانها للاستراحة. اشباه من قاعدة ''العادة محكمة'' (الدر المختار، جلد ٦، صفحہ ٥٧٠)

وفی الشامیة: قال الفقیه ابو اللیث ومن یاخذ الاجر من طلبة العلم فی یوم

لادرس فيه ارجو ان يكون جائزاً، وفيه ايضاً: قلت هذا ظاهر فيما اذا قدر لكل يوم درس فيه مبلغاً، اما لو قال: يعطى المدرس كل يوم كذا، فينبغي ان يعطى ليوم البطالة المتعارفة بقرينة ما ذكره في مقابله من البناء على العرف، فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة وفي رمضان والعيدين، يحل الاخذ وكذا لو بطل في يوم غير معتاد لتحرير درس (الخ) (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٥٧١)

ان دونوں روایتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمعہ کے روز کی تنخواہ بھی کاٹنا جائز نہیں، البتہ اگر مدرس نے رخصت لئے بغیر جمعرات اور ہفتہ کے دن کی غیر حاضری کی ہے تو پھر ان تینوں دنوں کی اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔.................. فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح | بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ | معین مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان | ٨/٣/١٣٧٩ھ

استحقاقی چھٹیاں دینے میں مہتممین حضرات بخل نہ کریں:

ایک آدمی دینی ادارہ میں بحیثیت مدرس کام کر رہا ہے اور اس کے کام سے انتظامیہ بھی مطمئن ہے لیکن بامر مجبوری مدارس کے قوانین کے تحت اس مدرس کو رخصت کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ نیز وہ مدرس رخصت لینا چاہتا ہے ایک یا دو دن کی تو اس میں آیا کسی حدیث یا قرآن یا فقہی اقوال سے یا کسی قانون کے تحت اس کو روکا جا سکتا ہے۔ اگر روکا جا سکتا ہو تو وہ حوالہ بصورتِ قرآن یا حدیث یا فقہ تحریر فرما دیں۔ اور اگر نہیں روکا جا سکتا تو وضاحت فرما دیں۔

سائل ...... احمد حسن، کوٹ چھٹہ

الجواب

مدارس کے عام قانون کے مطابق مدرس بوقتِ ضرورت رخصتِ اتفاقیہ لینے کا حقدار ہے

اس قانون کے تحت مدرس منظور شدہ چھٹیاں لینے کا حقدار ہے۔ انتظامیہ کو چاہیے کہ بوقتِ ضرورت مدرس کو چھٹی دیدے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۸/۱/۳ھ

مدرس کی تقرری ۲ شوال کو ہوئی حاضری ۱۰ شوال کو دی اور تدریس ۲۶ شوال کو شروع ہوئی، تو تنخواہ کس تاریخ سے دی جائے؟

ایک شخص کی تقرری ایک مدرسہ میں تدریس کیلئے ۳/۲ شوال المکرم کو ہوئی اور مہتمم صاحب سے وعدہ یہ ہوا کہ مدرس ۱۵ شوال سے قبل آپ کے مدرسہ میں تدریسی فرائض سرانجام دینے کیلئے پہنچ جائے گا، چنانچہ وہ دس شوال کو مدرسہ میں پہنچ گیا، لیکن نہ مدرسہ میں کوئی تعلیمی انتظام اور نہ ہی مہتمم صاحب کی حاضری، مدرس نے ۱۵ تاریخ تک مہتمم صاحب کا انتظار کیا، آخر کار ناامید ہوکر واپس چلے گئے پھر مہتمم صاحب جا کر مدرس کو لے آئے اور ۲۶ شوال کو مدرس نے اپنا تدریسی کام سنبھالا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شوال کی مکمل تنخواہ جو کہ ۶۰۰ روپے بنتی ہے از روئے شریعت یہ مدرس مہتمم صاحب سے وصول کرسکتا ہے یا نہیں, اگر مکمل وصول نہیں کرسکتا تو ۱۵ دن کی یا صرف پانچ دن کی (جتنے دن اس نے تعلیمی کام کیا ہے) لے سکتا ہے یا بالکل ہی نہیں لے سکتا؟ مہربانی فرما کر جواب دے کر تسلی فرماویں۔

سائل ...... محمد حبیب اللہ، مدرس فیض القرآن، ڈیرہ غازیخان

التخریج: (۱)...... فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة وفي رمضان والعيدين يحل الاخذ وكذا لو بطل في يوم غير معتاد (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ۵۷۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

صورت مسئولہ میں ۱۰ شوال سے تنخواہ دی جائے کیونکہ حاضری اسی تاریخ کو ہے۔

وفی الحموی سئل المصنف عمن لم يدرس لعدم وجود الطلبة فهل يستحق المعلوم؟ أجاب: ان فرّغ نفسه للتدريس بأن حضر المدرسة المعينة لتدريسه استحق المعلوم (شامیہ، جلد۶، صفحہ ۵۷۰)............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۰۶/۲/۷ھ

مہتمم اگر شعبان و رمضان میں مدرسہ کے کاموں میں مشغول رہے تو کیا دیگر مہینوں میں رخصت لینے کا مستحق ہے؟

مدرسہ کا مہتمم تعلیمی سال کے دوران تبلیغ میں ''چلہ'' لگاتا ہے جبکہ سالانہ تعطیلات بھی ہوتی ہیں ان میں بھی وقت لگایا جا سکتا ہے، مگر مہتمم کی طرف سے یہ عذر ہوتا ہے کہ چھٹیوں میں لوگ مدرسہ کا تعاون کرتے ہیں میرا حاضر رہنا اس عرصہ میں ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ مہتمم کے لئے اس عرصہ میں تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد یٰسین، چوک اعظم

الجواب

اگر مہتمم صاحب سالانہ تعطیلات میں مدرسہ کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں چھٹی نہیں کرتے سالانہ منظور شدہ چھٹیاں لے کر دوران سال چلہ لگاتے ہیں یا اپنی دوسری ضرورت میں وقت صرف کرتے ہیں۔ تو شرعاً اس کی گنجائش ہونی چاہیے بشرطیکہ تعلیمی نظام میں خلل واقع نہ ہو،

جیسے دوسرے مدرسین سالانہ تعطیلات کی تنخواہ لیتے ہیں ایسے ہی مذکورہ مہتمم کے لئے بھی شرعاً تنخواہ لینے کی گنجائش ہوگی۔............................ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۵/۹/۶ھ

حج پر جانے والے مدرس کو ذوالحجہ کی چھٹیوں کی تنخواہ ملے گی یا نہیں؟

(۱)...... بندہ نے تین ذوالحجہ سے سات تک پانچ یوم کی رخصت لی اور یہ خیال کر کے کہ اگر حج کی منظوری ہوگئی تو حج پر چلا جاؤں گا اور درخواست دے کر چلا گیا تھا، جس میں ۱۹ ذوالحجہ سے (یعنی جس دن سے عیدالاضحیٰ کی تعطیلات کے بعد تعلیم شروع ہوتی ہے) دس دن کی مزید رخصت لی تھی غرضیکہ درمیان میں جو ۹ یوم کی عام تعطیلات ہوتی ہیں ان ایام کی تنخواہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲)......اس سے قبل ایک سال رمضان میں حج کے لئے گیا تھا اور محرم میں واپسی ہوئی تھی۔ اس سال کی عیدالاضحیٰ کی رخصتوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳)......اس سے دو سال قبل مسلسل ذوالقعدہ کے آخری ایام تک تعلیم کا کام کر کے چند یوم حج کے لئے گیا تھا، اور ان میں ہی عیدالاضحیٰ کی رخصتیں آتی ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ غرض چار سال میں تین طرح جانا ہوا ہر ایک کا حکم بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل ......حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش صاحب
صدر شعبہ تجوید القرآن خیر المدارس، ملتان

الجواب

(۱)......صورت مسئولہ میں پانچ یوم کی رخصت جو لی گئی ہے وہ ختم ہوگئی ہے اور اس کے بعد جو تعطیلات خود مدرسہ سے مل گئیں پھر جب ۱۹ ذوالحجہ کو حاضری دینی تھی، تو دوسری درخواستِ رخصت

کے منظور ہو جانے کی وجہ سے چھٹیوں کی تنخواہ کا استحقاق ثابت ہونا چاہیے۔ لہٰذا حسبِ عرفِ مدرسہ چھٹیوں کی تنخواہ لینا جائز ہے۔

(۲)......رمضان شریف میں جانے والے مدرس کو جبکہ وہ محرم میں حاضر ہوا تعطیلات عیدالاضحیٰ کا استحقاق نہیں ہے۔[1]

(۳)......اس صورت میں تعطیلات کے ایام کا استحقاق نہیں ہے۔[2] ...... فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۳/۱۲/۲۸ھ

تعطیلات میں کسی دوسری جگہ درس قرآن شروع کرنے سے چھٹیوں کی تنخواہ کا استحقاق ختم نہیں ہوتا:

(۱)......اگر ایک مدرسہ سے ایک مدرس سبکدوش ہو جائے قبل از تعطیلاتِ سالانہ (مثلاً جمادی الاولیٰ یا ثانیہ میں) پھر دوسرے مدرسہ کیساتھ عقد کرے۔ آیا اس مدرس کا اس دوسرے مدرسہ پر اس سال کی تعطیلات کا تنخواہ ہوتا ہے یا نہیں؟ دلائل سے واضح کر کے ہم کو ممنون فرماویں۔

(۲)......اگر مدرس اپنی خوشی سے مدرسہ کو استعفیٰ دیدیں تو اس مدرس کا تنخواہِ رجب اس مدرسہ پر واجب ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ جبکہ رجب سے پہلے چلا گیا ہو۔

(۳)......اگر ایک مدرس بدوں اجازتِ مدرسہ ایامِ تعطیلات میں دوسری جگہ بے تنخواہ درس شروع کریں تو کیا اس مدرس کیلئے مدرسہ پر تعطیلات کا تنخواہ لازم ہے؟

سائل ...... مولوی محمد زمان، جامعہ مدینۃ العلوم، میر علی شاہ شمالی وزیرستان

التخريج: (۱،۲)...... ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض او حج بحيث لايمكنه المباشرة لايستحق المعلوم (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٦٤٢، ط: رشیدیہ جدید) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

(۱)......اگر مدرسہ والے جواب دیں تو عام مدارس کے قاعدہ کے مطابق تنخواہ دی جاتی ہے اور اگر مدرس صاحب خود جواب دیں تو پھر تنخواہ نہیں دی جاتی۔[1]

(۲)......نہیں۔(لفسخ الاجارة)

(۳)......تعطیلات ہی میں دوسری جگہ کام کرتے ہیں تو انکو تنخواہ دی جائے۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۴/۱۰/۱۹ھ

مدرس کی علیحدگی کی صورت میں شعبان ورمضان کی تنخواہ کا حکم:

(۱)......مروجہ دینی مدارس میں جب کوئی مدرس سال کے اختتام پر یعنی شعبان میں اپنا معاہدہ ختم کردے یعنی استعفیٰ دیدے تو شعبان اور رمضان کی تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

(۲)......صورت مذکورہ میں اگر مہتمم مدرس کو فارغ کردے تو مہتمم کے ذمہ دو ماہ مذکورہ کی تنخواہ واجب الاداء ہے یا نہیں؟

سائل ......خلیل الرحمٰن، ممتاز آباد ملتان

الجواب

اگر مدرس خود استعفیٰ دیدے تو رمضان المبارک کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا اور اگر مدرسہ والے مدرس کو الگ کردیں تو رمضان المبارک کی تنخواہ دے کر الگ کیا جائے۔شعبان المعظم کی تنخواہ ہر حالت

التخریج:(۱)......والمعروف عرفاً کالمشروط شرطاً (الاشباہ والنظائر،صفحہ ۹۹)

وکذافی ''آئینہ آئین وقواعد خیر المدارس ملتان'' (صفحہ ۸۱)

میں مدرس کو ملے گی۔[1] مدرسہ ''خیر المدارس'' ملتان کا بھی یہی اصول ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۹۳/۸/۱۹ھ

مدرس کے مستعفی ہونے یا مدرسہ کی طرف سے فارغ کرنے پر رمضان کی تنخواہ کا استحقاق ہے یا نہیں؟

آج کل مدارس عربیہ میں جو عام اصول جاری ہے کہ مدرس کو اواخرِ رجب یا اوائلِ شعبان مدرسہ سے فارغ کر دیا جاتا ہے اور ان دونوں مہینوں کی تنخواہ نہیں دی جاتی یا مدرس خود مستعفی ہوتا ہے تو دار الاہتمام کی جانب سے ان دو مہینوں کی تنخواہ نہیں ملتی۔ آپ بتائیں کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے کہ ان دو مہینوں کی تنخواہ مدرس لے سکتا ہے یا نہیں؟ خصوصاً ابتدا سال میں یہ بات طے ہوئی ہے، مثلاً مہتمم صاحب نے کہا کہ ہم آپ کو ایک سال کے لئے رکھیں گے اس سال ہم دیکھیں گے اگر مفاد معلوم ہوا تو ہم رکھیں گے ورنہ نہیں۔ اب اگر منجانب اہتمام یا منجانب مدرس فراغت کی صورت پیدا ہو جائے تو بقیہ مہینوں کی تنخواہ لینے کا کیا مسئلہ ہے جبکہ منجانب اہتمام ایسے احوال پیدا کیے جاتے ہیں کہ تنگ آ کر مدرس خود چھوڑ دے۔

سائل ...... محمد اسحاق، حبیب آباد طاہر والی، احمد پور شرقیہ

الجواب

ہمارے مدرسہ اور اکثر مدارس کا ضابطہ یہ ہے کہ جو مدرس تعلیمی سال پورا کر کے

(۱)......شاید یہ حکم اس وقت کا ہے جب امتحانات شعبان کے وسط میں ہوتے تھے۔ لہٰذا رجب میں از خود مستعفی ہونے والا مدرس شعبان کی تنخواہ کا حقدار نہ ہوگا۔ فقط بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

از خود مستعفی ہو جائے تو وہ بقیہ سال کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا، البتہ جس مدرس کو کسی خاص مصلحت یا عدم ضرورت کی وجہ سے فارغ کیا جائے تو وہ رمضان المبارک کی تنخواہ کا مستحق ہوگا (آئینہ، آئین وقواعد خیر المدارس ملتان صفحہ ٨١)

صورت مسئولہ میں جب مدرس نے تعلیمی سال مکمل کر لیا ہے اور علیحدگی مدرسہ کی طرف سے کی جارہی ہے تو ایام تعطیل کی تنخواہ دینی چاہیے بالخصوص جب کہ معاہدہ بھی سال کا ہے، اگر علیحدہ کرنے کا تمام تر ذمہ دار مدرسہ ہے مدرس کا کوئی عمل اس کا سبب نہیں تو دیانۃً رمضان کی تنخواہ لینا دینا جائز ہے۔ گو بظاہر استعفیٰ مدرس کی جانب سے پیش ہو۔ نوٹ واضح رہے کہ ہمارے مدرسہ میں تعلیمی سال وسط شعبان میں ختم ہو جاتا ہے تعلیمی سال کے دوران علیحدگی کی صورت پیش آئے تو اس کیلئے ضابطہ اور ہے۔..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	١٣٩٩/٣/٢٩ھ

(١) اگر مدرس خود مستعفی ہو تو شعبان ورمضان کی تنخواہ کا مستحق نہیں:

(٢) نئے مدرسہ میں حاضری سے قبل تنخواہ لینا:

(٣) ماہ شوال میں مدرس کا جواب دینا کیسا ہے؟

(١)......ایک شخص تقریباً بیس سال سے ایک دینی مدرسہ میں عربی مدرس ہے اب تعلیمی سال کے اختتام پر مدرسہ کے مہتمم کو اپنا استعفیٰ پیش کر کے کسی دوسرے مدرسہ میں جانا چاہتا ہے تو کیا اس صورت میں وہ ایام تعطیلات کی تنخواہ وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟

(٢)......اگر دوسرے مدرسہ کے مہتمم سے پہلے یہ شرط طے کر لی جائے کہ اگر پہلے مدرسہ سے ایام

تعطیلات کی تنخواہ نہ ملی تو پھر آپ کو یہ ذمہ داری قبول کرنا ہوگی اور وہ مہتمم اس شرط کو قبول کرلے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

(۳)......اگر پہلے مدرسہ میں خاموشی سے ایام تعطیلات کی تنخواہ وصول کرلے اور شوال کی ابتدا میں مدرسہ کے مہتمم کو جواب دیدیا جائے کہ تم اپنا انتظام کرلو تو کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

سائل ...... مولوی عطاء الرحمٰن، دارالعلوم مدنیہ بہاولپور

الجواب

(۱۔۲)......ملازمت ختم کر لینے کے بعد استحقاق اجرت نہیں رہتا۔ وهل ياخذ ايام البطالة كعيد و رمضان؟ لم اره، وينبغي الحاقة ببطالة القاضي، واختلفوا فيها، والاصح انه ياخذ لانها للاستراحة اشباه من قاعدة "العادة محكمة" (الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۷۰)

مستعفی ہونے کی صورت میں اسے استراحت قرار نہیں دے سکتے۔ اور نہ ہی اس استراحت کا سابقہ مدرسہ کو کوئی فائدہ ہے۔ نیز اجارہ ختم ہو جانے کے بعد استحقاق اجرت نہیں ہوتا۔

دوسرے مدرسہ سے بھی بدوں حاضری تنخواہ وصول کرنا درست نہیں۔ اس کی بجائے مشاہرے میں اضافے کی کوئی مناسب صورت ہونی چاہیے۔

(۳)......یہ ایک قسم کا دھوکا ہے جو اہل علم کے اخلاق سے بعید ہے۔ اس صورت میں دیانۃً شعبان رمضان کی تنخواہ واپس کرنی چاہیے۔.................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۰/۶/۱۴۰۶ھ

مدرس کو شعبان ورمضان کی پیشگی تنخواہ دینے کے بارے میں حضرت اقدس مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ کے ایک ارسال کردہ استفتاء کا محققانہ جواب:

بعض دینی مدرسوں میں اس کا معمول ہے کہ تعطیلات کی تنخواہ پہلے دیتے ہیں چاہے ملازم ومدرس بعد تعطیلات کام پر آئے یا نہ آئے اس طرز عمل میں کچھ شبہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے سوال ہے کہ اگر مدرس بعد میں نہ آئے تو اس کیلئے وہ تنخواہ حلال ہے یا نہیں یا پہلے سے استعفیٰ دیدے تو مہتمم کا دینا اور اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ شبہ کا مبنیٰ یہ عبارتیں ہیں۔

(۱)...... سوال: عربی مدارس میں رمضان شریف کی تعطیلات ہوتی ہیں تو اس کی تنخواہ کا بلا معاوضہ ہونا تو ظاہر ہے، باقی وقت بھی مدرس اپنا وقت مدرسہ میں محبوس نہیں رکھتا تو اس کی وجہ سے تنخواہ لینا اس کو کیسے درست ہے اگر مدرسہ کا مہتمم کسی مدرس کو شعبان کی ۲۹ تاریخ کو ملازمت سے علیحدہ کردے تو یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟ مدرس مدرسہ میں بحال رہتے ہوئے رمضان کی تعطیل میں رمضان کی تنخواہ کا کب مستحق ہوگا؟ جب سب رمضان ختم ہوجائے یا ختم شعبان پر؟

جواب: ''تنخواہ تو ایام عمل ہی کی ہے مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایام عمل کے ساتھ ملحق ہوتا ہے تاکہ استراحت کرکے ایام عمل میں عمل کرسکے'' اس سے سب اجزاء کا جواب نکل آیا، اول کا یہ کہ ''یہ حکماً بلا معاوضہ کام کے نہیں'' دوسرے کا یہ کہ ''شعبان کے ختم پر معزول ہوجانے سے تنخواہ نہ ملے گی اور عدم عزل میں رمضان کے ختم پر تنخواہ ملے گی بشرطیکہ شوال میں بھی کام کیا ہو۔'' (امداد الفتاویٰ، جلد۳، صفحہ ۳۴۸)

۲......درمختار کتاب الوقف میں ہے: وهل ياخذ ايام البطالة كعيد و رمضان؟ لم اره، وينبغي الحاقة ببطالة القاضي، واختلفوا فيها، والاصح انه ياخذ لانها للاستراحة اشباه من قاعدة "العادة محكمة" (الدر المختار، جلد۶، صفحہ ۵۷۰)

شامی میں ہے کہ: قال في الاشباه: وقد اختلفوا في اخذ القاضي ما رتب له في بيت المال في يوم بطالته، فقال في المحيط: انه ياخذ لانه يستريح لليوم الثاني وقيل لا اھ (شامیہ، جلد۵، صفحہ۵۷۰)

استراحت للیوم الثانی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر یوم ثانی کا کام کرنا ہو تو استراحت للیوم الثانی ثابت ہوتی ہے ورنہ نہیں، تو تعطیلات مابعد کے تابع ہیں اور اجیر خاص میں گو عمل کی قید نہیں مگر اجرت تو بعد تسلیم نفس ہوگی اس لئے اس طرح بھی بعد از تسلیم نفس تنخواہ کا مستحق ہوگا، اگر تسلیم حقیقی یا حکمی رہے۔ لیکن علت استراحت للیوم الثانی میں عمل یوم الثانی شرط ہوگا، اور اجیر خاص کے احوال میں عمل لیوم الثانی شرط نہیں، تسلیم نفس کافی ہے، یعنی تیس رمضان کو کوئی اگر استعفیٰ دیدے تو استراحت کی علت پر تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا اور اجیر کے معاملہ پر مستحق معلوم ہوتا ہے۔ العادۃ محکمۃ میں یہ بھی داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کہ مثلاً ان بعض مدارس کا خواہ ایک ہو یا چند یا اس کے نواح کے کل کا معمول بھی یہی ہے کہ تعطیل ماقبل کے تابع ہے تو تنخواہ پہلے دی جائے۔

سائل ...... جمیل احمد تھانوی، جامعہ اشرفیہ، لاہور

الجواب

صورت مسئولہ میں جو قواعد ان عبارت سے مستنبط ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱)...... جو مدرس از خود ۲۹ شعبان کو استعفیٰ دیدے وہ رمضان شریف کی تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا۔ لعدم العلة وهي الاستراحة للعمل مرة ثانية۔

(۲)...... جو مدرس تیس رمضان کو استعفیٰ دیدے وہ مستحق تنخواہ نہ ہوگا۔ لعدم العلة المذكورة.

(۳)...... مہتمم کو پیشگی تنخواہ دینا از مال وقف جائز نہ ہوگا، کیونکہ جب یہ احتمال ہے کہ مدرس بعد از رمضان شاید حاضر نہ ہو تو پھر پیشگی تنخواہ دی ہوئی واپس لینا مشکل ہوگا۔

(۴)...... مہتمم از خود کسی مدرس کو معزول کرتا ہے تو اس صورت میں رمضان کی تنخواہ دینی چاہیے،

کیونکہ مدرس کا ارادہ اور عزم آئندہ سال تعلیم کا تھا مہتمم نے اپنے مصالح کی بناء پر الگ کر دیا ہے تو اس صورت میں اس کا استحقاق باقی رہے گا۔.................. فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء خیر المدارس، ملتان

۵/۸/۱۳۷۵ھ

اگر مہتمم کسی مدرس کو شعبان کے آخر میں معزول کر دے تو وہ رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟ جامعہ قاسم العلوم ملتان اور جامعہ دار العلوم کراچی کے متضاد فتووں میں محاکمہ:

دو متضاد فتوے مزید تحقیق کیلئے آپ کی خدمت میں ارسال ہیں ان میں سے کونسا صحیح ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مہتمم صاحب نے ایک مدرس کو شعبان کی ۱۹ تاریخ کو مدرسہ سے معزول کر دیا اور رمضان شریف کی سالانہ دستوری تعطیل کی تنخواہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ آیا اس صورت میں مہتمم صاحب کو تعطیل رمضان کی تنخواہ دینی لازم ہوگی یا نہیں؟ محمد رحیم، مہتمم ''انوار العلوم'' جیکب آباد

الجواب (از دار الافتاء قاسم العلوم ملتان)

اگر مدرسہ نے مدرس کو فارغ کر دیا ہے تو قاعدہ کے تحت رمضان المبارک کی تنخواہ دیکر فارغ کرنا چاہیے، مدرسہ ''قاسم العلوم'' اور ''خیر المدارس'' کا یہی اصول ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی قاسم العلوم ملتان

۱۲/۱۰/۱۴۰۰ھ

الجواب (از دار الافتاء دار العلوم کراچی)

تنخواہ تو ایامِ عمل کی ہونی چاہیے، مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایامِ عمل کے ساتھ ملحق کر دیا جاتا ہے

تا کہ استراحت کر کے ایام عمل میں عمل کیا جا سکے، لیکن جب شعبان کے ختم پر معزول کر دیا گیا تو ایسی صورت میں ایام تعطیل کا زمانہ ایام عمل کے ساتھ ملحق نہ ہوگا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں مہتمم صاحب پر رمضان کی تعطیل کی تنخواہ دینی لازم نہیں ہے۔ (مثلہ فی امداد الفتاویٰ جلد ۳، صفحہ ۳۴۸)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۴۰۰/۱۱/۲۸

احقر محمد عبد الواحد
دار الافتاء دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
۱۴۰۰/۱۱/۲۸

الجواب (از دار الافتاء خیر المدارس ملتان)

حضرت اقدس تھانویؒ کی امداد الفتاویٰ میں جو تحریر ہے اسکا خلاصہ یہ ہے ''کہ اصل تو اعتبار ان شرائط کا ہے جو بوقت اجارہ باہم طے کر لی جائیں اگر شرائط نہ طے کی جائیں، لیکن مدرسہ کے قواعد مدون و معروف ہیں تو وہ بھی مثل مشروط کے ہیں اور اگر نہ مصرح و نہ معروف ہیں تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کی اتباع کی جائے۔'' (امداد الفتاویٰ، جلد ۳، صفحہ ۳۴۷)

بظاہر صورت مسئولہ کا تعلق بھی آخری صورت سے ہے کیونکہ کہ معروف و مشروط ہوتے تو نزاع کی نوبت نہ آتی۔ لہٰذا اس صورت میں مدارس عربیہ کا اتباع کیا جاوے اور معتبر و معروف مدارس عربیہ کا ضابطہ وہی ہے جو قاسم العلوم کے فتویٰ میں درج ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

محمد انور عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۱/۱/۱۴ھ

استعفیٰ دینے کے وقت سے استعفیٰ منظور ہونے تک مدرس تنخواہ کا حقدار ہے جبکہ کام کرنا بند نہ کیا ہو:

ایک مدرس ۲۵ سال سے ایک مدرسہ میں پڑھا رہا تھا اس نے مورخہ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۷۳ء بمطابق ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ کو اپنا استعفیٰ مہتمم کو پیش کر دیا اور پھر مہتمم صاحب نے ۵/ نومبر ۱۹۷۳ء بمطابق ۹ شوال المکرم ۱۳۹۳ھ کو اس مدرس کا استعفیٰ منظور کیا اور ۱۵/ اکتوبر سے لے کر ۵/ نومبر تک وہ مدرس مدرسہ میں باقاعدہ طور پر اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ تو کیا مذکورہ بالا صورت میں وہ مدرس مدرسہ کے قواعد وضوابط کی رو سے اپنی کارکردگی کی تنخواہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد یٰسین، خادم مدرسہ قاسم العلوم، جڑانوالہ

الجواب

صورت مسئولہ میں سائل اس تاریخ تک تنخواہ کا مستحق ہے جس تاریخ کو استعفیٰ منظور کیا گیا قبل ازیں وہ بدستور مدرسہ کا ملازم متصور ہوگا، خصوصاً جبکہ وہ کام بھی کرتا رہا ہو۔[1] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۳/۱۲/۲۰ھ

بیمار یا معذور مدرس کو مدرسہ کے فنڈ سے وظیفہ یا پنشن دینا:

ایک عالم دین ایک ہی مدرسہ میں ۲۷ سال تک قرآن پاک پڑھاتے رہے ہیں اس دوران وہ سخت بیمار ہو گئے۔ ان کا اس تنخواہ کے علاوہ کوئی بھی ذریعہ آمدن نہیں ہے اور اہل علاقہ بھی

التخریج: (۱)...... یجب الاجر باستیفاء المنافع (عالمگیریہ، جلد۴، صفحہ ۴۱۳) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

چاہتے ہیں کہ ٹھیک ہوکر یہاں پڑھائیں تو ان کی بیماری کے ایام میں کیا مدرسہ کے چندہ اور فنڈ والی رقم سے ان کا وظیفہ جاری رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲)......دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک عالم یا قاری صاحب اپنی زندگی میں ایک ہی مدرسہ میں پڑھاتے رہے اور پھر بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے پڑھانے کے قابل نہ رہے اور ان کا مستقل کوئی ذریعہ آمدن بھی نہیں تو کیا انہیں بھی مدرسہ کی رقم سے وظیفہ جاری کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن سنت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل ...... فیاض احمد عثمانی، ناظم ماہنامہ ''الخیر'' ملتان

الجواب

(۱)......اس میں مدارس کے عرف پر عمل ہوگا مدارس میں جتنے دن کی سال میں رخصت ہوتی ہے اتنے دن کی تنخواہ مدرس مذکور کو چندہ میں سے دینا جائز ہے۔[1] ان ایام سے زائد کی تنخواہ مدرسہ کے عام چندہ سے دینا درست نہیں۔ اس کے لئے ایک الگ فنڈ جمع کیا جائے اہل علاقہ و دیگر مخیّر حضرات اس میں عطیات جمع کروائیں پھر اس سے اس مدرس کو تاصحت تنخواہ دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔

(۲)......ان کے لئے بھی الگ فنڈ جمع کیا جائے مدرسہ کے عام چندہ سے ان کو وظیفہ دینا جائز نہیں۔..................... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۴/۴/۱۱ھ

التخریج:(۱)......فی الدرالمختار: امام یترک الامامة لزیارة اقربائه فی الرساتیق اسبوعاً او نحوه او لمصیبة او لاستراحة لاباس به ومثله عفو فی العادة والشرع (الدرالمختار، جلد ٦، صفحہ ٦٢١، ط، رشیدیہ جدید)

مستقل یا لمبی رخصت کا حکم اس سے مختلف ہوگا۔ (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مدرسہ کے معذور ملازم کو پنشن دینے کا حکم:

مدارس کے عمومی چندہ کو بیت المال پر قیاس کرنا محل نظر ہے:

ایک شخص مدرسہ کا ملازم اور خادم ہے وہ بڑھاپے کی وجہ سے عاجز ہو جائے تو کیا اس کو پنشن دینا جائز ہے؟ جبکہ مدرسہ میں زیادہ تر ''عشر، زکوۃ اور صدقات'' ہوتے ہیں نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسے ہوتا تھا یا نہیں؟

سائل ...... دارالافتاء نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

الجواب

موجودہ عمومی چندہ سے پنشن دینا درست نہیں کیونکہ یہ عرفِ مدارسِ دینیہ کے خلاف ہے۔ ہاں اگر اس خاص مد کے لئے چندہ کر لیا جائے تو بلاشبہ جائز ہے۔ مدرسہ ''خیر المدارس'' میں بھی اس کا ضابطہ نہیں ہے۔ امداد کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ معمولی کام جو معذور شخص کر سکتا ہے اس کے ذمہ لگا دیا جائے اور اس کا مناسب معاوضہ مقرر کر دیا جائے۔ حضرات خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں اگر اس کی کچھ نظیریں موجود بھی ہوں پھر بھی یہ عمل غور طلب رہے گا کہ موجودہ عمومی چندہ کو اموالِ بیت المال پر قیاس کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ خراج و اموالِ فیٔ وغیرہ کی حیثیت ''مدارس'' کے موجودہ چندہ سے مختلف معلوم ہوتی ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
۱۳۹۵/۵/۱۶ھ	مفتی خیر المدارس، ملتان

مدرسہ کے فنڈ سے مدرسہ کے سابق مہتمم کی بیوہ کو کچھ دینا جائز ہے یا نہیں؟

علم طب پڑھنے والا جبکہ اسے دینی کتب بھی پڑھائی جاتی ہوں مدرسہ سے امداد لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۱)......فقیر ایک دینی ادارہ کا بااختیار مہتمم ہے اور صدر مدرس بھی ہے چونکہ میرا مشغلہ

معاشی ''طب'' ہے لہٰذا جولڑکا مجھ سے دینی کتب پڑھنے آتا ہے تو میں اس کو طبی کتب بھی ساتھ پڑھاتا ہوں تاکہ ''فنِ طِب'' سے بھی اس کو مناسبت تامہ حاصل ہو جائے، اور جولڑکا محض ''فن طِب'' پڑھتا ہے اس کو دینی کتابیں اس کی استعداد کے موافق لازمی طور پر پڑھایا کرتا ہوں۔ طلبہ کا قیام وطعام مدرسہ میں ہوتا ہے اور باقی ضروریات ''مطب'' سے پوری کی جاتی ہیں۔ اس میں شرعاً کوئی مضائقہ تو نہیں؟

(۲)...... میرے مدرسہ کے سرپرست اور بانی میرے والد محترم تھے، میں ان کو باقاعدہ ماہانہ مشاہرہ دیا کرتا تھا۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد میں حسب استطاعت ان کی نیابت کر رہا ہوں چونکہ میں صاحب نصاب اور ثروت ہوں مدرسہ سے کچھ نہیں لیتا۔ البتہ اپنی والدہ محترمہ کو مدرسہ کے فنڈ سے کچھ نہ کچھ دیتا رہتا ہوں، والد صاحب کی تنخواہ کا چوتھا حصہ ان پر صرف کرتا ہوں اور مدرسہ کی مالی حیثیت بھی درست ہے۔ یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟

(۳)...... مدرسہ کی رقم نیک یا کسی دیانتدار آدمی کے ہاں رکھ دیتا ہوں نہ اپنی تجارتی ضروریات میں خرچ کرتا ہوں اور نہ ہی کسی کو قرض دیتا ہوں، البتہ بعض اوقات مدرسہ کی ضروریات پر اپنا ذاتی پیسہ صرف کر دیتا ہوں بعد میں مدرسہ کے فنڈ سے نکلوا لیتا ہوں۔ شرعاً یہ کیسا ہے؟

سائل ...... حکیم خلیل احمد صدیقی، مہتمم مدرسہ تعلیم الدین، مظفر گڑھ

الجواب

(۱)...... کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲)...... مدرسہ کے فنڈ سے یہ خدمت درست نہیں، البتہ اگر آپ کی والدہ ماجدہ مدرسہ میں کوئی خدمت انجام دے رہی ہوں، مثلاً بچیوں کو قرآن پاک پڑھاتی ہوں یا طلباء کا کھانا پکاتی ہوں وغیرہ، تو پھر اس کے لئے باقاعدہ تنخواہ مدرسہ سے طے کر سکتے ہیں۔ یا خود اپنی کچھ تنخواہ مقرر کر لیں، وہ خود نہ لیں بلکہ والدہ محترمہ کو دیدیا کریں۔

(۳)......درست ہے۔[1].....................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۴/۱۰/۱۶ھ

کیا مہتمم صاحب گذشتہ کارکردگی کی بناء پر سفارت واہتمام کا الاؤنس وصول کرسکتا ہے:

مدرسے کی مجلس شوریٰ اہل علم پر مشتمل ہونی چاہیے:

ایک مہتمم صاحب کی عجیب مثال ہے جو قابل غور ہے کہ ''مہتمم نے اراکین مدرسہ کو مغالطہ دے کر ۲۷ سال ۲ ماہ کا الاؤنس ''۳۰ ہزار روپے'' منظور کروالیا چنانچہ اراکین مجلس نے اپنی جہالت اور نادانی سے یہ الاؤنس منظور کردیا اور مہتمم نے شیر مادر کی طرح مدرسہ کا یہ مال ہضم کرلیا۔ اب سوال یہ ہے کہ بموجب احکام شریعت اراکین مدرسہ کو یہ حق حاصل تھا کہ گذشتہ مدت بطور الاؤنس منظور کریں کیا یہ رقم بحق مدرسہ واپس لی جائے گی یا نہیں؟ سائل کو بتلایا گیا کہ یہ الاؤنس سفارت اور اہتمام کا تھا۔ آیا یہ مہتمم صاحب اہتمام کے لائق ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ رقم یعنی ہضم شدہ واپس مدرسہ کو دی جائے گی یا نہیں؟

سائل ......سید عبدالرحمٰن شاہ

الجواب

مذکورہ مجلسِ شوریٰ اتنی کثیر رقم بطور الاؤنس منظور کرنے کی مجاز نہیں کیونکہ یہ مدارسِ عربیہ کے اصولِ متعارفہ کے خلاف ہے اور نہ ہی زید اس تمام عرصہ کا الاؤنس کا مستحق ہے کیونکہ یہی امور تو

التخریج: (۱)......ان الناظر اذا انفق من مال نفسه علیٰ عمارة الوقف لیرجع فی غلته له الرجوع دیانةً (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۷۵)

وفیه ایضاً: لو کان فی یدہٖ شیٔ فاشتریٰ للوقف من مال نفسه ینبغی ان یرجع ولو بلا امر قاضٍ (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۷۵) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

4 اغراض ومقاصد اہتمام ہیں ان کے لئے جداگانہ الاؤنس کا کوئی جواز نہیں [۱] لہٰذا یہ رقم مدرسہ کے خزانہ میں واپس کرنا ضروری ہے اور یہ ذمہ داری سب اراکین شوریٰ پر ہے ممبرانِ مجلسِ شوریٰ کو دیانتدار ہونے کے ساتھ ساتھ ذو علم ہونا بھی ضروری ہے۔............... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	برتقدیر صحتِ واقعہ جواب درست ہے	محمد انور عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۸/۷/۲۰ھ

تنخواہ کے رسیدی ٹکٹ کی قیمت کس کے ذمہ ہے مدرسہ کے یا مدرس کے؟

جس وقت مدرس کی تقرری ہو رہی تھی اس وقت اس بات کو نہیں کھولا گیا کہ تنخواہ کے رسیدی ٹکٹ کس کے ذمہ ہونگے۔ اب مدرسہ کے مہتمم صاحب مدرس سے رسیدی ٹکٹ مانگتے ہیں۔ تو شرعاً کس کے ذمہ ہونا چاہیے؟

سائل ...... مولوی محمد الیاس

الجواب

قانون وعرف یہی ہے کہ رسیدی ٹکٹ وصول کنندہ کے ذمہ ہوتا ہے۔

والمعروف کالمشروط (اشباہ، صفحہ ۹۹) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۷/۳/۲ھ

التخریج: (۱)......لما فی الدرالمختار: لیس للقاضی ان یقرّر وظیفة فی الوقف بغیر شرط الواقف (یعنی وظیفة حادثة لم یشرطها الواقف) ولایحل للمقرور الاخذ (الدرالمختار مع الشامیہ، جلد ۶ صفحہ ۶۶۸)

وفی الشامیة: ان المتولی لیس له ان یزید للامام (جلد ۶ صفحہ ۶۷۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

تنخواہ میں مقدار کا عدم تعین عقد کے لئے مفسد بنے گا:

میں ایک دینی مدرسہ کے کتب کے شعبہ میں مدرس ہوں میری تقرری کے وقت مدیرِ مدرسہ نے میری تنخواہ "٢٤٠٠ روپے" مقرر کی (ظاہر ہے کہ موجودہ حالات کے مطابق یہ وظیفہ بہت قلیل ہے) اور میں نے اسے قبول کر کے تدریس شروع کر دی لیکن عین تقرری کے وقت مدیر مدرسہ نے کہا میری استطاعت تو صرف اتنی تنخواہ دینے کی ہی ہے، البتہ آپ مدرسہ کے نام پر چندہ جمع کریں چاہے وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو وہ چندہ رسید کاٹ کر آپ کو تنخواہ کی مد میں دے دوں گا میں نے کہا کہ درست ہے چنانچہ مجھے ایک ایسا شخص مل گیا جو ہر ماہ مدرسہ کو ایک ہزار روپے چندہ دے گا تو میں نے اس سلسلہ میں مدیرِ مدرسہ سے گفتگو کی تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے وہ ایک ہزار روپے آپ مدرسہ کی رسید کٹا کر اپنے پاس رکھ لیں۔ ایک مولانا صاحب کہتے ہیں کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرا یہ معاملہ مدیرِ مدرسہ کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو فبہا اور اگر جواب نفی میں ہے تو اس کے جواز کا اگر کوئی حیلہ ہو تو اس کو بھی واضح طور پر بیان فرمائیں۔

سائل ...... طارق محمود بن عبدالعزیز کھرل

الجواب

صورت مسئولہ میں آپ کا مذکورہ معاملہ جائز نہیں، البتہ ان پیسوں کو مہتمم صاحب کے حوالہ کر دیں اور وہ آپ کو اس کی تملیک کروا کر آپ کو دیدیں تو شرعاً جائز ہوگا۔

وحيلة التكفين بها التصدق علىٰ الفقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما (الدر المختار، جلد٣، صفحہ٢٢٧) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

محمد عثمان عفی عنہ
معین مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤٢٨/١/١٧ھ

اگر رسید والی مقدار متعین ہے تو پھر مذکورہ حیلہ کارگر ہوگا، بصورت دیگر عقد فاسد ہوگا۔

امّا شرائط الصحة (ای صحة الاجارة) فمنها رضاء المتعاقدين ...... ومنها ان تکون الاجرة معلومة (عالمگیریہ، جلد۴، صفحہ۴۱۱)

وفيه ايضاً: الفساد قد يكون لجهالة قدرالعمل بان لايعين محل العمل......وقد يكون لجهالة البدل (ہندیہ، جلد۴، صفحہ۴۳۹) .... فقط والجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

مدرس کی تنخواہ روکنا شرعاً ظلم ہے، ایام خدمت کی کل تنخواہ کا استحقاق ہے:

ایک مدرس (ہدایت اللہ) ایک مدرسہ ضیاء القرآن میں ایک سال اور چودہ دن تک پڑھاتا رہا جب اس کو مسلسل چار ماہ تک تنخواہ نہ ملی تو اس نے مہتمم ''قاری بشیر احمد'' کو کہا کہ ''اگر آئندہ سال چودہ شوال تک تنخواہ نہ ملی تو میری طرف سے استعفیٰ ہوگا'' جبکہ یہ مہتمم مدرسہ کے پیسوں سے ذاتی پلاٹ خریدتا رہا اور مدرس کو تنخواہ نہیں دی۔ اب مہتمم کا یہ کہنا ہے کہ مدرس نے ہمارے ساتھ آئندہ سال کے معاہدہ میں خلاف ورزی کی ہے میں اس وجہ سے اس کو گذشتہ ۴ ماہ کی تنخواہ نہیں دیتا۔ اب آپ بتائیں کہ یہ مدرس گذشتہ سال کے چار ماہ کی بقیہ تنخواہ اور دوسرے سال کے چودہ دن کی تنخواہ لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟

سائل ...... ہدایت اللہ

الجواب

برتقدیر صحتِ واقعہ صورت مسئولہ میں چودہ شوال تک کی تنخواہ کی ادائیگی شرعاً لازم ہے کیونکہ وہ چودہ تاریخ تک مدرسہ میں حاضر رہا اور مفوضہ کام سرانجام دیتا رہا۔

ثم الاجرة تستحق باحد معانٍ ثلاثةٍ :اما بشرط التعجيل او بالتعجيل او باستيفاء

المعقود علیه فاذا وجد احد هذه الاشیاء الثلاثة فانه یملکها...... یجب الاجرة باستیفاء المنافع (الخ) (ہندیہ، جلد۴، صفحہ۴۱۴)

مسلسل چار ماہ تک تنخواہ نہ ملنے پر مدرسہ چھوڑنا اور اطلاع کر کے چھوڑنا بظاہر معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ الاجارة تنقض بالاعذار عندنا وذالک علیٰ وجوه: اما ان یکون من قبل احد العاقدین .... واذا تحقق العذر ومست الحاجة الیٰ النقض هل یتفرد صاحب العذر بالنقض او یحتاج الیٰ القضاء او الرضاء اختلفت الروایات فیه والصحیح ان العذر اذا کان ظاهراً یتفرد (ہندیہ، جلد۴، صفحہ۴۵۸)

لہٰذا مدرس کی تنخواہ روکنا شرعاً جائز نہیں۔................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۳/۱۲/۶ھ

مدرس پر تحریری حاضری کی شرط لگائی مدرس مدرسہ میں حاضر رہ کر کام کرتا رہا لیکن تحریراً حاضری نہیں لگوائی اس وجہ سے تنخواہ کاٹنا:

مہتمم صاحب نے مدرس پر شرط عائد کی کہ وہ روزانہ تحریراً اطلاع دے گا۔ مدرس پڑھاتا رہا لیکن تحریری اطلاع نہیں دی۔ جب ماہ شوال ختم ہوا تو اس نے تنخواہ مانگی۔ تو اس نے کہا کہ تم نے ''تحریراً'' اطلاع نہیں دی۔ اس لیے تنخواہ نہیں۔ اب وہ تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد دین، اشرفی کتب خانہ، کوہاٹی بازار، راولپنڈی

الجواب

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ مدرس کو اگر باضابطہ الگ نہیں کیا گیا تھا۔ تو محض

حاضری کی تحریری عدم اطلاع کی بنا پر ملازمت سے معزول کرنا درست نہیں ہے۔[1] خصوصاً جبکہ وہ بقول مدرس کے کہ وہ باقاعدہ حاضر ہوتا رہا ہے جبکہ واقعۃً بھی ایسا ہی ہے۔ اس لیے وہ تنخواہ کا مستحق ہے۔..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۸/۱۰/۱۳۹۴ھ

اگر مدرس مستقل ایک وقت ناغہ کرے تو اس کی تنخواہ منہا کرنے کی اجازت ہے:

ایک مدرس کا ایک مدرسہ میں تقرر ہوا مدرس سال بھر اپنی وسعت کے مطابق کام کرتا رہا شعبان کا مہینہ بھی پڑھایا، شعبان کے آخر میں مدرس کو ایسی مجبوری لاحق ہو گئی کہ اگر پہلے وقت کلاس میں ہوتا ہے تو دوسرے وقت نہیں ہوتا یا دوسرے وقت ہوتا ہے تو پہلے وقت نہیں ہوتا، ایسی حالت میں مہتمم نے مدرس کو جواب دے دیا، بایں طور کہ مدرس کا کھانا پینا بند کر دیا، کلاس چھین لی اور مدرسہ سے روک دیا، حالانکہ سالانہ امتحان میں اس مدرس کی کلاس کا نتیجہ بھی اچھا آیا ہے۔ کیا ایسی صورت میں مدرس رمضان المبارک کی تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد فہیم بستی خداداد، ملتان

الجواب

اگر آئندہ سال بھی پڑھانا ہو تو حسبِ معاہدہ رمضان کی تنخواہ دی جائے۔ البتہ مدرس کا یہ معمول بنا لینا کہ مستقل طور پر ایک وقت ناغہ کرنا بلا اجازت و رخصت درست نہیں۔ مہتمم صاحب

التخریج: (۱)......یجب الاجرة باستیفاء المنافع (ہندیہ، جلد ۴، صفحہ ۴۱۳) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اگر اس کی تنخواہ وضع کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے۔ (١) .... فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

١٩/٥/١٤٢١ھ

اساتذہ کی تنخواہوں میں تفاوت کی شرعی حیثیت:

اکثر مدارس میں اساتذہ کرام کی تنخواہ میں تفاوت پایا جاتا ہے، مثلاً کوئی استاد بزرگ ہے شیخ الحدیث ہے تو اس کی تنخواہ زیادہ ہوتی ہے بنسبت دوسرے اساتذہ کے، حالانکہ وہ سبق بھی کم پڑھاتا ہے، ایک مدرس چھ چھ سبق پڑھاتا ہے اس کی تنخواہ کم ہوتی ہے، جبکہ ایک مدرس دو یا تین سبق پڑھاتا ہے لیکن اس کی تنخواہ زیادہ ہوتی ہے۔ کیا شرعاً اس تفاوت کا کوئی جواز ہے؟ باوجودیکہ تمام اساتذہ ایک ہی طرح اخلاص کے ساتھ کام کریں اسی طرح بعض اوقات جس مدرس کو تنخواہ زیادہ دی جاتی ہے وہ اتنا ضرورت مند نہیں جتنا کم تنخواہ والا ضرورت مند ہوتا ہے۔

سائل ......عمران الحق رشیدی

الجواب

علم، تجربہ اور طریقۂ تعلیم کی عمدگی تفاوت کی بنیاد ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عطایا کی تقسیم میں بعض وجوہ کی بنا پر تفاوت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ در مختار میں ہے: ویعطی بقدر الحاجة والفقه والفضل وفی الشامیة: وكان عمر رضی الله تعالیٰ عنه یعطیهم علیٰ قدر الحاجة والفقه والفضل، والاخذ بهٰذا فی زماننا احسن فتعتبر الامور الثلاثة اه ای: فله ان یعطی الاحوج اکثر من غیر الاحوج، وكذا الافقه والافضل اکثر من

التخریج: (١)......ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض او حج بحیث لایمکنه المباشرة لایستحق المعلوم (شامیہ، جلد٦، صفحہ٦٤٢) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

غیرهما، وظاهره انه لاتراعی الحاجة فی الافقه والافضل، والا فلا فائدة فی ذکرهما، ویؤیده ان عمر رضی الله تعالیٰ عنه کان یعطی من له زیادة فضیلة من علم او نسب او نحو ذالک اکثر من غیره (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٣٣٩)

نیز دنیاوی عہدوں اور کاموں میں علم تجربہ وغیرہ کی وجہ سے تنخواہوں میں تفاوت معروف ہے .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٨/٨/١٤٢٨ھ

مدرس یا سفیر کو چندہ کا پانچواں حصہ دینا کیسا ہے؟

حسن کارکردگی پر مدرس کو انعام دینا:

استحقاقی چھٹیاں نہ کرنے پر مدرس کو ان کا اضافی معاوضہ دینا:

(١)...... ''جامعہ رحیمیہ'' جھنگ صدر کے مہتمم صاحب کسی ایک مدرس کو ان کی چھٹی کے ایام میں چندہ کی وصولی کے لئے ایسی جگہ بھیج دیتے تھے جہاں ان کا اثر ورسوخ ہوتا، اور واپسی پر حاصل شدہ رقم کا پانچواں حصہ جس میں ان کا سفر خرچ بھی تھا دیدیا کرتے تھے۔

(٢)...... بعض مدرسین تعلیمِ قرآن سے استحقاقی چھٹی لیکر چندہ وصول کر کے اس میں سے بھی پانچواں حصہ وصول کرلیا کرتے۔

(٣)...... بعض مرتبہ مہتمم صاحب خود بلا کسی شرط کسی مدرس کو بطور انعام دیدیتے۔

(٤)...... ایک اصول یہ بھی تھا کہ جن اساتذہ نے استحقاقی چھٹیاں نہ لیں ان کے ان ایام کا تنخواہ کے اعتبار سے معاوضہ دیدیا کرتے جس سے وہ چھٹی کم از کم لیتے۔

(٥)...... چونکہ جامعہ مہتمم صاحب کی ذاتی نگرانی میں ہے، اس لئے آپ کسی ملازم کو اس کی

کارکردگی پر مشاہرہ سے زیادہ دیدیا کرتے۔ کیا مندرجہ بالا صورتیں درست ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا حیلہ ہے؟ سائل ...... محمد عبدالحلیم، صدر جمعیت علماء اسلام، جھنگ صدر

الجواب

پہلی دونوں صورتیں ناجائز ہیں، یعنی سفارت کا عمل "علی خمس ما یحصل یا علی الربع والثلث" ناجائز اور اجارہ فاسد ہے۔[۱] اسی طرح بعض مدرسین قرآن کا رخصتِ استحقاقی میں ربع یا خمس پر چندہ وصول کرنا یہ صورت بھی ناجائز ہے کیونکہ قفیز طحان میں داخل ہے۔

(۳)......البتہ مہتمم کسی مدرس کو اس کی حسن کارکردگی پر جبکہ یہ کارکردگی تعلیمی امور میں ہو یا چندہ کی وصولی کے سلسلہ میں ہو حوصلہ افزائی کے لئے انعام دے اُن اختیارات کے صحیح استعمال کے تحت جو اس کو مجلس عاملہ یا شوریٰ یا سرپرستِ مدرسہ سے حاصل ہیں تو یہ جائز ہوگا۔

(۴)......مدرسہ کی شوریٰ یا مجلس عاملہ نے کچھ استحقاقی رخصتیں مدرسین کے لئے طے کی ہوئی ہیں، اور کوئی مدرس مہتمم کے ایماء یا منظوری سے مدرسہ کی مصلحت کے لئے اپنی استحقاقی رخصتیں ترک کر دیتا ہے، مثلاً طالبعلموں کے اسباق کی دوہرائی یا کسی مدرسہ کی اعانت یا دیگر مشاغلِ مدرسہ کے ہجوم کی وجہ سے مہتمم اس کی استحقاقی رخصتیں کلیۃً یا بعضاً مدرسہ کے استعمال میں لے آتا ہے، تو ایسی صورتوں میں مدرس ایامِ تعطیل کی زائد تنخواہ کا مستحق ہوگا اور بغیر مہتمم کی منظوری کے از خود استحقاقی رخصتوں کے ترک پر زائد تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا۔[۲] .... فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۸۰/۵/۱۸ھ

التخریج: (۱)......فی الدر المختار: فکل ما افسد البیع یفسدها (الاجارۃ) کجھالۃ مأجور او اجرۃ او مدۃ او عمل (الخ) (جلد۹، صفحہ۷۷)

(۲)......فی الشامیۃ: فعلم انہ تجوز الزیادۃ اذا کان یتعطل المسجد بدونھا (شامیہ، جلد۶، صفحہ۶۲۹)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اگر مہتمم تبدیل ہو جائے تو تنخواہ وغیرہ کا مطالبہ نئے مہتمم سے ہوگا:

ایک شخص ایک مدرسہ عربیہ کا مہتمم ہے، اس نے ابتداء سال سے ایک مدرس مقرر کیا ہے جس کی تنخواہ ماہانہ تیس روپے قرار پائی۔ اور مدرس مذکور کو ماہ گذرنے پر تنخواہ دیدی جاتی۔ یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن دس (۱۰) شعبان المعظم کو مہتمم صاحب کو برطرف کر دیا گیا اور مدرس مذکور کو شعبان کے پندرہ ایام اور رمضان المبارک کی تنخواہ بھی نہیں دی گئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا وہ مدرس صاحب جو کہ شوریٰ کے مشورے کے ساتھ مدرسہ میں مقرر کئے گئے تھے، سابقہ مہتمم سے شعبان المعظم کے پندرہ یوم اور رمضان المبارک کی تنخواہ کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا جدید مہتمم صاحب سے مطالبہ کریں۔ اسکی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔

سائل ...... محمد احمد ملتان

الجواب

نئے مہتمم صاحب سے تنخواہ کا مطالبہ کریں۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۳۹۳/۱۰/۷ھ

بدوں کسی شرعی وجہ یا خیانت کے ناظم کو معزول کرنا خلاف شرع ہے:

ہم نے ایک مدرسہ شروع کیا اس عزم سے کہ شوریٰ ہمارے مسلک کے مرکزی اراکین پر مبنی ہوگی۔ خالد کو متوجہ کیا گیا کہ سرِ دست استاد، تعلیم وطلبہ وغیرہ کا انتظام زید کرے گا صرف کرایہ مکان ''پچیس روپے'' کا انتظام خالد کے ذمہ ہوگا۔ یہ معاہدہ ہوا کہ یہ مدرسہ اشرفی مسلک کا ہوگا قوانین وہی ہوں گے جو ''خیر المدارس'' اور ''جامعہ اشرفیہ'' کے ہیں مہتمم ایک ثالث کو بنائیں گے جو کہ زید کا شاگرد ہو وہ پھر خواہ زید ہی کو مہتمم بنا دے، چنانچہ عارضی طور پر ثالث کے آنے تک خالد کو مہتمم بنایا گیا،

اور زید کو ناظم مگر ثالث کے آنے پر خالد نے اپنا معاہدہ پورا نہیں کیا، بلکہ اراکین میں سے ایک صاحب سے رابطہ قائم کر کے اندرونی طور پر بغیر مشورہ اراکین مدرسہ کیلئے زمین خرید کر اپنے نام کرا لی اور کاغذات میں از خود متولی واحد بن گیا۔ ید سے کسی ذاتی رنجش کی بناء پر بلا جرم بلا اصول بلا نوٹس زید کی تنخواہ بند کردی اٹھارہ ذیقعدہ کو جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ زید کو برطرف کردیا گیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ برطرفی شرعی طور پر کیا حیثیت رکھتی ہے، زید کتنے ماہ کی تنخواہ کا مستحق ہے؟ اگر زید کوئی جدید مدرسہ بنائے تو اسی میں سابقہ مدرسہ کی کچھ اشیاء جو اس کے پاس ہوں وہ استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد صادق، خطیب جامع مسجد عبدالعزیز، راولپنڈی

الجواب

صورت مسئولہ میں بقول سائل جبکہ بلا جرم، بلا اصول، بلا نوٹس، زید کی تنخواہ خالد نے بند کردی ہے اور سابقہ معاہدات کی خلاف ورزی کی ہے تو اس صورت میں زید شوال و ذیقعدہ کے اٹھارہ ایام کی تنخواہ کا مستحق ہے۔[1] اور خالد کی برطرفی بھی غلط قرار دی جائے گی۔[2] باقی رہا، نیا مدرسہ قائم کرنا تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں جبکہ کام کرنے والوں کا مقصد صرف اخلاص کے ساتھ خدمتِ دین ہو اور کسی مدرسہ کا اضرار یا لڑائی و جھگڑا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود نہ

التخریج: (۱)......یجب الاجر باستیفاء المنافع (ہندیہ، جلد۴، صفحہ۴۱۳)

(۲)......قال فی البحر: واستفید من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظیفة فی وقف بغیر جنحة وعدم اهلیة، واستدل علی ذالک بمسئالة غیبة المتعلم، من انه لا توخذ حجرته ووظیفته علی حالها اذا کانت غیبته ثلاثة اشهر، فهذا مع الغیبة، فکیف مع الحضرة والمباشرة؟ (شامیہ، جلد۶، صفحہ۵۸۶)

وفیه ایضاً: وقدمنا عن البحر حکم عزل القاضی لمدرس ونحوہٖ وهو انه لایجوز الا بجنحة وعدم اهلیة (شامیہ، جلد۶، صفحہ۶۵۴) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

ہو اور سابقہ مدرسہ کی چیزوں کا استعمال اس تنقیح کے بعد عرض کیا جائے گا جبکہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ مدرسہ کے سابقہ ممبروں کی اکثریت زید کے ساتھ ہے یا خالد کے ساتھ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۳۹۴/۱/۲ھ

مدرسہ کے باورچی کے متعلق مختلف سوالوں کے جوابات:

(۱)...... باورچی اجیر خاص ہے یا مشترک؟ بصورت اجیر خاص بلحاظِ عرفِ مدارس کتنے گھنٹے کام کا ملازم ہے؟ اور کیا وقت کی تعیین یعنی آمد و رفت کا وقت متعین کرنا ضروری ہے یا باورچی کی صوابدید پر ہے کہ مقررہ وقت پر طعام کے لحاظ سے خود دیکھ لے۔

(۲)...... یہ صبح آ کر کام کر کے چلا جاتا ہے اور پھر دو پہر کو پھر شام کو اسی طرح اس آمد و رفت کی وجہ سے ہم نے دن کی تین اوقات میں تفصیل کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ تینوں میں سے ہر وقت مستقل حاضر ہوگا یا پورے دن کی حاضری کیلئے صرف صبح کو آنا کافی ہے کیونکہ اجیر خاص میں تو صرف تسلیمِ نفس سے استحقاقِ اجرت ہو جاتا ہے، اور وہ صبح ہو گیا بقیہ دو اوقات نہ آئے۔ تو پھر اس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ ہم نے کسی دن ایک وقت کی غیر حاضری پر نصف یوم اور دو وقت کی غیر حاضری پر پورے دن کی اجرت وضع کرنے کی جو شرط رکھی ہے وہ درست ہے یا نہیں؟

(۳)...... کسی دن دو غیر حاضریاں اور ایک حاضری ہو تو یہ کسی شمار میں آتی ہے یا نہیں؟

(۴)...... اجیر خاص ہونے کی صورت میں کھانا پکے یا نہ پکے مقررہ وقت پر اس کا موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں مثلاً جمعہ کے روز دن کو چاول پکتے ہیں جو دونوں وقت کے لئے کافی ہوتے ہیں رات کو پکانے کا کام نہیں صرف چند تھالیاں دھونا ہے تو باورچی پر لازم ہے کہ رات کو بھی رہے یا نہیں؟ اسی طرح مثلاً

دعوت کا تیار کھانا آ جائے تب بھی کھانے کا کام نہیں ہوتا وقت پر موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

(۵)......رخصت اتفاقی واستحقاقی کی تقسیم درست ہے یا نہیں۔ نیز عرفِ مدارس میں اتفاقی رخصت کی حد کیا ہے؟

سائل ...... محمد بدر عالم، جامع مسجد ''نور'' محلہ مہر پورہ اٹک

الجواب

(۱)...... مذکورہ باورچی اجیر خاص ہے اگر یہ ذمہ داری سے ہر وقت حاضر ہو کر کام کرے تو وقت کا تعین ضروری نہیں بصورتِ دیگر تعیین کر لینی ضروری ہے۔

(۲)......ایک دن کی اجرت کو تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا اور یہ مجموعہ ایک دن کی حاضری شمار ہوگی اگر کسی ایک وقت حاضر نہ ہو تو ایک دن کی تنخواہ کا تہائی حصہ وضع کر لیا جائیگا۔

(۳)......ایک دن میں دو وقت کی غیر حاضری کی صورت میں ایک دن کی تنخواہ کا دو تہائی حصہ وضع کر لیا جائے۔

(۴)......اگر مدرسہ والوں کی اجازت سے اس نے اس دن چھٹی کر لی تو کوئی حرج نہیں اگر برتن صاف کرنا اس کی ذمہ داری ہو تو اس وقت میں بھی اس کو پابند کیا جا سکتا ہے۔

(۵)......مذکورہ تقسیم درست ہے تاہم اتفاقی رخصتیں استحقاقی رخصتوں سے منہا ہونگی۔ اس سلسلہ میں کوئی مستقل حد متعین نہیں۔ اس بارے میں مدارس کا معمول مختلف ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس، ملتان	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۸/۵/۱۴۲۳ھ	رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

مایتعلق باوقاف المدرسة

ایک مدرسہ کے فنڈ سے دوسرے مدرسہ کا تعاون کرنا:

ایک شخص مسمّٰی عبدالرحمٰن دینی ادارہ میں بحیثیت ناظم و نائب مہتمم کافی عرصہ سے خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اب وہ کسی مجبوری کی بناء پر اس ادارہ سے مستعفی ہو گئے ہیں۔

(۱)...... آیا مذکورہ شخص کو اس دینی مدرسہ کے فنڈ سے مالی تعاون لینے کا یا ثالثین کے کہنے پر مہتمم صاحب کو دینے کا شرعی حق ہے یا نہیں جبکہ مذکورہ مستعفی ناظم و مہتمم صاحب دورانِ خدمت اپنا ماہانہ مشاہرہ بھی وصول کرتے رہے ہیں۔

(۲)...... مذکورہ مستعفی نائب مہتمم و ناظم صاحب اپنا دوسرا ادارہ (دینی) قائم کرنے کیلئے موجودہ مدرسہ کے فنڈ سے کسی قسم کے مالی مطالبہ کے حقدار ہیں یا نہیں؟

(۳)...... کیا ثالثوں کو مصلحۃً یہ اختیار ہے کہ وہ مہتمم صاحب کو مذکورہ شخص کے ساتھ اپنے ادارے کے فنڈ سے مالی تعاون کرنے پر مجبور کریں۔

سائل ...... شہزاد، ملتان

الجواب

مہتمم صاحب مدرسہ کے فنڈ سے نہ مسمّٰی عبدالرحمٰن سابقہ ناظم کی مالی امداد کرنے کے شرعاً مجاز ہیں۔[1] اور نہ ہی اس مدرسہ کے فنڈ سے سابق ناظم عبدالرحمٰن کے نئے مدرسہ کا تعاون کر سکتے

التخریج: (۱)...... لیس للقاضی ان یقرر وظیفة فی الوقف بغیر شرط الواقف، ولایحل للمقرر الاخذ (الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۶۶۸) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

ہیں اس لئے کہ ایک مدرسہ کی وقف رقوم دوسرے مدرسہ پر صرف کرنا شرعاً جائز نہیں (۲)۔ ایسے ہی مال وقف سے تبرعاً بدوں کسی خدمت کے مہتمم دینے کا مجاز نہیں، ثالثوں کو بھی خلاف شرع سفارش نہیں کرنی چاہیے۔............فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۶/۱/۱۹ھ

ایک مدرسہ کا چندہ دوسرے مدرسہ پر خرچ کرنا باجازت چندہ دہندگان درست ہے:

ہمارے گاؤں کے مولوی صاحب نے گاؤں سے چند ایکڑ کے فاصلے پر ایک پرانی خستہ حال مسجد (جس کے متولی صاحبزادگان، عبدالحکیم میں ہیں) کو آباد کیا، اور اس کی تعمیر کی کوشش کی ، جمعہ کو جاری کیا، اور ایک دینی درسگاہ قائم کی۔ عرصہ ڈیڑھ سال تک اکیلے بغیر کسی معاوضے کے سب کام سرانجام دیتے رہے۔ بعدازیں اس مولوی صاحب نے ایک دوسرے شخص ''عمرو'' کو بھی اپنے ساتھ بطور ''معاون'' ملا لیا دونوں اِدھر اُدھر سے چندہ لاتے رہے اور مدرسہ کے اخراجات پورے کرتے رہے۔ بدقسمتی سے ان دونوں کے درمیان نااتفاقی ہوگئی۔ مولوی صاحب دوسرا مدرس رکھنا چاہتے تھے اور ''عمرو'' پہلے کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ نوبت بایں جارسید کہ مولوی صاحب نے دوسرے مدرس کو مقرر کر لیا اور ''عمرو'' صاحب مخالفت کی آگ کو تیز کرتے ہوئے متولیان کے پاس عبدالحکیم پہنچے اور گاؤں والوں کی اور مولوی صاحب کی شکایت کی اور کہا کہ گاؤں کے مہاجر تمہاری مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور مسجد کے مالک آپ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے عمرو کے ساتھ اتفاق کیا۔ مولوی صاحب نے مسجد کو چھوڑ دیا اور اپنے مقتدی اور مدرس کو اور طلباء کو لے کر گاؤں کی مسجد میں کام شروع کر دیا اور جو رقم مولوی صاحب کے پاس مدرسہ کی تھی انہوں نے اس

جگہ آ کر مدرسہ کے اخراجات (عمارت، مدرس اور طلباء) پر خرچ کر دی اور کہا کہ "میں نے اپنا مدرسہ منتقل کر لیا ہے اور وہ رقم مجھے یہاں خرچ کرنا جائز ہے" دریافت طلب امر یہ ہے کہ مولوی صاحب کا یہ خیال عند الشرع کہاں تک جائز ہے؟

سائل...... مولوی عطاء اللہ، کوٹ اسلام کبیر والا

الجواب

مولوی صاحب کے پاس جو رقم مدرسہ کی تھی اس کا استعمال چندہ دہندگان کی اجازت سے دوسرے مدرسہ کے طلباء اور مدرسین پر خرچ کرنا جائز ہے۔...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۸/۲/۲۲ھ

مختلف ناموں سے بننے والے مدارس کی جمع شدہ رقم اسی جگہ پر بننے والے نئے مدرسہ میں دی جاسکتی ہے:

ایک آدمی نے اپنے اہل محلّہ کے مشورہ سے "تعلیم القرآن" کے نام پر ایک دینی ادارہ مورخہ ۱۹/ ۷/ ۱۹۸۹ء میں قائم کیا اور اسی نام سے رسیدی کاپیاں بھی چھپوالیں، اور احباب سے چندہ کے سلسلے میں ملنا شروع کر دیا اس کے بعد اس مدرسہ میں بچوں کی تعلیم کی خاطر ایک حافظ صاحب کو مقرر کیا۔ اس مدرسہ کے فنڈ میں مبلغ ۰۰/ ۱۳۶۳۱ روپے جمع ہو گئے پھر یہ ادارہ دیوبندی بریلوی مسلک کی وجہ سے فساد کا شکار ہو گیا جس کی وجہ سے جمع کیا ہوا چندہ کچھ عرصہ کے لئے روک لیا گیا پھر اس کے بعد ایک آدمی کو اہلِ محلّہ نے اپنی طرف سے مکمل اختیار دے دیا کہ آپ کسی طریقہ سے اس مدرسہ کو آباد کریں۔ چنانچہ وہ آدمی اس مدرسہ میں آ گیا اور باقاعدہ کاپیاں بھی نئی

چھپوالیں اور مدرسہ کا نام بھی تبدیل کر کے ''ترتیل القرآن'' رکھ دیا۔ اور ایک رسید کی کاپی مورخہ ١/ ٨/ ١٩٩٥ء سے میرے پاس بھیج دی تھی چنانچہ اس نے دوبارہ احباب سے ایک دینی جذبہ کے تحت ملنا ملانا شروع کر دیا حتی کہ مبلغ ١٥٧٥٥/٠٠ روپے جمع کر لئے اور جمع شدہ رقم میں سے ٧٤٣٥١/٠٠ روپے مدرسہ پر خرچ بھی کر دیئے اس کے بعد پتہ چلا کہ یہ تو سارا کام ہی غلط چلتا رہا، کیونکہ مسجد کے ساتھ ملحقہ زمین جس پر مدرسہ قائم تھا وہ ساری کی ساری مسجد کے نام پر وقف ہے چنانچہ ہم نے سوچا کہ جمع شدہ رقم کا کیا کیا جائے؟ طے یہ ہوا کہ مدرسہ کے نام سے زمین خرید لیں آخر کار ہم نے مورخہ ١٤/ ٨/ ١٩٩٦ء کو اڑھائی کنال کی زمین کا ٹکڑا بالکل مسجد کے قریب خرید لیا، اور اس مدرسہ کا نام ''مدرسہ سیدنا امیر معاویہؓ '' رکھا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا قرآن وحدیث کی روشنی میں مدرسہ ''تعلیم القرآن'' اور مدرسہ ''ترتیل القرآن'' کا جمع کیا ہوا روپیہ اس نئی جگہ پر خرچ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جو کہ مسجد کے ملحقہ مدرسہ سیدنا معاویہؓ کے نام سے خریدی گئی ہے۔

سائل ...... مولانا قاری خالد محمود صاحب، عربی مدرس مڈل سکول، جہلم

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر واقعی مدرسہ ''تعلیم القرآن'' اور ''ترتیل القرآن'' ختم ہو گئے ہیں۔ تو ایسی حالت میں ان مدرسوں کی جمع شدہ رقم مدرسہ سیدنا امیر معاویہؓ پر لگانے کی گنجائش ہے۔

لما فی الدرالمختار: وكذا الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الیٰ اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض اليه (الدر المختار، جلد ٦، صفحہ ٥٥١) .... فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

١٢/ ٨/ ١٤١٧ھ

جو مدرسہ مکمل طور پر ختم ہو جائے اور آئندہ بھی چلنے کی امید نہ ہو اس کے جمع شدہ چندہ کا حکم:

ہماری بستی میں قرآن کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے اور کچھ عرصہ تک وہ چلتا رہا اور اسی دوران مدرسہ کے لئے مختلف افراد سے چندہ بھی کیا جاتا رہا۔ اب کچھ عرصہ سے مدرسہ ختم ہو چکا ہے نہ تو درسگاہ باقی رہی اور نہ ہی آئندہ از سر نو جاری ہونے کی امید ہے اور اس کے جمع شدہ چندہ میں سے کچھ رقم باقی ہے۔ کیا وہ رقم کسی دوسرے قرآنی مکتب اور دینی عربی مدرسہ میں دی جاسکتی ہے؟

سائل ...... محمد شفیق، ملتان

الجواب

دی جاسکتی ہے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۶/۴/۱۰ھ

اگر مدرسہ اور اس کی شاخ کا انتظام الگ الگ کر دیا جائے تو مدرسہ کی اشیاء ان میں کیسے تقسیم ہوں گی؟

زید نے دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور آمدنی مدرسہ اور مسجد کی مشترکہ رکھی اور زید فوت ہو چکا ہے اس کے دو بیٹے ہیں انہوں نے اپنے والد کے مزار پر اس مدرسہ کی شاخ کھولی، اور دونوں مدرسہ کی آمدنی تقریباً پانچ سال مشترکہ رہی۔ اب ان دونوں بھائیوں نے مدرسہ علیحدہ علیحدہ کیا ہے۔ اب کیا سابقہ مشترکہ مدرسہ و مسجد کی جائیداد نقدی و اسباب مثلاً مسجد کے سپیکر، تپائیاں،

التخریج: (۱)......وكذا الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الى اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض اليه (درمختار، جلد ۶ صفحہ ۵۵۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

بسترے، چار پائیاں جو پہلے مدرسہ میں طلبہ کی ضرورت کیلئے تھے اور غیر منقولہ جائیداد بھی مسجد کی ہے عمرو اور بکر دونوں بھائی اپنے اپنے مدرسہ کیلئے تقسیم کر سکتے ہیں؟

سائل ...... حافظ گل محمد، جلال پور پیر والہ

الجواب

جو جائیداد اور اسباب مسجد اور سابقہ مدرسہ کا نئے مدرسہ کے بنانے سے پہلے کا ہے وہ قابل تقسیم نہیں۔ وہ اشیاء اور جائیداد سابقہ مسجد اور مدرسہ کی ہے، البتہ جدید مدرسہ کو جب سے سابقہ مدرسے کی شاخ بنالیا گیا اور ان دونوں کی آمدنی مشترک کر دی گئی، پھر جو جائیداد و اشیاء مشترکہ آمدنی سے تیار ہوئی ہے ان میں تقسیم جاری ہوگی۔.............. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان	محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
۱۵/۸/۱۳۹۴ھ	صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

مدرسہ کا پیسہ بینک میں رکھنا کیسا ہے؟

مدرسہ کی رقم بینک میں داخل کی جاتی ہے اور بینک اس رقم سے اپنا سودی کاروبار چلاتا ہے، حسبِ طلب مدرسہ کو اصل رقم واپس کی جاتی ہے اگر کوئی شخص بطور قرضِ حسنہ مدرسہ کی رقم لیلے اور اس سے تجارت کرے اور منافع خود رکھے اور حسب طلب اصل رقم مدرسہ کو واپس کر دے۔ یہ شرعاً کیسا ہے؟

سائل ...... نیاز محمد، نائب مہتمم مدرسہ جامع العلوم عید گاہ بہاولنگر

الجواب

في العالمگيرية: اراد المتولي ان يقرض ما فضل من غلة الوقف ذكر في وصايا فتاوىٰ ابي الليث رجوت ان يكون ذالك واسعاً اذا كان ذالك اصلح واجرىٰ

للغلة من امساک الغلة (عالمگیریہ، جلد ۲، صفحہ ۴۹۰)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کا روپیہ بطور قرضِ حسنہ دینا جائز ہے جبکہ قرض لینے والا دیندار اور امین ہو۔.................... فقط واللہ اعلم

بنک میں گو مخطور ہے مگر رقم محفوظ ہے، قرض گو امین کے پاس ہو مگر موت و زندگی ساتھ ہیں اس لئے اندیشہ ضیاع کا ہے۔(۱) والجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۸/۱/۳۰ھ

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

مدرسہ کی رقم میں سے کچھ رقم کسی غریب کو دینا کیسا ہے؟

ایک شخص نے انگلینڈ سے کچھ رقم بھیجی کہ یہ مدرسہ کو دیدیں، اس رقم سے میں نے نصف رقم مدرسہ کو بھیج دی اور نصف رقم ایک ایسے فرد کو دیدی جو کہ انتہائی غریب ہے، اور نہ کبھی کسی سے سوال کرتا ہے بلکہ بھوکا رہ کر گزر بسر کر لیتا ہے۔ کیا میں نے یہ ٹھیک کیا یا غلط؟ اگر غلط کیا تو مجھے اب کیا کرنا ہوگا؟ اس کے بارے میں فرمادیں۔

سائل ...... عبدالرشید

الجواب

آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، بلکہ مدرسہ میں ہی کل رقم دینی چاہیے تھی، تاہم آدھی رقم جو غریب اور مستحق کو دی گئی ہے وہ دینے والے کی طرف سے ادا ہو جائے گی، بشرطیکہ معلوم ہونے پر

التخریج: (۱)......وان اقرض الوصیّ ضمن لانہ لایقدر علی الاستخراج. ای: لیس للوصی ان یقرض ......لان الحفظ والضمان وان کانا موجودین بالاقراض لکن مخافة التوی مانعة لعدم قدرته علی الاستخراج لانه لیس کل قاض یعدل ولا کل بینة تعدل (ہدایہ مع حاشیتہا، جلد ۳، صفحہ ۱۴۳) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اس نے اجازت دیدی ہو۔.......................... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۳/۵/۱۴۲۵ھ

مدرسہ کیلئے وقف زمین کی آمدنی سے مدرسہ کی مسجد بھی تعمیر نہیں ہوسکتی:

ایک شخص نے مدرسہ بنانے کیلئے دو ایکڑ زمین وقف کی اس کے کچھ حصہ پر طلباء کیلئے رہائشی کمرے اور مدرس کیلئے مکان بنایا گیا، بعدازاں واقف کے مشورے سے ہی اس وقف شدہ زمین کے ایک حصہ پر مسجد بنانے کیلئے بنیاد ڈالی گئی اور بقیہ زمین پر فصل کاشت کی گئی۔ آیا اس وقف شدہ زمین کی آمدنی مدرسہ کے لئے بنائی جانے والی مسجد پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ کاشت کے لئے پانی کا انتظام زکوٰۃ، عشر وغیرہ کی رقوم سے کیا گیا ہے۔

سائل ...... محمد قاسم بھکروی، متعلم خیر المدارس، ملتان

الجواب

واقف نے جس نوع کی تعیین کی ہے زمین کی آمدنی اسی نوع پر خرچ کی جائے، مسجد اس سے تعمیر نہ کی جائے۔ لما فی الدرالمختار: شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، (جلد ٦ صفحہ ٦٦٤، ط: رشیدیہ جدید)

وفی الشامیة: انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة، (جلد ٦، صفحہ ٦٨٣)

زکوٰۃ وعشر کی رقم مدرسہ کی زمین کی آبادکاری پر بھی خرچ نہیں ہوسکتی۔

کما فی الهندیة: ولایجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا القناطر والسقایات

واصلاح الطرقات...... وکل مالا تملیک فیه، (جلد۱، صفحہ۱۸۸)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح   بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ   مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان   ۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

کیا صدقہ کا گوشت مہتمم یا ناظم لے سکتا ہے؟ جبکہ وہ مستحق بھی ہوں:

کیا شہری بچے مدرسہ میں آنے والا صدقہ کا گوشت کھا سکتے ہیں؟

(۱)...... مہتمم مدرسہ اگر مستحقِ زکوۃ ہے تو وہ مدرسہ میں آنے والے صدقہ کے گوشت سے اپنے لئے لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لے سکتا تو اب تک یعنی ایک دو سال جو لیتے رہے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

(۲)...... باہر سے آنے والا صدقہ کا گوشت مسافر طلباء کے لئے ہوتا ہے تو کیا شہری طلباء جن کی روٹی مدرسہ سے جاری نہیں، کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل ...... محمد عدیل، ساہیوال

الجواب

(۱)...... مہتمم صرف ان سہولیات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جو تقرری کے وقت مدرسہ کی طرف سے طے شدہ ہیں، مثلاً تنخواہ، رہائش وغیرہ اور جن کی شوریٰ نے اجازت دی ہے ان کے علاوہ نہ وہ صدقاتِ واجبہ سے لے سکتا ہے اور نہ ہی گوشت وغیرہ سے لے سکتا ہے[1]۔ اگر لے گا تو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور جواب تک لیا ہے اس کی قیمت ادا کرے۔

(۲)...... باہر سے آنے والا صدقہ کا گوشت مسافر طلباء کے لئے ہوتا ہے البتہ شہری طلباء میں سے جو

التخریج: (۱)...... وللوکیل بدفع الزکاۃ ان یدفعها الیٰ ولد نفسه کبیرا کان او صغیرا والیٰ امرأته اذا کانوا محاویج ولایجوز ان یمسک لنفسه شیئا (البحر الرائق جلد۳، صفحہ۳۶۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

فقیر ہیں وہ مدرسہ کے قانون کے مطابق لے سکتے ہیں۔ اولیٰ یہ ہے کہ مدارس والے ان صدقات کو تملیک کے بعد استعمال کریں۔ ایسی صورت میں تمام طلباء اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں خواہ فقیر ہوں یا غنی، مسافر ہوں یا شہری۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان
۱۵/۶/۱۴۲۳ھ

مدرسین اور ملازمین کو قیمتاً گوشت فروخت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ مدرسہ کے اندر جو صدقے کے بکرے آتے ہیں بازار کے اندر گوشت کی قیمت ۱۵۰ روپے ہے اور مدرسہ والے آپس میں مشورہ کر کے ساٹھ روپے کلو استادوں کو دیتے ہیں۔ اس کی شرعی صورت بیان کریں اور اس کی کتنی مقدار کم کی جاسکتی ہے تحریر فرماویں؟

سائل ...... محمد امجد ڈیرہ غازی خان

الجواب

جو بکرے زندہ مدرسہ میں آئیں اور طلباء تعطیلات کی وجہ سے موجود نہ ہوں تو ان کی حفاظت کی جائے یہاں تک کہ طلباء آجائیں۔

اور اگر ذبح شدہ بکرے مدرسے میں آئیں اور سنبھالنے کا انتظام نہ ہو اور گوشت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر ایسی صورت میں شرعی طریقے پر تملیک کے بعد کم نرخ پر مدرسین و ملازمین کو دینے کی گنجائش ہے کیونکہ بہت سے ادارے اپنے ملازمین کو سارا سال کم نرخ پر اشیائے خورد و نوش مہیا کرتے ہیں اس عرف کی وجہ سے مدارس کے ملازمین کے لئے بھی اس کی گنجائش ہونی چاہیے بالخصوص جبکہ مدرسہ میں آنے والا گوشت اتنا عمدہ اور معیاری بھی نہیں ہوتا۔

الحاصل: طلبہ کی ضرورت کے باوجود کم قیمت پر گوشت کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۶/۱/۱۷ھ

(۱) مدرسہ کے مطبخ سے قیمتاً کھانا لینا جبکہ مقررہ قیمت کم ہو:

(۲) مدرسہ میں آنے والا پھل اساتذۂ کرام کو کھلانا:

(۳) مدرسہ کے فنڈ سے طلباء یا اساتذہ کے مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا:

(۴) مدرسہ کیلئے وقف کی گئی اشیاء ذاتی ضرورت کیلئے استعمال کرنا:

(۵) مدرسہ کا گوشت کم قیمت پر اساتذہ کو فروخت کرنا:

(۱)...... میں ایک دینی مدرسہ میں شعبہ کتب کا مدرس ہوں اور مدرسہ ہی سے قیمتاً کھانا کھاتا ہوں اور مہینے کے اختتام پر ۱۵۰/ روپے طعام کی قیمت مدرسہ میں مہتمم صاحب کی اجازت سے جمع کرواتا ہوں، جبکہ کھانا ۱۵۰ روپے سے زیادہ قیمت کا بنتا ہے نیز اس کھانے میں صدقے کی سریاں، بکروں وغیرہ کا گوشت بھی شامل ہوتا ہے۔ تو کیا وہ صدقے کا گوشت وغیرہ قیمتاً کھانا درست ہے؟ نیز اساتذہ کے لئے جو سالن طلباء ہی کے سالن سے آتا ہے وہ طلباء کے حصے (فی کس کے حساب سے) زیادہ ہوتا ہے۔ آیا یہ تمام باتیں ہمارے لئے جائز ہیں؟

(۲)...... جو کھانا اور پھل وغیرہ باہر کے لوگ بھیجتے ہیں تو اس میں سے جو اساتذہ مدرسہ سے کھانا نہیں کھاتے اور جو کھاتے ہیں سب کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ کھانا اور پھل وغیرہ بھیجنے والے کی نیت کا علم نہیں ہوتا کہ وہ کھانا صرف طلباء کیلئے ہے یا عملہ کیلئے بھی۔ نیز بسا اوقات باہر سے آئی ہوئی چیز اتنی تھوڑی ہوتی ہے کہ تمام طلباء میں تقسیم نہیں ہوسکتی تو مہتمم صاحب وہ چیز اساتذہ کو

کھلا دیتے ہیں۔کیا یہ درست ہے؟

(۳)......مدرسہ میں کوئی مہمان آتا ہے خواہ طالب علم کا یا اساتذہ کا ہو یا دونوں کا مشترک ہو اور پھر معاونِ مدرسہ ہو یا نہ ہو تو اس کی ضیافت مدرسہ کے فنڈ سے ہوتی ہے۔تو یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز اس ضیافت میں کوئی دوسرا استاد بھی شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۴)......مدرسہ کی موٹر سائیکل یا گاڑی کوئی استاد یا طالبعلم اپنے ذاتی استعمال میں بھی لا سکتا ہے؟

(۵)......مدرسہ میں آیا ہوا گوشت طلباء کے لئے کافی مقدار میں ہو یا کم ہو یا درمیانی حالت میں ہو اساتذہ کے لئے وہ گوشت بازار سے کم قیمت پر یا برابر قیمت پر خریدنا کیسا ہے؟

سائل ...... افتخار احمد، مدرس جامعہ محمودیہ، اوکاڑہ

الجواب

(۱۔۲۔۳) مدرسہ کا کھانا اور پھل وغیرہ بدوں تملیک کے مدرسین اور ملازمین کے لئے جائز نہیں ہے۔کیونکہ مدارس کا عمومی چندہ اور کھانے کی اشیاء عموماً زکوٰۃ کی مد سے ہوتی ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیکِ فقیر ضروری ہے۔ لما في العالمگیریة: ولایجوز ان یکفن بها میت ولایقضی بها دین المیت (ہندیہ، جلد۱، صفحہ۱۸۸)

البتہ تملیکِ شرعی کے بعد مہتمم اور متولی کی اجازت سے معاوضہ کے ساتھ لینا درست ہے۔

لما في الدر المختار: وحیلة التکفین بها التصدق علیٰ الفقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما، وکذا في تعمیر المسجد، وتمامه في حیل الاشباه (الدرالمختار، جلد۳، صفحہ۲۲۷)

(۴)......مجلس شوریٰ یا مہتمم اگر یہ ضابطہ بنا دیں کہ مدرسہ کا تمام عملہ اپنا پٹرول ڈال کر گاڑی ذاتی استعمال میں لا سکتے ہیں تو اس وقت اس کی اجازت ہوگی لیکن بہتر یہ ہے کہ گاڑی زکوٰۃ کی بجائے عطیات سے خریدی جائے اور طریق بالا پر عمل کیا جائے۔

(۵)......ایامِ تعطیلات میں مدرسہ میں اگر گوشت زیادہ ہو اور بازار میں فروخت کرنا مدرسہ کی

مصلحت کے خلاف ہو تو جامعہ کی انتظامیہ کے مشورہ پر مدرسہ کے ملازمین کو کم قیمت پر گوشت دینے کی گنجائش ہے تاکہ ضائع نہ ہو۔............................ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٥/٤/١٤١٩ھ

کیا مدرسہ کی گاڑی مہتمم ذاتی ضروریات میں استعمال کرسکتا ہے؟

ایک مدرسہ کا مہتمم ہونے کے ناطے سے اس کو مدرسہ کی گاڑی کہاں تک استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ آیا اپنی ذات کے لئے کس حد تک استعمال کی اجازت ہے؟ اگر اجازت نہیں ہے تو یہ صورت کہ مدرسہ کے معاونین کی فوتگی یا خوشی پر مدرسہ کی گاڑی لے جائے اور شریک خوشی یا غمی ہو تو یہ ذاتی استعمال ہوگا یا نہیں، پھر اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

سائل ...... قاری محمد زبیر صاحب

الجواب

مدرسہ کی گاڑی ہر ایسی جگہ شرعاً استعمال کرنا جائز ہے جس میں مدرسہ کا مفاد ہو لہٰذا اہم معاونین کی تعزیت اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے گاڑی استعمال کرنے کی گنجائش ہے، البتہ خوشی وغیرہ کی تقریب میں پٹرول مہتمم صاحب اپنا خرچ کریں یہی حکم ذاتی ضروریات کا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
٨/٤/١٤٢٦ھ

(۱) مدرسہ کے مطبخ سے اساتذہ کا روٹیاں پکوانا:

(۲) طلباء سے بھینس وغیرہ کی خدمت لینا:

(۳) مدرسہ کے فنڈ سے اخبار جاری کرانا:

(۱)...... ہمارے ہاں ایک مدرسہ ہے جس میں مقیم طلباء کی تعداد ۷۰/۷۵ ہے مدرسہ کی انتظامیہ نے ان کے ناشتے اور دو وقت کے کھانے کے لئے باورچی رکھا ہوا ہے اور ہمارے مدرسہ کے تین استاد اس باورچی سے اپنے گھر کی روٹیاں دوپہر اور رات کو پکواتے ہیں حالانکہ باورچی بھی مدرسہ کا ملازم ہے اور ایندھن بھی مدرسہ کا ہوتا ہے اور تندور بھی مدرسہ کا ہے۔ آیا اساتذہ کا روٹی پکوانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)...... مدرسہ کے دو اساتذہ نے اپنی بھینسیں رکھی ہوئی ہیں اور ان کا چارہ اور بھوسہ وغیرہ تمام کام طلباء سے کرواتے ہیں۔ کیا یہ ان کیلئے جائز ہے؟

(۳)...... کیا مدرسہ کے فنڈ سے روزانہ اخبار کا اجراء جائز ہے؟ جبکہ مدرسہ اکثر مقروض رہتا ہے۔

سائل ...... ظہور احمد

الجواب

(۱)...... مدرسہ کے تندور سے اساتذہ کرام کا گھریلو روٹیاں پکوانا انتظامیہ کی اجازت سے بلا معاوضہ جائز ہے۔ في الدر المختار: وتجوز الزيادة من القاضي على معلوم الامام اذا كان لايكفيه و كان عالماً تقياً (الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۶۶۹)

(۲)...... تعلیمی اوقات میں بھینسوں کی خدمت جائز نہیں اور خارجی اوقات میں اگر کوئی طالب علم بخوشی اساتذہ کی خدمت کرے اس پر اہل مدرسہ کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے البتہ استاد کو چاہیے کہ ایسے طالب علم کی کچھ خدمت کر دیا کریں تاکہ قرآن کا معاوضہ نہ بن جائے۔

(۳)...... مقروض مدرسہ میں اخبار جاری نہ کیا جائے۔ ...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۰/۸/۱۴۲۱ھ

اگر شہری بچوں کو مدرسہ سے امداد نہیں دی جاتی تو مہتمم صاحب کے جو بچے مدرسہ میں پڑھتے ہیں ان کو بھی امداد نہ دی جائے:

زید کا اپنا مدرسہ ہے اس میں مسافر طلباء اور زید کے اپنے بچے پڑھتے ہیں جس طرح عام طالب علموں کی ضروریات کا مدرسہ کفیل ہوتا ہے کیا زید کے لڑکوں کو بھی مراعات وضروریات مدرسہ سے دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ حالانکہ زید مسکین وغریب بھی نہیں۔

سائل ...... محمد عامر

الجواب

ضرورت نہ ہونے کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ نہ لیں اور اگر لینا چاہیں تو جتنا ایک مقامی طالب علم کو مدرسہ کی طرف سے دیا جاتا ہے اتنا لینے کی گنجائش ہے مہتمم مالِ مدرسہ کا امین ہوتا ہے مالک نہیں محض اہتمام کی بناء پر اس کے بیٹے مال لینے کے مجاز نہیں اور اجازت صرف ان بچوں کیلئے ہے جو باقاعدہ طالب علم ہوں۔ نیز غنی کے نابالغ بچوں کو صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں۔[1] دیتے وقت اس مسئلہ کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ نیز اگر مقامی طلبہ کو امداد نہیں دی جاتی تو مہتمم کے لڑکوں کو بھی نہ دی جائے۔ .... فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۸/۱۱/۲۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان

التخریج: (۱)...... والمانع ان الطفل یعد غنیاً بغنی ابیہ (شامیہ، جلد۲، صفحہ ۳۵۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مہتمم کے بچے جو باضابطہ طالب علم ہوں مدرسہ سے کھانا لے سکتے ہیں:

مہمان نوازی عطیات کی رقم سے ہونی چاہیے:

مہتمم یا اس کے بچے جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں یا جو مہمان مدرسہ میں آئے وہ مدرسہ کا کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

سائل ...... محمد انور شاہ ولد شاہ نواز، چک ۲۳۲ وہاڑی

الجواب

مہتمم کے بچے اگر باضابطہ طالب علم ہوں تو دوسرے طلباء کی بقدر کھا سکتے ہیں۔ (۱)

مہمانوں کے لئے الگ فنڈ جمع کیا جائے جو کہ عطیات وغیرہ سے ہو۔...... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۵/۱۱/۳ھ

مدرسہ کے عمومی چندہ سے عوام الناس کی دعوت کرنا:

مدرسہ کے مہتمم صاحب نے ایک بزرگ عالم دین پیر طریقت سے ماہانہ ایک دو روزہ پروگرام محفل ذکر وفکر موسوم فرما کر رکھا ہے جبکہ اسی مدرسہ کے فنڈ سے اسی بزرگ کو اور اس روز آئے ہوئے لوگوں کو اجتماعی کھانا کھلایا جاتا ہے جبکہ اس پروگرام کے متعلق چند افراد کچھ رقم جو کہ اسی مجلس کا خرچہ پورا نہیں کرتی اس فنڈ میں شامل کرا دیتے ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

سائل ...... محمد احمد

التخریج: (۱)...... ان طالب العلم (الشرعی) یجوز له اخذ الزکاة ولو غنیاً اذا فرّغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الکسب (الدر المختار، جلد ۳، صفحہ ۳۳۵) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

مدرسہ کے پیسوں سے عوام الناس کی دعوت کرنا جائز نہیں ہے۔[1] حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ عام چندہ دینے والے زیادہ تر یہ سمجھ کر مدارس کو چندہ دیتے ہیں کہ ہماری رقم تعلیم کے کام میں صرف ہوگی، اس سے طلبہ کو کھانا دیا جائے گا وغیرہ، اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ اس سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا کھلایا جائیگا جن میں سے بہت سارے امراء اور خوشحال بھی ہوتے ہیں تو شاید بعض لوگ اس اطلاع کے بعد چندہ نہ دیں۔ اس لئے میرے نزدیک عام رقوم سے جلسہ کے اخراجات میں صرف کرنا شبہ سے خالی نہیں اور شبہ بھی قوی ہے۔

(وعظ المسمّٰی بالھدیٰ والمغفرۃ، صفحہ ۳۹)........................ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۴/۵/۱۴ھ

مدرسہ کے مال سے اساتذۂ کرام کی دعوت کرنا:

کیا مہتمم صاحب کی اجازت سے مدرسہ کے مال سے اساتذہ کرام کی دعوت کرنا جائز ہے؟

سائل ...... عمران الحق رشیدی، ساہیوال

الجواب

اگر کبھی کبھار اساتذہ کے لئے دعوت کر دی جائے اور زکوۃ کے مال سے نہ ہو بلکہ دوسرے

التخریج: (۱)......انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۸۳)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مال یعنی عطیہ وغیرہ سے ہو تو اس کی گنجائش ہے۔(۱)..................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح　بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان　۱۴۲۲/۲/۱۳ھ

(۱) عمومی چندہ سے مہمان نوازی کرنا اور مہتمم کا مہمانوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا:

(۲) سفیر کیلئے اجرت کے طور پر چندہ کا حصہ مقرر کرنا:

(۱)...... مدرسہ کے مہتمم اور مدرسین جو مختلف شہروں سے مدرسہ کے لئے چندہ کر کے لے آتے ہیں پھر ان کو مدرسہ سے دس فیصد یا آٹھ فیصد حق الخدمت دیا جاتا ہے اور مدرسہ کا مفاد بھی اسی صورت میں زیادہ ہے کیونکہ چندہ کرنے والے حق الخدمت کی وجہ سے زیادہ محنت کرتے ہیں، بخلاف اس صورت کے کہ ان کی تنخواہ بڑھادی جائے تو وہ اتنی محنت نہیں کریں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ چندہ کرنے والوں کے لئے یہ حق الخدمت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)...... مدرسہ میں جو مہمان آتے ہیں ان کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ تو کیا مدرسہ کا مہتمم مہمانوں کے ساتھ کھا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہ کھائے گا تو مہمانوں کو ناگواری ہوگی۔ اگر دونوں سوالوں کا جواب عدم جواز ہو تو متبادل صورت کیا ہوگی؟

سائل ...... محمد زبیر، خادم طلبہ مدرسہ اشرف المدارس، کبیروالہ

التخریج: (۱)......عالمگیریہ میں ہے: فاما التطوع فیجوز الصرف الیھم کذا فی الکافی (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۸۹)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

الجواب

(۱)......اس کے لئے علیحدہ فنڈ قائم کیا جائے، مدرسہ کے عمومی چندہ سے اکرام نہ کیا جائے[1]۔ اور پھر مہتمم صاحب بھی ساتھ کھالیں تو اس کی گنجائش ہے۔

(۲)......کمیشن پر چندہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ یہ اجارہ دو وجہ سے جائز نہیں۔

پہلی وجہ: اجرت من العمل ہونے کی وجہ سے یعنی اسی چندہ میں سے اجرت دی جارہی ہے اور یہ قفیز الطحان کی طرح ناجائز ہے[2]۔

دوسری وجہ: عجز عن العمل: یعنی اجیر کو چندہ وصول کرنے پر قدرت نہیں، جب تک کوئی دے گا نہیں یہ وصول نہیں کرسکتا[3]۔ لہٰذا یہ صورت جائز نہیں۔ (کذا فی احسن الفتاویٰ، جلد ۷، صفحہ ۲۷۷)

اس کی جائز صورت یہ ہے کہ سفیر کی تنخواہ مقرر کرلی جاوے۔ اگر وہ زیادہ محنت کرے تو اس کو بلا تعیین کچھ انعام دیدیا جائے۔.................... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۵/۲۳ھ

التخریج: (۱)......انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۶۸۳)

(۲)......صورة قفيز الطحان ان يستاجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة علىٰ ان يكون لصاحبها قفيز من دقيقها او يستأجر انساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها او ثلثه او ما اشبه ذالك فذالك فاسد (ہندیہ، اجارہ، فصل ثالث، جلد ۴، صفحہ ۴۴۴)

(۳)...... تیسری وجہ: جہالت فی الاجرۃ، یعنی اجرت مجہول ہے کبھی چندہ وصول ہوسکے گا کبھی نہیں کبھی کم ہوگا کبھی زیادہ ہوگا۔ لہٰذا اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہے۔ ففي العالمگيرية: واما شرائط الصحة (اى صحة الاجارة) فمنها رضا المتعاقدين......... ومنها ان تكون الاجرة معلومة (ہندیہ، جلد ۴، صفحہ ۴۱۱) وفيه ايضاً: الفساد قد تكون لجهالة قدر العمل بان لايعين محل العمل ....وقد يكون لجهالة البدل (الخ) (ہندیہ، جلد ۴، صفحہ ۴۳۹)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مدرس کا مدرسہ میں آنے والی تمام چیزوں سے اپنا حصہ نکالنا:

مدرس کا اپنے مہمانوں کے کھانے وغیرہ کا خرچ مدرسہ سے لینا:

ایک مدرس جبکہ وہ تنخواہ مدرسہ سے لیتا ہے پھر اپنا کھانا اور بچوں کا کھانا مکمل طور پر نمک مرچ تک اور آٹے کی پسائی تک مدرسہ سے لیتا ہے جبکہ مکان اور بجلی کا بل بھی مدرسہ کے ذمہ ہے۔علاوہ ازیں مدرس کے مہمانوں کا مکمل خرچ مدرسہ کے ذمہ ہے اگر صدقہ کا مال یا کوئی اور چیز مثلاً گوشت وغیرہ یا دودھ وغیرہ طلباء کے لئے آجائے تو ان میں سے اپنے بیوی بچوں کا حصہ بھی نکالتا ہے نہ ملنے پر ناراض بھی ہوتا ہے۔کیا از روئے شریعت یہ سب کچھ جائز ہے کہ مدرس کو تنخواہ اور مکان کے علاوہ ہمہ سہولیاتِ زندگی میسر کی جائیں یا نہیں؟ نیز مہتمم صاحب تنخواہ اور مکان کے علاوہ مذکورہ بالا تمام سہولیات مدرسہ کی طرف سے مدرس کو میسر کریں تو عنداللہ ماجور ہوں گے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

سائل ......حافظ محمد عمر، فاضل پور ضلع راجن پور

الجواب

زکوٰۃ، عشر وصدقاتِ واجبہ سے مدرس کو براہِ راست تنخواہ دینا شرعاً جائز نہیں، اور اس مد میں آنے والی اشیاء سے مدرس کا اپنا بیوی بچوں کے لئے حصہ نکالنا جائز نہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کی تعریف میں یہ شرط ہے کہ وہ کسی منفعت کے بدلے میں نہ ہو۔ مع قطع المنفعة عن الملک من کل وجہ (الدر المختار، جلد۳، صفحہ ۲۰۶)

اسی طرح کھانے اور مہمانوں کے اخراجات وغیرہ کو تنخواہ کا حصہ بنانا شرعاً جائز نہیں اس صورت میں اجارہ فاسد ہے۔ و کل اجارة فیها رزق او علف فهی فاسدة (ہندیہ، جلد۴، صفحہ۴۴۴)

الحاصل: حضرت مہتمم صاحب کی اس قدر فیاضی مدرسہ کے وقف مال کے شرعی اصول کے

خلاف ہے۔ .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان ۱۴۲۵/۱۲/۳۰ھ

مدرسہ کی تعمیر، اساتذہ کی تنخواہیں اور بجلی کے بل زکوٰۃ وعشر کی رقم سے ادا کرنا جائز ہے:

عشر کی رقم مدرسہ کے تعمیراتی کاموں میں خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائل ...... عبدالحکیم ساجد، روہیلانوالی، مظفرگڑھ

الجواب

بدون تملیکِ شرعی زکوٰۃ وعشر کی رقم تعمیرات، بجلی کا بل، اساتذہ کی تنخواہ وغیرہ پر خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ لایجوز ان یبنی بألزکوۃ المسجد ...... والحج والجهاد و کل مالاتملییک فیه (الخ) (ہندیہ، جلد۱، صفحہ۱۸۸)

البتہ تملیکِ شرعی کے بعد مذکورہ مصارف پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

لما فی المراقی: حیلة التکفین بها التصدق علیٰ فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما (الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، صفحہ۴۲۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۸/۸/۱۳ھ

(۱) تملیک کی شرعی حیثیت:

(۲) تملیکِ شرعی کی ایک عمدہ صورت:

(۳) بائی پاس رقم اوراس کے استعمال کا حکم:

(۴) مدرس کو اضافی خدمت پر معاوضہ دینا:

(۱)......زکوٰۃ کی تملیک کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲)......تملیک کی کون کون سی صورتیں جائز ہیں اور کونسی نا جائز ہیں؟ تا کہ ان سے بچا جا سکے۔ ابھی تک ہم تملیک دو طرح سے کر دار ہے تھے، پہلی یہ کہ ایک غریب ساتھی غیر طالب علم غیر مالکِ نصاب کو زکوٰۃ کی رقم دیتے تھے پھر وہ خود ہی کہے بغیر وہ رقم ہبہ کر دیتا تھا، پھر وہ رقم ہم ضروریات مدرسہ میں خرچ کر دیتے تھے، اور دوسرا تملیک کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کسی مستحق طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دیدیتے پھر کسی دوسرے وقت میں وہ اپنی مرضی سے وہ رقم ہدیہ کر دیتا کہ آپ طلباء کی جس ضرورت میں چاہیں خرچ کر دیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ ان دوصورتوں میں سے کونسی صحیح ہے اگر کوئی بھی صحیح نہیں ہے تو ماضی کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

(۳)......مسئلہ سے پہلے بطور تمہید کے آپ کو کچھ باتیں بتا دوں پہلی یہ کہ میں نے اور میرے والد صاحب نے بازار میں ایک مختصر سی شوریٰ بنائی ہوئی ہے میں مہتمم ہوں اور والد صاحب شوریٰ کے امیر ہیں ایک ساتھی صدر ہیں اور ایک سیکرٹری ہیں شوریٰ میں یہ بات طے ہے کہ ہر ماہ کے شروع میں مشورہ کریں گے، لیکن بعض ساتھیوں کی عدمِ التفات اور دنیوی مصروفیات کی وجہ سے مشورہ اکثر پانچ یا چھ ماہ تک موقوف رہتا ہے۔ اب بعض امور فوری طے کرنے کے ہوتے ہیں اگر مشورے کا انتظار کیا جائے تو کافی خلل واقع ہوتا ہے اس لئے میں نے کچھ تملیکِ شرعی زکوٰۃ، صدقات، عطیات کی اپنے پاس رکھی ہوئی ہے۔ جب کہ اکثر رقم بینک میں موجود ہے جس کا اکاؤنٹ نمبر میرے اور صدر صاحب کے نام ہے۔ جو چیز مدرسہ کیلئے خریدنی ہو پہلے مشورہ ہوتا ہے پھر بینک سے رقم نکلوائی جاتی ہے جو رقم بینک کے

علاوہ میرے پاس ہے اس کا نام بائی پاس رقم ہے یہ رقم اس لئے الگ رکھی ہے کہ شوریٰ میں بعض رفقاء کو مدرسہ کی بعض ضروریات کا علم نہیں کہ واقعی مدرسہ کی ضروریات ہیں مثلاً جنریٹر اگر نہ ہو تو شام کی پڑھائی میں خلل ہوگا یا وظائف میں بقدر ضرورت اضافہ وغیرہ امور ہیں تو اس بائی پاس رقم سے ہم اپنی یعنی مدرسہ کی ضرورت پوری کر لیتے ہیں اور شوریٰ والوں کو نہیں بتاتے۔ کیونکہ اگر مشورے کا انتظار کریں تو بہت نقصان ہوتا ہے، اسی طرح تعمیراتی کام چل رہا ہے، اینٹ، بجری، ریت وغیرہ کی ضروریات وقتی طور پر پوری کر لیتے ہیں پھر اس کو حساب کے رجسٹر میں لکھ لیتے ہیں تاکہ شک وشبہ سے بچا جائے جن ضروریات کا ان کو شعور نہیں اور وہ واقعۃً ضرورت ہیں تو وہ لکھتے نہیں ہیں بلکہ ایسے ہی بائی پاس رقم سے ضرورت پوری کر لیتے ہیں اور اس رقم کو پوری امانت داری سے صرف ضروریاتِ مدرسہ میں ہی لگایا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ رقم شوریٰ والوں سے چھپا کر مدرسے کی ضروریات میں خلل سے بچنے کے لئے صرف امیر صاحب (والد صاحب) کی اجازت سے صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس خرابی اور خلل اور بے انتظامی سے بچنے کا کیا حل ہے؟

(۴)......ایک مدرس جس کو میں نے ناظمِ مطبخ وناظم دارالاقامہ مقرر کیا ہوا ہے اس کو شوریٰ کی طرف سے طے شدہ وظیفہ کے علاوہ بائی پاس رقم میں سے نظامت کا وظیفہ دینا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ شوریٰ والے اس کو ضروری نہ سمجھیں۔

سائل ...... محمد احسان شاکر، خادم مدرسہ عربیہ صداقت الاسلام، گوجرانوالہ

الجواب

(۱)......عند الضرورت حیلۂ تملیک اختیار کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يامره بفعل هذه الاشياء. قوله: "ثم يامره" ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۳، صفحہ۳۴۳)

(۲)......مذکورہ دونوں صورتوں میں تملیک ہو جائے گی بشرطیکہ فقیر بھی یہ سمجھتا ہو کہ یہ رقم میری ملک

ہے اور میں واپس کرنے یا نہ کرنے میں مختار ہوں۔ حیلۂ تملیک کی بہترین صورت یہ ہے کہ مثلاً ناظم صاحب ذاتی رقم دس ہزار کسی فقیر کو بطور قرض دیدیں فقیر قبضہ کرنے کے بعد وہ رقم اپنی طرف سے مدرسہ میں دیدے اس کے بعد ناظم صاحب زکوۃ کی رقم فقیر کو دیدیں جب فقیر قبضہ کر لے تو اس سے قرضے کی واپسی کا مطالبہ کیا جائے فقیر زکوۃ کی رقم سے اپنا قرضہ ادا کرے، ناظم کی رقم بھی ان کو مل گئی فقیر کو تصدق کا ثواب بھی مل گیا اور مدرسہ میں بھی دس ہزار پہنچ گئے۔

(۳)...... آپ کا مذکورہ طریق کار اصولی طور پر درست نہیں کیونکہ اگر بائی پاس والی رقم کا علم اہل شوریٰ کو ہو گیا تو وہ آپ کو خائن قرار دیں گے۔ اس کا حل یہ ہے کہ آپ شوریٰ میں ایسے علماء کو شامل کریں جو مدارس کے نظام اور ضروریات کو سمجھنے والے ہوں اور علماء کی اکثریت ہو تا کہ کسی جائز خرچ یا منصوبہ میں وہ لوگ رکاوٹ نہ بن سکیں۔ سال میں ایک یا دو مرتبہ شوریٰ کا خوب بھرپور انداز میں اجلاس ہو سابقہ سال کی کارکردگی پیش کی جائے اور آئندہ سال کے منصوبوں کی شوریٰ سے منظوری لی جائے، اور مناسب مقدار رقم مدرسہ کے دفتر میں اپنے استعمال کے لئے منظور کرالیں۔ اس صورت میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔ آنے والی ہر نئی رقم تملیک کے بعد پہلے مدرسہ کے اکاؤنٹ میں جمع ہونی چاہیے اور پھر عندالضرورت بینک سے نکلوالی جائے۔

(۴)...... اگر ناظم مطبخ، ناظم دارالاقامہ کا وظیفہ کم محسوس ہو تو مہتمم صاحب کو اضافے کی شرعاً گنجائش

ہے۔ اہل مدارس کا عرف یہی ہے۔ والعرف فی الشرع له اعتبار، ولذا علیه الحکم قد یدار (عقود رسم المفتی صفحہ ۳۹)............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان — ۱۰/۷/۱۴۲۴ھ

کیا حیلۂ تملیک کے ذریعے معطین کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

محلے کے کچھ آدمیوں نے مل کر مسجد و مدرسہ کا انتظام چلانے کے لئے ایک کمیٹی بنا رکھی ہے اس مدرسہ میں علاقے کے بچے اور بچیاں کثیر تعداد میں پڑھتے ہیں ان بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کے لئے کمیٹی والوں نے دو (۲) قاری صاحبان اور ایک قاریہ صاحبہ کا انتظام کر رکھا ہے مدرسہ و مسجد کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے مدرسہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ایک غریب آدمی جو کہ مزدوری کما کر اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے اور دنیاوی عیش و عشرت سے نفرت کرنے والا ہے وہ مدرسہ کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کسی دوست احباب سے قرض کی رقم لے کر مدرسہ کی کمیٹی کے سپرد کرتا ہے۔ اب مدرسہ کی کمیٹی کے حضرات مل جل کر مخیّر حضرات سے زکوٰۃ کی رقم، قربانی کی کھالوں کی رقم اکٹھی کر کے موجودہ مقروض آدمی کی ملکیت کر دیتے ہیں اور یہ آدمی دوست احباب سے لیا ہوا قرض واپس کرتا ہے۔ یا یہ کہ یہی رقم مسافر طلباء کی ملکیت کر دیتے ہیں طلباء کمیٹی کے حضرات کو وکیل بنا کر رقم مدرسہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے کمیٹی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ کیا اس طرح کرنے سے مخیّر حضرات کی زکوٰۃ اداء ہو جائے گی؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیں؟

سائل ...... قاری محمد ظفر اقبال

الجواب

پہلا طریقہ درست ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں اسی حیلہ کو بہتر قرار دیا ہے۔ اس طرح کرنے سے مخیّر حضرات کی زکوٰۃ اداء ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۷/۸/۲۵

(۱) مدرسہ کے لئے علماء کی مختصر سی کمیٹی ضروری ہے:

(۲) صدقہ وغیرہ کے گوشت سے کچھ حصہ گھر میں استعمال کرنے کا حکم:

(۱)......احقر نے بچیوں کا ایک دینی مدرسہ ''جامعہ عائشہ صدیقہ'' چند سالوں سے شروع کر رکھا ہے جامعہ کی آمدن زیادہ تر بچیوں کی داخلہ فیس اور ماہانہ فیس ہوتی ہے۔ فیس اور زکوٰۃ وصدقات کی جو رقم جمع ہوتی ہے اس سے بچیوں کی خورد ونوش کا انتظام معلّمات کے اخراجات، سوئی گیس وبجلی کے بل اور کچھ رقم فاضل ہو تو بچیوں کے علاج معالجہ پر خرچ ہو جاتی ہے۔ اگر جمع شدہ رقم فاضل ہو تو جامعہ ہی کے لئے محفوظ رکھی جاتی ہے اور کمی کی صورت میں اپنے وسائل سے کمی پوری کی جاتی ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی ہر طرح کے انتظامات اور نگرانی کی خدمت دن رات انجام دیتے ہیں، جامعہ اور بچیوں کی جملہ ضروریات فراہم کرتے ہیں لیکن لوگ جو گوشت دیتے ہیں ہم اس میں سے گھر میں بھی پکا لیتے ہیں جبکہ مالی اعتبار سے کبھی احقر صاحب نصاب ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچیوں کی فیس والی رقم سے جو فاضل ہو ہم اپنی ضروریات پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲)......طالبات کے لئے آنے والا گوشت ہم گھر میں پکا سکتے ہیں یا نہیں؟ جامعہ کے مکمل انتظامات احقر کے سپرد ہیں کوئی منتظم کمیٹی نہیں ہے۔

سائل ...... عبدالمعبود، راولپنڈی

الجواب

(۱)......چند علماء کی مختصر سی کمیٹی ہونی چاہیے۔ حق الخدمت کے طور پر معاوضہ لینے کی شرعاً اجازت ہے۔ ومشائخ بلخ جوز و الاستیجار علیٰ تعلیم القرآن (ہندیہ، جلد۴، صفحہ۴۴۸)

وفی الشامیة: وافتیٰ المتأخرون بجوازہ (الاجرة) علی التعلیم والاذان والامامة. (جلد۶، صفحہ۶۳۹)

(۲)......گوشت وغیرہ جو چیز مدرسہ میں آئے اُسے مدرسہ میں بھی تملیک کے بغیر استعمال نہ کیا

جائے، کیونکہ سب بچیاں مستحق اور مصرف نہیں ہوتیں اور دینے والا نذر وغیرہ کی نیت سے بھی دیتا ہے۔ گھر کے لئے جتنا گوشت لیا جائے وہ تنخواہ سے منہا کرادیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۸/۴/۱۴۲۰ھ

مہتمم صاحب مقروض اور مستحقِ زکوٰۃ ہوں تو کیا وہ خود کو تملیک کر سکتے ہیں؟

کیا مہتمم مدرسہ کے لئے زکوٰۃ کی بذاتِ خود تملیک کر کے اپنا قرض ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ مہتمم کا خود تملیک کرنا اور ا بنا قرض ادا کرنا دونوں کی وضاحت فرمائیں، نیز صورت مذکورہ میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ از روئے شریعت وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل ...... عبدالصمد، ملتان

الجواب

مہتمم مالک کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اور وکیل اپنی ذات پر رقم خرچ نہیں کرسکتا الا یہ کہ اسے ہر جگہ خرچ کرنے کی مکمل اجازت دیدی جائے۔

درمختار میں ہے: وللوكيل ان يدفع لولده الفقير وزوجته لالنفسه الا اذا قال ربها ضعها حيث شئت (الخ) (الدر المختار، جلد۳، صفحہ۲۲۴)

لہٰذا مہتمم صاحب کا اپنا قرض اتارنا جائز نہیں اگر مہتمم صاحب کو غریب طلباء کا وکیل قرار دیا جائے تو اس صورت میں معطین کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ چنانچہ شامی میں ہے: لانه كلما قبض شيأ ملكوه وصار خالطا مالهم بعضهم ببعض ووقع الزكوٰة عن الدافع (شامیہ، جلد۳، صفحہ۲۲۳)

البتہ مہتمم صاحب پر مذکورہ رقم کی ضمان واجب ہے۔.....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۴/۸/۲۴ھ

(۱) اگر مہتمم، صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کی وصولی تملیک بن جائے گی یا نہیں؟
(۲) مدرسہ کے سفیر کی وصولی سے تملیک متحقق ہوتی ہے یا نہیں؟
(۳) زکوٰۃ میں ملنے والے نوٹوں کی تبدیلی کا حکم:

(۱)......مدرسہ کا مہتمم جو صاحب نصاب نہیں بلکہ اکثر مقروض رہتا ہے مدرسہ کے چندہ میں زکوٰۃ، عشر و چرم قربانی کی مدات سے آنے والی رقوم وصول کرنے کے بعد تملیک کی نیت سے اپنی مِلک میں لے کر پھر مدرسہ کو عطیہ دیدے تو یہ تملیک ہو جائیگی یا نہیں؟ اور زکوٰۃ وغیرہ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲)......مدرسہ کا سفیر جو کہ مدرسہ کی طرف سے چندہ وغیرہ جمع کرنے پر مأمور ہے، مگر ہے صاحبِ نصاب، وہ دوران سفر عوام الناس سے زکوٰۃ اور عشر کی مدات سے چندہ لے کر اپنی مِلک کر کے دورانِ سفر ہی (جبکہ وہ شرعی مسافت پر غریب الوطن ہے) مدرسہ کو عطیہ و خیرات و ہدیہ کر دے تو کیا اس طرح سے ان رقوم کی تملیک ہو جائے گی؟ پھر انہی رقوم سے وہ سفیر سفری اخراجات پورے کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۳)......مدرسہ کے چندہ میں زکوٰۃ و عشر کی مدات میں سے وصول ہونے والے مخصوص نوٹوں ہی کی تملیک ضروری ہے ؟ نوٹ اگر تبدیل ہو جائیں اور دوسرے نوٹ تملیک میں دیئے جائیں تو شرعاً کیسا ہے؟

(۴)......اگر مخصوص نوٹوں کی ہی تملیک ضروری ہے تو مدرسہ میں بذریعہ ڈاک یا بینک آنے والے نوٹوں کی کیا صورت ہوگی؟

سائل ......غلام قادر

الجواب

(۱۔۲)......مہتمم اور سفیر بظاہر مالک کے وکیل ہیں اور وکیل اپنی ذات پر اسے خرچ نہیں کر سکتا البتہ اپنے بیوی بچوں سے تملیک کروا سکتا ہے جبکہ وہ فقیر ہوں۔ وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لالنفسہ الا اذا قال ربُّھا ضعھا حیث شئت (الدر المختار، جلد ۳، صفحہ ۲۲۴)

اس لئے خود تملیک کرنے کی بجائے کسی دوسرے فقیر سے تملیک کے بعد مدرسہ کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ البتہ بعض حضرات نے مہتمم صاحب کو طلباء کا وکیل قرار دیکر مہتمم کے قبضہ ہی کو تملیک تسلیم کیا ہے، لیکن احتیاط پہلی صورت میں ہے۔

(۳۔۴) ......چھوٹے نوٹوں کو سنبھالنا مشکل ہو تو عند الضرورت بڑے نوٹوں میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔ البتہ بہتر صورت یہ ہے کہ اسی رقم کی تملیک کرائی جائے۔..........فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۴/۱۱/۱۹ھ

غریب شخص کے قریب البلوغ لڑکے کی تملیک سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی:

مالِ زکوٰۃ سے مدرسہ کا قرض بھی بدون تملیکِ فقیر ادا کرنا جائز نہیں:

(۱)......زکوٰۃ اور عشر مدرسہ کی کونسی مد میں استعمال ہو سکتے ہیں۔

(۲)......مدرسہ کے تعمیراتی کام میں اگر زکوٰۃ اور عشر کا فنڈ خرچ کرنا ہو تو اس کی کیا صورت ہے؟

(۳)......وہ طلباء جو نابالغ ہیں، ان پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۴)......مدرسہ کے مقروض ہونے کی صورت میں زکوٰۃ یا عشر کے فنڈ سے قرضہ ادا کیا جا سکتا ہے؟ اگر کیا جا سکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

سائل ...... محمد عمر بھٹی

الجواب

(۱)......زکوٰۃ اورعشر کا فنڈ حیلۂ تملیک کے بعد مدرسہ کے جس کام میں چاہیں صرف کر سکتے ہیں۔

(۲)......اسی طرح مدرسہ کے تعمیراتی کاموں میں بھی حیلۂ تملیک کے ساتھ زکوٰۃ اورعشر کا فنڈ خرچ کرسکتے ہیں چنانچہ درمختار میں ہے: وحیلة التکفین بھا التصدق علی الفقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد (جلد ۳، صفحہ ۲۲۷)

(۳)......قریب البلوغ نابالغ طلباء کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ہندیہ میں ہے: ولو قبض الصغیر وھو مراھق جاز وکذا لوکان یعقل القبض بان کان لایرمی ولایخدع عنه (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۱۹۰)

(۴)......مدرسہ کے مقروض ہونیکی صورت میں زکوٰۃ اورعشر کے فنڈ سے حیلۂ تملیک کے بعد ادائیگی قرض ہوسکتی ہے۔ (فتاوی محمودیہ، جلد ۱۳، صفحہ ۱۰۶)..........فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیرالمدارس، ملتان

۱۴۲۴/۱۲/۲۷ھ

(۱) بغیر حیلۂ تملیک خرچ کی گئی زکوٰۃ کی رقم شرعاً زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

(۲) تملیک شرعی کے بعد زکوٰۃ والی رقم سے تنخواہ لینا جائز ہے:

(۳) چرم قربانی اور صدقات واجبہ کا ایک ہی حکم ہے:

(۱)......(الف) کیا مدارس میں جمع ہونے والے فنڈ میں زکوٰۃ، عشر وفطرانہ دینے والے لوگوں کا وجوب ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور فنڈ کی رقم خواہ کتنی ہو جائے درست ہے یا اس کو کوئی مقدار متعین ہے؟

(ب)......کیا یہ فنڈ بغیر کسی حیلۂ تملیک کے تنخواہ، تعمیرات، اخراجاتِ مطبخ پر خرچ کرنے سے

یا مہتمم صاحبان جو اپنی صوابدید پر کرتے ہیں از جانب ادا کنندگان زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا کسی حیلہ کی ضرورت ہے اگر حیلہ کی ضرورت ہے تو کیسے کیا جاوے؟

(۲)......اگر کوئی مدرس اس رقم سے تنخواہ وصول نہ کرے اور بلا تنخواہ بھی تعلیم دینے کی طاقت نہ ہو تو کیا یہ تعلیم کا سلسلہ چھوڑ کر دوسرا مشغلہ اختیار کرے تو عند اللہ مجرم تو نہ ہوگا؟

(۳)...... چرم قربانی سے حاصل ہونے والے فنڈ کا حکم بھی زکوٰۃ وعشر والا ہے یا نہیں؟

سائل ...... احسن امین

الجواب

(۱)......(الف) صدقات واجبہ سے جمع ہونے والا چندہ جب تک کسی مستحق کی مِلک میں نہیں پہنچے گا معطی سے وجوب ساقط نہ ہوگا۔

(ب)...... بلا تملیکِ شرعی ان کا استعمال عمارات میں درست نہیں، مطبخ میں پکنے والا کھانا اگر صرف فقیر طلباء کو دیا جاتا ہو تو وہاں مذکورہ صدقات کا استعمال درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ یہاں بھی بعد از تملیک استعمال کیا جائے۔

(۲)...... بعد از تملیک تو اس رقم کو تنخواہ میں لینے میں کوئی اشکال نہیں اور خالی عن الشبہات معاوضہ تو شاید ہی کہیں میسّر ہو، اگر مدرسہ والے ایسے مدرس کے لئے عام عطیات سے تنخواہ کا بندوبست کر دیں تو بہتر ہے محض اس وجہ سے دینی خدمت کو ترک کرنا درست نہیں۔

(۳)...... چرم ہائے قربانی کو فروخت کرنے کے بعد ان کی قیمت واجب التصدق ہے[1] لہٰذا وہ

التخریج: (۱)......فان بیع اللحم او الجلد به ای بمستهلکٍ او بدراهم تصدق بثمنه (درمختار، جلد ۹، صفحہ ۵۴۳)

(مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

دیگر صدقات واجبہ کے حکم میں ہے۔

فاذاتموّلته بالبیع وجب التصدق (امداد الفتاویٰ، جلد ۴، صفحہ ۴۷۳)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۸/۱۲/۲۴ھ

نذر کا جانور معطی کی اجازت سے فروخت کرنے کی اجازت ہے جبکہ وہ رقم طلباء کے کھانے پر خرچ ہو:

ہمارے ہاں گاؤں میں چھوٹے چھوٹے مدرسے ہوتے ہیں کسی مدرسہ میں بیس طلباء، کسی میں پچیس اور کسی میں تیس طلباء ہوتے ہیں، یہ مدارس زکوٰۃ اور صدقات سے چلتے ہیں، بعض عورتیں ایسا کرتی ہیں کہ کوئی بیمار ہو گیا یا کوئی مصیبت آ گئی تو وہ جانور مان لیتی ہیں اگر ٹھیک ہو گئے تو یہ جانور صدقہ دیں گی۔ اب اگر صدقہ کا جانور مدرسہ میں دیدیتی ہیں اور مدرسہ میں تقریباً بیس بچے ہیں جو کہ مدرسہ سے کھانا کھاتے ہیں، اب اس جانور کو ذبح کیا جائے تو بیس بچے ایک مہینہ بھی نہیں کھا سکتے، تو مدرسہ کے منتظم یہ خیال کرتے ہیں کہ اس جانور کو بیچ دیتے ہیں اور اس سے جو روپے ملیں گے وہ بچوں کے کھانے پر لگا دیں گے اس طرح ایک ہفتے کی بجائے ایک مہینے کے کھانے کا انتظام ہو جائے گا۔ تاکہ گوشت ضائع ہونے سے بچ جائے تو اس صورت میں کیا اس جانور کو بیچنا جائز ہے؟ کیونکہ آدھا گوشت ضائع ہونے کا احتمال ہے۔

سائل ...... مولوی حفیظ الرحمٰن، مدرسہ اشاعت العلوم، آزاد کشمیر

الجواب

معطی کی اجازت سے اگر جانور کھلانے کی بجائے بیچ دیا جائے تو جائز ہوگا، جس طرح کہ کوئی چیز آدمی متعین کر دے کہ میں صدقہ میں فلاں چیز دوں گا، مگر اس نے وہ متعین چیز تبدیل کر

دی تو جائز ہے۔ نذر ان یتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغیره جاز ان ساوی العشرة کتصدقه بثمنه (الدر المختار، جلد۵، صفحہ۵۴۶) ...... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۰/۴/۱۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

مدرسہ کی گندم ادھار فروخت نہ کی جائے:

ایک مدرسہ ہے اس کا چندہ کچھ گندم اور کچھ نقدی لیا گیا ہے اور گندم مدرسہ کے خرچ سے زائد ہے اور اس کو مدرسہ کا خادم بیچنا چاہتا ہے اور لینے والا غریب آدمی ہے اور اس کے پاس پیسے فی الحال موجود نہیں ہیں اور وہ کچھ دنوں کی مہلت لینا چاہتا ہے نیز یہ کہ مدرسہ کے پیسے بھی کئی دنوں کیلئے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق شرعی فتویٰ کیا ہے؟

سائل ...... غلام قادر، مظفر گڑھ

الجواب

گندم اگر مدرسہ کے خرچ سے زائد ہے تو اس کو بیچنا جائز ہے بشرطیکہ وہ رقم مدرسہ پر ہی خرچ ہو، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ اس کو ادھار فروخت نہ کیا جائے بلکہ نقد پیسوں پر بیچا جائے، کیونکہ اس میں ضائع ہونے کا احتمال ہے اسی طرح مدرسہ کی رقم قرض پر دینا یا خود استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۷۵/۱۰/۴ھ

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

---

(۱) لما فی البحر الرائق: لیس للمتولی ایداع مال الوقف......... ولا اقراضه فلو اقرضه ضمن۔ (جلد۵، صفحہ۲۴۰)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مدرسہ کی جمع شدہ گندم فلور ملز والوں کو بطور قرض دینا:

ایک مدرسہ کی انتظامیہ مسافر طلباء کیلئے عوام الناس سے گندم اکٹھی کر کے فلور مل کی انتظامیہ کے ہاں بطور قرض جمع کرا دیتی ہے جبکہ وقت کا تعین نہیں ہوتا، جتنا وزن گندم کا ہوتا ہے اتنا وزن آٹا ضرورت کے وقت ادارہ اٹھاتا رہتا ہے، اس گندم سے سوجی اور میدہ بھی نہیں نکالا جاتا، آٹا کی پسائی گندم کی صفائی وغیرہ کی اجرت بھی دینی مدرسہ سمجھ کر نہیں لی جاتی۔ کیا مذکورہ بالا صورت میں کوئی اشکال تو نہیں؟

سائل ...... عمر صدیق

الجواب

بہتر صورت یہ ہے کہ گندم اکٹھی کر کے فلور مل کی انتظامیہ پر فروخت کر لی جائے اور پھر قیمتاً آٹا لیتے رہیں۔.................................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۱۹/۵/۳ھ

حاشیہ کی وجہ سے مدرسہ کی کتاب کو اپنی کتاب سے تبدیل کرنا:

ایک کتاب جو کہ میری مملوکہ ہے لیکن اس پر کوئی حاشیہ وغیرہ نہیں ہے۔ اب میں اس کتاب کو مدرسہ کی ایک کتاب کے بدلے میں تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... گل نواز، مدرسہ عربیہ

الجواب

صورت مسئولہ میں مدرسہ کی کتاب لینا جائز نہیں۔ کسی کتب خانہ سے اس مطبع کی

کتاب خرید لی جاوے۔[1] ....فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان — ۱۳۹۳/۶/۲۲ھ

مدرس کا جمع شدہ روٹیاں بکری کو ڈالنا:

ایک گاؤں میں ایک مدرسہ بنا ہوا ہے جہاں طالب علم حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور تینوں وقت روٹیاں، دودھ اور دیگر چیزیں گھروں سے مانگ کر لاتے ہیں اساتذہ کرام بھی کھاتے ہیں بچے بھی اور قاری صاحب کی بکریاں بھی یہی روٹیاں کھاتی ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

سائل ...... محمد عمران

الجواب

اگر قاری صاحب ضرورت سے زائد بچے کھچے ٹکڑے بکریوں کو کھلا دیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے لیکن بکریوں کو کھلانے کے لئے روٹیاں اس طرح جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۷/۱/۲۴ھ

التخریج: (۱)......الذی تحصل من کلامہ انہ اذا وقف کتباً وعیّن موضعها فان وقفها علیٰ اهل ذالک الموضع لم یجز نقلها منه لالهم ولالغیرهم (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۶۱)

وفی الهندیة: لیس للقیم ولایة الاستبدال الا ان ینص له ذالک (جلد ۲، صفحہ ۴۰۰) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مدرسہ کی خورد برد کی ہوئی رقم کا شرعی حل:

زید تقریباً اٹھارہ سال قبل ایک دینی مدرسہ میں مدرس تھا، جہاں مسافر طلباء زیر تعلیم تھے، اکثر و بیشتر مخیر حضرات زید کو کبھی نفلی اور کبھی زکوٰۃ کی رقم بغرض تقسیم طلباء لا کر دیتے تھے، مگر زید اس میں سے کچھ رقم تو طلباء پر تقسیم کر دیتا تھا اور کچھ رقم اپنے ذاتی مصرف میں لگا دیتا، اب زید کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کتنی رقم طلباء کی کھا چکا ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ کتنی رقم زکوٰۃ کی تھی، اور کتنی خیرات کی۔ اس کام کی اسے مہتمم مدرسہ کی طرف سے قطعاً اجازت نہ تھی، اور مذکورہ رقم کا خود مختار بھی نہ تھا۔ اب زید فرضی اور نفلی رقم کا مشترکہ کچھ اندازہ کر سکتا ہے کہ اس زمانہ میں تقریباً یہ رقم پانچ ہزار کے قریب ہو گی۔ اب یہ رقم ان طلباء کو لوٹانا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ اٹھارہ بیس سال پہلے کی بات ہے وہ مسافر طلباء بھی گھروں کو جا چکے ہیں۔ اب اُتنی رقم دینی ہو گی یا اس سے زائد، پھر اس رقم کا مصرف کیا ہو گا کیا اسی مدرسہ کے طلباء کو یہ رقم واپس کرنی ضروری ہے یا کسی دوسرے مدرسہ کے طلباء کو دیدی جائے یا مسجد میں دیدی جائے۔ اگر اسی مدرسہ کے طلباء کو دینی ہو تو وہاں کے مہتمم کو مذکورہ رقم ادا کرنے کے بعد یہ کہہ دیا جائے کہ آپ طلباء کو تقسیم کر دیں۔ اس طرح وہ عند اللہ بریٔ الذمہ ہو سکتا ہے؟

سائل ...... حافظ عبدالرؤوف، ڈیرہ غازیخاں

الجواب

مذکورہ رقم کا اندازہ کر کے فقیر طلباء پر صدقہ کر دی جائے فقیر طلباء کی تعیین جناب مہتمم صاحب کے ذریعے ہو جائے، رقم خود اپنے ہاتھ سے دی جائے۔ اندازہ کرتے وقت یہ خیال کیا جائے کہ میری طرف سے کچھ زائد رقم اگرچہ چلی جائے لیکن میرے ذمہ میں باقی نہ رہے، کسی دوسرے مدرسہ کے طلباء کو دینے کی بھی گنجائش ہے۔ والسبیل فی المعاصی ردّھا وذالک ھنا برد المأخوذ ان تمکن من ردّہ بأن عرف صاحبہ وبالتصدق بہ ان لم یعرفہ (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۹)

الحاصل: اندازہ کر کے رقم طلباء پر صدقہ کر دی جائے جبکہ معطی حضرات کا علم نہ ہو۔ فان لم یعرفوا اربابه تصدقوا به (ہندیہ، جلد۵، صفحہ۳۴۹) .... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — مفتی خیر المدارس، ملتان

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان — ۱۰/۷/۱۴۲۴ھ

مسجد یا مدرسہ کی رقم بغیر تعدی کے اگر ضائع ہو جائے تو ناظم وغیرہ پر ضمان نہیں:

زید ایک مدرسہ کا محاسب ہے یومیہ خرچ کیلئے اس کے پاس دو اڑھائی سو روپیہ بھی رہتا ہے "کارِقضاء" ایک دن مقفل کمرہ اور ڈیکس سے پونے دوسو یا اس سے کم وبیش روپیہ چوری ہو گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مدرسہ کا روپیہ محاسب کے پاس امانت رہتا ہے یا قرض؟ اور اب یہ مسروقہ روپیہ شرعاً کس کا گم ہوا، اور کس کو دینا ہوگا، محاسب، مہتمم یا مجلس شوریٰ کو دینا ہوگا یا مدرسہ ہی کا گم ہوا؟ شرعی حیثیت بیان فرمائیں۔

تنقیح:

(۱)...... کیا ڈیکس کو بھی قفل لگایا گیا تھا؟ اگر نہیں تو کیا اس بناء پر کہ کمرہ کو مقفل کرنا کافی ہے یا ڈیکس کو مقفل کرنا بھول گئے تھے؟

(۲)...... عام طور پر ڈیکس میں رقم نہیں رکھی جاتی محرر نے اپنی رقم ڈیکس میں کس وجہ سے رکھی۔ کیا اس سے پہلے بھی آپ کے ہاں ڈیکس میں رقم رکھنے کا طریقہ ہے یا صرف وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک دو مرتبہ ڈیکس میں رقم رکھ کر کمرہ کو مقفل کیا جاتا ہے؟ بہرحال آپ کے ہاں رقم کی حفاظت کرنے کا کیا اصول ہے؟ اس کا جواب پہنچنے پر فتویٰ تحریر کیا جائے گا۔

(از دارالافتاء خیر المدارس، ملتان)

جوابِ تنقیح از سائل:

(۱)...... کمرہ دارالاہتمام اور ڈیکس کو ہمیشہ قفل لگا رہتا ہے اور محاسب نائب مہتمم بھی ہے محاسب و محرر جب تک کام کی وجہ سے بیٹھا رہتا ہے کمرہ کھلا رہتا ہے جب چلا جاتا ہے تو کمرہ اور ڈیکس دونوں مقفل رہتے ہیں صرف اسی دن ڈیکس کو تالا لگانا بھول گیا، مگر کمرہ اس وقت بھی مقفل تھا۔

(۲)...... یہ تھوڑی رقم عموماً عارضی اور ہنگامی ضرورت کی وجہ سے رکھی رہتی تھی کہ چھوٹی ضرورت کے واسطے بار بار خزانچی سے مانگنے میں دِقت ہوتی ہے زیادہ اور اصل رقم تو مہتمم کے پاس ہے یہ تھوڑی رقم عموماً وہی ہے جو دو چار رسیدوں وغیرہ سے آ گئی اور محاسب کے پاس عارضی اور وقتی ضرورت کے لئے اس کے پاس رہے گی، اس محاسب و نائب مہتمم کے پاس حفاظت رقم کا یہی دستور ہے کہ مدرسہ کا سب سرمایہ تو مہتمم صاحب کے پاس ہے اور وہ بذریعہ بینک یا ڈاکخانہ کے محفوظ رہتی تھی، اور یہ ڈیکس محاسب کی تحویل میں رہتا ہے اور اس ڈیکس میں بجز اشیاء و کاغذاتِ مدرسہ کے کسی اور کی کوئی چیز نہیں۔ سائل .... نامعلوم

الجواب

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ محرر نے جب کمرہ مقفل کر دیا ہے تو اب اس کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوئی اس لئے اس رقم کی چوری ہو جانے سے اس پر ضمان نہیں آئیگا۔

کمایفهم من العالمگیریة: سئل عن مودع وضع الودیعة فی حجرته فی خان وفیه صحن لاقوام فربط سللة بابها بحبلها ولم یقفله ولم یغلقه وخرج فسرقت الودیعة هل یضمن؟ قال ان عدّ شدّ هذا الربط فی مثل هذا الموضع توثیقاً لم یضمن وان عد اغفا لا ضمن، کذا فی فتاویٰ النسفی (جلد۴، صفحہ ۳۴۶)...... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۰/۳/۱۳۸۴ھ

مدرسہ کی کتب پر طلباء کا لکھنا خلاف ادب ہے:

مدرسہ کی کتب پر لکھنے والے طلباء سے ضمان کی وصولی کرنا:

مدرسہ کے کتب خانہ سے طلباء کو پڑھنے کیلئے عاریۃً کتب دی جاتی ہیں اوران پر تاکیدی چٹ لگی ہوتی ہے کہ ان کو خراب نہیں کرنا لیکن بعض طلباء ان کتب پر حاشیہ، نوٹ اور مثالیں وغیرہ نقل کرتے رہتے ہیں اس نیت سے کہ آخر سال میں مدرسہ کو نئی کتب خرید کر دیدیں گے یا اس کی قیمت دیدیں گے اور یہ کتب اپنے لکھے ہوئے حاشیوں کی وجہ سے دوسرے طلباء کے لئے ناقابل استعمال ہو جاتی ہیں۔ تو کیا اس صورت میں طلباء پر کوئی ضمان ہے یا نہیں، نیز ان کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ نیز ان کی کتب سے مدرسہ کی وقف کردہ کتب کو بدلنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد امجد

الجواب

صورت مسئولہ میں لڑکوں کو کتابوں پر لکھنے سے منع کیا جائے کیونکہ یہ ادب کے خلاف ہے، نیز موقوفہ کتابوں کو نئی کتابوں سے بدلنا جائز نہیں اور نہ ہی ان کتب کا ضمان طلباء سے لیا جائے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۲۳/۷/۱۴۱۷ھ

التخریج: (۱)......لما فی الهندية: ولو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له ان يبيعها ويستبدل بها (جلد ۲، صفحہ ۴۰۱)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

جس مدرسہ میں مسافر طلباء یا طالبات نہ ہوں اس مدرسہ والوں کا زکوٰۃ، عشر و چرم قربانی جمع کرنا کیسا ہے؟

ہمارے مدرسہ کی زمین کسی شخص نے وقف کی تھی جس پر ہم نے اپنے عزیز واقارب سے پیسے اکٹھے کر کے مدرسہ تعمیر کیا جس میں لڑکیاں قرآن پاک حفظ و ناظرہ کی تعلیم مفت حاصل کرتی ہیں کسی لڑکی سے کوئی پیسہ وغیرہ نہیں لیتے، ان بچیوں کو پڑھانے کیلئے دو حافظ لڑکیاں بھی رکھی ہوئی ہیں جن کو ہم مبلغ پچیس سو روپے ماہوار بطور خدمت ادا کرتے ہیں اور لڑکیاں بھی ڈیری فارم، فاروق پور، قاسم بیلہ، چوک شہیداں وغیرہ دور دور سے آتی ہیں بچیوں کو سپارے اور قرآن پاک کو ہاتھ لگانے کے لئے صابن وغیرہ بھی مدرسہ کے فنڈ سے لا کر دیتے ہیں اس کے علاوہ بجلی کا بل، سوئی گیس کا بل بھی مدرسہ ادا کرتا ہے، کچھ چندہ اکٹھا کرتے ہیں اس کے علاوہ کچھ پانچ یا چھ ہزار کی کھالیں بیچ کر مدرسے کا خرچہ پورا کرتے ہیں، پھر بھی اخراجات پورے نہیں ہوتے کوئی آمدن کا سلسلہ نہیں ہے کیا ہم کھالیں یا زکوٰۃ سے مدرسہ کو چلا سکتے ہیں؟

سائل ...... محمد انور خان، خادم مسجد و مدرسہ، ریلوے روڈ ملتان

الجواب

مذکورہ ادارے کی ضرورت کیلئے کھالیں، زکوٰۃ، عشر وصول کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ لیکن تملیک شرعی کے بغیر مذکورہ رقوم خرچ نہ کی جائیں۔ لایجوز ان یبنیٰ بالزکوٰۃ المسجد...... والجهاد و کل مالا تملیک فیه (ہندیہ، جلد۱، صفحہ۱۸۸)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۱۲/۱۴۲۴ھ

جن مدارس میں مسافر بچے موجود نہیں ان کو زکوٰۃ وعشر دینا جائز ہے:

(۱)......عشر کی گندم اور رقم کس کس پر خرچ کرنی چاہیے۔ کیا مدارس عربیہ کے اندر عشر کی گندم خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲)......مدارس عربیہ کے مہتمم صاحب بعض اوقات عشر کی گندم اور رقم مسجد اور مدرسہ کی عمارت اور اساتذہ کی تنخواہ پر خرچ کر دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳)......تملیکی صورت گندم عشر میں جائز ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیسے ہے؟

(۴)......جن مدارسِ عربیہ میں مسافر طلباء نہیں ہیں ان کے اندر عشر کی گندم دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس دور میں لوگ عطیات نہیں دیتے بشکل عشر، زکوٰۃ وغیرہ دیتے ہیں اس کی صورت بتائیں کہ اس کو مدارس عربیہ میں کس طرح خرچ کیا جائے؟

سائل ...... اللہ بخش، موضع امیر پور میلسی (وہاڑی)

الجواب

زکوٰۃ وعشر کا بہترین مصرف مدارس کے غریبُ الدیار طلباء ہیں ان پر خرچ کرنے میں ادائیگی فرض کے ساتھ اشاعت دین بھی ہے۔ لیکن اربابِ انتظام پر لازم ہے کہ تملیکِ شرعی کے بغیر زکوٰۃ وعشر کو استعمال نہ کریں، کیونکہ بعض طلباء خود صاحبِ نصاب ہوتے ہیں اور بعض طلباء (نابالغ) والد کے تابع ہونے کی وجہ سے غنی شمار ہوتے ہیں۔ بدوں تملیکِ شرعی زکوٰۃ وعشر کی رقم تعمیر یا تنخواہ کی مد میں استعمال نہیں ہو سکتی۔ ہندیہ میں ہے: لایجوز ان یبنیٰ بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر .... والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیه (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۱۸۸)

جن مدارس میں مسافر طلباء نہیں ہیں لیکن انہوں نے تعلیم وتربیت کا عمدہ انتظام کر رکھا ہے۔ اور مدرسہ چلانے کے لئے کوئی اور ذریعہ آمدنی نہیں ہے تو ان کو بھی زکوٰۃ وعشر تملیکِ شرعی کے بعد خرچ کرنی

چاہیے۔ تملیک بھی شرعی ہو محض حیلہ نہ ہو۔ اس کا طریقہ بالمشافہ معلوم کریں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤٢٣/٢/٢٥ھ

مدرسہ کے سفیر کیلئے چندہ میں حصہ مقرر کرنا:

ایک مدرسہ کا سفیر ہے جو مہتمم مدرسہ کے ساتھ یہ ایگریمنٹ (معاہدہ) کر کے کام کرتا ہے کہ وہ جتنا بھی چندہ اکٹھا کرے گا اس کا نصف لے گا۔ آیا شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اسی طرح چوتھا حصہ یا دسواں حصہ طے کرنا کیسا ہے؟

سائل ...... محمد غ۔ع۔ق

الجواب

صورت مسؤلہ میں یہ اجرت کی جہالت کی بناء پر اجارہ فاسدہ ہے اس لئے یہ عقد ناجائز ہے، ہاں اگر سفیر کی تنخواہ مقرر کر دی جائے خواہ چندہ ہو یا نہ ہو تو یہ صورت جائز ہوگی۔[1] فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤٢٦/١/٢٦ھ

التخریج: (١)......شرائط الصحة (ای صحة الاجارة) فمنها رضاء المتعاقدین .... ومنها ان تکون الاجرة معلومة (عالمگیریہ، جلد٤، صفحہ٤١١) وفیه ایضاً: الفساد قد یکون لجهالة قدر العمل بان لایعین محل العمل ...... وقد یکون لجهالة البدل (ہندیہ، جلد٤، صفحہ٤٣٩)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

لاؤڈ اسپیکر پر مدرسہ کیلئے چندہ کرنا:

(۱)......مدرسہ عربیہ حفظ القرآن بستی جلیل گاؤں کی آبادی سے تقریباً دوکلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اس لئے علاقہ کے لوگوں کا تعاون بہت کم ہے چنانچہ اب کئی دنوں سے مدرسہ ھذا والوں نے مدرسہ کے گیٹ پر جو شارع عام پر ہے اسپیکر رکھ دیا ہے اور طلباء تلاوت وغیرہ کرتے رہتے ہیں اس طرح کچھ نہ کچھ چندہ ہو جاتا ہے۔ آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

(۲)......اگر یہ صورت ناجائز ہے تو پھر علاقہ کے لوگوں سے تعاون حاصل کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے کیسے ان کو راغب کیا جائے؟ کیونکہ مدرسہ غریب ہے۔

سائل ...... محمد صدیق، قادر پور راواں

الجواب

چندہ کی مذکورہ صورت ہرگز جائز نہیں۔ اسے فوری بند کیا جائے، نیز حسب استطاعت کام کیا جائے کام کو زیادہ بڑھایا نہ جائے۔ اگر مناسب ہو تو پرائمری کا شعبہ ساتھ جاری کرلیں اور ہر بچے کی ماہانہ فیس مقرر کردیں۔..................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

پسماندہ علاقہ میں چندہ کے لئے اسپیکر پر مسلسل اعلانات کرنا کیسا ہے؟

ایک نہایت ہی پسماندہ علاقہ ہے اور آج کل عوام الناس خصوصاً صاحب ثروت لوگوں کی نظر میں دین کی وقعت ومحبت ختم ہو چکی ہے کوشش بسیار کے باوجود کامیابی حاصل نہیں ہو سکی کہ پسماندہ علاقے کے بچے اور بچیاں زیورِ تعلیم قرآن سے آراستہ ہو سکیں۔ جس کیلئے جامع مسجد ''نمرہ'' ومدرسہ ہذا (تعلیم القرآن) کا منصوبہ عمل میں لایا گیا ہے لیکن مالی وسائل اور مہنگائی کی

شدت کی وجہ سے مایوس کن حالات ہیں اور ادارہ و مسجد کیلئے سخت ضرورت ہے۔ بایں صورت منتظمین جامع مسجد و مدرسہ لاؤڈ اسپیکر بازار میں لگا کر اور بینر وغیرہ لگا کر مروجہ چندہ از روئے شریعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ سائل ...... عبدالرؤف، خادم مدرسہ تعلیم القرآن، تونسہ شریف

الجواب

''بینر'' اور ''اشتہار'' کی حد تک تو کوئی حرج نہیں، اسپیکر لگا کر مستقل مانگنا شروع کر دینا درست نہیں۔.............................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۱/۱۲/۱۶ھ

اگر کوئی شاملات دِہ پر ناجائز قبضہ کر کے اس کی قیمت مدرسہ میں جمع کروائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

کسی شخص نے شاملات دہ (اجتماعی زمین) پر ناجائز قبضہ کیا، اور وہ شخص اس زمین کو فروخت کر کے کچھ رقم دینی مدرسہ کو دینا چاہتا ہے، کیا شرعاً مدرسہ والوں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... فریدالحق

الجواب

اگر اس شخص نے یہ زمین ناجائز فروخت کی ہے تو اس کی قیمت کو مدرسہ کے لئے قبول نہ کیا جائے۔(۱)

لقولہٖ تعالیٰ: یاایها الذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۱/۵/۲۳ھ

التخریج: (۱) مسجد بنی علی سور المدينة قالوا لايصلىٰ فيه لان السور حق العامة (خانیۃ علی ہامش الہندیہ، جلد۱، صفحہ ۶۶)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

اگر مہتمم کا خائن ہونا محقق ہو جائے تو اسے چندہ نہ دیا جائے:

(۱)...... زید نے ایک سفیرِ مدرسہ مقرر کیا چندہ کے واسطے، اور اسے یہ یقین دلایا گیا کہ مدرسہ بڑی کوشش سے جاری کیا گیا ہے، تم اس کا چندہ کرو، جب اس سے چندہ کرانا شروع کیا تو رقم فراہم شدہ اس سفیر نے زید کو دیدی اور بعد میں یہ معلوم ہوا کہ مدرسہ وغیرہ کوئی نہیں اب کچھ رقم اس سفیر کے پاس ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب وہ رقم جو باقی ہے اس کا کیا کیا جائے کیونکہ مدرسہ تو اب ہے نہیں۔ کیا یہ رقم اسی مہتمم کو دی جائے یا دوسری جگہ پر خرچ کی جائے یا وہ سفیر خرچ کرے؟

(۲)...... ایک مہتمم نے ایک طالب علم کو کاپی دیکر چندہ کے لئے روانہ کیا اس نے چندہ کر کے کچھ رقم خود لے لی اور باقی مہتمم صاحب کو دیدی، لیکن وہ مہتمم صحیح طریقہ سے طلباء پر خرچ نہیں کرتا اگر بیس خرچ کرے تو ایک سو کا حساب کر کے لوگوں کو دکھا دیتا ہے۔ تو اس رقم کے متعلق کیا کیا جائے؟

سائل ...... عبدالرحمٰن، خانپور ضلع بہاولپور

الجواب

(۱)...... جب مدرسہ قائم نہیں رہا تو سفیر صاحب کو چاہیے کہ موجودہ رقم چندہ دہندگان کو واپس کر دے، اگر یہ اشکال ہے کہ کیا معلوم یہ رقم کس کی ہے تو اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آخر میں چندہ دہندہ سے پیچھے کو واپس کرنا شروع کر دے تو جہاں تک پہنچ جائے پہنچ جائے، کیونکہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ بقیہ رقم ہے تو آخر والوں کی ہوگی باقی آخر والوں کا پتہ چل سکتا ہے اور اگر واپس کرنے کی کوئی صورت نہ بن سکتی ہو تو رقم کسی دوسرے مدرسہ میں دیدی جائے۔ (۱)

(۲)...... جب مہتمم خائن ہے تو طالب علم مذکور وصول شدہ چندہ اس مہتمم کو نہ دے بلکہ اس رقم کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔ ....فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ	الجواب صحیح	الجواب صحیح
معین مفتی خیر المدارس، ملتان	عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ
۲۵/۷/۱۳۷۶ھ	مفتی خیر المدارس، ملتان	مہتمم خیر المدارس، ملتان

التخریج: (۱)...... فان لم یعرفوا اربابہٗ تصدقوا بہ (ہندیہ، جلد ۵، صفحہ ۳۴۹) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

شرمسار کر کے چندہ وصول کرنا:

(۱)...... مسجد یا دینی مدرسہ کے لئے زور دیکر اور شرمسار کر کے چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)...... اور اگر کوئی زور دینے کی وجہ سے اور شرمسار ہونے کی وجہ سے بادلِ نخواستہ مسجد یا دینی مدرسہ کے لئے چندہ دیتا ہے تو کیا اس کو اس چندہ دینے پر اجر وثواب ملے گا یا نہیں؟

سائل ...... محمد اشرف، وہاڑی

الجواب

(۱)...... مسجد یا کسی دینی مدرسہ کے لئے شرمسار کر کے چندہ وصول کرنا شرعاً جائز نہیں۔ صرف ترغیب دی جائے۔ کیونکہ طیب خاطر (خوش دلی) کے بغیر کسی کا مال لینا شرعاً حلال نہیں۔

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم "الا لایحل مال امرءٍ الا بطیب نفس منه" (مشکوۃ شریف، جلد ا، صفحہ ۲۵۵)

(۲)...... معطی کو نفس اجر تو ملے گا تاہم خوش دلی والا درجہ حاصل نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان	۱۴۱۹/۵/۲۵ھ

مشترکہ کاروبار میں یتیم اور بالغوں کا بھی حصہ ہو تو مدارس کی خدمت کرنے کا حکم:

تین بھائیوں کا ایک ساتھ کاروبار ہے ان میں ایک درمیانہ بھائی ذمہ دار تھا، تمام لین دین وہی کرتا تھا، اس نے اپنی زندگی میں دارالعلوم الحسینیہ کے مہتمم صاحب کو پانچ سو روپے بطور خیرات دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ادائیگی سے قبل اس کی وفات ہوگئی پھر ان کا کاروبار اسی طرح

مشترک رہا، تو ان کا دوسرا بھائی ذمہ دار بن گیا اس نے دارالعلوم کو وہ پانچ سو روپے بھی اور تین سو زکوٰۃ کی مد سے جو پہلے بھی دیا کرتے تھے ادا کیے اور اس وفات پانے والے شخص کا ایک لڑکا بالغ ہے وہ اپنے چچوں کے ساتھ کاروبار میں حصہ لیتا ہے اس شخص کے ایک یا دو لڑکے نابالغ بھی ہیں کیا یہ رقم جو دارالعلوم کو ادا کی گئی یہ جائز تھی یا نہیں؟ اگر ناجائز تھی تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ کیا دارالعلوم کو یہ رقم واپس کرنا ہوگی؟

سائل ...... احمد حسن، مدرس دارالعلوم حسنیہ شہداد پور، سانگھڑ

الجواب

اگر یہ رقم مشترکہ کھاتہ میں سے اداء کی گئی تو اس کا دو ثلث تو درست ہے اور باقی ایک ثلث چونکہ ترکہ بن چکا ہے لہٰذا بشرطِ اجازت بالغ وارثوں کا حصہ دارالعلوم قبول کر سکتا ہے اور نابالغوں کا حصہ واپس کیا جائے۔[1] یا بالغ وارث (متوفی کا بھائی یا لڑکا) اپنے ذمہ ڈال کر اتنی رقم نابالغوں کے کھاتہ میں جمع کر دیں۔ زکوٰۃ بھی نابالغ بچوں کے مال میں واجب نہیں ہوگی۔[2] صرف بالغ حصہ دار اپنے حساب میں زکوٰۃ کی رقم کو محسوب کریں...................فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس، ملتان	بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۳۹۲/۱۲/۱۵ھ	صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

التخریج: (۱)......واما شرائطہ فمنها العقل والبلوغ فلایصح الوقف من الصبی (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۲)

(۲)......واما شرائط وجوبها......ومنها العقل والبلوغ فلیس الزکوٰۃ علی صبی (عالمگیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۲-۱۷۱)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مدرسہ کا حساب مکمل ہو جانے کے بعد جو رقم بچ جائے اس کا کیا کریں؟

زید کے پاس مسجد و مدرسہ کا حساب کتاب تھا، حساب مکمل طور پر بے باک کر دیتا ہے مگر کچھ رقم زید کے پاس باقی رہ جاتی ہے زید کچھ عرصہ تک سوچتا رہا کہ مجھ سے آمد خرچ میں شاید کوئی بھول چوک نہ ہوگئی ہو۔ آخر کار زید یہ سمجھتا ہے کہ آمد و خرچ میں کوئی کمی نظر نہیں آتی، البتہ شبہ ضرور ہو جاتا ہے۔ آیا اب باقی ماندہ رقم کو کس مصرف میں استعمال کیا جائے؟

سائل...... ماسٹر محمد علی، تحصیل شورکوٹ جھنگ

الجواب

یہ رقم اس مسجد اور مدرسہ میں دیدی جائے اس سے دل کی کھٹک جاتی رہیگی اور نیت کرے کہ اگر یہ مسجد اور مدرسہ کی نہ بھی ہو تو بھی میں بطور امداد اتنی رقم مسجد کو اور اتنی رقم مدرسہ کو دیتا ہوں۔.......................................فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۴/۱/۲۴ھ

مدرسہ کے پیسوں کو اپنے پیسوں کے ساتھ مخلوط کرنا کیسا ہے؟

ایک آدمی کے پاس مدرسہ کی رقم جمع رہتی ہے جتنی مقدار ہو وہ اپنی کاپی میں درج کر کے رکھتا ہے آمد خرچ دونوں لکھتا ہے لیکن مدرسہ کے نوٹوں کو جدا نہیں رکھتا اپنے خرچ کے نوٹوں میں ملا دیتا ہے لیکن مدرسہ کو بوقتِ ضرورت اپنی جیب سے دیتا ہے۔ آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... عبدالباسط

الجواب

اصل یہ ہے کہ مدرسہ کی رقم الگ تھیلی میں رکھی جائے اسی میں جمع کرے اور خرچ کرے اپنے مال کے ساتھ نہ ملائے۔(۱) .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۰۴/۳/۲ھ

التخریج: (۱)......رجل جمع مالاً من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق من تلک الدراهم فی حاجته ثم رد بدلها فی نفقة المسجد لایسعه ان یفعل ذالک. (ہندیہ، جلد۲، صفحہ ۴۸۰)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

مسائل شتّٰی

دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء وطالبات سے فیس وصول کرنا کیسا ہے؟

اگر مدرسہ کی ضروریات زکوٰۃ وصدقات اور چرم ہائے قربانی سے پوری نہ ہوتی ہوں تو بچوں پر ان کے والدین کے مشورے سے اور ان کی رضامندی سے ماہانہ چندہ کی صورت میں فیس وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد یٰسین، خادم مدرسہ نعمانیہ تعلیم القرآن، ملتان کینٹ

الجواب

بچوں سے ماہانہ چندہ وصول کرنا یا ماہوار فیس وصول کرنا جائز ہے کیونکہ ہمارے ہاں مدارس میں لغت، صرف، نحو، بلاغت اور منطق بھی پڑھائی جاتی ہے ان پر معاوضہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے۔

لما فی الهندية: ويجوز الاستيجار علىٰ تعليم اللّغة والادب بالاجماع (جلد۴، صفحہ۴۴۸)

بلکہ حضرات مشائخِ بلخ رحمہم اللہ نے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اور فقہ کی تعلیم پر اجارہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ومشائخ بلخ رحمهم اللّٰه جوّزوا الاستيجار علىٰ تعليم القرآن...... وكذا جواز الاستيجار على تعليم الفقه ونحوه، والمختار للفتوىٰ فی زماننا قول هؤلاء (ہندیہ، جلد۴، صفحہ۴۴۸)

وفی الشامية: وافتىٰ المتأخرون بجوازه على التعليم والاذان والامامة. (جلد۶، صفحہ۶۳۹)

لہٰذا چندہ یا فیس لینے کی شرعاً گنجائش ہے بلکہ لوگ چونکہ سوال کو اگرچہ دین کی خاطر ہو

معیوب سمجھتے ہیں اس لئے شاید فیس والی صورت مستحسن ہو............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان ۲۸/۵/۱۴۲۴ھ

حدودِ شرعیہ میں رہتے ہوئے استاد تأدیب کا شرعاً مجاز ہے:

اکثر مدارس میں جہاں طلباء کرام کو قرآن مجید حفظ کرایا جاتا ہے، وہاں بچوں کو قرآن مجید درست نہ پڑھنے پر مارا جاتا ہے احادیث میں جہاں مارنے کا حکم ہے وہ فرائض ادا نہ کرنے پر ہے اور قرآن مجید کا حفظ یاد کرنا فرض نہیں ہے بندہ کو بعض احباب نے کہا ہے کہ ہم نے علماء سے سنا ہے کہ بچے کو مارنے والا شخص ظالم ہے۔ آیا ظالم کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سائل ...... محمد عابد

الجواب

صورت مسئولہ میں نماز درست ہے باقی حدودِ شرع کی پابندی کرتے ہوئے بچوں کو معمولی مارنے کی گنجائش ہے، حضرت عکرمہ (مولیٰ ابن عباسؓ) کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیڑیاں پہنا دیا کرتے تھے۔ عن عکرمة قال: کان ابن عباس یضع فی رجلی الکبل علی تعلیم القرآن والفقه (میزان الاعتدال، جلد ۲، صفحہ ۲۰۹)

البتہ حد سے زیادہ مارنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

لما فی الشامیة: والمعلم یضربه بحکم الملک بتملیک ابیه لمصلحة الولد هذا اذا لم یکن الضرب فاحشا (الخ) (جلد ٦، صفحہ ۱۲۵)......فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس، ملتان
رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان ۲/۴/۱۴۲۲ھ

ہفتہ وار چھٹی جمعہ کو ہونی چاہیے یا اتوار کو؟

ایک مدرس مدرسہ میں اتوار کو چھٹی کرتا ہے اور جمعہ کو پڑھاتا ہے۔ آیا جمعہ کی چھٹی شریعت میں ہے؟ اگر جمعہ کی چھٹی شریعت میں ہے تو قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں تاکہ مسئلہ کھل کر سامنے آئے۔

(نوٹ) واضح رہے کہ مدرس کی نیت صرف بچوں کا فائدہ ہے کیونکہ حکومت کی طرف سے اتوار کی چھٹی ہے اور بچے بھی اتوار کو مدرسہ میں پڑھنے کے لئے نہیں آتے صرف اس لئے جمعہ کو پڑھائی ہوتی ہے اور اتوار کی چھٹی ہوتی ہے، اگر اتوار کی چھٹی جائز نہیں تو قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

سائل ...... حافظ محمد ایوب عابد، مدرسہ تعلیم القرآن بھکر

الجواب

اللہ جل شانہ نے انسانوں کو عبادت کے لئے ایک دن مختص کرنے کا ارشاد فرمایا، اور اس دن کی تعیین خود نہیں فرمائی، یہودیوں نے ہفتہ کا دن مقرر کیا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کیا، جبکہ منشأ خداوندی جمعۃ المبارک کے بارے میں تھی۔ چنانچہ حدیث ابوہریرۃؓ جو بخاری ومسلم میں ہے اس میں بھی اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے: **ثم هذا يومهم الذى فرض عليهم يعنى يوم الجمعة فاختلوا فيه فهدانا الله له والناس لنا فيه تبع، اليهود غداً والنصارىٰ بعد غدٍ** (مشکوۃ شریف، جلد ا، صفحہ ۱۱۹)

اس پر محشی لکھتے ہیں کہ: **قال بعض المحققين من ائمتنا اى فرض الله علىٰ عباده ان يجتمعوا يوماً ويعظموا فيه خالقهم بالطاعة لكن لم يبين لهم بل امرهم ان يستخرجوه بافكارهم ويعيّنوه باجتهادهم** (حاشیہ مشکوۃ شریف، جلد ا، صفحہ ۱۱۹)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن عبادت کا دن ہے اس میں اپنے کاموں سے فراغت حاصل کر کے اسے عبادت میں گزارا جائے اور کچھ وقت اجتماعی عبادت کے لئے بھی ہونا

چاہیے اور یہ معاملہ اپنے کاروبار واشتغال کے ساتھ نہیں ہوسکتا، اس لئے جمعہ کی رخصت کا کہا جاتا 45
ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جمعہ کے روز ایسی تعلیم مشکل ہے جیسی عام دنوں میں ہوتی ہے۔ نیز جمعہ کے کچھ خاص معمولات بھی ہیں۔

الحاصل: اصل تو یہی ہے کہ جمعہ کے روز کو عبادت کے لئے فارغ کیا جائے اور خوب اہتمام کے ساتھ عبادت کی جائے، تاہم کسی عذر کی بناء پر اگر کوئی شخص اتوار کو چھٹی کر دے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔.................................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۲/۶/۱۴ھ

مدارس میں نو اور دس محرم کی چھٹی کا حکم:

بعض مدارس میں نو اور دس محرم کو تعطیل کر دی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں چونکہ روزہ مسنون ہے اس لئے ان دنوں میں چھٹی مناسب ہے جبکہ بعض مدارس والے کہتے ہیں کہ ان دنوں میں چھٹی کرنے سے اہل تشیع اور اہل بدعت کی موافقت اور ان سے مشابہت لازم آتی ہے اس لئے چھٹی نہیں کرتے۔ ان میں سے کون سی رائے درست ہے؟

سائل ...... عطاء اللہ، بستی کھوکھران ملتان

الجواب

دس محرم کا روزہ اور اس کی فضیلت حدیث پاک سے ثابت ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن ابن عباسؓ قال ما رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتحری صیام یوم فضلہ علی غیرہ الا ھذا الیوم یوم عاشوراء وھذا الشھر یعنی شھر رمضان (جلد ۱، صفحہ ۱۷۸)

لیکن اس دن میں تعطیل کر کے کاروبار یا مدارس کو بند کرنا روافض کا شعار ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔لقوله علیه السلام: من تشبه بقوم فهو منهم (ابوداؤد شریف، جلد۲، صفحہ۲۰۳) ولقوله علیه السلام: من كثر سواد قوم فهو منهم (کنز العمال، جلد۹، صفحہ۲۲ حدیث نمبر ۲۴۷۳۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "ماثبت بالسنة" میں اس تاریخ کی بہت سی خصوصیات اور بدعات کو جمع فرمایا ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ فی نفسہٖ حضرت حسینؓ کی شہادت کا ذکر مباح ہے ممنوع نہیں لیکن یوم عاشوراء میں خصوصیت سے ذکر کرنا تشبہ بالروافض کی وجہ سے ممنوع ہے۔ سئل عن ذكر مقتل الحسينؓ في يوم عاشوراء يجوز ام لا؟ قال "لا"، لان ذالک من شعار الروافض. باقی نو اور دس تاریخ کو روزہ رکھ کر تعطیل کرنا اور اس کا سبب روزہ کو قرار دینا محض حیلہ ہے، ذوالحجہ کے نو دنوں میں بھی روزے کا ثبوت ہے، پندرہ شعبان کو بھی روزہ رکھنے کا حکم ہے اور شوال کے چھ روزوں کا ثبوت بھی ہے اور ہر ماہ میں ایام بیض کے روزوں کا ثبوت بھی ہے، اور پیر اور جمعرات کے روزوں کا ثبوت بھی ہے۔کہاں کہاں تک چھٹی کرو گے؟

الحاصل: اگر مدرسہ والے بچوں کی نگرانی ان تاریخوں میں اچھے انداز میں کرسکیں تو ہرگز چھٹی نہ کریں......................................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۰/۱۱/۱۴۲۷ھ

(۱) تعلیم کے اوقات میں مدرس کا مطالعہ کرنا:

(۲) دوسرے بچوں سے منزل یا سبقی سنوانا:

(۳) بچوں سے ذاتی خدمت لینے کے بارے میں حکم شرعی:

(۴) بچوں کی درسگاہ میں بیوی کو بٹھانا مناسب نہیں:

بندہ نے ایک مدرسہ جو مدرسہ سیدنا زید بن ثابتؓ کے نام سے موسوم ہے قرآن کی تعلیم کا

آغاز کیا ہے اس کی مکمل صورت حال عرض کرتا ہے۔ بندہ طلباء اور طالبات سے حسب حیثیت فیس لیتا ہے یعنی کچھ بچوں کی فیس بالکل نہیں اور کچھ کی تقریباً ۳۵ روپے سے لیکر ۲۵۰ روپے تک ہے، اس کا ٹائم صبح آٹھ بجے سے لیکر دو پہر ساڑھے بارہ بجے تک اور پھر دو بجے سے لے کر نماز عصر تک ہے لیکن سختی کرنے کے باوجود بلکہ والدین کو بار بار کہنے کے باوجود آٹھ بجے ایک یا دو بچوں کے علاوہ کوئی بچہ بھی نہیں پہنچتا بلکہ تقریباً دس بجے تک تمام بچے پہنچتے ہیں پھر آنے کے بعد سبق وغیرہ گھر سے یاد کر کے نہیں آتے اِلاّ قلیل سبق یاد کر کے آتے ہیں، سبق یاد کرتے کرتے تقریباً گیارہ بج جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات بارہ بھی بج جاتے ہیں پھر سبقی منزل یاد کرتے ہیں جبکہ بندہ نے سوا ایک ظہر کی نماز کے لئے جانا ہوتا ہے اور بچے بھی کھانا کھانے گھر چلے جاتے ہیں اگر کچھ دیر بچوں کو چھٹی نہ دیں تو بچوں کے والدین خود کہتے ہیں کہ چھٹی ٹائم پر دیا کریں وغیرہ۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں!

(۱)...... جس وقت طلباء اپنا سبق یاد کرتے ہیں بندہ اپنا ذاتی کام مثلاً مطالعہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۲)...... طلباء سبقی اور منزل کے لئے دیر سے آتے ہیں ظاہر ہے کہ بندہ سب کا سبق نہیں سن سکتا کیونکہ بعد میں ٹائم بالکل نہیں ہوتا اس لئے کسی ایک بچے کا سبق سن کر اس کے ذمہ دوسرے طالب علم کا سبق لگانا یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

(۳)...... طلباء اور طالبات سے ذاتی کام کرواسکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ والدین کو بھی علم ہوتا ہے کہ استاد کام کرواتے ہیں۔

(۴)...... دورانِ تعلیم بندہ کسی مجبوری کی حالت میں یا کسی اور کام کے سلسلے مین مدرسہ سے باہر ایک وقت کے لئے یا ایک دن کیلئے یا اس سے کم وزیادہ وقت کیلئے جاسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ بندہ کی عدم موجودگی میں کلاس میں بندہ کی اہلیہ بیٹھتی ہے اور طلباء وطالبات کا سبق سنتی ہے۔

مذکورہ تمام سوالات کا جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں۔

سائل ...... قاری محمد امیر غفر اللہ لہ

الجواب

(۱)......بچوں کی تعلیمی حالت آپ نے خود بتادی تعلیمی اوقات میں اگر آپ نے مطالعہ شروع کر دیا تو تعلیمی حالت مزید بگڑ جائے گی درجہ قرآن میں استاد بچوں پر ہر وقت مسلط رہے تو کچھ کام ہوتا ہے۔

(۲)......بچوں سے منزل وغیرہ سنوانے کی اجازت ہے لیکن یہ معمول نہ بنایا جائے بچوں کے کام میں ایک ترتیب ہونی چاہیے کبھی سبقی سورۃ خود سن لی اور کبھی سبقی پارہ خود سن لیا کبھی منزل خود سن لی، نیز کبھی دوسروں سے سنانے کے بعد اس میں سے خود بھی سن لیا۔

(۳)......اصل یہ ہے کہ ذاتی کام بچوں سے نہ لیا جائے تاہم بچے کا کام مکمل کرانے کے بعد اپنا ذاتی کام تھوڑا بہت کرانے کی گنجائش ہے کام بھی ہوشیار بچوں سے لیا جائے اور یہ خدمت تعلیم پر بھی اثر انداز نہیں ہونی چاہیے۔

(۴)...... مدرسہ کی طے شدہ رخصتوں کی حد تک رخصت لینے کی اجازت ہے، لیکن بعد میں تعلیم کا معقول انتظام ہونا چاہیے، بچوں کی درسگاہ میں بیوی کا بیٹھنا مناسب نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۱۱/۱۱ھ

خارجی اوقات میں دوسرے ادارہ میں تدریس کرنا:

ایک شخص ایک دینی مدرسہ میں ۶ گھنٹے کام کرنے کا ملازم ہے وہ ان چھ گھنٹوں کے علاوہ دو گھنٹے کسی دوسرے مدرسہ میں ملازمت کر لیتا ہے تو مدرسہ والے اس کو برخواست کر دیتے ہیں۔ دونوں میں کون مجرم یا ظالم ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل ......ج، کوٹھی نمبر ۵ گولڈنگ روڈ لاہور

الجواب

اگر نوکری کے اوقات معیّن ہیں تو دوسرے اوقات میں مدرس کو اپنا کام یا دوسرے ادارہ میں ملازمت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے پہلے مدرسہ کے فرائضِ منصبی میں خلل واقع نہ ہوتا ہو، اور اگر نوکری کے اوقات متعین نہیں ہیں تو بلا اجازتِ مہتمم اپنا کام یا دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں۔[1] (کذا فی امداد الفتاویٰ، جلد ۳، صفحہ ۳۵۶)

صورت مسئولہ میں مہتمم کا مجرم اور ظالم ہونا ان تفصیلات کے معلوم ہونے پر موقوف ہے جو فریقین کے مابین ابتداء ملازمت میں طے ہوئی تھیں نیز اس میں قواعد وضوابط مدرسہ اور اختیارات مہتمم کو بھی دخل ہے، لہٰذا جب تک یہ تفصیلات سامنے نہ ہوں مہتمم کے ظالم ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔............فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد اسحاق غفر اللہ لہ
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مہتمم خیر المدارس، ملتان	۱۳۸۶/۲/۱۷ھ

مہتمم صاحب کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ کو مہتممہ بنانا:

کیا دینی ادارہ کی مہتممہ عورت محض مرحوم کی اہلیہ ہونے کی حیثیت سے بن سکتی ہے؟

سائل ...... حافظ محمد صادق، کوٹ فرید، سرگودھا

الجواب

اہتمام سپرد کرنے کا مدار لیاقت و استعداد پر ہونا چاہیے، قرابت کو مدار بنانا شرعاً غلط ہے۔فی الشامیة: وکذا تولیة العاجز لان المقصود لایحصل به ویستوی فیه

التخریج: (۱)......ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ ولو عمل نقص من اجرته بقدر ما عمل (الدرالمختار، جلد ۹، صفحہ ۱۱۸)
(مرتب مفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ)

الذکر و الانثیٰ (جلد ٦، صفحہ ٥٨٤)

لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت مہتممہ نہیں بن سکتی۔.................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
٣٠/٢/١٤٠٦ھ

خائن مہتمم کو علیحدہ کرنا شرعاً واجب ہے:

(١)......ایک شخص جو تقریباً بیس سال سے مدرسہ کا مہتمم کہلواتا ہے مہتمم بھی باضابطہ کسی شوریٰ کے بنانے سے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے۔

(٢)......اس پورے عرصے میں کسی بھی شوریٰ یا ذمہ دار جماعت کو مدرسہ کی آمدن اوراخراجات کے بارے میں کبھی حساب نہیں دیتا، دو چار مرتبہ کے علاوہ شوریٰ کا اجلاس نہیں بلایا۔

(٣)...... بینک اکاؤنٹ بھی اس کے اپنے نام پر ہے باوجود پوچھنے کے بھی یہ نہیں بتلایا کہ کتنی رقم اکاؤنٹ میں جمع ہے۔

(٤)...... مدرسہ کی ضروریات تعمیر، مدرسین وعملہ کی تنخواہیں، بل وغیرہ، طلباء کے قیام وطعام، علاج معالجہ، رمضان المبارک یا ہنگامی صورت حال میں تحصیلِ چندہ طلباء کے ورثاء اور آنے والے علماء کی ضیافت، تکمیلِ حفظِ قرآن کی تقریب سے متعلق دعوت ناموں کی اشاعت، حضرات علماء کرام کے حق الخدمت، باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کا قیام و طعام، تقریباً ایک سو اسّی طلباء کی دیگر ضروریات سے اسے عملاً کوئی سروکار نہیں ٹیلی فون کے بل بھی مدرسین اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں سارے کام صدر مدرس اور ان کے ماتحت مدرسین کو سرانجام دینے پڑتے ہیں ایسے شخص کے متعلق دریافت طلب امور یہ ہیں!

(١)......کیا بہی خواہانِ مدرسہ اس کو معزول کرنے کے حقدار ہیں؟

(٢)...... مدرسہ کے مقیم طلباء کی شدید ضرورت کے باوجود مدرسہ کی عمارت کے کسی حصہ کو اپنی ذاتی یا تجارتی کتب سے بلا معاوضہ مشغول رکھنا ایسے شخص پر اس کا معاوضہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

(٣)...... کیا اپنے ذاتی ملازمین کو مدرسہ میں قیام وطعام کی بلا معاوضہ اجازت دینا اسے شرعاً روا ہے؟

(٤)...... مدرسہ کے بہی خواہان، مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر اگر دیانتدار لوگوں پر مشتمل کمیٹی بنالیں تو وہ شرعاً گنہگار تو نہ ہونگے؟

سائل ...... مفتی فقیر اللہ، سرگودھا

الجواب

جس متولی یا مہتمم کی خیانت ثابت ہوجائے وہ مستحق عزل ہوجاتا ہے تاہم عزل کا اختیار مجلس شوریٰ یا قاضی کو ہوگا، مدرسین یا دیگر عملے کو یہ اختیار نہیں: وینزع وجوباً، بزازیة لو الواقف ، درر، فغیره اولیٰ غیر مأمون او عاجزاً او ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه، فتح...... وان شرط عدم نزعه (الدر المختار، جلد ٦ صفحہ ٥٨٣-٥٨٤)

وفي الشامية: اذا كان للوقف متول من جهة الواقف او من جهة غيره من القضاة لايملك القاضي نصب متول آخر بلاسبب موجب لذالك وهو ظهور خيانة الاول او شيء آخر (شامیہ، جلد ٦، صفحہ ٥٨٦)...................... فقط واللہ اعلم

عزل واجب ہے۔ والجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس دار الافتاء خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
١٤٢٣/٤/١٣ھ

(١) مدرسہ کی زمین حکومت یا اوقاف کے قبضہ کے خوف سے کسی معتمد شخص کے نام کروانا:

(٢) مدرسۃ البنات میں مرد سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟

(١)...... مدرسہ کے پیسوں سے مدرسہ کیلئے زمین خرید کر کسی آدمی کے نام کرادی جائے تا کہ اوقاف

والے اس پر قبضہ نہ کرلیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

(۲)...... مدرسۃ البنات میں اگر کوئی طالبہ استانیوں کے ڈرانے اور دھمکانے کے باوجود شرارتوں سے باز نہ آئے تو کیا مدرسہ کا ذمہ دار پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... محمد نعیم اقبال

الجواب

(۱)...... جائز تو ہے لیکن کسی ایسے آدمی کے نام کرانی چاہیے جس پر مکمل اعتماد ہو اور اس سے لکھوالیا جائے کہ میرے مرنے کے بعد میراث شمار نہ ہوگی، بلکہ یہ مدرسہ کی مملوک ہے میری مملوک نہیں۔

(۲)...... مدرسہ کا ذمہ دار خود سزا نہیں دے سکتا بلکہ عورتوں کے ذریعے سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے وہ شرارتوں سے باز آجائے............ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۶/۶/۱۹ھ

جامعات للبنات میں طالبات کی آمد ورفت:

مستورات کے تبلیغی جماعت میں جانے کے بارے میں دارالعلوم دیوبند اور سہارنپور کے مفتی محمود حسنؒ کے فتاویٰ محمودیہ جلد ۱۴ میں جواز بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۸/۷ میں جواز کا فتویٰ ہے بلکہ اس فعل کی تحسین کی ہے، اور جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک سے اس کے جواز پر ایک مستقل کتاب طبع ہوئی ہے، جس پر مولانا سمیع الحق صاحب سمیت کئی اہم علماء کے علاوہ مفتی فرید صاحب کا فتویٰ اور تصدیق بھی ہے، اس کے علاوہ دیگر علماء کرام نے بھی اس کام کی تحسین فرمائی ہے، اس کے باوجود بعض حضرات عدم جواز کی بات کرتے ہیں حالانکہ ان کے اشکالات کا جواب اکوڑہ خٹک والی کتاب میں

تفصیل سے آچکا ہے جبکہ عورتوں کیلئے سفرِ حج، سفرِ عمرہ، سفرِ علاج، سفرِ ملاقات، سفرِ شادی اور سفرِ غمی محرم کے ساتھ باپردہ پر سب متفق ہیں، اور نیز کالج یونیورسٹیوں اور موجودہ جامعات للبنات میں آمدورفت سب اسی میں داخل ہیں، اور جبکہ ایک ادارۂ بنات کا اہتمام میرے سپرد ہے۔ کیا بنات کا روزانہ آنا جانا ممنوع ہے جبکہ ان کے ساتھ محارم بھی نہیں ہوتے صرف مدرسہ کی گاڑی اور ڈرائیور ہوتا ہے۔ کیا مدرسے بند کردیے جائیں؟

سائل ...... عبدالغنی طارق

الجواب

پردے کی انتہائی سخت پابندی کرتے ہوئے تعلیم نسواں کو جاری رکھا جائے۔ اصل یہ ہے کہ معلمات بھی خواتین ہوں، یا کہ عمر رسیدہ علماء یہ صرف درجہ مجبوری کیلئے ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۹/۲/۱۰ھ

لڑکیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا:

کیا عورتوں کا دینی مدارس میں پڑھنا جائز ہے جبکہ روزمرّہ کے بے شمار اردگرد کے واقعات سامنے ہیں کہ سکول وکالج تو درکنار مدارس دینیہ کی طالبات کے بھی وہ وہ کارنامے سامنے آتے ہیں کہ اللہ کی پناہ سارا دن گھر کی چاردیواری میں محصور۔ واللہ اعلم کیا کیا مشغولیات رکھتی ہیں۔

سائل ......عبدالرحمٰن سمیجہ آباد ملتان

الجواب

مولانا اشرف علی تھانویؒ ''اصلاحِ معاملہ بہ تعلیم نسواں'' میں فرماتے ہیں کہ ''یہ بھی تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ مردوں میں علماء کا پایا جانا مستورات کی ضروریاتِ دینیہ کیلئے کافی و وافی

نہیں۔تو ان کی (عورتوں کی) عام (دینی) احتیاج رفع کرنے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کچھ عورتیں پڑھی ہوئی ہوں اور عام مستورات ان سے اپنے دین کی ہر قسم کی تحقیقات کرلیا کریں، پس کچھ عورتوں کو بطریق متعارف دین کی تعلیم دینا واجب ہوا" (بہشتی زیور، ضمیمہ حصہ اوّل، صفحہ ۸۱)

مذکورہ بالا عبارت سے عورتوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم کی اہمیت ثابت ہوتی ہے لہٰذا ان کی تعلیم کی طرف توجہ دینا اور اس کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے لیکن مستورات کی تعلیم و تعلم کے انتظام میں اور ان کے مدارس بنانے میں ان تمام قیود و احتیاطوں کو مدنظر رکھا جائے جن کو ہمارے اکابر علماء نے موجودہ زمانے کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مستورات کے مدارس کو ضروری قرار دیا ہے مثلاً پردہ کا پورا انتظام، اولیاء کا ان کی تعلیم و آمدورفت کی پوری نگرانی کرنا، معلمات کا صحیح العقیدہ و قابل اعتماد ہونا وغیرہ اگر ان قیود و شرائط کی پابندی کی جائے گی تو ان شاء اللہ ہر قسم کے فتنہ سے حفاظت ہوگی اور یہ مدارس عورتوں میں دینی بیداری آنے کا انقلابی ذریعہ بنیں گے، کتنی ایسی لڑکیاں ہیں جو پہلے کالج میں پڑھتی تھیں پھر انہوں نے کالج چھوڑ کر مدرسہ میں داخلہ لے لیا اور مدرسہ کی دینی تربیت کی برکت سے سادہ برقعہ اوڑھنے لگیں۔ آپ نے جن کارناموں کی طرف اشارہ کیا مدارس میں ان کارناموں کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ بعض کارنامے سیکھی ہوئی طالبات کا روپ دھار کر مدرسہ میں داخل ہوجاتی ہیں، یا اس کی وجہ داخلہ لیتے وقت قابل اعتماد ادارے کا انتخاب نہ کرنا ہے۔.................. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۳/۱۲/۶ھ

لڑکیوں کو سکول و کالج کی تعلیم دلانا کیسا ہے؟

عورتوں کو سکول و کالج کا علم کم از کم کتنا حاصل کرنا چاہیے؟

سائل ......عبدالرحمٰن، سمیجہ آباد ملتان

الجواب

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں "بہر حال یہ علوم جن کا لقب تعلیم جدیدہ ہے عورتوں کیلئے ہرگز زیبا نہیں۔" (بہشتی زیور، ضمیمہ حصہ اوّل صفحہ ۸۳)..................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۳/۱۲/۶ھ

قرآن کریم کی تعلیم غلط دلوانے سے نہ دلوانا بہتر ہے:

ہمارے گھر میں چک والوں کی چھوٹی چھوٹی بچیاں قرآن مجید کی تعلیم کیلئے آتی ہیں، اور یہ سلسلہ کافی عرصہ سے جاری ہے، مگر بدقسمتی سے پڑھانے والوں کا اپنا قرآن مجید صحیح نہیں، ایسی ایسی غلطیاں ہیں کہ جن کی وجہ سے معنوں میں تبدیلی آ جاتی ہے قرأت کے قواعد سے بالکل واقفیت نہیں قرآن کی غلط تعلیم سے بھی ڈر لگتا ہے اور بند کرنے سے بھی، دریں صورت مطلع فرما کر ممنون فرماویں کہ یہ سلسلہ بند کرا دیا جائے یا جاری رہے، کافی کوشش کے باوجود ابھی تک غلطیاں دور نہیں ہو سکیں۔

سائل ...... محمد انور، چک/34، چشتیاں

الجواب

قرآن پاک کا غلط پڑھانا جائز نہیں۔ اگر ان غلطیوں کے ازالے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی تو غلط تعلیم دینے سے بند کرنا بہتر رہے گا.......................... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۹۳/۹/۸ھ

(۱) مدرسہ کی دکانوں کا ایڈوانس (سکیورٹی) لینے کا حکم:

(۲) گذشتہ مدت کے کرایہ میں اضافہ درست نہیں:

(۳) عدالتی اخراجات مدعیٰ علیہ سے وصول کرنا:

ایک دینی مدرسہ کی کچھ دوکانیں ہیں جو کرایہ پر دے رکھی ہیں۔ کرایہ بڑھانے کی بابت کچھ دوکانداروں نے جھگڑا کیا اور کرایہ بڑھانے سے انکار کر دیا، مدرسہ مذکورہ نے بے دخلی کا دعویٰ دائر کیا تقریباً ڈیڑھ سال تک مقدمہ چلتا رہا ابھی عدالت سے کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ مدعیٰ علیہ نے صلح کی پیش کش کی تو مدرسہ کی طرف سے مندرجہ ذیل شرائط عائد کی گئیں!

(۱)......ایک ہزار روپیہ ایڈوانس مدرسہ کے پاس جمع کروایا جائے۔

(۲)......کرایہ میں زیادتی یکم جنوری ۱۹۷۹ء میں دی جاوے، جبکہ فیصلہ صلح مئی ۷۹ء میں ہو رہا ہے کیونکہ دیگر کرایہ داروں کا کرایہ یکم جنوری ۷۹ء کو (شروع سال سے) بڑھایا گیا ہے۔

(۳)......مقدمہ پر جو خرچہ ہوا ہے وہ مدعیٰ علیہ ادا کرے۔

مندرجہ بالا شرائط شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟

سائل ...... مولانا محمد شریف صاحب دامت برکاتھم
مہتمم جامعہ خیر المدارس، ملتان

الجواب

(۱)......صلح کیلئے ادارہ کی طرف سے مذکورہ شرائط عائد کرنا درست نہیں ہے۔ پہلی شرط میں (یعنی ایک ہزار روپے جمع کروائیں) صفقتین فی صفقة لازم آتا ہے۔ اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً منع فرمایا ہے۔(۱)

التخریج: (۱)......فی حاشیة الهدایة: رواه احمد فی مسنده عن عبدالله بن مسعود قال نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن صفقتین فی صفقة (ہدایہ، جلد ۳، صفحہ ۶۳) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

امداد الفتاویٰ میں بھی اس قسم کی شرط عائد کرنے کو ناجائز لکھا ہے فرماتے ہیں کہ ”اگر اس پیشگی روپیہ میں قرض کی تاویل کی جائے اول تو شرطِ قرض باطل ہے“ (الخ)

(۲)......کرایہ کی زیادتی یکم جنوری سے جبراً لازم کرنا بھی درست نہیں۔ متولی کو یہ اختیار ہے کہ اگر کرایہ بہت ہی کم ہو تو اس اجارہ کو فسخ کردے اگر کرایہ دار مناسب کرایہ دینے پر رضامند نہ ہوں لیکن باقاعدہ فسخ سے پہلے وہی اجرت لازم ہوگی جو طے شدہ ہے۔ کرایہ دار اخلاقاً اس زیادتی کو قبول کر لے تو درست ہے اور انہیں مناسب بھی یہی ہے۔ وَمَن تَطَوَّعَ خَيراً فَهُوَ خَيرٌ لَّهٗ (الآیہ)

والدليل علىٰ ماقلنا مافى الشامية: وان كانت الزيادة اجر المثل...... فيفسخها المتولى، فان امتنع فالقاضى، ثم يؤجرها ممن زاد: فان كانت داراً او حانوتاً او ارضاً فارغة عرضها المستأجر فان قبلها فهو احق ولزمه الزيادة من وقت قبولها فقط قوله فقط اى لامن اول المدة اشباه بل الواجب من اولها الى وقت الفسخ الاجر المسمّٰى (الدر المختار مع الشامیہ، جلد۹، صفحہ ۳۹، ۴۰، ط: رشیدیہ جدید)

(۳) .... واجر هذه الصحيفة اللتى يكتب فيها دعوىٰ المدعى وشهادة الشهود ان رأى القاضى ان يطلب ذالک من المدعى فله ذالک والا جعله فى بيت المال، وسئل بعضهم اجرة السجل على من؟ فقال على المدعى وقال برهان الدين: ”على المدعىٰ عليه“ وقال قاضيخان: ”على من استاجر الكاتب، وان لم يستأجره احد فعلى الذى اخذ السجل“ .... واما الذى يسمى صاحب المجلس والجلواز وهو الذى نصبه القاضى حتىٰ يقعد الناس بين يديه .... فانه ياخذ من المدعى شيئاً لانه يعمل له (ہندیہ، جلد۴، صفحہ ۵۲۹)

مذکورہ جزئیات سے ظاہر ہے کہ عدالت کے ابتدائی ضروری اخراجات اور کاغذات کی تحریر وخرید کے اخراجات مدعی کے ذمہ ہیں۔ باقی ماندہ اخراجات کے بارے میں کوئی صریح جزئیہ

نہیں ملا، لہٰذا بلا ثبوت مدعیٰ علیہ پر ڈال دینا درست نہیں۔ بعض اکابر کے فتاویٰ میں مدعیٰ علیہ متمرد سے ضمان لینے کا جو جواز مذکور ہے اگر تو اس سے مراد ماذکرناہ بالدلیل کے علاوہ ہے تو گنجائش ہے ورنہ بظاہر ترجیح اکابر کے اکابر کو ہونی چاہیے، جبکہ ان کا قول موافق قیاس بھی ہے۔

شامیہ میں ہے: والحاصل: ان الصحیح ان اجرة المشخص بمعنی الملازم علی المدعی وبمعنی الرسول المحضر علی المدعیٰ علیه لو تمرد بمعنی امتنع عن الحضور، والا فعلی المدعی (شامیہ، جلد۸، صفحہ۵۶)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۸/۷/۱۳۹۹ھ

مدرسہ کی طرف سے طلباء کے مہمانوں کی تین دن میزبانی میں شرعی، انتظامی اور تعلیمی قباحتیں:

مدت سے مدرسہ عربیہ ''مفتاح العلوم'' دین کی ہر قسم کی ضروریات کی کفالت کر رہا ہے۔ اگر طلباء کے مہمان آئیں تو تین یوم تک طلباء کے طعام کی مد سے ان کو بھی طعام دیا جاتا ہے تاکہ طلباء کو مہمان نوازی میں تکلیف نہ ہو۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ مدرسہ کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم، حیدر آباد

الجواب

طلباء کا کھانا اگر مدِ زکوٰۃ سے دیا جاتا ہے تو مہمانوں کا کھانا دینے میں یہ قباحت ہے کہ ہر مہمان کا مستحقِ زکوٰۃ ہونا ضروری نہیں بلکہ غیر مستحق ہونا ظاہر ہے اور مالِ زکوٰۃ غیر مستحقین پر خرچ کرنے میں خیانت کے علاوہ یہ خرابی بھی ہے کہ اصل مالکان کی زکوٰۃ کی ادائیگی مشکل ہوگی، اور

اہل مدرسہ اس کے ذمہ دار ہونگے[1] اور اگر طعامِ مذکور مدِّ عطیہ سے ہو تو مطعمین کو اس کا علم اور اس پر رضامند ہونا ضروری ہے بدوں ان کی رضامندی کے یہ تصرف درست نہ ہوگا۔[2]

یہ تو شرعی نقطۂ نگاہ سے تھا انتظامی اور تعلیمی لحاظ سے بھی یہ مناسب نہیں کیونکہ یہ امر مہمانوں کی کثرت کا باعث ہوگا اور طلباء کی تعلیم میں نقصان کا موجب ہوگا۔ نیز مدرسہ کی مالیات پر ایک بے فائدہ بار ہوگا، مصلحت اس میں ہے کہ اسے قانون نہ بنایا جائے ہاں اگر کھانا بچ جائے اور ناظم مدرسہ کی وقتی اجازت سے کبھی کسی مہمان کو کھلایا جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ ....فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳۸۲/۱/۱۴ھ

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

زبانی مسئلہ بتانے کی اجرت لینا شرعاً جائز نہیں، البتہ جو فتویٰ تحریری دیا جائے اس کی فیس لینے کی اجازت ہے:

ایک بہت بڑی دینی درسگاہ ہے جس میں بیسیوں ملازم دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، اور ایک مدرس کو مہتمم ادارہ نے افتاء کا کام سپرد کیا ہوا ہے اور جب تعلیمی سال کی ابتداء ہوئی تو تقسیم اسباق کے وقت اس مدرس کو چھ گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ فتویٰ نویسی کیلئے دیا گیا ہے، اور افتاء کا ماہانہ الاؤنس بھی مدرسہ کی جانب سے دیا جاتا ہے۔ چند سال سے جناب مفتی صاحب فی

التخریج: (۱)......فی الدر المختار: ای مصرف الزکوٰۃ والعشر .... هو فقیر وهو من له ادنیٰ شئی وفی الشامیة: ولان الفقر شرط فی جمیع الاصناف الا العامل والمکاتب وابن السبیل (جلد۳، صفحہ۳۳۳)

(۲)......فی الشامیة: "ان شرائط الواقف معتبرة اذالم تخالف الشرع" وهو مالک فله ان یجعل ماله حیث شاء مالم یکن معصیة وله ان یخص صنفاً من الفقراء (جلد۶، صفحہ۵۶۱) (مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

فتویٰ ۲۰ روپے فیس بھی مستفتی صاحب سے وصول فرما رہے ہیں۔ (بلا اجازتِ مہتمم صاحب)

اب امر مسئول یہ ہے کہ مفتی کیلئے الاؤنس فتویٰ نویسی و مذکورہ فیس کل یا نصف لینا جائز ہے یا نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو مفتی صاحب نے جو زرِ کثیر اپنی ذات کیلئے جمع کیا ہوا ہے مدرسہ کو واپس لینا چاہیے یا نہیں؟ نیز عدم جواز کی شکل میں مہتمم مدرسہ اس کام کو بدستور سابقہ نہج پر مستقبل میں چند مہینوں کیلئے جاری رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ...... مولوی محمد اسماعیل، امام مسجد محلہ کچی ڈگی، بہاولنگر

الجواب

مفتی کیلئے فتویٰ لکھنے پر فیس حاصل کرنا جائز ہے۔ لیکن صورت مسئولہ میں شخص مذکور کو جبکہ مدرسہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے تو اب اس کیلئے یہ حاصل کردہ فیس اپنے مفاد میں استعمال کرنا جائز نہیں۔ مفتی صاحب پر لازم ہے کہ یہ وصول کردہ فیس مدرسہ میں جمع فرماویں، اور آئندہ کیلئے بھی اگر فیس وصول کریں تو اہل مدرسہ کو دے دیا کریں۔..................فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

۹/۷/۱۳۸۰ھ

واضح رہے کہ زبانی مسئلہ بتانے پر فیس لینا جائز نہیں البتہ تحریر کرنے پر جواز ہے، لیکن اولیٰ نہ لینا ہے۔ درمختار میں ہے: کالمفتی فانه یستحق الاجر المثل علی کتابة الفتوی لان الواجب علیه الجواب باللسان دون الکتابة بالبنان ومع هذا الکف اولی۔ (الدر المختار، جلد ۹، صفحہ ۱۵۵)..................والجواب صحیح

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ

صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

۲۴/۷/۱۳۸۰ھ

مدرسہ کے طلباء کا مسجد کی بجائے مدرسہ میں باجماعت نماز ادا کرنا: 4

(۱)......ایک مدرسہ ہے جس میں مسجد نہیں ہے طلباء حفظ قرآن و ناظرہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں کیا اس مدرسہ میں بغیر اذان دیئے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

(۲)......مسجد کا مؤذن چار نمازیں باجماعت پڑھتا ہے مگر صبح کی نماز گھر میں پڑھتا ہے اور عذر یہ پیش کرتا ہے کہ میں نے گھر کے افراد کو اٹھانا ہوتا ہے۔ کیا ایسے شخص کو مؤذن مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ...... علی نواز

الجواب

(۱)......محلّہ کی مسجد میں اذان ہونے کے بعد اگر یہ لوگ جماعت کرواتے ہیں تو اذان دیئے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں البتہ اذان دینا افضل ہے۔ ولایکرہ ترکھما لمن یصلی فی المصر اذا وجد فی المحلۃ ولافرق بین الواحد والجماعۃ ھکذا فی التبیین، والافضل ان یصلی بالاذان والاقامۃ کذا فی التمرتاشی. (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۵۴)

(۲)......جب مؤذن صاحب کو اذان کیلئے رکھا گیا ہے تو ان پر شرعاً لازم ہے کہ ہر اذان کے وقت اذان بھی دیں اور جماعت کے ساتھ نماز بھی پڑھیں۔ وینبغی ان یکون مواظباً علی الاذان ھکذا فی البدائع والتتارخانیہ (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۵۳)

اور مؤذن صاحب کا یہ عذر شرعاً قبول نہیں ہے اس کو چاہیے کہ گھر والوں کو نماز سے قبل اٹھایا کرے بلاعذر شرعی جماعت چھوڑنے والا گنہگار ہے۔ قالوا انما یأثم اذا اعتاد الترک (مراقی، صفحہ ۲۸۶)...................................... فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالحکیم عفی عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ	نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
مفتی خیر المدارس، ملتان	۱۴۲۸/۱/۱۸ھ

درسگاہوں میں بچوں کا قرآن پاک کی طرف پشت کرنا:

(۱)......قرآن مجید کی درسگاہوں میں اکثر تعداد کثیر ہوتی ہے سبق، سبقی اور منزل سناتے وقت طلبہ ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھے ہوتے ہیں یا کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے پاس قرآن مجید بھی ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں قرآن کو پشت ہو جاتی ہے۔

(۲)......کثیر تعداد کے پیش نظر کئی صفوں میں طلباء کو آگے پیچھے بٹھایا جاتا ہے جہاں لازماً پشت ہوتی ہے کیا یہ بات بالکل ناجائز ہے یا مجبوراً گنجائش ہے؟

سائل ...... مولوی ابوبکر صدیق، جامعہ نعمانیہ، کمالیہ

الجواب

طلباء کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں تپائی کی اگلی جانب تختیاں لگائی جائیں جو آڑ بن جائیں اور قرآن مجید کو براہ راست پیٹھ نہ ہو۔ (خیر الفتاویٰ جلد ا، صفحہ ۲۶۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۴۲۴/۱۲/۲۴ھ

مدارس کے بارے میں مختلف سوالات کا حکم شرعی:

(۱)......اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم اور احسان کے ساتھ ایک مدرسہ میں خدمت کا موقع عنایت فرمایا ہے جس میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا انتظام بھی ہے۔ پرائمری تا میٹرک وغیرہ جن کی ایک فیس مقرر کی ہوئی ہے۔ اس کی آمدنی وخرچ اور مدرسہ کی آمدنی وخرچ، کیا مشترکہ ہونا چاہیے یا علیحدہ علیحدہ؟ یعنی سکول کی حاصل کردہ آمدنی سے سکول کا خرچ کر کے باقی ماندہ رقم مدرسہ کو دیدی جائے؟

(۲)......اسی مدرسہ کے نظم کے تحت کسی اور جگہ دوسرے نام سے اس مدرسہ کی شاخ بنائی جارہی

ہے۔کیا اس کی آمدنی وخرچ بھی مشترکہ ہوگا یا علیحدہ علیحدہ؟

(٣)...... مدرسہ کے مال کے خرچ کرنے کی جس قدر احتیاط ہونی چاہیے کیا سکول کی آمدنی کے خرچ کی احتیاط بھی اسی قدر ہونی چاہیے؟ واضح رہے کہ سکول کا یہ نظام پہلے میرا ذاتی تھا پھر میں نے مدرسہ کو دیدیا۔

(٤)...... کیا یہ حاصل کردہ آمدنی میری اپنی ہوگی جو میں نے مدرسہ کو دی یا کہ مدرسہ کی ملکیت ہوگی؟

(٥)...... کیا اس مشترکہ آمدنی سے مدرسہ وسکول کیلئے کمپیوٹر خریدا جاسکتا ہے؟

(٦)...... کیا کسی استاد، استانی یا کسی اور کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنا کمپیوٹر لا کر یہاں رکھے اور اس کی آمدنی وہ خود رکھے اور مدرسہ کو بجلی کا خرچ، اندازاً طے شدہ ماہانہ دیدیا کرے۔

(٧)...... کیا کسی استاد یا استانی کو اس شرط پر رکھا جاسکتا ہے کہ "وہ فلاں کلاس کو پڑھائے اور اس کلاس کی آمدنی جتنی بھی ہوگی وہ اس کی تنخواہ ہوگی، جب کلاس کی معتدبہ تعداد ہو جائے تو وہ اپنی مرضی سے مدرسہ کو ماہانہ کچھ دیدے۔"

(٨)...... مدرسہ کی کسی استانی یا استاد کو مدرسہ کا مکان بطور رہائش دیا جاسکتا ہے؟ یا مدرسہ میں رہائش دی جاسکتی ہے؟

(٩)...... کیا کسی استاد یا استانی کو بجلی، گیس وغیرہ کی سہولت مدرسہ کی طرف سے دی جاسکتی ہے؟

(١٠)...... کوئی معلّم یا معلّمہ جو بغیر تنخواہ کے پڑھاتے ہوں اگر کبھی ان پر مشکل وقت آئے یا شادی، عید وغیرہ کے موقع پر ان کی مالی امداد بصورت تحفہ یا نقدی کی جاسکتی ہے؟

(١١)...... معلّمین کو بوقتِ فراغت تنخواہ کے علاوہ اضافی "امداد" دی جاسکتی ہے؟

(١٢)...... ایک معلّم یا معلّمہ نے بغیر تنخواہ کے پڑھانا شروع کیا بعد میں انہوں نے تنخواہ کا مطالبہ کیا کہ اب ان کے مالی حالات اچھے نہیں ہیں لہٰذا اب انہیں تنخواہ دی جائے، نیز پچھلی مدت کی تنخواہ بھی دی جائے تو کیا اب پچھلی مدت کی تنخواہ کا بھی ان کا حق بنتا ہے؟

(١٣)...... معلّمین، معلّمات، منتظمین اور منتظمات کا تنخواہ لینا جائز ہے یا محض گنجائش ہے؟

(۱۴)......مدرسہ اور سکول کیلئے ایک مکان کچھ فاصلے پر کرایہ پر لیا ہوا ہے اس مدرسہ کے ہمسائے اپنا مکان اس شرط پر کرایہ پر دینے کیلئے تیار ہیں کہ تعمیر کیلئے بطور ایڈوانس رقم دیں اس میں ان کو یہ فائدہ ہے کہ سارا کام اکٹھا ہو جائے گا آیا ایڈوانس دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۵)......ہم میاں بیوی کو اللہ پاک نے مدرسہ کی خدمت کیلئے قبول کیا ہوا ہے ہم مدرسہ سے کچھ نہیں لیتے بعض اوقات ہمیں مدرسہ میں رہائش اختیار کرنی پڑتی ہے تو مدرسہ کو استعمال کرتے ہیں (غسل خانہ، عمارت، بجلی، گیس وغیرہ) تو کیا شرعاً ہمارا ایسا کرنا جائز ہے جبکہ مدرسہ کا مکان ہمارا اپنا وقف کیا ہوا ہے اور اس کی تعمیر میں لوگوں کے عطیات بھی شامل ہیں گھر والوں کے زیور اور پلاٹ وغیرہ بیچ کر بھی اس میں شامل کیا گیا ہے اور میں نے اپنی ذاتی آمدنی اور جمع پونجی بھی شامل کی ہے۔

(۱۶)......مدرسہ سے تنخواہ دیتے وقت معلّمین کے مقرر کردہ چھٹیوں سے زیادہ چھٹیاں کرنے پر تنخواہ کاٹنی چاہیے یا نہیں، جن دنوں میں انہوں نے کام نہیں کیا ان دنوں کی تنخواہ دینی چاہیے یا نہیں؟

(۱۷)......مدرسہ کے مال سے رسائل، جرائد، اخبارات، پروگرام اور تحائف وغیرہ کا خرچہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور اسی طرح سکول کی آمدنی سے؟

(۱۸)......بعض جگہوں پر تنخواہ کا نظام نہیں بلکہ وہاں اساتذہ کرام کو ایک مدت کے بعد کچھ رقم دیدی جاتی ہے۔ تو شرعاً کون سا نظام زیادہ بہتر ہے؟ نیز اس دور میں کیا تنخواہ پر کام کرنا مناسب ہے یا بغیر تنخواہ کے؟

سائل ...... قیصر شہزاد، مدرسہ فاطمۃ الزہراء، بیرون دہلی گیٹ، ملتان

الجواب

(۱)......سکول اور مدرسہ کی آمدنی الگ الگ رکھی جائے عند الضرورت زائد از ضرورت سکول کی آمدنی کو مدرسہ میں خرچ کر لیا جائے۔

(۲)......اس شاخ کا حساب کتاب الگ رکھا جائے۔
(۳)...... جب سکول مدرسہ کا بن گیا تو وہی احتیاط رکھنی چاہیے، البتہ تملیک وغیرہ کا فرق رہے گا۔
(۴)...... بظاہر یہ آمدنی مدرسہ کی ملک ہے۔
(۵)......سکول کی آمدنی سے عند الضرورت کمپیوٹر خریدنے کی گنجائش ہے۔
(۶)......مدرسہ یا سکول کو اس کا کیا مفاد ہوگا؟
(۷)......اجرت کے مجہول ہونے کی بناء پر مذکورہ اجارہ فاسد ہے۔
(۸)...... بلا معاوضہ یا کم اجرت پر مدرسہ کی طرف سے معلّم یا معلّمہ کو رہائش دینے کی گنجائش ہے۔
(۹)......ایک حد مقرر کر دینا درست ہے۔
(۱۰)......شرعی ضابطہ کے اعتبار سے جائز نہیں۔
(۱۱)......اگر مدرسہ کسی ملازم کو فارغ کرے تو ایک تنخواہ ساتھ دینے کا اہلِ مدارس کے ہاں عرف ہے۔
(۱۲)......سابقہ تنخواہ کا مطالبہ کرنا یا اسے دینا جائز نہیں، کیونکہ حصولِ اجر مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا آئندہ کیلئے تنخواہ مقرر کر دی جائے۔
(۱۳)......حضرات متاخرین نے درس وتدریس وغیرہ پر عند الضرورت اجرت لینے کی اجازت دی ہے جبکہ متقدمین نے منع کیا ہے۔ ومشائخ بلخ جوّزوا الاستیجار علی تعلیم القرآن (ہندیہ، جلد۴، صفحہ۴۴۸، کتاب الاجارہ)

وفی الشامیة: ثم ان المتقدمین منعوا اخذ الاجرة علی الطاعات. وافتی المتأخرون بجوازہ علی التعلیم والاذان والامامة. (شامیہ، جلد۶، صفحہ۶۳۹)
(۱۴)...... یہ ایک قسم کا اقراض ہے، جبکہ متولی، مہتمم مدرسہ کی رقم کسی کو بطور قرض کے نہیں دے سکتا۔ لیس للمتولی ایداع مال الوقف والمسجد......فلو اقرضہ ضمن (البحر الرائق، جلد۵، صفحہ۴۰۱)
(۱۵)......صورت مسئولہ میں مدرسہ کی اشیاء سے انتفاع کی اجازت ہے۔
(۱۶)......مدارس کے عرف کے مطابق معتد بہ چھٹیاں ہونی چاہییں ان چھٹیوں کے علاوہ (بلا مرض) جو چھٹیاں ہوں ان پر کٹوتی ہونی چاہیے۔ بخلاف غیرھما (ای غیر یوم الجمعة ویوم الثلاثاء) من ایام الاسبوع حیث لایحل له اخذ الاجر عن یوم لم

یدرس فیه مطلقاً سواءً قدر له اجر کل یوم او لا (شامیہ، جلد ۶، صفحہ ۵۷۱)

(۱۷)......سکول کی آمدنی سے دفتر کی ضرورت کیلئے ایک آدھ اخبار خریدنے کی گنجائش ہے۔

(۱۸)......تنخواہ والا نظام بہتر ہے۔ اس دور میں خدمت کا معاوضہ اداء کرنا ہی بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۲۳/۱/۲۴ھ

بلا میٹر مسجد و مدرسہ میں بجلی کا استعمال کرنا:

ایک مولوی صاحب جو کہ کسی مدرسہ کے مہتمم ہیں انہوں نے مدرسہ کا میٹر نہیں لگوایا اور حکومت کی بجلی بلا میٹر اور بلا اجازتِ حکومت استعمال کرتے ہیں اور موٹر بھی لگوائی ہوئی ہے جس کے ذریعے سے پانی نکالتے ہیں اور اسی پانی سے مدرسہ کے طلباء اور نمازی وضوء کرتے ہیں اور اسی طرح پنکھے وغیرہ بھی لگوائے ہوئے ہیں جو نمازی اور طلباء استعمال کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سائل ...... خادم حسین

الجواب

مہتمم صاحب پر لازم ہے کہ مدرسہ میں بجلی استعمال کرنے کیلئے فوراً میٹر حاصل کرے اور حکومت سے اجازت حاصل کئے بغیر بجلی کا استعمال حرام اور ناجائز ہے۔[1] فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس، ملتان

۱۴۱۹/۲/۴ھ

طے شدہ شرط کے برخلاف مدرس کو معزول کرنا درست نہیں:

ایک مدرسہ کا قانون ہے کہ جب کسی مدرس کو علیحدہ کرنا ہو یا مدرس خود علیحدہ ہونا چاہے تو

ملازمت سے علیحدہ ہونے سے پیشتر ایک ماہ اطلاع دینی ہوگی۔ اس کے بعد عرض ہے کہ ایک مدرسہ کا معلمِ شعبۂ قرآن، ۲۱ رمضان المبارک کو تعطیل کرتا ہے، آگے اس کے ایام تعطیل تھے اس لئے جب وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا کیم شوال کو تو مدرسہ والوں کو کہہ کر نہیں گیا، البتہ اس کا کہنا ہے کہ میں دو دفعہ مدرسہ میں حاضر ہوا لیکن مدرسہ میں نہ تو مجھے ناظم صاحب ملے اور نہ ہی صدر مدرس ملے، مجبوراً گھر جانا پڑا، گھر کی مجبوریوں کی وجہ سے معذرت نامہ میں بھی دیر ہوگئی، اور وہ پندرہ شوال کو موصول ہوا اور سترہ شوال کو خود معلم پہنچا، لیکن مدرسہ والوں نے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کو معزول کر کے دوسرے مدرس کی تقرری کر دی۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ اس طرح کی

التخریج: (۱)...... مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن ابی ھریرۃؓ قال قام فینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذات یوم فذکر الغلول فعظّمہ وعظّم امرہ ثم قال لاالفینَّ احدکم یجی یو م القیامۃ علی رقبتہ بعیر لہ رغاءٌ یقول یا رسول اللّٰہ اغثنی فاقول لا املک لک شیئاً قد ابلغتک ...... لاالفینَّ احدکم یجئی یومَ القیامۃ علی رقبتہ صامت فیقول یا رسول اللّٰہ اغثنی فاقول لا املک لک شیئاً قد ابلغتک (مشکوٰۃ شریف، جلد۲، صفحہ ۳۴۹)

(مرتب مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ)

معزولی مدرسہ والوں کی جائز ہے جس میں نہ تو اپنی شرائط کی پابندی ہے اور نہ ہی دینی معلم کی عزت سمجھی جاتی ہے۔

سائل ...... مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم، حیدر آباد

الجواب

مدرس مذکور کی معزولی طے شدہ شرائط کے مطابق درست نہیں، اور شرعاً بھی اس کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ .... فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان
۱۳/۱/۱۳۸۲ھ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

ٹیلی فون اور بجلی کے محکموں کی ملی بھگت سے میٹر بند کرانا یا محکمہ ٹیلی فون کا وقت کم لکھنا کیسا

ہے؟ جبکہ یہ معاملہ مدرسہ کا ہو:

ہمارے مدرسہ میں ٹیلیفون لگ چکا ہے اب جب کہیں فون کرتے ہیں اور کال کرتے ہیں تو آپریٹر صاحب ہمارے ساتھ بایں صورت تعاون کرتے ہیں کہ کال کا بل بہت کم بنا لیتے ہیں یعنی وقت کم درج کر دیتے ہیں۔ کیا ایسا تعاون مدرسہ کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

(۲)......اسی طرح بجلی کا معاملہ ہے، مگر اس میں یہ ہوتا ہے کہ میٹر کو بند کر لیتے ہیں کچھ وقت کیلئے چھوڑ کر چلا لیتے ہیں تا کہ کچھ خرچہ ہو جائے باقی مہینہ بجلی مفت میں آ جائے اس طرح بجلی کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سائل ...... محمد عمر

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ دونوں فعل خیانت اور بددیانتی پر مبنی ہیں ہرگز ہرگز جائز نہیں ہیں۔ اہل مدرسہ اور کلرک وغیرہ دونوں مجرم ہیں اس خیانت سے محکمہ کا جتنا نقصان کیا گیا، اس کی ضمان واجب ہے، اور اس کے ساتھ توبہ، استغفار بھی لازم ہے۔.........فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس، ملتان	محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۳۹۳/۶/۱۲ھ	صدر مفتی خیر المدارس، ملتان

تمت بالخیر